تسہیل

مکمل تفسیر

بیان القرآن

۱۴۲۷ھ

حکیم الامت مجدد الملت

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ

تسہیل و تلخیص

شیخ الاسلام علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ

ادارہ تالیفات اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240)

آسان

مکمل تفسیر

بیان القرآن

۱۴۲۶ھ

حکیم الامت مجدد الملت

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ

تسہیل و تلخیص

شیخ الاسلام علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ

ادارہ تالیفات اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان

(061-4540513-4519240

آیاتُھا ۷ (۱) سُورَۃُ الفَاتِحَۃِ مَکِّیَّۃٌ (۵) رُکُوعُھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱﴾ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۲﴾ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۳﴾

سب تعریفیں اللہ کو لائق ہیں جو مربی ہیں ہر ہر عالم کے (۱) جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں جو مالک ہیں روز جزا کے (۲)

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴿۴﴾ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۵﴾ صِرَاطَ

ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے درخواست اعانت کرتے ہیں (۳) بتلا دیجئے ہم کو رستہ سیدھا (۴) رستہ اُن لوگوں کا

الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ﴿۶﴾ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴿۷﴾

کہ اُن پر آپ نے انعام فرمایا ہے (۵) نہ رستہ اُن لوگوں کا جن پر آپ کا غضب کیا گیا اور نہ اُن لوگوں کا جو رستے سے گم ہوگئے (۶)

(۱) مخلوقات کی الگ الگ جنس ایک ایک عالم کہلاتا ہے مثلاً عالم ملائکہ عالم انسان عالم جن۔

(۲) مراد روزِ جزا سے قیامت کا دن ہے کہ اس میں سب اپنے کئے ہوئے کا بدلہ پائیں گے۔

(۳) یہ بندہ کی طرف سے جناب باری میں خطاب ہے۔

(۴) مراد دین کا رستہ ہے۔

(۵) مراد دین کا انعام ہے۔ ان انعام والوں کا پتہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں دوسری جگہ بتلا دیا ہے کہ وہ انبیاء اور صدیقین اور شہدأو صالحین ہیں وہ آیت یہ ہے وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ الآية

(۶) راہِ ہدایت کو چھوڑنے کی دو وجہ ہوا کرتی ہیں ایک تو یہ کہ اُس کی پوری تحقیقات نہ کرے ضالین سے مراد ایسے لوگ ہیں۔ دوسری وجہ یہ کہ باوجود پوری تحقیقات کے اُس پر عمل نہ کرے **مغضوب علیھم** سے مراد ایسے لوگ ہیں۔ کیونکہ اچھی طرح جان بوجھ کر خلاف کرنے میں زیادہ ناراضی ہوا کرتی ہے۔

آیاتہا ۲۸۶ (۲) سورۃ البقرۃ مدنیۃ (۸۷) رکوعاتہا ۴۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

الٓمّٓ ﴿۱﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ

الم ۱ یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں ۲ راہ بتلانے والی ہے تہمارے ڈرانیوالوں کو ۳ وہ خدا سے ڈرانے والے لوگ ایسے ہیں کہ یقین

بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ

لاتے ہیں چھپی ہوئی چیزوں پر اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور جو کچھ دیا ہے ہم نے اُن کو اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ یقین رکھتے ہیں

يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾

اُس کتاب پر بھی جو آپ کی طرف اُتاری گئی ہے اور اُن کتابوں پر بھی جو آپ سے پہلے اُتاری جاچکی ہیں ۴ اور آخرت پر بھی وہ لوگ یقین رکھتے ہیں

ربط: سورۃ فاتحہ سے اس سورۃ کا ربط یہ ہے کہ اُس میں راہ ہدایت کی درخواست کی گئی تھی اور اس میں اُس درخواست کی منظوری ہے کہ لو یہ کتاب ہدایت ہے اس پر چلو الم تا ھم المفلحون

۱ ان حروف کے معانی سے عام لوگوں کو اطلاع نہیں دی گئی شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلا دیئے گئے ہوں ہم کو اللہ و رسول نے اہتمام کے ساتھ وہی باتیں بتلائی ہیں جن کے نہ جاننے سے کوئی حرج دین میں واقع ہوتا ہو چونکہ ان کے نہ جاننے سے کوئی حرج نہیں اس لئے ہم کو بھی ایسے اُمور کی تفتیش نہ چاہیے۔

۲ یعنی قرآن مجید الٰہی کتاب ہے جس کے منجانب اللہ ہونے میں کچھ شک نہیں اگرچہ کوئی نافہم اس میں شبہ رکھتا ہو کیونکہ یقینی بات کسی کے شبہ کرنے سے بھی حقیقت میں یقینی ہی رہتی ہے۔

۳ کیونکہ جس کو خوف خدا نہ ہو وہ قرآن کا بتلایا ہوا طریقہ نہیں دیکھتا۔

۴ مطلب یہ کہ اُن کا ایمان قرآن پر بھی ہے اور پہلی کتابوں پر بھی مگر عمل صرف قرآن پر ہے کیونکہ دوسری کتابیں منسوخ ہوگئی ہیں ان پر عمل جائز نہیں۔ ایمان سچا سمجھنے کو کہتے ہیں عمل کرنا دوسری بات ہے پس جتنی کتابیں اللہ تعالیٰ نے پہلے انبیاء علیہم السلام پر نازل فرمائی ہیں سب کو سچا سمجھنا فرض ہے اور شرط ایمان ہے یعنی یوں سمجھے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی تھیں وہ صحیح ہے خودغرض لوگوں نے جس قدر تبدل و تغیر کیا وہ غلط ہے

أُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولٰٓئِكَ

پس یہ لوگ ہیں ٹھیک راہ پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ملی ہے

هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور یہ لوگ ہیں پورے کامیاب بیشک جو لوگ کافر ہو چکے ہیں

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ

برابر ہیں ان کے حق میں خواہ آپ اُن کو ڈرائیں یا نہ

تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ٦

ڈرائیں وہ ایمان نہ لاویں گے

ربط: نزول قرآن کے بعد لوگوں کی تین قسمیں ہو گئیں ایک وہ جو دل اور زبان سے قرآن اور دین کو مانتے تھے۔ یہاں تک ان ہی کا ذکر تھا۔ دوسرے وہ جو نہ زبان سے مانتے تھے نہ دل سے ان کو اصطلاح قرآن میں کافر کہا جاتا ہے اب ان کا ذکر شروع ہوتا ہے تیسرے وہ لوگ جو کسی مصلحت یا دباؤ کے سبب زبان سے مانتے تھے مگر دل سے بالکل نہ مانتے تھے۔ ان کو منافق کہا جاتا ہے۔ ان کا ذکر سب سے پیچھے آئے گا۔ ان الذین تا لایؤمنون کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ کافر تو بہت سے ایمان لے آتے ہیں بات یہ ہے کہ اس آیت میں سب کافروں کا بیان نہیں بلکہ خاص ان کافروں کا ذکر ہے جن کا ایمان نہ لانا اور خاتمہ کفر پر ہونا حق تعالیٰ کو معلوم ہے۔ اور اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ ان کو عذاب الٰہی سے نہ ڈرایا جاوے اور احکام سنانے کی ضرورت نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ ان کے ایمان کی فکر نہ کریں اور ان کے ایمان نہ لانے سے مغموم نہ ہوں ان کے ایمان کی امید نہیں کوئی یوں نہ سمجھے کہ جب حق تعالیٰ نے ان کی نسبت یہ خبر دے دی کہ وہ ایمان نہ لائیں گے اور خدا تعالیٰ کی خبر کے خلاف واقع ہونا محال ہے تو اب ایمان نہ لانے میں ان کو معذور سمجھنا چاہئے بات یہ ہے کہ یہ فرمانا تو ایسا ہے جیسے طبیب حاذق کسی مریض مبتلائے دق کی نسبت کہے کہ اس کی دق درجہ چہارم میں پہنچ گئی ہے یہ اب اچھا نہ ہوگا سو ظاہر ہے کہ وہ مریض اس طبیب کے کہنے سے مدقوق نہیں ہو گیا مدقوق تو اپنی کسی بے احتیاطی کے سبب پہلے سے ہے۔ البتہ طبیب کا یہ خبر دینا خود اس کے مدقوق ہونے کی وجہ سے ہوا ہے۔ اسی طرح یہاں سمجھنا چاہئے کہ اس کافر کا ناقابل ایمان ہونا اللہ تعالیٰ کی اس خبر دینے سے نہیں ہوا بلکہ خود اللہ تعالیٰ کا یہ خبر دینا اس کافر کے ناقابل ایمان ہونے کی وجہ سے واقع ہوا۔ ناقابل ایمان ہونے کی صفت خود اس کی شرارت وعناد ومخالفت حق کے سبب پیدا ہوئی ہے۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۭ

بند لگا دیا ہے اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں پر اور اُن کے کانوں پر

وَعَلٰٓى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۡ وَّلَهُمْ

اور اُن کی آنکھوں پر پردہ ہے اور اُن کے لئے

عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ ٧ ع

سزا بڑی ہے

ختم اللہ تا عظیم اس میں بھی کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ جب حق تعالیٰ نے خود ان کے حواس کو خراب کر دیا تو پھر وہ معذور ہوں گے بات یہ ہے کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ انہوں نے شرارت وعناد اختیار کر کے خود اپنی استعداد برباد کر لی ہے سو اس تباہی استعداد کے سبب وہ خود بنے اور یہ ظاہر ہے کہ تمام افعال کا خدا تعالیٰ پیدا کرنے والا ہے جب بندہ کوئی اچھا یا برا کام کرنا چاہتا ہے تو حق تعالیٰ اس کام کو پورا کر دیتے ہیں۔ اس لئے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خالق ہونے کا بیان فرمایا ہے کہ جب انہوں نے اپنی استعداد اور قابلیت کو برباد کرنے کا قصد کر لیا ہم نے بھی بد استعدادی کی کیفیت ان کے قلوب وغیرہا میں پیدا کر دی بند لگانے سے اسی بد استعدادی کا پیدا کرنا مراد ہے۔ سو یہاں بھی ان کا یہ فعل اور قصد اس ختم کا سبب ہوا ختم الٰہی بد استعدادی کا سبب نہیں ہوا پس ان کی معذوری کی کوئی وجہ نہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ

اور اُن لوگوں میں بعضے ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخری دن پر

وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ ٨

حالانکہ وہ بالکل ایمان والے نہیں چالبازی کرتے ہیں اللہ سے اور اُن لوگوں سے جو ایمان

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا

لا چکے ہیں یعنی محض چالبازی کی راہ سے ایمان کا اظہار کرتے ہیں اور واقع میں کسی

يَخْدَعُوْنَ إِلَّآ أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ ٩ ط

کیساتھ بھی چالبازی نہیں کرتے بجز اپنی ذات کے اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے

ومن الناس تا وما کانوا مھتدین یعنی اس چالبازی کا انجام بد خود اپنے ہی کو بھگتنا پڑے گا۔

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ

اُن کے دلوں میں بڑا مرض ہے سو اور بھی بڑھا دیا اللہ تعالیٰ نے اُن کا مرض

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ

اور اُن کے لئے سزا دردناک ہے

فی قلوبهم مرض تا یکذبون مرض میں ان کی بداعتقادی و حسد اور ہر وقت کا اندیشہ وغیرہ سب آ گیا چونکہ اسلام کو روز افزوں ترقی تھی اس لئے لوگوں کے دلوں میں ساتھ ساتھ یہ امراض ترقی پاتے جاتے تھے۔

بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ

اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے اور جب اُن سے کہا جاتا ہے

لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا

کہ فساد مت کرو زمین میں تو کہتے ہیں ہم

نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ

تو اصلاح کرنے والے ہیں یاد رکھو بیشک

الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲﴾

یہی لوگ مفسد ہیں لیکن وہ اس کا شعور نہیں رکھتے

الاانهم هم المفسدون تا لایشعرون یعنی بوجہ اپنی غباوت یا شرارت کے شعور نہیں رکھتے ان لوگوں کی ایک جہالت تو اس سے معلوم ہوئی کہ اپنے عیب کو ہنر سمجھتے ہیں۔ فساد کو اصلاح بتاتے ہیں' آگے دوسری جہالت کا بیان ہے کہ دوسروں کے ہنر کو جو ایمان خالص ہے یہ لوگ عیب بتلاتے ہیں۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی ایسا ہی ایمان لے آؤ جیسا ایمان لائے ہیں

قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ

اور لوگ تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لاوینگے جیسا ایمان لائے ہیں یہ بیوقوف

واذا قیل لهم تا لایعلمون یہ شبہ نہ کیا جائے کہ منافقین تو اپنے کفر کو چھپاتے تھے پھر ایسی کفر کی باتیں مسلمانوں سے کیونکر کر سکتے تھے۔ بات یہ ہے کہ وہ ایسی بے باکانہ گفتگو غریب مسلمانوں کے سامنے کر گزرتے تھے جن سے ان کو کچھ اندیشہ نہ تھا' باوجاہت مسلمانوں کے سامنے تو وہی نفاق اور خوشامد کی باتیں کرتے رہتے تھے۔

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا

یاد رکھو یہی ہیں بے وقوف لیکن وہ اس کا علم

يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا

نہیں رکھتے اور جب ملتے ہیں وہ منافقین اُن لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں

اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا

ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب خلوت میں پہنچتے ہیں اپنے شریر سرداروں کے پاس

اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾

تو کہتے ہیں کہ ہم بیشک تمہارے ساتھ ہیں ہم تو صرف استہزاء کیا کرتے ہیں

واذالقوا الذین تامستهزء ون یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ حق تعالیٰ نے ان کا یہ قول کہ ہم ایمان لے آئے پہلے بھی نقل فرمایا ہے اور یہاں پھر نقل فرمایا تو تکرار لازم آتا ہے۔ بات یہ ہے کہ تکرار تو اسے کہتے ہیں جہاں اعادہ میں کوئی نئی غرض یا نیا فائدہ نہ ہو سو یہاں ایسا نہیں پہلے صرف ان کا عقیدہ بیان کرنا مقصود تھا کہ وہ حقیقت میں بے ایمان ہیں گو زبان سے دعوئ ایمان کا کرتے ہیں اور یہاں ان کا برتاؤ جو مسلمانوں کے ساتھ اور اپنی جماعت کے ساتھ تھا بیان کرنا مقصود ہے اور تمام قرآن میں جہاں تکرار معلوم ہوتا ہے وہاں ضرور نیا فائدہ یا نئی غرض ہوتی ہے صرف ظاہر میں تکرار ہوتا ہے۔ ورنہ حقیقت میں کوئی تکرار نہیں۔

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ

اللہ تعالیٰ ہی استہزاء کر رہے ہیں اُنکے ساتھ اور ڈھیل دیتے چلے جاتے ہیں

طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾

اُنکو کہ وہ اپنی سرکشی میں حیران سرگرداں ہو رہے ہیں

وہ استہزاء یہی ہے کہ ان کو مہلت دی گئی ہے کہ جب خوب کفر میں کامل ہو جائیں اور جرم سنگین ہو جائے دفعۃً پکڑ لئے جائیں اور حق تعالیٰ استہزاء سے پاک ہیں مگر چونکہ یہ معاملہ ان کے استہزاء کے مقابلہ میں تھا اس لئے اس کو بھی استہزاء کہہ دیا گیا

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ

یہ وہ لوگ ہیں کہ انہوں نے گمراہی لے لی ہے بجائے

بِالْهُدٰى ۪ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا

ہدایت کے تو سود مند نہ ہوئی اُن کی یہ تجارت اور نہ

كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿١٦﴾ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ

یہ ٹھیک طریقہ پر چلے ان کی حالت اس شخص کی حالت کے مشابہ ہے

الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّا أَضَاءَتْ

جس نے کہیں آگ جلائی ہو پھر جب روشن کر دیا ہو اُس آگ نے اُس شخص

مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ

کے گردا گرد کی سب چیزوں کو ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے سلب کر لیا ہو اُنکی

وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ﴿١٧﴾

روشنی کو اور چھوڑ دیا ہو اُنکو اندھیروں میں کہ کچھ دیکھتے بھالتے نہ ہوں

مثلھم تا لا یرجعون تو جس طرح یہ شخص اور اس کے ہمراہی روشنی کے بعد اندھیرے میں رہ گئے اسی طرح منافقین حق واضح ہونے کے بعد اندھیرے میں جا پھنسے اور جس طرح اندھیرے میں آگ جلانے والوں کی آنکھیں اور زبان و کان سب بیکار ہو گئے اسی طرح گمراہی میں پھنس کر منافقین کی یہ حالت ہو گئی کہ حق سے بہت دور ہو گئے ان کے کان حق بات کے سننے کے قابل نہ رہے زبان حق بات کہنے کے لائق نہ رہی اور آنکھیں حق دیکھنے کے کام کی نہ رہیں سو اب ان کے حق کی طرف رجوع ہونے کی کیا امید ہے۔ **ربط**: منافقین میں دو قسم کے لوگ تھے بعضے تو خوب دل کھول کر کفر کو اختیار کئے ہوئے تھے۔ یہ مثال مذکور ان کی تھی بعضے ایسے تھے کہ ابھی ان کو اسلام کے حق ہونے میں کبھی کبھی تردد ہوتا تھا اس کی خوبیاں دیکھ کر کچھ ادھر میلان ہو جاتا پھر غلبہ اغراض نفسانی سے وہ میلان انکار سے بدل جاتا آگے ان کی مثال دیتے ہیں۔

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿١٨﴾

بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں سو یہ اب رجوع نہ ہوں گے

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ

یا اُن منافقوں کی ایسی مثال ہے جیسے بارش ہو آسمان کی طرف سے اُس میں اندھیری بھی ہو

وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ

اور رعد و برق بھی جو لوگ اس بارش میں چل رہے ہیں

فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ

وہ ٹھونسے لیتے ہیں اپنی اُنگلیاں اپنے کانوں میں کڑک کے سبب اندیشہ

الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿١٩﴾

موت سے اور اللہ تعالیٰ احاطہ میں لئے ہوئے ہے کافروں کو

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ۭ كُلَّمَآ

برق کی یہ حالت ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی اُن کی بینائی اُس نے لی جہاں

اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ

ذرا اُن کو بجلی کی چمک ہوئی تو اُسکی روشنی میں چلنا شروع کیا اور جب

عَلَيْهِمْ قَامُوْا ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ

اُن پر تاریکی ہوئی پھر کھڑے کے کھڑے رہ گئے اور اگر اللہ تعالیٰ ارادہ کرتے

بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي

تو اُن کے گوش و چشم سب سلب کر لیتے بلاشک اللہ تعالیٰ

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٠﴾

ہر چیز پر قادر ہیں

او کصیب تا قدیر سو جس طرح یہ لوگ طوفان باراں میں کبھی چلنے سے رک جاتے ہیں کبھی موقع پا کر آگے چلنے لگتے ہیں اسی طرح یہ متردد منافقین کبھی نور اسلام کی جھلک دیکھ کر ادھر کو بڑھتے ہیں اور کبھی خود غرضی کی ظلمت میں پڑ کر حق سے رک جاتے ہیں۔ **ربط**: یہاں تک تینوں قسم کی جماعت کا بیان ہو چکا۔ اب سب کو خطاب عام کر کے وہ کام بتلاتے ہیں جس کے لئے یہ کتاب مقدس نازل کی گئی ہے جس کے دو اصول ہیں توحید و تصدیق رسالت اول توحید کی تعلیم فرماتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ

اے لوگو عبادت اختیار کرو اپنے پروردگار کی جس نے تم کو پیدا کیا

خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ

اور اُن لوگوں کو بھی کہ تم سے پہلے گذر چکے ہیں عجب نہیں کہ

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿٢١﴾

تم دوزخ سے بچ جاؤ

یایھا الناس تا تتقون شاہی محاورہ میں "عجب نہیں" لفظ وعدہ کے موقع میں بولا جاتا ہے۔ **ربط**: اس کے بعد رسالت کا مسئلہ بیان فرماتے ہیں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ نبوت کی صاف اور بے غبار دلیل معجزہ ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ رسول مقبول

صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بے شمار معجزے عطا ہوئے جن میں سب سے بڑا معجزہ قرآن شریف ہے۔ اس کے معجزہ ہونے میں مخالفین یہ شبہ کرتے تھے کہ شاید اس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود تصنیف کر لیا کرتے ہوں اس صورت میں اس کا معجزہ اور دلیل نبوت ہونا مشتبہ ہو گیا اس لئے اللہ تعالیٰ اگلی آیت میں اس اشتباہ کو رفع فرماتے ہیں تا کہ اس کا معجزہ ہونا ثابت ہو جائے پھر نبوت پر قطعی دلیل بن سکے۔

الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا

وہ ذات پاک ایسی ہے جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو فرش

وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً

اور آسمان کو چھت اور برسایا آسمان سے پانی

فَاَخْرَجَ بِہٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ ۚ

پھر پردہ عدم سے نکالا بذریعہ اُس پانی کے پھلوں کی غذا کو

فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰہِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

تم لوگوں کے واسطے اب تم مت ٹھہراؤ اللہ کے مقابل اور تم جانتے بوجھتے ہو

وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا

اور اگر تم کچھ خلجان میں ہو اُس کتاب کی نسبت جو ہم نے نازل فرمائی ہے

فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ ۪

اپنے بندۂ خاص پر تو اچھا پھر تم بنا لاؤ ایک محدود ٹکڑا جو اس کا ہم پلہ ہو

وان کنتم تا صٰدقین کیونکہ آخر تم بھی عربی زبان دان ہو بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو مشاق بھی نہیں اور تم بڑے مشاق ہو۔ جب باوجود اس کے بھی نہ بنا سکو گے تو بشرط انصاف بلا تامل ثابت ہو جائے گا کہ قرآن منجانب اللہ معجزہ ہے اور بلاشبہ آپ سچے پیغمبر ہیں اور یہی مقصود ہے۔

وَادْعُوْا شُہَدَآءَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ

اور بلاؤ اپنے حمایتیوں کو جو خدا سے الگ (تجویز کر رکھے) ہیں

اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ لَّمْ

اگر تم سچے ہو پھر اگر تم

تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا

یہ کام نہ کر سکے اور قیامت تک بھی نہ کر سکو گے

یہ سن کر کہ قیامت تک بھی نہ کر سکو گے کیسا کچھ جوش نہ آیا ہو گا اور کوئی دقیقہ کوشش میں کیوں اٹھا رکھا ہو گا پھر عاجز ہونے کی قطعی دلیل ہے اور یہ امر عادۃً محال ہے کہ کسی نے کچھ لکھا ہو اور گم ہو گیا ہو کیونکہ حامیان قرآن کی تعداد مخالفان قرآن سے ہر زمانہ میں کم رہی ہے۔ مخالف ہمیشہ زیادہ رہے ہیں سو جب قرآن بعینہٖ محفوظ چلا آ رہا ہے وہ تحریر کیسے ضائع ہو سکتی تھی پس یہ احتمال بالکل غلط ہے۔ ربط: اس آیت میں منکرین قرآن کے لئے وعید مذکور تھی آگے ماننے والوں کو بشارت سناتے ہیں۔

فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُہَا النَّاسُ

تو پھر ذرا بچتے رہیو دوزخ سے جس کا ایندھن آدمی

وَالْحِجَارَۃُ ۚ اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ ﴿۲۴﴾ وَبَشِّرِ

اور پتھر ہیں تیار ہوئی رکھی ہے کافروں کے واسطے اور خوشخبری سُنا دیجئے

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَہُمْ جَنّٰتٍ

اے پیغمبر اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور کام کرتے رہے اچھے اس بات کی کہ بیشک اُن کے واسطے بہشتیں

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْہٰرُ ؕ کُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْہَا

ہیں کہ چلتی ہوں گی اُن کے نیچے سے نہریں جب کبھی دیئے جاویں گے وہ لوگ

مِنْ ثَمَرَۃٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا ہٰذَا الَّذِیْ

اُن بہشتوں میں سے کسی پھل کی غذا تو ہر بار میں یہی کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے

رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِہٖ مُتَشَابِہًا ؕ

جو ہم کو ملا تھا اس سے پیشتر اور ملے گا بھی اُن کو دونوں بار کا پھل ملتا جلتا

وبشر الذین امنوا تا خلدون. یہ جو فرمایا کہ ان کو ملتا جلتا پھل ملے گا سو اکثر لطف کے واسطے ایسا ہو گا کہ دونوں بار کے پھلوں کی صورت ایک سی ہو گی۔ جس سے وہ یوں سمجھیں گے کہ یہ پہلی ہی قسم کا پھل ہے مگر کھانے میں مزا دوسرا ہو گا جس سے مزا اور لطف بڑھ جائے گا۔ ربط: سمجھنا چاہئے کہ مدعی کے ذمہ دو حق ہوتے ہیں ایک اپنے دعویٰ پر دلیل قائم کرنا دوسرے مخالف کی دلیل کا جواب دینا سو یہاں قرآن کے کلام الٰہی ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے اس پر دلیل تو قائم ہو چکی کہ تمام افراد بشر اس کے مقابلہ میں عاجز ہیں۔ اب بعض مخالفین قرآن کے کلام الٰہی نہ ہونے پر یوں استدلال کرتے تھے کہ اس میں بعض بہت ہی حقیر چیزوں کا ذکر ہے جیسے مکھی اور مکڑی اگر یہ اللہ کا کلام ہوتا تو ایسی ذلیل چیزوں کا ذکر اس میں کیوں ہوتا'

اور چونکہ وہ اعتراض اس عنوان سے کرتے تھے کہ (توبہ توبہ) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خدا ایسی چیزوں کے ذکر سے شرماتے نہیں تو حق تعالیٰ نے بھی جواب اسی عنوان سے دیا ہے۔

وَلَهُمْ فِيهَآ أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيهَا
اور اُنکے واسطے ان بہشتوں میں بیبیاں ہونگی صاف پاک کی ہوئی اور وہ لوگ
خٰلِدُونَ ﴿۲۵﴾ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِۦٓ أَن يَّضْرِبَ
بہشتوں میں ہمیشہ بسنے والے ہونگے ہاں واقعی اللہ تعالیٰ تو نہیں شرماتے اس بات
مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ
سے کہ بیان کریں کوئی مثال بھی خواہ مچھر کی ہو خواہ اس سے بھی بڑھی ہوئی ہو

ان اللہ لا یستحی تا من ربھم وجہ اس کی ظاہر ہے کیونکہ مثال کو مناسبت اس چیز سے ہونا چاہئے جس کی وہ مثال ہے نہ کہ مثال دینے والے سے سو قرآن شریف میں جہاں مکھی مکڑی کا ذکر آیا وہاں بت پرستی کا لچر ہونا اور بتوں کا عاجز و کمزور ہونا بیان کیا گیا ہے سو اس کی مثال میں حقیر و ضعیف چیزوں کا لانا مناسب ہوگا یا ہاتھی و اونٹ کا لانا زیبا ہوگا جس کو ذرا بھی عقل ہوگی اس کے نزدیک یہ بات بدیہی ہے۔

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ
سو جو لوگ ایمان لائے ہوئے ہیں خواہ کچھ ہی ہو وہ تو یقین کرینگے کہ بیشک یہ مثال تو بہت ہی موقع کی ہے اُنکے رب
مِن رَّبِّهِمْ ۚ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ
کی جانب سے اور رہ گئے وہ لوگ جو کافر ہو چکے سو چاہے کچھ بھی ہو جائے وہ یونہی کہتے رہیں گے وہ کون مطلب ہوگا
مَاذَآ أَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيرًا ۙ
جس کا قصد کیا ہوگا اللہ تعالیٰ نے اس حقیر مثال سے گمراہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس مثال کیوجہ سے بہتوں کو

واما الذین کفروا تا ویھدی بہ کثیرا چونکہ وہ لوگ حقیقت مثال و غرض مثال سے ناواقف نہ تھے اور یہ اعتراض محض شرارت و تمسخر کی وجہ سے کرتے تھے اس لئے حق تعالیٰ نے جواب میں مثال کی حکمت نہیں بیان فرمائی کیونکہ وہ تو بدیہی تھی بلکہ جواب میں دوسرا طرز اختیار فرمایا جو ایسے ضدی معاند لوگوں کے مقابلہ میں مناسب ہے۔ جیسے کوئی شخص جان بوجھ کر طبیب سے سوال کرے کہ یہ عینکیں کس واسطے رکھی ہیں ان سے کیا مطلب ہے اور وہ حکیم یوں جواب دے کہ ان سے مقصود یہ ہے کہ تیری آنکھیں پھوٹ جائیں اور دوسروں کی نگاہیں تیز ہوں۔ ظاہر ہے کہ عینک سے آنکھ نہیں پھوٹتی بلکہ روشنی ہی بڑھتی ہے۔ مگر بیوقوف ضدی کو کیا جواب دیا جائے اسی طرح مقصود قرآن سے صرف ہدایت ہے اس سے گمراہی نہیں ہوتی مگر یہ دوسرا نتیجہ ان معاندوں کی ضد اور جہالت کا ہے۔

وَّيَهْدِي بِهٖ كَثِيرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ إِلَّا
اور ہدایت کرتے ہیں اسکی وجہ سے بہتوں کو اور گمراہ نہیں کرتے اللہ تعالیٰ اس مثال سے
الْفٰسِقِينَ ﴿۲۶﴾ ۙ
کسی کو مگر صرف بے حکمی کرنیوالوں کو

کیونکہ بے حکمی کی نحوست سے حق طلبی کی عادت نہیں رہتی۔

الَّذِينَ يَنقُضُونَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنۢ بَعْدِ مِيثَاقِهٖ ۠
جو کہ توڑتے رہتے ہیں اس معاہدہ کو جو اللہ تعالیٰ سے کر چکے تھے اس کے استحکام کے بعد

اس عہد کا ذکر قرآن مجید میں دوسری جگہ آیا ہے کہ آدم علیہ السلام کی پشت سے سب کو نکال کر فہم و گویائی عطا کر کے ان سے توحید کا اقرار لیا۔

وَيَقْطَعُونَ مَآ أَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ أَن يُّوصَلَ
اور قطع کرتے ہیں اُن تعلقات کو کہ حکم دیا ہے اللہ نے اُن کو وابستہ رکھنے کا

اس میں تمام تعلقات شرعیہ داخل ہو گئے خواہ خدا اور بندہ کے درمیان ہوں یا باہم اقارب میں یا عام اہل اسلام یا بنی آدم یا انبیاء علیہم السلام سے ہوں۔

وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ؕ
اور فساد کرتے ہیں زمین میں

ظاہری فساد بھی کرتے تھے ظلم و بے آبروئی و حق تلفی اور باطنی فساد بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر، عداوت و حسد تو مسلموں کو بہکانا وغیرہ

أُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿۲۷﴾
پس یہی لوگ پورے خسارہ میں پڑنے والے ہیں

کیونکہ دنیا کی راحت اور آخرت کی نعمت سب ہاتھ سے دے بیٹھے اس لئے کہ عداوت و حسد سے دنیا کا عیش بھی تلخ ہو جاتا ہے۔ **ربط** : یہاں تک کفار کے اعتراض کو جو وہ قرآن پر کرتے تھے جواب مذکور سے خوب صاف کر دیا گیا اب پھر پہلے مضمون یعنی اثبات توحید کی طرف رجوع فرماتے ہیں۔

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنتُمْ أَمْوٰتًا فَأَحْيَاكُمْ ۚ
بھلا کیونکر ناسپاسی کرتے ہو اللہ کے ساتھ حالانکہ تھے تم محض بے جان (نطفہ میں جان پڑنے سے پہلے) سو تم کو

ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾

جاندار کیا پھر تم کو موت دینگے پھر زندہ کریں گے (یعنی قیامت کے دن) پھر ان ہی کے پاس لیجائے جاؤ گے

کیف تکفرون تا ترجعون ربط: اس کے بعد فرماتے ہیں کہ محسن کا حق ماننا تو طبعی امر ہے یہی سمجھ کر خدا کی طرف رجوع ہو جاؤ اس لئے اپنی عام اور خاص نعمتوں کو یاد دلاتے ہیں سو عام نعمت تو یہ ہے

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ق

وہ ذات پاک ایسی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے فائدہ کیلئے جو کچھ بھی زمین میں موجود ہے سب کا سب

ھو الذی الخ خواہ کسی قسم کا فائدہ ہو کھانے کا' پینے کا' پہننے کا' نگاہ کو تازگی بخشنے کا' نفس یا روح کو حظ (مزہ) دینے کا کسی چیز کو دیکھ کر خدا کا صحیح علم حاصل ہو جانے کا۔ پس اب کوئی چیز ایسی نہ رہی جس میں کوئی فائدہ نہ ہو اور بالفرض اگر ہم کو فائدہ معلوم بھی نہ ہو تو کیا ہوا معلوم نہ ہونے سے فائدہ کا نہ ہونا لازم نہیں آتا ممکن ہے کہ ہم کو معلوم نہ ہو کسی دوسرے کو معلوم ہو اور ممکن ہے کہ کسی کو بھی نہ معلوم ہو اور حق سبحانہ وتعالیٰ بدون ہمارے علم کے ہم کو اس سے فائدہ پہنچا رہے ہوں۔ ربط: جاننا چاہئے کہ نعمت دو قسم کی ہوتی ہے ایک ظاہری جیسے کھانا پینا وغیرہ دوسری معنوی جیسے عزت' آبرو علم وغیرہ سو یہاں تک نعمت ظاہریہ کا بیان تھا۔ اب نعمت معنویہ کا ذکر فرماتے ہیں کہ ہم نے تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو دولت علم دی اور مسجود ملائکہ بنایا اور تم کو ان کی اولاد میں ہونے کا فخر دیا اس تقریب سے اس قصہ کو پورا بیان فرماتے ہیں۔

ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ

پھر توجہ فرمائی آسمان کیطرف (یعنی اسکی تکمیل تخلیق کیطرف) سو درست کر

سَمٰوٰتٍ ط وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾ وَاِذْ

کے بنا دیئے اُن کو سات آسمان اور وہ تو سب چیزوں کے جاننے والے ہیں

قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ

اور جس وقت ارشاد فرمایا آپ کے رب نے فرشتوں سے

واذقال ربک الخ تا کہ وہ اپنی رائے ظاہر کریں ورنہ اللہ تعالیٰ تو باطن کو بھی جانتے ہیں اور حقیقت میں ان سے مشورہ لینا نہ تھا اس کی حاجت ہی کیا تھی بلکہ اس کا تو احتمال بھی محال ہے۔

اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ط

کہ ضرور میں بناؤں گا زمین میں ایک نائب

یعنی وہ میرا نائب ہوگا کہ اپنے احکام شرعیہ کے اجراء کی خدمت اسکے سپرد کرونگا۔

قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ

فرشتے کہنے لگے کہ آپ پیدا کریں گے زمین میں ایسے لوگوں کو جو فساد کریں گے اور خونریزیاں

الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ط

کریں گے اور ہم برابر تسبیح کرتے رہتے ہیں بحمد اللہ اور تقدیس کرتے رہتے ہیں آپ کی

مطلب یہ کہ ہم تو سب کے سب آپ کے فرمانبردار ہیں اور ان میں کوئی مفسد و سفاک بھی نہ ہوگا۔ اور یہ بات کسی طرح ان کو اللہ تعالیٰ نے معلوم کرا دی ہوگی سو اگر یہ کام ہمارے سپرد کیا جائے تو ہم سب مل کر اس کو انجام دے لیں گے۔ غرض جب کام انجام دینے والوں کی ایک جماعت موجود ہے تو ایک نئی مخلوق کی کیا حاجت ہے اور یہ بطور اعتراض کے نہیں کہا بلکہ مقصود اپنی فرمانبرداری اور جاں نثاری کا اظہار تھا۔

قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾

حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں جانتا ہوں اس بات کو جسکو تم نہیں جانتے

یعنی جو امر تمہارے نزدیک بنی آدم کی خلافت کے لئے مانع ہے۔ یعنی ان میں سے بعض کا مفسد و سفاک ہونا وہی امر واقع میں باعث ان کے پیدا کرنے کا ہے کیونکہ اجرائے احکام تو جب ہی ہو سکتا ہے جب کوئی اعتدال سے تجاوز کرنے والا بھی ہو اور اگرچہ یہ مادہ جنوں کے اندر بھی موجود ہے مگر ان میں مادۂ شر اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ اصلاح کی قابلیت بہت ضعیف ہے۔ تو زیادہ حصہ اصلاح و سعی کا بیکار جاتا۔ انسان میں مادۂ فساد و اصلاح دونوں مناسب طور پر موجود ہیں اس لئے اس مقصود کی تکمیل انسان ہی کی پیدائش سے ہوگی۔ ربط: تخلیق انسان کی حکمت بیان فرما کر یہ ثابت کرتے ہیں کہ ان کی اصلاح بھی آدمی ہی سے ہو سکتی ہے کیونکہ مصلح کے لئے جس خاص علم کی ضرورت ہے وہ ملائکہ کی استعداد سے خارج ہے

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى

اور علم دیدیا اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو (انکو پیدا کر کے) سب چیزوں کے اسماء کا (مع

الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ

اُن چیزوں کے خواص وآثار کے) پھر وہ چیزیں فرشتوں کے رُوبرو کر دیں پھر فرمایا

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾

کہ بتلاؤ مجھ کو اسماء ان چیزوں کے (یعنی مع اُنکے آثار وخواص کے) اگر تم سچے ہو

یعنی اپنے اس خیال میں کہ ہم اصلاح طبائع و انتظام شرائع کی خدمت جس کے لئے خلیفہ کی تجویز ہورہی ہے انجام دے سکیں گے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ آدمؑ پر اس علم کا ظاہر فرمانا جس سے ان میں خلافت کی صلاحیت پیدا ہوگئی اور فرشتوں سے پوشیدہ کرنا آدمؑ کی ترجیح کے لئے کافی نہیں کیونکہ ملائکہ کے لئے اس علم کا حصول بوجہ اس خاص استعداد کے نہ ہونے کے جو آدمؑ میں تھی اسی طرح ناممکن ہے جیسے عنین مادرزاد کو لذت جماع کا علم اور جب یہ علم ان کو حاصل نہیں ہوسکتا تو انسان کی اصلاح بھی جو خلیفہ خداوندی کا کام ہے ان سے ممکن نہ تھی۔ ربط: اس گفتگو سے ملائکہ کو اپنا عاجز ہونا تو مشاہد ہوگیا اب حق تعالیٰ کو منظور ہوا کہ آدمؑ میں اس علم خاص کی قوت ومناسبت کا ہونا بھی ملائکہ عیاناً دیکھ لیں۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ

فرشتوں نے عرض کیا کہ آپ تو پاک ہیں ہم کو علم نہیں مگر وہی جو کچھ آپ نے ہم کو علم دیا

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ يٰٓاٰدَمُ

بیشک آپ بڑے علم والے بڑے حکمت والے ہیں (کہ جسقدر جس کے لئے مصلحت جانا

اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ

اسی قدر فہم وعلم عطا فرمایا) حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے آدمؑ انکو ان چیزوں کے اسماء بتلادو

قال یآدم تا تکتمون بتلا دینے سے یہ مراد ہے کہ ان کے روبرو اس کا اظہار کردو تو اگرچہ وہ بوجہ مناسبت نہ ہونے کے سمجھ نہ سکیں گے مگر تقریر سن کر اجمالاً آدمؑ کا عالم ہونا تو ان کو معلوم ہوجائے گا۔

فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ

سو جب بتلادیئے انکو آدمؑ نے ان چیزوں کے اسماء تو حق تعالےٰ نے فرمایا (دیکھو)

اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ

میں تم سے کہتا نہ تھا کہ بیشک میں جانتا ہوں تمام پوشیدہ چیزیں آسمانوں اور زمین کی

وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور جانتا ہوں جس بات کو تم ظاہر کردیتے ہو اور جس بات کو تم دل میں رکھتے ہو

کیونکہ ہر شخص کے حالات انہی دو میں منحصر ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تمام حالات آفاقی وانفسی پر مجھ کو اطلاع ہے۔ اس میں انی اعلم تا لاتعلمون کی تفصیل مذکور ہوگئی۔ ربط جب آدمؑ کا شرف دونوں جماعتوں پر ظاہر ہوگیا تو اب حق تعالیٰ کو منظور ہوا کہ ان غیر کاملوں سے اس کامل کی کوئی ایسی تعظیم کرائی جاوے جس سے عملاً بھی ان کا کامل ہونا ظاہر ہوجاوے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا

اور جس وقت حکم دیا ہم نے فرشتوں کو (اور جنوں کو بھی) کہ سجدے میں گر جاؤ آدمؑ کے سامنے سو

اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۫ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾

سب سجدہ میں گر پڑے بجز ابلیس کے اُسنے کہنا نہ مانا اور غرور میں آ گیا اور ہوگیا کافروں میں سے

اس پر کفر کا فتویٰ اس لئے دیا گیا کہ اس نے حکم الٰہی کے مقابلہ میں تکبر اور اس کے قبول کرنے میں عار کیا اور اس کو خلاف مصلحت ٹھہرایا مسئلہ: جو شخص اس طرح حکم شرعی کے ساتھ ردوانکار کے ساتھ پیش آوے وہ کافر ہے۔

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ

اور ہم نے حکم دیا کہ اے آدمؑ رہا کرو تم اور تمہاری بی بی

یعنی حوا جن کو حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے آدم علیہ السلام کی پسلی سے کوئی مادہ لے کر بنا دیا تھا۔

الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۠

بہشت میں پھر کھاؤ دونوں اس میں سے بافراغت جس جگہ سے چاہو

خدا جانے وہ کیا درخت تھا مگر اسکے کھانے سے منع فرمادیا اور آقا کو اختیار ہے کہ اپنی چیزوں میں سے غلام کو جس چیز کے چاہے برتنے کی اجازت دے جس کی چاہے اجازت نہ دے۔

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾

اور نزدیک نہ جاؤ اس درخت کے ورنہ تم بھی اُن ہی میں شمار ہوجاؤ گے

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا

جو اپنا نقصان کر بیٹھتے ہیں پھر لغزش دیدی آدم وحوا کو شیطان نے اُس درخت کی

كَانَا فِيْهِ ۠

وجہ سے سو ہر طرف کرکے رہا اُن کو اس عیش سے جس میں وہ تھے

فازلهما تا حين یہ لغزش آدم علیہ السلام سے خطاء اجتہادی کے طور پر ہوئی کیونکہ وہ یہ سمجھ گئے کہ ممانعت میری پہلی حالت کے ساتھ مخصوص تھی جب کہ میں ضعیف القویٰ تھا اب جب کہ میرے قویٰ سب کامل ہیں اب وہ ممانعت نہیں رہی جیسا کہ بیمار کو بہت سی چیزوں سے بوجہ ضعف معدہ کے منع کردیتے ہیں بعد صحت کے وہ ممانعت نہیں رہتی ادھر شیطان نے بھی بہکانا شروع کیا کہ اس درخت کے کھانے سے حیات

ابدی یا قوت ملائکہ حاصل ہو جاتی ہے اور اس مضمون پر اللہ کی قسمیں کھا گیا جس کے نام سن کر محبت والے تو گھل ہی جاتے ہیں غرض اسباب کچھ ایسے جمع ہو گئے کہ اس درخت کے کھانے کو اس وقت ممانعت سے خارج سمجھ گئے اور کھالیا اس کا کھانا تھا اور سب عیش و آرام کا رخصت ہونا تھا۔

وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ

اور ہم نے کہا کہ نیچے اترو تم میں سے بعض بعضوں کے دشمن رہیں گے

قلنا اھبطوا تا حین ایک سزا تو ظاہری ہوئی کہ یہاں سے زمین پر جاؤ دوسری باطنی سزا ہے کہ بعضوں میں باہم عداوتیں بھی قائم رہیں گی جس سے لطف زندگی بہت کم ہو جائے گا اور اگرچہ خطاء اجتہادی اس قدر دار و گیر کے قابل نہیں ہوتی مگر جس قدر فہم و خصوصیت زیادہ ہوتی ہے اسی قدر ملامت زیادہ ہوتی ہے۔ مقرباں را بیش بود حیرانی تو یہ دار و گیر عین دلیل کمال آدم علیہ السلام اور ان کی مقبولیت کی ہے۔

وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾

اور تم کو زمین پر چندے ٹھہرنا ہے اور کام چلانا ایک میعاد معین تک

یعنی وہاں بھی جا کر دوام نہ ملے گا۔ بعد چندے وہ گھر بھی چھوڑنا پڑے گا۔ آدم علیہ السلام نے یہ خطاب و عتاب کب سنے تھے۔ نہ ایسے سنگ دل تھے۔ کہ سہار کر جاتے۔ بے چین ہو گئے اور فوراً ہی معافی کی التجا کرنے لگے۔

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ

بعد ازاں حاصل کر لئے آدمؑ نے اپنے رب سے چند الفاظ

فتلقی ادم من ربہ کلمات وہ کلمات معذرت بھی حق تعالیٰ ہی نے تعلیم فرمائے تھے۔ جیسا کہ دنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ بعض دفعہ جب نوکر اپنی خطاء پر نادم ہو کر ہاتھ جوڑ کر گردن جھکا کر آقا کے سامنے خاموش کھڑا ہو جاتا ہے اور مارے ندامت و ہیبت کے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہے اس وقت آقا رحم کھا کر خود کلمات معذرت تلقین کرتا ہے کہ اچھا اقرار کرو کہ مجھ سے قصور ہوا پھر ایسا نہ کروں گا۔ اس کے اس طرح کہہ دینے سے آقا معاف کر دیتا ہے۔

فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ

تو اللہ تعالیٰ نے رحمت کیساتھ توجہ فرمائی اُن پر (یعنی توبہ قبول کر لی)

فتاب علیہ اور حضرت حوا کی توبہ کا بیان سورۂ اعراف میں ہے۔

قالا ربنا ظلمنا الخ سو وہ بھی توبہ میں آدم علیہ السلام کے ساتھ شریک ہیں۔ مگر چونکہ ان کے روئے زمین پر آنے میں اور بھی ہزاروں حکمتیں اور مصلحتیں مضمر تھیں۔ چنانچہ پیدا کرنے سے پہلے ہی انی جاعل فی الارض الخ فرمایا گیا تھا اس لئے معافی کے بعد وہ حکم ہبوط منسوخ نہیں ہوا البتہ طرز اس کا بدل گیا کہ وہ پہلا حکم طرز حاکمانہ پر تھا اور دوسرا حکم حکیمانہ طرز پر رہا۔

إِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾

بیشک وہی ہیں بڑے توبہ قبول کرنیوالے بڑے مہربان

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ

ہم نے حکم فرمایا کہ نیچے جاؤ اس بہشت سے سب کے سب

مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ

پھر اگر آوے تمہارے پاس میری طرف سے کسی قسم کی ہدایت سو جو شخص

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾

پیروی کرے گا میری اس ہدایت کی تو نہ کچھ اندیشہ ہوگا اُن پر اور نہ ایسے لوگ غمگین ہوں گے

قلنا اھبطوا تا یحزنون یعنی قیامت کے روز یہ ثمرہ ان کو ملے گا اور مطلب اس کا یہ ہے کہ ہماری طرف سے کوئی خوفناک واقعہ ان کے ساتھ نہ ہوگا گو وہ بوجہ اپنی سعادت مندی کے ہر وقت ہم سے خائف و ترساں رہیں۔ **ربط:** یہاں تک نعمت عامہ معنویہ کا ذکر تھا اب آگے نعمت خاصہ کا ذکر فرماتے ہیں جو خاص اس وقت کے علماء کو عطاء ہوئی تھی جن میں زیادہ تر بنی اسرائیل تھے۔ اس لئے ان ہی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور وہ نعمتیں ان کو یاد دلاتے ہیں تا کہ شرما کر ایمان لے آویں۔ اور چونکہ یہ اہل علم تھے ان کے ایمان لانے سے عوام پر اچھا اثر پڑے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ

اور جو کفر کریں گے اور تکذیب کریں گے ہمارے احکام کی یہ لوگ ہوں گے

النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾ يٰبَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ

دوزخ والے وہ اس میں ہمیشہ کو رہیں گے اے بنی اسرائیل (یعنی اولاد حضرت

اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ

یعقوب علیہ السلام کی) یاد کرو تم میرے اُن احسانوں کو جو کئے میں نے تم پر

یبنی اسرائیل اذکروا الخ تا کہ ایمان لا کر اس نعمت کا حق ادا کرنا آسان ہو جائے آگے اس یاد کرنے کی مراد بتلاتے ہیں۔

وَأَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ أُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ

اور پورا کرو تم میرے عہد کو (۳) پورا کروں گا میں تمہارے عہدوں کو

واوفوا بعهدی یعنی تم نے جو مجھ سے عہد کیا تھا توریت میں جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔**ولقد اخذالله میثاق بنی اسرائیل الخ......اوف بعهدکم** یعنی جو میں نے وعدہ کیا تھا ایمان لانے پر چنانچہ اسی آیت میں مذکور ہے۔

وَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ ۝٤٠

اور صرف مجھ ہی سے ڈرو

لاکفرن عنکم سیئاتکم الیٰ قوله سواء السبیل وایای فاتقون اپنے عوام الناس معتقدوں سے مت ڈرو کہ ان کو اعتقاد نہ رہے گا ان سے آمدنی بند ہو جاوے گی آگے اس ایفائے عہد کا مطالبہ صاف لفظوں میں بیان فرماتے ہیں۔

وَآمِنُوا بِمَا أَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ

اور ایمان لے آؤ اس کتاب پر جو میں نے نازل کی ہے یعنی قرآن پر ایسی حالت میں کہ وہ سچ بتلانے والی ہے اس کتاب کو

وامنوا بما انزلت الخ یعنی قرآن مجید پر ایمان لاؤ اور تم کو اس سے وحشت نہ ہونا چاہئے کیونکہ وہ تو توریت کے کتاب الٰہی ہونے کی تصدیق کرتا ہے ہاں جس قدر اس میں تحریف ہوگئی ہے وہ خود توریت اور انجیل ہونے ہی سے خارج ہے۔

وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ ص

جو تمہارے پاس ہے (یعنی توریت کے کتاب الٰہی ہونے کی تصدیق کرتی ہے

ولاتکونوا اول کافر به یعنی تمہاری دیکھا دیکھی جتنے انکار کرتے جاویں گے ان سب میں اول بانی تم ہوگے تو قیامت تک تمام کا وبال تمہارے نامۂ اعمال میں بھی درج ہوتا رہے گا۔

وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي

اور مت بنو تم سب سے پہلے انکار کرنیوالے اس قرآن کے

ثَمَنًا قَلِيلًا ز وَإِيَّايَ فَاتَّقُونِ ۝٤١ وَلَا تَلْبِسُوا

اور مت لو بمقابلہ میرے احکام کے معاوضہ حقیر کو اور خاص مجھ ہی سے پورے طور پر ڈرو اور مخلوط

الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝٤٢

مت کرو حق کو ناحق کے ساتھ اور پوشیدہ بھی مت کرو حق کو جس حالت میں کہ تم جانتے ہو

ولاتشتروا تا تعلمون خودغرض لوگ احکام شرعیہ تبدیل دو طرح کیا کرتے ہیں۔ایک تو یہ کہ اگر قابو چلا تو اس کو ظاہر ہی نہ ہونے دیا یہ کتمان ہے اور اگر ان کے چھپائے نہ چھپ سکا تو پھر اس میں خلط ملط کیا کرتے ہیں۔یہ لبس ہے حق تعالیٰ نے دونوں سے منع کر دیا۔**ربط**: یہاں تک تو ایمان لانے اور کفر کی باتیں چھوڑنے کا حکم تھا جو کہ منجملہ اصول ہے۔اب عظیم الشان فروع اسلامیہ کا حکم فرماتے ہیں۔تاکہ مجموعہ سے تکمیل اسلام کا مقصود ہونا حاصل ہو جائے۔

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ

اور قائم کرو تم لوگ نماز کو (یعنی مسلمان ہو کر) اور دو زکوٰۃ کو اور عاجزی کرو عاجزی

الرَّاكِعِينَ ۝٤٣

کرنے والوں کے ساتھ

واقیموا الصلوة تا الراکعین اعمال دو قسم کے ہوتے ہیں ظاہری اور باطنی پھر ظاہری کی دو قسمیں ہیں عبادت بدنی، عبادت مالی ان تینوں میں سے ایک ایک کو ذکر کر دیا نماز عبادت بدنی ہے زکوٰۃ عبادت مالی ہے خشوع وخضوع عمل باطنی ہے۔اور چونکہ تواضع باطنی میں اہل تواضع کی معیت کو بڑا دخل ہے اس لئے **مع الراکعین** کا بڑھانا نہایت برمحل ہوا۔**ربط**: اب ممکن تھا کہ کسی کو یہ خیال ہو کہ شاید مخاطبین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ہی کا علم نہ ہو تو آگے ان کا اس سے واقف ہونا ظاہر فرماتے ہیں وہ لوگ اپنے بعض اقارب کو خفیہ طور پر حضور کے اتباع کی ترغیب دیا کرتے تھے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق دعوے رسالت سے بخوبی آگاہ تھے۔

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ

کیا (غضب ہے کہ) کہتے ہو اور لوگوں کو نیک کام کرنے کو (نیک کام سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ ط

وسلم پر ایمان لانا ہے) اور اپنی خبر نہیں لیتے حالانکہ تم تلاوت کرتے رہتے ہو کتاب کی

یعنی توریت کی اور اس میں جا بجا ایسے عالم بے عمل کی مذمتیں مذکور ہیں۔

أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝٤٤

تو پھر کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے

کہ ہم بھی ان مذمتوں کے مصداق بنے جاتے ہیں۔**ربط**: یہ بات ثابت ہوئی کہ ان کے پاس کوئی عذر معقول ایمان نہ لانے کے باب میں نہیں اور ایمان لانا بلاشبہ ان پر فرض ہے مگر دو خصلتیں ان کو ایمان لانے سے مانع تھیں۔ایک حب مال دوسرے حب جاہ اس لئے اس مشکل کے آسان ہو جانے کا طریقہ بتلاتے ہیں۔

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ط

اور اگر تم کو حب مال وجاہ کے غلبہ سے ایمان لانا دشوار (معلوم ہوتو) مدد لو صبر اور نماز سے

اس لئے کہ صبر سے حب مال گھٹ جائے گی اور نماز سے حب جاہ گھٹ جائے گی۔ چونکہ نماز کی قیود بہت ہی گراں گزرتی ہیں اس لئے اس کی دشواری کا علاج بتلاتے ہیں (ترجمہ دیکھو)

وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾

اور بیشک وہ نماز دشوار ضرور ہے مگر جن کے قلوب میں خشوع ہے اُن پر کچھ دشوار نہیں وہ خاشعین وہ لوگ ہیں

حاصل یہ ہے کہ نماز کی دشواری کا سبب یہ ہے کہ انسان کا قلب تخیلات و تفکرات کا خوگر ہوتا ہے اس لئے اس کو نماز کی تقییدات گراں گزرتی ہیں اور خیال وفکر ایک قسم کی حرکت ہے تو اس کا علاج سکون سے کیا گیا جو اس کی ضد ہے۔ خشوع کے معنی سکون قلب ہی کے ہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ دفعۃً قلب سے تمام تفکرات کا قطع ہونا بہت دشوار ہے۔ اس لئے اس کی صرف یہ تدبیر ہے کہ قلب کو کسی ایک خیال میں مستغرق کر دیا جائے تو دوسرے خیالات از خود منعدم ہو جائیں گے۔ جس سے حرکت قلب منقطع ہو جائے گی تو سکون قلب نصیب ہوگا جو سبب ہوگا اس کے آسان ہونے اور ہمیشہ ادا ہوتے رہنے کا۔ جس سے حب جاہ کم ہو کر مانع ایمان مرتفع ہو جائے گا۔ اس لئے اس خیال کی تعیین فرماتے ہیں (آگے ترجمہ) ربط: یہ مضمون جس کا بنی اسرائیل کو مخاطب بنایا گیا ہے یہاں تک اجمالی ہے۔ اب اس کو مفصل بیان فرماتے ہیں۔

الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ

جو خیال رکھتے ہیں اسکا کہ وہ بیشک ملنے والے ہیں اپنے رب سے اور اس بات کا بھی

رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ

خیال رکھتے ہیں کہ وہ بیشک اپنے رب کیطرف واپس جانیوالے ہیں (یعنی) اے اولاد

الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ

یعقوبؑ کی تم لوگ میری اُس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تمکو انعام میں دی تھی

یبنی اسرائیل الخ تاکہ شکر واطاعت کی تحریک ہو

الَّذِيْنَ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاتَّقُوْا

اور اس (بات) کو یاد کرو کہ میں نے تم کو تمام دنیا جہان والوں پر خاص برتاؤ میں

يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا

فوقیت دی تھی اور ڈرو تم ایسے دن سے کہ نہ تو کوئی شخص کسی شخص کیطرف سے کچھ

وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ

مطالبہ ادا کر سکتا ہے اور نہ کسی شخص کیطرف سے کوئی ۔ فارش قبول ہو سکتی ہے

یہ بھی ترجمہ ہو سکتا ہے کہ میں نے تم کو ایک بڑے حصہ زمین پر فوقیت دی تھی مثلاً اس زمانہ کے لوگوں پر اور زیادہ حصہ ان انعاموں کا مخاطبین کے باپ دادا پر ہوا ہے لیکن باپ کے ساتھ جو احسان کیا جائے ایک گونہ انتفاع اس سے اولاد کو ضرور ہوتا ہے چنانچہ مشاہدہ ہے اگلی آیت میں اطاعت نہ کرنے پر دھمکی ہے۔ جب کہ خود اس شخص میں ایمان نہ ہو جس کی سفارش کرتا ہے۔

وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور نہ کسی شخص کیطرف سے کوئی معاوضہ لیا جا سکتا ہے اور نہ اُن لوگوں کی طرفداری چل سکے گی

ولایؤخذ منها الخ اور بدوں ایمان کے سفارش قبول نہ ہونے کی صورت دوسری آیات سے یہ معلوم ہوئی کہ کوئی ان کی سفارش ہی نہ کرے گا جو قبول کی گنجائش ہو غرض کہ دنیا میں جتنے طریقے مدد کے ہو سکتے ہیں بدوں ایمان کے وہاں کچھ نہ ہوگا۔ اب یہاں سے دور تک ان خاص برتاؤں کا ذکر چلا ہے۔

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ

اور (وہ زمانہ یاد کرو) جبکہ رہائی دی ہم نے تم کو

واذنجینکم الخ یعنی تمہارے آباواجداد کو

مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ

متعلقین فرعون سے جو فکر میں لگے رہتے تھے تمہاری سخت آزاری کے گلے

يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ

کاٹتے تھے تمہاری اولاد ذکور کے اور زندہ چھوڑ دیتے تھے تمہاری عورتوں کو

ویستحیون نساء کم الخ یعنی لڑکیوں کو تاکہ زندہ رہ کر بڑی عورتیں ہو جائیں۔

وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾

اس (واقعہ) میں ایک امتحان تھا تمہارے پروردگار کی جانب سے بڑا بھاری

بلاء من ربکم الخ مراد اس واقعہ سے یا تو ذبح وقتل ہے اور مصیبت میں صبر کا امتحان ہوتا ہے یا رہائی دینا مراد ہے جو کہ ایک نعمت ہے اور نعمت میں شکر کا امتحان ہوتا ہے کسی نے فرعون سے پیشین گوئی کر دی تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک ایسا لڑکا پیدا ہوگا جس کے ہاتھوں تیری سلطنت جاتی رہے گی اس لئے اس نے نوزائیدہ لڑکوں کو قتل کرنا شروع کیا اور چونکہ لڑکیوں سے کوئی اندیشہ نہ تھا اور ان سے خدمت لینا مدنظر تھا اس لئے ان سے کوئی تعرض نہ کیا۔

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ

اور (وہ زمانہ یاد کرو) جبکہ شق کر دیا ہم نے تمہاری وجہ سے دریائے شور کو پھر ہم نے (ڈوبنے سے)

وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾

بچالیا تم کو اور غرق کر دیا متعلقین فرعون کو (مع فرعون کے) اور تم اسکا معائنہ کر رہے تھے

واذ فرقنا تا تنظرون یہ قصہ اس وقت ہوا جب کہ موسیٰ پیدا ہو کر پیغمبر بھی ہو گئے اور مدتوں فرعون کو سمجھاتے رہے جب کہ کسی طرح نہ مانا تو حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کو خفیہ لے کر یہاں سے چلے جاؤ راستہ میں سمندر ملا اور اسی وقت فرعون لشکر لے کر پیچھے سے آ پہنچا حق تعالیٰ کے حکم سے دریا شق ہو گیا یہ تو پار ہو گئے اور فرعون کے پہنچنے تک دریا اسی طرح رہا وہ بھی تعاقب کرتا ہوا اندر گھس گیا اس وقت سب طرف سے پانی سمٹ کر دریا اپنی حالت سابقہ پر ہو گیا اور فرعون اور فرعونی سب ختم ہو گئے۔

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً

اور (وہ زمانہ یاد کرو) جبکہ وعدہ کیا تھا ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا

واذ واعدنا الخ یعنی توریت دینے کے لئے پہلے تیس رات کا وعدہ ہوا تھا۔ پھر دس رات کا اضافہ ہو کر چالیس راتیں پوری ہو گئیں کیونکہ موسیٰ نے مسواک کر کے بوئے دہن زائل کر دی تھی۔

ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ

پھر تم لوگوں نے تجویز کر لیا (پرستش کیلئے) گوسالہ کو موسیٰ کے (جانے کے) بعد

ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾

اور تم نے ظلم پر کمر باندھ رکھی تھی

وانتم ظلمون الخ کہ ایسی بیجا بات کے قائل ہو گئے فرعون کے غرق کے بعد بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہمارے لئے اگر کوئی شریعت مقرر ہو تو اس کو دستور العمل بنا دیں موسیٰ علیہ السلام کے عرض کرنے سے حق تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ تم ایک ماہ کوہ طور پر آ کر عبادت کرو تو ہم تم کو کتاب دیں گے۔ موسیٰ نے ایسا ہی کیا اور کتاب مل گئی مگر مسواک کر لینے کی وجہ سے دس دن روزہ رکھنے کا اور حکم ہوا (شریعت محمدیہ میں مسواک کی روزہ میں اجازت ہے) موسیٰ تو یہاں رہے اور وہاں سامری نے چاندی یا سونے کی ایک بچھڑے کی مورت بنا کر اس میں جبریل کے گھوڑے کے قدم کے نیچے کی مٹی ڈال دی جو اس کے پاس تھی اس میں جان پڑ گئی جہلائے بنی اسرائیل نے اس کی پرستش شروع کر دی۔

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ

پھر بھی ہم نے تمہاری توبہ کرنے پر درگذر کیا تم نے اتنی بڑی بات ہوئے پیچھے اس

تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾

توقع پر کہ تم احسان مانو گے

ثم عفونا عنکم تا لعلکم تشکرون اس توقع کا یہ مطلب نہیں کہ نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کو شک تھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ معاف کر دینا ایسی چیز ہے جس سے ہر دیکھنے والے کو توقع شکر گزاری کا احتمال ہو سکتا ہے۔

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ

اور وہ (زمانہ یاد کرو) جب دی ہم نے موسیٰ کو کتاب (توریت)

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾

اور فیصلہ کی چیز اس توقع پر کہ تم راہ پر چلتے رہو

واذ اتینا تا تہتدون فیصلہ کی چیز یا تو احکام شرعیہ کو کہا جن سے تمام عقلی و اعتقادی اختلافات کا فیصلہ ہو جاتا ہے یا معجزوں کو جن سے سچ اور جھوٹ کا فیصلہ ہوتا ہے۔ یا خود توریت ہی کو فرمایا کہ اس میں کتاب ہونے کی صفت بھی ہے اور فیصلہ ہونے کی صفت بھی۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ

اور وہ (زمانہ یاد کرو) جب موسیٰ نے فرمایا اپنی قوم سے کہ اے میری قوم بیشک

ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ

تم نے اپنا بڑا نقصان کیا اپنی اس گوسالہ (پرستی) کی تجویز سے سو تم اپنے

فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ

خالق کی طرف متوجہ ہو جاؤ پھر بعض آدمی بعض آدمیوں کو قتل کرو

فاقتلوا انفسکم یعنی جنہوں نے گوسالہ پرستی نہیں کی وہ گوسالہ پرستی کرنے والوں کو قتل کریں ۱۲

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ فَتَابَ

یہ (عملدرآمد) تمہارے لئے بہتر ہوگا تمہارے خالق کے نزدیک پھر (اس عمل سے) حق تعالیٰ تمہارے

عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾

حال پر (اپنی عنایت سے) متوجہ ہوئے بیشک وہ تو ایسے ہی ہیں کہ توبہ قبول کر لیتے ہیں اور عنایت فرماتے ہیں

یہ بیان ہے اس طریق کا جو اس گناہ کی توبہ کے لئے تجویز ہوا یعنی مجرم لوگ قتل کئے جاویں چنانچہ ہماری شریعت میں بھی بعض گناہوں کی سزا باوجود توبہ کے بھی قتل مقرر ہے۔ مثلاً ثبوت زنا بالشہادۃ پر رجم کا حکم توبہ سے ساقط نہیں ہوتا۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ

اور جب تم لوگوں نے (یوں) کہا کہ اے موسیٰؑ ہم ہرگز نہ مانیں گے تمہارے کہنے سے

اس بات کو کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔

حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ

یہاں تک کہ ہم (خود) دیکھ لیں اللہ تعالیٰ کو اعلانیہ طور پر سو (اس گستاخی پر) آ پڑی تم پر کڑا کے دار بجلی اور تم

وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿٥٥﴾

(اس کا آنا) آنکھوں سے دیکھ رہے تھے

یہ قصہ اس طرح ہوا تھا کہ جب موسیٰ نے توریت لا کر پیش کی کہ یہ کتاب الٰہی ہے تو بعض گستاخوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے خود فرما دیں کہ یہ کتاب ہماری ہے تو بے شک ہم کو یقین آ جائے موسیٰ علیہ السلام باذن الٰہی ستر آدمی ان میں سے لے کر کوہ طور پر چلے وہاں انہوں نے کلام الٰہی خود سنا پھر کہنے لگے کہ خدا جانے کون بول رہا ہے۔ اگر خدا کو دیکھ لیں تو بے شک مان لیں چونکہ دنیا میں خدا کا دیدار محال ہے اس لئے اس گستاخی پر ان پر بجلی آن پڑی اور سب ہلاک ہو گئے۔

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٥٦﴾

پھر ہم نے تم کو زندہ کر اٹھایا (موسیٰؑ کی دعا سے) تمہارے مر جانے کے بعد اس توقع پر کہ تم احسان مانو گے

قصہ یہ ہوا کہ موسیٰ نے عرض کیا کہ بنی اسرائیل بدگمان قوم ہے یوں سمجھیں گے کہ میں نے ہی کسی تدبیر سے ان کا کام تمام کر دیا مجھے اس بدگمانی سے بچایئے حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ان کو پھر زندہ کر دیا۔

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ

اور سایہ فگن کیا ہم نے تم پر ابر کو (میدان تیہ میں) اور (خزانہ غیب سے) پہنچایا ہم

وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ

نے تمہارے پاس ترنجبین اور بیٹریں کھاؤ نفیس چیزوں سے جو کہ ہم نے تم کو دی ہیں

مگر وہ اس میں بھی خلاف بات کر بیٹھے

وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٥٧﴾

اور (اس سے) انہوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا لیکن اپنا ہی نقصان کرتے تھے

یہ دونوں قصے وادی تیہ میں ہوئے وہ ایک کھلا میدان تھا نہ عمارت نہ مکان بنی اسرائیل نے دھوپ کی شکایت کی تو ایک باریک سفید ابر کا سایہ کر دیا گیا بھوک کی شکایت کی تو خدا نے درختوں پر ترنجبین جو کہ ایک شیریں لطیف غذا ہے بکثرت پیدا کر دی یہ اس کو جمع کر لیتے تھے اور بیٹریں خود ان کے پاس آ جاتیں بھاگتی نہ تھیں یہ دونوں باتیں چونکہ خلاف عادت تھیں اس لئے خزانہ غیب سے قرار دی گئیں اور خلاف حکم خداوندی محض حرص کی وجہ سے وہ لوگ آئندہ کے واسطے گوشت جمع کرنے لگے تو گوشت سڑنے لگا اب تک کبھی ایسا نہ ہوا تھا اسی کو فرمایا کہ اپنا ہی نقصان کرتے تھے وادی تیہ میں یہ لوگ چالیس سال تک رہے وجہ یہ ہوئی کہ بنی اسرائیل کو فرعون کے غرق ہونے کے بعد حکم ہوا کہ اپنے اصلی وطن ملک شام پر قبضہ کرو اور قوم عمالقہ سے جو اس وقت شام پر قابض تھے جہاد کرو یہ لوگ مصر سے بارادہ جہاد چلے مگر اس میدان میں پہنچ کر صاف انکار کر دیا اور ہمت ہار بیٹھے کیونکہ عمالقہ کے زور و قوت کی باتیں کچھ تحقیق ہوئی تھیں اللہ تعالیٰ نے یہ سزا دی کہ چالیس سال تک اسی میدان میں پریشان و سرگرداں پھرتے رہے گھر بھی پہنچنا نصیب نہ ہوا ۱۲

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا

اور (یاد کرو) جبکہ ہم نے حکم کیا کہ تم لوگ اس آبادی کے اندر داخل ہو پھر کھاؤ اس (کی چیزوں میں

مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ

سے) جس جگہ تم رغبت کرو بے تکلفی سے اور (یہ بھی حکم دیا کہ) دروازے میں داخل ہونا (عاجزی

سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ

سے) جھکے جھکے اور (زبان سے یہ) کہتے جانا کہ توبہ ہے (توبہ ہے) ہم معاف کر دینگے تمہاری

وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٥٨﴾

(پچھلی) خطائیں اور ابھی ابھی مزید براں اور دیں گے دل سے نیک کام کرنیوالوں کو

اگر یہ قصہ بھی زمانہ وادی تیہ کا ہے کہ جب من و سلویٰ کھاتے کھاتے اکتا گئے اور معمولی کھانوں کی فرمائش کی تو ان کو حکم ہوا تھا ایک شہر میں جانے کا کہ وہاں معمولی چیزیں کھانے پینے کی ملیں گی تو اس قول پر بہت سے بہت یہ کہنا پڑے گا کہ آگے کا قصہ پیچھے اور پیچھے کا آگے بیان ہوا سو اس میں اشکال اس وقت ہوتا جب کہ قرآن مجید میں قصوں کا بیان بطور تاریخ کے مقصود اصلی ہوتا اور جب کہ نظر نتائج پر ہے تو اگر ایک قصہ کے بہت سے اجزاء ہیں ہر جزو کا جدا نتیجہ ہو تو ان اجزاء میں بلحاظ آثار کے کسی کو موخر کسی کو مقدم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور دوسرے مفسرین نے اس حکم کو اس شہر کے متعلق سمجھا ہے جس پر جہاد کرنے کا حکم تھا اور بعد موسیٰ کے اس پر جہاد ہوا جب کہ یوشع نبی تھے اور وہ فتح ہوا تو کچھ بھی اشکال نہیں اور ہر قول پر یہ معافی تو سب کہنے والوں کے لئے عام ہو گی اور جو اخلاص والے ہیں ان کا انعام اس کے علاوہ ہے۔

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ

سو بدل ڈالا ان ظالموں نے ایک اور کلمہ جو خلاف تھا اس کلمہ کے جس (کے

لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا

کہنے) کی اُن سے فرمائش کی گئی تھی اس پر ہم نے نازل کی اُن ظالموں پر ایک

مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾ ع

آفت سماوی اس وجہ سے کہ وہ عدول حکمی کرتے تھے

اور وہ کلمہ یہ تھا کہ حطۃ (بمعنی توبہ) کی جگہ حبۃ فی شعیرۃ کہا یعنی غلہ درمیان جو کے اور وہ آسمانی آفت طاعون تھا جو بروئے احادیث نافرمانوں کے لئے عذاب اور فرمانبرداروں کے لئے رحمت ہے۔ اور اس طاعون سے بہت سے آدمی فنا ہو گئے۔

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ

اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب (حضرت) موسیٰ نے پانی کی دعا مانگی اپنی قوم کے واسطے اس پر ہم

بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۭ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ

نے (موسیٰ کو) حکم دیا کہ اپنے اس عصا کو فلاں پتھر پر مارو (اس سے پانی نکل آئیگا) پس مارنے

عَيْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ كُلُوْا

کی دیر تھی کہ فوراً اس سے پھوٹ نکلے بارہ چشمے (اور بارہ ہی خاندان تھے بنی اسرائیل کے چنانچہ)

وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي

معلوم کر لیا ہر ہر شخص نے اپنے پانی پینے کا موقع (اور ہم نے یہ نصیحت کی کہ) کھاؤ اور پیو اور اللہ

الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۶۰﴾

تعالیٰ کے رزق سے اور حد (اعتدال سے) مت نکلو فساد (وفتنہ) کرتے ہوئے سرزمین میں

واذ استسقیٰ تا مفسدین یہ قصہ وادی تیہ کا ہے اور کھانے سے مراد من وسلویٰ ہے اور پینے سے یہی پانی پینا اور فساد وفتنہ سے ترک احکام ونافرمانی

فائدہ: قاضی بیضاوی فرماتے ہیں کہ ایسے خوارق کا انکار کرنا بڑی غلطی ہے جب بعضے پتھروں میں خلاف عقل لوہے کو جذب کرنے کی تاثیر رکھی ہے تو اگر اس پتھر میں یہ تاثیر پیدا کر دی ہو کہ زمین سے پانی جذب کر لے اور اس سے پانی نکلنے لگے تو کیا محال ہے ہمارے زمانہ کے عقلا کو اس تقریر سے منتفع ہونا چاہئے اور یہ مثال بھی محض ظاہر بینوں کے لئے ہے ورنہ خود اگر اسی پتھر کے اجزاء میں سے پانی پیدا ہو گیا ہو تو کون سا محال لازم آتا ہے جو لوگ ایسے امور کو محال سمجھتے ہیں وہ بخدا محال کی حقیقت ہی نہیں سمجھے۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ

اور جب تم لوگوں نے (یوں) کہا کہ اے موسیٰ (روز کے روز) ہم ایک ہی قسم کے کھانے

وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا

پر کبھی نہ رہیں گے (یعنی من وسلویٰ پر) آپ ہمارے واسطے اپنے پروردگار سے دعا

تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا

کریں کہ وہ ہمارے لئے ایسی چیزیں پیدا کریں جو زمین میں اُگا کرتی ہیں ساگ (ہوا)

وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ۭ قَالَ

ککڑی (ہوئی) گیہوں (ہوا) مسور (ہوئی) پیاز (ہوئی) آپ نے فرمایا کیا تم عوض میں

اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ

لینا چاہتے ہو ادنیٰ چیزوں کو ایسی چیز کے مقابلہ میں جو اعلیٰ درجہ کی ہے کسی شہر میں (جا کر)

خَيْرٌ ۭ اِھْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ۭ

اُترو (وہاں) البتہ تم کو وہ چیزیں ملینگی جن کی تم درخواست کرتے ہو اور جم گئی اُن پر

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ق

ذلت اور پستی (کہ دوسروں کی نگاہ میں قدر اور خود اُن میں اولوالعزمی نہ رہی)

وضربت علیہم الخ یعنی ایسی ایسی گستاخیوں سے ایک زمانہ میں جا کر ذلت ومسکنت نقش کی طرح جم گئی۔

وَبَاۗءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

اور مستحق ہو گئے غضب الٰہی کے (اور) یہ اس وجہ سے (ہوا) کہ وہ لوگ منکر

كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ

ہو جاتے تھے احکام الٰہیہ کے اور قتل کر دیا کرتے تھے پیغمبروں کو (کہ وہ قتل

النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ

خود اُنکے نزدیک بھی) ناحق (ہوتا) تھا

وکانوا یعتدون یہ قصہ بھی وادی تیہ کا ہے من وسلویٰ سے اکتا کر ترکاریوں اور غلوں کی درخواست کی اور اس میدان کے قریب کوئی شہر تھا وہاں جا کر رہنے کا حکم ہوا کہ بوؤ جوتو کماؤ کھاؤ اور منجملہ ذلت ومسکنت کے یہ بھی ہے کہ قرب قیامت تک یہودیوں سے سلطنت چھین لی گئی البتہ قرب

قیامت کے دجال یہودی کا چالیس دن کے لئے بے ضابطہ لٹیروں کی طرح زور شور ہوگا اس کو کوئی عاقل سلطنت نہیں کہہ سکتا اور انکو موسیٰ علیہ السلام کی معرفت یہ بات بتلا دی گئی تھی کہ اگر بے حکمی کرو گے تو ہمیشہ دوسری قوموں کے محکوم رہو گے اور یہودیوں کے ہاتھ سے مختلف اوقات میں بہت سے پیغمبر قتل ہوئے جس کو وہ خود بھی ناحق سمجھتے تھے لیکن عناد اور ضد نے اندھا بنا رکھا تھا۔ ربط: یہودی ان شرارتوں کا حال معلوم کر کے سامعین کو یا خود کسی یہودی کو یہ خیال گزر سکتا ہے کہ اب تو شاید معذرت کرنے کے بعد بھی ایمان مقبول نہ ہو اس کے دفع کے لئے ایک قانون کلی ارشاد فرماتے ہیں

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٦١﴾ ع

اور (نیز) وہ اس وجہ سے (ہوا) کہ ان لوگوں نے اطاعت نہ کی اور دائرہ (اطاعت)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى

سے نکل نکل جاتے تھے یہ تحقیقی بات ہے کہ مسلمان اور یہودی اور نصاریٰ

وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

اور فرقہ صائبین (ان سب میں) جو شخص یقین رکھتا ہو اللہ تعالیٰ کی ذات و

الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا

صفات پر اور روز قیامت پر اور کارگزاری اچھی کرے

ان الذین تا عمل صالحا موافق قانون شریعت کے

فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ

ایسوں کیلئے ان کا حق الخدمت بھی ہے اُنکے پروردگار کے پاس اور (وہاں جا

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾

کر) کسی طرح کا اندیشہ بھی نہیں اُن پر اور نہ وہ مغموم ہوں گے

ولا ہم یحزنون ترجمہ میں وہاں جا کر کی جو قید ہے اس سے وہ شبہ رفع ہوگیا کہ مقبول بندے تو اکثر خائف و غمگین رہا کرتے تھے مطلب یہ ہے کہ وہاں جا کر بوجہ بشارت ملائکہ کے حزن و غم نہ رہے گا گو اس سے پہلے ہو اور اس قانون میں بظاہر مسلمانوں کے ذکر کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ تو مسلمان ہیں ہی مگر اسے کلام میں بلاغت اور مضمون میں خاص وقعت پیدا ہوگئی اس کی ایسی مثال ہے جیسے بادشاہ یوں کہے کہ ہمارا قانون عام ہے خواہ کوئی موافق ہو یا مخالف جو اطاعت کرے گا وہ مورد عنایت ہوگا اب ظاہر ہے کہ موافق تو اطاعت کر ہی رہا ہے اس کا ذکر صرف اس نکتہ کے لئے کیا گیا کہ ہم کو جو موافقین سے تعلق ہے وہ ان کی اطاعت کی وجہ سے ہے کوئی ذاتی خصوصیت نہیں حاصل قانون کا ظاہر ہے کہ جو پوری اطاعت کرے گا خواہ پہلے کیسا ہی ہو وہ ہمارے یہاں مقبول ہے اور ظاہر ہے کہ بعد نزول قرآن کے پوری اطاعت مسلمان ہونے میں منحصر ہے مطلب یہ کہ جو مسلمان ہو جائے گا مستحق نجات اخروی کا ہوگا اس میں اس خیال کا جواب ہوگیا اور صائبین کے متعلق مختلف اقوال ہیں ان کے طرز عمل اور معتقدات کا کسی کو پورا پتہ نہیں لگا۔ واللہ اعلم۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ

اور جب ہم نے تم سے قول و قرار لیا (کہ توراۃ پر عمل کرینگے) اور ہم نے طور پہاڑ کو اٹھا کر تمہارے اُوپر

الطُّوْرَ ۭ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا

(محاذات میں) معلق کر دیا (اور کہا) کہ جلدی قبول کرو جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے مضبوطی

مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿٦٣﴾

کیساتھ اور یاد رکھو جو (احکام) اس کتاب میں ہیں جس سے توقع ہے کہ تم متقی بن جاؤ

واذاخذنا تا تتقون اس پر یہ شبہ نہ ہو کہ دین میں تو زبردستی نہیں یہاں اکراہ کیسے کیا گیا جواب نہایت واضح ہے کہ دین میں اکراہ نہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ عام کفار پر ابتداء قبول دین کیلئے اکراہ نہ کریں گے کہ یا ایمان لاؤ ورنہ مار ڈالیں گے اور یہاں تو یہ لوگ پہلے بخوشی ایمان لاچکے تھے ایسے شخص کو بجا آوری احکام پر ضرور مجبور کیا جائے گا جس کی نفی پر کوئی دلیل عقلی یا نقلی قائم نہیں اور جہاد جو ہماری شریعت میں رکھا گیا ہے اس سے مقصود قبول اسلام پر مجبور کرنا نہیں ہے کیونکہ جہاد میں ایک جزو جزیہ کا بھی ہے جس کے قبول کرنے سے جہاد رک جاتا ہے بلکہ مقصود اطاعت قانون عدل شرعی ہے جو مومنین و کفار سب کے حق میں عام ہے۔

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا

پھر تم اس قول و قرار کے بعد بھی (اس سے) پھر گئے سو اگر تم لوگوں پر خدا تعالیٰ کا

فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ

فضل اور رحم نہ ہوتا (تو اس عہد شکنی کا مقتضا تو یہ تھا کہ) ضرور تم (فوراً)

الْخٰسِرِيْنَ ﴿٦٤﴾

تباہ (اور ہلاک) ہو جاتے

ثم تولیتم تا خسرین مگر ہماری عنایت و رحمت عامہ ہے کہ حیات مستعار کے ختم ہونے تک مہلت دے رکھی ہے اور یہ رحمت عامہ دنیا میں مومن و کافر سب پر ہے جس کا اثر عافیت و راحت دنیوی ہے اور رحمت خاصہ جس کا اثر نجات و قرب ہے اس کا ظہور آخرت میں صرف مومنوں کے لئے ہوگا اور اس

آیت کے مخاطب بظاہر وہ یہودی ہیں جو زمانہ نبوی میں موجود تھے چونکہ حضور پر ایمان نہ لانا بھی عہد شکنی ہے اس لئے ان کو بھی عہد شکنوں میں داخل کر کے فرمایا گیا کہ اس پر بھی ہم نے تم پر دنیا میں کوئی ایسا عذاب نازل نہیں کیا جیسا پہلے بے ایمانوں پر ہوتا رہا ہے یہ محض خدا کی رحمت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت ہے اس مضمون کی تائید کیلئے پہلے بے ایمانوں کا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ اس کو مستبعد نہ سمجھو ایسا ہو چکا ہے اور تم کو بھی خبر ہے (ترجمہ دیکھو)

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ

اور تم جانتے ہی ہو ان لوگوں کا حال جنھوں نے تم میں سے (شرع سے) تجاوز کیا تھا دربارہ (اس حکم کے جو) یوم ہفتہ کے (متعلق تھا)

کہ وہ اس روز مچھلی کا شکار نہ کریں ۱۲

فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿٦٥﴾

سو ہم نے انکو کہہ دیا کہ تم بندر ذلیل بن جاؤ

چنانچہ وہ بندروں کے قالب میں مسخ ہو گئے۔

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا

پھر ہم نے اس کو ایک (واقعہ) عبرت (انگیز) بنا دیا ان لوگوں کیلئے بھی جو اس قوم کے معاصر تھے اور ان لوگوں کے

وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٦﴾

لیے بھی جو ما بعد زمانہ میں آتے رہے اور (نیز اس واقعہ کو) موجب نصیحت بنا دیا (خدا سے) ڈرنے والوں کیلئے

یہ واقعہ بنی اسرائیل کا داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا یہ لوگ سمندر کے کنارہ پر آباد تھے اور مچھلی کے شکار کے شوقین تھے ہفتہ کا دن معظم اور عبادت کے لئے مخصوص تھا اس دن شکار سے منع کیا گیا مگر یہ لوگ باز نہ آئے اس لئے حق تعالیٰ نے ان کو مسخ کر دیا اور تین دن پیچھے سب مر گئے اور اس مسخ میں استحالہ کی کوئی بات نہیں جب فلاسفہ جدیدہ بندر کا ترقی کر کے آدمی بن جانا ممکن کہتے ہیں تو آدمی کا تنزل کر کے بندر بن جانا کیوں محال ہوگا۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ

اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ حق تعالیٰ تم کو

اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ

حکم دیتے ہیں کہ تم ایک بیل ذبح کرو

اگر لاش کے قاتل کا پتہ لگانا چاہتے ہو

قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ

وہ لوگ کہنے لگے کہ آیا آپ ہم کو مسخرا بناتے ہیں

کہاں قاتل کی تحقیق کہاں بیل کا ذبح کرنا۔

قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٦٧﴾

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا نعوذ باللہ جو میں ایسا جہالت والوں کا سا کام کروں

کہ احکام خداوندی میں تمسخر کرنے لگوں قصہ یہ ہوا کہ بنی اسرائیل میں ایک خون ہو گیا تھا جس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ کسی نے اس مقتول کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہا تھا اس نے انکار کر دیا تو اس نے اس کو مار ڈالا لوگوں کو قاتل کا پتہ نہ چلا بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہم چاہتے ہیں کہ قاتل کا پتہ چل جائے آپ نے بحکم خداوندی ایک بیل کے ذبح کرنے کا حکم فرمایا جس سے قاتل کے سراغ ملنے کا طریقہ آئندہ آیت میں آتا ہے اس پر انہوں نے اپنی جبلت کے موافق حجتیں نکالنی شروع کیں اور یہ قصہ نزول توراۃ سے پہلے کا معلوم ہوتا ہے اس وقت تک کوئی قانون شرعی قاتل کے بارے میں نازل نہ ہوا تھا۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ

وہ لوگ کہنے لگے کہ آپ درخواست کیجئے اپنے رب سے ہم سے بیان کر دیں کہ اس

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ

(بیل) کے کیا اوصاف ہیں آپ نے فرمایا کہ وہ (میری درخواست کے جواب میں)

وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا

فرماتے ہیں کہ وہ ایسا بیل ہو کہ نہ بالکل بوڑھا ہو نہ بہت بچہ ہو (بلکہ) پٹھا ہو دونوں

مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿٦٨﴾

عمروں کے وسط میں سو اب (زیادہ حجت مت کیجو بلکہ) کر ڈالو جو تم کو حکم دیا جاتا ہے

حدیث میں ہے کہ یہ حجتیں نہ کرتے تو اتنی قیدیں ان کے ذمہ نہ ہوتیں جو بیل ذبح کر ڈالتے کافی ہو جاتا ۱۲

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ

کہنے لگے کہ (اچھا یہ بھی) درخواست کر دیجئے ہمارے لئے اپنے رب سے کہ ہم سے (یہ بھی) بیان کر دیں کہ اسکا

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ

رنگ کیسا ہو) آپ نے فرمایا کہ (اسکے متعلق) حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ ایک زرد رنگ کا بیل ہو جس کا رنگ تیز

لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿٦٩﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ

زرد ہو کہ ناظرین کو فرحت بخش ہو کہنے لگے کہ (اب کی بار اور) ہماری خاطر اپنے رب سے دریافت کر دیجئے کہ

یعنی اول بار کے سوال کا جواب ذرا واضح فرمائیں۔

يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ۭ

ہم سے بیان کردیں کہ اسکے اوصاف کیا کیا ہوں کیونکہ (گائے) اور بیل میں (قدرے) اشتباہ ہے

کہ وہ بیل معمولی ہوگا یا اور کوئی عجیب وغریب جس میں تحقیق قاتل کا خاص اثر ہو۔

وَاِنَّآ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ۝۷۰ قَالَ

اور ہم ضرور انشاءاللہ تعالیٰ (اب کی) ٹھیک سمجھ جاویں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ حق

اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا

تعالیٰ (یوں) فرماتے ہیں کہ وہ

کوئی عجیب وغریب جانور نہیں یہی معمولی ہے البتہ عمدہ ہونا چاہئے۔

بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي

نہ تو ہل میں چلا ہوا ہو جس سے زمین جوتی جاوے اور نہ اُس سے زراعت کی آبپاشی کی جاوے

الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّاشِيَةَ فِيْهَا ۭ قَالُوا الْـٰٔنَ

(غرض ہرقسم کے عیب سے) سالم ہو اور اس میں کوئی داغ نہ ہو (یہ سُن کر) کہنے لگے کہ (ہاں)

جِئْتَ بِالْحَقِّ ۭ

اب آپ نے پوری (اور صاف) بات فرمائی

القصہ ایسا جانور تلاش کرکے خریدا

فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝۷۱ ۧ وَاِذْ

پھر اس کو ذبح کیا اور (اُنکی حجتوں سے ظاہراً) کرتے ہوئے معلوم ہوتے نہ تھے اور (وہ

قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۭ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ

زمانہ یاد کرو) جب تم لوگوں (میں سے کسی) نے ایک آدمی کا خون کردیا پھر ایک دوسرے

مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝۷۲ ۚ

پر اسکو ڈالنے لگے اور اللہ تعالیٰ کو اس امر کا ظاہر کرنا منظور تھا جسکو تم مخفی رکھنا چاہتے تھے

یعنی تم میں مجرم ومشتبہ لوگ ۱۲

فَقُلْنَا

اسلئے ہم نے حکم دیا کہ اسکو

یعنی ذبح بقرہ کے بعد

اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۭ

اس (بقرہ) کے کوئی سے ٹکڑے سے چھوادو

یعنی مقتول کی لاش کو

كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ

اسی طرح حق تعالیٰ (قیامت میں) مُردوں کو زندہ کردینگے اور اللہ تعالیٰ اپنے نظائر (قدرت) تم

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۷۳

کو دکھلاتے ہیں اس توقع پر کہ تم عقل سے کام لیا کرو

چنانچہ چھوانے سے وہ زندہ ہوگیا اور اپنے قاتل کا نام بتلا کر پھر فوراً مر گیا آگے اللہ تعالیٰ بمقابلہ منکرین قیامت کے اس قصہ سے استدلال اور نظیر کے طور پر فرماتے ہیں (ترجمہ دیکھو)

ثُمَّ قَسَتْ

ایسے ایسے واقعات کے بعد

اور ایک نظیر سے دوسری نظیر کے انکار سے باز آؤ اور جو شخص مضغہ بے جان میں جان پڑنے کے طریق میں غور کریگا کہ اس کی کل حقیقت ایک بخار لطیف کا مضغہ سے چھو جانا اور متصل ہو جانا ہے وہ اس قصہ کو کسی طرح قدرت حق سے مستبعد نہ سمجھے گا اور دونوں اتصالوں میں کوئی معقول فرق بیان نہ کرسکے گا اور اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ مقتول کا بیان تعیین قاتل کے لئے کافی دلیل ہے کیونکہ اس خاص موقعہ پر وحی سے یہ معلوم ہوگیا تھا کہ مقتول کا بیان مطابق واقع کے ہوگا اور ترتیب قصہ بدلنے میں نکتہ یہ ہے کہ سننے والے سمجھ جائیں کہ قصہ کے دونوں جزو مقصود ہیں اگر دونوں مقصود نہ ہوتے تو ترتیب کیوں بدل جاتی اس واقعہ سے بنی اسرائیل کی دو بے عنوانیاں بیان کرنا چاہتے ہیں۔ ایک اخفا واردات کی کوشش کرنا دوسرے احکام خداوندی میں خواہ مخواہ حجتیں نکالنا اگر قصہ ترتیب وار بیان کیا جاتا تو ممکن تھا کہ ناظرین جزو اول کو مقصود سمجھتے اور جزو ثانی کو محض تتمہ قصہ کا خیال کرتے اور اگرچہ حق تعالیٰ کو قدرت تھی کہ مقتول کو ویسے ہی زندہ کردیتے یا خود قاتل کا پتہ بتلا دیتے مگر حق تعالیٰ کے ہر کام میں ہزاروں حکمتیں ہوتی ہیں جن کا احاطہ دشوار ہے کسی حکمت سے انہوں نے ایسا ہی طریقہ اختیار کیا ہے حدیث از مطرب دمے گو وراز دہر کم تر جو۔ کہ کس نکشو دونکشاید بحکمت ایں معمارا۔ آگے ان واقعات سے متاثر نہ ہونے پر شکایت فرماتے ہیں۔ ثم قست قلوبکم (ترجمہ دیکھو) چاہیے تھا کہ تمہارے دل بالکل نرم اور اللہ تعالیٰ کی عظمت سے پر ہوجاتے لیکن (آگے ترجمہ دیکھو)

قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ

تمہارے دل پھر بھی سخت ہی رہے تو (یوں کہنا چاہئے کہ) کہ اُنکی مثال پتھر کی سی ہے

اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ

بلکہ سختی میں (پتھر) سے بھی زیادہ سخت

کہا جاوے تو زیبا ہے زیادہ سخت اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ (آگے ترجمہ دیکھو)

وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ

بعضے پتھر تو ایسے ہیں جن سے (بڑی بڑی) نہریں پھوٹ کر چلتی ہیں اور ان ہی پتھروں میں

وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ

بعضے ایسے ہیں جو شق ہو جاتے ہیں پھر ان سے (اگر زیادہ نہیں تو تھوڑا ہی) پانی نکل آتا ہے اور

وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ

ان ہی پتھروں میں بعضے ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے اوپر سے نیچے لڑھک آتے ہیں

اور تمہارے قلوب میں کسی قسم کا اثر ہی نہیں ہوتا۔

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾

اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہیں

جو کہ قلبی قساوت کی وجہ سے صادر ہوتے ہیں بہت جلد تمہیں سزا کو پہنچاویں گے پتھروں کی ان تین اقسام میں ترتیب نہایت لطیف اور بیان مقصود میں نہایت بلیغ ہے یعنی بعض پتھروں سے مخلوق کو بڑا نفع انہار کا پہنچتا ہے ان کے قلوب ایسے بھی نہیں بعض سے تھوڑے پانی کا کم نفع پہنچتا ہے ان کے قلوب ان سے بھی سخت ہیں بعض سے گو کسی کو نفع نہیں پہنچتا مگر خود ان میں تو ایک اثر خوف کا ہے مگر ان کے قلوب میں اتنی بھی صلاحیت نہیں سبحان اللہ کیا عجیب ترتیب ہے اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ پتھروں میں تو عقل نہیں ان میں خوف وخشیت خداوندی کیسے ہو سکتی ہے جواب یہ ہے کہ خوف کیلئے عقل کی تو ضرورت نہیں کیونکہ حیوانات میں خوف کا مشاہدہ کیا جاتا ہے حالانکہ وہ بے عقل ہیں البتہ حس کی ضرورت ہے اور جمادات میں حس نہ ہونے کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ حس موقوف ہے حیات پر تو ممکن ہے کہ ان میں ایسی حیات لطیفہ ہو جس کا ہم کو ادراک نہ ہوتا ہو جیسا کہ جوہر دماغ کے احساس کا کسی کو ادراک نہیں ہوتا مگر بہت سے عقلاء دلائل سے اس کے قائل ہوئے تو ظاہر نص قرآن ان دلائل طبیہ سے قوت میں کم نہیں ہے۔

ربط: یہود کے حالات دکھلا سنا کر مسلمانوں کو خطاب فرماتے ہیں کہ ان کے مومن بنانے کی فکر وکوشش میں جو تم کلفت برداشت کرتے ہو اب یہ امید قطع کرو۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ

(اے مسلمانو) کیا یہ سارے قصے سن کر اب بھی تم توقع رکھتے ہو کہ یہ (یہودی) تمہارے کہنے سے ایمان لے آویں گے حالانکہ

ان سب مذکورہ قصوں سے بڑھ کر ایک اور بات بھی ان سے ہو چکی ہے وہ یہ کہ (آگے ترجمہ)

وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ

ان میں سے کچھ لوگ ایسے گذرے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے تھے اور پھر

اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ

اسکو کچھ کا کچھ کر ڈالتے تھے (اور) اُسکو سمجھنے کے بعد (ایسا کرتے تھے) اور

وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

(لطف یہ ہے) کہ جانتے (بھی) تھے

کہ ہم برا کر رہے ہیں محض اغراض نفسانیہ اس کارروائی کا سبب ہوئی تھیں مطلب یہ کہ جو لوگ ایسے بے باک اور اغراض نفسانیہ کے اسیر ہوں وہ کسی کے کہنے سے کب باز آنے والے ہیں اور کسی کی کب سننے والے ہیں اور گو ان میں سے بعض باتوں کا صدور ان یہود سے نہ ہوا ہو جو زمانہ نبوی میں تھے چونکہ یہ لوگ بھی اپنے اسلاف کے ان اعمال پر انکار ونفرت نہ رکھتے تھے اس لئے حکماً یہ بھی ویسے ہی ہوئے۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ج

اور جب ملتے ہیں (منافقین یہود) مسلمانوں سے تو (اُن سے تو) کہتے ہیں کہ ہم (بھی) ایمان لے

وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ

آئے ہیں اور جب تنہائی میں جاتے ہیں یہ بعضے (منافق) دوسرے بعضے (علانیہ) یہودیوں کے پاس

واذا لقوا الخ تو ان سے ان کی معیت اور ان کے ہم مشرب ہونے کا دعوی کرتے ہیں۔

قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ

تو وہ اُن سے کہتے ہیں کہ تم (یہ) کیا غضب کرتے ہو کہ مسلمانوں کو وہ باتیں بتلاتے ہو جو اللہ تعالیٰ

لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ

نے (توریت میں) تم پر منکشف کر دی ہیں

مگر ہم بمصلحت ان کو پوشیدہ رکھتے ہیں

عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۶﴾ اَوَلَا

نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ لوگ تم کو حجت میں مغلوب کر دیں گے کہ یہ مضمون اللہ کے پاس سے ہے کیا تم (اتنی موٹی بات) نہیں سمجھتے

يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ

کیاان کواس کاعلم نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کوسب خبر ہے اُن چیزوں کی بھی جن کو وہ

وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۷﴾

مخفی رکھتے ہیں اوراُنکی بھی جن کا وہ اظہار کر دیتے ہیں

منافقین کبھی ایک آدھ بات خوشامد میں اپنا صدق ایمان جتلانے کے لئے مسلمانوں سے کہہ دیتے تھے کہ توارت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت یا قرآن مجید کی خبر موجود ہے وغیرہ وغیرہ اس پر دوسرے لوگ ملامت کرتے تھے مقصود یہ ہے کہ جولوگ ایسے چالاک اور چاند پر خاک ڈالنے والے ہیں وہ تمہاری کیا مانیں گے یہ شبہ نہ ہو کہ منافقین کا یہ قول پہلے بھی آچکا ہے دوبارہ کیوں بیان کیا گیا جواب یہ ہے کہ وہاں انکا برتاؤ مسلمانوں کے ساتھ بتلانا منظور تھا یہاں ایمان کی امید قطع کرنا مقصود ہے اختلاف مقصود سے تکرار کہاں رہا اور اکثر جگہ مکررات قرآنی اسی قبیل سے ہیں اور اگر کہیں مقصود ایک بھی ہو جب بھی تاکید خود ایک نیا مقصود اور بلاغت میں مہتم بالشان چیز ہے۔ربط: اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ ان منافقوں اوران کے ملامت کرنے والوں کی حماقت ظاہر فرماتے ہیں۔

اولایعلمون توان منافقین نے اپنا کفر مسلمانوں سے چھپایا تو کیا اوران ملامت گروں نے حضورؐ کی بشارت وغیرہ کے مضامین چھپائے تو کیا حق تعالیٰ کوتو خبر ہے چنانچہ حق تعالیٰ نے دونوں مضمونوں سے مسلمانوں کو جابجا مطلع فرمایا۔ربط: ان آیات میں یہود کے خواندہ لوگوں کا ذکر ہو چکا اگلی آیت میں ناخواندوں کا ذکر فرماتے ہیں۔

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ

اوراُن (یہودیوں) میں بہت سے ناخواندہ بھی ہیں جو کتابی علم نہیں رکھتے لیکن (بلاسند)

اِلَّآ اَمَانِيَّ

دل خوش کن باتیں (بہت یاد ہیں)

ومنہم امیون الخ وجہ یہ ہے کہ کچھ توان کے علماء کی تعلیم ناقص اور گڑبڑتھی اوپر سے ان کی فہم کم پھر بجز بے بنیاد خیالات کے سچے حقائق کی تحقیق کہاں نصیب اور چونکہ ان کی اس توہم پرستی کا بڑا سبب ان کے علماء کی خیانت تھی اس لئے آگے ان کا بہ نسبت عوام کے زیادہ مستحق ملامت ہونا بیان فرماتے ہیں گوکچھ حال ان کا ابھی آچکا ہے۔

وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾

وہ لوگ اور کچھ نہیں (ویسے ہی بے بنیاد) خیالات پکالیتے ہیں

جب عوام مذکورین قابل زجر کے ہیں اور اصلی سبب ان کے جہل کے یہ علماء ہیں۔(آگے ترجمہ دیکھو)

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ

توبڑی خرابی اُنکی ہوگی جو لکھتے ہیں (بدل بدل کر) کتاب (توریت) کواپنے ہاتھوں سے پھر

بِاَيْدِيْهِمْ ۗ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ

(عوام سے) کہہ دیتے ہیں کہ یہ (حکم) خدا کی طرف سے (یوں ہی آیا) ہے (اور) غرض

عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَوَيْلٌ

(صرف) یہ ہوتی ہے کہ اس ذریعہ سے کچھ نقد قدرے قلیل وصول کرلیں سو بڑی خرابی (پیش)

لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ

آوےگی اُن کو اس کی بدولت (بھی) جسکو اُن کے ہاتھوں نے لکھا تھا اور بڑی خرابی ہوگی اُن کو

مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾

اُس (نقد) کی بدولت (بھی) جس کو وہ وصول کرلیا کرتے تھے

چونکہ لفظاً یا معنیً توریت میں کچھ پھیر پھار کر کے اپنی نفسانی اغراض پوری کرتے رہتے تھے اس لئے اس آیت میں اس حرکت پر وعید سنائی ہے۔

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا

اور یہودیوں نے (یہ بھی) کہا کہ ہرگز ہم کو آتشِ (دوزخ) چھوئے گی (بھی) نہیں مگر (بہت)

مَّعْدُوْدَةً ۭ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ

تھوڑے روز (جوانگلیوں پر) شمار کر لئے جاسکیں آپ (اُن سے) یوں فرمادیجئے کیا تم لوگوں نے حق

عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ

تعالیٰ سے (اس کے متعلق) کوئی معاہدہ لےلیا ہے جسمیں اللہ تعالیٰ اپنے معاہدہ کے خلاف نہ کریں

تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾

گے یا (ایسے ہی) اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایسی بات لگاتے ہو جس کی کوئی علمی سند اپنے پاس نہیں رکھتے

حاصل دعویٰ یہود کا یہ تھا کہ چونکہ دین موسوی ان کے زعم میں منسوخ نہیں اس لئے وہ مومن ہیں اور مومن اگر دوزخ میں کسی وجہ سے ڈالے جائیں گی تو صرف چندروز کے لئے ڈالے جائیں گے اور چونکہ اس دعویٰ کی بنیاد ہی غلط ہے کیونکہ شریعت موسویہ منسوخ ہوچکی ہے اس لئے انکار نبوت مسیحیہ ومحمدیہ سے وہ کافر ہوگئے اور کفار کے لئے بعد چندے نجات ہوجانا کسی کتاب سماوی میں نہیں جس کو حق تعالیٰ نے عہد سے تعبیر فرمایا پس

ثابت ہوا کہ دعویٰ بے دلیل بلکہ خلاف دلیل ہے رابط : آگے رد کے ساتھ ایک ضابطہ کا بیان ہے جس سے ان لوگوں کا ہمیشہ کے لئے جہنمی ہونا ثابت ہو جائے گا اور جاننا چاہئے کہ یہ ضابطہ کافر اور مومن صالح کا بیان ہوا ہے مومن بدعمل کا ضابطہ دوسری آیات و احادیث میں ہے کہ بوجہ ایمان کے کبھی نہ کبھی گناہوں کی سزا بھگت کر بہشت میں داخل ہوگا۔

بَلٰی مَنۡ کَسَبَ سَیِّئَۃً وَّ اَحَاطَتۡ بِہٖ

کیوں نہیں جو شخص قصداً بُری باتیں کرتا رہے اور اُسکو اس کی خطا (اور قصور اسطرح)

خَطِیۡٓـَٔتُہٗ فَاُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ ہُمۡ

احاطہ کرے (کہ کہیں نیکی کا اثر تک نہ رہے) سو ایسے لوگ اہل دوزخ ہوتے

فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۸۱﴾ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا

ہیں اور وہ اُس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور جو لوگ (اللہ اور رسول پر) ایمان

وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ

لاویں اور نیک عمل کریں ایسے لوگ اہل بہشت ہوتے ہیں (اور) وہ اس میں

الۡجَنَّۃِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۸۲﴾ وَ اِذۡ

ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب لیا ہم نے (توریت میں) قول و

اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ لَا تَعۡبُدُوۡنَ

قرار بنی اسرائیل سے کہ عبادت مت کرنا (کسی کی) بجز اللہ تعالےٰ کے اور ماں

اِلَّا اللّٰہَ ۟ وَ بِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا وَّ ذِی

باپ کی اچھی طرح خدمت گذاری کرنا اور اہلِ قرابت کی بھی اور بے باپ کے

الۡقُرۡبٰی وَ الۡیَتٰمٰی وَ الۡمَسٰکِیۡنِ وَ قُوۡلُوۡا

بچوں کی بھی اور غریب محتاجوں کی بھی اور عام لوگوں سے اچھی طرح (خوش خلقی

لِلنَّاسِ حُسۡنًا وَّ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا

سے) بات کہنا اور پابندی رکھنا نماز کی اور ادا کرتے رہنا زکوٰۃ پھر تم

الزَّکٰوۃَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّیۡتُمۡ اِلَّا قَلِیۡلًا مِّنۡکُمۡ

(قول و قرار کر کے) اُس سے پھر گئے بجز معدودے چند کے

بلی من کسب سیئۃ و احاطت بہ خطیئتہ ....واذاخذنا میثاق الخ یہ معدودے چند وہ لوگ ہیں جو توریت کے پورے پابند رہے کہ توریت منسوخ ہونے سے پہلے شریعت موسویہ پر قائم رہے اور بعد نسخ تورات کے شریعت محمدیہ کے متبع ہو گئے۔

وَ اَنۡتُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۸۳﴾ وَ اِذۡ اَخَذۡنَا

اور تمہاری تو معمولی عادت ہے اقرار کر کے ہٹ جانا اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب ہم نے تم سے

مِیۡثَاقَکُمۡ لَا تَسۡفِکُوۡنَ دِمَآءَکُمۡ وَ لَا

یہ قول و اقرار (بھی) لیا کہ باہم خونریزی مت کرنا اور ایک دوسرے کو

تُخۡرِجُوۡنَ

ترکِ وطن مت کرانا

واذاخذنا میثاقکم الخ ترکِ وطن کرانے کی ممانعت کے یہ معنی ہیں کہ کسی کو آزار پہنچا کر ایسا تنگ مت کرنا کہ وہ بے چارہ ترکِ وطن پر مجبور ہو جائے آگے اس حکم خاص سے ان کی عہد شکنی کا ذکر فرماتے ہیں۔

اَنۡفُسَکُمۡ مِّنۡ دِیَارِکُمۡ

پھر تم نے اقرار بھی کر لیا اور (اقرار بھی ضمناً نہیں بلکہ ایسا صریح جیسے)

ثُمَّ اَقۡرَرۡتُمۡ وَ اَنۡتُمۡ تَشۡہَدُوۡنَ ﴿۸۴﴾ ثُمَّ

تم شہادت دیتے ہو پھر (اس صریح اقرار کے بعد) تم (جیسے ہو) یہ

اَنۡتُمۡ ہٰۤؤُلَآءِ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡفُسَکُمۡ وَ تُخۡرِجُوۡنَ

(آنکھوں کے سامنے موجود ہی) ہو (کہ) قتل و قتال بھی کرتے ہو اور

فَرِیۡقًا مِّنۡکُمۡ مِّنۡ دِیَارِہِمۡ ۫ تَظٰہَرُوۡنَ

ایک دوسرے کو ترکِ وطن بھی کراتے ہو (اس طور پر کہ) اُن اپنوں کے مقابلہ

عَلَیۡہِمۡ بِالۡاِثۡمِ وَ الۡعُدۡوَانِ ؕ

میں (اُنکی مخالف قوموں کی) امداد کرتے ہو گناہ اور ظلم کے ساتھ

ثم انتم ہٰؤلاء الخ (ان دونوں حکموں کو تو یوں غارت کیا اور ایک تیسرا حکم جو سہل سمجھا اس پر عمل کرنے کو خوب تیار رہتے ہو کہ اگر کوئی قید ہو جائے تو اس کو رہا کرا دیا۔

وَ اِنۡ یَّاۡتُوۡکُمۡ اُسٰرٰی تُفٰدُوۡہُمۡ وَ ہُوَ مُحَرَّمٌ

اور اگر ان لوگوں میں سے کوئی گرفتار ہو کر تم تک پہنچ جاتا ہے تو ایسوں کو کچھ خرچ کرا کر

عَلَیۡکُمۡ اِخۡرَاجُہُمۡ ؕ

رہا کرا دیتے ہو حالانکہ یہ بات (بھی معلوم ہے) کہ تم کو اُن کا ترکِ وطن کرانا

اور قتل تو اور بھی بدرجہ اولیٰ ف مدینہ میں عرب کی دو قومیں رہتی تھیں۔ اوس وخزرج اور گردونواح میں یہود کی دو قومیں بستی تھیں بنی قریظہ اور بنی نضیر۔ بنی قریظہ کی اوس سے دوستی تھی اور بنی نضیر خزرج کے یار تھے اور اوس وخزرج میں باہم عداوت تھی جب کبھی اوس وخزرج میں باہم قتل وقتال ہوتا تو بنی قریظہ اوس کی طرف ہوتے اور بنی نضیر خزرج کی حمایت کرتے تو جہاں اوس وخزرج مارے جاتے اور خانماں آوارہ ہو جاتے ان کے دوستوں کو بھی یہ مصیبت پیش آتی۔ بنی قریظہ بنی نضیر کے ہاتھوں قتل وبرباد ہوتے اور وہ ان کے ہاتھوں البتہ اگر یہودیوں میں سے کوئی کسی کے ہاتھ میں قید ہو جاتا تو ہر ایک فریق اپنے دوستوں کو مال سے راضی کر کے اس کو رہا کرا دیتا اور جو کوئی پوچھتا تو کہتے کہ ہم پر اس کا رہا کرا دینا واجب ہے اور جو کوئی اعتراض کرتا کہ پھر ان کے قتل واخراج میں کیوں معین ہوتے ہو تو کہتے کیا کریں اپنے دوستوں کا ساتھ نہ دینے سے عار آتی ہے حق تعالیٰ نے اسی کی شکایت فرمائی ہے کہ تم کو تین حکم دیئے گئے تھے ایک قتل نہ کرنا دوسرا اخراج نہ کرنا تیسرا قیدی کو رہا کرا دینا تم نے حکم اول ودوم کو تو ضائع کر دیا اور صرف تیسرے کا اہتمام کیا گناہ اور ظلم دو لفظ لانے میں اشارہ ہوسکتا ہے کہ اس میں دو حق ضائع ہوئے ایک حق اللہ کہ حکم الٰہی کی تعمیل نہ کی دوسرے حق العباد کہ مخلوق کو بلاوجہ آزار پہنچایا۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ

نیز ممنوع ہے کیا تو (پس یوں کہو کہ) کتاب (توریت) کے بعض (احکام)

بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ

پر تم ایمان رکھتے ہو اور بعض پر ایمان نہیں رکھتے سو اور کیا سزا ہونا چاہئے ایسے

مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ

شخص کی جو تم لوگوں میں سے ایسی حرکت کرے بجز (اس کے کہ) رسوائی ہو

الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ

دنیوی زندگانی میں اور روز قیامت بڑے سخت عذاب میں ڈال دیئے جاویں

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۸۵

اور اللہ تعالیٰ کچھ بے خبر نہیں ہیں تمہارے اعمال (زشت) سے

افتؤمنون ببعض الکتب الخ اس جگہ بعض احکام پر عمل نہ کرنے کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے حالانکہ جب تک حرام کو حرام سمجھے اس کے ارتکاب سے آدمی کافر نہیں ہوتا تو وجہ اس کی یہ ہے کہ جو گناہ بہت شدید ہوتے ہیں شرعی محاورہ میں دھمکی کے لئے ان پر کفر کا اطلاق کر دیا جاتا ہے جیسے ہمارے محاورے میں کہہ دیتے ہیں کہ تو بالکل چمار ہے حالانکہ مخاطب یقیناً چمار نہیں مقصود اس کام سے نفرت دلانا ہوتا ہے یہی معنی ہیں ایسی حدیثوں کے جیسے من ترک الصلوۃ متعمداً فقد کفر اور اس جگہ دو سزاؤں کا ذکر ہے ایک دنیوی سو اس کا ظہور اس طرح ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانہ میں بنی قریظہ بوجہ نقض معاہدہ کے قتل وقید کئے گئے اور بنی نضیر ملک شام کی طرف جلاوطن کئے گئے بنی قریظہ کا قصہ سورہ احزاب میں اور بنی نضیر کا سورہ حشر میں آئے گا ۱۲

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا

یہ وہ لوگ ہیں کہ انہوں نے احکام کی مخالفت کر کے) دوسری زندگانی (کے حظوظ) کو لے لیا ہے

بِالْاٰخِرَةِ ۡ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا

بعوض (نجات) آخرت کے سو نہ تو اُنکی سزا میں (کچھ) تخفیف کی جاویگی اور نہ کوئی

اولٰئک الذین الخ اور وجہ اس سزا کی ان کیلئے یہ ہے کہ (آگے ترجمہ دیکھو)

هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝۸۶ ع

اُن کی طرفداری (پیروی) کرنے پاوے گا

یعنی وکیل مختار یا دوست رشتہ دار

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا

اور ہم نے (اے بنی اسرائیل)

ولقد اتینا الخ تمہاری ہدایت کے لئے ہمیشہ سے بڑے بڑے سامان کئے سب سے اول (آگے ترجمہ)

مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ

موسیٰ علیہ السلام کو کتاب (توریت) دی اور (پھر) انکے بعد درمیان میں یکے بعد دیگرے (برابر

بِالرُّسُلِ ۡ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ

مختلف) پیغمبروں کو بھیجتے رہے اور (پھر) ہم نے عیسیٰ بن مریم کو (نبوت کے) واضح دلائل

انجیل ومعجزات

وَاَيَّدْنٰهُ

عطا فرمائے اور ہم نے اُنکو روح القدس

یعنی جبرائیل علیہ السلام

بِرُوْحِ

سے تائید دی

جوالگ بجائے خود ایک دلیل واضح تھے۔

الْقُدُسِ ؕ

کیا

تعجب کی بات نہیں کہ اس پر بھی تم سرکشی کرتے رہے قرآن وحدیث میں جابجا حضرت جبرائیل علیہ السلام کو روح القدس کہا گیا ہے جیسے قل نزلہ روح القدس اور جیسے یہ شعر حضرت حسان کا حدیث میں وجبریل رسول اللہ فینا و روح القدس لیس لہ کفاء اور جبرائیل علیہ السلام کے واسطے سے عیسیٰ علیہ السلام کی تائید کئی طور پر ہوئی اول پیدائش کے بعد مس شیطان سے بچایا پھر ان کے دم کرنے سے حمل عیسوی قرار پایا پھر یہود کثرت سے آپ کے دشمن تھے جبرئیل حفاظت کے لئے ساتھ رہتے تھے یہاں تک کہ آخر میں ان ہی کے ذریعہ سے آسمان پر اٹھا لئے گئے یہود نے بہت پیغمبروں کی تکذیب کی اور یحیٰی اور زکریا علیہما السلام کو قتل بھی کیا۔

اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى

جب کبھی (بھی) کوئی پیغمبر تمہارے پاس ایسے احکام لائے جن کو تمہارا دل نہ چاہتا

اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ز

تھا (جب ہی) تم نے تکبر کرنا شروع کر دیا سو بعضوں کو تو تم نے (نعوذ باللہ) جھوٹا

وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا

بتلایا اور بعضوں کو (بے دھڑک) قتل ہی کر ڈالتے تھے اور وہ (یہودی افتخار سے)

غُلْفٌ ؕ

کہتے ہیں کہ ہمارے قلوب محفوظ ہیں

وقالوا قلوبنا الخ ایسے کہ ان میں مخالف مذہب کا ذرا اثر ہی نہیں ہوتا تو ہم اپنے مذہب پر خوب پختہ ہیں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ محفوظی اور پختگی نہیں ۱۲

بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ

(بلکہ) اُنکے کفر کے سبب اُن پر خدا کی مار ہے

کہ اسلام جو مذہب حق ہے اس سے نفور اور مذہب منسوخ پر مصر ہیں

فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

سو بہت ہی تھوڑا سا ایمان رکھتے ہیں

اور تھوڑا سا ایمان مقبول نہیں پس وہ کافر ہی ٹھہرے اور اس تھوڑے ایمان کو لغت کے اعتبار سے ایمان کہہ دیا کہ لغت میں ذرا سی تصدیق کو بھی ایمان کہہ سکتے ہیں ورنہ شرعی ایمان یہ ہے کہ جملہ احکام شرعیہ کا یقین کیا جائے ایک حکم کا انکار بھی ہو تو وہ ایمان نہیں کفر ہے تو یہ لوگ گو خدا کے قائل تھے اور قیامت کے قائل تھے اور اسی کو تھوڑا سا ایمان کہا گیا ہے مگر نبوت محمدیہؐ اور قرآن کے کتاب الٰہی ہونے کے منکر تھے اس لئے پورا ایمان نہیں تھا بلکہ شرعاً وہ لوگ کافر تھے۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ

اور جب اُنکو ایک ایسی کتاب پہنچی (یعنی قرآن) جو منجانب اللہ ہے (اور) اُس

لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ

(کتاب) کی (بھی) تصدیق کرنیوالی ہے جو (پہلے سے) اُنکے پاس ہے (یعنی

عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ صلے

توریت) حالانکہ اُس کے قبل خود بیان کیا کرتے تھے کفار سے

ولما جاء ھم الخ یعنی مشرکین عرب سے کہ ایک نبی آنے والے اور ایک کتاب لانے والے ہیں۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ز

مگر پھر جب وہ چیز آ پہنچی جس کو وہ (جانتے) پہچانتے ہیں

فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾

اُس کا (صاف) انکار کر بیٹھے سو (بس) خدا کی مار ہو ایسے منکروں پر

جو جان بوجھ کر محض تعصب کے سبب انکار کریں اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جب وہ قرآن کو اور رسول کو برحق جانتے تھے تو ان کو مومن کہنا چاہئے پھر کافر کیسے کہا گیا جواب یہ ہے کہ جس طرح حق کو باطل جاننا کفر ہے ویسے ہی باوجود حق جاننے کے انکار کرنا بھی کفر ہے دوسرے ان کا یہ علم اضطراری تھا جس سے انکا دل کراہت بھی کرتا تھا اس کا نام ایمان نہیں ایمان یہ ہے کہ باختیار خود بخوشی تصدیق کر کے تسلیم کیا جائے اور قرآن کو مصدق تورات اس لئے فرمایا کہ تورات میں جو پیشین گوئیاں بعثت محمدیہؐ اور نزول قرآن کے متعلق تھیں نزول قرآن سے ان کا سچا ہونا ظاہر ہو گیا پس تورات کا ماننے والا قرآن وصاحب قرآن کی تکذیب کر ہی نہیں سکتا ۱۲ **ربط**: آگے بیان فرماتے ہیں کہ جو وہ جان بوجھ کر انکار کرتے ہیں اس کا سبب حسد ہے۔

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ

وہ حالت (بہت ہی) بری ہے جسکو اختیار کر کے وہ اپنی جانوں کو

بئسما اشتروا الخ بزعم خود عذاب آخرت سے بچانا چاہتے ہیں ۱۲

اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

چھڑانا چاہتے ہیں (اور وہ حالت) یہ (ہے) کہ کفر کرتے ہیں ایسی چیز کا جو حق تعالےٰ نے نازل فرمائی

ایک سچے پیغمبر پر یعنی قرآن اور وہ انکار بھی محض اس ضد پر (آگے ترجمہ دیکھو)

بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى

محض (اسی) ضد پر کہ اللہ تعالےٰ اپنے فضل سے جس بندہ پر

مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ

اُس کو منظور ہو نازل فرماتے ہیں

یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کچھ نازل فرمادے۔ اس حسد بالائے کفر سے (آگے ترجمہ دیکھو) ۱۲

فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ

تو یہ لوگ غضب بالائے غضب کے مستحق ہو گئے اور ان کفر کرنیوالوں کو ایسی سزا ہوگی

عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾

جس میں (علاوہ تکلیف کے) ذلت بھی ہے

اور عذاب میں ذلت کی قید سے کفار ہی کے ساتھ یہ عذاب خاص ہو گیا کیونکہ مومن گناہ گار کو جو عذاب ہوگا وہ محض گناہوں سے پاک صاف کرنے کے لئے ہوگا ذلت مقصود نہ ہوگی **ربط**: آگے ان کا ایک قول بیان فرماتے ہیں جس سے کفر بھی ثابت ہوتا ہے اور حسد بھی مترشح ہوتا ہے

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم ایمان لاؤ (ان تمام) کتابوں پر جو اللہ تعالیٰ نے (متعدد پیغمبروں پر) نازل فرمائی ہیں

واذا قیل لھم اٰمنوا الخ اور ان ہی میں سے قرآن بھی ہے

قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ

تو کہتے ہیں ہم تو (صرف) اُس (ہی) کتاب پر ایمان لائینگے جو ہم پر نازل کی گئی ہے

بِمَا وَرَآءَهٗ ۤ وَھُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا

(یعنی توریت) اور جتنی اُسکے علاوہ ہیں اُن سب کا انکار کرتے ہیں حالانکہ وہ بھی حق ہیں اور تصدیق

لِّمَا مَعَهُمْ ۭ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ

کرنیوالی بھی ہیں اُن کی جو اُنکے پاس ہیں (یعنی توراۃ کی) آپ کہیے کہ (اچھا تو) پھر کیوں

اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۱﴾

قتل کرتے تھے اللہ کے پیغمبروں کو پہلے زمانہ میں اگر تم (توراۃ پر) ایمان رکھنے والے تھے

بواسطہ موسیٰ علیہ السلام کے ۱۲

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام تم لوگوں کے پاس صاف صاف دلیلیں لائے (مگر) اس پر بھی

اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ

تم لوگوں نے گوسالہ کو (معبود) تجویز کر لیا موسیٰ علیہ السلام کے (طور پر جانے کے) بعد

ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾

اور تم (اس تجویز میں) ستم ڈھا رہے تھے

یہود کے اس قول کا حق تعالیٰ نے تین طرح پر رد فرمایا اول یہ کہ جب اور کتابوں کا حق ہونا بھی دلیل قطعی سے ثابت ہے پھر اس کے انکار کی کیا وجہ؟ دوسرے اور کتابیں مثلاً قرآن ہی جب تورات کی مصدق ہے تو اس کی تکذیب سے خود تورات کی تکذیب لازم آتی ہے جیسا کہ ابھی اس کا بیان گزر چکا ہے تیسرے تمہارے گروہ کے لوگوں نے جن کو تم مقتدا اور پیشوا مانتے ہو انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا اور انبیاء کو قتل کرنا تمام کتب سماویہ کی رو سے کفر ہے قاتل تو کافر بالتورات تھے ہی مگر تم نے بھی جب ان سے بغض نہ رکھا اور ان کو مقتدا مانا تو براہ راست تورات سے کفر کیا غرض ہر پہلو سے تمہارا دعویٰ ایمان بر توریت غلط ہے یہود کا یہ قول کفر تو ہے ہی مگر اس طرز کلام سے حسد بھی مترشح ہوتا ہے کہ جو ہم پر نازل کی گئی اسی کو مانیں گے آگے حق تعالیٰ اسی قول کو دوسرے طریقے سے رد فرماتے ہیں ولقد جاء کم الخ بینات سے مراد وہ دلیلیں ہیں جو نزول تورات سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کے صدق پر قائم ہو چکی تھیں جیسے عصا، ید بیضا اور فلق البحر وغیرہ اور گو یہ قصہ گوسالہ پرستی وغیرہ کا پہلے بھی آ چکا ہے مگر وہاں ان کے معاملات قبیحہ کا بتلانا مقصود تھا اور یہاں ان کے دعویٰ ایمان کی تکذیب مقصود ہے۔ فائدہ بدل جانے سے تکرار نہ رہا حاصل کلام یہ ہے کہ تم ایمان کے مدعی ہو مگر یہ فعل تو صریح شرک تھا جس سے موسیٰؑ کی اور اللہ تعالیٰ کی تکذیب صراحۃً لازم آئی اور گوسالہ پرستی وغیرہ کا خطاب یہودان زمانہ نبوی سے یا اس لئے ہے کہ وہ ان کے حامی تھے یا یہ مطلب ہے کہ جب تمہارے سلف ایسے تھے تو تم سے کفر بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم چنداں عجیب نہیں ۱۲

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ

اور وہ (زمانہ یاد کرو) جب ہم نے تمہارا قول و قرار لیا تھا اور طور کو تمہارے (سروں کے) اُوپر لا کھڑا

الطُّوۡرَ ؕ خُذُوۡا مَآ اٰتَيۡنٰكُمۡ بِقُوَّةٍ وَّاسۡمَعُوۡا ؕ

کیا تھا (اور حکم دیا کہ) لو جو کچھ (احکام) ہم تم کو دیتے ہیں ہمت (اور پختگی) کے ساتھ اور سُنو

واذاخذنا میثاقکم الخ ان احکام کو دل سے

قَالُوۡا سَمِعۡنَا وَعَصَيۡنَا ق

اُسوقت انھوں نے زبان سے (تو) کہہ دیا کہ ہم نے سُن لیا

قبول کرلیا مگر چونکہ واقع میں یہ بات دل سے نہ تھی اس لئے گویا بزبان حال یوں بھی کہہ رہے تھے کہ (آگے ترجمہ)

وَاُشۡرِبُوۡا فِىۡ قُلُوۡبِهِمُ الۡعِجۡلَ بِكُفۡرِهِمۡ ؕ

اور ہم سے عمل نہ ہوگا اور (وجہ اسکی یہ ہے کہ) اُنکے قلوب میں وہی گوسالہ پیوست ہوگیا تھا اُنکے کفر (سابق) کی وجہ سے

اور وجہ اس بددلی کی یہ تھی کہ (آگے ترجمہ)

قُلۡ بِئۡسَمَا يَاۡمُرُكُمۡ بِهٖۤ اِيۡمَانُكُمۡ

آپ فرما دیجئے کہ یہ افعال بہت بُرے ہیں جن کی تعلیم تمہارا ایمان تم کو کر رہا ہے

جبکہ دریائے شور سے اتر کر انہوں نے ایک بت قوم کو دیکھ کر درخواست کی تھی کہ ہمارے لئے بھی کوئی ایسا ہی مجسم معبود تجویز کر دیا جائے۔ دیکھ لیا تم نے اپنے ایمان کی کرتوتوں کو

اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۹۳﴾

اگر تم (اب بھی) اہل ایمان ہو

یعنی یہ ایمان نہیں حاصل ان اسباب کی ترتیب کا یہ ہوا کہ اول دریائے شور سے اتر کر ان سے ایک کلمہ کفر صادر ہوا پھر اس سے اگرچہ توبہ کرلی مگر اعلیٰ درجہ کی توبہ نہ ہونے سے اس کی کچھ ظلمت قلب میں باقی رہ گئی جو ترقی پا کر گوسالہ پرستی کا سبب بن گئی جس سے بعض تو قتل ہی ہوگئے اور شاید بعض کی بلا قتل معافی ہوگئی ان کی توبہ بھی کچھ ضعیف ہوئی ہوگی اور جو گوسالہ پرستی سے بچے رہے چونکہ انہوں نے ان گوسالہ پرستی سے اس قدر نفرت نہیں کی جتنی کہ چاہئے تھی ایک گونہ اثر اس معصیت کا بوجہ ایک گونہ رضا کے ان کے قلب میں بھی رہا بہرحال ان اسباب نے دلوں میں پھر کجی پیدا کی جس سے عہد کے وقت رفع طور کی نوبت آئی اور قبول کے وقت زبان و دل موافق نہ ہوئے بعض یہودی دعویٰ کرتے تھے کہ آخرت کی نعمتیں خالص ہمارا ہی حق ہیں اس کے رد کے لئے آگے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم (ترجمہ دیکھو)

قُلۡ اِنۡ كَانَتۡ لَـكُمُ الدَّارُ الۡاٰخِرَةُ

آپ کہہ دیجئے کہ اگر (بقول) تمہارے عالم آخرت

عِنۡدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنۡ دُوۡنِ النَّاسِ

محض تمہارے ہی لئے نافع ہے بلا شرکت غیرے تو تم (اس کی تصدیق کیلئے

فَتَمَنَّوُا الۡمَوۡتَ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۹۴﴾

ذرا) موت کی تمنا کر (کے دکھلا) دو اگر تم (اس دعویٰ میں) سچے ہو

ہم ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ (آگے ترجمہ)

وَلَنۡ يَّتَمَنَّوۡهُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتۡ

اور وہ ہرگز کبھی اس (موت) کی تمنا نہ کریں گے بوجہ (خوف سزا) اُن اعمال (کفریہ)

اَيۡدِيۡهِمۡ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِالظّٰلِمِيۡنَ ﴿۹۵﴾

کی جو اپنے ہاتھوں سمیٹے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو خوب اطلاع ہے ان ظالموں (کے حال) کی

دعویٰ کرنے والے (آگے ترجمہ) جب تاریخ مقدمہ کی آئیگی فرد جرم سنا کر سزا کا حکم سنا دیا جائے گا یہود کا یہ دعویٰ مختلف عنوانات سے چند آیات میں مذکور ہے ایک عنوان یہ تھا کہ اگر ہم دوزخ میں گئے بھی تو وہ جانا چند روز کے لئے ہوگا **وقالوالن تمسنا النار** دوسرا یہ کہ جنت میں صرف یہود ہی جائیں گے **وقالوالن یدخل الجنۃ الخ** تیسرا یہ کہ ہم خدا کی اولاد اور اس کے محبوب ہیں **وقالت الیھود والنصریٰ نحن ابناء اللہ الخ** حاصل ان سب کا یہ ہے کہ جو ہم میں تائب اور مرحوم یا مطیع ہیں وہ تو مثل اولاد و احباء کے محبوب و مقرب ہیں اور جو گنہگار ہیں ان کو چندے سزائے دوزخ بھگتنا پڑے گی یہ سب دعوے علاوہ عنوانات کی قباحت کے فی نفسہ غلط ہیں کیونکہ ان کا صحیح ہونا موقوف اس پر ہے کہ وہ دین حق پر قائم ہوں مگر بوجہ شریعت موسویہ کے منسوخ ہو جانے کے وہ ہرگز دین حق پر نہیں تھے اللہ تعالیٰ نے جا بجا مختلف طریقوں سے ان کی تکذیب فرمائی ہے اس جگہ ایک طرز عجیب سے ان کا رد فرمایا ہے وہ یہ کہ اگر تم دلائل سے فیصلہ نہیں کر سکتے تو ایک طریق خرق عادت سے فیصلہ کرلو وہ یہ کہ ہم پیشین گوئی کرتے ہیں کہ تم لوگ ہرگز زبان سے اتنا نہیں کہہ سکتے کہ ہم موت کے متمنی ہیں کیونکہ اپنے حق پر ہونے کا خود ان کو بھی یقین نہیں ورنہ اس کے راستہ کے اختیار کرنے سے جو صرف موت ہے ان کو توحش نہ ہوتا گو موت ایک ناگوار چیز ہے مگر جب طبعی وحشت پر دوسرے مشتاق کرنے والے اسباب کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ توحش زائل ہو جاتا ہے ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ایسا نہ کہیں گے چنانچہ وہ ایسا نہ کہہ سکے اور مثل دیوار کے ساکت رہ گئے حقانیت اسلام کے لئے یہ ایک زبردست معجزہ ہے تفصیل بیان القرآن میں دیکھو

وَلَتَجِدَنَّهُمۡ اَحۡرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۛۚ

اور آپ (تو) اُن کو حیات (دنیویہ) کا حریص اور (عام) آدمیوں سے

وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ

(بھی) بڑھ کر پاویں گے اور مشرکین سے بھی ان میں کا ایک ایک (شخص)

لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ

اس ہوس میں ہے کہ اُس کی عمر ہزار برس کی ہو جائے اور یہ امر عذاب سے تو

مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ ۢ

نہیں بچا سکتا کہ (کسی کی بڑی) عمر ہو جائے اور حق تعالیٰ کے سب پیش نظر

بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

ہیں اُن کے اعمال (بد)

وہ لوگ موت کی تمنا تو خاک کرتے

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ

آپ (اُن سے) یہ کہئے کہ جو شخص جبریلؑ سے عداوت رکھے

وہ جانے لیکن اس کو قرآن کے نہ ماننے میں کیا دخل کیونکہ اس میں تو وہ سفیر محض ہیں ۱۲

فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ

سو اُنھوں نے یہ قرآن آپ کے قلب تک پہنچا دیا ہے

بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ

خداوندی حکم سے اُس کی (خود) یہ حالت ہے کہ تصدیق کر رہا ہے اپنے سے قبل

وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾

والی (سماوی) کتابوں کی اور رہنمائی کر رہا ہے اور خوشخبری سُنا رہا ہے ایمان والوں کو

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ

جو (کوئی) شخص خدا کا دشمن ہو اور فرشتوں کا (ہو) اور پیغمبروں کا (ہو)

وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ

اور جبریل کا (ہو) اور میکائیل کا (ہو) تو (ان سب کا وبال یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ

لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾

دشمن ہے ایسے کافروں کا

اور کتب سماویہ کی یہی شان ہوتی ہے پس قرآن ہر حال میں آسمانی کتاب قابل اتباع ہے پھر جبریل کی عداوت سے اس کو نہ ماننا پوری حماقت ہے رہا خود

مسئلہ عداوت جبرائیل کا سو اس کا فیصلہ یہ ہے کہ فرشتوں یا رسولوں سے عداوت رکھنا یا خود جبرائیل و میکائیل سے دشمنی کرنا خدا سے دشمنی کرنے کے ہم پلہ ہے حاصل تقریر کا یہ ہے کہ سفارت کے صادق ہونے کے لئے سفیر میں دو صفتوں کا ہونا کافی ہے ایک مامور ہونا دوسرے امین ہونا سو امین ہونے سے تو یہود کو ظاہری انکار بھی نہ تھا صرف مامور ہونے میں ظاہر میں عناداً انکار کرتے تھے۔ اس لئے یہاں ان کے مامور من اللہ ہونے کو ہی ثابت کیا گیا نیز چونکہ عرفاً مامور کے ساتھ کوئی معاملہ کرنا آمر تک متعدی ہوتا ہے تو اس سے جبرائیل کی عداوت کا عداوت خداوندی کو مستلزم ہونا خوب موکد ہو گیا اور دوسری آیت میں علیٰ قلبک سے یہ وسوسہ نہ کیا جائے کہ جب قرآن دل پر نازل ہوا ہے تو الفاظ قرآنی منزل من اللہ نہیں صرف معانی ہی منزل ہیں جواب یہ ہے کہ قلب جس طرح معانی کا ادراک کرتا ہے الفاظ کا بھی ادراک کرتا ہے کان اور آنکھ محض آلات ہیں جیسے آنکھ کے سامنے عینک چونکہ خواب اور کشف میں جب کہ حواس ظاہری بالکل معطل ہوتے ہیں قلب میں الفاظ بھی آتے ہیں بلکہ بعض اوقات خواب میں ایسے الفاظ آتے ہیں جن سے کان کبھی آشنا نہ تھے اور نہ ان کے معنی معلوم تھے تو وحی جس کی شان بہت ارفع ہے اور نہ ہم لوگ اس کی پوری حقیقت سمجھ سکتے ہیں اس کے متعلق ایسی بات کو جو نص سے ثابت ہو چکی ہے محض قیاس یا عدم فہم سے نفی کرنا بڑی غلطی ہے۔ قرآن میں جا بجا نزول کے ساتھ لسان عربی کی قید مذکور ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ عربی میں نازل ہوئے ہیں اس لئے اس وسوسہ کی ہرگز گنجائش نہیں۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا

اور ہم نے تو آپ کے پاس بہت سے دلائل واضحہ نازل کئے ہیں اور (قاعدہ کلیہ ہے کہ)

يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾

کوئی انکار نہیں کیا کرتا (ایسے دلائل کا) مگر صرف وہی لوگ جو عدول حکمی کے عادی ہیں

ولقد انزلنا الخ بعض یہود نے حضورؐ سے کہا تھا کہ آپ پر کوئی ایسی واضح دلیل نازل نہ ہوئی جس کو ہم بھی جانتے اس کے جواب میں فرمایا جاتا ہے کہ وہ تو ایک دلیل کو کہتے ہیں ہم نے آپ کے پاس دلائل واضح نازل کئے ہیں جن کو وہ بھی خوب جانتے پہچانتے ہیں یہ انکار محض عدول حکمی کی عادت کی وجہ سے ہے۔ (آگے ترجمہ دیکھو) ۱۲

اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ

کیا اور جب کبھی ان لوگوں نے کوئی عہد کیا ہوگا (ضرور) اُسکو ان میں سے کسی نہ کسی فریق نے نظر انداز کر

مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُھُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

دیا ہوگا بلکہ ان میں سے زیادہ تو ایسے ہی نکلیں گے (جو میرے سے کئے ہوئے اس عہد کا) یقین ہی نہیں رکھتے

او کلما الخ (بعض یہود کو جب وہ عہد یاد دلایا گیا جو حضور ؐ پر ایمان لانے کی بابت ان سے تورات میں لیا گیا تھا تو اس نے عہد لئے جانے سے صاف انکار کر دیا اس کے متعلق ارشاد ہے۔ اس عہد لینے سے ان کو انکار ہے اور ان کی تو یہ حالت ہے کہ انہوں نے اپنے مسلمہ عہدوں کو بھی کبھی پورا نہیں کیا بلکہ (آگے ترجمہ دیکھو)

وَلَمَّا جَاۗءَھُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ

اور جب اُنکے پاس ایک (عظیم الشان) پیغمبر آئے اللہ کیطرف سے جو تصدیق

مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَھُمْ

بھی کر رہے ہیں اُس کتاب کی جو اُن لوگوں کے پاس ہے (یعنی توراۃ کی)

سو تعمیل نہ کرنا تو فسق ہی تھا یہ یقین نہ کرنا اس سے بڑھ کر کفر ہے اور ایک جماعت اس لئے کہا کہ بعض نے ان عہدوں کو پورا بھی کیا حتی کہ اخیر میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لے آئے ایک خاص عہد شکنی کا ذکر فرماتے ہیں جس میں اس جگہ کلام تھا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانا۔

نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ڎ

ان اہل کتاب میں سے ایک فریق نے خود اس کتاب

كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِھِمْ كَاَنَّھُمْ لَا

اللہ ہی کو پسِ پشت ڈال دیا جیسے اُن کو گویا (اُس کے مضمون کا)

يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ ز

اصلا علم ہی نہیں

ولما جاء ھم رسول کیونکہ اس میں آپ کی نبوت کی خبر موجود ہے اس حالت میں آپ پر ایمان لانا بعینہ تورات پر عمل کرنا تھا جس کو وہ کتاب اللہ جانتے ہیں مگر (ترجمہ دیکھو)

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰي

اور انھوں نے ایسی چیز کا (یعنی سحر کا) اتباع کیا جس کا چرچا کیا کرتے تھے شیاطین (یعنی خبیث جن)

مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ

حضرت سلیمان علیہ السلام کے (عہد) سلطنت میں

واتبعوا ما تتلوا تا لو کانوا یعلمون یہودی ایسے بے عقل ہیں کہ کتاب اللہ کا اتباع چھوڑ کر (آگے ترجمہ دیکھو)

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ

اور حضرت سلیمانؑ نے کفر نہیں کیا مگر (ہاں) شیاطین (بیشک) کفر (سحر)

كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۤ

کرتے تھے اور حالت یہ تھی کہ آدمیوں کو بھی (اس) سحر کی تعلیم کیا کرتے تھے

بعضے بے وقوف جو حضرت سلیمان علیہ السلام پر گمان سحر رکھتے تھے اور وہ یہود تھے بالکل لغویات ہے کیونکہ سحر تو اعتقاداً یا عملاً کفر ہے اور (آگے ترجمہ دیکھو)

وَمَآ اُنْزِلَ عَلَي الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ ھَارُوْتَ

اور اس (سحر) کا بھی جو کہ ان دونوں فرشتوں پر نازل کیا گیا تھا شہر بابل میں

وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى

(جن کا نام) ہاروت ماروت (تھا) اور وہ دونوں کسی کو نہ بتلاتے جب تک یہ

يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ

(نہ) کہہ دیتے کہ ہمارا وجود بھی ایک امتحان (خداوندی) ہے

یہود میں سحر متوارث چلا آرہا ہے اس کا اتباع یہ یہودی ہی کرتے ہیں ۱۲

فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا

سو تو کہیں کافر مت بن جائیو (کہ اس میں پھنس جائے) سو (بعضے) لوگ اُن دونوں سے

يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ

اس قسم کا سحر سیکھ لیتے تھے جسکے ذریعہ سے (عمل کر کے) کسی مرد اور اُسکی بیوی میں تفریق

کہ ہماری زبان سے سحر پر مطلع ہو کر کون پھنستا ہے اور کون بچتا ہے ۱۲

وَزَوْجِهٖ ۭ

پیدا کرا دیتے تھے

اور اس سے کوئی وہم یا خوف میں نہ پھنسے کیونکہ یہ یقینی بات ہے کہ (آگے ترجمہ) **فائدہ**: اس مقام پر ایک مقدمہ سمجھ لینا چاہیے تا کہ فہم تفسیر میں سہولت ہو وہ یہ کہ ایک زمانہ میں تمام دنیا بالخصوص بابل میں سحر کا بڑا چرچا ہو گیا تھا جس سے جہلاء کو سحر اور معجزہ کی حقیقت میں اشتباہ ہونے لگا تو جادوگروں پر نبی ہونے کا شبہ ہونے لگا حق تعالیٰ نے اس شبہ کو رفع کرنے کے لئے بابل میں دو فرشتے بھیجے کہ لوگوں کو سحر اور شعبدہ کی حقیقت سے مطلع

کر دیں تا کہ اشتباہ رفع ہو اور ساحروں کے اتباع سے بچ سکیں اور مخلوق پر دلائل سے ان کا فرشتہ ہونا واضح کر دیا گیا غرض انہوں نے بابل میں آ کر اپنا کام شروع کیا سحر کے اصول و فروع ظاہر کر کے اس سے بچنے اور ساحرین سے نفرت کرنے کی تاکید کی اور احتیاطاً یہ التزام بھی کر لیا کہ قبل از اطلاع کہہ دیا کرتے تھے کہ دیکھو ہماری اس اطلاع کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کو بندوں کا امتحان بھی مقصود ہے کہ دیکھیں اس سے مطلع ہو کر کون اپنے دین کی حفاظت کرتا ہے کہ شر سے بچے اور کون دین کو خراب کرتا ہے کہ مطلع ہو کر اس پر خود عمل کرنے لگے۔ دیکھو ہم تم کو نصیحت کرتے ہیں اچھی نیت سے سحر کی حقیقت دریافت کیجیو اب اس کے بعد بھی اگر کوئی وعدہ خلافی کر کے اپنے آپ فاجر و کافر بنے وہ جانے اور ملائکہ کی اس تعلیم کی بعینہ ایسی مثال ہے جیسے کہ علماء نے کتب فقہ میں اقوال کفریہ اس غرض سے بیان کر دیئے ہیں کہ لوگ اس قسم کے کلمات سے احتراز کریں اب اگر کوئی کم بخت ان کو دیکھ کر ان کا استعمال ہی کرنے لگے اور کافر بن جائے یہ اس کی حماقت ہے علماء پر یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ انہوں نے عوام کو کفر کی باتیں سکھا دیں اسی طرح فرشتوں کی اس تعلیم پر بھی کوئی اشکال نہیں ہوسکتا اور اس کام کے لئے فرشتے اس لئے تجویز کئے گئے کہ اگر انبیاء سے یہ کام لیا جاتا اور وہ خود سحر کے اصول و فروع کو عوام کے سامنے بیان کرتے تو لوگوں کا اشتباہ اور بڑھ جاتا وہ سمجھتے کہ انبیاء علیہم السلام بھی ضرور ساحر ہیں کہ اس کے اصول و فروع سے خوب واقف ہیں اور یہ ان کے منصب ہدایت کے لئے مضر ہوتا اور اس خدمت و تکمیل کے بعد غالباً وہ فرشتے آسمان پر بلا لئے گئے ہوں۔

وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا

اور یہ (ساحر) لوگ اس کے ذریعہ سے کسی کو بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے مگر خدا

بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ

ہی کے (تقدیری) حکم سے اور ایسی چیزیں سیکھ لیتے ہیں جو (خود) اُن کو

وَلَا يَنْفَعُهُمْ ؕ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ

ضرر رساں ہیں اور اُن کو نافع نہیں ہیں اور ضرور یہ (یہودی) بھی اتنا

اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ

جانتے ہیں کہ جو شخص اس کو اختیار کرے ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ

خَلَاقٍ ۫ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ؕ

(باقی) نہیں اور بیشک بُری ہے وہ چیز (یعنی سحر و کفر) جس میں وہ لوگ

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا

اپنی جان دے رہے ہیں کاش اُن کو (اتنی) عقل ہوتی اور اگر وہ لوگ

وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ

(بجائے اس کے) ایمان اور تقویٰ (اختیار) کرتے تو خدا تعالیٰ کے ہاں

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

کا معاوضہ (اس کفر و بدعملی سے ہزار درجہ) بہتر تھا کاش اُن کو (اتنی) عقل

اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا

ہوتی اے ایمان والو تم (لفظ) راعنا مت کہا کرو اور اُنظرنا کہہ دیا کرو

کہ اس کے بھی یہی معنی ہیں کہ ہمارے حال پر توجہ فرمائیے۔

وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾

اور اس (حکم) کو (اچھی طرح) سُن لیجیو اور (ان) کافروں کو (تو) سزائے دردناک ہو (ہی) گی

جو حضور کی شان میں چالاکی سے گستاخی کرتے ہیں کہ لفظ راعنا سے آپ کو خطاب کرتے ہیں جس کے معنی ان کی عبرانی زبان میں برے ہیں اور عربی میں اچھے ہیں کہ ہماری مصلحت کی رعایت فرمائیے صحابہ اس شرارت کو نہ سمجھ کر چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی لفظ سے یاد کرنے لگے تھے اس لئے ان کو اس سے روکا گیا۔

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ

ذرا بھی پسند نہیں کرتے کافر لوگ (خواہ) ان اہل

الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ

کتاب میں سے (ہوں) اور (خواہ) مشرکین میں سے اس امر کو کہ تم کو کسی طرح

عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ

کی بہتری (بھی) نصیب ہو تمہارے پروردگار کی طرف سے حالانکہ

(ان کے حسد سے کچھ بھی نہیں ہوتا)

فائدہ: ماننسخ من اية تامن ولی ولا نصیر یہود نے قبلہ کا حکم بدل جانے پر جس کا ذکر عنقریب آتا ہے طعن کیا تھا اور مشرکین بھی بعض احکام کے منسوخ ہو جانے پر زبان درازی کرتے تھے حق تعالیٰ اس طعن و اعتراض کا جواب دیتے ہیں ۱۲

وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت (وعنایت) کے ساتھ جس کو منظور ہوتا ہے مخصوص فرما لیتے ہیں

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾ مَا نَنْسَخْ

اور اللہ بڑے فضل (کرنے) والے ہیں ہم کسی آیت کا حکم جو موقوف کر دیتے ہیں یا

مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ

اس آیت (ہی) کو (ذہنوں سے) فراموش کر دیتے ہیں تو

یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں کیونکہ اس میں بھی مصلحت ہوتی ہے چنانچہ (آگے ترجمہ)

بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ

ہم اس آیت سے بہتر یا اُس آیت ہی کی مثل لے آتے ہیں (اے معترض) کیا

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۶﴾

تجھ کو یہ معلوم نہیں کہ حق تعالیٰ ہر شے پر قدرت رکھتے ہیں

پس ایسے قادر کو رعایت مصالح کیا مشکل ہے

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

کیا تجھ کو یہ معلوم نہیں کہ حق تعالیٰ ایسے ہیں کہ خاص اُن ہی کی ہے سلطنت آسمانوں

وَالْاَرْضِ ؕ

کی اور زمین کی

جب ان کی سلطنت و قدرت میں کوئی دوسرا شریک نہیں تو دوسرا حکم دے دینے میں کون مزاحمت کر سکتا ہے

وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا

اور (یہ بھی سمجھ رکھو کہ) تمہارا حق تعالیٰ کے سوا کوئی یار

نَصِيْرٍ ﴿۱۰۷﴾

مددگار بھی نہیں

پس جب وہ دوست ہیں تو احکام میں مصلحت کی ضرور رعایت کریں گے اور جب مددگار ہیں تو ان احکام پر عمل کرنے کے وقت مخالفین کی مزاحمت سے بھی ضرور محفوظ رکھیں گے ہاں اگر اس ضرر سے بڑھ کر کوئی نفع اخروی ملنے والا ہو تو ظاہراً مخالف کا مسلط ہو جانا اور بات ہے۔

فائدہ: حکم ثانی کا مصلحت میں بہتر یا مثل ہونا کبھی باعتبار ثواب کے ہوتا ہے کبھی باعتبار آسانی کے کبھی دوسرا حکم یہ بھی ہوتا ہے کہ بالکل معاف کر دیا جائے یہ بھی ایک حکم ہے اگر حدیث سے کوئی حکم قرآنی منسوخ ہو وہ بھی خدا ہی کا حکم ہے غرض نسخ کی سب قسمیں اس میں آ گئیں

فائدہ: حکم ثانی کے لئے عقلاً یہ امور ضروری ہیں (۱) اس کا موافق مصلحت ہونا (۲) حاکم کا قادر ہونا (۳) حاکم کا محکومین کے لئے خیر خواہ ہونا (۴) اگر کوئی ان میں سے مزاحمت کرے تو ان کی امداد کرنا حق تعالیٰ نے اس جگہ اس سب شرطوں کو بیان فرما دیا۔

فائدہ: قانون کا بدلنا کبھی اس لئے ہوتا ہے کہ بانی قانون سے فروگزاشت ہو گئی تھی یہ تو احکام الٰہیہ میں محال ہے گاہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ محکومین کی حالت بدلنے سے مصلحت بدل گئی جیسے مریض کی حالت بدلنے پر نسخہ بدلا جاتا ہے ایسا نسخ واقع ہے اور اس میں کوئی اشکال نہیں۔ **ام تریدون ان تسئلوا الخ**

فائدہ: بعض یہود نے حضور کی خدمت میں عناداً عرض کیا کہ جیسے موسیٰ علیہ السلام پر تورات ایک ہی دفعہ میں نازل ہوئی اسی طرح آپ قرآن مجموعی طور پر لائیے اس پر ارشاد ہوتا ہے کہ ایسی درخواستیں جو صرف رسول پر اعتراض کرنے اور حکمت الٰہیہ میں مزاحمت کرنے کے لئے ہوں اور ایمان لانے کا پھر بھی ارادہ نہ ہو نری کفر کی باتیں ہیں کیونکہ ہر فعل میں حق تعالیٰ کی حکمتیں جدا ہوتی ہیں بندے کو ان میں کوئی طریقہ معین کرنے کا کیا حق ہے کہ اس طرح ہو اس طرح نہ ہو اسی کو فرماتے ہیں کہ (آگے ترجمہ)

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ

ہاں کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے (بیجا بیجا) درخواستیں کرو جیسا کہ اس کے قبل

كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی (ایسی ایسی) درخواستیں کی جا چکی ہیں

مثلاً تمہارے بزرگوں نے خدا کے اعلانیہ دیکھنے کی درخواست کی تھی **ود کثیر تا بصیر** بعض یہود شب و روز مختلف تدبیروں سے دوستی اور خیر خواہی کے پیرایہ میں مسلمانوں کو اسلام سے پھیرنے کی کوشش کیا کرتے تھے اس پر متنبہ فرماتے ہیں

وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ

اور جو شخص بجائے ایمان لانے کے کفر کی باتیں کرے بلاشک وہ شخص راہ

سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۰۸﴾ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ

راست سے دور جا پڑا ان اہل کتاب (یعنی یہود) میں بہتیرے دل سے یہ

الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ

چاہتے ہیں کہ تم کو تمہارے ایمان لائے پیچھے پھر کافر کر ڈالیں (اور یہ خیر

كُفَّارًا ۖۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ

خواہی سے نہیں بلکہ) محض حسد کی وجہ سے جو کہ خود اُن کے دلوں ہی سے

مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ

(جوش مارتا) ہے حق واضح ہونے پیچھے

اب اس پر مسلمانوں کو ان پر غصہ آنے کا محل تھا اسلئے ارشاد ہوتا ہے (آگے ترجمہ)

فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ

خیر (اب تو) معاف کرو اور درگذر کرو جب تک حق تعالیٰ اس معاملہ کے متعلق اپنا حکم (قانون جدید) بھیجیں

اشارۃً بتلا دیا کہ ان کی شرارتوں کا علاج قانون انتظام امن عام یعنی قتل و جزیہ سے ہم جلدی کرنے والے ہیں اس پر مسلمانوں کو اپنا ضعف دیکھ کر تعجب کا موقع تھا اس لئے فرماتے ہیں کہ تم تعجب کیوں کرتے ہو (ترجمہ دیکھو)

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۹﴾ وَاَقِيْمُوا

بلاشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں اور (سر دست صرف)

الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ

نمازیں پابندی سے پڑھے جاؤ اور زکوٰۃ دیئے جاؤ

اور جب وہ قانون آئے گا اس کو بھی اضافہ کر لینا اور یہ نہ سمجھو کہ جہاد کا حکم آنے سے پہلے صرف نماز روزہ سے کچھ ثواب میں کمی رہے گی نہیں، بلکہ (آگے ترجمہ دیکھو) ۱۲

وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ

اور جو نیک کام بھی اپنی بھلائی کے واسطے جمع کرتے رہو گے

تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ

حق تعالیٰ کے پاس (پہنچ کر) اُسکو پاؤ گے (کیونکہ)

پورا پورا مع صلہ کے پاؤ گے

اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۰﴾

اللہ تعالیٰ تمہارے سب کیے ہوئے کاموں کو دیکھ بھال رہے ہیں

ان میں کا ایک ذرہ بھی ضائع نہ ہوگا اس وقت کی حالت کا یہی مقتضا تھا کہ جہاد نہ ہو پھر حق تعالیٰ نے اس وعدہ کو پورا فرما کر آیات جہاد نازل فرمائیں جس کے بعد یہود کے ساتھ بھی وہ قانون برتا گیا اور ناشائستہ لوگوں سے موافق ان کے فساد کے قتل یا اخراج وطن یا تقرر محصول کا عملدرآمد کیا گیا اس مضمون میں

یہود کے ساتھ نصاریٰ بھی شریک تھے اس لئے ان کو بھی ذکر میں لے لیا گیا۔

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ

اور یہود اور نصاریٰ (یوں) کہتے ہیں کہ بہشت میں ہرگز کوئی نہ جانے پاویگا بجز

كَانَ هُوْدًا

اُن لوگوں کے جو یہودی ہوں

وقالوا لن يدخل الجنة تا يحزنون یہ تو یہود کا قول ہے

اَوْ نَصٰرٰى ۭ

یا اُن لوگوں کے جو نصرانی ہوں

یہ نصاریٰ کا قول ہے آگے دونوں کا رد فرماتے ہیں کہ حقیقت واصل کچھ بھی نہیں بلکہ (ترجمہ دیکھو)

تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ

یہ (خالی) دل بہلانے کی باتیں ہیں آپ (اُن سے یہ تو) کہیے کہ (اچھا)

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾

اپنی دلیل لاؤ اگر تم (اس دعویٰ میں) سچے ہو

سو وہ تو کیا دلیل لاویں گے کیونکہ دلیل ہے ہی نہیں اب ہم اس کے خلاف پر دعویٰ کرتے ہیں کہ ضرور دوسرے بھی جاویں گے پھر اس پر دلیل لاتے ہیں کہ ہمارا یہ قانون تمام کتب سماویہ میں باتفاق ثابت ہو چکا ہے (ترجمہ دیکھو)

بَلٰى ۤ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ

ضرور دوسرے لوگ جاوینگے (کیونکہ) جو کوئی شخص بھی اپنا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکا دے

یعنی فرمانبرداری اختیار کرے عقائد میں بھی اعمال میں بھی

وَهُوَ مُحْسِنٌ

اور وہ مخلص بھی ہو

کہ دل سے فرمانبرداری اختیار کرے محض ظاہرداری نہ ہو اس قید سے منافقین نکل گئے وہ شرعاً کافر مستحق نار ہیں ۱۲

فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۠ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

تو ایسے شخص کو اُس کا عوض ملتا ہے پروردگار کے پاس (پہنچ کر) اور نہ ایسے لوگوں پر

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع

(قیامت میں) کوئی اندیشہ ہے اور نہ ایسے لوگ (اُس روز) مغموم ہونیوالے ہیں

کیونکہ فرشتے ان کو بشارات سنا کر بےفکر کر دیں گے حاصل استدلال کا یہ ہے کہ جب یہ قانون مسلم ہے تو دیکھ لو کہ یہ مضمون کس پر صادق ہے ظاہر ہے کہ تم فرمانبردار نہیں ہو کہ دین منسوخ پر اصرار کئے ہوئے ہو اور حکم ثانی کو نہیں مانتے پوری تابعداری یہ ہے کہ جس وقت بھی حکم ملے اس کو مان لیا جائے یہ شان مسلمانوں کی ہے کہ انہوں نے نبوت و شریعت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قبول کیا پس یہی مستحق جنت کے بھی ہیں۔ **وقالت الیھود تا فیہ یختلفون** ایک بار کچھ یہود کچھ نصرانی جمع ہو کر کچھ مذہبی مباحثہ کرنے لگے یہود نصاریٰ کے دین کو اصل سے باطل بتلاتے تھے اور نبوت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کے کتاب اللہ ہونے کا انکار کرتے تھے نصاریٰ بھی تعصب میں آ کر یہود کے دین کو بے اصل و باطل کہنے لگے اور موسیٰ علیہ السلام کی رسالت و توراۃ کے کتاب اللہ ہونے کا انکار کرنے لگے اللہ تعالیٰ اس قصہ کو نقل فرما کر رد کرتے ہیں (ترجمہ دیکھو)

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى

اور یہود کہنے لگے کہ نصاریٰ (کا مذہب) کسی بنیاد پر (قائم)

شَيْءٍ ۖ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُودُ

نہیں اور (اسی طرح) نصاریٰ کہنے لگے کہ یہود کسی بنیاد پر نہیں حالانکہ

عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُونَ الْكِتٰبَ ؕ

یہ سب (لوگ آسمانی) کتابیں (بھی) پڑھتے پڑھاتے ہیں

یعنی یہود توریت اور عیسائی انجیل کو پڑھتے دیکھتے ہیں اور دونوں میں دونوں رسولوں کی اور دونوں کتابوں کی تصدیق موجود ہے گو بوجہ منسوخ ہو جانے کے کوئی معمول بہ نہ ہو یہ اور بات ہے اہل کتاب کو دیکھ کر مشرکین کو بھی جوش ہوا وہ کہتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ سب کا دین بے بنیاد ہے ہم ہی حق پر ہیں یہاں سب اپنی اپنی ہانک لیں (ترجمہ دیکھو)

كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ

اسی طرح یہ لوگ (بھی) جو کہ (محض) بے علم ہیں اُن کا سا

قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

قول کہنے لگے سو اللہ تعالیٰ ان سب کے درمیان (عملی) فیصلہ کر دیں گے قیامت

فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۱۳﴾

کے روز ان تمام (مقدرات) میں جن میں وہ باہم اختلاف کر رہے تھے

عملی فیصلہ کی قید اس لئے لگائی کہ قولی اور برہانی فیصلہ تو دلائل عقلیہ و نقلیہ سے دنیا میں بھی ہو چکا ہے ۱۲ **ومن اظلم تا عذاب عظیم** یہود تو ویرانی مساجد میں اس طرح ساعی ہوئے کہ حکم قبلہ بدلنے پر کم سمجھ لوگوں کو طرح طرح کے شبہات پیدا کر کے بہکانا چاہا اگر ان کا اثر ہو جاتا تو اس کا لازمی نتیجہ انکار رسالت و ترک صلوٰۃ ہوتا نصاریٰ اس طرح ساعی ہوئے کہ کسی وقت میں ایک بادشاہ روم نے جس کا نام طیطس تھا یہود شام پر چڑھائی کی اس وقت بعض جہلاء کے ہاتھ سے بیت المقدس کی بے حرمتی ہوئی اور بدامنی کی وجہ سے نماز بھی بند رہی اگرچہ وہ بادشاہ نصرانی نہ ہو مگر نصاریٰ کو اس واقعہ سے اس لئے خوشی ہوئی کہ یہود کی ذلت ہوئی اور یہود سے ان کو عداوت تھی تو ویرانی مساجد ان کو بھی ناگوار نہ گزری اور مشرکین ویرانی مسجد حرام میں اس طرح ساعی ہوئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبل فتح مکہ مسجد حرام میں داخل ہو کر طواف کعبہ اور نماز ادا کرنا چاہی تو مشرکین نے آپ کو مکہ سے باہر ہی روک دیا پھر سال آئندہ بعد صلح حدیبیہ کے آپ نے عمرۃ القضاء کیا حق تعالیٰ ان سب کی قباحت فرماتے ہیں (ترجمہ دیکھو)

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ

اور اُس شخص سے زیادہ اور کون ظالم ہوگا جو خدا تعالیٰ کی مسجدوں میں

جس میں سب مسجدیں آ گئیں مکہ کی بھی مدینہ کی بھی اور بیت المقدس بھی ۱۲

اَنْ يُّذْكَرَ فِيهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِي خَرَابِهَا ؕ

اُن کا ذکر (اور عبادت) کئے جانے سے بندش کرے اور اُن کے ویران ہونے (کے بارہ) میں

اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوهَآ اِلَّا

کوشش کرے ان لوگوں کو تو کبھی بے ہیبت (اور بیباک) ہو کر ان میں قدم بھی نہ رکھنا چاہئے تھا

خَآئِفِينَ ؕ

(بلکہ جب جاتے) ہیبت اور ادب سے جاتے

جب بے باک ہو کر اندر تک جانے کا استحقاق نہیں تو ہتک حرمت کا تو کب حق حاصل ہے اس کو ظلم فرمایا گیا۔

لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ

ان لوگوں کو دنیا میں بھی رُسوائی (نصیب) ہو گی اور (ان کو) آخرت

عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۱۴﴾

میں بھی سزائے عظیم ہوگی

دنیا میں تو رسوائی یہ ہوئی کہ یہ سب قومیں سلطنت اسلام کی رعایا اور باجگزار ہوئیں اور آخرت میں بوجہ کفر وسعی ویرانی مساجد عذاب شدید ہوگا اور ویرانی مساجد کے قصہ سے ان سب فرقوں کے دعویٰ حقانیت کا ایک گونہ رد ہوگیا کہ جن کے یہ کرتوت ہوں وہ اہل حق ہونے کا دعویٰ کریں شرم کی بات ہے اور جن نصاریٰ نے بیت المقدس کی بے حرمتی میں حصہ لیا تھا وہ اگرچہ اس وقت موجود نہ تھے مگر وہ بھی اس فعل سے نفرت ظاہر نہ کرتے تھے بلکہ بوجہ ذلت یہود کے اس سے خوش تھے اس لئے ان کو بھی ظالم کہا گیا جو بالکل بجا اور برمحل ہے **ولله المشرق والمغرب الخ** یہود نے تبدیل قبلہ پر اعتراض کیا تھا کہ مسلمان اس جہت سے دوسری جہت کی طرف کیوں بدل گئے اس کا جواب دیتے ہیں۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ق

اور اللہ ہی کی مملوک ہیں (سب جہتیں) مشرق بھی اور مغرب بھی

جب وہ مالک ہیں تو جس جہت کو چاہیں قبلہ مقرر کر دیں کیونکہ تعیین قبلہ میں جو حکمت ہے مثلاً اتفاق ہیئت و اجتماع خاطر وہ ہر جہت سے حاصل ہوسکتی ہے البتہ اگر نعوذ باللہ معبود کی ذات کے لئے کوئی خاص جہت ہوتی تو بالضرور قبلہ عبادت اسی میں منحصر ہونا زیبا تھا مگر وہ ذات پاک کسی جہت کے ساتھ مقید ومحدود نہیں کیونکہ (آگے ترجمہ)

فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

کیونکہ تم لوگ جس طرف منہ کرو اُدھر (ہی) اللہ تعالیٰ (کی ذات پاک کا) رُخ ہے

وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

کیونکہ اللہ تعالیٰ (تمام جہات کو) محیط ہیں کامل العلم ہیں

جیسا کہ احاطہ ان کی شان کے لائق ہے ایسے مضامین میں زیادہ کھود کرید نہ کرنا چاہئے کیونکہ جیسے خدا تعالیٰ کی ذات کا پورا ادراک بندہ سے ممکن نہیں اسی طرح ان کی صفات کی حقیقت فہم سے باہر ہے اجمالاً ان پر ایمان لا کر کام میں لگنا چاہئے پس باوجود محیط اور غیر محدود ہونے کے جہت عبادت کو اس لئے متعین فرما دیا کہ وہ ہر شے کی بالخصوص تعیین قبلہ کی مصالح کو خوب جانتے ہیں۔ (آگے ترجمہ دیکھو)

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اولاد رکھتا ہے سبحان اللہ (کیا مہمل بات ہے) بلکہ

ان کی تو اولاد ہونا عقلاً محال ہے کیونکہ اس کے لئے دوسرے ہم جنس کا ہونا ضروری ہے جس میں صفات کمال موجود ہوں آگے صفات کمال کا حق تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونا بیان فرماتے ہیں جس سے ہم جنس کا امتناع اور اس سے بطور نتیجہ کے اولاد کا محال ہونا ثابت ہو جائے گا۔

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ

خاص اللہ تعالیٰ کے مملوک ہیں جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں (موجودات) ہیں (اور) سب

قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا

انکے محکوم بھی ہیں (حق تعالیٰ) موجد (بھی) ہیں آسمانوں اور زمین کے اور جب کسی کام کو پورا کرنا

قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾

چاہتے ہیں تو بس اُس کام کی نسبت (اتنا) فرما دیتے ہیں کہ ہو جا بس وہ (اسی طرح) ہو جاتا ہے

اور ملائکہ کا خاص خاص کاموں پر متعین فرمانا حکمت کیلئے ہے حاجت کیلئے نہیں۔۱۲

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ

اور (بعضے) جاہل یوں کہتے ہیں کہ (خود) ہم سے کیوں نہیں کلام فرماتے اللہ تعالیٰ

کہ ہم کو خود احکام تعلیم فرمائیں یا کم از کم یہی کہہ دیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے رسول ہیں تو ہم ان کی اطاعت کرنے لگیں۔

اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ

یا ہمارے پاس کوئی اور ہی دلیل آجاوے

حق تعالیٰ اس قول کا اولاً ایک جاہلانہ رسم ہونا بیان فرماتے ہیں۔

كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ

اسی طرح وہ (جاہل) لوگ بھی کہتے چلے آتے ہیں جو اُن سے پہلے ہو گذرے ہیں ان ہی کا

قَوْلِهِمْ ؕ

سا (جاہلانہ) قول ہے

سو معلوم ہوا کہ یہ قول نہ باوقعت ہے نہ باریک بینی پر مبنی ہے یوں ہی ہانک دیا جاتا ہے۔

تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ

ان سب کے قلوب (کج فہمی میں) باہم ایک دوسرے کے مشابہ ہیں ہم نے تو

لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

بہت سی دلیلیں صاف صاف بیان کر دی ہیں (مگر وہ) اُنکے لئے (نافع ہیں) جو یقین حاصل کرنا چاہتے ہیں

رسالت محمدیہ کے ثبوت میں ۱۲

اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰكَ بِالۡحَقِّ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا ۙ

(اے رسولؐ) ہم نے آپکوایک سچا دین دیکر بھیجا ہے کہ خوشخبری سُناتے رہیے

وَّلَا تُسۡـَٔلُ عَنۡ اَصۡحٰبِ الۡجَحِيۡمِ (۱۱۹)

اور ڈراتے رہیے اور آپ سے دوزخ میں جانے والوں کی باز پرس نہ ہوگی

کہ ان لوگوں نے ایمان کیوں نہیں قبول کیا اور دوزخ میں کیوں گئے آپ اپنا کام کرتے رہیے آپ کو کسی کے ماننے نہ ماننے کی کیا فکر

ربط: یہاں تک یہود کی چالیس قباحتیں جن میں سے بعض میں نصاریٰ بھی شریک تھے بیان فرمائی گئیں آگے یہ بتلانا منظور ہے کہ ایسے ہٹ دھرم لوگوں سے امید ایمان نہ رکھنا چاہئے گویا یہ مضمون تمام ماسبق کا نتیجہ ہے جس سے ان کے قبائح مذکورہ کے اور تاکید ہوگئی اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فکر وغم کا ازالہ بھی ہے کہ جو لوگ ایسے کج طبع ہیں ان کی کجی بہت کم جاتی ہے لہذا آپ ان کے عام طور پر ایمان لانے سے ناامید ہو جایئے اور کلفت کو دل سے دور کیجئے آپ کے اتباع کی ان کو تو کیا توفیق ہوتی وہ تو یہاں تک بلند پروازی کرتے ہیں کہ نعوذ باللہ آپ کو اپنی راہ پر چلانے کی فکر محال میں ہیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول اول بعض جائز امور میں اہل کتاب کی موافقت بغرض ملاطفت و تالیف قلوب کے کرلیا کرتے تھے اس میں اس پر بھی دلالت ہے کہ آپ اس قصہ کو جانے دیجئے تاہم اس سے جو آپ کی غرض ہے کہ کچھ نرم ہو کر اسلام لے آویں وہ بخیر ہے ۱۲

وَلَنۡ تَرۡضٰى عَنۡكَ الۡيَهُوۡدُ وَلَا النَّصٰرٰى

اور کبھی خوش نہ ہونگے آپ سے یہ یہودی اور نہ یہ نصاریٰ جبتک کہ آپ (خدانخواستہ) اُن

حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمۡ ‌ؕ

کے مذہب کے بالکل پیرو نہ ہو جاویں

ولن ترضیٰ عنک الیہود الخ اور یہ محال ہے پس ان کا راضی ہونا بھی محال ہے اور یہ محال اس لئے ہے کہ اس سے ایک دوسرا محال لازم آتا ہے وہ یہ کہ نعوذ باللہ اگر آپ ان کے پیرو ہو جائیں تو جسے وہ اپنا مذہب کہتے ہیں وہ کچھ تو منسوخ ہو جانے سے اور کچھ تحریف سے محض اب چند خیالات کا مجموعہ ہو گیا ہے اور اتباع بھی ایسی حالت میں کہ آپ کے پاس علم وحی آچکا ہے توبہ توبہ آپ کا نتیجہ قہر میں گرفتار ہونا لازم آئے گا اور یہ لازم محال ہے کیونکہ خدا کا ہمیشہ آپ سے راضی رہنا دلائل قطعیہ سے ثابت ہے پس آپ کا اتباع کرنا ان کے مذہب کا بھی محال ہے اور بدوں اتباع کے ان کا راضی ہونا غیر ممکن تو ایسی بات سے دل کو خالی کر لینا چاہئے۔

قُلۡ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الۡهُدٰى ‌ؕ

آپ (صاف) کہہ دیجئے کہ (بھائی) حقیقت میں تو ہدایت کا وہی راستہ ہے جسکو خدا نے (ہدایت کا راستہ) بتلایا ہے

اور دلائل سے ایسا راستہ صرف اسلام ہونا ثابت ہو چکا ہے پس راہ ہدایت وہی رہا۔

وَلَئِنِ اتَّبَعۡتَ اَهۡوَآءَهُمۡ بَعۡدَ الَّذِىۡ جَآءَكَ

اور اگر آپ اتباع کرنے لگیں اُنکے غلط خیالات کا علم (قطعی ثابت بالوحی)

مِنَ الۡعِلۡمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ (۱۲۰)

آچکنے کے بعد تو آپ کا کوئی خدا سے بچانے والا نہ پاویں گے نہ مددگار

اور یہ لازم محال ہے اس لئے اتباع مذکور بھی محال ہے **ربط**: یہاں تک معاندین اہل کتاب کا ذکر تھا اب حسب عادت قرآن اہل کتاب کے منصفین کا بیان ہے جنہوں نے حق واضح ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور آپ کا اتباع اختیار کیا۔

اَلَّذِيۡنَ اٰتَيۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ يَتۡلُوۡنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ

جن لوگوں کو ہم نے کتاب (توریت وانجیل) دی بشرطیکہ وہ اسکی تلاوت (اسطرح) کرتے رہے جس طرح کہ تلاوت کا حق ہے

الذین اٰتیناھم الکتٰب الخ کہ مضامین سمجھنے میں اپنی قوت علمیہ کو صرف کیا اور اتباع حق کا پختہ عزم کرنے میں قوت ارادی سے کام لیا **ربط**: اس مقام پر بنی اسرائیل کے متعلق جن مضامین خاصہ کا بیان کرنا مقصود تھا بیان ہو چکے اب خاتمہ پر آغازی تمہید کو پھر مکرر لاتے ہیں جس سے ان مضامین کی تفصیل شروع ہوئی تھی تاکہ تفصیل کے بعد وہ مضمون اجمالی مکرر ہو کر خوب ذہن نشین ہو جائے اور یہ طرز بلیغ محاورات میں اعلیٰ درجہ کا سمجھا جاتا ہے۔

اُولٰٓئِكَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ ؕ وَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ

ایسے لوگ (البتہ آچکے) اُس دین حق پر ایمان لے آئے ہیں اور جو شخص نہ مانے گا (کس کا نقصان

هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ (۱۲۱) يٰبَنِىۡٓ اِسۡرَآءِيۡلَ

کریگا) خود ہی ایسے لوگ خسارہ میں رہیں گے اے اولادِ یعقوب (علیہ السلام) میری اُن نعمتوں کو

اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِىَ الَّتِىۡٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَاَنِّىۡ

یاد کرو جن کا میں نے تم پر (وقتاً فوقتاً) انعام کیا اور اُس کو (بھی) کہ میں نے تم کو (بہت سی باتوں

فَضَّلۡتُكُمۡ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ (۱۲۲) وَاتَّقُوۡا يَوۡمًا لَّا تَجۡزِىۡ

میں) بہت لوگوں پر فوقیت دی اور تم ڈرو ایسے دن سے جس میں کوئی شخص کسی شخص کی طرف نہ کوئی

نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا

مطالبہ (حق واجب) ادا کرنے پاویگا اور نہ کسی کی طرف سے کوئی معاوضہ قبول کیا جاویگا

عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

اور نہ کسی کو کوئی سفارش (جبکہ ایمان نہ ہو) مفید ہوگی اور نہ اُن لوگوں کو کوئی بچا سکے گا

اس کے متعلق ضروری امور پہلے اسی آیت کی تفسیر میں گزر چکے ہیں۔ وہاں ملاحظہ کر لئے جائیں۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ

اور جس وقت امتحان کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اُنکے پروردگار نے چند باتوں میں

واذا ابتلیٰ ابرٰھیم ربه الخ اپنے احکام میں سے۔

فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ

اور وہ اُنکو پورے طور پر بجالائے (اُسوقت) حق تعالیٰ نے اُن سے فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا مقتدا بناؤنگا

نبوت دیکر یا امت بڑھا کر

قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ

اُنھوں نے عرض کیا اور میری اولاد میں سے بھی (کسی کسی کو نبوت دیجئے) ارشاد ہوا کہ

آپکی یہ درخواست منظور ہے مگر اس کا ضابطہ سن لیجئے (آگے ترجمہ دیکھو)

لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

میرا (یہ) عہد (نبوت) خلاف ورزی (قانون) کرنیوالوں کو نہ ملے گا

سو ایسے لوگوں کو تو صاف جواب ہے البتہ اطاعت کرنے والوں میں سے بعض کو نبوت دی جائے گی امتحان دو غرض سے ہوتا ہے کبھی اس لئے کہ امتحان لینے والا اس شخص کی حالت ولیاقت دریافت کرنا چاہتا ہے ایسا امتحان لینا ذات حق میں محال ہے اس کو پہلے ہی سے سب کچھ معلوم ہے اور کبھی امتحان اس لئے ہوتا ہے کہ دوسروں کے سامنے اس کی لیاقت ظاہر ہو جائے تاکہ کسی کو ترجیح وغیرہ کی شکایت نہ رہے اور امتحان دینے والے کی عظمت ثابت ہو جائے ایسا امتحان لینا خدا تعالیٰ کی شان کے خلاف نہیں اور جہاں کہیں حق تعالیٰ کا امتحان لینا مذکور ہے وہاں یہی دوسری قسم مراد ہے اور ان احکام کی نسبت کتابوں میں مختلف اقوال لکھے ہیں جن میں ابراہیم علیہ السلام کا امتحان ہوا تھا اگر یہ امتحان تبلیغ احکام سے پہلے تھا تو امامت کے معنیٰ یہ ہونگے کہ آپ کو احکام پہنچانے کا کام سپرد کیا جائے گا جو حاصل ہے نبوت کا اس قول پر اس وقت تو وحی نازل ہو گئی تھی مگر ہنوز اس کی تبلیغ کا اثر نہ ہوا تھا اور اگر یہ امتحان بعد تبلیغ احکام شروع کر

دینے کے ہوا تو امامت کے معنی یہ ہوں گے کہ آپ کی امامت کو ترقی ہوگی یا یہ کہ آپ کی شریعت آپ کے بعد بھی مدتوں تک رہے گی جس سے آپ کا اجرو ثواب بڑھتا رہے گا اور عہدہ نبوت ملنے کے لئے ظالم نہ ہونے کی قید حضرات انبیاء علیہم السلام کے معصوم و بیگناہ ہونے کی دلیل ہے کیونکہ ہر گناہ میں خلاف ورزی ہے حکم کی اور یہی حقیقت ہے ظلم کی تو ہر گناہ ظلم ہوا اور نبی کے لئے ظالم نہ ہونے کی شرط صراحۃً ارشاد ہو چکی ہے پس جو حضرات نبوت سے مشرف ہو چکے ہیں یقیناً وہ گنہگار نہ تھے نہ قبل نبوت نہ بعد نبوت اور جن قصوں میں گناہ کا شبہ ہوتا ہے اس کی موقع پر تفسیر دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ واقع میں گناہ نہیں ہیں (مجازاً ان کو کہیں معصیت سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ جب حقیقی معنی نہ بن سکیں تو مجاز پر محمول کرنا واجب ہے اور معنی نہ بن سکنے کی دلیل یہ آیت ہے جس سے انبیاء کا معصوم ہونا ثابت ہے) تصدیق کے لئے قصہ آدمؑ کی تفسیر ملاحظہ کرنا چاہئے جو اوپر گزر چکی **ربط:** فضیلت بانی کے بعد فضیلت بناذکر فرماتے ہیں۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ

اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے کہ) جس وقت ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کا معبد اور مقام امن ہمیشہ کیلئے مقرر کیا

واذجعلنا البیت الخ آخر میں امت محمدیہ کو حکم دیا کہ برکت حاصل کرنے کے لئے (آگے ترجمہ)

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ

اور مقام ابراہیم کو (کبھی کبھی) نماز پڑھنے کی جگہ بنالیا کرو اور ہم نے حضرت ابراہیم اور حضرت

اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ

اسماعیل (علیہ السلام) کی طرف حکم بھیجا کہ میرے (اس) گھر کو خوب پاک رکھا کرو بیرونی اور

وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ

مقامی لوگوں (کی عبادت) کے واسطے اور رکوع اور سجدہ کرنیوالوں کے واسطے اور جسوقت ابراہیم

رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا

نے (دعا میں) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار اسکو ایک (آباد) شہر بنادیجئے امن وامان والا

مقام امن دو وجہ سے فرمایا کہ ایک تو یہ اس میں حج و عمرہ نماز و طواف ادا کرنے سے عذاب دوزخ سے امن ہوتا ہے دوسرے یہ کہ اگر کوئی خونی حدود کعبہ یعنی حرم میں جا گھسے تو وہاں اس کو قتل نہ کیا جائے گا البتہ کھانا پینا بند کر دیا جائے گا تاکہ باہر نکل آئے خونی کے سوا دوسرے مجرموں کا اور حکم ہے اور یہ مذہب امام ابوحنیفہ کا ہے پس یہ قانون بتلایا گیا کہ حرم مکہ میں

بدامنی نہ کرنا چاہیے یہ معنی نہیں کہ یہاں بدامنی کبھی نہ ہوگی اور مقام ابراہیم ایک پتھر ہے جس پر کھڑے ہوکر آپ نے عمارت کعبہ بنائی ہے۔

وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ

اور اُسکے بسنے والوں کو پھلوں کی (قسم) سے بھی عنایت کیجئے (اور میں) اُنکو (کہتا ہوں) جو کہ اُن

مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِؕ قَالَ

میں سے اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہوں (باقیوں کو آپ جانیں) حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

اور میں خاص ان حرم میں بسنے والوں کو کہتا ہوں

کہ چونکہ رزق ہمارا خاص نہیں ہے اس لئے ثمرات سب کو دیں گے مومن کو بھی (آگے ترجمہ)

وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى

اور اُس شخص کو بھی کہ کافر ہے سو ایسے شخص کو تھوڑے روز تو خوب آرام برتاؤنگا پھر

عَذَابِ النَّارِؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾

اُسکو کشاں کشاں عذاب دوزخ میں پہنچادونگا اور ایسے پہنچنے کی جگہ تو بہت بُری ہے

البتہ نجات آخرت کافر کو نصیب نہ ہوگی خدا سب مومنوں کو بچائے۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ

اور جبکہ اُٹھا رہے تھے ابراہیم علیہ السلام دیواریں خانہ کعبہ کی

وَاِسْمٰعِيْلُؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّاؕ اِنَّكَ اَنْتَ

اور اسمٰعیل علیہ السلام بھی (اور یہ کہتے جاتے تھے) کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے قبول

السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾

فرمائیے بلاشبہ آپ خوب سُننے والے جاننے والے ہیں

واذ یرفع ابراھیم الخ ہماری دعا کو سنتے ہیں ہماری نیتوں کو جانتے ہیں اور اسمٰعیل علیہ السلام کی شرکت دو طرح ہوسکتی ہے یا تو پتھر گارا دیتے ہوں گے یا کسی وقت چنائی ہی کرتے ہوں

رَبَّنَا

اے ہمارے پروردگار

ربنا و اجعلنا الخ ہم دونوں یہ بھی دعا کرتے ہیں کہ (آگے ترجمہ)

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَاۤ

ہم کو اپنا اور زیادہ مطیع بنالیجئے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک ایسی

اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ۪

جماعت (پیدا) کیجئے جو آپ کی مطیع ہو

یہ بھی دعا کرتے ہیں کہ اس جماعت میں جس کے پیدا ہونے کی دعا اپنی اولاد میں سے کر رہے ہیں (آگے ترجمہ)

وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَاۚ اِنَّكَ اَنْتَ

(نیز) ہم کو ہمارے حج (وغیرہ) کے احکام بھی بتلا دیجئے اور ہمارے حال پر (مہربانی سے) توجہ کیجئے اور

التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ

فی الحقیقت آپ ہی ہیں توجہ فرمانیوالے مہربانی کرنیوالے اے ہمارے پروردگار اور اُس جماعت کے اندر

رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ

اُن ہی میں کا ایک ایسا پیغمبر بھی مقرر کیجئے جو اُن لوگوں کو آپکی آیتیں پڑھ پڑھ کر سُنایا کرے اور اُن کو

الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْؕ

(آسمانی) کتاب کی اور (اُس میں) خوش فہمی (حاصل کرنے) کی تعلیم دیا کریں اور اُن کو پاک کردیں

تلاوت و تعلیم کے ذریعہ سے جہالات و خیالات و اعمال سے (آگے ترجمہ)

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ

بلاشبہ آپ ہی ہیں غالب القدرۃ

کہ سب درخواستیں پوری کرسکتے ہیں۔

الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾ ع

کامل الانتظام

کہ جو کام کرتے ہیں اس میں کوئی فروگذاشت نہیں ہوتی اور یہ جماعت جس کا اس آیت میں ذکر ہے صرف بنو اسماعیل ہیں کیونکہ یہ دعا دونوں صاحبوں کی ہے تو وہی جماعت مراد ہوسکتی ہے جو دونوں کی اولاد ہو وہ جماعت اولاد اسماعیل ہے جن میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اسی واسطے صحیح حدیث میں ارشاد ہے کہ میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ظہور ہوں اور ہر چند کہ امت مسلمہ تمام امت محمدیہ کا لقب ہے لیکن اولاد کی تخصیص اس لئے ہے کہ اور لوگوں میں ان کی بدولت اسلام شائع ہوگا چنانچہ بنی اسماعیل کی سعی بدنی اور تدبیر انتظامی سے اسلام کی اشاعت ہوئی ہے اور یہی حکمت ہے خلافت کی قریش کے ساتھ خاص ہونیکی جو کہ اولاد اسماعیل ہیں اور خوش فہمی کا سلیقہ یہ ہے کہ اصل سے فرع کا حکم سمجھ لیں جس کو اجتہاد اور تفقہ کہتے ہیں چنانچہ امت محمدیہ میں بہت اکابر اس صفت سے ممتاز ہوئے اور ان

کی برکات سے آج عامہ مسلمین دینی نفع حاصل کر رہے ہیں اور پیغمبر کے لئے جو یہ تخصیص کی کہ ان ہی میں سے ہوں اس میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ وہ لوگ بہ نسبت دوسرے خاندانوں کے اپنے خاندان میں پیدا ہونے والے پیغمبر کو زیادہ سمجھیں گے اور ان کے اتباع کو دوسروں کے اطمینان و رفع خلجان میں زیادہ اثر اور دخل ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ عام عرب قریش کے ایمان کے منتظر تھے ان کی اطاعت کے بعد لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے جس کی طرف سورہ نصر یعنی اذا جاء میں بھی اشارہ ہوا ہے۔ **ربط:** ان آیات سے ضمناً ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ بھی معلوم ہو گیا کہ اسلام اور اطاعت حق ہے جیسا کہ وجعلنا مسلمین میں منصوص ہے اب جس زمانہ کے لئے جو احکام الٰہیہ بھی ہوں ان کا چھوڑنا ملت ابراہیمی سے منہ موڑنا ہے کیونکہ ان کے طریقہ کا حاصل صرف یہی ہے کہ احکام الٰہیہ کی اطاعت کی جائے اس مناسبت سے آیت آئندہ میں ان لوگوں کی غلط کاری بیان فرماتے ہیں جو باوجود دعویٰ اتباع ملت ابراہیمی کی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اختیار نہیں کرتے جب شہادت کتب سابقہ اور وصایا انبیاء سابقین و دلائل عقلیہ برہانیہ سب ثبوت رسالت محمدیہ پر متفق ہیں تو ملت ابراہیمی کی اطاعت یہی تھی کہ حضورؐ کا اتباع اختیار کیا جاتا اس کے بعد بھی جب حضورؐ کا اتباع نہ کیا تو ظاہر ہے کہ طریقہ ابراہیمی کی مخالفت لازم آ گئی۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ
اور ملت ابراہیمی سے تو وہی روگردانی کرے گا جو اپنی
سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ
ذات ہی سے احمق ہو

ایسے نبی کی ملت کے تارک کو کیونکر احمق نہ کہا جائے جس کی پہچان یہ ہو کہ اسی کی بدولت ابراہیم علیہ السلام عہدہ رسالت کے لئے منتخب کئے گئے ہیں۔

وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي
اور ہم نے (اسی کی بدولت تو) اُن (ابراہیم) کو دنیا میں منتخب کیا اور (اسی کی
الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ (۱۳۰)
بدولت) وہ آخرت میں بڑے لائق لوگوں میں شمار کئے جاتے ہیں

جن کے لئے سب ہی کچھ ہے اور یہ انتخاب رسالت کے لئے اس وقت ہوا تھا (آگے ترجمہ)

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ
جب کہ اُن سے اُن کے پروردگار نے

بطور الہام کے (آگے ترجمہ)

قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۱۳۱)
فرمایا کہ تم (خدا کی) اطاعت اختیار کرو انھوں نے عرض کیا کہ میں نے اطاعت اختیار کی رب العالمین کی

پس اس اطاعت کے اختیار کرنے پر ہم نے ان کو شرف نبوت دیدیا خواہ اسی وقت یا بعد چندے

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ
اور اسی (ملت) کا حکم کر گئے ہیں ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹوں کو اور (اسی طرح) یعقوب بھی

اپنے بیٹوں کو مضمون اس کا یہ تھا کہ (آگے ترجمہ)

يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا
میرے بیٹو! اللہ تعالیٰ نے اس دین اسلام کو تمہارے لئے منتخب فرمایا ہے سو تم

مرتے دم تک اس کو نہ چھوڑنا

تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ؕ (۱۳۲) اَمْ
بجز اسلام کے اور کسی حالت پر جان نہ دینا کیا تم

کسی صحیح اور معتبر نقل سے یہ دعویٰ کرتے ہو یا کہ (آگے ترجمہ)

كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ
خود (اُس وقت) موجود تھے، جس وقت یعقوب علیہ السلام کا آخری وقت آیا (اور)
اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ
جس وقت اُنھوں نے اپنے بیٹوں سے

تجدید عہد کے لئے

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ
پوچھا کہ تم لوگ میرے مرنے کے بعد کس چیز کی پرستش کرو گے اُنھوں نے
اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ
بالاتفاق جواب دیا کہ ہم اُس کی پرستش کریں گے جس کی آپ اور آپ کے
وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّنَحْنُ لَهٗ
بزرگ (حضرت) ابراہیمؑ و اسماعیلؑ و اسحٰقؑ کرتے آئے ہیں یعنی وہی معبود جو وحدہ لا شریک
مُسْلِمُوْنَ (۱۳۳)
ہے اور ہم اسی کی اطاعت پر (قائم) رہیں گے

کسی نقلی دعوے کی صحت کے دو ہی طریقے ہیں یا نقل صحیح یا مشاہدہ یہاں دونوں نہیں تو دعویٰ محض بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل ہوا۔ عقلاً بھی نقلاً بھی عقلی دلیل کے خلاف تو اس لئے کہ یہودیت و نصرانیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت سے شروع ہوئے اور حضرت ابراہیم و یعقوب علیہما السلام ان دونوں سے بہت پہلے ہیں یاھل الکتاب لم تحاجون الخ میں بھی یہ مضمون ہے اور نقلی دلیل کیخلاف اس لئے کہ خبر صادق یعنی قرآن کے یہ خلاف ہے اور جو صادق کیخلاف ہو وہ کاذب ہے قل ء انتم اعلم ام اللہ الخ میں بھی یہی مضمون ہے اور یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ اسی طرح اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع ہوا ہے اور آپ ان حضرات سے بہت پیچھے ہیں پھر ان کا ملت اسلام پر ہونا کیسے ثابت ہوسکتا ہے جواب یہ ہے کہ اسلام کے معنی اطاعت حق کے ہیں اس سے تمام انبیاء کا ملت اسلام پر ہونا ثابت ہے بخلاف یہودیت یا نصرانیت کے کہ وہ خاص مذہب تورات یا مذہب انجیل کا نام ہے خوب سمجھ لو پس جو انبیاء پہلے نزول تورات و انجیل سے گزر چکے ہیں وہ یہودی یا نصرانی کیونکر ہوسکتے ہیں۔ ربط: اوپر ان سب انبیاء علیہم السلام کا ملت اسلام پر ہونا اور یہود و نصاریٰ کا بوجہ ترک اتباع محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس ملت سے اعراض کرنا ثابت ہو چکا جس سے عند اللہ ان کا غیر مقبول ہونا لازم آ گیا مگر ان لوگوں کو انبیاء کی اولاد ہونے یا مذہباً ان کی طرف منسوب ہونے پر فخر تھا اور اسی کو نجات کے لئے کافی سمجھے ہوئے تھے اس لئے اس خیال کا غلط اور محض نسبت کا ناکافی ہونا بیان فرماتے ہیں ۱۲

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا

یہ (اُن بزرگوں کی) ایک جماعت تھی جو گذر چکی اُنکے کام اُن کا کیا ہوا آویگا اور

كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾

تمہارے کام تمہارا کیا ہوا آوے گا اور تم سے اُنکے کیے ہوئے کی پوچھ بھی تو نہ ہوگی

تلک امة قد خلت الخ خالی تذکرہ بھی تو نہ ہوگا اس سے تم کو نفع پہنچنا یہ تو بڑی دور ہے مقبولین کے ساتھ انتساب اس شخص کے لئے نافع نہیں ہوتا جو عقائد قطعیہ میں ان کے مخالف ہو یہود و نصاریٰ ایسے ہی تھے کہ رسالت محمدیہؐ کے منکر تھے حالانکہ ان کے انبیاء سابقین اس کے مصدق تھے اور اگر عقائد قطعیہ میں مخالفت نہ کی جائے تو کسی درجہ میں انتساب مقبولین کا نافع ہوگا خواہ شفاعت سے خواہ محبت سے یا بنا بر معیت کے یہ نصوص صحیحہ سے ثابت ہے حاصل یہ کہ انتساب مومنین کو نافع ہوگا نہ کہ کفار کو اور اسی معنی کے اعتبار سے نسب بھی نافع ہے اب سب احادیث میں موافقت و مطابقت ہو جائیگی رہا دنیا میں نسب کا آثار کے اعتبار سے متفاوت ہونا بلاشبہ متضمن مصالح کثیرہ ہے جن کا مشاہدہ بھی ہے لیکن

اپنا تفاخر اور دوسرے کی تحقیر حرام ہے۔ ربط: اوپر ملت اسلام کا حق ہونا اور یہودیت اور نصرانیت کا زمانہ نبوت محمدیہؐ میں موجب نجات نہ ہونا مذکور ہے اب یہودیت و نصرانیت کی طرف بلانے والوں کے قول کا جواب ارشاد ہے۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا

اور یہ (یہودی و نصرانی) لوگ کہتے ہیں کہ تم لوگ یہودی ہو جاؤ

وقالوا کونوا ھودا او نصاریٰ الخ یہ یہود نے کہا تھا

اَوْ نَصٰرٰى

یا نصرانی ہو جاؤ

یہ نصاری نے کہا ہے

تَهْتَدُوْا ۭ قُلْ بَلْ

تم بھی راہ (حق) پر پڑ جاؤ گے آپ (جواباً) کہہ دیجئے کہ ہم تو

یہودی نصرانی کبھی نہ ہونگے بلکہ (آگے ترجمہ)

مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ۭ

ملت ابراہیم یعنی اسلام پر رہیں گے جس میں کجی کا نام بھی نہیں

بخلاف یہودیت و نصرانیت کے جس میں علاوہ محرف ہونے کے منسوخ ہو چکنے کے سبب سے بھی کجی آ گئی ہے۔

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾

اور ابراہیم علیہ السلام مشرک بھی نہ تھے

اس اخیر جملہ سے یا تو یہ مقصود ہے کہ ابراہیم علیہ السلام موحد خالص تھے اور یہودیت و نصرانیت میں اب شرک کی آمیزش ہوگئی ہے یا اس جملہ سے مشرکین عرب پر رد کرنا مقصود ہے کہ تم چند کام موافق ملت ابراہیم کر کے اپنے آپ کو ملت ابراہیمی کا متبع سمجھتے ہو حالانکہ تم میں اور ان میں زمین و آسمان کا تفاوت ہے کہ وہ موحد تھے اور تم مشرک ہو۔

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ

(مسلمانو) کہہ دو کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اُس (حکم) پر جو ہمارے پاس بھیجا گیا اور اُس پر بھی جو

اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ

(حضرت) ابراہیم اور (حضرت) اسمٰعیل اور (حضرت) اسحٰق اور (حضرت) یعقوب (علیہم السلام) اور

وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى

اولادِ یعقوبؑ (میں جو نبی گذرے ہیں اُن) کی طرف بھیجا گیا اور اُس (حکم و معجزہ) پر بھی جو حضرت

وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ج

موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کو دیا گیا اور اس پر بھی جو کچھ اور انبیاء علیہم السلام کو دیا گیا اُنکے پروردگار کی طرف سے

سو ہم ان سب پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان بھی (آگے ترجمہ)

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ صلے ز

اس کیفیت سے کہ ہم ان (حضرات) میں سے کسی ایک میں بھی تفریق نہیں کرتے

کہ کسی پر ایمان رکھیں کسی پر نہ رکھیں اخیر جملہ و نحن له مسلمون میں اس ملت کے نام یعنی اسلام کی طرف اشارہ فرما دیا۔

وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ فَاِنْ اٰمَنُوْا

اور ہم تو اللہ تعالیٰ کے مطیع ہیں سو اگر وہ بھی اسی طریق سے ایمان لے آویں جس

بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ج

طریق سے تم (اہل اسلام) ایمان لائے ہو تب تو وہ بھی راہ حق پر لگ جاویں

وَاِنْ تَوَلَّوْا

گے اور اگر وہ رُوگردانی کریں تو

تم ان کی روگردانی سے کچھ تعجب نہ کرو۔

فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ج

تو وہ لوگ تو (ہمیشہ سے) برسرِ مخالفت ہیں ہی

اور اگر ان کی مخالفت سے کچھ اندیشہ ہو۔

فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ج وَهُوَ السَّمِيْعُ

تو (سمجھ لو کہ) تمہاری طرف سے عنقریب ہی نمٹ لیں گے اُن سے اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ سنتے ہیں

تمہاری اور ان کی باتیں۔

الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾ ط

جانتے ہیں

تمہارے اور ان کے برتاؤ تمہارے فکر و غم کی کوئی ضرورت نہیں چنانچہ تھوڑے دنوں میں یہود و نصاریٰ اور سب کفار کو مغلوب کر دیا جیسا کہ تواریخ متواترہ میں بھی منقول ہے۔ ربط: اس دین حق کا لقب جو ملت ابراہیمی ہے اس میں ایک نبی کے نام کی طرف نسبت تھی آگے اسلام کا مزید شرف ظاہر کرنے اور توحید کا زیادہ اہتمام کرنے کے لئے اپنے ہی نام کی طرف اس کو منسوب فرماتے ہیں۔ صبغة الله الخ

ف: اے مسلمانو! کہہ دو کہ ہم نے جو اوپر تم لوگوں کے جواب میں کہا ہے کہ ملت ابراہیمی پر رہیں گے اس کی حقیقت یہ ہے کہ (آگے ترجمہ)

صِبْغَةَ اللّٰهِ ج

ہم (دین کی) اس حالت پر رہیں گے جس میں (ہم کو) اللہ تعالیٰ نے رنگ دیا ہے

اور رنگ کی طرح ہمارے رگ و ریشہ میں اس کو بھر دیا ہے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ز

اور (دوسرا) کون ہے جس کے رنگ دینے کی حالت اللہ تعالیٰ سے خوب تر ہو

جب کوئی دوسرا ایسا نہیں تو ہم نے اور کسی کا دین بھی اختیار نہیں کیا

ربط: اوپر کی آیتوں میں یہود و نصاریٰ پر پورے طور سے حجت قائم ہو چکی پھر بھی وہ لوگ برابر اپنے کو حق پر اور مسلمانوں کو باطل پر بتلاتے رہے حق تعالیٰ نے اول دونوں باتوں کی تحقیق خوب فرما دی اب دوسرے طرز سے جواب تعلیم فرماتے ہیں۔

وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ

اور (اسی لئے) ہم اس کی غلامی اختیار کئے ہوئے ہیں آپ (اُن سے) فرما دیجئے کہ کیا تم لوگ ہم سے (اب بھی) حجت کئے جاتے ہو حق تعالیٰ (کے معاملہ) میں

قل اتحاجوننا في الله تا عما تعملون کہ وہ ہم کو قیامت میں نہ بخشیں گے۔

وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ج

حالانکہ وہ ہمارا اور تمہارا (سب کا) رب ہے

سو مالک ہونے میں تو تمہارے ساتھ کوئی خصوصی نہیں جیسا کہ تمہارے بعض دعاوی سے مفہوم ہوتا ہے جیسے نحن ابناء الله

وَلَنَآ اَعْمَالُنَا

اور ہم کو ہمارا کیا ہوا ملے گا

یہاں تک تو تمہارے نزدیک بھی مسلم ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ (آگے ترجمہ)

وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ج وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ لا

اور تم کو تمہارا کیا ہوا ملے گا اور ہم نے صرف حق تعالیٰ کی (خوشنودی) کیلئے اپنے دین کو شرک وغیرہ سے خالص کر رکھا ہے

بخلاف تمہارے طریقہ موجودہ کے کہ علاوہ منسوخ ہونے کے خود شرک اس میں ملا ہوا ہے جب اس میں ہم کو اللہ نے ترجیح دی ہے پھر ہم کو نجات نہ ہونے کے کیا معنی

اَمْ

یا

اب بھی اپنی حقانیت ثابت کرنے کو یہی (آگے ترجمہ)

تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ

کہے جاتے ہو کہ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوب

وَيَعْقُوْبَ

اور اولادِ یعقوبؑ

میں جو انبیاء گزرے ہیں وہ سب حضرات (ترجمہ)

وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ

یہود اور نصاریٰ تھے

اور تم اس موافقت کے واسطے سے اپنا حق پر ہونا ثابت کرتے ہو سو اس کے جواب میں اتنی ایک مختصری بات (آگے ترجمہ)

قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجئے کہ (اچھا یہ بتلاؤ کہ) تم زیادہ واقف ہو یا حق تعالیٰ

اور ظاہر ہے خدا ہی زیادہ واقف ہے اور وہ ان سب انبیاء کا ملت اسلام پر ہونا ثابت کر چکے ہیں اور جانتے وہ بھی ہیں مگر چھپاتے ہیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ

اور ایسے شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو ایسی شہادت کا اخفا کرے جو اس کے پاس منجانب

اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾

اللہ پہنچی ہو اور (اے اہلِ کتاب) اللہ تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے سے بے خبر نہیں ہیں

پس جب یہ حضرات یہود و نصاریٰ نہ تھے سو تم دین میں ان کے موافق کب ہوئے پھر تمہارا حق پر ہونا بھی ثابت نہ ہوا اور اپنے کو مخلص کہنے سے دعویٰ کمال مقصود نہیں بلکہ مناظرہ مذہبی میں اپنے طریقہ دین کا اظہار منظور ہے جو ضروری امر ہے **ربط**: پہلے یہود کے ایک فخر و زعم کے جواب میں جو نبی زادے ہونے کی وجہ سے کرتے تھے آیت تلک امۃ گذر چکی ہے۔ چونکہ یہاں ان کا فخر و زعم دوبارہ مذکور ہوا اس لئے وہی آیت پھر مکرر لائی جاتی ہے فرق یہ ہے کہ وہ ابتدائی جواب تھا

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ

یہ (ان بزرگوں کی) ایک جماعت تھی جو گذر گئی ان کے کام ان کا کیا

وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا

ہوا آوے گا اور تمہارے کام تمہارا کیا ہوا اور تم سے ان کے کئے

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾ ع

ہوئے کی پوچھ بھی تو نہ ہوگی

اور جب تذکرہ بھی نہ ہوگا تو اس سے تم کو نفع پہنچنا تو درکنار اس کے متعلق فائدہ اور پر گزر چکا ہے۔

الحمد للہ پہلے پارہ کی تفسیر ختم ہوئی

ربط: اوپر بیان ہو چکا ہے کہ اعتراض تحویل قبلہ کا جواب چند اجزاء پر مشتمل ہے ان میں سے ایک جزو حاکمانہ جواب بھی ہے سو وہ آیت آئندہ میں مذکور ہوتا ہے اور جواب کی تمہید میں ان کے جاہلانہ قول کی بھی تصریح فرمادی ہے۔ **سیقول تا مستقیم** جب کعبہ قبلۂ نماز مقرر ہو کر یہود کا قبلہ متروک ہو گیا تو بوجہ ناگوار ہونے کے (آگے ترجمہ)

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ

اب تو (یہ) بیوقوف لوگ ضرور کہیں ہی گے کہ ان (مسلمانوں) کو ان کے (سابق سمت) قبلہ سے

کہ بیت المقدس تھا

عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ۭ قُلْ لِّلّٰهِ

جس طرف پہلے متوجہ ہوا کرتے تھے کس (بات) نے بدل دیا آپ فرما دیجئے کہ

الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۭ

سب مشرق اور مغرب اللہ ہی کی ملک میں ہیں

خدا تعالیٰ کو مالکانہ اختیار ہے جس سمت کو چاہیں مقرر فرمادیں کسی کو منصب علت دریافت کرنے کا نہیں ہے اور سیدھا طریق احکام شرعیہ کے بارہ میں یہی اعتقاد ہے لیکن بعضوں کو اس راہ کی توفیق نہیں ہوتی خواہ مخواہ علتیں ڈھونڈتے پھرتے ہیں البتہ اپنے فضل سے (آگے ترجمہ)

يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

جس کو خدا ہی چاہیں (یہ) سیدھا طریق بتلا دیتے ہیں

جس اعتقاد کو اس جگہ صراط مستقیم کہا گیا ہے درحقیقت سلامتی اور امن اسی راستہ میں ہے آج کل اکثر نوخیز طبائع نے اس صراط مستقیم کو چھوڑ دیا ہے اور احکام کی علل تفتیش کرنے میں لگ گئے ہیں جن میں بعض کی غرض تو نعوذ باللہ احکام شرعیہ کی توہین یا تکذیب اور اس پر اعتراض کرنا ہوتا ہے اور بعض کو اس بہانہ سے عمل کرنے سے جان چرانا مقصود ہوتی ہے اور بعض کی گو غرض فاسد نہیں ہوتی لیکن فہم عالی اور دقیق نہ ہونے سے نتیجہ اس کا اکثر بددینی اور بداعتقادی ہے مسلمان کو تو ایسا ہونا چاہئے

زبان تازہ کردن باقرار تو — نینگیختن علت از کار تو

ربط: قبول احکام شرعیہ کے بارہ میں جس امر کو صراط مستقیم فرمایا ہے چونکہ جماعت محمدیہ نے اس کو بے چون و چرا اختیار کرلیا اس لئے آیۂ آئندہ کے شروع میں بطور جملہ معترضہ کے ان کی مدح وفضیلت بیان کر کے پھر اصل مطلب کی طرف رجوع فرمائیں گے۔ **وکذلک جعلنکم تا شهیدا**

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا

اور ہم نے تم کو ایسی ہی ایک جماعت بنادی ہے جو (ہر پہلو سے) نہایت اعتدال پر ہے

اے متبعان محمد صلی اللہ علیہ وسلم (آگے ترجمہ) دنیا میں شرف و امتیاز حاصل ہونے کے علاوہ آخرت میں بھی تمہارا بڑا شرف ظاہر ہو کہ ایک بڑے مقدمہ میں جس میں ایک فریق حضرات انبیاءؑ ہوں گے اور دوسرا فریق ان کی مخالف قومیں (آگے ترجمہ)

لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي النَّاسِ

تاکہ تم (مخالف) لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ہو

شرف بالائے شرف یہ ہو کہ (آگے ترجمہ)

وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۭ

اور تمہارے لئے اور رسول (اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) گواہ ہوں

اور اس شہادت سے تمہاری شہادت معتبر قرار پائے پھر تمہاری شہادت سے حضرات انبیاء کے حق میں فیصلہ ہوا اور مخالفین مجرم قرار پا کر سزایاب ہوں اور اس کا اعلیٰ درجہ کی عزت ہونا ظاہر ہے حدیثوں میں اس کی بھی تفسیر آئی ہے کہ پہلی امتوں کے کافر حق تعالیٰ سے کہہ دیں گے کہ ہم کو آپ کے احکام ہی کی اطلاع نہیں ہوئی انبیاءؑ دعویٰ کریں گے کہ ہم نے اطلاع دے دی تھی انبیاء سے گواہ لئے جائیں گے وہ امت محمدیہ کو اپنا گواہ بتلائیں گے اس امت کو بلا کر پوچھا جائے گا یہ انبیاءؑ کے موافق گواہی دیں گے کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے اس واقعہ کا ثبوت دلائل قطعیہ سے پہنچا ہم کو اس لئے واقفیت تھی پھر جرح مدعا علیہ کو بند کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر ان گواہوں کے معتبر ہونے کی تصدیق فرماویں گے اس پر اجلاس احکم الحاکمین سے فیصلہ کر دیا جائے گا اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ امت محمدیہ انبیاءؑ سے تو زیادہ معتبر نہیں ہے جو ان کی سچائی ان کی گواہی سے ثابت کی جائے جواب یہ ہے کہ جب کوئی اعلیٰ افسر کسی مقدمہ میں فریق ہو جاتا ہے تو وہ اپنے سے چھوٹے درجہ کے آدمیوں کو گواہی میں پیش کر سکتا ہے اور فریق ثانی کو یہ کہنے کا حق حاصل نہیں ہوتا کہ جب میں اعلیٰ افسر کو جھوٹا مانتا ہوں تو ادنیٰ درجہ کے گواہوں کی بات کیونکر مان لوں گا اس کو گواہوں پر یہ جرح کرنے کا حق نہیں کہ یہ ادنیٰ درجہ کے ہیں کوئی نقص گواہوں کی عدالت میں نکالا جائے تو البتہ مسموع ہوگا اور امت محمدیہ نے اگرچہ ان واقعات کا مشاہدہ نہیں کیا مگر چونکہ وحی کے ذریعہ سے پورا یقین ہے اس لئے وہ شہادت دے سکتے ہیں جس کا

مدار یقین پر ہے خواہ کسی ذریعہ سے حاصل ہوا ہو

وَ

اور

اور اصل میں تو شریعت محمدیہ کے لئے ہم نے کعبہ ہی کو قبلہ تجویز کر رکھا تھا (آگے ترجمہ دیکھئے)

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ

جس سمت قبلہ پر آپ رہ چکے ہیں (یعنی بیت المقدس) وہ تو محض اس کے لئے تھا کہ ہم کو (ظاہری طور پر بھی) معلوم ہو جائے کہ

اس کے مقرر ہونے یا بدلنے سے یہود اور غیر یہود میں سے (آگے ترجمہ)

مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَى عَقِبَيْهِ ط

کون تو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اتباع اختیار کرتا ہے اور کون پیچھے کو ہٹتا جاتا ہے

اور نفرت اور مخالفت کرتا ہے اس امتحان کے لئے اس عارضی قبلہ کو مقرر کیا تھا پھر اصلی قبلہ سے اس کو منسوخ کر دیا۔

وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ط

اور یہ قبلہ کا بدلنا (منحرف) لوگوں پر ہوا بڑا ثقیل (ہاں) مگر جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی ہے

جس کا بیان اوپر گزرا کہ احکام الٰہیہ کو بے چون وچرا قبول کر لینا ان کو ذرا بھی گراں نہیں گزرتا جیسا پہلے اس کو حکم خدا سمجھتے تھے اب اس کو خدا کا حکم سمجھتے ہیں ۱۲

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ط

اور اللہ تعالیٰ ایسے نہیں ہیں کہ تمہارے ایمان کو

یعنی جو اس کے متعلق اعمال ہیں جیسے کہ نماز، اس کے ثواب کو ضائع کر دیں

إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿١٤٣﴾

ضائع (اور ناقص) کر دیں (اور) واقعی اللہ تعالیٰ تو (ایسے) لوگوں پر بہت ہی شفیق (اور) مہربان ہیں

تو ایسے شفیق مہربان پر یہ گمان کب ہو سکتا ہے کیونکہ کسی قبلہ کا اصلی یا غیر اصلی ہونا تو ہم ہی جانتے ہیں تم نے دونوں کو ہمارا حکم سمجھ کر قبول کیا اس لئے ثواب بھی کسی کا کم نہ ہوگا

قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ج

ہم آپ کے منہ کا (یہ) بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں

اور ہم کو آپ کی خوشی پوری کرنا منظور ہے ۱۲

فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا ص فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ

اس لئے ہم (وعدہ کرتے ہیں کہ) ہم آپ کو اسی قبلہ کی طرف متوجہ کر دیں گے جس کے لئے آپ کی مرضی ہے (تو) پھر (حکم) ہی دیئے دیتے ہیں کہ) اپنا چہرہ (نماز میں) مسجد

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط

حرام (کعبہ) کی طرف کیا کیجئے۔

اور یہ حکم تخصیصی نہیں بلکہ سب کے لئے عام ہے

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ

اور تم سب لوگ

پیغمبر بھی امتی بھی

فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ط

جہاں کہیں بھی موجود ہو

مدینہ میں یا اور جگہ حتیٰ کہ خود بیت المقدس میں بھی ۱۲

وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ

اپنے چہروں کو اسی (مسجد حرام) کی طرف کیا کرو اور یہ اہل کتاب بھی

بالعموم اپنی اپنی کتابوں کی پیشین گوئی کی وجہ سے اس قبلہ کے متعلق خوب واقفیت رکھتے ہیں کہ نبی آخر الزمان کا قبلہ اس طرح ہوگا

لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ط

یقیناً جانتے ہیں کہ یہ (حکم) بالکل ٹھیک ہے (اور) ان کے پروردگار ہی کی طرف سے (ہے)

بلکہ عناداً انہیں مانتے ۱۲

وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿١٤٤﴾

اور اللہ تعالیٰ ان کی ان کارروائیوں سے کچھ بے خبر نہیں ہیں

حاصل حکمت کا یہ ہوا کہ ہم کو آپ کی خوشی منظور تھی اور آپ کی خوشی کعبہ کے قبلہ مقرر ہونے میں دیکھی اس لئے اسی کو قبلہ مقرر کر دیا رہا یہ کہ آپ کی خوشی اس میں کیوں تھی وجہ اس کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ کی علامات نبوت میں ایک علامت یہ بھی تھی کہ آپ کا قبلہ کعبہ ہوگا اللہ تعالیٰ نے آپ کے نورانی قلب میں اسی کی خواہش پیدا کر دی۔ ربط: اوپر فرمایا ہے کہ اہل کتاب اس قبلہ کا منجانب اللہ ہونا جانتے ہیں آگے ان کے عناد کا بیان ہے۔ ولئن اتیت الخ

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ

اور اگر آپ (ان) اہل کتاب کے سامنے تمام (دنیا بھر کی) دلیلیں پیش کردیں جب بھی یہ

مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ج

(کبھی) آپ کے قبلہ کو قبول نہ کریں

باوجود ان لوگوں کے سب کچھ سمجھنے کے ان کی ضد کی یہ حالت ہے کہ ان کی موافقت کی امید اس لئے نہ رکھنا چاہئے کہ آپ کا قبلہ بھی منسوخ ہونے والا نہیں (آگے ترجمہ)

وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ج

اور آپ بھی ان کے قبلہ کو قبول نہیں کر سکتے (پھر موافقت کی کیا صورت)

جیسا ان اہل کتاب کو آپ سے ضد ہے انہیں باہم بھی موافقت نہیں

وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ط

اور ان کا کوئی (فریق) بھی دوسرے (فریق) کے قبلہ کو قبول نہیں کرتا

مثلاً یہود نے بیت المقدس لے رکھا تھا اور نصاریٰ نے مشرق کی سمت کو قبلہ بنا رکھا تھا اور خدانخواستہ آپ تو کسی طرح ان کے قبلہ کو لے ہی نہیں سکتے کیونکہ اگرچہ وہ اصل میں حکم خداوندی رہا ہو لیکن اب بوجہ منسوخ ہونے کے اس پر قائم رہنا محض نفسانی تعصب ہے سو (آگے ترجمہ)

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ

اور اگر آپ ان کے (ان) نفسانی خیالات کو اختیار کر لیں (اور وہ بھی) آپ کے

مِنَ الْعِلْمِ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

پاس علم (وحی) آئے پیچھے تو یقیناً آپ (نعوذ باللہ) ظالموں میں شمار ہونے لگیں

اور آپ کا ظالم ہونا بوجہ معصوم ہونے کے محال ہے اس لئے آپ کا ان کے خیالات کو قبول کرنا کہ منجملہ ان کے قبلہ بھی ہے نیز محال ہے۔ ربط: اوپر یہ بیان تھا کہ اہل کتاب مسلمانوں کے قبلہ کو حق جانتے ہیں اور زبان سے نہیں مانتے ہیں آگے یہ ذکر ہے کہ اسی طرح صاحب قبلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دل میں حق جانتے مگر زبان سے نہیں مانتے ہیں الذین اتینھم الخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بحیثیت رسالت بوجہ بشارت مندرجہ کے بے شک وشبہ سچا رسول جانتے ہیں اور (آگے ترجمہ)

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ

جن لوگوں کو ہم نے کتاب (توراۃ وانجیل) دی ہے وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اَبْنَآءَهُمْ ط

کو ایسا پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو (ان کی صورت سے) پہچانتے ہیں

کہ بیٹے کی صورت دیکھ کر کبھی شبہ نہیں ہوتا کہ یہ کون شخص ہے مگر پہچان کر بھی سب مسلمان نہیں ہوئے بلکہ بعض تو ایمان لائے (آگے ترجمہ)

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ

اور بعضے ان میں سے امر واقعی کو باوجودیکہ خوب جانتے ہیں (مگر) اخفا کرتے

يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ

ہیں (حالانکہ) یہ امر واقعی منجانب اللہ (ثابت ہو چکا) ہے

ایسے امر واقعی کی نسبت ہر شخص کو کہا جا سکتا ہے کہ (آگے ترجمہ)

فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع

سو ہرگز شک وشبہ کرنے والوں میں شمار نہ ہونا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہچاننے کو جو اولاد کے پہچاننے سے تشبیہ دی ہے اس کا مطلب بیان ہو چکا کہ مراد صورت کا پہچاننا ہے تو اب وہ شبہ جاتا رہا کہ بیٹا کا اپنا بیٹا ہونا تو بعض دفعہ مشتبہ ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں بیوی کی خیانت کا احتمال ہو سکتا ہے تو یہ تشبیہ پوری نہ ہوئی جواب یہ ہے کہ تشبیہ میں بیٹے کا بیٹا ہونا ملحوظ نہیں بلکہ بیٹے کی صورت ملحوظ ہے سو چونکہ بیٹا گود میں پرورش پاتا ہے ہر وقت آدمی اس کو دیکھتا رہتا ہے اس کی صورت میں عادۃً شبہ نہیں ہوتا اس لئے بیٹوں کی معرفت سے تشبیہ نہیں دی کیونکہ عرفاً بیٹا زیادہ پیارا ہوتا ہے باپ اس کو اپنے ساتھ زیادہ رکھتا ہے اور اسی وجہ سے یہ نہیں فرمایا کہ جیسے اپنے آپ کو جانتے ہیں کیونکہ انسان پر ایک زمانہ ایسا آتا ہے کہ اس میں اپنی ذات کی معرفت حاصل نہیں ہوتی جیسے بالکل بے ہوشی کا زمانہ بخلاف اپنے بیٹے کے کہ وہاں یہ نوبت نہیں آتی لکل وجھۃ الخ

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا

اور ہر مذہب والے شخص کے واسطے ایک ایک قبلہ رہا ہے جس کی طرف وہ عبادت (میں) منہ کرتا رہا ہے

کہ دوسری حکمت تحویل قبلہ میں یہ ہے کہ عادۃ اللہ جاری ہے کہ چونکہ شریعت محمدیہ بھی ایک مستقل دین ہے اس کا قبلہ بھی ایک خاص ہو گیا

فَاسْتَبِقُوا

سو تم

اے مسلمانو اس بحث کو چھوڑ دو حکمت سب پر ظاہر ہو چکی ہے تم اپنے دین کے (آگے ترجمہ)

الْخَیْرٰتِ ؕ اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یَاْتِ بِکُمُ اللّٰہُ جَمِیْعًا ؕ
نیک کاموں میں لگا ہو کر تم خواہ کہیں ہو گے (لیکن) اللہ تعالیٰ تم سب کو حاضر کر دیں گے

اس وقت نیکیوں پر جزاء اور اعمال پر سزا مرتب ہوگی

اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۴۸﴾
بالیقین اللہ تعالیٰ ہر امر پر پوری قدرت رکھتے ہیں

اس حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جس طرح حضر میں کعبہ کی طرف رخ ہوتا ہے اسی طرح اگر مدینہ سے یا اور کہیں سے (آگے ترجمہ) ومن حیث تاتہتدون

وَمِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَکَ شَطْرَ
اور جس جگہ سے بھی (کہیں سفر میں) آپ باہر جاویں تو (بھی) اپنا چہرہ (نماز میں)
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاِنَّہٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ ؕ وَمَا
مسجد حرام (یعنی کعبہ) کی طرف رکھا کیجئے اور یہ (حکم عام قبلہ کا) بالکل حق ہے (اور)
اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَمِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ
منجانب اللہ (ہے) اور اللہ تعالیٰ کئے ہوئے کاموں سے اصلاً بے خبر نہیں اور (مکرر پھر کہا جاتا ہے کہ) آپ جس جگہ سے بھی (سفر میں) باہر جاویں

اور حضر میں تو بدرجہ اولی کیونکہ تجویز قانون کے وقت آپ مقیم ہی تھے ۱۲

فَوَلِّ وَجْهَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَ
اپنا چہرہ (نماز میں) مسجد حرام کی طرف رکھئے۔ اور

اسی طرح سب مسلمان بھی سن لیں

حَیْثُ مَا کُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَکُمْ شَطْرَہٗ ۙ
تم لوگ جہاں کہیں (موجود) ہوا اپنا چہرہ (نماز میں) اس کی طرف رکھا کرو

اور یہ حکم اس لئے مقرر کیا جاتا ہے (آگے ترجمہ)

لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَیْکُمْ حُجَّةٌ ۙ ق
تا کہ (ان مخالف) لوگوں کو تمہارے مقابلہ میں گفتگو (کی مجال) نہ رہے

کہ اگر محمدؐ وہی نبی موعود آخر الزمان ہوتے تو ان کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ ان کا اصلی قبلہ کعبہ ہوگا اور یہ تو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے ہیں اس حکمت کے واسطے بھی ہم نے تحویل قبلہ کیا ہے۔

اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ق
(ہاں) مگر ان میں جو کہ (بالکل ہی) بے انصاف ہیں

وہ اب بھی کٹ حجتی نکال لیں گے کہ یہ کیسے نبی ہیں جو کہ اتنے انبیاء کے خلاف کعبہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں لیکن ایسے مہمل اعتراض سے دین حق کو کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا

فَلَا تَخْشَوْهُمْ
تو ایسے لوگوں سے (اصلاً) اندیشہ نہ کرو

اور ان کے اعتراضوں کے جواب کی فکر میں مت پڑو

وَاخْشَوْنِیْ ق
اور مجھ سے ڈرتے رہو

کہ میرے احکام کی مخالفت نہ ہونے پائے کہ یہ البتہ تم کو مضر ہے

وَ
اور

ہم نے تم کو ان احکام مذکورہ پر عمل کرنے کی توفیق بھی دی (آگے ترجمہ)

لِاُتِمَّ نِعْمَتِیْ عَلَیْکُمْ
تا کہ تم پر جو (کچھ) میرا انعام ہے اس کی تکمیل کر دوں

کہ آخرت میں بہشت میں داخل کر دوں

وَلَعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ ۛ
اور تا کہ (دنیا میں) تم راہ راست (حق) پر رہو

جو کہ اسلام ہے جس پر تکمیل نعمت مرتب ہوتی ہے۔ ف چونکہ قبلہ کا معاملہ نہایت مہتم بالشان تھا اور نیز مخالفین کا اس میں شور وشغب بھی زیادہ تھا نیز بعض صورتوں کی تعیین احکام میں تردد بھی ہو سکتا تھا اس لئے کئی کئی پہلوؤں سے اس کو بیان کیا اور حکمتیں بھی کئی ارشاد ہوئیں حکم حضر کی طرف الگ اشارہ کیا سفر کے حکم کی جدا تصریح کی تا کہ حضر میں جو مدینہ والے جنوب کی طرف منہ کرتے ہیں کہ کعبہ وہاں سے اسی سمت کو ہے اس کی خصوصیت کا وہم نہ ہو جائے اور سفر کا موقعہ زیادہ شبہ کا تھا کہ شاید راہ کا حکم جدا ہو منزل کا جدا ہو اس کو مکرر لائے لفظ من سے جو عربی میں ابتداء کے لئے ہے واضح ہو گیا کہ شروع سفر سے یہی حکم ہے راہ اور منزل سب کا حکم معلوم ہو گیا پھر خطاب خاص حضور

کو الگ کیا خطاب عام مسلمانوں کو الگ کیا سفر کے متعلق بھی اور حضر کی بابت بھی اور اس حکم کے حق ہونے کی شروع میں آیت قد نریٰ کے اندر بھی تصریح کی پھر رکوع کے ختم پر دوبارہ تصریح کی پھر آیت من حیث خرجت میں سہ بارہ تصریح کی اور اس حکم کے قبول کرنے والوں کو شروع میں بھی باہدایت فرمایا یھدی من یشاء میں اور اسی پر ختم بھی فرمایا لعلکم تھتدون سے اور لاتخشوھم میں جھگڑے اور نزاع سے یکسو اور بے غم ہونے کی طرف اشارہ فرما کر اس حکم کے غایت درجہ واضح ہونے پر بھی تنبیہ فرما دی ہے اس کے ضمن میں یہ بھی تعلیم ہوگئی کہ جب معترض کا عناد قرآن سے معلوم ہو جائے تو پھر اس کا جواب دینا لاحاصل ہے البتہ اگر کسی طالب حق کو اس اعتراض سے شبہ ہو جائے اس کی اصلاح ضرور کر دی جائے۔ **ربط**: اس مضمون تحویل قبلہ کی ابتداء میں ابراہیمؑ بانی کعبہ کی دعا مذکور ہوئی تھی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اولاد ابراہیمؑ میں ایک خاص شان کے ساتھ مبعوث ہونے کی درخواست تھی اسی مضمون پر اس کو ختم کرتے ہیں پس آغاز و انجام کے اتحاد سے اشارہ ہوگیا کہ ان پیغمبر کی شریعت میں کعبہ کا قبلہ مقرر ہونا جائے تعجب نہیں کیونکہ کعبہ بنائے ابراہیمؑ ہے اور یہ ابن ابراہیمؑ ہیں اور اس رسول کے مبعوث ہونے کی انہوں نے دعا بھی کی تھی ہم نے ان کی دونوں دعائیں قبول کیں اور کعبہ کو امت محمدیہ کا قبلہ قیامت تک کے لئے مقرر کر دیا جو قبول بناء کی بہت بڑی علامت ہے پس ارشاد ہے کما ارسلنا فیکم الخ یعنی ہم نے کعبہ کو قبلہ مقرر کر کے ابراہیمؑ کی ایک دعا جو قبولیت کعبہ کے متعلق تھی اس طرح قبول کی (آگے ترجمہ)

كَمَآ

جس طرح

ان کی دوسری دعاء جو دوبارہ بعثت محمدیہ کے تھی قبول کی (آگے ترجمہ)

أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ

تم لوگوں میں ہم نے ایک (عظیم الشان) رسول کو بھیجا (جو کہ تم ہی میں سے (ہیں اور وہ) ہماری

آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ

آیات (واحکام) پڑھ پڑھ کر تم کو سناتے ہیں اور جہالت سے) تمہاری صفائی کرتے رہتے ہیں

خیالات و رسوم جہالت سے

وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم

اور تم کو کتاب (الٰہی) اور کام کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں اور تم کو ایسی (مفید)

مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿١٥١﴾

باتیں تعلیم کرتے رہتے ہیں جن کی تم کو خبر بھی نہ تھی

اور نہ کتب سابقہ کی صریح بیانات یا عقل ان کے لئے کافی تھی اور اسی شان کے رسول کے مبعوث ہونے کی ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی سو اس کا ظہور ہوگیا **ربط**: چونکہ سابق آیات میں بڑی بڑی نعمتوں کا ذکر تھا اس لئے آیت آئندہ میں اپنے ذکر اور نعمت کے شکر کا حکم فرما کر اس مضمون کی بوجہ احسن تکمیل فرماتے ہیں فاذکرونی الخ

فَاذْكُرُونِي

ان (نعمتوں) پر

بوجہ میرے منعم ہونے کے (آگے ترجمہ)

أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿١٥٢﴾

مجھ کو یاد کرو میں تم کو (عنایت سے) یاد رکھوں گا اور میری (نعمت کی) شکرگزاری کرو اور میری ناسپاسی مت کرو

انکار نعمت یا ترک اطاعت کر کے ۱۲ **ربط**: اوپر ایک خاص واقعہ میں صبر کی تعلیم اور صابرین کی فضیلت بیان ہوئی اب بعض دیگر واقعات خلاف طبع کی تفصیل اور ان میں صبر کی ترغیب اور فضیلت بیان فرماتے ہیں جس میں کفار کے ساتھ قتل و قتال کو مقدم فرماتے ہیں دو وجہ سے ایک بوجہ اعظم ہونے کے کہ بڑی بات پر صبر کرنے والا چھوٹی پر بدرجہ اولیٰ صبر کرے گا دوسرے مناسبت مقام کی وجہ سے کیونکہ ان معترضین کے ساتھ یہ معاملہ پیش آتا تھا ولاتقولوا الخ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ

اے ایمان والو (غم ہلکا کرنے کے لئے) صبر اور نماز سے سہارا (اور مدد) حاصل کرو

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٣﴾ وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ

بلاشبہ حق تعالیٰ (ہر طرح سے) صبر کرنے والوں کے ساتھ رہتے ہیں (اور نماز پڑھنے والوں کے ساتھ تو بدرجہ اولیٰ) اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں

یعنی دین کے واسطے

فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ

ان کی نسبت یوں بھی مت کہو کہ وہ (معمولی مردوں کی طرح مردے ہیں بلکہ وہ تو

ایک ممتاز حیات کے ساتھ (آگے ترجمہ)

أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن

زندہ ہیں لیکن تم

ان حواس سے اس حیات کا (آگے ترجمہ)

لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

ادراک نہیں کر سکتے

ایسے مقتول کو شہید کہتے ہیں اور اس کی نسبت گو یہ کہنا کہ وہ مر گیا جائز ہے لیکن اس کی موت کو دوسرے مردوں کی طرح سمجھنا منع ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ بعض مرنے کی اگرچہ عالم برزخ میں ہر شخص کی روح کو حیات حاصل ہوتی ہے اور اسی سے جزاء وسزا کا ادراک ہوتا ہے لیکن شہید کو اس حیات میں دوسروں سے گونہ امتیاز ہے وہ یہ کہ اس کی حیات دوسروں کی حیات سے زیادہ قوی ہوتی ہے حتیٰ کہ اس کا اثر روح سے متجاوز ہو کر بدن پر ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا بدن باوجودیکہ مجموعہ گوشت و پوست کا ہے خاک سے متاثر نہیں ہوتا اور مثل زندوں کے صحیح وسالم رہتا ہے چنانچہ احادیث ومشاہدات اس پر گواہ ہیں اور اگر کسی نے شہید کی لاش کو خاک خوردہ پایا ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ ممکن ہے کہ اس کی نیت خالص نہ ہو جس پر شہادت کا مدار ہے کیونکہ صرف قتل ہونے کا نام شہادت نہیں ہے اور یہی حیات ہے جس میں انبیاء شہداء سے بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں کہ باوجود سلامتی جسم کے بعض احکام میں وہ مثل زندہ کے ہیں مثلاً بعد موت ظاہری کے ان کی ازواج کا نکاح کسی سے درست نہیں ہوتا ان کا مال میراث میں تقسیم نہیں ہوتا اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اولیاء وصالحین بھی اس فضیلت میں شہدا کے شریک ہیں سو مجاہدۂ نفس میں مرنے کو بھی معنی شہادت میں داخل سمجھیں گے اور چونکہ عالم برزخ کا ادراک ظاہری حواس سے نہیں ہوتا اس لئے لاتشعرون فرمایا گیا

ربط: مواقع صبر میں سے بڑے واقعہ کو بیان کر کے چھوٹے واقعات کا ذکر فرماتے ہیں جس سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ دربار خداوندی میں صبر کی اعلیٰ قسم کی طرح ادنیٰ قسم کی بھی قدر ہے ولنبلونکم تاھم المھتدون

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ

اور (دیکھو) ہم تمہارا امتحان کریں گے

صفت رضا وتسلیم میں جو کہ ایمان کا تقاضا ہے

بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ

کسی قدر خوف اور فاقہ سے

جو کہ ہجوم مخالفین یا نزول حوادث وشدائد سے پیش آئے۔

وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ

اور کسی قدر مال اور جان اور پھلوں کی کمی سے

مثلاً مواشی مر گئے یا کوئی اور آدمی مر گیا یا بیمار ہو گیا یا پھل اور کھیتی کی پیداوار ضائع ہو گئی اور جو لوگ ان امتحانوں میں پورے پورے اتر آویں اور مستقل رہیں (آگے ترجمہ)

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ

اور آپ ایسے صابرین کو بشارت سنا دیجئے (جن کی یہ عادت ہے) کہ ان پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے

قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ

تو وہ (دل سے یوں) کہتے ہیں کہ ہم تو (مع مال واولاد حقیقۃً) اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں

اور مالک حقیقی کو اپنی ملک میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار ہے اس سے غلام کو تنگ ہونا کیا معنی

وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾

اور ہم سب دنیا سے اللہ تعالیٰ کے پاس جانے والے ہیں

سو یہاں کے نقصانات کا بدلہ وہاں جا کر مل رہے گا اور وہ بشارت یہ ہے کہ (آگے ترجمہ) ۱۲

اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ

ان لوگوں پر (جدا جدا) خاص خاص رحمتیں بھی انکے پروردگار کی طرف سے ہوں گی

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

اور (سب پر بالاشتراک) عام رحمت بھی ہوگی اور یہی لوگ ہیں جن کی (حقیقت حال تک) رسائی ہوگئی۔

کہ حق تعالیٰ کو مالک اور نقصان کا تدارک کرنے والے سمجھ گئے ف اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کا جو امتحان ہوتا ہے اس کی حقیقت واذابتلیٰ ابراھیم ربہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے اور واقعات کے آنے سے پہلے خبر دینے میں یہ فائدہ ہے کہ صبر آسان ہو جاتا ہے ورنہ دفعۃً صدمہ پڑنے سے زیادہ پریشانی ہوتی ہے اور یہ خطاب ساری امت کو ہے تو سب کو سمجھ لینا چاہئے کہ دنیا دار المحن ہے یہاں کے حوادث کو بعید وعجیب سمجھیں گے تو بے صبری نہ ہوگی اور چونکہ ہر صابر کا صبر مقدار وخصوصیت صابر میں جدا ہوتا ہے اس لئے صبر عام رحمت کا بھی وعدہ فرمایا جو سب کے لئے مشترک ہے اور جدا جدا خاص عنایتوں کا ہر شخص کے لئے الگ وعدہ فرمایا۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ

تحقیقاً صفا ومروہ منجملہ یادگار (دین) خداوندی ہیں

اوران کے درمیان میں سعی کرنا اس یادگار کی تعظیم ہے

فَمَنْ حَجَّ الْبَیْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ

سو جو شخص حج کرے بیت (اللہ) کا یا (اس کا) عمرہ کرے اس پر ذرا بھی گناہ نہیں ہوتا

جیسا تم کو شبہ ہو گیا

اَنْ یَّطَّوَّفَ بِهِمَا ط

ان دونوں کے درمیان آمد ورفت کرنے میں (جس کا نام سعی ہے)

اور گناہ کیا بلکہ ثواب ہوتا ہے کیونکہ یہ سعی شرعاً امر خیر ہے اور ہمارے یہاں کا ضابطہ ہے کہ آگے ترجمہ

وَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا لا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۵۸﴾

اور جو شخص خوشی سے کوئی امر خیر کرے حق تعالیٰ (اس کی بڑی) قدر دانی کرتے ہیں (اور اس خیر کرنے والے کی نیت وخلوص) خوب جانتے ہیں

پس اس ضابطہ کی رو سے سعی کرنے والے کو بقدر خلوص ثواب ہوگا

الذین تا ولاھم ینظرون

اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ

جو لوگ اخفاء کرتے ہیں ان مضامین کا جن کو ہم نے نازل کیا ہے جو کہ (اپنی ذات میں)

وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِی

واضح ہیں اور دوسروں کو) ہادی ہیں بعد اس کے کہ ہم اس کو کتاب (الٰہی توراۃ وانجیل)

الْكِتٰبِ لا اُولٰٓئِكَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ

میں عام لوگوں پر ظاہر کر چکے ہوں ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ بھی لعنت فرماتے ہیں

کہ اپنی رحمت خاص سے ان کو دور کر دیتے ہیں

وَیَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ لا

اور دوسرے بہتیرے لعنت کرنے والے بھی لعنت بھیجتے ہیں

یعنی جن کو اس فعل سے نفرت ہے وہ ان پر بد دعا کرتے ہیں۔

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَیَّنُوْا

مگر جو لوگ توبہ کر لیں اور اصلاح کر دیں اور (ان مضامین کو) ظاہر کر دیں

یعنی ان اخفا کرنے والوں میں سے جو اپنی اس حرکت پر حق تعالیٰ کے روبرو معذرت کر لیں اور جو کچھ ان کے اس فعل سے خرابی ہوگئی تھی آئندہ کے لئے اس کی اصلاح کر لیں اور اصلاح کا طریقہ یہ ہے کہ ان بیان کئے ہوئے مضامین کو عام لوگوں پر ظاہر کر دیں تاکہ سب کو اطلاع ہو جائے اور ان پر گمراہ کرنے کا الزام نہ آئے اور اظہار معتبر یہ ہے کہ اسلام لے آویں کیونکہ اسلام نہ لانے میں نبوت محمدیہ کے متعلق عوام پر بھی حق مخفی رہے گا وہ یہی سمجھیں گے کہ اگر نبوت حق ہوتی تو یہ علماء کتاب کیوں ایمان نہ لاتے خلاصہ یہ کہ اگر یہ لوگ مسلمان ہو جاویں (آگے ترجمہ)

فَاُولٰٓئِكَ

تو ایسے لوگوں پر میں متوجہ ہو جاتا ہوں

اور اپنی عنایت سے ان کی خطا معاف کر دیتا ہوں۔

اَتُوْبُ عَلَیْهِمْ ج وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۶۰﴾

اور میری تو بکثرت عادت ہے توبہ قبول کر لینا اور مہربانی فرمانا البتہ جو لوگ (ان

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ

میں سے) اسلام نہ لاویں اور اسی حالت غیر اسلام پر مر جائیں ایسے لوگوں پر

اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ

(وہ) لعنت (مذکورہ) اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور آدمیوں کی بھی سب کی

وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۶۱﴾ لا خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ج

(ایسے طور پر رہا کرے گی کہ) وہ ہمیشہ (ہمیشہ) اسی (لعنت) میں رہیں گے

حاصل یہ کہ وہ جہنم میں ہمیشہ کے لئے داخل ہونگے اور ہمیشہ کا جہنم میں رہنے والا ہمیشہ ہی خدا کی خاص رحمت سے دور رہے گا اور ہمیشہ ملعون رہنا یہی ہے۔

لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

ان سے عذاب ہلکا نہ ہونے پاوے گا اور نہ (داخل ہونے کے قبل) ان کو مہلت دی جاوے گی

کسی میعاد تک کیونکہ مہلت اس وقت دی جاتی ہے جبکہ مقدمہ میں کچھ گنجائش ہو اور گنجائش نہ ہونے کے وقت اول ہی پیشی میں حکم سزا ہو جاتا ہے

ربط: آیت بالا میں کتمان حق پر جو وعید مذکور ہوئی۔ ہر چند کہ لفظاً وہ ہر امر حق کے بارہ میں عام ہے مگر خصوصیت مقام کی وجہ سے زیادہ مقصود ہے۔

مسئلہ: رسالت محمدیہ ہے پس اس لحاظ سے آیت بالا میں مسئلہ رسالت کا اثبات ہوا اور چونکہ اعتقاد رسالت واعتقاد توحید شریعت میں لازم ملزوم ہیں اس لئے آیت آئندہ میں مسئلہ توحید کی تقریر فرمائی جاتی ہے۔

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ

اور (ایسا معبود) جو تم سب کے معبود بننے کا مستحق ہے وہ تو ایک ہی معبود (حقیقی ہے)

الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾

اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں (وہی) رحمان ہے رحیم ہے

والھکم الہ واحد الخ دوسرا کوئی ان صفات میں کامل نہیں اور بدوں صفات کمال کوئی معبود ہو نہیں سکتا پس بجز معبود حقیقی کے کوئی اور مستحق عبادت نہیں ہوا **ربط**: اہل عرب کو جب آیت توحید کی سنائی گئی تو تعجب سے کہنے لگے کہ کہیں سارے جہان کا ایک معبود بھی ہو سکتا ہے۔ اگر یہ دعویٰ صحیح ہے تو کوئی دلیل پیش کرنا چاہئے حق تعالیٰ آگے دلیل توحید بیان فرماتے ہیں۔

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ

بیشک آسمانوں کے اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے

الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي

رات اور دن کے آنے میں اور جہازوں میں جو کہ

الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

سمندر میں چلتے ہیں آدمیوں کے نفع کی چیزیں (اور اسباب لے کر)

مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ

اور بارش کے پانی میں جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے برسایا پھر اس سے زمین

بَعْدَ مَوْتِهَا

کو تر و تازہ کیا اس کے خشک ہوئے پیچھے

ان فی خلق السموات تا یعقلون یعنی نباتات پیدا کئے اور ان نباتات سے (آگے ترجمہ)

وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪

اور ہر قسم کے حیوانات اس میں پھیلا دیئے

کیونکہ حیوانات کی زندگی اور توالد و تناسل اسی غذائے نباتی کی بدولت ہے۔

وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ

اور ہواؤں کی (سمتیں اور کیفیتیں) بدلنے میں

کہ کبھی پروا ہے کبھی پچھوا کبھی گرم ہے کبھی سرد

وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ

اور ابر (کے وجود) میں جو زمین و آسمان کے درمیان مقید (اور معلق) رہتا ہے دلائل

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

(توحید کے موجود) ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل (سلیم) رکھتے ہیں

اس عقلی استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ ان سب چیزوں کا وجود ممکن ہے ضروری اور دائمی نہیں کیونکہ بعض میں یہ مشاہدہ ہے کہ وہ پہلے معدوم تھیں پھر موجود ہوئیں اور بعض کے احوال بدلتے رہنے سے اس کا پتہ چلتا ہے اور بعضی مرکب ہیں جو اپنے اجزاء کی طرف محتاج ہیں ترکیب اجزاء سے پہلے معدوم تھیں جب سب کا ممکن ہونا معلوم ہو گیا تو سمجھو کہ ممکن کا چونکہ وجود و عدم دونوں برابر ہوتے ہیں اس کو اپنے وجود کے لئے کسی مرجح کی ضرورت ہوتی ہے وہ مرجح اگر اس جیسا اگر کوئی ممکن ہے تو اس کے لئے پھر مرجح کی ضرورت ہوگی تو اس محال سلسلہ لامتناہی کو قطع کرنے کے لئے ماننا پڑے گا کہ مرجح وجود کوئی ایسی ذات ہے جس کا وجود خانہ زاد ہو کہ اس سے کبھی جدا نہ ہو سکتا ہو اسی کو واجب الوجود اور خدا کہتے ہیں تو یہ دلیل ہے ہستی صانع عالم کی رہا اس کا واحد ہونا اس کی تقریر یہ ہے کہ اگر نعوذ باللہ صانع عالم مثلاً دو ہیں تو یا تو دونوں قادر مطلق ہیں یا ان میں سے کوئی عاجز بھی ہو سکتا ہے دوسری صورت تو غلط ہے کیونکہ جو عاجز ہوگا وہ صانع عالم اور واجب الوجود نہیں ہو سکتا پہلی صورت کہ دونوں قادر مطلق ہوں یہ بھی محال ہے کیونکہ اس صورت میں یہ سوال ہوگا کہ اگر ان میں سے کسی نے ایک کام کا قصد کیا مثلاً زید کو پیدا کرنے کا تو دوسرا اس کے خلاف کا قصد کر سکتا ہے یا نہیں اگر کہو کہ خلاف کا قصد نہیں کر سکتا تو عاجز ہونا لازم آ گیا اور جو عاجز ہو وہ خدا کب ہو سکتا ہے اور اگر کہو کہ خلاف کا قصد کر سکتا ہے تو اس صورت میں یا تو دونوں کا ارادہ پورا ہوگا یا ایک کا اگر ایک کا ارادہ پورا ہوا ایک کا نہ ہوا تو دوسرا قادر مطلق نہ رہا اور اگر دونوں کا ارادہ پورا ہوگا تو ضدین کا اجتماع ہوگا کہ زید موجود بھی ہو اور معدوم بھی ہو یہ محال ہے اس لئے دو کا قادر مطلق ہونا خود محال ہو گیا پس قادر مطلق ایک ہی ہو سکتا ہے یہی مقصود تھا خوب سمجھ لو۔ **ربط**: اسلام کے اصول یعنی توحید و رسالت عقلی ہیں لفظ **یعقلون** میں اس طرف اشارہ ہے اور مسائل شرعیہ کا عقلی ہونا ضروری نہیں ہاں یہ ضروری ہے کہ کسی دلیل عقلی قطعی کے خلاف نہ ہوں افسوس یہ ہے کہ آج کل نوخیز طبائع دونوں کو خلط کر کے عجیب چکر میں پڑ جاتے ہیں جس کا اخیر انجام بددینی ہے خوب سمجھ لو **ربط**: آسمانوں کا وجود ثابت ہے اور نفی کی کوئی دلیل کسی کے پاس نہیں ہاں یہ ممکن ہے کہ نظام طلوع و غروب میں آسمان کو دخل نہ ہو لیکن اس سے وجود کی نفی لازم نہیں آتی۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ

اور کچھ آدمی وہ (بھی) ہیں جو علاوہ خدا تعالیٰ کے اوروں کو بھی شریک

اللّٰهِ اَنْدَادًا

(خدائی) قرار دیتے ہیں

ومن الناس تا شدید العذاب اور ان کو اپنا کارساز سمجھتے ہیں

يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۭ

ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے (رکھنا ضروری) ہے

یہ تو حالت مشرکین کی ہے

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ

اور جو مومن ہیں ان کو (صرف) اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہایت قوی محبت ہے

کیونکہ اگر کسی مشرک کو یہ بات ثابت ہو جائے کہ میرے معبود سے مجھ پر کوئی ضرر پہنچے گا تو فوراً محبت منقطع ہو جائے اور مومن باوجودیکہ نافع وضار حق تعالیٰ ہی کو اعتقاد کرتا ہے لیکن پھر بھی محبت اور رضا اس کی باقی رہتی ہے و نیز اکثر مشرکین سخت مصیبت کے وقت اپنے من گھڑت معبودوں کو چھوڑ دیتے تھے اور مؤمنین جو واقعی مومن تھے مصیبت میں بھی خدا کو نہ چھوڑتے تھے اور محاورات میں ایسا کلام باعتبار حالت غالبہ کے بھی صادق ہوتا ہے۔

وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ

اور کیا خوب ہوتا کہ یہ ظالم (مشرکین) جب (دنیا میں) کسی مصیبت کو دیکھتے تو

اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ

(اس کے وقوع میں غور کر کے) سمجھ لیا کرتے کہ سب قوت حق تعالیٰ ہی کو ہے

دوسرے سب اس کے سامنے عاجز ہیں چنانچہ اس مصیبت کو نہ کوئی روک سکا نہ ٹال سکا اور نہ ایسے وقت میں کوئی یاد رہا۔

وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾

اور یہ (سمجھ لیا کرتے) کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب (آخرت میں اور بھی) سخت ہوگا

تو اس طرح غور کرنے سے تراشیدہ معبودوں کا عاجز ہونا اور حق تعالیٰ کی عظمت اور قادر مطلق ہونا منکشف ہو کر توحید و ایمان نصیب ہو جانا غور کرنے کے واسطے جو مصیبت کے وقت کو خاص کیا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ ایسے ہی وقت میں غیر اللہ کو چھوڑ کر خدا تعالیٰ کی طرف رجوع ہو جاتے تھے اس لئے اس وقت کو یاد دلا کر متنبہ فرماتے ہیں کہ جیسے اس وقت کسی قدر راہ پر آ جاتے ہو اگر قدرے نظر صحیح سے کام لو تو اس وقت ضرور توحید کا حق ہونا منکشف ہو جائے اور توحید پر پختگی نصیب ہو

ربط: اوپر عذاب آخرت کو سخت فرمایا ہے آگے اس سختی کی کیفیت کا بیان ہے۔

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا

جبکہ وہ (ذی اثر لوگ) جن کے کہنے پر دوسرے چلتے تھے ان (عام) لوگوں سے صاف الگ ہو جائیں گے جو ان کے کہنے پر چلتے تھے اور سب (خاص و عام)

وَرَاَوُا الْعَذَابَ

عذاب کا مشاہدہ کریں گے اور باہم ان میں جو تعلقات تھے

اذتبرا الذین تا من النار وہ سختی عذاب کی اس وقت معلوم ہوگی (آگے ترجمہ)

وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾

اس وقت سب قطع ہو جاویں

کہ ایک تابع تھا دوسرا متبوع تھا وغیرہ وغیرہ سب جاتے رہیں گے جیسا دنیا میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ ایک جرم میں سب متفق و شریک ہوتے ہیں اور تنقیح مقدمہ کے وقت سب الگ الگ بچنا چاہتے ہیں حتیٰ کہ باہم گر شناخت تک کے منکر ہو جاتے ہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ

اور (جب) یہ تابع لوگ (جھلا کر) یوں کہنے لگیں گے کسی طرح ہم سب کو ذرا ایک دفعہ (دنیا میں) جانا مل جائے تو ہم بھی ان سے صاف الگ ہو جائیں جیسا

مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ۭ

کہ یہ ہم سے (اس وقت) صاف الگ ہو بیٹھے

یعنی جب اپنے سرداروں کی یہ طوطا چشمی دیکھیں گے تو بڑے جھنجھلاویں گے اور تو کچھ نہ ہو سکے گا مگر یوں کہیں گے کہ ہم دنیا میں ذرا جا کر اتنا بدلہ تو ان سے لے لیں کہ اگر یہ پھر ہم کو اپنے تابع ہونے کی ترغیب دیں تو ہم بھی ان کو ٹکا سا جواب دیکر کہہ دیں کہ جناب آپ وہی ہیں کہ عین موقع پر دیدہ شوی کی تھی اب ہم سے کیا غرض اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس وقت ان تجویزوں اور سوچ بچاروں سے کیا ہاتھ آئے گا (آگے ترجمہ)

كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ

اللہ تعالیٰ یونہی ان کی بداعمالیوں خالی ارمان (کے پیرایہ میں) کر کے ان کو دکھلا

عَلَيْهِمْ ۭ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾

دیں گے اور (ان تابعین اور متبوعین سب) کو دوزخ سے نکلنا بھی نصیب نہ ہوگا

کیونکہ شرک کی سزا خلود فی النار یعنی ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہنا ہے اس عذاب میں کئی طرح کی سختی ثابت ہوئی اول تو دوزخ کا عذاب سزا خود بہت سخت ہے دوسرے ان متبوعین کے خشک جواب دے دینے سے اور تابعین کو بجز غیض وغضب اور تمنائے انتقام کے کچھ نہ بن پڑنے سے اور بالعموم سب پر حسرت واقع ہونے سے جو روحانی عذاب ہے اس سے حسی عذاب میں اندرونی شدت اور بڑھ گئی۔ ربط: اوپر اہل شرک کے عقیدہ کا ابطال تھا آگے ان کے بعض اعمال کے بطلان کا بیان ہے جیسے سانڈ کی تعظیم وغیرہ یاایھا الناس کلوا تا تعلمون بعض مشرکین بتوں کے نام پر جانور چھوڑتے تھے اور باعتقاد تعظیم ان سے منتفع ہونے کو حرام سمجھتے تھے اور اپنے اس فعل کو حکم الٰہی اور موجب رضا وقرب حق بواسطہ شفاعت ان بتوں کے سمجھتے تھے حق تعالیٰ اس کے بارہ میں خطاب فرماتے ہیں۔

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ كُلُوا۟ مِمَّا فِى ٱلْأَرْضِ حَلَـٰلًا

اے لوگو جو چیزیں زمین میں موجود ہیں ان میں سے (شرعی) حلال

طَيِّبًا

پاک چیزوں کو کھاؤ (برتو)

ان کی نسبت اجازت ہے اور اس نامزد کرنے سے ان کو حرام نہ کرو اور نہ اس تحریم بطریق تعظیم کو حکم حق اور نہ موجب قرب ورضا الٰہی اعتقاد کرو

وَلَا تَتَّبِعُوا۟ خُطُوَٰتِ ٱلشَّيْطَـٰنِ ۚ إِنَّهُۥ لَكُمْ

اور شیطان کے قدم بقدم مت چلو فی الواقع وہ تمہارا

عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿۱۶۸﴾

صریح دشمن ہے

کہ ایسے ایسے خیالات وجہالات سے تم کو خسران ابدی میں گرفتار کر رکھا ہے۔

إِنَّمَا يَأْمُرُكُم بِٱلسُّوٓءِ وَٱلْفَحْشَآءِ وَأَن تَقُولُوا۟

وہ تو تم کو ان ہی باتوں کی تعلیم کرے گا جو کہ (شرعاً) بری اور گندی ہیں اور یہ (بھی تعلیم

عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۶۹﴾

کرے گا) کہ اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاؤ جن کی تم سند بھی نہیں رکھتے

مثلاً یہی کہ حق تعالیٰ کا ہم کو اسی طرح حکم ہے ف سانڈ وغیرہ جو بتوں کے نام چھوڑ دیئے جاتے تھے یا اور کوئی جانور بکرا مرغا کسی بزرگ یا اور کسی غیر اللہ کے نامزد کر دیا جائے اس کا حرام ہونا ما اھل بہ لغیر اللہ کی تفسیر میں آئے گا اس آیت یایھا الناس میں ایسے جانور کے حرام ہونے کی نفی کرنا منظور نہیں جیسا کہ بعضوں کو شبہ ہوگیا ہے بلکہ اس آیت میں خاص طریق سے اس کے حرام کر دینے کو منع کیا ہے یعنی ایسی حرکت ہی نہ کرو جس سے وہ حرام ہو جائے اور اس تحریم سے غیر اللہ کی تعظیم ہوتی ہے ایسا مت کرو نہ اس عمل کو موجب برکت وتقرب سمجھو بلکہ اس کو اپنے حال پر رکھ کر کھاؤ پیو اور اگر ایسی حرکت جہالت سے ہو جائے تو ایمان وتوبہ واصلاح کی نیت کے ذریعہ سے اس تحریم کو مرتفع کر دو یہ مت سمجھو کہ اب یہ حرمت کسی طرح زائل نہیں ہو سکتی ربط: آیت گذشتہ میں مشرکین کے طریق کا ابطال تھا آگے ان کی دلیل کا ابطال ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ٱتَّبِعُوا۟ مَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ قَالُوا۟ بَلْ

اور جب کوئی ان (مشرک) لوگوں سے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم (اپنے پیغمبر کے پاس) بھیجا ہے اس پر چلو تو (جواب میں) کہتے ہیں کہ نہیں) بلکہ

نَتَّبِعُ مَآ أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ ءَابَآءَنَآ ۗ

ہم تو اسی (طریقہ) پر جائیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے

واذاقیل لھم تالایھتدون کیونکہ وہ لوگ اس طریق کو اختیار کرنے میں اللہ کی طرف سے مامور تھے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا ہر حالت میں یہ لوگ اپنے باپ دادا ہی کے طریقہ پر چلیں گے (آگے ترجمہ)

أَوَلَوْ كَانَ ءَابَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْـًٔا وَلَا

کیا اگرچہ ان کے باپ دادا (دین کی) نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں اور نہ (کسی آسمانی

يَهْتَدُونَ ﴿۱۷۰﴾

کتاب کی) ہدایت رکھتے ہوں

مطلب یہ ہے کہ خود ان کے باپ دادا ہی خدا کے حکم پر نہ چلتے تھے کیونکہ اس کی دو صورتیں ہیں یا تو کتاب الٰہی کے صریح الفاظ سے حکم معلوم کیا جائے جس کو ہدایت سے تعبیر کیا یا حکم کتاب کی علت سے بذریعہ قیاس کے جس کو عقل سے تعبیر فرمایا سو وہ دونوں سے خالی تھے پس ایسے شخص کی تقلید کی کب گنجائش ہے اس سے یہ بھی مفہوم ہوگیا کہ اگر کسی میں یہ دونوں باتیں موجود ہوں کہ وہ صریح الفاظ کتاب الٰہی سے احکام مستنبط کر کے بیان کرتا ہے یا علت حکم کتاب سے بواسطہ قیاس صحیح کے تو اس کی تقلید کرنا بجا ہے ہاں جس میں یہ دونوں باتیں نہ ہوں وہ تقلید کے قابل نہیں پس تقلید آئمہ مجتہدین کی مذمت میں اس آیت کو پڑھ دینا محض بے محل ہے بلکہ اس سے تو اور ان کی تقلید کی تائید وتقویت ہوتی ہے۔ ربط: اوپر ان مشرکین کی بدفہمی کا بیان تھا جو منشا ہے حق نہ

قبول کرنے کا آگے اس بدفہمی کی ایک مثال بیان فرماتے ہیں۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اوران کافروں کی کیفیت (ناسمجھی میں)

و مثل الذین تالایعقلون یہ بھی ظاہری بات چیت تو سنتے ہیں لیکن کام کی بات سے بالکل بہرے ہیں گویا سنا ہی نہیں گونگے ہیں کہ کبھی ایسی بات زبان پر ہی نہیں آتی اندھے ہیں کہ نفع نقصان نظر ہی نہیں آتا جب سارے حواس مختل ہیں (آگے ترجمہ) ربط: اوپر مشرکین کی غلطی ظاہر فرما کر اس کی اصلاح مقصود تھی آگے اہل ایمان کو کفار کے موافقت کرنے سے ممانعت فرماتے ہیں اور اس امر میں اپنا انعام ظاہر فرما کر ان کو ادائے شکر کا حکم فرماتے ہیں۔

كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً

اس (جانور کی) کیفیت کے مثل ہے کہ ایک شخص ہے وہ ایسے (جانور) کے پیچھے چلا رہا ہے جو بجز بلانے اور پکارنے کے کوئی بات

وَّنِدَآءً ۭ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

نہیں سنتا (اسی طرح) یہ کفار بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں سو سمجھتے کچھ نہیں

یاایھاالذین تا تعبدون ہماری طرف سے تم کو اجازت ہے اور اس اجازت کیساتھ یہ حکم ہے کہ (آگے ترجمہ)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا

اے ایمان والو جو (شرع کی رو سے) پاک چیزیں ہم نے تم کو مرحمت فرمائی ہیں ان

رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ

میں سے (جو چاہو) کھاؤ (برتو) اور حق تعالیٰ کی شکرگزاری کرو

زبان سے بھی ہاتھ پاؤں سے خدمت وطاعت بجالا کر اور دل سے ان نعمتوں کو خدا کی طرف سے سمجھ کر بھی۔

اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾

اگر تم خاص ان کے ساتھ غلامی (کا تعلق رکھتے ہو)

اور یہ تعلق ہونا مسلم اور ظاہر ہے پس شکر بھی واجب ہے ربط: اوپر تو اس کا بیان تھا کہ حلال کو حرام مت کرو آگے یہ مذکور ہے کہ حلال کو حرام مت سمجھو جیسا کہ مشرکین اس میں بھی مبتلا تھے کہ مردار کو اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنے کو حلال سمجھتے تھے اور ان حرام چیزوں کے بیان سے پہلے مضمون کی بھی تائید مقصود ہے کہ دیکھو حرام چیزیں یہ ہیں اپنی طرف سے حلال چیزوں کو حرام مت کرو۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ

اللہ تعالیٰ نے تو تم پر صرف حرام کیا ہے

انما حرم تا رحیم ان چیزوں کو نہ یہ کہ تم اپنی طرف سے حلال چیزوں کو حرام کرلو جیسا کہ گزرا

الْمَيْتَةَ

(مردار) جانور کو

جو کہ باوجود واجب الذبح ہونے کے بلاوجہ شرعی مر جائے پس وہ حرام ہو جاتا ہے اور جس جانور کا ذبح کرنا ضروری نہیں ہے وہ دو طرح کے ہیں ایک ٹڈی اور مچھلی دوسرے وحشی جانور جب کہ اس کے ذبح پر قدرت نہ ہو جیسے ہرن وغیرہ تو اس کو دور ہی سے تیر سے یا کسی اور تیز ہتھیار سے اگر بسم اللہ کہہ کر زخمی کیا جائے اور زندہ نہ ملے تو حلال ہو جاتا ہے البتہ بندوق کا شکار بدون ذبح کئے حلال نہیں کوئی کیونکہ اس میں دھار نہیں۔

وَالدَّمَ

اور خون کو جو بہتا ہو

اور جو خون نہیں بہتا اس سے دو چیزیں مراد ہیں طحال اور جگر یہ دونوں حلال ہیں۔

وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ

اور خنزیر کے گوشت کو (اسی طرح اس کے سب اجزاء کو بھی) اور ایسے جانور کو جو (بقصد تقرب) غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو پھر بھی

اسی طرح اس کے سب اجزاء گوشت و پوست واعصاب حرام بھی ہیں اور ناپاک بھی

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ

جو شخص بھوک سے بہت ہی بے تاب ہو جائے (بشرطیکہ) نہ تو کھانے میں طالب لذت ہو اور نہ (قدر حاجت سے) تجاوز کرنے والا ہو

اس میں اتنی آسانی رکھی ہے (آگے ترجمہ)

فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾

تو اس شخص پر کچھ گناہ نہیں ہوتا واقعی اللہ تعالیٰ ہیں بڑے غفور رحیم

کہ ایسی حالت میں ان حرام چیزوں کو کھائیں کہ رحمت فرمائی کہ گناہ کی چیزوں میں گناہ اٹھا دیا مسئلہ: جس جانور کو غیر اللہ کے نامزد اس نیت سے کر دیا ہو کہ وہ ہم سے خوش ہوں گے اور ہماری کارروائی کر دیں گے جیسا

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ
اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جولوگ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتاب (کے مضامین) کا اخفا

الْکِتٰبِ وَیَشْتَرُوْنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ۙ اُولٰٓئِکَ
کرتے ہیں اوراس (خیانت) کے معاوضہ میں (دنیا کا) متاع قلیل وصول کرتے

اُولٰٓئِکَ مَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِہِمْ اِلَّا النَّارَ
ہیں ایسے لوگ اور کچھ نہیں اپنے شکم میں آگ (کے انگارے) بھر رہے ہیں

وَلَا یُکَلِّمُہُمُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَلَا
اور اللہ تعالیٰ ان سے نہ تو قیامت میں لطف کے ساتھ کلام کریں گے اور نہ (گناہ

یُزَکِّیْہِمْ ۚۖ وَلَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۷۴﴾ اُولٰٓئِکَ
معاف کرکے) ان کی صفائی کریں گے اوران کو سزائے دردناک ہوگی یہ ایسے لوگ

الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ بِالْہُدٰی وَالْعَذَابَ
ہیں جنہوں نے (دنیا میں تو) ہدایت چھوڑ کر ضلالت اختیار کی اور (آخرت میں)

بِالْمَغْفِرَۃِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَہُمْ عَلَی النَّارِ ﴿۱۷۵﴾
مغفرت چھوڑ کر عذاب (سر پر لیا) سو (شاباش ہے ان کو) دوزخ (میں جانے)

ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ نَزَّلَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ ؕ
کے لئے کیسے باہمت ہیں یہ (ساری مذکورہ سزائیں ان کو) اس وجہ سے ہیں کہ حق

وَاِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِی الْکِتٰبِ لَفِیْ
تعالیٰ نے اس کتاب کو ٹھیک ٹھیک بھیجا تھا اور جو لوگ (ایسی کتاب میں) بے راہی

شِقَاقٍ بَعِیْدٍ ﴿۱۷۶﴾ ع
اختیار کریں وہ (ظاہر ہے کہ) بڑی دور کے اختلاف میں مبتلا ہوں گے

ان الذین یکتمون تا بعید ایسی خلاف ورزی پر ضرور ایسی سخت سزاؤں کا استحقاق ہوگا۔ ربط: شروع سورت سے یہاں تک کہ تقریباً نصف سورہ بقرہ ہے زیادہ روئے سخن منکرین کی طرف تھا ضمناً کوئی خطاب مسلمانوں کو ہوجانا اور بات ہے اب آیات آئندہ میں بقیہ نصف بقرہ تک زیادہ مقصود مسلمانوں کو بعض اصول وفروع کی تعلیم کرنا ہے گو ضمناً کافروں کو بھی کوئی خطاب ہوجائے اور یہ مضمون ختم سورت تک چلا گیا ہے جس کو شروع کیا گیا ہے ایک مجمل بیان سے یعنی بر سے جو بمعنی خوبی اور نیکی کے ہے اور تمام

کہ اس نیت سے بکرا مرغا وغیرہ نامزد کرنے کی عام جاہلوں میں رسم ہے وہ حرام ہوجاتا ہے اگر چہ ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا ہی نام لیا جائے البتہ اگر اس طرح نامزد کرنے کے بعد اس نیت سے توبہ کرلے پھر وہ حلال ہوجاتا ہے تنبیہ اس مسئلہ میں بعض پڑھے لکھوں کو غلطی ہوگئی ہے اور وجہ غلطی کی دو ہیں اول یہ کہ پہلی آیت یایھا الناس کا شان نزول یہ لکھا ہے کہ جو لوگ سانڈ وغیرہ کی تحریم کرتے تھے ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی اس سے معلوم ہوا کہ سانڈ وغیرہ کی تحریم پر رد وانکار کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا کام کرنا جس سے حلال چیز حرام ہوجائے برا ہے اور یہاں جو اس کو حرام کہا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی ایسی حرکت کریگا تو بے شک حرمت کا حکم ثابت ہوجائے گا تو اس تحریم میں جس کا یہاں انکار کیا گیا ہے اور اس تحریم میں جس کو یہاں ثابت کیا گیا ہے چند فرق ہیں اول یہ کہ اس جگہ تحریم کے یہ معنی ہیں کہ ایسا فعل کرنا جس سے وہ حرام ہوجائے اور تحریم کو باعث قربت سمجھنا اور اس کو دائمی سمجھنا کہ اب وہ زائل ہی نہ ہوسکے غلط ہے اور یہاں جو حرام کہا گیا ہے اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اس فعل کے بعد وہ حرام تو ہوجائے گی مگر یہ حرمت دائمی نہیں نیت کی درستی کے بعد حرمت جاتی رہے گی اور نیت کا درست کرلینا واجب بھی ہے تو جس تحریم کا انکار کیا گیا ہے وہ اور ہے اور جس تحریم کو ثابت کیا گیا ہے وہ اور ہے ایک کے انکار سے دوسرے کی نفی لازم نہیں آتی دوسری وجہ غلطی کی یہ ہے کہ اکثر مفسرین نے مااھل بہ لغیر اللہ کی تفسیر یہ کی ہے کہ جس کو غیر اللہ کے نام سے ذبح کیا جائے اس سے شبہ ہوگیا کہ غیر اللہ کے نامزد کرنے سے حرام نہیں ہوتا بلکہ اس کا نام لے کر ذبح کرنے سے حرمت آتی ہے جواب یہ ہے کہ الفاظ قرآن دونوں کو عام ہیں نامزد کرنے کو بھی اور نام لے کر ذبح کرنے کو بھی مفسرین نے صرف ایک صورت کی تفسیر کردی ہے دوسری صورت سے سکوت کیا ہے اور سکوت کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ نامزد کرنا حرام نہیں اور اس سے جانور حرام نہ ہوگا سورۂ مائدہ میں حق تعالیٰ نے ما اھل الخ کے بعد ماذبح علی النصب جدا فرمایا ہے جس سے صاف معلوم ہوا کہ جس ذبح سے تقرب وتعظیم غیر اللہ مقصود ہو وہ حرام ہوجاتا ہے چاہے خدا کا نام لے کر ہی ذبح کیوں نہ کیا جائے۔

ربط: اوپر ظاہری محرمات کا بیان تھا آگے باطنی محرمات کا ذکر ہے جو کہ عادت تھی علماء و یہود کی کہ احکام غلط بیان کرکے عوام سے رشوت لیتے اور کھاتے تھے نیز علماء امت محمدیہ کو اس میں تعلیم ہے کہ ہم نے جو کچھ احکام بیان کئے ہیں کسی نفسانی غرض اور منفعت سے ان کے ظاہر کرنے اور پہنچانے میں کوتاہی نہ کرنا۔

طاعت ظاہری اور باطنی کو شامل ہے اور پہلی آیت میں جامع الفاظ کے ساتھ ایک قانون کلی کی تعلیم کی گئی ہے مثلاً کتاب پر ایمان لانا' مال خرچ کرنا' عہد کو پورا کرنا' مصیبت کے وقت صبر کرنا' جو تمام احکام قرآنی وانواع انفاق وعہود و نکاح ومعاملات و جہاد وغیرہ سب کو شامل ہے پھر اسی بر کی تفصیل ہے جس میں بہت سے احکام باقتضائے وقت و مقام مثل قصاص و وصیت وصیام و جہاد و حج وانفاق وحیض وایلا و یمین وطلاق ونکاح وعدت ومہر وتکرار ذکر و انفاق فی سبیل اللہ وبعض معاملات بیع وشرا وشہادت بقدر ضرورت بیان فرما کر بشارت ووعدہ رحمت ومغفرت پر ختم فرمادیا سبحان اللہ کیا بلیغ ترتیب ہے پس چونکہ ان مضامین کا حاصل بر کا بیان ہے اجمالاً وتفصیلاً اس لئے اگر اس مجموعہ کا لقب ابواب البر لکھا جائے تو نہایت زیبا ہے واللہ الموافق

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ

کچھ سارا کمال اسی میں نہیں (آ گیا) کہ تم اپنا منہ مشرق کو کرلو یا مغرب کو لیکن (اصلی) کمال تو

وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ

یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ (کی ذات وصفات) پر یقین رکھے اور (اسی طرح) قیامت کے

وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ ۚ

دن کے (آنے پر) (بھی) اور فرشتوں (کے وجود) پر بھی اور سب کتب (سماویہ) پر اور پیغمبروں پر

وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی

اور (وہ شخص) مال دیتا ہو اللہ کی محبت میں (اپنے حاجتمند) رشتہ داروں کو اور نادار یتیموں کو

لیس البران تولوا تا المتقون یعنی جن بچوں کو ان کا باپ نابالغ چھوڑ کر مر گیا ہو

وَالْمَسٰكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ ۙ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی

اور دوسرے غریب محتاجوں کو (اور بے خرچ) مسافروں کو اور (لاچاری میں) سوال کرنے والوں کو اور (قیدی اور غلاموں کو)

الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَی الزَّكٰوةَ ۚ

گردن چھڑانے میں اور نماز کی پابندی رکھتا ہو اور زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہو

وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ

اور جو اشخاص (ان عقائد واعمال کے ساتھ یہ اخلاق بھی رکھتے ہوں کہ) اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں جب کسی جائز امر کا عہد کرلیں

اس صفت کو خصوصیت کے ساتھ کہوں گا کہ ان مواقع میں (آگے ترجمہ)

وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ

اور وہ لوگ مستقل مزاج رہنے والے ہوں تنگدستی میں اور بیماری میں اور

الْبَاْسِ ؕ

(معرکہ) قتال میں

یعنی پریشان اور کم ہمت نہ ہوں

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

(پس) یہ لوگ ہیں جو سچے کمال کے ساتھ موصوف) ہیں اور یہی لوگ ہیں جو سچے متقی (کہے جا سکتے ہیں)

غرض اصلی مقاصد اور کمالات دین کے یہ ہیں نماز میں کسی سمت کو منہ کرنا انہی کمالات مذکورہ میں سے ایک خاص کمال یعنی نماز پڑھنے کی شرائط میں سے ہے اس کی خوبی سے اس میں بھی حسن آ گیا ورنہ اگر نماز نہ ہوتی تو کسی خاص سمت کی طرف منہ کرنا بھی عبادت نہ ہوتا خاص سمتوں کا قصہ یہاں اس لئے ذکر ہوا کہ تحویل قبلہ کے وقت تمام تر بحث یہود ونصاریٰ کی اس میں رہ گئی تھی اس لئے متنبہ فرمایا کہ اس سے بڑھ کر دوسرے کام کرنے کے ہیں ان کا اہتمام کرو ف: شریعت میں کل احکام کا حاصل تین چیزیں ہیں عقائد اعمال اخلاق باقی تمام جزئیات انہی تمام کلیات کے تحت میں داخل ہیں اور اس آیت میں ان تینوں اقسام کے بڑے بڑے شعبے ارشاد فرمائے گئے اس اعتبار سے یہ آیت منجملہ جوامع کلم کے ہے

ربط: ان اصول بر کے بعد آگے کچھ فروع بر یعنی احکام جزئیہ کا بیان ہوتا ہے موافق ضروری واقعات کے جو اس وقت پیش آئے تھے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِصَاصُ

اے ایمان والو تم پر (قانون) قصاص فرض کیا جاتا ہے کہ مقتولین (بقتل عمد)

فِی الْقَتْلٰی ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ

کے بارہ میں آزاد آدمی آزاد آدمی کے عوض میں (قتل کیا جاوے) اور غلام غلام

وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی ؕ

کے عوض میں اور عورت عورت کے عوض میں

یایھا الذین تا تتقون اگر یہ قاتلین بڑے درجہ کے اور مقتولین چھوٹے درجہ کے ہوں جب بھی سب کو برابر سمجھ کر قصاص لیا جائے گا یعنی قاتل کو سزا میں قتل کیا جائے گا۔

فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ

ہاں جس کو دوسرے فریق کی طرف سے کچھ معافی ہو جائے) مگر پوری معافی نہ ہو

اس سے سزائے قتل سے تو بری ہو گیا لیکن دیت یعنی خون بہا کے طور پر مال کی ایک متعین مقدار بذمہ قاتل واجب ہو گی تو اس وقت فریقین کے ذمہ دو باتوں کی رعایت ضروری ہے (آگے ترجمہ)

فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ

تو مدعی کے ذمہ معقول طور پر (خون بہا) کا مطالبہ کرنا

کہ اس کو زیادہ تنگ نہ کرے

وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ

اور قاتل کے ذمہ) خوبی کے ساتھ (مال کا) ان کے پاس پہنچا دینا (ضروری ہے)

کہ مقدار میں کمی نہ کرے خواہ مخواہ ٹالے نہیں

ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ

یہ (قانون دیت وعفو) تمہارے پروردگار کی طرف سے (سزا میں) تخفیف اور (شاہانہ) ترحم ہے

ورنہ بجز سزائے قتل کے کوئی گنجائش ہی نہ ہوتی

فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ

پھر جو شخص اس (قانون) کے بعد تعدی کا مرتکب ہو

مثلاً کسی پر جھوٹا الزام قتل کا لگا دے یا شبہ سے دعویٰ کر دے یا معاف کر کے پھر قتل کی پیروی کرے

فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ

تو اس شخص کو (آخرت میں) بڑا دردناک عذاب ہوگا اور اے فہیم لوگو (اس قانون) قصاص میں تمہاری جانوں کا بڑا بچاؤ ہے

کیونکہ اس قانون کے اجراء کے خوف سے لوگ ارتکاب قتل سے ڈریں گے تو بہت سی جانیں بچیں گی ۱۲

فائدہ: اس مقام کے متعلق چند ضروری مسائل ہیں **مسئلہ**: قتل عمد یہ ہے کہ ارادہ کر کے کسی کو آہنی ہتھیار یا کسی دھار دار چیز سے قتل کیا جائے قصاص اسی قتل کے جرم میں خاص ہے **مسئلہ** ایسے قتل میں جیسے آزاد آدمی کے عوض میں عورت ماری جاتی ہے اسی طرح مرد بھی عورت کے مقابلہ میں قتل کیا جاتا ہے **مسئلہ** اگر قتل عمد میں قاتل کو پوری معافی دے دی جائے مثلاً مقتول کے وارث اس کے دو بیٹے تھے دونوں نے اپنا حق معاف کر دیا تو قاتل پر کوئی مطالبہ نہیں رہا اور اگر پوری معافی نہ ہو مثلاً صورت مذکورہ میں ایک بیٹے نے معاف کیا ایک نے نہیں کیا تو سزائے قتل سے تو قاتل بری ہو گیا لیکن معاف نہ کرنے والے کو آدھی دیت دلائی جاوے گی دیت یعنی خون بہا شرع میں یہ ہے سو اونٹ یا ہزار دینار یا دس ہزار درم ایک دینار دس درم کا ہوتا ہے اور درم کی مقدار سکہ مروجہ حال سے سوا چار آنہ اور ساڑھے چار آنہ کے درمیان ہے اور اونٹوں کی عمریں وغیرہ کتب فقہ میں مفصلاً مذکور ہیں باقی مسائل بیان القرآن میں دیکھ لئے جائیں یہاں گنجائش نہیں۔

يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

ہم امید کرتے ہیں کہ تم لوگ ایسے قانون امن کی خلاف ورزی سے بچو گے)

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ

تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب کسی کو موت نزدیک آنے لگے بشرطیکہ کچھ مال بھی ترکہ میں چھوڑا ہو

تَرَكَ خَيْرَا ۖۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ

تو (اپنے) والدین و اقارب کے لئے معقول طور پر (کہ مجموعہ ایک ثلث سے زیادہ نہ

بِالْمَعْرُوْفِ ۚ

ہو) کچھ کچھ بتلا جاوے (اس کا نام) وصیت ہے

کتب علیکم تا رحیم شروع اسلام میں جب تک کہ میراث کے حصے مقرر نہ ہوئے تھے یہ حکم تھا کہ ترکہ کی ایک تہائی تک مرنے والا اپنے والدین اور دوسرے رشتہ داروں کو جتنا جتنا مناسب سمجھے بتلا جاوے اتنا ہی ان لوگوں کا حق تھا اس آیت میں یہ حکم مذکور ہے

حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ؕ ﴿۱۸۰﴾ فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا

جن کو خدا کا خوف ہے ان کے ذمہ ضروری کیا جاتا ہے پھر جو شخص (اس وصیت

سَمِعَهٗ

کو سن لینے کے بعد) اس (کے مضمون) کو تبدیل کرے گا

اور باہمی تقسیم اور فیصلہ کے وقت غلط اظہار دے گا اور اس کے موافق فیصلہ ہونے سے کسی کا حق تلف ہو جائے گا (آگے ترجمہ)

فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ

تو اس کا گناہ ان ہی لوگوں کو ہوگا جو اس کو تبدیل کریں گے

حاکم عدالت یا ثالث کو گناہ نہ ہوگا کیونکہ (آگے ترجمہ)

إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۸۱﴾

اللہ تعالیٰ تو یقیناً سنتے جانتے ہیں

تبدیل کرنے والے کے اظہار بھی سنتے ہیں اور حاکم کا بے خبر اور معذور ہونا بھی جانتے ہیں۔

فَمَنْ

ہاں

ایک طرح تبدیل کی اجازت بھی ہے وہ یہ کہ (آگے ترجمہ)

خَافَ مِن مُّوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا

جس شخص کو وصیت کرنے والے کی جانب سے کسی بے عنوانی کی یا کسی جرم کے ارتکاب کی تحقیق ہوئی ہو

یعنی یہ معلوم ہوا کہ اس نے وصیت کے بارہ میں غلطی سے بے عنوانی کی یا قصداً قانون وصیت کی خلاف ورزی کی اور اس بے ضابطہ وصیت سے اس کے وارثوں میں نزاع کا اندیشہ ہو یا پیدا ہونے لگے (آگے ترجمہ)

فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ

پھر یہ شخص ان میں باہم مصالحت کرادے

گو وہ مصالحت اس مضمون وصیت کے خلاف ہو جو ظاہر میں تبدیل وصیت ہے (آگے ترجمہ)

فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۸۲﴾

تو اس پر کوئی گناہ نہیں واقعی اللہ تعالیٰ تو (خود گناہوں کے) معاف فرمانے والے ہیں

اور یہ شخص تو اس اصلاح میں مطیع حکم ہے تو اس پر تو کیوں نہ رحمت ہوگی

ف: اس حکم کے تین جزو تھے ایک یہ کہ بجز اولاد کے دوسرے ورثاء کے حقوق اور حصے معین نہ ہونا یہ تو آیت میراث سے منسوخ ہے دوم ایسے اقارب کے لئے وصیت کا واجب ہونا یہ حدیث اور اجماع سے منسوخ ہے اور وجوب کے ساتھ جواز بھی منسوخ ہے اب وارث شرعی کے لئے وصیت مالیہ باطل ہے تیسرا جزو اب بھی باقی ہے تہائی سے زائد میں وصیت بدوں رضائے ورثاء جائز نہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ

اور رحم فرمانے والے ہیں اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا جس طرح

الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن

تم سے پہلے (امتوں کے) لوگوں پر فرض کیا گیا تھا (اس توقع پر کہ تم روزے

قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۸۳﴾

کی بدولت رفتہ رفتہ) متقی بن جاؤ

یاایھا الذین امنوا تا تعلمون کیونکہ روزہ رکھنے سے نفس کو اس کے متعدد تقاضوں سے روکنے کی عادت پڑے گی اور اسی عادت کی پختگی بنیاد ہے تقویٰ کی۔

أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ۚ

تھوڑے دنوں روزہ رکھ لیا کرو

ان تھوڑے دنوں سے مراد رمضان ہے جیسا کہ اگلی آیت میں آتا ہے

فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ

پھر (اس میں بھی اتنی آسانی ہے کہ) جو شخص تم میں (ایسا) بیمار ہو (جس میں روزہ رکھنا مشکل یا مضر ہو) یا (شرعی) سفر میں ہو تو

اس کو رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے اور بجائے ایام رمضان کے (آگے ترجمہ)

فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۚ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ

دوسرے ایام کا شمار کر کے ان میں روزہ رکھنا ان پر واجب ہے) اور (دوسری آسانی جو بعد میں منسوخ ہوگئی یہ ہے کہ) جو لوگ روزے کی طاقت رکھتے ہوں

اور پھر بھی نہ رکھنے کو دل چاہے۔

فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ۖ فَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا

ان کے ذمہ فدیہ ہے کہ وہ ایک غریب کا کھانا ہے اور جو شخص خوشی سے (زیادہ) خیر

فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ ۚ وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ

کرے (کہ زیادہ فدیہ دے) تو یہ اس شخص کے لئے اور بھی بہتر ہے اور تمہارا روزہ

إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۸۴﴾

رکھنا (اس حال میں بھی) زیادہ بہتر ہے اگر تم کچھ (روزے کی فضیلت کی) خبر رکھتے ہو

گو ہم نے آسانی کے لئے ان حالتوں میں روزہ نہ رکھنے کی بھی اجازت دے دی ہے ف پہلی امتوں میں سے نصاریٰ پر روزہ فرض ہونے کا بیان ایک حدیث میں اس طرح آیا ہے کہ نصاریٰ پر فقط ماہ رمضان کا روزہ فرض ہوا تھا ان کا کوئی بادشاہ بیمار ہوا تو اس کی قوم نے نذر مانی کہ اگر بادشاہ کو شفا ہو جائے تو ہم دس روزے اور اضافہ کر دینگے پھر اور کوئی بادشاہ بیمار ہوا اس کی صحت پر سات دن کا اور اضافہ ہوا پھر بادشاہ بیمار ہوا اس نے تجویز کیا کہ

پچاس میں تین ہی کی کسر رہ گئی ہے لاؤ تین اور بڑھالیں اور سب روزے ایام ربیع میں رکھ لیا کریں گے اور **لعلکم تتقون** میں روزہ کی حکمت کا ایک بیان ہے مگر حکمت کا اسی میں انحصار نہیں ہو گیا خدا جانے اور کیا کیا حکمتیں ہوں گی پس کسی کو یہ کہنے کی گنجائش نہیں کہ جب روزہ کا مقصد معلوم ہو گیا تو یہ مقصود اگر دوسرے طریقہ سے حاصل ہو جائے تو روزے کی یا رمضان کی قید کی کیا ضرورت؟ جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ روزہ میں کچھ خاص حکمتیں اور ثمرات ایسے ہوں کہ وہ بدوں ان خاص قیود شرعیہ کے حاصل نہ ہو سکیں اور سب سے بڑھ کر رضائے الٰہی ہے وہ تو حکم کی بجا آوری ہی سے حاصل ہو سکے گی اس کے بدوں نہیں ہو سکتی اور یہاں چند مسائل ہیں جو بیان القرآن یا کتب فقہ میں دیکھنے چاہئیں **ف** شروع اسلام میں جبکہ لوگوں کو روزہ کا خوگر بنانا مقصود تھا یہ حکم ہو گیا تھا کہ اگر باوجود روزہ کی طاقت کے روزہ کو دل نہ چاہے تو فدیہ دیدیں اب یہ حکم منسوخ ہے البتہ جو شخص بہت بوڑھا یا ایسا بیمار ہو کہ اب صحت کی توقع نہیں رہی ایسوں کے واسطے یہ حکم اب بھی ہے کہ فی روزہ یا تو ایک مسکین کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلا دیں یا خشک جنس دینا چاہیں تو فی روزہ اسی کی تول سے ایک مسکین کو پونے دو سیر گیہوں دیدیا کریں اور اگر اتنے گیہوں دو مسکین کو دیں گے تو درست نہیں یا ایک تاریخ میں ایک مسکین کو دو دن کا فدیہ دیں گے تب بھی درست نہیں۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ

(وہ تھوڑے دن) ماہ رمضان ہے جس میں قرآن مجید بھیجا گیا ہے (جس کا

هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی

ایک وصف یہ ہے کہ) لوگوں کے لئے ذریعہ ہدایت ہے

وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ

اور (دوسرا وصف) واضح الدلالۃ ہے منجملہ ان کتب کے جو کہ (ذریعہ) ہدایت (بھی) ہیں اور (حق و باطل میں) فیصلہ کرنے والی (بھی) ہیں سو جو شخص اس ماہ میں موجود ہو اس کو ضرور

فَلْيَصُمْهُ ۗ

اس میں روزہ رکھنا چاہئے

اور وہ فدیہ کی اجازت جو اوپر مذکور تھی منسوخ و موقوف ہوئی البتہ مریض و مسافر کے لئے جو اوپر قانون تھا وہ اب بھی اسی طرح باقی ہے

وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ

اور جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے ایام کا (اتنا ہی) شمار کرکے (ان کا

مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ

روزہ) رکھنا (اس پر واجب) ہے اللہ تعالیٰ کو تمہارے

وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫

ساتھ (احکام میں) آسانی کرنا منظور ہے

اس لئے ایسے احکام مقرر کئے جن کو تم آسانی سے بجا لا سکو

وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا

اور تمہارے ساتھ (احکام و قوانین مقرر کرنے میں) دشواری منظور نہیں اور تاکہ تم لوگ ایام (ادا یا قضا کی) شمار کی تکمیل کر لیا کرو (کہ ثواب میں کمی نہ رہے) اور تاکہ تم لوگ

هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

اللہ تعالیٰ کی ثناء بزرگی بیان کیا کرو اس پر کہ تم کو راستہ بتلا دیا اور تاکہ تم شکر ادا کرو

یعنی قضا رکھنے کا حکم کر دیا جس سے تم برکات و ثمرات صیام رمضان سے محروم نہ رہو گے۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ۗ اُجِیْبُ

اور جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق دریافت کریں تو میں قریب ہی ہوں (اور باستثنا نا مناسب درخواست کے) منظور کر لیتا ہوں ہر عرضی درخواست کرنے والے

دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِیْ

کی جبکہ وہ میرے حضور درخواست دے سو ان کو چاہئے کہ میرے احکام کو قبول کیا کریں

یعنی بجا لائیں ورنہ اگر یہ اجازت نہ ہوتی تو سخت مشقت ہوتی

وَلْيُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

اور مجھ پر یقین رکھیں امید ہے کہ وہ رشد حاصل کر سکیں گے

یہ جو فرمایا کہ جب دریافت کریں تو حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے دریافت کیا تھا۔

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِكُمْ ۗ

روزہ کی شب میں اپنی بیبیوں سے مشغول ہونا حلال کر دیا گیا

اور پہلے جو ممانعت تھی وہ ترک کی گئی

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ

کیونکہ وہ تمہارے (بجائے) اوڑھنے بچھونے (کے) ہیں اور تم ان کے (بجائے)

عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ

اوڑھنے بچھونے (کے) ہو خدا تعالیٰ کو اس کی خبر تھی کہ تم خیانت کر کے گناہ میں اپنے کو

اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ

مبتلا کر رہے تھے مگر خیر اللہ تعالیٰ نے تم پر عنایت فرمائی

جب تم معذرت سے پیش آئے۔

وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ

اور تم سے گناہ کو دھو دیا۔ سو اب ان سے ملو ملاؤ اور جو (قانون اجازت)

وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۠

تمہارے لئے تجویز کر دیا ہے (بلا تکلف) اس کا سامان کرو

جس طرح شب صیام میں بی بی سے ہم بستری جائز ہے اسی طرح اس کی بھی اجازت ہے کہ (آگے ترجمہ)

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ

کھاؤ اور پیو (بھی) اس وقت تک کہ تم کو سفید

الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ

خط (یعنی نور) صبح (صادق) سے

جب کہ وہ بالکل شروع ہی شروع میں طلوع ہوتی ہے

مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۠

متمیز ہو جائے سیاہ خط سے

مراد تاریکی کی حد فاصل ہے جو کہ خط نور صبح سے ملا ہوا محسوس ہوتا ہے اور واقع میں وہ خط نہیں بلکہ ایک ہی خط ہے جو سطح نور و سطح ظلمت دونوں کا منتہا اور دونوں میں مشترک ہے جیسا کہ اہل ریاضی جانتے ہیں

ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ

پھر (صبح صادق) سے رات تک روزہ کو پورا کیا کرو

شروع اسلام میں یہ حکم تھا کہ رات کو ایک دفعہ نیند آ جانے سے آنکھ کھلنے کے بعد کھانا پینا بی بی کے پاس جانا حرام ہو جاتا تھا بعض صحابہ سے غلبہ میں اس حکم کی خلاف ورزی ہو گئی انہوں نے نادم ہو کر حضورؐ سے اس کی اطلاع کی ان کی ندامت و توبہ پر اللہ تعالیٰ نے رحمت فرمائی اور اس حکم کو منسوخ فرما دیا۔

وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ

اور ان بیبیوں سے اپنا بدن بھی مت ملنے دو

لا تباشروھن الخ یعنی بیبیوں کے بدن سے اپنا بدن شہوت کے ساتھ نہ ملاؤ اعتکاف کے ضروری مسائل کتب فقہ میں معلوم کریں۔

وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ ۭ تِلْكَ

جس زمانہ میں کہ تم لوگ اعتکاف کرنے والے ہو مسجدوں میں یہ سب احکام

حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ

خداوندی کے ضابطے ہیں سو ان سے نکلنے کے نزدیک بھی مت ہونا اسی طرح

اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

اللہ تعالیٰ اپنے (اور) احکام (بھی) لوگوں (کی اصلاح) کے واسطے بیان فرمایا کرتے ہیں اس امید پر کہ وہ لوگ (مطلع ہو کر خلاف کرنے سے) پرہیز رکھیں

تلک حدود اللہ تا یتقون یعنی ان ضابطوں سے نکلنا تو کیا معنی نکلنے کے پاس بھی نہ جاؤ اور سب احکام پر پابندی کرو مطلع ہو کر ان کے خلاف کرنے سے پرہیز رکھو اور معلوم نہ ہو تو معلوم کرنا فرض ہے۔

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ

اور آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق (طور پر)

وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا

مت کھاؤ اور ان (کے جھوٹے مقدمہ کو) حکام کے یہاں اس غرض سے رجوع مت کرو کہ (اس کے ذریعہ سے)

مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ

لوگوں کے مالوں کا ایک حصہ (بطریق گناہ (یعنی ظلم) کے کھا جاؤ اور تم کو

تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ع يَسْــَٔـلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ۭ

(اپنے جھوٹ اور ظلم کا) علم بھی ہو۔ آپ سے چاندوں کی حالت کی تحقیقات کرتے ہیں

یسئلونک تا والحج کہ ان کے ہر مہینے میں گھٹنے بڑھنے سے کیا فائدہ ہے

قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۭ

آپ فرما دیجئے کہ وہ چاند آلہ شناخت اوقات ہیں لوگوں کے (اختیاری معاملات مثل عدت ومطالبہ حقوق کے) لئے اور غیر اختیاری عبادات مثل) حج (زکوٰۃ وروزہ وغیرہ) کے لئے

مطلب یہ ہے کہ سورج کی شکل تو ہمیشہ ایک حالت پر رہتی ہے لیکن وہ

امر خفی ہے کہ ایک مدت تک اس کا فرق ظاہر نہیں ہوتا اور کسوف نہ ہمیشہ ہوتا ہے نہ متعین ہے بخلاف چاند کے کہ جلد جلد اس کی شکلیں بدلتی رہتی ہیں پھر ہر مہینہ ایک ہی ضابطہ پر بدلتی ہیں اور وہ اختلاف ایسا بین ہے کہ ہر چھوٹا بڑا بے تکلف اس کو محسوس کرتا ہے اس لئے عام طور پر جیسا کہ قمری حساب سے اوقات کا انتظام وانضباط ہر طبقہ کے آدمیوں کے لئے سہل ہے شمسی حساب سے ممکن نہیں اور جنتریاں چھپنے کا اصول ہر زمانہ میں نہ تھا اور اس وقت بھی دیہات والے اس کو نہیں جانتے اور نہ ان کا بنانا دقت سے خالی ہے جو بناتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں اس لئے شریعت نے بالا صالۃ قمری حساب پر احکام عبادات کا مدار رکھا ہے تا کہ سب کا اجتماع واتفاق سہولت سے ممکن ہو پھر بعض احکام میں تو اس حساب کو لازم کر دیا ہے کہ ان میں دوسرے حساب پر مدار رکھنا جائز ہی نہیں جیسے حج وروزہ رمضان وعیدین وزکوٰۃ وعدت وطلاق وغیرہ اور بعض میں گو اختیار دیا ہے جیسے کوئی چیز خریدی اور وعدہ ٹھہرا کہ اس وقت سے ایک سال شمسی گزرنے پر زرثمن ادا کریں گے اس میں شریعت نے مجبور نہیں کیا کہ سال قمری ہی پر مطالبہ کا حق ہو جائے گا لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر سال قمری پر مدار رکھا جائے تو عام طور پر بہت سہولت ہے **مسئلہ**: چونکہ مدار احکام شرعیہ کا اکثر حساب قمری پر ہے اس لئے اس کا محفوظ ومنضبط رکھنا یقیناً فرض علی الکفایہ ہے اور سہل طریقہ انضباط کا یہ ہے کہ روزمرہ اسی کا استعمال رکھا جائے کیونکہ ظاہر ہے کہ فرض کفایہ عبادت ہے اور عبادت کی حفاظت کا طریقہ بھی یقیناً ایک درجہ میں عبادت ہے پس حساب قمری کا استعمال اس درجہ میں شرعاً مطلوب ضرور ہے پس ہر چند کہ روزمرہ کی خط وکتابت وغیرہ میں کسی حساب کا استعمال شرعاً ناجائز نہیں مگر مسلمان کی شان سے بہت بعید ہے کہ مطلوب شرعی کو چھوڑ کر ایک ایسی چیز کو اختیار کرے جو کسی درجہ میں اس کے مزاحم ہو خصوصاً اس طور پر کہ مطلوب شرعی سے کوئی خاص تعلق اور دلچسپی بھی نہ رہے اور غیر مطلوب کو راجح قرار دینے لگے نیز بوجہ صحابہ وسلف صالحین کی وضع کے خلاف ہونے کے شمسی حساب کا اس قدر استعمال ناجائز نہیں تو خلاف اولیٰ ضرور ہے۔

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ

اور اس میں کوئی فضیلت نہیں کہ گھروں میں ان کی پشت کی

مِنْ ظُهُوْرِهَا

طرف سے آیا کرو

لیس البر تا تفلحون بعض لوگ قبل اسلام کے حالت احرام حج میں اگر کسی ضرورت سے گھر جانا چاہتے تھے تو دروازہ سے جانا ممنوع جانتے تھے اس لئے پشت کی دیوار میں نقب دے کر اندر آتے تھے اور اس عمل کو فضیلت سمجھتے تھے حق تعالیٰ ذکر حج کے بعد اس کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ

ہاں لیکن فضیلت یہ ہے کہ کوئی شخص حرام چیزوں سے بچے اور گھروں میں ان

مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ

کے دروازوں سے آؤ اور اصل الاصول تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہو

تُفْلِحُوْنَ ﴿١٨٩﴾

(اس سے البتہ) امید ہے کہ تم (دارین میں) کامیاب ہو

اس سے ایک بڑے کام کی بات معلوم ہوئی وہ یہ کہ جو شے شرعاً مباح وجائز ہو اس کو طاعت وعبادت سمجھنا اسی طرح مباح کو معصیت ومحل ملامت اعتقاد کر لینا شرعاً مذموم اور داخل بدعت ہے چنانچہ گھروں میں دروازے سے آنا مباح تھا اس کو ان لوگوں نے معصیت سمجھا تھا اور دروازہ چھوڑ کر کسی اور طرف سے آنا بھی فی نفسہ جائز ہے اس کو ان لوگوں نے عبادت وفضیلت سمجھا تھا اس پر حق تعالیٰ نے ان پر رد فرمایا اور تقویٰ کو واجب کہا اور ان کے اس اعتقاد کو خلاف تقویٰ فرما کر باطل کیا اور ضرور ہے کہ جو چیز واجب کے خلاف ہو وہ گناہ ہے تو ان کے یہ دونوں اعتقاد گناہ ہوئے اس قاعدہ سے ہزاروں اعمال کا حکم معلوم ہو گیا جو کہ عوام بلکہ خواص تک میں شائع ہیں۔ خدا تعالیٰ رحم فرمائیں۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اور بے تکلف تم بھی لڑو اللہ کی راہ میں

وقاتلوا تا المتقین ذیقعدہ ۶ ہجری میں حضور ادائے عمرہ کے قصد سے مکہ معظمہ تشریف لے چلے اس وقت تک مکہ معظمہ مشرکین کے قبضہ اور حکومت میں تھا ان لوگوں نے حضور اور آپ کے ہمراہیوں کو مکہ کے اندر جانے سے روک دیا اور عمرہ رہ گیا آخر بڑی گفتگو کے بعد یہ قرار پایا کہ سال آئندہ آ کر عمرہ ادا فرمائیں چنانچہ ذیقعدہ ۷ ہجری میں پھر آپ اسی قصد سے تشریف لے چلے لیکن اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کو اندیشہ ہوا کہ شاید مشرکین اپنا معاہدہ پورا نہ کریں اور آمادہ مقابلہ ومقاتلہ ہو جائیں تو ایسی حالت میں نہ تو سکوت مصلحت ہے اور اگر قتال کیا جائے تو ذیقعدہ میں ہوگا حالانکہ اس وقت تک اس میں اور ذی الحجہ ومحرم ورجب میں قتل وقتال ممنوع تھا اور اس لئے یہ چار مہینے اشہر حرم کہلاتے تھے مسلمان اس تردد سے پریشان تھے

حق تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں کہ گو دوسرے کفار کی طرح ان معاہدہ کرنے والوں کے ساتھ بوجہ باہمی معاہدہ کے تم کو اپنی جانب سے ابتداء قتال کرنے کی اجازت نہیں لیکن اگر وہ لوگ خود عہد شکنی کریں اور تم سے لڑنے کو آمادہ ہو جائیں تو اس وقت تم کسی طرح کا اندیشہ دل میں مت لاؤ۔

الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ

ان لوگوں کے ساتھ جو (نقض عہد کر کے) تمہارے ساتھ لڑنے لگیں

یعنی اس نیت سے کہ یہ لوگ دین کی مخالفت کرتے ہیں۔

وَلَا تَعْتَدُوْا ط

اور (از خود) حد (معاہدہ سے) مت نکلو

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾

واقعی اللہ تعالیٰ حد (قانون شرعی) سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے اور (جس

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ

حالت میں وہ خود عہد شکنی کریں اس وقت خواہ) ان کو قتل کرو جہاں ان کو پاؤ اور

مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ

(خواہ) ان کو (مکہ سے) نکال باہر کرو جہاں سے انہوں نے تم کو نکلنے پر مجبور کیا ہے

کہ عہد شکنی کر کے لڑنے لگو۔

وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ج

اور شرارت (ضرر میں) قتل سے بھی سخت تر ہے

اور تمہارے قتل و اخراج کے بعد بھی الزام عقلاً ان ہی پر ہے کیونکہ اس کی نوبت ان کی شرارت ہی کی بدولت پہنچی ہے کہ نقض عہد کیا پس یہ شرارت اصل اور قتل و اخراج اس کی فرع ہے۔ علاوہ معاہدے کے خوف ان سے قتال شروع کرنے میں ایک اور بات بھی مانع ہے وہ یہ کہ حرم شریف یعنی مکہ اور اس کے گردو جوانب ایک واجب الاحترام جگہ ہے اس میں قتال کرنا اس کے احترام کے خلاف ہے اس وجہ سے بھی حکم دیا جاتا ہے کہ (آگے ترجمہ)

وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

اور ان کے ساتھ مسجد حرام کے قرب و نواح میں (کہ حرم کہلاتا ہے) قتال مت کرو

حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ج فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ

جب تک کہ وہ لوگ وہاں تم سے نہ لڑیں۔ ہاں اگر وہ (کفار) خود ہی

فَاقْتُلُوْهُمْ ط كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾

لڑنے کا سامان کرلیں تو (اس وقت) تم بھی ان کو مارو ایسے کافروں کی

فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾

(جو حرم میں لڑنے لگیں) ایسی ہی سزا ہے پھر اگر وہ لوگ (اپنے کفر سے) باز آجائیں (اور اسلام قبول کرلیں) تو اللہ تعالیٰ بخش دیں گے اور مہربانی فرمائیں گے۔

یعنی اگر قتال شروع ہونے کے بعد بھی وہ اسلام قبول کرلیں تو ان کا اسلام بے قدر نہ سمجھا جائے گا بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے گذشتہ کفر کو معاف فرما کر علاوہ مغفرت کے قسم قسم کی نعمتیں عطا فرمائیں گے اور اگر وہ لوگ اسلام نہ لاویں تو اگرچہ دوسرے کفار سے جزیہ دینے کے اقرار پر قتال سے دست کش ہونے کا حکم ہے مگر یہ کفار چونکہ اہل عرب ہیں ان کے لئے قانون جزیہ نہیں بلکہ اسلام ہے یا قتل۔

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ

اور ان کے ساتھ اس حد تک لڑو کہ ان میں فساد عقیدہ (یعنی شرک) نہ رہے

وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ط

اور ان کا دین (خالص) اللہ ہی کا ہو جائے

اور دین و مذہب کا ان کے لئے خالص ہونا اسلام پر موقوف ہے تو حاصل یہ ہوا کہ شرک چھوڑ کر اسلام اختیار کرلیں۔

فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى

اور اگر وہ لوگ (کفر سے) باز آجائیں تو (قانون یہ ہے کہ) سختی کسی پر نہیں ہوا

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾

کرتی بجز بے انصافی کرنے والوں کے۔

جو براہ بے انصافی خدائی احسانات کو بھول کر کفر و شرک کرنے لگے اور جب یہ اسلام لے آئے تو بے انصاف نہ رہے لہذا ان پر سزائے قانون کی سختی بھی نہ رہی۔

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ

حرمت والا مہینہ بعوض حرمت والے مہینے کے ہے اور یہ حرمتیں تو عوض

قِصَاصٌ ط

ومعاوضے کی چیزیں ہیں

جو تم سے ان کی رعایت کرے تم بھی رعایت رکھو

فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْہِ بِمِثْلِ

سو جو تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر زیادتی کرو جیسی اس نے تم پر

مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ وَاتَّقُوا اللّٰہَ

زیادتی کی ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو

کہ ان سب احکام مذکورہ میں سے کسی امر میں حد قانون سے تجاوز نہ ہونے پاوے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۹۴﴾

اور یقین کرلو کہ اللہ تعالیٰ ان ڈرنے والوں کے ساتھ ہوتے ہیں

ان آیتوں کے متعلق چند سوال ہیں **مسئلہ** جن کفار سے معاہدہ ہو ان سے ابتداء قتال شروع کرنا ناجائز ہے البتہ اگر معاہدہ رکھنا مصلحت نہ ہو تو صاف اطلاع کردی جائے کہ ہم وہ معاہدہ باقی نہیں رکھتے یا وہ خود معاہدہ توڑ دیں ان دونوں صورتوں میں ابتداً قتال کرنا درست ہے چنانچہ جن لوگوں کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں جب انہوں نے نقض عہد کیا تو ان سے یہاں تک قتل وقتال ہوا کہ مکہ فتح ہوکر دارالاسلام بن گیا اور اگر معاہدہ نہ ہو تو ابتداء قتال کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ شرائط جواز موجود ہوں۔

مسئلہ جزیرہ عرب کے اندر جس میں حرم بھی آ گیا کفار کو وطن بنانے کی اجازت نہیں اور اگر بزور رہنا چاہیں تو حرم سے باہر تو قتال سے بھی دفع کر دینا جائز ہے اور حرم کے اندر پہلے قتال نہ کریں گے بلکہ ان کو دوسری طرح تنگ کیا جائے جس سے کہ خود چھوڑ دیں اور اگر کسی طرح نہ چھوڑیں اور دفع کرنے سے آمادہ قتال ہوں اس وقت قتال جائز ہے اور یہی حکم ہے قتل کرکے حرم میں گھس جانے والے کا اور اس آیت میں جو نقض عہد نہ کرنے کی صورت میں ان سے تعرض نہ کرنے کا حکم مفہوم ہوتا ہے تو اس وقت تک جزیرہ عرب میں کفار کے بسنے کی ممانعت نہ ہوئی تھی پھر آخر میں یہ حکم مقرر ہو گیا **مسئلہ** جمہور آئمہ دین کا اجماع ہے کہ اشہر حرم میں قتل وقتال جائز ہے اور جن آیات سے ممانعت معلوم ہوتی ہے وہ منسوخ ہیں لیکن افضل اب بھی یہی ہے کہ اشہر حرم میں ابتدا بالقتال نہ کی جائے **مسئلہ** کفار عرب اگر اسلام نہ لاویں تو ان کو صرف قتل کا قانون ہے اگر جزیہ دینا چاہیں تو نہ لیا جائے گا۔

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ

اور تم لوگ (جان کے ساتھ مال بھی) خرچ کیا کرو اللہ کی راہ (یعنی جہاد) میں اور اپنے

اِلَی التَّھْلُکَۃِ ۛ

آپ کو اپنے ہاتھوں تباہی میں مت ڈالو

سبیل اللہ تا المحسنین کہ ایسے مواقع میں جان و مال خرچ کرنے سے بزدلی یا بخل کرنے لگو جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم کمزور ہو جاؤ گے اور مخالف قوی اور یہی عین تباہی ہے اور یہ جو فرمایا کہ ''اپنے ہاتھوں'' اس قید کا مطلب یہ ہے کہ باختیار خود کوئی کام خلاف حکم نہ کرو بلا قصد و اختیار کے اگر کچھ ہو جائے تو وہ معاف ہے۔

وَاَحْسِنُوْا ۛ

اور (جو) کام (کرو) اچھی طرح کیا کرو

مثلاً اسی موقع میں خرچ کرنا ہے تو دل کھول کر خوشی سے اچھی نیت کے ساتھ خرچ کرو۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۹۵﴾ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ

بلاشبہ اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں اچھی طرح کام کرنے والوں کو اور جب حج وعمرہ کرنا ہو تو

وَالْعُمْرَۃَ لِلّٰہِ ؕ

اس) حج وعمرہ کو اللہ تعالیٰ کے واسطے پورا پورا ادا کیا کرو

واتموا الحج والعمرۃ تا العقاب یعنی اس کو خوش کرنے کے لئے کہ افعال و شرائط بھی سب بجالاؤ اور نیت بھی خالص ثواب کی ہو

فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ

پھر اگر (کسی دشمن یا مرض کی وجہ سے) روک دیئے جاؤ

حج وعمرہ کے پورا کرنے سے (آگے ترجمہ)

فَمَا اسْتَیْسَرَ مِنَ الْھَدْیِ ۚ

تو قربانی کا جانور جو کچھ میسر ہو (ذبح کرو)

اور حج وعمرہ کی جو وضع اختیار کررکھی تھی موقوف کرو اس کو احرام کھولنا کہتے ہیں جس کا طریقہ شریعت میں سر منڈانا ہے اور بال کترا دینے میں بھی یہی اثر ہے۔

وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَکُمْ حَتّٰی یَبْلُغَ الْھَدْیُ

اور اپنے سروں کو اس وقت تک مت منڈاؤ جب تک قربانی اپنے موقع پر نہ

مَحِلَّہٗ ؕ

پہنچ جائے

اور وہ موقع حرم ہے مطلب یہ ہے کہ روک ٹوک کے ساتھ ذرا ہی احرام کھولنا درست نہیں بلکہ ایک جانور کسی معتبر شخص کے ہاتھ حرم میں بھیج دو اور اس سے کہہ دو کہ فلاں دن میں اس کو ذبح کر دینا اس دن کے بعد سر منڈانا چاہیے۔

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى

(۱۰) البتہ اگر کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہے

مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ

جس سے پہلے سر منڈوانے کی ضرورت پڑ جائے تو (وہ سر منڈا کر) فدیہ دیدے

اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ۗ وقفة فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ

(تین) روزے یا (چھ مسکین کو) خیرات دے دے یا (ایک بکری) ذبح کر دینے سے پھر جب امن کی حالت میں ہو تو جو شخص عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر متمتع ہوا ہو

اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ

(یعنی ایام حج میں عمرہ بھی کیا ہو) تو جو کچھ قربانی اسے میسر ہو (ذبح کرے اور جس نے صرف عمرہ یا صرف حج کیا ہو اس پر حج وغیرہ کے متعلق کوئی قربانی نہیں) پھر جس

لَّمْ يَجِدْ

شخص کو قربانی کا جانور میسر نہ ہو تو

یعنی جو شخص حج و عمرہ کو جمع کرتا ہے اگر وہ غریب ہو یا کسی اور وجہ سے اس کو جانور نہ ملے (آگے ترجمہ)

فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ

اس کے ذمہ تین دن کے روزے ہیں (ایام) حج میں

کہ آخر ان ایام کا نویں تاریخ ذی الحجہ کی ہے۔

وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ۭ

اور سات ہیں جبکہ (حج سے) تمہارا لوٹنے کا وقت آجاوے۔

مطلب یہ ہے کہ حج کر چکو خواہ لوٹنا ہو یا وہیں رہنا ہو۔

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۭ

یہ پورے دس ہوئے

اور یہ بھی یاد رکھو کہ حج و عمرہ کا ملانا ہر ایک کو درست نہیں بلکہ (آگے ترجمہ)

ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ

یہ اس شخص کے لئے ہے جس کے اہل (و عیال) مسجد

الْحَرَامِ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

حرام (یعنی کعبہ) کے قریب میں نہ رہتے ہوں (یعنی میقات کے اندر اس کا گھر نہ ہو) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو (کہ کسی امر میں خلاف نہ ہو جائے) اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ (بے باکی اور مخالفت کرنے والوں کو)

شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۱۹۶ ع

سزائے سخت دیتے ہیں

مسئلہ: جس شخص کے پاس مکہ پہنچنے کا سامان اور استطاعت ہو اس پر تو حج ابتداً ہی فرض ہے اور جس کو استطاعت نہ ہو اور وہ شروع کر دے یعنی احرام باندھ لے اس پر حج کا پورا کرنا فرض ہو جاتا ہے اور عمرہ فرض و واجب نہیں بلکہ سنت مؤکدہ ہے البتہ شروع کرنے سے اس کا بھی پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے اور حج و عمرہ و احرام کا طریقہ کتب فقہ میں مذکور ہے۔ **مسئلہ:** عورت کو سر منڈانا حرام ہے وہ صرف ایک ایک انگل بال کاٹ ڈالے۔ **مسئلہ:** اگر حج و عمرہ کسی عذر سے پورا نہ کر سکے مثلاً راہ میں بدامنی ہو گئی یا بیماری نے مجبور کر دیا ایسے شخص کو چاہیے کہ کسی معتبر آدمی سے کہہ دے کہ فلاں تاریخ حد حرم میں پہنچ کر میری طرف سے ایک جانور جو بکری سے کم نہیں ہو سکتا ذبح کر دے اور قران و تمتع میں (جن کا ذکر ابھی آتا ہے) دو بکریاں ذبح کرنے کے لئے رکھنا چاہیے جب وہ تاریخ آجائے گو وہ ایام قربانی سے پہلے ہی ہو اور گمان غالب ہو جائے کہ اب جانور ذبح ہو گیا ہوگا تو سر منڈا دے اس سے احرام کھل جائے گا پھر اس حج یا عمرہ کی آئندہ قضا لازم ہو گی اور ذبح کے لئے حد حرم معین ہے اور روزہ و صدقہ جہاں چاہے ادا کر دے اور ایک مسکین کو ایک ہی حصہ دینا چاہیے اگر دو حصے ایک آدمی کو دے دے تو ایک ہی شمار ہوگا۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ

(زمانہ افعال) حج چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں (شوال ذیقعدہ اور دس تاریخیں ذی

الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ

الحجہ کی) سو جو شخص ان میں (اپنے ذمہ) حج مقرر کرلے تو پھر (اس کو) نہ کوئی فحش بات

فِى الْحَجِّ ۭ

(جائز) ہے اور نہ کوئی بے حکمی (درست ہے) اور نہ کسی قسم کا نزاع زیبا ہے

الحج اشهر تا الالباب بلکہ اس کو چاہیے کہ ہر وقت نیک ہی کاموں میں لگا رہے۔

وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۭ وَتَزَوَّدُوْا

اور جو نیک کام کرو گے خدا تعالیٰ کو اس کی اطلاع ہوتی ہے اور (جب حج کو جانے لگو)

فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوْنِ يٰاُولِي

خرچ ضرور لے لیا کرو کیونکہ سب سے بڑی بات خرچ میں (گداگری سے) بچنا

الْاَلْبَابِ ﴿١٩٧﴾

ہے اور اے ذی عقل لوگو مجھ سے ڈرتے رہو

سب احکام کی تعمیل کرو اور کسی حکم کے خلاف مت کرو **مسئلہ**: افعال حج احرام سے شروع ہوتے ہیں اور شوال کے مہینہ سے احرام باندھ لینا بلا کراہت جائز ہے اس سے پہلے مکروہ ہے اس لئے شوال سے حج کے مہینے شروع سمجھے گئے اور فرائض جس میں سب سے آخیر طواف زیارت ہے وہ دسویں تاریخ ذی الحجہ کو ہوتا ہے۔ اس لئے اس تاریخ کو ختم حج قرار دیا گیا ہے اگرچہ بعض واجبات بعد میں بھی ادا ہوتے ہیں **مسئلہ**: فحش بات دو طرح کی ہے ایک وہ جو پہلے ہی سے حرام ہے وہ حج کی حالت میں اور بھی زیادہ حرام ہوگی دوسرے وہ جو پہلے سے حلال تھی جیسے اپنی بیوی سے بے حیائی اور بے حجابی کی باتیں کرنا حج میں یہ بھی درست نہیں اسی طرح بے حکمی دو طرح کی ہے ایک وہ جو پہلے سے بھی حرام ہے جیسے تمام گناہ یہ حج کی حالت میں زیادہ حرام ہے دوسرے وہ امور جو خاص حج کی وجہ سے حرام ہو گئے جیسے خوشبو لگانا بال کٹانا وغیرہ یہ حج میں ناجائز ہوتے ہیں اسی طرح رفیقوں سے لڑنا جھگڑنا یوں بھی برا ہے مگر حالت حج میں اور زیادہ برا ہے **مسئلہ**: بے خرچ کئے ہوئے حج کو جانا ایسے شخص کو درست نہیں جس کے نفس میں قوت توکل نہ ہو اور اس کو غالب گمان ہو کہ میں شکایت و بے صبری میں مبتلا ہو جاؤں گا اور سوال کر کے لوگوں کو پریشان کروں گا۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا

تم کو اس میں ذرا بھی گناہ نہیں کہ (حج میں) معاش کی تلاش کرو جو (تمہاری قسمت میں)

مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ

تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے

لیس علیکم تا رحیم یہ بات بھی یاد رکھو کہ قریش نے جو دستور نکال رکھا تھا کہ تمام حجاج تو عرفات ہو کر پھر وہاں سے مزدلفہ کو آتے ہوئے ٹھہرتے تھے اور یہ مزدلفہ ہی میں رہ جاتے تھے عرفات نہ جاتے تھے کیونکہ وہ اپنے کو مجاور حرم سمجھتے تھے اور عرفات حرم سے باہر ہے اور مزدلفہ حرم کے اندر تو جائز نہیں بلکہ (آگے ترجمہ)

فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا

پھر جب تم لوگ عرفات سے واپس آنے لگو

اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ص

تو مشعر الحرام کے پاس (مزدلفہ میں شب کو قیام کر کے) خدا تعالیٰ کو یاد کرو

وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ

اور اس طرح یاد کرو جس طرح تم کو بتلا رکھا ہے (نہ یہ کہ اپنی رائے کو دخل دو)

مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿١٩٨﴾ ثُمَّ

اور حقیقت میں قبل اس کے تم محض ہی ناواقف تھے۔ پھر تم سب

خواہ قریش ہوں یا غیر قریش۔

حج کے واسطے مکہ کو عرفات کو جا کر نویں کو وہاں ٹھہرتے ہیں راہ میں منیٰ اور مزدلفہ پڑتے ہیں پھر اسی راہ کو لوٹتے ہیں اور شب دہم کو اول مزدلفہ ملتا ہے اس میں صبح تک ٹھہرتے ہیں اور یہاں مغرب وعشاء دونوں نمازیں عشاء کے وقت اکٹھی پڑھتے ہیں اور یہ جمع کرنا واجب ہے آیت میں جو ذکر کا حکم ہے اس میں یہ نمازیں بھی شامل ہیں پس یہ ذکر تو واجب ہے اور باقی جو کچھ ذکر کرے سب مستحب ہے اور یہ جو فرمایا کہ جس طرح بتلا رکھا ہے اس طرح یاد کرو اس سے یہ فائدہ ہے کہ مثلاً اسی جمع کرنے میں کوئی شخص قیاس کو دخل دینے لگتا اس سے روک دیا۔ مشعر حرام مزدلفہ میں ایک پہاڑی ہے اس کے آس پاس سے مراد سارا مزدلفہ ہے جہاں ٹھہر جائیں درست ہے باستثنائے وادی محسر کے کہ اس میں ٹھہرنا جائز نہیں اور تجارت کی اجازت تصریحاً اس لئے دی کہ اسلام سے پہلے ان ایام میں تجارت کیا کرتے تھے بعد اسلام کے شبہ ہوا کہ شاید گناہ ہو اس لئے بتلا دیا کہ گناہ نہیں مباح ہے اب رہی یہ بات کہ اخلاص کے خلاف تو نہیں اس میں مثل دیگر مباحات کے تفصیل ہے اگر مقصود حج ہو اور تبعاً تجارت کی جائے تو اخلاص کے خلاف نہیں اور اگر مقصود تجارت ہے یا دونوں برابر درجہ میں ہیں تو بیشک اخلاص کے خلاف ہے اور ثواب حج کا کم ہو جائے گا۔

ربط: فاذاقضیتم تا تحشرون جاہلیت میں تو بعضوں کی یہ حالت تھی کہ حج سے فارغ ہو کر منیٰ میں جمع ہو کر اپنے آباؤ اجداد کے مفاخر و فضائل بیان کرتے حق تعالیٰ اس بے ہودہ شغل کے بجائے اپنے ذکر کی تعلیم فرماتے ہیں۔

اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ

کو ضرور ہے کہ اس جگہ ہو کر واپس آؤ جہاں اور لوگ جا کر وہاں سے واپس آتے ہیں

وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

اور (احکام حج میں پرانی رسموں پر عمل کرنے سے) خدا تعالیٰ کے سامنے توبہ کرو) یقیناً اللہ تعالیٰ

رَحِيْمٌ ﴿١٩٩﴾ فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ

معاف کردیں گے اور مہربانی فرمادیں گے پھر جب تم اپنے اعمال حج پورے کر چکا کرو

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ

تو حق تعالیٰ کا ذکر کیا کرو جس طرح تم اپنے اباء (واجداد) کا ذکر کیا کرتے ہو

اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ط

بلکہ یہ ذکر اس سے (بدر جہا) بڑھ کر ہونا چاہئے

اور بعضوں کی عادت تھی کہ حج میں ذکر تو اللہ تعالیٰ ہی کا کرتے تھے لیکن چونکہ آخرت کے قائل نہ تھے اس لئے تمام تر ذکر کا خلاصہ صرف دنیا کے لئے دعا مانگنا ہوتا تھا حق تعالیٰ صرف دنیا طلبی سے منع فرما کر بجائے اس کے خیر دارین طلب کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي

سو بعضے آدمی (جو کافر ہیں) ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے پروردگار ہمارے ہم کو (جو کچھ دینا ہو)

الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ

دنیا میں دے دیجئے اور ایسے شخص کو آخرت میں (بوجہ انکار آخرت کے) کوئی

خَلَاقٍ ﴿٢٠٠﴾

حصہ نہ ملے گا

جو کچھ ملنا ہوگا دنیا ہی میں مل رہے گا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي

اور بعضے آدمی (جو کہ مومن ہیں) ایسے ہیں (جو دعا میں یوں) کہتے ہیں کہ

الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً

اے ہمارے پروردگار ہم کو دنیا میں بہتری عنایت کیجئے اور آخرت میں بھی

وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿٢٠١﴾

بہتری دیجئے اور ہم کو عذاب دوزخ سے بچائیے

سو یہ لوگ پہلوں کی طرح بے بہرہ نہیں

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ط

ایسے لوگوں کو (دونوں جہان میں) بڑا حصہ ملے گا۔ بدولت ان کے اس عمل (یعنی

وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿٢٠٢﴾

طلب دارین) کے اور اللہ تعالیٰ جلدی ہی حساب لینے والے ہیں

کیونکہ قیامت میں حساب ہوگا اور قیامت قریب آتی جاتی ہے پس وہاں کی بہتری کو مت بھولو۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ط

اور (منیٰ میں خاص طریقہ سے بھی) اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کئی روز تک

اور وہ خاص طریقہ یہ ہے کہ تین معین پتھروں پر کنکریاں ماری جائیں ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہنا مستحب ہے اور کئی روز سے مراد دسویں گیارہویں بارہویں ذی الحجہ کی ہے تیرہویں بھی کہ اس میں کنکریاں مارنا مستحب ہے۔ حاصل یہ کہ بارہویں تاریخ تک تو منیٰ کا قیام واجب ہے اگر کوئی بارہویں ہی کو کنکریاں مار کر چلا آئے تو کچھ گناہ نہیں مگر تیرہویں تاریخ کی رمی کر کے آنا زیادہ افضل ہے۔

فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ

پھر جو شخص (دسویں کے بعد) دو دن میں (مکہ واپس آنے میں) تعجیل کرے اس

اِثْمَ عَلَيْهِ ج وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ

پر بھی کچھ گناہ نہیں اور جو شخص دو دن میں (ایک دن کی) تاخیر کرے اس پر بھی

عَلَيْهِ لا لِمَنِ اتَّقٰى ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ

کچھ گناہ نہیں یہ سب اس شخص کے واسطے (ہے) جو (خدا سے) ڈرے اور اللہ

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٢٠٣﴾

تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور خوب یقین رکھو کہ تم سب کو خدا ہی کے پاس جمع ہونا ہے

اس آیت سے آج کل کے طالبان دنیا کو شبہ ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طالبان دنیا کی جب کہ وہ طالب آخرت بھی ہوں مدح کی ہے اس سے معلوم ہوا کہ طلب دنیا بری چیز نہیں مگر یہ بڑی غلطی ہے کیونکہ آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ بعض لوگ یوں دعا کرتے ہیں ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ کہ اے اللہ ہم کو دنیا میں بہتری عنایت کیجئے تو اس میں دنیا کی طلب نہیں بلکہ حسنہ کی طلب ہے یعنی وہ حالت جو خدا تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ اور مستحسن ہو اور اسی پر مدح کی گئی ہے اس سے اس دنیا طلبی کی مدح کہاں نکلتی ہے جس میں دنیا مطلوب بالذات اور آخرت کو محض برائے نام قرار دے دیا ہو حاشا وکلا اس کو آیت سے مس بھی نہیں یہ دوسری بات

ہے کہ اگر طلب دنیا میں حلال وحرام کی پابندی کی جائے تو وہ مباح ہے مگر مباح ہونے سے شرعی مطلوب ہونا لازم نہیں آتا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ

اور بعضا آدمی ایسا بھی ہے کہ آپ کو اس کی گفتگو جو محض دنیوی غرض سے ہوتی ہے

ربط: اوپر کی آیت میں دعا مانگنے والوں کی دو قسمیں بتلائی تھیں ایک کافر کہ منکر آخرت ہے اس لئے صرف دنیا مانگتا ہے دوسرا مومن کہ معتقد آخرت ہے اس لئے دنیا کی بھلائی بھی مانگتا ہے اور آخرت کی بھلائی بھی اگلی آیت میں اسی طرح نفاق واخلاص کے اعتبار سے تقسیم فرماتے ہیں کہ بعض منافق ہوتے ہیں اور بعض مخلص ومن الناس تا المھاد ایک شخص تھا اخنس بن شریق بڑا فصیح وبلیغ وہ حضور کی خدمت میں آ کر قسمیں کھا کر اسلام کا جھوٹا دعویٰ کیا کرتا تھا اور مجلس سے اٹھ کر جاتا تو فساد وشرارت وایذا رسانی خلق میں لگ جاتا حق تعالیٰ اس کے بارے میں فرماتے ہیں (دیکھو ترجمہ) کہ اظہار اسلام کر کے مسلمانوں کی طرح مقرب وخاص بنا رہوں گا۔ چنانچہ ایک مسلمان کا اس طرح نقصان کر دیا تھا

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى

مزہ دار معلوم ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر بتاتا ہے اپنے

مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾

مافی الضمیر پر حالانکہ وہ (آپ کی) مخالفت میں نہایت شدید ہے

وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ

اور جب پیٹھ پھیرتا ہے تو اس دوڑ دھوپ میں پھرتا رہتا ہے کہ شہر میں فساد

فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ

کردے اور (کسی کے) کھیت یا مواشی کو تلف کر دے

ربط: اوپر کی آیت میں مخلص کی مدح تھی بعض اوقات غلطی سے اخلاص میں غلو اور افراط ہو جاتا یعنی قصد تو ہوتا ہے زیادہ اطاعت کا مگر وہ اطاعت شریعت وسنت کی حد سے متجاوز ہو کر داخل بدعت ہو جاتی ہے۔ حق تعالیٰ آئندہ آیت میں اس کی اصلاح کس قدر اہتمام سے فرماتے ہیں کیونکہ حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ جو پہلے علماء یہود سے تھے اور اس مذہب میں ہفتہ کا دن معظم تھا اور اونٹ کا گوشت حرام تھا ان صاحبوں کو بعد اسلام کے یہ خیال ہوا کہ شریعت موسویہ میں ہفتہ کی تعظیم واجب تھی اور شریعت محمدیہ میں اس کی بے تعظیمی واجب نہیں اسی طرح اس شریعت میں اونٹ کا گوشت حرام تھا اور اس شریعت میں حرام نہیں تو کھانا فرض بھی نہیں سو اگر ہم بدستور ہفتہ کی تعظیم کرتے رہیں اور اونٹ کے گوشت کو اعتقاداً حلال سمجھیں اور عملاً کھانا چھوڑ دیں تو پہلی شریعت کی رعایت ہو جائے گی اور شریعت محمدیہ کے خلاف نہ ہوگا اور اس میں تو خدا تعالیٰ کی زیادہ اطاعت معلوم ہوتی ہے اللہ اس خیال کی اصلاح فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اسلام پر کامل ایمان لانا فرض ہے اور اس کا کامل ہونا جبھی ہے کہ جو امر اسلام میں قابل رعایت نہیں دین سمجھ کر اس کی رعایت نہ کی جائے اور ایسی بات کو دین سمجھنا یہ شیطانی لغزش ہے اور بہ نسبت ظاہری گناہوں کے یہ سخت گناہ ہے اس لئے اس میں عذاب کا سخت اندیشہ ہے اس سے بچو۔

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ وَاِذَا قِيْلَ

اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں فرماتے اور جب اس سے کوئی کہتا ہے

لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ

کہ خدا کا تو خوف کر تو نخوت اس کو اس گناہ پر (دونا) آمادہ کر دیتی ہے

فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾

سو ایسے شخص کی کافی سزا جہنم ہے اور وہ بری ہی آرام گاہ ہے

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاۗءَ

اور بعضا آدمی ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں اپنی جان تک صرف کر ڈالتا ہے

مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾ يٰٓاَيُّهَا

اور اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کے حال پر نہایت مہربان ہے اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً ص

ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو

یایھا الذین تا الامور یہ نہیں کہ کچھ کچھ یہودیت کی بھی رعایت کیا کرو۔

وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ

اور فاسد خیالات میں پڑ کر) شیطان کے قدم بقدم مت چلو واقعی

لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾

وہ تمہارا کھلا دشمن ہے

کہ ایسی پٹی پڑھا دیتا ہے کہ ظاہر میں تو سراسر دین معلوم ہو اور فی الحقیقت وہ دین کے بالکل خلاف ہے۔

فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ

پھر اگر تم بعد اس کے کہ تم کو واضح دلیلیں پہنچ چکی ہیں (صراط مستقیم سے)

الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ

لغزش کرنے لگو تو یقین کر رکھو کہ حق تعالیٰ (بڑے) زبردست ہیں۔

حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾

حکمت والے ہیں

یعنی وہ تم کو سخت عذاب دیں گے اور اگر چندے سزا نہ دیں تو دھوکہ مت کھاؤ کیونکہ کسی حکمت اور مصلحت سے سزا میں کبھی دیر بھی کر دیں گے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ

یہ (کج راہ) لوگ صرف اس امر کے منتظر (معلوم ہوتے) ہیں کہ حق تعالیٰ

فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ

اور فرشتے بادل کے سائبانوں میں ان کے پاس (سزا دینے کے لئے)

وَقُضِيَ الْاَمْرُ ؕ

آویں اور سارا قصہ ہی ختم ہو جاوے

یعنی کیا اس وقت حق کو قبول کریں۔گے جس وقت کا قبول کرنا بھی مقبول نہ ہوگا۔

وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾

اور یہ سارے مقدمات اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کئے جاویں گے

کوئی دوسرا صاحب اختیار نہ ہوگا سو ایسے زبردست کے خلاف مخالفت کرنے کا انجام بجز خرابی کے کیا ہو سکتا ہے۔ف: آیت کی تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ بدعت پر کس قدر ملامت اور کس درجہ مذمت وردان کا فرمایا گیا ہے اور حدیثوں میں اس سے زیادہ صاف الفاظ میں سخت وعیدیں آئی ہیں اور واقع میں اگر غور سے کام لیا جائے تو بدعت ایسی ہی مذموم ہونا چاہئے کیونکہ خلاصہ بدعت کی حقیقت کا غیر شریعت کو شریعت بنانا ہے اور شریعت من جانب اللہ ہوتی ہے تو یہ شخص ایسی بات کو جو اللہ کی طرف سے نہیں ہے اپنے اعتقاد میں منجانب اللہ سمجھتا اور دعویٰ سے من اللہ بتلاتا ہے۔جس کا حاصل خدا پر جھوٹ اور بہتان لگانا اور ایک گونہ ثبوت کا دعویٰ ہے سو اس کے مذموم اور عظیم ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے یہ خرابی تو حقیقت کے لحاظ سے ہے ظاہری اعتبار سے بھی آثار کے خرابی یہ ہے کہ بدعت سے توبہ بہت کم نصیب ہوتی ہے کیونکہ جب وہ اس کو مستحب سمجھ رہا ہے تو توبہ کیوں کرے گا اگر اللہ تعالیٰ اپنے طفیل سے اس عمل سے ہی نجات بخش دیں تو اور بات ہے کہ توبہ نصیب ہو جائے افسوس ہے جہلائے صوفیا اس بلا بدعت میں بکثرت مبتلا ہیں بہت سے ان میں عابد زاہد تارک دنیا بھی ہیں مگر برکات سنت سے محروم ہیں۔ف عبداللہ بن مسعودؓ سے ابن مردویہ نے روایت کیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام اولین و آخرین کو جمع فرمائیں گے اور سب منتظر حساب و کتاب کے ہونگے اللہ تعالیٰ ابر کے سائبانوں میں عرش سے تجلی فرمائیں گے اور ابن عباس کی روایت میں ہے کہ ان سائبانوں کے گرداگرد ملائکہ ہونگے آیت میں اس قصے کی طرف اشارہ ہے مطلب یہ ہے کہ کیا قیامت کے منتظر ہیں پھر اس وقت کیا ہو سکتا ہے۔ف اللہ تعالیٰ کے لئے آنا وغیرہ جہاں مذکور ہے اس کی تفتیش حقیقت کے درپے ہونا جائز نہیں حق تعالیٰ کی ذات و صفات کی کنہ کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی بلا تعیین کیفیت اجمالاً ایمان لے آنا چاہیے۔

ربط: اوپر فرمایا تھا کہ بعد دلائل واضحہ آ جانے کی حق کی مخالفت کرنا موجب سزا ہے آگے اس کی دلیل بیان فرماتے ہیں کہ جیسے بنی اسرائیل میں ہوا ہے بعض کو ایسی ہی مخالفت پر سزا دی گئی۔

سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ

آپ (علماء) بنی اسرائیل سے (ذرا) پوچھئے (تو سہی) ہم نے

مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ؕ

ان کو کتنی واضح دلیلیں دی تھیں

سل بنی اسراء یل تا شدید العقاب یعنی ان کے بزرگوں کو مگر انہوں نے بجائے ہدایت کرنے کے الٹی گمراہی پر کمر باندھی تو پھر کیسی سزائیں بھگتیں تورات کو قبول نہ کیا تو طور گرنے کی دھمکی دی گئی خدا تعالیٰ کا کلام سن کر شبہات نکالے آخر بجلی سے ہلاک ہوئے دریا کو ان کے لئے پھاڑا گیا احسان تو کیا مانتے گوسالہ پرستی شروع کر دی ہزاروں قتل کئے گئے من و سلویٰ عطا ہوا تو حرص کے مارے جمع کرنے لگے سو وہ سڑنے لگا اس کی بے قدری کی تو موقوف ہو گیا اور کھیتی کی مصیبت پڑی انبیاء کا سلسلہ ان میں جاری رہا اسے غنیمت سمجھتے ان کو قتل کرنا شروع کر دیا تو بادشاہت چھین لی گئی اور ایسے ہی بہت سے واقعات ہوئے **ربط**: اوپر مخالفت حق کا بیان تھا آگے اس کی اصلی علت بیان فرماتے ہیں کہ دنیا کی محبت ہے۔جس کے آثار میں سے اہل دین کو حقیر سمجھنا بھی ہے کیونکہ جب محبت دنیا کا غلبہ ہوتا ہے دین کی طلب نہیں رہتی بلکہ جب دین سے دنیا کا خلل دیکھتا ہے تو دین کو چھوڑ دیتا

ہے اور اہل دین پر ہنستا ہے کہ یہ کیسے میلے کچیلے رہتے ہیں کہ پاس بیٹھنے سے بھی عار آتا ہے چنانچہ بعض رؤسائے بنی اسرائیل مثل جہلائے مشرکین کے غریب مسلمانوں کے ساتھ استہزا کرتے تھے ان لوگوں کا بیان فرماتے ہیں۔

وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ

اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمت کو بدلتا ہے اس کے پاس پہنچنے کے بعد

مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٢١١﴾

تو یقیناً حق تعالیٰ سخت سزا دیتے ہیں

زین للذین تا بغیر حساب کیونکہ کفار جہنم میں ہوں گے اور مسلمان جنت میں۔

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

دنیوی معاش کفار کو آراستہ پیراستہ معلوم ہوتی ہے اور (اسی وجہ سے) ان

وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ

مسلمانوں سے تمسخر کرتے ہیں حالانکہ یہ (مسلمان) جو کفر و شرک سے بچتے

اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ

ہیں ان کافروں سے اعلیٰ درجہ میں ہوں گے قیامت کے روز اور روزی

مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢١٢﴾

تو اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بے اندازہ دے دیتے ہیں

پس اس کا مدار قسمت پر ہے نہ کمال اور مقبولیت پر سو یہ ضرور نہیں کہ جو روزی میں بڑھا ہوا ہو وہی اللہ کے نزدیک بھی معزز ہو اور بڑی عزت بھی ہو پھر محض اس کی وجہ سے اپنے کو معزز اور دوسرے کو ادنیٰ سمجھنا بے وقوفی ہے۔ **ربط**: اوپر مخالفت حق کی علت حب دنیا بتلائی گئی ہے اب اسی مضمون کی تائید فرماتے ہیں کہ توراۃ سے یہی قصہ چلا آتا ہے کہ دلائل واضحہ دین حق پر قائم کرتے ہیں اور اہل دنیا اپنی دنیوی اغراض کے سبب سے اس سے خلاف کرتے ہیں۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۣ قف

(ایک زمانہ میں) سب آدمی ایک ہی طریق کے تھے

کان الناس تا مستقیم کیونکہ اول دنیا میں حضرت آدم معہ اپنی بی بی کے تشریف لائے اور جو اولاد ہوتی گئی ان کو دین حق کی تعلیم فرماتے رہے اور وہ ان کی تعلیم پر عمل کرتے رہے ایک مدت اسی حالت میں گزر گئی پھر اختلاف طبائع سے اغراض میں اختلاف ہونا شروع ہوا حتیٰ

کہ ایک عرصہ کے بعد بداعمالی و اختلاف کی نوبت آ گئی۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۠

پھر اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیجا جو کہ خوشی (کے وعدے) سناتے تھے اور ڈراتے

وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ

تھے اور ان کے ساتھ (آسمانی) کتابیں بھی ٹھیک طور پر نازل فرمائیں اس

النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا

غرض سے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں میں ان کے امور اختلافیہ (مذہبی) میں فیصلہ

کیونکہ انبیاء و کتب کے ذریعہ سے امر واقعی کا اظہار و تعین ہو کر غیر واقعی کا غلط ہونا معلوم ہو جاتا ہے یہی فیصلہ ہے تو چاہیے تھا کہ ان کتابوں کو مان کر اختلافات رفع کر دیتے مگر بعضوں نے خود کتابوں ہی میں اختلاف کرنا شروع کر دیا۔

فِيْهِ ۭ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ

فرمادیویں اور اس کتاب میں (یہ) اختلاف اور کسی نے نہیں کیا مگر صرف ان لوگوں نے جن کو (اولاً) وہ کتاب ملی تھی

یعنی اہل علم و اہل فہم نے اختلاف کیا کہ اول مخاطب وہی ہوتے ہیں عوام تو ان کے ساتھ لگ لیا کرتے ہیں۔

مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ

بعد اس کے کہ ان کے پاس دلائل واضحہ پہنچ چکے تھے باہم ضد اضدی کی وجہ سے

یعنی باوجودیکہ دلائل ان کے ذہن نشین ہو چکے تھے مگر ضد کی وجہ سے اختلاف کیا اور اصلی وجہ ضد اضدی کی حب دنیا ہوتی ہے حب مال ہو یا حب جاہ پس مدار مخالفت کا حب دنیا ہونا ظاہر ہے اور اسی مضمون کا بیان کرنا تھا۔

فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا

پھر اللہ تعالیٰ نے (ہمیشہ) ایمان والوں کو وہ امر حق جس میں (مختلفین) اختلاف

فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ۭ

کیا کرتے تھے بفضلہ تعالیٰ بتلا دیا

یعنی کفار کا اختلاف اہل ایمان کو بھی مضر نہیں ہوا بلکہ ان کو رسولوں اور کتابوں پر ایمان لانے کی بدولت ہمیشہ امر حق واضح ہو گیا **ربط**: اوپر کی آیت میں کفار کا ہمیشہ سے انبیاء اور مومنین کے ساتھ اختلاف و مخالفت کرتے رہنے کا ذکر تھا جس میں مسلمانوں کو گونہ تسلی دینا بھی مقصود تھی

کیونکہ استہزاء کفار سے ان کو اذیت ہوتی تھی اب ان تکالیف وشدائد کا بیان فرماتے ہیں جو انبیاء مومنین سابقین کو کفار سے پہنچیں اس سے بھی مسلمانوں کی تسلی کرنا منظور ہے کہ تم کو بھی کفار کی ایذاؤں پر صبر کرنا چاہئے کیونکہ آخرت کی کامل راحت سخت اذیت ہی اٹھانے سے ہے۔

وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ

اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اس کو راہ راست بتلا دیتے ہیں

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٢١٣﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا

(دوسری بات سنو) کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ جنت میں (بے مشقت)

الْجَنَّةَ وَلَمَّا

جا داخل ہو گے؟ حالانکہ

ام حسبتم تا قریب وہی کچھ مشقت اٹھائے بغیر نہیں کیونکہ (آگے ترجمہ)

يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ

تم کو ہنوز ان (مسلمان) لوگوں کا سا کوئی عجیب واقعہ پیش نہیں آیا جو تم سے پہلے ہو

مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا

گزرے ہیں ان پر (مخالفین کے سبب) ایسی ایسی تنگی اور سختی واقع ہوئی اور (مصائب

حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

سے) ان کو یہاں تک جنبشیں ہوئیں کہ (اس زمانے کے) پیغمبر تک اور جو ان کے

مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ

ہمراہ اہل ایمان تھے بول اٹھے کہ اللہ تعالیٰ کی امداد (موعود) کب ہوگی؟

پھر ان کی اس جواب سے تسلی کی گئی (آگے ترجمہ)

اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿٢١٤﴾

یاد رکھو بیشک اللہ تعالیٰ کی امداد (بہت) نزدیک ہے

انبیاء اور مومنین کا اس طرح کہنا نعوذ باللہ شک کی وجہ سے نہ تھا بلکہ وجہ یہ تھی کہ ان کو امداد اور غلبہ کا وقت معین طور پر نہ بتلایا گیا تھا اس ابہام کی وجہ سے مخالفین کی زیادتیاں دن بدن دیکھ کر ان کو جلدی ہی امداد کا انتظار ہوتا تھا جب انتظار سے تھک جاتے تو اس طرح عرض معروض کرنے لگتے کہ یا اللہ وہ امداد کب ہوگی اس سے ان کا مقصود الحاح وزاری کے ساتھ دعا کرنا تھا اور الحاح خلاف رضا وتسلیم نہیں بلکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا میں الحاح کرنا حق تعالیٰ کو پسند ہے تو الحاح تو عین رضا ہے البتہ رضا کے خلاف وہ دعا ہے جس کے قبول نہ ہونے سے دعا کرنے والا ناراض ہو سو معاذ اللہ انبیاء اور مومنین کاملین میں نہ اس کا ثبوت ہے نہ احتمال اور یہ جو فرمایا ہے کہ کیا جنت میں بے مشقت چلے جاؤ گے اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ بعض گنہگار تو محض فضل سے جنت میں داخل ہو جائیں گے ان پر کوئی مشقت نہ ہوگی جواب یہ ہے کہ ان کو بھی تھوڑی بہت تو مشقت کرنا پڑی جو ادنیٰ درجہ کی ہے مشقت کے درجات مختلف ہیں جس کا درجہ ادنیٰ نفس و شیطان سے مقابلہ اور مخالفین دین کی مخالفت کر کے اپنے عقائد کا درست کرنا ہے اور یہ ہر مومن کو حاصل ہے آگے اوسط و اعلیٰ درجات ہیں اسی طرح جنت کے بھی مختلف مراتب ہیں جس درجہ کی مشقت ہوگی اسی درجہ کا دخول جنت ہوگا البتہ صحابہ چونکہ درجات عالیہ کے طالب تھے اور ہر مسلمان کو ایسا ہی ہونا چاہئے اس لئے ان درجات کے لئے بڑی بڑی مصیبتیں جھیلنے کو شرط کہا گیا آگے پھر سلسلہ احکام کا شروع ہوتا ہے۔

يَسْــَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلْ مَآ

لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز خرچ کیا کریں؟ آپ فرما دیجئے کہ جو

اَنْفَقْتُمْ مِّنْ

کچھ مال تم کو صرف کرنا ہو

یسئلونک ماذا تا علیم اس کی مقدار مقرر کرنا تو تمہاری ہمت پر ہے مگر ہاں موقع ہم بتلا دیتے ہیں کہ (آگے ترجمہ)

خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ

سو ماں باپ کا حق ہے

مسئلہ ماں باپ کو زکوٰۃ اور دوسرے صدقات واجبہ دینا درست نہیں اس آیت میں صدقہ نافلہ کا بیان ہے وہ ماں باپ کو دینا بھی درست ہے۔

وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ

اور قرابت داروں کا اور بے باپ کے بچوں کا اور محتاجوں کا اور مسافر

السَّبِيْلِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ

کا اور جونسا نیک کام کرو گے سو اللہ تعالیٰ کو

بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿٢١٥﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ

اسکی خوب خبر ہے (وہ اس پر ثواب دیں گے) جہاد کرنا تم پر فرض کیا گیا ہے اور وہ تم کو (طبعاً)

وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰٓ أَن تَكْرَهُوا

گراں (معلوم ہوتا) ہے اور یہ بات ممکن ہے کہ تم کسی امر کو گراں سمجھو

شَيْـًٔا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰٓ أَن تُحِبُّوا

اور وہ تمہارے حق میں خیر ہو اور یہ (بھی) ممکن ہے کہ تم کسی امر کو مرغوب سمجھو

شَيْـًٔا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ

اور وہ تمہارے حق میں (باعث) خرابی ہو اور اللہ تعالیٰ جانتے

لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢١٦﴾

اور تم نہیں جانتے

کتب علیکم تا لاتعلمون اس لئے اپنی رغبت و کراہت پر بھی عمل نہ کرو اور جو حکم ہو جائے اسی کو اجمالاً سمجھ کر اس پر کار بند رہا کرو اور طبعاً کی قید اس لئے عائد کر دی کہ مسلمان کو احکام شرعیہ میں عقلاً کراہت کبھی نہیں ہو سکتی اور اس آیت سے ہمارے نوخیز فلسفیوں کو سبق لینا چاہئے کہ اس آیت کے مضمون سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہر حکم کی مصلحت ہمارے احاطہ علمی سے خارج ہے گو واقع میں ضرور ہوتی ہے یسئلونک تا من القتل چند صحابہ کا ایک سفر میں اتفاق سے کفار کے ساتھ مقابلہ ہو گیا اور ایک کافر ان کے ہاتھ سے مارا گیا اور جس دن یہ قصہ ہوا رجب کی پہلی تاریخ تھی اور رجب اشہر حرم سے ہے جن میں قتل وقتال پہلے منع تھا مگر صحابہ اس کو جمادی الاخریٰ کی تیس سمجھتے تھے کفار نے مسلمانوں پر طعن کیا کہ مسلمانوں نے شہر حرام کی حرمت کا بھی خیال نہیں کیا مسلمانوں کو اس کی فکر ہوئی اور حضور سے پوچھا اور بعض روایات میں ہے کہ خود بعض کفار قریش نے بھی حاضر ہو کر اعتراضاً سوال کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی (آگے ترجمہ)

يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ۖ

لوگ آپ سے شہر حرام میں قتال کرنے کے متعلق سوال کرتے ہیں۔

قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ۖ

آپ فرما دیجئے کہ اس میں خاص طور پر قتال کرنا (یعنی عمداً) جرم عظیم ہے

مگر مسلمانوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ تاریخ کی تحقیق نہ ہونے سے غلطی میں انہوں نے قتال کیا یہ تو تحقیقی جواب تھا آگے الزامی جواب دیتے ہیں کہ کفار مشرکین کا تو مسلمانوں پر اعتراض کرنے کا منہ ہی نہیں کیونکہ اگرچہ شہر حرام میں لڑنا جرم ہے لیکن کفار کی جو حرکتیں ہیں وہ اس سے بدر جہا بدتر ہیں۔

وَصَدٌّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ

اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روک ٹوک کرنا

کہ جو اسلام لائے اسے تکلیفیں پہنچاتے ہیں تا کہ ڈر کے مارے لوگ مسلمان نہ ہوں۔

وَكُفْرٌۢ بِهِۦ

اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا

کہ وہاں بت رکھ چھوڑے ہیں اور بجائے خدا کی عبادت کے ان کی عبادت اور طواف کرتے ہیں حالانکہ وہ اللہ کا معبد ہے۔

وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِۦ مِنْهُ

اور مسجد حرام (یعنی کعبہ) کے ساتھ اور جو لوگ مسجد حرام کے اہل تھے ان کو اس سے خارج کر دینا

جس سے ہجرت یعنی ترک وطن کی نوبت پہنچی۔

أَكْبَرُ عِندَ اللَّهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۗ

جرم عظیم ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور فتنہ پردازی کرنا (اس) قتل (خاص) سے بدر جہا بڑھ کر ہے

کیونکہ اس قتل سے دین حق کو تو کوئی مضرت نہیں پہنچی بہت سے بہت اگر کوئی جان کر ایسا کرے، تو خود ہی گناہ گار ہو گا اور ان حرکتوں سے تو دین حق کو ضرر پہنچتا ہے کہ اس کی ترقی رکتی ہے۔

وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ

اور یہ کفار تمہارے ساتھ ہمیشہ جنگ رکھیں گے اس غرض سے کہ اگر (خدا نہ کرے)

عَن دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا ۚ وَمَن

قابو پاویں تو تم کو تمہارے دین (اسلام) سے پھیر دیں اور جو شخص تم میں سے

يَرْتَدِدْ مِنكُمْ عَن دِينِهِۦ فَيَمُتْ

اپنے دین سے پھر جاوے پھر کافر ہی ہونے کی حالت میں

وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰٓئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ

مر جاوے تو ایسے لوگوں کے (نیک) اعمال

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَأُولَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ

دنیا اور آخرت میں سب غارت ہو جاتے ہیں اور ایسے لوگ

النَّارِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢١٧﴾

دوزخی ہوتے ہیں (اور) یہ لوگ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے

دنیا میں اعمال کا ضائع کرنا یہ ہے کہ اس کی بی بی نکاح سے نکل جاتی ہے اور اگر کوئی اس کا مسلمان عزیز مرے تو مرتد کو میراث کا حصہ نہیں ملتا وغیرہ وغیرہ اور آخرت میں یہ ہے کہ عبادات کا ثواب نہیں ملتا اور ابد الآباد کے لئے دوزخ میں داخل ہوتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا

حقیقۃً جو لوگ ایمان لائے ہوں اور جن لوگوں نے راہ خدا میں ترک وطن کیا

وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لا أُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ

ہو اور اللہ کے راستہ میں جہاد کیا ہو ایسے لوگ تو رحمت خداوندی کے

رَحْمَتَ اللّٰهِ ط

امیدوار ہوا کرتے ہیں

ربط: شہر حرام میں قتال کرنے کے بارے میں مسلمان کو جواب مذکور سن کر گناہ نہ ہونے کا اطمینان ہو گیا تھا مگر اس خیال سے دل شکستہ تھے کہ ثواب نہ ملا ہوگا اس میں ان کی تسلی کی گئی۔

ان الذین اٰمنوا تا رحیم اور تم لوگوں میں یہ سب صفات یا ان میں سے بعض ضرور موجود ہیں چنانچہ ایمان تو ظاہر ہے ہجرت ہی بہت سوں نے کی رہا اس جہاد خاص میں شبہ ہو سکتا ہے تو چونکہ تمہاری نیت جہاد ہی کی تھی لہذا ہمارے نزدیک وہ بھی جہاد ہی میں شمار ہے۔ پھر ان صفات کے ہوتے ہوئے تم کیوں ناامید ہوتے ہو۔

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢١٨﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ

اور اللہ تعالیٰ (اس غلطی کو) معاف کر دیں گے (اور تم پر) رحمت کریں گے لوگ

الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ط قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ

آپ سے شراب اور قمار کی نسبت دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ ان

وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ز وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ

دونوں (کے استعمال) میں گناہ کی بڑی بڑی باتیں بھی ہیں اور لوگوں کو (بعضے)

نَّفْعِهِمَا ط

فائدے بھی ہیں اور وہ گناہ کی باتیں ان فائدوں سے زیادہ بڑھی ہوئی ہیں

یسئلونک تا نفعهما اس لئے دونوں قابل ترک ہیں پہلے یہ دونوں چیزیں حلال تھیں سب سے پہلی آیت شراب وقمار کے متعلق یہ نازل ہوئی اور اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ان دونوں کا استعمال خود گناہ ہے بلکہ مطلب یہ تھا کہ ان کے استعمال سے اکثر اوقات دوسری باتیں گناہ کی پیدا ہو جاتی ہیں کیونکہ شراب سے عقل جاتی رہتی ہے اور وہی سب گناہوں سے روکتی ہے قمار سے مال کی حرص بڑھتی ہے اور حرص سے چوری وغیرہ کی عادت پیدا ہو جاتی ہے۔ تو اس آیت سے ان دونوں کی حرمت فی نفسہ کا بیان کرنا مقصود نہیں تھا بلکہ بعض عوارض کی وجہ سے ان کو چھوڑنے کا مشورہ دیا تھا کہ ان میں نفع اتنا نہیں ہے جتنا نقصان ہو جاتا ہے شراب کا نفع نشہ لذت اور قمار کا نفع تحصیل مال ہے مگر یہ نفع فوری ہے اور اپنے ہی آپ کو ہوتا ہے اور ضرر دیرپا ہے اور دوسروں تک پہنچتا ہے یہی وجہ تھی کہ اس آیت کو سن کر بعض نے تو فوراً دونوں کو ترک کر دیا اور بعضوں نے کہا کہ جب حرام نہیں تو ان مفاسد کا ہم کچھ انتظام کر کے نفع حاصل کرنے کو استعمال کر سکتے ہیں۔ اگر یہ عنوان آیت بیان حرمت کے لئے ہوتا تو اہل لسان بکثرت اتنی بڑی غلطی میں نہ پڑتے پھر اس آیت کے بعد کسی صحابی نے شراب پی کر نماز پڑھی اور غلط پڑھی تو نماز کے اوقات میں پینا بالکل ممنوع ہو گیا پھر بعد چندے مطلقاً حرام کر دی گئی اور یہی آخری حکم ہے۔ جس نے پہلے احکام کو منسوخ کر دیا۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ط قُلِ

اور لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ (خیر وخیرات میں) کتنا خرچ کیا

الْعَفْوَ ط

کریں آپ فرما دیجئے کہ جتنا آسان ہو

یسئلونک ماذا تا والاخرة کہ اس کے خرچ کرنے سے خود پریشان ہو کر دنیوی تکلیف میں یا کسی کا حق ضائع کر کے اخروی تکلیف میں نہ پڑ جاوے۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ

اللہ تعالیٰ اسی طرح احکام کو صاف صاف بیان فرماتے ہیں

ان احکام کو جان لینے کے بعد ہر عمل سے پہلے ان کو سوچ لیا کرو اور سوچ کر ہر معاملہ میں ان احکام کے موافق عمل کیا کرو۔

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿٢١٩﴾ لا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ط

تاکہ تم دنیا اور آخرت کے معاملات میں سوچ لیا کرو

پہلے بھی ایک آیت میں اس قسم کا سوال آ چکا ہے جس میں ضمناً یہ حکم بھی معلوم ہو چکا ہے کہ جو کچھ ہمت ہو صرف کرو اس میں یہ بات پوچھنے کے قابل تھی کہ اگر جوش میں آ کر سب دے ڈالنے کی ہمت ہو تو یہ ہمت معتبر ہے یا نہیں اس کا جواب یہاں دیا گیا **ف** خرچ کرنے سے پہلے یہ سوچ لینا چاہئے کہ موافق حکم الٰہی بھی ہے یا نہیں اگر ہوا خرچ کیا ورنہ نہ کیا اور اس حکم کی تفصیل فقہ میں ہے۔ **ق**

یسئلونک عن الیتامیٰ تا حکیم چونکہ ابتدائے اسلام میں مثل ہندوستان کے عرب میں بھی یتیموں کا حق دینے میں پوری احتیاط نہ تھی اس لئے وعید سنائی گئی تھی کہ یتیموں کا مال کھانا ایسا ہے جیسا دوزخ کے انگارے پیٹ میں بھرنا تو سننے والے ڈر گئے اور اتنی احتیاط کرنے لگے کہ انکا کھانا الگ ہی پکواتے اور الگ ہی رکھواتے اور اتفاق سے اگر بچہ کھانا کم کھاتا تو کھانا بچتا اور سڑتا اور پھینکنا پڑتا اس طرح کرنے میں تکلیف بھی ہوتی اور یتیم کا مال ضائع بھی ہوتا یہ معاملہ حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا گیا اس کے متعلق یہ ارشاد ہے (آگے ترجمہ)

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ
اور لوگ آپ سے یتیم بچوں کا حکم پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ ان کی مصلحت کی رعایت
لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ
رکھنا زیادہ بہتر ہے اور اگر تم ان کے ساتھ خرچ شامل رکھو تو وہ تمہارے (دینی) بھائی ہیں۔

اور بھائی بھائی شامل ہی رہا کرتے ہیں کچھ ڈر کی بات نہیں۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ
اور اللہ مصلحت کے ضائع کرنے والے کو اور مصلحت کی رعایت رکھنے والے کو (الگ الگ) جانتے ہیں

پس اس طرح ان کے مال کو نہ ملانا چاہئے جس میں ان کی مصلحت ضائع ہو جائے مثلاً تھوڑا سا برائے نام اپنا ملا دیا باقی سب ان ہی کا کھایا جو ایسا کرے گا اللہ تعالیٰ سے اس کی بدنیتی چھپ نہیں سکتی اور چونکہ اس وقت اکثر مسلمانوں کے پاس مسلمان ہی یتیم تھے اس لئے اخوانکم کی قید اتفاقی فرما دی ورنہ اگر دوسرے مذہب کا بچہ بھی اپنی تربیت میں ہو اس کا بھی بعینہ یہی حکم ہے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾
اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو تم کو مصیبت میں ڈال دیتے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ زبردست ہیں حکمت والے ہیں
وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ
اور نکاح مت کرو کافر عورتوں کے ساتھ جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں

وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ
اور مسلمان عورت (چاہے) لونڈی (کیوں نہ ہو وہ ہزار درجہ) بہتر ہے کافر عورت سے

ولا تنکحوا المشرکات حتیٰ تا یتذکرون چاہے وہ آزاد بی بی ہی کیوں نہ ہو اور بوجہ مال یا جمال کے تم کو اچھی معلوم ہو مگر پھر بھی واقع میں مسلمان عورت ہی اس سے اچھی ہے۔

وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ
گو وہ تم کو اچھی ہی معلوم ہو

مگر پھر بھی واقع میں مسلمان مرد ہی اس سے اچھا ہے اور وجہ ان کافروں کے برا ہونے کی کہ اصلی یہی ہے سبب ان سے نکاح کی ممانعت کا یہ ہے کہ وہ کفر کی تحریک دیتے ہیں اور اس کا انجام دوزخ ہے۔

وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ
اور عورتوں کو کافر مردوں کے نکاح میں مت دو جب تک وہ مسلمان نہ ہو جاویں۔
وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ
اور مسلمان مرد غلام بہتر ہے کافر مرد سے گو وہ تم کو اچھا ہی معلوم ہو
اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ
(کیونکہ) یہ لوگ دوزخ میں جانے کی تحریک دیتے ہیں
وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ
اور اللہ تعالیٰ جنت اور مغفرت کی تحریک دیتے ہیں۔ اپنے حکم سے

اس لئے کفار کے بارے میں یہ حکم مناسب صادر فرمایا کہ ان سے نکاح نہ کیا جائے تاکہ ان کی تحریک کے اثر سے پوری حفاظت رہے اور اس سے محفوظ رہ کر جنت و مغفرت حاصل ہو جائے **ف:** اس آیت کے دو حکم ہیں ایک یہ کہ مسلمان مرد کا نکاح کافر عورت سے نہ کیا جائے اس حکم کے دو جزو ہیں ایک یہ کہ وہ کافر عورت کتابیہ ہو یعنی یہود یا نصاریٰ یہ جزو سورہ مائدہ کی ایک آیت سے منسوخ ہو گیا جس کا مضمون یہ ہے کہ کتابی عورتوں سے نکاح درست ہے اس لئے اب یہودیہ یا نصرانیہ سے نکاح جائز ہے دوسرا جزو یہ ہے کہ وہ کافر عورت کتابیہ نہ ہو کوئی اور مذہب کفر کا رکھتی ہو اس جزو میں اس آیت کا حکم باقی ہے چنانچہ ہندو یا آتش پرست عورت سے مسلمان کا نکاح بدوں اس کے اسلام لائے نہیں ہو سکتا دوسرا حکم آیت کا یہ ہے کہ کافر مردوں سے مسلمان عورت کا نکاح نہ کیا جائے سو یہ حکم بحالہ باقی ہے حتیٰ کہ مسلمان مرد اگر نعوذ باللہ کافر ہو جائے اور اس کے نکاح میں پہلے کوئی مسلمان عورت تھی

تو نکاح فوراً ٹوٹ جاوے گا اور یہ عورت عدت پوری کر کے دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے۔ **مسئلہ** گو کتابی عورت سے نکاح درست ہے لیکن اچھا نہیں حدیث میں دیندار عورت کے حاصل کرنے کا حکم ہے تو بد دین عورت کا حاصل کرنا اس درجہ میں ناپسند ہوگا اور اگر کتابیہ عورت کے نکاح سے مسلمان مرد کے بگڑ جانے کا گمان غالب ہو تو شدت سے ممنوع کہا جاوے گا۔ **مسئلہ** جو قوم ظاہر میں اہل کتاب سمجھی جاتی ہے مگر تحقیق کرنے سے ان کے عقائد اہل کتاب جیسے نہ ہوں اس قوم کی عورتوں سے نکاح درست نہیں جیسے آج کل انگریزوں کو عام لوگ عیسائی سمجھتے ہیں حالانکہ تحقیق سے بعض کے عقائد بالکل ملحدانہ ثابت ہوئے ہیں کہ نہ خدا کے قائل نہ عیسیٰ کی نبوت کے معتقد نہ انجیل کو کتاب آسمانی مانیں سو ایسے لوگ عیسائی نہیں لوگ بڑی غلطی کرتے ہیں ولایت سے میمیں بیاہ لاتے ہیں۔ **مسئلہ** ایسے ہی جو مرد ظاہری حالت سے مسلمان سمجھا جائے لیکن عقائد اس کے کفر تک پہنچے ہوں اس سے مسلمان عورت کا نکاح درست نہیں اور اگر نکاح کے بعد ایسے عقائد ہو جائیں تو نکاح ٹوٹ جاتا ہے جیسے آج کل بہت آدمی اپنے مذہب سے ناواقف سائنس کے اثر سے اپنے عقائد تباہ کر لیتے ہیں لڑکی والوں پر واجب ہے کہ پیغام آنے پر مرد کے عقائد کی تحقیق کر لیا کریں جب اس کا اطمینان ہو جاوے تب زبان دیں اور عورتوں کو چاہئے کہ اگر بعد نکاح کے ایسے عقائد شوہر کے ثابت ہوں تو اس سے کنارہ کریں اور جس طرح بن پڑے اس کو ہم بستر نہ ہونے دیں اور سرپرستوں کو اس حالت میں عورتوں کو طلاق دلوانا واجب ہے۔

وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾ ع

اور اللہ تعالیٰ اس واسطے آدمیوں کو اپنے احکام بتلا دیتے ہیں تاکہ وہ لوگ نصیحت پر عمل کریں

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ

اور لوگ آپ سے حیض کا حکم پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ وہ گندی چیز ہے

فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ

تو حیض میں تم عورتوں سے علیحدہ رہا کرو اور ان سے قربت مت کیا کرو

حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ

جب تک کہ وہ پاک نہ ہو جاویں پھر جب وہ اچھی طرح پاک ہو جاویں تو ان کے پاس

حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ

آؤ جاؤ جس جگہ سے تم کو خدا تعالیٰ نے اجازت دی ہے (یعنی آگے سے) یقیناً اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں توبہ کرنے والوں سے

مثلاً اتفاقاً بے احتیاطی سے حالت حیض میں صحبت کر بیٹھا پھر متنبہ ہو کر توبہ کر لی۔

وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾

اور محبت رکھتے ہیں پاک رہنے والوں سے

جو حالت حیض میں صحبت کرنے سے اور اسی طرح سب گناہوں سے بچتے رہتے ہیں اور حالت پاکی میں صحبت کی اجازت دینا اور وہ بھی اس طرح کہ آگے کی طرف ہو پیچھے کی طرف نہ ہو اس لئے کہ آگے ترجمہ

نِسَاۗؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠

تمہاری بیبیاں تمہارے لئے (بمنزلہ) کھیت (کے) ہیں

جس میں نطفہ بجائے تخم کے اور بچہ بجائے پیداوار کے ہے

فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۡ

سو اپنے کھیت میں جس طرف سے ہو کر چاہو آؤ۔

اسی طرح بیبیوں کی حالت پاکی میں ہر طرف سے آنے کی اجازت ہے خواہ کروٹ سے ہو یا پیچھے یا آگے بیٹھ کر ہو یا کسی طرح ہو مگر آنا ہر حال میں کھیت کے اندر ہو کہ وہ صرف آگے کا موقع ہے پیچھے کا موقع کھیت کے مشابہ نہیں اس میں صحبت نہ ہو۔

وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ۭ

اور آئندہ کے واسطے (بھی) اپنے لئے کچھ کرتے رہو

اور ان لذات میں مشغول ہو کر آخرت کو نہ بھولو

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۭ

اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یہ یقین رکھو کہ بیشک تم اللہ تعالیٰ کے سامنے

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾ وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ

پیش ہونے والے ہو اور (اے محمد) ایمانداروں کو خوشی کی خبر سنا دیجئے اور اللہ تعالیٰ

عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا

کو اپنی قسموں کے ذریعہ سے ان امور کا حجاب مت بناؤ کہ تم نیکی کے

وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ۭ

اور تقویٰ کے اور اصلاح فیما بین خلق کے کام کرو

ولا تجعلوا اللہ تا علیہم یعنی اللہ کا نام لے کر یہ قسم کھاؤ کہ ہم یہ کام نیک نہیں کریں گے۔

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾

اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتے جانتے ہیں

تو زبان سنبھال کر بات کرو اور دل میں برے خیالات مت لاؤ۔ ف جس بات سے آدمی قسم کھا لیتا ہے اس سے رک جاتا ہے اور نیک کام کا چھوڑ نا بدوں قسم کھائے بھی برا ہے تو جب اس نے ایسی باتوں سے رکنے کے لئے اللہ کی قسم کھائی تو گویا خدا کے نام کو ان کاموں کے لئے حجاب بنایا حالانکہ اللہ کا نام لے کر تو کام نیک زیادہ کرنے چاہئیں نہ کہ ایسا الٹا برتاؤ کیا جائے اس لئے ایسی بات پر قسم کھانا بھی اور زیادہ برا ہوا۔

لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم

اللہ تعالیٰ تم پر (آخرت میں) دارو گیر نہ فرماویں گے تمہاری قسموں میں بیہودہ قسم پر

ولکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم ط

لیکن دارو گیر فرماویں گے اس (جھوٹی قسم) پر جس میں تمہارے دلوں نے

واللہ غفور حلیم ۲۲۵

(جھوٹ بولنے کا) ارادہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ غفور ہیں حلیم ہیں

لایواخذکم اللہ تا حلیم غفور ہونے کی وجہ سے ایسی بیہودہ قسم پر دارو گیر نہ فرمائی اور حلیم ہونے کی وجہ سے قصداً جھوٹی قسم کھانے کی سزا فوراً نہیں دیتے بلکہ آخرت تک مہلت دیدی کہ شاید کبھی توبہ کر لے ف لغو قسم کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ کبھی گزری ہوئی بات پر جھوٹی قسم بلا قصد نکل گئی یا نکلی تو ارادہ سے مگر وہ اس کو اپنے گمان میں سچی سمجھتا ہے یا آئندہ کے متعلق اس طرح قسم نکل گئی کہ کہنا کچھ چاہتا ہے اور بے ارادہ منہ سے قسم ہی نکل گئی اس میں گناہ نہیں ہوتا اس واسطے اس کو لغو کہتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں جس قسم پر گناہ اور مواخذہ ہونے کا ذکر فرمایا ہے یہ وہ قسم ہے جو قصداً جھوٹی سمجھ کر جان بوجھ کر کھائی ہو اس کو غموس کہتے ہیں اس میں گناہ سخت ہوتا ہے مگر امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس میں کفارہ نہیں آتا اور پہلی صورت میں جس کو لغو کہا جاتا ہے نہ گناہ ہے نہ کفارہ اس آیت میں ان ہی دونوں کا ذکر ہے اور دوسرے معنی لغو کے یہ ہیں کہ جس میں کفارہ نہ ہو اس معنی کے اعتبار سے لغو میں غموس بھی داخل ہے کیونکہ اس میں بھی کفارہ نہیں گو گناہ ہے اور اس کے مقابلہ میں وہ قسم ہے جس میں کفارہ آتا ہے جس کو منعقدہ کہتے ہیں اس کی حقیقت یہ ہے کہ آئندہ کے متعلق قصد کر کے یوں قسم کھائی کہ میں فلاں کام کروں گا یا نہ کروں گا اس میں قسم توڑنے سے کفارہ لازم آتا ہے اس کا بیان سورہ مائدہ میں آئے گا۔

للذین یؤلون من نسائہم تربص

جو لوگ قسم کھا بیٹھے ہیں اپنی بیبیوں (کے پاس جانے) سے ان کے لئے

اربعۃ اشہر ج فان فاءو فان اللہ

چار مہینے کی مہلت ہے۔ سو اگر یہ لوگ (قسم توڑ کر عورت کی طرف) رجوع کر لیں

غفور رحیم ۲۲۶ وان عزموا الطلاق

جب تو اللہ تعالیٰ معاف کر دیں گے رحمت فرما دیں گے اور اگر بالکل چھوڑ ہی

فان اللہ سمیع علیم ۲۲۷

دینے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے تو اللہ تعالیٰ سنتے ہیں جانتے ہیں

للذین یؤلون تا علیم سنتے ہیں ان کی قسموں کو اور مانتے ہیں ان کے پختہ ارادوں کو پس چار ماہ گزرتے ہی قطعی طلاق پڑ جائے گی

مسئلہ: اگر کوئی قسم کھائے کہ اپنی بی بی سے صحبت نہ کروں گا اس کی چار صورتیں ہیں ایک یہ کہ کوئی مدت معین نہ کرے دوم یہ کہ چار ماہ کی مدت کی قید لگا دے تیسرے یہ کہ چار ماہ سے زیادہ مدت کی قید لگا دے چوتھی یہ کہ چار ماہ سے کم مدت کا نام لے پہلی اور دوسری اور تیسری صورت کو شریعت میں ایلاء کہتے ہیں اس کا حکم یہ ہے کہ اگر چند ماہ کے اندر اپنی قسم توڑ ڈالی اور بیوی کے پاس چلا گیا تو قسم کا کفارہ دے اور نکاح باقی ہے اور اگر چار ماہ گزر گئے اور قسم نہ توڑی تو اس عورت پر طلاق بائن پڑ گئی یعنی بلا نکاح رجوع نہیں ہو سکتا البتہ اگر دونوں رضامندی سے پھر نکاح کر لیں تو درست ہے اور حلالہ کی ضرورت نہ ہوگی اور چوتھی صورت ایلاء نہیں اگر قسم توڑی کفارہ لازم ہوگا اور قسم پوری کر دی جب بھی نکاح باقی ہے۔

والمطلقت یتربصن بانفسہن ثلثۃ

اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو (نکاح سے) روکے رکھیں تین

قروء ط

حیض تک

والمطلقت تا عزیز حکیم جن میں اتنی صفتیں ہوں کہ خاوند نے ان سے صحبت خلوت صحیحہ کی ہو ان کو حیض آتا ہو آزاد ہوں شرعی قاعدہ سے لونڈی نہ ہوں۔ اس کو عدت کہتے ہیں عدت کے اندر دوسرے سے نکاح کرنا درست نہیں۔

ولا یحل لہن ان یکتمن ما خلق

اور ان عورتوں کو یہ بات حلال نہیں کہ خدا تعالیٰ نے جو کچھ ان کے رحم میں پیدا

اللہ فی ارحامہن

کیا ہو (خواہ حمل یا حیض) اس کو پوشیدہ کریں

کیونکہ اس کے پوشیدہ کرنے سے عدت کا حساب غلط ہو جائے گا مطلقہ پر اپنے حائضہ یا حاملہ ہونے کی حالت ظاہر کر دینا واجب ہے تا کہ اس کے موافق عدت کا حساب ہو۔

اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ط

اگر وہ عورتیں اللہ تعالیٰ پر اور یوم قیامت پر یقین رکھتی ہیں

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ

اور ان عورتوں کے شوہر ان کے (بلاتجدید نکاح) پھر لوٹا لینے کا حق رکھتے ہیں

جب کہ ان کو طلاق رجعی ملی ہو جس کا بیان آگے آتا ہے اور اس لوٹانے کو رجعت کہتے ہیں۔

فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ط

اس عدت کے اندر بشرطیکہ اصلاح کا قصد رکھتے ہوں

ورنہ تنگ کرنے کیلئے رجعت کرنا لاحاصل ہے تاہم رجعت تو ہو ہی جاوے گی۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ص

اور عورتوں کے بھی حقوق ہیں جو کہ مثل ان ہی حقوق کے ہیں جو ان عورتوں پر ہیں

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ط

قاعدہ (شرعی) کے موافق اور مردوں کا ان کے مقابلہ میں کچھ درجہ بڑھا ہوا ہے

اس لئے مردوں کے حقوق باعتبار نوعیت کے عورتوں کے حقوق سے بڑھے ہوئے ہیں گو لازم ہونے میں دونوں حق برابر ہیں۔

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ

اور اللہ تعالیٰ زبردست (حاکم) ہیں

جو احکام چاہیں مقرر کرنے کا حق رکھتے ہیں اور حکیم بھی ہیں کہ نہایت مصلحت کے ساتھ احکام مقرر فرماتے ہیں۔ ف مطلقات میں جو اوپر چند صفتوں کی قید لگائی گئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جس میں یہ صفات نہ ہوں گی ان کا حکم اور ہے۔ مسئلہ مرد کے اوپر خاص حقوق عورت کے یہ ہیں کہ سنت کے موافق اس کو کھانا' کپڑا' رہنے کا گھر دینا' مہر دینا اس کو تنگ نہ کرنا عورت پر مرد کے خاص حقوق یہ ہیں اس کی اطاعت کرے خدمت کرے۔

حَكِيْمٌ ﴿٢٢٨﴾ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ص فَاِمْسَاكٌۢ

حکیم ہیں وہ طلاق دو مرتبہ کی ہے پھر خواہ رکھ لینا قاعدہ کے

بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ط

موافق خواہ چھوڑ دینا خوش عنوانی کے ساتھ

الطلاق مرتان تا باحسان اس طلاق کو رجعی کہتے ہیں کہ دو مرتبہ سے زیادہ نہ ہو اور یہ بھی شرط ہے کہ صاف لفظوں سے ہو اور موافق قاعدہ کے رجعت کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس کا طریقہ شریعت کے موافق ہو وہ یہ کہ عدت گزرنے سے پہلے زبان سے کہہ دے کہ میں نے تجھ سے رجعت کر لی یا اس سے ہم بستری یا بوس و کنار کرے اس رجعت سے پہلا ہی نکاح رہتا ہے اور نیت بھی شرع کے موافق ہو یعنی رجعت سے یہ قصد ہو کہ اس کے حقوق ادا کئے جائیں گے اور یہ مقصود نہ ہو کہ بیوی رکھ کر تنگ کرے گا اور خوش عنوانی سے بھی چھوڑنے کا یہی مطلب ہے کہ اس کا طریقہ بھی شرع کے موافق ہو کہ یا تو اور طلاق نہ دی یہاں تک کہ عدت گزر جانے سے وہ نکاح سے باہر ہو جائے گی یا تیسری طلاق طہر میں دے دے جب کہ دو طلاقوں کے بعد ایک حیض آ کر وہ پاک ہو جائے اور دو طلاق بھی اسی طرح دینا چاہیے کہ پہلے ایک طلاق دی جب ایک حیض گزر کر پاک ہو جاوے تو دوسری طلاق دی اور اچھا سب سے یہ ہے کہ ایک ہی طلاق پر اکتفا کرے عدت گزرنے کے بعد وہ نکاح سے نکل جائے گی دو طلاقوں کی کیا ضرورت ہے اور نیز چھوڑنے سے نیت بھی اچھی ہونی چاہیے کہ دفع نزاع کا قصد کرے اس کی دل شکنی اور ذلیل کرنے کا قصد نہ کرے اس لئے نرمی و دل جوئی کی رعایت ضروری ہے۔

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ

اور تمہارے لئے یہ بات حلال نہیں کہ (چھوڑنے کے وقت) کچھ بھی لو (گو) اس میں سے

اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا

(سہی) جو تم نے ان کو (مہر میں) دیا تھا مگر یہ

يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ط فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا

کہ میاں بیوی دونوں کو احتمال ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ضابطوں کو قائم نہ کر سکیں گے سو اگر

يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ لا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا

تم لوگوں کو یہ احتمال ہو کہ وہ دونوں ضابطہ خداوندی کو قائم نہ کر سکیں گے تو دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا

فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ط تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ

اس (مال کے لینے دینے) میں جس کو دے کر عورت اپنی جان چھڑا لے۔

فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ

یہ خدائی ضابطے ہیں سوتم ان سے باہر مت نکلنا اور جو شخص خدائی ضابطوں

اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾

سے باہر نکل جاوے سو ایسے ہی لوگ اپنا نقصان کرنے والے ہیں

ولا یحل لکم تا ھم الظلمون عورت سے شوہر کو مال لینا جائز نہیں ہے رہا یہ کہ شوہر کو عورت سے مال لینا خلع یا طلاق میں جائز ہے یا نہیں اس میں تفصیل یہ ہے کہ ناموافقت میں اگر قصور عورت کا ہے اور اسی نے خلع کی درخواست کی ہے تو عورت گناہ گار ہوگی مرد کو مال لینے میں گناہ نہ ہوگا البتہ مہر سے زیادہ لینا مکروہ ہے اور اگر قصور مرد کا ہے تو مال لینا ہر حال میں گناہ ہے خواہ مہر کے برابر ہو یا کم مہر سے زیادہ ہو تو وہ بدرجہ اولیٰ ناجائز ہے اور عورت مال دینے میں یا درخواست خلع کرنے میں گناہ گار نہ ہوگی اور اگر مرد عورت کا قصور سمجھتا ہے اور عورت مرد کا ہر ایک اپنی رائے میں دوسرے کو ظالم اپنے کو مظلوم جانتا ہے تو عورت کو خلع کی درخواست میں گناہ ہوگا اور نہ مرد کو مال لینے میں بشرطیکہ مہر سے زیادہ نہ ہو کہ زیادہ مکروہ ہے احقر کے نزدیک دونوں کے احتمال سے مراد اس آیت میں بھی اخیر کی صورت ہے اسی لئے فرمایا کہ دونوں کو گناہ نہ ہوگا اور پہلی دو صورتوں میں ایک کو ضرور گناہ ہوگا جو اپنے کو قصوروار جانتا ہے باقی خلع سب صورتوں میں صحیح ونافذ ہو جائے گا گو کسی صورت میں گناہ کے ساتھ سہی۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ

پھر اگر کوئی (تیسری) طلاق دے دے عورت کو تو پھر وہ اس کے لئے حلال نہ رہے گی

بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۭ

اس کے بعد یہاں تک وہ اس کے سوا ایک اور خاوند کے ساتھ

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ

(عدت کے بعد) نکاح کرے پھر اگر یہ اس کو طلاق دے دے تو ان دونوں

اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا

پر اس میں کچھ گناہ نہیں کہ بدستور پھر مل جاویں بشرطیکہ دونوں غالب گمان رکھتے

حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ

ہوں کہ (آئندہ) خداوندی ضابطوں کو قائم رکھیں گے

فان طلقھا تا یعلمون ورنہ پھر دوبارہ منازعت اور حق تلفی کے گناہ میں مبتلا ہونا کیا فائدہ ۱۲

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ

اور یہ خداوندی ضابطے ہیں حق تعالیٰ ان کو بیان فرماتے ہیں ایسے لوگوں کے

يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾

لئے جو دانشمند ہیں

کیونکہ دانشمند ہی عمل کیا کرتے ہیں اور جو بیوقوفی سے عمل نہیں کیا کرتے ان کے لئے یہ قوانین الٹے ثبوت جرم کے دلائل بن جاتے ہیں۔

ف اس کو حلالہ کہتے ہیں۔ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دے دے خواہ تینوں صاف لفظوں سے ہوں یا الفاظ کنایہ سے ہوں جن میں کہ عند اللہ نیت کی ضرورت ہے یا دو رجعی ہوں تیسری بائن اور اس کا الٹا اور یہ تینوں طلاق ایک دفعہ دی ہوں یا کئی دفعہ کر کے ایک لفظ سے دی ہوں یا چند لفظوں سے سب صورتوں میں وہ عورت اس پر حرام بحرمت غلیظہ ہو جائے گی اور اگر اس سے پھر نکاح کرنا چاہے تو حلالہ کا طریقہ بجالا کر وہ حلال ہو سکتی ہے جو کہ ان آیتوں میں مذکور ہے۔ **ربط**: اوپر آیۃ **الطلاق مرتن** میں مطلقہ کے بارے میں باقاعدہ رجعت یا خوبی کے ساتھ الگ کرنے کا حکم فرمایا تھا اس آیت میں اس کو مکرر اس لئے ذکر فرماتے ہیں کہ ایام جاہلیت میں اس میں بہت کوتاہی کرتے تھے پس تکرار سے اہتمام کا فائدہ نیا حاصل ہوا نیز اس جگہ امساک بالمعروف وتسریح بالاحسان کا ذکر تبعاً تھا اصل مقصود طلاق رجعی کا عدد بتانا تھا اور اس جگہ اسی کو بالقصد اہتمام وتاکید ومبالغہ کے ساتھ ذکر فرماتے ہیں اس لئے بھی تکرار لازم نہیں آیا کیونکہ یہ مضمون مستقل بھی ہے اور پہلے کی تاکید بھی ہے۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ

اور جب تم نے عورتوں کو (رجعی) طلاق دی ہو پھر وہ اپنی عدت گزرنے کے

اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ

قریب پہنچ جاویں تو (یا تو) ان کو قاعدہ (رجعت) کے موافق نکاح میں رہنے دو

اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۠ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ

یا قاعدے کے موافق ان کو رہائی دو اور ان کو تکلیف پہنچانے کی غرض سے

ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ

مت رکھو اس ارادے سے کہ ان پر ظلم کیا کرو گے اور جو شخص ایسا (برتاؤ)

ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا

کرے گا سو وہ اپنا ہی نقصان کرے گا اور حق تعالیٰ کے احکام کو لہو ولعب (کی

اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ز

طرح بے وقعت) مت سمجھو

واذا طلقتم النساء تا علیھم کہ جس طرح چاہا کرلیا اور چاہے نہ کیا

وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ

اور حق تعالیٰ کی جو تم پر نعمتیں ہیں ان کو یاد کرو اور (خصوصاً) اس کتاب

عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ

اور (مضامین) حکمت کو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر اس حیثیت سے نازل فرمائی ہیں

يَعِظُكُمْ بِهٖ ط

کہ تم کو ان کے ذریعہ سے نصیحت فرماتے ہیں

اور یہ سب سے بڑی نعمت ہے پس ان نعمتوں کو یاد کرنے سے احکام منعم کی وقعت قلب میں ہوگی۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ

اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر

شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۳۱﴾

چیز کو خوب جانتے ہیں

جب یہ خوف اور یقین ہوگا تو احکام پر بھی عمل ہوگا اور قاعدہ کے موافق رکھنے اور چھوڑنے کا بیان الطلاق مرتن کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ اور اس آیت میں احکام پر عمل نہ کرنے کو مجازاً لہو ولعب بنانا فرما دیا جو صرف معصیت ہے اگرچہ شدید ہے ورنہ حقیقۃً اگر کوئی شخص احکام الٰہیہ کے ساتھ تمسخر واستہزاء کرے وہ کافر ہو جاتا ہے خواہ عقیدہ بھی فاسد ہو یا عقیدہ صحیح ہو کیونکہ دین کی تحقیر تو دونوں حالتوں میں ہوئی اور یہی علت ہے کفر کی اور بعض مفسرین نے لاتتخذوا ایات اللہ ھزوا کی تفسیر یہ کی ہے کہ جاہلیت میں بعض لوگ ایسا کرتے تھے کہ طلاق دے دی اور پھر کہہ دیا کہ ہم نے یوں ہی دل لگی میں کہہ دیا تھا یا غلام آزاد کر دیا پھر کہہ دیا کہ میں تو ہنسی کرتا تھا حق تعالیٰ نے اس کی ممانعت فرمائی کہ یہ احکام استہزا کے محل نہیں ان کو لہو ولعب اور دل لگی نہ بناؤ اور حدیث میں اس کی اور زیادہ تفصیل ہے کہ اگر کوئی ہنسی دل لگی میں بھی طلاق دے دے گا تو سچ مچ طلاق پڑ جائے گی اسی طرح اور بھی چند معاملات ہیں جن میں ہنسی دل لگی کو بھی سچ مچ سمجھا جائے گا اس تفسیر پر یہ حکم بست وہشتم بالکل مستقل حکم ہو جائیگا۔ **مسئلہ**: ہزل اور خطا میں فرق ہے ہزل تو یہ ہے کہ بات ارادہ اور قصد سے کہی جائے لیکن ہنسی کرنا مقصود ہو اس کے موثر ہونے کا قصد نہ ہو سو طلاق اور چند معاملات ایسے ہیں کہ وہ اس صورت میں کلام کرتے ہی فوراً واقع ہو جاتے ہیں اور خطا کی صورت یہ ہے کہ کہنا کچھ اور تھا زبان بچل گئی اور منہ سے لفظ طلاق نکل گیا فتح القدیر میں لکھا ہے کہ اس میں عند اللہ طلاق نہ ہوگی ۱۲

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ

اور جب تم میں ایسے لوگ پائے جاویں کہ وہ اپنی بیبیوں کو طلاق دے دیں پھر وہ عورتیں

اَجَلَهُنَّ

اپنی میعاد (عدت) بھی پوری کر چکیں

واذا طلقتم تا لاتعلمون اور عدت پوری کر کے کسی سے نکاح کرنا چاہیں خواہ پہلے ہی شوہر سے یا کسی اور سے

فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ

تو تم ان کو اس امر سے مت روکو کہ وہ اپنے شوہروں سے نکاح کر لیں جب

اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ط

کہ باہم رضامند ہو جاویں قاعدہ کے موافق

ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ

اس مضمون سے نصیحت کی جاتی ہے اس شخص کو جو

يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ط

تم میں سے اللہ پر اور روز قیامت پر یقین رکھتا ہو

یعنی ماننے کی ان ہی سے امید ہے اور یوں تو نصیحت سب ہی کو ہے۔ ۱۲

ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ط وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

اس نصیحت کا قبول کرنا تمہارے لئے صفائی اور زیادہ پاکی کی بات ہے

وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾

اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے

اس لئے اللہ تعالیٰ کے احکام کے معاملہ میں دیر سے عمل مت کرو

ف: بعض جگہ تو خود شوہر ہی طلاق دینے کے بعد جب وہ کہیں دوسری جگہ نکاح کرنا چاہتی تو اپنی ذلت سمجھ کر نکاح نہ کرنے دیتا اور بعض جگہ عورت

کے دوسرے عزیز واقارب اپنی کسی دنیوی غرض سے اس کو نکاح نہ کرنے دیتے اور ایک جگہ ایسا ہوا کہ عورت مطلقہ اور اس کا پہلا شوہر دونوں نکاح کرنے پر پھر رضامند ہوگئے تھے مگر عورت کے بھائی نے غصہ میں آکر روکا تھا اس آیت میں سب صورتیں داخل ہیں اور ہر صورت میں روکنا ممنوع ہے اور یہ جو فرمایا کہ اس میں پاکی اور صفائی ہے تو اس کی عام وجہ تو یہ ہے کہ احکام الٰہی کا ماننا ہمیشہ سبب ہوتا ہے گناہوں سے پاک صاف رہنے کا اور خاص وجہ یہ ہے کہ ایسے موقع پر جب کہ عورت و مرد باہم دگر ایک دوسرے کی طرف راغب ہوں پاکی اور صفائی اسی میں ہے کہ نکاح سے نہ روکا جائے ورنہ خرابی اور فتنہ اور آلودگی کا اندیشہ ہے البتہ اگر بے قاعدہ نکاح ہو اس سے روکنا نکاح سے روکنا نہیں کیونکہ وہ نکاح ہی کہاں ہوا جب بے قاعدہ ہے۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ

اور مائیں اپنے بچوں کو دو سال کامل دودھ

كَامِلَيْنِ

پلایا کریں

والوالدات تا یرضعن خواہ نکاح باقی ہو یا طلاق ہو چکی ہو مگر نکاح کی حالت میں اگر ماں معذور نہیں تو عنداللہ اس کے ذمہ دودھ پلانا بدوں اجرت کے واجب ہے اور اجرت لینا جائز نہیں اور اگر مانگے گی تو قضاءً بھی اس کو دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا اور یہی حکم ہے اس صورت کا جب کہ طلاق دے دی گئی ہو مگر عدت پوری نہیں ہوئی کیونکہ عدت پوری ہونے سے پہلے نکاح کے احکام باقی رہتے ہیں اور اگر عدت طلاق ہو چکی تو بدوں اجرت کے ماں کے ذمہ دودھ پلانا واجب نہیں۔

لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۭ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ

یہ مدت اس کے لئے ہے جو کوئی شیرخوارگی کی تکمیل کرنا چاہے اور جس کا بچہ ہے (یعنی باپ)

جو شرعاً نسب کے اعتبار سے باپ ہو۔

رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ

اس کے ذمہ ہے ان (ماؤں) کا کھانا اور کپڑا قاعدہ کے موافق

جب کہ وہ نکاح یا عدت میں ہوں اور زوجہ کے نان و نفقہ کے قاعدہ اور اس کے مسائل مشہور ہیں۔

لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَاۗرَّ وَالِدَةٌۢ

کسی شخص کو حکم نہیں دیا جاتا مگر اس کی برداشت کے موافق کسی ماں کو تکلیف نہ پہنچانا

بِوَلَدِھَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۤ

چاہئے اس کے بچہ کی وجہ سے اور نہ کسی باپ کو تکلیف دینی چاہئے اس کے بچہ کی وجہ سے

یعنی بچہ کے ماں باپ آپس میں کسی بات پر ضدا ضدی نہ کریں مثلاً ماں دودھ پلانے سے انکار کرے تو سمجھنا چاہیے کہ معذور ہوگی باپ اس پر زبردستی نہ کرے کہ آخر اس کا بھی تو بچہ ہے جھک مارے گی اور پلاوے گی البتہ اگر بچہ کسی کا دودھ نہیں لیتا نہ اوپر کا دودھ پیتا ہے تو اس کو مجبور کیا جائے گا اسی طرح اگر ماں دودھ پلانا چاہتی ہے اور اس کے دودھ میں کسی قسم کی خرابی بھی نہیں ہے تو باپ کو جائز نہیں کہ اس کو دودھ پلانے سے روکے اور دوسری انا کا دودھ پلوائے البتہ اگر ماں کے دودھ میں خرابی ہو تو جائز ہے اسی طرح اگر باپ مفلس ہو اور ماں معذور نہیں وہ پلانے سے سمجھ کر انکار کرے کہ اس کا بھی تو بچہ ہے جھک مارے گا کسی سے پلوائے گا تو یہ جائز نہیں البتہ اگر عورت کو طلاق دے دی ہے اور عدت پوری ہو چکی ہے تو وہ دودھ پلانے کی اُجرت مانگ سکتی ہے اور باپ کو دینا پڑے گی اور اتنی ہی اجرت پر دوسری سے دودھ پلوانے کا حق نہیں ہاں اگر ماں زیادہ اجرت مانگے اور دوسری انا اس سے کم پر راضی ہو تو دوسری سے دودھ پلوانا جائز ہے مگر اس سے کہا جائے گا کہ ماں کے پاس رہ کر دودھ پلائے تاکہ اس کی دل شکنی نہ ہو جب کہ ماں اس کی درخواست کرے۔

وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا

اور مثل طریق مذکور کے اس کے ذمہ ہے جو وارث ہو پھر اگر دونوں دودھ

فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا

چھڑانا چاہیں اپنی رضامندی سے اور مشورہ سے تو دونوں پر

جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۭ

کسی قسم کا گناہ نہیں

مشورہ کی اس لئے ضرورت ہے کہ بچہ کی مصلحت میں نظر کر لیں۔

وَاِنْ

اور اگر تم لوگ

ماں کے ہوتے ہوئے بھی کسی ضروری مصلحت سے مثلاً یہ کہ ماں کا دودھ اچھا نہیں بچہ کو ضرر ہوگا (آگے ترجمہ)

اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ

اپنے بچوں کو کسی اور انا کا دودھ پلوانا چاہو تب بھی تم پر کوئی گناہ

عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ

نہیں جبکہ ان کے حوالہ کر دو جو کچھ ان کو دینا ہو قاعدہ کے موافق

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

اور حق تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ حق تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے

بَصِیْرٌ ﴿۲۳۳﴾

کاموں کو خوب دیکھ رہے ہیں

باپ کے ہوتے ہوئے بچہ کی پرورش صرف باپ کے ذمہ ہے اور جب باپ مرجائے تو اس میں تفصیل ہے اگر بچہ کو میراث وغیرہ میں مال ملا ہے تو اسی میں سے اس کا خرچ ہوگا اور اگر اس کی ملکیت میں مال نہیں تو اس کے مالدار عزیزوں میں جو اسکے محرم ہیں اور شرعاً اسکے مرنے کے بعد میراث کے مستحق ہیں تو جس قدر حصہ جس کا میراث میں ہوگا اس قدر خرچ اس بچہ کا اس کے ذمہ ہوگا۔

وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا

اور جو لوگ تم میں وفات پا جاتے ہیں اور بیبیاں چھوڑ جاتے ہیں وہ بیبیاں

یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ

اپنے آپ کو (نکاح وغیرہ سے) روکے رکھیں چار مہینے اور دس دن

والذین یتوفون تا خبیر یہ یہ عدت اس بیوہ کی ہے جس کو حمل نہ ہو اور اگر حمل ہو تو بچہ پیدا ہونے تک اس کی عدت ہے خواہ جنازہ لے جانے سے پہلے ہی بچہ پیدا ہو جائے یا چار ماہ دس دن سے بھی زیادہ میں یہ حکم سورہ طلاق میں آئے گا۔

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ

پھر جب اپنی میعاد (عدت) ختم کرلیں تو تم کو کچھ گناہ نہ ہوگا ایسی بات میں کہ

فِیْمَا فَعَلْنَ فِیْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ

وہ عورتیں اپنی ذات کے لئے کچھ کارروائی (نکاح کی) کریں قاعدہ کے موافق

البتہ اگر کوئی بات خلاف قاعدہ شروع کریں اور تم باوجود روک سکنے کے نہ روکو تو تم بھی شریک گناہ ہوگے اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص خلاف شرع کام کرے تو اوروں پر بھی واجب ہو جاتا ہے کہ بشرط قدرت اس کو روکیں ورنہ یہ بھی گنہگار ہوتے ہیں اور قاعدہ کے موافق سے یہ مراد ہے کہ جو نکاح تجویز ہو وہ شرعاً صحیح اور جائز ہو تمام شرائط حلت کے وہاں جمع ہوں۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۲۳۴﴾

اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام افعال کی خبر رکھتے ہیں۔

جس کا خاوند مرجائے اس کو عدت کے اندر خوشبو لانا، سنگھار کرنا سرمہ اور تیل بلا ضرورت مرض کے لگانا، مہندی لگانا، رنگین کپڑے پہننا درست نہیں اور دوسرے نکاح کی صاف بات چیت کرنا بھی عدت کے اندر درست نہیں اور رات کو دوسرے گھر میں رہنا بھی درست نہیں اور یہی حکم ہے اس عورت کا جس پر طلاق بائن پڑی ہو جس میں رجعت درست نہیں مگر اس کو شوہر کے گھر سے نکلنا بھی درست نہیں سخت مجبوری ہو تو خیر۔

مسئلہ: اگر خاوند کی وفات چاندرات کو ہوئی ہے تب تو یہ عدت چاند کے حساب سے پوری کی جائیگی ہر مہینہ چاہے انتیس کا ہو یا تیس کا اور اگر چاندرات کے بعد وفات ہوئی ہے تو ایک سو بیس دن پورے کئے جائیں گے ہر مہینہ تیس دن کا لیا جائے گا اس مسئلہ سے بہت لوگ غافل ہیں اور جس وقت وفات ہوئی تھی جب وہی یہ مدت گذر کر آئے گا تب عدت ختم ہوگی۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ

اور تم پر کوئی گناہ نہ ہوگا جو ان مذکورہ عورتوں کو

ولا جناح علیکم تا رحیم جو کہ عدت وفات میں ہیں اور یہی حکم ہے اس عورت کا جو طلاق بائن کی عدت میں ہو۔

مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ

پیغام (نکاح) دینے کے بارہ میں کوئی بات اشارۃً کہو

مثلاً یہ کہ مجھ کو ایک نیک عورت کی ضرورت ہے اور مثل اس کے

اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ

یا اپنے دل میں ارادہ (نکاح کو) پوشیدہ رکھو اللہ تعالیٰ کو یہ بات معلوم ہے کہ تم

سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ

ان عورتوں کا (ضرور) ذکر مذکور کروگے

اس لئے اشارہ کنایہ کی اجازت دے دی تو خیر اس طرح ذکر مذکور کرو۔

وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا

لیکن ان سے نکاح کا وعدہ (اور گفتگو) مت کرو مگر یہ کہ کوئی بات

قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ؕ

قاعدہ کے موافق کہو

تو اس کا مضائقہ نہیں اور قاعدہ کے موافق بات وہی ہے کہ اشارہ سے کہی جائے۔

وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى یَبْلُغَ

اور تم تعلق نکاح (فی الحال) کا ارادہ بھی مت کرو یہاں تک کہ عدت مقررہ

الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ

اپنی ختم کو نہ پہنچ جاوے اور یقین رکھواس کا کہ اللہ تعالیٰ کو اطلاع ہے تمہارے

مَا فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ

دلوں کی بات کی سواللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو

اور ناجائز امر کا دل میں ارادہ بھی مت کیا کرو

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

اور یقین رکھواس کا کہ اللہ تعالیٰ معاف بھی کرنے والے ہیں

پس اگر کسی ناجائز امر کا ارادہ کیا تھا پھر توبہ کر لی تو معاف کر دیں گے۔

حَلِيْمٌ ﴿۲۳۵﴾

حلیم بھی ہیں

سواگر توبہ نہ کرنے والے کو سردست سزا نہ دیں تو اس کی وجہ حلم سمجھو دھوکہ مت کھاؤ ف یہاں عدت کے اندر چار فعل مذکور ہیں دو زبان کے اور دو دل کے اور ہر ایک کا حکم جدا ہے اول زبان سے صراحۃً پیغام نکاح دینا یہ حرام ہے لاتواعد و هن میں اس کا ذکر ہے دوم زبان سے اشارۃً کہنا یہ جائز ہے لاجناح علیکم اور قولاً معروفا میں اس کا ذکر ہے سوم دل سے یہ ارادہ کرنا کہ ابھی یعنی عدت کے اندر نکاح کر لیں گے یہ بھی حرام ہے کیونکہ عدت کے اندر نکاح کرنا حرام ہے اور حرام کا ارادہ بھی حرام ہے۔ لاتعزموا میں اس کا ذکر ہے چہارم دل سے یہ ارادہ کرنا کہ عدت کے بعد نکاح کریں گے یہ جائز ہے اکننتم فی انفسکم میں اس کا ذکر ہے صحبت وخلوت سے پہلے طلاق کی دو صورتیں ہیں یا تو نکاح کے وقت مہر مقرر نہیں ہوا یا ہوا ہے پہلی صورت کا حکم اول بیان ہوتا ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ

تم پر (مہر کا) کچھ مواخذہ نہیں اگر بیبیوں کو ایسی حالت میں طلاق دے دو کہ نہ

مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ ۖ

ان کو تم نے ہاتھ لگایا ہے اور نہ ان کے لئے کچھ مہر مقرر کیا ہے

لا جناح علیکم تا علی المحسنین سو اس صورت میں مہر اپنے ذمہ مت سمجھو۔

وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ

اور (صرف) ان کو ایک جوڑا دے دو صاحب وسعت کے ذمہ اس کی حیثیت

قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا ۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى

کے موافق ہے اور تنگدست کے ذمہ اس کی حیثیت کے موافق ہے جوڑا دینا

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾

قاعدے کے موافق واجب ہے خوش معاملہ لوگوں پر

یعنی سب مسلمانوں پر کیونکہ خوش معاملگی کا سب ہی کو حکم ہے۔ ف: اگر نکاح کے وقت مہر مقرر نہ کیا جائے نکاح ہو جاتا ہے۔ مسئلہ: اگر ایسی عورت کو قبل صحبت اور خلوت صحیحہ کے طلاق دے دی تو کچھ مہر دینا نہیں پڑتا بلکہ ایک جوڑا تین کپڑوں کا جس میں ایک کرتا ہو ایک سر بند اور ایک اتنی بڑی چادر جس میں سر سے پاؤں تک لپٹ سکے واجب ہوتا ہے اور صحیح قول یہ ہے کہ اس جوڑا میں مرد کی حیثیت معتبر ہے اور ایسی عورت کے لئے یہ جوڑا قائم مقام مہر کے ہے۔ مسئلہ: یہ جوڑا پانچ درم سے کم قیمت کا نہ ہو۔ اور اس عورت کے خاندانی مہر کے نصف سے زیادہ نہ ہو۔

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ

اور اگر تم ان بیبیوں کو طلاق دو قبل اس کے کہ ان کو ہاتھ لگاؤ

وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ

اور ان کے لئے کچھ مہر بھی مقرر کر چکے تھے تو جتنا مہر تم نے مقرر کیا ہو اس کا

مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ

نصف (واجب) ہے۔ مگر

و ان طلقتموهن تابصیر دو صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں ایک صورت تو یہ کہ (آگے ترجمہ) ۱۲

اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِىْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ

یہ کہ وہ عورتیں (اپنا نصف) معاف کر دیں یا یہ کہ وہ شخص رعایت کر دے جس کے

النِّكَاحِ ؕ

ہاتھ میں نکاح کا تعلق (رکھنا اور توڑنا) ہے

یہ دوسری صورت ہے کہ خاوند اس کو پورا مہر دے دے اس صورت میں خاوند نے آدھا معاف نہیں کرایا بلکہ سارا دے دیا اور پہلی صورت میں کچھ بھی واجب نہیں رہا جب کہ عورت نے اپنا آدھا بھی معاف کر دیا۔

وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَلَا تَنْسَوُا

اور تمہارا معاف کر دینا (بہ نسبت وصول کرنے کے) تقویٰ سے زیادہ قریب ہے اور آپس میں

اَلْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾

احسان کرنے سے غفلت مت کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو خوب دیکھتے ہیں

تو اگر تم کسی کے ساتھ رعایت و احسان کرو گے اللہ تعالیٰ اس کی جزائے خیر تم کو دیں گے۔ **مسئلہ**: جس عورت کا مہر نکاح کے وقت مقرر کیا ہوا ہو اور اس کو قبل صحبت و خلوت صحیحہ کے طلاق دے دی ہو تو مقرر کئے ہوئے مہر کا آدھا مرد کے ذمہ واجب ہوگا البتہ اگر عورت معاف کر دے یا مرد پورا مہر دے دے تو اختیاری بات ہے۔ **مسئلہ**: کسی کے ساتھ رعایت سلوک و احسان کرنا یا اپنا حق مہر معاف کر دینا بہت اچھا ہے اور اس کا موجب ثواب ہونا ظاہر اور معلوم ہے لیکن کسی خاص وجہ سے کبھی معاف نہ کرنا اور رعایت نہ کرنا بہتر ہوتا ہے مثلاً یہ کہ رعایت کرنے والا یا مہر معاف کرنے والی خود مفلس ہے اور معاف کرنے والے کو تنگدستی پر صبر نہ ہو سکے گا اور خود کسی معصیت سوال وغیرہ میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہے ایسی صورت میں رعایت کرنا اور معاف کرنا جائز نہیں عورتیں خصوصاً اس مسئلہ سے بہت غافل ہیں ہر حالت میں مہر معاف کر دینے ہی کو ثواب سمجھتی ہیں کسی شے کا فی نفسہ اچھا ہونا اور کسی عارض کی وجہ سے اچھا نہ رہنا اس میں کچھ تعارض نہیں۔ **ربط**: اس سے آگے پیچھے طلاق وغیرہ کے احکام ہیں۔ درمیان میں نماز کے احکام بیان فرمانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ اصلی مقصود حق تعالیٰ کی طرف توجہ کرنا ہے اور معاملات و معاشرت کے احکام سے بھی علاوہ دیگر مصلحتوں کے اس توجہ کی حفاظت اور ترقی مقصود ہے کیونکہ ان احکام میں حقوق عباد ادا کرنے کی تعلیم ہے اور حقوق عبادت تلف کرنے سے درگاہ الٰہی سے دوری ہو جاتی ہے۔ اور دوری کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ خدا کی اور بندہ کی دونوں کی طرف سے بے توجہی ہو جائے گی چونکہ نماز میں یہ توجہ زیادہ ظاہر ہے اس لئے درمیان میں اس کے لانے سے توجہ حق کے اصلی مقصود ہونے پر زیادہ دلالت ہوگئی۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ

حفاظت کرو سب نمازوں کی (عموماً) اور درمیان والی نماز کی (خصوصاً) اور

وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۸﴾ فَاِنْ خِفْتُمْ

کھڑے ہوا کرو اللہ کے سامنے عاجز بنے ہوئے پھر اگر تم کو اندیشہ ہو

حافظوا علی الصلوٰت تا تعلمون باقاعدہ نماز پڑھنے کی صورت میں

فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ

تو کھڑے کھڑے یا سواری پر چڑھے چڑھے پڑھ لیا کرو

جس طرح بھی بن سکے خواہ قبلہ کی طرف منہ ہو یا نہ ہو اور گو رکوع و سجدہ صرف اشارہ ہی سے ہو سکتا ہے ایسی حالت میں بھی نماز کو نہ چھوڑو کھڑے کھڑے نماز جب صحیح ہوگی جب ایک ہی جگہ کھڑا رہے اور سجدہ کا اشارہ ذرا زیادہ پست کرے اور پیروں چلتے ہوئے نماز درست نہ ہوگی البتہ جب ایک جگہ ٹھہرنا ممکن نہ ہو مثلاً عین لڑائی کا وقت ہے تو نماز کو قضا کر دیا جائے گا دوسرے وقت پڑھ لیں گے۔

فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ

پھر جب کہ اطمینان ہو جائے تو تم خدا تعالیٰ کی یاد اس طریق سے

مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾

کرو جو تم کو سکھلایا ہے جس کو تم نہ جانتے تھے

کثرت سے علماء کا بعض احادیث کی وجہ سے قول یہ ہے کہ بیچ والی نماز عصر کی نماز ہے کیونکہ اس کے ایک طرف دو نمازیں دن کی ہیں فجر وظہر اور ایک طرف دو نمازیں رات کی ہیں مغرب و عشاء اس کی تاکید خصوصیت کے ساتھ اس لئے فرمائی ہے کہ یہ وقت اکثر لوگوں کے لئے کام کی بھیڑ بھاڑ کا ہوتا ہے اور عاجزی کی تفسیر حدیث میں خاموشی آئی ہے اسی آیت سے نماز میں باتیں کرنے کی ممانعت ہوئی پہلے درست تھا۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ

اور جو لوگ وفات پا جاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑ جاتے ہیں بیبیوں کو وہ

اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا

وصیت کر جایا کریں اپنی ان بیبیوں کے واسطے ایک سال تک منتفع ہونے کی

اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ

اس طور پر کہ وہ گھر سے نکالی نہ جاویں

والذین یتوفون تا حکیم چار مہینہ دس دن کے بعد یا وضع حمل کے بعد غرض عدت پوری کر کے وہ خود شوہر کے گھر سے جانا چاہیں (آگے ترجمہ)

فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِىْ مَا فَعَلْنَ

تو تم کو گناہ نہیں اس قاعدہ کی بات میں جس کو اپنے

فِىْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ

بارہ میں کریں اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں

ان کے حکم کے خلاف مت کرو اور حکمت والے ہیں کہ تمام احکام میں تمہاری مصلحتیں ملحوظ رکھی ہیں گو تمہاری فہم میں نہ آ سکیں ف جاہلیت میں وفات زوج کی عدت ایک سال تھی اسلام میں بجائے ایک سال کے چار مہینہ دس دن مقرر ہوئے جیسا کہ پہلے عنقریب گزر چکا ہے مگر چونکہ اس وقت تک میراث کا حکم نازل نہ ہوا تھا اور بی بی کا کوئی حصہ مقرر نہ ہوا تھا بلکہ بجز اولاد کے سب رشتہ داروں کے حقوق کا دارومدار مرنیوالوں کی وصیت پر تھا اس لئے عورت کی اتنی رعایت رکھی گئی تھی کہ اگر وہ عدت کے بعد بھی خاوند کے گھر میں رہنا چاہے تو سال بھر تک اس کو رہنے کا حق حاصل ہے اور اس مدت سے اسی کے ترکہ سے اسی کو نان ونفقہ بھی دیا جائے اور خاوندوں کو حکم تھا کہ اس طرح کی وصیت کر جایا کریں اس آیت میں اسی کا بیان ہے اور چونکہ یہ حق عورت کا تھا اس کو اپنے حق کے وصول کرنے نہ کرنے کا پورا اختیار حاصل تھا اس لئے وارثوں کو گھر سے نکالنا جائز نہ تھا لیکن خود عورت کو جائز تھا کہ عدت پوری کر کے اس گھر میں نہ رہے اور اپنا حق ورثا کو چھوڑ دے اور نکاح وغیرہ کر لے قاعدہ کی بات سے یہی مراد ہے البتہ عدت کے اندر نکلنا اور نکاح وغیرہ کرنا سب گناہ تھا پھر جب آیت میراث نازل کی گئی اور گھر بار ترکہ میں سے عورت کا حق ملنے لگا تو یہ آیت منسوخ ہو گئی اب اگر وہ رہے تو اپنے حصہ میں رہے اور اپنے ہی حصہ سے خرچ کرے ایک متاع کا بیان سی وسوم (۲۳۳) میں ہوا ہے اور ایک متاع کا سی وپنجم میں اب دوسرے اقسام متاع کے اور باقی ہیں ان کا بیان فرماتے ہیں۔

حَكِيْمٌ ﴿۲۴۰﴾ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ

حکمت والے ہیں اور سب طلاق دی ہوئی عورتوں کے لئے کچھ کچھ فائدہ پہنچانا

حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۴۱﴾

قاعدہ کے موافق (یہ) مقرر ہوا ہے ان پر جو (شرک وکفر سے) پرہیز کرتے ہیں

وللمطلقت متاع تا تعقلون مراد مسلمان لوگ ہیں اور یہ مقرر ہونا عام ہے خواہ وجوب کے درجہ میں ہو یا استحباب کے درجہ میں

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ

اسی طرح حق تعالیٰ تمہارے لئے اپنے احکام بیان فرماتے ہیں اس توقع پر

تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾

کہ تم سمجھو (اور عمل کرو)

مطلقات کی چار قسمیں ہیں ایک وہ جس کو قبل دخول کے طلاق دی گئی ہو اور مہر مقرر نہ ہو اس کو جوڑا دینا واجب ہے دوسرے وہ جس کو طلاق قبل دخول کے دی گئی ہو اور مہر مقرر ہو اس کو آدھا مہر دینا واجب ہے ان دونوں کا ذکر اوپر آ چکا ہے تیسرے وہ جس کو دخول کے بعد طلاق دی گئی ہو اور مہر مقرر ہو اس کو پورا مہر جو مقرر ہے دینا واجب ہے چوتھی وہ جس کو دخول کے بعد طلاق دی گئی ہو اور مہر مقرر نہ ہو اس کو خاندانی مہر پورا دینا واجب ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ

(اے مخاطب) تجھ کو ان لوگوں کا قصہ تحقیق نہیں ہوا جو کہ اپنے گھروں سے

وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۠ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ

نکل گئے تھے اور وہ لوگ ہزاروں ہی تھے موت سے بچنے کے لئے سو اللہ تعالیٰ نے

مُوْتُوْا ۣ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى

ان کے لئے (حکم) فرمایا کہ مر جاؤ (سب مر گئے) پھر ان کو جلا دیا۔ بیشک اللہ تعالیٰ

النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾

بڑا فضل کرنے والے ہیں لوگوں (کے حال) پر مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے

یہ قصہ پہلی امتوں میں سے کسی کا ہے اور مشہور یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک جماعت کا ہے جو کسی ایسے حادثے سے بھاگے تھے جس میں موت کا اندیشہ تھا ان کو یہ بات دکھلا دی کہ موت وحیات سب خدا کے قبضہ قدرت میں ہے چنانچہ ان کو ایک دم سے موت آ گئی پھر حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اور مشہور یہ ہے کہ حضرت حزقیل علیہ السلام پیغمبر کی دعا کے بعد ان کو زندہ کر دیا تا کہ بلا سبب موت وحیات دونوں کا مشاہدہ کر لیں۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

اس قصہ میں غور کرو) اور اللہ کی راہ میں قتال کرو اور یقین کر رکھو اس بات کا اللہ تعالیٰ

سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۴﴾

خوب سننے والے اور خوب جاننے والے ہیں

جہاد کرنے والوں اور نہ کرنے والوں کی باتیں سنتے ہیں اور ہر ایک کی نیت جانتے ہیں اور سب کو سزائے مناسب دیں گے۔

ربط: جہاد میں جان خرچ کرنے کے ساتھ مال خرچ کرنے کا بیان فرماتے ہیں اور گو انفاق کا بیان پہلے بھی آ چکا ہے اور آئندہ بھی آئے گا لیکن ہر جگہ بیان سے مقصود جدا گانہ امر ہے چنانچہ ذرا غور سے معلوم ہو سکتا ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا

کون شخص ہے (ایسا) جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے اچھے طور پر قرض دینا

من ذاالذی یقرض تا ترجعون یعنی اخلاص کے ساتھ خرچ کرے اور قرض مجازاً فرما دیا ورنہ حقیقت میں سب خدا ہی کی ملک ہے مطلب یہ ہے کہ جیسا قرض کا عوض ضرور دیا جاتا ہے اسی طرح تمہارے خرچ کرنے کا عوض بھی ضرور ملے گا۔

فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ۭ وَاللّٰهُ

پھر اللہ تعالیٰ اس (کے ثواب) کو بڑھا کر بہت سے حصے کر دیوے اور اللہ

اس کا اندیشہ مت کرو کہ خرچ کرنے سے مال کم ہو جائے گا کیونکہ یہ تو خدا ہی کے قبضہ میں ہے کچھ خرچ کرنے نہ کرنے پر اس کا مدار نہیں اور ثواب بڑھانے کا بیان ایک حدیث میں آیا ہے کہ اگر ایک چھوارہ اللہ کی راہ میں خرچ کیا جاوے تو خدا تعالیٰ اس کو اتنا بڑھاتے ہیں کہ وہ احد پہاڑ سے بھی زیادہ ہو جاتا ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ احد پہاڑ کے ٹکڑے خرما کے برابر کئے جائیں تو بے شمار ہوں گے اس حساب سے معلوم ہو گیا کہ ثواب زیادہ ہونے کی حد سات سو تک نہیں رہی بلکہ اس سے بھی زیادہ ملتا ہے بشرطیکہ خلوص سے ہو شان نزول سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ جب وہ سات سو والی آیت نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ اے رب میری امت کو اور زیادہ دیجئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ربط: اس مقام پر زیادہ مقصود ترغیب قتال ہے اوپر کا قصہ اسی کی تمہید اور خرچ کرنے کا مضمون اسی کی تائید تھی اب طالوت و جالوت کا قصہ اسی کی تاکید ہے۔

يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۠ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾ اَلَمْ

کمی کرتے ہیں اور فراخی کرتے ہیں اور تم اسی کی طرف (بعد مرنے کے) لے

تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ

جائے جاؤ گے (اے مخاطب) تجھ کو بنی اسرائیل کی جماعت کا قصہ جو موسیٰ علیہ السلام

مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِىٍّ لَّهُمُ

کے بعد ہوا ہے تحقیق نہیں ہوا جب کہ ان لوگوں نے اپنے ایک پیغمبر سے کہا

الم ترالی الملا تا بالظلمین جب کہ ان پر جالوت کافر غالب آ چکا تھا اور ان کے کئی صوبے انہوں نے دبا لئے تھے۔

ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ

کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے کہ ہم اللہ کی راہ میں (جالوت

قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ

سے) قتال کریں۔ ان پیغمبر نے فرمایا کہ کیا یہ احتمال ہے کہ اگر تم کو جہاد کا حکم

اَلَّا تُقَاتِلُوْا ۭ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ

دیا جاوے (اس وقت) جہاد نہ کرو؟ وہ لوگ کہنے لگے کہ ہمارے واسطے ایسا

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ

کون سبب ہوگا کہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد نہ کریں حالانکہ

جہاد کے لئے ایک محرک قوی بھی موجود ہے وہ یہ کہ ان کافروں نے ہماری بعض بستیاں بھی دبا لیں اور ہماری اولاد کو بھی دبا لے گئے۔

اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَاۗىِٕنَا ۭ فَلَمَّا كُتِبَ

ہم اپنی بستیوں اور اپنے فرزندوں سے بھی جدا کر دیئے گئے ہیں پھر جب

عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ

ان لوگوں کو جہاد کا حکم ہوا تو باستثناء ایک قلیل مقدار کے (باقی) سب پھر گئے

جیسا کہ جہاد کے واسطے بادشاہ مقرر ہونے کا اور ان لوگوں کے پھر جانے کا بیان تفصیلاً آتا ہے۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۴۶﴾

اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتے ہیں

سب کو سزا دیں گے ان لوگوں نے حق تعالیٰ کے احکام کو چھوڑ دیا تھا تو کفار عمالقہ ان پر مسلط کر دیئے گئے اس وقت ان لوگوں کو اصلاح کی فکر ہوئی اور ان پیغمبر کا نام حضرت شموئیل علیہ السلام مشہور ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ

اور ان لوگوں سے ان کے پیغمبر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر

طَالُوْتَ مَلِكًا ۭ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ

طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا۔ کہنے لگے ان کو ہم پر حکمرانی کا

الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ

کیسے حق حاصل ہو سکتا ہے حالانکہ بہ نسبت ان کے ہم حکمرانی کے

وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۭ

زیادہ مستحق ہیں اور ان کو تو کچھ مالی وسعت بھی نہیں دی گئی

وقال لهم نبیهم کیونکہ طالوت غریب آدمی تھے اور اس انتخاب کی مصلحتوں کو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں

قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ

ان پیغمبر نے (جواب میں) فرمایا (اول) تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقابلہ میں ان کو منتخب فرمایا ہے

اور علم سیاست کی بادشاہ ہونے کے لئے بہت زیادہ ضرورت ہے تا کہ ملکی انتظام پر قادر ہو اور جسامت بھی بایں وجہ مناسب ہے کہ موافق و مخالف ہر ایک کے قلب میں وقعت وہیبت رہے۔

وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ

اور (دوسرے) علم اور جسامت میں ان کو زیادتی دی ہے

ان سے کسی کو باتی سوال کرنے کا منصب نہیں۔

وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

اور (تیسرے) اللہ تعالیٰ اپنا ملک جس کو چاہیں دیں

تو ان کو مال دے دینا کیا مشکل ہے جس کی وجہ سے تم کو شبہ ہے اور جاننے والے ہیں کہ کون لیاقت سلطنت کی رکھتا ہے۔

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ

اور (چوتھے) اللہ تعالیٰ وسعت دینے والے ہیں

قال لهم نبیهم ان اٰیة تا مومنین جب کہ ان لوگوں نے پیغمبر سے یہ درخواست کی کہ اگر کوئی ظاہری حجت بھی ان کے من جانب اللہ ہونے کی ہم مشاہدہ کرلیں تو اور زیادہ اطمینان ہو جائے۔

عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾

جاننے والے ہیں

یعنی تورات اور تورات کا من جانب اللہ ہونا ظاہر ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ

اور ان سے انکے پیغمبر نے فرمایا کہ انکے (منجانب اللہ) بادشاہ ہونے کی یہ علامت ہے

يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجاویگا جس میں تسکین اور (برکت کی چیز ہے تمہارے رب

یعنی ان حضرات کے کچھ ملبوسات وغیرہ

وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ

کی طرف سے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں جن کو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام چھوڑ گئے ہیں

اس صندوق میں تبرکات تھے جالوت جب بنی اسرائیل پر غالب آیا تھا تو یہ صندوق بھی لے گیا تھا جب اللہ تعالیٰ کو اس کا پہنچانا منظور ہوا تو یہ سامان کیا کہ جہاں اس صندوق کو رکھتے وہیں سخت سخت بلائیں نازل ہوتیں آخر ان لوگوں نے ایک گاڑی پر اس کو لاد کر بیلوں کو ہانک دیا فرشتے ان کو ہانکتے ہوئے یہاں پہنچا گئے جس سے بنی اسرائیل کو بڑی خوشی ہوئی اور طالوت بادشاہ مسلم ہو گئے۔

تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ

اس صندوق کو فرشتے لے آدیں گے اس میں تم لوگوں کے واسطے پوری نشانی ہے

فلما فصل تا مع الصبرین بنی اسرائیل نے طالوت کو بادشاہ تسلیم کیا اور جالوت کے معاملہ کے لئے لوگ جمع ہو گئے اور (آگے ترجمہ)

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾ ع

اگر تم یقین لانے والے ہو

جو راہ میں آئے گی اور شدت تشنگی کے وقت اس پر سے گزر ہوگا اور یہ بات ہمراہی پیغمبر کی وحی سے معلوم ہوئی تھی اور اس امتحان کی حکمت حقیر کے ذوق میں یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایسے مواقع پر جوش وخروش میں بھیڑ بھڑ کا بہت ہو جایا کرتا ہے لیکن وقت پر جمنے والے کم ہوتے ہیں اور اس وقت بزدلوں کا اکھڑ جانا باقی لوگوں کے پاؤں بھی اکھاڑ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگوں کا علیحدہ کرنا منظور تھا اس لئے یہ امتحان شروع کیا گیا جو کہ نہایت ہی مناسب ہے کیونکہ قتال میں ضرورت ہوتی ہے۔ استقلال و جفاکشی کی سو شدت پیاس کے وقت بے منت پانی ملنے پر ضبط کر لینا دلیل استقلال کی ہے اور اندھے بادلوں کی طرح جا گرنا دلیل بے استقلالی کی ہے۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ

پھر جب طالوت فوجوں کو لے کر (بیت المقدس سے عمالقہ کی طرف) چلے تو انہوں

اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ

نے کہا کہ حق تعالیٰ تمہارا امتحان کریں گے ایک نہر سے جو شخص (افراط کے ساتھ)

فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ

اس سے پانی پیوے گا وہ تو میرے ساتھیوں میں نہیں اور جو اس کو زبان پر بھی نہ رکھے

اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً ۢ بِيَدِهٖ ۚ

وہ میرے ساتھیوں میں ہے لیکن جو شخص اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھرے

تو اتنی اجازت ہے مگر اصل حکم یہی تھا کہ مطلق نہ چکھو یہ رخصت کے درجہ میں تھا غرض وہ نہر راستہ میں آئی پیاس کی تھی شدت (آگے ترجمہ)

فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۚ

سو پھر سب نے اس سے (بے تحاشا) پینا شروع کر دیا مگر تھوڑے آدمیوں نے ان میں سے

احتیاط کی کسی نے بالکل نہ پیا ہوگا کسی نے چلو سے زیادہ نہ پیا ہوگا اور خرق عادت ہوا کہ زیادہ پانی پینے والے غیبی طور پر بھی زیادہ بےکار اور ازکار رفتہ ہو گئے۔

فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ ۙ قَالُوا

سو جب طالوت اور جو مؤمنین ان کے ہمراہ تھے نہر سے پار اتر گئے کہنے لگے کہ آج تو ہم

لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ ۚ قَالَ

میں جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلہ کی طاقت نہیں معلوم ہوتی (یہ سن کر) ایسے لوگ

الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُو اللَّهِ ۙ

جن کو یہ خیال تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش ہونے والے ہیں کہنے لگے کہ کثرت سے

ایسے واقعات ہو چکے ہیں کہ (آگے ترجمہ) دیکھو تو اصل چیز استقلال ہے فتح و شکست کا مدار فوج کی قلت اور کثرت ہی پر نہیں۔

كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً

بہت سی چھوٹی چھوٹی جماعتیں بڑی بڑی جماعتوں پر خدا کے حکم سے

بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ

غالب آ گئی ہیں

اس قصہ میں جو احوال و اقوال مذکور ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں تین قسم کے لوگ تھے۔ ایک ناقص الایمان جو امتحان میں پورے نہ اُترے دوسرے کامل الایمان جو امتحان میں پورے اترے مگر اپنی قلت کی فکر ہوئی اور تیسرے اکمل جن کو یہ فکر بھی نہیں ہوئی۔

وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٢٤٩﴾

اور اللہ تعالیٰ استقلال والوں کا ساتھ دیتے ہیں

ولما برزوا لجالوت تا الکفرین دیار عمالقہ میں پہنچے اور (آگے ترجمہ)

وَلَمَّا

اور جب

اس دعا کی ترتیب بڑی پاکیزہ ہے کہ اصل مقصود تو غلبہ تھا مگر غلبہ کے لئے ثابت قدمی کی ضرورت تھی اس لئے پہلے اس کی دعا کی اور ثبات قدمی کا مدار ہے ثبات قلبی پر اس لئے سب سے پہلے اس کی دعا کی۔

بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ

جالوت اور ان کی فوجوں کے سامنے میدان میں آئے تو کہنے لگے اے ہمارے

عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا

پروردگار ہم پر استقلال (غیب سے) نازل فرمائیے اور ہمارے قدم جمائے

عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿٢٥٠﴾

رکھئے اور ہم کو اس کافر قوم پر غالب کیجئے۔

فھزموھم باذن اللہ تا علی العلمین جو اس وقت لشکر طالوت میں تھے اور اس وقت تک نبوت وغیرہ نہ ملی تھی۔

فَهَزَمُوهُم بِإِذْنِ اللَّهِ ۙ وَقَتَلَ دَاوُودُ

پھر طالوت والوں نے جالوت والوں کو خدا تعالیٰ کے حکم سے شکست دی اور داؤد علیہ السلام نے

اور مظفر و منصور واپس آئے۔

جَالُوتَ

جالوت کو قتل کر ڈالا

جیسے بلا آلات کے زرہ بنانا اور جانوروں کی بولی سمجھنا اور حکمت سے مراد اس جگہ نبوت ہے آگے اس واقعہ کی مصلحت جامع بیان فرماتے ہیں (آگے ترجمہ)

وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا

اور ان کو (یعنی داؤد کو) اللہ تعالیٰ نے سلطنت اور حکمت عطا فرمائی اور بھی جو

يَشَاءُ ۗ

جو منظور ہوا ان کو تعلیم فرمایا

اس لئے وقتاً فوقتاً اصلاح کرتے رہتے ہیں اور کبھی جو اس کا عکس ہو جاتا ہے کہ مفسد لوگ اہل حق پر غالب ہو جاتے ہیں اس میں کچھ اور مصلحتیں ہوتی ہیں لیکن اصلی مقصود حق تعالیٰ کا اہل حق کو غالب کرنا ہوتا ہے چنانچہ آخر انجام اسی پر قرار پاتا ہے جیسا کہ حدیث اور مشاہدہ دونوں شاہد ہیں۔ ف: اس قصہ میں عیسائیوں نے کچھ شبہات کئے ہیں ان کا جواب مع تقریر شبہات تفسیر حقانی میں مذکور ہے۔

الحمد للہ دوسرے پارہ کی تفسیر ختم ہوئی

ربط: چونکہ قرآن کے بڑے مقاصد میں سے ایک مقصود اثبات نبوت محمدیہ بھی ہے اس لئے اکثر جس جگہ کسی مضمون کے ساتھ مناسب ہونے کی وجہ سے موقع ہوتا ہے وہاں اس کا اعادہ کیا جاتا ہے چنانچہ اس مقام پر اس قصہ کی صحیح خبر دینا ایسے طور پر کہ نہ آپ نے کہیں پڑھا نہ سنا نہ آپ نے بچشم خود دیکھا بوجہ معجزہ ہونے کے صریح دلیل ہے صدق دعویٰ نبوت کی اس لئے اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر استدلال فرماتے ہیں (ترجمہ دیکھو) تلک ایت اللہ نتلوها علیک الخ

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لا

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ بعضے آدمیوں کو بعضوں کے ذریعہ سے دفع کرتے

لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ

رہا کرتے ہیں تو سرزمین (تمام تر) فساد سے پر ہو جاتی ولیکن اللہ تعالیٰ بڑے فضل

عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٥١﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا

والے ہیں جہان والوں پر یہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں۔ جو صحیح طور پر ہم تم کو پڑھ

عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ط وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٢٥٢﴾

پڑھ کر سناتے ہیں اور (اس سے ثابت ہے کہ) آپ بلاشبہ پیغمبروں میں سے ہیں۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ م

یہ حضرات مرسلین ایسے ہیں کہ ہم نے ان میں سے بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے

مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ

(مثلاً) بعضے ان میں سے وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوئے ہیں (یعنی موسیٰ علیہ السلام)

ربط: چونکہ اوپر کی آیت میں ضمناً پیغمبروں کا اجمالی طور پر ذکر آ گیا تھا اس لئے اس آیت میں ان کے احوال وکمالات کی کسی قدر تفصیل مذکور ہوتی ہے اور انبیاء کی مناسبت سے ان کی امتوں کی ایک خاص حالت کا بیان اور اس خاص حالت کے واقع ہونے میں جو حکمتیں اور مصالح الٰہیہ ہیں ان کی طرف اشارہ فرماتے ہیں تلک الرسول تا ما یرید

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہم کلامی گو بلاواسطہ فرشتہ کے ہو مگر بے حجاب نہ تھی پس سورۂ شوریٰ کی اس آیت سے کچھ تعارض نہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ بشر سے بے حجاب کے کلام نہیں فرماتے۔ وما کان لبشر ان یکلمه الله الا وحیا او من وراء حجاب البتہ بعد موت کے بے حجاب ہونا بھی شرعاً ممکن ہے پس وہ آیت دنیا کے اعتبار سے ہے۔

وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ط وَاٰتَيْنَا عِيْسَى

اور بعضوں کو ان میں بہت سے درجوں میں سرفراز کیا اور ہم نے حضرت عیسیٰ بن مریم

ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ط

علیہما السلام کو کھلے کھلے دلائل عطا فرمائے اور ہم نے ان کی تائید روح القدس (یعنی

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ

جبرائیل) سے فرمائی اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو (امت کے) جو لوگ انکے بعد ہوئے ہیں

مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ

باہم قتل وقتال نہ کرتے بعد اس کے کہ انکے پاس (امر حق کے) دلائل پہنچ چکے تھے ولیکن

اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ط

وہ لوگ باہم (دین میں) مختلف ہوئے سو ان میں سے کوئی تو ایمان لایا اور کوئی کافر رہا

چونکہ اللہ تعالیٰ کو بعض حکمتیں منظور تھیں اس لئے ان میں دینی اتفاق پیدا نہیں کیا۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا قف وَلٰكِنَّ اللّٰهَ

اور نوبت قتل وقتال کی پہنچی) اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو وہ لوگ باہم قتل وقتال نہ

يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿٢٥٣﴾ ع

کرتے لیکن اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں

پھر اس اختلاف میں نوبت بہ قتل وقتال بھی پہنچی۔

احقر کے ذوق میں اس مضمون سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک گونہ تسلی کرنا منظور ہے کہ بعد اس کے کہ نبوت آپ کی بہت دلائل سے ثابت ہو چکی پھر بھی منکر انکار ہی کئے جاتے تھے اس سے آپ کو رنج وکلفت ہونے کا محل تھا اس لئے حق تعالیٰ نے یہ بات سنائی کہ آپ سے پہلے اور بھی پیغمبر مختلف درجوں کے گزرے ہیں۔ لیکن ایمان عام کسی کی امت میں نہیں ہوا کسی نے موافقت کی اور کسی نے مخالفت اس لئے کسی کے ایمان نہ لانے سے غمگین نہ ہو جایئے اور اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں گو ہر شخص پر منکشف نہ ہوں مگر اتنا عقیدہ اجمالاً ضروری ہے کہ کوئی حکمت ضرور ہے۔

ربط: عنقریب یہ مضمون گزر چکا ہے کہ ابواب البر میں سے دو امر کا بیان زیادہ اہتمام سے ہوا ہے ان میں سے ایک اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بھی ہے چنانچہ قدرے اس جگہ پھر ایک رکوع کے بعد پھر اس سے آگے اسی کا بیان ہوا ہے مگر

مقصود ہر جگہ جدا ہے اس لئے تکرار کا شبہ نہیں ہوسکتا چنانچہ یہاں طرز کلام میں غور کرنے سے زیادہ مقصود جلدی خرچ کرنے کی طرف رغبت دلانا ہے اور وقت و گنجائش مال کو غنیمت سمجھنے کی یایھا الذین امنوا تا ھم الظلمون

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ

اے ایمان والو! خرچ کرو ان چیزوں سے جو ہم نے تم کو دی ہیں قبل اس کے

مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ

کہ وہ دن (قیامت کا) آ جائے جس میں

کوئی چیز اعمال خیر کا بدل نہ ہو سکے گی کیونکہ اس میں (آگے ترجمہ)

لَّا بَيْعٌ فِيْهِ

نہ تو خرید و فروخت ہوگی

کہ کوئی چیز دے کر اعمال خیر خرید لو

وَلَا خُلَّةٌ

اور نہ دوستی ہوگی

کہ کوئی تم کو دوستی میں آ کر اپنے اعمال خیر دے دے۔

وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ

اور نہ (بلا اذن الٰہی کوئی) سفارش ہوگی

جس سے اعمال خیر کی تم کو حاجت ہی نہ رہے۔

وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾

اور کافر ہی لوگ ظلم کرتے ہیں

کہ اعمال اور مال کو بے موقعہ استعمال کرتے ہیں اس طرح کہ طاعت بدنیہ و مالیہ کو چھوڑتے ہیں اور معصیت مالیہ و بدنیہ کو اختیار کرتے ہیں ف: مطلب آیت کا یہ ہے کہ جو اعمال خیر دنیا میں فوت ہو جائیں گے پھر وہاں ان کا کچھ بھی تدارک قدرت سے خارج ہو جائے گا کیونکہ طریقہ تدارک کے تحت القدرت ہونے کے لئے تین باتیں ضروری ہیں ایک یہ کہ اس طریقہ کا وجود تو ہو دوسرے وہ عام ہو یعنی اس کا وجود بکثرت ہو تیسرے اپنے اختیار میں ہو اور یہاں جتنے طریقے تدارک کے ہیں تینوں باتیں مجتمع کسی میں نہیں بیع کا تو وہاں سرے سے وجود ہی نہیں دوستی کا وجود ہوگا مگر عام نہ ہوگا شفاعت کسی کے اختیار میں نہیں ہے پس آخرت میں اپنی کوتاہیوں کا تدارک کرنا ہر طرح تمہارے اختیار سے باہر ہو جائے گا۔ پس اس آیت میں دوستی اور شفاعت کی مطلقاً نفی نہیں ہوئی۔ چنانچہ الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدو الا المتقین سے وجود خلت اور اگلی ہی آیت میں من ذاالذی یشفع عندہ الا باذنہ سے وجود شفاعت خود مفہوم ہوتا ہے لیکن اس خلت و شفاعت کے باوجود بھی اعمال صالحہ کی پھر بھی بہت ضرورت ہوگی اقل درجہ ایمان درست ہونا تو لازمی ہے مقصود آیت کا یہ ہے کہ قیامت کے دن اعمال خیر کر کے ثمرات حاصل کرنا تمہاری قدرت سے باہر ہوگا جو کرنا ہو تمہیں کر لینا چاہئے اور بعض نے کہا ہے کہ مقصود ترک انفاق پر وعید سنانا ہے کیونکہ ان کے نزدیک اس جگہ انفاق سے زکوٰۃ مراد ہے اور ترک فرض موجب وعید ہے اور تارک زکوٰۃ کو کافر فرمانا بطریق زجر کے ہے **ربط**: اوپر کی آیت میں جس طرح قیامت کے دن شفاعت بلا اذن کی نفی سے اعمال خیر پر قدرت نہ ہونا ثابت ہوتا ہے اسی طرح حق تعالیٰ کی عظمت شان بھی مفہوم ہوتی ہے کہ ان کے روبرو کسی کو مجال دم زدن نہیں اس مناسبت سے اس آیت میں جس کو آیۃ الکرسی کہتے ہیں توحید ذات و صفات کا ذکر فرماتے ہیں کہ عظمت شان کی خوب توضیح و تاکید ہو جائے اللہ تا العظیم

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ

تو تم ایسے مت بنو) اللہ تعالیٰ (ایسا ہے) کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں زندہ ہے

سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

سنبھالنے والا ہے (تمام عالم کا) نہ اس کو اونگھ دبا سکتی ہے اور نہ نیند۔ اسی کے مملوک ہیں سب جو

الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا

کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں ایسا کون شخص ہے جو اس کے پاس (کسی کی)

بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ

سفارش کر سکے بدوں اس کی اجازت کے۔ وہ جانتا ہے ان موجودات کے تمام حاضر و غائب

وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا

حالات کو اور وہ موجودات اس کے معلومات میں سے کسی چیز کو اپنے احاطہ علمی میں نہیں لا سکتے مگر

بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ

جس قدر (علم) وہ دینا (ہی) چاہے اس کی کرسی نے سب آسمانوں اور سب زمین کو اپنے اندر لے

وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿۲۵۵﴾

رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ان دونوں کی حفاظت کچھ گراں نہیں گزرتی اور وہ عالیشان عظیم الشان ہے

قیامت میں انبیاء واولیاء حق تعالیٰ کی مرضی پانے کے بعد شفاعت کریں گے اور کرسی ایک جسم ہے عرش سے چھوٹا اور آسمانوں سے بڑا جیسا کہ روح المعانی میں بروایت ابوذرؓ مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کرسی کی نسبت پوچھا آپ نے فرمایا کہ اے ابوذر ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمین کرسی کے سامنے ایسے ہیں جیسے ایک چھلا ایک بڑے میدان میں پڑا ہو اور عرش کرسی سے اتنا بڑا ہے جیسے وہ میدان اس چھلے سے بڑا ہے اور بسند دارقطنی وغیرہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تفسیر پوچھی گئی تو آپ نے کرسی کو بتلا کر فرمایا کہ عرش کی کوئی حد ہی نہیں بتلا سکتا ہے۔

ربط: انک لمن المرسلین میں اثبات رسالت اور آیت الکرسی میں توحید حق سبحانہ وتعالیٰ مذکور ہوئی ہے اور یہی دونوں اسلام کے اصل الاصول ہیں ان کے اثبات سے لازمی طور پر دین اسلام کی حقانیت بھی ثابت ہوگئی اس آیت میں اسی پر تفریع کر کے اسلام کا محل اکراہ نہ ہونا بیان فرماتے ہیں **لا اکراہ فی الدین تا علیم**

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۣۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ

دین میں زبردستی (کافی نفسہ کوئی موقع) نہیں (کیونکہ) ہدایت یقیناً گمراہی

مِنَ الْغَيِّ ۚ

سے ممتاز ہو چکی ہے

یعنی اسلام کی خوبی دلائل قطعیہ سے ثابت ہو چکی ہے پس اسلام ایک کھلی ہوئی چیز ہے وہ زبردستی اور اکراہ کا فی نفسہ محل نہیں۔ زبردستی اس امر میں ہوا کرتی ہے جس کی خوبی واضح نہ ہو۔

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ

سو جو شخص شیطان سے بد اعتقاد ہو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ خوش اعتقاد ہو (یعنی

اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ

اسلام قبول کرلے) تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا۔ جس کو کسی طرح شکستگی

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵۶﴾

نہیں (ہو سکتی) اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے ہیں اور خوب جاننے والے ہیں

یعنی ظاہری اور باطنی اقوال کو خوب سنتے اور جانتے ہیں سو اگر کوئی صرف زبان سے اسلام لاوے گا اور دل میں کفر رکھے گا تو ہم سے چھپ نہیں سکتا ہم آپ ہی اس کو سمجھ لیں گے۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ

اللہ تعالیٰ ساتھی ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے ان کو (کفر کی) تاریکیوں سے نکال کر (یا

مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ڛ وَالَّذِيْنَ

بچا کر) نور (اسلام) کی طرف لاتا ہے اور جو لوگ کافر ہیں ان کے ساتھی شیاطین ہیں

كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰۗــــُٔــھُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ

(انسی یا جنی) وہ ان کو نور (اسلام) سے نکال کر یا بچا کر (کفر کی) تاریکیوں کی طرف لے

مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ

جاتے ہیں۔ ایسے لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں (اور) یہ لوگ اس میں ہمیشہ ہمیشہ کو

النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾ اَلَمْ تَرَ

رہیں گے (اے مخاطب) تجھ کو اس شخص کا قصہ تحقیق نہیں ہوا (یعنی نمرود کا) جس نے

اِلَى الَّذِيْ حَاۗجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مباحثہ کیا تھا اپنے پروردگار کے (وجود کے) بارہ میں اس

اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ

وجہ سے کہ خدا تعالیٰ نے اس کو سلطنت دی تھی جب ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا

رَبِّيَ الَّذِيْ يُـحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا

پروردگار ایسا ہے کہ وہ جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ کہنے لگا کہ میں بھی جلاتا ہوں

اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ۭ

اور مارتا ہوں

الم تر الی الذی تا الظلمین حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے پوچھنے پر کہ خدا کیسا ہے خدا تعالیٰ کی خاص صفات بیان کیں وہ کوڑھ مغز جلانے اور مارنے کی حقیقت تو سمجھا نہیں کہنے لگا کہ یہ کام تو میں بھی کر سکتا ہوں چنانچہ جس کو چاہوں قتل کر دوں اور جس کو چاہوں قتل سے معاف کر دوں یہ جلانا ہے ابراہیم علیہ السلام نے جب دیکھا کہ بالکل ہی بھدی عقل کا ہے کہ قتل کرنے اور قتل سے معاف کرنے کو جلانا اور مارنا سمجھتا ہے حالانکہ جلانے کی حقیقت یہ ہے کہ بے جان چیز میں جان ڈال دے نہ یہ کہ زندہ کو چھوڑ دے اور مارنے کی حقیقت یہ ہے کہ اس کی جان اپنے اختیار سے نکالے نہ یہ کہ گردن الگ کر دے اور جان خود بخود بدوں اس کے اختیار کے نکل جاوے

اس کا اختیار ہوتا تو یہ اختیار بھی ہونا چاہئے تھا کہ گردن الگ کردے اور جان نہ نکلنے دے جب قرائن سے معلوم ہوا کہ یہ جلانے اور مارنے کی حقیقت تو سمجھے گا نہیں اس ضرورت سے دوسرے جواب کی طرف متوجہ ہوئے۔

قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ

ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آفتاب کو (روز کے روز) مشرق

مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ

سے نکالتا ہے تو (ایک ہی دن) مغرب سے نکال دے۔ اس پر متحیر رہ گیا وہ

فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی

کافر (اور کچھ جواب نہ بن آیا) اور اللہ تعالیٰ (کی عادت ہے کہ) ایسے

الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۚ ﴿۲۵۸﴾

بے جا راہ پر چلنے والوں کو ہدایت نہیں فرماتے

بلکہ عادت یہ ہے کہ اول کوئی ارادہ قبول حق کا خود کرے پھر وہ ہدایت کر دیتے ہیں اور اختیاری افعال میں اگر ارادہ نہ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس فعل کو پیدا نہیں کرتے اگر یہ شبہ ہو کہ ارادہ بھی تو ان ہی کے پیدا کرنے پر موقوف ہے جواب یہ ہے کہ ارادہ میں بندہ مجبور محض نہیں حق تعالیٰ نے بندہ کو دونوں راستے دکھلا دیئے ہیں حق کا بھی باطل کا بھی اور اس کو اختیار دے دیا ہے کہ جس کو چاہے لے لے اب اپنے اختیار سے وہ جس کا قصد کرے حق تعالیٰ اس راہ پر اس کو چلا دیتا ہے۔ ف بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوا ہے کہ نمرود کو دوسری دلیل پر یہ کہنے کی گنجائش تھی کہ اگر خدا موجود ہے تو وہی آفتاب کو مغرب سے نکال دے۔ دفع اس کا یہ ہے کہ اس وقت اس کے دل میں بلا اختیار یہ بات پڑ گئی تھی کہ خدا ضرور موجود ہے اور مشرق سے آفتاب کا طلوع ہونا اسی کا فعل ہے اور وہ مغرب سے بھی نکال سکتا ہے اور یہ شخص یعنی ابراہیم علیہ السلام پیغمبر ہیں ان کے کہنے سے ضرور ایسا ہو جاوے گا اور اگر ایسا ہو گیا تو عالم میں انقلاب عظیم پیدا ہو جائے گا کہیں اور لینے کے دینے نہ پڑ جائیں مثلاً اس معجزہ کو دیکھ کر سب لوگ مجھ سے منحرف ہو کر ان کی راہ پر ہو لیں ذرا سی بات میں سلطنت جاتی رہے یہ جواب تو اس لئے نہ دیا اور دوسرا کوئی جواب تھا ہی نہیں اس لئے حیران منہ دیکھ کر رہ گیا۔ او کالذی تا قدیر

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّهِیَ خَاوِیَةٌ

یا تم کو اس طرح کا قصہ بھی معلوم ہے جیسے ایک شخص تھا کہ اس کا ایک بستی پر ایسی

عَلٰی عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ

حالت میں گزر ہوا کہ اس کے مکانات اپنی چھتوں پر گر گئے تھے کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ

بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ

اس بستی (کے مردوں) کو اس کے مرے پیچھے کس کیفیت سے زندہ کریں گے۔

یہ تو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں مردوں کو ضرور زندہ کریں گے مگر بوجہ اس کے عجیب ہونے کے ایک حیرت بھی دل پر غالب ہو گئی کہ خدا جانے جلانا کس صورت سے ہو گا اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اس کا تماشا دنیا ہی میں اس کو دکھلا دیں تا کہ ایک نظیر واقع ہو جانے سے لوگوں کو زیادہ ہدایت ہو۔

فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ

سو اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو سو برس تک مردہ رکھا پھر اس کو زندہ کر اٹھایا (اور پھر) پوچھا

قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ

کہ تو کتنی مدت اس حالت میں رہا اس شخص نے جواب دیا کہ ایک دن رہا ہوں گا یا

یَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ

ایک دن سے بھی کم۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ تو سو برس رہا ہے۔ تو اپنے کھانے

اِلٰی طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ

(کی چیز) اور پینے (کی چیز) کو دیکھ لے کہ نہیں سڑی گلی۔ اور (دوسرے) اپنے

اِلٰی حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ

گدھے کی طرف نظر کر اور تا کہ ہم تجھ کو ایک نظیر لوگوں کے لئے بنا دیں۔

کہ اس کی نظیر سے قیامت کے زندہ ہونے پر استدلال کر سکیں۔ روح المعانی میں حضرت علی و ابن عباس وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ یہ شخص حضرت عزیر علیہ السلام ہیں اسی لئے احقر نے اس کی تصریح کر دی کہ ان کو قیامت میں زندہ ہونے کا یقین تھا اور اس حیرت کی وجہ بھی ظاہر کر دی کہ چونکہ یہ امر عجیب تھا اس کی کیفیت خاص وہ معین نہ کر سکے اور آخر میں جو کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یقین رکھتا ہوں۔ یہ ایک طبعی و اضطراری حالت ہے کہ نئی بات کو دیکھ کر اقرار و قدرت کو تازہ کیا جاتا ہے چنانچہ ہمارے محاورات میں بھی سبحان اللہ وغیرہ ایسے موقع پر کہہ اٹھتے ہیں حالانکہ اس کا پہلے سے عقیدہ ہوتا ہے اور اس مجموعی کیفیت سے ان کی حیرت کا جواب احقر کے ذوق میں اس طرح ہے کہ قیامت میں زندہ ہونا چند وجوہ سے محل حیرت ہے ایک تو خود زندہ کرنا دوسرے طویل مدت کے بعد زندہ کرنا تیسرے خاص کیفیت سے زندہ کرنا چوتھے اس

مدت تک روح کا باقی رکھنا پانچویں بعد زندہ ہونے کے برزخ میں رہنے کی مدت معلوم نہ ہونا۔ پہلی بات خود ان کو زندہ کر کے اور ان کے گدھے میں جان ڈال کر بتلا دی گئی دوسری بات ثابت کرنے کے لئے ان کو سو برس تک مردہ رکھا تیسری بات کے لئے خود گدھا ان کے سامنے زندہ کر کے دکھلا دیا چوتھی بات کے لئے کھانے اور پینے کی چیزوں کا باقی رکھنا اور خود ان کے بدن کا باقی رکھنا دکھلا دیا کیونکہ کھانا پینا بوجہ عناصر کی ترکیب کے بہ نسبت روح کے زیادہ قابل تغیر و فساد کے ہیں اور پانچویں بات کے لئے خود ان کا یہ سمجھنا کہ میں ایک دن یا دو دن رہا ہوں دلیل ہو گیا کہ اسی طرح اہل محشر بھی زمانہ دراز کو بہت کم سمجھیں گے اور کہیں گے کہ ہم تو مرنے کے بعد بہت جلدی زندہ ہو گئے۔ رہی یہ بات کہ جب دوسروں نے دیکھا نہیں تو لوگوں کے لئے نمونہ قدرت یہ واقعہ کیونکر ہو گیا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ قرائن خارجیہ سے ان کو ان کے بیان کے سچ بات ہونے کا یقین بطور علم بدیہی کے ہو گیا تھا۔ واللہ اعلم۔

وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ

اور (اس گدھے کی) ہڈیوں کی طرف نظر کر کہ ہم ان کو کس طرح ترکیب دے دیتے ہیں۔ پھر ان پر

نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ

گوشت چڑھائے دیتے ہیں پھر جب یہ سب کیفیت اس شخص کو واضح ہو گئی تو کہہ اٹھا کہ میں یقین رکھتا

اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۲۵۹)

ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔ اور اس وقت کو یاد کرو جبکہ ابراہیم علیہ السلام

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ

نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار مجھ کو دکھلا دیجئے کہ آپ مردوں کو کس کیفیت سے زندہ کریں گے۔

واذ قال ابراھیم تا حکیم یعنی زندہ کرنے کا تو یقین ہے مگر عقلاً اس کی بہت سی صورتیں ممکن ہیں ان میں سے معلوم نہیں کونسی کیفیت ہو گی اب چونکہ اس درخواست کا قصہ سن کر احتمال تھا کہ کسی کم سمجھ کو ابراہیم علیہ السلام پر نعوذ باللہ یقین کامل نہ رکھنے کا گمان ہوتا اس لئے حق تعالیٰ نے خود ان سے اس کا سوال کر کے اور ان کا جواب نقل فرما کر اس کو صاف کر دیا حق تعالیٰ کا یہ سوال اس وجہ سے نہ تھا کہ معاذ اللہ ان کو بھی ابراہیم علیہ السلام پر ایسا شبہ تھا۔

قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ

ارشاد فرمایا کیا تم یقین نہیں لائے انہوں نے عرض کیا یقین کیوں نہ لاتا و لیکن اس غرض

لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ ؕ

سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ میرے قلب کو سکون ہو جاوے۔

کہ ایک متعین کیفیت کا مشاہدہ کرنے سے بہت سے احتمالات کی طرف ذہن کو حرکت نہ ہو۔

قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ

ارشاد ہوا کہ اچھا تو تم چار پرندے لو۔ پھر ان کو (پال کر) اپنے لئے ہلا لو۔

تا کہ ان کی خوب شناخت ہو جائے پھر سب کو ذبح کر کے مع پر و استخوان وغیرہ کے ان کا خوب قیمہ سا کر کے کئی حصے کرو اور چند پہاڑ اپنی تجویز سے اختیار کر لو (آگے ترجمہ)

ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا

پھر ہر پہاڑ پر ان میں کا ایک ایک حصہ رکھ دو۔ (اور) پھر ان سب کو بلاؤ (دیکھو)

ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ

تمہارے پاس سب دوڑے دوڑے چلے آویں گے اور خوب یقین رکھو اس بات

اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (۲۶۰) ع

کا کہ حق تعالیٰ زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔

یعنی حق تعالیٰ زبردست قدرت والے ہیں سب کچھ کر سکتے ہیں مگر پھر جو بعضی باتیں نہیں کرتے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حکمت والے بھی ہیں۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ

جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کئے ہوئے

اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ

مالوں کی حالت ایسی ہے جیسے ایک دانہ کی حالت۔ جس سے (فرض کرو)

فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ

سات بالیاں جمیں (اور) ہر بالی کے اندر سو دانے ہوں۔

اسی طرح خدا تعالیٰ ان کا ثواب سات سو حصہ تک بڑھاتے ہیں۔

وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ

اور یہ افزونی خدا تعالیٰ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت

عَلِيْمٌ (۲۶۱)

والے جاننے والے ہیں

ان کے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں وہ سب کو یہ افزونی دے سکتے ہیں۔ مگر ساتھ ہی جاننے والے بھی ہیں اس لئے اخلاص نیت وغیرہ کو دیکھ کر عطا فرماتے ہیں۔

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ

جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر خرچ کرنے کے بعد نہ تو

اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ

(اس پر) احسان جتلاتے ہیں اور نہ (برتاؤ سے اس کو) آزار پہنچاتے ہیں

اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا

ان لوگوں کو ان (کے اعمال) کا ثواب ملے گا ان کے پروردگار کے پاس اور

خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾

نہ ان پر کوئی خطرہ ہو گا اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔

برتاؤ سے آزار پہنچانا یہ کہ مثلاً اپنے احسان کی بناء پر اس کے ساتھ تحقیر سے پیش آئیں اس سے دوسرا شخص آزار پاتا ہے۔

ربط: اس میں احسان وایذا رسانی کی مذمت بیان فرماتے ہیں۔ قول معروف تا حلیم ناداری کے وقت جواب میں معقول اور (آگے ترجمہ)

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ

مناسب بات کہہ دینا اور درگزر کرنا

سائل سے اگر وہ بدتمیزی سے غصہ دلا دے یا اصرار سے تنگ کرے۔

خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ

(ہزار درجہ) بہتر ہے ایسی خیرات (دینے) سے جس کے بعد آزار پہنچایا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ غنی ہیں۔

کسی کے مال کی ان کو حاجت نہیں جو کوئی خرچ کرتا ہے اپنے واسطے کرتا ہے پھر آزار کس بنا پر پہنچایا جاتا ہے اور آزار پہنچانے پر جو فوراً سزا نہیں دیتے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حلیم بھی ہیں ناداری کی قید اس لئے لگائی کہ استطاعت کے وقت تو حاجت مند کی اعانت نہ کرنا خود برا ہے اس کو بہتر کیوں کہا جاتا البتہ ناداری کے وقت نرمی سے جواب دینا اور سائل کی سختی کو ٹال دینا چونکہ موجب ثواب ہے اس لئے اس کو خیر فرمایا گیا اور آزار پہنچانا حرام اور موجب عذاب ہے احسان جتلانا بھی اسی میں شامل ہے اور چونکہ اس صدقہ میں جو دل آزاری کے ساتھ دیا گیا ہو بظاہر اتنی خیریت معلوم ہوتی ہے کہ صدقہ تو پایا گیا لیکن اس خیریت کی نفی فرما دی گئی کہ اس میں کچھ بھلائی نہیں۔

ربط: اب احسان وایذا رسانی کا اور ان کے ساتھ ریا کا صدقہ کے ثواب کو باطل کر دینا مع ایک مثال کے بیان فرماتے ہیں جس سے مقصود ان باتوں سے منع کرنا ہے یایھا الذین آمنوا تا الکفرین

حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا

حلیم ہیں۔ اے ایمان والو تم احسان جتلا کر یا ایذا پہنچا کر اپنی خیرات کو

صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ

برباد مت کرو۔ جس طرح وہ شخص جو اپنا مال خرچ کرتا ہے (محض) لوگوں کو

رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ

دکھلانے کی غرض سے اور ایمان نہیں رکھتا اللہ پر اور یوم قیامت پر

مراد اس سے منافق ہے وہ خیرات کے اصل ثواب ہی کو برباد کر دیتا ہے۔

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ

سو اس شخص کی حالت ایسی ہے جیسے ایک چکنا پتھر جس پر کچھ مٹی (آ گئی) ہو

اور اس مٹی میں کچھ گھاس پھوس جم آیا ہو

فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۭ

پھر اس پر زور کی بارش پڑ جاوے سو اس کو بالکل صاف کر دے

اسی طرح منافق کے ہاتھ اللہ کی راہ میں کچھ خرچ ہو گیا جو ظاہر میں ایک نیک عمل معلوم ہوتا ہے جس میں امید ثواب کی ہوتی ہے لیکن اس کے نفاق نے ویسا ہی کورا کا کورا ثواب سے خالی چھوڑ دیا۔

لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ

ایسے لوگوں کو اپنی کمائی ذرا بھی ہاتھ نہ لگے گی۔

کیونکہ کمائی سے مراد نیک عمل ہے اور اس کا ہاتھ لگنا ثواب کا ملنا ہے اور ثواب کی شرط ایمان اور اخلاص ہے اور ان لوگوں میں دونوں نہیں۔ کیونکہ ریا کار بھی ہیں اور کافر بھی۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶۴﴾

اور اللہ تعالیٰ کافروں کو (جنت کا) راستہ نہ بتلاویں گے

کیونکہ کفر کی وجہ سے ان کا کوئی عمل مقبول نہیں ہوا جس کا ثواب ذخیرہ ہوتا اور وہاں پہنچ کر اس کے صلہ میں جنت میں پہنچائے جاتے۔

ربط: صدقات باطلہ غیر مقبولہ کی مثال بیان فرما کر اب صدقات مقبولہ کی

مثال بیان فرماتے ہیں۔و مثل الذین تا بصیر

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ

اوران لوگوں کے خرچ کئے ہوئے مال کی حالت جواپنے مالوں کوخرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی

مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ

کی غرض سےاوراس غرض سےاپنے نفسوں کو(اس عمل شاق کا خوگر بنا کران) میں پختگی پیدا کریں

تا کہ دوسرے اعمال صالحہ سہولت سے صادر ہوا کریں توضیح اس کی یہ ہے کہ یہ بات تجربہ سے ثابت ہوئی ہے اور اہل سلوک کے برتاؤ میں ہے کہ جس کام میں نفس کو کسی قدر مشقت ہو اس کے بار بار کرنے سے نفس کے اندر بوجہ عادت کے ایک پختہ ملکہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے وہ دوسرے اعمال میں بھی پس وپیش نہیں کرتا اور نفس کی مزاحمت مغلوب ہو جاتی ہے تو اس آیت میں اس کی ترغیب ہے کہ ہر عمل میں یہ نیت بھی کر لینا اچھا ہے کہ اس سے دوسرے اعمال کے لئے بھی نفس میں آمادگی پیدا ہو اور یہی حاصل ہوتا ہے۔مجاہدہ کا اور صدقہ خیرات کا خلاصہ اس نیت کا یہ ہوا کہ اس وقت بھی اس عمل سے رضا الٰہی حاصل ہو اور ایسی عادت ہو جائے کہ آئندہ بھی ہمیشہ رضاء الٰہی حاصل کیا کریں غرض دونوں نیتوں سے مقصود رضا الٰہی کی طلب ہے اور اس تشبیہ میں جو دو طرح کی بارش فرض کی گئی ہے اس سے مقصود تفاوت بیان کرنا ہے مراتب اخلاص کا چونکہ یہ خرچ کرنا ایمان کے ساتھ ملا ہوا ہے احسان وایذا رسانی سے پاک ہے اخلاص اس میں موجود ہے تو ضرور مقبول ہو کر ثواب بڑھنے کا باعث ہوگا خواہ اخلاص اعلیٰ درجہ کا ہو یا اوسط درجہ کا یا ادنیٰ درجہ کا نفس قبول وزیادت ثواب کے لئے کافی ہے گو تفاوت مراتب اخلاص سے مراتب قبول میں بھی تفاوت ہوگا۔

كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ

مثل حالت ایک باغ کے ہے جو کسی ٹیکرے پر ہو کہ

فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا

اس پر زور کی بارش پڑی ہو پھر وہ دوگنا (چوگنا) پھل لایا ہو اور اگر ایسے زور کا

وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (۲۶۵)

مینہ نہ پڑے تو ہلکی پھوار بھی اس کو کافی ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب دیکھتے ہیں۔

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ

بھلا تم میں سے کسی کو یہ بات پسند ہے کہ اس کا ایک باغ ہو۔

مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

کھجوروں کا اور انگوروں کا اس کے (درختوں کے) نیچے نہریں چلتی ہوں۔

الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ

اس شخص کے یہاں اس باغ میں اور بھی ہر قسم کے (مناسب) میوے ہوں اور اس شخص

وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖ

کا بڑھاپا آ گیا ہو اور اس کے اہل وعیال بھی ہوں جن میں (کمانے کی) قوت نہیں

فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۗ

سو اس باغ پر ایک بگولہ آوے جس میں آگ (کا مادہ) ہو پھر وہ باغ جل جاوے

ربط: اس مقام پر تین قسم کے صدقات کا بیان کرنا منظور ہے ایک وہ جس میں ایمان واخلاص کے ساتھ احسان وایذاء سے بچنا بھی موجود ہو اس کا بیان دو آیتوں میں دو مثالوں کے ضمن میں مذکور ہوا کمثل حبة اور کمثل جنة بربوة دوسرے وہ جس میں ایمان واخلاص نہ پائے جائیں خواہ دونوں نہ ہوں یا فقط ایک نہ ہو اس کا بیان کالذی ینفق ماله میں اس مثال کے ساتھ ہوا کمثل صفوان تیسرے وہ جس میں احسان و ایذاء سے بچنا نہ پایا جائے اس کا بیان اس آیت میں ایک مثال کے ساتھ ہوتا ہے پہلی قسم کی دو مثالیں شاید اس لئے بیان کی گئیں کہ وہ بوجہ مقبول ہونے کے زیادہ قابل اہتمام ہے واللہ اعلم ایود احدکم تا یتفکرون

ظاہر بات ہے کہ کسی کو اپنے لئے یہ بات پسند نہیں آ سکتی پھر اس کے مشابہ تو یہ بات بھی ہے کہ اول صدقہ دیا یا اور کوئی نیک کام کیا جس کے قیامت میں کام آنے کی امید ہو کہ وہ غایت درجہ احتیاج کا وقت ہوگا پھر ایسے وقت میں معلوم ہوگا کہ ہمارے سب صدقات بوجہ احسان وایذا رسانی کے غارت یا دیگر معاصی سے ہماری طاعات بے برکت ہو گئی ہیں۔ اس وقت کیسی سخت حسرت ہوگی کیسی کیسی آرزوؤں کا خون ہوگا پس جب تم اس مثال کو اپنے لئے پسند نہیں کرتے تو ابطال طاعات کو کیسے گوارا کرتے ہو۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ

اللہ تعالیٰ اسی طرح نظائر بیان فرماتے ہیں تمہارے لئے

تَتَفَكَّرُوْنَ (۲۶۶) ع

تا کہ تم سوچا کرو

روح المعانی میں حضرت ابن عباسؓ سے ایک بات اس آیت کی تفسیر

میں منقول ہے جس کو حضرت عمرؓ نے بھی پسند فرمایا کہ یہ آیت تمام طاعات کو عام ہے کہ جس طاعت کے بعد آدمی گناہوں میں منہمک ہو جائے تو وہ طاعت خراب ہو جائے گی اس کی تحقیق جیسا کہ اوپر اجمالاً بیان کیا گیا ہے کہ طاعات میں کچھ شرطیں انوار و برکات باقی رہنے کے لئے بھی ہوا کرتی ہیں وہ شرط یہ ہے کہ طاعت کے بعد عموماً سب گناہوں سے پرہیز رکھے کیونکہ جب طاعت کے بعد معاصی میں مشغول و منہمک ہوتا ہے تو ان کے انوار و برکات سلب ہو جاتے ہیں جس کا اثر دنیا میں تو یہ ہوتا ہے کہ قلب میں جو حلاوت طاعت سے پیدا ہوئی تھی وہ زائل ہو جاتی ہے اور ایک طاعت سے جو دوسری طاعات کا سلسلہ چلا کرتا ہے اور ویسے ہی سامان جمع ہونے لگتے ہیں جس کا نام توفیق ہے وہ توفیق بند ہو جاتی ہے بلکہ طاعات معمولہ میں بھی ناغہ اور سستی اور کمی ہونے لگتی ہے اور جو ثمرات آخرت میں ان فوت شدہ اعمال پر ملتے وہاں اس سے محروم رہے گا یہ اثر عالم آخرت میں ہوگا غرض اس نور و برکت کے سلب ہونے کو بھی کہیں آیات و احادیث میں حبط وغیرہ سے تعبیر فرمایا گیا ہے مگر اس سے مراد حبط بمعنی مشہور نہیں کہ خود اس طاعت کا بھی ثواب نہ ملے اور وہ بالکل اکارت ہو جائے **ربط:** مال خرچ کرنے میں جن باتوں کی رعایت ضروری ہے ان میں سے بعض تو ذکر ہو چکیں جیسے احسان وایذاء وریا سے بچنا اور ایک یہ بھی شرط ہے کہ وہ چیز ردی اور خراب نہ ہو اب اس کو بیان فرماتے ہیں **یایھا الذین امنوا تا حمید**

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ
اے ایمان والو (نیک کام میں) خرچ کیا کرو عمدہ چیز کو اپنی کمائی میں سے اور
مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ
اس میں سے جو کہ ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کیا ہے۔ اور ردی
الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ
(ناکارہ) چیز کی طرف نیت مت لے جایا کرو کہ اس میں سے خرچ کر دو۔
وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۭ
حالانکہ تم کبھی اس کے لینے والے نہیں۔ ہاں مگر یہ کہ چشم پوشی کر جاؤ (تو اور
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ
بات ہے) اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی کے محتاج نہیں

جو ایسی ناکارہ چیزوں سے خوش ہوں ۱۲

حَمِيْدٌ ﴿۲۶۷﴾
تعریف کے لائق ہیں

یعنی ذات و صفات میں کامل ہیں تو ان کے دربار میں بھی ایسی چیز پیش کرنا چاہئے جو عمدہ اور قابل تعریف ہو شان نزول سے طیب کے معنی عمدہ لئے گئے کیونکہ بعض لوگ خراب چیزیں لے آئے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی تھی اور بعض نے طیب کی تفسیر حلال سے کی ہے کیونکہ پوری عمدہ جبھی ہوگی جب حلال بھی ہو اور پہلی تفسیر پر حلال ہونے کی شرط دوسرے دلائل سے ثابت کی جائے گی اور یاد رکھو کہ یہ اس شخص کے لئے ہے جس کے پاس عمدہ چیز ہو پھر بری نکمی چیز خرچ کرے اور جس کے پاس اچھی ہی نہیں وہ اس ممانعت سے بری ہے اس کی وہ بری چیز ہی قبول ہے

ربط: اب تنبیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے جو تم کو خرچ کرنے کی اور اس میں عمدہ مال کی رعایت کرنے کی ترغیب دی ہے اس میں شیطان بہکایا کرتا ہے تم اس پر مت عمل کرنا **الشیطان یعدکم تا اولوا الالباب**

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ
شیطان تم کو محتاجی سے ڈراتا ہے

کہ اگر خرچ کرو گے یا اچھا مال خرچ کرو گے تو محتاج ہو جاؤ گے۔

وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاۗءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ
اور تم کو بری بات (یعنی بخل) کا مشورہ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ کرتا ہے
مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۭ
اپنی طرف سے گناہ معاف کر دینے کا اور زیادہ دینے کا

اگر تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اچھا مال خرچ کرو کیونکہ نیک جگہ خرچ کرنا طاعت ہے اور طاعت سے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے اور حق تعالیٰ اس کا عوض کسی کو صرف آخرت میں اور کسی کو دنیا میں بھی بہت زیادہ دیا کرتے ہیں ۱۲

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۸﴾ۖۙ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ
اور اللہ تعالیٰ وسعت والے ہیں خوب جاننے والے ہیں دین کا فہم جس کو
مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ
چاہتے ہیں دے دیتے ہیں اور (سچ تو یہ ہے کہ) جس کو دین کا فہم مل جاوے
اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ
اس کو بڑی خیر کی چیز مل گئی اور نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقل والے

أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴿٢٦٩﴾

ہیں (یعنی جو عقل صحیح رکھتے ہیں)

یعنی صحیح عقل رکھتے ہیں اور یہاں شیطان کے ڈرانے سے مراد وہ دور دراز کے اوہام ہیں جو نیک کام میں خرچ کرنے کے وقت باوجود گنجائش ہونے کے کبھی کبھی خیال میں آیا کرتے ہیں اکثر بخیل لوگ ایسے وہم میں مبتلا رہتے ہیں۔ یہ شیطانی وسوسہ ہے اس پر عمل کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ جب گنجائش ہے تو بقدر مناسب خرچ کرنے سے محتاجی کا احتمال ہی غلط ہے پس حاصل آیت کا یہ ہوا کہ ایسے خرچ کرنے میں ضرر تو بالکل نہیں نفع ہر طرح کا ہے کہ مغفرت بھی ملے اور فضل بھی پس عقل کا مقتضی یہی ہے کہ ایسی حالت میں شیطانی وسوسہ کو ہرگز قبول نہ کرے البتہ اگر گنجائش نہ ہو اور ظاہری اسباب وقرائن سے محتاجی کا اندیشہ قوی ہو تو ایسے شخص کو صدقات و تبرعات سے شریعت خود روکتی ہے اور اس کے خرچ نہ کرنے کو بخل بھی نہیں کہہ سکتے اور دین کی فہم زیادہ نافع اس وجہ سے ہے کہ اس کے عقائد درست ہوتے ہیں اعمال کی توفیق ہوتی ہے اور عقائد واعمال پر آخرت میں نجات و ثواب مرتب ہوگا اور دنیا کی کوئی نعمت ثواب ونجات کی برابری نہیں کر سکتی۔

وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ

اور تم لوگ جو کسی قسم کا خرچ کرتے ہو یا کسی طرح کی نذر مانتے ہو

مِنْ نَذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ ۗ وَمَا

سو اللہ تعالیٰ کو سب کی یقیناً اطلاع ہے اور بے جا کام کرنے والوں

لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿٢٧٠﴾

کا کوئی ہمراہی (اور حمایتی) نہ ہو گا

ربط: اوپر خرچ کرنے کے بارہ میں جن شرائط کا حکم فرمایا ہے اب اس رعایت کی تاکید ایک خاص پیرایہ میں فرماتے ہیں کہ ہم کو سب خبر رہا کرتی ہے ہر کام کو درستی کے ساتھ کیا کرو **وما انفقتم تا من انصار**

کسی قسم کا خرچ کرنے میں سب خرچ داخل ہو گئے وہ بھی جن میں شرائط مذکورہ کی رعایت ہو اور وہ بھی جن میں سب شرائط کی یا بعض کی رعایت نہ ہو مثلاً نیک کام میں خرچ نہ کیا ہو یا ریا سے کیا ہو یا عمدہ مال نہ ہو یا احسان جتلایا ہو یا ایذا رسانی کی ہو اسی طرح نذر کرنے میں سب نذریں آ گئیں اور مقصود اس اطلاع سے یہ ہے کہ ہم سب کی جزا و سزا دیں گے اس سے سننے والوں کو شرائط مذکورہ کی پابندی کا شوق ہوگا اور خلاف کرنے سے ڈریں گے۔

إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۖ

اگر تم ظاہر کر کے دو صدقوں کو تب بھی اچھی بات ہے اور اگر ان کا اخفا کرو

وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ

اور فقیروں کو دے دو تو یہ اخفا تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ

فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ ۚ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ

(اس کی برکت سے) تمہارے کچھ گناہ بھی دور کر دیں گے

مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ

اور اللہ تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے کاموں کی خوب

خَبِيرٌ ﴿٢٧١﴾

خبر رکھتے ہیں

امام حسن بصریؒ کا قول ہے کہ یہ آیت فرض اور نفل سب صدقات کو شامل ہے اور سب میں اخفاء ہی افضل ہے اس میں دینی و دنیاوی سب طرح کے منافع ہیں **ربط**: اب یہ بتلاتے ہیں کہ صدقہ خیرات دینے میں مسلمان کی تخصیص نہیں اگر کافر بھی حاجت مند ہو اس کے ساتھ احسان کرنے سے دریغ مت کرو بشرطیکہ وہ اہل اسلام کو ضرر پہنچانے کے لئے آمادہ نہ ہو۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ

ان (کافروں) کو ہدایت پر لے آنا کچھ آپ کے ذمہ (فرض واجب) نہیں ولیکن خدا تعالیٰ

يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ

جس کو چاہیں ہدایت پر لے آویں۔ اور (اے مسلمانو) جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اپنے

خَيْرٍ فَلِأَنْفُسِكُمْ ۚ وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا

فائدے کی غرض سے کرتے ہو۔ اور تم اور کسی غرض سے خرچ نہیں کرتے بجز رضا جوئی

ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ ۚ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ

ذات پاک حق تعالیٰ کے اور (نیز) جو کچھ مال خرچ کر رہے ہو یہ سب (یعنی اس کا

خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴿٢٧٢﴾

ثواب) پورا پورا تم کو مل جاوے گا اور تمہارے لئے اس میں ذرا بھی کمی نہ کی جاوے گی۔

پس تم کو ثواب سے مطلب رکھنا چاہئے اور یہ ثواب ہر حال میں ملے گا پھر تم کو اس سے کیا بحث کہ ہمارا صدقہ مسلمان ہی کو ملے۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ

(صدقات) اصل حق ان حاجت مندوں کا ہے جو مقید ہو گئے ہوں اللہ کی راہ

اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ز

میں (اور اس وجہ سے) وہ لوگ کہیں ملک میں چلنے پھرنے کا (عادتاً) امکان نہیں

يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ج

رکھتے (اور) ناواقف ان کو تونگر خیال کرتا ہے ان کے سوال سے بچنے کے سبب

تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ج لَا يَسْـَٔلُوْنَ

سے (البتہ) تم ان کو ان کے طرز سے پہچان سکتے ہو (کہ فقر وفاقہ سے چہرہ پر اثر

النَّاسَ اِلْحَافًا ط

ضرور آ جاتا ہے) وہ لوگوں سے لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے

للفقراء الذین تا علیم جس سے کوئی ان کو حاجت مند سمجھے مطلب یہ ہے کہ وہ بالکل مانگتے ہی نہیں کیونکہ جو لوگ مانگنے کے عادی ہیں وہ لپٹ کر ہی مانگا کرتے ہیں۔

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ

اور جو مال خرچ کرو گے بیشک حق تعالیٰ کو اس کی خوب

عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾ ع

اطلاع ہے

دوسروں کو دینے سے فی نفسہ ان کی خدمت کا ثواب زیادہ ملے گا اور فی نفسہ قید لگانے کی وجہ ربط کی تقریر سے معلوم ہو چکی ہے۔ کہ اصل میں تو زیادہ ثواب اسی میں ہے کہ خادمان دین کو دیا جائے لیکن کسی عارض کی وجہ سے دوسروں کو دینے میں بھی زیادہ ثواب ہونا ممکن ہے مثلاً دوسروں کو ان سے زیادہ حاجت ہو یا ان کی خدمت کرنے والے اور لوگ بھی ہیں اور دوسرا کوئی محتاج ایسا ہے کہ اس کی خبر لینے والا کوئی نہیں جہاں یہ عوارض نہ ہوں وہاں یہ لوگ خدمت کے لئے زیادہ افضل ہیں اور جاننا چاہئے کہ ہمارے ملک میں اس آیت کے سب سے زیادہ مصداق وہ حضرات ہیں جو علوم دینیہ کی خدمت واشاعت میں مشغول ہیں اس بناء پر سب سے اچھا مصرف طالب علم ٹھہرے اور ان پر جو بعض ناتجربہ کاروں کا یہ طعن ہے کہ کیا ان سے کمایا نہیں جاتا اس کا جواب قرآن مجید میں دے دیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص ایسے دو کام نہیں کر سکتا جن میں سے ہر ایک کے لئے یا صرف ایک کے لئے پوری مشغولی کی ضرورت ہو اور جس کو علم دین کا کچھ بھی مذاق ہو گا وہ مشاہدہ سے سمجھ سکتا ہے کہ اس میں غایت درجہ مشغولی وانہماک کی حاجت ہے اس لئے اس کے ساتھ مال کمانے کا شغل جمع نہیں ہو سکتا اور ایسا کرنے سے علم دین کی خدمت ناتمام رہ جاتی ہے چنانچہ اس کی ہزاروں نظائر پیش نظر ہیں پس حفاظت دین کے لئے ایک ایسی جماعت کی ضرورت ہے جو اسی میں منہمک رہیں اور ان کی خدمت کرنا مسلمانوں کے ذمہ فرض ہے ربط: آگے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ نیک کام میں خرچ کرنے کے لئے کسی زمانہ اور کسی حالت کی قید نہیں جب موقع ہو خرچ کرنا چاہئے سب مقبول ہے۔ والذین ینفقون تا یحزنون

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ

جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو رات میں

وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ

اور دن میں (یعنی بلاتخصیص اوقات) پوشیدہ اور آشکارا (یعنی بلاتخصیص

اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ج وَلَا خَوْفٌ

حالات) سو ان لوگوں کو ان کا ثواب ملے گا ان کے رب کے پاس

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾

اور نہ ان پر کوئی خطرہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب موقع ہو اسی وقت خرچ کرنا چاہئے اس سے یہ سمجھ میں آ گیا ہو گا کہ پوشیدہ خرچ کرنا اسی وقت افضل ہے جبکہ ظاہر کر کے دینے کی ضرورت نہ ہو اور اگر مثلاً مجمع عام میں ایک شخص کا بھوک سے دم نکلا جاتا ہے اور ہم اس کو نفع پہنچا سکتے ہیں تو اب وہاں یہ انتظار کرنا کہ جب سارے ہٹ جائیں اس وقت اس کی خبرگیری کریں گے اسی مثل کا مصداق ہو گا کہ تا تریاق از عراق آوردہ شود مار گزیدہ مردہ شود اور یہ جو کہا گیا ہے کہ ان پر کوئی خطرہ واقع ہونے والا نہیں اس سے یہ شبہ جاتا رہا کہ قیامت کے روز تو خاص بندے بھی بڑے خوف وخطر میں مشغول ہوں گے جواب یہ ہوا کہ گو خود ان کو خطرہ ہو مگر جس امر کا خطرہ ہے وہ ان کو پیش نہ آئے گا۔ ربط: مضامین انفاق کی تفصیل ہو چکی اب بقیہ احکام منجملہ ابواب البر کے بیان کئے جاتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ

(اور) جو لوگ سود کھاتے ہیں نہیں کھڑے ہوں گے (قیامت میں قبروں سے)

إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ

مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے ایسا شخص جس کو شیطان خبطی بنا دے لپٹ کر

مِنَ الْمَسِّ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ

(یعنی حیران و مدہوش) یہ سزا اس لئے ہوگی کہ ان لوگوں نے کہا تھا کہ بیع بھی

مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ

تو مثل سود کے ہے

یعنی سود کے حلال ہونے پر اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ سود سے بھی نفع حاصل کرنا مقصود ہے اور بیع سے بھی جب بیع حلال ہے تو سود بھی جو اس کے مثل ہے حلال ہونا چاہئے۔

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۭ

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کر دیا ہے

یعنی دونوں میں کھلا فرق ہے اس سے زیادہ اور کیا فرق ہوگا کہ ہم نے ایک کو جائز کیا ہے اور ایک کو ناجائز اور یہ جواب حاکمانہ ہے۔

فَمَنْ جَاۗءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى

پھر جس شخص کو اس کے پروردگار کی طرف سے نصیحت پہنچی اور وہ باز آ گیا

سود لینے سے بھی اور اس کو حلال سمجھنے سے بھی یعنی حرام سمجھنے لگا اور لینا بھی چھوڑ دیا۔

فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۭ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ

تو جو کچھ پہلے (لینا) ہو چکا ہے وہ اسی کا رہا اور (باطنی) معاملہ اس کا خدا کے حوالہ رہا

یعنی ظاہر شرع میں اس کی توبہ قبول ہو چکی اور پہلا لیا ہوا مال اسی کی ملک ہے۔

وَمَنْ عَادَ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ

اور جو شخص پھر عود کرے تو یہ لوگ دوزخ میں جاویں گے

یعنی جو لوگ صرف سود لیتے ہیں اور اس کو حلال نہیں کہتے وہ دوزخ میں سزا بھگتنے کو جائیں گے کیونکہ ان کا یہ فعل گناہ کبیرہ ہے اور جو لوگ اس کو حلال کہتے ہیں وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے کیونکہ ان کا یہ قول کفر ہے۔

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝٢٧٥ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا

وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں

وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۭ

اور صدقات کو بڑھاتے ہیں

یعنی اگرچہ سود لینے سے فی الحال مال بڑھتا نظر آتا ہے مگر مآل کار بربادی ہے کبھی تو دنیا ہی میں سب برباد ہو جاتا ہے ورنہ آخرت میں بربادی یقینی ہے کیونکہ وہاں اس پر عذاب ہوگا بخلاف اس کے صدقہ دینے میں گو فی الحال مال گھٹتا معلوم ہوتا ہے مگر مآل کار ترقی ہے کبھی تو دنیا میں بھی ظاہر ہوتی ہے ورنہ آخرت میں تو یقینی ہے کیونکہ وہاں اس کا ثواب بہت زیادہ ملے گا چنانچہ اوپر بیان ہو چکا۔

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ۝٢٧٦

اور اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے کسی کفر کرنیوالے کو (اور) کسی گناہ کے کام کرنیوالے کو

کفر سے مراد وہ قول مذکور ہے کہ ربوا مثل بیع کے حلال ہے اور گناہ سے مراد سود لینا ہے ف آخرت میں جنون کی سی حالت ہونا قرآن سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سود لینے اور اس کو حلال سمجھنے کی وجہ سے ہوگی مگر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف سود لینے والے کی بھی ایسی ہی حالت ہوگی اگرچہ وہ حلال نہ بھی سمجھتا ہو روح المعانی میں عوف بن مالک سے مرفوعاً روایت نقل کی ہے قرآن میں جو سود لینے والوں کی حالت کو اس شخص کی حالت سے تشبیہ دی گئی ہے جس کو شیطان نے لپٹ کر خبطی بنا دیا ہو اس سے معلوم ہوا کہ آسیب کا لپٹ جانا ممکن امر ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ بعض جنات جو خبیث ہوتے ہیں وہ آدمی پر مسلط ہو جاتے ہیں جس سے وہ بدحواس ہو جاتا ہے نیز دیگر آیات سے بھی جنات کا ثبوت ہوتا ہے اور ان کے انگلی لگانے کے اثر سے بچہ کا رونا حدیث سے ثابت ہے اس لئے آیۃ میں اس تاویل کی ضرورت نہیں کہ یہ تشبیہ اہل عرب کے گمان کے موافق بیان کر دی گئی اور قرآن میں یہ نہیں کہا گیا کہ بدحواسی ہمیشہ آسیب لگنے ہی سے ہوتی ہے بلکہ آیت سے اتنا معلوم ہوا کہ جنات کے اثر سے بھی بدحواسی ہو جاتی ہے تو اگر کبھی مرض کی وجہ سے بھی بدحواسی ہو جائے تو اس سے ہمیں انکار نہیں ہے پس اس شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ بدحواسی اور جنون امراض کی قسم سے ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ بیشک مرض کی وجہ سے بھی کبھی ایسا ہوتا ہے اور آسیب کی وجہ سے بھی ہونا ممکن ہے تو اس میں کوئی وجہ اشکال کی نہیں پس اس قسم کے آثار کا انکار کرنا نری دہریت اور الحاد ہے بعض لوگوں کو اس آیت سے وما کان لی علیکم من سلطان الا ان دعوتکم الخ شبہ ہوا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتے کہ وہ برائی کی طرف بلاتے ہیں تو آسیب کا لپٹنا کوئی چیز نہیں

جواب یہ ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ شیاطین جبراً معصیت نہیں کرا سکتے اس سے اثر کی جس میں یہاں گفتگو ہے نفی نہیں ہوتی اس آیت میں صرف معاصی کی بابت حصر کے طور پر کہا گیا ہے کہ بجز ترغیب دینے کے اور زیادہ دخل شیطان کو گناہ کرانے میں نہیں دوسری باتوں کی اس سے نفی نہیں ہوتی البتہ یہ اب تک ثابت نہیں کہ مردوں کی روحیں آ کر ستاتی ہوں بلکہ ظاہراً یہ بات اس لئے غلط معلوم ہوتی ہے کہ اگر وہ نیک روح ہے تو جنت کی آسائش چھوڑ کر یہاں ایذا رسانی کے لئے اس کو آنے کی کیا ضرورت اور اگر وہ روح کسی بدکی ہے تو اس کو عذاب سے کب مہلت ۱۲

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے اور

وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ

(بالخصوص) نماز کی پابندی کی اور زکوۃ دی۔ ان کیلئے انکا ثواب ہوگا

أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

ان کے پروردگار کے نزدیک اور (آخرت میں) ان پر کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔

وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٧٧﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔ اے ایمان والو

اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا

اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اس کو چھوڑ دو۔

إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٢٧٨﴾ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا

اگر تم ایمان والے ہو۔ پھر اگر تم (اس پر عمل) نہ کرو گے تو اشتہار سن لو جنگ کا

فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ

اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے (یعنی تم پر جہاد ہوگا)

وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ

اور اگر تم توبہ کر لو گے تو تم کو تمہارے اصل اموال مل جاویں گے۔

لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿٢٧٩﴾

نہ تم کسی پر ظلم کرنے پاؤ گے اور نہ کوئی تم پر ظلم کرنے پائے گا۔

یعنی نہ تم اصل مال سے زیادہ لینے پاؤ گے اور نہ یہ ہوگا کہ تم کو اصل مال بھی نہ دلایا جائے گا آیت میں جو جہاد کے لئے فرمایا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر سود کو حلال سمجھ کر نہ چھوڑے تو وہ کافر ہے جیسے کفار کے ساتھ جہاد ہوتا ہے اسی طرح اس شخص پر ہوگا اور اگر سود کو حرام سمجھے مگر لینے سے باز نہ آوے تو اس پر جبر کیا جاوے گا مگر جبر دو چار پر تو چل سکتا ہے اگر وہ جبر کو نہ مانے بلکہ جماعت بندی کر کے مقابلہ سے پیش آوے تو ان پر بھی جہاد ہوا کیونکہ یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ اگر مسلمان کسی خاص حکم شرعی کے چھوڑنے پر اتفاق کر لیں تو خواہ وہ سنت ہی کیوں نہ ہو ان پر امام کو جہاد کرنا چاہئے۔

وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ

اور اگر تنگدست ہو تو مہلت دینے کا حکم ہے۔ آسودگی تک۔ اور یہ (بات) کہ

وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٨٠﴾

معاف ہی کر دو اور زیادہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم کو (اس کے ثواب کی) خبر ہو۔

مفلس کو مہلت دینا واجب ہے اور جب اس کو گنجائش ہو جائے پھر مطالبہ کرنا جائز ہے۔ ربط: چونکہ ان احکام میں کسی قدر مالی نقصان ہے اس لئے کچھ بعید نہیں کہ لوگ ان میں کوتاہی کریں اس لئے آئندہ آیت میں کوتاہی کرنے پر دھمکی دیتے ہیں۔ واتقوا یوماً تا لا یظلمون

وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ

اور اس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ تعالیٰ کی پیشی میں لائے جاؤ گے

ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ

پھر ہر شخص کو اس کا کیا ہوا (یعنی اس کا بدلہ) پورا پورا ملے گا اور ان پر کسی قسم کا

لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٨١﴾

ظلم نہ ہوگا۔

تم پیشی کے لئے اپنی کارگزاری درست رکھو اور کسی قسم کی خلاف ورزی مت کرو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ

اے ایمان والو! جب معاملہ کرنے لگو ادھار کا

خواہ دام ادھار ہوں جیسے روپیہ کے گیہوں یا ہزار روپیہ کا مکان خریدا اور دام دینے کا وعدہ چھ مہینہ بعد ٹھہرایا جو چیز خریدنا ہے وہ ادھار ہو جیسے کسی کو سو روپے دے دیئے اور یہ معاہدہ ٹھہرا کہ چھ مہینہ کے بعد فلاں غلہ اس قدر لیں گے جس کو عام لوگ بدھنی اور شریعت میں بیع سلم کہتے ہیں دونوں صورتیں شرعاً جائز ہیں البتہ ان

کے لئے بہت سی شرطیں ہیں جو کتب فقہ میں مذکور ہیں منجملہ ان کے ایک شرط کی طرف آیت میں بھی اشارہ ہے کہ مدت میعاد ٹھیک طور سے معین کریں جس میں اختلاف کی گنجائش نہ ہو مثلاً رمضان کی پندرہ تاریخ اور یوں نہ کہے کہ جب فصل کٹنے لگے گی کیونکہ فصل کٹنے کی ابتداء وانتہا میں بہت تفاوت ہوتا ہے۔

اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ

ایک میعاد معین تک (کے لئے) تو اس کو لکھ لیا کرو اور یہ ضرور ہے کہ تمہارے

بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪

آپس میں (جو) کوئی لکھنے والا (ہو وہ) انصاف کے ساتھ لکھے۔

یعنی کسی کی رعایت سے مضمون میں کمی بیشی نہ کرے اور یہ لکھنا تمام علماء کے نزدیک مستحب ہے اگر نہ لکھے لکھاوے تو گنہگار نہیں صرف مصلحت ہے تاکہ اختلاف کا احتمال بالکل نہ رہے اسی لئے یہ لکھنا دین کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اگر دونوں طرف سے لین دین نقد ہو پھر بھی لکھنا مصلحت ہو تو مضائقہ نہیں جیسے کوئی گاؤں خریدا اور بیع نامہ لکھوا لیا تاکہ آئندہ کوئی منکر نہ ہو جائے۔

وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ

اور لکھنے والا لکھنے سے انکار بھی نہ کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو (لکھنا)

اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ

سکھلا دیا اس کو چاہئے کہ لکھ دیا کرے

کاتب کو لکھنے کا حکم اور انکار سے ممانعت یہ بھی استحباب کے لئے ہے اسی واسطے اگر کاتب لکھنے پر اجرت لے تو جائز ہے۔

وَلْيُمْلِلِ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ

اور وہ شخص لکھوا دے جس کے ذمہ حق واجب ہو

کیونکہ دستاویز کا حاصل حق کا اقرار کرنا ہے تو جس کے ذمہ حق ہے اسی کا اقرار ضروری ٹھہرا۔

وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ

اور اللہ تعالیٰ سے جو اس کا پروردگار ہے ڈرتا رہے اور اس میں سے ذرہ برابر

شَيْـًٔـا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ

(بتلانے میں) کمی نہ کرے۔ پھر جس شخص کے ذمہ حق واجب تھا وہ اگر

سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا

خفیف العقل ہو یا ضعیف البدن ہو

خفیف العقل سے مراد وہ ہے جس کی عقل خراب ہو خواہ مجنون ہو یا بھولا بیوقوف اور ضعیف البدن سے مراد نابالغ یا بوڑھا ہے پس نابالغ اور مجنون و بیوقوف کی بیع وشراء واقرار تو شرعاً نا قابل اعتبار ہے ان کے معاملات اس قسم کے بدون ولی شرعی کی اجازت کے درست نہیں ہو سکتے ولی یا تو خود معاملہ کرے اور ان کے مال میں سے دام وغیرہ دے دے اور اگر یہ خود معاملہ کریں تو اگر ولی مطلع ہو کر کہہ دے کہ میں اس معاملہ کو جائز رکھتا ہوں تب درست ہوگا اور ایسا ولی جس کو ان کے مال میں تصرف کا حق حاصل ہو باپ ہے یا جس کو باپ نے وصیت کی اور دادا یا جس کو دادا نے وصیت کی یا حاکم شرعی اور بوڑھا اگر بدحواس ہو جائے تب تو اس کا بھی یہی حکم ہے ورنہ وہ خود معاملہ کر سکتا ہے۔ اور اگر اپنے آرام کے لئے کسی کو مختار کار کردے یہ بھی جائز ہے اس کو وکیل کہتے ہیں۔

اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ

یا خود لکھانے کی قدرت نہ رکھتا ہو

مثلاً گونگا ہے اور لکھنے والا اس کا اشارہ نہیں سمجھتا یا دوسرے ملک کا رہنے والا ہے لکھنے والا اس کی بولی نہیں سمجھتا اس صورت میں گونگے کا اشارہ سمجھنے والا اور غیر زبان کا جاننے والا جسے ترجمان کہتے ہیں کوئی معتبر آدمی ہونا چاہئے ۱۲

اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ

تو اس کا کارکن ٹھیک طور پر لکھوا دے۔

پس قرآن میں لفظ ولی بمعنے کارکن ولی شرعی اور وکیل اور ترجمان وغیرہ سب کو شامل ہے۔

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ

اور دو شخصوں کو اپنے مردوں میں سے گواہ (بھی) کر لیا کرو

یعنی معاملہ دین پر علاوہ دستاویز لکھنے کے دو آدمیوں کی گواہی بھی کرا لو تاکہ معاملہ پختہ ہو جائے۔

فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ

پھر اگر وہ دو گواہ مرد (میسر) نہ ہوں۔ تو ایک مرد اور دو عورتیں (گواہ بنا لئے

مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ

جاویں) ایسے گواہوں میں۔ سے جن کو تم پسند کرتے ہو تاکہ ان دونوں عورتوں

اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ط

میں سے کوئی ایک بھی بھول جاوے تو ان میں ایک دوسری کو یاد دلا دے۔

یعنی ایک مرد کی جگہ دو عورتیں اس لئے تجویز ہوئیں کہ عورتوں میں سہو زیادہ ہے ورنہ مضمون کو ناتمام بیان کرنے کا مرض تو سب میں ہے اس لئے شہادت کا وہ حصہ جو ایک کے بیان سے چھوٹ جائے گا دوسری پورا کر سکے گی۔

وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ط

اور گواہ بھی انکار نہ کیا کریں جب (گواہ بننے کے لئے) بلائے جایا کریں

کہ اس میں اپنے بھائی کی اعانت ہے پس گواہ بننا تو مستحب ہے مگر بن جانے کے بعد بعض صورتوں میں فرض ہے جیسا کہ عنقریب بعد کی آیت میں آئے گا۔

وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا

اور تم اس دین کے بار بار لکھنے سے اکتایا مت کرو خواہ وہ (معاملہ) چھوٹا ہو یا بڑا ہو۔

اِلٰٓى اَجَلِهٖ ط ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ

یہ لکھ لینا انصاف کا زیادہ قائم رکھنے والا ہے اللہ کے نزدیک اور شہادت کا

لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ

زیادہ درست رکھنے والا ہے اور زیادہ سزاوار ہے اس بات کا کہ تم (معاملہ

تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ

کے متعلق کسی شبہ میں نہ پڑو مگر یہ کہ کوئی سودا دست بدست ہو جس کو باہم لیتے

فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ط

دیتے ہو تو اس کے نہ لکھنے میں تم پر کوئی الزام نہیں۔

مراد یہ ہے کہ دنیا کی کوئی مضرت نہیں ورنہ گناہ تو کسی معاملہ کے نہ لکھنے میں بھی نہیں اور نقد لین دین میں لکھنے کا اہتمام نہ فرمانا اس لئے ہے کہ ایسے معاملات بکثرت ہوتے ہیں اور دست بدست ہونے سے اختلاف ونزاع کا بہت کم اندیشہ ہے تو لکھنے میں حرج اور تنگی ہوگی اس سے یہ بھی مستنبط ہو سکتا ہے کہ اگر کسی نقد لین دین میں بھی اس قسم کا احتمال ہو مثلاً یہ کہ بہت بڑا معاملہ ہے جو نادر الوقوع ہے اور آئندہ اختلاف کا احتمال ہے تو اس میں کتابت مطلوب ہوگی چنانچہ عادت بھی ہے کہ بڑے بڑے معاملات کی دستاویزیں برابر لکھی جاتی ہیں گو ادھار نہ ہو

وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ص

اور (اتنا اس میں بھی ضرور کیا کرو کہ) خرید وفروخت کے وقت گواہ کر لیا کرو

شاید آئندہ کوئی بات نکل آوے مثلاً بائع کہنے لگے کہ مجھ کو دام ہی وصول نہیں ہوئے یا یہ کہ میں نے یہ چیز فروخت نہیں کی یا خریدار کہنے لگے کہ میں نے تو واپسی کا اختیار بھی لیا تھا یا یہ کہے کہ ابھی تک مبیع پوری میرے پاس نہیں پہنچی۔

وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ط

اور کسی کاتب کو تکلیف نہ دی جائے اور نہ کسی گواہ کو

یعنی جس طرح ہم نے اوپر کاتب اور گواہ کو منع کیا ہے کہ لکھنے سے اور گواہی دینے سے انکار نہ کریں اسی طرح ہم تم کو بھی تاکید کرتے ہیں کہ ان کو تکلیف مت دو مثلاً یہ کہ اپنی مصلحت کے لئے ان کی کسی مصلحت میں خلل ڈالا جائے۔

وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ط

اور اگر تم ایسا کرو گے تو اس میں تم کو گناہ ہوگا اور خدا تعالیٰ سے ڈرو اور اللہ

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ط وَاللّٰهُ بِكُلِّ

تعالیٰ کا (تم پر احسان ہے) کہ تم کو تعلیم فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب چیزوں

شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾

کے جاننے والے ہیں

تو وہ مطیع اور عاصی کو بھی جانتے ہیں ہر ایک کو مناسب جزا دیں گے حق تعالیٰ نے لکھنے میں تین فائدے بتلائے ہیں اول یہ کہ ایک کا حق دوسرے کے پاس نہ جائے گا نہ رہے گا تو حقوق العباد سے حفاظت رہے گی دوسرے کا حاصل یہ ہے کہ گواہوں کو آسانی ہوگی تیسرے کا حاصل یہ ہے کہ معاملہ والوں کا جی صاف رہے گا طبیعت صاف رہے گی دوسرے سے قلب میں کدورت نہ ہوگی اور ان فائدوں کو اس طرح بیان فرمانا قرینہ ہے کتابت اور شہادت کے مستحب ہونے کا البتہ کاتب اور گواہوں کو ضرر پہنچانا حرام ہے اور کاتب اگر اجرت مانگے یا گواہ کو آمد ورفت کے خرچ کی ضرورت ہو تو اس کو مفت کام کرنے پر مجبور کرنا یہ بھی حرام ہے اور ضرر پہنچانے میں داخل ہے ۱۲

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا

اور اگر تم کہیں سفر میں ہو اور (وہاں) کوئی کاتب نہ پاؤ سو رہن رکھنے کی

فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ط فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ

چیزیں (ہیں) جو قبضہ میں دے دی جاویں اور اگر ایک دوسرے کا اعتبار کرتا

بَعۡضًا فَلۡيُؤَدِّ الَّذِى اؤۡتُمِنَ اَمَانَتَهٗ

ہوتو جس شخص کا اعتبار کرلیا گیا ہے (یعنی مدیون) اس کو چاہئے کہ دوسرے کا

وَلۡيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ

حق (پورا پورا) ادا کردے اور اللہ تعالیٰ سے جو کہ اس کا پروردگار ہے ڈرے

جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ جس طرح سفر میں رہن رکھنا جائز ہے۔ حضر میں بھی جائز ہے آیت میں سفر کی تخصیص اس وجہ سے ہے کہ سفر میں اس کی ضرورت زیادہ پڑے گی کیونکہ حضر میں اور بھی ذرائع اطمینان کے مل سکتے ہیں۔ جیسے لکھنا گواہ کر دینا جو سفر میں اکثر میسر نہیں ہوتے۔ ولا تکتموا الشھادۃ تا علیم اس کا بھی ماقبل سے تعلق ظاہر ہے اور چونکہ یہ حکم تمام معاملات مالی وغیر مالی کو عام ہے اس لئے احقر نے اس کو مضمون سابق کے تابع نہیں کیا بلکہ مستقل حکم قرار دیا۔

وَلَا تَكۡتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنۡ يَّكۡتُمۡهَا

اور شہادت کا اخفاء مت کرو اور جو شخص اس کا اخفا کرے گا

فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلۡبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ

اس کا قلب گناہ گار ہوگا اور اللہ تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے کاموں کو خوب

عَلِيۡمٌ ﴿۲۸۳﴾

جانتے ہیں۔

سو اگر کوئی اخفاء کرے گا تو اللہ تعالیٰ کو تو اس کا علم ہے وہ سزا دیں گے گواہی کا اخفاء دو طرح ہے ایک یہ کہ بالکل بیان نہ کرے دوسرے یہ کہ غلط بیان کرے دونوں صورتیں حرام ہیں ہر صورت میں اصل واقعہ مخفی ہو گیا گواہی دینا اس وقت فرض ہے جب کہ حقدار کا حق اس کی شہادت کے بدوں ضائع ہونے لگے اور وہ درخواست بھی کرے اس وقت شہادت دینے سے انکار کرنا حرام ہے اور اگر صاحب واقعہ کو علم نہ ہو کہ اس شخص کو میرا واقعہ معلوم ہے تو حق ضائع ہونے کی صورت میں اس پر ظاہر کر دینا واجب ہے اگر اس کے بعد بھی وہ گواہی دینے کی تم سے درخواست نہ کرے تو اب یہ واجب نہیں کہ خود جا کر گواہی دیتے پھرو مسئلہ: چونکہ ادائے شہادت واجب ہے لہٰذا اس پر اجرت لینا جائز نہیں البتہ آمد و رفت کا خرچ اور خوراک بقدر حاجت صاحب معاملہ کے ذمہ ہے اگر زیادہ آ جائے تو بقیہ واپس کر دے فائدہ: دل کو اس لئے گنہگار کہا کہ کوئی شخص اس کو خالی زبان ہی کا گناہ نہ سمجھے کیونکہ ارادہ تو دل ہی سے ہوا ہے دل کا بھی گناہ ہوا ربط: شہادت کے اخفاء کرنے میں قلب کا بھی گناہ بتلایا گیا ہے آگے اس مسئلہ کی تحقیق فرماتے ہیں کہ دل کے بدنما افعال میں کس فعل پر گناہ ہوتا ہے اور کس فعل پر نہیں یہ مضمون وان تبدوا سے شروع ہو کر ما اکتسبت پر ختم ہو گیا اور للہ ما فی السمٰوات میں اس کی تمہید ہے اور آخر میں بضمن دعا اس کی تائید ہے۔ للہ ما فی السموات تا قدیر

لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ

اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں سب جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں

وَاِنۡ تُبۡدُوۡا

ہیں۔ اور جو باتیں تمہارے نفسوں میں ہیں۔

مثلاً عقائد فاسدہ و اخلاق ذمیمہ و ارادہ معاصی

مَا فِىۡۤ اَنۡفُسِكُمۡ

ان کو اگر تم ظاہر کرو گے

مثلاً زبان سے کلمہ کفر کہہ دیا یا تکبر کر کے کہہ دیا کہ میں فلانے سے اچھا ہوں یا جس معصیت کا ارادہ تھا اسے کر ڈالا۔

اَوۡ تُخۡفُوۡهُ يُحَاسِبۡكُمۡ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغۡفِرُ لِمَنۡ

یا کہ پوشیدہ رکھو گے حق تعالیٰ تم سے حساب لیں گے۔ پھر (بجز کفر و شرک کے)

يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى

جس کے لئے منظور ہوگا بخش دینگے اور جس کو منظور ہوگا سزا دیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ

كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۲۸۴﴾

ہر شے پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں

تو دل کے اندر چھپی ہوئی بات پر مطلع ہو کر اس پر حساب لینا کوئی تعجب کی بات نہیں حاصل مسئلہ کا یہ ہوا کہ مراد ما فی انفسکم سے دل کی وہ باتیں ہیں جو اپنے اختیار میں ہیں پس جس طرح زبان اور تمام ظاہری اعضاء کے افعال دو قسم پر ہیں ایک اختیاری جیسے ارادہ کر کے بولنا اور قصداً کسی کو مارنا اور ایک غیر اختیاری جیسے کہ کہنا کچھ چاہتا تھا اور زبان سے کچھ اور نکل گیا یا رعشہ کی وجہ سے ہاتھ کو حرکت ہو رہی ہے اور ان میں افعال اختیاریہ پر ثواب و عذاب ہوتا ہے اور غیر اختیاری پر نہیں ہوتا یہی حال قلبی افعال کا ہے کہ جو اختیاری ہیں جیسے کفر کا عقیدہ جمانا یا قصداً اپنے کو بڑا سمجھنا یا شراب و زنا وغیرہ کا پختہ ارادہ کرنا ان پر مواخذہ ہوگا اور جو غیر

اختیاری ہیں جیسے برے برے وسوسے کفر ومعصیت کے بلا ارادہ دل میں آویں ان پر مواخذہ نہ ہوگا نیز جیسا کہ ظاہری اقوال وافعال میں بجز کفر کے اور سب میں مغفرت یا عذاب غیر دائمی کا احتمال ہے اسی طرح قلبی افعال میں بھی بجز کفر وشرک کے دونوں احتمال ہیں مگر چونکہ آیت میں صراحۃً اختیار وغیر اختیار کی قید مذکور نہ تھی اس لئے صحابہ ظاہری الفاظ کو دیکھ کر گھبرا گئے اور یہ سمجھے کہ وساوس وخیالات بلا ارادہ پر بھی مواخذہ ہوگا اس لئے حضور سے عرض کیا کہ یارسول اللہ اب تک جن افعال کا ہم کو حکم دیا گیا وہ ہماری طاقت واختیار میں تھے مگر اب جو آیت نازل ہوئی ہے یہ تو ہماری طاقت سے باہر ہے ہر چند کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کا صحیح مطلب جانتے تھے لیکن غایت خوف وخشیت کی وجہ سے آپ کی نظر بھی آیت کے عام الفاظ کی طرف پہنچی اور بدوں وحی کے از خود اختیار وغیر اختیار کی قید تفسیر میں ظاہر نہ فرمائی بلکہ صحابہ کو ادب وطاعت کی تعلیم کرتے ہوئے فرمایا کہ تم چاہتے ہو کہ اہل کتاب کی طرح سمعنا و عصینا کہو بلکہ یوں کہنا چاہئے سمعنا و اطعنا غفرانک ربنا و الیک المصیر چنانچہ صحابہ نے یوں ہی کہا مگر جو معنی وہ سمجھے ہوئے تھے اس کی بناء پر اطاعت کا عہد کرتے ہوئے زبان لڑکھڑاتی تھی اس پر حق تعالیٰ نے اگلی دو آیتیں نازل فرمائیں ایک میں مسلمانوں کی مدح اور دوسری میں آیت بالا کی تفسیر ہے۔ آمن الرسول تا الیک المصیر

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ
اعتقاد رکھتے ہیں رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اس چیز کا جو ان کے پاس ان کے
رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ
رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور مومنین بھی

آگے قرآن پر اعتقاد رکھنے کی تفصیل ہے کہ کن کن چیزوں کے ماننے کو قرآن پر اعتقاد رکھنا کہا جاوے گا۔۱۲

كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ
سب کے سب عقیدہ رکھتے ہیں اللہ کے ساتھ اور اس کے فرشتوں کے ساتھ اور اس کی کتابوں کے ساتھ اور اس کے پیغمبروں کے ساتھ
لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ
کہ ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے۔

یعنی رسول اور سب مسلمان اللہ کو موجود و واحد اور ذات وصفات میں کامل جانتے ہیں اور فرشتوں کو موجود اور گناہوں سے پاک اور مختلف خدمات پر مقرر مانتے ہیں اور آسمانی کتابوں کے دراصل سچے ہونے کا اور سب پیغمبروں کی نبوت اور سچائی کا اعتقاد رکھتے ہیں یہ نہیں کہ کسی کو پیغمبر سمجھیں اور کسی کو نہ سمجھیں یہاں صرف مسلمانوں کی مدح فرمانا مقصود ہے مگر تائید کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان کو بھی شامل کر لیا جس سے صحابہ کے کمال ایمانی کی طرف اشارہ ہو گیا۔

وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۤ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا
اور ان سب نے یوں کہا کہ ہم نے (آپ کا ارشاد) سنا اور خوشی سے مانا ہم آپ کی
وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾
بخشش چاہتے ہیں اے ہمارے پروردگار اور آپ ہی کی طرف (ہم سب کو) لوٹنا ہے

یہ مدح تو جملہ معترضہ کے طور پر ہے آگے اس قانون کی تفسیر وتوضیح فرماتے ہیں۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا
اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلف نہیں بناتا مگر اسی کا جو اس کی طاقت (اور اختیار) میں
كَسَبَتْ
ہو اس کو ثواب بھی اسی کا ہوتا ہے جو ارادہ سے کرے۔

اور جو وسعت سے باہر ہے اس کا مکلف نہیں کیا گیا ربنا لا تؤاخذنا تا الکفرین

وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ
اور اس پر عذاب بھی اسی کا ہوگا جو ارادہ سے کرے۔ اے ہمارے رب ہم
اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ
پر دارو گیر نہ فرمایئے اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں اے ہمارے رب اور
عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ
ہم پر کوئی سخت حکم نہ بھیجئے جیسے ہم سے پہلے لوگوں پر آپ نے بھیجے تھے۔ اے
قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ
ہمارے رب اور ہم پر کوئی ایسا بار (دنیا یا آخرت کا) نہ ڈالئے جس کی ہم کو
لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۟ وَاغْفِرْ لَنَا ۟
سہار نہ ہو۔ اور درگذر کیجئے ہم سے اور بخش دیجئے ہم کو۔ اور رحمت کیجئے ہم

وَارْحَمْنَا وقفۃ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ

پر۔ آپ ہمارے کارساز ہیں (اور کارساز طرفدار ہوتا ہے) سو آپ ہم کو

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾

کافر لوگوں پر غالب کیجئے۔

اس آیت میں نسیان وخطا کا مضمون تو اوپر کے مضمون کا تتمہ ہے کیونکہ نسیان وخطا پر مواخذہ نہ ہونا اجمالاً قاعدہ کلیہ سے معلوم ہو چکا ہے اور یہ جملہ کہ ہم پر کوئی سخت حکم نہ بھیجئے تامل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لا یکلف اللہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ طاقت سے باہر کوئی حکم حق تعالیٰ نہیں دیتے تو جو سخت احکام پہلی امتوں پر نازل کئے گئے تھے وہ یقیناً ان کی طاقت سے باہر نہ تھے جب پہلی امتوں جیسے سخت احکام نازل نہ کرنے کی دعاء سکھلائی گئی تو اس سے بدرجہ اولیٰ ان امور کے مکلف نہ بنانے کی بھی دعا ہوگئی جو انسانی طاقت سے باہر ہیں یہاں تک تو شرعی تکالیف واحکام کے متعلق دعا تھی آگے تکوینی تکالیف سے بچنے کی دعا ہے جس میں دنیا وآخرت کے سب مصائب و عذاب داخل ہوگئے پھر اپنے ذاتی مصالح کے ختم کے بعد اپنے دشمنوں پر غلبہ کی دعا ہے جس پر سب معاملات کی درستی مکمل ہوگئی یعنی محبوب کے ساتھ جو تعلق ہے وہ بھی درست ہوگیا اور دشمن کے ساتھ جو معاملہ ہے وہ بھی خاطر خواہ ہوگیا حدیث میں ہے کہ یہ سب دعائیں قبول ہوئیں بعض میں تو ظاہر ہے اور بعض میں اگر شبہ ہو تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ کسی وقت قبول نہ ہونے میں قبول سے زیادہ ظاہری اور باطنی مصلحتیں اور منافع ہوتے ہیں تو وہ قبول نہ ہونا بھی قبول ہے کیونکہ قبول خود مقصود نہیں بلکہ اصل مقصود مصلحت ہے اور اجیب دعوة الداع کی تفسیر بھی ملاحظہ کرلی جائے۔

(۳) سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ (۸۹)

سورۃ آل عمران مدینے میں نازل ہوئی اور اس میں دو سو آیتیں اور بیس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

الٓمّٓ ﴿۱﴾

الٓمّٓ

سورة آل عمران مدنية و ايها مائتان ربط: میرے نزدیک یہ تمام سورۃ جملہ وانصرنا على القوم الكفرين سے مرتبط ہے کیونکہ اس سورۃ کے زیادہ حصے میں کفار کے ساتھ جہاد کرنے کا ذکر ہے خواہ زبان سے ہو خواہ تلوار سے اور چونکہ منشاء جہاد کا یہ تھا کہ وہ توحید کو نہ مانتے تھے اس لئے اس سورت کو مضمون توحید سے شروع فرماتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الٓمّٓ اس کے معنی تو اللہ ہی کو معلوم ہیں اللہ لا الٰہ الا هو الحی القیوم

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ﴿۲﴾

اللہ تعالیٰ ایسے ہیں کہ ان کے سوا کوئی قابل معبود بنانے کے نہیں وہ زندہ (جاوید) ہیں سب چیزوں کے سنبھالنے والے ہیں

حی و قیوم ان صفات کے لانے سے اشارۃً دلیل عقلی سے معبودان باطلہ کے معبود نہ ہونے کو ثابت کردیا کیونکہ ان میں یہ صفتیں نہیں ہیں اور جو چیز نہ ہمیشہ سے ہو اور نہ ہمیشہ رہے اور اپنی حفاظت میں خود دوسرے کے محتاج ہو وہ معبود بننے کے لائق نہیں ہوسکتی کیونکہ عبادت غایت درجہ ذلیل بننے کو کہتے ہیں اور غایت درجہ ذلیل اسی کے سامنے ہونا چاہئے جسے غایت درجہ کی عزت حاصل ہو اور غایت درجہ کی عزت اسی کو ہو سکتی ہے جو کہ غایت درجہ کا کامل ہو اور جو حیات و بقا میں خود دوسرے کا محتاج ہو وہ تو غایت درجہ ناقص ہے پس عبادت اس کا حق نہیں ہوسکتا

ربط: اب توحید کی دلیل نقلی ذکر فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ تمام کتب الٰہیہ واقوال انبیاء جن کا نبی ہونا معجزات سے ثابت ہے توحید پر متفق ہیں اور اس دلیل کے ضمن میں نزل علیک الکتٰب سے نبوت محمدیہ کی طرف بھی اشارہ فرمادیا نزل علیک تا الفرقان۔

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ

اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس قرآن بھیجا ہے واقعیت کے ساتھ اس کیفیت سے

يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۳﴾

کہ وہ تصدیق کرتا ہے ان (آسمانی) کتابوں کی جو اس سے پہلے ہوچکی ہیں اور

مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ

(اسی طرح) بھیجا تھا توریت اور انجیل کو اس کے قبل لوگوں کی ہدایت کے واسطے

اور اسی سے قرآن کا ہدایت ہونا بھی لازم آگیا کیونکہ جو ہدایت کا مصدق ہے وہ بھی ہدایت ہے۔

وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ

اور اللہ تعالیٰ نے بھیجے معجزات

انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کے واسطے ربط: آگے منکران

توحید کی شان میں وعید بیان فرماتے ہیں ان الذین کفروا تا انتقام

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
بے شک جو لوگ منکر ہیں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے

جو توحید پر دلالت کرتی ہیں ربط: اب تتمہ توحید کا ذکر فرماتے ہیں ان اللہ لا یخفی تا الحکیم

لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴﴾
ان کیلئے سزائے سخت ہے اور اللہ تعالیٰ غلبہ (اور قدرت) والے ہیں بدلہ لینے والے ہیں

پس ان کا علم بھی نہایت کامل ہے

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ
بیشک اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے (نہ کوئی چیز) زمین میں اور نہ
وَلَا فِي السَّمَآءِ ؕ ﴿۵﴾ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي
(کوئی چیز) آسمان میں وہ ایسی ذات (پاک) ہے کہ تمہاری صورت
الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ
(شکل) بناتا ہے جس طرح چاہتا ہے

کسی کی صورت کیسی ہے کسی کی کیسی ہے پس ان کی قدرت بھی کامل ہے غرض حیات اور قیومیت اور علم اور قدرت جو تمام صفات کاملہ کی اصل الاصول ہیں حق تعالیٰ میں کامل طور پر بلا شرکت غیرے موجود ہیں۔۱۲

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ
کوئی عبادت کے لائق نہیں بجز اس کے وہ غلبہ والے ہیں۔

کہ منکر توحید سے انتقام لے سکتے ہیں لیکن حکمت والے بھی ہیں کہ بمصلحت دنیا میں ڈھیل دے رکھی ہے۔ روح المعانی میں ربیع سے منقول ہے کہ چند نصاریٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مذہبی گفتگو شروع کی آپ نے اپنی مفصل تقریر میں ابطال تثلیث پر اللہ تعالیٰ کی صفت حیات دائمی اور قیومت کاملہ اور علم محیط اور قدرت بے مثال سے اس کا یکتا ہونا ثابت فرمایا اور یہ مقدمات ان کو تسلیم کرنا پڑے اور مان گئے کہ عیسیٰ علیہ السلام میں یہ صفات موجود نہیں تو وہ خدا کے بیٹے اور شریک نہیں ہو سکتے کیونکہ بیٹا اپنے باپ کا ہم جنس ہوا کرتا ہے اور ناجنس اولاد پیدا ہونا خود مخلوق کے لئے عیب شمار ہوتا ہے تو خالق کے لئے کیوں عیب نہ ہوگا تو عیسیٰ علیہ السلام جب خدا کے ہم جنس نہیں ہو سکتے تو ان کو خدا کا بیٹا کہنا بھی غلط ہو گیا آخیر میں وہ لوگ کہنے لگے کہ اچھا آپ ان کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ تو مانتے ہیں حضور نے فرمایا کہ بیشک مانتے ہیں کہنے لگے کہ بس ہم کو اتنا ہی کافی ہے اس سے ہمارا مدعا ثابت ہو گیا اس کا جواب اگلی آیت میں آتا ہے۔ ربط: جب توحید ثابت ہو چکی جس سے تثلیث کا بھی ابطال ہو گیا مگر بعض منکران توحید نے اپنے مدعا پر بطریقہ الزام ایسے کلمات سے استدلال کیا تھا جن کے معنی مخفی ہیں جیسے کلمۃ اللہ و روح اللہ وغیرہ اگلی آیت میں اس شبہ کا جواب ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایسے کلمات سے جن کی مراد معلوم نہ ہو استدلال درست نہیں بلکہ اعتقاد کا مدار وہ نصوص ہونے چاہئیں جن کے معانی واضح ہوں اور خفی المراد پر جب کہ ان کی تفسیر معلوم نہ ہو اجمالاً ایمان لے آنا واجب ہے زیادہ تفتیش کی اجازت نہیں ھو الذی انزل تا اولوا الالباب

الْحَكِيْمُ ﴿۶﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ
حکمت والے ہیں وہ ایسا ہے جس نے نازل کیا تم پر کتاب کو جس میں کا ایک
مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ
حصہ وہ آیتیں ہیں جو کہ اشتباہ مراد سے محفوظ ہیں

یعنی ان کا مطلب ظاہر ہے۔

هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ
اور یہی آیتیں اصلی مدار ہیں (اس) کتاب کا

یعنی جن نصوص کے معانی ظاہر نہیں ہیں ان کو بھی ان ہی کے موافق بنایا جاتا ہے جن کے معنے واضح ہیں۔

وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ
اور دوسری آیتیں ایسی ہیں جو کہ مشتبہ المراد ہیں

یعنی ان کا مطلب خفی ہے یا تو بوجہ مجمل ہونے کے یا اس واسطے کہ وہ کسی واضح نص کے معارض ہے۔۱۲

فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ
سو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ اس کے اسی حصہ کے پیچھے ہو لیتے ہیں
مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ
جو مشتبہ المراد ہے۔ (دین میں) شورش ڈھونڈنے کی غرض سے اور اس کے

تَاْوِيْلِهٖ ج

(غلط) مطلب ڈھونڈنے کی غرض سے

تا کہ اپنے غلط عقیدہ میں اس سے مدد حاصل کرے۔

وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ

حالانکہ اس کا (صحیح) مطلب بجز حق تعالیٰ کے کوئی اور نہیں جانتا

پھر اگر کسی کا مطلب حق تعالیٰ نے قرآن یا حدیث کے ذریعہ سے صراحۃً یا اشارۃً بتلا دیا معلوم ہو گیا اور جس کی مراد نہیں بتلائی تو اس کی خبر کسی کو نہیں ہو سکتی ۱۲

وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ لا

اور جو لوگ علم (دین) میں پختہ کار (اور فہیم) ہیں وہ یوں کہتے ہیں کہ اس پر (اجمالاً) یقین

كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ج

رکھتے ہیں (یہ) سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں

پس ان کے جو کچھ معنے اور مراد واقع میں ہیں وہ حق ہیں ۱۲

وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۷﴾

اور نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو کہ اہل عقل ہیں

پس عقل کا مقتضا بھی یہی ہے کہ مفید اور ضروری بات میں مشغول ہوں فضول اور مضر قصہ میں نہ پڑیں۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا

اے ہمارے پروردگار ہمارے دلوں کو کج نہ کیجئے بعد اس کے کہ آپ ہم کو

وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ج

ہدایت کر چکے ہیں اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت (خاصہ) عطا فرمائیے۔

وہ رحمت یہ ہے کہ ہم راہ مستقیم پر قائم رہیں۔

اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۸﴾ رَبَّنَآ

بلاشبہ آپ بڑے عطا فرمانے والے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار

ہم یہ دعا کسی دنیوی غرض سے نہیں مانگتے بلکہ محض آخرت کی نجات کی غرض سے کیونکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ (آگے ترجمہ)

اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ط

آپ بلاشبہ تمام آدمیوں کو (میدان حشر میں) جمع کرنے والے ہیں اس دن میں جس میں ذرا شک نہیں

مراد قیامت کا دن ہے اور شک نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے آنے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۹﴾ ع

(اور) بلاشبہ اللہ تعالیٰ خلاف کرتے نہیں وعدہ کو۔

اس لئے قیامت کا آنا ضرور ہے اور اس واسطے ہم کو اس کی فکر ہے۔

ان الذین کفروا تا بئس المھاد

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ

بالیقین جو لوگ کفر کرتے ہیں ہرگز ان کے کام نہیں آ سکتے ان کے مال

اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ط

(دولت) اور نہ ان کی اولاد اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ذرہ برابر بھی۔

مقابلہ میں کام آنے کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت کی ضرورت نہ ہو اس کے عوض صرف مال و اولاد کافی ہو جائے دوسرے یہ کہ مال و اولاد کے ذریعہ سے خدا کا مقابلہ کر کے عذاب سے بچ جاویں مقابلہ کا لفظ دونوں جگہ بولا جاتا ہے سو آیت میں دونوں کی نفی کر دی گئی ہے۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ﴿۱۰﴾ لا كَدَاْبِ اٰلِ

اور ایسے لوگ جہنم کا سوختہ ہوں گے۔ جیسا معاملہ تھا

فِرْعَوْنَ لا وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ط كَذَّبُوْا

فرعون والوں کا اور ان سے پہلے والے (کافر) لوگوں کا کہ انہوں نے ہماری

بِاٰيٰتِنَا ج فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ط وَاللّٰهُ

آیتوں کو جھوٹا بتلایا اس پر اللہ تعالیٰ نے ان پر دارو گیر فرمائی ان کے گناہوں

شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۱﴾

کے سبب۔ اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں۔

ایسا ہی معاملہ ان لوگوں نے کیا کہ انہوں نے بھی ہماری آیتوں کی تکذیب کی سو ان کو بھی ایسی ہی سزا ہو گی۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ

آپ ان کفر کرنے والوں سے فرما دیجئے کہ عنقریب تم (مسلمانوں کے ہاتھ سے) مغلوب کئے جاؤ گے اور (آخرت میں) جہنم کی طرف جمع کر کے

اِلٰى جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾

لے جائے جاؤ گے اور وہ (جہنم) ہے برا ٹھکانا۔

یعنی تم یہ نہ سمجھنا کہ یہ دارو گیر صرف آخرت میں ہوگی بلکہ یہاں اور وہاں دونوں جگہ ہوگی اور ان کافروں سے مراد آیت میں خاص کافر ہیں جیسے یہ خطاب ہوا تھا چنانچہ ان میں سے مشرکین پر قتل وقید کی مصیبت اور یہود پر قتل وقید کے ساتھ جزیہ اور جلاوطنی کی بھی عقوبت نازل ہوئی پس یہ شبہ نہ کرنا چاہئے کہ سب کفار تو دنیا میں مغلوب نہیں پائے جاتے۔ رہی سزائے آخرت وہ سب کفار کو عام ہے۔ ربط: اوپر کفار کے مغلوب ہونے کی خبر دی گئی تھی آگے اس کی ایک کافی نظیر بطور دلیل کے ارشاد فرماتے ہیں قد کان لکم آیۃ تا لاولی الابصار۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ

بیشک تمہارے لئے بڑا نمونہ ہے دو گروہوں (کے واقعہ) میں جو کہ باہم ایک دوسرے سے

تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ

مقابل ہوئے تھے ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑتے تھے (یعنی مسلمان) اور دوسرا گروہ کافر لوگ

يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۭ

تھے یہ کافر اپنے کو دیکھ رہے تھے کہ ان مسلمانوں سے کئی حصے (زیادہ) ہیں کھلی آنکھوں دیکھنا۔

یعنی دیکھنا بھی کچھ وہم اور خیال سے نہیں بلکہ ایسا کہ اس کے واقع ہونے میں شبہ نہ تھا روایتوں میں آیا ہے کہ اس روز مسلمان تین سو تیرہ تھے اور کفار ایک ہزار تھے گویا مسلمانوں سے تین حصے تھے مگر پھر بھی انجام دیکھ لیا کہ مسلمان ہی غالب رہے۔ اس سے ہر عاقل منصف استدلال کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے دین کو غالب کرنا چاہتے ہیں تو کفار کی کثرت اور ثروت اس کو روک نہیں سکتی غالب اور مغلوب کرنا محض قبضہ خداوندی میں ہے۔ (آگے ترجمہ)

وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ فِيْ

اور اللہ تعالیٰ اپنی امداد سے جس کو چاہتے ہیں قوت دے دیتے ہیں۔ (سو)

ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾

بلاشک اس میں بڑی عبرت ہے (دانش) بینش والے لوگوں کو

سورۂ انفال میں یہ بھی ذکر ہے کہ اول حق تعالیٰ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں کفار کا عدد کم دکھلایا تا کہ آپ مسلمانوں سے اپنا خواب بیان فرمائیں تو مقابلہ کی جرات بڑھے پھر جب دونوں گروہ مقابل ہوئے اس وقت مسلمانوں کو بھی کفار کم معلوم ہوئے تا کہ مقابلہ ہو جائے پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غالب کر دیا اس میں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب خلاف واقعہ کیوں ہوا کیونکہ کفار تو کم نہ تھے ایسے ہی مسلمانوں نے بھی خلاف واقعہ کفار کو کم دیکھا وہ تو بہت زیادہ تھے۔ تحقیق اس کی یہ ہے کہ خلاف واقعہ دیکھنا غلط دیکھنے کو کہتے ہیں سو یہاں غلط دیکھنا نہیں پایا گیا کیونکہ غلط دیکھنا اس کو کہتے ہیں کہ سامنے ہزار ہوں اور ان کو دو سو سمجھا جاوے اور اگر ہزار میں سے دو سو سامنے ہوں اور آٹھ سو پوشیدہ ہوں کہ نظر نہ آویں تو اس کو خلاف واقعہ دیکھنا نہیں کہہ سکتے یہاں ایسا ہی ہوا تھا کہ حق تعالیٰ نے حضور کو اور مسلمانوں کو تھوڑے سے دکھلا دیئے اور باقی ان کی نظروں سے چھپا دیئے تھے اور سورۂ انفال میں تو یہ فرمایا ہے کہ کفار مسلمانوں کو کم دیکھتے تھے اور یہاں یہ فرمایا کہ کفار اپنی جماعت کو مسلمانوں سے کئی حصے زیادہ دیکھتے تھے۔ ان دونوں کا ایک ہی مطلب ہے جب اپنی جماعت کو زیادہ دیکھا جائے گا تو دوسری جماعت لامحالہ کم نظر آئے گی۔

ربط: اوپر اموال واولاد کا آخرت میں کام نہ آنا بیان فرمایا تھا جس سے ان چیزوں کا بے قدر ہونا لازم آیا تھا آگے اس بے قدری کو صراحۃ بیان فرماتے ہیں اس کے بعد آخرت کی نعمتوں کا قابل قدر و لائق رغبت ہونا اور ان نعمتوں کا تقویٰ کی بدولت حاصل ہونا بیان فرماتے ہیں اس کے بعد کسی قدر تقویٰ کی تفصیل اور اس کے بعض شعبے مثل ایمان مناجات استغفار صبر وغیرہ ذکر ہوں گے۔ زین للناس تا حسن الماب

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَاۗءِ

خوشنما معلوم ہوتی ہے (اکثر) لوگوں کو محبت مرغوب چیزوں کی (مثلاً)

وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ

عورتیں ہوئیں بیٹے ہوئے لگے ہوئے ڈھیر ہوئے سونے اور چاندی کے نمبر

وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ

(یعنی نشان) لگے ہوئے۔ گھوڑے ہوئے (یا دوسرے) مواشی ہوئے اور

وَالْحَرْثِ ۭ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ

زراعت ہوئی (لیکن) یہ سب استعمالی چیزیں ہیں دنیوی زندگی کی۔ اور

وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾

انجام کار کی خوبی تو اللہ ہی کے پاس ہے

جو بعد موت کے کام آوے گی جس کی تفصیل آگے آتی ہے اور یہ جو فرمایا کہ ان چیزوں کی محبت خوشنما معلوم ہوتی ہے اس کا حاصل میرے ذوق میں یہ ہے کہ محبت اور میلان غالب حالت میں ڈر کی چیز ہے اس سے دین کا ضرر ہوتا ہے مگر اکثر لوگ اس کو ضرر کا سبب نہیں سمجھتے بلکہ اس محبت ومیلان کو مطلقاً اچھا سمجھتے ہیں واللہ اعلم ۱۲ **قل اؤنبئکم تا بالعباد**

قُلْ أَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِنْ ذَٰلِكُمْ ۚ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا

آپ فرما دیجئے کیا میں تم کو ایسی چیز بتلادوں جو (بدرجہا) بہتر ہو ان چیزوں سے (سوسنو) ایسے لوگوں کے لئے جو (اللہ) سے ڈرتے ہیں

عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا

ان کے مالک (حقیقی) کے پاس ایسے ایسے باغ ہیں جن کے پائیں میں

الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَأَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ

نہریں جاری ہیں ان میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے اور (ان کے لئے) ایسی

وَرِضْوَانٌ مِنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ﴿١٥﴾

بیبیاں ہیں جو صاف ستھری کی ہوئی ہیں اور (ان کے لئے) خوشنودی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھتے (بھالتے) ہیں بندوں کو

اس لئے ڈرنے والوں کو یہ نعمتیں دیں گے آگے ان ڈرنے والوں کے بعض تفصیلی حالات واوصاف ذکر کئے جاتے ہیں۔

الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّنَا آمَنَّا

یہ ایسے لوگ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے

الذین یقولون تا بالاسحار یہ اس وجہ سے کہا کہ بدوں ایمان کے مغفرت نہیں ہوسکتی پس حاصل یہ ہوا کہ کفر جو ہمیشہ کے لئے مغفرت سے مانع ہے اس کو تو ہم مرتفع کر چکے اب معاف کر دیجئے اب چاہے بالکل معافی ہوجائے یا کچھ گناہوں کی سزا بھگتنی پڑے۔

فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٦﴾

سو آپ ہمارے گناہوں کو معاف کر دیجئے اور ہم کو عذاب دوزخ سے بچا لیجئے۔ (اور وہ لوگ) صبر

الصَّابِرِينَ وَالصَّادِقِينَ وَالْقَانِتِينَ

کرنے والے ہیں اور راست باز ہیں اور (اللہ کے سامنے) فروتنی کرنے والے ہیں اور (مال)

وَالْمُنْفِقِينَ وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ ﴿١٧﴾

خرچ کرنے والے ہیں اور اخیر شب میں (اٹھ اٹھ کر) گناہوں کی معافی چاہنے والے ہیں۔

اخیر شب کی تخصیص اس لئے ہے کہ اس وقت اٹھنے میں مشقت بھی ہے اور وہ وقت بھی قبولیت کا ہے **ربط**: شروع سورت میں نصاریٰ کے مناظرہ ومقابلہ میں توحید کا اثبات اور تثلیث کا ابطال کیا گیا ہے اور درمیان کے مضامین اسی کی مناسبت سے لائے گئے تھے اب پھر اسی مضمون توحید کی طرف رجوع کرتے ہیں اس کے بعد اسلام کے حق ہونے کی تصریح اور اہل کتاب کے ساتھ گفتگو کی تقریر پھر حق قبول نہ کرنے والوں کی مذمت پھر تبعاً اہل اسلام کے غلبہ کی پیشین گوئی اور اپنی قدرت کاملہ ثابت کر کے اس کا بعید نہ ہونا۔ پھر مسلمانوں کو کفار کی دوستی سے ممانعت پھر توحید کا بدوں اتباع رسول کے معتبر نہ ہونا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ومحبوبیت کی تائید میں چند مقبولین کے قصے یہ سب مضامین مذکور ہوں گے اور اس تقریر سے دور تک کا ربط معلوم ہوگیا۔ **شھد اللہ تا الحکیم**

شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ

گواہی دی اللہ تعالیٰ نے اس کی کہ بجز اس ذات کے کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں

وَأُولُو الْعِلْمِ

اور فرشتوں نے بھی اور اہل علم نے بھی

حق تعالیٰ نے اپنی کتابوں میں گواہی دی اور فرشتوں نے اپنے ذکر و تسبیح میں کیونکہ ان کے اذکار توحید سے بھرے ہوئے ہیں اور اہل علم نے اپنی تقریرات وتحریرات میں اس کی گواہی دی ہے چنانچہ ظاہر ہے۔

قَائِمًا بِالْقِسْطِ ۚ

اور معبود بھی وہ اس شان کے ہیں کہ اعتدال کے ساتھ انتظام رکھنے والے ہیں۔

یہ صفت غالباً اس لئے بڑھادی کہ وہ ایسے نہیں کہ صرف اپنی عبادت وتعظیم ہی کراتے ہوں بلکہ وہ سب کے کام بھی بناتے ہیں اس لئے پھر دوبارہ کہا جاتا ہے کہ آگے ترجمہ

لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٨﴾

انکے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں وہ زبردست ہیں حکمت والے ہیں

یہ شبہ نہ کیا جائے کہ یہ دلیل تو نقلی ہے جو اس کو نہیں مانتے ان پر کس طرح حجت ہوگی جواب یہ ہے کہ دلیل خاص اہل کتاب کے مقابلہ میں ہے وہ

دلیل نقلی کے منکر نہیں تھے اور دلائل عقلیہ دوسرے مواقع میں موجود ہیں

ربط: اور معلوم ہو چکا ہے۔ ان الدین عنداللہ تا سریع الحساب

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ وَمَا

بلاشبہ دین (حق اور مقبول) اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے اور

اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْ

اہل کتاب نے جو اختلاف کیا (کہ اسلام کو باطل کہا) تو ایسی حالت کے بعد

بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا ۢ بَيْنَهُمْ ۭ

کہ ان کو دلیل پہنچ چکی تھی محض ایک دوسرے سے بڑھنے کے سبب سے

یعنی اسلام کے حق ہونے میں ان کو کوئی وجہ شبہ کی پیش نہ آئی بلکہ ان میں دوسروں سے بڑا بننے کا مادہ ہے اور اسلام لانے میں یہ سرداری جوان کو اب عوام پر حاصل ہے فوت ہوتی تھی اس لئے اسلام کو قبول نہیں کیا بلکہ اور الٹا اس کو باطل بتلانے لگے۔

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ

اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کرے گا تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت جلد اس

الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾

کا حساب لینے والے ہیں

اور ظاہر ہے کہ ایسے شخص کے حساب کا کیا انجام ہوگا۔ عذاب

ربط: آگے ان منکرین اہل کتاب اور ان کے ساتھ مشرکین عرب کے انکار و مباحثہ کا جواب دیتے ہیں اور یہ انکار و مباحثہ ان کا محض عناد کی وجہ سے تھا۔ فان حاجوک تا بالعباد اسلام کی حقانیت پر دلیل قائم ہونے کے بعد (آگے ترجمہ)

فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ

پھر بھی اگر یہ لوگ آپ سے حجتیں نکالیں تو آپ فرما دیجئے کہ (تم مانو یا نہ مانو)

لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۭ

میں تو اپنا رخ خاص اللہ تعالیٰ کی طرف کر چکا اور جو میرے پیرو تھے وہ بھی۔

اپنا رخ خاص اللہ تعالیٰ کی طرف کر چکے مراد یہ ہے کہ ہم سب اسلام اختیار کر چکے جس میں اعتقاد توحید کی وجہ سے قلب کا رخ خاص اللہ ہی کی طرف ہوتا ہے کیونکہ دوسرے مذاہب میں کچھ کچھ شرک مل گیا تھا اور اس پر یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ منکرین کے مقابلہ میں اتنا کہہ دینا کب کافی ہو سکتا ہے کہ تم مانو یا نہ مانو میں تو مان گیا جواب یہ ہے کہ یہ ہر منکر کے مقابلہ میں نہیں فرمایا گیا بلکہ خاص ان منکرین کے مقابلہ میں جن کا انکار کسی شبہ کی وجہ سے نہ تھا بلکہ دلائل قائم ہونے کے بعد محض عناد و عداوت سے تھا جب ان کو کوئی شبہ نہیں تو ان کے سامنے مکرر دلائل بیان کرنا بیکار ہے اس وقت یہی آخری جواب ہے کہ خیر بھائی تم مت مانو ہم تو مان چکے۔

وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ

اور کہیے اہل کتاب سے اور (مشرکین) عرب سے کہ کیا تم بھی اسلام لاتے ہو۔

ءَاَسْلَمْتُمْ ۭ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ

سو اگر وہ لوگ اسلام لے آویں تو وہ لوگ بھی راہ پر آ جاویں گے اور اگر وہ

وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ

لوگ روگردانی رکھیں سو آپ کے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے اور اللہ تعالیٰ

بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾ ع

خوب دیکھ (اور سمجھ) لیں گے بندوں کو

آپ سے کوئی باز پرس نہ ہوگی آپ اس کا غم نہ کیجئے۔

ربط: شروع سورت میں زیادہ روئے سخن نصاریٰ کی طرف تھا پھر آیت بالا میں الذین اوتوا الکتب کا عنوان نصاریٰ اور یہود دونوں کو شامل تھا اب آیت آئندہ میں یہود کے بعض خاص حالات بیان فرماتے ہیں چنانچہ روح المعانی میں اس آیت کی تفسیر میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے کہ بنی اسرائیل نے تینتالیس نبیوں کو ایک وقت میں قتل کیا۔ ان کی نصیحت کے لئے ایک سو ستر بزرگ کھڑے ہوئے اسی دن ان کا بھی کام تمام کیا فقط اور بنی اسرائیل اکثر یہودی تھے ۱۲ ان الذین یکفرون تا نٰصرین.

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

بیشک جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی آیات کے

وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ

ساتھ اور قتل کرتے ہیں پیغمبروں کو ناحق اور قتل کرتے ہیں

الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ

ایسے شخصوں کو جو (افعال و اخلاق کے) اعتدال کی تعلیم دیتے ہیں

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٢١﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

سو ایسے لوگوں کو خبر سنا دیجئے ایک سزائے دردناک کی (اور) یہ وہ لوگ ہیں کہ

حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ز

ان کے سب اعمال (صالحہ) غارت ہو گئے۔ دنیا میں اور آخرت میں اور

وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٢٢﴾

(سزا کے وقت) ان کا کوئی حامی مددگار نہ ہوگا۔

دنیا میں غارت ہونا یہ کہ ان کے ساتھ معاملہ اہل اسلام کا سا نہ ہوگا اور آخرت میں یہ کہ ان کی مغفرت نہ ہوگی اور ہر چند کہ محض نصیحت کرنے والوں کا قتل کفر نہیں ہے جس سے اعمال اکارت ہوں البتہ گناہ کبیرہ ہے مگر چونکہ ناصحین کے ساتھ انبیاء کا قتل بھی ان سے سرزد ہوا اس لئے مجموعہ پر حبط کا مرتب فرمانا صحیح ہوا اور چونکہ زمانہ نبویہ کے یہود اپنے پہلوں کے برے کاموں پر انکار نہ رکھتے تھے اس لئے ان پر الزام صحیح ہوا۔

ربط: آیات آئندہ میں یہود کی ایک خاص حالت اور ایک خاص قول کی قباحت بیان فرماتے ہیں۔ الم تر الی الذین تا لایظلمون

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ

(اے محمد ﷺ) کیا آپ نے ایسے لوگ نہیں دیکھے جن کو کتاب (تورات) کا ایک (کافی) حصہ دیا گیا

اگر ہدایت کے طالب ہوتے تو وہ حصہ اس غرض کی تکمیل کیلئے کافی تھا۔

يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ

اور اسی کتاب اللہ کی طرف اس غرض سے ان کو بلایا بھی جاتا ہے کہ وہ ان

يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٢٣﴾

کے درمیان فیصلہ کر دے پھر (بھی) ان میں سے بعض لوگ انحراف کرتے

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ

ہیں بے رخی کرتے ہوئے۔ (اور) یہ اس سبب سے ہے کہ وہ لوگ یوں کہتے

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ص

ہیں کہ ہم کو صرف گنتی کے تھوڑے دنوں تک دوزخ کی آگ لگے گی۔

پھر مغفرت ہو جائے گی اور یہی ان کا اعتقاد بھی ہے۔

وَّغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٢٤﴾

اور ان کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے ان کی تراشی ہوئی باتوں نے

جیسے اسی تراشے ہوئے عقیدہ نے ان کو دھوکہ دیا اور کتاب اللہ سے بے اعتنائی کرنے لگے۔

فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ قف

سو ان کا کیا (برا) حال ہوگا جبکہ ہم ان کو اس تاریخ میں جمع کر لیں گے جس

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا

(کے آنے) میں ذرا شبہ نہیں اور اس تاریخ میں) پورا پورا بدلہ مل جاوے گا۔

يُظْلَمُوْنَ ﴿٢٥﴾

ہر شخص کو جو کچھ اس نے (دنیا میں) کیا تھا اور ان شخصوں پر ظلم نہ کیا جاوے گا۔

کہ بلا جرم یا جرم سے زیادہ سزا ہو جائے اور ان کے اس قول لن تمسنا النار کی تحقیق پارۂ الٓمٓ میں گزر چکی ہے۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ

(اے محمد ﷺ) آپ (اللہ تعالی سے) یوں کہئے کہ اے اللہ مالک تمام ملک کے آپ

تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ز وَتُعِزُّ

ملک جس کو چاہیں دے دیتے ہیں اور جس سے چاہیں ملک لے لیتے ہیں اور

مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِيَدِكَ

جس کو آپ چاہیں غالب کر دیتے ہیں اور جس کو آپ چاہیں پست کر دیتے ہیں

الْخَيْرُ ط

۔آپ ہی کے اختیار میں ہے سب بھلائی۔

ربط: چونکہ اوپر کی آیتوں میں بعض میں محاجہ باللسان اور بعض میں محاجہ بالسنان کی تقریر ہے آئندہ آیت میں اس کی مناسبت سے امت محمدیہ کے کفار پر غالب آنے کی پیشین گوئی کی طرف دعا و مناجات کی تعلیم فرماتے ہوئے اشارہ کرتے ہیں جیسا کہ شان نزول سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روم و فارس فتح ہو جانے کا وعدہ فرمایا تو منافقین و یہود نے استہزاء کیا اور اس کو بعید سمجھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی قل اللھم تا بغیر حساب

خدا کے اختیار میں تو برائی بھی ہے مگر یہاں صرف خیر کو اس لئے بیان کیا کہ

اس جگہ مقصود بھلائی مانگنا ہے تو اسی کا ذکر مناسب ہے جیسے کوئی شخص نوکری کا امیدوار ہو اور وہ حاکم سے کہے کہ نوکر رکھنا آپ کے اختیار میں ہے جس کو آپ چاہیں نوکر رکھ لیں اگرچہ نوکر کا موقوف کر دینا بھی حاکم کے اختیار میں ہے مگر امیدواری کے وقت اس کو ذکر نہیں کیا کرتے کہ یہ اس کے ذکر کا موقع نہیں ١٢

اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٦﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ

بلاشبہ آپ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔ آپ رات (کے اجزاء) کو دن میں داخل

فِى النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ ز

کر دیتے ہیں اور (بعض فصلوں میں) دن (کے اجزا) کو رات میں داخل کر دیتے ہیں

پہلی صورت میں دن بڑا ہونے لگتا ہے اور یہ دوسری صورت میں رات بڑھنے لگتی ہے۔

وَتُخْرِجُ الْحَىَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ

اور آپ جاندار چیزوں کو بے جان سے نکال لیتے ہیں (جیسے بیضہ سے بچہ) اور بے جان چیز کو جاندار سے نکال لیتے ہیں)

مِنَ الْحَىِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢٧﴾

جیسے پرندے سے بیضہ) اور آپ جس کو چاہتے ہیں بیشمار رزق عطا فرماتے ہیں

یعنی آپ کو ہر طرح کی قدرت ہے تو کمزوروں کو قوت و سلطنت دے دینا کیا مشکل ہے اس دعاء میں مسلمانوں کی بادشاہت اور غلبہ کے ممکن ہونے پر ایک قسم کا استدلال ہو گیا اور کفار جو اس کو بعید جانتے تھے اس کو دفع کر دیا ربط اوپر کفار کی مذمت مذکور تھی آگے بطور تفریع کے ان کے ساتھ دوستی کرنے کی ممانعت بیان فرماتے ہیں حاصل یہ ہے کہ جب کفار کے قبیح افعال معلوم ہو چکے جیسے انکار آیات و عداوت خدا و رسول تو ایسے دشمنان خدا و رسول سے دوستی کب زیبا ہے۔ **لایتخذ تا الی اللہ المصیر**

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ

مسلمانوں کو چاہئے کہ کفار کو (ظاہراً یا باطناً) دوست نہ بناویں

مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ج

مسلمانوں (کی دوستی) سے تجاوز کر کے۔

یہ تجاوز دو صورت سے ہوتا ہے ایک یہ کہ مسلمانوں سے بالکل دوستی نہ کریں دوسرے یہ کہ مسلمانوں کے ساتھ کفار سے بھی دوستی رکھیں دونوں صورتیں ممانعت میں داخل ہیں تفصیل اس کی یہ ہے کہ کفار کے ساتھ تین قسم کے معاملات ہوتے ہیں ایک موالات یعنی دوستی دوسرے مداراۃ یعنی ظاہری خوش خلقی تیسرے مواساۃ یعنی احسان و نفع رسانی ان میں سے موالات یعنی دوستی تو کسی حال میں جائز نہیں اور مدارات یعنی ظاہری خوش اخلاقی تین حالتوں میں درست ہے دفع ضرر کے واسطے دوسرے اس کافر کی دینی مصلحت کے واسطے کہ خوش اخلاقی سے ہدایت کی توقع ہو تیسرے اکرام ضیف یعنی مہمان نوازی کے طور پر اس کی خاطر کرنا اگر کوئی کافر خود مہمان بن جائے ان تینوں صورتوں کے علاوہ محض اپنی مصلحت اور منفعت مال یا جاہ کے لئے مدارات بھی جائز نہیں بالخصوص جب کہ دینی مضرت کا بھی اندیشہ ہو تو بدرجہ اولیٰ میل جول کرنا حرام ہوگا اور مواساۃ یعنی احسان و نفع رسانی کا حکم یہ ہے کہ اہل حرب کے ساتھ ناجائز ہے اور غیر اہل حرب کے ساتھ جائز ہے اور اپنی منفعت مالی یا جاہی کے لئے مدارات کی ممانعت اس آیت میں ہے۔ **ایبتغون عندھم العزۃ** اور یہی حکم ہے فساق کا اور اہل بدعت کا کہ ان سے دوستی بالکل ناجائز ہے اور مدارات اس تفصیل کے موافق جو بیان ہوئی جائز ہے۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِىْ

اور جو شخص ایسا (کام) کرے گا سو وہ شخص اللہ کے ساتھ دوستی رکھنے کے کسی

شَىْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ط

شمار میں نہیں مگر ایسی صورت میں کہ تم ان سے کسی قسم کا (قوی) اندیشہ رکھتے ہو

قوی کی قید اس لئے لگائی کہ محض توہم اور خیال کا اعتبار نہیں چنانچہ ایک آیۃ میں **یقولون ان تصیبنا دائرۃ** سے اس پر انکار کیا گیا ہے کہ محض وہمی اندیشہ کی وجہ سے کفار سے میل جول نہ چاہئے البتہ قوی اندیشہ ضرر کا ہو تو اس صورت میں ظاہری دوستی یعنی مدارات جائز ہے۔ بعضوں کو اس آیت سے اس تقیہ کے جائز ہونے کا شبہ ہوا ہے جو شیعہ میں متعارف ہے مگر اس آیت کو اس تقیہ سے اصلا مس نہیں کیونکہ اس جگہ خوف ضرر کے وقت دوستی ظاہر کرنے اور دشمنی چھپانے کا ذکر ہے اور تقیہ متعارفہ میں کفر کا اظہار اور ایمان کا اخفاء بھی شیعہ جائز سمجھتے ہیں اور اکراہ و جبر کی صورت میں جو شریعت نے اظہار کفر و اخفاء ایمان جائز کیا ہے تو اس میں ضرر کا شدید ہونا اور خوف کا قوی ہونا شرط ہے اور شیعہ تقیہ کے لئے خفیف سا ضرر اور وہمی خوف بھی کافی سمجھتے ہیں بلکہ تحصیل منفعت کے لئے بھی جائز جانتے ہیں جہاں ضرر کا بھی اندیشہ نہیں ہوتا پس شیعہ کے تقیہ کو قرآن سے کوئی مس نہیں نہ اس آیت سے نہ اکراہ والی آیت سے خوب سمجھ لو **ربط**: اوپر کی آیت میں کفار سے دوستی کی ممانعت تھی آگے اس ممانعت کو عام طور پر بیان فرماتے ہیں کہ دلی دوستی تو کسی صورت میں اصلا جائز نہیں اور بلا ضرورت ظاہری دوستی بھی جائز

نہیں اور اس مضمون کو ایسے عام عنوان سے بیان فرمایا جس سے تمام ظاہری وباطنی گناہوں سے تنبیہ ہوجائے قل ان تخفوا تا قدیر

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾

اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور خدا ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ

آپ فرما دیجئے کہ اگر تم پوشیدہ رکھو گے اپنا مافی الضمیر یا اس کو ظاہر کرو گے اللہ تعالیٰ

يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا

اس کو (ہر حال میں) جانتے ہیں اور وہ تو سب کچھ جانتے ہیں جو کچھ کہ آسمانوں

فِي الْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾

میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت بھی کامل رکھتے ہیں۔

سو اگر تم کسی قبیح کام کا ارتکاب کرو گے خواہ ظاہری ہو یا باطنی اللہ تعالیٰ تم کو سزا دے سکتے ہیں۔

ربط: آگے مضمون بالا کی تاکید کے لئے قیامت کا آنا اور اس میں سب اعمال کا بلا تخصیص پیش نظر ہوجانا اور اس وقت گنہگاروں کا پچھتانا بیان فرماتے ہیں یوم تجد کل نفس تا بالعباد

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ

جس روز (ایسا ہوگا) کہ ہر شخص اپنے اچھے کئے ہوئے کاموں کو سامنے لایا ہوا پائے

مُّحْضَرًا ښ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْۗءٍ ڔ تَوَدُّ لَوْ

گا۔ اور اپنے برے کئے ہوئے کاموں کو بھی (اور) اس بات کی تمنا کرے گا کہ کیا

اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِيْدًا ۭ

خوب ہوتا جو اس شخص کے اور اس روز کے درمیان دور دراز مسافت (حائل ہوتی)

تاکہ اپنے اعمال بد کا معائنہ نہ کرنا پڑتا اور تم سے مکرر کہا جاتا ہے کہ (آگے ترجمہ)

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾

اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات (عظیم الشان) سے ڈراتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نہایت مہربان ہیں بندوں پر

اس مہربانی ہی کی وجہ سے تم کو ڈراتے ہیں اور یوں چاہتے ہیں کہ تم سزائے آخرت سے بچے رہو اور بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اعمال بد کو ترک کردو اور اعمال بد کا چھوڑنا عادۃً بدوں ڈرانے کے ہوتا نہیں اس لئے ڈراتے ہیں پس یہ ڈرانا عین شفقت ورحمت ہے۔ ف جن لوگوں کے اعمال نیک اور بد دونوں قسم کے ہوں گے ان کی نسبت یہ فرمانا کہ وہ اس دن کے نہ آنے کی تمنا کریں گے یہ نہایت بلاغت ہے کہ باوجود اس کے کہ ان کے کچھ اعمال اچھے بھی ہوں گے مگر ان کے ہونے کی ذرا خوشی نہ ہوگی اعمال بد سے غایت درجہ رنج ہوگا تو جس کے پاس شر ہی شر ہو اس کا کیا پوچھنا اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جن کے اعمال سب نیک ہوں وہ بھی ایسی تمنا کریں گے ربط: اوپر توحید کا واجب ہونا اور کفار کا مذموم ہونا مذکور تھا آگے اعتقاد رسالت واتباع رسول کا واجب ہونا بتلاتے ہیں تاکہ معلوم ہوجائے کہ جس طرح انکار توحید کفر ہے انکار رسالت بھی کفر ہے۔ قل ان کنتم تحبون اللہ تا لا یحب الکفرین

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ

آپ فرما دیجئے کہ اگر تم خدائے تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو۔

اور محبت رکھنے کی وجہ سے یہ بھی چاہتے ہو کہ خدا تعالیٰ بھی تم سے محبت کرے (آگے ترجمہ)

فَاتَّبِعُوْنِيْ

تو تم لوگ میرا اتباع کرو

یعنی اس مقصد کے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کیونکہ میں خاص اسی تعلیم کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔

يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ

خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کردیں

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۱﴾ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ

گے اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے بڑی عنایت فرمانے والے ہیں۔
آپ (یہ بھی) فرما دیجئے کہ تم اطاعت کیا کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی۔

یعنی اصل مقصود تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور میری اطاعت اس حیثیت سے ضروری ہے کہ میں اس کا فرستادہ ہوں میری معرفت حق تعالیٰ اپنی اطاعت کا طریقہ بتلاتے ہیں۔

فَاِنْ

پھر (اس پر بھی) اگر وہ لوگ

آپ کی اطاعت سے کہ ادنیٰ اس کا اعتقاد رسالت ہے۔

تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

اعراض کریں سو (سن رکھیں) کہ اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتے

اور اس صورت میں یہ لوگ کافر ہوں گے سو ان کو دعویٰ محبت کرنا یا محبوب خدا ہونے کی ہوس رکھنا محض حماقت ہے ربط: بعض معاندین مسئلہ رسالت میں باوجود دلائل عقلیہ ونقلیہ واضح ہو چکنے کے استبعاد وانکار کرتے تھے اس لئے آئندہ آیات میں اس مسئلہ کی تاکید کے لئے اولاً چند مشہور انبیاء کا اجمالاً مقبول ومنتخب ہونا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام وحضرت زکریا علیہ السلام وحضرت یحییٰ علیہ السلام کا کسی قدر مفصل قصہ بیان فرماتے ہیں تا کہ ان نظائر سے وہ استبعاد رفع ہو جائے اور ان حضرات کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ ان کا زمانہ حضورؐ کے زمانہ سے قریب گزرا ہے ان اللہ تا علیم

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ

بیشک اللہ تعالیٰ نے (نبوت کے لئے) منتخب فرمایا ہے (حضرت) آدم کو اور (حضرت) نوح کو اور (حضرت) ابراہیم کی اولاد (میں سے بعضوں کو)

وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾

اور عمران کی اولاد (میں سے بعضوں) کو تمام جہان پر۔

جیسے حضرت اسماعیل علیہ السلام واسحاق علیہ السلام ویعقوب علیہ السلام اور تمام انبیاء بنی اسرائیل جو کہ اولاد یعقوب علیہ السلام کی ہیں اور ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں ہیں اور خود ابراہیم علیہ السلام کی نبوت کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ ان کی نبوت تمام آسمانی مذاہب میں مشہور ومسلم تھی۔

ذُرِّيَّةً ۢ بَعْضُهَا مِنْ ۢ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾

بعضے ان میں سے بعضوں کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے ہیں خوب جاننے والے ہیں

کہ سب کے اقوال کو سنتے ہیں سب کے احوال کو جانتے ہیں پس جن کے اقوال واحوال مناسب شان نبوت کے دیکھے ان کو نبی بنا دیا اذقالت امراۃ عمران تا العلیم وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّىْ نَذَرْتُ

جبکہ عمران (پدر مریم) کی بی بی نے (حالت حمل میں) عرض کیا کہ اے میرے

لَكَ مَا فِىْ بَطْنِىْ

پروردگار میں نے نذر مانی ہے آپ کے لئے اس بچہ کی جو میرے شکم میں ہے کہ وہ

تا کہ خاص خانہ خدا کی خدمت کے لئے فارغ ہو (آگے ترجمہ)

مُحَرَّرًا

آزاد رکھا جاوے گا

اور میں اس کو اپنے کام میں نہ لاؤں گی

فَتَقَبَّلْ مِنِّىْ ۚ

سو آپ مجھ سے (بعد ولادت) قبول کر لیجئے۔

اس زمانہ میں لڑکوں کے لئے ایسی نذر ماننا جائز تھی انہوں نے اس گمان سے یہ نذر مانی تھی کہ شاید لڑکا پیدا ہو۔

اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۵﴾

بیشک آپ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں

کہ میری عرض کو سن رہے ہیں اور میری نیت کو جانتے ہیں فلما وضعتها تا الرجیم

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّىْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰى ؕ

پھر جب لڑکی جنی (حسرت سے) کہنے لگیں کہ اے پروردگار میں نے تو وہ حمل لڑکی جنی۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ اپنے خیال سے حسرت کر رہی تھیں آگے ترجمہ

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَيْسَ الذَّكَرُ

حالانکہ خدا تعالیٰ زیادہ جانتے ہیں اس کو جو انہوں نے جنی۔ اور وہ لڑکا (جو انہوں

كَالْاُنْثٰى ۚ

نے چاہا تھا) اس لڑکی کے برابر نہیں۔

بلکہ یہ لڑکی ہی افضل ہے کہ اس کے کمالات وبرکات عجیب ہوں گے یہ ارشاد بطور جملہ معترضہ کے تھا آگے پھر ان بی بی کا قول ہے

وَاِنِّىْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ

اور میں نے اس لڑکی کا نام مریم رکھا

جس کے معنی عابدہ کے ہیں اس نام کے جتلانے میں یہ اشارہ ہے کہ میں اپنی نذر پر حتی الامکان اب بھی قائم ہوں کہ اس لڑکی کو بھی مسجد کے لئے فارغ کردوں گی اگر خدمت کے لئے نہیں تو عبادت ہی کے لئے سہی۔

وَاِنِّىْۤ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ

اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو (اگر کبھی اولاد ہو) آپ کی پناہ میں دیتی

الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۳۶﴾

ہوں شیطان مردود سے

چنانچہ ان کی یہ عرض بھی قبول ہوئی جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ ہر بچہ کو ولادت کے وقت شیطان چھیڑتا ہے اور اس کے چھیڑنے سے بچہ چلاتا ہے بجز مریم علیہا السلام و عیسیٰ علیہ السلام کے فقط اور چونکہ یہ دعاء ولادت کے ساتھ ہی معا ہوئی تھی اس لئے اس وقت تک شیطان مس کرنے نہ پایا تھا اور حدیث میں مریم علیہا السلام و عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر خاص طور پر اس لئے ہوا کہ ان کی والدہ سے صراحۃً دعا منقول ہے حضور نے بھی صراحۃً اس کے قبول ہونے کو ظاہر فرمادیا پس یہ لازم نہیں آتا کہ اور انبیاء کو شیطان مس کرتا ہو اور شیطان کو جتنی قدرت دی گئی ہے وہ اس سے زیادہ نہیں کرسکتا اس لئے یہ شبہ فضول ہے کہ اگر شیطان کو ایسی قدرت ہو تو سب کو ہلاک کردے دوسرے ملائکہ بھی تو نگہبان ہیں فتقبلها ربها تا بغير حساب

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ

پس ان (مریم علیہا السلام) کو ان کے رب نے بوجہ احسن قبول فرمالیا۔

قبولیت کی ظاہری علامت یہ تھی کہ اس عجیب قرعہ میں جو بطور معجزہ کے تھا زکریا علیہ السلام غالب آئے جس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کی یہ مرضی تھی کہ زکریا علیہ السلام کے پاس یہ رہیں اور پلیں اس لئے قبولیت کو اور زکریا علیہ السلام کی کفالت کو اپنی طرف منسوب فرمایا کہ ہم نے ایسا کیا۔

حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ

اور عمدہ طور پر ان کو نشوونما دیا۔

عمدہ طور پر نشوونما دینے کے دو معنے ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ بچپن سے عبادت و طاعت میں مشغول رکھا دوسرے یہ کہ اور بچوں کے معمولی نشوونما سے ان کا ظاہری نشوونما زیادہ تھا۔

وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا

اور (حضرت) زکریا کو ان کا سرپرست بنایا۔ (سو) جب بھی زکریا (علیہ السلام) ان

الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ

کے پاس عمدہ مکان میں تشریف لاتے تو ان کے پاس کچھ کھانے پینے کی چیزیں پاتے

يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۭ

(اور) یوں فرماتے کہ اے مریم یہ چیزیں تمہارے واسطے کہاں سے آئیں۔

اس پوچھنے کی وجہ یہ تھی کہ اس مکان میں بجز ان کے کوئی نہ آ سکتا تھا خود قفل لگا جاتے خود آ کر کھولتے دوسرے وہ چیزیں بھی بے فصل میوے ہوتے تھے اس لئے تعجب ہوتا تھا۔

قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ

وہ کہتیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آئیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں

مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾ هُنَالِكَ

بے استحقاق رزق عطا فرماتے ہیں۔ اس موقع پر دعا کی۔

موقعہ کا مطلب یہ ہے کہ جب زکریا علیہ السلام نے بے فصل میوے آتے ہوئے دیکھے تو سمجھے کہ اگرچہ میں اور میری بیوی بظاہر اولاد کے قابل نہیں رہی لیکن ان بے موسم میووں کی طرح اگر میرے بھی خلاف عادت اولاد ہو جاوے تو خدا کی قدرت سے کیا بعید ہے۔

دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ

(حضرت) زکریا علیہ السلام نے اپنے رب سے عرض کیا کہ اے میرے رب

لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ

عنایت کیجئے مجھ کو خاص اپنے پاس سے کوئی اچھی اولاد

یعنی جو کہ بابرکت اور نیک کردار ہو

اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَاۗءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ

بیشک آپ بہت سننے والے ہیں دعا کے۔ پس پکار کے کہا ان سے فرشتوں

وَهُوَ قَاۗىِٕمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ

نے اور وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے محراب میں

محراب سے مقصد اس جگہ عمدہ مکان ہے جس سے یا تو مراد بیت المقدس کی محراب ہے یا وہ مکان ہے جس میں حضرت مریمؑ کو رکھا کرتے تھے۔

اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ

کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بشارت دیتے ہیں یحییٰ کی جن کے احوال یہ ہوں گے کہ وہ کلمۃ اللہ کی تصدیق کرنے والے ہوں گے۔

کلمۃ اللہ سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں کہ وہ محض خدا تعالیٰ کے حکم سے خلاف عادت بغیر باپ کے پیدا کئے گئے یحییٰ علیہ السلام ان کی تصدیق کرنے والے تھے دونوں صاحب ایک ہی زمانہ میں تھے البتہ یحییٰ

علیہ السلام ان سے کچھ بڑے تھے۔

مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا

اور مقتدا ہوں گے اور اپنے نفس کو (لذات سے) بہت روکنے والے ہوں گے۔

لذات سے روکنے میں سب جائز خواہشوں سے بچنا داخل ہو گیا جو حضرت یحییٰ علیہ السلام کے مناسب حال تھا کیونکہ ان پر آخرت کا خیال اور خوف اس درجہ غالب تھا کہ وہ اہل وعیال کے حقوق ادا کرنے کی طرف اصلا التفات نہ ہونے دیتا تھا ایسے شخص کے لئے یہی افضل ہے قال رب انی تا والا بکار

وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى

اور نبی بھی ہوں گے اور اعلیٰ درجہ کے شائستہ ہوں گے۔ زکریا علیہ السلام نے

يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِىَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِىْ

عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میرے لڑکا کس طرح ہوگا حالانکہ مجھ کو بڑھاپا

عَاقِرٌ ؕ

آ پہنچا اور میری بی بی بھی بچہ جننے کے قابل نہیں رہی۔

باوجودیکہ قدرت خداوندی کے معتقد تھے اور نمونہ قدرت کا مکرر مشاہدہ بھی کر چکے تھے پھر ان کا یہ کہنا کہ لڑکا کس طرح ہوگا شک وشبہ کی وجہ سے نہ تھا بلکہ مقصود کیفیت دریافت کرنا تھا کہ آیا ہم دونوں میاں بی بی اس طرح بوڑھے رہیں گے جیسے اب ہیں اور اسی حال میں اولاد ہو جائے گی یا ہماری حالت کچھ تبدیل کی جائے گی جواب کا حاصل یہ ہوا کہ نہیں تم بوڑھے ہی رہو گے پھر بھی اولاد ہو جائے گی اب اس میں کوئی اشکال نہیں رہا اور لڑکا ہونا یحییٰ نام سن کر معلوم ہو گیا تھا۔

قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اسی حالت میں لڑکا ہو جاوے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ جو کچھ ارادہ کریں کر دیتے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا

رَبِّ اجْعَلْ لِّىْٓ اٰيَةً ؕ

اے پروردگار میرے واسطے کوئی نشانی مقرر کر دیجئے۔

جس سے مجھ کو معلوم ہو جائے کہ اب حمل رہ گیا اور یہ درخواست اس لئے کی تا کہ جلدی خوشی حاصل ہو جائے دوسرے تا کہ پہلے ہی سے شکر میں مشغول ہوں اور یہ جو نشانی مقرر کی گئی کہ آدمیوں کے ساتھ کلام کی قدرت نہ رہے گی اس میں لطافت یہ ہے کہ نشانی سے جوان کا مقصود تھا کہ شکر ادا کریں نشانی بھی ایسی تجویز کی گئی کہ بجز اس مقصود کے دوسرے کام ہی کے نہ رہیں نشانی کی نشانی ہو گئی اور مقصود کا مقصود حاصل ہو گیا۔

قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہاری نشانی یہی ہے کہ تم لوگوں سے تین روز تک باتیں

اِلَّا رَمْزًا ؕ

نہ کر سکو گے۔ بجز اشارے کے۔

ہاتھ سے یا سر سے جب یہ نشانی دیکھو تو سمجھ جانا کہ اب گھر میں امید ہے اور یہ نہ بول سکنا اضطراری تھا کہ بات کر ہی نہ سکتے تھے اختیاری نہ تھا کیونکہ اس صورت میں نشانی کیونکر ظاہر ہوتی اور اس زمانہ میں آدمیوں سے بات کرنے پر قدرت نہ رہی تھی ذکر اللہ وغیرہ پر قادر تھے اس لئے فرمایا (آگے ترجمہ)

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِىِّ

اور اپنے رب کو (دل سے) بکثرت یاد کیجئے اور (زبان سے بھی) تسبیح (وتقدیس) کیجئے دن ڈھلے کو بھی اور صبح کو بھی۔

صبح وشام سے مراد یا تو تمام اوقات ہیں یا صرف دن دن مراد ہے پس رات کو بوجہ نیند کا وقت ہونے کے تمام رات ذکر کا امر نہیں فرمایا ہوگا اور اس آیت میں تو تین روز ہیں دوسری آیت میں تین رات فرمایا ہے مراد تین دن تین رات ہیں پس دونوں آیتیں صحیح ہیں واذقالت الملئکۃ تا مع الراکعین

وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾ وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ

کہ اس کی قدرت رہے گی اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جبکہ فرشتوں نے کہا

فرشتوں کے کلام کرنے سے حضرت مریمؑ کی نبوت کا شبہ نہ کیا جائے کیونکہ فرشتوں کا کلام کرنا نبوت کی خصوصیات سے نہیں چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت عمران بن حصینؓ کو فرشتوں کا سلام کرنا منقول ہے نبوت کا خاصہ وہ کلام ہے جو ایسے شخص سے کیا جائے جس کو تبلیغ احکام کا امر کیا گیا ہو۔

يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ

اے مریم بلاشک اللہ تعالیٰ نے تم کو منتخب (یعنی مقبول فرمایا ہے) اور پاک بنایا ہے

تمام ناپسندیدہ اخلاق واعمال سے

وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾

اور تمام جہان بھر کی بیبیوں کے مقابلہ میں تم کو منتخب فرمایا ہے

لفظ نساء عربی میں بالغہ جوان عورتوں کے ساتھ خاص ہے اس سے بظاہر یہ معلوم

ہے کہ فرشتوں کا یہ کلام حضرت مریم کے جوان ہونے کے بعد ہوا تھا اس بنا پر منتخب ہونے کا بیان دوبارہ اس لئے ہوا کہ پہلا انتخاب بچپن میں ہو چکا تھا۔ مثلاً نذر میں ان کا مقبول ہو جانا بے فصل میووں کے آنے سے ان کی کرامت ظاہر ہونا وغیرہ وغیرہ اور دوسرا انتخاب جوانی میں ہوا کہ فرشتوں نے ان سے کلام کیا بے شوہر کے خدا نے بچہ دے کر ان کی کرامت ظاہر کی پھر ان بچہ ہی کی زبانی ان کی برات ثابت کی وغیرہ وغیرہ

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِىْ وَارْكَعِىْ

اے مریم اطاعت کرتی رہو اپنے پروردگار کی اور سجدہ کیا کرو اور رکوع کیا کرو ان

مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

لوگوں کے ساتھ جو رکوع کرنے والے ہیں۔

بعض مفسرین نے نقل کیا ہے کہ بعض یہود نے نماز میں رکوع چھوڑ دیا تھا جیسے بیماری میں بعض لوگ قومہ چھوڑ دیتے ہیں اور بعضے رکوع کرتے تھے اس لئے حق تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ نماز کے طریقہ میں ان لوگوں کے ساتھ رہنا جو رکوع بھی کیا کرتے ہیں پس مقصود رکوع کا اہتمام ہے۔

ذٰلِكَ

یہ قصے

جو اوپر مذکور ہوئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت کے اعتبار سے منجملہ غیب کی خبروں کے ہیں کہ آپ کے پاس کوئی ظاہری ذریعہ ان کے معلوم کرنے کا نہ تھا **ربط**: اوپر کی آیت بطور جملہ معترضہ کے تھی جو نبوت محمدیہ کے ثابت کرنے کے لئے لائی گئی تھی آگے پھر حضرت مریمؑ کا قصہ مذکور ہوتا ہے جس میں زیادہ مقصود عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کرنا ہے۔ واذقالت الملئکۃ تا من الصلحین

مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا

منجملہ غیب کی خبروں کے ہیں۔ ہم ان کی وحی بھیجتے ہیں آپ کے پاس اور آپ ان لوگوں کے پاس

كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ

نہ تو اس وقت موجود تھے جبکہ وہ (قرعہ کے طور پر) اپنے قلموں کو (پانی میں ڈالتے تھے کہ ان سب

يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ

میں سے کون شخص حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت کرے اور نہ آپ ان کے پاس اس وقت

يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ

موجود تھے جبکہ باہم اختلاف کر رہے تھے۔ (اس وقت کو یاد کرو) جبکہ فرشتوں نے (یہ بھی) کہا

اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ ق

کہ اے مریم علیہا السلام بیشک اللہ تعالیٰ تم کو بشارت دیتے ہیں ایک کلمہ کی جو منجانب اللہ ہوگا۔

یعنی ایک بچہ کی بشارت دیتے ہیں جو بوجہ بے باپ کے پیدا ہونے کے کلمۃ اللہ کہلاوے گا۔

اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا

اس کا نام (و لقب) مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا۔ باآبرو ہوں گے

فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ لا

دنیا میں اور آخرت میں اور من جملہ مقربین ہوں گے۔

یعنی حق تعالیٰ ان کو دنیا میں بھی آبرو دیں گے کہ نبوت عطا ہوگی اور آخرت میں بھی آبرو دیں گے کہ اپنی امت کے مومنوں کے واسطے شفاعت کریں گے اور شفاعت قبول ہوگی اور علاوہ نبوت وشفاعت کے جس کا تعلق دوسروں سے بھی ہے ذاتی کمالات کے ساتھ بھی موصوف ہوں گے کہ عنداللہ مقرب ہوں گے۔

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا

اور آدمیوں سے کلام کریں گے گہوارہ میں اور بڑی عمر میں

یعنی دونوں حالتوں میں یکساں کلام کریں گے دونوں کلاموں میں تفاوت نہ ہوگا مطلب یہ کہ وہ صاحب معجزہ ہی ہوں گے۔

وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾

اور شائستہ لوگوں میں سے ہوں گے۔

اس شائستگی کی حقیقت اوپر یحییٰ علیہ السلام کے قصہ میں گزر چکی ہے اور یہ بشارت دینا سورہ مریم میں جبرئیل علیہ السلام کی طرف بعنوان دیگر منسوب کیا گیا ہے۔ اور یہاں ملائکہ کی طرف اب یا تو یہاں ملائکہ سے مراد جبرائیل علیہ السلام ہی ہوں گے اور ان کو جمع کے لفظ سے تعبیر کرنا ایسا ہوگا جیسا کہ ہمارا محاورہ ہے کہ علماء کا اس مسئلہ میں یہ قول ہے چاہے ایک ہی عالم سے سنا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ اور فرشتے بھی اس بشارت دینے میں شریک ہوں اور عیسیٰ علیہ السلام کا بچپن میں بولنا سورۂ مریم میں آئے گا قالت رب انی یکون تا فیکون

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ

حضرت مریم علیہا السلام بولیں اے میرے پروردگار کس طرح ہوگا میرے بچہ حالانکہ مجھ کو

بَشَرٌ ط

کسی بشر نے ہاتھ نہیں لگایا۔

یعنی نہ جائز طریق سے نہ ناجائز طریق سے کوئی مرد مجھ سے ہمبستر نہیں ہوا اور عادۃً بچہ بدوں مرد کے پیدا نہیں ہوتا تو معلوم نہیں کہ مجھ کو نکاح کا حکم کیا جائے گا یا ویسے ہی محض قدرت خداوندی سے بچہ ہو جاوے گا۔

قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ط

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ویسے ہی (بلا مرد کے) ہوگا (کیونکہ) اللہ تعالیٰ جو چاہیں پیدا کر دیتے ہیں۔

یعنی کسی چیز کے پیدا ہونے کے لئے صرف ان کا چاہنا ہی کافی ہے کسی واسطہ اور خاص سبب کی ان کو حاجت نہیں اور ان کے چاہنے کا طریقہ یہ ہے کہ (آگے ترجمہ)

اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٤٧﴾

جب کسی چیز کو پورا کرنا چاہتے ہیں تو اس کو کہہ دیتے ہیں کہ ہو جا پس وہ چیز ہو جاتی ہے۔

پس اگر اسباب وذرائع کے بعد موجود ہونے کو فرمادیا تو وہ اس طرح ہو جاتی ہے اور اگر اسباب ووسائط کے بغیر فرمادیا وہ ویسے ہو جاتی ہے اور بدوں اسباب کے کسی چیز کے پیدا ہونے میں عقلی استحالہ کوئی نہیں کیونکہ اگر بدوں اسباب کے کوئی چیز موجود نہ ہو سکے تو وہ اسباب بھی تو کوئی چیز ہیں وہ کیسے بدوں اسباب کے موجود ہو گئے اگر ان کے واسطے بھی اسباب فرض کئے جائیں تو سلسلہ غیر متناہی چلے گا جو محال ہے۔ بالآخر ماننا پڑے گا کہ کوئی چیز بدوں اسباب کے بھی محض قدرت سے پیدا ہو سکتی ہے اور اس میں اسباب وغیرہ سب برابر ہیں تو ہر چیز بدوں اسباب کے موجود ہو سکتی ہے یہ اسباب محض حکمت اور آزمائش کے لئے مقرر ہیں پس عیسیٰ علیہ السلام کی عجیب پیدائش کا اعتقاد کرنا لازم ہوگا کیونکہ عقلاً ایسا ہونا ممکن ہے اور مخبر صادق نے اس کے وقوع کی خبر دی ہے پس انکار کی کوئی وجہ نہیں ۱۲ ویعلمه الكتاب تا مستقیم

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿٤٨﴾ ج

اور اللہ تعالیٰ ان کو تعلیم فرماویں گے (آسمانی) کتابیں اور سمجھ کی باتیں اور (بالخصوص)

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ

توریت اور انجیل اور ان کو بنی اسرائیل کی طرف بھیجیں گے (پیغمبر بنا کر) کہ

بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ لا

میں تم لوگوں کے پاس (اپنی نبوت پر) کافی دلیل لے کر آیا ہوں۔

اے مریم اس مولود مسعود کی یہ فضیلتیں ہوں گی کہ آگے ترجمہ

اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ

وہ یہ ہے کہ میں تم لوگوں کے لئے گارے سے ایسی شکل بناتا ہوں جیسی پرندہ کی شکل

فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ ج

ہوتی ہے پھر اس کے اندر پھونک مار دیتا ہوں جس سے وہ (جاندار) پرندہ بن جاتا

وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى

ہے۔ خدا کے حکم سے اور میں اچھا کر دیتا ہوں مادر زاد اندھے کو اور برص (جذام)

بِاِذْنِ اللّٰهِ ج وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا

کے بیمار کو اور زندہ کر دیتا ہوں مردوں کو خدا کے حکم سے اور میں تم کو بتلا دیتا ہوں جو

تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُيُوْتِكُمْ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً

کچھ اپنے گھروں میں کھایا کرتے ہو اور جو رکھ آتے ہو۔ بلاشبہ ان میں (میری

لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٤٩﴾ ج وَمُصَدِّقًا لِّمَا

نبوت کی) کافی دلیل ہے تم لوگوں کے لئے اگر تم ایمان لانا چاہو۔ اور میں اس

بَيْنَ يَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ

طور پر آیا ہوں کہ تصدیق کرتا ہوں اس کتاب کی جو مجھ سے پہلے تھی یعنی توریت کی

بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ

اور اس لئے آیا ہوں کہ تم لوگوں کے لئے بعضی ایسی چیزیں حلال کر دوں جو تم پر حرام

مِّنْ رَّبِّكُمْ قف فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿٥٠﴾

کر دی گئی تھیں اور میں تمہارے پاس دلیل (نبوت) لے کر آیا ہوں۔ حاصل یہ کہ تم

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ط هٰذَا صِرَاطٌ

لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔ بیشک اللہ تعالیٰ میرے بھی رب ہیں اور

مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٥١﴾

تمہارے بھی رب ہیں۔ سو تم لوگ اس کی عبادت کرو بس یہ ہے راہ راست۔

جس میں عقائد واعمال دونوں کی تکمیل ہو اس سے نجات اور وصول الی اللہ میسر ہوتا ہے۔ مسئلہ: پرندہ کی شکل بنانا تصویر تھا جو اس شریعت میں جائز

تھا ہماری شریعت میں اس کا جواز منسوخ ہو گیا اب بنانا جائز نہیں اور اندھے مادرزاد اور کوڑھی کا اچھا ہو جانا اگر ممکن بھی ہو تب بھی معجزہ اس وجہ سے تھا کہ بدوں اسباب طبعیہ کے اچھا کر دیا **فلما احس عیسیٰ تا من الشھدین**

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ

سو جب عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے انکار دیکھا تو آپ نے فرمایا کوئی ایسے آدمی بھی ہیں جو

مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ

میرے مددگار ہو جاویں اللہ کے واسطے۔ حواریین بولے کہ ہم ہیں مددگار اللہ (کے دین) کے

نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ

ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور آپ اس کے گواہ رہئے کہ ہم فرمانبردار ہیں۔ اے ہمارے

بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ

رب ہم ایمان لے آئے ان چیزوں (یعنی احکام) پر جو آپ نے نازل فرمائیں اور پیروی

وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾

اختیار کی ہم نے (ان) رسول کی سو ہم کو ان لوگوں کے ساتھ لکھ دیجئے جو تصدیق کرتے ہیں۔

یعنی مومنین کاملین کے زمرہ میں ہمارا بھی شمار فرمائیے یہاں ایک بات قابل تحقیق ہے وہ یہ کہ ورسولا الی بنی اسرائیل سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور اس آیت سے معلوم ہوا کہ آپ نے حواریین کو بھی دعوت ایمان فرمائی اس سے شبہ ہوتا ہے کہ آپ کی بعثت و نبوت عام تھی کسی قوم کے ساتھ خاص نہیں تھی حالانکہ بعثت عامہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے آپ کے سوا کسی کی نبوت و دعوت عام نہ تھی جواب یہ ہے کہ اگر حواریین بھی بنی اسرائیل میں سے ہوں تب تو کچھ اشکال ہی نہیں اور آیات وحدیث سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے چنانچہ سورہ صف میں حواریین کے ایمان لانے کا بیان کر کے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے **فامنت طائفۃ من بنی اسرائیل و کفرت طائفۃ** یعنی بنی اسرائیل میں سے ایک جماعت ایمان لائی اور ایک جماعت نے کفر کیا اس سے بظاہر یہی سمجھا جاتا ہے کہ حواریین جو کہ ایمان لائے تھے وہ بھی بنی اسرائیل میں سے تھے اور ایک حدیث روح المعانی میں بروایت ابوالشیخ ابن عباسؓ سے منقول ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ تیس روزے رکھ کر اللہ تعالیٰ سے جو درخواست کرو گے قبول ہو گی انہوں نے روزے رکھ کر آسمان سے کھانے کا خوان پکا ہوا اترنے کی درخواست کی الخ اور قرآن میں صراحۃً یہ درخواست حواریین کی طرف منسوب کی ہے اس مجموعہ سے معلوم ہوا کہ حواریین بنی اسرائیل میں سے تھے اس بناء پر تو اشکال کی اصل ہی منہدم ہو گئی اور اگر مان بھی لیا جائے کہ حواریین بنی اسرائیل میں سے نہیں تھے تب بھی عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت عامہ ثابت نہیں کیونکہ جن انبیاء علیہم السلام کی دعوت عام نہیں تھی ان کے زمانہ میں علاوہ ان کی قوم کے باقی لوگوں پر بھی بشرطیکہ ان کو خبر پہنچ جائے اصول دین میں اس نبی کا اتباع واجب ہوتا تھا کیونکہ اصول تمام شرائع کے متحد ہیں اور فروعات میں یہ تفصیل ہے کہ اگر ان بقایا آدمیوں میں کوئی نبی دوسرے مبعوث ہوئے ہوں تو ان پر فروعات میں صرف اپنے نبی کا اتباع واجب ہوتا تھا اور جن کی طرف کوئی نبی مبعوث نہ ہو ان پر اس جدید نبی کا اتباع واجب تھا پس حواریین کی طرف چونکہ کوئی خاص نبی مبعوث نہیں ہوئے تھے اس لئے عیسیٰ علیہ السلام کا اتباع ان پر واجب تھا اس لئے ان کو دعوت دین فرمائی اس لئے عموم بعثت لازم نہیں آیا کیونکہ عموم بعثت سے مراد یہ ہے کہ اصول وفروع سب میں کوئی شخص اس نبی کی دعوت سے مستثنیٰ نہ رہے خواہ ان میں کوئی نبی خاص طور پر آیا ہو یا نہ آیا ہو ایسی دعوت عامہ سوائے ہمارے حضورؐ کے کسی کی نہیں ہوئی اور نوح علیہ السلام کے زمانہ میں طوفان عام ہونے سے عموم بعثت کا شبہ نہ کیا جائے کہ اگر ان کی نبوت عام نہ ہوتی تو سارا عالم کیوں غرق ہوتا صرف ان کی قوم بوجہ ان کی نافرمانی کے غرق ہوتی جواب یہ ہے کہ ابھی بیان کیا گیا ہے کہ اصول میں ہر نبی کا اتباع واجب ہے اور اس وقت تمام لوگ توحید میں خلاف کر رہے تھے جو اصل الاصول ہیں اس لئے ان کو اس کی سزا دی گئی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ فروعات میں بھی تمام عالم پر نوح علیہ السلام کا اتباع فرض تھا پس ان کی نبوت بھی عامہ نہ تھی ۱۲ **ومکروا و مکر اللہ تا تختلفون**

وَمَكَرُوْا

اور ان لوگوں نے خفیہ تدبیر کی

یعنی جو لوگ بنی اسرائیل میں سے آپ کی نبوت کے منکر اور آپ کی ضرر رسانی اور ہلاکت کے درپے تھے انہوں نے مکر وحیلہ سے آپ کو گرفتار کر کے سولی دینے کا ارادہ کیا۔

وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ

اور اللہ تعالیٰ نے خفیہ تدبیر فرمائی۔

آپ کے محفوظ رکھنے کے لئے جس کی حقیقت کا ان لوگوں کو پتہ بھی نہ لگا کیونکہ حق تعالیٰ نے ایک اور شخص کو عیسیٰ کے ہم شکل بنا دیا اور عیسیٰ کو آسمان پر اٹھا لیا جس سے وہ محفوظ رہے اور وہ ہم شکل سولی دیا گیا ان لوگوں

کو حق تعالیٰ کی تدبیر کا علم بھی پہلے سے نہ ہو سکا اس کو دفع تو کیا کرتے

وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿٥٤﴾

اور اللہ تعالیٰ سب تدبیر کرنے والوں سے اچھے ہیں۔

کیونکہ دوسروں کی تدبیریں کمزور ہوتی ہیں اور کبھی بے ڈھنگی اور بے موقع بھی ہوتی ہیں اور حق تعالیٰ کی تدبیریں قوی بھی ہوتی ہیں اور ہمیشہ خیر اور موافق حکمت کے ہوتی ہیں اور وہ تدبیر اللہ تعالیٰ نے اس وقت فرمائی (آگے ترجمہ)

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ

جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے عیسیٰ (کچھ غم نہ کرو) بیشک میں تم کو وفات دینے والا ہوں۔

پس جب تمہارے لئے طبعی موت مقدر ہے تو ظاہر ہے کہ ان دشمنوں کے ہاتھوں دار پر جان دینے سے محفوظ رہو گے یہ وعدہ اس وقت پورا ہوگا جبکہ قرب قیامت میں عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے زمین پر تشریف لاویں گے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے۔

وَرَافِعُكَ اِلَىَّ

اور (فی الحال) میں تم کو اپنی طرف اٹھائے لیتا ہوں۔

یعنی میں عالم بالا کی طرف تم کو اٹھائے لیتا ہوں یہ وعدہ اسی وقت پورا کیا گیا چنانچہ سورۂ نساء میں اس کے پورا کر دینے کی خبر دی گئی ہے۔ بل رفعه الله اليه اب وہ آسمان پر زندہ موجود ہیں اور اگرچہ پہلا وعدہ وفات طبعی دینے کا بعد میں پورا ہوگا لیکن اس کو پہلے اس لئے ذکر کیا گیا کہ وہ دوسرے وعدہ کے لئے یعنی عالم بالا کی طرف اٹھائے جانے کے لئے ایک گونہ دلیل ہے اور دلیل کا رتبہ مقدم ہوتا ہے۔ اور لفظ واو ترتیب کے لئے موضوع نہیں اس لئے اس تقدیم و تاخیر میں کوئی اشکال نہیں اس تقریر سے ان لوگوں کی غلطی ظاہر ہو گئی جو آج کل دعویٰ بلا دلیل کرتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو گئی اور وہ مدفون ہو گئے اور قیامت کے قریب تشریف نہ لاویں گے مزید تفصیل بیان القرآن میں ملاحظہ ہو

وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ

اور تم کو ان لوگوں سے پاک کرنے والا ہوں جو منکر ہیں اور جو لوگ تمہارا کہنا ماننے

الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

والے ہیں ان کو غالب رکھنے والا ہوں ان لوگوں پر جو کہ (تمہارے) منکر ہیں

اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ

روز قیامت تک۔ پھر میری طرف ہوگی سب کی واپسی۔ سو میں تمہارے درمیان

بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿٥٥﴾

(عملی) فیصلہ کر دوں گا ان امور میں جن میں تم باہم اختلاف کرتے تھے۔

کہ منجملہ ان امور کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقدمہ بھی ہے۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا

تفصیل (فیصلہ کی) یہ ہے کہ جو لوگ (ان اختلاف کرنے والوں) میں کافر

شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ

تھے سو ان کو سخت سزا دوں گا۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور ان لوگوں

مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٥٦﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

کا کوئی حامی (طرفدار) نہ ہوگا اور جو لوگ مومن تھے اور انہوں نے نیک کام

الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ

کئے تھے سو ان کو اللہ تعالیٰ ان کے (ایمان اور نیک کاموں کے) ثواب دیں

لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٧﴾

گے اور اللہ تعالیٰ محبت نہیں رکھتے ظلم کرنے والوں سے

اور بڑا ظلم یہ ہے کہ خدا کے ساتھ دوسروں کو شریک کیا جائے ۱۲

ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ

یہ ہم تم کو پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں جو کہ (آپ کے) منجملہ دلائل (نبوت) کے ہے اور منجملہ

الْحَكِيْمِ ﴿٥٨﴾ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ

حکمت آمیز مضامین کے ہے۔ بیشک حالت عجیبہ (حضرت) عیسیٰ کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک

یعنی ان کی تجویز ازلی میں اور مطلب اس کا یہ ہے کہ پیدا کرنے کے قبل علم الٰہی میں یوں ہی مقدر تھا کہ ان حضرات کی پیدائش اس خاص کیفیت سے ہوگی ۱۲

كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ

مشابہ حالت عجیبہ (حضرت) آدم کے ہے کہ ان (کے قالب) کو مٹی سے بنایا

قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٥٩﴾

پھر ان کو حکم دیا کہ (جاندار) ہو جاؤ پس وہ (جاندار) ہو گئے۔

حاصل تقریر کا یہ ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام کا بے باپ کے پیدا ہونا قدرت

خداوندی سے کوئی بعید نہیں چنانچہ ان سے پہلے آدم علیہ السلام بے باپ اور بے ماں کے محض مٹی ہی سے پیدا ہوئے پس عیسیٰ علیہ السلام کا صرف ماں کے خون سے بننا اتنا عجیب نہیں جتنا آدم علیہ السلام کا مٹی سے بننا عجیب تر ہے پھر آدم علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا کوئی نہیں مانتا تو عیسیٰ علیہ السلام پر محض بے باپ کے پیدا ہونے سے یہ شبہ کیونکر ہو سکتا ہے **ربط**: آگے اس مضمون کے حق ہونے کو مؤکد کرتے ہیں الحق من ربک الخ

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ (٦٠)

یہ امر واقعی آپ کے پروردگار کی طرف سے (بتلایا گیا ہے) سو آپ شبہ کرنے والوں میں سے نہ ہو جئے۔

اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نعوذ باللہ حضور میں شک وشبہ کرنے کا احتمال تھا بات یہ ہے کہ کسی مضمون کی تاکید کبھی تو اس لئے کیا کرتے ہیں کہ مخاطب کی جانب میں کوتاہی کرنے کا احتمال ہے اور کبھی مضمون کی تاکید محض اس لئے کرتے ہیں کہ اس مضمون کا مہتم بالشان ہونا ظاہر ہو جائے جیسے کوئی بادشاہ سفر کا ارادہ کرے تو اپنے وفادار وزیر سے کہتا ہے کہ دیکھو سب کام اسی طرح ہوتے رہیں گے ان میں کوتاہی نہ کرنا تو اس کلام سے مقصود ان کاموں کے مہتم بالشان ہونے کو جتلانا ہے اور یہ وہ بھی جانتا ہے کہ وزیر سے اگر نہ بھی کہا جائے تب بھی وہ ایسا ہی کرے گا اس میں کوتاہی کرنے کا احتمال بھی نہیں اسی طرح یہاں سمجھو کہ حق تعالیٰ نے یہ تاکید محض اس لئے فرمائی کہ یہ مضمون خود قابل اہتمام کے ہے نہ اس وجہ سے کہ معاذ اللہ حضور میں کوتاہی کا احتمال ہے **ربط**: اوپر کی تقریر تو طالبان حق کے سمجھانے کے لئے تھی آگے معاندین اور ہٹ دھرم لوگوں کے ساکت کرنے کا طریقہ بتلاتے ہیں۔ فمن حاجک فیہ تا علی الکذبین

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ

پس جو شخص آپ سے عیسیٰ علیہ السلام کے باب میں (اب بھی) حجت کرے۔

مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا

آپ کے پاس علم (قطعی) آئے پیچھے تو آپ فرما دیجئے آ جاؤ ہم (اور تم) بلا

وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا

لیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور

وَاَنْفُسَكُمْ قف ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ

خود اپنے تنوں کو اور تمہارے تنوں کو پھر ہم (سب مل کر) خوب دل سے دعا

اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ (٦١)

کریں اس طور پر کہ اللہ کی لعنت بھیجیں ان پر جو (اس بحث میں) ناحق پر ہوں

خلاصہ یہ کہ اس طرح بددعاء کریں کہ جھوٹے پر خدا کا قہر نازل ہو اس طرح پر بددعاء کرنے کو مباہلہ کہتے ہیں اس سے مقصود زبانی گفتگو کا ختم کرنا ہوتا ہے اور اکثر اس کا اثر جلدی ظاہر ہو جاتا ہے جس سے جھوٹے اور سچے کی تعیین سب کے نزدیک واضح ہو جاتی ہے کہ جس پر قہر کا اثر ہو وہی جھوٹا ہے اور اگر کبھی اثر ظاہر نہ ہو یا ظہور میں دیر ہو تو شبہ نہ کرنا چاہئے کیونکہ حق وباطل کا اصلی مدار دلائل شرعیہ ہیں وہ مباہلہ پر موقوف نہیں مباہلہ کی غرض صرف بحث ومباحثہ کا ختم کرنا ہے اور بس یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے نصاریٰ کو دعوت اسلام کا فرمان لکھا تھا خلاصہ اس کا یہ تھا کہ یا اسلام کو قبول کرو یا جزیہ دو یا جہاد کے لئے آمادہ رہو۔ انہوں نے مشورہ کر کے چند آدمیوں کو حضور کی خدمت میں بھیجا ان لوگوں سے آپ کی مذہبی گفتگو ہوئی۔ یہاں تک کہ عیسیٰ علیہ السلام کے مقدمہ میں کلام کی نوبت آئی اس وقت یہ آیت مباہلہ نازل ہوئی آپ نے ان کو اس مضمون کی اطلاع دی اور خود مع حضرت فاطمہؓ وحضرت علیؓ وامام حسنؓ وامام حسینؓ تشریف لا کر مباہلہ کے لئے مستعد ہوئے ان میں ایک شخص شرحبیل تھا اس نے یہ دیکھ کر اپنے ہمراہیوں سے کہا تم کو ان کا نبی ہونا معلوم ہے نبی سے مباہلہ کر کے فلاح نہیں ہو سکتی ہم سب بلا شبہ ہلاک ہو جاویں گے۔ میری رائے یہ ہے کہ ان سے صلح کر لو چنانچہ حضورؐ سے عرض کیا آپ نے ان پر جزیہ مقرر فرما دیا جس کو انہوں نے منظور کیا حدیث میں آیا ہے کہ اگر وہ لوگ مباہلہ کر لیتے تو ان کے اموال اور اہل سب ہلاک ہو جاتے اور ایک روایت میں ہے کہ جل جاتے اور در المختار وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مباہلہ اب بھی بوقت حاجت جائز ہے بشرطیکہ مسائل قطعیہ میں ہو اختلافی ظنی مسائل میں جائز نہیں **ربط** آگے اہتمام کے لئے اس مضمون کا حق ہونا اور نتیجہ کے طور پر اللہ تعالیٰ کا واحد ہونا بیان فرماتے ہیں ان ھذا تا الحکیم

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ

بیشک یہ (جو کچھ) مذکور (ہوا) وہی ہے سچی بات۔ اور کوئی معبود

اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ

ہونے کے لائق نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے اور بلا شبہ اللہ تعالیٰ ہی غلبہ والے

الْحَكِيْمُ (٦٢)

حکمت والے ہیں۔

یعنی اس کی ذات بھی واحد ہے صفات بھی بے مثل ہیں توحید ذاتی اور صفاتی دونوں اس کے لئے ثابت ہیں۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِالْمُفْسِدِیْنَ ﴿۶۳﴾

پھر (بھی) اگر سرتابی کریں تو بیشک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں فسادوالوں کو آپ

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ

فرمادیجئے کہ اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان

سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ

(مسلم ہونے میں) برابر ہے یہ کہ بجز اللہ تعالیٰ کے ہم کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اللہ

وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْـًٔا وَّ لَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا

تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کو رب نہ قرار

بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا

دے خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر۔ پھر اگر وہ لوگ (حق سے) اعراض کریں تو تم لوگ کہہ دو کہ تم

فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾

(ہمارے) اس (اقرار) کے گواہ رہو کہ ہم تو ماننے والے ہیں

ربط: آگے فساد وعناد والوں سے جو اتنی حجتوں کے بعد بھی نہ مانیں گفتگو کرنے سے باز رکھتے ہیں اور ان کا معاملہ اپنے حوالہ ہونا بتلاتے ہیں۔ فان تولوا تا بالمفسدین

ربط: اوپر اہل کتاب سے گفتگو تھی جس کو خوبی کے ساتھ ختم کردیا گیا آگے ملاطفت ونرمی کے ساتھ پھر ان کو حق کی طرف بلاتے ہیں اور اوپر زیادہ روئے سخن نصاریٰ سے تھا اب عام الفاظ میں یہود ونصاریٰ دونوں کو شامل کرتے ہیں قل یا ھل الکتاب تا مسلمون

اگر تم نہ مانو تو تم جانو اس مضمون کو مسلم اس لئے کہا گیا کہ تمام شرائع میں اس کی تعلیم ہوئی ہے اور اجمالاً بطور قاعدہ کلیہ کے اہل کتاب بھی اس کو مانتے تھے کہ توحید فرض ہے اور شرک کفر ہے اور کسی مخلوق کو رب قرار دینا شرک ہے لیکن باوجود اس کے خدا کی بعض خاص صفات میں جیسے کہ الوہیت ہے عیسیٰ علیہ السلام یا عزیر علیہ السلام کو شریک کرتے تھے اسی طرح علماء اور راہبین کی علی الاطلاق اطاعت کرتے تھے کہ جس چیز کو وہ حلال کہہ دیں اس کو حلال اور جس کو حرام کہہ دیں اس کو حرام جانتے تھے چاہے وہ کھلم کھلا حکم خداوندی کے خلاف ہی کہہ دیں حالانکہ علی الاطلاق اطاعت خدا تعالیٰ کے لئے خاص ہے وہ لوگ اس کو شرک نہ سمجھتے تھے حالانکہ شرک کی حقیقت یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کی خاص صفات کو مخلوق کے لئے ثابت کیا جائے اور اس کے ساتھ وہ برتاؤ کیا جائے جو خدا کے ساتھ کرنا چاہئے تھا اسی لئے فرمایا کہ خدا کو چھوڑ کر راہبوں اور علماء کو رب نہ قرار دو کیونکہ احبار اور رہبان کی ایسی اطاعت میں خدا تعالیٰ کے احکام متروک ہوئے جاتے تھے حلال وحرام کردینا ان کے قبضہ میں ہوگیا تھا پس اس تقریر میں لطف یہ ہوا کہ ان کو قواعد کلیہ مسلمہ یاد دلا دیئے اس کے بعد ان باتوں کا اس میں داخل کرنا جس میں وہ مبتلا تھے اور ان کو شرک نہ سمجھتے تھے سہل کام رہ گیا اور اس تقریر سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جو تقلید اماموں کی اب اہل اسلام میں شائع ہے وہ اس آیت کے مضمون میں داخل نہیں کیونکہ وہ تقلید صریح مسائل میں نہیں ہوتی بلکہ ظنی مسائل میں ہوتی ہے وہ بھی اس شرط سے کہ کسی نص قطعی یا حدیث یا اجماع کی مخالفت نہ ہو جائے۔ اہل کتاب تو اپنے علماء کی ایسی تقلید کرتے تھے کہ اگر وہ صریح حکم خداوندی میں بھی تصرف کرنا چاہیں تو ان کو کوئی نہ روکتا تھا اس تقلید کو منع کیا گیا ہے کہ یہ شرک ہے ربط: اوپر نصاریٰ کے ان شبہات کا رد تھا جو عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں ان کو پیش آرہے تھے آگے اس گفتگو کا رد ہے جو ابراہیم علیہ السلام کے بارہ میں انہوں نے حضور کے سامنے کی تھی قصہ یہ ہوا کہ ایک بار نصاریٰ نجران اور کچھ علمائے یہود حضور کے پاس جمع تھے اور ہر فریق ابراہیم علیہ السلام کو اپنے طریق پر بتلانے لگا جس سے ان کے زعم میں رسالت محمدیہ پر قدح لازم آتا تھا اس لئے ان کی تردید فرماتے ہیں۔ پس پہلی گفتگو میں مسئلہ توحید کا اثبات تھا اور اس گفتگو میں مسئلہ رسالت محمدیہ کا اثبات ہے۔

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ

اے اہل کتاب! کیوں حجت کرتے ہو (حضرت) ابراہیم کے بارہ میں

کہ وہ طریق یہودیت پر تھے یا نصرانیت پر

وَ مَاۤ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَ الْاِنْجِیْلُ اِلَّا

حالانکہ نہیں نازل کی گئی تورات اور انجیل مگر ان کے

مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ

(زمانے کے بہت) بعد

اور یہ دونوں طریق ان ہی کتابوں سے ظاہر ہوئے پہلے سے ان کا وجود بھی نہ تھا پھر ابراہیم علیہ السلام ان طریقوں پر کیسے ہوسکتے ہیں۔

أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٦٥﴾ هَآأَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ

کیا پھر سمجھتے نہیں ہو۔ ہاں تم ایسے ہو کہ ایسی بات میں تو حجت کر ہی چکے تھے

فِيمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّونَ

جس سے تم کو کسی قدر تو واقفیت تھی۔ سو ایسی بات میں کیوں حجت کرتے ہو

فِيمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

جس سے تم کو اصلاً واقفیت نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں

وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٦﴾ مَا كَانَ إِبْرٰهِيمُ

اور تم نہیں جانتے۔ ابراہیم (علیہ السلام) نہ تو

يَهُودِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ

یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے۔ لیکن (البتہ) طریق مستقیم والے (یعنی)

حَنِيفًا مُّسْلِمًا ۖ

صاحب اسلام تھے۔

اس پر یہ شبہ ہوگا کہ اسلام بھی تو ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے موخر ہے پھر وہ صاحب اسلام کیسے ہوئے اس کا جواب سورۂ بقرہ میں ام کنتم شہداء کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٦٧﴾ إِنَّ

اور مشرکین میں سے (بھی) نہ تھے۔ بلاشبہ سب آدمیوں میں سے زیادہ

أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرٰهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ

خصوصیت رکھنے والے (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کے ساتھ البتہ وہ

وَهٰذَا النَّبِيُّ

لوگ تھے جنہوں نے ان کا اتباع کیا تھا اور یہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ کی امت کی زیادہ خصوصیت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ یہ ہے کہ آپ اصول میں اور بہت سے فروع میں ان سے موافقت رکھتے ہیں۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا ۗ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٨﴾

اور یہ ایمان والے۔ اور اللہ تعالیٰ حامی ہیں ایمان والوں کے دل سے چاہتے

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّونَكُمْ

ہیں بعضے لوگ اہل کتاب میں سے اس امر کو کہ تم کو (دین حق سے) گمراہ کر

وَمَا يُضِلُّونَ

دیں اور وہ کسی کو گمراہ نہیں کر سکتے۔

نہ خاص صحابہ کو اور نہ عام اہل اسلام کو عوام میں سے کوئی خود گمراہ ہونا چاہے تو ہو جائے مگر گمراہ کرنا ان کے اختیار و قدرت سے باہر ہے۔

إِلَّآ أَنْفُسَهُمْ

مگر خود اپنے آپ کو

اس کے وبال میں خود کو گرفتار کر رہے ہیں ۱۲

وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿٦٩﴾

اور اس کی اطلاع نہیں رکھتے

اگر اس جماعت سے مراد جہلاء ہوں تب تو اس میں کوئی اشکال نہیں کہ ان کو اپنی کرتوتوں کے انجام کی خبر نہیں اور علماء ہوں تو مطلب یہ ہے کہ اس طرف التفات نہیں کرتے کیونکہ ان میں جو عالم تھے وہ اسلام کی حقانیت اور گمراہ کرنے کے وبال سے آگاہ تھے مگر التفات نہ کرنے کے سبب ان کا جاننا مثل نہ جاننے کے تھا۔ ربط: آگے اس گمراہی اور گمراہ کرنے پر ان کو ملامت فرماتے ہیں یاھل الکتٰب لم تکفرون تا تعلمون

يٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيٰتِ اللّٰهِ

اے اہل کتاب! کیوں کفر کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ

جو کہ تورات و انجیل میں نبوت محمدیہ پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرنا ان آیات کی تکذیب کرنا ہے اور آیات اللہ کی تکذیب کفر ہے

وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ ﴿٧٠﴾

حالانکہ تم اقرار کرتے ہو

زبان سے کہتے ہو کہ وہ آیات حق ہیں یہ تو گمراہ ہونے پر ملامت ہوئی آگے گمراہ کرنے پر ملامت فرماتے ہیں۔

يٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ

اے اہل کتاب! کیوں مخلوط کرتے ہو واقعی (مضمون یعنی نبوت محمدیہ) کو غیر

وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾ ع

واقعی سے اور چھپاتے ہو واقعی بات کو حالانکہ تم جانتے ہو۔

کہ حق بات کو ہم چھپا رہے ہیں یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اگر کوئی جانتا نہ ہو یا اقرار نہ کرتا ہو تو اس کو کفر جائز ہے جواب یہ ہے کہ کفر تو کسی حال میں جائز نہیں مگر اقرار و علم کے بعد کفر کرنا بہت زیادہ قبیح اور زیادہ قابل ملامت ہے اس لئے وانتم تشهدون و تعلمون زیادہ ملامت کرنے کے لئے بڑھا دیا **ربط**: اوپر ذکر تھا کہ بعض اہل کتاب مسلمانوں کے گمراہ کرنے کی فکر میں ہیں آگے ان کی ایک چال کا ذکر ہے جو انہوں نے مسلمانوں کے بہکانے کے لئے چلی تھی۔ **وقالت طائفة تا ذوالفضل العظيم**

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا

اور بعضے لوگوں نے اہل کتاب میں سے کہا کہ ایمان لے آؤ اس پر جو نازل کی

بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ

گئی ہے مسلمانوں پر (یعنی قرآن پر) شروع دن میں اور

النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾ صلے

پھر انکار کر بیٹھو آخر دن میں (یعنی شام کو) عجب کیا وہ پھر جاویں۔

یعنی مسلمانوں کو بھی اسلام اور قرآن کے حق ہونے میں شبہ پڑ جائے اور یہ خیال کریں کہ اہل کتاب علم والے ہیں اور بے تعصب بھی ہیں کہ اسلام قبول کرلیا اس پر بھی جو وہ پھر گئے تو ضرور اسلام کا ناحق ہونا ان کو دلائل علمی سے ثابت ہو گیا ہوگا اور اہل کتاب نے یہ بھی باہم کہا کہ مسلمانوں کے دکھلانے کو صرف ظاہری ایمان لانا (آگے ترجمہ)

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ط

اور (صدق دل سے) کسی کے روبرو اقرار مت کرنا
مگر ایسے شخص کے روبرو جو تمہارے دین کا پیرو ہو

اس کے سامنے تو اپنے قدیم دین کا اقرار خلوص دل سے کرنا چاہئے باقی مسلمانوں کے سامنے ویسے ہی زبانی اسلام کا اقرار کر لینا حق تعالیٰ اس تدبیر کے لچر ہونے کو ظاہر فرماتے ہیں۔ (آگے ترجمہ)

قُلْ

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے۔

کہ ان چالاکیوں سے کچھ نہیں ہوتا کیونکہ ہدایت اللہ کی طرف سے ہے تو جس کو وہ ہدایت پر قائم رکھنا چاہیں اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا۔

اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ لا اَنْ يُّؤْتٰٓى

کہ یقیناً ہدایت ہدایت اللہ کی ہے ایسی باتیں اس لئے کرتے ہو کہ کسی اور کو

اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ

بھی ایسی چیز مل رہی ہے جیسی تم کو ملی تھی یا وہ لوگ تم پر غالب آ جاویں۔

عِنْدَ رَبِّكُمْ ط

تمہارے رب کے نزدیک

خلاصہ یہ کہ تم کو مسلمانوں پر یہ حسد ہے کہ ان کو آسمانی کتاب کیوں مل گئی یا یہ لوگ ہم پر مذہبی مناظرہ میں کیوں غالب آ جاتے ہیں اس حسد کی وجہ سے اسلام اور اہل اسلام کے تنزل کی کوشش کر رہے ہو آگے اس حسد کا رد ہے۔

قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ج يُؤْتِيْهِ مَنْ

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ بیشک فضل تو خدا کے قبضہ میں ہے وہ اس کو جسے

يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ لا ج يَّخْتَصُّ

چاہیں عطا فرمائیں۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے ہیں خوب جاننے والے ہیں۔ خاص کر

بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾

دیتے ہیں اپنی رحمت (وفضل) کے ساتھ جس کو چاہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں۔

پس اس وقت برعایت حکمت مسلمانوں پر فضل و رحمت فرما دیا اس میں حسد کرنا فضول اور جہل ہے ۱۲ **ربط**: اوپر اہل کتاب کی دینی خیانت کا ذکر تھا کہ خدا کی آیتوں کو چھپاتے اور ان میں خلط ملط کرتے ہیں آگے ان کی مالی خیانت کا ذکر ہے اور چونکہ بعضے ان میں امانت دار بھی تھے اس لئے دونوں قسموں کا ذکر فرماتے ہیں۔ **و من اهل الكتاب من ان تامنه تا هم يعلمون .**

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ

اور اہل کتاب میں سے بعض شخص ایسا ہے کہ (اے مخاطب) اگر تم اس کے پاس انبار کا انبار

بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ج وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ

مال بھی امانت رکھ دو تو وہ (مانگنے کے ساتھ ہی) اس کو تمہارے پاس لا رکھے اور ان ہی میں

تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ

سے بعض وہ شخص ہے کہ اگر تم اس کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھ دو تو وہ بھی تم کو ادا نہ کرے

بلکہ امانت رکھنے کا بھی اقرار نہ کرے۔

إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ط

مگر جب تک کہ تم اس کے سر پر کھڑے رہو

اس وقت تک تو خیر نہیں مکرے گا اور جہاں الگ ہوئے پھر ادا کرنے کا تو کیا ذکر ہے سرے سے امانت ہی سے مکر جاوے۔

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ

یہ (امانت کا ادا نہ کرنا) اس سبب سے ہے کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم پر غیر اہل کتاب کے

سَبِيلٌ ج

(مال کے) بارہ میں کسی طرح کا الزام نہیں

یعنی جو اہل کتاب نہیں جیسے قریش وغیرہ ان کا مال چرا لینا اور چھین لینا سب جائز ہے آگے اللہ تعالیٰ ان کے اس دعوے کی تکذیب فرماتے ہیں۔

وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۷۵﴾

اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ لگاتے ہیں۔ اور (دل میں) وہ بھی جانتے ہیں

کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حلال نہیں کیا محض من گھڑت دعویٰ ہے اس آیت میں جو بعض امانت داروں کی تعریف ہے اگر اس سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو ایمان لے آئے تھے جیسا کہ معالم میں ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد عبداللہ بن سلام صحابی ہیں کہ کسی نے ان کے پاس بارہ سو اوقیہ سونا رکھا تھا اور انہوں نے بعینہ ادا کر دیا تب تو مدح میں کوئی اشکال نہیں اور اگر مطلقاً اہل کتاب میں امانت داروں اور خائنوں کے ہونے کو بتلانا مقصود ہے چاہے وہ اسلام لائے ہوں یا نہیں تو مدح اس وجہ سے نہیں کہ یہ عمل ان کا مقبول عنداللہ ہے اور اس کا وہاں ثواب ملے گا۔ کیونکہ ثواب کسی نیک عمل پر بدوں ایمان کے نہیں ہو سکتا بلکہ مدح اس وجہ سے ہے کہ اچھی بات گو کافر کی ہو کسی درجہ میں تو اچھی ہے جس کا اثر دنیا میں نیک نامی وغیرہ اور آخرت میں اس عذاب کی کمی جو اس کے خلاف کرنے سے ہوتا ہے اور اس تقدیر پر اسلام کی غایت بے تعصبی ثابت ہوتی ہے کہ مخالف کے ہنر کی بھی بقدر واقعی داد دی جاتی ہے ۱۲ **ربط**: اوپر ان کے دعویٰ کی تکذیب تھی آگے اسی کی تاکید ہے اور وفائے عہد کی فضیلت اور بدعہدی کی مذمت صراحۃً بیان فرماتے ہیں۔ **بلیٰ من اوفیٰ** تا **ولھم عذاب الیم**

بَلَىٰ مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهٖ

کہ (خائن پر) الزام کیوں نہ ہوگا ضرور ہوگا کیونکہ جو شخص اپنے عہد کو پورا کرے

خواہ وہ عہد اللہ تعالیٰ سے ہو یا مخلوق سے کوئی جائز عہد ہو کیونکہ اگر مخلوق سے ناجائز عہد کیا تو اس کا پورا کرنا حرام ہے۔

وَاتَّقَىٰ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿۷۶﴾

اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے تو بیشک اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں (ایسے) متقیوں کو

یہاں تک ایک قانون ہوا دوسرا قانون یہ ہے (آگے ترجمہ)

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ

یقیناً جو لوگ معاوضہ حقیر لے لیتے ہیں بمقابلہ اس عہد کے جو اللہ تعالیٰ سے (انہوں نے) کیا ہے

مثلاً انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے کا عہد کیا تھا جس کو اہل کتاب رسالت محمدیہ کا انکار کر کے توڑ رہے ہیں اسی طرح خدائی عہد میں سب احکام بھی آ گئے۔

وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا

اور (بمقابلہ) اپنی قسموں کے

مثلاً حقوق العباد و معاملات میں قسم کھا کر اس کے خلاف کرنا

أُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ

ان لوگوں کو کچھ حصہ آخرت میں (وہاں کی نعمت کا) نہ ملے گا

اگر یہ آیت کفار کے حق میں لی جاوے تب تو یہ سب وعیدیں ابد الآباد کے لئے ہیں اور اگر فساق کے لئے بھی عام مانی جاویں تو معنی یہ ہوں گے کہ ایک زمانہ تک وہ ان نعمتوں کے مستحق نہ ہوں گے اب چاہے حق تعالیٰ بدوں استحقاق کے اپنے فضل سے فوراً ہی عطا فرماویں یا ایک مدت کے لئے ایسا ہو ۱۲

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ

اور نہ خدا تعالیٰ ان سے (لطف کا) کلام فرمائیں گے اور نہ ان کی طرف (محبت

الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ ص

سے) دیکھیں گے قیامت کے روز اور نہ ان کو پاک کریں گے

یزکیھم کا ایک ترجمہ اور بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی تعریف نہ کریں گے جیسے مومنین کی کریں گے اور **من اوفیٰ بعھدہ** سے یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ وفائے عہد پر حق تعالیٰ نے اپنی محبت کی بشارت دی ہے اس میں ایمان کی بھی شرط نہیں بات یہ ہے کہ عہد اللہ میں ایمان بھی داخل ہے اور آگے **اتقیٰ** کی قید سے ایمان کا ضروری ہونا صراحۃً بیان فرما دیا کیونکہ تقویٰ کا ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ کفر سے بچے۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۷﴾ وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا

اوران کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ اور بیشک ان میں سے بعضے ایسے ہیں

يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ

کہ کج کرتے ہیں اپنی زبانوں کو کتاب پڑھنے (میں)

ربط: اوپر خیانت کی مذمت کا ذکر تھا آگے ان کی ایک خاص خیانت کی عادت بیان فرماتے ہیں کہ وہ کتاب اللہ کو خاص طریقہ سے تحریف کرتے تھے **و ان منهم لفريقا تا وهم يعلمون**

یعنی اس میں کوئی لفظ یا کوئی تفسیر غلط ملا دیتے ہیں اور غلط پڑھنا کج زبانی کہلاتا ہے یا یہ کہ اپنے ملائے ہوئے الفاظ کو بھی اسی طرح بنا بنا کے پڑھتے ہیں۔ جیسے کلام الٰہی کو بنا کر پڑھتے ہیں اور اس کا کج زبانی ہونا تو ظاہر ہے ۱۲

لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ

تاکہ تم لوگ اس (ملائی ہوئی چیز) کو (بھی) کتاب کا جزو سمجھو حالانکہ وہ

الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

کتاب کا جزو نہیں اور کہتے ہیں کہ یہ (لفظ یا مطلب) خدا کے پاس سے ہے

وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى

حالانکہ وہ (کسی طرح) خدا تعالیٰ کے پاس سے نہیں

اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾

اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں۔ اور وہ جانتے ہیں

ممکن ہے کہ تحریف لفظی کرتے ہوں یعنی کتاب اللہ کے الفاظ بدلتے ہوں یا اپنی طرف سے ملاتے ہوں اس صورت میں تو دعویٰ یہ ہوتا ہے کہ یہ لفظ ہی خدا کے نازل کئے ہوئے ہیں اور ممکن ہے کہ تفسیر غلط بیان کرتے ہوں اس صورت میں یہ دعویٰ ہوتا ہے کہ یہ تفسیر قواعد شرعیہ سے ثابت ہے پہلی صورت میں تو صراحۃً اپنے کلام کو خدا کا کلام بنایا دوسری صورت میں صراحۃً تو نہیں مگر در پردہ اپنی تفسیر کو خدا کے کلام میں داخل کیا کہ اس کو قواعد شرعیہ کے موافق ظاہر کیا اور قواعد شرعیہ خدا کے نازل کئے ہوئے تھے تو گویا وہ تفسیر بھی کسی درجہ میں خدا کی طرف منسوب ہوگئی اس لئے ترجمہ میں دونوں احتمالوں کی رعایت رکھی گئی بد دینوں نے اس امت میں بھی حدیث کے اندر تو لفظی اور معنوی دونوں طرح کی تحریف کی اور قرآن میں لفظی تحریف تو نہیں کر سکے کہ اس کی حفاظت کا وعدہ حق تعالیٰ نے فرما لیا ہے البتہ معنوی تحریف قرآن میں بھی کی۔ خدا ان کو ہدایت دے۔

ربط: اوپر کی آیتوں میں اہل کتاب کے اقوال و افعال پر اعتراض تھا اگلی آیت میں ان کے ایک لغو اعتراض کو باطل کرتے ہیں جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا تھا جیسا کہ لباب النقول میں ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ حضور اقدس کی خدمت میں ایک بار یہود اور نصاریٰ نجران کے مجتمع تھے تو آپ نے ان کو اسلام کی طرف بلایا تو ابو رافع یہودی نے کہا کہ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی عبادت کریں جیسا نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں آپ نے فرمایا معاذ اللہ اس پر یہ آیت نازل ہوئی **ما كان لبشر تا مسلمون**

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ

کسی بشر سے یہ بات نہیں ہو سکتی کہ اللہ تعالیٰ اس کو کتاب

وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ

اور فہم اور نبوت عطا فرماویں

جن میں سے ہر ایک کا مقتضا کفر و شرک سے منع کرنا ہے۔

ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ

پھر وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ میرے بندے بن جاؤ

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر

خلاصہ یہ کہ نبوت کے ساتھ شرک کا حکم دینا جمع نہیں ہو سکتا ۱۲

وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ

ولیکن کہے گا کہ تم لوگ اللہ والے بن جاؤ بوجہ اس کے کہ تم کتاب (الٰہی اوروں کو بھی)

الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَا

سکھاتے ہو۔ اور بوجہ اس کے (کہ خود بھی اسکو) پڑھتے ہو اور نہ (نہ وہ بشر موصوف بالنبوۃ)

يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ

یہ بات بتلا دے گا کہ تم فرشتوں کو اور (یا دوسرے) نبیوں کو

اَرْبَابًا ۭ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ

رب قرار دے لو۔ کیا (بھلا) وہ تم کو کفر کی بات بتلا دے گا بعد اس کے کہ تم

مُّسْلِمُوْنَ ﴿٨٠﴾ ع

(واقعی یا بزعم خود) مسلمان ہو

شاید وہ معترض براہِ عناد اطاعت کو عبادت سمجھتا تھا اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کیا حالانکہ فرق ظاہر ہے کہ عبادت اور چیز ہے اطاعت اور چیز ہے اللہ تعالیٰ نے صراحۃً جواب میں ظاہر فرمادیا کہ نبی کا خدا کے سوا کسی دوسرے کی عبادت کا حکم دینا محال ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ

اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جبکہ اللہ تعالیٰ نے عہد لیا (حضرات) انبیاء

مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ

سے کہ جو کچھ میں تم کو کتاب اور علم (شریعت) دوں۔ پھر تمہارے پاس کوئی

مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ

اور پیغمبر آئے جو مصدق ہو اس (علامت) کا جو تمہارے پاس ہے

یعنی تمہاری کتاب اور شریعت میں جو علامات نبی اور رسول کی موجود ہیں وہ اس میں پائی جاتی ہوں خلاصہ یہ کہ دلائل شرعیہ سے اس کا رسول ہونا ثابت ہوجائے۔

لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ

تو تم ضرور اس (رسول) پر (دل سے) اعتقاد بھی لانا اور اس کی طرفداری

وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا

بھی کرنا (پھر یہ عہد بیان کرکے) فرمایا کہ آیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا

اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا

عہد (اور حکم) قبول کیا۔ وہ بولے ہم نے اقرار کیا ارشاد فرمایا تو گواہ رہنا

مطلب یہ کہ اپنے اس اقرار پر گواہ کی طرح جمے رہو کیونکہ گواہ اپنی گواہی سے پھر جانے کو برا سمجھتا ہے اور اقرار کرنے والا چونکہ صاحب غرض ہوتا ہے اس کا پھر جانا چنداں بعید نہیں ہوتا۔

وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٨١﴾

اور میں بھی اس پر تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں

انبیاء علیہم السلام سے تو اس عہد کا لیا جانا صراحۃً اس آیت میں مذکور ہے باقی ان کی امتوں سے ممکن ہے کہ اس وقت بھی لیا گیا ہو ورنہ انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ سے تو ان سے عہد لیا جانا ظاہر ہے تمام کتابوں میں یہ حکم بتاکید مذکور ہے کہ جس زمانہ میں جو رسول آوے اس کا اتباع کرنا چاہئے یہاں تک کہ آخر میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مصداق ہوئے اسی لئے اہل کتاب کو یہ عہد یاد دلایا گیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت دلائل سے تم کو ثابت ہوچکی تو موافق اس عہد کے تم پر یقیناً آپ کی تصدیق اور نصرت فرض ہے اور یہ عہد یا تو عالم ارواح میں بھی لیا گیا ہو یا صرف دنیا میں بذریعہ وحی کے لیا گیا ہو اور یہ وسوسہ فضول ہے کہ عالم ارواح کا عہد تو ہم کو یاد نہیں بات یہ ہے کہ اگر ہم کو کوئی بات یاد نہ رہے اور کوئی معتبر شخص بیان کردے کہ تم نے یہ عہد کیا تھا مگر تم بھول گئے تو اس کا بھی پورا کرنا مثل اپنی یاد کے واجب ہوتا ہے چنانچہ یہ عہد دلائل قطعیہ سے یعنی وحی اور سچے رسول کی زبانی ہم کو یاد دلادیا گیا **ربط**: اوپر عہد کا ذکر تھا اب عہد شکنی پر وعید فرماتے ہیں۔ فمن تولی تا ھم الفسقون

فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ

سو جو شخص روگردانی کرے گا بعد اس کے

کہ انبیاء تک سے یہ عہد لیا گیا ہے امت والے تو کس شمار میں ہیں۔

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٨٢﴾

تو ایسے ہی لوگ بے حکمی کرنے والے ہیں

چونکہ اس آیت میں انبیاء کو خطاب نہیں اور روگردانی کرنے والے بھی امت والے وہی لوگ تھے اس لئے آیت کو عام کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ یہ وعید صرف امت والوں کے سنانے کے لئے ہے۔

ربط: اوپر عہد اسلام کے توڑنے کی حرمت مذکور تھی آگے اس عہد شکنی پر زجر فرماتے ہیں۔ افغیر دین اللہ تا یرجعون

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ

کیا پھر دین خداوندی کے سوا اور کسی طریقہ کو چاہتے ہیں حالانکہ حق تعالیٰ کے سامنے سب

مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا

سرافگندہ ہیں جتنے آسمانوں اور زمین میں ہیں بعضے خوشی سے بعضے بے اختیاری سے

یعنی حق تعالیٰ کے حکم دو قسم کے ہیں ایک تو وہ جن کے آثار بندہ کے اختیار میں نہیں جیسے مارنا جلانا بیمار کرنا اس میں تو سب خدا کے مسخر ہیں بے اختیار ہیں اور

بعضے احکام کو پورا کرنا بندہ کے اختیار میں ہے جیسے نماز پڑھنا اسی طرح تمام شرعی احکام ان کو بھی بہت لوگ خوشی سے بجالاتے ہیں جس سے حق تعالیٰ کی عظمت نمایاں ہے اب بعضے لوگ جو احکام شرعیہ میں مخالفت کرتے ہیں تو کیا کوئی دوسرا اس عظمت کا ہے جس کی موافقت کے لئے خدا کی مخالفت کرتے ہیں۔

وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

اور سب خدا ہی کی طرف لوٹائے جاویں گے

یعنی اول تو عظمت خداوندی ہی کا یہ مقتضا تھا کہ کوئی ان کے عہد کی مخالفت نہ کرے خاص کر جب آئندہ کی سزا کا بھی ڈر ہو کہ قیامت کے روز مخالفین کو عذاب ہوگا **ربط**: اوپر اسلام کی حقانیت کا بیان تھا آگے اس کی حقیقت ظاہر کر دینے کا حضور کو ارشاد ہے **قل امنا باللہ تا مسلمون**

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ

آپ فرما دیجئے کہ ہم ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ پر اور اس حکم پر جو ہمارے پاس بھیجا گیا اور اس

اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ

حکم پر جو حضرات ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ السلام) اور اسحاق (علیہ السلام)

وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى

اور یعقوب (علیہ السلام) اور اولاد یعقوب (علیہ السلام) میں جو نبی ہوئے ان کی طرف بھیجا گیا اور

وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۠ لَا نُفَرِّقُ

اس پر بھی جو موسیٰ (علیہ السلام) اور عیسیٰ (علیہ السلام) اور دوسرے نبیوں کو دیا گیا ان کے پروردگار کی

بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ

طرف سے اس کیفیت سے کہ ہم ان میں سے کسی ایک میں بھی تفریق نہیں کرتے۔

کہ کسی پر ایمان رکھیں کسی پر نہ رکھیں۔

وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾

اور ہم تو اللہ ہی کے مطیع ہیں

خدا نے ہم کو یہ دین کا طریقہ بتلایا ہے ہم اس پر ہیں اسلام کی اس حقیقت ہی سے اس کی خوبی ظاہر ہے پھر اس کو چھوڑنا سخت بددینی اور بے انصافی ہے ایسے ہی ایک آیۃ الٓم کے آخیر رکوع میں آچکی ہے بقیہ فوائد وہاں ملاحظہ کر لئے جائیں **ربط**: آگے اسلام کے سوا کسی طریقہ کا عنداللہ مقبول نہ ہونا بتلاتے ہیں **و من یبتغ تا من الخسرین** **ربط**: آگے ان لوگوں کا بیان ہے جو اسلام کو قبول کر کے پھر اس سے پھر گئے ان میں بھی دو طرح کے لوگ ہیں بعض تو کفر ہی پر قائم رہے اور بعضے پھر تائب ہو کر اسلام لے آئے دونوں کا بیان آتا ہے۔ **کیف یهدی اللّٰه تا غفور رحیم** اول ان مرتد ہونے والوں کا ذکر ہے جو کفر ہی پر قائم رہے اور کفر کو ہدایت سمجھتے رہے چونکہ ان کا یہ دعویٰ تھا کہ خدا نے اب ہم کو ہدایت نصیب کی لہٰذا ان کی مذمت کے ساتھ اس دعویٰ کی بھی نفی کرتے ہیں کہ بھلا (آگے ترجمہ)

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ

اور جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو طلب کرے گا تو وہ (دین خدا کے نزدیک) اس

مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

سے مقبول نہ ہوگا اور وہ شخص آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا (یعنی نجات نہ پائے گا) اللہ

كَيْفَ يَهْدِى اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ

تعالیٰ ایسے لوگوں کو کیسے ہدایت کریں گے۔ جو کافر ہو گئے بعد اپنے ایمان لانے کے (دل سے)

وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ

اور بعد اپنے اس اقرار کے (زبان سے) کہ رسول سچے ہیں اور بعد اس کے کہ ان کو (حقانیت

الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾

اسلام کے) واضح دلائل پہنچ چکے تھے اور اللہ تعالیٰ ایسے بے ڈھنگے لوگوں کو ہدایت نہیں کرتے۔

یہ مطلب نہیں کہ ایسوں کو کبھی اسلام کی توفیق نہیں دیتے بلکہ مقصود یہ ہے کہ وہ جو کافر ہونے کے بعد یہ کہتے ہیں کہ خدا نے اب ہم کو ہدایت نصیب کی تو خدا تعالیٰ ایسی بے ڈھنگی ہدایت کیوں کرنے لگے یہ تو شیطانی ہدایت ہے کہ وہ لوگ کفر کا بے ڈھنگا راستہ اختیار کر کے اپنے کو ہدایت پر سمجھے ہوئے ہیں خدا تعالیٰ کے نزدیک یہ لوگ یقیناً گمراہ ہیں پس اس تقریر سے وہ اشکال جاتا رہا کہ مرتد ہونے کے بعد بھی بسا اوقات ہدایت ہو جاتی ہے جواب یہ ہوا کہ یہاں ہدایت کرنے کی نفی نہیں بلکہ وہ لوگ جو اپنے کو کفر کے بعد ہدایت پر سمجھتے تھے ان کے ہدایت پر ہونے کی نفی ہے خوب سمجھ لو۔

اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ

ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے اور فرشتوں کی

اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ لا

بھی اور بہتیرے آدمیوں کی بھی غرض سب کی۔ اور وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ

میں رہیں گے ان پر سے عذاب ہلکا بھی نہ ہونے پاوے گا اور نہ ان کو

وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۙ﴿۸۸﴾

مہلت ہی دی جاوے گی۔

آگے ان کا بیان ہے جو پھر مسلمان ہوگئے ان کو اس حکم سے مستثنیٰ فرماتے ہیں۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ

ہاں مگر جو لوگ توبہ کرلیں اس کفر کے بعد اور اپنے دل کو

وَاَصْلَحُوْا ۣ

سنوار لیں

یعنی منافقانہ طور پر صرف زبان سے توبہ کافی نہیں بلکہ سچے مسلمان ہوجاویں ربط اوپر توبہ کرنے والوں کے لئے مغفرت و رحمت کا وعدہ ہے اور ظاہر ہے کہ اس توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ اسلام لے آئے مگر احتمال تھا کہ شاید کوئی مرتد توبہ کا لفظ سن کر صرف برے کاموں سے توبہ کرنا سمجھے جن کو کافر بھی برا سمجھتے ہیں اور بدون اسلام لائے گناہوں سے توبہ کرکے مغفرت و رحمت کا اپنے کو مستحق سمجھے اس لئے اگلی آیت میں تصریح فرماتے ہیں کہ بدون اسلام کے محض گناہوں سے توبہ کرنا عنداللہ فضول چیز ہے ان الذین کفروا تا ھم الضالون

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

سو بیشک خداتعالیٰ بخش دینے والے (اور) رحمت کرنے والے ہیں۔ بیشک جو لوگ کافر ہوئے

كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا

اپنے ایمان لانے کے بعد پھر بڑھتے رہے کفر میں (یعنی کفر پر دوام رکھا) ان کی توبہ

جو کہ اور گناہوں سے کرتے ہوں

لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ

ہرگز مقبول نہ ہوگی

کیونکہ گناہوں سے توبہ کرنا ایک طاعت ہے اور کوئی طاعت بدون ایمان کے مقبول نہیں

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّاۗلُّوْنَ ﴿۹۰﴾

اور ایسے لوگ پکے گمراہ ہیں۔

اس توبہ کے بعد بھی وہ بدستور ویسے ہی ہیں جب تک کہ اسلام نہ لائیں اور یہ حکم مرتد اور اصلی کافر کے لئے یکساں ہے کہ گناہوں سے توبہ بدون ایمان کے کسی کی مقبول نہیں ربط اوپر کی آیت میں جو یہ فرمایا تھا کہ کافر ہونے کے بعد کفر میں بڑھتے رہے اس سے مراد یہ تھی کہ مرتے دم تک کافر رہے اگلی آیت میں اس مراد کو صاف صاف بیان فرماتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ كُفَّارٌ

بیشک جو لوگ کافر ہوئے اور وہ مر بھی گئے حالت کفر ہی میں

فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِھِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ

سو ان میں سے کسی کا زمین بھر سونا بھی نہ لیا جاوے گا

ذَھَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ۭ

وہ اگرچہ معاوضہ میں اس کا دینا بھی چاہے۔

مطلب یہ کہ خود درخواست کرکے دینے میں ایک گونہ معذرت و ندامت بھی ہوتی ہے جس میں عادۃً قبولیت کی امید ہوتی ہے بخلاف اس صورت کے کہ جرمانہ کے طور پر جبراً لے لیا جاوے تو جب درخواست کر کے دینے کی صورت میں قبولیت کی امید نہیں تو جرمانہ دے کر چھوٹ جانے کی تو کیا امید ہوسکتی ہے ربط اوپر یہ بیان تھا کہ کفار کے واسطے مال کا خرچ کرنا مفید نہیں آگے بتلاتے ہیں کہ البتہ مومنین اگر دنیا میں فی سبیل اللہ کچھ خرچ کریں تو آخرت میں ان کے لئے نافع ہوسکتا ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ کفار اگر آخرت میں اپنے مال سے منتفع ہونا چاہیں تو مسلمان ہوکر دنیا میں فی سبیل اللہ خرچ کریں۔ لن تنالوا تا علیم

الحمدللہ تیسرے پارہ کی تفسیر ختم ہوئی

اُولٰٓئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ وَّمَا لَھُمْ مِّنْ

ان لوگوں کو سزائے دردناک ہو گی۔ اور ان کے کوئی حامی بھی

نّٰصِرِیْنَ ﴿۹۱﴾ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا

نہ ہوں گے۔ تم خیر کامل کو کبھی نہ حاصل کر سکو گے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز کو

مِمَّا تُحِبُّوْنَ ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ

خرچ نہ کرو گے اور جو کچھ بھی خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اس کو بھی

اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾

خوب جانتے ہیں۔

لن تنالوا تا علیم کچھ تو ثواب اس پر بھی دے دیں گے لیکن کامل ثواب حاصل کرنے کا وہی طریقہ ہے کہ محبوب چیز خرچ کرو آیت سے معلوم ہوا کہ ثواب تو ہر خرچ کرنے سے ہوتا ہے جو اللہ کی راہ میں کیا جائے مگر زیادہ ثواب محبوب چیز کے خرچ کرنے سے ہوتا ہے **ربط**: اوپر کی آیتوں میں اہل کتاب سے گفتگو چلی آ رہی ہے آگے بھی ایک خاص گفتگو کا بیان ہوتا ہے جس کا قصہ روح المعانی میں یہ نقل کیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ملت ابراہیمی پر ہونا بیان فرمایا تو یہود نے اعتراضاً کہا کہ آپ اونٹ کا گوشت اور دودھ کھاتے ہیں حالانکہ ابراہیم علیہ السلام پر حرام تھا (تو اس کا جواب اگر چہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ملت ابراہیمؑ پر ہونے کے یہ معنی نہیں کہ جملہ احکام میں ہم ان کے متبع ہیں کیونکہ شریعت محمدیہ مستقل شریعت ہے اور گذشتہ شرائع کے لئے ناسخ بھی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اصول میں تو بالکل اور فروع میں اکثر ہم ان کے موافق ہیں لیکن چونکہ ان کا یہ اعتراض اصل ہی سے غلط تھا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب دیا کہ نہیں ان پر یہ حلال تھا یہود نے کہا کہ جتنی چیزیں ہم حرام سمجھتے ہیں یہ سب حضرت نوح وحضرت ابراہیم علیہما السلام کے وقت سے حرام چلی آتی ہیں اللہ تعالیٰ اگلی آیت میں ان کے اس قول کی تردید فرماتے ہیں۔ کل الطعام تا ھم الظلمون

کُلُّ الطَّعَامِ

سب کھانے کی چیزیں

جن میں گفتگو ہو رہی ہے ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے ہرگز حرام نہیں بلکہ (آگے ترجمہ)

کَانَ حِلًّا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ

نزول تورات کے قبل باستثناء اس کے جس کو یعقوب (علیہ السلام) نے

اِسْرَآءِیْلُ عَلٰی نَفْسِہٖ

اپنے نفس پر حرام کر لیا تھا

ایک خاص وجہ سے وہ یہ کہ یعقوب علیہ السلام کو عرق النساء کا مرض تھا آپ نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ اس سے شفا دیں تو سب میں زیادہ جو کھانا مجھ کو محبوب ہوا اس کو چھوڑ دوں گا ان کو شفا ہوگئی اور سب میں زیادہ محبوب ان کو اونٹ کا گوشت تھا اس کو چھوڑ دیا پھر ان کی اولاد میں بھی حرام چلا آیا اور یہی تحریم جو نذر کی وجہ سے ہوئی تھی بنی اسرائیل پر بھی بحکم وحی رہی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شریعت میں نذر کی وجہ سے حلال چیز حرام بھی ہو جاتی تھی جیسا کہ ہماری شریعت میں مباح کام نذر ماننے سے واجب ہو جاتا ہے لیکن اگر کوئی شخص حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کر لینے کی نذر مانے تو ہماری شریعت میں یہ نذر جائز نہیں بلکہ اس نذر کا توڑنا اور کفارہ دینا واجب ہے۔

مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ط

بنی اسرائیل پر حلال تھیں

پس ابراہیم علیہ السلام کے وقت ان کے حرام ہونے کا دعویٰ کب صحیح ہو سکتا ہے اور نزول توراۃ کے قبل اس لئے فرمایا کہ نزول توراۃ کے بعد ان مذکورہ حلال چیزوں میں سے بھی بہت سی چیزیں حرام ہوگئی تھیں جن کی تفصیل سورۂ انعام میں آئے گی۔

قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْھَآ اِنْ كُنْتُمْ

فرما دیجئے کہ پھر تورات لاؤ پھر اس کو پڑھو۔ اگر تم

صٰدِقِیْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الْكَذِبَ

سچے ہو سو جو شخص اس کے بعد اللہ پر جھوٹ بات کی

مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾

تہمت لگائے تو ایسے لوگ بڑے بے انصاف ہیں۔

کیونکہ نقلی گفتگو میں شرعی دلیل کی ضرورت ہے اور کوئی دلیل تو ایسی رہی نہیں جس کو تم مان لو صرف توریت باقی ہے سو اسی میں دکھا دو کہ اونٹ کا گوشت ہمیشہ سے حرام ہے یا کسی خاص زمانہ سے چنانچہ اس میں بھی نہ دکھلا سکے تو ان کا

جھوٹا ہونا ثابت ہو گیا اس پر ارشاد فرماتے ہیں (آگے ترجمہ) کہ دلیل سے اس دعویٰ کا جھوٹا ہونا ثابت ہو گیا **ربط**: اوپر یہود کے ایک خاص دعویٰ کا جھوٹا ہونا ثابت ہوا جس سے عقلاً قرآن کا سچا ہونا ثابت ہوا۔ آئندہ آیت میں قرآن کی صداقت صاف وصراحۃً بیان کر کے ان کو اسلام کی طرف بلاتے ہیں۔

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ قف
آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے سچ کہہ دیا

اب تم کو چاہئے کہ حقانیت قرآن ثابت ہونے کے بعد (آگے ترجمہ)

فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ
سو تم ملت ابراہیم (علیہ السلام) کا اتباع کرو جس میں ذرا بھی نہیں
مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۵﴾
اور وہ مشرک نہ تھے

پارہ الٓمٓ کے اخیر میں بھی ایسی آیت آ چکی ہے وہاں تفسیر ملاحظہ ہو

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ
یقیناً وہ مکان جو سب سے پہلے

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بیت المقدس سے بھی پہلے بنا ہے چنانچہ حدیث صحیحین میں اس کی تصریح بھی ہے۔

وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى
لوگوں کے واسطے مقرر کیا گیا وہ مکان ہے جو کہ مکہ میں ہے۔ جس کی حالت یہ ہے کہ وہ
لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۶﴾ ج
برکت والا ہے اور جہان بھر کے لوگوں کا رہنما ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حج وہاں ہوتا ہے اور نماز کا ثواب وہاں زیادہ ہوتا ہے۔ یہ تو دینی برکت ہوئی اور جو لوگ وہاں نہیں ہیں ان کو کعبہ کے ذریعہ سے نماز کا رخ معلوم ہوتا ہے یہ رہنمائی ہوئی۔

فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ
اس میں کھلی نشانیاں ہیں

کچھ نشانیاں شرعی ہیں کچھ ظاہری ہیں جن سے اسکی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔

مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ ج
منجملہ ان کے ایک مقام ابراہیمؑ ہے۔

مقام ابراہیم ایک پتھر ہے۔ جس پر کھڑے ہو کر ابراہیمؑ نے کعبہ کی تعمیر کی تھی اور اس میں آپ کے قدموں کا نشان بن گیا۔ اب یہ پتھر خانہ کعبہ سے ذرا فاصلہ پر ایک محفوظ مکان میں رکھا ہے۔

وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ
اور جو شخص اس میں داخل ہو جائے وہ امن والا ہو جاتا ہے اور اللہ کے واسطے لوگوں
حِجُّ الْبَيْتِ
کے ذمہ اس مکان کا حج کرنا ہے۔

مگر سب کے ذمہ نہیں بلکہ خاص خاص لوگوں کے۔

مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ
یعنی اس شخص کے ذمہ جو کہ طاقت رکھے وہاں تک پہنچنے کے سبیل کی اور جو
اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾
شخص منکر ہو تو اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے غنی ہیں۔

تو خدا تعالیٰ کا کیا ضرر ہے خود اس منکر ہی کا ضرر ہے کسی کے ماننے پر اس کا کوئی کام اٹکا نہیں پڑا ان نشانیوں میں مقام ابراہیمؑ کا تو کھلا ہوا نشان ہونا ظاہر ہے باقی جو شرعی نشانیاں بیان فرمائی ہیں وہ اگر چہ محسوس نہیں مگر چونکہ دلیل قطعی سے ثابت ہیں اس لئے ان کو بھی کعبہ کے لئے نشان فضیلت بنانا ظاہر ہے نیز اگر چہ یہ احکام شرعی ہیں مگر ظاہری اثر انکا دلوں پر ایسا تھا کہ جاہلیت میں بھی یہ آثار موجود تھے چنانچہ دور دراز سے حج کے لئے آنا طواف کرنا حد حرم میں امن قائم رکھنا قدیم سے چلا آ رہا ہے خلاصہ دلیل کا یہ ہوا کہ دیکھو یہ احکام شرعیہ ونشانات ظاہرہ خانہ کعبہ کے متعلق ہیں اور ایسے احکام بیت المقدس کے متعلق مشروع نہیں ہوئے پس کعبہ کا افضل ہونا ثابت ہو گیا **ربط**: اوپر سے اہل کتاب کا رد چلا آتا ہے آگے ان کے ایک فعل پر ملامت ہے۔ جس کا قصہ یہ ہوا کہ ایک یہودی تھا شاس بن قیس مسلمانوں سے بہت کینہ رکھتا تھا اس نے ایک مجلس میں انصار کے دو قبیلوں اوس وخزرج کو باہم مجتمع ومتفق دیکھا حسد کی وجہ سے سخت ناگوار ہوا اور ان میں تفریق ڈالنے کی فکر میں لگا آخر یہ تجویز کیا کہ ایک شخص سے کہا کہ ان دونوں قبیلوں میں اسلام سے پہلے جو ایک لڑائی زمانہ دراز تک رہی ہے اور اس کے متعلق ہر فریق کے فخریہ اشعار ہیں وہ اشعار ان کی مجلس میں پڑھ دیئے جائیں چنانچہ اشعار کا پڑھنا تھا کہ فوراً ایک آگ سی بھڑک اٹھی اور آپس میں چناں چنیں ہونے لگی یہاں تک کہ موقع اور وقت لڑائی کا پھر مقرر ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو

خبر ہوئی آپ ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ یہ کیا اندھیر ہے کہ میرے ہوتے ہوئے اور مسلمان ہو کر اور باہم متفق ہو جانے کے بعد واہیات کیا اسی کفر کی طرف عود کرنا چاہتے ہو متنبہ ہوئے اور سمجھے کہ یہ شیطانی حرکت تھی اور ایک دوسرے کے گلے لگ کر بہت روئے اور توبہ کی اس واقعہ میں یہ آیتیں نازل ہوئیں یہ مضمون کئی آیتوں تک چلا گیا ہے جس میں اول تو ان اہل کتاب پر ملامت کی گئی ہے جن کی یہ کارروائی تھی اور یہ ملامت بڑی بلاغت سے کی گئی ہے کہ اس فعل پر ملامت سے پہلے ان کو کفر پر بھی ملامت کی گئی جس کا حاصل یہ ہوا کہ چاہئے تو یہ تھا کہ خود بھی اسلام لے آتے نہ یہ کہ الٹا دوسروں کو بہکاتے ہو پھر مسلمانوں کو خطاب فرما کر ان کو فہمائش کی گئی قل یاھل الکتاب تا بغافل عما تعملون

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب تم کیوں انکار کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے احکام کا

وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٨﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ

حالانکہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کی اطلاع رکھتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے

الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ

اے اہل کتاب کیوں ہٹا (نے کی کوشش کر) تے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی راہ سے ایسے

اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا

شخص کو جو ایمان لا چکا اس طور پر کہ کجی ڈھونڈھتے ہو اس راہ کے لئے

یعنی دین کے راستہ میں روڑے اٹکاتے ہو جیسا کہ قصد مذکورہ میں کوشش کی تھی کہ اس کارروائی سے مسلمانوں کے دین میں خلل پڑ جائے کیونکہ نا اتفاقی گناہ بھی ہے اور اس سے قوت و ترقی بھی زائل ہو جاتی ہے اور ان بکھیڑوں میں پڑ کر وہ دین حق سے دور پڑ جاتے ہیں۔

وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ

حالانکہ تم خود بھی اطلاع رکھتے ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں

اگرچہ یہ آیتیں یہود کے بارہ میں نازل ہوئیں مگر الفاظ عام ہونے سے نصاریٰ بھی اس میں آ گئے

عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٩﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ

(وقت معین پر اس کی سزا دیں گے) اے ایمان والو اگر تم کہنا مانو گے کسی

تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

فرقہ کا ان لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی ہے تو وہ لوگ تم کو تمہارے

يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿١٠٠﴾

ایمان لائے پیچھے کافر بنا دیں گے۔

خواہ اعتقاداً یا عملاً کیونکہ جنگ وجدال اگر کفر نہیں تو کفر کا کام ضرور ہے۔

وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ

اور (بھلا) تم کفر کیسے کر سکتے ہو

یعنی تمہارے لئے کفر کے کام کب زیبا ہیں۔

وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ

حالانکہ تم کو اللہ تعالیٰ کے احکام پڑھ کر سنائے جاتے ہیں اور (پھر) تم میں اللہ کے رسول موجود ہیں

اور یہ دونوں ایمان پر قائم رہنے کے قوی ذریعہ ہیں۔

وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ

اور (یاد رکھو) جو شخص اللہ تعالیٰ کو مضبوط پکڑتا ہے

خدا کو مضبوط پکڑنا یہی ہے کہ اس کی ذات وصفات کی تصدیق کرے اس کے احکام کو جانے۔

فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٠١﴾

تو ضرور ایسا شخص راہ راست کی ہدایت کیا جاتا ہے

یعنی وہ راہ راست پر ہوتا ہے اور راہ راست پر ہونا ہر صلاح وفلاح کا اصلی مدار ہے۔ ربط: اوپر مسلمانوں کو فہمائش تھی آگے اسی کا تتمہ بیان ہوتا ہے۔ یایھا الذین امنوا اتقوا اللہ حق تا تھتدون کامل ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح شرک اور کفر سے بچے ہو اسی طرح تمام گناہوں سے بچو اور بلاوجہ شرعی لڑنا معصیت ہے تو اس سے بھی بچنا فرض ہے پس حق ڈرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جیسا حق تعالیٰ کی عظمت کا حق ہے کیونکہ یہ تو کسی سے ہو نہیں سکتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ جتنا تمہارے ذمہ حق مقرر اور واجب ہے خلاصہ یہ ہے کہ ادنیٰ تقویٰ پر کفایت نہ کرو بلکہ اعلیٰ درجہ کا کامل تقویٰ اختیار کرو جس میں تمام گناہوں سے بچنا آ گیا اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ شرک اور کفر سے بچے گو گناہوں میں مبتلا رہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرو (جیسا) ڈرنے کا حق (ہے)

اسلام کامل کا بھی وہی مطلب ہے جو کامل ڈرنے کا ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ اسی کامل تقویٰ اور کامل ایمان پر مرتے دم تک قائم رہنا۔

وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

اور بجز اسلام (کامل) کے اور کسی حالت پر جان مت دینا

یعنی اللہ کے دین کو جس میں سب اصول اور احکام آ گئے۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ

اور مضبوط پکڑے رہو اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کو

یعنی اسلام سے پہلے چنانچہ اوس وخزرج میں ایک مدت دراز سے جنگ چلی آتی تھی اور اسلام سے پہلے عام طور پر اہل عرب کی یہی حالت تھی۔

جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ

اس طور پر کہ باہم متفق بھی رہو اور باہم نااتفاقی مت کرو اور تم پر جو اللہ تعالیٰ کا انعام (ہوا) ہے اس

عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ

کو یاد کرو جبکہ تم (باہم) دشمن تھے پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی سو تم خدا

فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا

تعالیٰ کے (اس) انعام سے (اب) آپس میں بھائی بھائی ہو گئے اور تم لوگ دوزخ کے گڑھے

حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ

کے کنارہ پر تھے سو اس سے خدا تعالیٰ نے تمہاری جان بچائی (یعنی اسلام نصیب کیا)

یہ انعام پہلے انعام کی بھی اصل ہے یعنی بوجہ کافر ہونے کے دوزخ سے اتنے قریب تھے کہ بس دوزخ میں جانے کے لئے صرف مرنے کی دیر تھی اللہ تعالیٰ نے اسلام عطا کیا جس کے سبب دوزخ میں جانے سے بچ گئے پس ان انعاموں کی قدر کرنا چاہئے اور آپس کی جنگ وجدال سے جو کہ معصیت ہے ان انعاموں کو ضائع نہ کرنا چاہئے کیونکہ اس جنگ و جدال سے باہمی الفت کی نعمت تو بالکل ہی زائل ہو جائے گی اور نعمت اسلام میں بھی خلل اور نقصان پیدا ہو جائے گا۔ کہ یہ بھی ایک گونہ اسلام کو ضائع کرنا ہے۔ ربط: اوپر مسلمانوں کو ہدایت پر قائم رہنے کا حکم تھا آگے یہ حکم ہے کہ دوسروں کو بھی ہدایت کرنے کی کوشش کرو جیسا کہ اس کے مقابل کافروں کو پہلے گمراہ ہونے پر ملامت کی تھی پھر دوسروں کو گمراہ کرنے کی ممانعت کی تھی ولتکن منکم امة تا ھم المفلحون

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ

اسی طرح اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو اپنے احکام بیان کر کے بتلاتے رہتے ہیں تاکہ تم لوگ

تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ

راہ راست پر قائم رہو اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے کہ (دوسروں

اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ

کو بھی) خیر کی طرف بلایا کریں اور نیک کاموں کے کرنے کا کہا کریں اور برے

عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

کاموں سے روکا کریں اور ایسے لوگ (آخرت میں) پورے کامیاب ہوں گے۔

تفصیل اس مسئلہ کی یہ ہے کہ جو شخص نیک کام کی نصیحت کرنے اور برے کاموں سے روکنے پر قادر ہو یعنی قرینہ سے اس کو غالب گمان یہ ہو کہ اگر میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کروں گا تو مجھ کو کوئی بڑا ضرر نہ پہنچے گا تو اس پر ضروری احکام میں امر ونہی کرنا واجب ہے اور مستحب باتوں میں مستحب ہے اور جو شخص اس طرح قادر نہ ہو اس پر ضروری احکام میں بھی امر ونہی واجب نہیں البتہ اگر ہمت کرے تو ثواب ہے پھر ضروری احکام میں قدرت رکھنے والے کے لئے تفصیل یہ ہے کہ جہاں ہاتھ سے قدرت رکھتا ہو وہاں ہاتھ سے اس کا انتظام واجب ہے جیسے حکام کو محکومین کے ساتھ اور ہر شخص کو اپنے اہل وعیال کے ساتھ اور اگر صرف زبان سے قدرت رکھتا ہو تو زبان سے کہنا واجب ہے۔ اور جو قدرت نہ رکھتا ہو اس کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ واجبات وفرائض چھوڑنے والوں اور حرام کا ارتکاب کرنے والوں سے دل سے نفرت رکھے اور قدرت رکھنے والے کے لئے ایک ضروری شرط یہ ہے کہ اس امر کے متعلق پورا حکم شرعی اس کو معلوم ہو۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا

اور تم لوگ ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے (دین میں) باہم تفریق کرلی

مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَھُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ

اور (نفسانیت سے) باہم اختلاف کر لیا ان کے پاس احکام واضحہ پہنچنے کے بعد

اس آیت میں یہ قید صاف بتلا رہی ہے کہ جس تفریق واختلاف کی مذمت ہے اس سے وہ تفریق مراد ہے جو اصول مذہب میں ہو یا ان فرعی مسائل میں جو کہ ایسے واضح ہیں کہ اگر نفسانیت نہ ہو تو ان میں اختلاف کی گنجائش نہیں ہوتی۔ باقی ایسے مسائل جن میں کوئی صریح نص موجود نہیں یا

بظاہر نصوص میں تعارض ہے اور تطبیق کا طریقہ واضح نہیں ان میں اختلاف ہو جانا اس آیت میں داخل نہیں اور نہ وہ مذموم ہے کیونکہ آیت میں اس اختلاف کی مذمت ہے جو واضح دلیل پہنچنے کے بعد ہو۔

وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١٠٥﴾ يَّوْمَ

اور ان لوگوں کے لئے سزائے عظیم ہوگی اس روز (یعنی قیامت کے روز) کہ (جس میں) بعضے

تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ

چہرے سفید (اور روشن) ہو جاوینگے اور بعضے چہرے سیاہ ہونگے سو جنکے چہرے سیاہ ہو گئے ہوں

اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ

گے ان سے کہا جاوے گا کیا تم (ہی) لوگ کافر ہوئے تھے اپنے ایمان لانے کے بعد

مفسرین کے اس جگہ مختلف اقوال ہیں کہ ان تفریق و اختلاف کرنے والوں سے کون لوگ مراد ہیں جامع اقوال یہ ہے کہ کفر سے مراد اس جگہ عام معنی ہیں جو انکار توحید و رسالت و اعتقاد بدعت سب کو شامل ہے۔ کہ یہ سب اختلافات و دلائل واضح پہنچ جانے کے بعد ہوئے ہیں پس آیت میں کفار و منافقین و اہل بدعت سب کا اختلاف داخل ہے اور ہر ایک کا کفر اس کے درجہ کے موافق ہوگا کفار و منافقین کا کفر اعتقادی ہے اور اہل بدعت کا کفر عملی ہے ایسے ہی عذاب بھی ہر ایک کو بقدر اس کے کفر کے ہوگا اعتقادی کفر کی سزا ہمیشہ کے لئے جہنم ہے اور عملی کفر میں کسی وقت عذاب سے نجات ہو جائے گی پس معنی آیت کے یہ ہوئے کہ اے مسلمانو تم ان اختلافات کرنے والوں کے مشابہ نہ ہو جاؤ جنہوں نے ایمان کے بعد کفر کیا اور عذاب کے مستحق ہوئے اتنا فرق ہے کہ مسلمانوں کا اختلاف عملی گناہ ہے اور دوسروں کا اختلاف اعتقادی گناہ تھا مگر تشبیہ و تمثیل کے لئے اتنی ہی مناسبت کافی ہوتی ہے پوری مناسبت ہونا ضروری نہیں۔ ربط: اوپر اہل رحمت و اہل غضب کی جزا و سزا کا بیان تھا آگے حق تعالیٰ اس خبر کا صحیح ہونا اور اس جزا و سزا کا مناسب ہونا اور سب لوگوں کا مملوک خداوندی ہونا اور کسی غیر کا اختیار بالکل نہ ہونا بیان کرتے ہیں کیونکہ وعدہ و وعید کا باوقعت ہونا ان ہی باتوں پر موقوف ہوتا ہے چنانچہ ظاہر ہے۔ تلک ایات اللہ تا ترجع الامور

فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿١٠٦﴾

تو اب سزا چکھو بسبب اپنے کفر کے اور جن کے چہرے سفید ہو گئے ہوں گے

وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ

وہ اللہ کی رحمت (یعنی جنت میں (داخل) ہوں گے۔ (اور)

اللّٰهِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿١٠٧﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ

وہ اس میں ہمیشہ (ہمیشہ) رہیں گے۔ یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو صحیح صحیح طور پر

نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ

ہم تم کو پڑھ کر سناتے ہیں۔

اس سے مضمون بالا کا صحیح ہونا معلوم ہوگیا۔

وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٨﴾

اور اللہ تعالیٰ مخلوقات پر ظلم کرنا نہیں چاہتے۔

یعنی جس کو تم عقلاً و شرعاً ظلم سمجھتے ہو ہم وہ بھی کرنا نہیں چاہتے ورنہ حقیقت کے اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو حق تعالیٰ جو کچھ بھی کریں وہ ظلم ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ ظلم کہتے ہیں غیر کے حق میں دست اندازی کرنے کو اور یہاں تو جو کچھ ہے سب خدا ہی کا ہے وہ جو کچھ بھی کریں اپنی ہی چیزوں میں تصرف ہوگا اور اپنی چیز میں تصرف کرنے کا مالک کو ہر طرح اختیار ہوتا ہے تو حق تعالیٰ اگر نیک آدمی کو جہنم میں بھیج دیں یا فاسق کو جنت میں بھیج دیں ہر صورت میں اپنی چیز میں تصرف ہے۔ جس کو ہرگز ظلم نہیں کہا جا سکتا مگر اس جگہ ظلم کے حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگرچہ ہم جو کچھ بھی کریں وہ کسی صورت میں ظلم نہیں مگر جس کو تم بظاہر ظلم سمجھتے ہو ہم وہ بھی نہیں کرنا چاہتے ہر شخص کے لئے جو جزا و سزا مقرر کی گئی ہے بالکل مناسب ہے اس سے تجویز مذکور کا مناسب ہونا معلوم ہوگیا۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ

اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے

پس جب سب ان کی ملکیت ہیں تو ان سب کے ذمہ خدا کی اطاعت واجب تھی اس سے ان کا مملوک ہونا اور اطاعت کا واجب ہونا ثابت ہوگیا۔

وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿١٠٩﴾ ع

اور اللہ ہی کی طرف سے سب مقدمات رجوع کئے جاویں گے۔

کوئی دوسرا صاحب اختیار نہ ہوگا ربط: اوپر کی آیتوں میں مسلمانوں کو ایمان پر ثابت قدم رہنے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنیکا حکم تھا آگے اسی کی تاکید کے لئے بتلاتے ہیں کہ ان کاموں کی وجہ سے بھی تم سب امتوں سے افضل ہو ان میں کمی نہ آنے پاوے۔ کنتم خیر امة تا اکثرھم الفسقون

كُنْتُمْ

اے امت محمدیہ) تم لوگ

تمام اہل مذاہب سے (آگے ترجمہ)

خَيْرَ اُمَّةٍ

اچھی جماعت ہو

یہ خطاب تمام امت محمدیہ کو عام ہے پھر ان میں سے صحابہ اول مخاطب ہیں اور اس امت میں سب سے افضل ہیں پس اوس وخزرج کے قصہ سے بھی مناسبت ظاہر ہوگئی۔

اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ

کہ وہ جماعت (عام) لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہے تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو۔

یعنی شریعت کے حکم کے موافق زیادہ اہتمام کے ساتھ بتلاتے ہو۔

وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ

اور بری باتوں سے روکتے ہو اور (خود بھی) اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے میں ساری دین کی باتوں پر ایمان لانا داخل ہے کیونکہ وہ سب اللہ کی بتلائی ہوئی ہیں۔

وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ

اور اگر اہل کتاب (بھی تمہاری طرح) ایمان لے آتے تو ان کے لئے

اس حالت موجودہ سے جس کو وہ بزعم خود اچھی سمجھتے ہیں (آگے ترجمہ)

خَيْرًا لَّهُمْ ؕ

زیادہ اچھا ہوتا

کیونکہ پھر وہ بھی اسی بہترین امت میں داخل ہوتے مگر وامی برحال ایشاں کہ سب مسلمان نہ ہوئے بلکہ (آگے ترجمہ)

مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ

ان میں سے بعضے تو مسلمان ہیں

وہ لوگ مراد ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے۔

وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

اور زیادہ حصہ ان میں سے کافر ہیں۔

اور طرفہ یہ کہ جو بیچارے مسلمان ہوگئے ہیں ان کو بہکانے کی فکر میں ہیں

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ

وہ تم کو ہرگز کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں گے مگر ذرا خفیف سی اذیت

یعنی زبانی برا بھلا کہہ کر دل دکھانا اس سے زیادہ ان کی ہمت نہ ہوگی اور اگر اس سے زیادہ ہمت کریں تو اس کا انجام آگے مذکور ہے۔

وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ

اور اگر وہ تم سے مقاتلہ کریں تو تم کو پیٹھ دکھا کر بھاگ جائیں گے پھر (اس سے بڑھ کر

ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

یہ کہ) کسی کی طرف سے ان کی حمایت بھی نہ کی جاوے گی۔

بڑھ کر اس لئے کہا گیا کہ خالی حمایت وطرفداری کیا جانا غالب آنے سے زیادہ آسان ہے کیونکہ غالب آنے کے لئے بڑے سامان کی ضرورت ہے اور خالی حمایت کے لئے صرف زبان ہلانا اور ذرا دوڑ دھوپ کر لینا پڑتا ہے مگر جب زبانی بھی ان کا ساتھ کوئی نہیں دیتا تو غالب آنا تو بدرجہ اولیٰ ممکن نہیں اس کی نفی تو خود ہی سمجھ میں آسکتی ہے۔ بیان کی بھی ضرورت نہیں ضربت علیهم الذلة تا یعتدون

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ

جمادی گئی ان پر (خاص) بے قدری

یعنی جان کی بے امنی

اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ

جہاں کہیں بھی پائے جائیں گے مگر ہاں ایک تو ایسے ذریعہ کے سبب جو اللہ کی طرف سے ہے

اللہ کی طرف کا ذریعہ یہ ہے کہ اگر کوئی کتابی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ایسا مشغول ہو کہ مسلمانوں سے لڑتا بھڑتا نہ ہو وہ جہاد میں قتل نہیں کیا جاتا گو اس کی عبادت آخرت میں نافع نہیں نیز یہ بھی کہ اگر کتابی نابالغ یا عورت ہو تب بھی اس کو قتل نہیں کیا جاتا۔

وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ

اور ایک ایسے ذریعہ سے جو آدمیوں کی طرف سے ہے

آدمیوں کی طرف کا ذریعہ یہ ہے کہ مثلاً معاہدہ وصلح مسلمانوں سے ہو جائے تو ذمی وغیرہ کو قتل نہیں کیا جاتا۔ یا کسی قوم کا ان سے لڑنے کا قصد نہ ہو جیسا کہ بعض زمانوں میں واقع ہوا یا آئندہ ایسا ہو یہ صورت بھی آدمیوں کی طرف سے ان کے مامون ہونے کی ہے باقی اور کسی کو امن نہیں۔

وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ

اور مستحق ہو گئے (یہ لوگ) غضب الٰہی کے اور جمادی

عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ

گئی ان پر پستی

کہ ان کی طبائع ہی میں اولوالعزمی نہ رہی نیز جزیہ دینا اور جلاوطن ہونا بھی پستی میں داخل ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

یہ (ذلت وغضب) اس وجہ سے ہوا کہ وہ لوگ منکر ہو جاتے تھے احکام الٰہیہ کے اور قتل

وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا

کردیا کرتے تھے پیغمبروں کو (اور وہ خود ان کے نزدیک بھی تھا) اور (نیز) یہ اس وجہ

عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

سے ہوا کہ ان لوگوں نے اطاعت نہ کی اور دائرہ (اطاعت سے) نکل نکل جاتے تھے۔

روح المعانی میں اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے اس پیشین گوئی میں دلیل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی چنانچہ یہود بنی قریظہ و بنی نضیر وخیبر وغیرہ مسلمانوں کے مقابلہ میں ناکام رہے اور پھر روز بروز ذلیل ہی ہوا کئے۔ ربط: اوپر اہل کتاب کی مذمت فرماتے ہوئے اجمالاً ان لوگوں کو مستثنیٰ کردیا تھا جو ان میں سے مسلمان ہو گئے تھے جیسے کہ عبداللہ بن سلام اور ان کے بھائی وغیرہ آگے اسی اجمال کی تفصیل ہے ۱۲ الیسوا سواء تا بالمتقین

لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ

یہ (لوگ) سب برابر نہیں (بلکہ) ان (ہی) اہل کتاب میں سے ایک جماعت

قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ

وہ بھی ہے جو دین حق پر قائم ہیں اللہ کی آیتیں اوقات شب میں پڑھتے ہیں

وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

اور وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اللہ پر اور قیامت والے دن

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ

پر ایمان رکھتے ہیں اور نیک کام بتلاتے ہیں

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي

اور بری باتوں سے روکتے ہیں۔ اور نیک کاموں میں

الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

دوڑتے ہیں اور یہ لوگ شائستہ لوگوں میں سے ہیں

وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ

اور یہ لوگ جو نیک کام کریں گے اس سے محروم نہ کئے جائیں گے

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

اور اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ کو خوب جانتے ہیں۔

پس محروم ہونے کا احتمال ہی کب ہے کیونکہ یہ لوگ اہل تقویٰ ہیں اور خدا کو ان کے اخلاص و اعمال کا بخوبی علم ہے اور تقویٰ اور ثواب و اجر کا وعدہ ہے پس نہ یہ احتمال کہ خدا کو ان کی حالت کا علم نہ ہو نہ یہ احتمال کہ وعدہ خلافی کریں اور اس مقام پر جتنی باتیں مذکور ہیں یہ ضرور نہیں کہ سب فرض ہی ہوں بلکہ ظاہر یہ ہے کہ بعض باتیں ان میں سے نفل بھی ہیں جیسے شب بیدار رہ کر قرآن کی تلاوت کرنا یا تہجد پڑھنا اور فائدہ نوافل کے بیان کرنے کا یہ ہے کہ جب وہ لوگ نفل تک کے پابند ہیں تو فرض اعمال وعقائد کو تو کیوں ضائع کریں گے حاصل آیت کا یہ ہے کہ ان لوگوں نے ان صفات کو اختیار کیا ہے جو اس امت کے سب امتیوں میں افضل ہونے میں دخل رکھتی ہے اسی لئے ایمان اور امر بالمعروف کو خاص طور پر بیان کیا ورنہ دین حق پر قائم ہونے کی صفت میں یہ بھی داخل ہو گئے تھے۔ ربط: اوپر مدح تھی ان اہل کتاب کی جو مسلمان ہو گئے تھے آگے مذمت ہے ان اہل کتاب کی جو مسلمان نہیں ہوئے۔ ان الذین کفروا تا خلدون

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ

جو لوگ کافر رہے ہرگز ان کے کام نہ آویں گے

اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ

ان کے مال اور نہ ان کی اولاد اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ذرا بھی

وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

اور وہ لوگ دوزخ والے ہیں۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔

بھی نجات نہ ہوگی اور چونکہ آیت کے الفاظ عام ہیں اس لئے سب کفار کا یہی حکم ہے ربط: ابھی یہ فرمایا ہے کہ کفار کے اموال واولاد کام نہ آویں گے چونکہ بعض کفار بزعم خود طاعات میں بھی خرچ کیا کرتے ہیں

خواہ سب کے نزدیک وہ طاعت ہو جیسے مساکین کو کھانا کھلانا یا فقط ان کے زعم میں طاعت ہو جیسے اپنے مذہب کی حمایت میں خرچ کرنا اور بعض مواقع میں ان کا خرچ کرنا بظاہر اچھا معلوم ہوتا تھا جس سے قبولیت کا احتمال ہو سکتا تھا اس لئے آگے عام الفاظ سے اس احتمال کو قطع کرتے ہیں کہ ان کا کوئی خرچ کرنا خدا کے نزدیک معتبر نہیں خواہ کیسا ہی ہو اور وجہ اس کی ظاہر ہے کیونکہ تمام طاعات کے قبول ہونے کے لئے ایمان شرط ہے اور وہ ان میں نہیں اور اولاد کا نافع نہ ہونا دوبارہ ذکر نہیں کیا کیونکہ ان میں نافعیت کا احتمال کچھ بھی نہیں اگر وہ بھی کافر ہیں تو جو حال ان کا وہی حال اولاد کا اور اگر مومن ہیں تو اور زیادہ دشمن ہوں گے یہ بات بدیہی تھی اس لئے دوبارہ بیان نہیں فرمایا بخلاف نیک کام میں خرچ کرنے کے کہ بعض مواقع میں بظاہر نافع ہونے کا احتمال ہوتا تھا اور نافع نہ ہونا سمجھ میں نہ آتا تھا قرآن میں اس کو دلیل سے بتلا دیا گیا کہ ایمان نہ ہونے کے سبب سے کچھ قابل قبول نہیں۔ مثل ما ینفقون تا یظلمون

مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

وہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس دنیوی زندگانی میں۔ اس کی حالت اس حالت

كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ

کے مثل ہے کہ ایک ہوا ہے جس میں تیز سردی ہو وہ لگ جاوے ایسے لوگوں

قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ

کی کھیتی کو جنہوں نے اپنا نقصان کر رکھا ہے پس وہ اس کو برباد کر ڈالے

اسی طرح ان لوگوں کا خرچ کرنا آخرت میں سب ضائع ہے۔

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

اور اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود ہی اپنے آپ کو ضرر پہنچاتے ہیں۔

کہ کفر میں مبتلا ہیں جو قبولیت سے مانع ہے نہ کفر کرتے نہ ان کے سارے خرچ ضائع جاتے اور اس مثال میں جو یہ فرمایا کہ پالا لگ جائے ایسے لوگوں کی کھیتی کو جنہوں نے بد دینی سے اپنا نقصان کر رکھا ہو اس پر بظاہر یہ شبہ ہوگا کہ پالے سے تو ہر ایک کی کاشت کو نقصان پہنچ سکتا ہے چاہے دیندار ہی کیوں نہ ہو پھر بد دین کی تخصیص کی کیا ضرورت تھی تو نکتہ اس قید میں یہ ہے کہ یہاں کامل نقصان دکھلانا مقصود ہے اور کامل نقصان پالے سے یا کسی قسم کی آفت سے بد دین ہی کو ہوتا ہے کہ دنیا میں مال ضائع ہو گیا اور آخرت میں کچھ بدلہ بھی نہ ملے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً

اے ایمان والو! اپنے سوا کسی کو صاحب خصوصیت

مِّنْ دُوْنِكُمْ

مت بناؤ۔

نہ محبت میں نہ برتاؤ میں نیز اس ممانعت میں ہمراز بنانا بھی داخل ہے۔

لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ

وہ لوگ تمہارے ساتھ فساد کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے۔ تمہاری مضرت کی تمنا رکھتے ہیں۔

یعنی دینی و دنیوی ضرر رسانی کے درپے رہتے ہیں۔

قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ښ

واقعی بغض ان کے منہ سے ظاہر ہو پڑتا ہے

بات چیت وغیرہ میں چنانچہ مشاہدہ ہے کہ جب دل میں بہت غبار ہوتا ہے کتنا ہی زبان کو سنبھالے مگر کچھ منہ پر آ ہی جاتا ہے۔

وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ

اور جس قدر ان کے دلوں میں ہے وہ تو بہت کچھ ہے۔ ہم علامات

الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

تمہارے سامنے ظاہر کر چکے اگر تم عقل رکھتے ہو

اور اس میں ان کی کتابیں بھی آ گئیں اور وہ تمہاری کتاب یعنی قرآن پر ایمان نہیں رکھتے مگر وہ تو باوجود تمہارے اس ایمان کے بھی تم سے محبت نہیں کرتے اور تم باوجود قرآن کی تکذیب کرنے کے بھی ان سے محبت رکھتے ہو۔

هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ

ہاں تم ایسے ہو کہ ان لوگوں سے محبت رکھتے ہو اور یہ لوگ تم سے اصلاً محبت نہیں

وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ

رکھتے حالانکہ تم تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو۔ اور یہ لوگ جب تم سے ملتے ہیں

قَالُوْٓا اٰمَنَّا ښ

کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔

یعنی صرف تمہارے دکھانے کو منافقانہ طور پر ایسا کہہ دیتے ہیں تم ان کے اس ظاہری ایمان سے دھوکہ مت کھانا کہ وہ بھی تمہاری کتاب کو مانتے ہیں۔

وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ

اور جب الگ ہوتے ہیں تو تم پر اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کر کھاتے ہیں

مِنَ الْغَيْظِ ط

مارے غیظ کے

یہ کنایہ ہے سخت غصہ کی حالت سے جب کہ مجبوری بھی ہو اور کچھ بس نہ چلتا ہو۔

قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ ط

آپ کہہ دیجئے کہ تم مر رہو اپنے غصہ میں

مراد یہ ہے کہ اگر تم مر بھی جاؤ گے تب بھی تمہاری مراد پوری نہ ہوگی اس میں علم اخلاق کے ایک مسئلہ کی بھی تعلیم ہے جو ایک فائدہ عظیم ہے وہ یہ کہ جب کسی سے قطع تعلق کرنا کسی ضروری مصلحت کی وجہ سے واجب ہو تو کوئی دل خراش بات اس شخص سے کہہ دینا قطع تعلق میں نہایت موثر ہے اس سے وہ شخص مایوس ہو کر خود علاقہ قطع کر دیتا ہے مگر یہ ایذاء شرعی حد سے گزرنے نہ پاوے۔

إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿١١٩﴾

بیشک خدا تعالیٰ خوب جانتے ہیں دلوں کی باتوں کو

اسی لئے ان کے دلوں میں جو رنج و حسد اور عداوت تمہاری طرف سے بھری ہے سب بتلا دی۔

إِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ

اگر تم کو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے

مثلاً تم میں باہم اتفاق ہو یا غیروں پر تم کو غلبہ ہو جائے۔

تَسُؤْهُمْ ز وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا ط

تو ان کیلئے موجب رنج ہوتی ہے اور اگر تم کو کوئی ناگوار حالت پیش آتی ہے تو اس سے خوش ہوتے ہیں

اس سے ان کی عداوت اور شماتت ثابت ہے پس جب ان کے یہ حالات ہیں تو وہ اس قابل کب ہیں کہ ان سے دوستی یا دوستی کا برتاؤ کیا جاوے۔ یہ تقریر مسلمانوں کے دل سے ان کی دوستی کا خیال نکالنے کے لئے کافی ہے لیکن ساتھ ہی ان کی مخالفت پر آگاہ ہو کر فکر میں پڑ جانے کا احتمال ہے کہ جب یہ ایسے دشمن ہیں تو کہیں ہم کو ضرر نہ پہنچاویں اس لئے آگے اس کے متعلق تسلی فرماتے ہیں۔

وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ

اور اگر تم استقلال اور تقویٰ کے ساتھ رہو تو ان لوگوں کی تدبیر تم کو ذرا بھی

شَيْئًا ط

ضرر نہ پہنچا سکے گی۔

اگر یہ خطاب خاص ہی رکھا جائے تب تو کوئی اشکال نہیں کیونکہ یہ یہودی حضرات صحابہ کو کوئی ضرر نہ پہنچا سکے اور اگر یہ خطاب سب مسلمانوں کو عام سمجھا جاوے اور یہی ظاہر معلوم ہوتا ہے تب بھی کوئی اشکال نہیں کیونکہ وعدہ یہ ہے کہ اگر تم صبر و تقویٰ پر مستقل رہو تو تم کو کوئی ضرر نہ پہنچا سکے گا اور اکثر جب مخالف کو مسلمانوں پر غلبہ ہوا صبر و تقویٰ کی کمی کی وجہ سے ہوا ہے اور اگر شاذ و نادر کبھی ایسا بھی ہو کہ باوجود استقلال و تقویٰ کے کفار کو غلبہ ہو جائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہاں حقیقی ضرر نہیں ہوتا صرف ظاہری ضرر ہوتا ہے کیونکہ اس وقت حق تعالیٰ اپنے بندوں کی آزمائش کیا کرتے ہیں جس میں بوجہ رضا و توکل کے ان کے دل پریشان نہیں ہوتے بلکہ اللہ والے امتحان کی تمام تکالیف کو راحت سمجھتے ہیں اور بزبان حال یوں کہتے ہیں۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

تکلیف دہ ہوتی ہے جس سے قلب کو تشویش ہو اور دل کو جب راحت و خوشی نصیب ہو تو ظاہری تکلیف کا حقیقت کے مقابلہ میں اعتبار نہ کیا جاوے گا اس ظاہری شکست میں مسلمانوں کو باطنی فتح نصیب ہوتی ہے وہ یہ کہ بکثرت فتوحات اور غلبہ ہوتے رہنے سے کبھی اپنی قوت پر نظر ہو جاتی ہے اور خدا پر توکل کم ہو جاتا ہے کبھی شکست دے کر حق تعالیٰ ان کے اخلاق مہذب کر دیتے ہیں جس سے ثواب اور قرب و رضا میں ترقی ہو جاتی ہے اور مسلمان کا اصلی مقصد یہی ہے اگر شکست میں خدا کا قرب و رضا زیادہ ہو تو وہ ہزار فتح سے بہتر ہے خوب سمجھ لو۔

إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿١٢٠﴾ ع

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال پر احاطہ رکھتے ہیں

یعنی کوئی عمل اس کے علم سے باہر نہیں اس لئے وہاں سزا سے بچنے کے لئے کسی حیلہ حوالہ کی گنجائش نہیں۔

وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ

اور جب کہ آپ صبح کے وقت اپنے گھر سے چلے مسلمانوں کو مقاتلہ کرنے کے

مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾

لئے مقامات پر جما رہے تھے اور اللہ تعالیٰ سب سن رہے تھے سب جان رہے

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا

تھے۔ جب تم میں سے دو جماعتوں (بنی سلمہ و بنی حارثہ) نے دل میں خیال کیا

وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ

کہ ہمت ہار دیں اور اللہ تعالیٰ تو ان دونوں جماعتوں کا مددگار تھا۔

ربط: یہاں تک زبانی جہاد تھا اب آگے تلوار کے جہاد کا ذکر ہوتا ہے جس کے ضمن میں تین قصوں کی طرف اشارہ ہے۔ غزوہ احد اور زیادہ اسی کا بیان ہے۔ غزوہ بدر، غزوہ حمراء الاسد اور اس مضمون کو اوپر کی آیت سے خاص مناسبت یہ ہے کہ اوپر فرمایا ہے کہ اگر تم صبر وتقویٰ پر مستقل رہو گے تو تم کو کفار کچھ ضرر نہ پہنچا سکیں گے آئندہ یہ تین قصے بطور دلیل کے بیان فرماتے ہیں کہ دیکھ لو جہاں تم نے صبر وتقویٰ پورا پورا کیا جیسے جنگ بدر وہاں باوجود تمہاری قلت اور کمزوری کے کفار تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکے اور جہاں اس میں ذرا کمی آ گئی جیسے احد میں وہاں کفار غالب آ گئے پھر حمراء الاسد میں باوجودیکہ احد میں تازہ زخم کھائے ہوئے تھے لیکن صبر واستقلال وتقویٰ سے کام لیا پھر تم ہی غالب ہو گئے۔ اس سے مضمون بالا کی پوری تائید ہوگئی۔

بھلا وہ ان کو کب ہمت ہارنے دیتا چنانچہ خدا تعالیٰ نے اس خیال پر عمل کرنے سے ان کو روک دیا اور محفوظ رکھا۔

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

اور پس مسلمانوں کو تو اللہ تعالیٰ ہی پر اعتماد کرنا چاہئے

یہ نصیحت ہے ان جماعتوں کو اور تمام مسلمانوں کو بھی کہ ایسی کم ہمتی کبھی نہ کرنا چاہئے خدا پر نظر رکھنی چاہئے۔ ربط: قصہ بدر کی نصرت کا بدولت صبر وتقویٰ کے ہونا بیان فرماتے ہیں۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ

اور یہ بات محقق ہے کہ حق تعالیٰ نے تم کو (غزوہ) بدر میں منصور فرمایا حالانکہ تم بے سروسامان تھے۔

کیونکہ مجمع بھی کفار کے مقابلہ میں کم تھا وہ ایک ہزار تھے اور مسلمان کل تین سو تیرہ تھے اور ہتھیار وغیرہ بھی بہت کم تھے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ

سو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو

کیونکہ یہ منصور ہونا بطور تقویٰ کے تھا جس میں صبر واستقلال بھی داخل ہے پس تم پر لازم ہے کہ آئندہ بھی تقویٰ اختیار کرو۔

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

تاکہ تم شکرگزار رہو

یعنی تاکہ تم اس نعمت نصرت کا شکر پوری طرح ادا کرو۔

اِذْ تَقُوْلُ

(یہ نصرت اس وقت ہوئی) جبکہ آپ

جبکہ وہ یہ خبر سن کر کہ مشرکین کی اور مدد آ رہی ہے پریشان ہو رہے تھے۔

لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ

مسلمانوں سے یوں فرما رہے تھے کہ کیا تم کو یہ امر کافی نہ ہوگا کہ تمہارا رب تمہاری

بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ؕ ﴿۱۲۴﴾

امداد کرے تین ہزار فرشتوں کے ساتھ جو (آسمان سے) اتارے جاویں گے۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے درجہ کے فرشتے ہوں گے ورنہ جو فرشتے پہلے سے زمین پر موجود تھے ان سے بھی یہ کام لیا جا سکتا تھا ذرا اس سے پہلے مسلمانوں کی دعا اور فریاد پر ایک ہزار فرشتے بھیجنے کا وعدہ ہوا تھا جیسا کہ سورہ انفال میں ہے پھر جب مشرکین کی امداد آنے کی خبر اڑی کہ کرز بن جابر محاربی مشرکین کا ساتھ دینا چاہتا ہے اس پر زیادہ تقویت قلب کے لئے تین ہزار کا وعدہ ہوا پھر تقویٰ واستقلال سے لڑائی کے وقت کام لینے پر پانچ ہزار کا وعدہ ہوا جو آئندہ آتا ہے۔ یہ تین وعدے ہوئے جن میں سے تیسرے وعدے کا سبب تو خود قرآن میں صاف مذکور ہے کہ صبر و تقویٰ سے کام لینا ہے اور پہلے دو وعدوں کے سبب ظاہر میں دعا و پریشانی معلوم ہوتے ہیں مگر اصلی سبب ان کا بھی وہی تقویٰ وصبر ہے اسی کی برکت سے دعا بھی قبول ہوئی اور اسی کی بدولت قدم قدم پر رحمتیں متوجہ ہوئیں۔

بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ

ہاں کیوں نہیں (کافی ہوگا) اگر مستقل رہو گے اور متقی رہو گے اور وہ لوگ تم پر

فَوْرِهِمْ

ایک دم سے (بھی) آ پہنچیں گے

کہ ایسے وقت میں عادۃً مخلوق سے مدد پہنچنا دشوار ہوتا ہے مگر جب بھی (آگے ترجمہ)

هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ

تو تمہارا رب تمہاری امداد فرماوے گا پانچ ہزار فرشتوں سے جو

الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿١٢٥﴾

ایک خاص وضع بنائے ہوں گے۔

جیسا کہ طریقہ ہے کہ فوج کی کوئی خاص وردی ہوتی ہے ابن عباس سے منقول ہے کہ ملائکہ کی وضع جنگ بدر میں سفید عمامے تھے اس میں اشارہ ہے کہ وہ فرشتے خاص اسی کام کے لئے بھیجے جائیں گے اور جو شخص خاص طور پر ایک کام کے لئے آتا ہے عادۃً اس سے زیادہ امید کام کی ہوتی ہے اس غرض سے یہ خبر دی گئی پھر اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ پانچ ہزار کا وعدہ بھی پورا ہوا یا کہ نہیں بعض نے کہا کہ نہیں ہوا کیونکہ اس وعدہ کے لئے ایک شرط بھی تھی کہ کفار کی مدد آ جائے اور وہ امداد نہیں آئی تھی اس لئے فرشتے بھی پانچ ہزار نہیں آئے صرف تین ہزار آئے اس میں بھی اختلاف ہے کہ تین ہزار پہلے ایک ہزار کے علاوہ آئے یا ان سمیت اور بعض کا قول ہے کہ تینوں وعدے پورے ہوئے اور قصہ احد کے درمیان میں قصہ بدر کا بیان کرنا اس میں مقابلہ کے طور پر اشارہ ہے اس طرف کہ احد میں جو امداد نہیں ہوئی اس کا سبب تقویٰ میں کوتاہی کرنا تھا اور یہ کوتاہی لڑائی سے پہلے بھی ہوئی کہ غزوہ بدر میں کفار کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا تھا اس کی سزا ملی اور لڑائی کے وقت بھی ہوئی کہ مورچہ سے حضورؐ کے حکم کے خلاف ہٹ گئے اور جنگ احد میں ملائکہ کا نازل ہونا کسی قوی دلیل سے ثابت نہیں اور ملائکہ کی امداد کی نسبت جو شبہ کیا گیا ہے اس کا جواب عنقریب آتا ہے۔ ربط آگے اس امداد کی حکمت کا بیان ہے۔ وما جعله الله الابشریٰ تا خائبین

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ

اور اللہ تعالیٰ نے یہ امداد محض اس لئے کی کہ تمہارے لئے (اس کی) بشارت ہو اور

قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۭ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ

تا کہ تمہارے دلوں کو (اضطراب سے) قرار ہو جائے اور نصرت (واقع میں)

اللّٰهِ الْعَزِيْزِ

صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے جو کہ زبردست ہیں

کہ بدوں اسباب کے بھی غالب کر سکتے ہیں لیکن چونکہ طبعاً اسباب ظاہری سے تسلی ہو جاتی ہے اس لئے اس سبب کا سامان کیا گیا کیونکہ وہ حکیم بھی ہیں جب چاہیں اسباب پیدا کر کے غلبہ دے دیتے ہیں یہ حکمت ہوئی ملائکہ کی امداد پہنچنے کی جس میں غور کرنے سے کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔

الْحَكِيْمِ ﴿١٢٦﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ

حکیم بھی ہیں تا کہ کفار میں سے ایک گروہ کو (جان سے) ہلاک کر دے یا ان

كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ

کو ذلیل و خوار کر دے پھر وہ ناکام لوٹ جاویں

یعنی تا کہ ان میں کوئی نہ کوئی بات ضرور ہو جائے اور اگر دونوں ہو جائیں تو بہت ہی اچھا چنانچہ دونوں باتیں ہوئیں ستر کافر رئیس قتل کئے گئے باقی شکست کھا کر ذلیل ہوئے اور ناکام واپس ہوئے اور تیسری بات اور ہوئی کہ ستر آدمی قید ہوئے ربط: آگے پھر عود ہے قصہ احد کی طرف اور سبب نزول اس کا یہ ہے کہ جب غزوہ احد میں حضورؐ کا دندان مبارک شہید اور چہرہ اقدس زخمی ہوا تو آپ نے یہ فرمایا کہ ایسی قوم کیا فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا حالانکہ وہ نبی ان کو خدا کی طرف بلا رہا ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بعض کے حق میں بددعا بھی فرمائی اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور وہ سب بعد میں اسلام لے آئے اور آپ کا بددعا فرمانا یا شکایت کرنا اجتہاداً تھا وحی سے نہ ممانعت تھی نہ اجازت پس عصمت کے متعلق کوئی اشکال لازم نہیں آتا۔

فَيَنْقَلِبُوْا خَاۗىِٕبِيْنَ ﴿١٢٧﴾

آپ کو (خود) کوئی دخل نہیں

کسی کے مسلمان ہونے یا کافر رہنے میں نہ علم کا دخل کہ کون ہدایت پائے گا نہ قدرت کا دخل کہ آپ جس کو چاہیں ہدایت کر دیں بلکہ یہ سب خدا کے علم اور قبضہ میں سے ہے۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ

یہاں تک کہ خدا تعالیٰ ان پر یا تو (رحمت سے) متوجہ ہو جاویں۔

یعنی ان کو اسلام کی توفیق دیدیں تو اس وقت صبر خوشی سے بدل جائے گا۔

اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ

اور یا ان کو (دنیا ہی میں) کوئی سزا دیں

اس وقت قلب کو تشفی ہو جائے گی اور سزا دینا کچھ بے جا بھی نہیں (آگے ترجمہ)

اَوْ يُعَذِّبَھُمْ فَاِنَّھُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿١٢٨﴾

کیونکہ وہ ظلم بھی بڑا کر رہے ہیں۔

ظلم سے مراد کفر وشرک ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ

اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں

يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ

ہے اور سب کو چاہیں بخش دیں

یعنی اسلام نصیب کردیں جس سے مغفرت ہو جائے۔

وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

یعنی اسلام نصیب کردیں جس سے مغفرت ہوتی ہے) اور جس کو چاہیں عذاب دیں

یعنی اسلام نصیب نہ ہو اور اس وجہ سے عذاب دائمی ہو

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾

اور اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت کرنے والے (اور) بڑی رحمت کرنے والے ہیں

تو بخشنے کا تو ذرا بھی تعجب نہیں کیونکہ ان کی رحمت تو غضب سے بڑھی ہوئی ہے رحمت تو بلا وجہ بھی کر دیتے ہیں اور عذاب بلا وجہ نہیں کرتے اسی لئے عذاب دینے کی وجہ فانهم ظلمون سے بیان فرمائی اور رحمت کی وجہ کوئی نہیں بیان کی ربط: اوپر بیان کیا ہے کہ احد میں امداد نہ ہونے کا سبب تقویٰ میں کوتاہی کرنا ہوئی تھی ایک کوتاہی واقعہ سے پہلے ایک عین واقعہ میں اس سے یہ معلوم ہوا کہ بعض دفعہ پہلے گناہ آئندہ طاعات میں خلل اندازی یا دوسرے گناہوں کے ارتکاب کا سبب ہو جاتے ہیں چنانچہ اس کا تجربہ بھی ہے اور علماء نے لکھا بھی ہے اس لئے آگے تقویٰ کی تاکید اور اس کی بعض ضروری فروع کی تصریح فرماتے ہیں اور بعض بڑے گناہوں سے جیسے ربوا ہے بچنے کا حکم دیتے ہیں تاکہ پابند حدود شرعیہ رہیں تو آئندہ پھر کسی موقعہ پر مضرت پیش نہ آئے۔ یایها الذین اٰمنوا تا لعلکم ترحمون

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا

اے ایمان والو! سود مت کھاؤ (یعنی نہ لو اصل سے)

اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ص

کئی حصے زائد (کرکے)

اس کا یہ مطلب نہیں کہ کئی حصہ زائد نہ لو تو سود جائز ہے۔ سود چاہے تھوڑا ہو چاہے بہت سب حرام ہے بلکہ اس زمانہ کا دستور اس طرح تھا کہ سود بالائے سود لیا کرتے تھے اس لئے ان کے دستور کے موافق یہ قید اتفاقی ہے دوسری آیت میں وحرم الربوا مطلقاً بلا قید کے بیان ہو چکا ہے دونوں کے ملانے سے یہ معلوم ہوا کہ سود بالکل حرام ہے جو صورت ان میں رائج تھی وہ بھی اور جتنی صورتیں اس کے سوا ہوں وہ بھی آج کل بعض ہوا پرست اس آیت سے عام مسلمانوں کو دھوکے میں ڈالنا چاہتے ہیں۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ ج

اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو امید ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ

وَاتَّقُوا النَّارَ

اور اس آگ سے ڈرو جو (دراصل)

یہ قید اس لئے بڑھائی کہ گناہوں کی وجہ سے بعض مسلمان بھی دوزخ میں جائیں گے لیکن وہ ان کا اصلی ٹھکانا نہیں یہی وجہ ہے کہ سزا کے بعد برکت ایمان کے اس سے نکل آویں گے ربط: آگے بھی تتمہ ہے مضمون سابق کا جس میں تقویٰ کی بعض صورتوں کے اختیار کرنیکی ترغیب مع وعدہ مغفرت و جنت کے ہے پس اوپر دوزخ سے بچنے کو فرمایا تھا آگے جنت لینے کو فرماتے ہیں وسارعوا الی مغفرة تا نعم اجر العٰملین

الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ ج وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ

کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے اور خوشی سے کہنا مانو اللہ تعالیٰ کا اور رسول کا

وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ ج وَسَارِعُوْٓا

امید ہے کہ تم رحم کئے جاؤ گے (قیامت میں) اور دوڑو طرف مغفرت کے جو

اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ

تمہارے پروردگار کی طرف سے (نصیب) ہو اور طرف جنت کی

مطلب یہ کہ ایسے نیک کام اختیار کرو جس سے حق تعالیٰ تمہاری مغفرت کردیں اور تم کو جنت نصیب ہو۔

عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ لا

جس کی وسعت ایسی (تو) ہے (ہی) جیسے سب آسمان اور زمین

اور اس سے زیادہ کی اس آیت میں نفی نہیں مگر واقع میں اس سے زیادہ ہونا ثابت ہے۔

اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ لا الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ

وہ تیار کی گئی ہے خدا سے ڈرنے والوں کے لئے (نہیں اعلیٰ درجہ کے مسلمان)

فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ

ایسے لوگ (ہیں) جو کہ خرچ کرتے ہیں فراغت میں اور تنگی میں (بھی) اور

الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ

غصہ کے ضبط کرنے والے اور لوگوں (کی تقصیرات) سے درگزر کرنے والے

يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾

اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکاروں کو محبوب رکھتا ہے۔

یعنی جن میں یہ خصلتیں ہوں ان کو حق تعالیٰ بہت محبوب رکھتے ہیں اور عام محبت تو حق تعالیٰ کو سب مسلمانوں سے ہے یہ تو اعلیٰ درجہ کے ہیں ایک ان کے اعتبار سے دوسرے درجہ کے ہیں ڈرنے والوں میں سب آگئے (آگے ترجمہ)

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا

اور (بعضے) ایسے لوگ ہیں کہ جب کوئی ایسا کام کر گزرتے ہیں جس میں (دوسروں

اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا

پر) زیادتی ہو یا اپنی ذات پر نقصان اٹھاتے ہیں تو (معاً) اللہ تعالیٰ کو یاد کر لیتے ہیں

لِذُنُوْبِهِمْ ص

پھر اپنے گناہوں کی معافی چاہنے لگتے ہیں۔

یعنی اس طریقہ سے جو معافی کے لئے مقرر ہے کہ اگر دوسروں پر زیادتی کی ہو تو ان سے بھی حقوق معاف کرائے اور جو خاص اپنی ذات تک گناہ ہو اس میں اس کی حاجت نہیں اور اللہ تعالیٰ سے معاف کرانا دونوں صورتوں میں ضروری ہے۔

وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ قف صلے

اور (واقعی) اللہ تعالیٰ کے سوا اور ہے کون جو گناہوں کو بخشتا ہو

رہا بندے جو اپنے حقوق معاف کرتے ہیں ان کے اختیار میں عذاب سے بچالینا تو نہیں اور حقیقی بخشش یہی ہے۔ ربط: آگے پھر عود ہے غزوہ احد کے قصہ کی طرف مسلمانوں کی تسلی کرتے ہیں کہ ہمیشہ سے طریقہ الٰہی چلا آرہا ہے کہ انجام کار کفار ہی مغلوب و ناکام ہوتے ہیں پس اگر چہ تم اس وقت اپنی بے عنوانی سے مغلوب ہوگئے لیکن اگر تم ایمان کے مقتضیٰ پر ثابت قدم اور تقویٰ پر مستقل رہے تو اخیر میں کفار ہی مغلوب ہوں گے۔

قد خلت من قبلکم سنن تا مؤمنين

وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

اور (وہ لوگ) اپنے فعل (بد) پر اصرار (اور ہٹ) نہیں کرتے اور وہ جانتے

اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ

ہیں۔ ان لوگوں کی جزا بخشش ہے ان کے رب کی طرف سے اور (بہشت کے)

وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

ایسے باغ ہیں کہ ان کے نیچے سے نہریں چلتی ہوں گی یہ ہمیشہ (ہمیشہ) ان

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

ہی میں رہیں گے اور (یہ) اچھا حق الخدمت ہے ان کام کرنے والوں کا۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ

بالتحقیق تم سے قبل مختلف طرق کے (لوگ) گزر چکے ہیں۔

جن میں مسلمان بھی تھے کافر بھی تھے اور ان میں باہم جنگ وجدال بھی ہوا لیکن انجام کار کفار ہی ہلاک ہوئے چنانچہ اگر تم آثار کا مشاہدہ کرنا چاہو (آگے ترجمہ)

فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ

تو تم روئے زمین پر چلو پھرو اور دیکھ لو کہ اخیر انجام

عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ هٰذَا بَيَانٌ

تکذیب کرنے والوں کا کیا ہوا۔ یہ بیان کافی ہے تمام لوگوں کے

لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾

لئے اور ہدایت اور نصیحت ہے خاص خدا سے ڈرنے والوں کے لئے

یعنی ہدایت ونصیحت یہی لوگ حاصل کرتے ہیں ہدایت تو یہ کہ حق و باطل کو سمجھیں اور نصیحت یہ کہ اس کے موافق عمل کریں اور بیان کافی سب کے لئے ہے اگر اس میں غور کریں سب عبرت حاصل کر سکتے ہیں ربط: آگے بھی تسلی ہے دوسرے عنوان سے چنانچہ ترجمہ سے معلوم ہو جائے گا ان يمسسكم قرح تا يمحق الكفرين

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ

اور تم ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو اور (آخر) کو غالب تم ہی رہو گے۔ اگر

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ

تم پورے مومن رہے۔ اگر تم کو زخم (صدمہ) پہنچ جاوے

قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ

(جیسا احد میں ہوا) تو اس قوم کو بھی ایسا ہی زخم پہنچ چکا ہے۔

یعنی گھبرانے کی کوئی بات نہیں اس میں بھی حکمتیں ہیں چنانچہ ایک حکمت تو یہ ہے کہ سال گذشتہ بدر میں تمہارے مقابلوں کو صدمہ پہنچا تھا اور ہمارا معمول ہے کہ کبھی ایک قوم کو غالب کرتے ہیں دوسری کو مغلوب کبھی اس کے برعکس اسی معمولی کے موافق بارہ سال وہ مغلوب ہوئے تھے اس سال تم ہو گئے اس میں بہت سی مصلحتیں ہیں بڑی مصلحت ایک یہی ہے کہ اس عالم میں لوگوں کا ابتلاء و امتحان باقی رہے اگر مسلمان ہی ہمیشہ غالب ہوا کرتے تو یہ اس کی حقانیت کا کھلا نشان ہمیشہ کے لئے ہوتا پھر کسی کا ایمان لانے میں کچھ کمال نہ ہوتا اور اگر کفار کو ہمیشہ غلبہ ہوا کرتا تو ضعیف الایمان لوگ سخت فتنہ میں پڑ جاتے اس لئے اکثر تو مسلمان ہی غالب ہوتے ہیں مگر کبھی مغلوب بھی ہو جاتے ہیں۔

وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ

اور ہم ان ایام کو ان لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہا کرتے ہیں

وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور (دوسری حکمت یہ ہے) تا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جان لیویں۔

یعنی اس کا جاننا سب کو معلوم ہو جاوے کیونکہ مصیبت کے وقت مخلص اور منافق کا امتحان ہو جاتا ہے۔

وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا

اور تیسری حکمت یہ ہے کہ) تم میں سے بعضوں کو شہید بنانا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ

يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

ظلم کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتے۔

پس اس کا احتمال نہ کیا جائے کہ شاید ان کو محبوب ہونے کی وجہ سے غالب کر دیا ہو ہرگز نہیں یہ کلام بطور جملہ معترضہ کے تھا آگے بقیہ حکمتیں آتی ہیں چوتھی حکمت یہ ہے (آگے ترجمہ)

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور تا کہ (گناہوں کے) میل کچیل سے صاف کر دے ایمان والوں کو

کیونکہ مصیبت سے اخلاق و اعمال کا تصفیہ ہو جاتا ہے پانچویں حکمت یہ ہے کہ (آگے ترجمہ)

وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾

اور مٹا دے کافروں کو

اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ غالب آ جانے سے جرات بڑھے گی تو پھر مقابلہ میں آویں گے اور ہلاک ہوں گے دوسرے یہ کہ مسلمانوں پر ظلم کرنے سے قہر خداوندی میں مبتلا ہو کر تباہ ہوں گے۔

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را
چنداں اماں نہ داد کہ شب را سحر کند

ربط: اوپر کی آیتوں میں گذشتہ مصائب پر تسلی تھی اگلی آیت میں آئندہ کی مشقتوں کے تحمل پر مسلمانوں کے دلوں میں قوت پیدا کرتے ہیں۔ ام حسبتم تا یعلم الصابرین

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ

ہاں (اور سنو) کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ جنت میں جا داخل ہو گے۔

یعنی خصوصیت کے ساتھ سب سے پہلے یا بڑے درجوں میں پہنچ جاؤ تو یہ بدون مشقت کے نہیں ہوتا اور یوں جنت میں پہنچ جانا بلا خصوصیت کے تو ہر مومن کے لئے محض فضل و کرم سے بھی ہو سکتا ہے۔

وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ

حالانکہ ہنوز اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تو دیکھا ہی نہیں

یعنی خدا تعالیٰ کا جاننا سب کو ظاہری طور پر معلوم نہیں ہوا۔

الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ

جنہوں نے تم میں سے (خوب) جہاد کیا ہو

خوب کی قید اس لئے بڑھا دی کہ تھوڑا بہت جہاد تو غزوہ احد میں بھی ہوا گو نا تمام رہا۔ مطلب یہ ہے کہ ابھی تمہاری ثابت قدمی اور جہاد کا امتحان بہت باقی ہے آئندہ کے لئے اس میں کوشش کرنا ضروری ہے کیونکہ جنت کے عالی درجے بے مشقت نہیں مل سکتے۔ ربط: اوپر نصیحت تھی آگے لڑائی سے بھاگنے پر ایک گونہ ملامت ہے۔ ولقد کنتم تا تنظرون

وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ

اور نہ ان کو دیکھا جو ثابت قدم رہنے والے ہوں اور تم تو (شہید ہو کر) مرنے کی

الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ ۖ فَقَدْ

(بڑی تمنا کر رہے تھے موت کے سامنے آنے کے پہلے سے سو (تمنا کے بعد)

رَأَيْتُمُوهُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿١٤٣﴾

اس (کے سامان) کو کھلی آنکھوں دیکھ لیا تھا (پھر کیوں بھاگنے لگے)

شان نزول اس آیت کا یہ ہے کہ احد سے پہلے بعض صحابہ جنگ بدر میں شہید ہوئے اور ان کے بڑے بڑے فضائل حدیث وقرآن میں آئے تو بعض نے تمنا کی کہ کاش ہم کو بھی کوئی ایسا موقع پیش آوے کہ اس دولت شہادت سے مشرف ہوں آخر غزوہ احد کا واقع ہوا تو بہت سوں کے پاؤں اکھڑ گئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی **ربط**: جب غزوہ احد میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دندان مبارک شہید ہوا اور سر مبارک زخمی ہوا اس وقت کسی دشمن نے پکار دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہو گئے مسلمان ایک تو لڑائی کا رنگ بدل جانے سے بدحواس و پریشان ہو ہی رہے تھے اس خبر سے رہی سہی اور بھی کمر ٹوٹ گئی کسی نے تو یہ تجویز کیا کہ اب کفار سے امن لے لینا چاہئے بعضے ہمت ہار کر بیٹھ رہے ہاتھ پاؤں چھوڑ دیئے۔ بعضے بولے کہ جب آپؐ ہی نہ رہے تو ہم رہ کر کیا کریں گے جس پر آپ نے جان دی ہم کو بھی اسی پر جان دیدینی چاہئے آپ قتل ہو گئے تو کیا خدا تو قتل نہیں ہوا بعضے بھاگ کھڑے ہوئے بعضے منافق بولے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہیں رہے تو پھر اپنا پہلا ہی دین کیوں نہ اختیار کر لیا جائے بعضے بولے کہ اگر نبی ہوتے تو کیوں قتل ہوتے اس پریشانی میں اول آپ کو حضرت کعب بن مالک نے دیکھا پہچانا اور پکار کر کہا کہ مسلمانو یہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ صحیح سلامت پھر سب مسلمان مجتمع ہوئے آپؐ نے اس بھاگنے پر ملامت فرمائی عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس وحشتناک خبر سے ہمارے دل بیٹھ گئے اس لئے پاؤں اکھڑ گئے **وما محمد الا رسول تا سنجزی الشکرین**

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ

اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نرے رسول ہی تو ہیں (خدا تو نہیں) آپؐ سے

قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۗ

پہلے اور بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔

اسی طرح آپ بھی ایک روز آخر گزر ہی جائیں گے تو آپ کی موت یا قتل کی خبر کو عجیب سمجھ کر ایسے کیوں گھبرا گئے **فائدہ: قد خلت من قبلہ** الرسل سے عیسیٰ علیہ السلام کے انتقال پر استدلال کرنا محض باطل ہے کیونکہ زندہ آسمان پر اٹھ جانا بھی دنیا سے گزر جانا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر اس طرح بھی اٹھ جاتے تب صحابہ کو موت ہی کا سا صدمہ ہوتا پس تسلی میں مطلق گزر جانے کو بھی پورا دخل ہے خواہ موت سے ہو یا بدوں موت کے۔

أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ

سو اگر آپ کا انتقال ہو جائے یا آپ شہید ہی ہو جاویں تو کیا تم لوگ (جہاد یا اسلام سے) الٹے پھر جاؤ گے۔

چنانچہ اس واقعہ میں بعضے مسلمان میدان جنگ سے بھاگ پڑے تھے اور منافقین دین سے پھر جانے کی ترغیب دے رہے تھے۔

وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ

اور جو شخص الٹا پھر بھی جاوے گا تو خدا تعالیٰ کا کوئی نقصان نہ کرے گا (بلکہ اپنا ہی

اللَّهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴿١٤٤﴾

کچھ کر دے گا) اور خدا تعالیٰ جلدی ہی (نیک) عوض دے گا حق شناس لوگوں کو

جو ایسے مواقع میں حق تعالیٰ کے انعامات کو یاد رکھ کر اس کی اطاعت پر جمے رہتے ہیں اور قیامت میں عوض ملنا جلدی ہی ملنا ہے کیونکہ روزانہ وہ قریب ہی ہوتی جاتی ہے۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ

اور کسی شخص کو موت آنا ممکن نہیں بدوں حکم خدا کے

خواہ طبعی موت ہو یا قتال سے ہو پس کسی کی موت سے گھبرانا فضول بات ہے پھر جب وہ خدا کے حکم سے ہے تو اس پر راضی رہنا چاہئے دوسرے یہ کہ جس کی موت آئی بھی ہے تو (آگے ترجمہ)

كِتَابًا مُؤَجَّلًا ۗ

اس طور سے کہ اس کی میعاد معین لکھی ہوئی رہتی ہے

جس میں تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی تو پھر ارمان و حسرت محض بیکار ہے وہ تو وقت پر ضرور ہوگی اور وقت سے پہلے ہرگز نہ ہوگی پھر اس سے متوحش ہو کر بھاگنے کا آخر نتیجہ کیا بجز اس کے کہ چند روزہ زندگی کی ایک تدبیر ہے سو ایسی تدبیر کا حال سن لو (آگے ترجمہ)

وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا ۚ

اور جو شخص دنیوی نتیجہ چاہتا ہے تو ہم اس کو دنیا کا حصہ دے دیتے ہیں

اپنی مشیت کے موافق پھر آخرت میں اس کے لئے کوئی حصہ نہیں۔

وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ

اور جو شخص اخروی نتیجہ چاہتا ہے

مثلاً جہاد میں اس لئے ثابت قدم رہ کہ یہ ثواب آخرت ملنے کی ایک تدبیر ہے۔

الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۭ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ۝١٤٥

تو ہم اس کو آخرت کا حصہ (یقیناً) دیں گے اور ہم بہت جلد (نیک عوض دیں گے (ایسے) حق شناسوں کو

جو اپنے اعمال و تدابیر میں آخرت کی نعمت چاہیں پہلی جگہ اعمال نیک پر قائم رہنے کو شکر کہا تھا یہاں آخرت کی نیت کرنے کو شکر کہا گیا تو کلام میں تکرار نہیں۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ

اور بہت نبیؐ ہو چکے ہیں جن کے ساتھ ہو کر بہت اللہ والے لڑ کے ہیں۔

كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ

سو نہ تو ہمت ہاری انہوں نے ان مصائب کی وجہ سے جو ان پر اللہ کی

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۭ

راہ میں واقع ہوئیں اور نہ ان کا زور گھٹا اور نہ وہ دبے

ربط: آگے بھی ملامت کا تتمہ ہے پہلی امت کے مخلصین کا حال یاد دلاتے ہیں کہ دیکھو وہ کیسے مستقل رہے تم کو بھی ایسا ہی ہونا چاہئے تھا۔

وکاین من نبی تا یحب المحسنین .

کہ ان سے عاجزی اور خوشامد کی باتیں کرنے لگے ہوں۔

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۝١٤٦

اور اللہ تعالیٰ کو ایسے مستقل مزاجوں سے محبت ہے

جو دین کے کام میں ایسے ثابت قدم رہیں اور ان کے افعال میں تو کیا لغزش ہوتی (آگے ترجمہ)

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا

اور ان کی زبان سے بھی تو اس کے سوا اور کچھ نہیں نکلا کہ انہوں نے عرض کیا

اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا

کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہوں کو اور ہمارے کاموں میں ہمارے

وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ

حد سے نکل جانے کو بخش دیجئے اور ہم کو ثابت قدم رکھئے اور ہم کو کافر لوگوں پر

الْكٰفِرِيْنَ ۝١٤٧ فَاٰتٰىھُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ

غالب کیجئے۔ سو ان کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا بھی

الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۭ

بدلہ دیا اور آخرت کا بھی عمدہ بدلہ۔

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝١٤٨ ع

اور اللہ تعالیٰ کو ایسے نیکو کاروں سے محبت ہے۔

اس میں اس بات کی تعلیم ہے کہ مصیبت کے وقت ظاہری تدبیر کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا و استغفار بھی کرے کہ اکثر مصیبت کا سبب گناہ ہوتا ہے۔ اور اس میں اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ جنگ احد میں مصیبت عدول حکمی کی وجہ سے ہوئی اور اگر یہ اشکال ہو کہ صحابہؓ تو اللہ والے تھے پھر ان کے گناہ کیا ہوں گے تو جواب یہ ہے کہ اپنے اپنے مرتبہ کے موافق کچھ نہ کچھ تو انسان سے ہو ہی جاتا ہے مگر ایسے اتفاقیات سے ان کے اللہ والے ہونے میں کچھ فرق نہیں ہوتا خصوصاً اس وجہ سے کہ وہ بہت جلد معذرت کر لیتے ہیں اور دعاء و استغفار و ثابت قدمی یہ بھی فتح و ظفر کی تدابیر میں سے ہیں اگر کبھی کسی عارضہ کی وجہ سے ان کے باوجود بھی شکست ہو تو کچھ اشکال نہیں

ربط: چونکہ لڑائی بگڑنے کے وقت بعض منافقین مسلمانوں سے کہنے لگے تھے کہ جب حضورؐ ہی نہ رہے تو اپنا پہلا ہی دین کیوں نہ اختیار کر لیا جائے اس سے ان کی خباثت و بدخواہی ظاہر ہے اس لئے اگلی آیت میں مسلمانوں کو کسی بات میں ان کے مشورہ پر عمل کرنے سے ڈراتے ہیں جیسا کہ اوپر مخلصین کے اتباع کی رغبت دلائی تھی۔ یایھا الذین امنوا ان تطیعوا تا خیر النصرین

يٰٓاَيُّھَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا

اے ایمان والو! اگر تم کہنا مانو گے

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓي اَعْقَابِكُمْ

کافروں کا تو وہ تم کو الٹا پھیر دیں گے

یعنی ان کا اصل مطلب یہی ہے جس کو وہ کبھی تو صراحۃً ظاہر کر دیتے ہیں اور کبھی کوئی خیر خواہی کی بات سوجھاتے ہیں مگر اس میں بھی کوئی ایسا پیچ رکھتے ہیں کہ انجام اس کا آخر کفر ہو جائے۔

فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ج

پھر تم ناکام ہو جاؤ گے بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارا دوست ہے

وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾

اور وہ سب سے بہتر مدد کرنے والا ہے۔

پس اسی کی دوستی پر اکتفا کرو اور اسی کو مددگار سمجھو مخالف اگر خیر خواہی بھی ظاہر کرے تو خلاف حکم خداوندی عمل مت کرو **ربط**: اوپر اللہ تعالیٰ کا مددگار و مولیٰ ہونا مذکور تھا آگے ایک واقعہ سے اس کو ثابت کرتے ہیں۔

سنلقی فی قلوب الذین تا مثوی الظلمین

سَنُلْقِىْ فِىْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ

ہم ابھی ڈالے دیتے ہیں ہول کافروں کے دلوں میں

چنانچہ اس کا ظہور اس طرح ہوا کہ اول تو باوجود مسلمانوں کے شکست کھا جانے کے مشرکین بلا کسی سبب ظاہری کے مکہ کو لوٹ گئے پھر جب کچھ راستہ قطع کر چکے تو اپنے اس طرح چلے آنے پر بہت افسوس کیا کہ جب مسلمانوں میں بالکل دم نہ رہا تھا اس وقت بدون ان کی جڑ کاٹے واپس آنا کیا ضرور تھا پھر واپسی مدینہ کا ارادہ کیا مگر کچھ ایسا رعب چھایا کہ پھر نہ آ سکے یہاں وحی سے ان کا ارادہ معلوم ہو گیا تو آپ ان کے تعاقب میں حمراء الاسد ایک جگہ ہے وہاں تک پہنچے۔

بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ

بسبب اس کے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شریک ایسی چیز کو ٹھہرایا ہے جس پر

سُلْطٰنًا ج

کوئی دلیل اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں فرمائی۔

نہ ان کے پاس کوئی دلیل لفظی ہے چنانچہ اس کا نہ ہونا تو ظاہر ہے کیونکہ کسی آسمانی کتاب میں شرک کی اجازت نہیں نہ کوئی دلیل معنوی ہے جس کو عقلاً یا شرعاً صحیح مانا جائے چنانچہ شرک پر کوئی دلیل قطعی تھی بھی نہیں بلکہ دلیل عقلی سے تو شرک کا محال ہونا ثابت ہے **ربط**: آگے غزوۂ احد میں مغلوب ہو جانے کی وجہ بیان فرماتے ہیں۔ ولقد صدقکم تا علی المومنین

وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ط وَبِئْسَ مَثْوَى

اور ان کی جگہ جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ

بے انصافوں کی۔ اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے تو تم سے اپنے وعدہ کو سچا کر دکھایا تھا۔

اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ج

جس وقت کہ تم ان کفار کو بحکم خداوندی قتل کر رہے تھے۔

چنانچہ ابتدائے جنگ میں مسلمانوں ہی کو غلبہ حاصل تھا اور یہ غلبہ وقتاً فوقتاً بڑھتا گیا۔

حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ

یہاں تک کہ جبکہ تم خود ہی کمزور ہو گئے۔

کہ جو تجویز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی کہ مورچہ پر پچاس آدمی اور ایک افسر برابر بیٹھے رہیں اس میں بعض نے غلط فہمی سے خلاف رائے دی کہ اب وہ حکم ختم ہو گیا پس ہم کو بھی کفار کا تعاقب کرنا چاہئے۔

وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْ

اور باہم حکم میں اختلاف کرنے لگے اور تم کہنے پر نہ چلے بعد اس کے

بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ط

کہ تم کو تمہاری دلخواہ بات دکھلا دی تھی۔

کہ آنکھوں سے اپنی جماعت کا غلبہ دیکھ رہے تھے۔

مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا

کہ تم میں سے بعض تو وہ شخص تھے جو دنیا کو چاہتے تھے۔

یعنی کفار کا تعاقب کر کے مال غنیمت جمع کرنا چاہتے تھے مگر اس سے یہ مراد نہیں کہ غنیمت جمع کرنے میں ان کو عوض دنیا ہی مقصود تھی کیونکہ صحابہ کی ایسی حالت نہ تھی جو حضرات ایسے مورد عنایات ہوں وہ محض طالب دنیا نہیں ہو سکتے بلکہ ان کی نیت یہ تھی کہ حفاظت مورچہ کا ثواب حاصل کر کے کفار کے خانماں آوارہ کرنے کا بھی ثواب لیں۔ تو مقصود اس میں بھی آخرت تھی کیونکہ اگر وہ غنیمت کو جمع نہ بھی کرتے تب بھی حسب قانون شریعت وہ غنیمت کے یقیناً مستحق تھے مگر چونکہ اس میں ایک گونہ دنیا کی بھی شرکت تھی

اور یہ طریقہ ثواب کا حضورؐ کے فرمان کے خلاف تھا اس لئے محمود نہ سمجھا گیا مگر یہ خطا اجتہادی تھی اس لئے مخالفت کے مجرم نہ کہے جائیں گے۔

وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ

اور بعض تم میں سے وہ تھے جو آخرت کے طلب گار تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ

صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ

نے آئندہ کے لئے اپنی نصرت کو بند کرلیا پھر تم کو ان کفار سے ہٹا دیا۔

اور باوجودیکہ یہ مغلوبیت تمہارے لئے فعل کا نتیجہ تھی مگر پھر بھی یہ بطور سزا کے نہیں ہوئی بلکہ حکمت کی وجہ سے ایسا کیا گیا (آگے ترجمہ)

لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۗ

تاکہ خدا تعالیٰ تمہاری آزمائش فرمادے اور یقین سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو معاف کردیا۔

چنانچہ اس وقت منافقین کا نفاق کھل گیا اور مخلصین کی قدر بڑھ گئی۔

وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾

اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں مسلمانوں پر

اب آخرت میں مواخذہ نہ ہوگا اس آیت سے حق تعالیٰ کی صحابہؓ کے حال پر بڑی عنایت معلوم ہوئی ہے کہ عتاب میں بھی پے در پے چند تسلیاں فرمائیں ایک یہ کہ یہ شکست سزا کی وجہ سے نہ تھی بلکہ اس میں بھی تمہاری مصلحت تھی پھر مواخذہ آخرت سے بے فکر کردیا فضل و انعام کا امیدوار کیا ربط: آگے بھی اسی مغلوبیت کے قصہ کا تتمہ ہے اذتصعدون تا بما تعملون

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ

وہ وقت یاد کرو جبکہ تم چڑھے چلے جاتے تھے اور کسی کو مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے

وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ

اور رسول تمہارے پیچھے کی جانب سے تم کو پکار رہے تھے۔

کہ ادھر آؤ ادھر آؤ مگر تم نے سنا نہیں اور قصہ کے ضمن میں اوپر یہ بیان کیا گیا ہے کہ کعب بن مالک نے مسلمانوں کو پکارا اور سب جمع ہوگئے اور آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پکارا اس میں کوئی تعارض نہیں اول حضورؐ نے پکارا جو صحابہ نے نہ سنا پھر کعب بن مالک نے پکارا اور سب جمع ہوگئے۔

فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ

سو خدا تعالیٰ نے تم کو پاداش میں غم دیا بسبب غم دینے کے۔

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پکارنے پر نہ آئے اور استقلال نہ اختیار کیا کہ متوجہ ہو کر سنتے۔

لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا

تاکہ تم مغموم نہ ہوا کرو نہ اس چیز پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور نہ اس

مَآ اَصَابَكُمْ ۗ

چیز پر جو تم پر مصیبت پڑے۔

یعنی اس مصیبت سے تم میں پختگی ہوجائے گی اور مصائب کے عادی ہو کر استقلال پیدا ہوگا۔

وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ

اور اللہ تعالیٰ سب خبر رکھتے ہیں تمہارے سب کاموں کی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے

عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً

اس غم کے بعد تم پر چین اور رحمت بھیجی یعنی اونگھ

جب کفار میدان سے واپس ہوگئے مسلمانوں پر غیب سے اونگھ غالب ہوگئی جس سے سب غم غلط ہوگیا۔

نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ

کہ تم میں سے ایک جماعت پر تو اس کا غلبہ ہو رہا تھا اور ایک

قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ

جماعت وہ تھی کہ ان کو اپنی جان ہی کی فکر پڑی تھی وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ

غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۭ يَقُوْلُوْنَ هَلْ

خلاف واقع خیالات کر رہے تھے جو کہ محض حماقت کا خیال تھا وہ

لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ

یوں کہہ رہے تھے کیا ہمارا کچھ اختیار چلتا ہے۔

یعنی لڑائی سے پہلے یہ لوگ جہاد سے جی چراتے تھے اور اوروں کو بھی روکتے تھے۔ لڑائی کے وقت کہنے لگے کہ ہماری کسی نے نہ سنی خواہ مخواہ مصیبت میں پھنسے۔

قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ

آپ فرما دیجئے کہ اختیار تو سب اللہ ہی کا ہے۔

مطلب یہ کہ اگر تمہاری رائے پر عمل بھی ہوتا جب بھی قضائے الٰہی غالب ہوتی اور جو مصیبت آنے والی تھی آ کر رہتی۔

يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ

وہ لوگ اپنے دلوں میں ایسی بات پوشیدہ رکھتے ہیں جس کو آپ کے سامنے ظاہر نہیں کرتے۔

کیونکہ ظاہر میں تو یہ کہتے ہیں کہ کیا ہمارا اختیار کچھ چلتا ہے جس کا یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ نہیں تقدیر الٰہی کے سامنے بندہ کی کوئی تدبیر نہیں چلتی یہ معنی تو عین ایمان ہیں مگر ان کا یہ مطلب نہیں ان کی مراد کچھ اور ہے (آگے ترجمہ)

يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا

کہتے ہیں کہ اگر ہمارا کچھ اختیار چلتا تو ہم یہاں مقتول

هٰهُنَا ؕ

نہ ہوتے۔

چونکہ ان کی بات کا مطلب یہ تھا آگے مفصل جواب دیتے ہیں اور لطف یہ کہ ان کے قول سے جو ایک اچھے معنے پیدا ہو سکتے تھے اوپر اجمالاً اس کی تصدیق کر دی گئی کہ بیشک اختیار خدا ہی کا چلتا ہے مگر تمہاری یہ مراد نہیں اب اس مراد کو ظاہر کر کے تفصیل میں اس کی تکذیب کرتے ہیں

قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ

آپ فرما دیجئے کہ اگر تم لوگ اپنے گھروں میں بھی رہتے تب بھی جن لوگوں کے لئے قتل مقدر ہو

عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ

چکا تھا وہ لوگ ان مقامات کی طرف نکل پڑتے جہاں وہ گرے ہیں اور یہ جو کچھ ہوا اس لئے ہوا تاکہ

اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ

اللہ تعالیٰ تمہارے باطن کی بات کی آزمائش کرے اور تاکہ تمہارے دلوں کی بات کو صاف کر دے۔

وساوس و خطرات سے کیونکہ مصیبت کے وقت مسلمان کو غیر خدا کی طرف توجہ نہیں ہوتی اور اس سے ایمان و عقیدہ کا تصفیہ ہو جانا ظاہر ہے

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾

اور اللہ سب باطن کی باتوں کو خوب جانتے ہیں۔

ان کو آزمائش کی حاجت نہیں مگر تاکہ سب کو عام طور پر اس کا انکشاف ہو جائے اس لئے ایسے امور واقع کر دیتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى

یقیناً تم میں جن لوگوں نے پشت پھیر دی تھی جس روز کہ دونوں جماعتیں باہم

الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ

مقابل ہوئیں اس کے سوا اور کوئی بات نہیں ہوئی کہ ان کو شیطان نے لغزش

بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ

دے دی ان کے بعض اعمال کے سبب سے۔

یعنی ان سے کچھ خطا و قصور ایسے ہو گئے تھے جس سے شیطان کو ان سے اور معصیت کرا دینے کی بھی طمع ہو گئی اور اتفاق سے وہ طمع پوری بھی ہو گئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک گناہ سے دوسرا گناہ بھی پیدا ہو جاتا ہے جیسا کہ ایک طاعت سے دوسری طاعت کی توفیق ہوتی ہے۔

وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

اور یقین سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرما دیا۔ واقعی اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت

حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾ ع

کرنے والے ہیں بڑے حلم والے ہیں۔

کہ آخر میں بخش دیا اور خطا کرتے وقت کوئی سزا نہیں دی اور اس آزمائش و معافی وغیرہ کا ذکر اوپر مسلمانوں کی تسلی کے لئے ہوا تھا اور یہاں منافقین کے اس خیال کی تغلیط کے لئے ہوا کہ وہ کہتے تھے کہ ہماری رائے پر عمل نہ کرنے سے یہ نقصان ہوا تو بتلا دیا کہ نقصان میں اس قدر منافع تھے رہا حقیقی نقصان جو گناہ کے سبب سے ہوا وہ معاف ہو گیا پس غرض مختلف ہونے سے تکرار نہ رہا اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اس مصیبت کا سبب شیطانی لغزش کو بھی بتایا اور آزمائش وغیرہ کو بھی جواب یہ ہے کہ آزمائش وغیرہ سبب نہیں ہیں بلکہ حکمتیں ہیں اور حکمت پیچھے ظاہر ہوا کرتی ہے اور سبب پہلے ہوا کرتا ہے پس یہ وہی بات ہوئی کہ

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

فائدہ: بعض صحابہ کے دشمنوں نے اس واقعہ سے صحابہ پر خصوصاً حضرت عثمانؓ پر طعن کیا ہے اور اس سے یہ نکالا ہے کہ حضرت عثمان چونکہ لڑائی سے بھاگ گئے تھے تو ایک گناہ عظیم کے مرتکب ہوئے اس لئے وہ

خلافت کے قابل نہ تھے جواب یہ ہے کہ یہ محض مہمل بات ہے جب خدا تعالیٰ نے معاف کر دیا اور ان کی اس خطاء میں بہت سی حکمتیں بتلا دیں تو اب دوسروں کو مواخذہ کرنے کا کب حق رہا۔ رہا قصہ خلافت تو اہل حق کے نزدیک خلافت کے لئے معصوم ہونا ہی کب شرط ہے۔ پس شبہ ساقط ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ

اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا۔ جو کہ

كَفَرُوْا

کافر ہیں۔

ربط: اوپر منافقین کا قول ذکر کیا گیا ہے کہ اگر ہماری رائے پر عمل کرتے تو اتنے آدمی مقتول نہ ہوتے اور یہ مصیبت نہ آتی آگے بھی اسی قسم کا قول آتا ہے ایسے اقوال کے سننے سے احتمال ہوسکتا ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں بھی ایسے وساوس نہ پیدا ہونے لگیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو آئندہ آیت میں ایسے اقوال سے ممانعت فرماتے ہیں۔

یایھاالذین امنوا تا تحشرون

یعنی تم ان لوگوں کی سی باتیں مت کرنا گو وہ ظاہراً اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں مگر در پردہ منافق ہیں۔

وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِى الْاَرْضِ

اور کہتے ہیں اپنے بھائیوں کی نسبت جبکہ وہ لوگ کسی سرزمین میں سفر کرتے ہیں

اَوْ كَانُوْا غُزًّى

یا وہ لوگ کہیں غازی بنتے ہیں

اور سفر میں اتفاقاً مر جائیں یا جہاد میں قضاءً قتل ہو جائیں تو وہ منافق کہتے ہیں۔ (آگے ترجمہ)

لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ج

کہ اگر یہ لوگ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے۔

لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِىْ قُلُوْبِهِمْ ط

تا کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو ان کے قلوب میں موجب حسرت کر دیں۔

یعنی نتیجہ اس خیال کا جس کی بنا پر وہ یہ باتیں کرتے ہیں بجز حسرت کے کچھ نہیں ایسے خیال کا آدمی ہمیشہ حسرت وافسوس ہی میں رہتا ہے جس کی نظر اسباب ظاہری ہی پر رہتی ہے

وَاللّٰهُ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ط

اور مارتا جلاتا تو اللہ ہی ہے

خواہ سفر ہو یا حضر خواہ لڑائی ہو یا امن ہر وقت میں موت خدا ہی کے حکم سے آتی ہے۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۵۶﴾

اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو سب کچھ دیکھ رہے ہیں

سو اگر تم بھی ایسی باتیں کرو گے یا دل میں رکھو گے اللہ تعالیٰ سے کچھ مخفی نہ رہے گا۔

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ

اور اگر تم لوگ اللہ کی راہ میں مارے جاؤ۔ یا کہ مر جاؤ تو بالضرور اللہ تعالیٰ کے

لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا

پاس کی مغفرت اور رحمت ان چیزوں سے بہتر ہے جن کو یہ لوگ

يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

جمع کر رہے ہیں۔

اور اسی کی لالچ میں زندگی کو محبوب رکھتے ہیں۔

وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

اور اگر تم لوگ مر گئے یا مارے گئے تو بالضرور اللہ ہی کے پاس جمع کئے جاؤ گے۔

پس اول تو قضا ٹلتی نہیں دوسرے اللہ کے پاس جانے سے کسی حال میں بچتے نہیں اور دین کی راہ میں مرنا یا مارا جانا مغفرت ورحمت کا سبب ہے تو ویسے مرنے سے تو دین کی راہ میں جان دینا ہی بہتر ہوا ایسی باتیں اور یہ خیالات محض بیکار دنیا میں موجب حسرت اور آخرت میں موجب نار ہیں اور میرے نزدیک اس آیت میں سفر سے مراد دینی کام میں سفر کرنا ہے چنانچہ اس پر مغفرت ورحمت کا وعدہ فرمانا اس کا قرینہ ہے تو منافقین کے قول کے اس جگہ دو جواب مذکور ہوئے ایک یہ کہ مارنا جلانا خدا کے قبضہ میں ہے کوئی حالت اس کو روک نہیں سکتی دوسرے خدا کی راہ میں سفر کرکے یا جہاد کرکے مرنا یا مارا جانا بڑے ثواب کا موجب ہے اور اخوانھم کے ترجمہ میں جو کہا گیا ہے کہ ہم مشرب وہم نسب بھائی تو ان کے ہم مشرب تو منافقین ہیں

اور ہم نسب مسلمان بھی تھے پس اگر بھائیوں سے مراد دوسری صورت ہے یعنی ہم نسب مسلمان تب تو ان کا سفر وغزوہ دین کے لئے ہونا اور اس پر وعدہ مغفرت و رحمت ظاہر ہے البتہ یہ اشکال ہوگا کہ مسلمانوں کے مرنے یا مارے جانے سے منافقوں کو حسرت کیا ہوتی تو جواب یہ ہے کہ آخر قرابت سے کچھ اضطراری تعلق تو ہوتا ہی ہے یا یہ کہ گو اس خاص صورت میں دل سے حسرت نہ ہو مگر چونکہ ان کے یہ خیالات ہمیشہ ان کے لئے باعث حسرت ہوتے ہیں تو مسلمانوں پر بھی منافقانہ طور پر حسرت ظاہر کیا کرتے تھے اور اگر ہم مشرب بھائی مراد ہیں تو حسرت ہونے میں تو شبہ نہیں مگر پھر یہ شبہ ہوگا کہ ان کا سفر و جہاد اللہ کے واسطے کہاں ہوتا تھا اور اس پر وعدہ مغفرت و رحمت کیسا اس کا جواب یہ ہے کہ کبھی وہ دبے دبائے دینی کاموں میں شریک ہوتے تھے اور اگر وہ نفاق چھوڑ دیتے تو ضرور ثواب کے بھی مستحق ہوتے اور ظاہر میں چونکہ وہ بھی ایمان کے مدعی تھے اس بناء پر جواب دیا گیا کہ اگر وہ اللہ کے راستے میں ایسے کام کرتے ہیں جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے تو پھر یہ حسرت کیسی ان کو مغفرت و رحمت کے مقابلہ میں ان مصائب کی پرواہ نہ کرنا چاہئے۔ ربط: اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ بعض مسلمانوں سے غزوہ احد میں لغزش صادر ہوگئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں بٹھایا تھا وہاں سے ہٹ گئے اس قصہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صدمہ ہوا تھا گو آپ نے وسعت اخلاق کی بناء پر ان کے ساتھ کوئی سختی و ملامت کا معاملہ نہیں فرمایا لیکن اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ ان صاحبوں کی طرف سے حضور کے مبارک قلب پر بھی انقباض نہ رہے نیز ان کے دل سے بھی یہ کلفت ڈھل جائے اس لئے اول اپنی معافی کی بشارت سنا کر آئندہ آیت میں حضور کو چند باتوں کا امر فرماتے ہیں جن سے یہ غرض حاصل ہو جائے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ

بعد اس کے خدا ہی کی رحمت کے سبب آپ ان کے ساتھ نرم رہے۔

حالانکہ آپ کو ان کی لغزش پر حق ملامت حاصل تھا۔

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا

اور اگر آپ تند خو سخت طبیعت ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے سب

مِنْ حَوْلِكَ ۠

منتشر ہو جاتے۔

پھر ان کو یہ فیوض و برکات کیسے میسر ہوتے۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ

سو آپ ان کو معاف کر دیجئے اور آپ ان کے لئے استغفار کر دیجئے۔

کیونکہ خدا کے حکم میں ان سے کوتاہی ہوئی اگر چہ معافی مل گئی مگر آپ کا استغفار زیادتی شفقت کی دلیل اور سبب ان کی زیادتی تسلی کا ہوگا

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ

اور ان سے خاص خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجئے۔

تاکہ ان کا اور دونا جی خوش ہو کہ مشورہ میں یہ خاص اثر ہے

فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ

پھر جب آپ رائے پختہ کر لیں سو خدا تعالیٰ پر اعتماد کیجئے۔

خواہ آپ کی رائے ان کے مشورہ کے موافق ہو یا مخالف ہو خدا تعالیٰ پر نظر اور بھروسہ کر کے اس کو پورا کر دیجئے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ

بیشک اللہ تعالیٰ ایسے اعتماد کرنے والوں سے محبت فرماتے ہیں۔ اگر

اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ

حق تعالیٰ تمہارا ساتھ دیں تب تو تم سے کوئی نہیں جیت سکتا اور اگر تمہارا ساتھ

ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ

نہ دیں تو اس کے بعد ایسا کون ہے جو تمہارا ساتھ دے اور صرف اللہ تعالیٰ پر

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

ایمان والوں کو اعتماد رکھنا چاہئے

ربط: اوپر ان حضرات کی تسلی کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چند باتوں کا حکم ہوا تھا جس سے حضور کی ناخوشی کا دغدغہ تو زائل ہو گیا لیکن چونکہ صحابہ کو اس واقعہ مغلوبیت سے حسرت بھی تھی اس لئے آگے اس حسرت کو اتارتے ہیں۔ ان ینصر کم تا فلیتو کل المومنون اس تقریر سے حسرت اس طرح زائل کی گئی کہ غالب و مغلوب کرنا خدا کے قبضہ میں ہے یہ امر پورا پورا تمہارے قبضہ میں نہیں تو اس کے پیچھے اپنے جی کو نہ ڈالو جو ہو گیا ہو گیا اس میں جو آفت گناہ کی وجہ سے آئی اس سے توبہ کر لو اور آئندہ کے لئے خدا پر نظر رکھو یعنی اس سے گناہوں سے

بچنے کی توفیق مانگو اور پھر جو مصیبت نازل ہو اس کو کارساز عالم کی طرف سے مصلحت اور بہتر سمجھو فقط **ربط**: اوپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کا باعث وبال ہونا بتلایا تھا آگے حضور کا غایت درجہ امین ہونا بتلاتے ہیں تاکہ یہ بات ثابت ہو جائے کہ آپ جو کچھ حکم فرماتے ہیں اس میں آپ کی کوئی نفسانی غرض نہیں ہوتی کیونکہ یہ ایک قسم کی خیانت ہے اور آپ خیانت سے مبرا ہیں پس آپ کے حکم کی مخالفت ضرور قابل مذمت اور موجب وبال ہوگی اور اس آیت کا شان نزول ترمذی کی روایت کے موافق اگرچہ ایک خاص واقعہ ہے مگر چونکہ الفاظ آیۃ کے عام ہیں اس لئے اوپر کی آیتوں سے اس کا تعلق ہماری تقریر کے موافق بخوبی ظاہر ہو گیا وہ واقعہ یہ ہے کہ بدر کی لڑائی میں ایک چادر مال غنیمت میں سے گم ہو گئی بعض کم سمجھ یا منافق لوگوں نے کہا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لے لی ہو اگر یہ قول منافقین کا تھا تب تو ان کی بیہودگی تھی اور اگر کسی مسلمان کا تھا تو اس نے اس بناء پر کہہ دیا ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تصرف کا اختیار حاصل ہے) اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ کام حقیقت میں یا ظاہر میں خیانت ہے اور رسول کی شان ہر قسم کی خیانت سے منزہ ہے وہ اپنی غرض نفسانی سے کوئی کام یا کوئی بات نہیں کر سکتے **وما کان لنبی تا بما یعملون**

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۭ وَمَنْ يَّغْلُلْ

اور نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ خیانت کرے حالانکہ جو شخص خیانت کرے گا وہ

يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ

اپنی اس خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے دن حاضر کرے گا۔

تاکہ سب خلائق مطلع ہوں اور سب کے روبرو فضیحت ہو

ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَھُمْ لَا

پھر ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا عوض ملے گا اور ان پر

يُظْلَمُوْنَ ۝١٦١

بالکل ظلم نہ ہوگا۔

غرض خیانت کرنے والے پر غضب نازل ہوگا اور وہ جہنم کا مستحق ہوگا اور انبیاء علیہم السلام قیامت میں بوجہ رضائے حق کے سربلند ہوں گے پس نبوت کے ساتھ خیانت کیونکر جمع ہو سکتی ہے۔

اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَاۗءَ بِسَخَطٍ

سو ایسا شخص جو کہ رضائے حق کا تابع ہو گیا وہ اس شخص کے مثل ہو جاوے گا جو کہ

مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝١٦٢

غضب الٰہی کا مستحق ہوا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہوا اور وہ جانے کی بری جگہ ہے۔

پس ہرگز دونوں برابر نہیں ہو سکتے بلکہ رضائے حق کا اتباع کرنے والے اور غضب الٰہی کے مستحق ہونے والے (آگے ترجمہ)

ھُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا

یہ مذکورین درجات میں مختلف ہوں گے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور اللہ تعالیٰ خوب

يَعْمَلُوْنَ ۝١٦٣

دیکھتے ہیں ان کے اعمال کو

پس رضائے حق کا متبع محبوب اور جنتی ہوگا اور خائن مغضوب اور دوزخی ہوگا اس سے انبیاء علیہم السلام کا امین ہونا دلیل کے ساتھ ثابت ہو گیا اور یہ جو فرمایا کہ خیانت کی چیز کو قیامت میں حاضر کرے گا تو اگر وہ چیز اجسام میں سے ہے جیسے کسی کی کوئی چیز لی تب تو وہ اس کی گردن پر لدی ہوگی جیسا کہ حدیث میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا دیکھو میں قیامت میں کسی کو اس حال میں نہ دیکھوں کہ اس کی گردن پر ایک اونٹ لدا ہوا بولتا ہو اور میں صاف جواب دے دوں کہ میں کچھ نہیں کر سکتا۔ اور اگر وہ خیانت اجسام میں سے نہ ہو تو اس کے لانے کے معنے اس کی خبر لانے کے ہو سکتے ہیں۔ یا اس کے لئے بھی کوئی صورت اس عالم میں ہو جیسا کہ احادیث سے نیک اعمال کا حسین آدمی کی صورت میں آنا ثابت ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ

حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا

کہ آپ کے ذریعہ سے ان کو فلاح دارین نصیب ہوئی

عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ

جبکہ ان میں ان ہی کی جنس سے

یعنی بنی آدم میں سے

رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ

ایک ایسے پیغمبر کو بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر

وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ

سناتے ہیں اور ان لوگوں کی صفائی کرتے رہتے ہیں اور ان کو کتاب اور فہم

وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾

کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں اور بالیقین یہ لوگ قبل سے صریح غلطی میں

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ

تھے۔ اور جب تمہاری ایسی ہار ہوئی جس سے دو حصے تم جیت چکے تھے۔

کیونکہ احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے قید کوئی نہیں ہوا اور بدر میں ستر کافروں کو قتل اور ستر کو قید کیا تھا۔

قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ

کیا ایسے وقت میں تم یوں کہتے ہو کہ یہ کدھر سے ہوئی۔
آپ فرما دیجئے یہ ہار خاص تمہاری طرف سے ہوئی

نہ حضور کی رائے کے خلاف کرتے نہ ہارتے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۶۵﴾ وَمَآ

بیشک اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے۔ اور جو مصیبت تم پر پڑی جس

اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ

روز کہ دونوں گروہ باہم مقابل ہوئے سو خدا تعالیٰ کی مشیت سے ہوئی۔

یعنی اگر کبھی باوجود استقلال و اطاعت احکام کے بھی مسلمانوں کو شکست ہو جائے تو شبہ نہ کرنا چاہئے بلکہ اس کو مشیت الٰہی سمجھنا چاہئے جس میں چند در چند مصلحتیں ہیں جن کا بیان پہلے بھی ہو چکا ہے اور یہاں بعض حکمتیں مذکور ہوتی ہیں۔

وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ

اور تاکہ اللہ تعالیٰ مومنین کو بھی دیکھ لیں اور ان لوگوں کو بھی دیکھ لیں جنہوں

نَافَقُوْا ښ وَقِيْلَ لَھُمْ

نے نفاق کا برتاؤ کیا اور ان سے یوں کہا گیا

جب کہ شروع جنگ کے وقت تین سو آدمی ان میں سے مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ کر الگ ہو گئے۔

تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۭ

کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑنا یا دشمنوں کا دفعیہ بن جانا

کیونکہ بہت سی بھیڑ دیکھ کر کچھ تو ان پر رعب ہوگا اور اسی سے شاید ہٹ جائیں۔

قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ۭ

وہ بولے کہ اگر ہم کوئی ڈھنگ کی لڑائی دیکھتے تو ضرور تمہارے ساتھ ہو لیتے۔

لیکن یہ کوئی لڑائی ہے کہ مقابل تم سے تین چار حصے زیادہ پھر ان کے پاس سامان بھی زیادہ ایسی حالت میں لڑنا ہلاکت میں پڑنا ہے اس کو لڑائی نہیں کہتے حق تعالیٰ اس پر فرماتے ہیں (آگے ترجمہ)

هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَىِٕذٍ اَقْرَبُ مِنْھُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ

یہ منافقین اس روز کفر سے نزدیک تر ہو گئے بہ نسبت اس حالت کے کہ وہ ایمان سے

يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِھِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِھِمْ ۭ

نزدیک تھے۔ یہ لوگ اپنے منہ سے ایسی باتیں کرتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں

کیونکہ پہلے بھی گو وہ دل سے مومن نہ تھے مگر مسلمانوں کے ساتھ موافقت کی باتیں بناتے رہتے تھے اس روز ایسی طوطا چشمی غالب ہوئی کہ کھلم کھلا مخالفت کی باتیں منہ سے نکلنے لگیں اور کفر سے زیادہ قریب اس لئے کہا کہ موافقت کی باتیں دل سے نہ ہوتی تھیں اس لئے زوردار نہ تھیں اور یہ باتیں دل سے تھیں اس لئے عبارت بھی زوردار تھی

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾

اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ اپنے دل میں رکھتے ہیں۔

یعنی دل میں تو یہ ہے کہ ان مسلمانوں کا کبھی ساتھ نہ دیں گے گو لڑائی ڈھنگ ہی کی کیوں نہ ہو اس لئے انکے اس قول کا غلط ہونا خدا کو خوب معلوم ہے۔

اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِھِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ

یہ ایسے لوگ ہیں کہ اپنے بھائیوں کی نسبت بیٹھے ہوئے باتیں بناتے ہیں کہ اگر

اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ۭ

ہمارا کہنا مانتے تو قتل نہ کئے جاتے۔

اس جگہ بھائیوں سے مراد مسلمان لوگ ہیں کیونکہ مسلمان اکثر ان

کے ہم نسب تھے کیونکہ آگے ان قتل ہونے والوں کی فضیلت ذکر کی گئی ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہاں بھائیوں سے مراد ہم مشرب بھائی یعنی منافق مراد نہیں ہیں پس یہاں ان کا یہ کہنا کہ بے فائدہ قتل نہ کئے جاتے حسرت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ ان کے نزدیک مسلمانوں کی حماقت ظاہر کرنے کے لئے تھا کیونکہ اس آیت میں حسرت وغیرہ کا ذکر نہیں اور پہلی آیت میں **لیجعل اللہ ذلک حسرۃ فی قلوبھم** میں ان کی حسرت کا ذکر تھا اس لئے بھائیوں سے عام مراد لیا گیا۔ ہم مشرب منافق بھی اور ہم نسب مسلمان بھی جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا۔ اور بعض مفسرین نے یہاں بھی عام معنے مراد لئے ہیں وہ اگلی آیت کو تعریض پر محمول کرتے ہیں کہ اگر تمہارے منافق بھائی اللہ کی راہ میں شہید ہوئے جیسا کہ تم ایمان کا دعویٰ کرتے ہو تو پھر ان کے قتل کو بے فائدہ کیوں بتلاتے ہو شہداء کی تو بڑی فضیلت ہے

قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ

آپ فرما دیجئے کہ اچھا تو اپنے اوپر سے موت کو ہٹاؤ

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾

اگر تم سچے ہو

کہ میدان میں جانے سے ہی ہلاکت ہوتی ہے کیونکہ قتل سے بچنا تو موت ہی سے بچنے کے لئے ہوتا ہے جب گھر بیٹھے بھی وقت معین پر موت آ جاتی ہے تو قتل بھی جس کے مقدر میں ہے ٹل نہیں سکتا اور اس واقعہ میں جو عتاب کے بعد صحابہ کی جا بجا تسلی کی گئی اس سے نافرمانی کرنے والے دھوکہ نہ کھائیں کہ ہم جو گناہ کرتے ہیں اس میں خدا کی حکمت اور مشیت ہوتی ہے پھر غم کی کوئی بات نہیں۔ بات یہ ہے کہ اولاً تو صحابہؓ سے یہ گناہ قصداً نہ ہوا تھا خطا سے ایسا ہوا دوسرے ان پر ندامت اور غم کا بے انتہا غلبہ ہوا جو توبہ کا اعلیٰ درجہ ہے اس لئے ان کی تسلی کی گئی اور جو شخص قصداً گناہ کرے پھر اس پر جرات بھی ہو وہ تسلی کا مستحق نہیں بلکہ زجر اور وعید کا مستحق ہے۔ خوب سمجھ لو

ربط: اوپر منافقین کا قول بیان کیا گیا ہے کہ وہ شہداء کی نسبت کہتے تھے کہ اگر وہ ہمارا کہنا مانتے تو بے فائدہ قتل نہ ہوتے اس سے دو باتیں مفہوم ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ گھروں میں بیٹھنا ہلاکت سے بچنے کا سبب ہے اس کا جواب تو دے دیا گیا کہ اگر یہی بات ہے تو موت کو اپنے سے ہٹا دو دوسرے یہ سمجھا گیا کہ وہ ان شہداء کی موت کو ناکامی اور لذتوں سے محرومی کا سبب سمجھتے تھے آگے حق تعالیٰ ان کی اعلیٰ درجہ کی کامیابی اور حقیقی حیات اور وہاں کی لذتوں کا ذکر فرماتے ہیں **ولا تحسبن الذین قتلوا تا اجر المؤمنین**

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اور (اے مخاطب) جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ان کو مردہ مت خیال کرو

اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے مقرب ہیں ان کو رزق بھی ملتا ہے اور

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ

وہ خوش ہیں اس چیز سے جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی ہے۔

مثلاً درجات قرب وغیرہ یعنی ان کو رزق ظاہری بھی ملتا ہے اور رزق باطنی بھی یعنی مسرت

وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ

اور جو لوگ ان کے پاس نہیں پہنچے ان سے پیچھے رہ گئے ہیں ان کو بھی اس

خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

حالت پر وہ خوش ہوتے ہیں کہ ان پر بھی کسی طرح کا خوف واقع ہونے والا

يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

نہیں اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔

یعنی اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو ان کا ہمارے جیسا حال ہوگا غرض ان کو دو خوشیاں ہیں اپنی بھی اور اپنے تعلق والوں کی بھی آگے ان دونوں خوشیوں کا سبب بتلاتے ہیں۔

يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ

وہ خوش ہوتے ہیں بوجہ نعمت و فضل خداوندی کے اور بوجہ اس کے کہ

وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ ع

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا اجر ضائع نہیں فرماتے۔

بلکہ وہاں جا کر دیکھ لیا کہ جس درجہ کا عمل ہوتا ہے اسی درجہ کا اجر دیتے ہیں پس شہادت جو افضل اعمال ہے اس پر سب سے بہتر اجر ملے گا جس کے لوازم میں یہ ہے کہ ذرا بھی خوف و غم نہ ہوگا شہداء کی حیات کی تحقیق سیقول کے شروع میں گزر چکی ہے اور رزق ملنے کی کیفیت صحیح احادیث میں وارد ہے کہ ان کی روحیں عرش کی قندیلوں میں رہتی ہیں اور جنت کی

نہروں سے پانی پیتے ہیں اور اس کے پھل کھاتی ہیں میں کہتا ہوں کہ یہ نہریں اور پھل جنت کے اندر ہونا ضرور نہیں بلکہ ان کا تعلق جنت سے ہوگا پس یہ اشکال نہ رہا کہ جنت میں جانے کے بعد وہاں سے قیامت میں باہر کیسے آویں گے۔ ربط: غزوۂ احد کا قصہ ذکر ہو چکا ہے آگے اسی کے متعلق ایک دوسرے غزوہ کا ذکر ہے جو حمراء الاسد کے نام سے مشہور ہے جس کی طرف کچھ اشارہ آیت سنلقی فی قلوب الذین کفروا الرعب میں اوپر ہو چکا ہے وہ یہ کہ جب کفار میدان احد سے مکہ کو واپس ہوئے تو راستہ میں ان کو اس پر افسوس ہوا کہ ہم باوجود غالب ہونے کے ناحق لوٹ آئے اب چل کر سب کا استیصال کر دینا چاہئے۔ حضورؐ کو ان کا ارادہ وحی سے معلوم ہو گیا آپ ان کے تعاقب میں حمراء الاسد تک پہنچے جو مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے وہاں آپ نے تین روز ۱۷، ۱۸، ۱۹ شوال پیر، منگل، بدھ تک قیام فرمایا اللہ تعالیٰ نے کفار کے دلوں میں رعب ڈال دیا وہ پھر مکہ ہی کی طرف ہو لئے راستہ میں ان کی معبد خزاعی سے مقام روحاء میں ملاقات ہوئی جو حضورؐ کی قیام گاہ سے ہو کر مکہ کی طرف جا رہے تھے کفار نے ان سے مسلمانوں کی خبر پوچھی اگرچہ اس وقت تک مسلمان نہ تھے مگر حضورؐ کے خیر خواہ تھے انہوں نے مسلمانوں کی خداداد شان و شوکت کو عمدہ الفاظ میں بیان کیا۔ اس سے کفار کے حوصلے بالکل پست ہو گئے اور بدستور مکہ جانے کا عزم پختہ کر لیا اور چل دیئے۔

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ

جن لوگوں نے اللہ اور رسول کے کہنے کو قبول کر لیا

جب کہ کفار کے تعاقب کے لئے ان کو بلایا گیا

مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ لِلَّذِيْنَ

بعد اس کے کہ ان کو زخم لگا تھا اور ان لوگوں میں

اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا

جو نیک اور متقی ہیں

اور واقع میں سب ہی ایسے ہیں مگر اس سے مقصود ان کے اوصاف کا ظاہر کرنا اور اجر عظیم کے مستحق ہونے کی وجہ بتلانا ہے کہ ان باتوں کی وجہ سے وہ ثواب عظیم کے مستحق ہوئے یہ مقصود نہیں کہ بعض ان میں سے اچھے کام کرنے والے یا تقویٰ کرنے والے نہیں بھی ہیں۔ ولا یحزنک الذین تا عذاب الیم

اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾ ۚ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ

ان کے لئے ثواب عظیم ہے یہ ایسے لوگ ہیں کہ لوگوں نے ان سے کہا کہ ان

اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ

لوگوں نے تمہارے لئے سامان جمع کیا ہے سو تم کو ان سے اندیشہ کرنا چاہئے سو

فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ

اس نے ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیا اور کہہ دیا کہ حق تعالیٰ ہم کو کافی ہے

وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ

اور وہی سب کام سپرد کرنے کے لئے اچھا ہے۔ پس یہ لوگ خدا کی نعمت اور

اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا

فضل سے بھرے ہوئے واپس آئے کہ ان کو ناگواری ذرا پیش نہ آئی اور وہ

رِضْوَانَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾

لوگ رضائے حق کے تابع رہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا فضل والا ہے۔

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۠

اس سے زیادہ کوئی بات نہیں کہ یہ شیطان ہے کہ اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے سو تم ان

فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

سے مت ڈرنا اور مجھ ہی سے ہی ڈرنا اگر تم ایمان والے ہو اور آپ کے لئے

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ

وہ لوگ موجب غم نہ ہونے چاہئیں جو جلدی سے کفر میں جا پڑتے ہیں۔

جیسے منافقین کہ ذرا مسلمانوں کا پلہ ہلکا دیکھا فوراً ہی کفر کی باتیں کھلم کھلا کرنے لگے جیسا کہ ان کے اقوال واحوال سے پہلے معلوم ہوا۔

اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۗ

یقیناً وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو ذرہ برابر بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے۔

اور آپ کو زیادہ رنج اسی سے ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی مخالفت سے دین اسلام کی ترقی میں کچھ خلل آ جائے پس جب یہ یقیناً معلوم ہو گیا کہ دین کو اس سے کچھ ضرر نہیں ہو سکتا پھر آپ کیوں رنج کریں اور اگر رنج کی یہ وجہ ہے کہ گو ان سے دین

کو ضرر نہیں مگر خود ان کا تو ضرر ہے کہ یہ ایسے کام کیوں کرتے ہیں جس سے ان کی عاقبت برباد ہو تو آپ اس کا بھی رنج نہ کریں کیونکہ (آگے ترجمہ)

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ

اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ آخرت میں ان کو اصلاً بہرہ نہ دے

جب یہ امر مقدر ہو چکا تو پھر ان سے موافقت کی امید بیکار اور رنج امید کے خلاف ہونے سے ہوتا ہے جب امید ہی نہ رکھی جائے تو رنج بھی نہ ہوگا اس جگہ اگر کسی کے ذہن میں مسئلہ تقدیر کے متعلق خلجان ہو تو شروع الم میں ان الذين كفروا اور ختم الله على قلوبهم کی تفسیر دیکھ لے۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (١٧٦) اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا

اور ان لوگوں کو سزائے عظیم ہوگی۔ یقیناً جتنے لوگوں نے ایمان کی جگہ

الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ

کفر کو اختیار کیا ہوا ہے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو ذرہ برابر ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ اور ان

عَذَابٌ اَلِيْمٌ (١٧٧) وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

کو دردناک سزا ہوگی اور جو لوگ کفر کر رہے ہیں وہ یہ خیال ہرگز نہ کریں

اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ

کہ ہمارا ان کو مہلت دینا ان کے لئے بہتر ہے۔

ربط: اوپر کی آیتوں میں کفار کو عذاب عظیم کا مستحق فرمایا ہے چونکہ وہ لوگ اس کے منکر تھے اور یہ استدلال کرتے تھے کہ جب ہم یہاں آرام و آسائش میں ہیں تو معلوم ہوا کہ ہم سے اللہ تعالیٰ ناخوش نہیں ہیں پس اگر آخرت کوئی چیز ہے تو ہم وہاں بھی آرام میں رہیں گے۔ ورنہ یہاں عذاب سے کیوں چھوڑے جاتے یہ ان کی دلیل قرآن میں بہت جگہ بیان کی گئی ہے اور اس کا ابطال کیا گیا ہے چنانچہ اگلی آیت میں بھی اس کی تردید ہے لايحسبن الذين كفروا تا عذاب مهين

اور مفید ہے ہرگز نہیں بلکہ (آگے ترجمہ)

اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ

ہم انکو صرف اسلئے مہلت دے رہے ہیں تاکہ جرم میں انکو اور ترقی ہو جائے۔

اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اسی لئے مہلت دی ہے کہ وہ زیادہ جرم کریں تو پھر زیادہ جرم کرنے سے عذاب کیوں ہوگا

جواب یہ ہے کہ اس کلام کی اصل یہ تھی کہ ہم ان کو اس لئے مہلت دے رہے ہیں تاکہ ان کو زیادہ عذاب دیں کیونکہ وہ مہلت دینے سے اور زیادہ جرم کریں گے پس مہلت دینے کا اصلی سبب یہ ہے کہ عذاب زیادہ دینا منظور ہے مہلت دینے کا سبب یہ نہیں کہ زیادہ جرم کریں بلکہ یہ تو سبب کا سبب ہے جس کو سبب کے قائم مقام بیان کیا گیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ کافر ایسے ناقدرے ہیں کہ جس قدر ان کو مہلت ملتی ہے اسی قدر جرم کرتے ہیں۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ استاد ایک شوخ لڑکے کو شرارت کرتے ہوئے دیکھے اور غصہ کو ضبط کر کے کہے کہ ابھی کچھ نہیں کہتا تاکہ تو خوب پیٹ بھر کر شرارتیں کر لے اب یہ کون عقل مند سمجھ سکتا ہے کہ استاد کا مقصود یہ ہے کہ شرارت زیادہ کرے اس کا مقصود تو زیادہ سزا دینا ہے مگر اس مقصود کی جگہ اس کی وجہ کو بیان کر دیتے ہیں اور مہلت کا غیر نافع ہونا کفار سے اس لئے مخصوص ہے کہ مسلمان کو جس قدر عمر ملتی ہے اس کے لئے نافع ہے کیونکہ بوجہ اسلام کے زیادہ اطاعت کا موقع ملے گا اور زیادہ درجات ملیں گے ہاں اگر اسلام کے موافق عمل ہی نہ کئے تو اور بات ہے اور کافر کے لئے بوجہ کفر کے زیادہ عمر ہونا باعث ضرر ہے ہاں اگر تائب ہو کر ایمان سے مشرف ہو جائے تو اور بات ہے۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ (١٧٨) مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ

اور ان کو توہین آمیز سزا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو

الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰي مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ

اس حالت پر رکھنا نہیں چاہتے جس پر تم اب ہو۔

کہ منافقین و مخلصین سب ملے جلے ہیں۔

حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۭ

جب تک کہ ناپاک کو پاک سے متمیز نہ فرمائیں۔

اور یہ امتیاز سخت مصائب کے وقت ہو جاتا ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَي الْغَيْبِ

اور اللہ تعالیٰ ایسے امور غیبیہ پر تم کو مطلع نہیں کرتے۔

یعنی بوجہ خاص حکمت کے حق تعالیٰ تم کو بذریعہ وحی کے یہ بتلانا نہیں چاہتے کہ کون کون منافق ہیں بس اس کا یہی طریقہ ہے کہ مصائب و حوادث یا آثار سے تم کو معلوم ہو جائے۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۠

ولیکن ہاں جس کو خود چاہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں ان کو منتخب فرما لیتے ہیں۔

یعنی ایسی مخفی باتوں کی اطلاع خاص طور پر صرف پیغمبروں کو دے سکتے ہیں۔ البتہ واقعات ایسے نازل کر دیتے ہیں جن سے تم استدلال کر کے آپس میں امتیاز کر لو کہ مخلص کون ہے اور منافق کون۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ

پس اب اللہ پر اور اس کے رسولوں پر

چونکہ حضورؐ پر ایمان لانا اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جب کہ سب پیغمبروں پر ایمان لایا جائے اس لئے یہ فرمایا کہ سب رسولوں پر ایمان لاؤ۔

ولایحسبن الذین یبخلون تا بما تعلمون خبیر

وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾

ایمان لے آؤ اور اگر تم ایمان لے آؤ اور پرہیز رکھو تو پھر تم کو اجر عظیم ملے۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ

اور ہرگز خیال نہ کریں ایسے لوگ جو ایسی چیز میں بخل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان

اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ

کو اپنے فضل سے دی ہے کہ یہ بات کچھ ان کے لئے اچھی ہوگی۔ بلکہ یہ بات

شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ

ان کے لئے بہت ہی بری ہے وہ لوگ قیامت کے روز طوق پہنائے جاویں گے

اس کی کیفیت بخاری کی حدیث میں یہ آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کو خدا تعالیٰ مال دے اور اس کی زکوٰۃ نہ ادا کرے تو وہ مال قیامت کے روز ایک زہریلے سانپ کی شکل بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا وہ سانپ اس شخص کی باچھیں پکڑ لے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں تیرا سرمایہ ہوں پھر حضورؐ نے یہ آیت پڑھی مگر اس حدیث میں زکوٰۃ کا بیان مثال کے طور پر ہے دوسری ایک حدیث میں ایسی ہی وعید رشتہ دار کو نہ دینے پر بھی آئی ہے کیونکہ صاحب وسعت پر غریب رشتہ دار کی اعانت بھی واجب ہے غرض جن ضروری موقعوں پر شریعت نے خرچ کرنے کا حکم کیا ہے وہاں بخل کرنے کی یہی سزا ہے۔

مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ

اس کا جس میں انہوں نے بخل کیا تھا اور اخیر میں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

آسمان اور زمین اللہ ہی کا رہ جاوے گا۔

تو بخل کرنا بڑی حماقت ہے جب ایک وقت مجبور ہو کر سارا مال خدا ہی کے قبضہ میں چھوڑنا ہے تو اس وقت اپنے اختیار ہی سے خدا کی راہ میں خرچ کر دو تاکہ ثواب بھی ملے اس وقت کے چھوڑنے سے کچھ ثواب نہ ملے گا۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾

اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں۔

پس جو خرچ کرو خلوص دل سے کرنا اور یہ آیت بظاہر عام معلوم ہوتی ہے جو کوئی بخل کرے خواہ مسلمان ہو یا کافر اس کی یہی سزا ہے جو یہاں بیان ہوئی مگر جو علماء یہ کہتے ہیں کہ کفار بجز ایمان کے اور کسی حکم شرعی کے مکلف نہیں ہیں وہ اس آیت کی توجیہ اس طرح کرتے ہیں کہ بخل کا منشا قیامت سے انکار کرنا اور خدا کی آیتوں کو جھٹلانا ہے لہذا کفار کو بخل پر دھمکی دینا حقیقت میں کفر پر دھمکی دینا ہے کیونکہ اگر وہ کفر پر قائم رہ کر خرچ بھی کریں تو عند اللہ قبول نہ ہوگا۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا

بیشک اللہ تعالیٰ نے سن لیا ہے ان لوگوں کا قول جنہوں نے یوں کہا

ربط: اس تمہید کے بعد آگے یہود کی اس گستاخی پر وعید فرماتے ہیں

لقد سمع اللّٰہ قول الذین تا بظلام للعبید

بظاہر یہود کا اعتقاد اس قول کے مطابق نہ تھا بلکہ ان کا مطلب یہ ہوگا کہ ان آیتوں کا مضمون اگر صحیح ہو تو اس سے خالق کا فقیر ہونا اور مخلوق کا غنی ہونا لازم آتا ہے اور یہ باطل ہے تو ان آیتوں کا مضمون بھی صحیح نہیں تو مقصود ان کا قرآن کی تکذیب کرنا تھا جس سے حضورؐ کی بھی تکذیب لازم آگئی چنانچہ آگے آیت فان کذبوک اس کا قرینہ ہے لیکن انہوں نے یہ بات استہزاء اور دل لگی کے طور پر کہی پس اول تو قرآن کی تکذیب کفر پھر اس کے ساتھ استہزاء کرنا یہ خود مستقل کفر کیونکہ بلا تکذیب کے بھی خدا کی آیات اور احکام سے استہزاء کرنا کفر ہے۔ پس دونوں کا جمع ہو جانا تو سخت کفر ہوا اس لئے سخت وعید کے مستحق ہوئے اور مناظرہ کے وقت اہل اسلام جو کبھی یہود و نصاریٰ کے اعتقادات سے ان کے مذہب کے باطل ہونے پر استدلال کیا

کرتے ہیں اس سے ان کا مقصود محض اس لغو اعتقاد پر اعتراض یا استہزاء ہوتا ہے تورات یا انجیل پر اعتراض یا استہزاء مقصود نہیں ہوتا کیونکہ یہ دونوں کتابیں جس طرح نازل ہوئی تھیں اہل اسلام کے نزدیک حق ہیں البتہ ان میں جو تحریف وتغیر کیا گیا ہے وہ ہمارے نزدیک غلط ہے اسی پر اعتراض بھی کیا جاتا ہے پس اہل اسلام کتاب الٰہی پر ہرگز اعتراض یا استہزاء نہیں کرتے۔

إِنَّ اللّٰهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ سَنَكْتُبُ

کہ اللہ تعالیٰ مفلس ہے اور ہم مالدار ہیں۔ ہم ان کے کہے ہوئے کو لکھ کر

مَا قَالُوا

رکھیں گے۔

حق تعالیٰ کو اس کی احتیاج نہیں ہے بلکہ اس حکمت کی وجہ سے ایسا کیا جاتا ہے کہ عادۃً مجرم پر تحریر زیادہ حجت ہوتی ہے

وَقَتْلَهُمُ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ

اور ان کا انبیاء کو ناحق قتل کرنا بھی

انبیاء کے قتل کا مضمون بیان فرمانا یہ بتلانے کے لئے ہے کہ یہ لوگ تو جرائم میں ایسے بیباک ہیں کہ تکذیب سے گزر کر انبیاء تک کو قتل کر چکے ہیں پس اگر یہ حضور کی تکذیب یا استہزاء کریں تو کیا تعجب ہے۔

وَنَقُولُ ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿١٨١﴾

اور ہم کہیں گے کہ چکھو آگ کا عذاب یہ ان اعمال کی وجہ سے ہے جو تم نے

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللّٰهَ

اپنے لئے سمیٹے ہیں اور یہ امر ثابت ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے

لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ ﴿١٨٢﴾ الَّذِينَ قَالُوا

والے نہیں۔ وہ ایسے لوگ ہیں کہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو حکم فرمایا تھا

إِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ إِلَيْنَا أَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُولٍ

کہ ہم کسی پیغمبر پر اعتماد نہ لاویں جب تک کہ ہمارے سامنے معجزہ نذر و نیاز

حَتّٰى يَأْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ النَّارُ

خداوندی کا ظاہر نہ کرے کہ اس کو آگ کھا جاوے۔

بعض انبیاء کا یہ معجزہ تھا کہ کوئی جاندار یا غیر جاندار چیز اللہ کے نام کی نکال کر کسی میدان یا پہاڑ پر رکھ دی غیب سے ایک آگ نمودار ہوئی اور اس کو جلا دیا تو یہ علامت قبولیت کی ہوتی تھی یہود کا یہ مطلب تھا کہ اگر آپ سے یہ معجزہ ظاہر ہوتا تو ہم آپ پر ایمان لے آتے۔

قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِي بِالْبَيِّنٰتِ

آپ فرما دیجئے کہ بالیقین بہت سے پیغمبر مجھ سے پہلے بہت سے

وَبِالَّذِي قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ

دلائل لے کر آئے اور خود یہ معجزہ بھی جس کو تم کہہ رہے ہو

إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴿١٨٣﴾

سو تم نے ان کو کیوں قتل کیا تھا۔ اگر تم سچے ہو۔

یہود کے دو دعویٰ تھے ایک تو یہ کہ حق تعالیٰ نے ہم سے ایسا عہد کیا ہے اس کا جواب تو یہ ہے کہ یہ دعویٰ بلا دلیل ہے اگر وہ دل سے یہ بات کہتے کہ اس معجزہ کے دیکھنے پر ہم ایمان لے آئیں گے تو یہ معجزہ بھی ظاہر ہو جاتا یا ان کا دوسرا دعویٰ تھا جس کا جواب فرمایا گیا ہے کہ جن پیغمبروں کا یہ معجزہ تھا ان کی تکذیب کیوں کی بلکہ قتل کر ڈالا معلوم ہوا کہ یہ سب باتیں ہی باتیں ہیں۔

فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ

سو اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کریں تو بہت سے پیغمبروں کی جو

مِنْ قَبْلِكَ جَاءُوا بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ

آپ سے پہلے گزرے ہیں تکذیب کی جا چکی ہے جو معجزات لے کر آئے

وَالْكِتٰبِ الْمُنِيرِ ﴿١٨٤﴾

تھے اور صحیفے لے کر اور روشن کتاب لے کر

جب دوسروں کی بھی تکذیب ہو چکی ہے تو آپ کی تکذیب کوئی نئی بات نہیں پھر غم کیا۔ اور انبیاء علیہم السلام میں سے بعض صرف معجزات لائے بعضوں کو چھوٹی کتاب دی گئی اور بعضوں کو بڑی کتاب جیسے تورات و انجیل اور چونکہ آیۃ میں کتاب سے بڑی کتاب مراد ہے اس لئے اس کی صفت میں منیر بمعنی روشن بڑھا دیا گیا کہ اس کے مضامین اور اس کی شان دونوں واضح ہوتے ہیں ربط: اوپر تکذیب کرنے والوں کا ذکر تھا آگے ایک عام عنوان سے سب پر وعید ہے جس میں تصدیق کرنے والوں کے

لئے بشارت بھی آ گئی۔ کل نفس ذائقة الموت تا متاع الغرور

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا

ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور تم کو پوری پاداش

تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ

تمہاری قیامت ہی کے روز ملے گی۔

سو دنیا میں اگر اس کا ظہور نہ ہوا تو کافر مامون نہ ہوں اور مسلمان مایوس نہ ہوں۔

فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ

تو جو شخص دوزخ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا

فَقَدْ فَازَ ؕ

سو پورا کامیاب وہ ہوا۔

اسی طرح جو جنت سے جدا رہا اور دوزخ میں بھیجا گیا پورا ناکام ہوا کیونکہ کبھی تکلیف سے نجات نہ ہوگی اور کبھی راحت نصیب نہ ہوگی اور جان لینا چاہئے کہ یہ جو فرمایا ہے کہ جو شخص دوزخ سے بچا لیا گیا اس سے مراد عام ہے خواہ بالکل بچا لیا جائے یا کسی قدر سزا کے بعد اس میں سب مسلمان آ گئے اور ان کی پوری کامیابی کا مطلب یہ ہے کہ جنت میں ہمیشہ کے لئے ہر طرح کی نعمتیں پاویں گے ایسے ہی اس کے مقابلہ میں جو جنت سے جدا رہا اس سے مراد یہ ہوگی کہ ہمیشہ کے لئے جدا رہا اور ایسے لوگ صرف کفار ہیں۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝۱۸۵

اور دنیوی زندگی تو کچھ بھی نہیں مگر صرف دھوکہ کا سودا ہے

جس کی آب و تاب کو دیکھ کر خریدار پھنس جاتا ہے بعد چندے اس کی قلعی کھل جاتی ہے اسی طرح دنیا کی چمک دمک سے دھوکہ کھا کر آخرت سے غافل نہ ہو جانا چاہئے اس کا یہ مطلب نہیں کہ دنیوی زندگی سب کے لئے مضر ہے بلکہ اس تشبیہ کا مطلب یہ ہے کہ دنیا اصلی مقصود بنانے کے قابل نہیں بلکہ اگر کوئی یہ سودا عمدہ داموں کو خریدنے لگے تو اس سے محبت نہ کرنا چاہئے بلکہ غنیمت سمجھ کر بیچ ڈالنا چاہئے چنانچہ اہل عقل اس حیوٰۃ اور اس کی لذات کے عوض اللہ تعالیٰ سے اعمال صالحہ اور جنت عالیہ لے لیتے ہیں۔

ربط: اوپر یہود کی گستاخی کا بیان تھا جس کا قصہ اوپر آ چکا اس قصہ میں یہ بھی ہوا کہ فنحاص یہودی نے یہ گفتگو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے روبرو کی تھی آپ کو سخت غصہ آیا اور یہودی کے ایک طمانچہ مارا اس پر یہ اگلی آیت نازل ہوئی جس میں خبر دے دی ہے کہ ایسی ایسی بہت سنو گے تحمل کرنا چاہئے نیز کعب بن اشرف یہودی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی شان میں بیہودہ اشعار کہتا تھا بعض نے اس کو بھی شان نزول میں بیان کیا ہے۔ غرض اگلی آیت میں یہود کی قباحتوں کا بیان ہے اور مسلمان کو تعلیم صبر اور مشرکین بھی اس ایذا رسانی میں شریک تھے ان کا ذکر بھی بڑھا دیا گیا اور چونکہ صبر و تحمل اسی ایذاء کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر حادثہ میں اس کا حکم ہے لہذا مالی و جانی نقصان کا بھی ذکر ملا دیا گیا جس سے غزوۂ احد کے نقصانات پر بھی اشارہ ہو گیا کہ صبر کرنا چاہئے۔ لتبلون فی اموالکم تا من عزم الامور

لَتُبْلَوُنَّ

البتہ آگے اور آزمائے جاؤ گے۔

یعنے وقتاً فوقتاً تم پر حوادث واقع ہوا کریں گے اسی کو مجازاً آزمانا کہہ دیا ورنہ خدا عالم الغیب ہے آزمانے کے اصلی معنی سے پاک ہے اور پہلے سے اس لئے خبر دے دی تاکہ آمادہ رہیں اور وقت پر پریشان نہ ہوں۔

فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۣ وَلَتَسْمَعُنَّ

اپنے مالوں میں اور اپنی جانوں میں اور البتہ آگے کو اور سنو گے بہت سی

مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ

باتیں دل آزاری کی لوگوں سے جو تم سے پہلے

وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ

کتاب دیئے گئے ہیں۔ اور ان لوگوں سے جو کہ مشرک ہیں۔

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا

اور اگر صبر کرو گے اور پرہیز رکھو گے

صبر کا یہ مطلب نہیں کہ تدبیر نہ کرو انتقام کے موقعہ میں بدلہ نہ لو یا لڑائی کے موقع میں لڑائی نہ کرو بلکہ یہ مطلب ہے کہ حوادث سے دل تنگ نہ ہو اور تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ خلاف شرع کاموں سے بچو گو تدبیر بھی کی جائے پس حضرت صدیق اکبرؓ کا غصہ کرنا اور مارنا بھی صبر کے خلاف نہیں تھا۔

فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝۱۸۶

تو یہ تاکیدی احکام میں سے ہے۔

اور تاکیدی احکام پر عمل کرنا ہی اچھا ہے۔ ربط: آگے بھی یہود کی ایک قبیح خصلت کا ذکر ہے کہ حق بات ظاہر کرنے کا معاہدہ کیا تھا پھر اس کو توڑ دیا۔ واذاخذاللہ تا مایشترون

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا

اور جب کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے یہ عہد لیا کہ اس

الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ

کتاب کو عام لوگوں کے روبرو ظاہر کر دینا اور اس کو

یہ قید اس لئے بڑھا دی کہ اگر کسی دقیق باریک مسئلہ کو کم سمجھ کے سامنے نہ ذکر کیا جاوے تا کہ اس کے لئے فتنہ کا سبب نہ ہو جائے اور اس کے ظاہر کرنے کی ضرورت بھی نہ ہو تو یہ جائز بلکہ ضروری ہے اور جن مضامین کو اہل کتاب چھپاتے تھے ان میں بڑا حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت پیشین گوئیوں اور بشارتوں کا تھا چونکہ ان کو خود ایمان لانا منظور نہ تھا اس لئے اوروں سے بھی اخفاء کرتے تھے۔ ربط: چونکہ یہ لوگ اپنی اس قبیح حرکت پر کہ حق کو چھپاتے تھے بجائے ندامت وخجالت کے الٹی مسرت اور فخر کیا کرتے تھے اگلی آیت میں اس پر وعید ہے۔

وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ

پوشیدہ مت رکھنا سو ان لوگوں نے اس کو اپنے پس پشت پھینک دیا۔

وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَبِئْسَ مَا

اور اس کے مقابلہ میں کم حقیقت معاوضہ لے لیا سو بری چیز ہے جس کو وہ

يَشْتَرُونَ ﴿١٨٧﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ

لوگ لے رہے ہیں۔ جو لوگ ایسے ہیں کہ اپنے کردار پر

بِمَا أَتَوْا

خوش ہوتے ہیں۔

برا کام یہی کہ حق بات کو چھپاتے تھے۔

وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا

اور جو کام نہیں کیا اس پر چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف ہو۔

جو کام نہیں کیا اس سے مراد اظہار حق ہے جس کو وہ کرتے نہ تھے مگر دوسروں کو یہ یقین دلانا چاہتے تھے کہ ہم حق کو ظاہر کرتے ہیں چھپاتے نہیں تا کہ ان کا فریب معلوم نہ ہو چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی یہود نے یہ حرکت کی تھی نیز اکثر یہودی جو منافق تھے جہاد کے موقع پر جھوٹے عذر کر کے ایسا ہی فریب دینا چاہتے تھے اور چونکہ آیت کے الفاظ عام ہیں اس لئے دوسروں کو بھی شامل ہے جو ایسی حرکت کرے مگر اس خوشی سے مراد گناہ پر خوشی کرنا ہے اور تعریف چاہنے سے مراد اس کا اہتمام کرنا ہے پس اگر نیک کام کر کے طبعی طور پر جی خوش ہو اسی طرح کسی کے تعریف کرنے سے طبعاً مسرت ہو یہ معصیت نہیں البتہ اہتمام تعریف یا مسرت کا کرنا نیک کام میں بھی مذموم ہے۔

فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِنَ الْعَذَابِ

سو ایسے شخصوں کو ہرگز ہرگز مت خیال کرو کہ وہ خاص طور کے عذاب سے

وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٨٨﴾ وَلِلَّهِ مُلْكُ

بچاؤ میں رہیں گے۔ اور ان کو دردناک سزا ہوگی اور اللہ ہی کے لئے ہے سلطنت

السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ

آسمانوں کی اور زمین کی اور اللہ تعالیٰ ہر

شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٨٩﴾

شے پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔

ربط: اوپر اہل کفر کی سزا کا ذکر تھا چونکہ سزا دینے کے لئے اختیار اور قدرت لازم ہے اس لئے آگے اس کو ثابت کرتے ہیں۔ و للہ تا قدیر تو چونکہ وہ سلطان حقیقی ہیں سب پر ان کا حکم ماننا ضروری ہے اور نافرمانی جرم ہے اور چونکہ وہ قادر ہیں اس لئے جرم کی سزا دے سکتے ہیں اور چونکہ انہوں نے اس سزا کی خبر دی ہے اس لئے ضرور سزا دیں گے اور چونکہ ان صفات میں ان کے برابر کوئی نہیں اس لئے ان کے سزا دیے ہوئے کو کوئی بچا نہیں سکتا۔ ان مقدمات سے اوپر کے مضمون کی تاکید ہوگئی۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ

بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے

اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿١٩٠﴾

رات کے اور دن کے آنے جانے میں دلائل ہیں اہل عقل کے لئے

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا

جن کی حالت یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں کھڑے

وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ

بھی لیٹے بھی۔

غرض ہر حال میں دل سے بھی اور زبان سے بھی

وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ

اور آسمانوں اور زمین کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں۔

اپنی قوت عقلیہ سے خدا کی قدرت پر استدلال کرتے ہیں

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ

کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے اس کو لایعنی پیدا نہیں کیا۔

بلکہ ان میں بہت سی حکمتیں ہیں جن میں سے ایک بڑی حکمت یہ ہے کہ اس مخلوق سے خالق کی ہستی اور قدرت پر استدلال کیا جائے۔

سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾

ہم آپ کو منزہ سمجھتے ہیں سو ہم کو عذاب دوزخ سے بچا لیجئے۔

کیونکہ ہم نے مخلوقات پر نظر کرکے آپ کی توحید پر استدلال پکڑا اور مومن ہوگئے۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ

اے ہمارے پروردگار بے شبہ آپ جس کو دوزخ میں داخل کریں

فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ۭ

اس کو واقعی رسوا ہی کر دیا۔

مراد اس سے کافر ہے کیونکہ مسلمانوں کے لئے رسوا نہ کرنے کا اور امداد کا وعدہ ہے۔

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿١٩٢﴾

اور ایسے بے انصافوں کا کوئی بھی ساتھ دینے والا نہیں۔

جن کی اصلی جزا دوزخ تجویز کی جائے۔

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا

اے ہمارے پروردگار ہم نے ایک پکارنے والے کو

مراد اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ آپ نے اپنے زمانہ والوں کو بلا واسطہ اور بعد والوں کو بواسطہ قرآن کے ایمان کی طرف بلایا۔

يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ

سنا کہ وہ ایمان لانے کے واسطے اعلان کر رہے ہیں کہ تم اپنے پروردگار پر

فَاٰمَنَّا ڰ

ایمان لاؤ سو ہم ایمان لے آئے۔

غرض ہم نے عقلی طور پر بھی توحید کو مانا اور نقلی طور پر رسول کے کہنے سے بھی مانا اس کلام سے رسالت کا اعتقاد بھی سمجھا گیا پس ایمان کے دونوں جزو توحید و اعتقاد رسالت کامل ہوگئے۔

رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا

اے ہمارے پروردگار پھر ہمارے گناہوں کو بھی معاف فرما دیجئے اور ہماری

سَيِّاٰتِنَا

بدیوں کو بھی ہم سے زائل کر دیجئے۔

تاکہ عذاب سے بالکل بچ رہیں آگے خاتمہ اچھا ہونے کی درخواست ہے جس پر سارا مدار ہے

وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿١٩٣﴾

اور ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ موت دیجئے۔

یعنی نیکی پر خاتمہ ہو تاکہ نیک بندوں میں شامل ہوں۔

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ

اے ہمارے پروردگار ہم کو وہ چیز بھی دیجئے جس کا ہم سے اپنے پیغمبروں کی معرفت آپ نے وعدہ فرمایا ہے۔

اوپر مضرتوں سے محفوظ رہنے کی دعا تھی جیسے دوزخ اور رسوائی اور ذنوب وسیئات اب منافع کی دعاء کرتے ہیں کہ ہم کو جنت نصیب کیجئے جس کا رسولوں کی معرفت نیک بندوں کے لئے وعدہ کیا گیا ہے اور اگرچہ اس جگہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کافی تھا مگر سب رسولوں کا ذکر اس لئے کیا گیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس وعدہ میں سب انبیاء متفق ہیں اور ہر زمانہ میں اس وعدہ کی تجدید ہوتی رہی تو بڑا پختہ وعدہ ہے۔

وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ

اور ہم کو قیامت کے روز رسوا نہ کیجئے۔

یعنی جنت ہم کو اس طرح دیجئے کہ اس سے پہلے کچھ بھی رسوائی نہ ہو جیسا کہ بعض لوگوں کو پہلے سزا ہوگی پھر جنت میں جاویں گے مطلب یہ کہ اول ہی سے جنت میں داخل کر دیجئے۔

اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾

یقیناً آپ وعدہ خلافی نہیں کرتے۔

لیکن ہم کو یہ ڈر ہے کہ خدانخواستہ ہم ان صفات میں کوتاہی کر جائیں جن کی بناء پر یہ وعدہ ہے پھر ہم اس وعدہ کے مستحق نہ رہیں اس لئے ہم آپ سے یہ التجا کرتے ہیں کہ ہم کو ایسا ہی کر دیجئے جس سے ہم اس وعدہ کے پورے مستحق ہو جائیں **ف**: ان دعاؤں کا مضمون تمام مقاصد کو جامع ہے کیونکہ تمام مقاصد کا منتہیٰ دو باتیں ہیں۔ جنت ملنا' دوزخ سے بچنا' اور ان دونوں کے لئے دو شرطیں ہیں۔ طاعات کا ہونا۔ معاصی سے بچنا' چاروں کی درخواست یہاں موجود ہے۔ **ربط**: آگے **فاستجاب لهم** میں ان دعاؤں کا قبول ہونا اور **انی لا اضیع** میں قبولیت کا سبب بطور قاعدہ کلیہ کے بتلاتے ہیں پھر اس قاعدہ پر ایک دوسرا مضمون مرتب فرماتے ہیں جو اس سورۃ کے مقصود سے مناسبت رکھتا ہے۔ **فاستجاب لهم تا حسن الثواب**

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّىْ لَاۤ اُضِيْعُ

سو منظور کر لیا ان کی درخواست کو ان کے رب نے اس وجہ سے کہ میں کسی شخص کے

عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ

کام کو جو کہ تم میں سے کام کرنے والا ہو اکارت نہیں کرتا۔

کہ اس کا صلہ نہ دوں بلکہ میری ہمیشہ سے عادت یہ ہے کہ میں ہر نیک عمل کی قدر کرتا ہوں اور اس پر جزا دیتا ہوں۔

مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ

خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو تم آپس میں ایک دوسرے کے جزو ہو۔

اس لئے دونوں کے لئے یکساں قانون اور حکم بھی ایک سا ہے پس ان لوگوں نے ایمان لا کر جو کہ ایک نیک عمل ہے اس کے ثمرات کی درخواست کی تو میں نے اپنی عادت کے موافق اس کو منظور کر لیا اور جب صرف ایمان کی ہمارے یہاں اتنی قدر ہے (آگے ترجمہ)

فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ

سو جن لوگوں نے ترک وطن کیا اور اپنے گھروں سے نکالے گئے۔

یعنی ہنسی خوشی سیر و سیاحت کے شوق میں گھروں نہیں نکلے بلکہ کفار نے ان کو وطن میں پریشان کیا تو آزادی کے ساتھ خدا کی عبادت کرنے کے لئے پردیس کو نکل کھڑے ہوئے۔

وَاُوْذُوْا فِىْ سَبِيْلِىْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا

اور تکلیفیں دیے گئے میری راہ میں اور جہاد کیا اور شہید ہو گئے۔

اور آخر دم تک جہاد سے نہ ہٹے غرض ان لوگوں نے علاوہ ایمان کے بہت سی مشقت کے عمل کئے تو ایسے اعمال پر میں ثمرات کیوں نہ دوں گا۔

لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ

ضرور ان لوگوں کی تمام خطائیں معاف کر دوں گا۔

یعنی جو میرے حقوق کے متعلق ہوں کیونکہ حدیث سے حق العباد کا اس وقت تک معاف نہ ہونا معلوم ہوتا ہے جب تک کہ صاحب حق خود معاف نہ کر دے یا حق ادا کر دیا جائے البتہ جہاد و ہجرت و شہادت سے حق اللہ کے متعلق جس قدر گناہ ہوں سب معاف ہو جاتے ہیں اور توبہ و استغفار سے بھی ایسے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں چنانچہ اوپر تمام گناہوں کی معافی کی درخواست تھی اور اس آیت سے اس کا قبول ہونا معلوم ہوا۔

وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا

اور ضرور ان کو ایسے باغوں میں داخل کر دوں گا جن کے نیچے

الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ

نہریں جاری ہوں گی۔ یہ عوض ملے گا اللہ کے پاس سے اور اللہ

حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

ہی کے پاس اچھا عوض ہے

یعنی ان کے قبضہ قدرت میں ہے تو وہ ان لوگوں کو عطا فرمائیں گے **ربط**: اوپر مسلمانوں کی کلفتوں کا بیان اور ان کا نیک انجام مذکور تھا آگے کفار کا عیش و آرام اور اس کا بدانجام مذکور ہے تاکہ مسلمان ان کے عیش و آرام کی طرف اصلاً التفات نہ کریں پھر اس انجام بد کو معلوم کر کے کفار میں سے اگر کوئی توبہ کرے اور کفر و معاصی سے باز آ جائے تو اس کو بھی نیک انجام

نصیب ہو جانا ساتھ کے ساتھ بیان فرمادیا لایغرنک تا خیر للابرار

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿١٩٦﴾

تجھ کو ان کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا مغالطہ میں نہ ڈال دے۔

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ قف

چندروزہ بہار ہے

مرتے ہی اس کا نام ونشان بھی نہ رہے گا پس اس حالت کی کچھ وقعت نہ کرنا ان کا انجام یہ ہے کہ (آگے ترجمہ)

ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٩٧﴾ لٰكِنِ

پھر ان کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور وہ برا ہی آرامگاہ ہے لیکن جو لوگ خدا سے ڈریں

الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ

ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا

ہمیشہ رہیں گے یہ مہمانی ہوگی اللہ کی طرف سے۔ اور جو چیزیں خدا کے پاس

مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ

ہیں وہ نیک بندوں کے لئے بدرجہا بہتر ہیں اور بالیقین بعضے لوگ اہل کتاب

لِّلْاَبْرَارِ ﴿١٩٨﴾ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ

میں سے ایسے بھی ضرور ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اعتقاد رکھتے ہیں اور اس

يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ

کتاب کے ساتھ بھی جو تمہارے پاس بھیجی گئی اور اس کتاب کے ساتھ بھی جو

اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ

ان کے پاس بھیجی گئی اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔

کفار کے دنیوی عیش وآرام سے مقدار میں بہت زیادہ اور کیفیت میں بھی بہت عمدہ

ربط: دعاء کی آیتوں سے پہلے ان کے متصل ہی اہل کتاب کی برائیوں کا ذکر تھا چونکہ بعضے ان میں سے اسلام لا کر اچھے ہو گئے تھے اس لئے حسب عادت ان کی مذمت کے بعد ان کی مدح فرماتے ہیں۔ چنانچہ

پہلے بھی آیت لیسوا سواء میں ایسے لوگوں کی مدح آچکی ہے مگر وہ آیت یہودی نومسلموں کے بارہ میں تھی اور اگلی آیت نومسلم نصاریٰ کے بارہ میں ہے اور اس سورۃ میں ان ہی دونوں سے زیادہ روئے سخن تھا اور اگر دونوں آیتوں کا مصداق ایک ہی جماعت ہو تب بھی عنوان بدل جانے کی وجہ سے تکرار نہ ہوگا۔ و ان من اهل الكتٰب تا سريع الحساب

اس لئے اس اعتقاد میں حدود شرعی سے تجاوز نہیں کرتے جیسا کہ دوسرے اہل کتاب نعوذ باللہ خدا پر اولاد کی تہمت لگاتے ہیں کہیں احکام میں افتراء کرتے ہیں اور خدا کا خوف نہیں کرتے یہ لوگ ایسے نہیں اسی طرح دوسرے اہل کتاب تورات اور انجیل کے معاوضہ میں دنیا کماتے تھے یہ ایسا نہیں کرتے بلکہ توراۃ وانجیل پر اس طرح اعتقاد رکھتے ہیں کہ (آگے ترجمہ)

لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ

اللہ تعالیٰ کی آیات کے مقابلہ میں کم حقیقت معاوضہ نہیں لیتے

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ

ایسے لوگوں کو ان کا نیک عوض ملے گا ان کے پروردگار کے پاس۔ بلاشبہ

اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿١٩٩﴾

اللہ تعالیٰ جلدی ہی حساب کردیں گے

اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان لوگوں سے بھی حساب کتاب ضرور ہوگا کیونکہ حدیث سے بہت مقبول بندوں کا بلا حساب جنت میں جانا معلوم ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو جلدی حساب کتاب کر دیتا ہے وہ جلدی ہی لینا دینا بھی بیباق کر دیتا ہے تو سمجھ لو کہ ایمان واعمال صالحہ کا عوض بھی جلدی ہی مل جائے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا

اے ایمان والو! خود صبر کرو اور مقابلہ میں صبر کرو اور مقابلہ کے لئے

وَرَابِطُوْا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٢٠٠﴾ ع

مستعد رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پورے کامیاب ہو۔

آخرت میں تو ضرور ہی کامیابی ہوگی اور ان احکام کی بجا آوری سے اکثر دنیا میں بھی کامیابی ساتھ ساتھ رہتی ہے۔

سورۃ النساء، بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ربط اوپر کی سورۃ تقویٰ کے حکم پر ختم ہوئی تھی اس سورت کو اسی مضمون سے شروع کیا جاتا ہے۔ یاایھا الناس اتقوا ربکم تا رقیبا

سُوْرَةُ النِّسَاءِ مَدَنِيَّةٌ

سورۂ نساء مدینے میں نازل ہوئی اور اس میں ایک سو ستر آیتیں اور چوبیس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا

اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو

یعنی دوسروں سے کہتے ہو کہ خدا کے واسطے خدا کا خوف کر کے میرا حق دے دے سو جب دوسروں کو خدا کی مخالفت سے ڈراتے ہو تو تم خود بھی تو ڈرو۔

رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ

جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا اور اس جاندار سے

وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ

اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے

مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا

بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں اور تم خدا تعالیٰ سے ڈرو

اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ

جس کے نام سے ایک دوسرے سے مطالبہ کیا کرتے ہو

یعنی یوں تو تمام احکام الٰہیہ میں مخالفت سے بچنا اور ڈرنا ضروری ہے مگر اس مقام پر یہ حکم خصوصیت کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ قرابت کے حقوق ضائع مت کرو۔

وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ①

اور قرابت سے بھی ڈرو۔ بالیقین اللہ تعالیٰ تم سب کی اطلاع رکھتے ہیں

اگر مخالفت کرو گے سزا کے مستحق ہو گے اور جاننا چاہئے کہ اس آیت میں پیدائش کی تین صورتوں کا بیان ہے ایک تو جاندار کا بے جان سے پیدا کرنا۔ کیونکہ آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا دوسرے جاندار کا جاندار سے مشہور طریقہ کے خلاف پیدا ہونا کیونکہ حوا علیہا السلام آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا ہوئیں جیسا کہ حدیث صحیح میں وارد ہے تیسرے جاندار کا جاندار سے مشہور طریقہ پر پیدا ہونا جیسا کہ آدم و حوا سے اور آدمی اس وقت تک پیدا ہوتے آرہے ہیں۔ اور سب طریقے فی نفسہ عجیب ہونے میں برابر ہیں مگر قدرت کے نزدیک کوئی بھی عجیب نہیں پس دلیل سے ثابت ہونے کے بعد کسی صورت کا محض توہم پرستی کی بناء پر انکار کرنا جیسا کہ بعض لوگ حوا علیہا السلام کے طریقہ پیدائش کے منکر ہیں نہایت ظلم ہے اگر وہ یہ کہتے ہیں کہ پسلی سے پیدا ہونا عقل میں نہیں آتا تو ہم پوچھتے ہیں کہ نطفہ سے ہی انسان کا پیدا ہونا کب عقل میں آتا ہے مگر چونکہ قدرت کے سامنے سب آسان ہے اس لئے اس کا انکار نہیں کرتے تو پھر اور صورتوں کا کیوں انکار کیا جاوے رہا یہ سوال کہ پھر اس خاص صورت کے اختیار کرنے میں کہ پسلی سے ان کو پیدا کیا کیا فائدہ ہوا اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے تم اس طریقہ پیدائش کی بابت جو کہ متعارف ہے بیان کر دو کہ اس میں کیا اسرار و فوائد ہیں جب یہ تم کو معلوم نہیں وہ بھی نہ سہی نیز ممکن ہے کہ یہ حکمت بھی ہو کہ اللہ تعالیٰ کی ہر طریقہ پر پیدا کرنے کی قدرت محقق ہو جائے اور یہ حکمت و اسرار بیان کرنے کے نہ ہم مدعی نہ اس کی ضرورت کیونکہ یہ کوئی لازمی بات نہیں کہ اگر کسی بات کی حکمت نہ معلوم ہو تو وہ غلط ہی ہو حق تعالیٰ کے افعال کے اسرار کا کون احاطہ کر سکتا ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آدم علیہ السلام کی ایک ہڈی پسلی کی کم ہو گئی ہو کیونکہ ممکن ہے کہ اس کے کسی خاص جزو کو اصل قرار دے کر حق تعالیٰ نے اپنی قدرت سے اس کو بڑھا کر خاص صورت بنا دی ہو اور اگر مان بھی لیا جاوے کہ ایک پسلی آدم علیہ السلام کے بدن سے کم ہو گئی تھی تو اس میں استحالہ کیا ہے یا یہ کہ اس کو نکالنے سے آدم علیہ السلام کو تکلیف ہوئی ہو گی محض طفلانہ وہم ہے حق تعالیٰ کو ہر طرح قدرت ہے اور یہ حکم حفاظت رحم کا خاص طور پر اس لئے بیان کیا گیا کہ آگے اس قسم کے احکام آتے ہیں گویا یہ اس کی تمہید ہے ربط: اوپر تقویٰ کا حکم تھا اور اس ضمن میں حقوق رحم و تعلقات انسانیہ کی رعایت کرنے کا حکم تھا آگے ان حقوق کو جن کی بابت تقویٰ کا حکم دیا گیا ہے تفصیل سے بیان فرماتے ہیں۔

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ

اور جن بچوں کا باپ مر جاوے ان کے مال ان تک پہنچاتے رہو

یعنی ان ہی کے خرچ میں لگاتے رہو۔

وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠

اور تم اچھی چیز سے بری چیز کو مت بدلو۔

کہ ان کی اچھی چیز نکال لو اور بری ملا دو

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ؕ

اور ان کے مال مت کھاؤ اپنے مالوں (کے رہنے) تک

البتہ جب تمہارے پاس نہ رہے تو بقدر حق الخدمت لے سکتے ہو۔

اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ﴿۲﴾

ایسی کارروائی کرنا بڑا گناہ ہے

چونکہ جاہلیت میں یتیموں کے حقوق ضائع کئے جاتے تھے اس لئے ان کی سخت ممانعت کی گئی۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِى الْيَتٰمٰى

اور اگر تم کو اس بات کا احتمال ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ

سکو گے تو اور عورتوں سے جو تم کو پسند ہوں نکاح کر لو

کیونکہ وہ مجبور نہیں ہیں آزادی سے اپنی خوشی ناخوشی بتا سکتی ہیں لیکن یتیم لڑکیاں تمہارے اثر کی وجہ سے کچھ نہ کہہ سکیں گی۔

مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ

اور دو دو عورتوں سے اور تین تین عورتوں سے اور چار چار عورتوں سے

چار سے زیادہ ایک مرد کو جائز نہیں۔

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا

پس اگر تم کو احتمال اس کا ہو کہ عدل نہ رکھو گے

بلکہ کئی بیبیاں کرنے سے کسی کے واجب حقوق ضائع ہوں گے (آگے ترجمہ)

فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ

تو پھر ایک ہی بی بی پر بس کرو یا جو لونڈی تمہاری ملک میں ہو وہی سہی

یعنی اگر ایک کے حقوق بھی نہ ادا کر سکو تو باندی پر کفایت کرو کیونکہ اس کے حقوق کم ہوتے ہیں۔

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ﴿۳﴾ ؕ وَاٰتُوا النِّسَآءَ

اس امر مذکور میں زیادتی نہ ہونے کی توقع قریب تر ہے۔ اور تم لوگ بیبیوں کو

صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ

ان کے مہر خوشدلی سے دے دیا کرو۔ ہاں اگر وہ بیبیاں خوشدلی سے چھوڑ

عَنْ شَىْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا ﴿۴﴾

دیں تم کو اس مہر میں کا کوئی جزو تو تم اس کو کھاؤ مزہ دار اور خوشگوار سمجھ کر

مسئلہ اگر عورتیں مہر لے کر پھر واپس کر دیں تو ہبہ ہے اور اگر بے لئے معاف کر دیں تو ابراء ہے۔ دونوں جائز ہیں ربط: اوپر حکم اول میں یتیموں کے مال کی حفاظت کا حکم تھا اب یہ بتلاتے ہیں کہ ان کے مال کب ان کے سپرد کئے جائیں نیز سپرد کرنے کی تاکید بھی فرماتے ہیں۔ ولاتؤتوا السفهاء تا اموالهم

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ

اور تم کم عقلوں کو اپنے وہ مال مت دو

مطلب یہ ہے کہ اگر بالغ بھی ہو جائیں لیکن ابھی تک سلیقہ اور انتظام خرچ کرنے میں پیدا نہ ہوا ہو تو ابھی مال ان کے سپرد مت کرو کیونکہ وہ بے قدری کر کے اڑا دیں گے حالانکہ مال قدر کرنے کی چیز ہے۔

الَّتِىْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ

جن کو خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے مایہ زندگی بنایا ہے اور ان مالوں میں

فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا

ان کو کھلاتے رہو اور پہناتے رہو اور ان سے معقول

مَّعْرُوْفًا ﴿۵﴾

بات کہتے رہو۔

یعنی ان کی تسلی کرتے رہو کہ مال تمہارا ہی ہے مگر تمہاری خیر خواہی کی وجہ سے ابھی تمہارے ہاتھ میں نہیں دیا گیا۔ ذرا سمجھ دار ہو جاؤ گے تو تم ہی کو دے دیا جائے گا۔

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى

اور تم یتیموں کو آزما لیا کرو

یعنی بالغ ہونے سے پہلے ان کی آزمائش کرتے رہا کرو ان کے ہاتھ سے خرید و فروخت کراؤ اور دیکھو کہ کیسے سلیقہ سے خرید و فروخت کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ نابالغ کی بیع و شراء ولی کی اجازت سے جائز ہے کیونکہ بالغ ہونے کا وقت تو مال سپرد کرنے کا وقت ہے تو آزمائش بلوغ سے پہلے ہونا چاہئے۔

حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ

یہاں تک کہ وہ نکاح کو پہنچ جائیں

یعنی بالغ ہو جائیں کیونکہ نکاح کی پوری قابلیت بلوغ ہی سے ہوتی ہے۔

فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا

پھر اگر ان میں ایک گونہ تمیز دیکھو تو ان کے

اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ج

اموال ان کے حوالے کردو

ایک گونہ تمیز سے وہی مراد ہے کہ اپنی مصلحت وحفاظت مال کا سلیقہ و انتظام پیدا ہو جائے اگر ایسا سلیقہ بالغ ہونے کے بعد بھی اس میں پیدا نہ ہوا ہو تو کچھ عرصے تک اور حوالے نہ کیا جائے جس کی حد امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ۲۵ سال تک ہے ۲۵ سال کی عمر کے بعد مال اس کے حوالہ کر دیا جائے گا چاہے سلیقہ وانتظام پیدا ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ اور یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ حق تعالیٰ نے تو تمیز وسلیقہ پر مدار رکھا ہے پس اگر پچیس سال کے بعد بھی اس میں سلیقہ نہ پیدا ہوا تو چاہئے کہ ساری عمر اس کو مال نہ دیا جائے۔ امام صاحب نے پچیس سال کی حد کیسے مقرر کر دی جواب یہ ہے کہ اس جگہ سفاہت اور بے تمیزی سے مراد وہ کم عقلی ہے جو بچپن کا اثر ہوتی ہے اور ۲۵ سال میں آدمی دادا بن سکتا ہے اس عمر میں لڑکپن کی بیوقوفی باقی نہیں رہا کرتی اتنا بڑا ہو کر بھی اگر انتظام وسلیقہ سے مال خرچ نہ کرے تو سمجھا جائے گا کہ وہ عمداً بدسلیقہ بنا ہوا ہے اب اس کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ پچیس سال کی عمر سن رشد وعقل مندی کا زمانہ ہے اب اس کو مال دے دیا جائے گا وہ اپنے نفع ونقصان کو خود سمجھ سکتا ہے۔ البتہ اگر سفاہت وکم عقلی لڑکپن کے اثر سے نہیں بلکہ اس کی عقل میں فتور ہے جس کو جنون یا عتہ کہتے ہیں تو اس کو ساری عمر مال نہ دیا جاوے گا اور تمام عمر اس کا حکم نابالغ کے مثل ہے اور جس کی عقل میں فتور نہیں۔ مگر لڑکپن کے اثر سے ابھی اس میں سلیقہ وانتظام کا مادہ نہیں اس کا حکم بعد بلوغ کے نابالغوں جیسا نہیں اس کے تمام وہ معاملات جو زبانی تمام ہو جاتے ہیں مثل بیع وشراء نکاح وطلاق وغیرہ ولی کی اجازت کے بغیر بھی نافذ اور صحیح ہو جاتے ہیں مگر ۲۵ سال تک چونکہ اس کو مال نہیں دیا جاتا اس لئے ولی کو اس کے معاملات کی تکمیل کا حکم کیا جاوے گا۔ مثلاً بیع وشراء میں زر ثمن ادا کرنا اور نکاح میں مہر ونفقہ دینا یہ سب ولی کے ذمہ ہوگا البتہ ہبہ صدقہ وغیرہ سفیہ کے لئے بھی بدوں ولی کی اجازت کے صحیح نہیں۔

وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ

اور ان اموال کو ضرورت سے زائد اٹھا کر اور اس خیال سے کہ یہ بالغ ہو جاویں

يَّكْبَرُوْا ط

گے جلدی جلدی اڑا کر مت کھا ڈالو۔

پس اسراف تو کسی حال میں جائز نہیں اور اگر تھوڑا سا خرچ کرنا چاہیں تو اس کا حکم آگے آتا ہے۔

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ج وَمَنْ

اور جو شخص مستغنی ہو سو وہ اپنے کو بالکل بچائے اور جو شخص

كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ط

حاجت مند ہو تو وہ مناسب مقدار سے کھا لے۔

فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا

پھر جب ان کے اموال ان کے حوالے کرنے لگو تو ان پر گواہ بھی کر لیا کرو

عَلَيْهِمْ ط وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ⑥

اور اللہ تعالیٰ ہی حساب لینے والے کافی ہیں

گواہوں کا ہونا صرف ظاہری مصلحت کے لئے مستحب ہے ورنہ اگر خیانت نہ کی تو گواہوں کا نہ ہونا بھی مضر نہیں۔

لِلرِّجَالِ

مردوں کے لئے بھی

خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے۔

نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ

حصہ ہے اس چیز میں سے جس کو والدین اور بہت نزدیک کے قرابت دار

وَالْاَقْرَبُوْنَ ص

چھوڑ جاویں

خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی

وَلِلنِّسَآءِ

اور عورتوں کے لئے

ذوالفروض کیلئے تو سہام مقرر ہیں اور عصبات اور ذوی الارحام کے لئے قواعد مقرر ہیں پس اب مورث کے اوپر مدار نہیں جیسا شروع اسلام میں تھا۔

نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ

حصہ ہے اس چیز میں جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار

وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ

چھوڑ جاویں خواہ وہ چیز قلیل ہو یا

كَثُرَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ⑦

کثیر ہو حصہ قطعی۔

قطعی سے مراد یہ ہے کہ عمل کے اعتبار سے قطعی ہے کیونکہ عصبات ذوی الارحام کے حقوق حدیث سے ثابت ہیں اور ذوی الفروض کے قرآن سے تو ثبوت سب کا قطعی نہیں البتہ عمل سب کا قطعی اور واجب ہے اور نزدیکی قرابت سے مراد یہ ہے کہ شریعت نے جو ترتیب وارثوں کی مقرر کردی ہے اس کے اعتبار سے نزدیک ہو پھر جہاں شریعت نے سب کو نزدیک سمجھا ہے گو زیادہ کم کا فرق ہو وہاں سب کو وارث بنایا ہے اور جہاں کسی کو نزدیک کسی کو دور کا رشتہ دار سمجھا ہے وہاں نزدیک کے قرابت دار کو وارث سمجھا ہے دور کے رشتہ دار کو نہیں تفصیل علم فرائض سے معلوم ہو سکتی ہے۔

ربط: اوپر ورثہ کے استحقاق کا بیان تھا حکم ہفتم میں یہ بتلاتے ہیں کہ جو مستحق میراث کے نہیں ان کے ساتھ بھی رعایت کرنا مستحب ہے۔

واذاحضر القسمة تا قولا معروفا.

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى

اور جب (وارثوں میں ترکہ کے) تقسیم ہونے کے وقت آ موجود ہوں رشتہ دار

وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ

(دور کے) اور یتیم اور غریب لوگ

غریب و یتیم تو خیر خیرات کی توقع سے آویں گے کہ شاید ہم کو بھی مل جاوے اور دور کے رشتہ دار ممکن ہے کہ استحقاق کے گمان سے آویں۔

فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا

تو ان کو بھی اس (ترکہ) میں (جس قدر بالغوں کا ہے اس میں سے کچھ دے دو اور ان

مَّعْرُوْفًا ⑧

کے ساتھ خوبی سے بات کرو

رشتہ داروں کو تو یہ سمجھا دو کہ تمہارا حصہ شریعت سے اس میں نہیں ہم زیادہ دینے سے معذور ہیں اور دوسروں کو دے کر احسان نہ جتلاؤ اور بالغوں کی قید اس لئے لگائی ہے کہ نابالغوں کے حصہ میں سے خیر خیرات یا کسی کی مراعات بالکل جائز نہیں اور یہ حکم واجب نہیں صرف مستحب ہے اور اگر شروع اسلام میں واجب ہوا ہو تو اب وجوب منسوخ ہے۔

ربط: یہاں تک اصل مضمون یتیموں کو ضرر نہ پہنچانے کا تھا دوسرے مضامین اس کی مناسبت سے درمیان میں ذکر ہوئے آگے اس اصل مضمون کی تاکید کے لئے ایک دنیوی واقعہ فرض کرتے ہیں جس سے یتیموں کی ہمدردی پیدا ہو اور آخرت کے متعلق ایک واقعہ کا یقین دلاتے ہیں تاکہ خوف پیدا ہو اور دونوں واقعوں میں غور کر کے یتیموں کو ضرر پہنچانے کی جرات نہ کریں۔ **ولیخش الذین تا سعیرا**

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ

اور ایسے لوگوں کو ڈرانا چاہئے کہ اگر اپنے بعد چھوٹے چھوٹے

خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا

چھوڑ جاویں تو (ان کی) ان کو

عَلَيْهِمْ ص

فکر ہو

کہ دیکھئے ان کو کوئی آزار نہ پہنچائے تو ایسا ہی دوسرے کے بچوں کے لئے بھی خیال کرنا چاہئے آنچہ برخود نہ پسندی بردیگراں مپسند۔

فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ

سو ان لوگوں کو چاہئے کہ خدا تعالیٰ سے ڈریں

یعنی اس بات کو سوچ کر یتامیٰ کے معاملہ میں حکم خداوندی کی مخالفت نہ کریں اپنے کسی فعل سے ان کو آزار و ضرر نہ پہنچاویں۔

وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ⑨

اور موقع کی بات کہیں

یعنی قول میں بھی ان کی تسلی و دلجوئی کی رعایت رکھیں اور تعلیم و تادیب میں اگر بقدر ضرورت تشدد کرنا پڑے وہ جائز ہے ایسی نرمی کرنے کا حکم نہیں جس سے وہ بگڑ جاوے مگر تشدد میں اپنے غصہ اور دل کی بھڑاس نکالنے کا قصد نہ چاہئے ہر سختی و نرمی میں اس کی مصلحت پر نظر کرنا چاہئے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى

بلاشبہ جو لوگ یتیموں کا مال بلا استحقاق کھاتے

ظُلۡمًا

(برتتے) ہیں

بلا استحقاق کی قید اس لئے لگائی کہ استحقاق سے کھانے کی بات پہلے آ چکی ہے اور جیسے یتیم کا مال خود کھانا حرام ہے کسی کو کھلانا بھی حرام ہے گو بطور خیر خیرات ہی کے کیوں نہ ہو اور یہی حکم ہر نابالغ کا ہے گو یتیم نہ ہو۔ خوب یاد رکھو اس میں بہت بے پروائی کی جاتی ہے۔ ربط: اوپر ورثہ کا استحقاق میراث میں اجمالاً مذکور ہوا ہے آگے ان حصوں کی کچھ تفصیل میں کئی قسم کے ورثہ کا حصہ بیان فرمایا ہے اور ان کا خاص طور سے ذکر کرنے کی یہ وجہ ہے کہ حضورؐ سے اولاد اور بھائی بہنوں کے متعلق سوال کیا گیا تھا۔

اِنَّمَا يَاۡكُلُوۡنَ فِىۡ بُطُوۡنِهِمۡ نَارًا ؕ

اور کچھ نہیں اپنے شکم میں آگ بھر رہے ہیں

وَسَيَصۡلَوۡنَ سَعِيۡرًا ﴿۱۰﴾ يُوۡصِيۡكُمُ

اور عنقریب جلتی آگ میں داخل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ تم کو حکم

اللّٰهُ فِىۡۤ اَوۡلَادِكُمۡ ۖ لِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَيَيۡنِ ۚ

دیتا ہے تمہاری اولاد کے باپ میں لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصہ کے

فَاِنۡ كُنَّ نِسَآءً فَوۡقَ اثۡنَتَيۡنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا

برابر اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں گو دو سے زیادہ ہوں تو ان لڑکیوں کو دو تہائی ملے گا

مَا تَرَكَ ۚ وَاِنۡ كَانَتۡ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصۡفُ ؕ

اس مال کا جو کہ مورث چھوڑ مرا ہے اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کو نصف ملے گا

اولاد کے وارث ہونے کی چار صورتیں مذکور ہیں۔ ایک یہ کہ لڑکے لڑکیاں سب ہوں دوسرے یہ کہ صرف ایک لڑکی ہو تیسرے یہ کہ صرف دو لڑکیاں ہوں چوتھے یہ کہ دو لڑکیوں سے زیادہ ہوں۔

وَلِاَبَوَيۡهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ

اور ماں باپ کے لئے یعنی دونوں میں سے ہر ایک کے لئے میت کے ترکہ

مِمَّا تَرَكَ اِنۡ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ

میں سے چھٹا چھٹا حصہ ہے۔ اگر میت کے کچھ اولاد ہو

خواہ لڑکی ہو یا لڑکا ایک ہو یا زیادہ اور بقیہ میراث اولاد کو اور دوسرے خاص خاص ورثہ کو ملے گی پھر بھی بچ جاوے تو پھر سب کو دی جاوے گی۔

فَاِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ

اور اگر اس میت کے کچھ اولاد نہ ہو تو اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں۔

یعنے بھائی بہن بھی نہ ہوں کیونکہ اس صورت کا حکم آگے آتا ہے۔

فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ

تو اس کی ماں کا ایک تہائی ہے

اور باقی دو تہائی باپ کو ملے گا چونکہ اس صورت میں یہ بات ظاہر تھی اس لئے تصریح کی ضرورت نہ ہوئی۔

فَاِنۡ كَانَ لَهٗۤ اِخۡوَةٌ

اور اگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی یا بہن ہوں

خواہ کسی قسم کے ہوں عینی یعنی ماں باپ شریک یا علاتی کہ باپ ایک اور ماں الگ الگ ہو یا اخیافی کہ ماں ایک اور باپ الگ الگ ہو غرضکہ کسی طرح کے بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں اور ماں باپ ہوں اور میت کے اولاد نہ ہو (آگے ترجمہ)

فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ

تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا

اس صورت میں بھائی بہنوں کی وجہ سے ماں کا حصہ بجائے تہائی کے چھٹا رہ گیا مگر بھائی بہن کو کچھ بھی نہ ملے گا کیونکہ باپ کے ہوتے ہوئے یہ سب محروم ہیں باقی سب باپ کو مل جائے گا۔

مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصِىۡ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ؕ

اور باقی باپ کو ملے گا) وصیت نکال لینے کے بعد کہ میت اسکی وصیت کر جائے یا دین کے بعد

من بعد وصية الخ یعنی یہ سب حصے وصیت و دین ادا کرنے کے بعد تقسیم ہوں گے اگر میت نے کچھ دین چھوڑا ہو یا وصیت کی ہو بشرطیکہ وصیت موافق شرع کے ہو یعنی کسی وارث کے لئے وصیت نہ کی ہو ورنہ اس کا اعتبار نہ ہوگا اسی طرح بعد تجہیز و تکفین و ادائے دین کے جو مال بچے وصیت اس کی تہائی سے زیادہ کی نہ ہو غرض سب سے مقدم تجہیز و تکفین ہے پھر ادائے دین پھر وصیت اس کے بعد جو بچے وہ ورثہ میں تقسیم ہوگا۔ اور قرآن میں جو وصیت کو دین سے مقدم کیا گیا ہے حالانکہ ادا کرنے میں وہ پیچھے ہے اس میں نکتہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ دین کے مطالبہ کرنے والے تو آدمی ہیں وہ خود ہی وصول کرلیں گے اس میں کوتاہی کا احتمال کم ہے اور

وصیت چونکہ دراصل تبرع اور ہبہ ہے اس میں کوتاہی کا زیادہ احتمال ہے اس لئے اہتمام وتاکید کے لئے اس کا ذکر پہلے کیا گیا۔

ربط: آگے اس کی حکمت بتلاتے ہیں کہ میراث کا قصہ میت کی رائے پر نہیں رکھا گیا بلکہ خود حق تعالیٰ نے سب قواعد مقرر فرمادیئے۔

اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ ۚ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ

تمہارے اصول وفروع جو ہیں تم پورے طور پر یہ نہیں جان سکتے ہو کہ ان میں

لَكُمْ نَفْعًا ؕ

کا کونسا شخص تم کو نفع پہنچانے میں نزدیک تر ہے۔

یعنی تم کو یقینی طور پر معلوم نہیں ہوسکتا کہ دنیوی یا اخروی نفع کی توقع کس سے زیادہ ہے پس اگر میراث کا قصہ تمہاری رائے پر چھوڑ دیا جاتا تو غالب اوقات تقسیم میں تم ایک کو دوسرے پر ترجیح نفع رسانی کی توقع پر دیتے مثلاً دنیوی نفع رسانی کی توقع پر کہ فلاں آدمی ہماری خوب خدمت کرے گا لیکن اکثر اوقات وہ دغا دے جاتا ہے۔ اور دوسرا مخلص محض ثواب سمجھ کر یا محبت سے زیادہ خدمت کرتا ہے یا اخروی نفع کی توقع پر کہ یہ ہم کو ثواب بخشے گا یا آخرت میں شفاعت کرے گا کبھی اس کے بھی خلاف ہوتا ہے جب اس کے یقین کا تمہارے پاس کوئی ذریعہ نہیں تو اس پر مدار ٹھہرانا صحیح نہیں۔ اس لئے دوسری مصلحتوں پر گو وہ تمہارے ذہن میں نہ آویں مدار ٹھہرایا گیا اور (آگے ترجمہ)

فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا

یہ حکم منجانب اللہ مقرر کر دیا گیا بالیقین اللہ تعالیٰ بڑے علم

حَكِيْمًا ﴿١١﴾

اور حکمت والے ہیں۔

اس لئے جو حکمتیں خدا نے اپنے علم سے اس میں رکھی ہیں وہی قابل اعتبار ہیں بعض بددینوں نے مسئلہ میراث میں کچھ دنیوی مضرتوں کا دعویٰ کیا ہے جو بے دلیل اور محض خرافات ہیں۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ

اور تم کو آدھا ملے گا اس ترکہ کا جو تمہاری بیبیاں چھوڑ جاویں اگر

يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ

ان کے کچھ اولاد نہ ہو۔

نہ لڑکی نہ لڑکا نہ ایک نہ زیادہ

فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ

اور اگر ان بیبیوں کے کچھ اولاد ہو

خواہ تم سے ہو یا پہلے شوہر سے

فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ

تو تم کو ان کے ترکہ سے ایک چوتھائی ملے گا۔

یہ کل دو صورتیں ہوئیں اور دونوں صورتوں میں بقیہ دوسرے وارثوں کو ملے گا لیکن ہر صورت میں (آگے ترجمہ)

مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ

وصیت نکالنے کے بعد کہ وہ اس کی وصیت کر جائیں یا دین کے بعد اور ان

وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ

بیبیوں کو چوتھائی ملے گا اس ترکہ کا جس کو تم چھوڑ جاؤ۔

خواہ ایک ہوں یا کئی ہوں وہ چوتھائی سب میں برابر بانٹ دیا جائے گا۔

اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ

اگر تمہارے کچھ اولاد نہ ہو

نہ لڑکا نہ لڑکی نہ ایک نہ زیادہ

فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ

اور اگر تمہارے کچھ اولاد ہو

خواہ ان ہی بیبیوں سے ہو یا اور کسی عورت سے

فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ

تو ان کو تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ملے گا۔ وصیت نکالنے کے

وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ

بعد کہ تم اس کی وصیت کر جاؤ یا دین کے بعد

عورت کا مہر میراث سے جدا ہے وہ قرض میں داخل ہے اس کے ادا کرنے کے بعد میراث کا حق جدا ملے گا۔ و ان کان رجل تا واللہ علیم حکیم

وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ

اور اگر کوئی میت جس کی میراث دوسروں کو ملے گی خواہ وہ مرد میت ہو یا عورت ایسا ہو جس کے نہ اصول ہوں

یعنی باپ دادا اور یہ تفسیر امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر ہے ان کے نزدیک دادا سے بھی سب طرح کے بہن بھائی میراث سے محروم ہو جاتے ہیں۔ دوسرے آئمہ کا اس میں اختلاف ہے اور یہ مسئلہ صحابہ میں بھی مختلف فیہ تھا۔

اَخٌ اَوۡ اُخۡتٌ

نہ فروع

یعنے اولاد اور بیٹے کی اولاد

فَلِکُلِّ وَاحِدٍ

اور اس کے ایک بھائی یا ایک بہن ہو

اس پر امت کا اجماع ہے کہ اس جگہ بھائی بہن اخیافی مراد ہیں (یعنی جن کی ماں ایک ہو اور باپ الگ الگ) اور آیت میں بھی اس کا قرینہ موجود ہے کہ ان بھائی بہنوں کا حصہ وہی ٹھہرایا ہے جو اوپر ماں کا گزر چکا ہے۔ یعنی تہائی اور چھٹا اور حقیقی وعلاتی بھائی بہنوں کا حکم سورۃ کے ختم پر آئے گا اور بعض صحابہ اس آیت میں وله اخ او اخت کے بعد من الام بھی بڑھاتے تھے۔ یعنی وہ بھائی بہن ماں شریک ہوں تو یہ تفسیر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوگی۔

مِّنۡهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنۡ كَانُوۡۤا اَكۡثَرَ مِنۡ ذٰلِكَ

تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر یہ لوگ ایک سے زیادہ ہوں

فَهُمۡ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ

تو وہ سب تہائی میں شریک ہوں گے۔

چاہے دو ہوں یا زیادہ اور اخیافی بہن بھائی میں کسی کا دوہرا اکہرا حصہ نہیں ہوتا مرد وعورت سب کا حصہ برابر ہے باقی میراث دوسرے ورثہ کو اور اگر کوئی دوسرا نہ ہو تو ان ہی کو دی جائے گی۔

مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصٰى بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ۙ

وصیت نکالنے کے بعد جس کی وصیت کر دی جائے یا دین کے بعد بشرطیکہ کسی

غَيۡرَ مُضَآرٍّ ۚ

کو ضرر نہ پہنچاوے۔

نہ ظاہر میں نہ ارادہ میں ظاہر میں تو یہ کہ مثلاً تہائی سے زیادہ وصیت کرے تو یہ وصیت میراث پر مقدم نہ ہوگی ارادہ میں یہ کہ وصیت تو تہائی کی کرے لیکن نیت یہ ہو کہ وارثوں کو کم ملے یہ وصیت نافذ تو کی جائے گی لیکن گناہ ہوگا۔

وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَلِيۡمٌ ؕ ۝۱۲

یہ حکم کیا گیا ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں حلیم ہیں۔

کہ کون مانتا ہے کون نہیں مانتا اور نہ ماننے والوں کو جو فوراً سزا نہیں دیتے اس کی وجہ یہ ہے کہ حلیم بھی ہیں۔

تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ

یہ سب احکام مذکورہ خداوندی ضابطے ہیں اور جو شخص اللہ اور رسول کی پوری اطاعت

وَرَسُوۡلَهٗ يُدۡخِلۡهُ جَنّٰتٍ

کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو فوراً ایسی بہشتوں میں داخل کر دیں گے۔

ربط: ان احکام کو بیان کر کے آگے ان پر اعتقاد وعمل کرنے کی تاکید اور فضیلت اور نہ ماننے پر وعید ارشاد فرماتے ہیں۔ **تلک حدود الله تا عذاب مهين** (۱) فوراً کے معنے یہ ہیں کہ بلا عذاب کے جنت میں جائے گا کیونکہ پوری اطاعت کرنے والوں کو عذاب بالکل نہیں ہوگا۔

تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ

جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ ہمیشہ ہمیشہ

فِيۡهَا ؕ وَذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ۝۱۳

ان میں رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

وَمَنۡ يَّعۡصِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَيَتَعَدَّ

اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا نہ مانے گا اور بالکل ہی

حُدُوۡدَهٗ يُدۡخِلۡهُ

اس کے ضابطوں سے نکل جائے گا

یعنی پابندی احکام کو ضروری بھی نہ سمجھے اور یہ حالت کفر کی ہے تو جو لوگ احکام شرع پر اعتقاد رکھیں گے مگر عمل میں کوتاہی کریں گے وہ شرعی ضابطوں سے بالکل خارج نہیں کیونکہ اعتقاد بھی تو ایک ضابطہ ہے۔ جس کو وہ تسلیم کئے ہوئے ہیں پس بالکلیہ نکل جانا کافروں ہی پر صادق آ سکتا ہے۔

نَارًا خَالِدًا فِيۡهَا ۖ وَلَهٗ عَذَابٌ

اس کو آگ میں داخل کریں گے اس طور سے کہ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور

مُّهِيۡنٌ ۝۱۴ ع

اس کو ایسی سزا ہوگی جس میں ذلت بھی ہے

اس آیۃ میں دو قسم کے لوگوں کا ذکر ہے ایک کامل مطیع دوسرے کامل نافرمان ایک قسم کا اس میں ذکر نہیں جو اعتقاد سے تابعدار ہو اور عمل میں قصوروار ہو اس کا حکم دوسری آیتوں میں موجود ہے کہ کچھ سزا کا مستحق ہے لیکن اخیر میں نجات ہو جائے گی اور یہاں بھی غور کرنے سے اس کا حکم معلوم ہو سکتا ہے کیونکہ جب اس کی حالت بین بین ہے تو جزا بھی بیچ بیچ ہوگی یعنی کچھ عذاب کچھ ثواب اور ظاہر ہے کہ یہ احتمال تو ہو نہیں سکتا کہ پہلے جنت میں جائے پھر جہنم میں کیونکہ جنت میں جا کر پھر نکلنا ممکن نہیں پس یہی صورت متعین ہوگی کہ پہلے عذاب ہو پھر آخر میں نجات ہو اگر کوئی یہ کہے ان تین کے علاوہ چوتھا احتمال یہ بھی تو ہے کہ کوئی عمل کرے اعتقاد نہ کرے اس کو کچھ ثواب کچھ عذاب ہونا چاہئے۔ جواب یہ ہے کہ یہ احتمال باطل ہے کیونکہ عمل قبول ہونے کے لئے اعتقاد شرط ہے جب اعتقاد نہیں تو وہ عمل بھی کچھ نہیں اس لئے یہ بھی بالکل نافرمان ہے۔ ربط جس طرح جاہلیت میں یتیموں اور میراث کے معاملات میں بہت سی بے اعتدالیاں تھیں اسی طرح عورتوں کے معاملہ میں بھی طرح طرح کی بے عنوانیاں تھیں مثلاً ان کو اذیتیں پہنچاتے تنگ کرتے تھے جن سے نکاح حرام ہے ان سے نکاح کر لیا کرتے تھے۔ اب ان معاملات کی اصلاح فرماتے ہیں اور جو خطا و قصور شرعاً معتبر ہو اس پر اصلاح اور تادیب کی اجازت دیتے ہیں۔ الرجال قوامون تک یہ مضمون چلا گیا ہے۔ تادیب ہی سے شروع ہوا اور تادیب ہی پر ختم ہوا۔ والتی یاتین الفاحشۃ تا توابا رحیماً

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَۃَ مِنْ نِّسَآئِکُمْ
اور جو عورتیں بے حیائی کا کام کریں تمہاری بیبیوں میں سے
فَاسْتَشْھِدُوْا عَلَیْھِنَّ اَرْبَعَۃً مِّنْکُمْ ج
سو تم لوگ ان عورتوں پر چار آدمی اپنوں میں سے گواہ کر لو۔

تا کہ ان کی گواہی پر حاکم آئندہ سزا جاری کرے اس سے معلوم ہوا کہ حاکم کے سوا کسی دوسرے کو سزا دینے کا اختیار نہیں کیونکہ گواہ بنانے کی ضرورت تو حکام ہی کی اطلاع کے لئے ہے ورنہ شوہر کو اگر اختیار ہوتا تو اس کے معائنہ کے بعد گواہوں کی کیا حاجت تھی۔

فَاِنْ شَھِدُوْا فَاَمْسِکُوْھُنَّ فِی الْبُیُوْتِ
سو اگر وہ گواہی دے دیں تو تم ان کو سیاسۃً گھروں کے اندر مقید رکھو۔

سیاسۃً کی قید بڑھانے سے یہ شبہ جاتا رہا کہ گھروں میں مقید رکھنا تو شوہر کا حق ہے یہ سزا کیا ہوئی جواب یہ ہے کہ شوہر تعلق و محبت کی وجہ سے مقید کرتا ہے اور یہ مقید رکھنا سزا کے طور پر ہے

حَتّٰی یَتَوَفّٰھُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰہُ
یہاں تک کہ موت ان کا خاتمہ کر دے یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی
لَھُنَّ سَبِیْلًا ⑮
اور راہ تجویز فرمائیں۔

چنانچہ بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے وہ سبیل بتلا دی ہے تم لوگ سمجھ لو یاد کر لو کہ ناکتخدا کے لئے سو درے اور کتخدا کے لئے سنگساری پس اس آیت کا حکم منسوخ ہو گیا۔

وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِھَا مِنْکُمْ
اور جون سے دو شخص بھی بے حیائی کا کام کریں تم میں سے

یعنی عاقل بالغ مسلمانوں میں سے پس منکوحہ عورت ہی کی اس میں کچھ تخصیص نہیں بلکہ یہ حکم سب کے لئے عام ہے غیر منکوحہ عورت اور نکاح و بے نکاح والا مرد سب اس میں آ گئے۔

فَاٰذُوْھُمَا ج
تو ان دونوں کو اذیت پہنچاؤ۔

مگر منکوحہ عورتوں کے لئے تو اذیت کا طریقہ بھی بتلا دیا گیا کہ مقید رکھو باقیوں کے لئے طریقہ بیان نہیں فرمایا ظاہر یہ ہے کہ حکام کی رائے پر ہوگا کہ جس طریقہ سے مناسب سمجھیں ہاتھ سے یا زبان سے تکلیف پہنچائیں پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا

فَاِنْ تَابَا
پھر اگر وہ دونوں توبہ کر لیں۔

یعنی اذیت پہنچانے کے بعد

وَاَصْلَحَا
اور اصلاح کر لیں

یعنی آئندہ پھر ان سے ایسا فعل سرزد نہ ہو

فَاَعْرِضُوْا عَنْھُمَا ط
تو ان دونوں سے کچھ تعرض نہ کرو

اس کا یہ مطلب نہیں کہ سزا نہ دو کیونکہ یہ توبہ حکم سزا کے بعد مذکور ہے بلکہ

مراد یہ ہے کہ اگر توبہ کرلیں تو پھر سزا کے بعد ملامت نہ کرو اور زیادہ سزا نہ دو اور توبہ اگر نہ کریں تو ملامت کرنا درست ہے جیسا کہ سزا کے بعد دوبارہ اگر ایسا کریں تو پھر دوبارہ سزا ہے۔ ربط: اوپر کی آیت میں توبہ کا ذکر تھا آگے توبہ کے قبول ہونے اور نہ ہونے کی صورتیں مذکور ہیں۔ انما التوبة تا الیماً

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿١٦﴾ اِنَّمَا

بلاشبہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والے ہیں رحمت والے ہیں۔ توبہ جس کا

التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ

قبول کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے وہ تو ان ہی کی ہے جو حماقت سے

گناہ ہمیشہ حماقت ہی سے ہوتا ہے جس کو اپنے نفع ونقصان کی پرواہ نہ ہو اس سے بڑھ کر کیا حماقت ہوگی پس اس قید کا یہ مطلب نہیں کہ جو گناہ حماقت سے نہ ہو اس کی توبہ نہیں کیونکہ بدوں حماقت کے گناہ ہوتا ہی نہیں چاہے عالم کرے یا جاہل۔

السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ

کوئی گناہ کر بیٹھتے ہیں۔ پھر قریب ہی وقت میں توبہ کر لیتے ہیں

یعنی موت آنے سے پہلے

فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ

سو ایسوں پر تو خدا تعالیٰ توجہ فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ

اللّٰهُ عَلِيْمًا

خوب جانتے ہیں

کہ کس نے دل سے توبہ کی ہے اور دل سے توبہ کرنے والے کو اکثر فضیحت نہیں کرتے کیونکہ (آگے ترجمہ)

حَكِيْمًا ﴿١٧﴾ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ

حکمت والے ہیں۔ اور ایسے لوگوں کی توبہ نہیں

يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ

جو گناہ کرتے رہتے ہیں

اس کا یہ مطلب نہیں کہ بار بار کرتے رہتے ہیں بلکہ اگر ایک بار بھی گناہ کر کے اس سے توبہ نہ کی تو برابر گناہ ہوتا رہے گا کیونکہ معصیت پر اصرار دوسرا گناہ ہے۔

حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ

یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے موت ہی آ کھڑی ہو

موت آ جانے کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے عالم کی چیزیں ان کو نظر آنے لگیں۔

قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ

کہنے لگا کہ میں اب توبہ کرتا ہوں

پس ایسوں کی توبہ قبول نہ ہوگی۔

وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ

اور نہ ان لوگوں کی جن کو حالت کفر پر موت آ جاتی ہے۔

اس وقت اگر وہ کفر سے توبہ کر کے ایمان لانا چاہیں تو قبول نہ ہوگا۔

یایها الذین اٰمنوا تا خیرا کثیرا

اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٨﴾

ان لوگوں کے لئے ہم نے ایک دردناک سزا تیار کر رکھی ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ

اے ایمان والو! تم کو یہ بات حلال نہیں کہ عورتوں کے

تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ

جبراً مالک ہو جاؤ۔

جان کا مالک ہونا اس طرح سے کہ مردہ کی عورت کو اپنی میراث سمجھتے تھے۔ یہ تو ہر حال میں جبر ہے چاہے عورت راضی بھی ہو جائے اس سے وہ سچ مچ اس کی میراث اور ملک نہیں ہو سکتی کیونکہ آزاد آدمی کو اپنی ملک بنانا چاہے اس کی خوشی سے ہو یا ناخوشی سے صریح ظلم اور تعدی ہے اور مال کا مالک ہونا اس کی تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ عورت کا جو حق شرعاً میراث میں ہے اس کو نہ دیا جائے خود لے لیا جاوے دوسرے اس کو نکاح نہ کرنے دیا جائے یہاں تک کہ وہ اپنا مال دے دے یا مر جائے تو اس کا مال لے لیں تیسرے یہ کہ شوہر بیوی کو بے وجہ مجبور کرے کہ کچھ مال دے تب اس کو چھوڑے ان سب صورتوں میں جبر سے مال لینا حرام ہے۔ اور اگر عورت کی خوشی ہو تو جائز اور حلال ہے مگر خوشی کا پوری طرح یقین ہونا چاہئے جس کی صورت یہ ہے کہ مال پہلے اس کو دے دیا جائے تصرف کا اس کو اختیار دیا

جائے پھر وہ خوشی سے دے دے تو حلال ہے اور نکاح سے جبراً روکنا حرام ہے اگر وہ اپنی خوشی سے نہ کرے تو ان لوگوں کو گناہ نہیں۔

وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ

اور ان عورتوں کو اس غرض سے مقید مت کرو کہ جو کچھ تم لوگوں نے ان کو دیا ہے

یعنی خود تم نے یا تمہارے عزیز نے دیا ہے پس یہ حکم شوہر اور وارث دونوں کو شامل ہے۔

مَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ

اس میں کا کوئی حصہ وصول کرلو۔

اس مضمون میں وہ تینوں صورتیں داخل ہیں جو مال کے مالک ہونے کی اوپر بیان کی گئی ہیں۔

اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ج

مگر یہ کہ وہ عورتیں کوئی صریح ناشائستہ حرکت کریں

پس اس صورت میں ان سے مال لینا یا ان کو مقید کرنا جائز ہے مثلاً عورت کی ناشائستہ حرکت شوہر کی نافرمانی یا بدخلقی ہو تو خاوند کو جائز ہے کہ اس کو بدوں مال لئے ہوئے طلاق نہ دے بشرطیکہ وہ مال مہر سے زیادہ نہ ہو یا ناشائستہ حرکت زنا ہو تو شروع اسلام میں خاوند کو جائز تھا کہ اس جرمانہ میں اس سے اپنا دیا ہوا مال واپس لے کر اس کو نکال دے مگر اب یہ حکم منسوخ ہے زنا سے مہر کا وجوب ساقط نہیں ہوتا اگر دے چکا ہو تو واپس لینا اب جائز نہیں اور نہ دیا ہو تو دینا واجب ہے نیز زنا کی صورت میں خاوند کو اور دوسرے ورثہ کو ابتداء اسلام میں بطور سزا کے بحکم حاکم عورتوں کو گھروں میں مقید رکھنا جائز تھا پھر یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا اب حد قائم کی جائے گی مقید نہ کیا جائے گا آگے شوہروں کو حکم ہوتا ہے (ترجمہ دیکھو)

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ج

اور ان عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ گزران کیا کرو۔

یعنی خوش اخلاقی اور نان ونفقہ کی خبرگیری سے برتاؤ کرو۔

فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ

اور اگر وہ تم کو ناپسند ہوں

خواہ تمہاری طبیعت کو ان سے رغبت نہ ہو یا کوئی بات ان کی طرف سے ناپسندیدگی کی موجب ظاہر ہو۔

فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ

تو ممکن ہے کہ تم ایک شے کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس کے اندر کوئی بڑی

خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿١٩﴾

منفعت رکھ دے۔

مثلاً وہ تمہاری خدمت گزار اور ہمدرد ہو یہ دنیا کی منفعت ہے یا اس سے اولاد صالح پیدا ہو جو ذخیرہ آخرت ہو جائے یا اقل درجہ ناپسند چیز پر صبر کرنے کی فضیلت تو ضرور ہی ملے گی **ربط**: اوپر کی آیت سے معلوم ہو چکا ہے کہ اگر عورت کی طرف سے کوئی خرابی بدخلقی وغیرہ کی ظاہر ہو تو چھوڑنے کے وقت اس سے مال لے لینا جائز ہے اس کے بغیر جائز نہیں بعض لوگ یہ کرتے تھے کہ پہلی بیوی سے رغبت نہ رہی دوسری سے نکاح کرنا چاہا تو اس کو مہر دینے کی یہ تجویز سوچی کہ پہلی بیوی سے دیا ہوا روپیہ کسی طرح وصول کر لیں اور نہ دیا ہو تو معاف کرا کر وہی روپیہ دوسری کو دے دیں اس غرض کے حاصل کرنے کے لئے کبھی تو پہلی بیوی پر کچھ تہمت لگا دیتے یا ویسے ہی پریشان کرتے تا کہ اپنی جان چھڑانے کے لئے روپیہ دے دے یا معاف کر دے آئندہ آیت میں اس کی ممانعت ہے تو یہ مضمون گویا ماقبل کا تتمہ ہے۔

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ لا

اور اگر تم بجائے ایک بیوی کے دوسری بیوی کرنا چاہو

وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا

اور تم اس کو ایک انبار کا انبار مال دے چکے ہو۔

خواہ مہر میں یا ویسے ہی بطور ہبہ کے اس کے ہاتھ میں دے چکے ہو یا بوجہ مہر بندھ جانے کے معاہدہ کر چکے ہو۔

فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا ط

تو تم اس میں سے کچھ بھی مت لو۔

اور عورت کو تنگ کر کے معاف کرانا بھی واپس لینے کے حکم میں ہے۔

اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا

کیا تم اس کو لیتے ہو بہتان رکھ کر

اس کی ذات پر نافرمانی کا یا بدکاری کا صریح بہتان ہو یا زبان سے کچھ نہ کہے اور مہر واپس لے لے تو لوگ شبہ کریں گے یہ بھی بہتان لگانے کے حکم میں ہے۔

وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿٢٠﴾

اور صریح گناہ کے مرتکب ہو کر

مہر کا واپس لینا یا جبراً معاف کرانا تو صریح ظلم ہے اس کے علاوہ اگر کچھ ہبہ کیا تھا اس کو واپس لینا بھی ظلم ہے کیونکہ بیوی سے ہبہ کر کے واپس لینا ناجائز ہے۔

وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى

اور تم اس کو کیسے لیتے ہو حالانکہ تم باہم ایک دوسرے سے بے

بَعْضٍ

حجابانہ مل چکے ہو

یعنی علاوہ بہتان وظلم کے یہ بھی مانع ہے کہ وہ اپنی ذات کو تمہاری لذات کے لئے تمہارے سپرد کر چکی ہیں اور مہر اسی کا معاوضہ ہے تو مدعا پورا کر کے معاوضہ واپس لے لینا یا نہ دینا بالکل عقل کے خلاف ہے۔

وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿٢١﴾

اور وہ عورتیں تم سے ایک گاڑھا اقرار لے چکی ہیں

یہ دوسرا مانع ہے کہ تم نے نکاح کے وقت اپنے ذمہ مہر رکھا تھا تو عہد کے خلاف لازم آتا ہے۔

ربط: منجملہ جاہلیت کی رسوم قبیحہ کے ایک رسم یہ تھی کہ بعضے لوگ حرام عورتوں سے نکاح کر لیا کرتے تھے مثلاً اپنی سوتیلی ماں یعنی باپ کی بیوی سے یا ایک بہن کے اپنے نکاح میں ہوتے ہوئے دوسری بہن سے اور بعض لوگ حلال عورتوں کو حرام سمجھتے جیسے متبنیٰ (یعنی منہ بولے بیٹے) کی بیوی آگے حکم دہم میں اس کا ابطال فرماتے ہیں اور مناسبت مقام سے دوسرے محرمات کی تفصیل بھی کی جائے گی۔ نیز بعض حلال عورتوں میں مسلمانوں کو شبہ ہوا تھا جیسے وہ شرعی باندی جس کا خاوند دارالحرب میں زندہ موجود ہو اس کی حلت بھی بیان ہوگی۔ نیز نکاح کے بعض شرائط اور متعلقات مثل مہر وغیرہ کے بھی مذکور ہوں گے۔ ولا تنکحوا مانکح تا ساء سبیلا

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا

اور تم اُن عورتوں سے نکاح مت کرو جس سے تمہارے باپ (دادا نانا) نے نکاح کیا ہو مگر جو

مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ۭ

بات گزر گئی۔ بیشک یہ (عرفاً اور عقلاً بھی بڑی بے حیائی ہے اور نہایت نفرت کی بات ہے

جاہلیت میں بعض لوگ ایسا کرتے تھے مگر شائستہ لوگ اس زمانہ میں بھی اس کو برا جانتے تھے اور اس کو نکاح مقت کہتے تھے اور جو اولاد اس نکاح سے پیدا ہوتی اس کو مقتی کہا کرتے تھے اس لئے احقر نے اس میں عرفاً کا لفظ بڑھا دیا اور شرعاً وعقلاً بے حیائی اور برا طریقہ ہونا تو ظاہر ہے۔

وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿٢٢﴾ ع

اور (شرعاً بھی) برا طریقہ ہے

حتیٰ کہ اگر کوئی ایجاب قبول بھی کر لے وہ نکاح منعقد ہی نہ ہوگا محض باطل ہے اور دوسری محرمات کا نکاح بھی باطل ہے مگر اس کی اعلیٰ درجہ کی قباحت ظاہر کرنے کے لئے اس کی مذمت کی وجوہ الگ بیان فرمائیں۔

مسئلہ: جس طرح باپ کی منکوحہ سے نکاح حرام ہے گو باپ نے اس سے صحبت بھی نہ کی ہو اسی طرح اگر کسی عورت سے باپ نے بلا نکاح صحبت کر لی ہو اس سے بدرجہ اولیٰ نکاح حرام ہوگا امام ابوحنیفہ کا یہی مذہب ہے اسی طرح جہاں جہاں نکاح کی وجہ سے ہمیشہ کی حرمت ثابت ہو جاتی ہے زنا سے بھی ہو جاتی ہے مثلاً کسی عورت سے نکاح کر لینے کے بعد اس کی ماں یعنی ساس سے نکاح حرام ہو جاتا ہے اسی طرح کسی عورت سے اگر زنا کیا تو اس کی ماں سے نکاح حرام ہو جائے گا اور شہوت سے بوسہ لینا چھونا وغیرہ بھی زنا کے حکم میں ہے۔ تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے حرمت علیکم امھاتکم تا کتب اللہ علیکم

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ

تم پر حرام کی گئیں

یعنی ان سے نکاح کرنا حرام اور باطل ہے اور ان کی کئی قسمیں ہیں اول محرمات نسبیہ وہ یہ ہیں (ترجمہ دیکھو)

اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ

تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں

ان میں سب اصول وفروع خواہ بواسطہ ہوں یا بلا واسطہ تمام داخل ہیں۔

وَاَخَوٰتُكُمْ

اور تمہاری بہنیں

خواہ حقیقی ہوں یا علاتی یا اخیافی

وَعَمّٰتُكُمْ

اور تمہاری پھوپھیاں

اس میں باپ دادا اور جتنے اصول مرد ہیں سب کی بہنیں تینوں قسم کی آ گئیں۔

وَخٰلٰتُكُمْ
اور تمہاری خالائیں

خواہ ماں کی بہن ہو یا نانی کی بہن اور جتنی عورتیں اصول کی جانب میں ہیں سب کی تینوں قسم کی بہنیں آ گئیں۔

وَبَنٰتُ الْاَخِ
اور بھتیجیاں

اس میں تینوں قسم کے بھائیوں کی اولاد بواسطہ ہوں یا بلا واسطہ سب داخل ہیں۔

وَبَنٰتُ
اور بھانجیاں

اس میں تینوں قسم کی بہنوں کی اولاد بواسطہ ہوں یا بلا واسطہ سب آئیں۔ قسم دوم محرمات رضاعیہ وہ یہ ہیں (ترجمہ دیکھو)

الْاُخْتِ وَاُمَّھٰتُكُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ
اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے اور تمہاری
مِّنَ الرَّضَاعَةِ
وہ بہنیں جو دودھ پینے کی وجہ سے ہیں

یعنی تم نے ان کی حقیقی ماں یا رضاعی ماں کا دودھ پیا ہے یا اس نے تمہاری حقیقی یا رضاعی ماں کا دودھ پیا ہے گو مختلف زمانہ میں پیا ہو قسم سوم محرمات بالمصاہرہ یعنی جو نکاح کی وجہ سے حرام ہو جاتی ہیں وہ یہ ہیں (ترجمہ دیکھو)

وَاُمَّھٰتُ نِسَآئِكُمْ
اور تمہاری بیبیوں کی مائیں

اس میں زوجہ کی ماں اس کی ماں کی ماں سب مؤنث اصول آ گئیں۔

وَرَبَآئِبُكُمُ
اور تمہاری بیبیوں کی بیٹیاں

اس میں زوجہ کی سب مؤنث فروع بواسطہ یا بلا واسطہ داخل ہیں۔

الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ
جو کہ تمہاری پرورش میں رہتی ہوں ان بیبیوں سے کہ

دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ز
جن کے ساتھ تم نے صحبت کی ہو

یعنی کسی عورت کے ساتھ صرف نکاح یا تنہائی کرنے سے اس کی لڑکی حرام نہیں ہوتی بلکہ جب اس عورت سے صحبت بھی ہو جائے تب لڑکی حرام ہوتی ہے اور شہوت سے چھونا بوسہ لینا بھی صحبت کے مثل ہے۔

فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ
اور اگر تم نے ان بیبیوں سے صحبت نہ کی ہو تو تم کو کوئی
عَلَيْكُمْ ز
گناہ نہیں

ایسی بیوی کی لڑکی کے ساتھ نکاح کرنے میں۔

وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ لا
اور تمہاری ان بیٹوں کی بیٹیاں جو کہ تمہاری نسل سے ہوں

نسل کی قید کا یہ مطلب نہیں کہ رضاعی بیٹے کی بیوی حلال ہے بلکہ اس قید سے متبنیٰ یعنی منہ بولے بیٹے کو جس کو لے پالک کہتے ہیں خارج کرنا منظور ہے کہ اس کی بیوی سے بعد موت یا طلاق کے نکاح درست ہے چونکہ اہل عرب کے نزدیک اس سے نکاح حرام تھا اس لئے یہ قید بڑھا دی گئی باقی رضاعی بیٹے کی بہو سے اجماعاً نکاح حرام ہے

وَاَنْ تَجْمَعُوْا
اور یہ کہ تم دو بہنوں کو

خواہ رضاعی ہوں یا نسبی اپنے نکاح میں (آگے ترجمہ)

بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ط اِنَّ
ایک ساتھ نہ رکھو لیکن جو پہلے ہو چکا۔ بیشک
اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (۲۳)
اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے رحمت والے ہیں۔

کہ رحمت سے گناہ معاف کر دیتے ہیں۔

الحمد للہ چوتھے پارہ کی تفسیر ختم ہوئی

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ

اور وہ عورتیں جو کہ شوہر والیاں ہوں مگر جو کہ تمہاری مملوک

اَیْمَانُكُمْ ج

ہو جاویں

تو اگر چہ ان کے کافر شوہر دار الحرب میں زندہ موجود ہوں وہ بعد ایک حیض آ جانے یا وضع حمل کے حلال ہیں پس شوہر والیوں میں سے یہ قسم مستثنیٰ ہے باقی سب حرام ہیں اور ان محرمات کے سوا جو عورتیں حرام ہیں وہ اکثر ان ہی میں داخل ہیں جس کا بیان بوجہ دقیق ہونے کے نہیں کیا گیا اور بعض کی حرمت احادیث و آثار سے ثابت ہے اور بعض کی حرمت پر اجماع امت ہے۔ پس یہ اشکال نہ رہا کہ آیت میں تو ان کے ماسوا سب کو حلال کہا گیا ہے جیسا کہ واحل لکم ماوراء ذلکم سے معلوم ہوتا ہے جواب یہ ہے کہ ان کے ماسوا جو عورتیں حرام ہیں اکثر کی حرمت تو ان سے ہی سمجھی گئی ہے وہ تو ماسوا ہی نہیں اور جن کی حرمت ان سے نہیں سمجھی گئی وہ بے شک ماسوا میں داخل ہیں لیکن چونکہ احادیث و آثار و دیگر دلائل شرعیہ سے ان کی حرمت سمجھی گئی اس لئے ماوراء ذلکم کا لفظ بالکلیہ عام نہ ہوگا بلکہ بعض صورتیں دیگر دلائل کی وجہ سے اس میں مستثنیٰ اور خاص کی جائیں گی اور ایسا بکثرت ہوتا ہے کہ ایک لفظ بظاہر عام ہوتا ہے مگر حدیث یا اجماع کی وجہ سے بعض صورتیں اس میں سے مستثنیٰ کی جاتی ہیں پس کوئی اشکال نہ رہا۔

ربط: یہاں تک محرمات کا بیان تھا اس کے بعد ان کے ماسوا کی حلت نکاح کا مع بعض شرائط کے ذکر ہے۔ واحل لکم ماوراء ذلکم تا حکیما

كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ج وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ

اللہ تعالیٰ نے ان احکام کو تم پر فرض کر دیا ہے اور ان عورتوں کے سوا اور عورتیں تمہارے لئے

ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ

حلال کی گئی ہیں یعنی یہ کہ تم ان کو اپنے مالوں کے ذریعہ سے چاہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ نکاح میں مہر ہونا ضروری ہے اور وہ بھی مال ہونا چاہئے۔

مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ط

اس طرح سے کہ تم بیوی بناؤ صرف مستی ہی نکالنا نہ ہو۔

اس آیت سے متعہ کی حرمت ثابت ہے کہ اس میں صرف مستی نکالنا مد نظر ہوتا ہے۔

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ

پھر جس طریق سے تم ان عورتوں سے متمتع ہوئے ہو

یعنی نکاح کے بعد تم نے ان کے ساتھ ان طریقوں سے جو کہ شریعت میں معتبر ہیں جیسے خلوت صحیح یا صحبت انتفاع حاصل کیا ہو (آگے ترجمہ)

فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ط

سو ان کو ان کے مہر دو جو کچھ مقرر کر چکے ہو

اس آیت میں مہر معین کے وجوب کی دو شرطیں بیان فرمائیں ایک مقرر ہونا دوسرے انتفاع حاصل کرنا پس اگر ایک شرط بھی نہ ہو تو مہر معین واجب نہ ہوگا۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ

اور مقرر ہوئے بعد بھی جس پر تم باہم رضامند ہو جاؤ اس میں

الْفَرِيْضَةِ ط

تم پر کوئی گناہ نہیں

مثلاً خاوند مہر بڑھاوے یا عورت کم کر دے یا سب معاف کر دے ہر طرح درست ہے ۱۲

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾ وَمَنْ لَّمْ

بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے جاننے والے ہیں بڑے حکمت والے ہیں۔ اور جو شخص

يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ

تم میں پوری مقدرت اور گنجائش نہ رکھتا ہو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح

الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ

کرنے کی تو وہ اپنے آپس کی مسلمان لونڈیوں سے جو کہ تم لوگوں

فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ط

کی مملوکہ ہیں نکاح کر لے۔

کہ ممکن ہے کہ دین کے اعتبار سے وہ تم سے بھی افضل ہوں کیونکہ دین کا مدار ایمان پر ہے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ط

اور تمہارے ایمان کی پوری حالت اللہ ہی کو معلوم ہے

رہا دنیا کی رو سے عار ہونا تو اس کا سبب زیادہ تر نسب کا تفاوت ہے سو سب کے سب آدم و حوا کی اولاد ہیں اس اعتبار سے (آگے ترجمہ)

بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ج

تم سب آپس میں ایک دوسرے کے برابر ہو

اس لئے ضرورت کے وقت اس سے عار نہ کرنا چاہئے۔

فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ

سو ان سے نکاح کرلیا کرو ان کے مالکوں کی اجازت سے اور ان کو ان کے

بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا

مہر قاعدہ کے موافق دے دیا کرو اس طور پر کہ وہ منکوحہ بنائی جائیں نہ تو علانیہ

مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ج

بدکاری کرنے والی ہوں اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والی ہوں

یعنی وہ مہر بمقابلہ نکاح کے ہونا چاہئے۔ بطور اجرت زنا مال دینے سے وہ حلال نہ ہوگی۔ **ربط**: اوپر لونڈیوں سے شادی کرنے کا ذکر تھا آگے ان کے متعلق ایک حکم سیاسی زنا کی بابت بتلاتے ہیں اور اگرچہ یہ حکم غلام اور منکوحہ باندی سب کے لئے ہے مگر یہاں منکوحہ کے لئے خاص طور پر اس لئے بیان فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ باندیوں سے نکاح کرنا اگرچہ جائز ہے مگر بلاضرورت اس میں نہ پڑنا چاہئے چنانچہ اسی لئے اوپر دو قیدیں بیان کی گئی ہیں آزاد مسلمان سے نکاح کرنے کی گنجائش نہ ہونا اور باندی کا مسلمان ہونا اسی غرض کے لئے تاکہ بلاضرورت باندی سے نکاح کرنے کی سامعین کو رغبت نہ ہو زنا کا حکم منکوحہ باندی کی بابت یہاں بیان فرمایا جس سے اس امر کی طرف اشارہ ہوگیا کہ بہ نسبت آزاد عورت کے باندی سے ایسی حرکت نکاح کے بعد بھی چنداں مستبعد نہیں کیونکہ اس کی خدمت مولیٰ کے لئے بازار وغیرہ میں پھرنا ایسے امور ہیں جن سے اس فعل کے وقوع کا احتمال ہوسکتا ہے جو غیرت مند کے لئے کوفت کا سبب ہے یہ نقطہ حق تعالیٰ نے اس احقر کے قلب میں القا فرمایا ہے۔

فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ

پھر جب وہ لونڈیاں منکوحہ بنالی جاویں پھر اگر وہ بڑی بے حیائی کا کام کریں

نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ط

تو ان پر اس سزا سے نصف سزا ہوگی جو کہ آزاد عورتوں پر ہوتی ہے

فاذا احصن تا من العذاب آزاد عورت اور آزاد مرد کے لئے نکاح سے پہلے سو درے ہیں جس کا ذکر سورۂ نور میں ہے اور نکاح کے بعد چند دیگر شرائط کے ساتھ آزاد مرد و عورت کے لئے سنگساری ہے جو تواتر کے ساتھ احادیث میں ثابت ہے اور غلام اور باندی چاہے نکاح والے ہوں یا بے نکاح دونوں صورتوں میں ان کی سزا پچاس درے ہیں اس جگہ اگرچہ صرف منکوحہ باندی کا حکم مذکور ہے یہی حکم غلام کے لئے اجماع سے ثابت ہے اور نصف فرمانے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غلام اور باندی کے لئے بعد نکاح کے سنگساری کا حکم نہیں کیونکہ سنگساری کی انتہا موت ہے اس کی تنصیف ناممکن ہے۔ **ربط**: آگے پھر عود ہے باندیوں کے نکاح کے حکم کی طرف ذلک لمن خشی تا غفور رحیم

ذٰلِكَ

یہ

یعنی باندیوں سے نکاح کرنا۔

لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ط

اس شخص کے لئے ہے جو تم میں زنا کا اندیشہ رکھتا ہو

بوجہ غلبہ شہوت کے اور آزاد منکوحہ میسر نہ ہونے کے پس جس کو یہ اندیشہ نہ ہو اس کے لئے مناسب نہیں۔

وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ط

اور تمہارا ضبط کرنا زیادہ بہتر ہے

باندی کے ساتھ نکاح کرنے سے اگر اندیشہ کی حالت میں بھی اپنے نفس پر قابو ہو

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾ ع

اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے ہیں بڑے رحمت والے ہیں

اگر کراہت کی صورت میں بھی نکاح کرلیا تو ہم مواخذہ نہ کریں گے اور ہر مکروہ تنزیہی کا یہی حکم ہے کہ اس میں مواخذہ نہ ہونے کا وعدہ ہے البتہ مقربین کی شان کے ضرور خلاف ہے پس باندی کے نکاح میں اس قید کی رعایت کرنا بھی اولیٰ ہے کہ اگر زنا میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو تو کیا جائے ورنہ بوجہ ان مصلحتوں کے جو اوپر مذکور ہوئیں بلاضرورت مکروہ ہے غرض اللہ تعالیٰ نے ہماری مصلحت کے واسطے یہ مشورہ دیا ہے جس کو اصطلاح فقہ میں امر ارشادی کہتے ہیں اور امام شافعیؒ کے نزدیک ان سب قیدوں کی رعایت واجب ہے بدوں ان قیود کے نکاح جائز نہ ہوگا۔

ربط: اوپر خاص احکام کی تفصیل تھی آگے اپنا انعام و احسان اور ان احکام میں ہماری مصلحتوں اور منافع کی پوری رعایت رکھنا بتلاتے ہیں۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ

اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تم سے بیان کر دے اور تم سے پہلے

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ

لوگوں کے احوال تم کو بتلا دے۔

تا کہ تم کو اتباع کی رغبت اور مخالفت سے خوف ہو۔

وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٦﴾ وَاللّٰهُ

اور تم پر توجہ فرماوے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے ہیں بڑے حکمت والے ہیں

يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۣ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ

اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے حال پر توجہ فرمانا منظور ہے اور جو لوگ

يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ

کہ شہوت پرست ہیں

یعنی کفار و فساق

اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿٢٧﴾

وہ یوں چاہتے ہیں کہ تم بڑی بھاری کجی میں پڑ جاؤ۔

اور ان ہی جیسے ہو جاؤ بے راہ لوگ اوروں کو بھی بے راہ کرنا چاہا کرتے ہیں۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ

اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ تخفیف منظور ہے

یعنی احکام میں آسانی بھی مدنظر ہے

وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿٢٨﴾

اور آدمی کمزور پیدا کیا گیا ہے

یعنی آدمی بدن اور ہمت دونوں میں بہ نسبت جن اور ملائکہ کے کمزور ہے اس لئے اس کے ضعف کی بھی رعایت کی گئی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال

بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً

ناحق طور پر مت کھاؤ لیکن کوئی تجارت ہو جو باہمی رضامندی

عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ

سے ہو تو مضائقہ نہیں

بشرطیکہ اس میں اور بھی سب شرائط شرعیہ موجود ہوں۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

اور تم ایک دوسرے کو قتل بھی مت کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر

بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿٢٩﴾

بڑے مہربان ہیں

اس لئے ضرر رسانی کی صورتوں سے منع فرمادیا خصوصاً جس میں یہ بھی اثر ہو کہ دوسرا شخص پھر تم کو ضرر پہنچائے گا اور چونکہ قتل ان صورتوں میں زیادہ سخت ہے اس لئے اس پر ان کو بالخصوص سخت وعید سناتے ہیں (آگے ترجمہ)

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا

اور جو شخص ایسا فعل کرے گا اس طور پر کہ حد سے گزر جاوے۔

مگر وہ حد سے گزرنا خطا اور بھول چوک سے نہ ہو کیونکہ اس میں زیادہ گناہ نہیں اگر خطا رائے میں ہو جائے مثلاً حاکم یا قاضی کے پاس تنقیح مقدمہ کے بعد کسی شخص پر جرم کا ثبوت ہو گیا اور گواہوں کو اپنے نزدیک معتبر سمجھا اور واقع میں وہ معتبر نہ تھے اور مجرم کے لئے قتل کا حکم دیدیا اس صورت میں تو حاکم پر کچھ بھی گناہ نہیں اور اگر خطا فعلی سے قتل ہو جائے مثلاً شکار کو گولی سے مارنا چاہتا تھا اور کسی آدمی کے لگ گئی اس صورت میں کچھ گناہ ہوگا زیادہ نہیں جس کا کفارہ آگے آئے گا۔ یہ وعید جو یہاں مذکور ہے اس قاتل کے لئے ہے جو ایسے شخص کو جو یہاں بوجہ حقیقت حال معلوم ہو جانے کے اس کے نزدیک قتل کا مستحق نہیں قصداً ظلم سے مار ڈالے (آگے ترجمہ) ١٢

وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ

اور اس طور پر کہ ظلم کرے تو ہم عنقریب اس کو آگ میں داخل کریں گے

ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿٣٠﴾

اور یہ امر خدا تعالیٰ کو آسان ہے

کسی قسم کے اہتمام اور سامان کی ضرورت نہیں غرض عدوان اور ظلم جب دونوں جمع ہو جاویں اس وقت یہ وعید ہے عدوان کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص واقع میں قتل کا مستحق نہ ہو اس کو قتل کیا جائے اور ظلم سے مراد یہ ہے کہ جس کا حال معلوم ہے کہ یہ قتل کا مستحق نہیں اس کو عمداً مار ڈالنا پس اگر کوئی شخص واقع میں تو قتل کا مستحق نہیں مگر حاکم کے پاس بوجہ ثبوت پہنچ جانے کے مجرم ہو گیا یا کسی نے قصداً نہیں مارا خطا سے قتل ہو گیا یہ صورتیں تو عدوان میں داخل ہیں مگر ظلم میں داخل نہیں اس لئے ان پر یہ وعید مرتب نہ ہوگی اور عدوان کی قید سے یہ معلوم ہو گیا کہ جو شخص واقعی قتل کا مستحق ہو اس کا

قتل جائز ہے۔ چنانچہ ولی مقتول کو حق قصاص ہے اور اس کی درخواست پر حاکم کے ذمہ قاتل سے قصاص لینا واجب ہے **ربط**: اوپر جن گناہوں کا ذکر ہے ان میں اکثر گناہ کبیرہ ہیں یہاں تک تو ان کے کرنے پر عذاب کی مضرت سے ڈرایا آگے ان سے بچنے کا ایک نفع بتاتے ہیں کہ اگر کبائر سے بچتے رہو گے تو تمہاری طاعات سے خفیف خفیف گناہوں کا کفارہ کر دینگے اور چونکہ سب کبائر یکساں ہیں اس لئے آیت میں عام لفظ سے تمام کبائر کو اس حکم میں شامل کیا گیا۔

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ

جن کاموں سے تم کو منع کیا جاتا ہے ان میں جو بھاری بھاری گناہ ہیں

ان تجتنبوا کبائر تا مدخلا کریما یعنی بڑے بڑے گناہ اور گناہ کبیرہ کی تفسیر میں جامع تر قول یہ ہے کہ جس گناہ پر کوئی وعید ہو یا حد مقرر ہو یا اس پر لعنت آئی ہو یا اس میں ایسا ہی مفسدہ ہے جیسا کہ اس گناہ میں ہے جس پر وعید یا حد یا لعنت آئی ہے خواہ برابر ہو یا زیادہ یا وہ گناہ بوجہ دین کی بے پروائی کے صادر ہوا ہو وہ کبیرہ ہے اور اس کے مقابل صغیرہ ہے۔

مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ

اگر تم ان سے بچتے رہو

ضرورت ہے کہ کبیرہ سے بچے اور اطاعت ضروریہ کا پابند ہو تب وعدہ ہے کہ صغائر معاف ہو جائیں گے کیونکہ اگر طاعات ضروریہ کی پابندی نہ کی تو کبائر سے بچنا کہاں پایا گیا۔

نُكَفِّرْ عَنْكُمْ

تو ہم تمہاری خفیف برائیاں

یعنی چھوٹے چھوٹے گناہ جو دوزخ میں لے جاسکتے ہیں۔

سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾

تم سے دور فرمائیں گے۔ اور ہم تم کو ایک معزز جگہ میں داخل کر دیں گے

یہ سب مردوں اور عورتوں کو ہوتا ہے کہ جو فضائل محض وہبی ہیں کہ کسی کے عمل کو ان میں دخل نہیں (آگے ترجمہ)

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى

اور تم ایسے کسی امر کی تمنا مت کیا کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں

بَعْضٍ ۭ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۭ

پر فوقیت بخشی ہے۔ مردوں کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے

اور اگر کسی ایسی فضیلت کی تمنا ہو جو اگرچہ وہبی ہے مگر اعمال کو بھی اس میں دخل ہے تو اس کی تمنا کا مضائقہ نہیں۔

وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۭ وَسْـَٔلُوا

اور عورتوں کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے اس

اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ

کے فضل کی درخواست کیا کرو

اور پہلی قسم کے وہبی فضائل کی جن میں عمل کو بالکل دخل نہ ہو دعا مانگنا بھی ناجائز ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾ وَلِكُلٍّ

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں اور ہر ایسے مال کے لئے جس کو

جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۭ

والدین اور رشتہ دار لوگ چھوڑ دیں ہم نے وارث مقرر کر دیئے ہیں۔ اور جن

وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ۭ

لوگوں سے تمہارے عہد بندھے ہوئے ہیں ان کو ان کا حصہ دے دو۔

جن دو شخصوں میں باہم اس طرح قول و قرار ہو جائے کہ ہم ایک دوسرے کے مددگار رہیں گے کہ اگر ایک شخص کے ذمہ کوئی دیت لازم آوے تو دوسرا اس کو ادا کرے اور جب ایک مر جائے تو دوسرا اس کی میراث لے یہ عہد عقد موالاۃ کہلاتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کو مولی الموالاۃ کہا جاتا ہے۔ **ربط**: عورتوں کے متعلق جو احکام اوپر آچکے ہیں ان میں عورتوں کے حقوق تلف کرنے کی ممانعت اور بے حیائی کا کام کریں تو سزا کی اجازت تھی اب آگے مردوں کے حقوق ہیں جو عورتوں پر بتلاتے ہیں اور اگر عورتیں ان کو ادا نہ کریں تو ادب دینے کی اجازت فرماتے ہیں۔ نیز اس کے ضمن میں مردوں کی فضیلت صاف صاف بیان کرنے سے ایک گونہ تائید اس جواب کی ہوگئی جو مردوں کے حصہ میراث کے دو چند ہونے کی بابت ایک خیال کی تردید میں اوپر بیان کیا گیا ہے پس متصل کی آیتوں سے بھی اس کو خاص ارتباط ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۳۳﴾ ع

بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر مطلع ہیں۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ

مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے

اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا

بعضوں کو بعضوں پر فضیلت دی ہے اور اس سبب سے کہ مردوں نے

مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ

اپنے مال خرچ کئے ہیں۔

الرجال قوامون علی النساء تا خبیرا عورتوں کے اوپر مہر میں اور نان نفقہ میں اور قاعدہ ہے کہ خرچ کرنے والے کا ہاتھ اونچا اور بہتر ہوتا ہے اس سے جس پر خرچ کیا جائے پہلی فضیلت میں تو مردوں کو خود دخل نہیں محض خدا کا عطیہ ہے اور یہ فضیلت ان کے عمل اور کسب سے متعلق ہے۔

فَالصّٰلِحٰتُ

سو جو عورتیں نیک ہیں

وہ مرد کے ان حقوق وفضائل کی وجہ سے (آگے ترجمہ)

قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ

طاعت کرتی ہیں مرد کی عدم موجودگی میں بحفاظت الٰہی نگہداشت کرتی ہیں

یعنی مرد کی عدم موجودگی میں اس کے مال وآبرو کی حفاظت کرتی ہیں۔

وَالّٰتِىْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ

اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم کو ان کی بد دماغی کا احتمال ہو

یعنی قرائن سے اس کا قوی احتمال ہو جائے

فَعِظُوْهُنَّ

تو ان کو زبانی نصیحت کرو

اگر اس سے بھی نہ مانیں تو (آگے ترجمہ)

وَاهْجُرُوْهُنَّ فِى الْمَضَاجِعِ

اور ان کو ان کے لیٹنے کی جگہوں میں تنہا چھوڑ دو

یعنی ان کے پاس مت لیٹو۔

وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا

اور ان کو مارو پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنا شروع کر دیں

عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ

تو ان پر بہانہ مت ڈھونڈو

یعنی پھر زیادتی کرنے کے لئے موقع نہ نکالو۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾

بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے رفعت اور عظمت والے ہیں

تو خدا سے ڈرنا چاہئے اس کے حقوق بہت بڑے ہیں اگر تم ایسا کرو گے تو پھر تم پر بھی عورتیں اپنے حقوق کے متعلق ہزار الزام قائم کر سکتی ہیں۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا

اور اگر تم اوپر والوں کو ان دونوں میاں بیوی میں کشاکشی کا اندیشہ ہو

جس کو باہم وہ نہ سلجھا سکیں۔

فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا

تو تم لوگ ایک آدمی جو تصفیہ کرنے کی لیاقت رکھتا ہو مرد کے خاندان سے اور ایک

مِّنْ اَهْلِهَا ۚ

آدمی جو تصفیہ کرنے کی لیاقت رکھتا ہو عورت کے خاندان کی طرف سے بھیجو۔

اس کشاکش کے رفع کرنے کے لئے تاکہ وہ جا کر تحقیق حال کریں۔ اور جو بیراہی پر ہو یا دونوں کا کچھ کچھ قصور ہو تو سمجھا دیں۔

اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ

اور اگر ان دونوں آدمیوں کو اصلاح منظور ہوگی تو اللہ تعالیٰ ان میاں بیوی میں اتفاق فرما دیں گے۔

یعنی اگر فیصلہ کرنے والوں کی نیت ٹھیک ہوگی وہ طریقہ ان کے قلب میں القا فرما دیں گے جس سے زوجین میں باہم مصالحت ہو سکے بشرطیکہ زوجین اس طریق پر عمل بھی کریں یہ مطلب نہیں کہ فیصلہ کرنے والوں کی نیت ٹھیک ہونے سے خود بخود مصالحت ہو جائے گی بلکہ مراد یہ ہے کہ ہم مصالحت کا طریقہ ان کے دل میں ڈال دیں گے کہ اگر زوجین اس پر عمل کریں تو کشاکش رفع ہو جائے کیونکہ ظاہر ہے کہ فیصلہ کرنے والوں کی جو تجویز ہوگی وہ میاں بی بی کے اختیاری افعال کے متعلق ہوگی اور اختیاری افعال کا نتیجہ ان پر عمل کرنے سے ظاہر ہوا کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ جب کوئی شخص مصالحت و اصلاح کا طالب ہو تو اس کا طریقہ ضرور اس کو سمجھا دیتے ہیں۔ اور اگر زوجین فیصلہ کرنے والوں کو طلاق یا صلح کا حق بھی دے دیں تو وکالۃً وہ اس کے بھی مختار ہو جائیں گے مگر آیت میں اس سے تعرض نہیں اور یہ فیصلہ کرنا حکام پر تو واجب ہے جب کہ زوجین ان سے رجوع کریں اور دوسروں کیلئے مستحب ہے اور فیصلہ کرنے والوں کا مرد عورت کے خاندان سے ہونا ہر حال میں مستحب ہے۔

إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا ﴿٣٥﴾ وَاعْبُدُوا اللَّهَ

بلا شبہ اللہ تعالیٰ بڑے علم اور بڑے خبر والے ہیں۔ اور تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اختیار کرو

اس میں توحید بھی آ گئی۔

وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا

اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو

خواہ انسان ہو یا غیر انسان

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ

اور والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اور اہل قرابت کے ساتھ بھی

وَالْيَتَامَىٰ

اور یتیموں کے ساتھ بھی۔

یتیموں کا ذکر یہاں دوبارہ فرمانے سے اہتمام مقصود ہے۔

وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ

اور غریب غرباء کے ساتھ بھی اور پاس والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور دور والے

الْجُنُبِ

پڑوسی کے ساتھ بھی

یہ اہل حقوق اگر کافر ہوں تب بھی ان کے ساتھ احسان کرے البتہ مسلمان کا حق زائد ہوگا۔

وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ

اور ہم مجلس کے ساتھ بھی

خواہ وہ مجلس دائمی ہو جیسے لمبے سفر کی رفاقت یا کسی جائز کام کی شرکت یا عارضی ہو جیسے تھوڑے سفر کی رفاقت یا اتفاقی جلسہ میں شرکت

وَابْنِ السَّبِيلِ

اور راہ گیر کے ساتھ بھی

خواہ وہ خاص تمہارا مہمان ہو یا نہ ہو۔

وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ

اور ان کے ساتھ بھی جو تمہارے مالکانہ قبضہ میں ہیں

غرض ان سب سے عمدہ معاملہ کرو جس کی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے اور جو لوگ ان حقوق کو ادا نہیں کرتے اکثر اس کے کئی سبب ہیں یا تو ان کے مزاج میں تکبر ہے کہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتے اور یا ان کی طبیعت میں بخل غالب ہے کہ کسی کو دیتے دلاتے جان نکلتی ہے اور یا ان کو رسول کا اعتقاد نہیں کہ آپ کے احکام اور حقوق ادا کرنے یا نہ کرنے پر ثواب وعذاب کو صحیح نہیں سمجھتے۔ یہ کفر ہے یا ان کی عادت نام آوری کی ہے جہاں نام ہو چاہے حق نہ ہو خرچ کرتے ہیں اور جہاں نام نہ ہو وہاں ہمت نہیں ہوتی۔ اگرچہ حق ہو یا ان کو سرے سے خدا ہی کے ساتھ اعتقاد نہیں یا قیامت کے قائل نہیں۔ اور یہ بھی کفر ہے اس لئے ان لوگوں کا بھی حال سن لو۔ (ترجمہ دیکھو)

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا ﴿٣٦﴾

بیشک اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے محبت نہیں رکھتے جو اپنے کو بڑا سمجھتے ہوں شیخی کی باتیں

الَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ

کرتے ہوں جو کہ بخل کرتے ہوں اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کی تعلیم کرتے ہوں

خواہ زبان سے یا اس طرح کہ ان کو دیکھ کر دوسرے بھی سیکھتے ہیں اور بخل سے مراد اس جگہ عام ہے خواہ مال و دولت میں بخل ہو یا حق بات ظاہر کرنے میں بخل ہو شان نزول اس آیت کے متعدد ہیں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء یہود توریت کے مضامین ظاہر کرنے میں بخل کرتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ایک روایت میں ہے کہ بعض لوگ انصار کو خرچ کرنے سے روکتے اور سمجھاتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ

اور وہ اس چیز کو پوشیدہ رکھتے ہوں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے

خواہ مال و دولت کو بلا کسی مصلحت کے محض بخل کی وجہ سے چھپاوے تا کہ اہل حق توقع ہی نہ کریں یا علم دین کو چھپادے جیسا کہ یہود حضور کی خبروں کو چھپاتے تھے پس اس میں بخیلوں اور منکرین رسالت دونوں کی مذمت ہوگئی۔

وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ

اور ہم نے ایسے ناسپاسوں کے لئے

جو نعمت مال یا نعمت رسالت محمدیہ کا حق نہ پہنچائیں۔

عَذَابًا مُهِينًا ﴿٣٧﴾ وَالَّذِينَ يُنْفِقُونَ

اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے اور وہ لوگ کہ اپنے

أَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ

مالوں کو لوگوں کے دکھلانے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر

بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ

اور آخری دن پر اعتقاد نہیں رکھتے اور شیطان۔

لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ۝٣٨

جس کا مصاحب ہو اس کا برا مصاحب ہے

کیونکہ وہ ایسا مشورہ دیتا ہے جس میں انجام کار سخت ضرر ہو۔

ربط: آگے خدا پر اور آخرت پر ایمان لانے کی اور خرچ کرنے کی ترغیب دیتے ہیں اور اگرچہ لفظاً صرف ایمان باللہ کا ذکر ہے مگر خدا پر ایمان لانا رسولؐ پر ایمان لانے کو بھی مستلزم ہے اور خرچ کرنے سے مراد لوجہ اللہ خرچ کرنا ہے جوریا کے مقابل ہے اور اسی میں کبر کا بھی علاج ہے۔ کیونکہ کبر میں طلب جاہ ہوتی ہے سو بتلادیا کہ ہر کام میں خدا کی ذات مطلوب ہونی چاہئے نہ کہ جاہ وغیرہ کیونکہ طالب جاہ طالب خدا نہیں ہوگا پس یہ مضمون پہلے مضمون کا تتمہ ہے۔ وہاں انکار توحید وانکار قیامت وبخل وکبر وریا وغیرہ کی مذمت وممانعت تھی یہاں ان کی اضداد کی ترغیب ہے۔

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

اور ان پر کیا مصیبت نازل ہوجائے گی اگر وہ لوگ اللہ پر اور آخری دن پر ایمان

الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ۭ

لے آویں اور اللہ نے جو ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہا کریں

وماذا علیھم لو امنوا باللّٰہ تا اجراً عظیماً اخلاص وخلوص کے ساتھ یعنی اس میں کچھ بھی ضرر نہیں ہر طرح نفع ہی ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ۝٣٩ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ

اور اللہ تعالیٰ ان کو خوب جانتے ہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایک ذرہ برابر بھی ظلم نہ

مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ

کریں گے

کہ کسی کا ثواب مارلیں یا بے وجہ عذاب دینے لگیں جو ظاہر اظلم ہے اور ظاہرا اس واسطے کہا اگر وہ ایسا بھی کریں تو واقع میں وہ بھی ظلم نہ ہوتا کیونکہ وہ مالک ہیں۔

ہرچہ آں خسرو کند شیریں بود

مالک جو کچھ بھی چاہے کرے اس کو ہر طرح حق ہے آگے اپنی رحمت کاملہ کو بتلاتے ہیں (ترجمہ دیکھو)

وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا

اور اگر ایک نیکی ہوگی تو اس کو کئی گنا کردیں گے۔

جیسا کہ دوسری آیتوں میں وعدہ ہو چکا ہے۔

وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ

اور اپنے پاس سے

اس ثواب موعود کے علاوہ بلا معاوضہ عمل کے محض اپنے فضل وانعام سے۔

اَجْرًا عَظِيْمًا ۝٤٠

اور اجر عظیم دیں گے

اور یہ اجر عظیم باوجودیکہ مقررہ ثواب کے علاوہ ہوگا مگر پھر بھی اس کو اجر اس لئے کہا کہ گو وہ عمل کے مقابلہ میں نہیں مگر عمل ہی کی وجہ سے ہے کیونکہ عادۃً انعام بھی عمل کرنے والے کو ہی ملتا ہے۔ **ربط:** اوپر جن امور کی ترغیب تھی آگے ان کے نہ کرنے پر وعید بیان فرماتے ہیں پس یہ بھی ماقبل کا تتمہ ہوا۔

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ

سو اس وقت بھی کیا حال ہوگا جبکہ ہم ہر امت میں سے

وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى

ایک ایک گواہ کو حاضر کریں گے اور آپ کو بھی ان لوگوں پر

فکیف اذا جئنامن کل امۃ تا حدیثا جن کا آپ سے سابقہ پڑا ہے۔

هٰٓؤُلَاۗءِ شَهِيْدًا ۝٤١ؐ

گواہی دینے کے لئے حاضر لاویں گے۔

یعنی جن لوگوں نے خدائی احکام نہ مانے ہوں گے ان کے مقدمہ کی پیشی کے وقت بطور سرکاری گواہ کے انبیاء علیہم السلام کے اظہار سنے جائیں گے۔ جو جو معاملات انبیاء علیہم السلام کی موجودگی میں پیش آئے تھے وہ سب ظاہر کر دیں گے اس کے بعد مخالفین پر جرم ثابت ہو کر سزا دی جائے گی اوپر فرمایا تھا کہ اس وقت کیا حال ہوگا آگے اس حال کا خود بیان فرماتے ہیں (ترجمہ دیکھو)

يَوْمَىِٕذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا

اس روز جن لوگوں نے کفر کیا ہوگا اور رسول کا کہنا نہ مانا ہوگا وہ اس

الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ

بات کی آرزو کریں گے کہ کاش ہم زمین کے پیوند ہو جاویں۔

تاکہ اس وقت کی رسوائی اور آفت سے محفوظ رہیں اور گواہی کے علاوہ خود اقراری مجرم بھی ہوں گے جو کچھ دنیا میں ان سے صادر ہوا ہوگا خدا کے سامنے سب کا اقرار کرلیں گے (ترجمہ دیکھو)

وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ۴۲

اور اللہ تعالیٰ سے کسی بات کا اخفا نہ کرسکیں گے

پس دونوں طریقوں سے ان پر جرم ثابت ہو جائے گا اور جاننا چاہیے کہ ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار اپنے جرم کا اقرار کرلیں گے مگر دوسری جگہ یہ آ چکا ہے قالوا واللہ ربنا ما کنا مشرکین مگر یہ اول اول ہوگا پھر جب اللہ تعالیٰ ان کے منہ پر خاموشی کی مہر لگا کر ہاتھوں اور ان کے پیروں کو بولنے کا حکم دینگے اس وقت سب اپنا کیا کہہ ڈالیں گے یہ اقرار کرنا اور اخفا نہ کرسکنا اس وقت کے اعتبار سے فرمایا پس دونوں میں کوئی تعارض نہیں حضرت ابن عباسؓ سے بھی بعینہ یہی مضمون منقول ہے اور جو جرائم انبیاء علیہم السلام کے پیچھے یا ان کی وفات کے بعد ہوئے ہیں ان کے ثابت کرنے کے لئے اگر انبیاء کی گواہی نہ ہوئی تو مقصود فوت نہ ہوگا کیونکہ دوسرے طریقوں سے ان کو ثابت کیا جائے گا اور یہ آیت بظاہر کفار کے بارے میں ہے پس دوسرے گناہ بخل و ریا و تکبر وغیرہ جو اوپر مذکور تھی ان پر گو اس درجہ وعید نہیں ہوگی مگر عاقل شخص اسی سے ان کی بھی وعید سمجھ سکتا ہے جس قدر کی ان سے ممانعت ہے اس درجہ کی وعید ان پر بھی ہے مگر چونکہ اس وقت یہ معاصی بھی زیادہ تر کفار ہی میں تھی اس لئے وعید خاص طور پر کفار کے حق میں بیان کی گئی **ربط**: شروع سورۃ میں بیان ہو چکا ہے کہ اس سورۃ میں تین قسم کے احکام میں تقویٰ کا حکم کیا گیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ

اے ایمان والو! تم نماز کے پاس بھی ایسی حالت میں

یعنی اس حالت میں نماز مت پڑھو۔

وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ

مت جاؤ کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ منہ سے کیا کہتے ہو۔

یہ حکم شروع اسلام میں تھا جب شراب حلال تھی۔ یعنی جب کہ غسل فرض ہو۔

وَلَا جُنُبًا

اور حالت جنابت میں بھی

یعنی جب کہ غسل فرض ہو

اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ

باستثناء تمہارے مسافر ہونے کی حالت میں یہاں تک کہ غسل کرلو

یعنی جنابت کے بعد غسل کرنا صحت نماز کے لئے شرط ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى

اور اگر تم بیمار ہو

اور پانی کا استعمال مضر ہے جیسا کہ آگے آتا ہے۔

اَوْ عَلٰى سَفَرٍ

یا حالت سفر میں ہو

اور پانی نہیں ملتا

اَوْ جَآءَ اَحَدٌ

یا تم میں سے کوئی شخص

جو کہ نہ مریض ہے نہ مسافر۔

مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ

استنجے سے آیا ہو۔ یا تم نے بیبیوں سے قربت کی ہو

استنجے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور قربت کرنے سے غسل ٹوٹ جاتا ہے پس ہر حالت میں جب کبھی وضو اور غسل کی ضرورت ہو۔

فَلَمْ تَجِدُوْا

پھر تم کو پانی نہ ملے

مذکورہ موانع کی وجہ سے

مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا

تو تم پاک زمین سے تیمم کر لیا کرو

پاک زمین پر دو بار ہاتھ مار کر

فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ

یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر پھیر لیا کرو بلاشبہ

اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۴۳

اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے بخشنے والے ہیں

اس لئے یہ آسان حکم دے کر تم کو تکلیف سے بچالیا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا

یعنی دیکھنے کے قابل ہیں دیکھو تو تعجب کرو۔

اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ

جن کو کتاب کا ایک بڑا حصہ ملا ہے

یعنی توریت کا علم رکھتے ہیں۔

يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ

وہ لوگ گمراہی کو اختیار کر رہے ہیں اور یوں چاہتے ہیں

تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿٤٤﴾

کہ تم راہ سے بے راہ ہو جاؤ۔

اس کا ذکر پارہ تلک الرسل – ولن تنالوا میں بھی آ چکا ہے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ

اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتے ہیں

تم کو اگر ان کی اب تک خبر نہ ہو تو کیا ہوا خدا نے تم کو بتلا دیا سو تم ان سے بچتے رہو۔

وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا

اور اللہ تعالیٰ کافی رفیق ہے

پس تم ان کی مخالفت کا حال سن کر زیادہ فکر میں بھی نہ پڑ جانا ہم تمہاری مصلحتوں کی رعایت رکھیں گے۔

وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿٤٥﴾

اور اللہ تعالیٰ کافی حامی ہے

ان کی مضرتوں سے تمہاری حفاظت کریں گے۔

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ

یہ لوگ یہودیوں میں سے ہیں کلام کو اس کے مواقع سے

عَنْ مَّوَاضِعِهٖ

دوسری طرف پھیر دیتے ہیں۔

ایک گمراہی تو ان کی یہ ہوئی آگے ایک دوسری گمراہی بتاتے ہیں جس میں دھوکہ سے سادہ ذہن آدمی کا پھنس جانا بھی ممکن ہے (ترجمہ دیکھو)

وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ

اور یہ کلمات کہتے ہیں سمعنا و عصینا اور اسمع غیر

مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا

مسمع اور راعنا

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت کرتے وقت ایسے الفاظ بولتے ہیں جن سے معنی اچھے برے دونوں نکل سکتے ہیں اور یہ لوگ برے ہی معنی کا قصد کرتے تھے مگر دوسروں پر اچھے مطلب کو ظاہر کرتے تھے اس سے کسی مسلمان کا دھوکہ میں آ کر ایسے الفاظ سے کسی وقت حضور کو خطاب کر دینا کچھ بعید نہ تھا۔ پس یہ بھی ان کا ایک طرح مسلمانوں کو گمراہی میں ڈالنا تھا گو صرف لفظوں ہی میں سہی۔ اسی لئے سورۂ بقرہ میں مسلمانوں کو لفظ راعنا بولنے کی ممانعت فرما دی گئی۔ سمعنا و عصینا کا ترجمہ یہ ہے کہ ہم نے سن لیا اور مانا نہیں اچھا مطلب تو یہ ہے کہ آپ کے قول کو ہم نے مان لیا اور آپ کے مخالف کی بات نہیں مانتے اور برا مطلب یہ ہے کہ آپ کی بات کو سن تو لیا مگر عمل نہ کریں گے۔ اسمع غیر مسمع کا ترجمہ یہ ہے کہ ہماری بات کو سنیے اور خدا کرے تم کو کوئی بات سنائی نہ جائے اچھا مطلب تو یہ ہے کہ خدا کرے آپ کو رنج کی بات کبھی نہ سنائی جائے سب آپ کی بات کو منظور ہی کریں اور برا مطلب یہ ہے کہ خدا کرے کبھی آپ کو خوشی کی بات نہ سنائی جائے اور راعنا کے اچھے معنی تو یہ ہیں کہ ہمارے حال پر توجہ فرمائیے اور برے معنی لغت یہود میں گالی کے ہیں۔

لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ

اس طور پر کہ اپنی زبانوں کو پھیر کر

یعنی تحقیر کے لہجہ سے تعظیم کے لہجہ کی طرف زبان کو پھیرتے ہیں جس سے ظاہر میں کسی کو تحقیر کا شبہ نہ ہو مگر دل میں چور گھسا ہوا ہے۔

وَطَعْنًا فِى الدِّيْنِ

اور دین میں طعنہ زنی کی نیت سے

وجہ یہ ہے کہ نبی کے ساتھ طعن واستہزاء بعینہ دین خدا کے ساتھ طعن وتمسخر ہے ۱۲

وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا

اور اگر یہ لوگ یہ کلمات کہتے سمعنا و اطعنا

جس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا اور سمعنا و عصینا نہ کہتے۔

وَاسْمَعْ

اور اسمع

جس کے معنی صرف یہ ہیں کہ آپ سن لیجئے اور اسمع غیر مسمع نہ کہتے۔

وَانْظُرْنَا

اور انظرنا

جس کے معنی یہ ہیں کہ ہماری طرف توجہ فرمائیے اور راعنا نہ کہتے غرض بجائے ذو معنیین الفاظ کے یہ کلمات جن کے معنی شرارت سے پاک ہیں کہتے (آگے ترجمہ)

لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ

تو یہ بات ان کے لئے بہتر ہوتی اور موقع کی بات تھی۔

ان لوگوں نے نفع اور موقع کی بات کبھی نہ کہی بلکہ وہی ناشائستہ بیہودہ بات بکتے رہے اس لئے ان کو یہ مضرت پہنچی کہ (آگے ترجمہ)

وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ

اور مگر ان کو خدا تعالیٰ نے ان کے کفر کے سبب

جس میں یہ کلمات بھی آگئے اور دیگر افعال واقوال کفریہ بھی داخل ہوگئے۔

فَلَا يُؤْمِنُوْنَ

اپنی رحمت سے دور پھینک دیا اب وہ ایمان نہ لاویں گے

یہ ان کی نسبت فرمایا گیا ہے جو علم الٰہی میں کفر پر مرنے والے تھے پس نو مسلموں کے ایمان لانے سے یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ یہ ایمان کیسے لے آئے۔

اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾

ہاں مگر تھوڑے سے آدمی

جو ایسی حرکتوں سے دور رہے وہ خاص رحمت سے بھی دور نہیں ہیں ۱۲

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا

اے وہ لوگو جو کتاب دیئے گئے ہو تم اس کتاب پر ایمان لاؤ جس کو ہم نے نازل

نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ

فرمایا ہے ایسی حالت پر کہ وہ سچ بتلاتی ہے اس کتاب کو جو تمہارے پاس ہے اس

پس تم کو اس پر ایمان لانے سے وحشت نہ ہونا چاہئے۔

نَّطْمِسَ وُجُوْهًا

سے پہلے کہ ہم چہروں کو بالکل مٹا ڈالیں

یعنی ان کے نقش ونگار آنکھ ناک وغیرہ

فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا

اور ان کو ان کی الٹی جانب کی طرح بنا دیں یا ان پر ہم ایسی لعنت

لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ

کریں جیسی لعنت ان ہفتہ والوں پر کی تھی

جو یہود میں پہلے گزر چکے ہیں۔

وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾

اور اللہ تعالیٰ کا حکم پورا ہو کر ہی رہتا ہے

پس تم کو ڈرنا اور اس پر ایمان لانا چاہئے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ

بیشک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ بخشیں گے۔

بلکہ سزائے دائمی میں رکھیں گے۔

اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ

کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے اور اس کے سوا جتنے گناہ ہیں

خواہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ

ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ

جس کے لئے منظور ہوگا وہ گناہ بخش دیں گے

یعنی اگر منظور ہوگا تو بلا سزا کے بھی بخش دیں گے۔ کیونکہ سزا کے بعد تو ہر مومن کے گناہوں کا بخشا جانا یقینی ہے۔ جس کا وعدہ ہو چکا ہے پس یہاں جو یقین کے ساتھ وعدہ نہیں فرمایا یہ اس کی دلیل ہے کہ بدوں سزا کے بخشا مراد ہے کیونکہ اس کا وعدہ ہر ایک کے لئے نہیں یہ مشیت ایزدی پر ہے کہ

جس کو چاہیں بدوں عذاب کے بھی سب گناہ بخش دیں۔

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا

اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے وہ بڑے جرم

عَظِيْمًا ﴿٤٨﴾

کا مرتکب ہوا

اسی وجہ سے کہ وہ جرم عظیم ہے قابل مغفرت نہیں اور قرآن و حدیث واجماع سے شریعت کا یہ ضروری مسئلہ ہے کہ شرک اور کفر دونوں کی کبھی مغفرت نہ ہوگی اور ہر چند کہ اس آیت میں صرف شرک کا ذکر فرمایا ہے مگر دوسری آیتوں سے کفر کا بھی یہی حکم ثابت ہو چکا ہے۔ کہ اس کی بھی مغفرت نہ ہوگی اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ شرک کے دو معنی ہیں ایک معنی کے اعتبار سے تو شرک اور کفر دو چیزیں ہیں اور دوسرے معنی عام ہیں جس میں کفر بھی داخل ہے اور اس جگہ شرک کے دوسرے معنی مراد ہیں جو کفر کو بھی شامل ہیں پس دونوں کا ایک حکم اسی آیت سے معلوم ہو جائے گا روح المعانی میں حضرت ابن عباسؓ سے یہی دوسری توجیہ نقل کی ہے۔
ربط: اوپر یہود کا کفر اور اس پر وعید بیان ہوئی تھی چونکہ یہود اپنے کو اللہ کا مقبول و محبوب اور خالص مومن ہونا بتلاتے تھے جیسا کہ ان کا قول نحن ابناء اللہ و احبائہ قرآن میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ آگے اس کا رد فرماتے ہیں۔ الم تر الی الذین یزکون تا کفیٰ بہ اثما مبینا

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے کو مقدس بتلاتے ہیں

ان کے بتلانے سے کیا ہوتا ہے۔

بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ

بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں مقدس بتلا دیں

یہ البتہ قابل اعتبار ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن میں مومن کو مقدس بتلایا ہے پس وہی مقدس ہوگا نہ کہ کفر کرنے والے جیسے یہود وغیرہ اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جب مومن کو اللہ تعالیٰ نے مقدس بتلایا ہے تو پھر اگر کوئی اپنے آپ کو یا دوسرے کو حسن ظن کی وجہ سے مقدس کہے تو شریعت میں اس کی ممانعت کیوں ہے جواب یہ ہے کہ یہ ممانعت تین وجہ سے ہے ایک تو یہ کہ اکثر اپنی مدح کا منشا کبر ہوتا ہے تو حقیقت میں کبر سے ممانعت ہوئی۔ دوسرے خاتمہ کا حال اللہ کو معلوم ہے کہ تقدس پر خاتمہ ہوگا یا نہیں اس لئے مطلقاً یہ دعویٰ کرنا خوف کے خلاف ہے تیسرے یہ کہ اکثر اوقات سننے والے کو اس دعویٰ سے یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ بالکل تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے اور بہمہ وجوہ عنداللہ مقبول ہے حالانکہ اکثر بندہ دوسری گندگیوں میں گرفتار ہوتا ہے اور اسی قدر اس کے قرب و قبولیت میں عنداللہ کمی ہوتی ہے بس جس دعوے سے ایسا وہم پیدا ہو وہ جھوٹ ہے اور دوسرے کو مقدس کہنے میں کبھی اس کو عجب بھی ہوتا ہے اگر یہ باتیں نہ ہوں تو خدا کی نعمت بیان کرنے کی نیت سے ایسا کہنا جائز ہے آگے بتلاتے ہیں کہ قیامت میں یہود کو اس جھوٹے دعویٰ کی جس کا منشاء کفر کو ایمان سمجھنا ہے سزا ہوگی ۱۲

وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿٤٩﴾

اور ان پر تاگے برابر بھی ظلم نہ ہو گا

یعنی وہ سزا ان کے جرم سے زیادہ نہیں ہے۔

اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ

دیکھ تو یہ لوگ اللہ پر کیسی جھوٹی تہمت لگاتے ہیں

کیونکہ باوجود کفر کے خدا کے مقبول ہونے کا دعویٰ کرنا خدا پر کفر کے پسندیدہ ہونے کی تہمت لگانا ہے۔

وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿٥٠﴾ ع

اور یہی بات صریح مجرم ہونے کے لئے کافی ہے

کہ خدا پر اتہام لگایا جائے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا ایک

الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ

حصہ ملا ہے وہ بت اور شیطان کو مانتے ہیں

جو مشرکین کے دین کی تصدیق کرنے سے لازم آتا ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ

اور وہ لوگ کفار کی نسبت کہتے ہیں کہ

اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿٥١﴾

یہ لوگ بہ نسبت ان مسلمانوں کے زیادہ راہ راست پر ہیں

یہ تو انہوں نے صراحةً ہی کہا تھا۔

أُولَٰئِكَ

یہ لوگ

جنہوں نے کفر وشرک کے طریقہ کو اسلام سے بہتر کہا۔

الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ ۖ

وہ ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے ملعون بنا دیا ہے

یہ بے باکی اسی لعنت کا اثر ہے۔

وَمَن يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ﴿٥٢﴾

اور خدا تعالیٰ جس کو ملعون بنا دے اس کا کوئی حامی نہ پاؤ گے

یعنی اس حرکت پر ان کو دارین میں سخت سزا ہوگی۔

أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذًا لَّا

ہاں کیا ان کے پاس کوئی حصہ ہے سلطنت کا۔ سو ایسی حالت میں تو وہ

يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ﴿٥٣﴾ أَمْ

اور لوگوں کو ذرا سی چیز بھی نہ دیں۔ یا دوسرے آدمیوں سے

جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ

ان چیزوں پر جلتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمائی ہیں۔

مِن فَضْلِهِ ۖ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ

سو ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان کو کتاب بھی دی ہے

الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُم مُّلْكًا عَظِيمًا ﴿٥٤﴾

اور علم بھی دیا ہے اور ہم نے ان کو بڑی بھاری سلطنت بھی دی ہے

سو آپ کو ایسی چیزیں مل جانا کوئی نئی بات نہیں بنی اسرائیل میں بھی بہت سے سلاطین ہوئے ہیں جیسے حضرت یوسف وحضرت داؤد حضرت سلیمان علیہم السلام اور حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام کے بیبیاں بھی بہت تھیں اور یہ سب اولاد ابراہیم علیہ السلام میں ہیں اور آپ بھی ان ہی کی اولاد میں ہیں تو اگر آپ کو یہ نعمتیں اور عطیات مل گئے تو تعجب کی کیا بات ہے پس اگر وہ اس بات پر حسد کرتے ہیں کہ ان کی سلطنت مسلمانوں میں شامل ہوگئی تب تو خدا نے ان کو ٹھکانے ہی سے رکھا کہ سلطنت نہ دی ورنہ یہ کسی کو ایک کوڑی بھی نہ دیتے اور اگر اس بات پر حسد ہے کہ ان کو کیوں مل گئی ان کو سلطنت سے کیا علاقہ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی شاہی خاندان سے ہیں کسی اجنبی جگہ سلطنت نہیں آئی سو اس حسد کے نامعقول ہونے کی دو عقلی وجہ بتائیں ایک حسد کے ذکر سے پہلے ایک پیچھے رابط: چونکہ حسد سے طبعاً محسود کو رنج ہوتا ہے اس لئے اگلی آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرماتے ہیں۔

فَمِنْهُم مَّنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُم مَّن صَدَّ عَنْهُ ۚ

سو ان میں سے بعضے تو اس پر ایمان لائے اور بعضے ایسے تھے کہ اس سے روگرداں ہی رہے

فمنھم من اٰمن تا سعیرا پس اگر آپ کی رسالت پر بھی آپ کے زمانے کے بعض لوگ ایمان نہ لاویں تو کوئی رنج کی بات نہیں کیونکہ پہلے انبیاء کے ساتھ بھی ان کے زمانہ کے آدمیوں کا یہی معاملہ رہا ہے۔

وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ﴿٥٥﴾

اور دوزخ کی آتش سوزاں کافی ہے

سو گران اعتراض کرنے والوں اور کافروں کو دنیا میں سزا کم بھی ہو یا نہ ہو تو کیا ہوا آخرت کی سزا ہی بہت کافی ہے۔

ربط: اوپر خاص بنی اسرائیل کے مومنوں اور کافروں کا ذکر تھا۔ آگے قاعدہ کلیہ کے طور پر ہر مومن وکافر کی جزا وسزا ارشاد فرماتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ

بلاشک جو لوگ ہماری آیات کے منکر ہوئے ہم ان کو عنقریب ایک سخت

نَارًا ۖ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم بَدَّلْنَاهُمْ

آگ میں داخل کریں گے جب ایک دفعہ ان کی کھال جل چکے گی تو ہم اس پہلی

جُلُودًا غَيْرَهَا

کھال کی جگہ فوراً دوسری کھال پیدا کر دیں گے۔

ان الذین کفروا بایتنا تا ظلاً ظلیلا غرض وہاں ان کی برابر یہی حالت رہے گی۔

لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ۗ

تا کہ عذاب ہی بھگتتے رہیں

پہلی کھال جلنے کے بعد یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ شاید ان میں ادراک نہ رہے بے حس اور سن ہوجائے اس لئے شبہ قطع کرنے کے لئے یہ بات کہی۔

إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا

بلاشک اللہ تعالیٰ زبردست ہیں

کہ ایسی سزا دے سکتے ہیں۔

حَكِيمًا ﴿٥٦﴾

حکمت والے ہیں

اس لئے باوجودیکہ جلی ہوئی کھال کو بھی تکلیف پہنچانے پر ان کو قدرت ہے مگر کسی حکمت کی وجہ سے اس کو بدل دیں گے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ

اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے ہم ان کو عنقریب ایسے باغوں میں داخل کریں گے

یعنی دنیا کا سا سایہ نہ ہوگا کہ خود سایہ کے اندر بھی دھوپ چھنتی ہے بلکہ وہ بالکل متصل سایہ ہے اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جب وہاں آفتاب وغیرہ نہ ہوگا تو سایہ کے کیا معنی؟ مطلب یہ ہے کہ سایہ کا وجود دھوپ پر موقوف نہیں اگرچہ ہم اس کو بدوں دھوپ کے نہ سمجھ سکیں سایہ کے لئے کسی جسم نورانی کا ہونا کافی ہے ممکن ہے کہ کسی تیز نور کو لطیف بنایا جائے جیسے ماہتاب پر رقیق بادل آجاتا ہے یا وہ سایہ خود بھی نور ہو جیسے گوہر شب چراغ کا سایہ یا یوں کہا جائے کہ خالص سایہ ہو مگر اس میں ظلمت نہ ہو جیسے صبح کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے کا سماں ہوتا ہے کہ ایک آیت الم ترالی ربک کیف مدالظل میں مشہور تفسیر کے موافق اس کو سایہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ربط: یہود کے قبائح کے بیان سے پہلے احکام کا بیان چلا آرہا ہے منجملہ باہمی معاملات کے احکام کے ایک حکم یہ ہے کہ حکام محکومین سے عدل وامانت کا برتاؤ کریں اور محکومین حکام کی امور مشروعہ میں اطاعت کریں پھر دونوں کو اللہ و رسول کے حکم کو اصل سمجھنے کا حکم دیا آگے ان ہی مضامین کا ذکر ہے اس کے متصل منافقین کی مذمت ذکر فرمائی کہ وہ اللہ و رسول کے احکام کو دل سے پسند نہیں کرتے اور اس مضمون کو متصل مضمون سے بھی ربط ہے کیونکہ یہود کے عوام وخواص کا دین میں خیانت کرنا اور ہواپرستی کرنا قبائح کے ضمن میں اوپر معلوم ہو چکا ہے۔

جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ

کہ ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ان کے

فِيهَا أَبَدًا ۖ لَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ ۖ

واسطے ان میں پاک صاف بیبیاں ہوں گی اور ہم ان کو نہایت گنجان سایہ میں

وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا ﴿٥٧﴾

داخل کریں گے (اے اہل حکومت)

ان اللہ یامرکم تا احسن تاویلا خواہ تھوڑوں پر حکومت ہو یا بہتوں پر۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ

بیشک تم کو اللہ تعالیٰ اس بات کا حکم دیتے ہیں کہ اہل حقوق کو ان کے حقوق پہنچا

أَهْلِهَا

دیا کرو

جو تمہارے ذمہ ہیں۔

وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ

اور یہ کہ جب لوگوں کا تصفیہ کیا کرو

ایسے حقوق میں جو ان میں باہم ایک دوسرے کے ذمہ ہیں۔

أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا

تو عدل سے تصفیہ کیا کرو بیشک اللہ تعالیٰ جس بات کی تم کو نصیحت کرتے ہیں

يَعِظُكُمْ بِهِ ۗ

وہ بات بہت اچھی ہے

دنیا کے اعتبار سے بھی کہ اس میں بقائے حکومت ہے اور آخرت کے اعتبار سے بھی کہ موجب قرب وثواب ہے۔

إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا

بلاشک اللہ تعالیٰ خوب سنتے ہیں

تمہارے اقوال کو جو امانت اور تصفیہ کے بابت تم سے صادر ہوتے ہیں۔

بَصِيرًا ﴿٥٨﴾

خوب دیکھتے ہیں

تمہارے افعال کو جو اس بارہ میں تم سے واقع ہوتی ہیں تو اگر کوتاہی کرو گے تو ہم سزا دیں گے یہ خطاب تو حکام کو ہوا آگے محکومین کو خطاب فرماتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ

اے ایمان والو! تم اللہ کا کہنا مانو

یہ حکم تو حکام ومحکومین سب کے لئے عام ہے۔

وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ

اور رسول کا کہنا مانو اور تم میں جو لوگ اہل حکومت ہیں ان کا بھی

کہنا مانو اور یہ حکم محکومین کے ساتھ خاص ہے تو جن احکام کی بابت محکوم وحاکم دونوں کا اتفاق ہو کہ یہ اللہ ورسول کے خلاف نہیں ان میں تو حکام کی اطاعت کی جائے گی (آگے ترجمہ)

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ

پھر اگر کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو

کہ یہ حکم اللہ ورسول کے فرمان کے خلاف ہے یا نہیں۔

فَرُدُّوْهُ

تو اس امر کو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں تو آپ سے پوچھ کر اور بعد آپ کی وفات کے ائمہ مجتہدین وعلماء دین سے (آگے ترجمہ)

اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ

اللہ اور رسول کے حوالہ کر دیا کرو

اور جیسا ان حضرات سے فتویٰ ملے اس پر سب حکام ومحکومین عمل کریں۔

اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ

اگر تم اللہ پر اور یوم قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔

ذٰلِكَ

یہ امور

جو مذکور ہوئے یعنی اللہ ورسول کی اور حکام کی اطاعت اور امور متنازعہ کو کتاب وسنت کی طرف حوالہ کرنا۔

خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝۵۹ۧ

سب بہتر ہیں اور ان کا انجام خوشتر ہے

دنیا میں امن وراحت اور آخرت میں نجات وسعادت اور جاننا چاہیے کہ اس آیت کا شان نزول اگرچہ ایک خاص واقعہ ہے وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے روز عثمان بن ابی طلحہؓ کلید بردار کعبہ سے کعبہ کی کنجی لی تھی حضرت عباسؓ نے درخواست کی کہ یہ اب مجھ کو دے دی جائے اس پر یہ آیت نازل ہوئی مگر یہ اس دعویٰ کے منافی نہیں کہ اس کے مخاطب حکام ہیں کیونکہ آیت کے معنی عام ہیں جس میں یہ خاص واقعہ بھی داخل ہے دوسری سہل تر بات یہ ہے کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوجہ حاکم ہونے کے اس کے مخاطب تھے اور امانات سب حقوق کو شامل ہے جس میں حقوق خداوندی بھی شامل ہیں پس یہ شبہ نہ رہا کہ محکومین کو تو اطاعت خدا اور رسول کا حکم فرمایا اور حکام کو نہیں فرمایا کیونکہ جب حکام کو ادائے امانات کا حکم دیا گیا اور امانات حقوق خداوندی کو بھی شامل ہے تو اطاعت اللہ ورسول کا مضمون بھی اس میں ادا ہو گیا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّھُمْ اٰمَنُوْا

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے

بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ

ہیں جو آپ کی طرف نازل کی گئی اور اس کتاب پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کی گئی

یعنی توریت

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ

اپنے مقدمے شیطان کے پاس لے جانا چاہتے ہیں

غیر شرع کے پاس جانا گویا شیطان کے پاس جانا ہے۔

وَقَدْ

حالانکہ

اس سے مانع موجود ہیں

اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا

ان کو یہ حکم ہوا ہے کہ اس کو نہ مانیں

نہ اعتقاد میں نہ عمل میں

بِهٖ ۭ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّھُمْ ضَلٰلًۢا

اور شیطان ان کو بھٹکا کر بہت دور لے جانا

بَعِيْدًا ﴿۶۰﴾

چاہتا ہے

یعنی بڑا ابد خواہ دشمن ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس حکم کی طرف

کہ آپ حکم الٰہی کے موافق فیصلہ فرما دیں۔

مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ

جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اور رسول کی طرف تو آپ

الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿۶۱﴾

منافقوں کی یہ حالت دیکھیں گے کہ آپ سے پہلو تہی کرتے ہیں

فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ بِمَا

پھر کیسی جان کو بنتی ہے جب ان پر کوئی مصیبت پڑتی ہے ان کی اس حرکت کی

قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ

بدولت جو کچھ وہ پہلے کر چکے تھے۔

اس حرکت سے مراد شریعت کو چھوڑ کر دوسری جگہ مقدمہ لے جانا ہے اور مصیبت سے مراد قتل ہونا یا خیانت ونفاق کا کھل جانا اور باز پرس ہونا یعنی اس وقت سوچ پڑتی ہے کہ اس حرکت کی کیا تاویل کریں جس سے سرخروئی نصیب ہو۔

ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ

پھر آپ کے پاس آتے ہیں خدا کی قسمیں کھاتے ہوئے کہ ہمارا اور کچھ مقصود

اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿۶۲﴾

نہ تھا سوا اس کے کہ کوئی بھلائی نکل آوے اور باہم موافقت ہو جاوے

مطلب یہ کہ ہم دوسری جگہ قانون شرع کو ناحق سمجھ کر نہیں گئے تھے بلکہ بات یہ ہے کہ قانونی فیصلہ میں تو حاکم صاحب حق کو رعایت کرنے کے لئے تو نہیں کہہ سکتا اور باہمی فیصلہ میں اکثر رعایت کرا دی جاتی ہے۔ یہ وجہ تھی ہماری دوسری جگہ جانے کی گویا اس قصہ قتل میں اس مقتول کی اور اپنی براءت ظاہر کر کے اس کا ناحق مقتول ہونا بتلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس تاویل کی تکذیب فرماتے ہیں (ترجمہ دیکھو)

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ

یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے

یعنی کفر ونفاق پس یہ لوگ دوسری جگہ اس لئے مقدمات لے جانا چاہتے ہیں کہ یہ شریعت کے حکم سے راضی نہیں ہیں تو وقت معین پر اس کی سزا پائیں گے۔

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ

سو آپ ان سے تغافل کر جایا کیجئے

کچھ مواخذہ نہ فرمایئے مواخذہ خداوندی کو کافی سمجھئے۔

وَعِظْهُمْ

اور ان کو نصیحت فرماتے رہیے

کہ ان حرکتوں کو چھوڑ دو کیونکہ نصیحت کرنا تو آپ کے منصب رسالت کا مقتضی ہے۔

وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا ﴿۶۳﴾

اور ان سے خاص ان کی ذات کے متعلق کافی مضمون کہہ دیجئے

تاکہ ان پر حجت الٰہی تمام ہو جائے پھر بھی نہ مانیں تو وہ جانیں اور اس تغافل میں مصلحت یہ تھی کہ منافقین کا کفر تو لوگوں کو معلوم تھا نہیں بلکہ ظاہر میں مثل اور صحابہ کے خاصے مسلمان معلوم ہوتے تھے اگر ان کے ساتھ جہاد وغیرہ اسی طرح کیا جاتا جیسے کہ عام کفار کے ساتھ ہوتا ہے تو دور والے جن کو ان کی خفیہ شرارتوں کی اطلاع نہیں تھی یہ قتل وغارت سن کر یہ کہتے کہ اسلام میں بہت سختی اور بدنظمی ہے۔ کہ اپنے آدمیوں کو بھی قتل کرتے ہیں اس خیال سے ایک گونہ اسلام سے توحش ہوتا اور ترقی اسلام رک جاتی ایک حدیث میں حضورؐ نے اس مصلحت کو ظاہر فرمایا ہے مگر اس واقعہ میں چونکہ حضرت عمرؓ کے ہاتھ سے وہ منافق قتل ہو چکا تھا اور حقیقت میں وہ کافر ہی تھا اس لئے اس کا خون ہدر ہو گیا قصاص یا دیت یا تاوان حضرت عمرؓ کے ذمہ کچھ نہیں ہوا چنانچہ کسی روایت سے ثابت نہیں اگر وسوسہ ہو کہ اس واقعہ میں بھی تو اسلام کی بدنامی اور اس سے توحش کا احتمال ہو سکتا تھا تو اس کا قطعی جواب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو اختیار ہے کہ ایک عام قانون میں سے کسی خاص واقعہ کو مستثنیٰ کر دیں اور جو حکمت عام قانون میں تھی اس خاص واقعہ میں اس سے زیادہ حکمت رکھ دیں چنانچہ اس واقعہ میں یہ کہہ

سکتے ہیں کہ منافق چونکہ ظاہر میں مسلمان تھا اور اس کا معاملہ ایک مجاہر کافر کے ساتھ تھا اس میں منافق کو یہ سزا دی گئی اور اس کا خون معاف کیا گیا تو وہ یہودی اپنے ہم مشربوں میں اس قصہ کو بیان کرے گا تو اہل عقل انصاف والے اسلام کی حق پرستی کی اعلیٰ درجہ کی داد دیں گے۔ کہ غیر قوموں کے مقابلہ میں بھی اپنی قوم کو حق قبول کرنے پر ایسا مجبور کرتے ہیں کہ نہ ماننے پر ان کی رعایت نہیں کرتے واللہ اعلم

ربط: اوپر منافقین کے عذر نامعقول کا غلط ہونا بیان فرمایا ہے آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ بجائے اس تاویل باطل کے اگر استغفار وندامت مع شرائط کے اختیار کرتے تو البتہ اس جرم کی تلافی ہو جاتی۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ
اور ہم نے تمام پیغمبروں کو خاص اسی واسطے مبعوث فرمایا ہے کہ بحکم خداوندی ان
بِاِذْنِ اللّٰهِ
کی اطاعت کی جاوے

پس اول تو شروع ہی سے ان لوگوں پر اطاعت کرنا واجب تھی۔

وَلَوْ
اور اگر

شامت نفس سے حماقت ہی ہو گئی تھی تو (آگے ترجمہ)

اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ
جس وقت اپنا نقصان کر بیٹھے تھے اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہو
فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ
جاتے پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے اور رسول بھی ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے
الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿٦٤﴾
معافی چاہتے تو ضرور اللہ تعالیٰ کو قبول کرنے والا اور رحمت کرنے والا پاتے

یعنی اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے توبہ قبول فرما لیتے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ
پھر قسم ہے آپ کے رب کی کہ یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے۔

یعنی ان کا ایمان مقبول نہ ہوگا۔

حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ
جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ سے

اور اگر آپ نہ ہوں تو آپ کی شریعت سے۔

بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا
تصفیہ کرا دیں پھر اس آپ کے تصفیہ سے اپنے دلوں میں تنگی
مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿٦٥﴾
نہ پاویں اور پورے طور پر تسلیم کر لیں

اس آیت میں تحکیم سے مراد مقدمہ لانا ہے۔

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ
اور اگر ہم لوگوں پر یہ بات فرض کر دیتے

یعنی اصل احکام کی طرح ان کو بھی مقصود بنا دیتے۔

اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ
کہ تم خودکشی کیا کرو یا اپنے وطن سے بے وطن ہو جایا کرو تو بجز
دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ
معدودے چند لوگوں کے

جو مومن کامل ہوتے اس میں تمام صحابہ اور مومنین کاملین داخل ہیں جو کفار و منافقین و فاسقین کے مقابلہ میں تھوڑے ہی ہیں اور یہ مطلب نہیں کہ اس وقت کے مومنین میں ایسے لوگ دو چار ہوتے کیونکہ دلائل سے ثابت ہے کہ صحابہ سب ایسے ہی جاں نثار تھے۔

اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ
اس حکم کو کوئی بھی نہ بجا لاتا

اس سے ثابت ہوا کہ کامل اطاعت کرنے والے کم ہوتے ہیں جس سے ایک گونہ حضور کو تسلی بھی دی گئی کہ منافقین کی حالت سے غمزدہ نہ ہوں۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا
اور اگر یہ لوگ جو کچھ ان کو نصیحت کی جاتی ہے

یعنی جان و دل سے اللہ و رسول کی اطاعت کرنے کی۔

مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ

اس پر عمل کیا کرتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا

کیونکہ دنیا میں ثواب کے مستحق ہوتے۔

وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿۶۶﴾

اور ایمان کو زیادہ پختہ کرنے والا ہوتا

کیونکہ تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ دین کے کام کرنے سے اعتقاد و یقین کو ترقی ہوتی ہے جب دنیا میں عمل کی برکت سے ثواب کے مستحق ہو جاتے اور یقین پختہ ہو جاتا تو آخرت کی فلاح نصیب ہوتی۔(ترجمہ دیکھو)

وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۶۷﴾

اور اس حالت میں ہم ان کو خاص اپنے پاس سے اجر عظیم عنایت فرماتے

وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۶۸﴾

اور ہم ان کو سیدھا راستہ بتلا دیتے

کہ بے روک ٹوک جنت میں جا داخل ہوتے جو کہ اجر عظیم ملنے کی جگہ ہے

ربط: اوپر اطاعت پر خاص مخاطبین سے اجر کا وعدہ تھا آگے بطور قاعدہ کلیہ کے عام وعدہ ہے جس میں اجر عظیم کی تفسیر ہو جائے گی جس کا ذکر اوپر آیا ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ

اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا مان لے گا

ومن یطع اللّٰہ والرسول تا علیما یعنی چاہے ضروری احکام ہی میں سہی گو زیادہ طاعت کر کے کمال حاصل نہ کر سکے اور ضروری احکام میں اطاعت کرنے کے بھی مختلف مرتبے ہیں ادنیٰ درجہ ذوہ ہے جس سے آدمی مومن ہو جاتا ہے اس سے اعلیٰ وہ ہے جس سے عاصی کے لقب سے بچ جاتا ہے اس جگہ یہی دو درجے اطاعت کے مراد ہیں جس درجہ کی اطاعت ہے اسی کے موافق انبیاء علیہم السلام وغیرہم کی معیت ہوگی اس سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ظاہری و باطنی مستحبات کو بھی بجا لائے یہ درجہ صدیقین و اولیاء کاملین کو نصیب ہوتا ہے آیت میں اطاعت کا یہ درجہ اس لئے مراد نہیں کہ اس میں اطاعت کرنے والوں کو انبیاء و صدیقین و اولیاء کی معیت کی بشارت دی گئی ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اطاعت کا وہ درجہ مراد ہے جو مرتبہ صدیقیت کی شہادت سے کم ہے۔

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ

تو ایسے اشخاص بھی ان حضرات کے ساتھ ہوں گے

ساتھ ہونے سے نہ تو یہ مراد ہے کہ ان ہی کے درجوں میں پہنچ جائیں گے کیونکہ فرق مراتب ضرور ہوگا اور نہ صرف یہ مراد ہے کہ جنت میں چلے جائیں گے۔ کیونکہ اس سے کوئی بڑی فضیلت نہیں نکلتی حالانکہ یہ مقام مدح میں فرمایا گیا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اپنے نیچے کے درجوں سے ان کے بلند مرتبوں میں جا کر ان کی زیارت و برکات سے مشرف ہوا کریں گے۔

اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ

جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء

وَالصِّدِّيْقِيْنَ

اور صدیقین

جو کہ انبیاء کی امت میں سب سے زیادہ رتبہ کے ہوتے ہیں۔ جن میں کمال باطنی بھی ہوتا ہے ان کو عرف میں اولیاء کہتے ہیں۔

وَالشُّهَدَآءِ

اور شہداء

جنہوں نے دین کی محبت میں اپنی جان تک دیدی

وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ

اور صلحاء

جو شریعت کے پورے متبع ہوتے ہیں واجبات میں بھی مستحبات میں بھی جن کو نیک بخت دیندار کہا جاتا ہے۔

وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾ؕ

اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں

حاصل یہ ہوا کہ اطاعت کا ثمرہ یہ ملے گا کہ اس کے رفیق ایسے لوگ ہوں گے۔

ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ

یہ فضل ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے

یعنی ان حضرات کی رفاقت و معیت یہ عمل کا بدلہ نہیں کیونکہ عمل کا مقتضا تو یہ تھا کہ جس درجہ کا عمل ہو وہاں سے آگے نہ جا سکے پس یہ بطور انعام کے ہے

ربط: اوپر معاملات مخالفین میں سے ایک معاملہ کا ذکر ہوا ہے یعنی کفار کی قباحتوں کا اظہار کئی رکوع سے چلا آتا ہے بیچ بیچ میں مقابلہ کے لئے اہل ایمان کی فضیلت کا بھی ذکر ہو گیا منجملہ معاملات مخالفین کے ایک جہاد بھی ہے آگے اس کا ذکر شروع ہوتا ہے اور دور تک اسی کے متعلقات چلے گئے ہیں۔

وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿٧٠﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اور اللہ تعالیٰ کافی جاننے والے ہیں۔ اے

اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ

ایمان والو! اپنی تو احتیاط رکھو

یآیہا الذین آمنوا تا اجراً عظیما یعنی ان کے داؤ گھات سے بھی ہوشیار رہو اور لڑائی کے وقت سامان ہتھیار ڈھال تلوار سے بھی درست رہو اس جگہ اصل مقصود تو جہاد کا حکم دینا ہے مگر پہلے حفاظت و احتیاط کا حکم دیا جو رحمت و شفقت الٰہیہ کی دلیل ہے۔

فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿٧١﴾ وَاِنَّ مِنْكُمْ

پھر متفرق طور پر یا مجتمع طور پر نکلو اور تمہارے مجمع میں

جس کے اندر بعضے منافقین بھی شامل ہو رہے ہیں۔

لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ج

بعضا بعضا شخص ایسا ہے

مراد منافق ہے۔

فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ

جو جہاد سے ہٹتا ہے پھر اگر تم کو کوئی حادثہ پہنچ گیا تو کہتا ہے بیشک

اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿٧٢﴾

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بڑا فضل کیا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ حاضر نہیں ہوا

نہیں تو مجھے بھی مصیبت آتی یعنی اپنے نہ جانے پر خوش ہوتا ہے ۱۲

وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ

اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہو جاتا ہے تو ایسے طور پر کہ گویا تم

كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ

میں اور اس میں کچھ تعلق ہی نہیں کہتا ہے ہائے کیا خوب ہوتا

كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿٧٣﴾

کہ میں بھی ان لوگوں کا شریک حال ہوتا تو مجھ کو بھی بڑی کامیابی ہوتی

اور یہ بات محض خودغرضی سے صرف مال کے فوت ہو جانے کے افسوس سے کہتا ہے جس سے بے تعلقی ظاہر ہے ورنہ جس سے تعلق ہوتا ہے اس کی کامیابی پر تو خوش ہوتے ہیں نہ کہ اپنا افسوس کرنے بیٹھ جاوے اور اسکی خوشی کا نام بھی نہ لے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بڑی کامیابی مفت مفت نہیں ملتی اگر اس کا طالب ہو۔ (ترجمہ دیکھو)

فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

تو ہاں اس شخص کو چاہئے کہ اللہ کی راہ میں

یعنی خدا کا بول بالا کرنے کے لئے اور یہ نیت ایمان و اخلاص کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی تو حاصل یہ ہوا کہ مسلمان اور مخلص بن کر

الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ط

ان لوگوں سے لڑے جو آخرت کے بدلے دنیوی زندگی کو اختیار کئے ہوئے ہیں

یعنی اس شخص کو اگر فوز عظیم (بڑی کامیابی) کا شوق ہے تو دل درست کرے ہاتھ پاؤں ہلائے مشقت جھیلے تیغ و سناں کے سامنے سینہ سپر ہو دیکھو فوز عظیم ہاتھ آتا ہے یا نہیں اور یوں کوئی دل لگی ہے پھر جو شخص اتنی مصیبت سہے سچی کامیابی اس کی ہے کیونکہ دنیا کی کامیابی اول تو حقیر پھر بھی ہے کبھی نہیں اور آخرت کی کامیابی جس کا مخلص مومن کے لئے وعدہ ہے عظیم بھی ہے پھر ہر حالت میں ہے کیونکہ اس کا قانون یہ ہے (ترجمہ دیکھو)

وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ

اور جو شخص اللہ کی راہ میں لڑے گا پھر خواہ جان سے مارا جاوے یا

يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٧٤﴾

غالب آ جاوے۔ ہم اس کو اجر عظیم دیں گے

جو کہ بڑی کامیابی کہنے کے لائق ہے اور دنیا و آخرت کی کامیابی میں یہ بھی فرق ہے کہ پہلی کا وعدہ نہیں اور آخرت کی کامیابی کا وعدہ ہے اسی وجہ سے وہ بوجہ یقینی ہونے کے مشابہ اجرت ہے۔ ربط: آگے بھی مکرر بیان سے جہاد کی تاکید کرتے ہیں اور اس کا ایک داعی بیان کرتے ہیں اور وہ داعی کمزور مسلمانوں کا ستم رسیدہ ہونا ہے۔ اور وعدہ امداد کی طرف بھی اشارہ فرماتے ہیں پس یہ مضمون ماقبل کا تتمہ ہے۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ

اور تمہارے پاس کیا عذر ہے کہ تم جہاد نہ کرو

ومالکم لا تقاتلون تا ضعیفا باوجود یکہ اس کا قوی داعی موجود ہے ایک تو یہ کہ جہاد (آگے ترجمہ دیکھو)

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اللہ کی راہ میں

یعنی خدا کا نام بلند کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ جس کا اہتمام بہت ضروری ہے دوسرا داعی آگے بیان فرماتے ہیں (ترجمہ دیکھو)

وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ

اور کمزوروں کی خاطر سے

بھی لڑنا ضروری ہے تاکہ وہ پنجۂ کفار کے ستم سے رہائی پائیں تو اعلائے کلمۃ اللہ کے آثار میں سے یہ خاص ضرورت بھی درپیش ہے۔

مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ

جن میں کچھ مرد ہیں اور کچھ عورتیں ہیں اور کچھ بچے ہیں

الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ

جو دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو

هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ

اس بستی سے باہر نکال جس کے رہنے والے سخت ظالم ہیں اور ہمارے لئے

لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙ ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا

غیب سے کسی دوست کو کھڑا کیجئے اور ہمارے لئے غیب سے

مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝۷۵ ط اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

کسی حامی کو بھیجئے۔ جو لوگ پکے ایماندار ہیں وہ تو

ان احکام کو سن کر (ترجمہ دیکھو) ۱۲

يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ

اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور جو لوگ

كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ

کافر ہیں وہ شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں

اور ظاہر ہے کہ ان دونوں میں اللہ کی نصرت ایمانداروں کے ساتھ ہوگی۔

فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ

تو تم شیطان کے ساتھیوں سے جہاد کرو

کیونکہ تمہارے ساتھ اللہ کی امداد ہے اور کافروں کے ساتھ نہیں اگرچہ وہ بھی غلبہ کی تدبیریں کرتے ہیں۔

اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ۝۷۶ ع

واقع میں شیطانی تدبیر لچر ہوتی ہے

کیونکہ اس میں غیبی امداد نہیں ہوتی اور گاہے غلبہ ہو جانا یہ استدراج ہے غیبی امداد کا وہ تدبیریں کیا مقابلہ کرسکتی ہیں خلاصہ یہ کہ جہاد کا داعی بھی موجود ہے اور امداد کا وعدہ بھی ہے پھر کیا عذر ہے؟ مکہ میں ایسے کمزور مسلمان رہ گئے تھے جو اپنے ضعف جسمانی وکم سامانی کی وجہ سے ہجرت نہ کر سکے پھر کافروں نے بھی جانے نہ دیا اور ان کو بہت ستاتے تھے آخر حق تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی بعضوں کی رہائی کا تو پہلے ہی سامان ہوگیا پھر مکہ معظمہ فتح ہوگیا جس سے سب کو امن اور اعزاز حاصل ہوگیا اور ان کی دعا قبول ہونے کے بعد مسلمانوں کو جہاد کا حکم اس لئے نہیں دیا گیا کہ خدا کو ان کے جہاد کی ضرورت تھی بدوں اس کے ان کی رہائی نہ ہوسکتی تھی بلکہ صرف اس لئے حکم دیا گیا تاکہ مسلمان مفت کی دولت حاصل کرلیں کیونکہ عالم اسباب میں حق تعالیٰ شانہ کوئی ظاہری سبب بھی پیدا کردیتے ہیں۔ تو بہرحال ان کمزوروں کی حمایت کے لئے کسی کو مقرر فرمایا جاتا اول مسلمانوں کو حکم دیا اگر وہ سستی کرتے تو کسی دوسرے کو اس کام پر کھڑا کردیتے چنانچہ دوسری آیت میں ہے **وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم** اگر تم پھر جاؤ گے تو ہم کسی دوسری قوم کو تمہاری جگہ قائم کردیں گے اور حامی و مددگار کا مصداق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یہی ظاہر ہے یا وہ صحابی جن کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد مکہ کا حاکم بنایا کیونکہ انہوں نے سب کو بہت آرام پہنچایا ان کا نام عتاب بن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا۔

ربط: ہجرت سے پہلے جب مکہ میں بہت سے مسلمان تھے اور کفار کی ایذا رسانی اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے تو ان کو طبعی جوش ہوتا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے باصرار اجازت جہاد کی چاہتے تھے مگر اس وقت درگزر کرنے اور

صبر کرنے کا حکم تھا پھر ہجرت کے بعد جو ان کو امن چین نصیب ہوا تو بعضوں کو اتنا جوش نہ رہا کیونکہ قاعدہ ہے کہ آنکھوں کے سامنے ظلم ہوتا ہوا دیکھ کر زیادہ جوش ہوتا ہے اور آنکھ او جھل پہاڑ او جھل پھر جو جہاد کا حکم نازل ہوا تو طبعاً بعض کو دشوار معلوم ہوا اس پر آئندہ آیت میں ایک لطف آمیز شکایت فرمائی گئی جو توبیخ اور دھمکی نہیں ہے کیونکہ ان پر گرانی ایک طبعی قاعدہ کی بناء پر ہوئی تھی جیسا کہ ہم نے ابھی بتلایا ہے انکار یا اعتراض کی وجہ سے نہیں ہوئی تھی حق تعالیٰ اس شکایت کے ساتھ دنیا کی ناپائیداری اور آخرت کا باقی رہنا اور موت سے کسی حال میں نہ بچ سکنا بیان فرماتے ہیں اور ان باتوں کا ترغیب میں پورا دخل ہونا ظاہر ہے الم تر الی الذین قیل لھم تالا تظلمون فتیلا

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ
کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا کہ ان کو یہ کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو تھامے
وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ
رہو اور نمازوں کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو

یعنی یا تو جہاد کا حکم آنے سے پہلے ایسا تقاضا تھا کہ ہم کو روکنے کی ضرورت پڑی اور یہ کہا گیا کہ جو جو حکم تم کو اس وقت تک دیئے گئے ہیں بس ان میں لگے رہو ابھی جہاد نہ کرو (آگے ترجمہ)

فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ
پھر جب ان پر جہاد کرنا فرض کر دیا گیا تو قصہ کیا ہوا کہ ان میں سے بعض
مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ
بعض آدمی لوگوں سے ایسا ڈرنے لگے جیسا کوئی اللہ تعالیٰ سے
اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ
ڈرتا ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ ڈرنا

چونکہ یہ خوف طبعی تھا اس لئے گناہ نہیں ہوا۔

وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ
اور یوں کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے ہم پر جہاد کیوں فرض
لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۗ
فرما دیا۔ ہم کو اور تھوڑی مدت مہلت دے دی ہوتی

کہ ذرا اور بےفکری سے رہ لیتے۔

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا
آپ فرما دیجئے کہ دنیا کا تمتع

اور آرام جس کی وجہ سے تم التواء جہاد کی تمنا کرتے ہو۔

قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ
محض چند روزہ ہے اور آخرت ہر طرح سے بہتر ہے

جس کے حصول کا اعلیٰ ذریعہ جہاد ہے۔

لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ
اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچے

مخالفت اگر کفر تک پہنچ گئی تب تو بالکل ہی محرومی ہے اور اگر معصیت کی حد تک ہے تو تمتع کے اعلیٰ درجہ سے محروم رہے گا۔

وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿٧٧﴾
اور تم پر تاگے برابر بھی ظلم نہ کیا جاوے گا

بلکہ حسب اعمال پورا پورا ثواب ملے گا۔

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ
تم چاہے کہیں بھی ہو وہاں ہی تم کو موت آ دباوے گی
فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۭ
اگرچہ تم قلعی چونہ کے قلعوں ہی میں ہو

کیونکہ موت ہر ایک کے واسطے مقدر اور مقرر ہو چکی ہے اپنے وقت پر ضرور آئے گی کہیں بھی ہو

وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ
اور اگر ان منافقوں کو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے تو کہتے ہیں کہ
عِنْدِ اللّٰهِ ۚ
یہ منجانب اللہ ہوگی

یعنی ان منافقوں کا اور عجیب حال سنو اگر تدبیر لڑائی کی درست ہوئی اور فتح ہوگئی اور غنیمت کا مال ہاتھ آ گیا تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے

ہے یعنی اتفاقی بات ہوگئی۔

وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ

اور اگر ان کو کوئی بری حالت پیش آتی ہے تو

یعنی اگر تدبیر بگڑ جاتی اور ہزیمت اور نقصان پیش آتا تو الزام نعوذ باللہ رسول اللہ کی تدبیر پر رکھ دیتے۔

يَّقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِكَ‌ؕ

کہتے ہیں کہ یہ آپ کے سبب سے ہے

ورنہ چین سے گھروں میں بیٹھے رہتے تو کیوں اس مصیبت میں پڑتے۔

قُلۡ

آپ فرما دیجئے

میرا تو اس میں ذرا بھی دخل نہیں۔

كُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ‌ؕ

کہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے

نعمت تو بلا واسطہ اور مصیبت بواسطہ کیونکہ نعمت تو محض ان کے فضل سے ہے اعمال کو اس میں دخل نہیں کیونکہ جس عمل کو اس کا سبب سمجھا جائے اس سے پہلے بھی حق تعالیٰ کی اس قدر نعمتیں ہوں گی کہ ان ہی کی مکافات اس عمل سے نہیں ہوسکتی چہ جائیکہ وہ دوسری نعمت کا سبب بنے اور مصیبت حق تعالیٰ کے عدل کی وجہ سے بسبب گناہوں کے آتی ہے پس تم جو مصیبت میں میرا دخل سمجھتے ہو حقیقت میں لوگوں کے گناہوں کو اس میں دخل ہے جیسا کہ غزوۂ احد کے بیان میں شکست کے وجوہ گزر چکے ہیں اور یہ بات نہایت ہی ظاہر ہے اگر آدمی ذرا بھی غور کرے تو خوش حالی سے پہلے کوئی عمل اس درجہ کا نہ پاوے گا جو اس کا سبب بن سکے محض فضل ہی معلوم ہوگا اور بدحالی سے پہلے ضرور کوئی عمل بد ہوگا جس کی سزا اس سے بھی زیادہ ہوتی (ترجمہ دیکھو)

فَمَالِ هٰٓؤُلَۤاءِ الۡقَوۡمِ لَا يَكَادُوۡنَ يَفۡقَهُوۡنَ

تو ان لوگوں کو کیا ہوا کہ بات سمجھنے کے پاس کو

حَدِيۡثًا ۝۷۸

بھی نہیں نکلتے

سمجھیں گے تو کیا ہوگا آگے اس اجمالی جواب کی جو اوپر دیا گیا ہے تفصیل فرماتے ہیں (ترجمہ دیکھو)

مَاۤ اَصَابَكَ مِنۡ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ‌ وَمَاۤ

اے انسان تجھ کو جو کوئی خوشحالی پیش آتی ہے وہ محض اللہ کی جانب سے ہے

اَصَابَكَ مِنۡ سَيِّئَةٍ فَمِنۡ نَّفۡسِكَ‌ؕ

اور جو کوئی بدحالی پیش آوے وہ تیرے ہی سبب سے ہے

پس اس بدحالی کو رسول کی طرف یا حکم شرعی کی طرف نسبت کرنا پوری جہالت ہے جیسا کہ منافقین حضور کی طرف اور جہاد کی طرف نسبت کرتے تھے اس تقریر سے معلوم ہوگیا کہ اس جگہ محض عدل اور فضل کا بیان کرنا مقصود ہے **مسئلہ**: خلق افعال سے آیت کو کوئی بھی تعلق نہیں بعض بددین یہ سمجھے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نیک اعمال کا خالق خدا ہے اور بداعمال کا خالق خود انسان ہے آیت میں خالق ہونے نہ ہونے کا کوئی ذکر نہیں مقصود صرف اتنا ہے کہ نعمت محض فضل خداوندی کی وجہ سے ہوتی ہے اور مصیبت بھی خدا خود ہی بھیجتے ہیں مگر انسان کے گناہوں کے سبب سے اور یہ بھی جان لینا چاہئے کہ یہ حکم سب کے لئے نہیں بلکہ بدعمل آدمی کے لئے ہے باقی نیک بندوں پر جو حوادث و بلیات آتے ہیں وہ خود رحمت اور تربیت ہے گو ظاہر میں مصیبت معلوم ہو اور بعض جگہ جو خوشحالی وغیرہ کو اعمال حسنہ کا عوض فرمایا گیا ہے وہ محض صورۃً ہے ورنہ حقیقت میں اصلی سبب محض فضل ہے۔ **ربط**: منافقین کے اس قول سے کہ وہ بدحالی کو نعوذ باللہ حضور کی طرف نسبت کرتے تھے رسالت کا انکار بھی لازم آتا تھا۔ آگے رسالت کا اثبات دلیل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں اس سے ان کے قول کا دوسرے طور پر بھی رد ہو جائے گا۔

وَاَرۡسَلۡنٰكَ لِلنَّاسِ

اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف

وارسلنک للناس رسولاً الخ اس میں جن و انس سب داخل ہیں کیونکہ لفظ الناس کا اطلاق سب پر آتا ہے پس اس میں حضور کی نبوت عام ہونے کا بیان ہے جو قرآن و حدیث میں اور جگہ بھی مذکور ہے اور قطعی عقیدہ ہے ۱۲

رَسُوۡلًا‌ؕ

پیغمبر بنا کر بھیجا ہے

کسی کافر کے انکار سے نبوت کی دلیل کی کب نفی ہوسکتی ہے۔

وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۷۹﴾

اور اللہ تعالیٰ گواہ کافی ہیں

حق تعالیٰ نے قول اور فعل دونوں سے اس کی شہادت دی ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ

جس شخص نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا تعالیٰ کی اطاعت کی

اور جس نے آپ کی نافرمانی کی خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی۔

وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾ؕ

اور جو شخص روگردانی کرے سو ہم نے آپ کو ان کا نگران کر کے نہیں بھیجا

کہ آپ ان کو کفر نہ کرنے دیں

وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۫ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا کام اطاعت کرنا ہے پھر جب آپ کے پاس سے

عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ

باہر جاتے ہیں تو شب کے وقت مشورے کرتی ہے ان میں کی ایک جماعت

یعنی سرداروں کی جماعت

غَيْرَ الَّذِىْ تَقُوْلُ ؕ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ

برخلاف اس کے جو کچھ زبان سے کہہ چکے تھے اور اللہ تعالیٰ لکھتے جاتے ہیں جو

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى

کچھ وہ راتوں کو مشورے کیا کرتے ہیں سو آپ ان کی طرف التفات نہ کیجئے اور

بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾

اللہ تعالیٰ کے حوالہ کیجئے اور اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہیں

وہ خود مناسب طور پر اس کا دفعیہ فرماویں گے۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ

تو کیا پھر قرآن میں غور نہیں کرتے

حالانکہ اس کا اعجاز دیکھ رہے ہیں۔

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ

اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا

اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾

تو اس میں بکثرت تفاوت پاتے

کیونکہ اس کے اندر مضامین بہت زیادہ ہیں آدمی کا ہر ہر مضمون ایک ایک حالت کے مطابق ہوتا ہے جن میں اختلاف اور تفاوت بھی ہوتا ہے تو اتنے مضامین میں بہت زیادہ اختلاف پیدا ہو جاتا ہے حالانکہ قرآن کے ایک مضمون میں بھی فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے تفاوت نہیں نہ کسی غیبی خبر میں واقعیت سے اختلاف ہے پس لامحالہ یہ غیر اللہ کا کلام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے خلاصہ دلیل کا یہ ہے کہ قرآن مجید میں کئی طرح سے اعجاز موجود ہے ایک تو اس کا فصاحت و بلاغت میں بے مثل و بے نظیر ہونا جس کا ثبوت تمام فصحاء و بلغاء کے عاجز ہونے سے ظاہر ہو چکا ہے اگر یہ غیر اللہ کا کلام ہوتا تو اس طرح تمام بلغا جو بلاغت و شاعری میں شہرۂ آفاق تھے اس کے مقابلہ سے عاجز نہ ہوتے پھر انسان کا سارا کلام یکساں نہیں ہو سکتا کبھی تو کوئی مضمون فصاحت و بلاغت سے ضرور گرا ہوا ہوتا ہے مگر قرآن باوجودیکہ اتنی بڑی کتاب ہے کہیں کوئی آیت اس کی حد اعجاز سے گری ہوئی نہیں کسی آیت کا مثل و نظیر کوئی شخص نہیں لا سکتا تو مخالفین میں جو مشرک ہیں ان کے لئے یہ فصاحت و بلاغت کا اعجاز قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر بڑی دلیل ہے اور جو اہل کتاب ہیں اور اکثر منافقین بھی ان میں ہی سے تھے ان کے لئے قرآن کی حقانیت پر کافی دلیل یہ ہے کہ قرآن میں غیب کی خبریں بکثرت موجود ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان پر مطلع ہونے کا کوئی ذریعہ نہ تھا نہ آپ نے کوئی کتاب پڑھی نہ اہل کتاب کی صحبت میں رہے پھر بدوں وحی الٰہی کے کیونکر اس کثرت سے قرآن میں پہلی خبریں بیان کی گئیں اس کو بھی جانے دو منافقین اور ان کے سردار جو آپس میں خفیہ مشورہ کیا کرتے تھے سب کی اطلاع اور ان کے دلوں کی اطلاع اور بھیدوں کا اظہار قرآن میں بکثرت کیا گیا ہے نیز آئندہ کی نسبت بہت سی پیشین گوئیاں کی گئی ہیں اگر یہ کلام کسی انسان کا ہوتا تو کوئی خبر تو واقعیت سے ہٹی ہوئی ہوتی بلکہ اتنی زیادہ خبروں میں تو واقعیت سے زیادہ اختلاف ہوتا مگر قرآن میں زیادہ تو کیا ایک خبر کو بھی واقعیت کے خلاف کوئی نہ ثابت کر سکا اہل کتاب بھی مان گئے کہ جتنی خبریں پہلے زمانہ کی قرآن میں ہیں سب سچ ہیں منافقین کے دلوں کے بھید جب قرآن میں کھولے گئے سب سرنگوں ہو

گئے اور حیران تھے کہ ہمارے خفیہ مشورے اور دلی راز قرآن میں کیسے ہو بہو ظاہر کر دیئے جاتے ہیں باتیں کرتے ہوئے ڈرنے لگے اور آئندہ کی پیشین گوئیاں تو بعینہ سچ ہوتی ہوئی دنیا نے دیکھ لیں اگر کوئی یہ کہے کہ ممکن ہے کہ حضور کو کسی فن کی مشق ہو جس سے آپ کو کشف وغیرہ ہوتا ہو تو جواب یہ ہے کہ آپ کے زمانہ میں مخالفین بکثرت موجود تھے اگر ایسا ہوتا تو ضرور کوئی دعویٰ کر کے اس کو ثابت کرتا دوسرے کیسے ہی کوئی ماہر فن ہو غیب کی خبریں اس کثرت سے صحیح بعینہ نہیں بیان کر سکتا کہ کوئی بات بھی واقعیت سے نہ ہٹے علاوہ ازیں اگر کوئی ایسے فن کا ماہر بھی ہو تو جھوٹا دعویٰ نبوت کرنے کے بعد اس کی ساری مہارت جاتی رہتی ہے۔

ربط:

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ

اور جب ان لوگوں کو کسی امر کی خبر پہنچتی ہے خواہ امن ہو یا خوف تو اس کو مشہور

اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ

کر دیتے ہیں

جو انتظامی مصالح کے خلاف ہے۔

وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ

اور اگر یہ لوگ اس کو رسول کے اور جو ان میں ایسے امور کو سمجھتے ہیں ان کے اوپر حوالہ

مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ

رکھتے تو اس کو وہ حضرات تو پہچان ہی لیتے جو ان میں اس کی تحقیق کر لیا کرتے

یعنی حضور کی اور اکابر صحابہ کی رائے پر چھوڑ دیتے وہ اس کو خود سمجھ لیتے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ

اور اگر تم لوگوں پر خدا کا فضل اور رحمت

یعنی قرآن کا عطا ہونا اور پیغمبر کا مبعوث ہونا۔

لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٨٣﴾

نہ ہوتی تو تم سب کے سب شیطان کے پیرو ہو جاتے بجز تھوڑے سے آدمیوں کے

جو بدولت عقل خداداد کے اس سے محفوظ رہتے۔

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ

پس آپ اللہ کی راہ میں قتال کیجئے

کیونکہ جہاد کی ضرورت معلوم ہو چکی۔

لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ

آپ کو بجز آپ کے ذاتی فعل کے کوئی حکم نہیں

دوسروں کے افعال آپ کے ذمہ نہیں۔

وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ

اور مسلمانوں کو ترغیب دے دیجئے

اور اپنے فرض سے بری الذمہ ہو جایئے۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ

اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ کافروں کے زور جنگ کو روک دیں گے

اور کفار کو مغلوب کر دیں گے۔

وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا

اور اللہ تعالیٰ زور جنگ میں زیادہ شدید ہیں

اس سے مراد قدرت اور قوت الٰہیہ ہے۔

وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿٨٤﴾

اور سخت سزا دیتے ہیں

ممکن ہے کہ اس سے سزائے آخرت مراد ہو اور پہلے جملہ سے سزائے دنیوی

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً

جو شخص اچھی سفارش کرے

یعنی مقصود بھی جائز ہو اور طریقہ سفارش کا بھی موافق شریعت کے ہو۔

يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ

اس کو اس کی وجہ سے حصہ ملے گا اور جو شخص بری

شَفَاعَةً

سفارش کرے

جس کی غرض یا طریقہ ناجائز ہو۔

سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

اس کو اس کی وجہ سے حصہ ملے گا اور اللہ تعالیٰ

عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ

ہر چیز پر قدرت رکھنے والے ہیں اور جب تم کو کوئی (مشروع طور پر)

یعنی جائز طریقہ پر کیونکہ اگر ناجائز طریقہ پر سلام کرے مثلاً پاخانہ پیشاب کرنے والے یا نماز وتلاوت کرنے والے کو تو اس کا جواب دینا واجب نہیں مگر بعض جگہ جواب دینا مکروہ ہے

بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ

سلام کرے تو تم اس (سلام) سے اچھے الفاظ میں سلام کرو

یعنی جواب دو اور جواب دینا واجب علی الکفایہ ہے کہ اگر جماعت میں سے ایک بھی جواب دے دے تو سب کے ذمہ سے اتر جائے گا اور مطلق جواب دینا تو واجب ہے باقی ویسے ہی الفاظ یا اس سے کم یا زیادہ اس کا اختیار ہے ادنیٰ لفظ تو السلام علیکم ورحمۃ اللہ اس سے زیادہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اسی طرح جواب میں بھی وعلیکم السلام سے تو کم نہ ہو آگے اختیار ہے اگر کافر سلام کرے تو اس کا جواب دینا واجب نہیں البتہ جائز ہے اور وہ جو حدیث میں آتا ہے کہ اہل کتاب اگر سلام کریں تو صرف علیکم کہہ دیا کرو یہ جب ہے کہ اس کے شرارت سے سلام کرنے کا احتمال ہو ورنہ جواب دینا جائز ہے بلکہ ضرورت کے وقت پہلے کرنا بھی جائز ہے۔

ربط: آگے ان سب احکام کی تاکید واہتمام کے لئے اپنی عظمت اور روز قیامت کا ذکر فرماتے ہیں تا کہ حاکم کی عظمت سے اور ان کے دربار میں حاضری کے خوف سے عمل کا اہتمام زیادہ ہو۔

اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ

یا ویسے ہی الفاظ کہہ دو ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر

حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ

حساب لیں گے اللہ ایسے ہیں کہ ان کے سوا کوئی معبود ہونے کے قابل نہیں

اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ وَمَنْ

وہ ضرور تم سب کو جمع کریں گے قیامت کے دن میں اس میں کوئی شبہ نہیں

اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾ ع

اور خدا تعالیٰ سے زیادہ کس کی بات سچی ہو گی

اللہ لا الہ الا ھو تا حدیثا یعنی مخلوق کی بات خدا سے زیادہ سچی نہیں ہو سکتی اور محاورہ میں اس سے یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ برابر بھی نہیں ہو سکتی اور یہ ظاہر ہے کیونکہ مخلوق کو علم غیب چونکہ نہیں وہ اس پر مطلع نہیں ہو سکتے کہ واقع کے مطابق کونسی بات ہے کونسی نہیں اور سچائی کا مدار یہی ہے نیز کیونکہ مخلوق کو قدرت کاملہ نہیں وہ اپنے وعدہ کو پورا کر دینے پر بھی قادر نہیں مگر یہ کہ خدا تعالیٰ بتلا دیں یا قدرت دیں تو اور بات ہے تو چونکہ حق تعالیٰ میں یہ دونوں باتیں ہیں اس لئے ان کی ہر خبر بھی صادق ہے اور وعدہ بھی سچا ہے نیز مخلوق کے کلام کے لئے صدق ایسی صفت نہیں کہ کبھی جدا نہ ہو سکے بخلاف حق تعالیٰ کے کلام کے کہ اس سے سچائی کا جدا ہونا محال ہے اس کے کلام کے لئے صدق ہمیشہ لازم ہے جدا نہیں ہو سکتا یہ اور بات ہے کہ کذب پر بھی خدا تعالیٰ کو قدرت ہے کیونکہ جب کلام پر قدرت ہے تو ہر قسم کے کلام پر قدرت ہو گی مگر کذب کا وقوع نہیں ہو سکتا۔

ربط: اوپر جہاد کے احکام مذکور تھے آگے بھی کفار کے بعض حالات کے اعتبار سے خاص خاص احکام مذکور ہیں شان نزول ان آیتوں کا جو پورا ایک رکوع ہے چند واقعات ہیں اول یہ کہ بعض مشرکین مکہ سے مدینہ آئے اور ظاہر کیا کہ ہم مسلمان اور مہاجر ہو کر آئے ہیں پھر مرتد ہو گئے اور حضورؐ سے اسباب تجارت لانے کا بہانہ کر کے پھر مکہ چل دیئے اور واپس نہ آئے ان کے بارہ میں مسلمانوں کی رائے مختلف ہوئی کسی نے کہا یہ کافر ہیں بعض نے حسن ظن کی بناء پر کہا کہ مومن ہیں اور ان کے مکہ چلے جانے میں تاویل کر لی ہو گی کہ ہجرت ایک فرض ہے اور فرض کا تارک فاسق ہوتا ہے نہ کہ کافر حالانکہ اس وقت مثل اقرار کے بدوں ہجرت کے اسلام متصور نہ ہو سکتا تھا حق تعالیٰ نے فمالکم الخ میں ان کا منافق اور واجب القتل ہونا بیان فرما دیا۔ (کیا ہوا) جب تم ان مرتدین کی حالت دیکھ رہے ہو۔

فَمَا لَكُمْ فِى الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ

پھر تم کو کیا ہوا کہ ان منافقین کے باب میں تم دو گروہ ہو گئے

یعنی اختلاف رائے کرنے لگے۔

وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو الٹا پھیر دیا ان کے عمل کے سبب

یعنی علانیہ کفر کی طرف لوٹ گئے۔

اَتُرِيْدُوْنَ

کیا تم لوگ

جو دار السلام سے چلے جانے کو کفر کی علامت نہیں سمجھتے۔

اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ

اس کا ارادہ رکھتے ہو کہ ایسے لوگوں کو ہدایت کرو جن کو اللہ تعالیٰ نے گمراہی میں ڈال رکھا ہے

جب کہ انہوں نے خود گمراہی اختیار کی۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾

اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہی میں ڈال دیں اس کے لئے کوئی سبیل نہ پاؤ گے

پس ان لوگوں کو مومن نہ کہنا چاہیے۔

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ

وہ اس تمنا میں ہیں کہ جیسے وہ کافر ہیں تم بھی کافر بن جاؤ جس میں تم اور وہ

سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ

سب ایک طرح کے ہو جاؤ سو ان میں سے کسی کو دوست مت بنانا

کیونکہ دوستی جائز ہونے کے لئے اسلام شرط ہے۔

حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ

جب تک کہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت نہ کریں

یعنی تکمیل اسلام کے لئے ہجرت کریں۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ

اور اگر وہ اعراض کریں تو ان کو پکڑو

یہ پکڑنا قتل کے لئے ہے یا غلام بنانے کے لئے۔

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ص وَلَا

اور قتل کرو جس جگہ ان کو پاؤ اور نہ

تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾ لا

ان میں سے کسی کو دوست بناؤ اور نہ مددگار بناؤ

مطلب یہ ہے کہ نہ امن کی حالت میں ان سے دوستی کرو اور نہ خوف کے وقت ان سے امداد لو۔ بالکل الگ تھلگ رہو سراقہ بن مالک مدلجی نے بعد واقعہ بدر واحد کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں آ کر درخواست کی کہ ہماری قوم بنی مدلج سے صلح کر لیجئے آپ نے حضرت خالد کو تکمیل صلح کے لئے وہاں بھیج دیا مضمون صلح یہ تھا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل کی مدد نہ کریں گے اور قریش مسلمان ہو جائیں گے تو ہم بھی مسلمان ہو جاویں گے اور جو قومیں ہم سے متحد ہوں گی وہ بھی اس معاہدہ میں ہماری شریک ہیں اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍ ۢ بَيْنَكُمْ

مگر جو لوگ ایسے ہیں جو کہ ایسے لوگوں سے جا ملتے ہیں کہ تمہارے

وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ

اور ان کے درمیان عہد ہے

الی الذین یصلون الی قوم تا سبیلا جیسا کہ بنی مدلج نے مسلمانوں سے صلح کی تھی تو جتنی قومیں ان کی دوست اور ہم عہد ہوں گی وہ بھی اس استثنا میں داخل ہو گئیں اور بنی مدلج تو بدرجہ اولیٰ یہ تو بواسطہ صلح کی صورت تھی آگے بلا واسطہ صلح کی صورت بیان فرماتے ہیں۔

اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ

یا خود تمہارے پاس اس حالت سے آویں کہ ان کا دل تمہارے ساتھ

يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ

اور نیز اپنی قوم کے ساتھ لڑنے سے منقبض ہو

اس لئے نہ تو اپنی قوم کے ساتھ ہو کر تم سے لڑیں اور نہ تمہارے ساتھ ہو کر اپنی قوم سے لڑیں بلکہ ان سے بھی صلح رکھیں اور تم سے بھی دونوں طریقوں میں سے جس طریق سے کوئی مصالحت کرے وہ قتل وغیرہ کے حکم سے مستثنیٰ ہے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ج

اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کو تم پر مسلط کر دیتا پھر وہ تم سے لڑنے لگتے

تو خدا کا احسان مانو کہ ان کے دلوں میں تمہاری ہیبت ڈال دی اور خود صلح کی درخواست کرنے آئے اور خدا نے تم کو پریشانی سے بچا لیا۔

فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا

پھر اگر وہ تم سے کنارہ کش رہیں یعنی تم سے

اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ

نہ لڑیں اور تم سے سلامت روی رکھیں تو اللہ تعالیٰ نے

عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿٩٠﴾

تم کو ان پر کوئی راہ نہیں دی

یعنی اجازت نہیں دی روح المعانی میں حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ یہ حکم صلح کا سورہ براءت کی آیت فاذا انسلخ الاشھر الحرم سے منسوخ ہے اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ صلح والوں سے تو جنگ نہ کرنے کا اب بھی حکم باقی ہے پھر نسخ کا کیا مطلب جواب یہ ہے کہ اس وقت خواہان صلح کی درخواست منظور کرنا واجب ہوتا تھا اب یہ وجوب منسوخ ہے۔ امام کو اختیار ہے کہ صلح مناسب سمجھے کرے ورنہ نہ کرے اور ممکن ہے کہ اس وقت بھی صلح قبول کرنے کا اختیار ہی ہو لیکن یہ بھی حکم ہے کہ اگر کسی وقت صلح کا باقی رکھنا مصلحت نہ ہو تو صلح کرنیوالوں کو اطلاع کر دی جائے کہ ہم مصالحت توڑتے ہیں چنانچہ سورہ براءت میں یہی صورت مذکور ہے کہ بعد اشہر حرم کے کسی سے صلح باقی نہ رہے گی تو ابن عباس نے اس اعلان نقض صلح کو ظاہراً نسخ کہہ دیا ورنہ حقیقت میں یہ نسخ نہیں خوب سمجھ لو۔ ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ اسد اور غطفان کے لوگ مدینہ میں آ کر بظاہر اسلام کا دعویٰ کرتے اور اپنی قوم سے جا کر کہتے کہ ہم تو بندر اور بچھو پر ایمان لائے ہیں اور مسلمانوں سے آ کر کہتے کہ ہم تو تمہارے دین پر ہیں اور یہی حالت قبیلہ بنی عبدالدار کی تھی۔ احقر کہتا ہے کہ اس تیسرے فرقہ کی حالت پہلے فرقہ کی مثل ہے کیونکہ دلیل سے انکا پہلے ہی سے مسلمان نہ ہونا ثابت ہو گیا اس لئے انکا حکم مثل عام کفار کے ہے یعنی اگر صلح ہو جائے تو ان سے لڑائی نہ کی جائے اور صلح نہ ہو تو قتال کیا جائے۔

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ

بعضے ایسے بھی تم کو ضرور ملیں گے کہ وہ چاہتے ہیں کہ تم سے بے خطر ہو کر

يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ۭ

رہیں اور اپنی قوم سے بھی بے خطر ہو کر رہیں

کہ تم ان کو اپنا سمجھو اور ان کی قوم بھی اپنا سمجھے۔

كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ

جب کبھی ان کو شرارت کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے تو اس میں جا گرتے ہیں

یعنی جنگ اور نقض عہد پر تیار ہو جاتے ہیں۔

فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ

اگر یہ لوگ تم سے کنارہ کش نہ ہوں اور نہ تم سے

السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ

سلامت روی رکھیں اور نہ اپنے ہاتھوں کو روکیں

سب کا حاصل یہ ہے کہ صلح توڑ دیں

فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ۭ

تو تم ان کو پکڑو اور قتل کرو جہاں کہیں ان کو پاؤ

وَاُولٰۗىِٕكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿٩١﴾ ع

اور ہم نے تم کو ان پر صاف حجت دی ہے

یعنی ان کا خون مباح ہو گیا

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـــًٔا ۚ

اور کسی مومن کی شان نہیں کہ وہ کسی مومن کو قتل کرے لیکن غلطی سے

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـــًٔا

اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے

وما کان لمؤمن تا وکان اللہ علیما حکیما خواہ غلطی ارادہ اور گمان میں ہو مثلاً کسی مسلمان کو کافر حربی سمجھ کر قتل کر دیا یا فعل میں غلطی ہو کہ مارنا چاہا تھا شکار کو آدمی کے جا لگا یا آدمی کو ارادہ سے مارا مگر دھار دار ہتھیار سے نہیں مارا لاٹھی وغیرہ سے مارا اور وہ جان سے مر گیا یہ صورت بھی قتل خطا میں داخل ہے اس کو شبہ عمد کہتے ہیں کیونکہ لاٹھی وغیرہ سے اکثر جان سے مارنا مقصود نہیں ہوتا تو گویا یہ قتل بھی خطا سے واقع ہو گیا اگرچہ قصداً ہی مارا ہو۔

فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ

تو اس پر ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے اور خون بہا ہے

قتل خطا کی سب صورتوں میں گناہ بھی ہے اور دیت بھی لیکن اگر دیت نقد مال سے دی جائے تب تو ہر صورت میں ایک ہزار دینار شرعی یا دس ہزار درم شرعی ہیں اور اگر اونٹوں سے دی جائے تو سو اونٹ ہیں مگر شبہ عمد میں اور دوسری صورتوں میں اونٹوں کی قسمیں مختلف ہوں گی جس کی تفصیل فقہ میں مذکور ہے اور گناہ شبہ عمد میں زیادہ ہے کیونکہ ارادہ سے قتل کیا اور دوسری صورت میں اس سے کم ہے صرف بے احتیاطی کی وجہ سے گناہ ہوگا اور یہ مقدار دیت کی مرد کے لئے ہے اگر عورت کو قتل کیا ہو تو اس کی دیت مرد سے آدھی ہے۔

إِلَىٰٓ أَهْلِهِۦٓ

جو اس کے خاندان والوں کو حوالہ کر دی جائے

یعنی ان میں جو وارث ہیں ان کو بقدر حصہ میراث کے دیا جائے اور جس کے وارث نہ ہوں بیت المال قائم مقام ورثہ کے ہے۔

إِلَّآ أَن يَصَّدَّقُوا۟ ۚ

مگر یہ کہ وہ لوگ معاف کر دیں

خواہ پوری یا کچھ معاف کریں اتنی ہی معاف ہو جاوے گی۔

فَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ

اور اگر وہ ایسی قوم سے ہو جو تمہارے مخالف ہیں

یعنی کافر حربی ہیں اور وہ مسلمان کسی وجہ سے ان ہی میں رہتا تھا۔

وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ

اور وہ شخص خود مومن ہے تو ایک غلام یا لونڈی مسلمان کا آزاد کرنا

اور اس صورت میں دیت نہیں خواہ دار الحرب میں مقتول کے ورثہ مسلمان موجود ہوں یا نہ ہوں۔

وَإِن كَانَ مِن قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَٰقٌ

اور اگر وہ ایسی قوم سے ہو کہ تم میں اور ان میں معاہدہ ہو

خواہ معاہدہ صلح کا ہو یا ذمہ کا خلاصہ یہ کہ مقتول ذمی یا مصالح یا مستامن ہو

فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰٓ أَهْلِهِۦ

تو خون بہا ہے جو اس کے خاندان والوں کو حوالہ کر دی جائے

یعنی جو ان میں وارث ہیں کیونکہ کافر کافر کا وارث ہوتا ہے اور دیت مسلمان اور ذمی کی برابر ہے۔

وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ فَمَن

اور ایک غلام یا لونڈی مسلمان کا آزاد کرنا پھر جس شخص کو

اور نہ اتنے دام ہوں کہ خرید سکے۔

لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ

نہ ملے تو متواتر دو ماہ کے روزے ہیں

یعنی جن صورتوں میں غلام لونڈی کا آزاد کرنا واجب ہے اگر غلام لونڈی دستیاب نہ ہوں جیسا کہ ہندوستان میں نہیں مل سکتے تو اس کے ذمہ بجائے آزاد کرنے کے لگاتار دو ماہ کے روزے واجب ہیں اگر بیچ میں کسی وجہ سے سلسلہ ٹوٹ جائے تو پھر از سر نو رکھنا پڑیں گے البتہ اگر عورت حیض و نفاس کی وجہ سے نہ رکھے تو اس سے سلسلہ منقطع نہیں ہوتا اور اگر کسی عذر سے روزوں پر قدرت نہ ہو تو بقدر امکان خوب توبہ کرے اور قتل عمد میں کفارہ نہیں ہے۔ صرف قصاص اور توبہ ہے اور جاننا چاہئے کہ کفارہ تو قاتل کے ذمہ خود واجب ہے کہ غلام آزاد کرے یا روزے رکھے اور دیت قاتل کے خاندان پر ہے جس کو شرع میں عاقلہ کہتے ہیں وہ چندہ کر کے ادا کریں اور چندہ میں قاتل کو بھی شریک کیا جائے گا کیونکہ قتل خطا میں جیسے قاتل کی بے احتیاطی ہے ان لوگوں کی بھی غفلت ہے کیونکہ انسان اپنے مددگاروں کے زور ہی پر ایسی بے احتیاطی کیا کرتا ہے تو اتنی بڑی رقم تنہا قاتل کے ذمہ نہیں ڈالی گئی خاندان والے بھی چندہ کر کے دیں تا کہ آئندہ اپنے آدمیوں کی حفاظت کریں۔

تَوْبَةً مِّنَ ٱللَّهِ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٩٢﴾

بطریق توبہ کے جو اللہ کی طرف سے مقرر ہوئی اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑے حکمت والے ہیں

اپنے علم و حکمت سے مناسب احکام مقرر فرماتے ہیں۔

وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُۥ جَهَنَّمُ

اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کر ڈالے تو اس کی سزا جہنم ہے کہ ہمیشہ

خَٰلِدًا فِيهَا

ہمیشہ کو اس میں رہے گا

مگر خدا کے فضل سے ببرکت ایمان یہ اصلی سزا جاری نہ ہوگی اور آخر کو نجات ہو جائے گی۔

وَغَضِبَ ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُۥ وَأَعَدَّ لَهُۥ عَذَابًا

اور اس پر اللہ تعالیٰ غضبناک ہوں گے اور اس کو اپنی رحمت سے دور کریں گے

عَظِيمًا ﴿٩٣﴾ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا ضَرَبْتُمْ

اور اس کے لئے بڑی سزا کا سامان کریں گے اے ایمان والو! جب تم اللہ کی

فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ فَتَبَيَّنُوا۟

راہ میں سفر کیا کرو تو ہر کام کو تحقیق کر کے کیا کرو

خواہ قتل ہو یا کچھ اور ہو

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا

اور ایسے شخص کو جو کہ تمہارے سامنے اطاعت ظاہر کرے دنیوی زندگی کے سامان کی خواہش میں

جیسے کلمہ پڑھنا یا مسلمانوں کے طرز پر سلام کرنا۔

تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

یوں مت کہہ دیا کرو کہ تو مسلمان نہیں

محض جان بچانے کو جھوٹ موٹ اسلام ظاہر کرتا ہے۔

فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ ۚ

کیونکہ خدا کے پاس بہت غنیمت کے مال ہیں

یعنی خدا کے علم وقدرت میں ہیں جو تم کو جائز طریقہ سے ملیں گے پس ایسے وقت میں مال کا خیال نہ کرو

كَذَٰلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ

پہلے تم بھی ایسے ہی تھے

کہ تمہارے سلام کے قبول کا مدار صرف تمہارا دعوٰی ہی دعوٰی تھا اب تمہارا اسلام عنداللہ اور عندالناس مشہور ہو گیا اول تو ایسے نہ تھے

فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ

پھر اللہ تعالٰی نے تم پر احسان کیا

کہ اس ظاہری اسلام پر اکتفا کیا گیا اور تفتیش باطن پر توقف نہ کیا گیا۔

فَتَبَيَّنُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿٩٤﴾

سو غور کرو بیشک اللہ تعالٰی تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں

کہ بعد اس حکم کے کون اس پر عمل کرتا ہے کون نہیں کرتا۔

ربط: اوپر جہاد کی فضیلت مذکور تھی آگے یہ بتلاتے ہیں کہ گو جہاد فی نفسہ فرض عین نہیں اس لئے اگر بعضے نہ جاویں تو گناہ نہیں لیکن پھر بھی اس کے جو خاص فضائل ہیں وہ کرنے ہی پر موقوف ہیں۔

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ

برابر نہیں وہ مسلمان جو بلا کسی عذر کے

لایستوی القاعدون تا غفوراً رحیما یہ قید اس لئے ہے کہ حدیثوں میں مصرح ہے کہ اگر نیک کام کا عزم ہو اور کسی عذر کی وجہ سے نہ کر سکے تو اس نیت کرنے والے کو بھی کرنے والے کے برابر ثواب ملتا ہے۔ گو یہ ممکن ہے کہ کیفیت میں کچھ تفاوت ہو۔

غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

گھر میں بیٹھے رہیں اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں

بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۚ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ

اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کریں اللہ تعالٰی نے ان لوگوں کا درجہ بہت

بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ

زیادہ بنایا ہے جو اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں بہ نسبت گھر میں

دَرَجَةً ۚ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۚ

بیٹھے رہنے والوں کے اور سب سے اللہ تعالٰی نے اچھے گھر کا وعدہ کر رکھا ہے

یعنی بوجہ فرض عین نہ ہونے کے ان بیٹھنے والوں پر گناہ نہیں بلکہ بوجہ ایمان اور دوسرے فرائض کے بجالانے کے یہ بھی جنت میں جائیں گے۔

آگے مجاہدین کے بڑے درجوں کی تفصیل بیان فرماتے ہیں ۱۲

وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ

اور اللہ تعالٰی نے مجاہدین کو بمقابلہ گھر میں بیٹھنے والوں کے بڑا اجر عظیم دیا ہے۔

أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٩٥﴾ دَرَجَاتٍ مِنْهُ

یعنی بہت سے درجے جو خدا کی طرف سے ملیں گے

کیونکہ مجاہد سے متعدد افعال ثواب کے صادر ہوتے ہیں جن کی تفصیل سورہ براءۃ کی اس آیت میں ذلک بانھم لا یصیبھم ظمأ ولا نصب میں مذکور ہے یعنی وہ اللہ کی راہ میں بھوک پیاس تھکن وغیرہ برداشت کرتے ہیں تو ان کو ہر قدم پر گھوڑے کی ہر ٹاپ پر نیکی ملتی ہے حدیث میں تفصیل ثواب کی موجود ہے۔

وَمَغْفِرَةً

اور مغفرت

کیونکہ جب اس سے اعمال عظیمہ صادر ہوئے تو گناہ بھی زیادہ معاف ہوئے بلکہ کیا عجب ہے کہ دین کے سوا سب معاف ہو جاویں

کیونکہ قاعدہ کلیہ ہے۔ ان الحسنات یذھبن السیئات نیک کاموں سے گناہ دور ہو جاتے ہیں۔ **ربط:** اوپر جہاد کے واجب ہونے کا حکم تھا آگے ہجرت کا واجب ہونا مذکور ہوتا ہے اور دونوں میں مناسبت ظاہر ہے کیونکہ مقصود دونوں سے کفار کے شر کو دفع کرنا ہے جہاد میں عام مسلمانوں سے کفار کے شر کو دفع کیا جاتا ہے اور ہجرت میں خاص اپنی ذات سے دفع کیا جاتا ہے۔ ان الذین توفھم الملئکۃ تا عفواً غفورا

وَّرَحْمَةً ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٩٦﴾

اور رحمت اور اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت والے بڑے رحمت والے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىھُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ ظَالِمِيْٓ

بیشک جب ایسے لوگوں کی جان فرشتے قبض کرتے ہیں جنہوں نے اپنے کو

اَنْفُسِهِمْ

گناہ گار کر رکھا تھا

کہ باوجود ہجرت کر سکنے کے پھر بھی اس کو ترک کیا

قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ۭ

وہ ان سے کہتے ہیں کہ تم کس کام میں تھے

یعنی دین کے کیا کیا ضروری احکام بجالاتے تھے۔

قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ

وہ کہتے ہیں کہ ہم سرزمین میں محض مغلوب تھے

اس لئے ضروریات دین پر عمل نہ کر سکتے تھے یعنی ان فرائض کے ترک میں معذور تھے۔

قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً

وہ کہتے ہیں کیا خدا تعالیٰ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم کو ترک

فَتُھَاجِرُوْا فِيْھَا ۭ

وطن کر کے اس میں چلا جانا چاہئے تھا

یعنی اگر اس جگہ نہ کر سکتے تھے تو دوسری جگہ جا کر فرائض کو ادا کر سکتے تھے اس سے وہ لاجواب ہو جاویں گے اور جرم ان کا ثابت ہو جائے گا ابتدائے اسلام میں ہجرت کا فرض ہونا گزر چکا ہے اور یہ دھمکی اور عذاب اسی فرض کے چھوڑنے کی وجہ سے ہے اور جاننا چاہئے کہ روح قبض کرنا کسی جگہ حق تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اللہ یتوفی الانفس اور بعض جگہ ملک الموت کی طرف منسوب کیا گیا ہے قل یتوفکم ملک الموت اور اس آیت میں فرشتوں کی طرف منسوب فرمایا ہے توفتہ رسلنا سو تطبیق اس طرح ہے کہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ جان قبض کرتے ہیں اور ظاہر میں ملک الموت اس کام پر مقرر ہیں اور دوسرے فرشتے ان کے معین و مددگار ہیں۔

فَاُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىھُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَسَاۗءَتْ

سو ان لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور جانے کے لئے وہ بری

مَصِيْرًا ﴿٩٧﴾ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ

جگہ ہے لیکن جو مرد

الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ

اور عورتیں اور بچے

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ بچوں کو شامل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس بات کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ بچوں کی طرح عاجز ہوں تب معذور شمار ہوں گے ورنہ بچوں کے ذکر کی ضرورت بظاہر نہ تھی کیونکہ وہ تو گنہگار نہیں ہو سکتے۔

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ

قادر نہ ہوں کہ نہ کوئی تدبیر کر سکتے ہیں اور نہ راستہ سے

سَبِيْلًا ﴿٩٨﴾ فَاُولٰۗىِٕكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ

واقف ہیں سو ان کے لئے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ

يَّعْفُوَ عَنْھُمْ ۭ

معاف کر دیں

یہاں دو شبہے ہوا کرتے ہیں ایک یہ کہ جب یہ لوگ مستثنیٰ ہیں تو گناہ گار ہی نہیں پھر معافی کے کیا معنی دوسرے معافی میں امید کیسی جس سے تردد مترشح ہوتا ہے پہلے شبہ کا جواب یہ ہے کہ ہجرت نہ کرنا فی نفسہ تو گناہ ہے گو کسی خاص شخص کے حق میں بوجہ عذر کے گناہ نہ لکھا جاوے تو اس گناہ نہ لکھنے کو کسی جگہ گناہ نہ ہونا قرار دے دیا اور کہیں معافی گناہ ہونا کے لفظ سے فی نفسہ اس کا گناہ ہونا بتلا دیا اس تقریر سے وہ شبہ بھی رفع ہو گیا جو بچوں کے اس جگہ مذکور ہونے پر کیا گیا ہے کہ بچوں کو تو گناہ نہیں ہوتا ان کی

معافی کیسی اس کا بھی یہی جواب ہے کہ گناہ تو ان کو نہیں ہوتا مگر صورت گناہ کی ہے نیز یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہجرت چھوڑنا چونکہ بڑا گناہ تھا اس لئے باوجود عذر چھوڑنے اور گناہ نہ ہونے کے بھی معافی کے عنوان سے تعبیر کیا کہ گویا گناہ ہوا اور معاف ہو گیا اور دوسرے شبہ کا جواب یہ ہے کہ کریم کا امید دلانا بھی وعدہ ہوتا ہے شاہی محاوروں میں امیدوار باشید ہزاروں قسموں سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ ربط: اوپر ترک ہجرت پر وعید تھی آگے ہجرت کی ترغیب اور اس پر سعادت دارین کا وعدہ ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿٩٩﴾ وَمَنْ

اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنیوالے بڑے مغفرت کرنے والے ہیں اور جو شخص

ومن يهاجر فی سبیل الله تا غفورا رحیما ان لوگوں میں سے جن کے لئے ہجرت مشروع ہے۔

يُّهَاجِرْ

اللہ تعالیٰ کی راہ میں

یعنی دین کے لئے

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ

ہجرت کرے گا تو اس کو روئے زمین پر جانے کی

مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ

بہت جگہ ملے گی اور بہت گنجائش

ملے گی پس اگر ایسی جگہ پہنچ گیا تب تو دنیا میں بھی اس سفر کی کامیابی ظاہر ہے اور اگر اتفاق سے دنیا میں یہ کامیابی نصیب نہ ہوئی تب بھی آخرت کی کامیابی میں تو کوئی تردد نہیں کیونکہ اس کا قانون آگے بتلاتے ہیں۔

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا

اور جو شخص اپنے گھر سے اس نیت سے نکل کر کھڑا ہو

اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ

کہ اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کروں گا پھر اس کو موت

فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ

آ پکڑے تب بھی اس کا ثواب ثابت ہو گیا اللہ تعالیٰ کے ذمہ

یعنی بوجہ وعدہ کے وہ ایسا ہے گویا خدا کے ذمہ ہے اگرچہ ابھی اس سفر کو ہجرت نہیں کہہ سکتے لیکن صرف اچھی نیت سے اس کے شروع کر دینے پر پورا صلہ عطا ہو گیا۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا

اور اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت کرنے والے ہیں

اس ہجرت کی وجہ سے گو وہ ناتمام ہی رہے، بہت سے گناہ معاف فرماویں گے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ ہجرت سے تمام پہلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں ۱۲

رَّحِيْمًا ﴿١٠٠﴾ ع

بڑے رحمت والے ہیں

کہ حسن نیت کی وجہ سے عمل شروع کرنے کو ثواب میں کمال عمل کے برابر کر دیا روح المعانی میں ہجرت کی فضیلت کا منسوخ ہونا نقل کیا ہے البتہ مستحب اب بھی ہے مسلم کی ایک حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ حضورؐ نے ایک اعرابی کو جس نے ہجرت کی اجازت چاہی تھی یہ فرمایا ان شان الهجرة لشديد کہ ہجرت کرنا بڑا سخت کام ہے۔ آسان نہیں آپ نے اس کو وطن میں رہنے کا حکم فرمایا اور اس کے ارادہ ہجرت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ دارالاسلام میں نہ تھا البتہ شروع اسلام میں ہجرت فرض تھی بلکہ ظاہرا اسلام کا ثبوت اس پر موقوف تھا اور وہ اسلام کا ایک لازمی شعار تھی صرف عذر کی حالت میں اس کی فرضیت اور شعاریت ساقط ہو جاتی تھی۔ ربط: اوپر جہاد و ہجرت کا ذکر تھا چونکہ غالب احوال میں جہاد اور ہجرت کے لئے سفر کرنا پڑتا ہے اور نیز ایسے سفر میں مخالفین کی طرف سے اندیشہ بھی اکثر ہوتا ہے اس لئے خوف اور سفر کی رعایت سے جو بعض سہولتیں نماز میں کی گئی ہیں ان کا ذکر فرماتے ہیں ۱۲

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ

اور جب تم زمین میں سفر کرو سو تم کو اس میں

عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ

کوئی گناہ نہ ہو گا کہ تم نماز کو کم کردو

الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ

اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ تم کو کافر لوگ پریشان

كَفَرُوْا ؕ

کریں گے

واذا ضربتم فی الارض تا عدواً مبینا اور اس اندیشہ کے سبب سے ایک جگہ زیادہ دیر تک ٹھہرنا خلاف مصلحت سمجھا جاوے

اِنَّ الْکٰفِرِیْنَ کَانُوْا لَکُمْ عَدُوًّا

بلاشبہ کافر لوگ تمہارے صریح

مُّبِیْنًا ﴿۱۰۱﴾

دشمن ہیں

مسئلہ: جو سفر تین منزل سے کم ہو اس سفر میں نماز پوری پڑھی جاتی ہے آیت مجمل ہے حدیث سے اس کی تفسیر ہوگئی ہے **مسئلہ:** قصر کے معنی یہ ہیں کہ چار رکعت والی نماز فرض کو دو رکعت پڑھنا پس مغرب اور فجر اور تمام سنتوں اور وتر میں قصر نہیں ہوا کرتا اور سفر کی حالت میں قصر واجب ہے قرآن میں جو اس طرح فرمایا گیا ہے کہ تم کو گناہ نہ ہوگا جس سے شبہ ہوتا ہے کہ نہ کرنا بھی جائز ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ پوری نماز کی جگہ آدھی پڑھنے سے ظاہراً وسوسہ گناہ کا ہوسکتا تھا اس لئے گناہ کی نفی فرمادی سو یہ وجوب کی منافی نہیں جو کہ دوسری دلیل سے ثابت ہے۔ **مسئلہ:** دریا کا سفر بھی زمین ہی کا سفر ہے اس میں بھی سفر ہوتا ہے معتدل ہوا کی حالت میں تین دن میں کشتی جتنا سفر کر سکے اس کا اعتبار ہوگا۔ **ربط:** اوپر جو تقریر ربط کی گزر چکی ہے اس سے وجہ مناسبت معلوم ہوچکی۔

وَاِذَا کُنْتَ فِیْهِمْ

اور جب آپ ان میں تشریف رکھتے ہوں

واذا کنت فیهم فاقمت تا عذاباً مهینا اور اسی طرح آپ کے بعد اور جو امام ہو اس کے لئے بھی یہی حکم ہے حضور کی تخصیص اس وقت کی حالت کے اعتبار سے ہے کہ آپ تشریف رکھتے تھے اب جو امام ہو وہ اس میں آپ کا قائم مقام ہے اور یہ صورت صلوٰۃ الخوف کی اس وقت ہے جبکہ سب لوگ ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنا چاہیں اور عجب نہیں کہ حضور کے تشریف فرما ہونے کی قید میں بھی اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ جب امام ایسا ہو کہ جس کے پیچھے نماز پڑھنا سب کو محبوب ہو جیسا کہ حضور کی شان تھی ورنہ دونوں جماعتیں دو اماموں کے پیچھے الگ الگ پوری نماز پڑھ لیں۔

فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ

پھر آپ ان کو نماز پڑھانا چاہیں

اور اندیشہ ہو کہ اگر سب نماز میں لگ جائیں گے تو کوئی دشمن موقع پا کر حملہ کر بیٹھے گا۔

فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَکَ

تو یوں چاہئے کہ ان میں سے ایک گروہ تو آپ کے ساتھ کھڑے ہو جاویں

یعنی جماعت کے دو حصے کر لئے جائیں ایک نماز میں شریک ہو جائے دوسرا نماز میں کھڑا ہو جائے۔

وَلْیَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ قف

اور وہ لوگ ہتھیار لے لیں

کہ شاید مقابلہ کی ضرورت پڑ جائے۔

فَاِذَا سَجَدُوْا

پھر جب یہ لوگ سجدہ کر چکیں

یعنی ایک رکعت پوری کر لیں۔

فَلْیَکُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِکُمْ ص

تو یہ لوگ تمہارے پیچھے ہو جاویں

یعنی یہ جماعت جس نے ایک رکعت پڑھ لی ہے۔

وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰی لَمْ یُصَلُّوْا فَلْیُصَلُّوْا

اور دوسرا گروہ جنہوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی آ جاوے اور آپ کے ساتھ

مَعَکَ

نماز پڑھ لیں

یعنی باقیماندہ ایک رکعت میں شریک ہو جائیں۔

وَلْیَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ج

اور یہ لوگ بھی اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار لے لیں

وَدَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ

کافر لوگ یوں چاہتے ہیں کہ اگر تم اپنے ہتھیاروں اور سامانوں سے

اَسْلِحَتِکُمْ وَاَمْتِعَتِکُمْ فَیَمِیْلُوْنَ

غافل ہو جاؤ تو تم پر ایک بارگی

عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ

حملہ کر بیٹھیں اور اگر تم کو بارش

اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ

کی وجہ سے تکلیف ہو یا تم بیمار ہو

كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ

تو تم کو اس میں کچھ گناہ نہیں کہ ہتھیار اتار کر رکھو

وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ

اور اپنا بچاؤ لے لو بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے سزا اہانت

عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۰۲﴾

آمیز مہیا کر رکھی ہے

پس کفار کی عداوت کا آخرت میں اس سے بڑھ کر علاج ہوگا۔

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ

پھر جب تم اس نماز کو ادا کر چکو تو اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگ جاؤ

قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰي جُنُوْبِكُمْ ۚ

کھڑے بھی اور بیٹھے بھی اور لیٹے بھی

فاذا قضیتم الصلوٰۃ تا کتبا موقوتا یعنی ہر حالت میں حتیٰ کہ عین قتال کے وقت بھی دل سے اور احکام کے اتباع سے کہ وہ بھی ذکر ہے خدا کو یاد رکھو چنانچہ لڑائی میں خلاف شرع کوئی کارروائی کرنا ناجائز ہے غرض نماز تو ختم ہوئی ذکر ختم نہیں ہوتا نماز میں تو تخفیف ہوگئی تھی لیکن ذکر بے حساب ضروری ہے۔

فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ

پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ

یعنی سفر ختم کر کے مقیم ہو جاؤ یا خوف زائل ہونے کے بعد مامون ہو جاؤ۔

فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ

تو نماز کو قاعدہ کے موافق پڑھنے لگو

یعنی اب قصر کرنا اور نماز میں چلنا پھرنا چھوڑ دو یہ باتیں ایک عارض کی وجہ سے جائز کی گئی تھیں کیونکہ (آگے ترجمہ)

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ

یقیناً نماز مسلمانوں پر فرض ہے اور وقت کے

كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾

ساتھ محدود ہے

پس فرض ہونے کی وجہ سے اس کا ادا کرنا ضرور اور وقت مقرر ہونے کی وجہ سے وقت ہی پر پڑھنا ضرور اس لئے کچھ کچھ اس کی ہیئت میں تخفیف کے لئے تبدیلی ہوگئی ورنہ مقصود یہ اصلی ہیئت ہی ہے تو جب عارض زائل ہو جائے اصلی ہیئت کی حفاظت واجب ہوگی اور عین لڑائی کے وقت چونکہ کوئی صورت نماز کی عادۃً ممکن نہیں ہوتی اس لئے اس وقت نماز کے موخر کرنے کا حکم ہے اگر کوئی یہ کہے کہ عین لڑائی کے وقت کے لئے ایسی آسان صورت تجویز کر دی جاتی کہ اس وقت بھی ہو سکتی تو جواب یہ ہے کہ اس وقت نماز کی ادنیٰ سے ادنیٰ صورت بھی دشوار ہوتی ہے صرف ذکر ہو سکتا ہے مگر خالی ذکر کا نام تو نماز نہیں اس لئے جو آسان صورت لڑائی کے وقت نماز کے لئے تجویز کی جاتی اس کو نماز نہ کہہ سکتے اور نماز کے ارکان کی کچھ بھی رعایت کی جاتی تو وہ عادۃً ایسے وقت میں مشکل ہوتی اس لئے مؤخر کی گئی۔

ربط: اوپر اصل مقصود جہاد کا ذکر تھا دوسرے مضامین اس کی مناسبت سے مذکور ہو گئے تھے۔ آگے پھر جہاد ہی کے متعلق ارشاد ہے کہ جہاد میں سستی ناجائز ہے اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت سے نزول غزوہ حمراء الاسد میں ہوا تھا جس کا قصہ آل عمران میں آ چکا ہے۔

وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَاۗءِ الْقَوْمِ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا

اور ہمت مت ہارو اس مخالف قوم کے تعاقب کرنے میں اگر تم الم

تَاْلَمُوْنَ

رسیدہ ہو

ولاتھنوا فی ابتغاء القوم تا علیما حکیما تو وہ تم سے زیادہ قوت نہیں رکھتے پھر کاہے کو ڈرتے ہو بلکہ تم میں ایک بات ان سے زیادہ ہے۔ (ترجمہ دیکھو)

فَاِنَّھُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ

تو وہ بھی تو الم رسیدہ ہیں جیسے تم الم رسیدہ ہو اور تم اللہ تعالیٰ سے ایسی ایسی چیزوں

مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ۭ

کی امید رکھتے ہو کہ وہ لوگ امید نہیں رکھتے

یعنے ثواب وغیرہ تو دل کی قوت میں تم ان سے زیادہ ہو اور ضعف بدن میں دونوں برابر ہو پس تم کو زیادہ مستعد ہونا چاہئے۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا

اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے ہیں

ان کو کفار کے ضعف قلب وضعیف بدن کا حال معلوم ہے۔

حَكِيْمًا ﴿۱۰۴﴾

بڑے حکمت والے ہیں

تمہارے تحمل سے زیادہ حکم نہیں فرمایا **ربط**: اوپر کفار کے معاملات کے ضمن میں چند جگہ منافقین کا ذکر آیا ہے آگے بھی منافقین کے ایک خاص قصہ کے متعلق مضمون مذکور ہوتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بنوابیرق ایک خاندان تھا اس میں سے بشیر نام ایک منافق نے حضرت رفاعہ صحابی کی بخاری میں نقب دے کر کچھ آٹا کچھ ہتھیار جو اس میں رکھے تھے چرا لئے صبح کو پاس پڑوس میں تلاش کیا اور بعض قوی قرائن سے بشیر منافق پر شبہ ہوا بنو ابیرق نے جو اس کے شریک حال تھے اپنی براءت کے لئے حضرت لبید کا نام لے دیا حضرت رفاعہ نے اپنے بھتیجے حضرت قتادہؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج کر اس واقعہ کی اطلاع کی آپ نے تحقیق کا وعدہ فرمایا بنوابیرق کو جو یہ خبر ہوئی تو ایک شخص بشیر نام جو اسی خاندان کا تھا اس کے پاس مشورہ کے لئے جمع ہوئے اور مع بعض اہل خانہ کے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت رفاعہ وقتادہ کی شکایت کی کہ بدوں گواہوں کے ایک مسلمان دیندار گھرانے پر چوری کی تہمت لگاتے ہیں ان کو مقصود یہ تھا کہ اس مقدمہ میں حضور ان کی طرفداری کریں آپ نے یہ تو نہیں کیا مگر اتنا ہوا کہ قتادہ جو پھر حضور کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ تم ایسے لوگوں پر بے سند کیوں تہمت لگاتے ہو انہوں نے آ کر اپنے چچا حضرت رفاعہ سے کہا وہ اللہ پر بھروسہ کر کے خاموش ہو گئے اس پر یہ اگلی آیتیں نازل ہوئیں غرض چوری ثابت ہوئی اور مال برآمد ہوا اور مال کو دلایا گیا اس پر بشیر ناخوش ہو کر کھلم کھلا مرتد ہو گیا اور مکہ جا کر مشرکوں سے جا ملا اس پر آخیر کی آیتیں ومن یشاقق الرسول الخ نازل ہوئیں۔ انا انزلنا الیک الکتب تا ساء ت مصیرا

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ

بیشک ہم نے آپ کے پاس یہ نوشتہ بھیجا ہے واقعہ کے موافق

یعنی اس سے واقع کے مطابق حال معلوم ہوگا۔

لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ط

تاکہ آپ ان لوگوں کے درمیان اسکے موافق فیصلہ کریں جو کہ اللہ تعالیٰ نے آپکو بتلا دیا ہے

یعنی وحی کے ذریعے اس واقعہ کا اصل حال آپ کو بتلا دیا ہے وہ یہ کہ بشیر منافق واقع میں چور ہے اور بنوابیرق جو اس کے حامی ہیں جھوٹے ہیں۔

وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ﴿۱۰۵﴾

اور آپ ان خائنوں کی طرفداری کی بات نہ کیجئے

حضور نے اس واقعہ میں ان کی طرفداری نہیں کی تھی مگر ان کی خواہش یہ تھی کہ آپ ان کی حمایت کریں اس لئے آئندہ کے انتظام کے لئے یہ ممانعت نازل ہوئی مطلب یہ ہے کہ جیسا کہ اب تک آپ نے طرفداری نہیں کی آئندہ بھی نہ کیجئے۔ چنانچہ آیت ولولا فضل اللہ علیک الخ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ان کی طرف داری نہیں کی۔

وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ط

اور آپ استغفار فرمائیے

کہ آپ بنوابیرق کو دیندار سمجھنے کے باعث رفاعہ اپنے حق سے دست کش ہو گئے تھے۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۶﴾ وَلَا تُجَادِلْ

بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت کرنے والے بڑے رحمت والے ہیں اور آپ

عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ

ان لوگوں کی طرف سے کوئی جواب دہی کی بات نہ کیجئے

جیسا کہ وہ لوگ آپ سے چاہتے تھے۔

اَنْفُسَهُمْ ط

جو کہ اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں

کہ لوگوں کے مال میں خیانت کر کے اپنا دین کھوتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو نہیں چاہتے جو بڑا خیانت کرنے والا بڑا گناہ

اَثِيْمًا ﴿۱۰۷﴾

کرنے والا ہو

بلکہ اس کو مبغوض رکھتے ہیں۔

یَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا

جن لوگوں کی یہ کیفیت ہے کہ آدمیوں سے تو چھپاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے

یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ

نہیں شرماتے حالانکہ وہ اس وقت ان کے پاس ہے

جیسا کہ ہر وقت پاس ہی ہیں۔

اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ

جبکہ وہ خلاف مرضی الٰہی گفتگو کے متعلق تدبیریں کرتے ہیں

چنانچہ بشیر کے پاس جمع ہو کر مشورہ کیا گیا تھا کہ حضور سے یوں گفتگو کریں گے۔

وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿۱۰۸﴾

اور اللہ تعالیٰ ان کے سب اعمال کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہیں

وہ لوگ سن لیں کہ جو بشیر وغیرہ کی حمایت میں جمع ہو کر آئے تھے کہ (آگے ترجمہ)

هٰاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِی

ہاں تم ایسے ہو کہ تم نے دنیوی زندگی میں تو ان کی طرف سے

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ

جواب دہی کی باتیں کر لیں سو خدا تعالیٰ کے روبرو

عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ

قیامت کے روز ان کی طرف سے کون جواب دہی کرے گا یا وہ کون شخص ہوگا

عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾

جو ان کا کام بنانے والا ہوگا

یعنی نہ کوئی زبانی جوابدہی کر سکے گا نہ کوئی مقدمہ کی عملی درستی کر سکے گا آگے بتلاتے ہیں کہ یہ خائنین اگر اب موافق قاعدہ شرعیہ کے توبہ کر لیتے تو معافی ہو گئی ہوتی کیونکہ ہمارا قانون یہ ہے کہ (ترجمہ دیکھو)

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ

اور جو شخص کوئی برائی کرے یا اپنی جان کا ضرر کرے

یعنی ایسا گناہ کرے جس کا ضرر دوسروں کو نہیں پہنچتا اسی کی جان تک محدود ہے۔

ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ

پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہے

یعنی قاعدہ شرعیہ کے موافق مثلاً حقوق العباد میں حق کو ادا کرنا یا ان سے معافی چاہنا بھی ضروری ہے۔

يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا

تو وہ اللہ تعالیٰ کو بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا پائے گا اور جو شخص گناہ

فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ

کا کام کرتا ہے تو وہ فقط اپنی ذات پر اس کا اثر پہنچاتا ہے

جب گناہ کے کام کا انجام یہ ہے تو گنہگاروں کو توبہ کی ضرور کوشش کرنی چاہئے۔ اور وہ اثر گناہ و سزا ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾

اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے ہیں بڑے حکمت والے ہیں

سب گناہ کی ان کو خبر ہے اور مناسب سزا تجویز فرماتے ہیں یہ تو خود گناہ کرنے کا انجام ہوا اور جو شخص خود گناہ کرے اور دوسروں کے ذمہ لگا دے اس کا حال سنو (آگے ترجمہ دیکھو)

وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓـئَةً اَوْ اِثْمًا

اور جو شخص کوئی چھوٹا گناہ کرے یا بڑا گناہ

ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا

پھر اس کی تہمت کسی بے گناہ پر لگا دے تو اس نے تو بڑا بھاری بہتان

وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾ ع

اور صریح گناہ اپنے اوپر لادا

جیسا بشیر منافق نے کیا کہ چوری تو خود کی اور ایک نیک بخت بزرگ آدمی حضرت لبید کے ذمہ رکھ دی۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ

اور اگر آپ پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتا

جو کہ ہمیشہ آپ کے شامل حال رہتا ہے۔

لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ

توان لوگوں میں سے ایک گروہ نے تو آپ کو غلطی ہی میں ڈال دینے کا ارادہ کر دیا تھا

لیکن خدا کے فضل سے ان کی رنگ آمیز باتوں کا آپ پر کوئی اثر نہیں ہوا اور آئندہ بھی نہ ہوگا چنانچہ فرماتے ہیں (ترجمہ دیکھو) ۱۲'۱۲

وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ

اور غلطی میں نہیں ڈال سکتے لیکن اپنی جانوں کو اور آپ کو ذرہ برابر ضرر نہیں

مِنْ شَیْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ

پہنچا سکتے اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب

وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ

اور علم کی باتیں نازل فرمائیں اور آپ کو وہ وہ باتیں بتلائی ہیں

فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾

جو آپ نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے

پھر اللہ کے فضل کے ساتھ کس کا قابو چل سکتا ہے۔

لَا خَيْرَ فِیْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ

عام لوگوں کی سرگوشیوں میں خیر نہیں ہوتی

جیسا کہ بشیر کے پاس جمع ہو کر خفیہ مشورہ کیا گیا ہے۔

اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ

ہاں مگر جو لوگ ایسے ہیں کہ خیرات کی یا اور کسی نیک کام یا لوگوں میں باہم

اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ ؕ

اصلاح کر دینے کی ترغیب دیتے ہیں

اور اس تعلیم و ترغیب کی تکمیل و انتظام کے لئے خفیہ تدبیریں اور مشورے کرتے ہیں یا خود صدقہ وغیرہ کی دوسروں کو خفیہ ترغیب دیتے ہیں کیونکہ بعض اوقات خفیہ ہی کہنا مصلحت ہوتا ہے ان کے مشوروں میں البتہ ثواب اور برکت ہے اور ہر چند کہ نیک کام میں وہ سب باتیں داخل ہیں جو نافع ہوں خواہ دین میں یا دنیا میں بشرطیکہ جائز بھی ہوں اور صدقہ اور صلح بھی اس میں آ گئے تھے مگر چند وجوہ سے ان دونوں کو صراحۃً ذکر فرمایا وہ یہ کہ صدقہ نفس پر زیادہ شاق ہوتا ہے اس لئے زیادہ اہتمام فرمایا نیز خاص اس مقام میں اس کا ذکر اس لئے بھی بہت مناسب ہوا کہ یہاں چوری کا واقعہ مذکور تھا کہ ایک منافق نے غیر کا مال لے لیا تھا۔ اس کے مقابلہ میں اپنا مال غیروں کے لئے دیدینے کی فضیلت بیان فرما دی اور چونکہ نااتفاقی مضرت عظیمہ کا سبب ہوتی ہے اور صلح کرا دینے سے اس کا انسداد ہوتا ہے اس لئے صلح کو صراحۃً ذکر فرمایا غرض صدقہ سے منافع عظیمہ حاصل ہوتے ہیں اور بڑی بڑی مضرتیں دفع ہوتی ہیں اس لئے ان دونوں کو جدا ذکر فرمایا۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ

اور جو شخص یہ کام کرے گا حق تعالیٰ کی رضا جوئی کے

فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾

واسطے سو ہم اس کو عنقریب اجر عظیم عطا فرماویں گے

یعنی آخرت میں اور چونکہ ان خائنوں کے مشورے ایسے نہیں ہیں اس لئے وہ ناپسندیدہ ہیں۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا

اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ اس کو

تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ

امر حق ظاہر ہو چکا تھا اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر

الْمُؤْمِنِيْنَ

دوسرے راستہ ہولیا

جیسا کہ بشیر مرتد ہو گیا حالانکہ اسلام کا حق ہونا اور نیز اس واقعہ خاص میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کا حق ہونا خود اس کے معائنہ میں بھی آ چکا ہے پھر بھی بدبختی نے گھیرا اور مخالفت رسول کا ذکر کر کے یہ جو فرمایا کہ مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستہ پر ہولیا مخالفت رسول کی تفسیر ہے۔ یعنی رسول کی مخالفت یہ ہے کہ مسلمانوں کا طریقہ چھوڑ دے کیونکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو مشاہدہ سے معلوم کرنا ہر وقت ممکن نہیں خود آپ کی حیات میں بہت سے غائبین نے خود آپ کا طریقہ مشاہدہ سے معلوم نہیں کیا اور وفات کے بعد تو سب کو دشوار ہو گیا پس آپ کی موافقت و مخالفت و اتباع و عدم اتباع کا مدار مسلمانوں کے طریقہ کے چھوڑنے پر ہوا اس آیت میں اجماع کے معتبر ہونے کی دلیل ہے

ربط: اوپر جہاد میں گو سب مخالفین داخل ہیں مگر حالات زیادہ تر یہود اور منافقین کے مذکور ہوئے ہیں مخالفین میں ایک جماعت منافقین کی سب سے بڑی تھی آگے کچھ ان کے عقائد کی حالت اور طریقہ کی مذمت اور ان کی سزا کا ذکر ہے اوپر اس سارق کے مرتد ہونے کا بھی ذکر تھا پس اس مضمون سے اس کی دائمی سزا کا حال معلوم ہو گیا نیز اوپر توبہ کی ترغیب تھی یہاں شراب و کفر کے سوا تمام گناہوں کے مغفور ہونے کے بیان سے توبہ کی زیادہ ترغیب ہو گئی۔

نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ

تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے

مَصِيْرًا ۞ ع اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ

جانے کی۔ بیشک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے

ان اللہ لا یغفر تا لا یجدون عنہا بلکہ دائمی سزا میں مبتلا رکھیں گے ۱۲

وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ

اور اس کے سوا اور جتنے گناہ ہیں جس کے لئے منظور ہو گا وہ گناہ بخش دیں گے

البتہ اگر وہ مشرک مسلمان ہو جاوے تو پھر مشرک ہی نہ رہا اب وہ سزائے دائمی بھی نہ رہے گی آگے شرک کے نہ بخشنے کی وجہ بتلاتے ہیں (ترجمہ دیکھو)

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ۞

اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے وہ بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا

کیونکہ اس نے امر حق کو چھوڑ دیا اور وہ توحید ہے جو عقلاً بھی واجب ہے کیونکہ تعظیم صانع کے حقوق میں سے وہ ایک بڑا حق ہے پس مشرک نے حضرت صانع کی اہانت کی اس لئے ایسی ہی سزا کا مستحق ہے اور جو علت شرک کے نہ بخشے جانے کی ہے وہ کفر میں بھی مشترک ہے کیونکہ اس میں بھی حق تعالیٰ کی کسی بتلائی ہوئی چیز کا انکار ہوتا ہے تو وہ اس کی صفت صدق کی نفی کرتا ہے اور بعض کافر خود ذات کے بھی منکر ہیں اور ذات و صفات میں سے جس کی بھی نفی ہو توحید کا انکار اس سے لازم آتا ہے پس کفر و شرک دونوں کی مغفرت نہ ہو گی بخلاف دوسرے گناہوں کے کہ گو ان میں بھی کچھ گمراہی ہے مگر توحید کا ان میں انکار نہیں ہوتا آگے مشرکین کی حماقت بیان فرماتے ہیں جو ان کے مذہبی طریقہ میں ظاہر ہوتی ہے۔

اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ

یہ لوگ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر صرف چند زنانی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں

زنانی چیزوں سے مراد بعضے بت ہیں جن کے نام اور صورتیں عورتوں کی سی تھیں اور ان کو زیور بھی پہناتے تھے حسن سے منقول ہے کہ ہر قبیلہ میں ایسے بت تھے اور ان کو انثیٰ بن فلاں کے لقب سے مشہور کرتے تھے اور اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کے سوا اور کسی کی عبادت نہیں کرتے تھے چنانچہ بعضے بت نام اور شکل میں مردوں کی طرح بھی تھے اور آگے جو یہ فرمایا ہے کہ شیطان کی عبادت کرتے ہیں یہ ان کے سب معبودوں کو شامل ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان کے کہنے سے غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں تو گویا اسی کی عبادت کرتے ہیں ان میں سب بتوں کی عبادت آ گئی خواہ عورتوں کی شکل میں ہوں یا مردوں کی مگر زنانی عورتوں کا ذکر صراحۃً فرمانا ان کی زیادہ حماقت ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ ایسی ناقص الاوصاف کی بھی عبادت کرتے ہیں آگے شیطان کی چند صفتیں مقصود کی تاکید کے لئے بیان فرماتے ہیں یعنی ایسے شیطان کی عبادت کرتے ہیں جو اولاً تو سرکش ہے پھر سرکشی کی وجہ سے ملعون ہے تیسرے انسان کا دشمن ہے پھر اس کی دشمنی ظاہر کرنے کے لئے اس کے چند قول بیان فرمائے مگر یہ ضرور نہیں کہ جتنی باتیں یہاں مذکور ہیں وہ سب کفر و شرک ہی ہوں بلکہ بعض ان میں سے صرف فسق اور معصیت ہیں۔

وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۞ لا

اور صرف شیطان کی عبادت کرتے ہیں جو کہ حکم سے باہر ہے۔ جس کو خدا تعالیٰ

لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ

نے اپنی رحمت سے دور ڈال رکھا ہے اور جس نے یوں کہا تھا کہ میں ضرور

عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۞ لا

تیرے بندوں سے اپنا مقرر حصہ اطاعت کا لوں گا

اس بات سے اس کی عداوت صاف مترشح ہے۔ آگے اس حصہ کی تفصیل ہے۔

وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ

اور میں ان کو گمراہ کر دوں گا اور میں ان کو ہوسیں دلاؤں گا

جس سے معاصی کی طرف میلان ہو اور اس کی مضرت نظر میں نہ رہے۔

وَلَاٰمُرَنَّهُمْ

اور میں ان کو تعلیم دوں گا

اعمال بد کی جن میں بعض کفر ہیں اور بعض فسق ہیں۔

فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ

جس سے وہ چار پایوں کے کانوں کو تراشا کریں گے

یعنی بتوں کے نام پر اور یہ اعمال کفریہ میں سے ہے۔

وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ

اور میں ان کو تعلیم دوں گا جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑا کریں گے

اور یہ اعمال فسقیہ میں سے ہے جیسے داڑھی منڈانا بدن گودنا وغیرہ اور یہاں تغیر وتبدیل کی مذمت نہیں بلکہ جس تغیر سے خرابی پیدا ہو اور صورت بگڑ جائے اس کی ممانعت ہے۔

وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا

اور جو شخص خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا رفیق بناوے گا

یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہ کرے اور شیطان کی اطاعت کرے۔

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾

وہ صریح نقصان میں واقع ہو گا

وہ نقصان جہنم میں جانا ہے

يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ؕ

شیطان ان لوگوں سے وعدے کیا کرتا ہے

کہ تم بےفکر رہو نہ کہیں حساب ہے نہ کتاب

وَمَا يَعِدُهُمُ

اور ان کو ہوسیں دلاتا ہے

یعنی خیالات وغیرہ میں

الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾

اور شیطان ان سے صرف جھوٹے وعدے کرتا ہے

کیونکہ واقع میں حساب وکتاب سب حق ہے۔

اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ز

ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے

اور وہ صریح نقصان میں ہے۔

وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ

اور اس سے کہیں بچنے کی جگہ نہ پاویں گے اور جو لوگ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ

ایمان لائے اور اچھے کام کئے ہم ان کو عنقریب ایسے

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

باغوں میں داخل کریں گے کہ ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ اس میں

فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ

ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ خدا تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے اور

اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾

سچا وعدہ فرمایا ہے اور خدا تعالیٰ سے زیادہ کس کا کہنا صحیح ہوگا

نصف پارہ پر من اصدق من اللہ حدیثا میں جو کچھ لکھا گیا ہے یہاں بھی ملاحظہ کر لیا جائے **ربط**: اوپر ہوسنا کی کے خیالات کا شیطانی دھوکہ اور نا قابل اعتبار ہونا اور ایمان واعمال صالح کا قابل اعتبار ہونا مذکور تھا آگے بھی یہی دو مضمون ہیں پہلی آیت میں پہلا مضمون اور بعد کی آیتوں میں دوسرا مضمون اور اہل کتاب کا ذکر اس مضمون میں اس لئے آیا کہ ایک بار ان میں اور اہل اسلام میں دین کی بابت تفاخر ہوا تھا۔

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ

نہ تمہاری تمناؤں سے کام چلتا ہے اور نہ اہل کتاب کی تمناؤں سے

لیس بامانیکم تابکل شی محیطا کہ خالی خولی زبان سے اپنے فضائل بیان کیا کریں بلکہ اصل مدار اطاعت پر ہے۔

مَنْ يَّعْمَلْ

جو شخص کوئی برا کام کرے گا

یعنی اطاعت میں کمی کرے گا خواہ وہ کمی عقائد میں ہو یا اعمال میں

سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ

وہ اس کے عوض میں سزا دیا جاوے گا

اگر وہ برائی عقیدہ کفر تک ہے تب تو سزائے دائمی اور حتمی ہوگی اور اس سے کم ہے تو سزائے غیر دائمی ہے وہ بھی اگر توبہ نہ کی ہو یا حق تعالیٰ معاف نہ فرمائیں ورنہ اگر توبہ کر لی یا حق تعالیٰ کا فضل ہوگیا تو کفر وشرک کے سوا سب کی سزا موقوف ہوسکتی ہے۔

وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا

اور اس شخص کو خدا کے سوا نہ کوئی یار ملے گا اور نہ

نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ

مددگار ملے گا اور جو شخص کوئی نیک کام کرے گا

مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ

خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مومن ہو سو ایسے لوگ

يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾

جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ ہو گا

کہ ان کی کوئی نیکی ضائع کردی جائے اور اوپر جو مومن کی قید لگائی ہے اس کا مصداق ہر فرقہ نہیں بلکہ صرف وہ فرقہ ہے جس کا دین خدا تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہونے میں سب سے اچھا ہو اور ایسا فرقہ صرف اہل اسلام ہیں جس کی دلیل یہ ہے کہ ان میں یہ صفات ہیں پوری اطاعت اخلاص اور ملت ابراہیم کا اتباع

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ

اور ایسے شخص سے زیادہ اچھا کس کا دین ہوگا جو کہ اپنا رخ اللہ کی طرف جھکا دے

یعنی فرمانبرداری اختیار کرے عقائد میں بھی اعمال میں بھی۔

وَهُوَ مُحْسِنٌ

اور وہ مخلص بھی ہو

کہ دل سے فرمانبرداری اختیار کی ہو خالی مصلحت وظاہرداری نہ ہو۔

وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ

اور وہ ملت ابراہیم کا اتباع کرے جس میں کجی کا نام نہیں اور اللہ تعالیٰ نے

اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾

ابراہیمؑ کو اپنا خالص دوست بنایا تھا

پس ملت ابراہیمی ضرور قابل اتباع ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ دوست کے طریقہ پر چلنے والا بھی محبوب و مقبول ہوگا پس طریقہ اسلام مقبول ہوا اور اہل اسلام ہی لقب مومن کے مصداق ٹھہرے اور دوسرے فرقوں نے اتباع ابراہیمی چھوڑ دیا کہ اسلام نہ لائے جس پر سارے کام کا مدار ہے تو بس نری تمناؤں پر وہ مطمئن ہوئے اور مسلمان ہی ایسے ثابت ہوئے کہ ان کا بھروسہ محض تمناؤں اور ہوسوں پر نہیں بلکہ اطاعت گزار ہیں پس کام بھی ان ہی کا چلے گا اور ملت ابراہیمی کی تحقیق اور مسلمانوں کا اس کا متبع ہونا الٓمٓ میں گزر چکا ہے۔ ف خلیل ہونا اعلیٰ درجہ کا قرب ہے اور حدیث میں ہے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حق تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی طرح خلیل بنایا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ آپ کو حبیب بھی بنایا ہے آگے حق تعالیٰ اپنی کامل اطاعت کے ضروری ہونے کو بیان فرماتے ہیں کہ ہماری سلطنت اور خبرداری دونوں کامل ہیں اور یہی امور مدار ہیں وجوب اطاعت کے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ

اور اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے

یہ تو کمال سلطنت ہوا

وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾ ع

اور اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کو احاطہ فرمائے ہوئے ہیں

یہ کمال علم ہوا ربط: شروع سورۃ میں یتیموں اور عورتوں کے احکام میں ان کے حقوق ادا کرنے کا حکم تھا کیونکہ جاہلیت میں بعضے ان کی میراث ہی نہ دیتے تھے بعضے ان کا مال جو میراث میں یا کسی اور طور پر ان کو ملتا کھا جاتے بعضے ان سے نکاح کر کے ان کو پورا مہر نہ دیتے اوپر ان سب کی ممانعت کی گئی تھی اس پر مختلف واقعات پیش آئے بعض کو یہ خیال ہوا کہ عورتیں اور بچے حقیقت میں میراث کے مستحق نہیں کسی مصلحت سے برائے چندے یہ حکم دیا گیا ہے پھر منسوخ ہو جائے گا چندے اس کے منتظر رہے جب نسخ نہ ہوا تو حاضر ہو کر پوچھا اور بعض کو یہ اتفاق ہوا کہ ان کی پرورش میں بدصورت یتیم لڑکی تھی بدصورتی کی وجہ سے تو خود نکاح نہیں کیا اور دوسرے سے اس لئے نہ کیا کہ مال بھی اس کے ساتھ جائے گا اس بارہ میں حضور سے سوال کیا غالباً غرض سوال سے یہ ہوگی کہ آسان حکم کوئی آ جائے مثلاً یہی کہ اس شخص کو حق پرورش میں کچھ حصہ مال کا مل جائے گا اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں جن کا مطلب یہ ہے کہ جیسے ان کی بدصورتی میں غرض فاسد کی وجہ سے ان سے نکاح نہیں کیا کرتے تو ان کے مرغوب وزیبا

ہونے کی صورت میں بھی کیوں نکاح کرتے ہو ہاں پورا مہر دو تو مضائقہ نہیں غرض مقصود یہ ہے کہ اول حکم اب بھی بحالہ باقی ہے منسوخ نہیں کیا جائے گا تو اس آیت کا ربط شروع سورۃ سے ہے درمیان میں مختلف مضامین آتے گئے تفسیر کبیر میں ہے کہ یہ طرز نہایت موثر اور قلوب میں بہت وقعت رکھتا ہے کہ یہ حکم ذکر کردیا پھر وعدہ وعید کا ذکر آ گیا پھر عظمت الٰہی کا ذکر ہونے لگا اس میں ساتھ ساتھ خوف و رغبت اور حاکم حقیقی کا مراقبہ بھی ہوتا رہتا ہے قرآن مجید کا یہی طرز ہے ۱۲۔

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ

اور لوگ آپ سے عورتوں کے بارے میں حکم دریافت کرتے ہیں۔

يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي

آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارہ میں حکم دیتے ہیں اور وہ آیات بھی

الْكِتٰبِ فِي يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ

جو کہ قرآن کے اندر تم کو پڑھ کر سنائی جایا کرتی ہیں جو کہ ان یتیم عورتوں کے

مَا كُتِبَ لَهُنَّ

باب میں ہیں جن کو جوان کا حق مقرر ہے نہیں دیتے ہو

یستفتونک فی النساء تا علیما یعنی اگر وہ صاحب مال و صاحب جمال ہوئیں تو ان سے نکاح کرتے ہو مگر پورا مہر نہیں دیتے اور اگر مالدار ہوں صاحب جمال نہ ہوں تو خود نکاح سے نفرت کرتے ہو اور مال ہاتھ سے جانے کے خیال سے دوسروں سے بھی نہیں کرتے ۱۲

وَتَرْغَبُونَ اَنْ تَنْكِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ

اور ان کیساتھ نکاح کرنے سے نفرت کرتے ہو اور کمزور

مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُومُوا لِلْيَتٰمٰى

بچوں کے باب میں اور اس باب میں کہ یتیموں کی کارگزاری انصاف کے

بِالْقِسْطِ ؕ

ساتھ کرو

یہ مضمون ہے آیات سابقہ کا پس وہ آیتیں اپنا مضمون اب بھی واجب کر رہی ہیں اور ان کا حکم بعینہ باقی ہے کوئی جدید حکم نہیں دیا جاتا تم ان ہی کے موافق عمل کرو۔

وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ

اور جو نیک کام کرو گے سو بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کو

عَلِيمًا ﴿۱۲۷﴾

خوب جانتے ہیں

تم کو اس کی جزائے خیر دیں گے اور جانتے ہیں خیر کے سوا کو بھی لیکن یہاں چونکہ ترغیب خیر کی دینا منظور ہے اس لئے اسی کا ذکر فرمایا۔

ربط: اوپر احکام سابقہ کی طرف رجوع کیا جس میں عورتوں کے احکام بھی تھے آگے بھی عورتوں کے بعض احکام کی طرف رجوع ہے جو ازواج کے متعلق ہیں جس کا بیان پہلے بھی بعنوان اصلاح آ چکا ہے پس گویا کہ یہ اس کا تتمہ ہے۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا

اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے غالب احتمال بدماغی

اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ

یا بے پروائی کا ہو سو دونوں کو اس امر میں کوئی گناہ نہیں کہ دونوں

يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ

باہم ایک خاص طور پر صلح کرلیں

وان امراۃ خافت تا خبیرا یعنی اگر عورت ایک ایسے شوہر کے پاس رہنا چاہے جو اس کے حقوق پورے ادا نہیں کرتا اس لئے اس کو چھوڑنا چاہتا ہے تو عورت کو جائز ہے کہ اپنے کچھ حقوق مثلاً نان و نفقہ معاف کر دے یا کم کردے یا اپنی باری معاف کردے تاکہ وہ چھوڑے نہیں اور شوہر کو بھی جائز ہے کہ اس معافی کو قبول کرلے۔

وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ

اور یہ صلح بہتر ہے اور نفوس کو حرص کے ساتھ

الشُّحَّ ؕ

اقتران ہوتا ہے

اس لئے ایسی صلح ہونا کچھ بعید نہیں کیونکہ جب حرص پوری ہو جاتی ہے راضی ہو جاتا ہے۔

وَاِنۡ تُحۡسِنُوۡا وَتَتَّقُوۡا

اور اگر تم اچھا برتاؤ رکھو اور احتیاط رکھو

یعنی ان سے حقوق معاف کرانے کے خواہاں نہ ہو

فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرًا ﴿۱۲۸﴾

تو بلاشبہ حق تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں

وَلَنۡ تَسۡتَطِيۡعُوۡۤا اَنۡ تَعۡدِلُوۡا بَيۡنَ النِّسَآءِ

اور تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ سب بیبیوں میں برابری رکھو

حتیٰ کہ رغبت قلبی میں بھی یہ نہیں ہو سکتا۔

وَلَوۡ حَرَصۡتُمۡ

گو تمہارا کتنا ہی جی چاہے

میلان قلب اگرچہ غیر اختیاری ہے مگر عمل تو اختیار سے باہر نہیں

فَلَا تَمِيۡلُوۡا كُلَّ الۡمَيۡلِ فَتَذَرُوۡهَا كَالۡمُعَلَّقَةِ‌ؕ

تو تم بالکل تو ایک ہی طرف نہ ڈھل جاؤ جس سے اس کو ایسا کر دو جیسے کوئی ادھر میں لٹکی ہو

کہ نہ تو اس کے حقوق ہی ادا کیے جائیں اور نہ ہی طلاق دی جائے۔

وَاِنۡ تُصۡلِحُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ

اور اگر اصلاح کر لو اور احتیاط رکھو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی

غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ﴿۱۲۹﴾ وَاِنۡ يَّتَفَرَّقَا يُغۡنِ

رحمت والے ہیں اور اگر دونوں میاں بی بی جدا ہو جاویں

اللّٰهُ كُلًّا مِّنۡ سَعَتِهٖ‌ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا

تو اللہ تعالیٰ اپنی وسعت سے ہر ایک کو بے احتیاج کر دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑی

حَكِيۡمًا ﴿۱۳۰﴾

وسعت والے اور بڑی حکمت والے ہیں

اپنی حکمت سے ہر ایک کے لئے مناسب سبیل نکال دیں گے کوئی یوں نہ سمجھے کہ بدوں میرے کسی دوسرے کا کام ہی نہ چلے گا۔

ربط: یہاں تک کہ مختلف احکام بیان فرما کر آگے خاص اہتمام سے ان کی بجا آوری کی تاکید فرماتے ہیں۔

وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ‌ؕ

اور اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں جو چیزیں کہ آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں کہ زمین میں ہیں

ولله ما في السمٰوٰت تا بصيرا تو ایسے مالک کے احکام ماننا بہت ہی ضروری ہیں آگے بتلاتے ہیں کہ احکام کی بجا آوری کا حکم فقط تم ہی کو نہیں ہوا۔

وَلَقَدۡ وَصَّيۡنَا الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ مِنۡ

اور واقعی ہم نے ان لوگوں کو بھی حکم دیا تھا جن کو تم سے

قَبۡلِكُمۡ وَاِيَّاكُمۡ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ‌ؕ

پہلے کتاب ملی تھی اور تم کو بھی کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو

اسی کا نام تقویٰ ہے جس میں تمام احکام کی موافقت داخل ہے اس لئے اس سورت کو تقویٰ سے شروع کر کے اس کی تفصیل میں مختلف احکام لائے کیونکہ تقویٰ تمام احکام کی بجا آوری کا نام ہے۔

وَاِنۡ تَكۡفُرُوۡا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ

اور اگر ناسپاسی کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی ملک میں جو چیزیں کہ آسمانوں میں ہیں

وَمَا فِى الۡاَرۡضِ‌ؕ

اور جو چیزیں کہ زمین میں ہیں

ایسے بڑے سلطان کا کسی کی مخالفت سے کیا ضرر ہو سکتا ہے خود مخالف کرنے والے کا ضرر ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيۡدًا ﴿۱۳۱﴾

اور اللہ تعالیٰ کسی کے حاجت مند نہیں خود اپنی ذات میں محمود ہیں

کامل الصفات ہیں کسی کی مخالفت سے ان کی صفات میں کوئی نقص لازم نہیں آتا۔

وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ‌ؕ

اور اللہ ہی کی ملک ہیں جو چیزیں کہ آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں کہ زمین

وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيۡلًا ﴿۱۳۲﴾

میں ہیں اور اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہیں

پس ان کی کارسازی کے ہوتے ان کی اطاعت کرنے والوں کو کون

ضرر پہنچا سکتا ہے پس خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ جو تم کو دین کے کام بتلا رہے ہیں تو تمہاری ہی سعادت کے لئے ورنہ وہ دوسروں سے بھی کام لے سکتے ہیں آگے اپنی قدرت بیان فرماتے ہیں۔

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ
اگر ان کو منظور ہو تو اے لوگو! تم سب کو فنا کر دیں اور دوسروں کو
بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾
موجود کر دیں اور اللہ تعالیٰ اس پر پوری قدرت رکھتے ہیں

پھر جو ایسا نہیں کیا یہ ان کی عنایت ہے اس لئے بجا آوری احکام کو غنیمت سمجھ کر سعادت حاصل کرو آگے بتلاتے ہیں کہ اعمال کا اصلی ثمرہ آخرت میں ہے دنیا میں نہ ملنے سے بددل نہ ہونا۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ
جو شخص دنیا کا معاوضہ چاہتا ہے تو
اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ
اللہ تعالیٰ کے پاس تو دنیا اور آخرت دونوں کا معاوضہ ہے

جب ان کو اعلیٰ وادنیٰ دونوں پر قدرت ہے تو ادنیٰ کا مانگنا بڑی غلطی ہے اعلیٰ چیز ہی کیوں نہ مانگی جائے پس آخرت ہی کی نیت اور درخواست کرنا چاہیے عبادت میں دنیا کے ثمرات کا قصد نہ کرنا چاہیے البتہ مستقل طور پر دنیا کی حاجات مانگنے کا مضائقہ نہیں عبادات میں ان کی نیت نہ کرے۔

ربط: اوپر مختلف احکام کا ذکر ہوا جن میں بعض معاملات بھی تھے اور معاملات میں صاحب معاملہ کو اور دوسروں کو اگر اختلاف پڑے تو فیصلہ کرنے والے کو عدل کی رعایت اور دوسرے جو اس کی حقیقت پر مطلع ہوں گواہی میں اظہار حق کا لحاظ ضروری ہے اس لئے آگے قیام بالعدل واظہار حق کو واجب فرماتے ہیں پس یہ مضمون گویا تمام احکام سابقہ کا مکمل اور موکد ہے اس کو یتیموں اور عورتوں کے احکام سے بھی تعلق ہے اور قصہ بنی ابیرق میں بعض لوگوں کی ناحق طرف داری کا ذکر ہوا ہے اس سے بھی خاص مناسبت ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾ يٰۤاَيُّهَا
اور اللہ تعالیٰ بڑے سننے والے بڑے دیکھنے والے ہیں۔اے
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ
ایمان والو! انصاف پر خوب قائم رہنے والے اور اللہ کے لئے

شُهَدَآءَ لِلّٰهِ
گواہی دینے والے رہو

یاایھاالذین امنوا تا خبیرا یعنی معاملات کے بیان کرنے اور فیصلہ کرنے کے وقت انصاف سے کام لو اور اقرار یا گواہی کی نوبت آئے تو سچا اظہار دو۔

وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ
اگرچہ اپنی ذات ہی پر ہو یا کہ والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے مقابلہ میں ہو

اور گواہی کے وقت یہ خیال نہ کرو کہ جس کے مقابلہ میں ہم گواہی دے رہے ہیں یہ امیر ہے اس کو نفع پہنچانا چاہئے تا کہ اس سے بے مروتی نہ ہو یا یہ کہ وہ غریب ہے اس کا کیسے نقصان کر دیں تم کسی کی امارت وغربت کو نہ دیکھو۔

اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا قف
وہ شخص اگر امیر ہے تو اور غریب ہے تو دونوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو زیادہ تعلق ہے

اتنا تعلق تم کو نہیں کیونکہ تمہارا تعلق بھی جس قدر ہے خدا ہی کا دیا ہوا ہے اور ان کو جو تعلق ہے وہ کسی کا دیا ہوا نہیں پھر جب باوجود اس قوی تعلق کے اللہ تعالیٰ نے ان کی مصلحت اسی میں رکھی ہے کہ حق بات کہی جائے تو تم اپنے کمزور تعلق پر ان کی عارضی مصلحت کا کیوں خیال کرتے ہو۔ **ربط**: اوپر زیادہ حصہ فرعی احکام کا بیان ہوا ہے اور ایمان وکفر کی بحث کے مضامین کہیں کہیں مخالفین کے معاملات کے ضمن میں آ گئے ہیں۔ آگے یہ مضامین قدرے تفصیل سے مذکور ہوتے ہیں ترتیب بیان میں اول ایمان معتبر عند الشرع کا ذکر ہے پھر کفار کے مختلف فرقوں کے عقائد واعمال کی مذمت ہے۔

فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗۤا
سو تم خواہش نفس کا اتباع مت کرنا کبھی تم حق سے ہٹ جاؤ اور اگر تم کج بیانی
اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
کرو گے یا پہلو تہی کرو گے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کی
خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا
پوری خبر رکھتے ہیں اے ایمان والو

یاایھاالذین امنوا تا بعیدا یعنی جو لوگ اجمالی طور پر ایمان لا کر مسلمانوں کی جماعت میں داخل ہو چکے ہیں وہ عقائد ضروریہ کی تفصیل سن لیں۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ

تم اعتقاد رکھو اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ اور اس کتاب کے

الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْٓ

ساتھ جو اس نے اپنے رسول پر نازل فرمائی اور ان کتابوں کے ساتھ جو کہ

اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ

پہلے نازل ہو چکی ہیں

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کتب سابقہ پر ایمان لانے میں ملائکہ اور باقی انبیاء علیہم السلام اور یوم قیامت پر ایمان رکھنا بھی داخل ہو گیا

ربط: اوپر کفار کی مذمت اجمالاً مذکور ہوئی ہے آگے تفصیل ہے سو ان میں سے ایک فرقہ مرتدین کا ہے جس کا اول بیان ہوتا ہے۔

وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ

اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا انکار کرے اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا

وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ﴿۱۳۶﴾

اور اس کے رسولوں کا اور روز قیامت کا تو وہ شخص گمراہی میں بڑی دور جا پڑا

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا

بلاشبہ جو لوگ مسلمان ہوئے پھر کافر ہو گئے پھر مسلمان ہوئے

ان الذین اٰمنوا تا سبیلا اور اس بار بھی اسلام پر قائم نہ رہے ورنہ پہلا گناہ مرتد ہونے کا معاف ہو جاتا

ثُمَّ كَفَرُوْا

پھر کافر ہو گئے

اس کے بعد مسلمان نہ ہوئے بلکہ مرتے دم تک کفر ہی پر قائم رہے ورنہ پھر بھی ایمان مقبول ہو جاتا۔

صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ یَكُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ

پھر کفر میں بڑھتے چلے گئے اللہ تعالیٰ ایسوں کو ہرگز نہ بخشیں گے

یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اگر اتنی مرتبہ مرتد نہ ہوا ہو بلکہ ایک ہی بار مرتد ہو کر کافر مر جائے اس کی مغفرت ہو جائے گی بات یہ ہے کہ یہاں بار بار ارتداد کا ذکر بطور قید کے نہیں بلکہ جن لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی انہوں نے ایسا ہی کیا تھا تو یہ قید صرف حکایت کے طور پر ہے ورنہ ایک بار مرتد ہو کر کفر پر مرجانے کا بھی یہی حکم ہے۔

وَلَا لِیَهْدِیَهُمْ سَبِیْلًا ﴿۱۳۷﴾ ؕ

اور نہ ان کو (منزل مقصود یعنی بہشت کا) راستہ دکھائیں گے

کیونکہ مغفرت اور جنت کے لئے ایمان پر مرنا شرط ہے ۱۲

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمَا ﴿۱۳۸﴾

منافقین کو خوشخبری سنا دیجئے اس امر کی کہ ان کے واسطے بڑی دردناک سزا ہے

الَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ

جن کی یہ حالت ہے کہ کافروں کو دوست بناتے ہیں

مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ

مسلمانوں کو چھوڑ کر کیا ان کے پاس معزز رہنا چاہتے ہیں

الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ﴿۱۳۹﴾ ؕ

سو اعزاز تو سارا خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہے

ربط: اوپر مرتدین کا ذکر تھا آگے منافقین کا ذکر ہے وہ بھی اہل کفر کا ایک فرقہ تھا۔

بشر المنفقین تا جمیعا وہ جس کو چاہیں عزت دیں پس اگر خدا تعالیٰ ان کو یا جس سے جا جا کر دوستی کرتے ہیں ان کو اعزاز نہ دیں تو کہاں سے معزز بن جائیں گے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جلدی ہی مسلمانوں کے ہاتھوں سب کو ذلیل و خوار کر دیا منافقین کا کفار سے ملنا اس غرض سے تھا کہ ان کو مسلمانوں کے اس طرح غالب آنے کی توقع نہ تھی یہ سوچتے تھے کہ ہمیشہ رہنا تو یہود و مشرکین کے ساتھ ہو گا پھر ان سے کیوں بگاڑ کیا ربط: اوپر کی آیت میں منافقین کا کفار سے دوستی کرنا مذکور تھا آگے مسلمانوں کو کفار کے ساتھ دوستی رکھنے سے مطلقاً اور ان کے کفریات کے مشغلہ کے وقت ظاہری مجالست سے بھی جو کہ زیادہ موجب معصیت ہے منع فرماتے ہیں اور ساتھ ساتھ منافقین کے قبائح کا اظہار بھی فرماتے جاتے ہیں جس سے مقصود مقام زیادہ موکد ہو جائے۔ وقد نزل علیکم تا سبیلا اے مسلمانو دیکھو تم منافقوں کی طرح کفار کے ساتھ خصوصیت مت رکھنا خاص کر جب کہ وہ کفریات کا تذکرہ کرتے ہیں چنانچہ اس سورۃ مدنیہ سے پہلے بھی سورہ انعام میں کہ وہ مکہ

میں نازل ہوئی ہے اس سے ممانعت کی جا چکی ہے۔ (ترجمہ دیکھو)

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا

اور اللہ تعالیٰ تمہارے پاس یہ فرمان بھیج چکا ہے کہ جب

سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ

احکام الٰہیہ کے ساتھ استہزاء اور کفر ہوتا ہوا سنو

بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا

تو ان لوگوں کے پاس مت بیٹھو جب تک کہ وہ کوئی

فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ

اور بات شروع نہ کردیں

یہ استہزاء کرنے والے مکہ میں مشرکین تھے اور مدینہ میں یہود تو علانیہ اور منافقین صرف غریب اور کمزور مسلمانوں کے سامنے بس جیسے مکہ میں مشرکین کے پاس ایسے وقت بیٹھنے کی ممانعت تھی اسی طرح مدینہ میں یہود اور منافقین کے اختلاط سے ممانعت ہے ف اس باطل کے ساتھ میل جول اور مجالست کی چند صورتیں ہیں۔ ان کے کفریات پر راضی ہو کر ملنا یہ کفر ہے۔ اظہار کفریات کے وقت کراہت کے ساتھ بلا عذر ملنا یہ فسق ہے۔ کسی ضرورت دنیوی کے واسطے یہ مباح ہے۔ تبلیغ احکام کے لئے یہ عبادت ہے۔ مجبوری اور بے اختیاری کے ساتھ اس میں معذور ہے آگے اس ممانعت کی وجہ بتلاتے ہیں ۱۲

اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ

کہ اس حالت میں تم بھی ان ہی جیسے ہو جاؤ گے

گو دونوں گناہوں کی نوعیت میں فرق ہو کہ ایک گناہ کفر کا ہے اور دوسرا فسق کا آگے بتلاتے ہیں کہ اس ممانعت میں منافقین اور کھلے کافر سب برابر ہیں کیونکہ علت دونوں جگہ موجود ہے کہ وہ کفریات بکتے ہیں جس کا منشا کفر ہے اور اس میں دونوں برابر ہیں چنانچہ سزا میں بھی دونوں برابر ہونگے کہ جہنم کا کندہ بنیں گے۔

اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ

یقیناً اللہ تعالیٰ منافقوں کو اور کافروں کو

فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَا ۙ ﴿١٤٠﴾ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ

سب کو دوزخ میں جمع کر دیں گے۔ وہ ایسے ہیں کہ تم پر افتاد پڑنے

بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا

کے منتظر رہتے ہیں پھر اگر تمہاری فتح منجانب اللہ ہو گئی تو باتیں بناتے ہیں کہ

اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ

کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے

کیونکہ نام چارہ کو تو مسلمانوں میں گھسے ہی رہتے تھے مطلب یہ کہ ہم کو بھی غنیمت کا حصہ دو۔

وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا

اور اگر کافروں کو کچھ حصہ مل گیا تو باتیں بناتے ہیں کہ کیا

اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ

ہم تم پر غالب نہ آنے لگے تھے

مگر ہم نے قصداً تمہارے غالب کرنے کے لئے مسلمانوں کی مدد نہ کی اور ایسی تدبیر کی کہ لڑائی بگڑ گئی۔

وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ

اور کیا ہم نے تم کو مسلمان سے بچا نہیں لیا

جب تم مغلوب ہونے لگے تھے تو ہم نے ان کی مدد نہ کی اور تدبیر سے لڑائی بگاڑ دی مطلب یہ کہ ہمارا احسان مانو اور جو کچھ تمہارے ہاتھ آیا ہے ہم کو بھی کچھ دلواؤ غرض دونوں طرف ہاتھ مارتے ہیں۔

فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ

سو اللہ تعالیٰ تمہارا اور ان کا قیامت میں عملی فیصلہ فرمائیں گے

اس قید سے یہ شبہ رفع ہو گیا کہ دنیا میں تو کفار گاہے مسلمانوں پر غالب ہو جاتے ہیں اور اس کو فیصلہ اس لئے فرمایا (حالانکہ فیصلہ اختلاف کی صورت ہوا کرتا ہے) کہ منافقین کے عقائد اور ان کا مسلک تو مختلف تھا ہی اگرچہ بوجہ نفاق کے ظاہر مخالف نہ معلوم ہوتے اور ان کو اپنے مسلک پر اس لئے ناز تھا کہ جیسے دنیا میں امن سے رہے یہ سمجھتے تھے کہ آخرت میں نجات پالیں گے مگر وہاں اس کا عملی فیصلہ ہو جائے گا اور عملی اس لئے کہا کہ دلائل سے تو دنیا میں حق و باطل کا فیصلہ ہو رہا ہے۔

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى

اور (اس فیصلہ میں) ہرگز اللہ تعالیٰ کافروں کو

الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿١٤١﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ

مسلمانوں کے مقابلہ میں غالب نہ فرماویں گے بلاشبہ منافق لوگ

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا

چالبازی کرتے ہیں اللہ سے حالانکہ اللہ اس چال کی سزا ان کو دینے والے ہیں اور جب

قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ

نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی کے ساتھ

ربط: آگے بھی منافقین کے قبائح کا تتمہ ہے۔

ان المنفقین تا سبیلا کیونکہ دل میں ایمان تو ہے نہیں اس لئے نماز کو نہ فرض سمجھیں نہ اس میں ثواب کا اعتقاد رکھیں اور ظاہر ہے کہ نشاط تو اعتقاد اور امید سے پیدا ہوتا ہے اور جس کسل کی یہاں مذمت ہے وہ اعتقادی کسل ہے کہ دل میں اس کی وقعت و حرمت نہ ہو اور اگر باوجود اعتقاد صحیح کے ظاہری کاہلی ہو وہ اس سے خارج ہے پھر اگر کسی عذر مرض و تعب یا غلبہ نیند کی وجہ سے ہو تب تو قابل ملامت بھی نہیں اور اگر بلا عذر ہو تو قابل ملامت ہے۔

يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ

کھڑے ہوتے ہیں صرف آدمیوں کو دکھلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی

اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٤٢﴾ ز لا

نہیں کرتے مگر بہت ہی مختصر

یعنی محض نماز کی صورت بنا لیتے ہیں کہ نماز کا نام ہو جائے اور عجب نہیں کہ صرف اٹھنا بیٹھنا ہی ہوتا ہو کیونکہ جہر کی ضرورت تو بعض نمازوں میں امام کو ہوتی ہے امامت تو ان کو کہاں نصیب ہوتی مقتدی بن کر اگر کوئی بالکل بھی نہ پڑھے لب ہی ہلاتا رہے تو کسی کو کیا خبر ہو تو ایسے بداعتقادوں سے کیا بعید ہے کہ زبان بھی نہ ہلتی ہو۔

مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ

معلق ہو رہے ہیں دونوں کے درمیان میں نہ ادھر

وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ

نہ ادھر اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہی میں ڈال دیں

جیسا کہ ان کی عادت ہے کہ انسان جس کام کا قصد کرتا ہے وہ اس کو پورا کر دیتے ہیں۔

فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿١٤٣﴾

ایسے شخص کے لئے کوئی سبیل نہ پاؤ گے

مطلب یہ کہ ان منافقین کے راہ پر آنے کی امید مت رکھو۔ اس میں منافقین کی تشنیع کی ہے اور مومنین کی تسلی کہ ان کی شرارتوں سے رنج نہ کریں

ربط: آگے تتمہ ہے کفار سے خصوصیت و تعلق رکھنے کی ممانعت کا کہ ایک آیت میں اوپر یہ مضمون مذکور ہوا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا

اے ایمان والو تم مومنین کو چھوڑ کر

الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ

کافروں کو دوست مت بناؤ

یایھاالذین امنوا تا سلطنامبینا جیسا کہ منافقین کا شیوہ ہے کیونکہ تم کو ان کی عداوت اور کفر کی حالت معلوم ہو چکی۔

اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا

کیا تم یوں چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی حجت

مُّبِيْنًا ﴿١٤٤﴾

صریح قائم کر لو

یعنی اپنے آپ کو مجرم اور مستحق عذاب بنا لو اور صریح حجت یہی ہے کہ ہم نے جب منع کر دیا تھا پھر ایسا کیوں کیا کفار کے ساتھ دوستی اور مدارات کی تحقیق آل عمران میں گزر چکی ربط: اوپر منافقین کے قبائح کا بیان مقصود تھا اور ضمناً اسی مضمون میں ان کا جہنمی ہونا بھی مذکور ہوا تھا آگے مستقل طور پر ان کی سزا کا بیان مقصود ہے اور چونکہ سزا کے بیان کا اثر فی نفسہ یہ ہے کہ سلیم الطبع آدمی کو خوف پیدا ہوتا ہے جو توبہ کا سبب ہو جاتا ہے اس لئے توبہ کرنے والے کو سزا سے مستثنیٰ کر کے ان کی جزائے نیک کا بھی بیان فرمایا۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ

بلاشبہ منافقین دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقہ میں جاویں گے

النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿١٤٥﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ

اور تو ہرگز ان کا کوئی مددگار نہ پاوے گا لیکن جو لوگ توبہ کر لیں

تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا

اور اصلاح کرلیں اور اللہ تعالیٰ پر وثوق رکھیں اور اپنے دین کو خالص

دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ

اللہ ہی کے لئے کیا کریں

ان المنفقین تا شاکرا علیما یعنی نفاق سے توبہ کرلیں اور مسلمانوں کے ساتھ جو ایذا رسانی کے معاملات تھے ان کی اصلاح کر کے پھر ایسی باتیں نہ کریں اور کفار سے جو بغرض ان کی پناہ میں رہنے کے دوستی کرتے ہیں اس کو چھوڑ کے خدا پر بھروسہ کریں اور ریا کو چھوڑ کر سب اعمال اللہ کی رضا کے واسطے کیا کریں غرض اپنے عقائد و معاملات و اخلاق باطنی و اعمال ظاہری سب کی درستی کرلیں اس تفسیر پر تو یہ قیدیں مومنین کی معیت کاملہ کے لئے ہیں کیونکہ ان میں کوتاہی کرنے سے گناہ ہوگا تو معیت ناقص ہو جائے گی اور اگر ان سب کا مطلب یہ لیا جائے کہ ایمان لے آویں تو یہ قیدیں نجات کے لئے موقوف علیہ ہوں گی اور مطلق معیت کا سبب بنیں گی۔

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ وَسَوْفَ

تو یہ لوگ مومنین کے ساتھ ہوں گے اور مومنین کو

يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾

اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرماویں گے (اور اے منافقو)

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَ

اللہ تعالیٰ تم کو سزا دے کر کیا کریں گے اگر تم سپاس گزاری کرو اور

اٰمَنْتُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾

ایمان لے آؤ اور اللہ تعالیٰ بڑی قدر کرنے والے خوب جاننے والے ہیں۔

یعنی تمہیں عذاب کرنے پر خدا کا کوئی کام اٹکا نہیں پڑا جو خواہ مخواہ تم کو سزا دیں بلکہ صرف تمہارا اکثر عمل جو سخت درجہ کفران نعمت ہے عذاب کا سبب ہو رہا ہے۔ اگر اس کو چھوڑ دو پھر رحمت ہی رحمت ہے۔

الحمدللہ پانچویں پارہ کی تفسیر ختم ہوئی

لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا

اللہ تعالیٰ بری بات زبان پر لانے کو (کسی کے لئے) پسند نہیں کرتے بجز

مَنْ ظُلِمَ ؕ

مظلوم کے

ربط: اوپر منافقین وکفار کے احوال میں ان کا مسلمانوں سے عداوت کرنا مذکور تھا۔ چونکہ عداوت میں اکثر ایذا رسانی کی بھی نوبت آتی ہے اور جس کو ایذا پہنچتی ہے اکثر اس کی زبان سے شکایت وحکایت بھی نکل جاتی ہے۔اس مناسبت سے آگے شکایت کے جواز وناجواز کی تحقیق مع فضیلت عفو کے بیان فرماتے ہیں۔لایحب اللہ الجھر تا عفواً قدیرا ۔

کہ اپنے ظالم کی نسبت کچھ حکایت شکایت کرنے لگے تو وہ گناہ نہیں خلاصہ یہ ہے کہ بلا مصلحت وضرورت کے اور کسی کی عیب گوئی جائز نہیں۔ اور یہ مطلب نہیں کہ ظالم کے سوا مطلقاً کسی کی شکایت جائز نہیں کیونکہ اگر کسی سے کوئی دینی یا دنیوی مضرت پہنچنے کا اندیشہ ہو اس کے حال سے لوگوں کو مطلع کرنا درست ہے بلکہ واجب ہے پس یہاں حصر حقیقی نہیں۔

وَكَانَ اللّٰہُ سَمِیْعًا عَلِیْمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنْ تُبْدُوْا

اور اللہ تعالیٰ خوب سنتے جانتے ہیں اگر نیک کام علانیہ کرو یا اس کو خفیہ کرو

خَیْرًا اَوْ تُخْفُوْہُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ

(بالخصوص) کسی (کی) برائی کو معاف کرو تو اللہ تعالیٰ (بھی) بڑے معاف

اللّٰہَ كَانَ عَفُوًّا قَدِیْرًا ﴿۱۴۹﴾

کرنے والے ہیں (باوجودیکہ) پوری قدرت والے ہیں

کہ اپنے مجرموں سے ہر طرح انتقام لے سکتے ہیں۔مگر پھر بھی اکثر معاف ہی کردیتے ہیں پس اگر تم بھی ایسا کرو تو اول تو اخلاق خداوندی کا اتباع ہے دوسرے پھر تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ کرنے کی امید ہوگی۔

ربط: یہاں تک منافقین کا بیان ہو چکا کفار میں ایک فرقہ یہود کا ہے آگے اس کا بیان ہے یہود کی چند قباحتوں کا اس جگہ ذکر ہوتا ہے ان الذین یکفرون تا رحیم

اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ

جولوگ کفر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ

جیسا کہ ان کے عقیدہ وقول آئندہ سے صاف لازم آتا ہے۔

وَرُسُلِہٖ

اور اس کے رسولوں کے ساتھ

یعنی بعض کیساتھ تو صراحۃً کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے منکر تھے اور کل کے ساتھ اسی سے کفر لازم آگیا۔

وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ

اور یوں چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان میں فرق رکھیں اور کہتے ہیں

وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ

کہ ہم (پیغمبروں میں سے) بعضوں پر تو ایمان لاتے ہیں اور بعضوں کے منکر ہیں

اس قول اور عقیدہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی کفر لازم آگیا اور سب رسولوں کے ساتھ بھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اور ہر رسول نے سب رسولوں کو رسول کہا ہے جب بعض کا انکار ہوا تو اللہ تعالیٰ اور بقیہ رسولوں کی بھی تکذیب ہوئی جو ایمان کی ضد ہے۔

وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِكَ

اور یوں چاہتے ہیں کہ بین بین ایک راہ

سَبِیْلًا ﴿۱۵۰﴾ ۙ

تجویز کریں

کہ نہ سب پر ایمان ہے جیسے مسلمان سب پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ سب کا انکار ہے جیسے مشرکین کرتے تھے۔

اُولٰٓئِكَ ھُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ

بلکہ نہ سب پر ایمان ہو نہ سب کا انکار۔ایسے لوگ یقیناً کافر ہیں

کیونکہ بعض کے ساتھ کفر کرنا بھی کفر ہے اور ایمان وکفر کے درمیان میں کوئی واسطہ نہیں ہے کہ اس کو آدھا ایمان اور آدھا کفر کہا جائے بلکہ جب سب پر ایمان نہ ہوا تو وہ کفر ہی ہوا ۱۲

وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّھِیْنًا ﴿۱۵۱﴾

اور کافروں کیلئے ہم نے اہانت آمیز سزا مقرر کر رکھی ہے

وہی ان کے لئے بھی ہوگی۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے سب رسولوں

يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ

پر بھی اور ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے

یعنی ایمان لانے میں کسی میں فرق نہیں کرتے بلکہ سب پر ایمان رکھتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَكَانَ

ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ ضرور ثواب دیں گے اور اللہ تعالیٰ بڑی

اللّٰهُ غَفُوْرًا

مغفرت والے ہیں

اس لئے ایمان سے پہلے جتنے گناہ ہو چکے ہیں سب بخش دیں گے ١٢

رَّحِيْمًا ﴿١٥٢﴾

اور بڑے رحم والے ہیں

اس لئے ایمان کی برکت سے ان کی نیکیوں کو بڑھا کر خوب ثواب دیں گے۔ ف بعض مفسرین نے اس آیت کو یہود و نصاریٰ دونوں کی شان میں کہا ہے کیونکہ نصاریٰ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے لیکن آگے پیچھے یہود کا ذکر ہونا یہی چاہتا ہے کہ اس آیت کا یہود کی شان میں ہونا زیادہ مہتم بالشان ہو گو تبعاً نصاریٰ بھی آیت کے عام الفاظ میں داخل ہو جائیں ١٢

ربط: اوپر یہود کی مذمت تھی آگے اور مذمت ہے۔ یسئلک تا سلطنا مبینا

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ

آپ سے اہل کتاب (یہود) یہ درخواست کرتے ہیں کہ آپ ان کے پاس

كِتٰبًا مِّنَ السَّمَاۗءِ

ایک خاص نوشتہ آسمان سے منگوا دیں

یہود نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ عناد یہ درخواست کی کہ اب ہم آپ سے جب بیعت کریں گے کہ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف ایک نوشتہ اس مضمون کا آوے کہ از جانب خدا تعالیٰ بنام فلاں یہودی آنکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول ہیں اسی طرح ہر ہر یہودی کے نام یہ خطوط ہوں اللہ تعالیٰ نے حضور کی تسلی فرمائی کہ یہ لوگ ہمیشہ سے ایسی درخواستیں جہالت کی کرتے آتے ہیں آپ اس کو عجیب بات نہ سمجھیں اور دل شکستہ نہ ہوں۔

فَقَدْ

سو انہوں نے

یعنی اس فرقہ کے جو لوگ اس وقت موجود تھے انہوں نے

سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا

موسیٰ (علیہ السلام) سے اس سے بھی بڑی بات کی درخواست کی تھی۔ اور یوں کہا

اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً

تھا کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا دکھلا دو

دیدار الٰہی کی درخواست اس سے بڑھ کر اس لئے ہے کہ خدا کی کتابیں تو دنیا میں انسانوں پر نازل ہو سکتی ہیں اگرچہ بجز انبیاء علیہم السلام کے کسی اور پر نازل نہیں ہوئیں جیسا کہ وہ چاہتے تھے مگر دیدار الٰہی تو دنیا میں کسی کو کبھی واقع ہوا ہی نہیں۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا

جس پر ان کی گستاخی کے سبب ان پر کڑک (بجلی) آ پڑی۔ پھر اس سے بڑھ کر

الْعِجْلَ

(یہ کہ) انہوں نے گوسالہ کو (معبود) تجویز کیا تھا

گوسالہ کی عبادت اس سے بڑھ کر ہے کہ دیدار الٰہی گو دنیا میں کسی کو نہیں ہوا مگر آخرت میں تو بعض کو ہوگا لیکن غیر خدا کا معبود بننے کے قابل ہونا یہ تو عقلاً محال ہے کہ کسی زمانہ میں کسی جگہ میں ہو ہی نہیں سکتا اور گوسالہ کی پرستش کا قصہ مشہور روایات میں درخواست دیدار سے پہلے ہو چکا تھا پس یہاں لفظ ثم جس کا ترجمہ پھر ہے اس سے مراد زمانہ کے اعتبار سے موخر ہونا نہیں ہے بلکہ یہ بتلانا ہے کہ یہ حرکت پہلے سے بھی بڑھ کر ہے چنانچہ ترجمہ میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ

بعد اس کے کہ بہت سے دلائل ان کو پہنچ چکے تھے

جن سے حق و باطل کی تعیین ہو چکی تھی اور ان دلائل سے مراد موسیٰ علیہ السلام کے معجزات ہیں جن میں سے فرعون کے غرق ہونے تک بہتوں کا مشاہدہ ہو چکا تھا

فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا

پھر ہم نے اس سے درگذر کر دیا تھا اور موسیٰ (علیہ السلام) کو ہم نے

مُّبِيۡنًا ﴿۱۵۳﴾

بڑا رعب دیا تھا

مگر اس رعب پر اور ہماری عنایات و درگذر پر بھی ان لوگوں کی یہ کیفیت تھی کہ نہ عنایت سے متاثر ہوتے تھے نہ رعب سے

ربط : اوپر یہود کی بعض جہالات وعناد کا بیان کر کے آگے بعض دیگر جہالات کا بیان فرماتے ہیں جس سے ان کی تشنیع بھی مقصود ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور زیادہ تسلی بھی منظور ہے اور اس سے زیادہ فائدہ کی وجہ سے ان قصوں میں تکرار نہ رہا۔ ورفعنا تا لا قلیلا

وَرَفَعۡنَا فَوۡقَهُمُ الطُّوۡرَ بِمِيۡثَاقِهِمۡ وَقُلۡنَا

اور ہم نے ان لوگوں سے قول وقرار لینے کے واسطے کوہ طور کو اٹھا کر ان کے اوپر

لَهُمُ ادۡخُلُوا الۡبَابَ سُجَّدًا وَّ قُلۡنَا لَهُمۡ

متعین کر دیا تھا اور ہم نے ان کو یہ حکم دیا تھا کہ دروازہ میں عاجزی سے داخل ہونا

لَا تَعۡدُوۡا فِى السَّبۡتِ

اور ہم نے ان کو حکم دیا تھا کہ یوم ہفتہ کے بارہ میں تجاوز مت کرنا

یعنی جو حکم کہ تم کو ملا ہے کہ اس میں شکار نہ کرو اس میں حد شرع سے آگے نہ بڑھنا۔

وَاَخَذۡنَا مِنۡهُمۡ مِّيۡثَاقًا غَلِيۡظًا ﴿۱۵۴﴾

اور اس کے علاوہ اور بھی ہم نے ان سے قول وقرار نہایت شدید لئے۔

جس کا بیان واذاخذنا میثاق بنی اسرائیل میں مذکور ہے لیکن ان لوگوں نے باوجود اس قدر اہتمام کے پھر اپنے عہدوں کو توڑ ڈالا۔

فَبِمَا نَقۡضِهِمۡ

سو ہم نے سزا میں مبتلا کیا

یعنی ان کی ان حرکتوں کی وجہ سے لعنت وغضب وذلت ومسخ وغیرہ میں ہم نے ان کو گرفتار کیا۔

مِّيۡثَاقَهُمۡ وَكُفۡرِهِمۡ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتۡلِهِمُ

ان کی عہد شکنی کی وجہ سے اور ان کے کفر کی وجہ سے احکام الٰہیہ کے ساتھ اور ان کے قتل کرنے

الۡاَنۡۢبِيَآءَ بِغَيۡرِ حَقٍّ وَّقَوۡلِهِمۡ قُلُوۡبُنَا غُلۡفٌ ؕ

کی وجہ سے انبیاء کو ناحق اور ان کے اس مقولہ کی وجہ سے کہ ہمارے قلوب محفوظ ہیں

کہ ان میں مخالف مذہب کا یعنی اسلام کا اثر ہی نہیں ہوتا تو اپنے مذہب پر ہم خوب پختہ ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ مضبوطی اور پختگی نہیں بلکہ خدا کی مار ہے ۱۲

بَلۡ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيۡهَا بِكُفۡرِهِمۡ

بلکہ ان کے کفر کے سبب ان قلوب پر اللہ تعالیٰ نے بند لگا دیا ہے

کہ حق بات کی ان میں تاثیر نہیں ہوتی۔

فَلَا يُؤۡمِنُوۡنَ اِلَّا قَلِيۡلًا ﴿۱۵۵﴾ ۖ

سو ان میں سے ایمان نہیں لائیں گے مگر قدرے قلیل

اور قدر قلیل ایمان مقبول نہیں پس کافر ہی ٹھہرے

ف: عہد شکنی میں بعد کے سب مضامین آ گئے تھے لیکن زیادہ تشنیع کے لئے سب معاملات کو الگ الگ بھی بیان فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا یہ معاملہ ہے کہ ان کے احکام کے منکر ہیں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ یہ برتاؤ ہے کہ تکذیب سے گذر کر ان کو قتل کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ معاملہ ہے کہ آپ کے سامنے اپنے حق پر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور یہ سب کفر ہی کی اقسام ہیں اور ان سب قصوں کی تفصیل یعنی دیدار الٰہی کی درخواست کرنا، گوسالہ کی عبادت کرنا اسی طرح طور کا اٹھایا جانا اور سبت کے دن میں زیادتی کرنا وغیرہ پارہ الٓمّ میں مذکور ہو چکی ہے اور عیسیٰ علیہ السلام اور مریم علیہا السلام کے متعلق ان کے اقوال کا اجمالی ذکر سورہ آل عمران میں گزر چکا ہے۔ اور کچھ تفصیل آگے آ جاوے گی ۱۲ ربط اوپر یہود پر لعنت وغیرہ ہونے کی کچھ وجوہ بیان فرمائی ہیں۔ بعض وجہیں آگے مذکور ہیں۔ وبکفرھم تا شھیدا

وَّبِكُفۡرِهِمۡ وَقَوۡلِهِمۡ عَلٰى مَرۡيَمَ بُهۡتَانًا عَظِيۡمًا ﴿۱۵۶﴾ ۙ

اور انکے کفر کی وجہ سے اور حضرت مریم (علیہا السلام) پر انکے بڑا بھاری بہتان دھرنے کی وجہ سے

یعنی ہم نے ان کو سزائے لعنت وغیرہ میں ان وجوہ سے بھی مبتلا کیا

ف: مریم علیہا السلام پر بہتان لگانے سے عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب بھی لازم آتی ہے۔ کیونکہ وہ اپنے معجزہ سے ان کی براءت ظاہر فرما چکے ہیں اور معجزہ یہی تھا کہ پیدا ہونے کے بعد ہی کلام کیا۔

وَّقَوۡلِهِمۡ اِنَّا قَتَلۡنَا الۡمَسِيۡحَ عِيۡسَى ابۡنَ

اور ان کے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح عیسیٰؑ ابن مریم کو جو کہ

مَرۡيَمَ رَسُوۡلَ اللّٰهِ ۚ

رسول ہیں اللہ تعالیٰ کے قتل کر دیا

وہ لوگ بطور تفاخر کے یہ بات کہتے تھے اور یہ کہنا دلیل ہے عداوت کی اور انبیاء کے ساتھ عداوت کرنا کفر ہے نیز اس میں قتل کا دعویٰ ہے اور نبی کا قتل کرنا بھی کفر ہے اور کفر کا دعویٰ کرنا بھی کفر ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کے نام کے ساتھ جو لفظ رسول اللہ آیا ہے یہ یہود کا قول نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے بڑھا دیا ہے کہ دیکھو ایسے کی نسبت ایسا کہتے ہیں پھر یہ دعویٰ علاوہ کفر ہونے کے واقع میں غلط بھی ہے چنانچہ آگے بیان فرماتے ہیں۔

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ط
حالانکہ انہوں نے نہ ان کو قتل کیا اور نہ ان کو سولی پر چڑھایا لیکن ان کو اشتباہ ہو گیا
وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ
اور جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ غلط خیال میں ہیں۔ ان
مِّنْهُ ط مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ج
کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے اور انہوں نے
وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿۱۵۷﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ط
ان کو یقینی بات ہے کہ قتل نہیں کیا بلکہ ان کو خدا تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھا لیا

یعنی آسمان پر اٹھا لیا اور ایک دوسرے آدمی کو ان کا ہم شکل بنا دیا اس کو سولی دی گئی وہ مقتول ہوا اسی وجہ سے یہود کا اشتباہ ہو گیا اور اشتباہ سے اہل کتاب میں اختلاف پیدا ہو گیا۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾
اور اللہ تعالیٰ بڑے زبردست حکمت والے ہیں

کہ اپنی قدرت و حکمت سے عیسیٰ علیہ السلام کو بچا لیا اور آسمان پر اٹھا لیا اور یہود کو اشتباہ کی وجہ سے پتہ بھی نہ لگا آگے بتلاتے ہیں کہ یہود کو عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے انکار میں اور قتل کے دعویٰ میں اپنا جھوٹا ہونا بہت جلد دنیا ہی میں ظاہر ہو جاتا ہے۔

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ
اور کوئی شخص اہل کتاب سے نہیں رہتا مگر وہ عیسیٰ علیہ السلام کی اپنے مرنے سے
قَبْلَ مَوْتِهٖ ج
پہلے ضرور تصدیق کر لیتا ہے

جب کہ عالم برزخ نظر آنے لگتا ہے گو اس وقت کی تصدیق نافع نہیں مگر ان کا جھوٹ ظاہر ہونے کے لئے تو کافی ہے تو اس سے اگر ابھی ایمان لے آویں تو نافع ہو جائے۔

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿۱۵۹﴾ ج
اور قیامت کے روز وہ ان پر گواہی دیں گے

یعنی جب دنیا اور برزخ دونوں ختم ہو جائیں گے اور قیامت آ جائے گی اس وقت عیسیٰ علیہ السلام ان منکرین کے انکار پر گواہی دیں گے کہ ان لوگوں نے میری نبوت کو تسلیم نہ کیا تھا۔ ف: عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے متعلق بحث اور اہل کتاب کے مختلف اقوال **تلک الرسل** میں اور انبیاء کا گواہی دینا **والمحصنات** سے ذرا پہلے مذکور ہو چکا ہے۔ ضرور ملاحظہ کیا جائے اور عیسیٰ علیہ السلام کی حیات و موت کے بحث میں کتاب سیف چشتیہ قابل مطالعہ ہے **ربط**: آگے بھی یہود کی بعض شرارتوں کا ذکر مع ان سزاؤں کے جو ان پر شرعی احکام میں سختی کر کے اور بعض پاکیزہ چیزوں کو ان پر حرام کر کے دنیا میں واقع ہوئیں نیز آخرت کی سخت سزا کا بیان فرماتے ہیں۔ **فبظلم تا الیما**

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ
سو یہود کے ان ہی بڑے بڑے جرائم کے سبب ہم نے بہت سی پاکیزہ چیزیں

یعنی حلال اور نافع اور لذیذ چیزیں

طَيِّبٰتٍ
جو ان کے لئے حلال تھیں

چنانچہ آیت **کل الطعام کان حلا لبنی اسرائیل** میں بیان ہو چکا ہے کہ پہلے سب طیبات یہود کے لئے بھی حلال تھیں پھر تورات نازل ہونے سے بعض اچھی چیزیں بھی بوجہ ان کی نافرمانی کے ان پر حرام کر دی گئیں۔

اُحِلَّتْ لَهُمْ
ان پر حرام کر دیں

ان چیزوں کا بیان سورۂ انعام کی آیت **وعلی الذین هادوا حرمنا کل ذی ظفر الخ** میں ہے اور وہاں بھی یہ مذکور ہے کہ ان کی سرکشی کی وجہ سے ان طیبات کو حرام کیا گیا تھا **ذلک جزینٰهم ببغیهم وانا لصدقون** آگے بتلاتے ہیں کہ شریعت موسویہ کی حرام کردہ چیزیں دیگر انبیاء کے زمانہ میں بھی وہ سب حرام ہی رہیں کوئی حلال نہیں ہوئی کیونکہ وہ آئندہ بھی ایسی حرکتوں سے باز نہ آئے۔

وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿١٦٠﴾

اور بسبب اس کے کہ وہ بہت آدمیوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے مانع بن جاتے تھے

کیونکہ احکام میں تحریف اور اخفاء کرنے سے عوام کو خواہ مخواہ دین حق میں خلط والتباس ہوجاتا تھا گو طلب صادق اور پوری تحقیق سے وہ التباس رفع ہوسکتا تھا۔

وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ

اور بسبب اس کے کہ وہ سود لیا کرتے تھے حالانکہ ان کو اس سے ممانعت کی گئی تھی اور

اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ

بسبب اس کے کہ وہ لوگوں کے مال ناحق طریقہ سے کھاجاتے تھے

پس ان وجوہ سے کہ وہ لوگ خدا کے دین سے مخلوق کو روکتے تھے اور سود لیتے اور ناحق مال کھاتے تھے شریعت موسویہ کے باقی رہنے تک کوئی تخفیف نہ ہوئی البتہ شریعت عیسویہ میں کچھ احکام بدلے تھے اور شریعت محمدیہ میں بہت تخفیف ہوگئی۔ف: جرائم اور گناہوں کی وجہ سے جو بعض پاکیزہ چیزیں یہود پر حرام ہوئیں ان کی تحریم سب کے لئے عام تھیں گو بعض نیک لوگ جرائم سے محفوظ بھی تھے۔کیونکہ بہت سی حکمتوں کی وجہ سے عادۃ اللہ یوں ہی جاری ہے جیسا کہ قرآن میں اس کی طرف اشارہ بھی ہے۔ **واتقوا فتنة لا تصیبن الخ** ایسے عذاب سے بچتے رہو جو تم میں سے فقط گناہگاروں ہی کو نہ پہنچے گا (بلکہ سب کو عام ہوجائے گا) اور حدیث میں ہے کہ بڑا مجرم وہ ہے جس کے بے ضرورت سوال کرنے سے زمانہ وحی میں کوئی شے سب کے لئے حرام ہوجائے ف: اور شریعت محمدیہ میں جو چیزیں حرام ہیں وہ کسی جسمانی یا روحانی ضرر کی وجہ سے حرام ہیں کہ اس اعتبار سے وہ پاکیزہ اور طیب کہے جانے کے لائق نہیں ہیں پس طیبات نافعہ کا حرام ہونا عذاب اور سیاست ہے اور مضر چیزوں کا حرام ہونا رحمت وحفاظت ہے یہود کی دنیوی سزا بیان کرنے کے بعد آگے اخروی سزا کا بیان ہے۔

وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٦١﴾

اور ہم نے ان لوگوں کیلئے جو ان میں سے کافر ہیں دردناک سزا کا سامان کر رکھا ہے

البتہ جو موافق قاعدہ شریعت کے ایمان لے آئے اس کی پچھلی جنایتیں سب معاف ہوجائیں گی ربط: اوپر کفار یہود کا ذکر تھا آگے ان میں سے جو ایمان لے آئے تھے۔ان کا بیان ہے گو کچھ پہلے بھی ان کا بیان آچکا ہے لیکن یہاں دوسرے عنوان سے اور کسی قدر مفصل ہے **لکن الراسخون تا عظیما**.

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ

لیکن ان (یہود) میں جو لوگ علم (دین) میں پختہ ہیں

یعنی اس کے موافق عمل کرنے پر مضبوط ہیں اور اسی پختگی نے ان پر حق کو واضح اور حق بات قبول کرلینے کو آسان کردیا اور ان سے حضرت عبداللہ بن سلامؓ واسیدؓ وثعلبہؓ اور جو ان کی مثل ہیں مراد ہیں۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ

اور جو (ان میں) ایمان لے آنے والے ہیں کہ اس (کتاب) پر بھی ایمان لاتے ہیں جو

اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ

آپ کے پاس بھیجی گئی اور اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں) جو آپ سے پہلے بھیجی گئی تھی اور جو

وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ

(ان میں) نماز کی پابندی کرنے والے ہیں اور جو (ان میں) زکوۃ دینے والے ہیں

ان کاموں پر آیت میں ثواب کامل کو معلق کیا گیا ہے ورنہ مطلق ثواب اور مطلق نجات صرف عقائد ضروریہ کی تصحیح پر موقوف ہے۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ

اور جو (ان میں) اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر اعتقاد رکھنے والے ہیں (سو) ایسے

سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١٦٢﴾ ع اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ

لوگوں کو ہم ضرور (آخرت میں) ثواب عظیم عطا فرماویں گے۔ہم نے آپ کے پاس وحی

كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ

بھیجی ہے جیسے نوح علیہ السلام کے پاس بھیجی تھی اور ان کے بعد اور پیغمبروں کے پاس

ربط: اوپر یہود کے ایک سوال کا جو **یسئلک اهل الکتب** میں منقول ہے ذکر تھا اور وہاں اس کا منشاء جہالت اور عناد بتلایا گیا تھا اور اسی کے ثابت کرنے کے لئے بعد کے مضامین تھے آگے اس سوال کا جواب ارشاد ہوتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ثبوت نبوت کے لئے یہ درخواست محض لغو ہے کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اور بھی انبیاء علیہم السلام گزرے جن کی نبوت تمہارے نزدیک بھی مسلم ہے اگر ثبوت نبوت اسی پر موقوف ہے کہ ہر شخص کے پاس خدا کا لکھا ہوا حکم پہنچا کرے کہ فلاں شخص ہمارا رسول ہے تو سب انبیاء میں اس کا ثابت کرنا لازم ہوگا حالانکہ ایسا کبھی

نہیں ہوا تو اس پر نبوت کا موقوف ہونا ہی غلط ہے سو جیسی دلیل سے دوسروں کی نبوت ثابت ہے ویسی ہی دلیل یہاں بھی موجود ہے یعنی معجزات پھر ایسی فرمائش عناداً نہیں تو کیا ہے انا او حینا الیک تا تکلیما جن میں سے بعضوں کے نام بھی بتلائے دیتے ہیں۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ

اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام

وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ

اور یعقوب علیہ السلام اور اولاد یعقوب علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام اور ایوب علیہ السلام

وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا

اور یونس علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کے پاس وحی

دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۚ ﴿١٦٣﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ

بھیجی تھی اور ہم نے داؤد کو زبور دی تھی اور ایسے پیغمبروں کو صاحب وحی بنایا

عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ

جن کا حال اس سے قبل ہم آپ سے بیان کر چکے ہیں

جیسا کہ سورۃ انعام وغیرہ مکی سورتوں میں بہت سے انبیاء کا ذکر ہے غرض ہم نے کچھ آپ کو انوکھا اور نیا رسول نہیں بنایا جو ایسی واہی تباہی فرمائشیں یہ لوگ کرتے ہیں ۱۲

ربط: آگے رسولوں کے بھیجنے کی حکمت اور اس کے ختم پر مقصود کی تصریح یعنی نبوت محمدیہ کا اثبات فرماتے ہیں جو کہ خلاصہ کلام و نتیجہ مقام ہے اس کے بعد ان لوگوں کی بدحالی مذکور ہے جو باوجود دلائل قائم ہونے اور حق واضح ہو جانے کے بھی انکار ہی کرتے ہیں۔ رسلا مبشرین تا علی اللہ یسیرا

وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۭ وَكَلَّمَ

اور ایسے پیغمبروں کو جن کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا

اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿١٦٤﴾ ۚ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ

اور موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر کلام فرمایا۔ ان سب کو خوشخبری

وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى

دینے والے اور خوف سنانے والے پیغمبر بنا کر اس لئے بھیجا تاکہ لوگوں کے پاس

اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ

اللہ تعالیٰ کے سامنے ان پیغمبروں کے بعد کوئی عذر باقی نہ رہے

یعنی ظاہر بھی کوئی عذر نہ کر سکیں ورنہ قیامت میں یوں کہتے کہ بہت سی چیزوں کا اچھا برا ہونا عقل سے معلوم نہ ہو سکتا تھا پھر ہماری کیا خطا

وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٦٥﴾

اور اللہ تعالیٰ پورے زور والے ہیں بڑی حکمت والے ہیں

یعنی یوں تو اللہ تعالیٰ کو ہر طرح اختیار اور زور ہے کہ وہ بدوں رسولوں کے بھیجنے کے بھی سزا دے سکتے تھے اور بوجہ اس کے کہ وہ مالک حقیقی ہونے میں یکتا ہیں کوئی ظلم بھی نہ ہوتا مالک کو ہر طرح کا اختیار ہوتا ہے پس حقیقت میں کسی کو بھی عذر کا حق نہ ہوتا لیکن چونکہ وہ حکمت والے بھی ہیں اس لئے حکمت اسی کو مقتضی ہوئی کہ رسول بھیجے جائیں تاکہ ظاہری عذر بھی کسی کو نہ رہے۔ رسولوں کے بھیجنے کی حکمت بیان کر کے آگے نبوت محمدیہ کو ثابت فرما کر جواب کو مکمل فرماتے ہیں۔

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ

لیکن اللہ تعالیٰ بذریعہ اس کتاب کے جس کو آپ کے پاس بھیجا ہے اور بھیجا بھی اپنے

بِعِلْمِهٖ ۚ

علمی کمال کے ساتھ شہادت دے رہے ہیں

یعنی اگر یہ لوگ باوجود اپنے اس شبہ کے رفع ہو جانے بھی آپ کی نبوت کو تسلیم نہ کریں تو کیا ہوا واقع میں تو وہ ثابت ہے اور اس کے ثبوت پر دلیل صحیح قائم ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ سے جس کو انہوں نے اپنے علمی کمال کے ساتھ نازل فرمایا ہے جس سے وہ کتاب ایک بہت بڑا معجزہ بن گئی جو کہ ثبوت نبوت کے لئے قطعی دلیل ہے ایسی کتاب کے ذریعہ سے آپ کی نبوت پر دلیل قائم کر رہے ہیں پس واقع میں معجزہ اور دلیل سے ثبوت نبوت کا ہو چکا رہا کسی کا ماننا نہ ماننا اس کا خیال ہی کیا۔

وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۭ

اور فرشتے تصدیق کر رہے ہیں

یعنی اول تو کسی کے ماننے نہ ماننے کا خیال ہی کیا اور اگر طبعاً اس کو بھی جی چاہتا ہو تو ان سے بہتر مخلوق یعنی فرشتے آپ کی نبوت کی تصدیق کر رہے ہیں اور مسلمانوں کی تصدیق تو مشاہد ہی ہے پس اگر چند احمقوں نے نہ مانا نہ سہی۔

وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿١٦٦﴾

اور اللہ تعالیٰ ہی کی شہادت کافی ہے

یعنی اصل بات تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دلیل قائم کر دینے کے بعد کسی کی تصدیق کو تسلیم کرنے کی آپ کو حاجت نہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ

جو لوگ منکر ہیں اور خدائی دین سے مانع ہوتے ہیں

سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿١٦٧﴾

بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑے ہیں۔

یہ تو دنیا میں ان کے مذہب کا حاصل ہے اور اس کا ثمرہ آخرت میں جو ہوگا آگے سنو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ

بلاشبہ جو لوگ منکر ہیں اور دوسروں کا بھی نقصان کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ

لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿١٦٨﴾

ان کو کبھی نہ بخشیں گے اور نہ اُن کو سوا جہنم کی راہ کے کوئی راہ

اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ

دکھاویں گے اس طرح پر کہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہا کریں گے

وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿١٦٩﴾ يٰٓاَيُّهَا

اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ سزا معمولی بات ہے اے

النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ

تمام لوگو تمہارے پاس یہ رسول سچی بات لے کر تمہارے پروردگار کی

مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا

طرف سے تشریف لائے ہیں سو تم یقین رکھو

ربط: اوپر یہود کے ایک شبہ کا جواب جو نبوت محمدیہ کے متعلق تھا نہایت بلاغت و وضاحت سے مذکور ہو چکا آگے عام خطاب سے سب پر آپ کی نبوت کی تصدیق واجب فرماتے ہیں یایها الناس تا علیما حکیما

یعنی اس سچے دعوے اور سچی دلیل کا تو مقتضا یہ ہے کہ تم ان پر اور جو احکام یہ بتلائیں سب پر یقین رکھو جو پہلے سے یقین لائے ہوئے ہیں وہ اس پر قائم رہیں اور جو نہیں لائے وہ اب اختیار کر لیں کیونکہ نجات اسی سے ہوگی۔ ۱۲

خَيْرًا لَّكُمْ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ

یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا اور اگر تم منکر رہے تو خدا تعالیٰ کی ملک ہے

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

یہ سب جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے

یعنی اگر انکار کرو گے تو تمہارا ہی نقصان ہے خدا تعالیٰ کا کوئی نقصان نہیں کیونکہ ایسے بڑے عظیم الشان مالک و قادر کو تم کیا نقصان پہنچا سکتے ہو مگر اپنی خیر مناؤ ۱۲

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١٧٠﴾

اور اللہ تعالیٰ پوری اطلاع رکھتے ہیں کامل حکمت والے ہیں

یعنی دنیا میں جو پوری سزا تم کو نہیں دیتے تو وجہ اس کی یہ ہے کہ خدا کی حکمت اسی کو مقتضی ہے ربط: اوپر یہود کو خطاب تھا آگے نصاریٰ کو خطاب ہے۔ یاهل الکتب تا وکیلا

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا

اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں حد سے مت نکلو

تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ

اور خدا تعالیٰ کی شان میں غلط بات مت کہو

مثلاً یہ کہ نعوذ باللہ اللہ صاحب اولاد ہے جیسا کہ بعض کہتے تھے المسیح ابن اللہ کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں یا یہ کہ خدا تین معبودوں میں کا ایک ہے جیسا کہ بعض کہتے تھے ان اللہ ثالث ثلثة اور بقیہ دو معبود ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کہتے تھے اور ایک حضرت جبریل کو اور بعضے حضرت مریم کو کہتے تھے یا یہ کہ خدا عین مسیح ہے جیسا کہ بعض کہتے تھے۔ ان اللہ هو المسیح بن مریم غرض یہ سب عقیدے باطل ہیں۔

اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ

مسیح عیسیٰ بن مریم تو اور کچھ بھی نہیں البتہ اللہ کے رسول ہیں اور

اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ

اللہ تعالیٰ کے ایک کلمہ ہیں

یعنی ایک کلمہ سے پیدا ہوئے ہیں۔

أَلْقٰهَآ إِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ز

جس کو اللہ تعالیٰ نے مریم تک پہنچایا تھا اور اللہ کی طرف سے ایک جان ہیں

کہ اس جان کو حضرت مریم کے جسم میں حضرت جبریل علیہ السلام کی پھونک کے ذریعہ سے پہنچایا گیا تھا باقی نہ وہ خدا کے بیٹے نہ خود خدا ہیں نہ تین میں کے ایک ہیں جیسا کہ عقائد مذکورہ سے لازم آتا ہے روح المعانی میں نصاریٰ کے اقوال مع رد کے خوب تفصیل سے لکھے ہیں اور اس میں یہ لکھا ہے کہ ان اقوال میں سے بعض کا اس وقت کے نصاریٰ کے انکار ہے سو یا تو جن لوگوں کا یہ قول ہے وہ جو نزول قرآن کے وقت ہوں گے آگے سلسلہ ان کا منقطع ہو گیا یا یہ مراد ہے کہ ان کے اقوال سے یہ عقائد لازم آتے ہیں اور جو بات صراحۃً لازم آئے وہ بھی مثل عقیدہ کے ہوتی ہے

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ قف

سو اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لاؤ

اور ایمان موقوف ہے توحید پر پس توحید کا عقیدہ رکھو اور ان سب غلط عقیدوں سے توبہ کرو۔

وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ط

اور یوں مت کہو کہ تین ہیں

مقصود شرک سے منع کرنا ہے اور شرک تمام اقوال مذکورہ میں مشترک ہے تو مطلب یہ ہوا کہ شرک مت کرو۔

اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ط اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ

باز آجاؤ تمہارے لئے بہتر ہو گا۔ معبود حقیقی

وَّاحِدٌ ط سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ م

تو ایک ہی معبود ہے وہ صاحب اولاد ہونے سے منزہ ہے

اور خدا کا تمام عیبوں سے پاک ہونا اور علی الاطلاق سب کا مالک ہونا توحید کی دلیل ہے جس کی تقریر سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے اور ایک دلیل آگے آتی ہے ۱۲

لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ط

جو کچھ آسمانوں اور زمین میں موجودات ہیں سب اس کی ملک ہیں

اور ان کے سوا سب کے سب کارسازی میں ناکافی اور دوسرے کے محتاج ہیں اور ایک حد پر جا کر عاجز ہیں حالانکہ کارسازی میں کافی ہونا بڑی کامل صفت ہے اور خدا میں کامل صفات ہونا ضروری ہیں سو جب خدا کے سوا کسی میں یہ صفت نہیں تو دوسرا کوئی معبود نہیں ہو سکتا پس توحید ثابت ہے۔

وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ع (١٧١)

اور اللہ تعالیٰ کارساز ہونے میں کافی ہیں

ربط: اوپر حق تعالیٰ کی پاکی کا اثبات اور عیسیٰ علیہ السلام کی خدائی کا ابطال کیا گیا ہے آگے اس مضمون کی تاکید کے لئے خود عیسیٰ علیہ السلام اور ملائکہ کا اقرار ذکر فرماتے ہیں کہ جن کو خدائی میں شریک کرتے ہو وہ بھی اپنی عبدیت اور غلامی کا اقرار کرتے ہیں اس کیساتھ منکرین کے لئے وعید اور مومنین کے لئے وعدہ بیان فرماتے ہیں۔ لن یستنکف المسیح تا نصیرا حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کا بندہ ہونے سے عار نہیں کریں گے یعنی نصاریٰ خواہ مخواہ عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا بنا رہے ہیں حالانکہ خود حضرت مسیح کی یہ کیفیت ہے کہ زمین میں رہنے کی حالت میں تو بندہ ہونے کا اقرار ان سے مشہور ہی ہے جس سے خدائی کا ابطال خود بخود ہوتا ہے لیکن اب آسمان میں رہنے کی حالت میں بھی جو زمین میں رہنے کی حالت سے بہت بلند اور بالاتر حالت ہے اور اس میں بڑائی کا احتمال ہو سکتا ہے اب بھی ان سے کوئی پوچھ دیکھے اس حالت میں بھی یا قیامت تک وہ جس حالت میں ہوں خدا کا بندہ بننے سے کبھی عار نہ کریں گے۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ

مسیح ہرگز خدا کے بندے بننے سے عار نہیں کریں گے

یعنی وہ بھی خدا کی بندگی سے کبھی عار نہ کریں گے جن میں حضرت جبرائیل بھی داخل ہیں جن کو تین خداؤں میں کا ایک خدا کہتے ہیں۔ خود ان سے کوئی پوچھ دیکھے اور یہ لوگ بندگی سے عار کیسے کر سکتے ہیں کیونکہ اس سے عار کرنے کا تو بہت برا انجام ہے چنانچہ وہ انجام سن لو۔

وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ط

اور نہ مقرب فرشتے

یعنی خدا کے بندے بنے رہے ہوں گے کیونکہ عبدیت اور بندگی کا حاصل یہی ایمان اور اعمال صالحہ ہیں ۱۲

وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ

اور جو شخص خدا تعالیٰ کی بندگی سے عار کرے گا اور تکبر کرے گا

فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيعًا ﴿١٧٢﴾ فَأَمَّا

تو خداتعالیٰ ضرور سب لوگوں کو اپنے پاس جمع کریں گے۔ پھر

الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

جولوگ ایمان لائے ہوں گے اور انہوں نے اچھے کام کئے ہوں گے

بظاہر شبہ ہوگا کہ ان لوگوں کو خدا کی عبادت سے تو عار و تکبر نہ تھا بلکہ خود قرآن کے منجانب اللہ ہونے اور حضور کے رسول ہونے میں کلام تھا جواب یہ ہے کہ ان لوگوں کے مجموعی حالات سے یہ ثابت ہے کہ ان پر حق واضح ہوگیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اولاد سے زیادہ پہچانتے تھے یعرفونه كما يعرفون ابناء هم مگر حضور کا اتباع ان کو ناگوار تھا اور آپ کا اتباع فرض ہے اور ہر فرض عبادت ہے پس آپ کے اتباع سے عار ہونا یقیناً عبادت الٰہی سے عار ہے۔ ربط: اوپر نصاریٰ کے عقائد کا باطل ہونا مع جزاوسزا کے مذکور ہو چکا آگے عام خطاب سے ان مضامین کا یعنی ان کی تعلیم فرمانے والے رسول اور قرآن کا سچا ہونا اور مومنین کی فضیلت بیان فرماتے ہیں جیسا کہ یہود کے ساتھ گفتگو فرما کر تم پر اسی طور پر عام خطاب فرمایا تھا۔ یايها الناس تامستقيما

فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدُهُمْ مِّنْ

تو ان کو تو ان کا پورا ثواب دیں گے اور ان کو اپنے فضل سے اور

فَضْلِهِ ۚ وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَنكَفُوا وَاسْتَكْبَرُوا

زیادہ دیں گے اور جن لوگوں نے عار کیا ہوگا اور تکبر کیا ہوگا

فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۙ وَلَا يَجِدُونَ

تو ان کو سخت دردناک سزا دیں گے اور وہ لوگ کسی غیر

لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿١٧٣﴾

اللہ کو اپنا یار اور مددگار نہ پاویں گے

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُم بُرْهَانٌ

اے لوگو! یقیناً تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے

مِّن رَّبِّكُمْ

ایک دلیل آچکی ہے

وہ ذات مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا ﴿١٧٤﴾

اور ہم نے تمہارے پاس ایک صاف نور بھیجا ہے

جو کہ قرآن مجید ہے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے ذریعہ سے جو کچھ تم کو بتلایا جاتا ہے وہ سب حق ہے جن میں یہ مضامین مذکورہ بھی داخل ہیں۔

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ

سو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے

اور ایمان کے لئے خدا کی توحید اور تنزیہ کا اعتقاد لازم ہے۔

وَاعْتَصَمُوا بِهِ

اور انہوں نے اللہ کو مضبوط پکڑا

اور اس کے لئے رسول اور قرآن کی تصدیق لازم ہے

فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ لا

سوایسوں کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں داخل کریں گے اور اپنے فضل میں

یعنی اپنا فضل ان کے شامل حال کریں گے غرض دخول جنت کے علاوہ اور بھی بڑی بڑی نعمتیں دیں گے جن میں دیدار الٰہی بھی داخل ہے۔

وَيَهْدِيهِمْ إِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿١٧٥﴾

اور اپنے تک ان کو سیدھا راستہ بتلادیں گے

یعنی دنیا میں ان کو اپنی خوشنودی کے طریقہ پر قائم رکھیں گے اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ وہ خوشنودی کا طریقہ تو بعینہ ایمان اور اعمال صالحہ ہی ہیں پھر اس کے کیا معنی کہ ایمان واعمال کی وجہ سے ایمان واعمال ہی پر قائم رکھیں گے یہ تو تحصیل حاصل ہے کہ ایک ہی چیز کے سبب سے وہی چیز حاصل ہوئی جواب یہ ہے کہ گذشتہ ایمان واعمال سبب ہیں اور آئندہ ایمان واعمال اس کا ثمرہ ہے حاصل یہ ہے کہ اطاعت کی برکت سے اس پر جمے رہنے کی توفیق عطا ہوتی ہے۔

يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ ۚ

لوگ آپ سے حکم دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو کلالہ کے باب میں حکم دیتا ہے

ربط: شروع سورت کے ذرا بعد میں میراث کے احکام مذکور تھے پھر وہاں سے تقریباً ایک پارہ کے بعد حکم میراث کی طرف پھر رجوع فرمایا تھا

اب ختم سورت پر پھر اسی کی طرف رجوع ہے۔ اور شاید تین جگہ متفرق بیان کرنے میں یہ حکمت ہو کہ اسلام سے پہلے میراث کے بارہ میں بہت ظلم ہوتا تھا پس سورت کے اول اور بیچ میں اور اخیر میں اس کے ذکر فرمانے سے سننے والوں کو معلوم ہو جاوے گا کہ اس کا بہت اہتمام کرنا مقصود ہے اور شان نزول اس کا حضرت جابر بن عبداللہؓ کا استفتاء ہے کہ اس وقت صرف ان کی بہنیں وارث تھیں تو انہوں نے اپنی میراث کا حکم دریافت کیا تھا۔ یستفتونک تا حظ الانثیین ۔

کلالہ وہ ہے جس کے نہ ماں باپ ہوں نہ اولاد ہو۔

اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ

اگر کوئی شخص مرجاوے جس کے اولاد نہ ہو (اور نہ ماں باپ) اور اس کے

اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ج

ایک (عینی یا علاتی) بہن ہو تو اس کو تمام ترکہ کا نصف ملے گا

یعنی بعد ادائے قرض و وصیت و خرچ تجہیز و تکفین کے آدھا ملے گا اور بقیہ اگر کوئی عصبہ ہو اس کو ملے گا ورنہ پھر اسی کو مل جائے گا۔

وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ط

اور وہ شخص اس (اپنی بہن) کا وارث ہوگا اگر (وہ بہن مرجاوے اور) اسکی اولاد نہ ہو

یعنی اگر یہ بہن مرجائے تو بھائی اس کے کل ترکہ کا وارث ہوگا اگر اس کے اولاد اور ماں باپ نہ ہوں۔

فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ط

اور والدین بھی نہ ہوں) اور اگر بہنیں دو ہوں (یا زیادہ)
تو ان کو اس کے کل ترکہ میں سے دو تہائی ملیں گے

اور ایک تہائی عصبہ کو ورنہ پھر واپس ہو کر ان ہی کو مل جاوے گا۔

وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً

اور اگر وارث چند بھائی بہن ہوں مرد اور عورت

یعنی اگر ایسی میت کے کہ جس کے نہ اولاد ہے اور نہ والدین خواہ میت مرد ہو یا عورت ایک سے زیادہ بھائی بہن وارث ہوں۔

فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ

تو ایک مرد کو دو عورتوں کے حصہ کے برابر

یعنی اس صورت میں ترکہ اس طرح تقسیم ہوگا کہ بھائی کو دوہرا اور بہن کو اکہرا لیکن حقیقی بھائی بہن سے علاتی بھائی بہن سب ساقط ہو جاتے ہیں اور حقیقی بہن سے کبھی وہ ساقط ہو جاتے ہیں اور کبھی ان کا حصہ کم ہو جاتا ہے تفصیل کتب فرائض میں ہے۔ ربط: چونکہ اس سورت میں بہت سے اصول اور فروع کی تفصیل ہے اس لئے ایک مجمل عنوان سے تمام تفصیل کو یاد دلا کر ان احکام کے بیان کرنے میں اپنی منت و احسان اور حکمت کی رعایت کرنے کا ذکر فرما کر سورۃ کو ختم فرماتے ہیں۔ یبین اللہ تا علیم

الْاُنْثَيَيْنِ ط يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ط

اللہ تعالیٰ تم سے (دین کی باتیں) اس لئے بیان کرتے ہیں کہ تم گمراہی میں نہ پڑو

اس میں تو یاد دہانی ہے اور اپنے احسان کا ذکر ہے

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٧٦﴾ ع

اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں

پس حق تعالیٰ احکام کی مصلحتوں پر بھی مطلع ہیں اور احکام میں ان کی رعایت کی جاتی ہے یہ حکمت کا بیان ہے۔

(۵) سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ (۱۱۲)

سورۂ مائدہ مدینہ میں نازل ہوئی اور اس میں ایک سو بیس آیتیں ہیں اور سولہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ط

اے ایمان والو! عہدوں کو پورا کرو

ربط: اوپر کی سورت کے ختم پر فرمایا تھا کہ ہم احکام شرعیہ کو تم سے بیان کرتے ہیں اس سورۃ کے شروع میں اس کا امر ہے کہ تم ہمارے ان بیان کئے ہوئے احکام کی پوری پوری بجا آوری کرو یہ مناسبت تو دونوں سورتوں کے انجام و آغاز میں ہے باقی مجموعی حیثیت سے بھی مناسبت ظاہر ہے کیونکہ دونوں سورتوں میں احکام شرعیہ بکثرت بیان کئے ہیں اور خود اس سورت کے اجزاء میں بھی ایک عجیب ارتباط ہے وہ یہ کہ اس کی پہلی آیت بمنزلہ متن کے ہے اور تمام سورت اس کی شرح ہے کیونکہ لفظ عقود بقول ابن عباس تمام معاملات اور احکام شرعیہ کو عام ہے اور سورت میں ان ہی کی تفصیل ہے پس اولاً اجمالی عنوان سے تمام احکام کی بجا آوری کا امر فرماتے ہیں۔ یایها الذین آمنوا اوفوا بالعقود

یعنی جب تم ایمان لے آئے ہو تو تمہارے ایمان کا مقتضا یہ ہے کہ تم نے ایمان کے ضمن میں جو عہد اللہ تعالیٰ سے کئے ہیں ان کو پورا کرو اور احکام شرعیہ کو بجا لاؤ کیونکہ ایمان لانے سے تم نے سب احکام اپنے اوپر لازم کر لئے اور التزام کا مقتضا یہ ہے کہ اس کو پورا بھی کیا جائے۔

ربط: اوپر اجمالی اور کلی عنوان سے تمام احکام کی بجا آوری کا امر تھا آگے احکام کی جزئیات کی تفصیل ہے۔

اُحِلَّتۡ لَكُمۡ بَهِيۡمَةُ الۡاَنۡعَامِ
تمہارے لئے تمام چوپائے جو مشابہ انعام (یعنی اونٹ بکری گائے) کے ہوں

جن کی حلت اس سے قبل سورۂ انعام میں فرما دی گئی ہے۔

اِلَّا مَا يُتۡلٰى عَلَيۡكُمۡ
حلال کئے گئے ہیں مگر جن کا ذکر آگے آتا ہے

کہ وہ باوجود بہیمۃ الانعام میں داخل ہونے کے حرام ہیں۔

غَيۡرَ مُحِلِّى الصَّيۡدِ وَاَنۡتُمۡ حُرُمٌ ؕ
لیکن شکار کو حلال نہ سمجھنا جس حالت میں کہ تم احرام میں ہو

مثلاً حج و عمرہ کا احرام باندھے ہوئے ہو۔

اِنَّ اللّٰهَ يَحۡكُمُ مَا يُرِيۡدُ ۝۱
بیشک اللہ تعالیٰ جو چاہیں حکم کریں

یعنی اس کا حکم ہمیشہ مصلحت کی وجہ سے ہوتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُحِلُّوۡا شَعَآئِرَ اللّٰهِ
اے ایمان والو! بے حرمتی نہ کرو خدا تعالیٰ کی نشانیوں کی

مثلاً یہ کہ اس میں شکار کھیلنے لگو۔

وَلَا الشَّهۡرَ الۡحَرَامَ
اور نہ حرمت والے مہینہ کی

بے ادبی کرو کہ اس میں کفار سے لڑنے لگو۔

وَلَا الۡهَدۡىَ
اور نہ حرم میں قربانی ہونے والے جانور کی

بے ادبی کرو کہ اس سے بری طرح پیش آؤ۔

وَلَا الۡقَلَآئِدَ
اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلے میں پٹے پڑے ہوں

اس نشانی کے لئے کہ یہ اللہ کی نیاز ہیں۔

وَلَاۤ آٰمِّيۡنَ الۡبَيۡتَ الۡحَـرَامَ يَبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا
اور نہ ان لوگوں کی جو کہ بیت الحرام کے قصد سے جا رہے ہوں
مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَرِضۡوَانًا ؕ
اپنے رب کے فضل اور رضامندی کے طالب ہوں

بزعم خود اگرچہ حقیقت میں کچھ بھی نہیں

وَاِذَا حَلَلۡتُمۡ فَاصۡطَادُوۡا ؕ
اور جس وقت تم احرام سے باہر آ جاؤ تو شکار کیا کرو

بشرطیکہ وہ شکار حرم میں نہ ہوں۔

وَلَا يَجۡرِمَنَّكُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ اَنۡ صَدُّوۡكُمۡ عَنِ
اور ایسا نہ ہو کہ تم کو کسی قوم سے جو اسی سبب سے بغض ہے کہ انہوں نے تم کو
الۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ
مسجد حرام سے روک دیا تھا

مراد کفار قریش ہیں

اَنۡ تَعۡتَدُوۡا ۘ
وہ تمہارے لئے اس کا باعث ہو جائے کہ تم حد سے نکل جاؤ

یعنی احکام مذکورہ کے خلاف کر بیٹھو۔

وَتَعَاوَنُوۡا عَلَى الۡبِرِّ وَالتَّقۡوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوۡا
اور نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی اعانت کرو اور گناہ اور
عَلَى الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ ۖ
زیادتی میں ایک دوسرے کی اعانت مت کرو

مثلاً یہی احکام ہیں ان میں دوسروں کو بھی عمل کرنے کی ترغیب دو اور اگر کوئی ان کے خلاف کرنے لگے تم اس کی اعانت مت کرو۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ

اور اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرو

کہ اس سے سب احکام کی پابندی سہل ہو جاتی ہے۔

ربط: اوپر الا ما یتلی علیکم میں اجمالاً بعض بہائم کا استثنا فرمایا کہ وہ حلال نہیں آگے ان کی تفصیل ہے۔ حرمت علیکم المیتۃ تا ذلکم فسق

اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ② حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ

بلاشبہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں تم پر حرام

الْمَيْتَةُ

کئے گئے ہیں مردار

جو بدوں ذبح کے حلال نہ ہوسکتا ہو اور بلا ذبح شرعی مر جاوے۔

وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ

اور خون اور خنزیر کا گوشت

اسی طرح اس کے تمام اجزاء بھی ناپاک و حرام ہیں۔

وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ

اور جو جانور کہ غیر اللہ کے نامزد کردیا گیا ہو

مااھل لغیر اللہ بہ کے متعلق مسائل پارہ سیقول میں مذکور ہو چکے ہیں ملاحظہ فرمالیا جاوے۔

وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ

اور جو گلا گھٹنے سے مر جاوے اور جو کسی ضرب سے مر جاوے اور جو اونچے سے گر کر مر جاوے

وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ قف

اور جو کسی کی ٹکر سے مر جاوے اور جس کو کوئی درندہ کھانے لگے لیکن جس کو ذبح کر ڈالو

یعنی المنخنقۃ سے مااکل السبع تک جن کا ذکر ہے ان میں سے کسی کو دم نکلنے سے پہلے قاعدہ شرعیہ کے موافق ذبح کرلیا جاوے تو وہ اس حرمت سے مستثنیٰ ہے وہ حلال ہوجائے گا اور بعد ان صدمات کے دم نکلنے سے پہلے ذبح کرنے سے اس وقت حلال ہوگا جب کہ علامات سے اس کی حیات معلوم ہوجائے ان علامات کی تفصیل اور شرعی قاعدہ کے موافق ذبح کرنے کی تفصیل کتب فقہ میں ہے اور ہر چند کہ ان صدمات سے مرنے والے جانور بھی مردار میں داخل تھے مگر ان کو جدا اس لئے بیان کیا گیا کہ زمانہ جاہلیت میں ان کے کھانے کی عادت تھی۔

وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ

اور جو جانور پرستش گاہوں پر ذبح کیا جاوے

وہ بھی حرام ہے گو زبان سے غیر اللہ کے نامزد نہ کرے کیونکہ حرمت کا مدار نیت خبیثہ پر ہے اس کا ظہور کبھی قول سے ہوتا ہے کہ زبان سے نامزد کردے کبھی فعل سے ہوتا ہے کہ ایسے مقامات پر ذبح کرادے۔

وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ

اور یہ کہ تقسیم کرو بذریعہ قرعہ کے تیروں کے

یہ بھی اس وقت ایک رسم تھی کہ شرکت میں مثلاً ایک اونٹ خرید کر ذبح کیا لیکن اس کے گوشت کو داموں کی نسبت سے تقسیم نہ کرتے تھے بلکہ دس عدد تیر اس غرض سے مقرر تھے کہ ان میں سے سات پر لکیریں کچھ بنی ہوئی تھیں بعضے سادہ تھے اور اس کے متعلق کچھ اصطلاح ٹھہرا رکھی تھی کہ جس کے نام پر مثلاً سادہ تیر نکل آوے وہ محروم ہے اور جس کے نام پر لکیروں والا تیر نکل آوے تو اس اصطلاح کے موافق جس قدر اس کا حصہ ہوا اتنا گوشت اس کو دے دیا اسی طرح سب شرکاء کے واسطے یہی عمل کرتے تھے چونکہ یہ صورت قمار کی تھی اس لئے اس کی ممانعت کی گئی قمار کی حرمت سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے اور آج کل جو چٹھی ڈالنے کی رسم ہے وہ بھی اسی میں داخل ہے اس لئے ناجائز ہے اور قرعہ جو شریعت میں ثابت ہے وہ اس صوت میں ہے کہ جہاں بدوں قرعہ کے بھی اس پر باہم اتفاق کرلینا جائز ہو جیسے مکان تقسیم کر کے یہ جائز ہے کہ دونوں اپنی رضامندی سے ایک شریک ایک طرف کا حصہ لے لے دوسرا دوسری طرف کا لے لے تو اس میں قرعہ بھی جائز ہے۔ تنبیہ ہر چند کہ اوپر ذکر بہائم کا ہے لیکن گلا گھونٹے ہوئے جانور وغیرہ کی حرمت بہائم کے ساتھ خاص نہیں بلکہ گلا گھونٹا ہوا پرندہ بھی حرام ہے کیونکہ اس استثناء میں چوپایہ ہونے کی صفت کو دخل نہیں بلکہ یہ استثناء اس علت کی وجہ سے ہے کہ ان صورتوں میں بدوں ذبح شرعی کے گلا گھونٹنے وغیرہ سے موت ہوئی ہے۔

ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ؕ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

یہ سب گناہ ہیں آج کے دن ناامید ہو گئے کافر لوگ

مِنْ دِيْنِكُمْ

تمہارے دین سے

کہ وہ مغلوب یا گم ہوجاوے۔

فَلَا تَخْشَوْهُمْ
سوان سے مت ڈرنا

کہ تمہارے دین کو وہ گم کرسکیں ہرگز نہیں۔

وَاخْشَوْنِ ؕ
اور مجھ سے ڈرتے رہنا

اور میرے احکام کی مخالفت نہ کرنا۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ
آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو میں نے کامل کردیا

قوت میں بھی اور احکام وقواعد میں بھی۔

عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ
اور میں نے تم پر اپنا انعام تام کردیا

دینی اور دنیوی دونوں جہت سے

وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ
اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لئے پسند کرلیا

اب دوسرا دین تجویز نہ ہوگا۔

فَمَنِ اضْطُرَّ فِىْ مَخْمَصَةٍ
پس جو شخص شدت کی بھوک میں بے تاب ہوجاوے

اور اس وجہ سے ان حرام چیزوں کو کھالے۔

غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ
بشرطیکہ کسی گناہ کی طرف اس کا میلان نہ ہو

یعنی نہ قدر ضرورت سے زیادہ کھائے اور نہ لذت مقصود ہو۔

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ③
تو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے ہیں رحمت والے ہیں

کہ ایسی حالت میں اجازت دے دی۔

يَسْــَٔلُوْنَكَ مَاذَاۤ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ
لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا کیا جانور ان کے لئے حلال کئے گئے ہیں

یعنی کتے اور باز کے ذریعہ سے حلال جانوروں کا شکار جائز ہے یا نہیں۔

قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ
آپ فرما دیجئے کہ تمہارے لئے کل حلال جانور حلال رکھے ہیں اور جن شکاری جانوروں کو

یعنی جو جانور از قسم شکار پہلے سے حلال ہیں وہ سب کتے اور باز کے ذریعہ سے شکار کرنے کے بعد بھی حلال رہتے ہیں یہ تو سوال کے ایک جزو کا جواب ہوگیا آگے دوسرے جزو کا جواب ہے کہ حلت کے لئے اس صورت میں چند شرطیں ہیں (ترجمہ دیکھو)

مُكَلِّبِيْنَ
تم تعلیم دو

جن میں کتا اور باز وغیرہ بھی آ گئے۔

یعنی خاص طور پر جس کا بیان آگے آتا ہے یہ ایک شرط ہے

تُعَلِّمُوْنَهُنَّ
اور تم ان کو چھوڑو بھی

یعنی شکار پر چھوڑنا یہ دوسری شرط ہے۔

مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ز
اور ان کو اس طریقہ سے تعلیم دو جو تم کو اللہ تعالیٰ نے تعلیم دیا ہے

وہ طریقہ یہ ہے کہ کتے کو یہ تعلیم دی جاوے کہ شکار کو پکڑ کر کھاوے نہیں اور باز کو تعلیم دی جاوے کہ جب اس کو بلاؤ گو شکار کے پیچھے جارہا ہو فوراً چلا آوے۔ احادیث میں یہ طریقہ مذکور ہے۔

فَكُلُوْا مِمَّاۤ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ
تو ایسے شکاری جانور جس شکار کو تمہارے لئے پکڑیں اس کو کھاؤ

یہ تیسری شرط ہے سو اگر کتا اس شکار کو کھانے لگے یا باز بلانے سے نہ آئے تو سمجھا جائے گا کہ جب وہ مالک کے کہنے میں نہیں تو اس نے شکار بھی اس کے لئے نہیں پکڑا بلکہ اپنے لئے پکڑا ہے۔

وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ص
اور اس پر اللہ کا نام بھی لیا کرو

یہ چوتھی شرط ہے یعنی جب شکار پر جانور چھوڑنے لگو تو چھوڑنے کے وقت بسم اللہ کہہ کر چھوڑو۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ

اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو

تمام کاموں میں احکام خداوندی کا خیال رکھو مثلاً شکار میں ایسے منہمک نہ ہو کہ نماز وغیرہ سے غافل ہو جاؤ یا اتنی حرص مت کرو کہ حلال ہونے کی شرطیں نہ پائی جاویں جب بھی شکار کو کھا جاؤ مسئلہ ایک پانچویں شرط امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ بھی ہے کہ وہ جانور اس شکار کو زخمی بھی کر دے قرآن میں لفظ جوارح اس کی دلیل ہے جس کا مادہ جرح ہے بمعنی زخمی کرنا۔ مسئلہ ایک طریقہ شکار کا تیر یا بھالہ وغیرہ سے ہے اس کا شکار بھی شرائط کے ساتھ حلال ہے اور بندوق کا شکار بدوں ذبح کے حلال نہیں اور یہاں ذکر صرف وحشی جانوروں کا ہے جو حلال جانور وحشی نہیں ہیں وہ بدوں ذبح کے حلال نہیں ہوتے اسی طرح اگر وحشی شکار پکڑنے کے بعد ذبح کی مہلت ملی وہ بھی بدوں ذبح کے حلال نہیں ہے باقی تفصیل کتب فقہ میں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۴﴾ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ

بیشک اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والے ہیں آج تمہارے لئے حلال چیزیں

الطَّيِّبٰتُ ؕ

حلال رکھی گئیں۔

ربط: اوپر شکاری جانوروں کے شکار کا حلال ہونا مذکور تھا آگے اہل کتاب کے ذبیحہ کے حلال ہونے کا حکم فرماتے ہیں اور ساتھ میں ایک دوسرا حکم بھی اہل کتاب کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ کتابیہ عورت سے مسلمان کا نکاح درست ہے الیوم احل لکم تا من الخسرین

یعنی جو چیزیں پہلے سے حلال کر دی گئی ہیں وہ ہمیشہ کے لئے حلال رہیں گی کبھی منسوخ نہ ہوں گی۔

وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪

اور جو لوگ کتاب دیئے گئے ان کا ذبیحہ تم کو حلال ہے

کتابی کا ذبیحہ حلال ہے دو شرط سے ایک یہ کہ اصلی کتابی ہو یعنی مرتد نہ ہو وہاں اگر کوئی غیر مسلم ہندو وغیرہ نصرانی ہو جائے تو اس کا حکم نصرانی کے مثل ہے اور دوسری شرط یہ ہے کہ ذبح کے وقت اللہ کے سوا کسی اور کا نام نہ لے ورنہ حرام ہو جائے گا۔ (درمختار) اور یاد رکھنا چاہئے کہ ہمارے زمانہ میں اکثر نصاریٰ برائے نام عیسائی ہیں ایسوں کا حکم نصاریٰ کا سا نہیں اور یہی تقریر نکاح کے بارے میں بھی سمجھو اور یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ جب

اہل کتاب کا ذبیحہ تک درست ہے اور ذبیحہ کے سوا اور کھانے دوسرے کفار کے بھی جائز ہیں تو کفار کے ساتھ مل کر کھانے پینے سے کیوں منع کیا جاتا ہے سو اس کی وجہ دوسرے مفاسد کا پیدا ہو جانا ہے۔

وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ز وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ

اور تمہارا ذبیحہ ان کو حلال ہے

الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

اور پارسا عورتیں بھی جو مسلمان ہوں اور پارسا عورتیں ان لوگوں میں سے بھی

الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ

جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے ہیں جبکہ تم ان کو ان کا معاوضہ دے دو

مُحْصِنِيْنَ

اس طرح سے کہ تم بیوی بناؤ

یعنی نکاح میں لاؤ۔

غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ؕ

نہ تو علانیہ بدکاری کرو اور نہ خفیہ آشنائی کرو

ان احکام شرعیہ پر ایمان لانا فرض ہے اور جو شخص ایمان (لانے کی چیزوں) کے ساتھ کفر کرے گا۔

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ

اور جو شخص ایمان کے ساتھ کفر کرے گا

مثلاً حلال قطعی کی حلت اور حرام قطعی کی حرمت سے انکار کرے۔

فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ز وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ

تو اس شخص کا عمل غارت ہو جاوے گا اور وہ شخص آخرت میں

الْخٰسِرِيْنَ ﴿۵﴾

بالکل زیاں کار ہوگا

تو بس حلال کو حلال سمجھو اور حرام کو حرام سمجھو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ

اے ایمان والو! جب تم نماز کو اٹھنے لگو

یعنی نماز پڑھنے کا ارادہ کرو۔

اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ
تو اپنے چہروں کو دھوؤ
وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ
اور اپنے ہاتھوں کو بھی کہنیوں سمیت

وضو میں یہ چار چیزیں فرض ہیں باقی اور مسنون و مستحب ہیں جن کی تفصیل فقہ میں ہے ربط: اوپر فرضیت وضو کا بیان تھا آگے فرضیت غسل کا بیان ہے۔ و ان کنتم جنبا فاطھروا

وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى
اور اپنے سروں پر ہاتھ پھیرو اور اپنے پیروں کو بھی ٹخنوں سمیت
الْكَعْبَيْنِ ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ۭ
اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو سارا بدن پاک کرو

یعنی نماز سے پہلے اور اس کے مسائل بھی کتب فقہ میں ہیں

ربط: وضو اور غسل کا ذکر ہو چکا آگے تیمم کا بیان ہے۔ وان کنتم مرضیٰ تا ایدیکم منه

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ
اور اگر تم بیمار ہو یا حالت سفر میں ہو

اور پانی نہیں ملتا جیسا کہ آگے آتا ہے یہ تو عذر کی حالت ہوئی اور اگر عذر سفر و مرض کا نہ بھی ہو بلکہ ویسے ہی وضو یا غسل ٹوٹ جائے اس کا حکم آگے آتا ہے یا تم میں سے کوئی شخص استنجے سے آیا ہو

اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ
یا تم میں سے کوئی شخص استنجے سے آیا ہو

یعنی پیشاب یا پاخانہ سے فارغ ہوا ہو جس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ
یا تم نے بیبیوں سے قربت کی ہو

جس سے غسل ٹوٹ گیا ہو۔

فَلَمْ تَجِدُوْا
پھر تم کو پانی نہ ملے

یعنی اُن سب صورتوں میں پانی کے استعمال کا موقعہ نہ ملے خواہ بوجہ ضرر کے یا پانی نہ ملنے کے

مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا
تو تم پاک زمین سے تیمم کر لیا کرو یعنی اپنے چہروں
بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ۭ
اور ہاتھوں پر ہاتھ پھیر لیا کرو اس زمین میں سے

اس کی تفسیر اور مسائل سورۂ نساء میں گزر چکے ہیں یہاں دوبارہ شاید اس لئے ذکر فرما دیا ہو کہ طہارت کی سب اقسام وضو و غسل و تیمم ایک جگہ جمع ہو جاویں تاکہ آئندہ جو احسان ظاہر کیا جاتا ہے اس کی قدر ہو کیونکہ منت بقدر نعمت ہوتی ہے۔ ربط: اوپر طہارت کے احکام مذکور ہیں جن میں بندوں کی مصلحت و سہولت کی رعایت کی گئی ہے آگے اس پر منت ظاہر فرماتے ہیں اور شکر کی تحریک دیتے ہیں۔ ما یرید اللّٰہ لیجعل علیکم تا تشکرون

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ
اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں کہ تم پر کوئی تنگی ڈالیں

یعنی ان احکام کے مقرر کرنے سے منظور یہ ہے کہ تم پر کوئی تنگی نہ رہے چنانچہ ان احکام مذکورہ میں خصوصاً اور تمام احکام شرعیہ میں عموماً سہولت و مصلحت کی رعایت ظاہر ہے اور تنگی نہ ہونے کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ کوئی حکم نازل نہ ہوتا۔ (ترجمہ دیکھو)

وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ
لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تم کو پاک صاف رکھے

اس لئے طہارت کے قواعد اور طریقے مقرر کئے بدن کی طہارت تو خاص ان ہی احکام وضو و غسل وغیرہ سے ہوتی ہے اور قلوب کی طہارت تمام طاعات میں عام ہے پس اگر یہ احکام نہ ہوتے تو کوئی سی طہارت حاصل نہ ہو سکتی اس لئے یہ صورت اختیار نہیں کی گئی کہ احکام ہی نازل نہ ہوتے کیونکہ اس میں بندوں کا ضرر تھا وہ طہارت ظاہری و باطنی سے محروم رہتے بلکہ یہ صورت اختیار کی کہ احکام نازل فرمائے اور ان میں سہولت کی بہت رعایت فرمائی۔

وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ

اور یہ کہ تم پر اپنا انعام تام فرمائے

اس لئے احکام کی تکمیل فرمائی تا کہ ہر حال میں طہارت بدنی وقلبی حاصل کرسکو۔جس کا ثمرہ رضاوقرب ہے جوسب سے بڑی نعمت ہے۔

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۶

تا کہ تم شکرادا کرو

ہماری اس عنایت کا اور شکر میں بجا آوری احکام بھی داخل ہے۔

ربط: اوپر متعدداحکام کامشروع ہونااوران کانعمت ہونامذکورتھا آگے ان کی بجا آوری کی تاکید چندطریقوں سے فرماتے ہیں نعمت کی یاددہانی مخاطبین کوان کا عہد یاددلانا مخالفت سے ڈرانا واذکروا نعمة الله تا بذات الصدور

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

اورتم لوگ اللہ تعالیٰ کے انعام کو جوتم پر ہوا ہے یاد کرو

جس میں بڑاانعام یہ ہے کہ تمہاری فلاح کے طریقے تمہارے لئے مشروع کردیئے۔

وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ

اور اس کے اس عہد کو بھی جس کا تم سے معاہدہ کیا ہے

قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ

جبکہ تم نے کہا تھا کہ ہم نے سنااور مان لیا

کیونکہ اسلام لانے کے وقت ہر شخص اسی مضمون کا عہد کرتا ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ

اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ دلوں تک کی باتوں کی

الصُّدُوْرِ ۝۷

پوری خبر رکھتے ہیں

اس لئے جو کام کرواس میں اخلاص واعتقاد بھی ہونا چاہئے صرف منافقانہ بجاآوری کافی نہیں مطلب یہ کہ ان احکام میں اول تو تمہارا ہی نفع ہے پھر تم نے اپنے سر بھی رکھ لیا ہے پھر مخالفت میں ضرر کا خوف ہے ان وجوہ سے بجاآوری ضروری ہوئی اوروہ بھی دل سے ہونی چاہئے ورنہ کالعدم ہے۔ربط: یہاں تک وہ احکام مذکور ہوئے ہیں جن کا تعلق ہر شخص کی ذات خاص سے ہے آگے ایسا حکم مذکور ہوتا ہے جس میں غیروں سے بھی تعلق ہے چنانچہ شہادت وعدل کا تعلق غیر سے ظاہر ہے پس عبادات ومعاملات دونوں جمع کردیئے گئے یایها الذين امنوا تا بما تعملون

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے لئے پوری پابندی کرنے والے انصاف کے

لِلّٰهِ شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ

ساتھ شہادت ادا کرنے والے رہواور کسی خاص لوگوں کی عداوت تم کو

شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ

اس پر باعث نہ ہو جائے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کیا کرو کہ

هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ

وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔

یعنی عدل کرنے سے آدمی متقی کہلاتا ہے اور تقویٰ اختیار کرنا تم پر فرض ہے چنانچہ حکم ہوتا ہے۔(ترجمہ دیکھو)

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ

اوراللہ تعالیٰ سے ڈرو

یہی تقویٰ کی حقیقت ہے پس عدل بھی جس پر تقویٰ موقوف ہے فرض ہوگا۔

اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۸

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری اطلاع ہے

ایسی ہی آیت والمحصنت کے ختم پر بھی آچکی ہے اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ بے انصافی کی وجہ دو چیزیں ہوتی ہیں یا تو ایک فریق کی رعایت یا کسی فریق کی عداوت وہاں پہلا سبب مذکور ہے یہاں دوسرا سبب چنانچہ آیتوں کے الفاظ میں غور کرنے سے واضح ہے بس اس فرق کے بعد تکرار نہ رہا۔

ربط: اوپر احکام مذکور تھے۔آگے بجالانے والوں کے لئے وعدہ اور خلاف کرنے والوں کو وعید سناتے ہیں۔ وعدالله الذين تا اصحٰب الجحيم

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ

اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں سے جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۹ وَالَّذِيْنَ

وعدہ کیا ہے کہ ان کے لئے مغفرت اور ثواب عظیم ہے

كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ

اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہمارے احکام کو جھوٹا بتلایا

اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ⑩

ایسے لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں

اس آیت میں پوری مخالفت کرنے والوں کا حال ہے اور جو تھوڑا خلاف کرنے والے ہیں یعنی ایماندار ہیں مگر عمل اچھے نہیں ان کا حال دوسری نصوص میں ہے۔ ربط: اوپر تین چار آیتوں میں احکام شرعیہ کا نعمت ہونا بیان کر کے بجا آوری کے لئے اس نعمت کی یاددہانی فرمائی تھی جو کہ دینی نعمت تھی آگے ایک دنیوی نعمت کی یاددہانی فرماتے ہیں اس سے بھی مقصود وہی بجا آوری احکام کی تاکید ہے کیونکہ نعمت کا خیال کرنا منعم کی اطاعت کا محرک ہوتا ہے۔ یایھا الذین امنوا تا فلیتوکل المومنون

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے انعام کو

اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا

یاد کرو جو تم پر ہوا ہے جبکہ ایک قوم اس فکر میں تھی کہ

اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ

تم پر دست درازی کریں

اس طرح کہ تمہارا خاتمہ ہی کر دیں۔

فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ

سو اللہ تعالیٰ نے ان کا قابو تم پر نہ چلنے دیا

یعنی جیسا وہ چاہتے تھے اس قدر قابو نہ دیا گو کچھ کچھ مضرتیں پہنچ جاتی تھیں اور آخر میں مسلمانوں کو غالب کر دیا پس اس نعمت کو یاد کرو۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ

اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو

احکام کو بجالاؤ کہ اس نعمت کا شکر یہی ہے۔

وَعَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑪ ع

اور اہل ایمان کو حق تعالیٰ ہی پر اعتماد رکھنا چاہئے

جس نے پہلے تمہارے سب کام بنائے ہیں آئندہ بھی آخرت تک اسی سے امید رکھو اتقوا اللہ میں خوف دلایا اور توکل کا حکم دے کر امید دلائی اور بجا آوری احکام کا مدار اسی بیم و رجا پر ہے۔ شروع سورت سے یہاں تک اکثر آیتوں میں ڈرنے کا حکم فرمایا ہے ایک جگہ لفظ خشیت سے باقی جگہ لفظ تقویٰ سے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خوف کو احکام بجالانے میں زیادہ دخل ہے چنانچہ ظاہر ہے۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۚ

اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا

وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ

اور ہم نے ان میں سے بارہ سردار مقرر کئے

ربط: اوپر آیت واذکروا نعمۃ اللہ علیکم و میثاقہ میں صراحۃً اور مابعد کی آیتوں میں دلالۃً معاہدہ خداوندی کے ایفاء اور احکام شرعیہ کے جو اس معاہدہ میں داخل ہیں بجالانے کا حکم فرمایا ہے آگے زیادہ اہتمام کے لئے بنی اسرائیل سے معاہدہ لینے اور نقض عہد سے جو ان کو وبال پہنچا اس کی حکایت فرماتے ہیں تاکہ اطاعت کی رغبت اور معصیت سے خوف زیادہ ہو۔ ولقد اخذ اللہ تا سواء السبیل

ان کے قبائل کے عدد کے موافق تاکہ ہر ہر قبیلہ پر ایک ایک سردار رہے جو اپنے ماتحتوں کو ہمیشہ ایفائے عہد کی تاکید کرتا رہے اور عہد کا مضمون آتا ہے۔

وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ

اور اللہ تعالیٰ نے یوں فرمادیا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں

یہ بات مزید تاکید عہد کے لئے فرمائی کہ تمہارے سب بھلے برے کی مجھے خبر رہے گی غرض عہد لیا اور اس کی تاکید در تاکید فرمائی۔ آگے اس عہد کا خلاصہ مضمون بیان فرماتے ہیں (ترجمہ دیکھو)

لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ

اگر تم نماز کی پابندی رکھو گے اور زکوٰۃ ادا

الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ

کرتے رہو گے اور میرے سب رسولوں پر

جو آئندہ بھی نئے نئے آتے رہیں گے چونکہ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بھی بہت انبیاء ہونے والے تھے اس لئے امنتم برسلی خصوصیت کے ساتھ عہد میں ذکر کیا گیا۔

بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ

ایمان لاتے رہو گے اور ان کی مدد کرتے رہو گے

ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں

وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا

اور اللہ تعالیٰ کو اچھے طور پر قرض دیتے رہو گے

یعنی علاوہ زکوٰۃ کے اور مصارف خیر میں بھی اخلاص کے ساتھ صرف کرتے رہو گے خیرات میں صرف کرنے کو مجازاً قرض اس لئے فرمادیا کہ جس طرح قرض لازم الاداء ہوتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ ضرور دیں گے۔

لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ

تو میں ضرور تمہارے گناہ تم سے دور کردوں گا اور ضرور تم کو ایسے باغوں میں

جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ

داخل کردوں گا جن کے نیچے کو نہریں جاری ہوں گی اور جو شخص اس کے بعد بھی

یعنی اس عہد و پیمان لینے کے بعد بھی۔

كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ

کفر کرے گا تو وہ بیشک راہ راست سے

سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۲﴾

دور جا پڑا

اور یہاں اس شخص کا حال بیان نہیں فرمایا جو کفر نہ کرے اور اعمال کی پوری پابندی بھی نہ کرے اور قرآن مجید کا یہی طرز ہے کہ زیادہ ذکر پوری اطاعت کرنے والوں اور پوری مخالفت کرنے والوں کا کیا جاتا ہے۔ کیونکہ بین بین کا حال طرفین کے حال سے عقلاء کو خود قیاس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ جو بیچ بیچ میں ہے اس کی نہ جزا ایسی ہوگی نہ سزا ایسی ہوگی پھر حدیثوں سے پوری تفصیل معلوم ہوگئی **ربط:** اوپر بنی اسرائیل کے عہد کا بیان تھا آگے ان کے نقض عہد اور اس کے وبال کا بیان ہے۔ **فبما نقضهم ميثاقهم تا يحب المحسنين**

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ

توصرف ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان کو اپنی رحمت سے دور کردیا

یعنی بنی اسرائیل نے عہد مذکور کو توڑ ڈالا اور توڑنے کے بعد طرح طرح کے عذابوں میں جیسے مسخ اور ذلت وغیرہ گرفتار ہوئے پس عنایات و الطاف الٰہی سے یہ دوری اسی وجہ سے ہوئی اور لعنت کی حقیقت یہی ہے۔

وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ

ہم نے ان کے قلوب کو سخت کر دیا

یہ بھی اسی لعنت کے آثار میں سے ہے کہ حق بات کا ان پر اثر ہی نہیں ہوتا۔

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ

وہ لوگ کلام کو اس کے مواقع سے بدلتے ہیں

یہ سخت دلی کے آثار میں سے ہے کہ ان کے علماء توریت کے الفاظ و مطالب میں تحریف لفظی یا تحریف معنوی کرتے ہیں

وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ

اور وہ لوگ جو کچھ ان کو نصیحت کی گئی تھی اس میں سے ایک بڑا حصہ فوت کر بیٹھے

یعنی تحریف کا اثر یہ ہوا کہ ایک بہت بڑے نفع سے جو ان کو توریت پر عمل کرنے سے نصیب ہوتا کھو بیٹھے کیونکہ ان کی اس تحریف کی زیادہ مشق ان مضامین پر تھی جو تصدیق رسالت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تھے تو حضور پر ایمان لانے سے محروم رہے اور ظاہر ہے کہ ایمان سے زیادہ بڑا نفع کیا ہوگا غرض نقض عہد پر لعنت ہوئی اور لعنت سے قساوت قلبی وغیرہ پیدا ہوئی اور قساوت پر تحریف مرتب ہوئی اور تحریف پر یہ اثر مرتب ہوا کہ بڑے فائدہ سے محروم رہ گئے پھر یہ بھی نہیں کہ جتنا کرچکے اسی پر بس کریں بلکہ دن بدن ان کی شرارت ترقی پر ہے۔ (ترجمہ دیکھو)

وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰی خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ

اور آپ کو آئے دن کسی نہ کسی خیانت کی اطلاع ہوتی رہتی ہے جو ان سے صادر ہوتی ہے

یعنی ہمیشہ دین کے بارہ میں نئی نئی خیانتیں کرتے رہتے ہیں مثلاً ایک بار رجم کا حکم جو توارت میں موجود تھا چھپالیا ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت فرمانے پر تورات کا ایک مضمون غلط بیان کردیا اور اونٹ وغیرہ کی حرمت قدیم ہونے کا ایک بار غلط دعویٰ کیا اور ان کی تمام وہ غلط بیانیاں جو قرآن مجید میں جابجا مع ان کی تردید و ابطال کے مذکور ہیں اس میں داخل ہیں جیسے وہ کہا کرتے تھے کہ ہم کو چند دن سے زیادہ دوزخ کی آگ نہ چھو سکے گی اور جنت میں یہود کے سوا کوئی نہ جائے گا اور کہتے تھے کہ ہم اللہ کی اولاد اور محبوب ہیں وغیرہ وغیرہ۔

إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ

بجز ان میں کے معدودے چند شخصوں کے

جو کہ مسلمان ہو گئے تھے۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ط

سو آپ ان کو معاف کر دیجئے اور ان سے درگزر کیجئے۔

یعنی بلاضرورت شرعی۔

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٣﴾

بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوش معاملہ لوگوں سے محبت کرتا ہے

اور بلاضرورت فضیحت نہ کرنا بھی خوش معاملگی ہے۔

وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارٰى

اور جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں

أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ فَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا

ہم نے ان سے بھی ان کا عہد لیا تھا سو وہ بھی جو کچھ ان کو نصیحت کی گئی تھی اس

ذُكِّرُوا بِهٖ ص

میں سے اپنا ایک بڑا حصہ فوت کر بیٹھے

یعنی ایک بڑا نفع جو عمل کی بدولت ان کو حاصل ہوتا

فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ

تو ہم نے ان میں باہم قیامت تک کے لئے بغض

إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ط

وعداوت ڈال دیا

کہ خود ان کے باطل مذہب کے بھی ان میں اختلاف ڈال کر ٹکڑے کر دیئے۔ ربط: اوپر یہود و نصاریٰ کا الگ الگ ذکر تھا آگے دونوں کو جمع کر کے نصیحت کا خطاب فرماتے ہیں۔ یاهل الکتب قد جاء کم تا صراط مستقیم

وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوا

اور ان کو اللہ تعالیٰ ان کا کیا ہوا

يَصْنَعُونَ ﴿١٤﴾ يٰأَهْلَ الْكِتٰبِ

جتلا دیں گے اے اہل کتاب!

قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ

تمہارے پاس ہمارے یہ رسول آئے ہیں۔ کتاب میں سے جن امور کا تم

كَثِيرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ

اخفاء کرتے ہو ان میں سے بہت سی باتوں کو تمہارے سامنے

مِنَ الْكِتٰبِ

صاف صاف کھول دیتے ہیں

یعنی آپ کے علم کی یہ شان ہے کہ باوجود ظاہراً تحصیل علوم نہ فرمانے کے محض وحی سے مطلع ہو کر تمہاری بہت سی علمی باتوں کو جن کو تم چھپاتے ہو ظاہر کر دیتے ہیں جب کہ ان کے اظہار میں کوئی شرعی مصلحت بھی ہوتی ہے

وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ ط

اور بہت سے امور کو واگذاشت کر دیتے ہیں

یعنی آپ کی خوش اخلاقی کی یہ حالت ہے کہ جن امور کا تم اخفاء کرتے ہو اگر ان کے ظاہر کرنے میں کوئی شرعی مصلحت نہیں ہوتی صرف تمہاری تفضیح اور رسوائی ہی ہو تو باوجود اطلاع کے ان کو ظاہر نہیں فرماتے اور ظاہر ہے کہ ایسا علم نبوت کی دلیل ہے اور ایسی خوش اخلاقی جو لطافت قوۃ عملیہ کا شعبہ ہے اس دلیل کی موکد ہے غرض تمہاری دینی خیانتوں ہی کے متعلق جو آپ کا برتاؤ ہے وہی نبوت کی دلیل کافی ہے پھر ضرور تصدیق کرنا چاہیئے۔

قَدْ جَاءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُورٌ

تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشن چیز آئی ہے

وَكِتٰبٌ مُّبِينٌ ﴿١٥﴾ لا

اور ایک کتاب واضح

یعنی قرآن مجید جو علاوہ نبوت کی دلیل ہونے کے خود ان ذاتی اوصاف سے موصوف ہے جو آگے مذکور ہیں (ترجمہ دیکھو)

يَهْدِي بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ

کہ اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کو جو

رِضْوَانَہٗ سُبُلَ السَّلٰمِ

رضائے حق کے طالب ہوں سلامتی کی راہیں بتلاتے ہیں

یعنی جنت میں جانے کے طریقے کہ خاص عقائد و اعمال میں تعلیم فرماتے ہیں کیونکہ پوری سلامتی روح اور بدن کی جنت ہی میں جا کر نصیب ہوگی اور سلامتی کے راستے قرآن مجید کے ذریعہ سے بتلانا سب کے لئے عام ہے مگر یہاں طالبان رضائے حق کا ذکر خاص طور پر اس لئے کیا گیا کہ اس سے متنفع وہی لوگ ہوتے ہیں۔

وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

اور ان کو اپنی توفیق سے تاریکیوں سے نکال کر نور کی

بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ

طرف لے آتے ہیں اور ان کو راہ

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٦﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ

راست پر قائم رکھتے ہیں۔ بلاشبہ وہ لوگ کافر ہیں جو یوں

قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ

کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عین مسیح ابن مریم ہیں

یعنی دونوں میں اتحاد کے قائل ہیں وجہ کفر کی ظاہر ہے کہ توحید کا انکار صریح ہے۔

قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا

آپ یوں پوچھئے کہ اگر ایسا ہے تو یہ بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ حضرت مسیح ابن مریم کو اور ان کی والدہ کو

بظاہر حضرت مریمؑ کی ذکر کی اس جگہ دو وجہ ہوسکتی ہیں یا تو عیسیٰؑ کی کمزوری کی تاکید ہے کہ وہ نہ اپنے کو بچا سکتے ہیں نہ اپنی ماں کو جن کی ہر طرح خدمت اور حفاظت کرتے تھے اور ماں کی حمایت طبعی امر بھی ہے دوسری یہ بھی وجہ ہوسکتی ہے کہ بعض ان کو بھی تین خداؤں میں کا ایک مانتے تھے ان کا ذکر بڑھانے سے ان کے قول کی بھی نفی ہوگئی رہا یہ کہ حضرت مریم کی موت تو واقع ہو چکی پھر اس کے فرض کر لینے کے کیا معنی جواب یہ ہے کہ اس سے مضمون کو موکد کرنا مقصود ہے کہ جن چیزوں کی ہلاکت فرض کی گئی ہے جب ان میں سے ایک کی ہلاکت کا واقع ہو چکنا معلوم ہوگا تو سننے والے سمجھ جائیں گے کہ جیسے اس پر موت مسلط کر چکے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ بقایا پر بھی موت مسلط کر سکتے ہیں۔

اِنْ اَرَادَ اَنْ

اور بلکہ جتنے زمین میں (آباد) ہیں

سب اہل زمین کے ذکر کی دو وجہ ہوسکتی ہیں ایک تو یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام کے عجز کی اور تاکید ہو جائے کہ وہ اور تمام عالم عاجز ہونے میں برابر ہیں کچھ تفاوت نہیں دوسرے یہ کہ تمام عالم جن میں باطل معبود وغیرہ سب داخل ہیں سب عاجز ہیں۔

يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ

ان سب کو ہلاک کرنا چاہیں تو کوئی شخص ایسا ہے

وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ

جو خدا تعالیٰ سے ان کو ذرا بھی بچا سکے

یعنی اس کو تم بھی مانتے ہو کہ ایسا کوئی نہیں اور یہ ظاہر ہے کہ خدا وہ ہو سکتا ہے جس پر دوسرے کی قدرت کا تعلق نہ ہو پھر اس کا فناء اور ہلاکت کیساتھ موصوف ہونا محال ہو اور عیسیٰ علیہ السلام پر خدا تعالیٰ کو قدرت ہے وہ ان کو فنا و ہلاک کر سکتے ہیں پس مسیح کی خدائی باطل ہے یہ تو ان کی شان ہے اب خدا کی شان دیکھو آگے ترجمہ

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا

اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص ہے حکومت آسمانوں پر اور زمین پر

بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ

اور جتنی چیزیں ان دونوں کے درمیان ہیں ان پر اور جس چیز کو چاہیں پیدا کر دیں

یہ اس لئے بڑھا دیا کہ نصاریٰ کو عیسیٰ علیہ السلام کے بے باپ پیدا ہونے سے ان کے خدا ہونے کا شبہ ہوا تھا بتلا دیا کہ خدا تعالیٰ جس چیز کو جس طرح چاہیں پیدا کر دیں ان کو سب قدرت ہے تو عیسیٰ علیہ السلام کے بے باپ پیدا ہونے سے یا مردوں کے زندہ کرنے اور پرندہ مٹی سے بنا کر زندہ کر دینے سے ان کی خدائی کا شبہ نہ کرنا چاہئے یہ سب صورتیں خدا ہی کے پیدا کرنے کی ہیں وہی پیدا کرتا ہے عیسیٰ علیہ السلام صرف واسطہ تھے۔

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٧﴾

اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے

اور یہ صفات کمال خدائی کے خواص میں سے ہیں پس حق تعالیٰ کی خدائی ثابت ہے اور مسیح علیہ السلام کی خدائی پہلے ہی باطل ہو چکی تھی اس مجموعہ

سے توحید ثابت ہوگئی ربط: اوپر یہود ونصاریٰ کے بعض قبائح الگ الگ مذکور تھے آگے ایک اور قباحت ذکر فرماتے ہیں جو دونوں گروہ میں مشترک تھی یعنی دونوں فریق باوجود کفر ومعصیت کے اپنے مقرب ومقبول عنداللہ ہونے کے مدعی تھے۔اس کا ابطال فرماتے ہیں وقالت الیھود تا الیہ المصیر

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا

اور یہود اور نصاریٰ (دونوں فریق) دعویٰ کرتے ہیں کہ

اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ط

ہم اللہ کے بیٹے اوراس کے محبوب ہیں

یعنی مثل اولاد اور معشوقوں کے مقبول ہیں مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم کو بوجہ اس کے کہ ہم انبیاء کی اولاد اوران کی خاص جماعت ہیں بہ نسبت دوسرے لوگوں کے گو وہ ہمارے ہی مذہب کے کیوں نہ ہوں اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ زیادہ خصوصیت ہے کہ ہم سے باوجود نافرمانی کے دوسروں کے برابر ناخوش نہیں ہوتے جیسے باپ کو اولاد کی نافرمانی پر دوسروں کے برابر غصہ نہیں آتا اللہ تعالیٰ اس کارد فرماتے ہیں کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم (آگے ترجمہ)

قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ط

آپ یہ پوچھئے کہ اچھا تو پھر تم کو تمہارے گناہوں کے عوض عذاب کیوں دیں گے

جس کے تم بھی قائل ہو یہود کا قول تھالن تمسنا النار الا ایاما معدودۃ اور حضرت مسیح کا ارشاد اس آیت میں منقول ہے وقال المسیح یا بنی اسرائیل انه من یشرک باللہ فقد حرم اللہ علیه الجنة و ماواہ النار کہ جو کوئی شرک کرے گا خدا نے اس پر جنت کو حرام کر دیا اوراس کا ٹھکانا جہنم ہے یہ قول نصاریٰ بھی تسلیم کرتے ہیں غرض یہ کہ اگر تم اولاد اور محبوب ہوتو پھر دونوں فرقوں کو عذاب کیوں ہوگا کیونکہ باپ بیٹے کو اور عاشق معشوق کو عذاب نہیں کیا کرتا اور آخرت میں یہ احتمال ہی نہیں کہ تادیب کے لئے سزا دی جائے کیونکہ تادیب کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ پھر ایسا نہ کرے۔آخرت میں پھر کرنے کا احتمال نہیں پس تادیب کی کیا گنجائش ہے تو وہاں جو سزا ہوگی لامحالہ تعذیب ہی ہے۔جس سے جرم پر تکلیف پہنچانا ہی مقصود ہوتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ تمہارا یہ دعویٰ محض بیہودہ ہے کہ تم کو دوسروں کی نسبت کوئی امتیاز اور خصوصیت نہیں۔

بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ط

بلکہ تم بھی منجملہ اور مخلوقات کے ایک معمولی آدمی ہو

جیسے اور ہیں

يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ط

اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں گے بخشیں گے اور جس کو چاہیں گے سزا دیں گے

اور آسمانی کتابوں سے مغفرت کے لئے ایمان کا شرط ہونا ثابت ہے اور تم صاحب ایمان نہیں ہو تو ہمیشہ معذب رہو گے۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ز

اور اللہ ہی کی ہے سب حکومت آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے ان میں بھی

تو ان کو عذاب دینے سے کون روک سکتا ہے۔

وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿١٨﴾

اور اللہ ہی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے

کسی سفارش وغیرہ کی کوئی پناہ بھی نہیں جو بچ سکیں۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ

اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے یہ رسول آپہنچے جو کہ تم کو (احکام) صاف

لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ

صاف بتلاتے ہیں ایسے وقت میں کہ رسولوں کا سلسلہ (مدت سے) موقوف تھا

اور پہلی شریعتیں سب گم ہو چکی تھیں۔

اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ

تاکہ تم قیامت میں یوں نہ کہنے لگو کہ ہمارے پاس کوئی بشیر

وَّلَا نَذِيْرٍ ز

اور نذیر نہیں آیا

کہ وہ ہم کو ہدایت کرتا ہے

فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ط

سو تمہارے پاس بشیر اور نذیر آچکے ہیں

اب عذر کی گنجائش نہیں

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٩﴾ ع

اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں

جس کو اور جب چاہیں پیغمبر بنا کر بھیج دیں

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ

اور وہ وقت بھی ذکر کے قابل ہے جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا

یہ مضمون اول ترغیب جہاد کی تمہید کے طور پر فرمایا

يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ

کہ اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ کے انعام کو جو کہ تم پر ہوا ہے یاد کرو جبکہ اللہ تعالیٰ

فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ

نے تم میں بہت سے پیغمبر بنائے

جیسے حضرت یعقوبؑ حضرت یوسفؑ حضرت موسیٰؑ وغیرہم

وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ

اور تم کو صاحب ملک بنایا

چنانچہ فرعون کے ملک پر ابھی قابض ہو چکے تھے۔

وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۰﴾

اور تم کو وہ چیزیں دیں جو دنیا جہان والوں میں سے کسی کو نہیں دیں

جیسے دریا میں راستہ دینا دشمن کو عجیب طور پر غرق کر دینا وغیرہ

يٰقَوْمِ

اے میری قوم

ان نعمتوں اور احسانات کا مقتضی یہ ہے کہ تم کو جو اس جہاد کے متعلق حکم خداوندی ہوا ہے اس پر آمادہ رہو۔

ادْخُلُوا الْاَرْضَ

اس متبرک ملک میں داخل ہو

یعنی جہاد کر کے عمالقہ کے قبضہ سے جو وہاں حکمران ہیں نکال لو۔

الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ

کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے حصے میں لکھ دیا ہے

اس لئے قصد کرتے ہی فتح نصیب ہوگی یہ شبہ نہ ہو کہ ان لوگوں کو تو وہ ملک نہیں ملا تو اس سے وعدہ خداوندی کا خلاف ہونا لازم آتا ہے جواب یہ ہے کہ اس کے مخاطب اگر خاص وہی لوگ لئے جائیں تو یہ وعدہ جہاد کی شرط کے ساتھ تھا جب شرط نہ پائی گئی وعدہ بھی پورا نہ ہوا اور اگر مخاطب قوم کو کہا جائے تو ان کی اولاد بھی قوم میں داخل ہے ان کو وہ ملک عنایت ہو گیا پس خلاف وعدہ کسی صورت میں لازم نہیں۔

وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا

اور پیچھے واپس مت چلو کہ پھر بالکل خسارے

خٰسِرِيْنَ ﴿۲۱﴾

میں پڑ جاؤ گے

دنیا میں تو یہ خسارہ کہ توسیع ملک سے محروم رہو گے اور آخرت میں یہ کہ ترک جہاد سے گنہگار ہو گے۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖۗ

کہنے لگے کہ اے موسیٰ وہاں تو بڑے بڑے زبردست آدمی ہیں

وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ

اور ہم تو وہاں ہرگز قدم نہ رکھیں گے جب تک کہ وہ وہاں سے نکل نہ جائیں

فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ

ہاں اگر وہ وہاں سے کہیں اور چلے جائیں تو ہم بیشک جانے کو تیار ہیں کہا ان

رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ

دو شخصوں نے جو کہ ڈرنے والوں میں سے تھے جن پر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا

اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ

تھا کہ تم ان پر دروازہ تک تو چلو

فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ۬

سو جس وقت تم دروازہ میں قدم رکھو گے اسی وقت غالب آ جاؤ گے۔

مطلب یہ کہ جلدی فتح ہو جائے گی خواہ تو رعب سے بھاگ جائیں یا تھوڑا سا مقابلہ کرنا پڑے۔

وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾

اور اللہ پر نظر رکھو اگر تم ایمان رکھتے ہو

یعنی ان کی تنومندی پر نظر مت کرو مگر ان لوگوں پر کسی کی فہمائش کا

اصلاً اثر نہ ہوا ان دو بزرگوں کو تو انہوں نے قابل خطاب بھی نہ سمجھا بلکہ موسیٰ علیہ السلام سے نہایت گستاخی کے ساتھ گفتگو کی۔

قَالُوْا یٰمُوْسٰٓی اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا

کہنے لگے کہ اے موسیٰ ہم تو ہرگز بھی وہاں قدم نہ رکھیں گے جب تک وہ لوگ

دَامُوْا فِیْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ

وہاں موجود ہیں (اگر ایسا ہی لڑنا ضروری ہے) تو آپ اور آپ کے اللہ میاں

اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾

چلے جائیے اور دونوں لڑ بھڑ لیجئے ہم تو یہاں سے سرکتے نہیں

بنی اسرائیل کے اس قول میں اگر تاویل نہ کی جائے تو کفر ہے اور اگر اس تاویل سے کہا ہو کہ آپ لڑئیے اور حق تعالیٰ آپ کی مدد کریں اور مجاز اً مدد کرنے کو خدا کا جانا اور لڑنا کہہ دیا تو کفر نہیں البتہ معصیت ظاہر ہے کہ مخالفت حکم کی کی گئی اور ہر حال میں غالباً ان سے توبہ بھی کرائی گئی ہوگی گو مذکور نہیں باقی اس شریعت کے قواعد و احکام کا پورا احاطہ نہیں کہ اس کے موافق کیا حکم ہوگا۔

قَالَ

موسیٰ دعا کرنے لگے

اپنی قوم کے اس جواب کو سن کر نہایت رنج اور پریشان ہوئے اور تنگ آ کر کہنے لگے (ترجمہ دیکھو)

رَبِّ اِنِّیْ

کہ اے میرے پروردگار

میں کیا کروں ان پر کچھ بس نہیں چلتا ہاں (ترجمہ دیکھو)

لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ

میں اپنی جان پر اور اپنے بھائی پر البتہ (پورا) اختیار رکھتا ہوں

موسیٰ علیہ السلام نے صرف اپنے کو اور اپنے بھائی کو دعاء میں مستثنیٰ فرمایا حالانکہ وہ دو بزرگ بھی جو عہد پر قائم رہے تھے آپ کے پورے مطیع تھے ان کو مستثنیٰ نہ فرمایا اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ یہ کلام تنگ دلی میں آپ نے فرمایا اور ایسے وقت اکثر الفاظ تنگ اور مختصر ہوتے ہیں یا یہ کہ ہارون علیہ السلام تو بوجہ نبی ہونے کے پورا بھروسہ تھا کیونکہ نبی کے لئے عصمت ضروری ہے اور ان دو صاحبوں پر بوجہ معصوم نہ ہونے کے اس قدر وثوق نہ تھا اس لئے ان کا ذکر نہ فرمایا۔

فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۵﴾

سو آپ ہم دونوں کے اور اس بے حکم قوم کے درمیان (مناسب) فیصلہ فرما دیجئے

یعنی جس کی حالت کا جو مقتضیٰ ہو ہر ایک کے لئے تجویز فرما دیجئے

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ج

ارشاد ہوا (بہتر) تو یہ ملک ان کے ہاتھ چالیس برس تک نہ لگے گا

اور گھر جانا بھی نصیب نہ ہوگا راستہ ہی نہ ملے گا ۱۲

یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ ط

یوں ہی زمین میں سر مارتے پھرتے رہیں گے

بعض لوگوں کو یہ بات قیاس سے بعید معلوم ہوتی ہے کہ دن میں سورج رات کو ستارے زمین پر درخت اور پہاڑ ان نشانوں کے ہوتے ہوئے بھی وہ اس جنگل سے نکلنے کی راہ نہ پا سکے جواب یہ ہے کہ علامات جب کام دیتی ہیں جب حواس درست ہوں سو اگر قہر خداوندی سے ان کے حواس ہی خبط ہو گئے ہوں تو کیا محل تعجب ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جو یہ فیصلہ سنا جس کا گمان نہ تھا کہ کوئی معمولی تنبیہ ہو جائے گی تو طبعاً مغموم ہونے لگے ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ جب ان سرکشوں کے لئے ہم نے یہ تجویز کیا تو یہی مناسب ہے

فَلَا تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۶﴾ ع

سو آپ اس بے حکم قوم (کی اس حالت زار) پر (ذرا) غم نہ کیجئے

چنانچہ چالیس برس تک اسی ایک محدود حصہ زمین میں حیران و پریشان پھرا کئے حتیٰ کہ سب وہیں ختم ہو گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان سے کچھ پہلے ہارون علیہ السلام بھی اسی وادی تیہ میں انتقال فرما گئے اس مدت میں جو اولاد ان لوگوں کی پیدا ہوئی تھی ان کو رہائی حاصل ہوئی اور حضرت یوشعؑ جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے پیغمبر ہوئے ان کی معرفت بنی اسرائیل کی اسی نئی نسل کو ملک شام کے فتح کرنے کا حکم ہوا چنانچہ سب نے ان کی ہمراہ جہاد کیا اور جاننا چاہئے کہ بنی اسرائیل کا اس میدان میں رہنا تو بطور سزا کے تھا اور موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا رہنا بطور سزا کے نہ تھا بلکہ ان حضرات کا وہاں تشریف رکھنا قوم کی اصلاح و ہدایت کے لئے تھا جو ان کا منصبی کام اور عین سرمایہ راحت تھا جیسے دوزخ کے اندر دوزخیوں کا ہونا اور طور پر ہے اور ملائکہ عذاب کا ہونا اور طرح ہے اصل عقوبت دل کی تنگی اور پریشانی تھی یہ بنی اسرائیل ہی کو تھی دونوں حضرات انبیاء اس سے محفوظ تھے۔ **ربط:** اوپر بنی اسرائیل کا یہ قول نقل فرمایا تھا نحن ابناء اللہ و احباء ہ کہ ہم اللہ کی اولاد اور

اس کے محبوب ہیں جس کا منشاء یہ تھا کہ وہ انبیاء کی اولاد ہونے کی وجہ سے فخر کرتے تھے حق تعالیٰ اس گھمنڈ کے توڑنے کے لئے آگے ہابیل و قابیل کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ دونوں آدم علیہ السلام کے صلبی بیٹے ہونے میں ان لوگوں سے بڑھ کر تھے مگر ان میں بھی وہی مقبول ہوا جو حکم الٰہی کا مطیع رہا یعنی ہابیل اور دوسرے نے عدول حکمی کی مردود ہو گیا اور آدمؑ کا بیٹا ہونا کچھ کام نہ آیا خلاصہ قصہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کے جو لڑکا پیدا ہوتا اس کے ساتھ ایک لڑکی بھی پیدا ہوتی تھی اور ایک بطن کا لڑکا دوسرے بطن کی لڑکی سے اور دوسرے بطن کا لڑکا پہلے بطن کی لڑکی سے بیاہ دیا جاتا تھا اس وقت بوجہ ضرورت بطون کا اختلاف بمنزلہ اختلاف نسب کے قرار دیا گیا تھا اسی سلسلہ میں دو لڑکے پیدا ہوئے ایک کا نام ہابیل رکھا اور دوسرے کا قابیل اور دونوں کے ساتھ ایک ایک لڑکی پیدا ہوئی اور حسب قاعدہ ہابیل کا نکاح قابیل کی بہن سے اور قابیل کا ہابیل کی بہن سے تجویز ہوا قابیل کی بہن زیادہ حسین تھی وہ اپنی بہن کا خواستگار ہوا حضرت آدمؑ نے سمجھایا مگر اس نے نہ مانا آخر کار آدم علیہ السلام نے یہ فیصلہ فرمایا کہ دونوں اللہ کے نام کی نیاز کرو جس کی نیاز قبول ہو جائے گی وہ لڑکی اس کو دی جائے گی غرض ہابیل کی نیاز مقبول ہوئی کہ اس کو ایک آگ آسمان سے آ کر کھا گئی قابیل ہار کر اس کی جان کا دشمن ہوا اور موقعہ پا کر اس کو مار ڈالا

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ

اور آپ ان اہل کتاب کو آدمؑ کے دو بیٹوں (ہابیل و قابیل) کا قصہ صحیح طور پر پڑھ کر سنا دیجئے

تا کہ ان کو اولاد انبیاء ہونے کا گھمنڈ نہ رہے۔

اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا

جبکہ دونوں نے ایک ایک نیاز پیش کی اور ان میں سے ایک کی (یعنی ہابیل کی) تو

وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ

مقبول ہو گئی اور دوسرے کی (یعنی قابیل کی) مقبول نہ ہوئی

کہ اس کی نیاز کو آگ نے مس نہ کیا

قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ

وہ دوسرا کہنے لگا کہ میں تجھ کو ضرور قتل کروں گا اس ایک نے جواب دیا کہ خدا تعالیٰ

مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾

متقیوں ہی کا عمل قبول کرتے ہیں

تو اپنے ناحق ہونے کی وجہ سے ہارا۔

لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ

اگر تو مجھ پر میرے قتل کرنے کے لئے دست درازی کرے گا

اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ

تب بھی میں تجھ پر تیرے قتل کرنے کے لئے ہرگز دست درازی کرنے والا

اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾

نہیں کیونکہ میں تو خدائے پروردگار عالم سے ڈرتا ہوں

یعنی باوجودیکہ بظاہر تیرے قتل کا مجھ کو حق ہے کیونکہ تو میرے قتل کے درپے ہے مگر میں صریح حکم نہ ہونے کی وجہ سے احتیاط کرتا اور خدا سے ڈرتا ہوں۔

اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ

میں یوں چاہتا ہوں کہ تو میرے گناہ اور اپنے گناہ سب اپنے سر رکھ لے

کیونکہ مظلوم کے گناہ ظالم کے سر ڈالے جاتے ہیں۔

فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ

پھر تو دوزخیوں میں شامل ہو جائے

کہ عذاب دارین کا مستوجب ہو گیا۔

وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ۚ فَطَوَّعَتْ لَهٗ

اور یہی سزا ہوتی ہے ظلم کرنے والوں کی سو اس کے جی نے اس کو اپنے بھائی

نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ

کے قتل پر آمادہ کر دیا پھر اس کو قتل ہی کر ڈالا جس سے بڑے نقصان اٹھانے

الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ

والوں میں شامل ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا کہ وہ (چونچ اور پنجوں

فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ

سے) زمین کو کھودتا تھا تا کہ وہ اس کو تعلیم کر دے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کس

اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ

طریقہ سے چھپائے کہنے لگا افسوس میری حالت پر کیا میں اس سے بھی گیا

مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِیَ سَوْءَةَ اَخِیْ ۚ

گزرا کہ اس کوے ہی کے برابر ہوتا اور اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا

فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِیْنَ ﴿۳۱﴾

سو (اس بدحالی پر) بڑا شرمندہ ہوا۔

یہ ندامت بقول مفسرین قتل پر نہیں تھی تا کہ توبہ کا شبہ ہو بلکہ قتل پر جو مضرتیں پیش آئیں جیسے نعش کے دفن میں حیران رہنا اور کوے کی تعلیم کا محتاج ہونا بدن کا سیاہ ہو جانا جیسا کہ بعض نے لکھا ہے اور بدحواس ہو جانا وغیرہ اس پر نادم ہوا اور احقر کہتا ہے کہ اگر قتل ہی پر ندامت ہو تب بھی توبہ کا شبہ نہیں ہو سکتا کیونکہ ہر ندامت توبہ نہیں ہو سکتی بلکہ جس ندامت کے بعد معذرت و انکسار اور تدارک کی فکر بھی ہو وہ توبہ ہے یہ ندامت طبعی تھی جو عقل سے پیدا ہو جاتی ہے اس میں شرع اور تقویٰ کا کچھ دخل نہیں

ربط: اوپر کے قصہ سے ایک تو یہ بات معلوم ہوئی کہ قابیل باوجود یکہ نبی زادہ تھا مگر یہ انتساب اس کے کچھ کام نہ آیا اس اعتبار سے تو یہ قصہ ماقبل کے مضمون کی دلیل ہے کہ بزرگوں اور پیغمبروں کے انتساب پر قناعت کر لینا بیہودہ بات ہے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ ناحق خون کرنا بڑا جرم ہے جس سے قابیل کیسے کیسے نقصانات میں مبتلا ہوا اس کی مناسبت سے آئندہ ایک مضمون بیان فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ ناحق قتل کرنا نہایت مضر چیز ہے اس لئے ہم نے اس کی ممانعت تمام شریعتوں میں بہت اہتمام سے کی ہے۔ من اجل ذالک کتبنا تا لمسرفون

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛۚ

اسی (واقعہ کی) وجہ سے

جس سے قتل ناحق کے مفاسد بخوبی ثابت ہو گئے

كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ

ہم نے (تمام مکلفین پر عموماً اور) بنی اسرائیل پر (خصوصاً) یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی شخص

نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ

کو بلا معاوضہ دوسرے شخص کے یا بدوں کسی فساد کے جو زمین میں اس سے پھیلا ہو

یہ دو قیدیں اس لئے لگائیں کہ قصاص میں قتل کرنا جائز ہے۔ اسی طرح اور بعض وجوہ سے بھی قتل جائز ہے جس میں سے ڈاکہ زنی کا ذکر آگے آتا ہے اور کافر حربی کے قتل کا حکم جہاد کے بیان میں آ چکا ہے۔

فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ

(خواہ مخواہ) قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام آدمیوں کو قتل کر ڈالا

یعنی بعض اعتبارات سے ایک کا قتل کرنا اور سب کا قتل کرنا برابر ہے کیونکہ گناہ پر جرات خدا کی نافرمانی خدا تعالیٰ کی ناراضی دنیا میں قصاص واجب ہونا آخرت میں دوزخ کا مستحق ہونا یہ باتیں ایک کے قتل میں بھی ہیں اور ہزار کے قتل میں بھی گو شدت و اشدیت کا تفاوت ہوگا۔

وَمَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ

اور جو شخص کسی شخص کو بچا لیوے تو گویا اس نے تمام آدمیوں کو بچا لیا

یعنی ہم نے یہ بھی لکھ دیا تھا کہ جیسا ناحق قتل کرنا جرم عظیم ہے اسی طرح کسی کو ناحق قتل سے بچا لینے میں ثواب بھی بہت بڑا ہے اور ناحق کی قید اس لئے لگائی کہ جس شخص کا قتل شرعاً واجب ہو اس کی امداد یا سفارش حرام ہے اور یہ شبہ نہ ہو کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک کا بچانے والا اور ہزار کا بچانے والا برابر ہو جواب یہ ہے کہ جب ایک کے بچانے والے کو تمام عالم کے بچانے والے کا ثواب ملتا ہے تو ممکن ہے کہ ہزار کے بچانے والے کو ہزار مرتبہ تمام عالم کے بچانے کا ثواب ملے کیونکہ نیکی کے بڑھنے سے کوئی دلیل مانع نہیں ہاں شرعاً گناہ میں زیادتی نہیں ہو سکتی جتنا جرم ہوگا اتنا ہی گناہ ہوگا اسی لئے اوپر جو کہا گیا تھا کہ ایک کا خون کرنا گویا تمام عالم کا خون کرنا ہے وہاں بتلا دیا گیا کہ یہ بعض اعتبارات کی بناء پر فرمایا گیا ہے ورنہ گناہ دونوں کا شرعاً برابر نہیں ہو سکتا۔ اور یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ایک شخص کے بچانے والے کو اگر تمام عالم کے بچانے کا ثواب مل جائے تو اس میں کیا حرج ہے یہ خدا کا فضل ہے جس میں کوئی کمی نہیں۔

وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَیِّنٰتِ ؗ ثُمَّ اِنَّ

اور بنی اسرائیل کے پاس ہمارے بہت سے پیغمبر بھی دلائل واضحہ (نبوت کے) لے کر آئے

اور وقتاً فوقتاً اس مضمون کی تائید کرتے رہے۔

كَثِیْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِی الْاَرْضِ

پھر اس کے بعد بھی بہتیرے ان میں سے دنیا میں

لَمُسْرِفُوْنَ ﴿۳۲﴾

زیادتی کرنے والے ہی رہے

اور ان پر کچھ اثر نہ ہوا حتیٰ کہ بعض نے خود انبیاء ہی کو قتل کر دیا۔

إِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ

جو لوگ اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں

وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا

اور ملک میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں

ربط: اوپر ناحق قتل کی قباحت بیان فرمائی تھی آگے یہ بتلاتے ہیں کہ فساد پھیلانے اور جنایت کرنے والوں کا قتل کرنا یا سزا دینا جائز ہے بلکہ شریعت میں مطلوب ہے اس لئے اول قطاع الطریق کا پھر سارق کا حکم مذکور ہوتا ہے اور درمیان میں بعض مضامین خاص مناسبت سے لائے گئے ہیں۔ انما جزاء الذین یحاربون تا غفور رحیم

مراد اس سے ڈاکہ ڈالنا ہے ایسے شخص کی جان و مال پر جس کو قانون شرعی سے امن دیا گیا ہو یعنی مسلمان اور ذمی پر اسی لئے اس کو اللہ و رسول سے لڑنا کہا گیا کیونکہ اس نے اللہ کے دیئے ہوئے امن کو توڑا اور چونکہ احکام خداوندی کا ظہور رسول کے ذریعہ سے ہوتا ہے اس لئے رسول کا تعلق بھی بڑھا دیا گیا غرض اللہ و رسول سے لڑنے کا مطلب یہ ہے کہ خلاف قانون شرعی ملک میں بدامنی پھیلاتے ہیں۔

اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا

ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کئے جائیں

یہ اس صورت میں جب کہ رہزنوں نے صرف قتل ہی کیا ہو اور مال لینے کی نوبت نہ آئی ہو۔

اَوْ يُصَلَّبُوْٓا

یا سولی دیئے جائیں

جبکہ انہوں نے مال بھی لیا ہو اور قتل بھی کیا ہو اس صورت میں امام کو انہیں قتل کر دینے کا بھی اختیار ہے اور یہ بھی اختیار ہے کہ ہاتھ پاؤں کاٹ کر سولی دے یا قتل کرے یہ اختیارات دیگر دلائل سے ثابت ہیں اور سولی دینے کا طریقہ یہ ہے کہ زندہ دار پر کھینچا جائے اور برچھی سے پیٹ چاک کیا جائے یہاں تک کہ مر جاوے۔

اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ

یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیئے جائیں

یہ اس صورت میں ہے کہ صرف مال لیا ہو قتل نہ کیا ہو اور داہنا ہاتھ گٹے پر سے اور بایاں پیر ٹخنے پر سے کاٹا جائے پھر اس کو داغ دے دیا جائے تاکہ بدن کا سارا خون نہ نکل جائے

اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ط

یا زمین پر سے نکال دیئے جائیں

یہ حکم اس حالت میں ہے کہ نہ مال لیا ہو نہ قتل کیا ہو بلکہ ڈاکہ ڈالنے کا قصد کیا تھا کہ اس کے بعد ہی گرفتار ہو گئے ہوں اور ان چاروں حالتوں کی سزائیں حق اللہ ہیں اور حدود ہیں اگر مالک مال یا ولی مقتول معاف بھی کر دے تو معاف نہیں ہو سکتیں۔

ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ

یہ ان کے لئے دنیا میں سخت رسوائی ہے اور ان کو

فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۳۳﴾ اِلَّا

آخرت میں عذاب عظیم ہو گا۔ ہاں

الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا

مگر جو لوگ قبل اس کے کہ تم ان کو گرفتار کرو

عَلَيْهِمْ ج فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۴﴾ ع

توبہ کر لیں تو جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ بخش دیں گے مہربانی فرما دیں گے

مطلب یہ ہے کہ اگر گرفتاری کے قبل ان لوگوں کا تائب ہونا ثابت ہو جائے تو حد جو کہ حق اللہ ہے ساقط ہو جائے گی البتہ حق العبد باقی رہے گا۔ پس اگر مال لیا ہو گا اس کا ضمان دینا پڑے گا اور اگر قتل کیا ہو گا تو قصاص لیا جاوے گا لیکن اس ضمان و قصاص کے معاف کرنے کا حق صاحب مال اور ولی مقتول کو حاصل ہو گا **مسئلہ** اس حد کے باقی حدود جیسے حد زنا حد تہمت حد شراب خواری، حد سرقہ توبہ سے ساقط نہیں ہوتے **مسئلہ** اگر نہ مال لیا ہو نہ قتل کیا بلکہ زخمی کیا ہو تو چونکہ یہ صورت حد کی چاروں صورتوں سے خارج ہے اس لئے اس کا حکم مثل عام زخموں کے ہے کہ زخم کی دیت دلائی جائے گی جس کے معاف کرنے کا بھی زخمی کو حق حاصل ہے اور اگر زخمی بھی کیا مال بھی لیا تو حد جو حق اللہ ہے جاری کی جائے گی اور زخموں کا قصاص لیا جاوے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو

وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ

اور خدا تعالیٰ کا قرب ڈھونڈو

یعنی طاعات ضروریہ کے پابند رہو۔

وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ

اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا کرو امید ہے کہ تم

تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾

کامیاب ہوجاؤ گے

وہ کامیابی خدا کی رضا حاصل ہونا اور عذاب سے نجات پانا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ

یقیناً جو لوگ کافر ہیں اگر ان کے پاس تمام دنیا بھر کی

مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ

چیزیں ہوں اور ان چیزوں کے ساتھ اتنی چیزیں اور بھی ہوں تاکہ

لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

وہ اس کو دے کر روز قیامت کے عذاب سے چھوٹ جاویں

مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۳۶﴾

تب بھی وہ چیزیں ہرگز ان سے قبول نہ کی جاویں گی اور ان کو دردناک عذاب

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ

ہوگا۔ اس بات کی خواہش کریں گے کہ دوزخ سے نکل آویں

وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۡ وَلَهُمْ

اور وہ اس سے کبھی نہ نکلیں گے

عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۷﴾

اور ان کو عذاب دائمی ہوگا

یعنی کسی تدبیر سے نہ سزا ٹلے گی نہ سزا کا دوام ٹلے گا

ربط: دو آیۃ میں اوپر قطع طریق کا بیان تھا جو سرقہ کبریٰ کہلاتا ہے آگے سرقہ صغریٰ یعنی چھپ کر چوری کرنے کا اور اس کی سزا کا بیان ہے۔

والسارق والسارقة تا عزيز حكيم

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا

اور جو مرد چوری کرے اور جو عورت چوری کرے سو ان دونوں کے (داہنے) ہاتھ

جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ

(گٹے پر سے) کاٹ ڈالو ان کے کردار کے عوض میں بطور سزا کے اللہ کی طرف سے

عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۳۸﴾

اور اللہ تعالیٰ قوت والے ہیں (جو سزا چاہیں مقرر فرمائیں) بڑے حکمت والے ہیں

مسئلہ: کم از کم مقدار مال کی جس میں ہاتھ کاٹا جاتا ہے دس درہم ہیں **مسئلہ**: چور کا داہنا ہاتھ گٹے پر سے کاٹا جاتا ہے پھر اس کو داغ دے دیتے ہیں تاکہ سارے بدن کا خون نہ نکل جاوے۔ **مسئلہ**: یہ سزا حد ہے اس میں معافی نہیں ہوسکتی اور لفظ من اللہ میں بھی اس طرف اشارہ ہے۔ **مسئلہ**: اگر دوبارہ چوری کرے تو بایاں پاؤں ٹخنے سے قطع کیا جاوے گا اگر پھر چوری کرے تو اب بقیہ ہاتھ پاؤں قطع نہ کریں گے بلکہ جب تک توبہ نہ کرے جس کا سچا ہونا قرائن سے معلوم ہوجائے قید خانہ میں رکھیں گے یہ مسائل ہدایہ میں ہیں باقی مسائل کتب فقہ میں ملیں گے۔ **ربط**: اوپر چوری کی سزائے دنیوی کا بیان تھا آگے توبہ سے سزائے آخرت سے بچ جانے کا ذکر فرماتے ہیں جیسا کہ قطع طریق میں بھی بعد بیان سزا کے توبہ کا ذکر آیا تھا **فمن تاب من بعد ظلمه تا غفور رحيم**

فَمَنْ تَابَ

جو کہ مناسب ہی سزا مقرر فرماتے ہیں) پھر جو شخص توبہ کرے

یعنی قاعدہ شریعت کے موافق مثلاً جو چیز چرائی ہے مالک کو واپس کر دے اور اگر تلف ہوگئی ہو ضمان دے اگر ضمان نہ دے سکے معاف کرائے کہ یہ بھی تکمیل توبہ کی شرائط میں سے ہے۔

مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ

اپنی اس زیادتی کرنے کے بعد اور اعمال کی درستی رکھے

یعنی چوری وغیرہ نہ کرے اپنی توبہ پر قائم رہے

فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ۭ

تو بیشک اللہ تعالیٰ اس پر توجہ فرمائیں گے

کہ توبہ سے پچھلے گناہ معاف فرمادیں گے اور آئندہ توبہ پر قائم رہنے کی توفیق مزید عنایت فرمادیں گے **ربط**: اوپر قطع طریق اور سرقہ کی

سزا میں جو قتل اور قطع اعضاء کا حکم دیا گیا ہے تو قبل اس کے حکمت میں نظر کرنے کے بظاہر نوع انسان کی شرافت سے گونہ مستبعد معلوم ہوتا تھا اس لئے آگے حق تعالیٰ اپنا مالک حقیقی ہونا اور قادر ہونا بیان فرماتے ہیں اور درمیان میں عذاب و مغفرت کا ذکر فرما کر اپنے حکیم ہونے کی طرف بھی اشارہ فرماتے ہیں کہ ہم صرف عذاب ہی نہیں کرتے بلکہ معاف بھی کر دیتے ہیں مگر جو جس کے لائق ہو اور لیاقت کا حال ان لوگوں کی حالت میں غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے **الم تعلم تا قدیر**

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۹﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ
بیشک خدا تعالیٰ بڑے مغفرت والے ہیں (کہ اس کا گناہ معاف کر دیا) بڑے
اَنَّ اللّٰهَ
رحمت والے ہیں (کہ آئندہ بھی مزید عنایت کی) کیا تم نہیں جانتے کہ

یعنی سب جانتے ہیں

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يُعَذِّبُ مَنْ
کہ اللہ ہی کے لئے ثابت ہے حکومت سب آسمانوں کی اور زمین کی وہ جس
يَّشَاۗءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ
کو چاہیں سزا دیں اور جس کو چاہیں معاف کر دیں اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۰﴾
پوری قدرت ہے

چنانچہ چوری اور ڈکیتی کی سزا دنیا میں بھی دی اور اگر اس پر اصرار رہا تو آخرت میں بھی ہوگی اور توبہ کرنے سے آخرت میں دونوں کی معافی ہو جائے گی اور ڈکیتی میں تو قبل قید ہونے کے توبہ کرنے سے دنیا میں بھی معافی ہو جاتی ہے **ربط**: اوپر تیسرے رکوع سے اہل کتاب کا ذکر چلا آ رہا تھا درمیان میں بعض مضامین خاص مناسبت سے آ گئے تھے اب آگے پھر اہل کتاب کے ذکر کی طرف عود ہوتا ہے۔ اور ان آیات آئندہ کے سبب نزول کا خلاصہ یہ ہے کہ یہود مدینہ کی ایک جماعت میں سے کسی کے ہاتھ سے دوسری جماعت کا ایک آدمی قتل ہو گیا انہوں نے دستور قدیم کے موافق خون بہا کم دینا چاہا دوسری جماعت نے خون بہا کم لینے سے انکار کیا کیونکہ وہ معاہدہ بنوری کی وجہ سے ماننا پڑتا تھا اب بوجہ سلطنت اسلام کے وہ مجبوری رفع ہو گئی تو مقتول کے فریق نے حضور کی طرف رجوع کیا چونکہ قاتل کا فریق جانتا تھا کہ آپ حق فیصلہ کریں گے اس لئے اس

درخواست کے منظور کرنے سے پہلے چند منافقوں کو حضور کی خدمت میں تجسس خیالات کے لئے بھیجا کہ اگر اپنے موافق ہوئے تو فیصلہ کرا لیں گے ورنہ نہیں اور یہ حرکات حضور کو رنج دینے والی تھیں۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ
اے رسولؐ! جو لوگ کفر میں دوڑ دوڑ کر گرتے ہیں

یعنی رغبت سے ان باتوں کو کرتے ہیں۔

لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ
آپ کو مغموم نہ کریں خواہ وہ ان لوگوں میں سے ہوں
مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ
جو اپنے منہ سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے
وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ڔ
اور ان کے دل یقین لائے نہیں

یعنی منافقین

وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ڔ
اور خواہ وہ ان لوگوں میں سے ہوں جو کہ یہودی ہیں

جیسا کہ یہود حاضر ہوئے ایک مجرم زنا کو لے کر کہ اگر اصل حکم رجم دیا جائے تو عمل نہ کریں۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ
یہ لوگ غلط باتوں کے سننے کے عادی ہیں

جو ان کے علمائے محرفین ان کو سناتے تھے۔

سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ
آپ کی باتیں دوسری قوم کی خاطر سے کان دھر دھر کر سنتے ہیں) جس قوم کے یہ حالات ہیں کہ وہ آپ کے پاس نہیں آتے

فرط تکبر سے بلکہ دوسروں کو بھیجا۔

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ
کلام کو بعد اس کے کہ وہ اپنے موقع پر ہوتا ہے بدلتے رہتے ہیں

کبھی لفظاً کبھی معناً کبھی دونوں طرح غرض وہ پہلے سے کلام الٰہی کو محرف

کرنے کے عادی ہیں چنانچہ اسی عادت کے موافق خون بہا اور رجم کے حکم کو بھی اپنی ایجاد کردہ رسم سے بدل دیا پھر اس رسم کے لئے سہارا ڈھونڈنے کو اپنے جاسوسوں کو یہاں بھیجا کہ شاید شریعت محمدیہ سے اس رسم کی تائید ہو جائے۔

يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ

کہتے ہیں کہ اگر تم کو یہ حکم ملے تب تو اس کو قبول کر لینا

وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ

اور اگر تم کو یہ حکم نہ ملے تو احتیاط رکھنا

یعنی پھر یہی نہیں کہ اپنی ایجاد کی ہوئی رسم کی موافقت تلاش کرنے پر بس کرتے بلکہ جانے والوں کو بھی حق قبول کرنے سے روکتے ہیں کہ اگر ہمارے موافق حکم ملے تب تو اس کے موافق عمل درآمد کرنے کا اقرار کر لینا ورنہ مت قبول کرنا پس اس بھیجنے والی قوم میں چند خرابیاں ہوئیں اول تکبر وعداوت جس کی وجہ سے خود نہیں آئے دوسرے طلب حق نہ ہونا بلکہ حق کو بدل کر اس کی تائید ڈھونڈھنا تیسرے دوسروں کو بھی قبول حق سے روکنا یہاں تک تو آنے والوں اور بھیجنے والوں کی الگ الگ مذمت تھی آگے ان سب کی مذمت ہے۔

وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ

اور جس کا خراب ہونا خدا ہی کو منظور ہو

اور خدا کی یہ منظوری جب ہی ہوتی ہے جب کہ گمراہ خود گمراہ ہونے کا عزم اور قصد کرے تو حق تعالیٰ بھی حسب عادت جب کوئی قصد کرتا ہے اس کو ویسا ہی کر دیتے ہیں۔

فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ

تو اس کے لئے اللہ سے تیرا کچھ زور نہیں چل سکتا۔ یہ لوگ ایسے ہیں

الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ

کہ خدا تعالیٰ کو ان کے دلوں کا پاک کرنا منظور نہیں ہوتا

کیونکہ یہ خود پاک ہونے کا قصد نہیں کرتے اس لئے حق تعالیٰ نے بھی ان میں پاکی پیدا نہیں فرمائی خلاصہ یہ کہ جب وہ خود خراب رہنے کا قصد رکھتے ہیں تو حسب عادت حق تعالیٰ نے بھی ان میں گمراہی پیدا کر دی پس اب کوئی شخص ان کو ہدایت نہیں کر سکتا پھر ان کے راہ پر آنے کی کیا توقع ہے۔ اس مضمون میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ تسلی ہے جس سے کلام شروع بھی ہوا تھا آگے ان اعمال کا ثمرہ بیان فرماتے ہیں۔

لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ ۚ ۖ وَّلَهُمْ فِى

ان لوگوں کے لئے دنیا میں رسوائی ہے

الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۴۱﴾

اور آخرت میں ان کے لئے سزائے عظیم ہے

چنانچہ منافقین کی رسوائی تو یہ ہوئی کہ ان کا نفاق کھل گیا اور نظر ذلت سے دیکھے گئے اور یہود کا قتل وقید وجلاوطن ہونا روایات میں مشہور ہے اور عذاب آخرت ظاہر ہی ہے غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے واقعہ میں رجم کا حکم دیا چنانچہ اس حکم کے بعد وہ رجم کیا گیا اور یہ حکم آپ نے تورات کے موافق دیا کیونکہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تورات میں اس کی بابت کیا حکم ہے علماء یہود نے اپنا گھڑا ہوا حکم بیان کر دیا۔ حضور نے ان سے مناظرہ فرمایا اور ان کے مدرسہ میں بھی تشریف لے گئے توریت منگائی گئی تو اس میں رجم کا حکم موجود تھا آپ نے وہی حکم دیا ورنہ شریعت محمدیہ میں زنا سے کافر کو رجم نہیں کیا جاتا کیونکہ رجم کے لئے محصن ہونا اجماعاً شرط ہے اور کافر محصن نہیں یہ امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے جو حدیث اور اجماع سے مؤید ہے پس یہ فیصلہ ان ہی کی مسلمہ شریعت کے موافق کیا گیا اس وقت آپ کو یہی حکم ہوا ہوگا کہ توریت کے موافق حکم دیں جس کو وہ چھپاتے تھے یا اس واقعہ کی خصوصیت ہو۔

ربط: اوپر ان قوموں کے دو وصف بیان کئے گئے تھے ایک تو آنے والی قوم کا بیہودہ باتیں سننے کا عادی ہونا دوسرے کلام الٰہی میں تحریف کرنا۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ

یہ لوگ غلط باتوں کے سننے کے عادی ہیں

جیسا پہلے آ چکا

اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ

بڑے حرام کے کھانے والے ہیں

حرص نے ان کو احکام میں غلط بیانی کا جس کے عوض کچھ نذرانہ وغیرہ ملتا ہے خوگر کر دیا۔

فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ

تو اگر یہ لوگ آپ کے پاس آ دیں تو خواہ آپ ان میں فیصلہ کر دیجئے یا ان کو

عَنْهُمْ ۚ

ٹال دیجئے

یہ اندیشہ نہ کیجئے کہ شاید ناخوش ہو کر عداوت نکالیں۔

وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ

اور اگر آپ ان کو ٹال ہی دیں تو ان کی مجال ہی نہیں کہ آپ کو ذرا بھی ضرر پہنچا سکیں

کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کے نگہبان ہیں

وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ

اور اگر آپ فیصلہ کریں تو ان میں عدل کے موافق فیصلہ کیجئے

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۴۲﴾

بیشک اللہ تعالیٰ عدل کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں

اور وہ عدل اب منحصر ہو گیا ہے قانون اسلام میں پس وہی لوگ محبوب ہوں گے جو اس قانون کے موافق فیصلہ کریں

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ

اور وہ آپ سے کیسے فیصلہ کراتے ہیں حالانکہ ان کے پاس توریت ہے

فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ

جس میں اللہ کا حکم ہے

جس کے ماننے کا ان کو دعویٰ ہے

ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ

پھر اس کے بعد ہٹ جاتے ہیں

یعنی اول تو اس حالت میں فیصلہ لانے ہی سے تعجب ہوتا تھا لیکن اس احتمال سے رفع ہو سکتا تھا کہ شاید آپ کا حق پر ہونا ان پر واضح ہو گیا ہو اس لئے آ گئے ہوں لیکن جب اس فیصلہ کو نہ مانا تو وہ تعجب پھر تازہ ہو گیا کہ اب تو وہ احتمال بھی نہ رہا پھر کیا بات ہوگی جس کے واسطے یہ فیصلہ لائے ہیں۔

وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۳﴾ ع

اور یہ لوگ ہرگز اعتقاد والے نہیں

یعنی اسی سے ہر عاقل کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ یہاں اعتقاد سے نہیں آئے اپنے مطلب کے واسطے آئے تھے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جیسے ان کو حضور سے اعتقاد نہیں کیونکہ آپ کے فیصلہ کو نہ مانا اسی طرح تورات سے بھی پورا اعتقاد نہیں ورنہ اس کو چھوڑ کر کیوں آتے غرض دونوں طرف سے گئے نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے ہوئے **ربط**: اوپر بہت سی آیتوں میں اہل کتاب کا احکام و عہود الٰہیہ کو چھوڑ دینا اور نقض عہد کرنا مع مذمت کے مذکور ہوا ہے آگے یہ بیان فرماتے ہیں کہ ان احکام الٰہیہ پر ہر زمانہ میں عمل کرنا واجب ہے جو کبھی تورات کے واسطہ سے ظاہر ہوئے کبھی انجیل کے اور اب قرآن مجید کے واسطہ سے ظاہر ہو رہے ہیں اور تورات و انجیل پر عمل کرنے کا اس لئے حکم فرمایا تاکہ وہ رسالت محمدیہ کی تصدیق کا سبب ہو جائے کیونکہ ان دونوں کتابوں میں آپ کی بشارت موجود ہے اور تورات کے ذکر میں بعض احکام قصاص کے شاید اس لئے ذکر فرما دیئے ہوں کہ اوپر کی آیتوں کا سبب نزول ایک واقعہ قصاص کا بھی تھا جس کو یہود نے بدل دیا تھا انا انزلنا التوراۃ تاھم الکفرون

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ

ہم نے توریت نازل فرمائی تھی جس میں ہدایت تھی اور وضوح تھا

يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا

انبیاء جو کہ اللہ تعالیٰ کے مطیع تھے اس کے موافق یہود کو حکم دیا

لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ

کرتے تھے اور اہل اللہ اور علماء بھی

بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا

بوجہ اس کے کہ ان کو اس کتاب کی نگہداشت کا حکم دیا گیا تھا اور وہ

عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ

اس کے اقراری ہو گئے تھے۔

یعنی چونکہ ان کو اس کا حکم ہوا تھا اور انہوں نے اس حکم کا اقرار کر لیا تھا اس لئے ہمیشہ اس کے پابند رہے آگے زمانہ نبوی کے رؤسا و علماء یہود کو خطاب فرماتے ہیں کہ جب ہمیشہ سے تمہارے سب مقتدا تورات کو مانتے آئے ہیں تو رسالت محمدیہ کی تصدیق کے بارہ میں جس کا حکم تورات میں موجود ہے (آگے ترجمہ دیکھو)

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ

سو تم بھی لوگوں سے اندیشہ مت کرو

کہ اگر ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کر لیں گے تو عام لوگوں کی

نظروں میں ہماری جاہ کم ہوجاوے گی۔

وَاخْشَوْنِ

اور مجھ سے ڈرو

کہ تصدیق نہ کرنے پر سزا دوں گا۔

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ

اور میرے احکام کے بدلے میں متاع قلیل مت لو

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

اور جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے

بلکہ حکم شرعی کے خلاف کو قصداً حکم شرعی بتلا کر اس کے موافق حکم کرے۔

فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝۴۴

سو ایسے لوگ بالکل کافر ہیں

جیسا کہ اے یہود تم کررہے ہو کہ عقائد میں بھی تحریف کی جیسے رسالت محمدیہ کے عقیدہ میں اور اعمال میں بھی جیسے حکم رجم وغیرہ میں کہ اپنی گھڑی ہوئی باتوں کو حکم الٰہی بتلا کر خود بھی گمراہ ہوئے دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ **وکتبنا علیهم فیها ان النفس تا هم الظلمون**

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ

اور ہم نے ان پر اس میں یہ بات فرض کی تھی کہ جان بدلے جان کے

بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ

اور آنکھ بدلے آنکھ کے اور ناک بدلے ناک کے اور کان بدلے

بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ

کان کے اور دانت بدلے دانت کے

بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ۭ فَمَنْ

اور خاص زخموں کا بھی بدلہ ہے پھر جو شخص

تَصَدَّقَ بِهٖ

اس کو معاف کردے

یعنی قصاص کا مستحق ہو کر پھر بھی بدلہ نہ لے۔

فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ۭ

تو وہ اس کے لئے کفارہ ہوجائے گا

یعنی معاف کرنا موجب ثواب ہے اس سے معاف کرنے والے کے گناہ دور ہوجاویں گے چونکہ یہود نے ان احکام کو چھوڑ رکھا تھا اس لئے مکرر وعید سناتے ہیں۔ (ترجمہ دیکھو)

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ

اور جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے

هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۴۵

سو ایسے لوگ بالکل ستم ڈھا رہے ہیں

یعنی بہت برا کام کررہے ہیں **مسئلہ**: چونکہ اصول فقہ میں یہ قاعدہ ثابت ہو چکا ہے کہ پہلی شریعتوں کے احکام جب قرآن وحدیث میں بلا انکار کے مذکور ہوں تو وہ ہمارے لئے بھی حجت ہیں اس لئے یہ مضمون ہماری شریعت کا بھی حکم ہے باقی اس میں بعض صورتوں میں تفصیل ہے جو کتب فقہ سے معلوم ہوسکتی ہے چند ضروری باتیں یہاں لکھی جاتی ہیں۔ قصاص اس قتل میں ہے جب کہ ناحق ہو اور عمداً ہو ورنہ حق سے قتل کرنا درست ہے اور خطا میں دیت ہے جس کے مسائل سورۂ نسا میں گزر چکے اور جان بدلے جان کے اس میں آزاد اور غلام مسلمان اور کافر ذمی اور مرد و عورت بچہ بڑا شریف رذیل رعیت بادشاہ سب داخل ہیں۔ البتہ خود اپنے غلام اور اپنی اولاد کے قصاص میں آقا اور باپ کا نہ مارا جانا اجماع و حدیث سے ثابت ہے اس صورت میں دیت آتی ہے۔ قطع اعضاء اور زخموں میں مرد و عورت اور آزاد و غلام میں ناقص سے کامل کا قصاص لیا جاوے گا اور کامل سے ناقص کا قصاص نہیں لیا جاوے گا بلکہ دیت اور معاوضہ دلایا جاوے گا البتہ مسلمان اور کافر ذمی اس صورت میں بھی برابر ہیں قصاص ہر ایک سے لیا جاوے گا خاص زخموں سے مراد وہ ہیں جن میں برابری کے ساتھ بدلہ لینا ممکن ہو ورنہ معاوضہ دلایا جاوے گا اسی طرح اگر آدھا ناک کان کاٹا جاوے اس میں بھی قصاص نہیں ہے معاوضہ ہے اگر ولی مقتول کئی شخص ہوں اور ایک معاف کردے تو قصاص ساقط ہوجائے گا بقیہ اولیاء اگر چاہیں دیت لے سکتے ہیں۔

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓي اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ

اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰؑ ابن مریمؑ کو

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ص

اس حالت میں بھیجا کہ وہ اپنے سے قبل کی کتاب یعنی توریت کی

وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ لا

تصدیق فرماتے تھے۔ اور ہم نے ان کو انجیل دی جس میں ہدایت تھی اور وضوح تھا

وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ

اور وہ اپنے سے قبل کی کتاب یعنی توریت کی تصدیق کرتی تھی اور وہ سراسر

وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَلْيَحْكُمْ

ہدایت اور نصیحت تھی خدا سے ڈرنے والوں کے لئے اور انجیل والوں کو چاہئے

اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ط

کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اس میں نازل فرمایا ہے اس کے موافق حکم کیا کریں

ربط: اوپر توریت کا اپنے زمانہ میں واجب العمل اور حجت ہونا مذکور تھا آگے انجیل کی یہی صفت مذکور ہے وقفینا علی آثارھم تا ھم الفسقون آگے زمانہ نبوی اور اس کے بعد کے نصاریٰ کو خطاب ہے کہ اے اس زمانہ کے نصاریٰ سن رکھو (آگے ترجمہ)

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ

اور جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے تو ایسے لوگ

هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾

بالکل بے حکمی کرنے والے ہیں

اور انجیل رسالت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر دیتی ہے پس تم اس کے خلاف کیوں چل رہے ہو **ربط:** اوپر توریت و انجیل کا اپنے اپنے دور میں واجب العمل ہونا بیان فرمایا تھا آگے قرآن مجید کا اپنے دور میں جو کہ نازل ہونے کے وقت سے قیامت آنے تک رہے گا واجب العمل ہونا بیان فرماتے ہیں اور اس کے ضمن میں اشارۃً ایک قصہ سے بھی تعرض ہے کہ ایک بار چند علماء و رؤسا یہود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ملتمس ہوئے کہ ہمارا اپنی قوم سے کچھ مقدمہ ہے اگر آپ ہمارے موافق فیصلہ فرماویں تو ہم آپ کا اتباع اختیار کرلیں گے آپ نے صاف انکار فرمادیا جس پر آپ کی تصویب رائے کے لئے آیت وان احکم الخ نازل ہوئی۔ وانزلنا الیک الکتٰب بالحق تا لقوم یوقنون

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا

اور ہم نے یہ کتاب آپ کے پاس بھیجی ہے جو خود بھی صدق کے ساتھ موصوف ہے اور

بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ

اس سے پہلے جو کتابیں ہیں ان کی بھی تصدیق کرتی ہے اور ان کتابوں کی محافظ ہے

کیونکہ قرآن قیامت تک محفوظ و معمول رہے گا اور اس میں ان کتابوں کی تصدیق موجود ہے کہ وہ بھی خدا کی طرف سے نازل ہوئی تھیں اس لئے قرآن ہمیشہ کے لئے ان کا بھی محافظ ہے جب قرآن ایسی کتاب ہے (آگے ترجمہ دیکھو)

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ

تو ان کے باہمی معاملات میں اس بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجئے اور

اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ط

یہ جو سچی کتاب آپ کو ملی ہے اس سے دور ہو کر ان کی خواہشوں پر عملدرآمد نہ کیجئے

جیسا کہ اب تک بھی آپ نے نہیں کیا چنانچہ باوجود ان کے درخواست والتماس کے آپ نے صاف انکار فرمادیا مطلب یہ ہے کہ آپ کی یہ رائے نہایت ہی درست ہے اسی پر ہمیشہ قائم رہیے آگے اہل کتاب کو خطاب ہے کہ تم کو قرآن کے حق ماننے سے کیوں انکار ہے کیا نئے دین کا آنا کچھ تعجب کی بات ہے۔ آخر (آگے ترجمہ دیکھو)

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ط

تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے خاص شریعت اور خاص طریقت تجویز کی تھی۔

مثلاً یہود کی توراۃ اور نصاریٰ کی انجیل

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ

اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو تم سب کو ایک ہی امت کر دیتے لیکن ایسا نہیں کیا

لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ

تاکہ جو جو دین تم کو دیا ہے اس میں تم سب کا امتحان فرماویں

کیونکہ طبعی امر ہے کہ نئے طریقہ سے وحشت اور مخالفت کی طرف حرکت ہوتی ہے۔

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ط

تو مفید باتوں کی طرف دوڑو

یعنی ایمان لاؤ۔

اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

تم سب کو خدا ہی کے پاس جانا ہے پھر وہ تم سب کو جتلا دے گا۔

فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿٤٨﴾

جس میں تم اختلاف کیا کرتے تھے

اس لئے بے جا اختلاف کو چھوڑ کر حق کو جو کہ اب قرآن میں منحصر ہو گیا ہے قبول کرلو اور چونکہ ان اہل کتاب نے ایسی فتنہ پردازی کی تھی کہ آپ سے اپنے موافق مقدمہ طے کرنے کی درخواست کی جہاں اس کا احتمال بھی نہیں ہوسکتا اس لئے آئندہ مضمون سنا کر ان کے حوصلے پست اور ہمیشہ کے لئے ان کو ناامید کرتے ہیں۔

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ

اور ہم (مکرر) حکم دیتے ہیں کہ آپ ان کے باہمی معاملات میں اس بھیجی ہوئی کتاب کے

اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ

موافق فیصلہ فرمایا کیجئے اور ان کی خواہشوں پر عملدرآمد نہ کیجئے اور ان سے یعنی ان کی اس

بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ

بات سے احتیاط رکھئے کہ وہ آپ کو خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے کسی حکم سے بھی بچاویں

یعنی گو بوجہ معصوم ہونے کے اس کا بھی احتمال نہیں لیکن اس کا قصد بھی رہے تو موجب ثواب بھی ہے۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ

پھر گو اگر یہ لوگ اعراض کریں تو یہ یقین کر لیجئے کہ بس خدا ہی کو منظور ہے کہ

بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ

ان کے بعضے جرموں پر ان کو سزا دیں

اور وہ بعض جرم فیصلہ کو نہ ماننا ہے جو رعیت ہونے کے خلاف ہے اس کی سزا دنیا ہی میں ہوتی ہے اور حقانیت قرآن کا نہ ماننا کفر ہے۔ اور کفر کی پوری سزا آخرت میں ہوگی چنانچہ یہود کی سرکشی اور عہد شکنی جب حد سے گزر گئی تو ان کو سزائے قتل و قید و اخراج وطن کی دی گئی۔

وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿٤٩﴾ اَفَحُكْمَ

اور زیادہ آدمی تو بے حکم ہی ہوتے ہیں۔ یہ لوگ پھر کیا زمانہ

الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ

جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں

یعنی فیصلہ قرآنی کو چھوڑ کر جو کہ عین عدل ہے اپنی مخترع باتوں کے موافق فیصلہ چاہتے ہیں جن کا ذکر اوپر کی آیتوں میں دو واقعوں میں آ چکا ہے حالانکہ وہ سراسر عدل و عقل کے خلاف ہے اہل علم ہو کر علم سے اعراض کرنا اور جہل کی طرف جھکنا عجب در عجب ہے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ

اور فیصلہ کرنے میں اللہ سے کون اچھا ہوگا

بلکہ کوئی خدا کے برابر بھی نہیں ہوسکتا پس خدائی فیصلہ کو چھوڑ کر دوسرے فیصلہ کا طالب ہونا عین جہل نہیں تو کیا ہے۔

حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿٥٠﴾

یقین رکھنے والوں کے نزدیک

کیونکہ اس کا سمجھنا بھی عقل کی سلامتی پر موقوف ہے اور کفار اس سے بے نصیب ہیں **ربط**: اوپر یہود و نصاریٰ کے قبائح مذکور ہیں اور بعض منافقین ان سے بعض وہمی مصلحتوں کی وجہ سے دوستی رکھتے تھے کیونکہ غزوۂ احد میں جب اہل اسلام کو بظاہر شکست ہوئی تو منافقین سخت اندیشہ میں پڑے اور باہم مشورے کرنے لگے کہ مسلمانوں کے غالب آنے کی تو کچھ امید نہیں رہی اپنی کہیں پناہ لگائے رکھنا چاہئے چنانچہ کسی نے کسی یہودی سے کسی نے کسی نصرانی سے پناہ لے لی کہ وقت پر اس کی امداد کرے اور عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین نے یہود بنی قینقاع سے ساز کر لیا اور جب وہ مسلمانوں سے لڑائی کرنے پر آمادہ ہوئے تو ان کی حمایت میں کھڑا ہوا حضرت عبادہ بن صامت بھی اس قوم کے حلیف اور ہم عہد تھے مگر جب انہوں نے مسلمانوں سے لڑنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے صاف قطع علاقہ کر لیا عبداللہ بن ابی نے کہا کہ مجھ کو زمانہ کی گردش کا اندیشہ ہے میں ان سے قطع تعلق نہیں کر سکتا آگے حق تعالیٰ مسلمانوں کو ان کی دوستی سے منع فرماتے ہیں اور ان منافقین کی مذمت فرماتے ہیں اور ان مصلحتوں کو باطل کرتے ہیں جن کی بنا پر وہ یہود وغیرہ سے دوستی کرتے تھے اور انجام کار ان کا ندامت اٹھانا بطور پیشین گوئی کے ذکر فرماتے ہیں۔ یایھا الذین اٰمنوا تا خسرین

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ

اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو

وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ

دوست مت بناتا وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں

یعنی یہودی یہودی باہم اور نصرانی نصرانی باہم دوست ہیں مطلب یہ کہ دوستی ہوتی ہے مناسبت سے سو ان میں تو باہم مناسبت ہے مگر تم میں اور ان میں کیا مناسبت

وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ

اور جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے گا بیشک وہ ان ہی میں سے ہوگا

یعنی جب معلوم ہوگیا کہ دوستی مناسبت سے ہوتی ہے تو جو ان سے دوستی کرے گا اس کو ضرور ان سے کوئی خاص مناسبت ہوگی جس کے اعتبار سے وہ گویا ان ہی میں سے ہے گو کافر نہ بھی ہو۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵۱

یقیناً اللہ تعالیٰ سمجھ نہیں دیتے ان لوگوں کو جو اپنا نقصان کر رہے ہیں

یعنی دوستی میں منہمک ہونے کی وجہ سے یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ

اسی لئے تم ایسے لوگوں کو کہ جن کے دل میں مرض ہے دیکھتے ہو کہ دوڑ دوڑ کر

فِيْهِمْ

ان میں گھستے ہیں

اور اگر کوئی ملامت کرے تو حیلہ بازی سے کہتے ہیں کہ ہمارا ان سے ملنا دل سے نہیں دل سے تو تمہارے ساتھ ہیں بلکہ صرف ایک مصلحت سے ان کے ساتھ ملتے ہیں وہ یہ کہ (ترجمہ دیکھو)

يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَاۗىِٕرَةٌ ۭ

کہتے ہیں کہ ہم کو اندیشہ ہے کہ ہم پر کوئی حادثہ پڑ جائے

جیسے قحط اور تنگ دستی وغیرہ اور یہودی ہمارے ساہوکار ہیں ان سے قرض ادھار مل جاتا ہے اگر ان سے میل جول قطع کر دیں تو وقت پر ہم کو وقت پڑے مگر یہ مطلب ظاہری ہوتا تھا دل میں حادثہ پڑ جانے کا یہ مطلب لیتے تھے کہ شاید آخر میں مسلمانوں پر کفار غالب آ جاویں تو پھر ہم کو ان کی احتیاج پڑے اس لئے ان سے دوستی رکھنا چاہئے۔

فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ

سو قریب امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کامل فتح کا ظہور فرمادے

جس میں مسلمانوں کی کوشش کا بھی دخل ہوگا۔

اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ

یا کسی اور بات کا خاص اپنی طرف سے

یعنی یا وحی کے ذریعہ سے ان کا نفاق صاف صاف بیان کر دیں جس میں مسلمانوں کی تدبیر کا کچھ دخل نہیں مطلب یہ کہ مسلمانوں کی فتح اور ان کی پردہ دری دونوں باتیں قریب ہونے والی ہیں۔

فَيُصْبِحُوْا عَلٰي مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ

پھر اپنے پوشیدہ دلی خیالات پر

نٰدِمِيْنَ ۝۵۲ ۭ

نادم ہوں گے

کہ ہم تو سمجھے تھے کہ کفار غالب ہوں گے اور یہ کیا برعکس معاملہ ہوگیا یہ تو طبعی ندامت اپنے خیال کی غلطی پر ہوگی دوسری ندامت نفاق کے کھلنے پر جس کی بدولت رسوا ہوئے تیسری ندامت کفار سے دوستی کرنے پر کہ رائیگاں ہی گئی اور مسلمانوں سے بھی برے بنے۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ

اور مسلمان لوگ کہیں گے ارے کیا یہ وہی لوگ ہیں کہ بڑے مبالغہ سے

اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۭ

قسمیں کھایا کرتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں

یہ تو کچھ اور ہی ثابت ہوا کیونکہ زمانہ فتح میں ان لوگوں کا نفاق بھی کھل جائے گا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (ترجمہ دیکھو)

حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ۝۵۳

ان لوگوں کی ساری کارروائیاں غارت گئیں جس سے ناکام رہے

کیونکہ کفار تو خود مغلوب ہوگئے ان کا ساتھ دینا محض بے کار اور مسلمانوں کے سامنے قلعی کھل گئی ان سے اب بھلا بننا دشوار وہی مثل ہوگئی دھوبی کا کتا گھر کا نہ گھاٹ کا چنانچہ یہ پیشین گوئی سچی ہوئی ان منافقوں کی زیادہ دوستی مدینہ کے یہود اور مکہ کے مشرکین سے تھی مکہ فتح ہوگیا اور یہود خستہ خراب ہوئے یوں تو اکثر واقعات میں ان کا نفاق کھلتا رہتا تھا مگر فتوحات کے بعد صراحۃً معین طور پر معلوم ہوگیا اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جب وہ لوگ اپنی

حرکات پر نادم ہوئے تو ندامت توبہ ہے اور توبہ کرنے والے پر ملامت نہیں ہوتی تو پھر آگے حبط اعمال وخسران کا ذکر کر کے ان پر ملامت کیوں کی گئی جواب یہ ہے کہ ہر ندامت توبہ نہیں ہوتی تائب ہوتے تو سچے دل سے مسلمان نہ ہو جاتے توبہ وہ ندامت ہوتی ہے جس کے بعد معذرت خطا کا اقرار اور تلافی مافات کی کوشش ہو یہ ندامت طبعی اور بوجہ رسوائی کے تھی۔

ربط: اوپر بیان فرمایا تھا کہ کفار سے دوستی کرنے میں خود ان ہی لوگوں کا ضرر ہے اسلام کو کچھ ضرر نہیں آگے مبالغہ کے طور پر فرماتے ہیں کہ دوستی تو درکنار اگر کوئی اسلام سے مرتد بھی ہو جائے تب بھی اسلام کو کچھ ضرر نہیں خود اسی کو ضرر ہوگا۔ **یایھا الذین امنوا من یرتد تا واسع علیم**

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اے ایمان والو

یعنی جو لوگ کہ اس آیت کے نازل ہونے کے وقت ایمان والے ہیں

مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ

جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے

اسلام کا کوئی نقصان نہیں کیونکہ اسلامی خدمات انجام دینے کے لئے حق تعالیٰ دوسرا سامان کر دیں گے وہ یہ کہ (آگے ترجمہ)

فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ

تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم پیدا کر دے گا جن سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہوگی اور

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ

ان کو اللہ سے محبت ہوگی۔ مہربان ہوں گے وہ مسلمانوں پر تیز ہوں گے کافروں

يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ

پر جہاد کرتے ہوں گے اللہ کی راہ میں اور وہ لوگ کسی ملامت کرنے والے کی

لَوْمَةَ لَاۗىِٕمٍ ۭ

ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے

جیسا کہ منافقین کا حال ہے کہ دبے دبائے جہاد میں جاتے تھے مگر اندیشہ لگا رہتا تھا کہ وہ کفار جن سے دل میں دوستی ہے ملامت کریں گے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہیں عطا فرمائیں اور اللہ تعالیٰ بڑے وسعت

وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٥٤﴾

والے ہیں بڑے علم والے ہیں

چنانچہ بعضے لوگ مرتد ہو گئے تھے لیکن خدا تعالیٰ نے اپنی اس پیشین گوئی کے موافق مخلص مسلمانوں کے ہاتھ سے زمانہ خلافت صدیقی میں ان کا قلع قمع کر دیا اور بعض نے توبہ کر لی تھی بہر حال اسلام کو کوئی ضعف یا ضرر نہیں پہنچا اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ ارتداد سے ایک صورت میں اسلام کو ضرر پہنچ سکتا ہے وہ یہ کہ سب مرتد ہو جاویں جواب یہ ہے کہ اول تو ایسی صورت کا دوسری نصوص سے حال معلوم ہو چکا ہے کہ محال ہے قیامت تک اس دین کی حمایت کرنے والے رہیں گے دوسرے اگر ایسا ہو بھی جائے تب بھی اسلام کا کوئی ضرر نہیں کیونکہ اسلام کی مثال فن طب جیسی ہے اگر تمام مریض اتفاق کر کے دوا چھوڑ دیں تو دوا کا یا فن طب کا کیا ضرر ہے اس کا جو کمال ہے کہ اس کے استعمال سے شفا اور نفع ہوتا ہے ہر حالت میں باقی ہے اسی طرح اسلام کا کمال فی نفسہ یہ ہے کہ جو اس پر عمل کرے اس کو نجات ہو پس بعض کے یا کل کے چھوڑ دینے سے خود چھوڑنے والوں کی نجات میں خلل پڑے گا اسلام کا کیا بگڑ جائے گا۔ **ربط**: اوپر کفار سے دوستی کرنے کی ممانعت پھر مرتدین کے ذکر سے اس کی تائید بھی آگے اللہ ورسول ومومنین سے دوستی کا علاقہ رکھنے کا حکم اور اس کی فضیلت وبرکت بیان فرماتے ہیں۔ **انما ولیکم اللہ و رسولہ تا ھم الغلبون**

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا

تمہارے دوست تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ اور ایماندار

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ

لوگ ہیں جو کہ اس حالت سے نماز کی پابندی رکھتے ہیں

الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿٥٥﴾

اور زکوٰۃ دیتے ہیں کہ ان میں خشوع ہوتا ہے

یعنی عقائد واخلاق واعمال بدنی ومالی سب کے جامع ہیں۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے دوستی رکھے گا اور اس کے رسولؐ سے اور ایماندار لوگوں سے وہ اللہ کے گروہ میں داخل ہوگیا۔

فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿٥٦﴾ ع

سو اللہ کا گروہ بلاشک غالب ہے

اور کفار مغلوب ہیں اور غالب کو مغلوب سے ساز کرنا اور دوستی کرنا محض نازیبا ہے اگر کسی کو شبہ ہو کہ ہم تو بعض اوقات مسلمانوں کو جو اللہ کا گروہ ہے کفار سے مغلوب پاتے ہیں جواب یہ ہے کہ اس حکم کا مدار اللہ و رسول سے تعلق ولایت حاصل کرنے پر ہے اگر کہیں اسی تعلق میں کمی ہو مثلاً اللہ و رسول کی کوئی معصیت سرزد ہوئی یا امام کی مخالفت کی ہو اور اکثر یہی ہوتا ہے تو اس صورت میں غلبہ کا وعدہ ہی نہیں اور جہاں یہ نہ ہو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں عادت کا بیان ہے اور عادت میں اکثر اسی طرح ہونا کافی ہے اور اس کا انکار نہیں ہوسکتا کبھی اگر اس کے خلاف ہوتا ہے تو اس میں مصلحتیں ہوتی ہیں جن کا بیان واقعہ احد کے قصہ میں کچھ ہو چکا ہے اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس جگہ یہ بات بتلانی مقصود ہے کہ واقع میں مسلمان ارفع ہیں اور کفار پست ہیں کیونکہ دلیل سے مسلمان حق پر ہیں اور کفار باطل پر ہیں گو کسی وقت دنیا میں خاص مدت تک وہ آثار رفعت کے کبھی خاص حکمت کی وجہ سے ظاہر نہ ہوں مگر اس سے ان کی واقعی رفعت زائل نہیں ہوسکتی دوسرے وقت پر مثلاً آخرت میں جو کہ اصلی وقت ہے اور بعد چندے دنیا میں بھی وہ رفعت ظاہر ہو جاوے گی اگر کسی بڑے حاکم پر سفر میں کوئی ذلیل ڈاکو لوٹ مار کرنے لگے تو اس عارضی غلبہ سے اس ڈاکو کو حاکم اور حاکم کو محکوم نہیں کہہ سکتے بلکہ اس مغلوبیت میں بھی حاکم معزز اور ڈاکو ذلیل ہی ہے گو حاکم کی رفعت اس وقت بوجہ کسی عارض کے ظاہر نہیں ہوئی جب وہ افسر اپنے خاص دار الحکومت پہنچے گا اس رہزن کو گرفتار کر کے سزا دے گا اس وقت اس کی حکومت و رفعت ظاہر ہو جائے گی اسی طرح یہاں سمجھو۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ

اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب مل چکی ہے جو ایسے ہیں

اتَّخَذُوْا دِیْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ

کہ انہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل

الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ

بنا رکھا ہے ان کو اور دوسرے کفار کو

وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ

دوست مت بناؤ

ربط: اوپر یہود و نصاریٰ سے دوستی کی ممانعت اس علت کی وجہ سے کی تھی کہ تم میں اور ان میں مناسبت نہیں بیچ میں منافقین اور مرتدین کا ذکر آ گیا تھا آگے مناسبت نہ ہونے کی ایک خاص دلیل بیان فرماتے ہیں کہ یہ لوگ تمہارے دین کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں۔ **یایھا الذین امنوا لاتتخذوا الذین اتخذوا تا لایعقلون**

کیونکہ اصلی علت تو دوستی سے منع کرنے کی کفر و تکذیب ہے وہ سب میں مشترک ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾

اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگر تم ایماندار ہو

یعنی ایماندار تو ہو ہی پس جس چیز سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے اس کو مت کرو۔

وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا

اور جب تم نماز کے لئے اعلان کرتے ہو تو وہ لوگ اس کے ساتھ

اس میں اذان اور نماز دونوں داخل ہوگئیں غرض عقائد اسلام کے ساتھ بھی ہنسی کرتے ہیں اور عبادات و احکام کے ساتھ بھی۔

وَّلَعِبًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۵۸﴾

ہنسی اور کھیل کرتے ہیں یہ اس سبب سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ بالکل عقل نہیں رکھتے

ورنہ امر حق کو سمجھتے اور اس کے ساتھ ہنسی نہ کرتے یہ دو قصوں کی طرف اشارہ ہے ایک یہ کہ جب اذان ہوتی اور مسلمان نماز میں کھڑے ہوتے تو یہود کہتے کہ خدا کرے کبھی کھڑا ہونا نصیب نہ ہو دوسرا قصہ یہ ہے کہ مدینہ میں ایک نصرانی تھا جب اذان میں **اشھد ان محمداً رسول اللہ** سنتا تو یہ کہتا کہ خدا کرے جھوٹا جل جاوے ایک رات کو ایسا اتفاق ہوا کہ وہ اور اس کے سب اہل و عیال سو رہے تھے کوئی خادم گھر میں آگ لے کر گیا ایک چنگاری گر پڑی اور ایسی گھر میں لگی کہ وہ اور اس کا گھر اور گھر والے سب جل گئے۔ ربط: اوپر اہل کتاب کا اسلامی طریقہ سے استہزاء کرنا مذکور ہے آگے ان کے گھڑے ہوئے محرف مذہب میں اور اسلامی طریقہ میں موازنہ کر کے بتلاتے ہیں کہ استہزاء کے لائق کون سا طریقہ ہے۔ **قل یاھل الکتٰب تا سواء السبیل**

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ

آپ کہیے کہ اے اہل کتاب تم ہم میں کونسی بات معیوب پاتے ہو

مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا

بجز اس کے کہ ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اس پر جو ہمارے پاس بھیجی گئی

وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ

ہے اور اس پر جو پہلے بھیجی جا چکی ہے باوجود اس کے کہ تم میں اکثر لوگ ایمان

فٰسِقُوْنَ ﴿٥٩﴾

سے خارج ہیں

نہ قرآن پر تمہارا ایمان ہے چنانچہ ظاہر ہے اور نہ تورات وانجیل پر کیونکہ ان میں خود قرآن کی تصدیق موجود ہے پس قرآن کی تکذیب کرنا خود ان کی تکذیب کرنا ہے تو باوجود تمہارے کسی کتاب پر ایمان نہ رکھنے کے ہم جو سب کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اس لئے ہم کو ہنستے ہو حالانکہ واقع میں یہ تو ہماری خوبی اور تمہارا عیب ہے اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم (آگے ترجمہ)

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ

آپ کہیے کہ کیا میں تم کو ایسا طریقہ بتلاؤں جو اس سے بھی

جس کو تم برا سمجھ رہے ہو

مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ

خدا کے یہاں پاداش ملنے میں زیادہ برا ہو وہ ان اشخاص کا طریقہ ہے جن کو

عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ

اللہ تعالیٰ نے رحمت سے دور کر دیا ہو اور ان پر غضب فرمایا ہو اور ان کو بندر

وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ۭ

اور سور بنا دیا ہو اور انہوں نے شیطان کی پرستش کی ہو

وہ جس میں غیر اللہ کی عبادت ہو اور اس پر یہ وبال نازل ہوں یا وہ طریقہ جو سراسر توحید اور نبوت انبیاء کی تصدیق سے بھرا ہو یقیناً موازنہ کا نتیجہ یہی ہوگا کہ (آگے ترجمہ)

اُولٰۗىِٕكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَاۗءِ

ایسے اشخاص مکان کے اعتبار سے بھی بہت برے ہیں اور راہ راست سے

السَّبِيْلِ ﴿٦٠﴾

بھی بہت دور ہیں

اور تم بھی ان ہی کے طریقہ پر چل رہے ہو پھر کیا منہ لے کر ہنستے ہو اور یہ حالتیں یہود ونصاریٰ میں ہو چکی ہیں گوسالہ پرستی یہود میں واقع ہوئی نصاریٰ نے شیطان کے بہکانے سے احبار ورہبان و مسیح علیہ السلام کو خدا بنایا اور یہود میں اصحاب سبت بندر ہوئے اور نصاریٰ میں آسمانی دسترخوان کی درخواست کرنے والے کفران نعمت کی وجہ سے سور ہوئے اور ان کا ملعون ومغضوب ہونا جا بجا آیات واحادیث میں موجود ہے۔ ربط: جن سے دوستی کرنے کی ممانعت تھی ان میں سے بعض منافق تھے جو کفار کے ضمن میں اوپر مذکور بھی ہو چکے آگے ان کی خاص حالت ذکر فرماتے ہیں واذا جاؤکم قالوا اٰمنا تا یکتمون

وَاِذَا جَاۗءُوْكُمْ

اور جب یہ لوگ تم لوگوں کے پاس

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جہاں مسلمانوں کا مجمع ہوتا ہے۔

ربط: یہود کے کچھ حالات دوسرے فرقوں کے ساتھ اوپر مذکور ہوئے ہیں کچھ حالات آگے بیان فرماتے ہیں۔ وتری کثیراً منھم یسارعون تا یصنعون

قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ

آتے ہیں تو کہتے ہیں۔ کہ ہم ایمان لے آئے حالانکہ وہ کفر ہی کو لے کر آئے

قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا

تھے اور کفر ہی کو لے کر چلے گئے اور اللہ تعالیٰ تو خوب جانتے ہیں جس کو یہ

يَكْتُمُوْنَ ﴿٦١﴾ وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ

پوشیدہ رکھتے ہیں اور آپ ان میں بہت آدمی ایسے دیکھتے ہیں جو دوڑ دوڑ کر

فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ

گناہ اور ظلم اور حرام کھانے پر گرتے ہیں

لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٢﴾

واقعی ان کے یہ کام برے ہیں

یہاں تک تو عوام کا حال تھا آگے خواص کا حال بیان فرماتے ہیں کہ باوجود مسئلہ جاننے اور واقعہ کی اطلاع ہونے کے ان کو نہیں روکتے

ربط: آگے بھی یہود کے بعض خاص حالات مذکور ہیں جن کا قصہ یہ ہوا تھا کہ نباش بن قیس اور فنحاص رئیس یہود نے حق تعالیٰ کی جناب میں گستاخانہ الفاظ کہے تھے کہ نعوذ باللہ خدا بخیل ہے۔

لَوْلَا يَنْھٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ

ان کو مشائخ اور علماء گناہ کی بات کہنے سے

قَوۡلِهِمُ الۡاِثۡمَ وَاَكۡلِهِمُ السُّحۡتَ ؕ لَبِئۡسَ

اور حرام مال کھانے سے کیوں منع نہیں کرتے واقعی ان کی

مَا كَانُوۡا يَصۡنَعُوۡنَ ﴿۶۳﴾ وَقَالَتِ الۡيَهُوۡدُ

یہ عادت بری ہے اور یہود نے کہا کہ

يَدُ اللّٰهِ مَغۡلُوۡلَةٌ ؕ غُلَّتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ

اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بند ہو گیا ہے ان ہی کے ہاتھ بند ہیں

یعنی خود اس مرض میں مبتلا ہیں چنانچہ یہود کا بخل تمام عالم میں مشہور ہے۔

وَلُعِنُوۡا بِمَا قَالُوۡا ۘ

اور اپنے اس کہنے سے یہ رحمت سے دور کر دیئے گئے

گو یہ کلمہ اعتقاد سے نہ ہو مگر کلمہ کفر پھر بھی کفر ہی ہے۔

بَلۡ يَدٰهُ مَبۡسُوۡطَتٰنِ ۙ

بلکہ ان کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں

یعنی بڑے جواد اور کریم ہیں

يُنۡفِقُ كَيۡفَ يَشَآءُ ؕ

جس طرح چاہتے ہیں خرچ کرتے ہیں

پس یہود پر تنگی کی علت حکمت ہے کہ ان کو کفر کا وبال چکھائیں۔

وَلَيَزِيۡدَنَّ كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ مَّاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ

اور جو مضمون آپ کے پاس آپ کے پروردگار کی طرف سے بھیجا جاتا ہے وہ

مِنۡ رَّبِّكَ طُغۡيَانًا وَّكُفۡرًا ؕ

ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر کی ترقی کا سبب ہو جاتا ہے

کہ بجائے توبہ کرنے کے اس کا بھی انکار کرنے لگتے ہیں۔

وَاَلۡقَيۡنَا بَيۡنَهُمُ الۡعَدَاوَةَ وَالۡبَغۡضَآءَ اِلٰى

اور ہم نے ان میں باہم قیامت تک عداوت

يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ ؕ

اور بغض ڈال دیا

چنانچہ ان میں مختلف فرقے ہیں اور ہر فرقہ دوسرے کا دشمن ہے

كُلَّمَاۤ اَوۡقَدُوۡا نَارًا لِّلۡحَرۡبِ اَطۡفَاَهَا اللّٰهُ ۙ

جب کبھی لڑائی کی آگ بھڑکانا چاہتے ہیں تو حق تعالیٰ اس کو فرو کر دیتے ہیں

اور بجھا دیتے ہیں یا تو لڑ کر مرعوب ہو جاتے ہیں یا آپس کے اختلاف کی وجہ سے اتفاق کی نوبت ہی نہیں آتی اور جاننا چاہیے ہیں کہ اس جگہ کافر وملعون ہونے کے جو آثار بیان کئے گئے ہیں ذلیل وقید ہونا اتفاق نہ ہونا لڑائی میں ناکام رہنا یہ بطور واقعات کے ہیں آیت میں یہ دعویٰ نہیں کہ کفر و لعنت کے واسطے یہ باتیں لازم ہیں نہ یہ دعویٰ ہے کہ یہ آثار کفار ہی کے ساتھ خاص ہیں غیر کفار میں نہیں ہو سکتے پس اگر کفار پر کبھی یہ آثار مرتب نہ ہوں یا غیر کفار میں بھی کبھی پائے جائیں تو کوئی اشکال لازم نہیں آتا۔

وَيَسۡعَوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ فَسَادًا ؕ

اور ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں

جیسے نومسلموں کو بہکانا لگائی بجھائی کرنا، عوام کو تورات کے محرف مضامین سنا کر اسلام سے روکنا۔

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ﴿۶۴﴾ وَلَوۡ اَنَّ

اور اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو محبوب نہیں رکھتے اور اگر یہ

اَهۡلَ الۡكِتٰبِ اٰمَنُوۡا وَاتَّقَوۡا لَـكَفَّرۡنَا عَنۡهُمۡ

اہل کتاب ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ضرور ان کی تمام

سَيِّاٰتِهِمۡ

برائیاں معاف کر دیتے

ربط: اوپر اہل کتاب کے اقوال کفریہ مذکور ہیں آگے دونوں فرقوں کو ایمان کی دنیوی و اخروی برکات سنا کر ایمان کی ترغیب دیتے ہیں اور اس کے ضمن میں تنگی رزق کے سبب پر تنبیہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے ید اللہ مغلولة کہنے کی نوبت آئی کہ اس کا سبب احکام الٰہی کا چھوڑنا ہے ولو ان اهل الكتب امنوا واتقوا تا ساء ما يعملون

اس میں کفر اور شرک اور معاصی سب داخل ہیں جن میں تمام اقوال و احوال آ گئے۔

وَلَاَدۡخَلۡنٰهُمۡ جَنّٰتِ النَّعِيۡمِ ﴿۶۵﴾

اور ضرور ان کو چین کے باغ میں داخل کر دیتے

یہ تو آخرت کی برکتیں ہوئیں آگے ایمان وتقویٰ مذکور کی دنیوی برکتیں بیان فرماتے ہیں۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ

اور اگر یہ لوگ توریت کی اور انجیل کی اور جو کتاب ان کے پروردگار کی طرف سے

اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ

ان کے پاس بھیجی گئی ہے اس کی پوری پابندی کرتے

یعنی ان کتابوں میں جس جس بات پر عمل کرنے کو لکھا ہے سب پر پورا عمل کرتے اس میں رسالت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق بھی آ گئی اور منسوخ ومحرف احکام اس سے نکل گئے کیونکہ یہ سب کتابیں ان پر عمل کرنے سے روکتی ہیں اس تقریر سے یہ شبہ دفع ہو گیا کہ اب بھی پوری توریت وانجیل واجب العمل ہیں اور اس جگہ اگرچہ صرف قرآن کا ذکر کافی تھا مگر تورات وانجیل کا ذکر اس لئے بڑھا دیا گیا تا کہ اہل کتاب کو بتلا دیا جائے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب سے توریت وانجیل پر بھی عمل فوت ہوتا ہے اور آپ کی تصدیق کرنا ان دونوں پر عمل کرنا ہے۔

لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ

تو یہ لوگ اوپر سے اور نیچے سے خوب فراغت سے کھاتے

کیونکہ اوپر سے یعنی آسمان سے پانی برستا اور نیچے سے یعنی زمین سے پیداوار ہوتی یہ ایمان کی دنیوی برکات کا ذکر ہوا اور یہاں بھی مثل پہلی آیت کے دنیوی برکات بصورت واقعہ بیان کی گئی ہیں۔ یہ دعویٰ نہیں کہ یہ باتیں ایمان واعمال صالحہ ہی کے ساتھ خاص ہیں بدوں ایمان کے کسی کو عطا نہ ہوں گی نہ یہ دعویٰ ہے کہ ہر ایمان والے کو ہمیشہ یہ باتیں حاصل ہونا ضروری ہیں پس اگر کوئی مسلم تنگی میں ہو یا کوئی کافر وسعت میں ہو تو کوئی اشکال لازم نہیں آتا مگر اہل کتاب کفر پر مصر ہے اس لئے تنگی میں پڑے جس پر بعض نے حق تعالیٰ کی شان میں گستاخی کی مگر پھر بھی سب برابر نہیں بلکہ (ترجمہ دیکھو)

مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ

ان میں ایک جماعت راہ راست پر چلنے والی ہے

جیسے یہود میں حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ہمراہی اور نصاریٰ میں حضرت نجاشی اور ان کی جماعت لیکن ایسے تھوڑے ہی ہیں۔

وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٦﴾ ع

اور زیادہ ان میں سے ایسے ہیں کہ ان کے کردار بہت برے ہیں

کیونکہ کفر وعناد سے بدتر کیا کام ہوگا۔ ربط: اوپر کفار کی مذمت دور سے چلی آ رہی ہے چونکہ کفار کی کثرت تھی اس لئے ان کی علی الاعلان مذمت کرنا بالخصوص ان کے منہ پر کرنا (کیونکہ بعض آیات میں حضور کو یہی حکم ہوا ہے) بعض اوقات موجب خطر ومحتمل ضرر ہو سکتا ہے اس لئے آگے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ کے امر کے ساتھ اس ضرر سے بے خطر کرتے ہیں۔ یاایھا الرسول بلغ تا الکفرین

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ

اے رسول! جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے آپ سب پہنچا

رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ؕ

دیجئے اور اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا ایک پیغام بھی نہیں پہنچایا

کیونکہ اس مجموعہ کا پہنچانا فرض ہے تو جیسا کل کے اخفاء سے یہ فرض فوت ہوتا ہے اسی طرح بعض کے اخفاء سے بھی وہ فرض فوت ہوتا ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ

اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا

یعنی مقابل ہو کر کوئی آپ کو قتل وہلاک نہ کر سکے گا۔ پس تبلیغ کے بارے میں کفار کا کچھ خوف نہ کیجئے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٧﴾

یقیناً اللہ تعالیٰ ان کافر لوگوں کو راہ نہ دیں گے۔

کہ اس طرح مقابل ہو کر آپ کو قتل وہلاک کر سکیں چنانچہ یہ وعدہ اسی طرح صادق ہوا گو بعض لڑائیوں میں آپ زخمی ہوئے اور یہود نے نامردوں کی طرح آپ کو زہر دیا مگر مجتمع ومقابل ہو کر کوئی قتل وہلاک نہ کر سکا اور اس پیشین گوئی کا سچا ہونا آپ کا معجزہ اور دلیل نبوت ہے اور ترمذی میں ہے کہ پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پہرہ دیا جاتا تھا جب یہ آیت نازل ہوئی آپ نے فرمایا سب چلے جاؤ حق تعالیٰ نے میری حفاظت کر لی یہ بھی نبوت کی دلیل ہے کیونکہ ایسا اعتماد بدوں وحی کے نہیں ہو سکتا۔

ربط: ایک آیت میں اوپر اہل کتاب کو اسلام کی ترغیب تھی آگے ان کے موجودہ طریقہ کا خدا کے نزدیک ناکارہ اور نجات میں ناکافی ہونا اور نجات کا اسلام پر موقوف ہونا بیان فرماتے ہیں اور اس کے بعد بھی کفر پر اصرار کرنے کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہیں قل یاھل الکتب لستم تا الکفرین

قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ

آپ کہیئے کہ اے اہل کتاب! تم کسی راہ پر بھی نہیں

کیونکہ غیر مقبول راہ پر ہونا مثل بے راہی کے ہے

حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ

جب تک کہ توریت کی اور انجیل کی اور جو کتاب تمہارے پاس تمہارے رب

اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ

کی طرف سے بھیجی گئی ہے اس کی بھی پوری پابندی نہ کرو گے

اس کے معنی اور ترغیب اور برکات اوپر مذکور ہو چکے ہیں آگے حضور کو خطاب فرماتے ہیں کہ چونکہ ان میں اکثر لوگ تعصب بے جا میں مبتلا ہیں اس لئے (ترجمہ دیکھو)

وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ

اور ضرور جو مضمون آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے بھیجا جاتا ہے

مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ

وہ ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر کی ترقی کا سبب ہو جاتا ہے

جس سے ممکن ہے کہ آپ کو رنج وغم ہو لیکن جب یہ معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ متعصب ہیں (ترجمہ دیکھو)

فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾ اِنَّ

تو آپ ان کافر لوگوں پر غم نہ کیا کیجئے۔ یہ تحقیقی بات ہے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ

کہ مسلمان اور یہودی اور فرقہ صائبین

وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

اور نصاریٰ جو شخص یقین رکھتا ہو اللہ تعالیٰ پر اور روز قیامت

وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

پر اور کارگزاری اچھی کرے ایسوں پر نہ کسی طرح کا اندیشہ ہے اور نہ وہ

يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۹﴾

مغموم ہوں گے۔

ربط: اوپر اہل کتاب کو اسلام کی ترغیب تھی آگے بھی ایک عام قانون ہے جو اہل کتاب وغیرہ سب کو شامل ہے۔ اسی کی ترغیب ہے۔ ایسی ہی ایک آیۃ سورۂ بقرہ میں مع اس کے ضروری مضامین کے گزر چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے ربط: اوپر سے اہل کتاب کے قبائح کا ذکر چلا آرہا تھا آگے پھر اسی کی طرف رجوع فرماتے ہیں اول یہود کا ذکر ہے کہ اس قوم کی تو ہمیشہ سے ایسی ہی عادت چلی آتی ہے پھر نصاریٰ کا ذکر ہے۔

ولقد اخذنا تا بصیر بما یعملون

لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ

ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا

اول توریت میں کہ تمام پیغمبروں کی تصدیق واطاعت کریں۔

بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا

اور ہم نے ان کے پاس بہت سے پیغمبر بھیجے جب کبھی ان کے

جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ

پاس کوئی پیغمبر ایسا حکم لایا جس کو ان کا جی نہ چاہتا تھا

تب ہی ان کے ساتھ مخالفت سے پیش آئے اور ان رسولوں میں جن کی شریعت یا بعض احکام جدید تھے ان کا خلاف خواہش ہونا تو اعتقاد کے اعتبار سے بھی ممکن ہے کیونکہ نئی بات سے اکثر وحشت ہوتی ہے اور جو رسول صرف توریت کے احکام کی بعینہ تعلیم کرتے تھے ان کا خلاف خواہش ہونا بوجہ عمل کی ناگواری کے تھا جیسا کہ آج کل مسلمانوں میں نکاح بیوہ کا حال ہے کہ اعتقاداً سب جائز سمجھتے ہیں مگر عمل ناگوار ہو رہا ہے۔

فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَحَسِبُوْٓا

سو بعضوں کو جھوٹا بتلایا اور بعضوں کو قتل ہی کر ڈالتے تھے۔ اور یہی گمان کیا کہ

اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا

کچھ سزا نہ ہوگی اس سے اور بھی اندھے اور بہرے بن گئے

کہ نہ انبیاء کی صداقت کی دلیل کو دیکھا نہ ان کے کلام کو سنا۔

ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ

پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر توجہ فرمائی

یعنی اور کسی پیغمبر کو بھیجا کہ اب بھی راہ پر آ دیں مگر (ترجمہ دیکھو)

ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ

پھر بھی اندھے اور بہرے بنے رہے یعنی ان میں کے بہتیرے اور اللہ تعالیٰ

بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۷۱﴾

ان کے اعمال کو خوب دیکھنے والے ہیں

یعنی ان کا یہ گمان غلط تھا چنانچہ وقتاً فوقتاً ان کو سزا بھی ہوتی رہی کبھی طاعون کبھی ذلت کبھی قتل کبھی مسخ وغیرہ مگر ان کا یہی شیوہ رہا حتیٰ کہ اب آپ کے ساتھ بھی اسی طرح تکذیب ومخالفت کا برتاؤ کیا لقد کفر الذین قالوا ان اللہ تا واللہ غفور رحیم

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ

بیشک وہ لوگ کافر ہو چکے جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ عین مسیح

ابْنُ مَرْيَمَ ۭ

ابن مریم ہے

یعنی دونوں میں اتحاد ہے

وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اعْبُدُوا

حالانکہ مسیح نے خود فرمایا کہ اے بنی اسرائیل! تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو

اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ

میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے

اس قول میں عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بندہ ہونے کی تصریح کر دی پھر بھی ان کو معبود کہنا وہی بات ہے کہ مدعی سست گواہ چست

اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ

بیشک جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک قرار دے گا سو اس پر اللہ تعالیٰ

الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ

جنت کو حرام کر دے گا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ایسے ظالموں کا کوئی

اَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾

مددگار نہ ہوگا۔

کہ دوزخ سے بچا کر ان کو جنت میں پہنچا سکے اور جیسے اتحاد کا عقیدہ کفر ہے اسی طرح تثلیث کا عقیدہ بھی کفر ہے پس آگے ترجمہ

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ

بلاشبہ وہ لوگ بھی کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تین میں کا

وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ

ایک ہے حالانکہ بجز ایک معبود کے اور کوئی معبود نہیں

نہ دو اور نہ تین جب یہ عقیدہ بھی کفر ہے تو اوپر جو سزا مذکور ہے وہ اس پر بھی مرتب ہوگی۔

وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ

اور اگر یہ لوگ اپنے ان اقوال سے باز نہ آئے تو جو لوگ

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ اَفَلَا

ان میں کافر رہیں گے ان پر دردناک عذاب واقع ہوگا کیا پھر بھی

یعنی ان مضامین توحید و وعید کو سن کر بھی اپنے عقائد و اقوال باطلہ سے آگے ترجمہ

يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۭ وَاللّٰهُ

خدا تعالیٰ کے سامنے توبہ نہیں کرتے اور اس سے معافی نہیں چاہتے حالانکہ اللہ تعالیٰ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۴﴾

بڑی مغفرت کرنے والے بڑی رحمت فرمانے والے ہیں

اس سورۃ کے تیسرے رکوع کی تفسیر میں ان فرقوں کی تعیین کر دی گئی ہے اور جملہ انہ من یشرک باللہ اور ماللظلمین من انصار ممکن ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ہی کے کلام کا تتمہ ہو اور موجودہ انجیلوں میں منقول نہ ہو یا بقول مفسر حقانی محفوظ نہ رہا ہو یا اللہ تعالیٰ کا کلام ہو جو بقول مفسر حقانی انجیل کے بھی دوسرے مواضع سے ثابت ہے۔ ربط: اوپر عیسیٰ علیہ السلام کی معبودیت کا عام مضمون سے ابطال فرمایا تھا آگے ایک خاص دلیل سے باطل کرتے ہیں۔ ماالمسیح ابن مریم الا رسول تا انی یؤفکون

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ

مسیح ابن مریم کچھ بھی نہیں صرف ایک پیغمبر ہیں جن سے پہلے

مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ

اور بھی پیغمبر گزر چکے ہیں۔

جن کو عیسائی خدا نہیں مانتے پس اگر پیغمبری یا معجزات خدائی کی دلیل ہیں تو سب کو خدا ماننا چاہئے اور اگر یہ خدائی کی دلیل نہیں تو حضرت مسیح کو کیوں خدا کہا جاوے جب اوروں کو خدا نہیں کہتے تو عیسیٰ علیہ السلام کو بھی مت کہو۔

وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ

اور ان کی والدہ ایک ولی بی بی ہیں

جیسے اور بیبیاں ولی ہو چکی ہیں ان کو بھی خدا یا خدا کا جزو کہنا سراسر حماقت ہے آگے ان دونوں حضرات کے خدا نہ ہونے کی ایک سہل دلیل بیان فرماتے ہیں۔

كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ

دونوں کھانا کھایا کرتے تھے

اور جو شخص کھانا کھاتا ہے وہ اس کا غذا میں یا تلذذ میں محتاج ہوتا ہے اور محتاج خدا نہیں ہو سکتا دوسرے کھانا کھانا مادی چیزوں کی خاصیت ہے تو مسیح علیہ السلام مادی ہوئے اور مادی شے ممکن ہوتی ہے کہ اس کے لئے وجود لازمی نہیں ہوتا معدوم بھی ہو سکتی ہے اور یہ خدائی کے منافی ہے کیونکہ خدا کا واجب الوجود ہونا ضروری ہے کہ اس کا وجود کبھی فنا نہ ہو سکے پس عیسیٰ علیہ السلام کی خدائی باطل ہے اور اسی دلیل سے روح القدس کی باطل خدائی بھی باطل ہوگئی کیونکہ ان کا چلنا پھرنا آنا جانا مسلم ہے اور یہ بھی مادی چیزوں کے خواص میں سے ہیں تو وہ بھی مادی ہوئے اور مادی شے کے لئے وجود لازم نہیں ہوتا جو خدائی کے منافی ہے اور چونکہ ان لوگوں سے ان ہی میں کلام تھا اس لئے غیر مادی چیزوں کے خدا نہ ہونے کے متعلق استدلال بیان کرنا یہاں ضروری نہ تھا دوسری آیتوں میں عام طور پر مادی اور غیر مادی سب کی خدائی کے ابطال پر استدلال مذکور ہے۔

ربط: مسیح علیہ السلام کی خدائی باطل کر کے آگے ان لوگوں پر دھمکی ہے جو اس کے قائل ہیں۔ **قل اتعبدون تا ھو السمیع العلیم**

اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى

دیکھئے تو ہم کیونکر دلائل ان سے بیان کر رہے ہیں پھر دیکھئے وہ الٹے کدھر جا

يُؤْفَكُوْنَ ﴿۷۵﴾ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ

رہے ہیں آپ فرمائیے کیا خدا کے سوا ایسے کی عبادت کرتے ہو جو کہ

اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ

تم کو نہ کوئی ضرر پہنچانے کا اختیار رکھتا ہو اور نہ نفع پہنچانے کا

اور ظاہر ہے کہ عاجز ہونا خود الوہیت کے منافی ہے تو عاجزوں کی عبادت کرنا کتنی بڑی حماقت ہے۔ یہ نصاریٰ یا تو عیسیٰ علیہ السلام کی بھی پرستش کرتے ہوں گے یا یہ کہ عبادت میں سب سے بڑا درجہ خدائی کے اعتقاد کا ہے جب وہ عیسیٰ علیہ السلام کی خدائی کے معتقد ہوئے تو یقیناً ان کی عبادت کی۔

وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۶﴾

حالانکہ اللہ تعالیٰ سب سنتے ہیں سب جانتے ہیں

پھر بھی تم خدا سے نہیں ڈرتے اور اپنے کفر و شرک سے باز نہیں آتے۔

ربط: چونکہ ایسے عقائد میں اکثر لوگوں کی عادت ہے کہ اپنے اسلاف کے طریقہ سے دلیل لایا کرتے ہیں اس لئے آگے اس سے منع فرماتے ہیں۔ **قل یاھل الکتب تا السبیل**

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِىْ دِيْنِكُمْ

آپ فرمائیے کہ اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں

غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ

ناحق کا غلو مت کرو اور ان لوگوں کے خیالات پر مت چلو جو پہلے خود بھی غلطی

قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا

میں پڑ چکے ہیں اور بہتوں کو غلطی میں ڈال چکے ہیں

وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۷۷﴾

اور وہ لوگ راہ راست سے دور ہو گئے تھے

جب ان کی غلطی دلائل سے ثابت ہوگئی پھر ان کا اتباع کیوں نہیں چھوڑتے۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِىْۤ اِسْرَآءِيْلَ

بنی اسرائیل مین جو لوگ کافر تھے ان پر لعنت کی گئی تھی

عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ

داؤدؑ اور عیسیٰؑ بن مریم کی زبان سے

ربط: اوپر نصاریٰ کے ذکر سے پہلے یہود کا ذکر تھا آگے پھر ان ہی کا ذکر ہے اس کے بعد یہود کے سخت تعصب کے مقابلہ میں نصاریٰ کا عموماً کم تعصب والا ہونا اور ان میں سے ایک خاص نومسلم جماعت کا خصوصاً حق کا منقاد ہونا بیان فرما کر اس بحث کو اس مقام پر ختم فرما کر دوسرے احکام متعلقہ بیان فرماتے ہیں پھر نصاریٰ کے ساتھ کچھ بقیہ گفتگو آخر سورۃ میں

لاویں گے لعن الذین تا یفعلون

یعنی زبور وانجیل میں کافروں پر لعنت کی گئی تھی جیسا کہ قرآن مجید میں بھی ہے چونکہ یہ کتابیں ان حضرات پر نازل ہوئی تھیں اس لئے یہ مضمون ان کی زبان سے ظاہر ہوا۔

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۷۸﴾

یہ لعنت اس سبب سے ہوئی کہ انہوں نے حکم کی مخالفت کی اور حد سے نکل گئے

یعنی کفر بھی شدید تھا اور شدید ہونے کے ساتھ مدید بھی تھا کہ اس کو دائم وقائم رکھا چنانچہ آگے ترجمہ

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ط

جو برا کام انہوں نے کر رکھا تھا اس سے باز نہ آئے تھے۔

بلکہ اسی کفر پر جمے رہے پس ان کے شدید ومدید کفر کے سبب ان پر لعنت ہوئی۔ ربط: اوپر اسلاف یہود کا ذکر تھا آگے ان کے اخلاف یعنی موجودہ یہودیوں کا ذکر ہے اس ترتیب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا بھی ہے کہ آپ ان کی مخالفت کا غم نہ کیجئے اس قوم کا شیوہ مدت سے یہی چلا آتا ہے۔ **تری کثیرا منهم تا فسقون**

لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾ تَرٰى كَثِيْرًا

واقعی ان کا فعل بیشک برا تھا۔ آپ ان میں بہت آدمی دیکھیں گے

مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ط

کہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں

چنانچہ یہود مدینہ اور مشرکین مکہ میں باہم خوب سازگاری تھی جس کا منشاء یہ تھا کہ مسلمانوں سے سب کو عداوت تھی۔

لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ

جو کام انہوں نے آگے کے لئے کیا ہے وہ بیشک برا ہے

یعنی کفر کہ وہی سبب تھا کفار کی دوستی کا اور مسلمانوں سے عداوت کا۔

اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي

کہ اللہ تعالیٰ ان پر ناخوش ہوا اور یہ لوگ

الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۸۰﴾

عذاب میں دائم رہیں گے

یہ اسی دائمی ناخوشی کا ثمرہ ہے

وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ

اور اگر یہ لوگ اللہ پر ایمان رکھتے اور پیغمبر پر

یعنی موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے جس کا ان کو دعویٰ ہے۔

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ

اور اس کی کتاب پر جو ان کے پاس بھیجی گئی تھی تو ان کو کبھی دوست نہ بناتے

کیونکہ اگر ان کو اپنے نبی پر سچا ایمان ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوستی کرتے کیونکہ آپ کو موسیٰ علیہ السلام سے نبوت وغیرہ میں مناسبت ہے اور یہود کے نزدیک بھی آپ کی نبوت ثابت ہے۔ نہ یہ کہ مشرکین سے محض اس مناسبت سے دوستی کا علاقہ رکھیں کہ ان کو بھی اہل اسلام سے عداوت ہے اس سے ثابت ہوا کہ ان کو موسیٰ علیہ السلام اور توریت پر بھی ایمان نہیں کیونکہ ظاہر ہے کہ جب ایک نبی کا بھی انکار کیا تو اللہ تعالیٰ اور سب انبیا اور تمام خدائی کتابوں کے ساتھ کفر ہوگیا۔

وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۱﴾

لیکن ان میں زیادہ لوگ ایمان سے خارج ہی ہیں

اسی لئے مشرکین کے ساتھ ان کو دوستی اور تعلق بطریق مذکور ہو رہا ہے اور زیادہ کی قید اس لئے ہے کہ بعض ان میں سے ایمان بھی لے آئے تھے جیسا کئی بار ذکر ہو چکا۔

ربط: اوپر یہود کا مشرکین سے دوستی کرنا مذکور تھا آگے ان کا مشرکین کی طرح مسلمانوں سے سخت عداوت رکھنا مذکور ہے کہ وہی اصل میں مشرکین سے دوستی کا سبب ہے اور کفر کا اثر ہے اس کے بعد ایک خاص جماعت نصاریٰ میں بہ نسبت ان یہود کے تعصب کم ہونا بتلاتے ہیں کیونکہ ہر مضمون میں انصاف وعدل رکھنا قرآن مجید کے لوازم ذات میں سے ہے اس لئے یہود کے تعصب کا ذکر کر کے اس کے مقابلہ میں نصاریٰ کی اس خاص جماعت کی بے تعصبی کا ذکر بھی کر دیا گیا اور ان میں سے جنہوں نے حق کو قبول کر لیا تھا ان کا مستحق تعریف وثناء وحسن جزا ہونا بھی مذکور ہے اور یہ خاص جماعت حبشہ کے نصاری ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو جب کہ ہجرت مدینہ سے پہلے وہ حبشہ چلے گئے تھے کچھ تکلیف نہیں دی اور جو نصرانی اب بھی ایسا ہی ہو وہ حکماً ان ہی میں داخل ہے اور ان میں سے حق قبول کرنے والے نجاشی بادشاہ اور ان کے مصاحب ہیں کہ حبشہ میں بھی قرآن سن کر روئے اور مسلمان ہوگئے پھر تیس آدمی حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوئے اور قرآن سن کر روئے اور اسلام قبول کیا اس موقعہ پر اس آیت کا نزول ہوا تھا لتجدن اشد الناس تا لا یستکبرون

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ
تمام آدمیوں سے زیادہ مسلمانوں سے عداوت رکھنے والے

اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ
آپ ان یہود اور مشرکین کو پاویں گے

الذین اشرکوا صیغہ ماضی ہے اس سے یہ فائدہ معلوم ہوا کہ یہ حکم تمام زمانوں کے اور ہر جگہ کے مشرکوں پر جاری ہونا ضروری نہیں اور یہود کا الفت رکھنا اب تک نہیں سنا گیا اور اگر کہیں پائے جائیں تب بھی اشکال نہیں کیونکہ یہاں خاص یہود کا ذکر ہے عام کا نہیں چنانچہ ترجمہ سے ظاہر ہے۔

وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ
اور ان میں مسلمانوں کے ساتھ دوستی رکھنے کے قریب

اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ
تر تو ان لوگوں کو پائے گا جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں

یہاں قالوا صیغہ ماضی کا ہے تو زمانہ مابعد کے نصرانی اس سے خارج رہیں گے۔

ذٰلِكَ
یہ

یعنی دوستی کے قریب اور عداوت میں کم ہونا

بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا
اس سبب سے ہے کہ ان میں بہت سے علم دوست عالم ہیں اور بہت سے تارک الدنیا درویش ہیں

جب کسی قوم میں ایسے لوگ بکثرت ہوتے ہیں تو عوام میں بھی حق کے ساتھ زیادہ عناد نہیں رہتا۔

وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۸۲
اور اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ متکبر نہیں ہیں

اور امر حق کے سامنے نرم ہو جانا تواضع کا خاصہ ہے۔

الحمدللہ چھٹے پارہ کی تفسیر ختم ہوئی

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ

اور جب وہ اس کو سنتے ہیں جو کہ رسول کی طرف بھیجا گیا ہے

تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا

تو آپ ان کی آنکھیں آنسو سے بہتی ہوئی دیکھتے ہیں اس سبب سے

عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ

کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا

ربط: اوپر نصاریٰ میں سے ایک خاص اوصاف کی جماعت کا ذکر تھا آگے ان کا ذکر ہے جو ان میں مسلمان ہوگئے تھے۔ واذا سمعوا تا اصحب الجحیم مطلب یہ کہ حق کو سن کر متاثر ہوتے ہیں۔

يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾

یوں کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم مسلمان ہوگئے تو ہم کو بھی ان لوگوں کے ساتھ لکھ لیجئے جو تصدیق کرتے ہیں

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اور قرآن کے حق ہونے کی یعنی ہم کو بھی مسلمانوں میں شمار کر لیجئے۔

وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ

اور ہمارے پاس کونسا عذر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور جو حق ہم کو پہنچا ہے

الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ

اس پر ایمان نہ لاویں اور اس بات کی امید رکھیں کہ ہمارا رب ہم کو نیک

الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾

لوگوں کی معیت میں داخل کر دے گا

بلکہ یہ امید اسلام پر موقوف ہے اس لئے مسلمان ہونا ضروری ہے

ربط: یہاں تک اہل کتاب کے متعلق گفتگو تھی آگے پھر رجوع ہے احکام فرعیہ کی طرف جن کا ذکر کچھ شروع سورۃ میں اور کچھ درمیان میں بھی ہوا ہے اور اوپر کی آیتوں سے ایک خاص تعلق یہ ہے کہ اوپر رہبانیت کا ذکر مدح کے موقعہ میں آیا ہے گو وہ مدح رہبانیت کے صرف ایک جزو خاص یعنی ترک حب دنیا کی ہے لیکن یہ بھی احتمال ہوسکتا ہے کہ اس کی تمام خصوصیات کے اعتبار سے کوئی مدح سمجھ جائے اس لئے اس مقام پر اس تحریم حلال کی ممانعت زیادہ مناسب ہوئی کہ خدا کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام نہ کرو جیسا کہ بعض صحابہ نے گوشت اور چکنائی اور بعض نے عورتوں کو اپنے اوپر حرام کرنے کا قصد کیا تھا۔ یایھا الذین امنوا لاتحرموا تا انتم بہ مومنون

فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

سو ان کو اللہ تعالیٰ ان کے قول کی پاداش میں ایسے باغ دیں گے جن کے

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ

نیچے نہریں جاری ہوں گی یہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے

جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور نیکوکاروں کی یہی پاداش ہے اور جو لوگ کافر رہے اور

وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۸۶﴾

ہماری آیات کو جھوٹا کہتے رہے وہ لوگ دوزخ والے ہیں

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں تمہارے واسطے حلال کی ہیں

خواہ کھانے کی قسم سے ہوں یا پہننے کی یا منکوحات کی قسم سے ہوں۔

مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ

ان میں لذیذ چیزوں کو حرام مت کرو اور حدود سے آگے مت نکلو بیشک اللہ تعالیٰ

لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ

حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے اور خدا تعالیٰ نے جو چیزیں تم

اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ

کو دی ہیں ان میں سے حلال مرغوب چیزیں کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو

اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ

جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔ اللہ تعالیٰ تم سے مواخذہ نہیں

یعنی حلال چیز کو حرام کرنا رضائے حق کے خلاف ہے پس خدا سے ڈرو اور ایسا مت کرو یا یہ مطلب ہو کہ ضروری بات تو حرام اور معصیت سے بچنا ہے کہ یہ تقویٰ ہے ان سے بچو حلال چیزوں سے بچنا ضروری نہیں اس پر تقویٰ موقوف نہیں۔ اور جاننا چاہئے کہ حلال کو حرام کرنا تین طرح ہے ایک تو اعتقاداً کہ اس کو عقیدہ میں حرام سمجھے اس کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ یقینا قطعی طور پر حلال

ہے تو اس تحریم سے کافر ہو جاوے گا دوسرے یہ کہ صرف قول سے حرام کہے دل سے اس کو حلال سمجھے اس کا حکم یہ ہے کہ اگر الفاظ قسم کے ہوں تو قسم ہو جاوے گی اور بلا ضرورت ایسی قسم کھانا معصیت ہے اس کو توڑ کر کفارہ دے اور اگر قسم کے الفاظ نہیں تو لغو ہے اس کا کچھ اثر نہیں اگر کوئی شخص یوں کہے کہ فلاں چیز مجھ پر حرام ہے یا اس کو میں اپنے اوپر حرام کرتا ہوں یہ قسم ہو جائے گی اور اگر یوں کہے کہ فلاں چیز کھاؤں یا فلاں کام کروں تو سور کھاؤں یا حرام کھاؤں اس کا حکم یہ ہے کہ جہاں اس طرح قسم کھانے کا رواج نہ ہو وہاں قسم نہ ہوگی اور جہاں رواج ہو وہاں فقہاء کا اختلاف ہے اور تیسری صورت یہ ہے کہ نہ اعتقاداً حرام سمجھے نہ زبان سے کہے مگر ثواب سمجھ کر ہمیشہ کو کسی حلال چیز سے پرہیز کرلے یہ بدعت اور رہبانیت ہے اس کے خلاف کرنا واجب ہے اور اس سے کفارہ نہیں آتا اور اگر ثواب سمجھ کر نہ پرہیز کرے بلکہ بطور معالجہ بدن یا نفس کے کسی عارضی مرض سے مرض رہنے تک چھوڑ دے تو وہ تحریم نہیں یہ جائز ہے اور بزرگوں سے جو مجاہدات منقول ہیں وہ اسی قبیل سے ہیں اور معالجہ امراض نفس کے لئے ایسا کرتے تھے ان پر اعتراض ناجائز ہے ۱۲

بِاللَّغْوِ

فرماتے

ربط: اوپر حلال چیزوں کے حرام کرنے کا ذکر تھا چونکہ بعض اوقات اس سے قسم لازم ہو جاتی ہے اس لئے آگے قسم کا حکم مذکور ہے۔

لایؤاخذکم اللہ باللغو تا تشکرون

یعنی کفارہ واجب نہیں کرتے۔

فِیْٓ اَیْمَانِکُمْ وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ

تمہاری قسموں میں لغو قسم پر لیکن مواخذہ اس پر فرماتے ہیں

بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ ج

کہ تم قسموں کو مستحکم کر دو

یعنی آئندہ بات پر قسم کھالو۔

فَکَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰکِیْنَ مِنْ

سو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو کھانا دینا اوسط درجہ کا جو

اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِیْکُمْ اَوْ کِسْوَتُهُمْ

اپنے گھر والوں کو کھانے کو دیا کرتے ہو یا ان کو کپڑا دینا

اَوْ تَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ ط

یا ایک غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا

یعنی تینوں میں جس کو چاہے اختیار کرلے۔

فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ ط ذٰلِكَ

اور جس کو مقدور نہ ہو تو تین دن کے روزے ہیں یہ

کَفَّارَةُ اَیْمَانِکُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ط وَاحْفَظُوْٓا

کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جبکہ تم قسم کھا لو اور اپنی قسموں کا

اَیْمَانَکُمْ ط

خیال رکھا کرو

کبھی ایسا نہ ہو کہ قسم کو توڑ دو اور کفارہ نہ دو اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے یہ حکم تمہاری دینی اور دنیوی مصالح کی رعایت کرکے فرمایا ہے (آگے ترجمہ)

کَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَکُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّکُمْ

اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے واسطے اپنے احکام بیان فرماتے ہیں تاکہ

تَشْکُرُوْنَ ﴿۸۹﴾

تم شکر کرو

لغو کہتے ہیں بے اثر کو اس کے دو معنی ہیں ایک وہ جس پر گناہ مرتب نہ ہو اس کا حکم مع تفسیر معنی کے سورۂ بقرہ میں ہو چکا ہے دوسرے وہ جس پر کفارہ نہ آتا ہو اس آیت میں لغو سے یہی مراد ہے قرینہ یہ ہے کہ اس قسم کے مقابلہ میں مذکور ہوئی ہے جس میں کفارہ آتا ہے جو منعقدہ کہلاتی ہے حقیقت اس کی یہ ہے کہ آئندہ کے لئے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر قسم کھائی اسی سے لغو کی حقیقت بھی معلوم ہوگئی کہ جو ایسی نہ ہو وہ لغو ہے اب چند مسائل یمین منعقدہ کے لکھے جاتے ہیں **مسئلہ**: قسم توڑنے سے پہلے کفارہ ادا نہیں ہوسکتا۔ **مسئلہ**: کھانا دینے میں اختیار ہے خواہ صدقۂ فطر کے برابر مسکین کو غلہ یا اس کی قیمت دے دے یا دس آدمیوں کو گھر بٹھلا کر دو وقت کھلا دے لیکن ان میں ایسا شخص نہ ہو جو قریب بلوغ کے بھی نہ ہو یا شکم سیر ہو اور یہ سب مساکین ایسے ہوں جن کو زکوٰۃ دینا درست ہے اور اگر کپڑا دے تو اس قدر جس سے بدن کا اکثر حصہ ڈھک جائے مثلاً ایک کرتہ ایک پائجامہ یا ایک لنگی اور چادر **مسئلہ**: یہاں غلام لونڈی کا مومن ہونا شرط نہیں باقی مسائل غلام لونڈی کے پارہ والمحصنٰت میں گزر چکے ہیں۔ **مسئلہ**: اگر

روزے رکھے تو متواتر رکھنے چاہئیں اور اگر دو روزے رکھنے کے بعد بھی کھانا یا کپڑا دینے کا مقدور ہو گیا تو روزہ سے کفارہ نہیں ہوا۔ **مسئلہ:** خواہ قسم جان کر توڑے یا بھول کر ٹوٹ جائے دونوں میں کفارہ واجب ہے **مسئلہ:** مقدور سے مراد صاحب نصاب ہونا ہے **ربط:** اوپر حلال چیزوں کے ایک خاص طریقہ پر چھوڑنے کی ممانعت تھی آگے بعض حرام چیزوں کے استعمال سے ممانعت ہے یایھا الذین امنوا انما الخمر تاهل انتم منتهون

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ
اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا
وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ
اور بت وغیرہ اور قرعہ کے تیر یہ سب گندی باتیں
الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾
شیطانی کام ہیں سو ان سے بالکل الگ رہو تا کہ تم کو فلاح ہو

کہ ان کی مضرتوں سے بچے رہو گے اور وہ مضرتیں دینی بھی ہیں اور دنیوی بھی جن کا بیان یہ ہے کہ (ترجمہ دیکھو)

اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ
شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تمہارے
وَ الْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ
آپس میں عداوت اور بغض واقع کر دے

چنانچہ ظاہر ہے کہ شراب میں تو عقل نہیں رہتی گالی گلوچ دنگا فساد ہو جاتا ہے جس سے بعد میں بھی کدورت باقی رہتی ہے۔ اور جوئے میں جو ہارتا ہے اس کو جیتنے والے پر طبعاً غیظ ہوتا ہے کہ میرا مال لے لیا جب اس کو رنج ہوگا تو دوسرے پر بھی اس کا اثر پہنچے گا تو یہ دنیوی نقصان ہوا۔

وَ یَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ
اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے

جو کہ اللہ کی یاد کا افضل طریقہ ہے۔

وَ عَنِ الصَّلٰوةِ ۚ
تم کو باز رکھے

چنانچہ یہ بھی ظاہر ہے کہ کیونکہ شراب میں تو اس کے ہوش ہی بجا نہیں رہتے اور قمار میں بھی ایسی دھت ہوتی ہے کہ دنیا کی حرص اس درجہ غالب ہوتی ہے کہ رفتہ رفتہ خدا کی یاد اور نماز سب چھوٹ جاتی ہے جو جیت گیا اس کو تو سرور اور نشاط اس درجہ ہوتا ہے کہ وہ اس میں غرق ہوتا ہے اور جو ہار گیا اس کو رنج و اضمحلال پھر غالب آنے کی کوشش اس درجہ ہوتی ہے کہ اس سے فراغت نہیں ہوتی یہ دینی نقصان ہوا خمر و میسر کے متعلق سورۂ بقرہ میں اور ازلام کے متعلق اسی سورۃ میں ضروری بیان گزر چکا ہے۔ اور ازلام کا ذکر تو اس جگہ اس لئے کیا گیا کہ وہ بھی قمار میں داخل ہے البتہ انصاب یعنی بتوں کے ذکر میں اس طرف اشارہ ہے کہ شراب و قمار اس درجہ قبیح ہیں کہ اس قابل ہیں کہ بت پرستی کے ساتھ ان کا ذکر کیا جائے اور بت پرستی کے قریب قریب یہ اس لئے ہیں کہ نماز سے جو کہ اسلام کا بڑا شعار اور ایمان کی بڑی علامت ہے روکتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جس درجہ ایمان سے دوری ہوگی اسی قدر کفر سے نزدیکی ہوگی اور یہ حکمت جو کہ شراب و قمار کی حرمت میں بیان کی گئی ہے شطرنج وغیرہ میں بھی موجود و مشاہد ہے۔ اس سے سمجھ لینا چاہئے کہ وہ جائز کیونکر ہو سکتی ہے۔

فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾
سو اب بھی باز آؤ گے؟

حدیث میں ہے کہ اس آیت کو سن کر صحابہ نے کہا انتهینا یعنی ہم باز آئے اور جس قدر شرابیں اس وقت موجود تھیں سب پھینک دیں۔

وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ احْذَرُوْا ۚ
اور تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہو اور رسول کی اطاعت کرتے رہو
فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا
اور احتیاط رکھو اور اگر اعراض کرو گے تو یہ جان رکھو کہ ہمارے رسول کے ذمہ
الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۹۲﴾
صرف صاف صاف (حکم کا) پہنچا دینا تھا

ربط: اوپر ایک خاص حکم کے بجا لانے کا امر فرمایا ہے آگے تمام احکام میں اطاعت کرنے کا امر ہے۔ **واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول تا المبین** اور وہ اس کو بخوبی انجام دے چکے اور تم کو احکام پہنچا چکے اب تمہارے پاس کسی عذر کی گنجائش نہیں رہی۔ **ربط:** اوپر کی آیت میں شراب و قمار کی حرمت نازل ہو چکی تو بعض لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ بہت سے آدمی جو شراب پیتے تھے اور جوئے کا مال کھاتے تھے اس تحریم سے پہلے مر گئے اب معلوم ہوا کہ

وہ حرام ہے تو ان کا کیا حال ہوگا اس پر آیت آئندہ نازل ہوئی جس میں ان پر گناہ نہ ہونا مذکور ہے۔ لیس علی الذین اٰمنوا تا یحب المحسنین

لَیْسَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

ایسے لوگوں پر جو کہ ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں اس چیز میں

جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْٓا

کوئی گناہ نہیں جس کو وہ کھاتے پیتے ہوں

اور اس وقت وہ حلال ہو جو کہ بعد میں حرام ہو جاوے۔

اِذَا مَا اتَّقَوْا

جبکہ وہ لوگ پرہیز رکھتے ہوں

یعنی ان لوگوں کو گناہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ گناہ کا کوئی سبب ان میں نہیں بلکہ ان میں گناہ سے روکنے والی ایک صفت موجود ہے وہ یہ کہ وہ لوگ خدا کے خوف سے اس وقت کی تمام چیزوں سے پرہیز کرتے تھے۔

وَّاٰمَنُوْا

اور ایمان رکھتے ہوں

یہ ان کے خوف خدا کی دلیل ہے کیونکہ ایمان خدا سے ڈرنے کا سبب ہے۔

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

اور نیک کام کرتے ہوں

یہ خوف خدا کی علامت ہے جس پر وہ عمر بھر قائم رہے

ثُمَّ اتَّقَوْا

پھر پرہیز کرنے لگتے ہوں

یعنی اگر وہ حلال چیز جس کو وہ پہلے کھاتے پیتے تھے کبھی آگے چل کر حرام ہو جائے تو خوف خدا کے سبب اس سے بھی پرہیز کرنے لگے آگے اس خوف کی دلیل میں بھی ایمان کا ذکر فرماتے ہیں جو کہ اعمال صالح کو مقتضی ہوتا ہے پس یہاں بھی خوف خدا کا سبب اور اس کی علامت دونوں موجود ہیں۔

وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ط

اور ایمان رکھتے ہوں پھر پرہیز کرنے لگتے ہوں اور خوب نیک عمل کرتے ہوں

یعنی اگر پھر کوئی حلال چیز حرام ہو جائے تو اسی خوف کی وجہ سے اس سے بھی پرہیز کرنے لگے اور اس وقت بھی خوف خدا کی دلیل اور علامت وہی ایمان ہوتا ہے کیونکہ نیک اعمال ایمان ہی پر موقوف ہیں مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کی یہ حالت تھی کہ جب کسی چیز کی حرمت نازل ہوتی فوراً اس سے رک جاتے۔

وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۹۳﴾ ع

اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکاروں سے محبت رکھتے ہیں

یعنی ان لوگوں کی حالت بیگناہی سے محبوبیت تک پہنچ گئی۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَیَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَیْءٍ

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ قدرے شکار سے تمہارا امتحان کرے گا

مِّنَ الصَّیْدِ تَنَالُهٗٓ اَیْدِیْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ

جن تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچ سکیں گے

یعنی حالت احرام میں شکار کرنے کو تم پر حرام کیا جائے گا۔

لِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّخَافُهٗ بِالْغَیْبِ ج

تا کہ اللہ تعالیٰ معلوم کر لے کہ کون شخص اس سے بن دیکھے ڈرتا ہے

آگے صراحۃً بھی حرمت کا ذکر ہے۔

فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۹۴﴾

سو جو شخص اس (حرمت) کے بعد (حد شرعی) سے نکلے گا اس کے واسطے دردناک سزا ہے

چنانچہ وحشی جانور آس پاس پھرتے تھے صحابہ اس امتحان میں پورے اترے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا

اے ایمان والو وحشی شکار کو قتل مت کرو

مگر جس کو شرع نے مستثنیٰ کردیا ہے

الصَّیْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ط

جبکہ تم حالت احرام میں ہو

اسی طرح جب کہ وہ شکار زمین حرم میں ہو گو شکاری حرم سے باہر ہو۔

وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا

اور جو شخص تم میں اس کو جان بوجھ کر قتل کرے گا اس پر پاداش واجب ہوگی جو کہ

قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ

مساوی ہوگی اس جانور کے جس کو اس نے قتل کیا ہے

یعنی باعتبار قیمت کے مساوی ہوگی۔

يَحۡكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدۡلٍ مِّنۡكُمۡ

جس کا فیصلہ (تخمینہ سے) تم میں سے دو معتبر آدمی کر دیں

جو دینداری میں بھی قابل اعتبار ہوں اور تجربہ و بصیرت میں بھی اور دو شخصوں کا تخمینہ کرنا افضل ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ایک ہی عادل شخص سے کرالیا جائے اور یہ تخمینہ اسی وقت اور اسی جگہ ہونا چاہئے جہاں وہ شکار مارا گیا ہے اور اگر وہ جگہ جنگل ہے تو جو آبادی اس سے قریب ہو وہاں کے اعتبار سے تخمینہ کیا جاوے گا پھر تخمینہ قیمت کے بعد قاتل کو چند باتوں کا اختیار ہے (ترجمہ دیکھو)

هَدۡيًۢا بٰلِغَ الۡكَعۡبَةِ

خواہ وہ پاداش خاص چوپایوں سے ہو

یعنی اونٹ گائے بھینس بھیڑ بکری نر ہو یا مادہ ان میں سے اس قیمت کا کوئی جانور خرید ے۔

اَوۡ كَفَّارَةٌ

بشرطیکہ نیاز کے طور پر کعبہ تک

یعنی کعبہ کے پاس تک زمین حرم کے اندر

طَعَامُ مَسٰكِيۡنَ

پہنچائی جائے اور خواہ کفارہ مساکین کو دیدیا جائے

یعنی خواہ اس قیمت کے برابر غلہ مساکین کو دے دیا جائے ایک مسکین کو صدقہ فطر کی مقدار سے کم نہ دیا جائے البتہ اگر فی مسکین نصف صاع دے کر اخیر میں نصف صاع سے کم بچے تو وہ بقیہ ایک مسکین کو دیدے یا نہ دے اور اس کی جگہ ایک روزہ رکھ لے اور تخمینہ مذکورہ میں جتنے مساکین کا حصہ قرار پاوے اگر ان کو دو وقت پیٹ بھر کے کھانا کھلاوے تب بھی جائز ہے۔

اَوۡ عَدۡلُ ذٰلِكَ صِيَامًا

اور خواہ اس (غلہ) کے برابر روزے رکھ لئے جاویں

غلہ کی برابر روزے رکھنے کی صورت یہ ہے کہ بحساب فی مسکین نصف صاع کے جتنے مساکین کو وہ غلہ پہنچ سکتا ہے اتنے شمار سے روزے رکھ لے اور تقسیم غلہ اور روزے رکھنے کے لئے حرم میں ہونے کی قید نہیں اور اگر جانور کی قیمت اتنی کم ہے کہ نصف صاع غلہ بھی اس میں نہیں خریدا جا سکتا تو اختیار ہے کہ یا تو وہی نصف صاع سے کم ایک مسکین کو دیدے یا اس کی جگہ ایک روزہ رکھ لے۔

لِّيَذُوۡقَ وَبَالَ اَمۡرِهٖ ؕ

تا کہ اپنے کئے کی شامت کا مزہ چکھے

اور اگر جان بوجھ کر نہیں مارا بلکہ غلطی سے ایسا ہوا تو پھر بھی اگر چہ یہی جزاء واجب ہے مگر وہ اس فعل کی سزا نہیں بلکہ صرف اس شکار کے محترم ہو جانے کی وجہ سے اس کا ضمان ہے خواہ بوجہ شکار حرم ہونے کے محترم ہو یا شکاری کے محرم ہونے کی وجہ سے محترم ہو گیا ہو۔

عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ

اور اللہ تعالیٰ نے گذشتہ کو معاف کر دیا

یعنی اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے ہی حرم اور احرام کی حرمت چونکہ معلوم تھی اس لئے گناہ ہو سکتا تھا مگر صریح حکم معلوم نہ ہونے کی وجہ سے معاف فرما دیا لیکن صریح حکم کے بعد جو ایسا کرے اس کا حکم آگے آتا ہے (ترجمہ دیکھو)

وَمَنۡ عَادَ فَيَنۡتَقِمُ اللّٰهُ مِنۡهُ ؕ

اور جو شخص پھر ایسی ہی حرکت کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے انتقام لیں گے

کیونکہ دوبارہ کرنے میں اکثر ایک گونہ جرأت ہوتی ہے اس لئے علاوہ جزائے مذکورہ کے کہ وہ تو شکار کی جان کا عوض یا اس کے فعل کا تاوان ہے آخرت میں بھی اس جرأت کا بدلہ پائے گا البتہ اگر توبہ کر لے تو چونکہ جرأت نہیں رہی انتقام آخرت بھی نہ ہوگا۔

وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ ذُو انۡتِقَامٍ ﴿۹۵﴾

اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں انتقام لے سکتے ہیں

اس میں چند مسائل ہیں۔

مسئلہ: حرم کا شکار اگر غیر محرم قتل کرے تو اس کے لئے کفارہ میں روزے کافی نہ ہوں گے۔

مسئلہ: جس طرح قتل میں جزا ہے اسی طرح زخمی کرنے سے بھی جتنی قیمت کم ہو گئی ہو تخمینہ کرا کر اس مقدار قیمت میں پھر وہی تین صورتیں جاری ہونگی۔

مسئلہ: جس شکار کا حرم اور احرام میں قتل کرنا حرام ہے وہ عام ہے خواہ اس کا کھانا حلال ہو یا نہ ہو البتہ جو دلیل سے مستثنیٰ ہو گئے ہیں ان کو پکڑ کر قتل کرنا جائز ہے جیسے دریائی شکار اور بعضے خشکی کے خاص جانور جیسے کوا چیل بھیڑیا سانپ بچھو کاٹنے والا کتا اسی طرح جو درندہ حملہ کرے اس کا قتل بھی جائز ہے ۱۲

اُحِلَّ لَكُمۡ صَيۡدُ الۡبَحۡرِ

تمہارے لئے دریا کا شکار پکڑنا

دریائی جانور وہ ہے کہ اس کی پیدائش اور سکونت دونوں پانی میں ہوں

وَطَعَامُهٗ

اور اس کا کھانا حلال کیا گیا ہے

ظاہر آیت میں اس سے مراد مچھلی ہے

مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ

تمہارے انتفاع کے واسطے اور مسافروں کے واسطے اور خشکی کا شکار پکڑنا

صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ

تمہارے لئے حرام کیا گیا ہے جب تک تم حالت احرام میں رہو

الَّذِيٓ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٩٦﴾ جَعَلَ اللَّهُ

اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس کے پاس جمع کئے جاؤ گے اللہ تعالیٰ نے

الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ

کعبہ کو جو کہ ادب کا مکان ہے لوگوں کے قائم رہنے کا سبب قرار دے دیا

یعنی اس میں دینی اور دنیاوی برکات رکھیں۔

وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ۗ

اور عزت والے مہینہ کو بھی اور حرم میں قربانی ہونے والے جانور کو بھی اور ان جانوروں کو بھی جن کے گلے میں پٹے پڑے ہوئے ہوں

اس نشانی کے لئے کہ یہ اللہ کی نیاز ہیں۔

ذَٰلِكَ لِتَعْلَمُوٓا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

یہ اس لئے تاکہ تم اس بات کا یقین کرلو کہ بیشک اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں اور

وَمَا فِي الْأَرْضِ

زمین کے اندر کی چیزوں کا علم رکھتے ہیں

کہ آئندہ کے فوائد کے لحاظ سے احکام مقرر فرماتے ہیں

وَأَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٩٧﴾

اور بیشک اللہ تعالیٰ سب چیزوں کو خوب جانتے ہیں

اور ان کا علم ذاتی ہے۔

اعْلَمُوٓا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ وَأَنَّ اللَّهَ

تم یقین جان لو کہ اللہ تعالیٰ سزا بھی سخت دینے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑی

غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٩٨﴾ؕ

مغفرت اور رحمت والے بھی ہیں

تو ان کے فرمان کے خلاف مت کرو اور اگر ہو گیا ہو تو توبہ کرلو۔

مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلٰغُ ۗ

رسول کے ذمہ تو صرف پہنچانا ہے

سو وہ خوب پہنچا چکے اب تمہارے پاس کوئی عذر و حیلہ نہیں رہا۔

وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ﴿٩٩﴾

اور اللہ تعالیٰ سب جانتے ہیں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ پوشیدہ رکھتے ہو

سو تم کو ظاہر و باطن دونوں سے اطاعت کرنی چاہئے ۱۲

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ

آپ فرما دیجئے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں

یعنی گناہ اور اطاعت یا گناہ کرنے والا اور اطاعت کرنے والا برابر نہیں بلکہ خبیث مبغوض اور طیب مقبول ہے پس اطاعت کر کے مقبول بننا چاہئے معصیت سے مبغوض نہ ہونا چاہئے ۱۲

وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ ۚ

گو تجھ کو ناپاک کی کثرت تعجب میں ڈالتی ہو

کہ باوجود ناپسندیدہ ہونے کے گناہ وغیرہ خبیث چیزوں کا وجود کیوں زیادہ ہے جیسا کہ دنیا میں اکثر یہی واقع ہوتا ہے مگر سمجھ لو کہ زیادہ ہونا اچھے ہونے کی دلیل نہیں وہ کسی حکمت کی وجہ سے ہے اس پر نظر مت کرو جب خدا کے علم وعقاب پر مطلع ہو گئے اور جان لیا کہ کثرت پر خوبی کا مدار نہیں (ترجمہ دیکھو) ربط: اوپر نازل شدہ احکام میں مخالفت اور تساہل کی ممانعت تھی آگے غیر ضروری امور کی بلاضرورت تفتیش اور کھود کرید کرنے کی ممانعت ہے جس میں غیر نازل شدہ احکام بھی داخل ہیں پس اس مجموعہ سے اعتدال کے ساتھ اطاعت کرنے کا حکم نکل آیا کہ نہ اس قدر کوتاہی کرو کہ جن امور کا حکم ہو چکا ہے ان میں کوتاہی کرنے لگو نہ اس قدر حد سے بڑھو کہ جن امور کا حکم نہیں ہوا اور کوئی معقول وجہ شبہ کی بھی نہ ہو ان کے پیچھے پڑو جیسے بعض لوگوں کی اب بھی عادت ہے کہ دور از کار سوالات تراش تراش کر تلاش کر کے فرض کر کے علماء سے پوچھا کرتے ہیں سبب نزول اس آیت کا صحیحین میں چند واقعات ہیں کہ بعض نے آپ سے پوچھا کہ میرا باپ کون ہے اس شخص کے نسب میں لوگوں کو شبہ تھا۔ کسی نے پوچھا کہ میری اونٹنی گم ہو گئی ہے کہاں ہے۔ جب حضور نے حج کی فرضیت بیان فرمائی تو ایک شخص نے پوچھا کیا ہر سال حج کرنا فرض ہے

حضور نے تین بار سکوت فرما کر ارشاد فرمایا کہ اگر میں ہاں کر دیتا تو ہر سال فرض ہو جاتا پھر ہو نہ سکتا پہلے لوگ یوں ہی ہلاک ہوئے کہ اپنے پیغمبروں سے پوچھ پاچھ زیادہ کی پھر ان کے خلاف کیا میں جو بتلا دوں کر لیا کرو اور جس چیز سے منع کر دوں باز رہا کرو یعنی جس امر میں کوئی وجہ شبہ کی نہ ہو اس کومت پوچھا کرو۔ یایھا الذین امنوا لاتسئلوا عن اشیاء تا کفرین

فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٠﴾

تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اے عقلمندو! تاکہ تم کامیاب ہو

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْــَٔـلُوْا عَنْ

اے ایمان والو! ایسی باتیں مت پوچھو کہ اگر تم سے ظاہر کر دی

اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ

جاویں تو تمہاری ناگواری کا سبب ہو

یعنی ان کے جواب میں ناگوار گزرنے کا احتمال ہو مثلاً جو امور متعلق حلال وحرام کے ہیں ان میں مطابق حدیث گذشتہ کے جواب میں تحریم کا یا فرضیت کا احتمال ہے جس سے گرانی ہو سکتی ہے اور جو امور واقعات کی قبیل سے ہیں ان میں خلاف مرضی جواب آنے کا احتمال ہے جیسے سوال نسب میں کہ میرا باپ کون ہے ممکن ہے کہ جواب خلاف مرضی ملتا تو رسوائی ہوتی پھر اس سوال پر ندامت اور جواب سے ناگواری ہوتی اور واقعات میں ایسے سوالات سے اطاعت اور ادب میں بھی کمی ہو جاتی ہے اور حضورؐ کے بعد علماء سے ایسے ایسے سوالات سے ممانعت کی وجہ وقت کا ضائع کرنا اور مجیب کو تنگی میں ڈالنا ہے۔

وَاِنْ تَسْــَٔـلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ

اور اگر تم زمانہ نزول قرآن میں ان باتوں کو پوچھو تو تم سے ظاہر

تُبْدَ لَكُمْ

کر دی جاویں

جو معاملات شرع سے متعلق ہوں۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا

سوالات گذشتہ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیئے

مگر آئندہ ایسا مت کرنا۔

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿١٠١﴾ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ

اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے ہیں بڑے حلم والے ہیں ایسی باتیں تم سے

مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿١٠٢﴾

پہلے اور لوگوں نے بھی پوچھی تھیں پھر ان باتوں کا حق نہ بجا لائے

یعنی ان پر عمل نہ کیا اور ان سے متاثر نہ ہوئے

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ

اللہ تعالیٰ نے نہ بحیرہ کو مشروع کیا ہے اور نہ سائبہ کو

وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ

اور نہ وصیلہ کو اور نہ حامی کو

بحیرہ وہ جانور ہے جس کا دودھ بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جائے اور سائبہ وہ جانور جس کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیں اور وصیلہ وہ اونٹنی جو پہلی اور دوسری بار مادہ جنے اور حامی وہ نر اونٹ جو کہ خاص شمار تک جفتی کر چکا ہو ان سب کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا۔

وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى

ولیکن جو لوگ کافر ہیں وہ اللہ تعالیٰ پر

اللّٰهِ الْكَذِبَ

جھوٹ لگاتے ہیں

کہ خدا تعالیٰ ان اعمال سے خوش ہیں۔

وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿١٠٣﴾

اور اکثر کافر عقل نہیں رکھتے

یعنی اس سے کام نہیں لیتے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا

جو احکام نازل فرمائے ہیں ان کی طرف اور رسول کی طرف رجوع کرو تو کہتے ہیں

عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ

کہ ہم کو وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو دیکھا ہے کیا اگر چہ ان کے

شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿١٠٤﴾

بڑے نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت رکھتے ہوں

ایسی ہی ایک آیت سیقول میں گزر چکی ہے جس میں ائمہ مجتہدین کی تقلید کی تحقیق ہے ملاحظہ کر لی جائے **ربط** : اوپر کفار کی رسم پرستی اور جہالت کا ذکر تھا جس کو سن کر مسلمانوں کو رنج و افسوس ہو سکتا ہے آگے مومنین کو اس کے متعلق ارشاد ہے کہ تم کیوں غم میں پڑے تم کو اپنی اصلاح کا اور دوسرے کی اصلاح میں بقدر وسعت کوشش کرنے کا حکم ہے باقی کوشش پر ثمرہ مرتب ہونا اختیار سے باہر ہے اس لئے کار خود کن کار بیگانہ مکن یایھاالذین امنوا علیکم تا تعملون

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
اے ایمان والو اپنی فکر کرو

کہ اصل کام تمہارے ذمہ یہی ہے باقی دوسروں کی اصلاح کے متعلق یہ ہے کہ جب تم اپنی طرف سے بتوقع نفع بقدر طاقت کوشش کررہے ہو مگر دوسرے پر اثر نہیں ہوتا تو تم نتیجہ مرتب نہ ہونے کی فکر میں نہ پڑو کیونکہ (ترجمہ دیکھو)

عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ
جب تم راہ پر چل رہے ہو

اور واجبات دین کو اس طرح ادا کر رہے ہو کہ اپنی بھی اصلاح کر رہے ہو اور دوسروں کی اصلاح میں بھی کوشش کر رہے ہو۔

لَا يَضُرُّكُمْ
تو جو شخص

تمہاری کوشش اصلاح کے بعد بھی۔

مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ
گمراہ رہے تو اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں

اور جیسا کہ دوسروں کی اصلاح میں حد سے زیادہ غور و فکر کرنے سے منع کیا جاتا ہے اسی طرح ہدایت سے ناامید ہونے کے وقت غصہ میں آ کر یہ تمنا مت کرنا کہ دنیا ہی میں ان پر عذاب نازل ہو کر حق و باطل کا آخری فیصلہ ہو جائے کیونکہ یہ آخرت میں ہوگا چنانچہ (ترجمہ دیکھو)

اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ
اللہ ہی کے پاس تم سب کو جانا ہے پھر وہ تم سب کو جتلا دیں گے جو جو کچھ تم
تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾
سب کیا کرتے تھے

پھر حق پر ثواب اور باطل پر عذاب کا حکم نافذ فرماویں گے اس آیت کا صرف ترجمہ دیکھنے سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ جو شخص خود دین پر عمل کرتا ہے اس کے ذمہ دوسروں کو نیک کام کا حکم کرنا اور برے کاموں سے روکنا واجب نہیں لیکن جو تقریر تفسیر کی گئی ہے اس سے آیت کا مطلب واضح ہو گیا اور یہ شبہ دفع ہو گیا جس کا حاصل یہ ہے کہ ضرر نہ ہونا اس شرط پر موقوف ہے کہ راہ پر چلتے رہیں اور راہ پر چلنے میں یہ بھی داخل ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہیں کیونکہ محدثین نے حضرت صدیقؓ کا خطبہ اس مضمون کا نقل کیا ہے کہ تم لوگ اس آیت کے معنی کچھ اور سمجھتے ہو حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی تاکید سنی ہے اور اس کے چھوڑنے پر آپ نے وعید فرمائی ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ تم امر و نہی کرتے رہو یہاں تک کہ جب حرص و خودرائی وغیرہ کا غلبہ ہو جائے تو عوام کو چھوڑ کر اپنی اصلاح کے شغل میں لگ جاؤ معلوم ہوا کہ دوسروں کے گمراہ رہنے سے اس وقت ضرر نہیں ہوتا جب کہ اصلاح کی کوشش کے بعد بھی اس پر اثر نہ ہو **ربط** : اوپر مصالح دین کے متعلق احکام تھے آگے دنیا کی مصلحتوں کے متعلق بعض احکام ہیں اور ان دونوں کو ساتھ ساتھ لانے سے دو باتوں پر اشارہ ہو گیا ایک یہ کہ دونوں قسم کے احکام عمل کے واجب ہونے میں برابر ہیں دوسرے یہ کہ حق تعالیٰ اپنی رحمت سے مثل اصلاح آخرت کے اپنے بندوں کی معاش کی بھی اصلاح فرماتے ہیں۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا
اے ایمان والو تمہارے آپس میں دو شخص وصی ہونا مناسب ہے
حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ
جبکہ تم میں سے کسی کو موت آنے لگے جب وصیت کرنے کا وقت ہو۔ وہ دو
اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ
شخص ایسے ہوں کہ دیندار ہوں اور تم میں سے ہوں یا غیر قوم کے دو شخص
اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ
ہوں اگر تم کہیں سفر میں گئے ہو پھر تم پر واقعہ موت کا پڑ جاوے اگر تم کو شبہ ہو تو
مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْ بَعْدِ
ان دونوں کو بعد نماز روک لو پھر دونوں خدا کی قسم کھاویں کہ ہم اس قسم کے

الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا

عوض کوئی نفع نہیں لینا چاہتے اگر چہ کوئی قرابتدار بھی ہوتا اور اللہ کی بات کو ہم

نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا

پوشیدہ نہ کریں گے ہم اس حالت میں سخت گناہگار ہوں گے پھر اگر اس کی

نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

اطلاع ہو کہ وہ دونوں وصی کسی گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں تو ان لوگوں میں

فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ

سے جن کے مقابلہ میں گناہ کا ارتکاب ہوا تھا اور دو شخص جو سب میں قریب تر

يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ

ہیں جہاں وہ دونوں کھڑے ہوئے تھے یہ دونوں کھڑے ہوں پھر دونوں خدا

عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ

کی قسم کھاویں کہ بالیقین ہماری یہ قسم ان دونوں کی اس قسم سے زیادہ راست

اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ ۖ اِنَّآ

ہے اور ہم نے ذرا تجاوز نہیں کیا ورنہ ہم

اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا

اس حالت میں سخت ظالم ہوں گے یہ قریب ذریعہ ہے اس امر کا کہ وہ لوگ

بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ

واقعہ کو ٹھیک طور پر ظاہر کریں یا اس بات سے ڈر جائیں کہ ان سے قسمیں

اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ۭ

لینے کے بعد قسمیں متوجہ کی جائیں گی اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سنو اور

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ ع

اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کو رہنمائی نہ کریں گے۔

ربط: اوپر مختلف احکام کا ذکر ہوا ہے درمیان میں ان کی بجا آوری کی ترغیب اور مخالفت پر ترہیب فرمائی گئی ہے اس کی تاکید کے لئے آئندہ آیت میں قیامت کی ہول و ہیبت کو یاد دلاتے ہیں تا کہ اطاعت کا زیادہ باعث اور مخالفت سے زیادہ مانع ہو اور اکثر قرآن مجید کا یہی طرز ہے۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ

جس روز اللہ تعالیٰ تمام پیغمبروں کو (مع ان کی امتوں کے) جمع کریں گے

یوم یجمع اللہ الرسل تا علام الغیوب مطلب یہ کہ ایک ایسا دن ہوگا جس میں اعمال واحوال کی تفتیش ہوگی اس لئے تم کو مخالفت و معصیت سے ڈرتے رہنا چاہئے۔ اور بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام امتوں کے احوال پر گواہی دیں گے یہ آیت ان کے معارض نہیں کیونکہ یہاں دل کی باتوں کے متعلق گفتگو نہ کرنا مذکور ہے وہاں ظاہری باتوں پر گواہی دینا مذکور ہے اور جو کفار انبیاء کے زمانہ کے بعد ہوں گے ان پر ملائکہ اور نامۂ اعمال اور خود ان کے ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے اور انبیاء سے یہ گفتگو گنہگاروں کے سنانے کے واسطے ہوگی تا کہ ان پر دھمکی ظاہر ہو۔

ربط: اوپر چند آیتوں میں اہل کتاب کے ساتھ گفتگو ہوئی ہے اب ختم سورہ پر اسی مضمون کی طرف رجوع کر کے نصاریٰ کو عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بعض مضامین سناتے ہیں جن سے ان کی بندگی کا اثبات اور خدائی کا ابطال ہوتا ہے کیونکہ حق تعالیٰ کی طرف سے ان پر انعامات ہونا اور تمام تصرفات میں خدا کا محتاج ہونا بالخصوص حفاظت جان میں اور توحید کی طرف دعوت کرنا اور آسمان سے نزول مائدہ کی التجاء و سوال کرنا اور خود اپنی خدائی سے تبری کرنا یہ سب ان کی بندگی کے ثبوت اور خدائی کے ابطال کے لئے دلیل قطعی ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہ گفتگو قیامت میں ہوگی اس وقت اس کے بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کی غلطی افراط و تفریط میں ظاہر ہو جائے یہود ان کو رسول بھی نہ مانتے تھے حالانکہ اس مضمون میں عیسیٰ علیہ السلام کے جو معجزات ذکر کئے گئے ہیں وہ ان کی رسالت کی بڑی دلیل ہیں اور قیامت میں بھی اس گفتگو سے ان ہی دونوں فرقوں کی غلطی ظاہر کرنا مقصود ہوگی۔ **اذقال اللہ یعیسی تا من العلمین**

فَيَقُوْلُ

پھر ارشاد فرمائیں گے

اور اسی روز عیسیٰ علیہ السلام سے ایک خاص گفتگو ہوگی (آگے ترجمہ)

مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۭ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ

کہ تم کو ان امتوں کی طرف سے) کیا جواب ملا تھا وہ عرض کریں گے کہ ظاہری جواب تو ہم کو معلوم

عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴿۱۰۹﴾ إِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسَى

ہے لیکن ان کے دل کی ہم کو کچھ خبر نہیں (اس کو آپ ہی جانتے ہیں کیونکہ) آپ بیشک پوشیدہ باتوں

ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي

کے پورے جاننے والے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائینگے کہ اے عیسیٰ ابن مریم میرا انعام یاد کرو

مختلف اوقات میں قسم قسم کا انعام ہوا ہے اور یاد دہانی کی یہ وجہ ہے کہ لذت تازہ ہو ۱۲

عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ إِذْ أَيَّدْتُكَ

جو تم پر اور تمہاری والدہ پر ہوا ہے جبکہ میں نے تم کو

بِرُوحِ الْقُدُسِ ۟

روح القدس سے تائید دی

روح القدس کی تائید کی تفسیر سورہ بقرہ و سورہ نساء میں گزر چکی ہے

تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ

تم آدمیوں سے کلام کرتے تھے گود میں بھی اور بڑی عمر میں بھی

دونوں حالتوں میں یکساں کلام ہوتا تھا دونوں میں کچھ تفاوت نہ تھا ۱۲

وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ

اور جبکہ میں نے تم کو کتابیں اور سمجھ کی باتیں اور توریت

وَالْإِنْجِيلَ ۚ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ

اور انجیل تعلیم کیں۔ اور جبکہ تم گارے سے ایک شکل بناتے تھے

كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِي فَتَنْفُخُ فِيهَا

جیسے پرندہ کی شکل ہوتی ہے میرے حکم سے پھر تم اس کے اندر پھونک مار

فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ

دیتے تھے جس سے وہ پرندہ بن جاتا تھا میرے حکم سے اور تم اچھا کر دیتے

وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِي ۚ وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِإِذْنِي ۚ

تھے مادر زاد اندھے کو اور برص کے بیماروں کو میرے حکم سے اور جبکہ

وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَاءِيلَ عَنْكَ

تم مردوں کو نکال کر کھڑا کر لیتے تھے میرے حکم سے اور جبکہ میں نے بنی

إِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِينَ

اسرائیل کو تم سے (یعنی تمہارے قتل و ہلاک سے) باز رکھا۔ جب تم انکے

كَفَرُوا مِنْهُمْ إِنْ هٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ﴿۱۱۰﴾

پاس دلیلیں لے کر آئے تھے پھر ان میں جو کافر تھے انہوں نے کہا تھا کہ یہ بجز

وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ أَنْ آمِنُوا

کھلے جادو کے اور کچھ بھی نہیں اور جبکہ میں نے حواریین کو حکم دیا کہ تم مجھ اور

بِي وَبِرَسُولِي ۚ قَالُوا آمَنَّا وَاشْهَدْ

میرے رسول پر ایمان لاؤ۔ انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور آپ شاہد

بِأَنَّنَا مُسْلِمُونَ ﴿۱۱۱﴾

رہئے کہ ہم پورے فرمانبردار ہیں

ان سب باتوں کا عیسیٰ علیہ السلام پر انعام ہونا ظاہر ہے اور حضرت مریم علیہا السلام پر انعام ہونا اس طرح ہے کہ ان سے آپ کا نبی ہونا ثابت ہوا تو ایسی اولاد عطا ہونا خود ایک انعام ہے پھر آپ نے اپنی والدہ کی پاکی بیان کی اور نبی کی سب خبریں سچی ہوتی ہیں پس ان کی پاکدامنی ثابت ہوگئی یہ بڑا انعام ہے باقی اجزاء کی تحقیق مع ایک بحث متعلق حواریین کے سورۂ آل عمران میں گزر چکی ہے۔ ملاحظہ کر لی جائے۔

إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يٰعِيسَى ابْنَ

وہ وقت قابل یاد ہے کہ جب حواریین نے عرض کیا کہ اے عیسیٰ ابن

مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَنْ يُنَزِّلَ

مریمؑ! کیا آپ کے رب ایسا کر سکتے ہیں کہ

عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ ۖ

ہم پر آسمان سے کچھ کھانا نازل فرمادیں

یعنی کوئی بات مثل خلاف حکمت ہونے وغیرہ کے اس سے مانع تو نہیں۔ ورنہ خدا کی قدرت میں ان کو شبہ نہ تھا کیونکہ حواریین مومن تھے۔

قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۲﴾

آپ نے فرمایا کہ خدا سے ڈرو اگر تم ایماندار ہو

مطلب یہ کہ تم تو ایماندار ہو اس لئے خدا سے ڈرو اور معجزات کی فرمائش سے جو کہ بے ضرورت ہونے سے خلاف ادب ہے بچو۔

قَالُوْا

وہ بولے

کہ ہمارا مقصود بے ضرورت فرمائش کرنا نہیں ہے جو کہ خلاف ادب ہے بلکہ چند مصلحتوں سے اس کی درخواست کرتے ہیں آگے مصلحتوں کا بیان ہے اور باوجود دیگر معجزات جیسے اندھے کوڑھی وغیرہ کو اچھا کرنا مردوں کو جلانا گارے سے پرندہ پھونک مار کر زندہ کر دینا وغیرہ مشاہدہ کرنے کے اس کی درخواست کرنا شاید زیادہ قوت و برکت ایمان حاصل کرنے اور زیادہ معجزات دیکھنے کے لئے کی ہو ۱۲

نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَىٕنَّ قُلُوْبُنَا

کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور ہمارے دلوں کو پورا اطمینان ہو جائے

آگے اطمینان کا مطلب مذکور ہے کہ یقین زیادہ ہو جائے ۱۲

وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا

اور ہمارا یہ یقین اور بڑھ جاوے کہ آپ نے ہم سے سچ بولا ہے

کیونکہ جس قدر دلائل بڑھتے جاتے ہیں دعویٰ کا یقین بڑھتا جاتا ہے ۱۲

وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾

اور ہم گواہی دینے والوں میں سے ہو جاویں

یعنی دوسروں کے سامنے جنہوں نے یہ معجزہ نہیں دیکھا گواہی دیں کہ ہم نے ایسا معجزہ دیکھا ہے تاکہ ان کے سامنے رسالت کا اثبات کر سکیں اور ان کی ہدایت کا ذریعہ بن جاوے

قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ

عیسیٰ ابن مریمؑ نے

جب دیکھا کہ اس درخواست میں ان کی غرض صحیح ہے تو حق تعالیٰ سے (آگے ترجمہ)

اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ

دعا کی کہ اے اللہ اے ہمارے پروردگار ہم پر آسمان سے کھانا نازل فرمایئے۔ کہ وہ ہمارے

تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا

لئے یعنی ہم میں جو اول ہیں اور بعد ہیں سب کے لئے ایک خوشی کی بات ہو جاوے

حاضرین کی خوشی تو کھانے سے اور عرض قبول ہونے سے اور بعد والوں کی خوشی اپنے سلف پر ایسا انعام ہونے سے اور یہ فائدہ تو مومنین کے ساتھ خاص ہے ۱۲

وَاٰيَةً مِّنْكَ ج

اور آپ کی طرف سے ایک نشان ہو جاوے

کہ مومنین کو میری پیغمبری کا یقین بڑھ جائے اور منکرین حاضرین و غائبین پر حجت ہو جائے یہ غایت مومن وغیر مومن سب کے لئے عام ہے۔

وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

اور آپ ہم کو عطا فرما دیجئے اور آپ سب عطا کرنے والوں سے اچھے ہیں

کیونکہ اور سب تو اپنے نفع کے لئے دیتے ہیں اور آپ کا دینا بندوں ہی کے نفع کے لئے ہے اس لئے ہم اپنے منافع کو پیش کر کے آپ سے مائدہ کی درخواست کرتے ہیں

قَالَ اللّٰهُ

حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ

آپ میری طرف سے ان درخواست کرنے والوں سے کہہ دیجئے کہ (آگے ترجمہ)

اِنِّىْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ج فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ

میں وہ کھانا تم پر نازل کرنے والا ہوں پھر جو شخص تم میں سے اس کے بعد ناحق شناسی کرے گا

یعنی اس کے حقوق کو جو عقل و شرع سے واجب ہیں ادا نہ کرے گا مثلاً ایک حق یہ ہے کہ اس پر شکر کیا جائے یہ تو عقلاً بھی واجب ہے اور اس میں خیانت نہ کریں اور اگلے دن کے لئے اٹھا نہ رکھیں اس کا شرعاً ان کو حکم ہوا تھا چنانچہ ترمذی کی حدیث میں ہے اور اسی میں یہ بھی ہے کہ ایک خوان آسمان سے نازل ہوا اس میں روٹی و گوشت تھا۔

فَاِنِّىْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ

تو میں اس کو ایسی سزا دوں گا کہ وہ سزا دنیا جہاں والوں میں سے

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ ع

کسی کو نہ دوں گا

حدیث میں ہے کہ ان لوگوں نے یعنی ان میں سے بعض نے خیانت کی اور اگلے دن کے لئے اٹھا کر رکھا پس بندر اور خنزیر کی شکل میں مسخ ہو

گئی۔نعوذ باللہ من غضب اللہ

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ

اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جبکہ اللہ تعالیٰ

ربط : واذقال اللہ یعیسیٰ الخ کی تمہید میں اگلی آیۃ کا

ربط : بھی بیان ہو چکا ہے اور جیسے اس آیت میں قیامت کی گفتگو کا ذکر ہے ایسے ہی آئندہ آیت میں بھی ہے درمیان میں نزول مائدہ کا قصہ جو کہ دنیا میں ہوا ہے شاید اس لئے لایا گیا ہو کہ اہل کتاب کو ان کی افراط و تفریط پر جو عذاب کی اطلاع دی گئی ہے اس قصہ سے اس کی تاکید ہو جائے کہ دیکھو جس طرح اصحاب مائدہ کو ایک معجزہ کے ساتھ کفر کرنے کی دنیا میں سزا دی گئی ہے اسی طرح ان افراط و تفریط کرنے والوں کو آیات الٰہیہ کے ساتھ کفر کرنے کی آخرت میں بھی سزا دی جائے گی واللہ اعلم و اذقال اللہ تا انت العزیز الحکیم

قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے نصاریٰ کے سنانے کیلئے (آگے ترجمہ)

يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ

فرمائیں گے کہ اے عیسیٰ ابن مریم

ان نصاریٰ میں جو تثلیث کا عقیدہ تھا مثلاً بعضے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تم کو اور تمہاری والدہ مریم علیہا السلام کو شریک خدائی مانتے تھے اس کا سبب کیا ہوا۔

ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ

کیا تم نے ان لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی علاوہ خدا کے

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

معبود قرار دے لو

اس سوال میں تصریحاً تو صدور قول کی بابت سوال ہے کہ تم نے یہ بات کہی یا نہیں لیکن اشارۃً یہ سوال بھی مترشح ہوتا ہے کہ اس تثلیث کے عقیدہ کا سبب کیا ہوا اسی لئے عیسیٰ علیہ السلام اول جواب میں اپنی براءت ظاہر کریں گے پھر ان کی حالت کے متعلق عرض کریں گے ۱۲

قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْ اَنْ

تو عیسیٰ علیہ السلام عرض کرینگے کہ (توبہ توبہ) میں تو آپکو (شریک سے) منزہ سمجھتا ہوں

جیسا کہ آپ واقع میں بھی اس سے منزہ اور پاک ہیں تو ایسی حالت میں (آگے ترجمہ)

اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ

مجھ کو کسی طرح زیبا نہ تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھ کو کوئی حق نہیں

نہ عقیدہ کے اعتبار سے کیونکہ میں موحد ہوں نہ واقع کے اعتبار سے کیونکہ آپ درحقیقت واحد ہیں آگے اپنے نہ کہنے کی دلیل بیان فرماتے ہیں۔

اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ

اگر میں نے کہا ہوگا تو آپ کو اس کا علم ہوگا

مگر جب آپ کے علم میں بھی یہی ہے کہ میں نے نہیں کہا تو یہ سچ ہے کہ میں اس بات سے بری ہوں۔

تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ

آپ تو میرے دل کے اندر کی بات بھی جانتے ہیں

تو جو بات زبان سے کہتا اس کا علم تو آپ کو کیسے نہ ہوتا۔

وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ

اور میں آپ کے علم میں جو کچھ ہے اس کو نہیں جانتا

یعنی اس بارہ میں مثل دیگر مخلوقات کے میں بھی اس قدر عاجز ہوں کہ بدون آپکے بتلائے ہوئے آپکے علوم کو نہیں جان سکتا ہوں (آگے ترجمہ)

اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝۱۱۶

تمام غیبوں کے جاننے والے آپ ہیں

سو جب اپنا اس قدر عاجز ہونا اور آپ کا اس قدر کامل ہونا مجھ کو معلوم ہے تو شرکت خدائی کا میں کیونکر دعویٰ کر سکتا تھا یہاں تک تو اس بات کے کہنے کی نفی ہوئی آگے یہ عرض کرتے ہیں کہ میں نے تو اس کے خلاف اپنے بندہ ہونے کا ان کے سامنے اقرار کیا تھا اور صرف آپ کی عبادت کا ان کو حکم دیا تھا ۱۲

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا

میں نے تو ان سے اور کچھ نہیں کہا مگر صرف وہی جو آپ نے مجھ سے کہنے کو

اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ

فرمایا تھا کہ تم اللہ کی بندگی اختیار کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے

یہاں تک عیسیٰ علیہ السلام اپنی برأت کر کے ان لوگوں کی حالت کے متعلق عرض کرتے ہیں

وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ
اور میں ان پر مطلع رہا جب تک ان میں رہا

اس وقت تک کا حال تو میں نے مشاہدہ کیا ہے اسکے متعلق عرض کرسکتا ہوں

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ
پھر جب آپ نے مجھ کو اٹھالیا

یعنی پہلی بار تو آسمان کی طرف زندہ اٹھایا دوسری بار طبعی موت کے طور پر اٹھایا۔

اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ
تو آپ ان پر مطلع رہے

اس وقت کی مجھ کو کچھ خبر نہیں کہ ان کی گمراہی کا سبب کیا ہوا اور کیوں کر ہوا۔

وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۱۷﴾
اور آپ ہر چیز کی پوری خبر رکھتے ہیں

یہاں تک اپنا اور ان کا معاملہ عرض کر کے آگے ان کے اور حق تعالیٰ کے معاملہ کی بابت عرض کرتے ہیں کیونکہ اس سوال سے کہ کیا تم نے نصاریٰ سے کہہ دیا تھا کہ تم کو اور تمہاری والدہ کو معبود بنائیں طبعاً سامعین کا ذہن اس طرف منتقل ہوسکتا ہے کہ اس صورت میں امت الزام سے بری ہوگی پس اس سوال سے یہ بات بھی مترشح ہوسکتی ہے کہ کیا آپ کے نزدیک یہ لوگ رہائی کے قابل ہیں پس اس بارہ میں یوں عرض کریں گے (آگے ترجمہ)

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ
اگر آپ ان کو سزا دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں

اور آپ ان کے مالک ہیں اور مالک کو حق ہے کہ بندوں کو ان کے جرائم پر سزا دے اس لئے آپ اس کے بھی مختار ہیں۔

وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ
اور اگر آپ ان کو معاف فرمادیں تو آپ زبردست ہیں

قدرت والے ہیں معافی پر بھی آپ قادر ہیں اس لئے اس کے بھی آپ مختار ہیں۔

الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾
حکمت والے ہیں

تو آپ کی معافی بھی حکمت کے موافق ہوگی اس لئے اس میں بھی کوئی قباحت نہیں ہوسکتی مطلب یہ کہ آپ دونوں حالت میں مختار ہیں میں کچھ دخل نہیں دیتا غرض عیسیٰ علیہ السلام اول تثلیث کے عقیدہ اور اس کی تعلیم سے اپنی برات ظاہر کریں گے پھر ان کے اس عقیدہ کا مفصل سبب جاننے سے پھر ان کے بارہ میں کسی قسم کی کوئی تحریک کرنے سے تبریٰ ظاہر کریں گے اور حق تعالیٰ کا اس گفتگو سے یہی مقصود ہوگا کہ ان کفار کو اپنی نادانی پر پوری توبیخ ہوجائے اور ناکامی پر کامل حسرت ہو۔

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ
اللہ تعالیٰ ارشاد فرماویں گے کہ یہ وہ دن ہے کہ جو لوگ سچے تھے

یعنی صحیح راستہ پر تھے

صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
ان کا سچا ہونا ان کے کام آوے گا ان کو باغ ملیں گے جن کے نیچے نہریں
خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا
جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی
عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾
اور خوش اور یہ اللہ تعالیٰ سے راضی اور خوش ہیں یہ بڑی بھاری کامیابی ہے

کہ دنیا میں کوئی کامیابی اس کے برابر نہیں ہوسکتی۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ؕ وَهُوَ
اللہ ہی کی ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور ان چیزوں کی جو ان میں
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۲۰﴾
موجود ہیں اور وہ ہر شے پر پوری قدرت رکھتے ہیں

ان کی قدرت ذاتی ہے ان کو ہر شے میں ہر تصرف کا اختیار ہے۔

(۶) سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ مَكِّيَّةٌ (۵۵)

سورہ انعام مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں ایک سو پینسٹھ آیتیں اور بیس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو کہ نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لائق ہیں جس نے آسمانوں کو

وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۥ ثُمَّ

اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیوں کو اور نور کو بنایا پھر

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱﴾ هُوَ

بھی کافر لوگ اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں وہ

الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ

ایسا ہے جس نے تم کو مٹی سے بنایا

یعنی آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا اور ان کے واسطہ سے سب کو پیدا کیا۔

ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ۭ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ

پھر ایک وقت معین کیا اور دوسرا معین وقت خاص اللہ ہی کے نزدیک ہے

حق تعالیٰ نے دوسرے وقت کو اپنے ساتھ مخصوص فرمایا کیونکہ پہلا وقت یعنی موت کا علم ظنی طور پر علامات سے مخلوق کو بھی معلوم ہوسکتا ہے گو یقینی طور پر نہ سہی اور قیامت کا علم کسی طرح بھی نہیں ہوسکتا

ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ﴿۲﴾

پھر بھی تم شک رکھتے ہو

کہ دوبارہ زندہ ہونے کو محال سمجھتے ہو حالانکہ جس نے پہلی بار حیات دی اس کو دوبارہ دینا کیا مشکل ہے۔

وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ۭ

اور وہی ہے معبود برحق آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی

یعنی باقی اور سب معبود باطل ہیں۔

يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ﴿۳﴾

وہ تمہارے پوشیدہ احوال کو بھی اور تمہارے ظاہر احوال کو بھی جانتے ہیں اور تم جو کچھ عمل کرتے ہو اس کو جانتے ہیں

تینوں آیتوں میں مقصود مشترک توحید ثابت کرنا ہے کہ عبادت کے لائق وہی ہے جس میں یہ صفات ہوں کہ تمہاری ذات اور تمام عالم کا پیدا کرنے والا ہو اور ظاہر و باطن کا جاننے والا ہو اور آخر کی دو آیتوں میں قیامت کی خبر اور اس کے استحالہ کا دفعیہ ہے اور اعمال پر حساب ہونے کی تنبیہ ہے جس سے شرک پر وعید ثابت ہوگئی **ربط**: اوپر توحید کے دلائل مذکور تھے آگے کفار کا مطلقاً آیات الٰہی سے اعراض کرنا مع وعید کے مذکور ہے وماتاتيهم من اية تا قرنا اخرين

وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا

اور ان کے پاس کوئی نشانی بھی ان کے رب کی نشانیوں میں سے نہیں آتی مگر وہ

كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۴﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ

اس سے اعراض ہی کیا کرتے ہیں سو انہوں نے اس سچی کتاب کو بھی جھوٹا بتلایا

کیونکہ یہ ان کا شیوہ ہوگیا ہے پس ان کی یہ تکذیب خالی نہ جائے گی ۱۲

لَمَّا جَآءَهُمْ ۭ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰۗـؤُا مَا كَانُوْا

جبکہ وہ ان کے پاس پہنچی سو جلدی ہی ان کو خبر مل جاوے گی اس چیز کی جس

بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۵﴾

کے ساتھ یہ لوگ استہزاء کیا کرتے تھے

مراد اس سے عذاب ہے جس کی خبر قرآن میں سن کر ہنستے تھے مطلب یہ ہے کہ جب عذاب نازل ہوگا اس وقت اس کی خبر آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور اگر وہ عذاب کو بعید سمجھتے ہیں تو یہ ان کی غلطی ہے (آگے ترجمہ)

اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ

کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم ان سے پہلے کتنی جماعتوں کو ہلاک کر چکے

مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ

ہیں جن کو ہم نے دنیا میں ایسی قوت دی تھی کہ تم کو وہ قوت نہیں دی۔

وَاَرْسَلْنَا السَّمَاۗءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۠ وَّجَعَلْنَا

اور ہم نے ان پر خوب بارشیں برسائیں اور ہم نے ان کے نیچے سے

الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ

نہریں جاری کیں

جس سے زراعت اور پھلوں کی خوب ترقی ہوئی اور ثروت سے گزر کرتے تھے مگر باوجود اس قدر قوت وسامان کے ۱۲ (آگے ترجمہ)

فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ

پھر ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر ڈالا اور ان کے بعد

قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۶﴾

دوسری جماعتوں کو پیدا کر دیا

ان کے ہلاک کرنے سے حقیقت میں تو ہمارا کیا نقصان ہوتا ظاہر میں بھی تو ہمارے ملک میں کوئی کمی نہیں آئی کہ دنیا ویسی ہی بسی رہی اسی طرح اگر تم پر عذاب نازل کر دیں تو تعجب کیا ہے اور ان ہلاک ہونے والی جماعتوں سے عاد وثمود وغیرہ مراد ہیں کہ قسم قسم کے عذابوں سے ہلاک کئے گئے اور ان کی ہلاکت کے آثار نمایاں تھے۔ ان آثار کے دیکھنے کو ہلاکت کا دیکھنا فرما دیا۔ اور جس عذاب سے کفار موجودین کو ڈرایا گیا ہے مراد اس سے یا تو دنیوی عذاب ہو چنانچہ قتل وقید کئے گئے یا عذاب آخرت مراد ہو کہ وہ بھی قریب ہے کیونکہ موت کے ساتھ ہی اس کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے **ربط:** کفار کے اعراض وتکذیب کو بیان فرما کر آگے اس تکذیب پر ان کے اصرار وعناد کا ذکر فرماتے ہیں جو کہ توحید وآیات الٰہی کے ساتھ رسالت کے بارے میں بھی تھا اور یہ تینوں مضمون جس ترتیب کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں واقع میں بھی ان میں یہی ترتیب ہے کیونکہ تکذیب تو اعراض سے سخت ہے اور عناد تکذیب سے بڑھ کر ہے ولو نزلنا علیک کتبا یلبسون

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ

اور اگر ہم کاغذ پر لکھا ہوا کوئی نوشتہ آپ پر نازل فرماتے

جیسا کہ یہ لوگ کہا کرتے ہیں۔ تنزل علینا کتبا نقرؤہ کہ ہمارے پاس ایسی کتاب لاؤ جس کو ہم پڑھ لیں

فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ

پھر اس کو یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے

جس میں نظر بندی کا احتمال بھی نہ ہو سکتا۔

لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ

تب بھی یہ کافر لوگ یہی کہتے کہ یہ کچھ بھی نہیں مگر

مُّبِيْنٌ ﴿۷﴾

صریح جادو ہے

کیونکہ جب دل میں ارادہ ماننے کا نہیں ہوتا تو ہر دلیل میں انسان کوئی نہ کوئی بات نکال لیتا ہے

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ

اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا

جس کو ہم دیکھیں اور اس کی باتیں سنیں اور ان کی یہ درخواست بہت سی آیتوں میں بیان کی گئی ہے حق تعالیٰ جواب میں فرماتے ہیں (ترجمہ دیکھو)

وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا

اور اگر ہم کوئی فرشتہ بھیج دیتے تو سارا قصہ ہی ختم ہو جاتا پھر ان کو ذرا

يُنْظَرُوْنَ ﴿۸﴾

مہلت نہ دی جاتی

بلکہ جب اس کو نہ مانتے جیسا کہ ان کی حالت سے بھی یقین ہے تو فوراً عذاب نازل ہو جاتا کیونکہ زبردست نشان پھر وہ بھی فرمائش سے نازل ہونے کے بعد حسب عادت الٰہی اُس کا نہ ماننا فوری ہلاکت کا موجب ہوتا ہے اور اب بھی گو نہ ماننے سے گو عذاب ہوگا مگر چندے مہلت تو ہے جس میں اگر توبہ کرنا چاہیں تو ممکن ہے اور اگر کسی کو یہ احتمال ہو کہ شاید فرشتہ کو دیکھنے اور اس کی باتیں سننے کے بعد یہ مان ہی لیتے تو آگے اس احتمال کا غلط ہونا بیان فرماتے ہیں۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا

اور اگر ہم اس کو فرشتہ تجویز کرتے تو ہم اس کو آدمی ہی بناتے

یعنی آدمی ہی کی شکل میں اس کو بھیجتے کیونکہ اگر اصلی صورت میں بھیجتے تو آدمی اپنے ان حواس سے فرشتہ کو اصلی صورت میں بھیجتے تو آدمی اپنے ان حواس سے فرشتہ کو اصلی صورت میں نہ دیکھ سکتے۔

وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ﴿۹﴾

اور ہمارے اس فعل سے پھر ان پر وہی اشکال ہوتا جو اب اشکال کر رہے ہیں

کیونکہ جب وہ فرشتہ آدمی کی شکل پر ہوتا تو اس کو بشر سمجھ کر پھر یہی اعتراض کرتے کہ ہمارے پاس فرشتہ کو رسول بنا کر کیوں نہ بھیجا گیا۔ غرض فرشتہ کے رسول بننے سے ان کا نفع تو کچھ نہ ہوتا کیونکہ پھر بھی اشتباہ وہی قائم رہتا اور ضرر یہ ہوتا کہ نہ ماننے سے فوراً ہلاک کر دیئے جاتے اس لئے ہم نے ایسا نہیں کیا خلاصہ یہ کہ محض عناد کی وجہ سے ایسی باتیں نکالتے ہیں جو ہدایت اور حق واضح ہونے کا طریقہ نہیں اور جو اس کا طریقہ ہے کہ موجودہ آیات ومعجزات میں غور کریں اس سے یہ کام نہیں لیتے ۱۲

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ

اور واقعی آپ سے پہلے جو پیغمبر ہوئے ہیں ان کے ساتھ بھی استہزا کیا گیا ہے

فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا

پھر جن لوگوں نے ان سے تمسخر کیا تھا ان کو اس عذاب نے آ گھیرا

بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿١٠﴾

جس کا تمسخر اڑاتے تھے

تو اس سے پیغمبروں کا نقصان نہیں ہوا بلکہ ان کو ہی اس کا انجام بھگتنا پڑا۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ

آپ فرما دیجئے کہ ذرا زمین میں چلو پھرو پھر دیکھ لو

كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١١﴾

کہ تکذیب کرنے والوں کا کیا انجام ہوا

کہ آثار کے ہوتے ہوئے انکار مشکل ہے

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ

آپ کہیے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں موجود ہے یہ سب کس کی ملک ہے

وہ خود ہی اس پر خدا کی توحید کے اظہار پر مجبور ہوں گے

قُلْ لِّلّٰهِ ۭ كَتَبَ عَلٰي

آپ کہہ دیجئے کہ سب اللہ ہی کی ملک ہے اللہ تعالیٰ نے مہربانی

یعنی توبہ کے بعد مہربانی فرمانے کا وعدہ ہے۔

نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

فرمانا اپنے اوپر لازم فرما لیا ہے تم کو خدا تعالیٰ قیامت کے روز جمع کریں گے

اور سب کا حساب لیں گے

لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ

اس میں کوئی شک نہیں

کہ یہ وعدۂ قیامت حق ہے

اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

جن لوگوں نے اپنے کو ضائع کر لیا ہے

یعنی اپنی عقل ونظر صحیح کو برباد کر لیا ہے

فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٢﴾

سو وہ ایمان نہ لاویں گے

کیونکہ ہر مطلوب کو حاصل کرنے کے لئے قوت فکریہ سے کام لینا ضروری ہے اور یہ اس سے کام لینا نہیں چاہتے پھر ایمان کیونکر لاویں گے آگے اثبات توحید کے لئے مکرر ارشاد فرماتے ہیں تاکہ شاید ہدایت ہو جائے ورنہ حجت اچھی طرح قائم ہو جائے کہ آپ ان سے یوں بھی کہئے کہ (آگے ترجمہ)

وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ

اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ رات میں اور دن میں رہتے ہیں

سب کا حاصل یہ ہوا کہ جتنی چیزیں کسی مکان یا زمان میں ہیں سب اللہ کی مملوک ہیں

وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١٣﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ

اور وہی ہے بڑا سننے والا بڑا جاننے والا آپ کہیے کہ کیا اللہ کے سوا جو کہ

اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے ہیں اور جو کہ کھانے کو دیتے ہیں

وَهُوَ يُطْعِمُ

اور ان کو کوئی کھانے کو نہیں دیتا

کیونکہ وہ اس سے مستغنی ہیں جیسا کہ اوپر مالک الکل ہونے سے ثابت ہو چکا ہے کہ وہی رزاق ہیں اور صفات کمال ثابت ہو جانے کے بعد نقصان وعیب کی نفی خود ہو جاتی ہے اور کھانے پینے کا محتاج ہونا عیب ہے تو صفات مذکورہ سے اس کی بھی نفی ہو گئی ۱۲

وَلَا يُطْعَمُ ۭ قُلْ

کسی کو معبود قرار دوں۔ آپ فرما دیجئے

کہ میں اللہ کے سوا کسی کو معبود کیسے بنا سکتا ہوں کہ اول تو یہ دلائل عقلیہ کے خلاف ہے دوسرے دلیل نقلی کے بھی خلاف ہے (ترجمہ دیکھو)

اِنِّىْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ

کہ مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے میں اسلام قبول کروں

یعنی جتنے لوگوں کو قرآن کے ذریعہ سے توحید پہنچے گی ان میں سب سے

پہلے مجھ کو اسلام کے اصول اور فروع ماننے کا حکم ہے جن میں توحید بھی داخل ہے۔

وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ⑭

اور تم مشرکین میں سے ہرگز نہ ہونا

یہ حکم دوسروں کو سنانے کے لئے ہے تا کہ تنبیہ ہو کہ جب نبی معصوم کو جس سے شرک کے واقع ہونے کا احتمال بھی نہیں ہو یہ حکم کیا گیا ہے تو دوسرے جو معصوم نہیں اور ان میں شرک کا احتمال بھی ہے اور وجود بھی ہے ان کو تو کیونکر یہ حکم نہ ہوگا۔

قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي

آپ کہہ دیجئے کہ میں اگر اپنے رب کا کہنا نہ مانوں

عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ⑮

تو میں ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں

مطلب یہ کہ اپنے آپ اوپر رکھ کر ان کو شرک کا عذاب سنا دیجئے پس مطلب یہ ہے کہ جو لوگ خدا کا کہنا نہیں مانتے ان کو سخت عذاب ہوگا۔

مَنْ يُصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهُ ۚ

جس شخص سے اس روز عذاب ہٹا دیا جاوے گا تو اس پر اللہ تعالیٰ نے بڑا رحم کیا

اور یہ وہ شخص ہوگا جو کہ اسلام قبول کرنے میں اور شرک سے بچنے میں خدا کا کہنا مانے

وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ ⑯

اور وہ صریح کامیابی ہے

عذاب کی اس کیفیت سے اس رحمت کی تفصیل ہوگئی جس کا وعدہ توحید قبول کرنے والوں کے لئے پہلے کیا گیا ہے آگے اپنی قدرت کاملہ ظاہر فرماتے ہیں تا کہ وعدہ رحمت و وعید عذاب میں کسی کی مزاحمت اور مقابلہ کا احتمال نہ رہے

وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ

اور اگر اللہ تعالیٰ تجھ کو کوئی تکلیف پہنچاویں تو اس کا دور کرنے والا سوا اللہ تعالیٰ

لَهُ إِلَّا هُوَ ۖ

کے اور کوئی نہیں

وہ چاہیں دور کریں یا نہ کریں خواہ دیر میں کریں یا جلدی کریں

وَإِنْ يَمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

اور اگر تجھ کو کوئی نفع پہنچا دیں تو وہ ہر چیز پر پوری قدرت

قَدِيرٌ ⑰

رکھنے والے ہیں

ان کے مقابلہ میں کسی کو قدرت نہیں اس لئے ان کے ارادہ کو کوئی نہیں ہٹا سکتا آگے اسی مضمون کی تاکید ہے

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ

اور وہی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اوپر غالب ہیں برتر ہیں اور وہی بڑی حکمت

الْخَبِيرُ ⑱

والے اور پوری خبر رکھنے والے ہیں

پس علم سے سب کا حال جانتے ہیں اور قدرت سے سب کو جمع کریں گے اور حکمت سے مناسب جزا و سزا دیں گے اس لئے اسلام قبول کرنا ضروری ہے۔

قُلْ أَيُّ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً ۖ

آپ کہیے کہ سب سے بڑھ کر چیز گواہی دینے کے لئے کون ہے

ربط: اوپر توحید و رسالت کے بارہ میں جدا جدا کلام ہوا ہے آگے دونوں میں ایک ساتھ کلام ہے اور اس کا شان نزول بھی دو واقعے ہیں جو دونوں مسئلوں کے متعلق تھے ایک بار کفار مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر کہا خدا تعالیٰ کو آپ کے سوا کوئی رسول نہیں ملا ہم تو نہیں سمجھتے کہ آپ کے دعویٰ کی کوئی تصدیق کر سکتا ہے ہم نے تو یہود و نصاریٰ سے پوچھ کر دیکھ لیا وہ تو یوں کہتے ہیں کہ ان کی کتابوں میں آپ کا ذکر ہی نہیں سو ہم کو کوئی بتلائے جو اس بات کی گواہی دے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اور ایک بار چند لوگوں نے آپ کی خدمت میں آ کر کہا کہ کیا آپ کے علم میں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں آپ نے فرمایا کہ میرے علم میں کیا واقع میں بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں میں تو یہی دے کر بھیجا گیا ہوں اور اسی کی دعوت کرتا ہوں اس پر یہ آیت نازل ہوئی **قل ای شیء اکبر شھادۃ تا لا یفلح الظلمون**

جس کی گواہی پر کسی اختلافی مسئلہ کا فیصلہ ہو جائے اس کا جواب ظاہر ہے کہ یہی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑھ کر ہیں ۱۲

قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۚ

آپ کہیے کہ میرے تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ گواہ ہے

جس کی گواہی سب سے بڑھ کر ہے آگے بتلاتے ہیں کہ خدا کی گواہی کیا ہے (ترجمہ دیکھو)

وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ

اور میرے پاس یہ قرآن بطور وحی کے بھیجا گیا ہے

جس کا اعلیٰ درجہ کا معجزہ ہونا ظاہر ہو چکا پس قرآن اپنے اعجاز کی وجہ سے میرے منجانب اللہ رسول ہونے کی دلیل ہے

لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۭ

تاکہ میں اس قرآن کے ذریعہ سے تم کو اور جس جس کو یہ قرآن پہنچے ان سب کو ڈراؤں

پس قرآن کے معجزہ ہونے سے اللہ کی ظاہری گواہی اور اس کے مضامین سے شرعی گواہی ثابت ہوگئی اور اس آیت میں حضور کی رسالت کا تمام مخلوق کے لئے عام ہونا مذکور ہے چنانچہ ترجمہ سے ظاہر ہے

اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً

کیا تم سچ مچ یہی گواہی دو گے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کچھ اور

اُخْرٰى ۭ

معبود بھی ہیں

اگر اس شہادت کبریٰ کے بعد بھی ہٹ دھرمی سے وہ یہی کہیں کہ ہاں ہم تو یہی گواہی دیں گے تو اس وقت ان سے بحث کرنا لاحاصل ہے بلکہ صرف اپنے عقیدہ کو ظاہر کر دیجئے۔

قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ

آپ کہہ دیجئے کہ میں تو گواہی نہیں دیتا آپ فرما دیجئے کہ بس وہ تو ایک ہی

بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۱۹

معبود ہے اور بیشک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں

اور رسالت کے بارے میں جو کہا جاتا ہے کہ ہم نے یہود و نصاریٰ سے پوچھ کر دیکھ لیا تو اس بارہ میں تحقیق یہ ہے کہ (ترجمہ دیکھو)

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ لوگ رسول کو پہچانتے ہیں جس طرح

يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاۗءَهُمْ ۘ

اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں

کہ بیٹے کی صورت دیکھ کر عادۃً کبھی شبہ نہیں ہوتا کہ یہ کون شخص ہے اسی طرح وہ حضور کو دل سے بلاشک وشبہ خوب پہچانتے ہیں کہ یہ رسول برحق ہیں گو زبان سے انکار و اخفاء کریں لیکن جب شہادت کبریٰ قرآن مجید و دیگر معجزات موجود ہونے کی وجہ سے اہل کتاب کی شہادت پر مدار ہی نہیں تو اس کے نہ ہونے سے کیوں استدلال کیا جائے۔

اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

جن لوگوں نے اپنے کو ضائع کر لیا ہے

کہ ایسی شہادت کبریٰ کے ہوتے ہوئے بھی اپنی عقل کو اس میں صحیح طور پر نظر کرنے سے معطل کر لیا ہے خواہ وہ اہل کتاب ہوں یا ان کے غیر

فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۲۰

سو وہ ایمان نہ لاویں گے

اور رسالت کو نہ مانیں گے آگے بتلاتے ہیں کہ یہ منکرین توحید و رسالت کے مسئلہ میں عقلاً بھی نہایت بے انصافی سے کام لے رہے ہیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا

اور اس سے زیادہ اور کون بے انصاف ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بہتان باندھے

مثلاً خدا کے ساتھ شریک قرار دے جیسا کہ مشرکین کرتے تھے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کو دوسرے غلط اوصاف سے بدل ڈالے جیسا کہ اہل کتاب کرتے تھے۔

اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ

یا اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھوٹا بتلاوے

حاصل یہ ہے کہ جن چیزوں کی خدا اور رسول نفی کرنا چاہتے تھے ان کو یہ لوگ ثابت کرتے ہیں اور جن چیزوں کو ماننا چاہئے تھا ان کا انکار کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ دونوں صورتوں میں صریح ظلم اور بے انصافی ہے۔

اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۲۱

ایسے بے انصافوں کو رستگاری نہ ہو گی

بلکہ دائمی عذاب میں مبتلا رہیں گے اور الذین خسروا الخ یہ مضمون اوپر بھی قریب آیا ہے مگر وہاں توحید کے بارہ میں تھا اور یہاں

رسالت کے بارہ میں ہے پس تکرار نہ رہا گو تاکید کے لئے بھی دوبارہ ایک مضمون کو لانا مستحسن ہے اور اہل کتاب کے رسول اللہ کو پہچاننے کی بعض ضروری تحقیقات سیقول میں گزر چکی ہیں ملاحظہ کرلی جائیں۔

ربط: اوپر کفار کا فلاح نہ پانا مذکور ہے آگے اس فلاح نہ پانے کی کچھ کیفیت مذکور ہے۔ **ویوم نحشرھم جمیعا تا یفترون**

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ

اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جس روز ہم ان تمام خلائق کو جمع کریں گے

أَشْرَكُوا

پھر ہم مشرکین سے (بواسطہ یا بلاواسطہ توبیخ کے طور پر) کہیں گے

اس جگہ یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ آیت سے خدا تعالیٰ کا کفار کے ساتھ کلام فرمانا معلوم ہوتا ہے حالانکہ دوسری آیت میں **لا یکلمھم اللہ** آیا ہے کہ خدا تعالیٰ ان سے کلام نہ فرمائیں گے۔ ترجمہ میں توبیخ کی قید بڑھا کر اس کے جواب کی طرف اشارہ فرمایا گیا۔

أَيْنَ شُرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٢٢﴾

کہ (بتلاؤ) تمہارے وہ شرکاء جن کے معبود ہونے کا تم دعویٰ کرتے تھے کہاں گئے

یعنی اب تمہاری سفارش کیوں نہیں کرتے جس پر تم کو بھروسہ تھا۔

ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا وَاللَّهِ

پھر ان کے شرک کا انجام اس کے سوا اور کچھ بھی نہ ہوگا کہ وہ یوں کہیں گے کہ

رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ﴿٢٣﴾

قسم اللہ کی اپنے پروردگار کی ہم مشرک نہ تھے

یعنی کوئی ان کے کام نہ آئے گا اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ قیامت میں تو سب حقائق منکشف ہو جائیں گے وہاں مشرکین جھوٹ کیسے بولیں گے جواب یہ ہے کہ غایت حیرت و دہشت سے اور کچھ نہ بن پڑے گا شرک سے نفرت و بیزاری ظاہر کرتے ہوئے بدحواسی سے جھوٹ بول دیں گے اور یہ بھی شبہ نہ کیا جائے کہ اس آیت میں شرک کا انجام اس قول میں منحصر کردیا گیا ہے کہ بس شرک کا یہی انجام ہوگا کہ وہ یوں کہیں گے حالانکہ دوزخ میں جانا بھی شرک کا انجام ہے جواب یہ ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے شرک پر ذرا بھی نہ جمیں گے بلکہ آخر کار اس کا انکار ہی کرتے بن پڑے گا پس اس جگہ اقوال کے اعتبار سے حصر ہے کہ بات اس کے سوا کچھ نہ کریں گے ہر اعتبار سے حصر مقصود نہیں۔

انْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ

ذرا دیکھو تو کس طرح جھوٹ بولا اپنی جانوں پر اور جن چیزوں کو وہ جھوٹ

عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢٤﴾ وَمِنْهُمْ مَنْ

موٹ تراشا کرتے تھے وہ سب غائب ہوگئیں اور ان میں بعض ایسے ہیں

يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ ج

کہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں

ربط: اوپر توحید و رسالت کے انکار کی مذمت اور جزا کا بیان تھا آگے قرآن کے انکار کی قباحت مذکور ہے **ومنھم من یستمع تا یشعرون**

یعنی آپ کے قرآن پڑھنے کے وقت اس کو سنتے ہیں مگر چونکہ وہ سننا طلب حق کے لئے نہیں ہوتا اس لئے قرآن سے منتفع نہیں ہوتے۔

وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً

اور ہم نے ان کے دلوں پر حجاب ڈال رکھے ہیں

یہ مثال کے طور پر فرمایا گیا ہے اور یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ جب خدا نے ان کے دلوں پر پردہ ڈال دیا ہے تو وہ معذور ہوئے جواب یہ ہے کہ یہ حجاب اس وقت پڑا جب کہ انہوں نے بااختیار قرآن سے اعراض کیا اور عناد اختیار کیا اس کی تحقیق پارہ الم میں گزر چکی ہے

أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ط

اس سے کہ وہ اس کو سمجھیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ دے رکھی ہے

یہ تو ان کے دلوں اور کانوں کی حالت ہے آگے نگاہوں کا حال بتلاتے ہیں ۱۲

وَإِنْ يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَا يُؤْمِنُوا بِهَا ط

اور اگر وہ لوگ تمام دلائل کو دیکھ لیں ان پر بھی ایمان نہ لاویں

یعنی غایت درجہ کے معاند ہیں اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ سورہ شعراء کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعضی نشانیوں پر ضرور ایمان لانا پڑے **ان نشاننزل علیهم من السماء اية فظلت اعناقهم لها خاضعين** کہ اگر ہم چاہیں تو آسمان سے ایسی نشانی بھیج دیں جس کے سامنے ان کی گردنیں جھک جائیں اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی دلیل پر ایمان نہ لاویں گے جواب یہ ہے کہ اس جگہ بے اختیاری ایمان کا ذکر ہے جو مقبول نہیں اور یہاں اختیاری ایمان کی نفی کی گئی ہے جو شرع میں مطلوب

ہے مطلب یہ ہے کہ اپنے اختیار سے یہ لوگ کبھی ایمان نہ قبول کریں گے۔اور یہ آیت خاص لوگوں کے بارہ میں ہے جن کا خاتمہ علم الٰہی میں کفر پر ہونے والا تھا آگے ان کے عناد کی انتہا بتلاتے ہیں ۱۲

حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ

یہاں تک کہ جب یہ لوگ آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے خواہ مخواہ جھگڑتے ہیں یہ لوگ جو کافر ہیں یوں کہتے ہیں

كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۲۵

کہ یہ تو کچھ بھی نہیں صرف بے سند باتیں ہیں جو پہلوں سے چلی آ رہی ہیں

یعنی تمام ادیان والے ایسی ہی باتیں کرتے چلے آئے ہیں کہ معبود ایک ہے بشر بھی نبی ہو سکتا ہے قیامت میں پھر زندہ ہونا مطلب یہ ہے کہ عناد کی وجہ سے انکار سے گزر کر مباحثہ اور جدال تک ان کی نوبت پہنچی ہے پھر اس سے گزر کر دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کی فکر میں ہیں۔

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ

اور یہ لوگ اس سے اوروں کو بھی روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور رہتے

يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ

ہیں اور یہ لوگ اپنے ہی کو تباہ کر رہے ہیں

نہ رسول کا کوئی نقصان ہے نہ قرآن کا رسول کو رسالت کا ثواب ہر حال میں ملے گا کیونکہ وہ تو اپنا کام کر چکے قرآن کا نور ہدایت کامل ہو کر رہے گا۔ لیظھرہ علی الدین کلہ **ربط:** جیسا کہ اوپر توحید و رسالت کے انکار پر ان کی سزا کا بیان تھا اسی طرح قرآن کے انکار پر سزا کا بیان فرماتے ہیں۔

وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝۲۶ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى

اور کچھ خبر نہیں رکھتے اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جبکہ یہ دوزخ کے پاس

النَّارِ

کھڑے کئے جاویں گے

تو بڑا ہولناک منظر سامنے ہوگا۔

فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ

تو کہیں گے ہائے کیا اچھی بات ہو کہ ہم پھر واپس بھیج دیئے جاویں اور اگر ایسا ہو

رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲۷

جائے تو ہم اپنے رب کی آیات کو جھوٹا نہ بتاویں اور ہم ایمان والوں سے ہو جاویں

دنیا میں جا کر ایمان لانے کی تمنا اس لئے ہوگی کہ دنیا کا ایمان ہی باعث نجات ہے۔

بَلْ بَدَا لَهُمْ

بلکہ جس چیز کو اس کے قبل دبایا کرتے تھے

اور اس کا اقرار نہ کرتے تھے۔

مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ

وہ ان کے سامنے آ گئی ہے

اور جان بچانے کو یہ سارے وعدے ہو رہے ہیں۔

وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ

اور اگر یہ لوگ پھر واپس بھی بھیج دیئے جاویں تب بھی یہ وہی کام کریں جس سے ان کو منع کیا گیا تھا

یعنی کفر و تکذیب و انکار وغیرہ

وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝۲۸

اور یقیناً یہ بالکل جھوٹے ہیں

نہ اس وقت ایفا کا قصد ہے نہ دنیا میں جا کر ایفا کرتے **ربط:** اوپر توحید و رسالت و قرآن کے انکار پر سزاؤں کا بیان تھا آگے قیامت کے انکار اور اس کی سزا کا بیان ہے۔ وقالوا ان ھی تا تکفرون

وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا

اور یہ کہتے ہیں کہ جینا اور کہیں نہیں صرف یہی فی الحال جینا ہے اور ہم زندہ نہ

نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝۲۹ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ

کیے جاویں گے اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جبکہ یہ اپنے

وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ

رب کے سامنے کھڑے کئے جاویں گے

تو بڑا عجیب واقعہ نظر آوے اور پہلی آیت میں فرمایا ہے کہ دوزخ کے پاس کھڑے کئے جاویں گے اس میں اور اس میں کچھ تعارض نہیں کیونکہ یہ حساب کے لئے خدا کے سامنے کھڑا کیا جانا دوزخ ہی کے پاس ہوگا اور وہیں یہ دونوں واقعے ہوں گے۔

قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى

اور اللہ تعالیٰ فرماوے گا کہ کیا یہ امر واقعی نہیں ہے۔

وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا

وہ کہیں گے بیشک قسم اپنے رب کی اللہ تعالیٰ فرماوے گا

كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝۳۰ۧ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ

تو اب اپنے کفر کے عوض عذاب چکھو بیشک خسارے میں پڑے وہ لوگ

كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ ۭ

جنہوں نے اللہ سے ملنے کی تکذیب کی

ربط: اوپر قیامت کے منکروں پر وعید تھی آگے بھی اسی کا تتمہ ہے۔

قد خسر الذین تا یزرون

یعنی قیامت میں زندہ ہو کر خدا کے روبرو پیش ہونے کا انکار کیا اور خسارہ کا بیان اوپر بھی آچکا ہے اور آگے بھی آتا ہے اور یہ تکذیب تھوڑے ہی دنوں رہے گی۔

حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً

یہاں تک کہ جب وہ معین وقت ان پر دفعۃً آ پہنچے گا۔

اس وقت سارے دعوے ختم ہو جاویں گے اور یہ تکذیب اگرچہ مرتے ہی ختم ہو جائے گی لیکن قیامت کو منتہیٰ اس لئے قرار دیا کہ اس وقت پورا انکشاف ہو جائے گا اور صاحب کشاف نے یہ کہا ہے کہ موت کا وقت بھی قیامت کا مقدمہ ہے اس لئے وہ بھی حکماً قیامت میں داخل ہے۔

قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰي مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ

کہنے لگیں گے کہ ہائے افسوس ہماری کوتاہی پر جو اس کے بارے میں ہوئی

وہ کوتاہی یہ ہے کہ قیامت کو جھٹلایا جس سے اس کے حقوق ضائع ہوئے ربط: اوپر کفار کا یہ قول نقل فرمایا تھا کہ وہ کہتے ہیں کہ حیات دنیا کے سوا کوئی زندگی نہیں حق تعالیٰ اس کا جواب دے کر آگے ترقی کر کے فرماتے ہیں کہ جو کچھ ہے حیات آخرت ہی ہے اس کے مقابلہ میں حیات دنیا کچھ بھی نہیں۔ **وما الحیوۃ الدنیا تا افلا تعقلون**

وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰي ظُهُوْرِهِمْ ۭ

اور حالت ان کی یہ ہوگی کہ وہ اپنے بار اپنی کمر پر لادے ہوں گے خوب سن لو

اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ۝۳۱ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ

کہ بری ہوگی وہ چیز جس کو لادیں گے اور دنیوی زندگانی تو کچھ بھی نہیں بجز لہو

اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ

ولعب کے

یعنی وہ دنیوی زندگی جس میں کفار نے حیات کو منحصر سمجھ رکھا ہے ان کے اشغال واعمال چونکہ نافع اور باقی رہنے والے نہیں اس لئے وہ لہو ولعب کے سوا کچھ نہیں اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ خود حیات دنیا کو لہو ولعب کہنا مقصود نہیں بلکہ اس کے ان اشغال واعمال کو جو کہ نہ آخرت کے لئے مقرر ہیں نہ اس میں اعانت کرتے ہیں لہو ولعب کہا گیا ہے تو اس قید سے طاعات اور وہ مباحات جو طاعات میں معین ہیں سب اس سے نکل گئے اور لایعنی مباحات اور معاصی سب اس میں داخل رہ گئے گو ایسے مباحات میں گناہ نہ ہو لیکن فانی اور بے سود تو ہیں ۱۲۔ ربط: اوپر کفار کے بعض اقوال کفریہ مذکور ہیں جن سے حضور کو صدمہ ہوتا تھا نیز ایک بار ابوجہل نے آپ سے کہا کہ ہم آپ کو جھوٹا نہیں سمجھتے لیکن جو دین اور کتاب آپ لائے ہیں اس کو جھوٹا سمجھتے ہیں اس سے بھی آپ کو بہت رنج پہنچا اس پر حق تعالیٰ نے اگلی آیات نازل فرمائیں جن میں آپ کی تسلی فرماتے ہیں **قد نعلم انه تا نبائی المرسلین**

وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ

اور پچھلا گھر متقیوں کے لئے بہتر ہے کیا تم سوچتے

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۳۲ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ

سمجھتے نہیں ہو۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کو

الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ

ان کے اقوال مغموم کرتے ہیں سو یہ لوگ آپ کو جھوٹا نہیں کہتے

وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝۳۳

لیکن یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں

اور اس سے اگرچہ آپ کی تکذیب بھی لازم آتی ہے لیکن ان کا اصل مقصود اللہ کی آیتوں کو جھٹلانا ہے تو ان کا یہ معاملہ خدا کے ساتھ ہوا سو ہم خود ہی ان کو سمجھ لیں گے آپ اس غم میں کیوں پڑے ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کیجئے اور یہ کوئی نئی بات آپ ہی کے ساتھ نہیں ہوئی بلکہ (ترجمہ دیکھو)

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا

اور بہت سے پیغمبر جو آپ سے پہلے ہوئے ہیں ان کی بھی تکذیب کی جا چکی ہے سو انہوں نے اس پر صبر ہی کیا کہ ان کی تکذیب کی گئی

عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰۤى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ

اور ان کو ایذائیں پہنچائی گئیں یہاں تک کہ ہماری امداد ان کو پہنچی۔

جس سے وہ غالب اور ان کے مخالفین مغلوب یا ہلاک ہو گئے اسی طرح آپ بھی صبر کیجئے۔ ایک وقت میں آپ کو بھی امداد الٰہی پہنچے گی۔ کیونکہ رسولوں کی امداد کا وعدہ ہو چکا ہے۔ کتب الله لا غلبن انا ورسلی خدا نے یہ بات لکھ دی ہے کہ میں اور میرے رسول غالب آئیں گے ۱۲

وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ

اور اللہ تعالیٰ کی باتوں کا کوئی بدلنے والا نہیں اور آپ کے پاس

مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۴﴾

بعض پیغمبروں کے بعض قصص پہنچ چکے ہیں

جن سے اس بات کی تصدیق ہو چکی ہے کہ ان کے پاس خدائی امداد پہنچی پس یہ مضمون ہر طرح محقق ہے خلاصہ یہ کہ یہ لوگ جو آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو چونکہ آپ خدا کی طرف سے پہنچانے والے ہیں اس لئے در حقیقت یہ خدا تعالیٰ کی تکذیب کرتے ہیں اپنے معاملہ میں خدا تعالیٰ خود سمجھ لیں گے اور رسولوں کی بابت خدا کی یہ عادت چلی آ رہی ہے کہ حق کو دنیا و آخرت میں غالب اور باطل کو مغلوب کرتے ہیں اب بھی اس کا وعدہ ہے اور یہی حضور کا مقصود تھا اس لئے پوری تسلی ہو گئی تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضور کو جو پہلی قوموں کی ہلاکت کی خبر سن کر تسلی ہو گئی تو آپ بھی اپنی قوم کی ہلاکت چاہتے تھے اگرچہ اس کا مضائقہ بھی نہیں مگر پھر بھی آپ پر شفقت ہی غالب تھی آپ صرف دین حق کا غلبہ چاہتے تھے۔

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ

اور اگر آپ کو ان کا اعراض گراں گزرتا ہے

ربط: اوپر حضور کو کفار کے معاملات میں صبر کا امر تھا چونکہ آپ کو کمال شفقت سے ان کے ایمان لانے کی غایت درجہ حرص تھی اس لئے آپ چاہتے تھے کہ اگر موجودہ معجزات پر باوجودیکہ وہ کافی ہیں یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو ان کے فرمائشی معجزات ہی واقع ہو جائیں شاید ایمان لے آویں آگے حق تعالیٰ ان فرمائشوں کا پورا نہ ہونا سنا کر صبر کی تاکید فرماتے ہیں۔ نیز یہ کہ رسالت کا ثبوت ان فرمائشوں کے پورا ہونے پر موقوف نہیں وان کان کبر تا لایعلمون

اس لئے جی چاہتا ہے کہ ان کے فرمائشی معجزات ہی واقع ہو جائیں

فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِىَ نَفَقًا فِى الْاَرْضِ

تو اگر آپ کو یہ قدرت ہے کہ زمین میں کوئی سرنگ

اَوْ سُلَّمًا فِى السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ

یا آسمان میں کوئی سیڑھی ڈھونڈھ لو پھر کوئی معجزہ لے آؤ تو کرو

یعنی ہم تو ان کی یہ فرمائشیں بوجہ بے ضرورت ہونے کے نیز بوجہ مضر ہونے کے پوری نہیں کرتے اور ضرر کا بیان آئندہ ہوگا پس اگر آپ یہی چاہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح یہ مسلمان ہی ہو جائیں تو آپ اس کا انتظام کر لیجئے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى

اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو ان سب کو راہ ہدایت پر جمع کر دیتا

لیکن چونکہ یہ خود ہی اپنا بھلا نہیں چاہتے اللہ تعالیٰ کو بھی یہ منظور نہیں ہوا پھر آپ کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔

فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾

سو آپ نادانوں میں سے نہ ہو جیے

اور اس فکر کو چھوڑیئے اور یہ ارشاد نصیحت و محبت کے طور پر ہے جیسا کہ ہمارے محاورہ میں بھی محبوب کو کسی ضد پر کہہ دیا کرتے ہیں کہ بس زیادہ نادان نہ بنو ضد کو جانے دو اور چونکہ جہالت کا لفظ ہمارے محاورہ میں بے ادبی کا موہم ہے اس لئے ایسے لفظ سے ترجمہ مناسب نہیں۔

اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؕ

وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں

یعنی حق بات کو طلب حق کے ارادہ سے سنتے ہیں اور چونکہ انہوں نے ایسا نہیں کیا پھر ہدایت کہاں ہو۔ آگے بتلاتے ہیں کہ اگر اس اعراض و انکار کی پوری سزا ان کو دنیا میں نہ ملی تو کیا ہوا۔

وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾

اور مردوں کو اللہ تعالیٰ زندہ کر کے اٹھاویں گے پھر سب اللہ ہی کی طرف لائے جاویں گے

اس وقت سب حقیقت کھل جاوے گی اور پوری سزا تجویز ہو جاوے گی۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ان پر کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا آپ فرما دیجئے

إِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ

کہ اللہ تعالیٰ کو بیشک پوری قدرت ہے اس پر کہ وہ معجزہ نازل فرماویں لیکن

اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾

ان میں اکثر بے خبر ہیں

انجام کو نہیں سمجھتے اس لئے یہ درخواست کر رہے ہیں وہ انجام یہ ہے کہ اگر پھر بھی ایمان نہ لاویں گے تو سب ہلاک کر دیئے جائیں گے حاصل یہ ہے کہ ضرورت تو اس لئے نہیں کہ پہلے معجزات کافی ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ جیسے ان پر ایمان نہیں لائے فرمائشی معجزہ بھی پورا ہونے کے بعد بھی نہ لائیں گے اور اس صورت میں سخت ضرر ہے اس لئے حکمت یہی ہے کہ ان کے فرمائشی معجزات نازل نہ ہوں **ربط:** اوپر صبر و تسلی کی تاکید کے ضمن میں سزائے کفر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قیامت میں مبعوث ہونے کا ذکر فرمایا تھا آگے اسی کی تاکید کے لئے جانوروں کا مبعوث ہونا ذکر فرماتے ہیں۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ

اور جتنے قسم کے جاندار زمین پر چلنے والے ہیں اور جتنے قسم کے پرند جانور ہیں کہ اپنے دونوں

بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ

بازوؤں سے اڑتے ہیں ان میں کوئی قسم ایسی نہیں جو تمہاری طرح کے گروہ نہ ہوں

یعنی دوبارہ زندہ ہونے میں

مَا فَرَّطْنَا فِى الْكِتٰبِ مِنْ شَىْءٍ

ہم نے دفتر (لوح محفوظ) میں کوئی چیز نہیں چھوڑی

اگرچہ علم قدیم ہی کافی تھا مگر لکھ لینے سے سب اشیاء کا منضبط ہونا جلد سمجھ میں آجاتا ہے اس لئے ایسا کیا گیا

ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

(سب کو لکھ دیا ہے) پھر سب اپنے پروردگار کے پاس جمع کئے جاویں گے
اور جو لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں

بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِى الظُّلُمٰتِ ؕ

تو وہ بہرے اور گونگے ہو رہے ہیں طرح طرح کی ظلمتوں میں ہیں

کیونکہ ہر کفر ایک ظلمت ہے

مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ

اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں بے راہ کر دیں

مطلب یہ کہ حق بات ماننے کے لئے تو سننے اور دیکھنے کی ضرورت ہے اور ان کا یہ حال ہے جو معلوم ہو چکا تو ان کے راہ پر آنے کی کیا توقع ہے یہ تو لامحالہ ظلمتوں میں گرفتار ہیں پھر جب کوئی حق سے اعراض ہی کرتا رہے تو حق تعالیٰ بھی اس کو گمراہی میں رکھتے ہیں پس ایسی حالت میں ان کی فکر میں پڑنا بے سود ہے ان کو حوالہ بہ خدا کرنا چاہئے۔

وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾

اور وہ جس کو چاہیں سیدھی راہ پر لگا دیں۔

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ

آپ کہیے کہ اپنا حال تو بتلاؤ اگر تم پر خدا کا کوئی عذاب آ پڑے یا

اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ

تم پر قیامت ہی آ پہنچے تو کیا خدا کے سوا کسی اور کو پکارو گے اگر

صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾

تم سچے ہو

ربط: اوپر شروع سورت میں توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال تھا آگے پھر اسی کی طرف خاص طور پر رجوع ہے کہ خود مشرکین سے کچھ سوالات کئے جاتے ہیں جن کے جواب سے شرک کا ابطال ہو جائے گا۔

قل ارء یتکم تا تشرکون

تو اس وقت بھی غیر اللہ کو پکارنا چاہئے تھا لیکن ایسا ہرگز نہ ہوگا اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ مناظرہ میں یہ ضروری ہے کہ دلیل کے سب مقدمات مسلمہ ہوں۔ یہ مشرکین قیامت ہی کے کب قائل تھے جواب یہ ہے کہ استدلال قیامت کے آنے سے نہیں کیا گیا بلکہ اس کے آنے کو فرض کیا گیا ہے اور فرض کرنا ہر چیز کا ممکن ہے اور ان کا دعویٰ باطل کرنے کے لئے یہ فرض کرنا بھی کافی ہے کیونکہ جب وہ روزانہ ہلکی ہلکی آفتوں میں خدا ہی کو پکارتے تھے تو اس سوال کا وہ یہ جواب نہیں دے سکتے کہ ہاں قیامت کی مصیبتوں میں ہم غیر اللہ ہی کو پکاریں گے۔

بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ

بلکہ اسی کو پکارنے لگو پھر جس کے لئے تم پکارو اگر چاہے تو

إِلَيْهِ إِنْ شَاءَ

اس کو ہٹا بھی دے

چنانچہ دنیوی عذاب میں تو دونوں احتمال ہیں اور قیامت کی آفتوں میں سے طول موقف شفاعت کبریٰ دعا سے موقوف ہو جاوے گا اور شفاعت کبریٰ ساری مخلوق کی درخواست پر ہوگی اور ظاہر ہے کہ کسی سے یہ کہنا کہ ہمارے لئے خدا سے دعا کرو یہ بھی دعا کا ایک طریقہ ہے تو طول موقف کی مصیبت دفع ہونے میں ساری مخلوق کی دعا کا اثر ہوگا باقی عذاب جہنم کفار سے نہ ٹلے گا کتنی ہی دعائیں کریں۔

ربط: اوپر مشرکین کے دعویٰ شرک کو عذاب کا آنا فرض کر کے باطل کیا تھا آگے بتلاتے ہیں کہ اسی فرضی بات کا واقع ہو جانا کچھ دشوار نہیں تم سے پہلے بہت سی امتوں پر عذاب آچکا ہے۔ نیز یہ بھی بتلاتے ہیں کہ مصیبت آ آ کر ٹل جانے سے یہ دھوکہ مت کھانا کہ یہ ہمارے اعمال کی سزا ہوتی تو کیوں ٹلتی ہم تو اب بھی ویسے ہی سرکش ہیں کیونکہ عذاب الٰہی اسی طرح آیا کرتا ہے۔ ولقد ارسلنا تا رب العلمین

وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُونَ ﴿٤١﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ

اور جن جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو سب کو بھول بھال جاؤ۔ اور ہم نے اور

أُمَمٍ مِنْ قَبْلِكَ

امتوں کی طرف بھی جو کہ آپ سے پہلے ہو چکے ہیں پیغمبر بھیجے تھے

مگر انہوں نے ان پیغمبروں کو نہ مانا

فَأَخَذْنَاهُمْ بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ

سو ہم نے ان کو تنگ دستی اور بیماری سے پکڑا تا کہ وہ ڈھیلے

يَتَضَرَّعُونَ ﴿٤٢﴾

پڑ جاویں

اور اپنے کفر و تکذیب سے توبہ کر لیں۔

فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُمْ بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا وَلَٰكِنْ

سو جب ان کو ہماری سزا پہنچی تھی وہ ڈھیلے کیوں نہ پڑے لیکن

قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا

ان کے قلوب تو سخت رہے اور شیطان ان کے اعمال کو ان کے خیال میں

كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٤٣﴾ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ

آراستہ کر کے دکھلاتا رہا۔ پھر جب وہ لوگ ان چیزوں کو بھولے رہے جن کی ان

فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ط

کو نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کشادہ کر دیئے

یعنی ہر قسم کے اسباب عیش و عشرت اور خوب نعمت و ثروت دی۔

حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً

یہاں تک کہ جب ان چیزوں پر جو کہ ان کو ملی تھیں وہ خوب اترا گئے ہم نے

فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ ﴿٤٤﴾

ان کو دفعۃً پکڑ لیا پھر تو وہ بالکل حیرت زدہ رہ گئے

کہ یہ کیا ہو گیا جیسا کہ قرآن میں اور جگہ ان قصوں کی تفصیل مذکور ہے مطلب یہ کہ اسی طرح یہ مشرکین اپنی حالت پر مغرور و بےفکر نہ رہیں حق تعالیٰ کی یہی عادت ہے کہ اول کفر و معصیت پر کسی قدر عذاب نازل فرماتے ہیں تا کہ تضرع وزاری کریں اگر اس سے متنبہ نہ ہوا تو ڈھیل دینے کے لئے نعمتیں نازل فرماتے ہیں پھر جب کفر و معصیت کی خوب ترقی ہو جاتی ہے اس وقت سخت عذاب دفعۃً نازل فرماتے ہیں پس بعض بلاؤں کے ٹل جانے سے دھوکہ نہ کھانا چاہئے۔

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا ط

پھر ظالم لوگوں کی جڑ کٹ گئی

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٤٥﴾

اور اللہ کا شکر ہے جو کہ تمام عالم کا پروردگار ہے

کہ ایسے ظالموں کا پاپ کٹا جن کے رہنے سے نحوست ہی پھیلتی **ربط:** پھر شرک کا ابطال اسی طرز سے کیا جاتا ہے کہ مشرکین سے کچھ سوالات کرتے ہیں جن کے جواب سے توحید ثابت ہو جائے گی۔ قل ارأیتم تا یصدفون

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَخَذَ اللَّهُ سَمْعَكُمْ

آپ کہیے کہ یہ بتلاؤ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری شنوائی

وَأَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ مَنْ إِلَٰهٌ

اور بینائی بالکل لے لے اور تمہارے دلوں پر مہر کر دے تو اللہ تعالیٰ کے سوا

غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بِهِ ط

اور کوئی معبود ہے کہ یہ تم کو پھر دیدے

جب تمہارے اقرار سے بھی خدا کے سوا کوئی ایسا نہیں تو پھر کسی کو عبادت کا مستحق کیسے سمجھتے ہو۔

اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ

آپ دیکھئے تو ہم کس طرح دلائل کو مختلف پہلوؤں سے پیش کر رہے ہیں پھر

يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾

بھی یہ اعراض کرتے ہیں

اور ان دلائل میں فکر کر کے ان کے نتیجہ کو تسلیم نہیں کرتے

ربط: اوپر پہلی امتوں کی ہلاکت کا بیان کفار کی تنبیہ کے لئے ہوا ہے آگے بطور سوال و جواب کے اس ہلاکت کی علت بتلاتے ہیں کہ صرف کفر و شرک ہی تھی جس کو ظلم کے عنوان سے تعبیر کیا گیا ہے نیز اس پر بھی تنبیہ ہے کہ یہ علت تمہارے اندر بھی موجود ہے اس لئے اگر عذاب آئے گا تو صرف تمہارے ہی اوپر آئے گا اس خیال سے خوش مت ہونا کہ عذاب آئے گا تو سب ہی ہلاک ہوں گے مسلمان بھی اور ہم بھی پھر کیا غم **قل اراء یتکم تا الظلمون**

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ

آپ کہیے کہ یہ بتلاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب

بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ

آپڑے خواہ بے خبری میں یا خبرداری میں تو کیا بجز ظالم لوگوں کے اور بھی کوئی

الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾

ہلاک کیا جاوے گا

یعنی کوئی نہیں کیونکہ عذاب ظلم کی وجہ سے آئے گا جیسا کہ پہلی امتوں پر بھی اسی وجہ سے آیا تھا سو لامحالہ ظالموں ہی کے ساتھ خاص ہوگا اور ظالم تم ہو کہ شرک و کفر کرتے ہو تو خاص تمہارے ہی اوپر آئے گا اور مسلمان بچے رہیں گے سو تم کو متنبہ ہونا چاہئے اور مرگ انبوہ جشنے دارد کا سہارا بھی چھوڑ دینا چاہئے ربط: اوپر کفار کے فرمائشی معجزات کے پورا کرنے کا بے ضرورت ہونا بتلاتے ہوئے اس کے ضمن میں رسالت کا اثبات بھی کر دیا گیا تھا کہ اس کے لئے موجودہ معجزات کافی ہیں جو ان کو نہیں مانتے وہ دوسروں کو بھی نہ مانیں گے آگے بتلاتے ہیں کہ رسالت کے ثبوت کے بعد رسول پر تبلیغ لازم ہے سب فرمائشوں کا پورا کرنا لازم نہیں اس سے تمام مضمون کی کسی قدر تفصیل مقصود ہے۔ **ومانرسل المرسلین تا لعلھم یتقون**

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ

اور ہم پیغمبروں کو صرف اس واسطے بھیجا کرتے ہیں کہ وہ بشارت دیں

وَمُنْذِرِيْنَ

اور ڈراویں

یعنی قطعی دلائل سے پیغمبری کا ثبوت ہو جانے کے بعد رسولوں کا کام یہ ہے کہ ایمان و اطاعت بجالانے والوں کو رضائے الٰہی کی بشارت دیں اور کفر و معصیت کرنے والوں کو خدا کی ناخوشی سے ڈراویں جس پر کبھی دنیا میں بھی اور آخرت میں تو ہمیشہ عذاب ہوتا ہے پیغمبروں کو اس واسطے نہیں بھیجا جاتا کہ جو کچھ بھی ان سے واہی تباہی فرمائشیں کی جاویں وہ سب کو پورا کریں جیسا کہ یہ منکرین محض عناد کی وجہ سے درخواست کرتے ہیں۔

فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ

پھر جو شخص ایمان لے آوے اور درستی کر لے

یعنی اپنے عقائد و اعمال کی حالت سنوار لے۔

فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

سو ان لوگوں پر کوئی اندیشہ نہیں

گو یہ لوگ باقتضائے ایمان خدا تعالیٰ سے ہمیشہ خوف کیا کرتے ہیں

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

اور نہ وہ مغموم ہوں گے اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھوٹا بتلاویں

بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا

ان کو عذاب لگتا ہے بوجہ اس کے کہ وہ دائرے سے

يَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾ قُلْ لَّا اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ

نکلتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس

خَزَآئِنُ اللّٰهِ

خدا تعالیٰ کے خزانے ہیں

کہ جب مجھ سے کوئی فرمائش کی جائے اس کو اپنی قدرت سے پورا کر دوں۔

وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ

اور نہ میں تمام غیبوں کو جانتا ہوں

جیسا کہ کبھی عناد کی وجہ سے اس قسم کی باتیں مجھ سے پوچھتے ہو کہ قیامت کب آوے گی۔

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ

اور نہ میں تم سے کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں

جیسا کہ کبھی براہ عناد یہ کہتے ہو کہ یہ کیسے رسول ہیں جو کھانا کھاتے ہیں اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں سو میں رسالت کے ساتھ فرشتہ ہونے کا تو مدعی نہیں ہوں۔

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۭ

میں تو صرف جو کچھ میرے پاس وحی آتی ہے اس کا اتباع کر لیتا ہوں

خود بھی عمل کرتا ہوں اور دوسروں کو بھی تبلیغ کرتا ہوں جیسا کہ پہلے پیغمبروں کا بھی یہی قاعدہ تھا پھر ثبوت رسالت کے بعد جس کے لئے بہت سے دلائل قائم ہو چکے ہیں یہ مہمل فرمائشیں میرے سامنے کیوں پیش کی جاتی ہیں اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ تم جو دور از کار فرمائشیں کر کے میری رسالت کی تکذیب کرتے ہو یہ محض بے معنے ہے کیونکہ اگر میں کسی عجیب و غریب بات کا دعویٰ کرتا جیسے خدائی خزانوں کا مالک ہونا عالم الغیب ہونا یا فرشتہ ہونا تب تو تم کو ان دور ودراز فرمائشوں کا حق بھی ہوتا رسالت جس کا میں مدعی ہوں وہ تو کوئی عجیب و غریب بات نہیں جو اس کو مستبعد سمجھ کر ایسی فرمائشوں سے اس کی تکذیب کرتے ہو ۱۲

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۭ

آپ کہیے کہ اندھا اور بینا کہیں برابر ہو سکتا ہے

اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ۝۵۰ۧ

سو کیا تم غور نہیں کرتے

اور آنکھوں سے دیکھنا نہیں چاہتے تا کہ حق واضح ہو جائے ورنہ یاد رکھو کہ اندھے ہی بنے رہو گے آگے فرماتے ہیں کہ اگر اس پر بھی یہ لوگ عناد سے باز نہ آویں تو ان سے گفتگو موقوف کیجئے اور اس کی فکر میں نہ پڑیئے اور جو رسالت کا اصلی کام ہے یعنی تبلیغ اس میں مشغول ہو جیے ۱۲

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ

اور ایسے لوگوں کو ڈرایئے جو اس بات سے اندیشہ رکھتے ہیں

خواہ اعتقادی طور پر یا احتمال کے طور پر کیونکہ قیامت کے متعلق تین طرح کے آدمی ہیں ایک تو وہ جو یقین کے ساتھ اس کے منکر ہیں ان لوگوں کا اس آیت میں ذکر نہیں دوسرے وہ جو یقین کے ساتھ اس کے معتقد ہیں تیسرے وہ جن کو تردد ہے آیت میں ان ہی دو قسموں کا ذکر ہے کیونکہ ان کو ڈرانا نافع ہے اور آیت میں مطلق ڈرانا مقصود نہیں بلکہ ایسا ڈرانا مقصود ہے جس کا نفع بھی ہو اور نفع ان ہی دو قسم کے لوگوں کو ہوتا ہے اسی لئے یہ قید بڑھائی گئی کہ ایسے لوگوں کو ڈرایئے الخ اور پہلی قسم کے لوگوں کو بھی اگرچہ تبلیغ کی جاتی ہے جیسا کہ دوسری آیتوں میں صراحۃً حکم ہے مگر وہ محض حجت پورا کرنے کے لئے ان کے حال پر زیادہ توجہ نہیں کی جاتی کیونکہ بوجہ عناد کے وہ اس قابل نہیں ہیں۔

اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ

کہ اپنے رب کے پاس ایسی حالت میں جمع کئے جاویں گے

دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ

کہ جتنے غیر اللہ ہیں نہ ان کا کوئی مددگار ہو گا اور نہ کوئی شفیع ہو گا

يَتَّقُوْنَ ۝۵۱ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ

اس امید پر کہ وہ ڈر جاویں۔ اور ان لوگوں کو نہ نکالئے

ربط: اوپر کی آیت میں قیامت سے ڈرنے والوں کو خاص طور پر ڈرانے کا حکم تھا اور ان میں دو قسم کے لوگ تھے ایک وہ جن کو قیامت کا یقین ہے دوسرے وہ جن کو تردد ہے آگے حکم ہوتا ہے کہ جن کو قیامت کا یقین ہے اور خدا کے طالب ہیں ان پر سب سے زیادہ توجہ فرمایئے پس معاندین کے لئے تو عام تبلیغ ہوئی جیسا کہ قل انی نہیت میں آگے آتا ہے کہ ان سے توحید و رسالت کے مضامین صرف زبانی کہہ دینا کافی ہیں اور تردد والوں کے لئے خاص تبلیغ اور طالبین کے لئے اخص الخاص توجہ ہوئی سبحان اللہ کیا حکیمانہ انصاف ہے شان نزول اگلی آیتوں کا یہ ہے کہ بعض سرداران کفار قریش نے بعض غریب صحابہ کی نسبت حضور سے درخواست کی تھی کہ جس وقت ہم آیا کریں اس وقت یہ لوگ اٹھ جایا کریں جب ہم چلے جاویں اس وقت آ جایا کریں اور یہ بھی کہا کہ اگر آپ ایسا کریں تو عجب نہیں ہم آپ کا اتباع کر لیں ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ایسا بھی کر دکھلایئے دیکھیں ان کا کیا مقصود ہے راہ پر آتے ہیں یا نہیں آپ نے اس درخواست کو قبول فرما لیا مگر عمل نہیں ہونے پایا کہ یہ آیتیں اس سے

ممانعت کرنے کے لئے نازل ہوئیں حضرت عمرؓ نے اپنی رائے سے معذرت کی اس پر واذاجاء ک الذین الخ کا نزول ہوا جس میں توبہ قبول ہونے کی بشارت ہے حضور نے ان غرباء کو بلایا جب حاضر ہوئے تو فرمایا سلام علیکم کتب ربکم علیٰ نفسه الرحمة اور اس منظوری سے آپ کی شان عصمت پر کوئی حرف نہیں آیا کیونکہ آپ کی منظوری غرباء کی تحقیر کی بناء پر نہ تھی بلکہ صرف بامید ہدایت ان رؤسا کی تالیف قلب منظور تھی اور خود صحابہ کو بھی یہ بات معلوم تھی اس لئے ان کی دل شکنی بھی نہ تھی غرض یہ آپ کا اجتہاد تھا جس پر عمل کرنے کی حق تعالیٰ نے اجازت نہیں دی کیونکہ خدا تعالیٰ کو علم غیب سے اس تدبیر کا نافع نہ ہونا معلوم تھا ۱۲

گو آپ کی نیت یہ نہ ہو مگر رؤسا کفار کی ایسی درخواستوں پر توجہ کرنا بھی مثل نکالنے کے ہے۔

يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ

جو صبح و شام اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں جس سے خاص

يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ

اس کی رضا ہی کا قصد رکھتے ہیں

یعنی ان میں پورا اخلاص ہے۔

مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ

ان کا حساب ذرا بھی آپ کے متعلق نہیں

وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ

اور آپ کا حساب ذرا بھی ان کے متعلق نہیں

فَتَطْرُدَهُمْ

کہ آپ ان کو نکال دیں

یعنی ان کی غربت تو اخراج کا سبب نہیں ہوسکتی اور قلبی حال کی نہ آپ کو خبر نہ آپ اس کے ذمہ دار

فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا

اور آپ نامناسب کام کرنے والوں میں ہوجائیں گے اور اسی طور پر ہم نے ایک

بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ

کو دوسرے کے ذریعہ سے آزمائش میں ڈال رکھا ہے تاکہ یہ لوگ کہا کریں کہ یہ

اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ بَيْنِنَا ؕ

لوگ ہیں کہ ہم سب میں سے ان پر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا ہے

یعنی اس میں کفار کا امتحان ہے۔

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿۵۳﴾

کیا یہ بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ حق شناسوں کو خوب جانتا ہے اور یہ لوگ

وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا

جب آپ کے پاس آویں جو کہ ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو یوں کہہ

فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى

دیجئے کہ تم پر سلامتی ہے تمہارے رب نے مہربانی فرمانا اپنے

نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ

ذمہ مقرر کر لیا ہے کہ جو شخص تم میں سے کوئی برا کام کر

سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ

بیٹھے جہالت سے

یہاں عملی جہالت مراد ہے ربط: اوپر قیامت سے ڈرنے والوں کے لئے تبلیغ خاص اور مومنین کے لئے خاص الخالص توجہ کا حکم ہوا ہے آگے عناد والوں کے لئے عام تبلیغ یعنی صرف زبانی توحید و رسالت کا مضمون پہنچانے کا حکم ہے۔ قل انی نهيت تا بالظلمين

ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ

پھر وہ اس کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح رکھے تو اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ وہ بڑے

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ

مغفرت کرنے والے ہیں بڑی رحمت والے ہیں اور اسی طرح ہم آیات کی

وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾ ع

تفصیل کرتے رہتے ہیں اور تاکہ مجرمین کا طریقہ ظاہر ہوجاوے

اور یہ بھی ظاہر کر دیجئے کہ تمہارا طریقہ شرک محض گمراہی اور باطل خیالات کا اتباع ہے۔

قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ

آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو اس سے ممانعت کی گئی ہے کہ ان کی عبادت کروں جن کی تم

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ

لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے خیالات کا اتباع

قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾

نہ کروں گا کیونکہ اس حالت میں تو بے راہ ہو جاؤں گا اور راہ پر چلنے والوں میں نہ رہوں گا

اس مضمون کا زیادہ تعلق توحید سے تھا آگے کا مضمون زیادہ رسالت کے متعلق ہے ۱۲

قُلْ اِنِّىْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّىْ

آپ کہہ دیجئے کہ میرے پاس تو ایک دلیل ہے میرے رب کی طرف سے

یعنی دین اسلام کے حق ہونے پر مجھ کو کافی دلیل ملی ہے یعنی قرآن مجید جو کہ میرا معجزہ ہے جس سے میری تصدیق ہوتی ہے ۱۲

وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ

اور تم اس کی تکذیب کرتے ہو

یعنی بلا وجہ اس صحیح دلیل اور کافی معجزہ پر اکتفا نہیں کرتے اور اس کی حقانیت معلوم کرنے کے لئے فوری عذاب کی درخواست کرتے ہو کہ اگر یہ کتاب منجانب اللہ ہے اور ہم اس کو نہیں مانتے تو ہمارے اوپر آسمان سے پتھر کیوں نہیں برستے۔

مَا عِنْدِىْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ

جس چیز کا تم تقاضا کر رہے ہو وہ میرے پاس نہیں

یعنی عذاب نازل کرنا میری قدرت میں نہیں۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ

حکم کسی کا نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے

اور ان کا حکم عذاب نازل کرنے کے لئے ابھی نہیں ہوا پھر میں کس طرح عذاب دکھلا دوں ہاں جو دلیل منجانب اللہ نازل ہو چکی ہے یعنی قرآن میں اس کو دکھلا سکتا ہوں۔

يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ﴿۵۷﴾

اللہ تعالیٰ واقعی بات کو بتلا دیتا ہے اور سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا وہی ہے

کہ موافق حکمت کے فیصلہ کرتا ہے چونکہ ابھی نزول عذاب میں حکمت نہیں دیکھی اور نہ اثبات رسالت کے لئے اس کی حاجت کیونکہ صحیح دلیل تو ایک بھی کافی ہوتی ہے ورنہ کبھی دلائل کا خاتمہ ہی نہ ہو اس لئے نزول عذاب سے ابھی فیصلہ نہیں فرمایا۔

قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِىْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ

آپ کہہ دیجئے کہ اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کا تم تقاضا کر رہے ہو

لَقُضِىَ الْاَمْرُ بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ ؕ

ہو تو میرا اور تمہارا باہمی قصہ فیصل ہو چکا ہوتا

نہ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا ہلاک ہونا خود مقصود تھا بلکہ اس لئے کہ ان لوگوں کے نزدیک رسالت کا ثابت ہونا اسی پر موقوف ہو چکا تھا کہ اس لئے عذاب نازل کر دیا جاتا۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۸﴾

اور ظالموں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے

ان کے علم میں جب مناسب ہوگا عذاب نازل کر دیں گے چنانچہ دنیا میں بھی بدر وغیرہ میں ہلاک کئے گئے اور آخرت کا عذاب تو ہے ہی غرض مجھ کو نہ اس کی قدرت ہے نہ اس کا مناسب وقت معلوم ہے نہ اس کی حاجت ہے۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ

اور اللہ ہی کے پاس میں خزانے کا مخفی اشیاء کے

ربط: اوپر خیر الفاصلین میں حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا اور علم تام کا حق تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونا ان لوگوں کی حالت کے متعلق مذکور تھا آگے تمام چیزوں کے اعتبار سے حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ و علم کامل کا ذکر ہے جس میں توحید کا اثبات بھی ہے جو بڑا مقصود ہے۔ وعنده مفاتح الغيب تا كتاب مبين

یعنی ممکنات میں سے جس چیز کو جس وقت اور جس قدر چاہیں ظاہر کر دیتے ہیں اور مفاتح کا ترجمہ کنجیاں بھی کہہ سکتے ہیں حاصل یہ ہوگا کہ غیب کی کنجیاں یعنی وہ اسباب جن سے ان مخفی چیزوں کو کھولتے اور ظاہر کرتے ہیں سب خدا کے قبضہ میں ہیں ان میں عذاب بھی آ گیا مطلب یہ کہ اور کسی کو ان پر قدرت نہیں اور جس طرح خدا کی قدرت کامل ہے علم بھی کامل ہے۔

لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ

ان کو کوئی نہیں جانتا بجز اللہ تعالیٰ کے اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ خشکی

وَمَا تَسْقُطُ

میں ہیں اور جو کچھ دریاؤں میں ہیں

مافی البر و البحر تمام عالم ظاہر کو شامل ہے تو پہلا اور دوسرا جملہ مل کر ثابت ہو گیا کہ خدا کا علم عالم غیب و عالم ظاہر دونوں کو محیط ہے پھر برگ و دانہ کا ذکر مبالغہ کے لئے کیا گیا کہ یہ چیزیں حقیر و صغیر ہیں ایسی چیزیں بھی خدا کے علم سے غائب نہیں پھر رطب و یابس کا ذکر دوبارہ اس بات کے بتلانے کو لایا گیا کہ حق تعالیٰ کا علم ہر چھوٹی بڑی چیز کو عام ہے۔

مِنْ وَّرَقَةٍ

اور کوئی پتہ نہیں گرتا

صرف گرنے کی حالت اس لئے ذکر کی گئی کہ یہ اس شے کی انتہائی حالت ہے مطلب یہ کہ اخیر تک کا حال جانتے ہیں

اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِىْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ

مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے اور کوئی دانہ زمین کے تاریک حصوں میں نہیں پڑتا

وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾

اور نہ کوئی تر اور خشک چیز گرتی ہے مگر یہ سب کتاب مبین میں ہیں

یعنی لوح محفوظ میں ہر چیز جو قیامت تک ہونے والی ہے لکھی ہے اور ظاہر ہے کہ بدوں علم کے لکھنا ممکن نہیں پس حاصل یہ ہوا کہ سب چیزوں کو خدا کا علم محیط ہے اور یہ نہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کے تمام معلومات لوح محفوظ ہی میں منحصر ہیں بلکہ اس کی تو کہیں انتہا ہی نہیں **ربط:** قدرت کاملہ و احاطہ علمی کو ثابت کر کے قیامت و آخرت کا ذکر فرماتے ہیں کیونکہ ان دونوں کا قدرت اور علم کے ساتھ تعلق ہے نیز اوپر توحید و رسالت کا ذکر تھا اور اکثر قیامت کا ذکر ان کے ساتھ ساتھ تمام قرآن میں خصوصاً اس سورت میں ہو رہا ہے

وَهُوَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ

اور وہ ایسا ہے کہ رات میں تمہاری روح کو ایک گونہ قبض کر دیتا ہے اور جو کچھ تم

بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ

دن میں کرتے ہو اس کو جانتا ہے پھر تم کو جگا اٹھاتا ہے

سونے کے وقت روح نفسانی جس سے احساس و ادراک و تمیز ہوتی ہے ایک گونہ قبض ہو جاتی ہے یعنی کچھ دیر کے لئے معطل ہو جاتی ہے اور روح حیوانی جس کے نکلنے سے موت آ جاتی ہے وہ سوتے ہوئے قبض نہیں ہوتی بلکہ جسم میں رہتی ہے وہ موت کے وقت نکلتی ہے اور قرآن میں دونوں کو نفس ہی سے تعبیر کیا گیا ہے ابن عباسؓ نے روح نفسانی کو نفس تمیز اور روح حیوانی کو نفس حیوٰۃ کہا ہے پس قرآن میں لفظ نفس کی ہر مقام کے مناسب تفسیر کی جائے گی اور سونے کے وقت روح نفسانی کو قبض کر کے جاگنے کے وقت پھر واپس دیدینے سے قیامت کے دن دوبارہ زندہ کرنے پر ایک نظیر قائم کر دی جس سے اس کا استبعاد دفع ہو گیا چونکہ جو روح نفسانی کو قبض کر کے پھر لوٹا دیتا ہے وہ روح حیوانی کو بھی قبض کر کے پھر دوبارہ بدن میں ڈال سکتا ہے۔

لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ

تا کہ میعاد معین تمام کر دی جاوے پھر اسی کی طرف تم کو جانا ہے پھر تم کو بتلا

يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع وَهُوَ الْقَاهِرُ

دے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے اور وہی اپنے بندوں کے اوپر غالب

فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۭ

ہیں برتر ہیں اور تم پر نگہداشت رکھنے والے بھیجتے ہیں

ربط: اوپر قیامت میں زندہ ہونے کا امکان مذکور تھا آگے بھی اسی کی تفصیل کے لئے اول قدرت کا پھر موت کا پھر قیامت میں زندہ کرنے کا پھر حساب کا ذکر ہے **وھو القاھر تا اسرع الحاسبین**

کہ زندگی بھر تمہارے اعمال کو لکھتے رہیں اور تمہاری جان کی نگہبانی کرتے ہیں آیات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے متعلق تین قسم کے فرشتے ہیں ایک اعمال لکھنے والے دوسرے جن مضرتوں سے حفاظت کرنے کا جب تک حکم ہے ان سے جان کی حفاظت کرنے والے تیسرے جان نکالنے والے مگر دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جان نکالنے کا کام ملک الموت کے سپرد ہے تو دوسرے ان کے ساتھ امداد وغیرہ کے لئے رہتے ہوں گے مجازاً ان کو بھی جان نکالنے والا کہہ دیا گیا۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا

یہاں تک کہ جب تم میں کسی کو موت آ پہنچتی ہے اس کی روح ہمارے بھیجے ہوئے

وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿۶۱﴾

قبض کر لیتے ہیں اور وہ ذرا کوتاہی نہیں کرتے

بلکہ جس وقت اور جس طرح قبض روح کا حکم ہوتا ہے اسی طرح بجا لاتے ہیں غرض موت نہیں ٹلتی۔

ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۭ

پھر سب اپنے مالک حقیقی کے پاس لائے جاویں گے

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ سب سے مولیٰ ہیں اور دوسری آیت میں کفار کے لئے فرمایا ہے **ولا مولی لھم** کہ ان کا کوئی مولیٰ نہیں تو وہاں مولیٰ کے معنی مددگار کے ہیں اور یہاں مالک کے ہیں پس کوئی اشکال نہیں مالک سب کے ہیں مددگار کافروں کے نہیں۔ ربط: اوپر قیامت کا ذکر تھا آگے موافق طرز قرآن کے پھر توحید کی طرف رجوع ہے **قل من ینجیکم تا سوف تعلمون**

اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۟ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ۝۶۲ قُلْ

خوب سن لو کہ فیصلہ اللہ ہی کا ہوگا اور وہ بہت جلد حساب لے لے گا آپ کہیے

مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ

کہ وہ کون ہے جو تم کو خشکی اور دریا کی ظلمات سے اس حالت میں نجات دے

تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰنَا

دیتا ہے کہ تم اس کو پکارتے ہو تذلل ظاہر کر کے اور چپکے چپکے کہ اگر آپ ہم کو

مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝۶۳

ان سے نجات دے دیں تو ہم ضرور حق شناسی والوں سے ہو جائیں

یعنی پھر ہمیشہ توحید کے قائل رہیں اور شرک سے باز آجائیں کہ بڑی حق شناسی یہی ہے اور چونکہ اس سوال کا جواب متعین ہے اور وہ لوگ بھی کوئی دوسرا جواب نہ دیتے اس لئے فرماتے ہیں (ترجمہ دیکھو) ۱۲

قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ

آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی تم کو ان سے نجات دیتا ہے اور ہر غم سے

یعنی جب کبھی نجات ملتی ہے خدا ہی کی طرف سے ہوتی ہے ان ہی مصائب کی کیا تخصیص ہے

ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝۶۴

تم پھر بھی شرک کرنے لگتے ہو

جو کہ اعلیٰ درجہ کی ناحق شناسی ہے غرض یہ کہ مصیبت کے وقت تمہارے ہی اقرار سے توحید کا حق ہونا ثابت ہو جاتا ہے پھر انکار سے کیا ہوتا ہے۔

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا

آپ کہیے کہ اس پر بھی وہی قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب

مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ

تمہارے اوپر سے بھیج دے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے

مثلاً زلزلہ آجائے یا زمین پھٹ جائے یہ تو ایسے اسباب ہیں جو ان کے اختیار سے باہر ہیں آگے ایسے عذاب کو بتلاتے ہیں جس کے سامان ان کے ہاتھوں سے ہو جائیں ۱۲

اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ

یا کہ تم کو گروہ گروہ کر کے سب کو بھڑا دے اور تمہارے ایک کو دوسرے کی لڑائی

بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ

چکھا دے۔ آپ دیکھئے تو سہی ہم کس طرح دلائل مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے

يَفْقَهُوْنَ ۝۶۵ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ

ہیں شاید وہ سمجھ جاویں۔ اور آپ کی قوم اس کی تکذیب کرتی ہے حالانکہ وہ یقینی ہے

عذاب شامل ہے اخروی کو بھی اور دنیوی کو بھی جس میں جہاد بھی داخل ہے چنانچہ دوسری آیت میں ہے **قاتلوھم یعذبھم اللہ بایدیکم** ان سے جہاد کرو خدا تمہارے ہاتھوں ان کو عذاب دے دے گا۔

قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ؕ ۝۶۶

آپ کہہ دیجئے کہ میں تم پر تعینات نہیں کیا گیا ہوں

یعنی اس کے بعد اگر وہ یہ پوچھیں کہ عذاب کب ہوگا تو فرما دیجئے کہ میں عذاب لانے کے لئے متعین نہیں کیا گیا ہوں کہ مجھ کو مفصل اطلاع ہو یا میرے اختیار میں ہو۔

لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۡ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۶۷

ہر چیز کے وقوع کا ایک وقت ہے اور جلدی ہی تم کو معلوم ہو جاوے گا

اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جب جہاد کا حکم ہو گیا تو اس وقت آپ ان پر تعینات ہو گئے تو یہ آیت منسوخ ماننا پڑے گی جواب یہ ہے کہ جہاد گو کفار کے حق میں عذاب الٰہی ہو مگر مسلمانوں کو تو کفار کے عذاب دینے کی غرض سے اس کا حکم نہیں اسی وجہ سے اگر کفار جزیہ دینا قبول کر لیں تو جہاد موقوف ہو جاتا ہے مسلمانوں کو تو جہاد کا حکم محض اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے ہے تو حکم جہاد کے بعد بھی آپ ان کے عذاب پر مسلط و تعینات نہیں ہوئے۔ دوسرے عذاب کے اور بھی بہت سے طریقے جہاد کے علاوہ ہیں جو حضور کے علم و اختیار سے باہر ہیں پس مجموعہ عذاب کو آپ کے علم و اختیار سے خارج کہنا ہر وقت صحیح ہے۔

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا

اور جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیات میں

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ

عیب جوئی کررہے ہیں تو ان لوگوں سے کنارہ کش ہوجاؤ یہاں تک کہ وہ کسی

غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ

اور بات میں لگ جاویں اور اگر تجھ کو شیطان بھلادے تو یاد آنے کے بعد

الذِّكْرٰي مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٦٨﴾ وَمَا عَلَى

پھر ایسے ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھ اور جو لوگ

الَّذِيْنَ

احتیاط رکھتے ہیں

ربط: اوپر کفار کی تکذیب کا ذکر اور ان کو تبلیغ احکام کا حکم تھا آگے بلا ضرورت تبلیغ کے ان کی مجالس میں جانے اور بیٹھنے سے منع فرماتے ہیں واذارایت الذین تا یکفرون

جن میں ایسی مجالس میں بلاضرورت جانا بھی داخل ہے حاصل یہ کہ جولوگ بلاضرورت نہ جائیں بلکہ ضرورت سے جائیں ان پر کوئی گناہ نہ ہوگا اور بضرورت ان مجالس میں جانے کی یہ صورتیں ہوتی تھیں مثلاً مسجد حرام میں طواف ونماز کے لئے گئے اور وہاں کفار بھی بیہودہ شغل کررہے تھے یا ان کو وعظ سنانے گئے اور وہ ان خرافات میں مشغول تھے۔

يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ

ان پر ان کی بازپرس کا کوئی اثر نہ پہنچے گا ولیکن

ذِكْرٰي لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿٦٩﴾

ان کے ذمہ نصیحت کردینا ہے شاید وہ بھی احتیاط کرنے لگیں

یا تو اسلام قبول کرنے کی وجہ سے یا ان نصیحت کرنے والوں کے لحاظ سے ان خرافات سے باز آجائیں اور یہ نصیحت بشرط قدرت ہے ورنہ یہ بھی ذمہ نہیں آگے بتلاتے ہیں کہ کچھ تکذیب کرنے والوں ہی کی مجالس کی تخصیص نہیں۔

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا

اور ایسے لوگوں سے بالکل کنارہ کش رہ جنھوں نے اپنے دین کو لہو ولعب بنا

وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

رکھا ہے اور دنیوی زندگی نے ان کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے

کہ اس کی لذات میں مشغول ہیں اور آخرت کے منکر ہیں اور جس دین اسلام کا ماننا ان کے ذمہ فرض تھا اس کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں اس لئے تمسخر کا انجام نظر نہیں آتا آگے فرماتے ہیں کہ اس کنارہ کشی اور ترک تعلقات کے ساتھ تبلیغ بھی کرتے رہو۔

وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ڰ لَيْسَ

اور اس قرآن کے ذریعہ سے نصیحت بھی کرتا رہ تاکہ کوئی شخص اپنے کردار کے

لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ

سبب اس طرح نہ پھنس جائے کہ کوئی غیر اللہ اس کا نہ مددگار ہو اور نہ سفارشی ہو اور

كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ

یہ کیفیت ہو کہ اگر دنیا بھر کا معاوضہ بھی دے ڈالے تب بھی اس سے نہ لیا جاوے

غرض نصیحت سے یہ فائدہ ہے کہ اعمال بد کے انجام پر تنبیہ ہوجاتا ہے آگے ماننا نہ ماننا دوسرا جانے

مِنْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ

یہ ایسے ہی ہیں کہ اپنے کردار کے سبب پھنس گئے

کیونکہ نصیحت نہ مانی آگے بتلاتے ہیں کہ آخرت میں عذاب کا ظہور کس طرح ہوگا ربط: بعض روایات میں ہے کہ مشرکین نے مسلمانوں سے ترک اسلام کی درخواست کی تھی اگلی آیت میں اس کا جواب ہے اور ماقبل سے اس کو قوی مناسبت ہوگئی کیونکہ اوپر حکم تھا کہ مشرکین کو اسلام کی طرف بلاویں یہاں ان کے ترک اسلام کی طرف بلانے کا جواب ہے جس میں مستقل طور پر توحید کا اثبات وابطال شرک مذکور ہے اور تبعاً قیامت کا ذکر بھی ہے۔ قل اندعوا من دون اللہ تا ھو الحکیم الخبیر

لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا

ان کے لئے نہایت تیز پانی پینے کے لئے ہوگا اور دردناک سزا ہوگی اپنے

يَكْفُرُوْنَ ﴿٧٠﴾ ع

کفر کے سبب

یعنی سب مسلمانوں کی طرف سے ان مشرکوں کو فرمادیجئے۔

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا

آپ کہہ دیجئے کہ کیا ہم اللہ کے سوا ایسی چیز کی عبادت کریں کہ وہ نہ ہم کو نفع پہنچاوے

وَلَا يَضُرُّنَا

اور نہ وہ ہم کو نقصان پہنچاوے

یعنی عبادت کرنے کی صورت میں نفع اور نہ کرنے کی صورت میں نقصان نہیں پہنچا سکتے اور معبود میں کم از کم اپنے موافق اور مخالف کو نفع وضرر پہنچانے کی تو قدرت ہونی چاہئے مراد اس سے باطل معبود ہیں کہ بعضوں کو تو اصلاً قدرت نہیں اور جن کو کچھ ہے وہ خود نہیں بلکہ خدا کی دی ہوئی ہے تو کیا ہم کفار کی مرضی کے موافق ایسوں کی عبادت کریں۔

وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا

اور کیا ہم الٹے پھر جاویں بعد اس کے کہ ہم کو خدا تعالیٰ نے ہدایت کر دی ہے

یعنی اول تو معاذ اللہ شرک خود ہی بری چیز ہے خصوصاً طریق ہدایت یعنی دین اسلام کے اختیار کرنے کے بعد تو اور بھی زیادہ قبیح ہے اس حالت میں تو ہماری وہ مثال ہو جائے گی (ترجمہ دیکھو)

اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ

جیسے کوئی شخص ہو کہ اس کو شیطانوں نے کہیں جنگل میں بے راہ کر دیا ہو اور وہ بھٹکتا پھرتا ہو۔

حَيْرَانَ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ

اس کے کچھ ساتھی بھی تھے۔ کہ وہ اس کو ٹھیک راستہ کی طرف بلا رہے ہیں کہ ہمارے پاس آ

مگر وہ غایت حیرت سے نہ سمجھتا ہے نہ آتا ہے تو جیسا یہ شخص راہ پر تھا لیکن اپنے راستہ جاننے والے رفیقوں سے جدا ہو کر غولان بیابانی کے پنجہ میں گرفتار ہو کر راہ سے بے راہ ہو گیا اور وہ رفقاء اب بھی اس کو راہ پر لاتے ہیں مگر وہ نہیں آتا ایسی ہی ہماری حالت ہو جائے کہ راہ اسلام پر ہو کر اپنے ہادی پیغمبر سے جدا ہوں اور گمراہ کرنے والوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو کر گمراہ ہو جاویں اور وہ ہادی پھر بھی خیر خواہی سے دعوت اسلام کرتے رہیں اور ہم گمراہی کو نہ چھوڑیں تو کیا تمہاری مرضی پر عمل کر کے ہم اپنی ایسی مثال بنا لیں تنبیہ اس مثال میں جو شیطانوں کا راہ بھلا دینا مذکور ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیاطین اور خبیث جن بعض اوقات ایسے تصرفات وافعال کر سکتے ہیں پس آیت میں تاویلات کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس کی تحقیق سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔

قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ

آپ کہہ دیجئے کہ یقینی بات ہے کہ راہ راست وہ خاص اللہ ہی کی راہ ہے

یعنی جب اس مثال سے معلوم ہو گیا کہ راہ سے بے راہ ہونا برا ہے اور یقیناً خدا کا بتلایا ہوا راستہ دین اسلام ہے پس اس کا چھوڑنا قطعاً بے راہی ہے پھر ہم اسے کب چھوڑ سکتے ہیں۔

وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾

اور ہم کو یہ حکم ہوا ہے کہ پورے مطیع ہو جائیں پروردگار عالم کے

اور پوری اطاعت کا طریقہ اسلام ہی میں منحصر ہے تو ہم شرک کیونکر کر سکتے ہیں۔

وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

اور یہ کہ نماز کی پابندی کرو

جس میں عملی طور پر توحید پر دلالت خوب ظاہر ہے۔

وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِىْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾

اور اسی سے ڈرو اور وہی ہے جس کے پاس تم سب جمع کئے جاؤ گے

وہاں مشرکین کو اپنے شرک کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ

اور وہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو بافائدہ پیدا کیا

جس میں بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے خالق کے وجود اور توحید پر استدلال کیا جاتا ہے پس یہ بھی توحید کی ایک دلیل ہے آگے بتلاتے ہیں کہ حشر کو مستبعد نہ سمجھو کیونکہ قدرت کے سامنے سب آسان ہے

وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ؕ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ

اور جس وقت اللہ تعالیٰ اتنا کہہ دے گا کہ (حشر) تو ہو جا پس وہ ہو پڑے گا۔ اس کا کہنا

الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ ؕ

بااثر ہے اور جب کہ صور میں پھونک ماری جاوے گی ساری حکومت خاص اسی کی ہوگی۔

یعنی اس دن حقیقۃً بھی اور ظاہراً بھی اللہ ہی کی حکومت ہو گی وہ اپنی حکومت سے موحدین ومشرکین کا فیصلہ فرماویں گے اور اس پھونک مارنے سے فرشتہ کا دوسری بار پھونک مارنا مراد ہے جس سے تمام عالم پھر زندہ ہو جائے گا ۱۲

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۷۳﴾

وہ جاننے والا ہے پوشیدہ چیزوں کا اور ظاہر چیزوں کا اور وہی ہے بڑی حکمت

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ

والا پوری خبر رکھنے والا۔ اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جب ابراہیم

اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّیْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ

علیہ السلام نے اپنے باپ آزر سے فرمایا کہ کیا تو بتوں کو معبود قرار دیتا ہے۔

فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۷۴﴾

بیشک میں تجھ کو اور تیری ساری قوم کو صریح غلطی میں دیکھتا ہوں

ربط: اوپر شرک کا ابطال اور توحید کا اثبات مذکور تھا آگے اسی کی تائید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ توحید کی طرف بلانے کا بیان فرماتے ہیں اور چونکہ اہل عرب ابراہیم علیہ السلام کو مانتے تھے اس لئے اس مضمون کی تائید میں زیادہ قوت ہوگئی نیز اس قصہ میں رسالت کی بھی تائید ہے کہ نبوت کوئی نئی بات نہیں پہلے بھی انبیاء ہوئے ہیں اور یہاں چند باتیں معلوم کر لینا تفسیر سے پہلے ضروری ہیں اول یہ کہ ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے حالات سے جو قرآن میں مذکور ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بت پرستی بھی کرتے تھے اس واسطے ابراہیم علیہ السلام کے مناظرات میں دونوں پر گفتگو ہے دوسرے یہ کہ ابراہیم علیہ السلام ہوش سنبھالنے ہی کے وقت سے توحید کے محقق و عارف تھے ہاں ایک عرصہ تک مناظرہ کا اتفاق نہیں ہوا تھا پھر یا تو نبوت سے پہلے یا نبوت کے بعد قوم سے مناظرہ فرمایا اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس رات کی آمد کا اس جگہ ذکر ہے اس کی کوئی دلیل نہیں کہ اس کے پہلے انہوں نے بوجہ غار میں پرورش پانے کے کوئی رات نہ دیکھی تھی بلکہ یہ غار کا مشہور قصہ خود ثابت نہیں تیسرے یہ کہ آپ کی قوم خدا کی قائل تھی یا نہیں دونوں احتمال ہیں البتہ نمرود کے طرز گفتگو سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود خالق ہی کا منکر تھا لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے عناد اور سرکشی کی وجہ سے ایسی گفتگو کی ہو اور واقع میں خالق کا قائل ہو چنانچہ شاہ عبدالقادر صاحبؒ اسی کے قائل ہوئے ہیں کہ ان کی قوم خدا کی قائل تھی اس احتمال پر آیات مناظرہ کی تفسیر زیادہ سہل ہو جائے گی۔ **واذ قال ابراهيم تا ما انا من المشركين**

جو کہ اس اعتقاد میں تیرے شریک ہیں یہ گفتگو تو بتوں کے متعلق تھی ستاروں کے متعلق گفتگو آگے آتی ہے درمیان میں ابراہیم علیہ السلام کی صحت نظر کی تعریفیں فرماتے ہیں کہ ماقبل اور مابعد دونوں سے اس کا تعلق ہے ۱۲

وَكَذٰلِكَ نُرِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ

اور ہم نے ایسے ہی طور پر ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کی مخلوقات

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

دکھلائیں تا کہ وہ عارف ہو جائیں

یعنی خالق کی ذات وصفات کی معرفت حاصل ہو جائے اور معرفت کی ترقی سے درجہ یقین پر پہنچ جائیں۔ آگے ستاروں کے متعلق گفتگو ہے جو مناظرہ کا تتمہ ہے۔

وَلِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا

اور تا کہ کامل یقین کرنے والوں سے ہو جائیں۔ پھر جب

جَنَّ عَلَیْهِ الَّیْلُ

رات کی تاریکی ان پر چھا گئی

یعنی اسی طرح تمام عالم پر تاریکی چھا گئی کیونکہ رات کی تاریکی تو سب ہی پر آتی ہے اور یہ واقعہ خواہ اسی دن کا ہو جس میں پہلی گفتگو ہوئی تھی یا اور کسی دن کا۔

رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ

تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا آپ نے فرمایا کہ یہ میرا رب ہے

یعنی تمہارے خیال کے موافق یہ میرا اور تمہارا سب کا رب ہے اور سب کے حالات میں تصرف کرتا ہے بہت اچھا ابھی تھوڑی دیر میں حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے چنانچہ تھوڑے عرصہ کے بعد وہ افق میں جا چھپا آگے ترجمہ

فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ ﴿۷۶﴾

سو جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں غروب ہو جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا

اور خدائی کے اعتقاد کے ساتھ محبت لازمی ہے تو حاصل یہ ہوا کہ میں رب نہیں سمجھتا کیونکہ اس کے غروب ہو جانے کی صفت جو کہ متغیر اور بدلنے والی حالت ہے خود بتلاتی ہے کہ وہ حادث ہے اس کا وجود ایک حال پر قائم نہیں تو وہ خود کسی خالق کا محتاج ہے ۱۲

فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ

پھر جب چاند کو دیکھا چمکتا ہوا تو فرمایا کہ یہ میرا رب ہے

بہتر اب تھوڑی دیر میں اس کی کیفیت بھی دیکھنا چنانچہ وہ بھی غروب ہو گیا اور یہ چاند کا قصہ ممکن ہے کہ ستارہ ہی کی شب کا ہو یا دوسری شب کا ہو ۱۲

فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ

سو جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر مجھ کو میرا رب ہدایت

لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا

نہ کرتا رہے تو میں گمراہ لوگوں میں شامل ہو جاؤں پھر جب

رَاَ الشَّمْسَ

آفتاب کو دیکھا

یہ واقعات دو یا تین شب کے ہیں۔

بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَآ اَكْبَرُ ج

چمکتا ہوا تو فرمایا کہ یہ میرا رب ہے یہ تو سب میں بڑا ہے

بس اس پر گفتگو کا خاتمہ ہو جائے گا۔

فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ

سو جب وہ غروب ہو گیا آپ نے فرمایا اے میری قوم بیشک میں تمہارے

مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾

شرک سے بیزار ہوں

یعنی بیزاری ظاہر کرتا ہوں کیونکہ اعتقاداً تو ہمیشہ سے ہی بیزار تھے

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ

میں اپنا رخ اس کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا

وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۷۹﴾ ج

اور میں شرک کرنے والوں سے نہیں ہوں۔ اور ان سے ان کی قوم نے حجت

وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ط

کرنا شروع کی۔

ربط: آگے اوپر کے قصہ کا تتمہ ہے و حاجہ قومہ' تا مھتدون وہ یہ کہ بتوں کی پرستش رسم قدیم ہے وجدنا آباء نا لھا عٰبدین ہمارے آباؤ اجداد ان کی پرستش کرتے آئے ہیں اور یہ بھی کہا کہ تم جو ہمارے معبودوں کا انکار کرتے ہو ہمیں خوف ہے کہ کبھی تم کو یہ کسی آفت میں نہ پھنسا دیں پہلی بات کا تو آپ نے یہ جواب دیا (ترجمہ دیکھو)

قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ط

آپ نے فرمایا کہ کیا تم اللہ کے معاملہ میں مجھ سے حجت کرتے ہو حالانکہ اس نے مجھ کو طریقہ بتلا دیا ہے۔

جس کو میں تمہارے روبرو پیش کر چکا ہوں تو محض رسم قدیم ہونا اس دلیل کا جواب نہیں ہو سکتا اس لئے اب اس میں حجت کرنا بیکار اور ناقابل التفات ہے دوسری بات کے جواب میں یہ فرمایا (ترجمہ دیکھو)

وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ

اور میں ان چیزوں سے جن کو تم اللہ کے ساتھ شریک بناتے ہو نہیں ڈرتا

وہ مجھ کو کوئی صدمہ نہیں پہنچا سکتے کیونکہ ان میں خود قدرت ہی کی صفت نہیں اور اگر کسی میں ہو بھی تو مستقل قدرت نہیں خدا کی عطا کردہ ہے۔

اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّیْ شَيْـًٔا ط

ہاں لیکن اگر میرا پروردگار ہی کوئی امر چاہے

تو وہ دوسری بات ہے وہ پوری ہو جائے گی لیکن اس سے ان باطل معبودوں کی قدرت کا ثبوت یا ان سے ڈرنے کی ضرورت کب لازم آئی اور یہ بات آپ نے اس لئے فرما دی کہ آخر تو آدمی تھے انسان پر حوادث بھی آتے رہتے ہیں تو شاید وہ ہاں ان تکالیف سے استدلال کرتے کہ یہ ہمارے معبودوں کو برا کہنے کا نتیجہ ہے اس لئے پیش بندی فرما دی کہ ان حوادث سے استدلال باطل ہے کیونکہ وہ خدا کی طرف سے واقع ہوں گے۔

وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ط

میرا پروردگار ہر چیز کو اپنے علم میں گھیرے ہوئے ہے

یعنی جس طرح اس کا قادر مطلق ہونا معلوم ہے اس سے معلوم ہوا کہ وہ اگر چاہے تکلیف بھیج دے اسی طرح اس کا علم بھی کامل ہے غرض قدرت و علم دونوں اسی کے ساتھ خاص ہیں تمہارے معبودوں کو نہ قدرت ہے نہ علم۔

اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾

کیا تم پھر خیال نہیں کرتے

آگے بتلاتے ہیں کہ جس طرح میرے نہ ڈرنے کی وجہ یہ ہے کہ تمہارے معبود علم و قدرت سے بالکل خالی ہیں اسی طرح یہ بھی وجہ ہے کہ میں نے کوئی ڈر کا کام بھی تو نہیں کیا۔

وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ

اور میں ان چیزوں سے کیسے ڈروں جن کو تم نے شریک بنایا ہے حالانکہ تم اس

اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ

بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہرایا

عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ

ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی

مطلب یہ کہ ڈرنا تو تم کو چاہئے تھا دو وجہ سے اول تو تم نے ڈر کا کام کیا ہے جو کہ شرک وکفر ہے جس پر عذاب مرتب ہوتا ہے دوسرے خدا کا عالم وقادر ہونا معلوم ہو چکا ہے مگر تم الٹا مجھ کو ڈراتے ہو ذرا انصاف سے سوچو کہ مشرکین اور موحدین میں سے ڈرنا کس کو چاہئے۔

فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ

سوان دو جماعتوں میں سے امن کا زیادہ مستحق کون ہے

یعنی بے خوف وخطر ہونے کے قابل کون ہے اور خوف بھی وہ جو واقع میں اعتبار کے قابل ہے یعنی آخرت کا خوف ۱۲۔

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ

اگر تم خبر رکھتے ہو۔ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں

يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ

اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں کرتے۔

الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع

ایسوں ہی کے لئے امن ہے اور وہی راہ پر چل رہے ہیں

یعنی آخرت میں ان کے لئے امن ہے اور دنیا میں وہ راستی پر ہیں کہ یہی بڑی نعمت ہے اور ایسے لوگ صرف موحدین ہیں کیونکہ مشرکین بظاہر خدا پر ایمان لاتے ہیں کہ خدا کے قائل ہیں لیکن شرک بھی اس کے ساتھ ملاتے ہیں جس سے شرعاً عنداللہ وہ ایمان معتبر نہیں رہتا۔ جب موحدین امن کے قابل ہیں تو اس صورت میں تم خود ڈرو نہ کہ مجھ کو ڈراتے ہو حالانکہ نہ تمہارے معبود ڈرنے کے قابل نہ میں نے کوئی کام ڈرنے کا کیا نہ دنیا کا خوف اعتبار کے قابل اور تمہاری حالت تینوں اعتبار سے خوف کے لائق ہے **ربط :** ابراہیم علیہ السلام کے قصہ سے توحید کا اثبات اور رسالت کی تائید ہوتی تھی آگے ان دونوں مسئلوں کی تائید کے لئے اور ایک مختصر تذکرہ انبیاء علیہم السلام کا کرتے ہیں جن کو ابراہیم علیہ السلام سے خاص خاص تعلقات بھی ہیں کسی کو ولدیت کا کسی کو نبوت کا کسی کو اتباع کا پس اس تذکرہ میں اہل عرب کو جو اپنے کو ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے تھے تنبیہ ہے کہ ان کے متعلقین تو موحد تھے پھر تم کیسی اولاد ہو کہ ان کے طریقہ کے خلاف کرتے ہو نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ نبوت پہلے سے چلی آ رہی ہے پھر اس کو مستبعد کیوں سمجھا جاتا ہے اور اس تمام تذکرہ سے ابراہیم علیہ السلام کی حجت کی تقویت بھی ہو جائے گی۔

وتلک حجتنا تا ذکریٰ للعلمین

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ

اور یہ ہماری حجت تھی وہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ان کی قوم کے مقابلہ میں

نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ

دی تھی۔ ہم جس کو چاہتے ہیں مرتبوں میں بڑھا دیتے ہیں

چنانچہ سب انبیاء کو یہ رفعت عطا فرمائی۔

اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۸۳﴾

بیشک آپ کا رب بڑا حکمت والا بڑا علم والا ہے

کہ ہر ایک کا حال اور استعداد جانتا ہے۔ اور ہر ایک کے مناسب اس کو کمال عطا فرماتا ہے۔

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ

اور ہم نے ان کو (ایک بیٹا) اسحاق علیہ السلام دیا اور (ایک پوتا) یعقوب علیہ السلام دیا ہر ایک کو (طریق حق کی) ہم نے ہدایت کی

غرض جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کو ذاتی علم وعمل دیا گیا اسی طرح یہ فضیلت بھی دی گئی کہ ان کے اصول وفروع میں بہتوں کو کمال نبوت عطا کیا گیا اور اسحاق ویعقوب علیہما السلام کے ذکر سے دوسری اولاد کی نفی نہیں ہوتی چنانچہ اسماعیل علیہ السلام بھی ان کی اولاد بلاواسطہ ہیں ان کا ذکر آگے آتا ہے غرض جب یہ سب ہدایت پر چلے تو خدا نے ان کو جزائے خیر بھی دی جیسے ثواب اور زیادہ قرب۔

وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ

اور (ابراہیم علیہ السلام سے) پہلے زمانہ میں ہم نے نوح علیہ السلام کو ہدایت کی اور ان (ابراہیم علیہ السلام) کی اولاد میں سے

دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ

داؤد علیہ السلام کو اور سلیمان علیہ السلام کو اور ایوب علیہ السلام کو اور یوسف علیہ السلام کو

وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي

اور موسیٰ علیہ السلام کو اور ہارون علیہ السلام کو (طریق حق کی ہدایت کی) اور اسی طرح ہم نیک کام کرنے والوں کو جزا دیا کرتے ہیں

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى

اور نیز زکریا علیہ السلام کو اور یحیٰ علیہ السلام کو اور عیسیٰ علیہ السلام کو

وَاِلْيَاسَ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ

اور الیاس علیہ السلام کو (اور یہ) سب (حضرات) پورے شائستہ لوگوں میں تھے اور نیز (ہم نے طریق حق کی ہدایت کی) اسماعیل علیہ السلام کو

وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى

اور یسع علیہ السلام کو اور یونس علیہ السلام کو اور لوط علیہ السلام کو اور (ان میں سے) ہر ایک کو (ان زمانوں کے) تمام جہانون والوں پر (نبوت سے)

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَمِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ

ہم نے فضیلت دی اور نیز ان کے کچھ باپ دادوں کو اور کچھ اولاد کو اور کچھ بھائیوں کو (طریق حق کی ہم نے ہدایت کی)

وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ

اور ہم نے ان (سب) کو مقبول بنایا

آگے بتلاتے ہیں کہ وہ ہدایت جس کا مجملاً ذکر اوپر آیا ہے وہ کیا چیز تھی ۱۲۔

وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۷﴾

اور ہم نے ان کو راہ راست کی ہدایت کی۔ اللہ کی ہدایت وہ یہی دین ہے

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ

اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس کو ہدایت کرتا ہے

یعنی جس کو چاہتے ہیں اس تک پہنچا دیتے ہیں باقی ہدایت بمعنی راستہ بتلا دینا وہ سب کو ہوئی ہے مگر بعض لوگوں نے اس کو چھوڑ کر شرک اختیار کر لیا آگے بتلاتے ہیں کہ شرک کس قدر ناپسندیدہ چیز ہے۔

مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا

اور اگر فرضاً یہ حضرات بھی شرک کرتے تو جو کچھ یہ اعمال کیا کرتے تھے ان

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾

سے سب اکارت ہو جاتے

تو جب شرک کرنے کی صورت میں انبیاء سے یہ معاملہ ہوتا تو غیر انبیاء تو کس شمار میں ہیں آگے مسئلہ نبوت کی طرف اشارہ ہے۔

اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ

اور یہ ایسے تھے کہ ہم نے ان کو کتاب (آسمانی) اور حکمت (کے علوم)

وَالنُّبُوَّةَ ۚ

اور نبوت عطا کی تھی

پس نبوت کوئی عجیب چیز نہیں جو یہ کافر لوگ آپ کے منکر ہو رہے ہیں کیونکہ اس کی بہت سی نظائر موجود ہیں۔

فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَاۗءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا

سو اگر یہ لوگ نبوت کا انکار کریں تو ہم نے اس کے لئے ایسے بہت لوگ

قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾

مقرر کر دیئے ہیں جو اس کے منکر نہیں ہیں

جیسے مہاجرین و انصار پس آپ کچھ غم نہ کیجئے اور صبر کیجئے کیونکہ سب انبیاء علیہم السلام نے ایسا ہی کیا ہے ۱۲

اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ

یہ حضرات ایسے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے (صبر کی) ہدایت کی تھی سو آپ بھی

اقْتَدِهْ ۭ

انہی کے طریق پر چلئے۔

آپ کو بھی اسی کی ہدایت کی گئی ہے کیونکہ ان لوگوں سے نہ آپ کو کوئی نفع نہ کوئی ضرر جس کی وجہ سے غم اور بے صبری ہو ۱۲

قُلْ لَّآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ

آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس (تبلیغ قرآن) پر کوئی معاوضہ نہیں چاہتا

جس کے ملنے سے نفع اور نہ ملنے سے ضرر ہو بلکہ بے غرض نصیحت کرتا ہوں۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۰﴾ ع

یہ (قرآن) تو صرف تمام جہان والوں کے واسطے ایک نصیحت ہے

جس کے ماننے سے تمہارا ہی نفع اور نہ ماننے سے تمہارا ہی نقصان ہے **ربط:** اوپر مقصوداً توحید کا ذکر تھا گو ضمناً رسالت کی بھی تائید تھی آگے مسئلہ رسالت کا مقصوداً ذکر ہے اور سبب اس کے نزول کا یہ ہوا تھا کہ ایک یہودی مالک بن الصیف نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ مذہبی گفتگو کی اور جوش میں آ کر اس قدر مبالغہ کیا کہ کہنے لگا اللہ

تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی کتاب نازل نہیں کی اور ایک روایت میں ہے کہ یہود نے کہا کہ واللہ آسمان سے خدا نے کوئی کتاب نازل نہیں کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی وما قدروا اللہ حق قدرہ تا یحافظون

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ

اور ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی جیسی قدر جاننا واجب تھی ویسی قدر نہ پہچانی

اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ؕ

جبکہ یوں کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی چیز بھی نازل نہیں کی

اور اس بات میں ناقدر شناسی اس لئے ہے کہ اس سے مسئلہ نبوت کا انکار لازم آتا ہے اور نبوت کا منکر خدا کی تکذیب کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کتنی بڑی گستاخی اور بے قدری ہے حق تعالیٰ کی تصدیق واجب ہے منکر نبوت اس واجب کو فوت کرتا ہے اس تحقیقی جواب کے بعد حضور کو الزامی جواب دینے کا حکم فرماتے ہیں جو مسکت جواب ہے (ترجمہ)

قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰی

آپ کہیے کہ وہ کتاب کس نے نازل کی ہے جس کو موسیٰ علیہ السلام لائے تھے جس کی یہ کیفیت

نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ

ہے کہ وہ نور ہے اور لوگوں کے لئے وہ ہدایت ہے۔ جس کو تم نے متفرق اوراق میں رکھ چھوڑا ہے

اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر مضمون کے اوراق جدا کر رکھے تھے اور بعض کا ایسا کر لینا تعجب نہیں اور غرض یہ تھی کہ جب ہر مضمون کے اوراق جدا ہوں گے تو ساری کتاب کے مضامین پر لوگوں کو اطلاع نہ ہوگی جو چاہیں گے چھپا لیں گے اور مجازاً یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اپنے ذہن میں تورات کے مضامین کے مختلف حصے تجویز کر رکھے تھے بعض مضامین کو جیسے نعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھپاتے تھے اور اس کی دوسری طرح تاویلیں کرتے تھے۔

تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِیْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ

جن کو ظاہر کر دیتے ہو اور بہت سی باتوں کو چھپاتے ہو اور تم کو بہت سی ایسی

تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ

باتیں تعلیم کی گئیں جن کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے بڑے

مطلب یہ کہ جس تورات کی یہ حالت ہے کہ اس کو اولاً تم مانتے ہو دوسرے بوجہ نور و ہدایت ہونے کے ماننے کے قابل بھی ہے تیسرے ہر وقت تمہارے استعمال میں ہے گو وہ استعمال شرمناک طریقہ ہے لیکن اس کی وجہ سے انکار کی تو گنجائش نہیں چوتھے تمہارے حق میں وہ بڑی نعمت ہے کہ اسی کی بدولت آج عالم بنے بیٹھے ہو اس وجہ سے بھی اس میں انکار کی گنجائش نہیں تو یہ بتلاؤ کہ اس کو کس نے نازل کیا ہے اگر خدا نے کوئی کتاب نازل نہیں کی تو یہ کہاں سے آ گئی چونکہ اس سوال کا جواب ایسا متعین ہے کہ وہ لوگ بھی اس کے سوا کوئی جواب نہیں دے سکتے اس لئے حضور کو خود ہی جواب دینے کے لئے حکم ہے۔ (ترجمہ)

قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾

آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے پھر ان کو ان کے مشغلہ میں بیہودگی کے ساتھ لگا رہنے دیجئے

کیونکہ آپ کا منصبی کام ختم ہو گیا اس پر بھی نہ مانیں تو آپ فکر میں نہ پڑیں ہم خود ہی سمجھ لیں گے آگے فرماتے ہیں کہ جس طرح تورات ہماری نازل کی ہوئی کتاب ہے اسی طرح قرآن بھی ہے اور یہود کا اس بیہودہ دعویٰ سے مقصود بھی اسی کی تکذیب کرنا ہے۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ

اور یہ بھی ایسی ہی کتاب ہے۔ جس کو ہم نے نازل کیا ہے جو بڑی برکت والی ہے اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے

یعنی ہم نے قرآن کو نفع خلائق اور تصدیق کتب الٰہیہ کے لئے نازل فرمایا اس پر ایمان لانا اور عمل کرنا موجب فلاح دارین ہے۔

الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى

اور تاکہ آپ مکہ والوں کو اور اس کے آس پاس

وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ

والوں کو ڈرائیں

یعنی ان لوگوں کو خصوصیت کے ساتھ اس عذاب الٰہی سے ڈرا دیں جو مخالفت پر نازل ہوگا کیونکہ پیغمبر کو اپنے خاندان و قوم کی اصلاح کا اول حکم ہوتا ہے اور یوں عام طور پر تو سب کے ڈرانے کا آپ کو حکم تھا۔ لیکون للعٰلمین نذیرا

وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ

اور جو لوگ آخرت کا یقین رکھتے ہیں ایسے لوگ اس پر ایمان لے

وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾

آتے ہیں اور وہ اپنی نماز پر مداومت رکھتے ہیں

یعنی آپ کے ڈرانے کے بعد گو سب لوگ ایمان نہ لاویں مگر جن کو آخرت کا یقین ہے اور عذاب سے اندیشہ ہے اور اس سے بچنے کا فکر اور ہمیشہ نجات کا طریقہ معلوم کرنے اور راہ حق طلب کرنے کی دھن ہے ایسے لوگ ضرور قرآن کو مانتے ہیں اور ایمان واعتقاد کے ساتھ اس کے اعمال کے بھی پابند ہوتے ہیں چنانچہ نماز جیسی عبادت پر جو کہ دن میں پانچ بار مکرر ہونے کی وجہ سے بہت گراں ہے مداومت کرتے ہیں تو دوسری عبادات جو گاہ گاہ اور سہل ہیں ان کے بدرجہ اولیٰ پابند ہوں گے حاصل یہ کہ کسی کے ماننے نہ ماننے کی فکر نہ کیجئے جو اپنا بھلا چاہیں گے مان لیں گے جو نہ چاہیں گے نہ مانیں گے۔ آپ اپنا کام کیجئے **ربط**: اوپر منکرین نبوت کے اقسام میں سے بعض کا رد تھا آگے دوسری قسموں کی بھی مذمت ہے بعض وہ تھے کہ صرف آپ کی نبوت کا انکار کرتے تھے مگر اپنے لئے بھی کوئی دعویٰ نہ کرتے تھے دوسرے وہ تھے جو اپنے لئے خود نبوت کے مدعی تھے جیسے مسیلمہ کذاب وغیرہ تیسرے وہ جو قرآن کے مثل تصنیف کر سکنے یا کرنے کے مدعی تھے جیسے نضر بن حارث وغیرہ آگے ان سب کی مذمت ہے اور چونکہ نضر بن حارث نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر مجھ کو عذاب ہونے لگا تو لات وعزیٰ شفاعت کر دیں گے اس لئے ولقد جئتمونا میں اس کا جواب بھی ہے ومن اظلم تا تزعمون

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ

اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ تہمت لگائے یا

قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ

یوں کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے حالانکہ اس کے پاس کسی بات کی بھی وحی نہیں آئی اور جو

قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ

شخص کہ یوں کہے کہ جیسا کلام اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اسی طرح کا میں بھی لاتا ہوں

جھوٹ تہمت لگانے والے وہ لوگ ہیں جو خاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت یا مطلق نبوت کے منکر ہیں اور وحی کا دعویٰ کرنے والے وہ ہیں جو خود مدعی نبوت ہیں اور تیسرا فرقہ وہ ہے جو قرآن کے مثل تصنیف کرنے کے مدعی تھے مگر آج تک کبھی اپنے دعویٰ کو کر کے نہ دکھلا سکے غرض یہ سب لوگ بڑے ظالم ہیں آگے ظالموں کا حال بتلاتے ہیں۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ

اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جبکہ یہ ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوں گے

غمرات کی تفسیر روحانی سختیوں سے اس لئے کی گئی کہ نزع کی ظاہری شدت نہ کفار کے لئے ہمیشہ لازم ہے نہ ان کے ساتھ خاص ہے بلکہ مسلمانوں کو بھی ہو سکتی ہے البتہ روحانی سختی کفار ہی کے لئے خاص ہے مسلمان اکثر موت کے وقت خدا تعالیٰ سے ملنے کا مشتاق ہو جاتا ہے اس اشتیاق میں اس کو ایسی محویت ہوتی ہے کہ ظاہری شدت نزع کی روح کو خبر بھی نہیں ہوتی ۱۲

وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ

اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے ہاں اپنی جانیں نکالو

کہاں جان بچاتے پھرتے تھے اور ملائکہ یہ بات محض شدت اور سختی ظاہر کرنے کے لئے کہیں گے یہ وجہ نہ ہو گی کہ بدوں مانگے ان کی جان نہ نکلے گی بلکہ فرشتے خود جان نکالتے جائیں گے اور دھمکی کے طور پر یہ بات کہتے جائیں گے جیسے کوئی شخص تمہاری چیز لے کر بھاگ جائے اور اس کو بغل میں چھپاتا پھرے پھر تم اس کو پکڑ لو اور بغل میں ہاتھ ڈال کر اس کو نکالتے جاؤ اور کہتے جاؤ کہ یہاں سے نکال کہاں چھپائے پھرتا ہے ظاہر ہے کہ اس کہنے کا مقصود صرف اس کو دھمکانا اور شرمندہ کرنا ہوتا ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن ابی سرح جو اپنے لئے وحی کا مدعی تھا پھر اس نے نادم ہو کر توبہ کر لی اور اسلام لے آیا تو وہ اس وعید سے مستثنیٰ ہو جائے گا کیونکہ وعید کی جو علت تھی جب وہ مرتفع ہو گئی تو وعید بھی رفع ہو جائے گی ۱۲

اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ

آج تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی اس سبب سے

یہ کیفیت تو موت کے وقت ہو گی اور جب قیامت کا دن ہو گا تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے (ترجمہ دیکھو)

بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ

کہ تم اللہ تعالیٰ کے ذمہ جھوٹی باتیں بکتے تھے اور تم

عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾

اللہ کی آیات سے تکبر کرتے تھے

اہل محشر کا برہنہ پا برہنہ بدن ہونا اصحاح میں آتا ہے اور بعض روایات میں جو مومنین کا کپڑا پہننا آیا ہے وہ اس کے معارض نہیں برہنگی اصلی حالت ہو گی اور لباس اس کے بعد ملے گا خواہ قبر سے نکلنے کے بعد ملے یا پہلے واللہ اعلم

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ

اور تم ہمارے پاس تنہا تنہا آ گئے جس طرح ہم نے اول بار تم کو پیدا کیا تھا

مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ

اور جو کچھ ہم نے تم کو دیا تھا اس کو اپنے پیچھے ہی چھوڑ آئے

مطلب یہ کہ مال و دولت کے بھروسہ مت رہنا یہ سب یہیں رہ جائے گا وہاں کچھ نہ لے جاسکو گے۔

وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ

اور ہم تو تمہارے ہمراہ تمہارے ان شفاعت کرنے والوں کو نہیں دیکھتے جن کی نسبت تم دعویٰ

اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ۭ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ

رکھتے تھے کہ وہ تمہارے معاملہ میں شریک ہیں واقعی تمہارے آپس میں تو قطع تعلق ہو گیا

کہ آج تم ان سے بیزار وہ تم سے بیزار شفاعت کیا خاک کریں گے پس قطع تعلق سے یا تو یہی مراد ہے کہ شفاعت نہ کریں گے گو حسا یک جائی رہے یا ظاہر میں بھی علیحدگی کر دی جائے جیسا کہ فزیلنا بینهم سے معلوم ہوتا ہے۔

عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝۹۴ اِنَّ اللّٰهَ

اور وہ تمہارا دعویٰ تم سے سب گیا گزرا ہوا۔ بیشک اللہ تعالیٰ

فٰلِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ۭ

پھاڑنے والا ہے دانہ کو اور گٹھلیوں کو

ربط: اوپر مسئلہ رسالت کی تحقیق مع اس کے متعلقات کے تھی اور اس سے پہلے مسئلہ توحید مذکور تھا آگے پھر توحید کی طرف رجوع ہے اور استدلال میں اپنی نعمتوں کا ذکر کر کے اپنا منعم ہونا ثابت کرتے ہیں جس سے شرک کا طبعی طور پر بھی قبیح ہونا ظاہر ہو جاوے گا۔ ان الله فالق الحب تا لقوم یومنون

یعنی زمین میں دبانے کے بعد جو دانہ یا گٹھلی پھوٹتی ہے یہ اللہ ہی کا کام ہے۔

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ

وہ جاندار (چیز) کو بے جان (چیز) سے نکال لاتا ہے (جیسے نطفہ سے آدمی پیدا ہوتا ہے) اور وہ بے جان (چیز) کو جاندار (چیز) سے نکالنے والا ہے

مِنَ الْحَيِّ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝۹۵

(جیسے آدمی کے بدن سے نطفہ ظاہر ہوتا ہے) اللہ یہ ہے (جس کی ایسی قدرت ہے) تو تم کہاں الٹے چلے جا رہے ہو

یعنی جس اللہ کی ایسی قدرت ہے اس کو چھوڑ کر غیر اللہ کی عبادت کی طرف کہاں جا رہے ہو۔

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ

وہ (اللہ تعالیٰ) صبح کا نکالنے والا ہے

یعنی صبح کو رات سے نکالتا ہے رات ختم ہو جاتی ہے اور صبح صادق ظاہر ہوتی ہے۔

وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا

اور اس نے رات کو راحت کی چیز بنایا ہے

کہ سب تھکے تھکائے سو کر آرام پاتے ہیں ۱۲

وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۭ

اور سورج اور چاند (کی رفتار) کو حساب سے رکھا ہے

یعنی ان کی رفتار مضبوط ہے جس سے اوقات کے انضباط میں سہولت ہو

ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝۹۶ وَهُوَ الَّذِيْ

یہ ٹھہرائی ہوئی بات ہے ایسی ذات کی جو کہ قادر ہے بڑے علم والا ہے اور وہ

جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ

(اللہ) ایسا ہے جس نے تمہارے (فائدہ کے) لئے ستاروں کو پیدا کیا تا کہ تم ان کے ذریعہ سے اندھیروں میں

الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ

خشکی میں اور دریا میں بھی راستہ معلوم کر سکو بیشک ہم نے (یہ) دلائل خوب کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں ان لوگوں کے لئے

يَّعْلَمُوْنَ ۝۹۷

جو خبر رکھتے ہیں

یعنی یہ دلائل اگر چہ پہنچیں گے سب کو مگر مفید انہی لوگوں کے لئے ہوں گے کیونکہ غور و فکر ایسے ہی لوگ کیا کرتے ہیں ۱۲

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ

اور وہ (اللہ) ایسا ہے جس نے تم (سب) کو (اصل میں) ایک شخص سے پیدا کیا

فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ۭ

پھر ایک جگہ زیادہ رہنے کی ہے اور ایک جگہ چندے رہنے کی

یعنی پھر آدم علیہ السلام سے توالد و تناسل کا سلسلہ اسی طرح چلا آ رہا ہے کہ ہر

شخص کا مادہ ایک جگہ زیادہ دنوں تک رہتا ہے یعنی ماں کے رحم میں اور ایک جگہ چند دن رہتا ہے یعنی باپ کی پشت میں پھر اس بے جان مادہ میں رحم کے اندر جان پڑ جاتی ہے اور بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو اس کلام سے یخرج الحی الخ کی تفصیل ہو گئی۔

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾ وَهُوَ

بیشک ہم نے دلائل (توحید و انعام کے) خوب کھول کھول کر بیان کر دیئے ان لوگوں

الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا

کے لئے جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں۔ اور وہ (اللہ) ایسا ہے جس نے آسمان (کی طرف)

بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ

سے پانی برسایا۔ پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے ہر قسم کے نباتات کو نکالا

اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ ایک ہی پانی سے مختلف نباتات پیدا ہو جاتے ہیں سبب واحد اور مسبب مختلف ۱۲

فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ

پھر ہم نے اس سے

یعنی نبات کے اول نمودار ہونے والے حصے سے "جو کہ اول زمین سے نکلتا ہے جس کو بعض غلات میں سوئی یا کھونٹی کہتے ہیں اور رنگ میں زرد ہوتی ہے" سبز شاخ نکالی۔

خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ

سبز شاخ نکالی کہ اس سے ہم اوپر تلے دانے چڑھے ہوئے نکالتے ہیں

یہ تو غلوں کی کیفیت ہے اس کلام سے فالق الحب کی تفصیل ہو گئی آگے میووں اور پھلوں کا بیان آتا ہے جن کا ذکر اجمالاً و النوی میں آیا تھا اس کی تفصیل ہو جائے گی۔

وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ

اور کھجور کے درختوں سے یعنی ان کے گپھے میں سے خوشے ہیں جو (مارے بوجھ کے)

وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ

نیچے کو لٹکے جاتے ہیں اور (اسی پانی سے ہم نے) انگوروں کے باغ اور زیتون اور انار

مُشْتَبِهًا

(کے درخت پیدا کئے جو کہ) ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوتے ہیں

بعضے انار اور زیتون کے پہلی صورت و شکل و مقدار اور رنگ و مزہ میں باہم مشابہ ہوتے ہیں اور بعضے مشابہ نہیں ہوتے بلکہ مختلف ہوتے ہیں یہ بھی خدا کی قدرت ہے کہ ایک درخت میں مختلف رنگ اور مزے پیدا کر دیئے۔

وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ

اور (بعضے) ایک دوسرے سے ملتے جلتے نہیں ہوتے (ذرا ہر ایک کے پھل کو تو دیکھو

اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ

جب وہ پھلتا ہے (پھر) اس کے پکنے کو دیکھو

پھلتے وقت بالکل کچا بدمزہ ناقابل انتفاع ہوتا ہے اور پکنے کے بعد سب اوصاف میں کیسا کامل ہو گیا یہ بھی خدا کی قدرت کا ظہور ہے اور ان مضامین میں ایک عجیب ترتیب کی رعایت فرمائی ہے وہ یہ کہ یہاں تین قسم کی کائنات بتائی ہیں کائنات زمین یعنی سفلیات کائنات آسمان یعنی علویات اور کائنات درمیان جن کو کائنات جو کہتی ہیں اول سفلیات کا ذکر کیا کہ وہ ہم سے زیادہ قریب ہیں پھر اس کے وہ حصے کئے ایک نباتات کا بیان دوسرے انسانی پیدائش کا بیان نباتات کا بیان پہلے کیا کیونکہ نطفہ کی حالت بدلنا اور اس کے تمام انقلابات کا علم اطباء کے ساتھ مخصوص ہے بخلاف نباتات کے کہ ان کے انقلابات کا عام طور سے مشاہدہ ہے پھر کائنات جو کو بیان فرمایا یعنی رات اور صبح پھر علویات کو ذکر کیا آفتاب چاند ستارے پھر چونکہ زمین کی چیزوں کا زیادہ مشاہدہ ہوتا ہے اس کو مکرر لا کر اس پر بیان ختم کر دیا مگر پہلے انکا ذکر اجمالاً تھا دوبارہ تفصیل سے ذکر کئے گئے لیکن تفصیل کے وقت ترتیب بدل دی گئی اور انسانی پیدائش کا ذکر مقدم کیا گیا شاید اس لئے کہ اس وقت اظہار نعمت کا عنوان اختیار کیا گیا ہے اور انعام میں مقصود انسان ہی ہے اور بارش کا ذکر درمیان میں آنا اس میں ایک لطیفہ ہے کہ بارش میں کئی جہتیں ہیں مبداء کے اعتبار سے تو علوی ہے کہ آسمان کی طرف سے شروع ہوتی ہے اور انتہا کے اعتبار سے ہے سفلی ہے کہ زمین پر پہنچتی ہے اور مسافت کے اعتبار سے کائنات جو میں سے کیونکہ آسمان زمین کے درمیان ہو کر آتی ہے۔ ربط: اوپر توحید کے دلائل مذکور تھے آگے صراحۃً توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال ہے و جعلوا اللہ تا الخبیر

اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾

ان میں (بھی) دلائل (توحید کے موجود (ہیں ان کو لوگوں کے لئے جو ایمان (لانے کی فکر) رکھتے ہیں اور لوگوں نے شیاطین کو

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ

اللہ کا شریک قرار دے رکھا ہے حالانکہ ان لوگوں کو خدا نے پیدا کیا ہے

اوراس کا خودان کو بھی اقرار ہے جب خالق کوئی اور نہیں تو معبود بھی کوئی اور نہ ہونا چاہئے۔

وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ

اوران لوگوں نے اللہ کے حق میں بیٹے اور بیٹیاں محض بلاسند تراش رکھی ہیں

جیسے نصاریٰ حضرت مسیح کو اور بعض یہود حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا اور مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ بَدِيْعُ

وہ پاک اور برتر ہیں ان باتوں سے جن کو یہ لوگ بیان کرتے ہیں وہ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

آسمانوں اور زمین کا موجد ہے

نیست سے ہست کرنے والا ہے دوسرا کوئی موجد نہیں پس معبود بھی اور کوئی نہیں ہوگا اس سے تو شریک کی نفی ہوئی اور اولاد نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اولاد ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ اس کی کوئی بی بی ہو اور دونوں کے اجتماع سے تیسری جاندار چیز پیدا ہو اول تو اس صورت میں خدا کا محتاج ہونا لازم آتا ہے جو محال ہے دوسرے اس کی کوئی بی بی بھی تو نہیں جس پر اولاد کا ہونا موقوف ہے اور ظاہر ہے کہ موقوف علیہ کی نفی سے موقوف کی نفی بدرجہ اولیٰ ہو جاتی ہے تو خدا کے لئے اولاد نہیں ہو سکتی۔

اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ

اللہ کے اولاد کہاں ہو سکتی ہے حالانکہ اس کے کوئی بی بی تو ہے نہیں

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾

اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا اور وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے

اوراس وصف میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں اور خالق ہونا بدون علم کے ہو نہیں سکتا اس سے یہی ثابت ہوا کہ اور کوئی خالق نہیں۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ

یہ ہے اللہ تمہارا رب اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہر چیز کا پیدا

كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

کرنے والا ہے تو تم لوگ اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا

وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۲﴾

کارساز (حقیقی) ہے

دوسرا کوئی کارساز بھی نہیں پس خدا کی عبادت کرو گے تو وہ تم کو نفع حقیقی پہنچا دے گا۔ اور دوسرا کیا دے دے گا۔ غرض خالق بھی وہی ہے علیم بھی وہی ہے وکیل بھی وہی ان سب سے لازم آیا کہ معبود بھی وہی ہو آگے اپنے علم کے یکتا ہونے کی کیفیت بیان کرتے ہیں۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ز

اس کو تو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہو سکتی

دنیا میں تو اس طرح کہ کوئی اس کو دیکھ ہی نہیں سکتا اور آخرت میں اس طرح کہ اہل جنت گو اس کو دیکھیں گے مگر احاطہ جب بھی محال رہے گا اور جب نگاہ سے اس کے ظاہر کا احاطہ محال ہے تو عقل سے اس کی حقیقت باطنی کا احاطہ بدرجہ اولیٰ محال ہوگا کیونکہ ظاہر کے مقابلہ میں حقیقت بدرجہا خفی تر ہے اور نگاہ کے مقابلہ میں عقلی ادراک بدرجہا غلطی کو زیادہ محتمل ہے ف خدا تعالیٰ کے سوا جتنی چیزیں نظر آ سکتی ہیں خواہ وہ کتنی ہی بڑی ہوں نگاہ ان کا احاطہ کر سکتی ہے مگر خدا تعالیٰ کے ظاہر کا احاطہ کسی طرح نہیں کر سکتی اور یہاں ادراک سے مراد احاطہ ہی ہے ف: معتزلہ نے اس آیت سے دیدار اہل جنت کی نفی کی ہے مگر ترجمہ سے ظاہر ہے کہ اس سے مطلق دیدار کی نفی نہیں ہو سکتی بلکہ احاطہ کی نفی ہوتی ہے اور آئمہ لغت نے ادراک کے معنی احاطہ بیان کئے ہیں اور ابن عباسؓ نے اس جگہ ادراک کی تفسیر احاطہ ہی سے کی ہے اور بہت سے دلائل شرعیہ سے اہل جنت کو خدا کا دیدار ہونا ثابت ہے جن کا انکار نہیں ہو سکتا ف: دنیا میں خدا تعالیٰ کا دیدار عقلاً تو ممکن ہے جیسا کہ موسیٰؑ کی درخواست ارنی سے ظاہر ہے مگر شرعاً محال ہے جیسا کہ جواب لن ترانی اور نیز دیگر احادیث سے صراحۃً ثابت ہے اور شب معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا کو دیکھنا عالم آخرت میں ہوا ہے کیونکہ شیخ اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ آسمانوں کو اور ان کے مافوق کو دنیا سے خارج مانتے ہیں پس یہ نہیں کہہ سکتے کہ حضورؐ نے دنیا میں خدا کو دیکھا ہے اور جب حضورؐ سے سوال کیا گیا کہ آپؐ نے خدا کو دیکھا ہے تو آپ سے دو جواب منقول ہیں ایک یہ کہ وہ تو ایک نور ہے میں اس کو کہاں دیکھ سکتا ہوں اس جواب میں احاطہ مراد ہے یعنی میں اس کا احاطہ کہاں کر سکتا ہوں اور دوسرا جواب آپ نے یہ دیا کہ میں نے ایک

نور دیکھا یہاں مطلق دیدار مراد ہے۔ غرض آپ نے خدا کو دیکھا مگر احاطہ نہ کر سکے یہی حال جنت میں ہوگا۔ ربط: دلائل اثبات توحید وابطال شرک کے بعد رسالت کے متعلق آگے اس کا بیان ہے کہ آپ کے ذمہ رسالت کی حیثیت سے صرف ان مضامین کا پہنچانا اور عبدیت کے اعتبار سے خود عمل پر مستقیم رہنا ہے نہ کہ ان کے فکر وغم میں پڑ جانا قد جاء کم تا بوکیل ۔

وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ

اور وہ سب نگاہوں کو محیط ہو جاتا ہے اور وہی بڑا باریک بین باخبر ہے اب بلاشبہ

الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ

تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے حق بینی کے ذرائع پہنچ چکے ہیں سو جو شخص

رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ

دیکھ لے گا وہ اپنا فائدہ کرے گا اور جو شخص اندھا رہے گا وہ اپنا نقصان کرے گا اور میں

عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۭ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۱۰۴﴾

تمہارا نگران نہیں ہوں اور ہم اس طور پر دلائل کو مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں

وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ

تا کہ سب کو پہنچا دیں اور تا کہ یہ یوں کہیں کہ آپ نے کسی سے پڑھ لیا ہے

مطلب یہ ہے کہ ان پر اور زیادہ الزام قائم ہو کہ ہم تو اس طرح حق کو ثابت کرتے تھے اور تم اس پر بھی تعصب سے ایسا کہتے تھے کیونکہ یہ کہنا ان کا محض عناد سے تھا ورنہ اس کا غلط ہونا خود ظاہر ہے۔

وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

اور تا کہ ہم اس کو دانشمندوں کے لئے خوب ظاہر کر دیں

غرض قرآن کے نازل کرنے کے تین فائدے ہیں ایک یہ کہ آپ کو تبلیغ کا ثواب ملے دوسرے یہ کہ منکرین پر زیادہ جرم قائم ہو تیسرے یہ کہ دانشمند و طالبان حق کو حق ظاہر ہو جائے پس یہ نہ دیکھئے کہ کون مانتا ہے کون نہیں مانتا ۱۲

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ

آپ خود اس طریقہ پر چلتے رہیے جس کی وحی آپ کے رب کی طرف سے

اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

آپ کے پاس آئی ہے اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور مشرکین کی

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۭ

طرف خیال نہ کیجئے اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو یہ شرک نہ کرتے

لیکن ان لوگوں کی بدعنوانیوں سے اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ ان کو سزا دیں اس لئے ویسا ہی سامان جمع کر دیا پھر ان کو آپ کب مسلمان بنا سکتے ہیں پس یہ افسوس نہ کیجئے کہ انہوں نے قبول کیوں نہ کیا۔

وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ

اور ہم نے آپ کو ان کا نگراں نہیں بنایا اور نہ

عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۷﴾

آپ ان پر مختار ہیں

کہ ہماری طرف سے ان پر عذاب نازل کر دیں جب آپ کے متعلق نہ ان کے جرائم کی تفتیش ہے اور نہ ان کی سزا کا حکم دیا گیا ہے پھر آپ کو تشویش کیوں ہے۔ ربط: اوپر تبلیغ کا حکم تھا آگے تبلیغ کے حدود قائم کرتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ غیر قوم سے مناظرہ کرنا تو تبلیغ میں داخل ہے لیکن دشنامی یا دلخراش الفاظ ان کے باطل معبودوں اور معظم لوگوں کی نسبت نہ کہو کیونکہ پھر وہ تمہارے معبود یا رسول یا معظم لوگوں کی شان میں گستاخی کریں گے جس کے باعث گویا تم ہو گے اس وجہ سے اس کی ممانعت کی جاتی ہے۔ ولا تسبوا تا یعلمون

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ

اور دشنام مت دو ان کو جن کی یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں پھر وہ

اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ

براہ جہل حد سے گزر کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے

یعنی غصہ میں آ کر ایسا کر بیٹھیں گے آگے اس تعجب کا جواب ہے کہ پھر ایسے لوگوں کو ساتھ کے ساتھ سزا کیوں نہیں مل جاتی۔

كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۠

ہم نے اسی طرح ہر طریقہ والوں کو ان کا عمل مرغوب بنا رکھا ہے

یعنی ایسے اسباب جمع ہو جاتے ہیں کہ ہر ایک کو اپنا طریقہ پسند ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ عالم اصل میں امتحان کی جگہ ہے پس اس میں سزا ضرور نہیں۔

ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا

پھر اپنے رب ہی کے پاس ان کو جانا ہے سو وہ ان کو جتلا دے گا

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾

جو کچھ بھی وہ کیا کرتے تھے

اس وقت مجرمین کو سزا دے دی جائے گی۔ یہاں ایک بات قابل سمجھنے کے ہے وہ یہ کہ جن آیات میں اثبات توحید و رسالت و ابطال شرک و کفر کے مضامین مذکور ہیں بعض اوقات کفاران پر بھی حق تعالیٰ کی جناب میں گستاخی اور حضور کی شان میں تکذیب کے کلمات کہتے تھے چنانچہ بعض مقامات میں وہ منقول ہیں لیکن ان مضامین کا بیان کرنا ممنوع نہیں ہوا اور بتوں کے برا بھلا کہنے سے جو وہ گستاخی کرتے تھے تو بتوں کی دشنام سے منع کیا گیا فرق کی وجہ یہ ہے کہ بتوں کو دشنام دینا اور برا کہنا کوئی فرض واجب کام نہ تھا صرف جائز اور مباح تھا۔ جب مباح کام ایک حرام کا ذریعہ بن گیا یعنی خدا اور رسول کی گستاخی کا تو اس سے منع کیا گیا اور توحید و رسالت و ابطال شرک کے مضامین بیان کرنا واجب اور شریعت میں مطلوب تھا اس پر مفاسد مرتب ہونے سے اس کو منع نہیں کیا گیا۔ اس سے دو قاعدے فقہی حاصل ہوئے کہ اگر مباح کام پر مفاسد مرتب ہونے لگیں تو اس مباح سے منع کیا جائے گا اور فرض و واجب کام سے مفاسد پیدا ہوں تو اس کو ترک نہ کیا جائے گا ان دونوں کے فرق میں علم عظیم ہے بے شمار مسائل کا حکم اور فیصلہ ان سے معلوم ہو سکتا ہے اور قرآن میں بعض جگہ جو معبودان باطلہ کی تحقیر مذکور ہے وہ بقصد سب و شتم نہیں بلکہ اس سے مقصود کی تحقیق اور خصم کو الزام دینا منظور ہے جو مناظرہ کا قاعدہ ہے اور قرائن سے مخاطب کو فرق معلوم ہو جاتا ہے کہ تحقیق مقصود ہے یا تحقیر اول جائز ہے دوسرا ناجائز **ربط**: اوپر مذکور ہوا ہے کہ مشرکین آیات و معجزات سے منتفع نہیں ہوتے آگے مشرکین کا براہ فساد بعض معجزات کی فرمائش کرنا مع جواب کے مذکور ہے شان نزول ان آیات کا یہ ہے کہ ایک بار حضور نے قریش سے اسلام لانے کے متعلق گفتگو کی وہ بولے کہ جیسے معجزات انبیاء سابقین کے بیان فرمائے ہیں ویسا معجزہ کوئی لائیے آپ نے معجزہ کی تعیین پوچھی انہوں نے کہا کہ صفا پہاڑ کو سونا بنا دیجئے آپ نے پوچھا کہ اس پر تم میرا اتباع کرو گے وہ قسمیں کھانے لگے کہ ہاں کریں گے آپ دعاء کے واسطے کھڑے ہو گئے حضرت جبرئیل وحی لے آئے کہ اگر آپ چاہیں تو سارے پہاڑ سونا ہو جائیں لیکن اگر ایمان نہ لائے تو میں ان پر عذاب نازل کر دوں گا اب چاہے اس کو اختیار کیجئے اور چاہے رہنے دیجئے جس کی قسمت میں ایمان ہوگا وہ بقیہ معجزات کو کافی سمجھ کر ایمان لے آئے گا آپ نے فرمایا تو پھر یوں ہی رہنے دیا جائے اس پر یہ آیت یجھلون تک نازل ہوئی۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ

اور ان (منکر) لوگوں نے قسموں میں بڑا زور لگا کر اللہ کی قسم کھائی کہ اگر ان کے

جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا

(یعنی ہمارے) پاس کوئی نشانی آ جاوے تو وہ (یعنی ہم) ضرور ہی اس پر ایمان

الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ

لے آویں گے آپ (جواب میں) کہہ دیجئے کہ نشانیاں سب خدا تعالیٰ کے قبضہ

اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ وَنُقَلِّبُ

میں ہیں اور تم کو اس کی کیا خبر (بلکہ ہم کو خبر ہے) کہ وہ نشانیاں جس وقت آ جاویں

اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا

گی یہ لوگ جب بھی ایمان نہ لاویں گے اور ہم بھی ان کے دلوں کو اور ان کی

بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ

نگاہوں کو پھیر دیں گے جیسا یہ لوگ اس پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے اور ہم ان کو

يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ ع

ان کی سرکشی میں حیران رہنے دیں گے۔

الحمدللہ ساتویں پارہ کی تفسیر ختم ہوئی

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ

اور اگر ہم ان کے پاس فرشتوں کو بھیج دیتے اور ان سے مردے باتیں

الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا

کرنے لگتے اور ہم تمام موجودات (غیبیہ) کو ان کے پاس ان کی آنکھوں کے

مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا

روبرو لا کر جمع کر دیتے تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے

واقسموا باللّٰہ تا یجھلون وما یشعرکم سے یجھلون تک مسلمانوں کو خطاب اور فہمائش ہے کیونکہ ان کو خیال تھا کہ اگر یہ نشان ظاہر ہو جائیں تو خوب ہو شاید ایمان لے آویں بتلا دیا کہ ایک نشان کیا بڑے بڑے کئی کئی نشان بھی ظاہر کر دیتے جب بھی یہ لوگ ماننے والے نہیں ۱۲

اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ

اگر خدا چاہے تو اور بات ہے

مگر چونکہ ان لوگوں کا خود ہی ایمان لانے کا ارادہ نہیں اس لئے خدا تعالیٰ نے بھی ان کی تقدیر کو نہ پلٹا پس جب ان کے عناد اور شرارت کی یہ کیفیت ہے اور خود بھی جانتے ہیں کہ ہماری نیت کسی وقت ایمان لانے کی نہیں تو ان کو نئے معجزات کی فرمائش بھی نہ کرنی چاہیے تھی کیونکہ محض بے کار ہے۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿١١١﴾

ولیکن ان میں زیادہ لوگ جہالت کی باتیں کرتے ہیں

کہ ایمان لانے کا تو قصد نہیں پھر خواہ مخواہ کی فرمائشیں کھلی جہالت ہے رہا یہ سوال کہ اگر ان کی یہ فرمائش پوری ہو جاتی تو کیا ضرر تھا اس ضرر کا بیان دوسری آیتوں میں آ چکا ہے اور یہاں بھی تقریر ربط میں معلوم ہو چکا ہے کہ اس صورت میں ایمان نہ لانے سے فوری عذاب نازل ہوتا حاصل جواب کا یہ ہوا کہ رسول مدعی نبوت ہے اور قاعدہ عقلیہ کے موافق مدعی کے ذمہ مطلق کسی دلیل کا قائم کرنا ضروری ہے کسی خاص دلیل کا معین کرنا ضروری نہیں اس لئے منکرین کو نئے معجزات کی فرمائش کا کوئی حق حاصل نہ تھا کیونکہ بہت سے معجزات خارق عادت ظاہر ہو چکے تھے۔ ہاں ان دلائل پر جرح قدح کریں تو اس کا جواب بے شک مدعی یا اس کے نائب کے ذمہ ضروری ہوگا جس کے لئے حقانیت اسلام کا ہر مدعی اب بھی آمادہ ہے دیکھئے مقدمہ میں مدعی کے ذمہ گواہ لانا ضروری ہے اور مدعا علیہ کو اختیار ہے کہ ان گواہوں کا مجروح ہونا ثابت کرے لیکن اس کو یہ اختیار نہیں کہ بلاوجہ بدوں کسی جرح کے یہ کہنے لگے کہ میں تو فلاں فلاں شخصوں کی گواہی کو مانوں گا ان گواہوں کو نہیں مانتا حاکم عدالت اس بے ہودہ عذر کو ہرگز نہیں سن سکتا

ربط: اوپر کفار کے عناد و عداوت کا ذکر تھا آگے رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی تسلی کی جاتی ہے کہ ایسی عداوت پہلے انبیاء سے بھی ہوتی آئی ہے اور اس پر ایسے آثار مرتب ہوتے رہے ہیں۔ **وکذلک جعلنا تا مقترفون**

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیطان پیدا کئے تھے کچھ آدمی

الْاِنْسِ

اور کچھ جن

یعنی ابلیس اور اس کی اولاد پس یہاں شیطان سے مجازاً عام معنے مراد لئے گئے جو انسان و جن دونوں کو شامل ہیں مگر اس جگہ مجازی معنی مراد لینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر جگہ شیطان سے یہی معنی مراد ہوں یہاں تک کہ اصلی شیطان کا انکار کیا جائے دوسرے اس جگہ شیطان کی ایک قسم جن بھی بتلائی گئی ہے پس اس سے تو حقیقی شیطان کا وجود خود ثابت ہو گیا تو اس مجازی معنی سے جنوں کے وجود کے انکار کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔

وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ

جن میں سے بعضے دوسرے بعضوں کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے تھے

اور وہ کا فر اس کے وسوسوں کی طرف میلان اور ان کا قصد کر کے اُن پر عمل کرتے ہیں اسی لئے ان کی مذمت کرتے ہیں ورنہ محض وسوسہ اگر اس پر قصد نہ پیدا ہو مضر نہیں البتہ وسوسہ ڈالنے والے کو تو ہر حالت میں گناہ ہوگا کیونکہ اس کے گمراہ کرنے کا ارادہ کر ہی لیا۔

الْقَوْلِ غُرُوْرًا

تا کہ ان کو دھوکہ میں ڈال دیں

مراد ان سے کفر و مخالفت کی باتیں ہیں کہ ظاہر میں نفس کو بھلی معلوم ہوتی ہیں اور حقیقت میں مہلک ہیں یہی دھوکہ ہے تو جب یہ کوئی نئی بات نہیں تو آپ اس کا غم نہ کیجئے اصل یہ ہے کہ اس میں بعض حکمتیں ہیں اس وجہ سے ان کو ایسے امور پر قدرت بھی ہو گئی ہے۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا

اور اگر اللّٰہ تعالیٰ چاہتا تو ایسے کام نہ کر سکتے سو ان لوگوں کو اور جو کچھ

يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ

یہ افترا پردازی کر رہے ہیں اس کو آپ رہنے دیجئے۔ اور تا کہ اس کی طرف ان

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ

لوگوں کے قلوب مائل ہو جاویں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے

مراد کافر لوگ ہیں اگر چہ اہل کتاب ہی ہوں کیونکہ قیامت پر جیسا یقین چاہئے ان کو بھی نہ تھا ورنہ انکار نبوت پر جرات نہ کرتے جس کی وجہ سے وہاں سزا ہوگی۔ چونکہ مخالفت سے بچنے میں خوف عذاب کو زیادہ دخل ہے اس لئے آخرت کا ذکر خاص طور پر کیا گیا کیونکہ اگر کوئی خدا کا قائل ہو مگر آخرت کا منکر ہو تو اس کو گناہ سے بچنا بہت مشکل ہے **ربط**: اوپر بتلایا گیا ہے کہ نبوت پر جدید دلائل قائم کرنے کی ضرورت نہیں آگے اس دلیل کو بتلاتے ہیں جو کہ اس بارہ میں کافی ہے یعنی معجزہ قرآن اور اس کے ماننے والوں کی حالت بیان فرماتے ہیں۔ افغیر اللّٰه تا بالمهتدين

وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

اور تا کہ اس کو پسند کرلیں اور تا کہ مرتکب ہو جاویں ان امور کے جن کے وہ مرتکب ہوئے تھے۔

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ

تو کیا اللہ کے سوا کسی اور فیصلہ کرنے والے کو تلاش کروں حالانکہ وہ ایسا ہے کہ اس نے ایک کتاب کامل تمہارے پاس بھیج دی ہے

اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۭ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ

اس کی حالت یہ ہے کہ اس کے مضامین خوب صاف صاف بیان کئے گئے ہیں

الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ

اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس بات کو یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ یہ (قرآن) آپ کے رب کی طرف سے واقعیت کے ساتھ

بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

بھیجا گیا ہے سو آپ شبہ کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ

اور آپ کے رب کا کلام واقعیت اور اعتدال کے اعتبار سے کامل ہے

یعنی اس میں واقعی علوم اور سچے عقائد ہیں اور اعمال ظاہری اور باطنی میں اعتدال کی رعایت ہے یہاں تک قرآن کے پانچ وصف بیان ہوئے ایک یہ کہ وہ کامل کتاب ہے اپنے اعجاز بلاغت کی وجہ سے نبوت کی کافی دلیل ہے دوسرے خدا کی نازل کی ہوئی ہے تیسرے دین کی ضروری باتیں اس میں صاف صاف بیان ہوئی ہیں چوتھی یہ کہ کتب سابقہ میں اس کی خبر دی گئی ہے جو اہل کتاب راست گو تھے انہوں نے ظاہر بھی کر دیا پانچویں یہ کہ اس میں واقعیت اور اعتدال کی پوری رعایت ہے چھٹا وصف یہ ہے کہ تحریف اور تغیر سے خدا اس کا حافظ اور نگہبان ہے (ترجمہ دیکھو)

لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾

اس کے کلام کا کوئی بدلنے والا نہیں اور وہ خوب سن رہے ہیں خوب جان رہے ہیں

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ

اور دنیا میں زیادہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر آپ ان کا کہنا ماننے لگیں تو وہ آپ کو

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ

اللہ کی راہ سے بے راہ کر دیں

کیونکہ خود گمراہ ہیں اور جاننا چاہئے کہ اس جگہ جو حضور کو خطاب فرمایا گیا ہے کہ اگر آپ ان کا کہنا ماننے لگیں اسی طرح پہلے جو فرمایا گیا ہے کہ آپ شبہ کرنے والوں میں نہ ہوں اس سے دوسروں کو سنانا منظور ہے اور حضور کو خطاب فرمانے سے مبالغہ ہو گیا کہ جب آپ کو ایسا کہا گیا حالانکہ آپ میں اس قسم کا احتمال بھی نہیں تو دوسروں کی کیا ہستی ہے اسی طرح اوپر کہا گیا ہے کہ کیا میں اللہ کے سوا اور کسی فیصلہ کرنے والے کو تلاش کروں وہاں بھی مقصود یہ ہے کہ کیا تم اللہ کے سوا کسی دوسرے کا فیصلہ چاہتے ہو مگر مناظرہ میں ایسی باتوں کو اپنی طرف نسبت کرنے سے مخاطب پر زیادہ اثر ہوتا ہے اس لئے ملاطفت کے طور پر ظاہراً آپ کی طرف اسناد کر دی گئی **ربط**: اوپر گمراہوں کے اتباع سے مطلقاً منع کیا گیا ہے آگے ایک خاص واقعہ کی وجہ سے خاص امر میں اتباع کرنے سے منع فرماتے ہیں واقعہ یہ ہے کہ کفار نے مسلمانوں کو شبہ میں ڈالنا چاہا تھا کہ تم اللہ کے بارے میں جانور کو (جو بدوں ذبح کئے مر جائے) تو کھاتے نہیں ہو اور اپنے مارے ہوئے جانور کو (جس کو تم ذبح کرو) کھاتے ہو بعض مسلمانوں نے یہ شبہ حضور کی خدمت میں نقل کیا اس پر یہ آیتیں مشرکون تک نازل ہوئیں فکلوا مما تا لمشرکون اور جب اوپر کفار کے اتباع کا مذموم ہونا معلوم ہو گیا (آگے ترجمہ)

اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا

وہ محض بے اصل خیالات پر چلتے ہیں اور بالکل قیاسی باتیں

يَخْرُصُوْنَ ﴿١١٦﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ

کرتے ہیں بالیقین آپ کا رب ان کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بے راہ

عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿١١٧﴾

ہو جاتا ہے اور وہ ان کو بھی خوب جانتا ہے

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ

جو اس کی راہ پر چلتے ہیں سو جس جانور پر اللہ کا نام لیا جاوے اس میں سے کھاؤ

بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٨﴾

اگر تم اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہو

یعنی اس کو مباح اور حلال سمجھو کیونکہ حلال کو حرام جاننا خلاف ایمان ہے

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ

اور تم کو کون امر اس کا باعث ہو سکتا ہے کہ تم ایسے جانوروں میں سے نہ کھاؤ جس پر

عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ

اللہ کا نام لیا گیا ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان سب جانوروں کی تفصیل بتلادی ہے

اور اس تفصیل میں وہ جانور جس پر ذبح کرتے وقت خدا تعالیٰ کا نام بلا شرکت لیا گیا ہو داخل نہیں پھر اس کے کھانے میں اعتقاداً کیوں انقباض ہو حاصل جواب کا یہ ہے کہ تم مسلمان ہو اللہ کے احکام کو ماننے والے ہو اور خدا نے حرام وحلال کی تفصیل بتلادی ہے اس پر چلتے رہو حرام پر حلال ہونے کا اور حلال پر حرام ہونے کا شبہ مت کرو اور مشرکین کے وساوس کی طرف التفات نہ کرو ان کو محض جھگڑنا ہی مقصود ہے طلب حق منظور نہیں (تحقیق) اس جگہ مشرکین کے شبہ کا جواب صراحۃً مذکور نہیں وجہ یہ ہے کہ اصول مذہب ثابت کرنے کے لئے تو دلائل عقلیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اصول ثابت ہو جانے کے بعد فرعی مسائل میں صرف دلائل نقلیہ کافی ہوتے ہیں عقلی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی البتہ کوئی طالب حق ہو تو اس کی تسلی کرنے کے لئے فرعی مسائل میں بھی اطمینان بخش جواب دے دینے کا مضائقہ نہیں یا کوئی مخالف کسی اسلامی فرعی مسئلہ کا عقلی دلیل قطعی سے مخالف ہونا ثابت کرے تو مدعی حق کے ذمہ اس کا جواب دینا ضروری ہوگا مگر یہاں مشرکین کے شبہ میں دونوں باتوں کا احتمال نہیں ہو سکتا اس لئے صراحۃً جواب نہیں دیا گیا مگر پھر بھی جواب کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے کیونکہ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اسے حلال اور جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اسے حرام بتلایا پس جواب کا حاصل یہ ہوا کہ حلال ہونے کا مدار دو باتوں پر ہے ایک تو ذبح کرنا کیونکہ بدوں ذبح کے ناپاک خون بدن میں سے نہیں نکل سکتا دوسرے اللہ کا نام لینا جو کہ مفید برکت ہے اسی وجہ سے خون والے جانوروں کے حلال ہونے کے لئے ذبح کے وقت خدا کا نام لینا شرط ہے اس لئے مذبوحہ حلال ہے اور غیر مذبوحہ حرام ہے ہاں جن حلال جانوروں میں خون نہیں چونکہ وہ ناپاکی سے خالی ہیں وہ بدوں ذبح کے بھی حلال ہیں جیسے مچھلی ٹڈی وغیرہ ۱۲

لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ

جن کو تم پر حرام کیا ہے مگر وہ بھی جب تم کو سخت ضرورت پڑ جاوے تو حلال ہے

اِلَيْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ

اور یہ یقینی بات ہے کہ بہت سے آدمی اپنے غلط خیالات پر بلا کسی سند کے گمراہ کرتے ہیں

بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ حد سے نکل جانے والوں کو خوب جانتا ہے

بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿١١٩﴾ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ

اور تم ظاہری گناہ کو بھی چھوڑو اور باطنی گناہ کو

وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ

بھی چھوڑو۔ بلاشبہ جو لوگ گناہ کر رہے ہیں ان کو ان کے کئے

سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿١٢٠﴾ وَلَا

کی عنقریب سزا ملے گی۔ اور ایسے

تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ

جانوروں میں سے مت کھاؤ جن پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور یہ امر بے حکمی ہے

لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى

اور یقیناً شیاطین اپنے دوستوں کو تعلیم کر رہے ہیں تاکہ

اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ

یہ تم سے (بیکار) جدال کریں اور اگر (خدانخواستہ) تم ان لوگوں کی اطاعت

اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا

(عقائد وافعال میں) کرنے لگو تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ۔ ایسا شخص جو کہ پہلے

فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ

مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا اور ہم نے ایک ایسا نور دے دیا کہ وہ اس

فِى النَّاسِ

کو لئے ہوئے آدمیوں میں چلتا پھرتا ہے

ربط: تصریحات بالا سے اوپر فرمائشی معجزات کا غیر ضروری ہونا ثابت کر کے معجزہ قرآن کا اثبات رسالت کے لئے کافی ہونا مذکور تھا نیز تصدیق وتکذیب کرنے والوں کا حال بھی بیان ہوا تھا آگے اسی مضمون کی زیادہ توضیح ہے اومن کان تا یعملون

یعنی وہ نور ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے جس کے سبب وہ گمراہی وغیرہ کی تمام مضرتوں سے محفوظ ہے پس زندہ سے مراد مسلمان شخص ہے اور نور سے مراد ایمان کا نور ہے۔

كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِى الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ

کیا ایسا شخص اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کی حالت یہ ہو کہ وہ تاریکیوں

مِّنْهَا ؕ

میں ہے ان سے نکلنے ہی نہیں پاتا

مراد وہ شخص ہے جو مسلمان نہیں ہوا آگے اس تعجب کا جواب ہے کہ وہ کفر پر باوجودیکہ وہ ظلمت کی چیز ہے کیوں قائم رہا وجہ یہ کہ جس طرح مسلمان کو ایمان اچھا معلوم ہوتا ہے (آگے ترجمہ)

كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

اسی طرح کافروں کو ان کے اعمال مستحسن معلوم ہوا کرتے ہیں

چنانچہ اسی وجہ سے یہ رؤسا مکہ جو آپ سے مہمل فرمائشیں اور شبہات پیش کرتے رہتے ہیں اپنے کفر کو اچھا سمجھ کر ہی اس پر جمے ہوئے ہیں آگے بتلاتے ہیں کہ یہ کوئی نئی بات نہیں (ترجمہ دیکھو)

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِىْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ

اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے رئیسوں ہی کو جرائم کا مرتکب بنایا

پھر ان کے اثر سے اور عوام ان میں مل گئے۔

مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ

تا کہ وہ لوگ وہاں شرارتیں کیا کریں

انبیاء کو ضرر پہنچانے کے لئے جن سے ان کا مستحق عذاب ہونا خوب ثابت ہو جائے۔

وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ

اور وہ لوگ اپنے ہی ساتھ شرارت کر رہے ہیں

گو اپنے خیال میں دوسروں کو ضرر پہنچاتے ہیں لیکن واقع میں اس کا وبال تو ان ہی کو بھگتنا پڑے گا۔

وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ

اور ان کو ذرا خبر نہیں۔ اور جب ان کو کوئی آیت پہنچتی ہے تو یوں کہتے ہیں کہ

قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ

ہم ہرگز ایمان نہ لاویں گے جب تک کہ ہم کو بھی ایسی ہی چیز نہ دی جاوے

اُوْتِىَ رُسُلُ اللّٰهِ ؕ

جو اللہ کے رسولوں کو دی جاتی ہے

یعنی ہمارے پاس بھی وحی اور کتاب آئے جس میں ان کو ایمان لانے کا حکم ہو تب ایمان لاویں گے اور اس قول کا جرم عظیم ہونا ظاہر ہے کہ تکذیب اور عناد اور تکبر اور گستاخی سب کا جامع ہے آگے حق تعالیٰ اس کا رد فرماتے ہیں

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ ؕ

اس موقع کو تو خدا ہی خوب جانتا ہے جہاں وہ اپنا پیغام بھیجتا ہے

کیا ہر کس و ناکس اس شرف کے قابل ہو گیا آگے اس جرم کی سزا کا بیان ہے۔

سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ

عنقریب ان لوگوں کو جنہوں نے یہ جرم کیا ہے خدا کے پاس پہنچ کر ذلت پہنچے گی

جیسا کہ ان لوگوں نے نبی کے مقابلہ میں اپنے کو اعزاز نبوت کا مستحق سمجھا تھا۔

وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

اور سزائے سخت ان کی شرارتوں کے مقابلہ میں۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ

سو جس شخص کو اللہ تعالیٰ راستہ پر ڈالنا چاہتے ہیں اس کے سینہ کو

صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ج

اسلام کے لئے کشادہ کردیتے ہیں

کہ اسلام قبول کرنے میں پس و پیش نہیں کرتا اور نور ایمان اسی کشادگی کا نام ہے۔

وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ

اور جس کو بے راہ رکھنا چاہتے ہیں اس کے سینہ کو تنگ بہت تنگ کر

ضَيِّقًا

دیتے ہیں

کہ اس کو اسلام لانا سخت مصیبت نظر آتا ہے آگے اس کی مثال ہے۔

حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ط

جیسے کوئی آسمان میں چڑھتا ہے

مگر چڑھا نہیں جاتا اور جی تنگ ہوتا ہے مصیبت کا سامنا ہوتا ہے یہی حالت ان کی اسلام لانے کے لئے ہوتی ہے کہ جیسا اس سے چڑھا نہیں جاتا ایسے ہی خدا کی پھٹکار کی وجہ سے ان سے ایمان نہیں لایا جاتا۔

كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ

اسی طرح اللہ تعالیٰ ایمان نہ لانے والوں پر پھٹکار

لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ

ڈالتا ہے اور یہی تیرے رب کا سیدھا راستہ ہے

مُسْتَقِيْمًا ط قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ

ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے واسطے ان آیتوں کو

يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾

صاف صاف بیان کردیا

تاکہ اس معجزۂ قرآنی کی تصدیق کریں پھر اس کے مضامین پر عمل کر کے نجات حاصل کریں یہی تصدیق اور عمل کامل صراط مستقیم ہے اور جن لوگوں کو نصیحت حاصل کرنے کی فکر ہی نہیں ان کو نہ یہ معجزہ کافی نہ دوسرے دلائل کافی آگے ان نصیحت ماننے والوں کی جزا کا ذکر ہے جیسا کہ نہ ماننے والوں کی سزا کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ ربط: اوپر حق ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کی جزا و سزا کا ذکر کیا گیا ہے آگے اس کا وقت اور اس کی بعض کیفیات اور بعنوان دیگر اسی کی تاکید مذکور ہے۔ ويوم يحشرهم تالا يفلح الظلمون.

لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ

ان کے واسطے ان کے رب کے پاس سلامتی کا گھر ہے اور اللہ ان سے محبت رکھتا ہے

بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ

ان کے اعمال کی وجہ سے اور جس روز اللہ تعالیٰ تمام خلائق کو

جَمِيْعًا ج

جمع کریں گے

اور ان میں سے کفار کو حاضر کر کے شیاطین الجن سے دھمکی کے طور پر یہ کہا جائے گا (آگے ترجمہ)

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ

اے جماعت جنات کی تم نے انسانوں (کے گمراہ کرنے) میں بڑا حصہ لیا

اور ان کو خوب بہکایا اسی طرح انسانوں سے پوچھا جائے گا الم اعهد اليكم يبنى ادم کہ اے بنی آدم کیا میں نے تم کو یہ وصیت نہ کی تھی کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا بلکہ میری عبادت کرنا غرض شیاطین الجن بھی اقرار کریں گے اور کافر انسان بھی اپنی غلطی کا اقرار کریں گے۔

مِّنَ الْاِنْسِ ج وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ

جو انسان ان کے ساتھ تعلق رکھنے والے تھے وہ (اقراراً) کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم میں ایک نے دوسرے سے فائدہ حاصل کیا تھا

یعنی گمراہ ہونے اور گمراہ کرنے میں ہر ایک کو اپنا نفسانی فائدہ مدنظر تھا چنانچہ گمراہ انسانوں کو اپنے عقائد کفریہ میں لذت آتی ہے اور گمراہ کرنے والے شیاطین کو اس سے حظ ہوتا ہے کہ ہمارا قابو چل گیا۔

رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا

اور ہم اپنی اس معین میعاد تک آپہنچے جو آپ نے ہمارے لئے متعین فرمائی تھی

یعنی فی الحقیقت ہم ان کے بہکانے سے قیامت کے منکر تھے لیکن وہ انکار غلط ثابت ہوا چنانچہ قیامت آگئی۔

الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ط قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ

(یعنی قیامت) اللہ تعالیٰ (سب کفار جن وانس سے) فرماویں گے تم سب کا ٹھکانہ

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ

دوزخ ہے جس میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہو گے ہاں اگر خدا ہی کو منظور ہو تو دوسری بات ہے

لیکن یہ یقینی ہے کہ خدا بھی نکالنا نہ چاہے گا اس لئے ہمیشہ رہو گے۔

اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ وَكَذٰلِكَ

بیشک آپ کا رب بڑی حکمت والا بڑا علم والا ہے۔ اور اسی طرح

نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا

ہم بعض کفار کو بعض کے قریب رکھیں گے

كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾

ان کے اعمال کے سبب

یعنی جس طرح دنیا میں گمراہی میں سب میں تعلق وقرب تھا اسی طرح دوزخ میں بھی سب اکٹھے رہیں گے یہ خطاب تو انسانوں اور جنوں کی مجموعی حالت کے متعلق تھا آگے ہر ایک کو ان کی ذاتی حالت کے متعلق خطاب ہے (ترجمہ دیکھو)

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ

اے جماعت جنات اور انسانوں کے کیا تمہارے پاس تم ہی میں کے

رُسُلٌ مِّنْكُمْ

پیغمبر نہیں آئے تھے

یہ جو فرمایا ہے کہ تمہیں میں کے پیغمبر تو اگر جنات میں بھی رسول ان ہی کی جنس سے آئے ہوں تب تو مطلب سہل ہے اور اگر انسانوں ہی کے رسولوں کا اتباع جنوں پر بھی واجب ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم دونوں کے مجموعہ میں سے رسول بھیجے گئے اور مجموعہ میں سے رسول کا آنا اس وقت بھی صادق ہے کہ فقط انسانوں ہی میں سے رسول آئے ہوں رہا یہ سوال کہ پھر جنوں کو ان سے فیض لینا کیوں کر ممکن ہوگا اس کا جواب سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے کہ انسان طبیعت ملائکہ اور طبیعت جن دونوں کا جامع ہے اس سے ہر ایک کو فیض ہو سکتا ہے مگر انسان کو بجز انسان کے دوسرے سے فیض لینا دشوار ہے کیونکہ وہ طبیعت انسان کے جامع نہیں۔

يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ

جو تم سے میرے احکام بیان کیا کرتے تھے اور تم کو اس آج کے دن کی

لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا

خبر دیا کرتے تھے وہ سب عرض کریں گے کہ ہم اپنے اوپر (جرم کا)

عَلٰٓى اَنْفُسِنَا

اقرار کرتے ہیں

ہمارے پاس کوئی وجہ عذر اور براءت کی نہیں آگے اللہ تعالیٰ اس مصیبت کے پیش آنے کا سبب بتلاتے ہیں

وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا

اور ان کو دنیوی زندگانی نے بھول میں ڈال رکھا ہے اور یہ لوگ

عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾

مقرر ہوں گے کہ وہ کافر تھے

یعنی دنیوی لذات کو بڑا مقصود سمجھ رکھا ہے آخرت کی فکر ہی نہیں وہاں اپنی اس غلطی کا اقرار کریں گے مگر اس وقت کے اقرار سے کیا ہوتا ہے اگر دنیا میں ذرا غفلت دور کریں تو اس روز بد کا سامنا ہی کیوں ہو آگے حق تعالیٰ رسولوں کے بھیجنے میں اپنی رحمت کا اظہار فرماتے ہیں۔

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى

یہ اس وجہ سے ہے کہ آپ کا رب کسی بستی والوں کو ایسی حالت میں

بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾

ہلاک نہیں کرتا کہ اس بستی کے رہنے والے بے خبر ہوں

بوجہ رسولوں کے نہ آنے کے احکام الٰہیہ کی ان کو خبر نہ ہو جب دنیا میں بدوں رسول بھیجے عذاب نہیں ہو سکتا تو آخرت کا عذاب جو بہت سخت ہے بغیر رسولوں کے بھیجے کیونکر ہو سکتا ہے اس لئے پیغمبروں کو بھیجتے ہیں تاکہ ان کو اطلاع ہو جائے اس کے بعد جس کو عذاب ہوگا استحقاق کی وجہ سے ہوگا اور اگر کوئی یوں کہے کہ رسولوں کے بھیجنے سے بڑھ کر رحمت تو یہ تھی کہ احکام کا پابند ہی نہ کرتے جواب یہ ہے کہ پھر باہم جس قدر فساد ہوتا اس کے انسداد کی کوئی صورت نہ تھی چنانچہ سلاطین دنیا بھی قانون ہی سے انتظام کرتے۔

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا

اور ہر ایک کے لئے درجے ملیں گے ان کے اعمال کے سبب اور آپ کا

رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَرَبُّكَ

رب ان کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے اور آپ کا رب

الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ط

بالکل غنی ہے رحمت والا ہے

یعنی حق تعالیٰ رسولوں کو اس وجہ سے نہیں بھیجتے کہ نعوذ باللہ وہ کسی کی عبادت کے محتاج ہیں بلکہ اس لئے بھیجتے ہیں کہ رسولوں کا آنا بندوں کے لئے رحمت ہے ان کے ذریعہ سے لوگوں کو اپنے نفع نقصان کی خبر ہوتی ہے اس میں بندوں ہی کا نفع ہے آگے اپنی شان استغنا بیان فرماتے ہیں۔

إِنْ يَّشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْ

اگر وہ چاہے تو تم سب کو اٹھا لیوے اور تمہارے بعد جس کو چاہے

بَعْدِكُمْ مَّا يَشَاءُ كَمَا أَنْشَأَكُمْ

تمہاری جگہ آباد کر دے جیسا کہ تم کو ایک دوسری

مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ آخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

قوم کی نسل سے پیدا کیا ہے

جن کا کہیں پتہ نہیں اور تم ان کی جگہ موجود ہو اسی طرح سلسلہ چلا آ رہا ہے لیکن اگر ہم چاہیں تو دفعۃً اس سلسلہ کو بند کر دیں اور از سر نو دوسرا سلسلہ قائم کر دیں کیونکہ کسی کے ہونے نہ ہونے سے ہمارا کوئی کام اٹکا نہیں پڑا پس رسولوں کا بھیجنا ہماری ضرورت کی وجہ سے نہیں تمہاری احتیاج کی وجہ سے ہے تم کو چاہئے کہ ان کی تصدیق اور اتباع کر کے سعادت حاصل کرو اور کفر وانکار کے ضرر سے بچو۔

إِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَآتٍ لا وَّمَا أَنْتُمْ

جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ وہ بیشک آنے والی چیز ہے اور تم

بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾

عاجز نہیں کر سکتے

یعنی یہ مت خیال کرنا کہ اگر قیامت آئے گی تو ہم کہیں بھاگ جائیں گے ہاتھ نہ آئیں گے جیسا کہ حکام دنیا کے ساتھ مجرم ایسا کیا کرتے ہیں یاد رکھو تم خدا سے کہیں نہیں بھاگ سکتے آگے فرماتے ہیں کہ باوجود دلائل بیان کر دینے کے اور حق متعین ہو جانے کے اب بھی اگر کوئی کفر ہی کو اچھا سمجھے اور اسلام کو برا کہے اور قیامت کا انکار کرے تو ایسے لوگوں کے جواب میں آخری بات سنا دیجئے۔ ربط: اوپر مشرکین کی اعتقادی جہالتوں شرک اور کفر کی باتوں کا ذکر تھا آگے ان کی بعض عملی جہالتوں کا بیان ہے جن کا منشاء بھی شرک اور کفر ہے۔ وجعلو اللّٰہ تا کانوا مھتدون

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ إِنِّيْ

آپ یہ فرما دیجئے کہ اے میری قوم! تم اپنی حالت پر عمل کرتے رہو میں بھی

عَامِلٌ ج فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ لا مَنْ تَكُوْنُ

عمل کر رہا ہوں۔ سو اب جلدی تم کو معلوم ہوا جاتا ہے کہ اس عالم کا انجام کار

لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ط إِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

کس کیلئے نافع ہوگا۔ یہ یقینی بات ہے کہ حق تلفی کرنے والوں کو کبھی فلاح نہ ہوگی

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ

اور اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی اور مواشی پیدا کئے ہیں

وَالْأَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا

ان لوگوں نے ان میں سے کچھ حصہ اللہ کا مقرر کیا اور

لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ

بزعم خود کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا ہے

جو کہ مہمانوں اور مسافر وغیرہ عام مصارف میں صرف ہوتا ہے۔

وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ج فَمَا كَانَ

اور یہ ہمارے معبودوں کا ہے پھر جو چیز ان کے معبودوں کی

لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ إِلَى اللّٰهِ ج

ہوتی ہے وہ تو اللہ کی طرف نہیں پہنچتی

بلکہ اگر اتفاقاً بھی خدا کے نام کے حصہ میں مل جائے تو فوراً نکال لی جاتی ہے۔

وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ إِلٰى

اور جو چیز اللہ کی ہوتی ہے وہ ان کے معبودوں کی طرف پہنچ

شُرَكَآئِهِمْ ط سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

جاتی ہے انہوں نے کیا بری تجویز نکال رکھی ہے

کیونکہ اول تو سب اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے پیدا کرنے میں کوئی شریک نہیں تو دوسرے کا نام کیوں لیا جائے دوسرے پھر جتنا اللہ کا حصہ نکالا ہے اس میں سے بھی گھٹا دیا جائے اور یہ کہا جائے کہ اللہ تو غنی ہے اور سب محتاج ہیں تو محتاج مان کر معبود سمجھنا اور زیادہ حماقت ہے یہاں جن رسموں کا رد ہے وہ چند رسمیں ہیں۔ غلہ اور پھل میں سے کچھ حصہ اللہ کے نام کا نکالتے اور کچھ بتوں اور جنات کے نام کا پھر اگر اتفاقاً اللہ کے حصہ میں سے کچھ بتوں کے حصہ میں مل جاتا تو اس کو ملا رہنے دیتے اور برعکس صورت میں اس کو نکال کر پھر بتوں کے حصہ میں ملا دیتے اور بہانہ یہ کرتے کہ اللہ تعالیٰ غنی ہے اور بت محتاج ہیں۔ بحیرہ اور سائبہ کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے دختری اولاد کو قتل کر ڈالتے تھے کچھ کھیت بتوں کے نام پر وقف کر دیتے اور کہتے کہ اس کا اصل مصرف مرد ہیں اور عورتوں کو دینا ہماری رائے پر ہے ورنہ وہ اس کا مصرف نہیں اسی طرح جانوروں کے بارے میں بھی ان کا عمل تھا جن جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑتے تھے ان پر سواری اور بار برداری کو جائز نہ سمجھتے تھے بعض جانور مخصوص تھے کہ ان پر کبھی اللہ کا نام نہ لیتے تھے نہ ذبح کرتے وقت نہ دودھ نکالتے ہوئے نہ سوار ہوتے ہوئے بحیرہ اور سائبہ کے پیٹ میں سے ذبح کرتے وقت جو بچہ نکلتا اگر زندہ ہوتا تو اس کو بھی ذبح کر لیتے اور مردوں کے واسطے حلال اور عورتوں کے لئے حرام سمجھتے تھے اگر مردہ ہوتا تو سب کے لئے حلال سمجھتے تھے بعض جانوروں کے دودھ کو بھی مردوں کیلئے حلال اور عورتوں کے لئے حرام سمجھتے تھے بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ اور حامی کی عبادت اور دائمی حرمت کے قائل تھے۔

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ

اور اسی طرح بہت سے مشرکین کے خیال میں ان کے معبودوں نے اپنی اولاد

قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ

کے قتل کرنے کو مستحسن بنا رکھا ہے تا کہ وہ ان کو برباد کریں اور تا کہ ان کے طریقہ

لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ

کو مخبوط کر دیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو یہ ایسا کام نہ کرتے تو آپ ان کو

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ

اور جو کچھ یہ غلط باتیں بنا رہے ہیں یونہی رہنے دیجئے۔ اور وہ اپنے خیال

وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ

(باطل) پر یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ (مخصوص) مواشی ہیں اور (مخصوص) کھیت

وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ

ہیں جن کا استعمال ہر شخص کو جائز نہیں ان کو کوئی نہیں کھا سکتا سوا ان کے جن کو ہم

نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ

چاہیں اور (کہتے ہیں کہ یہ مخصوص) مواشی ہیں جن پر سواری یا باربرداری حرام

ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ

کر دی گئی ہے اور (مخصوص) مواشی ہیں جن پر یہ لوگ اللہ کا نام نہیں لیتے (یہ

اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ

سب باتیں) محض اللہ پر افتراء باندھنے کے طور پر (کہتے ہیں) ابھی اللہ تعالیٰ

بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَقَالُوْا مَا فِيْ

ان کو ان کے افترا کی سزا دیئے دیتا ہے اور وہ (یوں بھی) کہتے ہیں کہ جو چیز ان

بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا

مواشی کے پیٹ میں (سے نکلتی) ہے وہ خالص ہمارے مردوں کے لئے ہے اور

وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ

ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر وہ (پیٹ کا نکلا ہوا بچہ) مردہ ہے تو اس سے

مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ

(منتفع ہونے کے جواز میں (مرد و عورت) سب برابر ہیں ابھی اللہ تعالیٰ ان کو

وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ

ان کی غلط بیانی کی سزا دیئے دیتا ہے بلاشبہ وہ بڑا حکمت والا

افتراء اس لئے تھا کہ وہ ان امور کو حق تعالیٰ کی خوشنودی کا سبب سمجھتے تھے اور ابھی سزا دینا اس لئے فرمایا کہ قیامت جو آنے والی ہے دور نہیں اور کچھ کچھ سزا تو مرتے ہی شروع ہو جائے گی۔
بعض حکمتوں کی وجہ سے مہلت دے رکھی ہے۔ جلدی سزا نہ دینے کی وجہ یہ ہے۔

عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾

بڑا علم والا ہے

ابھی سزا نہ دینے سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس کو خبر نہیں اس کو سب خبر ہے آگے بطور خلاصہ اور انجام کے ارشاد فرماتے ہیں (دیکھو ترجمہ)

قَدۡ خَسِرَ الَّذِيۡنَ قَتَلُوۡۤا اَوۡلَادَهُمۡ سَفَهًۢا

واقعی خرابی میں پڑ گئے وہ لوگ جنہوں نے اپنی اولاد کو محض براہ حماقت بلا کسی سند کے

بِغَيۡرِ عِلۡمٍ وَّحَرَّمُوۡا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ

قتل کر ڈالا اور جو (حلال) چیزیں ان کو اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کو دی تھیں

افۡتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ‌ؕ قَدۡ ضَلُّوۡا وَمَا

ان کو حرام کر لیا محض اللہ پر افترا باندھنے کے طور پر بیشک یہ لوگ گمراہی میں پڑ

كَانُوۡا مُهۡتَدِيۡنَ ﴿۱۴۰﴾

گئے اور کبھی راہ پر چلنے والے نہیں ہوئے

تو یہ گمراہی جدید نہیں بلکہ قدیم سے ہے پس اس آیت میں ان کے طریقہ کا خلاصہ بھی مذکور ہے کہ گمراہی میں پڑ گئے اور انجام بد کا خلاصہ بھی مذکور ہے کہ خرابی میں پڑ گئے عذاب بھگتیں گے۔ ربط: اوپر مشرکین کا کھیتی اور جانوروں میں حلال وحرام کرنے کا تصرف مع رد کے مذکور تھا۔ آگے بھی اسی رد کی کسی قدر تفصیل ہے۔ وھو الذی تالا یھدی القوم الظلمین

وَهُوَ الَّذِىۡۤ اَنۡشَاَ جَنّٰتٍ مَّعۡرُوۡشٰتٍ

اور وہی (اللہ پاک) ہے جس نے باغات پیدا کئے وہ بھی جو ٹٹیوں پر چڑھائے

وَّغَيۡرَ مَعۡرُوۡشٰتٍ

جاتے ہیں (جیسے انگور) اور وہ بھی جو ٹٹیوں پر نہیں چڑھائے جاتے

یا تو اس لئے کہ بیلدار نہیں جیسے تنہ دار درخت یا باوجود بیلدار ہونے کے ٹٹیوں پر ان کے چڑھانے کی عادت نہیں جیسے خربوزہ تربوز وغیرہ۔

وَّالنَّخۡلَ وَالزَّرۡعَ مُخۡتَلِفًا اُكُلُهٗ

اور کھجور کے درخت اور کھیتی جن میں کھانے کی چیزیں مختلف طور کی ہوتی ہیں

وَالزَّيۡتُوۡنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا

اور زیتون اور انار جو (انار انار) باہم (زیتون زیتون باہم) ایک دوسرے کے مشابہ

وَّغَيۡرَ مُتَشَابِهٍ‌ؕ كُلُوۡا مِنۡ ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ

بھی ہوتے ہیں اور (کبھی ایک دوسرے کے مشابہ نہیں بھی ہوتے ان سب کی پیداوار کھاؤ جب وہ نکل آوے اور اس میں جو حق (شرع سے) واجب ہے وہ

اَثۡمَرَ وَاٰتُوۡا حَقَّهٗ يَوۡمَ حَصَادِهٖ‌ۖ

اس کے کاٹنے (توڑنے) کے دن (مسکینوں کو) دیا کرو

یہاں جس حق شرعی کا بیان ہے اس سے عشر مراد نہیں جو کہ زمین کی زکوۃ تھی کیونکہ زکوۃ مدینہ میں فرض ہوئی ہے اور یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی بلکہ یہ حق زکوۃ کے علاوہ تھا پھر جب زکوۃ وعشر واجب ہو گئے یہ حق منسوخ ہو گیا۔

وَلَا تُسۡرِفُوۡا‌ؕ

اور حد سے مت گزرو

یعنی مسکینوں کو دینے میں بھی شرعی اجازت سے آگے نہ بڑھو یعنی اتنا مت دو کہ اپنے اوپر اور اہل وعیال پر تنگی اور پریشانی ہو باقی یہ مطلب نہیں کہ جس قدر واجب ہے اس سے زیادہ نہ دو کیونکہ واجب سے زیادہ دینا جب تک کہ تنگی وغیرہ نہ ہو اسراف نہیں۔

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الۡمُسۡرِفِيۡنَ ۙ﴿۱۴۱﴾

یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو ناپسند کرتے ہیں

آگے بتلاتے ہیں کہ جس طرح باغ اور کھیت حق تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں اسی طرح حیوانات بھی اسی نے پیدا کئے ہیں۔

وَمِنَ الۡاَنۡعَامِ حَمُوۡلَةً وَّفَرۡشًا‌ؕ كُلُوۡا

اور مواشی جو اونچے قد کے اور چھوٹے قد کے

مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ

جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تم کو دیا ہے کھاؤ

یعنی انکے بارہ میں بھی مثل باغ اور کھیت کے تم کو اجازت ہے کہ جو شریعت سے حلال ہے اس کو کھاؤ اور اپنی طرف سے حرمت کے احکام مت تراشو۔

وَلَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّيۡطٰنِ‌ؕ اِنَّهٗ لَـكُمۡ

اور شیطان کے قدم بقدم مت چلو بلاشک وہ تمہارا صریح دشمن ہے

عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ ۙ﴿۱۴۲﴾ ثَمٰنِيَةَ اَزۡوَاجٍ‌ۚ

(اور یہ مواشی) آٹھ نر و مادہ (پیدا کئے) یعنی بھیڑ (اور دنبہ) میں

مِنَ الضَّاۡنِ اثۡنَيۡنِ وَمِنَ الۡمَعۡزِ اثۡنَيۡنِ‌ؕ

دو قسم (نر و مادہ) اور بکری میں دو قسم (نر و مادہ) آپ (ان سے)

قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ

کہیے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں نروں کو حرام کہا ہے یا دونوں مادہ کو

اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ط

یا اس (بچہ) کو جس کو دونوں مادہ (اپنے) پیٹ میں لئے ہوئے ہوں

یعنی تم جو مختلف صورتوں سے تحریم کا دعویٰ کرتے ہو تو کیا حق تعالیٰ نے ان میں سے کسی کو حرام کیا ہے اگر خدا کی طرف نسبت کرتے ہو تو بتلاؤ کہ ان میں سے کس کو حرام کیا ہے۔

نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٤٣﴾

تم مجھ کو کسی دلیل سے تو بتلاؤ اگر سچے ہو

یہ تو چھوٹے قد والوں کے متعلق بیان ہوا آگے بڑے قد والوں کا بیان ہے۔

وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ط

اور اونٹ میں دو قسم اور گائے (بھینس) میں دو قسم آپ کہیے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے

قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ

ان دونوں نروں کو حرام کہا ہے یا دونوں مادہ کو یا اس (بچہ کو جس کو دونوں مادہ

اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ط

(اپنے) پیٹ میں لئے ہوئے ہوں۔ کیا تم (اس وقت) حاضر تھے

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ج

جس وقت اللہ تعالیٰ نے تم کو اس (تحریم و تحلیل) کا حکم دیا

اس کا بھی وہی مطلب ہے کہ تم جو مختلف صورتوں سے تحریم کے مدعی ہو تو کیا یہ تحریم اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے اگر ایسا ہے تو اس پر دلیل قائم کرنا چاہئے جس کے دو طریقے ہیں ایک تو یہ کسی رسول و فرشتے کے واسطہ سے ہو اس کو تو تم اختیار کر ہی نہیں سکتے کیونکہ تم کو مسئلہ نبوت اور وحی سے انکار ہی ہے پس اس دعویٰ کے ثابت کرنے کی ایک ہی صورت رہ گئی ہے کہ خود خدا تعالیٰ نے بلا واسطہ تم کو یہ احکام بتلائے ہوں سو یہ بھی غلط (ترجمہ دیکھو)

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا

تو اس سے زیادہ کون ظالم ہو گا جو اللہ تعالیٰ پر بلا دلیل جھوٹ

لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ط اِنَّ اللّٰهَ

تہمت لگائے تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو (جنت کا

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٤٤﴾ ع قُلْ لَّآ

راستہ آخرت میں) نہ دکھلاویں گے۔ آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ احکام بذریعہ وحی

اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا

میرے پاس آئے ہیں ان میں تو میں کوئی حرام غذا پاتا نہیں

اور ظاہر ہے کہ اس کا دعویٰ بھی نہیں ہو سکتا پس ثابت ہو گیا کہ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں حاصل جواب کا یہ ہوا کہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں تو جس طرح اللہ کے سوا کسی کے لئے یہ حق نہیں کہ ان چیزوں کو عبادت کے طور پر اس کے نام زد کیا جائے جیسا کہ مشرکین بتوں کے نام پر کھیت اور جانور چھوڑتے تھے اسی طرح ان کے حلال و حرام کرنے کا اختیار بھی اللہ کے سوا کسی کو نہ ہوگا اور حق تعالیٰ نے ان سے ہر قسم کی نفع سواری لینے اور کھانے پینے کا جائز کیا ہے پس حرمت کسی طرح ممکن نہیں کیونکہ تمہارا حرام کرنا شرعاً غیر ممکن اور خدا نے حرام کیا نہیں اور اگر کیا ہے تو دلیل لاؤ جب دلیل نہیں لا سکتے تو حرمت کا دعویٰ کرنا خدا پر افتراء باندھنا ہے۔

ربط: آگے بھی مضمون سابق ہی کی تائید ہے کہ جن حیوانات میں کلام ہو رہا ہے ان میں حرام تو فلاں فلاں چیزیں ہیں تم اپنی طرف سے اختراع کیوں کرتے ہو نیز اس میں ان کی ایک دوسری گمراہی کی طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ لوگ بہتے ہوئے خون اور غیر خدا کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور کو بھی کھاتے تھے تو اوپر حلال کو حرام کرنے کا ذکر تھا آگے حرام کو حلال کرنے کا ذکر ہے قل لا اجدنا غفور رحیم

عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ

کسی کھانے والے کے لئے جو اس کو کھاوے

یعنی ان جانوروں میں سے جن میں کلام ہو رہا ہے بجز ان کے اور کوئی حرام نہیں تو اس قید سے یہ شبہ جاتا رہا کہ کیا بجز ان چار چیزوں کے اور کوئی چیز حرام نہیں حالانکہ احادیث میں اور حیوانات کی بھی حرمت آئی ہے۔

اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا

مگر یہ کہ وہ مردار (جانور) ہو یا یہ کہ بہتا ہوا خون ہو

اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ

یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ بالکل ناپاک ہے

اسی لئے اس کے سب اجزاء نجس ہیں بال بھی کھال بھی ہڈی بھی گوشت بھی ایسے ناپاک کو نجس العین کہتے ہیں۔

اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ

یا جو (جانور) شرک کا ذریعہ ہو کہ غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو۔ پھر جو شخص

اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ

بے تاب ہو جاوے بشرطیکہ نہ تو طالب لذت ہو اور نہ تجاوز کرنے والا ہو

اس حالت میں ان حرام چیزوں کے کھانے میں بھی اس شخص کو گناہ نہیں ہوتا ایسی ہی ایک آیت سیقول میں گزری ہے وہاں تفسیر ملاحظہ کی جائے **ربط**: اوپر جو مضمون مذکور تھا آگے اس کے متعلق ایک شبہ کا جواب ہے شبہ یہ ہے کہ اس جگہ سوائے چند چیزوں کے جن کو استثناء کیا گیا ہے باقی سب کھانے کی چیزوں کو حلال فرمایا ہے حالانکہ بعض اہل کتاب سے معلوم ہوا ہے کہ بعضے اور حیوانات بھی حرام ہیں جواب یہ ہے کہ وہ حرمت صرف یہود کے واسطے بوجہ ان کی شرارت کے عارضی طور پر ہوئی تھی جواب منسوخ ہو گئی پس دعویٰ مذکورہ بالکل صحیح اور اعتراض غلط ہے **وعلی الذین هادوا تا انا لصٰدقون**۔

فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَعَلَى

(قدر ضرورت سے) تو واقعی آپ کا رب غفور رحیم ہے اور یہود پر ہم نے

الَّذِيْنَ هَادُوْا

تمام ناخن والے جانور

مراد وہ جانور ہیں جن کے کھری ہوتی ہے۔

حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ

حرام کر دیئے تھے اور گائے اور بکری (کے اجزاء) میں سے

وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ

ان دونوں کی چربیاں ان پر ہم نے حرام کر دی تھیں

اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ

مگر وہ جو ان کی پشت پر یا انتڑیوں میں لگی ہو

باقی سب چربی حرام تھی تو فی نفسہ ان چیزوں کا حرام کرنا مقصود نہ تھا بلکہ (ترجمہ دیکھو)

اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ

یا جو ہڈی سے ملی ہو ان کی شرارت کے سبب ہم نے

بِبَغْيِهِمْ ۡۖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾

ان کو یہ سزا دی تھی اور ہم یقیناً سچے ہیں

آیۃ **کل الطعام کان حلا الخ** اور آیت **فبظلم من الذین هادوا** میں قدرے اس تحریم کا بیان مع اس کے سبب کے گزر چکا ہے اور اونٹ بنی اسرائیل پر نزول توریت سے پہلے حرام تھا پھر بعد میں حلال ہو گیا تھا **ربط**: آگے بھی اسی مضمون کے متعلق ایک دوسرے شبہ کا جواب ہے شبہ یہ ہے کہ اگر مشرکین کا یہ طریقہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک باطل ہے تو باوجود قدرت خداوندی کے ان کو سزا کیوں نہیں ہوتی اس سے تو نعوذ باللہ رسول کی جانب کذب کا شبہ ہوتا ہے۔

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ

پھر اگر یہ آپ کو کاذب کہیں

فان کذبوک تا المجرمین صرف اس وجہ سے کہ ان پر عذاب نہیں آتا

فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ

تو آپ فرما دیجئے کہ تمہارا رب بڑی وسیع رحمت والا ہے

بعض حکمتوں سے جلدی مواخذہ نہیں فرماتا یہ جواب ہو گیا اس شبہ کا حاصل یہ ہے کہ بیشک ان کا باطل طریقہ پر ہونا اسی کو مقتضی ہے کہ جلدی ان پر عذاب نازل ہو اور قدرت خداوندی سے آ بھی سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت ایک خاص وقت تک اس سے مانع ہے اس سے یوں نہ سمجھیں کہ ہمیشہ یوں ہی بچے رہیں گے۔

وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

اور اس کا عذاب مجرم لوگوں سے نہ ٹلے گا

یہ تو تحقیقی جواب ہے اور اس کا ایک الزامی جواب بھی ظاہر ہے وہ یہ کہ اگر جلدی عذاب نہ ہونا حق ہونے کی دلیل ہے تو اس دلیل سے تو مسلمانوں کا بھی حق پر ہونا لازم آ گیا کیونکہ وہ کونسے عذاب میں گرفتار ہیں تو اس دلیل سے لازم آتا ہے کہ ایک شئ کا حق ہونا بھی صحیح ہو اور باطل ہونا بھی صحیح ہو اور اجتماع نقیضین محال ہے معلوم ہوا کہ یہ دلیل بیہودہ ہے **ربط**: آگے اسی مضمون کے متعلق ایک تیسرے شبہ کا جواب ہے وہ شبہ عقلی یہ ہے

کہ مشرکین اپنے طریقہ کے جائز اور مستحسن ہونے پر یوں استدلال کرتے تھے کہ ہم جو کچھ شرک و تحریم وغیرہ کر رہے ہیں اگر یہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوتا تو ہم کو اپنی مرضی کیخلاف یہ کام کیوں کرنے دیتا معلوم ہوا کہ خدا کو یہ باتیں ناپسند نہیں۔ سیقول الذین تا یعدلون

سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ

یہ مشرک یوں کہنے کو ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو نہ ہم شرک کرتے

اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ؕ

اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کسی چیز کو حرام کر سکتے

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس شرک اور تحریم سے ناراض نہیں اللہ تعالیٰ جواب دیتے ہیں کہ یہ دلیل باطل ہے کیونکہ اس سے رسولوں کا جھوٹا ہونا لازم آتا ہے حالانکہ رسولوں کا سچا ہونا قطعی دلائل سے ثابت ہو چکا ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں رسولوں کی تکذیب قدیم سے چلی آرہی ہے (آگے ترجمہ)

كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى

اسی طرح جو (کافر) لوگ ان سے پہلے ہو چکے ہیں انہوں نے بھی (رسولوں کی)

ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ

تکذیب کی تھی یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھا

خواہ دنیا ہی میں جیسا کہ اکثر کفار و منافقین پر دنیا میں عذاب نازل ہوا ہے یا مرنے کے بعد وہ تو ظاہر ہے اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ ان لوگوں سے کفریات کے مقابلہ میں صرف قولی جواب پر اکتفا نہ کیا جائے گا بلکہ کفار سابقین کی طرح ان کو عملی سزا بھی دی جائے گی غرض اس جگہ حق تعالیٰ نے اس شبہ کے دو جواب فرمائے ہیں پہلا جواب **کذلک کذب الذین** میں اشارۃً مذکور ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ دلیل باطل ہے کیونکہ اس سے شرک اور تحریم مخترع کا حق ہونا لازم آتا ہے حالانکہ رسول ہمیشہ اس کو باطل بتلاتے رہے اور ان کا سچا ہونا دلائل قطعیہ سے ثابت ہے ان کا جھوٹا ہونا محال ہے اور اس دلیل سے ان کا جھوٹا ہونا لازم آتا ہے اور جو دلیل محال کو مستلزم ہو وہ خود محال اور غلط ہے دوسرا جواب **ھل عندکم من علم** میں آگے آتا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ کسی کام کے کرنے پر عذاب نہ آنے کو خدا تعالیٰ کی خوشی اور خدا کی رضا کی دلیل بنانا یہ خود ایک دعویٰ ہے اس پر دلیل قائم کرنا چاہئے اگر کوئی دلیل ہو تو بیان کرو اور اس جواب کی وضاحت الزامی طور پر اس طرح ہو سکتی ہے کہ اگر کسی کام پر عذاب کا نہ آنا اس کے حق ہونے کی دلیل ہوا کرے تو اس سے لازم آتا ہے کہ دنیا میں جس قدر کام ہو رہے ہیں سب حق ہو جائیں حالانکہ یہ صریح اجتماع نقیضین ہے پھر ان دونوں جوابوں کے بعد ترقی کر کے فرمایا ہے کہ تمہارے پاس کوئی عقلی دلیل نہ ہو تو نقلی ہی دلیل لے آؤ۔ **قل هلم شهداء کم** میں اسی طرف اشارہ ہے۔

قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ

آپ کہئے کہ کیا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو اس کو ہمارے روبرو ظاہر کرو

لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ

تم لوگ محض خیالی باتوں پر چلتے ہو اور تم

اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾ قُلْ فَلِلّٰهِ

بالکل انکل سے باتیں بناتے ہو آپ کہئے کہ پس پوری

الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ

حجت اللہ ہی کی رہی

یعنی دونوں جوابوں سے معلوم ہوا کہ اللہ کی حجت مضبوط ہے اور تمہاری حجت باطل ہو گئی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں۔

فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

پھر اگر وہ چاہتا تو تم سب کو راہ پر لے آتا

مگر چونکہ تم راہ پر آنا نہیں چاہتے اس لئے خدا نے بھی توفیق نہیں دی اور اس میں اس کی حکمت ہے کسی کو توفیق دی کسی کو نہیں دی البتہ حق سب کے سامنے کر دیا اور ارادہ و اختیار سب کو دیدیا ہے آگے عقلی دلیل کا مطالبہ فرماتے ہیں۔

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ

آپ کہئے کہ اپنے گواہوں کو لاؤ جو اس بات پر (باقاعدہ) شہادت دیں

یعنی اپنی دلیل عقلی کا حال تو تم کو معلوم ہو گیا اب کوئی دلیل نقلی صحیح پیش کرو اور باقاعدہ شہادت وہ ہے جس سے مشاہدہ کے برابر یقین حاصل ہو جائے۔

اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا

کہ اللہ تعالیٰ نے ان (مذکورہ) چیزوں کو حرام کر دیا ہے پھر اگر وہ گواہی دے دیں

یعنی اگر اتفاق سے کسی کو جھوٹے گواہ بنا کر لے آئیں تو چونکہ وہ شہادت یقیناً بے قاعدہ اور محض سخن سازی ہوگی کیونکہ نہ ان کو مشاہدہ ہوا

ہے نہ مشاہدہ کے برابر یقین اس لئے وہ گواہی سننے کے قابل نہیں۔

فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ

تو آپ اس شہادت کی سماعت نہ فرمایئے اور (اے مخاطب) ایسے لوگوں کے باطل

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا

خیالات کا اتباع مت کرنا جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں اور جو آخرت

يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾

پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ اپنے رب کے برابر دوسروں کو ٹھہراتے ہیں

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ

آپ (ان سے) کہئے کہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں
جن کو تمہارے رب نے تم پر حرام فرمایا ہے وہ یہ کہ

اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ۔ اور ماں باپ کے ساتھ

اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا

احسان کیا کرو۔ اور اپنی اولاد کو افلاس کے سبب

ربط: اوپر مشرکین کی خود ایجاد کردہ تحریم پر انکار تھا آگے واقعی حرام چیزوں کو بیان فرماتے ہیں جن میں وہ جاہل مبتلا تھے اور دونوں کلاموں کے مجموعہ سے ان کی حالت پر تعریض ہوگئی کہ عجب بات ہے جو امور واقع میں حرام ہیں ان میں تو مبتلا ہیں اور جو چیزیں واقع میں حلال ہیں ان میں حرمت ایجاد کرتے ہیں اس طرز سے گفتگو کرنا حکیم کا طریقہ ہے۔ **قل تعالوا تا تعقلون**

کیونکہ جاہلیت میں اکثر اسی وجہ سے لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کی عادت تھی اور بعضے خوف عار سے ایسا کرتے تھے۔

اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ

قتل مت کیا کرو ہم ان کو اور تم کو رزق (مقدر)

وَاِيَّاهُمْ ۚ

دیں گے

وہ تمہاری قسمت کی روزی میں شریک نہیں ہیں پھر کیوں قتل کرتے ہو پس ان کا قتل کرنا بالکل حرام ہوا۔

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا

اور بے حیائی کے جتنے طریقے ہیں ان کے پاس بھی مت جاؤ خواہ وہ اعلانیہ

بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ

ہو اور خواہ پوشیدہ ہو۔ اور جس کا خون کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے اس کو

اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ

قتل مت کرو ہاں مگر حق پر

یعنی حق شرعی پر قتل جائز ہے مثلاً قصاص میں یا رجم میں پس خون ناحق بالکل حرام ہوا۔

ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَا

اس کا تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تا کہ تم سمجھو۔ اور یتیم کے مال کے

تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ

پاس نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو کہ مستحب ہے

یعنی اس تصرف کی اجازت ہے جو شرعاً پسندیدہ ہے مثلاً اس کے مال کو اسی کے کام میں لگانا اس کی حفاظت کرنا نیز بعض اولیاء کو یتیم کے لئے اس میں تجارت بھی کرنا جائز ہے یعنی دادا کو اور قاضی کو یا باپ دادا کے وصی کو ان کے سوا کسی کو یتیم کے مال میں تجارت کی اجازت نہیں اور کچھ احکام مال یتیم کے سورۂ نساء میں گزر چکے ہیں

حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ

یہاں تک کہ وہ اپنے سن بلوغ کو پہنچ جائے

پھر اس کا مال اس کو دے دیا جائے گا بشرطیکہ بے وقوف اور بھولا نہ ہو غرض ناجائز تصرف یتیم کے مال میں حرام ہے

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ

اور ناپ اور تول پوری پوری کیا کرو انصاف کے ساتھ

کہ کسی کا حق اپنے پاس نہ رہے اور نہ آوے پس اس میں دغا کرنا حرام ہوا اور یہ احکام کچھ دشوار نہیں ہیں پھر ان میں کوتاہی کیوں کی جائے (آگے ترجمہ)

لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ

ہم کسی شخص کو اس کے امکان سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے اور جب تم بات کیا

فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ج

کرو تو انصاف سے کہا کرو گو وہ شخص قرابت دار ہی ہو

جس کے مقابلہ میں وہ بات کہہ رہے ہو پس خلاف عدل حرام ہوا۔

وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ط ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ

اور اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا کرو اس کو پورا کیا کرو ان (سب) کا اللہ تعالیٰ نے تم کو تاکیدی حکم دیا

تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ لا وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا

ہے تاکہ تم یاد رکھو (اور عمل کرو) اور یہ (بھی کہہ دیجئے) کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو کہ مستقیم ہے

یعنی کچھ ان ہی احکام کی تخصیص نہیں بلکہ اسلام اور تمام احکام جن کی طرف میں باذن الٰہی تم کو بلاتا ہوں سیدھا راستہ ہے۔

ربط: اوپر مشرکین کے عقائد شرکیہ اور تحلیل و تحریم کا رد نہایت بسط سے فرمایا گیا ہے آگے مسئلہ نبوت پر بحث ہے جو کہ قل تعالوا اور ھذا صراطی سے مفہوم ہو چکا ہے حاصل بحث کا یہ ہے کہ نبوت کوئی عجیب چیز نہیں ہے پہلے اور اور انبیاء ہوئے جن میں موسیٰ علیہ السلام مشہور و معروف ہیں اخیر میں آپ صاحب وحی ہو گئے تو اس کا کیوں انکار کیا جاتا ہے۔

فَاتَّبِعُوْهُ ج وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ

سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو۔ کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے

بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ط ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ

جدا کر دیں گی اس کا تم کو اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم (اس راہ کے

تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ

خلاف کرنے سے) احتیاط رکھو پھر

ابطال شرک کے بعد اہم مسئلہ نبوت میں کلام کرتے ہیں کہ ہم نے صرف آپ کو اکیلا نبی نہیں بنایا جس پر یہ لوگ اس قدر شور و غل مچا رہے ہیں بلکہ آپ سے پہلے ہم نے موسیٰ کو بھی پیغمبر بنایا تھا۔

اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى

ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی جس سے اچھی طرح عمل کرنے

الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

والوں پر نعمت پوری ہو اور سب احکام کی تفصیل ہو جاوے

وَّهُدًى وَّرَحْمَةً

اور رہنمائی ہو اور رحمت ہو

یعنی سب کے لئے رہنما ہو اور ماننے والوں کے لئے سبب رحمت ہو کہ اس پر عمل کر کے ثواب و قرب حاصل کریں۔

لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ ع

تاکہ وہ لوگ اپنے رب کے ملنے پر یقین لاویں

یعنی ہم نے ایسی کتاب اس لئے دی کہ خدا تعالیٰ سے ملنے کا اعتقاد کر کے سب احکام بجا لائیں گے آگے بتلاتے ہیں کہ جب تورات کا اور اس کے تتمہ انجیل کا دورہ ختم ہو گیا تو ہم نے قرآن نازل کیا۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ

اور یہ (قرآن) ایک کتاب ہے جس کو ہم نے بھیجا بڑی خیر و برکت والی

وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ لا

سو اس کا اتباع کرو اور ڈرو تاکہ تم پر رحمت ہو

آگے قرآن کے نازل کرنے کی وجہ بتلاتے ہیں کہ اگر یہ نازل نہ ہوتا اور اس صورت میں تم کو کفر و شرک پر قیامت کے دن عذاب ہوتا تو (آگے ترجمہ)

اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى

کبھی تم یوں کہنے لگتے کہ کتاب تو صرف

طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ص وَاِنْ كُنَّا عَنْ

ہم سے پہلے جو دو فرقے تھے ان پر نازل ہوئی تھی اور ہم ان کے پڑھنے

دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾ لا

پڑھانے سے محض بے خبر تھے

اس لئے ہم کو توحید کی تحقیق نہ ہوئی اور بے خبری کی وجہ یہ نہیں ہو سکتی کہ توراۃ انجیل عربی میں نہ تھی کیونکہ ترجمہ کے ذریعہ سے مضامین کی اطلاع ممکن بلکہ واقع تھی بے خبری کی وجہ یہ تھی کہ اہل کتاب نے اہل عرب کو توحید تعلیم کرنے کا کبھی اہتمام نہیں کیا اور اتفاقاً کسی مضمون کا کان میں پڑ جانا عادتاً تنبیہ میں کم موثر ہوتا ہے اگرچہ اس قدر تنبیہ پر بھی طلب اور تامل واجب ہو جاتا ہے اور اسی بناء پر توحید کے چھوڑنے پر عذاب ممکن تھا اور اس سے حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کی نبوت کا عام ہونا لازم نہیں آتا

کیونکہ نبوت عام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تمام اصول وفروع میں اتباع واجب ہو ایسی عام نبوت صرف ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے خاص ہے اور اصول میں تو تمام انبیاء کا اتباع ساری مخلوق پر واجب ہے اس بناء پر عذاب صحیح ہوتا لیکن یہ عذر ظاہر نظر میں پیش کیا جا سکتا تھا اب اس کی بھی گنجائش باقی نہ رہی اور حجت اللہ تام ہوگئی۔

اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ

یا یوں کہتے کہ اگر ہم پر کوئی کتاب نازل ہوتی تو ہم

لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ

ان سے بھی زیادہ راہ پر ہوتے

اور عقائد واعمال میں ان سب سے زیادہ کمال حاصل کر کے ثواب کے مستحق ہوتے۔

فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى

سو اب تمہارے ہاں تمہارے رب کے پاس سے ایک کتاب واضح اور رہنمائی کا ذریعہ

وَّرَحْمَةٌ ۚ

اور رحمت آ چکی ہے

اب تمہارے پاس کوئی ظاہری عذر بھی نہیں اور اہل فترت کے متعلق یعنی جو لوگ نزول قرآن سے پہلے مر چکے ہیں۔ ایک سوال وجواب سورہ مائدہ کے تیسرے رکوع میں گزر چکا ہے ملاحظہ کر لیا جائے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

سو اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو ہماری ان آیتوں کو جھوٹا بتلاوے

وَصَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ

اور اس سے روکے ہم ابھی ان لوگوں کو جو کہ ہماری

يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ

آیتوں سے روکتے ہیں ان کے اس روکنے کے

بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿١٥٧﴾

سبب سخت سزا دیں گے۔

سزا میں سختی اس روکنے کی وجہ سے بڑھی ورنہ صرف تکذیب کرنا بھی سزا کی موجب ہے۔

ربط: اوپر تکذیب کرنے والوں کا ظالم اور مستحق عذاب ہونا بیان فرمایا ہے آگے بھی ان کے ایمان نہ لانے پر توبیخ اور دھمکی ہے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ

یہ لوگ صرف اس حکم کے منتظر (معلوم ہوتے) ہیں

هل ينظرون تا منتظرون یعنی یہ لوگ قرآن شریف نازل ہو جانے اور کھلے معجزات دیکھ لینے اور حق واضح ہو جانے کے بعد بھی ایمان لانے میں ایسا توقف کر رہے ہیں جیسے کوئی کسی بڑی بات کا انتظار کر رہا ہو۔

تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ

کہ ان کے پاس فرشتے آویں یا ان کے پاس آپ کا رب آوے

جیسا کہ قیامت میں حساب کے وقت ایسا ہوگا۔

اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ

یا آپ کے رب کی کوئی بڑی نشانی آوے

مراد اس بڑی نشانی سے آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا ہے یہ تفسیر بہت سی صحیح احادیث میں وارد ہے اور اس کی کیفیت ایک روایت میں اس طرح آئی ہے کہ اس روز بعد غروب کے آفتاب بہ حکم خداوندی الٹی حرکت کرے گا اس لئے مغرب سے طلوع ہوگا اور حضرت کعب سے اس طرح منقول ہے کہ قطب کی طرف گھوم کر نقطہ مغرب پر آ جائے گا الٹی حرکت سے یہ معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں اور ایک روایت میں ہی کہ مغرب سے طلوع ہو کر جب وسط آسمان تک پہنچے گا پھر مغرب ہی کی طرف لوٹ کر ادھر غروب ہو جائے گا پھر بدستور مشرق سے نکلنے لگے گا اور اہل ہیئت اور سائنس والے جن قواعد واصول کی بناء پر اس کو محال کہتے ہیں اب تک خود اس پر کوئی دلیل قائم نہیں کر سکے کہ یہ قواعد لازمی ہیں بہت سے بہت یہ کہہ سکتے ہیں کہ اب تک ان قواعد کے خلاف نہیں ہوا مگر اس سے یہ کیونکر لازم آ گیا کہ ان قواعد کے خلاف ہونا محال بھی ہے۔

يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا

جس روز آپ کے رب کی بڑی نشانی آ پہنچے گی کسی ایسے شخص کا ایمان اس

اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ

کے کام نہ آئے گا جو پہلے سے ایمان نہیں رکھتا یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی

فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ

نیک عمل نہ کیا ہو

بوجہ ایمان بالغیب نہ ہونے کے یہ ایمان اور توبہ مقبول نہیں ۱۲
ربط: یہاں تک زیادہ حصہ مشرکین کے بارے میں تھا آگے عام عنوان سے دوسرے گمراہوں کا حق سے دور اور مستحق وعید ہونا بیان فرماتے ہیں جس میں تمام کفار و مشرکین و اہل کتاب و جملہ اہل ہوا و بدعت والے بتفاوت مراتب داخل ہوگئے ان الذین فرقوا تا یفعلون.

قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ اِنَّ

آپ فرما دیجئے کہ تم منتظر رہو ہم بھی منتظر ہیں۔ بیشک

الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ

جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا

یعنی جن کے وہ مکلف تھے اس دین کو پورا قبول نہیں کیا یا تو سب کو چھوڑ دیا یا بعض کو چھوڑ دیا اور طریقے شرک اور کفر اور بدعت کے اختیار کئے۔

وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ

اور گروہ گروہ بن گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں

یعنی آپ ان سے بری ہیں آپ پر کوئی الزام نہیں۔

اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ

پس ان کا معاملہ اللہ کے حوالہ ہے

وہ لوگ خود اپنے نیک و بد کے ذمہ دار ہیں اور اللہ تعالیٰ دیکھ بھال رہے ہیں۔

ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

پھر ان کا کیا ہوا ان کو جتلا دیں گے

اور حجت قائم کر کے ان کا مستحق عذاب ہونا جتلا دیں گے ان جماعتوں سے ابن عباسؓ کے قول میں یہود و نصاریٰ کا مراد ہونا اور حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع حدیث سے اہل بدعات کا مراد ہونا اور حسن سے تمام مشرکین کا مراد ہونا منقول ہے کہ ان میں بت پرست و کواکب پرست وغیرہ بہت سے فرقے تھے مگر چونکہ آیت کے الفاظ عام ہیں اس لئے عام ہی مراد لینا مناسب ہے البتہ عذاب کے مراتب متفاوت ہونگے یعنی کفار کو دائمی عذاب ہوگا اور مبتدعین عقائد فاسدہ کی وجہ سے چندے عذاب کے مستحق ہوں گے پھر ایمان کی وجہ سے نجات ہو جائے گی اور حدیث میں جو آیا ہے کہ مسلمانوں میں بہت سے فرقے ہوں گے ان میں ایک ناجی باقی سب ناری ہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو ناری ہیں ان کو ہمیشہ کے لئے عذاب ہو گا کیونکہ مسلمان کے لئے دائمی عذاب نہیں اور نہ یہ مطلب ہے کہ فرقہ ناجی میں کسی کو کچھ بھی عذاب نہ ہوگا کیونکہ بعض اہل سنت کو بھی گناہوں کے سبب عذاب ہوگا بلکہ مطلب یہ ہے کہ فرقہ ناجی میں کسی کو فساد عقیدہ کے سبب عذاب نہ ہوگا اور باقی سب فرقوں کو فساد عقیدہ کا بھی عذاب ہوگا اور عملی گناہوں کا تو سب کو ہوگا مگر عملی گناہوں کا عذاب فساد عقیدہ کے عذاب سے کم ہوگا باقی جس طرح یہ ممکن ہے حق تعالیٰ عملی گناہوں کو بدوں عذاب ہی کے معاف فرما دیں یہ بھی ممکن ہے کہ فساد عقیدہ کے گناہوں کو بھی ویسے ہی معاف فرما دیں فساد عقیدہ پر بالضرور عذاب لازم ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔

ربط: اوپر قیامت کی جزاء کا بیان تھا آگے اس کا عام قانون مذکور ہے اور شاید اس بات سے کہ نیکیوں کا ثواب بہت زیادہ ملے گا کفار کو ایمان کی ترغیب دینا مقصود ہو کہ اگر کفر چھوڑ کر ایمان لے آ ؤ تو کسی قدر نفع ہو کہ تھوڑا کام کرو اور ملے بہت من جاء بالحسنة تا لایظلمون

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ

جو شخص نیک کام کرے گا اس کو اس کے دس حصے (اقل درجہ) ملیں گے

یعنی ایسا سمجھا جاوے گا کہ گویا وہ نیکی دس بار کی اور جتنا ثواب ایک نیکی پر ملتا اب دس حصے ویسے ہی ثواب کے ملیں گے اور اقل درجہ کی قید لگائی دوسری نصوص سے بعض اوقات اس سے بھی زیادہ ملنا مصرح ہے

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا

اور جو شخص برے کام کرے گا سو اس کو اس کے برابر ہی سزا ملے گی

وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

اور ان لوگوں پر ظلم نہ ہوگا

یعنی ظاہری ظلم بھی نہ ہوگا کہ کوئی نیکی درج نہ ہو یا کوئی بدی زیادہ کر کے لکھ دی جائے اور حقیقت میں تو کسی حال میں بھی خدا کے کسی فعل کو ظلم نہیں کہہ سکتے وہ جو کچھ بھی کریں عین عدل ہے وہ مالک ہیں اور مالک کو سب اختیار ہے۔

قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ

آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو میرے رب نے ایک سیدھا راستہ بتلا دیا ہے کہ وہ

دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ

ایک دین ہے مستحکم طریقہ ہے ابراہیم کا جس میں ذرا کجی نہیں

حنیف کی قید سے تمام طرق بدعت کا رد ہو گیا۔

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ

اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔ آپ فرمادیجئے کہ بالیقین میری نماز

وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾

اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو

لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ

مالک ہے سارے جہان کا اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے اور

الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ

میں سب ماننے والوں سے پہلا ہوں آپ فرمادیجئے کہ کیا میں خدا تعالیٰ کے سوا

رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۭ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا

کسی اور کو رب بنانے کے لئے تلاش کروں حالانکہ وہ مالک ہے ہر چیز کا اور جو

عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ

شخص بھی کوئی عمل کرتا ہے وہ اسی پر رہتا ہے اور کوئی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھاوے گا

یعنی تمہارا یہ کہنا کہ تمہارے گناہ بھی ہمارے ہی سر پر ہے محض لغو ہے۔

رابط: سورت ختم پر آئی اس تمام سورت میں دین حق کی تحقیق تفصیل کے ساتھ ہے اب اخیر میں اپنے دو انعام بیان فرماتے ہیں ایک میں تو سب برابر ہیں دوسرے میں کمی بیشی بھی ہے اس سے اپنی اطاعت کی ترغیب اور مخالفت سے ڈرانا مقصود ہے پھر آیت کو اپنے دو وصفوں پر ختم فرماتے ہیں جو کہ ترغیب و ترہیب کے مناسب ہیں پس اس اعتبار سے خاتمہ کو تمام سورت سے تعلق ہوگیا ایسے ہی خاتمہ کو حسن ختام کہتے ہیں۔ وھو الذی تا رحیم

ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ

پھر تم سب کو اپنے رب کے پاس جانا ہوگا پھر وہ تم کو جتلا دیں گے جس جس

تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ

چیز میں تم اختلاف کرتے تھے اور وہ ایسا ہے جس نے تم کو زمین میں صاحب

الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ

اختیار بنایا اور ایک کا دوسرے پر (بعض چیزوں میں) رتبہ بڑھایا

پہلی نعمت میں تو سب برابر ہیں اور دوسری میں کمی بیشی ہے اور جن میں عام طور پر کمی بیشی رکھی ہے وہ غیر اختیاری ہیں جیسے عقل و جاہ و رزق و حسن و جمال و صحت و قوت وغیرہ اس تفاوت میں حکمت ہونا تو ظاہر ہے اور نعمت ہونا بھی اس شخص کے لئے جس میں عمدہ اوصاف ہیں ظاہر ہے اور جس میں کمتر اوصاف ہیں اس کے لئے وہ بھی نعمت ہیں کیونکہ ہر نقصان و مصیبت میں کوئی نہ کوئی نفع دنیوی یا اخروی ہوتا ہے جیسے کسی بڑے وبال سے بچالینا اور رفع درجات و کفارہ سیئات وغیرہ چنانچہ واقعات و آیات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔

لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ

تاکہ ظاہراً تم کو آزماوے ان چیزوں میں جو تم کو دی ہیں

آزمانا یہ کہ کون ان نعمتوں کی قدر کرکے منعم کی اطاعت کرتا ہے اور کون بیقدری کرکے اطاعت نہیں کرتا اور دونوں کے ساتھ مناسب معاملہ کیا جائے گا۔

وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۵﴾

بالیقین آپ کا رب جلد سزا دینے والا (بھی) ہے اور بالیقین وہ واقعی بڑی مغفرت کرنے والا مہربانی کرنے والا (بھی) ہے۔

نافرمانوں کے لئے عذاب اور فرمانبرداروں کے لئے رحمت اور نافرمانی سے تابعداری کی طرف آنے والوں کے لئے مغفرت ہے پس بندوں پر ضرور ہوا کہ دین حق کے موافق اطاعت اختیار کریں اور طریق باطل اور مخالفت سے باز آویں ۱۲ بسم اللہ الرحمن الرحیم سورة الاعراف مکیة الاثمانی آیات من قولہ و اسألھم الی قولہ و اذ نتقنا

رابط: اس سورت کے آغاز کو پہلی سورت کے اخیر سے یہ مناسبت ہے کہ اس کے اخیر میں قل اننی ھدنی میں دین حق کو معین فرمایا تھا کہ وہ اسلام ہے اس کے بعد ثواب و عذاب کی رغبت اور خوف دلایا تھا اور اس سورت کے شروع میں اس دین کی تبلیغ کا حکم ہے اور آخرت کے معاملات سوال اور وزن اعمال و جزاء و سزا کا بیان ہے اور ان مضامین میں باہم مناسبت ظاہر ہے اور اس سورت کے مضامین اس میں بھی باہم متناسب ہیں کیونکہ تمام سورت پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ مضامین آپس میں آخرت اور نبوت کے متعلق ہیں سو سب سے اول تذکرون تک قرآن کا حق اور واجب الاتباع ہونا بیان فرماتے ہیں۔ پھر وکم من قریة سے اس کے انکار و مخالفت پر دنیوی اور اخروی سزا سے ڈراتے ہیں۔

(۷) سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ (۳۹)

سورۂ اعراف مکہ میں نازل ہوئی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

الٓمّٓصٓ ۝۱ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ

یہ ایک کتاب ہے جو آپ کے پاس اس لئے بھیجی گئی ہے کہ آپ اس کے

فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى

ذریعے سے ڈرائیں سو آپ کے دل میں اس سے بالکل تنگی نہ ہونا چاہئے اور یہ

لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ

نصیحت ہے ایمان والوں کے لئے تم لوگ اس کا اتباع کرو جو تمہارے پاس

مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ

تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے اور خدا کو چھوڑ کر دوسرے رفیقوں کا

اَوْلِيَآءَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝۳ وَكَمْ مِّنْ

اتباع مت کرو اور تم لوگ بہت ہی کم نصیحت مانتے ہو اور بہت بستیوں کو ہم

قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا

نے تباہ کر دیا اور ان پر ہمارا عذاب رات کے وقت پہنچا یا ایسی حالت میں

اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ۝۴ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ

کہ وہ دوپہر کے وقت آرام میں تھے سو جس وقت

اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا

ان پر عذاب آیا اس وقت ان کے منہ سے بجز اس کے اور کوئی بات نہ نکلی

ظٰلِمِيْنَ ۝۵

تھی کہ واقعی ہم ظالم تھے

یعنی اس وقت اپنے جرم کا اقرار کیا جب کہ اقرار کا وقت گزر گیا یہ تو دنیوی عذاب ہوا آگے بتلاتے ہیں کہ اس کے بعد عذاب اخروی کا سامان ہوگا۔

فَلَنَسْــَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ

پھر ہم ان لوگوں سے ضرور پوچھیں گے جن کے پاس پیغمبر بھیجے تھے

سوال یہ ہوگا کہ تم نے پیغمبروں کو مانا یا نہیں جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے ماذا اجبتم المرسلین کہ تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا۔

وَلَنَسْــَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۶

اور ہم پیغمبروں سے ضرور پوچھیں گے

کہ تمہاری امتوں نے کہنا مانا یا نہیں جیسا کہ پہلے آچکا ہے یوم یجمع اللہ الرسل فیقول ماذا اجبتم اور دونوں سوالوں سے کفار پر دھمکی مقصود ہوگی

فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ۝۷

پھر ہم چونکہ پوری خبر رکھتے ہیں ان کے روبرو بیان کردیں گے

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ۨالْحَقُّ ۚ

اور ہم کچھ بے خبر نہ تھے۔ اور اس روز وزن بھی واقع ہوگا

تاکہ عام طور پر ہر ایک کی حالت ظاہر ہو جائے اور وزن عقائد و اعمال سب کا ہوگا۔

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ

پھر جس شخص کا پلہ بھاری ہوگا سو ایسے لوگ

الْمُفْلِحُوْنَ ۝۸ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ

کامیاب ہوں گے اور جس شخص کا پلہ ہلکا ہو گا

فَاُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا

سو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنا نقصان کر لیا بسبب

كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ۝۹

اس کے کہ ہماری آیتوں کی حق تلفی کرنے لگے

چونکہ اکثر ظلم کا اطلاق قرآن میں کفر پر ہوتا ہے اس لئے اس اخیر آیۃ کو کفار کے بارہ میں سمجھا گیا اور مقابلہ کی وجہ سے پلہ بھاری ہونے کی تفسیر ایمان سے کی گئی کیونکہ سورہ مومن میں ہلکے پلے والوں کے بارہ میں فرمایا ہے فی جھنم خلدون کہ وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے معلوم ہوا کہ ہلکے پلے والے کافر ہیں اور بھاری پلے والے مومن ہیں مگر اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ بجز ایمان و کفر کے باقی اعمال حسنہ یا سیئہ کا وزن نہ ہوگا کیونکہ قرآن مجید کی بعض آیات سے اور احادیث کثیرہ سے اعمال کا موزون ہونا معلوم ہوتا ہے غرض اس میزان میں ایمان و کفر کا بھی وزن کیا جائے گا اور

اس وزن میں ایک پلہ خالی رہے گا ایک پلہ میں اگر وہ مومن ہے تو ایمان اور اگر وہ کافر ہے تو کفر رکھا جائے گا اس سے معلوم ہو گیا کہ کافر کا پلہ ایمان کا جو ہلکا ہو گا تو اس کی وجہ ایمان کی کمی نہیں بلکہ سرے سے ایمان کا نہ ہونا ہے یعنی جو پلہ ایمان کے رکھنے کے واسطے مخصوص ہے وہ خالی ہو گا اور دوسرے پلہ میں کفر ہو گا تو لامحالہ خالی پلہ بھرے پلہ کے مقابلہ میں ہلکا ہو گا جب اس تول سے مومن و کافر متمیز ہو جاویں گے تو پھر خاص مومنین کے لئے ایک پلہ میں ان کے حسنات اور دوسرے پلہ میں ان کے سیئات رکھ کر اعمال کا وزن ہو گا پھر اگر حسنات غالب ہوئے تو جنت اور اگر سیئات غالب ہوئے تو دوزخ اور دونوں برابر ہوئے تو اعراف تجویز ہو گی پھر خواہ شفاعت سے سزا کے پہلے ہی یا سزا کے بعد دوزخ و اعراف والے مسلمانوں کی مغفرت ہو جائے گی اب بحمد اللہ کسی آیۃ اور حدیث میں کوئی اشکال نہ رہا رہی یہ بات کہ اعمال تو اجسام نہیں ان کا وزن کیسے ہو گا اس کا جواب یہ ہے کہ وزن کے لئے جسمیت کا شرط ہونا اس عالم کے ساتھ مخصوص ہے عالم آخرت میں غیر اجسام کا بھی وزن ہو سکتا ہے یا یہ کہ بعض روایات میں وارد ہے کہ نامہ اعمال کا وزن ہو گا اس پر تو اشکال ہی نہیں پس بعض لوگوں نے یہ جو صورت جواب کی اختیار کی ہے کہ میزان ہی میں تاویل کر دی اس سے ترازو مراد ہی نہیں لی یہ ظاہر منصوص کے بالکل خلاف ہے احادیث میں اس کے لئے پلے ہونا اور کانٹا ہونا مصرح ہے پس ایسی تاویل جو بلا ضرورت ہو اور روایات کو توڑنے والی ہو ہرگز مقبول نہیں گو کیسا ہی بڑا شخص کہے۔

ربط: اوپر عذاب کی یاد دہانی کر کے انکار حق سے ڈرایا تھا آگے نعمتوں کو یاد دلا کر قبول حق کی رغبت دلاتے ہیں اول تربیت کی نعمت مذکور ہے۔ مکنکم میں پھر پیدا کرنے کی نعمت مذکور ہے۔ خلقنکم میں پھر قلنا للملئکۃ میں نعمت اکرام مذکور ہے اور تیسری نعمت کے ضمن میں ابلیس کے انکار حق کا قصہ اور اس کی محرومی اور ناکامی کا ذکر ہے تاکہ مخالفت اور نافرمانی کا نتیجہ بد معلوم ہو جس سے اس طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ ان منکروں کو ابلیس گمراہ کر رہا ہے۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا

اور بیشک ہم نے تم کو زمین پر رہنے کی جگہ دی اور ہم نے تمہارے لئے

لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۱۰ ع

اس میں سامان زندگی پیدا کیا۔ تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو اور ہم

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا

نے تم کو پیدا کیا ہے پھر ہم نے ہی تمہاری صورت بنائی پھر ہم نے فرشتوں

لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ڰ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ

سے فرمایا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو۔ سو سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے وہ سجدہ

اِبْلِيْسَ ۭ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝۱۱ قَالَ

کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا تو جو سجدہ نہیں کرتا

مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۭ قَالَ اَنَا

تجھ کو اس سے کون امر مانع ہے جبکہ میں تجھ کو حکم دے چکا کہنے لگا میں اس

خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ

سے بہتر ہوں آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو آپ نے

طِيْنٍ ۝۱۲

خاک سے پیدا کیا ہے

یہ دلیل کا پہلا مقدمہ ہے دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ آگ بوجہ نورانیت کے خاک تیرہ سے افضل ہے تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ افضل کی فرع بھی غیر افضل کی فرع سے افضل ہے چوتھا مقدمہ یہ ہے کہ افضل کا ادنیٰ کو سجدہ کرنا نامناسب ہے اس لئے میں نے سجدہ نہیں کیا پہلا مقدمہ تو بایں معنی صحیح ہے کہ انسان میں غالب جزو خاک ہے باقی مقدمے سب باطل ہیں دوسرے مقدمہ میں غلطی یہ ہے کہ عناصر میں کسی کو دوسرے پر کلی فضیلت نہیں اگر ایک عنصر میں ایک فضیلت ہے تو دوسرے میں دوسری فضیلت ہے اور جزوی فضیلت دعویٰ کے لئے مفید نہیں اور تیسرا مقدمہ اس لئے غلط ہے کہ بعض اوقات مومن کی اولاد کافر اور کافر کی اولاد مومن شریف کی اولاد نالائق رذیل کی اولاد لائق ہوتی ہے تو یہ کچھ ضرور نہیں کہ آگ اگر خاک سے کسی بات میں افضل ہو تو اس سے بننے والی چیزیں بھی خاک سے بنی ہوئی چیزوں سے افضل ہوں اور چوتھا مقدمہ اس لئے غلط ہے کہ ممکن ہے ادنیٰ کی تعظیم اعلیٰ سے کرانے میں کوئی حکمت ہو مثلاً یہی کہ اعلیٰ کا نفس مہذب ہو جائے اس میں تواضع پیدا ہو جب سب مقدمات باطل ہیں تو نتیجہ بھی غلط ہے اور جن لوگوں نے اس قصہ سے فقہی قیاس کو باطل کیا ہے سخت غلطی ہے کیونکہ شیطان کا قیاس صریح حکم کے مقابل اور اس کو توڑ کرنے والا ہے اور فقہی قیاس نصوص کے مقابل نہیں ہوتا بلکہ ان کی مراد کو ظاہر کرتا ہے اور ابلیس جو کافر ہوا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے تکبر کی وجہ سے حق تعالیٰ کے حکم پر اعتراض کیا جو کفر ہے ورنہ اگر براہ تحقیق کسی حکم کی حکمت کا سوال کیا جاوے وہ کفر نہیں ربط: تتمہ قصہ قال فاھبط تا تخرجون

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا

حق تعالیٰ نے فرمایا تو آسمان سے اتر تجھ کو کوئی حق حاصل نہیں کہ تو تکبر کرے آسمان میں رہ کر جہاں سب فرمانبردار ہی فرمانبردار جمع ہیں

فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾

سو نکل بیشک تو ذلیلوں میں شمار ہونے لگا

اور آسمان عزت والوں کے رہنے کی جگہ ہے اس لئے یہاں سے لمبا بن۔ درمنثور میں نقل کیا ہے کہ ایک بار ملائکہ سے جنات کو ان کی نافرمانی کی سزا دلائی گئی تھی چنانچہ بہت سے جنات قتل ہوئے یہ ابلیس بچہ سا تھا اس کو آسمان پر لا کر رکھا گیا اور فرشتوں کے ساتھ عبادت میں مشغول تھا اور اب آسمان سے نکلنے کا حکم ہوا اور ظاہر یہ ہے کہ یہ سب گفتگو بلاواسطہ ہوئی تھی رہا یہ کہ ابلیس کو یہ جرات کیسے ہوئی وجہ یہ ہے کہ ادھر سے عظمت وجلال کی تجلی ظاہر نہیں کی گئی ادھر شیطان میں بے حیائی اور تکبر سے جرأت پیدا ہوئی۔

قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّكَ

وہ کہنے لگا کہ مجھ کو مہلت دیجئے قیامت کے دن تک۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾

کہ تجھ کو مہلت دی گئی

بظاہر مہلت کا وہی وقت منظور کیا گیا ہے جو اس نے درخواست میں عرض کیا تھا اور دوسری آیت میں **الی یوم الوقت المعلوم** آیا ہے دونوں سے ایک ہی مراد ہے پھر شیطان کے مرنے کے وقت میں کلام ہوا ہے کعب الاحبار سے خاص یوم حشر میں اس کا مرنا منقول ہے رہا یہ اشکال کہ وہ تو زندہ ہونے کا دن ہے بعض نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ممکن ہے کہ اس کے اول حصہ میں مار کر پھر زندہ کیا جائے اور حاکم نے عبداللہ بن مسعود سے قیامت کے قریب دابۃ الارض کا اس کو قتل کرنا نقل کیا ہے اور اس آیت کو بھی اسی پر محمول کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ شیطان کی درخواست ناتمام منظور ہوئی اس نے قیامت تک مہلت مانگی تھی مگر قرب قیامت تک قبول ہوئی اور مجھ کو یہ قول بعید معلوم ہوتا ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو قرآن میں ضرور کوئی قید مذکور ہوتی جس قید کے حذف کرنے سے مقصود کے خلاف کا وہم ہو اس کا حذف کرنا خلاف مقتضی حال ہے اور اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافر کی دعا بھی گاہے مقبول ہو جاتی ہے مگر اس سے اکرام اور محبت لازم نہیں آتی کبھی غایت کرم سے دشمن کی بات بھی پوری کر دی جاتی ہے اس سے وہ دوست نہیں ہو جاتا اور **وما دعاء الکفرین الا فی ضلال** سے معلوم ہوتا ہے کہ کافروں کی دعا بے کار ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آخرت میں مقبول نہ ہوگی رہا یہ سوال کہ شیطان کو مہلت کیوں دی گئی اس کا جواب حقیقی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کا احاطہ نہیں ہو سکتا اور ظاہری حکمتیں تو ظاہر ہیں اور جاننا چاہئے کہ یہ قصہ قرآن میں کئی جگہ مختلف عبارتوں سے آیا ہے اور ظاہر ہے کہ واقعہ کسی خاص طور پر ہوا تھا پھر سب کی صحت کی کیا صورت ہے اصل یہ ہے کہ واقعہ گو خاص طور پر واقع ہوا ہو لیکن اس کی حکایت بلفظ ضروری نہیں بلکہ نفس مضمون محفوظ رہنا چاہئے لفظی تعبیر ہر مقام کے مناسب مختلف طور سے ہو سکتی ہے۔

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ

کہنے لگا بسبب اس کے کہ آپ نے مجھ کو گمراہ کیا ہے

اور یہ کہنا خود ایک گمراہی ہے۔

لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ

میں قسم کھاتا ہوں کہ میں ان کے لئے آپ کی سیدھی راہ پر بیٹھوں گا پھر ان پر

لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ

حملہ کروں گا ان کے آگے سے بھی اور ان کے پیچھے سے بھی اور ان کی داہنی

اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ

جانب سے بھی اور ان کی بائیں جانب سے بھی

یعنی ان کے بہکانے میں خوب کوشش کروں گا۔

وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾

اور آپ ان میں اکثروں کو احسان ماننے والا نہ پائیے گا

شیطان کو قرائن سے معلوم ہو گیا ہوگا

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہاں سے ذلیل و خوار ہو کر نکل

اور بہکا اس میں ہمارا کیا ضرر ہے۔

لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ

جو شخص ان میں سے تیرا کہنا مانے گا میں ضرور تم سے جہنم کو بھر دوں گا اور ہم

أَجۡمَعِيۡنَ ﴿۱۸﴾ وَيٰۤاٰدَمُ اسۡكُنۡ اَنۡتَ وَزَوۡجُكَ

نے حکم دیا کہ اے آدم تم اور تمہاری بی بی جنت میں رہو پھر جس جگہ سے چاہو

الۡجَنَّةَ فَكُلَا مِنۡ حَيۡثُ شِئۡتُمَا وَلَا تَقۡرَبَا هٰذِهِ

دونوں آدمی کھاؤ اور اس درخت کے پاس مت جاؤ کبھی ان لوگوں کے شمار

الشَّجَرَةَ فَتَكُوۡنَا مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۹﴾ فَوَسۡوَسَ

میں آجاؤ جن سے نامناسب کام ہو جایا کرتا ہے۔ پھر شیطان نے ان دونوں

لَهُمَا الشَّيۡطٰنُ لِيُبۡدِيَ لَهُمَا مَاوٗرِيَ عَنۡهُمَا

کے دل میں وسوسہ ڈالا تا کہ ان کا پردہ کا بدن جو ایک دوسرے سے پوشیدہ تھا

مِنۡ سَوۡاٰتِهِمَا

دونوں کے روبرو بے پردہ کردے

ممکن ہے کہ اس درخت کے کھانے میں یہ خاصیت ہو کہ کھانے والا بے پردہ ہو جائے یا ممانعت کی وجہ سے یہ تاثیر رکھ دی گئی ہو۔

وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنۡ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ

اور کہنے لگا تمہارے رب نے تم دونوں کو اس درخت سے اور کسی سبب سے منع نہیں فرمایا مگر

اَنۡ تَكُوۡنَا مَلَكَيۡنِ اَوۡ تَكُوۡنَا مِنَ الۡخٰلِدِيۡنَ ﴿۲۰﴾

محض اس وجہ سے کہ دونوں کہیں فرشتے ہو جاؤ یا کہیں ہمیشہ زندہ رہنے والوں سے ہو جاؤ

اور ممانعت کے وقت آپ کیلئے یہ صفات مناسب حال نہ تھے اور اب حالت میں ترقی ہو کر مناسبت پیدا ہو گئی اس لئے وہ ممانعت بھی اس وقت کے متعلق نہیں۔

وَقَاسَمَهُمَاۤ اِنِّيۡ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيۡنَ ﴿۲۱﴾

اور ان دونوں کے روبرو قسم کھائی کہ یقین جانیے میں آپ دونوں کا خیر خواہ ہوں۔

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوۡرٍ

سو ان دونوں کو فریب سے نیچے لے آیا۔

یعنی ایسی باتیں بنا بنا کر حالت اور رائے کے اعتبار سے بھی اور مکان کے اعتبار سے بھی نیچے لے آیا حتیٰ کہ آدم علیہ السلام نے اپنی رائے عالی کو چھوڑ کر اس کی پست رائے کی طرف میلان کیا اور جنت عالی سے زمین کی پستی میں اتارے گئے اور اس دھوکہ دینے کی توجیہ اور تحقیق سورہ بقرہ کے شروع میں بہت تفصیل سے ہو چکی ہے اور چونکہ وسوسہ ایک نفسانی تصرف ہے جس میں مکان کی دوری حائل نہیں ہوتی اس لئے یہ ثابت کرنے کی حاجت نہیں کہ شیطان نے بالمقابل بات کی ہو اور ان صاحبوں سے ملا ہو بلکہ ممکن ہے کہ زمین ہی پر رہ کر وسوسہ ڈالا ہو اور آدم علیہ السلام کو شیطانی وسوسہ ہونا بھی معلوم نہ ہوا ہو

فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتۡ لَهُمَا سَوۡاٰتُهُمَا وَطَفِقَا

پس ان دونوں نے جو درخت کو چکھا دونوں کا پردہ کا بدن ایک دوسرے کے

يَخۡصِفٰنِ عَلَيۡهِمَا مِنۡ وَّرَقِ الۡجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا

روبرو بے پردہ ہو گیا اور دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے جوڑ جوڑ کر رکھنے

رَبُّهُمَاۤ اَلَمۡ اَنۡهَكُمَا عَنۡ تِلۡكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلۡ

لگے اور ان کے رب نے ان کو پکارا کیا میں تم دونوں کو اس درخت سے ممانعت

لَّكُمَاۤ اِنَّ الشَّيۡطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ ﴿۲۲﴾

نہ کر چکا تھا اور یہ نہ کہہ چکا تھا کہ شیطان تمہارا صریح دشمن ہے دونوں کہنے

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمۡنَاۤ اَنۡفُسَنَا ٚ سکتہ

لگے کہ اے ہمارے رب ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا

کہ پوری احتیاط اور تامل سے کام نہ لیا

وَاِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَتَرۡحَمۡنَا لَنَكُوۡنَنَّ

اور اگر آپ ہماری مغفرت نہ کریں گے تو واقعی ہمارا بڑا

مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ﴿۲۳﴾

نقصان ہو جاوے گا

کیونکہ ترقی نہ ہونا بھی نقصان ہے یا ممکن ہے کہ تواضعاً ایسے الفاظ کہے ہوں اور اس کی تحقیق کہ آدم علیہ السلام کا یہ فعل گناہ نہ تھا اور باوجود گناہ نہ ہونے کے یہ عتاب ہوا جس پر انہوں نے توبہ کی سب سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے اور یہاں بھی ترجمہ میں غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔

قَالَ اهۡبِطُوۡا بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمۡ

حق تعالیٰ نے فرمایا کہ نیچے ایسی حالت میں جاؤ کہ تم باہم بعضے دوسرے بعضوں

فِي الۡاَرۡضِ مُسۡتَقَرٌّ

کے دشمن ہو گے اور تمہارے واسطے زمین میں رہنے کی جگہ ہے

مطلب یہ ہے کہ عادت کے طور پر اصلی جگہ رہنے کی زمین ہے اور اگر خرق عادت ہو جائے جس سے کوئی آسمان پر رہنے لگے اس کی اس آیت سے نفی نہیں ہوتی پس اس سے عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمان پر جانے اور رہنے کی نفی پر استدلال کرنا محض باطل ہے ربط : اوپر ابلیس کی گمراہی اور بنی آدم سے اس کی عداوت مذکور تھی آگے اس سے تمام کاموں میں بچنے اور احتیاط کرنے کی تاکید ہے خاص کر بعض علمی اور عملی باتوں میں جو ان آیات کے اسباب نزول ہیں۔ **قد انزلنا علیکم لباسا** یہ آیت قریش اور دیگر قبائل عرب کے بارہ میں نازل ہوئی کہ وہ گوشت نہ کھاتے تھے نیز بجز قریش کے دوسرے قبائل برہنہ طواف کرتے تھے ابن عباس سے منقول ہے کہ عورتیں برہنہ طواف کرتیں اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں **خذوا زینتکم** اور **قل من حرم زینة الله** اور بعض اہل جاہلیت ایام حج میں کھانا سدرمق کھاتے اور چکنائی چھوڑ دیتے تھے بعض مسلمانوں کو ایسا خیال ہوا اس پر **کلوا واشربوا الخ** نازل ہوا اور ان امور کے بیان کو مقام سے خاص تعلق یہ ہے کہ اوپر شیطان کی عداوت کا اثر آدم علیہ السلام کے ساتھ طعام ولباس میں معلوم ہو چکا ہے کہ وہ درخت کھلا کر باقی کھانوں سے محروم کر دیا اور لباس بھی اتروا دیا یہی اثر ان کی اولاد کے ساتھ ظاہر ہوا کہ عقائد فاسدہ میں ان کو مبتلا کر کے لباس اور طعام سے محروم کرتا ہے نیز اوپر انعامات کا ذکر ہے لباس اور طعام بھی نعمت ہیں آگے ان کا ذکر فرماتے ہیں۔ **قد انزلنا علیکم لباساً**

وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ فِیْهَا تَحْیَوْنَ

اور نفع حاصل کرنا ایک وقت تک فرمایا کہ تم کو وہاں ہی زندگی بسر کرنا

وَفِیْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾ ع

ہے اور وہاں ہی مرنا ہے اور اسی میں سے پھر پیدا ہونا ہے۔ اے اولاد

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْكُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ

آدمؑ کی ہم نے تمہارے لئے لباس پیدا کیا جو کہ تمہارے پردہ دار بدن

سَوْاٰتِكُمْ وَرِیْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ۙ ذٰلِكَ

کو بھی چھپاتا ہے اور موجب زینت بھی ہے اور تقویٰ کا لباس یہ اس

خَیْرٌ ؕ

سے بڑھ کر ہے

یعنی اس ظاہری لباس کے علاوہ ایک معنوی لباس بھی تمہارے لئے تجویز کیا ہے وہ تقویٰ ہے یہ ظاہری لباس سے بھی زیادہ ضروری ہے کیونکہ ظاہری لباس کا بھی شرعاً ضروری ہونا اسی تقویٰ کی فرع ہے پس اصل مقصود جو ہر حال میں ضروری ہے وہ یہ لباس ہے۔

ذٰلِكَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾

یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ یہ لوگ یاد رکھیں۔ اے اولاد آدمؑ کی

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّكُمُ الشَّیْطٰنُ

شیطان تم کو کسی خرابی میں نہ ڈال دے۔

یعنی جب تم کو تقویٰ کا واجب ہونا اور اس سے پہلے شیطان کا دشمن ہونا معلوم ہو چکا ہے تو اس بات کا ذرا خیال رکھنا کہ شیطان تم سے تقویٰ اور دین کے خلاف کوئی کام نہ کراوے۔

كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَیْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ یَنْزِعُ عَنْهُمَا

جیسا کہ اس نے تمہارے دادا دادی کو جنت سے باہر کرا دیا ایسی حالت سے

لِبَاسَهُمَا لِیُرِیَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ یَرٰىكُمْ

کہ ان کا لباس بھی ان سے اتروا دیا تا کہ ان کو ان کا پردہ کا بدن دکھلائی دینے

هُوَ وَقَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ

لگے وہ اور اس کا لشکر تم کو ایسے طور پر دیکھتا ہے کہ تم ان کو عادۃً نہیں دیکھتے ہو

اور ظاہر ہے کہ ایسے دشمن سے پھر دشمن بھی قدیم بہت ہی بچنا چاہئے اور بچنے کا طریقہ یہی ہے کہ تقویٰ اور ایمان کامل اختیار کر لو ترجمہ میں اس جگہ عادۃً کا لفظ بڑھانے سے معلوم ہو گیا کہ مطلب یہ ہے کہ انسان کا جنات کو دیکھنا عام عادت کے خلاف ہے باقی قطعی طور پر دیکھنے کی نفی نہیں ہے پس بعض اوقات انبیاء علیہم السلام یا انبیاء کے سوا دوسرے خواص یا عوام کا جنات کو دیکھ لینا اس آیت کے خلاف نہیں۔

اِنَّا جَعَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ لِلَّذِیْنَ لَا

ہم شیطانوں کو انہیں لوگوں کا رفیق ہونے دیتے ہیں جو ایمان

یُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾

نہیں لاتے

اگر بالکل ایمان نہیں ہے تو کامل رفاقت اور قدرت ہوتی ہے اور پورا ایمان کامل نہیں ہے تو ناتمام رفاقت اور قدرت ہوتی ہے اور مومن

کامل پر اس کا اصلاً قابو نہیں چلتا انه لیس لک سلطٰن علی الذین آمنوا و علی ربهم یتو کلون جو لوگ خدا پر (کامل) ایمان اور بھروسہ رکھتے ہیں ان پر شیطان کا قابو نہیں چلتا۔

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ

اور وہ لوگ جب کوئی فحش کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے

اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ

باپ دادا کو اسی طریق پر پایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی ہم کو یہی بتلایا ہے

اور ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا قابو چلے گا کہ شرک اور کفر میں مبتلا کر رکھا ہے کہ عقائد میں یہ اعلیٰ درجہ کی بے حیائی ہے اور اعمال میں ننگے طواف کرنا پوری بے شرمی ہے آگے جواب کی تعلیم ہے۔

قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ

آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ فحش بات کی تعلیم نہیں دیتا۔ کیا خدا کے ذمے ایسی

عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾

بات لگاتے ہو جس کی تم سند نہیں رکھتے

اس سے ان کی بات کا جواب نکل آیا کیونکہ کسی کو تقلید اس مسئلہ میں جائز ہے جس میں شرعی سند اور اجازت تقلید کے لئے ہو اور اس کے لئے سب شرائط کا پایا جانا ضروری ہے ایک شرط یہ ہے کہ وہ مسئلہ نص قطعی کے خلاف نہ ہو اور یہاں خود حکم قطعی کی مخالفت کی وجہ سے شرائط معدوم ہیں اللہ تعالیٰ ہرگز ایسی باتوں کی اجازت نہیں دیتے پس ایسی تقلید سے حجت پکڑنا خود باطل ہے۔

قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ

آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب نے حکم دیا ہے

یعنی جن باتوں کو تم خدا کی طرف منسوب کرتے ہو وہ تو غلط ٹھہریں اب وہ باتیں سنو جن کا حکم کرنا واقعی خدا تعالیٰ کی طرف منسوب ہے وہ تو ایسی اچھی اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں مثلاً (ترجمہ دیکھو)

بِالْقِسْطِ ۗ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ

انصاف کرنے کا اور یہ کہ تم ہر سجدہ کے وقت اپنا رخ

كُلِّ مَسْجِدٍ

سیدھا رکھا کرو

یعنی ہر عبادت کے وقت اپنے دل کو اللہ کی طرف جھکاؤ بت وغیرہ کو سجدہ اور ان کی کوئی عبادت مت کرو۔

وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۬ؕ

اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طور پر کرو کہ اس عبادت کو خالص اللہ ہی کے واسطے رکھا کرو

یعنی شرک کا عقیدہ مت رکھو ان احکام میں سب اصول شریعت آ گئے انصاف میں حقوق العباد اور رخ سیدھا کرنے میں تمام اعمال وطاعت اور خالص رکھنے میں تمام عقائد غرض اللہ تعالیٰ کے تو یہ احکام ہیں ان کو مانو کیونکہ صرف حکم دے کر تم کو نہیں چھوڑ دیا جائے گا بلکہ ایک وقت حساب و کتاب کا بھی آنے والا ہے یعنی قیامت

كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾ ؕ

تم کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح پیدا کیا تھا اسی طرح پھر تم دوبارہ پیدا ہو گے

قدرت خداوندی پر نظر کرتے ہوئے اس کو مستبعد سمجھنا لغو ہے جب دوبارہ پیدا ہو گے اس وقت جزا و سزا ملے گی آگے اس کی تفصیل بتلاتے ہیں۔

فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ

بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی اور بعض پر گمراہی کا ثبوت ہو چکا ہے

غرض ہر ایک کو وقت پر مناسب جزا و سزا ملے گی آگے ان لوگوں کے گمراہ ہونے کی وجہ بتلاتے ہیں۔ آ

اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ

ان لوگوں نے شیطانوں کو رفیق بنا لیا اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر

دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۰﴾

اور خیال رکھتے ہیں کہ وہ راہ پر ہیں

راہ راست پر ہونے کا خیال یا تو اس لئے ہے کہ بزعم خود اپنے دین کو حق سمجھتے ہیں یا حق تو نہیں سمجھتے مگر کسی مصلحت کی وجہ سے باطل پر جمے ہوئے ہیں اور اپنے نزدیک اس مصلحت کی رعایت کو ضروری سمجھ کر باوجود باطل پر ہونے کے اپنے کو راہ پر سمجھتے ہیں۔ صورت اول میں اگر کسی کو شبہ ہو کہ جب ایک شخص واقع میں اپنے کو حق سمجھتا ہے اگرچہ غلطی ہی پر ہو اس پر کیا الزام وہ تو معذور ہونا چاہئے کیونکہ اس کو اپنی غلطی کی اطلاع ہی نہیں جواب یہ ہے کہ معذور اس لئے نہیں کہ باوجود دلائل صحیحہ قویہ قائم ہونے کے اس نے تامل کیوں نہیں کیا کیونکہ ایسے دلائل سے طبعاً اضطراری طور پر

جانب مخالف کا تردد اور احتمال پیدا ہو جاتا ہے اور آیت میں جن لوگوں کی مذمت ہے وہ ایسے ہی تھے بلکہ اکثر تو اپنے طریقہ کو باطل سمجھنے والے تھے اس پر اگر یہ شبہ ہو کہ جب وہ حق کو حق اور باطل کو باطل سمجھتا ہے تو مومن ہونا چاہئے پھر اس کو کفار میں کیوں شمار کیا گیا اس کا جواب یہ ہے کہ جیسے دل سے تکذیب کرنا کفر ہے اسی طرح زبان سے تکذیب اور برتاؤ سے انبیاء کی مخالفت وعداوت کرنا بھی کفر ہے البتہ جو شخص طلب حق میں اپنی پوری کوشش خرچ کر چکا ہو اور پھر بھی اس کی نظر صحیح راستہ پر نہ پہنچی ہو اس کی نسبت بعض علماء کی نرم رائے ہے مگر اسلم یہ ہے کہ خدا کے حوالہ کیا جائے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ

اے اولاد آدمؑ کی تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو

مسجد کی حاضری کی قید اتفاقی ہے کیونکہ وہ لوگ طواف وغیرہ ہی کے وقت برہنہ ہوا کرتے تھے نیز اس وقت میں لباس پہننا زیادہ موکد ہے اور یوں تو ہر وقت ستر کا چھپانا واجب ہے آگے بتلاتے ہیں کہ اسی طرح کھانے پینے کی حلال چیزوں کو حرام سمجھ کر چھوڑ دینا جیسا کہ مشرکین کرتے تھے یہ بھی شیطانی گمراہی ہے اس سے بھی باز آؤ۔

وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ

اور خوب کھاؤ اور پیو اور حد سے مت نکلو۔ بیشک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے حد سے نکل جانے

الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ

والوں کو۔ آپ فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے کپڑوں کو جن کو اس نے اپنے

اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ

بندوں کے واسطے بنایا ہے اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو کس شخص نے حرام کیا ہے

یعنی حرمت کے لئے حرام کرنے والے کی ضرورت ہے وہ بجز خدا کے کون ہے اب اس جگہ کفار کو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ ہم بھی اللہ کے محبوب و مقبول ہیں کہ ہمارے لئے ایسی چیزیں پیدا کیں اس لئے اس وہم کو آگے دفع کرتے ہیں۔

قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

آپ کہہ دیجئے کہ یہ اشیاء اس طور پر کہ قیامت کے روز بھی خالص رہیں دنیوی

خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ

زندگی میں خاص اہل ایمان ہی کیلئے ہیں

یعنی فقط استعمال کی اجازت مقبول ہونے کی دلیل نہیں ہاں جس استعمال کے بعد کوئی وبال نہ ہو وہ البتہ مقبولیت کی دلیل ہے سو ایسا استعمال خاص اہل ایمان کا حصہ ہے بخلاف کفار کے کہ یہاں گو تنعم میں ہیں مگر چونکہ ان نعمتوں کا حق ادا نہیں کیا بلکہ کفر وشرک میں مبتلا رہے اس لئے وہاں یہ نعمتیں ان کے لئے وبال جان بن جائیں گی اور سب کھایا پیا ناک کی راہ نکل جاوے گا۔

كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾

ہم اسی طرح تمام آیات کو سمجھداروں کے واسطے صاف صاف بیان کیا کرتے

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا

ہیں۔ آپ فرمایئے کہ البتہ میرے رب نے حرام کیا ہے تمام فحش باتوں کو ان

وَمَا بَطَنَ

میں جو علانیہ ہیں وہ بھی اور ان میں جو پوشیدہ ہیں وہ بھی

یعنی جن چیزوں کو تم نے بلا دلیل حرام اعتقاد کر کے چھوڑ رکھا ہے اور بعض اوقات ان کی حرمت کو خدا کی طرف منسوب کرتے ہو ان کو تو اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں کیا خدا نے تو ان چیزوں کو حرام کیا ہے جن میں تم اکثر مبتلا ہو علانیہ گناہ جیسے برہنہ طواف کرنا اور پوشیدہ جیسی بدکاری وغیرہ

وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا

اور ہر گناہ کی بات کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو اور اس بات کو کہ تم اللہ تعالیٰ کے

بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا

ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کی اللہ تعالیٰ نے کوئی سند نازل نہیں فرمائی

نہ کلی طور پر نہ جزئی طور پر پس اس میں تمام دلائل شرعیہ داخل ہو گئیں کیونکہ نازل شدہ نصوص سے ان کا بھی معتبر ہونا معلوم ہو چکا ہے۔

وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور اس بات کو کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایسی بات لگا دو جس کی تم سند نہ رکھو

یعنی جو واقع میں حلال ہیں ان کو تو تم نے حرام سمجھا اور جو واقع میں حرام ہیں ان کو حلال سمجھا عجب جہل میں گرفتار ہو اور جس طرح قل امر ربی بالقسط میں

تمام مامورات داخل تھے اسی طرح یہاں انما حرم میں تمام ممنوعات داخل ہیں ناحق ظلم میں سب معاملات آ گئے اور شرک اور بے سند باتوں میں تمام عقائد فاسدہ اور گناہ میں تمام اعمال ومعاصی آ گئے جن میں سے بے حیائی کے گناہوں کو خاص طور پر اہتمام کے لئے ذکر کردیا گیا۔ ربط: اوپر عقائد واعمال میں ابلیس کی اتباع و موافقت واحکام الٰہیہ کی مخالفت سے منع کیا گیا تھا آگے بتلاتے ہیں کہ اس مضمون کا خطاب تم کو جدید نہیں بلکہ عالم ارواح میں یہ عہد لے لیا گیا تھا اور وعدہ وعید سنا دیئے گئے تھے اور اس میں رسالت ومعاد کا اثبات بھی ہوگیا۔ یبنی ادم تا تخلدون

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۚ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا

اور ہر گروہ کے لئے ایک میعاد معین ہے سو جس وقت ان کی میعاد معین آ جاوے

يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٣٤﴾

گی اس وقت ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے۔

ہم نے عالم ارواح ہی میں کہہ دیا تھا (آگے ترجمہ) ربط: اوپر عہد مذکور میں جنت دوزخ کا اجمالاً بیان تھا آگے کسی قدر مفصل ذکر ہے اول دوزخ والوں کا پھر جنت والوں کا۔

يَا بَنِي آدَمَ إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ يَقُصُّونَ

اے اولاد آدم کی اگر تمہارے پاس پیغمبر آویں جو تم ہی میں سے ہونگے جو

عَلَيْكُمْ آيَاتِي ۙ فَمَنِ اتَّقَىٰ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ

میرے احکام تم سے بیان کریں گے سو جو شخص پرہیز رکھے اور درستی کرے سو

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٣٥﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا

ان لوگوں پر نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اور جو لوگ ہمارے

بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ

ان احکام کو جھوٹا بتلادیں گے اور ان سے تکبر کریں گے وہ لوگ دوزخ والے

هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٣٦﴾ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ

ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ سو اس شخص سے زیادہ ظالم کون

افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۚ

ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیتوں کو جھوٹا بتلادے

فمن اظلم تا بما کنتم تعملون یعنی جو بات خدا نے کہی نہ ہو اس کو تو خدا کی طرف منسوب کرے اور جو خدا نے کہی ہو اس کو بے کہی بتلائے پس جب تکذیب کرنے والوں کا سخت وعید کا مستحق ہونا معلوم ہوگیا اب تفصیل سنو

أُولَٰئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيبُهُمْ مِنَ الْكِتَابِ ۖ

ان لوگوں کے نصیب کا جو کچھ ہے وہ ان کو مل جاوے گا

لیکن آخرت میں مصیبت ہی مصیبت ہے آگے ان کی موت کی حالت بتلاتے ہیں کہ عالم برزخ میں قیامت سے پہلے ہی ان کو مصیبت کا سامنا ہوگا۔

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ

یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کی جان قبض کرنے

قَالُوا أَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ

آویں گے تو کہیں گے کہ وہ کہاں گئے جن کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کیا کرتے تھے

اب اس مصیبت میں کیوں نہیں کام آتے۔

قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا وَشَهِدُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ

وہ کہیں گے کہ ہم سے سب غائب ہو گئے اور اپنے کافر ہونے کا

أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ ﴿٣٧﴾

اقرار کرنے لگیں گے

لیکن اس وقت کا اقرار بے کار ہے اور بعض آیات میں ایسے ہی سوال وجواب کا قیامت میں ہونا بھی مذکور ہے سو دونوں موقعوں پر ہونا ممکن ہے آگے ان کا قیامت کا حال بتلاتے ہیں۔

قَالَ ادْخُلُوا فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ

اللہ تعالیٰ فرماوے گا کہ جو فرقے تم سب سے پہلے گزر چکے ہیں جنات میں

مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ فِي النَّارِ ۖ

سے بھی اور آدمیوں میں بھی ان کے ساتھ تم بھی دوزخ میں جاؤ

چنانچہ آگے پیچھے سب کفار اس میں داخل ہوں گے آگے داخلہ کی کیفیت بتلاتے ہیں۔

كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ

جس وقت بھی کوئی (کفار کی) جماعت داخل (دوزخ) ہوگی اپنی جیسی دوسری جماعت کو

جو ان ہی جیسے کافر ہوں گے اور ان سے پہلے دوزخ میں جاچکے ہوں گے۔

لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ

لعنت کرے گی

یعنی باہم ہمدردی نہ ہوگی بلکہ ہر شخص دوسرے کو بری نظر سے دیکھے گا اور برا کہے گا کیونکہ سب حقائق اس وقت منکشف ہو چکے ہوں گے۔

حَتّٰۤى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا

یہاں تک کہ جب اس میں سب جمع ہو جاویں گے تو پچھلے لوگ

جو بعد میں داخل ہوئے ہوں گے اور کفر میں دوسروں کے تابع ہوئے تھے

جَمِيْعًا ۙ

پہلے لوگوں کی نسبت

یعنی ان لوگوں کی نسبت جو بوجہ پیشوائے کفر ہونے کے دوزخ میں پہلے داخل ہو چکے ہوں گے۔

قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ

کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ان لوگوں نے

اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ

گمراہ کیا تھا سو ان کو دوزخ کا عذاب (ہم سے) دوگنا دیجئے۔ اللہ تعالیٰ

قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ

فرماویں گے کہ سب ہی کا دوگنا ہے

یعنی ان کو دوگنا ہونے سے تم کو کونسی تسلی اور راحت ہو جائے گی بلکہ تمہارا عذاب بھی آناً فاناً بڑھتا جائے گا اس لئے وہ ان کے دوگنے جیسا ہو گیا ابھی تو عذاب کی ابتدا ہی ہے بڑھنے کو نہیں دیکھا اسی لئے ایسی باتیں بنا رہے ہو جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوسرے کو دوگنا عذاب ہونا تمہاری تسلی اور غصہ بجھنے کا سبب ہو سکتا ہے تھوڑی دیر میں سب باتیں بھول جاؤ گے۔

وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ

لیکن (ابھی) تم کو (پوری) خبر نہیں۔ وہ پہلے لوگ پچھلے لوگوں سے

لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ

کہیں گے کہ بس پھر تم کو ہم پر کوئی فوقیت نہیں

یعنی حق تعالیٰ کے اس جواب کو سن کر وہ پہلے داخل ہونے والے بولیں گے کہ جب سزا کی یہ حالت ہے کہ آناً فاناً بڑھتی جائے گی تو تخفیف عذاب میں تم کو ہمارے اوپر کچھ فضیلت نہیں تخفیف نہ ہم کو نہ تم کو چپکے بیٹھے رہو۔

فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾ ع

سو تم بھی اپنے کردار کے مقابلہ میں عذاب کا مزہ چکھتے رہو

یہ تو کفار کے جہنم میں جانے کی حالت ہوئی اب جنت سے محرومی کی کیفیت سنو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا

جو لوگ ہماری آیتوں کو جھوٹا بتلاتے ہیں اور ان (کے ماننے) سے تکبر کرتے

عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ

ہیں ان کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے

یعنی ان کی روحیں آسمانوں میں نہ چڑھ سکیں گی یہ تو حالت مرنے کے بعد عالم برزخ میں ہوگی آگے قیامت کا حال سنو

وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ

اور وہ لوگ کبھی جنت میں نہ جائیں گے جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے

فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ

کے اندر سے نہ چلا جاوے

اور یہ محال ہے پس ایسے ہی ان کا جنت میں جانا بھی محال ہے۔

وَكَذٰلِكَ

اور ہم مجرم لوگوں کو

یعنی ہم کو ان سے کوئی عداوت نہ تھی جیسا کیا ویسا بھگتا نہ جرائم کا ارتکاب کرتے نہ یہ سزا بھگتنا پڑتی۔

نَجْزِى الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ

ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ ان کے لئے آتش دوزخ کا

مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ

بچھونا ہو گا اور ان کے اوپر اسی کا اوڑھنا ہو گا

غرض وہ آگ چہار طرف سے ان کو محیط ہوگی کہ کسی طرف سے ان کو راحت نہ ملے۔

وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿٤١﴾ وَالَّذِيْنَ

ہم ایسے ظالموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں اور جو لوگ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا

ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ہم کسی شخص کو اس کی قدرت سے

وُسْعَهَآ ز

زیادہ کوئی کام نہیں بتلاتے

یہ کلام بطور جملہ معترضہ کے ہے جس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ نیک کام چنداں مشکل بھی نہیں کیونکہ ہماری عادت ہے کہ وسعت سے زیادہ کسی پر بار نہیں ڈالتے۔

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٤٢﴾

ایسے لوگ جنت والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ

اور جو کچھ ان کے دلوں میں غبار تھا ہم اس کو دور کردیں گے

یعنی دوزخ والوں جیسا حال نہ ہوگا کہ وہاں بھی لعنت و پھٹکار اور بغض و عداوت ہی رہے بلکہ ان کے برعکس جنت والوں کی یہ کیفیت ہوگی کہ اگر کسی معاملہ میں طبعی اقتضا کی وجہ سے دنیا میں کچھ رنج و غبار ہوگیا ہوگا وہاں سب نکل جائے گا اور باہم خوب الفت سے رہیں گے

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ج وَقَالُوا الْحَمْدُ

ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ لوگ کہیں گے کہ اللہ کا لاکھ لاکھ

لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا قف وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ

احسان ہے جس نے ہم کو اس مقام تک پہنچایا اور ہماری کبھی رسائی نہ ہوتی

لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ج

اگر اللہ تعالیٰ ہم کو نہ پہنچاتے

پہنچانے میں یہ بھی آ گیا کہ وہاں تک پہنچنے کا جو طریقہ تھا وہ بتلا دیا یعنی ایمان اور اعمال صالحہ اور ان پر چلنے کی ہم کو توفیق دی۔

لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ط

واقعی ہمارے رب کے پیغمبر سچی باتیں لے کر آئے تھے

چنانچہ انہوں نے جن اعمال پر جنت کا وعدہ کیا تھا وہ سچا ثابت ہوا

وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا

اور ان سے پکار کر کہا جاوے گا کہ یہ جنت تم کو دی گئی ہے

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٤٣﴾

تمہارے اعمال کے بدلے

اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اعمال جنت میں داخل ہونے کا سبب ہیں اور حدیث میں آیا ہے کہ اعمال کے سبب کوئی جنت میں نہ جائے گا بلکہ رحمت الٰہی کی وجہ سے جائیں گے۔ اصل یہ ہے کہ آیت میں ظاہری سبب مراد ہے اور اعمال ظاہری سبب تو جنت میں جانے کا ہے اور حدیث میں حقیقی سبب مراد ہے اور بلاشبہ اعمال جنت میں جانے کا حقیقی سبب نہیں بلکہ حقیقی سبب محض رحمت الٰہی ہے پس کوئی تعارض نہ رہا اور یہ نداء کرنے والا ایک فرشتہ ہوگا جیسا کہ حدیث میں ہے **فیذھب الملک فیقول سلم علیکم تلک الجنة اور ثتموھا بما کنتم تعملون** کہ فرشتہ جا کر جنتیوں سے کہے گا کہ السلام علیکم تم اپنے اعمال صالحہ کے سبب اس جنت کے وارث بنائے گئے **ربط:** اوپر اہل جنت و اہل نار کی جزا و سزا کی تفصیل تھی آگے بطور تتمہ کے ان میں جو باہم بات چیت ہوگی اس کا بیان ہے اور ان کے ساتھ اہل اعراف کی بھی کچھ باتیں اور حالات مذکور ہیں جن کی حالت ابتداء بین بین ہوگی۔

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ

اور اہل جنت اہل دوزخ کو پکاریں گے کہ ہم سے جو ہمارے رب نے وعدہ فرمایا تھا

ونادٰی اصحب الجنة تا کانوا یجحدون کہ ایمان و اعمال صالح اختیار کرنے سے جنت دیں گے

وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ

ہم نے تو اس کو واقع کے مطابق پایا۔ سو تم نے جو تمہارے رب نے وعدہ کیا

مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ط

تھا تم نے بھی اس کو مطابق واقع کے پایا

یعنی تم سے جو کہا گیا کہ کفر کے سبب دوزخ میں پڑو گے اب تو اللہ و رسول کے سچے ہونے کی اور اپنی گمراہی کی حقیقت معلوم ہوئی ہوگی اور اہل جنت کا یہ

پکارنا اپنی حالت پر خوشی ظاہر کرنے اور ان کی حسرت بڑھانے کو ہوگا۔

قَالُوْا نَعَمْ ج

وہ کہیں گے ہاں

یعنی واقعی اللہ ورسول کی سب باتیں ٹھیک نکلیں۔

فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌ بَیْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی

پھر ایک پکارنے والا دونوں کے درمیان میں پکارے گا کہ اللہ تعالیٰ کی مار ہو

الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۴﴾ الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ

ان ظالموں پر جو اللہ کی راہ سے اعراض کیا کرتے تھے

سَبِیْلِ اللّٰهِ وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ج وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ

اور اس میں کجی تلاش کرتے رہتے تھے اور وہ لوگ آخرت کے

كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾

بھی منکر تھے

جس کا نتیجہ آج بھگت رہے ہیں یہ کلام تو اہل جنت کا اور ان کی تائید میں اس سرکاری منادی کا مذکور ہوا آگے اعراف والوں کا ذکر ہے۔

وَبَیْنَهُمَا حِجَابٌ ج

اور ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہوگی

یعنی ایک دیوار ہوگی جس کا ذکر ایک آیۃ میں سورہ حدید کی ہے بسور له باب اس دیوار کا خاصہ یہ ہوگا کہ جنت کا اثر دوزخ تک اور دوزخ کا اثر جنت تک نہ جانے دے گی رہا یہ کہ پھر گفتگو کیونکر ہوئی سو ممکن ہے کہ اس دیوار میں جو دروازہ ہوگا اس میں سے یہ گفتگو ہو یا ویسے ہی آواز پہنچ جائے اور اس دیوار کا یا اس کے بالائی حصہ کا نام اعراف ہے اس پر سے جنتی اور دوزخی سب نظر آویں گے۔

وَعَلَی الْاَعْرَافِ رِجَالٌ یَّعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِیْمٰهُمْ ج

اور اعراف کے اوپر بہت سے آدمی ہونگے وہ لوگ ہر ایک کو ان کے قیافہ

وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ قف

سے پہچانیں گے اور اہل جنت کو پکار کر کہیں گے السلام علیکم ابھی یہ اہل اعراف

لَمْ یَدْخُلُوْهَا وَهُمْ یَطْمَعُوْنَ ﴿۴۶﴾

جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے اور اس کے امیدوار ہوں گے۔

چنانچہ حدیثوں میں آیا ہے کہ ان کی امید پوری کردی جائے گی اور جنت میں جانے کا حکم ہو جائے گا نیز جب وہ گنہگار جن کے گناہ نیکیوں سے زیادہ ہوں گے جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کئے جائیں گے تو اہل اعراف جن کے سیئات وحسنات برابر ہوں گے بدرجہ اولیٰ جنت میں جانے چاہئیں دلالۃ النص بھی اس کو مقتضی ہے۔

وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ لا

اور جب ان کی نگاہیں اہل دوزخ کی طرف جا پڑیں گی

جو کہ کافر ہوں گے اور کافروں کی تخصیص غالباً اس لئے کی گئی کہ ابھی تک دوزخ میں گنہگار مسلمان بھی ہوں گے قرینہ اس کا یہ ہے کہ جب اہل اعراف ہنوز جنت کی امید ہی میں ہیں اس میں داخل نہیں ہوئے تو گنہگار مسلمان جن کے گناہ اہل اعراف کے گناہوں سے زیادہ ہیں اور اس لئے وہ دوزخ بھیجے گئے بدرجہ اولیٰ دوزخ سے ابھی نہ نکلے ہوں گے اس لئے یہ قید بڑھائی گئی کہ بہت سے آدمیوں کو (یعنی کافروں کو) پکاریں گے کیونکہ اس گفتگو کے مخاطب گنہگار مسلمان نہ ہوں گے۔

قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۷﴾ ع

تو کہیں گے اے ہمارے رب ہم کو ان ظالم لوگوں کے ساتھ شامل نہ کیجئے

وَنَادٰۤی اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا یَّعْرِفُوْنَهُمْ

اور اہل اعراف بہت سے آدمیوں کو جن کو کہ ان کے قیافہ سے پہچانیں گے

کیونکہ کافروں کے چہرہ پر ظلمت وکدورت ہوگی چنانچہ دنیا میں بھی اہل بصیرت صورت دیکھ کر مسلمان وکافر کا امتیاز کر لیتے ہیں گو شکل ولباس وغیرہ میں کیسے ہی مشابہ ہوں اور آخرت میں تو کافر ومسلم میں نمایاں فرق ظاہر ہوگا جس کو ہر شخص پہچان لے گا۔

بِسِیْمٰهُمْ قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰی عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا

پکاریں گے کہیں گے تمہاری جماعت اور تمہارا

كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

اپنے کو بڑا سمجھنا تمہارے کچھ کام نہ آیا

تم اسی تکبر کی وجہ سے مسلمانوں کو حقیر سمجھ کر یہ بھی کہا کرتے تھے کہ یہ بے چارے خدا کے فضل وکرم کے کیا مستحق ہوتے: اھؤلاء من

اللہ علیھم من بیننا تو ان مسلمانوں کو اب تو دیکھو۔

أَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ

کیا یہ وہی ہیں جن کی نسبت تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ ان پر

بِرَحْمَةٍ ط اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ

اللہ تعالیٰ رحمت نہ کرے گا۔ ان کو یوں حکم ہوگیا کہ جاؤ جنت میں تم پر نہ کچھ

اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾

اندیشہ ہے اور نہ تم مغموم ہوگے

تو ان پر تو اتنی بڑی رحمت ہوئی اور یہ جو گفتگو باہمی ہوگی اس میں دو احتمال ہیں یا تو کیف ما اتفق بعض کی بعض سے ہو یا خاص جان پہچان والوں سے ہو۔

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا

اور دوزخ والے جنت والوں کو پکاریں گے کہ ہمارے اوپر تھوڑا پانی ہی ڈال

عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ط

دو یا اور ہی کچھ دے دو جو اللہ تعالیٰ نے تم کو دے رکھا ہے

کیونکہ ہم بھوک اور پیاس اور سخت گرمی کے مارے بے دم ہوئے جاتے ہیں خدا کے واسطے کچھ دے دو شاید کسی قدر تسکین ہو جائے اور اس گفتگو سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ امید کر کے مانگیں گے بلکہ غائت اضطراب میں بعید از توقع باتیں بھی منہ سے نکلا کرتی ہیں۔

قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾

جنت والے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں چیزوں کی کافروں کے لئے

الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ

بندش کر رکھی ہے۔ جنہوں نے دنیا میں اپنے دین کو لہو ولعب بنا رکھا تھا اور جن

الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ج

کو دنیوی زندگانی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا

اس لئے دین کی کچھ پرواہ ہی نہ کی اور یہ تو دار الجزاء ہے جب دین ہی نہیں تو اس کا ثمرہ کہاں نصیب ہو آگے حق تعالیٰ اہل جنت کے اس جواب کی تصدیق فرماتے ہیں۔

ربط: اوپر جزا و سزا کی تفصیل تھی آگے یہ فرماتے ہیں کہ اس واشگاف بیان کا اور نیز دیگر مضامین قرآنیہ کا تو یہ مقتضیٰ تھا کہ کفر و مخالفت سے باز آ

جاتے لیکن کفار و معاندین کی قساوت اس درجہ بڑھی ہے کہ عذاب آنے سے پہلے نہ مانیں گے مگر اس وقت ماننا کام نہ آئے گا۔

فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ

سو ہم بھی آج کے روز ان کا نام نہ لیں گے جیسا انہوں نے اس دن کا نام تک نہ لیا۔

هٰذَا لا وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾

اور جیسا یہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے۔ اور ہم نے ان لوگوں کے پاس ایک

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى

ایسی کتاب پہنچادی ہے، جس کو ہم نے اپنے علم کامل سے بہت ہی واضح کر کے

عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾

بیان کر دیا ہے ذریعہ ہدایت اور رحمت ان لوگوں کے لئے جو ایمان لے آتے ہیں

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ط

ان لوگوں کو اور کسی بات کا انتظار نہیں صرف اس کے اخیر نتیجہ کا انتظار ہے

یعنی یہ لوگ جو باوجود اتمام حجت کے ایمان نہیں لاتے تو ان کی حالت سے ایسا مترشح ہوتا ہے کہ گویا خود عذاب کا واقع ہو جانا چاہتے ہیں۔

يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ

جس روز اس کا اخیر نتیجہ پیش آوے گا اس روز جو لوگ اس کو پہلے سے بھولے ہوئے

مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ج

تھے یوں کہنے لگیں گے کہ واقعی ہمارے رب کے پیغمبر سچی سچی باتیں لائے تھے۔

مگر ہم سے حماقت ہوئی کہ باوجود دلائل دیکھ لینے کے بھی ان کو جھٹلاتے رہے۔

فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ

سو اب کیا کوئی ہمارا سفارشی ہے کہ وہ ہماری سفارش کر دے یا کیا ہم پھر

فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ط قَدْ خَسِرُوْٓا

واپس بھیجے جاسکتے ہیں تا کہ ہم لوگ ان اعمال کے جن کو ہم کیا کرتے

اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ع

تھے برخلاف دوسرے اعمال کریں بیشک ان لوگوں نے اپنے کو خسارہ

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ

میں ڈال دیا اور یہ جو جو باتیں تراشتے تھے۔ سب گم ہو گیا بیشک تمہارا

وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى

رب اللہ ہی ہے جس نے سب آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا

الْعَرْشِ ۚ قف

پھر عرش پر قائم ہوا۔

ربط: اوپر چند باتیں مذکور تھیں ایک تو معاد کی تفصیل تھی چونکہ مشرکین دوبارہ زندہ ہونے کو دشوار سمجھتے تھے اس لئے آگے اپنی قدرت اور کامل تصرف کو بیان کرتے ہیں جو آسمان وزمین کی پیدائش کے بیان سے شروع ہو کر بارش کے ذکر پر ختم ہوا چونکہ بارش سے مردہ زمین کو حیات حاصل ہوتی ہے اس لئے کذلک نخرج الموتیٰ سے صراحۃً معاد کا امکان ثابت کیا کہ اسی طرح ہم مردوں کو زندہ کر دیں گے دوسرے اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ بت وغیرہ وہاں کام نہ آئیں گے اس سے شرک کا ابطال ہو چکا تھا اس مناسبت سے آگے توحید کا بیان فرمایا تیسرے اوپر بیان کیا تھا کہ قرآن سے صرف مومنین ہی منتفع ہوتے ہیں اگرچہ اس کا خطاب عام ہے آگے والبلد الطیب میں اس کی مثال بیان فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے۔

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

ان ربکم اللہ تا یشکرون یعنی تخت شاہی پر قائم ہو کر زمین و آسمان میں احکام جاری کرنے لگا (اگرچہ اسوی علی العرش کی تفسیر میں موافق مذاق سلف کے اسلم یہ ہے کہ سکوت کیا جائے اور یہی ہمارا بھی مذاق ہے مگر جب متاخرین نے تاویل کا دروازہ کھول دیا تو یہ تاویل جو اس جگہ کی گئی ہے نہایت لطیف ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ محاورات میں تخت نشین ہونا اجراء احکام و تدبیر وانتظام کرنے کے معنے میں بولا جاتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں بادشاہ کے بعد فلاں شخص تخت نشین ہوا چاہے اس کو تخت پر بیٹھنے کی نوبت بھی نہ آئی ہو مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس کے بعد وہ حاکم ہوا اس نے انتظام سلطنت اپنے ہاتھ میں لیا یہی محاورہ قرآن میں استعمال کیا گیا ہے۔ جس سے مراد صرف یہی ہے کہ خدا تعالیٰ آسمان وزمین وغیرہ پیدا کرنے کے بعد ان میں احکام جاری کرنے لگے اور تدبیر وانتظام کرنے لگے چنانچہ ایک آیت میں استویٰ علی العرش کے بعد یہ یدبر الامر بھی موجود ہے۔ جس کو استویٰ علی العرش کی تفسیر کہا جاوے تو اس تاویل کی اس سے تائید ہو جاتی ہے اور اگر اس جگہ بھی استویٰ علی العرش کے بعد یغشی اللیل النہار میں تدبیر وانتظام کا ذکر ہے اب یہ اشکال نہیں ہو سکتا کہ خدا تعالیٰ تو تخت پر بیٹھنے سے پاک ہے اور استوی علی العرش سے اس کا شبہ ہوتا ہے جواب یہ ہوا کہ استویٰ علی العرش موافق محاورات کے بولا گیا ہے۔ جس سے تدبیر وانتظام کرنا مراد ہے کہ یہی معنے تخت نشینی کے لفظ سے عرفاً سمجھے جاتے ہیں پس متاخرین نے جہاں اور تاویلیں کی ہیں وہاں اس کو بھی جگہ دے دو کہ انشاء اللہ یہ سب سے لطیف تاویل ہے۔

يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا ۙ

چھپا دیتا شب سے دن کو ایسے طور پر کہ وہ شب اس دن کو جلدی سے آ لیتی ہے

یعنی دن آناً فاناً گزرتا معلوم ہوتا ہے حتیٰ کہ دفعۃً رات آ جاتی ہے۔

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ

اور سورج اور چاند اور دوسرے ستاروں کو پیدا کیا ایسے طور پر کہ سب اس کے حکم

بِأَمْرِهِ ۗ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ۗ تَبَارَكَ

کے تابع ہیں۔ یاد رکھو اللہ کے لئے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا بڑی خوبیوں کے

اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٥٤﴾ ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا

بھرے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ جو تمام عالم کے پروردگار ہیں تم لوگ اپنے پروردگار

وَخُفْيَةً ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿٥٥﴾

سے دعا کیا کرو تذلل ظاہر کر کے اور چپکے چپکے بھی (البتہ یہ بات) واقعی (ہے کہ) اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ناپسند کرتے ہیں جو حد سے نکل جاویں

مثلاً جو چیزیں عقلاً یا شرعاً محال ہیں یا عادۃً مستبعد میں یا گناہ یا بیکار ہیں ان کو مانگنے لگے مثلاً نبوت یا فرشتوں پر حکومت یا اجنبی عورت سے وصال اور اس کے مثل کوئی چیز مانگنے لگے یہ سب ادب کے خلاف ہے۔

وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا

اور دنیا میں بعد اس کے کہ اس کی درستی کر دی گئی فساد مت پھیلاؤ

یعنی توحید اور نبوت کے ماننے سے اور اجراء احکام شرعیہ سے جن کی اوپر تعلیم کی گئی ہے عالم میں امن قائم ہوتا ہے تم تعلیم مذکور کو چھوڑ کر نقض امن مت کرو آگے دعا کے علاوہ بقیہ عبادات کا حکم ہے۔

وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا ۚ إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ

اور تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرو۔ خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اور امیدوار رہتے ہوئے

یعنی عبادت کر کے نہ تو ناز ہو اور نہ مایوسی ہو آگے عبادت کی ترغیب ہے۔

قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ

بیشک اللہ تعالیٰ کی رحمت نزدیک ہے نیک کام کرنے والوں سے اور وہ (اللہ)

يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ط

ایسا ہے کہ اپنی باران رحمت سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ خوش کر دیتی ہیں۔

حَتّٰىٓ اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا

یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں بھاری بادلوں کو اٹھا لیتی ہیں

اٹھانے کا مطلب یہ ہے کہ بادلوں کے اجزاء کو ہوا باہم ملا دیتی ہے نیز ہوا کی وجہ سے بادل معلق رہتے ہیں ورنہ مرکز کی طرف مائل ہو جاتے نیز ہوا کے سبب بادل ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچتے ہیں اور بارش سے پہلے ہوا کا آنا جو بتلایا ہے یہ باعتبار اکثر اوقات کے ہے پس کبھی ایک کا بدوں دوسرے کے ہونا موجب اشکال نہیں۔

ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ

تو ہم اس بادل کو کسی خشک سرزمین کی طرف ہانک لے جاتے ہیں پھر اس

الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ط

بادل سے پانی برساتے ہیں پھر اس پانی سے ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں

جس سے علاوہ ان تصرفات کے ہماری توحید بھی ثابت ہوئی اور دوبارہ زندہ کرنے پر قدرت بھی معلوم ہوئی۔

كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾

یونہی ہم مردوں کو نکال کھڑا کر دیں گے تاکہ تم سمجھو

کہ جو ان باتوں پر قادر ہے وہ دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے آگے فرماتے ہیں کہ یہ کلام الٰہی ہدایت کے لئے فی نفسہ بہت کافی ہے لیکن قابل اور ناقابل کے تفاوت کی وجہ سے کوئی منتفع ہوتا ہے کوئی نہیں اس کی مثال بارش ہی کے آثار میں غور کر کے سمجھ لو۔

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ج

اور جو ستھری سرزمین ہوتی ہے اس کی پیداوار تو خدا کے حکم سے خوب نکلتی ہے

وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ط

اور جو خراب ہے اس کی پیداوار اور (اگر نکلی بھی تو) بہت کم نکلتی ہے

ایسے ہی ہم نے قدرت کا نمونہ تمہارے سامنے ظاہر کر دیا جو قیامت کے امکان کے لئے کافی دلیل ہے اس میں غور کر کے قیامت کا قائل ہو جانا چاہئے اور خدا تعالیٰ کے کمالات ذاتی وصفات معلوم کر کے کسی کو اس کی عبادت وغیرہ میں شریک نہ کرنا چاہئے اس کافی بیان سے بھی اگر کوئی منتفع نہ ہوا اور ان کو نہ مانے تو مثل خراب اور شور زمین کے اسی کی ناقابلیت ہے۔

كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ﴿۵۸﴾ ع

اسی طرح ہم (ہمیشہ) دلائل کو طرح طرح سے بیان کرتے رہتے ہیں ان لوگوں کے لئے

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ

جو قدر کرتے ہیں ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا سو انہوں نے فرمایا اے میری قوم تم

اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ط

(صرف) اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا کوئی تمہارا معبود (ہونے کے قابل) نہیں

ربط: شروع سورت سے یہاں تک نبوت اور معاد اور توحید کا اثبات ہے اور اتباع کی ترغیب اور مخالفت سے ترہیب اور ابلیس کے گمراہ کرنے کا بیان تھا جیسا کہ عنوانات سے ظاہر ہے آگے ان ہی مضامین کے مناسب چند قصے انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کے مذکور ہوتے ہیں نبوت سے تو ان قصوں کو مناسبت ظاہر ہے کہ جب اور انبیاء بھی ہوئے ہیں پھر آپ کی نبوت پر کیا تعجب ہے نیز پچھلے قصوں کا صحیح طور پر بلا نقل مستقل کے بیان کر دینا مدعی رسالت کے لئے خود ایک معجزہ اور نبوت کی بڑی دلیل ہے توحید سے مناسبت اس طرح ہے کہ یہ سب حضرات انبیاء توحید کی تعلیم کرتے آئے اور پچھلی امتوں پر جو عذاب نازل ہوئے ان کے ذکر سے ترغیب وترہیب پیدا ہوگی اگر وہ انبیاء کا اتباع کرتے تو ان عذابوں سے محفوظ رہتے اگر ہم بھی ان جیسا طریقہ اختیار کریں گے تو عذاب کا ہمارے لئے بھی اندیشہ ہے اور ان سب قصوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی بھی ہے کہ تکذیب سب کی ہوتی آئی ہے۔ آپ غم نہ کریں۔ ولقد ارسلنا نوحا تا عظیم

پس بت پرستی چھوڑ دو اور ان کے بتوں کے نام سورہ نوح میں ہیں ود اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر۔

اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵۹﴾

مجھ کو تمہارے لئے ایک بڑے (سخت) دن کے عذاب کا اندیشہ ہے

وہ اندیشہ قیامت کے دن کا ہے یا طوفان کے دن کا جس صورت میں کہ وہ کہنا نہ مانیں اور اطاعت نہ کریں۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ

ان کی قوم کے آبرو دار لوگوں نے کہا کہ ہم تم کو

فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۶۰﴾

صریح غلطی میں (مبتلا) دیکھتے ہیں

کہ ہمارے طریقہ کے خلاف توحید کی تعلیم کر رہے ہو اور عذاب کا ڈراوا دکھلا رہے ہو۔

قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ

انہوں نے فرمایا کہ اے میری قوم مجھ میں تو ذرا بھی غلطی نہیں لیکن میں

مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۱﴾

پروردگار عالم کا رسول ہوں

انہوں نے مجھ کو توحید پہنچانے کا حکم کیا ہے اس لئے اپنا منصبی کام کرتا ہوں۔

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ

تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں

کیونکہ توحید میں تمہارا ہی نفع ہے اس تبلیغ میں میری کوئی دنیوی غرض نہیں ہے بلکہ محض تمہاری خیر خواہی ہے۔

وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾

اور میں خدا کی طرف سے ان امور کی خبر رکھتا ہوں جن کی تم کو خبر نہیں

اس لئے تم جو عذاب عظیم سے تعجب کرتے ہو یہ تمہاری غلطی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو بتلا دیا ہے کہ ایمان نہ لانے سے عذاب عظیم واقع ہوگا۔

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

اور کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس

عَلٰی رَجُلٍ مِّنْكُمْ

ایک ایسے شخص کی معرفت جو تمہاری ہی جنس کا ہے کوئی نصیحت کی بات آ گئی۔

یعنی تم کو میرے رسول ہونے پر بوجہ بشر ہونے کے تعجب کیوں ہے نبوت اور بشریت میں کچھ منافات نہیں۔

لِیُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾

تا کہ وہ شخص تم کو ڈرائے اور تا کہ تم ڈر جاؤ اور تا کہ تم پر رحم کیا جاوے سو وہ لوگ

فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَیْنٰهُ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ فِی الْفُلْكِ

ان کی تکذیب ہی کرتے رہے تو ہم نے نوح کو اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں

وَاَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ؕ

تھے بچا لیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کو ہم نے غرق کر دیا

کشتی کا قصہ اور نیز طوفان میں بجز کشتی والوں کے سب کا غرق ہو جانا سورہ نوح اور سورہ ہود میں آوے گا اور اس سے نوح علیہم السلام کی نوبت کا عام ہونا لازم نہیں آتا اس کی تحقیق سورہ آل عمران میں آ چکی ہے اور ایک قصہ کا مختلف الفاظ سے قرآن میں آنا اس کی بھی تحقیق اسی سورۃ کے شروع میں آ چکی ہے نیز یہ بھی ممکن ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے یہ سب باتیں مختلف اوقات و مختلف مجالس میں اپنی اقوام سے کی ہوں اور قوم میں سے کسی نے کچھ کہا ہو کسی نے کچھ کہا ہو۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِیْنَ ﴿۶۴﴾ ع وَاِلٰی عَادٍ

بیشک وہ لوگ اندھے ہو رہے تھے اور ہم نے قوم عاد کی طرف

والیٰ عاد تا ماکانوا مؤمنین عاد اصل میں ایک شخص کا نام ہے پھر اس کی اولاد کو بھی عاد کہنے لگے۔ اور یہ لوگ بڑے قوی الجثہ ہوتے تھے۔

اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ

ان کے بھائی ہود

اہل نسب کے نزدیک مشہور یہی ہے کہ ہود علیہ السلام قوم عاد کے نسبی بھائی ہیں اور قوم عاد ہی میں سے ہیں اور کچھ لوگ ان کو دوسری قوم کا بتلاتے ہیں اور قرآن میں جو ان کو عاد کا بھائی کہا گیا ہے اس میں تاویل کرتے ہیں کہ شرکت وطن کی وجہ سے بھائی کہہ دیا گیا

قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ

کو بھیجا انہوں نے فرمایا اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی

غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۶۵﴾

تمہارا معبود نہیں سو کیا تم نہیں ڈرتے

یعنی ایسے بڑے جرم عظیم شرک میں مبتلا ہو کر بھی خدا کا خوف نہیں کرتے۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ

ان کی قوم میں جو آبرو دار لوگ کافر تھے

إِنَّا لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ

انہوں نے کہا کہ ہم تم کو کم عقلی میں دیکھتے ہیں

کہ توحید کی تعلیم کر رہے ہو جو ہمارے قدیم طریقہ کے خلاف ہے اور عذاب سے ڈرا رہے ہو۔

وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٦٦﴾

اور ہم بیشک تم کو جھوٹے لوگوں میں سے سمجھتے ہیں

یعنی نعوذ باللہ نہ توحید صحیح مسئلہ ہے نہ عذاب کا آنا صحیح ہے۔

قَالَ يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلَٰكِنِّي

انہوں نے فرمایا کہ اے میری قوم! مجھ میں ذرا بھی کم عقلی

رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٦٧﴾

نہیں لیکن میں پروردگار عالم کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں

انہوں نے مجھ کو توحید کی تعلیم اور عذاب سے ڈرانے کا حکم کیا ہے اس لئے اپنا منصبی کام کرتا ہوں۔

أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ

تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا سچا خیر خواہ ہوں۔ اور کیا تم

أَمِينٌ ﴿٦٨﴾ أَوَعَجِبْتُمْ أَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِنْ

اس بات کا تعجب کرتے ہو کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس ایک

رَبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِنْكُمْ

ایسے شخص کی معرفت جو تمہاری ہی جنس کا (بشر) ہے کوئی نصیحت کی بات آ گئی

یعنی تم جو میرے بشر ہونے سے میری نبوت کا انکار کرتے ہو تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیا نبوت اور بشریت میں کوئی منافات ہے۔

لِيُنْذِرَكُمْ ط

تا کہ وہ تم کو ڈراوے

اوپر افلاتتقون میں ترہیب اور دھمکی تھی آگے خدا کی نعمتیں یاد دلا کر اطاعت کی ترغیب دلاتے ہیں۔

وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ

اور تم یہ حالت یاد کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو قوم نوح کے بعد

قَوْمِ نُوحٍ وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَسْطَةً ج

آباد کیا اور ڈیل ڈول میں تم کو پھیلاؤ زیادہ دیا

یہ لوگ بڑے قد آور اور قوی الجثہ ہوتے تھے۔ زاد کم فی الخلق بصطة کے یہی معنے ہیں۔

فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ

سو خدا تعالیٰ کی (ان) نعمتوں کو یاد کرو

یعنی یاد کر کے خدا کا احسان مانو اور اطاعت کرو۔

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٦٩﴾ قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ

تا کہ تم کو فلاح ہو وہ لوگ کہنے لگے کہ کیا آپ ہمارے پاس اس واسطے

اللَّهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ

آئے ہوں گے کہ ہم صرف اللہ ہی کی عبادت کیا کریں اور جن کو ہمارے

آبَاؤُنَا ج فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ

باپ دادا پوجتے تھے۔ ہم ان کو چھوڑ دیں اور ہم کو جس عذاب کی دھمکی

مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٧٠﴾ قَالَ قَدْ وَقَعَ

دیتے ہو اس کو ہمارے پاس منگوا دو اگر تم سچے ہو۔ انہوں نے فرمایا کہ

عَلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ رِجْسٌ وَغَضَبٌ ط

بس اب تم پر خدا کی طرف سے عذاب اور غضب آیا ہی چاہتا ہے

پس عذاب کے شبہ کا جواب تو اس وقت معلوم ہو جائے گا رہا توحید پر یہ شبہ ہے کہ ان بتوں کو تم معبود کہتے ہو جن کا نام معبود رکھ لیا ہے لیکن واقع میں ان کے معبود ہونے کی کوئی بھی دلیل نہیں اس کا جواب سنو (ترجمہ دیکھو)

أَتُجَادِلُونَنِي فِي أَسْمَاءٍ سَمَّيْتُمُوهَا

کیا تم مجھ سے ایسے ناموں کے باب میں جھگڑتے ہو

یعنی ان کے محض نام ہی نام ہیں اس کے سوا ان میں کچھ نہیں۔

أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا نَزَّلَ اللَّهُ بِهَا

جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے آپ ہی ٹھہرا لیا ہے ان کے معبود ہونے

مِنْ سُلْطَانٍ ط

کی خدا تعالیٰ نے کوئی دلیل (عقلی یا نقلی) نہیں بھیجی

یعنی بحث میں مدعی کے ذمہ دلیل بیان کرنا ہے اور مقابل کی دلیل کا جواب دینا سو تم نہ دلیل قائم کرسکتے ہو نہ میری دلیل کا جواب دے سکتے ہو پھر بحث کے کیا معنے۔

فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ ﴿۷۱﴾

سو تم منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں

یعنی بس اب بحث ختم کرو اور عذاب الٰہی کے انتظار میں رہو

فَاَنْجَیْنٰهُ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا

غرض ہم نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو اپنی رحمت سے بچا لیا

وَقَطَعْنَا دَابِرَ

اور ان لوگوں کی جڑ (تک) کاٹ دی

یعنی بالکل ہلاک کر دیا بعض نے کہا ہے کہ ان کی نسل بالکل منقطع ہوگئی اور بعض نے کہا ہے کہ کفار بالکل ہلاک ہو گئے اور مومنین باقی رہے اور ممکن ہے کہ کفار کی چھوٹی اولاد بھی رہ گئی ہو ان کی نسل آگے بڑھی ہو ان کو عاد اخری کہتے ہیں اور پہلے ہلاک ہونے والوں کو عاد اولی اور بعض مفسرین نے نقل کیا ہے کہ ان عاد میں سے بعضے لوگ جو اس وقت اطراف مکہ میں گئے ہوئے تھے بچ رہے تھے ان کو عاد اخری کہتے ہیں اور لفظ عاد ارم جو سورہ فجر میں آیا ہے بعض نے کہا ہے کہ ارم قوم عاد کے اجداد میں کسی کا نام ہے اس قبیلہ کے دونوں لقب ہیں عاد بھی اور ارم بھی اور بعض نے کہا ہے کہ ارم قوم عاد میں سے ایک شاخ کا لقب ہے اور مشہور یہ ہے کہ ارم کے دو بیٹے تھے ایک عوص اس کے بیٹے کا نام عاد ہے قوم عاد اولی اسی کی اولاد ہے اور ارم کے دوسرے بیٹے جثو اس کا بیٹا ثمود اس کی اولاد کا لقب عاد ثانی ہے اور عذاب اس قوم کا سخت ہوا تھی جس سے وہ ہلاک ہوئے اور سورہ فصلت میں جو لفظ صاعقہ آیا ہے اس سے مطلق عذاب مراد ہے اور بعض مفسرین قائل ہوئے ہیں کہ ان پر ہوا کا عذاب بھی آیا تھا اور سخت آواز کا بھی جس سے دل پھٹ گئے پس صاعقہ کے معنے کڑک کے ہوں گے واللہ اعلم اور اس قوم کا مسکن احقاف ہے جو بقول اہل سیر ایک ریگستان کا نام ہے جو عمان اور حضر موت کے درمیان ہے۔ والی ثمود تا النصحین

الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَمَا كَانُوْا

جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور وہ

مُؤْمِنِیْنَ ﴿۷۲﴾ ع وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا م

ایمان والے نہ تھے اور ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالحؑ کو بھیجا۔

قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ

انہوں نے فرمایا کہ اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی

غَیْرُهٗ ط

معبود نہیں

اس کے بعد انہوں نے ایک خاص معجزہ کی درخواست کی کہ اس پتھر سے ایک اونٹنی پیدا ہو تو ہم ایمان لاویں چنانچہ آپ کی دعا سے ایسا ہی ہوا کہ وہ پتھر پھٹا اور اس کے اندر سے ایک بڑی اونٹنی نکلی آگے اس کا بیان ہے۔

قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ط

تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک واضح دلیل آچکی ہے

هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً فَذَرُوْهَا

یہ اونٹنی ہے اللہ کی جو تمہارے لئے دلیل ہے سو اس کو چھوڑ دو کہ اللہ کی

چونکہ وہ اونٹنی قدرت الٰہی کی دلیل تھی اسی لئے اللہ کی اونٹنی کہلائی اور علاوہ اس کے کہ وہ صالح علیہ السلام کی رسالت پر دلیل تھی اس کے کچھ حقوق بھی تھے جن کا آگے ذکر ہے۔

تَاْكُلْ فِیْٓ اَرْضِ اللّٰهِ

زمین میں کھاتی پھرا کرے

اس کا یہ مطلب نہیں کہ چاہے وہ کسی کا کھیت کھاتی پھرا کرے تب بھی کچھ نہ کہا جاوے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس گھاس کا کھانا مباح ہے اس کے چرنے میں اس سے تعرض نہ کیا جائے اسی طرح اپنی باری کے دن میں پانی پیتی رہے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے۔

وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ

اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ بھی مت لگانا کبھی تم کو دردناک

اَلِیْمٌ ﴿۷۳﴾ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ

عذاب آ پکڑے اور تم یہ حالت یاد کرو کہ اللہ تعالیٰ نے

مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ

تم کو عاد کے بعد آباد کیا اور تم کو زمین پر

تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا
رہنے کو ٹھکانا دیا کہ نرم زمین پر محل بناتے ہو
وَّ تَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا
اور پہاڑوں کو تراش تراش کر ان میں گھر بناتے ہو سو خدا تعالیٰ
اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۷۴﴾
کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد مت پھیلاؤ

یعنی ایمان لے آؤ اور کفر وشرک کر کے فساد نہ پھیلاؤ مگر باوجود اس قدر فہمائش کے بھی کچھ غربا ہی ایمان لائے اور ان میں اور رئیسوں میں یہ گفتگو ہوئی (ترجمہ)

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ
ان کی قوم میں جو متکبر سردار تھے انہوں نے
قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ
غریب لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لے آئے تھے پوچھا
اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا
کہ کیا تم کو اس بات کا یقین ہے کہ صالح اپنے رب کی
مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ
طرف سے بھیجے ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ بیشک ہم اس پر
اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ الَّذِيْنَ
پورا یقین رکھتے ہیں جو ان کو دے کر بھیجا گیا ہے۔
اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ
وہ متکبر لوگ کہنے لگے کہ تم جس چیز پر یقین لائے ہوئے ہو ہم تو اس کے
كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾
منکر ہیں۔

پس نہ صالح علیہ السلام پر ایمان لائے اور نہ اونٹنی کے حقوق ادا کئے۔

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ
غرض اس اونٹنی کو مار ڈالا اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی

اور وہ حکم الٰہی اعتقاد توحید اور تصدیق رسالت کے بارہ میں تھا آگے ان کی بے باکی کا بیان ہے۔

وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا
اور کہنے لگے کہ اے صالحؑ جس کی آپ ہم کو دھمکی دیتے تھے

جیسا کہ اوپر لاتمسوھا میں آچکا ہے کہ اس اونٹنی کے ساتھ برائی سے پیش نہ آنا ورنہ عذاب آجائے گا اور دوسری آیت میں کفر کرنے پر عذاب کی دھمکی مذکور ہے الاتتقون اور جس نے اونٹنی کو قتل کیا اس کا نام قدار آیا ہے اور آیت میں جو سب کی طرف قتل کی نسبت کی گئی یہ اس لئے کہ راضی سب تھے اور وجہ اس قتل کی اہل سیر نے یہ لکھی ہے کہ چونکہ اونٹنی بہت بڑی تھی اس لئے جس جنگل میں وہ چرتی تھی دوسرے مواشی اس سے ڈر کر بھاگ جاتے اور جس کنویں میں پانی کی باری مقرر ہوتی تھی وہ اپنی باری میں کنویں میں گردن ڈال کر تمام پانی پی جاتی اس روز دوسرے مواشی کو وہاں پانی نہ ملتا اس سے وہ لوگ تنگدل ہوئے اور اس کو قتل کر ڈالا

بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ
اس کو منگوایئے۔ اگر آپ
الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾
پیغمبر ہیں

دوسری آیت میں صیحہ یعنی فرشتے کے نعرہ سے ہلاک ہونا آیا ہے بعض نے کہا ہے کہ اوپر سے صیحہ اور نیچے سے زلزلہ آیا تھا اور بعض نے رجفہ سے دل کا ہلنا مراد لیا ہے زمین کا ہلنا مراد نہیں لیا فرشتے کی آواز سے ان کے دل دہل گئے تھے۔

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ
سو اپنے گھر میں اوندھے کے اوندھے پڑے۔رہ گئے
جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ
اس وقت صالحؑ ان سے منہ موڑ کر چلے اور فرمانے لگے

ظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صالح علیہ السلام یہاں سے قوم کی ہلاکت کے بعد تشریف لے گئے اور یہ خطاب مردوں کو فرضی طور پر محض حسرت وافسوس ظاہر کرنے کے لئے فرمایا اور بعض نے کہا کہ عذاب کے آثار دیکھ کر زندوں کو یہ خطاب کر کے چلے گئے تو آیت میں تقدیم وتاخیر ہو

گی پھر بعض نے شام کو جانا بعض نے مکہ جانا نقل کیا ہے۔

يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ

کہ اے میری قوم میں نے تو تم کو اپنے پروردگار کا حکم پہنچا دیا تھا

جس پر عمل کرنا موجب فلاح تھا۔

وَنَصَحْتُ لَكُمْ

اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی

کہ کس کس طرح شفقت سے سمجھایا

وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾

لیکن تم لوگ خیر خواہوں کو پسند ہی نہیں کرتے تھے

اس لئے افسوس ہے کہ تم نے میری ایک نہ سنی اور آخر روز بد دیکھا

ولوطا تا عاقبة المجرمين

وَلُوْطًا

اور ہم نے لوطؑ کو بھیجا

آپ چند بستیوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے اہل سیر نے کہا ہے کہ لوط علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہیں بابل سے ان ہی کے ساتھ ہجرت کر کے ملک شام میں تشریف لائے ابراہیمؑ فلسطین میں مقیم ہوئے اور لوط علیہ السلام کو سدوم میں رہنے کا اور اس شہر اور اس کے گرد و نواح کے شہر والوں کی ہدایت کا حکم ہوا کبھی ابراہیم علیہ السلام بھی جا کر نصیحت فرماتے تھے وہ لوگ لواطت کے عادی تھے جس کا ارتکاب بقول عمر بن دینار ان سے پہلے کسی نے نہیں کیا۔

اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا

جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم ایسا فحش کام

سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾

کرتے ہو جس کو تم سے پہلے کسی نے دنیا جہان والوں میں

اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ

سے نہیں کیا (یعنی) تم مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے

دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾

ہو عورتوں کو چھوڑ کر۔ بلکہ تم حد (انسانیت) ہی سے گزر گئے ہو

یعنی اس بارہ میں یہ نہیں کہ تم کو کوئی دھوکہ ہو گیا ہو جیسا کہ بعض گناہوں میں آباء و اجداد کی تقلید سے دھوکہ ہو جاتا ہے اس میں تو یہ بھی نہیں کیونکہ تم سے پہلے کسی نے یہ کام نہیں کیا اور بعض آیتوں میں جو تجھلون آیا ہے جس میں ان کو جاہل کہا گیا ہے اس سے یہ شبہ نہ ہو کہ ان کو اس فعل بد کی قباحت معلوم نہ تھی کیونکہ وہاں جہل سے مراد یہ ہے کہ تم کو اس کا انجام بد یعنی عذاب معلوم نہیں کہ کتنا سخت عذاب ہوگا۔

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ

اور ان کی قوم سے کوئی جواب نہ بن پڑا بجز اس کے کہ آپس

قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ

میں کہنے لگے کہ ان لوگوں کو تم اپنی بستی سے نکال دو۔

اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾

یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں

اور ہم کو گندہ بتلاتے ہیں پھر گندوں میں پاکوں کا کیا کام یہ بات انہوں نے آپس میں تمسخر اور بے ہودگی سے کہی تھی

فَاَنْجَيْنٰهُ

سو ہم نے لوطؑ کو اور ان کے متعلقین کو

یعنی ان کے گھر والوں اور دوسرے ایمان والوں کو بھی

وَاَهْلَهٗٓ

بچا لیا

کہ وہاں سے نکل جانے کا پہلے ہی حکم ہو گیا۔

اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ ز كَانَتْ

بجز ان کی بیوی کے کہ وہ ان ہی لوگوں میں رہی

کیونکہ یہ بیوی کافرہ تھی جب لوط علیہ السلام کو عذاب سے پہلے بستی سے نکل جانے کا حکم ہوا بعض نے تو کہا ہے کہ یہ بیوی ساتھ ہی نہیں گئی اور بعض نے کہا ہے کہ ساتھ چلی تھی پھر لوٹنے لگی اور ہلاک کر دی گئی اور لوط علیہ السلام پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آ رہے اگر شبہ ہو کہ عورتوں پر عذاب کیوں نازل ہو جواب یہ ہے کہ عذاب کا ایک سبب کفر بھی تھا جو سب میں مشترک تھا اور بعض روایات میں ہے کہ آپس میں ان کی عورتیں بھی مساحقت کرتی تھیں اس صورت میں شبہ ہی ساقط ہو گیا۔

مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ط

جو عذاب میں رہ گئے تھے اور ہم نے ان پر ایک نئی طرح کا مینہ برسایا

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ ع

(کہ وہ پتھروں کا تھا) سو دیکھ تو سہی ان مجرموں کا انجام کیسا ہوا۔

ہر دیکھنے والا تعجب کرے گا اور پتھروں کا مینہ برسنا دوسری آیات میں آیا ہے اور دوسری آیات میں ان بستیوں کا الٹ دینا بھی آیا ہے جس کا بیان ان آیات کی تفسیر کے ساتھ انشاءاللہ ہوگا۔ والی مدین اخاھم شعیبا تا قوم کٰفرین

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ط

اور ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا

قرآن میں ان کا اہل مدین اور اصحاب ایکہ کی طرف مبعوث ہونا آیا ہے اور اہل مدین پر کہیں صیحہ (سخت آواز) کہیں رجفہ (زلزلہ) کا عذاب اور اصحاب ایکہ پر ظلہ (آگ کے سائبان) کا عذاب ہونا مذکور ہے بعض نے تو دونوں قوموں کو ایک ہی کہا ہے اور بعض نے الگ الگ کہا ہے کہ ایک قوم یعنی اہل مدین کے ہلاک ہونے کے بعد اصحاب ایکہ کی طرف جو مدین ہی کے قریب رہتے تھے اور قرب کی وجہ سے ان میں بھی کم تولنے ناپنے کا مرض تھا مبعوث ہوئے اور اکثر کا قول یہی ہے اور دو یا تین عذابوں کا جمع ہو جانا کچھ مستبعد نہیں جیسا کہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ان پر سخت گرمی مسلط ہوئی کہ گھر میں بھی چین نہ آتا تھا اس میں ایک بدلی آئی جس میں سے سرد ہوا نکلی اور اس کے سایہ میں سب میدان میں جمع ہو گئے اس وقت اس میں سے آگ برسی اور زمین کو بھی زلزلہ آیا سب جل کر مر گئے اس صورت میں لفظ دار سے جو کہ آیت میں آتا ہے زمین مراد ہے جیسا کہ دار الاسلام دار الحرب میں دار کا اطلاق مطلق زمین پر ہوتا ہے اور ان کفار کے ہلاک ہونے کے بعد آپ مکہ میں آ رہے تھے اور وہاں ہی آپ کی وفات ہوئی اور مدین اصل میں ابراہیم علیہ السلام کے ایک فرزند کا نام ہے۔ پھر قبیلہ اور شہر پر اطلاق ہونے لگا جو ان کی اولاد تھے یا اس اولاد کا مسکن تھا یہ سب اہل سیر نے لکھا ہے۔

قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ

انہوں نے فرمایا کہ اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ کی

مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ط قَدْ جَآءَتْكُمْ

عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں تمہارے پاس تمہارے پروردگار

بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ

کی طرف سے واضح دلیل آ چکی ہے تو تم ناپ اور تول

وَالْمِيْزَانَ

پوری کیا کرو

یعنی جب تمہارے پاس میرے نبی ہونے پر واضح دلیل آ چکی جو کوئی معجزہ ہے اور میری نبوت ثابت ہو چکی تو احکام شرعیہ میں میرا کہنا مانو چنانچہ میں تم کو ناپ تول پوری طرح کرنے کا امر کرتا ہوں۔

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا

اور لوگوں کا ان کی چیزوں میں نقصان مت کیا کرو اور روئے زمین

تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ط

میں بعد اس کے کہ اس کی درستی کر دی گئی فساد مت پھیلاؤ

یعنی توحید کی تعلیم اور بعثت انبیاء اور عدل واجب کرنے اور ناپ تول کے حقوق مقرر کرنے سے زمین کی درستی کر دی گئی اب ان احکام کی مخالفت نہ کرو کہ موجب فساد ہے۔

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ ج

یہ تمہارے لئے نافع ہے اگر تم تصدیق کرو

جس پر دلیل قائم ہے اور تصدیق کر کے عمل کرو تو امور مذکورہ دارین میں نافع ہیں آخرت میں تو ظاہر ہے کہ نجات ہوگی اور دنیا میں عمل بالشرع سے امن و انتظام قائم رہتا ہے خاص کر پورا ناپنے تولنے میں بوجہ اعتبار بڑھنے کے تجارت کو ترقی ہوتی ہے۔

وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ

اور تم سڑکوں پر اس غرض سے مت بیٹھا کرو کہ اللہ پر ایمان

وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ

لانے والوں کو دھمکیاں دو اور اللہ کی راہ سے روکو

اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ج

اور اس میں کجی کی تلاش میں لگے رہو

کہ بے جا اعتراض سوچ سوچ کر لوگوں کو بہکاؤ یہ لوگ ضلال مذکور

سابق کے ساتھ اس اضلال میں بھی مبتلا تھے کہ سڑکوں پر بیٹھ کر آنے والوں کو بہکاتے تھے کہ شعیب علیہ السلام پر ایمان نہ لانا نہیں تو ہم تم کو مار ڈالیں گے۔ آگے تذکیر نعمت سے ترغیب اور تذکیر نعمت سے ترہیب ہے۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠

اور اس حالت کو یاد کرو جب کہ تم کم تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تم

وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

کو زیادہ کر دیا اور دیکھو کہ کیسا انجام ہوا

الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٨٦﴾ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ

فساد کرنے والوں کا اور اگر تم میں سے بعضے اس حکم پر جس کو دے

مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ

کر مجھ کو بھیجا گیا ہے ایمان لے آئے ہیں اور

وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا

بعضے ایمان نہیں لائے ہیں تو ذرا ٹھہر جاؤ

یعنی اگر تم کو عذاب نہ آنے کا اس سے شبہ ہوتا ہو کہ ایمان لانے والے اور نہ لانے والے دونوں ابھی تک ایک ہی حالت میں ہیں ایمان نہ لانے والوں پر ابھی تک عذاب نازل نہیں ہوا اس سے تم سمجھتے ہو کہ عذاب سے ڈرانا بے اصل ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ فوراً عذاب نہ آنے سے یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ عذاب کبھی نہ آویگا ذرا صبر کرو (آگے ترجمہ)

حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ

یہاں تک کہ ہمارے درمیان میں اللہ تعالیٰ فیصلہ کئے دیتے ہیں

یعنی عذاب نازل کر کے مومنین کو نجات دیں گے اور کفار کو ہلاک کریں گے۔

وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿٨٧﴾

کہ ان کا فیصلہ بالکل ہی مناسب ہے اور وہ فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہیں

الحمدللہ آٹھویں پارہ کی تفسیر ختم ہوئی

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ

ان کی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا کہ

قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ

اے شعیبؑ! ہم آپ کو اور جو آپ کے ہمراہ

اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ

ایمان والے ہیں ان کو اپنی بستی سے نکال دیں گے یا یہ ہو کہ تم ہمارے مذہب

مِلَّتِنَا ط

میں پھر آؤ

تو اس صورت میں البتہ کچھ نہ کہیں گے اور پہلے مذہب میں پھر آ جانا مومنین کی نسبت تو اس لئے کہا کہ وہ لوگ قبل ایمان کے اس طریقہ کفر پر تھے لیکن شعیب علیہ السلام کے حق میں باوجودیکہ انبیاء سے کبھی کفر صادر نہیں ہوتا اس لئے کہا کہ نبوت سے پہلے ان کے سکوت اور خاموشی سے وہ یہی سمجھتے تھے کہ ان کا اعتقاد بھی ہم ہی جیسا ہوگا ۱۲

قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَدِ افْتَرَيْنَا

شعیب نے جواب دیا کہ ہم تمہارے مذہب میں آ جاویں گے تو گو ہم اس کو (بدلیل وبصیرت) مکروہ ہی سمجھتے ہوں

یعنی جب اس کے باطل ہونے پر دلیل قائم ہے تو ہم کیسے اس کو اختیار کریں ۱۲

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ

ہم تو اللہ پر جھوٹی تہمت لگانے والے ہو جاویں اگر (خدا نہ کرے) ہم تمہارے

نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ط

مذہب میں آ جاویں (خصوصاً) بعد اس کے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے اس سے نجات دی ہو

کیونکہ اول تو ہر حالت میں کفر کو دین حق سمجھنا یہی اللہ پر تہمت لگانا ہے کہ معاذ اللہ خدا کو یہ دین پسند ہے خصوصاً مومن کا مرتد ہو کر کافر ہو جانا چونکہ دلیل حق معلوم کرنے اور قبول کر لینے کے بعد ہوگا یہ اور زیادہ تہمت ہے ایک تو وہی پہلی تہمت کہ دین کفر کو خدا کا پسندیدہ سمجھنا دوسری یہ تہمت کہ خدا نے جو مجھ کو دلیل کا علم دیا تھا جس کو میں حق سمجھتا تھا وہ علم غلط دیا تھا اور شعیب علیہ السلام نے اپنی نسبت جو عود کا لفظ استعمال کیا ہے یا تو ان کے کلام کے مقابلہ کے طور پر فرما دیا کہ وہ عود کر آنے کو کہتے تھے یا فرض محال کے طور پر ان کے گمان کو فرض کر کے کلام کیا یا دوسروں کو اپنے ساتھ شامل کر کے ان کی وجہ سے عود کا لفظ اطلاق کر دیا ۱۲

وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ

اور ہم سے ممکن نہیں کہ تمہارے مذہب میں پھر آ جاویں لیکن ہاں یہ کہ اللہ ہی

اللّٰهُ رَبُّنَا ط

نے جو ہمارا مالک ہے ہمارے لئے مقدر کیا ہو

جس کی مصلحت ان ہی کے علم میں ہے تو خیر یہ اور بات ہے ۱۲

وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ط عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ط

ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے ہم اللہ ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں

اور بھروسہ کر کے یہ امید کرتے ہیں کہ وہ ہم کو دین حق پر ثابت رکھے اور اس سے یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ ان کو اپنے خاتمہ بالخیر کا یقین نہ تھا انبیاء کو یہ یقین دیا جاتا ہے بلکہ مقصود اظہار عجز اور تفویض الی المالک ہے جو کہ لوازم کمال نبوت سے ہے اور دوسرے مومنین کے اعتبار سے لیا جاوے تو کوئی اشکال ہی نہیں یہ جواب دے کر جب دیکھا کہ ان سے خطاب کرنا بالکل موثر نہیں اور ان کے ایمان لانے کی بالکل امید نہیں ان سے خطاب ترک کر کے حق تعالیٰ سے دعا کی ۱۲

رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ

اے ہمارے پروردگار ہمارے اور ہماری (اس) قوم کے درمیان فیصلہ کر

وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ

دیجئے حق کے موافق اور آپ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے ہیں اور ان کی

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا

قوم کے (ان ہی مذکور) کافر سرداروں نے کہا کہ اگر تم شعیب کی راہ پر چلنے

اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾

لگو گے تو بیشک بڑا نقصان اٹھاؤ گے

دین کا بھی کیونکہ ہمارا مذہب حق ہے حق کو چھوڑنا خسارہ ہے اور دنیا کا بھی اس لئے کہ پورا ناپنے تولنے میں بحث کم ہوگی غرض وہ سب اپنے کفر و ظلم پر جمے رہے اب عذاب کی آمد ہوئی ۱۲

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ

پس ان کو زلزلہ نے آ پکڑا سو اپنے گھر میں اوندھے کے اوندھے

جٰثِمِيْنَ ﴿٩١﴾ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ

پڑے رہ گئے جنہوں نے شعیب کی تکذیب کی تھی ان کی یہ حالت ہوگئی جیسے

يَغْنَوْا فِيْهَا ۛ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا

ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے جنہوں نے شعیب کی تکذیب کی تھی

هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٩٢﴾

وہی خسارہ میں پڑ گئے

اوران کے اتباع کرنے والوں کو خاسر ونا کام بتاتے تھے ۔ ۱۲

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ

اس وقت شعیبؑ ان سے منہ موڑ کر چلے اور فرمانے لگے کہ اے میری قوم میں نے

رِسٰلٰتِ رَبِّيْ

تم کو اپنے پروردگار کے احکام پہنچا دیئے تھے۔

جن پر عمل کرنا ہر طرح کی فلاح اور کامیابی کا سبب تھا ۱۲

وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ

اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی

کہ کس طرح سمجھایا مگر تم نے نہ مانا اور یہ روز بد دیکھا اس کے بعد پھر ان کے عناد و کفر وغیرہ کو یاد کر کے فرمانے لگے کہ جب انہوں نے اپنے ہاتھوں یہ مصیبت خریدی تو ایسی تیسی میں جائیں جیسا کیا ویسا بھگتا (ترجمہ دیکھو) ۱۲ ربط: اوپر جن قوموں کا قصہ مذکور ہوا ہے چونکہ اور قوموں کے بھی ایسے قصے واقع ہوئے ہیں آگے عام عنوان سے اجمالاً ان سب کے جرم کی حالت اور جرم پر بھی اول مہلت ملنا پھر بھی نہ سمجھنے پر سزا جاری ہونا مذکور ہے اس کے بعد اولم یھدالخ سے اس حکایت کی غرض پر تنبیہ فرمائی گئی کہ اس سے مقصود عبرت دلانا ہے وما ارسلنا فی قریۃ تا لفسقین

فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿٩٣﴾ ع وَمَآ اَرْسَلْنَا

پھر میں ان کافر لوگوں پر کیوں رنج کروں اور ہم نے کسی بستی میں

فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا

کوئی نبی نہیں بھیجا کہ وہاں کے رہنے والوں کو ہم نے

بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ

محتاجی اور بیماری میں نہ پکڑا ہو

یعنی ہمیشہ ان کو اول نبی کے نہ ماننے پر تنبیہ کی گئی اور طرح طرح کے مصائب میں گرفتار کیا گیا جیسے تنگ دستی بیماری وغیرہ ۱۲

لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴿٩٤﴾

تاکہ وہ ڈھیلے پڑ جاویں

اور اپنے کفر و تکذیب سے توبہ کریں پھر جب اس سے متنبہ نہ ہوئے تو ڈھیل دینے کے لئے یا اس غرض سے کہ مصیبت کے بعد جو نعمت ہوتی ہے اس کی زیادہ قدر ہوتی ہے اور نعمت دینے والے کی اطاعت انسان طبعاً کرنے لگتا ہے ان کو مصیبت سے نجات دی ۱۲

ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى

پھر ہم نے اس بدحالی کی جگہ خوشحالی بدل دی یہاں تک کہ ان کو خوب ترقی

عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ

ہوئی اور (اس وقت براہ کج فہمی) کہنے لگے کہ

وہ پہلی مصیبت ہم پر کفر و تکذیب کے سبب سے نہ تھی ورنہ پھر خوشحالی کیوں ہوتی بلکہ یہ اتفاقات زمانہ سے ہے ۱۲

اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ

ہمارے آباؤ اجداد کو بھی تنگی اور راحت پیش آئی تھیں.

اسی طرح ہم پر بھی یہ حالتیں گزر گئیں ۱۲

فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٩٥﴾

تو ہم نے ان کو دفعتہً پکڑ لیا اور ان کو خبر بھی نہ تھی

یعنی اگرچہ ان کو انبیاء علیہم السلام نے خبر کی تھی مگر چونکہ وہ اس خبر کو غلط سمجھتے تھے اور عیش و آرام میں بھولے رہتے تھے اس لئے ان کو عذاب کا گمان بھی نہ تھا آگے بتلاتے ہیں کہ ہم نے جو ان کو عذاب مہلک میں گرفتار کیا اس کا سبب صرف ان کی مخالفت اور کفر تھا ۱۲

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا

اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیز گاری

عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ

کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے

یعنی آسمان سے بارش اور زمین سے پیداوار برکت کے ساتھ عطا فرماتے اور گو ہلاکت سے پہلے ان کو ایک مدت کے لئے خوشحالی دی گئی تھی لیکن اس خوشحالی میں برکت اس لئے نہ تھی کہ آخر میں وہ وبال جان ہوگئی بخلاف ان نعمتوں کے جو ایمان واطاعت کے ساتھ ملتی ہیں ان میں یہ خیر و برکت ہوتی ہے کہ وہ کبھی وبال نہیں ہوتیں نہ دنیا میں نہ آخرت میں حاصل یہ کہ اگر وہ ایمان وتقویٰ اختیار کرتے تو ان کو بھی یہ برکتیں دیتے

وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا

لیکن انہوں نے تو (پیغمبروں کی) تکذیب کی تو ہم نے (بھی) انکے اعمال (بد)

يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾

کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا

جس کو اوپر دفعۃً پکڑنے سے تعبیر کیا گیا ہے آگے کفار موجودین کو عبرت دلاتے ہیں ۔۱۲

اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى

کیا پھر بھی ان بستیوں کے رہنے والے

جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دورۂ نبوت میں رہتے ہیں۔

اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ

اس بات سے بے فکر ہوگئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب شب کے وقت آپڑے جس وقت

نَآئِمُوْنَ ﴿۹۷﴾ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى

وہ سوتے ہوں اور کیا ان (موجودہ) بستیوں کے رہنے والے اس بات سے بے فکر ہوگئے

اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾

ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن دوپہرے آپڑے جس وقت کہ وہ اپنے لایعنی قصوں میں

اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ

مشغول ہوں۔ ہاں تو کیا اللہ تعالیٰ کی اس (ناگہانی) پکڑ سے بے فکر ہوگئے (سمجھ رکھو

اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾ ع

کہ) خدا تعالیٰ کی پکڑ سے بجز ان کے جن کی شامت ہی آگئی ہو اور کوئی بے فکر نہیں ہوتا

اس آیت سے استنباط کیا گیا ہے کہ عذاب الٰہی سے بے خوف ہونا کفر ہے کیونکہ محاورات قرآنیہ میں لفظ خاسر کا اطلاق اکثر کافر ہی پر ہوتا ہے اور سورۂ یوسف کی آیت لاییأس من روح الله الاالقوم الکفرون سے اس مسئلہ کا دوسرا جزء ثابت کیا گیا ہے کہ خدا کی رحمت سے مایوسی بھی کفر ہے اور روح المعانی میں شافعیہ کا مذہب نقل کیا ہے کہ ان دونوں لفظوں سے عام طور پر جو معنی مراد لئے جاتے ہیں وہ گناہ کبیرہ ہیں کفر نہیں اس کے بعد بعض محققین کا یہ فیصلہ نقل کیا ہے کہ عذاب سے بےفکری بایں معنی کہ اللہ تعالیٰ کو انتقام پر قادر نہ سمجھے اور مایوسی بایں معنی کہ اللہ تعالیٰ کو فضل وانجام پر قادر نہ جانے کفر ہے اور یاس کے جو معنی مشہور ہیں کہ گناہوں کی کثرت اور عظمت کی وجہ سے معافی کو دشوار سمجھے کہ بس اب کیا گناہ معاف ہوں گے جس سے طاعات اور توبہ ترک ہوجاویں نیز بےفکری کے جو معنی مشہور ہیں کہ امید کا ایسا غلبہ ہو جس سے گناہوں پر جرأت ہوجائے اس معنی کے اعتبار سے دونوں گناہ کبیرہ ہیں عاجز کہتا ہے کہ قطعی وعید کے بعد بے خوف ہونا جیسا کہ ان کافروں کی حالت تھی اور قطعی وعدہ کے بعد مایوس ہونا مثلاً نبی کی بشارت کے بعد ایسا امن و یاس کفر ہے اور آیات قرآنی میں یہی معانی مراد ہوتے ہیں آگے اس کی علت بتلاتے ہیں کہ ان موجودہ کافروں کو عذاب سے کیوں ڈرنا چاہئے وجہ یہ ہے کہ یہ بھی اسی جرم میں مبتلا ہیں جس میں پہلی امتیں مبتلا تھیں یعنی کفر جب دونوں ایک جرم میں شریک ہیں تو ان کو ڈرنا چاہئے کہ جو حال ان کا ہوا وہ ہمارا نہ ہوجائے۔

اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ

اور ان گذشتہ زمین پر رہنے والوں کے بعد جو لوگ (اب) زمین پر بجائے ان

مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ

کے رہتے ہیں کیا ان واقعات مذکورہ نے ان کو یہ بات (ہنوز) نہیں بتلائی کہ اگر

بِذُنُوْبِهِمْ ۚ

ہم چاہتے تو ان کو ان کے جرائم کے سبب ہلاک کر ڈالتے

کیونکہ پہلی امتیں ان ہی جرائم کے سبب ہلاک کی گئیں آگے بتلاتے ہیں کہ واقعی یہ واقعات ایسے ہیں کہ ان سے سبق لینا چاہئے تھا لیکن ان کے دل ہی سخت ہوگئے۔

وَنَطۡبَعُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ فَهُمۡ لَا يَسۡمَعُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾

اور ہم ان کے دلوں پر بند لگائے ہوئے ہیں اس سے وہ سنتے بھی نہیں

اور ماننا تو درکنار رہا پس اس بند لگانے سے ان کی سخت دلی اور بڑھ گئی کہ ایسے واقعات عبرت خیز سے بھی عبرت نہیں ہوتی اور اس بند لگانے کا سبب ابتداء میں ان ہی کا کفر کرنا ہے چنانچہ دوسری جگہ ارشاد ہے طبع اللّٰہ علیھا بکفرھم خدا تعالیٰ نے ان کے کفر کے سبب ان کے دلوں پر مہر کر دی آگے شاید رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے مضمون مذکور کا خلاصہ بیان فرماتے ہیں۔

تِلۡكَ الۡقُرٰى نَقُصُّ عَلَيۡكَ مِنۡ اَنۡۢبَآئِهَا ۚ

ان (مذکورہ) بستیوں کے کچھ کچھ قصے ہم آپ سے بیان کر رہے ہیں اور ان

وَلَقَدۡ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ ۚ

سب کے پاس ان کے پیغمبر معجزات لے کر آئے تھے

جاء تھم رسلھم بالبینات میں تمام امتوں کا داخل ہونا اور بینات سے معجزات کا مراد ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ جن انبیاء علیہم السلام کے معجزات قرآن وحدیث میں مذکور نہیں وہ بھی صاحب معجزہ تھے اور ہود علیہ السلام کی قوم کا یہ کہنا ماجئتنا ببینۃ کہ تم ہمارے پاس کوئی معجزہ نہیں لائے ویسا ہی ہے جیسا کہ مشرکین مکہ حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی نسبت باوجود کثرت معجزات کے یہی کہتے رہے کہ آپ کوئی معجزہ ہمارے پاس نہیں لائے قوم ہود کے اس قول کا منشاء صرف عناد تھا کہ وہ ان کے معجزات کو کافی نہ سمجھ کر ایسا کہتے تھے چونکہ اس آیت سے تمام انبیاء کا صاحب معجزہ ہونا ثابت ہے اس لئے یہ قول حجت نہیں ہو سکتا یہ آیت ان کے قول کو رد کر رہی ہے۔

فَمَا كَانُوۡا لِيُؤۡمِنُوۡا بِمَا كَذَّبُوۡا مِنۡ قَبۡلُ ؕ

پھر جس چیز کو انہوں نے اول (وہلہ) میں (ایکبار) جھوٹا کہہ دیا یہ بات نہ

كَذٰلِكَ يَطۡبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۱۰۱﴾

ہوئی کہ پھر اس کو مان لیتے اللہ تعالیٰ اسی طرح کافروں کے دلوں

وَمَا وَجَدۡنَا لِاَكۡثَرِهِمۡ مِّنۡ عَهۡدٍ ۚ

پر بند لگا دیتے ہیں اور اکثر لوگوں میں ہم نے وفائے عہد نہ دیکھا

یعنی زوال مصیبت کے بعد پھر ویسے کے ویسے ہی ہو جاتے تھے اور اکثر کی قید اس لئے فرمائی کہ بعض لوگ مسلمان بھی ہو جاتے تھے یا یہ کہ مصیبت کے وقت سارے عہد ہی نہ کرتے تھے اور اکثر لوگ عہد کر لیتے تھے پھر وہ بھی اسے پورا نہ کرتے تھے اور بعض لوگوں نے عہد کی تفسیر روز الست سے کی ہے کہ اکثر لوگ روز ازل کے عہد پر قائم نہ رہے بعضے مسلمان ہو گئے اور اس عہد پر مستقیم رہے۔

وَاِنۡ وَّجَدۡنَاۤ اَكۡثَرَهُمۡ لَفٰسِقِيۡنَ ﴿۱۰۲﴾

اور ہم نے اکثر لوگوں کو بے حکم ہی پایا

یعنی باوجود رسولوں کے آنے اور معجزات کے ظاہر ہونے اور بلائیں نازل ہونے اور بلاؤں کے وقت پختہ عہد کر لینے کے بھی اکثر نافرمان ہی رہے پس کفار ہمیشہ سے ایسے ہے ہوتے رہے ہیں آپ بھی غم نہ کیجئے

ربط: یہ چھٹا قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہی جو قبطیوں اور یہودیوں کے ساتھ آپ کو پیش آیا اور یہ قصہ یہاں بھی اور قرآن مجید کے دوسرے مواقع میں بھی بہ نسبت دوسرے قصوں کے مفصل بیان ہوا ہے چنانچہ اس مقام پر نصف پارہ تک چلا گیا ہے اور اس قصہ کے بار بار مفصل ذکر کرنے میں یہ نکتہ لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات بھی بہت بڑے ہیں اور فرعونیوں کا کفر بھی بہت سخت ہے اور بعض بنی اسرائیل کی حالتیں بھی نہایت عجیب ہیں ان وجوہ سے اس قصہ کو مکرر تفصیل کیساتھ بیان کیا گیا ہے۔

ثُمَّ بَعَثۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ مُّوۡسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ

پھر اس کے بعد ہم نے موسیٰؑ کو اپنے دلائل دے کر

آیات سے مراد یا تو یہی دو معجزے ہیں عصا اور ید بیضا اور صیغہ جمع ان کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے لایا گیا ہے کہ یہ دو معجزے گویا بہت سے معجزات کے برابر ہیں یا وہ سب معجزات مراد ہوں جو آگے تیسرے رکوع میں ولقد اخذنا ال فرعون الخ میں مذکور ہیں مگر وہ سب اسی وقت واقع نہیں ہوئے بلکہ مختلف اوقات میں ان کا ظہور ہوا پس یہاں اجمال میں مجموعہ اوقات کا اعتبار کیا جاوے گا۔

اِلٰى فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۟ئِهٖ

فرعون کے اور اس کے امراء کے پاس بھیجا

تاکہ ان کو ہدایت اور تبلیغ احکام کریں اور یہاں سرداروں کی تخصیص اس لئے کی گئی کہ وہ سرگروہ تھے باقی لوگ ان کے تابع تھے اور بنی اسرائیل کی طرف آپ کا مبعوث ہونا دوسری آیتوں میں مذکور ہے۔ پس موسیٰ دو قوموں کی طرف بھیجے گئے تھے مگر اس سے نبوت کا عام ہونا لازم نہیں آتا

کیونکہ تمام عالم کے آدمی دو قوموں میں منحصر نہ تھے۔ (چنانچہ موسیٰ علیہ السلام ہی کے زمانہ میں شعیب علیہ السلام اہل مدین وغیرہ کے نبی تھے) اور دوسری آیات میں ہارون علیہ السلام کا بھی موسیٰ کے ہمراہ ہونا مذکور ہے شاید تابع ہونے کی وجہ سے یہاں ان کا ذکر نہ کیا ہو۔

فَظَلَمُوْا بِهَا ج

سو ان لوگوں نے ان کا بالکل حق ادا نہ کیا

کیونکہ ان کا حق اور مقتضا یہ تھا کہ ایمان لے آتے۔

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾

سو دیکھئے ان مفسدوں کا کیا انجام ہوا

جیسا کہ اور جگہ ان کا غرق اور ہلاک ہونا مذکور ہے یہ تو تمام قصہ کا اجمال تھا آگے تفصیل ہے۔

وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ

اور موسیٰ نے فرعون کے پاس جا کر (بحکم الٰہی) فرمایا کہ میں

رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ لا

رب العالمین کی طرف سے پیغمبر ہوں

اور جو مجھ کو جھوٹا بتلاوے اس کی غلطی ہے آگے غلطی کی دلیل ہے۔

حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا

میرے لئے یہی شایان ہے کہ بجز سچ کے خدا کی طرف کوئی بات منسوب نہ کروں

الْحَقَّ ط قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ

میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک بڑی دلیل بھی لایا ہوں

یعنی میں رسالت کا خالی دعویٰ ہی نہیں کرتا بلکہ ایک بڑی دلیل یعنی معجزات اپنے ساتھ لایا ہوں جو طلب کرنے کے وقت دکھلا سکتا ہوں جب میں دلیل کے ساتھ نبی ہوں تو میں جو کچھ کہوں اس کی اطاعت کرو چنانچہ آگے بعض احکام بیان فرمائے۔

فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۰۵﴾ ط

سو تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے

یعنی ان کو اپنی خدمت اور بیگار سے خلاصی دے کر میرے ساتھ ملک شام کو جو ان کا اصلی وطن ہے بھیج دے اور بعض مفسرین نے یہ تفسیر کی ہے کہ ان کو خدمت کی قید سے رہا کر دے ملک شام میں جانے کا اس میں اعتبار نہیں کیا ۱۲

قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ

فرعون نے کہا کہ اگر آپ کوئی معجزہ لے کر آئے ہیں تو اس کو اب پیش

كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا

کیجئے اگر آپ سچے ہیں بس آپ نے (فوراً) اپنا عصا ڈال دیا سو

هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾ صلے ج

دفعۃً وہ صاف ایک اژدہا بن گیا

جس کے اژدہا ہونے میں کوئی شک نہیں ہو سکتا تھا لفظ مبین فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی حقیقت تبدیل ہو جاتی تھی خیالی قصہ نہ تھا اگر خیالی قصہ ہوتا تو خود موسیٰ علیہ السلام کو اس سے خوف پیدا نہ ہوتا حالانکہ دوسری آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو بھی پہلے پہل اس سے خوف پیدا ہوا تھا اور حقیقت کے انقلاب کا محال ہونا جو فلاسفہ میں مشہور ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ممکن اور واجب اور ممتنع ان تینوں میں سے کسی کی حقیقت دوسرے کی طرف منقلب نہیں ہو سکتی۔

وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ ع

اور اپنا ہاتھ باہر نکال لیا سو وہ یکایک سب دیکھنے والوں کیلئے روبرو بہت ہی چمکتا ہوا ہو گیا

یہ دوسرا معجزہ ظاہر فرمایا ربط: جب موسیٰ علیہ السلام کے یہ معجزات عظیمہ ظاہر ہوئے تو فرعون نے اہل دربار سے کہا کہ یہ شخص بڑا جادوگر ہے اس کا اصل مطلب یہ ہے کہ اپنے جادو سے تم لوگوں پر غالب آ کر یہاں کا رئیس ہو جائے اور تم کو یہاں نہ رہنے دے سو اس بارہ میں تمہارا کیا مشورہ ہے (سورہ شعراء میں فرعون کا یہ قول مذکور ہے) اس کو سن کر جیسا کہ سلاطین کے مصاحبوں کی عادت ہوتی ہے سب اس کی ہاں میں ہاں ملانے لگے آگے ان کے قول و مشورہ کا ذکر ہے۔ قال الملاء تا توفنا مسلمین.

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا

قوم فرعون میں جو سردار لوگ تھے انہوں نے کہا کہ واقعی یہ شخص بڑا ماہر جادوگر

لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾ لا يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ

ہے (ضرور) یہ (ہی) چاہتا ہے کہ تم کو تمہاری (اس) سرزمین سے باہر کر دے سو

اَرْضِكُمْ ج فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ

تم لوگ کیا مشورہ دیتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ آپ ان کو اور ان کے بھائی (ہارون)

وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾

کو چندے مہلت دیجئے اور شہروں میں چپڑاسیوں کو بھیج دیجئے کہ وہ سب ماہر

يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾ وَجَآءَ السَّحَرَةُ

جادوگروں کو آپ کے پاس لا کر حاضر کردیں (چنانچہ ایسا ہی کیا گیا) اور وہ جادوگر

فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ

فرعون کے پاس حاضر ہوئے کہنے لگے اگر ہم غالب آئے تو (کیا) ہم کو کوئی بڑا

الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ

صلہ ملے گا۔ فرعون نے کہا ہاں (بڑا انعام ملے گا) اور (مزید برآں) تم

الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

(ہمارے) مقرب لوگوں میں داخل ہو جاؤ گے

غرض موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی جانب سے اس کی اطلاع دی گئی اور مقابلہ کے لئے تاریخ مقرر ہوئی اور تاریخ پر سب ایک میدان میں جمع ہوئے۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ

ساحروں نے عرض کیا کہ اے موسیٰ خواہ آپ ڈالئے

یعنی ہم آپ کو اختیار دیتے ہیں کہ خواہ اول اپنا عصا جس کو معجزہ بتلاتے ہو آپ میدان میں ڈالئے۔

وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

اور یا ہم ہی ڈالیں

یعنی یا اگر آپ کہیں تو ہم اپنی رسیاں اور لاٹھیاں پہلے میدان میں ڈالیں۔

قَالَ اَلْقُوْا ۚ

موسیٰ نے فرمایا کہ (پہلے) تم ہی ڈالو

اب یہاں ایک سوال ہوتا ہے وہ یہ کہ سحر سے معجزہ کا مقابلہ کرنا جو ان ساحروں کا کام تھا یہ کفر ہے پھر موسیٰ علیہ السلام نے کفر کی کیسے اجازت دی حالانکہ کفر کی اجازت دینا نبی سے تو کیا مومن سے بھی ممکن نہیں جواب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے مقابلہ کی ان کو اجازت نہیں دی کیونکہ مقابلہ تو وہ کرتے ہی چاہے آپ القوا فرماتے یا نہ فرماتے اور نہ مقابلہ کی اجازت لینے کی ان کو موسیٰ علیہ السلام سے ضرورت تھی بلکہ ان لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کو اختیار دیا تھا کہ چاہے آپ پہلے ڈالیں یا ہم موسیٰ علیہ السلام نے پہلی شق اختیار فرمائی کہ جب تم مقابلہ کے لئے تیار ہی ہو گئے ہو اور یقیناً اپنا کرتب ظاہر کرو گے تو پہلے تم ہی کر دکھاؤ اور یہ صورت آپ نے اس لئے اختیار فرمائی کہ اسی پر اظہار حق موقوف تھا۔ کیونکہ اگر آپ پہلے عصا ڈالتے تو بس اس کا سانپ بننا ظاہر ہوتا لیکن ان پر غلبہ تو ظاہر نہ ہوتا اس لئے اول ان کو اجازت دی کہ پہلے تم ہی اپنا کمال ظاہر کر لو جب لوگوں کے دلوں میں ان کے سحر کی وقعت ہو گئی اپنا عصا ڈال دیا اس نے سب کو نگل لیا جس سے پورا غلبہ ظاہر ہو گیا اگر آپ پہلے ڈالتے تب بھی عصا ان کو نگل جاتا لیکن جو اثر بعد میں ڈالنے سے ہوا کہ ان کے سحر کا قلوب پر جب خوب اثر ہو گیا فوراً ہی اس کو ملیا میٹ کر دیا وہ اثر پہلے ڈالنے میں نہ ہوتا غرض آپ نے مطلق مقابلہ کی ان کو اجازت نہیں دی (بلکہ سورہ طٰہٰ) کی آیت قال لهم موسىٰ ويلكم لاتفتروا على الله كذبا فيسحتكم بعذاب و قدخاب من افترى سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے آپ نے ان کو مقابلہ سے بہت روکا اور اس نصیحت سے ان میں اختلاف رائے بھی پیدا ہوا مگر پھر مشورہ کر کے جب مقابلہ ہی کی ٹھہرائی اور موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ بغیر مقابلہ کئے باز نہ آئیں گے) تب آپ نے کامل طور پر غلبہ حق ظاہر کرنے کے لئے یہ صورت اختیار کی کہ اول وہ اپنا زور ختم کر دیں پھر سارا کھیل بگاڑ دیا جائے گا جس سے بخوبی حق کا غلبہ ہو جائے گا ۱۲

فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ

پس جب انہوں نے (اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کو) ڈالا تو لوگوں کی نظر بندی کر دی

وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾

اور ان پر ہیبت غالب کر دی اور ایک طرح کا بڑا جادو کر دکھلایا اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا

(وحی کے ذریعہ سے) حکم دیا کہ آپ اپنا عصا ڈال دیجئے سو عصا کا ڈالنا تھا کہ

هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ ۚ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ

اس نے (اژدہا بن کر) ان کے سارے بنائے ہوئے کھیل کو نگلنا شروع کیا۔

مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ۚ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ

پس اس وقت حق (کا حق ہونا) ظاہر ہو گیا اور انہوں نے جو کچھ بنایا و نایا تھا سب

وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ ۚ

آتا جاتا رہا۔ پس وہ لوگ اس موقع پر ہار گئے اور خوب ذلیل ہوئے

یعنی فرعون اور اس کی قوم اپنا سا منہ لے کر رہ گئی ۱۲

وَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سٰجِدِیْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا

اور وہ جو ساحر تھے سجدہ میں گر گئے (اور پکار پکار کر) کہنے لگے کہ ہم

بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

ایمان لائے رب العالمین پر جو موسیٰ اور ہارون کا بھی رب ہے

یہ قید اس لئے بڑھائی کہ فرعون اپنے کو رب اعلیٰ بتلاتا تھا تو رب العالمین کا مصداق کہیں سننے والے اُسی کو نہ سمجھتے اس لئے رب موسیٰ و ہارون بڑھا کر اپنی مراد متعین کر دی کہ وہ رب العالمین جس کو موسیٰ و ہارون رب کہتے ہیں ۱۲

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ

فرعون کہنے لگا کہ ہاں تم موسیٰ پر ایمان لائے ہو بدوں اس کے کہ میں تم کو اجازت

لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِی الْمَدِیْنَةِ

دوں۔ بیشک یہ ایک کارروائی تھی جس پر تمہارا عملدر آمد ہوا ہے اس شہر میں

یعنی خفیہ سازش ہوگئی ہے کہ تم یوں کرنا ہم یوں کریں گے پھر اس طرح ہار جیت ظاہر کریں گے تو یہ کارروائی سب ملی بھگت ہے اور فرعون کا اس کہنے سے محض اپنی بات بنانا منظور تھا جس کے لئے کسی منشاء اشتباہ کا ہونا ضروری نہیں اور بعض نے ایک منشا بھی ذکر کیا ہے کہ مقابلہ سے پہلے موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کے افسر میں یہ گفتگو ہوئی تھی کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس سے فرمایا کہ اگر میں غالب آ گیا تو کیا تو ایمان لے آوے گا اس نے جواب دیا کہ میرے سحر پر غلبہ ممکن نہیں اور اگر بالفرض آپ غالب آ گئے تو میں ضرور ایمان لے آؤں گا اور فرعون نے اس گفتگو کا مشاہدہ کیا تھا اس لئے اس نے کہا کہ تم نے سازش کی حالانکہ اس کا سازش ہونا محض لغویات ہے مناظرہ اور مقابلہ میں ایسی گفتگو ہوا کرتی ہے جس سے دوسرا فریق اور زیادہ اپنے غلبہ کی کوشش کیا کرتا ہے۔

لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

تاکہ تم سب اس شہر سے یہاں کے رہنے والوں کو باہر نکال دو۔ سو کہ اب تم کو

لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ

حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ دوسری طرف

لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰی

کے پاؤں کاٹوں گا۔ پھر تم سب کو سولی پر ٹانگ دوں گا۔ انہوں نے جواب

رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

دیا کہ (کچھ پروا نہیں) ہم مر کر اپنے مالک کے پاس ہی جاویں گے

کسی برے ٹھکانے تو نہیں جاویں گے وہاں تو ہر طرح امن و راحت ہے سو ہمارا نقصان ہی کیا ہے۔

وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰیٰتِ رَبِّنَا

اور تو نے ہم میں کونسا عیب دیکھا ہے بجز اس کے کہ ہم اپنے رب کے احکام

لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ

پر ایمان لے آئے

یعنی ہم نے کونسا عیب کا کام کیا ہے جس پر اس قدر شور و غل کرتا ہے ہم نے صرف یہ کام کیا ہے کہ خدا پر ایمان لے آئے سو یہ کوئی عیب کی بات نہیں پھر فرعون سے اعراض کر کے انہوں نے حق تعالیٰ سے دعا کی (ترجمہ دیکھو)

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ ﴿۱۲۶﴾

اے ہمارے رب ہمارے اوپر صبر کا فیضان فرما اور ہماری جان حالت اسلام پر نکالیے

یعنی ہم کو استقلال عطا فرما کہ اگر یہ سختی کریں تو مستقل رہیں اور اس کی سختی سے پریشان ہو کر ہم سے کوئی بات ایمان کے خلاف نہ ہو جائے سبحان اللہ کیسا کامل ایمان نصیب ہوا اب اس میں اختلاف ہے کہ فرعون نے ان نومسلموں کو یہ سزا دی یا نہیں بعض نے کہا ہے کہ یہ سزا دی تھی اور بعض نے اس وجہ سے انکار کیا ہے کہ حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا **انتما و من اتبعکما الغلبون** کہ تم اور تمہارے ساتھی غالب رہو گے جب وہ ایمان لے آئے تو وہ بھی موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی ہو گئے ان پر فرعون کا کیسے غلبہ ہو سکتا ہے مگر اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ بعض آدمیوں کا قتل ہو جانا غلبہ کے منافی نہیں چنانچہ لڑائیوں میں ایک فریق کو آخر میں غالب کہتے ہیں حالانکہ ان میں بھی مقتول ہوتے ہیں یا یہ کہا جائے کہ غلبہ سے مراد حجت اور دلیل کے ساتھ غالب ہونا ہے۔ چنانچہ وہ ہو چکا اور بعض لوگوں کو **سحروا اعین الناس** سے اس جگہ یہ شبہ ہوا ہے کہ بس سحر کی انتہا یہی ہے کہ نظر بندی ہو جاتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک خاص واقعہ ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سحر کا اثر اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا بلکہ بعض

قسم کے جادو سے حقیقت کا بدلنا بھی ممکن ہے کوئی دلیل عقلی یا نقلی اس کے امتناع پر قائم نہیں اگر یہ شبہ ہو کہ حق تعالیٰ نے اس سحر کو سحر عظیم فرمایا ہے عظیم سے زیادہ تر کوئی چیز نہیں معلوم ہوا کہ اور قسمیں سحر کی اس سے بھی کم ہیں جواب یہ ہے کہ عظیم سے زیادہ اعظم ہے پھر عظیم میں بھی تو مختلف درجے ہو سکتے ہیں ممکن ہے کہ عظیم کا ایک درجہ وہ بھی ہو جس میں حقیقت کا تغیر و تبدل ہو جائے **ربط:** جب موسیٰ علیہ السلام کا یہ بڑا معجزہ منظر عام پر ظاہر ہوا اور جادوگر ایمان لے آئے اور بعضے اور لوگ بھی آپ کے تابع ہو گئے اس وقت فرعون کے اعیان سلطنت یہ دیکھ کر گھبرائے کہ لوگ مسلمان ہو چلے تو انہوں نے فرعون سے گفتگو کی آگے اس کا ذکر ہے۔ **وقال الملاء تا تعملون**

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ

اور قوم فرعون کے سرداروں نے کہا کہ کیا آپ موسیٰ کو اور ان کی قوم

مُوْسٰی وَقَوْمَهٗ

کو یونہی رہنے دیں گے

یعنی مطلق العنان آزاد اور مخلی بالطبع چھوڑ دو گے کہ جو چاہیں کریں۔

لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ

کہ وہ ملک میں فساد کرتے پھریں

فساد یہ کہ اپنا مجمع بڑھا دیں جس کے آخیر میں اندیشہ بغاوت ہے۔

وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ

اور وہ آپ کو اور آپ کے معبودوں کو ترک کئے رہیں

یعنی ان کے معبود ہونے کے منکر رہیں اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کی قوم بھی ہمارے معبودوں کا انکار کرتی رہے مطلب یہ کہ آپ اس کا انتظام کریں فرعون نے کچھ بت بنوا کر تقسیم کر دیئے تھے کہ ان کو ہمارا نائب سمجھ کر ان کی عبادت کرو اور ایک تفسیر میں نظر سے گزرا ہے کہ اپنی تصویر کے بت بنوا کر دیئے تھے واللہ اعلم ۱۲

قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ

فرعون نے کہا کہ ہم ابھی ان لوگوں کے بیٹوں کو قتل کرنا شروع کر دیں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے

یعنی فرعون نے کہا کہ سردست تو یہ انتظام مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے لڑکوں کو قتل کیا جاوے تاکہ ان کا زور نہ بڑھنے پائے اور چونکہ عورتوں کے بڑھنے سے کوئی اندیشہ نہیں نیز ہم کو اپنے کاروبار خدمت کے لئے بھی ضرورت ہے ان کو زندہ چھوڑ دیا جائے۔

وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

اور ہم کو ہر طرح کا ان پر زور ہے

اس انتظام میں کوئی دشواری نہ ہوگی اس مجلس کی گفتگو کی خبر جو بنی اسرائیل کو پہنچی تو بڑے گھبرائے اور موسیٰ علیہ السلام سے چارہ جوئی کی ۱۲

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا سہارا رکھو اور مستقل

وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا

رہو (گھبراؤ مت) یہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے جس کو چاہے مالک (حاکم) بنا

مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ

دیں اپنے بندوں میں سے اور اخیر کامیابی ان ہی کی ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ

لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾

سے ڈرتے ہیں

یعنی یہ ملک فرعون کے پاس چند روزہ ہے آخر کار متقیوں کو غلبہ ہوگا سو تم ایمان و تقویٰ پر قائم رہو انشاء اللہ یہ سلطنت تم ہی کو مل جائے گی تھوڑے دنوں انتظار کی ضرورت ہے ۱۲

قَالُوْۤا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا

قوم کے لوگ کہنے لگے کہ ہم تو ہمیشہ مصیبت ہی میں رہے آپ کی تشریف

وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ

آوری کے قبل بھی اور آپ کی تشریف آوری کے بعد بھی

موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے غایت حسرت اور غم و حزن سے کہا اور اس حالت کا طبعی اقتضا ہوتا ہے کہ بار بار ظالم کی شکایت کی جائے کہ فرعون آپ سے پہلے بھی بیگار لیتا اور مدتوں ہمارے لڑکوں کو قتل کرتا رہا اور اب بھی طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائی جا رہی ہیں کہ دوبارہ پھر قتل اولاد کی تجویز ٹھہری ہے۔

قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ بہت جلد اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کو

وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرَ

ہلاک کر دیں گے اور بجائے ان کے تم کو اس سرزمین کا مالک

كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿۱۲۹﴾ ع

بنا دیں گے پھر تمہارا طرز عمل دیکھیں گے

کہ تم شکر وقدر واطاعت سے پیش آئے ہو یا بے قدری اور غفلت و معصیت سے اس میں اطاعت کی ترغیب اور معصیت سے ڈراوا ہے۔

ولقد اخذنا تا غافلین

وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ

اور ہم نے فرعون والوں کو مبتلا کیا

یعنی جب فرعون اوراس کے تابعین نے انکار ومخالفت پر کمر باندھی تو حسب عادت الٰہیہ ان کو بلیات میں مبتلا کیا۔

بِالسِّنِينَ وَنَقْصٍ مِنَ الثَّمَرَاتِ

قحط سالی میں اور پھلوں کی کم پیداواری میں تاکہ وہ

لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿۱۳۰﴾ فَإِذَا جَاءَتْهُمُ

(حق بات کو) سمجھ جاویں۔ سو جب ان پر خوشحالی آ جاتی

الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا هَٰذِهِ ج

تو کہتے کہ یہ تو ہمارے لئے ہونا ہی چاہئے

یعنی ہم مبارک طالع ہیں یہ ہماری خوش بختی کا اثر ہے یہ نہ ہوا کہ اس کو خدا کی نعمت سمجھ کر شکر بجالاتے اور اطاعت اختیار کرتے غرض حق کو پھر بھی نہ سمجھے وہی کیفیت رہی

وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوا بِمُوسَىٰ

اور اگر ان کو کوئی بدحالی پیش آتی تو موسیٰ علیہ السلام اور ان کے

وَمَنْ مَعَهُ ط

ساتھیوں کی نحوست بتلاتے

کہ یہ ان کی نحوست سے ہوا یہ نہ کیا کہ اس کو اپنے اعمال بد اور کفر و تکذیب کی شامت اور سزا سمجھ کر تائب ہو جاتے حالانکہ یہ سب ان کے ہی اعمال کی شامت تھی۔

أَلَا إِنَّمَا طَائِرُهُمْ عِنْدَ اللَّهِ

یاد رکھو کہ ان کی نحوست اللہ کے علم میں ہے

یعنی ان کے اعمال کفریہ تو اللہ کو معلوم ہیں یہ نحوست ان ہی کے اعمال کی سزا ہے۔

وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۳۱﴾ وَقَالُوا

لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے تھے۔ اور یوں کہتے (خواہ) کیسی ہی

مَهْمَا تَأْتِنَا بِهِ مِنْ آيَةٍ لِتَسْحَرَنَا بِهَا لا

عجیب بات ہمارے سامنے لاؤ کہ اس کے ذریعہ سے ہم پر جادو چلاؤ جب

فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿۱۳۲﴾ فَأَرْسَلْنَا

بھی ہم تمہاری بات ہرگز نہ مانیں گے۔ پھر ہم نے

عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ

ان پر طوفان بھیجا اور ٹڈیاں اور گھن کا کیڑا

وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ

اور مینڈک اور خون

یعنی قحط سالی اور کم پیداواری کے علاوہ یہ بلائیں مسلط کیں کہ ان پر بارش کا طوفان بھیجا جس سے جان و مال تلف ہونے کا اندیشہ ہوا اس سے گھبرائے تو موسیٰ علیہ السلام سے عہد و پیمان کیا کہ ہم سے یہ بلا دور کرائیے تو ہم ایمان لے آویں جب وہ بلا دور ہوئی اور غلہ وغیرہ دلخواہ نکلا پھر بے فکر ہوگئے کہ اب تو جان بھی بچ گئی مال بھی خوب پیدا ہوگا بدستور اپنے کفر و سرکشی پر اڑے رہے۔ تو ہم نے کھیتوں پر ٹڈیاں مسلط کیں جب پھر کھیتوں کو تباہ ہوتے دیکھا تو گھبرا کر ویسے ہی عہد و پیمان کئے پھر جب آپ کی دعاء سے وہ بلا دور ہوئی اور غلہ اپنے گھر لے آئے پھر بے فکر ہوگئے اور کفر و مخالفت پر جمے رہے تو ہم نے اس غلہ میں گھن لگا دیا پھر گھبرائے اور عہد و پیمان کیا جب دعا سے یہ بلا بھی ٹلی اور مطمئن ہوگئے کہ اب کوٹ پیس کر کھاویں پیویں گے پھر وہی کفر رہا تو ہم نے ان کے کھانے کو یوں بے لطف کیا کہ ان پر مینڈک ہجوم کر کے کھانے کے برتنوں میں گرنا شروع ہوئے جس سے سب کھانا غارت ہوا اور گھر میں بیٹھنا بھی مشکل ہوگیا اور پینا یوں بے لطف کر دیا کہ پانی منہ میں خون ہو جاتا منہ میں لیا اور خون بنا غرض ان پر یہ بلائیں مسلط ہوئیں جو شمار میں ۷ ہیں اور ید وعصا کو ملا کر یہ

آیات تسعہ کہلاتی ہیں یعنی نو معجزات ہیں ۱۲

اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ قف فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا

کہ یہ سب کھلے کھلے معجزے تھے ۔ سو تکبر کرتے رہے اور

قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ ﴿۱۳۳﴾

وہ لوگ کچھ تھے ہی جرائم پیشہ

یعنی چاہیئے تھا کہ ان معجزات اور آیات قہر کو دیکھ کر ڈھیلے پڑ جاتے مگر وہ ایسے جرائم پیشہ تھے کہ اتنی سختی پر بھی باز نہ آتے تھے۔

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَیْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا یٰمُوْسَى

اور جب ان پر کوئی عذاب واقع ہوتا تو یوں کہتے کہ اے موسیٰ ہمارے لئے اپنے

ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ج لَئِنْ

رب سے اس بات کی دعا کر دیجئے جس کا اس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے اگر

كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ

آپ اس عذاب کو ہم سے ہٹا دیں تو ہم ضرور آپ کے کہنے سے ایمان لے آویں

وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ج ﴿۱۳۴﴾

گے اور ہم بنی اسرائیل کو بھی رہا کر کے آپ کے ہمراہ کر دیں گے۔ پھر جب ان

فَلَمَّا كَشَفْنَا

سے اس عذاب کو ایک وقت خاص تک

خاص وقت سے مراد دوسری بلا کے آنے سے پہلے کا وقت ہے کہ اس وقت تک وہ بلا ٹل جاتی پھر دوسری بلا میں مبتلا ہو جاتے اور پہلے پہل ان بلاؤں کو موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی نحوست بتلاتے تھے کیونکہ ان کو معمولی خیال کرتے تھے جب بار بار متواتر سخت مصیبت میں پڑنے لگے تب آ کر دعاء اور عہد و پیمان کرتے کراتے۔

عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا

کہ اس تک ان کو پہنچنا تھا ہم ہٹا دیتے تو وہ فوراً ہی عہد شکنی

هُمْ یَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ

کرنے لگتے۔ پھر ہم نے ان سے بدلہ لیا۔

فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا

یعنی ان کو دریا میں غرق کر دیا اس سبب سے کہ وہ ہماری آیتوں کو

بِاٰیٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَاَوْرَثْنَا

جھٹلاتے تھے اور ان سے بالکل ہی بے توجہی کرتے تھے اور ہم نے

الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ

ان لوگوں کو جو کہ بالکل کمزور شمار کئے جاتے تھے اس سرزمین کے

الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا

پورب اور پچھم کا مالک بنا دیا

واورثنا القوم الذین تا یعرشون اس میں اختلاف ہوا ہے کہ اس سرزمین سے مصر مراد ہے یا شام یا دونوں بعض نے اس جگہ اور اوپر ان الارض لله میں بھی مصر مراد لیا ہے اور ایک آیت میں اورثناها بنی اسرائیل میں تصریح ہے کہ یہ لوگ مصر کے ملک ہوئے اور اور اس کی ظاہری برکت تو ظاہر ہے اور باطنی برکت بھی بایں معنی ہو سکتی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا جسد مبارک وہاں مدفون تھا اور ایک عرصہ تک آپ کی سرزمین میں برسریر حکومت رونق افروز رہے اور شام مراد ہو تو اس کی برکت میں کلام کیا ہے اس کی باطنی برکت تو کھلی ہوئی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا مسکن و مدفن رہا ہے اور بغوی نے اس جگہ اور اوپر کی آیت میں شام اور مصر دونوں کا مجموعہ مراد لیا ہے اور یہ قول انسب معلوم ہوتا ہے پھر وارث بنانا عام رہے گا خواہ بطور سکونت کے جیسا کہ ملک شام میں ہوا یا بطور ملکیت کے جیسا کہ مصر میں اگر بعد فرعون کے غرق ہونے کے بنی اسرائیل وہاں آنا یا نہ آنا ثابت ہو جائے ۱۲

الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ط وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ

جس میں ہم نے برکت رکھی ہے اور آپ کے رب کا

الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۙ بِمَا

نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے پورا ہو گیا

صَبَرُوْا ط وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ

اور ہم نے فرعون کے اور اس کی قوم کے ساختہ پرداختہ کارخانوں کو

وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ (۱۳۷)

اور جو کچھ وہ اونچی اونچی عمارتیں بنواتے تھے سب کو درہم برہم کر دیا

یہاں ایک شبہ ہوتا ہے کہ یہاں فرعون کے کارخانوں اور عمارت کا درہم برہم ہونا معلوم ہوتا ہے اور سورہ شعراء کی آیت فاخرجنا هم من جنات و قوله واورثنا ها بنی اسرائیل سے معلوم ہوتا ہے کہ کارخانے اور عمارات صحیح وسالم بنی اسرائیل کے ہاتھ لگیں اس کا جواب احقر کے نزدیک یہ ہے کہ قبضہ میں تو بعینہ آئے لیکن چونکہ دوسری سلطنت عادۃ ہمیشہ پہلی سلطنت کے انتظامات کو متغیر ومتبدل کر دیتی ہے اس لئے درہم برہم کرنا فرمایا اور یہ جواب میری نظر سے نہیں گزرا ایک شبہ یہاں یہ ہوتا ہے کہ اس جگہ صبروا فرمایا ہے جس سے بنی اسرائیل کا صابر ہونا معلوم ہوتا ہے حالانکہ اوپر قالوا اوذینا سے ان کا غیر صابر ہونا مترشح ہوتا ہے جواب اس کا اسی جگہ اشارۃً دیا جاچکا ہے کہ وہ شکایت نہیں بلکہ اظہار غم تھا جو صبر کے منافی نہیں۔ ربط: آگے ایک قصہ کے ضمن میں یہود کی ناشکری اور جہالت کی حکایت ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک گونہ تسلی بھی ہے ان معاملات میں جو آپ کو اپنے زمانہ کے یہود کے ساتھ پیش آتے تھے کہ یہ تو ہمیشہ سے احسان فراموش ہوتے چلے آئے ہیں آپ غم نہ کیجئے واللہ اعلم وجاوزنا ببنی اسرائیل تا عظیم ۱۲

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار اتار دیا پس ان لوگوں کا ایک قوم

عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ

پر گزر ہوا جو اپنے چند بتوں کو لگے بیٹھے تھے کہنے لگے اے موسیٰ ہمارے

قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ

لئے بھی ایک (جسم) معبود ایسا ہی مقرر کر دیجئے جیسے ان کے یہ معبود

اٰلِهَةٌ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ (۱۳۸)

ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ واقعی تم لوگوں میں بڑی جہالت ہے

بغوی نے ان کی اس بیہودہ درخواست کی وجہ یہ لکھی ہے کہ ان کو توحید میں شک نہ ہوا تھا بلکہ اپنے غایت جہل سے یہ سمجھے کہ اگر غائب معبود کی طرف متوجہ ہونے کے لئے حاضر کو ذریعہ بنایا جائے تو یہ امر ایمان اور دینداری کے خلاف نہیں بلکہ اس میں خدا کی تعظیم اور تقرب زیادہ ہے اور چونکہ یہ خیال بھی نقلاً وعقلاً غلط ہے اس لئے اس کو جہل فرمایا پھر اس جہل کا انجام یہ ہوا کہ گوسالہ پرستی میں مبتلا ہو گئے۔

اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا

یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں یہ (منجانب اللہ بھی) تباہ کیا جاوے گا اور

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۱۳۹)

(فی نفسہ بھی) ان کا یہ کام محض بے بنیاد ہے

منجانب اللہ تباہی تو یہ ہے کہ عادۃ اللہ ہمیشہ سے جاری ہے کہ حق کو باطل پر غالب کر کے اس کو درہم برہم کر دیتے ہیں اور فی نفسہ بے بنیاد ہونا اس لئے کہ طریقہ شرک کا باطل ہونا یقینی اور بدیہی ہے۔

قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا

اور فرمایا کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو معبود تجویز کر دوں حالانکہ

دلائل توحید کے علاوہ وہ تمہارا محسن ومنعم بھی ہے۔ ۱۲

وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ (۱۴۰)

اس نے تم کو تمام جہان والوں پر فوقیت دی ہے

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے قول کی تائید کے لئے ارشاد فرمایا (آگے ترجمہ) دیکھو) ۱۲

وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ

اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم کو فرعون والوں (کے ظلم وایذا) سے بچا لیا جو تم کو

سُوْۗءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَاۗءَكُمْ

بڑی سخت تکلیفیں پہنچاتے تھے تمہارے بیٹوں کو (بکثرت) قتل کر ڈالتے تھے

وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَاۗءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ

اور تمہاری عورتوں کو (اپنی بیگار اور خدمت کے لئے) زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس

مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ (۱۴۱)

(واقعہ) میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی بھاری آزمائش تھی

اور بھی بہت سے احسان ہیں لیکن اگر یہی ایک یاد رکھو تو احسان ماننے کو بہت ہے تم نے کیا اچھا احسان مانا کہ شرک پر آمادہ ہو گئے۔ ربط: جب بنی اسرائیل سب پریشانیوں سے مطمئن ہو گئے تو موسیٰ علیہ السلام سے

درخواست کی کہ اب ہم کو کوئی شریعت ملے تو اس پر بفراغ خاطر عمل کریں۔ موسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے درخواست کی وعدہ ہوا کہ طور پر آ کر تیس دن معتکف ہو تو تم کو شریعت کی کتاب توریت دی جائے پھر توریت دے کر دس راتیں ان میں اور بڑھا دیں جس کی وجہ سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے آگے یہ قصہ بیان فرماتے ہیں ووعدنا موسیٰ تا کانوا یعملون.

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا
اور ہم نے موسیٰ سے تیس شب کا وعدہ کیا
بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ
اور دس شب کو ان تیس شب کا تتمہ بنایا۔ سو ان کے پروردگار کا وقت پورے چالیس
لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ
شب ہو گیا اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہہ دیا تھا
اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ
کہ میرے بعد ان لوگوں کا انتظام رکھنا

موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام سے جو یہ بات فرمائی کہ میرے بعد تم میرے جانشین ہو اس سے نبوت میں خلیفہ کرنا مراد نہ تھا بلکہ ہارون علیہ السلام تو خود نبی تھے لیکن وہ حاکم اور سلطان نہ تھے اس وقت اس خاص صفت میں خلیفہ کرنا منظور تھا کہ میرے بعد حکومت و انتظام کا کام بھی تمہارے سپرد ہے ۱۲

وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾
اور اصلاح کرتے رہنا اور بد نظم لوگوں کی رائے پر عمل مت کرنا اور جب موسیٰ علیہ السلام ہمارے
وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ
وقت (موعود) پر آئے اور ان کے رب نے ان سے بہت ہی (لطف و عنایت کی) باتیں کیں۔

تو شدت انبساط سے دیدار کا اشتیاق پیدا ہوا (ترجمہ دیکھو)

قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ قَالَ لَنْ
تو عرض کیا کہ اے میرے پروردگار اپنا دیدار مجھ کو دکھلا دیجئے کہ میں آپ کو
تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ
ایک نظر دیکھ لوں ارشاد ہوا کہ تم مجھ کو (دنیا میں) ہرگز نہیں دیکھ سکتے

کیونکہ یہ آنکھیں تاب جمال نہیں لا سکتیں جیسا کہ حدیث میں ہے لاحرقت سبحات وجھه ما انتھیٰ الیه بصره کہ اگر اللہ تعالیٰ (دنیا میں) تجلی فرماویں تو انوار وجہ سے جہاں تک ان کی نظر پہنچتی ہے سب جل جاویں (اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کی نظر تمام عالم کو محیط ہے تو سب دنیا جل جائے باقی عالم آخرت چونکہ دنیا سے زیادہ اس میں قوت ہے اس لئے وہ نہیں جلے گا)

اِلَى الْجَبَلِ
لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو

یعنی ہم تمہاری تشفی کے لئے یہ تجویز کرتے ہیں کہ ہم اس پہاڑ پر ایک جھلک ڈالتے ہیں اور پہاڑ پر تجلی ہونے کے معنے واللہ اعلم یہ سمجھ میں آتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ کا خاص نور بارادہ الٰہی خلائق سے محجوب ہے اور جن واسطوں سے محجوب ہے وہ حجابات اور موانع ہیں تعیین ان کی اللہ کو معلوم پس غالباً ان حجابات میں سے بعض حجاب اٹھا دیئے گئے ہوں اور چونکہ تھوڑے سے حجاب مرفوع ہوئے تھے اس لئے ترمذی کی مرفوع حدیث میں تمثیل کے طور پر ان کی قلت کو چھوٹی انگلی کے پور سے تشبیہ دی گئی ورنہ صفات الٰہیہ مقدار اور اجزاء سے پاک ہیں اور چونکہ خدا تعالیٰ کے افعال اختیاری ہیں اس لئے ممکن ہے کہ وہ حجاب پہاڑ کے اعتبار سے اٹھ گئے ہوں اور موسیٰ علیہ السلام اور دیگر خلائق کے واسطے مرتفع نہ ہوئے ہوں ۱۲

فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ
سو اگر یہ اپنی جگہ پر برقرار رہا تو (خیر) تم بھی دیکھ سکو گے پس
فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ
ان کے رب نے جو اس پر تجلی فرمائی۔ تجلی نے اس (پہاڑ) کے پرخچے
مُوْسٰى صَعِقًا ۚ
اڑا دیئے اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے

موسیٰ علیہ السلام کی بیہوشی اس وجہ سے نہ تھی کہ خود ان پر تجلی ہوئی کیونکہ بظاہر للجبل سے معلوم ہوتا ہے کہ تجلی الٰہی خاص پہاڑ کے حق میں ہوئی بلکہ پہاڑ کی یہ حالت دیکھ کر اور تجلی کی جگہ کے ساتھ اتصال اور تعلق ہونے سے یہ بے ہوشی ہوئی اور تجلی ہو جانے سے دیدار کا شبہ نہ کیا جائے کیونکہ تجلی سے دیدار کا ہونا لازم نہیں آتا تجلی کے معنے صرف ظاہر ہونے کے ہیں گو دوسرے کو اس کا ادراک نہ ہو جیسا کہ آفتاب روز ظاہر ہوتا ہے مگر آشوب چشم والا اس کو نہیں دیکھ سکتا موسیٰ علیہ السلام کی درخواست دیدار سے دنیا میں اس کا عقلاً ممکن ہونا اور حق تعالیٰ کے جواب سے شرعاً

محال ہونا معلوم ہوتا ہے یہی مذہب ہے اہل سنت و جماعت کا اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جو حق تعالیٰ نے کلام فرمایا اس کی حقیقت اللہ ہی کو معلوم ہے البتہ قرآن مجید کے الفاظ سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اس کلام کو بہ نسبت اس کلام کے جو کہ عطائے نبوت کے وقت موسیٰ علیہ السلام سے ہوا تھا کچھ زیادہ خصوصیت حق تعالیٰ کے ساتھ ہے کہ یہاں کلمہ ربہ فرمایا ہے کہ ان سے خدا نے کلام کیا اور وہاں یہ فرمایا ہے کہ درخت سے مبارک جگہ میں ان کو ندا ہوئی اور غالباً اس زیادہ خصوصیت ہی کی وجہ سے یہ کلام اشتیاق دیدار کا سبب بن گیا جو نہیں ہوا واللہ اعلم

فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ

پھر جب افاقہ میں آئے تو عرض کیا بیشک آپ کی ذات منزہ (اور رفیع) ہے

یعنی آپ کی ذات ان آنکھوں کی برداشت سے پاک ہے ۱۲

تُبْتُ اِلَيْكَ

میں آپ کی جناب میں معذرت کرتا ہوں

یعنی اس مشتاقانہ درخواست کی معافی چاہتا ہوں۔

وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾

اور سب سے پہلے میں اس پر یقین کرتا ہوں

یعنی حضور کا جو ارشاد ہے لن ترانی کہ تم مجھ کو نہیں دیکھ سکتے سب سے پہلے میں اس پر یقین کرتا ہوں ۱۲

قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى

ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ (یہی بہت ہے کہ) میں نے پیغمبری اور اپنی

النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَآ

ہمکلامی سے اور لوگوں پر تم کو امتیاز دیا ہے۔ تو (اب) جو کچھ تم کو میں

اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَكَتَبْنَا

نے عطا کیا ہے اس کو لو اور شکر کرو اور ہم نے چند تختیوں پر ہر قسم کی

لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً

(ضروری) نصیحت اور (احکام ضروریہ کے متعلق) ہر چیز کی تفصیل ان کو

وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ فَخُذْهَا

لکھ کر دی تو ان کو کوشش کے ساتھ (خود بھی) عمل میں لاؤ اور اپنی قوم کو

بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۭ

(بھی) حکم کرو کہ ان کے اچھے اچھے احکام پر عمل کریں میں اب بہت

سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

جلد تم لوگوں کو ان بے حکموں کا مقام دکھلاتا ہوں

اس مقام سے مراد یا مصر ہے یا شام اور فاسقین یا فرعون کی قوم ہے یا عمالقہ جو شام پر مسلط تھے اس احتمال کی وجہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل کا مصر میں واپس آنا یا نہ آنا اس میں اقوال مختلف ہیں غرض مقصود اس سے اطاعت کی ترغیب دینا ہے کہ اس کی برکت سے دشمنوں کے ملک پر عنقریب تسلط ہو جائیگا ۱۲

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِىَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ

میں ایسے لوگوں کو اپنے احکام سے برگشتہ ہی رکھوں گا جو دنیا میں تکبر

فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ

کرتے ہیں جس کا ان کو کوئی حق حاصل نہیں

کیونکہ اپنے کو بڑا سمجھنا حق اس کا ہے جو واقع میں بڑا ہو اور وہ ایک خدا کی ذات ہے۔

وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ

اور اگر تمام نشانیاں دیکھ لیں تب بھی ان پر ایمان نہ لاویں اور اگر

يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ

ہدایت کا راستہ دیکھیں تو اس کو اپنا طریقہ نہ بناویں

وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَىِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۭ

اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو اس کو اپنا طریقہ بنا لیں

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا

یہ اس سبب سے ہے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھوٹا بتلایا اور ان سے

غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾

غافل رہے

ان کی حقیقت میں غور نہیں کیا یہ سزا تو دنیا میں ہوئی کہ ہدایت سے

محروم رہے آگے سزائے آخرت کا بیان ہے۔

وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ

اور یہ لوگ جنہوں نے ہماری آیتوں کو اور قیامت کے پیش آنے کو جھٹلایا

حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا

ان کے سب کام غارت گئے اور ان کو وہی سزا دی جاوے گی جو کچھ

مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ وَاتَّخَذَ قَوْمُ

یہ کرتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے

مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِیِّهِمْ

ان کے بعد اپنے (مقبوضہ) زیوروں کا

واتخذ قوم موسی تا یرهبون یعنی وہ مقبوضہ زیور جو قبطیوں سے مصر سے نکلتے وقت شادی کے بہانہ سے مانگ لیا تھا

عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ

ایک بچھڑا ٹھہرالیا جو کہ ایک قالب تھا جس میں ایک آواز تھی

یعنی صرف اتنی حقیقت رکھتا تھا اور اس میں کوئی کمال نہ تھا جس سے کسی عاقل کو اس کی معبودیت کا شبہ ہو سکے اس بچھڑے کے بارے میں سلف کے دو قول ہیں ایک یہ کہ وہ سچ مچ کا بچھڑا ہو گیا تھا ایک یہ کہ وہ چاندی سونے ہی کا رہا اور بقدر آواز کرنے کے اس میں حیات آ گئی تھی اور دونوں باتیں قدرت خدا میں داخل ہیں اس لئے یہ کہنا بلا دلیل ہے یہ آواز ایسی تھی۔ جیسے مٹی کے کھلونوں میں صنعت سے ہوتی ہے ۱۲

اَلَمْ یَرَوْا اَنَّهٗ لَا یُكَلِّمُهُمْ وَلَا

کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ ان سے بات تک نہیں کرتا تھا اور نہ

یَهْدِیْهِمْ سَبِیْلًا ۘ

ان کو کوئی راہ بتلاتا تھا

یعنی اس میں تو آدمی کے برابر بھی قدرت نہ تھی خدا کی سی صفات تو اس میں کیا ہوتیں ۱۲

اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِیْنَ ﴿۱۴۸﴾

اس کو انہوں نے معبود قرار دیا تھا اور بڑا بے ڈھنگا کام کیا

کیونکہ اس میں کوئی وجہ اصلا شبہ کی نہ تھی آگے ان کے متنبہ ہونے کا بیان ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے واپس آنے کے بعد ان کے تنبیہ فرمانے سے متنبہ ہوئے۔

وَلَمَّا سُقِطَ فِیْۤ اَیْدِیْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ

اور جب نادم ہوئے اور معلوم ہوا کہ واقعی وہ لوگ گمراہی میں پڑ گئے

ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ یَرْحَمْنَا رَبُّنَا

تو کہنے لگے کہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ کرے

وَیَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۱۴۹﴾

اور ہمارا (یہ) گناہ معاف نہ کرے تو ہم بالکل گئے گزرے

چنانچہ خاص طریقہ سے ان کو تکمیل توبہ کا حکم ہوا جس کا قصہ سورۂ بقرہ آیت فاقتلوا انفسکم میں گزر چکا ہے آگے موسیٰ علیہ السلام کے متنبہ فرمانے کا قصہ ہے ۱۲

وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ

اور جب موسیٰ اپنی قوم کی طرف واپس آئے غصہ اور رنج میں

اَسِفًا ۙ

بھرے ہوئے

کیونکہ ان کو وحی سے یہ معلوم ہو گیا تھا سورۂ طٰہٰ میں ہے قال فانا قد فتنا الخ تو اول قوم کی طرف متوجہ ہوئے۔

قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِیْ مِنْۢ بَعْدِیْ ۚ

تو فرمایا کہ تم نے میرے بعد یہ بڑی نامعقول حرکت کی کیا اپنے رب کے حکم

اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ

(آنے) سے پہلے ہی تم نے جلد بازی کر لی

میں تو احکام ہی لینے گیا تھا اس کا انتظار تو کیا ہوتا پھر حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے۔

وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ

اور جلدی سے تختیاں ایک طرف رکھیں

اور جلدی میں ایسے زور سے رکھیں کہ دیکھنے والے کو اگر غور نہ کرے تو شبہ ہو کہ جیسے پٹک دی ہوں اور چونکہ موسیٰ علیہ السلام کا غصہ للہ تھا اس کی

ایسی مثال ہے جیسے کسی مباح چیز کے استعمال سے نشہ ہو گیا ہو کہ اس میں انسان مکلف نہیں رہتا اس پر دوسروں کے غصہ کو جو نفس کے واسطے ہو قیاس نہیں کر سکتے بلکہ دوسروں کے غصہ کی مثال ایسی ہے جیسے حرام چیز کے استعمال سے نشہ ہو گیا ہو کہ اس میں وہ شرعاً مکلف رہتا ہے چنانچہ شراب کے نشہ میں اگر طلاق دے دے تو شرعاً واقع ہو جائے گی نیز عادۃً ممکن ہے کہ شدت مشغولی میں خیال نہ رہا ہو کہ میرے ہاتھ میں کیا ہے اور بھائی سے دارو گیر کرنے کے لئے ہاتھ خالی کرنا ہو اس لئے تورات کی تختیاں ڈال دی ہوں جیسے اکثر بات چیت میں یہ کسی خیال کے غلبہ میں اکثر ایسے واقعات پیش آ جاتے ہیں اور بعض نے لکھا ہے کہ القاء کے معنے یہاں ڈال دینے کے نہیں بلکہ مجازاً جلدی سے رکھ دینے کے ہیں چنانچہ ترجمہ میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔

وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ؕ

اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹنے لگے

یعنی کیوں تم نے پورا انتظام نہ کیا اور چونکہ غلبہ غضب میں ایک گونہ بے اختیاری ہو گئی تھی اور غضب بھی دین کے لئے تھا اس لئے اس بے اختیاری کو معتبر قرار دیا جاوے گا اور اس اجتہادی لغزش پر اعتراض نہ کیا جاویگا۔

قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ

ہارونؑ نے کہا کہ اے میرے ماں جائے (بھائی) ان لوگوں نے مجھ کو بے

وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ۡۖ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ

حقیقت سمجھا اور قریب تھا کہ مجھ کو قتل کر ڈالیں تم مجھ پر (سختی کر کے)

وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۵۰

دشمنوں کو مت ہنساؤ اور مجھ کو ان ظالموں کے ذیل میں مت شمار کرو

یعنی میں نے اپنی کوشش بھر ان کو بہت روکا مگر انہوں نے میری نصیحت نہ مانی تو میرے ساتھ وہ سختی کا برتاؤ نہ کرو جو ان کے ساتھ کرنا چاہئے۔

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ

موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اے میرے رب میری خطا معاف فرما دے اور میرے بھائی کی بھی

کہ شاید ان مشرکین کے ساتھ قطع تعلق اور علیحدگی اختیار کرنے میں کچھ ان سے کوتاہی ہو گئی ہو جیسا اس قول سے معلوم ہوتا ہے۔ **ما منعک اذ رأیتھم ضلوا ان لا تتبعن الخ** کہ جب اے ہارون تم نے ان کو گمراہ ہوتے دیکھا تو ان سے علیحدہ ہو کر میرے پیچھے کیوں نہ چلے آئے۔

وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۡۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ

اور ہم دونوں کو اپنی رحمت میں داخل فرمائیے اور آپ سب رحم کرنے والوں

الرّٰحِمِيْنَ ۝۱۵۱

سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں

اس لئے ہم کو قبول دعا کی امید ہے پھر حق تعالیٰ نے ان گوسالہ پرستوں کے بارہ میں موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا (ترجمہ دیکھو)

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ

بیشک جن لوگوں نے گوسالہ پرستی کی ہے ان پر بہت جلد ان کے رب کی

غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ

طرف سے غضب اور ذلت اس دنیوی زندگی ہی میں پڑے گی

وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ۝۱۵۲

اور ہم افترا پردازوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں

کہ دنیا میں ہی ان پر غضب اور ذلت نازل کرتے ہیں گو کسی عارض کی وجہ سے کبھی اس ذلت کا ظہور نہ ہو یا دیر میں ہو چنانچہ سامری نے جب توبہ نہ کی اس پر غضب اور ذلت کا نزول ہوا جس کا قصہ سورہ طٰہٰ میں ہے

وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا

اور جن لوگوں نے گناہ کے کام کئے پھر وہ انکے بعد توبہ کر لیں اور ایمان لے آویں تو

وَاٰمَنُوْٓا ۡاِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۵۳

تمہارا رب اس توبہ کے بعد گناہ کا معاف کر دینے والا اور رحمت کرنیوالا ہے

گو تکمیل توبہ کے لئے **اقتلوا انفسکم** کا بھی حکم ہوا کہ گوسالہ پرستوں کو قتل کیا جاوے کیونکہ یہ رحمت کے منافی نہیں اصل رحمت آخرت کی ہے چنانچہ توبہ کرنے والوں کی خطا اسی طرح معاف ہو گئی ۱۲

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ

اور جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ فرو ہوا تو ان تختیوں کو اٹھا لیا

الْاَلْوَاحَ ۚۖ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ

اور ان کے مضامین میں ان لوگوں کے لئے جو اپنے رب سے

لِلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

ڈرتے تھے ہدایت اور رحمت تھی

یعنی وہ احکام تھے جن پر عمل کرنے سے انسان ہدایت کے ساتھ موصوف اور رحمت کے ساتھ موعود ہوتا ہے ربط : جب گوسالہ کا قصہ تمام ہوا تو موسیٰ علیہ السلام نے اطمینان سے توراۃ کے احکام سنائے ان لوگوں کی عادت شبہات نکالنے کے لئے تھی ہی چنانچہ اس میں بھی شبہ نکالا کہ ہم کو کیسے معلوم ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں ہم سے اللہ تعالیٰ خود فرماویں تو یقین کیا جاوے آپ نے حق تعالیٰ سے عرض کیا وہاں سے حکم ہوا کہ ان میں سے کچھ آدمی جن کو یہ لوگ معتبر سمجھتے ہیں منتخب کر کے طور پر لے آؤ ہم ان سے خود کہہ دیں گے کہ یہ ہمارے احکام ہیں اور اس کے لئے ایک وقت معین کیا گیا واختار موسیٰ تا یومنون

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ

اور موسیٰ نے ستر آدمی اپنی قوم میں سے ہمارے وقت معین (پر لانے) کیلئے منتخب کئے

چنانچہ وہاں پہنچ کر انہوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا تو ان میں یہ شاخ نکالی کہ خدا جانے کون بول رہا ہوگا ہم تو جب یقین لاویں کہ خدا تعالیٰ کو کھلم کھلا اپنی آنکھ سے دیکھ لیں خدا تعالیٰ نے اس گستاخی کی سزا دی نیچے سے زلزلہ شدید شروع ہوا اور اوپر سے ایسی کڑک بجلی کی ہوئی کہ سب وہیں کے وہیں رہ گئے ۱۲

فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ

سو جب ان کو زلزلہ (وغیرہ) نے آ پکڑا

تو موسیٰ ڈرے کہ بنی اسرائیل جاہل اور بدگمان تو ہیں ہی یوں سمجھیں گے کہ کہیں لے جا کر کسی طریق سے ان کا کام تمام کر دیا ہے۔ (آگے ترجمہ) ۱۲

قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ

تو موسیٰ علیہ السلام عرض کرنے لگے کہ اے میرے پروردگار اگر آپ کو یہ منظور

وَاِيَّايَ ۭ

ہوتا تو آپ اس کے قبل ہی ان کو اور مجھ کو ہلاک کر دیتے

کیونکہ ان کا اس وقت ہلاک ہونا بنی اسرائیل کے ہاتھوں میرا بھی ہلاک ہونا ہے سو اگر آپ کو یہ مقصود ہوتا تو پہلے بھی آپ ایسا کر سکتے تھے مگر جب ایسا نہیں کیا تو مجھ کو یقین ہے کہ ان لوگوں کو محض سزا دینا منظور ہے خاص ہلاک کرنا مقصود نہیں کیونکہ اس سے میری ہلاکت بھی ہے اور بدنامی بھی اور آپ سے امید ہے کہ مجھ کو بدنام نہ کریں گے۔

اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ

کیا آپ ہم میں کے چند بیوقوفوں کی حرکت پر سب کو ہلاک کر دیں گے

کہ "بیوقوفی تو کریں یہ لوگ کہ یہ ایسی گستاخی کی فرمائشیں کریں اور ساتھ میں بنی اسرائیل کے ہاتھوں ہلاک ہوں مجھے بھی آپ سے امید ہے کہ ایسا نہ کریں گے ۱۲

اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۭ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ

یہ واقعہ محض آپ کی طرف سے ایک امتحان ہے ایسے امتحانات سے جس کو آپ

وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ۭ

چاہیں گمراہی میں ڈال دیں اور جس کو آپ چاہیں ہدایت پر قائم رکھیں

جو ایسے امتحان سے خدا کی شکایت اور ناشکری کرنے لگے وہ گمراہ اور جو اس کی حکمتوں اور مصلحتوں کو سمجھتا ہے وہ ہدایت پر قائم ہے سو میں آپ کے فضل وکرم سے آپ کے حکیم ہونے کا علم رکھتا ہوں لہذا اس امتحان میں مطمئن ہوں

اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ

آپ ہی تو ہمارے خبر گیراں ہیں ہم پر مغفرت اور رحمت فرمائیے اور آپ سب

الْغٰفِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾

معافی دینے والوں سے زیادہ بہتر ہیں

سو ان کی گستاخی بھی معاف کر دیجئے چنانچہ وہ لوگ صحیح وسالم اٹھ کھڑے ہوئے سورۃ بقرہ معاملہ ہفتم وہشتم ملاحظہ ہو آگے اس دعاء کے ساتھ رحمت کی تفصیل کرتے ہوئے آپ نے اور دعاء کی ۱۲

وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً

اور ہم لوگوں کے نام دنیا میں بھی نیک حالی لکھ دیجئے اور آخرت میں بھی۔

وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ۭ

ہم آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے

موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اے موسیٰ میری رحمت تو مطلقاً غضب پر سبقت رکھتی ہے اگرچہ مستحق عذاب کا ہر نافرمان ہے لیکن پھر بھی سب پر واقع نہیں کرتا بلکہ ان میں سے خاص خاص متمردوں اور سرکشوں پر واقع کرتا ہوں اور باوجودیکہ ان میں سے بہت سی مخلوق جو سرکش ومعاند ہیں رحمت کے مستحق نہیں مگر ان پر بھی ایک گونہ رحمت ہے گو دنیا میں ہی سہی (ترجمہ) ۱۲

قَالَ عَذَابِیْٓ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِیْ

فرمایا میں اپنا عذاب تو اسی پر واقع کرتا ہوں جس پر چاہتا ہوں

وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ

اور میری رحمت تمام اشیاء کو محیط ہو رہی ہے تو وہ رحمت تو ان لوگوں کے

یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِیْنَ

نام تو ضرور ہی لکھوں گا جو کہ خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے

هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ۚ﴿۱۵۶﴾

ہیں اور جو کہ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں

کیونکہ یہ لوگ بوجہ اطاعت کے حسب وعدہ الٰہیہ رحمت کے مستحق بھی ہیں اور نمونہ کے طور پر ہر قسم کی اطاعت کا ایک عمل بیان فرمادیا ہے چنانچہ خدا سے ڈرنا منجملہ اعمال قلب سے ہے اور زکوٰۃ دینا اعمال جوارح سے ہے اور ایمان لانا عقائد کی قسم میں سے ہے غرض جس درجہ اطاعت ہوگی اسی درجہ کی رحمت ہوگی تو ایسے لوگ تو پہلے سے ہی مستحق رحمت ہیں گو موسیٰ علیہ السلام درخواست بھی نہ کرتے اور اب تو آپ درخواست بھی کر رہے ہیں پس اس میں قبول دعا کی بشارت ہے کہ آپ تو رحمت کے مستحق ہیں ہی آپ کی قوم میں بھی جو مورد رحمت بننا چاہے وہ ایسے ہی اوصاف اختیار کرے تا کہ مستحق رحمت ہو جاوے ربط: آگے بطور جملہ معترضہ کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک کے اہل کتاب کو سنانے کے لئے ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ تو معلوم ہو گیا کہ رحمت کاملہ کا استحقاق اسی کو ہے جو اطاعت کاملہ کرے اور اب دورہ نبوت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اطاعت کاملہ کا مصداق وہی لوگ ہیں جو آپ کی اطاعت کرتے ہیں بالخصوص جب کہ علاوہ دیگر دلائل نبوت کے توریت وانجیل میں آپ کی پیشین گوئی بھی موجود پاتے ہیں تب تو اہل کتاب کو اطاعت نہ کرنے میں کوئی بھی عذر نہیں اس کے بعد قل یا یھا الناس میں تمام لوگوں کو عام خطاب فرما کر سب کے اوپر آپ کی اطاعت کا واجب ہونا بھی بتلایا ہے پھر ومن قوم موسیٰ میں ان اہل کتاب کی مدح ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع تھے اس کے بعد پھر قصہ موسویہ کی تتمیم ہے الذین یتبعون تا بہ یعدلون.

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ

جو لوگ ایسے رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں

الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی

جن کو وہ لوگ اپنے پاس توریت و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں

التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ ؗ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ

(جن کی صفت یہ بھی ہے کہ) وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری

وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ

باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لئے حلال بتاتے ہیں

گو وہ پہلی شریعتوں میں حرام تھیں حاصل یہ ہے کہ یہود پر بعض چیزیں خبیث ہونے کی وجہ سے حرام نہ تھیں بلکہ شرارت وسرکشی کی وجہ سے حرام ہو گئی تھیں آپ کی شریعت میں پھر ان کے طیب ہونے کے موافق عملدرآمد ہوا اور امی کے معنے یہ ہیں کہ جیسے آدمی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے کہ کسی کا شاگرد نہیں ہوتا اسی طرح آپ نے عمر بھر کسی کی شاگردی پڑھنے لکھنے میں نہیں کی پھر یہ علوم عالیہ اور باریک حقائق ظاہر فرمائیں یہ کتنا بڑا کمال ہے اور موجودہ توریت اور انجیل باوجود محرف ہونے کے آپ کے اوصاف اور بشارت سے خالی نہیں اور اگر بشارات میں صرف اشارات اور علامات کافی نہیں بلکہ تصریح نام کی حاجت ہے تو اس وقت کے علماء کا ان آیتوں کو سن کر خاموش ہو جانا دلیل صریح ہے کہ اس وقت نام بھی ہوگا ورنہ وہ لوگ معارضہ کرتے اور وہ معارضہ تواریخ میں منقول ہوتا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ توریت وانجیل کی تحریفیں بڑھتی گئیں۔ اخذتہ من فتح المنان اور توریت وانجیل کی تخصیص اس لئے کی گئی کہ وہ کتب شریعت سمجھی جاتی تھیں ورنہ آپ کی بشارت زبور میں بھی تھی۔۱۲

وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ

اور گندی چیزوں کو (بدستور) ان پر حرام فرماتے ہیں

عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ

اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے

كَانَتْ عَلَیْهِمْ ؕ

ان کو دور کرتے ہیں

یعنی ایسے احکام سخت سخت جو پہلے تھے آپ کی شریعت میں منسوخ ہو جاتے ہیں۔

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ

سو جو لوگ اس نبی (موصوف) پر ایمان لاتے ہیں ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان

وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰۗىِٕكَ

کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے ایسے

هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿١٥٧﴾ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ

لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اے (دنیا جہان کے) لوگو

اس آیت سے آپ کی عموم نبوت ثابت ہوئی آپ کی نبوت کا عام ہونا دلائل قطعیہ سے ثابت ہے اور لفظ یآیہا الناس میں عرف کے اعتبار سے جن بھی داخل ہیں جیسے فی صدور الناس من الجنة والناس میں کہا گیا ہے۔

اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَاۨ الَّذِيْ

میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا (پیغمبر) ہوں جس کی بادشاہی

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ

ہے تمام آسمانوں اور زمین میں۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں

اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ

وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے سو (ایسے) اللہ پر ایمان لاؤ

وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ

اور اس کے (ایسے) نبی امی پر (بھی)

رسول اور نبی میں چند فرق بیان کئے گئے ہیں احقر آیات قرآنیہ سے یہ سمجھتا ہے کہ نبی صرف نوع بشر کے ساتھ خاص ہے اور رسول ملائکہ کو بھی عام ہے دو صفتیں آپ کی بیان فرمانے سے تاکید مقصود ہے کہ آپ نبی بھی ہیں رسول بھی ہیں۔

الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ

جو کہ (خود) اللہ پر اور اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں

یعنی باوجود اتنے بڑے رتبہ کے بھی ان کو اللہ پر اور سب رسولوں اور کتابوں پر ایمان لانے سے عار نہیں تو تم کو اللہ و رسول پر ایمان لانے سے کیوں انکار ہے۔

وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿١٥٨﴾

اور ان (نبی) کا اتباع کرو تاکہ تم راہ (راست) پر آجاؤ

آگے بتلاتے ہیں کہ گو بعض لوگوں نے آپ کی مخالفت کی لیکن اہل کتاب میں جو منصف تھے انہوں نے آپ کا اتباع اختیار کیا۔

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ

اور قوم موسیٰ میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو (دین) حق کے موافق

بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿١٥٩﴾

ہدایت کرتے ہیں اور اسی کے موافق انصاف بھی کرتے ہیں

یعنے اپنے اور غیروں کے معاملات میں اسلام کے موافق عمل کرتے ہیں مراد اس سے عبداللہ بن سلام وغیرہ علماء اہل کتاب ہیں اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ آپ کی نبوت جیسے دلائل و معجزات سے ثابت ہے اسی طرح اہل علم کی شہادت سے بھی اس کی تائید ہو چکی ہے۔ ربط: اوپر کچھ قصہ موسیٰ علیہ السلام کا مذکور تھا درمیان میں ایک دوسرا ضروری مضمون مناسب مقام آ گیا تھا آگے پھر قصہ مذکورہ کا تتمہ ہے۔ وقطعنهم تا يظلمون

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ۭ

اور ہم نے ان کو بارہ خاندانوں میں تقسیم کر کے سب کی الگ الگ جماعت مقرر کر دی

بنی اسرائیل پر ایک انعام ہم نے یہ کیا کہ ان کی اصلاح اور انتظام کے لئے ہر خاندان پر ایک سردار نگرانی کے لئے مقرر کر دیا آگے دوسرے انعام کا ذکر ہے۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ

اور (ایک انعام یہ کیا کہ) ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا جبکہ ان کی قوم

قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ

نے ان سے پانی مانگا کہ اپنے عصا کو فلاں پتھر پر مارو

موسیٰ علیہ السلام نے جب پانی کے لئے دعا کی اس وقت یہ حکم ہوا کہ عصا کو پتھر پر مارو اس سے پانی نکل آوے گا۔

فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ

بس (مارنے کی دیر تھی فوراً) اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے

ان ہی بارہ خاندانوں کے عدد کے موافق بارہ چشمے جاری ہو گئے۔

قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ

(چنانچہ) ہر ہر شخص نے اپنے پانی پینے کا موقع معلوم کر لیا

آگے تیسرے اور چوتھے انعام کا ذکر ہے

وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا

اور (ایک انعام یہ کیا کہ) ہم نے ان پر ابر کو سایہ افگن کیا اور (ایک انعام یہ

عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ

کیا کہ) ان کو ترنجبین اور بٹیریں پہنچائیں (اور اجازت دی کہ) کھاؤ نفیس

طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ

چیزوں سے جو کہ ہم نے تم کو دی ہیں

لیکن وہ لوگ اس میں بھی ایک بات خلاف حکم کر بیٹھے ۱۲

وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

اور انہوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا لیکن اپنا ہی نقصان

يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

کرتے تھے

یہ واقعات وادی تیہ کے ہیں ان کی تفصیل سورۃ بقرہ میں گزر چکی

واذقیل لھم تا بما کانوا یظلمون.

وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ

اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب ان کو حکم دیا گیا کہ تم لوگ اس آبادی میں جا

وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا

کر رہو اور کھاؤ اس سے جس جگہ تم رغبت کرو اور زبان سے یہ کہتے جانا

حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ

کہ توبہ ہے (توبہ ہے) اور (عاجزی سے) جھکے ہوئے دروازہ میں داخل

لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ؕ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾

ہونا ہم تمہاری (پچھلی) خطائیں معاف کر دیں گے (یہ تو سب کیلئے ہوگا

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا

اور) جو لوگ نیک کام کریں گے ان کو مزید برآں اور دینگے سو بدل ڈالا

غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا

ان ظالموں نے ایک اور کلمہ جو خلاف تھا اس کلمہ کے جس کی ان سے

عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا

فرمائش کی گئی تھی۔ اس پر ہم نے ان پر ایک آفت سماوی بھیجی اس وجہ سے

كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ ع

کہ وہ حکم کو ضائع کرتے تھے

اس کی تفصیل بھی سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ کیجئے ربط: یہاں تک موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے بنی اسرائیل کے قصے مذکور ہوئے اور آئندہ رکوع کی آخیر آیت **واذنتقنا الجبل** الخ میں بھی آپ ہی کے زمانہ کا قصہ مذکور ہے درمیان میں دوسرے اوقات کے حالات اور افعال بنی اسرائیل کے مذکور ہوتے ہیں۔ **وسئلھم تا خاسئین**

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ

اور آپ ان (اپنے ہم عصر یہودی) لوگوں سے (بطور تنبیہ) اس بستی والوں

حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ

کا جو کہ دریائے شور کے قریب آباد تھے

وہاں یہودی رہتے تھے اور اس بستی کا نام اکثر نے ایلہ لکھا ہے دریا کے قرب کی وجہ سے یہ لوگ مچھلی کے شکار کے شوقین تھے اور ہفتہ کے روز ان کو شکار کرنا ممنوع تھا ۱۲

اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ

اس وقت کا حال پوچھئے جبکہ وہ ہفتہ کے بارہ میں حد (شرعی) سے نکل رہے تھے

وہ لوگ ایک حیلہ سے شکار کرتے تھے اور جو حیلہ انہوں نے اختیار کیا تھا اس میں مفسرین کے اقوال مختلف ہیں اس کے متعلق کچھ مباحث سورہ بقرہ میں گزر چکے ہیں۔

اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ

جبکہ ان کے ہفتے کے روز تو ان (کے دریا) کی مچھلیاں ظاہر ہو ہو کر ان کے

شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۛ

سامنے آتی تھیں اور جب ہفتے کا دن نہ ہوتا تو ان کے سامنے نہ آتی تھیں

ہفتہ کے روز مچھلیاں پانی سے سر نکال کر دریا کی سطح پر آ جاتیں اور دوسرے دنوں میں وہاں سے کہیں دور چلی جاتی تھیں آگے اس کی وجہ بتلاتے ہیں۔

كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوْهُمْ

ہم ان کی اس طرح پر (شدید) آزمائش کرتے تھے

کہ کون حکم پر ثابت قدم رہتا ہے اور کون نہیں رہتا آگے آزمائش کی وجہ بتلاتے ہیں۔

بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۳﴾

اس سبب سے کہ وہ (پہلے سے) بے حکمی کیا کرتے تھے۔

اس لئے ایسے سخت حکم سے ان کی آزمائش کی ورنہ اہل طاعت کی آزمائش میں لطف اور توفیق اور تائید بھی ساتھ ساتھ ہوا کرتی ہے۔

وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ

اور (اس وقت کا حال پوچھئے) جبکہ ان میں سے ایک جماعت نے یوں کہا

یہ لوگ اپنی قوم کو نصیحت کرتے کرتے نفع اور اثر سے مایوس ہو گئے تھے انہوں نے دوسری جماعت سے جواب بھی نصیحت کئے جاتے تھے اور نفع سے بالکل مایوس نہ ہوئے تھے یہ گفتگو کی

لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ

کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کئے جاتے ہو جن کو اللہ تعالیٰ بالکل ہلاک

مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ

کرنے والے ہیں یا ان کو سخت سزا دینے والے ہیں

یعنی جب ان سے قبول کی کچھ امید نہیں اور اس وجہ سے غالباً خدا تعالیٰ ان کو ہلاک کر دیں یا ہلاک بھی نہ کیا تو کوئی اور طرح کی سخت سزا دیں ایسوں کے ساتھ کیوں دماغ خالی کرتے ہو۔

قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

انہوں نے جواب دیا کہ تمہارے (اور اپنے) رب کے روبرو عذر کرنے کے لئے اور (نیز) اس لئے کہ شاید یہ ڈر جاویں

جواب کا خلاصہ یہ ہوا کہ ہم دو وجہ سے ان کو نصیحت کرتے ہیں اولاً اس لئے کہ اللہ کی روبرو یہ کہہ سکیں کہ اے اللہ ہم نے تو کہا مگر انہوں نے نہ سنا ہم معذور ہیں دوسرے شاید یہ مان جائیں اور عمل کرنے لگیں مگر وہ کب عمل کرنے والے تھے ۱۲

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ

سو (آخر) جب وہ اس امر کے تارک ہی رہے جو ان کو سمجھایا جاتا تھا (یعنی نہ

يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ

مانا) تو ہم نے ان لوگوں کو تو بچا لیا جو اس بری بات سے منع کیا کرتے تھے

خواہ برابر منع کرتے رہے یا ناامید ہو کر مایوسی کی وجہ سے خاموش بیٹھ رہے دونوں قسم کے لوگوں کو نجات ہوئی ف: جب نصیحت کے اثر ہونے کی بالکل امید نہ ہو تو نصیحت کرنا واجب نہیں رہتا گو عالی ہمتی ضرور ہے پس جن لوگوں نے یہ کہا تھا کہ ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو الخ انہوں نے بوجہ ناامیدی کے اسی پر عمل کیا کہ نصیحت کرنا واجب نہیں اور دوسرے جو برابر نصیحت کرتے رہے ان کو یا تو ناامیدی نہیں ہوئی جیسا کہ ان کے قول لعلھم یتقون سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ لوگ ڈر جائیں یا عالی ہمتی کی شق کو انہوں نے اختیار کیا ہو غرض دونوں فریق حق پر تھے اور حضرت عکرمہ نے دونوں کے نجات پانے کو اس آیت سے استنباط کیا ہے اور حضرت ابن عباسؓ نے ان کی بات کو پسند کر کے ان کو انعام بھی دیا کذا فی الدر المنثور

وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۢ بَئِيْسٍۢ

اور ان کو جو زیادتی کرتے تھے ایک سخت عذاب میں پکڑ لیا بسبب اس کے کہ

بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ

وہ بے حکمی کیا کرتے تھے یعنی جب وہ جس کام سے ان کو منع کیا

مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً

گیا تھا حد سے نکل گئے تو ہم نے ان کو کہہ دیا کہ تم بندر ذلیل

خٰسِـِٕيْنَ ﴿۱۶۶﴾

بن جاؤ

یہ اس سخت عذاب کی تفسیر ہوئی اور در منثور میں دو آیتیں نقل کی ہیں کہ یہ بندر تین دن کے بعد سب مر گئے ان کی نسل نہیں چلی ربط: اوپر بنی اسرائیل کی حکایات میں ان کی بہت سی قباحتوں کا ذکر بھی ہوا ہے آگے ان قبائح کا انجام بد جو آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی ظاہر ہوا ہے مذکور ہے اور جو لوگ ان میں سے ان قباحتوں کے مرتکب نہ تھے ان کو آیت وقطعنھم الخ میں استثناء کر دیا گیا پھر آیت فخلف میں ان یہودیوں کی حالت مذکور ہے جو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے اور ان میں سے بھی اطاعت کرنے والوں

کااسی طرح استثناء کردیا گیا واذتاذن تااجر المصلحین

وَاِذۡ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبۡعَثَنَّ عَلَيۡهِمۡ اِلٰى يَوۡمِ

اور وہ وقت یاد کرنا چاہئے کہ جب آپ کے رب نے یہ بات بتلا دی کہ وہ ان یہود پر قیامت (کے قریب) تک ایسے (کسی نہ کسی) شخص کو

الۡقِيٰمَةِ مَنۡ يَّسُوۡمُهُمۡ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ ؕ

ضرور مسلط کرتا رہے گا جو ان کو سزائے شدید کی تکلیف پہنچاتا رہے گا

انبیاء بنی اسرائیل کی معرفت یہ بات بتلا دی گئی تھی کہ یہود کی گستاخیوں اور نافرمانیوں کی سزا میں کوئی نہ کوئی ان کو ذلت وخواری و محکومیت کی تکلیف دیتا رہے گا چنانچہ مدت سے یہودی کسی نہ کسی سلطنت کے محکوم ومقہور ہی چلے آتے ہیں اور اس کے متعلق ضروری تحقیق پارہ الم کے نصف کے قریب گزر چکی ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيۡعُ الۡعِقَابِ ۖۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوۡرٌ

بلاشبہ آپ کا رب واقعی (جب چاہے) جلدی ہی سزا دیدیتا ہے اور بلاشبہ وہ (واقعی

رَّحِيۡمٌ ﴿۱۶۷﴾ وَقَطَّعۡنٰهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ اُمَمًا ۚ

اگر کوئی باز آجائے) تو بڑی مغفرت اور بڑی رحمت والا ہے اور ہم نے دنیا میں ان

مِنۡهُمُ الصّٰلِحُوۡنَ وَمِنۡهُمۡ دُوۡنَ ذٰلِكَ ۫

کی متفرق جماعتیں کردیں بعضے ان میں نیک تھے اور بعضے ان میں اور طرح کے

وَبَلَوۡنٰهُمۡ بِالۡحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمۡ

(بھی) تھے (یعنی بد) اور ہم ان کو خوشحالیوں (صحت اور غنا) اور بدحالیوں (بیماری

يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۱۶۸﴾

وفقر) سے آزماتے رہے کہ شاید باز آجاویں

یعنی ہم نے ان بدوں کو بھی اپنی عنایت اور تربیت واصلاح کے سامان جمع کرنے کا ہمیشہ موقعہ دیا مہمل نہیں چھوڑا ہمیشہ راحت اور تکلیف سے ان کو آزماتے رہے کیونکہ کبھی راحت سے نیک کاموں کی رغبت ہوتی ہے گاہے مصیبت میں برے کاموں سے خوف پیدا ہوجاتا ہے ان واقعات کو دیکھ کر دوسرے لوگ بھی یہ سمجھتے تھے کہ شاید اب یہ باز آجاویں مگر وہ باز آنے والے کب تھے۔

فَخَلَفَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ وَّرِثُوا الۡكِتٰبَ

پھر ان کے بعد ایسے لوگ ان کے جانشین ہوئے کہ کتاب (تورات) کو ان سے

يَاۡخُذُوۡنَ عَرَضَ هٰذَا الۡاَدۡنٰى

حاصل کیا اس دنیائے دنی کا مال ومتاع لے لیتے ہیں

یعنی اس کے ساتھ ہی حرام خور ایسے ہیں کہ احکام الٰہی کے بدلے اگر کچھ مال ومتاع ملے تو بے تکلف لے لیتے ہیں اور بیباک ایسے ہیں کہ اس گناہ کو حقیر سمجھتے ہیں۔

وَيَقُوۡلُوۡنَ سَيُغۡفَرُ لَنَا ۚ

اور (اس گناہ کو حقیر سمجھ کر) کہتے ہیں کہ ہماری ضرور مغفرت ہوجائے گی

کیونکہ ہم اللہ کی اولاد اور اس کے محبوب ہیں ہماری مقبولیت کے سامنے ایسے گناہ کیا چیز ہیں۔

وَاِنۡ يَّاۡتِهِمۡ عَرَضٌ مِّثۡلُهٗ يَاۡخُذُوۡهُ ؕ

حالانکہ اگر ان کے پاس (پھر) ویسے ہی مال ومتاع (دین فروشی کے عوض) آنے لگے تو اس کو لے لیتے ہیں

غرض اپنی بیباکی پر اور گناہ کو ہلکا سمجھنے پر جمے ہوئے ہیں اور گناہ کو ہلکا سمجھنا خود کفر ہے جس پر مغفرت کا احتمال ہی نہیں یقین تو کیا چیز ہے چنانچہ آگے بھی ارشاد ہے ۱۲

اَلَمۡ يُؤۡخَذۡ عَلَيۡهِمۡ مِّيۡثَاقُ الۡكِتٰبِ اَنۡ لَّا

کیا ان سے اس (کتاب) کا عہد نہیں لیا گیا کہ خدا کی طرف

يَقُوۡلُوۡا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الۡحَقَّ

بجز حق بات کے اور کسی بات کی نسبت نہ کریں

پھر اس مضمون پر کیوں نہیں عمل کیا جاتا اور خدا تعالیٰ کی طرف جھوٹ بات کیوں منسوب کرتے ہیں مطلب یہ ہے کہ کسی آسمانی کتاب کو جب مانا جاتا ہے تو اس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ ہم اس کے سب مضامین کو مانیں گے اور یہ عہد کوئی اجمالاً نہیں لیا گیا بلکہ تفصیلی عہد لیا گیا تھا۔

وَدَرَسُوۡا مَا فِيۡهِ ؕ

اور انہوں نے اس کتاب میں جو کچھ تھا اس کو پڑھ (بھی) لیا

جس سے یہ احتمال بھی جاتا رہا کہ شاید ان کو اس خاص مضمون کا تورات میں ہونا معلوم نہ ہو پھر بھی یہ ایسی بڑی بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ باوجود معصیت کو ہلکا سمجھنے کے مغفرت کا اعتقاد کئے ہوئے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ پر محض تہمت ہے اور انہوں نے یہ سب قصہ دنیا کے واسطے کیا

وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا

اور آخرت والا گھر ان لوگوں کے لئے (اس دنیا سے) بہتر ہے جو (ان عقائدو اعمال قبیحہ سے) پرہیز رکھتے ہیں کیا پھر (اے یہود)

تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ

تم نہیں سمجھتے اور (ان میں سے) جو لوگ کتاب کے پابند ہیں

جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا بھی حکم ہے پس تورات کی پابندی یہی ہے کہ مسلمان ہو گئے اور عقائد و اعمال اسلام کی تعلیم کے موافق درست کر لئے **ربط**: اوپر زیادہ حصہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے قصہ کا مذکور ہو چکا آگے بقیہ مذکور ہے و اذ نتقنا تا تتقون۔

وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ

اور نماز کی پابندی کرتے ہیں۔ ہم ایسے لوگوں کو جو اصلاح کریں ثواب ضائع نہ کریں

الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ

گے۔ اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب ہم نے پہاڑ کو اٹھا کر چھت کی طرح

چھت کے ساتھ تشبیہ سر کے اوپر ہونے میں دی ہے معلق ہونے میں نہیں اور ایسی ہی آیت سورۂ بقرہ معاملہ چہاردہم میں گزر چکی ہے وہاں تفصیل ملاحظہ ہو **ربط**: اوپر انبیاء علیہم السلام اور پہلی امتوں کے قصوں سے بڑا مقصود مسئلہ نبوت ثابت کرنا تھا اور اس کے ضمن میں مسئلہ توحید بھی ثابت ہو گیا کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا عظیم الشان حصہ یہی توحید ہے آگے عالم ارواح کا عہد بیان فرماتے ہیں جس سے بڑا مقصود توحید کا ثابت کرنا ہے کہ تم سے اس کا عہد بھی لیا گیا تھا اور اس کے ضمن میں مسئلہ رسالت بھی ثابت ہے کیونکہ اس کی خبر رسول ہی کے ذریعہ سے ہوئی اور اسی عہد میں کہہ دیا گیا تھا کہ میرے رسول تم کو یہ عہد یاد دلائیں گے۔ واذ اخذ ربک تا یرجعون۔

كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا

ان کے اوپر معلق کر دیا اور ان کو یقین ہوا کہ اب ان پر گرا اور کہا کہ (جلدی)

مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ

قبول کرلو جو کتاب ہم تم کو دی ہے (یعنی تورات) مضبوطی کے ساتھ اور یاد

تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ

کرو جو احکام اس میں ہیں جس سے توقع ہے کہ تم متقی بن جاؤ۔

اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ

اور جبکہ آپ کے رب نے اولاد آدمؑ کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا

اور اس سے خود یہ سمجھا گیا کہ آدم علیہ السلام کی پشت سے بھی ان کی اولاد کو نکالا کیونکہ جب تک وہ نہ نکالے گئے ہوں ان کی اولاد ان کی پشت سے کیونکر نکلتی اور یہ واقعہ عالم ارواح میں ہوا حدیث میں آیا ہے کہ بہت ننھی ننھی چیونٹیوں کی طرح نکالے گئے اور ان کو عقل بھی دی گئی پس یہ شبہ جاتا رہا کہ اتنے آدمی کھڑے کہاں ہوئے ہوں گے رہا یہ شبہ کہ اتنے ننھے جسم میں عقل کیسے ہوگی اس کا جواب یہ ہے کہ جیسے چیونٹی کو اپنی ضروریات کی سمجھ ہوتی ہے رہا یہ کہ اس عہد کا فائدہ کیا ہوا اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ ہم حق تعالیٰ کی حکمتوں کے احاطہ کا دعویٰ نہیں کرتے کوئی حکمت ہوگی جس کی تعیین ہمارے ذمہ ضروری نہیں دوسرے یہ بھی کہنا ممکن ہے کہ اب جو عقل کے نزدیک توحید ایک فطری امر ہے کہ ذرا انصاف سے تامل کیا جائے تو سمجھ میں آجاتی ہے نیز ہر شخص کے دل میں حق تعالیٰ کی طرف ایک فطری میلان ہے۔ ممکن ہے کہ یہ اسی عہد کا اثر ہو اگر وہ عہد نہ ہوتا تو شاید ایسی سہولت نہ ہوتی جیسے کوئی حساب سیکھ کر بھول جائے اور دوبارہ سیکھنے میں آسانی بہت ہوتی ہے پھر اسی عہد پر اکتفاء نہیں کیا گیا بلکہ رسولوں کے ذریعہ سے اس کی یاددہانی ہوتی رہی چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ میرے رسول تم کو یہ عہد یاد دلاتے رہیں گے اور گو اب وہ عہد یاد نہیں رہا مگر اس کا مضمون فطری ہو گیا ہے پھر انبیاء نے اس کی یاددہانی کر دی ہے اس مجموعہ سے عذر ختم کرنے کے لئے وہ کافی حجت ہے رہا یہ کہ اس عہد میں توحید کی کیوں تخصیص کی گئی تو شاید اس کی یہ وجہ ہو کہ توحید کا تعلق ایک ذات غائب سے ہے اس لئے اس کا فطرت کے قریب بنانا ضروری تھا حضرت ذوالنون مصریؒ سے کسی نے سوال کیا کہ عہد الست آپ کو یاد ہے فرمایا کانہ الاٰن فی اذنی کہ ایسا یاد ہے گویا اس وقت کان میں آواز آرہی ہے۔

الست ازازل ہمچناں شاں بگوش
بفریاد قالوا بلیٰ در خروش

وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ

اور ان سے انہیں کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں سب نے

قَالُوْا بَلٰي ڔ

جواب دیا کہ کیوں نہیں

واقعی آپ ہمارے رب ہیں اس وقت حق تعالیٰ نے وہاں جتنے ملائکہ اور مخلوقات

حاضر تھے سب کو گواہ کر کے سب کی طرف سے فرمایا کہ ہم اس کے گواہ ہیں۔

شَهِدْنَا ۚ

ہم سب (اس واقعہ کے) گواہ بنتے ہیں

آگے اس اقرار اور گواہی کا سبب بتلاتے ہیں۔

أَنْ تَقُولُوا

تا کہ تم لوگ

یعنی جو تم میں توحید کو ترک کرنے اور شرک اختیار کرنے پر سزا پائیں ۱۲

يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا غَافِلِينَ ﴿١٧٢﴾

قیامت کے روز یوں نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس (توحید) سے محض بے خبر تھے۔

أَوْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ

یا یوں کہنے لگے کہ (اصل) شرک تو ہمارے بڑوں نے کیا تھا

وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِنْ بَعْدِهِمْ ۖ

اور ہم تو ان کے بعد ان کی نسل میں ہوئے

اور عادۃً عقائد و خیالات میں نسل اپنی اصل کے تابع ہوتی ہے اس لئے ہم بے خطا ہیں ہمارا کوئی فعل نہیں پس اگر ہم کو سزا ہوگی تو لازم آتا ہے کہ دوسروں کی خطا میں ہم ماخوذ ہوں ۱۲

أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ ﴿١٧٣﴾

سو کیا ان غلط راہ (نکالنے) والوں کے فعل پر آپ ہم کو ہلاکت میں ڈالے دیتے ہیں

سو اب اس اقرار اور گواہی کے بعد تم یہ عذر پیش نہیں کر سکتے اس کے بعد سب سے وعدہ کیا گیا کہ یہ عہد تم کو دنیا میں پیغمبروں کے ذریعہ سے یاد دلایا جائے گا چنانچہ حضور کو بھی اس واقعہ کے ذکر کا حکم ہوا۔

وَكَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ

ہم اسی طرح آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں

یعنی آخر میں پھر اس یاددہانی کو جتلاتے ہیں تا کہ ان کو اس عہد کا ہونا معلوم ہو جائے اور معلوم ہونے کے بعد شرک وغیرہ نہ کریں ۱۲ ربط: اوپر عالم ارواح کا عہد بیان کر کے تمام آدمیوں کا عموماً توحید کے ساتھ مامور ہونا ظاہر کر دیا گیا آگے علم کے بعد اس کے خلاف کرنے والے کی مثال بیان فرماتے ہیں۔ واتل علیھم تا یظلمون

وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿١٧٤﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ

اور تا کہ وہ باز آجاویں اور ان لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنایئے

نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا

کہ اس کو ہم نے اپنی آیتیں دیں

یعنی احکام کا علم دیا اور درمنثور میں اس شخص کی تعیین میں کئی قول لکھے ہیں ایک یہ کہ وہ بلعم باعور ہے اور یہی زیادہ مشہور ہے اور بعض نے امیہ بن صلت اور بعض نے ابن الراہب معروف بہ ابو عامر جس کے لئے مسجد ضرار بنی تھی کہا ہے اور قتادہ کا قول یہ ہے کہ کوئی خاص شخص مراد نہیں بلکہ جو دین حق کو چھوڑنے والا ہو وہی مراد ہے اور میرے نزدیک ان اقوال میں کچھ تعارض نہیں عام اور خاص سب کا مراد لینا صحیح ہے اور اس مضمون میں دونوں طرح کے آدمی داخل ہیں جنہوں نے حق قبول نہیں کیا وہ بھی اور جو قبول کر کے پھر گئے وہ بھی

فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ

پھر وہ ان سے بالکل ہی نکل گیا پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا

یہاں تین باتیں مذکور ہیں ایک انسلاخ من الآیات (یعنی احکام سے نکل جانا) دوسرے اتباع شیطان شیطان کے پیچھے لگ جانا) تیسرے غوایت (گمراہی) بظاہر ترتیب کا مقتضا یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کے پیچھے لگ جانا گمراہی اور انسلاخ من الآیات پر مقدم ہوتا کیونکہ اول شیطان پیچھے پڑتا ہے پھر اس سے گمراہی شروع ہوتی ہے پھر بڑھتے بڑھتے بالکل احکام سے نکل جاتا ہے مگر یہاں اتبعہ سے مطلق پیچھے پڑنا مراد نہیں اور ظاہر ہے کہ یہ درجہ (یعنی شیطان کا ہمیشہ کے لئے در پے ہونا) انسلاخ سے موخر ہے

فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ ﴿١٧٥﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ

سو وہ گمراہ لوگوں میں داخل ہو گیا اور اگر ہم چاہتے تو اس کو ان آیتوں کی بدولت بلند مرتبہ کر

بِهَا وَلَٰكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ ۚ

دیتے لیکن وہ تو دنیا کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرنے لگا

اور آیات و احکام پر عمل کرنا چھوڑ دیا

فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ إِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ

سو اس کی حالت کتے کی سی ہو گئی کہ اگر تو اس پر حملہ کرے

يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ

تب بھی ہانپے یا اس کو چھوڑ دے تب بھی ہانپے

غرض کسی حالت میں اس کو راحت نہیں ہوتی۔

ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ

یہی حالت (عام طور پر) ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا

اور ان پر ایمان نہ لائے۔

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾

سو آپ اس حال کو بیان کر دیجئے شاید وہ لوگ کچھ سوچیں (حقیقت میں)

سَآءَ مَثَلًا ۨالْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا

ان لوگوں کی حالت بھی بری ہے جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں اور (اس

وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ مَنْ يَّهْدِ

تکذیب سے) وہ اپنا (ہی) نقصان کرتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت کرتا

اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ

ہے سو ہدایت پانے والا وہی ہوتا ہے اور جس کو وہ گمراہ کر دے سو ایسے ہی

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾

لوگ (ابدی) خسارہ میں پڑ جاتے ہیں

پھر ان سے ہدایت کی توقع کرنا اور ہدایت نہ ہونے سے مغموم ہونا بیکار ہے جب وہ لوگ اپنی قوت عقلیہ سے کام ہی نہیں لیتے تو ہدایت کہاں سے ہو ان کے نصیب میں تو دوزخ ہی ہے۔

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ

اور ہم نے ایسے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لئے

وَالْاِنْسِ ۖ

پیدا کئے ہیں

یہ شبہ نہ کیا جائے کہ ماخلقت الجن والانس الا لیعبدون سے تو معلوم ہوتا ہے کہ سب عبادت کے لئے پیدا ہوئے ہیں اور یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ بعضے دوزخ کے لئے پیدا ہوئے ہیں جس کا سبب عبادت نہ کرنا ہے جواب یہ ہے کہ تشریعاً سب عبادت ہی کے لئے پیدا ہوئے ہیں البتہ تکوینی طور پر بعض جہنم کے لئے بھی پیدا ہوئے ہیں پس وہاں شرعی مقصود کا بیان ہے یہاں تکوینی غرض کا بیان ہے اب کچھ تعارض نہیں اور مسئلہ تقدیر کی تحقیق سورۂ بقرہ میں مختصر طور پر مذکور ہو چکی

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا

جن کے دل ایسے ہیں جن سے نہیں سمجھتے اور جن کی آنکھیں ایسی ہیں

يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ

جن سے نہیں دیکھتے اور جن کے کان ایسے ہیں جن سے نہیں سنتے یہ لوگ

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ

چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ یہ لوگ زیادہ (بے راہ) ہیں

اس لئے کہ چوپایوں کو آخرت کی طرف متوجہ ہونے کا مکلف تو نہیں بنایا گیا سو ان کا متوجہ نہ ہونا برا نہیں اور ان کو تو اس کا مکلف کیا گیا ہے پھر بھی بے توجہی کرتے ہیں اس اعتبار سے یہ لوگ چوپایوں سے بھی بدتر ہیں کیونکہ باوجود توجہ دلانے کے بھی آخرت سے بے خبر ہیں۔ **ربط**: اوپر کفار کی مذمت مذکور ہے ان میں ایک قسم مشرکین بھی تھے جن کو تین بڑے مسئلوں میں اختلاف تھا۔ توحید و رسالت قیامت آگے ختم سورۃ تک ان ہی تین مسئلوں سے بحث ہے۔ اور درمیان میں بعض خاص مناسبات سے کچھ کچھ اور مختصر مضمون ہیں۔ وللہ الاسماء تا یعملون

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ

یہ لوگ غافل ہیں اور اچھے اچھے نام اللہ ہی

الْحُسْنٰى

کے لئے ہیں

مخصوص ناموں سے مراد وہ نام ہیں جن کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونا دلیل شرعی سے ثابت ہے۔

فَادْعُوْهُ بِهَا ۠

سو ان ناموں سے اللہ ہی کو موسوم کیا کرو

اور دوسروں پر ان ناموں کا اطلاق مت کیا کرو۔

وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ؕ

اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو اس کے ناموں سے کج روی کرتے ہیں

اس طرح سے کہ خدا کے سوا دوسروں پر ان ناموں کا اطلاق کرتے ہیں جیسا کہ مشرکین بتوں کو اپنے اعتقاد سے معبود وغیرہ کہتے تھے **ربط**: اوپر کفار کا ذکر تھا آگے حسب عادت قرآنی بطور استثناء کے مسلمانوں کا ذکر ہے **وممن خلقنا تا یعدلون**

سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٨٠﴾ وَمِمَّنْ

ان لوگوں کو ان کے کئے کی ضرور سزا ملے گی اور ہماری مخلوق جن وانس میں

خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿١٨١﴾ ع

ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حق (یعنی اسلام) کے موافق ہدایت کرتے ہیں اور اسی کے موافق انصاف بھی کرتے ہیں

یعنی سب گمراہ نہیں بلکہ بہت سے ایسے بھی ہیں جو اپنے اور غیروں کے معاملات میں شریعت کے موافق عمل کرتے ہیں۔ **ربط**: اوپر مشرکین کے لئے سزا کا ذکر ہوا تھا چونکہ وہ سزا اس وقت تک واقع نہ ہوئی تھی اس سے واقع نہ ہونے کا شبہ ہوسکتا تھا آگے سزا میں دیر ہونے کا سبب بتلا کر اس شبہ کو دفع کرتے ہیں۔ **والذین کذبوا تا متین**

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ

اور جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں ہم ان کو بتدریج لئے جا رہے ہیں

حاصل یہ ہے کہ ہم کو ان کی شرارتوں پر سخت سزا دینا منظور ہے اس لئے اس کی یہ تدبیر کی گئی کہ یہاں پورا مواخذہ نہیں کیا ورنہ سب شرارتیں اسی حد پر ختم ہو جاتیں اور منظور یہ ہے کہ اس حد سے زیادہ سزا دی جائے پس ان کو ناز ونعم میں ان کے حال پر چھوڑ کر مہلت دے دی تا کہ بتدریج شرارتیں بڑھتی جائیں جن سے دن بدن سخت عذاب کے مستحق ہو جاویں پس دن بدن گناہوں کا بڑھنا یہ استدراج ہے اور مہلت دینا یہ امہال ہے اس سے جلدی عذاب نہ آنے کی وجہ معلوم ہوگئی۔

مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٢﴾ وَاُمْلِيْ لَهُمْ

اس طور پر کہ ان کو خبر بھی نہیں اور ان کو مہلت دیتا ہوں

کیونکہ وہ اس مہلت سے اپنے طریقہ کو حق سمجھتے ہیں اور اپنی نسبت محبوب ومقبول خدا ہونے کا گمان کرتے ہیں حالانکہ وہ جہنم تک کی مسافت قطع کر رہے ہیں۔ **ربط**: اوپر توحید کا بیان ہوا تھا آگے رسالت کا ذکر ہے جس کا شان نزول یہ ہے کہ آپ نے ایک بار کوہ صفا پر کھڑے ہو کر ایک ایک قبیلہ کو پکار کر عذاب آخرت سے ڈرایا اس پر بعضوں نے کہا کہ ان کو تو جنون ہو گیا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ **اولم یتفکروا تا مبین**

اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿١٨٣﴾ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا مَا سکتة

بیشک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے کیا ان لوگوں نے اس بات میں غور نہ کیا کہ

بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٨٤﴾

ان کا جن سے سابقہ ہے انکو ذرا بھی جنون نہیں وہ تو صرف ایک صاف صاف (عذاب سے) ڈرانے والے ہیں

جو کہ دراصل پیغمبر کا کام ہوتا ہے حاصل یہ ہے کہ اگر آپ کی مجموعی حالت میں غور کریں تو آپ کا پیغمبر ہونا سمجھ میں آجائے کیونکہ آپ کے معجزات تو خارق عادت ہیں ہی لیکن آپ کے اخلاق وعادات بھی خود معجزہ ہیں کہ دوسرا ہرگز ان میں برابری نہیں کرسکتا کر کے دیکھنے سے معلوم ہو **ربط**: اوپر مسئلہ رسالت میں غور کرنے کو فرمایا تھا آگے مسئلہ توحید میں غور کرنے کو فرماتے ہیں کیونکہ اوپر محض دعویٰ کی صورت میں ذکر ہوا تھا اور ساتھ میں ان کو موت یاد دلاتے ہیں جس پر عذاب مذکور شروع ہو جاوے گا۔ **اولم ینظروا تا یؤمنون**

اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اور کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا آسمانوں اور زمین کے عالم میں اور (نیز)

وَّمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ

دوسری چیزوں میں جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں

تا کہ ان کو توحید کا علم دلیل سے حاصل ہو جاتا اور مصنوعات سے صانع کی توحید پر استدلال کرنے کی تقریر سیقول میں گزر چکی ہے۔

وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ

اور اس بات میں (بھی غور نہیں کیا) کہ ممکن ہے ان کی اجل قریب ہی آ پہنچی ہو

تا کہ عذاب کے احتمال سے ڈرنے اور اس سے بچنے کی فکر کرتے اور اس فکر سے دین حق مل جاتا اور موت کے قریب ہونے کا ہر وقت امکان ہے غرض نہ دلیل کی فکر ہے جس سے دین حق ملے اور نہ موت کا خیال ہے جس سے فکر میں مدد ملے ۱۲۔

فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٨٥﴾

پھر قرآن کے بعد کونسی بات پر یہ لوگ ایمان لاویں گے

جب قرآن جیسے موثر کلام سے ان کی فکر کو حرکت نہیں ہوتی تو پھر کس

بات سے مانیں گے۔ ربط: اوپر کفار کا حد سے زیادہ کفر میں بڑھا ہوا ہونا مذکور تھا جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج پیدا ہونے کا احتمال تھا آگے آپ کی تسلی کا مضمون ہے جو ایک بار پہلے بھی آ چکا ہے۔ شاید زیادہ اہتمام کے لئے مکرر لایا گیا ہو۔ من یضلل تا یعمھون

مَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ ؕ وَيَذَرُهُمۡ فِىۡ

جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرے اس کو کوئی راہ پر نہیں لاسکتا (پھر غم لاحاصل ہے)

طُغۡيَانِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ ﴿۱۸۶﴾

اور اللہ تعالیٰ ان کو انکی گمراہی میں بھٹکتے ہوئے چھوڑ دیتا ہے

تاکہ ایک ہی دفعہ پوری سزا دیدے۔

ربط: آگے منجملہ تین مسائل کے قیامت کی بحث مذکور ہے جس کا شان نزول یہ ہے کہ قریش نے اور یہود نے آپ سے قیامت کی بابت سوال کیا تھا۔ یسئلونک تا لایعلمون

يَسۡـئَلُوۡنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرۡسٰٮهَا ؕ قُلۡ

یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا۔

اِنَّمَا عِلۡمُهَا عِنۡدَ رَبِّىۡ ۚ

آپ فرما دیجئے کہ اس کا علم صرف میرے رب ہی کے پاس ہے

یعنی یہ بات کہ وہ کب واقع ہوگی خدا ہی کو معلوم ہے دوسرے کسی کو اس کی اطلاع نہیں۔

لَا يُجَلِّيۡهَا لِوَقۡتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؔؕ

اس کے وقت پر اس کو سوا اللہ کے کوئی اور ظاہر نہ کرے گا

وہ خود وقت پر ظاہر کردے گا یعنی واقع کردیگا اس وقت سب کو پوری اطلاع ہوجائے گی اس کے قبل بتلانے کے طور پر بھی اس کو ظاہر نہ کیا جاوے گا۔

ثَقُلَتۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ لَا تَاۡتِيۡكُمۡ

وہ آسمان اور زمین میں بڑا بھاری حادثہ ہوگا (اس لئے) وہ تم پر محض اچانک

اِلَّا بَغۡتَةً ؕ

آپڑے گی

تاکہ جس طرح وہ اجسام کو پارہ پارہ کردینے میں بھاری ہے اسی طرح دلوں پر بھی اس کا اثر بھاری ہو اور پہلے سے بتلا دینے میں یہ بات نہ رہتی۔

يَسۡـئَلُوۡنَكَ كَاَنَّكَ حَفِىٌّ عَنۡهَا ؕ

وہ آپ سے اس طرح پوچھتے ہیں جیسے گویا آپ اس کی تحقیقات کر چکے ہیں

اور گویا تحقیقات کے بعد آپ کو اس کا پورا علم ہوگیا ہے یعنی ان کا پوچھنا بھی تو معمولی طور پر نہیں بڑے اصرار اور مبالغہ سے پوچھتے ہیں۔

قُلۡ اِنَّمَا عِلۡمُهَا عِنۡدَ اللّٰهِ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ

آپ فرما دیجئے کہ اس کا علم خاص اللہ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر

لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۸۷﴾

لوگ نہیں جانتے

کہ بعض علوم حق تعالیٰ نے اپنے خزانہ علم میں مخفی رکھے ہیں انبیاء کو بھی تفصیلاً ان کی اطلاع نہیں دی پس ان کا یہ سمجھنا کہ اس کا جاننا نبی کو لازم ہے اور آپ کو اس کی خبر نہیں تو معاذ اللہ آپ کی نبوت بھی صحیح نہیں بالکل باطل ہے کیونکہ اس دلیل کا پہلا مقدمہ کہ نبی کو اس کا جاننا لازم ہے محض غلط ہے یہ کیا ضرور ہے کہ نبی حق تعالیٰ کی ہر بات کو جان لیا کریں۔ ف: اس آیت سے اور شیخین کی اس حدیث سے جس میں آپ نے جبرئیل کو یہ جواب دیا تھا ما المسئول عنها باعلم من السائل کہ جس سے قیامت کی بابت سوال کیا جا رہا ہے وہ اس کو سائل سے زیادہ نہیں جانتا یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ تعیین اور تفصیل کے ساتھ قیامت کی اطلاع آپ سے بھی مخفی تھی اور بعض روایات جو تعیین کے بارہ میں آئی ہیں کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال کی ہے اول تو وہ قوت میں قرآن اور شیخین کی حدیث کے برابر تو کیا فی نفسہ بھی ان کی سند صحیح نہیں دوسرے اس کو ظن غالب پر محمول کر سکتے ہیں ربط: اوپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کی تعیین کے متعلق اپنی لاعلمی ظاہر کرنے کا حکم ہوا ہے اور آگے اس لاعلمی کی وجہ بیان کرنے کا حکم ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مجھ کو علم غیب نہیں ہے قل لا املک تا یومنون

قُلۡ لَّاۤ اَمۡلِكُ لِنَفۡسِىۡ نَفۡعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا

آپ کہہ دیجئے کہ میں خود اپنی ذات خاص کے لئے کسی نفع (تکوینی کے حاصل کرنے) کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر (تکوینی کے رفع کرنے) کا مگر اتنا

مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ

ہی جتنا خدا تعالیٰ نے چاہا

یعنی جس میں حق تعالیٰ ہی نے اختیار دیا ہے اس میں تو اختیار ہے اور جس میں اختیار نہیں دیا ان میں بعض اوقات منافع فوت ہوجاتے ہیں

اور نقصانات واقع ہوجاتے ہیں۔

وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ

اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو میں بہت سے منافع

الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۚ

حاصل کرلیا کرتا اور کوئی مضرت ہی مجھ پر واقع نہ ہوتی

کیونکہ علم غیب کے سبب مجھ کو معلوم ہوجاتا کہ فلاں امر میرے لئے یقیناً نافع ہوگا اس کو اختیار کرلیا کرتا اور فلاں امر میرے لئے یقیناً مضر ہوگا اس سے احتراز کرتا اور اب چونکہ علم غیب نہیں اس لئے بعض اوقات نافع کا علم نہیں ہوتا کہ اس کو اختیار کروں اور اسی طرح مضر کا علم نہیں ہوتا کہ اس سے بچوں بلکہ کبھی برعکس نافع کو مضر اور مضر کو نافع سمجھ لیا جاتا ہے اور اس جگہ نفع وضرر سے دنیاوی نفع وضرر مراد ہے اس میں گفتگو ہورہی ہے کہ اس کا علم کلی طور پر آپ کو نہیں دیا گیا شرع نفع وضرر میں کلام نہیں کیونکہ اس کا علم کامل آپ کو عطا کیا گیا ہے اسی لئے ترجمہ میں نفع وضرر کے ساتھ تکوینی کی قید بڑھائی گئی اور یہاں ایک شبہ واقع ہوتا ہے وہ یہ کہ اس آیت میں کہا گیا ہے کہ اگر میں غیب کی باتیں جانتا تو بہت سے نفعے حاصل کرلیا کرتا اور کوئی مضرت مجھ پر واقع نہ ہوتی حالانکہ منافع حاصل کرنے اور مضرت سے بچنے کے لئے محض جان لینا کافی نہیں بلکہ قدرت کی بھی ضرورت ہے اور علم حاصل ہوجانے سے قدرت کا حاصل ہوجانا ضروری نہیں جواب یہ ہے کہ غیب کی باتوں سے مراد یہاں وہ امور ہیں جن میں اختیار دیا گیا ہے اور اختیاری امور میں قدرت ہوتی ہے تو مطلب یہ ہوا کہ جو امور اختیاری ہیں ان کے متعلق اگر مجھ کو علم غیب ہوتا تو منافع حاصل کرلیا کرتا اور کوئی مضرت مجھ پر واقع نہ ہوسکتی اب کوئی اشکال نہیں حاصل دلیل کا یہ ہوا کہ علم غیب کے لئے نفع وضرر کا مالک ہونا ضروری ہے اور میں نفع وضرر کا مالک نہیں تو مجھ کو علم غیب بھی نہیں غرض میں ایسے امور کا علم نہیں رکھتا

اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ

میں تو محض (احکام شرعیہ بتلا کر ثواب کی) بشارت دینے والا
اور (عذاب سے) ڈرانے والا ہوں

خلاصہ یہ کہ نبوت کا اصلی مقصود یہ نہیں کہ عالم کی تمام ہونے والی باتوں کا نبی کو احاطہ ہوا کرے اس لئے ان باتوں کا علم حاصل ہونا جن میں قیامت کا خاص وقت بھی داخل ہے نبی کو ضروری نہیں البتہ نبوت کا اصلی مقصود شرعی امور کا پورا علم ہونا ہے سو وہ مجھ کو حاصل ہے

لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۱۸۸ ع

ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں

اور ایمان رکھنے والوں کی تخصیص اس لئے کی کہ منتفع وہی لوگ ہوئے ورنہ آپ کا بشیر ونذیر ہونا تمام مکلفین کے لئے عام ہے **ربط**: اوپر دو جگہ توحید کا مختصر مختصر ذکر ہوا ہے آگے پھر توحید اور اس کے ساتھ ابطال شرک کا کسی قدر تفصیل سے ذکر ہوتا ہے۔ هو الذى تالا يبصرون

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ

وہ اللہ ایسا (قادر ومنعم) ہے جس نے تم کو ایک تن واحد (آدمؑ) سے پیدا کیا اور اسی سے

وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ

اس کا جوڑا بنایا (یعنی حواؑ) تا کہ وہ اس (اپنے جوڑے) سے انس حاصل کرے

پس جب وہ خالق بھی ہے اور محسن بھی ہے تو عبادت اسی کا حق ہے پھر آگے آدمؑ وحوا کی اولاد بڑھی اور ان میں بھی میاں بی بی ہوئے آگے ان کی حالت بیان فرماتے ہیں۔

فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا

پھر جب میاں نے بی بی سے قربت کی تو اس کو حمل رہ گیا

بعض تفاسیر میں اس جگہ ایک قصہ آدم وحوا علیہما السلام کا بیان کیا ہے کہ ان کے ایک لڑکا پیدا ہوا اور اس کا نام عبدالحارث رکھا چونکہ ترمذی نے اس حدیث کی تحسین اور حاکم نے تصحیح کی ہے اس لئے اس قصہ کا انکار دشوار ہے لیکن اس قصہ کا اس آیت کی تفسیر ہونا حدیث سے ثابت نہیں اور بعض سلف نے جو اس کو تفسیر بنایا ہے یہ ان کی رائے ہے جو حجت نہیں اور در منثور میں عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے۔ مااشرک ادم ان اولها شكر و اخرها مثل ضربه الله لمن بعده

خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ

ہلکا سا سو وہ اس کو لئے ہوئے چلتی پھرتی رہی۔ پھر جب وہ بوجھل ہوگئی

اور یقین ہوگیا کہ واقعی حمل ہے۔

دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا

تو دونوں میاں بی بی اللہ سے جو ان کا مالک ہے دعا کرنے لگے کہ اگر آپ

لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝۱۸۹

نے ہم کو صحیح سالم اولاد دیدی تو ہم خوب شکر گزاری کریں گے

جیسا کہ عادت ہے کہ مصیبت کے وقت خداتعالیٰ سے عہد و پیمان ہوا کرتے ہیں۔

فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ

سو جب اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو صحیح سالم اولاد دیدی تو اللہ کی دی ہوئی چیز

فِيْمَآ اٰتٰهُمَا ج

میں وہ دونوں اللہ کے شریک قرار دینے لگے

کہ یہ اولاد فلاں کی دی ہوئی ہے وغیرہ

فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾

سو اللہ پاک ہے ان کے شرک سے

اب صفات خداوندی کے بعد باطل معبودوں کے نقائص کا بیان ہے۔

اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾

کیا ایسوں کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو نہ بنا سکیں اور (بلکہ) وہ خود ہی بنائے جاتے ہوں

یعنی تراشے جاتے ہیں۔

وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ

اور وہ ان کو کسی قسم کی مدد (بھی) نہیں دے سکتے اور (اس سے بڑھ کر یہ کہ) وہ

يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾

خود اپنی بھی مدد نہیں کر سکتے

اگر کوئی ان کو توڑنے لگے۔

وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ط

اور (اس سے بھی بڑھ کر سنو کہ) اگر تم ان کو کوئی بات بتلانے کو پکارو تو تمہارے کہنے پر نہ چلیں

مجبور محض ہونے کی وجہ سے۔

سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ

(بہرحال) تمہارے اعتبار سے دونوں امر برابر ہیں خواہ تم ان کو پکارو

صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾

اور یا تم خاموش رہو

وہ کسی حال میں نہیں سن سکتے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

واقعی تم خدا کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ بھی

عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ

تم ہی جیسے بندے ہیں

یعنی تم سے بڑھ کر نہیں خواہ گھٹے ہوئے ہوں۔

فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

سو تم ان کو پکارو (اور) پھر ان کو چاہئے کہ تمہارا کہنا کر دیں

صٰدِقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾

اگر تم سچے ہو

یعنی تم جو ان کو معبود سمجھتے ہو ہم اس اعتقاد میں جب سچا جانیں کہ وہ تمہارا کہنا کر دیں اور وہ بیچارے تمہارا کہنا تو کیا کریں گے کہنا ماننے کے اسباب ہی ان کے پاس نہیں دیکھ لو۔

اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ ز اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ

کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہوں یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے کسی

يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ ز اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ

چیز کو تھام سکیں یا ان کے آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے

بِهَآ ز اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ

ہوں یا ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہوں

بتوں کے عاجز ہونے میں جو یہ بتلایا گیا ہے کہ ان کے پاس اسباب و آلات ہی نہیں اس سے یہ مقصود نہیں کہ معبود میں یہ اسباب اور اعضاء ہونا ضروری ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے بلکہ مراد ان سے کمالات قدرت ہیں کہ معبود میں قدرت اور تاثیر کے کمالات ہونا چاہئیں لیکن جسم والی چیزوں میں وہ کمالات اعضاء اور اسباب پر موقوف ہیں اس لئے اس عنوان کو اختیار کیا گیا کہ جب ان میں تاثیر کرنے کے اسباب ہی نہیں تو کوئی فعل ان سے کیا صادر ہوگا کیونکہ یہ جسم رکھتے ہیں اور جسم والا بغیر اعضاء و اسباب کے کچھ نہیں کر سکتا اور معبود برحق میں یہ کمالات قدرت بدوں اعضا اور آلات کے موجود ہیں کیونکہ وہ جسم سے پاک ہے تو اعضاء کا بھی محتاج نہیں اور یہ نقائص اصنام میں بہت ظاہر تھے پھر اتنا اہتمام

بیان میں کیوں کیا گیا۔ جواب یہ ہے کہ تا کہ مشرکین کی پوری حماقت ظاہر ہو۔ سوال مشرکین بتوں کو خدا کے برابر نہ کہتے تھے پھر اس گفتگو سے ان پر کیا الزام ہوا وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہاں ان میں یہ نقائص ہیں اسی لئے ہم ان کو خدا کے برابر نہیں مانتے جواب مقصود گفتگو کا یہ ہے کہ معبود ہونا خواہ کسی درجہ میں ہوان صفات کمال پر موقوف ہے کیونکہ عبادت غایت ذلت کا نام ہے اور غایت ذلت اسی کا حق ہے جو غایت درجہ عزت والا ہو۔ اور غایت درجہ عزت ان کمالات پر موقوف ہے جب اصنام میں صفات کمال نہیں ہیں تو وہ کسی درجہ میں بھی معبود ہونے کے لائق نہیں آگے بتلاتے ہیں کہ وہ جس طرح اپنے معتقدوں کو نفع پہنچانے سے عاجز ہیں اسی طرح اپنے مخالفوں کو ضرر بھی نہیں پہنچا سکتے جیسا تم کہا کرتے ہو کہ ہمارے بتوں کی بے ادبی نہ کیا کرو ورنہ وہ تم پر آفت نازل کر دیں گے۔

بِهَا ۗ قُلِ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ كِيدُونِ

آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ تم اپنے سب شرکاء کو بلالو پھر میری ضرر رسانی کی

فَلَا تُنظِرُونِ ﴿١٩٥﴾

تدبیر کرو پھر مجھ کو ذرا مہلت مت دو

بلکہ فوراً اپنی تدبیر کو نافذ کر دو دیکھوں کیا ہوتا ہے اور خاک بھی نہ ہوگا کیونکہ اصنام تو محض مہمل ہیں رہ گئے تم سو تم جو کچھ ہاتھ پاؤں چلا سکتے ہو تم بھی میرا کچھ نہیں کر سکتے وجہ آگے بتلاتے ہیں۔

إِنَّ وَلِيِّيَ اللَّهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ ۖ

یقیناً میرا مددگار اللہ تعالیٰ ہے جس نے یہ کتاب نازل فرمائی

جو کہ برکت والی اور دارین کی بھلائی کو جامع ہے یہ اس کے مددگار اور رفیق ہونے کا کھلا ثبوت ہے اگر وہ میرا رفیق و معین نہ ہوتا تو اتنی بڑی نعمت کیوں عطا فرماتا اس خاص دلیل کے علاوہ ایک عام قاعدہ بھی سن لو جس سے اس کا میرے لئے معین ہونا معلوم ہوتا ہے۔

وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ ﴿١٩٦﴾

اور وہ (عموماً) نیک بندوں کی مدد کیا کرتا ہے

اور ظاہر ہے کہ نیک بندوں میں انبیاءؑ فرد کامل ہیں اور میں نبی ہوں تو میرا بھی ضرور مددگار ہوگا غرض جن کے ضرر سے ڈراتے ہو وہ تو عاجز ہیں اور جو میرا مددگار ہے وہ قادر ہے پھر اندیشہ کا ہے کا آگے بتوں کا عاجز ہونا بالقصد بیان فرماتے ہیں کیونکہ اوپر گو ان کے عجز کا بیان ہوا ہے مگر

وہ تبعاً ہوا تھا اصل مقصود وہاں یہ تھا کہ اصنام معبودیت کے لائق نہیں۔

وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ

اور تم جن لوگوں کی خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو وہ تمہاری کچھ مدد نہیں کر سکتے

نَصْرَكُمْ وَلَا أَنفُسَهُمْ يَنصُرُونَ ﴿١٩٧﴾ وَإِن

اور نہ وہ اپنی مدد کر سکتے ہیں اور ان کو اگر

تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ لَا يَسْمَعُوا ۖ وَتَرَاهُمْ

کوئی بات بتلانے کو پکارو تو اس کو نہ سنیں اور ان کو آپ دیکھتے ہیں

يَنظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ﴿١٩٨﴾

کہ گویا وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں اور وہ کچھ بھی نہیں دیکھتے

پس جس طرح ان کے پاس سننے کا آلہ نہیں دیکھنے کا آلہ بھی نہیں کیونکہ ان کی تصویروں میں جو آنکھیں بنادی جاتی ہیں وہ محض نام کی ہوتی ہیں کام کی نہیں اسی پر دوسرے اعضاء ہاتھ اور پاؤں کو سمجھ لینا چاہئے پس ایسے عاجز کا کیا ڈراوا دکھلاتے ہو **ربط**: اوپر جہلائے مشرکین سے بلیغ مباحثہ تھا چونکہ اس کے باوجود بھی وہ لوگ غایت عناد سے اپنی جہالت پر جمے رہتے تھے جس پر حضور کو غصہ آنے کا احتمال ہے اس لئے آگے آپ کو نرمی اور ملاطفت کا حکم ہے اور کفار کے مبتلائے گمراہی رہنے کا بیان ہے جس سے پوری ناامیدی ہو جائے کہ پھر غصہ ہی نہ آوے۔ خذالعفو تا لایقصرون

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ

سرسری برتاؤ کو قبول کر لیا کیجئے اور نیک کام کی تعلیم کر دیا کیجئے اور جاہلوں

الْجَاهِلِينَ ﴿١٩٩﴾

سے ایک کنارہ ہو جایا کیجئے

یعنی ظاہری نظر میں سرسری طور پر جو کام کسی سے اچھا ہو جائے اس کو بھلائی پر محمول کیجئے حقیقت اور تہ کی تلاش نہ کیجئے باطن کا حال خدا کے سپرد کیجئے یہ برتاؤ تو اچھے کاموں میں ہے اور جو کام ظاہر نظر میں بھی برے ہوں ان کے بارہ میں نیک ہدایت کیجئے اور جو اس کے بعد بھی عمل نہ کرے یا نہ مانے ان کے بہت در پے نہ ہوجئے خلاصہ یہ کہ لوگوں سے ایسا برتاؤ رکھیئے کہ ان معاشرت میں سہولت ہو تشدد نہ ہو۱۲

وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ

اور اگر آپ کو کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے آنے لگے

یعنی اگر اتفاقاً آن کی جہالت پر احتمال ہو کہ کوئی خلاف مصلحت کے صادر نہ ہو جاوے۔

فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾
تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے

وہ آپ کے استعاذہ کو سنتا ہے مقصود کو جانتا ہے وہ آپ کو اس سے پناہ دے گا صحیح مسلم کی حدیث میں تصریح ہے کہ جس طرح ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان رہتا ہے آپ کے ساتھ بھی تھا مگر وہ آپ کو بری رائے نہ دیتا تھا چنانچہ حضور نے فرمایا ہے کہ فلا یامرنی الا بخیر کہ وہ مجھے اچھا ہی مشورہ دیتا ہے اس لئے آیت میں شیطان سے مشہور شیطان مراد لیا جائے گا جس کا کبھی کبھی آپ کے پاس آ جانا محال نہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ایک بار آگ کا شعلہ لے کر آپ کو تکلیف پہنچانے آیا تھا رہا وسوسہ ڈالنے کا مضمون یہ عصمت انبیاء کے منافی نہیں کیونکہ جس طرح کسی کافر انسان کا نبی کے سامنے کفر کی بات کہہ دینا شان نبوت کے خلاف نہیں اسی طرح کافر جن کو بھی سمجھئے عصمت کا حاصل یہ ہے کہ شیطان نبی سے گناہ نہیں کرا سکتا یہ نہیں کہ گناہ کی رائے بھی نہیں دے سکتا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ
یقیناً جو لوگ خدا ترس ہیں جب ان کو کوئی خطرہ شیطان کی طرف سے آ
الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا
جاتا ہے تو وہ یاد میں لگ جاتے ہیں

جیسے استعاذہ و دعاء اور خدا تعالیٰ کی عظمت اور عذاب و ثواب کو یاد کرنا پس جس طرح استعاذہ آپ کے لئے نافع ہے اسی طرح سب خدا سے ڈرنے والوں کے لئے نافع ہے۔

فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾ ج
سو یکایک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں

اور حقیقت امر ان پر منکشف ہو جاتی ہے جس سے وہ خطرہ اثر نہیں کر سکتا۔

وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا
اور جو شیاطین کے تابع ہیں وہ ان کو گمراہی میں کھینچے چلے جاتے ہیں
يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾
پس وہ باز نہیں آتے

نہ وہ خدا کی طرف رجوع ہوں نہ گمراہی سے محفوظ رہیں سو یہ مشرکین تو شیطان کے تابع ہیں یہ کب باز آویں گے اس لئے ان کے غم وغصہ میں پڑنا بیکار ہے۔ ربط: اوپر اولم یتفکروا میں منجملہ تین مسائل کے رسالت کا مسئلہ مذکور تھا آگے بھی دوسرے عنوان سے اسی کا ذکر ہے وہاں رسالت کے پہچاننے کا طریقہ بتلایا تھا کہ غور وفکر سے کام لو یہاں رسالت کے متعلق ایک شبہ کا جواب ہے وہاں استدلال تھا یہاں دفع اشکال ہے اور مدعا کا ثابت کرنا ان ہی دو باتوں پر موقوف ہے۔ واذالم تاتھم تا یومنون

وَاِذَا لَمْ
اور جب آپ کوئی معجزہ

ان کے فرمائشی معجزات میں سے جن کی فرمائش وہ لوگ براہ عناد کرتے تھے ۱۲

تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ
ان کے سامنے ظاہر نہیں کرتے

کیونکہ حق تعالیٰ اس معجزہ کو کسی حکمت کی وجہ سے پیدا نہیں کرتے۔

قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ
تو وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ معجزہ کیوں نہ لائے

یعنی بقصد انکار رسالت یوں کہتے ہیں کہ اگر آپ نبی ہیں تو ہماری فرمائش کے موافق معجزہ کیوں نہیں لاتے ۱۲

قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ج
آپ فرما دیجئے کہ میں اس کا اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر میرے رب کی طرف سے حکم بھیجا گیا ہے

یعنی تبلیغ

هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ
یہ (گویا) بہت سی دلیلیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے

جو اثبات توحید کے لئے کافی ہیں۔

وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾
اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں

ان کو دیکھ کر ان کے ایمان کو ترقی ہوتی ہے۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ
اور جب قرآن پڑھا جایا کرے

مثلاً جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تبلیغ فرمائیں۔

فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا

تو اس کی طرف کان لگا دیا کرو اور خاموش رہا کرو

تا کہ بخوبی سمجھ میں آ جائے۔

لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾

امید ہے کہ تم پر رحمت ہو

جدید یا مزید۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ

اور (آپ ہر شخص سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ) اے شخص اپنے رب کی یاد کیا کر

قرآن سے یا تسبیح وغیرہ سے۔

فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ

اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور خوف کے ساتھ اور زور کی آواز کی نسبت

مِنَ الْقَوْلِ

کم آواز کے ساتھ

حاصل یہ کہ عاجزی ملحوظ رہے۔

وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾

صبح اور شام (یعنی علی الدوام) اور اہل غفلت میں شمار مت ہونا

کہ ضروری اذکار کو بھی ترک کر دو۔ ربط: سورہ ختم پر آئی مجموعہ سورۃ میں طاعت کا حکم تھا اکثر حصہ میں توحید و رسالت و قیامت کے متعلق عقائد صحیح کرنے کا امر تھا اور کچھ حصہ میں بعض اعمال کا جو اعضاء ظاہری اور زبان کے متعلق ہیں بیان تھا اب خاتمہ کی آیت میں سارے مضمون کی تاکید و تائید ہے کہ جب بڑے بڑے ملائکہ مقربین کو ان طاعات سے عار نہیں تو تم کو کیا انکار ہے۔ ان الذین تا یسجدون

اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ

یقیناً جو (ملائکہ) تیرے رب کے نزدیک (مقرب) ہیں وہ اس کی عبادت سے (جس میں اصل عقائد ہیں) تکبر نہیں کرتے اور اس کی پاکی بیان کرتے

عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ السجدۃ ع

ہیں (جو کہ طاعت لسانی ہے) اور اس کو سجدہ کرتے ہیں (جو کہ اعمال جوارح ہیں)

تکبر نہ کرنے میں عقیدہ کی عبادت مذکور ہے اور پاکی بیان کرنے میں زبان کی طاعت ہے اور سجدہ کرنے میں ظاہری اعضاء کی عبادت ہے پس خاتمہ کا حسن اظہر من الشمس ہے۔

سورۃ الانفال مدنیۃ. الاواذیمکربک الأیات السبع فمکیۃ وایھاست و سبعون کذافی البیضاوی والجلالین

ربط: اوپر کی سورۃ میں زیادہ تر مشرکین کے جہل و عناد کا اور کسی قدر اہل کتاب کے کفر و فساد کا ذکر تھا اس سورۃ میں اس وبال کا ذکر ہے جو بدر میں مشرکین پر اور دیگر بعض واقعات میں اہل کتاب پر نازل ہوا اور چونکہ کفار کے ساتھ مقابلہ کرنے میں دنیا و آخرت کی کامیابی کا بڑا مدار للّٰہیت و اتفاق پر ہے اس لئے سورۃ کو تقویٰ و اصلاح و اطاعت اللہ و رسول کے حکم سے شروع کیا کہ للّٰہیت و اتفاق کو ان ہی سے قوت ہوتی ہے اور تقسیم غنائم کے متعلق ایک خفیف بات جو اس وقت پیش آ گئی تھی اور کمال اتفاق و للّٰہیت سے بعید تھی اس کا بھی فیصلہ مضمون سابق کے ضمن میں کر دیا گیا جس کا قصہ ابن عباسؓ سے اس طرح منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا تھا کہ جو شخص کسی کو قتل یا قید کرے اس کو اتنا اتنا انعام ملے گا سو بوڑھے تو جھنڈوں کے نیچے رہے اور جوان لوگ قتل و غنیمت کی طرف دوڑے بوڑھوں نے ان جوانوں سے کہا کہ ہم کو بھی اس میں شریک کرو ہم تمہارے مددگار تھے اور اگر تم پر کوئی حادثہ پڑتا تو تم ہماری ہی پناہ لیتے اس میں گفتگو ہوگئی آپ تک مقدمہ آیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ **یسئلونک عن الانفال الخ** چنانچہ آپ نے بوڑھے جوانوں سب کو برابر تقسیم کر دیا اور حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ میں بدر کے روز ایک تلوار لایا اور حضور سے عرض کیا کہ یہ تلوار مجھ کو ہبہ کر دیجئے آپ نے فرمایا کہ یہ نہ میری ہے نہ تیری ہے۔ مجھ کو رنج ہوا پھر آپ نے بلا کر فرمایا کہ اس وقت تو میری نہ تھی اب وہ میری ہے اور میں تجھ کو دیتا ہوں۔

یسئلونک تا رزق کریم

(۸) سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ (۸۸)

سورۂ انفال مدینے میں نازل ہوئی اور اس میں پچھتر (۷۵) آیتیں اور دس (۱۰) رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ

یہ لوگ آپ سے (خاص غنیمتوں کا حکم) دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ

لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ

یہ غنیمتیں اللہ کی ہیں اور رسول کی ہیں

یعنی اللہ کی ملک ہیں وہ ان کے بارہ میں جو چاہیں حکم کریں اور رسول کی معرفت وہ احکام نازل کریں گے پس ان کا فیصلہ تمہاری رائے اور تجویز پر نہیں بلکہ شرعی حکم پر ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ

سو تم اللہ سے ڈرو

اور دنیا کی حرص مت کرو بلکہ آخرت کے طالب رہو۔

وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪

اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرو

کہ باہم حسد اور بغض نہ ہو۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۱)

اور اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم ایمان والے ہو۔ (کیونکہ)

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ

بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب (ان کے سامنے) اللہ تعالیٰ کا

وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ

ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر

زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ (۲)

سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان اور زیادہ (مضبوط) کر دیتی ہیں اور

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ

وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں (اور) جو کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں

يُنْفِقُوْنَ (۳) اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ

اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں (بس) سچے

حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ

ایمان والے یہ لوگ ہیں۔ ان کے لئے بڑے درجے ہیں ان کے رب کے

وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (۴)

پاس اور (ان کے لئے) مغفرت ہے اور عزت کی روزی

اس آیت میں سب احکام آ گئے اس طرح سے احکام کی دو قسمیں ہیں حقوق اللہ و حقوق العباد پس باہمی تعلقات کی اصلاح میں حقوق العباد کا ذکر ہو گیا اور حقوق اللہ کی دو قسمیں ہیں ظاہری اور باطنی اور ظاہری کی پھر دو قسمیں ہیں مالی اور بدنی۔ نماز کی پابندی کرنا طاعت بدنی ہے اور خرچ کرنا مالی طاعت ہے اسی طرح باطنی کی بھی دو قسمیں ہیں عقائد اور اخلاق پس ایمان مضبوط کرنے میں عقائد آ گئے اور توکل میں اخلاق اور ان سب کا مدار خوف الٰہی پر ہے تقویٰ وغیرہ میں اس کا ذکر ہو گیا اور شاید اسی وجہ سے اس کا ذکر مکرر کیا گیا پس اطاعت اللہ و رسول کی سب صورتیں اس جگہ مذکور ہو گئیں۔ اور غنیمت کے مسائل کتب فقہ میں اور بقدر حاجت بیان القرآن میں مذکور ہیں۔

ربط: اوپر مقابلہ کفار میں کامیاب ہونے کا جو بڑا مدار ہے اس کا بیان تھا آگے کامیابی کے بعض واقعات ذکر کر کے اپنے انعامات یاد دلاتے ہیں۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۪

جیسا کہ آپ کے رب نے آپ کے گھر (اور بستی) سے مصلحت کے ساتھ آپ

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ (۵)

کو (بدر کی طرف) روانہ کیا اور مسلمانوں کی ایک جماعت اس کو گراں سمجھتی تھی۔

اس میں آپ کی روانگی بدر کا قصہ ہے اجمالی بیان اس کا یہ ہے کہ ایک مختصر قافلہ مکہ کے تاجروں کا شام سے مکہ جا رہا تھا جس کے ساتھ مال اور اسباب بہت تھا آپ نے بذریعہ وحی کے صحابہ کو خبر دی چونکہ قافلہ میں آدمی کم اور مال بہت تھا اس لئے صحابہ کو غنیمت کا خیال ہوا اور اسی ارادہ سے مدینہ سے چلے یہ خبر جو مکہ پہنچی تو ابوجہل وہاں کے رؤسا اور لشکروں سمیت قافلہ کی حفاظت کے لئے نکلا اور قافلہ سمندر کے کنارے کنارے

بچ کر ہولیا ابوجہل مع لشکر کے بدر میں آکر ٹھہرا اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم وادی وجران میں تشریف رکھتے تھے آپ کو وحی سے یہ سارا قصہ معلوم ہوگیا اور آپ سے خدا کا وعدہ ہوا کہ لشکر اور قافلہ میں سے آپ کو ایک پر غلبہ ہوگا (جس کو چاہو اختیار کرلو) آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا چونکہ وہ لشکر کے مقابلہ کے لئے نہ آئے تھے اس لئے سامان حرب کافی ساتھ نہ تھا نیز آدمی بھی تین سو سے کچھ اوپر تھے اور لشکر ایک ہزار کا تھا اس لئے بعض کو طبعی طور پر پس وپیش ہوا اور مشورہ کے طور پر عرض کیا کہ اس لشکر کا مقابلہ نہ کیجئے بلکہ قافلہ کا تعاقب مناسب ہے۔ آپ رنجیدہ ہوئے تو اس وقت حضرت ابوبکر وعمر ومقداد بن عمرو وسعد بن معاذ رضی اللہ عنہم نے اطاعت کی تقریریں کیں تب آپ بدر کی طرف روانہ ہوئے پس حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس طرح بدر میں اس لشکر کا مقابلہ بعض لوگوں کو گراں تھا مگر اس کا انجام اچھا ہوا اسلام غالب اور کفر مغلوب ہوگیا اور یہ بات قافلہ کے لوٹنے میں کب حاصل ہوتی اسی طرح یہ غنیمتوں کی تقسیم بوجہ مرضی موافق نہ ہونے کے گو بعض لوگوں کو طبعاً گراں گزری ہو مگر بوجہ بہت سی مصلحتوں کے یہی خیر ہے اور صحابہ کو لشکر کے مقابلہ کی گرانی بوجہ بے سروسامانی وغالب اندیشہ قتل کے طبعی تھی عقلی یا اعتقادی نہ تھی پس کوئی اشکال نہیں اور ایک جماعت اس لئے کہا کہ بعض حضرات کو تردد نہ ہوا تھا۔

يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا

(اور) وہ اس مصلحت (کے کام) میں بعد اس کے کہ اس کا ظہور ہوگیا تھا (اپنے بچاؤ کے لئے) آپ سے (بطور مشورہ) اس طرح جھگڑ رہے تھے کہ

يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝۶

گویا کوئی ان کو موت کی طرف ہانکے لئے جارہا ہے اور وہ دیکھ رہے ہیں

ظہور کا مطلب یہ ہے کہ اس کا بہتر ہونا اور اس میں وعدۂ ظفر ہونا آپ کے ارشاد سے معلوم ہوگیا تھا۔

ربط: اوپر ایک انعام مذکور ہوا آگے دوسرا مذکور ہے واذیعدکم اللہ تا کرہ المجرمون

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ

اور تم لوگ اس وقت کو یاد کرو جبکہ اللہ تعالیٰ تم سے ان دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ

اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ

کرتے تھے کہ وہ تمہارے ہاتھ آجاوے گی اور تم تمنا میں تھے کہ غیر مسلح جماعت

تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ

(یعنی قافلہ) تمہارے ہاتھ آجاوے اور اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اپنے احکام سے حق کا

بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۷

حق ہونا (عملاً ثابت کردے) اور ان کافروں کی بنیاد (اور قوت) کو قطع کردے

اوپر جو قصہ مذکور ہوا ہے وہ اس آیت کی توضیح کے لئے بھی کافی ہے اور اس واقعہ کو قطع بنیاد فرمایا حالانکہ تمام کفار قریش اس میں ہلاک نہ ہوئے تھے وجہ اس کی یہ ہے کہ اس واقعہ سے ان کی قوت بالکل فنا ہوگئی تھی کیونکہ ان کے بڑے بڑے رئیس ستر قتل اور ستر قید ہوئے تھے اس طرح وہ گویا سب ہی ختم ہوگئے اور کلمات کی تفسیر جو احکام سے کی گئی ہے اس سے یا تو شرعی احکام مراد ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بدر کی طرف چلنے کے لئے فرمایا تکوینی احکام مراد ہیں کہ حق تعالیٰ نے تقدیر میں اسی طرح مقدر کیا تھا کہ مسلمان بدر میں جاویں اور لڑیں اور کفار مغلوب اور قید اور ہلاک ہوں۔

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ

تاکہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا (عملاً ثابت کردے) گو یہ مجرم لوگ

الْمُجْرِمُوْنَ ۝۸

ناپسند ہی کریں

یہاں یحق الحق میں تکرار نہیں کیونکہ اوپر بلاواسطہ حق ثابت کرنا مراد ہے اور یہاں قطع بنیاد کے ذریعہ سے حق ثابت کرنا مقصود ہے اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ کسی کا ہلاک کرنا کسی خیر کی وجہ سے مقصود ہوتا ہے جیسا کہ اس جگہ کفار کی ہلاکت سے حق کا ثابت کرنا مقصود تھا۔

ربط: آگے بھی بعض انعامات کا ذکر ہے۔ اذتستغیثون تا حکیم

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ

اس وقت کو یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے

کیونکہ اپنی قلت اور کفار کی کثرت دیکھ کر گھبرا رہے تھے اور اس واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فتح ونصرت کے لئے دعا کرنا صحاح میں مذکور ہے اور ظاہر آیت سے مسلمانوں کا دعا کرنا بھی معلوم ہوتا ہے اور بعض نے یہ کہا ہے کہ یستغیثون میں حضور ہی کو خطاب ہے اور صیغہ جمع تعظیماً لایا گیا ہے تو مسلمانوں کا دعا کرنا آیت سے معلوم نہ ہوگا۔

فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ

پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری سن لی کہ میں تم کو ایک ہزار فرشتوں سے مدد دوں گا

مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ﴿۹﴾ وَمَا جَعَلَهُ

جوسلسلہ وار چلے آویں گے اور اللہ تعالیٰ نے یہ امداد محض اس (حکمت کے)

اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى

(لئے کی کہ (غلبہ کی) بشارت ہو

یعنی غلبہ کی توقع سے خوشی ہو جائے۔

وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ج

اور تاکہ تمہارے دلوں کو (اضطراب سے) قرار ہو جاوے

یعنی چونکہ ظاہری اسباب سے تسلی ہوتی ہے اس لئے ایسا کیا ۱۲

ربط: آگے بھی بعض انعامات مذکور ہیں اذیغشیکم تا بہ الاقدام

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ

اور (واقع میں) تو نصرت (اور غلبہ) صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے جو کہ

عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾ ع اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ

زبردست حکمت والے ہیں۔ اس وقت کو یاد کرو جبکہ اللہ تعالیٰ تم پر اونگھ کو

اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ

طاری کر رہا تھا اپنی طرف سے چین دینے کے لئے اور (اس کے قبل) تم پر

مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ

آسمان سے پانی برسا رہا تھا تاکہ اس پانی کے ذریعہ سے تم کو (حدث اکبرو

رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ

اصغر سے) پاک کردے اور تم سے شیطانی وسوسہ کو دفع کردے اور تمہارے

وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ﴿۱۱﴾ ط

دلوں کو مضبوط کردے اور تمہارے پاؤں جمادے

اس میں ایک قصہ کی طرف اشارہ ہے اجمالی بیان اس کا یہ ہے کہ بدر میں مشرکین پہلے جا پہنچے تھے اور پانی پر قبضہ کر لیا مسلمان بعد میں پہنچے اور ایک خشک ریگستان میں اترے جہاں پانی نہ ہونے سے پیاس کی بھی شدت اور نماز کے وقت وضو اور غسل سے عاجز کیونکہ تیمم کا حکم اب تک نہ ہوا تھا ادھر ریگستان میں چلنا پھرنا مصیبت کہ اس میں پاؤں دھنسے جاتے تھے ان وجوہ سے قلب بہت پریشان ہوا اوپر سے شیطان نے وسوسہ ڈالنا شروع کیا کہ اگر تم اللہ کے نزدیک مقبول ہوتے تو اس پریشانی میں کیوں پھنستے حالانکہ یہ وسوسہ محض بے بنیاد تھا مگر پریشانی بڑھانے کو کافی تھا حق تعالیٰ نے اول باران رحمت نازل کیا جس سے پانی کی افراط ہو گئی پیا بھی وضو غسل بھی کیا اور اس سے ریتا جم گیا دہن جاتی رہی اس کے برعکس کفار چونکہ نرم زمین میں تھے وہاں کیچڑ ہو گئی چلنے پھرنے میں دقت ہونے لگی غرض سب وساوس اور تشویشات دفع ہو جائے اس کے بعد مسلمانوں پر اونگھ کا غلبہ ہوا جس سے پوری راحت ہو گئی اور سب بے چینی جاتی رہی قتادہ سے مروی ہے کہ نیند کا غلبہ دو لڑائیوں میں ہوا ایک بدر میں (جس کا ذکر یہاں ہے) دوسرا جنگ احد میں (جس کا ذکر چوتھے پارہ میں ہے) اور حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ ہم سب پر نیند کا غلبہ ہوا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح تک نماز پڑھنے میں مشغول رہے احقر کہتا ہے کہ یہ اونگھ کا غلبہ پریشانی کا علاج تھا حضور غایت توکل اور اطمینان کی وجہ سے پریشان ہی نہ ہوئے تھے اس لئے آپ پر اس کا غلبہ نہ ہوا۔

ربط: آگے بھی بعض انعامات کا ذکر اذیوحی تا بنان

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ

اس وقت کو یاد کرو جبکہ آپ کا رب ان فرشتوں کو حکم دیتا تھا کہ میں تمہارا ساتھی

فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ط سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ

(ومددگار ہوں) سو (مجھ کو مددگار سمجھ کر) تم ایمان والوں کی ہمت بڑھاؤ میں

الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ

بھی کفار کے قلوب میں رعب ڈالے دیتا ہوں

اس میں بیان ہو گیا اس بات کا جو اوپر فرمائی تھی کہ میں تمہارا ساتھی ہوں ۱۲

فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ

سو تم (کفار کی گردنوں پر مارو اور ان کے

كُلَّ بَنَانٍ ﴿۱۲﴾ ط

پور پور کو مارو

اس میں بیان ہو گیا مومنین کی ہمت بڑھنے کا حاصل اس انعام کا یہ ہے کہ فرشتوں کو مسلمانوں کا معین بنایا گیا اور ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ نے بھی قتل و قتال کیا ہے درمنثور میں اس کی موید روایات بھی ہیں اور بعض نے اس آیت کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ ملائکہ کو حکم ہوا کہ مسلمانوں کی ہمت بڑھاؤ یعنی ان کے دلوں میں یہ بات ڈال دو کہ کفار ابھی مرعوب ہوئے جاتے ہیں تم ان کی گردنوں اور پوروں پر ہتھیار مارو

اس صورت میں ملائکہ کا لڑنا آیت سے ثابت نہ ہوگا اور بات یہ ہے کہ اصلی مقصود فرشتوں کے آنے سے مسلمانوں کی ہمت بڑھانا اور ان کے قدم جمانا تھا جو بدوں لڑے محض تصرف سے بھی ممکن تھا چنانچہ زجاج کا قول روح المعانی میں نقل کیا ہے۔ وللملک قوة القاء الخیر فی القلب الخ کہ فرشتوں کو نیک بات کسی کے دل میں القا کرنے کی قوت ہے اور کسی کسی کو جو ملائکہ نے قتل کیا وہ اس لئے تا کہ مسلمانوں کو فرشتوں کے نازل ہونے کا یقین ہو جائے یہ مضمون پارہ لن تنالوا میں بھی گزر چکا ہے **ربط:** اوپر کفار کا قتل و ناکام ہونا مذکور تھا جو مسلمانوں کے حق میں انعام اور کفار کے حق میں سزا و انتقام ہے اب تک اس کا ذکر انعام ہی کے عنوان سے ہوا تھا آگے انتقام کے عنوان سے ہوتا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ

یہ اس بات کی سزا ہے کہ انہوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی

وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ

مخالفت کی اور جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے سو

اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿١٣﴾

اللہ تعالیٰ (اس کو) سخت سزا دیتے ہیں

ذلک بانهم تا عذاب النار خواہ دنیا میں کسی حکمت سے یا صرف آخرت میں یا دونوں جگہ

ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ

سو یہ سزا چکھو اور جان رکھو کہ کافروں کے لئے جہنم کا عذاب

النَّارِ ﴿١٤﴾

مقرر ہی ہے

یعنی اس مخالفت کی سردست تو یہ سزا ہے مگر اس سے آخرت کا عذاب ٹل نہیں گیا کیونکہ اصلی سزا تو وہی ہے ۱۲

ربط: اوپر ملائکہ کو مسلمانوں کے ثابت قدم کرنے کا حکم تھا آگے مسلمانوں کو ثابت قدم رہنے کا حکم ہے اور چونکہ اس حکم کو ہر جہاد کے ساتھ متعلق کرنا مقصود ہے اس لئے عام عنوان سے اس کا ذکر فرمایا یایها الذین امنوا تا بئس المصیر

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ

اے ایمان والو! جب تم کافروں سے (جہاد میں) دوبدو مقابل ہو جاؤ

كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿١٥﴾ ۚ

تو ان سے پشت مت پھیرنا اور جو شخص ان سے اس موقع پر (مقابلہ

وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا

کے وقت) پشت پھیرے گا مگر ہاں جو لڑائی کے لئے پینترا بدلتا ہو یا

لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ

اپنی جماعت کی طرف پناہ لینے آتا ہو وہ مستثنیٰ ہے باقی اور جو ایسا

بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ

کرے گا وہ اللہ کے غضب میں آجاوے گا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿١٦﴾

اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے

جہاد سے بھاگنا حرام ہے ہاں اگر کافر دونے سے زیادہ ہوں تو جائز ہے جیسا کہ آگے آتا ہے اور جب دونے سے زیادہ نہ ہوں تب بھی دو صورتیں جواز کی ہیں جن کو آیت میں مستثنیٰ کیا گیا ہے ایک یہ کہ دھوکہ دینے کے لئے سامنے سے بھاگے تا کہ حریف غافل ہو جائے پھر دفعۃً لوٹ کر اس پر حملہ کرے دوسرے یہ کہ اصلی مقصود بھاگنا نہ ہو بلکہ بوجہ بے سروسامانی وغیرہ کے اپنی جماعت میں اس غرض سے آملے کہ ان سے قوت اور مدد لے کر پھر مقابل ہوگا اس میں بعض نے اس جماعت کے قریب ہونے کی شرط لگائی ہے بعض نے عام کہا ہے اور جنگ بدر میں باوجودیکہ کفار دونے سے زیادہ تھے پھر بھی بھاگنا جائز نہ تھا جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس وقت تک وہ حکم جس میں دو حصہ کی قید ہے نازل نہ ہوا تھا اسی اعتبار سے بعض نے اس آیت کو بدر کے ساتھ خاص کہا ہے اس کا یہی مطلب ہے۔

ربط: اوپر امداد غیبی کا بیان تھا آگے بتلاتے ہیں کہ یہ غلبہ ہماری قدرت اور مشیت کا اثر ہے۔ گو ظاہراً ایک خاص حکمت کی وجہ سے تمہارے فعل سے ظاہر ہو (فلم تقتلوهم تا کید الکفرین.

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۠

سو تم نے ان کو قتل نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل کیا

یعنی جب فرشتوں کا امداد کے لئے آنا وغیرہ ایسے عجیب واقعات جو کہ تمہارے اختیار سے بالکل خارج ہیں ظہور میں آئے تو اس سے معلوم ہوا کہ اس غلبہ میں حقیقی تاثیر تمہاری نہ تھی بلکہ مؤثر حقیقی خدا کی قدرت ہے۔

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ج

اور آپ نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی جس وقت آپ نے پھینکی لیکن اللہ تعالیٰ نے وہ پھینکی

اس میں بھی ایک قصہ کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ حضور نے بدر کے روز ایک مٹھی کنکریوں کی اٹھا کر کافروں کی طرف پھینکی جس کے ریزے سب کی آنکھوں میں جا گرے اور ان کو شکست ہوئی اور اس کی بابت بھی فرماتے ہیں کہ اس میں حقیقی تاثیر آپ کی نہ تھی بلکہ موثر حقیقی خدا کی قدرت تھی اور باوجودیکہ موثر حقیقی قدرت حق ہے پھر جو قتل وغیرہ کے آثار مسلمانوں کے ہاتھ سے ظاہر ہوئے اس میں کیا حکمت تھی اس کا آگے بیان ہے ۱۲

وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ط

اور تاکہ مسلمانوں کو اپنی طرف سے ان کی محنت کا خوب عوض دے

اور ظاہر ہے کہ محنت اسی وقت پائی جائے گی جب کہ بندہ کے ارادہ و اختیار سے فعل صادر ہو اس لئے ظاہرا میں غلبہ کو مسلمانوں کی محنت پر مرتب کیا گیا تا کہ ان کو ثواب ملے۔

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ

بلاشبہ اللہ تعالیٰ (ان مومنین کے اقوال کے) خوب سننے والے (اور ان کے افعال واحوال کے) خوب جاننے والے ہیں ایک بات تو یہ ہوئی اور دوسری

اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾

بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کافروں کی تدبیر کا کمزور کرنا تھا

اور زیادہ کمزوری اُس وقت ظاہر ہوتی ہے جب اپنے برابر والے بلکہ اپنے سے کمزور کے ہاتھوں مغلوب ہو جائے اور یہ اس پر موقوف تھا کہ غلبہ کے آثار مسلمانوں کے ہاتھ سے ظاہر ہوں ورنہ کفار کہہ سکتے تھے کہ تدبیر تو ہماری قوی تھی لیکن تدبیر الٰہی کے سامنے نہ چل سکی کیونکہ خدا کی تدبیر سب سے قوی ہے تو اس سے آئندہ مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کا حوصلہ پست نہ ہوتا کیونکہ ان کو تو ضعیف ہی سمجھتے اور مٹھی خاک پھینکنے کا قصہ کئی بار ہوا بدر میں' احد میں حنین میں لیکن یہاں سیاق کلام سے بدر کا واقعہ مراد لینا غالب ہے۔

ربط: اوپر واقعات بدر میں مسلمانوں کو بطور نعمتوں کی یاد دہانی کے خطاب تھا آگے کفار کو بطور عذاب کی یاد دہانی کے ایک خاص مضمون کا خطاب ہے جس کا قصہ یہ ہوا کہ کفار قریش ابوجہل وغیرہ نے مقابلہ کے وقت یہ دعا کی تھی کہ یا اللہ آج ہمارا اور محمد (صلعم) کا فیصلہ کر دیجئے جو حق پر ہو آج اس کو غالب کر دے اس پر یہ آیت نازل ہوئی ان تستفتحوا تا مع المؤمنین

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ج

اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو وہ فیصلہ تو تمہارے سامنے آموجود ہوا

کہ جو حق پر تھا اس کو غلبہ ہو گیا اب حق واضح ہو جانے کے بعد تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے باز آؤ۔

وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ج وَاِنْ تَعُوْدُوْا

اور اگر باز آجاؤ تو یہ تمہارے لئے نہایت بہتر ہے اور اگر تم پھر وہی کام کرو

نَعُدْ ج

گے تو ہم بھی پھر وہی کام کریں گے

یعنی اب بھی اگر تم مخالفت سے باز نہ آئے تو ہم پھر تم کو مغلوب اور مسلمانوں کو غالب کر دیں گے اور اگر تم کو اپنی جمعیت کا گھمنڈ ہو کہ اب کی بار اس سے زیادہ لشکر جمع کر لیں گے تو اس کو بھی سن لو۔

وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ لا

اور تمہاری جمعیت تمہارے ذرا بھی کام نہ آوے گی اور گو کتنی ہی زیادہ ہو اور واقعی

وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹﴾ ع

بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ (اصل میں) ایمان والوں کے ساتھ ہے

یعنی ان کا مددگار ہے گو کسی وقت کسی عارض کی وجہ سے ان کے غلبہ کا ظہور نہ ہو لیکن دراصل غلبہ کے لائق یہی ہیں اس لئے ان سے مقابلہ کرنا اپنا نقصان کرنا ہے۔

ربط: اوپر اللہ ورسول کی مخالفت کرنے والے کفار کی مذمت تھی آگے مومنین کو اللہ ورسول کی اطاعت وموافقت کا حکم اور مخالفت کی ممانعت اور اس کی تاکید کے لئے کفار کے ساتھ تشبہ کرنے کی ممانعت اور کفار کی مذمت اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی اللہ ورسول کے تابعدار بنانے کی کوشش کرنے کا امر فرماتے ہیں۔ یایھا الذین امنوا تا خیر الماکرین

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

اے ایمان والو اللہ کا کہنا مانو اور اس کے رسول کا اور اس کا کہنا ماننے سے

وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾ صلے

روگردانی مت کرو اور تم (اعتقاد سے) سن تو لیتے ہی ہو

یعنی جیسا اعتقاد سے سن لیتے ہو ایسا ہی عمل بھی کیا کرو۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا

اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہونا جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم نے

وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾

سن لیا حالانکہ وہ سنتے سناتے کچھ نہیں

یعنی ترک اطاعت میں کفار ومنافقین کی طرح نہ ہونا کہ کفار کانوں سے سننے کا اور منافقین اعتقاد کے ساتھ سننے کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر ان میں فہم واعتقاد دونوں نہیں اور اعتقاد سے سننے کا ثمرہ عمل ہے جب عمل نہ ہوا تو وہ سننا ایسا ہی ہے کہ گویا اعتقاد سے سنا ہی نہیں ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اعتقاد سے سن کر عمل نہ کرنے والے اور بدوں اعتقاد کے سننے والے (جو مشابہ نہ سننے کے ہے) برے ہونے میں متفاوت ضرور ہیں کیونکہ کافر اور گنہگار مسلمان برابر نہیں۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ

بیشک بدترین خلائق اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو

الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾

بہرے ہیں گونگے ہیں جو کہ ذرا نہیں سمجھتے

یعنی جو لوگ حق بات اعتقاد سے سنتے ہی نہیں اور حق بات زبان سے کہتے ہی نہیں اور اس کو ذرا بھی نہیں سمجھتے یہ سب سے بدتر ہیں اور جن سے باوجود اعتقاد کے عمل میں کوتاہی ہو جاتی ہے وہ بدتر نہیں ہیں گو برے ضرور ہیں مگر انسان کو بد بھی نہ ہونا چاہئے آگے بتلاتے ہیں کہ اعتقاد سے نہ سننے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں ایک بڑی خوبی کی کسر ہے وہ یہ کہ ان میں طلب حق نہیں کیونکہ اعتقاد طلب اور تلاش ہی سے حاصل ہوتا ہے طلب کی برکت سے حق واضح ہو جاتا اور تردد رفع ہو کر اعتقاد پیدا ہو جاتا ہے اور اسی پر سننے کا فائدہ موقوف ہے سو یہی خوبی ان میں نہیں ہے۔

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا

اور اگر اللہ تعالیٰ ان میں کوئی خوبی دیکھتے

مطلب یہ کہ اگر وہ خوبی موجود ہوتی کیونکہ اس کے موجود ہونے پر خدا کو اس کا علم ضرور ہوتا تو جب خدا تعالیٰ ان میں وہ خوبی نہیں پاتے تو واقع میں وہ ہے ہی نہیں اور چونکہ اس خوبی پر نجات موقوف ہے تو جب یہ ان میں نہیں تو گویا کوئی بھی خوبی نہیں۔

لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ

تو ان کو سننے کی توفیق دیتے

جیسا کہ اوپر مذکور ہوا کہ طلب سے اعتقاد پیدا ہو جاتا ہے۔

وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ

اور اگر ان کو اب سنا دیں

کہ ان میں طلب حق تو ہے نہیں ویسے ہی ظاہری کانوں سے بھی کچھ سن لیتے ہیں۔

لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾

تو ضرور روگردانی کریں گے بیرخی کرتے ہوئے

یعنی ان کی روگردانی کا سبب یہ نہیں ہے کہ تامل اور غور کے بعد کوئی غلطی ظاہر ہوئی ہو کیونکہ یہاں غلطی کا نام ونشان ہی نہیں بلکہ غضب یہ ہے کہ ادھر توجہ ہی نہیں کرتے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ

اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول کے کہنے کو بجالایا کرو

وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ

جبکہ رسول تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلاتے ہوں

یعنی دین کی طرف جو ابدی حیات کا سبب ہے۔

وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ

اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ آڑ بن جایا کرتا ہے آدمی کے اور اس کے قلب کے

وَقَلْبِهٖ

درمیان

مومن کے قلب کو دوام طاعت کی برکت سے کفر سے محفوظ رکھتے ہیں ایسے ہی کافر کو ایمان سے۔

وَاَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

اور بلاشبہ تم سب کو خدا ہی کے پاس جمع ہونا ہے

اس وقت جزا و سزا دی جائے گی۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ

اور تم ایسے وبال سے بچو کہ جو خاص انہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا

ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ

جو تم میں ان گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں

بلکہ ان کو دیکھ کر جن لوگوں نے مداہنت کی وہ بھی اس میں شریک ہیں۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾

اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں

اس لئے ان کے حکم کے خلاف کرنے سے بچو۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ

اور اس حالت کو یاد کرو جبکہ تم قلیل تھے سرزمین میں کمزور شمار کئے جاتے تھے

فِى الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ

اس اندیشہ میں رہتے تھے کہ تم کو (مخالف) لوگ نوچ گھسوٹ نہ لیں سو

النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ

(ایسی حالت میں) اللہ نے تم کو (مدینے میں) رہنے کی جگہ دی اور تم کو اپنی

مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

نصرت سے قوت دی اور تم کو نفیس نفیس چیزیں عطا فرمائیں تاکہ تم شکر کرو

اور بڑا شکر یہ ہے کہ اطاعت کرو اور یہ قلت اور کمزوری ہجرت سے پہلے تھی ہجرت کے بعد خدا تعالیٰ نے قوت دی سامان سے بھی اور جمعیت بڑھانے میں بھی جس سے وہ کمی اور کمزوری اور دشمنوں کا خوف سب زائل ہو گیا پھر صرف یہی نہیں کہ مصیبت کو دور کر دیا بلکہ اعلیٰ درجہ کی خوشحالی بھی عطا فرمائی کہ دشمنوں پر غلبہ دے کر فتوحات کی کثرت سے بہت کا سامان عطا فرمایا آگے بتلاتے ہیں کہ ہم مخالفت اور معصیت سے اس لئے منع کرتے ہیں کہ تم پر اللہ و رسول کے کچھ حقوق ہیں جن کا نفع تمہاری ہی طرف لوٹتا ہے اور گناہوں سے ان حقوق میں خلل پڑتا ہے جس سے واقع میں تمہارے ہی نفع میں خلل پڑتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ

اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول کے حقوق میں

وَالرَّسُوْلَ

خلل مت ڈالو

اور وہ قابل حفاظت چیزیں تمہارے منافع ہیں جو اعمال سے حاصل ہوتے ہیں تو اللہ و رسول کے حقوق کا ضائع کرنا انجام کے اعتبار سے اپنے منافع کا ضائع کرنا ہے۔

وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾

اور اپنی قابل حفاظت چیزوں میں خلل مت ڈالو اور تم تو (اس کا مضر ہونا) جانتے ہو

اور چونکہ اکثر اوقات مال و اولاد کی محبت طاعت میں مخل ہو جاتی ہے اس لئے آگے اس پر متنبہ فرماتے ہیں۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ

اور تم اس بات کو جان رکھو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد ایک امتحان کی

فِتْنَةٌ ۙ

چیز ہے

کہ دیکھیں کون ان کی محبت کو ترجیح دیتا ہے اور کون اللہ تعالیٰ کی محبت کو سو تم ان کی محبت کو ترجیح مت دینا

وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ ع

اور اس بات کو بھی جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا بھاری اجر (موجود) ہے

ان لوگوں کے لئے جو اللہ کی محبت کو ترجیح دیتے ہیں اور اس اجر کے سامنے یہ فنا ہونے والی منفعتیں محض ہیچ ہیں اور بعض مفسرین نے اس آیت واعلموا انما اموالکم الخ کو حضرت ابولبابہ کی شان میں کہا ہے کہ یہود بنی قریظہ نے سابق تعلق کی بناء پر ان سے مشورہ چاہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے ہمارے بارے میں کیا ہے؟ چونکہ ان کے اہل و عیال اور اموال وغیرہ ان ہی لوگوں کے پاس تھے اس لئے انہوں نے خیر خواہی کے طور پر اشارہ سے راز ظاہر کر دیا کہ گلے پر ہاتھ پھیر کر بتلا دیا کہ ذبح کئے جاؤ گے پھر بہت پچھتائے اور توبہ کی اور وہ قبول بھی ہوئی ۱۲

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ

اے ایمان والو اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ

يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا

تم کو ایک فیصلہ کی چیز دے گا

فیصلہ میں ہدایت اور نور قلب بھی داخل ہے جس سے حق و باطل میں علمی فیصلہ ہوتا ہے اور دشمنوں پر غلبہ اور آخرت کی نجات بھی داخل ہے جس سے حق و باطل میں عملی فیصلہ ہوتا ہے۔

وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ

اور تم سے تمہارے گناہ دور کر دے گا

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

اور تم کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے

خدا جانے اپنے فضل سے اور کیا کیا دے دیں جو قیاس وگمان میں بھی نہ آتا ہو ۱۲

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ

اور اس واقعہ کا بھی ذکر کیجئے جبکہ کافر لوگ آپ کی نسبت (بڑی بڑی) تدبیریں

اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۗ وَيَمْكُرُوْنَ

سوچ رہے تھے کہ آیا آپ کو قید کرلیں یا آپ کو قتل کر ڈالیں یا آپ کو خارج وطن کردیں اور وہ تو اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ (میاں)

وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۗ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾

اپنی تدبیر کر رہے تھے اور سب سے زیادہ مستحکم تدبیر والا اللہ ہے

جس کے سامنے ان کی ساری تدبیریں گاؤ خورد ہوگئیں اور ان کی آخیر رائے قتل پر ٹھہری تھی آپ کو وحی سے معلوم ہوگیا آپ پوشیدہ نکل کر غار ثور میں جا چھپے اور بال بال محفوظ رہے اور صحیح سالم بفراغ خاطر مدینہ طیبہ آ پہنچے چونکہ آپ کا اس طرح پہنچ جانا مسلمانوں کے حق میں بہت بڑی نعمت تھی اس لئے اس واقعہ کے ذکر کا حکم فرمایا۔

ربط: اوپر ان تستفتحوا میں کفار کی مذمت اور ان کا مستحق عذاب ہونا مذکور تھا آگے بھی اسی مضمون کی کسی قدر تفصیل ہے واذا تتلی تا ھم الخسرون

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا

اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے

لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ

سن لیا اگر ہم ارادہ کریں تو اس کے برابر ہم بھی کہہ دیں یہ تو کچھ بھی نہیں صرف

اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾

بے سند باتیں ہیں جو پہلوں سے منقول چلی آرہی ہیں

کہ پہلے مذہب والے بھی یہی دعویٰ توحید وقیامت کا کرتے آئے ہیں ان ہی کے مضامین آپ نقل کر رہے ہیں اور یہ نضر بن حارث کا قول تھا ۱۲

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ

اور جبکہ ان لوگوں نے کہا کہ اے اللہ اگر یہ قرآن آپ کی طرف سے واقعی

مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً

ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسائیے

مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾

یا ہم پر (اور کوئی) دردناک عذاب واقع کر دیجئے

جو خلاف عادت ہونے میں پتھروں کی بارش کے مشابہ ہو اور یہ قول نضر یا ابوجہل کا تھا مگر چونکہ اور لوگ بھی راضی تھے اس لئے سب کی طرف نسبت کی گئی اور جب ایسے عذاب واقع نہ ہوئے تو اپنی حقانیت پر ناز کرنے لگے اور یہ نہ سمجھے کہ باوجود ان کے ناحق پر ہونے کے خاص موانع کی وجہ سے ایسے عذاب نازل نہیں ہوتے آگے ان موانع کا بیان ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۗ وَمَا

اور اللہ تعالیٰ ایسا نہ کریں گے کہ ان میں آپ کے ہوتے ہوئے ان کو (ایسا)

كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾

عذاب دیں اور اللہ تعالیٰ ان کو (ایسا) عذاب نہ دیں گے
جس حالت میں کہ وہ استغفار بھی کرتے رہتے ہیں

گو وہ استغفار آخرت میں نافع نہ ہو لیکن آخر عمل صالح دنیا میں تو کفار کو نافع ہو جاتا ہے مطلب یہ کہ خرق عادت کے طور پر عذاب آنے سے دو امر مانع ہیں ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف رکھنا مکہ میں یا دنیا میں اور حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کی امت میں بھی کسی کا ہونا اگرچہ وہ کافر ہی ہو اور استغفار بھی نہ کرتا ہو خلاف عادت عذاب آنے سے مانع ہے۔ ہاں قرب قیامت میں کسی عارضی مصلحت سے ایسے عذاب واقع ہوں گے جیسے مسخ ہونا پتھر برسنا آگ آنا وغیرہ اور دوسرا مانع ان لوگوں کا طواف وغیرہ میں غفرانک غفرانک استغفار کے الفاظ کہنا مگر خلاف عادت عذاب نہ آنے سے یہ نہ سمجھیں کہ بالکل ہی عذاب نہ آئے گا کیونکہ جس طرح یہ امور عذاب سے مانع ہیں اسی طرح ان کی حرکتیں عذاب کی مقتضی ہیں پس ان موانع کی وجہ سے خلاف عادت عذاب تو نہ ہوگا مگر ان حرکتوں سے کچھ عذاب تو ہوگا۔ آگے ان کی حرکتیں بیان فرماتے ہیں

وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ

اور (نیز) ان کا کیا استحقاق ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ (بالکل ہی معمولی)

يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

سزا بھی نہ دے حالانکہ وہ لوگ مسجد حرام سے روکتے ہیں

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو مسجد میں جانے اور نماز پڑھنے اور طواف کرنے نہیں دیتے چنانچہ حدیبیہ کے واقعہ میں تو کھلم کھلا روکا جس کا قصہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا اور قیام مکہ کے زمانہ میں بھی اس طرح روکا اور اس قدر تنگ کیا کہ ہجرت کی ضرورت ہوئی۔

وَمَا كَانُوٓا أَوْلِيَآءَهٗ ۚ
حالانکہ وہ لوگ اس مسجد کے متولی (بننے کے بھی لائق) نہیں

پھر عبادت کرنے والوں کو روکنا تو بہت دور رہا جس کا اختیار خود متولی کو بھی نہیں ہوتا۔

إِنْ أَوْلِيَآؤُهٗٓ إِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ
اس کے متولی تو سوا متقیوں کے اور کوئی بھی اشخاص نہیں لیکن ان میں
أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾
اکثر لوگ (اپنی نالائقی کا) علم نہیں رکھتے۔

یا تو ان کو علم ہی نہ ہو یا یہ کہ جب اس علم پر عمل نہ کیا تو وہ علم نہ ہونے کے مشابہ ہے اور متقین سے مراد اہل ایمان ہیں غرض جو نمازی تھے ان کو تو اس طرح مسجد سے روکا اور خود اس کا کیسا حق ادا کیا اور اس میں کیسی اچھی نماز پڑھی اس کا آگے بیان ہے۔

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا
اور ان کی نماز خانہ کعبہ کے پاس صرف یہ تھی سیٹیاں
مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ۚ
بجانا اور تالیاں بجانا

یعنی بجائے نماز کے ان کی یہ نامعقول حرکات ہوتی تھیں جن کا ضرور یہ مقتضا ہے کہ ان پر کوئی نہ کوئی عذاب نازل کیا جاوے گو وہ معمولی ہی عذاب ہو خلاف عادت نہ ہو اس تقریر سے دونوں آیتوں میں تعارض کا شبہ نہ رہا کہ پہلے تو کہا تھا کہ ہم ان کو عذاب نہ کریں گے اور اب فرمایا کہ ان کو کیوں عذاب نہ دیا جائے جواب ظاہر ہے کہ اوپر خلاف عادت عذاب کی نفی تھی اور یہاں معمولی عذاب کی دھمکی ہے

فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾
سو اس عذاب کا مزہ چکھو اپنے کفر کے سبب

اور یہ اقوال و افعال جو اوپر مذکور ہوئے ہیں اسی کفر کے آثار ہیں

چنانچہ متعدد غزوات میں ان پر یہ سزا واقع ہوئی یہاں تک تو ان لوگوں کے اقوال و اعمال بدنیہ کا ذکر تھا آگے مالی افعال کا بیان ہے۔

إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ أَمْوَالَهُمْ
بلاشک یہ کافر لوگ اپنے مالوں کو اس لئے خرچ
لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ
کر رہے ہیں کہ اللہ کی راہ سے روکیں

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ اور مخالفت میں جو خرچ ہوتا ہے ظاہر تھا کہ اس میں یہی غرض تھی کہ لوگوں کو دین حق سے روکا جائے ۱۲

فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ
سو یہ لوگ تو اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہی رہیں گے (مگر) پھر وہ مال ان کے حق
حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ۚ
میں باعث حسرت ہو جائیں گے پھر (آخر) مغلوب (بھی) ہو جائیں گے

یعنی جب آخر میں ناکامی کے آثار محسوس ہوں گے تو افسوس کریں گے کہ خواہ مخواہ خرچ کیا اور مغلوبیت کے وقت دوہری حسرت ہوگی مال ضائع ہونے کی الگ اور مغلوب ہونے کی الگ۔ اور اس آیت میں سب کفار مراد نہیں بلکہ جنگ بدر میں جنہوں نے مقابلہ کیا اور مال وغیرہ خرچ کیا وہ مراد ہیں پس اگر کسی کافر کا مال خرچ کرنا دنیا میں کارآمد ہو جائے تو آیت پر اشکال نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کا مصداق خاص مجمع تھا۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا إِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۶﴾
اور کافر لوگوں کو دوزخ کی طرف جمع کیا جاوے گا
لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ
تاکہ اللہ تعالیٰ ناپاک (لوگوں) کو پاک (لوگوں) سے الگ کر دے

کیونکہ جب دوزخیوں کو دوزخ کی طرف لاویں گے تو ظاہر ہے کہ اہل جنت ان سے علیحدہ رہ جائیں گے۔

وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ
اور (ان سے الگ کر کے) ناپاکوں کو ایک دوسرے سے ملا دے یعنی
فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ۚ
ان سب کو متصل کر کے پھر ان سب کو جہنم میں ڈال دے

حشر کے معنی جمع کرنا اور رکم کے معنی ملا دینا۔ مطلب یہ ہوا کہ جہنم کی طرف کفار کے لے جانے سے دو باتیں مقصود ہوں گی ایک تو ناپاکوں کو پاکوں سے الگ کرنا۔ دوسرے ناپاکوں کو اکٹھا کر کے جہنم میں جھونک دینا۔ **ربط:** اوپر کفار کے کفریہ اقوال وافعال کا بیان تھا اس کے سننے کے بعد کفار کی دو حالتیں ہوسکتی ہیں اسلام لے آنا اور کفر پر قائم رہنا اس لئے آگے ان دونوں حالتوں کے متعلق احکام بیان فرماتے ہیں۔ **قل للذین کفروا تا نعم النصیر**

أُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ ع قُلْ

ایسے ہی لوگ پورے خسارہ میں ہیں آپ ان کافروں سے

لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ یَّنْتَهُوْا یُغْفَرْ لَهُمْ

کہہ دیجئے کہ اگر یہ لوگ (اپنے کفر سے) باز آجاویں گے تو ان کے سارے

مَّا قَدْ سَلَفَ ج

گناہ جو (اسلام) سے پہلے ہو چکے ہیں سب معاف کر دیئے جاویں گے

کفار سے اسلام لانے پر گذشتہ گناہوں کی مغفرت کا وعدہ ہے خواہ وہ اصلی کافر ہوں یا مرتد لیکن حقوق العباد زواجر اور حدود وغیرہ کی معافی نہیں ہوتی جس کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے جو گناہ محض گناہ ہی ہیں ان کی مغفرت کا وعدہ ہے یہ حکم تو حالت اسلام کا ہوا

وَاِنْ یَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ

اور اگر اپنی وہی (کفر کی) عادت رکھیں گے تو (ان کو سنا دیجئے کہ) کفار

الْاَوَّلِیْنَ ﴿۳۸﴾

سابقین کے حق میں قانون نافذ ہو چکا ہے

کہ دنیا میں ہلاکت اور آخرت میں عذاب ہے وہی تمہارے لئے ہوگا چنانچہ قتل سے ہلاک ہوئے اور عرب کے سوا دوسرے کفار کا ذمی ہونا بھی ہلاکت ہی ہے پھر اس کافر رہنے کی صورت میں آگے مسلمانوں کو حکم فرماتے ہیں۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّیَكُوْنَ

اور تم ان (کفار عرب) سے اس حد تک لڑو کہ ان میں فساد عقیدہ (یعنی شرک)

الدِّیْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ج

نہ رہے اور دین (خالص) اللہ ہی کا ہو جاوے

اور کسی کے دین کا خالص اللہ ہی کے لئے ہو جانا اسلام قبول کرنے پر موقوف ہے تو حاصل یہ ہوا کہ کفر و شرک چھوڑ کر اسلام اختیار کریں خلاصہ یہ کہ اگر اسلام نہ لاویں تو ان سے لڑو جب تک کہ اسلام نہ لاویں کیونکہ کفار عرب سے جزیہ نہیں لیا جاتا اور یہ تفسیر امام ابوحنیفہ کے مذہب پر ہے اور جن آئمہ کے نزدیک کفار عرب سے بھی جزیہ لیا جاتا ہے ان کے نزدیک فتنہ کی تفسیر فساد و جنگ ہے اور ان انتھوا کے یہ معنے ہیں کہ جنگ سے باز آجاویں اور رعیت بننا قبول کریں حربی نہ رہیں۔

فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ

پھر اگر یہ کفر سے باز آجاویں تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو

بَصِیْرٌ ﴿۳۹﴾

خوب دیکھتے ہیں

یعنی تم ان کے ظاہری اسلام کو قبول کرو دل کا حال مت ٹٹولو کیونکہ اگر یہ دل سے ایمان نہ لاویں گے تو حق تعالیٰ آپ سمجھ لیں گے اور دوسرے آئمہ کے نزدیک یہ تفسیر ہوگی کہ ذمی بننے میں یہ لوگ دھوکہ دیں گے تو حق تعالیٰ خود دیکھ لیں گے تم کو ذمی بنانے سے انکار کرنے کا حق نہیں۔

وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ط

اور اگر روگردانی کریں تو یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا رفیق ہے

نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِیْرُ ﴿۴۰﴾

وہ بہت اچھا رفیق ہے اور بہت اچھا مددگار ہے

تو اللہ کا نام لے کر ان کے مقابلہ سے مت ہٹو وہ تمہاری رفاقت اور مدد کریگا ۱۲

الحمد للہ نویں پارہ کی تفسیر ختم ہوئی

ربط: اوپر آیت وقاتلوھم میں قتال کا حکم تھا چونکہ کبھی لڑائی میں غنیمت بھی حاصل ہوتی ہے اس لئے آگے اس کا حکم بیان فرماتے ہیں اور اگر ان آیتوں کا نزول غزوہ بدر کے بارے میں ہو جیسا کہ اکثر کا قول ہے تو یہ آیت شرع سورۃ کی آیت قل الانفال للہ والرسول کی فی الجملہ تفسیر ہو جائے گی۔ واعلموا تا قدیر

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ

اور اس بات کو جان لو کہ جو شے (کفار سے) بطور غنیمت تم کو حاصل ہو تو اس

لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَلِلرَّسُوْلِ

کا حکم یہ ہے کہ کل کا پانچواں حصہ اللہ کا اور اس کے رسول کا ہے

یعنی اس کے پانچ حصے کئے جاویں جن میں سے چار حصے تو لڑنے والوں کا حق ہے اور ایک حصہ پھر پانچ حصوں پر تقسیم ہوگا جن میں سے ایک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے گا آپ کو دینا ایسا ہے جیسا حق تعالیٰ کے حضور پیش کر دیا اللہ کے لئے ہونے کا یہی مطلب ہے کہ اسے رسول کی خدمت میں پیش کیا جاوے۔

وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ

اور ایک حصہ آپ کے قرابت داروں کا ہے اور (ایک حصہ) یتیموں کا ایک اور (ایک

وَابْنِ السَّبِیْلِ لا اِنْ کُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰہِ

حصہ) غریبوں کا ہے اور (ایک حصہ) مسافروں کا ہے اگر تم اللہ پر یقین رکھتے ہو اور

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ

اس چیز پر جسکو ہم نے اپنے بندہ (محمدؐ) پر فیصلہ کے دن یعنی جس دن کہ (بدر میں)

یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ ط

دونوں جماعتیں (مومنین و کفار) باہم مقابل ہوئی تھیں نازل فرمایا تھا

مراد اس سے وہ امداد غیبی ہے جو فرشتوں کے ذریعہ سے بدر میں ہوئی یعنی اگر ہم پر اور ہمارے غیبی الطاف پر یقین رکھتے ہو تو اس حکم کو جان لو اور اس پر عمل کرو اور یہ اس لئے بڑھا دیا کہ خمس نکالنا گراں نہ ہو اور یہ سمجھ لیں کہ یہ ساری غنیمت اللہ ہی کی امداد سے تو ہاتھ آئی پھر اگر ہم کو پانچواں حصہ نہ ملا تو کیا ہوا وہ چار حصے بھی تو ہماری قدرت سے باہر تھے محض قدرت الٰہی سے حاصل ہوئے۔

وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۱﴾

اور اللہ تعالیٰ (ہی) ہر شے پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں

پھر ہمارا استحقاق تو اتنا بھی نہ تھا یہ بھی بہت مل گیا اور فیصلہ کے دن سے مراد بدر کا دن ہے جس میں حق و باطل کا عملی فیصلہ ظاہر ہو گیا مسئلہ چونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات فرما چکے اس لئے آپ کا حصہ نہیں رہا اور آپ کے قرابت داروں کا حصہ اس لئے تھا کہ انہوں نے قدیم سے آپ کی مدد اور حمایت کی اور حضور کی وفات کے بعد وہ حمایت باقی نہیں رہی لہذا یہ حصہ بھی ساقط ہو گیا اب یہ خمس تین حصوں پر تقسیم ہو کر ایک یتیموں کو ایک مساکین کو اور مساکین میں حضور کی قرابت کے مساکین مقدم ہوں گے) اور ایک مسافروں کو ملے گا۔ ربط: اوپر کی آیت میں بدر کا ذکر تھا آگے اس کی صورت مخاطب کے پیش نظر کر کے اس کے بعض واقعات کی حکمت اور اس کی ضمن میں اپنی نعمت ظاہر فرماتے ہیں پس اس اعتبار سے گویا یہ ان انعامات کی تکمیل ہے جن کا ذکر آیت کما اخرجک سے شروع ہوا تھا ۱۲

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَۃِ الدُّنْیَا

یہ وہ وقت تھا کہ تم اس میدان کے ادھر والے کنارہ پر تھے

ادھر والے کنارہ سے مراد مدینہ کے نزدیک کا موقع اور ادھر والے سے مراد مدینہ سے دور کا موقع ہے یعنی مدینہ سے نزدیک اور کفار ذرا فاصلہ پر تھے۔

وَھُمْ بِالْعُدْوَۃِ الْقُصْوٰی وَالرَّکْبُ

اور وہ لوگ (یعنی کفار) اس میدان کے ادھر والے کنارہ پر تھے اور وہ قافلہ

اَسْفَلَ مِنْکُمْ ط

(قریش کا تم سے نیچے کی طرف کو (بچا ہوا) تھا

یعنی سمندر کے کنارے کنارے جا رہا تھا حاصل یہ کہ پورے جوش کا سامان جمع تھا ایک تو دونوں آپس میں آمنے سامنے تھے کہ ہر ایک دوسرے کو دیکھ کر جوش میں آوے ادھر قافلہ راستہ ہی میں تھا جس کی وجہ سے کفار کو اس کے بچانے کی فکر تھی اس سے اور جوش بڑھا ہوا تھا غرض ایسا سخت وقت تھا پھر بھی حق تعالیٰ نے تم پر غیبی امداد نازل کی۔

وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِی الْمِیْعٰدِ لا

اور اگر تم اور وہ کوئی بات ٹھہراتے تو ضرور اس تقرر کے بارہ میں تم میں اختلاف ہوتا

یعنی وہ تو مصلحت یہ ہوئی کہ اتفاقاً مقابلہ ہو گیا ورنہ اگر پہلے سے حسب قاعدہ لڑائی کے لئے کوئی بات ٹھہرائی جاتی کہ فلاں وقت لڑیں گے تو موجودہ حالت کا مقتضا یہ تھا کہ کوئی بات قرار نہ پاتی بلکہ یا تو مسلمانوں میں باہم اختلاف ہوتا کہ بے سروسامانی کی وجہ سے کوئی کچھ کہتا کوئی کچھ یا کفار کے

ساتھ اختلاف ہوتا کہ مسلمان بے سروسامانی کی وجہ سے رکتے اور وہ مسلمانوں کے رعب کی وجہ سے جرات نہ کرتے غرض ہر طرح اس جنگ کی نوبت نہ آتی تو جو فائدے اس میں ظاہر ہوئے وہ ظہور میں نہ آتے جن کا آگے بیان ہے ۱۲

وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ

لیکن تاکہ جو بات اللہ کو کرنا منظور تھا اس کی تکمیل کر دے

یعنی اللہ تعالیٰ نے ایسا سامان کر دیا کہ ان قصوں کی نوبت ہی نہ آئی دفعۃً بلاقصد کے لڑائی چھڑ گئی۔

لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى

یعنی تاکہ جس کو برباد (گمراہ) ہونا ہے وہ نشان آئے پیچھے برباد ہو اور جس کو

مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ؕ

زندہ (ہدایت یافتہ) ہونا ہے وہ (بھی) نشان آئے پیچھے زندہ ہو

یعنی خدا کو یہ منظور تھا کہ لڑائی ہوتا کہ ایک خاص طریقہ سے اسلام کا حق ہونا ظاہر ہو جائے کہ تھوڑی جمعیت اور کم سامان پر مسلمان غالب آئے جو کہ خلاف عادت ہے جس سے معلوم ہوا کہ اسلام حق ہے اس سے حجت الٰہی پوری ہوگئی اس کے بعد جو گمراہ ہوگا وہ حق واضح ہونے کے بعد ہوگا جس میں عذر کی گنجائش ہی نہیں رہی اور عذاب کا پورا مستحق ہوگا اور جس کے نصیب میں ہدایت ہوگی وہ دلیل دیکھ کر حق کو قبول کرلے گا خلاصہ حکمت کا یہ ہوا کہ حق واضح ہو جائے۔

وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۙ ﴿۴۲﴾

اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں

کہ حق واضح ہونے کے بعد زبان اور دل سے کون کفر کرتا ہے اور کون ایمان لاتا ہے۔

اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ؕ

وہ بھی قابل ذکر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے خواب میں آپ کو وہ لوگ کم دکھلائے

چنانچہ آپ نے صحابہ کو اس خواب کی خبر کی ان کے دل خوب قوی ہو گئے ۱۲

وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ

اور اگر اللہ تعالیٰ آپ کو وہ لوگ زیادہ دکھلا دیتے تو تمہاری ہمتیں ہار جاتیں اور

فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ ۢ

اس امر میں تم میں باہم (نزاع) واختلاف ہو جاتا لیکن اللہ تعالیٰ نے (اس کم

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾

ہمتی واختلاف سے) بچالیا۔ بیشک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے

اس کو معلوم تھا کہ زیادہ دکھانے سے دلوں میں ضعف پیدا ہوگا اور کم دکھانے سے قوت اس لئے ایسی تدبیر کی اور اس کم دکھانے کی تحقیق سورہ آل عمران رکوع دوم میں گزر چکی ہے۔

وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْۤ اَعْيُنِكُمْ

اور اس وقت کو یاد کرو جب کہ اللہ تعالیٰ تم کو جبکہ تم مقابل ہوئے وہ لوگ تمہاری نظر میں

قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْۤ اَعْيُنِهِمْ

کم کرکے دکھلا رہے تھے اور (اسی طرح) ان کی نگاہ میں تم کو کم کرکے دکھلا رہے تھے

یعنی صرف خواب ہی میں کم دکھلانے پر کفایت نہیں کی بلکہ حکمت پوری کرنے کے لئے بیداری میں مقابلہ کے وقت مسلمانوں کی نظر میں بھی کفار کم دکھلائی دیئے اور اس کے برعکس بھی ہوا کہ کفار کی نظر میں مسلمان کم دکھلائی دیئے جو واقع کے موافق تھا۔

لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ

تاکہ جو بات اللہ تعالیٰ کو کرنا تھا اس کی تکمیل کر دے اور سب مقدمے

وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾

خدا تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کئے جاویں گے

پھر وہ گمراہ اور ہدایت پانے والوں کو سزا وجزا دیں گے۔

ربط: اوپر بدر کے واقعات مذکور تھے آگے مسلمانوں کو لڑائی کے مواقع کے آداب ظاہری وباطنی کی تعلیم فرماتے ہیں۔ یایھا الذین امنوا تا محیط

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً

اے ایمان والو جب تم کو کسی جماعت سے (جہاد میں) مقابلہ کا اتفاق ہوا کرے تو

فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا

(ان آداب کا لحاظ رکھو ایک یہ کہ) ثابت قدم رہو اور اللہ کا خوب کثرت سے ذکر کرو

کہ ذکر سے قلب میں قوت ہوتی ہے۔

لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾ ۚ

امید ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ

کیونکہ جب مقابلہ کیوقت ثابت قدمی اور دل کی پختگی جمع ہو جائے تو کامیابی غالب ہے۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت (کالحاظ) کیا کرو

کہ لڑائی کے متعلق کوئی کارروائی خلاف شرع نہ ہو ۱۲

وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ

اور نزاع مت کرو (نہ اپنے امام سے نہ آپس میں) ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی

کیونکہ باہمی نااتفاقی سے قوتیں منتشر ہو جائیں گی ایک کو دوسرے پر اعتماد نہ ہوگا اور اکیلا آدمی کیا کر سکتا ہے اور دوسروں کو جب اس نااتفاقی کی اطلاع ہوگی تو مخالف کے دل میں رعب نہ رہے گا چنانچہ نااتفاقی کے لئے بدرعبی لازم ہے ہوا اکھڑنے سے یہی مراد ہے۔

وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۚ ﴿۴۶﴾

اور صبر کرو بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں

یعنی اگر کوئی امر ناگوار پیش آئے تو اس پر صبر کرو اس سے اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہوگی اور خدا کا ساتھ ہونا غلبہ کا سبب ہے۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ

اور ان کافر لوگوں کے مشابہ مت ہونا جو (اسی واقعہ بدر میں)

دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ

اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھلاتے ہوئے نکلے

پس تم نیت خالص رکھو تفاخر اور نمائش کا قصد نہ کرو جیسا کہ کفار کرتے ہیں۔

وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ

اور لوگوں کو اللہ کے راستے (دین) سے روکتے تھے

یعنی فخر و ریا کے ساتھ کفار کی یہ بھی نیت تھی کیونکہ وہ مسلمانوں کو زک دینے چلے تھے جس کا اثر عام طبائع پر یہی ہوتا کہ دین سے دور ہو جاتے۔

وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۴۷﴾

اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو (اپنے علم میں) احاطہ میں لئے ہوئے ہے

اللہ تعالیٰ ان کو پوری سزا دے گا اور در منثور میں کفار قریش کے فخریہ اقوال و اعمال منقول ہیں لیکن آخر کو ساری شیخی خاک میں مل گئی ۱۲ **ربط:** اوپر کفار کے اترانے اور فخر کرنے کا ذکر تھا آگے اس کی وجہ بتلاتے ہیں کہ یہ شیطان کی ملمع کاری تھی۔ **واذزین تا شدید العقاب**

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ

اور اس وقت کا ان سے ذکر کیجئے جبکہ شیطان نے ان (کفار) کو ان کے

وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ

اعمال خوشنما کر کے دکھلائے اور کہا کہ لوگوں میں سے آج کوئی تم پر غالب آنے

وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ

والا نہیں اور میں تمہارا حامی ہوں

یعنی اول تو ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت و مخالفت اور کفریہ باتوں کو وہ لوگ اچھا سمجھنے لگے پھر اس سے بڑھ کر یہ کیا کہ ان سے زبانی کہا کہ آج تم کو وہ قوت و شوکت ہے کہ تمہارے مخالف تم پر غالب نہیں آسکتے۔ نہ باہر کے دشمنوں سے ڈرو نہ اندرونی دشمنوں کا اندیشہ کرو اور یہ قصہ اس طرح ہوا تھا کہ قریش اور بنی کنانہ میں کچھ رنج چلا آتا تھا جب کفار قریش مکہ سے مسلمانوں کے مقابلہ کو چلنے لگے تو بنی کنانہ کی طرف سے کسی قدر اندیشہ ہوا اور جانے میں پس و پیش کرنے لگے اس وقت ابلیس سراقہ سردار بنی کنانہ کی صورت میں ظاہر ہوا اور کہا کہ تم اندیشہ مت کرو میں بنی کنانہ کی طرف سے تمہارا ذمہ دار ہوں سب یہی سمجھے کہ یہ سراقہ ہے سب اطمینان سے بدر میں پہنچے جب لڑائی کا وقت آیا اور فرشتے آنا شروع ہوئے اس وقت اس کا ہاتھ حارث کے ہاتھ میں تھا ہاتھ چھڑا کر بھاگا حارث نے پوچھا کہ کہاں چلا تو جواب دیا انی بریٔ الخ میں تم سے بالکل بیزار ہوں غرض لوگوں میں سراقہ کی بدنامی کا چرچا ہوا اس نے یہ سن کر قسم کھائی کہ مجھ کو تو کچھ بھی خبر نہیں۔

فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ

پھر جب دونوں جماعتیں (کفار و مسلمین کی) ایک دوسرے کی مقابل ہوئیں

وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ

تو وہ الٹے پاؤں بھاگا اور یہ کہا کہ میرا تم سے کوئی واسطہ نہیں

میں حامی مددگار کچھ نہیں بنتا کیونکہ اس نے ملائکہ کو آسمان سے اترتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ۭ

میں ان چیزوں کو دیکھ رہا ہوں جو تم کو نظر نہیں آتیں (مراد فرشتے) میں تو خدا

وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۴۸ ۧ

سے ڈرتا ہوں ۔ اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والے ہیں

کہیں کسی فرشتے کے ذریعے سے دنیا ہی میں میری خبر نہ لواوے اور چونکہ سزا کا خوف بدوں ایمان کے مقبول نہیں اس لئے شیطان کا خدا سے ڈرنا اگر واقعی بھی ہو تب بھی کچھ اشکال نہیں ربط : اوپر اس گمان کی غلطی کا بیان تھا کہ کفار کے غالب آنے کی امید تھی اور وہ مغلوب ہوئے آگے اس گمان کی غلطی کا بیان ہے کہ مسلمان مغلوب نظر آتے تھے اور وہ توکل کی برکت سے غالب آئے ۔ اذیقول تا حکیم۔

اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ

اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے کہ جب منافقین اور جن کے دلوں میں (شک)

قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَاۗءِ دِيْنُهُمْ ۭ

کی بیماری تھی یوں کہتے تھے کہ ان کے دین نے ان کو بھول میں ڈال رکھا

مکہ والوں میں سے بعض لوگ لڑائی میں شریک ہونے سے رکتے تھے مگر شرما شرمی وہ بھی بدر میں آئے تھے یہاں آکر جب فریقین کی حالت کا موازنہ کیا اور مسلمانوں کو بے سروسامانی کے ساتھ کفار کے مقابلہ میں آتے دیکھا تو یہ بات کہی کہ یہ لوگ کیسے دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں کہ اپنے دین کے حق ہونے کے بھروسے ایسے خطرہ میں آپڑے ۔ اللہ تعالیٰ اس کا جواب دیتے ہیں۔

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَي اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ

اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ زبردست

جو اس پر بھروسہ کرتا ہے اس کو اکثر غالب ہی کر دیتے ہیں ۔ اور اگر کبھی ایسا شخص مغلوب ہو جائے تو اس میں کچھ مصلحت ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ حکمت والے بھی ہیں غرض ظاہری سامان اور بے سامانی پر مدار نہیں قادر کوئی اور ہی ہے ۔

ربط : اوپر کفار کا دنیا میں مقتول و مغلوب ہونا مذکور تھا آگے آخرت اور برزخ کے عذاب کا بیان ہے اور اس کی علت بھی بتلاتے ہیں کہ وہ حق کی مخالفت ہے ولو تریٰ تا ظلمین

حَكِيْمٌ ۴۹ وَلَوْ تَرٰٓي

(اور) حکمت والے (بھی) ہیں ۔ اور اگر آپ (اس وقت کا موقعہ) دیکھیں

تو عجیب منظر نظر آوے ۔

اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰۗىِٕكَةُ

جبکہ فرشتے ان (موجودہ) کافروں کی جان قبض کرنے جاتے ہیں (اور)

يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ

ان کے منہ پر اور ان کی پشتوں پر مارتے جاتے ہیں اور یہ کہتے جاتے ہیں کہ

وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۵۰ ذٰلِكَ بِمَا

(ابھی کیا ہے آگے چل کر) آگ کی سزا جھیلنا (اور) یہ عذاب ان اعمال

قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ

(کفریہ) کی وجہ سے ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں سمیٹے ہیں اور یہ امر ثابت ہی

لِّلْعَبِيْدِ ۵۱ ۙ

ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والے نہیں

سو اللہ تعالیٰ نے بے جرم سزا نہیں دی ۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ

ان کی حالت ایسی ہے جیسے فرعون والوں کی اور ان سے پہلے کے (کافر)

قَبْلِهِمْ ۭ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ

لوگوں کی حالت تھی کہ انہوں نے آیات الٰہیہ کا انکار کیا سو خدا تعالیٰ نے ان

بِذُنُوْبِهِمْ ۭ

کے گناہوں پر ان کو پکڑ لیا

اسی طرح یہ لوگ بھی کفر کی وجہ سے سزایاب ہوئے تو کفر پر سزا پانے میں یہ ان کے مشابہ ہیں ۔

اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۵۲

بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی قوت والے سخت سزا دینے والے ہیں

انکے مقابلہ میں کوئی ایسی قوت نہیں رکھتا کہ انکے عذاب کو ہٹا سکے ۱۲۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً

یہ بات اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسی نعمت کو جو کسی قوم کو عطا فرمائی

اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ

ہو نہیں بدلتے جب تک کہ وہ قوم اپنے ذاتی اعمال کو نہیں بدل ڈالتے

جب ہمارا یہ قاعدہ کلیہ مقرر ہے اور بلا جرم سزا نہ دینا بھی اس قاعدہ میں داخل ہے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم بے جرم کے سزا دے دیں سو ان موجودہ کافروں نے اپنی یہ حالت بدلی کہ پہلے باوجود کفر کے ان میں ایمان لانے کی تھوڑی بہت قابلیت تھی پھر انہوں نے انکار و مخالفت کر کر کے اس کو دور کر ڈالا پس ہم نے بھی اپنی یہ نعمت کہ اب تک ان کو مہلت دے رکھی تھی بدل دی اور سزا میں پکڑ لینا اس کی وجہ یہ ہوئی کہ پہلے انہوں نے اپنی حالت کو بدلا

وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۳﴾ ۙ

اور یہ امر ثابت ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑے سننے والے بڑے جاننے والے ہیں

پس وہ ان کے اقوال و افعال کے تغیر کو سنتے ہیں اور جانتے ہیں ۱۲

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ

ان کی حالت فرعون والوں اور ان سے پہلے والوں کی سی حالت ہے

یعنی اپنی حالت کے بدلنے میں بھی یہ لوگ پہلے کافروں کے مشابہ ہیں اس تقریر سے یہ شبہ جاتا رہا کہ کداب ال فرعون الخ میں تکرار ہے جواب ظاہر ہے کہ پہلے یہ مقصود تھا کہ کفر پر سزا پانے میں یہ لوگ ان کے مشابہ ہیں اور یہاں یہ مقصود ہے کہ اپنی حالت بدلنے میں بھی یہ ان کے مشابہ ہیں پس مقصود بدلنے سے تکرار نہ رہا ربط: یہاں تک مشرکین کی حالت اور ان کے ساتھ قتال کا بیان تھا آگے اہل کتاب کے حالات اور قتال کا بیان ہے اور شان نزول اس کا یہود بنی قریظہ کی عہد شکنی ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد کیا تھا کہ ہم آپ کے مخالفین کو مدد نہ دیں گے اور پھر بھی غزوۂ احزاب میں مشرکین کو مدد دی اور یہی چند بار ایسا ہو چکا تھا ہر بار میں کہہ دیتے تھے کہ ہم بھول گئے پھر تازہ عہد کرتے تھے پھر عہد توڑتے تھے اس پر ان آیتوں میں آپ کو ان کے ساتھ قتال کا حکم ہوا ان شر الدواب تا الخائنین

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ

کہ انہوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا اس پر ہم نے ان کو ان کے

وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا

گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا اور فرعون والوں کو غرق کر دیا اور وہ

ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۴﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَاۗبِّ عِنْدَ اللّٰهِ

سب ظالم تھے بلاشبہ بدترین خلائق اللہ کے نزدیک

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾ ج صلے

یہ کافر لوگ ہیں تو یہ ایمان نہ لاویں گے

پہلے ایک ایسی ہی آیت مشرکین کے بارہ میں آچکی ہے چونکہ تمام کفار پر دوسرے گنہگاروں سے بدتر ہونا صادق آتا ہے اس لئے دونوں آیتوں میں کچھ تعارض نہیں مطلب یہ ہے کہ کفار (خواہ مشرک ہوں یا اہل کتاب) تمام گنہگار مخلوق سے بدتر ہیں اور یہ جو فرمایا کہ وہ ایمان نہ لاویں گے یہ پیشین گوئی ان ہی کے بارہ میں ہے جو علم الٰہی میں عمر بھر کافر رہنے والے تھے۔

اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ

جن کی یہ کیفیت ہے کہ آپ ان سے (کئی بار) عہد لے چکے ہیں (مگر) پھر

عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾

(بھی) وہ اپنا عہد توڑ ڈالتے ہیں اور وہ (عہد شکنی سے) ڈرتے نہیں۔ سو اگر

فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ

آپ لڑائی میں ان لوگوں پر قابو پائیں تو ان (پر حملہ کر کے اس) کے ذریعہ

مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾

سے اور لوگوں کو جو کہ ان کے علاوہ ہیں منتشر کر دیں تا کہ وہ لوگ سمجھ جاویں

کہ عہد شکنی کا یہ وبال ہوتا ہے تو وہ ایسا نہ کریں یہ حکم تو اس وقت ہے کہ جب ان لوگوں نے علانیہ عہد توڑ دیا ہو آگے اس صورت کا حکم بتلاتے ہیں جب کہ علانیہ عہد نہ توڑا ہو لیکن ان کی طرف سے خیانت کا اندیشہ ہو۔

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ

اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت (یعنی عہد شکنی) کا اندیشہ ہو تو آپ وہ عہد ان کو

عَلٰى سَوَاۗءٍ ۭ

اس طرح واپس کر دیجئے کہ آپ اور وہ (اس اطلاع میں) برابر ہو جائیں

کہ جس طرح آپ کے نزدیک عہد باقی نہیں رہا اسی طرح وہ بھی سمجھ جائیں کہ عہد نہیں رہا کیونکہ بدوں ایسی صاف اطلاع کے لڑنا خیانت ہے اور عہد توڑنے میں جو خوف خیانت کی قید لگائی گئی ہے یہ اکثر حالت کے

اعتبار سے ہے کہ اکثر ایسی حالت میں عہد توڑنے کی زیادہ حاجت ہوتی ہے ورنہ بدوں خیانت کے اندیشہ کے بھی اگر عہد توڑنے میں مصلحت ہو جائز ہے اور اس آیت کے الفاظ فانبذ الیھم واجنح لھم میں اشارہ ہے کہ عہد کا توڑنا یا باندھنا امام کی رائے پر ہے عوام کو اس میں دخل نہ دینا چاہئے ربط: اوپر لڑائی کا بیان تھا چونکہ لڑائی میں بعضے بچ بھی جاتے ہیں آگے ان کی نسبت فرماتے ہیں کہ خدا سے نہیں بچ سکیں گے ۱۲

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ﴿٥٨﴾ وَلَا

بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے اور کافر

يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا ۚ إِنَّهُمْ

لوگ اپنے کو یہ خیال نہ کریں کہ وہ بچ گئے۔ یقیناً وہ لوگ (خدا تعالیٰ کو)

لَا يُعْجِزُونَ ﴿٥٩﴾

عاجز نہیں کر سکتے

کہ اس کے ہاتھ نہ آویں یا تو دنیا ہی میں مبتلائے عذاب کر دے گا ورنہ آخرت میں تو یقینی ہے۔ ربط: اوپر قتال کا حکم تھا آگے لڑائی کا سامان مہیا رکھنے کا حکم ہے۔ واعدوا تا لا تظلمون

وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ

اور ان کافروں کے لئے جس قدر تم سے ہو سکے ہتھیار سے اور پلے ہوئے

وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ

گھوڑوں سے سامان درست رکھو اور اس کے ذریعہ سے تم (اپنا) رعب جمائے

اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ

رکھو ان پر جو کہ (کفر کی وجہ سے) اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے دشمن ہیں

خدا کے دشمن کفر کی وجہ سے اور تمہارے دشمن اس وجہ سے کہ رات دن تمہاری فکر میں رہتے ہیں اور ہمیشہ تم کو ان سے سابقہ پڑتا رہتا ہے۔

وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ ۚ

اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی جن کو تم (بالیقین نہیں) نہیں جانتے ان کو

اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ ۚ

اللہ ہی جانتا ہے

جیسے فارس اور روم وغیرہ کے کفار جن سے اس وقت تک سابقہ نہیں پڑا تھا لیکن صحابہ کا ساز وسامان وفن سپہ گری سے اپنے وقت میں تیار رہنا ان کے مقابلہ میں بھی کام آیا ان پر بھی رعب جما بعضے مقابل ہو کر مغلوب ہوئے بعض نے جزیہ قبول کیا کہ یہ بھی رعب کا اثر ہے ۱۲

وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

اور اللہ کی راہ میں جو کچھ بھی خرچ کرو گے وہ تم کو پورا پورا

يُوَفَّ إِلَيْكُمْ

دیدیا جاوے گا

اللہ کی راہ میں جہاد بھی داخل ہے اور خرچ میں وہ خرچ بھی آ گیا جو ساز وبراق درست کرنے میں صرف کیا جائے حدیثوں میں تیر اندازی کی مشق اور گھوڑوں کے رکھنے اور سواری سیکھنے کی بڑی فضیلت آئی ہے اب بندوق اور توپ تیر کے قائم مقام ہیں اور قوت میں یہ سب اور ورزش وغیرہ بھی داخل ہے۔ ربط: اوپر کفار کو ڈرانے کا حکم تھا اس کے بعد کبھی کفار کی طرف سے صلح کی درخواست ہو سکتی ہے اس لئے آگے اس کا حکم بیان فرماتے ہیں اور چونکہ صلح میں بعض اوقات یہ احتمال ہوتا ہے کہ شاید کفار نے فریب کیا ہو اس کے متعلق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی حفاظت کا وعدہ اور اس وعدہ کی تاکید کے لئے اپنی پہلی نعمتیں یاد دلاتے ہیں وان جنحوا تا من المؤمنین

وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴿٦٠﴾ وَإِن جَنَحُوا لِلسَّلْمِ

اور تمہارے لئے کچھ کمی نہ ہوگی اور اگر وہ (کفار) صلح کی طرف جھکیں تو

فَاجْنَحْ لَهَا

آپ بھی اس طرف جھک جائیں

یعنی اگر اس میں مصلحت دیکھیں تو آپ کو بھی صلح کر لینا جائز ہے۔ اور مصلحت وجواز کی قید سے اس امر کا اختیاری ہونا معلوم ہو گیا پس اس آیت کا منسوخ ہونا لازم نہیں آیا جیسا کہ بعض نے سمجھا ہے کہ صلح کرنا اب تو واجب نہیں ہے اور اس آیت سے واجب ہونا معلوم ہوتا ہے تو یہ منسوخ ہے جواب یہ ہے کہ آیت میں حکم وجوب کے لئے نہیں بلکہ اختیار پر محمول ہے۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ

اور اللہ پر بھروسہ رکھیے

یعنی اگر باوجود صلح میں مصلحت ہونے کے یہ احتمال ہو کہ یہ ان کی چال نہ ہو تو ایسے احتمالوں سے اندیشہ نہ کیجئے۔

إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦١﴾

بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے

ان کے اقوال واحوال کو سنتا جانتا ہے ان کا خود انتظام کر دے گا۔

وَإِن يُرِيدُوا أَن يَخْدَعُوكَ

اور اگر وہ لوگ آپ کو دھوکہ دینا چاہیں

یعنی اگر واقع میں وہ احتمال صحیح ہو اور وہ لوگ سچ مچ آپ کو دھوکہ دینا چاہیں۔

فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ ۚ

تو اللہ تعالیٰ آپ کے لئے کافی ہے

وہ آپ کی مدد اور حفاظت کریں گے جیسا کہ اس سے پہلے بھی حفاظت فرماتے تھے اور چونکہ یہ حفاظت کا وعدہ حضور کے ساتھ خاص ہے تو اس سے یہ شبہ رفع ہو گیا کہ بعض دفعہ کفار کی چال مسلمانوں کے مقابلہ میں چل جاتی ہے جواب یہ ہے کہ حضور کے مقابلہ میں کبھی کفار کی چال کا کامیاب ہونا اس آیت کے نزول کے بعد ثابت نہیں گو مسلمانوں کے مقابلہ میں چل جائے تو آیت میں سب کے لئے وعدہ نہیں۔

هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٢﴾

اور وہی ہے جس نے آپ کو اپنی (غیبی) امداد (ملائکہ) سے اور (ظاہری امداد)

وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۚ

مسلمانوں سے قوت دی اور ان کے قلوب میں اتفاق پیدا کر دیا

تا کہ وہ امداد کا ذریعہ بن سکیں کیونکہ ظاہر ہے کہ اگر باہم اتفاق نہ ہو تو کوئی کام مل کر نہیں کر سکتے خاص کر دینی کام

لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ

اور اگر آپ دنیا بھر کا مال خرچ کرتے تب بھی ان کے قلوب میں

بَيْنَ قُلُوبِهِمْ

اتفاق پیدا نہ کر سکتے

یعنی ان میں بوجہ حب ریاست اور بغض وعداوت غالب ہونے کے اتفاق ہونا ایسا دشوار تھا کہ آپ باوجودیکہ عقل وتدبیر میں کامل ہیں اگر اس کے لئے آپ کے پاس کافی سامان بھی ہوتا جب بھی آپ اتفاق پیدا نہ کر سکتے۔

وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّهُ عَزِيزٌ

لیکن اللہ تعالیٰ ہی نے ان میں باہم اتفاق پیدا کر دیا بے شک وہ زبردست ہیں

حَكِيمٌ ﴿٦٣﴾

حکمت والے ہیں

جو چاہیں اپنی قدرت سے کر دیں اور جس طریق سے مناسب جانیں اسی کام کو کر دیں ۱۲

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ

اے نبیؐ آپ کے لئے اللہ کافی ہے اور جن مومنین نے

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٤﴾

آپ کا اتباع کیا ہے وہ کافی ہیں

یعنی جب یہ معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی غیبی امداد اور مومنین سے ظاہری نصرت فرمائی ہے تو اس سے ثابت ہو گیا کہ آپ کے لئے حقیقت میں حق تعالیٰ اور ظاہر میں یہ مسلمان کافی ہیں۔

ربط: اوپر صلح کے متعلق ایک مضمون تھا آگے لڑائی کے متعلق ایک قانون ہے یایها النبی تا مع الصٰبرین

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ ۚ

اے پیغمبرؐ آپ مومنین کو جہاد کی ترغیب دیجئے

إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ

اگر تم میں کے بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو

يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِن يَكُن مِّنكُم

پر غالب آجاویں گے اور اسی طرح اگر تم میں کے سو آدمی ہوں گے

مِّائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا

تو ایک ہزار کفار پر غالب آجاویں گے اس وجہ سے کہ

بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ ﴿٦٥﴾

وہ ایسے لوگ ہیں جو (دین کو) کچھ نہیں سمجھتے

اور اس وجہ سے کفر پر جمے ہوئے ہیں اس لئے ان کو غیبی امداد نہیں پہنچتی تو وہ مغلوب ہو جاتے ہیں بس تم پر واجب ہے کہ اپنے سے دس گونہ کے مقابلہ سے بھی پیچھے نہ ہٹو اول یہ حکم نازل ہوا تھا اور بعض سلف سے منقول ہے کہ غزوہ بدر کے بارے میں یہ حکم تھا پھر جب صحابہ پر یہ شاق ہوا تو عرض کیا پھر ایک مدت کے بعد دوسری آیت جس سے یہ حکم منسوخ ہو گیا نازل ہوئی وہ آیت آگے ہے۔

اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ

اب اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف کر دی اور معلوم کر لیا کہ تم میں

ضَعْفًا ؕ

ہمت کی کمی ہے

اس ضعف کی وجہ احقر کے نزدیک یہ ہے کہ یہ قاعدہ طبعی ہے کہ جب کام کرنے والے کم ہوتے ہیں اور کام ضروری سمجھا جاتا ہے تو اس وقت ہمت زیادہ ہوتی ہے ہر شخص یہ جانتا ہے کہ میرے ہی کرنے سے ہوگا اور جب کام کرنے والے بڑھ جاتے ہیں تو ہر ایک کو یہ خیال ہوتا ہے کہ کیا مجھ ہی پر کام اٹکا ہوا ہے اور بھی تو کرنے والے ہیں سب مل کر کیوں نہیں کرتے اس لئے سرگرمی اور جوش میں کمی ہو جاتی ہے اس لئے شروع اسلام میں ہمت کی اور حالت تھی جب ماشاء اللہ مردم شماری بڑھی تو طبیعت اور ہمت کا رنگ بدل گیا اور یہ ایک امر طبعی ہے اس لئے صحابہ پر یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ ان کی باطنی قوتیں تو روزانہ ترقی پر تھیں یہ تنزل کیسے ہو گیا جواب یہ ہے کہ دینی قوتیں ترقی پر تھیں اور یہ کمی ایک طبعی قوت میں تھی ۱۲

فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا

سو اگر تم میں کے سو آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب

مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا

آجاویں گے اور اگر تم میں کے ہزار ہوں گے تو دس ہزار پر اللہ کے حکم سے

اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۶۶﴾

غالب آجاویں گے اور اللہ تعالیٰ صابرین کے ساتھ ہیں۔

یعنی جو دل سے اور قدم سے ثابت رہیں حق تعالیٰ ان کی مدد کرتے ہیں اس لئے صبر کی قید لگائی گئی اور یہاں اگرچہ بظاہر الفاظ خبر کے ہیں کہ اتنے آدمی اتنے کافروں پر غالب آجائیں گے لیکن مقصود خبر دینا نہیں بلکہ حکم کرنا مقصود ہے کہ اپنے سے دگنوں کے مقابلہ میں جمنا واجب اور بھاگنا حرام ہے پس یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ گو بعض اوقات ہم تو غلبہ نہیں دیکھتے تو اس خبر کا غلط ہونا لازم آتا ہے جواب ظاہر ہے کہ یہاں خبر مقصود ہی نہیں بلکہ یہ تو ایک حکم ہے دوسرے ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اگر یہ خبر بھی ہو تب بھی کسی وقت غلبہ نہ ہونے سے اس خبر کا جھوٹا ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ یہاں باذن اللہ کی قید بھی تو ہے پس اگر کبھی کسی حکمت سے خدا کا اذن ہی نہ ہو تو غلبہ بھی نہ ہوگا۔ تیسرے یہاں صابرین کی بھی قید ہے اور اکثر جب مسلمان مغلوب ہوتے ہیں صبر و استقلال و توکل میں ضرور کمی ہوتی ہے)

ربط: اوپر جہاد کا حکم تھا چونکہ اس میں کبھی کفار قید ہو کر بھی آتے ہیں اس لئے بدر کے قیدیوں کے ضمن میں اس کا حکم ہے اور ان آیات کے نزول کا سبب یہ ہے کہ بدر میں ستر کافر پکڑے ہوئے آئے تو حضور نے صحابہ سے ان کے بارے میں مشورہ کیا۔ بعض نے رائے دی کہ ان کو قتل کر دینا چاہئے بعض نے کہا ان سے کچھ مال لے کر چھوڑ دینا چاہئے آپ پر وحی نازل ہوئی کہ صحابہؓ سے فرما دیجئے کہ تم کو اختیار دیا جاتا ہے خواہ ان کو قتل کر دو یا فدیہ لے کر چھوڑ دو مگر اس صورت میں اگلے سال ستر آدمی تمہارے میں سے شہید ہوں گے۔ غرض اکثر صحابہ کی یہی رائے ہوئی کہ خیر ہم شہید ہو جاویں گے اس وقت ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جاوے۔ شاید یہ مسلمان ہو جائیں آپ نے بھی بوجہ رحم دلی کے اس رائے کو پسند فرمایا اور بعض کے سوا سب کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى

نبی کی شان کے لائق نہیں کہ ان کے قیدی باقی رہیں (بلکہ قتل کر دیئے جائیں) جب تک

يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ

کہ وہ زمین میں اچھی طرح (کفار کی) خونریزی نہ کر لیں

یعنی اے مسلمانو تم نے بیجا مشورہ دیا۔

تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ

تم تو دنیا کا مال و اسباب چاہتے ہو

اس لئے تم نے فدیہ کی رائے دی۔

وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ

اور اللہ تعالیٰ آخرت (کی مصلحت) کو چاہتے ہیں

تم کو بھی آخرت کو ملحوظ اور مقدم رکھنا چاہئے۔

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٧﴾

اور اللہ تعالیٰ بڑے زبردست بڑی حکمت والے ہیں

وہ تم کو کفار پر غالب کرتے اور فتوحات کی کثرت سے تم کو مالدار کر دیتے۔

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ

اگر خدا تعالیٰ کا ایک نوشتہ (مقدر) نہ ہو چکتا تو جو امر تم نے اختیار کیا ہے

اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٦٨﴾

اس کے بارہ میں تم پر کوئی بڑی سزا واقع ہوتی

یعنی جو فعل تم سے واقع ہوا ہے وہ ایسا ناپسندیدہ ہے کہ اگر ایک بات مقدر نہ ہو چکتی وہ یہ کہ ان قیدیوں میں بعض لوگ مسلمان ہو جاویں گے جس سے فساد کا اندیشہ واقع نہ ہوگا اگر یہ نہ ہوتا تو تم کو اس رائے پر بڑی سزا ہوتی لیکن چونکہ اتفاق سے تمہاری رائے صائب نکل آئی کہ قیدی اسلام لے آئے اور کوئی فساد نہ ہوا اس لئے تم سزا سے بچ گئے اس کے بعد بعض صحابہ نے حضور کو روتے ہوئے دیکھا پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ عذاب کے آثار قریب آ گئے تھے مگر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا کہ نازل نہیں ہوا اور آپ کا رونا غایت ہیبت کی وجہ سے تھا یا صحابہؓ کی محبت کی وجہ سے کہ ان کو ضرر پہنچتا اور بعض روایات میں جو آیا ہے کہ اگر عذاب نازل ہوتا تو کوئی نہ بچتا اس سے مراد یہ ہے کہ صحابہ میں کوئی نہ بچتا یہ نہیں کہ میں بھی نہ بچتا اور اہل بدر کا مغفور ہونا حدیث میں اس سے زیادہ صریح الفاظ میں آیا ہے اور صحابہ کی لغزش کی تحقیق اس واقعہ میں یہ ہے کہ اس رائے کا مبنیٰ ایک دنیاوی مصلحت بھی تھی یعنی مال لینا جس کا منشاء حب دنیا تھا اور اس کا مذموم ہونا پہلے سے معلوم تھا اور گو اس میں ایک دینی مصلحت بھی مل گئی تھی یعنی قیدیوں کے اسلام لانے کا احتمال اور صحابہ یہ سمجھے کہ جس امر میں صرف خواہش دنیا ہی مطلوب ہو وہ تو برا ہے اور جس میں دینی اور دنیاوی دونوں مصلحتیں ہوں اس کا مضائقہ نہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ دین میں دنیا مل جانے سے اخلاص اور ثواب فوت ہو جاتا ہے تو جس کام میں دین و دنیا دونوں ملے ہوئے ہوں وہ مجموعہ اچھا نہیں ہوتا اس لئے ان پر عتاب ہوا رہا یہ شبہ کہ پھر حضور نے اس رائے میں ان کی موافقت کیوں کی اس کا جواب ہے کہ جو منشا صحابہ کے لئے مذموم تھا وہ آپ کے لئے محمود تھا کیونکہ صحابہ کا مقصود مال لینے سے اپنے آپ کو نفع پہنچانا تھا اور یہ حرص ہے اور آپ کا مقصود دوسروں کو یعنی صحابہ کو نفع پہنچانا تھا یہ مذموم نہیں بلکہ محمود تھا کیونکہ یہ شفقت اور جود و کرم ہے دوسری وجہ عتاب کی یہ ہے کہ صحابہ کو جو اختیار دیا گیا تھا کہ یا قیدیوں کو قتل کر دو یا فدیہ لے کر چھوڑ دو یہ حقیقت میں ان کا امتحان تھا اختیار دینا منظور نہ تھا کیونکہ اختیار دو جائز کاموں میں ہوا کرتا ہے اور یہاں فدیہ لینے کی صورت ناجائز تھی کیونکہ اس کا غالب منشا دنیا کی خواہش تھی نیز اس صورت میں ستر صحابہ کا مارا جانا وحی سے بتلا دیا گیا تھا لیکن صحابہ ظاہری الفاظ سے یہی سمجھے کہ ہم کو اختیار دیا گیا ہے تامل سے کام نہ لیا اگر تامل سے کام لیتے تو فدیہ لینے کی صورت میں جو فدیہ بتلایا گیا تھا اس سے کچھ سمجھ سکتے تھے کہ یہ صورت خدا کو پسندیدہ نہیں پس گو ظاہر میں ہم کو دونوں صورتوں میں اختیار دیا گیا ہے مگر واقع میں امتحان مقصود ہے۔

مسئلہ: حنفیہ کے نزدیک فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑنا یا ویسے ہی بطور احسان کے چھوڑنا جس کو من کہتے ہیں دونوں جائز ہیں مگر اس آیت کی وجہ سے نہیں کیونکہ سورۃ انفال کے بعد سورۃ محمد نازل ہوئی ہے اس میں ان دونوں کی اجازت ہے پھر اسکے بعد سورہ براءت نازل ہوئی جس میں فاقتلوا المشرکین الخ موجود ہے۔ اس آیت نے من و فداء کو منسوخ کر دیا۔

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ

سو جو کچھ تم نے لیا ہے اس کو حلال پاک سمجھ کر کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو

اور آئندہ کو احتیاط رکھو

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٦٩﴾ ع

بیشک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑی رحمت والے ہیں

تمہارا گناہ معاف کر دیا اور فدیہ کو بھی حلال کر دیا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ

اے پیغمبر آپ کے قبضہ میں جو قیدی ہیں آپ ان سے فرما دیجئے کہ

الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ

اگر اللہ تعالیٰ کو تمہارے قلب میں ایمان معلوم ہوگا

یعنی اگر تم دل سے مسلمان ہوئے ہو گے

خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ

تو جو کچھ تم سے (فدیہ میں) لیا گیا ہے (دنیا میں) اس سے بہتر تم کو دے دے گا

اور یہ وعدہ پورا ہو چکا

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٧٠﴾ وَاِنْ

اور (آخرت میں) تم کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں اور اگر بالفرض یہ لوگ آپ کے ساتھ خیانت (نقض عہد)

يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ

کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں

یعنی اگر صدق دل سے ایمان نہ لائے ہوں

فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ

تو (کچھ فکر نہ کیجئے) اس سے پہلے انہوں نے اللہ کے ساتھ
خیانت کی تھی پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو گرفتار کروادیا

اسی طرح اگر اب خیانت کریں گے پھر ایسا ہی ہوگا

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں بڑی حکمت والے ہیں بیشک جو لوگ

وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ

ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اپنے مال اور جان

سَبِيْلِ اللّٰهِ

سے اللہ کے راستے میں جہاد بھی کیا

جہاد کا ذکر اس وجہ سے کیا کہ ہجرت کے بعد اس کا واقع ہونا عادۃً لازم ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا

اور جن لوگوں نے رہنے کو جگہ بھی دی اور مدد کی

اور اس جماعت کو انصار کہتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ

یہ لوگ باہم ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اور جو لوگ ایمان تو

اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ

لائے اور ہجرت نہیں کی تمہارا ان سے میراث کا کوئی تعلق نہیں

مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ

جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں

ان سے کوئی علاقہ میراث وغیرہ کا نہ ہوگا

وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ

اور اگر وہ تم سے دین کے کام میں مدد چاہیں تو تمہارے ذمہ مدد کرنا واجب

النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ؕ

ہے مگر اس قوم کے مقابلہ میں نہیں کہ تم میں اور ان میں باہم عہد (صلح کا) ہو

یعنے گو میراث کا تعلق ان سے نہیں مگر کفار کے مقابلہ میں حد شرعی میں رہ کر ان کی امداد واجب ہے۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۷۲﴾

اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو دیکھتے ہیں

پس ان کے مقررہ احکام میں خلل ڈال کر ناخوشی کے مستحق نہ ہونا

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ

اور جو لوگ کافر ہیں وہ باہم ایک دوسرے کے وارث ہیں

نہ تم ان کے وارث نہ وہ تمہارے وارث۔

اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ

اگر اس (حکم مذکورہ) پر تو دنیا میں بڑا فتنہ

وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ﴿۷۳﴾ ؕ

اور بڑا فساد پھیلے گا

یعنی اگر باوجود دینی مخالفت کے محض قرابت کی وجہ سے مسلمان و کافر میں میراث کا علاقہ قائم رہے گا تو سب ایک جماعت سمجھی جائے گی۔ اور بدوں جماعت کے جدا ہوئے اسلام کو قوت اور شوکت حاصل نہیں ہو سکتی اور اسلام کی کمزوری تمام فتنہ وفساد عالم کا سبب ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ

اور جو لوگ اول مسلمان ہوئے اور انہوں نے (ہجرت نبویہ کے زمانہ میں) ہجرت

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ

کی اور اللہ کی راہ جہاد کرتے رہے اور جن لوگوں نے (ان مہاجرین کو) اپنے

هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ

یہاں ٹھہرایا اور ان کی مدد کی یہ لوگ ایمان کا پورا حق ادا کرنے والے ہیں

پس مہاجرین و انصار میں میراث جاری ہونے کا حکم اگرچہ سب مہاجرین کے لئے برابر ہے خواہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے زمانہ میں ہجرت کی ہو یا بعد میں لیکن فضیلت و مرتبہ میں باہم تفاوت

ہے جنہوں نے پہلے ہجرت کی وہ ایمان کا پورا حق ادا کرنے والے ہیں کیونکہ اس کا حق یہی ہے کہ اس کے قبول کرنے میں جلدی کرے۔

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۴﴾ وَالَّذِيْنَ

ان کیلئے (آخرت میں) بڑی مغفرت اور (جنت میں) بڑی معزز روزی ہے اور جولوگ

اٰمَنُوْا مِنْ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا مَعَكُمْ

(ہجرت نبویہ کے) بعد زمانہ میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ جہاد کیا

فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ۗ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ

سو یہ لوگ (گو فضیلت میں تمہارے ساتھ برابر نہیں لیکن تاہم) تمہارے ہی شمار میں ہیں اور جو لوگ رشتہ دار ہیں کتاب اللہ میں ایک دوسرے

اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۗ

(کی میراث) کے زیادہ حقدار ہیں

یعنی جو لوگ بعد میں ہجرت کرنے والے ہیں وہ اگر مہاجرین سابقین کے رشتہ دار ہوں تو میراث کے حکم میں وہ غیر رشتہ داروں سے مقدم ہیں اگرچہ یہ لوگ فضل و رتبہ میں کم ہوں اور غیر رشتہ دار فضیلت میں ہوں کیونکہ شرعی احکام میں اعمال کے کم و بیش ہونے سے تفاوت نہیں ہوتا۔

اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۵﴾

بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں

اس لئے ہر وقت کی مصلحت کے مناسب حکم مقرر فرماتے ہیں حاصل تقسیم اور احکام کا یہ ہے کہ مکلف دو حال سے خالی نہیں یا مومن ہے یا کافر کافر کا حکم یہ ہے کہ وہ باہم ایک دوسرے کے وارث ہوں گے مسلمان ان کا وارث نہ ہوگا نہ وہ مسلمان کے وارث ہوں گے اور یہ حکم اب بھی باقی ہے اور مومن دو قسم کے ہیں ایک مہاجر جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے مدینہ کی طرف ہجرت کی کیونکہ فتح مکہ کے بعد تو عرب دارالاسلام ہو گیا تھا پھر سب جگہ رہنا برابر تھا اور دوسری قسم غیر مہاجر۔ مہاجر کا یہ حکم تھا کہ ان میں اور انصار میں جنہوں نے ان کو رکھا ٹھکانا دیا اور خدمت وغیرہ کی کیونکہ مہاجرین کے اکثر اعزہ اسلام سے اس وقت تک مشرف نہ ہوئے تھے تو مہاجرین و انصار میں مثل اقارب کے میراث جاری ہوتی تھی اور اس حکم میں سب مہاجرین و انصار برابر تھے خواہ مہاجرین سابقین ہوں جنہوں نے حضور کے ہجرت کے زمانہ میں ہجرت کی تھی یا بعد والے ہوں البتہ ان میں باعتبار فضیلت کے باہم تفاوت ہوگا۔

اور یہ حکم بعد فتح مکہ منسوخ ہو گیا اور غیر مہاجر کا یہ حکم تھا کہ اس میں اور اس کے رشتہ دار میں باہم توارث نہ ہوتا تھا اور یہ حکم بھی اب منسوخ ہے اب دارالاسلام اور دارالحرب میں رہنے سے اہل اسلام کی میراث پر کوئی اثر نہیں ہوتا اور باوجود وارث نہ ہونے کے اس غیر مہاجر کا یہ حکم بھی تھا کہ اگر وہ کفار کے مقابلہ میں مہاجر سے کسی مذہبی لڑائی میں امداد کا طالب ہو تو اس کی امداد واجب ہے لیکن اگر ایسی قوم کے مقابلہ میں طالب امداد ہو جن سے مہاجرین کا عہد و پیمان ہے تو عہد باقی رہنے تک اس کو مدد نہ جائے ہاں اگر عہد توڑ دیا جائے تو پھر مدد جائز ہے بلکہ اب بشرط قدرت وہ عہد توڑ دینا اور اپنے بھائی مسلمانوں کی مدد کرنا واجب ہے۔ **سورۃ براءۃ مدنیۃ و قیل الایتین من اخرھا کذافی البیضاوی**

ربط: اس سورت میں چند غزوات اور چند واقعات کہ وہ بھی غزوات کے حکم میں ہیں مذکور ہیں قبائل عرب کے ساتھ عہد ٹوٹ جانے کا اعلان ۲ فتح مکہ ۳ غزوہ حنین ۴ حرم سے کفار نکال دینے کا حکم ۵ غزوہ تبوک اور ان ہی آیتوں کے ضمن میں تبعاً ہجرت کا واقعہ مذکور ہے اور پہلی سورت میں زیادہ تر بدر کے اور کچھ قریظہ کے واقعات تھے پس مناسبت ظاہر ہے۔

فائدہ اول: ان واقعات مذکورہ میں فتح مکہ واقع ہوا سنہ ۸ ہجری میں پھر غزوہ حنین سنہ ۸ ھ میں پھر غزوہ تبوک سنہ ۹ ھ میں پھر معاہدہ توڑنے کا اور کفار کے حرم سے نکال دینے کا اعلان۔ ذی الحجہ سنہ ۹ ھ میں اور نزول آیات کی ترتیب یہ ہے اول فتح مکہ کے متعلق آیتیں فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئیں پھر غزوہ حنین کے متعلق آیتیں حنین کے بعد پھر غزوہ تبوک کی ترغیب دینے والی آیتیں تبوک سے پہلے پھر غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے والوں پر ملامت کی آیتیں غزوہ تبوک کے بعد پھر شروع کی آیتیں جن میں نقض معاہدہ کا اعلان ہے جو کہ شوال ۹ ھ میں نازل ہوئیں اور یہ جو بعض روایات میں آیا ہے کہ یہ سورت پوری ایک دفعہ نازل ہوئی اس کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ حصہ ایک دفعہ میں نازل ہوا۔ فائدہ دوم معاہدہ اور نقض معاہدہ کے متعلق جو مضامین اس میں مذکور ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ ۶ ھ میں جب حضور نے عمرہ کا قصد فرمایا اور قریش نے مکہ میں نہ جانے دیا اور حدیبیہ میں ان سے صلح ہوئی اس صلح کی مدت دس سال تھی اور مکہ میں قریش کے علاوہ دوسرے قبائل بھی تھے تو صلح کے وقت یہ بات قرار پائی کہ جس کا جی چاہے اس صلح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذیل میں داخل ہو جائے اور جس کا جی چاہے قریش کے ذیل میں آجاوے چنانچہ خزاعہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو گئے اور بنو بکر قریش کی طرف سال بھر تک کوئی بات نہیں ہوئی چنانچہ ۷ ہجری میں صلح کی ایک شرط کے موافق حضور صلی اللہ علیہ

وسلم مکہ تشریف لائے اور اس فوت شدہ عمرہ کی قضاء کر کے واپس تشریف لے گئے اس کے بعد پانچ ماہ گزرے تھے کہ بنو بکر نے خزاعہ پر رات کے وقت دفعۃً حملہ کر دیا۔ قریش نے یہ سمجھا کہ اول تو حضور دور بہت ہیں آپ کو کیا خبر ہوگی پھر رات کے وقت کون دیکھتا ہے یہ سمجھ کر بنو بکر کو ہتھیار وغیرہ بھی دیئے اور ان کی ساتھ ہو کر خزاعہ سے لڑے بھی جس سے حسب قانون وہ صلح جو قریش کی حضور کے ساتھ تھی ٹوٹ گئی خزاعہ نے آپ کو اطلاع دی آپ نے ایسے طور پر کہ قریش کو اطلاع نہ ہو لشکر کی تیاری کر کے ۸ ہجری میں ان پر چڑھائی کی اور مکہ فتح کر لیا اور بہت سے رؤسا قریش اس میں مسلمان بھی ہو گئے پس جن جماعتوں کا شروع سورت میں ذکر ہے ان میں سے ایک جماعت یہی قریش ہیں جنہوں نے خود عہد توڑا ان کا حکم فتح مکہ سے پہلے یہ فرمایا کہ جب تک یہ عہد پر قائم رہیں تم بھی قائم رہو جب یہ عہد توڑ دیں تم بھی لڑائی کرو اور سورہ براءۃ نازل ہونے کے بعد چونکہ انہوں نے خود عہد توڑ دیا تھا اور اس لئے وہ کسی مہلت کے مستحق نہیں رہے تھے اور اس کا مقتضا یہ تھا کہ ان سے فوراً اعلان جنگ کر دیا جاتا لیکن وہ زمانہ اشہر حرم کا تھا جن میں یا تو لڑائی حرام تھی یا اس مصلحت کی بناء پر جو تفسیر میں آگے مذکور ہے لڑائی سے منع کیا گیا اور یہ حکم فرمایا کہ اشہر حرم گزر جاویں تو ان سے لڑنے کی اجازت ہے۔ **فاذا انسلخ الاشهر الحرم** میں یہی مضمون ہے۔

(۹) سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ (۱۱۳)

سورۂ توبہ مدینہ میں نازل ہوئی اور اس میں ایک سو انتیس آیات اور سولہ رکوع ہیں

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ

اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکین (کے عہد) سے

عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۟ ①

دست برداری ہے جن سے تم نے (بلا تعیین مدت) عہد کر رکھا تھا

یہ حکم تیسری جماعت کا ہے یعنی وہ عام قبائل عرب جن سے بلا تعیین مدت عہد ہوا تھا۔

فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا

سو تم لوگ اس سرزمین میں چار مہینے چل پھر لو اور یہ (بھی)

اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ۙ

جان رکھو کہ تم خدا تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے

یعنی خدا کے قبضہ سے نہیں نکل سکتے۔

وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ ②

اور یہ (بھی جان رکھو) کہ بیشک اللہ تعالیٰ کافروں کو (آخرت میں) رسوا کریں گے

یعنی عذاب دیں گے۔

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ

اور اللہ اور رسول کی طرف سے بڑے حج کی تاریخوں میں عام لوگوں کے سامنے اعلان کیا جاتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول

الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِىْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ۬

دونوں دست بردار ہوتے ہیں ان مشرکین (کو امن دینے) سے

جنہوں نے عہد توڑا۔ مراد جماعت اول ہے۔

وَرَسُوْلُهٗ ۭ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ

پھر اگر تم (کفر سے) توبہ کر لو تو تمہارے لئے بہتر ہے

دونوں جہان میں۔

وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى

اور اگر تم نے (اسلام سے) اعراض کیا تو یہ سمجھ رکھو کہ تم خدا کو عاجز

اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ ③

نہیں کر سکو گے۔ اور ان کافروں کو ایک دردناک سزا کی خبر سنا دیجئے

جو آخرت میں واقع ہوگی۔

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ

ہاں مگر وہ مشرکین مستثنیٰ ہیں جن سے تم نے عہد لیا

ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا

پھر انہوں نے تمہارے ساتھ ذرا کمی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلہ

عَلَيْكُمْ اَحَدًا

میں کسی کی مدد کی

مراد دوسری جماعت ہے۔

فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۭ

سو ان کے معاہدہ کو ان کی مدت (مقررہ) تک پورا کر دو واقعی اللہ تعالیٰ

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿٤﴾

(بدعہدی سے) احتیاط رکھنے والوں کو پسند کرتے ہیں

پس اگر احتیاط رکھو گے تو تم بھی پسندیدہ حق ہو جاؤ گے۔

فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا

سو جب اشہر حرم گزر جائیں تو (اس وقت)

الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ

ان مشرکین کو جہاں چاہو مارو پکڑو باندھو

وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ج

اور داؤ گھات کے موقعہ پر ان کی تاک میں بیٹھو

یعنی لڑائی میں جو کچھ ہوتا ہے سب کی اجازت ہے اور اس جماعت اول کے ذکر میں دست برداری کے اعلان کے ساتھ چار مہینے کی مدت ذکر نہ کرنا اس کا قرینہ ہے کہ ان کے لئے کوئی مدت مہلت کی نہیں پھر اس آیت میں یہ بتلا دیا کہ ان لوگوں کے واسطے کوئی میعاد امن کی نہیں مگر اشہر حرم کی وجہ سے ابھی لڑائی کی اجازت نہیں یا تو اس لئے کہ اس وقت تک ان مہینوں میں لڑائی حرام تھی پھر یہ حرمت منسوخ ہو گئی گو معین طور پر ہم کو ناسخ معلوم نہ ہو لیکن نسخ پر اجماع ہونا اس کی دلیل ہے کہ کوئی ناسخ ضرور ہوگا جس کی وجہ سے سب کا اجماع منعقد ہو گیا کیونکہ غلط بات پر اجماع ہو جانا شرعاً محال ہے یا یہ کہ ان مہینوں کی حرمت اس وقت بھی باقی نہ ہو مگر اس مصلحت سے کہ قریش میں بلکہ تمام عرب میں ان کی حرمت پہلے سے مشہور تھی اور عنقریب کفار کا حدود حرم سے نکال دیا جانا تجویز ہو ہی چکا تھا تو تھوڑے دنوں کے لئے مسلمان کیوں بدنام کئے جائیں اس لئے ان مہینوں کے ختم ہونے کا انتظار کیا گیا اور اس مانع کے دور ہونے کے بعد جو دو حکم اس جماعت کے لئے بیان کئے گئے ہیں کہ ان کا قید کرنا اور قتل کرنا جائز ہے اور اسلام لے آئیں تو ان کا رستہ چھوڑ دینا واجب ہے یہ حکم بقیہ جماعتوں میں بھی مشترک ہے جیسا کہ دوسری اور تیسری آیت میں غیر معجزی اللہ سے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ تم خدا کو عاجز نہیں کر سکتے مدت ختم ہو جانے کے بعد وہ تم کو سزا دے سکتا ہے۔

فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ

پھر اگر (کفر سے) توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں

یعنی اسلام کے کام کرنے لگیں اور ہر چند کہ زکوٰۃ دینا اور نماز پڑھنا قبولیت اسلام کی شرط نہیں لیکن اس سے مراد اسلام کا ظاہر کرنا ہے کیونکہ دنیا میں اسی پر احکام کا مدار ہے اور نماز اور زکوٰۃ کی تخصیص مثال کے طور پر ہے۔

فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٥﴾

تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔ واقعی اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والے بڑی رحمت کرنیوالے ہیں

اس واسطے ایسے شخص کا کفر بخش دیا اور اس کی جان بچا لی اور یہی حکم بقیہ جماعتوں کا ہو گا ان کی میعادیں گزر جانے کے بعد اور یہاں جزیہ کا ذکر اس لئے نہیں کیا گیا کہ کفار عرب سے جزیہ نہیں لیا جاتا وہ اگر اسلام نہ لاویں تو ان کے لئے صرف قتل کا حکم ہے پس اس جگہ پکڑنے اور باندھنے سے غلام بنانا مراد نہیں کیونکہ کفار عرب کو غلام بھی نہیں بنایا جاتا البتہ دوسرے کفار کے لئے غلام بنانے کا حکم دیگر دلائل شرعیہ سے صاف صاف ثابت ہے۔

وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ

اور اگر کوئی شخص مشرکین میں سے آپ سے پناہ کا طالب ہو

یعنی امن کی مدت ختم ہونے کے بعد جب مشرکین کا قتل جائز ہوا اس وقت اگر کوئی شخص توبہ واسلام کے برکات وفوائد سن کر اس طرف راغب ہو اور اسلام کی حقیقت وحقانیت معلوم کرنے کی غرض سے آپ سے پناہ مانگے تاکہ اطمینان سے سن سکے اور سمجھ سکے (آگے ترجمہ)

فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ

تو آپ اس کو پناہ دیجئے تاکہ وہ کلام الٰہی سن لے

مراد دین حق کے مطلق دلائل ہیں۔

ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ط

پھر اس کو اس کے امن کی جگہ پہنچا دیجئے

یعنی پہنچنے دیجئے تاکہ وہ سوچ سمجھ کر اپنی رائے قائم کر لے

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُونَ ﴿٦﴾ ع

یہ حکم اس سبب سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ پوری خبر نہیں رکھتے

اس لئے ان کو قدرے مہلت دینے کی ضرورت ہے اور یہ حکم کہ ان کو پناہ دو اور امن کی جگہ پہنچنے دو علماء کے نزدیک اب منسوخ ہے جیسا کہ روح المعانی میں سعید بن ابی عروبہ کا یہی قول منقول ہے۔ احقر کہتا ہے کہ اس کی تائید حق تعالیٰ کے ارشاد ذلک بانہم قوم لایعلمون سے ہوتی ہے کیونکہ اس میں امن دینے کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ یہ لوگ اسلام سے بے خبر ہیں اور اب مضامین

اسلام کی خبر عام ہوگئی ہے اس لئے مہلت دینے کی ضرورت نہیں مگر مہلت دینا مستحب ہے اور اس کی مقدار امام کی رائے پر ہے۔

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ

ان مشرکین (قریش) کا عہد اللہ کے نزدیک اور اس کے رسولؐ کے

اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ

نزدیک کیسے (قابل رعایت) رہے گا

کیف یکون تا بما تعلمون کیونکہ رعایت تو اس عہد کی ہوتی ہے جس کو دوسرا شخص خود نہ توڑے اور اگر وہی توڑ دے تو رعایت باقی نہیں رہتی مطلب یہ کہ یہ لوگ عہد توڑ دیں گے اور خود اس کی رعایت نہ کریں گے پس جماعت اول نے جو عہد توڑا تھا حق تعالیٰ نے پہلے ہی سے ان کے عہد توڑنے کے متعلق بطور پیشین گوئی کے اس آیۃ میں خبر دے دی ۱۲

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ

مگر جن لوگوں نے تم سے مسجد حرام کے نزدیک

الْحَرَامِ ۚ

عہد لیا ہے

مراد دوسری جماعت ہے یعنی ان سے امید ہے کہ یہ عہد کو قائم رکھیں گے اور مسجد حرام سے مراد زمین حرم ہے۔

فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ؕ

سو جب تک یہ لوگ تم سے سیدھی طرح رہیں تم بھی ان سے سیدھی طرح رہو

اور عہد کی مدت پوری کرو چنانچہ اس سورت کے نازل ہونے کے وقت اس مدت میں نو مہینے باقی تھے اور بوجہ ان کے عہد نہ توڑنے کے یہ مدت پوری کی گئی ۱۲

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝۷

بلاشبہ اللہ تعالیٰ (بدعہدی سے) احتیاط رکھنے والوں کو پسند کرتے ہیں

پس تم بھی اس میں احتیاط رکھنے سے خدا کے پسندیدہ اور مقبول ہو جاؤ گے۔ اس کے بعد پھر پہلی جماعت کے متعلق مضمون ارشاد ہوتا ہے۔

كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا

کیسے (ان کا عہد قابل رعایت رہے گا) حالانکہ ان کی حالت یہ ہے کہ اگر وہ تم پر

فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ

کہیں غلبہ پاجائیں تو تمہارے بارے میں نہ قرابت کا پاس کریں اور نہ قول و قرار کا

کیونکہ یہ صلح مجبوری اور جہاد کے خوف سے ہے دل سے نہیں۔

يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ

یہ لوگ تم کو اپنی زبانی باتوں سے راضی کر رہے ہیں اور ان کے دل (ان باتوں کو) نہیں مانتے

پس جب دل سے اس عہد کے پورا کرنے کا ارادہ نہیں ہے تو کیا خاک پورا ہوگا ۱۲

وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝۸ ۚ

اور ان میں زیادہ آدمی شریر ہیں

کہ عہد پورا کرنا نہیں چاہتے اور اگر ایک آدھ پورا کرنا بھی چاہتا ہو تو زیادہ کے سامنے ایک دو کی کب چلتی ہے آگے ان کے شریر ہونے کی وجہ بتلاتے ہیں۔

اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا

انہوں نے احکام الٰہیہ کے عوض میں (دنیا کی) متاع ناپائیدار کو اختیار کر رکھا ہے

جیسا کہ کفار کی حالت ہوتی ہے کہ دین کو چھوڑ کر دنیا کو اس پر ترجیح دیتے ہیں جب دنیا زیادہ محبوب ہے تو اگر کسی وقت عہد توڑنے میں دنیوی غرض حاصل ہوتی نظر آئے گی تو اس میں کچھ باک نہ ہوگا اور جو شخص دین کو دنیا پر ترجیح دیتا ہے وہ احکام خداوندی کا اور وفائے عہد وغیرہ کا پابند ہوگا۔

فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ

سو یہ لوگ اللہ کے راستے سے ہٹے ہوئے ہیں

جس میں وفائے عہد بھی داخل ہے۔

اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۹ لَا

اور یقیناً یہ ان کا عمل بہت ہی برا ہے یہ لوگ کسی مسلمان کے

يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ

بارے میں (بھی) نہ قرابت کا پاس کریں اور نہ قول و قرار کا

یعنی اوپر جو کہا گیا ہے کہ اگر یہ لوگ تم پر قابو پائیں تو قرابت وغیرہ کا ذرا پاس نہ کریں اس میں کچھ تمہاری خصوصیت نہیں بلکہ ہر مسلمان کے ساتھ ان کی یہی حالت ہے۔

وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝۱۰

اور یہ لوگ بہت ہی زیادتی کر رہے ہیں

جب ان کے عہد پر اعتماد اور اطمینان نہیں ہے بلکہ عہد توڑنے کا بھی احتمال ہے اس لئے آگے ان کے بارے میں مفصل بیان فرماتے ہیں۔

فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا

سو اگر یہ لوگ (کفر سے) توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے لگیں

الزَّكٰوةَ

اور زکوٰۃ دینے لگیں

مطلب یہ ہے کہ مسلمان ہو جائیں اور اسلام کو ظاہر بھی کر دیں جیسا کہ نماز پڑھنا اور زکوٰۃ دینا وغیرہ اس کی ایک علامت ہے۔

فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ط

تو وہ تمہارے دینی بھائی ہو جائیں گے

یعنے پھر ان کے عہد توڑنے وغیرہ پر بالکل نظر نہ ہوگی خواہ انہوں نے کچھ ہی کیا ہو اسلام لانے سے پچھلا کیا ہوا سب معاف ہو جائے گا۔

وَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۱۱

اور ہم سمجھ دار لوگوں کے لئے احکام کو خوب تفصیل سے

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ

بیان کرتے ہیں۔اور اگر وہ لوگ عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں

جیسا کہ ان کی حالت سے غالب احتمال یہی ہے۔

وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ

اور تمہارے دین (اسلام) پر طعن کریں

مطلب یہ کہ عہد توڑ کر ایمان بھی نہ لائیں بلکہ اپنے کفر پر قائم رہیں جس کا ایک اثر یہ ہے کہ اسلام پر اعتراض کریں۔

فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ

تو تم اس قصد سے کہ یہ باز آ جائیں ان پیشوایان کفر سے (خوب) لڑو

لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝۱۲

(کیونکہ اس صورت میں) ان کی قسمیں (باقی) نہیں رہیں

اور یہاں جزیہ کا ذکر اس لئے نہیں فرمایا کہ یہ کلام کفار عرب کے بارے میں ہے اور ان کے لئے جزیہ کا حکم نہیں بلکہ صرف دو ہی صورتیں ہیں یا اسلام لاویں یا قتل کئے جائیں یہاں تک عہد توڑنے سے پہلے پیشین گوئی تھی آگے عہد توڑنے کے بعد قتال اور جہاد کی ترغیب ہے ۱۲

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ

تم ایسے لوگوں سے کیوں نہیں لڑتے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا

اور بنی بکر کی بمقابلہ خزاعہ کے مدد کی

وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ

اور رسولؐ کے جلاوطن کر دینے کی تجویز کی

کفار قریش نے صرف جلاوطن کرنے ہی کی تجویز نہ کی تھی بلکہ آخیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے پر رائے قرار پائی تھی مگر ان باتوں کو اس لئے ذکر نہیں کیا کہ جلاوطن کرنا سب سے ہلکی بات تھی جب یہ بھی خدا تعالیٰ کو ناگوار ہے تو جو اس سے زیادہ سخت بات ہے وہ تو زیادہ ناگوار ہوگی۔

وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ط

اور انہوں نے تم سے خود پہلے چھیڑ نکالی

تمہاری طرف سے وفائے عہد میں کوئی کمی نہیں ہوئی انہوں نے بیٹھے بٹھائے خود ایک شوشہ چھوڑا پس ایسے لوگوں سے کیوں نہ لڑو

اَتَخْشَوْنَهُمْ ج

کیا ان سے (لڑنے میں) ڈرتے رہو

کہ ان کے پاس سامان اور جمعیت زیادہ ہے۔

فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ

سو اللہ تعالیٰ اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ تم ان سے ڈرو اگر

مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۳

تم ایمان رکھتے ہو

اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ان کے حکم کے خلاف مت کرو اور وہ تم کو جہاد کا حکم دیتے ہیں پس تم ضرور جہاد کرو ۱۲

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ

ان سے لڑو اللہ تعالیٰ (کا وعدہ ہے کہ) ان کو تمہارے ہاتھوں سزا دے گا اور

وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ

ان کو ذلیل (وخوار) کرے گا اور تم کو ان پر غالب کرے گا اور بہت سے

صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَيُذْهِبْ غَيْظَ

(ایسے) مسلمانوں کے قلوب کو شفا دے گا اور ان کے قلوب کے غیظ

قُلُوْبِهِمْ ط

(وغضب) کو دور کرے گا

یعنی ان کی سزا سے اور تمہارے غلبہ سے وہ مسلمان جو خود مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے اور کفار کی حرکات کو دیکھ کر دل ہی دل میں گھٹتے ہیں خوش ہو جائیں گے۔

وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ط

اور جس پر منظور ہو گا اللہ تعالیٰ توجہ (بھی) فرما دے گا

یعنی ان کفار میں سے بعضوں کو مسلمان ہونے کی توفیق دے دے گا۔ چنانچہ فتح مکہ میں بعضے لڑے اور ذلیل و مقتول ہوئے اور بعضے مسلمان ہو گئے۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۵﴾

اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں

کہ اپنے علم سے ہر ایک کا انجام جانتے ہیں کہ کون اسلام لائے گا اور کون کافر رہے گا اور اسی لئے اپنی حکمت سے مناسب احکام مقرر فرماتے ہیں اور بعض لوگ لڑنے سے بھی جی چراتے تھے آگے ان کو خطاب ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ

کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم یوں ہی چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ ہنوز اللہ تعالیٰ

الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ

نے (ظاہر طور پر) ان لوگوں کو تو دیکھا ہی نہیں جنہوں نے تم میں سے (ایسے

دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ

موقع پر) جہاد کیا ہو اور اللہ تعالیٰ اور رسول اور مومنین کے سوا کسی کو خصوصیت

وَلِيْجَةً ط

کا دوست نہ بنایا ہو

اور اس کے ظاہر ہونے کا اچھا ذریعہ یہ ہے کہ ایسے موقعہ پر جہاد کرنے کا حکم دیا جائے جہاں اپنے اعزاء اور اقارب سے مقابلہ ہو کہ اس سے پورا امتحان ہو جاتا ہے کہ کون اللہ کو چاہتا ہے اور کون برادری کو۔

وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ ع

اور اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے تمہارے سب کاموں کی

پس اگر جہاد میں چستی کرو گے یا سستی کرو گے اسی کے موافق تم کو جزا دیگا۔

ربط: اوپر مشرکین کی برائیاں مذکور تھیں چونکہ ان کو اپنے بعض افعال پر ناز و افتخار بھی تھا جیسے مسجد حرام اور کعبہ کی خدمت اور حجاج کو پانی پلانا وغیرہ اس لئے آگے اس ناز و افتخار کا چند آیتوں میں جواب دیتے ہیں اور اسی کے ضمن میں مسلمانوں کے ایک اختلافی مسئلہ کا بھی جس میں اس وقت گفتگو ہوئی تھی جواب دیتے ہیں وہ مسئلہ یہ تھا کہ ایمان کے بعد تمام اعمال میں افضل کون سا عمل ہے آیا مسجد حرام کی خدمت کرنا افضل ہے یا حجاج کو پانی پلانا یا جہاد کرنا۔ ماکان للمشرکین تا اجر عظیم

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ

مشرکین کی یہ لیاقت ہی نہیں کہ وہ اللہ کی

اللّٰهِ

مسجدوں کو

جن میں مسجد حرام بھی داخل ہے ۱۲

شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ط

آباد کریں جس حالت میں کہ وہ خود اپنے اوپر کفر (کی باتوں) کا اقرار کر رہے ہیں

چنانچہ وہ خود اپنا مذہب بیان کرتے ہوئے ایسے عقائد کا اقرار کرتے تھے جو واقع میں کفر ہیں پس مطلب یہ ہے کہ مسجدوں کی خدمت کرنا اگرچہ عمل محمود ہے لیکن شرک اور کفر کے ساتھ ان میں اس عمل کی قابلیت ہی نہیں اس لئے ان کے یہ اعمال سب بیکار ہیں پھر فخر کی کیا گنجائش ہے اس تفسیر پر آیت کا حاصل صرف یہ ہے کہ ان کے یہ اعمال مقبول نہیں۔ رہی یہ بات کہ اگر کوئی کافر مسجد بنائے یا اس کی خدمت وغیرہ کرے تو اس کو اجازت دی جائے گی یا نہیں اس مسئلہ سے آیت میں تعرض نہ ہو گا۔ باقی دوسرے دلائل سے اس مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ اگر وہ کافر اپنے مذہب کی رو سے اس کو ثواب سمجھے تو اجازت دے دی جائے گی ورنہ نہیں البتہ اس صورت میں بھی اگر اجازت دینا کسی اسلامی مصلحت کے خلاف ہو تو اجازت نہ ہو گی۔

اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ صلے

ان لوگوں کے سب اعمال اکارت ہیں

بوجہ اس کے کہ ان کے مقبول ہونے کی شرط نہیں پائی جاتی اور بیکار عمل پر فخر ہی کیا ۱۲

وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾

اور دوزخ میں وہ لوگ ہمیشہ رہیں گے

کیونکہ جو عمل نجات کا سبب تھا وہ تو ضائع ہی ہو گیا تھا

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ

ہاں اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنا ان لوگوں کا کام ہے

یعنی کامل طور پر یہ عمل ان لوگوں سے مقبول ہوتا ہے (آگے ترجمہ)

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ

جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لاویں اور

الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ

نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں

یعنی اپنے اعضاء سے ایمان کو ظاہر بھی کریں جس کا ایک بڑا طریقہ نماز پڑھنا اور زکوٰۃ دینا ہے ۱۲

وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ

اور بجز اللہ کے کسی سے نہ ڈریں

یعنی اللہ پر پورا بھروسہ رکھتے ہوں۔

فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا

سو ایسے لوگوں کی نسبت توقع (یعنی وعدہ) ہے کہ اپنے مقصود

یعنی جنت اور نجات۔

مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾

تک پہنچ جاویں گے

کیونکہ ان کا عمل بوجہ ایمان کے مقبول ہوگا اس لئے آخرت میں ان کو نفع ہوگا اور مشرکین اس شرط سے محروم ہیں پس ثواب سے بھی محروم ہیں اور جس عمل کا کوئی نتیجہ نہ ہو اس پر فخر کرنا لا حاصل ہے ۱۲

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ

کیا تم لوگوں نے حجاج کو پانی پلانے کو اور مسجد حرام کے آباد رکھنے کو اس شخص

الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

کے برابر قرار دے لیا جو کہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہو

وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ

اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہو

یعنی یہ اعمال ایمان اور جہاد کے برابر نہیں۔

لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ

یہ لوگ برابر نہیں اللہ کے نزدیک

یعنی جب یہ اعمال برابر نہیں تو عمل کرنے والے بھی برابر نہیں پس مقصود یہ ہے کہ ایمان اور جہاد ہر ایک افضل ہے مسجدوں کی خدمت سے بھی اور حجاج کو پانی پلانے سے بھی۔ یعنی ایمان بھی ان دونوں سے افضل ہے تو اس سے مشرکین کا جواب ہو گیا کیونکہ ان میں ایمان ہی نہ تھا اور جہاد بھی دونوں سے افضل ہے اس سے ان مسلمانوں کا جواب ہو گیا جو ایمان کے بعد مسجد کی خدمت اور حجاج کے پانی پلانے کو جہاد پر فضیلت دیتے تھے۔

وَاللّٰهُ

اور جو لوگ بے انصاف ہیں

مراد مشرک ہیں۔

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾

اللہ تعالیٰ ان کو سمجھ نہیں دیتا

یعنی یہ بات بہت ہی ظاہر ہے مگر کافروں کو سمجھ نہیں اس لئے وہ اس کو نہیں مانتے بخلاف مسلمانوں کے کہ وہ اس تحقیق کو فوراً مان گئے۔ آگے ان کے برابر نہ ہونے کو صراحۃً بیان فرماتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ

جو لوگ ایمان لائے اور (اللہ کے واسطے) انہوں نے ترک

سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ

وطن کیا اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا درجہ میں اللہ کے

دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ

نزدیک بہت بڑے ہیں

بمقابلہ ان لوگوں کے جو مسجدوں کی خدمت کرتے اور حجاج کو پانی پلاتے ہیں کیونکہ ان میں اگر ایمان نہ ہو تب تو ان کے واسطے کچھ بھی بڑائی نہیں اور اگر ان میں ایمان ہو تو اگرچہ وہ بھی بڑے ہیں مگر جہاد اور ہجرت کرنے والے ان سے زیادہ بڑے ہیں

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿٢٠﴾

اور یہی لوگ پورے کامیاب ہیں

کیونکہ ان کے مقابل لوگوں میں اگر ایمان نہ ہو تب تو ان کے واسطے کچھ بھی کامیابی نہیں اور اگر ایمان ہو تو کامیاب سب ہیں مگر ان کی کامیابی ان سے اعلیٰ ہے آگے اس درجہ اور کامیابی کا بیان ہے۔ **ربط:** اوپر ہجرت کا ذکر تھا جس میں وطن اور عزیز و اقارب اور مال و جائیداد وغیرہ سے قطع تعلق کرنا پڑتا ہے جو کہ طبعاً گراں ہوتا ہے اور کسی وقت ہجرت نہ کرنے کا سبب ہو سکتا ہے اس لئے آگے ان تعلقات کو غالب کرنے کی مذمت بیان فرماتے ہیں۔ **یایها الذین امنوا تا لایهدی القوم الفسقین**

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ

ان کا رب ان کو بشارت دیتا ہے اپنی طرف سے بڑی رحمت اور بڑی

وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ﴿٢١﴾

رضامندی کی اور (جنت میں) ایسے باغوں کی کہ ان کے لئے ان

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ

(باغوں میں) دائمی نعمت ہوگی اور ان میں یہ ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے

اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٢﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

بلاشبہ اللہ کے پاس بڑا اجر ہے اے ایمان والو! اپنے باپوں کو اور اپنے

لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَاۗءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَاۗءَ

بھائیوں کو اپنا رفیق مت بناؤ اگر وہ لوگ کفر کو بمقابلہ ایمان کے (ایسا)

اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَي الْاِيْمَانِ ۭ

عزیز رکھیں (کہ ان کے ایمان لانے کی امید نہ رہے) اور جو شخص تم میں

وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢٣﴾

سے ان کے ساتھ رفاقت رکھے گا سو ایسے لوگ بڑے نافرمان ہیں

مطلب یہ کہ بڑا مانع ہجرت سے ان لوگوں کا تعلق ہے اور خود وہی جائز نہیں پھر ہجرت میں کیا دشواری ہے آگے اسی مضمون کی زیادہ تفصیل ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے

وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ

اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارا کنبہ

وَاَمْوَالُۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ

اور وہ مال جو تم نے کمائے اور وہ تجارت جس میں نکاسی

تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ

نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو

ہجرت سے یہی اندیشے ہوتے تھے کہ عزیز چھٹ جاویں گے اموال اور جائیداد وغیرہ پریشان اور تلف ہو جائیں گے تجارت کا انتظام اور سلسلہ بگڑ جاوے گا یہ آرام کے گھر جن میں رہتے ہیں چھٹ جاویں گے۔

اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے

یعنے خدا اور سول کے احکام سے جن میں ہجرت بھی داخل ہے۔

وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ

اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے

جہاد کو صراحۃً بیان فرمانے سے مبالغہ مقصود ہے کہ ہجرت تو پھر بھی آسان ہے شریعت کا مطلوب تو یہ ہے کہ جہاد کو بھی ان چیزوں پر ترجیح دی جائے جس میں کبھی اپنی جانوں اور کبھی اپنے عزیزوں کی جانوں کو بے قدر اور ہیچ سمجھنا پڑتا ہے اگر کسی وقت عزیزوں سے مقابلہ ہو جائے۔

فَتَرَبَّصُوْا

زیادہ پیارے ہوں

مراد اس سے وہ محبت ہے جو احکام الٰہیہ پر عمل کرنے سے باز رکھے طبعی میلان مراد نہیں ہے اور جس کافر کے اسلام کی امید ہو اور اسی مصلحت سے اس سے تعلق رکھے جائز ہے۔

حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي

تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم (سزائے ترک ہجرت کا) بھیج دیں

الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾

اور اللہ تعالیٰ بے حکمی کرنے والوں کو ان کے مقصود تک نہیں پہنچاتا

یعنے ان کا مقصود تھا ان چیزوں سے نفع حاصل کرنا وہ بہت جلد ان کی توقع کے خلاف موت آ جانے سے منقطع ہو جاتا ہے۔

ربط: اوپر فتح مکہ اور کفار سے برأت کا ذکر تھا آگے غزوۂ حنین کا ذکر ہے اور ان میں باہم مناسبت ظاہر ہے۔ نیز اوپر خدا کے ماسواء علائق قطع کرنے کا بیان تھا اور قصہ حنین سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے کہ غیر اللہ پر نظر کرنے سے ضرر ہوا اور اللہ تعالیٰ کا تعلق کافی اور نافع ہوا۔ قصہ غزوہ حنین۔ حنین مکہ اور طائف کے درمیان میں ایک مقام ہے یہاں قبیلہ ہوازن اور ثقیف سے فتح مکہ کے دو ہفتہ بعد لڑائی ہوئی تھی مسلمان بارہ ہزار اور مشرکین چار ہزار۔ بعض مسلمان اپنا مجمع دیکھ کر ایسے طور پر کہ اس سے عجب اور پندار ٹپکتا تھا کہنے لگے کہ ہم آج کسی طرح مغلوب نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ اول مقابلہ میں کفار کو شکست ہوئی اس وقت بعضے مسلمان غنیمت جمع کرنے لگے تو پھر کفار پھر لوٹ پڑے۔ اور وہ بڑے تیر انداز تھے مسلمانوں پر تیر برسانے شروع کئے اس گھبراہٹ میں مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع چند صحابہ کے میدان میں رہ گئے۔ آپ نے حضرت عباس سے مسلمانوں کو آواز دلوائی پھر سب لوٹ کر ان سے دوبارہ مقابل ہوئے اور آسمان سے فرشتوں کی مدد آئی۔ آخر کفار بھاگے اور بہت سے قتل اور بہت سے قید ہوئے پھر ان قبیلوں کے بہت آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام سے مشرف ہوئے اور آپ نے ان کے اہل و عیال جو پکڑے گئے تھے سب ان کو واپس کر دیئے کذا فی الروح والدر و صحیح البخاری لقد نصر کم اللہ تا غفور رحیم

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ

تم کو خدائے تعالیٰ نے (لڑائی کے) بہت موقعوں میں (کفار پر) غلبہ دیا

جیسے بدر وغیرہ میں ۱۲

وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ

اور حنین کے دن بھی

تم کو غلبہ دیا جس کا قصہ عجیب وغریب ہے۔

اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ

جبکہ تم کو اپنے مجمع کی کثرت سے غرہ ہو گیا تھا

اس پر یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ غرہ ہونے سے تو مغلوبیت ہوئی پھر غلبہ کا تعلق اس کے ساتھ کیونکر ہوا۔ جواب یہ ہے کہ غلبہ کا تعلق صرف اسی مضمون کے ساتھ نہیں ہے بلکہ پورے قصہ سے اس کا تعلق ہے اور مجموعہ قصہ میں غلبہ کا ہونا یقینی ہے۔

فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ

پھر وہ کثرت تمہارے کار آمد نہ ہوئی اور تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگی

الْاَرْضُ

کرنے لگی

کیونکہ کفار کے تیر برسانے سے تم کو بہت پریشانی ہوئی۔

بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿۲۵﴾

پھر (آخر) تم پیٹھ دے کر بھاگ کھڑے ہوئے اس کے

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰي رَسُوْلِهٖ

بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (کے قلب) پر اور مومنین کے (قلوب) پر

وَعَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ

(اپنی طرف سے) تسلی نازل فرمائی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی اور صحابہ کی تسلی میں فرق ہے حضور پر خاص قسم کی تسلی نازل ہوئی جس سے غلبہ کی امید قریب ہو گئی اور جو صحابہ آپ کے ساتھ ثابت قدم رہے ان پر تسلی نازل ہونے کے معنے یہ ہیں کہ وہ آپ کے ساتھ جمے رہے اور جو ہٹ گئے تھے ان پر تسلی نازل ہونے کے معنے یہ ہیں کہ وہ پھر میدان میں آ گئے ۱۲

وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا

اور (امداد کیلئے) ایسے لشکر نازل فرمائے جن کو تم نے نہیں دیکھا

مراد فرشتے ہیں جن کے آنے کے بعد تم پھر لڑائی پر مستعد ہو گئے اور غالب آئے اور یہ جو فرمایا کہ تم نے فرشتوں کو دیکھا نہیں پس اگر اتفاقاً ایک آدھ کا دیکھنا ثابت ہو جائے تو کچھ اشکال نہیں۔

وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ

اور کافروں کو سزا دی

کہ ان پر قتل اور قید اور شکست کی مصیبت پڑی مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ کفار کے لئے اس سزا کا واقع ہونا ضروری ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ مصیبت کہیں ان پر واقع ہو تو وہ سزا کے طور پر ہے

وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَتُوْبُ

اور یہ کافروں کی (دنیا میں) سزا ہے پھر

اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ

خدا تعالیٰ جس کو چاہیں توبہ نصیب کردیں

چنانچہ بہت سے مسلمان ہو گئے۔

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۷﴾

اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت کرنے والے ہیں

کہ جو شخص ان میں سے مسلمان ہوا اس کے سب پچھلے گناہ معاف کر کے اس کو جنت کا مستحق بنا دیا

ربط: اوپر شروع سورت میں براءت کا اعلان تھا آگے اسی اعلان کا تتمہ مذکور ہے کہ سال کے اندر اندر مشرکین کو حدود حرم سے خارج کر دیا جائے اور اس حکم سے مسلمانوں کو جو تردد ہوا تھا کہ مال کی آمد بند ہو جاوے گی ساتھ ہی اس بارہ میں تسلی بھی ہے یایھا الذین امنوا تا حکیم

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ

اے ایمان والو مشرک لوگ (بوجہ عقائد خبیثہ) نرے ناپاک ہیں

بوجہ خبیث عقائد کے پس ناپاکی سے عقائد کی ناپاکی مراد ہے جسم کی ناپاکی نہیں اور اس بارے میں کفار اہل کتاب کا حکم بھی مشرکین کے مثل ہے اور جن روایات میں مشرک سے مصافحہ کر کے ہاتھ کا دھونا آیا ہے وہ دھمکی کے طور پر ہے کیونکہ سنن ابی داؤد کتاب الخراج میں وفد ثقیف کو مسجد میں ٹھہرانے کی روایت موجود ہے اور وہ مشرک تھے۔

نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ

سو یہ لوگ اس سال کے بعد مسجد حرام کے

بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ

پاس نہ آنے پاویں

یعنی اس ناپاکی پر جو احکام متفرع ہوتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ لوگ حرم کے اندر داخل نہ ہوں اور اصل مقصود یہاں اسی حکم کا بیان کرنا ہے اور انما المشرکون نجس میں اس کی ایک حکمت بتلا دی کہ ایسے مقدس مقام میں ایسے ایسے ناپاک دل والوں کا کیا کام اور مسجد حرام سے سارا حرم مراد ہونا در منثور میں مؤطا سے منقول ہے اور احادیث سے ثابت ہے کہ تمام جزیرہ عرب کا یہی حکم ہے مشرکین کے لئے بھی اور یہود و نصاریٰ کے لئے بھی چنانچہ حضور کی وصیت کے مطابق حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تمام جزیرہ عرب میں یہ قانون نافذ ہو گیا اور کفار وہاں سے نکال دیئے گئے اور فقہ حنفی کی رو سے اس کا مطلب یہ ہے کہ کفار جزیرہ عرب میں بطور سکونت یا غلبہ کے نہ داخل ہوں اور نہ رہ سکیں کہ یہ ناجائز ہے اور مسافرانہ طور پر امام کی اجازت سے آنا اگر امام کے نزدیک خلاف مصلحت نہ ہو جائز ہے اور جب حرم کے اندر آنے کی اجازت دینا جائز ہے تو مسجد حرام بھی اسی حکم میں ہے البتہ حج اور عمرہ کی کفار کو اجازت نہیں بوجہ حدیث الالا یحجن بعد العام مشرک

وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً

اور اگر تم کو مفلسی کا اندیشہ ہو

یعنی کفار کو حرم سے نکالتے ہوئے یہ خیال ہو کہ لین دین زیادہ تر انہی سے متعلق ہے جب یہ نہ رہیں گے تو کیسے کام چلے گا

فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ

تو (تم خدا پر توکل رکھو) خدا تم کو اپنے فضل سے اگر چاہے گا

اس کا یہ مطلب نہیں کہ وعدہ پورا ہونے میں کچھ شک یا دیر ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس وعدہ کے پورا کرنے میں اللہ تعالیٰ کو کچھ لمبا چوڑا سامان کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ صرف ارادہ کرنا کافی ہے خوب سمجھ لو۔

اِنْ شَآءَ ؕ

(ان کا) محتاج نہ رکھے گا

چنانچہ یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح پورا کر دیا کہ تاجر قوموں کو مسلمان کر دیا وہ ہر طرح کا مال مکہ میں لانے لگے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۸﴾

بیشک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا بڑا حکمت والا ہے

یعنی احکام کی مصلحتوں کو جانتے ہیں اور ان کی تکمیل حکمت سے کر دیتے ہیں۔ چنانچہ یہ حکم مقرر کیا اور تمہارے افلاس کا بھی سامان کر دیا۔

ربط: اوپر براءت اور فتح مکہ اور غزوہ حنین میں مشرکین سے قتال کرنے کا بیان تھا آگے اہل کتاب سے قتال کا بیان ہے گویا کہ یہ غزوۂ تبوک کی تمہید ہے جس کا تعلق اہل کتاب سے تھا۔قاتلوا الذین تا صاغرون

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا

اہل کتاب جو کہ نہ خدا پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت

بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا

کے دن پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو

حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ

خداتعالیٰ نے اور اس کے رسولؐ نے حرام بتلایا ہے اور نہ سچے دین (اسلام)

دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

کو قبول کرتے ہیں ان سے یہاں تک لڑو کہ وہ ماتحت

حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ

ہو کر اور رعیت ہو کر جزیہ دینے

صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾ ع

منظور کریں

یہاں جزیہ میں اہل کتاب کی تخصیص تمام کفار کے مقابلہ میں نہیں بلکہ مشرکین عرب جن کا ذکر اوپر تھا ان کے مقابلہ میں یہ تخصیص ہے کیونکہ ان سے جزیہ نہیں لیا جاتا اسلام ہے یا تلوار البتہ جن کے قتل کی اجازت نہیں جیسے عورتیں اور بچے وہ لونڈی غلام بنا رکھے جائیں اور حدیثوں سے ثابت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوس سے بھی جزیہ لیا ہے اور مشرکین عجم مثل مجوس کے ہیں بلکہ آیۃ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین سے بدرجہ اولیٰ جزیہ لیا جاوے گا کیونکہ جزیہ لینے کی وجہ آیت لایؤمنون میں مذکور ہے پس جزیہ کا مدار ایمان نہ لانا ٹھہرا اور ظاہر ہے کہ یہ صفت مشرکین میں اہل کتاب سے زیادہ پائی جاتی ہے کیونکہ اہل کتاب توحید اور قیامت کا اعتقاد تو رکھتے ہیں گو اس میں بھی وہ غلطیوں کا ارتکاب کرتے ہیں اور مشرکین تو خود ان عقائد کے اصل ہی میں مخالف ہیں پس ان پر جزیہ بدرجہ اولیٰ ہوگا البتہ مشرکین عرب خاص دلیل کی وجہ سے اس حکم سے مستثنیٰ ہیں مسئلہ جزیہ اسلام کا معاوضہ نہیں جیسا کہ بعض معترضین نے غلط گمان کیا ہے اور پھر اعتراض کیا ہے کہ تھوڑے سے دام لے کر کفر پر قائم رہنے اور اسلام نہ لانے کی اجازت کیوں دی گئی یہ تو اسلام کی عظمت کے خلاف ہے سو یہ اعتراض معترض کے غلط گمان کی بناء پر ہے بلکہ جزیہ قتل کا معاوضہ ہے کہ اس کی وجہ سے ان کی جان بچ گئی اور اس میں اسلام کی غایت درجہ عزت وعظمت ہے کہ اس نے جان کی اس قدر رعایت کی اور یہی وجہ ہے کہ جو لوگ جہاد میں قتل نہیں کئے جاتے جیسے عورتیں اور بچے اور بہت بوڑھے اور اپاہج اور راہب اور تارکان دنیا ان پر جزیہ نہیں پس اگر جزیہ کفر پر قائم رہنے کا معاوضہ ہوتا تو ان پر بھی ضرور ہوتا کیونکہ کفر میں تو یہ لوگ بھی شریک ہیں اور تفصیل احکام جزیہ اور اس کی مقدار کی کتب فقہ میں ہے۔ربط: اوپر اہل کتاب کی نسبت فرمایا ہے کہ وہ خدا اور قیامت کے دن پر پورا پورا ایمان نہیں رکھتے آگے ان کے بے ایمان ہونے کی تفصیل ہے۔وقالت الیهود تا کره المشرکون

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ۨ ابْنُ اللّٰهِ

اور یہود (میں سے بعض) نے کہا کہ عزیرؑ خدا کے بیٹے ہیں

وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ

نصاریٰ (میں سے اکثر) نے کہا کہ مسیحؑ خدا کے بیٹے ہیں

ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ

یہ ان کا قول ہے ان کے منہ سے کہنے کا

جس کا واقع میں کہیں نام ونشان نہیں۔

يُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ

یہ بھی ان لوگوں کی سی باتیں کرنے لگے جو ان سے پہلے کافر

قَبْلُ ؕ

ہو چکے ہیں

مراد مشرکین عرب ہیں جو ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے مطلب یہ ہے کہ ان کو تو یہ بھی کافر سمجھتے ہیں پھر ان ہی کی سی کفریات بکتے ہیں اور مشرکین کا پہلے ہونا اس وجہ سے ہے کہ ان کی گمراہی قدیم تھی ۱۲

قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۰﴾

خدا ان کو غارت کرے یہ کدھر الٹے جا رہے ہیں

کہ خدا پر ایسے بہتان باندھتے ہیں یہ تو ان کے کفریہ اقوال کا بیان تھا آگے کفریہ افعال کا بیان ہے۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ

انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ کو (باعتبار طاعت کے)

اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

رب بنا رکھا ہے

کہ جائز و ناجائز اور حلال وحرام بتانے میں ان کی اطاعت خدا کی برابر کرتے ہیں کہ خدا کے صریح حکم پر بھی ان کے قول کو ترجیح دیتے ہیں اور ایسی اطاعت بالکل عبادت ہے پس اس اعتبار سے وہ گویا ان کی عبادت کرتے ہیں

وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ

اور مسیح ابن مریم کو بھی

ایک اعتبار سے خدا بنا رکھا ہے کہ ان کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں جس کے واسطے خدائی لازم ہے۔

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا

حالانکہ ان کو صرف یہ حکم کیا گیا کہ فقط ایک معبود برحق

وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ

کی عبادت کریں جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں

عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۳۱

وہ ان کے شرک سے پاک ہے

اہل کتاب کو انکار نبوت کی وجہ سے کافر اور عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا سمجھنے اور راہبوں کی اطاعت خدا کی برابر کرنے کی وجہ سے مشرک فرمایا یہ تو اس کا بیان تھا کہ یہ لوگ باطل اور غلط راستہ کے پیرو ہیں آگے یہ بتلاتے ہیں کہ وہ لوگ دین حق کو رد کرتے ہیں اور یہی کفر ہے۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ

وہ لوگ یوں چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور (یعنی دین اسلام) کو

بِاَفْوَاهِهِمْ

اپنے منہ سے بجھادیں

یعنی اپنے منہ سے تردید اور اعتراض کی باتیں اس غرض سے کرتے ہیں کہ دین اسلام کو فروغ نہ ہو

وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ

حالانکہ اللہ تعالیٰ بدوں اس کے کہ اپنے نور کو کمال تک پہنچادے مانے گا نہیں

کمال تک پہنچانے کی کئی صورتیں ہیں ایک تو دلائل سے اس کو ثابت اور قوی کرنا یہ تو اسلام کے لئے ہر زمانہ میں عام ہے اور ایک یہ کہ اس کے ساتھ سلطنت بھی ہو اس کے لئے یہ شرط ہے کہ اہل اسلام میں دین اور صلاحیت غالب ہو اور ایک صورت یہ ہے کہ دوسرے مذاہب بالکل مٹ جائیں اور اسلام ہی اسلام رہے اس کا ظہور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوگا۔ ربط: اوپر یہود ونصاریٰ کی کفریات میں علماء اور راہبوں کی عبادت کا ذکر تھا آگے ان علماء اور راہبوں کی بعض حالتیں جن سے عوام میں گمراہی پھیلی ہے بیان فرماتے ہیں اور اس مضمون کا مخاطب مسلمانوں کو شاید اس لئے بنایا گیا ہو کہ یہ متنبہ ہو کر ایسے کام نہ کریں یایھا الذین تا تکنزون

وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۳۲ هُوَ الَّذِيْٓ

گو کافر لوگ کیسے ہی ناخوش ہوں (چنانچہ) وہ اللہ ایسا ہے

اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ

کہ اس نے اپنے رسول کو ہدایت (کا سامان یعنی قرآن) اور سچا دین دے

لِيُظْهِرَهٗ عَلَي الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ

کے بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام (بقیہ) دینوں پر غالب کر دے گو مشرک

الْمُشْرِكُوْنَ ۝۳۳ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

کیسے ہی ناخوش ہوں اے ایمان والو!

اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ

اکثر احباز اور رہبان

یعنی یہود و نصاریٰ کے علماء اور مشائخ

لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ

لوگوں کے مال نامشروع طریقہ سے کھاتے ہیں

یعنی صحیح احکام کو چھپا کر عوام کی مرضی کے موافق فتوے دے کر ان سے نذرانے لیتے ہیں ۱۲

وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ

اور اللہ کی راہ سے باز رکھتے ہیں

کیونکہ ان جھوٹے فتووں کے دھوکہ میں آ کر وہ گمراہی میں پھنسے رہتے ہیں اور حق کو قبول تو کیا طلب بھی نہیں کرتے اور غایت حرص کی وجہ سے وہ علماء یہود و نصاریٰ مال بھی جمع کرتے ہیں جس کی نسبت آگے سخت وعید ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ

اور (غایت حرص سے) جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں

وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ

اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو آپ ان کو

بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا

ایک دردناک سزا کی خبر سنا دیجئے جو کہ اس روز واقع ہوگی کہ ان کو دوزخ

فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ

کی آگ میں (اول) تپایا جاوے گا پھر ان سے ان لوگوں کی

وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا

پیشانیوں اور ان کی گردنوں اور ان کی پشتوں کو داغ دیا جاوے گا یہ ہے

كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا

وہ چیز جس کو تم نے اپنے واسطے جمع کر کر کے رکھا تھا

كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾

سو اب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو

اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ جس شخص کے پاس لاکھوں کروڑوں روپیہ ہوگا اس کے بدن کو کس طرح داغ کیا جائے گا کیونکہ دو حال سے خالی نہیں یا تو ایک دم سے سب کا داغ دیا جاوے گا اس صورت میں اس کے جسم پر اتنی جگہ نہیں کہ لاکھوں کروڑوں کا داغ ایک ساتھ دیا جا سکے یا آگے پیچھے دیا جاوے گا اس صورت میں تھوڑے روپے والا اور زیادہ روپے والا برابر ہو جائے گا کیونکہ نئے روپے کا داغ دینا اور پہلے روپے کا بار بار داغ دینا برابر ہے جواب یہ ہے کہ پہلی صورت میں ممکن ہے کہ اس کا جسم وسیع کر دیا جائے اور دوسری صورت میں یہ ممکن ہے کہ ہر روپیہ کا داغ ایک بار ہو پس تھوڑے مال والے کا داغنا جلدی ختم ہو جائے گا اور زیادہ مال والے کا دیر تک رہے گا۔

ربط: اوپر اہل کتاب کے ذکر سے پہلے مشرکین کے ساتھ لڑائی کرنے کا بیان تھا کیونکہ وہ کافر اور عہد کے توڑنے والے تھے آگے ان کی بعض دوسری کفریات اور جہالات کا بیان ہے تاکہ جہاد کا حکم مؤکد ہو جائے اور ساتھ میں جہاد کا حکم بھی ہے اور ان جہالات سے پہلے دین حق کو معین فرماتے ہیں کہ وہ کونسا دین ہے تاکہ جو اس کے خلاف ہو اس کا غلط اور جہالت ہونا ظاہر ہو جائے اور اس جہالت کا اصل یہ ہے کہ مشرکین ان احکام کو بدلا کرتے تھے جو زمانہ کے متعلق ہیں جس کی یہ صورتیں تھیں۔ اشہر حرم (یعنی ذیقعدہ و ذی الحجہ و محرم و رجب) میں وہ لوگ بھی شریعت ابراہیمیہ کے اعتقاد کی وجہ سے قتل و غارت کو برا سمجھتے تھے لیکن اگر کبھی اپنی نفسانی اغراض سے ان میں لڑائی کرنے کی ضرورت پڑتی یا لڑتے لڑتے محترم مہینہ آ جاتا تو کہتے کہ اس سال یہ مہینہ حرام نہیں ہوا دوسرا مہینہ حرام ہوگا مثلاً محرم آ گیا تو کہتے ہیں کہ اب کے صفر حرام ہوگا اور اگر صفر میں بھی ضرورت ہوئی تو کہتے کہ ربیع الاول حرام ہوگا غرض سال بھر میں چار مہینے کا عدد تو پورا کر دیتے لیکن تخصیص کا لحاظ نہ کرتے کہ واقع میں کونسا مہینہ محترم تھا اور ہم نے کس کو قرار دے دیا اور اگر کسی سال میں برابر دس مہینہ تک لڑائی کی ضرورت ہوئی یا ٹالتے ٹالتے دس مہینے گزر گئے اور آگے دو ہی مہینے رہ گئے تو ایسے موقعہ پر سال کے مہینے بڑھا لیتے یعنی یوں کہتے کہ یہ سال چودہ مہینے کا ہوگیا جس میں چار مہینے اشہر حرم ہیں اور اس لئے اس کا حج مختلف مہینوں میں واقع ہوتا چنانچہ ۹ ہجری میں جب حضرت صدیق اکبرؓ نے حج کیا ہے جس میں سورۂ براءت کا اعلان کیا گیا وہ مہینہ صحیح حساب سے تو ذی الحجہ تھا مگر ان کے حساب میں ذیقعدہ تھا اور مشرکین اس سال ذیقعد میں حج کرنے اس لئے آ گئے کہ وہ بارہ مہینوں میں سے ہر مہینہ میں دو برس تک حج کیا کرتے تھے سو اس سال ان کے حساب سے ذیقعد میں حج کرنے کی باری تھی اور اس قاعدہ کے موافق اگلے سال ان کے حساب سے ذی الحجہ میں حج کرنے کا نمبر تھا اور وہ واقع میں بھی اور ان کے حساب سے بھی ذی الحجہ ہی تھا اس سال حضور نے حج فرمایا ۱۳ اور بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ محرم کو صفر کر دیتے تھے جس کے دو معنے ہیں ایک یہ کہ اس سال صفر پہلے آ گیا اس میں لڑنا درست ہے محرم پیچھے آوے گا اس میں لڑائی نہ کریں گے دوسرے یہ کہ اس سال محرم صفر کے حکم میں ہے یعنی محترم نہیں رہا اور صفر محرم کے مثل ہے یعنی وہ حرام ہوگیا۔ یہ حاصل تھا ان کی جہالتوں کا پس آیات آئندہ میں اس کی نفی ہے اور اس کے شروع میں مہینوں کا عدد بتلا دیا کہ وہ بارہ ہیں اس سے کم یا زائد نہیں ہو سکتے اور آگے یہ بتلا دیا کہ کوئی مہینہ مقدم مؤخر نہیں ہو سکتا نہ ایک مہینہ کا حکم دوسرے مہینہ کے لئے ثابت ہو سکتا ہے جس سے ان تینوں صورتوں کی نفی ہوگئی۔

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا

یقیناً شمار مہینوں کا (جو کہ) کتاب الٰہی میں اللہ کے نزدیک

عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ

(معتبر ہیں) بارہ مہینے (قمری) ہیں جس روز اللہ تعالیٰ نے آسمان

السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ

اور زمین پیدا کئے تھے (اسی روز سے اور

ان عدۃ الشھور تا الکفرین یعنی یہ بات کچھ آج سے نہیں بلکہ ہمیشہ سے ہے۱۲

مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ

اور ان میں سے چار خاص مہینے ادب کے ہیں

ذیقعد، ذی الحجہ، محرم، رجب

ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ

یہی (امر مذکور) دین مستقیم ہے

یعنی مہینوں کا بارہ ہونا اور خاص طور پر چار کا ان میں محترم ہونا یہی دین ہے اور جاہلیت کی عادت بد دینی ہے کہ وہ کبھی سال کے مہینے بڑھا دیتے ہیں کبھی اشہر حرم کی جگہ دوسرے مہینوں کو کر دیتے تھے۱۲

فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ ۚ وَقَاتِلُوا

سو تم ان سب مہینوں کے بارے میں (دین کے خلاف کر کے) اپنا نقصان

الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً

مت کرنا اور ان مشرکین سے سب سے لڑنا

جبکہ وہ اپنی کفریات کو نہ چھوڑیں جن میں یہ خاص عادت بھی داخل ہے

كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ۚ

جیسا کہ وہ تم سب سے لڑتے ہیں

یعنی مسلمان سے لڑنے کو ہر وقت تیار رہتے ہیں۱۲

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿۳۶﴾

اور یہ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ متقیوں کا ساتھی ہے

یعنی اگر تم کو ان کی جمعیت اور سامان سے اندیشہ ہو تو تم ایمان اور تقویٰ کو اپنا شعار رکھو اور کسی سے مت ڈرو آگے مشرکین کی جہالت کا بیان ہے۔

إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ

یہ مہینوں کا ہٹا دینا کفر میں اور ترقی ہے

کیونکہ اس سے حلال مہینے کا حرام کرنا اور حرام کا حلال بنانا لازم آتا ہے اور تحریم حلال کفر ہے۔

يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ

جس سے (عام) کفار گمراہ کئے جاتے ہیں کہ وہ اس حرام مہینے کو کسی سال (نفسانی

عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِّيُوَاطِئُوا عِدَّةَ

غرض سے) حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال (جب کوئی غرض نہ ہو) حرام سمجھتے ہیں

مَا حَرَّمَ اللَّهُ

تاکہ اللہ تعالیٰ نے جو مہینے حرام کئے ہیں (صرف) ان کی گنتی پوری کر لیں

اور تخصیص وتعیین کا لحاظ نہیں کرتے کہ جس مہینے کو خدا نے حرام کیا ہے اسی کو حرام سمجھیں دوسرے کو اس کی جگہ حرام نہ سمجھیں۔

فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ ۚ زُيِّنَ لَهُمْ سُوءُ

پھر اللہ تعالیٰ کے حرام کئے ہوئے مہینے کو حلال کہتے ہیں ان کی

أَعْمَالِهِمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

بداعمالیاں ان کو مستحسن معلوم ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے کافروں کو ہدایت

الْكَافِرِينَ ﴿۳۷﴾

(کی توفیق) نہیں دیتا

کیونکہ وہ خود راہ پر آنا نہیں چاہتے پس ان کے کافر رہنے پر غم کرنا بے سود ہے **ف:** لوند کا مہینہ جو موسم کا حساب صحیح کرنے کے لئے بارہ مہینوں پر بڑھا لیا جاتا ہے وہ اس آیۃ کی مخالفت میں داخل نہیں اسی طرح دوسرے حسابوں کی بھی اس میں نفی نہیں جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا ہے کیونکہ ان حسابوں سے احکام شرعیہ میں خلل اور فرق نہیں پڑتا اور اس آیۃ میں اس حساب کا باطل کرنا مقصود ہے جس سے احکام شرعیہ میں خلل اور نقصان یا غلطی ہونے لگے جیسا کہ جہلائے مشرکین کی عادت کا بیان کیا گیا البتہ چونکہ احکام شرعیہ کا مدار حساب قمری پر ہے اس لئے اس کی حفاظت فرض علی الکفایہ ہے پس اگر سارے مسلمان دوسرے حساب کو

استعمال کرنے لگیں جس سے حساب قمری ضائع ہو جائے تو سب گناہ گار ہوں گے اور اگر وہ محفوظ رہے تو دوسرے حساب کا استعمال بھی جائز ہے لیکن سنت سلف کے خلاف ضرور ہے اور حساب قمری کا برتنا بوجہ اس کے فرض کفایہ ہونے کے یقیناً افضل و احسن ہے اور اشہر حرم کی حرمت بمعنے برکت وفضیلت کے اب بھی باقی ہے اور ان میں لڑائی کی حرمت اب نہیں ہے۔ **ربط:** اوپر بعض غزوات کا مع ان کے متعلقات کے ذکر ہوا تھا آگے غزوہ تبوک کا بیان ہے۔ قصہ غزوہ تبوک۔ تبوک ملک شام میں ایک مقام ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ اور غزوہ حنین وغیرہ سے فارغ ہوئے آپ کو معلوم ہوا کہ روم کا نصرانی بادشاہ مدینہ پر فوج بھیجنا چاہتا ہے اور وہ فوج تبوک میں جو کہ اس کی عملداری کے اندر ہے جمع کی جاوے گی آپ نے خود ہی سفر کا قصد مقابلہ کے لئے فرمایا اور مسلمانوں میں اس کا عام اعلان کر دیا چونکہ وہ زمانہ گرمی کی شدت کا تھا اور مسلمانوں کے پاس سامان بہت کم تھا اور سفر بھی دور دراز کا تھا اس لئے اس غزوہ میں جانا بڑی ہمت کا کام تھا پس ان آیتوں میں اس کی بہت ترغیب دی گئی اور چونکہ منافقین نے ایمان وخلوص نہ ہونے کی وجہ سے اس میں طرح طرح کے بہانے نکالے اور ان کی بہت کچھ خباثتیں ظاہر ہوئیں اس لئے ان آیتوں میں ان پر بھی بہت طعن وتشنیع ہوئی ہے غرض آپ تبوک تک تشریف لے جا کر ایک عرصہ تک نصرانی لشکر کے منتظر رہے مگر وہ ایسے مرعوب ہوئے کہ ان کا حوصلہ نہ پڑا اور حضور بخیر وعافیت مدینہ منورہ تشریف لے آئے اور یہ واقعہ رجب ۹ھ میں ہوا پس اول اس غزوہ کی ترغیب دلاتے ہیں کاہلی پر ملامت اور غزوہ میں نہ جانے پر سخت وعید بیان فرماتے ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیبی امداد اور خدائی نصرت کا کسی کے جہاد میں جانے یا نہ جانے پر موقوف نہ ہونا بتلاتے ہیں پھر غزوہ کا حکم اور اس کی فضیلت بتلاتے ہوئے وعدہ اور ترغیب ہے یایھا الذین تا تعلمون

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ

اے ایمان والو! تم لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ جب تم سے

لَكُمُ ٱنفِرُوا۟ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ ٱثَّاقَلْتُمْ

کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں (جہاد کے لئے) نکلو تو تم

إِلَى ٱلْأَرْضِ ۚ

زمین کو لگے جاتے ہو

یعنی اٹھتے اور چلتے نہیں۔

أَرَضِيتُم بِٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا مِنَ ٱلْـَٔاخِرَةِ ۚ

کیا تم نے آخرت کے عوض دنیوی زندگی پر قناعت کر لی سو دنیوی زندگی کا

فَمَا مَتَٰعُ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا فِى ٱلْـَٔاخِرَةِ إِلَّا

تمتع تو آخرت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں بہت تھوڑا ہے اگر تم نہ نکلو گے تو

قَلِيلٌ ﴿٣٨﴾ إِلَّا تَنفِرُوا۟ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا

اللہ تعالیٰ تم کو سخت عذاب دے گا (یعنی تم کو ہلاک کر دے گا) اور تمہارے

وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ

بدلے دوسری قوم کو پیدا کر دے گا (اور ان سے اپنا کام لے گا) اور تم اللہ

شَيْـًٔا ۗ وَٱللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ ﴿٣٩﴾

(کے دین) کو کچھ ضرر نہ پہنچا سکو گے اور اللہ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے

یہاں سے آخر سورت تک آیات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس غزوہ کے متعلق لوگوں کی مختلف حالتیں ہو گئی تھیں۔

۱- وہ جو بلا تردد حضور کے ساتھ ہو لئے۔
۲- جو تردد کے بعد ساتھ ہو لئے۔
۳- جو عذر کی وجہ سے نہ جا سکے۔
۴- وہ مسلمان جو باوجود عذر نہ ہونے کے کاہلی کی وجہ سے نہ جا سکے۔
۵- اکثر منافقین جو باوجود عذر نہ ہونے کے نفاق کے سبب نہیں گئے
۶- بعض منافقین جو جاسوسی اور شرارت کے لئے ساتھ ہو لئے تھے

پس آیۃ مذکورہ میں بظاہر دوسری قسم کے لوگوں کا ذکر ہے ۱۲

إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ ٱللَّهُ إِذْ أَ

اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ آپ کی مدد اس

خْرَجَهُ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟

وقت کر چکا ہے جبکہ آپ کو کافروں نے جلا وطن کر دیا تھا

کہ اس وقت اس سے زیادہ مصیبت اور پریشانی کا وقت تھا

ثَانِىَ ٱثْنَيْنِ

جبکہ دو آدمیوں میں ایک آپ تھے

اور دوسرے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے۔

اِذْ هُمَا فِى الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ

جس وقت کہ دونوں غار میں تھے جب کہ آپ اپنے ہمراہی سے فرمارہے

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ج

تھے کہ تم (کچھ) غم نہ کرو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ہمراہ ہے

یعنی اس کی مدد ہمارے ساتھ ہے

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ

سواللہ تعالیٰ نے آپ (کے قلب) پر اپنی تسلی نازل فرمائی

اور اس طرح اپنے رسول کی مدد کی سووہ خدا اب بھی آپ کی مدد کریگا۔

وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا

اور آپ کو ایسے لشکروں سے قوت دی کہ تم لوگوں نے نہیں دیکھا

مراد فرشتوں کا لشکر ہے جو کہ سکینہ (یعنی تسلی) لے کر آئے تھے

ف: اس میں قصہ ہجرت کی طرف اشارہ ہے اور یہ غار مکہ معظمہ سے قریب ہے جس کا نام غار ثور ہے اس میں آپ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ تین روز تک چھپے رہے کفار آپ کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے ایک قیافہ شناس کے بتلانے سے جو کہ نشان قدم دیکھ کر پتہ بتلا دیتا تھا اس غار تک پہنچے اس وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے فکر ہوئی آپ نے ان کی تسلی کی لا تحزن ان اللہ معنا چونکہ اس غار پر مکڑی نے جالا بنالیا تھا اس لئے کفار کو شبہ نہیں ہوا سب لوٹ گئے اور اس قیافہ شناس کو بے وقوف بنایا پھر وہاں سے آپ نکل کر مدینہ منورہ روانہ ہوئے اور صحیح سالم پہنچ گئے۔

وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ط

اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کی بات (اور تدبیر) نیچی کر دی

وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِىَ الْعُلْيَا ط

(کہ وہ ناکام رہے) اور اللہ ہی کا بول بالا رہا

کہ خدا کی تدبیر اور حفاظت غالب رہی

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۰﴾

اور اللہ زبردست حکمت والا ہے

اس لئے اسی کی بات اور حکمت غالب رہی

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا

نکل پڑو خواہ تھوڑے سامان سے (ہو) اور خواہ زیادہ سامان سے (ہو)

بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط ذٰلِكُمْ

اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو یہ تمہارے لئے

خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾

بہتر ہے اگر تم یقین رکھتے ہو (تو دیر مت کرو)

آخرت کی بہتری یعنی ثواب اور قرب ہونا یہ تو یقینی ہے اور کبھی دنیا کی بہتری بھی ہوتی ہے یعنی فتح اور غنیمت اور عزت وغیرہ ۱۲۔

ربط: اوپر اس غزوہ کے متعلق مسلمانوں کو خطاب تھا آگے آخر سورت تک منافقین کے احوال و اقوال مذکور ہیں جو باوجود عذر نہ ہونے کے نفاق کے سبب غزوہ میں شریک نہیں ہوئے اور درمیان میں کچھ اور مناسب مضامین بھی آگئے ہیں لو کان عرضاً تا لکٰذبون

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا

اگر کچھ لگتے ہاتھ ملنے والا ہوتا اور سفر بھی معمولی ہوتا

قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْ بَعُدَتْ

تو یہ (منافق) لوگ ضرور آپ کے ساتھ ہو لیتے لیکن ان کو تو مسافت

عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ط

ہی دور دراز معلوم ہونے لگی

اس لئے یہاں ہی رہ گئے کیونکہ ان کا ساتھ چلنا دو باتوں پر موقوف تھا سفر کے معمولی ہونے پر ۲ لگتے ہاتھ کچھ مال ومتاع مل جانے پر اور مسافت دراز ہونے کی صورت میں ظاہر ہے کہ سفر معمولی نہ رہا اور مال غنیمت کے بھی جلدی ملنے کی توقع نہ رہی اور اگر مال ومتاع ملنے کی جلدی توقع ہوتی بھی جب بھی وہ ساتھ نہ چلتے کیونکہ سفر تو ہر حالت میں معمولی نہ تھا اور ان کا ساتھ چلنا اس پر بھی موقوف تھا کہ سفر نزدیک ہو ۱۲

وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا

اور ابھی خدا کی قسمیں کھاجاویں گے کہ اگر ہمارے بس کی بات ہوتی

لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ج يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ج

تو ہم ضرور تمہارے ساتھ چلتے۔ یہ لوگ (جھوٹ بول بول) کر اپنے

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۴۲﴾ ع

آپ کو تباہ کر رہے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں

بلاشبہ ان کو کوئی عذر نہ تھا اور ساتھ جانے پر قادر تھے اور پھر نہیں گئے اس لئے یہ عذاب کے مستحق ہیں۔ ربط: اوپر جن منافقین کا ذکر ہے انہوں نے آپ کی روانگی کے وقت جھوٹے جھوٹے عذر تراش کر سفر میں ساتھ نہ جانے کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے لی تھی اور آپ نے اجازت دے دی تھی آگے اللہ تعالیٰ اس اجازت کا نامناسب ہونا اور ان کا بوجہ نفاق کے اجازت طلب کرنا بیان فرماتے ہیں۔ عفا اللہ عنک تا یترددون

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ

اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف (تو) کر دیا (لیکن) آپ نے ان کو (ایسی جلدی) اجازت کیوں دیدی

اس میں گذشتہ فعل پر عتاب مقصود نہیں بلکہ اصل مقصود آئندہ کے لئے ایسی اجازت سے ممانعت کرنا ہے اور معافی جس طرح گناہ کی ہوتی ہے ایسے ہی نامناسب بات کی بھی ہوتی ہے مطلب یہ ہے کہ یہ اجازت دینا نامناسب ہوا پس اس سے گناہ کا شبہ نہ کیا جائے اور اس نصیحت سے یہ غرض نہیں ہے کہ منافقین آپ کی اجازت سے رہ گئے ورنہ ضرور ساتھ چلتے اور ان کا جانا مصلحت تھا کیونکہ آگے ان کے ساتھ چلنے کی خرابیاں خود ہی مذکور ہوتی ہیں اور اگر آپ اجازت نہ دیتے تب بھی ان کی نیت جانے کی نہ تھی بلکہ مطلب یہ ہے کہ اجازت مل جانے سے جو ان کو بے فکری سی ہوگئی یہ نہ ہوتی اور اگر اجازت نہ دی جاتی اور یہ جب بھی نہ جاتے تو ذرا ان کی خباثت تو کھلم کھلا ظاہر ہو جاتی۔

حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا

جب تک کہ آپ کے سامنے سچے لوگ ظاہر نہ ہوتے

اس کا یہ مطلب نہیں کہ منافقوں میں سچے لوگ بھی تھے بلکہ یہ مطلب ہے کہ جو سچے مسلمان درحقیقت معذور تھے ان سے انکی حالت ممتاز ہو جاتی

وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾

اور جھوٹوں کو معلوم نہ کر لیتے

پس جو سچے تھے ان کو اجازت دی جاتی اور جھوٹوں کو اجازت نہ دی جاتی تاکہ وہ خوش تو نہ ہونے پاتے کہ ہم نے آپ کو دھوکہ دے دیا ۱۲

لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا

اور اپنے مال اور جان سے جہاد کرنے کے بارے میں رخصت

بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ

نہ مانگیں (بلکہ وہ حکم کے ساتھ دوڑ پڑیں گے)

یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ سورۂ نور کے آخیر میں آیۃ لم یذھبوا حتیٰ یستاذنوہ میں تو مسلمانوں کی صفت یہ بتلائی گئی ہے کہ وہ اجازت مانگا کرتے ہیں اور یہاں یہ فرمایا ہے کہ سچے مسلمان اجازت نہیں مانگتے جواب یہ ہے کہ وہاں عذر کی وجہ سے اجازت مانگنا مذکور ہے اور یہاں یہ مراد ہے کہ بلا عذر کے اجازت نہیں مانگتے پس دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔

ربط: اوپر منافقین کا پیچھے رہ جانا اور جھوٹا عذر کرنا مذکور تھا آگے اس عذر کے جھوٹ ہونے کا قرینہ بیان فرماتے ہیں اور ان کے پیچھے رہنے پر غم نہ کرنے کے لئے اس کی حکمت بتلاتے ہیں کہ ان کا ساتھ نہ جانا ہی بہتر ہوا اگر یہ ساتھ جاتے تو فساد ہی کرتے اور اس کی تائید گذشتہ واقعات سے بیان کرتے۔ ولو ارادوا تا ھم کارھون

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ

اور اللہ تعالیٰ ان متقیوں کو خوب جانتا ہے البتہ وہ لوگ (جہاد میں نہ جانے

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

سے) آپ سے رخصت مانگتے ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر

الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ

ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں سو وہ اپنے

فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَوْ اَرَادُوا

شکوک میں پڑے ہوئے حیران ہیں اور اگر وہ لوگ (غزوہ میں) چلنے کا

الْخُرُوْجَ

ارادہ کرتے تو

جیسا کہ وہ اپنے عذر کے وقت ظاہر کرتے ہیں کہ چلنے کا تو ارادہ تھا لیکن کیا کیا جاوے فلاں ضرورت پیش آگئی۔

لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً

اس کا کچھ سامان تو درست کرتے

جیسا کہ عادۃً سفر کے ارادہ کے وقت ہمیشہ کیا کرتے ہیں مگر انہوں نے تو شروع سے ارادہ ہی نہیں کیا

وَلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ

لیکن (خیر ہوئی) اللہ تعالیٰ نے ان کے جانے کو پسند نہیں کیا اس لئے ان کو توفیق نہیں دی

فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝۴۶

اور (بحکم تکوینی) یوں کہہ دیا گیا کہ اپاہج لوگوں کے ساتھ تم بھی یہاں ہی دھرے رہو

آگے ان کے جانے میں خیر نہ ہونے کی وجہ بیان فرماتے ہیں۔

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ

اگر یہ لوگ تمہارے ساتھ شامل ہو جاتے تو سوا اس کے کہ

اِلَّا خَبَالًا وَّلَاَ۟اَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ

اور دونا فساد کرتے اور کیا ہوتا اور تمہارے درمیان فتنہ پردازی کے

يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ

فکر میں دوڑے دوڑے پھرتے

یعنی لگائی بجھائی کر کے آپس میں تفریق ڈلواتے اور جھوٹی خبریں اڑا کر پریشان کرتے۔ دشمن کا رعب تمہارے دل میں ڈالنے کی کوشش کرتے اس لئے ان کا نہ جانا ہی اچھا ہوا ۱۲

وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۭ

اور (اب بھی) تم میں ان کے کچھ جاسوس موجود ہیں

بعض مفسرین نے ان کو منافق کہا ہے مگر چونکہ یہ لوگ اہل الرائے نہ تھے اس لئے ان سے جاسوسی کے سوا اور کسی فساد کا خوف نہ تھا بلکہ اس میں بعض مصلحتیں پوشیدہ تھیں کہ مسلمانوں کا غلبہ اور استقلال اور کفار کا ضعیف اور مرعوب ہونا دیکھ کر اپنے سرداروں کو خبر دیں تو وہ اور زیادہ جلیں مریں اور ان کے حوصلے ہمیشہ کو پست ہو جائیں اس لئے ان کا ساتھ جانا حکمت کے خلاف نہ تھا۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝۴۷

اور ان ظالموں کو اللہ خوب سمجھے گا

آگے بتلاتے ہیں کہ ان کی فتنہ پردازی کچھ آج نئی نہیں۔

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ

انہوں نے تو پہلے (جنگ احد وغیرہ میں) بھی فتنہ پردازی کی تھی

کہ لڑائی میں ساتھ ہو کر عین وقت پر الگ ہو گئے تا کہ مسلمان ہمت ہار دیں اور اس کا قصہ سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے ۱۲

وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَاۗءَ الْحَقُّ

اور آپ کے لئے کارروائیوں کی الٹ پھیر کرتے ہی رہے یہاں تک کہ سچا

وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝۴۸

وعدہ آ گیا اور (اس کا آنا یہ کہ) اللہ کا حکم غالب رہا اور ان کو ناگوار ہی گزرتا رہا

اسی طرح آئندہ بھی ان کی تدبیریں ناکام ہی رہیں گی بالکل تسلی رکھئے اور کچھ فکر نہ کیجئے ۱۲

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا

اور (ان منافقین متخلفین) میں سے بعضا شخص وہ ہے جو کہتا ہے کہ مجھ کو اجازت

تَفْتِنِّيْ ۭ

دے دیجئے اور مجھ کو خرابی میں نہ ڈالیے

ربط: اوپر منافقین کی عام حالت مذکور تھی آگے کئی آیتوں میں جن کے شروع میں لفظ منھم ہے بعض خاص لوگوں کے احوال واقوال مذکور ہیں اور درمیان درمیان میں عام حالات کا بھی بیان ہے۔ و منھم من **یقول ائذن لی تا متربصون**

اس شخص کا نام جد بن قیس تھا اس نے یہ بہانہ تراشا کہ میں عورتوں پر مفتون ہو جاتا ہوں اور رومی عورتیں بہت حسین ہیں پس تبوک جانے میں میرا دینی ضرر ہے اس لئے رخصت کا خواستگار ہوں ۱۲

اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ۭ

خوب سمجھ لو کہ یہ لوگ خرابی میں تو پڑ ہی چکے

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی اور کفر سے بڑھ کر اور کون سی خرابی ہوگی۔

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝۴۹

اور یقیناً دوزخ (آخرت میں) ان کافروں کو گھیرے گی۔ (اگر آپ کو کوئی

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ

اچھی حالت پیش آتی ہے تو وہ ان کے لئے موجب غم ہوتی ہے اور آپ پر

تُصِبۡكَ مُصِيۡبَةٌ يَّقُوۡلُوۡا قَدۡ اَخَذۡنَاۤ

کوئی حادثہ آپڑتا ہے تو (وہ خوش ہوکر) کہتے ہیں کہ ہم نے تو (اسی لئے)

اَمۡرَنَا مِنۡ قَبۡلُ

پہلے سے اپنا احتیاط کا پہلو اختیار کرلیا تھا

کہ ان کے ساتھ لڑائی وغیرہ میں نہ گئے تھے

وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمۡ فَرِحُوۡنَ ﴿۵۰﴾ قُلۡ لَّنۡ

اور (یہ کہ) وہ خوش ہوتے ہوئے چلے جاتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ ہم

يُّصِيۡبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ

پر کوئی حادثہ نہیں پڑسکتا مگر وہی جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مقدر فرمایا ہے

هُوَ مَوۡلٰنَا ۚ

وہ ہمارا مالک ہے

اور مالک حقیقی کو ہر طرح تصرف کا اختیار ہے وہ جو تجویز کرے غلام کو اس پر راضی رہنا چاہئے۔

وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۱﴾

اور اللہ کے تو سب مسلمانوں کو اپنے سب کام سپرد رکھنے چاہئیں

قُلۡ هَلۡ تَرَبَّصُوۡنَ بِنَاۤ اِلَّاۤ اِحۡدَى

آپ فرما دیجئے کہ تم تو ہمارے حق میں دو بہتریوں میں سے ایک

الۡحُسۡنَيَيۡنِ ؕ

بہتری ہی کے منتظر رہتے ہو

کیونکہ ہمارے لئے جس طرح خوشحالی بہتر ہے ویسے ہی حوادث اور مصائب بھی انجام کے اعتبار سے بہتر ہیں کہ ان میں درجات کی بلندی اور گناہوں کی معافی ہوتی ہے ۱۲

وَنَحۡنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمۡ اَنۡ يُّصِيۡبَكُمُ

اور ہم تمہارے حق میں اس کے منتظر رہا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ تم پر کوئی عذاب

اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنۡ عِنۡدِهٖۤ اَوۡ بِاَيۡدِيۡنَا ۖ

واقع کرے گا (خواہ) اپنی طرف سے (دنیا یا آخرت میں) یا ہمارے ہاتھوں سے

جب کہ تم اپنے کفر کو کھلم کھلا ظاہر کردو تو تم بھی دوسرے کفار کی طرح قتل کئے جاؤ۔

فَتَرَبَّصُوۡۤا اِنَّا مَعَكُمۡ مُّتَرَبِّصُوۡنَ ﴿۵۲﴾

سو تم (اپنے طور پر) انتظار کرو اور ہم تمہارے ساتھ (اپنے طور پر) انتظار میں ہیں

پہلے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اللہ مالک اور حاکم ہیں حاکم ہونے کی حیثیت سے ان کو ہر تصرف کا اختیار ہے اس لئے ہم راضی ہیں اور دوسرے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حکیم ہیں اس مصیبت میں بھی ہمارے فائدہ کی رعایت کرتے ہیں اس لئے ہم ہر حال میں فائدہ میں ہیں۔ بخلاف تمہارے کہ تمہاری خوشحالی کا انجام بھی وبال اور نکال ہے اگر دنیا میں نہیں تو آخرت میں ضرور ہے۔

ربط: اوپر جس منافق کا یہ قول آیا ہے لاتفتنی کہ مجھ کو خرابی میں نہ ڈالئے اس نے یہ بھی کہا تھا کہ میں خود تو نہ جاؤں گا لیکن مال سے آپ کی اعانت کردوں گا۔ آگے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایمان نہ ہونے کی وجہ سے یہ مالی امداد مقبول نہیں کیونکہ طاعات کے قبول کے لئے ایمان شرط ہے۔ **قل انفقوا طوعاً تا کفرون**

قُلۡ اَنۡفِقُوۡا طَوۡعًا اَوۡ كَرۡهًا

آپ فرما دیجئے کہ خواہ خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے

یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ منافقین خوشی سے بھی خرچ کرتے تھے اور آئندہ آیۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ ناگواری کے ساتھ خرچ کرتے تھے پس دونوں میں تعارض ہوا جواب یہ ہے کہ اس جگہ خوشی اور ناخوشی دونوں کا ذکر بطور فرض کے ہے کہ اگر بالفرض تم خوشی سے بھی خرچ کرو تب بھی ایمان نہ ہونے کی وجہ سے مقبول نہیں اور آگے ان کی اصلی حالت کا بیان ہے کہ وہ خوشی سے کب خرچ کرتے ہیں بلکہ ہمیشہ ناگواری سے کرتے ہیں اور ناگواری کے ساتھ مسلمان کا خرچ کرنا بھی قبول نہیں کافر کا خرچ کرنا کیسے قبول ہوسکتا ہے۔

لَّنۡ يُّتَقَبَّلَ مِنۡكُمۡ ؕ اِنَّكُمۡ كُنۡتُمۡ

تم سے کسی طرح (خدا کے نزدیک) مقبول نہیں (کیونکہ) بلاشبہ تم عدول

قَوۡمًا فٰسِقِيۡنَ ﴿۵۳﴾

حکمی کرنے والے لوگ ہو

اس جگہ عدول حکمی سے کفر مراد ہے جیسا کہ آگے آتا ہے۔

وَمَا مَنَعَهُمْ أَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَاتُهُمْ

اوران کے خیرخیرات قبول ہونے سے اور کوئی چیز بجز اس کے مانع نہیں کہ

إِلَّا أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِ

انہوں نے اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا

اسی کو اوپر عدول حکمی کہا تھا اور کافر کا کوئی عمل مقبول نہیں آگے اس کفر باطنی کی ظاہری علامات بیان فرماتے ہیں۔

وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَىٰ

اور وہ لوگ نماز نہیں پڑھتے مگر ہارے جی سے

وَلَا يُنْفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كَارِهُونَ ﴿۵۴﴾

اور خرچ نہیں کرتے مگر ناگواری کے ساتھ

کیونکہ دل میں تو ایمان ہے نہیں جس سے ثواب کی امید ہو اور اس امید سے نیک کاموں کی رغبت ہو بلکہ جو کچھ کرتے ہیں محض بدنامی سے بچنے کے لئے کرتے ہیں۔

فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ ۚ

سو ان کے اموال اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں

کہ مردودوں کو یہ نعمتیں کس طرح عطا ہوئیں حقیقت یہ ہے کہ یہ نعمت نہیں بلکہ عذاب ہے کیونکہ (آگے ترجمہ)

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي

اللہ کو صرف یہ منظور ہے کہ ان (مذکورہ) چیزوں کی وجہ سے دنیوی زندگی میں

الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

(بھی) ان کو گرفتار عذاب رکھے گا

دنیا میں مال واولاد کا عذاب ہونا جب دنیا کے لئے لازم ہے اول تو اس کے تحصیل اور تمنا میں کیسی کیسی جسمانی اور روحانی کوفت اٹھانا پڑتی ہے پھر حصول کے بعد ذرا نقصان ہو گیا یا ذرا مرض ہو گیا تو بس ایک غم کا پہاڑ سر پر سوار ہے اور اگر سب حالتیں مرضی موافق بھی ہوں تو اس کا اندیشہ کوئی بات ناگوار پیش نہ آ جائے پھر مفارقت کے وقت کس بلا کی حسرت اور صدمہ کو خدا کی پناہ۔

وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿۵۵﴾

اور ان کی جان کفر ہی کی حالت میں نکل جاوے

جس سے آخرت میں بھی گرفتار عذاب رہیں کیونکہ ظاہر ہے کہ کافر پر جتنی دنیوی نعمتیں زیادہ ہوں گی اس کا کفر دونا بڑھے گا جس پر عذاب بھی دونا ہو گا پس جس مال واولاد کا یہ انجام ہو وہ انعام کہاں پھر اس پر تعجب کیوں ہو۱۲ ربط: اوپر ان کے کافر ہونے کا ذکر تھا آگے بتلاتے ہیں کہ یہ لوگ نفاق اور تقیہ کی وجہ سے ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں ویحلفون تا یجمحون

وَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَا هُمْ

اور یہ (منافقین) لوگ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم میں کے ہیں حالانکہ

مِنْكُمْ وَلَٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرَقُونَ ﴿۵۶﴾

(واقع میں) وہ تم میں کے نہیں لیکن (بات یہ ہے کہ) وہ ڈرپوک لوگ ہیں

اس وجہ سے ڈر کے مارے کہ ہمارے کفر ظاہر ہونے پر ہمارے ساتھ دوسرے کفار کا سا برتاؤ نہ ہونے لگے اپنے کفر کو جھوٹی قسمیں کھا کر چھپاتے ہیں اور کہیں دوسری جگہ ٹھکانا نہیں جو آزادی سے جا رہے ہیں۱۲

لَوْ يَجِدُونَ مَلْجَأً أَوْ مَغَارَاتٍ أَوْ مُدَّخَلًا

ان لوگوں کو اگر کوئی پناہ کی جگہ مل جاتی تو یا غار یا کوئی گھس

لَوَلَّوْا إِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُونَ ﴿۵۷﴾

بیٹھنے کی ذرا سی جگہ یہ ضرور منہ اٹھا کر ادھر چل دیتے

اور اظہار ایمان نہ کرتے مگر اب کیا کریں بیچارے مجبور ہیں ناچار جھوٹی قسموں سے کارروائی کرتے ہیں۱۲

ربط: آیت ومنهم من يقول ائذن لي کی تمہید میں گذر چکا ومنهم من يلمزك تا راغبون

وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ ج

اوران میں بعض وہ لوگ ہیں جو صدقات (تقسیم کرنے) کے بارہ میں آپ پر طعن کرتے ہیں

کہ اس تقسیم میں نعوذ باللہ عدل وانصاف کی رعایت نہیں کی گئی۔

فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَمْ يُعْطَوْا

سو اگر ان صدقات میں سے (ان کی خواہش کے موافق) ان کو مل جاتا ہے تو

مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ ﴿۵۸﴾

وہ راضی ہو جاتے ہیں اور اگر ان صدقات میں سے ان کو (ان کی خواہش کے موافق) نہیں ملتا تو وہ ناراض ہو جاتے ہیں

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل منشا ان کے اعتراض کا محض حرص اور خودغرضی ہے پس ایسے اعتراض کا باطل ہونا ظاہر ہے ۱۲

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ

اور ان کے لئے بہتر ہوتا اگر وہ لوگ اس پر راضی رہتے جو کچھ اللہ اور اس کے

وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ

رسول نے دیا تھا اور یوں کہتے کہ ہم کو اللہ کافی ہے آئندہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل

مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ

سے ہم کو اور دے گا اور اس کے رسول دینگے

یعنی جس قدر ان کو دیا گیا تھا اس کو مناسب سمجھتے اور یوں خیال کرتے کہ ہمارے لئے اس میں خیر و برکت ہوگی اور اگر پھر حاجت پیش آوے گی اور مصلحت ہوگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو امداد دے دیں گے

اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ۵۹ ع

ہم (اول سے) اللہ ہی کی طرف راغب ہیں

اور اللہ ہی سے سب امیدیں رکھتے ہیں اگر کسی کو شبہ ہو کہ اس آیۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقات میں سے منافقین کو بھی ملا کرتا تھا حالانکہ وہ تو کافر تھے جواب یہ ہے کہ اگر یہ صدقہ نفل تھا تب تو کوئی اشکال ہی نہیں کیونکہ نفل صدقہ کافر کو بھی دے سکتے ہیں اور اگر فرض صدقہ تھا تو اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس وقت منافقین کے ساتھ تمام احکام میں مسلمانوں کا سا برتاؤ کیا جاتا تھا اس میں بھی ایسا ہی کیا گیا۔

ربط: اوپر صدقات کے بارے میں معترضین کے اعتراض کا جواب دیا تھا آگے اسی جواب کی تائید کے لئے صدقات کے مستحقین کا بیان فرماتے ہیں جس سے مقصود یہ ہے کہ صدقات کا مدار خاص اوصاف پر ہے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو دینے اور کسی کو نہ دینے اور کم یا زیادہ دینے میں ان اوصاف کا لحاظ رکھتے ہیں معترض بے سمجھے اعتراض کرتا ہے اور اگرچہ آگے بیان صدقات فرض کا ہے اور اوپر کی آیۃ میں صدقات کا فرض ہونا ثابت نہیں لیکن اس سے نفل صدقات کا حال بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ جس طرح صدقات فرض کا مدار خاص اوصاف اور مصالح پر ہے اسی طرح صدقات نفل میں بھی بعض خاص مصلحتوں کی رعایت کی جاتی ہے قاسم امین صلی اللہ علیہ وسلم ان کو پیش نظر رکھتے ہیں پس صدقات فرض کی تخصیص بطور مثال کے ہوگی۔ انما الصدقات تا علیم حکیم

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ

صدقات تو صرف حق ہے غریبوں کا اور محتاجوں کا

فقیر اور مسکین کی تفسیر میں گو اختلاف کیا گیا ہے کہ ایک کے معنے یہ ہیں کہ جس کے پاس کچھ نہ ہو اور ایک کے معنی یہ ہیں جس کے پاس نصاب سے کم ہو لیکن زکوٰۃ کے حکم میں کچھ اختلاف نہیں اور زکوٰۃ و صدقات وصول کرنے والوں کے سوا باقی جس قدر اقسام آگے مذکور ہیں ان سب میں زکوٰۃ دینے کیلئے یہ بھی شرط ہے کہ ضرورت سے زیادہ مقدار نصاب مال کے وہ مالک اور قابض نہ ہوں اور اس بناء پر صرف فقراء کہہ دینا کافی معلوم ہوتا تھا لیکن دوسرے عنوانات کے لانے سے یہ مقصود ہے کہ ان میں علاوہ فقر و مسکنت کے دوسرے اسباب بھی ایسے موجود ہیں جن کی وجہ سے وہ دستگیری اور امداد کے مستحق ہیں اور مسلمان ہونا سب کے لئے شرط ہے۔

وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا

اور جو کارکن ان صدقات پر متعین ہیں

جو کہ سلطان اسلام کی طرف سے صدقات اور زکوٰۃ وصول کرنے پر مقرر ہیں کہ ان کو باوجود غنی ہونے کے بھی اسی زکوٰۃ میں سے بطور اجرت اور تنخواہ کے دینا جائز ہے۔

وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ

اور جن کی دلجوئی کرنا (منظور) ہے

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض کافروں کو زکوٰۃ دی جاتی تھی اگرچہ وہ مسلمان نہ تھے مگر اسلام لانے کی امید تھی یا محض ان کے فتنہ و شرارت سے بچنے کے لئے کچھ زکوٰۃ میں سے دے دیا جاتا تھا اور بعضے نو مسلموں کو بھی اگرچہ وہ غریب نہ ہوں محض اسلام سے محبت پیدا کرنے کے لئے زکوٰۃ دی جاتی تھی اور ان لوگوں کو مؤلفۃ القلوب کہا جاتا تھا مگر صحابہ کے وقت میں اجماع ہو گیا کہ اب ان کا زکوٰۃ میں کوئی حق نہیں جس سے معلوم ہو گیا کہ اب وہ پہلا حکم منسوخ ہے البتہ اگر کوئی نو مسلم غریب ہو اور دل جوئی کی ضرورت ہو تو اس کو غریبوں میں داخل کر کے زکوٰۃ دی جاوے گی۔

وَفِى الرِّقَابِ

اور غلاموں کی گردن چھڑاتے رہے

گردن چھڑانے کا مطلب یہ ہے کہ کسی غلام کو اس کے آقا نے یہ کہہ

دیا ہو کہ تو اتنا روپیہ مجھ کو دے دے پھر تو آزاد ہے اس غلام کو زکوٰۃ دی جائے تاکہ اپنے آقا کو روپیہ دے کر آزاد ہو جائے۔

وَالْغٰرِمِيْنَ

اور قرض داروں کے قرضہ میں

مسئلہ: اگر کسی کے پاس دس ہزار موجود ہو اور اس سے زیادہ کا مثلاً گیارہ ہزار کا قرضدار ہو اس کو زکوٰۃ دینا درست ہے ۱۲

وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ

اور جہاد میں اور مسافروں میں

مسئلہ: مجاہد اپنے گھر میں مال اور سامان رکھتا ہے مگر گھر سے جدا ہے اور یہاں سامان نہیں اس کو زکوٰۃ دینا درست ہے اور یہی حکم ہے ہر مسافر کا۔

مسئلہ: اب سب لوگوں کو زکوٰۃ دینے میں یہ شرط ہے کہ جس کو زکوٰۃ دی جائے اس کو مالک کر دیا جائے بدون مالک بنائے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

مسئلہ یہ سب احکام صدقہ فرض کے ہیں نفل میں یہ قیدیں نہیں۔ یہ سب مسائل ہدایہ میں ہیں۔

فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۶۰

یہ حکم اللہ کی طرف سے مقرر ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں

مناسب اور نامناسب کو جانتے ہیں اور مناسب احکام مقرر کرتے ہیں۔

ربط: اوپر آیۃ ومنھم من یقول کی تمہید میں مذکور ہو چکا ہے اور شان نزول ان آیتوں کا یہ ہے کہ بعض منافقین نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کوئی نازیبا بات کہی کسی دوسرے منافق نے کہا کہ ایسا مت کرو کہیں آپ کو خبر نہ ہو جائے پھر ہماری خبر لیں وہ شخص بولا کہ نہیں کچھ فکر نہیں آپ ہر بات کان دے کر سن لیتے ہیں اور ہر ایک کے دھوکہ میں آ جاتے ہیں کچھ تحقیق نہیں کرتے اگر ایسا ہوا ہم جا کر باتیں بنا دیں گے اور دھوکہ دے کر بری ہو جاویں گے۔ ومنھم الذین یوذون تا الیم

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ

اور ان (منافقین) میں سے بعضے ایسے ہیں کہ نبی کو ایذائیں پہنچاتے ہیں اور

هُوَ اُذُنٌ ۭ

کہتے ہیں کہ آپ ہر بات کان دے کر سن لیتے ہیں

آپ کو جھوٹ بول کر دھوکہ دینا آسان ہے اس لئے کچھ فکر نہیں غرض آپ کی شان میں ایسی باتیں کہتے ہیں کہ سن کر آپ کو تکلیف ہو۔

قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ

آپ فرما دیجئے کہ وہ نبی کان دیکر تو وہی بات سنتے ہیں جو تمہارے حق میں خیر (ہی خیر) ہے

اور جن باتوں میں خیر نہیں ہوتی ان کو کان دے کر نہیں سنتے ہاں اپنی طبعی خوش اخلاقی اور کرم کی بناء پر ان کو ٹال دیتے ہیں کہ باتیں بنانے والے پر داروگیر نہیں کرتے کہ اس کو کھلم کھلا جھٹلاتے۔ جس سے تم کو یہ دھوکہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص کی بات کو سچا سمجھ لیتے ہیں آگے ان اچھی باتوں کا بیان ہے جن کو آپ کان دے کر سنتے ہیں۔

يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ

کہ وہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں

جو وحی کے ذریعہ آپ کو معلوم ہوتی ہیں اور ان کی تصدیق کا تمام عالم کے لئے خیر ہونا ظاہر ہے کیونکہ تعلیم اور عدل کا پورا مدار ان کے سچا سمجھنے ہی پر ہے۔

وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ

اور مومنین کا یقین کرتے ہیں

بشرطیکہ وہ ایمان اور اخلاص کے ساتھ بیان کریں اور یہ شرط اس لئے بڑھائی گئی کہ ہر مومن کی ہر بات کا سچا سمجھنا ضروری نہیں جب تک کہ وہ قواعد شرعیہ کے موافق ایمان اور اخلاص کے ساتھ بیان نہ کرے اور اس کا خیر ہونا بھی ظاہر ہے کیونکہ عدل وانصاف اس پر موقوف ہے کہ حالات کی صحیح اطلاع ہو اور اس کا ذریعہ سچے مسلمان ہی ہیں غرض کان دے کر اور سچا سمجھ کر تو آپ اللہ کی اور سچے مسلمانوں کی باتیں سنتے ہیں اور منافقین کی شرارت آمیز باتیں جو سن لیتے ہیں اس کی وجہ آگے آتی ہے۔

وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۭ

اور آپ ان لوگوں کے حال پر مہربانی فرماتے ہیں جو تم میں ایمان کا اظہار کرتے ہیں

گو ان کے دل میں ایمان نہ ہو پس منافقین کی باتیں خوش اخلاقی اور مہربانی کی وجہ سے سن لیتے ہیں اور باوجود حقیقت سمجھ جانے کے درگزر اور خاموشی برتتے ہیں خلاصہ یہ کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ حضرت حقیقت کو نہیں سمجھتے حالانکہ حقیقت کو تم ہی نہیں سمجھتے کیونکہ کسی بات کو سن لینا کبھی تصدیق کے طور پر ہوتا ہے کہ دل سے بھی اس کو صحیح سمجھیں اور کبھی مہربانی اور اخلاق کی وجہ سے ہوتا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ منافقین کی مکاری کبھی آپ سے

مخفی نہیں رہی بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ کے سن لینے اور خاموش ہو جانے کی وجہ ہمیشہ یہی نہیں **ربط**: اوپر منافقین کے بعض خاص احوال واقوال کا بیان تھا آگے پھر بقیہ مشترک حالتوں کا بیان ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ وہ لوگ اغراض فاسدہ کی وجہ سے جھوٹی قسمیں کھاتے تھے۔ **یحلفون باللہ لکم تا ذلک الخزی العظیم**۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ

اور جو لوگ رسول اللہ کو ایذائیں پہنچاتے ہیں ان لوگوں کے لئے دردناک سزا ہو

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۱﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ

گی یہ لوگ تمہارے سامنے (جھوٹی) قسمیں کھاتے ہیں

کہ ہم نے فلاں بات نہیں کہی یا ہم جہاد میں فلاں عذر کی وجہ سے نہیں جاسکے۔

لِيُرْضُوْكُمْ ۚ

تاکہ تم کو راضی کرلیں

جس سے جان اور مال محفوظ رہے اور یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ منافقین تو جھوٹی قسمیں اس لئے کھاتے تھے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے صاف رہیں اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مقصود مسلمانوں کو راضی کرنا تھا حضور کو راضی کرنا نہ تھا سو بات یہ ہے کہ آپ کا راضی ہونا ایک تو اس طرح ہے کہ آپ ان کے جان و مال سے کچھ تعرض نہ کریں اس اعتبار سے تو آپ کی رضامندی اور دوسرے مسلمانوں کی رضامندی یکساں ہے اور دوسرے دل سے راضی ہونا ہے اور اس اعتبار سے آپ کا راضی ہونا گویا اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا ہے سو ان کا مقصود آپ کو دل سے راضی کرنا نہ تھا تاکہ خدا تعالیٰ بھی راضی ہوتے جو کہ اصل مطلوب ہے بلکہ محض جان و مال بچانے کے لئے ظاہری طور پر آپ کو اور سب مسلمانوں کو راضی رکھنا چاہتے تھے۔

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ

(جس میں مال وجان محفوظ رہے) حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ حق رکھتے

اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾

ہیں کہ اگر یہ لوگ سچے مسلمان ہیں تو ان کو راضی کریں

اور یہ موقوف ہے ایمان اور اخلاص پر **ربط**: اوپر منافقین کی بعض مشترک حالتوں کا بیان تھا ایک ان میں سے یہ ہے کہ وہ خدا اور رسول کے ساتھ استہزاء کرتے تھے پھر اس کی بیہودہ تاویل کرتے تھے آگے اس کا بیان ہے جس کا قصہ یہ ہے کہ انہوں نے آپس میں بعض ایسی باتیں کیں جن میں دین کے ساتھ استہزاء اور دل لگی تھی پھر اس وجہ سے کہ ان کی بہت سی راز کی باتوں کی اطلاع حضور کو وحی کے ذریعہ سے ہو جاتی تھی ان کو یہ خیال ہوا کہ کہیں یہ بھی ظاہر نہ ہو جائے چنانچہ وہ ظاہر ہو گئی اور آپ نے بلا کر پوچھا تو انہوں نے یہ بات بنائی کہ ہم تو محض مشغلہ اور خوش طبعی کر رہے تھے۔ **یحذر المنفقون تا مجرمین**

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ

کیا ان کو خبر نہیں کہ جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا

وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا

(جیسا یہ لوگ کر رہے ہیں) تو یہ بات ٹھہر چکی ہے کہ ایسے شخص کو دوزخ کا

فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۳﴾ يَحْذَرُ

عذاب اس طور پر نصیب ہوگی کہ وہ اس میں ہمیشہ رہے گا (اور) یہ بڑی رسوائی ہے

الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ

منافق لوگ اس سے اندیشہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں پر کوئی ایسی سورت (مثلاً آیۃ)

تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ

نازل نہ ہو جاوے جو ان کو ان کے مافی الضمیر پر اطلاع دے دے

یعنی انہوں نے جو استہزاء اور دل لگی کی باتیں چھپا کر کی ہیں جو مسلمانوں کے اعتبار سے ایسی ہیں جیسے دل میں راز پوشیدہ ہوتا ہے کہیں مسلمانوں کو وحی کے ذریعہ سے ان کی خبر نہ ہو جائے۔

قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ

آپ فرما دیجئے کہ اچھا تم استہزا کرتے رہو

اس میں یہ جتلا دیا کہ ہم کو تمہارے استہزاء کی اطلاع ہے چنانچہ آگے خود ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾

بیشک اللہ تعالیٰ اس چیز کو ظاہر کر کے رہے گا جس (کے اظہار) سے تم اندیشہ کرتے تھے

چنانچہ استہزاء واقع فرما کر ظاہر کر دیا کہ تم دل لگی اور استہزاء کر رہے تھے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ

اور اگر آپ ان سے پوچھیے تو کہہ دیں گے کہ ہم تو محض مشغلہ اور خوش طبعی کر

وَنَلۡعَبُ ؕ

رہے تھے

یعنی محض جی خوش کرنے کو جس سے سفر آسانی کے ساتھ قطع ہوا یسی باتیں صرف زبانی کرر ہے تھے اوراس کلام کے اصلی معنی مراد نہ تھے ۱۲

قُلۡ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوۡلِهٖ كُنۡتُمۡ

آپ (ان سے) کہہ دیجئے گا کہ کیا اللہ کے ساتھ اوراس کی آیتوں کے ساتھ

تَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۶۵﴾

اوراس کے رسول کے ساتھ تم ہنسی کرتے تھے

یعنی خواہ کچھ بھی غرض ہو یہ تو دیکھو کہ جس کے ساتھ تم دل لگی اور استہزاء کرتے ہو وہ کیسی چیزیں ہیں کہ ان کے ساتھ استہزاء کرنا کسی غرض سے جائز نہیں ۱۲ **مسئلہ:** دین کے ساتھ قصداً استہزاء کرنا کفر ہے خواہ بداعتقادی سے ہو یا بدوں بداعتقادی کے ہو۔

لَا تَعۡتَذِرُوۡا

تو اب (یہ بیہودہ) عذر مت کرو

مطلب یہ کہ یہ عذر مقبول نہیں اوراس عذر سے دین کے ساتھ استہزاء جائز نہیں ہو جاتا۔

قَدۡ كَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ ؕ

تم تو اپنے کو مومن کہہ کر کفر کرنے لگے

کیونکہ دین کے ساتھ استہزاء مطلقاً کفر ہے گو ان کے دل میں تو پہلے بھی ایمان نہ تھا مگر اب کفر ظاہر ہو گیا

اِنۡ نَّعۡفُ عَنۡ طَآئِفَةٍ مِّنۡكُمۡ

اگر ہم تم میں سے بعض کو چھوڑ بھی دیں

اس وجہ سے کہ وہ سچے مسلمان ہو جائیں گے۔ چنانچہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مصداق مخشی بن حمیر ہیں جو بعد میں دل سے مسلمان ہو گئے ۱۲

نُعَذِّبۡ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا مُجۡرِمِيۡنَ ﴿۶۶﴾

تاہم بعض کو تو (ضرور ہی) سزا دیں گے۔ بسبب اس کے کہ وہ (علم ازلی میں) مجرم تھے

کیونکہ وہ مسلمان نہ ہوں گے پس حاصل یہ ہوا کہ اگر کوئی دل سے توبہ کرلے اور مومن مخلص بن جائے تو وہ البتہ کفر اور عذاب کفر سے چھوٹ جاوے گا لیکن اس کی توفیق بھی سب کو نہ ہوگی ہاں بعض مسلمان ہو جاویں گے اور وہ معاف کر دیئے جائیں گے **ربط:** اوپر منافقین کی چند قبائح مذکور ہوئی ہیں آگے فرماتے ہیں کہ سب آپس میں بھی اور پہلے کفار کے ساتھ بھی ان باتوں میں مشابہ ہیں پھر ان قبائح پر وعید اور پہلی امتوں کے قصوں کی طرف اشارہ کر کے اس وعید کی تاکید کرتے ہیں۔ **المنفقون والمنفقٰت تا انفسهم يظلمون**

اَلۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتُ بَعۡضُهُمۡ مِّنۡۢ

منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک طرح کے ہیں کہ بری بات (یعنی کفر

بَعۡضٍ ۘ يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمُنۡكَرِ وَيَنۡهَوۡنَ

مخالفت اسلام) کی تعلیم دیتے ہیں اور اچھی بات (یعنی ایمان واتباع نبویؐ)

عَنِ الۡمَعۡرُوۡفِ وَيَقۡبِضُوۡنَ اَيۡدِيَهُمۡ ؕ

سے منع کرتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے

نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمۡ ؕ

انہوں نے خدا کا خیال نہ کیا

یعنی اطاعت نہ کی ۱۲

اِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۶۷﴾

بلاشبہ یہ منافق بڑے ہی سرکش ہیں

وَعَدَ اللّٰهُ الۡمُنٰفِقِيۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتِ

اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں

وَالۡكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ

اور (علانیہ) کفر کرنیوالوں سے دوزخ کی آگ کا عہد کر رکھا ہے جس میں وہ ہمیشہ

هِىَ حَسۡبُهُمۡ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمۡ

رہیں گے وہ ان کے لئے (سزائے) کافی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت

عَذَابٌ مُّقِيۡمٌ ۙ ﴿۶۸﴾

سے دور کر دے گا اور ان کو عذاب دائمی ہوگا

یعنی ان پر خاص رحمت نہ کی ۱۲

كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ

(اے منافقو) تمہاری حالت ان لوگوں کی سی ہے جو تم سے پہلے ہو چکے ہیں

یعنی تم بھی ان کی طرح کافر ہوا اور سزائے کفر کے مستحق ہو

كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّ اَكْثَرَ

جو شدت قوت میں اور کثرت اموال

اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ

واولاد میں تم سے بھی زیادہ تھے تو انہوں نے اپنے (دنیوی) حصہ سے خوب

فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ

فائدہ حاصل کیا سو تم نے بھی اپنے (دنیوی) حصہ سے خوب فائدہ حاصل کیا

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ

جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں نے اپنے حصہ سے فائدہ حاصل کیا تھا اور تم بھی بری

وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ

باتوں میں ایسے ہی گھسے جیسا وہ لوگ گھسے تھے اور ان

اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ

لوگوں کے اعمال (حسنہ) دنیا اور آخرت میں ضائع گئے

کہ دنیا میں ان اعمال پر ثواب کی بشارت نہیں اور آخرت میں ثواب نہیں ۱۲

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾

اور وہ لوگ بڑے نقصان میں ہیں

کہ دونوں جہان میں خوشی اور راحت سے محروم ہیں پس اسی طرح تم بھی کفر کرتے ہو اور انہیں کی طرح ناکام ہو گے اور جیسا کہ ان کے مال و اولاد کام نہ آئے تم تو ان چیزوں میں ان سے کم ہو تمہارے بدرجہ اولیٰ یہ کام نہ آئیں گے یہ ضرر تو آخرت کا ہے آگے دنیوی ضرر کے احتمال سے بھی متنبہ کرتے ہیں ۱۲

اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ

کیا ان لوگوں کو (ان) کے عذاب و ہلاک کی خبر نہیں پہنچی

نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ۬ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ

جو ان سے پہلے ہوئے ہیں جیسے قوم نوح اور عاد اور ثمود اور قوم ابراہیم

وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ

اور اہل مدین اور الٹی ہوئی بستیاں

مراد قوم لوط کی بستیاں ہیں ۱۲

اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ

کہ ان کے پاس ان کے پیغمبر صاف نشانیاں (حق کی) لے کر آئے (لیکن

لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

نہ ماننے سے برباد ہوئے) سو (اس بربادی میں) اللہ تعالیٰ نے تو ان پر ظلم

يَظْلِمُوْنَ ﴿۷۰﴾

نہیں کیا لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے

اسی طرح ان منافقین کو بھی ڈرنا چاہئے ۱۲ ف: اور قوموں کے قصص تو پارہ ولو اننا کے آخیر کے رکوعوں میں گزر چکے ہیں قوم ابراہیم کا قصہ یہ ہے کہ نمرود کے دماغ میں مچھر گھس گیا تھا اور سر پر مار پڑنے سے کچھ سکون ہوتا تھا اور اس نے ایک عالیشان عمارت بنائی تھی اس کے گرنے سے اس قوم کے لوگ بہت دب کر مر گئے **کذافی الدر المنثور**

ربط: اوپر منافقین کی قباحتیں مذکور تھیں آگے اس مضمون کو زیادہ واضح کرنے کے لئے مسلمانوں کی بعض خوبیاں اور ان کے لئے بشارت بیان فرماتے ہیں کیونکہ **الاشیاء تعرف باضدادھا** ہر چیز اس کی ضد کے بیان کرنے سے واضح ہو جاتی ہے **والمومنون تا العظیم**

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ

اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے (دینی) رفیق

بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ

ہیں نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور بری باتوں سے

عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ

روکتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں

وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيعُونَ اللّٰهَ

اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے

وَرَسُولَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ

رسول کا کہنا مانتے ہیں ان لوگوں پر ضرور اللہ تعالیٰ رحمت کرے گا

جس کی تفصیل آگے وعداللہ المومنین میں آتی ہے

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ

بلاشبہ اللہ تعالیٰ قادر (مطلق) ہے

کہ پوری جزا دے سکتا ہے

حَكِيمٌ ﴿۷۱﴾

حکمت والا ہے

کہ مناسب جزا دیتا ہے اب اس جزا کا آگے بیان ہوتا ہے

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ

اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں سے ایسے باغوں کا وعدہ کر

جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

رکھا ہے جس کے نیچے سے نہریں چلتی ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور

خٰلِدِينَ فِيهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنّٰتِ

نفیس مکانوں کا جو کہ ان کی ہمیشگی باغوں میں ہوں گے (ان سب نعمتوں کے

عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ

ساتھ) اللہ تعالیٰ کی رضامندی سب (نعمتوں) سے بڑی چیز ہے

اور جنتیوں سے خدا کی رضامندی ہمیشہ ہمیشہ رہے گی ربط: اوپر مومنین کے ذکر سے پہلے منافقین کا ذکر تھا آگے پھر ان ہی کا خاص طور پر ذکر ہے اور ان کی حرکتوں کی بناء پر یہ حکم ہے کہ منافقین کے ساتھ زبانی جہاد اور دوسرے کفار سے تلوار کا جہاد کیجئے اور ان کے جہنمی ہونے کی بھی خبر دی گئی ہے اور مضامین کی تائید کے طور پر دوسرے مضامین بھی مذکور ہیں یایھا النبی تا ولا نصیر

ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۷۲﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ

یہ (جزائے مذکور) بڑی کامیابی ہے اے نبی

جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِينَ

کفار سے (بالسنان) اور منافقین سے (باللسان) جہاد کیجئے

اس ترجمہ سے یہ اشکال رفع ہو گیا کہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ منافقین سے بھی جہاد (یعنی قتل وقتال) کرو حالانکہ یہ بات خلاف واقع ہے کیونکہ منافقین ظاہری اسلام کی وجہ سے قتل نہ کئے جاتے تھے جواب ظاہر ہے کہ منافقین کے ساتھ جہاد کرنے سے زبانی بحث ومباحثہ مراد ہے۔

وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ

اور ان پر سختی کیجئے دنیا میں تو یہ اس کے مستحق ہیں اور (آخرت میں) ان کا

الْمَصِيرُ ﴿۷۳﴾

ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے

اگلی آیۃ کے متعلق مختصراً قصہ یہ ہے کہ تبوک سے واپسی میں چند منافقین نے جن کی تعداد بارہ تک منقول ہے ایک رات یہ صلاح کی کہ فلاں گھاٹی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری گزرے گی سب مل کر آپ کو دھکیل دیں پھر قتل کر دیں غرض وہ سب اپنا منہ لپیٹ کر جمع ہو کر دفعۃً اس موقع پر آ پہنچے مگر آپ نے ان کو دیکھ کر ڈانٹا اور حضرت حذیفہؓ وحضرت عمارؓ آپ کے ساتھ تھے انہوں نے ان کو ہٹایا مگر اس وقت پہچانے نہیں گئے کہ کون کون لوگ تھے بعد میں آپ کو وحی سے ان کے نام معلوم ہوئے تو آپ نے منزل پر پہنچ کر ان لوگوں کو بلا کر پوچھا کہ تم نے ایسا مشورہ اور ایسا ارادہ کیا تھا وہ سب قسمیں کھا گئے کہ نہ ایسا مشورہ ہوا نہ ارادہ ہوا اور یہ وہ لوگ تھے کہ جن میں سے بعضوں کے ساتھ آپ نے خاص طور مالی امداد بھی فرمائی تھی چنانچہ جلاسؓ نامی ایک شخص کا کہ وہ بھی ان میں شریک تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بہت بڑا قرضہ ادا کیا تھا اور ویسے بھی آپ کی تشریف آوری سے پہلے یہ لوگ اکثر محتاج تھے پھر غنیمتوں کی کثرت ہوئی تو ان کو بھی ظاہری میل جول کی وجہ سے کچھ نہ کچھ ملتا ہی تھا اس قصہ میں یہ آیت نازل ہوئی اور اس کے نازل ہونے کے بعد جلاسؓ نے صدق واخلاص سے اسلام قبول کیا کذافی الدر المنثور وغیرہ

يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوا ؕ

وہ لوگ قسمیں کھا جاتے ہیں کہ ہم نے فلانی بات نہیں کی

مثلاً یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیں۔

وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ

اور (وہ بات کہہ کر) اپنے اسلام (ظاہری) کے بعد (ظاہر میں بھی)

اِسْلَامِهِمْ

کافر ہو گئے

کیونکہ آپ کے قتل کے بارے میں گفتگو کرنا کھلا ہوا کفر ہے
کیونکہ گو انہوں نے یہ مشورہ اپنے ہی مجمع میں کیا مگر اس کی خبر مسلمانوں کو بھی ہو گئی اور اس سے عام طور پر ان کا کفر ظاہر ہو گیا۔

وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ

اور انہوں نے ایسی بات کا ارادہ کیا تھا جو ان کے ہاتھ نہ لگی

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کیا تھا مگر ناکام رہے ۱۲

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ

اور یہ انہوں نے صرف اس بات کا بدلہ دیا تھا کہ ان کو اللہ نے اور اس کے رسولؐ

مِنْ فَضْلِهٖ ۚ

نے رزق خداوندی سے مالدار کر دیا

اس احسان کا بدلہ ان کے نزدیک یہی ہوگا کہ برائی کریں اور یہ بات ایسی ہے جیسا ہمارے محاورہ میں کہتے ہیں کہ مجھ سے یہ خطا تو ہو گئی تھی کہ وقت پر اس کے کام آ گیا تھا۔

فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ

سو اگر (اس کے بعد بھی) توبہ کر لیں تو ان کے لئے (دونوں جہانوں میں) بہتر ہوگا

چنانچہ جلاسؓ کو توبہ کی توفیق ہو گئی۔

وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ

اور اگر روگردانی کی تو اللہ تعالیٰ ان کو دنیا اور آخرت میں دردناک سزا دے گا

چنانچہ عمر بھر بدنام اور پریشان اور ڈرتے رہنا اور مرتے وقت مصیبت دیکھنا یہ دنیا کا عذاب ہے اور آخرت میں دوزخ کا عذاب ظاہر ہی ہے۔

فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِى الْاَرْضِ

اور ان کا دنیا میں نہ کوئی

مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾

یار ہے نہ مددگار

جو کہ عذاب سے بچا لے اور جب دنیا ہی میں کوئی یار و مددگار نہیں جہاں اکثر مدد ہو جاتی ہے تو آخرت میں بدرجہ اولیٰ کوئی نہ ہوگا۔

ربط: اوپر گزر چکا اور اگلی آیتوں کا مختصر قصہ یہ ہے کہ ثعلبہ بن حاطب نامی ایک شخص نے حضورؐ سے مال زیادہ ہونے کی دعا کرائی آپ نے سمجھایا کہ مصلحت نہیں اس نے کہا کہ میں نیک کاموں میں صرف کیا کروں گا غرض آپ کی دعا سے وہ مالدار ہو گیا جب زکوٰۃ کا وقت آیا تو کہنے لگا کہ اس میں اور جزیہ میں کیا فرق ہے اور زکوٰۃ نہ دی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ومنهم من تا الغیوب.

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ

اور ان (منافقین) میں بعض آدمی ایسے ہیں کہ خدا تعالیٰ سے عہد کرتے ہیں

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد کرنا اور خدا سے عہد کرنا برابر ہے اور اگرچہ یہ قصہ ایک شخص کا ہے مگر ضمیر جمع کی اس لئے لائی گئی کہ دوسرے منافقین بھی کسی قدر اس میں شریک تھے کہ وہ اس کے احوال واقوال کو پسند کرتے تھے اور یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ ایک شخص کے مالدار ہونے سے اس کے ہم خیال لوگوں کو بھی نفع پہنچتا ہے۔

لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ

کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے فضل سے (بہت سا مال) عطا فرما دے تو ہم خوب خیرات کریں اور ہم

مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ

(اس کے ذریعہ سے) خوب نیک نیک کام کیا کریں سو جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے

بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾

(بہت سا مال) دے دیا تو وہ اس میں بخل کرنے لگے (کہ زکوٰۃ نہ دی) اور (اطاعت سے)

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِىْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ

روگردانی کرنے لگے اور وہ تو روگردانی کر کے (پہلے ہی سے) عادی ہیں سو اللہ تعالیٰ نے ان کی

يَلْقَوْنَهٗ

سزا میں ان کے دلوں میں نفاق (قائم) کر دیا جو خدا کے پاس جانے کے دن تک رہے گا

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح طاعات سے ایمان کی نورانیت

بڑھتی ہے اس طرح گناہوں سے کفر کی ظلمت بھی بڑھتی ہے پس اس کے جھوٹ بولنے سے اور وعدہ خلافی کرنے سے پہلے کفر میں اس قدر زیادتی ہوگئی کہ مرتے وقت تک باقی رہا۔

بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا

اس سبب سے کہ انہوں نے خداتعالیٰ سے اپنے وعدہ میں خلاف کیا اور اس سبب

كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿٧٧﴾

سے کہ وہ (اس وعدہ میں شروع ہی سے) جھوٹ بولتے تھے

یعنی وعدہ پورا کرنے کی نیت اس وقت بھی نہ تھی پس نفاق تو اس وقت بھی دل میں تھا اس جھوٹ بولنے اور وعدہ خلافی کرنے سے زیادہ غضب کا مستحق ہوا کہ وہ پہلا نفاق پختہ ہوگیا کہ توبہ بھی نصیب نہ ہوگی اسی حالت پر مرکر ابدالآباد تک جہنم میں رہنا نصیب ہوگا آگے فرماتے ہیں کہ یہ لوگ جو باوجود دل میں کفر چھپانے کے پھر اسلام ظاہر کرتے ہیں کیا خدا کو معاذ اللہ بے خبر سمجھتے ہیں ۱۲

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ

کیا ان کو خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے دل کا راز اور ان کی

وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿٧٨﴾

سرگوشی سب معلوم ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ تمام غیب کی باتوں کو خوب جانتے ہیں

اس لئے وہ ظاہری اسلام واطاعت تو ان کے کام نہیں آسکتا بالخصوص آخرت میں تو کچھ کام نہ آئے گا پس جہنم کی سزا ضروری ہے ف: باقی قصہ یہ ہے کہ ان آیتوں کے نازل ہونے کی خبر سن کر وہ شخص زکوٰۃ لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تیری زکوٰۃ لینے سے منع فرما دیا ہے اس نے بہت ہائے واویلا کی مگر آپ نے قبول نہ کیا احقر کہتا ہے کہ اس کا زکوٰۃ لانا اور نہ لینے پر واویلا کرنا خلوص سے نہ تھا بلکہ عار اور بدنامی دفع کرنے کے لئے تھا کیونکہ اعقبھم نفاقاً سے اس کا مرتے دم تک کافر رہنا معلوم ہوچکا ہے پھر خلوص کا احتمال کب ہے اور عجب نہیں کہ الم یعلموا میں اسی کا اشارہ ہو کہ یہ شخص جو زکوٰۃ لایا ہے تو کیا اس کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ دل کا حال خوب جانتا ہے جب دل میں ایمان نہیں تو اس کا صدقہ کیسے قبول کیا جائے گا کیونکہ قبول صدقہ کے لئے ایمان شرط ہے دوسرے اگر اس میں خلوص ہوتا تو خود بھی تو مساکین کو دے سکتا تھا مگر کسی جگہ یہ منقول نہیں ہے کہ اس نے خود مساکین کو زکوٰۃ دے دی ہو جس سے ظاہر یہی ہے کہ نہیں دی سو یہ بھی خلوص نہ ہونے کا ایک قرینہ ہے اور اس جگہ یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ اعقبھم نفاقا میں تو جمع کی ضمیر ہے جس کا ظاہر مقتضا یہ ہے کہ اور منافقین کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جائے جواب یہ ہے کہ شاید اوروں کی تعیین نہ معلوم ہوئی ہو کہ کون کون منافق ہیں اس لئے ان سے ایسا برتاؤ نہ کیا گیا ہو یا یہ حکم اس شخص کے لئے مخصوص ہو کیونکہ وہ اس قصہ کا بانی تھا چنانچہ بعض احکام مخصوص ہوجایا کرتے ہیں پھر وہ حضور کے وصال کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت میں زکوٰۃ لایا آپ نے بھی قبول نہ کی اسی طرح حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے بھی قبول نہ کی یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں وہ مرگیا اور حضرات خلفاء راشدین کا قبول نہ کرنا حضورؐ کے قبول نہ فرمانے کی وجہ سے تھا اور اب چونکہ کسی کا دل میں کافر ہونا یقینی طور پر معلوم نہیں ہوسکتا اس لئے اب اسلام ظاہر کرنے والے کے ساتھ مسلمان کا سا معاملہ کیا جاوے گا۔

ربط: اوپر منافقین کے بعض حالات کا ذکر تھا آگے پھر بعض مشترک حالتوں کا بیان ہے جیسا کہ پہلے سے اسی طرح سلسلہ چلا آتا ہے اور اس آیت کے متعلق خلاصہ قصہ کا یہ ہے کہ ایک بار آپ نے صدقہ کی ترغیب دی تو ایک صحابی بہت سا مال لے آئے منافقین نے کہا کہ یہ ریاکار ہے دوسری صحابی غریب تھے بہت کم لائے منافقین نے کہا کہ یہ میاں اس لئے لائے ہیں کہ میرا بھی نام ہوجائے اس پر یہ آیۃ نازل ہوئی الذین یلمزون تا عذاب الیم

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ

یہ (منافقین) ایسے ہیں کہ نفل صدقہ دینے والے مسلمانوں پر

الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ

صدقات کے بارے میں طعن کرتے ہیں

یہاں نفل صدقہ کی تخصیص واقعہ کے اعتبار سے ہے ورنہ طعن اور تمسخر اگر فرض صدقہ میں بھی ہو تب بھی یہی سزا ہے بلکہ بدرجہ اولیٰ کیونکہ فرض نفل سے افضل ہے ۱۲

وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ

اور (خصوص ان لوگوں پر (اور زیادہ) جن کو بجز مزدوری (کی آمدنی) کے اور کچھ میسر نہیں ہوتا

اور وہ بیچارے اس میں بھی ہمت کرکے حاضر کردیتے ہیں ان پر زیادہ طعن کرتے ہیں۔

ربط: اوپر منافقین کے لئے عذاب الیم کی دھمکی ہے آگے اس کی

تاکید ہے کہ یہ عذاب نبی کی دعا اور استغفار سے بھی نہیں ٹل سکتا باوجودیکہ وہ بڑا وسیلہ نجات کا ہے کیونکہ ان میں نجات کی اصل شرط یعنی ایمان نہیں ہے استغفرلھم تا الفسقین

فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۭ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۡ

یعنی ان سے تمسخر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو اس تمسخر کا (تو خاص) بدلہ دے گا

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٩﴾ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ

اور (مطلق طعن کا یہ بدلہ ملے ہی گا) کہ ان کے لئے (آخرت میں) دردناک

اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ

سزا ہوگی۔ آپ خواہ ان (منافقین) کے لئے استغفار کریں

نفع نہ ہونے میں دونوں برابر ہیں چنانچہ دوسری جگہ ارشاد ہے سواء علیھم استغفرت لھم ام لم تستغفرلھم الخ آگے اس نفع نہ ہونے کا بیان ہے

اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ

اور اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی استغفار کریں گے تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو

اللّٰهُ لَهُمْ ۭ

نہ بخشے گا

اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر آپ ستر سے زیادہ استغفار کریں گے تو وہ بخش دیئے جائیں گے بلکہ اس سے مراد کثرت ہے کہ آپ جس قدر بھی استغفار کریں سب ان کے لئے بے سود ہے اور عبداللہ بن ابی منافق کے قصہ میں جو یہ آیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے جنازہ کی نماز پڑھانے سے روکا اور دلیل کے طور پر یہ آیۃ پڑھی کہ اس میں منافقین کے لئے دعا و استغفار کرنے سے آپ کو منع کیا گیا ہے اور جنازہ کی نماز بھی استغفار میں داخل ہے پھر آپ کس لئے اس کی نماز پڑھاتے ہیں اور حضور نے ان کو یہ جواب دیا کہ خدا تعالیٰ نے مجھ کو استغفار سے منع نہیں فرمایا بلکہ اختیار ہے کہ خواہ آپ استغفار کریں یا نہ کریں اگر ستر بار بھی استغفار کریں گے تب بھی خدا ان کو نہ بخشے گا تو میں ستر بار سے زیادہ استغفار کردوں گا۔ اس سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ آپ نے ستر کے لفظ سے اسی عدد کو مقصود سمجھا بلکہ اصل میں آپ کا مطلب یہ تھا کہ اگر مجھ کو یہ معلوم ہوجائے کہ ستر سے زیادہ استغفار کرنے سے اس کی مغفرت ہوجائے گی تو میں زیادہ استغفار کرلیتا مگر آپ جانتے تھے کہ ستر کا عدد مقصود نہیں اس لئے آپ نے زیادہ استغفار نہیں کیا چنانچہ درمنثور میں بخاری کی روایت سے آپ کا یہ قول مروی ہے **فلو اعلم انی ان زدت علی السبعین غفرلہ لزدت علیھا** تو اس جملہ شرطیہ کو بعض روایتوں میں جملہ خبریہ کی صورت میں بیان کر دیا اور عبداللہ بن ابی کے جنازہ کی نماز آپ نے اس لئے پڑھا دی حالانکہ اس میں استغفار کی صورت تھی کہ آیت میں آپ کو استغفار سے منع نہیں کیا گیا تھا صرف اس کا آخرت میں بے سود ہونا بتلایا گیا تھا اور اس میں آپ کو کچھ اسلامی مصلحتیں مدنظر تھیں کہ اس بات کو دیکھ کر کہ اپنے بدخواہوں اور دشمنوں کے ساتھ بھی ایسی مہربانی اور شفقت کا برتاؤ کیا جاتا ہے ایک ہزار سے زیادہ آدمی مسلمان ہوجائیں گے چنانچہ ابوالشیخ کی روایت میں حضور کا یہ ارشاد مروی ہے **وما یغنی عنہ قمیصی واللہ انی لارجوان یسلم بہ اکثر من الف من بنی الخزرج** اس حکمت پر نظر فرما کر آپ نے یہ سمجھا کہ میرا استغفار کرنا اور جنازہ کی نماز پڑھنا اس منافق کے لئے آخرت میں اگرچہ بے سود ہے مگر دنیا میں بے سود نہیں اس تقریر سے یہ اشکال رفع ہوگیا کہ اس آیۃ میں اگر استغفار کی ممانعت مراد تھی جیسا کہ حضرت عمرؓ سمجھے تھے تو حضورؐ اس مراد کو کیوں نہ سمجھے اور اگر اختیار دیا گیا تھا جیسا کہ حضورؐ سمجھے تھے تو حضرت عمرؓ صاحب زبان ہو کر اس سے ممانعت کیونکر سمجھ گئے جواب ظاہر ہے کہ دراصل آیۃ میں استغفار کی ممانعت نہ تھی بلکہ اس کا نافع نہ ہونا بتلایا گیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے حضورؐ جیسے حکیم کی شان کے لحاظ سے فضول کام کو بھی ممنوع سمجھا اور اس مصلحت پر ان کی نظر نہ گئی جس پر حضور کی نظر تھی اس لئے نہ حضرت عمرؓ پر اشکال ہے اور نہ حضور پر یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ آپ نے فضول کام کیوں کیا اس لئے کہ آپ کو چند مصلحتیں اس میں معلوم ہوتی تھیں ۱۲

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ

یہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اللہ اور رسول کے ساتھ کفر کیا اور اللہ تعالیٰ

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٨٠﴾

ایسے سرکش لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا

جو کہ کبھی ایمان اور حق کی طلب ہی نہ کریں پس یہ عمر بھر کفر پر ہی قائم رہے اور اسی پر ختم ہوگئے۔

ربط: اوپر سے منافقین کا ذکر چلا آرہا ہے ان میں سے خاص ان لوگوں کے متعلق بعض مضامین مذکور ہیں جو غزوہ تبوک میں نہیں گئے **فرح المخلفون تا مع الخالفین**

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ

پیچھے رہ جانے والے خوش ہو گئے رسول اللہ کے جانے کے بعد

اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ

اپنے بیٹھے رہنے پر اور ان کو اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان

وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

کے ساتھ جہاد کرنا ناگوار ہوا

دو وجہ سے ایک کفر دوسرے آرام طلبی کی وجہ سے

وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ

اور (دوسروں سے بھی) کہنے لگے کہ تم گرمی میں مت نکلو آپ کہہ دیجئے کہ

اَشَدُّ حَرًّا ۭ

جہنم کی آگ (اس سے بھی) زیادہ گرم ہے

سو تعجب ہے کہ اس گرمی سے تو بچتے ہو اور جہنم میں جانے کا خود سامان کر رہے ہو کہ کفر و مخالفت کو نہیں چھوڑتے۔

لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا

یہ خوب ہوتا اگر وہ سمجھتے۔ سو تھوڑے دنوں (دنیا میں) ہنس لیں اور بہت

وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ

دنوں (آخرت میں) روتے رہیں

یعنی ہنسنا کھیلنا تھوڑے دنوں کا ہے پھر رونا ہمیشہ ہمیشہ کا ہے ۱۲

جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاِنْ رَّجَعَكَ

ان کاموں کے بدلہ میں جو کچھ (کفر و نفاق و خلاف) کیا کرتے تھے تو اگر خدا تعالیٰ

اللّٰهُ اِلٰى طَاۗىِٕفَةٍ مِّنْهُمْ

آپ کو (اس سفر سے مدینہ کو صحیح سالم) ان کے کسی گروہ کی طرف واپس لائے

۱ گروہ اس لئے کہا کہ ممکن ہے کہ بعضے اس وقت تک مر جاویں یا کوئی کہیں چلا جاوے

فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ

پھر یہ لوگ (کسی جہاد میں) چلنے کی اجازت مانگیں

محض خوشامد سے اور پچھلا الزام دفع کرنے کے لئے کیونکہ دل میں تو اس وقت بھی یہی ہوگا کہ عین وقت پر کچھ بہانہ کر دیں گے۔

فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ

تو آپ یوں کہہ دیجئے کہ تم کبھی بھی میرے ساتھ نہ چلو گے اور نہ

تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ۭ

میرے ہمراہ ہو کر کسی دشمن سے لڑو گے

جو کہ ساتھ چلنے سے اصلی مقصود ہے اگرچہ تم اس وقت باتیں بنا رہے ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل کی بات بتلا دی ہے اس لئے میں نہایت وثوق سے کہتا ہوں کہ تم کچھ بھی نہ کرو گے۔

اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ

تم نے پہلے بھی بیٹھے رہنے کو پسند کیا تھا

اور اب بھی وہی ارادہ ہے پھر خواہ مخواہ جھوٹی باتیں کیوں بناتے ہو۔

فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿۸۳﴾

تو ان لوگوں کے ساتھ بیٹھے رہو جو واقعی پیچھے رہ جانے کے لائق ہیں

عذر کی وجہ سے جیسے عورتیں اور بچے اور بوڑھے

ربط: اوپر منافقین کے ساتھ ان کی زندگی کی حالت میں برتاؤ کا ذکر تھا آگے بتلاتے ہیں کہ ان کے مرنے کے بعد ان سے کیا برتاؤ کیا جائے اور شان نزول اس کا یہ ہے کہ صحیحین میں ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ جب عبداللہ بن ابی منافق مر گیا تو اس کے بیٹے نے جو کہ صحابی تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ اپنا قمیص دے دیجئے کہ اس میں اس کو کفنایا جائے آپ نے دے دیا پھر درخواست کی کہ اس کے جنازہ کی نماز بھی پڑھ دیجئے آپ پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو حضرت عمرؓ نے آپ کا کپڑا پکڑ لیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ اس کی نماز پڑھتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو منافقین پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا (یعنی اس آیۃ میں **استغفرلھم اولا تستغفرلھم الخ** اور نماز جنازہ بھی دعاء و استغفار ہی ہے) آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اختیار دیا ہے (منع نہیں فرمایا) چنانچہ فرمایا ہے **استغفرلھم اولا تستغفرلھم ان تستغفرلھم سبعین مرة فلن یغفر اللہ لھم** (ان کے لئے آپ استغفار کریں یا نہ کریں دونوں برابر ہیں اگر ستر بار بھی آپ استغفار کریں گے تو خدا ان کو ہرگز نہ بخشے گا) تو میں ستر بار سے زیادہ استغفار کر دوں گا۔ غرض آپ نے

نماز پڑھی اس پر یہ آیۃ ولاتصل علیٰ احد منھم الخ نازل ہوئی پھر کبھی آپ نے کسی منافق کے جنازہ پر نماز نہیں پڑھی اور اس کے متعلق اشکال کا جواب آیۃ استغفرلھم کی تفسیر میں گزر چکا ہے اور وہاں یہ بھی بتلا دیا گیا ہے کہ آپ نے بعض مصلحتوں کی وجہ سے اس کی نماز پڑھی تھی لیکن ممانعت کی وجہ یہ ہوئی کہ گو اس میں وہ مصلحتیں ضرور تھیں مگر آئندہ مفاسد پیدا ہوتے مثلاً یہ کہ مخالفین کو تنبیہ نہ ہوتی اور موافقین کا دل نہ بڑھتا کہ یہاں تو سب کے ساتھ ایک ہی برتاؤ کیا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ ولاتصل تا فسقون

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا

اور ان میں سے کوئی مرجائے تو اس (کے جنازہ) پر کبھی نماز نہ پڑھیے

مسئلہ: کافر کے جنازہ پر نماز اور اس کے لئے استغفار جائز نہیں۔

وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ

اور نہ (دفن کے لئے) اس کی قبر پر کھڑے ہو جائیے

مسئلہ: کافر کی قبر پر کھڑا ہونا بطور تعظیم کے حرام ہے خواہ زیارت کے لئے کھڑا ہو یا دفن کے لئے اور اگر عبرت اور موت یاد کرنے کے لئے یا ضرورت کی وجہ سے ہو جیسے کسی مسلمان کا کوئی کافر رشتہ دار مرجائے اور اس کا انتظام اس کے متعلق آپڑے تو ہدایہ میں ہے کہ اس کو طریقہ سنت کی رعایت کئے بغیر غسل و کفن دے کر دفن کردے تو اس طرح کھڑا ہونا درست ہے لیکن اگر عبرت کے لئے کھڑا ہونے میں بھی کوئی دینی مفسدہ ہو تو جائز نہیں

ربط: اوپر کی آیۃ میں منافقین کا خدا کے نزدیک مردود ہونا معلوم ہوا ہے آگے بتلاتے ہیں کہ ان کے پاس جو مال و اولاد ہے ان کے محبوب ہونے کی دلیل نہیں بلکہ آلہ عذاب ہونے کی وجہ سے یہ بھی ان کے مردود ہونے کا ثمرہ ہے ولا تعجبک تا کفرون

اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا

کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے

وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ

اور وہ حالت کفر ہی میں مرے ہیں اور ان کے اموال

وَاَوْلَادُهُمْ ؕ

اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں

کہ ایسے مردودوں پر یہ نعمتیں کیسے ہوئیں سو واقع میں یہ ان کے لئے نعمتیں نہیں بلکہ عذاب کا ذریعہ ہیں ۱۲

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الدُّنْيَا

اللہ کو صرف یہ منظور ہے کہ ان (مذکورہ) چیزوں کی وجہ سے

وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

ان کو گرفتار عذاب رکھے اور ان کا دم حالت کفر ہی میں نکل جاوے

جس سے آخرت میں بھی عذاب میں مبتلا رہیں اور ایسی ایک آیت چار رکوع پہلے بھی آچکی ہے لیکن وہاں اس کا تعلق زندگی کی ایک حالت سے تھا کہ ان کے صدقات مقبول نہیں اور یہاں موت کی ایک حالت سے اس کا تعلق ہے کہ ان چیزوں کے سبب ان کو نجات نہیں ہوسکتی پس تکرار نہ رہا

ربط: اوپر غزوۂ تبوک کے متعلق منافقین کا پیچھے رہ جانا اور جھوٹے بہانے کر کے اجازت مانگنا مذکور تھا آگے بتلاتے ہیں کہ یہ حالت ان کی دائمی ہے ہر غزوہ میں ایسا ہی کرتے ہیں اور ان کے مقابلہ میں مسلمانوں کی جانبازی اور ان کی فضیلت کا بیان ہے۔ واذا انزلت سورۃ تا ذلک الفوز العظیم

وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ

اور جب کوئی ٹکڑا قرآن کا اس مضمون میں نازل کیا جاتا ہے کہ تم (خلوص دل سے) اللہ پر ایمان

وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا

لاؤ اور اس کے رسول کے ہمراہ ہو کر جہاد کرو تو ان کے مقدور والے آپ سے رخصت مانگتے ہیں

الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۸۶﴾

اور کہتے ہیں کہ ہم کو اجازت دیجئے کہ ہم بھی یہاں ٹھہرنے والوں کے ساتھ رہ جاویں

جب مقدور والوں کا یہ حال ہے تو بے مقدور والے تو سبھی کچھ ہوں گے پس مقدور والوں کی خصوصیت مقصود نہیں بلکہ دوسروں کا حال اس سے بدرجہ اولیٰ معلوم ہو گیا اور ایمان و اخلاص کے دعوے میں چونکہ کچھ کرنا نہیں پڑتا اس لئے اس کے بہت لمبے چوڑے دعوے کرتے تھے کہ ہم تو مخلص ہیں ۱۲

رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ

وہ لوگ (غایت بے حمیتی سے) خانہ نشین عورتوں کے ساتھ رہنے پر راضی ہو

عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾

گئے اور ان کے دلوں پر مہر لگ گئی جس سے وہ (حمیت بے حمیتی کو) سمجھتے ہی

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ

نہیں۔ہاں لیکن رسولؐ اور آپ کی ہمراہی میں جو مسلمان ہیں انہوں نے

جٰهَدُوْا

(اس حکم کو مانا اور)

باوجودیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس میں کوئی حاجت نہیں لیکن اس سے مقصود مسلمانوں کی مدح ہے کہ جہاد میں ان کا خلوص بھی کامل ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت زیادہ کامل ہے۔

ربط: اوپر مدینہ کے منافقوں کا ذکر تھا آگے دیہات کے منافقوں کا ذکر ہے۔ وجاء المعذرون تا الیم

بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ

اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا اور ان ہی کے لئے ساری

الْخَيْرٰتُ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾

خوبیاں ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں اور

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ

وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے (اور) یہ بڑی کامیابی ہے اور کچھ بہانہ

الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾ ع وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ

باز لوگ دیہاتیوں میں سے آئے تاکہ ان کو (گھر رہنے کی)

الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ

اجازت مل جائے اور (ان دیہاتیوں میں سے) جنہوں نے خدا

كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ

اور اس کے رسول سے (دعوئ ایمان میں) بالکل ہی جھوٹ بولا تھا

كَفَرُوْا

وہ بالکل ہی بیٹھ رہے

جھوٹے عذر کرنے بھی نہ آئے پس یوں تو دعوئ ایمان میں سب ہی منافق جھوٹے تھے مگر جو عذر کرنے آئے تھے انہوں نے ظاہر داری میں اپنے دعوئ کو کچھ تو نباہا اور بعضے ایسے بے باک مغرور تھے جنہوں نے ظاہر داری بھی نہ برتی تو وہ جیسے دل میں جھوٹے تھے ظاہر میں بھی ان کا جھوٹ کھل گیا بالکل جھوٹ بولنے کا یہی مطلب ہے اس طور پر ان دیہاتی منافقوں کی دو قسمیں ہوگئیں۔ ربط: اوپر جھوٹے عذر والوں کا اور ان کے عذر قبول نہ ہونے کا بیان تھا آگے سچے عذر والوں کا اور ان کے عذر قبول ہونے کا بیان ہے۔ لیس علی الضعفاء تا فهم یعلمون

مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۰﴾ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ

ان میں جو (آخر تک کافر رہیں گے) ان کو دردناک عذاب ہوگا کم

وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا

طاقت لوگوں پر کوئی گناہ نہیں اور نہ بیماروں پر اور نہ ان لوگوں پر جن کو خرچ

يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ

کرنے کو میسر نہیں جب کہ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ (اور

وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ

احکام میں) خلوص رکھیں اور نکوکاروں پر کسی قسم کا الزام (عائد) نہیں

کیونکہ اللہ تعالیٰ طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾ ۙ

اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں

کہ اگر یہ لوگ اپنے علم میں معذور ہوں اور اپنی طرف سے خلوص و اطاعت میں کوشش کریں اور واقع میں کمی رہ جائے تو معاف کردیں گے۔

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ

اور نہ ان لوگوں پر (کوئی گناہ والزام ہے) کہ جس وقت وہ آپ کے پاس اس واسطے آتے

قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا

ہیں کہ آپ ان کو سواری دے دیں اور آپ کہہ دیتے ہیں کہ میرے پاس تو چیز نہیں جس

وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا

پر میں تم کو سوار کردوں تو وہ (ناکام) اس حالت سے واپس چلے جاتے ہیں کہ ان کی آنکھوں

اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ ط

سے آنسورواں ہوتے ہیں اس غم میں کہ (افسوس) ان کو خرچ کرنے کو کچھ میسر نہیں

نہ خود کچھ پاس ہے نہ دوسری جگہ سے ملا غرض ان معذور لوگوں پر کوئی مواخذہ نہیں اور در منثور میں چند روایتیں لکھی ہیں جن میں ان سواری مانگنے والوں کا نام مذکور ہے۔

اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ

پس الزام (اور مواخذہ) تو صرف ان لوگوں پر ہے جو باوجود اہل سامان اور

وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ج رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا

قوت (ہونے کے) گھر رہنے کی اجازت چاہتے ہیں وہ لوگ (غایت بے

مَعَ الْخَوَالِفِ لا

حمیتی سے) خانہ نشین عورتوں کے ساتھ رہنے پر راضی ہوگئے

یہ مضمون پہلے بھی آیا ہے مگر وہاں مطلق جہاد کے متعلق ان کی اس حالت کا بیان تھا اور یہاں خاص غزوۂ تبوک کی بابت ذکر ہے پس تکرار نہ رہا

رابط: اوپر ان منافقین کا ذکر تھا جنہوں نے روانگی تبوک کے وقت عذر تراشے تھے آگے ان کا ذکر ہے جنہوں نے واپسی کے وقت بہانے تصنیف کئے کہ ہم برابر قصد کرتے رہے مگر فلاں عوارض مانع ہوگئے۔ یہ اگلی آیتیں واپسی سے پہلے نازل ہوئیں جن میں ان کی بہانہ بازی کے متعلق پیشین گوئی ہے کہ یہ لوگ محض دنیوی اغراض اور مخلوق کے راضی کرنے کے لئے بہانے بنائیں گے خدا کو راضی کرنا انہیں مقصود نہیں۔

يعتذرون اليكم تا عن القوم الفٰسقين

وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾

اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی جس سے وہ (گناہ وثواب کو) جانتے ہی نہیں

الحمد للہ دسویں پارہ کی تفسیر ختم ہوئی

یَعۡتَذِرُوۡنَ اِلَیۡكُمۡ اِذَا رَجَعۡتُمۡ

یہ لوگ تمہارے (سب کے) سامنے عذر پیش کریں گے جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے (سوائے محمدؐ) آپ (سب کی طرف سے صاف

اِلَیۡهِمۡ ؕ قُلۡ لَّا تَعۡتَذِرُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ

کہہ دیجئے کہ یہ عذر پیش مت کرو ہم کبھی تم کو سچا نہ سمجھیں گے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ

لَكُمۡ قَدۡ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنۡ اَخۡبَارِكُمۡ ؕ

ہم کو تمہاری (واقعی حالت کی) خبر دے چکے ہیں (کہ تم کو کوئی عذر صحیح نہ تھا)

وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمۡ وَرَسُوۡلُهٗ

اور آئندہ بھی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تمہاری کارگزاری دیکھ لیں گے

معلوم ہو جائے گا کہ تم اپنے دعویٰ کے موافق کتنے تابعدار اور مخلص ہو

ثُمَّ تُرَدُّوۡنَ اِلٰى عٰلِمِ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ

پھر ایسے کے پاس لوٹائے جاؤ گے جو پوشیدہ اور ظاہر سب کا جاننے والا ہے

جس سے تمہارا کوئی اعتقاد کوئی عمل مخفی نہیں۔

فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۴﴾

پھر وہ تم کو بتلادے گا جو جو کچھ تم کرتے تھے

اور اس کا بدلہ دے گا۔

سَيَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ لَكُمۡ اِذَا انۡقَلَبۡتُمۡ

ہاں وہ اب تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھا جاویں گے (کہ ہم معذور تھے)

اِلَيۡهِمۡ لِتُعۡرِضُوۡا عَنۡهُمۡ ؕ

جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے تاکہ تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو

اور ملامت وغیرہ نہ کرو۔

فَاَعۡرِضُوۡا عَنۡهُمۡ ؕ اِنَّهُمۡ رِجۡسٌ ۫ وَّمَاۡوٰٮهُمۡ

سو تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو وہ لوگ بالکل گندے ہیں اور (اخیر میں) ان کا

جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ﴿۹۵﴾

ٹھکانہ دوزخ ہے ان کاموں کے بدلے میں جو کچھ وہ (نفاق وخلاف) کیا کرتے تھے

اس کا بھی مقتضا یہی ہے کہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے کیونکہ تعرض سے مقصود اصلاح ہوتی ہے اور ان کی خباثت کی وجہ سے اس کی امید نہیں ۱۲

يَحۡلِفُوۡنَ لَكُمۡ لِتَرۡضَوۡا عَنۡهُمۡ ۚ

(نیز) یہ اس لئے قسمیں کھائیں گے کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ

مگر اول تو تم ان دشمنان خدا سے راضی کیوں ہونے لگے آگے ترجمہ

فَاِنۡ تَرۡضَوۡا عَنۡهُمۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرۡضٰى

سو اگر (بالفرض) تم ان سے راضی بھی ہو جاؤ تو (ان کو کیا نفع کیونکہ)

عَنِ الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِيۡنَ ﴿۹۶﴾

اللہ تعالیٰ تو ایسے شریر لوگوں سے راضی نہیں ہوتا

اور خالق کی رضا کے بغیر مخلوق کی رضا محض بے سود ہے **ف**: عذر پیش کرنے اور قسم کھانے میں منافقین کی دو غرضیں بیان فرمائی ہیں ۱ اعراض (کہ ان کو پہلی حالت پر چھوڑ دیا جاوے) ۲ رضا (کہ مسلمان ان سے خوش ہو جاویں) سو ان کے جمع ہونے کی صورت یہ ہے کہ بعض کی غرض اعراض ہوگی اور بعض کی رضا یا سب کی غرض یہ ہو کہ ظاہر میں ہم کو پہلی حالت پر چھوڑ دیا جاوے اور دل سے راضی ہو جائیں یا اصلی غرض رضا مندی ہوگی اور آخیر درجہ یہ کہ اعراض ہی کیا جاوے اور قصہ رفت وگذشت ہو جائے اور مسلمانوں کو ان کے متعلق تین حکم ہوئے ہیں ایک **لاتعتذروا** یعنی ان سے صاف کہہ دیا جائے کہ بہانے مت کرو۔ دوسرا **اعرضوا** کہ ان کو پہلی حالت ہی پر چھوڑ دو۔ تیسرا راضی نہ ہونا جو کہ **فان ترضوا** سے سمجھ میں آتا ہے ان تینوں احکام کے جمع ہونے کی صورت یہ ہے کہ دل سے تو راضی نہ ہو اور زبان سے اول یہ کہہ دو کہ تم بہانے مت کرو ہم تم کو سچا نہ سمجھیں گے اور اس کے بعد اعراض کیا جائے اور یہی مطلب ہو سکتا ہے اس حدیث کا قبل **علانیتهم وکل سرائرهم الی الله** (کہ حضور نے ان کی ظاہری باتیں قبول کر لیں اور باطن کا حال خدا پر چھوڑ دیا) کہ آپ نے اول یہ کہہ دیا کہ تم بہانے مت کرو پھر ایسا کیا جو کہ اعراض کا حاصل ہے ۱۲ **ربط**: اوپر دیہاتی منافقوں کا ذکر آیا ہے آگے بھی ان کی مذمت ہے اور جو دیہاتی سچے مومن تھے ان کی مدح ہے **الاعراب اشد کفراً تا غفور رحیم**

اَلۡاَعۡرَابُ اَشَدُّ كُفۡرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجۡدَرُ اَلَّا

(ان منافقین میں جو) دیہاتی لوگ (ہیں وہ) کفر اور نفاق میں بہت سخت ہیں اور ان کا (حال)

يَعۡلَمُوۡا حُدُوۡدَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ ؕ

ایسا ہونا ہی چاہئے کہ ان کو ان احکام کا علم نہ ہو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل فرمائے ہیں

کیونکہ وہ علماء سے دور رہتے ہیں اور جب جاننے والوں سے دور رہیں گے تو ان کا جاہل رہنا اس کا لازمی نتیجہ ہے اور اسی وجہ سے ان کے مزاج میں سختی ہے اور ان تمام باتوں سے کفر ونفاق میں زیادتی ہوگی اور اس تقریر سے یہ شبہ جاتا رہا کہ علماء سے دور رہنا اور سخت مزاج ہونا یہ صفات تو مسلمان دیہاتیوں میں بھی ہوں گی جواب یہ ہے کہ وہ خود علماء کے پاس آتے رہتے ہیں اس سے علم حاصل ہوتا ہے اور علم سے خشوع اور عاجزی پیدا ہو کر ایمان کامل ہو جاتا ہے۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٩٧﴾

اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں

ان سب باتوں پر اطلاع رکھتے ہیں اور حکمت سے مناسب سزادیں گے ۱۲

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ

اور ان دیہاتیوں میں سے بعض بعض ایسا ہے

کہ علاوہ کفر ونفاق و جہالت کے بخل اور عداوت کے ساتھ بھی موصوف ہے۔

مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا

کہ جو کچھ خرچ کرتا ہے اس کو جرمانہ سمجھتا ہے

یہ تو بخل کا بیان ہوا کہ جہاد اور زکوٰۃ وغیرہ کے موقعوں میں مسلمانوں کی شرماشرمی جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کو جرمانہ اور ڈانڈ سمجھتے ہیں اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ بدوں طیب خاطر کے کسی کا مال لینا حلال نہیں ہوتا اور جرمانہ سمجھنا طیب خاطر کے خلاف ہے پھر ایسا مال منافقوں کا کیوں لیا جاتا تھا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ مسلم نہیں کہ ایسا مال لیا جاتا تھا۔ چنانچہ روح المعانی میں آیۃ انفقوا طوعاً او کرھا لن یتقبل منکم الخ کی تفسیر میں ایک قول نقل کیا ہے کہ قبول نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان کے صدقہ کا مال نہیں لیا جائے گا دوسرے وہ لوگ تقیہ کے طور پر مصلحت کی وجہ سے ایسے مواقع میں خرچ کیا کرتے تھے جس کے منافع طبعی طور پر ان کو مطلوب اور مرغوب تھے اگرچہ اعتقاداً اس کو جرمانہ سمجھتے تھے کیونکہ وہ ثواب کے معتقد نہ تھے پس ان کا خرچ کرنا طبعاً طیب خاطر سے تھا جیسا کہ بعض لوگ زیادہ فخر کے لئے خوشی سے خرچ کرتے ہیں اور ثواب کی نیت نہیں ہوتی تو اس صورت میں دینے والے کی ریاکاری سے لینے والے کو اس مال کا لینا حرام نہیں ہوتا۔ تیسرے یہ بھی ممکن ہے کہ منافقین اپنے طور پر خرچ کرتے ہوں اور لینے والے کو ان کی کراہت اور ناگواری کی خبر نہ ہوتی ہو۔ آگے ان کی عداوت کا بیان ہے۔

وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ

اور تم مسلمانوں کے واسطے (زمانہ کی) گردشوں کا منتظر رہتا ہے

کہ کہیں ان پر کوئی حادثہ پڑ جائے تو ان کا خاتمہ ہو

عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ

براوقت ان ہی (منافقین) پر پڑنے والا ہے

چنانچہ فتوحات کی کثرت ہوئی اور کفار ذلیل ہوئے اور منافقوں کی ساری حسرتیں دل ہی میں رہ گئیں اور تمام عمر رنج اور خوف میں کٹی۔

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٩٨﴾

اور اللہ تعالیٰ سنتے ہیں جانتے ہیں

یعنی ان کے کفر اور نفاق کی باتیں سنتے ہیں اور ان کے دلی خیالات کو جانتے ہیں پس سب کی سزادیں گے ۱۲

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

اور بعض اہل دیہات ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر (پورا پورا)

الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ

ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ (نیک کاموں میں) خرچ کرتے ہیں اس کو

عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ

عند اللہ قرب حاصل ہونے کا ذریعہ اور رسول کی دعا کا ذریعہ بناتے ہیں

کیونکہ آپ کی عادت شریفہ تھی کہ ایسے مواقع پر خرچ کرنے والوں کو دعا دیتے جیسا کہ احادیث میں ہے ۱۲

اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ سَيُدْخِلُهُمُ

یاد رکھو کہ ان کا یہ خرچ کرنا بیشک ان کے لئے موجب قربت ہے ضرور ان کو اللہ تعالیٰ

اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩٩﴾

اپنی رحمت میں داخل کرلیں گے اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں

پس ان کی لغزشیں معاف کر کے اپنی رحمت میں لے لیں گے۔

ربط: اور دیہاتی مسلمانوں کا ذکر تھا آگے تمام مسلمانوں کا ذکر ہے جن میں بڑے درجہ والوں کو چھوٹے درجہ والوں سے مقدم کیا گیا ہے۔

والسبقون تا العظیم

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ

اور جومہاجرین اور انصار (ایمان لانے میں سب سے) سابق اور مقدم ہیں

ان میں سب مہاجرین اور انصار داخل ہیں ۱۲

وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ

اور (بقیہ امت میں) جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں

اس میں باقی سب مسلمان داخل ہو گئے جن میں اول درجہ ان کا ہے جو صحابی ہیں گو مہاجر اور انصار نہیں کیونکہ آخیر میں ہجرت فرض نہ رہی تھی مسلمان ہو کر اپنے اپنے وطن میں رہنے کی اجازت تھی اور دوسرا درجہ ان لوگوں کا ہے جنہوں نے صحابہ کو دیکھا اور ان کو تابعین کہتے ہیں اس کے بعد ان لوگوں کا درجہ ہے جو صحابی اور تابعی نہیں ہیں مگر ان میں بھی تبع تابعین کو دوسروں پر فضیلت ہے جیسا کہ صحابہ میں مہاجر اور انصار کو دوسرے صحابہ پر فضیلت ہے کیونکہ وہ لوگ باوجود قدرت کے مہاجرین اور انصار سے پیچھے رہے اور صحابہ کی فضیلت تمام امت پر اس لئے ہے کہ انہوں نے حضور کو دیکھا ہے اور سب سے پہلے اسلام قبول کر کے اور اس کی اشاعت کر کے **من سن سنة حسنة والدال علی الخیر کفاعله** کے مصداق بنے ہیں کہ جو کوئی اچھا طریقہ اختیار کرے تو اس کو خود اپنے فعل کا ثواب ملتا ہے اور اس کی وجہ سے جتنے لوگ اس طریقہ کو اختیار کریں گے ان کے اعمال کا بھی ثواب ملتا ہے پس جیسا تفاوت ان کے مراتب میں ہوگا ویسا ہی ہر ایک کے ثواب میں بھی تفاوت ہوگا۔

رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ

اللہ ان سب سے راضی ہوا

کہ ان کا ایمان قبول کیا جس پر ثواب ملے گا۔

وَرَضُوْا عَنْهُ

اور وہ سب اس (اللہ) سے راضی ہوئے

کہ اس کی اطاعت اختیار کی جس کے ثواب سے یہ رضامندی اور زائد ہوگی۔

وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ

اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۱۰۰

جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور) یہ بڑی کامیابی ہے

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۭ

اور جو کچھ تمہارے گردو پیش والوں میں اور کچھ مدینہ والوں میں ایسے منافق ہیں کہ

وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ڀ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۣ

نفاق کی حد کمال پر پہنچے ہوئے ہیں (کہ) آپ (بھی) ان کو نہیں جانتے

لَا تَعْلَمُهُمْ ۭ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۭ سَنُعَذِّبُهُمْ

(کہ یہ منافق ہیں پس) ان کو ہم ہی جانتے ہیں ہم ان کو (اور منافقین سے

مَّرَّتَيْنِ

آخرت سے پہلے) دوہری سزا دیں گے

ربط: اوپر بہت آیتوں میں ان منافقوں کا ذکر آیا تھا جن کا منافق ہونا ان کے افعال واقوال سے معلوم ہو گیا تھا آگے ان منافقوں کا ذکر ہے جن کا منافق ہونا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہ تھا۔ **وممن حولکم تا عظیم** ان کو دوہری سزا اس لئے ہے کہ یہ نفاق کی صفت میں ایسے بڑھے ہوئے ہیں کہ باوجود یکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکاوت اور فطانت میں تمام جہان سے زیادہ ہیں مگر انہوں نے آپ کو بھی پتہ نہ دیا اور آخرت سے پہلے دنیا میں تو ان کو دوسرے منافقوں سے دونا عذاب اس طرح ہو سکتا ہے کہ ان کو اپنے نفاق کے چھپانے کی فکر ان لوگوں سے زیادہ تھی جن کا پتہ لگ چکا تھا اور قبر میں بھی ان کو دوسروں سے دونا عذاب ہے اور قبر بھی آخرت سے پہلے ہے۔ ربط: **یایها الذین امنوا مالکم اذا قیل لکم** کی تمہید میں بیان ہوا ہے کہ غزوۂ تبوک میں ان لوگوں کی چند قسمیں ہو گئی تھیں اوپر اکثر آیات میں پانچویں جماعت یعنی منافقین کا زیادہ ذکر ہوا ہے آگے چوتھی جماعت یعنی ان مسلمانوں کا ذکر ہے جو کاہلی سے پیچھے رہ گئے تھے مگر بہانے نہیں تراشے تھے پھر ان میں دو قسمیں ہو گئی تھیں پہلی قسم وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضور کی تشریف آوری کو سن کر اپنے کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا کہ آپ اگر کھولیں گے تو خیر ورنہ یوں ہی ختم ہو جاویں گے۔ آیۃ **واخرون اعترفوا الخ** میں ان لوگوں کا ذکر ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے ان کو کھول دیا پھر وہ آپ کی خدمت میں کچھ مال لائے کہ ہماری طرف سے نیک راہ میں صرف فرما دیجئے اس پر آیۃ **خذ من اموالهم** نازل ہوئی چنانچہ آپ نے وہ مال قبول فرما لیا۔ دوسری قسم وہ لوگ ہیں جنہوں نے نہ عذر تراشا اور نہ اپنے کو باندھا بلکہ حاضر ہو کر سچ سچ بات عرض کر دی۔ **اخرون مرجون لامر الله الخ** میں ان کا ذکر ہے اور ان کی

توبہ قبول ہونے کا ذکر لقد تاب اللہ الخ میں آئندہ رکوع کے ختم پر ہے۔

واخرون اعترفوا تا علیم حکیم

ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾

ایک نفاق کی دوسرے کمال نفاق کی) پھر (آخرت میں) وہ بڑے بھاری

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا

عذاب کی طرف بھیجے جائیں گے اور کچھ اور لوگ ہیں جو اپنی خطا کے مقر

صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭ

ہوگئے جنہوں نے ملے جلے عمل کئے تھے کچھ بھلے اور کچھ برے

اچھے کام تو یہ کہ اپنے قصور کا اقرار کیا جس کا منشاء ندامت ہے اور یہی توبہ ہے اور پہلے غزوات میں بھی یہ لوگ شریک ہو چکے تھے غرض یہ تو اچھے کام کئے اور کچھ برے کام کئے جیسے بلا عذر کے غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ جانا

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

(سو) اللہ سے امید ہے کہ ان (کے حال) پر (رحمت کے ساتھ) توجہ فرماویں

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾

(یعنی توبہ قبول کرلیں) بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں

جب اس آیت سے توبہ قبول ہو چکی اور وہ حضرات ستونوں سے کھل چکے تو اپنا مال آپ کی خدمت میں لے کر آئے اور درخواست کی کہ اس کو اللہ کی راہ میں صرف کیا جاوے تو ارشاد ہوا کہ آگے ترجمہ دیکھو۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ

آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ (جس کو یہ لائے ہیں) لے لیجئے جس کے

وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ

(لینے کے) ذریعہ سے آپ ان کو (گناہ کے آثار سے) پاک صاف کردیں گے

یہاں چند باتیں قابل تحقیق ہیں۔ یہ کہ جب توبہ سے گناہ معاف ہو گیا تو صدقہ کے ذریعہ سے پاک صاف کرنے کے کیا معنے جواب یہ ہے کہ توبہ سے گناہ تو معاف ہو جاتا ہے لیکن کبھی اس کی ظلمت اور کدورت کا اثر باقی رہ جاتا ہے اور اگرچہ اس پر مواخذہ نہیں لیکن اس سے آئندہ دوسرے گناہوں کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے پس توبہ کے بعد نیک اعمال سے عموماً اور صدقہ سے خصوصاً یہ ظلمت اور کدورت رفع ہو جاتی ہے کیونکہ حدیث میں ہے۔ **الصدقة تطفی غضب الرب** (صدقہ خدا تعالیٰ کے غصہ کو بجھا دیتا ہے) یہ کہ جب جہاد فرض کفایہ ہے تو جو لوگ کاہلی سے نہ گئے ان کو گناہ کیوں ہو کیونکہ فرض کفایہ تو بعض کے بجالانے سے سب کے اوپر سے اتر جاتا ہے جواب یہ ہے کہ جہاد فی نفسہ فرض کفایہ ہے مگر جب آپ نے سب کو چلنے کا حکم فرمایا تو اب فرض عین ہو گیا تھا (جس کا بجالانا ہر شخص کو ضروری ہوتا ہے) اسی طرح جب کوئی خلیفہ اسلام عام حکم دے دے تو یہی حکم ہوگا ۱۲

اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ

اور ان کے دعا کیجئے بلاشبہ آپ کی دعا ان کیلئے موجب اطمینان (قلب) ہے

جس کے پاس صدقہ لایا جاوے خواہ امام ہو یا اور کوئی ہو اس کو مستحب ہے کہ لانے والے کو دعاء دے مگر لفظ صلوٰۃ سے نہ ہو یعنی اسی طرح نہ کہے۔ **اللهم صل علی زید** کیونکہ عرف میں یہ لفظ انبیاء کے لئے مخصوص ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو اس طرح دعا دینا منقول ہے وہ لغوی معنے کے اعتبار سے ہے اور اس وقت تک عرف میں یہ لفظ انبیاء کے لئے مخصوص نہ ہوا تھا۔

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾

اور اللہ تعالیٰ ان کے اعتراف کو) خوب سنتے ہیں اور انکی ندامت کو) خوب جانتے ہیں

اس لئے ان کے اخلاص کو دیکھ کر آپ کو یہ احکام دیئے گئے آگے نیک اعمال کی ترغیب ہے اور گناہوں سے ڈراتے ہیں۔

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ

کیا ان کو یہ خبر نہیں کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہی

عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ

صدقات کو قبول فرماتا ہے اور (کیا ان کو) یہ (خبر نہیں) کہ اللہ ہی توبہ قبول

اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾

کرنے (کی صفت میں) اور رحمت کرنے (کی صفت میں) کامل ہے

اس لئے ان کی توبہ قبول کی اور اپنی رحمت سے مال قبول کرنے اور ان کے لئے دعا کرنے کا حکم فرمایا پس آئندہ بھی خطا و قصور ہو جانے پر توبہ کرلیا کریں اور اگر توفیق ہو تو کچھ خیر خیرات بھی کیا کریں آگے گناہوں سے ڈرانے کا مضمون ہے۔

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ

اور آپ کہہ دیجئے کہ (جو چاہو) عمل کئے جاؤ سو ابھی دیکھے لیتا ہے تمہارے

وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ

عمل کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اور اہل ایمان

پس برے عمل پر دنیا ہی میں ذلت اور رسوائی ہو جاتی ہے ۱۲

وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

اور (پھر آخرت میں) ضرور تم کو ایسے (اللہ) کے پاس جانا ہے جو تمام چھپی

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۚ ﴿۱۰۵﴾

اور کھلی چیزوں کا جاننے والا ہے سو وہ تم کو تمہارا سب کیا ہوا بتلا دے گا

پس برے عمل سے جیسا کہ جہاد میں پیچھے رہ جانا وغیرہ آئندہ کے لئے احتیاط رکھو یہ پہلی قسم کا بیان تھا آگے دوسری قسم کا ذکر ہے۔

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ

اور کچھ اور لوگ ہیں جن کا معاملہ خدا کے حکم آنے تک ملتوی ہے کہ ان کو سزا

وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ

دے گا یا ان کی توبہ قبول کرے گا

یعنی اگر توبہ اخلاص سے ہوئی تو قبول ہوگی ورنہ سزا دی جائے گی اور توبہ قبول کرنے والوں میں یہ دو احتمال قبول توبہ یا عذاب کے اس لئے ہیں کہ توبہ کبھی شرائط کے موافق نہیں ہوتی پس جن آیات میں ہر توبہ کے قبول ہونے کا ذکر ہے ان سے کوئی تعارض نہ رہا کیونکہ ان کا بھی یہی مطلب ہے کہ جب وہ شرائط کے موافق ہو اس وقت ضرور قبول ہوگی۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾

اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے (اور) حکمت والا ہے

یعنی ان کے خلوص اور عدم خلوص کا حال جانتا ہے پس موافق حکمت کے خلوص کی توبہ کو قبول کرتا ہے اور بغیر خلوص کے قبول نہیں کرتا اور اگر کبھی بلا توبہ کے معاف کرنے میں حکمت ہو تو ایسا بھی کر دیتا ہے پس اس سے یہ شبہ دفع ہو گیا کہ بدوں توبہ کے معافی نہیں ہوتی کیونکہ کبھی بلا توبہ کے معاف کر دینا بھی حکمت کے موافق ہوتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا

اور بعضے ایسے ہیں جنہوں نے ان اغراض کے لئے مسجد بنائی ہے کہ (اسلام کو) ضرر

وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

پہنچاویں اور (اس میں بیٹھ کر) کفر کی باتیں کریں اور ایمانداروں میں تفریق ڈالیں

ربط: اوپر بار بار منافقین کا ذکر ہوا ہے آگے ان کے ایک مسجد بنانے کا اور اس کے متعلق بعض باتوں کا بیان ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مدینہ کے قریب قبا ایک محلّہ ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے ہیں تو اول اسی محلّہ میں قیام فرمایا تھا پھر شہر میں تشریف لائے تو آپ نے اس وقت جس جگہ پر قبا میں نماز پڑھی وہاں اس محلّہ کے سچے مسلمانوں نے ایک مسجد بنالی اور اس میں نماز پڑھا کرتے اس کا نام مسجد قبا مشہور ہے منافقین ایک شخص ابو عامر نامی سے میل رکھتے تھے جو اسلام کا سخت دشمن تھا باہم یہ صلاح ٹھہری کہ ایک مکان مسجد کے نام سے الگ بنایا جائے اس میں سب جمع ہو کر اسلام کو ضرر پہنچانے کے لئے مشورے کیا کریں اور سارے مجمع کا سردار ابو عامر ہو جب وہ مدینہ آیا کرتے تو اسی مکان میں ٹھہرا کرتے ابو عامر نے یہ بھی کہا تھا کہ میں ہرقل شاہ روم سے مل کر اسلام کے مقابلہ کے لئے لشکر لاؤں گا جس سے اسلام مٹ جاوے گا جب وہ مکان مسجد کی شکل پر تیار ہوا تو منافقین نے حضور سے درخواست کی کہ آپ وہاں چل کر نماز پڑھ لیجئے تو پھر وہاں جماعت ہونے لگے گی آپ نے الگ مسجد بنانے کی وجہ پوچھی کہنے لگے کہ ہماری نیت بالکل نیک ہے محض مسلمانوں کی آسائش کی غرض سے بنائی ہے اور کچھ مصلحتیں جھوٹ موٹ بیان کر دیں آپ نے حسن ظن کی بناء پر ان کو سچا سمجھا اور وعدہ کر لیا کہ تبوک سے واپس آکر اس میں نماز پڑھوں گا اللہ تعالیٰ نے اگلی آیتوں میں آپ کو حقیقت حال کی اطلاع کر دی اور وہاں نماز پڑھنے سے منع فرما دیا چنانچہ آپ نے صحابہ کو بھیج کر اس کو آگ لگوا دی اور منہدم کرا دیا کیونکہ وہ مسجد کی نیت سے نہ بنائی گئی تھی اور اس سے بہت مفاسد پیدا ہونے کا خطرہ تھا اس مسجد کا لقب مسجد ضرار مشہور ہے ان آیات میں اس مسجد کا اور اس کے مقابلہ میں مسجد قبا کا جو کہ مسلمانوں کی مسجد ہے بیان ہے۔ **والذین اتخذوا تا علیم حکیم**

کیونکہ جب دوسری مسجد بنتی ہے اور یہ ظاہر کیا جائے کہ اچھی نیت سے بنائی گئی ہے تو ضرور ہے کہ پہلی مسجد کا مجمع کچھ نہ کچھ منتشر ہو ہی جاتا ہے۔

وَ اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ

اور اس شخص کے قیام کا سامان کریں جو اس کے قبل سے خدا

مِنْ قَبْلُ ؕ

ورسول کا مخالف ہے

مراد ابو عامر راہب ہے

وَ لَیَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰی ؕ

اور (پوچھوتو) قسمیں کھاجاویں گے کہ بجز بھلائی کے اور ہماری کچھ نیت نہیں

جیسا کہ ایک دفعہ پہلے بھی پوچھنے پر قسمیں کھا چکے ہیں اور بھلائی سے مراد آسائش اور گنجائش ہے کہ دو مسجدیں بن جانے سے مسلمانوں کو آسانی ہوجائے گی۔

وَ اللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ لَا

اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں آپ اس میں کبھی (نماز کیلئے)

تَقُمْ فِیْهِ اَبَدًا ؕ

کھڑے نہ ہوں

کیونکہ واقع میں وہ مسجد ہی نہیں بلکہ اسلام کو مضر ہے

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ

البتہ جس مسجد کی بنیاد اول دن سے تقوی پر رکھی گئی ہے (مراد مسجد قبا ہے) وہ

یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْهِ ؕ

(واقعی) اس لائق ہے کہ آپ اس میں (نماز کے لئے) کھڑے ہوں

چنانچہ کبھی کبھی آپ وہاں تشریف لے جاتے اور نماز پڑھتے ۱۲

فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا ؕ

اس میں ایسے آدمی ہیں کہ وہ خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں

وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ ﴿۱۰۸﴾

اور اللہ تعالیٰ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے

جب یہ آیۃ نازل ہوئی تو آپ نے مسجد قبا والوں سے پوچھا کہ تم کیا پاکی کرتے ہو جس پر تمہاری تعریف کی گئی انہوں نے کہا کہ ہم استنجاء ڈھیلے سے کرکے پانی بھی لیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہی بات ہے اس حدیث سے اور نیز قرینہ سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد اسس علی التقوی سے مراد قبا کی مسجد ہے اس پر یہ شبہ ہوگا کہ پھر اس حدیث کے کیا معنی کہ دو صحابیوں کی اس میں گفتگو ہوئی (کہ یہ تعریف کس مسجد کی ہے ایک نے کہا مسجد قبا کی اور دوسرے نے کہا کہ مسجد نبوی کی) اس پر آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد میری یہ مسجد یعنی مسجد نبوی ہے جواب یہ ہے کہ حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ مسجد قبا اس سے مراد نہیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ مسجد نبوی بھی مراد ہے اور مقصود اس جواب سے یہ ہے کہ مسجد قبا ہی کے ساتھ اس تعریف کو خاص کرنا صحیح نہیں کیونکہ جب صحابہ کے بنانے سے وہ مسجد قابل تعریف ہوگئی تو جس مسجد کے بانی خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے وہ ظاہر ہے کہ بدرجہ اولیٰ اس کی مستحق ہوگی (پس آیت کا شان نزول اگرچہ قبا کی مسجد ہے مگر دلالۃ النص سے مسجد نبوی بھی اس میں داخل ہے) ۱۲

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ

پھر آیا ایسا شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت (یعنی مسجد) کی بنیاد خدا سے

وَ رِضْوَانٍ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ عَلٰى

ڈرنے پر اور خدا کی خوشنودی پر رکھی ہو یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد

شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ

کسی گھاٹی (یعنی غار) کے کنارہ پر جو کہ گرنے ہی کو ہے رکھی ہو پھر وہ (عمارت) اس (بانی) کو لے کر آتش دوزخ میں گر پڑے

اغراض باطلہ کفریہ کو ناپائیداری میں اس عمارت سے تشبیہ دی گئی جو کسی غار کے کنارہ پر بنائی جاوے تو وہ کنارا جب پانی سے کٹ کر گرے گا وہ عمارت گرے گی اور بنانے والا چونکہ اس میں رہتا تھا وہ بھی گرے گا اور چونکہ اس جگہ کنارہ سے خیالات کفریہ مراد ہیں جو جہنم میں لے جاتے ہیں اس لئے یہ فرمایا کہ وہ جہنم میں لے کر اس کو جا گرا ۱۲

وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۰۹﴾

اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو (دین کی) سمجھ ہی نہیں دیتا

کہ مکان تو بنایا مسجد کے نام سے جو کہ شعار اسلام ہے اور اس میں اغراض کیسی فاسد پیدا کرلیں۔

لَا یَزَالُ بُنْیَانُهُمُ الَّذِیْ بَنَوْا رِیْبَةً فِیْ

ان کی یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے ہمیشہ ان کے

قُلُوْبِهِمْ

دلوں میں (کانٹا سا) کھٹکتی رہے گی

کیونکہ جس غرض سے بنائی تھی وہ پوری نہ ہوئی اور قلعی کھل گئی سو الگ اور پھر اوپر سے منہدم کر دی گئی غرض کوئی ارمان نہ نکلا اس لئے ساری عمر اس کا افسوس اور ارمان باقی رہے گا۔

اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ط

ہاں مگر ان کے (وہ) دل ہی اگر فنا ہو جاویں تو خیر

وہ ارمان بھی اس وقت ختم ہو جاوے گا اس کا یہ مطلب نہیں کہ موت کے بعد راحت ہو جاوے گی بلکہ محاورات میں ایسے کلام کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہمیشہ حسرت ہی رہے گی اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اصل میں جس چیز کا نام دل ہے (روح) اس کو موت نہیں آتی تو مطلب یہ ہوا کہ نہ ان کے دل فنا ہوں گے نہ یہ ارمان ختم ہو گا ۱۲

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ ع

اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں ۔

ان کی حالت کو جانتے ہیں اور اسی کے مناسب سزا دیں گے۔

مسئلہ: اس قصہ سے بعض علماء نے یہ سمجھا ہے کہ جو مسجد فخر وریا کے واسطے بنائی جائے وہ مسجد ہی نہیں مجھ کو اس میں کلام ہے کیونکہ منافقین نے تو مسجد بنانے کی نیت ہی نہ کی تھی اس لئے ان کے اعتقاد میں مسجد بنانا ثواب کا کام نہیں تھا۔ بخلاف اس صورت کے کہ ایک مسلمان مسجد بنائے اور اس میں نیت فاسد ہو کیونکہ وہ اپنے اعتقاد میں اس کو ثواب کا کام سمجھتا ہے پس نیت کی خرابی کو عقیدہ کی خرابی پر قیاس کرنا صحیح نہیں اس لئے وہ ظاہری احکام میں مسجد ہے گو عند اللہ مقبول نہ ہو۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس

اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ط

بات کے عوض میں خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی (اور خدا کے ہاتھ مال

يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ

وجان کے بیچنے کا مطلب یہ ہے کہ) وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں جس میں قتل

وَيُقْتَلُوْنَ قف

کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں

ربط: اوپر جہاد سے پیچھے رہنے والوں کی مذمت تھی آگے مجاہدین کی فضیلت ہے پھر ان میں سے جو لوگ کامل ہیں جن میں جہاد کے سوا دوسرے اوصاف بھی پائے جاتے ہیں ان کی تعریف ہے ان اللہ اشتریٰ تا بشر المومنین

جان بیچنے سے مراد جہاد کرنا ہے خواہ اس میں قاتل ہونے کی نوبت آئے یا مقتول ہونے کی پس یہ شبہ جاتا رہا کہ جان تو مرنے کے بعد بھی باقی رہتی ہے پھر جان دینے کا کیا مطلب جواب ظاہر ہے کہ جان دینے سے مراد لڑائی کرنا ہے۔

وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِى التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ

اس پر (جنت کا) سچا وعدہ کیا گیا ہے توریت میں (بھی) اور انجیل میں (بھی)

وَالْقُرْاٰنِ ط وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ

اور قرآن میں (بھی) اور (یہ مسلم ہے کہ) اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو کون پورا

اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِىْ

کرنے والا ہے تو تم لوگ اپنی اس بیع پر جس کا تم نے (اللہ تعالیٰ سے)

بَايَعْتُمْ بِهٖ ط

معاملہ ٹھہرایا ہے خوشی مناؤ

کیونکہ اس پر تم کو حسب وعدہ جنت ملے گی۔

وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾

اور یہ بڑی کامیابی ہے

تو ضرور تم کو یہ سودا کرنا چاہئے آگے فرماتے ہیں کہ یہ مجاہدین ایسے ہیں کہ دوسرے کمال کے ساتھ بھی موصوف ہیں ۱۲

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ

وہ ایسے ہیں جو (گناہوں سے) توبہ کرنے والے ہیں (اور اللہ کی) عبادت

السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ

کرنے والے (اور) حمد کرنے والے روزہ رکھنے والے رکوع اور سجدہ کرنے

الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ

والے (ہیں یعنی نماز پڑھتے ہیں اور) نیک باتوں کی تعلیم کرنے والے اور بری

الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ

باتوں سے باز رکھنے والے اور اللہ کی حدوں کا (یعنی احکام کا) خیال رکھنے والے

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۲﴾

ہیں اور ایسے مومنین کو (جن میں جہاد اور یہ صفات ہوں) آپ خوشخبری سنا دیجئے

کہ ان سے جنت کا وعدہ ہے اور ان اوصاف کے بڑھانے کا یہ مطلب نہیں کہ بدوں ان صفات کے جہاد کا ثواب نہیں ملتا کیونکہ بہت سی نصوص میں صرف جہاد پر بھی بشارتیں ہیں البتہ ایمان کی شرط ضروری ہے مطلب یہ ہے کہ ان سب اوصاف کے جمع ہو جانے سے ثواب اور فضیلت بڑھ جاتی ہے پس نرے جہاد پر نہ بیٹھ جاویں بلکہ ان عبادات کو بھی ہمیشہ بجا لاویں اور مشہور ہے کہ انجیل میں جہاد کا حکم نہیں ہے پھر انجیل میں اس وعدے کے ہونے کا کیا معنے سو ممکن ہے کہ اس میں امت محمدیہ کا ذکر ہو کہ وہ جہاد کریں گے اور ان سے یہ وعدہ ہے یا مطلق جان و مال خرچ کرنے کا ثواب مذکور ہو جس میں جہاد بھی داخل ہے اور اگر اب اس میں یہ مضامین نہ ہوں تو شبہ نہ کیا جاوے کیونکہ پہلی کتابیں اصلی کم ہو گئی ہیں۔

مَا كَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ

پیغمبر کو اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ

یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِیْنَ وَلَوْ كَانُوْۤا اُولِیْ

مشرکین کے لئے مغفرت کی دعا مانگیں اگرچہ وہ

قُرْبٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ

رشتہ دار ہی (کیوں نہ) ہوں اس امر کے ظاہر ہو جانے کے

اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ﴿۱۱۳﴾

بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں

ربط: اس سورت کے زیادہ حصہ میں کفار سے بیزاری ظاہر کی گئی ہے چنانچہ شروع میں براءت کا اعلان ہے پھر جہاد کا حکم ہے یہ سب معاملات تو زندگی کے متعلق تھے آگے اس بیزاری کی تاکید کے لئے کفار کے واسطے استغفار کرنے کی ممانعت ہے جس کا تعلق مابعد موت سے ہے کہ اس میں غیر ضروری تعلقات کا بالکل ہی قطع ہے اور وجہ اس ممانعت کی یہ ہوئی کہ ابوطالب کی وفات کے بعد آپ نے فرمایا کہ جب تک مجھ کو ممانعت نہ ہوگی ان کے لئے استغفار کروں گا اس پر مسلمانوں نے بھی اپنے مشرک

مردوں کے لئے استغفار شروع کیا تو آیت ماکان للنبی الخ میں اس کی ممانعت آئی بعض کو شبہ ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام نے بھی تو اپنے باپ کے لئے استغفار کیا تھا اس کا جواب **وما کان استغفار ابراھیم الخ** میں نازل ہوا **ما کان للنبی تا اواہ حلیم**۔

اس وجہ سے کہ وہ کافر ہو کر مرے ہیں اور اگر ابراہیم علیہ السلام کے قصہ سے یہ شبہ ہو کہ انہوں نے اپنے باپ کے لئے دعاء مغفرت کی تھی تو اس کا جواب بھی سن لو (ترجمہ)

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِیْمَ

اور ابراہیمؑ کا اپنے باپ کے لئے دعائے مغفرت مانگنا وہ صرف وعدہ کے

لِاَبِیْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِیَّاهُ ۚ

سبب سے تھا جو انہوں نے اس سے وعدہ کر لیا تھا۔ پھر جب ان پر یہ بات

فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ

ظاہر ہو گئی کہ وہ خدا کا دشمن ہے (یعنی کافر ہو کر مرا) تو وہ اس سے محض بے

تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ

تعلق ہو گئے

خلاصہ یہ کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لئے استغفار اس کی زندگی میں کیا تھا اور اس وقت تک اس کا دوزخی ہونا ظاہر نہ ہوا تھا اور زندگی میں کافر کے لئے دعائے مغفرت کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ اس کو ہدایت کی توفیق ہو جائے کیونکہ توفیق ہدایت کے لئے مغفرت لازم ہے غرضکہ ان کا استغفار جائز تو اس لئے تھا کہ اس کا دوزخی ہونا ظاہر نہ ہوا تھا اور استغفار کیا اس لئے کہ اس سے وعدہ کر لیا تھا اگر وعدہ نہ کیا ہوتا تو باوجود جائز ہونے کے پھر بھی نہ کرتے اور جب ان کو معلوم ہو گیا کہ وہ کافر مرا ہے پھر بالکل استغفار نہیں کیا بخلاف تمہارے کہ تم مشرکین کے مرنے کے بعد استغفار کر رہے ہو جن کا کفر کی حالت پر مرنا مشاہدہ سے معلوم ہو چکا ہے اور احکام شرعیہ میں ایسا مشاہدہ کافی ہے پھر تم اپنے استغفار کو ان کے استغفار پر کیسے قیاس کر سکتے ہو رہا یہ سوال کہ ابراہیم علیہ السلام نے وعدہ کیوں کر لیا تھا اس کی وجہ آگے بتلاتے ہیں۔

اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیْمٌ ﴿۱۱۴﴾

واقعی ابراہیمؑ بڑے رحیم المزاج حلیم الطبع تھے

کہ باوجودیکہ آپ نے ان کو کیسی کیسی سخت باتیں کہیں مگر تحمل سے کام لیا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ شفقت کے جوش میں استغفار کا وعدہ کر لیا اور

جب تک نفع کا احتمال رہا اس وعدہ کو پورا کیا جب ناامیدی ہوگئی ہار کر چھوڑ دیا اس سے معلوم ہوا کہ قرآن میں جو ابراہیم علیہ السلام کی دعا آئی ہے۔ واغفر لابی (کہ میرے باپ کی مغفرت کر دیجئے) اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کو ہدایت کر دیجئے اور ایک آیۃ میں ہے ولوالدی یوم یقوم الحساب (کہ قیامت کے دن میرے والدین کو بخش دیجئے) اس کے بھی یہی معنے ہیں کہ ان کو ہدایت کر دیجئے تاکہ قیامت میں بخشے جاویں اور بخاری کی حدیث میں جو آیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام قیامت میں حق تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ آپ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ قیامت میں مجھ کو رسوا نہ کیا جائے گا اور اس سے زیادہ کیا رسوائی ہے کہ میرا باپ جہنمی ہے اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس وقت آپ اس کی مغفرت چاہیں گے بلکہ مطلب یہ ہوگا کہ کسی طرح مجھ کو رسوائی سے بچائیے کیونکہ اس میں بھی ایک گونہ رسوائی ہے کہ میرا باپ اس حالت میں ہو اور حق تعالیٰ کے جواب کا یہ حاصل ہوگا کہ رسوائی سے بچانے کا یہ طریقہ تو نہیں ہو سکتا کہ اس کی مغفرت کر دی جائے ہم دوسری صورت تجویز کرتے ہیں کہ اس کی صورت مسخ کئے دیتے ہیں تاکہ کوئی اس کو پہچانے نہیں اور تم کو شرمندگی نہ ہو چنانچہ اس کو بجو کی شکل میں مسخ کر دیا جائے گا۔ **ربط:** اوپر مشرکین کے لئے استغفار کرنے کو ناجائز فرمایا تھا چونکہ ناجائز افعال کا خاصہ یہ ہے کہ ان کے کرنے سے دل سیاہ ہو جاتا ہے اور بار بار کرنے سے وہ سیاہی بڑھ جاتی ہے اس لئے مسلمانوں کو وہم ہو سکتا تھا کہ اس ناجائز استغفار سے کہیں یہ ضرر ہم کو نہ پہنچا ہو اس کے متعلق آگے تسلی فرماتے ہیں کہ یہ اثر کسی فعل سے اس وقت ہوتا ہے جبکہ ممانعت کے بعد اس کو کیا جائے کیونکہ ممانعت کے بعد ہی وہ ناجائز ہوتا ہے۔ اس سے پہلے جائز رہتا ہے تو یہ ضرر بھی اس سے نہیں ہوتا اور تسلی کے بعد تاکید کے لئے اپنی صفات کمال بیان فرماتے ہیں۔ وما کان اللّٰہ تا ولا نصیر

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ
اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرتا کہ کسی قوم کو ہدایت کے پیچھے گمراہ کر دے جب تک
هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ
کہ ان چیزوں کو صاف صاف نہ بتلا دے جن سے وہ بچتے رہیں

تو جب ہم نے تم کو ہدایت کی اور اس سے پہلے مشرکین کے لئے استغفار کا ناجائز ہونا بتلایا نہ تھا تو اس کے کرنے سے تم کو یہ سزا نہیں دی جاوے گی کہ تم میں گمراہی کا ارادہ پیدا کر دیا جائے اور کفار کو جو ہدایت سے پہلے گمراہی ہوتی ہے وہ بھی حق واضح کر دینے کے بعد ہوتی ہے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں

وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا کہ ہم کسی (قوم) کو رسول بھیجنے سے پہلے عذاب نہیں کرتے پس یہ حکم مسلمانوں ہی کے لئے خاص نہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾
بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں

تو وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ بدوں ہمارے بتلائے ایسے احکام کو کوئی نہیں جان سکتا اس لئے ان افعال سے نقصان بھی نہیں پہنچاتے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
اور بلاشبہ اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں وہی جلاتا ہے
يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ
اور مارتا ہے

یعنی قدرت اور حکومت ہر طرح کی اسی کے لئے خاص ہے اس لئے جو چاہے حکم دے سکتا ہے اور جس نقصان سے چاہے بچا سکتا ہے۔

وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ
اور تمہارا اللہ کے سوا نہ کوئی یار ہے
وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾
نہ مددگار

بلکہ وہی یار و مددگار ہے اس لئے ممانعت سے پہلے وہ تم کو نقصان سے بچاتا ہے اور اگر تم نے ممانعت کے بعد اطاعت نہ کی تو کوئی اور بچانے والا نہیں خوب سمجھ لو **ربط** اوپر بہت سی آیتیں قصہ تبوک کے متعلق تھیں آگے بھی اسی قصہ کے متعلق غزوہ میں شریک ہونے والوں کی اور شریک نہ ہونے والوں میں سچ بولنے والوں اور توبہ کرنے والوں کی مدح اور ان کا مقبول ہونا بیان فرماتے ہیں اور اخرون مرجون لامر اللّٰہ الخ میں جن تین حضرات کا معاملہ حکم ثانی تک ملتوی کیا گیا تھا اس آیت میں ان کی توبہ قبول ہونے کی بشارت دی گئی ہے اور وہ تین بزرگ تھے کعب بن مالکؓ مرارۃ بن الربیعؓ ہلال بن امیہؓ ان کا قصہ بخاری میں آیا ہے کہ آپ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ جاؤ اللہ کا جو حکم تمہارے بارے میں ہوگا کیا جاوے گا اور آپ نے ان کے ساتھ کلام کرنے سے مسلمانوں کو منع فرما دیا اور اسی حالت میں ان پر پچاس دن گزر گئے حتیٰ کہ غایت پریشانی سے تمام عالم ان کی نظروں میں تنگ و تاریک نظر آنے لگا۔ آخر یہ آیت نازل ہوئی مفصل قصہ حدیث میں ہے۔ اور بڑی وقعت اور اثر کا قصہ ہے۔ لقد تاب اللّٰہ تا ھو التواب الرحیم

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ

اللہ تعالیٰ نے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حال پر توجہ فرمائی

کہ آپ کو نبوت اور امامت جہاد اور تمام خوبیاں عطا فرمائیں۔

وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ

اور مہاجرین اور انصار کے حال پر بھی

توجہ فرمائی کہ ان کو ایسی مشقت کے جہاد میں مستقیم رکھا ۱۲

الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ

جنہوں نے ایسی تنگی کے وقت میں پیغمبر کا ساتھ دیا

تنگی اور مصیبت کا وقت اس لئے فرمایا کہ وہ زمانہ سخت گرمی کا تھا اور سفر دراز تھا اور مقابلہ قواعد دان لشکر سے تھا سواری کی بھی بہت کمی تھی کھانے پینے کا سامان رسد بھی اس درجہ کم تھا کہ بعض دفعہ ایک چھوارے کو آگے پیچھے کئی کئی آدمی چوستے تھے سواری کے اونٹ ذبح کرنے پڑے ان کی آلائش کو نچوڑ کر پینا پڑا اور اس مقام پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر تبرکاً ہے نیز صحابہ کا جی خوش کرنے کے لئے کہ وہ یہ سمجھ کر خوش ہوں کہ ہم بھی اس خاص عنایت سے محروم نہ رہیں گے جو آپ کی مقدس ذات کے ساتھ ہے۔

مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ

بعد اس کے کہ ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں کچھ تزلزل ہو چلا تھا

کہ جہاد میں جانے سے ہمت ہارنے کو تھے۔

فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ

پھر اللہ نے ان (گروہ) کے حال پر توجہ فرمائی

کہ ان کو سنبھال لیا اور آخر ساتھ ہو ہی لئے۔

اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۙ﴿۱۱۷﴾

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان سب پر بہت ہی شفیق مہربان ہے

کہ اپنی مہربانی سے ہر ایک کے حال پر کس کس طرح توجہ فرمائی۔

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰٓى

اور ان تین شخصوں کے حال پر بھی (توجہ فرمائی) جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا یہاں تک کہ

اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ

جب (ان کی پریشانی کی یہ نوبت پہنچی کہ) زمین باوجود اپنی فراخی کے ان پر تنگی

وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ

کرنے لگی اور وہ خود اپنی جان سے تنگ آ گئے اور انہوں نے سمجھ لیا

لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ

کہ خدا (کی گرفت) سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی بجز اس کے کہ اسی کی طرف

عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ

رجوع کیا جاوے (اس وقت وہ خاص توجہ کے قابل ہوئے) پھر ان کے حال پر (بھی خاص) توجہ فرمائی تاکہ وہ آئندہ بھی (اللہ کی طرف) رجوع رہا کریں

(۱) اور مصیبت و معصیت کے موقعہ پر اس طرح توبہ کیا کریں

مسئلہ: کسی شخص کو خلاف شرع کام کرنے پر یہ سزا دینا کہ اس سے سلام و کلام ترک کر دیا جائے جائز ہے اور حدیث میں جو ممانعت آئی ہے کہ تین دن سے زیادہ بات چیت بند نہ کرے اس سے مراد وہ صورت ہے جس کا سبب کوئی دنیوی رنج ہو واللہ اعلم ربط: اوپر مجاہدین اور توبہ کرنے والوں کی مدح اور مقبولیت مذکور تھی چونکہ یہ مقبولیت تقویٰ اور صدق و اخلاص کی بدولت ہے اس لئے آگے عام مسلمانوں کو بھی اس کا حکم فرماتے ہیں یایھا الذین اٰمنوا تا مع الصدقین

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ ع

بیشک اللہ تعالیٰ بہت توجہ فرمانے والے بڑے رحم کرنے والے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور (عمل میں)

مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

سچوں کے ساتھ رہو

یعنی جو لوگ نیت اور بات کے سچے ہیں ان کی راہ پر چلو کہ تم بھی سچائی اختیار کرو ربط: اوپر جہاد سے پیچھے رہنے والوں پر ملامت اور مجاہدین کی فضیلت الگ الگ مذکور تھی آگے دونوں کو ملا کر بیان فرماتے ہیں تاکہ جہاد سے پیچھے رہنے کی برائی پر استدلال ہو جاوے۔ ماکان تا ماکانو ایعملون

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ

مدینے کے رہنے والوں کو اور جو دیہاتی ان کے گرد و پیش (رہتے ہیں)

مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ

ہیں ان کو یہ زیبا نہ تھا کہ رسول اللہؐ کا ساتھ نہ دیں

اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ

اور نہ یہ (زیبا تھا) کہ اپنی جان کو ان کی جان سے عزیز سمجھیں

کہ آپ تو تکلیف سہیں اور یہ آرام میں بیٹھے رہیں بلکہ آپ کے ہمراہ جانا ضروری تھا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ

(اور) یہ (ساتھ جانے کا ضروری ہونا) اس سبب سے ہے

وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَئُوْنَ

کہ ان کو اللہ کی راہ میں جو پیاس لگی اور جو ماندگی پہنچی اور جو بھوک لگی

مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ

اور جو چلنا چلے جو کفار کے لئے موجب غیظ ہوا ہو اور دشمنوں کی جو

عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ

کچھ خبر لی ان سب پر ان کے نام ایک ایک نیک کام لکھا گیا

یعنی مجاہدین کو ساتھ جانے میں علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا حق ادا کرنے کے بات بات پر ثواب حاصل ہوا ہے حالانکہ ان میں بعض امور ایسے بھی ہیں جو اختیار سے باہر ہیں مگر یہ مقبولیت اور محبوبیت کا مقتضا ہے کہ غیر اختیاری امور بھی اختیاری اعمال کی طرح موجب ثواب قرار دیئے گئے آگے فرماتے ہیں کہ یہ وعدہ خلاف نہیں ہوسکتا ۱۲

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝١٢٠ۙ

یقیناً اللہ تعالیٰ مخلصین کا اجر ضائع نہیں کرتے

مخلصین کی قید اس لئے بڑھائی کہ اخلاص کے بدوں تو ثواب ملتا ہی نہیں۔

وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً

اور (نیز) جو کچھ چھوٹا بڑا انہوں نے خرچ کیا اور جتنے

وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ

میدان ان کو طے کرنے پڑے یہ سب بھی ان کے نام

لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا

(نیکیوں میں) لکھا گیا تا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے (ان سب) کاموں کا

يَعْمَلُوْنَ ۝١٢١

اچھے سے اچھا بدلہ دے

کیونکہ جب ثواب لکھا گیا تو بدلہ ملے گا **ربط**: اوپر جو پیچھے رہنے والوں کے بارہ میں ملامت کے مضامین نازل ہوئے ہیں اس سے آئندہ کے لئے شبہ ہوسکتا تھا کہ ہمیشہ سب کے ذمہ جہاد میں جانا ضروری ہوگا اس لئے آگے بتلاتے ہیں کہ ہمیشہ ہر شخص کا جانا ضروری نہیں اور تبوک میں جو سب حاضرین کے ذمہ جانا فرض تھا اس کی وجہ اوپر گزر چکی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو حکم عام دیا تھا پس دونوں آیتوں کا خلاصہ یہ ہوا کہ جہاد فی نفسہ تو فرض کفایہ ہے مگر امام کے حکم سے ہر مخاطب پر فرض عین ہو جائے گا (جن کو وہ حکم کردے) وما کان تا یحذرون

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَاۗفَّةً ؕ

اور (ہمیشہ کیلئے) مسلمانوں کو یہ (بھی) نہ چاہئے کہ (جہاد کے واسطے) سب کے سب (ہی) نکل کھڑے ہوں

کہ اس میں بھی بعض اوقات مسلمانوں کا ضرر ہے

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَاۗىِٕفَةٌ

سو ایسا کیوں نہ کیا جاوے کہ ان کی ہر ہر بڑی جماعت میں سے ایک ایک چھوٹی جماعت (جہاد میں) جایا کرے

اور کچھ اپنے وطن میں رہ جایا کریں۔

لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ

تا کہ (یہ) باقی ماندہ لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہر میں ہوں تو آپ سے اور آپ کے پیچھے شہر کے دوسرے علماء سے دین کے احکام معلوم کریں کیونکہ دینی تعلیم زیادہ تر شہر میں مقیم رہ کر ہی ہوسکتی ہے۔

وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ

تا کہ یہ لوگ اپنی (اس) قوم کو

جو کہ جہاد میں گئے ہوئے ہیں

اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ

جبکہ وہ ان کے پاس آویں ڈراویں

یعنی دین کی باتیں سنا کر ان کو خدا کی نافرمانی سے ڈراویں

لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

تاکہ وہ ان سے دین کی باتیں سن کر برے کاموں سے احتیاط رکھیں

باقی ماندہ لوگوں کے رہ جانے میں جو مصلحتیں ہیں ان میں سے ایک بڑی مصلحت کو جو کہ دینی مصلحت ہے بیان فرما دیا اور اس کے علاوہ دنیا کی بھی مصلحتیں ہیں جو بوجہ ظاہر ہونے کے محتاج ذکر نہ تھیں مثلاً سب کے چلے جانے میں خود دارالاسلام کا قبضہ سے نکل جانا بعید نہیں۔ ربط: اوپر چند آیتوں میں جہاد کی ترغیب تھی آگے اس کی ترتیب بیان فرماتے ہیں کہ پہلے کن لوگوں پر جہاد کرنا چاہیے یاایھا الذین اٰمنوا تا مع المتقین

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ

اے ایمان والو ان کفار سے لڑو جو تمہارے آس پاس

يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا

(رہتے ہیں) اور ان کو تمہارے

فِيْكُمْ غِلْظَةً ؕ

اندر سختی پانا چاہئے

یعنے جہاد کے وقت بھی مضبوط رہنا چاہئے اور ویسے بھی جس وقت صلح نہ ہو ان سے ڈھیلا پن نہ برتنا چاہئے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۳﴾

اور یہ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ (کی امداد) متقی لوگوں کے ساتھ ہے

پس ان سے ڈر و یا دبومت اور حاصل اس ترتیب کا ظاہر ہے کہ اول پاس والوں سے نبٹنا چاہئے پھر باقی لوگوں میں جو سب سے پاس کے ہوں اسی طرح تمام کفار سے قرب و بعد کا لحاظ کر کے لڑنا چاہئے اور اس ترتیب کے خلاف کرنے میں جو مفاسد ہیں ظاہر ہیں چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو غزوات باختیار خود کئے اور صحابہ نے بھی سب میں اسی ترتیب کا لحاظ رکھا گیا۔ ربط: اوپر بہت سی آیتوں میں منافقین کی شرارتیں مذکور ہوئی ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ وہ قرآن کی آیتوں سے تمسخر اور تنفر کرتے تھے

آگے اس کا بیان ہے مع جواب وعتاب کے واذا ما انزلت تا لا یفقھون۔

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ

پس ان سے ڈرو دبومت) اور جب کوئی سورۃ (جدید) نازل کی جاتی ہے تو بعض منافقین (غرباء

مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ

مسلمین سے بطور تمسخر) کہتے ہیں کہ (کہو) اس سورۃ نے تم میں سے کس کے ایمان میں ترقی دی

آگے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ تم جواب چاہتے ہو (آگے ترجمہ دیکھو) ۱۲

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا

سو (سنو) جو لوگ ایماندار ہیں اس سورت نے ان کے (تو) ایمان میں ترقی

وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

دی ہے اور وہ (اس ترقی کے ادراک سے) خوش ہو رہے ہیں

مگر چونکہ وہ خوشی امر قلبی ہے اور تم کو نصیب نہیں اس لئے تم کو اس کا ادراک بھی نہیں اور بے سمجھے ہی تمسخر کر رہے ہو۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

اور جن کے دلوں میں (نفاق) کا آزار ہے اس سورت نے

فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ

ان میں ان کو (پہلی) گندگی کے ساتھ اور (نئی) گندگی بڑھا دی

کیونکہ پہلے قرآن کے جتنے حصہ کا انکار کیا تھا اب اس نئی سورت کا انکار اس پر زیادہ ہو گیا۔

وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

اور وہ حالت کفر ہی میں مر گئے

یعنی جو ان میں مر چکے ہیں وہ کافر مرے اور جو اسی نفاق پر جمے رہیں گے وہ کافر مریں گے خلاصہ جواب کا یہ ہوا کہ قرآن میں ایمان کو ترقی دینے کی بیشک خاصیت ہے لیکن دل میں قابلیت بھی تو ہو اور اگر کسی میں پہلے سے خباثت پختہ ہو چکی ہے تو اس کی خباثت اور مستحکم ہو جائے گی۔

درباغ لالہ روید ودر شورہ بوم خس ۱۲

اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ

اور کیا ان کو نہیں دکھلائی دیتا کہ یہ لوگ ہر سال میں ایک

عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ

بار یا دو بار کسی نہ کسی آفت میں پھنستے رہتے ہیں

اس سے کوئی خاص عدد مراد نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ کبھی ایک بار کبھی متعدد دفعہ ایسا ہو جاتا ہے اور ان آفتوں سے یا تو عام حوادث مراد ہیں جن سے متنبہ ہو کر عقل مند آدمی اپنی اصلاح کر لیتا ہے یا خاص وہ واقعات مراد ہیں جو ان کے نفاق کی وجہ سے پیش آتے تھے مثلاً کبھی ان کی منافقانہ باتیں کھل گئیں اس پریشانی اور بازپرس کے اندیشہ میں مبتلا ہو گئے کبھی ان کے دوست کفار مغلوب ہو گئے کہ ان سے عبرت پکڑنا خصوصیت کے ساتھ ضروری تھا۔

ثُمَّ لَا يَتُوبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾

(مگر) پھر بھی (اپنی حرکات شنیعہ سے) باز نہیں آتے اور نہ وہ کچھ سمجھتے ہیں (جس سے باز آنے کی آئندہ امید ہو)

غرض کہ ان حوادث سے عبرت حاصل کر کے ان کو اپنی اصلاح کرنا چاہئے تھی یہ تو ان کے تمسخر کا بیان ہوا جو اپنی مجلسوں میں کرتے تھے آگے قرآن سے نفرت کرنے کا بیان ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ان سے ظاہر ہوتی تھی۔

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ

اور جب کوئی سورۃ (جدید) نازل کی جاتی ہے تو ایک دوسرے کو دیکھنے لگتے

اِلٰى بَعْضٍ ط

ہیں (اور اشارہ سے باتیں کرتے ہیں) کہ تم کو کوئی (مسلمان) دیکھتا تو نہیں

کہ ہم کو اٹھتا ہوا دیکھ کر حضور سے جا لگائے۔

هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ

پھر چل دیتے ہیں

یعنی اشارے ہی اشاروں میں باتیں کر کے چپکے سے کھسک جاتے ہیں۔

ثُمَّ انْصَرَفُوْا ط صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ

(یہ لوگ مجلس نبوی سے کیا پھرے) خدا تعالیٰ نے ان کا دل (ہی ایمان سے) پھیر دیا

بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَقَدْ

ہے اس وجہ سے کہ وہ محض بے سمجھ لوگ ہیں (کہ اپنے نفع سے بھاگتے ہیں) (اے

جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ

لوگو) تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس (بشر) سے ہیں

ربط: چونکہ یہ سورت قرآن کی آخری سورتوں میں سے ہے اس لئے اس کے ختم پر حجت قائم کرنے اور دعوت تمام کرنے کے لئے آپ کی رسالت اور بعض خاص کمالات کا واضح طور پر بیان کر دینا مناسب ہوا اور نہ ماننے کی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے توکل اور توحید کو ظاہر کر کے آپ کی قوت کا بتلانا بہت ہی عمدہ ہوا بالخصوص اس سورۃ کے ساتھ یہ مضمون اس وجہ سے زیادہ چسپاں ہے کہ اس میں کفار سے براءت اور بیزاری ظاہر کر کے بھی حجت تمام کر دی گئی ہے۔ **لقد جاء کم تا رب العرش العظیم**

کہ تم کو نفع حاصل کرنا آسان ہو

عَزِيْزٌ عَلَيْهِ

جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے

یہ چاہتے ہیں کہ تم کو کوئی ضرر نہ پہنچے

مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ

جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہشمند رہتے ہیں (یہ حالت تو سب کے ساتھ ہے

رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾

بالخصوص ایمانداروں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں

ایسے رسول سے نفع نہ حاصل کرنا بڑی محرومی ہے۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ صلے ق ز لَآ

پھر اگر (اس پر بھی) یہ روگردانی کریں تو آپ کہہ دیجئے (میرا کیا نقصان ہے) کہ میرے

اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط

لئے (تو اللہ تعالیٰ حافظ و ناصر) کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں

جب معبود ہونے کی صفت اس کے لئے خاص ہے تو لامحالہ سارے کمالات علم و قدرت وغیرہ اس میں بے مثل ہوں گے پھر مجھے کسی کی مخالفت سے کیا اندیشہ

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ

میں نے اسی پر بھروسہ کر لیا اور وہ بڑے

الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾ ع

بھاری عرش کا مالک ہے

عرش کا بڑا ہونا اس سے ظاہر ہے کہ آفتاب زمین سے ڈیڑھ سو حصہ

زیادہ بڑا ہے اور وہ آسمان میں کتنی ذرا سی جگہ میں موجود ہے تو وہ آسمان کتنا بڑا ہوا پھر یہ آسمان دوسرے آسمان کے اندر ہے وہ کتنا بڑا ہوگا پھر تیسرا کس قدر بڑا ہوگا علیٰ ہذا القیاس پھر ساتوں آسمان کرسی کے سامنے ایسے ہیں جیسے بڑے ڈھال میں سات درہم ڈال دیئے جاویں پھر کرسی عرش کے سامنے ایسی ہی چھوٹی ہے اس سے اندازہ کرلیا جائے کہ اہل رصد جس کو فلک الافلاک کہتے ہیں زمین سے اس کی اندرونی سطح تک دس کروڑ پانچ لاکھ تہتر ہزار آٹھ سوستائیس کوس کا فاصلہ بتاتے ہیں اور اوپر کی سطح تک کا فاصلہ ان کو معلوم نہیں اور نہ وہ یہ ثابت کرسکے کہ فلک الافلاک سے اوپر کچھ نہیں اور احادیث سے یہ ثابت ہے کہ عرش سے اوپر کچھ نہیں پس اگر فلک الافلاک عرش کے علاوہ کوئی چیز ہے تو عرش اس سے بھی اوپر ہوگا اس کی عظمت کا کیا حساب ہوسکتا ہے واللہ اعلم غرض جو خدا عرش کا مالک ہے وہ دوسری چیزوں کا بدرجہ اولی مالک ہوگا پس اس پر بھروسہ کرنے کے بعد مجھ کو کوئی اندیشہ نہیں البتہ تم اپنی فکر کرلو کہ حق کا انکار کرکے کہاں رہو گے۔

ربط: اس تمام تر سورت کا حاصل چند مضامین ہیں اول اثبات توحید ثانی اثبات رسالت تیسرے اثبات قرآن چوتھے اثبات معاد پانچویں بعض قصوں سے دھمکی اور ان کے ضمن میں ابطال شرک اور رسالت کے متعلق بعض شبہات کا جواب اور قرآن کی تکذیب کا رد اور جزاء فناء عالم کا بیان اور بعض شبہات متعلق عذاب آخرت کا جواب اور آپ کی تسلی اور ان سب مضامین میں کفار کے ساتھ مباحثہ ہے اور پہلی سورت میں ان سے گفتگو تھی مگر وہاں تلوار سے تھی یہاں زبانی ہے نیز وہاں سب کفار کے ساتھ کلام تھا اور اس میں صرف مشرکین کے ساتھ پس باہم دونوں سورتوں میں بھی اور اس کے سورۃ کے اجزاء میں بھی تناسب معلوم ہوگیا۔ الٓر تا سحر مبین

(۱۰) سُوْرَۃُ یُوْنُسَ مَکِّیَّۃٌ (۵۱)

کلماتھا ۱۸۶۱ حروفھا ۷۷۳۳

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

الٓرٰ قف تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْحَکِیْمِ ﴿۱﴾

الٓر یہ پر حکمت کتاب (یعنی قرآن) کی آیتیں ہیں

جو بوجہ حق ہونے کے قابل جاننے اور ماننے کے ہیں اور چونکہ جن پر اس کا نزول ہوا ہے ان کی نبوت کا کفار انکار کرتے ہیں اس لئے آگے جواب دیتے ہیں۔

اَکَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَیْنَآ اِلٰی رَجُلٍ مِّنْھُمْ

کیا ان (مکہ کے) لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے ان میں سے ایک شخص کے پاس وحی بھیج دی

جو کہ ان کے مثل بشر ہے مشرکین کی یہ بھی ایک جہالت تھی کہ بلا دلیل نبوت اور بشریت منافاۃ سمجھتے تھے کہ نبوت بشر کے لئے نہیں ہوسکتی ۱۲

اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ

کہ ان سب آدمیوں کو (احکام خداوندی کے خلاف کرنے پر) ڈرایئے اور جو ایمان لے

لَھُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّھِمْ ط

آئے ان کو یہ خوشخبری سنایئے کہ ان کو رب کے پاس (پہنچ کر) ان کو پورا مرتبہ ملے گا

یعنی اگر ایسا مضمون کسی بشر پر وحی کے ذریعہ سے نازل ہو جائے تو کوئی تعجب کی وجہ نہیں ربط: اوپر قرآن و رسالت کا ذکر تھا آگے توحید کا اس کے بعد معاد کا ذکر ہے پھر توحید کی طرف رجوع ہے اس کے بعد معاد کا دوبارہ ذکر ہے ان ربکم اللہ تا الحمد للہ رب العلمین

قَالَ الْکٰفِرُوْنَ اِنَّ ھٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲﴾

کافر کہنے لگے کہ (نعوذ باللہ) یہ شخص تو بلا شبہ صریح جادوگر ہے بلاشبہ تمہارا

اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

رب (حقیقی) اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ روز (کی

وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی

مقدار) میں پیدا کر دیا (پس اعلیٰ درجہ کا قادر ہے) پھر عرش (یعنی تخت

الْعَرْشِ

شاہی) پر قائم ہوا

یعنی آسمان و زمین میں احکام جاری کرنے لگا پس وہ خالق بھی ہے حاکم بھی ہے حکیم بھی ہے ۱۲

یُدَبِّرُ الْاَمْرَ ط مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْ بَعْدِ

وہ ہر کام کی (مناسب) تدبیر کرتا ہے (اس کے سامنے) کوئی سفارش کرنے والا (سفارش)

اِذْنِہٖ ط ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ ط اَفَلَا

نہیں (کرسکتا) بدوں اس کی اجازت کے۔ ایسا اللہ تمہارا رب (حقیقی) ہے سو تم اس کی

تَذَكَّرُوْنَ ۝٣ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ؕ

عبادت کرو اور شرک مت کرو) کیا تم (ان دلائل سننے کے بعد) پھر بھی نہیں سمجھتے تم سب

وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ

کو اللہ ہی کے پاس جانا ہے اللہ نے (اس کا) سچا وعدہ کر رکھا ہے۔ بیشک وہی پہلی بار بھی

يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ بھی (قیامت) کو پیدا کرے گا تا کہ ایسے لوگوں کو جو کہ ایمان

الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ

لائے اور انہوں نے نیک کام کئے انصاف کے ساتھ (پوری پوری جزا دے

اور اس میں ذرا کمی نہ کرے بلکہ بہت کچھ زیادہ دے دے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ

اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے واسطے (آخرت میں) کھولتا ہوا پانی پینے کو

اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝٤ هُوَ الَّذِيْ

ملے گا اور دردناک عذاب ہوگا ان کے کفر کی وجہ سے وہ اللہ ایسا ہے جس نے

جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ

آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو (بھی) نورانی بنایا اور اس (کی چال) کے

مَنَازِلَ

لئے منزلیں مقرر کیں

کہ ہر روز ایک منزل قطع کرتا ہے اور منزل سے مراد وہ مسافت ہے جس کو کوئی ستارہ شب و روز میں قطع کر لے اس معنے کے اعتبار سے آفتاب کے لئے بھی منزلیں ہیں لیکن چونکہ چاند کی چال بہ نسبت سورج کے تیز ہے اور اس کا منازل کو طے کرنا ہر ایک کو محسوس ہوتا ہے اس لئے اسی کے واسطے منزلیں خاص طور سے بیان کی گئیں اور اس اعتبار سے چاند کی منزلیں انتیس یا تیس ہوئیں مگر چونکہ اٹھائیس رات سے زیادہ نظر نہیں آتا اس لئے مشہور ۲۸ منزلیں ہیں۔

لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ

تا کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر لیا کرو

ہر چند کہ آفتاب اور چاند دونوں سے برسوں کی گنتی اور ہر قسم کے حساب کا کام چلتا ہے لیکن چونکہ آفتاب کا دورہ ایک سال میں ختم ہوتا ہے اس لئے مناسب یہ ہے کہ برسوں کی گنتی کا بیان آفتاب کے متعلق کہا جاوے اور اس سے چھوٹے حساب کو قمر کے متعلق کہا جاوے اور اسی واسطے عدد السنین کے بعد لفظ حساب بڑھایا گیا ۱۲

مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ

اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں بے فائدہ نہیں پیدا کیں یہ دلائل ان لوگوں کو صاف

لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝٥ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ

صاف بتلا رہے ہیں جو دانش رکھتے ہیں بلاشبہ رات اور دن کے یکے بعد

وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ

دیگرے آنے میں اور اللہ نے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے ان

وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ۝٦ اِنَّ

سب میں ان لوگوں کے واسطے (توحید کے) دلائل ہیں جو (خدا کا) ڈر

الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا

مانتے ہیں جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے اور وہ دنیوی زندگی

بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ

پر راضی ہو گئے ہیں (آخرت کی طلب اصلا نہیں کرتے) اور اس میں جی لگا

هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝٧ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ

بیٹھے ہیں (آئندہ کی کچھ خبر نہیں) اور جو لوگ ہماری آیتوں سے بالکل غافل

النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝٨ اِنَّ

ہیں ایسے لوگوں کا ٹھکانا ان کے اعمال کی وجہ سے دوزخ ہے (اور) یقیناً جو

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ

لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ان کا رب ان کو بوجہ ان کے

رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ

مومن ہونے کے ان کے مقصد (یعنی جنت) تک پہنچا دے گا ان کے

الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝٩ دَعْوٰىهُمْ

(مسکن کے) نیچے نہریں جاری ہوں گی چین کے باغوں میں ان کے منہ

فِيهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ

سے یہ بات نکلے گی کہ سبحان اللہ

یعنے جس وقت وہ جنت میں جائیں گے اور عجائبات کا دفعۃً معائنہ کریں گے اس وقت بے ساختہ سبحان اللہ منہ سے نکلے گا اور جب ایک دوسرے کو دیکھیں گے تو سلام علیکم کہیں گے۔

وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ

اور ان کا باہمی سلام یہ ہوگا السلام علیکم اور ان کی (اس وقت کی ان باتوں

اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠﴾

میں) اخیر بات یہ ہوگی کہ الحمدللہ رب العالمین

یعنی جب اطمینان سے وہاں جا بیٹھیں گے اور اپنے پرانے مصائب و تکالیف کا اس وقت کے دائمی عیش و راحت سے موازنہ کریں گے تو اس وقت کی باتوں میں آخیر بات یہ ہوگی اس تقریر پر یہ شبہ نہیں رہا کہ کیا اس کے بعد وہ کوئی اور بات نہ کریں گے۔ ربط: اوپر کفار کا آخرت میں معذب ہونا بیان فرمایا ہے ایسے مضامین پر کفار یہ کہا کرتے تھے کہ ہم تو عذاب کو حق جب جانیں کہ ہم پر دنیا ہی میں عذاب نازل ہو جاوے اس کے بعد عذاب نازل نہ ہونے سے یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ آخرت میں بھی عذاب نہ ہوگا۔ آگے جواب ارشاد ہے ولو یعجل اللہ تا یعمھون

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ

اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر (ان کے جلدی مچانے کے موافق) جلدی سے نقصان

بِالْخَيْرِ

واقع کر دیا کرتا جس طرح وہ فائدہ کے لئے جلدی مچاتے ہیں

اور اس کے موافق حق تعالیٰ جلدی وہ فائدہ واقع کر دیتے ہیں کیونکہ اصل مقتضائے رحمت یہی ہے کہ خیر جلدی واقع ہوتی ہے اور شر جلدی واقع نہیں ہوتی لیکن اگر کسی عارض کی وجہ سے اس کا عکس ہو جائے وہ اور بات ہے نیز کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جو شر یا نقصان واقع ہوا ہے اس میں کسی دوسرے کے لئے خیر ہوتی ہے اور جس خیر میں توقف ہوتا ہے اس میں کوئی شر بھی پوشیدہ ہوتی ہے پس اس شر کا واقع ہونا حقیقت میں خیر کا واقع ہونا ہے کیونکہ تمہارے واسطے اگر وہ شر ہے تو دوسروں کے لئے خیر ہے اور اس خیر میں توقف ہونا حقیقت میں شر میں توقف ہونا ہے کہ دوسروں کے لئے اس میں ضرر ہے پس یہ شبہ جاتا رہا کہ بعض دفعہ ہم تو اس کے خلاف پاتے ہیں کہ شر جلدی واقع ہو جاتا ہے اور خیر کے لئے دعائیں کرتے ہیں اس کا ظہور بہت دیر میں ہوتا ہے۔

لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ؕ

تو ان کا وعدہ (عذاب) کبھی کا پورا ہو چکا ہوتا

لیکن ہماری حکمت اس کو مقتضی نہیں ہے چنانچہ حکمت کا بیان آگے آتا ہے۔

فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ

سو (اس سے) ان لوگوں کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے ان کے حال

طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿١١﴾

پر (بلا عذاب چندروز) چھوڑے رکھتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں

اور زیادہ عذاب کے مستحق ہو جائیں یہی حکمت ہے جلدی عذاب نہ آنے میں (مگر یہ حکمت بدبختوں کے واسطے ہے ورنہ جلدی عذاب نہ آنے میں یہ بھی حکمت ہے کہ اگر اب نہیں سمجھے تو شاید آئندہ سمجھ جاویں چنانچہ جن کی قسمت میں تھا وہ بعد میں ایمان لے آئے یہ حکمت سعادت مندوں کے لئے ہے۔

ربط: اوپر توحید کا ذکر ہوا ہے آگے ایک خاص طور پر شرک کا ابطال فرماتے ہیں وہ یہ کہ مصیبت میں خود مشرکین بھی خدا کے سوا سب کو چھوڑ بیٹھتے ہیں پس جس طرح کہ واقع میں شرک باطل ہے ان عقیدہ والوں کے طرز عمل سے بھی وہ لچر ثابت ہوتا ہے۔ واذا مس الانسان تا یعملون

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ

اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارنے لگتا ہے لیٹے بھی بیٹھے

اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ

بھی کھڑے بھی پھر ہم جب اس کی وہ تکلیف اس سے ہٹا دیتے ہیں تو پھر اپنی

ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ

پہلی حالت پر آ جاتا ہے کہ گویا جو تکلیف اس کو پہنچی تھی اس کے ہٹانے کے

كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا

لئے کبھی ہم کو پکارا ہی نہ تھا ان حد سے نکلنے والوں کے اعمال (بد) ان کو اسی

يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢﴾

طرح مستحسن معلوم ہوتے ہیں

اس آیۃ کا مضمون چند آیتوں میں مختلف الفاظ سے آیا ہے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ راحت کے وقت انسان میں یہ باتیں پیدا ہوتی ہیں اعراض (خدا سے منہ موڑنا) نسیان (نعمتوں کو بھول جانا مصائب کو بھول جانا) دعاء چھوڑ دینا' اترانا' فخر کرنا' ان سب باتوں کا جمع ہوسکنا ظاہر ہے اور مصیبت میں یہ باتیں پیدا ہوتی ہیں۔ ناامیدی' ناشکری' دعا اس میں بظاہر شبہ ہوسکتا ہے کہ ناامیدی اور دعاء کا جمع ہونا بظاہر مشکل ہے کیونکہ دعاء امید ہی میں کی جاتی ہے سو یا تو یوں کہا جائے کہ زبان سے دعا کرتا ہے مگر دل میں مایوسی ہوتی ہے یا یوں کہا جاوے کہ اول اول خوب دعاء کرتا ہے پھر چندے مایوس ہو کر چھوڑ دیتا ہے۔ اور لیسأم الانسان من دعاء الخیر میں جو ارشاد ہوا ہے کہ انسان بھلائی کی دعاء سے کبھی نہیں گھبراتا یہاں دعا سے مراد محض تمنا آرزو اور حرص ہے یہ باتیں تو ہر حالت میں تازہ رہتی ہیں خواہ راحت کا وقت ہو یا ناامیدی کا اس کا خواہش مند تو انسان ہر حال میں ہوتا ہے گو راحت و ناامیدی کے وقت دعا نہیں کرتا

ربط: اوپر کفار کا مستحق عذاب ہونا بیان فرمایا ہے۔ آگے اس کی تاکید کے لئے اجمالاً کفار سابقین کا طرح طرح کے عذاب سے ہلاک ہونا بیان فرماتے ہیں تاکہ تنبیہ ہو جائے کہ یہ بھی عذاب کے مستحق ہیں مگر بعض حکمتوں سے دنیا میں سخت عذاب رک رہا ہے۔ ولقد اھلکنا تا کیف تعملون

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ

جس طرح ہم نے بھی بیان کیا ہے) اور ہم نے تم سے پہلے بہت سے گروہوں کو

لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

(انواع عذاب سے) ہلاک کر دیا ہے جبکہ انہوں نے ظلم کیا (یعنی کفر و شرک)

بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ۭ كَذٰلِكَ

حالانکہ ان کے پاس ان کے پیغمبر بھی دلائل لے کر آئے اور وہ (بوجہ غایت عناد

نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ

کے) ایسے کب تھے کہ ایمان لے آتے ہم مجرم لوگوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے

خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ

ہیں (جیسا ہم نے ابھی بیان کیا ہے) پھر ان کے بعد ہم نے دنیا میں بجائے ان

كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

کے تم کو آباد کیا تاکہ (ظاہری طور پر) ہم دیکھ لیں کہ تم کس طرح کام کرتے ہو

آیا ویسا ہی کفر و شرک کرتے ہو یا ایمان لاتے ہو اور ظاہری طور پر اس لئے کہا گیا کہ خدا تعالیٰ کو تو وقوع سے پہلے بھی علم ہے۔

ربط: اوپر توحید و معاد کے متعلق گفتگو تھی آگے قرآن و رسالت کے صدق و حقانیت کا بیان ہے جو شروع میں بھی آیا ہے۔ و اذا تتلی تا لایفلح المجرمون

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ

اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں جو بالکل صاف صاف ہیں تو یہ

الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ

لوگ جن کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے (آپ سے یوں کہتے ہیں کہ اس کے

غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ۭ

سوا کوئی (پورا) دوسرا قرآن (ہی) لائیے یا (کم سے کم) اس میں کچھ ترمیم کر دیجئے۔

یعنی یا ایسا قرآن لاؤ جس میں ہمارے طریقہ کے خلاف مضامین نہ ہوں یا کم از کم اسی قرآن میں سے وہ مضامین حذف کر دو جو ہمارے مسلک کے خلاف ہیں اس بات سے مفہوم ہوا کہ وہ قرآن کو کلام محمدی سمجھتے تھے آگے اس کا جواب بتلاتے ہیں

قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ

آپ یوں کہہ دیجئے کہ مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ میں اپنی طرف سے

تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ

اس میں ترمیم کر دوں

اور جب کچھ کا حذف کرنا بھی ممکن نہیں تو سارے کا حذف کرنا بدرجہ اولیٰ ناممکن ہے کیونکہ وہ میرا کلام تو ہے ہی نہیں بلکہ اللہ کا کلام ہے جو وحی کے ذریعہ سے آیا ہے ۱۲

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ

پس میں تو اسی کا اتباع کروں گا جو میرے پاس وحی کے ذریعہ پہنچا ہے اگر میں (بالفرض)

اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾

اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے بھاری دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں

جو گناہگاروں کے لئے مخصوص ہے اور وہ تمہارے ہی نصیب میں ہے میں اس عذاب پر یا اس کے سبب پر جو کہ معصیت ہے جرات نہیں رکھتا۔

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ

آپ یوں کہہ دیجئے کہ اگر خدا تعالیٰ کو منظور ہوتا تو میں نہ تم کو یہ (کلام) پڑھ کر

اَدْرٰىكُمْ

سناتا اور نہ اللہ تعالیٰ تم کو اس کی اطلاع دیتا

مطلب یہ ہے کہ یہ بات تو ظاہر ہے کہ یہ قرآن تو معجزہ ہے کوئی بشر اس پر قادر نہیں ہوسکتا خواہ میں ہوں یا تم تو اگر خدا کو یہ منظور ہوتا کہ میں یہ کلام معجز نما تم کو نہ سناؤں تو اس کلام کو مجھ پر نازل ہی نہ فرماتا اور تم کو اس کی خبر بھی نہ دی جاتی مگر جب خدا نے اس کو مجھ پر نازل فرمایا ہے تو ضرور اس کو سناؤں گا خواہ تمہارے مسلک کے خلاف ہو یا موافق میں اس میں ترمیم نہیں کرسکتا کیونکہ یہ خدا کی طرف سے بذریعہ وحی میرے پاس پہنچا ہے جس کی پوری دلیل یہ ہے کہ اگر تم سے ہو سکے اس جیسا کلام بنا کر دکھا دو جب کوئی بشر اس پر قادر نہیں تو اس کے منجانب اللہ ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے۔ اب شاید کوئی یہ احتمال بعید نکالتا کہ ممکن ہے عام لوگ اس پر قادر نہ ہوں آپ اس پر قادر ہوں آگے اس کا جواب دیتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ دفعۃً چالیس سال کے بعد ایسے اعلیٰ طرز کا کلام طول طویل پیش کر دینا ممتنع ہے اور معجزہ اسی کو بولتے ہیں جو عادۃً محال ہو۔

بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ

کیونکہ اس سے پہلے بھی تو ایک بڑے حصہ عمر تک تم میں رہ چکا ہوں

پس اگر یہ میرا کلام ہے تو یہ کیا کہ اتنی مدت تک تو ایک جملہ بھی میری زبان سے اس طرز کا نہ نکلا یا اب اتنی بڑی بات عجیب و غریب بنا لی یہ تو بالکل عقل کے خلاف ہے۔

ربط: اوپر مشرکین کے طریقہ کا کمزور ہونا بیان کیا گیا ہے آگے بھی شرک کا ابطال ہے ۱۲ و یعبدون تا یختلفون۔

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ

پھر کیا تم اتنی عقل نہیں رکھتے سو اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ

افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ

باندھے یا اس کی آیتوں کو جھوٹا بتلا دے یقیناً ایسے مجرموں کو اصلا فلاح نہ ہوگی

اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَيَعْبُدُوْنَ

بلکہ معذب ابدی ہوں گے) اور یہ لوگ اللہ (کی توحید) کو چھوڑ کر ایسی چیزوں

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ

کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچا سکیں اور نہ نفع پہنچا سکیں

اگر ضرر و نفع حقیقی مراد لیا جائے تب تو ظاہر ہے کہ خدا کے سوا کوئی بھی نہیں پہنچا سکتا نہ جاندار نہ بے جان اور اگر ظاہری مراد لیا جائے جب بھی اصنام یعنی بت تو یہ بھی نہیں کر سکتے کیونکہ محض بے جان ہیں اور مکہ والے ان کو معبود سمجھتے تھے اور زندہ آدمی اگر بظاہر نفع و ضرر پہنچا بھی دے تو اس کا معبود ہونا اس سے لازم نہیں آ سکتا کیونکہ خود اس میں یہ قدرت نہیں بلکہ خدا کی طرف سے دی ہوئی ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ

اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں

اس لئے ہم ان کی عبادت کرتے ہیں اس دلیل کے جواب دو ہیں ایک یہ کہ تمہارا یہ کہنا ہی غلط ہے کہ وہ سفارشی ہیں وہ ہرگز خدا تعالیٰ کے یہاں تمہاری شفاعت نہ کرسکیں گے دوسرے یہ کہ شفاعت کرنے والے کے لئے معبود ہونا کب لازم ہے ان دونوں جوابوں کی طرف اگلی آیت اتنبئون اللہ میں اشارہ ہے۔

قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى

آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم خدا تعالیٰ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو خدا تعالیٰ کو معلوم

السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الْاَرْضِ ؕ

نہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں

یعنی خدا تعالیٰ کو تو ان چیزوں کا شفیع یا معبود برحق ہونا معلوم نہیں اور خدا تعالیٰ کا علم تمام اشیاء کو محیط ہے جب خدا کو ان کا علم نہیں تو معلوم ہوا کہ ان کے شفیع یا معبود ہونے کا نہ کہیں وجود ہے نہ امکان بلکہ حق یہ ہے کہ محال ہے اس سے عقیدہ شرک کا ابطال ہو گیا اور مشرکین دنیا میں تو بتوں کو حقیقۃً شفیع مانتے تھے کہ مصیبت کے دفع کرنے میں ان کو دخیل جانتے تھے اور آخرت میں بطور فرض کے ان کو شفیع سمجھتے تھے کہ اگر بالفرض قیامت کوئی چیز ہے تو یہ وہاں بھی ہمارے کام آئیں گے ورنہ وہ تو آخرت کے قائل نہ تھے۔

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾

وہ پاک اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے۔ اور تمام آدمی

وَمَا كَانَ النَّاسُ

ایک ہی طریقے کے تھے

یعنی یہ طریقہ شرک علاوہ عقلاً وشرعاً باطل ہونے کے قدیم بھی تو نہیں کیونکہ پہلے تو سب موحد تھے اس لئے کہ آدم علیہ السلام موحد تھے پھر عرصہ تک ان کی اولاد ان ہی کے طریقہ پر رہی سب موحد رہے۔

اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَلَوْلَا

پھر (اپنی کجرائی سے) انہوں نے اختلاف پیدا کیا اور اگر ایک بات نہ ہوتی

كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ

جو آپ کے رب کی طرف سے پہلے ٹھہر چکی ہے تو جس چیز میں یہ لوگ

فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۹﴾

اختلاف کر رہے ہیں ان کا قطعی فیصلہ (دنیا ہی میں) ہو چکا ہوتا

یعنی اگر یہ بات نہ ہوتی کہ خدا تعالیٰ نے ان کے لئے پورا عذاب آخرت میں مقدر کیا ہے تو دنیا ہی میں وہ عذاب بھیج دیا جاتا جس سے عملی فیصلہ یہیں ہو جاتا۔

ربط: اوپر بعض آیات میں رسالت کا مسئلہ آ چکا تھا پھر اسی کی طرف عود ہے ویقولون تا من المنتظرین

وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ

اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان پر کوئی معجزہ کیوں نہیں

مِّنْ رَّبِّهٖ ج

نازل ہوا

یعنی باوجود کثرت سے معجزات ظاہر ہو چکنے کے خصوص قرآن شریف کے اثبات نبوت کے لئے کافی دلیل ہے پھر بھی براہ عناد یوں ہی کہے جاتے ہیں کہ ہماری فرمائش کے موافق کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل ہوتا

فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ج

سو آپ فرما دیجئے کہ غیب کی خبر صرف خدا کو ہے (مجھ کو نہیں)

اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۲۰﴾ ع

سو تم بھی منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں

خلاصہ یہ کہ معجزہ سے مقصود نبوت کا ثابت کرنا ہوتا ہے اور یہ ہر معجزہ سے حاصل ہے اس لئے ان فرمائشوں کی ضرورت تو باقی رہی نہیں البتہ امکان دونوں طرف ہے کہ یہ فرمائشیں پوری ہوتی ہیں یا نہیں سو یہ ایک علم غیبی ہے اس کو منصب رسالت سے نہ کوئی تعلق نہ میں جانتا ہوں نہ مجھ کو کوئی دخل۔ اصل مقصود کے ثابت کرنے کے لئے البتہ میں ہر وقت آمادہ ہوں اور ثابت کر بھی چکا ہوں۔

ربط: اوپر کفار کا قول نقل فرمایا ہے آگے اس اعتراض کی علت بیان فرماتے ہیں کہ اس اعتراض کی علت اعراض ہے اور اعراض کی علت تنعم ہے کہ راحت سے بسر کر رہے ہیں اگر مصیبت آ پڑے تو سب اعتراض بھول جائیں نیز یہ آیت فلما کشفنا عنه ضره الخ کے مضمون کا تتمہ بھی ہے اور آئندہ آیت فلما انجاهم کی تمہید بھی ہے واذا اذقنا تا تمکرون۔

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ

اور جب ہم ان لوگوں کو بعد اس کے کہ ان پر کوئی مصیبت پڑ چکی ہو کسی نعمت کا مزہ

مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ؕ

چکھا دیتے ہیں تو فوراً ہی ہماری آیتوں کے بارہ میں شرارت کرنے لگتے ہیں

یعنی ان سے اعراض کرتے ہیں اور تکذیب واستہزاء سے پیش آتے ہیں اور محض عناد و اعتراض سے دوسرے معجزات کی فرمائش کرتے ہیں اور مصیبت گذشتہ سے عبرت نہیں پکڑتے آگے اس پر وعید فرماتے ہیں

ربط: اوپر توحید کا مضمون مکرر آ چکا ہے آگے پھر اس کی طرف رجوع ہے جس میں تحقیق والزام دونوں سے کام لیا گیا ہے۔ وھو الذی تا تعملون۔

قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ؕ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا

آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس شرارت کی سزا بہت جلد دے گا بالیقین ہمارے فرشتے تمہاری

تَمْكُرُوْنَ ﴿۲۱﴾ هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ

سب شرارتوں کو لکھ رہے ہیں اور (اللہ) ایسا ہے کہ تم کو خشکی اور دریا میں لئے لئے پھرتا ہے

یعنی جن آلات واسباب سے تم چلتے پھرتے ہو وہ سب اللہ ہی کے دیئے ہوئے ہیں یہ توحید کی دلیل تحقیقی ہے۔

حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ج وَجَرَيْنَ بِهِمْ

یہاں تک کہ جب (بعض اوقات) تم کشتی میں (سوار) ہوتے ہو اور وہ کشتیاں لوگوں

بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ

کو موافق ہوا کے ذریعہ سے لے کر چلتی ہیں اور وہ لوگ ان (کی رفتار) سے خوش

عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ

ہوتے ہیں (اس حالت میں دفعۃً) ان پر ایک جھونکا (مخالف) ہوا کا آتا ہے اور ہر

وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ

طرف سے ان پر موجیں اٹھتی چلی آتی ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ (برے) آ گھرے (اس

لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ

وقت) سب خالص اعتقاد کرکے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں (کہ اے اللہ) اگر آپ

لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۲۲﴾

ہم کو اس (مصیبت سے) بچالیں تو ہم ضرور حق شناس (موحد) بن جاویں

یعنی جیسا اس وقت توحید کا اعتقاد ہوگیا ہے اس پر قائم رہیں یہ دلیل الزامی ہے

ربط: اوپر فرمایا تھا کہ یہ کفر و معاصی کے ساتھ تمہاری راحت و کامرانی چندروزہ ہے آگے دنیا کا فانی ہونا اور آخرت کی جزاء سزا کا باقی ہونا تفصیل کے ساتھ مذکور ہے انما مثل الحیوۃ تا خلدون۔

فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ

پھر جب اللہ تعالیٰ ان کو (اس مہلک سے) بچالیتا ہے تو فوراً ہی وہ (اطراف و

بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓي

اقطار) زمین میں ناحق کی سرکشی کرنے لگتے ہیں۔ اے لوگو (سن لو) یہ تمہاری

اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ ثُمَّ اِلَيْنَا

سرکشی تمہارے لئے وبال (جان) ہونے والی ہے (بس) دنیوی زندگی میں

مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

(چندے اس سے) حظ اٹھا رہے ہو پھر ہمارے پاس تم کو آنا ہے پھر ہم سب

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَاۗءٍ اَنْزَلْنٰهُ

تمہارا کیا ہوا تم کو جتلا دیں گے (اور اس کی سزا دینگے) پس دنیاوی زندگی کی

مِنَ السَّمَاۗءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ

حالت تو ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس (پانی) سے زمین کی

مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ۭ حَتّٰٓي اِذَآ

نباتات جن کو آدمی اور چوپائے کھاتے ہیں خوب گنجان ہوکر نکلے۔ یہاں تک کہ

اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ

جب وہ زمین اپنی رونق کا پورا حصہ لے چکی اور اس کی خوب زیبائش ہوگئی

یعنی سبزہ سے خوشنما معلوم ہونے لگی۔

وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ اَتٰىهَآ

اور اس (زمین) کے مالکوں نے سمجھ لیا کہ ہم اس پر بالکل قابض ہوچکے تو (ایسی حالت

اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا

میں) دن میں یا رات میں اس پر ہماری طرف سے کوئی حادثہ آپڑا (جیسے پالا یا خشکی یا

كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ۭ

اور کچھ) سو ہم نے اس کو ایسا صاف کردیا کہ گویا کل (یہاں) وہ موجود ہی نہ تھی

پس اس نباتات ہی کی مثل دنیوی زندگی ہے۔

كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾

ہم اسی طرح آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کیلئے جو سوچتے ہیں

پس دنیا تو دار الزوال ٹھہری۔

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۭ وَيَهْدِيْ مَنْ

اور اللہ تعالیٰ دار البقاء کی طرف تم کو بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے راہ

يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾

راست پر چلنے کی توفیق دے دیتا ہے

جس سے دار البقاء تک رسائی ہوسکتی ہے آگے جزاء وسزا کا بیان ہے ۱۲۔

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۭ وَلَا

جن لوگوں نے نیکی کی ہے ان کے واسطے خوبی (یعنی جنت) ہے اور مزید برآں (خدا کا دیدار

يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ

بھی) اور ان کے چہروں پر نہ کدورت (غم کی) چھاوے گی اور نہ ذلت۔ یہ لوگ جنت میں

الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا

رہنے والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور جن لوگوں نے بدکام کئے ان کی بدی کی سزا

السَّيِّاٰتِ جَزَاۗءُ سَيِّئَةٍۢ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ

اس کے برابر ملے گی اور ان کو ذلت چھالے گی ان کو اللہ (کے عذاب) سے کوئی نہ بچا سکے گا

ذِلَّةٌ ۭ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ

(ان کے چہروں کی کدورت کی ایسی حالت ہوگی کہ) گویا ان کے چہروں پر اندھیری رات

اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ۭ

کے پرت کے پرت لپیٹ دیئے گئے ہیں۔ یہ لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں وہ اس میں

اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾

ہمیشہ رہیں گے اور وہ دن بھی قابل ذکر ہے جس روز ہم ان سب

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ

(خلائق) کو (میدان قیامت میں) جمع کریں گے پھر مشرکین سے کہیں گے

اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ

کہ تم اور تمہارے شریک

ربط: اوپر مشرکین کے حق میں فرمایا تھا کہ ان کو خدا کے غضب سے کوئی نہ بچا سکے گا چونکہ وہ لوگ اپنے معبودوں کو اپنا شفیع کہتے تھے اس لئے آگے ان کا قیامت میں ان عبادت کرنے والوں سے بے تعلقی ظاہر کرنا بیان فرماتے ہیں جس سے یہ بات لازم آگئی کہ وہ کچھ نفع نہیں دے سکتے ویوم نحشرھم تا یفترون

جن کو تم عبادت میں خدا کا شریک ٹھہراتے تھے۔

اَنْتُمْ وَشُرَكَاۗؤُكُمْ ۚ

(ذرا) اپنی جگہ ٹھہرو

تاکہ تم کو تمہارے عقیدہ کی حقیقت معلوم کرائی جائے۔

فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَاۗؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ

پھر ہم ان (عابدین ومعبودین) کی آپس میں پھوٹ ڈالیں گے اور ان کے

اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا

وہ شرکاء (ان سے خطاب کر کے) کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے

بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ

تھے سو ہمارے تمہارے درمیان خدا کافی گواہ ہے کہ ہم کو تمہاری عبادت کی

لَغٰفِلِيْنَ ﴿۲۹﴾

خبر بھی نہ تھی

یعنی عبادت سے مقصود معبود کا راضی کرنا ہوتا ہے ہم کو تو اس کی خبر بھی نہ تھی راضی ہونا تو درکنار البتہ شیاطین کی تعلیم تھی اور وہی راضی تھے پس اس اعتبار سے تم ان کی پرستش کرتے تھے جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا ہے بل کانوا یعبدون الجن کہ یہ تو جنوں کی عبادت کرتے تھے اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ کیا بت بھی بولیں گے جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی محال نہیں اور ان کا غافل ہونا ان کی عبادت سے ظاہر ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ یہاں بتوں کو ایسا شعور نہیں ہے اور اگر یہ مضمون دوسرے معبودین ملائکہ وغیرہ کو بھی عام لیا جائے تو ان کا غافل ہونا بھی صحیح ہے کیونکہ ملائکہ وغیرہ کا علم سب باتوں کو محیط نہیں سب اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔

هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ

اس مقام پر ہر شخص اپنے اگلے کئے ہوئے کاموں کا امتحان کر لے گا

کہ آیا واقع میں یہ اعمال نافع تھے یا نہیں چنانچہ ان مشرکین کو بھی حقیقت کھل جاوے گی کہ جن کی شفاعت کے بھروسہ ہم ان کو پوجتے تھے انہوں نے بھی الٹی ہمارے خلاف شہادت دی نفع کی تو کیا امید رکھی جائے اور یہ جو فرمایا کہ اس وقت امتحان کر لے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اس وقت اچھی طرح علم ہو جائے گا ورنہ مطلق علم تو مرنے کے ساتھ ہی نیز قبر میں حاصل ہو جائے گا۔

ربط: اوپر کی آیتوں میں توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال ہے آگے پھر یہی مضمون ہے۔ قل من یرزقکم تا یفعلون

وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ

اور یہ لوگ (اللہ کے عذاب) کی طرف جو ان کا مالک حقیقی ہے لوٹائے جائیں گے اور جو

عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع قُلْ مَنْ

کچھ معبود تراش رکھے تھے سب ان سے غائب (اور گم) ہو جائیں گے۔ آپ (ان

يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ

مشرکین سے) کہیے کہ (بتلاؤ) وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے

یعنی آسمان سے بارش برساتا ہے اور زمین سے نباتات پیدا کرتا ہے جس سے تمہارا رزق تیار ہوتا ہے ۱۲

اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ

یا (یہ بتلاؤ وہ کون ہے جو (تمہارے) کانوں اور آنکھوں

الْـحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ

پر پورا اختیار رکھتا ہے

کہ پیدا بھی اسی نے کیا اور حفاظت بھی وہی کرتا ہے اور اگر چاہتا ہے تو ان پر آفت بھیج دیتا ہے ۱۲

وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ

اور وہ کون ہے جو جاندار (چیز) کو بے جان (چیز) سے نکالتا ہے

فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾

اور بے جان (چیز) کو جاندار سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو تمہارے کاموں کی تدبیر کرتا ہے سو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ تو ان سے کہیے کہ پھر شرک سے

فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ

کیوں نہیں پرہیز کرتے سو یہ ہے اللہ جو تمہارا رب حقیقی ہے اور جب امر حق ثابت ہوا) پھر (امر) حق کے بعد اور کیا رہ گیا بجز گمراہی کے پھر (حق کو

اِلَّا الضَّلٰلُ ۖۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾

چھوڑ کر) کہاں (باطل کی طرف) پھرے جاتے ہو

آگے تسلی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ ان لوگوں کی باطل پرستی پر آپ مغموم ہوا کرتے تھے۔

كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ

اسی طرح آپ کے رب کی یہ (ازلی) بات کہ یہ ایمان نہ لاویں گے تمام

فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾

متمرد (سرکش) لوگوں کے حق میں ثابت ہو چکی ہے

یعنی جس طرح یہ لوگ ایمان نہیں لاتے اسی طرح ہمیشہ سے سرکشوں کا یہی حال ہے پھر آپ مغموم کیوں ہوں ۱۲

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا

آپ (ان سے) یوں (بھی) کہئے کہ کیا تمہارے (تجویز کئے ہوئے) شرکاء میں کوئی

الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ

ایسا ہے جو پہلی بار بھی (مخلوق) کو پیدا کرے پھر (قیامت میں) دوبارہ بھی پیدا کردے

مشرکین سے جو یہ سوال ہوا حالانکہ وہ خود دوبارہ زندہ ہونے کے قائل نہ تھے وجہ اس کی یہ ہے کہ دوبارہ زندہ ہونے پر چونکہ دلائل قطعی قائم ہو چکے ہیں اس لئے اس کو مسلمات میں سے قرار دے کر یہ گفتگو کی گئی آگے بتلاتے ہیں کہ اگر وہ اس وجہ سے کہ ان کے شرکاء کی توہین ہے کہ یوں کہا جائے کہ ان میں کوئی ایسا نہیں اس لئے وہ جواب میں تامل کریں تو خود جواب دے دیجئے ۱۲

قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى

آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ بھی پیدا

تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ

کرے گا پھر تم کہاں پھرے جاتے ہو۔ آپ کہیئے کہ کیا تمہارے شرکاء میں

يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ

کوئی ایسا ہے کہ امر حق کا راستہ بتلاتا ہو آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی امر حق کا

لِلْحَقِّ ؕ

راستہ (بھی بتلاتا ہے)

چنانچہ اس نے عقل دی انبیاء علیہم السلام بھیجے بخلاف شیاطین کے کہ اولاً تو وہ ان افعال پر قادر نہیں اور جس کی قدرت بھی ان کو دی گئی ہے یعنی تعلیم دینا اس کو وہ گمراہ کرنے اور بہکانے میں صرف کرتے ہیں۔

اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ

تو پھر آیا جو شخص امر حق کا راستہ بتلاتا ہو وہ زیادہ اتباع کے لائق ہے یا وہ شخص

اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ

جس کو بے بتلائے ہوئے خود ہی راستہ نہ سوجھے

اور اس سے بڑھ کر یہ کہ سوجھانے پر بھی اس پر نہ چلے جیسے شیاطین ہیں کہ ان کو ہدایت کا راستہ خود تو کیا معلوم ہوتا بتلانے پر بھی اس پر نہیں چلتے ایسا شخص اتباع کے قابل کب ہو سکتا ہے پھر جب یہ اتباع کے بھی لائق نہیں تو عبادت کے لائق تو کب ہو سکتے ہیں ۱۲

فَمَا لَكُمْ ۗ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾

تو اے مشرکین تم کو کیا ہو گیا تم کیسی تجویزیں کرتے ہو

کہ توحید کو چھوڑ کر شرک کو اختیار کرتے ہو اور تماشا یہ کہ اپنی اس تجویز اور عقیدہ پر یہ لوگ دلیل بھی کوئی نہیں رکھتے۔

ربط: اوپر بعض آیات میں حقانیت قرآن کا بیان تھا آگے پھر وہی مضمون ہے وما کان هذا القراٰن تا اعلم بالمفسدین

وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ

اور ان میں سے اکثر لوگ صرف بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں اور یقیناً بے اصل

مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝۳۶

خیالات امر حق (کے اثبات) میں ذرا بھی مفید نہیں (خیر) یہ جو کچھ کر رہے ہیں یقیناً اللہ کو

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰي مِنْ

سب خبر ہے (وقت پر سزا دے گا) اور یہ قرآن افتراء کیا ہوا نہیں ہے کہ غیر اللہ سے

دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ

صادر ہوا ہو بلکہ یہ تو ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس کے قبل (نازل) ہو چکی ہیں

يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ

اور احکام ضروریہ (الٰہیہ) کی تفصیل بیان کرنے والا ہے (اور) اس میں کوئی بات شک

رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۳۷ قف اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ

(وشبہ) کی نہیں (اور وہ) رب العالمین کی طرف سے (نازل ہوا) ہے۔ کیا یہ لوگ یوں

فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ

کہتے ہیں کہ آپ نے اس کو افتراء کر لیا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ تو پھر تم اس کے مثل ایک ہی سورۃ

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۳۸

(بنا) لاؤ اور (اکیلے نہیں) جن جن غیر اللہ کو بلا سکو ان کو (مدد کے لئے) بلا لو اگر تم سچے ہو

کہ نعوذ باللہ اس کو میں نے تصنیف کر لیا ہے تو تم بھی ایسا ہی کلام تصنیف کر لاؤ آخر تم بھی تو عربی اور اعلیٰ درجے کے فصیح و بلیغ ہو جب اتنی غیرت دلانے پر بھی اس کے مثل کلام نہ لا سکے اس وقت تو چاہیئے تھا کہ مان جاتے کہ یہ کلام منجانب اللہ نازل ہوا ہے مگر مشکل تو یہ ہے کہ اس قسم کے دلائل سے وہ مستفید ہوتا ہے جو سمجھنا بھی چاہے مگر ان لوگوں نے تو کبھی سمجھنا ہی نہ چاہا بعض وہمیوں نے فاتوا بسورۃ الخ میں یہ شبہ نکالا ہے کہ بعض متکلم میں کوئی خصوصیت ایسی ہوتی ہے کہ دوسرے میں نہیں ہوتی پس دوسروں کا قرآن کے مثل نہ بنا سکنا دلیل اعجاز کی نہیں ہو سکتی جواب اس کا یہ ہے کہ اگر آپ کے اندر وہ خصوصیت ہوتی تو آپ کے ہر کلام میں ہوتی دوسرے چالیس سال کے بعد وہ خصوصیت دفعۃً کیسے پیدا ہو گئی۔ تیسرے ہزار خصوصیت ہو لیکن دوسرے بلغاء کوشش کر کے تھوڑا بہت کلام تو ویسا کر سکتے ہیں یہاں ایسا کیوں نہ ہو سکا چوتھے خصوصیت والا قیامت تک کا دعویٰ نہیں کر سکتا یہی وجہ ہے کہ کفار نے یہ شبہات پیش نہ کئے پانچویں یہ وہم تو ہر معجزہ میں آپ نکالیں گے کہ یہ ماہر فن کی خصوصیت ہے تو پھر کسی نبی کا بھی کوئی معجزہ دلیل اعجاز نہ رہے گا۔ خصوصیت نہ ہوئی بلا ہوئی اگر غور کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ کلام میں تمام بلغاء کو عاجز کر دینا بڑا اعجاز ہے کیونکہ بات کرنا ہر ایک کو آسان ہے دوسرے کام ہر ایک کو سہل نہیں۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ

بلکہ ایسی چیز کی تکذیب کرنے لگے جس (کے صحیح وسقیم ہونے) کو اپنے احاطہ علمی میں نہیں لائے

اور اس کی حالت سمجھنے کا ارادہ نہیں کیا پھر ایسوں سے سمجھنے کی کیا امید کی جائے جو غور بھی نہیں کرنا چاہتے مطلب یہ ہے کہ آدمی جس امر میں گفتگو کرے پہلے اس کی تحقیق تو کر لے تحقیق کے بعد جو کلام کرنا ہو کرے آگے ان کی بے فکری اور بے پروائی کی وجہ بتلاتے ہیں ۱۲

وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ۭ

اور ہنوز ان کو اس (قرآن کی تکذیب) کا اخیر نتیجہ نہیں ملا

یعنی عذاب نہیں آیا ورنہ سارا نشہ ہرن ہو جاتا اور آنکھیں کھل جاتیں حق و باطل کا امتیاز ہو جاتا لیکن کبھی تو وہ نتیجہ پیش آنے والا ہے ہی مگر اس وقت ایمان نافع نہ ہوگا ۱۲

كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ

جو (کافر) لوگ ان سے پہلے ہوئے ہیں اسی طرح انہوں نے بھی امور حقہ کو

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝۳۹ وَمِنْهُمْ مَّنْ

جھٹلایا تھا سو دیکھ لیجئے کہ ان ظالموں کا انجام کیسا (برا) ہوا (اسی طرح ان کا ہو

يُّؤْمِنُ بِهٖ

گا) اور ان میں سے بعضے ایسے ہیں جو اس (قرآن) پر ایمان لے آویں گے

اس لئے جو انجام بد بتلایا گیا ہے وہ سب کے لئے نہیں۔

ربط: اوپر ان لوگوں کی تکذیب اور قل فاتوا الخ میں اس تکذیب کا مناظرانہ جواب مذکور تھا آگے ان کی ضد اور ہٹ کا جواب اعراض کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور ان کی ہدایت سے مایوس کر کے آپ کی تسلی فرماتے ہیں وان کذبوک تا یظلمون

وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ

اور بعض ایسے ہیں کہ اس پر ایمان نہ لاویں گے اور آپ کا رب (ان) مفسدوں کو خوب

بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿٤٠﴾ ع وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ

جانتا ہے اور (ان دلائل کے بعد بھی) اگر آپکو جھٹلاتے رہیں تو (بس آخیر بات) یہ کہہ

عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ

دیجئے کہ (اچھا صاحب) میرا کیا ہوا مجھ کو ملے گا اور تمہارا کیا ہوا تم کو ملے گا تم میرے

مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٤١﴾

کئے ہوئے کے جوابدہ نہیں ہو۔ اور میں تمہارے کئے ہوئے کا جوابدہ نہیں ہوں

جس طریقہ پر چاہو رہو خود ہی معلوم ہو جائے گا آگے فرماتے ہیں کہ آپ ان کے ایمان کی توقع چھوڑ دیجئے ۱۲۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ

اور آپ ان کے ایمان کی توقع چھوڑ دیجئے کیونکہ ان میں (گو) بعض ایسے

تُسْمِعُ الصُّمَّ

(بھی) ہیں جو (ظاہر میں) آپ کی طرف کان لگا لگا بیٹھتے ہیں

لیکن دل میں ارادہ ایمان اور حق طلبی کا نہیں ہے پس اس اعتبار سے ان کا سننا نہ سننا برابر ہے پس ان کی حالت بہروں کی سی ہوئی ۱۲

وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٤٢﴾

کیا آپ بہروں کو سنا (کر ان سے ماننے کا انتظار کرتے ہیں گو ان کو سمجھ بھی نہ ہو

ہاں اگر سمجھ ہوتی تو بہرے پن میں بھی کام چل جاتا ۱۲

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ۭ

اور (اسی طرح) ان میں بعض ایسے ہیں کہ (ظاہراً) آپ کو (مع معجزات وکمالات) دیکھ رہے ہیں

لیکن طلب حق نہ ہونے سے ان کی حالت مثل اندھوں کے ہے (ترجمہ)

اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿٤٣﴾

پھر کیا آپ اندھوں کو راستہ دکھلانا چاہتے ہیں گو ان کو بصیرت بھی نہ ہو

ہاں اگر بصیرت ہوتی تو اندھے پن میں بھی کام چل جاتا ۱۲

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـــًٔا

یہ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا

یعنی ان کی عقلیں جو اس طرح تباہ ہو گئیں تو خدا نے ان پر ظلم نہیں کیا کہ ان کو ہدایت کی قابلیت نہ دی ہو اور پھر مواخذہ فرماوے (ترجمہ)

وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٤٤﴾

لیکن لوگ خود ہی اپنے آپ کو تباہ کرتے ہیں

کہ قابلیت جو عطا ہوئی تھی اس کو ضائع کرتے ہیں اور اس سے کام نہیں لیتے۔

ربط: اوپر کفر وتکذیب پر عذاب کی وعید فرمائی ہے آگے اس عذاب کے دنیا میں واقع نہ ہونے سے کفار جو شبہات کرتے تھے ان کا جواب ہے اور بیچ میں معاد کی تحقیق بھی ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ گو کبھی دنیا میں بھی عذاب واقع ہو جائے لیکن اصلی وقت اس کا یوم حشر ہے اسی لئے دنیا میں اس کا کچھ حصہ ظاہر ہوتا ہے کامل طور پر اسی وقت ہوگا پس دنیا میں واقع نہ ہونا نہ مضر ہے نہ میرے اختیار میں ہے اور نہ تمہارے لئے مصلحت ہے کیونکہ فوری عذاب میں ایمان کی مہلت بھی فوت ہو جائے گی۔ ویوم یحشرھم تا الیہ ترجعون

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً

اور ان کو وہ دن یاد دلائیے جس میں اللہ تعالیٰ ان کو اس کیفیت سے جمع کرے گا کہ وہ ایسا سمجھیں گے) گویا وہ (دنیا یا برزخ میں) سارے دن کی (ایک

مِّنَ النَّهَارِ

آدھ گھڑی رہے ہوں گے۔

کیونکہ وہ دن دراز بھی ہوگا اور سخت بھی اس لئے دنیا اور برزخ کی مدت اور تکلیف سب بھول کر ایسا سمجھیں گے کہ وہ زمانہ بہت جلد گزر گیا

يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ۭ

اور آپس میں ایک دوسرے کو پہچانیں گے (بھی)

لیکن اس سے اور زیادہ صدمہ ہوگا کہ پہچان کر بھی ایک دوسرے کی مدد نہ کرسکیں گے کیونکہ شناساؤں سے نفع کی توقع ہوا کرتی ہے

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا

واقعی (اس وقت سخت) خسارہ میں پڑے وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے پاس

مُهْتَدِيْنَ ﴿٤٥﴾

جانے کو جھٹلایا اور وہ (دنیا میں بھی) ہدایت پانے والے نہ تھے۔

اس لئے قیامت کے روز خسارہ میں پڑے پس ان کے عذاب کا اصلی وقت تو وہ دن ہے رہا دنیا میں ان پر عذاب واقع ہونا اس کی نسبت آگے فرماتے ہیں ۱۲

وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ اَوْ

تو جس (عذاب) کا ان سے ہم وعدہ کر رہے ہیں اس میں سے کچھ تھوڑا سا (عذاب) اگر ہم آپ کو دکھلا دیں یا (اس کے نزول کے قبل ہی ہم آپ کو

نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ

وفات دیدیں سو ہمارے پاس تو ان کو آنا ہی ہے

خلاصہ یہ کہ دنیا میں عذاب ہونے کی دو صورتیں ہیں یا تو آپ کے سامنے ہو یا آپ کے سامنے نہ ہو ان دونوں صورتوں میں سے کوئی سی شق ضروری نہیں ممکن ہے کہ نازل ہو جائے یا نہ بھی ہو مگر ان کو تو کسی حال میں بے فکر نہ ہونا چاہئے کیونکہ اگر یہاں بچے بھی رہے تو کیا ہوا کسی دن تو خدا کے سامنے جانا ہوگا اور خدا کو ان کے افعال کی پوری طرح خبر ہے تو وہاں تو یقیناً سزا ہوگی خواہ دنیا میں ہو یا نہ ہو اصلی موقعہ پر نہیں بچ سکتے

ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۶﴾

پھر (سب کو معلوم ہے کہ) اللہ ان کے سب افعال کی اطلاع رکھتا ہے

آگے بتلاتے ہیں کہ یہ سزا جو ان کے لئے تجویز ہوئی ہے پوری طرح حجت تمام کرنے اور عذر زائل کرنے کے بعد ہوئی ہے اور ان کی کیا تخصیص ہے بلکہ ہمیشہ سے ہماری عادت رہی ہے کہ ہر امت کے لئے عذاب کی تجویز اور فیصلہ رسول آنے کے بعد اور حجت تمام کرنے کے بعد ہوا ہے ۱۲

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ

اور ہر ہر امت کے لئے ایک حکم پہنچانے والا (ہوا) ہے سو جب ان کا وہ رسول

قُضِىَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾

(ان کے پاس) آ چکتا ہے ان کا فیصلہ انصاف کے ساتھ کیا جاتا ہے اور ان پر (ذرا) ظلم نہیں

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ

کیا جاتا اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ (اے نبی اور اے مسلمانو) یہ وعدہ (عذاب کا) کب (واقع) ہوگا اگر تم

صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ ضَرًّا

سچے ہو تو واقع کیوں نہیں کرا دیتے)۔ آپ فرما دیجئے کہ میں (خود) اپنی ذات خاص کے لئے تو کسی نفع (کے حاصل کرنے) کا اور کسی ضرر (کے دفع

وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ

کرنے) کا اختیار رکھتا ہی نہیں مگر جتنا (اختیار) خدا کو منظور ہو

اتنا اختیار البتہ حاصل ہے پس جب خاص اپنے نفع اور نقصان کا مالک نہیں تو دوسرے کے نفع و نقصان کا کیونکر مالک ہوں گا پس عذاب واقع کرنا میرے اختیار میں نہیں ہے رہا یہ کہ پھر کب واقع ہوگا اس کا جواب آگے ہے ۱۲

لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا

ہر امت کے (عذاب کے) لئے (اللہ کے نزدیک) ایک وقت معین ہے سو جب ان کا وہ معین

يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۴۹﴾

وقت آ پہنچتا ہے تو اس وقت ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے سرک سکتے ہیں

بلکہ فوراً عذاب واقع ہو جاتا ہے اسی طرح تمہارے عذاب کا بھی وقت معین ہے اس وقت آ جائے گا اور وہ جو فرمائش کرتے تھے کہ جو کچھ ہونا ہے جلدی ہو جائے جیسا کہ اس آیت اور دوسری آیتوں سے مفہوم ہوتا ہے اس سے ان کی مراد محض تکذیب تھی جس کا آگے جواب آتا ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا

آپ ان کے متعلق (ان سے) فرما دیجئے کہ یہ تو بتلاؤ کہ اگر تم پر خدا کا عذاب رات کو آ

مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۰﴾

پڑے یا دن کو تو عذاب میں کون چیز ایسی ہے کہ مجرم لوگ اس کو جلدی مانگ رہے ہیں

یعنی عذاب تو سخت چیز ہے اور پناہ مانگنے کی چیز ہے نہ کہ جلدی مانگنے کی نہ معلوم تم نے عذاب کو کیا سمجھا ہے جو یوں بے دھڑک جلدی مچا رہے ہو ۱۲

اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ

کیا پھر جب وہ (اصل موعود آ ہی پڑے گا) اس وقت) اس کی تصدیق کرو گے

جس وقت کہ تصدیق نافع بھی نہ ہوگی اور اس وقت کہا جاوے گا کہ آگے ترجمہ ۱۲

آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ

ہاں اب مانا حالانکہ (پہلے سے) تم (بقصد تکذیب) اس کی جلدی مچایا کرتے تھے۔

قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ

پھر ظالموں (یعنی مشرکوں) سے کہا جاوے گا کہ ہمیشہ کا عذاب چکھو تم کو تمہارے ہی

هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۵۲﴾

کئے کا بدلہ ملا ہے اور وہ (غایت تعجب و انکار سے) آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا

وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ

عذاب واقعی امر ہے۔ آپ فرمادیجئے کہ ہاں قسم میرے رب کی کہ وہ واقعی امر ہے اور تم

لَحَقٌّ ؔۚ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ

کسی طرح خدا کو عاجز نہیں کر سکتے۔ اور اگر ہر ہر مشرک شخص کے پاس اتنا (مال) ہو کہ

ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ

ساری زمین میں بھر جاوے تب بھی اس کو دیکر اپنی جان بچانے لگے

اگر چہ نہ وہاں خزانہ ہوگا کہ دے سکے گا نہ لیا جاوے گا لیکن شدت عذاب کی اس درجہ ہوگی کہ اگر ساری دنیا کا مال بھی ہوتا تو سب دینے پر راضی ہو جاتا۔

وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ

اور جب عذاب دیکھیں گے تو (مزید فضیحت کے خوف سے) پشیمانی کو (اپنے دل ہی میں) پوشیدہ رکھیں گے

یعنے قول و فعل سے ندامت کے آثار ظاہر نہ ہونے دیں گے تا کہ دیکھنے والے نہ ہنسیں اور زیادہ فضیحت نہ ہو لیکن آخر میں یہ صبر و تحمل بھی اس شدت عذاب کی وجہ سے جاتا رہے گا ۱۲

وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾

اور ان کا فیصلہ انصاف کے ساتھ ہوگا اور ان پر (ذرا) ظلم نہ ہوگا یاد رکھو کہ جتنی

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

چیزیں آسمانوں میں اور زمین میں ہیں سب اللہ ہی کی ملک ہیں

ان میں حق تعالیٰ جس طرح چاہیں تصرف کریں اور یہ مجرم بھی اللہ کی ملک ہیں ان کا فیصلہ بھی جس طرح چاہتے کر سکتے تھے مگر ان پر کسی قسم کی زیادتی نہ کی جائے گی فیصلہ انصاف کے ساتھ کیا جاوے گا ۱۲

اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا

یاد رکھو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے (پس قیامت ضرور آوے گی لیکن بہت سے آدمی

يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ

یقین ہی نہیں کرتے وہی جان ڈالتا ہے وہی جان نکالتا ہے

پس دوبارہ پیدا کرنا اس کو کیا مشکل ہے۔

ربط: بعض آیات میں قرآن کی حقانیت کا بیان تھا آگے مع بیان فضیلت کے پھر وہی مضمون ہے نیز اس سے اوپر ڈرا کر دعوت دی گئی تھی آگے ترغیب کے ساتھ دعوت ہے۔ **یایھا الناس تا یجمعون**

وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ

اور تم سب اسی کے پاس لائے جاؤ گے۔ اے لوگو تمہارے رب کی طرف سے ایک چیز ایسی آئی

مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ

ہے (جو برے کاموں سے روکنے کے لئے) نصیحت ہے اور دلوں میں جو (برے کاموں سے)

وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ

روگ (ہو جاتے) ہیں ان کے لئے شفا ہے اور رہنمائی کرنے والی ہے اور رحمت ہے

یعنی اگر اس پر عمل کر کے برے کاموں سے بچیں تو دلوں کی بیماریاں جاتی رہیں ان سے شفا حاصل ہو اور نیک کاموں کی ہدایت ہو اور نیک کاموں کو اختیار کریں تو رحمت اور ثواب نازل ہو ۱۲

لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾

ایمان والوں کے لئے

یعنی ان سب برکات سے ایمان والوں ہی کو نفع ہوتا ہے کیونکہ وہی عمل کرتے ہیں۔

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ

آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ جب قرآن ایسی چیز ہے پس لوگوں کو خدا کے اس انعام اور رحمت پر خوش ہونا چاہئے

اور اس کو دولت عظیمہ سمجھ کر لینا چاہئے

فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾

وہ اس (دنیا) سے بدرجہا بہتر ہے جس کو جمع کر رہے ہیں

کیونکہ دنیا کا نفع قلیل اور فانی اور قرآن کا نفع بہت زیادہ ہے اور باقی رہنے والا اور قرآن کے بارے میں جو موعظت (نصیحت) اور شفاء اور ہدایت و رحمت کے الفاظ فرمائے گئے ہیں ان کا فرق ترجمہ ہی سے ظاہر ہے اور میرے نزدیک للمومنین کی قید سب کے ساتھ ہے یعنی یہ باتیں قرآن سے مسلمان ہی حاصل کرتے ہیں چنانچہ دوسری آیتوں میں ہر صفت کے ساتھ مومنین کی قید مذکور ہے قل ھو للذین اٰمنوا ھدی و شفاء و ننزل من القران ماھو شفاء و رحمۃ للمومنین و ھذا بیان للناس و ھدی و موعظۃ للمتقین سب آیتوں میں قرآن کو ہدایت اور شفا اور رحمت و موعظت مسلمانوں ہی کے

حق میں فرمایا گیا ہے اگرچہ نزول کے اعتبار سے سب کے لئے یہ باتیں عام ہیں مگر انتفاع کے لحاظ سے مسلمانوں ہی کے لئے خاص ہیں۔

ربط: اوپر چند آیات میں شرک کا ابطال کیا گیا ہے اور شرک کی رسموں میں سے ایک حلال کا حرام سمجھنا بھی ہے آگے اس کی قباحت مذکور ہے قل ارأیتم تا یشکرون

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ

آپ کہہ دیجئے کہ یہ تو بتلاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے (انتفاع کے) لئے جو کچھ رزق

فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ

بھیجا تھا پھر تم نے (اپنی گھڑت سے) اس کا کچھ حصہ حرام اور کچھ حلال قرار دے لیا

حالانکہ اس حرام سمجھنے کی کوئی دلیل تمہارے پاس نہیں ۱۲

قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾

آپ (ان سے) پوچھئے کہ کیا تم کو خدا نے حکم دیا ہے یا (محض) اللہ پر اپنی طرف سے افتراء ہی کرتے ہو

چونکہ شق اول کا احتمال ہی نہیں بلکہ دوسری شق متعین ہے کہ وہ اللہ پر بہتان ہی باندھتے ہیں اس لئے آگے اسی پر وعید فرماتے ہیں ۱۲

وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ

اور جو لوگ اللہ پر جھوٹ افترا باندھتے ہیں ان کا قیامت کی

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ

نسبت کیا گمان ہے

جو بالکل نہیں ڈرتے کیا یہ سمجھتے ہیں کہ قیامت نہیں آوے گی یا آوے گی تو ہم سے باز پرس نہ ہوگی ۱۲

اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ

واقعی لوگوں پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہے

کہ ساتھ کے ساتھ سزا نہیں دیتے بلکہ توبہ کے لئے مہلت دے رکھی ہے ۱۲

ربط: اوپر بہت سی آیتوں میں کفار کا انکار و عناد و تکذیب مذکور ہے چونکہ یہ امور طبعاً حضور کے لئے رنج دہ ہیں اس لئے آگے آپ کی تسلی کا مضمون مذکور ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم کو سب احوال کی اطلاع ہے اور اپنی اطاعت کرنے والوں کی ہم دونوں جہاں میں حفاظت کرتے ہیں اور قدرت کاملہ بھی صرف ہم کو ہی حاصل ہے اور کسی کو نہیں پس علم وقدرت کا اعتقاد اور حفاظت کا وعدہ تسلی کے لئے کافی ہے۔ وماتکون فی شان تا یخرصون ۱۲

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَمَا تَكُوْنُ

لیکن اکثر آدمی بےقدر ہیں (ورنہ توبہ کر لیتے) اور آپ (خواہ) کسی حال

فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا

میں ہوں اور منجملہ ان احوال کے آپ کہیں سے قرآن پڑھتے ہوں اور (اسی

تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا

طرح اور لوگ بھی جتنے ہوں) تم جو کام بھی کرتے ہو ہم کو سب کی خبر رہتی

اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ

ہے جب تم اس کام کو کرنا شروع کرتے ہو اور آپ کے رب (کے علم سے) کوئی

مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي

چیز ذرہ برابر بھی غائب نہیں نہ زمین میں اور نہ آسمان میں (بلکہ سب اس کے

السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ

علم میں حاضر ہیں اور نہ کوئی چیز اس (مقدار مذکور سے) چھوٹی ہے اور نہ کوئی

اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۱﴾

چیز بڑی ہے مگر یہ سب کتاب مبین (یعنی لوح محفوظ) میں ہے

یہ تو علم الٰہی کا بیان ہوا آگے اپنی اطاعت کرنے والوں کی حفاظت کا وعدہ فرماتے ہیں ۱۲۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

یاد رکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ (ناک واقعہ پڑنے والا) ہے اور نہ

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ صلے ج

وہ (کسی مطلوب کے فوت ہونے پر) مغموم ہوتے ہیں

خوف سے خدا کا خوف اور غم سے آخرت کا غم مراد نہیں ہے بلکہ دنیوی خوف وغم کی نفی کرنا مقصود ہے جس کا احتمال دشمنوں کی مخالفت سے ہو سکتا ہے یہ خوف مومنین کاملین کو نہیں ہوتا ان کا ہر وقت اللہ پر اعتماد ہوتا ہے ہر واقعہ کی حکمت کا اعتقاد رکھتے ہیں اس میں مصلحت سمجھتے ہیں جس کی بشارت قرآن وحدیث میں دی گئی ہے اور یہ بشارت سب مسلمانوں کے

لئے عام ہے جس میں رویاء صالحہ وغیرہ سب داخل ہیں اور اس تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسا آپ کو ان کے گمراہ ہونے کا غم تھا ایسا ہی کبھی ان کی مخالفت اور ضرر رسانی کے احتمال سے بھی تردد ہوا کرتا تھا واللہ اعلم غرض اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو خوفناک اور غمناک حوادث سے بچاتا ہے آگے ان کی صفات مذکور ہیں کہ وہ اللہ کے دوست کون ہیں ۱۲

الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿۶۳﴾

وہ اللہ کے دوست) وہ ہیں جو ایمان لائے اور (معاصی سے) پرہیز رکھتے ہیں

یعنے ایمان وتقویٰ سے اللہ کا قرب نصیب ہوتا ہے آگے خوف وحزن سے ان کے محفوظ رہنے کی وجہ بتلاتے ہیں۔

لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي

ان کے لئے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی (منجانب اللہ خوف وحزن سے

الْآخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۚ

بچنے کی) خوشخبری ہے (اور) اللہ کی باتوں میں (یعنی وعدوں میں) کچھ فرق ہوا نہیں کرتا

پس جب بشارت میں ان سے وعدہ ہوگیا اور وعدہ ہمیشہ صحیح ہوتا ہے تو خوف اور غم نہ ہونا لازم ہے۔

ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۶۴﴾ وَلَا

یہ (بشارت جو مذکور ہوئی) بڑی کامیابی ہے۔ اور آپ کو ان کی

يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ

باتیں غم میں نہ ڈالیں

یعنے جب آپ نے مقبول بندوں کا محفوظ ہونا سن لیا تو ان کی کفریات سے آپ مغموم نہ ہوں ۱۲

إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۚ

تمام تر غلبہ (اور قدرت بھی خدا ہی کے لئے (ثابت) ہے

یعنے علم اور وعدہ حفاظت کے ساتھ قدرت کاملہ بھی خدا ہی کو ہے وہ اپنی قدرت سے حسب وعدہ آپ کی حفاظت کرے گا

هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۶۵﴾ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ

وہ ان کی باتیں) سنتا ہے (اور ان کی حالت) جانتا ہے۔ یاد رکھو کہ جتنے کچھ آسمانوں میں

مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ ۗ

ہیں اور جتنے زمین میں ہیں یعنی جن وانس اور فرشتے یہ سب اللہ ہی کے مملوک ہیں

پس خدا کی حفاظت اور خدا کے انتقام کو کوئی روک نہیں سکتا اس لئے پوری طرح تسلی رکھنا چاہئے اب اس شبہ کو دفع فرماتے ہیں کہ کسی کو خیال ہو کہ شاید یہ باطل معبود مزاحمت کر سکیں تو آگے ان کی حقیقت بتلاتے ہیں ۱۲

وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ

اور جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر دوسرے شرکاء کی عبادت کر رہے ہیں (خدا جانے)

اللَّهِ شُرَكَاءَ ۚ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ

کس چیز کا اتباع کر رہے ہیں محض بے سند خیال کا اتباع کر رہے

وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿۶۶﴾

ہیں اور محض قیاسی باتیں کر رہے ہیں

یعنی مشرکین کے پاس اس عقیدہ کی دلیل کچھ بھی نہیں ان کے شرکاء میں نہ علم ہے نہ قدرت۔ محض بے سند قیاسی خیال ہے پھر ان میں مزاحمت کے احتمال کی کب گنجائش ہے۔

ربط: اوپر کی آیتوں سے جس طرح تسلی مقصود ہے اسی طرح توحید بھی ان سے سمجھی گئی اور پہلے بھی توحید کے بارہ میں آیات آچکی ہیں آگے بھی توحید کا مضمون ہے۔ ھو الذی جعل لکم تا یکفرون۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا

وہ (اللہ) ایسا ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی تاکہ تم اس میں آرام کرو اور دن

فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ

بھی اس طور پر بنایا کہ (بوجہ روشن ہونے کے دیکھنے بھالنے کا ذریعہ ہے اس (بنانے)

لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ﴿۶۷﴾

میں دلائل توحید ہیں ان لوگوں کے لئے جو (تدبر کے ساتھ ان مضامین کو) سنتے ہیں

مگر مشرکین ان دلائل میں غور نہیں کرتے اور شرک میں مبتلا ہیں چنانچہ آگے ان کے شرکیہ اقوال کا بیان ہے۔

قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا ۗ سُبْحَانَهُ ۖ هُوَ

وہ کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے سبحان اللہ (کیسی سخت

الْغَنِيُّ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

بات کہی) وہ تو کسی کا محتاج نہیں اسی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور

الْاَرْضِ ۭ

جو کچھ زمین میں ہے

تو سب اس کے مملوک ہوئے اور وہ مالک ہوا پس ثابت ہوا کہ کمالات میں کوئی اس کا شریک اور ہم جنس نہیں تو اگر اولاد ہم جنس ہوئی تو خدا کا ہم جنس ہونا تو باطل ہو چکا اور اگر نا جنس اولاد ہوئی تو ایسی اولاد ہونا خود عیب ہے اور خدا تعالیٰ عیوب سے پاک ہے جیسا کہ سبحانہ میں اس طرف اشارہ بھی ہے پس خدا کے لئے اولاد ہونا مطلقاً باطل ہو گیا آگے بتلاتے ہیں کہ ہم نے جو اولاد کے نہ ہونے کا دعویٰ کیا تھا اس پر ہم نے تو دلیل قائم کر دی اب جو لوگ اولاد ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ دلیل بیان کریں ان کا حال سنو

اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۢ بِهٰذَا ۭ

تمہارے پاس (بجز بیہودہ دعویٰ کے) اس (دعوے) پر کوئی دلیل (بھی) نہیں (تو) کیا اللہ

اَتَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۶۸ قُلْ

کے ذمہ ایسی بات لگاتے ہو جس کا تم (کسی دلیل سے) علم نہیں رکھتے۔ آپ کہہ دیجئے

یعنی ان کا مفتری ہونا ثابت کر کے اس افتراء کی وعید سنا دیجئے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ

کہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ افتراء کرتے ہیں (جیسے مشرکین) وہ (کبھی)

لَا يُفْلِحُوْنَ ۝۶۹ ۭ

کامیاب نہ ہوں گے

اگر کسی کو شبہ ہو کہ ہم تو ان لوگوں کو دنیا میں خوب کامیاب اور مشغول تنعم پاتے ہیں آگے اس کا جواب ہے۔

ربط: اوپر چند مضامین مذکور ہوئے ہیں آگے بعض قصوں سے سب کی تائید فرماتے ہیں توحید کی اس طرح کہ انبیاء پہلے سے توحید کی دعوت کرتے آئے اور رسالت کی اس طرح کہ پہلے بھی رسول گزرے ہیں اور دھمکی اور وعید کی تائید اس طرح کہ پہلی امتوں پر عذاب نازل ہو چکا ہے تو یہ دھمکی فضول نہیں اور آپ کی تسلی اس طرح کہ پہلے لوگ بھی تکذیب کرتے آئے آخر میں انبیاء کو غلبہ حاصل ہوا پس اول نوح علیہ السلام کا قصہ شروع ہوتا ہے۔ واتل علیهم تا عاقبة المنذرين

مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ

یہ دنیا میں (چند روزہ) تھوڑا سا عیش ہے (جو بہت جلد ختم ہوا جاتا ہے) پھر (مر کر)

ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا

ہمارے ہی پاس ان کو آنا ہے پھر (آخرت میں) ہم ان کو ان کے کفر کے بدلہ

كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝۷۰ ۧ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ

سزائے سخت (کا مزہ) چکھا دیں گے۔ اور آپ ان کو نوح (علیہ السلام) کا قصہ

نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ

پڑھ کر سنائیے۔ جو کہ اس وقت واقع ہوا تھا) جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ

عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

اے میری قوم اگر تم کو میرا رہنا (یعنی وعظ گوئی کی حالت میں) اور احکام خداوندی

فَعَلَي اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ

کی نصیحت کرنا بھاری (اور ناگوار) معلوم ہوتا ہے تو میرا تو خدا ہی پر بھروسہ ہے

یعنی تم کو ناگوار ہوا کرے تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے

فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَاۗءَكُمْ

سو تم اپنی تدبیر مع اپنے شرکاء کے پختہ کر لو

یعنی تم اور تمہارے معبود سب مل کر میری ضرر رسانی میں اپنا ارمان پورا کر لو۔

ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً

پھر تمہاری وہ تدبیر تمہاری گھٹن (اور دل تنگی) کا باعث نہ ہونا چاہئے

یعنی اکثر خفیہ تدبیر سے طبیعت گھٹا کرتی ہے سو خفیہ تدبیر کی ضرورت نہیں جو کچھ تدبیر کرو دل کھول کر علانیہ کرو میرا لحاظ پاس نہ کرو اور نہ میرے چلے جانے نکل جانے کا اندیشہ کرو کیونکہ اتنے آدمیوں کے پہرے میں سے ایک آدمی کا نکل جانا بھی مستبعد ہے پھر اخفاء کی کیا ضرورت ہے ۱۲

ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ۝۷۱

پھر میرے ساتھ (جو کچھ کرنا ہے) کر گزرو اور مجھ کو مہلت نہ دو

حاصل یہ کہ میں تمہاری ان باتوں سے نہ ڈرتا ہوں اور نہ تبلیغ سے رک سکتا ہوں یہاں تک تو نفی خوف کی فرمائی آگے نفی طمع کی فرماتے ہیں ۱۲

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ

پھر بھی اگر تم اعراض ہی کئے جاؤ تو (یہ سمجھ کر) میں نے تم سے کوئی معاوضہ تو

اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ

نہیں مانگا میرا معاوضہ تو صرف اللہ ہی کے ذمہ ہے

غرض نہ تم سے ڈرتا ہوں نہ کچھ خواہش رکھتا ہوں ۱۲

وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۷۲﴾

اور چونکہ مجھ کو حکم کیا گیا ہے کہ میں اطاعت کرنے والوں میں رہوں

اس لئے تبلیغ میں حکم کی تعمیل کرتا ہوں اگر تم نہ مانو گے میرا کیا نقصان ہے ۱۲۔

فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ

سو وہ لوگ ان کو جھٹلاتے رہے پس (اس پر عذاب طوفان کا مسلط ہوا اور) ہم

وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ

نے (اس عذاب سے) ان کو اور جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے ان کو نجات دی اور

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

ان کو (زمین پر آباد کیا اور (باقی جو لوگ رہے تھے) جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کو (اس طوفان میں) غرق کر دیا سو دیکھنا چاہئے کیسا (برا) انجام ہوا

الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾

ان لوگوں کا جو (عذاب الٰہی سے) ڈرائے جا چکے تھے

یعنی بے خبری میں ہلاک نہیں کئے گئے پہلے کہہ دیا سمجھا دیا نہ مانا سزا پائی۔ یہاں بعضوں کو شبہ ہو جاتا ہے کہ جب طوفان کے بعد معدودے چند آدمی بچ گئے تو عالم میں وہی رہے اور نوح علیہ السلام کی دعوت اور نبوت ان سب کے لئے عام تھی تو نبوت عامہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص نہ رہی جواب یہ ہے کہ نبوت عامہ کا آپ کے ساتھ مخصوص ہونا اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مختلف امتیں موجود ہوں اس وقت بھی آپ کی بعثت سب کی طرف ہوگی اور آپ سب امتیوں کے نبی ہوں گے اور یہ خصوصیت اب بھی باقی ہے کیونکہ اس صورت میں طوفان کے بعد مختلف قومیں ہی نہ رہیں تھیں بلکہ نوح علیہ السلام ہی کی قوم کے معدودے چند آدمی رہ گئے تھے ان کے نبی آپ پہلے سے بھی تھے تو طوفان کے بعد ان کی نبوت عام کہاں ہوئی خوب سمجھ لو

ربط: اوپر نوح علیہ السلام کی قوم کا قصہ تھا آگے عاد و ثمود و غیرہم کا قصہ اجمالاً مذکور ہے ثم بعثنا تا قلوب المعتدین۔

ربط: آگے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ فرعون کے ساتھ مذکور ہوتا ہے

ثم بعثنا من بعدهم تا كره المجرمون

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ

پھر نوح کے بعد ہم نے اور رسولوں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا

فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا

سو وہ ان کے پاس معجزات لے کر آئے (مگر) پھر (بھی ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کی کیفیت یہ تھی کہ) جس چیز کو انہوں نے اول (وہلہ) میں (ایکبار)

بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ

جھوٹا کہہ دیا یہ نہ ہوا کہ پھر اس کو مان لیتے (اور جیسے یہ لوگ دل کے سخت تھے)

عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۷۴﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ

اللہ تعالیٰ اسی طرح کافروں کے دلوں پر بند لگا دیتے ہیں پھر ان (مذکورین) پر

بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ

پیغمبروں کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) کو فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس اپنے معجزات (عصا) اور ید بیضا دیکر بھیجا سو انہوں نے)

وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا

دعویٰ کے ساتھ ہی ان کی تصدیق کرنے سے) تکبر کیا

اور طلب حق کے لئے غور بھی تو نہ کیا ۱۲

وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ

اور وہ لوگ جرائم کے خوگر تھے پھر جب (بعد دعویٰ کے) ان کو ہمارے پاس سے (نبوت

الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ

موسویہ پر) صحیح دلیل پہنچی تو وہ لوگ کہنے لگے کہ یقیناً یہ صریح جادو ہے۔ موسیٰ (علیہ

مُّبِيْنٌ ﴿۷۶﴾ قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ

السلام) نے فرمایا کیا تم اس صحیح دلیل کی نسبت جبکہ وہ تمہارے پاس پہنچی ایسی بات کہتے

لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿۷۷﴾

ہو (کہ یہ جادو ہے) کیا یہ جادو ہے۔ حالانکہ جادوگر کامیاب نہیں ہوا کرتے

یعنی جادوگر جب کہ دعویٰ نبوت کریں اس وقت کوئی خارق عادت ظاہر کرنے میں کامیاب نہیں ہوا کرتے اس تقریر سے یہ شبہ جاتا رہا کہ ہم تو بعض دفعہ ساحروں کو کامیاب پاتے ہیں حاصل جواب کا یہ ہوا کہ جو ساحر مدعی نبوت کا ہو اس کے ہاتھ پر معجزہ نہیں ظاہر ہو سکتا اس کی کامیابی شرعاً محال ہے۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ

وہ لوگ کہنے لگے کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم کو اس طریقہ سے ہٹا دو جس پر

اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ط

ہم نے اپنے بزرگوں کو دیکھا ہے اور (اس لئے آئے ہو کہ) تم دونوں کو دنیا میں ریاست (اور سرداری) مل جائے اور (تم خوب سمجھ لو کہ)

وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ

ہم تم دونوں کو کبھی نہ مانیں گے۔ اور فرعون نے (اپنے سرداروں سے) کہا

ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا جَآءَ

کہ میرے پاس تمام ماہر جادوگروں کو (جو ہماری قلمرو میں ہیں) حاضر کرو

السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ

(چنانچہ جمع کئے گئے سو جب وہ آئے (اور موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ ہوا) موسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے فرمایا کہ ڈالو جو کچھ تم کو (میدان میں) ڈالنا

مُّلْقُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ

ہے سو جب انہوں نے (اپنا جادو کا سامان) ڈالا تو موسیٰ (علیہ السلام) نے

بِهِ ۙ السِّحْرُ ط اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا

فرمایا کہ یہ جو کچھ تم (بنا کر) لائے ہو جادو ہے یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اس (جادو) کو

يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۱﴾

ابھی درہم برہم کئے دیتا ہے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ ایسے فسادیوں کا کام بننے نہیں دیتا

جو معجزہ کے ساتھ مقابلہ سے پیش آویں یہاں بھی مفسد سے مراد وہ مفسد ہے جو معجزہ کا مقابلہ کرے اس کی کامیابی بھی شرعاً محال ہے اسی طرح سورہ طٰہٰ میں جو آیا ہے ولا یفلح الساحر حیث اتی کہ جادوگر جب کبھی آوے کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس سے بھی یہی مراد ہے کہ جب معجزہ کا مقابلہ کرتے ہوئے آئے اس وقت کامیاب نہیں ہوتا کیونکہ عادۃ اللہ یہی جاری ہے کہ نبی کے مقابلہ میں جھوٹا کامیاب نہیں ہو سکتا اسی طرح اگر کوئی نبوت کا دعویٰ جھوٹا کردے اس کے ہاتھ سے بھی معجزہ ظاہر نہیں ہو سکتا ۱۲

ربط: اوپر سے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ چلا آتا ہے آگے اس کا تتمہ ہے۔ فما آمن لموسیٰ تا بشر المومنین

وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾

اور اللہ تعالیٰ دلیل صحیح (یعنی معجزہ) کو اپنے وعدوں کے موافق ثابت کر دیتا ہے گو مجرم (اور کافر) لوگ کیسا ہی ناگوار سمجھیں پس

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ

(جب عصا کا معجزہ ظاہر ہوا تو) موسیٰ (علیہ السلام) پر (شروع شروع میں) ان کی قوم میں سے صرف قدرے قلیل آدمی ایمان لائے

اس مقام پر بعض کو یہ شبہ ہو جاتا ہے کہ بنی اسرائیل چونکہ فرعون کے ہاتھوں سب کے سب مصیبتوں میں مبتلا تھے اس لئے موسیٰ علیہ السلام سے کوئی بھی مخالف نہ تھا پھر اس کے کیا معنے کہ تھوڑے آدمی ایمان لائے اور اپنے سرداروں سے ڈرنے کی کیا وجہ نیز سیر سے معلوم ہوتا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے چلے ہیں تو آپ کے ساتھ لاکھوں تھے جس سے معلوم ہوا کہ بہت لوگ ایمان لائے تھے جواب یہ ہے کہ مخالف نہ ہونا اور ساتھ ہو لینا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سب ایمان بھی لے آئے تھے بلکہ دل میں یہ قصد ہوگا کہ ابھی سے مسلمان ہو کر کون پریشانی میں پڑے موقع پر ایمان لے آویں گے ہاں ان میں جو سچے طالب خدا تھے ان سے بے پروائی اور تاخیر نہ ہو سکی وہ قاعدہ کے موافق جبھی ایمان لے آئے گو اس کا عام اعلان نہ کیا اور قبطیوں کے خوف سے اپنے ایمان کو چھپائے رکھا پس سرداروں سے مراد قبطی لوگ ہیں کہ وہی حکام تھے قبائل بنی اسرائیل کے سردار مراد نہیں کیونکہ ان سے خوف کچھ نہ تھا اور یہ قصہ شروع شروع کا ہے پھر کچھ ہمت بڑھتی گئی اور مسلمان بڑھتے گئے۔ تفسیر مدارک میں اس جگہ اول الامر کی قید صراحۃً مذکور ہے یعنی تھوڑے آدمیوں کا ایمان لانا اور ڈرتے ڈرتے ایمان لانا یہ شروع کی حالت ہے اب سب شبہات رفع ہو گئے ۱۲ خلاصۃ البیان

عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ

وہ بھی فرعون سے اور اپنے حکام سے ڈرتے ڈرتے کہ کہیں (ظاہر ہونے پر) ان کو

يَّفْتِنَهُمْ ط وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ج

تکلیف (نہ) پہنچاوے اور واقع میں (ڈرنا ان کا بے جا نہ تھا کیونکہ) فرعون اس ملک

وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾

میں زور (سلطنت) رکھتا تھا اور یہی بات تھی کہ وہ حد (انصاف) سے باہر ہو جاتا تھا

اور ظلم کرنے لگتا تھا پھر جو شخص حکومت کے ساتھ ظلم کرتا ہو اس سے ڈرلگتا ہی ہے ۱۲

وَقَالَ مُوْسٰى

اور موسیٰ نے فرمایا

یعنی جب موسیٰ علیہ السلام نے ان کو خائف دیکھا تب فرمایا

يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا

کہ اے میری قوم اگر تم (سچے دل سے) اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو (سوچ بچار

اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ

مت کرو بلکہ) اسی پر توکل کرو اگر تم (اس کی) اطاعت کرنے والے ہو

تَوَكَّلْنَا ۚ

انہوں نے (جواب میں) عرض کیا کہ ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا

اس کے بعد دعاء کی آگے دعاء کا ذکر ہے

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾

اے ہمارے پروردگار ہم کو ان ظالموں کا تختہ مشق نہ بنا

وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾

اور ہم کو اپنی رحمت کا صدقہ ان کافروں سے نجات دے

یعنی جب تک ہم پر ان کی حکومت مقدر ہے ظلم نہ کرنے پاویں اور پھر ہم کو ان کی حکومت کے دائرہ ہی سے نکال دیجئے ۱۲۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ

اور موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کے بھائی ہارون (علیہ السلام) کے پاس وحی

لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا

بھیجی کہ تم دونوں اپنے ان لوگوں کے لئے (بدستور) مصر میں گھر برقرار رکھو

یعنی وہ ڈر کر گھر نہ چھوڑیں ہم ان کے محافظ ہیں ۱۲

وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً

اور (نماز کے اوقات میں) سب اپنے ان ہی گھروں کو نماز پڑھنے کی جگہ قرار دے لو

یعنی خوف کی وجہ سے مساجد کی حاضری معاف ہے حاصل یہ ہے کہ پہلی امتوں میں بجز مساجد کے اور جگہ نماز نہ ہوتی تھی مگر خوف میں ان کو اجازت دی گئی کہ گھر ہی میں نماز پڑھ لیں پھر اس میں بھی گھر کے ہر حصہ میں درست نہ ہوتی تھی بلکہ موقع متعین کرنا پڑتا تھا اس بناء پر پھر بھی امت محمدیہ اس خصوصیت میں ان سے ممتاز رہی کہ ان کے لئے اس تعیین کی بھی حاجت نہیں ۱۲

وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ

اور (یہ ضروری ہے کہ نماز کے پابند رہو

کہ نماز کی برکت سے اللہ تعالیٰ جلدی اس مصیبت سے چھڑا دے اور شاید نماز کی پابندی کا حکم اس طور سے ہوا ہو جیسا کہ دوسری آیت میں ہے واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ کہ نماز اور صبر سے امداد واعانت حاصل کرو یہاں نماز کی تاکید اسی غرض سے فرمائی گئی ہو کہ اس کی برکت سے امداد واعانت حاصل ہو گی اس بناء پر یہ آیت تفصیل ہو جائے گی اس قول کی وقال لقومه استعینوا باللّٰه واصبروا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے قوم اللہ سے مدد مانگو اللہ سے مدد مانگنے کا یہی مطلب ہو جائے گا کہ نماز پڑھتے رہو اور اس کی برکت سے جلدی مدد پہنچ جائے گی اور یہ سب احکام قبول دعاء کے آثار میں سے ہیں کیونکہ گھروں میں رہنے کا حکم دے کر سفر کی تشویش سے بچا لیا اور نمازیں گھروں میں پڑھنے کی اجازت دے دی باہر نکلنا معاف کر دیا کہ اس سے اظہار ہوتا اور پابندی نماز کی تاکید سے نجات کی تدبیر بتلا دی آگے بشارت سنانے کا حکم آتا ہے کہ بنی اسرائیل کو خوشخبری سنا دو اس میں نجات دینے کا وعدہ کر لیا اور ان سب میں دعا قبول ہونے کے آثار ظاہر ہیں ۱۲

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾

اور (اے موسیٰ) آپ مسلمانوں کو بشارت دے دیں

کہ اب جلدی مصیبت ختم ہو جائے گی۔

ربط: اوپر کی طرح آگے بھی موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کا تتمہ ہے

وقال موسیٰ تا لایعلمون

وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ

اور موسیٰ (علیہ السلام) نے (دعاء میں) عرض کیا کہ اے ہمارے رب (ہم کو یہ بات معلوم ہو گئی

وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ

کہ) آپ نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو سامان تجمل اور طرح طرح کے مال دنیوی زندگی

رَبَّنَا لِیُضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِكَ ج

میں اے ہمارے رب اسی واسطے دیئے ہیں کہ وہ آپ کی راہ سے (لوگوں کو) گمراہ کردیں

پس جب ہدایت ان کے مقدر میں نہیں اور یہ حکمت تھی وہ حاصل ہو چکی تو اب ان کے اموال ونفوس کو کیوں باقی رکھا جاوے پس (آگے ترجمہ)

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓی اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ

اے ہمارے رب ان کے مالوں کو نیست و نابود کر دیجئے اور ان کے دلوں کو

عَلٰی قُلُوْبِهِمْ

(زیادہ) سخت کر دیجئے

یعنی ان کے دل سخت کر کے ان کی جانوں کی ہلاکت کا سامان فرما دیجئے کہ دل سخت ہونے سے ہلاکت کے زیادہ مستحق ہو جائیں گے

فَلَا یُؤْمِنُوْا

جس سے ہلاکت کے مستحق ہو جاویں) سو یہ ایمان نہ لانے پاویں

بلکہ روز بروز ان کا کفر بڑھتا ہی رہے یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ موسیٰ علیہ السلام تو ہدایت کے لئے آئے تھے اور بددعا کرنے لگے ہدایت نہ ہونے کی اصل یہ ہے کہ ہدایت کے واسطے آنے کے تو یہ معنے ہیں کہ ان کو راہ دین کی طرف بلاتے رہیں سو یہ تو بددعا کے بعد بھی کرتے رہے بددعا میں اور ہدایت کرنے میں کوئی منافات نہیں اور دراصل بددعاء سے ان کی گمراہی کی بددعا کرنا مقصود نہ تھی کیونکہ یہ تو ان کو یقینی طور پر معلوم ہو گیا تھا انکشاف سے اور وحی سے کہ یہ اب ایمان نہ لاویں گے تو یقین کے بعد اس کے واسطے بددعاء کرنے کی کیا ضرورت رہی بلکہ ان کا اصل مقصود ان کی ہلاکت کی بددعا کرنا تھا اور ایمان نہ لانے کی بددعا صرف تقدیر کی موافقت کے لئے کر دی کہ جب مرضی الٰہی یہی ہے کہ یہ ایمان نہ لاویں گے تو میں بھی اس کی موافقت کرتا ہوں اس لئے اس میں اشکال نہ رہا جیسا کہ نوح علیہ السلام نے جب وحی سے معلوم کر لیا کہ اب میری قوم میں سے کوئی ایمان نہ لائے گا تو ان کی ہلاکت کی بددعا کی اور تقدیر کی موافقت کے لئے **واشدد علی قلوبهم** بھی فرما دیا یعنی جب تقدیر میں یہی ہے کہ یہ ایمان نہ لاویں گے تو میں بھی موافقت کرتا ہوں پس ان کے دل اور سخت کر دیجئے رہا یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مال و دولت گمراہ کرنے اور گمراہ ہونے کے لئے کیوں دیا اس کا جواب یہ ہے کہ حکیم کا فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا کوئی حکمت ہو گی اگرچہ ہم بالتعیین بیان نہ کر سکیں باقی یہ ضرور ہے کہ ان لوگوں نے جب خود ہی گمراہی کا قصد کیا اسی کو اختیار کیا اس وقت خدا تعالیٰ نے بھی اس کے سامان کر دیئے جیسا کہ ان کی عادت ہے کہ جو شخص جیسا قصد کرتا ہے ویسا ہی سامان کر دیتے ہیں اس لئے گمراہ کرنے کے واسطے مال و دولت دینے سے وہ معذور نہیں ہو سکتے۔

حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ﴿۸۸﴾

یہاں تک کہ عذاب الیم (کے مستحق ہو کر اس) کو دیکھ لیں

اور عذاب دیکھنے کے بعد ایمان مقبول نہیں ہوتا موسیٰ علیہ السلام نے بددعا کی اور ہارون علیہ السلام آمین کہتے رہے اس لئے آگے یہ فرمایا ہے کہ تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی کیونکہ آمین کہنا بھی دعا میں شریک ہونا ہے۔

ربط: اوپر کی طرح آگے بھی تتمہ ہے قصہ موسویہ کا فرماتے ہیں کہ جب ہم نے فرعون کو ہلاک کرنا چاہا تو موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو مصر سے باہر نکال لے جایئے چنانچہ وہ سب کو لے کر چلے اور راستہ میں دریائے شور حائل ہوا اور موسیٰ علیہ السلام کی دعاء سے اس میں راستہ ہو گیا **وجاوزنا تا لغفلون**

قَالَ قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِیْمَا

حق تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی سو تم (اپنے منصبی کام یعنی

وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِیْلَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

تبلیغ پر) مستقیم رہو اور ان لوگوں کی راہ پر نہ چلنا جن کو علم نہیں اور ہم نے بنی

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ

اسرائیل کو (اس) دریا سے پار کر دیا پھر ان کے پیچھے پیچھے فرعون مع اپنے لشکر

فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّعَدْوًا ط

کے ظلم اور زیادتی کے ارادہ سے (دریا میں) چلا

کہ دریا سے نکل کر ان سے قتل و قتال کرے لیکن وہ دریا سے پار نہ ہو سکا ۱۲

حَتّٰٓی اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ لا قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ

یہاں تک کہ جب ڈوبنے لگا (اور ملائکہ عذاب کے نظر آنے لگے) تو

لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ

(سراسیمہ ہو کر) کہنے لگا میں ایمان لاتا ہوں کہ بجز اس کے کہ جس پر بنی اسرائیل

وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۹۰﴾

ایمان لائے ہیں کوئی معبود نہیں اور میں مسلمانوں میں داخل ہوتا ہوں

سو مجھ کو اس غرق سے اور عذاب آخرت سے نجات دی جائے اور اس کہنے سے کہ میں مسلمانوں میں داخل ہوتا ہوں موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کی بھی تصدیق ہوگئی مگر چونکہ یہ ایمان معائنۂ آخرت کے وقت تھا کہ عالم آخرت منکشف ہو چکا تھا اس لئے مقبول نہیں ہوا جیسا کہ ارشاد ہوا **فلم یک ینفعھم ایمانھم لما راؤ ابا سنا** کہ جب ہمارا عذاب دیکھ لیا اس وقت ان کو ایمان نے نفع نہ دیا رہا یہ شبہ کہ جب اس حالت میں یقیناً ایمان مقبول نہیں ہو سکتا تو حدیث میں جو آتا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں اس وقت فرعون کے منہ میں کیچڑ ٹھونستا تھا کہ مبادا کہیں اس پر رحمت نہ ہو جائے اور ایک روایت میں ہے کہ کہیں مغفرت نہ ہو جائے اس کے کیا معنے ہوں گے جب یقیناً رحمت و مغفرت اس وقت نہیں ہو سکتی تو اس فعل کی کیا ضرورت تھی جواب یہ ہے کہ جبریل علیہ السلام کے قول میں رحمت و مغفرت دنیوی مراد ہے اخروی مراد نہیں حاصل یہ کہ گو ان الفاظ سے بوجہ شرعی ایمان متحقق نہ ہونے کے آخرت میں تو اس کو کچھ نفع نہ ہوتا لیکن شاید جس طرح منافقین کا ایمان آخرت میں نافع نہیں مگر جان و مال بچانے کے لئے دنیا میں کافی ہو جاتا ہے اسی طرح وہ شاید ان الفاظ کی بدولت غرق سے بچ جاتا اور اس کا رہنا فساد عالم کا سبب ہوتا اس لئے منہ بند کرتے تھے کہ پھر یہ الفاظ نہ نکلیں اور بعض اکابر سے جو فرعون کے ایمان کا صحیح ہونا منقول ہے وہ کسی نے ان کی تصنیف میں لاحق کر دیا ہے چنانچہ الیواقیت والجواہر میں اس کی تفصیل موجود ہے آگے فرشتہ کا جواب مذکور ہے جو حق تعالیٰ کی طرف سے اس نے فرعون کو سنایا۔

آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ

جواب دیا گیا کہ اب ایمان لاتا ہے اور (معائنۂ آخرت کے) پہلے سے سرکشی

الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ

کرتا رہا اور مفسدوں میں داخل رہا (اب نجات چاہتا ہے) سو (بجائے نجات مطلوبہ کے) آج ہم تیری لاش کو (پانی میں تہ نشین ہونے سے) نجات دیں

لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ

گے تاکہ تو ان کے لئے موجب عبرت ہو جو تیرے بعد (موجود) ہیں

کہ تیری بدحالی اور تباہی دیکھ کر مخالفت احکام الٰہیہ سے ڈریں لاش کے بچا لینے اور پانی پر تیر آنے کو نجات فرمانا بطور شرمندہ کرنے اور مایوس کر دینے کے ہے کہ ایسی نجات ہوگی جو تیرے لئے زیادہ موجب رسوائی ہو جیسا کہ معرکہ جنگ میں بعضوں کی لاش یا سر اس لئے محفوظ رکھا جاتا ہے تاکہ اس کی تشہیر کی جائے اور بعض نے یہ وجہ بھی نقل کی ہے کہ بنی اسرائیل کو فرعون کے غرق ہونے میں اس کی غایت عظمت و ہیبت کی وجہ سے شبہ تھا ان کو بھی یقین آ گیا۔ **ربط:** اوپر بنی اسرائیل پر انعام عظیم کا ذکر تھا کہ کیسے بڑے موذی سے ان کو نجات دی آگے بقیہ نعمت کی حکایت اور ان کی سرکشی کی شکایت ارشاد ہے۔ **ولقد بوانا تا فیہ یختلفون**

وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا

اور حقیقت یہ ہے کہ (پھر بھی) بہت سے آدمی ہماری (ایسی ایسی عبرتوں سے غافل ہیں (اور

لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾ ع وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

مخالفت احکام الٰہیہ سے نہیں ڈرتے) اور ہم نے (غرق فرعون کے بعد) بنی اسرائیل کو بہت

مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ

اچھا ٹھکانہ رہنے کو دیا اور ہم نے ان کو نفیس چیزیں (نعمائے جنات و عیون وغیرہ) کھانے کو دیں

مصر میں بھی باغ اور چشمے تھے اور شام کی نسبت **بارکنا فیھا** آیا ہے کہ ہم نے اس میں برکت رکھی ہے چنانچہ ظاہری اور باطنی ہر طرح کی برکت وہاں ہے اور اچھے ٹھکانے کی تفسیر مصر اور شام ہی کے ساتھ درمنثور میں منقول ہے۔

فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ؕ

سو انہوں نے (جہل کی وجہ سے) اختلاف نہیں کیا یہاں تک کہ ان کے پاس (احکام کا) علم پہنچ گیا

پھر اختلاف کیا اور اختلاف کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ باوجود نبوت کی تصدیق کے انبیاء کے احکام میں طرح طرح کے حیلے اور حجتیں نکالتے تھے دوسرے یہ کہ بعض انبیاء کو مانتے تھے بعض کو نہ مانتے تھے جس میں یہود کا ہمارے حضرت کو نہ ماننا بھی داخل ہے۔ **ربط:** اوپر یہود کا دین میں اختلاف کرنا مذکور تھا چونکہ مشرکین بھی اس اختلاف میں ان کے شریک بلکہ ان سے بڑھے ہوئے تھے اس لئے قرآن کی حقانیت سے خاص طرز پر اسلام کی حقانیت ثابت فرماتے ہیں۔ **فان کنت فی شک تا من الخسرین**

اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا

یقینی بات یہ ہے کہ آپ کا رب ان (اختلاف کرنے والوں) کے درمیان

كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَاِنْ كُنْتَ فِيْ

قیامت کے دن ان امور میں فیصلہ (عملی) کرے گا جن میں وہ اختلاف کیا

شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِيْنَ

کرتے تھے پھر اگر (بالفرض) آپ اس (کتاب) کی طرف سے شک (اور شبہ) میں ہوں جس کو ہم نے آپ کے پاس بھیجا ہے تو آپ ان لوگوں سے پوچھ دیکھئے جو آپ

يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ

سے پہلی کتابوں کو پڑھتے ہیں مراد توریت وانجیل ہیں تو وہ قرآن کو سچ بتلائیں گے

یعنی اگر وہ لوگ توریت اور انجیل کو بعینہ پڑھ دیں اور اس میں دغا اور خیانت نہ کریں تو ان کے پڑھ دینے سے قرآن کی تصدیق ہو جائے گی کیونکہ ان میں قرآن کی پیشین گوئی موجود ہے اس تقریر سے یہ شبہ جاتا رہا کہ اہل کتاب تو خود تکذیب کرتے تھے پھر ان سے پوچھنا کیسے بتلا دیا گیا حاصل جواب کا یہ ہے کہ جب وہ اصل مضمون پڑھ دیں تو اخفاء نہیں ہو سکتا سننے والا خود سمجھ جائے گا گو وہ جھٹلاتے رہیں ۱۲

لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ

بیشک آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے سچی کتاب آئی ہے آپ

مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ

ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہوں اور (نہ شک کرنے والوں سے بڑھ کر)

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ

ان لوگوں میں ہوں۔ جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا کہیں آپ (نعوذ

الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۵﴾

باللہ) تباہ نہ ہو جاویں

ظاہر میں خطاب آپ کو ہے مگر مقصود دوسروں کو خطاب کرنا ہے آپ کو خطاب کرنے میں اس دلیل کے کافی ہونے پر تاکید اور مبالغہ ہو گیا کہ جب صاحب وحی کو جو کہ بلا واسطہ حق تعالیٰ سے علوم حاصل کرتا ہے یا فرشتوں کی باتیں سنتا ہے اہل علم سے پوچھنا قرآن کی تصدیق کے لئے کافی ہو سکتا ہے تو دوسروں کے لئے کیسے کافی نہ ہوگا اسی طرح آخیر میں جو فرمایا کہ شک کرنے والوں میں نہ ہوں اور تباہ نہ ہو جائیں ان میں بھی مقصود دوسروں کو سنانا ہے آپ کو خطاب کرنے سے مبالغہ ہو گیا کہ جس ذات میں شک وغیرہ کا احتمال بھی نہیں ہو سکتا جب اس کو روکا جاتا ہے تو جس میں احتمال ہے اس کو بدرجہ اولیٰ روکنا چاہئے چنانچہ آیت نازل ہونے کے وقت آپ نے یہ بات ظاہر کرنے کے لئے کہ مقصود مجھ کو خطاب نہیں ہے یہ فرمایا کہ لا اشک ولا اسئال نہ مجھ کو شک ہے نہ میں پوچھوں مطلب یہ کہ جس کو شک ہو اسی کو یہ خطاب اصل میں ہے۔

ربط: اوپر ایمان نہ لانے والوں کا ذکر تھا چونکہ آپ کو طبعاً اس سے رنج ہوتا تھا اس لئے آپ کی تسلی فرماتے ہیں کہ ان کا ایمان نہ لانا مقدر ہو چکا ہے اس لئے اس کے خلاف نہ ہوگا البتہ اگر قوم یونس کی طرح ان کا ایمان لانا مقدر ہو چکتا تو ان کی طرح یہ بھی ایمان لے آتے **ان الذین حقت تالایعقلون**

اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ

یقیناً جن لوگوں کے حق میں آپ کے رب کی (یہ ازلی) بات (کہ ایمان نہ لاویں

لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى

گے) ثابت ہو چکی ہے وہ (کبھی) ایمان نہ لاویں گے گو ان کے پاس تمام دلائل

يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۹۷﴾ فَلَوْلَا كَانَتْ

(ثبوت حق کے) پہنچ جائیں جب تک کہ عذاب دردناک کو نہ دیکھ لیں (مگر اس

قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ

وقت ایمان نافع نہیں ہوتا) کوئی بستی ایمان نہ لائی کہ ایمان لانا اس کو نافع ہوتا

یعنی جن بستیوں پر عذاب آ چکا ہے ان میں سے کوئی بھی عذاب آنے سے پہلے ایمان نہ لائی کہ ایمان سے ان کو نفع ہوتا کیونکہ ان کے ایمان کی بابت مشیت متعلق نہ ہوئی تھی نہ انہوں نے خود چاہا نہ خدا نے چاہا۔

اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۭ

ہاں مگر یونس (علیہ السلام) کی قوم

کہ انہوں نے عذاب کے آنے سے پہلے ہی صرف آثار دیکھ کر حق تعالیٰ کی جناب میں گریہ وزاری شروع کی اور ایمان لے آئے تو وہ عذاب ٹل گیا ان کو آثار سے عذاب کا آنا غالب گمان سے معلوم ہو گیا تھا یا عذاب آ گیا تھا مگر ابھی فرشتے نظر نہ آئے تھے۔ نہ عالم آخرت منکشف ہوا تھا کہ ایمان لے آئے۔ پس **فلم یک ینفعھم ایمانھم لما راو اباسنا** کے یہ خلاف نہیں کیونکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ عذاب آ جانے اور عالم آخرت دیکھ لینے کے بعد ایمان نافع نہیں ہوتا اور یہ لوگ پہلے ہی ایمان لے آئے تھے غرض ان لوگوں میں صلاحیت تھی جلدی ایمان لے آئے خدا کی مشیت بھی ان کے ارادہ کے موافق متعلق ہوئی ۱۲

لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي

جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے رسوائی کے عذاب کو دنیوی زندگی میں ان پر سے ٹال دیا

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۹۸﴾

اوران کوایک وقت خاص (یعنی وقت موت) تک (خیر وخوبی کے ساتھ) عیش دیا

عیش کے ساتھ ترجمہ میں خیر وخوبی کی جو قید لگائی گئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا عیش دیا جو آخر میں باعث وبال نہ تھا جیسا کہ اٰتنا فی الدنیا حسنة کی تفسیر میں گزرا ہے دلیل اس کی سورہ ہود کی آیۃ ہے یمتعکم متاعا حسناً الی اجل مسمی یعنی خدا پر ایمان لاؤ تو خیر و خوبی کے ساتھ خاص مدت تک یعنی موت تک عیش دیں گے وہاں یہی مراد ہے کہ ایمان واعمال صالحہ کے ساتھ جو عیش ہو وہ انجام کار وبال جان نہیں ہوتا پس یہ شبہ جاتا رہا کہ عیش دنیا تو کفار کو بھی عام ہے پھر ایمان پر اسے کیوں مرتب فرمایا؟ جواب یہ ہے کہ کفار کا عیش خیر وخوبی کے ساتھ نہیں اس کا انجام وبال جان ہے۔ اور حیوۃ دنیا کی تخصیص مبالغہ کے لئے ہے۔ یعنی آخرت میں تو ایمان نافع ہوتا ہی ہے ان کو ایمان کی بدولت دنیا میں بھی عیش دیا گیا آگے فرماتے ہیں کہ قوم یونس ہی کی کیا تخصیص ہے اگر ہماری مشیت ہوتو سب ایمان لے آویں۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِى الْاَرْضِ

اوران اقوام وقری کی کیا تخصیص ہے اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام روئے زمین

كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ

کے لوگ سب کے سب ایمان لے آتے

مگر بعض حکمتوں کی وجہ سے نہ چاہا اس لئے سب ایمان نہیں لائے۔

اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾

سو (جب یہ بات ہے تو) کیا آپ لوگوں پر زبردستی کر سکتے ہیں جس میں وہ

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ

ایمان ہی لے آویں حالانکہ کسی شخص کا ایمان لانا بدوں خدا کے حکم (یعنی مشیت)

وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

کے ممکن نہیں اور اللہ تعالیٰ بے عقل لوگوں پر (کفر کی) گندگی واقع کردیتا ہے

یعنی ان کی تقدیر میں ایمان نہ ہونے کی وجہ ان کا جہل اور نادانی ہے کہ وہ خود حق کو نہیں سمجھنا چاہتے اس لئے کفر میں مبتلا ہیں گو جہل کا سلسلہ بھی مشیت وحکمت ہی تک پہنچتا ہے ۱۲

ربط: پہلے کچھ اوپر ایمان نہ لانے والوں کا ذکر تھا آگے بتلاتے ہیں کہ باوجود عناد کے اور ایمان سے ناامیدی کے پھر بھی دائرہ تکلیف سے باہر نہیں اور عناد پر ان کا مستحق وعید ہونا مذکور ہے قل انظروا تا ننج المؤمنین

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

آپ کہہ دیجئے تم غور کرو (اور دیکھو) کہ کیا کیا چیزیں ہیں آسمانوں میں اور زمین میں

آسمانوں میں ستارے وغیرہ اور زمین میں بے انتہا مخلوق نظر آتی ہیں یعنی ان میں غور کرنے سے توحید کی دلیل عقلی حاصل ہوگی یہ بیان ہوا ان کے مکلف ہونے کا ۱۲

وَمَا تُغْنِى الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا

اور جو لوگ (عناداً) ایمان نہیں لاتے ان کو دلائل اور دھمکیاں کچھ

يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

فائدہ نہیں پہنچاتیں

آگے بتلاتے ہیں کہ ان کی حالت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ باوجود دلائل اور وعیدوں کے جو ایمان نہیں لاتے تو ان کی حالت اس شخص کے مشابہ ہے جو ایسے عذاب کا منتظر ہو جو کہ پہلی قوموں پر آیا تھا۔

فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ

(یہ بیان ہوا ان کے عناد کا) سو وہ لوگ (بدلالت حال) صرف ان لوگوں کے سے واقعات کا

خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ قُلْ فَانْتَظِرُوْا اِنِّىْ مَعَكُمْ

انتظار کررہے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں آپ فرمادیجئے کہ اچھا تو تم (تو اس کے)

مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

انتظار میں رہو میں بھی تمہارے ساتھ (اس کے) انتظار کرنے والوں میں ہوں

آگے پھر پہلی امتوں کا حال بیان فرماتے ہیں کہ ہم جب پہلی امتوں پر عذاب واقع کرتے تھے تو وہ عذاب صرف کافروں پر آتا تھا۔

ثُمَّ نُنَجِّىْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ

پھر ہم (اس عذاب سے) اپنے پیغمبروں کو اور ایمان والوں کو بچالیتے تھے (جس طرح ان مومنین کو ہم نے نجات دی تھی) ہم اسی طرح سب ایمان

حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ ع

والوں کو نجات دیا کرتے ہیں یہ (حسب وعدہ) ہمارے ذمہ ہے۔

اسی طرح اگر ان کفار پر کوئی افتاد پڑی تو مسلمان اس سے محفوظ رہیں گے مسلمانوں کا آخرت کے عذاب سے بچنا تو ظاہر ہے اور پہلے عذابوں میں دنیوی عذاب سے بھی بچنا ظاہر ہے اور اس امت کے کفار پر جو عذاب دنیوی آتا ہے یعنی قتل وغیرہ اس سے مسلمانوں کا بچنا اس طرح ہے کہ مسلمانوں کے حق میں یہ قتل وغیرہ عذاب نہیں ہوتا بلکہ ان کے لئے اس میں بڑا ثواب اور بڑے درجات ہیں خوب سمجھ لو۔ ربط: اوپر کفار کی تکذیب کا ذکر تھا آگے اسلام کے رکن اعظم یعنی توحید کا ذکر ہے تاکہ اس کی حقیقت میں غور کر کے اسلام کی حقانیت کا علم ہو سکے قل یاایها الناس تا هو الغفور الرحیم

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ

آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو اگر تم میرے دین کی طرف شک اور تردد)

مِّنْ دِيْنِيْ

میں ہو تو

یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ کفار تو پورے منکر تھے مومن کی بابت شک اور تردد کیوں فرمایا جواب یہ ہے کہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس دین میں تو شک بھی نہ ہونا چاہئے چہ جائیکہ انکار و تکذیب' آگے دین اسلام کی حقیقت بتلاتے ہیں ۱۲

فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ

میں ان معبودوں کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو لیکن ہاں اس

اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۖۚ

معبود کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری جان قبض کرتا ہے اور مجھ کو (منجانب اللہ) یہ حکم ہوا ہے کہ

وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۰۴

میں ایمان لانے والوں میں سے ہوں۔ اور یہ کہ اپنے آپ کو اس دین مذکور (توحید خالص)

وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا

کی طرف اس طرح متوجہ رکھنا کہ سب طریقوں سے علیحدہ ہو جاؤ اور (مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ)

تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۰۵ وَلَا تَدْعُ مِنْ

کبھی مشرک مت بننا) اور (یہ حکم ہوا کہ خدا (کی توحید) کو چھوڑ کر ایسی چیز کی عبادت مت

دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ

کرنا جو تجھ کو نہ (عبادت کرنے کی حالت میں) کوئی نفع پہنچا سکے اور نہ (ترک عبادت کی

فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰۶

حالت میں) کوئی ضرر پہنچا سکے پھر اگر (بالفرض) ایسا کیا تو تم اس حالت میں حق ضائع

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ

کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے اور (مجھ سے یہ کہا گیا ہے کہ) اگر تم کو اللہ تعالیٰ کوئی

لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا

تکلیف پہنچاوے تو بجز اس کے اور کوئی اس کا دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تم کو کوئی راحت

رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ

پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کا کوئی ہٹانے والا نہیں (بلکہ) وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے

عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۱۰۷

جس پر چاہیں مبذول فرماویں اور وہ بڑی مغفرت والے اور بڑی رحمت والے ہیں

اور رحمت و مغفرت میں فضل و احسان کے بھی تمام افراد داخل ہیں جب حق تعالیٰ رحمت و مغفرت عظیمہ کیساتھ موصوف ہیں پس لامحالہ وہ صاحب فضل بھی ہیں خلاصہ یہ ہے کہ میرا دین تو یہ ہے جس میں کسی کو شک نہ ہونا چاہئے۔

ربط: اوپر دین اسلام کی حقانیت ظاہر کی گئی ہے آگے بتلاتے ہیں کہ اس بیان سے حجت تمام ہوگئی قل یاایها الناس تا بوکیل

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ

آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ اے لوگو تمہارے پاس (دین) حق تمہارے رب کی طرف سے (بدلیل) پہنچ چکا ہے سو (اس کے پہنچ جانے کے بعد)

رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ

جو شخص راہ راست پر آجاوے گا سو وہ اپنے (نفع) کے واسطے راہ راست پر آوے

لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ

گا اور جو شخص (اب بھی) بے راہ رہے گا تو اس کا بے راہ ہونا (یعنی اس کا وبال

وَمَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝۱۰۸

بھی) اسی پر پڑے گا اور میں تم پر (کچھ بطور ذمہ داری کے) مسلط نہیں کیا گیا

کہ تمہاری بے راہی کی باز پرس مجھ سے ہونے لگے تو میرا کیا نقصان ہے ۱۲

ربط: اوپر دعوت کامل اور حجت تمام کر چکے چونکہ اس کے بعد بھی

بعضے منکر رہے جو آپ کو رنج دہ معاملہ تھا اس لئے آپ کی تسلی پر سورت کو ختم فرماتے ہیں۔واتبع ما یوحیٰ تا خیر الحٰکمین

وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰىٓ اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ
اور آپ اس کا اتباع کرتے رہیے جو کچھ آپ کے پاس وحی بھیجی جاتی ہے اور
اللّٰهُ ۚ ۖ
صبر کیجئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ (ان کا) فیصلہ کردیں گے

اتباع وحی میں سب اعمال کے ساتھ تبلیغ بھی آ گئی یعنی عمل بھی کرتے رہئے اور تبلیغ احکام بھی اور فیصلہ خواہ دنیا میں ہو کہ مخالفین ہلاک کر دیئے جائیں یا آخرت میں عذاب کے ساتھ ہو مطلب یہ کہ آپ اپنے ذاتی اور منصبی کام میں لگے رہئے ان کی فکر نہ کیجئے ۱۲

وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾ ع
اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں میں اچھا (فیصلہ کرنے والا) ہے

ایسی گفتگو اور اسی طرح اس سے پہلے آیت کی گفتگو عادۃً کلام اور مناظرہ کے بالکل آخیر میں ہوا کرتی ہے پس ان پر سورۃ کا ختم کرنا نہایت لطیف حسن ختام ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم سورۃ ھود مکیۃ

الاقولہ تعالیٰ و اقم الصلوٰۃ الآیۃ ......عند قتادۃ

ربط: اس سورت کا آغاز اور سورۃ سابقہ کا انجام ہمہ تن متحد ہے کہ دونوں میں توحید و رسالت کا اثبات ہے اور بقیہ مضامین میں باہم تناسب اور سورۃ سابقہ کے مضامین میں سے تقارب ظاہر ہے اول قرآن کا منزل من اللہ ہونا اور توحید پر مشتمل ہونا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بشیر و نذیر یعنے رسول ہونا توبہ و استغفار یعنے ایمان کا حکم اور اس پر بشارت پھر توحید ثابت کرنے کے لئے علم و قدرت اور روزی دینا پیدا کرنا اور پیدائش کی حکمت کا بیان وھو الذی خلق السموات والارض فی ستۃ ایام تک ہے الرتا احسن عملا

(۱۱) سُوْرَةُ هُوْدٍ مَّكِّيَّةٌ (۵۲)
کلماتھا ۱۹۳۶ حروفھا ۷۹۲۴
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں
الٓرٰ ۚ قف كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ
الر (کے معنے تو اللہ کو معلوم) یہ (قرآن ایک ایسی کتاب ہے کہ اس کی آیتیں (دلائل سے) محکم کی گئی ہیں پھر (اس کے ساتھ) صاف صاف (بھی)
لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ﴿١﴾ لا اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ
بیان کی گئی ہیں ایک حکیم باخبر (یعنی اللہ تعالیٰ) کی طرف سے یہ کہ اللہ کے سوا
اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ ﴿٢﴾ لا وَّاَنِ
کسی کی عبادت مت کرو میں تم کو اللہ کی طرف سے ڈرانے والا اور بشارت دینے
اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا
والا ہوں اور یہ (بھی ہے) کہ تم لوگ اپنے گناہ (شرک و کفر وغیرہ) اپنے رب سے معاف کراؤ پھر (ایمان لا کر) اس کی طرف (عبادت سے)
حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ
متوجہ رہو وہ تم کو وقت مقرر (یعنی وقت موت) تک (دنیا میں) خوش عیشی دے
فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ
گا اور (آخرت میں) پھر زیادہ عمل کرنے والے کو زیادہ ثواب دے گا

یہ کہنا بھی بمنزلہ بشیر کہنے کے ہے۔

وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ

اور اگر ایمان لانے سے) تم لوگ اعراض (ہی) کرتے رہے تو مجھ کو (اس

کَبِیْرٍ ﴿۳﴾

صورت میں) تمہارے لئے ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے

یہ کہنا بمنزلہ نذیر کہنے کے ہے اور عذاب کو مستبعد مت سمجھو کیونکہ (آگے ترجمہ)

اِلَی اللّٰهِ مَرْجِعُکُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴﴾

تم (سب) کو اللہ ہی کے پاس جانا ہے اور وہ ہر شے پر پوری قدرت رکھتا ہے

پس عذاب کو دشوار سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں البتہ اگر وہاں حاضری نہ ہوتی یا اس کو قدرت نہ ہوتی تو عذاب واقع نہ ہوتا پس ایسی حالت میں ایمان اور توحید سے اعراض نہ چاہئے اور قدرت ثابت کرنے کا تعلق توحید سے بھی ہے آگے اپنے علم کو ثابت فرماتے ہیں کہ اس کو بھی جزاء کے واقع ہونے سے اور توحید سے دونوں سے تعلق ہے۔

اَلَآ اِنَّهُمْ یَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِیَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ط

یاد رکھو وہ لوگ دوہرا کئے دیتے ہیں اپنے سینوں کو تاکہ اپنی باتیں خدا سے چھپا سکیں

یعنے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو باتیں کرتے ہیں تو اس ہیئت سے کہ کسی کو خبر نہ ہو جائے اور جس کو یہ اعتقاد ہو کہ حق تعالیٰ کو ضرور خبر ہوتی ہے اور رسول کا صاحب وحی ہونا دلائل سے ثابت ہے وہ اخفاء کی یہ تدبیر کبھی نہ کرے گا۔ پس یہ تدبیر کرنا گویا بدلالت حال اللہ سے پوشیدہ رہنے کی کوشش کرنا ہے۔

اَلَا حِیْنَ یَسْتَغْشُوْنَ ثِیَابَهُمْ ۙ یَعْلَمُ مَا

یاد رکھو کہ وہ لوگ جس وقت اپنے کپڑے لپیٹتے ہیں وہ اس وقت بھی سب

یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ

جانتا ہے جو کچھ چپکے چپکے باتیں کرتے ہیں اور جو کچھ وہ باتیں ظاہر کرتے

الصُّدُوْرِ ﴿۵﴾

ہیں (کیونکہ) بالیقین وہ (تو) دلوں کے اندر کی باتیں جانتا ہے

تو زبان سے کہی ہوئی باتوں کو تو یوں نہ جانے گا آگے توحید کے متعلق روزی دینے کا بیان ہے جس سے مسئلہ علم کی بھی تائید ہوتی ہے ۱۲۔

الحمد للہ گیارویں پارہ کی تفسیر ختم ہوئی

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا

اور کوئی (رزق کھانے والا) جاندار روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اس

عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا

کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو

اور روزی رسانی کے لئے علم کی ضرورت ہوتی ہے آگے اپنے علم کا بیان فرماتے ہیں ۱۲

وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ط كُلٌّ

اور وہ ہر ایک کی زیادہ رہنے کی جگہ کو اور چندروزہ رہنے کی جگہ کو جانتا ہے سب

فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶﴾

چیزیں کتاب مبین (یعنی لوح محفوظ) میں (بھی منضبط و مندرج) ہیں

غرض واقعات ہر طرح محفوظ ہیں علم الٰہی میں بھی اور لوح محفوظ میں بھی درج ہیں اور زیادہ رہنے کی جگہ ماں کا رحم ہے اور چندروزہ رہنے کی جگہ باپ کی پشت ہے اور گو سب جانداروں کے لئے اس تفسیر پر مستقر و مستودع عام نہیں لیکن ان جانداروں کو جو ماں کے رحم اور باپ کی پشت میں ہوتے ہیں حق تعالیٰ جانتے اور وہیں غذا پہنچاتے ہیں تو جن جانوروں کی پیدائش رحم وغیرہ میں نہیں ہوتی ان کے ساتھ بدرجہ اولیٰ علم الٰہی متعلق ہوگا کیونکہ ان کا وجود تو کھلا ہوا ظاہر ہوتا ہے جب پوشیدہ چیزوں کو جانتے اور روزی پہنچاتے ہیں ظاہر چیزوں کو کیوں نہ جانیں گے۔ پس الفاظ قرآن سے حق تعالیٰ کے علم کا تمام چیزوں کے ساتھ عام طور پر متعلق ہونا سمجھا گیا اور ما من دابة کی تفسیر میں رزق کھانے والا جاندار اس لئے کہا کہ بعضے بے کھائے پئے مرجاتے ہیں تو شبہ ہوسکتا ہے کہ ایسوں کو رزق کہاں پہنچتا ہے جواب یہ ہے کہ یہاں خاص وہی جاندار مراد ہیں جو رزق کھاتے ہیں ان کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ان کی روزی ہمارے ذمہ ہے۔ آگے پیدائش عالم کا مع اس کی حکمتوں کے بیان فرماتے ہیں جس سے دوبارہ زندہ ہونے کی بھی تائید ہوتی ہے جس کا آگے ذکر آتا ہے کیونکہ پہلی بار پیدا کرنا دوبارہ پیدا کرنے کی اور اس پر قادر ہونے کی دلیل ہے۔

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ

اور وہ (اللہ) ایسا ہے کہ سب آسمان اور زمین کو چھ دن (کی مقدار)

فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ

میں پیدا کیا اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا

یعنی یہ دونوں چیزیں پہلے سے پیدا ہو چکی تھیں نیچے پانی کے سوا کچھ نہ تھا اوپر کی جانب عرش کے سوا کچھ نہ تھا۔ آگے پیدائش کی حکمت بتلاتے ہیں۔

لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ط

تاکہ تم کو آزماوے کہ (دیکھیں) تم میں اچھا عمل کرنے والا کون ہے

مطلب یہ کہ زمین وآسمان کو پیدا کیا تمہارے حوائج و منافع اس میں پیدا کئے تاکہ تم ان کو دیکھ کر توحید پر استدلال کرو اور ان سے منتفع ہو کر منعم کا شکر اور خدمت کہ عبادت ہے عمل صالح سے بجالاؤ سو بعض نے ایسا کیا بعض نے نہ کیا۔

وَلَئِنْ قُلْتَ إِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْ بَعْدِ

اور اگر آپ (لوگوں سے) کہتے ہیں کہ یقیناً تم لوگ مرنے کے بعد (قیامت

الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا إِنْ

کے دن دوبارہ) زندہ کئے جاؤ گے تو (ان میں) جو لوگ کافر ہیں وہ (قرآن کی

هٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷﴾

نسبت جس میں بعثت کی خبر ہے) کہتے ہیں کہ یہ تو نرا صاف جادو ہے

ربط: اوپر ایمان لانے پر ثواب کا وعدہ اور ایمان نہ لانے پر عذاب کی وعید تھی اور یہ سب بعث کے بعد ہوگا اس لئے آگے بعث کے متعلق مضمون ہے۔ ولئن قلت انکم تا یستهزء ون۔

جادو چونکہ مؤثر ہوتا ہے اور باطل۔ اس لئے قرآن کو جادو کہتے تھے کہ اس کے مضامین کا موثر ہونا بھی مشاہدہ کرتے تھے اور غایت عناد سے نعوذ باللہ اس کو باطل سمجھتے تھے اور مقصود اس سے قیامت کا انکار تھا آگے ان کے انکار کے منشاء کا جواب ارشاد ہے۔

وَلَئِنْ أَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِلٰى أُمَّةٍ

اور اگر تھوڑے دنوں تک (مراد دنیوی زندگی ہے) ہم ان سے عذاب (موعود)

مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ط

کو ملتوی رکھتے ہیں (کہ اس میں حکمتیں ہیں) تو (بطور انکار واستہزاء کے) کہنے لگتے ہیں کہ اس عذاب کو کون چیز روک رہی ہے

یعنی اگر کوئی چیز ہوتی تو اب تک آ چکتا کیونکہ ہم تمہارے نزدیک عذاب کے

مستحق ہیں جب نہیں آتا تو معلوم ہوا کہ کچھ بھی نہیں حق تعالیٰ جواب دیتے ہیں ۱۲

أَلَا يَوْمَ يَأْتِيهِمْ لَيْسَ مَصْرُوفًا عَنْهُمْ

یادرکھو جس دن (وقت موعود پر) وہ (عذاب) ان پر آپڑے گا تو پھر کسی کے ٹالے

وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٨﴾

نہ ٹلے گا اور جس عذاب کے ساتھ وہ استہزاء کر رہے تھے وہ ان کو آ گھیرے گا

مطلب یہ کہ باوجود استحقاق کے یہ تاخیر اس لئے ہے کہ بعض حکمتوں سے اس کا وقت معین ہے پھر اس وقت ساری کسر نکل جائے گی ۱۲

ربط: اوپر تاخیر عذاب کی وجہ سے ان کا عذاب اور قیامت سے انکار کر دینا مذکور تھا آگے اس کی تائید کے لئے انسان کا ایک خاصہ اکثر یہ مذکور ہے ولئن اذقنا الانسان تا اجر کبیر

وَلَئِنْ أَذَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ

اور اگر ہم انسان کو اپنی مہربانی کا مزہ چکھا کر اس سے چھین لیتے ہیں تو وہ ناامید

نَزَعْنَاهَا مِنْهُ ۚ إِنَّهُ لَيَئُوسٌ كَفُورٌ ﴿٩﴾ وَلَئِنْ

اور ناشکر ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس کو کسی تکلیف کے بعد جو کہ اس پر واقع ہوئی ہو

أَذَقْنَاهُ نَعْمَاءَ بَعْدَ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ

کسی نعمت کا مزہ چکھا دیں تو ایسا اتراتا ہے کہ) کہنے لگتا ہے کہ میرا سب دکھ درد

ذَهَبَ السَّيِّئَاتُ عَنِّي ۚ إِنَّهُ لَفَرِحٌ فَخُورٌ ﴿١٠﴾

رخصت ہوا (اب کبھی نہ ہوگا پس) وہ اترانے لگتا ہے شیخی بگھارنے لگتا ہے

جب انسان کی یہ حالت ہے کہ ایک مضرت واقع ہونے کے بعد اگر زائل ہو جائے تو اس کے دوبارہ آ جانے کا احتمال بھی بھلا دیتا ہے تو قیامت کی مضرت تو ابھی واقع بھی نہیں ہوئی اس کا انکار کیا عجب ہے اور بظاہر مقصود اس مقام کا صرف اسی مضمون سے حاصل ہے باقی پہلا مضمون یعنی نعمت کے زائل ہو جانے پر یاس اور ناامیدی ہو جانا غالباً وہ اس کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے کیونکہ منشا دونوں کا ایک ہے وہ منشا یہ ہے کہ جو چیز انسان کو فی الحال درپیش ہو اس کے زائل نہ ہونے کا یقین کر لیتا ہے اور آئندہ پیش آنے والی چیزوں کا احتمال اور خیال بھی نہیں کرتا ۱۲

إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ط

مگر جو لوگ مستقل مزاج ہیں اور نیک کام کرتے ہیں

مراد اس سے مومنین ہیں کیونکہ ہر مسلمان میں کم و بیش استقلال پسند اور نیک اعمال ہوتے ہیں۔

أُولَٰئِكَ

وہ ایسے نہیں ہوتے

بلکہ زوال نعمت کے وقت صبر سے کام لیتے ہیں اور عطائے نعمت کے وقت شکر و طاعت بجالاتے ہیں جو کہ حاصل ہے اعمال صالحہ کا

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّأَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿١١﴾

ایسے لوگوں کے لئے بڑی مغفرت اور بڑا اجر ہے

خلاصہ یہ کہ بجز مومنین کے اکثر آدمی ایسے ہی ہیں کہ ذرا سی میں نڈر ہو جائیں ذرا سی میں ناامید ہو جاویں اس لئے یہ لوگ تاخیر عذاب کے سبب بے خوف اور منکر ہو گئے ۱۲

ربط: شروع سورت میں رسالت اور توحید کا بیان تھا آگے بھی رسالت کے متعلق اس ترتیب سے بحث ہے کہ اول آپ کی تنگ دلی کی جو ان کے استہزاء سے پیدا ہوتی تھی تسلی ہے پھر قرآن کی حقانیت پر ان کے شبہ کا جواب ہے پھر صراحۃً اس کی حقانیت کا اثبات اور بحث رسالت کے ساتھ توحید کا بیان ہے جو کہ رسالت سے مقصود اعظم ہے۔ فلعلک تارک تا انتم مسلمون

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضَ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ

سو شاید آپ (تنگ ہو کر) ان احکام میں سے جو آپ کے پاس وحی کے ذریعہ سے بھیجے جاتے ہیں بعض کو (کہ وہ تبلیغ ہے) چھوڑ دینا چاہتے ہیں

یعنی کیا ایسا ممکن ہے کہ آپ تبلیغ ترک کر دیں سو ظاہر ہے کہ ایسا ارادہ تو آپ کر نہیں سکتے پھر تنگ ہونے سے کیا فائدہ ۱۲

وَضَائِقٌ بِهِ صَدْرُكَ أَنْ يَقُولُوا لَوْلَا

اور آپ کا دل اس بات سے تنگ ہوتا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ (اگر یہ نبی ہیں تو (ان پر کوئی

أُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ أَوْ جَاءَ مَعَهُ مَلَكٌ ط

خزانہ کیوں نہیں نازل ہوا یا ان کے ہمراہ کوئی فرشتہ (جو ہم سے بھی بولتا جاتا) کیوں نہیں آیا

یعنی وہ جو یوں کہتے ہیں کہ ایسے ایسے معجزات کیوں نہیں دیئے گئے سو ایسی باتوں سے آپ تنگ نہ ہو جایئے ۱۲

إِنَّمَا أَنْتَ نَذِيرٌ ط

آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں

یعنی پیغمبر ہیں اور پیغمبر کے لئے مطلق کسی ایک معجزہ کی ضرورت ہوا کرتی ہے خاص معجزہ کی ضرورت نہیں۔

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ ﴿۱۲﴾

اور پورا اختیار رکھنے والا ہر شے پر

آپ نہیں ہیں جب یہ بات ہے کہ ان خوارق کا ظاہر کرنا آپ کے اختیار سے باہر ہے پھر اس کی فکر اور اس فکر سے دل تنگی کیوں ہو اور چونکہ پیغمبر کے لئے مطلق خارق کی ضرورت ہے اور آپ کا بڑا خارق قرآن ہے تو اس کو نہ ماننے کی کیا وجہ۔

اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ

اللہ ہی ہے کیا (اس کی نسبت) یوں کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) آپ نے اس کو (اپنی طرف سے) خود بنالیا ہے آپ (جواب میں) فرمادیجئے کہ

سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ

(اگر یہ میرا بنایا ہوا ہے) تو (اچھا) تم بھی اس جیسی دس سورتیں لے آؤ

سورۂ یونس اور سورہ بقرہ میں ایک سورۃ لانے کا مطالبہ کیا گیا ہے اور یہاں دس سورتوں کا پہلے مطالبہ اور اس سے عاجز ہونے کے بعد ایک سورۃ سے معارضہ مناسب ہے اور سورہ یونس اگر مدنی ہے جیسا کہ ایک قول ہے تب تو اس کی بھی یہی توجیہ ہے اور اگر مکی ہو اور سورۂ ہود سے مقدم ہو جیسا کہ اتقان میں یہ قول بھی ہے تو میرے نزدیک اس کی توجیہ یہ ہے کہ ایک سورۃ کا مطالبہ تو قرآن کے فی نفسہ اعجاز کے اعتبار سے ہے اور وہ لوگ جو دعویٰ کرتے تھے کہ ہم قرآن کے مثل کلام کہہ سکتے ہیں لو نشاء لقلنا مثل ھذا اس دعویٰ کی وجہ سے دس سورتوں کا مطالبہ کیا گیا کہ جب تم ایسا کلام کہنے پر قادر ہو تو دس سورتیں لانا تم کو دشوار نہ ہوگا اس جیسی دس سورتیں بنالاؤ ۱۲

وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اور جن جن غیر اللہ کو بلاسکو بلالو اگر تم سچے ہو۔ پھر یہ کفار اگر تم لوگوں کا کہنا

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۳﴾ فَاِلَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا

(کہ اس کی مثل بنالاؤ) نہ کرسکیں تو تم (ان سے کہہ دو کہ اب تو)

لَكُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ

یقین کرلو کہ یہ قرآن اللہ ہی کے علم (اور قدرت سے) اترا ہے

اس میں اور کسی کے علم و قدرت کا دخل نہیں ۱۲

وَاَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ

اور یہ (بھی یقین کرلو) کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں

کیونکہ معبود تمام صفات کمال میں پورا ہوتا ہے پس اگر اور کوئی معبود ہوتا تو اس کی قدرت بھی پوری ہوتی اور اس قدرت سے تمہاری مدد کرتا کیونکہ تحقیق دین کا موقع اس کو مقتضی تھا کہ وہ تمہاری امداد کرتا اور تم اس کے مثل کلام بنالاتے پس قرآن کا مثل نہ لاسکنے سے رسالت اور توحید دونوں ثابت ہوگئے۔ ۱۲

ربط: اوپر بعض آیات میں ان منکروں کو عذاب کی وعید سنائی گئی تھی اس پر وہ کہہ سکتے تھے کہ ہم تو بڑے بڑے نیک کام کرتے ہیں جیسے مہمانداری غریب پروری صلہ رحم وغیرہ تو اگر قیامت کوئی چیز ہے تو ہم کو ثواب ملنا چاہئے نہ کہ عذاب اس لئے آگے اس گمان باطل کی تردید فرماتے ہیں من کان تا یعملون

فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ كَانَ یُرِیْدُ

تو پھر اب بھی مسلمان ہوتے ہو (یا نہیں) جو شخص (اپنے اعمال خیر سے) محض حیات

الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَیْهِمْ

دنیوی (کی منفعت) اور اس کی رونق چاہتا ہے تو ہم ان لوگوں کے اعمال ان کو دنیا ہی

اَعْمَالَهُمْ فِیْهَا وَهُمْ فِیْهَا لَا یُبْخَسُوْنَ ﴿۱۵﴾

میں پورے طور سے بھگتا دیتے ہیں اور ان کے لئے دنیا میں کچھ کمی نہیں ہوتی

یعنی دنیا ہی میں ان اعمال کے عوض نیک نامی اور صحت و فراغ و عیش وغیرہ عطا کردیا جاتا ہے بشرطیکہ یہ اعمال دوسرے بداعمال پر غالب ہوں اور اگر بداعمال غالب ہوں تو پھر یہ اثر مرتب نہیں ہوتا پس یہ اشکال نہ رہا کہ بعض اوقات دنیا میں بھی کچھ نہیں ملتا کیونکہ اس تقریر سے معلوم ہوگیا کہ نیک اعمال اور بداعمال کی خصوصیت کے آثار مختلف ہیں دونوں کے مجموعہ میں سے جو غالب ہوگا اسی کا اثر مرتب ہوگا اور اس آیۃ کا یہ مطلب نہیں کہ کفار کی نیت بجز دنیا کے کچھ نہیں ہوتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان میں سے جو بجز دنیا کے کچھ نہیں کرتے اس آیت میں ان کا بیان ہے جیسا کہ بعض اوقات بعض مسلمانوں کی نیت بھی صرف دنیا ہی کے لئے ہوتی ہے اسی لئے بعض مفسرین نے اس آیۃ کو عام کہا ہے مگر اولیٰ یہ ہے کہ اس کو کفار کے ساتھ خاص کیا جائے کیونکہ یہاں فرمایا ہے کہ ان کے لئے جہنم کے سوا کچھ نہیں گو تاویل کرکے عام کہہ سکتے ہیں مگر تاویل بعید ہے دوسرے مسلمانوں کے لئے معافی کا بھی احتمال ہے اور ریاکار مومنین کے بارے میں احادیث بہت ہیں۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا

یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے لئے آخرت میں بجز دوزخ کے اور کچھ (ثواب

النَّارُ ۖ

وغیرہ) نہیں

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کو نیک اعمال سے آخرت میں کچھ نفع نہ ہوگا اگرچہ ان کی نیت ثواب آخرت ہی حاصل کرنے کی ہو کیونکہ قبول اعمال کے لئے ایمان شرط ہے اور بعض احادیث سے جو ابو طالب کے لئے عذاب کی تخفیف معلوم ہوتی ہے تو میرے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض لوگوں کو ابتداء ہی سے عذاب ہلکا شروع ہوگا لیکن جس درجہ کا عذاب ہوگا پھر اس سے کم نہ ہوگا بلکہ زدناهم عذابا فوق العذاب سے معلوم ہوتا ہے کہ بجائے کمی کے آئندہ زیادتی ہوتی رہے گی لیکن جس کا عذاب شروع سے ہلکا ہوگا وہ زیادتی کے بعد بھی ان سے کم رہے گا جن کو ابتداء ہی سے سخت عذاب شروع ہوگا اس اعتبار سے ابو طالب کا عذاب ہمیشہ سب سے کم ہی رہے گا۔ جس کا سبب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کرامت ہے ۱۲

وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا

اور انہوں نے جو کچھ کیا تھا وہ آخرت میں سب (کاسب) ناکارہ (ثابت)

يَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾

ہوگا اور (واقع میں تو) جو کچھ کر رہے ہیں وہ (اب بھی) بے اثر ہے

کیونکہ نیت فاسد ہے اگرچہ ظاہری صورت سے کچھ اس کا اعتبار کیا جاتا ہے مگر آخرت میں ظاہری صورت کا بھی اعتبار نہ ہوگا

ربط: اوپر کفار کا قرآن کی تکذیب کرنا مذکور تھا آگے مسلمانوں کا اس کی تصدیق کرنا مع دلیل حقانیت کے مذکور ہے۔ افمن کان تا لایؤمنون

أَفَمَن كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ وَيَتْلُوهُ

کیا منکر قرآن ایسے شخص کی برابری کر سکتا ہے جو قرآن پر قائم ہو جو کہ اس کے رب

شَاهِدٌ مِّنْهُ

کی طرف سے آیا ہے اور اس (قرآن) کے ساتھ ایک گواہ تو اسی میں موجود ہے

یعنی اس کا معجزہ ہونا جو کہ دلیل عقلی ہے آگے نقلی دلیل کا بیان ہے غرض قرآن کے صدق وصحت پر دونوں دلیلیں موجود ہیں۔

وَمِن قَبْلِهِ كِتَابُ مُوسَىٰ إِمَامًا وَرَحْمَةً ۚ

اور (ایک) شخص اس سے پہلے (یعنی) موسیٰ کی کتاب ہے کہ (احکام بتلانے کے اعتبار سے

أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۚ وَمَن يَكْفُرْ بِهِ مِنَ

امام ہے اور رحمت ہے ایسے لوگ اس قرآن پر ایمان رکھتے ہیں اور (کافر کا یہ حال ہے کہ) جو

الْأَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهُ ۚ

شخص دوسرے فرقوں میں سے اس قرآن کا انکار کرے گا تو دوزخ اس کے وعدہ کی جگہ ہے

پھر قرآن کا ماننے والا اور نہ ماننے والا برابر کب ہو سکتا ہے۔

ربط: اوپر کی آیت سے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کی حالت کا برابر نہ ہونا مع ایک مثال کے مذکور ہے ومن اظلم تا افلاتذکرون

فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۚ إِنَّهُ الْحَقُّ مِن

سو (اے مخاطب) تم قرآن کی طرف سے شک میں مت پڑنا۔ بلاشک و

رَّبِّكَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٧﴾

شبہ وہ سچی کتاب ہے تمہارے رب کے پاس سے (آئی ہے) لیکن (باوجود

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۚ

ان دلائل کے غضب ہے کہ) بہت سے آدمی ایمان نہیں لاتے
اور ایسے شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے

کہ خدا کی توحید کا رسول کی رسالت کا اس کے کلام کے کلام اللہ ہونے کا انکار کرے ۱۲

أُولَٰئِكَ يُعْرَضُونَ عَلَىٰ رَبِّهِمْ

ایسے لوگ (قیامت کے روز) اپنے رب کے سامنے پیش کئے جاوینگے

یعنی یہ لوگ مجرم اور مفتری ہونے کی حیثیت سے وہاں پیش ہوں گے ۱۲

وَيَقُولُ الْأَشْهَادُ هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا

اور (اعمال کے) گواہ فرشتے (علی الاعلان) یوں کہیں گے کہ یہ لوگ وہ ہیں کہ جنہوں نے اپنے رب کی نسبت جھوٹی باتیں لگائی تھیں

عَلَىٰ رَبِّهِمْ ۚ أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿١٨﴾

سب سن لو کہ ایسے ظالموں پر خدا کی (زیادہ) لعنت ہے جو کہ (اپنے کفر و ظلم کیساتھ)

الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

دوسروں کو بھی خدا کی راہ (یعنی دین) سے روکتے تھے اور (اس راہ میں) کجی

وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۱۹

(اور شبہات) نکالنے کی تلاش (اور فکر) میں رہا کرتے تھے (تاکہ دوسروں کو گمراہ کریں) اور وہ آخرت کے بھی منکر تھے

یہ فرشتوں کے اعلان کا مضمون تھا آگے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ (آگے ترجمہ دیکھو)

اُولٰۗىِٕكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ

یہ لوگ (تمام) زمین (کے تختہ) پر (بھی) خدا تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے تھے

کہ کہیں جا چھپتے اور خدا تعالیٰ کے ہاتھ نہ آتے ۱۲

وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ۘ

اور نہ ان کا خدا کے سوا کوئی مددگار ہوا (کہ بعد گرفتاری کے چھڑا لیتا) ایسوں

يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۭ

کو (اوروں سے) دونی سزا ہوگی

ایک اپنے کافر ہونے کی اور ایک دوسروں کو کافر بنانے کی کوشش کرنے کی اور یہ سزا دوسروں کے اعتبار سے دونی ہوگی خود ان کے عمل سے زیادہ سزا نہ ہوگی چنانچہ ترجمہ میں اوروں سے کی قید بڑھا کر اس بات کو ظاہر کر دیا گیا پس اب یہ اشکال نہ رہا کہ قرآن میں تو گناہوں کی سزا کا عمل کے برابر ہونا بتلایا گیا ہے من جاء بالسيئة فلا يجزى الا مثلها اور اس آیت سے دونی سزا معلوم ہوتی ہے جواب ظاہر ہے کہ سزا عمل ہی کے برابر ہوگی مگر اوروں سے زیادہ ہوگی کیونکہ ان کے گناہ بھی دوسروں کے گناہوں سے زیادہ ہوں گے کہ اوروں کو بھی دین حق سے روکتے تھے اور اگر یصدون کے معنے روکنے کے نہ ہوں بلکہ اعراض کے معنے لئے جائیں جس میں دوسروں کو گمراہ کرنا ماخوذ نہیں تو اس صورت میں دونی سزا کی یہ وجہ تو نہ ہوگی کہ گناہ کئی ہوئے بلکہ یہ وجہ ہوگی کہ حق سے بے رخی کرنا خود ایسا سخت گناہ ہے جو سخت عذاب ہی کو مقتضی ہے جب بھی سزا عمل کے برابر ہی ہوگی خوب سمجھ لو ۱۲

مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا

یہ لوگ (مارے نفرت کے احکام الٰہی کو) سن نہ سکتے تھے اور نہ غایت عناد سے راہ حق

يُبْصِرُوْنَ ۝۲۰ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا

کو) دیکھتے تھے یہ وہ لوگ ہیں جو کہ اپنے آپ کو برباد کر بیٹھے اور جو معبود انہوں نے

اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝۲۱

تراش رکھے تھے (آج) ان سے سب غائب (اور گم) ہو گئے (کوئی بھی تو کام نہ آیا

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝۲۲

بس) لازمی بات ہے کہ آخرت میں سب سے زیادہ خسارہ میں یہی لوگ ہوں گے

یہ تو انجام ہوگا کافروں کا آگے مسلمانوں کا انجام مذکور ہے ۱۲

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے اچھے کام کئے اور (دل

اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ

سے) اپنے رب کی طرف جھکے

یعنی اطاعت اور خشوع اپنے دل میں پیدا کیا اس میں اشارہ ہو گیا کہ تمام عقائد و اعمال و کیفیات نفسانیہ کی طرف کہ سب میں وہ خدا تعالیٰ کے تابعدار ہے۔

اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۳

ایسے لوگ اہل جنت ہیں (اور) وہ اس میں ہمیشہ رہا کریں گے

یہ دونوں کے انجام کا تفاوت کا بیان ہو گیا آگے دونوں کی حالت کا تفاوت بتلاتے ہیں جس کی وجہ سے انجام کا تفاوت مرتب ہوا۔

مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ

دونوں فریق (مذکورین یعنی مومن و کافر) کی حالت ایسی ہے جیسے ایک شخص ہو اندھا بھی اور بہرا بھی

جو نہ عبارت کو سنے اور نہ اشارے کو دیکھے تو اس کے سمجھنے کی عادۃً کوئی صورت ہی نہیں ۱۲

وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ

اور ایک شخص ہو کہ دیکھتا بھی ہو اور سنتا بھی ہو (اس کو سمجھنا بہت آسان) کیا یہ دونوں شخص حالت میں برابر ہیں

ہرگز نہیں یہی حالت کافر اور مسلمان کی ہے کہ وہ ہدایت سے بہت دور ہے اور یہ ہدایت کے ساتھ موصوف ہے ۱۲

اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾

کیا تم (اس تفاوت کو نہیں سمجھتے)

یعنی اس میں تردد ہونے کی گنجائش ہی نہیں بہت بدیہی ہے ۱۲

ربط: یہاں تک جو مضامین مذکور ہو چکے ہیں توحید و رسالت اور وعید کا واقع ہونا نیز مومنین کی فلاح اور کفار کی ناکامی ان سب کی تائید کے لئے آگے چند قصے مذکور ہوتے ہیں۔ **ولقد ارسلنا نوحاً تا الیہ ترجعون**

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖۤ ز اِنِّىْ لَكُمْ

اور ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کے پاس رسول بنا کر (یہ پیغام دیکر) بھیجا

نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۵﴾ لا اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا

کہ تم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت مت کرو

اور جو بت تم نے قرار دے رکھے ہیں ود اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسران کو چھوڑ دو چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے جا کر ان سے فرمایا کہ (آگے ترجمہ دیکھو)

اِلَّا اللّٰهَ ط اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ

میں تم کو (درصورت عبادت غیر اللہ کے) صاف صاف ڈراتا ہوں میں تمہارے حق

اَلِيْمٍ ﴿۲۶﴾ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ

میں ایک بڑے تکلیف دینے والے کے دن کے عذاب کا اندیشہ کرتا ہوں سو ان کی قوم

قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا

میں جو کافر سردار تھے وہ جواب میں کہنے لگے کہ ہم تم کو اپنا ہی جیسا آدمی دیکھتے ہیں

یعنی تم جو نبوت کے مدعی ہو جیسا کہ اپنے آپ کو نذیر مبین بتلاتے ہو یہ بات ہمارے جی کو نہیں لگتی ہمارے اور تمہارے میں کوئی فرق نہیں ۱۲

وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ

اور ہم دیکھتے ہیں کہ تمہارا اتباع ان ہی لوگوں نے کیا ہے جو ہم میں بالکل رذیل ہیں

اَرَاذِلُنَا بَادِىَ الرَّاْىِ ج

(جن کی عقل اکثر خفیف ہوتی ہے پھر) وہ (اتباع) بھی محض سرسری رائے سے

یعنی اول تو ان کی عقل ہی صائب نہیں غور کے بعد بھی غلطی کرتے دوسرے پھر غور بھی نہیں کیا اس لئے ایسے لوگوں کا تم کو نبی سمجھ لینا یہ کوئی حجت نہیں بلکہ بالعکس ہمارے اتباع سے مانع ہے کیونکہ شرفاء کو رذیلوں کی موافقت سے عار آتی ہے نیز اکثر ایسے کم حوصلہ لوگوں کی اغراض بھی حصول مال یا اس کی توقع ہوا کرتی ہے سو یہ لوگ بھی دل سے ایمان نہیں لائے ۱۲

وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۭ

اور ہم تم لوگوں میں (یعنی تم میں اور مسلمانوں میں) کوئی بات اپنے سے زیادہ بھی نہیں پاتے

یعنی اگر یہ کہا جائے کہ باوجود رذیل ہونے کے ان لوگوں کو کسی خاص وجہ سے ہم پر فضیلت ہے جس کے اعتبار سے ان کی رائے آپ کے اتباع میں صائب ہے تو وہ بات بتلاؤ ہم تو کوئی بات زیادہ نہیں پاتے اس لئے ہم مسلمانوں کی رائے کو صحیح نہیں سمجھتے ۱۲

بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ

بلکہ ہم تم کو (بالکل) جھوٹا سمجھتے ہیں۔ نوح (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اے میری قوم بھلا

اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّىْ وَاٰتٰىنِىْ

یہ تو بتلاؤ کہ اگر میں اپنے رب کی جانب سے دلیل پر (قائم) ہوں (جس سے میری نبوت ثابت ہوئی ہے) اور اس نے مجھ کو اپنے پاس سے

رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ط

رحمت (یعنی نبوت) عطا فرمائی ہو پھر وہ نبوت یا اس کی حجت) تم کو نہ سوجھتی ہو تو (میں کیا کروں مجبور ہوں) کیا ہم اس کو تمہارے گلے

اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾

مڑھ دیں اور تم اس سے نفرت کئے چلے جاؤ

مطلب یہ کہ تمہارا یہ کہنا کہ نبوت ہمارے جی کو نہیں لگتی اس کا منشا یہ ہے کہ تم نبوت اور بشریت کا مجتمع ہونا محال سمجھتے ہو اور اس کی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں اور میرے پاس دونوں کے مجتمع ہونے پر دلیل موجود ہے یعنی معجزہ رہا مسلمانوں کا اتباع میں اس کو حجت قرار نہیں دیتا میری نبوت کے لئے معجزہ کافی دلیل ہے لیکن معجزہ اور دلیل سے نتیجہ پر پہنچ جانا نظر و تامل پر موقوف ہے اور تم نظر نہیں کرتے تو یہ میرے بس سے باہر ہے اس تقریر سے کفار کی اس بات کا بھی جواب ہو گیا کہ رذیل مسلمانوں کا اتباع حجت نہیں اور کفار نے مسلمانوں کو رذیل اس لئے کہا کہ وہ اکثر غریب لوگ تھے اور پیشے بھی ایسے ہی کرتے تھے جو عرفاً حقیر ہوتے ہیں اور کفار

نے جوان کی رائے کو کمزور کہا اور ان کی فضیلت کی نفی کی تو چونکہ نبوت کا ثابت ہونا اس کے جواب پر موقوف نہ تھا اس لئے جواب سے تعرض نہیں کیا گیا نیز اس کا جواب بدیہی بھی ہے وہ یہ کہ حق بات قبول کرنے کے بارہ میں خاصۃً یہ دعویٰ کفار کا بالمشاہدہ باطل ہے ایسے لوگ حق کو بہت جلدی قبول کرتے ہیں کیونکہ غربا میں کبر وغیرہ جوحق سے مانع ہیں نہیں ہوتے پھر اس سے بڑھ کر سلامت رائے اور فضیلت کیا ہوگی۔

وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۭ

اور اے میری قوم میں تم سے اس (تبلیغ) پر کچھ مال نہیں مانگتا

یعنی یہ تو سوچو کہ اگر میں نبوت کا غلط دعویٰ کرتا تو آخر اس میں میرا کچھ مطلب تو ہوتا مثلاً یہی کہ اس کے ذریعہ سے خوب مال کماؤں گا سو تم کو معلوم ہے کہ میں تم سے کچھ نہیں مانگتا اسی طرح اور اغراض بھی اگر غور کرو گے تو ہرگز نہ پاؤ گے جب کوئی غرض نہیں پھر مجھ کو جھوٹ بولنے سے کیا فائدہ تھا۔

اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ

میرا معاوضہ تو صرف اللہ کے ذمہ ہے

میں اس سے آخرت میں اس کا طالب ہوں خلاصہ یہ کہ میرے دعوے کے جھوٹا ہونے کو کوئی امر مقتضی نہیں اور صدق دعویٰ پر دلیل قائم ہے پھر نبوت میں کیا شبہ ہوسکتا ہے آگے بتلاتے ہیں کہ تم جو رذیلوں کے اتباع کو اپنے اتباع کے لئے مانع سمجھتے ہو اور صراحۃً یا دلالۃً یہ چاہتے ہو کہ میں ان کو اپنے پاس سے نکال دوں سو یہ نہیں ہوسکتا ۱۲

وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا

اور میں تو ایمان والوں کو نکالتا نہیں (کیونکہ) یہ لوگ اپنے رب کے پاس

رَبِّهِمْ

(عزت و مقبولیت کے ساتھ) جانے والے ہیں

اور بھلا کوئی شخص مقربان شاہی کو نکالا کرتا ہے اور اس سے اس کا بھی جواب ہوگیا کہ یہ لوگ دل سے ایمان نہیں لائے ۱۲

وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۝۲۹ وَيٰقَوْمِ

لیکن واقعی میں تم لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ جہالت کر رہے ہو اور (بالفرض والتقدیر)

مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ۭ

اگر میں ان کو نکال بھی دوں تو (یہ بتلاؤ) مجھ کو خدا کی گرفت سے کون بچالے گا

کیا تم میں اتنی ہمت ہے کہ جو ایسے بیہودہ مشورے دے رہے ہو

اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۳۰

کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے

اس تقریر سے ان کے تمام شبہات کا جواب ہوگیا آگے تتمہ کے طور پر فرماتے ہیں کہ جب میری نبوت دلیل سے ثابت ہے تو تمہارا اس کو بعید سمجھنا محض فضول ہے کیونکہ دلیل کے سامنے استبعاد کوئی چیز نہیں پھر یہ کہ وہ کوئی مستبعد بات بھی تو نہیں اگر میں کسی عجیب و غریب چیز کا دعویٰ کرتا تو تمہارا انکار و استبعاد چنداں برا نہ تھا گو دلیل کے بعد وہ پھر بھی مسموع ہونے کے قابل نہ تھا لیکن میں تو کسی ایسے امر عجیب کا دعویٰ ہی نہیں کرتا۔

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَاۗىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ

اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے تمام خزانے ہیں اور نہ میں (یہ کہتا

اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّىْ مَلَكٌ

ہوں کہ میں) تمام غیب کی باتیں جانتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں

اگر میں ان باتوں کا دعویٰ کرتا تو تمہارا انکار معتبر ہوسکتا تھا کیونکہ یہ باتیں بیشک انسان کے لئے ثابت نہیں ہوسکتیں لیکن نبوت تو کوئی محال و مستبعد چیز نہیں جو انسان کے لئے ثابت نہ ہوسکے اس کا انکار دلیل قائم ہو جانے کے بعد ہرگز قابل سماعت نہیں ف: بعض امور جو محض عقل سے معلوم نہیں ہوسکتے ہوں وہ مستبعد ہوتے ہیں لیکن فی نفسہ ممکن ہونے کی وجہ سے جب مخبر صادق کی خبر سے اس کا وقوع معلوم ہوگیا ہو تو وقوع کو ترجیح ہو جائے گی البتہ اگر دلیل عقلی یا شرعی سے اس کا ممتنع و محال ہونا ثابت ہو جائے تو اس کو مستبعد سمجھنا صحیح بلکہ اس سے بڑھ کر استحالہ قائل ہونا واجب ہے آگے نوح علیہ السلام اپنے متبعین کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں

وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ

اور جو لوگ تمہاری نگاہوں میں ذلیل ہوں میں ان کی نسبت (تمہاری طرح) یہ نہیں کہہ سکتا کہ

يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ښ

اللہ تعالیٰ ہرگز ان کو ثواب نہ دے گا ان کے دل میں جو کچھ ہو اس کو اللہ (ہی خوب جانتا ہے

یعنی ممکن ہے کہ ان لوگوں کے دلوں میں اخلاص ہو تو پھر میں کیونکر کہہ دوں کہ یہ لوگ دل سے ایمان نہیں لائے اس لئے ان کو کچھ ثواب بھی نہ ملے گا۔ نوح علیہ السلام نے پہلے انھم ملاقوا ربھم میں ان کا مخلص ہونا

ثابت کیا اور اس جگہ پر اتنی بات پر اکتفا کیا کہ ان کے غیر مخلص ہونے پر کوئی دلیل نہیں یہ نرمی اور ملاطفت کی گفتگو ہے یعنی اگر تم ان کے مخلص ہونے کے معتقد نہ ہو تو بلا دلیل غیر مخلص ہونے کے بھی معتقد نہ ہو۔

اِنِّیۡۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۳۱﴾
میں تو اگر ایسی بات کہہ دوں تو اس صورت میں ستم ہی کروں

کیونکہ بے دلیل دعویٰ کرنا گناہ ہے جب نوح علیہ السلام نے سب باتوں کا پورا پورا جواب دے دیا جس کا پھر ان سے کچھ جواب نہ بن پڑا تو عاجز ہو کر جو بات انہوں نے کہی اس کا آگے بیان ہے۔

قَالُوۡا یٰنُوۡحُ قَدۡ جٰدَلۡتَنَا فَاَكۡثَرۡتَ جِدَالَنَا
وہ کہنے لگے کہ اے نوح تم ہم سے بحث کر چکے پھر بحث بھی بہت کر چکے سو (اب
فَاۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ
ہم بحث وحث نہیں کرتے) جس چیز سے تم ہم کو دھمکایا کرتے ہو (کہ عذاب آ
الصّٰدِقِیۡنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ اِنَّمَا یَاۡتِیۡكُمۡ بِهِ اللّٰهُ
جاوے گا) وہ ہمارے سامنے لاؤ۔ انہوں نے فرمایا کہ اس کو اللہ تعالیٰ بشرطیکہ اس
اِنۡ شَآءَ
کو منظور ہو تمہارے سامنے لاوے گا۔

اس کو لانے والا میں کون ہوں مجھ کو تو پہنچا دینے اور سنا دینے کا حکم ہے سو میں بجالا چکا۔

وَمَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِیۡنَ ﴿۳۳﴾
اور (اس وقت پھر) تم اس کو عاجز نہ کر سکو گے

کہ حق تعالیٰ عذاب واقع کرنا چاہیں اور تم نہ ہونے دو آگے فرماتے ہیں کہ جو میرا کام تھا سنا دینا اور پہنچا دینا اس میں میں نے تمہاری بہت خیر خواہی کی لیکن تم نے میری دل سوزی کی قدر نہ کی ۱۲

وَلَا یَنۡفَعُكُمۡ نُصۡحِیۡۤ اِنۡ اَرَدۡتُّ اَنۡ اَنۡصَحَ
اور میری خیر خواہی تمہارے کام نہیں آ سکتی گو میں تمہاری کیسی ہی
لَكُمۡ اِنۡ كَانَ اللّٰهُ یُرِیۡدُ اَنۡ یُّغۡوِیَكُمۡ ؕ
خیر خواہی کرنا چاہوں جبکہ اللہ ہی کو تمہارا گمراہ کرنا منظور ہو

جس کی وجہ تمہارا اعناد اور تکبر ہے مطلب یہ کہ جب تم ہی اپنی بدقسمتی سے اپنے لئے نفع حاصل کرنا اور نقصان سے بچنا نہ چاہو تو میرے چاہنے سے کیا ہو سکتا ہے ۱۲

هُوَ رَبُّكُمۡ ۚ قف
وہی تمہارا مالک ہے

اور تم اس کے غلام مملوک ہو تم پر اس کے تمام حقوق واجب ہیں اور تم ان کو براہ عناد ضائع کر کے مجرم ہو رہے ہو ۱۲

وَاِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۳۴﴾ ؕ
اور اسی کے پاس تم کو جانا ہے

وہ تمہارے اس سارے کفر وعناد کی کسر نکال دے گا۔

ربط: اوپر نوح علیہ السلام کی گفتگو اپنی قوم سے مذکور ہے چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی کفار قریش بحث مباحثہ کیا کرتے تھے اس لئے قصہ مذکورہ کے درمیان میں تبعاً اس کے متعلق ایک آیت آ گئی ام یقولون تا تجرمون

اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ ؕ قُلۡ اِنِ افۡتَرَیۡتُهٗ فَعَلَیَّ
کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے (نعوذ باللہ) یہ قرآن تراش لیا ہے۔ آپ (جواب میں) فرما دیجئے کہ اگر (بالفرض) میں نے
اِجۡرَامِیۡ وَاَنَا بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تُجۡرِمُوۡنَ ﴿۳۵﴾ ع
تراشا ہوگا تو میرا یہ جرم مجھ پر (عائد) ہوگا (اور تم میرے جرم سے بری الذمہ ہوگے) اور میں تمہارے اس جرم سے بری الذمہ رہوں گا

یعنی اگر تم نے یہ دعویٰ جھوٹ تراشا ہوگا تو تمہارا یہ جرم تم پر عائد ہوگا میں اس سے بری ہوں گا یہ آخیر درجہ کا جواب ہے اور اصل جواب وہ ہے جو اسی سورت کے دوسرے رکوع میں دیا گیا ہے قل فاتوا بعشر سور الخ کہ اگر یہ قرآن میرا بنایا ہوا ہے تو اس جیسی چند سورتیں تم بھی بنا لاؤ اس جواب سے ان کے اس افتراء کا افترا ہونا ثابت کر دیا گیا تھا لیکن جو شخص نہ دلیل میں اعتراض کر سکے اور نہ حق بات کو تسلیم کرے اس سے آخیر درجہ یہی کہا جاتا ہے کہ خیر بھائی جیسا میں نے کیا ہوگا میں بھگتوں گا جیسا تم کر رہے ہو تم بھگتو گے۔

ربط: آگے پھر قصہ مذکورہ کا تتمہ ہے واوحی الی نوح تا من المغرقین

وَاُوۡحِیَ اِلٰی نُوۡحٍ اَنَّهٗ لَنۡ یُّؤۡمِنَ مِنۡ
اور نوحؑ کے پاس وحی بھیجی گئی کہ سوا ان کے جو (اس وقت تک) ایمان لا چکے

قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا

ہیں اور کوئی (نیا) شخص تمہاری قوم میں سے ایمان نہ لاوے گا سو جو کچھ یہ لوگ

كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ صلے ج

(کفر وایذا واستہزاء) کررہے ہیں اس پر کچھ غم نہ کرو

کیونکہ غم تو خلاف توقع سے ہوتا ہے جب ان سے بجز مخالفت کے کوئی توقع ہی نہیں پھر کیوں غم کیا جائے آگے فرماتے ہیں کہ چونکہ ہمارا ارادہ اب ان کے غرق کرنے کا ہے اور اس لئے طوفان آنے کو ہے پس تم اس سے بچنے کا سامان کرو۔

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا

اور تم (اس طوفان سے بچنے کے لئے) ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم سے کشتی تیار کرلو

کہ اس کے ذریعہ سے تم اور مومنین طوفان سے محفوظ رہو گے اور کشتی کے بنانے میں دو قول ہیں ایک یہ کہ حق تعالیٰ کی تعلیم سے خود نوح علیہ السلام نے بنائی اور ایک یہ کہ کاریگروں سے بنوائی ۱۲

وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِىْ فِى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ج

اور (یہ سن لو کہ) مجھ سے کافروں (کی نجات) کے بارہ میں کچھ گفتگو مت

اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۳۷﴾

کرنا (کیونکہ) وہ سب غرق کئے جاویں گے۔

یعنی ان کے لئے یہ قطعی طور پر تجویز ہو چکا ہے تو ان کی سفارش بیکار ہو گی (اور ان آیات سے بعض خیال پرستوں کے اس قول کی غلطی بخوبی ظاہر ہو گئی جس کو ایک کتاب میں ظاہر کیا گیا ہے کہ نوح علیہ السلام میں نعوذ باللہ شفقت و رحم کا مادہ ہی نہ تھا اسی وجہ سے انہوں نے یہ دعا کی یارب لاتذر علی الارض من الکفرین دیارا اے اللہ زمین پر کسی کافر کو بستا ہوا نہ چھوڑیئے بدوں حقیقت معلوم کئے ایک نبی کی شان میں یہ بات کہنا کتنی بڑی گستاخی ہے ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نوح علیہ السلام کی اس بددعا کا منشا یہ نہ تھا کہ معاذ اللہ ان میں شفقت و رحمت کا مادہ نہ تھا بلکہ ان کو قطعی طور پر معلوم ہو چکا تھا کہ اب یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے اور یقیناً ان پر عذاب الٰہی نازل ہونے والا ہے تو ارادہ الٰہی کے ساتھ موافقت کرتے ہوئے انہوں نے بھی دشمنان خدا کے لئے بددعا کر دی جس سے محض تقدیر کے ساتھ اپنی موافقت کا اور دشمنان خدا پر اپنا غصہ اور ناراضی کا ظاہر کرنا منظور تھا نیز اس بددعاء میں ان لوگوں کی ہلاکت کی مصالح بیان کر کے یہ بھی ظاہر کر دیا کہ میں اس عذاب کو جو ان پر نازل ہونے والا ہے حکمت اور عدل کے مطابق سمجھتا ہوں اگر نوح علیہ السلام میں شفقت و رحمت کا مادہ نہ ہوتا تو لاتبتئس بما کانوا یفعلون ان کو نہ فرمایا جاتا کہ جو کچھ یہ کررہے ہیں اس پر غم نہ کرو نیز یہ بھی نہ فرمایا جاتا ولا تخاطبنی فی الذین ظلموا کہ مجھ سے ان کافروں کے بارے میں کچھ گفتگو نہ کرنا علاوہ ازیں اگر نوح علیہ السلام کی بددعا کا نعوذ باللہ یہی منشا تھا کہ ان میں رحم کا مادہ نہ تھا تو یہ الزام بہت دور تک پہنچے گا کیونکہ جب حق تعالیٰ نے اس بددعا کو قبول فرمایا تو کیا حق تعالیٰ پر بھی یہی الزام لگایا جائے گا استغفر اللہ بلکہ خدا تعالیٰ کے اس بددعاء کو قبول کر لینے سے صاف معلوم ہو گیا کہ وہ بددعاء رحمت و حکمت و عدل کے ہرگز خلاف نہ تھی ورنہ کبھی قبول نہ ہوتی کیونکہ خدا تعالیٰ انبیاء کی ہر دعا قبول کرنے پر مجبور نہیں ہیں احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض دعائیں مقبول نہیں ہوئیں یاد رکھو کہ انبیاء علیہم السلام کے ہر فرد میں تمام صفات حمیدہ مجتمع ہوتی ہیں یہ اور بات ہے کہ کسی میں بحکم الٰہی ایک صفت کا زیادہ ظہور و غلبہ ہوا کسی میں دوسری کا باقی کسی صفت حمیدہ سے خالی کوئی نبی نہیں ہوا) ۱۲

وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ قف وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ

اور وہ کشتی تیار کرنے لگے اور (اثناء تیاری میں) جب کبھی ان کی قوم میں

قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ط

سے کسی رئیس گروہ کا ان پر گزر ہوتا تو ان سے ہنسی کرتے

کہ دیکھو پانی کا کہیں نام و نشان نہیں مفت مصیبت جھیل رہے ہیں ۱۲

قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا

آپ فرماتے کہ اگر تم ہم پر ہنستے ہو تو ہم تم پر ہنستے ہیں جیسا

تَسْخَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ ط

تم ہم پر ہنستے ہو

کہ عذاب ایسا نزدیک آپہنچا ہے اور تم کو ہنسی سوجھ رہی ہے ہم اس پر ہنستے ہیں ۱۲

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ لا مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ

سو ابھی تم کو معلوم ہوا جاتا ہے کہ وہ کون شخص ہے جس پر (دنیا میں) ایسا

يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۹﴾

عذاب آیا چاہتا ہے جو اس کو رسوا کر دے گا اور (بعد مرگ) اس پر دائمی عذاب

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا

نازل ہوتا ہے یہاں تک کہ جب ہمارا حکم (عذاب کا قریب) آ پہنچا اور زمین میں سے پانی ابلنا شروع ہوا ہم نے (نوح علیہ السلام) سے فرمایا کہ

احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ

ہر قسم (کے جانوروں) میں سے

جو کہ انسان کے کارآمد ہیں اور پانی میں زندہ نہیں رہ سکتے ہر جانور کا جوڑا رکھ لیا کشتی میں جس کی نسل رہنی مقدر تھی اور شہر والوں میں سے جس پر بات پڑ چکی ایک بیٹا کنعان اور اس کی ماں سو وہ ڈوبے اور تین بیٹے بچے جن کی اولاد ساری خلق ہے اور تنور تھا حضرت نوح علیہ السلام کے گھر میں طوفان کا نشان بتا رکھا تھا کہ جب اس تنور سے پانی ابلے تب اس کشتی میں سوار ہو جاؤ ۱۲ ملخص

زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ

ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ یعنی دو عدد اس کشتی میں چڑھا لو اور اپنے گھر والوں

عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ۭ

کو بھی (چڑھا لو) باستثنا اس کے جس پر (غرق ہونے کا) حکم نافذ ہو چکا ہے

یعنی ان میں جو کافر ہو جس کی نسبت انهم مغرقون کہہ دیا گیا ہے اس کو سوار مت کرنا ۱۲

وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝۴۰ وَقَالَ

اور دوسرے ایمان والوں کو بھی اور بجز قلیل آدمیوں کے ان کے ساتھ کوئی ایمان

ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ۭ

نہ لایا تھا اور نوحؑ نے فرمایا کہ (آؤ) اس کشتی میں سوار ہو جاؤ (اور کچھ اندیشہ مت کرو کیونکہ) اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا (سب) اللہ ہی کے نام سے ہے

اور وہی اس کے محافظ ہیں پھر اندیشہ کیوں کیا جائے ۱۲

اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۴۱

بالیقین میرا رب غفور ہے رحیم ہے

یعنی اگرچہ بندوں کے گناہ سب کے غرق کو مقتضی ہیں مگر وہ اپنی رحمت سے گناہ بھی بخش دیتا ہے اور حفاظت بھی فرماتا ہے غرض سب کشتی پر سوار ہو گئے اور اس اثناء میں پانی بڑھ گیا ۱۲

وَهِىَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۣ قف

اور وہ کشتی ان کو لے کر پہاڑ جیسی موجوں میں چلنے لگی اور نوح (علیہ السلام)

وَنَادٰي نُوْحُۨ ابْنَهٗ

نے اپنے (ایک سگے یا سوتیلے) بیٹے کو پکارا

جس کا نام کنعان تھا اور وہ باوجود فہمائش کے ایمان نہ لایا اور بوجہ ایمان نہ لانے کے کشتی پر سوار نہ کیا گیا تھا اور اس وقت کشتی کنارہ کے قریب ہی تھی اور وہ کنارہ پر موجود تھا اور کنعان کو بعض نے کہا ہے کہ نوح علیہ السلام کا ہی بیٹا تھا اور بعض نے کہا کہ ان کا ربیب تھا یعنی بیوی کا بیٹا تھا اور چونکہ بعض اہل سیر نے ان کی بی بی کا بھی کشتی میں ہونا روایت کیا ہے اور قرآن میں ان کی بی بی کا کافرہ ہونا اور کافر کا نجات نہ پانا مذکور ہے اس لئے بعض علماء قائل ہوئے ہیں کہ ان کی ایک بی بی مومنہ تھی اور ایک کافرہ

وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا

اور وہ (کشتی سے) علیحدہ مقام پر تھا کہ اے میرے پیارے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جا

یعنی کشتی میں سوار ہونے کی جو شرط ہے یعنی ایمان اس کو بجا لا کر جلدی ہمارے ساتھ ہو جا

وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۴۲

اور (عقیدے میں) کافروں کے ساتھ مت ہو

یعنی کفر کو چھوڑ دے کہ غرق سے بھی بچ جاوے ۱۲

قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ

وہ کہنے لگا کہ میں ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لے لوں گا جو مجھ کو پانی (میں غرق

الْمَاۗءِ ۭ

ہونے) سے بچا لے گا

کیونکہ وہ وقت ابتداء طوفان کا تھا پہاڑوں کے اوپر پانی نہ پہنچا تھا ۱۲

قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا

نوح (علیہ السلام) نے فرمایا کہ آج اللہ کے قہر سے کوئی بچانے والا نہیں لیکن

مَنْ رَّحِمَ ۚ

جس پر وہی رحم کرے

تو اس کو خود ہی بچالے غرض کنعان اس وقت بھی ایمان نہ لایا اور پانی زوروشور کے ساتھ اس طرف سے بڑھ گیا ۱۲

وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِينَ ﴿۴۳﴾

اور دونوں باپ (بیٹوں) کے بیچ میں ایک موج حائل ہوگئی پس وہ (بھی مثل دوسرے کافروں کے) غرق ہوگیا

ہر چند کہ بعض لوگ اس طوفان کے عام نہ ہونے کے قائل ہوئے ہیں لیکن ظاہر آیات سے عام ہونا ہی معلوم ہوتا ہے جن میں تاویل کرنا بعید ہے۔ قال تعالیٰ یارب لاتذرعلی الارض من الکفرین دیارا وجعلنا ذریتہ ھم الباقین یعنی طوفان کے بعد صرف نوح علیہ السلام ہی کی اولاد سے نسل باقی رہی اور طوفان عام ہونے پر جو اشکالات پڑتے ہیں سب کے جواب قریب قریب موجود ہیں مثلاً یہ کہ ایک کشتی میں تمام اقسام کے حیوانات کیسے سما سکتے ہیں جواب یہ ہے کہ جو پانی میں رہ سکتے ہیں وہ یقیناً سوار نہیں ہوئے اور جو بدوں تناسل کے پیدا ہو جاتے ہیں وہ بھی خارج ہیں رہے اور اقسام سو ممکن ہے کہ وہی سوار کئے گئے ہوں جن سے انسانی حاجت متعلق ہے جیسے کھانے اور سواری کے قابل اور لادنے وغیرہ کے لائق جانور سو ایسے جانور بہت کم ہیں ہر ایک کا ایک ایک جوڑا رکھنا کچھ مشکل نہیں اور جن سے حاجت متعلق نہیں جیسے درندے وغیرہ وہ سوار نہ کئے گئے ہوں اور ان کو حق تعالیٰ نے دوبارہ پیدا کر دیا ہو یا بطور خرق عادت کے کشتی میں ان کی جگہ بھی ہوگئی ہو اور مثلاً یہ اشکال کہ نابالغ بچے کیسے غرق کئے گئے جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ چند روز پہلے توالد و تناسل بند ہوگیا ہو پس پرانے نابالغ بالغ ہو گئے ہوں اور نئے پیدا نہ ہوئے ہوں جیسا کہ روح المعانی میں نقل بھی کیا ہے کہ چالیس سال پہلے توالد و تناسل بند ہوگیا تھا یا یہ کہ وہ بچے بڑے ہوکر کافر ہوتے جیسا کہ لمن یومن سے مفہوم ہوتا ہے پس ان کا غرق ہو جانا ان کے لئے رحمت ہوا کہ کفر سے اور اس کے وبال سے بچ گئے اور جانوروں کے لئے وہ طوفان بمنزلہ طبعی موت کے تھا جو ہر روز واقع ہوا کرتی ہے اس لئے یہ سوال نہیں ہو سکتا کہ بہائم نے کیا خطا کی تھی طبعی موت کے لئے خطاوار ہونے کی کیا ضرورت ہے ان کے حق میں وہ عذاب تھوڑا ہی تھا۔ ربط: ظاہر ہے۔

وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَا سَمَاءُ

اور (جب کفار سب غرق ہو چکے تو) حکم ہوگیا کہ اے زمین اپنا پانی (جو کہ تیری سطح

أَقْلِعِي وَغِيضَ الْمَاءُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ

پر موجود ہے) نگل جا اور اے آسمان (برسنے سے) تھم جا (چنانچہ دونوں امر واقع

وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ

ہوگئے) اور پانی گھٹ گیا اور قصہ ختم ہوا اور کشتی (کوہ) جودی پر آٹھہری اور کہہ دیا

الظَّالِمِينَ ﴿۴۴﴾

گیا کہ کافر لوگ رحمت سے دور

اس سے معلوم ہوا کہ طوفان کا پانی پہاڑ سے اونچا تھا اور قصہ ختم ہونے میں سب باتیں آ گئیں نوح علیہ السلام کی نجات کافروں کا غرق اور طوفان کا خاتمہ اور بعداً للقوم الظلمین یعنی کافر لوگ رحمت سے دور یہ شاید اس لئے فرمایا گیا کہ عبرت تازہ ہو جائے کہ کفر کا وبال یہ ہے تا کہ آئندہ زمانہ والے اس سے بچے رہیں ربط: ظاہر ہے ونادیٰ تا من الخسرین

وَنَادَىٰ نُوحٌ

اور نوحؑ نے اپنے رب کو پکارا

جب نوح علیہ السلام نے کنعان کو ایمان لانے کے لئے فرمایا اور اس نے نہ مانا تو اس کے غرق ہونے سے پہلے اس امید پر کہ شاید حق تعالیٰ اپنی قدرت سے اس کے دل میں ایمان القاء فرمادیں اور یہ ایمان لے آوے خدا کو پکارا

رَّبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ

اور عرض کیا کہ اے میرے رب میرا یہ بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے اور

وَعْدَكَ الْحَقُّ

آپ کا وعدہ بالکل سچا ہے

کہ گھر والوں میں جو ایمان والے ہیں ان کو بچالوں گا

وَأَنتَ أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ ﴿۴۵﴾

اور آپ احکم الحاکمین (اور بڑی قدرت والے) ہیں

یعنی گو یہ سردست ایمان والا اور نجات کا مستحق نہیں لیکن آپ کی بڑی قدرت ہے اگر آپ چاہیں تو اس کو مومن بنادیں تا کہ یہ بھی اس سچے وعدہ کا مستحق بن جائے خلاصہ اس عرض کا اس کے مومن ہونے کے لئے دعا کرنا تھا یہ مقصود نہ تھا کہ باوجود کافر ہونے کے صرف اس وجہ سے کہ وہ میرے اہل و عیال میں داخل ہے اس کو نجات دے دی جائے۔

قَالَ يَا نُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ ۖ إِنَّهُ عَمَلٌ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے نوح یہ شخص (ہمارے علم ازلی میں) تمہارے (ان) گھر والوں میں نہیں (جو ایمان لا کر نجات پاویں گے بلکہ) یہ (خاتمہ

غَيْرُ صَالِحٍ ڮ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ

تک) تباہ کار (یعنی کافر رہنے والا) ہے سو مجھ سے ایسی چیز کی درخواست مت

لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ

کرو جس کی تم کو خبر نہیں

بات یہ ہے کہ نوح علیہ السلام سے یہ فرمایا گیا تھا کہ اپنے گھر والوں کو کشتی پر سوار کرلو بجز ان لوگوں کے جن کی نسبت غرق کا حکم نافذ ہو چکا ہے اس سے نوح علیہ السلام یہ سمجھے کہ جن لوگوں کا خاتمہ کفر پر ہونے والا ہے ان کو نجات نہ ہوگی اور ایسے ہی لوگوں کی بابت یہ حکم بھی ہے۔ **لاتخاطبنی فی الذین ظلموا** کہ ظالموں کے بارہ میں مجھ سے کوئی گفتگو نہ کرنا لیکن تعیین کے طور پر آپ کو یہ نہ بتلایا گیا تھا کہ کفر پر خاتمہ کس کس کا ہونے والا ہے اس لئے ان کو احتمال ہوا کہ شاید میرے بیٹے کے لئے کفر پر خاتمہ مقدر نہ ہوا ہو اگرچہ اس وقت تک وہ کافر ہے اس احتمال پر اس کے واسطے دعا کر دی کہ اس کو ایمان عطا کر دیا جائے مگر چونکہ اس میں یہ احتمال بھی تھا کہ شاید اس کیلئے علم الٰہی میں کفر پر ہی خاتمہ مقدر ہو اور یہ بھی ان لوگوں میں داخل ہو جن کی نسبت دعاء و سفارش سے منع کیا گیا ہے اس احتمال پر نظر نہ کرنے کی وجہ سے حق تعالیٰ نے ان کو تنبیہ فرمائی کہ جس چیز کی تم کو پوری خبر نہیں ہے محض ایک احتمال کی بناء پر تم نے کیوں دعا کی اور دوسرے احتمال پر نظر کیوں نہ کی اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ **لن یومن من قومک الخ** سے تو بتلا دیا گیا تھا کہ اب اور کوئی ایمان نہ لائے گا پھر نوح علیہ السلام کو کنعان کی نسبت ایمان کا احتمال کیوں ہوا جواب یہ ہے کہ وہ حکم قوم کے اعتبار سے ہے اہل وعیال کے اعتبار سے ہونا ثابت نہیں پس نوح علیہ السلام کی عصمت پر اس دعاء سے کوئی اشکال لازم نہیں آتا۔

ربط: جب جودی پر کشتی ٹھہرنے کے بعد چند روز میں پانی بالکل اتر گیا اس وقت نوح علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے خود یا کسی فرشتے کے ذریعہ سے ارشاد فرمایا **قیل یا نوح تا الیم**

اِنِّىْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۴۶﴾

میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ تم (آئندہ) نادان نہ بن جاؤ۔ انہوں نے عرض کیا کہ

قَالَ رَبِّ اِنِّىْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا

اے میرے رب میں اس امر سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں کہ (آئندہ) آپ سے

لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْٓ

ایسے امر کی درخواست کروں جس کی مجھ کو خبر نہ ہو اور (گذشتہ معاف کر دیجئے کیونکہ)

اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۴۷﴾ قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ

اگر آپ میری مغفرت نہ فرماویں گے اور مجھ پر رحم نہ فرماویں گے تو میں بالکل تباہ ہی

بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓي اُمَمٍ

ہو جاؤں گا۔ کہا گیا کہ اے نوح (اب جودی پر سے زمین پر) اترو ہماری طرف سے سلام

مِّمَّنْ مَّعَكَ ۭ

اور برکتیں لے کر جو تم پر نازل ہوں گی اور ان جماعتوں پر کہ تمہارے ساتھ ہیں

کیونکہ ساتھ والے سب مسلمان تھے اور اس علت میں شریک ہونے کی وجہ سے قیامت تک کے مسلمانوں پر بھی سلام وبرکات کا نازل ہونا معلوم ہو گیا اور چونکہ بعد والوں میں بعض کافر بھی ہوں گے اس لئے ان کا حال بھی بیان فرماتے ہیں۔

ربط: قصہ نوح علیہ السلام کو ختم کر کے منجملہ اس کے فوائد کے دو فائدے بیان فرماتے ہیں ایک نبوت محمدیہ پر دلیل قائم ہونا دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی **تلک من تا للمتقین**

وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا

اور بہت سی ایسی جماعتیں بھی ہوں گی کہ ہم ان کو (دنیا میں) چند روز عیش دینگے پھر

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۸﴾ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ

(آخرت میں) ان پر ہماری طرف سے سزائے سخت واقع ہوگی یہ قصہ (آپ کے

نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ

اعتبار سے) منجملہ اخبار غیب کے ہے جس کو ہم وحی کے ذریعہ سے آپ کو پہنچاتے ہیں

وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ڔ

اس (قصہ) کو اس (ہمارے بتلانے) کے قبل نہ آپ جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم

اس وجہ سے یہ قصہ اخبار غیب میں سے ہے اور وحی کے سوا دوسرے ذرائع اس کے معلوم ہونے کے یقیناً نہیں ہیں پس ثابت ہو گیا کہ آپ کو وحی کے ذریعہ سے یہ معلوم ہوا ہے اسی کا نام نبوت ہے لیکن کفار ثبوت نبوت کے بعد بھی آپ سے مخالفت کرتے ہیں۔

فَاصْبِرْ ڔ

سو صبر کیجئے

جیسا اس قصہ میں نوح علیہ السلام کا صبر آپ کو معلوم ہوا ہے۔

إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٤٩﴾ ع

یقیناً نیک انجامی متقیوں ہی کے لئے ہے

جیسا نوح علیہ السلام کے قصہ میں معلوم ہوا کہ کفار کا انجام برا ہے اور مسلمانوں کا انجام اچھا ہوا اسی طرح ان کفار کا چندروزہ زوروشور ہے پھر آخیر میں غلبہ حق ہی کو ہوگا۔

ربط: نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ہود علیہ السلام اور قوم عاد کا قصہ آتا ہے۔ والیٰ عاد تا قوم ھود

وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ

اور ہم نے (قوم عاد کی طرف ان کے (برادری یا وطن کے) بھائی (حضرت) ہود) علیہ السلام) کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا انہوں نے (اپنی قوم سے) فرمایا اے

اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ إِنْ

میری قوم تم (صرف) اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود (ہونے

أَنتُمْ إِلَّا مُفْتَرُونَ ﴿٥٠﴾

کے قابل) نہیں تم محض مفتری ہو

یعنی بت پرستی کے اعتقاد میں تم خدا پر افتراء کرتے ہو کیونکہ اس کا افتراء ہونا دلیل سے ثابت ہے۔

يَا قَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ

اے میری قوم میں تم سے اس (تبلیغ) پر کچھ معاوضہ نہیں مانگتا

یعنی علاوہ دلیل سے ثابت ہونے کے میری نبوت کی اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ تم سے میں کچھ مانگتا نہیں ہوں کیونکہ اکثر جھوٹے دعوے کرنے والے خودغرض ہوا کرتے ہیں چنانچہ مشاہد ہے۔ جس کو کوئی بھی غرض نہ ہو وہ ضرور سچا ہوگا ۱۲

إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى الَّذِي فَطَرَنِي ۚ

میرا معاوضہ تو صرف اس (اللہ) کے ذمہ ہے جس نے مجھ کو (عدم محض سے)

أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٥١﴾

پیدا کیا پھر کیا تم (اس کو) نہیں سمجھتے

کہ میری نبوت کے صحیح ہونے پر دلیل موجود اور خودغرضی جو مانع نبوت ہے مفقود ہے پھر نبوت میں شبہ کی کیا وجہ

وَيَا قَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ

اور اے میری قوم تم اپنے گناہ (کفروشرک وغیرہ) اپنے رب سے معاف کراؤ (یعنی

يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم

ایمان لاؤ اور) پھر (ایمان لاکر) اس کی طرف متوجہ ہو وہ تم پر خوب بارشیں برسادے گا

یعنی ایمان وعمل صالح کی برکت سے تم کو فراخی نصیب ہوگی درمنثور میں ہے کہ عاد پر تین سال متواتر قحط ہوا تھا اور بارش تو ویسے بھی مطلوب ہی ہے۔

مِّدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ وَلَا

اور ایمان وعمل کی برکت سے) تم کو اور قوت دیکر تمہاری قوت (موجودہ) میں ترقی

تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ ﴿٥٢﴾ قَالُوا يَا هُودُ مَا

دے گا (پس ایمان لے آؤ) اور مجرم رہ کر ایمان سے اعراض مت کروان لوگوں

جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ

نے جواب دیا کہ اے ہود آپ نے ہمارے سامنے کوئی دلیل تو پیش کی نہیں

جس سے تمہارا رسول من اللہ ہونا معلوم ہو اور یہ قول قوم عاد کا محض عناداً تھا کیونکہ معجزہ سے کوئی نبی خالی نہیں ہوا گو اس کی تعیین ہم کو نہ پہنچی ہو چنانچہ حدیث میں ہے ما من نبی الا اعطی من الآیات ما مثلہ آمن علیہ البشر کہ کوئی نبی ایسا نہیں ہوا جس کو کوئی نشانی ایسی نہ دی گئی ہو جس پر انسان ان کی تصدیق کرنے لگیں ۱۲۔

وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِي آلِهَتِنَا عَن قَوْلِكَ

اور ہم آپ کے (مجرد) کہنے سے تو اپنے معبودوں (کی عبادت) کو چھوڑنے

وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿٥٣﴾ إِن نَّقُولُ

والے ہیں نہیں اور ہم کسی طرح آپ کا یقین کرنیوالے نہیں۔ (اور) ہمارا قول تو یہ ہے

إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ ۗ

کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی نے آپ کو کسی خرابی میں (مثل جنون وغیرہ کے) مبتلا کر دیا ہے

چونکہ آپ نے ان کی شان میں گستاخی کی انہوں نے باولا کر دیا اس لئے بہکی بہکی باتیں کرتے ہو کہ خدا ایک ہے میں نبی ہوں۔

قَالَ اِنِّیْۤ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْۤا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ

ہود (علیہ السلام) نے فرمایا کہ میں (علی الاعلان) اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی (سن لو اور) گواہ رہو کہ میں ان چیزوں سے (بالکل) بیزار ہوں جن کو تم

مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾

خدا کے سوا شریک (عبادت) قرار دیتے ہو

پس تم جو کہتے ہو کہ کسی بت نے مجھ کو باولا کر دیا ہے تو میری عداوت ان کے ساتھ پہلے سے بھی ظاہر ہے اور اب اس تبری سے اور زیادہ مؤکد ہوگئی تو اگر ان بتوں میں کچھ قوت ہے تو دکھلا دیں ۱۲

مِنْ دُوْنِهٖ فَكِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾

سو تم (اور وہ) سب مل کر میرے ساتھ (ہر طرح کا) داؤ گھات کرلو (اور) پھر ذرا مجھ کو مہلت نہ دو

اور کوئی کسر نہ چھوڑو دیکھوں تو سہی میرا کیا کر لیں گے اور جب وہ تمہارے ساتھ مل کر کچھ نہیں کر سکتے تو اکیلے تو کیا خاک کریں گے اس تقریر سے توحید کا وجوب بھی ثابت ہوگیا اور ان کے اس شبہ کا بھی جواب ہوگیا کہ بتوں نے ان کو باولا کر دیا ہے۔

اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّیْ وَرَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ

میں نے اللہ پر توکل کرلیا ہے جو میرا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی مالک ہے

دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِهَا ؕ

جتنے روئے زمین پر چلنے والے ہیں سب کی چوٹی اس نے پکڑ رکھی ہے

یعنی میں یہ دعویٰ اس لئے دل کھول کر کر رہا ہوں کہ تمہارے بت تو محض عاجز ہیں ان سے تو اس لئے نہیں ڈرتا رہ گئے تم سو اگرچہ تم کو کچھ قدرت ہے لیکن میں تم سے بھی نہیں ڈرتا کیونکہ میرا خدا پر بھروسہ ہے جس کے قبضہ میں سب ہیں بے اس کے حکم کے کوئی کان نہیں ہلا سکتا اور اس تقریر میں ایک نیا معجزہ بھی ظاہر ہوگیا کہ ایک شخص تن تنہا جس میں مقابلہ کی ظاہری قوت کچھ نہ تھی ایسے بڑے بڑے زور آور لوگوں سے ایسی مخالفانہ گفتگو کرے اور وہ اس کا کچھ نہ کر سکیں یہ خود ایک کھلا معجزہ ہے پس اس سے ان کے اس قول کا بھی جواب ہوگیا کہ ماجئتنا ببینۃ کہ تم کوئی دلیل معجز ہمارے پاس نہیں لائے اگر معجزہ سابقہ سے قطع نظر کی جائے تو یہ دوسرا معجزہ ہے پس نبوت پر دلیل قائم ہوگئی اور اس وقت اگر چند مسلمان بھی ان کے ساتھ ہوں تب بھی ان سے ہود علیہ السلام کو ظاہری قوت کچھ نہ تھی اتنے زبردست کثیر التعداد مخالفوں کے مقابلہ میں مٹھی بھر مسلمان کیا شمار میں آ سکتے ہیں پس توحید و نبوت ثابت ہو جانے کے بعد ان کا یہ کہنا مانحن بتارکی الھتنا کہ ہم اپنے بتوں کو چھوڑنے والے نہیں باطل ہوگیا اور صراط مستقیم واضح ہوگیا۔

اِنَّ رَبِّیْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۵۶﴾

یقیناً میرا رب صراط مستقیم پر (چلنے سے ملتا) ہے

پس تم بھی اس صراط مستقیم کو اختیار کرو تا کہ مقبول و مقرب ہو جاؤ

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖۤ

پھر اگر اس بیان بلیغ کے بعد بھی) تم (راہ حق سے) پھرے رہو گے تو میں تو (معذور

اِلَیْكُمْ ؕ

سمجھا جاؤں گا کیونکہ) جو پیغام دے کر مجھ کو بھیجا گیا تھا وہ تم کو پہنچا چکا ہوں

لیکن تمہاری کم بختی آوے گی کہ تم کو اللہ تعالیٰ ہلاک کر دے گا۔

وَیَسْتَخْلِفُ رَبِّیْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ۚ

اور تمہاری جگہ میرا رب دوسرے لوگوں کو زمین میں آباد کر دے گا

سو تم اس اعراض و کفر میں اپنا ہی نقصان کر رہے ہو

وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰى كُلِّ

اور اس کا تم کچھ نقصان نہیں کر رہے ہو بالیقین میرا رب ہر شے کی

شَیْءٍ حَفِیْظٌ ﴿۵۷﴾

نگہداشت کرتا ہے

یعنی اس ہلاکت میں اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ خدا تعالیٰ کو کیا خبر کہ کون کر رہا ہے تو خوب سمجھ لو کہ اس کو سب خبر ہے غرض ان تمام حجتوں پر بھی ان لوگوں نے نہ مانا

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا

اور (سامان عذاب شروع ہوا سو جب ہمارا حکم (عذاب کے لئے) پہنچا

اور باد صرصر کا عذاب نازل ہوا اور سورہ مومنون کے تیسرے رکوع میں جس قوم کا ذکر ہے بعض نے اس کو بھی قوم عاد پر محمول کیا ہے وہاں صیحہ (یعنی سخت آواز) کا عذاب مذکور ہے سو ممکن ہے کہ یہ بھی ہوا ہو فقط والسلام ۱۲

نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ

ہم نے ہود (علیہ السلام) کو اور جو انکے ہمراہ اہل ایمان تھے انکو اپنی عنایت سے (اس عذاب

مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۸﴾ وَتِلْكَ

سے بچالیا اور ان کو (کیسی چیز سے بچالیا) ایک بہت ہی سخت عذاب سے بچالیا اور یہ (جن کا

عَادٌ ۟ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ

ذکر ہوا) قوم عاد تھی جنہوں نے اپنے رب کی آیات کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کا کہنا نہ مانا

یہ جو فرمایا کہ عاد نے رسول کا کہنا نہ مانا حالانکہ ان کے پاس صرف ہود علیہ السلام کا تشریف لانا ثابت ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ پیغمبر مسئلہ توحید میں سب متفق ہیں جب ہود علیہ السلام کا کہنا نہ مانا تو جتنے پیغمبر جو ان سے پہلے گزرے تھے بلکہ جو آئندہ بھی ہوئے ان سب ہی کی مخالفت ہوئی۔

وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۵۹﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ

اور تمام تر ایسے لوگوں کے کہنے پر چلتے رہے جو ظالم (اور) ضدی تھے اور (ان افعال کا

هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ

نتیجہ یہ ہوا کہ) اس دنیا میں بھی لعنت ان کے ساتھ ساتھ رہی اور قیامت کے دن بھی

یعنی آخرت میں بھی لعنت ان کے ساتھ ساتھ رہے گی چنانچہ دنیا میں اس کا اثر عذاب ہلاکت تھا اور آخرت میں عذاب دائمی ہوگا۔ ربط: قصہ عاد کے بعد صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کا قصہ آتا ہے والی ثمود تا بعداً لثمود ہ

اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ

خوب سن لو قوم عاد نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا خوب سن لو رحمت سے دوری ہوئی (دونوں جہاں میں) عاد کو جو کہ ہود (علیہ السلام) کی قوم تھی

قَوْمِ هُوْدٍ ﴿۶۰﴾ وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ

اور ہم نے (قوم) ثمود کے پاس ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) کو پیغمبر بنا کر

قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ

بھیجا انہوں نے (اپنی قوم سے) فرمایا اے میری قوم تم (صرف) اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا (معبود ہونے کے قابل) نہیں۔

هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا

اس نے تم کو زمین (کے مادہ) سے پیدا کیا اور تم کو اس (زمین) میں آباد کیا۔

یعنی اس کا تم پر یہ انعام ہے کہ پیدا بھی کیا پھر وجود کے بعد نعمت بقاء بھی عطاء فرمائی جس میں سب نعمتیں آ گئیں۔

فَاسْتَغْفِرُوْهُ

تو تم اپنے گناہ (شرک و کفر وغیرہ) اس سے معاف کراؤ

یعنی جب وہ ایسا منعم ہے تو اس کی اطاعت اختیار کرو۔

ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ

یعنی ایمان لاؤ پھر ایمان لا کر (اس کی طرف) عبادت سے متوجہ ہو

یعنی عمل صالح کرو ۱۲

اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ﴿۶۱﴾

بیشک میرا رب قریب ہے قبول کرنے والا ہے

یعنی جو اس کی طرف متوجہ ہو اس کے قریب ہے اور جو اس سے گناہ معاف کرائے اس کی عرض کو قبول کرنے والا ہے ۱۲

قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ

وہ لوگ کہنے لگے کہ اے صالح تم تو اس کے قبل ہم میں ہونہار

هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ

(معلوم ہوتے) تھے

یعنی ہم کو تم سے امید تھی کہ اپنی لیاقت و وجاہت سے فخر قوم اور ہمارے لئے مایہ ناز اور ہمارے سرپرست بنو گے افسوس اس وقت جو باتیں کر رہے ہو اس سے تو ساری امیدیں خاک میں ملتی نظر آتی ہیں ۱۲

اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ

کیا تم ہم کو ان چیزوں کے عبادت سے منع کرتے ہو جن کی عبادت ہمارے بڑے کرتے آئے ہیں (یعنی تم اس سے منع مت کرو)

مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿۶۲﴾

اور جس دین کی طرف تم ہم کو بلا رہے ہو (یعنی توحید) واقعی ہم تو اس کی طرف سے (بھاری) شبہ میں ہیں جس نے ہم کو تردد میں ڈال رکھا ہے

کہ مسئلہ توحید ہمارے خیال ہی میں نہیں آتا۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ

آپ نے (جواب میں) فرمایا اے میری قوم بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر میں اپنے رب کی

رَبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً

جانب سے دلیل پر (قائم) ہوں اور اس نے مجھ کو اپنی طرف سے رحمت (یعنی نبوت) عطا فرمائی ہو

یعنی تم جو کہتے ہو کہ میں توحید کی دعوت اور بت پرستی کی مخالفت نہ کروں تو یہ کیونکر ہوسکتا ہے خدا نے مجھ کو دلیل دی ہے۔ جس سے توحید ثابت ہے نبوت عطا کی ہے۔ جس سے توحید کی دعوت کا میں مامور ہوں۔

فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ قف

سو (اس حالت میں) اگر میں خدا کا کہنا نہ مانوں

اور دعوت توحید کو ترک کردوں جیسا تم کہتے ہو۔

فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿۶۳﴾

تو (یہ بتلاؤ کہ) پھر مجھ کو خدا کے عذاب سے کون بچالے گا تو تم سراسر میرا نقصان ہی کررہے ہو

یعنی اگر خدانخواستہ قبول کرلوں تو بجز نقصان کے اور کیا ہاتھ آئے اور چونکہ انہوں نے معجزہ کی بھی ثبوت رسالت کے لئے درخواست کی تھی اس لئے آپ نے فرمایا (آگے ترجمہ دیکھو)

وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً

اور اے میری قوم یہ اونٹنی ہے اللہ کی جو تمہارے لئے دلیل ہے

یعنی تم جو معجزہ چاہتے ہو تو یہ اونٹنی دلیل بنا کر ظاہر کی گئی ہے اور چونکہ وہ اللہ کی دلیل تھی اسی لئے اللہ کی اونٹنی کہلائی اور علاوہ اس کے کہ بوجہ معجزہ ہونے کے وہ دلیل رسالت تھی خود اس کے بھی کچھ حقوق تھے منجملہ ان کے بعضے آگے مذکور ہیں۔

فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ

سو اس کو چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرا کرے

اسی طرح اپنی باری کے دن پانی پیتی رہے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے ۱۲

وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ

اور اس کو برائی (اور تکلیف دہی) کے ساتھ ہاتھ بھی مت لگانا کبھی تم کو فوری

قَرِيْبٌ ﴿۶۴﴾ فَعَقَرُوْهَا

عذاب آپکڑے (کہ دیر بھی نہ لگے) سو انہوں نے اس (اونٹنی) کو مار ڈالا

اور باوجود اس قدر اتمام حجت کے پھر بھی سرکشی سے باز نہ آئے

فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ط

تو صالح (علیہ السلام) نے فرمایا (خیر) تم اپنے گھروں میں تین دن اور بسر کرلو

تین دن کے بعد عذاب آتا ہے۔

ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿۶۵﴾

یہ ایسا وعدہ ہے جس میں ذرا جھوٹ نہیں

کیونکہ منجانب اللہ ہے چنانچہ تین کے بعد ایسا ہی ہوا۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ

سو جب ہمارا حکم (عذاب کیلئے) آپہنچا تو ہم نے صالح (علیہ السلام)

اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ط

کو اور جو ان کے ہمراہ اہل ایمان تھے ان کو اپنی عنایت سے (اس عذاب سے) بچالیا اور اس دن کی بڑی رسوائی سے بچالیا

کیونکہ قہر الٰہی میں مبتلا ہونے سے بڑھ کر کیا رسوائی ہوگی ۱۲

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۶۶﴾

بے شک آپ کا رب ہی قوت والا غلبہ والا ہے

جس کو چاہے سزا دے دے جس کو چاہے بچالے۔

وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ

اور ان ظالموں کو ایک نعرہ نے آدبایا

کہ وہ آواز تھی جبریل علیہ السلام کی یہ قصہ پارہ ہشتم کے آخر میں آیا ہے اور وہاں رجفہ یعنی زلزلہ کا عذاب مذکور ہے وجہ تطبیق اسی جگہ مذکور ہو چکی ہے دیکھ لیجئے ۱۲

فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۶۷﴾ لا كَاَنْ لَّمْ

جس سے وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے (اور یہ حالت ہوگئی) جیسے

يَغْنَوْا فِيْهَا ط اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ط

ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے۔ خوب سن لو (قوم) ثمود نے اپنے رب کے

اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿۶۸﴾ ع

ساتھ کفر کیا خوب سن لو (کفر کا یہ خمیازہ ہوا کہ) رحمت سے ثمود کو دوری ہوئی

بظاہر ثمود کے حال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ توحید کے بالکل منکر تھے پھر جو اسکو شک سے تعبیر کیا تو مراد شک سے مطلق انکار ہے اگر چہ یقین ہی کیسا تھ ہو

ربط : اوپر قوم ثمود کا قصہ ذکر ہوا ہے اور اکثر مقامات پر اس کے بعد قوم لوط علیہ السلام کا قصہ مذکور ہوا ہے یہ قرینہ ہے اس بات کا کہ یہاں بھی زیادہ مقصود قوم لوط ہی کا قصہ بیان کرنا ہے اور بیچ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بعض خاص وجوہ سے آ گیا ہے ایک تو دونوں میں خاص تعلق ہے کہ دونوں قصوں میں ملائکہ کی جماعت ایک ہی تھی پھر دونوں پیغمبر رشتہ دار بھی ہیں اور مسکن بھی دونوں کا قریب تھا اور ان کے بارہ میں ابراہیم علیہ السلام نے کلام بھی کیا تھا چنانچہ فما خطبکم کے سوال و جواب سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مقصود اعظم ان فرشتوں کا قوم لوط پر عذاب نازل کرنا تھا مگر چونکہ غالباً مستقل صاحب شریعت حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی تھے اور لوط علیہ السلام ان کی طرف سے بطور نیابت کے تھے اس لئے اول عذاب کی خبر ابراہیم علیہ السلام کو دینے آئے پس ایک قصہ دوسرے کے لئے متمم ہے ولقد جاءت رسلنا تا غیر مردود

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى
اور ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے (بشکل بشر) ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس بشارت لے کر آئے

کہ آپ کے ایک فرزند اسحٰق بطن سارہ سے پیدا ہوں گے گو مقصود اعظم ان کے آنے کا قوم لوط کو ہلاک کرنا تھا جیسا کہ فما خطبکم سے معلوم ہوتا ہے۔

قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ
اور (آنے کے وقت) انہوں نے سلام کیا۔ ابراہیم (علیہ السلام) نے بھی سلام کیا

اور پہچانے نہیں کہ یہ فرشتے ہیں کیونکہ وہ بشکل آدمی تھے بلکہ معمولی مہمان سمجھے جیسے کہ قوم منکرون سے معلوم ہوتا ہے۔

فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿٦٩﴾
پھر دیر نہیں لگائی کہ ایک تلا ہوا (فربہ) بچھڑا لائے

اور ان کے سامنے رکھ دیا یہ تو فرشتے تھے کیوں کھانے لگے ۱۲

فَلَمَّا رَآ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ
سو جب ابراہیم (علیہ السلام) نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس کھانے تک نہیں

وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ
بڑھتے تو ان سے متوحش ہوئے اور ان سے دل میں خوف زدہ ہوئے

کہ یہ مہمان تو نہیں ہیں کوئی مخالف نہ ہوں کہ بارادۂ فاسد آئے ہوں اور میں گھر میں ہوں احباب اصحاب پاس نہیں یہاں تک کہ بے تکلفی سے اس کو زبان سے بھی ظاہر کر دیا لقولہ تعالیٰ قال انا منکم وجلون ۱۲

قَالُوْا لَا تَخَفْ
وہ فرشتے کہنے لگے ڈرومت

ہم آدمی نہیں فرشتے ہیں آپ کی بشارت لے کر آئے ہیں کہ آپ کے ایک فرزند پیدا ہوگا اور اس کے پیچھے ایک فرزند ہوگا یعقوب اور بشارت اس لئے کہا کہ اول تو اولاد خوشی کی چیز ہے پھر ابراہیم علیہ السلام اور ان کی بیوی بوڑھی ہو گئی تھیں امید اولاد کی نہ رہی تھی لقولہ تعالیٰ انا نبشرک بغلام الخ آپ نے نور نبوت سے توجہ کر کے پہچان لیا کہ واقعی فرشتے ہیں لیکن فراست نبوت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس کے سوا اور بھی کسی بڑے کام کے لئے آئے ہیں اس لئے اس کی تعیین سے سوال کیا لقولہ تعالیٰ قال فما خطبکم الخ اس وقت انہوں نے کہا کہ (آگے ترجمہ)

اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ﴿٧٠﴾
ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں

تاکہ ان کو سزائے کفر میں ہلاک کر دیں ابراہیم علیہ السلام کو ان کے نہ کھانے سے جو خوف ہوا وہ ظاہری اسباب کے اعتبار سے طبعی خوف تھا گو اتنے مجمع کے مقابلہ کے لئے آپ کے خادم موجود تھے لیکن خاص گھر میں تو کوئی نہ تھا پھر ان کو فرشتہ یقین کر لینا صرف ان کے دعویٰ پر نہ تھا بلکہ اپنی قوت قدسیہ کے ذریعہ سے متوجہ ہو کر یقین کیا جس سے اولا توجہ نہ فرمائی تھی

وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ
اور ابراہیم (علیہ السلام) کی بی بی (حضرت سارا کہیں) کھڑی (سن رہی تھیں پس ہنسیں

اور اولاد کی خبر سن کر بولتی پکارتی آئیں کیونکہ ان کو اسماعیل علیہ السلام کے بطن ہاجرہ سے پیدا ہونے کے بعد اولاد کی تمنا تھی اور تعجب سے ماتھے پر ہاتھ مارا جیسا کہ فصکت وجھھا سے معلوم ہوتا ہے اور سارہ علیہا السلام پہلے اس جگہ نہ تھیں شاید پردہ میں ہوں پھر جب معلوم ہو گیا کہ یہ فرشتے ہیں ان سے کیا پردہ سامنے چلی آئیں جیسا فاقبلت امراتہ فی صرۃ سے معلوم ہوتا ہے اور ہنسنا یہ عورتوں کا طبعی امر ہے کہ بعض خوشی کی بات مردوں کو چاہے ہنسی نہ آئے عورتوں کو آ جاتی ہے۔

فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ

سوہم نے ان کو (مکرر) بشارت دی اسحاق (کے پیدا ہونے) کی اور اسحاق

يَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾

سے پیچھے یعقوب کی

جو کہ اسحاق کے فرزند ہوں گے جس سے معلوم ہو گیا کہ تمہارے فرزند ہوگا اور زندہ رہے گا یہاں تک کہ وہ بھی صاحب اولاد ہوگا۔

قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ

کہنے لگیں ہائے خاک پڑے اب میں بچہ جنوں گی بڑھیا ہو کر اور یہ میرے میاں

شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْٓا

(بیٹھے) ہیں بالکل بوڑھے واقعی یہ بھی عجیب بات ہے۔ فرشتوں نے کہا کہ کیا تم

اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ

خدا کے کاموں میں تعجب کرتی ہو (اور خصوصاً) اے خاندان کے لوگو تم پر تو اللہ کی

وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ

(خاص) رحمت اور اس کی (قسم قسم کی) برکتیں (نازل ہوتی رہتی ہیں)

یعنی خاندان نبوت میں رہ کر اور ہمیشہ معجزات و خوارق اور عجیب معاملات دیکھ دیکھ کر پھر تعجب کیسا۔

اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿۷۳﴾

بیشک وہ (اللہ تعالیٰ) تعریف کے لائق (اور) بڑی شان والا ہے

وہ بڑے سے بڑا کام کر سکتا ہے پس بجائے تعجب سے اس کی تعریف اور شکر میں مشغول ہو۔

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَاۗءَتْهُ

پھر جب ابراہیم (علیہ السلام) کا وہ خوف زائل ہو گیا اور ان کو خوشی کی خبر ملی (کہ اولاد

الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۴﴾

پیدا ہوگی) تو ہم سے لوط (علیہ السلام) کی قوم کے بارہ میں جدال کرنا شروع کیا

یعنی جب فرشتوں نے یہ کہہ دیا کہ ڈرو نہیں اور خود بھی ان کا فرشتہ ہونا معلوم کر لیا تو ادھر سے بے فکر ہو کر قوم لوطؑ کی حالت کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کے ہلاک نہ کرنے کے لئے اصرار و مبالغہ کے ساتھ سفارش کی اصرار کی وجہ سے وہ سفارش ظاہراً جدال اور مباحثہ کی صورت تھی جس کی تفصیل دوسری آیت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ وہاں تو لوط علیہ السلام بھی موجود ہیں اس لئے عذاب نہ بھیجا جاوے کہ ان کو گزند پہنچے گا مطلب یہ ہوگا کہ اس بہانہ سے قوم بچ جائے اور شاید ابراہیم علیہ السلام کو ان کے ایمان لانے کی امید تھی اور یہ گفتگو مجادلہ کی گو فرشتوں سے ہوئی تھی مگر مقصود حق تعالیٰ سے عرض کرنا تھا اس لئے یجادلنا فرمایا کہ ہم سے جدال شروع کیا۔

اس لئے سفارش میں مبالغہ کیا آگے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ﴿۷۵﴾

واقعی ابراہیمؑ بڑے حلیم الطبع رحیم المزاج رقیق القلب تھے

یعنی گو بظاہر لوط علیہ السلام کا بہانہ ہے مگر اصلی مطلب معلوم ہو گیا کہ مقصود قوم کی سفارش ہے سو وہ ایمان نہ لاویں گے اس لئے تمہاری سفارش بے سود ہے۔

يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ

اے ابراہیمؑ اس بات کو جانے دو

اس لئے اس باب میں کہنا سننا بے کار ہے رہا لوط علیہ السلام کا وہاں ہونا سو ان کو اور سب اہل ایمان کو وہاں سے علیحدہ کر دیا جائے گا اس کے بعد عذاب آوے گا تا کہ ان کو گزند نہ پہنچے چنانچہ اس پر بات ختم ہو گئی و لما جاءت تا بعید

اِنَّهٗ قَدْ جَاۗءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ

تمہارے رب کا حکم (اس کے متعلق) آ چکا ہے اور (اس کے سبب سے) ان

عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿۷۶﴾

پر ضرور ایسا عذاب آنے والا ہے جو کسی طرح ہٹنے والا نہیں

کیونکہ وہ بہت حسین نوجوان کی شکل میں آئے تھے اور لوط علیہ السلام نے ان کو آدمی سمجھا اور اپنی قوم کی نامعقول حرکت کا خیال کیا۔

وَلَمَّا جَاۗءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْۗءَ بِهِمْ

اور جب ہمارے وہ فرشتے لوط علیہ السلام کے پاس آئے تو لوط (علیہ السلام) ان (کے آنے) کی وجہ سے مغموم ہوئے

کہ ان کی تو ایسی صورتیں اور قوم کی یہ حرکتیں اور میں تن تنہا دیکھئے کیا ہوتا ہے۔

وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ﴿۷۷﴾

اور (اس وجہ سے) ان کے (آنے کے) سبب تنگدل ہوئے اور کہنے لگے کہ آج کا دن بہت بھاری ہے

کیونکہ ان کو یہ خبر مل گئی تھی کہ لوط علیہ السلام کے گھر میں حسین نوجوان لڑکے آئے ہیں اس لئے برے ارادہ سے ان کے پاس آئے۔

وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ

اور ان کی قوم ان کے پاس اڑی ہوئی آئی

مجازاً بیٹیوں سے امت کی عورتیں مراد ہیں جوان کے گھروں میں موجود تھیں کیونکہ نبی امت کے لئے بجائے باپ کے ہوتا ہے اور حقیقی معنے یعنی خود لوط علیہ السلام کی بیٹیاں اس سے مراد نہیں ہوسکتیں کہ آپ کے دو یا تین بیٹیاں تھیں سو کس کس سے ان کا نکاح کر دیتے وہ تو سارے اسی مرض میں مبتلا تھے۔

وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ

اور پہلے سے نامعقول حرکتیں کیا ہی کرتے تھے لوطؑ فرمانے لگے

قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ

کہ اے میری قوم یہ میری (بہو) بیٹیاں

یعنی مردوں پر نظر کرنے کے بارہ میں عذاب خداوندی سے ڈرو۔

اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ

موجود ہیں وہ تمہارے (نفس کی کامرانی کے) لئے (اچھی) خاصی ہیں۔سو

فِيْ ضَيْفِيْ ؕ

اللہ سے ڈرو۔اور میرے مہمانوں میں مجھ کو فضیحت مت کرو

یعنی ان مہمانوں کو کچھ کہنا مجھ کو شرمندہ اور رسوا کرنا ہے اگر ان کی رعایت نہیں کرتے کہ مسافر ہیں تو میرا خیال تو کرو کہ تم میں رہتا سہتا ہوں افسوس اور تعجب ہے۔

اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ۝۷۸

کیا تم میں کوئی بھی (معقول آدمی اور) بھلامانس نہیں

کہ اس بات کو سمجھے اور اوروں کو سمجھائے۔

قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ

وہ لوگ کہنے لگے کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہم کو آپ کی ان (بہو) بیٹیوں کی کوئی ضرورت نہیں

کیونکہ عورتوں سے ہم کو رغبت ہی نہیں۔

وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ۝۷۹ قَالَ لَوْ اَنَّ

اور آپ کو تو معلوم ہے (یہاں آنے سے) جو ہمارا مطلب ہے۔لوط فرمانے لگے کیا خوب

لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ۝۸۰

ہوتا اگر میرا تم پر کچھ زور چلتا (کہ خود تمہارے شر کو دفع کرتا) یا کسی مضبوط پایہ کی پناہ پکڑتا

مراد یہ کہ میرا کوئی کنبہ قبیلہ ہوتا کہ میری مدد کرتا اور یہ بات آپ نے طبعی اقتضاء سے فرمائی کیونکہ تقاضائے طبعی کے درجہ میں اسباب ظاہری کی طرف خیال جایا کرتا ہے ترمذی کی حدیث میں ہے کہ لوط علیہ السلام کے بعد سب انبیاء جتھے والے ہوئے تاکہ پریشانی نہ ہونے پائے فرشتوں نے جو آپ کا اس قدر اضطراب دیکھا تو عرض کیا۔

قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ

فرشتے کہنے لگے کہ اے لوط ہم تو آپ کے رب کے بھیجے ہوئے (فرشتے) ہیں

ہم آدمی نہیں جو آپ اس قدر گھبراتے ہیں یہ لوگ ہمارا تو کیا کر سکتے ہیں آپ اپنے لئے بھی اندیشہ نہ کریں۔

لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ

آپ تک (بھی) ہرگز ان کی رسائی نہیں ہوگی

کہ آپ کو کوئی تکلیف پہنچا سکیں اور ہم ان پر عذاب نازل کرنے آئے ہیں۔

فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا

سو آپ رات کے کسی حصہ میں اپنے گھر والوں کو لے کر (یہاں سے باہر)

يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ

چلے جایئے۔اور تم میں سے کوئی پیچھا پھر کر نہ دیکھے

سب جلدی چلے جاویں۔

اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ؕ

ہاں مگر آپ کی بیوی (بوجہ مسلمان نہ ہونے کے) نہ جاوے گی اس پر بھی یہی آفت آنے

اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ

والی ہے جو اور لوگوں پر آوے گی ان کے (عذاب کے) وعدہ کا وقت صبح کا وقت ہے

یعنی ہم رات کے وقت نکل جانے کو اس لئے آپ سے کہتے ہیں کہ ان پر عذاب صبح ہوتے ہی آئے گا۔ چونکہ لوط علیہ السلام اپنی قوم سے بہت دق ہو گئے تھے فرمانے لگے کہ جو کچھ ہونا ہو ابھی ہو جائے آگے فرشتوں کا جواب ہے۔

اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ﴿۸۱﴾

کیا صبح کا وقت قریب نہیں

یعنی فرشتوں نے کہا کہ آپ گھبرائیے نہیں صبح بھی ابھی آیا چاہتی ہے غرض لوط علیہ السلام راتوں رات دور نکل گئے اور صبح ہوتے ہی عذاب کا سامان شروع ہوا۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا

سو جب ہمارا حکم (عذاب کے لئے) آ پہنچا تو ہم نے اس زمین کو الٹ کر اس کا

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً

اوپر کا تختہ تو نیچے کر دیا اور اس زمین پر کھنگر کے پتھر برسانا شروع کئے

کھنگر سے مراد جھانوہ ہے جو پک کر مثل پتھر کے سخت ہو جاتا ہے۔

مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ﴿۸۲﴾ ۙ مُّسَوَّمَةً

جو لگا تار گر رہے تھے جن پر آپ کے رب کے پاس (یعنی عالم غیب میں)

عِنْدَ رَبِّكَ ؕ

خاص نشان بھی تھا

جس سے دوسرے پتھروں سے وہ پتھر ممتاز تھے در منثور کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پر خاص رنگ اور ہیئت کے نقوش بنے ہوئے تھے جو دنیا کے پتھروں میں نہیں دیکھے جاتے اور یہاں دو عذابوں کا ذکر ہے تختہ الٹ جانا اور پتھر برسنا سو بعض نے تو کہا ہے کہ اول زمین اوپر اٹھا کر لوٹ دی گئی جب وہ نیچے کو گرے تو اوپر سے پتھراؤ کیا اور یہی قول زیادہ ظاہر ہے لیکن اس صورت میں یہ ماننا پڑے گا کہ زمین کو اٹھا کر تھوڑی دیر او پر روک لیا گیا ہو گا یہ لوگ زمین سے پہلے نیچے گرے ورنہ پتھراؤ کی کوئی صورت نہ ہو گی کیونکہ اگر زمین بھی ان کے ساتھ ہی چھوڑ دی گئی ہو تو ثقل کی وجہ سے زمین جلدی نیچے آتی ہو گی اور وہ لوگ اس سے لگے لپٹے رہے ہوں گے تو پتھراؤ کیسے ہو گا البتہ اگر زمین کے اس طبعی تقاضے کو باقی نہ سمجھا جاوے تو اس کی کوئی ضرورت نہیں اور بعض نے کہا ہے کہ جو بستی میں تھے وہ الٹ دیئے گئے اور جو باہر گئے ہوئے تھے ان پر پتھر برسے اور ایک آیت میں ان پر صیحہ (یعنی آواز سخت) کا عذاب آیا ہے سو ممکن ہے کہ اول صیحہ ہوا ہو پھر الٹ دیا گیا ہو چنانچہ اسی جگہ فجعلنا پر حرف فا آنے سے پہلے معلوم ہوتا ہے۔

وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۳﴾ ع

اور یہ بستیاں (قوم لوط کی) ان ظالموں سے کچھ دور نہیں ہیں

پس اہل مکہ کو چاہئے کہ اس قصہ سے عبرت پکڑیں کیونکہ ہمیشہ ملک شام کو آتے جاتے ان کی بربادی کے آثار دیکھتے ہیں پس ان کو اللہ و رسول کی مخالفت سے ڈرنا چاہئے۔

ربط: ظاہر ہے والی مدین اخاھم تا بعدت ثمود

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ

اور ہم نے مدین (والوں) کی طرف ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا انہوں نے (اہل مدین سے) فرمایا کہ اے میری قوم تم (صرف) اللہ تعالیٰ کی

اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ

عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود (بننے کے قابل) نہیں

یہ حکم تو دیانات و عقائد کے متعلق ان کے مناسب حال تھا دوسرا حکم معاملات کے متعلق ان کے مناسب آگے بیان فرماتے ہیں۔

وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ

اور تم ناپ اور تول میں کمی مت کیا کرو (کیونکہ) میں

اِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ

تم کو فراغت کی حالت میں دیکھتا ہوں

پھر تم کو ناپ تول میں کمی کرنے کی کیا ضرورت پڑی ہے اور حقیقت میں تو کسی کو بھی اس کی ضرورت نہیں ہوتی اور علاوہ اس کے کہ ناپ تول میں کمی نہ کرنا خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا مقتضا ہے خود اس سے جو ضرر کا خوف ہے وہ بھی اس کو مقتضی ہے کہ اس میں کمی نہ کی جائے آگے ضرر کا بیان ہے۔

وَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ﴿۸۴﴾

اور مجھ کو تم پر اندیشہ ہے ایسے دن کے عذاب کا جو انواع مصائب کا جامع ہو گا

وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ

اور اے میری قوم تم ناپ اور تول پوری پوری کیا کرو

بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ

اور لوگوں کا ان کی چیزوں میں نقصان مت کیا کرو

جیسا کہ تمہاری عادت ہے اور ہر چند کہ کمی کی مخالفت سے پورا ناپ تول کرنے کا حکم خود لازم آ گیا تھا مگر تاکید کے لئے اس کی ممانعت کے بعد اس کی بھی تصریح فرما دی۔

وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿۸۵﴾

اور (شرک اور نقص حقوق کر کے) زمین میں فساد کرتے ہوئے حد (توحید و عدل) سے مت نکلو۔ اللہ کا دیا ہوا جو کچھ (حلال مال) بچ جائے وہ تمہارے

بَقِيَّتُ اللَّهِ خَيْرٌ لَّكُمْ

لئے (اس حرام کمائی سے) بدر جہا بہتر ہے

یعنی لوگوں کے حقوق ادا کرنے کے بعد جو حلال مال بچے وہی تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ حرام کمائی میں اگر چہ وہ بہت ہی ہو برکت نہیں ہوتی اور اس کا انجام جہنم ہے اور حلال میں گو وہ قلیل ہی ہو برکت ہوتی ہے اور انجام اس کا رضائے حق ہے۔

إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۚ وَمَا أَنَا عَلَيْكُم

اگر تم کو یقین آوے (تو مان لو) اور میں تمہارا پہرہ دینے والا

بِحَفِيظٍ ﴿۸۶﴾

تو ہوں نہیں

یعنی اگر یقین نہ آوے تو تم جانو میں تم سے جبراً تو یہ افعال چھڑانے ہی سے رہا جیسا کرو گے بھگتو گے۔

قَالُوا يَا شُعَيْبُ أَصَلَاتُكَ تَأْمُرُكَ أَن

وہ لوگ (یہ تمام نصائح سن کر) کہنے لگے کہ اے شعیبؑ کیا تمہارا (مصنوعی اور وہمی)

نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَن نَّفْعَلَ

تقدس تم کو (ایسی ایسی باتوں کی تعلیم کر رہا ہے کہ ہم ان چیزوں (پرستش) کو چھوڑ دیں

فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ ۖ إِنَّكَ لَأَنتَ الْحَلِيمُ

جن کی پرستش ہمارے بڑے کرتے آئے ہیں یا اس بات کو چھوڑ دیں کہ ہم اپنے مال

الرَّشِيدُ ﴿۸۷﴾

میں جو چاہیں تصرف کریں واقعی آپ ہیں بڑے عقلمند دین پر چلنے والے

یعنی جن باتوں سے ہم کو منع کرتے ہو دونوں میں کوئی برائی نہیں کیونکہ ایک کی دلیل نقلی ہے کہ ہمارے بڑوں سے بت پرستی ہوتی آئی ہے دوسرے کی دلیل عقلی ہے کہ اپنا مال ہے اس میں ہر طرح کا اختیار ہے پس ہم کو منع کرنا نہ چاہئے اور حلیم رشید تمسخر سے کہا جیسا بد دینوں کی عادت ہوتی ہے دینداروں کے ساتھ اور نقلی و عقلی دلیل کا فساد بدیہی ہے۔

قَالَ يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِن كُنتُ عَلَىٰ

شعیب (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اے میری قوم بھلا یہ تو بتلاؤ کہ میں نے آپ

بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَرَزَقَنِي مِنْهُ رِزْقًا

کی جانب سے دلیل پر (قائم) ہوں اور اس نے مجھ کو اپنی طرف سے ایک

حَسَنًا ۚ

عمدہ دولت (یعنی نبوت) دی ہو تو پھر کیسے تبلیغ نہ کروں

یعنی تم جو مجھ سے کہتے ہو کہ میں تم کو توحید و عدل کی نصیحت نہ کروں تو یہ تو نہیں ہو سکتا کیونکہ میرے پاس خدا کی طرف سے دلیل موجود ہے جس سے توحید و عدل ثابت ہے دوسرے خدا نے مجھ کو نبوت دی ہے جس سے مجھ پر ان احکام کی تبلیغ واجب ہے تو جب توحید و عدل کا حق ہونا بھی ثابت اور میرے اوپر ان کی تبلیغ بھی واجب تو پھر کیونکر نہ پہنچاؤں آگے یہ بتلاتے ہیں کہ جس طرح ان باتوں کی میں تم کو تعلیم کرتا ہوں خود بھی تو ان پر عمل کرتا ہوں۔

وَمَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَا

اور میں یہ نہیں چاہتا ہوں کہ تمہارے برخلاف ان کاموں کو کروں جن سے

أَنْهَاكُمْ عَنْهُ ۚ

تم کو منع کرتا ہوں

برخلاف سے یہی مراد ہے کہ تم کو اور راہ بتلاؤں خود اور چلوں مطلب یہ کہ میری نصیحت محض خیر خواہی و دل سوزی سے ہے جس کا قرینہ یہ ہے کہ میں وہی باتیں بتلاتا ہوں جو اپنے نفس کے لئے بھی پسند کرتا ہوں۔

إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۚ

میں تو اصلاح چاہتا ہوں جہاں تک میرے امکان میں ہے اور مجھ کو جو

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ ۚ

کچھ (عمل و اصلاح کی) توفیق ہو جاتی ہے صرف اللہ ہی کی مدد سے ہے

ورنہ کیا میں اور کیا میرا ارادہ

عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ وَإِلَيۡهِ أُنِيبُ ﴿٨٨﴾

اسی پر میں بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف (تمام امور میں) رجوع کرتا ہوں

خلاصہ یہ کہ عدل وتوحید کے واجب ہونے پر دلائل بھی قائم ہیں اور خدا ہی کے حکم سے اس کی تبلیغ ہو رہی ہے اور ناصح بھی ایسا دل سوز اور مصلح موجود ہے پھر بھی تم نہیں مانتے بلکہ الٹی مجھ سے یہ امید رکھتے ہو کہ میں کہنا ہی چھوڑ دوں اس سے زیادہ کیا بدبختی ہوگی اور چونکہ اس تقریر میں دل سوزی اور اصلاح کو اپنی طرف منسوب کیا تھا اس لئے ھا توفیقی بھی فرما دیا یعنی میں خود کچھ نہیں ہوں یہ سب خدا کی توفیق سے ہے یہاں تک توان کے قول کا جواب ہوگیا آگے ترہیب وترغیب فرماتے ہیں۔

وَيَٰقَوۡمِ لَا يَجۡرِمَنَّكُمۡ شِقَاقِيٓ أَن يُصِيبَكُم

اور اے میری قوم میری ضد (اور عداوت) تمہارے لئے اس کا باعث نہ ہو

مِّثۡلُ مَآ أَصَابَ قَوۡمَ نُوحٍ أَوۡ قَوۡمَ هُودٍ

جاوے کہ تم پر بھی (اسی طرح کی مصیبتیں آپڑیں جیسے قوم نوح یا قوم ہود یا

أَوۡ قَوۡمَ صَٰلِحٍۚ وَمَا قَوۡمُ لُوطٖ مِّنكُم

قوم صالح پر پڑی تھیں اور قوم لوط تو (ابھی) تم سے (بہت) دور (زمانہ

بِبَعِيدٖ ﴿٨٩﴾

میں) نہیں ہوئی

یعنی ان قوموں کا قصہ پرانا ہو چکا ہے اس لئے ان سے متاثر نہیں ہوتے تو قوم لوط کا زمانہ تو ان کی نسبت بہت ہی نزدیک گزرا ہے اسی کے قصہ سے عبرت حاصل کرو یہ تو ترہیب کا مضمون تھا آگے ترغیب ہے

وَٱسۡتَغۡفِرُواْ رَبَّكُمۡ

اور تم اپنے رب سے اپنے گناہ (یعنی شرک وظلم) معاف کراؤ

یعنے ایمان لاؤ کیونکہ ایمان سے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں گو حقوق ادا کرنے پڑیں۔

ثُمَّ تُوبُوٓاْ إِلَيۡهِۚ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٞ وَدُودٞ ﴿٩٠﴾

پھر (اطاعت وعبادت کے ساتھ) اس کی طرف متوجہ ہو۔
بلاشک میرا رب بڑا مہربان بڑی محبت والا ہے

وہ گناہ کو معاف کردیتا ہے اور اطاعت کو قبول کرتا ہے

قَالُواْ يَٰشُعَيۡبُ مَا نَفۡقَهُ كَثِيرٗا مِّمَّا تَقُولُ

وہ لوگ کہنے لگے کہ اے شعیبؑ بہت سی باتیں تمہاری کہی ہوئی ہماری سمجھ میں نہیں آتیں

یہ لاجواب دلآویز تقریر سن کر معقول جواب سے عاجز ہو کر براہ جہالت یہ بات بیہودہ بنائی جس کا منشاء یا تو یہ ہے کہ اچھی طرح توجہ سے شعیب علیہ السلام کی باتیں نہ سنی ہوں یا تحقیر کے طور پر کہا ہو کہ نعوذ باللہ یہ باتیں ہذیان ہیں سمجھنے کے قابل نہیں چنانچہ بددینوں سے یہ سب امور واقع ہوتے ہیں۔

وَإِنَّا لَنَرَىٰكَ فِينَا ضَعِيفٗاۖ وَلَوۡلَا رَهۡطُكَ

اور ہم تم کو اپنے (مجمع) میں کمزور دیکھ رہے ہیں اور اگر تمہارے خاندان کا (کہ ہمارے ہم مذہب ہیں ہم کو) پاس نہ ہوتا تو ہم تم کو (کبھی کا)

لَرَجَمۡنَٰكَۖ وَمَآ أَنتَ عَلَيۡنَا بِعَزِيزٖ ﴿٩١﴾

سنگسار کر چکے ہوتے اور ہماری نظر میں تمہاری تو کچھ توقیر ہی نہیں

لیکن جس کا لحاظ ہوتا ہے اس کے سبب اس کے رشتہ دار کی بھی رعایت ہوتی ہے مطلب ان کا یہ تھا کہ تم ہم کو یہ مضامین مت سناؤ ورنہ تمہاری جان کا خطرہ ہے پہلے تمسخر کے طور پر تبلیغ سے روکا تھا اصلوتک تامرک الخ اور اب دھمکی دے کر روکا۔

قَالَ يَٰقَوۡمِ أَرَهۡطِيٓ أَعَزُّ عَلَيۡكُم مِّنَ

شعیب (علیہ السلام) نے (جواب میں) فرمایا کہ اے میری قوم کیا میرا خاندان

ٱللَّهِ وَٱتَّخَذۡتُمُوهُ وَرَآءَكُمۡ ظِهۡرِيًّاۖ

تمہارے نزدیک (نعوذ باللہ) اللہ سے بھی زیادہ باتوقیر ہے اور اس کو (یعنی اللہ تعالیٰ کو) تم نے پس پشت ڈال دیا

یعنی افسوس اور تعجب ہے کہ میری نسبت جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے کہ میں اس کا نبی ہوں وہ تو میرے ہلاک کرنے سے تم کو مانع نہ ہوئی اور جو نسبت میری خاندان کے ساتھ ہے کہ ان کا رشتہ دار ہوں وہ اس سے مانع ہوئے تو اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ تم خاندان کا لحاظ اللہ سے بھی زیادہ کرتے ہو کہ خاندان کا تو پاس کیا اور اللہ تعالیٰ کا کچھ بھی پاس نہ کیا سو اس کا خمیازہ عنقریب بھگتو گے۔

إِنَّ رَبِّي بِمَا تَعۡمَلُونَ مُحِيطٞ ﴿٩٢﴾ وَيَٰقَوۡمِ

یقیناً میرا رب تمہارے سب اعمال کو اپنے علم میں (احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اور

ٱعۡمَلُواْ عَلَىٰ مَكَانَتِكُمۡ إِنِّي عَٰمِلٞۖ سَوۡفَ

اے میری قوم تم اپنی حالت پر عمل کرتے رہو میں بھی (اپنے طور پر) عمل کر رہا

تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ

ہوں۔ (سو) اب جلدی تم کو معلوم ہوا جاتا ہے کہ وہ کون شخص ہے جس پر ایسا

وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ

عذاب آیا چاہتا ہے جو اس کو رسوا کر دے گا اور وہ کون شخص ہے جو جھوٹا تھا

یعنی اگر تم کو عذاب کا بھی یقین نہیں آتا اور تم مجھ کو دعویٰ نبوت میں جھوٹا ہی سمجھتے ہو اور حقیر ہی جانتے ہو تو آخیر بات یہ ہے کہ خیر بہتر ہے تم جانو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے کہ جھوٹ کے جرم کا مرتکب اور سزائے ذلت کا مستحق کون ہے تم یا میں۔

وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿۹۳﴾

اور تم بھی منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں

یعنے ہم بھی دیکھیں گے کہ عذاب واقع ہوتا ہے جیسا کہ میں کہتا ہوں یا نہیں واقع ہوتا جیسا کہ تم گمان کر رہے ہو غرض ایک زمانہ کے بعد عذاب کا سامان شروع ہوا۔

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ

اور جب ہمارا حکم (عذاب کے لئے) آپہنچا (تو) ہم نے (اس عذاب سے) شعیب

اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ

(علیہ السلام) کو اور جو ان کی ہمراہی میں اہل ایمان تھے ان کو اپنی عنایت (خاص) سے بچا

ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ

لیا اور ان ظالموں کو ایک سخت آواز نے (کہ نعرہ جبرئیل تھا) آپکڑا سو اپنے گھروں کے اندر

جٰثِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ ۙ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا

اوندھے گرے رہ گئے (اور مر گئے) جیسے کبھی ان گھروں میں بسے ہی نہ تھے۔ خوب سن لو

بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾ ع

(اور عبرت پکڑ لو) مدین کو رحمت سے دوری ہوئی جیسا ثمود رحمت سے دور ہوئے تھے

شروع پارہ نہم میں اہل مدین کا عذاب رجفہ (زلزلہ) مذکور ہے اور یہاں سخت آواز اور یہاں دونوں کا اجتماع ممکن ہے چنانچہ ابھی قوم ثمود کے بارہ میں بعینہ یہی مضمون واقع ہوا ہے کہ یہاں سخت آواز کا ذکر ہے اور وہاں زلزلہ کا پس زلزلہ اور سخت آواز کے عذابوں میں دونوں قومیں مجتمع ہیں مفسرین نے کہا ہے کہ قوم مدین کی حالت کو اللہ تعالیٰ نے کما بعدت ثمود میں ثمود کی حالت سے اسی وجہ سے تشبیہ دی کہ دونوں کا عذاب ایک طرح کا تھا۔

ربط: ظاہر ہے ولقد ارسلنا موسیٰ تا بئس الرفد المرفود

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ

اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو (بھی) اپنے معجزات اور دلیل روشن دے کر

مُّبِيْنٍ ﴿۹۶﴾ ۙ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا

فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا سو وہ لوگ (بھی) فرعون (ہی)

اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ

کی رائے پر چلتے رہے

نہ فرعون ہی نے مانا اور نہ اس کے سرداروں نے مانا بلکہ فرعون بھی اور وہ بھی اپنے کفر پر ہی رہے۔

وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿۹۷﴾ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ

اور فرعون کی رائے کچھ صحیح نہ تھی وہ (فرعون) قیامت کے دن اپنی قوم سے آگے

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ

آگے ہوگا پھر ان (سب) کو دوزخ میں جا اتارے گا اور وہ دوزخ بہت ہی

الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ

بری جگہ ہے اترنے کی جس میں یہ لوگ اتارے جاویں گے اور اس دنیا میں

لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ

بھی لعنت ان کے ساتھ ساتھ رہی اور قیامت کے دن بھی

ان کے ساتھ ساتھ رہے گی چنانچہ یہاں قہر سے غرق ہوئے اور وہاں دوزخ نصیب ہوگا۔

بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿۹۹﴾

برا انعام ہے جو ان کو دیا گیا

سلطان مبین سے مراد یا تو عصا اور ید بیضا ہے جو منجملہ نو معجزات کے موسویہ کے بڑے معجزے ہیں اور یا موسیٰ علیہ السلام کی وہ بلیغ تقریر مراد ہے جو آپ نے توحید کے بارہ میں فرعون کے سامنے فرمائی تھی

ربط: اوپر کئی قصے مذکور ہوئے ہیں آگے منجملہ ان کے فوائد کے ایک فائدے پر متنبہ فرماتے ہیں کہ ان سے دنیا و آخرت دونوں کے اعتبار سے سننے والوں کو تہدید اور دھمکی منظور ہے اور ضمناً مقابلہ کے طور پر مومنین کا کامیاب اور

فائز المرام ہونا بھی ذکر فرماتے ہیں ذلک من انباء القری تا غیر منقوص

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ

یہ ان (غارت شدہ) بستیوں کے بعض حالات تھے جس کو ہم آپ سے بیان

مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ﴿۱۰۰﴾

کرتے ہیں (سو) بعضی بستیاں تو ان میں (اب بھی) قائم ہیں

جیسے مصر کہ بعد ہلاکت فرعون کے آباد رہا

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ

اور بعض کا بالکل خاتمہ ہو گیا اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا

یعنی ہم نے ان کو یہ سزائیں بلا قصور نہیں دیں جو کہ صورۃ ظلم ہے اور حقیقۃً تو کچھ بھی ظلم نہیں۔

وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

لیکن انہوں نے خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا

کہ ایسی حرکتیں کیں جن سے سزا کے مستحق ہوئے۔

فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ

سو ان کے وہ معبود جن کو وہ خدا کو چھوڑ کر پوجتے تھے ان کو کچھ فائدہ نہ پہنچا

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ

سکے جب آپ کے رب کا حکم (عذاب کیلئے) آ پہنچا (کہ ان کو عذاب سے

رَبِّكَ ؕ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿۱۰۱﴾

بچا لیتے) اور الٹا ان کو نقصان پہنچایا

یعنی فائدہ تو کیا پہنچاتے اور نقصان کے سبب ہوئے کہ ان کی پرستش کی بدولت سزا پائی۔

وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ

اور آپ کے رب کی دارو گیر ایسی ہی (سخت) ہے جب وہ کسی بستی والوں پر دارو گیر کرتا ہے

ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۰۲﴾

جبکہ وہ ظلم (وکفر) کیا کرتے ہوں بلاشبہ اس کی دارو گیر بڑی الم رساں (اور) سخت ہے

کہ اس سے سخت تکلیف پہنچتی ہے اور کوئی اس سے بچ نہیں سکتا۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ

ان واقعات میں اس شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جو آخرت کے عذاب

الْاٰخِرَةِ ؕ

سے ڈرتا ہو

وجہ عبرت ظاہر ہے کہ جب دنیا کا عذاب ایسا سخت ہے حالانکہ یہ دار الجزاء نہیں تو آخرت کا جو کہ دار الجزاء ہے کیسا سخت ہوگا۔

ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ

وہ (آخرت کا دن) ایسا ہوگا کہ اس میں تمام آدمی جمع کئے جائیں گے اور وہ

يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ

سب کی حاضری کا دن ہے اور ہم اس کو صرف تھوڑی مدت کے لئے (بعض

مَّعْدُوْدٍ ؕ ﴿۱۰۴﴾

مصلحتوں سے) ملتوی کئے ہوئے ہیں

یعنے گو وہ دن اب تک آیا نہیں لیکن اس سے کوئی اس کے آنے میں شک نہ کرے آوے گا ضرور۔

يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ

(پھر) جس وقت وہ دن آوے گا کوئی شخص بدوں خدا کی اجازت کے بات تک (بھی) نہ کر سکے گا

یعنی مارے ہیبت کے ایسا حال ہوگا ہاں جب اجازت ہوگی اور جواب طلب کیا جائے گا اس وقت البتہ منہ سے بات نکلے گی خواہ وہ بات مقبول ہو یا مقبول نہ ہو اس تقریر سے ان تمام آیات میں جو اس مضمون کے متعلق ہیں کوئی شبہ نہیں رہا جن سے کسی کا نہ بولنا ثابت ہے وہ اجازت سے پہلے کی حالت ہے اور جن سے بولنا اور جواب دینا اور آپس میں گفتگو کرنا ثابت ہے وہ اجازت کے بعد کی حالت ہے سو اس حالت میں تو سب اہل محشر شریک ہیں آگے ان کا فرق بتلاتے ہیں۔

فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ﴿۱۰۵﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ

پھر (آگے) ان میں (یہ فرق ہوگا کہ) بعضے تو شقی (یعنی کافر) ہوں گے

شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ۙ ﴿۱۰۶﴾

اور بعض سعید (یعنی مومن) ہوں گے سو جو لوگ شقی ہیں وہ تو دوزخ میں ایسے حال سے ہوں گے کہ اس میں ان کی چیخ و پکار پڑی رہے گی (اور)

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ

ہمیشہ (ہمیشہ) کو اس میں رہیں گے جب تک آسمان و زمین قائم ہیں

یہ محاورہ ہے ہمیشگی اور دوام بیان کرنے کے لئے یعنی کوئی سبیل نکلنے کی کبھی نہ ہوگی چنانچہ اب بھی محاورہ میں بولا جاتا ہے کہ یہ بات قیامت تک نہیں ہو سکتی یعنے کبھی نہیں ہوسکتی یہ مطلب نہیں کہ قیامت کے بعد ہوجاوے گی

اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا

ہاں اگر خدا ہی کو (نکالنا) منظور ہو تو دوسری بات ہے (کیونکہ) آپ کا رب

يُرِيْدُ ﴿۱۰۷﴾

جو کچھ چاہے اس کو پورے طور سے کرسکتا ہے

مگر باوجود قدرت کے یہ بات یقینی ہے کہ خدا تعالیٰ یہ بات نہ چاہیں گے اس لئے نکلنا کبھی نصیب نہ ہوگا پس الا ماشاء ربک سے یہ بات بتلادی کہ حق تعالیٰ ایک قانون مقرر کردینے کے بعد اس کے خلاف کرنے سے عاجز نہیں ہوجاتے وہ اس قانون کے توڑ دینے پر بھی قادر ہیں اگرچہ یہ یقینی ہے کہ توڑیں گے کبھی نہیں۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ

اور رہ گئے وہ لوگ جو سعید ہیں سو وہ جنت میں ہوں گے (اور) وہ اس میں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ

(داخل ہونے کے بعد) ہمیشہ (ہمیشہ) کو رہیں گے

گو جنت میں جانے کے قبل کچھ سزا بھگتی ہو وہ بھی جنت سے کبھی نہ نکلیں گے۔

السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ

جب تک آسمان وزمین قائم ہیں ہاں اگر خدا ہی کو (نکالنا) منظور ہو تو دوسری بات ہے

مگر یہ یقینی ہے کہ خدا یہ بات بھی نہ چاہے گا پس نکلنا بھی کبھی نہ ہوگا بلکہ ان کے حال پر ہمیشہ انعام رہے گا۔

عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۸﴾

وہ غیر منقطع عطیہ ہوگا

آگے بتلاتے ہیں کہ جب اوپر کی آیتوں سے کفر کا وبال معلوم ہوچکا تو اس سے ہمیشہ بچتے رہنا چاہئے۔

فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ

سو (اے مخاطب) جس چیز کی یہ پرستش کرتے ہیں اس کے بارے میں ذرا شبہ نہ کرنا

بلکہ یقین رکھنا کہ کفار کا یہ عمل موجب سزا ہے بوجہ باطل ہونے کے آگے باطل ہونے کی دلیل ہے۔

مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ؕ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا

یہ لوگ بھی اسی طرح (بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل) عبادت (غیر اللہ کی) کر

يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ

رہے ہیں جس طرح ان کے قبل ان کے باپ دادا عبادت کرتے تھے

پس بجز تقلید آباء کے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں اور جو امر دلیل صحیح کے خلاف ہو وہ باطل اور موجب سزا ہوتا ہے دلیل کے سامنے کسی کی تقلید جائز نہیں

ربط: اوپر ان قصوں سے پہلے آیت فلعلک تارک الخ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی اور ولئن اخرنا عنهم العذاب الخ میں اجمالاً عذاب کے موخر ہونے کی حکمت اور الا یوم یاتیهم میں اپنے وقت پر عذاب کا واقع ہونا اور ان الذین اٰمنوا و عملوا الصلحت و اخبتوا الخ میں بجا آوری احکام کی ترغیب اور فضیلت یہ مضامین مذکور ہوئے تھے آگے پھر ان ہی مضامین کی طرف رجوع ہے ولقد اٰتینا موسیٰ تا اجر المحسنین۔

وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾ ع

اور ہم یقیناً (قیامت کو) ان کا حصہ (عذاب کا) ان کو پورا پورا بے کم وکاست پہنچادیں گے

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب (یعنی توریت) دی تھی سو اس میں (بھی مثل قرآن کے) اختلاف کیا گیا

کہ کسی نے مانا کسی نے نہ مانا یہ کوئی آپ کے لئے نئی بات نہیں ہوئی پس آپ مغموم نہ ہوں آگے بتلاتے ہیں کہ یہ منکرین عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں مگر ایک بات کی وجہ سے عذاب میں تاخیر ہورہی ہے۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ

اور اگر ایک بات نہ ہوتی جو آپ کے رب کی طرف سے پہلے ٹھہر چکی ہے تو

بَيْنَهُمْ ؕ

ان کا (قطعی) فیصلہ (دنیا ہی میں) ہوچکا ہوتا

یعنی اگر یہ بات مقدر نہ ہو چکی ہوتی کہ ان کو پورا عذاب آخرت میں دوں گا تو اب تک ان پر عذاب واقع ہو چکا ہوتا۔

وَاِنَّهُمْ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ ﴿۱۱۰﴾

اور یہ لوگ اس کی طرف سے ایسے شک میں (پڑے) ہیں جس نے ان کو تردد میں ڈال رکھا ہے

یعنی باوجود براہین قائم ہو جانے کے ابھی اس فیصلہ قطعی یعنی عذاب کا ان کو یقین ہی نہیں آتا انکار ہی کئے جاتے ہیں شک کا یہی مطلب ہے آگے بتلاتے ہیں کہ کسی کے شک وانکار سے یہ عذاب ٹلے گا نہیں۔

وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَیُوَفِّیَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ؕ

اور بالیقین سب کے سب ایسے ہی ہیں کہ آپ کا رب ان کو ان کے اعمال

اِنَّهٗ بِمَا یَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۱۱۱﴾ فَاسْتَقِمْ

(کی جزا) کا پورا پورا حصہ دے گا وہ بالیقین ان کے سب اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے تو آپ جس طرح کہ آپ کو حکم ہوا ہے (راہ دین پر) مستقیم رہیے

كَمَاۤ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ؕ

اور وہ لوگ بھی (مستقیم رہیں) جو کفر سے توبہ کر کے آپ کے ہمراہی میں ہیں

اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۱۲﴾

اور دائرہ (دین) سے ذرا مت نکلو یقیناً وہ تم سب کے اعمال کو خوب دیکھتا ہے

یعنی جب ان کی سزا کا معاملہ آپ سے کچھ سروکار نہیں رکھتا تو آپ اور آپ کے متبعین اپنے کام میں لگے رہیں اور وہ کام یہ ہیں کہ راہ دین پر مستقیم رہئیے اور دین کے دائرہ سے ذرا مت نکلو۔

وَلَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا

اور اے مسلمانو ان ظالموں کی طرف مت جھکو

یعنی ان ظالموں کی یا جو ان کے مثل ہوں ان کے ساتھ دوستی اور احوال واعمال میں شرکت مت کرو۔

فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

کبھی تم کو دوزخ کی آگ لگ جائے اور (اس وقت) خدا کے سوا تمہارا کوئی

مِنْ اَوْلِیَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

رفاقت کرنے والا نہ ہو پھر حمایت تو تمہاری ذرا بھی نہ ہو

کیونکہ رفاقت تو حمایت سے زیادہ سہل ہے جب رفاقت ہی نہ ہو تو حمایت کا کب احتمال ہو سکتا ہے۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ

اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نماز کی پابندی رکھیے دن کے دونوں سروں پر

دن کے دوسروں سے مراد بعض کے نزدیک فجر اور عصر ہے اور بعض کے نزدیک دو حصے مراد ہیں ایک اول کا ایک آخر کا اول کے حصہ میں صبح کی نماز ہے آخر کے حصہ میں ظہر وعصر۔

وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ ؕ

(یعنی اول وآخر میں) اور رات کے کچھ حصوں میں

رات کے حصوں سے مراد مغرب اور عشاء کا وقت ہے پس ایک قول پر اس آیت میں پانچوں نمازیں مراد ہیں اور ایک قول پر بجز ظہر کے چار نمازیں مراد ہیں اور ظہر دوسری آیۃ میں مذکور ہے سورہ روم میں وحین تظھرون اور شاید چار نمازوں کی تخصیص ذکر میں اس جگہ خاص اہتمام کے لئے ہو کیونکہ فجر اور عشا نیند کا وقت ہے عصر مشغولی کاروبار مغرب کا وقت کھانے اور گھر میں آنے کا بخلاف ظہر کے وقت کے کہ بالکل فراغت کا ہوتا ہے اور چونکہ اصل میں ان احکام کا سنانا دوسروں کو مقصود ہے اس لئے ان کی حالت کے اعتبار سے یہ تخصیص ہوئی ہو ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو سب اوقات برابر تھے واللہ اعلم

اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ

بیشک نیک کام (نامہ اعمال سے) مٹا دیتے ہیں برے کاموں کو

برے کاموں سے مراد گناہ صغیرہ ہیں کہ نیکیوں سے وہ معاف ہو جاتے ہیں اور تحقیق اس مسئلہ کی شروع پارہ پنجم آیۃ ان تجتنبوا الخ کے تحت میں گزر چکی ہے۔

ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِیْنَ ﴿۱۱۴﴾ ج

یہ بات ایک (جامع) نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لئے

کیونکہ اس قاعدہ کلیہ میں کہ نیکیوں سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں ہر نیکی داخل ہے پس اس سے ہر نیکی کی رغبت ہونا چاہئے آگے بتلاتے ہیں کہ ان مخالفوں کی طرف سے جو معاملات پیش آتے ہیں ان پر صبر کیجئے کیونکہ صبر بھی اعلیٰ درجہ کی نیکی ہے اس کا پورا اجر ملے گا۔

ربط: اوپر ہلاک شدہ امتوں کے قصوں میں ان کے وبال ونکال کا حال

مذکور تھا آگے اس وبال کا سبب قریب کہ ان کی نافرمانی ہے سبب بعید کہ مشیت وحکمت الٰہی ہے مذکور ہے اور اول کے بیان سے اپنا رحم وکرم اور دوسرے کے بیان سے حضور کی تسلی اور دفع غم منظور ہے۔ فلولا کان تا اجمعین

وَاصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿١١٥﴾

اور صبر کیا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتے تو جو امتیں تم سے

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِنْ قَبْلِكُمْ

پہلے ہوگزری ہیں ان میں ایسے سمجھدار لوگ نہ ہوئے جو کہ (دوسروں کو) ملک

أُولُو بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ

میں فساد (یعنی کفر و شرک) پھیلانے سے منع کرتے

یعنی اوپر جو ہلاک شدہ امتوں کے قصے مذکور ہوئے ہیں ان کی ہلاکت کا سبب یہ ہوا کہ ان میں فساد سے روکنے والے بہت کم ہوئے اور اہل الرائے کی تخصیص اس لئے کی کہ جب انہوں نے منع نہ کیا تو دوسروں کو منع نہ کرنا تو بدرجہ اولیٰ سمجھا گیا۔

إِلَّا قَلِيلًا مِمَّنْ أَنْجَيْنَا مِنْهُمْ

بجز چند آدمیوں کے کہ جن کو ان میں سے ہم نے (عذاب سے) بچا لیا تھا

کہ وہ تو البتہ جیسے خود کفر وشرک سے تائب ہوگئے تھے دوسروں کو بھی منع کرتے رہتے تھے اور ان ہی دونوں عمل کی برکت سے وہ عذاب سے بچ گئے تھے باقی اور لوگ چونکہ خود ہی کفر میں مبتلا تھے انہوں نے اوروں کو منع بھی نہ کیا۔

وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا فِيهِ

اور جو لوگ نافرمان تھے وہ جس نازونعمت میں تھے

وَكَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿١١٦﴾

اسی کے پیچھے پڑے رہے اور جرائم کے خوگر ہوگئے

کہ اس سے باز ہی نہ آئے حاصل مطلب یہ ہوا کہ نافرمانی تو ان میں عام طور پر رہی اور منع کرنے والا کوئی ہوا نہیں اس لئے سب ایک ہی عذاب میں مبتلا ہوئے ورنہ کفر کا عذاب عام ہوتا اور فساد کا خاص اب بوجہ منع نہ کرنے کے غیر مفسد بھی مفسد ہونے میں شریک قرار دیئے گئے اس لئے جو عذاب مجموعہ کفر وفساد پر نازل ہوا وہ بھی عام رہا۔ پس اس آیت پر جو شبہ ظاہر میں ہوتا ہے کہ اصل وجہ ہلاک کرنے کی تو کفر تھا نہ کہ فساد سے منع نہ کرنا اس کا جواب اس تقریر سے ہوگیا کہ فساد سے منع نہ کرنا مطلق عذاب کا سبب نہیں بلکہ خاص عذاب کا سبب ہے۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ

اور آپ کا رب ایسا نہیں کہ بستیوں کو کفر کے سبب ہلاک کردے اور ان کے

وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ ﴿١١٧﴾

رہنے والے (اپنی اور دوسروں کی اصلاح میں لگے ہوں

بلکہ جب بجائے اصلاح کے فساد کریں اور فساد کرنے والوں کو منع نہ کریں اس وقت عذاب خاص کے مستحق ہوجاتے ہیں

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً

اور اللہ کو منظور ہوتا تو سب آدمیوں کو ایک ہی

وَاحِدَةً

طریقہ کا بنا دیتا

یعنی سب کو مومن کردیتا لیکن بعض حکمتوں کی وجہ سے ایسا منظور نہ ہوا اس لئے دین حق کے خلاف مختلف طریقوں پر ہوگئے۔

وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ﴿١١٨﴾ إِلَّا مَنْ رَحِمَ

اور (آئندہ بھی) ہمیشہ اختلاف (ہی) کرتے رہیں گے مگر

رَبُّكَ

جس پر آپ کے رب کی رحمت ہو

وہ دین کے خلاف طریقہ اختیار نہ کرے گا۔ آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہیں کہ آپ اس اختلاف کا غم یا افسوس وتعجب نہ کیجئے۔

رَبُّكَ وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ

اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اسی واسطے پیدا کیا ہے

کہ ان میں اختلاف رہے آگے اختلاف کے واسطے پیدا کرنے کی وجہ بتلاتے ہیں۔

وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ

اور آپ کے رب کی یہ بات پوری ہوگی کہ میں جہنم کو جنات سے

الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١١٩﴾

اور انسانوں سے دونوں سے بھردوں گا

اور خود اس بات کی حکمت یہ ہے کہ جس طرح اہل جنت میں صفت رحمت کا ظہور ہوا اہل جہنم میں غضب کی صفت ظاہر ہو پھر اس ظہور کی حکمت اور حکمت کی حکمت' یہ اللہ ہی کو معلوم ہے غرض اس ظہور کی حکمت سے بعضوں کا جہنم میں جانا ضروری اور جہنم میں جانے کے لئے کفار کا عالم میں ہونا ضروری اور کفار کے وجود سے اختلاف لازم یہ ہے وجہ سب کے مسلمان نہ ہونے کی (باقی اس سے کفار کا مجبور ہونا لازم نہیں آتا ارادہ اور اختیار سب کو دیا گیا ہے اور وعدہ ہے کہ جو جیسا ارادہ کرے گا اس کو پورا کر دیا جائے گا) اور اس اختلاف سے مراد وہ اختلاف ہے جو اتفاق کے بعد پیدا ہو کیونکہ پہلے تو سارے موحد ہی تھے پس آیت کان الناس امة واحدة سے اس آیت کا کچھ تعارض نہیں کیونکہ اتفاق کا زمانہ اور تھا اور اختلاف کا زمانہ اور ہے

ربط: اوپر واقعات اور قصص کی علت اور حکمت مذکور تھی آگے ان قصوں کے بیان کرنے کی حکمت مذکور ہے۔ و کلا نقص تا للمومنین

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا

اور پیغمبروں کے قصوں میں سے ہم یہ سارے (مذکورہ) قصے آپ سے بیان

نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ ۚ

کرتے ہیں جن کے ذریعہ سے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں

ایک فائدہ تو ان قصوں کے بیان کا یہ ہوا جس کا حاصل آپ کو تسلی دینا ہے۔

وَجَاءَكَ فِي هَٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ

اور ان قصوں میں آپ کے پاس ایسا مضمون پہنچا ہے جو خود بھی راست (اور

لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿١٢٠﴾

واقعی) ہے اور مسلمانوں کے لئے نصیحت ہے اور یاد دہانی ہے

یعنی برے کاموں سے رکنے کی نصیحت کرتے ہیں اور اچھے کام کرنے کی یاد دہانی کرتے ہیں یہ دوسرا فائدہ ہوا قصوں کے بیان کرنے میں ایک فائدہ نبی کے لئے دوسرا امت کے لئے اور حق ہونا یہ تو ان آیات قرآنیہ کی ذاتی صفت ہے جن میں قصص مذکور ہیں اور نصیحت و یاد دہانی ہونا یہ اضافی صفت ہے جن میں سے ایک زاجر ہے اور ایک آمر ہے۔

ربط: مجموعہ سورت میں توحید و رسالت و بعثت اور حقانیت قرآن' وعدہ وعید کو ثابت کر کے اور شبہات کی نفی کر کے دعوت تمام اور حجت لازم کرنے کا حق کافی طور پر ادا کر دیا گیا اب جو لوگ اس کو بھی نہ مانیں ان سے آخری کلام کر کے سورۃ کو ختم کیا جاتا ہے۔ وقل للذین لایومنون تا تعملون

وَقُلْ لِّلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ ط

اور جو لوگ (باوجود ان حجج قاطعہ کے (بھی) ایمان نہیں لاتے ان سے کہہ دیجئے

إِنَّا عَامِلُونَ ﴿١٢١﴾ وَانْتَظِرُوا ۚ إِنَّا مُنْتَظِرُونَ ﴿١٢٢﴾

کہ (میں تم سے الجھتا نہیں) تم اپنی حالت پر عمل کرتے رہو ہم بھی (اپنے طور پر) عمل کر رہے ہیں اور (ان اعمال کے نتیجہ کے) تم بھی منتظر رہو ہم بھی منتظر ہیں

یعنی جو لوگ قطعی دلائل کے بعد بھی نہیں مانتے ان سے کہہ دیجئے کہ میں تم سے الجھتا نہیں ہر ایک اپنے اعمال کے نتیجہ کا انتظار کرتا رہے سو عنقریب حق و باطل کھل جائے گا۔

وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

عنقریب حق و باطل کھل جائے گا) اور آسمانوں اور زمین میں جتنی غیب کی باتیں ہیں ان کا علم خدا ہی کو ہے

تو بندوں کے اعمال تو غیب بھی نہیں ہیں کھلے ہوئے ہیں ان کا علم تو بدرجہ اولیٰ حق تعالیٰ کو ہے۔

وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ

اور سب امور اسی کی طرف رجوع ہوں گے

یعنی علم اور اختیار کی دونوں صفتیں حق تعالیٰ میں ہیں پھر اس کو کیا مشکل ہے اگر اعمال کی جزا و سزا دے دے۔

فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ط

تو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اسی کی عبادت کیجئے (جس میں تبلیغ بھی داخل ہے) اور اسی پر بھروسہ رکھیئے

یعنی جب خدا کو ایسا علم و اختیار ہے تو آپ اسی پر نظر رکھئے اگر تبلیغ احکام میں کسی اذیت کا احتمال ہو تو اندیشہ نہ کیجئے یہ خطاب بیچ میں آپ کو فرما کر پھر پہلے مضمون کو تمام فرماتے ہیں۔

وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٢٣﴾ ع

اور آپ کا رب ان باتوں سے بے خبر نہیں جو کچھ تم لوگ کر رہے ہو

چنانچہ اوپر عالم الغیب ہونے سے اعمال کا بدرجہ اولیٰ خدا کو معلوم ہونا ثابت ہو چکا ہے اور اس آیت پر سورۃ کا حسن ختام ظاہر ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورہ یوسف مکیة و ایھاماته واحدے عشرة ایة کذافی البیضاوی

ربط: خلاصہ سورۃ کا ظاہر ہے کہ تقریباً تمام تر سورۃ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ پر مشتمل ہے اور اس کے آغاز سے پہلے قرآن کی حقانیت جس میں وہ قصہ بیان ہوا ہے اور قصہ کے ختم کے بعد اول توحید کا مضمون اور اس میں کمی کرنے پر وعید پھر رسالت کی بحث اور منکرین کی بد انجامی کی اجمالی حکایت اور ان حکایات وقصص کا موجب عبرت ہونا جن کے بیان کی حکمت سورۃ سابقہ کے اخیر میں مذکور ہوئی تھی اور کچھ حصہ سورۃ میں اصول دین مذکور ہیں جن میں کفار کی مخالفت سے جو آپ کو غم ہوتا تھا اس کے ازالہ اور تسلی کے لئے یہ قصہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں سے کوئی ضرر نہیں پہنچا بلکہ انجام کار وہی ترقی کا سبب ہوگیا اسی طرح آپ کو بھی آپ کی قوم کی مخالفت مضر نہ ہوگی اس تقریر سے دونوں سورتوں کی اور خود اس سورۃ کے اجزاء کی بھی مناسبت معلوم ہوگئی اور چونکہ اجزاء قصہ کا ارتباط محتاج بیان نہیں اور یہی سورۃ کا بڑا حصہ ہے اس لئے ان میں دیگر مقامات کی طرح مستقل طور پر تقریر ربط: بیان نہ کی جاوے گی الرا تا لمن الغافلین

(۱۲) سُوْرَةُ يُوْسُفَ مَكِّيَّةٌ (۵۳)

کلماتھا ۱۸۰۸ حروفھا ۷۳۱۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

الٓرٰ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۱﴾

الر یہ آیتیں ہیں ایک کتاب واضح کی

جس کے الفاظ بدیہی اور معانی بہت صاف ہیں۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲﴾

ہم نے اس کو اتارا ہے قرآن عربی زبان کا تاکہ تم (بوجہ اہل لسان ہونے کے اولا)

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ

سمجھو (اور تمہارے واسطے سے اور لوگ سمجھیں) ہم نے جو یہ قرآن آپ کے پاس

بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ

بھیجا ہے اس (کے بھیجنے) کے ذریعہ سے ہم آپ سے ایک بڑا عمدہ قصہ بیان کرتے

وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۳﴾

ہیں اور اس (ہمارے بیان کرنے) کے قبل آپ (اس سے) محض بے خبر تھے

کیونکہ نہ کوئی کتاب آپ نے پڑھی تھی اور نہ کسی صاحب کتاب سے سنا تھا اور نہ عوام میں ایسی کامل صحت کے ساتھ مشہور تھا پس اس سے ثابت ہوا کہ یہ قرآن وحی ہے رہا یہ کہ اس قصہ کو احسن القصص بڑا عمدہ قصہ کیوں فرمایا اس کی وجہ روح المعانی میں مختصر الفاظ میں یہ لکھی ہے کہ یہ قصہ اتنی باتوں پر مشتمل ہے حاسد ومحسود مالک ومملوک شاہد ومشہود عاشق ومعشوق قید ورہائی قحط اور سرسبزی گناہ اور معافی فراق ووصال بیماری وصحت اقامت و سفر اور ذلت وعزت نیز ان نتائج کو مفید ہے کہ قضا وقدر کا کوئی دافع اور مانع نہیں جس کو خدا کوئی چیز دینا چاہیں کوئی نہیں روک سکتا حسد سے حاسد ہی کو نقصان اور رسوائی پہنچتی ہے۔ صبر تمام راحت کی کنجی ہے تدبیر کرنا عقل کی بات ہے امور معاش کی درستی میں عقل کام کی چیز ہے۔ وغیرہ ذٰلک

اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ

(وہ وقت قابل ذکر ہے) جب کہ یوسف (علیہ السلام نے اپنے والد یعقوب

اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ

علیہ السلام سے کہا کہ ابا میں نے (خواب میں) گیارہ ستارے اور سورج اور چاند

رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ﴿۴﴾ قَالَ يٰبُنَيَّ لَا

دیکھے ہیں ان کو اپنے روبرو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ انہوں نے (جواب

تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ

میں فرمایا کہ بیٹا اپنے اس خواب کو اپنے بھائیوں کے روبرو بیان مت کرنا

اذ قال یوسف تا علیم حکیم کیونکہ بوجہ خاندان نبوت میں ہونے کے وہ اس کی تعبیر جانتے ہیں گو تخمیناً ہی سہی کہ گیارہ ستارے گیارہ بھائی ہیں اور سورج باپ کیونکہ وہ درجہ میں بڑا ہے اور چاند ماں کہ وہ درجہ میں کم ہے یا بوجہ لفظ کے مذکر ومونث ہونے کے اس کے برعکس کہ شمس عربی میں مونث ہے اس سے ماں مراد ہو اور قمر مذکر ہے اس سے باپ مراد ہو اور سجدہ سے اصلی مراد اطاعت وانقیاد ہے اور غالباً یہ دیکھنا خواب میں تھا کیونکہ لفظ رویا کا اکثر اطلاق خواب پر آتا ہے اور یہ کل بارہ بھائی تھے دو حقیقی یوسف اور بنیامین اور دس علاتی (باپ شریک) اور بھائیوں کے بشکل ستارہ ہونے سے ان کی نبوت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ نورانیت صحابی ہونے سے بھی ہوتی ہے چنانچہ آخیر میں وہ تائب ہو کر کامل صحابی تھے اور بھائیوں کی تعبیر خواب سمجھ

لینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ معجزہ تعبیر خواب میں وہ بھی یوسف علیہ السلام کے برابر تھے اس سے بھی ان کا نبی ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ یہ تو خاندان نبوت سے مناسبت ہونے کی وجہ سے ہوا نیز وہ لوگ گمان کے طور پر سمجھے۔

فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ

پس (یہ سمجھ کر) وہ تمہارے (ایذا رسانی کے) لئے کوئی خاص تدبیر کریں گے

یعنی ان میں کے اکثر جو کہ دس بھائی علاتی ہیں ان سے ایذا کا اندیشہ ہے اور حقیقی بھائی سے ضرر کا اندیشہ گو نہیں لیکن شاید منہ سے نکل جائے پھر فتنہ ہو اور بھائیوں کی یہ تدبیر اس غرض سے ہونا ضرور نہیں کہ یہ تعبیر واقع نہ ہو بلکہ یہ تو وہ بھی جانیں گے کہ تعبیر ضرور واقع ہوگی مگر حسد سے ایذا دیں گے۔

اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۵

بلاشبہ شیطان آدمی کا صریح دشمن ہے

اس لئے بھائیوں کے دلوں میں وسوسے ڈالے گا۔

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ

اور اسی طرح تمہارا رب تم کو منتخب کرے گا اور (تم کو علوم دقیقہ بھی دے گا

مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ

مثلاً) تم کو خوابوں کی تعبیر کا علم دے گا

یعنی جس طرح خدا تم کو یہ عزت دے گا کہ سب تمہارے مطیع و منقاد ہوں گے اسی طرح دوسری عزت بھی دے گا کہ تم کو نبوت کے لئے منتخب کر کے باریک باریک علوم عطا فرمائے گا جیسے علم تعبیر وغیرہ اور یہ بشارتیں جو یعقوب علیہ السلام نے دیں یا تو اسی خواب سے سمجھے یا وحی سے۔

وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ

اور (اور نعمتیں دیکر بھی) تم پر اور یعقوبؑ کے خاندان پر اپنا انعام کامل کرے

كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ

گا جیسا اس کے قبل تمہارے دادا پڑدادا یعنی ابراہیم واسحاق (علیہما السلام) پر

اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۶ ع

اپنا انعام کامل کر چکا ہے واقعی تمہارا رب بڑا علم و حکمت والا ہے

کہ ہر ایک کے مناسب فیض عطا فرماتا ہے اور آل یعقوب پر نعمت تمام کرنے سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ یعقوب علیہ السلام کے سب بیٹے نبی تھے کیونکہ نعمت نبوت کے سوا دوسری باتوں کو بھی عام ہے پس نعمت میں سب شریک ہیں آگے جس کے جیسے عمل ویسی نعمت۔ برابری سب کی ضروری نہیں اور اگر نعمت سے نبوت ہی مراد ہو تو آل یعقوب سے بواسطہ اولاد بھی مراد ہو سکتی ہے سو ان کی اولاد میں آگے بہت نبی ہوئے اور یعقوب علیہ السلام نے اتمام نعمت میں اپنا ذکر تواضعاً نہیں فرمایا لقد کان فی یوسف تا من الزاھدین.

لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ

یوسف (علیہ السلام) اور ان کے (علاتی) بھائیوں کے قصے میں دلائل موجود ہیں

جس سے خدا کی قدرت اور آپ کی نبوت ثابت ہوتی ہے کیونکہ یوسف علیہ السلام کو ایسی بے کسی اور بے بسی سے اس سلطنت و رفعت پر پہنچا دینا یہ خدا ہی کا کام تھا اس سے مسلمانوں کو عبرت اور قوت ایمان حاصل ہو گی اور یہود کو کہ انہوں نے خصوصیت کے ساتھ یہ قصہ پوچھا تھا آپ کی نبوت کی دلیل مل سکتی ہے اگر غور کریں۔

لِّلسَّآئِلِيْنَ ۷

ان لوگوں کے لئے جو (آپ سے ان کا قصہ) پوچھتے ہیں

درمنثور میں ابن عباسؓ سے اس سورۃ کا شان نزول یہ مروی ہے کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر آپ ہم کو کوئی قصہ سنادیں تو خوب ہو اس پر یہ قصہ نازل ہوا اور خازن میں ابن عباسؓ ہی سے مروی ہے کہ یہود نے آپ سے (امتحاناً) یہ قصہ پوچھا تھا اور چونکہ یہ قصہ صحابہ کی درخواست پر نازل ہوا اس لئے بسط و تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا تا کہ ان کا مقصود حاصل ہو جائے اور احاطہ سے ان کو راحت و سیری ہو اور میرے نزدیک اسی وجہ سے اس قصہ کو مکرر نہیں لائے کہ اس کو استیعاب کے ساتھ ایک جگہ مع سب فوائد کے بیان کر دیا گیا ہے اور دوسرے قصوں میں چونکہ استیعاب نہیں اس لئے ہر مقام کے مناسب مختلف فوائد کے لئے کچھ کچھ اجزاء لائے گئے۔

اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا

وہ وقت قابل ذکر ہے جبکہ ان (علاتی) بھائیوں نے (باہم بطور مشورہ کے) یہ گفتگو کی کہ (یہ کیا بات ہے کہ) یوسفؑ اور ان کا بھائی (بنیامین) ہمارے

مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ

باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں حالانکہ ہم ایک جماعت ہیں

یعنی وہ دونوں بوجہ کم عمری کے ان کا کار خدمت بھی نہیں کر سکتے اور ہم بوجہ اپنی قوت اور کثرت کے ان کی ہر طرح کی خدمت بھی کرتے ہیں تو ہم

زیادہ عزیز ہونے چاہئیں اور یوسف علیہ السلام کے ساتھ سب سے زیادہ محبت ہونے کی وجہ قریب تر یہ ہے کہ یعقوب علیہ السلام اپنی فراست نبوت سے ان کو ہونہار دیکھتے تھے اور خواب سننے کے بعد یہ امر زیادہ موکد ہوگیا جیسا کہ ان کے ارشاد و کذٰلک یجتبیک الخ سے مترشح ہوتا ہے۔

اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنِۨ ﴿۸﴾

واقعی ہمارے باپ (اس مقدمہ میں) کھلی غلطی میں ہیں

یہ لوگ یوں سمجھتے تھے کہ یوسف علیہ السلام کی نسبت ایسا خیال یہ یعقوب علیہ السلام کا اجتہاد ہے اور نبی سے اجتہاد میں غلطی ہونا نبوت کے منافی نہیں پس ضلال سے مراد اجتہادی غلطی ہے ورنہ گمراہی کا اعتقاد نبی کی نسبت کفر ہے اور یہ سب بھائی مومن یقیناً تھے گو نبی ہونا ثابت نہیں غرض انہوں نے مشورہ کیا کہ یوسف علیہ السلام کے ہوتے ہوئے تو امید رکھو کہ تم زیادہ عزیز ہوسکو گے اور بنیامین سے جو محبت ہے وہ صرف اس وجہ سے کہ یوسفؑ کے حقیقی بھائی ہیں اصل میں زیادہ خاطر یوسفؑ ہی کی مقصود ہے اور زیادہ محبوب اصل میں وہی ہیں تو ان کو کسی تدبیر سے باپ کے پاس سے ہٹانا چاہیے آگے اس کی صورت بیان کی۔

اِقْتُلُوْا یُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا یَّخْلُ

یا تو یوسف کو قتل کر ڈالو یا ان کو کسی (دور دراز) سرزمین میں ڈال آؤ تو (پھر)

لَكُمْ وَجْهُ اَبِیْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ

تمہارے باپ کا رخ خالص تمہاری طرف ہوجاوے گا اور تمہارے سب کام

قَوْمًا صٰلِحِیْنَ ﴿۹﴾ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ

بن جاویں گے ان ہی میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ یوسف کو قتل مت کرو

قتل کرنا بہت بری بات ہے ہاں دوسری شق کا مضائقہ نہیں۔

لَا تَقْتُلُوْا یُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ

(اور) (اس کی صورت یہ ہے کہ) ان کو کسی اندھیرے کنویں میں ڈال دو

جس میں پانی بھی زیادہ نہ ہو کہ ڈوبنے کا ڈر ہو ورنہ وہ تو قتل ہی ہے اور یکایک کسی کو اطلاع بھی نہ ہو کیونکہ اندھیرا کنواں ہے اور رہگزر سے بھی بہت دور نہ ہو۔

یَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّیَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ

تاکہ ان کو کوئی راہ چلتا نکال لے جائے۔ اگر تم کو

فٰعِلِیْنَ ﴿۱۰﴾

(یہ کام) کرنا ہے

تو اس طرح کرو اس صورت میں وہ باپ سے جدا ہو جاویں گے اور قتل کے گناہ سے بھی بچو گے غرض اس پر سب کا اتفاق رائے ہو گیا۔

قَالُوْا یٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰی یُوْسُفَ

سب نے (مل کر باپ سے) کہا کہ ابا اس کی کیا وجہ ہے کہ یوسف کے بارے میں آپ ہمارا اعتبار نہیں کرتے

اور کبھی ان کو ہمارے ساتھ کہیں نہیں بھیجتے۔

وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا

حالانکہ ہم ان کے (دل و جان) سے خیر خواہ ہیں۔ آپ ان کو کل کے روز

یَّرْتَعْ وَیَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۱۲﴾

ہمارے ساتھ (جنگل کو) بھیجئے کہ ذرا وہ کھاویں کھیلیں اور ہم ان کی پوری

قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ

محافظت رکھیں گے۔ یعقوب (علیہ السلام) نے فرمایا کہ مجھ کو یہ بات غم میں

وَاَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ

ڈالتی ہے کہ اس کو تم لے جاؤ اور (خوف یہ کہ) میں یہ اندیشہ کرتا ہوں کہ اس

غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳﴾

کو کوئی بھیڑیا کھا جاوے اور تم (اپنے مشاغل میں) اس سے بے خبر رہو

حاصل جواب کا یہ ہے کہ مجھ کو ان کے بھیجنے سے دو امر مانع ہیں ایک تو غم کہ مجھے ان کی جدائی اور اپنی آنکھوں کے سامنے سے علیحدگی گوارا نہیں ہوتی دوسرے خوف کیونکہ اس جنگل میں بھیڑیئے بہت ہیں مبادا کہیں ان کی جان پر کوئی آفت نہ آ جائے۔

قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ

وہ بولے کہ اگر ان کو بھیڑیا کھا جاوے اور ہم ایک جماعت کی جماعت

عُصْبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

(موجود) ہوں تو ہم بالکل ہی گئے گزرے ہوئے

مطلب یہ کہ جماعت کی قوت بھی زیادہ ہوتی ہے اور کئی آدمیوں میں نگرانی بھی سہل ہے اس لئے یہ اندیشہ فضول ہے غرض یعقوب علیہ السلام سے کہہ سن کر ان کو لے کر چلے رہا یہ کہ یعقوب علیہ السلام نے لہو ولعب کو جائز رکھا حالانکہ عبث کاموں کی تجویز انبیاء علیہم السلام کی شان کے خلاف ہے سو اصل یہ ہے کہ یہ لہو ولعب عبث اس لئے نہیں کہ اس سے مراد دوڑنا اور تیر اندازی وغیرہ کرنا ہے جو کہ مفید کام ہیں مشہور جواب تو یہ ہے اور احقر کہتا ہے کہ نشاط بڑھانا بھی فوائد مقصودہ میں سے ہے جو کہ بچوں کے لئے ضروری ہے اور مشاغل ضروریہ میں جی لگنے کا موقوف علیہ ہے اور ضروری امر کا مقدمہ بھی ضروری ہوتا ہے خوب سمجھ لو۔

فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ

سو جب ان کو لے گئے اور سب نے پختہ عزم کرلیا کہ ان کو کسی اندھیرے

فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ج

کنویں میں ڈال دیں

یعنی ان کو جنگل میں اپنے ساتھ لے گئے اور حسب مشورہ سابق جو کچھ تجویز کیا تھا اس کے مطابق عمل درآمد کیا اور ایک اندھیرے کنویں میں ان کو ڈال دیا اور جو معاملہ یوسف علیہ السلام کے ساتھ ان کے بھائیوں نے کیا اس میں تاویل دشوار ہے اس لئے ظاہراً وہ گناہ ضرور تھا لیکن آخر میں ان کا استغفار اور معذرت کرنا قرآن سے صراحۃً ثابت ہے اور توبہ یقیناً گناہوں سے پاک کرنے والی ہے

وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا

اور ہم نے ان کے پاس وحی بھیجی کہ (ایک دن وہ ہوگا کہ) تم ان لوگوں کو یہ

وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾

بات جتلاؤ گے اور وہ تم کو پہچانیں گے بھی نہیں

یعنی ہم نے یوسف علیہ السلام سے کہلا بھیجا کہ تم مغموم مت ہو ہم تم کو یہاں سے خلاصی دے کر بڑے رتبہ پر پہنچا دیں گے اور تم ان لوگوں کو ان کے افعال پر متنبہ کرو گے اور وہ تم کو بوجہ تمہاری بلند حالت کے پہچانیں گے بھی نہیں چنانچہ یہ وعدہ پورا ہوا اور یوسفؑ نے ایک وقت میں ان سے فرمایا کہ **هل علمتم مافعلتم بیوسف الخ** تم کو کچھ خبر ہے کہ تم نے یوسفؑ کے ساتھ کیا کیا تھا۔ ف: اہل سیر کا اتفاق ہے کہ کنویں میں ڈالے جانے کے وقت یوسف علیہ السلام صغیر السن تھے اس وقت آپ کے پاس وحی آئی پس چالیس برس کے بعد وحی نازل ہونا یہ قاعدہ اکثر کے اعتبار سے ہے کلی قاعدہ نہیں غرض یوسف علیہ السلام کا یہ قصہ ہوا۔

وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ﴿۱۶﴾ قَالُوْا

اور (ادھر) وہ لوگ اپنے باپ کے پاس عشاء کے وقت روتے ہوئے پہنچے کہنے لگے

یعنی جب یعقوب علیہ السلام نے رونے کا سبب پوچھا تو یوں گویا ہوئے۔

يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ

کہ ابا ہم سب تو آپس میں دوڑنے میں لگ گئے

کہ دیکھیں کون آگے نکلتا ہے۔

وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا

اور یوسفؑ کو ہم نے اپنی چیز بست کے پاس چھوڑ دیا

ایسی جگہ جہاں بھیڑیئے کے آنے کا گمان بھی نہ تھا۔

فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ج وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ

بس (اتفاقاً) ایک بھیڑیا (آیا اور) ان کو کھا گیا اور آپ تو ہمارا کاہے کو یقین

لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَجَآءُوْ عَلٰى

کرنے لگے گو ہم کیسے ہی سچے (کیوں نہ) ہوں اور یوسف کی قمیص پر

قَمِيْصِهٖ

جھوٹ موٹ کا خون بھی لگا لائے تھے

جب یعقوب علیہ السلام کے پاس آنے لگے تو کوئی بکری یا ہرن ذبح کی اور اس کے خون میں یوسف علیہ السلام کا قمیض آلودہ کیا اور وہ قمیص اپنے قول کی سند میں پیش کیا۔

بِدَمٍ كَذِبٍ ط قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ

یعقوب (علیہ السلام) نے فرمایا کہ بلکہ تم نے اپنے دل سے ایک

اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ط

بات بنائی ہے

یوسفؑ کو بھیڑیئے نے ہرگز نہیں کھایا مشہور قول یہ ہے کہ اس قمیص کو مسلم دیکھنے سے کہ کہیں سے پھٹا ہوا چرا ہوا نہ تھا آپ نے ان کی بات کا غلط ہونا معلوم کیا لیکن اگر یہ روایت ثابت نہ ہو تو ذوق اجتہاد در شہادت

قلب سے سمجھ لیا ہوگا کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے دل کی شہادت اکثر تو واقع کے مطابق ہی ہوتی ہے اور کبھی واقع کے خلاف بھی ہو جاتی ہے چنانچہ بنیامین کے ماخوذ ہونے کے قصہ میں بھی یعقوب علیہ السلام نے یہی بات فرمائی ہے حالانکہ اس میں بظاہر ان لوگوں نے کوئی بناوٹ نہ کی تھی۔

فَصَبۡرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللّٰهُ الۡمُسۡتَعَانُ عَلٰى مَا

سو (خیر) صبر ہی کروں گا جس میں شکایت کا نام نہ ہوگا اور جو باتیں تم

تَصِفُوۡنَ ﴿۱۸﴾

بتاتے ہو ان میں اللہ ہی مدد کرے

کہ اس وقت مجھ کو یوسف کی جدائی کی سہار ہو اور آئندہ تمہارا جھوٹ ظاہر ہو غرض یعقوب علیہ السلام رو پیٹ کر بیٹھ رہے یہاں بظاہر یہ اشکال ہوتا ہے کہ جب یعقوب علیہ السلام کو برادران یوسف کے بیان کا غلط ہونا یقیناً یا گمان غالب سے معلوم ہوگیا تھا تو پھر یوسف علیہ السلام کو تلاش کیوں نہیں کیا ایسے صبر میں تو دوسرے کی جان تلف ہونے کا اندیشہ ہے جواب یہ ہے کہ یعقوب علیہ السلام کو وحی سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ وہ تلف نہ ہوں گے لیکن میری قسمت میں مفارقت دراز مقدر ہے میری تلاش سے نہ ملیں گے اب کوئی اشکال نہ رہا ادھر یوسف علیہ السلام کا یہ قصہ ہوا کہ اتفاق سے ایک قافلہ آ پہنچا۔

وَجَآءَتۡ سَيَّارَةٌ فَاَرۡسَلُوۡا وَارِدَهُمۡ فَاَدۡلٰى

اور ایک قافلہ آ نکلا (جو مصر کو جاتا تھا) اور انہوں نے اپنا آدمی پانی لانے کے

دَلۡوَهٗ ؕ

واسطے (یہاں کنویں پر بھیجا اور اس نے اپنا ڈول ڈالا

اور یوسف علیہ السلام نے اس کو پکڑ لیا جب ڈول باہر آیا تو اس نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا بڑا خوش ہوا۔

قَالَ يٰبُشۡرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ؕ

کہنے لگا کہ ارے بڑی خوشی کی بات ہے یہ تو بڑا اچھا لڑکا نکل آیا

غرض قافلہ والوں کو خبر ہوئی وہ بھی بڑے خوش ہوئے اور یہ خیال کیا کہ مصر میں لے جا کر کسی بڑے آدمی کے ہاتھ اس کو بیچ کر خوب نفع کمائیں گے۔

وَاَسَرُّوۡهُ بِضَاعَةً ؕ

اور ان کو مال (تجارت) قرار دے کر چھپا لیا

کہ مبادا کوئی آ کر ان کا دعویدار نہ ہو جائے

وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ ۢ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۹﴾

اور اللہ کو ان سب کی کارگزاریاں معلوم تھیں

کہ بھائی ان کو بے وطن اور قافلہ والے ذریعہ ثمن بنا رہے تھے اور اللہ ان کو شاہ زمن بنا رہا تھا اور وہ بھائی بھی آس پاس خبر کیلئے لگے ہوئے تھے اور وقتاً فوقتاً کنویں میں دیکھ آتے تھے کھانا بھی پہنچا دیتے تھے یوں چاہتے تھے کہ یوسف کنویں میں ہلاک بھی نہ ہوں کوئی ان کو نکال لے لیکن کہیں دوسری جگہ لے جائے اور یعقوب علیہ السلام تک خبر نہ پہنچے غرض اس روز جو کنویں میں نہ پایا اور قافلہ کو اترا ہوا دیکھا تو تجسس کرتے کرتے یوسف علیہ السلام تک جا پہنچے اور قافلہ والوں سے کہا کہ یہ ہمارا غلام ہے بھاگ گیا تھا اب ہم اس کو رکھنا نہیں چاہتے۔

وَشَرَوۡهُ بِثَمَنٍۭ بَخۡسٍ دَرَاهِمَ مَعۡدُوۡدَةٍ ۚ

اور (بھائیوں نے) ان کو بہت ہی کم قیمت کو بیچ ڈالا یعنی گنتی کے چند درہم

وَكَانُوۡا فِيۡهِ مِنَ الزّٰهِدِيۡنَ ﴿۲۰﴾

کے عوض اور وہ لوگ کچھ ان کے قدر دان تو تھے ہی نہیں

کہ نفیس مال کی طرح ان کو کثیر دولت حاصل کرنے کا ذریعہ بناتے کیونکہ ان کو بیع مقصود نہ تھی بلکہ بلا کی طرح ان کو یہاں سے ٹالنا مقصود تھا اور یوسف علیہ السلام ڈر کے مارے خاموش رہے کہ مار نہ ڈالیں اور اسی کو غنیمت سمجھا غرض قافلہ والوں نے یوسف علیہ السلام کو بھائیوں سے خرید کر مصر میں لا کر عزیز مصر کے ہاتھ فروخت کیا **وقال الذين اشتراه تا من الخطئين.**

وَقَالَ الَّذِى اشۡتَرٰٮهُ مِنۡ مِّصۡرَ لِامۡرَاَتِهٖۤ

اور جس شخص نے مصر میں ان کو خریدا تھا (یعنی عزیز مصر) اس نے اپنی بیوی سے کہا

یعنی ان کو اپنے گھر لا کر اپنی بیوی کے سپرد کیا اور اس عورت کا نام بعض نے راعیل کہا ہے اور مشہور زلیخا ہے فتح زا و کسر لام سے یا بضم زا و فتح لام سے اور بعض نے کہا ہے کہ ایک نام ہے ایک لقب ہے اور اس کا شوہر عزیز کے لقب سے مشہور تھا اور سلطنت مصر کے مدار المہام کا یہی لقب ہوتا تھا اور نام اس شخص کا قطفیر ہے واللہ اعلم

اَكۡرِمِىۡ مَثۡوٰٮهُ عَسٰٓى اَنۡ يَّنۡفَعَنَاۤ

کہ اس کو خاطر سے رکھنا کیا عجب ہے کہ (بڑا ہو کر) ہمارے کام آوے

جیسا کہ پرورده لوگ اپنے کام آیا کرتے ہیں۔

اَوۡ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ

یا ہم اس کو بیٹا بنالیں

مشہور یہ ہے کہ اس کے اولاد نہ تھی اس لئے یہ بات کہی۔

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوۡسُفَ فِى الۡاَرۡضِ ز

اور ہم نے اسی طرح یوسف (علیہ السلام) کو اس سرزمین (مصر) میں خوب قوت دی

مراد اس سے سلطنت ہے یعنی جس طرح ہم نے ان کو اپنی خاص عنایت سے اس چاہ تاریک سے نجات دی اسی طرح ان کو قوت سلطنت عطا فرمائی۔

وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنۡ تَاۡوِيۡلِ الۡاَحَادِيۡثِ ؕ

(مراد اس سے سلطنت ہے) اور تاکہ ہم ان کو خوابوں کی تعبیر دینا بتلادیں

یعنی جس طرح سلطنت دینے کی غرض سے ان کو نجات دی اسی طرح یہ غرض بھی تھی کہ ان کو علم تعبیر عطا فرماویں مطلب یہ کہ نجات دینے سے مقصود یہ تھا کہ ظاہری اور باطنی دولت سے مالا مال کریں۔

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمۡرِهٖ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ

اور اللہ تعالیٰ اپنے (چاہے ہوئے) کام پر غالب (اور قادر) ہے (جو چاہے

النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۱﴾

کرے) لیکن اکثر آدمی (اس بات کو) جانتے نہیں

کیونکہ ایمان ویقین والے تو کم ہی ہیں یہ بات قصہ کے درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر لائی گئی ہے تاکہ بیع وشراء کے قصہ کے ساتھ اول ہی سے سامعین کو معلوم ہو جائے کہ گو یوسف علیہ السلام اس وقت ظاہراً ایسی ناگوار حالت میں ہیں مگر ہم نے ان کو اصل میں سلطنت اور علوم رفیعہ کے لئے بچایا ہے اور یہ حالتیں عارضی اور اصلی مقاصد کے لئے پیش خیمہ ہیں کیونکہ ترقی سلطنت کا زینہ عزیز کے گھر آنا ہی ہوا اسی طرح علوم اور قلبی واردات کے لئے مصیبتیں اور مشقتیں سبب ہو جایا کرتی ہیں پس اس اعتبار سے فیضان علوم میں بھی ان کو دخل ہوا اور عام طور پر امراء کے گھر پرورش پانا سلیقہ اور تجربہ بھی بڑھاتا ہے جس کی ضرورت سلطنت اور علوم دونوں میں ہے بالخصوص علم تعبیر میں تو اس کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيۡنٰهُ حُكۡمًا وَّعِلۡمًا ؕ

اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچے ہم نے ان کو حکمت اور علم عطا فرمایا

جوانی سے مراد سن بلوغ یا کمال شباب ہے اس جملہ میں بھی پہلے سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ جو کچھ آگے قصہ میں بعض باتیں آپ کی نسبت تہمت کی آویں گی وہ سب غلط ہوں گی کیونکہ وہ صاحب حکمت تھے اور حکمت علم نافع کو کہتے ہیں جس کے ساتھ علم بھی کامل ہو اور ان باتوں کا صادر ہونا حکمت کے خلاف ہے پس ان کا یوسف علیہ السلام سے صادر ہونا بھی غلط ہے۔

وَكَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۲۲﴾

اور ہم نیک لوگوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں

جس طرح یوسف علیہ السلام کو شریعت پر عمل کرنے کی بدولت بدلہ دیا کہ ان کے علم وحکمت میں روزانہ ترقی فرماتے رہے آگے قصہ آتا ہے کہ وہاں نازونعم میں رہتے رہے اس درمیان میں ایک ابتلاء اور امتحان کا واقعہ پیش آیا۔

وَرَاوَدَتۡهُ الَّتِىۡ هُوَ فِىۡ بَيۡتِهَا عَنۡ نَّـفۡسِهٖ

اور جس عورت کے گھر میں یوسف (علیہ السلام) رہتے تھے وہ (ان پر مفتون

وَغَلَّقَتِ الۡاَبۡوَابَ وَقَالَتۡ هَيۡتَ لَكَ ؕ

ہوگئی اور) ان سے اپنا مطلب حاصل کرنے کو ان کو پھسلانے لگی اور (گھر کے) سارے دروازے بند کردیئے اور (ان سے) کہنے لگی کہ

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّىۡۤ اَحۡسَنَ مَثۡوَاىَ ؕ

آجاؤ تم ہی سے کہتی ہوں۔ یوسفؑ نے کہا اللہ بچائے وہ (یعنی تیرا شوہر) میرا مربی (اور محسن) ہے کہ مجھ کو کیسی اچھی طرح رکھا

مطلب یہ کہ اول تو یہ کام خود بڑا بھاری گناہ ہے خدا پناہ میں رکھے دوسرے تیرا شوہر میرا محسن ہے تو کیا میں اسی کے ناموس میں خلل اندازی کروں پس زنا اگرچہ ہر حالت میں قبیح ہے لیکن یوسف علیہ السلام نے دو وجہ سے عزیز کے محسن ہونے کو یاد دلایا ایک تو یہ کہ اس صورت میں زنا بہت ہی زیادہ قبیح ہے چنانچہ حدیث میں بھی پڑوسی کی بیوی سے اس فعل کے ارتکاب میں زیادہ وعید آئی ہے دوسرے یہ کہ مخاطب اس وقت زلیخا تھی اور وہ شرعی قباحت کو تو مطلق نہ سمجھتی تھی اور عقلی باریک دلیل کو بھی نہ سمجھتی اس لئے ایسی عقلی قباحت بیان فرمائی جس سے اس پر حجت قائم ہو جائے اور جس کو وہ بھی خوب سمجھ لے۔

اِنَّهٗ لَا يُفۡلِحُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۲۳﴾

ایسے حق فراموشوں کو فلاح نہیں ہوا کرتی

بلکہ اکثر تو دنیا ہی میں ایسے لوگ خوار اور پریشان ہوتے ہیں ورنہ آخرت میں تو رسوائی کا سامنا ہے ہی۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا

اوراس عورت کے دل میں تو ان کا خیال (عزم کے درجہ میں) جم ہی رہا تھا اوران کو بھی اس عورت کا کچھ کچھ خیال ہو چلا تھا

جو کہ امر طبعی کے درجہ میں تھا جو کہ اختیار سے باہر ہے جیسا کہ گرمی کے روزہ میں پانی کو دیکھ کر اس کی طرف طبعی میلان ہوتا ہے مگر روزہ توڑنے کا وسوسہ تک بھی نہیں ہوتا اسی طرح جوان تندرست صحیح المزاج کو تنہائی میں کسی حسین عورت کے پاس بیٹھنے سے خود بخود بلا اختیار رغبت اور ہیجان شہوت ہو جاتا ہے گو فعل قبیح کا وسوسہ بھی دل میں نہ آئے اور بعض محققین نے **هم بها** کی تفسیر اور طرح کی ہے کہ **هم بها** کو **لولا ان رابرهان ربه** کے ساتھ ملایا ہے جس سے یہ معنے حاصل ہوئے کہ یوسف علیہ السلام بھی خیال کر لیتے اگر خدا کی برہان کو نہ دیکھتے مگر اب خیال بھی نہ ہوا یہ تفسیر بھی نہایت لطیف ہے مگر احقر نے تفسیر سابق کو اس لئے اختیار کیا کہ اس میں یوسف علیہ السلام کا کمال زیادہ ہے کہ باوجود رغبت کے جس کا منشا طبیعت کی قوت بدن کی صحت اور مزاج کا اعتدال اور قوی کی سلامتی تھی پھر رک گئے اس میں صبر اور مجاہدہ زیادہ ہے جس کو رغبت ہی نہ ہوتی ہو وہ اگر زنا سے رک جائے تو کیا کمال ہے نامرد کا زنا سے رکنا کچھ بھی کمال نہیں پس اس جگہ جو اشکال پڑتا ہے وہ اس طرح دفع ہوا کہ زلیخا کا قصہ اور قسم کا ہے وہ بااختیار خود زنا کا ارتکاب چاہتی تھی اور یوسف علیہ السلام کا خیال اور طرح کا ہے کہ بوجہ کامل مرد ہونے کے رغبت اور شہوت کو بے اختیار ہیجان ہوا تھا ارادہ و اختیار سے فعل بد کا ان کو وسوسہ بھی نہ تھا یہی کامل عفت اور عصمت ہے اور اس تفسیر کا قرینہ خود الفاظ قرآن میں موجود ہے زلیخا کے قصد کو حق تعالیٰ نے لام اور قد سے موکد فرمایا ہے جس سے پختگی معلوم ہوتی ہے۔

لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ

اگر اپنے رب کی دلیل کو انہوں نے نہ دیکھا ہوتا تو زیادہ خیال ہو جانا عجب نہ تھا

کیونکہ دواعی اور اسباب ایسے ہی قوی تھے۔

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ

(مگر) ہم نے اسی طرح ان کو علم دیا تا کہ ہم ان سے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کو دور رکھیں

یعنی ارادہ اور فعل دونوں سے بچایا۔

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾

وہ ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے تھے

اور برگزیدہ بھی اعلیٰ درجہ کے

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ

اور دونوں آگے پیچھے دروازہ کی طرف کو دوڑے اور اس عورت نے ان کا کرتہ پیچھے سے پھاڑ ڈالا

پھر یوسف علیہ السلام دروازہ سے باہر ہو گئے اور وہ عورت ساتھ تھی۔

وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ؕ

اور دونوں نے (اتفاقاً) اس عورت کے شوہر کو دروازے کے پاس (کھڑا) پایا

تو بات بنانے لگی۔

قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا

عورت بولی کہ جو شخص تیری بی بی کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کرے اس کی سزا بجز اس

اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾

کے اور کیا (ہو سکتی) ہے کہ وہ جیل خانہ بھیجا جاوے یا اور کوئی دردناک سزا ہو یوسف

قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ

(علیہ السلام) نے کہا یہی مجھ سے اپنا مطلب نکالنے کو مجھ کو پھسلاتی تھی

اور معاملہ برعکس بیان کرتی ہے۔

وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ

اور (اس موقعہ پر) اس عورت کے خاندان میں سے ایک گواہ نے شہادت دی

یہ ایک شیر خوارہ بچہ تھا جو آپ کے معجزہ سے بولا۔

اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ

کہ ان کا کرتہ (دیکھو کہاں سے پھٹا ہے) اگر آگے سے پھٹا ہے

وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۶﴾

تو عورت سچی اور یہ جھوٹے

یعنی اگرچہ یہ علامت عادۃً یقینی نہیں کیونکہ اس میں بھی احتمال ہے کہ دونوں مقابل ہوں اور عورت دامن کھینچتی ہو مگر ہم تبرعاً مانے لیتے ہیں کہ اس صورت میں یوسف علیہ السلام نعوذ باللہ حق پر نہ ہوں۔

وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ

اور اگر وہ کرتہ پیچھے سے پھٹا ہے تو (عادۃً یقینی ہے

فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٢٧﴾

(کہ) عورت جھوٹی اور یہ سچے

اس میں تو آپ کے ناحق ہونے کا احتمال ہے ہی نہیں۔

فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ

سو جب (عزیز نے) ان کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھا (عورت سے) کہنے لگا کہ

مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿٢٨﴾

یہ تم عورتوں کی چالاکی ہے بیشک تمہاری چالاکیاں بھی غضب ہی کی ہوتی ہیں

کہ جلدی سے کیسی بات بنادی۔

يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٚ وَاسْتَغْفِرِيْ

اے یوسف اس بات کو جانے دو (اس کا چرچا مت کیجیو) اور (عورت سے کہا کہ)

لِذَنْۢبِكِ ۖۚ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ﴿٢٩﴾

تو (یوسف سے) اپنے قصور کی معافی مانگ۔ بیشک سرتاسر تو ہی قصوروار ہے

ان آیات میں غلقت الابواب سے دروازوں کا متعدد ہونا معلوم ہوتا ہے اور واستبقا الباب سے اس دروازہ کا ایک ہونا معلوم ہوتا ہے جس کی طرف یوسف علیہ السلام دوڑے تھے اور الفیاسیدھا لدی الباب سے اس دروازہ کا کھلا ہوا ہونا معلوم ہوتا ہے جہاں عزیز کو کھڑا پایا سو غالب یہ ہے کہ یہ چند دروازے ایسے تھے جیسے امراء کے مکانات میں ایک ایک کمرہ میں کئی کئی دروازے مختلف جوانب میں ہوا کرتے ہیں ان کا آگے پیچھے ہونا ضروری نہیں جیسا کہ مشہور ہے پھر یوسف علیہ السلام ان دروازوں میں سے کسی ایک کی طرف دوڑے ہوں گے اور اس کو جلدی سے کھول کر باہر ہو گئے ہوں گے جیسا کہ معمولی طور پر صرف کنڈی لگا کر بند کر لیا جاتا ہے اور کنڈی کھولنے سے دروازہ کھل جاتا ہے باقی مشہور کیفیت کے لئے دلیل کی حاجت ہے واللہ اعلم اور اس بچہ کو یوسف علیہ السلام کے لئے شاہد کہنا باوجودیکہ اس کے فیصلہ میں ہر ایک کے سچا ہونے کا احتمال تھا اس لئے ہے کہ آخر میں اس کے فیصلہ کا نفع حضرت یوسف علیہ السلام ہی کے حق میں تھا پس گویا مقصود ان ہی کی شہادت دینا تھی اور یوسف علیہ السلام اگر اس وقت نبی نہ ہوں تو اس خارق عادت کو اصطلاح میں بجائے معجزہ کے ارہاص کہیں گے وقال نسوۃ تا حتی حین۔

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ

اور چند عورتوں نے جو کہ شہر میں رہتی تھیں یہ بات کہی کہ عزیز کی بی بی اپنے

الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ

غلام کو اس سے اپنا (ناجائز) مطلب حاصل کرنے کے واسطے پھسلاتی ہے

یعنی کیسی پست طبیعت ہے کہ غلام پر گرتی ہے۔

قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ

اس کا عشق اس کے دل میں جگہ کر گیا ہے ہم تو اس کو صریح غلطی میں دیکھتے

مُّبِيْنٍ ﴿٣٠﴾ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ

ہیں سو جب اس عورت نے ان عورتوں کی بدگوئی (کی خبر) سنی تو کسی کے

اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ

ہاتھ ان کو بلا بھیجا (کہ تمہاری دعوت ہے) اور ان کے واسطے مسند تکیہ لگایا اور

وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا

ہر ایک کو ان میں سے ایک ایک چاقو (بھی) دیدیا

یعنی جب وہ آئیں تو ان کے روبرو مختلف کھانے اور میوے حاضر کئے جن میں سے بعضی چیزیں چاقو سے تراش کر کھانے کی تھیں اس لئے ہر ایک کو چاقو بھی دے دیا جس کے لئے ظاہر میں تو ان چیزوں کا بہانہ تھا کہ چاقو سے تراش کر ان کو کھاؤ اور اصلی غرض وہ تھی جو آگے آتی ہے کہ حواس باختہ ہو کر ان چاقوؤں سے اپنے ہاتھوں کو زخمی کر لیں گی۔

وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ

اور کہا کہ ذرا ان کے سامنے تو آجاؤ

یعنی یہ سب سامان درست کر کے یوسفؑ کو جو کسی دوسرے مکان میں تھے بلایا ان کو خبر نہ تھی کہ معاملہ کیا ہے اور مجھے کیوں بلاتی ہے یہ سمجھ کر کہ کوئی صحیح غرض ہوگی باہر آ گئے۔

فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ز

سو عورتوں نے جو ان کو دیکھا تو (ان کے جمال سے) حیران رہ گئیں اور (اس حیرت میں) اپنے ہاتھ کاٹ لئے

یعنی جس وقت یہ باہر آئے وہ عورتیں کوئی چیز نارنگی وغیرہ تراش رہی

تھیں ان کو دیکھ کر ایسی بدحواسی چھائی کہ اس بے خبری میں چاقو ہاتھ پر چل گیا جیسا کہ اکثر دوسری طرف خیال بٹ جانے سے ایسا اتفاق ہو جاتا ہے۔

وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ۭ اِنْ هٰذَآ

اور کہنے لگیں حاش للہ یہ شخص آدمی ہرگز نہیں یہ

اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿۳۱﴾

تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے

یعنی ایسا حسن و جمال آدمی میں کب ہوتا ہے فرشتے البتہ ایسے نورانی ہوتے ہیں۔

قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ۭ وَلَقَدْ

وہ عورت بولی تو (دیکھ لو) وہ شخص یہی ہے جس کے بارے میں تم مجھ کو برا بھلا کہتی

رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ۭ وَلَىِٕنْ

تھیں (کہ اپنے غلام کو چاہتی ہے) اور واقعی میں نے اس سے اپنا مطلب حاصل

لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ

کرنے کی خواہش کی تھی مگر یہ پاک صاف رہا اور اگر آئندہ کو میرا کہنا نہ کرے گا

الصّٰغِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

(جیسا اب تک نہیں کیا) تو بیشک جیل خانہ بھیجا جاوے گا اور بے عزت بھی ہوگا

یہ بات یوسف علیہ السلام کے سنانے اور دھمکانے کو کہی پھر وہ سب عورتیں بھی ان سے کہنے لگیں کہ تم کو اپنی محسنہ سے ایسی بے اعتنائی مناسب نہیں جو یہ کہے تم کو ماننا چاہئے۔ یوسف علیہ السلام نے جو یہ باتیں سنیں اور دیکھا کہ یہ عورت تو بے ڈھب پیچھے پڑی ہے اور سب اسی کی ہاں میں ہاں ملاتی ہیں تو حق تعالیٰ سے التجا کی۔

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ

یوسف (علیہ السلام) نے دعا کی کہ اے میرے رب جس (واہیات) کام کی طرف

اِلَيْهِ ۚ

یہ عورتیں مجھ کو بلا رہی ہیں اس سے تو جیل خانہ میں جانا ہی مجھ کو زیادہ پسند ہے

اس میں قید کی درخواست نہیں بلکہ صرف اس فعل کا قید سے زیادہ ناگوار ہونا بیان کیا پس قید خانہ میں جانا مقبولیت دعا کا نتیجہ نہیں تھا جیسا کہ مشہور ہے کہ قید کی دعا کی تھی اس لئے قید خانہ میں گئے۔

وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ

اور اگر آپ ان عورتوں کے داؤ پیچ کو مجھ سے دفع نہ کریں گے تو ان کی (صلاح

وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۳﴾

کی) طرف مائل ہو جاؤں گا اور نادانی کا کام کر بیٹھوں گا

یوسف علیہ السلام کا یہ فرمانا عصمت کے منافی نہیں کیونکہ عصمت بھی تو خدائی حفاظت ہی کی بدولت ہے چونکہ انبیاء علیہم السلام کی نظر مؤثر حقیقی کی طرف ہوتی ہے اس لئے ان کو اپنی عصمت پر اعتماد اور ناز نہیں ہوتا اور یوسف علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ اگر آپ ان کے داؤ پیچ کو دفع نہ کریں گے الخ مقصود اس سے یہ ہے کہ ان عورتوں کے حیلہ کو مجھ سے دفع فرما دیجئے تو ان الفاظ سے دعا مقصود تھی اسی لئے اس کے بعد استجاب فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی اور قبولیت دعا کا بیان خود قرآن میں ہے۔ فصرف عنه الخ کہ خدا نے عورتوں کے داؤ پیچ ان سے دفع کر دیئے پھر اس بارہ میں کوئی ان پر کوشش نہ کر سکی۔ قید خانہ میں جانا قبولیت دعاء کا اثر نہ تھا پس ثم بدالهم الخ مستقل کلام ہے قبولیت دعا کا تتمہ نہیں ہے۔

فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۭ اِنَّهٗ

سو ان کی دعا ان کے رب نے قبول کی اور ان عورتوں کے داؤ پیچ کو ان سے دور رکھا

هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۴﴾ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ

بیشک وہ (دعاؤں کا) بڑا سننے والا (اور ان کے احوال کا) خوب جاننے والا ہے پھر مختلف نشانیاں دیکھنے کے بعد ان لوگوں کو (یعنی عزیز اور اس کے متعلقین کو) بھی

مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۳۵﴾ ع

مصلحت معلوم ہوا کہ ان کو ایک وقت (خاص) تک قید میں رکھیں

یعنی یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کی نشانیاں دیکھ کر عزیز وغیرہ کو خود تو ان کی براءت کا یقین آ گیا تھا مگر عوام میں سے چرچا قطع کرنے کی غرض سے ان کو خاص مدت تک قید خانہ میں رکھنا مصلحت سمجھا اور نشانیوں سے مراد شیر خوار بچہ کے بولنے کا معجزہ جو کہ عقلی دلیل ہے اور قمیص کا پیچھے سے پھٹا ہونا جو دلیل عادی ہے اور زلیخا کا سب عورتوں کے سامنے اقرار کرنا انا راودته عن نفسه فاستعصم کہ میں نے اس سے اپنا مطلب حاصل کرنے کی خواہش کی تھی مگر یہ پاک صاف رہا اور یہ اقرار عزیز تک پہنچ گیا تھا۔

نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

یہ دلیل شرعی ہے ان سب سے نزاہت یوسف علیہ السلام معلوم ہو چکی تھی۔

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ

اور یوسف (علیہ السلام) کے ساتھ (یعنی اسی زمانہ میں) اور بھی دو غلام (بادشاہ کے) جیل خانہ میں داخل ہوئے

جن میں ایک ساقی تھا دوسرا خباز (باورچی) اور ان کے قید ہونے کا سبب یہ ہوا تھا کہ ان کی نسبت شبہ ہوا تھا کہ انہوں نے کھانے میں اور شراب میں زہر ملا کر بادشاہ کو دیا ہے سو مقدمہ زیر تحقیق تھا اور یہ دونوں قید میں بھیج دیئے گئے تھے انہوں نے جو حضرت یوسف علیہ السلام میں بزرگی کے آثار پائے تو (آگے ترجمہ دیکھو)

قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّیْٓ اَرٰىنِیْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ

ان میں سے ایک نے کہا کہ میں اپنے کو خواب میں (کیا) دیکھتا ہوں کہ (جیسے شراب نچوڑ رہا ہوں

یعنی شراب بنانے کے لئے انگور کا شیرہ نچوڑ رہا ہوں اور بادشاہ کو وہ شراب پلا رہا ہوں۔

وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّیْٓ اَرٰىنِیْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِیْ

دوسرے نے کہا کہ میں اپنے کو اسی طرح دیکھتا ہوں کہ (جیسے) اپنے سر پر روٹیاں لئے

خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّیْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِیْلِهٖ ۚ

جاتا ہوں (اور) اس میں سے پرندے (نوچ نوچ کر) کھاتے ہیں ہم کو اس خواب کی

اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ لَا

تعبیر بتلایئے۔ آپ ہم کو نیک آدمی معلوم ہوتے ہیں حضرت یوسف (علیہ السلام)

یَاْتِیْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِیْلِهٖ

نے فرمایا کہ (دیکھو) جو کھانا تمہارے پاس آتا ہے جو کہ تم کو کھانے کے لئے (جیل

قَبْلَ اَنْ یَّاْتِیَكُمَا ؕ

خانہ) میں ملتا ہے میں اس کے آنے سے پہلے اس کی حقیقت تم کو بتلا دیا کرتا ہوں

کہ فلانی چیز آوے گی اور ایسی ایسی ہوگی یوسف علیہ السلام نے چاہا کہ جب یہ میرے معتقد ہیں تو اول ان کو دعوت ایمان کرنا چاہئے اس لئے اول ایک معجزہ سے اپنا نبی ہونا ثابت کیا اور شاید یہ خاص معجزہ اس وجہ سے بیان فرمایا ہو کہ جس واقعہ میں انہوں نے آپ سے رجوع کیا تھا وہ بھی کھانے کے متعلق تھا تو یہ معجزہ ان کے حال کے زیادہ مناسب ہوا۔

ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ ؕ

یہ بتلا دینا اس علم کی بدولت ہے جو مجھ کو میرے رب نے تعلیم فرمایا ہے

یعنی مجھ کو وحی سے معلوم ہو جاتا ہے پس یہ معجزہ میری نبوت کی دلیل ہے اب نبوت ثابت کرنے کے بعد توحید ثابت فرماتے ہیں یعنی جب میری نبوت اور میرا کمال دلیل سے ثابت ہو چکا تو جس طریق کو میں اختیار کروں اور صحیح بتلاؤں وہ حق ہوگا اور وہ یہ ہے کہ (آگے ترجمہ)

اِنِّیْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

میں نے تو ان لوگوں کا مذہب (پہلے ہی سے) چھوڑ رکھا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں

وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَاتَّبَعْتُ

لاتے اور وہ لوگ آخرت کے بھی منکر ہیں۔ اور میں نے اپنے ان (بزرگوار)

مِلَّةَ اٰبَآءِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ؕ

باپ دادوں کا مذہب اختیار کر رکھا ہے ابراہیمؑ اور اسحاقؑ کا اور یعقوبؑ کا

سب پر خدا کا سلام نازل ہو آگے اس مذہب کا رکن اعظم جو کہ توحید ہے بیان فرماتے ہیں۔

مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ

اور ہم کو کسی طرح زیبا نہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی شی کو شریک (عبادت) قرار دیں (اور) یہ

ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَعَلَى النَّاسِ

(عقیدۂ توحید) ہم پر اور (دوسرے) لوگوں پر (بھی) خداتعالیٰ کا ایک فضل ہے (کہ اس کی

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾

بدولت دنیا اور آخرت کی فلاح ہے) لیکن اکثر لوگ (اس نعمت کا) شکر (ادا) نہیں کرتے

یعنی توحید کی قدر کر کے اس کو اختیار نہیں کرتے۔

یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ

اے قید خانہ کے رفیقو! کیا متفرق معبود اچھے یا ایک معبود

اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾ ؕ

برحق جو سب سے زبردست ہے وہ اچھا

یعنی ذرا سوچ کر بتلاؤ کہ عبادت ایک معبود کی اچھی یا بہت سوں کی جواب اس کا ظاہر ہے کہ غلامی ایک ہی آقا کی اچھی ہوتی ہے۔

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً

تم خدا کو چھوڑ کر صرف چند بے حقیقت ناموں کی

سَمَّيْتُمُوْهَآ

عبادت کرتے ہو

یعنی ان کے محض نام ہی نام ہیں حقیقت ان کی کچھ بھی نہیں۔

اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ

جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے (آپ ہی) ٹھہرالیا ہے خداتعالیٰ نے تو ان (کے

سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا

معبود ہونے) کی کوئی دلیل (نقلی یا عقلی) نہیں بھیجی (اور) حکم (دینے کا اختیار صرف) خدا

تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ

ہی کا ہے (اور) اس نے یہ حکم دیا ہے کہ بجز اس کے اور کسی کی عبادت مت کرو (پس اسی حکم

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾

پر عمل کرنا چاہئے) یہی (توحید) سیدھا طریقہ ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے

اور اس طریقہ کو اختیار نہیں کرتے۔ ایمان کی تبلیغ کر کے اب ان کے خواب کی تعبیر بتلاتے ہیں (ترجمہ دیکھو)

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ

اے قید خانہ کے رفیقو تم میں ایک تو (جرم سے بری ہو کر) اپنے آقا کو

رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ

(بدستور) شراب پلایا کرے گا اور دوسرا (مجرم قرار پا کر) سولی دیا جائے گا

فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِيَ

اور اس کے سر کو پرندے (نوچ نوچ) کھاویں گے جس

الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ﴿۴۱﴾ ؕ

بارے میں تم پوچھتے تھے وہ اسی طرح مقدر ہو چکا

یعنی یوں ہی ہوگا چنانچہ بعد تنقیح مقدمہ ایک بری ثابت ہوا اور دوسرا مجرم اور دونوں قید خانہ سے بلائے گئے۔ ایک رہائی کے لئے دوسرا سزا کے لئے۔

وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا

اور جس شخص پر رہائی کا گمان تھا اس سے یوسف (علیہ السلام) نے فرمایا کہ

اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ز

اپنے آقا کے سامنے میرا بھی تذکرہ کرنا

یعنی جب وہ لوگ قید خانہ سے جانے لگے تو آپ نے ایک سے جو کہ ساقی تھا یہ فرمایا کہ بادشاہ کے سامنے میرا تذکرہ بھی کرنا کہ ایک شخص قید خانہ میں بے قصور مقید کیا گیا ہے اس نے وعدہ کر لیا اور چونکہ تدبیر کرنا اور ظاہری اسباب کا استعمال کرنا جائز ہے۔ اس لئے اس امر میں یوسف علیہ السلام پر کوئی شبہ نہیں ہوسکتا۔

فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ

پھر اس کو اپنے آقا سے (یوسف علیہ السلام) کا تذکرہ کرنا شیطان نے بھلا

فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ﴿۴۲﴾ ع ؕ

دیا تو (اس وجہ سے) قید خانہ میں اور بھی چند سال ان کا رہنا ہوا

یہ جو فرمایا کہ چند سال اور بھی رہنا ہوا یہ بطور عتاب کے نہیں ہے بلکہ اس شخص کے بھول جانے پر محض اس نتیجہ کو مرتب کرنا مقصود ہے کہ وہ جو بھول گیا اس لئے کوئی سامان ان کے نکلنے کا نہ ہوا خوب سمجھ لو۔ اور لفظ بضع کا اطلاق عربی میں تین سے دس تک آتا ہے پس اس کے درمیان میں جتنے عدد ہیں ہر عدد کا آیت میں احتمال ہے۔ وقال الملک تا یعصرون۔

وَقَالَ الْمَلِكُ

اور بادشاہ (مصر) نے کہا

یعنی اس درمیان میں بادشاہ مصر نے بھی ایک خواب دیکھا اور ارکان دولت کو جمع کر کے ان سے کہا (آگے ترجمہ)

اِنِّيْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ

کہ میں (خواب میں کیا) دیکھتا ہوں کہ سات گائیاں فربہ ہیں

يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ

جن کو سات لاغر گائیں کھا گئیں اور سات بالیں سبز ہیں اور ان

خُضۡرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ ؕ

کے علاوہ سات اور ہیں جو کہ خشک ہیں

اور ان خشک بالوں نے اسی طرح ان سبزیوں پر لپٹ کر ان کو خشک کر دیا اور خواب میں گایوں اور بالوں دونوں کا نظر آنا شاید اس لئے ہو کہ قحط کا اثر حیوانات اور نباتات ہی پر ہوتا ہے۔

یٰۤاَیُّہَا الۡمَلَاُ اَفۡتُوۡنِیۡ فِیۡ رُءۡیَایَ اِنۡ

اے دربار والو اگر تم (خواب کی) تعبیر دے سکتے ہو تو میری

کُنۡتُمۡ لِلرُّءۡیَا تَعۡبُرُوۡنَ ﴿۴۳﴾

اس خواب کے بارے میں مجھ کو جواب دو

ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اعیان سلطنت فن تعبیر سے ناواقف تھے اسی لئے بادشاہ کے کلام میں بھی شک پایا جاتا ہے کہ اگر تم تعبیر دے سکتے ہو الخ اور خود انہوں نے بھی اپنی واقفیت کی نفی کی مانحن بتاویل الاحلام بعالمین کہ ہم لوگ خوابوں کی تعبیر کا علم نہیں رکھتے۔

قَالُوۡۤا اَضۡغَاثُ اَحۡلَامٍ ۚ وَمَا نَحۡنُ بِتَاۡوِیۡلِ

وہ لوگ کہنے لگے کہ یونہی پریشان خیالات ہیں اور (دوسرے) ہم لوگ (کہ

الۡاَحۡلَامِ بِعٰلِمِیۡنَ ﴿۴۴﴾

صرف امور سلطنت میں ماہر ہیں) خوابوں کی تعبیر کا علم بھی نہیں رکھتے

دو جواب اس لئے دیئے کہ اول جواب سے بادشاہ کے دل سے پریشانی اور وسواس دور کرنا مقصود ہے کہ یہ کوئی خواب نہیں جس سے آپ فکر میں پڑیں اور دوسرے جواب سے اپنا عذر ظاہر کرنا مقصود ہے خلاصہ یہ کہ اول تو ایسی خواب قابل تعبیر نہیں دوسرے ہم اس فن سے واقف نہیں پس اب یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ جب وہ تعبیر نہ جانتے تھے تو صرف دوسرا جملہ کہہ دینا کافی تھا اور ان کا اضغاث احلام کہنا کہ یوں ہی پریشان خیالات ہیں یہ تعبیر جاننے کی دلیل نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ تفصیلاً تو ہم جانتے نہیں مگر خوابوں کی جیسی شان ہوتی ہے اس سے اجمالاً اتنا کہہ سکتے ہیں کہ یہ خواب نہیں محض خیال ہے تو اتنا اجمالی علم مہارت فن کی دلیل نہیں ہوسکتی اور چونکہ ان لوگوں کا یہ جواب تعبیر کے طور پر نہ تھا اس لئے اس خواب کی دوسری تعبیر جو یوسف علیہ السلام نے دی وہی واقع ہوئی ورنہ جیسا حدیث میں آیا ہے کہ اول ہی تعبیر واقع ہوا کرتی ہے بشرطیکہ اصول تعبیر کے موافق وہ خواب اس تعبیر کا احتمال بھی رکھتا ہو اور اگر قاعدے کے موافق وہ خواب اس تعبیر کو محتمل نہ ہو تو واقع ہونا ضروری نہیں پس جہاں کہیں دو تعبیروں میں سے دوسری واقع ہو اور پہلی نہ ہو معلوم کر لو کہ تعبیر اول موافق قاعدے کے نہ تھی۔ اور قواعد اس کے چونکہ بہت دقیق ہیں لہٰذا احاطہ ان کا کسی قدر دشوار ہے۔

وَقَالَ الَّذِیۡ نَجَا مِنۡہُمَا وَادَّکَرَ بَعۡدَ اُمَّۃٍ

اور ان (مذکورہ) دو قیدیوں میں سے جو رہا ہو گیا تھا (وہ مجلس میں حاضر تھا) اس نے کہا اور مدت کے بعد اس کو خیال آیا

یعنی یوسف علیہ السلام کی وصیت کے بعد مدت یاد آئی۔

اَنَا اُنَبِّئُکُمۡ بِتَاۡوِیۡلِہٖ فَاَرۡسِلُوۡنِ ﴿۴۵﴾

میں اس کی تعبیر کی خبر لائے دیتا ہوں آپ لوگ مجھ کو ذرا جانے کی اجازت دیجئے

اس سے بھی معلوم ہوا کہ وہ لوگ تعبیر کے عالم نہ تھے ورنہ علماء تعبیر کے فیصلہ کے بعد اعیان سلطنت کے روبرو ایسی جرات نہ ہوتی اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ خود بھی تعبیر صحیح کے مشتاق اور منتظر تھے چنانچہ دربار سے اجازت ہوئی اور وہ قید خانہ میں یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچا اور جا کر عرض کیا۔

یُوۡسُفُ اَیُّہَا الصِّدِّیۡقُ اَفۡتِنَا فِیۡ سَبۡعِ

اے یوسف اے صدق مجسم آپ ہم لوگوں کو اس (خواب) کا جواب (یعنی

بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاۡکُلُہُنَّ سَبۡعٌ عِجَافٌ

تعبیر) دیجئے کہ سات گائیاں موٹی ہیں ان کو سات دبلی گائیں کھا گئیں اور

وَّسَبۡعِ سُنۡۢبُلٰتٍ خُضۡرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ ۙ

سات بالیں ہری ہیں اور اس کے علاوہ (سات) خشک بھی ہیں

کہ ان خشک کے لپٹنے سے وہ ہری بھی خشک ہو گئیں آپ تعبیر بتلایئے۔

لَّعَلِّیۡۤ اَرۡجِعُ اِلَی النَّاسِ

تاکہ میں ان لوگوں کے پاس لوٹ کر جاؤں

اور جنہوں نے مجھ کو بھیجا ہے ان سے بیان کروں۔

لَعَلَّہُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۶﴾

تاکہ ان کو بھی معلوم ہو جائے

تعبیر بھی اور اس سے آپ کا حال بھی ان کو معلوم ہو تعبیر کے موافق عمل درآمد کریں اور آپ کی خلاصی کی کوئی صورت نکلے۔

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ

آپ نے فرمایا کہ تم سات سال متواتر (خوب) غلہ بونا

یعنی ان سات فربہ گایوں اور سات سبز بالوں سے پیداوار اور بارش کے سات سال مراد ہیں پس ان میں تم خوب زراعت کرنا۔

فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا

پھر جو فصل کاٹو اس کو بالوں میں رہنے دینا (تا کہ گھن نہ لگ جائے) ہاں اگر

مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾

تھوڑا سا جو تمہارے کھانے میں آوے

کہ وہ تو بالوں سے نکالا ہی جاوے گا باقی کو بالوں سے مت نکالنا۔

ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ

پھر اس (سات برس) کے بعد سات برس اور ایسے سخت (اور قحط کے) آویں

مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾

گے جو کہ اس (تمام تر) ذخیرہ کو کھا جاویں گے جس کو تم نے ان برسوں کے واسطے جمع کر کے رکھا ہوگا ہاں مگر تھوڑا سا جو (بیج کے واسطے) رکھ چھوڑو گے

وہ البتہ بچ جاوے گا اور ان خشک بالوں اور دبلی گایوں سے ان ہی سات سال کی طرف اشارہ ہے جن میں قحط پڑے گا۔

ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ

پھر اس (سات برس) کے بعد ایک برس ایسا آوے گا جس میں لوگوں کے

النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿۴۹﴾

لئے خوب بارش ہوگی اور اس میں شیرہ بھی نچوڑیں گے

کیونکہ انگور بکثرت پھلیں گے اور شیرہ نچوڑ کر بکثرت شراب پیویں گے اور غالباً یہ آپ نے اس سے سمجھا کہ جب سات لاغر گایوں اور خشک بالوں سے قحط کے سات برس مراد ہیں تو لامحالہ ان سات سالوں کے بعد شدت نہ رہے گی پس بارش وغیرہ خوب ہوگی واللہ اعلم غرض وہ شخص تعبیر لے کر دربار میں پہنچا اور جا کر بیان کیا وقال الملک ائتونی به تا یتقون

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ

اور شرابیں پیوینگے) اور بادشاہ نے حکم دیا کہ ان کو میرے پاس لاؤ

کیونکہ اس نے جو تعبیر کو سنا تو آپ کے علم و فضل کا معتقد ہوا اس لئے اپنے پاس بلانا چاہا چنانچہ یہاں سے قاصد چلا

فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ

چنانچہ یہاں سے قاصد چلا) پھر جب ان کے پاس (وہ) قاصد پہنچا (اور پیغام دیا

فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ

تو) آپ نے فرمایا کہ تو اپنی سرکار کے پاس لوٹ جا پھر اس سے دریافت کر کہ

اَيْدِيَهُنَّ ؕ

(کچھ تم کو خبر ہے) ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے

مطلب یہ تھا کہ ان کو بلا کر میرے حال کی اس واقعہ کے متعلق تفتیش کی جائے جس میں مجھ کو قید کی گئی جب تک میرا اس تہمت سے بری ہونا اور بے قصور ہونا ثابت نہ ہو جائے گا میں نہ آؤں گا اور ان عورتوں کے حال سے مراد یوسف علیہ السلام کے حال سے ان کا واقف یا ناواقف ہونا ہے اور خاص ان عورتوں کا ذکر شاید اس لئے کیا ہو کہ ان کے سامنے زلیخا نے یہ اقرار کیا تھا۔ ولقد راودته عن نفسه فاستعصم کہ میں نے بیشک یوسف سے اپنے مطلب کی خواہش کی تھی مگر وہ پاک صاف رہا۔

اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ﴿۵۰﴾

میرا رب ان عورتوں کے فرقہ کے فریب کو خوب جانتا ہے

یعنی اللہ کو تو معلوم ہی ہے کہ زلیخا نے مجھ پر تہمت لگا کر ایک چال چلی ہے مگر لوگوں کے سامنے بھی اس چال فریب کی تنقیح ہو جانا مناسب ہے چنانچہ بادشاہ نے ان عورتوں کو حاضر کیا۔

قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ

کہا کہ تمہارا کیا واقعہ ہے جب تم نے یوسف (علیہ السلام) سے اپنے مطلب

نَّفْسِهٖ ؕ

کی خواہش کی

یعنی ایک نے خواہش کی تھی اور بقیہ نے اس کی اعانت کی مگر چونکہ کسی کام میں اعانت کرنا خود اس کے کرنے کے مثل ہے اس لئے گویا سب نے خواہش کی اور شاید بادشاہ نے اس عنوان سے...... اس لئے پوچھا تا کہ مجرم سن لے کہ بادشاہ کو خواہش طلب کرنے کی اطلاع ہے تو

اس کو اس کی بھی اطلاع ہوگی کہ کس نے خواہش طلب کی اور اس حالت میں انکار نہ چل سکے گا تو اس طرح مجرم صاف صاف اقرار کرلے۔

قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ

عورتوں نے جواب دیا کہ حاش للہ ہم کو ان میں ذرا بھی تو برائی کی بات نہیں معلوم ہوئی

وہ تو بالکل پاک صاف ہیں اور شاید زلیخا کا وہ اقرار اس لئے ظاہر نہ کیا ہو کہ وہ زیادہ مقصود یوسف علیہ السلام کی پاکی اور صفائی کا ثابت کرنا سمجھی ہوں اور یہ مقصود اتنی بات سے حاصل ہو گیا زیادہ کہنے کی کیا ضرورت یا زلیخا کے روبرو ہونے کی وجہ سے اس کی بات بیان کرنے سے حیا مانع ہوئی ہو یا عداوت پیدا ہو جانے کا احتمال ہوا ہو۔

قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا

عزیز کی بی بی (جو کہ حاضر تھی) کہنے لگی کہ اب تو حق بات (سب پر) ظاہر

رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۵۱﴾

ہی ہوگئی (اب اخفاء بیکار ہے سچ یہی ہے کہ) میں نے ہی ان سے اپنے مطلب کی خواہش کی تھی اور بیشک وہی سچے ہیں

یعنی میں نے جو اول عزیز سے کہہ دیا تھا کہ جو شخص تیری بی بی کے ساتھ بدفعلی کا ارادہ کرے اس کی سزا کیا ہوسکتی ہے الخ یہ بات غلط اور محض ایک چال تھی اور یوسف علیہ السلام نے جو کہا تھا ھی راودتنی عن نفسی کہ اسی نے مجھ سے اپنے مطلب کی خواہش کی ہے وہ اس بات میں سچے ہیں بیشک میں نے ان کو پھسلانا چاہا تھا اور غالباً ایسی بات کا اقرار کرلینا مجبوری ہی کی حالت میں زلیخا کو پیش آیا غرض تمام صورت مقدمہ اور سب کے اظہارات اور یوسفؑ کی براءت ونزاہت کا سارا بیان ان کے پاس کہلا کر بھیجا اس وقت یوسف علیہ السلام قید خانہ سے نکلنے پر آمادہ ہوئے۔

ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ

یوسف (علیہ السلام) نے فرمایا کہ یہ تمام اہتمام (جو میں نے کیا) محض اس وجہ سے تا کہ عزیز کو (زائد) یقین کے ساتھ معلوم ہوجائے کہ میں نے اس کی عدم

اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۲﴾

موجودگی میں اس کی آبرو میں دست اندازی نہیں کی اور یہ (بھی معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کے فریب کو چلنے نہیں دیتا

چنانچہ زلیخا نے عزیز کی حرمت میں خیانت کی تھی کہ دوسرے پر نگاہ ڈالی خدا نے اس کی قلعی کھول دی بس میری یہی غرض تھی۔ یوسف علیہ السلام کے اس اہتمام براءت سے معلوم ہوا کہ رفع تہمت میں سعی کرنا ضروری ہے۔ حدیثوں میں بھی اس کا مطلوب ہونا وارد ہے منجملہ اس کے فوائد کے یہ بھی ہے کہ لوگ غیبت سے بچیں گے اپنا قلب بھی تشویش سے محفوظ رہے گا اور گو عزیز کو آپ کی براءت پہلے سے معلوم تھی مگر اس کے یقین کو پختہ کرنا نیز عوام میں سے بدنامی رفع کرنا یہ تھی مصلحت رہی یہ بات کہ یہ صورت براءت ثابت کرنے کی رہائی کے بعد بھی تو ممکن تھی پھر رہائی سے پہلے ہی اس کا اہتمام کیوں کیا اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ جتنا یقین لوگوں کو اس ترتیب میں ہوسکتا ہے اس کے خلاف میں نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ دلائل کے ساتھ اگرچہ ہر وقت براءت ثابت کرنا ممکن تھا لیکن اس خاص صورت میں اتنی بات زیادہ ہے کہ بادشاہ اور عزیز سمجھ سکتے ہیں کہ جب بدون ثبوت براءت کے یہ رہا ہونا نہیں چاہتے حالانکہ ایسی حالت میں رہائی بہت زیادہ مطلوب اور ہر چیز سے زیادہ مرغوب ہوتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اپنی نزاہت و براءت کا پورا یقین ہے اور اس کے ثابت ہو جانے کا پورا اطمینان ہے بقول مشہور آں را کہ حساب پاک ست از محاسبہ چہ باک اور ظاہر ہے کہ ایسا کامل یقین صرف بری کو ہوسکتا ہے ملوث کو نہیں ہوسکتا آگے بتلاتے ہیں کہ اس اہتمام براءت سے مجھے اپنا تقدس جتلانا مقصود نہ تھا۔

الحمدللہ بارہویں پارہ کی تفسیر ختم ہوئی

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌ ۢ

اور (باقی) میں اپنے نفس کو (بالذات) بری (اور پاک) نہیں بتلاتا (کیونکہ) نفس تو

بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ ؕ

(ہر ایک کا) بری ہی بات بتلاتا ہے بجز اس (بعض) کے جس پر میرا رب رحم کرے

یعنی اس میں برے کاموں کے حکم کرنے کا مادہ نہ رکھے جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کے نفوس مطمئنہ ہوتے ہیں جن میں یوسف علیہ السلام کا نفس بھی داخل ہے خلاصہ یہ ہوا کہ میری نزاہت وعصمت میرے نفس کا ذاتی کمال نہیں جس میں خلاف ہونا محال ہو بلکہ رحمت وعنایت الٰہی کا اثر ہے کہ میرا نفس بری باتوں کا حکم نہیں کرتا ورنہ جیسے اوروں کے نفوس ہیں ویسا ہی میرا بھی ہوتا

اِنَّ رَبِّیۡ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۵۳﴾

بلاشبہ میرا رب بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے

یعنی اوپر جو نفس کی دو قسمیں معلوم ہوئی ہیں امارہ جو بری باتوں کا حکم کرتا ہے دوسرا مطمئنہ جس میں بری باتوں کا مادہ نہیں ہوتا۔ سو امارہ اگر توبہ کر لے تو اس کی مغفرت فرمائی جاتی ہے اور توبہ کے مرتبہ میں اس کو لوامہ کہا جاتا ہے (کیونکہ وہ اپنے آپ کو ملامت کرنے لگتا ہے) اور جو نفس مطمئنہ ہے اس کا یہ ذاتی کمال نہیں بلکہ عنایت ورحمت خداوندی کا اثر ہے پس امارہ جب توبہ کرلے اس میں صفت غفور کا ظہور ہوتا ہے اور مطمئنہ میں صفت رحیم کا ظہور ہوتا ہے یہ تمام تر یوسف علیہ السلام کی تقریر کا مضمون ہوا۔

وَقَالَ الۡمَلِکُ ائۡتُوۡنِیۡ بِہٖۤ اَسۡتَخۡلِصۡہُ لِنَفۡسِیۡ ۚ

اور (یہ سن کر) بادشاہ نے کہا کہ ان کو میرے پاس لاؤ میں ان کو خاص اپنے (کام کے) لئے رکھوں گا

یعنی بادشاہ نے جو یہ ساری باتیں سنیں تو یوسفؑ سے ملنے کا زیادہ مشتاق ہوا اور کہا کہ میں ان کو عزیز سے لے لوں گا اب اس کے ماتحت نہ رہیں گے چنانچہ لوگ ان کو بادشاہ کے پاس لائے۔

فَلَمَّا کَلَّمَہٗ قَالَ اِنَّکَ الۡیَوۡمَ لَدَیۡنَا مَکِیۡنٌ

پس جب بادشاہ نے ان سے باتیں کیں تو بادشاہ نے (ان سے) کہا کہ تم

اَمِیۡنٌ ﴿۵۴﴾

ہمارے نزدیک آج (سے) بڑے معزز اور معتبر ہو

آپ سے باتیں کر کے اور بھی زیادہ فضل وکمال آپ کا ظاہر ہوا اس کے بعد اس خواب کی تعبیر کا ذکر آیا اور بادشاہ نے کہا کہ اتنے بڑے قحط کا اہتمام بڑا بھاری کام ہے۔ یہ انتظام کس کے سپرد کیا جائے۔

قَالَ اجۡعَلۡنِیۡ عَلٰی خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ ۚ اِنِّیۡ

یوسف (علیہ السلام) نے فرمایا کہ ملکی خزانوں پر مجھ کو مامور کر دو میں (ان کی)

حَفِیۡظٌ عَلِیۡمٌ ﴿۵۵﴾

حفاظت (بھی) رکھوں گا (اور) خوب واقف ہوں

یعنی میں آمد وخرچ کا انتظام اور اس کے حساب وکتاب کا طریقہ بھی خوب جانتا ہوں چنانچہ بجائے اس کے کہ یوسف علیہ السلام کو کوئی خاص منصب دیا جاتا بادشاہ نے مثل اپنے پورے اختیارات ہر قسم کے ان کو دے دیئے۔ گویا حقیقت میں بادشاہ یہی ہو گئے گو برائے نام بادشاہ وہ رہا اور یوسف علیہ السلام عہدہ عزیز سے مشہور ہوئے اور یوسفؑ کی اس درخواست سے معلوم ہوا کہ جب کسی کام کی لیاقت اپنے اندر منحصر معلوم ہو تو خود اس کی درخواست جائز ہے مگر مقصود نفع رسانی ہو نفس پروری نہ ہو۔

وَکَذٰلِکَ مَکَّنَّا لِیُوۡسُفَ فِی الۡاَرۡضِ ۚ یَتَبَوَّاُ

اور ہم نے ایسے (عجیب) طور پر یوسف (علیہ السلام) کو ملک میں بااختیار بنا

مِنۡہَا حَیۡثُ یَشَآءُ ؕ

دیا کہ اس میں جہاں چاہیں رہیں سہیں

جیسا کہ بادشاہوں کو اجازت ہوتی ہے یعنی یا تو وہ وقت تھا کہ کنویں میں محبوس تھے پھر عزیز کی ماتحتی میں مقید رہے پھر قید خانہ میں بند رہے اور یا آج یہ خود مختاری اور آزادی عنایت ہوئی۔

نُصِیۡبُ بِرَحۡمَتِنَا مَنۡ نَّشَآءُ وَلَا نُضِیۡعُ اَجۡرَ

ہم جس پر چاہیں اپنی عنایت متوجہ کر دیں اور ہم نیکی کرنے والوں کا اجر

الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۵۶﴾

ضائع نہیں کرتے

یعنے دنیا میں بھی نیکی کا اجر ملتا ہے کہ حیات طیبہ اور پاکیزہ زندگی عطا ہوتی ہے خواہ تونگری کے ساتھ نصیب ہو جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے لئے ہوا خواہ تنگ دستی اور فقر کے ساتھ قناعت ورضا حاصل ہو جس سے لذیذ عیش میسر ہوتا ہے پس بعضوں کو دنیوی ثروت نہ ملنے سے اشکال لازم نہیں آتا یا اجر تو دنیا میں ہوا۔

وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور آخرت کا اجر کہیں زیادہ بڑھ کر ہے ایمان

وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۷﴾

اور تقویٰ والوں کے لئے

درمنثور میں منقول ہے کہ عزیز اسی زمانہ میں مرگیا اور زلیخا سے یوسف علیہ السلام کا نکاح ہوگیا۔ غرض یوسف علیہ السلام نے بااختیار ہوکر غلہ کاشت کرانا اور جمع کرانا شروع کیا اور سات برس کے بعد قحط شروع ہوا یہاں تک کہ دور دور سے یہ خبر سن کر کہ مصر میں سلطنت کی طرف سے غلہ فروخت ہوتا ہے جوق جوق لوگ آنا شروع ہوئے۔ وجاء اخوة یوسف تا لایعلمون

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ

اور (کنعان میں بھی قحط ہوا تو) یوسف کے بھائی آئے

وہ بھی غلہ لینے کے لئے مصر میں آئے مگر بنیامین کو نہیں لائے۔

فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾

پھر یوسف کے پاس پہنچے سو یوسف نے ان کو پہچان لیا اور انہوں نے یوسف کو نہیں پہچانا

کیونکہ ان میں تغیر کم ہوا تھا نیز یوسف علیہ السلام کو ان کے آنے کا خیال اور قوی احتمال بھی تھا پھر نو وارد سے پوچھ بھی لیتے ہیں اور شناسا لوگوں کو تھوڑے پتہ سے اکثر پہچان بھی لیتے ہیں بخلاف یوسف علیہ السلام کے ان کی چونکہ مفارقت کے وقت بہت کم عمر تھی تغیر بھی زیادہ ہو گیا تھا اور ان کو یوسف علیہ السلام کے ہونے کا احتمال بھی نہ تھا پھر حکام سے کوئی پوچھ بھی نہیں سکتا کہ آپ کون ہیں۔ یوسف علیہ السلام کا معمول تھا کہ ہر شخص کے ہاتھ غلہ صرف بقدر حاجت فروخت کرتے تھے چنانچہ ان کو بھی جب فی آدمی ایک ایک اونٹ غلہ داموں کے عوض ملنے لگا تو انہوں نے کہا کہ ہمارا ایک علاتی (باپ شریک) بھائی اور ہے اس کو باپ نے اس وجہ سے کہ ان کا ایک بیٹا گم ہوگیا تھا اپنی تسلی کے لئے رکھ لیا ہے اس کے حصہ کا بھی ایک اونٹ غلہ زیادہ مول دے دیا جائے یوسف علیہ السلام نے فرمایا یہ قانون کے خلاف ہے اگر اس کا حصہ لینا ہے وہ خود آ کر لے جاوے غرض ان کے حصہ کا غلہ ان کو دلوا دیا۔

وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ

اور جب یوسفؑ نے ان کا سامان (غلہ کا) تیار کردیا تو (چلتے وقت) فرمایا کہ اپنے

لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي

علاتی بھائی کو بھی (ساتھ) لانا (تا کہ اس کا حصہ بھی دیا جاسکے) تم دیکھتے نہیں ہو

الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۵۹﴾

کہ میں پورا ناپ کر دیتا ہوں اور میں سب سے زیادہ مہمان نوازی کرتا ہوں

پس اگر تمہارا وہ بھائی آوے گا تو اس کو بھی پورا حصہ دے دوں گا اور اس کی خوب خاطر داشت کروں گا جیسا تم نے اپنے ساتھ دیکھا غرض آنے میں نفع ہی نفع ہے۔

فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ

اور اگر تم (دوبارہ آئے اور) اسکو میرے پاس نہ لائے تو نہ میرے پاس

وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿۶۰﴾

تمہارے نام کا غلہ ہوگا اور نہ تم میرے پاس آنا

کیونکہ میں سمجھوں گا کہ تم مجھ کو دھوکہ دے کر غلہ زیادہ لینا چاہتے تھے تو اس کے نہ لانے میں یہ نقصان ہوگا کہ تمہارے حصہ کا غلہ بھی سوخت ہو جاوے گا۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ اس مرتبہ یوسف علیہ السلام نے بنیامین کا بھی حصہ دے دیا تھا مگر آگے کے لئے روک دیا تھا کہ بدوں بنیامین کے غلہ لینے مت آنا۔

قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

وہ بولے (دیکھئے) ہم (اپنے حد امکان تک تو) اس کے باپ سے اس کو مانگیں گے اور ہم اس کام کو ضرور کریں گے

یعنی کوشش اور درخواست کریں گے۔

وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ

اور یوسف (علیہ السلام) نے اپنے نوکروں سے کہہ دیا کہ ان کی جمع پونجی

جس کے عوض انہوں نے غلہ مول لیا ہے۔

فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا

ان (ہی) کے اسباب میں (چھپا کر) رکھ دو تا کہ جب اپنے گھر جاویں تو اس

اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۲﴾

کو پہچان لیں شاید کہ (یہ احسان و کرم دیکھ کر) پھر دوبارہ آویں

اور آنے میں ان کو کوئی مانع نہ رہے۔

فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓی اَبِیْهِمْ قَالُوْا یٰٓاَبَانَا

غرض جب لوٹ کر اپنے باپ (یعقوب علیہ السلام) کے پاس پہنچے کہنے لگے اے ابا

ہماری بڑی خاطر ہوئی مگر بنیامین کے حصہ کا غلہ نہیں ملا۔

مُنِعَ مِنَّا الْكَیْلُ

ہمارے لئے (مطلقاً) غلہ کی بندش کر دی گئی ہے

یعنی بلا ان کو ساتھ لے جائے ہوئے آئندہ ہم کو بھی نہ ملے گا۔

فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ

سو آپ ہمارے بھائی (بنیامین) کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تاکہ ہم (پھر) غلہ لاسکیں

اور جو امر مانع ہے مرتفع ہو جائے۔

وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۶۳﴾

اور ہم ان کی پوری حفاظت رکھیں گے

آپ اندیشہ نہ کریں۔

قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَیْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ

یعقوب (علیہ السلام) نے فرمایا کہ بس (رہنے دو) میں اس کے بارہ میں بھی تمہارا

عَلٰٓی اَخِیْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَیْرٌ حٰفِظًا ۪

ویسے ہی اعتبار کرتا ہوں جیسا اس سے پہلے اس کے بھائی (یوسف) کے بارے میں تمہارا اعتبار کر چکا ہوں سو (اللہ کے سپرد ہے) وہی سب سے بڑھ کر نگہبان ہے

یعنی دل تو گواہی نہیں دیتا کہ تم اس کی حفاظت کرو گے مگر تم کہتے ہو کہ بدوں اس کے جائے غلہ نہ ملے گا اس لئے مجبوری ہے۔

وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۶۴﴾

اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے

میری محبت اور شفقت سے کیا ہوتا ہے۔

وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ

اور اس گفتگو کے بعد جب انہوں نے اپنا اسباب کھولا تو (اس میں) ان کو ان

رُدَّتْ اِلَیْهِمْ ؕ قَالُوْا یٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِیْ ؕ هٰذِهٖ

کی جمع پونجی (بھی) ملی کہ ان ہی کو واپس کر دی گئی کہنے لگے کہ اے ابا (لیجئے)

بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَیْنَا ۚ

اور ہم کو کیا چاہئے یہ ہماری جمع پونجی بھی تو ہم ہی کو لوٹا دی گئی

ایسا کریم بادشاہ ہے اور اس سے زیادہ کس عنایت کا انتظار کریں یہ عنایت بس ہے اس کا مقتضٰی بھی یہی ہے کہ ایسے کریم بادشاہ کے پاس پھر جاویں اور وہ موقوف ہے بھائی کے ساتھ لے جانے پر اس لئے اجازت ہی دے دیجئے ان کو ساتھ لے جاویں گے۔

وَنَمِیْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ

اور اپنے گھر والوں کے واسطے (اور) رسد لاویں گے اور اپنے بھائی کی خوب حفاظت

كَیْلَ بَعِیْرٍ ؕ ذٰلِكَ كَیْلٌ یَّسِیْرٌ ﴿۶۵﴾

کریں گے اور ایک اونٹ کا بوجھ غلہ اور زیادہ لاویں گے یہ تو تھوڑا سا غلہ ہے

یعنی جس قدر اب لائے ہیں یہ تھوڑا ہے جلدی ختم ہو جاوے گا پھر اور ضرورت ہوگی اور آئندہ غلہ ملنا بنیامین کے لے جانے پر موقوف ہے۔

قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ

یعقوب (علیہ السلام) نے فرمایا

کہ خیر اس حالت میں بھیجنے سے انکار نہیں لیکن ایک بات ہے (ترجمہ دیکھو)

مَعَكُمْ حَتّٰی تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ

اس وقت تک ہرگز اس کو تمہارے ہمراہ نہ بھیجوں گا جب تک کہ اللہ کی قسم کھا

لَتَاْتُنَّنِیْ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ یُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّآ اٰتَوْهُ

کر مجھ کو پکا قول نہ دو گے کہ تم اس کو ضرور لے ہی آؤ گے ہاں اگر کہیں گھر ہی جاؤ تو مجبوری ہے (چنانچہ سب نے اس پر قسم کھائی) سو جب وہ قسم کھا کر اپنے باپ

مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ وَكِیْلٌ ﴿۶۶﴾

کو قول دے چکے تو انہوں نے فرمایا کہ ہم لوگ جو کچھ بات چیت کر رہے ہیں یہ سب اللہ ہی کے حوالے ہے

یعنی خدا ہی ہمارے قول و قرار کا گواہ ہے وہ سن رہا ہے اور وہی اس قول کو پورا کر سکتا ہے پس اس کہنے سے دو غرض ہوئیں اول ان کو اپنے قول کے خیال رکھنے کی ترغیب اور تنبیہ کہ اللہ کو حاضر ناظر سمجھتے رہیں دوسرے اپنی اس تدبیر کا منتہٰی تقدیر کو قرار دیا کہ اگر خدا تعالیٰ کو منظور ہوگا تب یہ قول و قرار پورا ہو سکتا ہے یہی توکل کا حاصل ہے اس کے بعد بنیامین کو ہمراہ جانے کی

اجازت دے دی غرض دوبارہ مصر کے سفر کو معہ بنیامین سب تیار ہوئے۔

وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ

اور (چلتے وقت) یعقوب (علیہ السلام) نے (ان سے) فرمایا کہ اے میرے بیٹو

وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ

سب کے سب ایک ہی دروازے سے مت جانا بلکہ علیحدہ علیحدہ دروازوں سے جانا

یعنی جب مصر میں پہنچو تو ایک ساتھ سب مل کر داخل مت ہونا کیونکہ یہ سب وجیہ وشکیل تھے اس لئے نظر بد کا اور حسد کا اور بہت سی چیزوں کا ان پر احتمال ہوا یہاں ایک سوال یہ ہوسکتا ہے کہ پہلی بار جب یہ لوگ غلہ لینے گئے تھے اس وقت یہ وصیت کیوں نہیں فرمائی اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں ایک یہ کہ اس وقت مصر والے ان کو پہچانتے نہ تھے کسی نے التفات بھی نہ کیا تھا اور ایک بار جانے سے جو یوسف علیہ السلام نے ان کے ساتھ عنایت کا خاص برتاؤ کیا تو ان پر نظریں پڑنے لگیں اس لئے نظر بد وحسد وغیرہ کا اندیشہ ہوا دوسرے یہ کہ زیادہ مقصود بنیامین کی حفاظت تھی اور پہلی بار وہ ساتھ نہ تھے۔

وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ

اور خدا کے حکم کو تم پر سے نہیں ٹال سکتا حکم تو بس اللہ ہی کا (چلتا) ہے

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ

(باوجود اس تدبیر ظاہری کے دل سے) اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں

یعقوب علیہ السلام نے وصیت کر کے فرمایا کہ یہ محض ایک ظاہری تدبیر ہے نظر بد وغیرہ سے بچنے کی باقی باوجود اس تدبیر ظاہری کے میں دل سے خدا پر بھی بھروسہ رکھتا ہوں کہ یہی عین توکل ہے۔

وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۶۷﴾

اور اسی پر اور بھروسہ کرنے والوں کو بھروسہ رکھنا چاہیے

یعنی تم بھی اسی پر بھروسہ کرنا تدبیر پر نظر مت کرنا غرض سب رخصت ہو کر چلے۔

وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا

اور جب (مصر پہنچ کر) جس طرح ان کے باپ نے کہا تھا (اسی طرح شہر کے)

كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ

اندر داخل ہوئے تو باپ کا ارمان پورا ہو گیا (باقی) ان کے باپ کو ان سے (یہ تدبیر بتلا کر) خدا کا حکم ٹالنا مقصود نہ تھا

تا کہ ان پر کسی قسم کا اعتراض یا اس تدبیر کے نافع نہ ہونے سے ان پر کوئی شبہ لازم آئے کیونکہ توکل کیساتھ تدبیر کرنا شان نبوت کے منافی نہیں البتہ اگر نظر بد کوئی چیز نہ ہوتی تب بھی شبہ کی گنجائش تھی لیکن دلیل نقلی اور تجربہ سے اس کا موثر ہونا خود ثابت ہے اس لئے شبہ کی اصلا گنجائش نہیں رہی رہا یہ شبہ کہ بظاہر الفاظ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ یعقوب علیہ السلام کی تدبیر نافع نہیں ہوئی جیسا کہ ما کان یغنی عنھم سے مفہوم ہوتا ہے حالانکہ یقیناً حسد اور نظر بد وغیرہ جن کو مجتمع ہو کر داخل ہونے اور الگ الگ داخل ہونے سے تعلق ہے یہ امور واقع نہیں ہوئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تدبیر نافع ہوئی تو اس صورت میں تعارض ہوگا جواب اس کا یہ ہے کہ اصل مقصود یعقوب علیہ السلام کا یہ تھا کہ ان پر کوئی بھی حادثہ پیش نہ آئے کچھ حسد ونظر بد کی تخصیص نہ تھی لیکن ان کے ذہن میں وہ امور آئے جو واقع ہونے والے نہ تھے اور ان ہی کی تدبیر بتلا دی اور جو امور مقدر تھے وہ ان کے ذہن میں بھی نہ آئے اور واقع ہوئے پس اصل مقصود کے اعتبار سے تدبیر کا نافع نہ ہونا صحیح ہوا۔ اور یعقوب علیہ السلام کی اس تدبیر کے بیان کرنے سے احقر کے ذوق میں غالباً خود اس قول کا نقل کرنا یا ایسی تدبیروں کی ترغیب دینا مقصود نہیں ہے بلکہ اس مشہور حکایت پر ظاہر میں جو شبہ ہوتا تھا کہ یہ تدبیر شان نبوت کے خلاف ہے اس کا جواب دینا مقصود ہے کہ خلاف شان جب ہوتی جب کہ اس کو موثر حقیقی سمجھتے اور خدا پر بھروسہ رکھ کر تدبیر کرنا منافی شان نہیں ہے۔

اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ

لیکن یعقوب (علیہ السلام) کے جی میں (درجہ تدبیر میں) ایک ارمان (آیا) تھا جس

وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ

کو انہوں نے ظاہر کر دیا اور وہ بلاشبہ بڑے عالم تھے بایں وجہ کہ ہم نے ان کو علم دیا تھا

پس وہ اپنے علم کے خلاف تدبیر کے موثر حقیقی ہونے کا کب اعتقاد کر سکتے تھے ان کے اس قول کی وجہ صرف ایک عملی تدبیر بتلانا اور ظاہری انتظام کرنا تھا جو کہ جائز اور محمود ہے۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ ع

لیکن اکثر لوگ اس کا علم نہیں رکھتے

بلکہ جہل کی وجہ سے تدبیر کو موثر حقیقی اعتقاد کر لیتے ہیں ولما دخلوا علی یوسف تا اذالظلمون

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ

اور جب یہ لوگ (برادران یوسفؑ) یوسف (علیہ السلام) کے پاس پہنچے (تو) انہوں

اَخَاهُ قَالَ اِنِّىْۤ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ

نے اپنے بھائی کو اپنے ساتھ ملا لیا (اور تنہائی میں ان سے) کہا کہ میں تیرا بھائی یوسفؑ

بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۹﴾

ہوں سو یہ لوگ جو کچھ (بدسلوکی) کرتے رہے ہیں اس کا رنج مت کرنا

کیونکہ اب تو اللہ تعالیٰ نے ملا دیا اب سب غم بھلا دینا چاہئے یوسف علیہ السلام کے ساتھ بدسلوکی کی تو ظاہر اور مشہور ہے رہا بنیامین کے ساتھ سو یا تو ان کو بھی کچھ تکلیف دی ہو ورنہ یوسف علیہ السلام کی جدائی کیا ان کے حق میں کچھ کم تکلیف ہے پھر دونوں بھائیوں نے مشورہ کیا کہ کوئی ایسی صورت ہو کہ بنیامین یوسف علیہ السلام کے پاس رہیں کیونکہ ویسے بدوں کسی تدبیر کے رہنے میں تو دوسرے بھائیوں کے اصرار اور جھگڑا کرنے کا اندیشہ تھا وہ بنیامین کے واپس لے جانے پر عہد اور قسم دے چکے تھے پھر اگر وجہ ظاہر ہوگئی تو راز کھلا اور وجہ مخفی رہی تو یعقوب علیہ السلام کا رنج بڑھے گا کہ بلا سبب کیوں رکھے گئے یا کیوں رہ گئے۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ تدبیر تو ہے مگر ذرا تمہاری بدنامی ہے۔ بنیامین نے کہا کہ کچھ پروا نہیں غرض ان میں یہ امر قرار پا گیا ادھر سب کو غلہ دے کر ان کی رخصت کا سامان درست کیا گیا یہاں ایک سوال ہوتا ہے کہ یعقوب علیہ السلام بھی مشہور لوگوں میں سے تھے اور یوسف علیہ السلام بھی بہت مشہور تھے پھر اتنے عرصہ تک یوسف علیہ السلام کی خبر ان کو کیسے مخفی رہی اس کا جواب روح المعانی میں یہ دیا ہے کہ بات غلبۂ تقدیر سے خلاف عادت ہوئی خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان سے خبر کو پوشیدہ رکھا۔

فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ

پھر جب یوسف (علیہ السلام) نے ان کا سامان تیار کر دیا تو پانی پینے کا برتن

فِىْ رَحْلِ اَخِيْهِ

اپنے بھائی کے اسباب میں رکھ دیا

خود یا کسی معتمد ذریعہ سے ایسا کیا گیا اور یہی برتن غلہ دینے کا پیمانہ تھا جب یہ لوگ لاد پھاند کر خوشی خوشی چلے تو یوسف علیہ السلام کے حکم سے پیچھے سے منادی ہوئی۔

ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ

پھر ایک پکارنے والے نے پکارا کہ اے قافلہ والو تم

لَسٰرِقُوْنَ ﴿۷۰﴾

ضرور چور ہو

ظاہر یہ ہے کہ اعلان یوسف علیہ السلام کے حکم سے ہوا تو اس بات کے سچ ہونے کی کیا توجیہ ہے احقر کے نزدیک یہ توریہ ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ ایسی بات کہی جائے جس سے کہنے والے کی مراد کچھ ہو اور سننے والا دوسرے معنے سمجھے اور توریہ بوقت ضرورت جائز ہے پس یوسف علیہ السلام کی مراد ان کو چور کہنے سے یہ تھی کہ ان لوگوں نے یعقوب علیہ السلام سے یوسف علیہ السلام کو بطور چوری کے غائب کر دیا تھا اور سننے والے یہ سمجھے کہ پیمانہ شاہی کے چور یہی ہیں۔

قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾

وہ ان (تلاش کرنے والوں) کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ تمہاری کیا چیز

قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ

گم ہو گئی ہے انہوں نے کہا کہ ہم کو بادشاہی کا پیمانہ نہیں ملتا (وہ غائب ہے)

جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ

اور جو شخص اس کو لا کر حاضر کرے اس کو ایک بار شتر غلہ ملے گا

یا یہ مطلب ہو کہ اگر خود چور بھی مال دے دے تو معافی کے بعد انعام پائیگا۔

وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿۷۲﴾

اور میں اس (کے دلوانے) کا ذمہ دار ہوں

غالباً یہ اعلان اور یہ وعدہ انعام یوسف علیہ السلام کے حکم سے ہوا تھا۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ

یہ لوگ کہنے لگے کہ بخدا تم کو خوب معلوم ہے کہ ہم لوگ ملک میں فساد

فِى الْاَرْضِ

پھیلانے نہیں آئے

اور چوری بھی فساد میں داخل ہے۔

وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾

اور ہم لوگ چوری کرنے والے نہیں

یعنی ہمارا یہ شیوہ نہیں ہے۔

قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِیْنَ ﴿۷۴﴾

ان ڈھونڈنے والے) لوگوں نے کہا اچھا اگر تم جھوٹے نکلے

اور تم میں سے کسی پر چوری ثابت ہوگئی۔

قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِیْ رَحْلِهٖ فَهُوَ

تو اس (چور) کی کیا سزا؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس کی سزا یہ ہے کہ وہ

جَزَآؤُهٗ ؕ

جس شخص کے اسباب میں ملے پس وہی شخص اپنی سزا

یعنی چوری کے عوض میں خود اس کی ذات کو صاحب مال اپنا غلام بنالے۔

یہ جواب ان حضرات نے یعقوب علیہ السلام کی شریعت کے موافق دیا۔

كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۷۵﴾

ہم لوگ ظالموں (یعنی چوروں) کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں

یعنی چوری کی سزا ہماری شریعت میں یہی ہے اور اسی مسئلہ کے موافق عملدرآمد ہے۔ غرض یہ امر باہم قرار پانے کے بعد اسباب اتروا دیا گیا۔

فَبَدَاَ بِاَوْعِیَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِیْهِ

پھر یوسف (علیہ السلام) نے اپنے بھائی (کے اسباب) کے تھیلے سے قبل تلاشی

ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِیْهِ ؕ

کی ابتدا اول دوسرے بھائیوں کے (اسباب کے) تھیلوں سے کی پھر (آخر میں) اس (برتن) کو اپنے بھائی (کے اسباب) کے تھیلے سے برآمد کرلیا

وہ برتن پانی پینے کا خاص ممتاز برتن تھا اس کو غلہ ناپنے کے لئے تجویز کیا تھا جس کی شاید یہ وجہ ہو کہ لینے والوں کا اعزاز اکرام ظاہر ہو بھیک مانگنے والوں کی طرح ذلیل نہ سمجھے جاویں نیز غلہ تھوڑا تھوڑا بقدر ضرورت دیا جاتا تھا اس لئے چھوٹا برتن پانی پینے کا تجویز کیا گیا چونکہ اس سے بادشاہی کام ہوتا تھا اس لئے اس کا لقب صواع الملک (شاہی پیمانہ) ہوگیا تھا یہ ضرور نہیں کہ خاص بادشاہ کے پینے کا برتن ہو اور نہ یہ ضروری ہے کہ بادشاہ سے مراد یوسف علیہ السلام ہوں اور اس فیصلہ میں صرف برتن کے اسباب میں پائے جانے کو موجب سزا قرار دیا گیا حالانکہ اس میں بھی احتمال ہوسکتا تھا کہ کسی اور نے رکھ دیا ہو جواب اس کا یہ ہے کہ جب وہ متہم یہ احتمال پیش نہ کرے تو ظاہراً سرقہ کو اس نے تسلیم کرلیا اس لئے سزا مرتب کی گئی۔

كَذٰلِكَ كِدْنَا لِیُوْسُفَ ؕ

ہم نے یوسفؑ کی خاطر سے اس طرح تدبیر فرمائی

آگے اس تدبیر کی وجہ بتلاتے ہیں۔

مَا كَانَ لِیَاْخُذَ اَخَاهُ فِیْ دِیْنِ الْمَلِكِ

یوسف اپنے بھائی کو اس بادشاہ (مصر) کے قانون کے رو سے نہیں لے سکتے تھے

کیونکہ اس کے قانون میں چوری کی سزا کچھ تادیب اور جرمانہ تھی۔

اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ

مگر یہ ہے کہ اللہ ہی کو منظور تھا

اس لئے یوسف علیہ السلام کے دل میں یہ تدبیر آئی اور ان لوگوں کے منہ سے خود یہ فتویٰ نکلا اس طرح تدبیر راست آگئی اور بنیامین یوسف علیہ السلام کے پاس رہے اور چونکہ حقیقۃً ان کو غلام نہ بنایا گیا تھا بلکہ بنیامین کی خوشی سے غلامی کی محض صورت ہی صورت تھی اس لئے یہ شبہ لازم نہیں آتا کہ آزاد شخص کو غلام کیسے بنالیا آگے بتلاتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام گو بڑے عالم وعاقل تھے مگر پھر بھی ہمارے جتلانے کے محتاج تھے کیونکہ کسی کا علم ذاتی اور محیط نہیں ہے۔

نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ

ہم جس کو چاہتے ہیں (علم میں) خاص درجوں تک بوڑھا دیتے ہیں

پس سب کا علم خدا ہی کا عطیہ ہے اور ایک درجہ تک محدود ہے۔

وَفَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ ﴿۷۶﴾

اور تمام علم والوں سے بڑھ کر ایک بڑا علم والا ہے

یعنی اللہ تعالیٰ کہ اس کا علم کسی کا دیا ہوا نہیں اور تمام چیزوں کو محیط بھی ہے اس میں یہ دونوں کمال ہیں پس جب مخلوق کا علم ناقص ٹھہرا اور خالق کا علم کامل تو لامحالہ مخلوق اپنے علم اور تدبیر میں خدا تعالیٰ کی تعلیم وتلقین کے محتاج ہیں حاصل یہ کہ جب بنیامین کے اسباب سے وہ برتن برآمد ہوا اور وہ روک لئے گئے تو وہ سب بڑے شرمندہ ہوئے۔

قَالُوْۤا اِنْ یَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ

کہنے لگے کہ (صاحب) اگر اس نے چوری کی تو (تعجب نہیں کیونکہ) ایک

قَبْلُ ۚ

بھائی (تھا وہ) بھی (اسی طرح) اس سے پہلے چوری کرچکا ہے

جس کا قصہ درمنثور میں اس طرح لکھا ہے کہ یوسف علیہ السلام کو ان کی پھوپھی نے پرورش کیا تھا جب ہوشیار ہوئے تو یعقوب علیہ السلام نے لینا چاہا وہ ان کو بہت چاہتی تھیں ان کو اپنے پاس رکھنا چاہا اس لئے انہوں نے ان کی کمر میں ایک پٹکا کپڑوں کے اندر باندھ کر مشہور کر دیا کہ پٹکا گم ہو گیا اور سب کی تلاشی لی تو ان کی کمر میں نکلا اور اس شریعت کے موافق ان کو پھوپھی کے قبضہ میں رہنا پڑا یہاں تک کہ جب انہوں نے وفات پائی اس وقت یعقوب علیہ السلام کے پاس آ گئے اور ممکن ہے کہ یہ صورت غلامی کی بھی ہو یوسف علیہ السلام کی رضامندی سے ہوئی ہو اس لئے یہاں بھی آزاد کا غلام بنانا لازم نہیں آتا اور ہر چند کہ بھائیوں کو یوسف علیہ السلام کے اخلاق نیز دیگر قرائن میں تامل کرنے سے اس فعل سے آپ کی براءت یقیناً معلوم تھی بنیامین پر جوان کو غصہ تھا اس میں یہ بات بھی کہہ دی۔

فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا

پس یوسفؑ نے اس بات کو (جو آگے آتی ہے) اپنے دل میں پوشیدہ رکھا اور

لَهُمْ ج قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ج

اس کو ان کے سامنے (زبان سے ظاہر نہیں کیا یعنی (دل میں) یوں کہا کہ اس (چوری کے) درجہ میں تو تم (اور بھی زیادہ) برے ہو

یہاں تو سرقہ کی صرف صورت ہی تھی اور تم نے سرقہ سے بھی بڑھ کر کام کیا کہ آدمی کو ہی غائب کر دیا۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾

اور جو کچھ تم بیان کر رہے ہو اس کی حقیقت کا اللہ ہی کو خوب علم ہے

کہ واقع میں ہم چور نہیں ہیں۔

قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا

کہنے لگے اے عزیز اس (بنیامین) کے ایک بہت بوڑھا باپ ہے

اور وہ اس کو بہت چاہتا ہے۔

شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ج

سو آپ (ایسا کیجئے) اس کی جگہ ہم میں سے ایک کو رکھ لیجئے (اور اپنا

اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۷۸﴾

مملوک بنا لیجئے) ہم آپ کو نیک مزاج دیکھتے ہیں

امید ہے کہ آپ اس درخواست کو منظور فرما لیں گے۔

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا

یوسف (علیہ السلام) نے کہا کہ ایسی (بے انصافی کی) بات سے خدا بچاوے کہ جس کے پاس ہم نے اپنی چیز پائی ہے اس کے سوا دوسرے شخص کو پکڑ کے

مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ لا اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ ع

رکھ لیں اس حالت میں تو ہم بڑے بے انصاف سمجھے جاویں گے

کیونکہ دوسرے کو بلا وجہ غلام بنا لینا حرام ہے۔ ہم ایسا نہ کریں گے

فلما استیئسوا تا الاالقوم الکفرون

فَلَمَّا اسْتَيْئَسُوْا

پھر جب ان کو یوسفؑ سے تو بالکل امید نہ رہی (کہ بنیامین کو دینگے

کیونکہ وہ صاف جواب دے چکے تھے۔

مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ط

تو (اس جگہ سے) علیحدہ ہو کر باہم مشورہ کرنے لگے

کہ کیا کرنا چاہئے پھر زیادہ کی یہ رائے ہوئی کہ مجبوری ہے سب کو واپس چلنا چاہئے۔

قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ

ان سب میں جو بڑا تھا اس نے کہا کہ کیا تم کو معلوم نہیں کہ

قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ

تمہارے باپ تم سے خدا کی قسم کھلا کر پکا قول لے چکے ہیں

یعنی تم جو سب کے سب واپس چلنے کی صلاح کر رہے ہو تو کچھ اپنے قول و قرار کی بھی خبر ہے کہ باپ سے قسم کھا کر وعدہ کیا تھا کہ ان کو اپنے ہمراہ واپس لائیں گے ہاں اگر سب ہی گھر جائیں تو مجبوری ہے سو ہم سب کے سب تو گھرے نہیں کہ تدبیر کی گنجائش ہی نہ رہتی اس لئے حتی الامکان کچھ تدبیر کرنا چاہئے۔

وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ج

اور اس سے پہلے یوسفؑ کے بارے میں کس قدر کوتاہی کر ہی چکے ہو

کہ ان کے ساتھ جو برتاؤ ہوا اس سے باپ کے حقوق بالکل ضائع ہوئے سو وہ پرانی شرمندگی ہی کیا کم ہے جو ایک نئی شرمندگی لے کر جائیں۔

فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ

سو میں تو اس زمین سے ٹلتا نہیں تاوقتیکہ میرے باپ مجھ کو (حاضری کی)

اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۰﴾

اجازت نہ دیں یا اللہ تعالیٰ اس مشکل کو سلجھائے اور وہی خوب سلجھانے والا ہے

یعنی کسی تدبیر سے بنیامین چھوٹ جائے غرض میں تو یا اس کو لے کر جاؤں گا یا بلایا ہوا جاؤں گا مجھ کو تو یہیں چھوڑ و۔

اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ

تم واپس اپنے باپ کے پاس جاؤ اور (جا کر ان سے) کہو کہ اے ابا آپ کے صاحبزادے

ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا

(بنیامین) نے چوری کی (اس لئے گرفتار ہوئے) اور ہم تو وہی بیان کرتے ہیں جو ہم کو

عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۱﴾

(مشاہدہ سے) معلوم ہوا ہے اور ہم غیب کی باتوں کے تو حافظ تھے نہیں

یعنی قول وقرار دینے کے وقت ہم کو یہ کیا خبر تھی کہ یہ چوری کرے گا ورنہ ہم کبھی قول نہ دیتے۔

وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ

اور اس بستی (یعنی مصر) والوں سے پوچھ لیجئے

یعنی اگر ہمارے کہنے کا یقین نہ ہو تو کسی معتمد و معتبر آدمی کے ہاتھ مصر والوں سے پچھوا لیجئے۔

الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا

جہاں ہم (اس وقت) موجود تھے

جب چوری برآمد ہوئی۔

وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ

اور اس قافلے والوں سے پوچھ لیجئے جن میں ہم شامل ہو کر (یہاں) آئے ہیں

معلوم ہوتا ہے کہ کنعان کے یا آس پاس کے اور لوگ بھی غلہ لینے گئے ہوں گے۔

وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

اور یقین جانیے ہم بالکل سچ کہتے ہیں

چنانچہ ان سب نے بڑے کو وہیں چھوڑا اور خود آ کر سارا ماجرا بیان کیا۔

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ

یعقوبؑ فرمانے لگے بلکہ تم نے اپنے دل سے ایک بات بنا لی

یعنی بنیامین چوری میں ماخوذ نہیں ہوا یہ سب باتیں بنائی ہوئی ہیں چونکہ یعقوب علیہ السلام یوسف علیہ السلام کے واقعہ کے سبب ان سے غیر مطمئن ہو چکے تھے اس لئے پہلے کی طرح اس وقت بھی اسی قیاس پر یہ بات فرمائی اور اس واقعہ میں اگرچہ یہ بات بظاہر واقع کے مطابق نہیں معلوم ہوتی کیونکہ اس واقعہ میں انہوں نے کچھ بناوٹ نہ کی تھی لیکن چونکہ یعقوب علیہ السلام نے اپنے اجتہاد سے یہ بات فرمائی اور اجتہاد میں خطا ہو جانا عصمت نبوت کے خلاف نہیں اس لئے کوئی اشکال نہیں اور اگر یہ شبہ ہو کہ اجتہاد سے کسی پر تہمت لگانا کب جائز ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص پہلے سے متہم یا مشتبہ ہو اس کو گمان سے متہم اور مشتبہ سمجھنا موجب معصیت نہیں کہ اس میں آدمی طبعاً مجبور بھی ہوتا ہے البتہ یقین کرنا جائز نہیں اور اس جگہ یعقوب علیہ السلام کا یقین کے ساتھ متہم سمجھنا منقول نہیں اور بل سولت لکم انفسکم امرا کہ تم نے اپنے دل سے ایک بات بنالی ہے ان الفاظ سے اگرچہ بظاہر یقین معلوم ہوتا ہے لیکن ممکن ہے کہ ان کا مقصود اس سے واقعہ کی تنقیح اور تفتیش کرنا ہو جیسا کہ تفتیش کے موقعہ پر یہ عادت ہے کہ ایسے الفاظ بولا کرتے ہیں جن سے دوسرا یہ سمجھے کہ ان کو پوری خبر ہے اور اس وجہ سے انکار نہ کر سکے پس یعقوب علیہ السلام کی ان الفاظ سے یہ مراد نہ تھی کہ میں یقین کرتا ہوں کہ تم نے یہ بات بنائی ہے بلکہ مقصود یہ تھا کہ اس طریقہ سے گفتگو کر کے واقعہ کی تفتیش ہو جائے گی۔ دوسرے اگر غور سے دیکھا جائے تو یعقوب علیہ السلام کی یہ بات واقعہ کے مطابق بھی ہے کیونکہ حقیقت میں بنیامین نے سرقہ نہ کیا تھا تو حقیقت کے لحاظ سے بنیامین کی نسبت چوری کا الزام بالکل غلط تھا اور ممکن ہے کہ یعقوب علیہ السلام کو نورانیت قلب سے یہ بات منکشف ہو گئی ہو کہ بنیامین پر سرقہ کا الزام غلط ہے اور اجمالاً اتنا معلوم ہوا ہو کہ یہ کارروائی میری اولاد ہی میں سے کسی نے کی ہے مگر کشف میں اتنی کمی رہی کہ معین طور پر یہ نہ معلوم ہو سکا کہ یہ کارروائی کس کی ہے اس لئے اجمالاً یہ فرما دیا کہ یہ بات تمہارے نفس کی بنائی ہوئی ہے اور مراد یہ تھی کہ جس نے یہ کارروائی کی ہے اس کے نفس نے یہ بات بنائی ہے پس اب کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِىْ

سو صبر ہی کروں گا جس میں شکایت کا نام نہ ہوگا (مجھ کو) اللہ سے امید ہے کہ

بِهِمْ جَمِيْعًا ؕ

ان سب کو مجھ تک پہنچا دے گا

یعنی یوسف اور بنیامین اور جو بڑا بھائی اب مصر میں رہ گیا ہے ان تینوں کو پہنچا دے گا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بقیہ اولاد کے ساتھ بھی آپ کو محبت تھی اور اس کا منشا ممکن ہے کہ یوسف علیہ السلام کا خواب ہو جس کو وہ سچا اور صحیح سمجھتے تھے اور جانتے تھے کہ اس کا ظہور ضرور ہوگا اور اس کا واقع ہونا اس پر موقوف تھا کہ یوسف علیہ السلام بھی زندہ ہوں اور دوسرے بھی صحیح و سالم مع یعقوب علیہ السلام اور ان کی بیوی کے ایک جگہ جمع ہوں۔

اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۸۳﴾

(کیونکہ) وہ خوب واقف ہے بڑی حکمت والا ہے

اس کو سب خبر ہے کہ کون کہاں اور کس حال میں ہے اور وہ جب لانا چاہے گا اپنی حکمت سے ہزاروں سامان اور تدابیر درست کر دے گا۔

وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ

اور ان سے دوسری طرف رخ کر لیا اور کہنے لگے ہائے یوسفؑ افسوس اور غم

وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ

سے (روتے روتے) ان کی آنکھیں سفید پڑ گئیں

چونکہ اس واقعہ میں اولاد سے رنج پہنچا تھا اس لئے یہ جواب دے کر ان سے رخ پھیر لیا اور چونکہ اس نئے غم سے وہ پرانا غم تازہ ہو گیا اس لئے یوسف علیہ السلام کو یاد کرنے لگے اور زیادہ رونے سے اکثر آنکھوں کی سیاہی کم ہو جاتی ہے اور آنکھیں بے رونق یا بالکل بے نور ہو جاتی ہیں اور یعقوب علیہ السلام کے بارہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں کہ آپ کی بینائی بالکل جاتی رہی تھی یا کم ہو گئی تھی اور مخلوق کی محبت میں یعقوب علیہ السلام کے اس قدر رونے سے وسوسہ نہ کیا جائے کیونکہ محبت بے اختیاری چیز ہے اور رونا رقت قلب اور شفقت کی دلیل ہے خصوصاً جب کہ محبت کا سبب کوئی دینی امر بھی ہو جیسا کہ دوسرے رکوع کی تفسیر میں معلوم ہو چکا ہے کہ یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کے ساتھ اس قدر محبت ان کے دینی کمالات کی وجہ سے تھی اور یہ بھی شبہ نہ کیا جائے کہ یعقوب علیہ السلام نے جب فصبر جمیل فرما دیا تھا کہ میں ایسا صبر کروں گا جس میں شکایت کا نام نہ ہوگا پھر شکایت کیوں زبان پر لائے اس کا جواب خود قرآن میں موجود ہے انما اشکوبثی و حزنی الی اللہ مطلب یہ کہ مخلوق سے شکایت کرنا صبر جمیل کے خلاف ہے نہ کہ خالق سے شکایت کرنا کیونکہ وہ تو عین دعاء والتجا ہے جو کہ مطلوب ہے۔

مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۸۴﴾

اور وہ (غم سے جی ہی جی میں) گھٹا کرتے تھے

کیونکہ شدت غم کے ساتھ جب کامل ضبط ہوگا جیسا کہ صابرین کی شان ہے تو گھٹن کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ

بیٹے کہنے لگے بخدا (معلوم ہوتا ہے) تم سدا کے سدا یوسفؑ کی یادگاری میں

حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ

لگے رہو گے یہاں تک کہ گھل گھل کے دم بلب ہو جاؤ گے یا یہ کہ (بالکل) مر

الْهٰلِكِيْنَ ﴿۸۵﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّىْ

ہی جاؤ گے یعقوب (علیہ السلام) نے فرمایا کہ میں تو اپنے رنج و غم کی صرف

وَحُزْنِىْۤ اِلَى اللّٰهِ

اللہ سے شکایت کرتا ہوں

تم سے تو کچھ نہیں کہتا پس تم کو میرے رونے سے کیا بحث

وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾

اور اللہ کی باتوں کو جتنا میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے

باتوں سے مراد یا تو لطف و کرم خداوندی ہے یا ان سب سے ملنے کا جو الہام ہوا تھا وہ مراد ہے۔

يٰبَنِىَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ

اے میرے بیٹو جاؤ اور یوسفؑ اور ان کے بھائی کی

وَاَخِيْهِ

تلاش کرو

یعنی اظہار غم تو صرف اللہ کی جناب میں کرتا ہوں مسبب الاسباب

وہی ہیں لیکن ظاہری تدبیر تم بھی کرو کہ ایک بار پھر سفر کرو اور ایسی تدبیر اور جستجو کرو جس سے یوسفؑ کا نشان ملے اور بنیامین کو رہائی ہو۔

وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ

اور اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو بیشک اللہ کی رحمت سے

مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۸۷

وہی لوگ ناامید ہوتے ہیں جو کافر ہیں

اس مسئلہ کی تحقیق نویں پارہ کے پہلے رکوع کی تفسیر میں گزر چکی ہے کہ رحمت الٰہیہ سے ناامید ہونا کفر ہے وہاں دیکھ لیا جائے غرض یعقوب علیہ السلام کے حکم کے موافق یہ لوگ مصر کو چلے کیونکہ بنیامین کو مصر ہی میں چھوڑا تھا یہ خیال ہوا ہوگا کہ جس کا نشان معلوم ہے پہلے اس کے لانے کی تدبیر کریں اور اس کو بادشاہ سے مانگیں پھر یوسف بے نشان کا پتہ لگائیں گے اور چونکہ ان کو غلہ کی بھی حاجت تھی اس لئے خیال ہوا کہ غلہ کے بہانہ سے عزیز کے پاس چلیں اور خرید غلہ کے ضمن میں خوشامد کی باتیں کریں جب اس کی طبیعت میں نرمی دیکھیں اور مزاج خوش پائیں تو بنیامین کی درخواست کریں اس لئے اول غلہ کے متعلق گفتگو شروع کی۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ

پھر جب یوسف (علیہ السلام) کے پاس پہنچے کہنے لگے اے عزیز ہم کو اور

مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ

ہمارے گھر والوں کو (قحط کی وجہ سے) بڑی تکلیف پہنچ رہی ہے

اور چونکہ ہم کو ناداری نے بھی گھیر رکھا ہے اس لئے کھرے دام میسر نہیں ہوئے۔

وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا

اور ہم کچھ یہ نکمی چیز لائے ہیں سو آپ پورا غلہ

الْكَيْلَ

دے دیجئے

اور اس کے نکمے ہونے سے قطع نظر کر کے غلہ کی مقدار میں کمی نہ کیجئے۔

وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۭ

اور ہم کو خیرات (سمجھ کر) دے دیجئے

کیونکہ زیادہ کا ہمیں کچھ استحقاق تو ہے نہیں غرض مطلب یہ ہے کہ ہمارے ساتھ رعایت فرمائیے اس تقریر سے دو شبہے دفع ہو گئے اول یہ کہ ان کو صدقہ کب حلال تھا بوجہ نبی یا آل نبی ہونے کے دوسرے یہ کہ ان کو سوال کرنا جو کہ ممنوع ہے کیسے درست تھا جواب ظاہر ہے کہ معاملہ میں رعایت کرنے کو مجازاً صدقہ کہہ دیا اور رعایت کی درخواست اور اس کا قبول کرنا نبی اور آل نبی سب کو جائز ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ ان کی نبوت ثابت نہیں اور نفل صدقہ آل نبی کو جائز ہے تو سوال اول کا یہ بھی جواب ہوگا اور اگر بعض علماء کا قول لیا جائے کہ صدقہ کا حرام ہونا آل محمدی کے ساتھ خاص ہے تو یہ ایک اور جواب ہو جائے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ۸۸

بیشک اللہ تعالیٰ خیرات دینے والوں کو جزائے (نے خیر) دیتا ہے

اگر مومن ہے تو آخرت میں بھی اور اگر کافر ہے تو صرف دنیا ہی میں اور یہ دو احتمال اس لئے بیان کئے گئے کہ ان کو عزیز مصر کا مومن ہونا معلوم نہ تھا اور مومن کو آخرت میں تو صدقہ سے نفع ہوتا ہی ہے دنیا میں بھی اس کی وجہ سے بلاء دفع ہوتی ہے یوسف علیہ السلام نے جو ان کے یہ مسکنت آمیز الفاظ سنے رہا نہ گیا اور بے اختیار چاہا کہ اب ان سے کھل جاؤں اور عجب نہیں کہ نور قلب سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہو کہ اس مرتبہ ان کو میری تلاش بھی مقصود ہے اور یہ بھی منکشف ہو گیا ہو کہ اب جدائی کا زمانہ ختم ہو گیا۔ پس اول تو تعارف کے لئے تمہید اٹھائی۔

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ

یوسف (علیہ السلام) نے فرمایا (کہو) وہ بھی تم کو یاد ہے جو کچھ تم نے یوسفؑ

وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ۸۹

اور اس کے بھائی کے ساتھ (برتاؤ) کیا تھا جبکہ تمہاری جہالت کا زمانہ تھا

اور بھلے برے کی کچھ سوچ نہ تھی یہ سن کر تو چکرائے کہ عزیز مصر کو یوسف کے قصہ سے کیا واسطہ ادھر اس گذشتہ خواب سے بھی احتمال تھا کہ شاید یوسف کسی بڑے رتبہ کو پہنچیں کہ ہم سب کو ان کے سامنے گردن جھکانا پڑے اس لئے اس کلام سے شبہ ہوا اور غور کیا تو کچھ کچھ پہچانا

قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ۭ قَالَ اَنَا

کہنے لگے کیا سچ مچ تم ہی یوسف ہو انہوں نے فرمایا (ہاں) میں یوسف ہوں

يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ۡ

اور یہ (بنیامین) میرا (حقیقی) بھائی ہے

یہ اس لئے بڑھا دیا کہ اپنے یوسف ہونے کی اور زیادہ تاکید ہو جائے یا ان کی تفتیش کی کامیابی کی بشارت ہے کہ جن کو تم ڈھونڈنے نکلے ہو ہم دونوں ایک جگہ مجتمع ہیں۔

قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ط

ہم پر اللہ تعالیٰ نے بڑا احسان کیا

کہ ہم دونوں کو اول صبر اور تقویٰ کی توفیق عطا فرمائی پھر اس کی برکت سے ہماری کلفت کو راحت سے اور جدائی کو اجتماع سے اور مال و جاہ کی کمی کو کثرت سے مبدل فرمادیا۔

اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا

واقعی جو شخص گناہوں سے بچتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے نیک

يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۰﴾

کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کیا کرتے

اب وہ لوگ پہلے تمام قصوں کو یاد کر کے نادم ہوئے اور معذرت کرنے لگے۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا

وہ کہنے لگے کہ بخدا کچھ شک نہیں تم کو اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضیلت

وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ ﴿۹۱﴾

عطا فرمائی بیشک ہم (اس میں) خطاوار تھے

یعنی تم اسی مرتبہ کے لائق تھے اور ہم نے جو کچھ کیا اس میں ہماری ہی خطا تھی۔

قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ط

یوسف (علیہ السلام) نے فرمایا کہ نہیں تم پر آج کوئی الزام نہیں

یعنی میری طرف سے بےفکر رہو میرا دل صاف ہو گیا۔

يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ز وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۹۲﴾

اللہ تعالیٰ تمہارا قصور معاف کرے اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے

توبہ کرنے والے کا قصور معاف کر ہی دیتا ہے اسی دعاء سے یہ بھی سمجھا گیا کہ میں نے بھی معاف کر دیا اور لاتثریب سے بھی معلوم ہو گیا تھا

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا

اب تم میرا یہ کرتہ (بھی) لیتے جاؤ

یعنی میرے باپ کو جا کر بشارت دو اور بشارت کے ساتھ یہ کرتہ بھی لے جاؤ اور یہ قمیص صحیح روایت کے مطابق کوئی خاص کرتہ نہ تھا یہی معمولی ملبوس تھا۔

فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ج

اور اسکو میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو (اس سے) انکی آنکھیں روشن ہو جاویں گی

یوسف علیہ السلام کو معلوم ہو گیا تھا کہ یعقوب علیہ السلام کی بصارت میں خلل آ گیا ہے اس لئے اپنا کرتہ بھیجا کہ اس کو چہرہ پر ڈال دیا جائے اس کے بعد ان کا بینا ہو جانا بطور معجزہ کے ہو۔

وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۳﴾ ع

اور اپنے (باقی) گھر والوں کو (بھی) سب کو میرے پاس لے آؤ

کہ سب ملیں اور خوش ہوں کیونکہ حالت موجودہ میں میرا جانا مشکل ہے اس لئے گھر والے ہی چلے آویں اور یعقوب علیہ السلام کے لانے کو صراحۃً اس لئے نہیں فرمایا کہ وہ تو بے آئے رہ ہی نہ سکتے ان کا تشریف لانا یقینی تھا یوسف علیہ السلام سے جب یہ بات چیت ہو چکی تو ان لوگوں نے آپ کے کہنے کے موافق کرتہ لے کر چلنے کی تیاری کی ولما فصلت العیر تا الرحیم

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ

اور جب قافلہ چلا تو ان کے باپ نے کہنا شروع کیا کہ اگر تم مجھ کو بڑھاپے میں بہکی

لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾

باتیں کرنے والا نہ سمجھو (تو ایک بات کہوں کہ مجھ کو تو یوسفؑ کی خوشبو آ رہی ہے

یہ معجزہ تھا یعقوب علیہ السلام کا کہ اس کرتہ میں جو یوسف علیہ السلام کے بدن کا اثر تھا وہ محسوس ہو گیا اور چونکہ معجزہ اختیاری نہیں ہوتا اس لئے پہلے یہ ادراک نہ ہوا۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿۹۵﴾

وہ پاس والے کہنے لگے کہ بخدا آپ تو اپنے پرانے غلط خیال میں مبتلا ہیں

کہ یوسفؑ زندہ ہیں اور ملیں گے اسی خیال کے غلبہ سے اب خوشبو کا وہم ہو گیا اور واقع میں نہ خوشبو ہے نہ کچھ ہے یعقوب علیہ السلام خاموش ہو رہے۔

فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰهُ عَلٰى

پس جب خوشخبری والا آ پہنچا تو (آتے ہی) اس نے وہ کرتہ ان کے منہ پر

وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ج

ڈال دیا پس فوراً ہی (ان کی) آنکھیں کھل گئیں

جو یوسف علیہ السلام کے صحیح سلامت ہونے کی خبر اور ان کا کرتہ لایا تھا آنکھوں کو لگنا تھا اور دماغ میں خوشبو پہنچنا کہ فوراً بینائی لوٹ آئی اور انہوں نے آپ سے سارا ماجرا بیان کیا۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ

آپ نے (بیٹوں) سے فرمایا کیوں نہیں میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ اللہ کی

مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾

باتوں کو جتنا میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے

اور اسی لئے میں نے تم کو یوسف کی تلاش کے لئے بھیجا تھا دیکھو آخر اللہ تعالیٰ میری امید راست لایا اور جن لوگوں نے یعقوب علیہ السلام کے معجزہ کا انکار کیا تھا ان سے آپ نے کچھ نہیں فرمایا اس کی چند وجہ ہیں ایک یہ کہ ایسی بات سے ان کا جواب بھی نکل آیا یا دوسرے ان کی غلطی فوراً ظاہر ہوگئی جتلانے کی کوئی ضرورت نہ تھی اور بیٹوں سے یہ بات بہت زمانہ ہوا فرمائی تھی کہ میں خدا کی باتوں کو تم سے زیادہ جانتا ہوں اس پر ایک مدت گزر گئی تھی تیسرے ان انکار کرنے والوں سے زیادہ معاملہ بھی نہ تھا جتنا بیٹوں سے تھا۔

قَالُوْا یٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ

سب بیٹوں نے کہا کہ اے ہمارے باپ ہمارے لئے (خدا سے) ہمارے گناہوں کی دعائے مغفرت کیجئے

کیونکہ ہم نے یوسف علیہ السلام کے معاملہ میں بہت تکلیف دی۔

اِنَّا كُنَّا خٰطِـئِیْنَ ﴿۹۷﴾

بے شک ہم خطا وار تھے

مطلب یہ کہ آپ بھی معاف کر دیجئے کیونکہ عادۃً کسی کے لئے استغفار وہی کرتا ہے جو خود بھی مواخذہ کرنا نہیں چاہتا اور صاف طور پر یعقوبؑ سے یہ بات کہ آپ معاف کر دیجئے اس لئے نہیں کہی کہ ان کے ذمہ دو قسم کے حقوق تھے ایک خدا کا حق ایک بندوں کا حق تو ایسا جامع عنوان اختیار کیا جس میں دونوں مضمون آ گئے ورنہ حق اللہ کیلئے پھر جدا کہنا پڑتا اور غالباً اسی وجہ سے یعقوبؑ نے بھی استغفار ہی کا وعدہ کیا کہ اسی سے خود ان کا معاف کر دینا بھی معلوم ہو گیا جیسا کہ یوسفؑ نے یغفر اللہ کہا کہ خدا تم کو معاف کرے یہ بھی دونوں حقوق کو جامع ہے ان کا معاف کرنا بھی اسی سے سمجھ میں آ سکتا ہے۔

قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ

یعقوب (علیہ السلام) نے فرمایا عنقریب تمہارے لئے اپنے رب سے

هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۹۸﴾

دعائے مغفرت کروں گا بیشک وہ غفور رحیم ہے

اور اسی سے ان کا معاف کر دینا بھی معلوم ہو گیا اور عنقریب کا مطلب یہ ہے کہ تہجد کا وقت آنے دو جو کہ قبولیت کی ساعت ہے کذا فی الدر المنثور مرفوعاً غرض سب مصر کو تیار ہو کر چل دیئے اور یوسف علیہ السلام خبر سن کر استقبال کے لئے بیرون مصر تشریف لائے اور باہر ہی ملاقات کا سامان کیا گیا۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ

پھر جب یہ سب کے سب یوسف (علیہ السلام) کے پاس پہنچے تو انہوں نے

اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ

اپنے والدین کو اپنے پاس (تعظیماً) جگہ دی اور کہا سب مصر میں چلئے (اور)

اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ ؕ ﴿۹۹﴾

خدا کو منظور ہے) وہاں امن چین سے رہئے

مفارقت کا غم قحط کا الم سب کافور ہو گئے غرض سب مصر میں پہنچے

وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ

اور اپنے والدین کو تخت (شاہی) پر اونچا بٹھایا

اس وقت سب کے قلوب پر یوسف علیہ السلام کی عظمت غالب ہوئی۔

وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ یٰٓاَبَتِ هٰذَا

اور سب کے سب یوسف کے آگے سجدے میں گر گئے اور یہ حالت (دیکھ کر)

تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ

یوسف نے کہا اے میرے ابا یہ ہے خواب کی تعبیر جو پہلے زمانہ میں دیکھا تھا

کہ شمس و قمر اور گیارہ ستارے مجھ کو سجدہ کرتے ہیں۔

قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا ؕ

جس کو میرے رب نے سچا کر دیا

یعنی اس کی سچائی کو ظاہر کر دیا رہی یہ بات کہ اول ملاقات میں سجدہ نہ کیا اور مصر میں آ کر کیا اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ اس وقت عظمت پر محبت کا غلبہ تھا اس وقت کے مناسب یہ باتیں تھیں ملنا جلنا گلے لگنا بات چیت کرنا اور یہاں آ کر محبت پر عظمت کا غلبہ یا تو اس وجہ سے کہ محبت کے جوش کو سکون ہو گیا تھا اس لئے

عظمت کا مشاہدہ ہوا یا اس وجہ سے کہ یہاں یوسف علیہ السلام گویا اپنے اجلاس شاہی پر تھے اور باہر اجلاس پر نہ تھے اور دونوں حالتوں میں تفاوت ظاہر ہے اور یہ سجدہ بطور سلامی کے تھا جو پہلی امتوں میں جائز تھا اور یہ شبہ نہایت ضعیف اور کمزور شبہ ہے کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین اتنی بڑی تعظیم کو کیونکر گوارا کیا بات یہ ہے کہ ان کو تو خواب سے معلوم تھا کہ ایسا ہونیوالا ہے پھر کیا تقدیر کی ہونے والی باتوں میں مزاحمت کرتے آگے فرماتے ہیں کہ اس شرف کے علاوہ میرے رب نے مجھ پر اور انعام بھی فرمائے۔

وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْٓ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ

اور خدانے میرے ساتھ احسان فرمایا کہ (ایک تو) اس نے مجھے قید سے نکالا اور اس رتبہ سلطنت کو پہنچایا۔

وَجَآءَ بِکُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ

اور (دوسرا یہ کہ) تم سب کو جنگل سے یہاں لایا (یہ سب کچھ) بعد اس کے ہوا

نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ اِخْوَتِیْ ؕ

کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان میں فساد ڈلوا دیا تھا

یعنی اس فساد کا مقتضا تو یہ تھا کہ عمر بھر بھی مجتمع اور متفق نہ ہوتے بھائیوں سے بوجہ رنج کے میل نہ ہوتا اور والدین سے خبر نہ پہنچنے کے سبب ملاقات نہ ہوتی اور اس کا سبب بھی وہی فساد ہوتا جس نے باہم جدائی ڈال دی تھی مگر اللہ تعالیٰ کی عنایت سے سب مل ملا گئے اور باہم ایک ہو گئے اور اس میں علماء کے دو قول ہیں کہ اس وقت یوسف علیہ السلام کی حقیقی والدہ زندہ تھیں یا خالہ کو مجازاً والدہ کہہ دیا گیا۔

اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ

بلاشبہ میرا رب جو چاہتا ہے اس کی عمدہ تدبیر کرتا ہے بلاشبہ وہ بڑے علم اور

الْحَکِیْمُ ﴿۱۰۰﴾

حکمت والا ہے

اپنے علم و حکمت سے سب کاموں میں تدبیر درست کر دیتا ہے غرض اس کے بعد سب ہنسی خوشی رہتے رہے یہاں تک کہ یعقوبؑ کی عمر ختم پر پہنچی اور بعد وفات حسب وصیت ملک شام میں اپنے بزرگوں کے پاس دفن کئے گئے پھر یوسف علیہ السلام کو بھی آخرت کا اشتیاق ہوا اور دعا کی۔

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْکِ وَعَلَّمْتَنِیْ

اے میرے پروردگار آپ نے مجھ کو سلطنت کا بڑا حصہ دیا اور مجھ کو خوابوں کی

مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ۚ

تعبیر دینا تعلیم فرمایا (جو کہ علم عظیم ہے)

یعنی مجھ کو ہر طرح کی نعمتیں دیں ظاہری بھی باطنی بھی ظاہری یہ کہ مثلاً بادشاہت دی اور باطنی یہ کہ علم تعبیر عطا فرمایا جو کہ بڑا علم ہے۔ خصوصاً جب کہ تعبیر بھی یقینی ہو جو کہ وحی پر موقوف ہے پس علم تعبیر کا عطا ہونا نبوت عطا ہونے کو بھی مستلزم ہو گیا۔

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۟ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی

اے خالق آسمانوں کے اور زمین کے آپ میرے کارساز ہیں دنیا میں

الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ

بھی اور آخرت میں بھی

پس جس طرح دنیا میں میرے سارے کام بنا دیئے کہ سلطنت دی علم دیا اسی طرح آخرت کے کام بھی بنا دیجئے۔

تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۱﴾

مجھ کو پوری فرمانبرداری کی حالت میں دنیا سے اٹھا لیجئے اور مجھ کو خاص نیک بندوں میں شامل کر لیجئے

یعنی میرے بزرگوں میں جو انبیاء عظام ہوئے ہیں ان میں مجھ کو پہنچا دیجئے ف: اشتیاق موت اگر برائے شوق لقاء خدا ہو تو جائز ہے اور حصہ سلطنت کا اس لئے کہا کہ ساری دنیا کی سلطنت تو آپ کے پاس نہ تھی اہل سیر نے لکھا ہے کہ جب آپ کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے بھائیوں کو یا ان کی اولاد کو وصیت فرمائی کہ اگر کبھی تم لوگ مصر کا وطن چھوڑ کر اپنے آبائی ملک شام کو جانے لگو تو میری لاش اپنے ہمراہ لے جانا چنانچہ موسیٰ علیہ السلام جب مصر سے مخفی نکلے ہیں تو وہ حسب وحی الٰہی یوسف کی نعش کا صندوق اپنے ہمراہ لے گئے اور بعض تفاسیر میں لکھا ہے کہ بعد وفات یوسفؑ کے سلطنت مصر کی سلاطین مصر ہی کی طرف منتقل ہو گئی کیونکہ یوسفؑ کو گو اختیارات سلطنت کے حاصل ہو گئے تھے مگر باضابطہ تو پہلا ہی بادشاہ بادشاہ رہا تھا اس لئے یوسفؑ عزیز مصر کہلاتے تھے چنانچہ ان ہی سلاطین مصر کے سلسلہ میں وہ فرعون ہوا جو موسیٰؑ کے زمانہ میں تھا اور برادران یوسفؑ کی اولاد میں وہ بنی اسرائیل ہوئے جو موسیٰؑ کے وقت میں تھے اور بعض مفسرین نے بلا سند لکھا ہے کہ یہود نے امتحاناً پوچھا تھا کہ یعقوب تو شام کے رہنے والے تھے ان کی اولاد مصر میں فرعون کے ہاتھ میں کہاں پہنچ گئی

اس قصہ سے اس کا جواب بھی حاصل ہو گیا اور مفصل وجہ شام سے مصر کو آنے کی بیان فرما دی تھی ان مفسرین نے رکوع دوم کی پہلی آیت لقد کان الخ کی تفسیر اسی سوال کے ساتھ کی ہے واللہ اعلم۔

ربط: یوسف علیہ السلام کے قصہ میں جس طرح قصہ سے سوال کرنے والوں کا جواب ہے اسی طرح جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر بھی دلیل ہے جیسا کہ لقد کان فی یوسف واخوتہ الخ کی تفسیر میں اس طرف اشارہ ہو چکا ہے آگے اسی دلیل کی تقریر اور کفار کا عناد اور مسئلہ رسالت اور توحید پر بحث اور حضورؐ کی تسلی اور منکرین کی وعید اور قرآن کی حقانیت بیان فرماتے ہیں۔ ذلک من انباء الغیب تا لقوم یومنون

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ

(اے محمدؐ) یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے

یعنی آپ کے اعتبار سے یہ بالکل غیبی خبر ہے کیونکہ آپ کے پاس کوئی ظاہری ذریعہ اس کے جاننے کا نہ تھا۔

نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ

جو ہم (ہی) نے وحی کے ذریعہ سے آپ کو بتایا اور آپ ان کے (یوسف کے بھائیوں) کے

اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

پاس اس وقت موجود نہ تھے جبکہ انہوں نے اپنا ارادہ پختہ کر لیا اور وہ تدبیریں کر رہے تھے

یعنی یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالنے کا ارادہ کر لیا تھا اور باپ سے جدا کرنے کی تدبیریں کر رہے تھے کہ کہیں ان کو لے جائیں اسی طرح یہ امر بھی یقینی ہے کہ آپ نے کسی سے یہ قصہ سنا سنایا نہیں پس یہ صاف دلیل ہے آپ کی نبوت کی اور صاحب وحی ہونے کی۔

وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ

اور اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے

باوجودیکہ نبوت پر دلائل قائم ہو چکے ہیں۔

وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا تَسْـَٔــلُهُمْ

گو آپ کا کیسا ہی جی چاہتا ہو اور آپ ان سے اس پر کچھ

عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ

معاوضہ تو چاہتے نہیں

جس سے یہ احتمال ہو کہ اگر یہ لوگ قرآن کو قبول نہ کریں گے تو آپ کا معاوضہ فوت ہو جائے گا پس ان کے ایمان نہ لانے سے آپ کا کوئی نقصان نہیں۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ ع

یہ (قرآن) تو صرف تمام جہان والوں کے لئے ایک نصیحت ہے

جو نہ مانے گا اسی کا نقصان ہو گا آگے بتلاتے ہیں کہ جیسے یہ لوگ نبوت کے منکر ہیں اسی طرح باوجود دلائل کے توحید سے بھی منکر ہیں۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اور بہت سی نشانیاں ہیں آسمانوں میں اور زمین میں

يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

جن پر ان کا گزر ہوتا رہتا ہے اور وہ ان کی طرف (اصلاً) توجہ نہیں کرتے

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ

اور اکثر لوگ جو خدا کو مانتے بھی ہیں تو اس طرح کہ وہ

مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾

شرک بھی کرتے جاتے ہیں

حالانکہ بدوں توحید کے خدا کا ماننا مثل نہ ماننے کے ہے پس یہ لوگ اللہ کے ساتھ بھی کفر کرتے ہیں اور نبوت کے ساتھ بھی کفر کرتے ہیں۔

اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ

سو کیا پھر بھی اس بات سے مطمئن ہوئے بیٹھے ہیں کہ ان پر خدا کے عذاب کی

اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا

کوئی ایسی آفت آ پڑے جو ان کو محیط ہو جائے یا ان پر اچانک قیامت آ جاوے

يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

اور ان کو (پہلے سے) خبر بھی نہ ہو

مطلب یہ کہ کفر کا نتیجہ عذاب ہے خواہ دنیا میں نازل ہو جائے یا قیامت کے دن واقع ہو پھر اللہ و رسول کے منکر ہو کر یہ اطمینان کیسا ان کو خدا سے ڈرنا اور کفر کو چھوڑ دینا چاہئے۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ

آپ فرما دیجئے کہ یہ میرا طریق ہے

جس کا اوپر ذکر ہوا یعنی رسالت کا حق ہونا اور توحید کا حق ہونا اور

آگے اس کا خلاصہ مکرر سنایا جاتا ہے۔

اَدْعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ ۚ عَلٰى بَصِيْرَةٍ

میں (لوگوں کو توحید) خدا کی طرف اس طور پر بلاتا ہوں کہ میں دلیل پر قائم ہوں

میرے پاس توحید کی بھی دلیل ہے اور اپنے منجانب اللہ رسول ہونے کی بھی دلیل ہے۔

اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ

میں بھی اور میرے ساتھ والے بھی

یعنی میرے ساتھ والے بھی دلیل اور استدلال کے ساتھ مجھ پر ایمان لائے ہیں میں بے دلیل بات کی طرف کسی کو نہیں بلاتا دلیل سنو اور اسے سمجھو پس حاصل طریق کا یہ ہوا کہ خدا واحد ہے اور میں داعی ہوں۔

وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۱۰۸

اور اللہ (شرک سے) پاک ہے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں

خلاصہ یہ ہوا کہ دعوئ نبوت سے میرا مقصود اپنا بندہ بنانا نہیں بلکہ خدا کا بندہ بنانا ہے لیکن اس کا طریقہ بذریعہ رسول کے بتلایا جاتا ہے اس لئے میرا داعی ماننا جب کہ میرے پاس اس کی دلیل بھی ہے واجب ہے اور یہ جو نبوت پر لوگ شبہ کیا کرتے ہیں کہ نبی فرشتہ ہونا چاہئے محض مہمل بات ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ

اور ہم نے آپ سے پہلے مختلف بستی والوں میں سے جتنے (رسول) بھیجے

اِلَيْهِمْ

سب آدمی ہی تھے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے (کوئی بھی فرشتہ نہ تھا

اور جنھوں نے ان کو نہ مانا اور ایسے مہمل شبہات کرتے رہے ان کو سزائیں دی گئیں اسی طرح ان کو بھی سزا ہوگی خواہ دنیا میں خواہ آخرت میں۔

مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۭ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي

اور یہ لوگ جو بے فکر ہیں) تو کیا یہ لوگ ملک میں (کہیں) چلے پھرے نہیں

الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ

کہ (اپنی آنکھوں سے) دیکھ لیتے کہ ان لوگوں کا کیسا (برا) انجام ہوا جو ان

مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ

سے پہلے (کافر ہو گزرے ہیں

مطلب یہ کہ ان کی بدانجامی اور ہلاکت کے آثار مشاہدہ میں آسکتے ہیں جس کا جی چاہے دیکھ لے اور یاد رکھو جس دنیا میں منہمک ہو کر تم نے کفر اختیار کر رکھا ہے یہ دنیا محض ہیچ اور فانی چیز ہے۔

وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۭ

اور البتہ عالم آخرت ان لوگوں کے لئے نہایت بہبودی کی چیز ہے جو احتیاط رکھتے ہیں

یعنی کفر وغیرہ سے بچتے اور توحید اختیار کرتے ہیں

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۱۰۹

سو کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے

کہ فانی چیز کا اختیار کرنا بہتر ہے یا باقی کا اور اگر تم کو عذاب میں دیر ہونے سے اس کے واقع نہ ہونے کا شبہ ہو تو تمہاری غلطی ہے کیونکہ پہلی امتوں کے کافروں کو بھی بڑی بڑی مہلتیں دی گئیں۔

حَتّٰٓي اِذَا اسْتَيْــــَٔسَ الرُّسُلُ

یہاں تک کہ پیغمبر (اس بات سے) مایوس ہو گئے

یعنی مہلت کی مدت دراز ہو جانے اور ایک عرصہ دراز تک عذاب کے آثار نظر نہ آنے سے انبیاء کو اس بات سے مایوسی ہوگئی کہ خدا تعالیٰ کے اجمالی وعدہ سے جو وقت عذاب کا اپنے ذہن میں معین کر کے ہم نے قرار دے رکھا تھا شاید اس وقت میں ہماری نصرت اور مدد اور کفار پر قہر نازل نہ ہو۔

وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا

اور ان (پیغمبروں) کو گمان غالب ہو گیا کہ ہمارے فہم نے غلطی کی

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ مطلق تھا اس میں وقت وغیرہ کی کوئی قید نہ تھی ہم نے اپنی فہم و اجتہاد سے محض قرائن سے یا امداد کے شوق میں قریب کا وقت معین کر لیا یہ ہماری غلطی تھی۔

جَاۗءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ

ان کو ہماری مدد پہنچی

وہ مدد یہ کہ کفار پر عذاب آیا اور ایسی غلطی اجتہادی انبیاء سے جائز ہے چنانچہ حدیثوں میں اس کی نظیر موجود ہے خود ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سال حدیبیہ میں یہ خواب دیکھا تھا کہ مکہ میں طواف کرنے گئے ہیں آپ یہ سمجھے کہ اسی سال میں اس کا ظہور ہوگا چنانچہ اس ارادہ سے چلے اور کامیاب نہ ہوئے بلکہ سال آئندہ اس کا ظہور ہوا اس آیت کی یہ تفسیر بہت سہل ہے اور

ایک قراءۃ کذبوا بالتشدید ہے جس کے معنے ہیں تکذیب کئے گئے اس کا حاصل یہ ہوگا کہ رسولوں کو شبہ ہوا کہ کہیں اہل ایمان ہی تکذیب اور شک نہ کرنے لگیں کہ پیغمبر کے کہنے کے موافق عذاب کا ظہور نہ ہوا۔

فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ ؕ
پھر (اس عذاب سے) ہم نے جس کو چاہا وہ بچالیا گیا

اس سے مراد مومنین ہیں اور اس عذاب میں کفار ہلاک کئے گئے۔

وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۰﴾
اور ہمارا عذاب مجرم لوگوں سے نہیں ہٹتا

بلکہ ان پر ضرور واقع ہوتا ہے گو دیر ہی میں سہی پس یہ کفار مکہ بھی اس دھوکہ میں نہ رہیں۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي
ان (انبیاء و امم سابقین) کے قصے میں سمجھدار لوگوں کے لئے (بڑی)
الْاَلْبَابِ ؕ
عبرت ہے

اس سے عبرت حاصل کرتے ہیں کہ اطاعت کا یہ انجام ہے اور معصیت کا یہ انجام ہے۔

مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ
یہ قرآن (جس میں یہ قصے ہیں) کوئی تراشی ہوئی بات تو ہے نہیں (کہ اس سے عبرت نہ ہوتی) بلکہ اس سے پہلے جو (آسمانی) کتابیں ہو چکی ہیں
الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ
یہ ان کی تصدیق کرنے والا ہے اور ہر (ضروری) بات کی تفصیل کرنے والا
وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ع
ہے اور ایمان والوں کے لئے ذریعہ ہدایت و رحمت ہے

پس ایسی کتاب میں جو مضامین عبرت کے ہوں ان سے تو عبرت حاصل کرنا لازمی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم سورۃ الرعد مدنیۃ و قیل مکیۃ الاقولہ و یقول الذین کفروا وایھا خمس واربعون کذا فی البیضاوی

ربط: حاصل مضامین اس سورۃ کا یہ ہے توحید رسالت جواب شبہات بر رسالت تسلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حقانیت قرآن وعدہ وعید اور یہی مضامین اجمالاً سورۂ یوسف کے آخر میں مذکور ہیں پس ربط سورۃ کا ماسبق سے بھی اور باہم گربھی ظاہر ہوگیا۔ المرا تا لا یومنون

(۱۳) سُوْرَةُ الرَّعْدِ مَدَنِيَّةٌ (۹۶)
سورۂ رعد مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں تینتالیس آیتیں اور چھ رکوع ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں
الٓمّٓرٰ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ
المرا یہ (جو آپ سن رہے ہیں) آیتیں ہیں ایک بڑی کتاب (یعنی قرآن) کی
اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ
اور جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا جاتا ہے یہ بالکل سچ ہے

اور اس کا مقتضا یہ تھا کہ یہ سب لوگ ایمان لے آتے۔

ربط: اوپر حقانیت قرآن کا مضمون تھا آگے توحید کا مضمون ہے جو کہ قرآن کے مقاصد میں سے بڑا مقصود ہے۔ اللہ الذی تا یعقلون

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱﴾ اَللّٰهُ
اور لیکن بہت سے آدمی ایمان نہیں لاتے
الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا
اللہ ایسا (قادر) (ہے کہ اس نے آسمانوں کو بدوں ستون کے اونچا کھڑا کر دیا چنانچہ تم ان (آسمانوں) کو (اسی طرح) دیکھ رہے ہو

بظاہر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جو ہم کو نظر آتا ہے آسمان ہے اور فلاسفہ جو اس رنگ کو نور وظلمت کی ترکیب کا اثر بتلاتے ہیں ہم اس کے منکر نہیں ہیں لیکن اگر باوجود اس کے اسی میں آسمان کا رنگ بھی نظر آتا ہو تو کیا تعجب ہے خواہ وہ رنگ اسی کے مناسب ہو جیسا کہ ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ ما اظلت الخضراء یا دوسرا رنگ ہو کہ مجموعہ کے ملنے سے ایسا محسوس ہونے لگا ہو جیسا فرض کیجئے کہ ایک سفید کپڑے کے سامنے دو آئینے ہوں ایک سفید ایک سیاہ تو ان دونوں کے اندر سے وہ کپڑا بھی نظر

آتا ہے گو اصلی رنگ پر نہ سہی پس اس صورت میں حدیث میں آسمان کو خضراء (سبز رنگ) ظاہر کے اعتبار سے فرمادیا۔

ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ

پھر عرش پر قائم ہوا

یعنی تخت نشین ہو کر زمین و آسمان میں حکومت کرنے لگا۔

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ

اور آفتاب و ماہتاب کو کام میں لگا دیا ہر ایک ایک وقت معین پر

مُّسَمًّى ؕ

چلتا رہتا ہے

چنانچہ سورج اپنے منازل کو سال بھر میں قطع کر لیتا ہے اور چاند مہینہ بھر میں۔

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ

وہی (اللہ) ہر کام کی تدبیر کرتا ہے

جو کچھ کہ عالم میں واقع ہوتا ہے۔

يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝۲

(اور) دلائل کو صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ تم اپنے رب کے پاس جانے کا یقین کرلو

قیامت کے امکان کا یقین تو اس طرح کہ جب اللہ تعالیٰ ایسی بڑی چیزوں کے پیدا کرنے پر قادر ہیں تو مردوں کے زندہ کرنے پر کیوں قادر نہ ہوں گے اور اس کے واقع ہونے کا یقین اس طرح کہ مخبر صادق نے ایک ممکن چیز کے واقع ہونے کی خبر دی ہے تو لامحالہ وہ ہو کر رہے گی۔

وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا

اور وہ ایسا ہے کہ اس نے زمین کو پھیلایا اور

رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ

اس (زمین) میں پہاڑ اور نہریں پیدا کیں اور اس میں ہر قسم کے

فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ

پھلوں سے دو دو قسم کے پیدا کئے

مثلاً کھٹے اور میٹھے چھوٹے اور بڑے کوئی کسی رنگ کا کوئی کسی رنگ کا۔

يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ

شب (کی تاریکی) سے دن (کی روشنی) کو چھپا دیتا ہے

یعنی رات کی تاریکی سے دن کی روشنی پوشیدہ اور زائل ہو جاتی ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۳

ان امور (مذکورہ) میں سوچنے والوں کے (سمجھنے کے) واسطے (توحید پر) دلائل (موجود) ہیں

جس کی تقریر سیقول کے چوتھے رکوع میں گزری ہے اسی طرح اور بھی دلائل توحید کے ہیں (ترجمہ دیکھو)۔

وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ

اور زمین میں پاس پاس مختلف قطعے ہیں

جن میں باوجود اتصال کے مختلف آثار ظاہر ہونا عجیب بات ہے۔

وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ

اور انگوروں کے باغ ہیں اور کھیتیاں ہیں اور کھجور ہیں جن میں بعضے تو ایسی ہیں

وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ

کہ ایک تنہ سے اوپر جا کر دو تنے ہو جاتے ہیں اور بعضے میں دو تنے نہیں ہوتے

بلکہ جڑ سے شاخوں تک ایک ہی تنا چلا جاتا ہے اور دو تنا کی تخصیص مثال کے طور پر ہے ورنہ بعض میں تین چار تک دیکھے گئے ہیں پھر ہر ایک میں پٹھے الگ الگ نکلتے ہیں اور پھل الگ الگ لگتے ہیں۔

ربط: اوپر توحید کا اثبات تھا آگے جواب ہے کفار کے ان شبہات کا جو نبوت کے متعلق تھے مع وعید کے اور وہ تین شبہے تھے اول قیامت کو وہ لوگ محال سمجھتے تھے اور اس سے وہ نبوت کے باطل ہونے پر استدلال کرتے تھے دوسرا یہ شبہ تھا کہ اگر آپ نبی ہیں تو ہمارے انکار نبوت پر جس عذاب کی آپ دھمکی سناتے ہیں وہ کیوں نہیں آتا تیسرا یہ شبہ تھا کہ جن معجزات کی ہم فرمائش کرتے ہیں وہ کیوں نہیں ظاہر کئے جاتے۔ وان تعجب الخ میں پہلے شبہ کا اور ویستعجلونک الخ میں دوسرے شبہ کا اور ویقول الذین کفروا الخ میں تیسرے شبہ کا جواب ہے۔ وان تعجب تا ھاد

يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۣ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا

سب کو ایک ہی طرح کا پانی دیا جاتا ہے اور ہم ایک کو دوسرے پر پھلوں میں

عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

فوقیت دیتے ہیں ان امور (مذکورہ) میں (بھی) سمجھداروں کے واسطے

لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۴ وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ

(توحید کے) دلائل (موجود) ہیں اور (اے محمدؐ) اگر آپ کو تعجب ہو تو

قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ

(واقعی) ان کا یہ قول تعجب کے لائق ہے کہ جب ہم خاک ہو گئے کیا پھر ہم از

جَدِيْدٍ ؕ

سرنو (قیامت کے روز) پیدا ہوں گے

ان کی یہ بات تعجب کے لائق اس لئے ہے کہ جو ذات ایسی اشیاء عظیمہ کے پیدا کرنے پر ابتداء قادر ہے اس کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے اور اسی سے جواب ہو گیا قیامت کو مستبعد سمجھنے کا اور انکار نبوت کا بھی کیونکہ اس کا مبنیٰ بھی وہی استبعاد تھا ایک کے جواب سے دوسرے کا جواب ہو گیا آگے ان کے لئے وعید ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ

وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا

کیونکہ قیامت کے انکار سے خدا کی قدرت کا انکار کیا و نیز انکار نبوت سے (جو کہ قیامت کے انکار سے لازم آیا تھا) حق تعالیٰ کی صفت تائید حق کا انکار کیا کیونکہ ان کے انکار سے لازم آتا ہے کہ معاذ اللہ خدا نے جھوٹے مدعی کے ہاتھ پر معجزات ظاہر کر دیئے جو کہ جھوٹ کی تائید اور حق کو مشتبہ کر دینا ہے حالانکہ حق تعالیٰ ہمیشہ حق کی تائید کرتے ہیں جھوٹے کے ہاتھ پر معجزات ظاہر نہیں فرماتے۔

وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ

اور ایسے لوگوں کی گردنوں میں (دوزخ میں) طوق ڈالے جاویں گے اور ایسے

اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۵

لوگ دوزخی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ لوگ عافیت (کی ختم

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ

میعاد) سے پہلے آپ سے مصیبت (کے نزول) کا تقاضا کرتے ہیں

کہ اگر آپ نبی ہیں تو جلدی عذاب منگا دیجئے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عذاب کے آنے کو بہت بعید سمجھتے ہیں۔

وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ

حالانکہ ان سے پہلے (اور کفار پر) واقعات عقوبت گزر چکے ہیں

تو ان پر آ جانا کیا مستبعد ہے۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ

اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ آپ کا رب لوگوں کی خطائیں باوجود ان کی بے جا حرکتوں

وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۶

کے معاف کر دیتا ہے اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ آپ کا رب سخت سزا دیتا ہے

پس یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے غفور رحیم ہونے کو سن کر مغرور نہ ہوں۔ کہ اب ہم کو عذاب نہ ہوگا کیونکہ وہ صرف غفور رحیم ہی نہیں ہیں اور پھر سب کے لئے نہیں ہیں بلکہ ان میں دوسری صفت عذاب کرنے کی بھی ہے اور دونوں باتیں اپنے اپنے موقع پر ظاہر ہوتی ہیں اس میں دونوں صفتیں ہیں اور ہر ایک کے ظہور کے لئے کچھ شرطیں اور اسباب ہیں پس انہوں نے بلاوجہ اپنے کو مستحق رحمت و مغفرت کیسے سمجھ لیا بلکہ کفر کی وجہ سے ان کے لئے تو اللہ تعالیٰ شدید العقاب (سخت عذاب کرنے والے) ہیں اور بے جا حرکتوں سے مراد کفر کے علاوہ دوسری مصیبتیں ہیں۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ

اور یہ کفاریوں (بھی) کہتے ہیں کہ ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے خاص

عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ

معجزہ (جو ہم چاہتے ہیں) کیوں نہیں نازل کیا گیا

اس سے ان کی غرض نبوت پر اعتراض کرنا ہے مگر ایسی فرمائش محض حماقت ہے کیونکہ آپ معجزات کے مالک تو نہیں ہیں۔

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ

آپ صرف ڈرانے والے (نبی) ہیں

اور نبی کے لئے مطلق کسی معجزہ کی ضرورت ہوتی ہے جو کہ ظاہر ہو چکا ہے خاص معجزہ کی ضرورت نہیں۔

وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝۷ ع

اور ہر قوم کے لئے ہادی ہوتے چلے آئے ہیں

آپ کوئی انوکھے نبی نہیں ہوئے ان میں بھی یہی قاعدہ چلا آیا ہے کہ دعوے نبوت کے لئے مطلق دلیل کو کافی قرار دیا گیا خاص دلیل کا التزام نہیں ہوا اس آیت میں ہادی عام ہے نبی کو بھی اور نائب نبی کو بھی پس ہندوستان میں مطلق ہادی کے آنے سے اس کا نبی ہونا لازم نہیں البتہ محتمل ہے اس میں زیادہ بحث کی ضرورت نہیں

ربط: اوپر بحث نبوت سے پہلے توحید کا مضمون تھا آگے پھر اسی کی طرف عود ہے اپنا وسیع العلم ہونا اور حافظ خلق ہونا اور عظیم الشان ہونا اور مجیب الدعوات وقادر مطلق ہونا بیان فرماتے ہیں۔ اللّٰہ یعلم تا القھار

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا

اللہ تعالیٰ کو سب خبر رہتی ہے جو کچھ کسی عورت کو حمل رہتا ہے

تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ

اور جو کچھ رحم میں کمی بیشی ہوتی ہے

بچہ میں یا مدت میں مثلاً کبھی ایک بچہ ہوتا ہے کبھی زیادہ کبھی جلدی ہوتا ہے کبھی دیر میں غرض خدا تعالیٰ کا علم بہت وسیع ہے۔

وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ﴿۸﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ

اور ہر شے اللہ کے نزدیک ایک خاص انداز سے (مقرر) ہے وہ تمام پوشیدہ

وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ﴿۹﴾ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ

اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا ہے سب سے بڑا (اور) عالیشان ہے تم میں

مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ

سے جو شخص کوئی بات چپکے سے کہے اور جو پکار کر کہے اور جو شخص رات میں

هُوَ مُسْتَخْفٍۢ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ﴿۱۰﴾

کہیں چھپ جاوے اور جو دن میں چلے پھرے یہ سب برابر ہیں

یعنی خدا کے علم میں سب یکساں ہیں سب کو برابر جانتا ہے اور جیسا تم میں سے ہر شخص کو جانتا ہے اسی طرح ہر ایک کی حفاظت بھی کرتا ہے۔

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ

ہر شخص (کی حفاظت) کے لئے کچھ فرشتے (مقرر ہیں) جن کی بدلی ہوتی رہتی

خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ

ہے کچھ اس کے آگے اور کچھ اس کے پیچھے کہ وہ بحکم خدا اس کی حفاظت کرتے ہیں

اور اس سے کوئی یہ نہ سمجھ جائے کہ جب فرشتے ہمارے محافظ ہیں پھر جو چاہو کرو گناہ یا کفر کسی طرح عذاب نازل ہی نہ ہوگا یہ سمجھنا بالکل غلط ہے آگے اسی کا جواب ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا

واقعی اللہ تعالیٰ کسی قوم کی (اچھی) حالت میں تغیر نہیں کرتا جب تک وہ لوگ

مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ

خود اپنی حالت نہیں بدل دیتے

یعنی ابتداء تو حق تعالیٰ کسی کو عذاب نہیں دیتے مگر اس کی ساتھ یہ بھی ہے کہ جب وہ اپنی صلاحیت میں خلل ڈالنے لگتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ان پر مصیبت وعقوبت تجویز کی جاتی ہے۔

وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ

اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر مصیبت ڈالنا تجویز کر لیتا ہے تو
پھر اس کے ہٹنے کی کوئی صورت ہی نہیں

وہ واقع ہو ہی جاتی ہے ایسے وقت میں جن کی حفاظت کا ان کو زعم ہے کچھ نہیں کر سکتے۔

وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ﴿۱۱﴾

اور کوئی خدا کے سوا ان کا مددگار نہیں رہتا

حتیٰ کہ فرشتے بھی ان کی حفاظت نہیں کرتے اور اگر کرتے بھی تو ان کی حفاظت کام نہ آسکتی اس سے یہ شبہ جاتا رہا کہ ملائکہ کی حفاظت کے ہوتے ہوئے پھر کیوں بعض حوادث پیش آتے ہیں جواب ظاہر ہے کہ من امر اللہ کی اس میں قید ہے جب کسی حکمت کی وجہ سے حفاظت کا حکم نہیں ہوتا وہ ملائکہ اپنا کام نہیں کرتے۔ رہا یہ شبہ کہ حفاظت تو ویسے بھی ہو سکتی تھی ملائکہ کے مقرر ہونے کی کیا ضرورت جواب یہ ہے کہ ضرورت نہ ہونے سے حکمت نہ ہونا لازم نہیں مثل دوسرے اسباب کے اس میں بھی حکمتیں ہوں گی اور اگر کسی کو یہ وسوسہ ہو کہ بعض اوقات باوجود گناہوں کے ارتکاب کے عافیت اور نعمت زائل نہیں ہوتی اور بعض دفعہ باوجود گناہوں سے بچنے کے عافیت اور نعمت زائل ہو جاتی ہے اور یہ دونوں باتیں ان اللہ لا یغیر الخ کے مقتضا کے خلاف ہیں جواب یہ ہے کہ مابقوم میں اچھی حالت سے مراد رحمت الٰہی ہے اور اس کے بدلنے سے مراد غضب اور ناراضی ہے جیسا کہ مابانفسھم میں ان کی حالت سے مراد طاعت کی صلاحیت ہے اور اس کے بدلنے سے

معصیت مراد ہے پس حاصل مطلب آیت کا یہ ہوا کہ بدوں معصیت کے ہم ناراض نہیں ہوتے پس گناہوں سے بچنے کی صورت میں ناراضی کی نفی یقینی ہے نعمت اور عافیت دینے کا وعدہ نہیں اور تکلیف و مصیبت میں مبتلا ہونا ناراضی اور غضب الٰہی کی دلیل نہیں اس میں اور بہت سی حکمتیں ہوتی ہیں اور گناہوں کے ارتکاب میں خدا کی ناراضی کسی درجہ میں ضرور مرتب ہو جاتی ہے گو ظاہری نعمت و عافیت زائل نہ ہو نعمت و عافیت ہمیشہ خدا کی رضامندی کی دلیل نہیں ہوتی اس تفسیر سے ایک اور وسوسہ زائل ہو گیا وہ یہ کہ بعض آیات و احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی خاص لوگوں کے گناہوں سے عام مواخذہ بھی ہوتا ہے تو غیر مجرم کا ماخوذ ہونا بظاہر ان اللہ لا یغیر الخ کے منافی ہے جواب ظاہر ہے کہ وہ مواخذہ صورۃً غضب ہے حقیقۃً ناراضی نہیں ہے اور اگر ان لوگوں نے باوجود قدرت کے دوسروں کو سمجھانے میں سستی کی ہو تب تو وہ بھی ایک گناہ کے مرتکب تھے تو کچھ اشکال ہی نہیں۔

هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا

وہ ایسا ہے کہ تم کو بجلی دکھلاتا ہے جس سے ڈر بھی ہوتا ہے اور امید بھی ہوتی ہے

ڈر بجلی گرنے کا اور امید بارش کی۔

وَّ یُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿۱۲﴾ ۚ وَ یُسَبِّحُ

اور وہ بادلوں کو (بھی) بلند کرتا ہے جو پانی سے بھرے ہوتے ہیں اور رعد

الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ

(فرشتہ) اس کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتا ہے

رعد کا ذکر چونکہ آیت میں ملائکہ کے ساتھ کیا گیا ہے اس سے ظاہرا اور ترمذی کی حدیث مرفوع سے صراحۃً رعد کا ایک فرشتہ ہونا معلوم ہوتا ہے اور اسی حدیث سے برق کا اس فرشتہ کے ہاتھ میں آگ کا کوڑا ہونا معلوم ہوتا ہے اس میں بعض نے ایک اشکال نقل کیا ہے اور ایک عقلی نقلی اشکال یہ کہ سورۂ بقرہ میں رعد نکرہ آیا ہے اگر فرشتہ کا نام ہوتا تو نکرہ نہ آتا اس کا جواب یہ ہے کہ رعد جیسا فرشتے کا نام ہے ایسے ہی اس کی آواز کو بھی کہتے ہیں سورۂ بقرہ میں چونکہ آواز مراد ہے اس لئے نکرہ آیا عقلی اشکال یہ ہے کہ فلاسفہ نے اس کے خلاف ذکر کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس آواز کا ظاہری سبب فلاسفہ کے قول کے مطابق ہو اور حقیقی سبب شریعت کے بیان کے موافق ہو تو اس میں کوئی اشکال نہیں چنانچہ انسان کی آواز کا ظاہری سبب ہوا کی خاص حرکت ہے اور حقیقی سبب اس کی روح ہے اور یہ بھی کہنا مضائقہ نہیں کہ گاہے یہ سبب ہو اور گاہے وہ ہو کیونکہ ایک چیز کے لئے متعدد سبب ہونا جائز ہے اسی طرح برق کی حقیقت تو وہی ہو جو فلاسفہ کہتے ہیں مگر وہ اس فرشتہ کے قبضہ میں ہو تو اس میں کوئی استبعاد نہیں یا کبھی یہ ہو اور کبھی وہ خوب سمجھ لو واللہ اعلم

مِنْ خِیْفَتِهٖ ۚ وَ یُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَیُصِیْبُ

اور (دوسرے فرشتے بھی) اس کے خوف سے اور وہ بجلیاں بھیجتا ہے پھر جس

بِهَا مَنْ یَّشَآءُ وَ هُمْ یُجَادِلُوْنَ فِی اللّٰهِ ۚ

پر چاہے گرا دیتا ہے اور وہ لوگ اللہ کے باب میں جھگڑتے ہیں

یعنی باوجود خدا کے ایسے عظیم الشان ہونے کے اس کی توحید میں اختلاف کرتے ہیں۔

وَ هُوَ شَدِیْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾ ط

حالانکہ وہ بڑا اشدید القوت ہے

جس سے ڈرنا چاہئے مگر یہ لوگ ڈرتے نہیں اور اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں آگے اپنا مجیب الدعوات ہونا بیان فرماتے ہیں۔

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ

سچا پکارنا اسی کے لئے خاص ہے

کیونکہ اس کو دعاء قبول کرنے کی قدرت ہے۔

وَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَجِیْبُوْنَ

اور خدا کے سوا جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ ان کی درخواست کو اس سے زیادہ منظور نہیں کر سکتے جتنا

لَهُمْ بِشَیْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّیْهِ اِلَى الْمَآءِ

پانی اس شخص کی درخواست کو منظور کرتا ہے جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے ہوتا ہے

اور اشارہ سے اپنی طرف بلا رہا ہو۔

لِیَبْلُغَ فَاهُ وَ مَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ

اس کے منہ تک (اڑ کر) آ جاوے وہ (اس کے منہ تک از خود) آنے والا نہیں

پس جس طرح پانی درخواست قبول کرنے سے عاجز ہے اسی طرح ان کے معبود عاجز ہیں اگر وہ جاندار نہ ہوں تب تو ظاہر ہے اور اگر وہ جاندار ہوں تب بھی قادر حقیقی کے روبرو تو عاجز ہی ہیں۔

وَ مَا دُعَآءُ الْكٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾

اور کافروں کی درخواست (ان معبودان باطلہ سے کرنا) محض بے اثر ہے

کیونکہ وہ معبودین ان کی درخواست کے قبول کرنے سے عاجز ہیں۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اور اللہ ہی کے سامنے سب سر تسلیم خم کئے ہیں جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے

طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ

زمین میں ہیں خوشی سے اور مجبوری سے

خوشی سے یہ کہ باختیار خود عبادت کرتے ہیں اور مجبوری کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس مخلوق میں جو تصرف کرنا چاہتے ہیں کوئی اس کی مخالفت نہیں کر سکتا۔

بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۞ ۱۵ السجدة

اور ان کے سائے بھی صبح اور شام کے وقتوں میں

یعنی سایہ کو جتنا چاہیں بڑھائیں جتنا چاہیں گھٹائیں ہر طرح خدا کا مطیع ہے اور چونکہ ان وقتوں میں سایہ کا گھٹنا بڑھنا زیادہ ظاہر ہوتا ہے اس لئے ان اوقات کو خاص طور پر ذکر فرما دیا ورنہ سایہ بھی بایں معنی ہر وقت مطیع ہے۔

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

آپ کہیے کہ آسمانوں اور زمین کا پروردگار کون ہے

یعنی چونکہ صفات مذکورہ کے ساتھ وہ تمام عالم کا خالق بھی ہے اس لئے اس مضمون کے ثابت کرنے کے لئے ان ہی سے پوچھیے کہ اس عالم کا پیدا کرنے والا اور باقی رکھنے والا اور نگہبان کون ہے۔

قُلِ اللّٰهُ ؕ

آپ (ہی) کہہ دیجئے کہ اللہ ہے

یعنی اس کا جواب بھی متعین ہے اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔

قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ

پھر آپ یہ کہئے کہ کیا پھر بھی

یعنی ایسے دلائل توحید سننے کے بعد بھی۔

مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ

تم نے خدا کے سوا دوسرے مددگار قرار دے رکھے ہیں جو خود اپنی ذات کے

نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ

نفع اور نقصان کا بھی اختیار نہیں رکھتے

پھر شرک کے ابطال اور توحید کے اثبات کے بعد آگے اہل توحید اور اہل شرک اور خود توحید و شرک کے درمیان فرق ظاہر کرتے ہیں۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ

آپ یہ (بھی) کہیئے کہ کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہو سکتا ہے

یہ مثال ہے مشرک اور موحد کی۔

اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ

یا کہیں تاریکی اور روشنی برابر ہو سکتی ہے

یہ مثال ہے شرک اور توحید کی۔

اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ

یا انہوں نے اللہ کے ایسے شریک قرار دے رکھے ہیں کہ انہوں نے بھی (کسی چیز کو) پیدا کیا ہو جیسا خدا پیدا کرتا ہے

اور خدا تعالیٰ کی خالقیت کے تو وہ لوگ خود مقر ہیں۔

فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ

پھر ان کو پیدا کرنا ایک سا معلوم ہوا

اور اس سے شبہ ہو گیا ہو کہ جب دونوں یکساں خالق ہیں تو معبود بھی یکساں ہوں گے اگر یہ شبہ ہے تو دوسروں کی پیدا کی ہوئی چیزیں دکھلاویں

قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ

آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہی واحد ہے

الْقَهَّارُ ۞ ۱۶

غالب ہے

ذات و صفات کے کمال میں یکتا اور تمام مخلوق پر غالب ہے۔

ربط: اوپر توحید کا حق ہونا اور شرک کا باطل ہونا مذکور تھا آگے اس حق و باطل کی مثالیں مذکور ہیں جیسا کہ اوپر بھی ایک مثال مذکور ہوئی ہے۔

انزل من السماء تا الامثال

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ

اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل فرمایا پھر نالے (بھر کر) اپنی مقدار کے

بِقَدَرِهَا

موافق چلنے لگے

یعنی چھوٹے نالے میں تھوڑا پانی اور بڑے نالے میں زیادہ پانی بہنے لگا

فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ۭ

پھر وہ سیلاب خس وخاشاک کو بہالایا جو اس (پانی) کے اوپر (آ رہا) ہے

پس ان دو مثالوں میں دو چیزیں ہیں ایک کارآمد چیز ہے یعنی پانی اور اصل مال اور ایک بیکار چیز ہے یعنی کوڑا کرکٹ میل کچیل وغیرہ

وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ

اور جن چیزوں کو آگ کے اندر زیور اور اسباب بنانے کی غرض

حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهُ ۭ كَذَٰلِكَ

سے تپاتے ہیں اس میں بھی ایسا ہی میل کچیل ہے اللہ تعالیٰ

يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۚ

حق اور باطل کی اسی طرح مثال بیان کر رہا ہے

یعنی توحید وایمان اور کفر وشرک وغیرہ کی۔

فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۚ

سو جو میل کچیل تھا وہ تو پھینک دیا جاتا ہے

اور اس مثال کی تکمیل اگلے مضمون سے ہو جاوے گی۔ (آگے ترجمہ)

وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي

اور جو چیز لوگوں کے کارآمد ہے وہ دنیا میں (نفع رسانی کے

الْأَرْضِ ۭ

ساتھ) رہتی ہے

تا کہ لوگوں کو اس سے نفع پہنچے حاصل دونوں مثالوں کا یہ ہوا کہ جیسا ان مثالوں میں میل کچیل تھوڑی دیر کے لئے اصلی چیز کے اوپر نظر آتا ہے لیکن انجام کار وہ پھینک دیا جاتا ہے اور اصلی چیز رہ جاتی ہے اسی طرح باطل اور ناحق بات گو چند روز حق کے اوپر غالب نظر آوے لیکن آخر کار باطل مٹ مٹا کر مغلوب ہو جاتا ہے اور حق باقی اور ثابت رہتا ہے۔

كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ﴿۱۷﴾

اللہ تعالیٰ اسی طرح (ہر ضروری مضمون میں) مثالیں بیان کیا کرتے ہیں

جس طرح اس حق وباطل کی مثال بیان کی گئی اسی طرح ہر ضروری مضمون میں مثال بیان کر دیتے ہیں۔

ربط: اوپر مثالوں کے ضمن میں حق وباطل کا حال بیان فرمایا تھا آگے اہل حق واہل باطل کا حال ہدایت وگمراہی اور بعض اعمال حسنہ وسیئہ کے اعتبار سے نیز ثواب وعقاب کے اعتبار سے مذکور ہے للذین استجابوا تا سوء الدار

لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمُ

جن لوگوں نے اپنے رب کا کہا مان لیا

اور توحید واطاعت کو اختیار کر لیا۔

الْحُسْنَىٰ ۭ وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا

ان کے واسطے اچھا بدلہ ہے اور جن لوگوں نے اس کا کہنا نہ مانا

اور کفر ومعصیت پر قائم رہے۔

لَهُ لَوْ أَنَّ لَهُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ

ان کے پاس اگر تمام دنیا بھر کی چیزیں (موجود) ہوں اور (بلکہ) اس کے ساتھ اسی

مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ ۭ أُولَٰئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ ۙ

کے برابر بھی ہو تو وہ سب اپنی رہائی کے لئے دے ڈالیں ان لوگوں کا سخت حساب ہوگا

جس کو دوسری آیت میں حساب عسیر فرمایا ہے۔

وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۸﴾ أَفَمَن

اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ برا قرارگاہ ہے جو شخص یہ یقین رکھتا ہو کہ جو کچھ

يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ

آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل ہوا ہے وہ سب حق ہے کیا ایسا شخص

هُوَ أَعْمَىٰ ۭ

اس کی طرح ہو سکتا ہے جو کہ اندھا ہے

اور اس علم سے محض ناواقف ہے یعنے کافر ومومن برابر نہیں ہو سکتے۔

إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿۱۹﴾ الَّذِينَ يُوفُونَ

پس نصیحت تو سمجھدار لوگ ہی قبول کرتے ہیں اور یہ (سمجھدار) لوگ ایسے ہیں

بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنقُضُونَ الْمِيثَاقَ ﴿۲۰﴾ وَالَّذِينَ

کہ اللہ سے جو کچھ انہوں نے عہد کیا ہے اس کو پورا کرتے ہیں اور عہد کو توڑتے

يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ

نہیں اور یہ ایسے ہیں کہ اللہ نے جن علاقوں کے قائم رکھنے کا حکم کیا ہے ان کو قائم

وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ﴿٢١﴾

رکھتے ہیں اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور سخت عذاب کا اندیشہ رکھتے ہیں

جو کہ کفار کے ساتھ مخصوص ہے اس لئے کفر سے بچتے رہتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا

اور یہ لوگ ایسے ہیں کہ اپنے رب کی رضامندی کے جویاں رہ کر مضبوط رہتے ہیں اور

الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً

نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو روزی دی ہے اس میں سے چپکے بھی

وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ

اور ظاہر کرکے بھی خرچ کرتے ہیں اور بدسلوکی کو حسن سلوک سے ٹال دیتے ہیں

یعنی اگر کوئی ان کے ساتھ بدسلوکی کرے تو کچھ خیال نہیں کرتے بلکہ اس سے اچھا ہی سلوک کرتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٢٢﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ

اس جہان میں نیک انجام ان لوگوں کے واسطے ہے یعنی ہمیشہ رہنے کی جنتیں جن میں وہ لوگ بھی

يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ

داخل ہوں گے اور ان کے ماں باپ اور بیبیوں اور اولاد میں جو (جنت کے) لائق ہوں گے

یعنی مسلمان ہوں گو ان لوگوں کے درجہ کے نہ ہوں۔

وَذُرِّيّٰتِهِمْ

وہ بھی داخل ہوں گے

یعنی وہ بھی جنت میں ان کی برکت سے ان ہی کے درجوں میں داخل ہوں گے۔ یہ مضمون اس آیت کی تفسیر میں ابن جبیرؒ سے منقول ہے کہ مقربین کی برکت سے ان کے ماں اور باپ اور اولاد و ازواج بھی تبعاً ان ہی کے درجہ میں داخل ہوں گے اور آیت کے الفاظ یہ ہیں۔ یدخل الرجل الجنة فیقول این امی این ولدی این زوجی فیقال لم یعملوا مثل عملک فیقول کنت اعمل لی ولھم ثم قرء الأیة یعنی نیک آدمی جنت میں داخل ہوگا تو پوچھے گا کہ میری ماں میری اولاد میری بیوی یہ سب کہاں ہیں اس سے کہا جاوے گا کہ انہوں نے تیرے جیسے عمل نہیں کئے (اس لئے نیچے کے درجہ میں ہیں) وہ کہے گا کہ میں تو اپنے اور ان سب کے لئے عمل کیا کرتا تھا (آخرکار وہ بھی سب اسی کے درجہ میں آجائیں گے) پھر یہ آیت پڑھی اور جنت کے لائق ہونے کی تفسیر ابن جبیرؒ نے یہی فرمائی ہے کہ مومن ہو اور باپ ماں اولاد سے مراد وہ ہیں جو بلا واسطہ ہوں ورنہ تمام اہل جنت کا ایک ہی درجہ میں ہونا لازم آئے گا اور یہ نصوص کے خلاف ہے اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ ان تابعین کے بھی تو بلا واسطہ ماں باپ و اولاد کچھ ہوں گے وہ ان کے واسطہ سے اسی درجہ میں داخل ہو جائیں گے وعلیٰ ہذا القیاس تو پھر بلا واسطہ کی قید سے بھی کوئی نفع نہ ہوا اس کا جواب یہ ہے کہ جو لوگ تابع ہو کر کسی درجہ میں داخل ہوں گے وہ خود صاحب درجہ نہ ہوں گے لہٰذا ان کی وجہ سے ان کا تابع ہو کر کوئی دوسرا اس درجہ میں داخل نہ ہو سکے گا۔ واللہ اعلم۔

ربط: اوپر کفار کا ملعون یعنے رحمت سے دور ہونا مذکور ہوا ہے چونکہ اکثر کفار باعتبار دنیوی ثروت کے خوشحال تھے اس لئے خود ان کو یا دوسرے دیکھنے والوں کو یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ اگر یہ لوگ رحمت سے دور ہوتے تو دولت وثروت سے جو کہ رحمت کے آثار ہیں کیوں کامیاب ہوتے آگے اس شبہ کا جواب ہے اللہ یبسط تا متاع

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿٢٣﴾

اور فرشتے ان کے پاس (ہر سمت کے) دروازے سے آتے ہوں گے اور یہ

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٢٤﴾

کہتے ہوں گے کہ تم صحیح سلامت رہو گے بدولت اس کے کہ تم (دین حق پر)

وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ

مضبوط رہے تھے سو اس جہان میں تمہارا انجام بہت اچھا ہے اور جو لوگ

وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ

خدا تعالیٰ کے معاہدوں کو ان کی پختگی کے بعد توڑتے ہیں خدا تعالیٰ نے جن

وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ

علاقوں کے قائم رکھنے کا حکم فرمایا ہے ان کو قطع کرتے ہیں اور دنیا میں فساد

وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿٢٥﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ

کرتے ہیں ایسے لوگوں پر لعنت ہوگی اور ان کے لئے اس جہان میں خرابی ہو

يَشَآءُ وَيَقْدِرُ ط

گی اللہ جس کو چاہے زیادہ رزق دیتا ہے اور تنگی کر دیتا ہے

یعنی دولت و ثروت ظاہری کو دیکھ کر دھوکہ نہ کھانا چاہئے کہ یہ لوگ مورد رحمت ہیں کیونکہ رحمت وغضب کا یہ معیار نہیں دنیا میں تو رزق کی یہی کیفیت ہے کسی کو فراخی ہے کسی کو تنگی ہے۔

وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ط

اور یہ (کفار) لوگ دنیوی زندگی پر اتراتے ہیں

اور اس کے عیش وعشرت پر ناز کرتے ہیں مگر ان کا اترانا بالکل فضول اور غلطی ہے۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾ ع

اور یہ دنیاوی زندگی آخرت کے مقابلہ میں بجز ایک متاع قلیل کے اور کچھ بھی نہیں

اس لئے دنیوی عیش وعشرت پر مدار رحمت وغضب کا نہیں ہوسکتا بلکہ رحمت وغضب کا مدار آخرت کے عیش وعشرت پر ہے۔

ربط: اوپر آیات وان تعجب الخ میں نبوت کے متعلق مضمون تھا آگے پھر عود ہے اسی طرف ویقول الذین تا عقاب

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ

اور یہ کافر لوگ کہتے ہیں کہ ان پر کوئی معجزہ ان کے رب کی طرف سے کیوں

مِّنْ رَّبِّهٖ ط

نہیں نازل کیا گیا

یعنی آپ کی نبوت میں طعن واعتراض کرنے کے لئے یوں کہتے ہیں کہ ہماری فرمائش کے موافق کوئی معجزہ کیوں نہیں بھیجا گیا۔

قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ

آپ کہہ دیجئے کہ واقعی اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں گمراہ کر دیتے ہیں

یعنی تمہاری ان بیہودہ فرمائشوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری قسمت میں گمراہی لکھی ہوئی ہے وجہ اس کی ظاہر ہے کہ باوجود کافی معجزات کے جن میں سب سے بڑا معجزہ قرآن ہے پھر بھی فضول باتیں کرتے ہو۔

وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ﴿۲۷﴾ صلے ج

اور جو شخص ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس کو اپنی طرف ہدایت کر دیتے ہیں

یعنی جس طرح ان معاندین کے لئے قرآن جو کہ اعظم معجزات ہے ہدایت کو کافی نہ ہوا اور ان کے نصیب میں گمراہی رہی اسی طرح جو شخص طریق حق کا طالب ہوتا ہے جس کے اوصاف آگے مذکور ہوتے ہیں حق تعالیٰ اس کو اپنی طرف رسائی بخش دیتے اور گمراہی سے بچالیتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ط

مراد اس سے وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اللہ کے ذکر سے ان کے دلوں کو

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾ ط

اطمینان ہوتا ہے خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان ہو جاتا ہے

ذکر اللہ کی بڑی فرد قرآن اور اطمینان کی بڑی فرد ایمان ہے یعنی وہ لوگ قرآن کے اعجاز کو نبوت کے لئے کافی دلیل سمجھتے ہیں اور واہی تباہی فرمائشیں نہیں کرتے پھر خدا کی یاد اور اطاعت میں ان کو ایسی رغبت ہوتی ہے کہ کفار کی طرح متاع دنیا سے ان کو رغبت اور فرحت نہیں ہوتی ذکر اللہ میں ایسی ہی خاصیت ہے پھر جس مرتبہ کا ذکر ہو اسی درجہ کا اطمینان نصیب ہوتا ہے چنانچہ قرآن سے ایمان اور طاعات واعمال صالحہ سے حق تعالیٰ کے ساتھ شدید تعلق اور پوری توجہ میسر ہوتی ہے اور ایک آیت میں ذکر اللہ کی خاصیت خوف وخشیت بتلائی گئی واذا ذکر اللہ وجلت قلوبہم (جب خدا کا ذکر ہوتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں) اس کو اس آیت سے کوئی تعارض نہیں کیونکہ اطمینان کے جو معنی بیان کئے گئے ہیں کہ دوسری چیز کی طرف رغبت وتوجہ کرنے سے کافی ہو جائے یہ خوف کے ساتھ بھی جمع ہوسکتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ

جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے ان کے لئے خوشحالی ہے

وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾

اور نیک انجامی ہے

جس کو دوسری آیت میں فلنحیینہ حیوۃ طیبۃ ولنجزینہم اجرہم الخ سے تعبیر فرمایا ہے کہ ہم ان کو دنیا میں (پاکیزہ زندگی) اور (آخرت میں) پورا اجر عطا فرمائیں گے یہ تو کفار اور مومنین کی حالت کا بیان تھا اور اصل مقصود مقام بحث رسالت ہے آگے اس کا تتمہ ہے یعنی یہ لوگ جو آپ کی رسالت پر شبہات کرتے ہیں تو آپ کی رسالت کوئی انوکھی چیز تو نہیں ہے پہلے بھی رسول ہوتے آئے ہیں۔

كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِىْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ

(اور) اسی طرح ہم نے آپ کو ایک ایسی امت میں رسول بنا کر بھیجا ہے کہ اس (امت) سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں

تو جس طرح ہم نے پہلی امتوں کی طرف رسولوں کو بھیجا تھا اسی طرح آپ کو ان کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔

لِّتَتْلُوَا۟ عَلَيْهِمُ الَّذِىْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ

تا کہ آپ ان کی وہ کتاب پڑھ کر سنا دیں جو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعہ سے بھیجی ہے

ان کو چاہئے تھا کہ اس نعمت عظمیٰ کی قدر کرتے اور اس کتاب پر جو کہ معجزہ بھی ہے ایمان لے آتے مگر وہ قرآن پر ایمان نہیں لاتے۔

وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ۭ قُلْ هُوَ رَبِّىْ لَآ اِلٰهَ

اور وہ لوگ ایسے بڑے رحمت والے کی ناسپاسی کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ

اِلَّا هُوَ ۚ

وہ میرا مربی اور نگہبان ہے اور اس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں

پس تمہارے ایمان نہ لانے سے میرا کوئی ضرر نہیں کیونکہ اس سے زیادہ کیا کرو گے کہ تم میری مخالفت کرو گے سو اس کی مجھ کو پرواہ نہیں کہ میرا خدا تمام صفات میں کامل ہے وہ میری حفاظت کے لئے کافی ہے

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ﴿۳۰﴾

میں نے اسی پر بھروسہ کر لیا اور اسی کے پاس مجھ کو جانا ہے

اس لئے مجھے توکل کے ثواب کی بھی توقع ہے خلاصہ یہ کہ میری حفاظت کے لئے تو اللہ تعالیٰ کافی ہیں تم میرا کچھ نہیں کر سکتے البتہ تمہارا ہی ضرر ہے آگے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو خطاب فرماتے ہیں۔

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ

اور اگر کوئی ایسا قرآن ہوتا جس کے ذریعہ سے پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹا دیے

بِهِ الْاَرْضُ

جاتے یا اس کے ذریعہ سے زمین جلدی جلدی طے ہو جاتی

یعنی بحالت موجودہ تو قرآن کا اعجاز تدبر و تامل کا محتاج ہے لیکن اگر قرآن کے ذریعہ سے ایسے کھلے کھلے معجزات بھی ظاہر ہو جاویں خواہ اسی قرآن سے یا اور کوئی دوسرا قرآن ہوتا جب بھی یہ لوگ ماننے والے نہیں۔

اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ۭ

یا اس کے ذریعہ سے مردوں کے ساتھ کسی کو باتیں کرا دی جاتیں

یعنی مردہ زندہ ہو جاتا اور اس سے باتیں بھی کر لیتے اور یہ وہ معجزے ہیں جن کی فرمائش اکثر کفار کیا کرتے تھے بعضے مستقل طور پر اور بعضے یہ کہتے تھے کہ اگر قرآن سے ان باتوں کا ظہور ہو تو ہم اس کو معجزہ مان لیں۔

بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ۭ

تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے

مطلب یہ کہ اگر ایسے ایسے معجزات بھی قرآن سے ظاہر ہوتے جس سے دونوں طرح کے لوگوں کی فرمائش پوری ہو جاتی مستقل درخواست کرنے والوں کی بھی اور ان کی بھی جو قرآن کے ذریعہ سے ان معجزات کا ظہور چاہتے تھے تب بھی یہ نہ مانتے کیونکہ یہ اسباب حقیقی مؤثر نہیں۔

اَفَلَمْ يَايْــــَٔسِ

بلکہ سارا اختیار خاص اللہ ہی کو ہے

وہ جس کو توفیق عطا فرماتے ہیں وہی ایمان لاتا ہے اور ان کی عادت ہے کہ جو خود چاہے اس کو توفیق دیتے ہیں اور معاند کو محروم رکھتے ہیں اور چونکہ بعض مسلمانوں کا جی چاہتا تھا کہ ان معجزات کا ظہور ہو جائے شاید ایمان لے آئیں اس لئے آگے ان کا جواب ہے۔

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

یہ سن کر پھر بھی کیا ایمان والوں کو اس بات میں دل جمعی نہیں ہوئی

یعنی یہ سن کر کہ یہ لوگ معاند ہیں ایمان نہ لاویں گے اور یہ کہ سب اختیار خدا ہی کو ہے اور یہ کہ معجزات حقیقی موثر نہیں ہیں کیا اب بھی سکون نہیں ہوتا۔

اَنْ لَّوْ يَشَاۗءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ

کہ اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو تمام (دنیا بھر کے) آدمیوں کو ہدایت کر دیتا

مگر بعض حکمتوں کی وجہ سے یہ مشیت نہیں ہوئی جس کا قریب سبب ان لوگوں کا عناد ہے تو سب ایمان نہ لاویں گے پھر ان معاندوں کے ایمان کی فکر میں کیوں لگے ہو جب معلوم ہو گیا کہ یہ ایمان نہ لاویں گے تو اس امر کا خیال آ سکتا ہے کہ پھر ان کو سزا کیوں نہیں دی جاتی اس کے متعلق ارشاد ہے۔

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ

اور یہ (مکہ کے) کافر تو ہمیشہ (آئے دن) اس حالت میں رہتے ہیں کہ ان کے (بد) کرداروں کے سبب ان پر کوئی نہ کوئی حادثہ پڑتا رہتا ہے

کہیں قتل ہوتے ہیں کہیں قید کہیں ہزیمت ہوتی ہے۔

اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ

یا ان کی بستی کے قریب نازل ہوتا رہتا ہے

اگر کوئی حادثہ ان پر نہیں بھی پڑتا تو کسی دوسری قوم پر آفت آتی ہے جس سے ان کو خوف ہوتا ہے کہ کہیں ہم پر بھی یہ بلا نہ آوے۔

حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ

یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آجاوے گا

یعنی آخرت کے عذاب کا سامنا ہو جاوے گا جو کہ مرنے کے بعد شروع ہوگا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۳۱﴾ ع

یقیناً اللہ تعالیٰ وعدہ خلاف نہیں کرتے

پس ان پر عتاب کا آنا یقینی ہے گو بعض اوقات توقف سہی اور ان لوگوں کا یہ معاملہ تکذیب و استہزاء کا کچھ آپ کے ساتھ خاص نہیں اسی طرح عذاب میں توقف ہونا کچھ ان کے لئے مخصوص نہیں بلکہ پہلی امتوں اور پہلے رسولوں کے ساتھ بھی ایسا ہو چکا ہے۔ **ربط:** اوپر ذکر رسالت کے ضمن میں بل للہ الامر جمیعا میں توحید کا ذکر آ گیا تھا آگے اس کے مقابلہ میں شرک اور اہل شرک کی قباحت بیان فرماتے ہیں افمن ھو تا ھاد

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ

اور بہت سے پیغمبروں کے ساتھ جو آپ کے قبل ہو چکے ہیں استہزا ہو چکا ہے

لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ قف فَكَيْفَ كَانَ

پھر میں ان کافروں کو مہلت دیتا رہا پھر میں نے ان پر دارو گیر کی سو میری سزا

عِقَابِ ﴿۳۲﴾ اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ م

کس طرح کی تھی پھر (بھی) کیا جو (خدا) ہر شخص کے اعمال پر مطلع ہو وہ اور

بِمَا كَسَبَتْ ج

ان لوگوں کے شرکاء برابر ہو سکتے ہیں

حالانکہ حق تعالیٰ کی شان معلوم ہو چکی اور ثابت ہو چکا کہ وہ مختار الکل ہے پھر اس کے برابر کون ہو سکتا ہے۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ

اور ان لوگوں نے خدا کے لئے شرکاء تجویز کیے ہیں آپ کہیے کہ (ذرا) ان (شرکاء) کا نام تو لو

میں بھی سنوں کون ہیں اور کیسے ہیں۔

اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ

کیا تم اللہ تعالیٰ کو ایسی بات کی خبر دیتے ہو کہ دنیا (بھر) میں اس (کے وجود) کی خبر اللہ تعالیٰ کو نہ ہو

یعنی اگر تم حقیقۃً ان کو شریک سمجھ کر دعویٰ کرتے ہو تب تو یہ لازم آتا ہے کہ تم کو ایسی بات کی خبر ہے جس کی خدا کو بھی خبر نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ تو اسی چیز کو موجود جانتے ہیں جو واقع میں موجود ہو اور معدوم چیز کو وہ موجود نہیں جانتے ورنہ خدا کے علم کا غلط ہونا لازم آوے گا تو حق تعالیٰ تو کسی کو بھی اپنا شریک واقع میں نہیں جانتے تو تم خدا سے بھی زیادہ جاننے والے ہوئے اور یہ محال ہے پس ان کا حقیقی شریک ہونا بھی محال ہے اور فی الارض اس لئے کہا کہ آسمان میں شرکاء کے وجود کے وہ خود بھی قائل نہ تھے۔

اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ

یا محض ظاہری لفظ کے اعتبار سے ان کو شریک کہتے ہو

اور حقیقۃً شریک نہیں کہتے بلکہ یہ لفظ ہی لفظ ہیں جن کا مصداق کوئی نہیں اگر یہ صورت ہے تو تم نے ان کے شریک نہ ہونے کو خود تسلیم کر لیا پس شرک کا بطلان دونوں صورتوں میں ثابت ہو گیا صورت اول میں دلیل سے اور دوسری صورت میں خود تمہارے تسلیم کرنے سے اور یہ تقریر باوجودیکہ اعلیٰ درجہ میں کافی ہے مگر یہ لوگ نہ مانیں گے۔

بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ

بلکہ ان کافروں کو اپنے مغالطہ کی باتیں مرغوب

السَّبِيْلِ ؕ

معلوم ہوتی ہیں

جن سے دلیل پکڑ کے مبتلائے شرک ہو رہے ہیں۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾

اور (اسی وجہ سے) یہ لوگ راہ (حق) سے محروم رہ گئے ہیں اور جس کو خدا تعالیٰ گمراہی میں رکھے اس کا کوئی راہ پر لانیوالا نہیں

یعنی اصل بات وہی ہے جو اوپر گزر چکی بل للہ الامر جمیعا کہ سب کام خدا کے قبضہ میں ہیں البتہ وہ گمراہ اسی کو کرتے ہیں جو باوجود حق واضح ہو جانے کے پھر بھی عناد کرتا رہے۔ ربط: اوپر مشرکین کے طریقہ کی قباحت مذکور تھی آگے انکی سزا کا بیان ہے اور مقابلہ کیلئے مومنین کی جزا وصلہ کا بھی بیان ہے۔

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

ان کے لئے دنیوی زندگانی میں (بھی) عذاب ہے

وہ عذاب قتل اور قید و ذلت یا امراض و مصائب ہیں کیونکہ کفار کے حق میں یہ امور عذاب ہی ہیں اور مومنین کے لئے رحمت کہ ان کے واسطے بلندی درجات اور کفارۂ سیئات کا سبب ہوتے ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ

اور آخرت کا عذاب اس سے بدر جہا زیادہ سخت ہے اور اللہ (کے عذاب)

اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۴﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ

سے ان کا کوئی بچانے والا نہیں ہوگا (اور) جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا

الْمُتَّقُوْنَ ۭ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ

گیا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس (کی)) عمارات و اشجار) کے نیچے نہریں

اُكُلُهَا دَاۗىِٕمٌ وَّظِلُّهَا ۭ

جاری ہوں گی اس کا پھل اور اس کا سایہ دائم رہے گا

میووں کے دائم رہنے سے مراد یہ ہے کہ ان کی نوع ہمیشہ باقی رہے گی یعنی اگر ایک بار میوہ کھا لیا دوسرا اس کے عوض درخت پر اور لگ جائے گا اور سایہ کے دوام کی یہ وجہ ہے کہ وہاں آفتاب نہ ہوگا اور اس سے یہ وسوسہ نہ ہو کہ پھر روشنی بھی وہاں نہ ہوگی کیونکہ روشنی آفتاب پر ہی منحصر نہیں

ربط: اوپر نبوت کی بحث قریب ہی آئی ہے آگے اسی کے متعلق اہل کتاب کی حالت اور ان کے بعض شبہات کا جواب مذکور ہے۔ والذین تا ام الکتٰب

تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ڰ وَّعُقْبَى

یہ تو انجام ہو گا متقیوں کا اور کافروں کا انجام

الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ

دوزخ ہو گا اور جن لوگوں کو ہم نے

الْكِتٰبَ

کتاب دی ہے

اور وہ اس کو پورے طور سے مانتے بھی تھے۔

يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ

وہ اس کتاب سے خوش ہوتے ہیں جو آپ پر نازل کی گئی ہے

کیونکہ وہ اس کی خبر اپنی کتابوں میں پاتے ہیں اور خوش ہو کر مان لیتے ہیں جیسے یہود میں حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ہمراہی اور نصاریٰ میں نجاشی شاہ حبشہ اور ان کے فرستادے، جن کا ذکر دوسری آیات میں بھی ہے۔

وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ۭ

اور ان ہی گروہ میں بعضے ایسے ہیں کہ اس کے بعض حصہ کا انکار کرتے ہیں

جس میں ان کی کتاب کے خلاف احکام ہیں۔

قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ۭ

آپ فرمایئے کہ مجھ کو صرف یہ حکم ہوا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤں

یعنی احکام دو قسم کے ہیں اصول اور فروع اگر تم اصول میں مخالفت کرتے ہو تو اصول تو سب شریعتوں کے یکساں ہیں چنانچہ مجھ کو بھی توحید کا حکم ہوا ہے۔

اِلَيْهِ اَدْعُوْا

میں اللہ ہی کی طرف بلاتا ہوں

یعنی عقائد میں توحید کے بعد نبوت ہے سو اس کا حاصل یہ ہے کہ میں داعی الی اللہ ہوں۔

وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ﴿۳۶﴾

اور اسی کی طرف مجھ کو جانا ہے

یعنی آخرت کے متعلق میرا یہ عقیدہ ہے کہ سب کو خدا کے پاس لوٹنا ہے غرض عقائد میں یہ تین بڑے اصول ہیں سو ان میں ایک بات بھی انکار کے قابل نہیں چنانچہ توحید سب کے نزدیک مسلم ہے اور رہی نبوت تو میں اپنے لئے میں مال و جاہ نہیں چاہتا جس پر انکار کی گنجائش ہو محض اللہ کی طرف بلاتا

ہوں سو ایسے لوگ پہلے بھی ہوئے ہیں جن کو تم بھی مانتے ہو اسی طرح معاد کا عقیدہ بھی مشترک اور مسلم ہے اس میں بھی انکار کی گنجائش نہیں اور تم فروع میں مخالفت کرتے ہو تو اس کا جواب اللہ تعالیٰ یوں دیتے ہیں (ترجمہ)

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ۭ

اور اسی طرح ہم نے اس کو اس طور پر نازل کیا کہ وہ ایک خاص حکم ہے عربی زبان میں

عربی کے لفظ سے اشارہ ہو گیا دوسرے انبیاء کی دوسری زبانوں کی طرف اور زبانوں کے اختلاف سے امتوں کے اختلاف کی طرف اشارہ ہو گیا پس جواب کا حاصل یہ ہوا کہ جس طرح اور رسولوں کو خاص خاص زبانوں میں خاص امتوں کے لئے مخصوص احکام دیئے گئے ہیں تو فروع کا اختلاف بوجہ امتوں کے اختلاف کے ہو کیونکہ ہر زمانہ میں امتوں کے مصالح جداگانہ ہوتے ہیں پس یہ اختلاف احکام مخالفت کا منشا نہیں ہو سکتا کیونکہ جو شریعتیں تمہاری مسلمہ ہیں ان میں بھی ایسا اختلاف احکام کا ہوا ہے پھر تمہاری مخالفت وانکار کی کیا گنجائش ہے۔

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ

اور اگر آپ (بفرض محال) ان کے نفسانی خیالات کا اتباع کرنے لگیں بعد

مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ

اس کے کہ آپ کے پاس علم (صحیح) پہنچ چکا ہے تو اللہ کے مقابلہ میں کوئی نہ

وَّلَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾

کوئی آپ کا مددگار ہوگا اور نہ کوئی بچانے والا

اور جب نبی کو ایسا خطاب کیا جا رہا ہے تو اور لوگ انکار کر کے کہاں رہیں گے سو اس میں اہل کتاب پر تعرض ہے غرض دونوں صورتوں پر منکرین کا جواب ہو گیا اہل کتاب میں سے بعضوں کو نبوت پر اعتراض تھا کہ ان نبی کے پاس متعدد بیبیاں ہیں آگے اس کا جواب ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا

اور ہم نے یقیناً آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے

لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ۭ

اور ہم نے ان کو بیبیاں اور بچے بھی دیئے

تو یہ کون سا رسالت کے منافی امر ہے اور چونکہ اختلاف احکام کا شبہ اور شبہات سے زیادہ مشہور تھا اور اوپر اس کا ذکر اجمالاً ہوا ہے اس لئے آگے اس کو مکرر مفصل ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص اختلاف احکام کی وجہ سے نبی پر شبہ کرتا ہے وہ در پردہ نبی کو احکام کا مالک سمجھتا ہے کہ خود جو چاہا حکم کر دیا حالانکہ یہ غلط ہے۔

وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا

اور کسی پیغمبر کے اختیار میں یہ امر نہیں ہوا کہ ایک آیت بھی بدوں خدا کے حکم

بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾

کے لا سکے ہر زمانہ کے مناسب خاص خاص احکام ہوتے ہیں

یعنی احکام کا مقرر ہونا خدا تعالیٰ کی اجازت واختیار موقوف ہے اور خدا تعالیٰ کی حکمت ومصلحت کی وجہ سے یہ قاعدہ مقرر ہے کہ ہر زمانہ میں بعض امور میں دوسرے احکام آتے ہیں اور پہلے احکام موقوف ہو جاتے ہیں اور بعضے بحالہ باقی رہتے ہیں۔

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ښ

خدا تعالیٰ (ہی) جس حکم کو چاہیں موقوف کر دیتے ہیں اور جس حکم کو چاہیں

وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾

قائم رکھتے ہیں اور اصل کتاب انہیں کے پاس ہے

یعنی لوح محفوظ جس میں یہ سب احکام ناسخ ومنسوخ درج ہیں وہ سب کی جامع اور گویا میزان الکل ہے غرض جہاں سے یہ احکام آتے ہیں وہ اللہ ہی کے قبضہ میں ہے پس احکام کے موافق یا مخالف احکام لانے کی کسی کو گنجائش نہیں ہو سکتی۔ یمحوا اللہ مایشاء الخ کی سہل اور بے تکلف اور مناسب مقام تفسیر یہی ہے جو مذکور ہوئی اور حکماً عربیاً سے صرف اہل عرب کا آپ کی امت ہونا نہ سمجھا جاوے سورۂ ابراہیم میں عنقریب اس کی وجہ معلوم ہو جائے گی کہ باوجود آپ کی نبوت عام ہونے کے قرآن کی زبان عربی کیوں ہوئی۔

ربط: اوپر اہل کتاب جو منکر نبوت تھے ان کے متعلق کلام تھا آگے دوسرے کفار جو منکر نبوت تھے ان کے متعلق کلام ہے وان مانرینک تا علم الکتب۔

وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ

اور جس بات کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں اس میں کا بعض واقعہ اگر ہم آپ کو دکھلا دیں

یعنی یہ لوگ جو اس بنا پر نبوت سے انکار کرتے ہیں کہ اگر آپ نبی ہیں تو انکار نبوت پر جس عذاب کا وعدہ کیا جاتا ہے وہ عذاب کیوں نہیں نازل ہوتا تو اس کے متعلق سن لیجئے۔ یعنی آپ کی حیات میں ان پر کوئی عذاب آ جاوے۔

اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ

خواہ ہم آپ کو وفات دے دیں

یعنی آپ کے سامنے عذاب نہ بھیجیں پھر بعد میں واقع ہو خواہ دنیا میں بھی یا صرف آخرت میں تو دونوں حالتوں میں آپ فکر و اہتمام نہ کریں۔

فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿٤٠﴾

پس آپ کے ذمہ تو صرف (احکام کا) پہنچا دینا ہے اور دار و گیر کرنا تو ہمارا کام ہے

آپ اس فکر میں کیوں پڑیں کہ اگر واقع ہو جاوے تو بہتر ہے شاید یہ ایمان لے آویں۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ

کیا اس امر کو نہیں دیکھ رہے کہ ہم زمین کو ہر چہار طرف سے برابر کم کرتے

اَطْرَافِهَا ؕ

چلے آتے ہیں

یعنی ان کافروں پر بھی تعجب ہے کہ یہ لوگ عذاب کے وقوع کا کیسے یک لخت انکار کر رہے ہیں حالانکہ اس کے مقدمات دیکھ رہے ہیں کہ فتوحات اسلامیہ کی وجہ سے ان کی عمل داری روز بروز گھٹتی جا رہی ہے یہ بھی تو ایک قسم کا عذاب ہے جو اصلی عذاب کا مقدمہ ہے۔ چنانچہ دوسری آیت میں ہے ولنذیقنهم من العذاب الادنیٰ دون العذاب الاکبر کہ بڑے عذاب سے پہلے ہم ان کو ادنیٰ عذاب کا مزہ چکھائیں گے لیکن اگر یہ سورۃ مکی ہو تو اس تفسیر پر بظاہر یہ اشکال ہوگا کہ ہجرت سے پہلے فتوحات اسلامیہ نہ تھیں تو اس وقت ان کی عملداری کہاں کم تھی اس کے دو جواب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ یہ خاص آیت مدنی ہو دوسرے یہ کہ فتوحات سے مراد عام ہے خواہ خوشی سے ہوں یا جبراً ہوں پس لوگوں کا اسلام قبول کرنا یہ بھی اسلامی فتح ہے مگر طوعاً اور جہاد کے بعد جو اسلام کا غلبہ ہوا وہ فتح اسلامی جبراً تھی اور یقینی بات ہے کہ ہجرت سے پہلے بھی اسلام پھیل رہا تھا اور قبائل عرب سے گزر کر حبشہ تک پہنچ گیا تھا جس سے کفار کو اندیشہ رہتا تھا کہ اگر اسی طرح اسلام کو ترقی رہی تو ایک دن ہم کو مغلوب ہونا پڑے گا پس اسلامی فتوحات ہجرت سے پہلے شروع ہو گئی تھیں مگر ان کا ظہور ہجرت کے بعد ہوا اور یہی جواب ہے اس آیت کا جو سورۂ انبیاء میں اسی قسم کی واقع ہے اور وہ سورت مشہور قول پر مکی ہے۔

وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ؕ

اور اللہ (جو چاہتا ہے) حکم کرتا ہے اس کے حکم کو کوئی ہٹانے والا نہیں

پس خواہ چھوٹا عذاب ہو یا بڑا اس کو ان کے معبودوں وغیرہ میں سے کوئی رد نہیں کر سکتا۔

وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿٤١﴾

اور وہ بڑی جلدی حساب لینے والا ہے

اگر ان کو چندے مہلت بھی ہو گئی تو کیا ہے وقت کی دیر ہے پھر فوراً ہی سزا شروع ہو جاوے گی آگے بتلاتے ہیں کہ یہ جو رسول کی ایذاء یا اسلام کی تنقیص کی تدبیریں طرح طرح سے کرتے ہیں تو ان سے کچھ نہیں ہو سکتا۔

وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

اور ان سے پہلے جو (کافر) لوگ ہو چکے ہیں انہوں نے تدبیریں کیں

مگر کچھ بھی نہ ہوا کوئی بھی غرض حاصل نہ ہوئی۔

فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ

سو اصل تدبیر تو خدا ہی کی ہے

اس کے سامنے کسی کی نہیں چلتی سو اللہ نے ان کی تدبیریں نہ چلنے دیں۔

يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ وَسَيَعْلَمُ

اس کو سب خبر رہتی ہے جو شخص جو کچھ بھی کرتا ہے اور ان کفار کو ابھی معلوم ہوا

الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٤٢﴾

جاتا ہے کہ اس عالم میں نیک انجامی کس کے حصہ میں ہے

آیا ان کے یا مسلمانوں کے یعنی عنقریب ان کو اپنی بد انجامی اور سزائے اعمال معلوم ہو جائے گی۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ

اور یہ کافر لوگ یوں کہہ رہے ہیں کہ (نعوذ باللہ) آپ پیغمبر نہیں

یہ لوگ ان سزاؤں کے بھولے ہوئے ہیں۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ

آپ فرما دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان (میری نبوت پر) اللہ تعالیٰ

وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿٤٣﴾ ع

اور وہ شخص جس کے پاس کتاب (آسمانی) کا علم ہے کافی گواہ ہیں

پس تمہارے انکار بے معنی سے کیا ہوتا ہے میری نبوت پر پہلی کتابیں

جن میں میری تصدیق ہے اور اس کے سچے ماننے والے شاہد ہیں اور اس سے مراد وہ علماء اہل کتاب ہیں جو کہ منصف تھے اور نبوت کی پیشین گوئی دیکھ کر ایمان لے آئے تھے خلاصہ یہ کہ میری نبوت کی دو دلیلیں ہیں ایک عقلی ایک نقلی، عقلی تو وہ معجزات ہیں جو خدا نے مجھ کو عطا فرمائے ہیں اور خدا کی گواہی کا یہی مطلب ہے اور نقلی یہ کہ آسمانی کتابوں میں پہلے سے اس کی خبر موجود ہے اگر یقین نہ آوے تو منصف علماء سے پوچھ لو وہ ظاہر کر دیں گے پس دلائل عقلیہ و نقلیہ کے ہوتے ہوئے میری نبوت کا انکار کرنا بجز بدبختی کے اور کیا ہے کسی عاقل کو اس میں شبہ نہ ہونا چاہئے۔

بسم الله الرحمن الرحيم سورة ابراهيم مكية
و هي احدى و خمسون اية كذافي البيضاوي

ربط: اس سورۃ کے شروع سے رسالت کی بحث ہے اور اس سے اس کے آغاز کو سورۂ رعد کے خاتمہ سے مناسبت ہے الر تا الحکیم

(١٤) سُوْرَةُ اِبْرٰهِيْمَ مَكِّيَّةٌ (٧٢)

سورۃ ابراہیمؑ مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں باون (۵۲) آیتیں اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ

الر یہ (قرآن) ایک کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر نازل فرمایا ہے تاکہ

الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ

آپ تمام لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم سے تاریکیوں سے روشنی کی طرف

الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ ①

یعنی خدائے غالب ستودہ صفات کی راہ کی طرف لاویں

روشنی میں لانے کا مطلب یہ ہے کہ راہ بتلاویں اور تاریکیوں سے مراد کفر و معصیت اور روشنی سے مراد ایمان و ہدایت ہے۔

اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ

وہ ایسا خدا ہے کہ اسی کی ملک ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین

وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ۙ ②

میں ہے اور بڑی خرابی یعنی بڑا سخت عذاب ہے

الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى

ان کافروں کو جو دنیوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں اور (بلکہ)

الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اللہ کی راہ (مذکور سے) روکتے ہیں اور اس میں کجی (یعنی شبہات) کے

وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ

متلاشی رہتے ہیں

یعنی جب یہ کتاب خدا کا راستہ بتلاتی ہے تو جو اس راہ کو نہ خود قبول کریں اور نہ دوسروں کو اختیار کرنے دیں بلکہ لوگوں کو اس سے روکیں اور اس میں شبہات نکالتے رہیں جن کے ذریعہ سے دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں (آگے ترجمہ)

اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ③

ایسے لوگ بڑی دور کی گمراہی میں ہیں

یعنی ان کی گمراہی حق سے بہت دور ہے آگے بتلاتے ہیں کہ اس کتاب کے منجانب اللہ منزل ہونے پر جو بعض کفار کو یہ شبہ ہے کہ یہ قرآن عربی کیوں ہے جس سے احتمال ہوتا ہے کہ شاید پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تصنیف کر لیا ہوگا کیونکہ وہ بھی عربی ہیں عجمی زبان میں کیوں نہیں ہوا تاکہ یہ احتمال ہی نہ ہو سکتا نیز قرآن عجمی ہونے میں دوسری آسمانی کتابوں کے ساتھ موافق بھی ہو جاتا ہے تو یہ شبہ محض لغو ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ

اور ہم نے تمام (پہلے) پیغمبروں کو (بھی) ان ہی کی قوم کی زبان میں پیغمبر بنا

لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۭ

کر بھیجا ہے تاکہ ان سے (احکام الٰہیہ کو) بیان کریں

پس اصل مقصود احکام کا بیان کرنا ہے زبانوں کا موافق ہونا مقصود نہیں یہ کیا ضرور ہے کہ جس زبان میں توریت ہوا اسی زبان میں قرآن بھی ہو جب سب پیغمبر اپنی اپنی قوم میں ان ہی کی زبان میں احکام لے کر آئے تو آپ کے لئے بھی یہی قاعدہ رکھا گیا کہ آپ کی قوم چونکہ عرب ہیں گو امت تمام عالم ہے اس لئے عربی زبان میں یہ کتاب نازل کی گئی پس وہ شبہ محض لغو ہے یہ تو حکمت ہوئی قرآن کے عربی زبان ہونے کی اور عجمی میں نہ ہونے کی رہا یہ احتمال کہ جب قرآن بھی عربی ہے اور رسول بھی عربی ہیں تو شاید آپ نے خود تصنیف کر لیا ہو تو

یہ احتمال قرآن کے اعجاز نے دفع کر دیا حق تعالیٰ فرماتے ہیں فاتوا بسورۃ من مثلہ کہ (اگر رسول پر یہ شبہ ہے کہ اس نے خود تصنیف کر لیا ہے تو تم بھی تو عربی زبان دان ہو بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مشاق ہو اگر عربی زبان والا قرآن کو تصنیف کر سکتا ہے تو) تم اس جیسی کوئی ایک ہی سورت بنا لاؤ اور اگر باوجود بڑی غیرت دلانے کے بھی کسی سے قرآن کی مثل ذرا سی سورۃ بھی نہ بن سکی پس اعجاز قرآنی سے یہ احتمال بالکل جاتا رہا اور بلسان قومہ سے یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ جب آپ کی قوم عرب ہے تو آپ صرف عرب کے نبی ہوئے حالانکہ اسلام کا ضروری عقیدہ یہ ہے کہ آپ تمام عالم کے نبی ہیں جواب یہ ہے کہ آپ کی قوم کے عرب ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ امت بھی وہی ہوں کیونکہ قوم اس خاص جماعت کو کہتے ہیں جن سے خاص تعلق ہو خواہ نسب کی بھی شرکت ہو یا نہ ہو اور امت وہ ہے جن کی طرف نبی بھیجا گیا ہو پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالم کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے مگر سارا عالم آپ کی قوم تو نہیں ہو سکتا قوم وہی کہلائے گی جن میں آپ پیدا ہوئے جن کے ساتھ نسب وغیرہ کی شرکت ہو ہاں امت آپ کی تمام عالم ہے پس امت اور قوم ایک چیز نہیں ہیں قوم خاص ہے امت عام ہے باقی رہا یہ اشکال کہ جب تمام عالم آپ کی امت ہے تو قرآن سب زبانوں میں نازل ہونا چاہئے تھا تاکہ بآسانی سب سمجھ لیتے اس کا جواب یہ ہے کہ زبانیں متعدد ہونے سے اختلاف بڑھ جاتا اور کوئی ایسی ایک اصل نہ ہوتی جس سے اختلافات میں رجوع کیا جاتا اور یہ مفسدہ نزول قرآن کی حکمت کے منافی ہے رہا سمجھنا اور سمجھانا وہ تراجم اور تفاسیر سے بھی ہو سکتا ہے اور تراجم کے اختلاف کے وقت اصل زبان کی تحقیق کر کے اختلاف رفع ہو سکتا ہے۔

فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ

پھر جس کو اللہ تعالیٰ چاہیں گمراہ کرتے ہیں اور جس کو چاہیں ہدایت کرتے ہیں

يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۴

اور وہی (سب امور پر) غالب ہے حکمت والا ہے

پس بوجہ غالب ہونے کے وہ سب کو ہدایت کر سکتا تھا مگر بہت سی حکمتیں اس کو مقتضی نہ ہوئیں۔

ربط: اوپر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا مضمون تھا آگے اس کی تائید کے لئے دوسرے رسولوں کا ذکر تھا کہ معلوم ہو جائے کہ رسالت کوئی انوکھی چیز نہیں کہ اس کا انکار کیا جاوے ولقد ارسلنا تا حمید

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو یہ حکم دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو (کفر کی)

مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ

تاریکیوں سے (ایمان کی) روشنی کی طرف لاؤ اور ان کو اللہ تعالیٰ کے

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝۵

معاملات یاد دلاؤ بلاشبہ ان معاملات میں عبرتیں ہیں ہر صابر شاکر کے لئے

کیونکہ نعمت کو یاد کر کے شکر کرے گا اور مصیبت کو اور اس کے زوال کو یاد کر کے آئندہ حوادث میں صبر کرے گا۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ

اور اس وقت کو یاد کیجئے کہ جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے فرمایا کہ

اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ

تم اللہ تعالیٰ کا انعام اپنے اوپر یاد کرو جبکہ تم کو فرعون والوں سے نجات دی جو

يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ

تم کو سخت تکلیفیں پہنچاتے تھے اور تمہارے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتے تھے اور

اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ

تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے

یعنی لڑکیوں کو جو بڑی ہو کر عورتیں ہو جاتی تھیں نہ مارتے تھے تاکہ ان سے کار خدمت لیں سو یہ بھی مثل ذبح ہی کے ایک مصیبت تھی۔

وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝۶ ع

اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے ایک بڑا امتحان تھا

یعنی مصیبت میں بلاء تھی اور نجات میں نعمت تھی اور بلاء اور نعمت دونوں بندہ کے لئے امتحان ہیں پس اس میں موسیٰ علیہ السلام نے خدائی معاملات کی یعنی نعمت اور مصیبت دونوں کی یاد دہانی فرما دی۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ

اور وہ وقت یاد کرو جبکہ تمہارے رب نے تم کو اطلاع فرما دی کہ اگر تم شکر کرو گے تو تم کو

وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝۷

زیادہ نعمت دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو (سمجھ رکھو کہ) میرا عذاب بڑا سخت ہے

یعنی شکر کا بدلہ تو خواہ دنیا میں بھی ورنہ آخرت میں تو ضرور ملے گا اور ناشکری میں سخت عذاب کا احتمال ہے۔

وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ

اور موسیٰ (علیہ السلام) نے (یہ بھی) فرمایا کہ اگر تم اور تمام دنیا بھر کے آدمی

فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِىٌّ

سب کے سب مل کر بھی ناشکری کرنے لگو تو اللہ تعالیٰ بالکل بے احتیاج

حَمِيْدٌ ۝۸

ستودہ صفات ہیں

یعنی وہ اپنی ذات وصفات میں کامل ہے اس کو کسی کے شکر وغیرہ کی احتیاج نہیں پس اللہ تعالیٰ کا تمہاری ناشکری سے کوئی ضرر نہیں ہو سکتا ہے اور اپنا ضرر تم سن چکے ہو کہ عذاب الٰہی بہت سخت ہے اس لئے شکر کرنا ناشکری مت کرنا شکر میں ایمان اور ناشکری میں کفر بھی داخل ہے۔

ربط: آگے مجملاً بعض اور انبیاء جیسے نوح اور ہود علیہم السلام کا ذکر ہے اور مضمون رسالت کے ساتھ ہر مقام پر انکار کرنے والوں کا وبال بھی ساتھ ساتھ ہے الم یاتکم تا عنید

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ

(اے کفار مکہ) کیا تم کو ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے ہو گزرے

قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۛ وَالَّذِيْنَ

ہیں یعنی قوم نوح اور عاد (قوم ہود) اور ثمود (قوم صالح) اور جو لوگ

مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ۭ

ان کے بعد ہوئے ہیں جن کو بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا

یعنی ان کی مفصل حالت کا علم خدا ہی کو ہے کیونکہ ان کے تفصیلی حالات منضبط اور منقول نہیں ہوئے اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اوپر اہل مکہ سے جو سوال کیا گیا ہے کہ کیا تم کو ان لوگوں کے واقعات نہیں پہنچے الخ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان واقعات کا ان کو علم تھا اور یہاں فرمایا ہے کہ ان کی اللہ کو خبر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل مکہ کو ان کا علم نہ تھا جواب یہ ہے کہ اوپر اجمالی علم مراد تھا اور اجمالاً ان کو علم تھا اور یہاں تفصیلی علم مراد ہے اور تفصیل کے ساتھ ان کو علم نہ تھا آگے وہ واقعات بیان کرتے ہیں۔

جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا

ان کے پیغمبر ان کے پاس دلائل لے کر آئے سو ان قوموں نے

اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ

اپنے ہاتھ ان پیغمبروں کے منہ میں دیدیئے

یعنی ان میں جو کافر تھے وہ مانتے تو کیا الٹی یہ کوشش کرتے تھے کہ ان کو بات تک نہ کرنے دیں۔

وَقَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ

اور کہنے لگے کہ جو حکم دے کر تم کو بھیجا گیا ہے ہم اس کے منکر ہیں

یعنی جس توحید وایمان کے بارہ میں تم دعویٰ کرتے ہو کہ خدا نے تم کو اس کی تبلیغ کے لئے بھیجا ہے ہم اس کو نہیں مانتے۔

وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ

اور جس امر کی طرف تم ہم کو بلاتے ہو ہم تو اس کی جانب سے بڑے شبہ میں

مُرِيْبٍ ۝۹

ہیں جو (ہم کو) تردد میں ڈالے ہوئے ہیں

مقصود اس سے توحید و رسالت دونوں کا انکار کرنا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ تم اپنی رائے سے خود توحید کی دعوت کر رہے ہو خدا کی طرف سے مامور اور بھیجے ہوئے نہیں ہو۔

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ

ان کے پیغمبروں نے کہا کیا (تم کو) اللہ تعالیٰ کے بارے میں شک ہے جو کہ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ

آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے

یعنی ان چیزوں کا پیدا کرنا خود اس کی ہستی اور وحدانیت کی دلیل ہے پھر اس دلیل کے ہوتے ہوئے شک میں پڑنا بڑے تعجب کی بات ہے آگے بتلاتے ہیں کہ تم جو توحید کی دعوت کو مستقل طور پر ہماری طرف منسوب کر رہے ہو کہ ہم خود بخود بدوں خدا کے حکم کے توحید کی طرف بلاتے ہیں یہ بھی محض غلط ہے اگرچہ توحید حق ہونے کی وجہ سے اس قابل ہے کہ اگر کوئی اپنی رائے سے بھی اس کی دعوت کرے تو زیبا ہے لیکن اس وقت تو ہماری دعوت خدا تعالیٰ ہی کے حکم سے ہے۔

يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ

وہ تم کو بلا رہا ہے تاکہ تمہارے گناہ معاف کر دے اور معین وقت

وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ

تک تم کو (خیر و خوبی کے ساتھ) حیات دے

مطلب یہ کہ توحید علاوہ فی نفسہ حق ہونے کے تم کو دونوں جہان میں نافع بھی ہے دنیا میں تو مدت العمر چین کی زندگی نصیب ہوگی اور آخرت میں مغفرت کیونکہ اسلام سے گذشتہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں لیکن حقوق العباد اور حدود و قصاص معاف نہیں ہوتے اور اس جواب میں توحید و رسالت دونوں کے متعلق جواب ہو گیا چنانچہ تقریر ترجمہ سے ظاہر ہے۔

قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ

انہوں نے کہا کہ تم محض ایک آدمی ہو جیسے ہم ہیں تم یوں چاہتے ہو

تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ

کہ ہمارے آباؤ اجداد جس چیز کی عبادت کرتے تھے (یعنی بت)

يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝۱۰

اس سے ہم کو روک دو سو کوئی صاف معجزہ دکھلاؤ

حاصل ان کے کلام کا یہ ہے کہ تم بشر ہو اور بشریت رسالت کے منافی ہے جب تم پیغمبر نہیں ہو تو جو کچھ توحید کے بارے میں کہتے ہو وہ خدا کی طرف سے نہیں اور شرک کے حق ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ہمارے بزرگ اسی کو کرتے آئے ہیں پس اگر تم رسالت کے مدعی ہو تو علاوہ ان دلائل و معجزات کے جواب تک نبوت پر قائم ہو چکے ہیں کوئی ایسا معجزہ دکھلاؤ جو ان سب سے زیادہ واضح ہو اس تقریر میں نبوت پر تو کلام ظاہر ہے اور اشارۃً اپنے آباء واجداد کے مشرک ہونے سے توحید پر بھی اعتراض کر دیا کہ بتوں کی پرستش قدیم سے چلی آ رہی ہے اور توحید نئی چیز ہے پس خلاصہ ان کی تقریر کا تین باتیں ہیں۔ ا توحید کا انکار اپنے آباؤ اجداد کے فعل سے ۲ نبوت کا انکار بشریت اور رسالت میں منافات کا دعویٰ کر کے ۳ صاف معجزہ کا مطالبہ علاوہ پہلے معجزات کے۔ سو توحید کے متعلق تو فاطر السمٰوات والارض میں جواب ہو گیا کیونکہ عقلی دلیل کے سامنے رسم قدیم کوئی چیز نہیں دوسرے امر کی نسبت انبیاء نے فرمایا کہ ہم اپنے بشر ہونے کو تسلیم کرتے ہیں۔

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ

ان کے رسولوں نے (ان کے جواب میں) کہا کہ ہم بھی تمہارے

مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ

جیسے آدمی ہی ہیں لیکن

ہم بشریت اور نبوت میں منافات تسلیم نہیں کرتے کیونکہ نبوت حق تعالیٰ کا ایک احسان ہے اور اس کی کوئی دلیل نہیں کہ انسان پر خدا تعالیٰ کا احسان نہ ہو سکے۔

اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا

اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے احسان فرمائے اور یہ بات

كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ

ہمارے قبضہ کی نہیں کہ ہم تم کو کوئی معجزہ دکھلا سکیں بغیر خدا کے حکم کے

یہ ان کی تیسری بات کا جواب ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ دعویٰ کے لئے مطلق دلیل ضروری ہوتی ہے خاص دلیل لازم نہیں اور ہم اپنے دعویٰ نبوت پر سابق معجزات سے دلیل قائم کر چکے رہا خاص معجزہ جس کو تم صاف دلیل سے تعبیر کرتے ہو وہ ہمارے ذمہ لازم نہیں دوسرے وہ ہمارے اختیار میں بھی نہیں پس تمہارے تمام شبہات کا جواب ہو گیا اس پر بھی اگر نہ مانو اور مخالفت کئے جاؤ تو خیر ہم تمہاری مخالفت سے نہیں ڈرتے بلکہ اللہ پر توکل کرتے ہیں کیونکہ ہم باایمان ہیں اور ایمان توکل کو مقتضی ہے اس لئے ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۱ وَمَا

اور اللہ ہی پر سب ایمان والوں کو بھروسہ کرنا چاہئے اور ہم کو اللہ پر

لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا

بھروسہ نہ کرنے کا کون امر باعث ہو سکتا ہے حالانکہ اس نے

سُبُلَنَا ؕ

ہم کو ہمارے (منافع دارین کے) راستے بتلا دیئے

جس کا اتنا بڑا فضل ہو اس پر ضرور بھروسہ کرنا چاہئے۔

وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ

اور تم نے جو کچھ ہم کو ایذا پہنچائی ہے ہم اس پر صبر کریں گے

یعنی خارجی ضرر سے تو ہم توکل کی برکت سے بے فکر ہو گئے رہا داخلی ضرر کہ تمہاری مخالفت سے رنج اور غم ہوتا اس سے بھی ہم کو بے فکری ہے کیونکہ ہم اس پر صبر کریں گے جس کا ہم کو ثواب ملے گا اور صبر کا حاصل بھی وہی توکل ہے۔

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۱۲﴾

اور اللہ ہی پر بھروسہ کرنے والوں کو بھروسہ رکھنا چاہئے

غرض اس تمام بلیغ گفتگو کے بعد بھی کفار نرم نہ ہوئے بلکہ زیادہ سرکشی کرنے لگے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ

اور ان کفار نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ہم تم کو اپنی سرزمین سے

مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ط

نکال دیں گے یا یہ ہو کہ تم ہمارے مذہب میں پھر آ جاؤ

پھر آنے کا یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ انبیاء علیہم السلام پہلے ان کے مذہب میں تھے بلکہ نبوت سے پہلے انبیاء کی خاموشی سے وہ یہ سمجھتے تھے کہ ان کا اعتقاد بھی ہم ہی جیسا ہوگا اس لئے پھر آ جاؤ کہا۔

فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۳﴾

پس ان رسولوں پر ان کے رب نے (تسلی کے لئے) وحی نازل فرمائی کہ ہم ان ظالموں کو ضرور ہلاک کر دیں گے

یہ بیچارے تم کو کیا نکالیں گے۔

وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ط ذٰلِكَ لِمَنْ

اور ان کے (ہلاک کرنے کے) بعد تم کو اس سرزمین پر آباد رکھیں گے (اور)

خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾

یہ ہر اس شخص کے لئے (عام) ہے جو میرے روبرو کھڑے ہونے سے ڈرے اور میری وعید سے ڈرے

مراد یہ کہ جو مسلمان ہو جس کی علامت قیامت اور وعید سے ڈرنا ہے ان سب کے لئے یہ وعدہ عذاب سے نجات دینے اور آباد رکھنے کا عام ہے۔

وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۱۵﴾

اور کفار فیصلہ چاہنے لگے

یعنی پیغمبروں نے جو کفار سے یہ بات کہی کہ تم نے دلائل کے فیصلہ کو نہ مانا اب عذاب سے فیصلہ ہونے والا ہے تو وہ اپنی جہالت اور عناد کی وجہ سے پھر بھی نہ ڈرے بلکہ کمال بیباکی سے اس فیصلہ کی درخواست کرنے لگے۔

مِّنْ وَّرَآئِهٖ

اور جتنے سرکش (اور) ضدی (لوگ) تھے وہ سب بے مراد ہوئے

یعنی ہلاک ہو گئے اور جو ان کی مراد تھی کہ اپنے کو حق پر سمجھ کر فتح و ظفر چاہتے تھے وہ حاصل نہ ہوئی۔

ربط: اوپر منکر رسالت کا دنیوی عذاب مذکور تھا آگے اخروی عذاب کا ذکر ہے۔ من ورائه تا غليظ

جَهَنَّمُ

اس کے آگے دوزخ ہے

یعنی جس ضدی سرکش کا اوپر ذکر ہوا ہے علاوہ دنیوی عذاب کے اس کے آگے دوزخ کا عذاب آنے والا ہے۔

وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا

اور اس کو (دوزخ میں) ایسا پانی پینے کو دیا جائے گا جو کہ پیپ لہو کے مشابہ ہوگا

يَكَادُ يُسِيْغُهٗ

جس کو گھونٹ گھونٹ کر کے پیوے گا اور گلے سے آسانی کے ساتھ اتارنے کی کوئی صورت نہ ہوگی

گھونٹ گھونٹ پینا اور آسانی سے نہ اترنا دو صورتوں سے جمع ہو سکتا ہے ایک یہ کہ پھنس کر گلے سے اترے تو اتر جانے کے اعتبار سے پینا صادق آ گیا اور پھنسنے کے اعتبار سے نہ اترنا صادق آ گیا دوسری صورت یہ کہ پھنس کر گلے ہی میں رہ جائے اترے نہیں پس اس صورت میں نہ اترنا تو ظاہر ہے اور پینے کا حکم ارادہ کے اعتبار سے صحیح ہوا کہ پینا چاہے گا مگر پی نہ سکے گا۔

وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ

اور ہر (چہار) طرف سے اس پر (سامان) موت کی آمد ہوگی اور وہ کسی

بِمَيِّتٍ ط

طرح مرے گا نہیں

بلکہ یوں ہی سسکتا رہے گا۔

وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾

اور اس کو سخت عذاب کا سامنا ہو گا

یعنی یہ بھی نہیں کہ یہی عذاب ایک حالت پر بدستور رہے جس سے

عادت پڑ جانے کا احتمال ہو سکے بلکہ دن بدن بڑھتا رہے گا۔

ربط: اوپر منکر رسالت کے عذاب کا ذکر تھا چونکہ بعض منکرین اپنے زعم میں کچھ ثواب کے کام بھی کرتے تھے جن پر نظر کر کے ان کو شبہ ہو سکتا تھا کہ یہ اعمال عذاب سے بچالیں گے نیز یہ بھی شبہ کرتے تھے کہ قیامت میں زندہ ہونا ہی محال ہے پھر عذاب کی گنجائش کہاں نیز یہ بھی وسوسہ ممکن تھا کہ ہمارے معبود اور وہ لوگ جن کے کہنے سے اس طریق کو ہم اختیار کئے ہوئے ہیں ہمارے کام آویں گے اس لئے آگے ان اعمال کا محض بے اثر ہونا اور قیامت کے وقوع کا ممکن ہونا اور سرداروں کا کام نہ آنا اور شیطان کا قیامت کے دن صاف جواب دے دینا بیان فرماتے ہیں پس مجموعہ کا حاصل یہ ہے کہ تمام راستے نجات کے بند ہیں۔ مثل الذین کفروا تا عذاب الیم

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

جو لوگ اپنے پروردگار کے ساتھ کفر کرتے ہیں

اگر ان کو اپنی نجات کے متعلق یہ زعم ہو کہ ہمارے اعمال ہم کو نافع ہوں گے تو اس کا قاعدہ کلیہ سن لو۔

بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ

ان کی حالت باعتبار عمل کے یہ ہے جیسے کچھ راکھ ہو

یعنی ان کے اعمال کی مثال راکھ کی مانند ہے جو اڑنے میں بہت ہلکی ہوتی ہے۔

اِشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ط لَا

جس کو تیز آندھی کے دن میں تیزی کے ساتھ ہوا

يَقْدِرُوْنَ

اڑا لے جائے

کہ اس صورت میں اس راکھ کا کچھ نام ونشان بھی نہ رہے گا۔

مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ط

ان لوگوں نے جو کچھ عمل کئے تھے اس کا کوئی حصہ ان کو حاصل نہ ہوگا

یعنی ان کے اعمال کا اثر اور نفع اس راکھ کی طرح ضائع و برباد ہو جاوے گا کیونکہ کفر کی آندھی نے سب اعمال کو راکھ کی طرح اڑا دیا ہے۔

ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۸﴾

یہ بھی بڑی دور دراز کی گمراہی ہے

کہ گمان تو یہ ہو کہ ہمارے عمل نیک اور نافع ہیں پھر وہ مضر اور برے ثابت ہوں جیسے بتوں کی عبادت یا غیر نافع ظاہر ہوں جیسے صلہ رحم اور مہمان نوازی وغیرہ چونکہ اس گمراہی کو حق سے بہت بعد ہے اس لئے بعید کہا گیا پس اس طریق سے تو نجات کا احتمال نہ رہا اور اگر ان کا یہ زعم ہو کہ قیامت کا وجود ہی محال ہے اس لئے عذاب کا احتمال نہیں تو اس کا جواب آگے ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ط

کیا (اے مخاطب) تجھ کو یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو بالکل ٹھیک ٹھیک پیدا کیا ہے

کہ مصالح اور منافع پر مشتمل ہیں ان سے خدا کا قادر ہونا ظاہر ہے۔

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۹﴾ لا

اس سے اس کا قادر ہونا معلوم ہو گیا پس اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کر دے

وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۲۰﴾

اور ایک دوسری نئی مخلوق پیدا کر دے اور یہ خدا کو کچھ بھی مشکل نہیں

جب نئی مخلوق پیدا کرنا اسے آسان ہے تو تم کو دوبارہ پیدا کر دینا کیا مشکل ہے غرض نجات پانے کا یہ راستہ بھی نہیں نکل سکتا اور اگر یہ وسوسہ ہو کہ ہمارے سردار ہم کو بچالیں گے تو اس کی حقیقت سن لو۔

وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا

اور خدا کے سامنے سب پیش ہوں گے پھر چھوٹے درجہ کے لوگ

لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ

(یعنی عوام و تابعین) بڑے درجہ کے لوگوں سے کہیں گے

اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ

کہ ہم (دنیا میں) تمہارے تابع تھے تو کیا تم خدا کے عذاب کا کچھ جزو ہم

شَيْءٍ ط

سے ہٹا سکتے ہو

یعنی سرداروں کو ملامت و عتاب کرتے ہوئے کہیں گے کہ تم نے جو دین کا راستہ ہم کو بتلایا تھا ہم اسی پر ہو لئے تھے اور آج ہم پر عذاب کی مصیبت ہے۔ پس اگر بالکل نہ بچا سکو تو کسی قدر بھی بچا سکتے ہو۔

قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ط سَوَآءٌ عَلَيْنَآ

وہ (جواب میں) کہیں گے کہ اگر اللہ ہم کو کوئی راہ بتلاتا تو ہم تم کو بھی (وہ)

اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۲۱﴾ ع

راہ بتلا دیتے (اور اب تو) ہم سب کے حق میں دونوں صورتیں برابر ہیں خواہ ہم پریشان ہوں خواہ ضبط کریں ہمارے بچنے کی کوئی صورت نہیں

جب ہم خود ہی نہیں بچ سکتے تو تم کو کیا بچائیں اس سوال و جواب سے معلوم ہو گیا کہ طریقہ کفر کے سردار بھی اپنے تابعداروں کے کچھ کام نہ آویں گے اور اگر اس کا بھروسہ ہو کہ یہ معبود جو خدا کے سوا بنا رکھے ہیں کچھ مدد کریں گے اس کا حال آئندہ حکایت سے معلوم ہو جائے گا۔

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ

اور (جب قیامت میں) تمام مقدمات فیصل ہو چکیں گے

یعنی مومن جنت میں اور کفار جہنم میں بھیج دیئے جائیں گے اس وقت دوزخ والے سب شیطان کے پاس جا کر کہ وہ بھی وہاں ہو گا اس کو ملامت کریں گے کہ کم بخت خود تو ڈوبا ہی تھا ہم کو بھی اپنے ساتھ ڈبویا۔

اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ

تو شیطان (جواب میں) کہے گا کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے سچے وعدے کئے تھے

خدا کا وعدہ یہ تھا کہ قیامت ہو گی اور کفر سے ہلاکت اور ایمان سے نجات ہو گی اور میں نے یہ وعدہ کیا تھا کہ قیامت نہ ہو گی اور اس طریقہ کفر سے نجات ہو جائے گی۔

وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ط

اور میں نے بھی کچھ وعدے کئے تھے سو میں نے وہ وعدے تم سے خلاف کئے تھے

تو مجھ پر تمہاری ملامت ناحق کی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں کے حق ہونے اور میرے وعدوں کے باطل ہونے پر قطعی دلائل قائم تھے اس کے باوجود تم نے میرے وعدوں کو صحیح اور خدا تعالیٰ کے وعدوں کو غلط سمجھا تو تم اپنے ہاتھوں ڈوبے۔

وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ

اور میرا تم پر اور تو کچھ زور نہ چلتا تھا بجز اس کے کہ میں نے تم کو بلایا تھا

اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ج

سو تم نے (باختیار خود) میرا کہنا مان لیا

یعنی اگر تم یوں کہو کہ آخر خدا کے وعدوں کو جھوٹا سمجھنے کا سبب بھی تو تو ہی ہوا تو بات یہ ہے کہ واقعی میں نے تم کو اغوا ضرور کیا لیکن یہ دیکھو کہ میرے بہکانے کے بعد تم بااختیار تھے یا مجبور و لاچار ہو گئے تھے سو ظاہر ہے کہ اگر تم نہ مانتے تو میں جبراً تم کو گمراہ نہ کر سکتا تھا۔

فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ط

تو تم مجھ پر (ساری) ملامت مت کرو اور (زیادہ) اپنے آپ کو کرو

اپنے کو بالکل بری مت سمجھو کیونکہ عذاب کی اصل علت تمہارا ہی فعل ہے اور میرا فعل تو محض ایک بعید سبب ہے پس ملامت کا جواب تو یہ ہے اور اگر اس بات سے تمہارا مقصود مجھ سے مدد لینا ہے تو میں کسی کی کیا مدد کروں گا خود بھی مبتلائے مصیبت اور محتاج امداد ہو رہا ہوں لیکن جانتا ہوں کہ کوئی میری مدد نہ کرے گا ورنہ میں بھی تم سے اپنے لئے مدد چاہتا کیونکہ تم سے زیادہ مناسبت ہے۔

مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ط

نہ میں تمہارا امدادگار (ہو سکتا) ہوں اور نہ تم میرے مددگار (ہو سکتے) ہو میں خود تمہارے اس

اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ط

فعل سے بیزار ہوں کہ تم اس کے قبل (دنیا میں) مجھ کو (خدا کا) شریک قرار دیتے تھے

یعنی بتوں وغیرہ کی عبادت میں میری ایسی اطاعت کرتے تھے کہ ویسی اطاعت خدا تعالیٰ کا حق ہے پس بتوں کو شریک ٹھہرانا گویا شیطان کو خدا کا شریک بنانا ہے پس اگر میں تمہارے اس طریقہ کو حق سمجھتا جب بھی اس تعلق کی وجہ سے امداد کا مطالبہ کرنے کی کسی درجہ میں تم کو گنجائش تھی لیکن میں خود اس کو باطل سمجھتا ہوں پس اب مجھ سے تمہارا کوئی تعلق نہیں نہ مدد چاہنے کا کوئی حق ہے۔

اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۲﴾

یقیناً ظالموں کے لئے دردناک عذاب (مقرر) ہے

اسی عذاب میں پڑے رہو اور گفتگو قطع کرو یہ حاصل ہوا ابلیس کے جواب کا اس سے دوسرے معبودوں کا بھی بھروسہ منقطع ہوا کیونکہ جو ان معبودوں کی عبادت کا اصل بانی اور محرک تھا اور اسی وجہ سے دوزخ والے قیامت میں اسی سے کہیں سنیں گے کسی دوسرے معبود سے کچھ بھی نہ کہیں گے جب اس نے صاف جواب دے دیا تو اوروں سے کیا امید ہو سکتی ہے پس کفار کی نجات کے سب طریقے مسدود ہو گئے اور یہی مضمون مقصود تھا اور یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ ماکان لی علیکم من سلطٰن سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان بجز بہکانے کے اور کچھ نہیں کر سکتا تو آسیب لپٹنا وغیرہ سب غلط ہے جواب یہ ہے کہ یہ حصر صرف گمراہ کرنے کے اعتبار سے ہے کہ گمراہ کرنے میں اس سے زیادہ اس کا زور نہیں چلتا کہ بہکاوے جبراً گمراہ نہیں

کر سکتا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ شیاطین کوئی دوسری مضرت انسان کو نہیں پہنچا سکتے بلکہ نصوص اور مشاہدہ سے ثابت ہے کہ بعض امراض میں شیاطین کو دخل ہوسکتا ہے وہ بے ہوش کر سکتے ہیں آدمی کو اٹھا لے جا سکتے ہیں اینٹ پتھر برسا سکتے ہیں مگر چونکہ اکثر فرشتے حفاظت کرتے ہیں اس لئے ایسے واقعات بکثرت نہیں ہوتے اور شیطان کا گمراہی کی طرف بلانا بواسطہ اور بلاواسطہ دونوں طرح صحیح ہوسکتا ہے کبھی خود اغواء کرتا ہے کبھی دوسرے شیاطین کو اس کا حکم کرتا ہے اور ایک وقت میں بہت سے آدمیوں کو تنہا بھی اغوا کر سکتا ہے اس کے محال ہونے پر کوئی دلیل قوی قائم نہیں۔

ربط: اوپر کفار کے عذاب کا ذکر تھا آگے مضمون کی تکمیل کے لئے مومنین کے ثواب کا ذکر ہے **وادخل الذین تا سلم**

وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے وہ ایسے باغوں میں داخل کئے

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

جاویں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی (اور) وہ ان میں اپنے پروردگار کے حکم

فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۭ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ﴿۲۳﴾

سے ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور) وہاں ان کو سلام اس لفظ سے کیا جاوے گا السلام علیکم

یعنی آپس میں بھی اور فرشتوں کی طرف سے بھی اسی طرح سلام ہوگا جیسا کہ دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے۔ **ربط:** اوپر شروع سے یہاں تک رسالت اور قیامت کا ذکر ہو چکا آگے توحید کا بیان ہے۔ **الم تر کیف تا ما یشاء**

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیسی مثال بیان فرمائی ہے کلمہ طیبہ (یعنی

طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ

کلمہ توحید) کی وہ مشابہ ہے ایک پاکیزہ درخت کے جس کی جڑ خوب گڑی

وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَاۗءِ ﴿۲۴﴾ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ

ہوئی ہو اور اس کی شاخیں اونچائی میں جا رہی ہوں وہ خدا کے حکم سے ہر فصل

حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۭ

میں اپنا پھل دیتا ہے

یعنی جب اس کی فصل آ جاوے خوب پھلتا ہو اور کوئی فصل ماری نہ جاتی ہو مراد اس سے کھجور کا درخت ہے اسی طرح کلمہ توحید یعنی **لا الہ الا اللہ** کی ایک جڑ ہے یعنی اعتقاد جو مومن کے دل میں جاگزیں ہوتا ہے اور اس کی کچھ شاخیں ہیں یعنی اعمال صالحہ جو ایمان پر مرتب ہوتے ہیں جو مقبول ہو کر آسمان کی طرف لے جاتے ہیں پھر ان پر رضائے دائمی کا ثمرہ مرتب ہوتا ہے۔

وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ

اور اللہ تعالیٰ مثالیں لوگوں کے لئے اس لئے بیان فرماتے ہیں

يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾

تاکہ وہ خوب سمجھ لیں

کیونکہ مثال سے مقصود کی خوب توضیح ہو جاتی ہے۔

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِۨ

اور گندہ کلمہ کی (یعنی کلمہ کفر و شرک کی) مثال ایسی ہے جیسے

اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا

ایک خراب درخت ہو کہ وہ زمین کے اوپر ہی اوپر سے اکھاڑ لیا جائے

مِنْ قَرَارٍ ﴿۲۶﴾

اس کو کچھ ثبات نہ ہو

اس سے مراد درخت حنظل ہے اور وہ تنہ دار نہیں ہوتا اس کو مجازاً درخت کہا گیا ہے کھجور کا پاکیزہ ہونا تو ظاہر ہے اور حنظل کا خبیث ہونا باعتبار بو اور مزہ اور بعض مضرتوں کے اعتبار سے ہے جو کتب طبیہ میں مذکور ہیں اور شجرہ طیبہ و شجرہ خبیثہ کی یہ تفسیریں حدیث میں آئی ہیں اور اوپر سے اکھاڑنے کا مطلب یہ ہے کہ جڑ اس کی دور تک نہیں ہوتی اوپر ہی رکھی ہوتی ہے اور اس کی شاخوں کا اونچا نہ جانا اور پھل کا مطلوب نہ ہونا ظاہر ہے یہی حال کلمہ کفر کا ہے کہ گو کافر کے دل میں اس کی جڑ ہوتی ہے مگر حق کے سامنے ایسی مضمحل اور کمزور ہوتی ہے کہ گویا اس کے جڑ ہی نہیں اور شاید **مالها من قرار** سے کفر کا اضمحلال اور مغلوبیت ہی بتانا مقصود ہو اور چونکہ کافر کے اعمال میں مقبولیت اور رضا کا اصلاً احتمال نہیں شاید اسی لئے اس کی تشبیہ میں شاخوں اور پھل کا ذکر بالکل چھوڑ دیا گیا یہ تو دونوں کی مثال ہے آگے اثر کا بیان ہے۔

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس پکی بات (یعنی کلمہ طیبہ کی برکت)

الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ ج

سے دنیا اور آخرت میں مضبوط رکھتا ہے

یعنی وہ دونوں جگہ دین و دنیا میں اور امتحان میں پختہ رہیں گے دنیا میں تو یہ کہ شیاطین کے اغواء کا ان پر اثر نہیں ہوتا اور مرتے دم تک ایمان پر قائم رہتے ہیں اور آخرت میں مضبوط رکھنے سے مراد یہ ہے کہ قبر میں نکیرین کے سوال کا صحیح جواب دے دیں گے۔ یہ تفسیر بکثرت حدیثوں میں آئی ہے۔

وَیُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِیْنَ قف

اور ظالموں کو بچلا دیتا ہے

یعنی کافر اس کلمہ خبیثہ کی نحوست سے دونوں جگہ اپنے دین و دنیا اور امتحان میں بچل جاتے ہیں دنیا میں تو ان کی گمراہی ظاہر ہے اور قبر میں ان سے جواب نہ بن پڑے گا بلکہ حیرت زدہ ہو کر کہیں گے ھاھا لاادری ہائے میں کچھ نہیں جانتا چنانچہ احادیث میں اس کی تصریح ہے اور اس مقام پر ایک اشکال ہے وہ یہ کہ قبر میں سوال ہونے کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں ہوا ہے پس اس آیت کی تفسیر سوال قبر سے کرنا کیسے صحیح ہے کیونکہ یہ سورت تو مکی ہے جواب یہ ہے کہ یا تو یہ آیت مدنی ہو اور سورة کو اکثر اجزاء کے اعتبار سے مکی کہا گیا یا یہ کہ آیت سوال قبر اور سوال قیامت دونوں کو عام ہے اور لفظ آخرت دونوں کو شامل ہے تو ایک جز و یعنی قیامت میں سوال ہونا یہ تو حضور کو مکہ میں بتلا دیا گیا اور دوسرا جز و یعنی قبر کا سوال یہ مدینہ میں بتلایا گیا اور نصوص سے قیامت کے دن بھی سوال ہونا ثابت ہے مگر کفار سے وہ سوال سخت حساب کے طور پر ہوگا اور مومنین سے آسان طریقہ پر ہوگا اور اس میں ان کو ثابت قدم رکھ کر اعانت کی جائے گی اور یہ جو ایک حدیث میں آیا ہے کہ یہ آیۃ عذاب قبر کے بارہ میں نازل ہوئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بھی اس سے مفہوم ہوتا ہے یہ نہیں کہ صرف اسی کا اس میں بیان ہے قیامت کے سوال کا بیان نہیں۔

ربط: آگے مشرکین کی مذمت ہے کہ انہوں نے خدا کی نعمتوں کا مقابلہ کفر سے کیا اور اشارۃً موحدین کی فضیلت اور ان کو نعم الٰہیہ کے شکر کی تاکید پھر توحید کے دلائل اور بعض نعمتوں کی شمار مذکور ہے **الم تر الی الذین تا لظلوم کفار**

وَیَفْعَلُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ ۲۷ ع اَلَمْ تَرَ

اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا

مراد اس سے کفار مکہ ہیں یعنی ان کا حال بھی عجیب ہے۔

اِلَی الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا

جنہوں نے بجائے نعمت الٰہی کے کفر کیا اور جنہوں نے اپنی قوم کو

قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۲۸ لا جَهَنَّمَ ج یَصْلَوْنَهَا ط

ہلاکت کے گھر یعنی جہنم میں پہنچا دیا وہ اس میں داخل ہوں گے اور وہ

وَبِئْسَ الْقَرَارُ ۲۹

رہنے کی بری جگہ ہے

یعنی دوسروں کو بھی کفر کی تعلیم کی جس سے وہ جہنم میں داخل ہوں گے اور اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان کا داخل ہونا قرار اور دوام کے لئے ہوگا اور اوپر جو کہا گیا ہے کہ ان لوگوں نے شکر کی جگہ کفر کیا اور اپنی قوم کو جہنم میں پہنچایا آگے ان دونوں کا بیان ہے۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّیُضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِهٖ ط

اور ان لوگوں نے اللہ کے ساجھی قرار دیئے تاکہ (دوسروں کو بھی) اس کے دین سے گمراہ کریں

پس ساجھی قرار دینا کفر ہے اور دوسروں کو گمراہ کرنا جہنم میں پہنچانا ہے۔

قُلْ تَمَتَّعُوْا

آپ کہہ دیجئے کہ چندے عیش کرلو

عیش سے مراد حالت کفر میں رہنا ہے کیونکہ ہر شخص کو اپنے مذہب میں لذت ہوتی ہے یعنی اور چندے کفر کرلو اور یہ دھمکی کے طور پر ہے۔

فَاِنَّ مَصِیْرَكُمْ اِلَی النَّارِ ۳۰

کیونکہ اخیر انجام تمہارا دوزخ میں جانا ہے

مطلب یہ ہے کہ چونکہ جہنم میں جانا تمہارا ضروری ہے اس لئے تمہارا کفر سے باز آنا مشکل ہے خیر اور چند دن گزار لو پھر تو اس مصیبت کا سامنا ہوہی گا۔

قُلْ لِّعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقِیْمُوا

جو میرے خالص ایمان والے بندے ہیں ان سے کہہ دیجئے کہ وہ نماز کی

الصَّلٰوةَ وَیُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا

پابندی رکھیں اور ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور آشکارا

وَّعَلَانِیَةً

خرچ کیا کریں

موافق قواعد شرعیہ جیسا موقع ہو خرچ کیا کریں مطلب یہ کہ مسلمانوں کو کفران نعمت کے وبال پر متنبہ کر کے اس سے محفوظ رہنے کے لئے فرما دیجئے کہ عبادات مالیہ و بدنیہ کو ادا کرتے رہیں کہ نعمت الٰہی کے شکر کا طریقہ یہی ہے۔

مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ

ایسے دن کے آنے سے پہلے پہلے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی

وَلَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾

اور نہ دوستی ہوگی

یعنی دوستی مستقل طور پر نافع نہ ہوگی یہ مطلب نہیں کہ ایمان کے ہوتے ہوئے بھی جب کہ للہ محبت ہو وہ بھی نافع نہیں اس کی تحقیق پارہ سوم کے شروع میں کی گئی ہے ملاحظہ کر لی جائے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

اللہ ایسا ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا

وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً

اور آسمان سے پانی (یعنی مینہہ) برسایا

اس آیت میں مومنین کی کئی طرح مدح کی گئی ہے ایک تو ان کو مومن فرمایا دوسرے تشریفاً عبادی فرمایا کہ میرے خاص بندے پھر ان کو براہ عنایت شکر کی ترغیب دے کر ناشکری کی بڑی آفت سے بچایا۔

آسمان سے پانی نازل ہونے پر بعض کو یہ شبہ ہوا ہے کہ بعض اوقات اونچے پہاڑوں پر کھڑے ہونے سے نیچے پانی برستا ہوا نظر آتا ہے اور اوپر والا خشک کھڑا رہتا ہے اگر آسمان سے پانی برستا تو اس کے اوپر بھی برستا مگر یہ شبہ نہایت لچر ہے ممکن ہے کہ آسمان سے فرشتوں کی معرفت وہ پانی بادل میں آ جاوے پھر بادل سے برستا ہو اوپر سے نہ برستا ہو اور ہم بارش میں بخارات کے دخل ہونے کا انکار نہیں کرتے ممکن ہے کہ ان کو بھی کچھ دخل ہو۔

فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ج

پھر اس پانی سے پھلوں کی قسم سے تمہارے لئے رزق پیدا کیا

وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ

اور تمہارے نفع کے واسطے کشتی (اور جہاز) کو مسخر بنایا

بِاَمْرِهٖ ج

تاکہ وہ خدا کے حکم (قدرت) سے دریا میں چلے

اور تمہاری تجارت اور سفر کی غرض حاصل ہو۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴿۳۲﴾ ج

اور تمہارے نفع کے واسطے نہروں کو (اپنی قدرت) کا مسخر بنایا

تاکہ اس سے پیو اور آب پاشی کرو اور اس میں کشتی چلاؤ۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ج

اور تمہارے نفع کے واسطے سورج اور چاند کو (اپنی قدرت کا) مسخر بنایا جو ہمیشہ چلتے ہی رہتے ہیں

تاکہ تم کو روشنی اور گرمی وغیرہ کا فائدہ ہو۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ﴿۳۳﴾ ج

اور تمہارے نفع کے واسطے رات اور دن کو (اپنی قدرت کا) مسخر بنایا

تاکہ تم کو معیشت اور آسائش کا نفع ہو۔

وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ط

اور جو جو چیز تم نے مانگی تم کو ہر چیز دی

بشرطیکہ وہ تمہارے مناسب حال بھی ہوئی اس سے یہ شبہ جاتا رہا کہ بعض چیزیں ہم مانگتے ہیں اور نہیں ملتی سو وہ حکمت الٰہیہ میں اس شخص کے مناسب نہ ہوگی۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ط

اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اگر (ان کو) شمار کرنے لگو تو شمار میں نہیں لا سکتے

یعنے اشیائے مذکورہ ہی پر کیا انحصار ہے خدا کی نعمتیں بے شمار ہیں اور یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ اوپر تو فرمایا ہے کہ تم کو ہر چیز دی تو اس میں کل نعمتیں آ گئیں پھر اس کے کیا معنے کہ خدا کی نعمتیں شمار سے باہر ہیں کیونکہ وہاں وہ نعمتیں مراد ہیں جن کا سوال کیا گیا۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾ ع

(مگر) سچ یہ ہے کہ آدمی بہت ہی بے انصاف بڑا ہی ناشکر ہے

کہ خدا کی نعمتوں کی قدر نہیں کرتا۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا

اور جبکہ ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا کہ اے میرے رب اس شہر (مکہ) کو

الْبَلَدَ اٰمِنًا

امن والا بنا دیجئے

یعنی اس کو حرم بنا دیجئے۔

وَّاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾

اور مجھ کو اور میرے خاص فرزندوں کو بتوں کی عبادت سے بچائے رکھیئے۔

چنانچہ آپ کے صلبی فرزند اس سے محفوظ رہے۔

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ

اے میرے پروردگار ان بتوں نے بہتیرے آدمیوں کو گمراہ کر دیا

النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ ۚ

پھر جو شخص میری راہ پر چلے گا وہ تو میرا ہے ہی اور جو شخص (اس بات میں)

وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۶﴾

میرا کہنا نہ مانے سو آپ تو کثیر المغفرت (اور) کثیر الرحمت ہیں

یعنی میں بتوں کی عبادت سے بچنے کی دعا اس لئے کرتا ہوں کہ وہ بتوں کی گمراہی کا سبب ہو گئے اس لئے ڈر کر آپ سے پناہ چاہتا ہوں اور میں جس طرح اولاد کے بچنے کی دعا کرتا ہوں اسی طرح ان کو کہتا سنتا بھی رہوں گا پھر جو میرا کہنا مانے اس کے لئے تو وعدہ مغفرت کا ہے ہی اور جو کہنا نہ مانے اس کو آپ ہدایت فرمائیے کیونکہ آپ ان کی رحمت و مغفرت کا سامان بھی کر سکتے ہیں کہ ان کو ہدایت کر دیں مقصود اس دعاء سے مومنین کے لئے شفاعت اور غیر مومنین کے لئے طلب ہدایت ہے۔

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ

اے رب ہمارے میں اپنی اولاد کو

یعنی اسماعیل علیہ السلام کو اور ان کے واسطہ سے ان کی اولاد کو

مِنْ ذُرِّيَّتِیْ

آپ کے معظم گھر کے قریب

جو کہ پہلے یہاں بنایا ہوا تھا اور ہمیشہ لوگ اس کا ادب کرتے تھے

بِوَادٍ غَيْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ

ایک (کف دست) میدان میں جو زراعت کے قابل نہیں آباد کرتا

الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

ہوں اے رب ہمارے تاکہ وہ لوگ نماز کا اہتمام رکھیں

اس لئے بیت محرم کے پاس ان کو آباد کرتا ہوں اس دعا کا قبول ہونا ظاہر ہے کہ آپ کی اولاد میں بہت سے عابد ہوئے بلکہ سید العابدین ہوئے۔

فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَيْهِمْ

تو آپ کچھ لوگوں کے قلوب ان کی طرف مائل کر دیجئے

کیونکہ یہ اس وقت ایک صاف میدان ہے کچھ لوگ یہاں آ کر آباد ہو جائیں تاکہ آبادی پر رونق ہو جائے یہ دعاء بھی قبول ہوئی چنانچہ اول قبیلہ جرہم نے وہاں آ کر سکونت اختیار کی پھر مختلف زمانوں میں لوگ آفاق عالم سے آ کر وہاں بس گئے۔

وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ

اور ان کو (محض اپنی قدرت سے) پھل کھانے کو دیجئے تاکہ یہ لوگ

يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾

(ان نعمتوں کا) شکر کریں

یہ دعاء دو طرح قبول ہوئی ایک طائف میں پیداوار کی کثرت دوسرے دیگر بلاد و امصار سے آمد۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَمَا

اے ہمارے رب آپ کو تو سب کچھ معلوم ہے جو ہم

نُعْلِنُ ۭ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ

اپنے دل میں رکھیں اور جو ظاہر کر دیں اور اللہ تعالیٰ سے (تو) کوئی

شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾

چیز بھی مخفی نہیں نہ زمین میں اور نہ آسمان میں

تو یہ دعائیں محض بندگی اور اپنی احتیاج ظاہر کرنے کے لئے ہیں آپ کو اپنی حاجات کی اطلاع دینا مقصود نہیں اور کچھ دعائیں آگے آویں گی بیچ میں بعض سابق نعمتوں پر حمد و شکر کیا تاکہ شکر کی برکت سے یہ دعائیں قبولیت کے قریب ہو جاویں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ

تمامی حمد (وثنا) خدا کے لئے (سزاوار) ہے جس نے مجھ کو بڑھاپے میں

اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِيْعُ

اسماعیلؑ اور اسحاقؑ (دو بیٹے) عطا فرمائے حقیقت میں میرا رب دعا کا بڑا

الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾
سننے والا ہے

کہ اولاد کے متعلق میری یہ دعاء رب ھب لی من الصلحین قبول فرمائی اور ہر چند کہ ابراہیم علیہ السلام کے فرزند اسماعیل و اسحاق علیہما السلام کے علاوہ اور بھی تھے جیسا کہ روضۃ الصفا میں منقول ہے کہ آپ نے سارہ کی وفات کے بعد ایک کنعانی بی بی سے نکاح کیا اور اس سے چھ فرزند ہوئے لیکن دعاء میں صرف دونوں کا نام لینا یا اس وجہ سے ہے کہ اس وقت یہی دو ہوں گے یا اس وجہ سے کہ یہ سب سے اشرف تھے اور یہ ضروری نہیں کہ یہ سب دعائیں ایک ہی وقت میں ہوئی ہوں پس یہ اشکال نہ رہا کہ اسماعیل علیہ السلام کے بچپن میں اسحاق علیہ السلام کہاں تھے۔

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ
اے میرے رب مجھ کو بھی نماز کا (خاص) اہتمام رکھنے والا رکھئے اور میری
ذُرِّیَّتِیْ ۖ
اولاد میں بھی بعضوں کو

یعنے چونکہ مجھ کو وحی سے معلوم ہو گیا ہے کہ ان میں بعضے غیر مومن بھی ہوں گے اس لئے دعا سب کے لئے نہیں کرتا بلکہ بعضوں کے لئے کرتا ہوں۔

رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾ رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ
اے ہمارے رب اور میری (یہ) دعا قبول کیجئے اے ہمارے رب میری
وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ
مغفرت کر دیجئے اور میرے ماں باپ کی بھی اور کل مومنین کی بھی حساب قائم
الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾
ہونے کے دن

یعنی قیامت کے دن سب کی مغفرت کر دیجئے یہاں ایک اشکال ہے کہ آپ نے والدین کے لئے دعا کی سو اہل سیر نے والدہ کا ایمان تو نقل کیا ہے ان کے لئے دعا کرنے میں کوئی اشکال نہیں اور باپ آپ کے کافر تھے ان کے لئے دعا کرنے کی توجیہ گیارہویں پارہ وما کان استغفار ابراھیم الخ کے ذیل میں گزر چکی ہے کہ آپ کا مقصود ہدایت کی دعا کرنا ہے اور ہدایت کی دعا کافر کے لئے جائز ہے البتہ ایک وسوسہ باقی ہے وہ یہ کہ یہ دعا بڑھاپے کی حالت میں کی تھی اور ظاہر یہ ہے کہ اس وقت باپ زندہ نہ ہوں گے پھر دعائے ہدایت بھی نہیں ہو سکتی سوا گر اس کے مرنے کی ان کو خبر پہنچ گئی ہو تو یہ معنی ہوں گے کہ اگر مومن مرا ہو تو مغفرت کر دیجئے پھر وحی سے جب اس کا خاتمہ کفر پر ہونا معلوم ہوا تب بیزاری ظاہر کی واللہ اعلم

ربط: اوپر من وراءہ جھنم میں کفار کا عذاب مذکور تھا آگے پھر وہی مضمون ہے اور درمیان میں توحید و رسالت کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ اس کے انکار سے عذاب ہوتا ہے پس مناسبت ظاہر ہے ولاتحسبن تا سریع الحساب

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا
اور (اے مخاطب) جو کچھ ظالم (کافر) لوگ کر رہے ہیں اس سے
یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۥ اِنَّمَا یُؤَخِّرُهُمْ
خدائے تعالیٰ کو بے خبر مت سمجھ (کیونکہ) ان کو صرف اس روز تک مہلت دے
لِیَوْمٍ تَشْخَصُ فِیْهِ الْاَبْصَارُ ﴿۴۲﴾
رکھی ہے جس میں ان لوگوں کی نگاہیں پھٹی رہ جاویں گی دوڑتے ہوں گے
مُهْطِعِیْنَ مُقْنِعِیْ رُءُوْسِهِمْ لَا یَرْتَدُّ
اپنے سر اوپر اٹھا رکھے ہوں گے (اور) ان کی نظر ان کی طرف
اِلَیْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ
ہٹ کر نہ آوے گی

یعنے ایسی ٹکٹکی بندھے گی کہ آنکھ ذرا نہ جھپکے گی۔

وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴿۴۳﴾
اور ان کے دل بالکل بدحواس ہوں گے

جب وہ دن آ جائے گا پھر مہلت نہ ہوگی اس لئے جلدی عذاب نہ آنے سے یہ مت سمجھو کہ خدا ان سے بے خبر ہے۔

وَاَنْذِرِ النَّاسَ یَوْمَ یَاْتِیْهِمُ الْعَذَابُ فَیَقُوْلُ
اور آپ ان لوگوں کو اس دن سے ڈرائیے جس دن ان پر عذاب آ پڑے گا پھر یہ
الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ ۙ
ظالم لوگ کہیں گے اے ہمارے رب ایک مدت قلیل تک ہم کو اور مہلت دیدیجئے

یعنی دنیا میں پھر بھیج دیجئے۔

نُجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ

ہم آپ کا سب کہنا مان لیں گے اور پیغمبروں کا اتباع کریں گے

جواب میں ارشاد ہوگا کہ کیا ہم نے دنیا میں تم کو لمبی مہلت نہ دی تھی ۔

اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ

کیا تم نے اس کے قبل قسمیں نہ کھائی تھیں کہ تم کو کہیں

مِّنْ زَوَالٍ ﴿٤٤﴾

جانا ہی نہیں ہے

یعنی اس دراز مہلت ہی کی وجہ سے تم قیامت کے منکر تھے اور اس پر قسم کھاتے تھے ۔

وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

حالانکہ تم ان (پہلے) لوگوں کے رہنے کی جگہوں میں رہتے تھے جنھوں نے اپنی ذات کا نقصان کیا تھا

اس آیت میں ان پچھلے کفار کو خطاب ہے جن سے پہلے کوئی امت معذب ہو چکی ہو بلکہ سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ متاخرین میں بھی اسی امت کے کفار مراد ہیں کیونکہ اوپر وانذر الناس میں جن لوگوں کے ڈرانے کا آپؐ کو حکم ہے ان ہی کو وسکنتم میں خطاب کیا گیا ہے اور اس امت کے کفار کا عذاب والوں کی جگہ میں رہنا بایں معنی ہے کہ ملک شام میں بعض بستیاں ایسی ہیں جن پر عذاب نازل ہوا تھا اور اہل عرب تجارت کے سفر میں آتے جاتے ان کو دیکھتے تھے اور ٹھہرنے کا وقت آ جاتا تو ٹھہرتے بھی تھے یا یہ کہا جائے کہ نوح علیہ السلام کے زمانہ میں سب کفار غرق ہو گئے تھے اور جہاں عرب رہتے تھے یہ بھی اس وقت بعض کفار کے رہنے کی جگہ تھی پس آیت میں تسلسل لازم نہیں آتا۔

وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ

اور تم کو یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیونکر معاملہ کیا تھا

کہ ان کے کفر پر ان کو سزائیں دیں اس سے تم کو معلوم ہو سکتا تھا کہ انکار کرنا موجب غضب ہے پس تصدیق کرنا واجب ہے اور ان کی جگہ میں رہنا ہر وقت ان کے حالات کی یاد دہانی کر سکتا تھا۔ پس انکار کی کسی وقت بھی گنجائش نہ تھی۔

وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿٤٥﴾

اور ہم نے تم سے مثالیں بیان کیں

یعنی علاوہ ان واقعات کے سننے کے جو کہ عبرت کے لئے کافی تھے ہم نے آسمانی کتابوں میں بھی ان واقعات کو مثال کے طور پر بیان کیا کہ اگر تم ایسا کرو گے تو تم پر بھی غضب نازل ہوگا اور عذاب کے مستحق ہو گے۔

وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ

اور ان لوگوں نے بہت سی اپنی بڑی بڑی تدبیریں کی تھیں

تاکہ دین حق کو مٹا دیں۔

وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ

اور انکی تدبیریں اللہ کے سامنے تھیں اور واقعی ان کی تدبیریں ایسی تھیں کہ ان

مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿٤٦﴾

سے پہاڑ بھی ٹل جاویں

اس کے علم سے مخفی نہ رہ سکتی تھیں۔ وان كان مكرهم لتزول منه الجبال تدبیروں سے پہاڑ کا ٹل جانا یہ ایک مثال ہے کسی شے کی قوت بیان کرنے کے لئے اور فی نفسہ یہ امر کچھ محال بھی نہیں کیونکہ پہاڑوں کے توڑنے اور اڑانے کی تدبیریں بکثرت استعمال میں آتی ہیں غرض ایسی مضبوط تدبیریں کیں مگر پھر بھی حق ہی غالب رہا اور ان کی ساری تدبیریں گاؤ خورد ہو گئیں اور وہ ہلاک کئے گئے اس سے بھی معلوم ہو گیا کہ حق وہی تھا جو پیغمبر فرماتے تھے اور اس کے انکار سے غضب اور عذاب ہوا ہے

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ

پس اللہ تعالیٰ کو اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرنے والا نہ سمجھنا

چنانچہ رسولوں کے منکرین کے لئے جو عذاب کا وعدہ تھا وہ قیامت کے دن پورا ہوگا۔

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿٤٧﴾

بیشک اللہ تعالیٰ بڑا زبردست پورا بدلہ لینے والا ہے

کہ اس کو بدلہ لینے سے کوئی روک نہیں سکتا پس قدرت بھی کامل اور ہر چیز اس کی مشیت کے ساتھ متعلق ہے پھر وعدہ خلافی کا کیا احتمال رہا اور یہ بدلہ اس روز ہوگا (آگے ترجمہ)

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ

جس روز دوسری زمین بدل دی جاوے گی اس زمین کے علاوہ اور آسمان بھی

یعنی آسمان بھی ان آسمانوں کے علاوہ دوسرے بدل دیئے جائیں گے کیونکہ اول بار صور پھکنے سے سب آسمان زمین ٹوٹ پھوٹ جائیں گے پھر دوسری بار میں از سرنو زمین و آسمان بنیں گے اور حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان و زمین دوبارہ پیدا ہونے کے علاوہ کوئی اور بھی تغیر ہوگا کہ اس وقت اہل محشر زمین پر نہ ہوں گے بلکہ پل صراط پر ہوں گے جیسا کہ مسلم کی حدیث میں مصرح ہے باقی اس تغیر و تبدل کی حکمت اللہ ہی کو معلوم ہے۔

وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾

اور سب کے سب ایک زبردست اللہ کے روبرو پیش ہوں گے

مراد اس سے قیامت کا دن ہے یعنے قیامت میں بدلہ لیا جائے گا۔

وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي

اور تو مجرموں (یعنی کافروں) کو زنجیروں میں جکڑے

الْاَصْفَادِ ﴿۴۹﴾ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ

ہوئے دیکھے گا (اور) ان کے کرتے قطران کے ہوں گے

قطران درخت چیڑ کا روغن ہوتا ہے کما فی کتب اللغات والطب یعنے ان کے سارے بدن کو قطران لپٹا ہوگا تا کہ اس میں آگ جلدی اور تیزی کے ساتھ لگے۔

وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿۵۰﴾ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ

اور آگ ان کے چہروں پر لپٹی ہوگی تا کہ اللہ تعالیٰ ہر (مجرم) شخص کو

كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾

اس کے کئے کی سزا دے یقیناً اللہ تعالیٰ بڑی جلدی حساب لینے والا ہے

یعنی گو ایسے مجرم بے انتہا ہوں گے مگر اللہ تعالیٰ کو ان کا حساب و کتاب کچھ دشوار نہیں کیونکہ وہ سب کا فیصلہ شروع کر کے فوراً ہی ختم کر دیں گے۔

ربط: اوپر شروع سورت سے یہاں تک توحید و رسالت و معاد کے مضامین مذکور تھے آگے سورۃ کو ایسی آیت پر ختم کیا جاتا ہے جو قرآن کی مدح کے ساتھ ان سب مضامین کو شامل ہے۔ هذا بلغ تا اولوا الالباب

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ

یہ (قرآن) لوگوں کے لئے احکام کا پہنچانا ہے

تا کہ احکام پہنچانے والے یعنی رسول کی تصدیق کریں اس میں تصدیق رسالت آ گئی۔

وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

اور تا کہ اس کے ذریعہ سے (عذاب سے) ڈرائے جاویں اور تا کہ اس بات کا

وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۵۲﴾

یقین کر لیں کہ وہی ایک معبود برحق ہے اور تا کہ دانشمند لوگ نصیحت حاصل کریں

ڈرے جانے میں قیامت کی تصدیق آ گئی اور معبود حق کا یقین کر لینے میں توحید کی تصدیق اور نصیحت حاصل کرنے میں تمام عبادات مالیہ و بدنیہ جن کا ذکر یقیموا الصلوۃ الخ میں آیا تھا داخل ہو گئیں اور یہی تمام سورت کا حاصل ہے سبحان اللہ کیا اچھا خاتمہ ہے اے اللہ اپنے فضل سے ان ہی عقائد و اعمال پر ہمارا بھی خاتمہ کیجئو۔

سورۃ الحجر مکیۃ و ھی تسع و تسعون ایۃ کذافی البیضاوی

ربط: اس سورت کے شروع اور پہلی سورت کے خاتمہ میں ارتباط بہت ظاہر ہے کیونکہ دونوں فضیلت قرآن پر مشتمل ہے بسم اللہ الرحمن الرحیم الر تا مبین

(۱۵) سُوْرَةُ الْحِجْرِ مَكِّيَّةٌ (۵۴)

سورۂ حجر مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں ننانوے (۹۹) آیتیں اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

الٓرٰ قف

الر

اس کے معنے تو اللہ ہی کو معلوم ہیں۔

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱﴾

یہ آیتیں ہیں ایک کامل کتاب اور قرآن واضح کی

یعنی اس کی دونوں صفتیں ہیں کامل کتاب بھی ہے اور قرآن واضح بھی ہے۔

الحمد للہ تیرویں پارہ کی تفسیر ختم ہوئی

ربط: آگے بعض مضامین مقصودہ بیان فرماتے ہیں تاکہ قرآن کی حقانیت سننے کے بعد ان کو اچھی طرح سنیں اور یقین کریں ربما یود تا مایستاخرون

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا

کافر لوگ بار بار تمنا کریں گے کہ کیا خوب ہوتا اگر وہ (یعنی ہم دنیا میں)

مُسْلِمِيْنَ ﴿۲﴾

مسلمان ہوتے

یعنی جب قیامت کا دن ہوگا اور کافروں پر طرح طرح کا عذاب ہوگا ان اوقات میں وہ تمنا کریں گے کہ ہم دنیا میں کاش مسلمان ہوتے اور بار بار تمنا اس لئے ہوگی کہ جب کوئی نئی شدت واقع ہوگی اور معلوم ہوگا کہ اس کی علت کفر ہے تب ہی اسلام نہ لانے پر تازہ حسرت کریں گے ۱۲

ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ

آپ ان کو ان کے حال پر رہنے دیجئے کہ وہ (خوب) کھالیں اور چین اڑالیں اور

فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۳﴾

خیالی منصوبے ان کو غفلت میں ڈالے رکھیں ان کو ابھی حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے

غرض دنیا میں ان کے کفر پر غم نہ کیجئے۔

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ

اور ہم نے جتنی بستیاں ہلاک کی ہیں ان سب کے لئے ایک معین وقت نوشتہ

مَّعْلُوْمٌ ﴿۴﴾

ہوتا رہا ہے

یعنی مرنے کے ساتھ ہی اور دنیا میں جو ان کو جلدی سزا نہیں ملتی اس کی وجہ یہ ہے کہ سزا کا وقت مقرر نہیں آیا۔

مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۵﴾

کوئی امت اپنی میعاد مقررہ سے نہ پہلے ہلاک ہوئی اور نہ پیچھے رہی ہے

بلکہ وقت مقررہ پر ہلاک ہوئی ہے پس اسی طرح جب ان کا وقت آجائے گا ان کو بھی سزا دے دی جائے گی۔

ربط: اوپر کفار کی بدانجامی کے بعض حالات مذکور تھے آگے ان کے بعض اقوال عناد اور انکار رسالت کے متعلق مذکور ہیں وقالوا تا مسحورون

وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ

اور ان کفار (مکہ) نے یوں کہا کہ اے وہ شخص جس پر قرآن نازل کیا گیا ہے

اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۶﴾ لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ

تم مجنون ہو (اور نبوت کا غلط دعویٰ کرتے ہو) (ورنہ) اگر

اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷﴾

تم سچے ہو تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لاتے

جو ہمارے سامنے تمہاری سچائی پر گواہی دیں آگے حق تعالیٰ اس کا جواب دیتے ہیں۔

مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا

ہم فرشتوں کو صرف فیصلہ ہی کے لئے نازل کیا کرتے ہیں اور اگر

كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ﴿۸﴾

ایسا ہوتا تو اس وقت ان کو مہلت بھی نہ دی جاتی

بلکہ جب ان کے آنے پر بھی ایمان نہ لاتی جیسا کہ ان کی نسبت یقین ہے تو فوراً ہلاک کردیئے جاتے چنانچہ سورہ انعام کے پہلے رکوع میں اس کی وجہ مذکور ہو چکی ہے آگے بتلاتے ہیں کہ یہ جو قرآن کے منزل من اللہ ہونے کے منکر ہیں سو یہ انکار بھی محض باطل ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ

ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے

اور یہ دعویٰ بلا دلیل نہیں ہے بلکہ اس کا معجزہ ہونا اس پر دلیل ہے پھر اس کے معجزہ ہونے پر ایک دلیل تو دوسری سورتوں میں مذکور ہے کہ اس کے مثل کوئی ایک سورۃ بنا لاوے اور دوسری دلیل اس کے معجزہ ہونے پر آگے بتلاتے ہیں ۱۲

وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۹﴾

اور ہم اس کے محافظ اور نگہبان ہیں

یعنی ہم بطور پیشگوئی کی خبر دیتے ہیں کہ اس میں کوئی شخص کمی بیشی نہیں کرسکتا جیسا اور کتابوں میں ہوتا ہے کہ باوجود کسی مخالفت کے ان کے نسخوں میں کمی بیشی کا اختلاف ہو جاتا ہے اور قرآن میں باوجود مخالفوں کی کوششوں کے یہ بات نہیں ہوئی یہ ایسا صریح معجزہ ہے کہ جو شخص بلاغت و فصاحت کے اعجاز کو بھی نہ سمجھ سکے اس فرق کا تو وہ بھی انکار نہیں کرسکتا پس یہ قرآن کا مستقل معجزہ ہے اور بعض نے اس سے بھی عبارت کا اعجاز سمجھا ہے پھر اس پر یہ وسوسہ پیدا ہوا کہ عبارت کے اعتبار سے قرآن کا بلیغ ہونا اس بات کو تو مستلزم ہے کہ اس میں زیادتی نہ ہو سکے کیونکہ وہ ایسی بلیغ اور

معجزہ نہ ہوگی لیکن اگر پوری سورۃ کم یا ضائع کر دی جائے تو اعجاز بلاغت سے یہ کمی کیونکر معلوم ہو سکتی ہے لیکن احقر نے مستقل معجزہ قرار دے کر جو تقریر کی ہے اس میں اس وسوسہ کی گنجائش نہیں رہی کیونکہ ایسی کمی اگر کی جاتی تو تمام دنیا کے نسخوں کا اس میں متفق ہونا عادتاً محال تھا بلکہ کسی میں وہ کمی ہوتی کسی میں نہ ہوتی۔ نسخوں میں اختلاف ضرور ہوتا جیسا اور کتابوں میں مشاہدہ ہو رہا ہے کیونکہ وہ معجزہ نہ تھیں گو اصل میں اللہ کی طرف سے تھیں اور کفار مکہ کے وقت میں اگرچہ نازل قرآن کو تھوڑا زمانہ ہوا تھا لیکن ایک حیثیت سے اعجاز محافظت کا ظہور اس وقت بھی ہو گیا تھا کہ باوجودیکہ ظاہری حفاظت کا سامان یعنی لکھنا اور مدون کرنا اس وقت کم تھا پھر عبارت بھی نثر تھی مگر اس کو یاد رکھنے والوں میں اختلاف نہ تھا اور اگر اتفاقاً اور سہواً کوئی لفظ کسی کو غلط یاد ہو جاتا تو تنبیہ کے ساتھ ہی اس کی اصلاح ہو جاتی اور غلط طور پر اگر کوئی یاد کا دعویٰ کرتا تو وہ دعویٰ چل نہ سکتا تھا اس لئے اس دلیل اعجاز کا بھی ان کفار کے سامنے بیان کرنا بے فائدہ نہ ہوا پھر اب تو اس پیشین گوئی کا ظہور اچھی طرح ہو گیا ہے کہ زمانہ دراز گزر جانے پر بھی قرآن کا حرف حرف محفوظ ہے کوئی دوسری کتاب باوجود پوری محافظت کے بھی ہرگز اس قدر محفوظ نہیں رہ سکتی کہ اس میں کسی طرح پر کمی بیشی کا احتمال نہ ہو سکے پس قرآن کی ظاہری حفاظت میں ایسی کامیابی اس کی دلیل ہے کہ اس کی حفاظت من جانب اللہ ہے اور صحابہ کے وقت سے اس وقت تک جو اس کی حفاظت کا سامان کیا گیا ہے یہ سامان بھی اللہ کی حفاظت کا ظہور ہے آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہے کہ آپ ان کی تکذیب سے غم نہ کیجئے کیونکہ یہ معاملہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہمیشہ ہی سے چلا آ رہا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِىْ شِيَعِ

اور ہم نے آپ کے قبل بھی پیغمبروں کو اگلے لوگوں کے بہت سے گروہوں

الْاَوَّلِيْنَ (۱۰) وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ

میں بھیجا تھا اور کوئی رسول ان کے پاس ایسا نہیں آیا جس کے ساتھ انہوں

اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (۱۱) كَذٰلِكَ

نے استہزاء نہ کیا ہو اسی طرح ہم یہ استہزاء ان مجرمین کے قلوب میں ڈال

نَسْلُكُهٗ فِىْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ (۱۲) لَا يُؤْمِنُوْنَ

دیتے ہیں (جس کی وجہ سے) یہ لوگ قرآن پر ایمان نہیں لاتے اور یہ دستور

بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ (۱۳) وَلَوْ

(پہلوں) سے ہی ہوتا آیا ہے (پس آپ غمگین نہ ہوں) اور اگر ہم ان کے

فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ

لئے آسمان میں کوئی دروازہ کھول دیں پھر یہ دن کے وقت اس میں (سے

يَعْرُجُوْنَ (۱۴) لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا

آسمان پر) چڑھ جاویں تب بھی یوں کہہ دیں کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی تھی

یعنی ان کے عناد کی یہ کیفیت ہے کہ فرشتوں کا آسمان سے آنا تو درکنار اس سے بڑھ کر اگر خود ان کو دن کے وقت جس میں اونگھ نیند وغیرہ کا بھی شبہ نہ ہو آسمان پر بھیج دیا جائے اس کو بھی نظر بندی کہیں گے کہ ہم آسمان پر چڑھتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں مگر واقع میں چڑھ نہیں رہے محض خیال بندی ہے ۱۲

بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ (۱۵) ع

بلکہ ہم لوگوں پر تو بالکل جادو کر رکھا ہے

یعنی یہ کہیں گے کہ نظر بندی کی کچھ اس میں تخصیص نہیں بلکہ اگر اس سے بڑھ کر بھی کوئی معجزہ ہم کو دکھلایا جائے گا وہ بھی واقع میں معجزہ نہیں ہوگا محض نظر بندی ہوگی اور کفار کا آسمان پر چڑھنا فرشتوں کے اترنے سے بڑھ کر اس لئے ہے کہ یہ عروج عادت انسانی کے خلاف ہے اور فرشتوں کا آسمان سے اترنا ان کی عادت کے خلاف نہیں کفار بھی ملائکہ کے اترنے کو مانتے تھے گو حضور کے پاس فرشتوں کے آنے کے منکر تھے۔

ربط: اوپر رسالت کے متعلق مضمون تھا آگے توحید کے متعلق ہے کہ وہ لوگ اس کے بھی منکر تھے۔ ولقد جعلنا تا علیم

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِى السَّمَآءِ بُرُوْجًا

اور بیشک ہم نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے پیدا کئے

بروج کی تفسیر ستاروں کے ساتھ مجاہد و قتادہ سے اور کواکب عظام کے ساتھ ابو صالح سے درمنثور میں منقول ہے مجازاً اور تشبیہ کے طور پر ان کو بروج کہہ دیا گیا اور یہ تفسیر بہت سہل اور اسلم ہے۔

وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ (۱۶) لا

اور دیکھنے والوں کے لئے اس کو آراستہ کیا

کہ دیکھنے میں اچھا معلوم ہوتا ہے۔

وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿١٧﴾

اور اس کو ہر شیطان مردود سے محفوظ فرمایا

کہ وہاں تک ان کی رسائی نہیں ہونے پاتی۔

اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ

ہاں مگر کوئی بات (فرشتوں کی) چوری چھپے سن بھاگے تو اس کے پیچھے ایک

مُّبِيْنٌ ﴿١٨﴾

روشن شعلہ ہولیتا ہے

اوراس کے اثر سے وہ شیطان ہلاک یا بدحواس ہو جاتا ہے اس طرح وہ آسمانی خبرکسی اور تک نہیں پہنچ سکتی آسمان کی حفاظت سے یہی مقصود ہے اس کے بارہ میں بخاری نے جوحضرت عائشہؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے اس میں تصریح ہے کہ ملائکہ بادل میں آکر آسمانی خبروں کا تذکرہ کرتے ہیں اور شیاطین کچھ سن لیتے ہیں اور دوسری حدیث میں جو آیا ہے کہ ملائکہ آسمان میں تذکرہ کرتے ہیں پھراس کو چوری چھپے شیاطین سن لیتے ہیں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ آسمان میں جاکر سن لیتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ آسمان میں تذکرہ ہونے کے بعد سن لیتے ہیں گو بادل ہی میں سہی اب یہ اشکال نہ رہا کہ حضور کی ولادت یا نبوت کے بعد تو شیاطین آسمانوں سے روک دیئے گئے پھر اس کے کیا معنی جواب ظاہر ہے کہ آسمان سے بالکل روک دیئے گئے اور بادل میں کچھ سن لیتے ہیں پھر شہاب ثاقب سے ہلاک یا مخبوط الحواس ہو جاتے ہیں رہا یہ امر کہ جب سننے کا دوسرا ذریعہ موجود ہے تو پھر آسمان سے روک دیئے جانے کا فائدہ کیا ہوا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ آسمانوں میں بڑے بڑے امور کا تذکرہ ہوتا ہو ان سے بالکل روک دیئے گئے تاکہ ان علوم کا انکشاف بدوں وحی کے اور کسی طریقہ سے نہ ہو سکے اور بادلوں میں جزئی واقعات کا تذکرہ ہوتا ہو کہ وہ علوم مقصودہ نہیں پس وانهم عن السمع لمعزولون آسمانوں کے اعتبار سے ہے کہ وہاں کی باتیں سننے سے روکے ہوئے ہیں اور الا من استرق السمع سحاب کے اعتبار سے ہے کہ بادلوں میں چوری چھپے کچھ سن لیتے تھے اس لئے یہ بندش حضورؐ کی خصوصیات میں سے ہے جس کا منشاء غالباً حضورؐ کے شرف کا اظہار ہے یا ختم نبوت اس کا سبب ہو کیونکہ آپؐ سے پہلے نبوت ختم نہ ہوئی تھی تو اگر کاہن، غیرہ آسمانوں کی خبروں میں خلط وملط کر کے عوام کو گمراہ کرنا چاہتے تو آئندہ نبی کے آنے پر وہ اختلاط رفع ہو جاتا تھا اس لئے شیاطین کی بندش کی ضرورت نہ تھی جب آپ کے وجود سے نبوت کا سلسلہ ختم ہونے کو ہوا پھر ایسے اختلاط والتباس کا رفع ہونا مشکل تھا اس لئے بندش کر دی گئی کہ ایسے علوم کسی کو نہ معلوم ہو سکیں واللہ اعلم اور جاننا چاہئے کہ قرآن وحدیث میں یہ دعویٰ نہیں کہ بدوں شیاطین کے سننے کے ستارہ کبھی نہیں ٹوٹتا بلکہ دعویٰ یہ ہے کہ جب وہ سننا چاہتے ہیں اس وقت شہاب سے ان کو رجم کیا جاتا ہے پس ممکن ہے کہ ستارہ محض طبعی طور پر بھی ٹوٹتا ہو اس تقریر پر بفضلہٖ تعالیٰ اس بحث میں کوئی اشکال عقلی ونقلی نہ رہا اور ستارے دن کو بھی ٹوٹتے ہیں مگر آفتاب کی روشنی کی وجہ سے نظر نہیں آتے پس یہ وسوسہ نہ رہا کہ کیا شیاطین رات ہی کو باتیں سنتے ہیں۔

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ

اور ہم نے زمین کو پھیلایا اور اس میں بھاری بھاری پہاڑ ڈال دیئے اور اس

وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ﴿١٩﴾

میں ہر قسم کی (ضرورت کی نباتی) چیز ایک معین مقدار سے اگائی اور ہم نے

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ

تمہارے واسطے اس میں معاش کے سامان بنائے اور ان کو بھی معاش دی کہ

لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿٢٠﴾

جن کو تم روزی نہیں دیتے

یعنی یہ کھانے پینے اور پہننے کا سامان صرف تم ہی کو نہیں دیا بلکہ تمام مخلوقات جو ظاہر میں بھی تمہارے ہاتھ سے خورد ونوش کا سامان نہیں پاتے ہم ان کو بھی زمین سے سامان معاش دیتے ہیں۔

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ز وَمَا

اور جتنی چیزیں ہیں ہمارے پاس سب کے سب خزانے کے خزانے (بھرے

نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٢١﴾ وَاَرْسَلْنَا

پڑے) ہیں اور ہم اس کو ایک معین مقدار سے اتارتے رہتے ہیں ہم اپنی ہواؤں کو

الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً

بھیجتے ہیں جو کہ بادلوں کو پانی سے بھر دیتی ہیں پھر ہم ہی آسمان سے پانی برساتے

فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ج وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴿٢٢﴾

ہیں پھر وہ پانی تم کو پینے کو دیتے ہیں اور تم اتنا پانی جمع کر کے نہ رکھ سکتے تھے

کہ ہمیشہ کے لئے بارش سے مستغنی ہو جاتے پس اگر بارش نہ ہوتی بڑی مصیبت میں پڑتے اور یہ جو فرمایا کہ ہوائیں بادلوں کو پانی سے بھر دیتی ہیں یہ اس اعتبار سے کہ بخارات جن سے بادل بنتے ہیں ہوا ان کو سردی کے طبقہ میں اوپر پہنچا دیتی ہے جہاں ان بخارات میں پانی پیدا ہو جاتا ہے تو ہوا بادلوں میں پانی پیدا ہونے کا سبب ہوگئی اور کچھ پانی تو وہاں پیدا ہو چکتا ہے۔ پھر حق تعالیٰ حسب عادت آسمان سے بھی کچھ پانی امداد کے واسطے ہمیشہ یا کبھی کبھی بھیج دیتے ہوں گے اس لئے آگے فرمایا وانزلنا من السماء ماء اس تقریر پر یہ آیتیں مشاہدہ اور تجربہ کے اصلا مخالف نہ رہیں۔

وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾

اور ہم ہی ہیں کہ زندہ کرتے ہیں اور مارتے ہیں اور (سب کے مرنے کے

وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ

بعد) ہم ہی (باقی) رہ جائیں گے اور ہم تمہارے اگلوں کو بھی جانتے ہیں

عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ

اور ہم تمہارے پچھلوں کو بھی جانتے ہیں اور بے شک آپ کا رب ہی ان

هُوَ يَحْشُرُهُمْ ط

سب کو (قیامت میں) محشور فرمائے گا

یہ اس لئے فرما دیا کہ اوپر توحید ثابت ہوئی ہے پس اس جگہ منکر توحید کی سزا کی طرف اشارہ کر دیا۔

اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ ع

بیشک وہ حکمت والا ہے علم والا ہے

ہر شخص کو اس کے مناسب بدلہ دے گا اور سب کے اعمال کی اس کو پوری خبر ہے۔

ربط: اوپر انعام کے پیرایہ میں توحید کا ذکر تھا آگے آدم علیہ السلام کے قصہ میں اپنا خالق ہونا بتا کر توحید اور ظاہری انعام اور ملائکہ کو سجدہ کا حکم دینے میں باطنی انعام اور ابلیس کی بدانجامی اور نافرمانی کے ضمن میں منکرین کی سزا اور وبال بیان فرماتے ہیں۔ ولقد خلقنا تا جزء مقسوم

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ

اور ہم نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے جو کہ سڑے ہوئے

مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾ ج

گارے کی بنی تھی پیدا کیا

انسان سے مراد آدم علیہ السلام ہیں یعنی اول گارے کو خوب خمیر کیا کہ اس میں بو آنے لگی پھر وہ خشک ہو گیا اور خشک ہو کر کھن کھن بولنے لگا جیسا کہ مٹی کا برتن چٹکی مارنے سے بجا کرتا ہے پھر اس خشک گارے سے آدم کا پتلا بنایا کہ قدرت الٰہی اس سے معلوم ہوتی ہے۔

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾

اور جن کو اس کے قبل آگ سے کہ وہ ایک گرم ہوا تھی پیدا کر چکے تھے

مطلب یہ کہ اس آگ میں دھوئیں کے اجزاء نہ تھے اس لئے غایت لطافت سے وہ مثل ہوا کے نظر نہ آتی تھی کیونکہ آگ کا نظر آنا کثیف اجزاء کے ملنے سے ہوتا ہے اور غالباً جنوں کو آگ سے پیدا کرنے کا یہ مطلب ہے کہ ان میں غالب حصہ آگ ہے جیسا کہ انسان میں سب عناصر ہیں مگر غالب حصہ مٹی ہے اگر یہ شبہ ہو کہ جب اور عناصر مل گئے تو خالص آگ کہاں رہی حالانکہ من مارج من نار سے خالص آگ ہونا معلوم ہوتا ہے جواب یہ ہے کہ اول خالص لی گئی ہوگی پھر دیگر اجزاء کے ملنے سے خالص نہ رہی اور مختلف دلائل سے جنات کے متعلق اتنی باتیں معلوم ہوتی ہیں ۱۔ آگ سے پیدا ہونا ۲۔ توالد و تناسل ان میں ہونا ۳۔ عادتاً ان کا نظر نہ آنا ۴۔ مختلف شکلیں بدل سکنا مگر جن شکلوں سے کوئی التباس دین کے مضر ہوتا ہو ان پر بحکمت الٰہی وہ قادر نہیں ہوتے مثلاً نبی کی شکل نہیں بنا سکتے اور جس میں کوئی التباس دنیا کیلئے مضر ہوتا ہو اس پر کم قادر ہوتے ہیں اور شیطان بھی جنوں کی قسم سے ہے۔ جس جن میں شرارت ہو اس کو شیطان کہتے ہیں اور آیت میں جن سے مراد ان کی اصل یعنی جنوں کا باپ مراد ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا

اور وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے جب آپ کے رب نے ملائکہ سے (ارشاد)

مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا

فرمایا کہ میں ایک بشر کو بجتی ہوئی مٹی سے جو کہ سڑے ہوئے گارے کی بنی ہو

سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا

گی پیدا کرنے والا ہوں سو جب میں اس کو پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی

لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿۲۹﴾

(طرف سے) جان ڈال دوں تو تم سب اس کے روبرو سجدہ میں گر پڑنا

اگر روح جسم لطیف ہے جیسا کہ جمہور کا مشہور قول ہے تب تو روح پھونکنے کے حقیقی معنی ہیں اور اگر مادہ سے مجرد ہے تو روح پھونکنے سے بدن کے ساتھ اس کا تعلق پیدا ہو جانا مراد ہے مجازاً اس تعلق کو نفخ روح کہہ دیا ۱۲

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِلَّآ

سو سارے کے سارے فرشتوں نے (آدمؑ) کو سجدہ کیا مگر ابلیس نے کہ اس

اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۱﴾

نے اس بات کو قبول نہ کیا کہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ شامل ہو۔ اللہ تعالیٰ

قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ

نے فرمایا کہ اے ابلیس تجھ کو کون امر باعث ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں

السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ

شامل نہ ہوا کہنے لگا کہ میں ایسا نہیں کہ بشر کو سجدہ کروں جس کو آپ نے بجتی ہوئی

خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾

مٹی سے جو کہ سڑے ہوئے گارے کی بنی ہے پیدا کیا ہے

یعنی ایسے حقیر و ذلیل مادہ سے بنایا گیا ہے اور میں نورانی ہوں کیونکہ آگ کے مادہ سے پیدا ہوا ہوں تو نورانی ہو کر ظلمانی کو کیسے سجدہ کروں۔

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿۳۴﴾

ارشاد ہوا (تو اچھا پھر تو) آسمان سے نکل کیونکہ بیشک تو مردود ہو گیا

وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ

اور بے شک تجھ پر (میری) لعنت رہے گی

یعنی قیامت تک تو میری رحمت سے دور رہے گا مقبولیت اور توبہ کی توفیق نصیب نہ ہوگی اور ظاہر ہے کہ جو شخص قیامت تک رحمت کے قابل نہ ہو قیامت میں اس کے مرحوم ہونے کا احتمال ہی نہیں ہو سکتا پس جس وقت تک رحمت کا احتمال تھا اسی کی نفی کر دی۔

اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۳۵﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ

قیامت کے دن تک کہنے لگا تو پھر مجھ کو (مرنے سے) مہلت

اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۳۶﴾

دیجئے قیامت کے دن تک

تا کہ آدم سے اور ان کی اولاد سے خوب بدلہ لوں۔

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِلٰى يَوْمِ

ارشاد ہوا تو (جا) تجھ کو معین وقت کی تاریخ تک مہلت دی گئی کہنے لگا اے

الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ

میرے رب بسبب اس کے کہ آپ نے مجھے (بحکم تکوین) گمراہ کیا ہے

اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ

میں قسم کھاتا ہوں کہ میں دنیا میں ان کی نظر میں معاصی کو مرغوب کر کے

وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَكَ

دکھاؤں گا اور ان سب کو گمراہ کروں گا بجز آپ کے ان بندوں کے

مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾

جو ان میں منتخب کئے گئے ہیں

یعنی جس کو آپ نے میرے اثر سے محفوظ رکھا ہے ان کو گمراہ نہ کر سکوں گا۔

قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ﴿۴۱﴾

ارشاد ہوا کہ (وہاں) یہ ایک سیدھا راستہ ہے جو مجھ تک پہنچتا ہے

یعنی منتخب ہونے کا طریقہ نیک اعمال اور پوری اطاعت بجالانا ہے اس پر چل کر ہر شخص ہمارا مقرب ہو جاتا ہے۔

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ

واقعی میرے ان بندوں پر تیرا ذرا بھی بس نہ چلے گا

اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۴۲﴾

ہاں مگر جو گمراہ لوگوں میں سے تیری راہ پر چلنے لگے

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۳﴾

(تو چلے) اور (جو لوگ تیری راہ پر چلیں گے) ان سب سے جہنم کا وعدہ ہے

لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ؕ

جس کے سات دروازے ہیں

اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں بعض نے کہا ہے کہ سات درجے اور طبقے ہیں جن میں مختلف عذاب ہے جو شخص جیسے عذاب کا مستحق ہوگا ویسے ہی طبقے میں داخل ہوگا اور چونکہ ہر طبقہ کا دروازہ بھی علیحدہ ہوگا اس لئے سات دروازے سے سات طبقوں کو تعبیر کیا اور بعض نے کہا ہے کہ سات دروازے ہی مراد ہیں اور مقصود یہ بتلانا ہے کہ اس میں بہت لوگ داخل ہوں گے کہ ایک دروازہ کافی نہ ہوگا تا کہ اس کے سننے سے زیادہ ہول پیدا ہو١٢ خلاصہ بیان القرآن

لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُومٌ ﴿٤٤﴾

ہر دروازے (میں سے جانے) کے لئے ان لوگوں کے الگ الگ حصے ہیں

کوئی کسی دروازہ سے جائے گا کوئی کسی دروازہ سے

ربط: اوپر آیات کے آخر میں دوزخ والوں کا ذکر تھا آگے اہل جنت کا ذکر ہے جیسا کہ قرآن کی ہمیشہ عادت ہے۔ ان المتقین تا بمخرجین

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٤٥﴾

بیشک خدا سے ڈرنے والے (یعنی اہل ایمان) باغوں اور چشموں میں (بستے) ہوں گے

اگر گناہ نہ ہوئے یا معافی ہوگئی تب تو اول ہی سے ورنہ بعد سزائے معصیت جنت میں داخل ہوں گے۔

ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ آمِنِينَ ﴿٤٦﴾

تم ان میں سلامتی اور امن کے ساتھ داخل ہو

یعنی اس وقت بھی ہر تکلیف سے سلامتی ہے اور آئندہ بھی کسی شر کا اندیشہ نہیں ١٢

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ

اور ان کے دلوں میں جو کینہ تھا ہم وہ سب دور کریں گے۔

یعنی جنت میں داخل ہونے سے پہلے ہی سب عداوت و کینہ جو دنیا میں طبعی تقاضہ سے ہوا ہوگا دلوں سے نکال دیں گے۔

ربط: اوپر جنت و دوزخ والوں کے وعدہ و وعید کا ذکر تھا آگے اس کی تاکید کے لئے حق تعالیٰ ان پر لطف و قہر کا اجمالاً بیان فرماتے ہیں۔ نبیء عبادی تا الالیم

إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُتَقَابِلِينَ ﴿٤٧﴾ لَا يَمَسُّهُمْ

کہ سب بھائی بھائی کی طرح (الفت و محبت سے) رہیں گے تختوں پر آمنے

فِيهَا نَصَبٌ وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِينَ ﴿٤٨﴾

سامنے بیٹھا کریں گے وہاں ان کو ذرا بھی تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ وہ وہاں سے

نَبِّئْ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٤٩﴾

نکالے جائیں گے (اے محمدؐ) آپ میرے بندوں کو اطلاع دے دیجئے کہ میں

وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ ﴿٥٠﴾

بڑا مغفرت والا اور رحمت والا بھی ہوں اور (نیز) یہ کہ میری سزا اور دناک سزا ہے

تا کہ اس سے خبردار ہو کر ایمان اور تقوے کی رغبت اور کفر و معصیت سے خوف پیدا ہو ربط: اوپر آخرت کی رحمت و قہر کا ذکر تھا آگے دنیا کی ایک رحمت و قہر کا نمونہ نظیر کے طور پر دو قصوں کے ضمن میں بیان فرماتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کے لئے بشارت اور لوط علیہ السلام اور ان کے متبعین کی نجات یہ رحمت ہے اور قوم لوط کی ہلاکت یہ قہر ہے۔ ونبئهم تا من الغبرين

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ ﴿٥١﴾ إِذْ

اور آپ ان (لوگوں) کو ابراہیمؑ کے مہمانوں (کے قصہ) کی بھی اطلاع

دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا قَالَ إِنَّا

دیجئے جبکہ وہ ان کے پاس آئے پھر (آکر) انہوں نے السلام علیکم کہا

مِنْكُمْ وَجِلُونَ ﴿٥٢﴾

ابراہیمؑ کہنے لگے کہ ہم تو تم سے خائف ہیں

ابراہیم ان کو مہمان سمجھ کر فوراً کھانا تیار کر کے لائے کیونکہ یہ فرشتے آدمیوں کی شکل میں تھے آپ نے ان کو آدمی ہی سمجھا اور اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے ان کو مہمان کے عنوان سے تعبیر فرمایا مگر چونکہ وہ فرشتے تھے انہوں نے کھایا نہیں ابراہیم علیہ السلام ڈرے کہ یہ لوگ کھانا کیوں نہیں کھاتے اور شبہ ہوا کہ یہ لوگ کہیں مخالف نہ ہوں۔

قَالُوا لَا تَوْجَلْ

انہوں نے کہا کہ آپ خائف نہ ہوں

ہم فرشتے ہیں اور اللہ کی طرف سے آپ کو ایک بشارت سنانے آئے ہیں۔

إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ ﴿٥٣﴾

ہم آپ کو ایک فرزند کی بشارت دیتے ہیں جو بڑا عالم ہوگا

یعنی نبی ہوگا کیونکہ آدمیوں میں سب سے زیادہ علم انبیاء کو ہوتا ہے اور اس فرزند سے مراد اسحاق علیہ السلام ہیں اور دوسری آیتوں میں یعقوب علیہ السلام کی بھی بشارت ہے ان ہی آیتوں کی وجہ سے یہاں انکا ذکر نہیں فرمایا اسی بیان پر اکتفا کیا۔

قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِیْ عَلٰٓی اَنْ مَّسَّنِیَ

ابراہیم کہنے لگے کہ کیا تم مجھ کو اس حالت پر فرزند کی بشارت دیتے ہو

یہ مطلب نہیں کہ قدرت سے بعید ہے بلکہ یہ مقصود تھا کہ یہ امر فی نفسہ بڑا عجیب ہے ۱۲

الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ۝۵۴ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ

کہ مجھ پر بڑھاپا آگیا سو کس چیز کی بشارت دیتے ہو۔ وہ (فرشتے) بولے

بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ۝۵۵

کہ ہم آپ کو امر واقعی کی بشارت دیتے ہیں سو آپ ناامید نہ ہوں

یعنی فرزند یقیناً پیدا ہونے والا ہے آپ اپنے بڑھاپے پر نظر نہ کیجئے کہ ایسے ظاہری اسباب پر نظر کرنے سے ناامیدی کے وساوس غالب ہوتے ہیں ۱۲

قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّاۗلُّوْنَ ۝۵۶

ابراہیم نے فرمایا کہ بھلا اپنے رب کی رحمت سے کون ناامید ہوتا ہے بجز گمراہ لوگوں کے

یعنی میں نبی ہو کر گمراہوں کی صفت کب اختیار کرسکتا ہوں میرا مقصود محض اس کا عجیب ہونا ظاہر کرنا تھا باقی اللہ کا وعدہ سچا اور مجھ کو امید سے بڑھ کر اس کا یقین ہے اس کے بعد آپ نے نبوت کی فراست سے معلوم کیا کہ ملائکہ کے آنے سے علاوہ بشارت کے اور بھی کوئی بڑی مہم مقصود ہے ۱۲

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝۵۷

فرمانے لگے کہ (یہ تو بتلاؤ کہ) اب تم کو کیا مہم درپیش ہے اے فرشتو

قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۝۵۸ۙ

فرشتوں نے کہا کہ ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں (مراد قوم لوطؑ

اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۭ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۵۹ۙ

ہے) مگر لوط (علیہ السلام) کا خاندان کہ ہم ان سب کو بچالیں گے

یعنی بچنے کا طریقہ بتلادیں گے کہ ان مجرموں سے علیحدہ ہوجائیں ۱۲

اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝۶۰ۧ

بجز ان کی (یعنی لوطؑ کی) بی بی کے کہ اس کی نسبت ہم نے تجویز کر رکھا ہے کہ وہ ضرور اسی مجرم قوم میں رہ جاوے گی

اور ان کے ساتھ عذاب میں مبتلا ہوگی فرشتوں نے جو اس تجویز کو اپنی طرف منسوب کیا حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کا فعل تھا سو اس کی وجہ ملائکہ کا قرب اور ان کی خصوصیت ہے اس لئے مجازاً اپنی طرف نسبت کردی

ربط: آگے اوپر کے قصہ کا بقیہ ہے۔ فلما جاء تا المومنین

فَلَمَّا جَاۗءَ اٰلَ لُوْطِۨ الْمُرْسَلُوْنَ ۝۶۱ۙ قَالَ

پھر جب وہ فرشتے خاندان لوط (علیہ السلام) کے پاس آئے کہنے لگے

اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝۶۲

کہ تم تو اجنبی آدمی (معلوم ہوتے ہو)

دیکھئے شہر والے تمہارے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں کیونکہ یہ اجنبی لوگوں کو پریشان کیا کرتے ہیں اور یہ شبہ اس لئے ہوا کہ فرشتے بشکل بشر آتے تھے۔

قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ

انہوں نے کہا نہیں ہم آپ کے پاس وہ چیز لے کر آئے ہیں جس میں یہ

يَمْتَرُوْنَ ۝۶۳ وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا

لوگ شک کیا کرتے تھے اور ہم آپ کے پاس یقینی ہونے والی چیز لے کر

لَصٰدِقُوْنَ ۝۶۴ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ

آئے ہیں اور ہم بالکل سچے ہیں۔ سو آپ رات کے کسی حصہ میں اپنے گھر

الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ

والوں کو لے کر (یہاں سے) چلے جایئے اور آپ سب کے پیچھے ہو لیجئے

تاکہ کوئی رہ نہ جائے لوٹ نہ جائے آپ کی ہیبت سے کوئی پیچھے التفات نہ کرے جس کی ممانعت آگے آتی ہے۔

وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ

اور تم میں سے کوئی پیچھا پھر کر بھی نہ دیکھے اور جس جگہ (جانے) کا تم کو حکم ہوا

تُؤْمَرُوْنَ ۝۶۵

ہے اس طرف سب چلے جانا

یعنی ملک شام کی طرف کذافی الدر عن السدی آگے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ

اور ہم نے لوط (علیہ السلام) کے پاس یہ حکم بھیجا کہ صبح ہوتے ان کی بالکل

مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۶۶﴾

جڑ کٹ جاوے گی (یعنی بالکل ہلاک ہو جاویں گے)

یہ گفتگو فرشتوں کے بعد میں ہوئی اور آگے جو قصہ آتا ہے اس کا وقوع پہلے ہوا بعد کے واقعہ کو مقصود کے اہتمام کے لئے پہلے بیان کیا کیونکہ مقصود اس جگہ رحمت وقہر کا بیان کرنا ہے نجات و ہلاکت کی خبر کو چونکہ مقصد سے تعلق ہے اس لئے اسے مقدم بیان کیا اور واقعہ پورا کرنے کیلئے پہلے حصہ کو بھی اخیر میں بیان کرتے ہیں ۱۲

وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۶۷﴾

اور شہر کے لوگ خوب خوشیاں کرتے ہوئے پہنچے

انہوں نے یہ خبر سن لی تھی کہ لوط علیہ السلام کے یہاں حسین حسین لڑکے آئے ہیں اس لئے بہ نیت فاسد ان کے گھر پہنچے اور لوط علیہ السلام بھی اب تک ان کو آدمی ہی سمجھتے تھے۔

قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿۶۸﴾

لوط (علیہ السلام) نے فرمایا کہ یہ لوگ میرے مہمان ہیں سو مجھ کو فضیحت مت کرو

یعنی ان کو دق کر کے عام لوگوں میں مجھے فضیحت نہ کرو کیونکہ مہمان کی اہانت میزبان کی اہانت ہے سو اگر ان مسافروں کا خیال نہیں کرتے تو میرا خیال تو کرو کہ تمہاری بستی کا ہوں۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿۶۹﴾

اور اللہ سے ڈرو اور مجھ کو رسوا مت کرو

یعنی خود اس ناجائز فعل کے بارے میں بھی اللہ سے ڈرو اور مہمانوں کی نظر میں مجھے رسوا نہ کرو یوں سمجھیں گے کہ اہل شہر ان کی کچھ وقعت نہیں کرتے ۱۲

قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۰﴾

وہ کہنے لگے کیا ہم آپ کو دنیا بھر کے لوگوں سے منع نہیں کر چکے

پس یہ رسوائی ہماری طرف سے نہیں آپ نے خود اپنے ہاتھوں خریدی ہے کہ ان کو مہمان بنایا نہ مہمان بناتے نہ اس رسوائی کی نوبت آتی۔

قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۷۱﴾

لوط (علیہ السلام) نے فرمایا کہ یہ میری (بہو) بیٹیاں موجود ہیں اگر تم میرا کہنا کرو

تو جو عورتیں تمہارے گھروں میں بمنزلہ میری اولاد کے ہیں قضا شہوت کے لئے وہ کافی ہیں پھر اس بیہودہ حرکت کی ضرورت ہی کیا ہے، جس کی وجہ سے مجھے مہمانداری سے بھی منع کیا جاتا ہے لیکن وہ کس کی سنتے تھے ۱۲

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۲﴾

آپ کی جان کی قسم وہ اپنی مستی میں مدہوش تھے

حق تعالیٰ نے جو جابجا مخلوقات کی قسم کھائی ہے اس سے خود ان چیزوں کی قسم کھانا مقصود نہیں بلکہ وہ چیزیں چونکہ قدرت الٰہیہ پر دلالت کرتی ہیں اس لئے حقیقت میں وہ قدرت الٰہی کی قسم ہے اور قدرت خدا تعالیٰ کی صفت ہے اور صفات خدا و ذات خدا دونوں کی قسم کھانا یکساں ہے اس لئے کوئی اشکال نہیں مگر چونکہ عام قسم کھانے والے اس لحاظ سے قسم نہیں کھاتے ان کی قسم میں یہ وہم ہو سکتا ہے کہ وہ ان چیزوں کو معظم سمجھتے ہیں اس لئے ان کے ذمہ اس ابہام سے بچنا بھی واجب کیا گیا ہے اور اگر حق تعالیٰ خود ان اشیاء کی بھی قسم کھائیں تب بھی کوئی اشکال نہیں کیونکہ بندوں کو اس کی ممانعت اس لئے ہے کہ کہیں قسم کھانے والا اس چیز کو ایسا معظم نہ سمجھ جاوے جیسا خدا کو معظم سمجھتا ہے کیونکہ بعض لوگوں سے ایسا ہو چکا ہے اور اللہ تعالیٰ میں ایسا احتمال ہی نہیں کہ وہ کسی مخلوق کو معظم سمجھیں کیونکہ سب سے اعظم وہ خود ہیں ۱۲۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾

بس سورج نکلتے نکلتے ان کو آواز سخت نے آ دبایا

اوپر آیا ہے کہ صبح ہوتے ان کی جڑ کٹ جائے گی اور یہاں فرمایا ہے کہ سورج نکلتے وقت ان کو عذاب نے آ دبایا ان دونوں کا اجتماع یا تو اس طرح ہو کہ صبح سے عذاب کی ابتداء ہوئی ہو اور اشراق تک خاتمہ ہو گیا ہو یا صبح سے مراد عام معنی لئے جائیں جو اشراق کو بھی شامل ہوں اور دوسری آیت میں لفظ بکرہ آیا ہے جس کے معنی شروع دن کے ہیں پس اگر دن سے عرفی دن مراد لیا جائے تب تو مشرقین سے موافقت ہوگی یعنی اشراق کا وقت مراد ہوگا اور اگر شرعی دن مراد لیا جائے تو مصبحین کے قریب ہو جائے گا یعنی بکرہ سے صبح کا وقت مراد ہوگا۔

فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ

پھر ہم نے ان بستیوں کا اوپر کا تختہ تو نیچے کر دیا اور ان

حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

لوگوں پر کنکر کے پتھر برسانا شروع کئے اس واقعہ میں کئی نشانیاں

لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿۷۵﴾

ہیں اہل بصیرت کے لئے

مثلاً ایک یہ کہ فعل بد کا نتیجہ برا ہوتا ہے ایک یہ کہ ایمان واطاعت سے نجات ہوتی ہے ایک یہ کہ اللہ کو بڑی قدرت ہے کہ طبعی اسباب کے خلاف جو چاہے کردے اور اس کے سوا بہت سی باتیں ہیں۔

وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿۷۶﴾

اور یہ بستیاں ایک آباد سڑک پر ملتی ہیں

یعنی عرب سے شام کو جاتے ہوئے ان کے آثار ملتے ہیں۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾

ان بستیوں میں اہل ایمان کے لئے بڑی عبرت ہے

کہ مومن ان کو دیکھ کر ان مضامین کو ذہن میں حاضر کر لیتا ہے اور جو مومن نہیں ہے وہ ان کو طبعی اسباب اتفاق وقت پر محمول کرتا ہے نہ خدا کو قادر سمجھتا ہے نہ گناہوں کی اس کو سزا سمجھتا ہے۔

ربط: اوپر قوم لوط کے عذاب کا ذکر تھا آگے اصحاب ایکہ واصحاب حجر کے عذاب کا ذکر ہے مقصود ان سے یہی دنیا کے قہر کا نمونہ بتلانا ہے تاکہ آخرت کے قہر کا اندازہ کیا جائے نیز ان عذاب کے قصوں میں مسئلہ رسالت کے ثبوت پر بھی دلالت ہے۔وان کان تا یکسبون

وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ﴿۷۸﴾

اور بن والے (یعنی شعیب علیہ السلام کی امت بھی) بڑے ظالم تھے

ایکہ لغت میں بن کو کہتے ہیں بعض نے کہا ہے کہ مدین کے پاس ایک بن تھا اس لئے اہل مدین ہی کا لقب اصحاب ایکہ ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ دونوں الگ الگ دو قومیں تھیں ایک کے ہلاک ہونے کے بعد شعیب علیہ السلام دوسری قوم کی طرف مبعوث ہوئے روح المعانی میں ابن عساکر سے یہ حدیث مرفوع نقل کی ہے۔ ان مدین و اصحاب الایکۃ امتان بعث اللہ الیھما شعیباً علیہ السلام کہ مدین اور اصحاب ایکہ دو امتیں ہیں جن کی طرف حق تعالیٰ نے شعیبؑ کو بھیجا تھا۱۲

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۹﴾

سو ہم نے ان سے (بھی) بدلہ لیا اور دونوں (قوموں) کی بستیاں صاف سڑک پر (واقع) ہیں

قوم لوط کی بستیوں کا سر راہ واقع ہونا اوپر آچکا ہے یہاں دوبارہ شاید اس لئے ذکر فرمادیا کہ اصحاب ایکہ کی بستیوں کو ان کی بستیوں سے تشبیہ دینا مقصود ہے کہ جس طرح وہ شارع عام پر ہیں یہ بھی صاف سڑک پر ہیں پس تکرار نہ رہا۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۸۰﴾

اور حجر والوں نے (بھی) پیغمبروں کو جھوٹا بتلایا

کیونکہ جب انہوں نے صالح علیہ السلام کو جھوٹا کہا اور سب پیغمبروں کا اصل دین ایک ہی ہے تو گویا سب کو جھوٹا بتلایا اور حجر بکسر حاء ایک جنگل ہے حجاز اور شام کے درمیان میں وہاں قوم ثمود بستی تھی ۱۲

وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا

اور ہم نے ان کو اپنی (طرف سے) نشانیاں دیں

جن سے حق تعالیٰ کی توحید اور صالح علیہ السلام کی نبوت ثابت ہوتی تھی جیسے ناقہ صالح علیہ السلام اور توحید کے دلائل بکثرت ہیں۔

فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَكَانُوْا

سو وہ لوگ اس سے روگردانی (ہی) کرتے رہے اور وہ

يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿۸۲﴾

لوگ پہاڑوں کو تراش تراش کر ان میں گھر بناتے تھے کہ امن میں رہیں

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿۸۳﴾

سو ان کو صبح کے وقت آواز سخت نے آ پکڑا

صبح سے یا تو اول ہی صبح مراد ہے یا دن چڑھے دونوں احتمال ہیں ۱۲

فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۴﴾

سو ان کے (دنیوی) ہنر ان کے کچھ بھی کام نہ آئے

ان مضبوط و مستحکم گھروں میں عذاب سے کام تمام ہوگیا اس آفت سے ان کے گھروں نے بچانہ لیا بلکہ اس کا ان کو احتمال بھی نہ تھا اور اگر ہوتا بھی تو کیا کر لیتے۔

ربط: اوپر شروع سورۃ میں کفار مکہ کی سخت مخالفت وعناد کا حضور کیساتھ بیان تھا اور اس کے ساتھ اجمالاً آپ کی تسلی کا مضمون بھی ارشاد فرمایا تھا اب آگے خاتمہ سورۃ پر پھر اسی عناد و مخالفت کے بارے میں تفصیلاً آپ

کی تسلی کا مضمون بلیغ طریقہ پر مذکور ہے۔ وما خلقنا تا یاتیک الیقین

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا

اور ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور ان کی درمیانی چیزوں

بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ

کو بغیر مصلحت کے نہیں پیدا کیا

بلکہ اس مصلحت سے پیدا کیا کہ ان کو دیکھ کر صانع عالم کے وجود اور وحدت وعظمت پر استدلال کر کے اس کے احکام کی اطاعت کریں اور اس حجت کے قائم ہونے کے بعد جو ایسا نہ کرے اس کو عذاب ہو پس اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان لوگوں کے عناد و مخالفت سے غم نہ کیجئے اس کا فیصلہ ایک دن ہونے والا ہے اور وہ قیامت کا دن ہے جس کی آمد کے متعلق ہم آپ سے تذکرہ کرتے ہیں۔ ۱۲

وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ

اور ضرور قیامت آنے والی ہے

کیونکہ دنیا میں تو پورا عذاب ہوتا نہیں تو کہیں اور ہونا چاہئے اس کے لئے قیامت مقرر ہے پس آپ غم نہ کیجئے یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ عذاب کی خبر دیکر جو آپ کی تسلی کی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان کا سزا پانا چاہتے تھے اور یہ شفقت کے منافی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کو اپنے کسی معاملہ کی وجہ سے اس کی خواہش نہ تھی بلکہ وہ لوگ چونکہ خدا کے ساتھ کفر و شرک کرتے تھے اس لئے بغض فی اللہ کا یہ اثر تھا اور شفقت تو یہ ہے کہ آپ ان کی ہدایت میں ساعی تھے نہ یہ کہ باوجود ان کے کفر کے بھی ان کی نجات کے طالب ہوں ۱۲۔

فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾

سو آپ خوبی کے ساتھ در گزر کیجئے

در گزر کا مطلب یہ ہے کہ اس غم میں نہ پڑیے اور خوبی یہ کہ شکوہ و شکایت بھی نہ کیجئے۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾

بلاشبہ آپ کا رب بڑا خالق بڑا عالم ہے

خالق ہونا عالم ہونے کی خود دلیل ہے کیونکہ جس نے پیدا کیا ہے کیا وہ اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں کو جانتا ہی نہ ہوگا چنانچہ ارشاد ہے الا یعلم من خلق غرض اس سے ثابت ہوا کہ خدا کو سب حال معلوم ہے آپ کے صبر کا بھی اور ان کی شرارت کا بھی اس لئے ان سے پورا بدلہ لے گا آگے فرماتے ہیں کہ آپ ان کے معاملہ کو نہ دیکھئے کہ اس سے غم ہوگا بلکہ ہمارا معاملہ اپنے ساتھ دیکھئے کہ ہماری طرف سے آپ کے ساتھ کس قدر لطف وعنایت ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ

اور ہم نے آپ کو سات آیتیں دیں جو (نماز میں)

وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾

مکرر پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم دیا۔

مراد اس سے سورہ فاتحہ ہے جو بڑے بڑے علوم کو جامع ہونے کی وجہ سے اس قابل ہے کہ اس کو قرآن عظیم کہا جائے اسی وجہ سے اس کا لقب ام القرآن ہے پس اس نعمت اور منعم کی طرف نگاہ رکھئے کہ اس سے فرحت و سرور ہوگا اور ان لوگوں کی مخالفت وعناد پر التفات نہ کیجئے ۱۲

لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ

آپ اپنی آنکھ اٹھا کر بھی اس چیز کو نہ دیکھئے جو کہ ہم نے مختلف قسم کے

اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ

کافروں کو برتنے کے لئے دے رکھی ہے اور ان پر غم نہ کیجئے

مطلب یہ کہ یہود و مشرکین ونصاریٰ و مجوس کو جو کچھ دنیا میں دیا گیا ہے نہ اس پر غصہ کی نظر کیجئے کہ وہ اللہ کے دشمن ہیں ان کے پاس یہ نعمتیں نہ ہوتیں تو اچھا ہوتا کیونکہ یہ کوئی بڑی دولت نہیں جو ان دشمنوں کے پاس نہ ہونی چاہئے بلکہ فنا ہونے والی چیز ہے جو بہت جلد ان سے جدا ہو جائے گی متعنا میں اسی طرف اشارہ ہے اور نہ اس پر رنج کی نظر کیجئے کہ افسوس یہ چیزیں ان کو ایمان سے مانع ہو رہی ہیں اگر یہ نہ ہوں تو غالباً ایمان لے آویں کیونکہ ان لوگوں کی طینت میں غایت درجہ عناد ہے ان سے کوئی توقع نہیں اور رنج ہوتا ہے خلاف توقع پر جب توقع ہی نہیں تو رنج و غم بے وجہ ہے۔ لاتحزن میں اسی کی طرف اشارہ ہے اور حرص کے ساتھ نظر کرنے کا آپ میں احتمال ہی نہیں غرض آپ کسی طرح ان کے فکر و غم میں نہ پڑیے۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾

اور مسلمانوں پر شفقت رکھیے اور کہہ دیجئے کہ میں کھلم کھلا

وَقُلْ اِنِّيْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۹﴾

(تم کو عذاب خدا سے) ڈرانے والا ہوں

یعنی شفقت اور فکر کیلئے مسلمان کافی ہیں ان پر شفقت کیجئے کہ ان کو اس سے نفع بھی ہے اور کافروں کے فکر کا کوئی نتیجہ نہیں اس لئے ان کی طرف توجہ بھی نہ کیجئے البتہ تبلیغ آپ کا فرض منصبی ہے اس کو ادا کرتے رہیے اور ہماری طرف سے ان کو یہ پہنچا دیجئے کہ جس عذاب سے تم کو ڈرایا جاتا ہے وہ کسی وقت تم پر نازل ہوگا ۱۲

كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴿٩٠﴾

جیسا ہم نے (در عذاب) ان لوگوں پر نازل کیا ہے جنہوں نے حصے

الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ﴿٩١﴾

کر رکھے تھے یعنی آسمانی کتاب کے مختلف اجزاء قرار دیئے تھے

کہ اس میں جو مرضی کے موافق ہوا مان لیا جو خلاف مرضی ہوا اس سے انکار کر دیا اور مراد اس سے پہلے زمانہ کے یہود و نصاریٰ ہیں جن پر انبیاء کی مخالفت سے عذابوں کا آنا مشہور و معروف تھا بعضے بندر بن گئے بعض خنزیر کی صورت میں مسخ ہوئے بعضے قتل و قید اور ذلیل ہوئے مطلب یہ کہ عذاب کا آنا کوئی مستبعد چیز نہیں ہے پہلے بھی ہو چکا ہے اگر تم پر بھی نازل ہو جائے تو تعجب کیا ہے خواہ دنیا میں ہو یا آخرت میں اور ان کی کتاب کو قرآن کہنے میں یہ نکتہ ہوسکتا ہے کہ اس موجودہ قرآن کے انکار میں آپ کو تسلی ہو جائے کہ اس کا انکار کوئی نیا نہیں پہلے قرآن کا بھی انکار ہو چکا ہے اور بعض مفسرین نے اس آیت کی تفسیر دوسری طرح کی ہے کہ اس کو و لقد اتیناک سبعاً من المثانی الخ کے ساتھ مرتبط کیا ہے اس تقدیر پر معنی یہ ہوں گے کہ ہم نے آپ کو سورۃ فاتحہ اور قرآن عظیم اس طرح دیا جس طرح سابق اہل کتاب پر انبیاء کے واسطے سے کتاب نازل کی تھی اور مقصود اس سے یہ ہوگا کہ وحی کا نازل ہونا کوئی عجیب بات نہیں پہلے بھی نزول ہو چکا ہے رہا یہ کہ کتاب تو انبیاء پر نازل ہوتی ہے پھر یہ کیوں کہا کہ ان لوگوں پر نازل کی جنہوں نے احکام کے حصے کر دیئے تھے جواب یہ ہے کہ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ انبیاء پر کتاب نازل کرنے سے مقصود امت کو احکام کا مکلف بنانا ہوتا ہے پس گویا کہ امت ہی پر کتاب نازل ہوئی ۱۲

فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٩٢﴾ عَمَّا

سو آپ کے پروردگار کی قسم (یعنی اپنی) ہم ان سب سے ان کے اعمال کی

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٣﴾ الربع فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ

ضرور باز پرس کریں گے غرض آپ کو جس بات کا حکم کیا گیا ہے اس کو (تو)

وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٩٤﴾ اِنَّا كَفَيْنٰكَ

صاف صاف سنا دیجئے اور ان مشرکین کی پرواہ نہ کیجئے یہ لوگ جو ہنستے ہیں

الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿٩٥﴾ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ

(اور) اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا معبود قرار دیتے ہیں ان سے آپ کے لئے

اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٩٦﴾

ہم کافی ہیں سو ان کو بھی معلوم ہوا جاتا ہے

یعنی یہ لوگ جو کہ آپ کے بھی مخالف ہیں اور خدا کے بھی مخالف ہیں آپ نہ ان کا غم کیجئے اور نہ طبعاً خوف کیجئے کہ یہ بہت سے ہیں ہم ان کے شر وایذا سے آپ کو بچائیں گے اور ان سے بدلہ لیں گے پھر ان کو معلوم ہوگا کہ استہزاء اور شرک کا کیا انجام ہوا ہے غرض جب ہم کافی ہیں پھر خوف کس کا ۱۲

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا

اور واقعی ہم کو معلوم ہے کہ یہ لوگ جو باتیں کرتے تھے اس سے آپ تنگدل

يَقُوْلُوْنَ ﴿٩٧﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ

ہوتے ہیں سو (اس کا علاج یہ ہے) کہ آپ اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کرتے

السّٰجِدِيْنَ ﴿٩٨﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ

رہیے اور نمازیں پڑھنے والوں میں رہیے اور آپ اپنے رب کی عبادت

الْيَقِيْنُ ﴿٩٩﴾ ع

کرتے رہیے یہاں تک کہ آپ کو موت آ جاوے۔

یعنی مرتے دم تک عبادت میں مشغول رہیے۔

(١٦) سُوْرَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ (٧٠)

سورہ نحل مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں ایک سو اٹھائیس آیتیں اور سولہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام کیساتھ جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ

خدا تعالیٰ کا حکم آ پہنچا

یعنی کفر کی سزا کا وقت قریب ہے۔

فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ

سو تم اس میں جلدی مت مچاؤ

جیسا کہ وہ کہتے تھے کہ اگر عذاب کوئی چیز ہے تو جلدی آنا چاہئے۔

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (١) يُنَزِّلُ

وہ لوگوں کے شرک سے پاک و برتر ہے وہ فرشتوں (کی جنس یعنی جبرئیل) کو

الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ

وحی یعنی اپنا حکم دے کر اپنے بندوں میں سے جس پر چاہیں (یعنی انبیاء پر)

يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ

نازل فرماتے ہیں یہ کہ خبردار کردو کہ میرے سوا کوئی لائق

اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ (٢)

عبادت نہیں سو مجھ سے ڈرتے رہو

اور میرے ساتھ شرک مت کرو۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ

آسمانوں کو اور زمین کو حکمت سے بنایا

تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (٣) خَلَقَ الْاِنْسَانَ

وہ ان کے شرک سے پاک ہے (اور) انسان کو

مِنْ نُّطْفَةٍ

نطفہ سے بنایا

اس قید سے آدم علیہ السلام کو مستثنیٰ کیا گیا۔

فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ (٤)

پھر وہ یکایک کھلم کھلا جھگڑنے لگا

اور اپنی اصل کو بھول گیا۔

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ

اور اسی نے چوپایوں کو بنایا اس میں تمہارے جاڑے کا بھی سامان ہے

چنانچہ بعضے جانوروں کی کھال کا پوستین اور بالوں کا کمبل بنتا ہے۔

وَّمَنَافِعُ

اور بھی بہت سے فائدے ہیں

کسی کا دودھ پیا جاتا ہے کسی پر سوار ہوتے ہیں کوئی ہل میں چلایا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ

وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ (٥)

اور ان میں سے کھاتے بھی ہو

یعنی ان میں جو کھانے کی چیزیں ہیں ان کو کھاتے بھی ہو جیسے گوشت اور چربی وغیرہ۔

وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ

اور ان کی وجہ سے تمہاری رونق بھی ہے جبکہ (ان کو) شام کے وقت لاتے ہو

وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ (٦) وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ

اور جبکہ (ان کو) صبح کے وقت چھوڑ دیتے ہو۔ اور وہ تمہارے بوجھ بھی (لاد

اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا

کر) اپنے شہر کو لے جاتے ہیں جہاں تم بدون جان کو محنت میں ڈالے ہوئے

بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ

(خود بھی) نہیں پہنچ سکتے تھے

اور بوجھ سمیت جانا تو اور بھی مشکل تھا۔

اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (٧) لا

واقعی تمہارا رب بڑی شفقت اور رحمت والا ہے

کہ تمہارے آرام کے لئے کیا کیا سامان پیدا کئے۔

وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا

اور گھوڑے اور خچر اور گدھے بھی پیدا کئے تاکہ ان پر سوار ہو اور نیز

وَزِيْنَةً ؕ

زینت کے لئے بھی

ان آیات سے جمال اور زینت کا جائز ہونا معلوم ہوتا ہے اور جمال و زینت اور تکبر و تفاخر میں فرق یہ ہے کہ جمال و زینت تو اپنا دل خوش کرنے کے لئے یا خدا کی نعمت ظاہر کرنے کے لئے ہوتا ہے اور دل میں نہ اپنے کو

ان نعمتوں کا مستحق سمجھتا ہے نہ دوسروں کو حقیر جانتا ہے بلکہ ان نعمتوں کا خدا کی طرف سے عطا ہونا پیش نظر ہوتا ہے اور جس میں استحقاق کا دعویٰ اور دوسروں کی تحقیر اور اپنے اوپر نظر اور دوسروں کی نظروں میں بڑا بننے کا ارادہ ہو وہ بیہودہ تکبر ہے اور حرام ہے۔

وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸﴾

اور وہ ایسی ایسی چیزیں بناتا ہے جن کی تم کو خبر بھی نہیں

اور ایسی چیزیں بکثرت ہیں مثلاً یہ کہ کسی موذی جانور کی نسل بڑھے گی اللہ تعالیٰ نے زمین میں کوئی ایسا زہریلا مادہ پیدا کر دیا ہے جس سے وہ ہلاک ہو گیا عام لوگوں کو اس مادہ کی اطلاع تک بھی نہیں ہوتی اور اس سے ان کو نفع پہنچ رہا ہے۔ ونحو ذلک

ربط: اوپر توحید کے بعض دلائل کا ذکر ہوا ہے اور بعض دلائل آگے مذکور ہوں گے درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر ان دلائل کا روحانی نعمت ہونا بیان فرماتے ہیں کہ وہ سیدھے راستہ پر پہنچانے والے اور ٹیڑھے راستہ سے بچانے والے ہیں۔ وعلی الله تا اجمعین

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ

اور سیدھا راستہ اللہ تک پہنچتا ہے اور بعضے راستے ٹیڑھے بھی ہیں

جو کہ دین کے خلاف ہیں ان سے اللہ تک رسائی ممکن نہیں پس بعضے تو سیدھے راستہ پر چلتے ہیں اور بعضے ٹیڑھے پر

وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹﴾

اور اگر خدا چاہتا تو تم سب کو (منزل) مقصود تک پہنچا دیتا

مگر وہ اسی کو مقصود تک پہنچاتے ہیں جو سیدھے راستہ کا طالب بھی ہو والذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا جو لوگ ہمارے واسطے محنت برداشت کرتے ہیں ان کو ہم ضرور اپنے راستے بتلا دیتے ہیں اور اس لئے تم کو چاہیے کہ ان دلائل میں غور کرو اور ان سے حق کو طلب کرو تاکہ تم کو مقصود تک پہنچنا نصیب ہو۔ ربط: آگے پھر بقیہ دلائل توحید کے بیان فرماتے ہیں هو الذی انزل تا یهتدون

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ

وہ ایسا ہے جس نے تمہارے واسطے آسمان سے پانی برسایا جس سے تم کو پینے

مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ

کو ملتا ہے اور اس (کے سبب) سے درخت (پیدا ہوتے) ہیں

آیت میں شجر عام ہے درخت اور گھاس وغیرہ سب کو ۱۲

فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ﴿۱۰﴾ يُنْۢبِتُ لَكُمْ

جن میں تم چرنے چھوڑ دیتے ہو (اور) اس (پانی) سے تمہارے

بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ

لئے کھیتی اور زیتون اور کھجور

وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ اِنَّ

اور انگور اور ہر قسم کے پھل (زمین سے) اگاتا ہے

فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۱﴾

بیشک اس میں سوچنے والوں کے لئے (توحید کی) دلیل (موجود) ہے

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ

اور اس نے تمہارے لئے رات اور دن اور سورج

وَالْقَمَرَ ۭ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ۭ

اور چاند کو (اپنا) مسخر (قدرت) بنایا اور ستارے (بھی) اس کے حکم سے مسخر

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۲﴾

ہیں بیشک اس میں (بھی) لوگوں کے لئے چند دلیلیں (موجود) ہیں

وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا

اور ان چیزوں کو بھی (بنایا) جن کو تمہارے لئے زمین میں اس طور پر پیدا کیا

اَلْوَانُهٗ ۭ

کہ ان کے اقسام مختلف ہیں

اس میں تمام حیوانات اور نباتات و جمادات اور عناصر اور مرکبات سب داخل ہو گئے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾

بیشک اس میں (بھی) سمجھ دار لوگوں کے لئے دلیل

وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ

(توحید موجود) ہے اور وہ ایسا ہے کہ اس نے دریا کو (بھی) مسخر بنایا

لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً

تا کہ اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس میں سے (موتیوں کا) گہنا نکالو

مشہور یہ ہے مونگا وغیرہ صرف دریائی شور میں پیدا ہوتا ہے اگر یہ بات ثابت ہو جائے تو آیت میں بحر سے خاص دریائے شور ہی مراد ہوگا ورنہ شیریں کو بھی عام ہوگا اور سورہ رحمٰن میں جو یخرج منہ ما الخ آیا ہے کہ دونوں سمندروں سے موتی مونگا نکلتا ہے سو دوسری صورت پر تو اس میں کسی تاویل کی ضرورت ہی نہ رہی اور پہلی صورت پر یہ کہا جائے گا کہ چونکہ وہاں دونوں سمندروں کے اجتماع کا ذکر ہے اس لئے قریب ہونے کی وجہ سے یہ کہہ دیا گیا کہ دونوں میں سے نکلتا ہے جیسا کہ کسی کے پاس دو آدمی اکٹھے آویں اور ان میں سے ایک کے پاس مال تجارت ہو تو یوں کہہ دیتے ہیں کہ دو شخص آئے تھے جن کے پاس ایسا ایسا مال تھا حالانکہ مال صرف ایک کے پاس تھا مگر ساتھ آنے کی وجہ سے دونوں کی طرف مجازاً نسبت کر دیا کرتے ہیں ۱۲

تَلْبَسُوْنَهَا ج

جس کو تم پہنتے ہو

ترجمہ میں مرد و عورت سب کو یہ حکم عام اس لئے کیا گیا کہ موتی مونگا پہننا مردوں کو بھی جائز ہے۔

وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ

اور تو کشتیوں کو دیکھتا ہے کہ اس (دریا) میں (اس کا) پانی چیرتی ہوئی چلی جا رہی ہیں

یعنی دریا کا یہ بھی ایک فائدہ ہے کہ اس میں کشتیاں خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی جیسے جہاز وغیرہ چلتی ہیں۔

وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ

اور تا کہ تم خدا کی روزی تلاش کرو

یعنی کشتی و جہاز وغیرہ میں مال تجارت لیکر سفر کرو اور اس کے ذریعہ سے روزی حاصل کرو ۱۲

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ

اور تا کہ شکر کرو اور اس نے زمین میں پہاڑ رکھ دیئے تا کہ وہ (زمین) تم کو

رَوَاسِیَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ

لے کر ڈگمگانے (اور ہلنے) نہ لگے

پہاڑوں کی جو حکمت یہاں مذکور ہے کہ ان کے ذریعہ سے زمین ساکن ہے حرکت نہیں کرتی اس پر بظاہر نظر میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ فلاسفہ کے قواعد پر تو زمین طبعی طور پر سکون کو چاہتی ہے اور متکلمین کے نزدیک اگر چہ وہ طبعاً سکون کو نہیں چاہتی مگر حرکت کو بھی نہیں چاہتی پھر پہاڑوں کے نہ ہونے کی صورت میں زمین کی حرکت و اضطراب کی کیا وجہ ہے جن کے روکنے کے لئے پہاڑ پیدا کئے گئے جواب اس کا یہ ہے کہ اگر چہ زمین کی طبیعت حرکت کو نہیں چاہتی مگر اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت کی وجہ سے اس کو ایسی حالت پر بنایا ہے کہ پانی کے اندر ہونے کی وجہ سے جب پانی کو ہوا سے حرکت ہوتی تو زمین بھی ہلتی جیسا کہ خود حکماء بھی اس کے قائل ہیں کہ بعض دفعہ زمین کے اندر بکثرت بخارات بند ہو جانے سے اس کو حرکت ہوتی ہے اس کے بند کرنے کو اس پر پہاڑ پیدا کئے تا کہ پانی کی حرکت سے زمین کو حرکت نہ ہو اس پر یہ سوال نہیں ہو سکتا کہ زمین کو پہلے ہی سے ایسا کیوں بنایا کیونکہ یہ تو ایسا ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو ایسی حالت پر بنایا ہے کہ بدون غذا کے زندہ نہیں رہ سکتا پھر غذا پیدا کر کے اس کو زندہ رکھا تو یہ سوال بعینہ ایسا ہے کہ کوئی یوں کہنے لگے کہ انسان کو پہلے ہی سے غذا کا محتاج کیوں بنایا۔ اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ ہم خدا تعالیٰ کی حکمتوں کا احاطہ کرنے کا دعویٰ نہیں کرتے اور جاننا چاہئے کہ بعضوں نے اس آیۃ سے زمین کے حرکت نہ کرنے پر استدلال کیا ہے مگر حق یہ ہے کہ جس حرکت میں حکماء کا اختلاف ہے اس کی قرآن میں نہ کسی جگہ نفی ہے نہ اثبات ہے اس لئے دوسرے دلائل کی ضرورت ہے۔

وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ لا

اور اس نے نہریں اور راستے بنائے تا کہ منزل مقصود تک پہنچ سکو اور بہت سی

وَعَلٰمٰتٍ ط

نشانیاں بنائیں

جیسے پہاڑ درخت وغیرہ جن سے راستہ پہچانا جاتا ہے ورنہ اگر تمام زمین کا سطح یکساں حالت پر ہوتا تو راستہ ہرگز نہ پہچانا جاتا

ربط: اوپر توحید کے دلائل بیان فرما کر آگے معبودان باطلہ کا ان صفات سے خالی ہونا اور اس وجہ سے انکا معبود بننے کے قابل نہ ہونا بیان فرماتے ہیں اور باوجود ایسے دلائل قائم ہونے کے پھر جو لوگ ان کو معبود سمجھتے ہیں ان کی مذمت بیان کرتے ہیں پس اوپر صراحۃ توحید کا اثبات تھا اور آگے صراحۃ کفر و شرک کا ابطال ہے مع مذمت مشرکین کے افمن تا المستکبرین

وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَفَمَنْ

اور ستاروں سے بھی لوگ راستہ معلوم کرتے ہیں سو کیا جو شخص پیدا کرتا ہو وہ

يَخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ

اس جیسا ہو جاوے گا جو پیدا نہیں کرسکتا

یعنی جب یہ ثابت ہو چکا کہ حق تعالیٰ ایسی ایسی چیزوں کے خالق ہیں اور خالق ہونے میں یکتا ہیں تو کیا تم دوسروں کو بھی معبود سمجھو گے اس میں تو خدا کی سخت اہانت ہے کہ اس کو بتوں کے برابر کردیا۔

اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۷﴾

پھر کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے

آگے بتلاتے ہیں کہ ہم نے جو نعمتیں اوپر بتلائی ہیں خدا کی نعمتوں کا انحصار ان ہی میں نہیں ہے بلکہ اس کی نعمتیں نہایت کثرت سے ہیں۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ

اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گننے لگو تو (کبھی) نہ گن سکو

مگر مشرکین شکر اور قدر نہیں کرتے ۱۲

اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸﴾

واقعی اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں

یعنی یہ جرم اتنا بڑا تھا کہ نہ معاف کرانے سے معاف ہوتا اور نہ اس پر جمے رہنے سے آئندہ یہ نعمتیں ملتیں لیکن حق تعالیٰ کی رحمت ہی بہت ہے کہ کوئی شرک سے توبہ کرلے تو مغفرت ہو جاتی ہے اور نہ کرے تو جب بھی زندگی بھر یہ نعمتیں منقطع نہیں ہوتیں۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۱۹﴾

اور اللہ تعالیٰ تمہارے پوشیدہ اور ظاہری احوال سب جانتے ہیں

پس دنیا میں کوئی نعمتوں کے فائض ہونے سے یوں نہ سمجھے کہ کبھی سزا نہ ہوگی بلکہ آخرت میں سزا ہوگی کیونکہ حق تعالیٰ سب کے احوال کو جانتے ہیں ان کے موافق سزا ہوگی۔ یہ تو حق تعالیٰ کے خالق اور منعم ہونے کا بیان تھا آگے معبودان باطلہ کا خالق وغیرہ نہ ہونا بتلاتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا

اور جن کی یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں

يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۲۰﴾ ؕ

وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کرسکتے اور وہ خود ہی مخلوق ہیں

اور اوپر قاعدہ کلیہ معلوم ہو چکا ہے کہ خالق اور غیر خالق برابر نہیں پس یہ معبود عبادت کے مستحق کیسے ہوسکتے ہیں۔

اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ

وہ (معبودین) مردے (بے جان) ہیں زندہ نہیں

خواہ وہ ہمیشہ کے لئے بے جان ہوں جیسے بت اس وقت بے جان ہوں جیسے وہ معبود جو مرچکے یا آئندہ بے جان ہونے والے ہیں جیسے وہ معبود جو مریں گے مثلاً فرشتے اور جن اور عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ اس تقریر سے یہ معلوم ہوگیا کہ قادیانی جو اس آیت سے عیسیٰ علیہ السلام کے اس وقت زندہ ہونے پر استدلال کرتے ہیں غلط ہے کیونکہ اس جگہ غیر احیاء کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اس وقت زندہ نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ زندہ رہنے والے نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ فرشتے بھی اس وقت زندہ نہ ہوں کیونکہ کفار عرب ان کو بھی معبود سمجھتے تھے اور یقیناً وہ بھی ان لوگوں میں داخل ہیں جن کی عبادت خدا کو چھوڑ کر کی جاتی ہے۔

وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۲۱﴾ ع

اور ان کو خبر نہیں وہ مردے کب اٹھائے جاویں گے

یعنی بعض کو تو بالکل ہی علم نہیں (جیسے بت) اور بعض کو وقت کی تعیین معلوم نہیں (جیسے فرشتے اور عیسیٰ علیہم السلام وغیرہ) کہ ان کو قیامت کے آنے کا تو علم ہے مگر خاص وقت معلوم نہیں جیسا کہ بہت سی آیتوں میں اس کی تصریح ہے اور معبود کے لئے ایسا علم ہونا چاہیے جو تمام باتوں کو احاطہ کئے ہوئے ہو بالخصوص قیامت کا علم تو اس کو ضرور ہونا چاہئے جس میں عبادت کرنے یا نہ کرنے کی جزاء و سزا دی جائے گی پس یہ لوگ علم میں خدا کے برابر کیسے ہوسکتے ہیں آگے اس دلیل کا نتیجہ بیان فرماتے ہیں۔

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

تمہارا معبود برحق ایک ہی معبود ہے پس جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے

بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾

دل (معقول بات سے) منکر ہو رہے ہیں اور وہ (قبول حق سے) تکبر کرتے ہیں

یعنی حق واضح کردینے کے بعد بھی جو لوگ ایمان نہیں لاتے اور خدا سے ڈر کر توحید کو قبول نہیں کرتے معلوم ہوا کہ ان کے دلوں میں معقول بات کے ماننے کی قابلیت ہی نہیں اور قابلیت نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے دلوں میں تکبر ہے۔

لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ط

(اور) ضروری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کے احوال پوشیدہ وظاہر کو

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿۲۳﴾

جانتے ہیں یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے

پس جب انکا تکبر معلوم ہے تو ان کو بھی ناپسند کریں گے اور سزادیں گے۔

ربط: اوپر کفار کی گمراہی کا بیان تھا آگے ان کے دوسروں کو گمراہ کرنے کا اور اس پر وعید کا بیان ہے کہ وہ نبوت اور قرآن کا انکار کر کے لوگوں کو گمراہی میں ڈالتے ہیں اور ان کے گناہ بھی اپنے سر پر لادتے ہیں

واذا قیل لھم تا مثوی المتکبرین

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے

یعنی کوئی ناواقف شخص تحقیق کی غرض سے یا کوئی واقف امتحان کے لئے ان سے پوچھتا ہے۔

مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ لا

کہ تمہارے رب نے کیا چیز نازل فرمائی ہے

یعنی قرآن جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کا نازل کیا ہوا بتلاتے ہیں کیا یہ صحیح ہے۔

قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ لا

تو کہتے ہیں کہ وہ تو محض بے سند باتیں ہیں جو پہلوں سے چلی آرہی ہیں

یعنی یہ خدا کا نازل کیا ہوا کہاں ہے بلکہ پہلے سے سب مذاہب والے توحید اور نبوت اور قیامت کو دعویٰ کرتے آئے ہیں انہی سے یہ بھی نقل کرنے لگے باقی یہ باتیں خدا کی بتلائی ہوئی نہیں ہیں۔

لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ لا

نتیجہ اس (کہنے) کا یہ ہوگا کہ ان لوگوں کو قیامت کے دن اپنے گناہوں کا پورا بوجھ اور جن کو

وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ط

یہ لوگ بے علمی سے گمراہ کررہے تھے ان کے گناہوں کا بھی کچھ بوجھ اپنے اوپر اٹھانا پڑے گا

گمراہ کرنے سے مراد ان کا یہی قول ہے کہ یہ محض بے سند باتیں ہیں جو پہلوں سے منقول چلی آرہی ہیں کیونکہ اس سے دوسرے آدمی کا اعتقاد خراب ہوجاتا ہے اور بے علمی کی تفسیر آٹھویں پارہ کے چوتھے رکوع میں گزر چکی ہے اور جو شخص کسی کو گمراہ کیا کرتا ہے اس گمراہ ہونے والے کو تو گمراہی کا گناہ ہوتا ہے اور اس گمراہ کرنے والے کو اس کا گناہ ہوتا ہے کہ وہ دوسرے کی گمراہی کا سبب بنا اسی کو کچھ بوجھ سے تعبیر کیا گیا اور اپنے گناہوں کو کامل طور پر اٹھانا تو ظاہر ہے سو حق کے مقابلہ میں یہ تدبیریں نہ چل سکیں گی بلکہ خود ان ہی پر ان کا وبال ٹوٹے گا چنانچہ پہلے کفار بھی ایسی تدبیریں کرچکے ہیں ۱۲

اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۲۵﴾ ع

خوب یاد رکھو کہ جس گناہ کو یہ اپنے اوپر لاد رہے ہیں وہ برا بوجھ ہے

یعنی جس طرح چھت کے آپڑنے سے سب دب کر رہ جاتے ہیں اسی طرح وہ لوگ اپنی تدبیروں ہی سے خود دب گئے اور ناکام ہوئے۔

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ

(اور) جو لوگ ان سے پہلے ہوگزرے ہیں انہوں نے بڑی بڑی

بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ

تدبیریں کیں سو اللہ تعالیٰ نے ان کا بنا بنایا گھر جڑ بنیاد سے ڈھا دیا

السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰهُمُ

پھر اوپر سے ان پر چھت آپڑی اور (علاوہ ناکامی کے)

الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

ان پر (خدا کا) عذاب ایسی طرح آیا کہ ان کو خیال بھی نہ تھا

کیونکہ امید تو یہ تھی کہ تدبیر میں کامیابی ہوگی خلاف توقع ان پر ناکامی سے بڑھ کر عذاب آگیا جو کوسوں بھی ان کے ذہن میں نہ تھا۔ چنانچہ پہلے کفار پر عذابوں کا آنا معلوم اور مشہور ہے یہ حالت ان کی دنیا میں ہوئی ۱۲۔

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ

پھر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو رسوا کرے گا

جس میں سے ایک رسوائی کا آگے بیان ہے۔

وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ

اور یہ کہے گا کہ میرے شریک جن کے بارے میں تم لڑا جھگڑا کرتے تھے

كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ

(وہ اب) کہاں ہیں جاننے والے کہیں گے کہ

اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْۗءَ عَلَي

آج پوری رسوائی اور عذاب

الْكٰفِرِيْنَ (٢٧) الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ

کافروں پر ہے جن کی جان فرشتوں نے حالت کفر پر قبض کی تھی

ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۠

(یعنی) آخر وقت تک کافر رہے

شائد ان اہل علم کا قول بیچ میں اس لئے بیان فرمایا ہو کہ کفار کی رسوائی کا عام اور علانیہ ہونا معلوم ہو جائے۔

فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْۗءٍ ۭ

پھر کافر لوگ صلح کا پیغام ڈالیں گے کہ ہم تو کوئی برا کام نہ کرتے تھے

یعنی شرک و کفر تو اعلیٰ درجے کی برائی اور خدا کی مخالفت ہے ہماری کیا مجال تھی کہ ہم اس کے مرتکب ہوتے ہم نے تو کوئی ادنیٰ درجہ کا بھی برا کام نہیں کیا جس میں خدا کی ادنیٰ مخالفت بھی ہو اور اس کو صلح کا مضمون اس لئے کہا گیا کہ دنیا میں تو وہ شرک و کفر کا اور انبیاء کی مخالفت کا بڑے جوش و خروش سے اقرار کرتے تھے وہاں سب باتوں کا انکار کرنے لگے گویا کہ اب صلح پر آمادہ ہوئے حق تعالیٰ ان کی اس بات کو رد کریں گے۔

بَلٰٓى

کیوں نہیں

بلکہ واقعی تم نے بڑی مخالفت کے کام کئے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (٢٨)

بیشک اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے

فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ

سو جہنم کے دروازوں میں (سے جہنم میں) داخل ہو جاؤ (اور)

فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ (٢٩)

اس میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہو غرض تکبر کرنے والوں کا وہ برا ٹھکانا ہے

یہ عذاب آخرت کا ذکر ہو گیا پس حاصل آیات کا یہ ہوا کہ تم نے اپنے سے پہلے کافروں کا حال خسارہ و عذاب دنیا و آخرت کا سن لیا اسی طرح جو تدبیر و مکر دین حق کے مقابلہ میں تم کر رہے ہو اور خلق کو گمراہ کرنا چاہتے ہو یہی انجام تمہارا ہوگا۔ **ربط**: اوپر قرآن اور رسالت کے متعلق کفار کے بعض اقوال اور انکا دوسروں کو گمراہ کرنا مذکور تھا آگے اس کے مقابلہ میں اسی کے متعلق مسلمانوں کے عمدہ اقوال و اعمال کا مع وعدہ بشارت کے ذکر ہے۔ وقیل للذین اتقوا تا بما کنتم تعلمون

وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۭ

اور جو لوگ شرک سے بچتے ہیں ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا چیز نازل

قَالُوْا خَيْرًا ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا

فرمائی ہے وہ کہتے ہیں کہ بڑی خیر نازل فرمائی ہے جن لوگوں نے نیک کام کئے

جس میں ان کا یہ قول بھی داخل ہے اور دوسرے اعمال صالحہ بھی۔

فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ

ان کے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے

وہ بھلائی ثواب کا وعدہ اور بشارت ہے ١٢ کیونکہ وہاں اس وعدہ کا ظہور ہو جائے گا۔

وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ۭ

اور عالم آخرت تو اور زیادہ بہتر ہے

مطلب یہ کہ مرتے دم تک توحید پر قائم رہتے ہیں۔

وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ (٣٠) جَنّٰتُ عَدْنٍ

اور واقعی وہ شرک سے بچنے والوں کا اچھا گھر ہے وہ گھر ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں

يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ

جن میں یہ داخل ہوں گے ان باغوں کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی جس

فِيْهَا مَا يَشَاۗءُوْنَ ۭ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ

چیز کو ان کا جی چاہے گا وہاں ان کو ملے گی (بلکہ) اسی طرح کا عوض اللہ تعالیٰ

الْمُتَّقِيْنَ (٣١) الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ

سب شرک سے بچنے والوں کو دے گا جن کی روح فرشتے اس حالت میں قبض

طَيِّبِيْنَ ۙ

کرتے ہیں کہ وہ (شرک سے) پاک ہوتے ہیں

روح قبض ہونے کے بعد جنت میں جانا روحانی طور پر ہے اور جسم کے ساتھ جانا قیامت میں ہوگا اور یہ بھی معنے ہو سکتے ہیں کہ قیامت میں تم جنت میں چلے جانا اور ہر حالت میں مقصود بشارت سنانا ہے کہ تم جنتی ہو

يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ

وہ (فرشتے) کہتے جاتے ہیں السلام علیکم تم جنت میں چلے جانا

اعمال کو جنت میں داخل ہونے کا سبب کہنا یہ بطور عادت کے ہے ورنہ حقیقی سبب خدا کی رحمت ہے جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے پس آیت میں اور حدیث میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ آیت میں اعمال کو باعتبار ظاہر کے سبب کہا گیا ہے اور حدیث میں حقیقی سبب مراد ہے۔

ربط: اوپر مومنین کے ذکر سے پہلے کفار کی گمراہی کا بیان تھا اور مومنین کا ذکر بطور مقابلہ کے درمیان میں آ گیا تھا اب پھر آگے کفار کی ہٹ دھرمی اور عناد و سرکشی پر وعید بیان فرماتے ہیں۔ **ھل ینظرون تا یستھزؤن**

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٣٢﴾

اپنے اعمال کے سبب

یعنی یہ لوگ جو اپنے کفر و عناد اور جہالت پر جمے ہوئے ہیں اور باوجود حق واضح ہو جانے کے ایمان نہیں لاتے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ موت یا قیامت کے منتظر ہیں تو کیا اس وقت ایمان لائیں گے جب کہ ایمان مقبول نہ ہوگا اگرچہ اس وقت تمام کفار حقیقت منکشف ہو جانے کی وجہ سے توبہ کریں گے مگر سب بے سود ہوگا

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ

کیا یہ لوگ اسی بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس (موت کے) فرشتے آ

يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ

جاویں یا آپ کے پروردگار کا حکم (یعنی قیامت) آ جاوے

اور اس ہٹ دھرمی کی بدولت سزا بھگتی۔

كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ

ایسا ہی ان سے پہلے جو لوگ تھے انہوں نے بھی کیا تھا

کہ جان جان کر سزا کے کام کرتے تھے۔

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

اور ان پر اللہ تعالیٰ نے ذرا ظلم نہیں کیا لیکن وہ آپ ہی اپنے

يَظْلِمُوْنَ ﴿٣٣﴾

اوپر ظلم کر رہے تھے

پس ایسا ہی تمہارا حال ہوگا

ربط: اوپر کفار کو ان کے کفر پر عذاب قیامت سے ڈرایا تھا اس پر کفار کو دو شبہے تھے ایک یہ کہ ہمارا یہ طریقہ جس کو تم کفر کہتے ہو حق تعالیٰ کو ناپسند نہیں یہاں تک کہ اس کی وجہ سے ہم عذاب کے مستحق ہوں دوسرے یہ کہ قیامت ہی کوئی چیز نہیں پس اگر ہم عذاب کے مستحق ہوں بھی تو یہ واقع کیونکر ہوگا آگے ان دونوں شبہوں کو مع جواب کے بیان فرماتے ہیں اور چونکہ ایسے شبہات محض عناد کی وجہ سے ہوتے تھے اور اس وجہ سے حضور کو بہت رنج ہوتا تھا اس لئے درمیان میں تسلی کا مضمون بھی ہے اور پہلے شبہ کا مفصل جواب آٹھویں پارہ کی آیت **سیقول الذین اشرکوا الخ** میں گزر چکا ہے چونکہ وہاں اس کی تقریر لمبی کر دی گئی ہے۔ اس لئے یہاں اجمالی جواب پر اکتفا کیا گیا **و قال الذین اشرکوا تا کن فیکون**

فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ

آخر ان کے اعمال بد کی ان کو سزائیں ملیں

مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٣٤﴾ ع

اور جس عذاب پر وہ ہنستے تھے ان کو اسی نے آ گھیرا

مطلب یہ ہے کہ غیر اللہ کی عبادت کرنا ہمارے طریقہ کے اصول میں سے ہے اور بعض چیزوں کو حرام سمجھنا اس کی فروع میں سے ہے پس اگر خدا کو یہ طریقہ ناپسند ہوتا اور اس کے خلاف کو پسند کرتے تو وہ ہم کو یہ کام کیوں کرنے دیتے اس سے معلوم ہوا کہ ہمارا طریقہ خدا کو پسند ہے (اس کا ایک ظاہر جواب یہ ہے کہ اس دلیل سے تو یہ لازم آتا ہے کہ دنیا میں کوئی کام بھی برا نہ ہو کیونکہ ہر شخص اپنے کام کی نسبت یہی کہہ سکتا ہے کہ اگر خدا کو یہ ناپسند ہوتا تو مجھے کیوں کرنے دیتا اس سے معلوم ہوا کہ یہ کام خدا کو پسند ہے حالانکہ دنیا میں بہت سے کام ایسے ہیں جن کو ہر شخص یقیناً برا سمجھتا ہے جیسے چوری اور زنا اور ناحق خون کرنا ظلم کرنا وغیرہ وغیرہ معلوم ہوا کہ یہ دلیل غلط ہے اور کسی کا کوئی کام کر لینا خدا کی رضامندی کی دلیل نہیں

ہو سکتی کیونکہ خدا نے انسان کی آزمائش کے لئے اس کو اچھے برے دونوں طرح کے کاموں کی قدرت دی ہے کہ دیکھیں وہ اپنے اختیارات سے کیسے کام کرتا ہے پس ہر کام کے اچھے یا برے ہونے کی دلیل خدا کا حکم کرنا یا منع کرنا ہے اور بعضی باتیں عقل سلیم سے بھی معلوم ہو جاتی ہیں۔ آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے کہ آپ ایسی باتوں سے مغموم نہ ہوں کیونکہ یہ بیہودہ مباحثہ کوئی نئی بات نہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا

اور مشرک لوگ یوں کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو

عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ

خدا کے سوا کسی چیز کی نہ ہم عبادت کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا

اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ

اور نہ ہم اس کے بدوں (حکم کے) کسی چیز کو حرام کہہ سکتے

کہ اپنے پیغمبروں سے بیہودہ مباحثے کئے تھے مگر انبیاء کا اس سے کیا بگڑ گیا یا دین حق کو کیا ضرر پہنچا بلکہ سراسر نقصان خود انہی کا تھا۔

كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ

جو (کافر) لوگ ان سے پہلے ہوئے ہیں ایسی ہی حرکت انہوں نے بھی کی تھی

صاف صاف پہنچانا یہ ہے کہ دعویٰ واضح ہو اور اس پر صحیح دلیل قائم ہو اسی طرح آپ کے ذمہ بھی یہی کام ہے جس کو آپ کر رہے ہیں پھر اگر عناد کی وجہ سے کوئی دعویٰ اور دلیل میں غور نہ کرے تو آپ کی بلا سے آگے فرماتے ہیں کہ جس طرح ان کا آپ سے مباحثہ کرنا نئی بات نہیں اسی طرح آپ کا توحید و ایمان کی طرف بلانا بھی کوئی نئی بات نہیں بلکہ اس کی تعلیم بھی ہمیشہ سے چلی آتی ہے۔

فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۵﴾

سو پیغمبروں کے ذمہ تو صرف (احکام کا) صاف صاف پہنچا دینا ہے

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا

اور ہم ہر امت میں کوئی نہ کوئی پیغمبر بھیجتے رہے ہیں

اس آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان والوں کے لئے بھی زمانہ قدیم میں کچھ رسول مبعوث ہوئے ہیں خواہ وہ ہندوستان ہی میں پیدا ہوئے اور یہیں رہے ہوں یا کسی اور ملک میں رہتے ہوں اور یہاں ان کے نائب تبلیغ کیلئے آئے ہوں اور اگر یہ شبہ ہو کہ آیت لتنذر قوماً ما انذر آباؤھم من قبلک (ترجمہ) تا کہ آپ ڈراویں ایسی قوم کو کہ آپ سے پہلے ان کے باپ دادوں کو کسی نے نہیں ڈرایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں حضورؐ سے پہلے کوئی رسول نہیں آیا تو ان دونوں آیتوں میں تعارض ہوا جواب یہ ہے کہ یا تو پہلی آیت میں ہر امت میں رسول بھیجنے سے مراد یہ ہے کہ اکثر امتوں میں بھیجے گئے گو بعض میں نہ بھیجے گئے ہوں اور اس لئے ہم نے ہندوستان میں رسول آنے کو یقین کیساتھ بیان نہیں کیا بلکہ یہ کہا کہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا یہ کہ ہر امت اور ہر قوم کے لئے اوائل میں ایک رسول آ گئے ہوں کیونکہ ضرورت ایک سے بھی پوری ہو سکتی ہے اگر وہ اس شریعت کا سلسلہ باقی رکھنا چاہتے تو ممکن تھا اور آخر میں رسول آنے کی ضرورت نہیں رہتی پس ہر امت میں رسول بھیجنے کا مطلب یہ ہوگا کہ اوائل میں رسول ضرور بھیجے گئے اور حضورؐ سے پہلے عرب میں رسول نہ آنے کا مطلب یہ ہوگا کہ آخر میں کوئی رسول ان کے پاس نہیں آیا اور اس صورت میں یہ بھی احتمال ہے کہ بعض جگہ پہاڑوں اور جزیروں میں تبلیغ نہ ہوئی ہو۔

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ

کہ تم (خاص) اللہ کی عبادت کرو اور شیطان (کے راستہ) سے بچتے رہو

اس میں حرام چیزوں کو حرام کرنا بھی داخل ہے کیونکہ وہ بھی شرک و کفر کا ایک شعبہ ہے۔

فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ

سو ان میں بعضے وہ ہوئے ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی

کہ انہوں نے حق کو قبول کیا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ

اور بعضے ان میں وہ ہوئے جن پر گمراہی کا ثبوت ہو گیا

کہ وہ ناحق پر جمے رہے خلاصہ یہ ہوا کہ کفار کا انبیاء سے بیہودہ مباحثے کرنا بھی ہمیشہ سے ہے اور انبیاء کی تعلیم بھی ہمیشہ سے ہے اور سب کا ہدایت نہ پانا بھی ہمیشہ سے ہے پھر آپ کیوں غم کرتے ہیں اور اس میں کفار کے شبہ کا اجمالی جواب بھی ہو گیا کہ ایسی باتیں کرنا گمراہی ہے آگے اس جواب کی تائید اور وضاحت کے لئے فرماتے ہیں کہ اگر تم کو اس کا گمراہی ہونا معلوم نہ ہوتا ہو (ترجمہ دیکھو)

فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ

تو (اچھا) زمین میں چلو پھرو پھر (آثار) سے دیکھو کہ جھٹلانے والوں

عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۶﴾

کا کیسا برا انجام ہوا

پس اگر وہ گمراہ نہ تھے تو ان پر عذاب کیوں نازل ہوا اور ان کو اتفاقی واقعات اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ وہ عادت کے خلاف عجیب طور سے ہوتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی پیشینگوئی کے بعد ہوئے اور مومنین اس سے بچے رہے پھر اس کے عذاب ہونے میں کیا شک ہے۔ آگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ تسلی کے لئے فرماتے ہیں کہ جیسے پہلے بعضے لوگ ایسے ہوئے ہیں کہ جن پر گمراہی کا ثبوت ہو گیا ایسے ہی یہ لوگ بھی ہیں۔

اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا

ان کے راہ راست پر آنے کی اگر آپ کو تمنا ہو تو اللہ تعالیٰ

يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ

ایسے شخص کو ہدایت نہیں کیا کرتا جس کو گمراہ کرتا ہے

البتہ وہ ہٹ دھرمی کو چھوڑ دے تو ہدایت کر دیتا ہے مگر یہ اس عادت کو چھوڑیں گے نہیں اس لئے ان کو ہدایت بھی نہ ہوگی۔

وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

اور ان کا کوئی حمایتی نہ ہوگا

یعنی اگر ان کو یہ گمان ہو کہ ہمارے بت وغیرہ اس حالت میں بھی ہم کو عذاب سے بچالیں گے تو وہ سمجھ رکھیں کہ خدا کے مقابلہ میں کوئی کام نہ آئے گا یہاں تک کہ پہلے شبہ کے متعلق تقریر ہوگئی آگے دوسرے شبہ کے متعلق کلام ہے۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ

اور یہ لوگ بڑے زور لگا لگا کر اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ جو مر جاتا ہے

اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ؕ

اللہ تعالیٰ اس کو دوبارہ زندہ نہ کرے گا

اور قیامت نہ آوے گی آگے اس کا جواب ہے۔

بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

کیوں نہیں زندہ کرے گا اس وعدے کو تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لازم کر رکھا

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ ۙ

ہے لیکن اکثر لوگ یقین نہیں لاتے

باوجودیکہ اس پر صحیح دلیل قائم ہو چکی ہے آگے دوبارہ زندہ کرنے کی وجہ بتلاتے ہیں۔

لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ

تاکہ جس چیز میں یہ لوگ اختلاف کیا کرتے تھے

اور انبیاء کے فیصلہ سے بھی دنیا میں راہ پر نہ آتے تھے۔

فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا

ان کے روبرو اس کا (بطور معائنہ کے) اظہار کر دے اور تاکہ کافر لوگ (پورا)

كٰذِبِيْنَ ﴿۳۹﴾

یقین کر لیں کہ واقعی وہی جھوٹے تھے

اور انبیاء اور مومنین سچے تھے پس قیامت کا آنا یقینی ہے اور عذاب سے فیصلہ ہونا ضروری ہے یہ جواب ہو گیا ان کے اس قول کا کہ خدا مرنے والوں کو زندہ نہ کرے گا اور چونکہ وہ لوگ قیامت کا انکار اس لئے کرتے تھے کہ اس کو دشوار سمجھتے تھے اس لئے آگے اپنی قدرت کاملہ بیان کر کے دشواری کے شبہ کو دفع کرتے ہیں۔

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ

ہم جس چیز کو (پیدا کرنا) چاہتے ہیں بس اس سے ہمارا اتنا ہی کہنا (کافی)

لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۰﴾ ع

ہوتا ہے کہ تو (پیدا) ہو جا پس وہ (پیدا) ہو جاتی ہے

تو اتنی بڑی کامل قدرت والے کے سامنے بے جان چیزوں میں جان ڈال دینا کیا دشوار ہے جیسا کہ پہلی بار جان ڈال چکے ہیں پس دونوں شبہوں کا جواب ہو گیا وللہ الحمد اور کن فیکون کے متعلق پارہ الٓم میں تقریر گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ ہو۔

ربط: اوپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی تھی کہ آپ کفار کی گفتگو سے غمگین نہ ہوں آگے مسلمانوں کو تسلی دی جاتی ہے کہ تم کو جو کفار نے تکلیفیں دیکر وطن سے نکال دیا اس پر غم نہ کرنا تمہارے لئے دونوں جہاں میں بشارت ہے لیکن آیت میں ہجرت سے مراد حبشہ کی ہجرت ہے مدینہ کی ہجرت مراد نہیں کیونکہ یہ سورۃ مکی ہے ہجرت مدینہ سے پہلے نازل ہوئی ہے اس وقت کچھ مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی والذین ھاجرو تا یتوکلون

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا

اور جن لوگوں نے اللہ کے واسطے اپنا وطن (مکہ) چھوڑ دیا بعد اس کے کہ ان پر ظلم کیا گیا

اور حبشہ کو چلے گئے۔ کیونکہ ایسی مجبوری میں وطن چھوڑنا بڑا شاق گزرتا ہے۔

لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً

ہم ان کو دنیا میں ضرور اچھا ٹھکانہ دیں گے

یعنی ان کو مدینہ پہنچا کر بہت امن اور راحت دینگے چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان میں سے اکثر لوگوں کو مدینہ پہنچا دیا اور گو بعض کا حبشہ ہی میں انتقال ہو گیا مگر اصل مطلب تو پریشانی کا دور کرنا ہے سو یہ بات سب کو نصیب ہو گئی تھی کیونکہ حبشہ میں بھی ان کو بہت راحت ملی اور چونکہ مدینہ مہاجرین کا اصلی وطن قرار دیا گیا اس لئے اس کو ٹھکانا کہا اور وہاں سے ہر طرح کی ترقی ہوئی اس لئے اس کو اچھا ٹھکانا کہا اور حبشہ کا قیام عارضی تھا اس لئے اس کو ٹھکانا نہیں فرمایا۔

وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ

اور آخرت کا ثواب بدرجہا بڑا ہے

کہ بہتر یہی ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا بھی ہے۔

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾

کاش ان (کافروں) کو (بھی) خبر ہوتی

اس کے حاصل کرنے کی رغبت سے مسلمان ہو جاتے۔

الَّذِيْنَ صَبَرُوْا

وہ ایسے ہیں جو صبر کرتے ہیں

چنانچہ وطن کا چھوڑنا گوان کو ناگوار ہے مگر چونکہ اس کے بغیر دین پر عمل نہیں کر سکتے تھے اس لئے دین کے لئے وطن چھوڑا صبر کیا۔

وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾

اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں

وطن چھوڑنے کے وقت یہ خیال نہیں کرتے کہ کھاویں پیویں گے کہاں سے۔

ربط: اوپر ایک آیت میں کفار کے بعض شبہات کفریہ کا جواب مذکور تھا آگے رسالت کے متعلق ایک کفریہ شبہ کا جواب مذکور ہے شبہ یہ ہے کہ وہ لوگ آپ کی رسالت کا انکار اس بناء پر کرتے تھے کہ وہ رسالت اور بشریت میں منافات سمجھتے تھے کہ آدمی رسول کیونکر ہو سکتا ہے اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ محض مہمل بات ہے وما ارسلنا تا لعلهم يتفكرون

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ

اور ہم نے آپ کے قبل (بھی) صرف آدمی ہی رسول بنا کر معجزات اور کتابیں

اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا

دے کر بھیجے ہیں کہ ان پر وحی بھیجا کرتے تھے سو اگر تم کو علم نہیں تو (دوسرے)

تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾

اہل علم سے پوچھ دیکھو

جو تمہارے نزدیک مسلمان کی طرف داری نہ کریں مراد وہ اہل کتاب ہیں جو خود مشرکین کی طرح اہل اسلام کے مخالف تھے اور اگر کوئی یہ کہے کہ اس مسئلہ میں مشرکین اہل کتاب کے بھی مخالف تھے پھر ان کا قول ان پر کیسے حجت ہو گا جواب یہ ہے کہ یہ امر نقل کے متعلق ہے اس میں مذہبی حیثیت سے قطع نظر کر کے تواتر کی وجہ سے انکا قول حجت ہو گا اور تواتر میں راوی کا معتبر ہونا شرط نہیں پس مذہبی حیثیت سے اہل کتاب کا غیر معتبر ہونا اس حجت کے لئے مضر نہیں۔

بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ؕ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ

اور آپ پر بھی یہ قرآن اتارا ہے تاکہ جو مضامین

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ

لوگوں کے پاس بھیجے گئے ان کو آپ ان سے ظاہر کر دیں اور تاکہ

يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾

وہ (ان میں) فکر کیا کریں

یعنی آپ اپنا کام کریں اور وہ اپنا کام کریں تاکہ دونوں باتیں مل کر ہدایت ہو غرض یہ کہ جب آپ کی رسالت بھی قدیم طریقہ کے موافق ہے پھر انکار کی کیا وجہ اور رسالت و بشریت میں منافات ہونے کی کیا دلیل

ربط: اوپر ایک آیۃ میں کفار کو عذاب آخرت سے ڈرایا تھا آگے دنیوی عذاب سے ڈراتے ہیں۔ افامن الذين تا لرؤف رحيم

اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ

جو لوگ بری بری تدبیریں کرتے ہیں

کہ کہیں اس میں شبہات اور اعتراض نکال کر اور حق کا انکار کر کے خود گمراہ ہوتے ہیں کہیں دوسروں کو حق سے روک کر گمراہ کرتے ہیں۔

اَنْ یَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ یَاْتِیَهُمُ

کیا ایسے لوگ پھر بھی اس بات سے بے فکر ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں غرق

الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۴۵﴾

کر دے یا ان پر ایسے موقع سے عذاب آپڑے جہاں سے ان کو گمان بھی نہ ہو

جیسے جنگ بدر میں ایسے بے سروسامان مسلمانوں کے ہاتھ سے ان کو سزا ملی کہ کبھی ان کو عقلاً اس کا احتمال بھی نہ ہوتا کہ یہ ہم پر غالب آسکیں گے۔

اَوْ یَاْخُذَهُمْ فِیْ تَقَلُّبِهِمْ

یا ان کو چلتے پھرتے (کسی آفت میں) پکڑ لے

جیسے کوئی مرض ہی دفعتاً آ کھڑا ہو۔

فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ﴿۴۶﴾ اَوْ یَاْخُذَهُمْ عَلٰی تَخَوُّفٍ

یہ لوگ خدا کو ہرگز ہرا (بھی) نہیں سکتے یا ان کو گھٹاتے گھٹاتے پکڑ لے

جیسے قحط اور وباء پڑے جس سے آہستہ آہستہ خاتمہ ہو جائے غرض نڈر نہ ہونا چاہئے خدا کو سب قدرت ہے اور آفت کے اقسام مختلف ہیں ایک غیبی آفت جو غیر معمولی ہو اور وہ کبھی کبھی آیا کرتی ہے دوسرے وہ آفت جو انسان کے واسطہ سے ہو تیسرے وہ غیبی آفت جو معمولی ہو اور خاص شخص کی حالت کے اعتبار سے ہو چوتھی وہ غیبی آفت جو معمولی ہو اور عام حالت کے اعتبار سے ہو زمین میں دھنسا دینا پہلی قسم میں داخل ہے اور بیگمان سزا دینا دوسری قسم میں اور چلتے پھرتے پکڑ لینا تیسری قسم میں اور گھٹاتے گھٹاتے پکڑ لینا چوتھی قسم میں داخل ہے آگے بتلاتے ہیں کہ تم کو جو مہلت دے رکھی ہے اس کی کیا وجہ ہے۔

فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۴۷﴾

سو تمہارا رب شفیق مہربان بڑا ہے

اسلئے مہلت دی ہے کہ تم اب بھی سمجھ جاؤ اور نجات کا طریقہ اختیار کرلو۔

ربط: اوپر شروع سورت سے دور تک توحید کا مضمون تھا آگے پھر اسی کی طرف رجوع ہے اولم یروا تا یؤمرون

اَوَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ یَّتَفَیَّؤُا

کیا ان لوگوں نے اللہ کی ان پیدا کی ہوئی چیزوں کو نہیں دیکھا جن کے سامنے

ظِلٰلُهٗ عَنِ الْیَمِیْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ

کبھی ایک طرف کو کبھی دوسری طرف کو اس طور سے جھکتے جاتے ہیں کہ (بالکل) خدا کے (حکم کے) تابع ہیں

یعنی سایہ کے اسباب اور اس کی خاص حالت سب خدا کے حکم سے ہے سایہ کا سبب آفتاب کا نورانی ہونا اور سایہ دار جسم کا کثیف ہونا ہے اور سایہ کی حرکت کا سبب آفتاب کی حرکت ہے۔

وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ مَا فِی

اور وہ چیزیں بھی عاجز ہیں اور اللہ کی مطیع ہیں جتنی چیزیں چلنے

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ

والی آسمانوں اور زمین میں موجود ہیں

یعنی جس طرح سایہ وغیرہ جو کہ اپنے ارادہ سے حرکت نہیں کرتے خدا کے حکم کے تابع ہیں جو ارادہ سے حرکت کرتی ہیں۔

مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۹﴾

اور (بالخصوص) فرشتے (بھی) اور وہ تکبر نہیں کرتے

یعنی وہ فرشتے باوجود علو شان اور رفعت مکان کے اطاعت خداوندی سے تکبر نہیں کرتے اور اسی لئے بالخصوص ان کا ذکر کیا گیا۔

ربط: اوپر توحید کو ثابت کیا گیا آگے شرک کو باطل کرتے ہیں وقال اللہ تا ھو العزیز الحکیم

یَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَیَفْعَلُوْنَ

اور وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں جو کہ ان پر بالادست ہے اور ان کو جو کچھ حکم کیا

مَا یُؤْمَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ السجدۃ ۱۲ وَقَالَ اللّٰهُ

جاتا ہے وہ اس کو کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

تمام مکلفین کو حکم دیا ہے رسولوں کے واسطہ سے

لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَیْنِ اثْنَیْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ

کہ دو (یا زیادہ) معبود مت بناؤ بس ایک معبود وہی ہے

وَّاحِدٌ ۚ فَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۱﴾

تو تم لوگ خاص مجھ ہی سے ڈرو

کیونکہ جب معبود ہونے کی صفت میرے لئے خاص ہے تو کمال قدرت وغیرہ جو اس کے لوازم ہیں وہ میرے ہی ساتھ خاص ہوں گے تو سزا و عذاب کا خوف مجھ ہی سے چاہیے اور شرک سے عذاب ہوتا ہے پس شرک نہ کرنا چاہئے۔

وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ

اور اسی کی (ملک) ہیں سب چیزیں جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہیں

وَاصِبًا ؕ

اور لازمی طور پر اطاعت بجالانا اسی کا حق ہے

یعنی وہی اس بات کا مستحق ہے کہ سب اس کی اطاعت بجالاویں۔

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾

تو کیا پھر بھی اللہ کے سوا اوروں سے ڈرتے ہو

اور ان سے ڈر کر ان کو پوجتے ہو آگے بتلاتے ہیں کہ جیسا ڈرنے کے قابل سوا خدا کے کوئی نہیں ایسا ہی نعمت دینے والا اور امید کے قابل بھی بجز خدا کے کوئی نہیں۔

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا

اور تمہارے پاس جو کچھ بھی نعمت ہے وہ سب اللہ کی طرف سے ہے پھر جب

مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ﴿۵۳﴾

تم کو (ذرا) تکلیف پہنچتی ہے تو اسی سے فریاد کرتے ہو

اس مصیبت کے دفع ہونے کے لئے اور اس وقت کوئی بت وغیرہ یاد نہیں آتا جس سے توحید کا حق ہونا اس وقت تمہاری حالت کے اقرار سے معلوم ہو جاتا ہے۔

ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ

پھر جب وہ تم سے اس تکلیف کو ہٹا دیتا ہے تو تم میں کی ایک

مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾

جماعت اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتی ہے

ایک جماعت اس لئے کہا کہ بعضے اس حالت کو یاد رکھ کر توحید و ایمان پر قائم ہو جاتے ہیں جیسا کہ دوسری آیت میں ہے۔ فلما نجاهم الى البر فمنهم مقتصد.

لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا قف

جس کا حاصل یہ ہے کہ ہماری دی ہوئی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں

اور ناشکری عقلاً بھی بری چیز ہے اور دی ہوئی نعمت سے مراد کلفت کا دور کرنا ہے۔

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا

خیر چند روز عیش اڑا لو اب جلدی خبر تم کو ہوئی جاتی ہے اور یہ لوگ ہماری دی ہوئی

يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ؕ

چیزوں میں سے ان (معبودوں) کا حصہ لگاتے ہیں جن کے متعلق ان کو کچھ علم نہیں

یعنی ان کے معبود ہونے کی کوئی دلیل اور سند نہیں جیسا کہ اس کی تفصیل آٹھویں پارہ کے تیسرے رکوع میں گزر چکی ہے۔

تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۶﴾

قسم ہے خدا کی تم سے تمہاری ان افترا پردازیوں کی ضرور باز پرس ہوگی اور

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ

اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں

روح المعانی میں ہے کہ خزاعہ ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔

سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذَا بُشِّرَ

سبحان اللہ اور اپنے لئے چاہتی چیز اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خبر دی

اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ

جائے تو سارے دن اس کا چہرہ بے رونق رہے اور وہ دل ہی دل میں گھٹتا

كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾ ج يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ

رہے (اور) جس چیز کی اس کو خبر دی گئی ہے اس کے عار سے لوگوں سے چھپا

مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ

چھپا پھرے

یعنی بیٹی پیدا ہونے کی عار سے اور دل میں اتار چڑھاؤ کرے۔

اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ؕ

آیا اس کو ذلت پر لئے رہے یا اس کو (زندہ یا مار کر) مٹی میں گاڑ دے خوب

اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۵۹﴾

سن لو ان کی یہ تجویز بہت ہی بری ہے

کہ اول تو خدا کے لئے اولاد ثابت کرنا یہی کس قدر بری بات ہے پھر اولاد بھی وہ جس کو خود اس قدر ذلیل اور موجب عار سمجھیں

لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ

جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کی بری حالت ہے

دنیا میں اس لئے کہ وہ ایسی کھلی جہالت میں مبتلا ہیں اور آخرت میں اس لئے کہ وہ عذاب اور ذلت میں مبتلا ہوں گے۔

وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ۗ

اور اللہ تعالیٰ کے لئے تو بڑی اعلیٰ درجہ کی صفات ثابت ہیں

نہ کہ وہ صفات جو کہ یہ مشرکین بکتے ہیں۔

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۰﴾

اور وہ بڑے زبردست ہیں بڑے حکمت والے

یعنی وہ ایسے زبردست ہیں کہ اگر ان کو دنیا میں سزا دینا چاہیں تو کچھ مشکل بات نہیں لیکن حکمت کی وجہ سے موت کے بعد تک سزا کو موخر کر دیا ہے۔

ربط: آگے اس حکمت کا بیان ہے جس کی وجہ سے شرک پر جلدی سزا نہیں دی گئی اور نیز یہ کہ وقت مقرر پر ضرور سزا ہوگی۔ و لو یو اخذ اللّٰہ تا لا یستقدمون

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ

اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر ان کے ظلم

یعنی شرک و کفر

مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ

کے سبب داروگیر فرماتے تو سطح زمین پر کوئی (حس و) حرکت کرنے والا نہ چھوڑتے

بلکہ سب کو ہلاک کر دیتے ظالموں کو تو ظلم کی وجہ سے اور جو ظالم نہیں اس کو اس لئے کہ حق تعالیٰ کی حکمت اس عالم میں اکثر اوقات کے اعتبار سے مسلمان و کافر نیک و بد دونوں کو آباد کرنے کو مقتضی ہے ورنہ زمین پر نیک آدمیوں کی آبادی بغیر ظالموں کے ایسی ہوتی ہے جیسی فرشتوں کی آبادی آسمان پر ہے پھر زمین کی آبادی کو جدا کیوں کیا جاتا اور اس مضمون کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں ارشاد ہے لولم تذنبوا لذھب اللّٰہ بکم الخ یعنی لو لم یکن فیکم مذنبون مطلب یہ کہ اگر تم میں گنہگار نہ ہوں تو حق تعالیٰ تم کو ہلاک کر کے دوسری قوم کو پیدا کر دیں گے اس لئے دنیا میں نیک بھی نہ رہتے اور چونکہ

حیوانات انسان ہی کے نفع کے لئے پیدا کئے گئے ہیں جب یہ نہ ہوتے وہ بھی نہ ہوتے اور اکثر اوقات کی قید اس لئے لگائی کہ بعض اوقات میں دنیا میں صرف نیک ہی بندے رہیں گے جیسے عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں۔

وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ

لیکن ایک میعاد معین تک مہلت دے رہے ہیں

تاکہ اگر کوئی توبہ کرنا چاہے تو گنجائش ہو اس لئے فی الفور داروگیر نہیں کرتے

فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً

پھر جب ان کا وقت معین آ پہنچے گا اس وقت ایک ساعت نہ پیچھے

وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۶۱﴾

ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے

بلکہ فوراً سزا ہو جائے گی ربط: آگے پھر شرک اور اہل شرک کی مذمت کی طرف رجوع ہے جس سے زیادہ مقصود اس بات کی مذمت ہے کہ وہ لوگ باوجود شرک کے اپنی نجات کا دعویٰ کرتے تھے۔ ویجعلون تا مفرطون۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ

اور اللہ تعالیٰ کے لئے وہ امور تجویز کرتے ہیں جن کو خود ناپسند کرتے ہیں

جیسا کہ پہلے گزرا کہ وہ خدا کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے تھے مگر وہاں خاص عنوان تھا اور یہاں عام چنانچہ اپنی ریاست میں کسی کی شرکت کا ناپسند ہونا بھی اس میں داخل ہے اس لئے تکرار نہ رہا۔

وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ۗ

اور اپنی زبان سے جھوٹے وعدے کرتے جاتے ہیں کہ ان کے (یعنی ہمارے لئے) ہر طرح کی بھلائی ہے

یعنی یوں کہتے ہیں کہ اگر قیامت کوئی چیز بھی ہو تب بھی ہم اچھے رہیں گے اور یہ مطلب اس لئے ہے کہ وہ لوگ تو سرے سے قیامت ہی کے منکر تھے پھر وہ قیامت میں اپنے لئے بھلائی کی امید کیا کرتے۔

ربط: اوپر کفار کی جہالات وکفریات کا ذکر تھا چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے صدمہ پہنچتا تھا اس لئے آگے آپ کی تسلی ہے جس کے ضمن میں رسالت اور حقانیت قرآن کو بھی ثابت کیا گیا ہے۔ تاللّٰہ تا یومنون

لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿۶۲﴾

لازمی بات ہے کہ ان کے لئے دوزخ ہے اور بیشک وہ لوگ سب سے پہلے

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ

(دوزخ میں) بھیجے جاویں گے بخدا آپ سے پہلے جو امتیں ہو گزری ہیں
ان کے پاس بھی ہم نے رسولوں کو بھیجا تھا

جیسا آپ کو ان کے پاس بھیجا ہے

فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ

سو ان کو بھی شیطان نے ان کے اعمال (کفریہ) مستحسن کر کے دکھلائے

جس طرح آپ کے زمانہ کے لوگ اپنی کفریات کو پسند کرتے ہیں اور ان پر قائم ہیں۔

فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ

پس وہ آج ان کا رفیق تھا

کہ ان کو بہکاتا سکھاتا تھا پس دنیا میں تو ان کو یہ خسارہ ہوا۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾

اور ان کے واسطے دردناک سزا مقرر ہے

غرض اس وقت کے کافر بھی وہی حرکتیں کر رہے ہیں جو پہلوں نے کی تھیں اور ان ہی کی طرح ان کو بھی سزا ہوگی پس آپ ان کی جہالت و کفر پر کچھ غم نہ کیجئے۔

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ

اور ہم نے آپ پر یہ کتاب صرف اس واسطے نازل کی ہے کہ جن امور (دین)

لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ

میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں آپ (عام) لوگوں پر اس کو ظاہر فرما دیں

یعنی یہ قرآن اس واسطے نازل نہیں کیا گیا کہ سب کا ہدایت پر لانا آپ کے ذمہ ہو حتیٰ کہ بعض کے ہدایت پر نہ آنے سے آپ مغموم ہوں بلکہ یہ اس لئے نازل ہوا ہے کہ آپ توحید و آخرت اور حلال و حرام کے احکام جن میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں ظاہر کر دیں اور یہ فائدہ تو قرآن کا سب کو عام ہے۔

وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۶۴﴾

اور ایمان والوں کی ہدایت (خاصہ) اور رحمت کی غرض سے

یہ خاص فائدہ ہے اور یہ سب امور بفضلہ تعالیٰ حاصل ہیں پھر آپ کیوں غم میں پڑے۔ ربط: اوپر شروع سورت سے زیادہ مضمون توحید کا انعامات کے پیرایہ میں چلا آتا ہے آگے پھر وہی مضمون ہے جو کہ آیت

یعرفون نعمة الله الخ تک چلا گیا ہے۔ والله انزل تا علیم قدیر

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ

اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے زمین کو

الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ

اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کیا

یعنی زمین کی قوت نامیہ کو جو کہ خشک ہو جانے سے کمزور ہو گئی تھی بڑھا دیا

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۵﴾ ع

اس میں ایسے لوگوں کے لئے بڑی دلیل ہے جو سنتے ہیں اور (نیز) تمہارے

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا

لئے مواشی میں بھی غور درکار ہے (دیکھو) ان کے پیٹ میں جو گوبر اور خون کا

فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا

مادہ) ہے اس کے درمیان میں سے صاف اور گلے میں آسانی سے اترنے

سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۶۶﴾

والا دودھ (بنا کر) ہم تم کو پینے کو دیتے ہیں

اس کا مطلب یہ نہیں کہ پیٹ میں ایک طرف گوبر ہوتا ہے اور ایک طرف خون اور دونوں کے درمیان دودھ رہتا ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ پیٹ میں جو غذا ہوتی ہے اس میں دو اجزا ہوتے ہیں وہ اجزا جو آگے چل کر دودھ بنیں گے اور وہ اجزاء جو گوبر بن جاویں گے سب ملے ہوئے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو جدا جدا کرتے ہیں کچھ تو گوبر بن کر دفع ہو جاتا ہے اور کچھ جگر میں ہضم ہو کر اخلاط بنتے ہیں جن میں خون بھی ہے پھر اس خون میں وہ حصہ جو آگے چل کر دودھ بنے گا اور وہ حصہ جو دودھ نہ بنے گا دونوں مخلوط ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ایک حصہ جدا کر کے پستان تک پہنچاتا ہے جو دودھ بن جاتا ہے اور ایک حصہ انثیین میں جا کر منی ہو جاتا ہے اور باقی خون رگوں کے ذریعہ سے بدن میں پھیلتا ہے اور یہ امتیاز کرنا اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے اور انعام سے خاص مواشی مراد ہیں گائے بھینس بھیڑ بکری اونٹ۔

وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ

اور (نیز) کھجور اور انگوروں کے پھلوں سے تم لوگ نشہ کی چیز اور عمدہ

مِنْهُ سَكَرًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا ؕ

کھانے کی چیزیں بناتے ہو

جیسے خشک چھوہارا اور شربت اور کشمش اور سرکہ وغیرہ اور یہاں جونشہ کی چیز کو انعام کے موقعہ میں ذکر فرمایا ہے اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اس آیت کے نازل ہونے کے وقت نشہ کی چیزیں حرام نہ تھیں اس لئے اس کو احسان جتلانے کے لئے بیان فرما دیا دوسرا قول یہ ہے کہ گو اس وقت شراب حرام بھی ہوگئی ہو لیکن یہاں ظاہری احسان مقصود نہیں بلکہ عقلی احسان بیان کرنا منظور ہے وہ یہ کہ شراب کی حالت سے توحید پر استدلال ہوسکتا ہے اور وہ شراب کے حرام ہونے پر بھی صحیح ہے کیونکہ یہ بھی قدرت کی ایک دلیل ہے کہ تازہ شیرہ میں نشہ کی صفت نہ تھی پھر ایک نئی کیفیت اس میں پیدا ہوگئی (جس کی وجہ سے وہ حرام ہوگیا) اور بعض نے کہا ہے کہ یہاں احسان جتلانا منظور ہی نہیں بلکہ عتاب مقصود ہے کہ ہمارا تو یہ انعام اور تم ایسی بے جا حرکت کرتے ہو کہ ان چیزوں سے شراب بناتے ہو۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَاَوْحٰی

بیشک اس میں ان لوگوں کے لئے بڑی دلیل ہے جو عقل سلیم رکھتے ہیں

رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ

اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے جی میں یہ بات ڈالی کہ تو پہاڑوں

بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾ لا

میں گھر بنالے اور درختوں میں (بھی) اور لوگ جو عمارتیں بناتے ہیں

ثُمَّ كُلِیْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِیْ سُبُلَ

ان میں پھر ہر قسم کے پھلوں سے چوستی پھر پھر اپنے رب کے راستوں میں

رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ

چل جو آسان ہیں

چنانچہ وہ بڑی بڑی دور سے بے رستہ بھولے ہوئے اپنے چھتے کی طرف لوٹ آتی ہے۔

یَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا

اس کے پیٹ میں سے پینے کی ایک چیز نکلتی ہے

شہد کے متعلق اختلاف ہے کہ یہ منہ کی رطوبت ہے یا معدہ کی اگر پہلا قول ثابت ہے تو اس سے مراد چوسنا او بطن سے مراد منہ ہے کیونکہ منہ بھی پیٹ کے مشابہ ہے اور اگر دوسرا قول صحیح ہو تو دونوں لفظ اپنے ظاہری معنے پر رہیں گے۔

شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ

جس کی رنگتیں مختلف ہوتی ہیں کہ اس میں لوگوں کے لئے شفا ہے

شہد کا شفا ہونا بعض امراض کے اعتبار سے ہے رہا یہ کہ اس میں شہد کی کیا تخصیص ہے یہ خاصیت تو اکثر دواؤں میں ہے کہ وہ بعض امراض کے لئے نافع ہوتی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ شہد کی مکھی ایک زہریلا جانور ہے چنانچہ اس کے کاٹنے سے سخت تکلیف ہونا اس کی ظاہری دلیل ہے۔ پس زہر کی جگہ سے تریاق وشفا کا پیدا کرنا یہ عجیب قدرت ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَاللّٰهُ

اس میں بھی ان لوگوں کے لئے بڑی دلیل ہے جو سوچتے ہیں اور اللہ تعالیٰ

خَلَقَكُمْ ثُمَّ یَتَوَفّٰىكُمْ قف لا

نے تم کو (اول) پیدا کیا پھر تمہاری جان قبض کرتا ہے

جن میں بعضے تو ہوش وحواس میں چلتے ہاتھ پاؤں اٹھ جاتے ہیں۔

وَمِنْكُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰٓی اَرْذَلِ الْعُمُرِ

اور بعضے تم میں وہ ہیں جو ناکارہ عمر تک پہنچائے جاتے ہیں

جس میں نہ قوت جسمانیہ رہے نہ قوت عقلیہ رہے۔

لِكَیْ لَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَیْـًٔا ؕ

جس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ ایک چیز سے باخبر ہو کر پھر بے خبر ہو جاتے ہیں

جیسا اکثر ایسے بوڑھوں کو دیکھا جاتا ہے ابھی ان کو ایک بات بتلائی اور ابھی بھول گئے اور پھر اس کو پوچھ رہے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ ﴿۷۰﴾ ع

بیشک اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی قدرت والے ہیں

کہ علم سے ہر مصلحت کو جانتے ہیں اور قدرت سے ویسا ہی کر دیتے ہیں اس لئے حیات اور وفات کی حالتیں مختلف بنا دیں پس یہ بھی توحید کی دلیل ہے۔

ربط: اوپر گزر چکا اور واللہ فضل الخ میں اثبات توحید کے ساتھ شرک کی قباحت ایک باہمی معاملہ کے ضمن میں بیان فرماتے ہیں واللہ تا الکافرون۔

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ج

اور اللہ تعالیٰ نے تم میں بعضوں کو بعضوں پر رزق میں فضیلت دی ہے

مثلاً کسی کو غنی اور غلاموں کا مالک بنایا کہ ان کے ہاتھ سے ان غلاموں کو بھی رزق پہنچتا ہے اور کسی کو غلام بنادیا کہ اس کو مالک ہی کے ہاتھ سے رزق پہنچتا ہے اور کسی کو نہ ایسا غنی بنایا کہ دوسرے غلاموں کو دے نہ غلام بنایا کہ اس کو کسی مالک کے ہاتھ سے پہنچے۔

فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا

سو جن لوگوں کو فضیلت دی گئی ہے

یعنی جن کو رزق میں خاص فضیلت دی گئی ہے کہ ان کے مال بھی ہے اور غلام بھی ہیں۔

بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ

وہ اپنے حصہ کا مال اپنے غلاموں کو اس طرح دینے والے نہیں کہ وہ (مالک و

فِيْهِ سَوَآءٌ ط

مملوک) سب اس میں برابر ہو جاویں

کیونکہ اگر ان کو غلام رکھ کر کچھ دیا تو وہ مال ان کی ملک ہی نہ ہوگا بلکہ بدستور وہی مالک رہیں گے اور اگر آزاد کر کے دیا تو برابری ممکن ہے مگر اس صورت میں وہ غلام ہی نہ رہیں گے غرضیکہ غلامی کی حالت میں برابری ممکن نہیں اسی طرح جب یہ بت وغیرہ مشرکین کے اقرار سے خدا تعالیٰ کے مملوک ہیں تو مملوک ہو کر معبودیت میں خدا کے برابر کیسے ہو سکتے ہیں اس مثال سے شرک کی غایت درجہ قباحت معلوم ہوگئی کہ جب تمہارے غلام رزق میں شریک نہیں ہو سکتے تو اللہ تعالیٰ کے غلام اس کی خدائی میں شریک کیسے ہو جائیں گے۔

اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ (٧١)

کیا پھر بھی خدائے تعالیٰ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں

یعنی ان کے شرک سے عقلاً یہ لازم آتا ہے کہ نعمتیں عطا کرنے میں بھی خدا کا کوئی شریک ہو حالانکہ مشرکین کو اس بات کا اقرار ہے کہ یہ سب نعمتیں خدا تعالیٰ ہی نے عطا کی ہیں اور اتنا نہیں سمجھتے کہ جو انعام میں یکتا ہے وہ معبود ہونے میں بھی یکتا ہوگا اور اس کے ساتھ عبادت میں کسی کو شریک کرنے سے اس کی نعمتوں کا انکار لازم آئے گا اور منعم کے انعام کا انکار کرنا عقلاً قبیح ہے پس شرک کی قباحت دوسرے عنوان سے بھی ثابت ہوگئی جس کا قبیح ہونا ان کو بھی مسلم ہے آگے بتلاتے ہیں کہ دلائل قدرت اور اقسام نعمت میں سے ایک بڑی دلیل اور نعمت خود تمہارا وجود و بقاء ہے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ

اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں میں سے

یعنی تمہاری جنس اور نوع سے۔

مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ

تمہارے لئے بیبیاں بنائیں اور (پھر)

اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ

ان بیبیوں سے تمہارے بیٹے اور پوتے پیدا کئے اور تم کو اچھی اچھی چیزیں

الطَّيِّبٰتِ ط

کھانے پینے کو دیں

اور چونکہ بقاء موقوف ہے وجود پر اس لئے اس میں اس کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جس نے تمہاری بقاء کا یہ سامان کیا ہے۔ وہی تمہارا اور ان سب چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے۔

اَفَبِالْبَاطِلِ

کیا پھر بھی بے بنیاد چیز

یعنی بتوں وغیرہ پر جن کے معبود ہونے کی کوئی دلیل نہیں بلکہ خلاف دلیل ہے۔

يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ (٧٢) لا

پر ایمان رکھیں گے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کرتے رہیں گے

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ

اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے رہیں گے جو ان کو نہ

لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْئًا

آسمان میں سے رزق پہنچانے کا اختیار رکھتی ہیں اور نہ زمین میں سے

یعنی نہ بارش لانے کا ان کو اختیار ہے نہ زمین سے کوئی پیداوار کرنے کا۔

وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ (٧٣) ج

اور نہ قدرت رکھتی ہیں

اس میں ان کی عاجزی کا اور زیادہ مبالغہ ہو گیا کیونکہ بعض دفعہ دیکھا جاتا ہے کہ ایک شخص اس وقت تو بااختیار نہیں لیکن کوشش کر کے اختیارات حاصل کر لیتا ہے اس لئے اس کی بھی نفی فرما دی کہ ان کو اختیار حاصل کرنے کی قدرت بھی نہیں۔

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ
سو تم اللہ تعالیٰ کے لئے مثالیں مت گھڑو

یعنی جب شرک کا باطل ہونا ثابت ہو گیا تو یہ مت کہو کہ خدا کی مثال بادشاہان دنیا کی سی ہے کہ ہر شخص ان سے اپنی حاجت عرض نہیں کر سکتا اس لئے ان کے نائب ہوتے ہیں تا کہ عام لوگ ان سے عرض کریں پھر وہ سلاطین سے عرض کرتے ہیں خدا کا ایسا نائب کوئی نہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ
اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں

کہ ایسی مثالیں محض مہمل ہیں۔

وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۴﴾
اور تم نہیں جانتے

کیونکہ تم غور نہیں کرتے اس لئے جو چاہتے ہو بک دیتے ہو آگے شرک باطل کرنے کے لئے ایک اور مثال دیتے ہیں۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ
اللہ تعالیٰ ایک مثال بیان فرماتے ہیں کہ (فرض کرو) ایک (تو) غلام ہے
عَلٰى شَيْءٍ
(کسی کا) مملوک کہ کسی چیز کا اعتبار نہیں رکھتا

بلا اجازت کی قید سے فقہی شبہات دفع ہو گئے کیونکہ مولا کی اجازت سے غلام اموال میں تصرف کر سکتا ہے کوئی یہ وسوسہ نہ کرے کہ شائد معبودان باطلہ کو بھی اجازت ہو گئی ہو جواب یہ ہے کہ معبود بننے کی کسی کو اجازت نہیں ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے۔

وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ
اور ایک شخص ہے جس کو ہم نے اپنے پاس سے خوب نعمت دے رکھی ہے
يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ؕ
تو وہ اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتا ہے

اس کو کوئی روک ٹوک کرنے والا نہیں۔

هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ
کیا اس قسم کے شخص آپس میں برابر ہو سکتے ہیں

ہرگز نہیں پس جب مجازی مالک و مملوک برابر نہیں ہو سکتے تو حقیقی غلام کب برابر ہو سکتے ہیں اور عبادت کا مستحق ہونا برابری پر موقوف ہے جب خدا کے برابر کوئی نہیں تو عبادت کا مستحق بھی اس کے سوا کوئی نہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ
ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے لائق ہیں

کیونکہ ذات و صفات میں کامل وہی ہیں پس معبود بھی وہی ہو سکتا ہے مگر پھر بھی مشرکین غیر اللہ کی عبادت نہیں چھوڑتے۔

بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾
بلکہ ان میں اکثر تو جانتے ہی نہیں

کیونکہ غور نہیں کرتے اور جب ان کے جہل کا سبب تدبر نہ کرنا ہے تو وہ معذور نہیں ہو سکتے۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ
اور اللہ تعالیٰ ایک اور مثال بیان فرماتے ہیں کہ دو شخص ہیں جن میں
اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ
ایک تو گونگا (بھی) ہے کوئی کام نہیں کر سکتا

بوجہ بہرے اندھے بے عقل ہونے کے۔

وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ
اور وہ اپنے مالک پر ایک وبال جان ہے

کہ خود مالک ہی اس کے سارے کام کرتا ہے۔

اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ؕ
وہ اس کو جہاں بھیجتا ہے کوئی کام درست کر کے نہیں لاتا

یعنی خود تو کیا کرتا دوسروں کے بتلانے سمجھانے سے بھی اس سے کوئی کام درست نہیں ہوتا۔

هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ
کیا یہ شخص اور ایسا شخص باہم برابر ہو سکتے ہیں جو اچھی باتوں کی تعلیم کرتا ہو

جس سے اس کی گویائی عقلمندی اور قوت علمی معلوم ہوتی ہے۔

وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٧٦﴾ ع

اور خود بھی ایک معتدل طریقہ پر (چلتا) ہو

جس سے اس کی عملی قوت اور انتظامی قابلیت ثابت ہوتی ہے سو جب مخلوق مخلوق میں یہ تفاوت ہے باوجودیکہ ان کی ماہیت اور بہت سے اوصاف مشترک ہیں تو خالق اور مخلوق میں تو کیسا کچھ تفاوت ہوگا پھر دونوں کو برابر کر دینا بڑا غضب ہے۔

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط

اور آسمانوں اور زمین کی (تمام) پوشیدہ باتیں اللہ ہی کے ساتھ خاص ہیں

یعنی جو باتیں کسی کو معلوم نہیں خدا کو ان کا علم ہے پس صفت علم میں وہ کامل ہیں آگے قدرت کا کمال بتلاتے ہیں۔

وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ

اور قیامت کا معاملہ بس ایسا (جھٹ پٹ) ہوگا جیسے آنکھ جھپکنا بلکہ اس سے

اَقْرَبُ ط

بھی جلدی

قیامت کے معاملہ میں جان پڑنا مراد ہے اور جان کا پڑنا ایک آن میں ہوتا ہے اور اس کا آنکھ جھپکنے سے جلدی ہونا ظاہر ہے کیونکہ آنکھ جھپکنا حرکت ہے اور حرکت کے لئے ایک آن کافی نہیں بلکہ زمانہ کی ضرورت ہے آگے فرماتے ہیں کہ اس پر تعجب نہ کیا جائے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٧٧﴾

یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں

اور قدرت ثابت کرنے کے لئے قیامت کی تخصیص شائد اس وجہ سے کی ہو کہ وہ علم اور قدرت دونوں کی دلیل ہے کیونکہ آنے سے پہلے وہ سب سے مخفی ہے خدا کے سوا کسی کو اس کا علم نہیں اس لئے کمال علم کی دلیل ہے اور واقع ہونے کے بعد کمال قدرت کی دلیل ہے آگے قدرت کے دوسرے دلائل اور نعمت کے اقسام بیان فرماتے ہیں۔

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ

اور اللہ تعالیٰ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس حالت میں نکالا

لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا لا

کہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے

چنانچہ ظاہر ہے کہ پیدائش کے وقت انسان کسی چیز کو نہیں جانتا اور اگر حکماء کا یہ دعویٰ ثابت ہو جائے کہ اس وقت نفس کو اپنا علم ہوتا ہے تو اس کو آیۃ سے عقلی طور پر مستثنیٰ کر لیا جائے گا ورنہ آیت اپنے ظاہر پر عام رہے گی اور اس مرتبہ کا نام اصطلاح میں عقلی ہیولانی ہے۔

وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ لا

اور اس نے تم کو کان دیئے اور آنکھ اور دل تاکہ تم

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٨﴾ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ

شکر کرو (اور استدلال علی القدرت کے لئے) کیا لوگوں نے

مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ط مَا يُمْسِكُهُنَّ

پرندوں کو نہیں دیکھا کہ آسمان کے (تلے) میدان میں مسخر ہو رہے ہیں ان کو

اِلَّا اللّٰهُ ط

کوئی نہیں تھامتا بجز اللہ کے

ورنہ پرندوں کے بدن کا بھاری ہونا اور ہوا جو ان کو گرنے سے روکتی ہے اس کا ہلکا اور لطیف ہونا طبعاً اس کو مقتضی ہے کہ وہ نیچے گر پڑیں۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٧٩﴾

ان میں ایمان والوں کے لئے چند دلیلیں (موجود) ہیں

چند دلیلیں اس لئے فرمایا کہ پرندوں کو خاص ہیئت پر پیدا کرنا جس سے وہ اڑنے کے قابل ہیں یہ ایک دلیل ہے پھر آسمان و زمین کی درمیانی مسافت کو ایسے طور پر پیدا کرنا جس میں اڑنا ممکن ہو یہ دوسری دلیل ہے پھر پرندوں کے بدن باوجود بھاری ہونے کے ہلکی اور لطیف ہوا پر تھمے رہتے ہیں یہ تیسری دلیل ہے اور اسی طرح اور بھی دلائل ہیں۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا

اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے واسطے تمہارے گھروں میں رہنے کی

وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ

جگہ بنائی اور تمہارے لئے جانوروں کی کھال کے گھر (یعنی خیمے)

بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ

بنائے جن کو تم اپنے کوچ کے دن اور مقام (کرنے) کے دن

اِقَامَتِكُمْ ۙ

ہلکا (پھلکا) پاتے ہو

اور اس وجہ سے اس کا لادنا اور نصب کرنا سب سہل معلوم ہوتا ہے۔

وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ

اور ان کی اون اور ان کے روؤں اور ان کے بالوں سے گھر کا سامان اور

اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۸۰﴾

فائدے کی چیزیں ایک مدت تک کے لئے بنائیں

مدت تک اسلئے فرمایا کہ عادۃ یہ سامان بہ نسبت روئی کے کپڑوں کے دیرپا ہوتا ہے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا

اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اپنی بعض مخلوقات کے سائے بنائے

جیسے درخت مکانات وغیرہ۔

وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا

اور تمہارے لئے پہاڑوں میں پناہ کی جگہیں بنائیں

یعنی غار وغیرہ جس میں گرمی سردی بارش اور موذی جانور اور دشمن وغیرہ سے محفوظ رہ سکتے ہو۔

وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ

اور تمہارے لئے ایسے کرتے بنائے جو گرمی سے تمہاری حفاظت کریں اور ایسے

وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ

کرتے بنائے جو تمہاری لڑائی سے تمہاری حفاظت کریں

مراد زرہ ہے جس سے لڑائی میں زخم لگنے سے حفاظت رہتی ہے۔

كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ

اللہ تعالیٰ تم پر اسی طرح (کی) اپنی نعمتیں پوری کرتا ہے تا کہ تم

تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾

فرمانبردار رہو

اور اگرچہ ان نعمتوں میں سے بعضے بندوں کی بھی بنائی ہوئی ہیں مگر ان کے بنانے کا مادہ اور سلیقہ تو اللہ ہی کا پیدا کیا ہوا ہے اس لئے حقیقی منعم وہی ہیں اور حقیقت میں تمام نعمتیں ان ہی کی عطا ہیں۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۲﴾

پھر اگر یہ لوگ (ایمان سے) اعراض کریں تو آپ کے ذمہ تو صاف صاف پہنچا دینا ہے

ہدایت پر لانا آپ کے ذمہ نہیں اس لئے آپ کچھ غم نہ کریں آپ کا کوئی ضرر نہیں۔

يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا

وہ لوگ خدا کی نعمت کو (تو) پہچانتے ہیں پھر اس کے منکر ہوتے ہیں

کہ جو برتاؤ منعم کے ساتھ کرنا چاہئے تھا کہ اس کی عبادت کرتے وہ برتاؤ دوسروں کے ساتھ کرتے ہیں غرض ان کی بے رخی کی یہ وجہ نہیں کہ وہ ان نعمتوں کو پہچانتے نہیں ہیں بلکہ اصل وجہ اس کی سرکشی اور ناشکری ہے۔

ربط: اوپر توحید اور نعمت کا ذکر کرتے ہوئے کفار کے شرک اور انکار نعمت کا بیان فرمایا تھا آگے اس پر قیامت کے عذاب کی وعید سناتے ہیں ویوم نبعث تا یفسدون

وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَيَوْمَ نَبْعَثُ

اور زیادہ ان میں ناسپاس ہیں اور جس دن ہم ہر ہر امت میں

مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا

سے ایک ایک گواہ قائم کریں گے

اور وہ گواہ اس امت کا رسول ہوگا جو انکے برے اعمال کی گواہی دیں گے۔

ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا

پھر ان کافروں کو اجازت نہ دی جائے گی اور نہ ان کو حق تعالیٰ کے

هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۸۴﴾

راضی کرنے کی فرمائش کی جاوے گی

یعنی ان سے یوں نہ کہا جاوے گا کہ تم توبہ یا کوئی عمل کر کے اللہ کو خوش کر لو کیونکہ آخرت دار الجزا ہے دار العمل نہیں۔

وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا

اور جب ظالم (یعنی کافر) لوگ عذاب کو دیکھیں گے تو وہ عذاب

يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿٨٥﴾

نہ ان سے ہلکا کیا جاوے گا اور نہ وہ کچھ مہلت دیئے جاویں گے

کہ وہ عذاب چندروز توقف کے بعد جاری کیا جاوے۔

وَإِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ

اور جب مشرک لوگ اپنے شریکوں کو

جن کو خدا کے سوا پوجتے تھے۔

قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ

دیکھیں گے تو کہیں گے کہ ہمارے پروردگار وہ ہمارے شریک

كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ

یہی ہیں کہ آپ کو چھوڑ کر ہم ان کو پوجا کرتے تھے سو وہ ان کی طرف

الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۚ ﴿٨٦﴾

کلام کو متوجہ کریں گے کہ تم جھوٹے ہو

یعنی مشرکین کی اس بات سے وہ شرکاء ڈریں گے کہ کہیں ہماری کم بختی نہ آ جائے اس لئے وہ ان کی بات کو رد کریں گے اور اصل مطلب ان کا یہ ہوگا کہ ہمارا تمہارا کوئی تعلق نہیں تھا تم نے خود جو چاہا کیا اب خواہ ان کا یہ مطلب صحیح ہو جیسا کہ اگر فرشتے اور انبیاء علیہم السلام اور دوسرے مقبول بندے یہ بات کہیں تو صحیح ہے اور خواہ یہ مطلب غلط ہو جیسا کہ اگر خود شیاطین ایسا کہنے لگیں اور یا ان کو صحیح اور غلط ہونے کی خبر ہی نہ ہو جیسے اگر بت اور درخت وغیرہ کہنے لگیں۔

وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ۨ السَّلَمَ وَضَلَّ

اور یہ (مشرک اور کافر) لوگ اس روز اللہ کے سامنے

عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٨٧﴾ اَلَّذِيْنَ

اطاعت کی باتیں کرنے لگیں گے اور جو کچھ افترا

كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

پردازیاں کرتے تھے وہ سب گم ہو جاویں گی جو لوگ کفر کرتے تھے

زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا

اور اللہ کی راہ سے روکتے تھے ان کے لئے ہم ایک سزا پر دوسری سزا بمقابلہ

كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿٨٨﴾

ان کے فساد کے بڑھاویں گے

ایک سزا کفر کے مقابلہ میں ہوگی اور دوسری سزا خدا کے دین سے دوسروں کو روکنے کے مقابلہ میں ہوگی اور ایسے مضامین کی آیتیں جابجا آ چکی ہیں اور ان کی تفسیر کے متعلق ضروری باتیں بیان بھی ہو چکی ہیں۔

ربط: اوپر وعید کے بیان میں انبیاء علیہم السلام کا اپنی اپنی امت کے اعمال پر گواہی دینا مذکور ہوا تھا آگے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گواہی دینا اپنی امت پر بیان فرماتے ہیں اور چونکہ یہ گواہی انبیاء کے لئے مخصوص ہے اس وجہ سے ضمناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت بھی اس سے معلوم ہو گئی جس کے ثابت کرنے کے لئے آیت نزلنا علیک الخ میں دلیل کے طور پر قرآن کا اعجاز اور اس کے اوصاف بیان کئے گئے پھر تنبیہ کے طور پر آیت ان اللہ یامر الخ میں قرآن کی تعلیمات کا ذکر کیا گیا کیونکہ کسی کتاب کا ایسی تعلیمات پر مشتمل ہونا اس کی صاف دلیل ہے کہ وہ ان اوصاف مذکورہ کے ساتھ ضرور متصف ہے ویوم نبعث تا تذکرون

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ

اور جس دن ہم ہر ہر امت میں ایک ایک گواہ

مراد اس امت کا نبی ہے۔

اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ

جو انہی کا ہوگا

ان ہی میں کا ہونا عام ہے کہ خواہ نسب میں بھی شریک ہوں یا صرف سکونت میں شریک ہوں۔

مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا

ان کے مقابلہ میں قائم کریں گے اور ان لوگوں کے مقابلہ میں

عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ

آپ کو گواہ بنا کر لائیں گے

اور اس گواہی کی خبر دینے سے جو آپ کی رسالت مفہوم ہوتی ہے آگے اس کی دلیل بیان فرماتے ہیں۔

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ

اور ہم نے آپ پر قرآن اتارا ہے

کہ خود معجزہ بھی ہے پھر رسالت کے ثابت ہونے کا مدار ہے اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سی خوبیوں کا جامع ہے جن کا آگے ذکر ہے۔

تِبْيَانًا
کہ تمام (دین کی) باتوں کا

ترجمہ میں دین کی قید بڑھانے سے یہ اشکال رفع ہو گیا کہ قرآن میں تمام باتیں کہاں کیونکہ دنیا کی باتیں تو اس میں نہیں ہیں جواب ظاہر ہے کہ دنیا کی باتیں مراد ہی نہیں۔

لِّكُلِّ شَيْءٍ
بیان کرنے والا ہے

خواہ بلاواسطہ یا بالواسطہ کیونکہ دین کی جو بعضی باتیں حدیث اور اجماع اور قیاس سے ثابت ہیں وہ بھی بواسطہ قرآن ہی سے ثابت ہیں اس لئے کہ قرآن سے ان تینوں کا حجت ہونا ثابت ہے پس اب یہ اشکال رفع ہو گیا کہ دین کی باتیں بھی سب قرآن میں نہیں ہیں جواب ظاہر ہے کہ جو احکام دوسرے دلائل سے معلوم ہوئے ہیں قرآن میں ان دلائل کا حجت ہونا مذکور ہے اس واسطہ سے وہ بھی قرآن ہی سے ثابت ہیں۔

وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿٨٩﴾ ع
اور (خاص) مسلمانوں کے واسطے بڑی ہدایت اور بڑی رحمت اور خوشخبری سنانے والا ہے

اور قرآن کا ان اوصاف کو جامع ہونا اس کی تعلیمات سے ظاہر ہے چنانچہ آگے تعلیم قرآنی بیان فرماتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ
بیشک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان
وَاِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ
اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں اور کھلی برائی اور مطلق
الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ج
برائی اور ظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں

اعتدال کی تین قسمیں ہیں ا۔ وہ عدل جو بندہ کے اور خدا کے درمیان ہے کہ تمام ممنوعات سے بچے اور احکام کو بجا لاوے اور خدا کی رضا کو اپنی خواہش پر مقدم کرے ۲۔ وہ عدل جو بندہ کے اور اس کے نفس کے درمیان ہے کہ نفس کو اس کی ہلاکت کے مقامات سے بچاوے ۳۔ وہ عدل جو بندے کے اور مخلوق کے درمیان ہے کہ خلق اللہ کا خیر خواہ رہے قول اور فعل اور ارادہ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچائے پس اس جگہ اعتدال عام ہے قوت علمیہ و عملیہ کو اس میں سارے عقائد اور ظاہری و باطنی اعمال غرض تمام احکام شرعیہ داخل ہو گئے پھر ان میں سے چونکہ احسان کا نفع دوسروں کو پہنچتا ہے اس کو خاص طور پر ذکر کیا گیا پھر احسان میں سے قرابت داروں کے ساتھ احسان کرنا زیادہ افضل اور ضروری ہے اس لئے اس کو بھی ذکر فرمایا اور ممنوعات کے ذکر میں لفظ منکر ہر برائی کو عام ہے اس میں خلاف شرع تمام باتیں آ گئیں پھر فحشاء (اور بے حیائی) کو بوجہ زیادہ قباحت کے جدا ذکر کیا اور اسی وجہ سے اس کو مقدم بھی کیا اسی طرح چونکہ ظلم کا ضرر دوسروں تک پہنچتا ہے اس کو خاص طور پر ذکر فرمایا اس طرح اس آیت میں تمام اچھے اور برے کام داخل ہو گئے اس جامع کلام سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ قرآن (دین کی) تمام باتوں کا بیان کرنے والا ہے

يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿٩٠﴾
اللہ تعالیٰ تم کو اس لئے نصیحت فرماتے ہیں کہ تم نصیحت قبول کرو

اور عمل کرو کیونکہ قرآن کا ہدایت اور رحمت و بشارت ہونا اسی پر موقوف ہے۔

ربط: اوپر ان اللہ یامر میں تمام احکام شرعیہ کا حکم تھا آگے ایک خاص امر یعنی وفائے عہد کا نہایت اہتمام سے حکم ہے کیونکہ اول تو وفائے عہد خود مہتم بالشان چیز ہے کہ اسلام پر قائم رہنا بھی اس کی ایک فرد ہے دوسرے اس کی تخصیص کی یہ بھی ایک وجہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں عہد پورا کرنے کا اسلام پر خاص اثر تھا صلح اور جنگ میں اعتبار کا مدار اسی پر تھا نیز اس سے اسلام لانے والوں کو اپنے حقوق کے بارہ میں پورا اطمینان ہوتا تھا جو اسلام کی قوت و ترقی کا سبب تھا اور عہد توڑنے میں اس کے خلاف مفاسد پیدا ہوتے تھے جن سے اسلام کو ضرر پہنچتا تھا اوفوا تا یعلمون

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ
اور تم اللہ کے عہد کو پورا کرو

یعنی جس عہد کے پورا کرنے کا شرعاً حکم ہے پس وہ عہد اس سے نکل گیا جو خلاف شرع ہو باقی سب جائز عہد خواہ حقوق اللہ کے متعلق ہوں یا حقوق العباد کے اس میں داخل ہیں۔

اِذَا عٰهَدْتُّمْ
جبکہ تم اس کو (تخصیصاً) یا تعمیماً) اپنے ذمہ کرلو

خاص طور پر یہ کہ صراحۃً کسی چیز کو لازم کر لیا جائے اور عام طور پر یہ کہ ایمان لائے تو تمام ضروری احکام کو اس کے ضمن میں اپنے ذمہ لازم کر لیا ہے بالخصوص جس عہد میں قسم بھی کھائی ہو وہ زیادہ اہتمام کے قابل ہے۔

وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا

اور قسموں کے بعد ان کے مستحکم کرنے کے مت توڑو

قسم میں اللہ کا نام لینے سے وہ پختہ ہو جاتی ہے۔

وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ط

اور تم اللہ تعالیٰ کو گواہ بھی بنا چکے ہو

یعنی قسم کھا کر تم نے اس عہد پر خدا کو گواہ بھی بنالیا ہے اس کے بعد ہرگز عہد نہ توڑنا چاہئے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۹۱﴾

بے شک اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے جو کچھ تم کرتے ہو

اگر عہد پورا کر لیا تو ثواب ملے گا ورنہ سزا ہوگی۔

وَلَا تَكُوْنُوْا

اور تم اس عورت کے مشابہ مت ہو

جو مکہ میں رہنے والی اور دیوانی عورت تھی

كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ

جس نے اپنا سوت کاتے پیچھے بوٹی بوٹی کر کے نوچ ڈالا کہ (اس کی

اَنْكَاثًا ط تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ

طرح) تم (بھی) اپنی قسموں کو آپس میں فساد ڈالنے کا ذریعہ بنانے لگو

کیونکہ قسم اور عہد توڑنے سے موافقین کو بے اعتباری اور مخالفین کو جرات بڑھتی ہے اور یہی اصل ہے فساد کی۔

اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ط

محض اس وجہ سے کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے بڑھ جاوے

یعنی مثلاً کفار کی دو جماعتوں میں باہم مخالفت ہو اور تمہاری ایک سے صلح ہو جائے پھر دوسری طرف پلہ جھکتا ہوا دیکھ کر صلح والی جماعت سے بدعہدی کر کے دوسری جماعت سے سازش کرنے لگو یا مثلاً کوئی مسلمان ہو کر مسلمانوں میں شامل ہوا پھر کافروں کا زور دیکھ کر اسلام کو چھوڑ دے اور کافروں سے جا ملے۔

اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ط

بس اس سے اللہ تعالیٰ تمہاری آزمائش کرتا ہے

یعنی ایک جماعت کا دوسری سے بڑھ جانا اس میں تمہاری آزمائش ہے کہ دیکھیں عہد پورا کرتے ہو یا جھکتا پلہ دیکھ کر ادھر ڈھل جاتے ہو

وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ

اور جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے رہے قیامت کے دن اس سب کو

فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۲﴾

تمہارے سامنے (عملاً) ظاہر کر دے گا

کہ حق والوں کو ثواب اور ناحق والوں کو سزا ہو جائے گی آگے اس اختلاف کی حکمت بتلاتے ہیں۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً

اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو تم سب کو ایک ہی طریقے کا بنا دیتے

وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ

لیکن جس کو چاہتے ہیں بے راہ کر دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں راہ

مَنْ يَّشَآءُ ط

پر ڈال دیتے ہیں

اور اس حکمت کی تعیین اور تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں سمجھی گئی اس لئے بیان نہیں فرمائی اور ایک حکمت کی طرف آیت لو یؤاخذ اللہ الناس الخ میں اشارہ ہو چکا ہے کہ اگر اس عالم میں سب نیک ہی لوگ ہوتے تو ان کی آبادی فرشتوں جیسی ہوتی پھر آسمان کی آبادی سے جدا زمین کی آبادی کی کیا ضرورت رہتی غرض زمین کی آبادی میں ہدایت اور گمراہی دونوں کا ہونا حکمت کا مقتضی ہے ۱۲ الخص چنانچہ وفائے عہد ہدایت میں داخل ہے اور نقض عہد گمراہی میں آگے بتلاتے ہیں۔ کہ یہ نہ سمجھنا کہ جیسے دنیا میں گمراہیوں کو پوری سزا نہیں ہوتی ایسے ہی آخرت میں بھی بچے رہیں گے ہرگز نہیں۔

وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

اور تم سے تمہارے سب اعمال کی ضرور باز پرس ہوگی

اور جس طرح عہد اور قسم کے توڑنے سے ظاہری نقصان ہوتا ہے جس کا

اوپر بیان تھا اسی طرح اس سے باطنی ضرر بھی ہوتا ہے آگے اس کا ذکر ہے۔

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ

اور تم اپنی قسموں کو آپس میں فساد ڈالنے کا ذریعہ مت بناؤ

یعنی قسموں اور عہدوں کو مت توڑو

فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا

کبھی کسی اور کا قدم جمنے کے بعد پھسل جائے

یعنی دوسرے بھی تمہاری تقلید کریں اور عہد توڑنے لگیں

وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ

پھر تم کو اس سبب سے کہ تم راہ خدا

سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ

سے مانع ہوئے

کیونکہ وفائے عہد خدا کا حکم ہے تم دوسروں کے لئے بھی اس کے توڑنے کا سبب بن گئے اور یہی ہے وہ باطنی نقصان کہ تم نے دوسروں کو بھی عہد توڑنے کی جرات دلائی آگے اس تکلیف کا بیان ہے جو اس حالت میں بھگتنا پڑے گی۔

وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۹۴﴾

تکلیف بھگتنا پڑے اور تم کو بڑا عذاب ہوگا

اور جس طرح غالب جماعت میں شامل ہو کر عزت وجاہ حاصل کرنے کے لئے عہد توڑنا ممنوع ہے جس کا اوپر ذکر ہوا اسی طرح مال حاصل کرنے کی غرض سے جو نقض عہد ہے آگے اس کی بھی ممانعت فرماتے ہیں۔

وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ

اور تم لوگ عہد خداوندی کے عوض میں (دنیا کا) تھوڑا سا فائدہ مت حاصل کرو

تھوڑے فائدہ سے مراد دنیا ہے کہ باوجود زیادہ ہونے کے بھی قلیل ہے چنانچہ آگے خود فرماتے ہیں۔

اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

بس اللہ کے پاس کی جو چیز ہے وہ تمہارے لئے بدرجہا بہتر ہے

تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۵﴾

اگر تم سمجھنا چاہو

پس ذخیرہ آخرت زیادہ ہے اور متاع دنیا قلیل ہے اور علاوہ کثرت وقلت کے تفاوت کے فنا اور بقاء کا بھی تفاوت ہے چنانچہ آگے خود فرماتے ہیں۔

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ

اور جو کچھ تمہارے پاس (دنیا میں) ہے وہ ختم ہو جاوے گا

یا تو وہی زائل ہو جائے یا تم کو موت آ جاوے۔

وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۭ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ

اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ دائم رہے گا اور جو لوگ ثابت قدم ہیں

صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا

ہم ان کے اچھے کاموں کے عوض ان کا اجر ان کو

يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

ضرور دیں گے

اور وہ اجر وہی نعمت آخرت ہے جو ہمیشہ رہے گی پس وفائے عہد کر کے بیشمار اور لازوال دولت کو حاصل کرو اور تھوڑی سی فنا ہونے والی دنیا کے لئے عہد مت توڑو۔

ربط: اوپر ایک خاص عمل یعنی ایفائے عہد کی فضیلت اور ثواب اور نقض عہد کی برائی مذکور تھی آگے تمام اعمال صالحہ اور سب نیک کام کرنے والوں کی فضیلت مذکور ہے خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں اور چونکہ برے اعمال کا سبب شیطان کا بہکانا ہے اس لئے آیت فاذا قرات القرآن الخ میں اس کے شر سے بچنے کا طریقہ بتلاتے ہیں من عمل صالحاً تا بہ مشرکون

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى

جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو بشرطیکہ

وَهُوَ مُؤْمِنٌ

صاحب ایمان ہو

کیونکہ کافر کے نیک اعمال مقبول نہیں غرض کہ اجر وثواب کچھ وفائے عہد ہی میں منحصر نہیں اور نہ کسی خاص شخص کی تخصیص ہے بلکہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ہر نیک کام پر ہر مومن کو ثواب ملتا ہے۔

فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ

تو ہم اس شخص کو (دنیا میں) بالطف زندگی دیں گے

حیٰوۃ طیبہ سے یہ مراد نہیں کہ اس کو فقر یا مرض کبھی نہ ہوگا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اطاعت کی برکت سے اس کے دل میں ایسا نور پیدا ہوگا جس سے وہ ہر حال میں شاکر وصابر اور رضا وتسلیم سے رہے گا اور اصل چین یہی ہے۔

وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا

اور (آخرت میں) ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ان کا

يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾

اجر دیں گے

اور جب نیک کاموں کی فضیلت معلوم ہوگئی اور ان میں کبھی کبھی شیطان کھنڈت ڈالا کرتا ہے تو حضور کو اور آپ کے واسطہ سے سب مسلمانوں کو اس کے شر سے بچنے کا طریقہ بتلاتے ہیں۔

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ

تو جب آپ قرآن پڑھنا چاہیں تو شیطان مردود (کے شر) سے

الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۹۸﴾

اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں

پناہ مانگنے کی جو اصل حقیقت ہے یعنی دل سے خدا پر نظر رکھنا وہ تو واجب ہے۔ اور زبان سے بھی قراءت کے وقت اعوذ کہہ لینا سنت ہے اور اس حکم میں قراءت قرآن کو خاص طور پر بیان کرنے میں یہ نکتہ ہے کہ آیت لاياتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ بہ نسبت دوسرے اعمال کے قرآن پڑھنے میں شیطانی تصرف اور وسوسہ کم ہوتا ہے اور بعض آیات اور سورتوں میں شیطان کو بھگانے کی تاثیر خصوصیت کے ساتھ بھی منقول ہے تو جب ایسے عمل میں بھی شیطان سے پناہ مانگنے کا حکم ہے اس سے معلوم ہوگیا کہ اور اعمال میں تو بدرجہ اولیٰ ضروری ہے آگے اس پناہ مانگنے اور خدا پر نظر رکھنے کا فائدہ بتلاتے ہیں۔

اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ

یقیناً اس کا قابو ان لوگوں پر نہیں چلتا جو ایمان رکھتے ہیں

اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾

اور اپنے رب پر (دل سے) بھروسہ رکھتے ہیں

یعنی متوکلین پر اس کا وسوسہ مؤثر نہیں ہوتا اور وہ ان سے گناہ نہیں کرواسکتا۔

اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ

بس اس کا قابو تو صرف ان ہی لوگوں پر چلتا ہے جو اس سے تعلق رکھتے ہیں

اور اس کی مخالفت کا قصد نہیں کرتے اسی لئے ان کی نظر اور بھروسہ اللہ پر نہیں

ربط: اوپر توحید کا اور اجمالاً تمام احکام شرعیہ کا اور تفصیلاً بعض احکام کا ذکر تھا آگے رسالت کے متعلق مخالفین کے شبہات کا جواب مع وعید کے مذکور ہے۔ واذابدلنا آية تا هم الكذبون

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَاِذَا

اور ان لوگوں پر جو کہ اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں اور جب ہم کسی آیت کو

بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ

بجائے دوسری آیت کے بدلتے ہیں

یعنی ایک آیۃ کو لفظاً یا معنےً منسوخ کر کے اس کی جگہ دوسرا حکم بھیجتے ہیں

وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ

اور حالانکہ اللہ تعالیٰ جو حکم بھیجتا ہے اس کو وہی خوب جانتا ہے

کہ مکلفین کی حالت کے اعتبار سے پہلے اور مصلحت تھی پھر اور مصلحت ہوگئی۔

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ

تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ افترا کرنے والے ہیں

کہ آپ اپنے کلام کو اللہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں ورنہ احکام خداوندی کیوں منسوخ ہوتے غرض وہ لوگ نسخ کو کلام الٰہی کے لئے جائز نہیں مانتے اور یوں سمجھتے ہیں کہ خدا کے کلام میں نسخ نہ ہونا چاہئے اللہ تعالیٰ جواب دیتے ہیں کہ آپ مفترا پر افتراء نہیں کرتے۔

بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

بلکہ انہیں میں اکثر لوگ جاہل ہیں

کہ وہ بلا دلیل نسخ کو کلام الٰہی کی شان کے خلاف سمجھتے ہیں حالانکہ نسخ دو طرح ہوتا ہے ایک یہ کہ بعد میں پہلے حکم کا غلط ہونا ثابت ہو یہ تو خدا کے کلام میں نہیں ہوسکتا دوسرے یہ کہ پہلا حکم پہلی حالت کے مناسب تھا بعد میں حالت بدل گئی تو دوسرا حکم اس حالت کے مناسب بھیج دیا گیا اس طرح کا نسخ کلام الٰہی میں ہوسکتا ہے اور اس کی ایسی مثال ہے جیسے طبیب حاذق

مریض کی حالت کے مناسب دوا دیا کرتا ہے کہ کمزوری کی حالت میں اور دوا دیتا ہے اور قوت کی حالت میں دوسری علیٰ ہذا القیاس۔

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ

آپ فرما دیجئے کہ اس کو روح القدس آپ کے رب کی طرف سے حکمت کے

بِالْحَقِّ

موافق لائے ہیں

یعنی یہ کلام میرا بنایا ہوا نہیں ہے بلکہ اللہ کا کلام ہے اور احکام کی تبدیلی حکمت کی وجہ سے ہوتی ہے آگے قرآن کے فوائد کا بیان ہے۔

لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى

تا کہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور

لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

خوشخبری (کا ذریعہ) ہو جاوے

ان فوائد کے بڑھانے سے اس طرف اشارہ ہو گیا کہ ایسی نافع چیز سے یہ مخالفین منتفع نہیں ہوتے۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ

اور ہم کو معلوم ہے کہ یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کو تو آدمی

بَشَرٌ ؕ

سکھلا جاتا ہے

اس سے مراد ایک عجمی اور رومی نصرانی غلام یا لوہار ہے جس کا نام بلعام یا نفیس تھا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں جی لگا کر سنتا تھا تو حضور بھی اس کے پاس کبھی جا بیٹھتے اور وہ انجیل وغیرہ کچھ جانتا تھا کافروں نے یہ ایک بات نکالی کہ حضور کو یہ سکھلا دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا جواب دیتے ہیں۔

لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ

جس شخص کی طرف اس کی نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے

وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۳﴾

اور یہ قرآن صاف عربی ہے

اور عربی بھی وہ کہ بلغاء عرب اس کے مقابلہ سے عاجز آ گئے تو وہ

بیچارہ عجمی آدمی کب ایسی عبارت بنا سکتا ہے خلاصہ یہ کہ قرآن لفظ اور معنی دونوں کے مجموعہ کا نام ہے سو اگر تم کو معنے کا اعجاز سمجھنے کی تمیز نہیں تو الفاظ قرآنی کی بلاغت کو تو سمجھ سکتے ہو جو کہ قدرت انسانی سے باہر ہے پس اگر فرض کر لیا جائے کہ مضامین وہ شخص سکھلا دیتا ہے تو یہ تو سوچو کہ یہ الفاظ کہاں سے آ گئے اور اگر یہ کہا جائے کہ ممکن ہے کہ مضامین تو وہ سکھلا دیتا ہو اور آپ اپنے الفاظ میں ان کو ادا کر دیتے ہوں سو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کی زبان بھی قرآن کی برابر فصیح و بلیغ نہ تھی اور اگر ایسا ہوتا تو دوسرے بلغاء کیوں اس کے مقابلہ سے عاجز ہو گئے آگے ان پر دھمکی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ

جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے

جیسے یہ لوگ قرآن کی آیتوں کے منکر ہیں۔

لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾

ان کو اللہ تعالیٰ کبھی راہ پر نہ لاویں گے اور ان کے لئے دردناک سزا ہو گی بس

اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ

جھوٹ افتراء کرنے والے تو یہی لوگ ہیں

چنانچہ نبی کو مفتری کہنا کتنا بڑا بہتان ہے۔

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ

جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے اور یہ لوگ ہیں

هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

پورے جھوٹے

کیونکہ مخلوق پر جھوٹ لگانے سے خالق پر جھوٹ باندھنا زیادہ سخت ہے جب ان لوگوں نے کلام اللہ کا انکار کیا تو خدا پر جھوٹ باندھا کہ ان کی کہی ہوئی بات کو یوں کہا کہ اس نے نہیں کہی

ربط: اوپر توحید و رسالت کے منکروں کے حق میں وعیدیں تھیں آگے خاص ان لوگوں کے لئے وعید مذکور ہے جو ایمان لا کر کافر ہو جاویں ہاں اگر کوئی کسی کے اکراہ اور زبردستی سے کلمہ کفر کہنے پر مجبور ہو جاوے وہ اس سے مستثنیٰ ہے الامن اکرہ میں اسی کا بیان ہے من کفر باللہ تا ھم الخسرون۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ

جو شخص ایمان لائے پیچھے اللہ کے ساتھ کفر کرے

اس میں رسول کے ساتھ کفر کرنا بھی داخل ہے۔

إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ

مگر جس شخص پر زبردستی کی جاوے

کہ اگر تو کفر نہ کرے گا اور کفر کی فلانی بات یا فلاں کام نہ کریگا تو تجھ کو قتل کردیں گے مثلاً

وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ

بشرطیکہ اس کا قلب ایمان پر مطمئن ہو

یعنی عقیدہ میں فتور نہ آئے اور اس قول و فعل کو برا سمجھتا ہو تو وہ مستثنیٰ ہے کہ اس کو ظاہر میں کفر کا ارتکاب کر لینا جائز ہے اور اس کے لئے آئندہ وعید نہیں بشرطیکہ جان یا اعضاء کے تلف ہونے کا اندیشہ ہو اس سے کم خطرہ میں زبان سے بھی کلمہ کفر نکالنا جائز نہیں اور اکراہ کے مفصل احکام کتب فقہ میں ملاحظہ کئے جائیں۔

وَلَٰكِن مَّن شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا

لیکن ہاں جو جی کھول کر کفر کرے

یعنی اس کو صحیح اور اچھا سمجھ کر کرے۔

فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللَّهِ ج وَلَهُمْ عَذَابٌ

تو ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوگا اور ان کو بڑی سزا ہوگی (اور) یہ

عَظِيمٌ ﴿۱۰۶﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا

(غضب و عذاب) اس سبب سے ہوگا کہ انہوں نے دنیوی زندگی کو آخرت

الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ لا وَأَنَّ اللَّهَ

کے مقابلہ میں عزیز رکھا اور اس سبب سے ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو

جو کہ دنیا کو ہمیشہ آخرت پر ترجیح دیں ۱۲ ملخص بیان القرآن۔

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿۱۰۷﴾

ہدایت نہیں کیا کرتا

یہ دو سبب الگ الگ نہیں ہیں بلکہ دونوں مل کر ایک سبب ہیں حاصل یہ ہے کہ بندہ کی طرف سے کسی فعل کے ارادہ کے بعد عادۃ اللہ یوں جاری ہے کہ حق تعالیٰ اس فعل کو پیدا کر دیتے ہیں اور وہ فعل بندہ کے ہاتھوں صادر ہو جاتا ہے پس جب کفار نے دنیا کو آخرت کے مقابلہ میں عزیز رکھا اور ہدایت سے بے رخی کی (یعنی ان کا ارادہ

ہوا) تو حق تعالیٰ نے بھی ان کو ہدایت نہ کی (یعنی ان کے ارادہ کو پورا کردیا)

ربط: اوپر کفر پر وعید تھی آگے فرماتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان لے آئیں تو یہ کفر اور اس کی وعید سب معاف ہو جائے ثم ان ربک تا رحیم۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ

یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر

وَسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ج وَأُولَٰئِكَ هُمُ

اور کانوں پر اور آنکھوں پر مہر لگا دی ہے اور یہ لوگ (انجام سے)

الْغَافِلُونَ ﴿۱۰۸﴾ لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ

بالکل غافل ہیں (اس لئے) لازمی بات ہے کہ آخرت میں

هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿۱۰۹﴾ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ

یہ لوگ بالکل گھاٹے میں رہیں گے پھر بیشک آپ کا رب ایسے لوگوں کے لئے

هَاجَرُوا مِن بَعْدِ مَا فُتِنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا

لئے کہ جنہوں نے مبتلائے کفر ہونے کے بعد (ایمان لا کر) ہجرت کی پھر

وَصَبَرُوا لا

جہاد کیا اور (ایمان پر) قائم رہے

یعنی پھر ایمان سے نہیں پھرے۔

إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۱۰﴾ ع

تو آپ کا رب ان (اعمال) کے بعد بڑی مغفرت کرنیوالا بڑی رحمت کرنیوالا ہے۔

یعنی ایمان اور نیک اعمال کی برکت سے ان کے سب پہلے گناہ کفر وغیرہ معاف ہو جائیں گے اور رحمت الٰہی سے ان کو جنت اور اس کے بڑے بڑے درجے ملیں گے پس رحمت سے مراد رحمت کاملہ ہے جس کے لئے عادۃً ایمان کے بعد اور اعمال کی بھی ضرورت ہے ورنہ نفس مغفرت و رحمت تو صرف ایمان لانے ہی سے ہو جاتی ہے۔

ربط: اوپر کفار کے حق میں وعید اور مسلمانوں کے لئے وعدہ مذکور ہے آگے اس وعدہ و وعید کے ظاہر ہونے کا وقت بتلاتے ہیں یوم تاتی تا لا یظلمون

يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَن نَّفْسِهَا

جس روز ہر شخص اپنی ہی طرفداری میں گفتگو کرے گا (اور دوسرے کو نہ پوچھے گا)

یہاں اس گفتگو کا ذکر ہے جو اپنی رائے سے ہو پس اس سے شفاعت کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ وہ اپنی طرف سے نہ ہوئی بلکہ حق تعالیٰ کی اجازت سے ہوگی پس گویا کہ وہ شفاعت کرنے والے کی طرف منسوب ہی نہیں

وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ

اور ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا بدلہ ملے گا

یعنی نیکی کے بدلہ میں کمی نہ ہوگی گو زیادتی ہو جائے اور بدی کے بدلہ میں زیادتی نہ ہوگی گو کمی ہو جائے پس پورا بدلہ کہنے سے ایک جگہ زیادتی کی نفی مقصود ہے اور ایک جگہ کمی کی اور یہی مطلب ہے اس کا کہ ان پر ظلم نہ کیا جاوے گا۔

ربط: اوپر کفر پر عذاب آخرت کی وعید تھی آگے بتلاتے ہیں کہ کفر پر دنیوی آفت کا نازل ہونا بھی بعید نہیں اگرچہ لازم اور ضروری بھی نہیں کیونکہ بعض اوقات دنیا میں کفر پر کھلی سزا نہیں ہوتی اور یوں تو خدا کا قہر اور ناراضی خود بڑی سزا ہے مگر وہ پوشیدہ ہے اور چونکہ آیت میں یہ دعویٰ نہیں کیا گیا کہ دنیا میں ہمیشہ سزا ہوتی ہے اس لئے کوئی شبہ نہیں ہوسکتا۔ مقصود صرف ڈرانا ہے اور ڈرانے کے لئے سزا کا احتمال بھی کافی ہے البتہ آخرت کی سزا یقینی اور لازم ہے۔ وضرب الله تا ظلمون

وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١١١﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ

اور ان پر ظلم نہ کیا جاوے گا اور اللہ تعالیٰ ایک بستی والوں

مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ

کی حالت عجیبہ بیان فرماتے ہیں

اس کی تفسیر میں دو تقریریں بیان کی گئی ہیں ایک یہ کہ مکہ والوں کو یہ مضمون سنانا ہے اور بستی سے کوئی خاص بستی مراد نہیں کیونکہ پہلے کفار میں بری حالت بہت سی بستیوں کی ہو چکی ہے کہ ان کے پاس ظاہری نعمت امن اور رزق بھی تھا اور باطنی انعام رسول کے آنے سے بھی ہوا پھر بھی انہوں نے کفر کیا اور سزا دیئے گئے پس مکہ والوں کو سناتے ہیں کہ اگر تم ایسا کرو گے تو یہی حال تمہارا ہوگا چنانچہ جب وہ کفر سے باز نہ آئے تو کچھ عرصہ کے بعد قحط بھی پڑا اور مسلمانوں کے لشکروں کا ہر وقت کا اندیشہ بھی ان کے لئے گلے کا ہار ہو گیا اور بعض نے کہا ہے کہ بستی سے مراد مکہ ہے اور مدینہ والوں کو یہ مضمون سنانا مقصود ہے کہ تم ایسے مت ہونا اور ان علماء نے اس آیت کو مدنی کہا ہے۔

اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً

کہ وہ (بڑے) امن واطمینان میں (رہتے) تھے

امن واطمینان میں یہ فرق ہے کہ امن کہتے ہیں دشمن وغیرہ کا خوف نہ ہونے کو اور اطمینان اس کا اثر ہے یعنی دل کا سکون جب خوف نہ ہوگا تو دل کو سکون رہے گا۔

يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ

اور ان کے کھانے پینے کی چیزیں بڑی فراغت سے ہر چہار طرف سے ان

فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ

کے پاس پہنچا کرتی تھیں سو انہوں نے خدا کی نعمتوں کی بے قدری کی

یعنی بجائے اس کے کہ اس حالت میں منعم حقیقی کا احسان مانتے اور اطاعت کرتے انہوں نے الٹا خدا کے ساتھ کفر وشرک کیا۔

فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ

اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو ان حرکات کے سبب سے

بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿١١٢﴾

ایک محیط قحط اور خوف کا مزہ چکھایا

کہ قحط سے وہ فراغت کی روزی نہ رہی اور خوف کی وجہ سے امن و اطمینان جاتا رہا۔

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ

اور ان کے پاس ان ہی میں کا ایک رسول بھی (منجانب اللہ) آیا

یعنی اس سزا میں حق تعالیٰ کی طرف سے کچھ جلدی نہیں کی گئی بلکہ اول ان کی اصلاح کے واسطے رسول بھیجا گیا جس کے صدق وامانت کا حال ان کو پورا معلوم تھا کیونکہ وہ رسول ان ہی میں کا ایک آدمی تھا

ربط: اوپر شرک وکفر کا دنیوی واخروی وبال مذکور ہوا ہے آگے تفریع کے طور پر شرک وکفر کی بعض رسوم سے (جیسے حلال چیزوں کو اپنی خواہش سے حرام کرنا وغیرہ) مع وعید کے منع فرماتے ہیں اور یہ خطاب خواہ مسلمانوں کو ہو کہ تم کافروں جیسے کام مت کرنا یا کفار کو ہو کہ تم ان کاموں کو چھوڑ دو فکلوا تا یظلمون۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ

سو اس (رسول) کو (بھی) انہوں نے جھوٹا بتلایا تب ان کو عذاب (الٰہی)

وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿١١٣﴾ فَكُلُوْا مِمَّا

نے آ پکڑا جبکہ وہ بالکل ہی ظلم پر کمر باندھنے لگے سو جو چیزیں اللہ نے تم کو

رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ص

حلال اور پاک دی ہیں ان کو کھاؤ

یعنی جب کفر وشرک کا اصل وفرع کے اعتبار سے بالکلیہ مذموم ہونا معلوم ہوگیا تو حلال چیزوں کو حرام مت سمجھو کہ یہ بھی شرک اور کفر کی رسم ہے۔

وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ

اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو اگر تم اسی کی

اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿١١٤﴾

عبادت کرتے ہو

مسلمان تو واقع میں خدا کی عبادت کرتے تھے اور کفار بھی اس کے مدعی تھے کہ ہمارا اصلی مقصود خدا ہی کی عبادت ہے پس چاہے یہ خطاب مسلمانوں کو ہو یا کفار کو دونوں صورتوں میں آیت کے معنی واضح ہو گئے۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ

تم پر تو صرف مردار کو حرام کیا ہے اور خون کو اور خنزیر کے

وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ج

گوشت (وغیرہ) کو اور جس چیز کو غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو

یعنی جن چیزوں میں تم گفتگو کرتے ہو ان میں صرف ان ہی چیزوں کو حرام کیا ہے یہ مطلب نہیں کہ ان کے سوا مطلقاً اور کوئی چیز حرام نہیں۔

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ

پھر جو شخص کہ بالکل بے قرار ہو جاوے بشرطیکہ طالب لذت نہ ہو اور نہ حد (ضرورت)

اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١٥﴾

سے تجاوز کرنے والا ہو تو اللہ تعالیٰ بخش دینے والا مہربانی کرنے والا ہے

یعنی ایسی حالت میں اس شخص پر اگر وہ ان چیزوں کو کھالے مواخذہ نہ ہوگا۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ

اور جن چیزوں کے بارے میں محض تمہارا جھوٹا زبانی دعویٰ ہے

اور اس پر کوئی صحیح دلیل قائم نہیں۔

اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ

اور ان کی نسبت یوں مت کہہ دیا کرو کہ فلانی چیز حلال ہے

وَّهٰذَا حَرَامٌ

اور فلانی چیز حرام ہے

جیسا کہ آٹھویں پارہ میں ربع کے قریب ان کے دعویٰ آچکے ہیں

لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ط

جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ پر جھوٹی تہمت لگادو گے

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو اس کے موافق نہیں کہا بلکہ خلاف فرمایا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ

بلاشبہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ تہمت لگاتے ہیں

الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿١١٦﴾ ط

وہ فلاح نہ پاویں گے

خواہ دونوں جہان میں یا صرف آخرت میں۔

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ص وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١١٧﴾

یہ (دنیا میں) چندروزہ عیش ہے اور (مرنے کے بعد) ان کیلئے دردناک سزا ہے

آگے فرماتے ہیں کہ یہ مشرکین تو ملت ابراہیمی کے اتباع کا دعویٰ کرتے ہیں سو عمدہ اور پاکیزہ چیزیں ان کی شریعت میں حرام نہ تھیں البتہ ان کے بہت دنوں بعد کچھ چیزیں یہودیوں پر ان کی شرارتوں کی وجہ سے حرام کی گئی تھیں۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا

اور صرف یہودیوں پر ہم نے دو چیزیں حرام کر دی تھیں

قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ج وَمَا

جن کا بیان ہم اس کے قبل آپ سے کر چکے ہیں اور ہم نے ان پر کوئی

ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

زیادتی نہیں کی لیکن وہ خود ہی اپنے اوپر زیادتی

يَظْلِمُوْنَ ﴿١١٨﴾

کیا کرتے تھے

کہ انبیاء کی مخالفت کیا کرتے تھے۔ پس حلال اور پاکیزہ چیزیں قصداً کبھی حرام نہیں ہوتیں بلکہ کسی عارض کی وجہ سے بعض چیزیں خاص قوم کے لئے

حرام ہوئی ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں تو کسی عارض کی وجہ سے بھی حرام نہیں ہوئیں پھر تم نے بعض حلال چیزوں کی حرمت کہاں سے اختراع کی۔

ربط: اوپر اللہ پر افترا کرنے کی مذمت اور اس پر وعید تھی آگے ایمان اور توبہ سے انکا معاف ہو جانا بیان فرماتے ہیں جیسا کہ اوپر بھی ایسی ہی ایک آیت اسی مناسبت سے آچکی ہے ثم ان تا رحیم

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ
پھر آپ کا رب ایسے لوگوں کے لئے جنھوں نے جہالت سے
بِجَهَالَةٍ
برا کام کرلیا

جہالت کے معنی سورۂ نساء کے تیسرے رکوع کی آیۃ انما التوبة علی الله الخ کی تفسیر میں گزر چکے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ گناہ ہمیشہ جہالت و حماقت ہی سے ہوتا ہے پس یہ شبہ نہ کیا جائے کہ گناہ تو جان بوجھ کر بھی کیا جاتا ہے تو کیا توبہ سے وہ معاف نہ ہوگا جواب یہ ہے کہ وہ بھی جہالت و حماقت ہی سے ہوتا ہے اس سے بڑھ کر اور کیا حماقت ہوگی کہ اپنے نفع و نقصان کی بھی پرواہ نہ ہو۔

ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ
پھر اس کے بعد توبہ کرلی

جس طرح کہ توبہ کا طریقہ مقرر ہے۔

ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا لا
اور (آئندہ کے لئے) اپنے اعمال درست کرلئے

اعمال کی درستی کامل مغفرت اور کامل رحمت کے لئے شرط ہے ورنہ مغفرت تو صرف توبہ ہی سے ہو جاتی ہے۔

ربط: اوپر شرک و کفر کے اصول و فروع یعنی توحید و رسالت کے انکار کرنے اور حلال چیزوں کو حرام سمجھنے کا ابطال کیا گیا ہے چونکہ مشرکین مکہ جو ان مضامین کے سب سے پہلے مخاطب ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں تھے اور اپنے کو ان کے طریقہ پر بتلاتے تھے اس لئے آگے ان مضامین کی تقویت کے لئے ابراہیم کا مقتدیٰ اور پیشوا یعنی رسول ہونا اور مشرک نہ ہونا بیان فرماتے ہیں جس سے ملت ابراہیمی میں توحید و رسالت کا ثبوت ہوتا ہے اور انما جعل السبت الخ میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان کی شریعت میں حلال چیزیں حرام نہ ہوئی تھیں پھر ثم او حینا الیک الخ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر ہونا بیان فرماتے ہیں تاکہ مشرکین کو حضور کے طریقہ کی اتباع پر ترغیب ہو کہ ملت ابراہیمی کے بہت موافق ہے۔ ان ابراهیم تا یختلفون

اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾ ع
تو آپ کا رب اس کے بعد بڑی مغفرت کرنے والا بڑی رحمت کرنے والا
اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ
بے شک ابراہیم بڑے مقتدا تھے

یعنی نبی اولوالعزم تھے اور ایک بڑی امت کے پیشوا تھے جن کو تم بھی مانتے ہو پھر مسئلہ نبوت میں تم کس لئے کلام کرتے ہو۔

كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ط
اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار تھے

یعنی اپنی خواہش نفسانی سے کوئی عقیدہ یا عمل نہ کرتے تھے پھر تم لوگ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے میں بلا دلیل اپنی خواہش نفسانی کی کیوں پیروی کرتے ہو۔

وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ لا
بالکل ایک طرف کے ہو رہے تھے اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے

بلکہ خالص موحد تھے پھر تم شرک کیوں کرتے ہو۔

شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ط
اللہ کی نعمتوں کے شکرگزار تھے

پھر تم شرک و کفر کر کے ناشکری کیوں کرتے ہو غرض ابراہیم علیہ السلام کی یہ شان اور یہ طریقہ تھا اور وہ خدا کے مقبول بندے تھے۔

اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾
اللہ تعالیٰ نے ان کو منتخب کرلیا تھا اور ان کو سیدھے راستہ پر ڈال دیا تھا
وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ط
اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی خوبیاں دی تھیں

جیسے نبوت اور ہدایت اور برگزیدہ ہونا۔

وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ ط
اور وہ آخرت میں بھی اچھے لوگوں میں ہوں گے

پس ایسے مقبول بندے کا جو طریقہ ہوگا وہ بالکل مقبول ہوگا اس کو اختیار کرنا چاہئے اور اب وہ طریقہ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں منحصر ہے چنانچہ آگے اس کا ذکر فرماتے ہیں۔

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ

پھر ہم نے آپ کے پاس وحی بھیجی کہ آپ ابراہیمؑ کے طریقے پر جو کہ بالکل

حَنِيْفًا ؕ

ایک طرف کے ہو رہے تھے چلئے

یعنی اس حیثیت سے کہ وہی آپ کی شریعت ہے اس پر چلئے۔

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۳﴾

اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے

چونکہ مشرکین کی طرح یہود و نصاریٰ بھی ابراہیم علیہ السلام کے اتباع کا دعویٰ کرتے تھے اور وہ بھی کچھ نہ کچھ شرک میں مبتلا تھے اس لئے یہ مضمون مکرر بیان فرما دیا تاکہ مشرکین کے ساتھ یہود و نصاریٰ کے موجودہ طریقہ کا غلط ہونا معلوم ہو جائے اسی طرح اہل کتاب حلال چیزوں کے حرام سمجھنے میں بھی زیادہ مبتلا تھے اس کی طرف بھی آگے اشارہ فرماتے ہیں کہ یہ باتیں ملت ابراہیم میں نہ تھیں۔

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ

بس ہفتہ کی تعظیم

یعنی اس دن میں مچھلی کے شکار کی ممانعت۔

عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ

تو صرف ان ہی لوگوں پر لازم کی گئی تھی جنہوں نے اس میں اختلاف کیا تھا

کہ کسی نے مانا اور عمل کیا کسی نے خلاف کیا مراد ان لوگوں سے یہود ہیں مطلب یہ کہ حلال چیزوں کی ممانعت کی یہ صورت بھی یہودیوں ہی کے ساتھ مخصوص تھی ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں نہ تھی۔

ربط: اوپر ثم او حینا الیک الخ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ثابت کرنے سے مقصود یہ تھا کہ جن کی طرف آپ بھیجے گئے ہیں وہ رسالت کے حقوق ادا کریں یعنی آپ کی تصدیق اور اتباع کریں آگے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسالت ادا کرنے کے حقوق اور آداب کی تعلیم ہے۔ ادع الیٰ سبیل ربک تا محسنون

وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا

بیشک آپ کا رب قیامت کے دن ان میں باہم فیصلہ کر دے گا جس بات

كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ

میں یہ اختلاف کیا کرتے تھے آپ اپنے رب کی طرف علم کی باتوں

رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ سے بلایئے

علم کی باتوں سے وہ دلائل مراد ہیں جن سے مدعا کا ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے اور نصیحت وہ ہے جس سے ترغیب اور ڈرانا اور دلوں کا نرم کرنا مقصود ہوتا ہے اور یہ تفسیر عربیت سے زیادہ قریب ہے بعض مفسرین نے ان الفاظ کی منطقی اصطلاح پر تفسیر کی ہے۔ ف: اور اہل علم کو جاننا چاہئے کہ اصل حکمت میں دلائل قطعیہ ہیں جن کو برہان کہتے ہیں اور بظاہر قرآن میں بکثرت دلائل خطابیہ عادیہ وظنیہ کا استعمال کیا گیا ہے سو اصل یہ ہے کہ قرآن میں کسی ایسے مدعیٰ پر ظنی استدلال نہیں کیا گیا جس پر دلیل برہانی قائم نہ ہو بلکہ وہ سب دعویٰ برہانی ہیں لیکن مخاطبین کی فہم کی رعایت اور ان کی سہولت کے لئے ایسے عنوانات اختیار کئے گئے ہیں جو ان کی فہم کے قریب ہیں پس اس سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ قرآن نے استقراء وغیرہ کو حجت سمجھا ہے اور اس بناء پر مسلمانوں کو اپنے مقابل کے ایسے استدلالات پر کلام کرنے کا پورا حق ہے جب تک کہ وہ کوئی برہانی دلیل پیش نہ کریں۔

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ

اور ان کے ساتھ اچھے طریقہ سے بحث کیجئے

جس میں سختی اور خشونت نہ ہو پس آپ کا اتنا کام ہے اس کے بعد آپ اس تحقیق میں نہ پڑیے کہ کس نے مانا کس نے نہیں مانا کیونکہ یہ کام خدا کا ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ

آپ کا رب خوب جانتا ہے

اور اگر وہ لوگ کبھی علمی بحث سے گزر کر عملی جھگڑے تک پہنچ جائیں اور ہاتھ یا زبان سے ایذا پہنچاویں اس میں آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو بدلہ لینا بھی جائز ہے اور صبر کرنا بھی جائز ہے پہلی صورت رخصت ہے اور

دوسری صورت عزیمت ہے۔

بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ

اس شخص کو بھی جو اس کے راستے سے گم ہوا اور وہی راہ پر چلنے والوں کو

بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا

بھی خوب جانتا ہے اور اگر بدلہ لینے لگو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا

بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ

تمہارے ساتھ برتاؤ کیا گیا ہے

یعنی زیادتی مت کرو۔

وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾

اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہت ہی اچھی بات ہے

کہ اس کا مخالف پر بھی اچھا اثر پڑتا ہے اور دیکھنے والوں پر بھی اور آخرت میں اجر عظیم ملتا ہے اور ہر چند کہ ایسے وقت صبر کرنا عموماً سب کے لئے افضل ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بوجہ عظمت شان کے اوروں سے زیادہ افضل ہے اس لئے آگے آپ کو خصوصیت کے ساتھ حکم ہے ف: انتقام کے وقت عدل کی رعایت کرنے کے حکم میں مسلمانوں کو بھی شامل کیا گیا کیونکہ انتقام میں عادۃ اپنے متبعین کا شریک ہونا بھی ضروری ہے بخلاف تبلیغ اور دعوت اسلام وغیرہ دوسرے احکام کے کہ وہ نبی سے تنہا بھی صادر ہو سکتے ہیں اس لئے ان میں صرف حضورؐ ہی کو خطاب کیا گیا۔

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ

اور آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر کرنا خاص خدا ہی کی توفیق سے ہے

توفیق میں خاص کی قید اس لئے بڑھائی گئی کہ خدا کی توفیق کے بغیر تو کوئی شخص بھی صبر نہیں کر سکتا بلکہ کوئی کام بھی نہیں ہو سکتا پھر اس میں آپ کی کیا خصوصیت ہوگی اس قید کے بڑھانے سے خصوصیت کی وجہ معلوم ہو گئی کہ توفیق کے مختلف درجے ہیں نفس توفیق تو سب کے لئے مشترک ہے لیکن انبیاء علیہم السلام کے لئے خاص عنایت زیادہ ہوتی ہے اس لئے فرماتے ہیں کہ جب آپ کا صبر خدا تعالیٰ کی خاص توفیق سے ہے تو آپ تسلی کر لیا کریں کیونکہ صبر میں آپ کو کچھ دشواری نہ ہوگی۔

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا

اور ان پر غم نہ کیجئے اور جو ہم یہ تدبیریں کیا کرتے ہیں اس سے

يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

تنگدل نہ ہوجئے

اس سے آپ کا کوئی ضرر نہ ہوگا کیونکہ آپ بحمد اللہ تقویٰ اور احسان کے ساتھ موصوف ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ

اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے

یعنی ان کا ممد و معاون ہوتا ہے۔

اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ ع

جو پرہیزگار ہوتے ہیں اور جو نیک کردار ہوتے ہیں۔

الحمد للہ چودویں پارہ کی تفسیر ختم ہوئی

سورة بنی اسرائیل مکیة و قیل الاقوله وان کادو الیفتنونک الی اخرثمانی ایات و هی مائة و عشر ایات کذافی البیضاوی

ربط: اس سورت میں زیادہ توحید کے مضامین مع انعامات کے اور رسالت کے مضامین ہیں چنانچہ قصہ معراج سے جو کہ بڑا معجزہ ہے اس کی ابتداء کی گئی جو کہ حق تعالیٰ کی تنزیہ اور پاکی کے ساتھ رسالت پر دلالت کرتا ہے اور اس مضمون سے سورہ نحل کی انتہا کو اس سورت کی ابتداء سے بھی مناسبت ہوگئی **بسم الله الرحمن الرحیم سبحان الذی تا البصیر**

(۱۷) سُوْرَةُ بَنِیْٓ اِسْرَاۗءِیْلَ مَکِّیَّۃٌ (۵۰)

سورۂ بنی اسرائیل مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا

وہ پاک ذات ہے جو اپنے بندہ (محمد) کو شب کے وقت مسجد حرام) یعنی

مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ

مسجد کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک جس کے گردا

الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ

گرد ہم نے برکتیں کر رکھی ہیں لے گیا

دینی برکت یہ ہے کہ وہاں بکثرت انبیاء علیہم السلام مدفون ہیں دنیوی برکت یہ ہے کہ وہاں اشجار وانہار و پیداوار کی کثرت ہے اور اس سے خود اس مسجد کا مبارک ہونا بدرجہ اولیٰ مفہوم ہوگیا کیونکہ جب اس کے آس پاس میں بوجہ انبیاء کے مدفون ہونے کی برکت ہے تو جہاں انبیاء نے عبادتیں کی ہوں اور وہ انبیاء کا قبلہ بھی رہا ہو وہ جگہ خود کیسی مبارک ہوگی کیونکہ دفن ہونے میں صرف جسم کا تعلق ہے اور محل عبادت اور قبلہ ہونے میں جسم اور روح دونوں کا تعلق ہے۔ پس اس طرح مسجد کے مبارک تر ہونے پر دلالت ہوگئی اور یہاں مسجد اقصیٰ سے صرف اس مسجد کی زمین مراد ہے کہ حقیقت میں مسجد اصل زمین ہی ہوتی ہے اور عمارت تبعاً مسجد ہوتی ہے اور یہ اس لئے کہا گیا کہ تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیانی زمانہ میں اس کی عمارت منہدم کر دی گئی تھی چنانچہ عنقریب **وقضینا الیٰ بنی اسرائیل** کی تفسیر میں مذکور ہوگا پس زمین مراد لینے سے یہ شبہ جاتا رہا کہ مسجد اقصیٰ کا جب اس وقت وجود ہی نہ تھا تو وہاں تک لے جانے کے کیا معنے اور اگر اس حدیث سے شبہ ہو کہ کفار نے آپ سے بیت المقدس کی کیفیت و ہیئت دریافت کی تھی اس کے کیا معنے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو منہدم عمارت کی ہیئت دریافت کرنا بھی ممکن ہے علاوہ اس کے اس زمین کے آس پاس لوگوں نے کچھ عمارتیں بیت المقدس کے نشان کے طور پر بنالی تھیں ان کی کیفیت دریافت کرنا بھی ممکن ہے اور یہاں حضور کو بندہ کہنے کے دو فائدے ہیں ایک تو آپ کے مقرب و مقبول ہونے کا اظہار دوسرے یہ کہ اس عجیب معجزہ کی وجہ سے کوئی آپ پر خدائی کا شبہ نہ کرے اور مسجد حرام سے بیت المقدس تک لے جانے کو اسراء کہتے ہیں اور آگے آسمانوں پر جانے کو معراج کہتے ہیں اور مسجد حرام کا کبھی سارے حرم پر بھی اطلاق آتا ہے اور یہاں دونوں معنی صحیح ہو سکتے ہیں خواہ مسجد مراد ہو یا حرم کیونکہ بعضی حدیثوں میں آیا ہے کہ ام ہانیؓ کے گھر میں تھے اور دونوں حدیثوں میں مطابقت بہت سہل ہے کیونکہ ام ہانی کے گھر سے حطیم میں آ جانا پھر وہاں سے آگے جانا کوئی بعید بات نہیں اور چونکہ یہ واقعہ عجیب تھا اور عجیب ہونے کی وجہ سے قدرت عظیمہ پر دال ہے اس لئے لفظ سبحان سے اس کا شروع کرنا مناسب ہوا جو کہ تنزیہ اور عجیب ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ط

تاکہ ہم ان کو اپنے کچھ عجائبات قدرت دکھلا دیں

لفظ آیات جس کے معنی عجائبات کے ہیں عرفاً بڑی بات اور بڑے کمالات پر اطلاق کیا جاتا ہے۔

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ①

بیشک اللہ تعالیٰ بڑے سننے والے بڑے دیکھنے والے ہیں

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و اقوال کو دیکھا اور سن کر آپ کو مکرم اور مقرب بنایا۔

وَاٰتَیْنَا مُوْسَى الْکِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب (یعنی توریت) دی اور ہم نے اس کو

لِّبَنِیْٓ اِسْرَاۗءِیْلَ

بنی اسرائیل کے لئے (آلہ) ہدایت بنایا

جس میں توحید کا عظیم الشان حکم بھی تھا۔

اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَکِیْلًا ط ② ذُرِّیَّةَ

کہ تم میرے سوا (اپنا کوئی) کارساز مت قرار دو اے ان لوگوں کی نسل جن کو

مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ

ہم نے نوح (علیہ السلام) کے ساتھ سوار کیا تھا

اگر ہم یہ احسان نہ کرتے تو تم کہاں سے آتے۔

اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ﴿۳﴾

وہ نوحؑ بڑے شکرگزار بندہ تھے

تو جب انبیاء شکر کرتے رہے تو تم کیسے اس کو چھوڑ سکتے ہو۔

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِى الْكِتٰبِ

اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں یہ بات (بطور پیشین گوئی)

لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ

بتلادی تھی کہ تم سرزمین (شام) میں دوبار خرابی کروگے

ایک بار شریعت موسویہ کی مخالفت ایک بار شریعت عیسویہ کی مخالفت

وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿۴﴾

اور بڑا زور چلانے لگو گے

یعنی خدا کے اور بندوں کے حقوق ضائع کروگے۔

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ

پھر جب ان دوبار میں سے پہلی بار کی میعاد آوے گی ہم تم پر اپنے ایسے

عِبَادًا لَّنَآ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا

بندوں جالوت والوں کو مسلط کردیں گے جو بڑے جنگ جو ہوں گے پھر وہ

خِلٰلَ الدِّيَارِ ؕ

گھروں میں گھس پڑیں گے

اور تم کو قتل وقید وغارت کریں گے۔

وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ﴿۵﴾ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ

(اور یہ) ایک وعدہ ہے جو ضرور ہو کر رہے گا پھر ہم ان پر تمہارا

الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ

غلبہ کردیں گے

جب تم نادم وتائب ہوگے اور وہ غلبہ اگرچہ بواسطہ ہوگا۔

وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ

اور مال اور بیٹوں سے ہم تمہاری امداد کریں گے

یعنی مال اور اولاد جو قید وغارت کئے گئے تھے وہ تم کو واپس ملیں گے اور ان سے تم کو امداد ملے گی۔

وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ﴿۶﴾

اور ہم تمہاری جماعت بڑھادیں گے

پس مال اور جان اور اتباع سب میں ترقی ہوگی۔

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۣ وقف

اگر اچھے کام کرتے رہوگے تو اپنے ہی نفع کے لئے اچھے کام کروگے

یعنی اس کتاب میں بطور نصیحت کے یہ بھی لکھا تھا کہ اگر اب آئندہ کے لئے اچھے کام کروگے تو دنیا وآخرت میں اس کا نفع حاصل ہوگا۔

وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ؕ

اور اگر (پھر) تم برے کام کروگے تو بھی اپنے ہی لئے

یعنی اپنے ہی حق میں برائی کروگے کہ پھر سزا ہوگی چنانچہ ایسا ہی ہوا جس کا آگے بیان ہے۔

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ

پھر جب پچھلی بار کی میعاد آوے گی

یعنی جب تم دوسری مرتبہ میں شریعت عیسویہ کی مخالفت اور شرارت کروگے۔

لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ

ہم پھر دوسروں (بابل والوں) کو مسلط کردیں گے تاکہ (مار مار کر) تمہارا منہ بگاڑ دیں اور

كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ

جس طرح وہ لوگ مسجد (بیت المقدس) میں گھسے تھے یہ لوگ بھی اس میں گھس پڑیں

اس پر یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ کیا اللہ تعالیٰ کو یہ مقصود تھا کہ مسجد ویران اور تباہ ہو جائے جواب یہ ہے کہ مقصود ہونے سے اگر راضی ہونا مراد ہے تو وہ لازم نہیں آتا کیونکہ شرعی طور پر حق تعالیٰ نے مسجد کی ویرانی کا قصد نہیں کیا اور رضا وخوشی ارادۂ تشریعی میں ہوتی ہے ہاں تکوینی طور پر ارادہ کیا اور ارادہ تکوینی میں رضا وخوشی لازم نہیں کیونکہ عالم میں جو کچھ ہوتا ہے سب حق تعالیٰ

کے ارادہ ہی سے ہوتا ہے حتیٰ کہ کفر و معصیت بھی لیکن رضا اور خوشی ان ہی کاموں میں ہوتی ہے جو احکام شرعیہ کے موافق ہوں پس کوئی اشکال نہیں

وَلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ﴿۷﴾ عَسٰى رَبُّكُمْ

اور جس جس پر ان کا زور چلے سب کو برباد کر ڈالیں عجب نہیں کہ تمہارا رب تم

اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ج

پر رحم فرمادے

یعنی اس کتاب میں یہ بھی لکھا تھا کہ اس دوسری سزا کے بعد جب شریعت محمدیہ کا دورہ آئے گا اگر اس وقت تم مخالفت و شرارت سے باز آ کر شریعت محمدیہ کا اتباع کر لو تو امید یعنی وعدہ ہے کہ تم کو ادبار ذلت سے نجات مل جائے گی۔

وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا م

اور اگر تم پھر وہی شرارت کرو گے تو ہم بھی پھر وہی کریں گے

چنانچہ حضور کے وقت میں انہوں نے آپ کی بھی مخالفت کی پھر قتل اور قید اور ذلیل و خوار ہوئے یہ تو دنیا کی سزا تھی ربط: شروع سورت میں معجزہ معراج سے آپ کی رسالت پر استدلال تھا آگے قرآن کی مدح ہے جو کہ رسالت کی بہت بڑی دلیل ہے ان ھذا القرآن تا الیما

وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ﴿۸﴾ اِنَّ

اور ہم نے جہنم کو (ایسے) کافروں کا جیل خانہ بنا (ہی) رکھا ہے بلاشبہ

هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ

یہ قرآن ایسے طریقہ کی ہدایت کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے (یعنی اسلام)

وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ

اور ان ایمان والوں کو جو کہ نیک کام کرتے ہیں یہ خوش خبری دیتا ہے

الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ﴿۹﴾ لا

کہ ان کو بڑا بھاری ثواب ملے گا

اگر اجر کبیر سے مراد مطلق جنت ہے تو اعمال صالحہ کی قید بطور شرط کے نہیں بلکہ محض سبب کے طور پر ہے کیونکہ اس کے لئے صرف ایمان بھی کافی ہے اور اگر جنت کے بڑے درجے مراد ہیں تو شرط ہونا بھی صحیح ہے

ربط: اوپر توحید و رسالت و قرآن کی حقانیت کا اثبات اور کفار کا مستحق عذاب ہونا مذکور تھا اس پر کفار کو یہ شبہ تھا کہ اگر یہ چیزیں حق ہیں اور ان کا انکار موجب عذاب ہے تو ہم پر دنیا ہی میں عذاب کیوں نہیں آ جاتا آگے اس کا جواب ہے کہ ہم نے ہر چیز کا وقت مقرر کر رکھا ہے وقت پر سب کچھ ہو جائے گا۔ ویدع الانسان تا نبعث رسولا

وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا

اور یہ بھی بتلاتا ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے ان کے لئے ایک

لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۰﴾ ع وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ

دردناک سزا تیار کر رکھی ہے اور (بعضا) انسان برائی (یعنی عذاب کی) ایسی درخواست

یعنی یہ کفار عذاب کا ایسا تقاضا کرتے ہیں جیسا کوئی بھلائی کے لئے تقاضا اور جلدی کیا کرتا ہے۔

دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ط وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ﴿۱۱﴾

کرتا ہے جس طرح بھلائی کی درخواست اور انسان (کچھ طبعاً ہی) جلد باز (ہوتا) ہے

مگر جنہوں نے اپنے کو مہذب بنا لیا ہے وہ بے جا جلدی سے بچتے ہیں اور جو ہدایت یافتہ نہیں وہ انجام نہیں سوچتے اور عذاب مانگتے ہیں اور اس کے نہ آنے سے اس کا انکار کرتے ہیں حالانکہ ہم نے جس طرح تمام واقعات کا حساب وقت پر رکھا ہے اسی طرح عذاب بھی وقت پر ہوگا آخرت میں تو ضرور اور ممکن ہے کہ کچھ دنیا میں بھی ہو جائے آگے دنیا کے واقعات کا حساب کے ساتھ چلنا بطور مثال کے بیان فرماتے ہیں۔

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ

اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا سو رات کی نشانی کو تو ہم نے

الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا

دھندلا بنایا اور دن کی نشانی کو ہم نے روشن بنایا تا کہ (دن کو) اپنے

فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ

رب کی روزی تلاش کرو

اس میں نعمت کی یاد دہانی ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ عذاب سے پہلے پہلے تو ہماری طرف سے تم پر نعمتیں فائض ہو رہی ہیں ان کا شکر کرو عذاب کیوں مانگتے ہو نیز یہ بھی اشارہ ہے کہ لیل و نہار کی حکمت حساب ہی میں منحصر نہیں بلکہ ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس میں روزی تلاش کی جاتی ہے اس میں سب چیزیں بے تکلف نظر آتی ہیں۔

وَلِتَعۡلَمُوۡا عَدَدَ السِّنِيۡنَ وَالۡحِسَابَ ؕ

اور تاکہ برسوں کا شمار اور حساب معلوم کر لو

یعنی رات اور دن کی آمد و رفت اور ان کے رنگ اور مقدار کے اختلاف اور مبداء و منتہا کے مختلف ہونے سے برسوں کا شمار اور معاملات کا حساب معلوم ہوتا ہے جیسا کہ سورہ یونس کے پہلے رکوع میں بیان ہوا ہے۔

وَكُلَّ شَيۡءٍ فَصَّلۡنٰهُ تَفۡصِيۡلًا ﴿۱۲﴾

اور ہم نے ہر چیز کو خوب تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے

یعنی دیکھو قرآن میں ہدایت کے مضامین اور ضروری باتیں اور شبہات کی تسکین کس تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ ہم نے لوح محفوظ میں ہر شے کا جدا جدا وقت معین لکھا ہے اس صورت میں کل شیء ہر چیز کو عام ہوگا اور پہلی صورت میں صرف ضروری مضامین مراد ہوں گے کیونکہ قرآن میں دنیا بھر کے جھگڑے مذکور نہیں۔

وَكُلَّ اِنۡسَانٍ اَلۡزَمۡنٰهُ طٰۤئِرَهٗ فِىۡ عُنُقِهٖ ؕ

اور ہم نے ہر انسان کا عمل اس کے گلے کا ہار کر رکھا ہے

یعنی ہر شخص کا عمل اس کے ساتھ لازم ہے۔

وَنُخۡرِجُ لَهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلۡقٰهُ

اور (پھر) قیامت کے دن ہم اس کا نامۂ اعمال اس کے واسطے نکال کر

مَنۡشُوۡرًا ﴿۱۳﴾ اِقۡرَاۡ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفۡسِكَ

سامنے کر دیں گے جس کو وہ کھلا ہوا دیکھ لے گا اپنا نامہ اعمال (خود) پڑھ لے

الۡيَوۡمَ عَلَيۡكَ حَسِيۡبًا ﴿۱۴﴾ ؕ

پر آج تو خود اپنا آپ ہی محاسب کافی ہے

یعنی اس کی ضرورت نہیں کہ برے اعمال کو کوئی گنا دے نامہ اعمال پڑھتا جا اور دل میں یاد کر کے خود ملزم ہوتا جا مطلب یہ کہ گو ابھی عذاب نہیں آیا مگر یہ بلا ٹلے گی نہیں ایک وقت ایسا ہوگا کہ اپنے سب پوشیدہ اعمال کھلی آنکھوں دیکھ لو گے اور عذاب کی حجت قائم ہو جائے گی قتادہ سے منقول ہے کہ بے پڑھا آدمی بھی نامہ اعمال پڑھ لے گا۔

مَنِ اهۡتَدٰى

جو شخص (دنیا میں) راہ پر چلتا ہے

اس وقت اس کا نفع اس کو نظر آوے گا۔

فَاِنَّمَا يَهۡتَدِىۡ لِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ ضَلَّ فَاِنَّمَا

وہ اپنے ہی نفع کے لئے راہ پر چلتا ہے اور جو شخص بے راہی کرتا ہے سو وہ بھی

يَضِلُّ عَلَيۡهَا ؕ

اپنے ہی نقصان کے لئے بے راہ ہوتا ہے

وہ اس وقت اس کا خمیازہ خود بھگتے گا کسی دوسرے کا کچھ نقصان نہیں۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰى ؕ

اور کوئی شخص کسی (کے گناہ) کا بوجھ نہ اٹھاوے گا

یہ ہمارا قانون ہے اور جو کچھ سزا یا عذاب کسی کو ہوتا ہے حجت قائم کرنے کے بعد ہوتا ہے اتمام حجت سے پہلے کسی کو سزا نہیں ہوتی

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيۡنَ حَتّٰى نَبۡعَثَ رَسُوۡلًا ﴿۱۵﴾

اور ہم (کبھی) سزا نہیں دیتے جب تک کسی رسول کو نہیں بھیج لیتے

ہمارا یہی قانون اور یہی معمول ہے کہ جب کسی شخص کو بواسطہ یا بلا واسطہ رسول کی خبر پہنچ چکی ہو اور پھر بھی نہ مانے اس وقت سزا تجویز کرتے ہیں ف: اس آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جن قوموں کو رسول کی اصلاً خبر نہیں پہنچی وہ کفر اور گناہوں پر معذب نہ ہوں گے چنانچہ بعض کا یہی مذہب ہے اور بعض اس کے قائل ہیں کہ جن عقائد اور اعمال کی قباحت عقل سے معلوم ہو سکتی ہے اور تامل و غور کا زمانہ بھی ملا اور قباحت معلوم بھی ہو گئی پھر ایسے عقائد و اعمال کے مرتکب ہوں یا قباحت معلوم نہیں ہوئی مگر زمانہ غور و تامل کا ملا اور کسی سبب سے ادراک و تامل کی تحریک ہوئی مگر غور نہ کرنے کی وجہ سے قباحت کا ادراک نہ ہوا ان لوگوں کو رسول کے نہ آنے کی صورت میں بھی عذاب ہوگا وہ فرماتے ہیں کہ یہ صورت بھی رسول آنے کے مشابہ ہے کیونکہ پیغمبروں کے مبعوث ہونے کا فائدہ بھی اسی قدر ہے کہ ان کے ذریعہ سے عقائد اعمال کی قباحت معلوم ہو جاتی ہے یا غور و تامل کرنے کی تحریک ہو جاتی ہے تو اگر یہ باتیں رسول کے بغیر حاصل ہو جائیں تو پھر اس کے خلاف عمل کرنے پر عذاب ہوگا پس مطلب آیت کا ان علماء کے نزدیک یہ ہوا کہ کسی کو عذاب نہیں کرتے جب تک کہ عقل یا نقل تنبیہ نہیں کر دیتے۔

ربط: اوپر بدون رسول بھیجے عذاب کا نہ ہونا مذکور تھا آگے رسول آنے کے بعد اطاعت نہ کرنے پر عذاب کا ہونا بیان فرماتے ہیں تا کہ سننے والے متنبہ ہوں کہ ہماری طرف رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم آ چکے ہیں نہ

ماننے سے ہم بھی عذاب کے مستحق ہوں گے واذاارد نا تا بصیرا

وَإِذَآ أَرَدْنَآ أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً

اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں

جو کفر و معصیت کے سبب بمقتضائے حکمت ہلاک کرنے کے قابل ہو تو اس کو رسول بھیجنے سے پہلے ہلاک نہیں کرتے بلکہ پہلے کسی رسول کی معرفت ان پر حجت تمام کرتے ہیں۔

أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا

تو اسکے خوش عیش لوگوں کو حکم دیتے ہیں

یعنی امیر اور رئیس لوگوں کو خصوصاً اور عام آدمیوں کو عموماً ایمان اور اطاعت احکام کا امر کرتے ہیں اور خوش حال لوگوں کی تخصیص بوجہ ان کے ذی اثر ہونے کے ہے کہ ان کی اطاعت کا بھی معصیت کا بھی تنعم کا بھی دوسروں پر اثر پڑتا ہے نیز زیادہ غافل اور سرکش اور احمق بھی یہی ہوتے ہیں۔

فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا

پھر (جب وہ) لوگ وہاں شرارت مچاتے ہیں تب ان پر حجت تمام ہو جاتی ہے

تَدْمِيرًا ﴿١٦﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُونِ مِنْ

پھر اس بستی کو تباہ اور غارت کر ڈالتے ہیں اور ہم نے بہت سی امتوں کو نوح (علیہ

بَعْدِ نُوحٍ ۗ

السلام) کے بعد کفر و معصیت کے سبب ہلاک کیا ہے

جیسے عاد و ثمود وغیرہ اور نوح علیہ السلام کی قوم کا ہلاک ہونا تو مشہور ہی ہے اس لئے بعد نوح کہنے پر اکتفا کیا۔

وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ﴿١٧﴾

اور آپ کا رب اپنے بندوں کے گناہوں کا جاننے والا دیکھنے والا کافی ہے

پس جیسا کسی کا گناہ ہوتا ہے ویسی ہی سزا دیتا ہے حاصل کلام یہ ہوا کہ ہلاکت سے پہلے اتمام حجت کے لئے رسول بھیجتے اور مہلت دیتے ہیں اور ہرچند کہ رسولوں کے آنے سے پہلے وہ لوگ بوجہ کفر و معصیت یا اور کسی سبب سے جس کا معین کرنا اور تفتیش کرنا ضروری نہیں ہلاکت کے قابل ہو چکتے ہیں مگر بالفعل ہلاک کرنا رسولوں کے بھیجنے پر موقوف رکھا گیا پس یہ اشکال نہیں ہوسکتا کہ رسول آنے سے پہلے اگر وہ ہلاکت کے قابل نہیں ہوتے تو گویا ہلاک کرنے کے لئے یہ سلسلہ نکالا جواب یہ ہے کہ وہ قابل ہلاک کرنے کے پہلے سے ہوتے ہیں مگر بدوں اتمام حجت کے تباہ نہیں کئے جاتے۔

ربط: آگے کفار کے اس شبہ کا جواب ہے جو وہ کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے بعض اعمال موجب عذاب بھی ہوں تب بھی جو اعمال ہم ایسے کرتے ہیں جو بالاتفاق اچھے ہیں جیسے مہمان داری اعانت مظلوم، سائل کا سوال پورا کرنا یہ نجات کا ذریعہ ہو جائیں گے حاصل جواب یہ ہے کہ ان اعمال سے اگر تم کو دنیا کا نفع مقصود ہے اور یہی ہے بھی کیونکہ تم آخرت کے تو منکر ہو تب تو تم طالب دنیا ہو جس کا انجام جہنم ہے اور اگر تم کو نفع آخرت مقصود ہے تو اس کے لئے ایمان کی شرط ہے جو تم میں مفقود ہے اس لئے یہ اعمال بھی نجات کا ذریعہ نہیں بن سکتے پس ہر حال میں تم عذاب کے مستحق رہے من کان تا تفضیلا

مَن كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ

جو شخص دنیا (کے نفع) کی نیت رکھے گا

یعنی نیک اعمال صرف دنیا کی غرض سے کرے خواہ اس لئے کہ آخرت کا منکر ہے یا اس لئے کہ آخرت کی نیت نہیں کی۔

عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَن نُّرِيدُ

ہم ایسے شخص کو دنیا میں جتنا چاہیں گے جس کے واسطے چاہیں گے فی الحال ہی دے دیں گے

یعنی یہ بھی سب کے لئے نہیں بلکہ جس کے واسطے چاہیں گے دنیا ہی میں کچھ دے دیں گے پھر آخرت میں اس کو خاک نہ ملے گا بلکہ وہاں اس کے لئے محرومی ہے اور سورۂ ہود کی آیت من کان یرید الحیوٰۃ الدنیا و زینتھا نوف الیھم اعمالھم الخ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ کفار کے اعمال کا بدلہ دنیا میں ضرور ملتا ہے اور اس آیت میں خدا کی مشیت کی قید ہے جس سے بظاہر تعارض کا شبہ ہوتا ہے یہ اشکال اس آیت کے ترجمہ اور تفسیر کے ملاحظہ سے دفع ہو جائے گا ضرور دیکھ لیا جائے۔

ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا

پھر ہم اس کے لئے جہنم تجویز کریں گے وہ اس میں بدحال راندہ (درگاہ) ہو

مَّدْحُورًا ﴿١٨﴾ وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا

کر داخل ہوگا اور جو شخص آخرت (کے ثواب) کی نیت رکھے گا اور اس کے

سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ

لئے جیسی سعی کرنا چاہئے ویسی ہی سعی بھی کرے گا

مطلب یہ ہے کہ وہ عمل قواعد شرعیہ کے موافق بھی ہو کیونکہ آخرت کے لئے سعی وہی کہلائے گی جو حکم کے مطابق ہو بخلاف ان اعمال کے جو خواہش نفسانی کے موافق ہوں کہ وہ مقبول نہیں۔

فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾
بشرطیکہ وہ شخص مومن بھی ہو سوایسے لوگوں کی یہ سعی مقبول ہوگی

غرض قبول عمل کی تین شرطیں ہوئیں ۱۔ نیت درست کرنا ۲۔ عمل موافق شرع ہونا ۳۔ عقیدہ صحیح کرنا ان کے بغیر عمل مقبول نہیں آگے بتلاتے ہیں کہ کافروں پر دنیوی نعمتیں ہونا یہ علامت ان کے اعمال مقبول ہونے کی نہیں کیونکہ دنیوی نعمتیں مقبولین ہی کے ساتھ مخصوص نہیں۔

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا
آپ کے رب کی (اس) عطا (دنیوی) میں سے تو ہم ان کی بھی امداد کرتے
كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿۲۰﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ
ہیں اوران کی بھی اور آپ کے رب کی (یہ) عطا (دنیوی کسی پر) بند نہیں
فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ
آپ دیکھ لیجئے ہم نے ایک کو دوسرے پر کس طرح فوقیت دی ہے

کہ اس عطائے دنیوی میں بلاقید ایمان وکفر کے ایک دوسرے سے بڑھا ہوا ہے حتیٰ کہ اکثر کفار مومنین سے زیادہ عیش میں ہیں پس یہ چیزیں قابل وقعت نہیں۔

وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿۲۱﴾
اور البتہ آخرت درجوں کے اعتبار سے بھی بہت بڑی ہے اور فضیلت کے اعتبار سے بھی بہت بڑی ہے

وہ مقبولین کے ساتھ مخصوص ہے اس کا اہتمام چاہئے جس کے شرائط اوپر مذکور ہو چکے ہیں

ربط: اوپر قبول اعمال کی تین شرطیں بتلائی ہیں آگے ان تینوں کی تفصیل ہے اور چونکہ بڑی شرط ایمان وتوحید ہے اس لئے اس تفصیل کو توحید سے شروع کیا اور توحید ہی پر ختم کیا درمیان میں بعض ضروری اعمال بتلائے ہیں تاکہ طالب آخرت ان کو اختیار کرے اور چونکہ ان اعمال کے بتلانے سے قانون شرعی کی تعیین بھی ہوگئی اس لئے موافق شرع سعی کا بیان بھی ہوگیا اور یہ احکام مختلف قسم کے ہیں جو اپنے حسن وخوبی کی وجہ سے اہل بصیرت کے لئے رسالت

محمدیہ کے دلائل بھی ہو سکتے ہیں جس میں اوپر کلام تھا **لا تجعل تا مدحورا**۔

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا
اللہ (برحق) کے ساتھ کوئی اور معبود مت تجویز کرو ورنہ تو بدحال بے یار ومددگار
مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ
ہو کر بیٹھ رہے گا اور تیرے رب نے حکم کر دیا ہے کہ بجز اس کے کسی کی عبادت
وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ
مت کرو اور تم (اپنے) ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کیا کرو اگر تیرے
الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا
پاس ان میں سے ایک یا دونوں کے دونوں بڑھاپے کو پہنچ جاویں

جس کی وجہ سے خدمت کے محتاج ہو جاویں جب کہ طبعاً ان کی خدمت کرنا گراں معلوم ہو اس وقت بھی ان کا ادب کرو

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا
سو ان کو کبھی (ہاں سے) ہوں بھی مت کرنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے خوب ادب
قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ
سے بات کرنا اور ان کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا اور یوں
مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ
دعا کرتے رہنا اے میرے پروردگار ان دونوں پر رحمت فرمایئے جیسا انہوں نے
صَغِيْرًا ﴿۲۴﴾ ؕ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ؕ
مجھ کو بچپن میں پالا پرورش کیا ہے تمہارا رب تمہارے مافی الضمیر کو خوب جانتا ہے

یعنی صرف ظاہری توقیر وتعظیم پر اکتفا مت کرنا دل میں بھی ان کا ادب اور قصد اطاعت رکھنا۔

اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ
اگر تم سعادت مند ہو تو وہ توبہ کرنے والوں کی خطا
غَفُوْرًا ﴿۲۵﴾
معاف کر دیتا ہے

یعنی اس کے بعد ہم تم کو ایک تخفیف بھی سناتے ہیں کہ اگر تم حقیقت میں دل سے سعادت مند ہو اور غلطی یا تنگ مزاجی سے کوئی کوتاہی ہو جائے پھر نادم ہو کر معذرت کر لو تو حق تعالیٰ معاف کر دیں گے اور دعا کے لئے جو فرمایا ہے تو بظاہر یہ امر استحباب کے لئے ہے اور بعض نے وجوب کہا ہے لیکن عمر بھر میں ایک بار دعا کرنے سے بھی واجب ادا ہو جائے گا۔ اور بدلائل شرعیہ اس دعاء کے لئے والدین کا مومن ہونا شرط ہے البتہ اگر حالت کفر میں زندہ ہوں اور دعائے ہدایت کی جائے تو جائز ہے۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ

اور قرابتدار کو اس کا حق (مالی وغیر مالی) دیتے رہنا اور محتاج اور مسافر کو بھی

السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ

دیتے رہنا اور (مال کو) بے موقع مت اڑانا (کیونکہ) بیشک بے موقع

كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ط

اڑانے والے شیطان کے بھائی بند ہیں

یعنی ان کے مشابہ ہوتے ہیں۔

وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾

اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے

کہ حق تعالیٰ نے اس کو دولت عقل دی مگر اس نے خدا کی نافرمانی میں اس کو صرف کیا اسی طرح اسراف کرنے والوں کو مال کی دولت دی مگر وہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی میں اس کو صرف کرتے ہیں اور شیاطین چونکہ بہت سے ہیں گو ابلیس ایک ہی ہے اس لئے صیغہ جمع کا لائے اور آگے شیطان جو مفرد لایا گیا اس سے مراد ابلیس ہے کیونکہ ناشکری میں اصل وہی ہے یا اس سے جنس مراد ہے تو سب کو شامل ہو جائے گا اور اسراف وتبذیر دونوں کا حاصل ایک ہی ہے یعنی گناہ کے موقع پر صرف کرنا خواہ وہ موقعہ خود گناہ ہو جیسے زنا اور شراب وجوئے میں صرف کرنا یا خود تو گناہ نہ ہو مگر کسی وجہ سے گناہ ہو جائے جیسے مباح کام میں شہرت اور تفاخر کی نیت سے خرچ کرنا کہ اس نیت کی وجہ سے وہ محل مباح نہ رہے گا۔

وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ

اور اگر اپنے رب کی طرف سے جس رزق کے آنے کی امید ہو اس کے

تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿۲۸﴾

انتظار میں تجھ کو ان سے پہلو تہی کرنا پڑے تو ان سے نرمی کی بات کہہ دینا

یعنی اگر کسی وقت ان لوگوں کے دینے کو کچھ نہ ہو تو اتنا خیال رکھنا کہ دل جوئی کے ساتھ ان سے وعدہ کر لینا کہ انشاء اللہ کہیں سے آئے گا تو دیں گے اور دل آزار جواب مت دینا۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا

اور نہ تو اپنا ہاتھ گردن ہی سے باندھ لینا چاہئے اور نہ بالکل

تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ

ہی کھول دینا چاہئے

یعنی نہ تو غایت بخل سے بالکل ہی ہاتھ کو روکنا چاہئے اور نہ اسراف کرنا چاہئے۔

فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ

ورنہ الزام خوردہ تہی دست ہو کر بیٹھ رہو گے بلاشبہ تیرا رب

الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ط اِنَّهٗ كَانَ

جس کو چاہتا ہے زیادہ رزق دیتا ہے اور وہی تنگی کر دیتا ہے بیشک وہ اپنے

بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا ﴿۳۰﴾ ع

بندوں کو خوب جانتا ہے اور دیکھتا ہے

یعنی محض کسی کے فقر واحتیاج پر رحم کر کے اپنے کو پریشانی میں ڈالنا بے کار ہے کیونکہ حق تعالیٰ بندوں کی حالت اور مصلحت کو خود جانتے ہیں تم اس فکر میں کیوں پڑے کہ باوجود گنجائش نہ ہونے کے بھی کچھ دینا چاہیے اور اس سے یہ مقصود نہیں کہ کوئی کسی کا غم نہ کرے بلکہ مطلب یہ ہے کہ دوسرے کے نفع کے لئے اپنے کو دینی ضرر پہنچانا یا ایسا دنیوی نقصان برداشت کرنا جس کا انجام دینی ضرر ہو یہ ممنوع ہے اگر ایسی حالت میں بہت جوش ہو تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کی مصلحت کو خوب جانتے ہیں الخ۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ط نَحْنُ

اور اپنی اولاد کو ناداری کے اندیشہ سے مت قتل کرو (کیونکہ) ہم ان کو بھی

نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ط

رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی

البتہ اگر رزق تمہارے قبضہ میں ہوتا تو ایسی باتیں سوچتے۔

اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿۳۱﴾

بیشک ان کا قتل کرنا بڑا بھاری گناہ ہے

جاہلیت میں بعضے آدمی بیٹیوں کو فقر کے خوف سے مار ڈالتے تھے پس اولاد سے مراد بیٹیاں ہیں ان کو اولاد کے عنوان سے اس لئے تعبیر کیا تاکہ تعلق کا اظہار ہو اور رحمت کا جوش ہو۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ

اور زنا کے پاس بھی مت پھٹکو بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی کی بات ہے

سَبِيْلًا ﴿۳۲﴾

اور بری راہ ہے

یعنی وہ فی نفسہ خود بے حیائی ہے اور مفاسد کے اعتبار سے بھی برا طریقہ ہے کیونکہ اس سے فتنے اور عداوتیں اور نسب کی بربادی ہوتی ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ

اور جس شخص (کے قتل کو) اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اس کو قتل مت کرو ہاں مگر حق پر

یعنی جب کوئی سبب ایسا پایا جائے جس سے قتل کرنا واجب یا جائز ہو جائے اس وقت وہ حرام میں داخل نہیں۔

وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ

اور جو شخص ناحق قتل کیا جاوے تو ہم نے اس کے وارث کو اختیار

سُلْطٰنًا

دے دیا ہے

اگر کوئی وارث حقیقی موجود ہو جس کو شرعاً قصاص لینے کا حق ہے تو وہ ولی ہوگا ورنہ بادشاہ ولی ہے وہ بھی وارث حکمی ہے۔

فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۭ

سو اس کو قتل کے بارہ میں حد (شرع) سے تجاوز نہ کرنا چاہئے

یعنی قاتل کے سوا کسی دوسرے کو قتل نہ کرے۔

اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾

وہ شخص طرفداری کے قابل ہے

جب تک کہ زیادتی نہ کرے اور زیادتی کرنے کی صورت میں فریق ثانی طرف داری کے قابل ہو جائے گا اس لئے زیادتی کر کے خدا کی حمایت سے اپنے کو نہ نکالنا چاہئے۔

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ

اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ

یعنی اس میں تصرف مت کرو۔

اِلَّا بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ

مگر ایسے طریقہ سے جو کہ مستحسن ہے

ایسے تصرف کی اجازت ہے۔

حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۠

یہاں تک کہ وہ اپنے سن بلوغ کو پہنچ جاوے

یہی الفاظ سورہ انعام میں اخیر رکوع سے پہلے رکوع میں آئے ہیں وہاں تفسیر دیکھ لی جائے۔

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْــــُٔوْلًا ﴿۳۴﴾

اور عہد (مشروع) کو پورا کیا کرو بیشک (ایسے) عہد کی باز پرس ہونے والی ہے

عہد میں تمام احکام الٰہیہ اور تمام معاملات جو ما بین العباد ہوتے ہیں داخل ہو گئے اور خازن میں ایسی تفسیر کی ہے جو وعدہ کو بھی شامل ہے مگر وعدہ کا وجوب دیانۃً یعنی عند اللہ ہوتا ہے ظاہراً نہیں ہوتا اور وفائے وعدہ کے واجب ہونے میں دوسرے دلائل سے عذر نہ ہونے کی بھی قید ہے عذر کی صورت میں واجب نہیں رہتا اور مشروع کی قید سے غیر مشروع عہد نکل گیا۔

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ

اور جب ناپ تول کردو تو پورا ناپو اور صحیح ترازو سے تول کر دو

الْمُسْتَقِيْمِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۳۵﴾

یہ (فی نفسہ بھی) اچھی بات ہے اور انجام بھی اس کا اچھا ہے

آخرت میں ثواب ہوتا ہے اور دنیا میں اعتبار۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ

اور جس بات کی تجھ کو تحقیق نہ ہو اس پر عملدرآمد مت کیا کرو (کیونکہ) کان

وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ

اور آنکھ اور دل ہر شخص سے ان سب کی (قیامت کے)

مَسْئُوْلًا ﴿۳۶﴾

پوچھ ہوگی

کہ آنکھ کا کہاں استعمال کیا کان کا کہاں استعمال کیا دل میں بے دلیل بات کا کیوں خیال جمایا اس لئے بے تحقیق بات پر وثوق کر کے اس پر عمل درآمد مت کرو اور علم اصول وغیرہ میں ہر امر کی تحقیق کا درجہ جدا جدا ثابت ہو چکا ہے پس قطعیات میں تحقیق کا درجہ یہ ہے کہ دلیل قطعی ہو اور ظنیات میں یہ کہ دلیل ظنی ہو پس اس سے قیاس شرعی کی نفی نہیں لازم آتی کیونکہ قیاس ظنیات میں ہوتا ہے اور ظنیات میں تحقیق کا درجہ یہی ہے کہ دلیل ظنی مل جائے اور قیاس شرعی بھی دلیل ظنی ہے غرض جس امر میں جس درجہ کی تحقیق ضروری ہے بدوں اس درجہ کی تحقیق کے اس پر عمل درآمد نہ قولاً جائز ہے کہ اس کی حکایت یا نقل کر دی جائے یا فتویٰ دے دیا جائے نہ عملاً جائز ہے کہ اس کام کو کیا جائے۔

وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۚ إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ

اور زمین پر اتراتا ہوا مت چل کیونکہ تو نہ زمین کو پھاڑ سکتا ہے

الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ﴿۳۷﴾

اور نہ (بدن کو تان کر) پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکتا ہے

یعنی زور سے پاؤں رکھنے کے لئے کم از کم اتنی قوت ہونی چاہئے کہ زمین کو پیر مار کر پھاڑ سکے اور اکڑنے اور تننے کے لئے کم از کم اتنی قوت تو ضروری ہے کہ پہاڑ کے برابر لمبا ہو جائے جب اس سے عاجز ہے پھر قوت اور قدرت کی صورت بنانا اور اترانا عبث ہے اور جن چیزوں پر انسان قادر ہی ہے ان پر بھی حقیقۃً قدرت نہیں رکھتا پس تکبر ہر کام میں مذموم ہوا اب یہ شبہ نہ رہا کہ اس علت سے اختیاری باتوں میں تکبر کا جائز ہونا موہوم ہوتا ہے۔

ربط: اوپر جن امور جزئیہ کی ممانعت آئی ہے آگے عنوان عام سے سب کا قبیح ہونا بیان فرماتے ہیں۔

كُلُّ ذَٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا ﴿۳۸﴾

یہ سارے برے کام تیرے رب کے نزدیک (بالکل) ناپسندیدہ ہیں

جن چیزوں کو بصورت ممانعت بیان فرمایا ہے ان میں تو برے کام صراحۃً مذکور ہیں اور جن کو بصورت امر بیان فرمایا ہے ان میں ان کے خلاف کا برا ہونا دلالۃً سمجھایا گیا مثلاً اوفوا بالعهد میں ایفاء عہد کا حکم ہے اس سے ایفاء نہ کرنے کی حرمت معلوم ہوتی ہے وعلى هذا القياس

ربط: اوپر مضامین مذکورہ بیان فرما کر آگے ان پر عمل کرنے کی ترغیب کے واسطے ان کا عین علم وسراپا حکمت ہونا بیان فرماتے ہیں اور ان مضامین کو اسی مضمون توحید پر ختم کرتے ہیں جس سے ان کو شروع فرمایا تھا ذلک مما اوحی تا مدحورا ربط: اوپر توحید کی تقریر اور اس کا مکرر بیان تھا آگے اسی کی تاکید ہے افاصفکم تا غفورًا

ذَٰلِكَ مِمَّا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۗ

یہ باتیں اس حکمت میں کی ہیں جو خدا تعالیٰ نے آپ پر وحی کے ذریعہ سے

وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَتُلْقَىٰ فِي

بھیجی ہیں اور اللہ برحق کے ساتھ کوئی معبود تجویز مت کرنا ورنہ تو الزام خوردہ

جَهَنَّمَ مَلُومًا مَدْحُورًا ﴿۳۹﴾ أَفَأَصْفَاكُمْ

اور درماندہ ہو کر جہنم میں پھینک دیا جاوے گا تو کیا تمہارے رب نے تم کو

رَبُّكُمْ بِالْبَنِينَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِنَاثًا ۚ

بیٹوں کے ساتھ خاص کیا ہے اور خود فرشتوں کو (اپنی) بیٹیاں بنائی ہیں

یعنی جب اوپر شرک کا قبیح اور باطل ہونا سن لیا تو کیا پھر بھی ایسی باتوں کے قائل ہوتے ہو جو توحید کے خلاف ہیں مثلاً یہ کہ جیسا بعض جہلاء کا گمان تھا کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں اس میں دو نقص ہیں نسبت خدا کی طرف لازم آتی ہے ایک تو اللہ کے لئے اولاد قرار دینا پھر اولاد بھی وہ جو اپنے لئے ناکارہ سمجھی جاوے۔

إِنَّكُمْ لَتَقُولُونَ قَوْلًا عَظِيمًا ﴿۴۰﴾ وَلَقَدْ

بیشک تم بڑی (سخت) بات کہتے ہو اور ہم نے اس قرآن میں طرح طرح

صَرَّفْنَا فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ لِيَذَّكَّرُوا ۖ

سے بیان کیا ہے تاکہ (اس کو) اچھی طرح سے سمجھ لیں

کیونکہ بار بار اور مختلف طریقوں سے بیان کرنے کا مقتضا یہی ہوتا ہے کہ سمجھ میں آجاوے مگر افسوس تو یہ ہے کہ اب بھی نہیں سمجھے۔

وَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا نُفُورًا ﴿۴۱﴾ قُلْ لَوْ كَانَ مَعَهُ

اور ان کو نفرت ہی بڑھتی جاتی ہے آپ فرمائیے کہ اگر اس کے ساتھ اور معبود

آلِهَةٌ كَمَا يَقُولُونَ إِذًا لَابْتَغَوْا إِلَىٰ ذِي الْعَرْشِ

بھی ہوتے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو اس حالت میں عرش والے تک انہوں

سَبِيْلًا ﴿٤٢﴾

نے راستہ ڈھونڈھ لیا ہوتا

یعنی خدائے حقیقی تک مخالفانہ طور پر بھی کے پہنچ ہوتے اور مخالفت اور مقابلہ واقع ہوتا کیونکہ ایسی بڑی بڑی قدرت والی ذاتوں میں ہمیشہ صلح رہنا عادۃً محال ہے پھر عالم کا نظام کیسے باقی رہتا حالانکہ نظام عالم قائم ہے معلوم ہوا کہ فساد کا سبب یعنی چند معبود ہیں ہی نہیں ف: اس آیت کا مضمون فی نفسہ دلیل عقلی برہانی ہے جس کی تقریر سیقول رکوع چہارم میں گزر چکی ہے یہاں عام فہم کرنے کے لئے یہ تقریر اختیار کی گئی یہ تقریر بظاہر ایک امر عادی پر مبنی ہے۔

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿٤٣﴾

یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور بہت زیادہ برتر ہے تمام

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ

ساتوں آسمان اور زمین اور جتنے ان میں ہیں اس کی پاکی بیان کر رہے ہیں

کوئی بزبان حال اور بزبان قال دونوں سے کوئی صرف زبان حال سے چنانچہ فرشتے اور مومن جن وانسان زبان قال سے بھی پاکی بیان کرتے ہیں اسی طرح بے جان اور بے عقل چیزیں اور کفار صرف زبان حال سے کیونکہ ان کا وجود اور وجود کے سب لوازمات حق تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرتے ہیں جو سب کا موجد ہے اور اس طرح کی تسبیح حالی موجودات کی اور اقسام میں بھی عام ہے ہر چیز کی حالت سے خالق جل وعلا کی ہستی کا پتہ چلتا ہے اور بے جان اور بے عقل چیزوں کی تسبیح قولی بھی احادیث سے ثابت اور کشف سے مؤید ہے رہا یہ وسوسہ کہ تسبیح کے لئے علم اور علم کے لئے حیات چاہیے اور یہ جمادات میں نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کسی قدر علم اور کسی قدر حیات ہو اور ہم کو محسوس نہ ہو تو اس میں کیا استحالہ ہے۔

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا

اور کوئی چیز ایسی نہیں جو تعریف کے ساتھ اس کی پاکی (قالاً یا حالاً) بیان نہ کرتی

تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ

ہو لیکن تم لوگ ان کی پاکی بیان کرنے کو سمجھتے نہیں ہو

بقرینہ مقام یہ خطاب مشرکین کو ہے اور ان کا نہ سمجھنا ہر تسبیح کے اعتبار سے ہے اور یہی قابل ملامت بھی ہے ورنہ بعض قسم کی تسبیح کا نہ سمجھنا موجب ملامت نہیں کفار تسبیح حالی کو تو اس لئے نہیں سمجھتے کہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ مخلوق کے عجز سے خالق کی ہستی پر استدلال کیا جائے اور یہ موقوف ہے تامل پر اور وہ تامل کرتے نہیں اور بے جان و بے عقل چیزوں کی تسبیح قالی کو اس لئے نہیں سمجھتے کہ وہ کشف کے متعلق ہے اور مسلمانوں کی تسبیح قالی کو باوجود سننے کے اس لئے نہیں سمجھتے کہ اس کی حقیقت میں غور نہیں کرتے پس کفار پر ملامت اس لئے ہے کہ وہ کسی کی تسبیح کو نہیں سمجھتے بخلاف مومنین کے کہ وہ ہر ایک کو تسبیح سمجھتے ہیں عامہ مومنین اگر بعض اشیاء کی تسبیح قالی کو نہیں سمجھتے جو کشف سے متعلق ہے تو تسبیح حالی کو تو سمجھتے ہیں کہ ان کے وجود سے وجود صانع پر استدلال کرتے ہیں اور جو اہل کشف ہیں وہ ہر قسم کی تسبیح کو سمجھتے ہیں۔

اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا

وہ بڑا حکیم ہے

یعنی کفار کی اس غفلت پر جو عذاب نہیں ہوتا اس سے وہ توحید کے حق ہونے میں شبہ نہ کریں کیونکہ عذاب کے توقف کی وجہ حق تعالیٰ کا حلم ہے ورنہ ان کا عقیدہ ضرور موجب عذاب ہے۔

غَفُوْرًا ﴿٤٤﴾

بڑا غفور ہے

یعنی البتہ اگر وہ توبہ کر لیں تو خدا تعالیٰ سب معاف کر دیں گے۔

ربط: اوپر فرمایا تھا کہ باوجود قرآن میں مضمون توحید کے مکرر ہونے کے ان کو متنبہ نہیں ہوتا آگے اس کی وجہ بتلاتے ہیں کہ وہ تدبر اور تفکر نہیں کرتے بلکہ تنفر اور تمسخر بھی کرتے ہیں۔ واذا قرأت تا سبیلا۔

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ

اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور جو لوگ آخرت پر ایمان

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿٤٥﴾ۙ

نہیں رکھتے ان کے درمیان میں ایک پردہ حائل کر دیتے ہیں

یعنی وہ پردہ یہ ہے کہ یہ لوگ نہ سمجھتے ہیں نہ سمجھنے کا ارادہ کرتے ہیں اس لئے وہ آپ کی شان نبوت کا ادراک نہیں کر سکتے۔

وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ

اور (وہ پردہ یہ ہے کہ) ہم ان کے دلوں پر حجاب ڈالتے ہیں اس سے کہ وہ

وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي

اس کو سمجھیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ دے دیتے ہیں اور جب آپ

الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ

قرآن میں صرف اپنے رب کا ذکر کرتے ہیں

یعنی اس کے اوصاف وکمالات بیان کرتے اور ان کے معبودوں سے ان کمالات کی نفی کرتے ہیں۔

وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾

تو وہ لوگ نفرت کرتے ہوئے پشت پھیر کر چل دیتے ہیں

جس کا سبب وہی سمجھنے کا ارادہ نہ کرنا ہے آگے اس پر وعید ہے۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ

جس وقت یہ لوگ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں تو ہم خوب جانتے ہیں جس

اِلَيْكَ

غرض سے یہ سنتے ہیں

کہ ان کی غرض محض طعن واعتراض کی ہوتی ہے۔

وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى

اور جس وقت یہ لوگ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں

یعنی قرآن سننے کے بعد جو آپس میں باتیں بناتے ہیں ہم ان کو بھی خوب جانتے ہیں۔

اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا

جبکہ یہ ظالم یوں کہتے ہیں کہ تم لوگ محض ایسے شخص کا ساتھ دے رہے ہو جس

مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾

پر جادو کا اثر ہو گیا ہے

یعنی جنون ہو گیا ہے تو یہ جو کچھ عجیب عجیب باتیں کرتے ہیں سب مالیخولیا ہے۔

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا

آپ دیکھئے تو یہ لوگ آپ کیلئے کیسے کیسے القاب تجویز کرتے ہیں سو

يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۴۸﴾

یہ لوگ گمراہ ہو گئے تو راستہ نہیں پا سکتے

کیونکہ ایسی باتوں اور ایسی مخالفتوں سے استعداد ضائع ہو جاتی ہے جب قرآن کے ساتھ ہی استہزاء ہو رسول کے ساتھ بھی گستاخی ہو پھر اس سے بڑھ کر کیا گمراہی ہوگی۔ ف: صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ حضور پر ایک دفعہ جادو چل گیا تھا بعض لوگوں نے اس آیت سے اس حدیث کا انکار کیا ہے کہ یہ تو کفار آپ کی نسبت کہا کرتے تھے کہ ان پر جادو کا اثر ہو گیا ہے اور کفار کا یہ قول غلط تھا حق تعالیٰ نے اس کی تکذیب فرما دی ہے جواب اس کا تقریر وترجمہ سے ظاہر ہو گیا کہ کفار کا مقصود مسحور کہنے سے مجنون کہنا تھا جس کے تمام خیالات اور اقوال محض ہذیان اور وہم ہوتے ہیں وحی کو وہ ایسا ہی سمجھتے تھے اس کی بے شک قرآن میں نفی کی گئی ہے اور آپ پر جو سحر ہوا تھا اس سے بعض روزمرہ کی عادت کے کاموں میں کسی قدر ذہول اور نسیان ہو گیا تھا باقی دنیا کے سب کاموں میں ذہول نہیں ہوا اور دینی کاموں میں تو ذرا بھی ذہول نہیں ہوا اگر کچھ ہوا ہوتا تو اس اثر کے زائل ہونے کے بعد حق تعالیٰ ان امور پر متنبہ فرماتے جیسا کہ خطاء اجتہادی میں تنبیہ ہوا کرتی ہے پس آیت میں سحر کے ایک خاص اثر یعنی جنون کی نفی کی گئی ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ پر سحر کا ذرا بھی اثر کسی وقت نہیں ہو سکتا تھا پس آیت وحدیث میں کچھ تعارض نہیں

ربط: اوپر کفار کے انکار توحید ورسالت وقرآن کا جواب تھا آگے قیامت کے انکار کا جواب ہے نیز وہ قیامت کی باتیں سن کر رسالت پر بھی اعتراض کیا کرتے تھے کہ ایسی بعید باتوں کی خبر دینے والا کہیں رسول ہو سکتا ہے پس ان آیات سے قیامت اور رسالت دونوں کے متعلق شبہات کا جواب ہو جائے گا۔ وقالوا ءاذا کنا تا قلیلا.

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ کیا جب ہم (مرکر) ہڈیاں اور چورا ہو جاویں گے

لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۴۹﴾

تو کیا ہم از سرنو پیدا اور زندہ کئے جاویں گے

یعنی اول تو مر کر ہی زندہ ہونا مشکل ہے کیونکہ جسم میں قابلیت نہیں رہی پھر خاص کر ایسی حالت میں کہ اجزاء بھی مجتمع نہ رہے۔

قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا

آپ (جواب میں) فرما دیجئے کہ تم پتھر اور لوہا یا اور کوئی مخلوق ہو کر دیکھ لو جو

يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ

تمہارے ذہن میں بہت ہی بعید ہو

یعنی تم تو ہڈیوں ہی سے زندہ ہونے کو دشوار سمجھتے ہو اور ہم کہتے ہیں کہ

تم لوہا پتھر ہو جاؤ پھر دیکھو زندہ کئے جاؤ گے یا نہیں اور لوہے پتھر کا حیات سے بعید ہونا ظاہر ہے کہ ان میں کبھی حیوانوں کی سی حیات آئی ہی نہیں بخلاف انسان کے اجزاء کے کہ وہ ایک مرتبہ تو حیات کے ساتھ موصوف ہو چکے ہیں جب اتنے بعید کا زندہ رہنا ممکن ہے تو قریب کا دوبارہ جلا دینا تو بدرجہ اول ممکن ہے اور یہ کلام شرط کے معنی میں ہے یعنی اگر تم لوہا پتھر بھی ہو جاؤ تب بھی قدرت کے سامنے زندہ ہونے کے قابل رہو گے۔

فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۭ

اس پر پوچھیں گے کہ وہ کون ہے جو ہم کو دوبارہ زندہ کرے گا

یعنی جب ہر چیز میں دوبارہ پیدا ہونے کی قابلیت ثابت ہو گئی تو اب وہ خالق کی تحقیق کریں گے۔

قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ

آپ فرما دیجئے کہ وہ وہ ہے جس نے تم کو اول بار پیدا کیا تھا

جس کی اتنی بڑی قدرت ہے کہ جب تم جماد محض اور بے جان تھے اس وقت تم کو حیات دی اب اس کی قدرت کہاں گئی خصوصاً ایسی چیز پر جس میں اب قابلیت بھی پہلے سے زیادہ ہے۔

فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ

اس پر آپ کے آگے سر ہلا ہلا کر کہیں گے کہ (اچھا بتلاؤ) یہ کب ہو گا

یعنی جب خالق کی بھی تحقیق ہو چکی تو اب وقت کی تحقیق کریں گے۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۭ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ

آپ فرما دیجئے کہ عجب نہیں یہ قریب ہی آ پہنچا ہو یہ اس روز ہو گا

قَرِيْبًا ﴿۵۱﴾ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ

کہ اللہ تعالیٰ تم کو پکارے گا

یعنی تم کو زندہ کرنے اور میدان حشر میں جمع ہونے کے لئے فرشتہ کے ذریعہ سے حق تعالیٰ پکاریں گے اور وہ اسرافیل علیہ السلام ہوں گے ان کی آواز میں بھی حکم ہو گا۔

فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ

اور تم (بالاضطرار) اس کی حمد کرتے ہوئے حکم کی تعمیل کرلو گے

حمد و ثنا کی تفسیر میں صاحب روح نے ابن جبیر کا قول نقل کیا ہے کہ قبروں سے سبحک اللھم و بحمدک کہتے ہوئے نکلیں گے گو کافر کو اس سے نفع نہ ہو گا غرض زندہ بھی ہو جائیں گے اور میدان حشر میں حاضر بھی ہو جائیں گے۔

وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۵۲﴾ ع

اور تم یہ خیال کرو گے کہ تم بہت ہی کم رہے تھے

یعنی اس روز کی ہول اور ہیبت دیکھ کر یہ حال ہو گا کہ دنیا اور قبر میں رہنے کی مدت کو بہت کم سمجھو گے کیونکہ قبر و دنیا میں اس دن کی نسبت پھر راحت تھی اور راحت کا زمانہ شدت کے زمانہ کے سامنے بہت کم معلوم ہوتا ہے۔

ربط: اوپر کفار کی جہالات کا ذکر تھا جن پر مسلمانوں کو غصہ آنے کا احتمال تھا اسلئے آگے جواب میں نرمی برتنے کی تعلیم ہے۔ وقل لعبادی تا وکیلا۔

وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ

اور آپ میرے (مسلمان) بندوں سے کہہ دیجئے کہ ایسی بات کہا کریں جو بہتر ہو

یعنی اگر کفار کو جواب دیں تو اخلاق کا بہتر پہلو اختیار کریں سب و شتم اور خشونت و اشتعال نہ ہو۔

اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ

شیطان لوگوں میں فساد ڈلوا دیتا ہے واقعی شیطان

لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۵۳﴾

انسان کا صریح دشمن ہے

آگے اس حکم کی وجہ بتلاتے ہیں کہ سختی سے کوئی فائدہ نہیں کیونکہ ہدایت و گمراہی بالکل مشیت الٰہی کے متعلق ہے۔

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ۭ

تم سب کا حال تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے

کہ کون کس قابل ہے کون کس قابل ہے۔

اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ

اگر وہ چاہے تم پر رحمت فرمادے

یعنی ہدایت کردے۔

اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ۭ

یا اگر وہ چاہے تو تم کو عذاب دینے لگے

کسی کو ہدایت کی توفیق نہ دے اور اس پر عذاب ہوتا رہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۵۴﴾

اور ہم نے آپ (تک) کو انکا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا

جب آپ باوجود نبوت کے ذمہ دار نہیں تو دوسرے کیونکر ذمہ دار ہو سکتے ہیں پھر اس قدر درپے ہونا اور سختی سے کام لینا کیا ضرور اور مراد اس سے بے ضرورت سختی کرنا ہے جیسا کہ اکثر مباحثات میں ہوتی ہے ورنہ ضرورت اور مصلحت کے موقعہ پر اس سے زیادہ لڑائی تک کی اجازت ہے۔

ربط: اوپر کفار کے انکار رسالت کا بیان تھا۔ منجملہ ان کے شبہات کے ایک یہ بھی خیال تھا کہ رسول فرشتہ ہونا چاہئے یا اگر بشر ہو تو کوئی رئیس ہو آگے اس شبہ کا جواب ہے وربک اعلم تا زبورا

وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

اور آپ کا رب خوب جانتا ہے ان کو جو کہ آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں

آسمان والوں سے مراد فرشتے اور زمین والوں سے جن و انسان ہیں مطلب یہ کہ ہم خوب واقف ہیں کہ ان میں سے کس کو نبی بنانا مناسب ہے اور کس کو نہیں پس اگر آپ کو نبی بنا دیا تو کیا تعجب ہے۔

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ

اور ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی ہے

اسی طرح اگر آپ کو فضیلت دی تو کیا تعجب ہے۔

وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾

اور ہم داؤد (علیہ السلام) کو زبور دے چکے ہیں

اسی طرح اگر آپ کو قرآن دیا تو کیا تعجب ہے اور زبور کی تخصیص میں یہ نکتہ ہے کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب ملک و سلطنت ہونے کی خبر دی گئی ہے۔ ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثها عبادی الصالحون چنانچہ تفسیر حقانی میں زبور کے مضامین کا حوالہ نقل کیا ہے۔

ربط: اوپر چند آیتوں میں شرک کا ابطال ہے آگے بعض خاص صورتوں کا رد ہے اور وہ خاص صورت یہ ہے کہ بعض لوگ جنات کی پرستش کرتے تھے پھر وہ جنات مسلمان ہو گئے اس باب میں یہ آیتیں نازل ہوئیں اور بعض ملائکہ کی پرستش کرتے تھے وہ تو مومن ہیں ہی قل ادعوا تا محذورا

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا

آپ فرما دیجئے کہ جن کو تم خدا کے سوا (معبود) قرار دے رہے ہو ذرا ان کو پکارو تو سہی سو

يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ﴿۵۶﴾

(یقیناً) وہ نہ تم سے تکلیف دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ اس کے بدل ڈالنے کا

مثلاً سخت تکلیف کو ہلکا ہی کر دیں یہ بھی ان کو اختیار نہیں اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ گو جنات اور ملائکہ میں کسی قدر اختیار کی صفت ہے مگر وہ اپنے اختیار میں حق تعالیٰ کے محتاج ہیں پس جس چیز کا اختیار ان کو عطا نہیں ہوا اس پر اختیار نہیں رکھتے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ

یہ لوگ کہ جن کو مشرکین پکار رہے ہیں وہ خود ہی اپنے رب کی طرف ذریعہ

الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ

ڈھونڈ رہے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب بنتا ہے

یعنی وہ خود ہی طاعت و عبادت میں مشغول ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کا قرب میسر ہو جاوے اور چاہتے ہیں کہ زیادہ قرب ہو جائے۔

وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ

اور وہ اس کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں

عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾

اور واقعی آپ کے رب کا عذاب ہے بھی ڈرنے کے قابل

مطلب یہ کہ جب وہ خود ہی رحمت میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں تو دوسروں کو کیا نفع دے سکتے ہیں اسی طرح جب وہ خود عذاب سے بچنے میں خدا کے محتاج ہیں تو اوروں سے کیا تکلیف دور کر سکتے ہیں پھر ان کو معبود اور مددگار بنانا محض باطل ہوگا۔

ربط: اوپر بتلایا ہے کہ عذاب ڈرنے کے قابل ہے آگے اس کے وقوع کا یقینی ہونا بتلاتے ہیں کہ اگر دنیا میں نہ آیا تو آخرت میں ضرور ہوگا غرض ٹلنے والا نہیں وان من قریة تا مسطورا۔

وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ

اور (کفار کی) ایسی کوئی بستی نہیں جس کو ہم قیامت سے پہلے ہلاک نہ کریں

الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ كَانَ

یا (قیامت کے روز) اس کو سخت عذاب نہ دیں یہ بات کتاب

ذٰلِكَ فِى الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۵۸﴾

(یعنی لوح محفوظ) میں لکھی ہوئی ہے

پس اگر کوئی کافر یہاں کسی آفت میں ہلاک ہونے سے بچ گیا تو قیامت کے روز آفت کبریٰ سے نہ بچے گا اور آفت کی قید اس لئے لگائی کہ طبعی موت سے تو سب ہلاک ہوتے ہیں اس میں کافر کی تخصیص نہیں۔

ربط: کفار بعض خاص فرمائشی معجزات کے واقع نہ ہونے سے بھی رسالت پر شبہ کرتے تھے آگے ان کے واقع نہ ہونے کی حکمت بیان کر کے شبہ کا جواب دیتے ہیں و مامنعنا تا کبیرا

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ

اور ہم کو خاص (فرمائشی) معجزات کے بھیجنے سے صرف یہی امر مانع ہوا کہ

كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ

پہلے لوگ ان کی تکذیب کر چکے ہیں

اور طبیعتیں ان کی اور ان کی مشابہ ہیں پس یہ بھی تکذیب کریں گے نمونہ کے طور پر ایک قصہ بھی سن لو۔

وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ

اور ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی دی تھی

جو ان کی فرمائش کے موافق بطور معجزہ صالح علیہ السلام کے عجیب طور پر پیدا ہوئی تھی۔

مُبْصِرَةً

جو کہ بصیرت کا ذریعہ تھی

کیونکہ معجزہ فی نفسہ بصیرت کا موجب ہوتا ہے لیکن انہوں نے اس سے بصیرت حاصل نہ کی۔

فَظَلَمُوْا بِهَا ۭ

سو ان لوگوں نے اس کے ساتھ ظلم کیا

اس کو قتل کر ڈالا اسی طرح یہ بھی بصیرت حاصل نہ کریں گے۔

وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ﴿۵۹﴾

اور ہم ایسے معجزات کو صرف ڈرانے کے لئے بھیجا کرتے ہیں

یعنی فرمائشی معجزات سے اصل مقصود یہ ہوتا ہے کہ اگر ایمان نہ لائے تو ابھی ہلاک کر دیئے جائیں گے جیسے ثمود اور اصحاب مدین کے ساتھ ہوا پس اگر فرمائشی معجزات کا ظہور ہوتا تو یہ ایمان نہ لاتے اور ہم اپنے وعدہ کو پورا کرتے تو یہ ہلاک ہوتے اور ابھی بہت سی حکمتوں سے ان کی ہلاکت کا وقت نہیں آیا۔

وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ۭ

اور آپ وہ وقت یاد کیجئے جبکہ ہم نے آپ سے کہا تھا کہ آپ کا رب (اپنے علم سے) تمام لوگوں کو محیط ہو رہا ہے

یعنی ہم جو کہتے ہیں کہ یہ ایمان نہ لائیں گے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم کو یہ بات پہلے سے معلوم ہے اور اس کے قبل ہم آپ کو اپنے اس علم کی اطلاع دے چکے ہیں کہ یہ ایمان نہ لاویں گے چنانچہ جس طرح پہلے لوگوں کے واقعات پر قیاس کرنا اس کی دلیل ہے اسی طرح خود ان کے بھی بعض واقعات پر قیاس کر کے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے آگے بعض واقعات کا ذکر ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا

اور ہم نے جو تماشہ آپ کو دکھلایا تھا

یعنی واقعہ معراج جو بیداری میں ہوا تھا اور آپ نے اس میں عجائب ملکوت کا مشاہدہ کیا۔

الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ

اور جس درخت کی قرآن میں مذمت کی گئی ہے

یعنی درخت زقوم جو کفار کی غذا ہے اور جہنم میں اس کا پیدا ہونا بتلایا گیا ہے۔

الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ۭ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ

ہم نے تو ان دونوں چیزوں کو ان لوگوں کے لئے موجب گمراہی کر دیا

ان لوگوں نے دونوں کو سن کر جھٹلایا معراج کی نسبت کہنے لگے کہ ایک رات میں اتنی دور جانا بالخصوص آسمان پر جانا کسی طرح بھی ممکن نہیں اور درخت زقوم کے بارہ میں کہتے تھے کہ آگ سے تو درخت جل جاتا ہے نہ کہ اس میں پیدا ہو اور اس کے ساتھ استہزاء بھی کرتے تھے جس کا بیان سورہ والصفت میں آئے گا خلاصہ یہ کہ ان لوگوں نے آخر ان امور کی تکذیب کی پس اس قیاس سے عام لوگ جلدی سمجھ سکتے ہیں کہ اگر فرمائشی معجزات آتے تو یہ ان کی بھی ضرور تکذیب کرتے اور یہ دونوں قیاس سامعین کو سمجھانے کے لئے بیان کئے گئے ورنہ اصل دلیل تو وہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات معلوم ہے کہ یہ ایمان نہ لائیں گے۔

فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ﴿۶۰﴾ ع

اور ہم ان کو ڈراتے رہتے ہیں لیکن ان کی بڑی سرکشی بڑھتی چلی جاتی ہے

اور ہدایت سے محرومی ہی رہتی ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا

اور جب کہ ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو سو ان سب نے سجدہ کیا مگر

اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ

ابلیس نے (نہ کیا اور) کہا میں ایسے شخص کو سجدہ کروں جس کو آپ نے مٹی سے

طِيْنًا ۚ ﴿۶۱﴾ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِىْ

بنایا ہے کہنے لگا کہ اس شخص کو جو آپ نے مجھ پر فوقیت دی ہے تو بھلا بتایئے

اس میں کیا فضیلت ہے کہ ہم اس کو سجدہ کریں۔

كَرَّمْتَ عَلَىَّ ۡ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ

تو خیر اگر آپ نے مجھ کو قیامت کے زمانہ تک مہلت دے دی تو میں (بھی)

الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۲﴾

بجز قدرے قلیل لوگوں کے اس کی تمام اولاد کو اپنے بس میں کر لوں گا

قدر قلیل سے مخلصین مراد ہیں۔

قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ

ارشاد ہوا جا جو شخص ان میں سے تیرے ساتھ ہو لے گا

جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿۶۳﴾

سو تم سب کی سزا جہنم ہے سزا پوری اور ان میں سے جس

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ

جس پر تیرا قابو چلے اپنی چیخ پکار سے اس کا قدم اکھاڑ دینا

یعنی اغوا اور وسوسہ سے ان کو راہ راست سے ہٹا دینا۔

وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ

اور ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لانا

مراد مطلق لشکر ہے۔

وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِى الْاَمْوَالِ

اور ان کے مال اور اولاد میں اپنا ساجھا کر لینا

یعنی مال و اولاد کو گمراہی کا ذریعہ بنا دینا۔

وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ

اور ان سے وعدہ کرنا

کہ قیامت کچھ نہیں گناہ پر مواخذہ نہ ہوگا۔

وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۶۴﴾

اور شیطان ان لوگوں سے بالکل جھوٹے وعدے کرتا ہے

آگے پھر اسی کو خطاب ہے۔

ربط: اوپر کی آیتوں میں اثبات توحید و ابطال شرک کا مضمون ہے آگے ایک خاص طرز پر پھر اس کی طرف رجوع ہے اور وہ خاص طرز اثبات توحید میں اپنی نعمتوں کا بیان کرنا ہے جن سے علاوہ اثبات توحید کے حقوق منعم ادا کرنے کی ترغیب بھی ہے اور ابطال شرک میں وہ خاص طرز ان کے اقرار کو ظاہر کرنا ہے کہ مصیبت کے وقت خدا کے سوا کسی سے نہیں مانگتے ربکم الذی تا تبیعاً

اِنَّ عِبَادِىْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ

میرے خاص بندوں پر تیرا ذرا قابو نہ چلے گا اور آپ کا رب کافی کارساز ہے

وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴿۶۵﴾ رَبُّكُمُ الَّذِىْ يُزْجِىْ

تمہارا رب ایسا (منعم) ہے کہ تمہارے لئے کشتی کو

لَكُمُ الْفُلْكَ فِى الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ؕ

دریا میں لے چلتا ہے تاکہ تم اس کے رزق کو تلاش کرو

چنانچہ اکثر تجارت کے لئے بحری سفر ہوتا ہے۔

اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۶۶﴾

بیشک وہ تمہارے حال پر بہت مہربان ہے

کہ تمہارے نفع کے لئے ایسا ایسا سامان بنایا۔

وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ

اور جب تم کو دریا میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے

جیسے موج اور ہوا کے طوفان سے غرق ہونے کا خوف۔

فِى الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ

تو بجز خدا کے اور جتنوں کی عبادت کرتے تھے سب غائب ہو جاتے ہیں

کہ دل سے بھی ان کا خیال نہیں آتا اور فریاد رسی سے بھی وہ امداد نہیں

کر سکتے جس سے بدلالت حال و مقال خود تمہارے اقرار سے شرک کا باطل ہونا لازم آتا ہے۔

فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ۭ وَكَانَ

پھر جب تم کو خشکی کی طرف بچا لاتا ہے تو تم پھر پھر جاتے ہو اور

الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿۶۷﴾

(واقعی) انسان ہے بڑا ناشکر

کہ ایسے جلدی منعم کا انعام اور اپنی التجا وغیرہ کو بھول جاتا ہے۔

اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ

تو کیا تم اس بات سے بے فکر ہو بیٹھے کہ تم کو خشکی کی جانب لا کر زمین میں

اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا

دھنسا دے یا تم پر کوئی ایسی تند ہوا بھیج دے جو کنکر پتھر برسانے لگے

جیسا قوم عاد پر ہوا آئی ہے اور یہ عذاب اوپر سے ہے جیسا کہ پہلا نیچے سے تھا۔

ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ﴿۶۸﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ

پھر تم کسی کو اپنا کارساز نہ پاؤ یا تم اس سے بے فکر ہو گئے

اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ

کہ خدا تعالیٰ پھر تم کو دریا ہی میں دوبارہ لے جاوے پھر

عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا

تم پر ہوا کا سخت طوفان بھیج دے پھر تم کو تمہارے کفر کے سبب

كَفَرْتُمْ ۙ

غرق کردے

یعنی اگر خشکی میں غرق ہونا سمجھ میں نہ آوے تو اچھا یہ بھی تو احتمال ہے کہ تم کو ایسا کام نکلے کہ پھر سمندر کا سفر کرنا پڑے اور وہاں غرق کردے۔

ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ﴿۶۹﴾

پھر اس بات پر کوئی ہمارا پیچھا کرنے والا تم کو نہ ملے

یعنی اس غرق کر دینے پر خدا سے کوئی بدلا لینے والا بھی نہ ہوگا۔

ربط: اوپر بعض انعامات کے پیرایہ میں توحید کا ذکر تھا آگے دوسرے انعامات کے ضمن میں توحید کا ذکر ہے۔ ولقد کرمنا تا تفضیلا

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا

اور ہم نے آدمؑ کی اولاد کو عزت دی

کہ ان کو بعض خاص صفات عطا فرمائیں۔

بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ

اور ہم نے ان کو خشکی اور دریا میں سوار کیا

کہ جانوروں اور کشتیوں پر سوار ہوتے ہیں۔

وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي

اور نفیس نفیس چیزیں ان کو عطا فرمائیں اور ہم نے

كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ﴿۷۰﴾ ع

ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فوقیت دی

کیونکہ اور حیوانات ان صفات سے خالی ہیں پس اس نعمت کی قدر کریں اور توحید و طاعت اختیار کریں انسان میں بعض خاص صفات ایسی ہیں جو دیگر حیوانات میں نہیں ہیں جیسے عقل اور ایجاد اور حسن صورت جس میں سیدھا قد بھی داخل ہے اور یہ نعمتیں سب کو عام ہیں پس بنی آدم سے مراد سب بنی آدم ہیں اور چونکہ اوپر کرمنا میں اجمال تھا جس سے شبہ ہو سکتا تھا کہ ان صفات میں یہ سب سے افضل ہے حالانکہ یہ امور ملائکہ سے افضل ہونے کے مدار نہیں ہو سکتے اور جو صفات ملائکہ سے افضل ہونے کی مدار ہیں وہ سب بنی آدم میں نہیں پائی جاتیں اس لئے آگے فضلنا میں اس شبہ کو رفع کر دیا کہ مراد عزت دینے سے بعض مخلوقات پر فضیلت دینا ہے یعنی حیوانات اور جوان سے بھی کم رتبہ ہیں پس اس آیت سے انسان کے ملائکہ سے افضل ہونے پر استدلال نہیں ہو سکتا آیت اس مسئلہ سے ساکت ہے۔

ربط: اوپر وقالوا اذا کنا عظاماً الخ میں قیامت کا مضمون تھا آگے اس کے بعض واقعات کا ذکر ہے جس سے مخالفت پر وعید بھی معلوم ہو جائے گی۔ یوم ندعوا تا اضل سبیلا

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ ۚ

جس روز ہم تمام آدمیوں کو ان کے نامہ اعمال سمیت بلاویں گے

اور وہ نامہ اعمال اڑا دیئے جائیں گے پھر کسی کے داہنے ہاتھ اور کسی کے

بائیں ہاتھ میں آجاویں گے قرآن میں نامہ اعمال دیئے جانے کی کیفیت مذکور نہیں حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نامہ اعمال سب عرش کے نیچے جمع ہوں گے پھر ایک ہوا چلے گی جس سے نامہ اعمال اڑ کر خود بخود ہاتھوں میں پہنچ جائیں گے۔

فَمَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَأُولَٰئِكَ يَقْرَءُونَ

پھر جس کا نامہ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا تو ایسے لوگ اپنا

كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿٧١﴾

نامہ اعمال پڑھیں گے اور ان کا ذرا نقصان نہ کیا جاوے گا

یعنی ان کے ایمان واعمال کا ثواب پورا پورا ملے گا کم نہ ہوگا چاہے زیادہ ہوجائے اور ان کو عذاب سے بھی نجات ملے گی خواہ اول ہی یا بعد عرصہ کے۔

وَمَنْ كَانَ فِي هَٰذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ

اور جو شخص دنیا میں اندھا رہے گا سو وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا

أَعْمَىٰ وَأَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٧٢﴾

اور زیادہ راہ گم کردہ ہوگا

کیونکہ دنیا میں تو گمراہی کا تدارک ممکن تھا وہاں یہ بھی نہ ہو سکے گا پس ایسے لوگوں کے بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دیئے جائیں گے۔

ف: قرآن مجید کی چند آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال کفار کو دیا جائے گا اس کے مقابلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ داہنے ہاتھ میں اہل ایمان کو دیا جائے گا۔ خواہ وہ گناہ گار ہوں یا نیک ہوں پھر خوش ہو کر جو وہ نامہ اعمال کو پڑھیں گے گناہ گاروں کو یہ خوشی ایمان کی ہوگی جس کی وجہ سے ہمیشہ کے عذاب سے اس کو نجات لازم ہے گو بعض اعمال پر سزا بھی ہوجائے۔

ربط: اوپر بعض آیات میں کفار کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تکذیب واستہزاء کے ساتھ پیش آنا مذکور ہوا ہے آگے آپ کے ساتھ ان کا عداوت کرنا دین اور دنیا دونوں کے اعتبار سے مذکور ہے پس اس مضمون کا تعلق رسالت سے ہے بلکہ آخر سورت تک زیادہ تر رسالت ہی کے متعلق مضمون چلا گیا ہے وان کادوا تا تحویلا

وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ

اور یہ (کافر) لوگ آپ کو اس چیز سے بچلانے ہی لگے تھے
جو ہم نے آپ پر وحی کے ذریعہ سے بھیجی ہے

قصہ یہ ہوا کہ قریش نے آپ سے درخواست کی تھی کہ ان غرباء اور عوام کو اپنے پاس سے ہٹا دیجئے تو ہم آپ کے تابع ہو جائیں اور قبیلہ بنی ثقیف نے آپ سے درخواست کی کہ ہم کو اسلام لانے کے لئے ایک سال کی مہلت دیجئے ذرا اس سال بتوں کے چڑھاوے کی آمدنی ہم وصول کرلیں پہلا قصہ مکہ کا دوسرا مدینہ کا ہے اگر یہ آیتیں مکی ہیں تو پہلا قصہ مراد ہے اور اگر مدنی ہیں تو دوسرے قصہ کی طرف اشارہ ہے مطلب یہ کہ یہ لوگ اس کوشش میں تھے کہ آپ ہمارے حکم کے خلاف کریں کہ مسلمانوں کو ہٹا دیں یا اسلام لانے کے لئے ایک سال کی مہلت دیں کہ دونوں برخلاف شرع ہیں۔

لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهُ ۖ وَ

تاکہ آپ اس کے سوا ہماری طرف غلط بات کی نسبت نہ کردیں

یعنی حکم وحی کے خلاف عملدرآمد کریں اور چونکہ نبی کا کوئی حکم خداوندی کے خلاف نہیں ہوتا تو اگر نعوذ باللہ آپ اس درخواست کے موافق عمل کرتے تو اس کی نسبت حکم الٰہی ہونے کا دعویٰ لازم آتا اور یہ خدا پر افتراء ہوتا۔

وَإِذًا لَاتَّخَذُوكَ خَلِيلًا ﴿٧٣﴾ وَلَوْلَا أَنْ

اور ایسی حالت میں آپ کو گاڑھا دوست بنا لیتے اور اگر ہم نے آپ کو ثابت

ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدْتَ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ﴿٧٤﴾ قلا

قدم نہ بنایا ہوتا تو آپ ان کی طرف کچھ کچھ جھکنے کے قریب جا پہنچتے

مگر خدا نے آپ کو بچایا کیونکہ نبوت کے لئے عصمت لازم ہے۔

إِذًا لَأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ

(اور) اگر ایسا ہوتا تو ہم آپ کو حالت حیات میں اور بعد موت کے دوہرا

ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ﴿٧٥﴾

عذاب چکھاتے پھر آپ ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار بھی نہ پاتے

کہ کچھ بھی میلان اور رجحان ہو جاتا۔

مگر چونکہ ہم نے آپ کو معصوم اور ثابت قدم بنایا ہے اس لئے کچھ بھی میلان نہ ہوا اور عذاب حیات وموت سے بھی بچ گئے ورنہ ان لوگوں کی تدبیر تو بڑی تیز تھی اس آیت میں حضور کی تنزیہ اور عصمت میں نہایت ہی مبالغہ ہے کیونکہ اول تو کچھ کچھ میلان ایک خفیف وسوسہ کا درجہ ہے جو مذموم نہیں پھر اس کے قریب ہونا یہ اور بھی ادنیٰ درجہ ہے مگر آپ سے یہ بھی نہیں صادر ہوا اور یہ ارشاد عتاب نہیں بلکہ آپ کی محبوبیت کا اظہار ہے کہ آپ ایسے محبوب ہیں کہ ہم نے ذرا سے میلان کے قریب ہونے سے بھی آپ کو بچایا۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ

اور یہ لوگ اس سرزمین سے آپ کے قدم بھی اکھاڑنے لگے تھے

اہل مکہ نے مشورہ کیا تھا کہ آپ کو مکہ سے جبراً نکال دینا چاہیے یہ تو مکہ کا قصہ ہے اور مدینہ میں پہنچنے کے بعد یہود نے براہ شرارت آپ سے عرض کیا کہ اگر آپ نبی ہیں تو ملک شام میں جا کر رہیے جو اکثر انبیاء کا مسکن رہا ہے چنانچہ آپ کو کچھ خیال ہوا پس یہ آیت اگر مکی ہے تو پہلا قصہ مراد ہے اور اگر مدنی ہے تو دوسرے قصہ کی طرف اشارہ ہے۔

لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ

تا کہ آپ کو اس سے نکال دیں اور اگر ایسا ہو جاتا تو آپ کے بعد یہ بھی بہت

اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٧٦﴾

کم ٹھہرنے پاتے

اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ آپ مکہ سے تو نکلے پھر وہاں کفار کیسے رہے اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ مکہ سے آپ کا اخراج نہیں ہوا بلکہ آپ باذن الٰہی خود ہی تشریف لے گئے اور یہ وعید نکالنے کی صورت پر تھی دوسرے یہ کہ بدر میں بڑے بڑے کفار مکہ مارے گئے جو آپ کو نکالنے کی کوشش میں تھے اور وہ بجائے کل ساکنان مکہ کے تھے اور مدینہ سے تو آپ کا خروج ہوا ہی نہیں اس لئے یہود کے وہاں رہنے پر کوئی اشکال نہیں گو بعد میں مستقل حکم سے وہاں سے وہ لوگ بھی نکال دیئے گئے۔

سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا

جیسا ان صاحبوں کے باب میں (ہمارا) قاعدہ رہا ہے جن کو آپ سے پہلے ہم نے رسول بنا کر بھیجا تھا

کہ جب ان کی قوم نے ان کو وطن سے نکالا تو ان کو بھی وہاں رہنا نصیب نہ ہوا

ربط: اوپر کفار کی مخالفت وعداوت کا ذکر تھا جو آپ کے لئے تعلق خاطر کا سبب ہو سکتا تھا آگے عبادت میں مشغول ہونے اور سب معاملات خدا کے حوالہ کرنے کا حکم ہے تا کہ ان میں مشغول ہونے سے وہ غم نہ ہو یا نہ رہے اور ساتھ میں بعض بشارت اخروی کا صراحۃً اور بشارت دنیویہ کا اشارۃً ذکر ہے اقم الصلوٰۃ تا خسارا

وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴿٧٧﴾ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ

اور آپ ہمارے (اس) قاعدے میں تغیر نہ پاویں گے آفتاب ڈھلنے کے

الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ

بعد سے رات کے اندھیرے ہونے تک نمازیں ادا کیا کیجئے

اس میں ظہر وعصر مغرب وعشاء چار نمازیں آگئیں جیسا کہ حدیث سے اس اجمال کی تفصیل ہوگئی ہے۔

وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ

اور صبح کی نماز بھی بیشک صبح کی نماز (فرشتوں کے) حاضر

مَشْهُوْدًا ﴿٧٨﴾

ہونے کا وقت ہے

حدیثوں میں ہے کہ عصر اور فجر کے وقت فرشتوں کی جو کہ انسان پر حفاظت یا کتابت اعمال کے لئے مقرر ہیں بدلی ہوتی ہے چونکہ صبح کا وقت نیند سے اٹھنے کا ہے اس لئے اس کا حکم بھی الگ بیان کیا اور ایک فضیلت بھی اس کی بیان کر دی۔

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ

اور کسی قدر رات کے حصہ میں بھی سو اس میں تہجد پڑھا کیجئے جو کہ آپ کے لئے زائد چیز ہے

یعنی پنجگانہ نماز کے علاوہ ہے خواہ نفل ہو کہ وہ تو زائد ہے ہی یا فرض کے طور پر زائد ہو تہجد پہلے تو سب پر فرض تھا پھر امت سے فرضیت منسوخ ہوگئی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دو قول ہیں ایک یہ کہ آپ پر فرض رہا دوسرے یہ کہ آپ پر بھی فرض نہیں رہا تھا پہلے قول پر نافلة کے لغوی معنی مراد ہوں گے یعنی آپ کے لئے یہ فرض زائد ہے اور دوسرے قول پر آپ کے لئے زائد ہونے کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ تہجد کا زائد ہونا آپ ہی کیلئے خاص ہے کیونکہ آپ معصوم ہیں آپ کو زیادہ ضرورت نہ تھی بخلاف امت کے کہ ان کے لئے گناہوں کا کفارہ بھی ہوتی ہے ان کو اس کی ضرورت ہے۔

عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿٧٩﴾

امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود میں جگہ دے گا

مقام محمود شفاعت کبریٰ کا مقام ہے اور شفاعت کبریٰ وہ ہے جس میں تمام خلائق کے حساب وکتاب شروع ہونے کی شفاعت ہوگی۔ صحاح میں مقام محمود کی یہی تفسیر آئی ہے اور بعض روایات میں جو اس کی تفسیر میں شفاعة لامتی آیا ہے کہ مقام محمود میری امت کی شفاعت ہے اس سے ماسوا امت کی نفی مقصود نہیں ہے یہاں تک عبادت کا حکم اور آخرت کے متعلق بشارت

تھی آگے تفویض کا حکم ہے کہ اپنے سب کام خدا کے حوالہ کرو۔

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ

اور آپ یوں دعا کیجئے کہ اے رب مجھ کو خوبی کے ساتھ پہنچائیو اور مجھ کو

مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ

خوبی کے ساتھ لے جائیو اور مجھ کو اپنے پاس سے ایسا غلبہ دیجئو

سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ﴿۸۰﴾

جس کے ساتھ نصرت ہو

جس سے وہ غلبہ بڑھتا ہی جاوے ورنہ عارضی غلبہ تو کفار کو بھی ہو جاتا ہے مگر وہ من جانب اللہ منصور نہیں ہوتے اس لئے جلد زائل ہو جاتا ہے اور رب ادخلنی الخ کی تفسیر ہجرت کے ساتھ ترمذی میں آئی ہے آگے دنیوی بشارت ہے کہ ان دعاؤں کے مقبول ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ اِنَّ

اور کہہ دیجئے کہ حق آیا اور باطل گیا گزرا ہوا (اور) واقعی باطل چیز تو

الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾

یونہی آتی جاتی رہتی ہے

اس مراد عام ہے کہ باطل اب جاتا رہے یا پھر کسی وقت یا یہ کہ وہ فی نفسہ مٹنے والی چیز ہے گو کسی وقت اس کا ظہور ہو۔ پس باطل کا چندے رہ جانا موجب شبہ نہیں ہوسکتا اور قل جاء الحق میں مکہ فتح ہونے کی طرف اشارہ ہے حدیث شیخین میں آیا ہے کہ آپ فتح مکہ میں یہ آیت پڑھ کر بتوں کو گرا رہے تھے خلاصہ یہ کہ آپ ان مضامین میں غور کیجئے اور مغموم نہ ہو جایئے چنانچہ ہجرت کے بعد مکہ فتح ہوا اور سب وعدے پورے ہوگئے آگے زیادہ تسلی فرماتے ہیں کہ ان کافروں کی بد استعدادی سے ان کے ایمان کی امید نہیں۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ

اور ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں کہ وہ ایمان والوں کے حق

لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۙ

میں تو شفاء اور رحمت ہے

کیونکہ وہ اس کو مانتے ہیں اور عمل کرتے ہیں جس سے حق تعالیٰ کی رحمت ان پر ہوتی ہے اور عقائد فاسدہ اور اعمال ناشائستہ سے نجات ہوتی ہے۔ یہی شفا ہے۔

وَلَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾

اور ناانصافیوں کو اس سے اور الٹا نقصان بڑھتا ہے

کہ وہ مانتے نہیں تو اور زیادہ غضب اور عذاب کے مستحق ہوتے ہیں جب ان کی یہ حالت ہے پھر ان سے قبول کی کیا امید اور مخالفت پر غم کرنا بے فائدہ ہے۔

ربط: آگے کفار کی اس مخالفت کی اور قبول نہ کرنے کی علت بیان فرماتے ہیں کہ اس کا سبب تکبر اور سنگ دلی اور حق تعالیٰ سے بے تعلقی ہے

واذا انعمنا تا سبیلا

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ

اور آدمی کو جب ہم نعمت عطا کرتے ہیں تو منہ موڑ لیتا ہے اور کروٹ پھیر

بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ یَئُوْسًا ﴿۸۳﴾

لیتا ہے اور جب اس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ناامید ہو جاتا ہے

یعنی کافر ایسا ہوتا ہے کہ نعمت کے وقت ہم سے اور ہمارے احکام سے اعراض کرتا ہے اور تکلیف کے وقت رحمت سے بالکل مایوس ہو جاتا ہے اور یہ دونوں حالتیں اللہ تعالیٰ سے بے تعلقی کی دلیل ہیں اور یہی بے تعلقی ہدایت کی طرف متوجہ نہ ہونے کا اصلی سبب ہے اسی سے کفر وغیرہ پیدا ہوتا ہے۔

قُلْ كُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاكِلَتِهٖ ؕ

آپ فرما دیجئے کہ ہر شخص اپنے طریقہ پر کام کر رہا ہے

یعنی کافر اور مومن نیک اور بد سب اپنی عقل صحیح یا جہل قبیح کے مقتضا پر عمل کر رہے ہیں۔

فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰی سَبِیْلًا ﴿۸۴﴾ ع

سو تمہارا رب خوب جانتا ہے جو زیادہ ٹھیک راستہ پر ہو

اسی طرح جو ٹھیک راستہ پر نہ ہو اس کو بھی جانتا ہے یہ نہیں کہ جس کا دل چاہے اپنے کو ٹھیک راستہ پر سمجھنے لگے حق تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ کون عقل صحیح سے کام لے رہا ہے کون جہل قبیح میں مبتلا ہے ہر ایک کو اس کے موافق جزا دے گا۔

ربط: اوپر سے چند آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفار کا معاملہ جو مباحث متعلقہ رسالت سے ہے بیان ہوتا چلا آ رہا ہے آگے بھی رسالت کے امتحان کے لئے جو کفار نے آپ سے سوال کیا تھا اس کا جواب ہے صحیحین میں ہے کہ یہود نے آپ سے امتحاناً روح کا

سوال کیا اور ترمذی وغیرہ میں ہے کہ یہود سے مشورہ کر کے قریش نے یہ سوال پیش کیا تھا ویسئلونک تا قلیلا

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ

اور یہ لوگ آپ سے روح کو (امتحاناً) پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ روح

اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۵﴾

میرے رب کے حکم سے بنی ہے اور تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے

یعنی بس اجمالاً اتنا جان لو کہ وہ ایک چیز ہے جو خدا کے حکم سے بنی ہے باقی اس کی مفصل حقیقت کا جاننا ضروریات دین سے ہے نہ تمہاری فہم میں آ سکتا ہے اس لئے مخفی رکھا گیا تم کو بقدر تمہاری فہم کے علم دیا گیا ہے اور وہ بھی صرف ضروریات کا ف: بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سوال اسی روح کے متعلق تھا جس سے انسان زندہ ہے کیونکہ جب مطلق روح بولتے ہیں یہی سمجھ میں آتی ہے اور جواب سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی حقیقت ظاہر نہیں کی گئی اور ظاہر نہ کرنے کی وجہ بتلا دی گئی اور ضروری عقیدہ اس کی بابت یہ بتلایا گیا کہ وہ حادث ہے۔

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ

اور اگر ہم چاہیں تو جس قدر آپ پر وحی بھیجی ہے سب سلب کر لیں

یعنی نہ خارج میں نہ ذہن میں کہیں نہ رہے۔

ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ﴿۸۶﴾ اِلَّا

پھر اس کے (واپس لانے کے) لئے آپ کو ہمارے مقابلہ میں کوئی حمایتی بھی

رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ

نہ ملے مگر (یہ) آپ کے رب ہی کی رحمت ہے (کہ ایسا نہیں کیا) بیشک

كَبِيْرًا ﴿۸۷﴾

آپ پر اس کا بڑا فضل ہے

مطلب یہ کہ آپ نبوت کے متعلق اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو یاد کر کے خوش رہیے اور کسی کی مخالفت کا غم نہ کیجئے۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ

آپ فرما دیجئے کہ اگر تمام انسان اور جنات سب اس بات کیلئے جمع ہو

يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ

جاویں کہ ایسا قرآن بنا لاویں تب بھی ایسا نہ لا سکیں گے

وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾

اگرچہ ایک دوسرے کا مددگار بھی بن جاوے

اور یہ اجتماع آراء ہے تو بدوں مدد کے تو بدرجہ اولیٰ عاجز رہیں گے گو اجتماع ظاہری کو تصمیم عزم میں پھر بھی دخل ہوگا پس اگر بالکل اجتماع نہ ہو تو اولیٰ سے بھی اولیٰ درجہ میں عجز ہوگا ف: شاید جن کا ذکر اس لئے کیا ہو کہ وہ جنات کی عبادت کرتے تھے مطلب یہ ہوگا کہ اگر تمہارے خدا بھی آ جاویں تب بھی نہ بنا سکو اور یا یوں کہا جاوے کہ چونکہ جن بھی مکلف ہیں اس لئے ان کا ذکر کیا گیا۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ

اور ہم نے لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے اس قرآن میں ہر قسم کا عمدہ مضمون

مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۫ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا

طرح طرح سے بیان کیا ہے پھر بھی اکثر لوگ بے انکار کئے ہوئے نہ رہے اور یہ

كُفُوْرًا ﴿۸۹﴾ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا

لوگ کہتے ہیں کہ ہم آپ پر ہرگز ایمان نہ لاویں گے جب تک آپ ہمارے

مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ

لئے (مکہ کی) زمین سے کوئی چشمہ نہ جاری کر دیں یا خاص آپ کے لئے کھجور

جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ

اور انگوروں کا کوئی باغ نہ ہو پھر اس باغ کے بیچ بیچ میں جگہ جگہ بہت سی نہریں

خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿۹۱﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ

آپ جاری کر دیں یا جیسا کہ آپ کہا کرتے ہیں آپ آسمان کے ٹکڑے ہم پر

عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ

نہ گرا دیں یا آپ اللہ کو اور فرشتوں کو (ہمارے) سامنے لا کھڑا کر دیں آپ کے

قَبِيْلًا ﴿۹۲﴾ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ

پاس کوئی سونے کا بنا ہوا گھر نہ ہو یا آپ آسمان پر (ہمارے سامنے) نہ چڑھ

اَوْ تَرْقٰى فِى السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ

جاویں اور ہم آپ کے (آسمان پر) چڑھنے کا بھی کبھی باور نہ کریں جب تک کہ

حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ

(وہاں سے) آپ ہمارے پاس ایک نوشتہ نہ لاویں جس کو ہم پڑھ بھی لیں

یعنی اس میں آپ کے آسمان پر پہنچنے کی تصدیق بطور رسید کے لکھی ہوئی ہو آگے ان سب خرافات کے جواب کی بابت ارشاد ہے۔

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّىْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ ع

آپ فرما دیجئے سبحان اللہ میں بجز اس کے کہ آدمی ہوں (مگر) پیغمبر ہوں اور کیا ہوں

کہ ان فرمائشوں کا پورا کرنا میری قدرت میں ہو کیونکہ بشریت جو کہ خود عاجز ہونے کو مقتضی ہے مجھ میں موجود ہے اور رسالت گو میری صفت ہے مگر وہ اس کو مقتضی نہیں کہ مجھے ان امور پر بھی قدرت ہو اور اگر رسالت کے لئے ایسی قدرت کو لازم سمجھا جائے تو محض غلط ہے کیونکہ اس کا مقتضا صرف اس قدر ہے کہ کوئی دلیل صحیح سالم نبوت پر قائم ہو سو اس کو بارہا تم لوگوں کے سامنے پیش کر چکا ہوں اور اب تک کوئی اس کو نہیں توڑ سکا پس ان باتوں کو بشر یا رسول سے کوئی تعلق نہ رہا اب رہ گیا یہ امر کہ حق تعالیٰ ہی ظاہر کر دیں گو ضرورت نہ سہی سو اس کی حکمت کو وہ جانیں کسی کو اس فرمائش کا حق نہیں اور بعض حکمتیں معلوم ہوگئی ہیں کہ فرمائش کے پورا ہونے پر ایمان نہ لائے تو استیصال ہی ہو جائے گا جیسا کئی بار گزر چکا ہے۔

ربط: اوپر بعض شبہات متعلقہ رسالت کا جواب تھا آگے بھی ایک شبہ کا جواب ہے وہ یہ کہ رسول بشر نہ ہونا چاہئے فرشتہ ہونا چاہئے جواب کا حاصل یہ ہے کہ جن کی طرف رسول بھیجا جاتا ہے ان میں اور رسول میں مناسبت ضروری ہے اگر وہ فرشتے ہوتے تو رسول بھی فرشتہ ہوتا جب زمین میں انسان بستے ہیں تو رسول بھی بشر ہونا چاہئے۔ وما منع الناس تا رسولا ۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى

اور جس وقت ان لوگوں کے پاس ہدایت پہنچ چکی اس وقت ان کو ایمان لانے سے بجز اس کے اور کوئی (قابل التفات) بات مانع نہیں ہوئی کہ

اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾

انہوں نے کہا کیا اللہ تعالیٰ نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے

یعنی ان کے پاس دلیل صحیح رسالت کی مثلاً قرآنی اعجاز پہنچ چکا ہے جس کا مقتضا یہ تھا کہ ایمان لے آتے مگر انہوں نے بشریت اور رسالت میں منافات سمجھ رکھی ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ انسان رسول بنے آگے اس کا جواب ہے۔

قُلْ لَّوْ كَانَ فِى الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ

آپ فرما دیجئے کہ اگر زمین پر فرشتے (رہتے) ہوتے کہ

مُطْمَئِنِّيْنَ

اس میں چلتے بستے

نیز اس کے ساتھ وہ آسمان پر بھی نہ جا سکتے کیونکہ آسمان پر جانے کی اگر ان کو اجازت ہوتی تو رسول بھیجنے کی ضرورت کیا ہوتی۔

لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾

تو البتہ ہم ان پر آسمان سے فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے

اگر یہ وسوسہ ہو کہ جب مناسبت کی ضرورت سے ہم جنس ہونے کی رعایت ہوئی تو پھر رسول کے پاس فرشتہ کیسے آتا ہے اور رسول کو باوجود بشر ہونے کے فرشتہ سے فیض کیونکر ہوتا ہے جواب یہ ہے کہ رسول میں ملکیت کی شان بھی ہوتی ہے اس لئے اس کو فرشتہ اور بشر دونوں سے مناسبت ہوتی ہے بخلاف عام انسانوں کے کہ ان میں شان ملکیت نہیں ہوتی اگر یہ شبہ ہو کہ فرشتہ آدمی کی شکل میں آجاتا تو عوام کو بھی مناسبت ہو جاتی اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ شکل بدلنے سے فرشتہ کی خاصیت نہیں بدلتی پھر بھی مناسبت نہ ہوتی دوسرا جواب سورۂ انعام کی آیت ولو جعلناہ رجلاً الخ میں گزر رہا ہے کہ اگر آدمی کی شکل میں فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجتے تو پھر وہی اشکال باقی رہتا کہ رسول انسان کیوں ہوا فرشتہ کیوں نہ ہوا۔ اگر یہ وسوسہ ہو کہ پھر آپ کی بعثت اور رسالت جنات کی طرف کیسے ہوئی جنوں کو آدمی سے کہاں مناسبت جواب یہ ہے کہ حضور میں بلکہ ہر نبی میں جامعیت کی صفت تھی اس لئے ان کو بھی آپ سے فیض ممکن ہے

ربط: اوپر رسالت کے متعلق شبہات کے جوابوں کا بیان تھا اور قل لئن اجتمعت میں دلیل قطعی رسالت کی مذکور ہو چکی ہے چونکہ معاندین اس پر بھی نہیں مانے اس لئے آگے آخری خطاب فرماتے ہوئے قیامت کی وعید و عذاب اور قیامت کے متعلق شبہ کا جواب ارشاد فرماتے ہیں قل کفی تا کفورا

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۢ بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ ؕ

آپ (اخیر بات) کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان کافی گواہ ہے

یعنی خدا جانتا ہے کہ میں واقع میں رسول ہوں تم نہیں مانتے مت مانو

تم ایک روز بھگتو گے۔

اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾ وَمَنْ

(کیونکہ) وہ اپنے بندوں کو خوب جانتا ہے خوب دیکھتا ہے اور اللہ جس کو راہ

يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ

پر لاوے وہی راہ پر آتا ہے اور جس کو بے راہ کر دے تو خدا کے سوا

تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ

آپ کسی کو بھی ایسوں کا مددگار نہ پاویں گے

جن کی مدد کا ان کو بھروسہ ہے کوئی کام نہ آئے گا اور خدا کی مدد سے تو کفر کی وجہ سے محروم ہیں ہی غرض جب تک خدا کی طرف سے دستگیری نہ ہو نہ ہدایت ہوسکتی ہے نہ کوئی عذاب سے بچ سکتا ہے چنانچہ یہ لوگ باوجود ہدایت کے اسباب مجتمع ہونے کے خدا کی مدد نہ ہونے سے ہدایت تک نہ پہنچ سکے۔

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰي وُجُوْهِهِمْ

اور ہم قیامت کے روز ان کو اندھا گونگا بہرا کر کے

عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ

منہ کے بل چلاویں گے

حدیث شیخین میں تصریح ہے کہ کفار منہ کے بل چلیں گے اس لئے علی وجوھھم میں تو مجازی معنی یقیناً نہیں اور اسی کے قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بوڑھے بہرے گونگے سے بھی حقیقی معنی مراد ہیں مجازی نہیں رہا یہ کہ دوسری آیتوں سے ان کا دیکھنا سننا اور سراونچا کرنا معلوم ہوتا ہے جیسے اسمع بھم وابصر و مقنعی رؤسھم اس کے متعدد جواب ہوسکتے ہیں اسہل جواب یہ ہے کہ عین حشر کے وقت تو ذلت کے لئے یہ حالت ہو گی کہ منہ کے بل چلیں گے اندھے بہرے گونگے ہوں گے پھر بعد میں سننا دیکھنا سراونچا کرنا بھی واقع ہوگا۔

مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ

(پھر) ان کا ٹھکانا دوزخ ہے آگ جب ذرا دھیمی ہونے لگے تب ہی ہم ان

سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾ ذٰلِكَ جَزَاۗؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا

کے لئے اور زیادہ بھڑکا دیں گے یہ ہے ان کی سزا اس سبب سے کہ انہوں نے

بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا

ہماری آیتوں کا انکار کیا تھا اور یوں کہا تھا کہ جب ہم ہڈیاں اور بالکل ریزہ

ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾ اَوَلَمْ

ریزہ ہوجاویں گے تو کیا ہم از سر نو پیدا کر کے (قبروں سے) اٹھائے جاویں

يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

گے کیا ان لوگوں کو اتنا معلوم نہیں کہ جس اللہ نے آسمان اور زمین پیدا کئے وہ

قَادِرٌ عَلٰٓي اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ

اس بات پر (بدرجہ اولیٰ) قادر ہے کہ وہ ان جیسے آدمی دوبارہ پیدا کر دے

اور شاید منکرین کو یہ وسوسہ ہو کہ ہزاروں مر گئے مگر اب تک یہ وعدہ قیامت کا پورا نہ ہوا اس کا جواب آگے ارشاد فرماتے ہیں۔

وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ

اور ان کے لئے ایک میعاد معین کر رکھی ہے کہ اس میں ذرا بھی شک نہیں

اس میعاد کے آنے کے وقت سب دوبارہ زندہ کئے جائیں گے

ربط: اوپر کفار کا انکار نبوت اور آپ سے عداوت کرنا مذکور ہوا ہے آگے بطور تفریع کے فرماتے ہیں کہ اگر کسی کو نبی بنانا تمہارے اختیار میں ہوتا تو تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نبوت نہ دیتے مگر وہ فضل تو خاص خدا کے ہاتھ میں ہے اس لئے تمہاری کراہت اور عداوت مانع نہیں ہوسکی اس سے ان کے اس قول کا بھی جواب ہوگیا جو وہ کہا کرتے تھے۔ لولا نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم کہ یہ قرآن دونوں ہستیوں میں کے کسی بڑے رئیس آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا۔

فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۹۹﴾ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ

اس پر بھی بے انصاف لوگ بے انکار کئے نہ رہے آپ فرما دیجئے کہ اگر تم میرے

تَمْلِكُوْنَ خَزَاۗىِٕنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ

رب کی رحمت (یعنی نبوت) کے خزانوں (یعنی کمالات) کے مختار ہوتے

کہ جس کو چاہتے دیتے جس کو چاہتے نہ دیتے جیسا کہ تمہاری بے جا باتوں سے مترشح ہوتا ہے کہ تم اپنے آپ کو نبوت کا مالک اور مختار بنانا چاہتے ہو اسی لئے کبھی کہتے ہو کہ یہ قرآن کسی رئیس پر نازل ہونا چاہئے تھا کبھی کہتے ہو کہ رسول فرشتہ ہونا چاہئے تھا کبھی بے جا فرمائشی معجزات کی درخواست کرتے ہو۔

اِذًا لَّاَمۡسَکۡتُمۡ خَشۡیَةَ الۡاِنۡفَاقِ ؕ

تو اس صورت میں تم (اس کے) خرچ کرنے کے اندیشہ سے ضرور ہاتھ روک لیتے

یعنی کسی کو بھی نبوت نہ دیتے باوجودیکہ وہ ایسی چیز ہے کہ دینے سے بھی نہ گھٹتی مگر جب بھی تم کسی کو نہ دیتے جیسا کہ بعض لوگ غایت بخل سے علم کی بات نہیں بتلایا کرتے تو وہ لوگ حکمت کی بات بتلانے کو یوں سمجھتے ہیں کہ گویا کچھ خرچ ہو رہا ہے۔

وَکَانَ الۡاِنۡسَانُ قَتُوۡرًا ﴿۱۰۰﴾ ع

اور آدمی ہے بڑا تنگ دل

کہ ایسی نہ گھٹنے والی چیز کے دینے سے بھی دریغ کرتا ہے اور اس کا سبب بخل وعداوت کے علاوہ یہ اندیشہ بھی ہوتا کہ اگر کسی کو نبی بنایا تو پھر احکام کی پابندی کرنا پڑے گی جیسا کہ اتفاق کر کے کسی کو بادشاہ بنا لینے سے پھر اس کی اطاعت کرنا پڑتی ہے یہ تفسیر اس آیت کی خدا کے انعامات میں سے اور مقام کے ساتھ نہایت چسپاں ہے اس میں نبوت کو رحمت کے ساتھ تعبیر کیا گیا جیسا کہ اھم یقسمون رحمة ربک میں بالاجماع رحمت سے نبوت مراد ہے۔

ربط: اوپر رسالت محمدیہ اور رسالت کی دلیل یعنی اعجاز قرآن اور کفار کے عناد کا بیان تھا آگے بطور نظیر کے موسیٰ علیہ السلام کی رسالت اور ان کے معجزات کا ذکر اور فرعون کے عناد کا بیان ہے جس سے فرمائشی معجزات کے ظاہر نہ ہونے کی حکمت بھی معلوم ہو جائے گی کہ یہ لوگ بھی فرعون کی طرح ضرور انکار کرتے اور عذاب کے مستحق ہوتے اور تسلی کے لئے فرعون کے عناد کا اور بنی اسرائیل کے صبر کا انجام مذکور ہے اس کے بعد پھر اصلی مدعا یعنی اثبات رسالت اور دلیل رسالت کا بیان وبالحق انزلناہ میں ہو گا ولقد اٰتینا تا خشوعاً

وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسٰی تِسۡعَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ

اور ہم نے موسیٰ کو کھلے ہوئے نو معجزات دیئے

جن کا ذکر پارہ الم کے چھٹے رکوع میں آ چکا ہے اور ترمذی کی حدیث میں یہود کا نو آیات کی بابت سوال کرنا اور آپ کا جواب میں نو احکام بیان فرمانا مذکور ہے لیکن آیت میں بظاہر معجزات میں کلام ہے اس لئے احکام مراد لینا سیاق کلام سے بعید ہے پس حدیث کے معنی احقر کے نزدیک یہ ہیں کہ حضورؐ نے ان معجزات کو بیان کر کے احکام بھی حکیمانہ جواب کے طریقہ پر بیان فرما دیئے راوی نے احکام کو ضروری سمجھ کر معجزات کا مضمون کلام سے حذف کر دیا واللہ اعلم

فَسۡـَٔلۡ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اِذۡ جَآءَهُمۡ

جبکہ وہ بنی اسرائیل کے پاس آئے تھے سو آپ بنی اسرائیل سے پوچھ دیکھئے

اور چونکہ آپ فرعون کی طرف بھی بھیجے گئے تھے اور فرعون اور آل فرعون کے ایمان نہ لانے سے وہ عجائبات ظاہر ہوئے تھے اس لئے موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دوبارہ ایمان لانے کے یاددہانی کی اور ان آیات بینات سے ڈرایا۔

فَقَالَ لَهٗ فِرۡعَوۡنُ اِنِّیۡ لَاَظُنُّكَ یٰمُوۡسٰی

تو فرعون نے ان سے کہا کہ اے موسیٰ میرے خیال میں تو ضرور تم پر کسی نے

مَسۡحُوۡرًا ﴿۱۰۱﴾

جادو کر دیا ہے

جس سے تمہاری عقل مخبوط ہو گئی کہ ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔

قَالَ لَقَدۡ عَلِمۡتَ مَاۤ اَنۡزَلَ هٰۤؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ

موسیٰ نے فرمایا تو (دل میں) خوب جانتا ہے کہ یہ عجائبات خاص

السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّیۡ لَاَظُنُّكَ

آسمان اور زمین کے پروردگار نے بھیجے ہیں جو کہ بصیرت کے لئے (کافی)

یٰفِرۡعَوۡنُ مَثۡبُوۡرًا ﴿۱۰۲﴾ فَاَرَادَ اَنۡ یَّسۡتَفِزَّهُمۡ

ذرائع ہیں اور اور میرے خیال میں ضرور تیری کم بختی کے دن آ گئے ہیں پھر

مِّنَ الۡاَرۡضِ

اس نے چاہا کہ بنی اسرائیل کا اس سرزمین سے قدم اکھاڑ دے

گو کسی وجہ سے زبان سے اقرار نہیں کرتا۔ یعنی یا تو فرعون کی یہ حالت تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر بھی بنی اسرائیل کو مصر سے جانے کی اجازت نہ دیتا پھر یہ ہوا کہ اس احتمال سے کہ کہیں بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کے اثر سے قوت نہ پکڑ جائیں تو اس نے خود ہی ان کو شہر بدر کرنا چاہا۔

فَاَغۡرَقۡنٰهُ وَمَنۡ مَّعَهٗ جَمِیۡعًا ﴿۱۰۳﴾ لا

سو ہم نے اس (ہی) کو اور جو اس کے ساتھ تھے سب کو غرق کر دیا

یعنی قبل اس کے کہ وہ کامیاب ہو ہم نے خود اسی کو پہلے غرق کر دیا۔

وَّقُلۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ لِبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اسۡکُنُوا الۡاَرۡضَ

اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل کو کہہ دیا کہ (اب) تم اس سرزمین میں رہو سہو

جہاں سے تم کو فرعون نے نکالنا چاہا تھا تم ہی اس زمین کے مالک ہو خواہ بالقوۃ یا بالفعل مگر یہ ملکیت حیوٰۃ دنیا تک ہے۔

فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ﴿١٠٤﴾

پھر جب آخرت کا وعدہ آ جائے گا تو ہم سب کو جمع کر کے حاضر لا کریں گے

قیامت کے میدان میں مملوک اور محکوم بن کر آ دیں گے اور جس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو معجزے دیئے اسی طرح آپ کو معجزے دیئے جن میں عظیم الشان معجزہ قرآن ہے۔

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ

اور ہم نے اس قرآن کو راستی ہی کے ساتھ نازل کیا اور وہ راستی ہی کیساتھ نازل ہوگیا

یعنی جیسا کاتب کے پاس سے چلا تھا اسی طرح مکتوب الیہ کے پاس پہنچ گیا اور درمیان میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا پس وہ سراسر راستی ہی راستی ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿١٠٥﴾

اور ہم نے آپ کو صرف خوشی سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے

یعنی جس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر بنایا تھا اور ہدایت ان کے قبضہ میں نہ تھی اسی طرح آپ کو بھی خوش خبری سنانے اور عذاب سے ڈرانے کو بھیجا ہے اگر کوئی ایمان نہ لاوے کچھ غم نہ کیجئے آگے بتلاتے ہیں کہ ہم نے قرآن میں علاوہ راستی کے اور بھی ایسی صفات کی رعایت رکھی ہے جس سے ہدایت زیادہ آسان ہو جائے۔

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ

اور قرآن میں ہم نے جا بجا فصل رکھا تا کہ آپ اس کو لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں

جس میں وہ اچھی طرح سمجھ سکیں کیونکہ لمبی مسلسل تقریر بعض اوقات ضبط میں نہیں آتی ایک وصف تو یہ ہے دوسرا آگے بیان کرتے ہیں۔

وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿١٠٦﴾

اور ہم نے اس کو اتارنے میں بھی تدریجاً اتارا

یعنی ہم نے حسب واقعات اور موافق ضرورت کے تھوڑا تھوڑا نازل کیا تا کہ معانی کا خوب انکشاف ہو اب ان سب امور کا یہ مقتضا تھا کہ یہ لوگ ایمان لے آتے لیکن اس پر بھی اگر ایمان نہ لاویں تو آپ کچھ پروانہ کیجئے۔

قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ

کہہ دیجئے کہ تم اس قرآن پر خواہ ایمان لاؤ یا ایمان نہ لاؤ

مجھ کو کوئی پروا نہیں دو وجہ سے ایک تو یہ کہ میرا ضرر کیا ہے دوسرے یہ کہ تم ایمان نہ لائے تو کیا ہوا دوسرے لوگ ایمان لے آئے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ

جن لوگوں کو قرآن سے پہلے علم دیا گیا تھا

یعنی جو لوگ قرآن کے نزول سے پہلے دین کے عالم تھے یعنی منصف علماء اہل کتاب۔

مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ

یہ قرآن جب ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر

سُجَّدًا ﴿١٠٧﴾ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ

پڑتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارا رب (وعدہ خلافی سے) پاک ہے بیشک

وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿١٠٨﴾

ہمارے رب کا وعدہ ضرور پورا ہی ہوتا ہے

سو جس کتاب کا جس نبی پر نازل کرنے کا وعدہ پہلی کتابوں میں کیا تھا اس کو پورا کر دیا اور یہ سجدہ میں گرنا بطور شکر کے ہے کہ وعدہ سابقہ پورا ہوا یا تعظیم کے لئے ہے کہ قرآن سن کر ان پر ہیبت طاری ہوتی ہے یا مجازاً سجدہ سے کمال اطاعت و خشوع مراد ہے اور سجدہ چہرہ کے بل ہوتا ہے مگر ٹھوڑی کے بل کہنا بطور مبالغہ کے ہے کہ اپنے چہرے کو زمین اور خاک سے اس قدر لگا دیتے ہیں کہ ٹھوڑی زمین سے لگنے کے قریب ہو جاتی ہے۔

وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ

اور ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں روتے ہوئے اور یہ قرآن ان کا

خُشُوْعًا ﴿١٠٩﴾ السجدۃ

خشوع بڑھا دیتا ہے

کیونکہ ظاہر و باطن کی موافقت سے قلبی کیفیت قوی ہو جاتی ہے۔

ربط: اوپر چند آیات میں توحید کی تقریر تھی آگے ختم سورت پر پھر اسی کے متعلق کچھ تحقیقات اور تعلیمات ہیں اور چونکہ سورت کے شروع میں حق تعالیٰ کی نزاہت اور پاکی کا بیان تھا خاتمہ پر بھی اس کا ہونا لطافت و حسن کو دوبالا کر دیتا ہے۔ **قل ادعوا اللہ تا کبیرا۔**

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا

آپ فرما دیجئے کہ خواہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو جس نام سے بھی پکارو

تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ج

گے سو اس کے بہت سے اچھے اچھے نام ہیں

اور اس کو شرک سے کوئی علاقہ نہیں کیونکہ ذات تو ایک ہی ہے گو اس کے نام بہت سے ہیں شرک جب ہوتا کہ مسمّی بھی متعدد ہوتے شان نزول آیت کا یہ ہے کہ ایک روز آپ نے دعا میں یا اللہ یا رحمٰن فرمایا مشرکین نے اعتراض کیا کہ ہم کو تو دو معبودوں کو پکارنے سے منع کرتے ہیں اور خود دو معبودوں کو پکارتے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ

اور اپنی نماز میں نہ تو بہت پکار کر پڑھیئے

کہ مشرکین سن سن کر خرافات بکیں اور نماز میں دل پریشان ہو جب آپ نماز میں ذرا بلند آواز سے قرآن پڑھتے تو مشرکین قرآن اور حق تعالیٰ اور جبرئیل کی شان میں گستاخی کرتے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَا تُخَافِتْ بِهَا

اور نہ بالکل ہی چپکے چپکے پڑھیئے

کہ نمازیوں کو بھی نہ سنائی نہ دے کیونکہ اس سے ان کی تعلیم میں کمی پڑتی ہے۔

وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿١١٠﴾

اور دونوں کے درمیان ایک طریقہ اختیار کر لیجئے

جس سے منفعت بھی فوت نہ ہو اور مضرت بھی مرتب نہ ہو آگے کفار کے رد کے لئے مضمون توحید بیان فرماتے ہیں شان نزول یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ اللہ کے اولاد بتلاتے اور عرب شرک کرتے اور مجوس وغیرہ کہتے تھے کہ اللہ کے مخصوص مددگار نہ ہوں تو نعوذ باللہ اس کی قدر کم ہو جائے گی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا

اور کہہ دیجئے کہ تمام خوبیاں اسی اللہ (پاک) کے لئے (خاص ہیں جو نہ اولاد

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ

رکھتا ہے اور نہ کوئی اس کا سلطنت میں شریک ہے اور نہ کمزوری کی وجہ سے

يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴿١١١﴾ ع

اس کا کوئی مددگار ہے اور اس کی خوب بڑائیاں بیان کیا کیجئے

اس میں ان سب عقائد کا ابطال ہو گیا لطیفہ ا جس سے مخلوق کو کسی قدر قوت پہنچتی ہے وہ کبھی تو اپنے سے چھوٹا ہوتا ہے جیسے اولاد اور کبھی برابر ہوتا ہے جیسے شریک کبھی بڑا ہوتا ہے جیسے حامی مددگار حق تعالیٰ نے ترتیب وار سب کی نفی فرمادی کیونکہ یہاں اصل ہی کی گنجائش نہیں وہ خود ایسے قوی ہیں کہ کسی سے قوت حاصل کرنے کی ہی ضرورت نہیں لطیفہ ۲ سورت کو تسبیح سے شروع کیا اور تکبیر و تحمید پر ختم کیا پس سبحان الله والحمد لله والله اکبر کے معانی پر ابتداء و انتہا ہوئی

سورة الكهف مكيه و قيل الا قوله تعالىٰ واصبر نفسك الاية و هى مائة واحدى عشر اية

ربط: سورۃ گذشتہ کا ختم اور اس سورۃ کا آغاز حمد سے ہونا دونوں کی مناسبت کے لئے کافی ہے حمد کے ساتھ توحید و رسالت کا مضمون بیان فرماتے ہیں۔ بسم الله الرحمان الرحيم الحمد لله الذى تاجر زا

(١٨) سُوْرَةُ الْكَهْفِ مَكِّيَّةٌ (٦٩)

سورۂ کہف مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں ایک سو دس آیتیں اور بارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ

تمام خوبیاں اس اللہ کے لئے ثابت ہیں جس نے اپنے (خاص) بندے

الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ﴿١﴾ سکتة

پر یہ کتاب نازل فرمائی اور اس میں ذرا بھی کجی نہیں رکھی

نہ لفظی کجی ہے مثلاً الفاظ تو ٹھیک ہوں مگر فصاحت میں کمی ہو نہ کسی قسم کی معنوی خرابی ہے مثلاً کلام میں تناقض ہو یا حکمت کے خلاف کوئی بات ہو۔

قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ

بالکل استقامت کے ساتھ موصوف بنایا کہ وہ ایک سخت عذاب سے

وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ

جو کہ منجانب اللہ ہوگا ڈرائے اور ان اہل ایمان کو جو کہ نیک کام

الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ﴿٢﴾ مَّاكِثِيْنَ

کرتے ہیں یہ خوش خبری دے کہ ان کو اچھا اجر ملے گا جس میں وہ

فِيهِ أَبَدًا ﴿٣﴾ وَيُنذِرَ الَّذِينَ قَالُوا

ہمیشہ رہیں گے اور تا کہ ان لوگوں کو ڈرائے جو یوں کہتے ہیں کہ

اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا ﴿٤﴾

(نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے

ان لوگوں کو خاص طور پر اس لئے جدا بیان فرمایا کہ عرب میں یہ بلا بہت تھی کہ وہاں کے مشرکین و یہود و نصاریٰ سب ہی اس میں مبتلا تھے۔

مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ وَلَا لِآبَائِهِمْ ۚ

نہ تو اس کی کوئی دلیل ان کے پاس ہے اور نہ ان کے باپ داداؤں کے

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ ۚ

پاس تھی بڑی بھاری بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے

إِن يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا ﴿٥﴾

(اور) وہ لوگ بالکل ہی جھوٹ بکتے ہیں

جس میں بوجہ عقلی استحالہ کے ذرا بھی صدق کا احتمال نہیں۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ

(اور آپ جو ان پر اتنا غم کرتے ہیں) سو شاید آپ ان کے پیچھے اگر یہ لوگ اس مضمون (قرآنی) پر ایمان نہ لائے تو غم سے اپنی جان

إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا ﴿٦﴾

دے دیں گے (یعنی اتنا غم نہ کریں کہ قریب بہلاکت کر دے

وجہ یہ کہ اس عالم میں کفر و ایمان دونوں ہی چیزیں ہوتی ہیں کیونکہ یہ ابتلاء و امتحان کی جگہ ہے۔

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا

ہم نے زمین پر کی چیزوں کو اس کے لئے باعث رونق بنایا تا کہ ہم لوگوں کی

لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ﴿٧﴾

آزمائش کریں کہ ان میں زیادہ اچھا عمل کون کرتا ہے

اور کون اچھا عمل نہیں کرتا یعنی کون ایسا ہے جو اس کے اسباب زینت میں مشغول ہو کر حق تعالیٰ سے غافل ہوتا ہے اور کون اس پر فریفتہ نہ ہو کر حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے غرض یہ عالم امتحان کی جگہ ہے پس تکوینا ضرور ہوا کہ کوئی مبتلائے کفر ہو اور کوئی مشرف با یمان ہو پھر غم بے کار ہے آپ اپنا کام کئے جایئے اور ان کے کفر کے نتیجہ کی فکر میں نہ پڑیئے کیونکہ نتیجہ مرتب کرنا ہمارا کام ہے۔

وَإِنَّا لَجَاعِلُونَ مَا عَلَيْهَا صَعِيدًا جُرُزًا ﴿٨﴾

اور ہم زمین پر کی تمام چیزوں کو ایک صاف میدان (یعنی فنا) کر دیں گے

یعنی قیامت آنے والی ہے جس میں فنا کے بعد پھر زندہ ہوں گے اس وقت جزا و سزا سب واقع ہو جائے گی خلاصہ یہ ہے کہ آپ احکام پہنچاتے رہیے اور یہ نہ سوچئے کہ ہائے ان پر عذاب ہوگا یہ کام ہمارے متعلق ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ہے ولا تسئل عن اصحاب الجحیم

ربط: اوپر رسالت کی بحث تھی آگے ایک قصہ جس میں اصحاب کہف کا واقعہ مذکور ہے جو اس اعتبار سے رسالت کی دلیل ہے کہ آپ نے کسی سے یہ مضامین نہ سنے تھے اور پھر پورا جواب دے دیا چنانچہ قریش نے یہود کے سکھلانے سے امتحان نبوت ہی کے لئے یہ تین سوال کئے تھے ایک روح کے متعلق جس کا جواب پہلی سورۃ میں گزر چکا ایک اصحاب کہف کا قصہ جواب مذکور ہوتا ہے ایک ذوالقرنین کا قصہ جو اس سورت کے آخر میں آئے گا پس اول اس قصہ کی تمہید ہے پھر قصہ کا اجمالاً و تفصیلاً بیان ہے ام حسبت تا امداً

أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ

کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ غار والے اور پہاڑ والے

یہ دونوں ایک ہی جماعت کے لقب ہیں رقیم لغت میں پہاڑ کو بھی کہتے ہیں چونکہ وہ غار پہاڑ میں تھا اس لئے ان کو اصحاب الکہف و اصحاب الرقیم دونوں کہتے ہیں اور بعض نے رقیم بمعنی مرقوم لیا ہے اور کہا ہے کہ لوگوں نے ان کے دوبارہ غار میں جانے کے وقت ان کے نام لکھ کر غار کے دہانہ پر لٹکا دیئے تھے اس لئے ان کو اصحاب الرقیم کہتے ہیں مگر کسی قوی روایت سے یہ بات ثابت نہیں اس لئے قرآن کی تفسیر کو اس پر مبنی نہیں کیا گیا البتہ اگر رقیم بمعنی مرقوم کی یہ وجہ کہی جائے کہ ان کا واقعہ بوجہ عجیب ہونے کے کتابوں میں لکھ لیا گیا تھا تو یہ وجہ پہلے سے زیادہ قریب ہے۔

كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا ﴿٩﴾

ہماری عجائبات میں سے کچھ تعجب کی چیز تھے

یہود کے قول و فعل سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس واقعہ کو بہت ہی عجیب سمجھتے تھے اور عجیب سمجھ کر ہی اس کو سوال کے لئے منتخب کیا تھا پس آپ کو مخاطب بنا کر دوسروں کو سنانا مقصود ہے کہ یہ قصہ باوجود عجیب ہونے کے دوسرے دلائل قدرت سے تو زیادہ عجیب نہیں کیونکہ اس قصہ میں تو چند

موجود انسانوں پر حق تعالیٰ نے ایک تصرف کیا جبکہ آسمان زمین کے پیدا کرنے میں معدوم چیز میں تصرف فرمایا تھا اور ظاہر ہے کہ معدوم میں تصرف کرنا موجود میں تصرف کرنے سے زیادہ عجیب ہے مگر ان مخالفین سے تعجب ہے جو اس واقعہ کو عجیب سمجھتے ہیں اور دوسرے دلائل قدرت سے عبرت حاصل نہیں کرتے کہ صانع عالم کے حقوق بجالاویں یہ تو تمہید تھی آگے اجمالاً وہ قصہ بیان فرماتے ہیں۔

اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ

وہ وقت قابل ذکر ہے جبکہ ان نوجوانوں نے اس غار میں جا کر پناہ لی

ایک بے دین بادشاہ سے بھاگ کر وہاں پناہ لی تھی۔

فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً

پھر کہا کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو اپنے پاس سے رحمت کا سامان عطا

وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ﴿۱۰﴾

فرمائیے اور ہمارے لئے (اس) کام میں درستی کا سامان مہیا کر دیجئے

سو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو اپنی حفاظت میں لے لیا اور عجیب طریقہ سے ان کے تمام افکار وتشویشات کو دفع کیا۔

فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ

اور ہم نے اس غار میں ان کے کانوں پر سالہا سال تک

سِنِيْنَ عَدَدًا ﴿۱۱﴾

نیند کا پردہ ڈال دیا

یعنی ایسے غرق ہو کر سوئے کہ کوئی آواز ان کے کان میں نہ پہنچتی تھی دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر ہو گئے اور کوئی فکر نہ رہا اور اگر یوں فرماتے کہ آنکھوں پر پردہ ڈال دیا تو اس میں زیادہ مبالغہ نہ ہوتا کیونکہ آنکھ تو معمولی نیند میں بھی دیکھنے سے معطل ہو جاتی ہے اور کانوں پر پردہ پڑنا بہت ہی گہری نیند میں ہوتا ہے۔

ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَىُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى

پھر ہم نے ان کو اٹھایا تاکہ ہم معلوم کر لیں کہ ان دونوں گروہوں میں کونسا

لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ﴿۱۲﴾

گروہ ان کے رہنے کی مدت سے زیادہ واقف تھا

چنانچہ جب وہ بیدار ہوئے تو ایک فریق نے کہا کہ ہم اس غار میں ایک دن یا اس سے بھی کم رہے ہوں گے دوسرے فریق نے کہا کہ خدا ہی کو معلوم ہے کہ ہم کتنی مدت یہاں رہے ہے تو جس فریق نے ربکم اعلم الخ کہا تھا وہی زیادہ واقف تھا کیونکہ اس نے مدت دراز ہونا تو بتلا دیا گو اجمالاً ہی سہی یہ تفسیر مجاہد سے منقول ہے اور یہ اس پر موقوف ہے کہ ہر قول کا کہنے والا جدا ہو آگے قصہ کی تفصیل فرماتے ہیں۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ

ہم ان کا واقعہ آپ سے ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہیں

یہ اس لئے کہا کہ لوگوں نے اس کو مختلف طور پر مشہور کیا تھا اس لئے فرمایا کہ ٹھیک وہ ہے جو قرآن میں ہے۔

اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ

وہ لوگ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے

ان کا ایمان دین عیسوی کی تعلیم کے موافق تھا جو ممکن ہے کہ اس زمانہ کے بعض بعض علماء پاس صحیح طور پر محفوظ ہو اس لئے ان کا یہ ایمان معتبر سمجھا گیا۔

وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ﴿۱۳﴾

اور ہم نے ان کو ہدایت میں اور ترقی کر دی تھی

یعنی ایمان لانے کے بعد ان کو استقلال اور صبر وتوکل اور زہد کی صفتیں بھی عنایت کی تھیں۔

وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا

اور ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیئے جبکہ وہ (دین میں) پختہ ہو کر کہنے لگے

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

کہ ہمارا رب تو وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے

یعنی ان کی ہدایت میں ترقی ہونے کی ایک بات یہ تھی کہ انہوں نے ہمت واستقلال سے بادشاہ کے اور سب لوگوں کے سامنے خدا کی توحید کو بیان کیا۔

لَنْ نَّدْعُوَاۡ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَّقَدْ

ہم تو اس کو چھوڑ کر کسی معبود کی عبادت نہ کریں گے کیونکہ اس صورت ہم نے

قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾

یقیناً بڑی ہی بے جا بات کہی

کیونکہ دوسرے معبودوں کی عبادت میں لامحالہ ان کی معبودیت کا

اقرار ہوتا ہے یا خود ان کے سامنے عاجزی اور احتیاج کے کلمات زبان سے بھی صادر ہوتے ہیں۔

هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ

یہ جو ہماری قوم ہے انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اور معبود قرار دے رکھے ہیں

کیونکہ یہ قوم معہ اپنے بادشاہ کے بت پرست تھی

لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۢ بَيِّنٍ ؕ

یہ لوگ ان معبودوں پر کوئی کھلی دلیل کیوں نہیں لاتے

جیسا کہ موحدین توحید پر دلیل روشن رکھتے ہیں۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ ۱۵

تو اس شخص سے زیادہ کون غضب ڈھانے والا ہوگا جو اللہ پر جھوٹ تہمت لگا دے

کہ باوجود دلائل سے توحید ثابت ہو جانے کے پھر بھی یہ کہے کہ معاذ اللہ خدا کے شریک بھی ہیں آگے ان کی آپس کی گفتگو بیان فرماتے ہیں۔

وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ

اور جب تم ان لوگوں سے الگ ہو گئے ہو اور ان کے معبودوں سے بھی مگر اللہ

فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ

سے تو تم (فلاں) غار میں چل کر پناہ لو

کہ اس حالت میں مصلحت یہی ہے تاکہ امن و فراغ کے ساتھ اللہ کی عبادت کر سکو اور وہ غار مشورہ سے طے ہوا ہوگا۔

يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ

تم پر تمہارا رب اپنی رحمت پھیلا دے گا اور تمہارے لئے

لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ۱۶ وَتَرَى الشَّمْسَ

تمہارے اس کام میں کامیابی کا سامان درست کر دے گا

اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ

اور اے مخاطب جب دھوپ نکلتی ہے تو تو اس کو دیکھے گا کہ وہ داہنی

وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ

جانب کو بچی رہتی ہے اور جب وہ چھپتی ہے تو بائیں طرف ہٹی رہتی ہے

یعنی وہ غار ایسی وضع پر ہے کہ طلوع آفتاب کے وقت بھی دھوپ اس کے دروازہ سے الگ رہتی ہے اور غروب کے وقت بھی دروازہ پر نہیں پڑتی پس وہ غار یا شمال رویہ ہوگا یا جنوب رویہ کیونکہ شرق رویہ ہونے میں طلوع کے وقت ان پر دھوپ پڑتی اور غروب رویہ ہونے میں غروب کے وقت اور مقصود اس سے اس جگہ کا دھوپ وغیرہ کی تکلیف سے محفوظ ہونا ہے۔

وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ

اور وہ لوگ اس غار کے ایک فراخ موقع میں تھے

یعنی ایسے غاروں میں جو کہ دور تک چلے جایا کرتے ہیں کہیں فراخی ہوتی ہے اور کہیں تنگی تو وہ لوگ ان میں سے فراخ جگہ میں تھے تاکہ جی نہ گھبراوے اور ہوا بھی لگتی رہے۔

ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ

یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے

یعنی ان لوگوں کا باوجود اپنی کمزوری اور قلت کے اور مخالفین کی قوت اور کثرت کے ہدایت پانا قدرت الٰہی کی نشانی ہے کہ وہ کس طرح اپنے بندوں کو ظاہری اسباب کے خلاف ہمت اور استقلال دے دیتے ہیں پس معلوم ہوا کہ ہدایت اللہ ہی کے قبضہ میں ہے وتحسبهم ایقاظاً تا مسجداً

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ

جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پاتا ہے اور جس کو وہ بے راہ کر دیں تو

يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ۱۷ ع

آپ اس کے لئے کوئی مددگار راہ بتلانے والا نہ پاویں گے اور اے

وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا

مخاطب تو ان کو جاگتا ہوا خیال کرتا

یعنی جب وہ لوگ غار میں گئے اور ہم نے ان پر نیند کو مسلط کیا مگر اس وقت تو ان کو دیکھتا تو بیدار سمجھتا کیونکہ ان پر نیند کے ظاہری آثار جیسے بدن کا ڈھیلا پڑ جانا سانس کا متغیر ہو جانا وغیرہ کچھ نمودار نہ تھے اور صرف آنکھ کا بند ہونا سونے کی یقینی علامت ہے نہیں۔

وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖ ق وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ

حالانکہ وہ سوتے تھے اور ہم ان کو (کبھی) داہنی طرف

وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَا

اور (کبھی) بائیں طرف کروٹ دے دیتے تھے اور ان کا کتا دہلیز پر

عَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ۚ

اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے تھا

یہ کتا کسی ضرورت سے ان کے پاس تھا یا ساتھ ہو لیا تھا اور دہلیز پر پڑا رہنا یہ اس جانور کی عادت ہے کہ پہرہ کے واسطے اکثر دروازہ پر پڑ جاتا ہے آگے ان کے خداداد رعب وجلال کی حالت بیان فرماتے ہیں۔

لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا

اگر (اے مخاطب) تو ان کو جھانک کر دیکھتا تو ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑا

وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۸﴾

ہوتا اور تیرے اندر ان کی دہشت سما جاتی

غالباً یہ سب امور ان کی حفاظت کے سامان تھے کیونکہ جس کو آدمی جاگتا ہوا سمجھتا ہے دفعۃً اس کو تکلیف پہنچانے کا حوصلہ نہیں پڑتا اسی طرح کروٹیں دینے سے ان کا بدن مٹی کے کھانے سے محفوظ رہا اسی طرح کتا بھی اجنبی آدمی کو آنے جانے سے روکتا ہے اور اگر وہ سوتا بھی ہو تو اجنبی آدمی کے آنے کے وقت اکثر اس کی آنکھ کھل جاتی ہے اسی طرح ان کی صورتوں کو ہیبت ناک بنا دینا یہ بھی حفاظت کے واسطے تھا کہ ہر شخص کی ہمت وہاں جانے کی نہ ہو اور اس آیت میں عام لوگوں کو خطاب ہے پس اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مرعوب ہونا لازم نہیں آتا۔

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۚ

اور اسی طرح ہم نے ان کو جگا دیا تاکہ وہ آپس میں پوچھ پاچھ کریں

یعنی جس طرح ہم نے ان کو اپنی قدرت سے اتنے دنوں تک سلایا اسی طرح اس دراز نیند کے بعد اپنی قدرت سے جگا بھی دیا تاکہ ان کو حق تعالیٰ کی قدرت اور حکمت منکشف ہو جائے۔

قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۚ قَالُوْا

ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ تم کس قدر رہے ہو گے بعضوں نے

لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۚ

کہا کہ (غالباً) ایک دن یا ایک دن سے بھی کچھ کم رہے ہوں گے

اس اندازہ کے لئے سورج وغیرہ کے دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں اکثر لوگ جب سو کر اٹھتے ہیں نیند بھرنے نہ بھرنے سے وقت کا اندازہ کیا کرتے ہیں۔

قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۚ

دوسرے بعضوں نے کہا کہ یہ تو تمہارے خدا ہی کو خبر ہے کہ تم کس قدر رہے

اس جواب میں بھی یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ان کے بال و ناخن وغیرہ بڑھے ہوئے تھے اس سے ان کو یہ شبہ ہوا کیونکہ بال و ناخن وغیرہ میں دونوں احتمال ہیں پھر خود ہی محض عبث سمجھ کر اس گفتگو سے روک دیا کہ اس تفتیش کی کیا ضرورت ہے۔ اس قصہ کو چھوڑ کر ضروری کام کرنا چاہئے۔

فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى

اب اپنے میں سے کسی کو یہ روپیہ دے کر شہر کی

الْمَدِيْنَةِ

طرف بھیجو

یہ روپیہ اس جواب دینے والے کے پاس ہوگا کیونکہ کچھ خرچ بھی ساتھ لے کر چلے تھے۔

فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا

پھر وہ تحقیق کرے کہ کونسا کھانا حلال ہے

کیونکہ جس زمانہ میں یہ غار میں چھپے تھے بتوں کا ذبیحہ بکثرت بکتا تھا۔

فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ

اور اس میں سے تمہارے پاس کچھ کھانا لے آوے اور (سب) کام خوش تدبیری سے کرے

ایسی ہیئت اور وضع سے جائے کہ نہ اس کو کوئی پہچانے اور نہ کسی کو یہ معلوم ہو کہ یہ بت کے ذبیحہ کی اس لئے تحقیق کرتا ہے کہ اس کو حرام سمجھتا ہے۔

وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ﴿۱۹﴾ اِنَّهُمْ

اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے (کیونکہ) اگر وہ لوگ

اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ

کہیں تمہاری خبر پا جاویں گے تو تم کو یا تو پتھروں سے مار ڈالیں گے یا

يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا

تم کو (جبراً) اپنے طریقہ میں پھر کر لیں گے اور ایسا ہوا تو تم کو

إِذًا أَبَدًا ﴿٢٠﴾

کبھی فلاح نہ ہوگی

اس سے مراد مطلق قتل کر دینا ہے یا اس زمانہ میں سخت سزا کی یہی صورت ہوگی غرض تم کو ہلاک کر دیں گے۔

وَكَذٰلِكَ أَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ

اور اسی طرح ہم نے لوگوں کو ان پر مطلع کر دیا

کیونکہ اگرچہ زبردستی اور اکراہ کی حالت میں زبان سے کفر کی بات کہہ دینا بشرطیکہ دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو جائز ہے لیکن بکثرت ایسا بھی ہوتا ہے کہ اول اول جبراً زبردستی سے کفر کیا تھا پھر شیطان کے بہکانے سے دنیوی مصالح پر نظر کر کے اس میں سستی ہوگئی رفتہ رفتہ کفر کی برائی دل سے نکل جاتی ہے اور دل کھول کر کفر کرنے لگتا ہے چنانچہ ایسے واقعات ہوئے ہیں کہ کوئی شخص نیا مسلمان ہوا مگر اس پر دباؤ ڈال کر کفار نے پھر اپنے میں شامل کر لیا اول اول تنگی پھر مساوات ہوگئی اور ویسا ہی ہوگیا نعوذ باللہ من ذلک یا فلاح سے پوری کامیابی مراد ہو کہ اکراہ میں کفر کرنا رخصت کے طور پر جائز ہے لیکن عزیمت کے ثواب سے جو کہ فلاح کامل ہے محرومی ہو جائے گی غرض ان میں سے ایک شخص کھانا لینے چلا روپیہ جو بازار میں دکھلایا تو کوئی سو برس کا سکہ تھا دوکاندار کو چوری کا شبہ ہوا تب مجبور ہو کر انہوں نے اپنا پورا قصہ سنایا حتیٰ کہ اس کا چرچا ہوا اس وقت پرانے لوگوں نے کہا کہ ہاں ہم نے اپنے بڑوں سے سنا ہے کہ چند نوجوان اس طرح غائب ہوگئے تھے واقعی وہ لوگ یہی ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ اسی مطلع ہونے کے قصہ کو مع ایک حکمت کے بیان فرماتے ہیں۔

لِيَعْلَمُوٓا أَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّأَنَّ

تاکہ وہ لوگ اس بات کا یقین کر لیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے

السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيهَا ۚ

اور یہ کہ قیامت میں کوئی شک نہیں

جس طرح اپنی قدرت سے ان کو سلایا اور جگایا تھا اسی طرح اپنی قدرت وحکمت سے ہم نے اس زمانہ کے لوگوں کو ان کے حال سے مطلع بھی کر دیا۔

إِذْ يَتَنَازَعُونَ بَيْنَهُمْ أَمْرَهُمْ

وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جبکہ اس زمانے کے لوگ ان کے معاملہ میں باہم جھگڑ رہے تھے

یعنی لوگوں کے مطلع ہونے میں من جملہ دیگر فوائد کے ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ کافروں کو قیامت کا یقین اور مسلمانوں کو زیادہ یقین ہوگیا اور وجہ یقین حاصل ہونے کی یہ ہوئی کہ انبیاء علیہم السلام ہمیشہ سے قیامت کی خبر دیتے آئے ہیں اور دلائل بھی اس پر قائم ہیں غرض یقین آنے کے سارے شرائط موجود تھے مگر صرف ایک مانع کی وجہ سے کفار کو یقین نہ آتا تھا وہ یہ کہ ان کے خیال میں دوبارہ زندہ ہونا مستبعد اور خلاف عادت ہے اس واقعہ سے ثابت ہوگیا کہ خلاف عادت ہو جانا بھی ممکن ہے بالخصوص اس دراز نیند اور بیداری کو موت کے بعد زندہ ہونے سے ایک گونہ مشابہت بھی ہے پس وہ مانع مرتفع ہوگیا اور یقین آگیا کہ واقعی انبیاء کا فرمانا سچ ہے پس یہ شبہ نہ رہا کہ اس واقعہ سے قیامت کا امکان تو معلوم ہو سکتا ہے اس کا یقیناً واقع ہونا معلوم نہیں ہو سکتا جواب یہ ہے کہ اس تقریر سے معلوم ہوگیا کہ یقین پیدا ہونے کے شرائط پہلے سے موجود تھے انبیاء کے دلائل کان میں پڑے ہوئے تھے صرف ایک مانع کی وجہ سے یقین نہ ہوتا تھا جب وہ مانع رفع ہو گیا تو امکان کے ساتھ وقوع کا یقین بھی ہوگیا پھر اسی زمانہ میں یا بعد کے زمانہ میں ان صاحبوں نے وہیں غار میں وفات پائی اور اطلاع وفات پر اس زمانہ کے لوگوں میں ان کے متعلق ایک اختلاف ہوا جس کا آگے بیان ہے۔

فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۖ

سو ان لوگوں نے یہ کہا کہ ان کے پاس کوئی عمارت بنوادو

اور وہ احاطہ ان کی نعشوں کی حفاظت یا یادگار قائم کرنے کیلئے غار کے منہ کا بند کرنا تھا۔

رَبُّهُمْ أَعْلَمُ بِهِمْ ۚ

اور ان کا رب ان کو خوب جانتا تھا

پھر اختلاف ہوا کہ کیا عمارت ہونا چاہئے کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ کہا

قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا

جو لوگ اپنے کام پر غالب تھے

یعنی اپنی مراد کے پورا کرنے پر قادر تھے اور اس سے اہل حکومت مراد ہیں جو کہ اس وقت دین حق پر تھے۔

عَلٰى أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ

انہوں نے کہا کہ ہم تو ان کے پاس ایک

مَّسْجِدًا ﴿٢١﴾

مسجد بنادیں گے

تا کہ مسجد اس بات کی بھی علامت رہے کہ یہ لوگ عابد زاہد تھے تو کوئی ان کو معبود نہ بنالے کیونکہ دوسری عمارات میں پرستش کا احتمال تھا پس مسجد بنانا اس مصلحت کے لئے اور دوسرے مفاسد بند کرنے کے لئے تھا۔

سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ج

بعضے لوگ تو کہیں گے کہ وہ تین ہیں چوتھا ان کا کتا ہے اور بعضے

وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ

کہیں گے کہ پانچ ہیں چھٹا ان کا کتا ہے (اور) یہ لوگ بے

رَجْمًا بِالْغَيْبِ ج وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ

تحقیق بات ہانک رہے ہیں اور بعضے کہیں گے کہ وہ سات ہیں آٹھواں ان کا

وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ

کتا ہے آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب ان کا شمار خوب (صحیح صحیح) جانتا ہے

کہ آیا ان متعارض اقوال میں سے کوئی قول صحیح ہے یا سب غلط ہیں۔

مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ۥ قف

ان کو بہت قلیل لوگ جانتے ہیں

اور شمار کی تعیین پر کوئی خاص فائدہ موقوف نہ تھا اس لئے اس کا فیصلہ نہیں کیا گیا۔

فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ص

سو آپ ان کے بارے میں بجز سرسری بحث کے زیادہ بحث نہ کیجئے

اگر اس پر بھی وہ لوگ اختلافات سے باز نہ آویں تو آپ وحی کے موافق قصہ بیان کر دیجئے۔

وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ﴿۲۲﴾ ع

اور آپ ان کے بارے میں ان لوگوں میں سے کسی سے بھی نہ پوچھئے

کیونکہ بے ضرورت پوچھنا فضول ہے۔

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ

اور آپ کسی کام کی نسبت یوں نہ کہا کیجئے کہ میں اس کو کل کردوں گا

غَدًا ﴿۲۳﴾ لا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ز

مگر خدا کے چاہنے کو ملا دیا کیجئے

یعنی اگر یہ لوگ ایسے کوئی بات قابل جواب دریافت کریں اور آپ جواب کا ارادہ کریں تو اس کے ساتھ انشاء اللہ تعالیٰ یا اس کے ہم معنی کوئی بات ضرور ملا لیا کریں بلکہ اس کی کیا تخصیص ہے ہر امر میں اس کا لحاظ رکھئے۔ اور آئندہ ایسا نہ ہو جیسا کہ اس سے پہلے ہو گیا کہ آپ سے روح و اصحاب کہف وذوالقرنین کا قصہ پوچھا گیا تو آپ نے وحی کے بھروسہ پر بدوں انشاء اللہ کہے وعدہ فرمالیا کہ کل جواب دے دوں گا چنانچہ پندرہ روز تک وحی نازل نہ ہوئی اور آپ کو بڑا غم ہوا اس کے بعد جواب کے ساتھ یہ حکم بھی نازل ہوا اور ظاہراً یہ انشاء اللہ کہنا مستحب ہے لیکن خاص بندوں کی بڑی شان ہوتی ہے خاص کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس لئے مستحب کے چھوڑنے پر بھی وحی میں دیر ہو گئی۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ

اور جب آپ بھول جاویں تو اپنے رب کا ذکر کیا کیجئے

یعنی اگر کسی اتفاق سے انشاء اللہ کہنا یاد نہ رہے تو جب یاد آوے کہہ لیا کیجئے ف یہ انشاء اللہ کہنا برکت حاصل کرنے کے لئے ہے اس میں اگر کچھ زمانہ کا فصل بھی ہو جائے تو مضر نہیں باقی معاملات میں جیسے طلاق وغیرہ اگر متصل کہا جاوے تو اور حکم ہے اور بعد میں کہا جائے گا تو دوسرا اثر ہے کتب فقہ میں اس کے مسائل مفصل موجود ہیں۔

وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ

اور کہہ دیجئے کہ مجھ کو امید ہے کہ میرا رب مجھ کو (نبوت کی) دلیل بننے کے

مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾

اعتبار سے اس سے بھی نزدیک تر بات بتلادے

یعنی کفار سے کہہ دیجئے کہ تم نے جو میری نبوت کے امتحان کے لئے اس قصہ کو بہت عجیب سمجھ کر پوچھا ہے جس کا جواب دینا تمہارے نزدیک نبوت کی بڑی دلیل ہے تو یہ مت سمجھنا کہ میرے نزدیک بھی اس سوال کا جواب دینا کوئی بڑی دلیل اور سرمایہ ناز وافتخار ہے بلکہ میری نبوت ایسی یقینی ہے کہ جس دلیل کو تم بہت بڑی سمجھتے ہو میں اس سے بھی بڑی دلیلیں رکھتا ہوں چنانچہ ان میں سے بعض دلیلیں تمہارے سامنے پیش بھی کر چکا ہوں جیسے قرآن کا اعجاز وغیرہ کہ کوئی شخص کسی طرح ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا اسی طرح اصحاب کہف سے بھی زیادہ قدیم زمانہ کی خبریں جن کا کسی کو پتہ ہی نہ چل سکتا تھا وہ وحی سے بتلائی گئیں کہ وہ یقیناً غیبی خبر ہونے میں اس قصہ سے زیادہ عجیب وغریب ہیں۔

وَلَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ

اور وہ لوگ اپنے غار میں تین سو برس تک رہے

سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿۲۵﴾

اور نو برس اوپر اور رہے

جس طرح اصحاب کہف کی شمار میں لوگوں کو اختلاف تھا اسی طرح سونے کی مدت میں بھی اختلاف تھا جس کو وقتی طور پر بتلا دیا رہا ہے کہ حق تعالیٰ نے اصحاب کہف کی شمار تو صراحۃً نہیں بتلائی اور نیند کی مدت صراحۃً بیان کر دی شاید اس کی یہ وجہ ہو کہ یہ اتنی دراز نیند کا واقعہ قیامت میں دوبارہ زندہ ہونے سے بہت مشابہت رکھتا ہے تو نمونہ قدرت ہونے کی وجہ سے یہ واقعہ قیامت کے امکان پر بہت دلالت کرتا ہے اور اس کی اہل مکہ کو ضرورت تھی اس لئے اس کو صراحۃً بتلا دیا اور سونے والوں کی شمار بتلانے کی زیادہ ضرورت نہ تھی اس پر صرف اشارہ کر دیا تفسیر حقانی میں تاریخ سے نقل کیا ہے کہ ۲۵۰ء میں وہ ظالم بادشاہ تھا اور تین سو سال سونے کے ملالئے جاویں تو ساڑھے پانچ سو عیسوی ہوتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تخمیناً ۵۷۰ء میں پیدا ہوئے ہیں تو اس حساب سے ان کی بیداری آپ کی پیدائش سے بیس برس پہلے ہوئی رہی یہ بات کہ اب زندہ ہیں یا مر گئے تو اکثر روایات سے یہی ثابت ہے کہ اسی زمانہ کے قریب انتقال کر گئے واللہ اعلم

قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ج

آپ کہہ دیجئے کہ خدا تعالیٰ ان کے رہنے کی مدت کو زیادہ جانتا ہے

یعنی اگر اس کو سن کر بھی اختلاف کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ خدا تم سے زیادہ جانتا ہے جو اس نے بتا دیا ہے وہی صحیح ہے اور وہ اس قصہ کو زیادہ کیوں نہ جانتا اس کے علم کی بڑی شان ہے۔

لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط اَبْصِرْ بِهٖ

تمام آسمانوں اور زمین کا علم غیب اسی کو ہے وہ کیسا کچھ دیکھنے والا اور کیسا کچھ

وَاَسْمِعْ ط

سننے والا ہے

پس ان کو چاہئے کہ ایسے محیط علم والے کے مقابلہ میں اپنی حکمت نہ بتلا دیں ورنہ سزا کے مستحق ہوں گے آگے سزا کا بیان ہے۔

مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ز وَّلَا يُشْرِكُ

ان کا خدا کے سوا کوئی بھی مددگار نہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کسی کو اپنے حکم میں

فِيْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾

شریک کرتا ہے

خلاصہ یہ کہ نہ کوئی اس کا مزاحم ہے نہ کوئی شریک ہے پس ایسی عالیشان سرکار کی مخالفت سے ڈرنا چاہئے۔

ربط: اوپر سے رسالت کی بحث چلی آ رہی ہے اسی کے ثابت کرنے کے لئے اصحاب کہف کا قصہ بھی بیان ہوا تھا آگے بھی منصب رسالت کے کچھ حقوق و آداب مذکور ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ استغناء کے ساتھ تبلیغ کی جائے اور مسلمانوں کو باوجود شکستہ حالی کے خوش حال کافروں پر ترجیح دی جائے **واتل ما اوحی حسنت مرتفقا**

وَاتْلُ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ج

اور آپ کے پاس جو آپ کے رب کی کتاب وحی کے ذریعہ سے آئی ہے وہ پڑھ دیا کیجئے

پس آپ کا صرف اتنا ہی کام ہے اس سے زیادہ فکر نہ کیا کیجئے اور یہ نہ سوچئے کہ اگر رئیس لوگ مخالف رہے اور ان کی دل جوئی نہ کی گئی تو دین کی کیسے ترقی ہوگی اس کی ترقی کا تو ہم وعدہ کر چکے ہیں۔

لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ قف ج

اس کی باتوں کو (یعنی وعدوں کو) کوئی بدل نہیں سکتا

مخالفوں کو یہ قدرت نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ کے وعدوں کو پورا نہ ہونے دیں ہاں حق تعالیٰ خود اپنی بات کے بدلنے پر قادر ہیں مگر دوسرے دلائل سے معلوم ہوا ہے کہ وہ بدلیں گے نہیں پھر کسی کی مخالفت کا کیا ڈر۔

وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾

اور آپ خدا کے سوا اور کوئی پناہ نہ پاویں گے

یعنی اگر ان کی ایسی دلجوئی کی گئی کہ احکام الٰہی فوت ہو جاویں تو کہیں پناہ نہ لیں گے اور اگر چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا ہونا یقیناً محال ہے لیکن یہاں مبالغہ کے ساتھ اس فعل کا اثر بیان کرنا مقصود ہے اور شان نزول ان آیات کا یہ ہے کہ کفار مکہ نے درخواست کی تھی کہ جب ہم آپ کی مجلس میں آیا کریں تو ان غریب مسلمانوں کو علیحدہ کر دیا جائے اس طرح ہم ایمان لے آئیں گے اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جب ان رؤسا نے اس شرط پر ایمان کا وعدہ کیا تھا تو یہ درخواست تو منظوری کے قابل تھی جواب یہ ہے کہ اگر کوئی کافر اسلام لانے میں جائز شرط بھی لگائے اس کا پورا کرنا بھی کسی کے ذمہ ضروری نہیں چہ جائیکہ ناجائز شرط ہو مثلاً کوئی کافر

یہ کہے کہ مجھے ہزار روپے دے دو تو میں اسلام لے آؤں گا اس شرط کا پورا کرنا کسی مسلمان کے ذمہ بھی ضروری نہیں دوسرے یہاں خدا کو معلوم تھا کہ اس پر بھی ایمان نہ لاویں گے۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ

اور آپ اپنے کو ان لوگوں کے ساتھ مقید رکھا کیجئے

یعنی جس طرح ان رئیس کفار سے آپ کو استغناء کا حکم ہے اسی طرح مسلمان غرباء پر زیادہ التفات اور توجہ کا حکم ہے اور مقید رکھنے کا یہ مطلب نہیں کہ جب تک وہ لوگ نہ اٹھیں آپ بیٹھے رہا کیجئے بلکہ مراد یہ ہے کہ سابق دستور کے موافق دیر تک ان کو اپنی صحبت سے مشرف رکھئے دیر تک بیٹھنے کو مقید رکھنا فرمادیا۔

الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ

جو صبح و شام (یعنی علی الدوام) اپنے رب کی

وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ

عبادت محض اس کی رضا جوئی کے لئے کرتے ہیں

یعنی ان کی کوئی غرض دنیوی نہیں ہے۔

وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ

اور دنیوی زندگانی کی رونق کے خیال سے آپ کی آنکھیں (یعنی توجہات)

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ

ان سے ہٹنے نہ پاویں

رونق کے خیال سے یہ مراد ہے کہ یہ رئیس مسلمان ہو جائیں تو اسلام کی زیادہ شان اور ترقی ہو جائے گی پس بتلا دیا کہ اسلام کی شان ظاہری سامان سے نہیں ہے بلکہ اس کا مدار اخلاص و اطاعت پر ہے گو فقراء ہی سے ہو۔

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا

اور ایسے شخص کا کہنا نہ مانیئے جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے

یعنی غرباء کے علیحدہ کرنے کے بارے میں اس شخص کا کہنا نہ مانیے جو عناد کی وجہ سے دین حق کو قبول نہیں کرتا اور اس کی سزا میں خدا نے اس کو اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے۔

وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾

اور وہ اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہے اور اس کا (یہ) حال حد سے گزر گیا ہے

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ شَآءَ

اور آپ کہہ دیجئے کہ (یہ دین) حق تمہارے رب کی طرف سے (آیا) ہے سو

فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ

جس کا جی چاہے ایمان لے آوے اور جس کا جی چاہے کافر رہے

ہمارا کوئی نفع و نقصان نہیں بلکہ ایمان نہ لانے سے اپنا ہی ضرر ہے اور ایمان لانے سے اپنا ہی نفع چنانچہ آگے اللہ تعالیٰ اس کو ترتیب وار بیان فرماتے ہیں۔

اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ

بیشک ہم نے ایسے ظالموں کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے کہ اس کی آگ کی

بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۭ

قناتیں ان کو گھیرے ہوں گی

یعنی وہ قناتیں بھی آگ ہی ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور اس میں سے نکل نہ سکیں گے۔

وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ

اور اگر (پیاس سے) فریاد کریں گے تو ایسے پانی سے ان کی فریاد رسی کی

يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۭ

جاوے گی جو تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا مونہوں کو بھون ڈالے گا

یعنی تیز اور گرم ایسا ہوگا کہ پاس لاتے ہی منہ بھن جائے گا حتیٰ کہ چہرے کی کھال

بِئْسَ الشَّرَابُ ۭ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾

کیا ہی برا پانی ہوگا اور وہ دوزخ (بھی) کیا ہی بری جگہ ہوگی

اور یہ ایمان نہ لانے کا ضرر ہوا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے

اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ۚ ﴿۳۰﴾

تو ہم ایسوں کا اجر ضائع نہ کریں گے جو اچھی طرح کام کو کرے

أُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ

(پس) ایسے لوگوں کیلئے ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں ان کے (مساکن کے) نیچے

تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ

نہریں بہتی ہوں گی ان کو وہاں سونے کے کنگن

مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ

پہنائے جائیں گے اور سبز رنگ کے کپڑے باریک اور دبیز ریشم

سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٔيْنَ فِيْهَا

کے پہنیں گے اور وہاں مسہریوں پر تکیہ

عَلَى الْاَرَآئِكِ ؕ نِعْمَ الثَّوَابُ ؕ وَحَسُنَتْ

لگائے بیٹھے ہوں گے کیا ہی اچھا صلہ ہے اور (بہشت)

مُرْتَفَقًا ﴿۳۱﴾ ع

کیا ہی اچھی جگہ ہے۔

بعض لوگوں کو وسوسہ ہوتا ہے کہ مردوں کے ہاتھوں میں تو کنگن برے معلوم ہوں گے جواب یہ ہے کہ یہاں بھی جہاں اس کا رواج ہے وہاں اب بھی برے نہیں سمجھے جاتے اس پر مردوں کے لئے یہاں یہاں جو ممانعت ہے وہاں نہیں ہوگی سندس اور استبرق کو مطلق فرمایا اور سورہ رحمٰن میں فرمایا ہے **بطائنها من استبرق** یعنی استر دبیز ریشمی کپڑے کا ہوگا۔ اس سے اشارۃً مفہوم ہوتا ہے کہ ابرہ سندس یعنی باریک ریشمی کپڑے کا ہو گا۔ جیسا دنیا میں بھی اکثر ایسی ہی عادت ہے اور یہ جو فرمایا کہ سبز لباس ہو گا اس کا یہ مطلب نہیں کہ اور رنگ نہ ہوگا کیونکہ آیات میں مصرح ہے کہ جس چیز کو جی چاہے گا وہ ملے گی۔

ربط: اوپر تبلیغ کے آداب بیان کرتے ہوئے کفار کی اس درخواست کا رد تھا کہ ہمارے آنے کے وقت فقراء و مسلمین کو ہٹا دیا جائے آگے مال و دولت کی ذلت اور ایمان و اعمال کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ایک قصہ کے پیرایہ میں اس درخواست کے منشاء کو جو کہ مال و دولت پر فخر اور تکبر اور غریب مسلمانوں کی ناداری کی وجہ سے ان کی تذلیل و تحقیر ہے باطل کرتے ہیں اسی طرح مومنین کی تسکین و تسلی بھی اس قصہ سے ہو جائے گی کہ ناداری کا غم نہ کریں اور دولت عقبٰی ہونے پر شکر کریں **واضرب لهم تا خير عقبا**

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ

اور آپ ان لوگوں سے دو شخصوں کا حال بیان کیجئے

تا کہ دنیا کا ناپائیدار اور آخرت کا پائیدار ہونا ظاہر ہو اور کفار کا گمان باطل اور مسلمانوں کو تسلی ہو جائے اور ان دونوں شخصوں میں باہم ملاقات یا قرابت کا تعلق تھا۔

جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ

ان دو شخصوں میں سے ایک کو ہم نے دو باغ دے رکھے تھے اور ان دونوں

وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ

(باغوں) کا کھجور کے درختوں سے احاطہ بنا رکھا تھا

یعنی کھجوروں کے درختوں کی باڑ تھی

وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿۳۲﴾ كِلْتَا

اور ان دونوں کے درمیان میں کھیتی بھی لگا رکھی تھی

الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ

دونوں باغ اپنا پورا پھل دیتے تھے اور کسی کے پھل میں ذرا بھی کمی نہ رہتی تھی

بخلاف اکثر باغوں کے کہ کبھی کسی درخت میں اور کسی سال پورے باغ میں پھل کم آتا ہے۔

شَيْئًا ۙ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿۳۳﴾

اور ان دونوں کے درمیان میں نہر چلا رکھی تھی

یہ قصہ قرآن میں بہت اجمال کے ساتھ مذکور ہے جس میں قصہ والوں کا نام و نشان نہیں بتلایا اسی لئے بعض نے اس کو فرضی قصہ کہا ہے لیکن در منثور میں اس نہر کی بابت ایک قول نقل کیا ہے کہ یہ شہر رملہ ملک شام کی نہر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ واقعی ہے اور چونکہ اصل مقصود تفصیل پر موقوف نہ تھا اس لئے اجمال مضر نہیں۔

وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ

اور اس شخص کے پاس اور بھی تمول کا سامان تھا سو (ایک بار) اپنے اس

يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾

(دوسرے) ملاقاتی سے ادھر ادھر کی باتیں کرتے کرتے کہنے لگا کہ میں تجھ سے مال میں بھی زیادہ ہوں اور مجمع بھی میرا زبردست ہے

یعنی تو جو اپنے طریقہ کو حق اور عنداللہ پسندیدہ کہتا ہے اور میرے طریقہ کو غلط اور خدا کے نزدیک ناپسندیدہ بتلایا کرتا ہے دونوں کا ثمرہ دیکھ لے اگر تیرا دعویٰ سچ ہوتا تو معاملہ برعکس ہوتا کیونکہ دشمن کو کوئی نہیں نوازتا اور دوست کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتا۔

وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ

اور وہ اپنے اوپر جرم (کفر) قائم کرتا ہوا اپنے باغ میں پہنچا (اور) کہنے لگا

قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ﴿۳۵﴾

کہ میرا تو خیال نہیں ہے کہ یہ باغ (میری مدت حیات میں) کبھی بھی برباد ہو

یہ اس نے توحید کے مسئلہ میں کلام کیا کہ تو جو صانع عالم کا اور اس کی قدرت وغیرہ کا قائل ہے میں تو نہیں سمجھتا کہ ان ظاہری اسباب کو کوئی معطل کر سکے اور یہ کارخانہ جس کی آبادی کے سارے سامان جمع ہیں کہ باغ بھی ہے نہر بھی ہے کارکن بھی ہیں جمع کرنے کو مال بھی ہے اس کی حفاظت کا سامان بھی ہے کس طرح ویران ہو سکتا ہے۔

وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ

اور میں قیامت کو نہیں خیال کرتا کہ آوے گی اور اگر میں اپنے رب کے پاس

رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿۳۶﴾

پہنچایا گیا تو ضرور اس باغ سے بہت زیادہ اچھی جگہ مجھ کو ملے گی

یعنی جنت ملے گی جو کہ تو یہاں سے اچھا بتایا کرتا ہے اور یہ کہ وہ مقبول بندوں کے لئے ہے اور میرے مقبول ہونے کی یہی دلیل ہے کہ یہاں کیسی راحت و عزت سے ہوں پس اگر بفرض محال قیامت آئی بھی جیسا کہ تو کہا کرتا ہے تو مجھ کو وہاں بھی جنت ہی ملے گی تو اس شخص کے چار دعویٰ ہوئے ا۔ کفر کا برانہ ہونا ۲۔ توحید کا انکار ۳۔ قیامت کا انکار ۴۔ عنداللہ اپنا مقبول ہونا۔

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ

اس سے اس کے ملاقاتی نے (جو کہ دیندار اور غریب تھا) جواب کے طور پر

بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ

کہا کہ کیا تو اس ذات (پاک) کے ساتھ کفر کرتا ہے جس نے تجھ کو (اول)

نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴿۳۷﴾ ط

مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر تجھ کو صحیح و سالم آدمی بنایا

یعنی اول آدم علیہ السلام کے واسطہ سے تجھے مٹی سے بنایا پھر ماں کے رحم میں نطفہ سے تیرے اعضاء بنائے پھر ہاتھ پاؤں سے تجھے درست کیا یہ سب باتیں خدا کی ہستی اور توحید کی عقلی دلیل ہیں پس توحید کا انکار تو عقلاً بھی کفر ہے اور قیامت کا انکار شرعاً کفر ہے خیر اگر تو کفر کرتا ہے تو کیا کر۔

لٰكِنَّا۟ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ

لیکن میں تو یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ وہ یعنی اللہ تعالیٰ میرا رب (حقیقی) ہے اور

اَحَدًا ﴿۳۸﴾

میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا

اس جواب میں توحید کا اثبات تو صراحۃً ہے اور لفظ ربی میں قیامت پر بھی دلالت ہے کیونکہ رب ہونے کے لئے قدرت کاملہ ہونا ضروری ہے اور جس کو دوبارہ زندہ کرنے کی بھی قدرت نہ ہو وہ عاجز ہے اور عاجز رب نہیں ہوسکتا تو جب خدا تعالیٰ رب ہے تو وہ دوبارہ زندہ کرنے پر بھی یقیناً قادر ہے۔

وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ

اور تو جس وقت اپنے باغ میں پہنچا تھا تو تو نے یوں کیوں نہ کہا کہ جو اللہ کو منظور ہوتا ہے وہی ہوتا ہے

یعنی جب خدا کی توحید اور قدرت کاملہ ثابت ہے تو اس سے خود یہ لازم آ گیا کہ یہ ظاہری اسباب سب معطل ہو سکتے ہیں پس تجھ پر واجب تھا کہ ان اسباب سے آگے بڑھ کر مسبب الاسباب یعنی خالق پر نظر کرتا۔

لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ

اور بدوں خدا کی مدد کے (کسی میں) کوئی قوت نہیں

چنانچہ یہ باغ جب تک اللہ کو منظور ہوگا قائم رہے گا اگر وہ چاہے گا ویران ہو جائے گا اس کی مشیت کے سامنے سب تدابیر بے کار ہیں بدون اس کی مدد کے کوئی اسباب کام نہیں آ سکتے اس سے بھی توحید کی تائید ہوگئی اب دو مضمون رہ گئے کفر کا برانہ ہونا جس پر مال و دولت کی کثرت سے استدلال کیا تھا اور اس دلیل سے عنداللہ اپنے کو مقبول سمجھنا آگے اس کا جواب ہے۔

اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۳۹﴾ ۚ

اگر تو مجھ کو مال اور اولاد میں کمتر دیکھتا ہے

اور اس سے تجھ کو اپنی نسبت اور اپنے طریقہ کی نسبت عنداللہ مقبول ہونے کا شبہ پڑ گیا ہے۔

فَعَسٰی رَبِّیْٓ اَنْ یُّؤْتِیَنِ خَیْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ

تو مجھ کو وہ وقت نزدیک معلوم ہوتا ہے کہ میرا رب مجھ کو تیرے باغ سے اچھا باغ دے دے

خواہ دنیا میں یا مرنے کے بعد جس میں ہر طرح کا سامان عیش ولذت موجود ہو اس میں مال واولاد کی زیادتی کا جواب بھی ہو گیا جس پر اس نے فخر کیا تھا کیونکہ اولاد وغیرہ سے قلب کی راحت مقصود ہوتی ہے اور اس اچھے باغ میں راحت کا سب سامان ہو گا خواہ اولاد کے ذریعہ سے یا کسی ایسی چیز کی ذریعہ سے جو اولاد سے بھی زیادہ ہو۔

وَیُرْسِلَ عَلَیْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ

اور اس (تیرے) باغ پر کوئی تقدیری آفت آسمان سے بھیج دے

یعنی غیبی حکم سے بدوں کسی ظاہری سبب کے بھیج دے کیونکہ غیر معمولی طریقہ سے آفت نازل ہونے میں ظاہری اسباب کا بے کار ہونا معلوم ہو جائے گا تو اس سے توحید کی اور تائید ہو گی۔

فَتُصْبِحَ صَعِیْدًا زَلَقًا ﴿۴۰﴾ اَوْ یُصْبِحَ مَآؤُهَا

جس سے وہ باغ دفعۃً ایک صاف میدان ہو کر رہ جائے یا اس سے اس کا پانی بالکل

غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِیْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۴۱﴾

اندر (زمین میں) اتر (کر خشک ہو) جاوے پھر تو اس کی کوشش بھی نہ کر سکے

یعنی پانی لانے اور نکالنے کی کوشش بھی نہ کر سکے ملنا تو بڑی دور ہے اور اس کافر کی اولاد کی نسبت کوئی بات نہیں کہی اس کی بے تکلف وجہ میرے خیال میں یہ ہے کہ اولاد کی راحت بھی مال کے ساتھ ہے جب مال نہیں ہوتا اولاد الٹا وبال جان ہو جاتی ہے اور کھیت کا بھی لفظوں میں ذکر نہیں کیونکہ اس کا مدار پانی پر ہے جب وہی نہ رہے گا تو کھیت بھی اجڑ جائے گا خلاصہ یہ ہوا کہ تجھ کو اس دولت وثروت سے شبہ پڑ گیا ہے جو تیرے پاس ہے اور میرے پاس نہیں سو اس پر مدار رکھنا ہی غلط ہے کیونکہ اول تو یہاں ہی ممکن ہے کہ حالت برعکس ہو جائے ورنہ کبھی تو یہ ضرور فنا ہونے والی ہے اور آخرت کی نعمتیں کبھی فنا نہ ہوں گی اس لئے اعتبار وہاں کا ہے یہاں کا نہیں۔

وَاُحِیْطَ بِثَمَرِهٖ

اور اس شخص کے سامان تمول کو آفت نے آ گھیرا

معلوم نہیں وہ کیا آفت تھی لیکن بظاہر ابہام کے ساتھ بیان کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بڑی آفت تھی پس عجب نہیں کہ کوئی آفت خلاف عادت غیر معمولی آئی ہو چنانچہ خازن میں لکھا ہے کہ ایک آگ تھی جو آسمان سے آئی اور کھیت کو جلا دیا اور پانی خشک کر دیا اور اگر آسمانی آفت خلاف عادت نہ بھی ہو تب بھی کچھ خرابی نہیں کیونکہ بہت سے بہت یہ اس مومن کا ایک خیال تھا کہ غیر معمولی آفت آوے جس کا پورا ہونا ضروری نہیں۔

فَاَصْبَحَ یُقَلِّبُ كَفَّیْهِ عَلٰی مَآ اَنْفَقَ

پھر اس نے جو کچھ اس باغ پر خرچ کیا تھا اس پر ہاتھ

فِیْهَا وَهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا

ملتا رہ گیا اور وہ باغ اپنی ٹٹیوں پر گرا ہوا پڑا تھا

پھر ہلاک ہونے پر حسرت کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ وہ تو ظاہر ہی ہے خرچ کا ذکر اس لئے فرمایا کہ اس پر دوہری حسرت تھی موجودہ حالت کی بھی اور گذشتہ کی بھی اور حسرت میں باغ کی تخصیص اس لئے کی کہ اس میں زیادہ خرچ کیا تھا اور وہ محبوب بھی بہت تھا۔

وَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّیْٓ اَحَدًا ﴿۴۲﴾

اور کہنے لگا کیا خوب ہوتا کہ میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا

مطلب یہ کہ کفر نہ کرتا اس میں قیامت کا انکار وغیرہ سب داخل ہے چونکہ توحید سب سے اعظم ہے اس لئے اس کو خاص طور پر ذکر فرما دیا اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص سمجھ گیا تھا کہ یہ آفت کفر کی سزا میں آئی ہے اس لئے اس پر نادم ہوا کہ اگر کفر نہ کرتا تو یہ آفت نہ آتی یا آتی بھی تو اس کا نعم البدل آخرت میں ملتا اب خسر الدنیا والاخرة کا مضمون ہو گیا یہ باتیں اس مومن کی زبانی سنی ہوں گی اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مومن ہو گیا کیونکہ یہ ندامت نقصان کی وجہ سے ہوئی کفر کو برا سمجھنے کی وجہ سے ندامت ہونا ثابت نہیں۔

وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ یَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ

اور اس کے پاس کوئی ایسا مجمع نہ ہوا کہ خدا کے سوا اس کی مدد کرتا اور نہ وہ خود

اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿۴۳﴾ هُنَالِكَ الْوَلَایَةُ

(ہم سے) بدلہ لے سکا ایسے موقع پر مدد کرنا اللہ برحق ہی کا کام ہے

لِلّٰهِ الْحَقِّ هُوَ خَیْرٌ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ عُقْبًا ﴿۴۴﴾ ع

اسی کا ثواب سب سے اچھا اور اسی کا نتیجہ سب سے اچھا ہے

یعنی اگر مقبولان خدا کا کوئی نقصان ہو جاتا ہے تو دونوں جہان میں نیک ثمرہ ملتا ہے بخلاف کافر کے کہ بالکل خسارہ میں رہ جاتا ہے۔

ربط: آگے بھی ایک مثال کلی کے ضمن میں دنیا کا جلدی زائل ہونا اور اعمال صالحہ کا باقی رہنا پھر واقعات قیامت کے ذکر سے آخرت کا قابل اہتمام اور مخالفت کا قابل حذر ہونا بیان فرماتے ہیں۔ واضرب تا ربک احداً

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

اور آپ ان لوگوں سے دنیاوی زندگی کی حالت بیان فرمائیے کہ وہ ایسی ہے

كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ

جیسے آسمان سے ہم نے پانی برسایا ہو پھر اس کے ذریعہ سے

بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا

زمین کی نباتات خوب گنجان ہوگئی ہوں پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جاوے

تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى

کہ اس کو ہوا اڑائے لئے پھرتی ہو اور اللہ تعالیٰ

كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۴۵﴾

ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں

جب چاہیں پیدا کر دیں ترقی دے دیں جب چاہیں فنا کر دیں یہی حال دنیا کا ہے کہ آج ہری بھری نظر آتی ہے پھر اس کا نام و نشان بھی نہ رہے گا۔

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج

مال اور اولاد حیات دنیا کی ایک رونق ہے

یعنی جب دنیا کی زندگی کی یہ حالت ہے تو مال و اولاد تو اس کے تابع اور صرف رونق کی چیزیں ہیں یہ تو اس سے بھی زیادہ جلدی زائل ہونے والی ہیں

وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ

اور جو اعمال صالحہ باقی رہنے والے ہیں وہ آپ کے رب کے نزدیک

رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿۴۶﴾

ثواب کے اعتبار سے بھی ہزار درجہ بہتر ہیں اور امید کے اعتبار سے بھی ہزار درجہ بہتر ہیں

یعنی اعمال صالحہ پر جو امیدیں وابستہ ہوتی ہیں وہ آخرت میں سب پوری ہوں گی اور اس سے بھی زیادہ ثواب ملے گا بخلاف متاع دنیا کے کہ اس سے خود دنیا ہی میں امیدیں پوری نہیں ہوتیں اور آخرت میں تو احتمال ہی نہیں اس لئے دنیا سے دلچسپی یا اس پر فخر نہ کرنا چاہئے بلکہ آخرت کا اہتمام کرنا چاہئے۔

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ

اس دن کو یاد کرنا چاہئے جس دن ہم پہاڑوں کو ہٹا دیں گے

یہ ابتداء میں ہوگا پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔

وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ

آپ زمین کو دیکھیں گے کہ کھلا میدان پڑا ہے

کیونکہ پہاڑ اور درخت اور عمارتیں وغیرہ کچھ نہ رہیں گی۔

وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ج ﴿۴۷﴾

اور ہم ان سب کو جمع کر دیں گے اور ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑیں گے

یعنی قبروں سے اٹھا کر سب میدان حساب میں لائے جائیں گے کوئی بچا نہ رہے گا۔

وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ط

اور سب کے سب آپ کے رب کے روبرو کھڑے کر کے پیش کئے جاویں گے

یہ بھی احتمال نہ رہے گا کہ کوئی کسی کی آڑ میں چھپ جاوے اور ان میں جو لوگ قیامت کا انکار کرتے تھے ان کو دھمکایا جائے گا جیسا کہ آگے ذکر ہے۔

لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ز

دیکھو آخر تم ہمارے پاس آئے بھی جیسا ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا

مگر تم باوجود یکہ پہلی پیدائش کا مشاہدہ دنیا میں کر چکے تھے پھر بھی دوبارہ پیدائش کے قائل نہ ہوئے۔

بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿۴۸﴾

بلکہ تم یہی سمجھتے رہے کہ ہم تمہارے لئے کوئی وقت موجود نہ لائیں گے اور نامہ

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ

اعمال رکھ دیا جاوے گا تو آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ اس میں

مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا

جو کچھ ہے اس سے ڈرتے ہوں گے اور کہتے ہوں گے کہ ہائے

مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً

ہماری کم بختی اس نامہ اعمال کی عجیب حالت ہے کہ بے قلمبند کئے ہوئے

وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا

نہ کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا نہ بڑا گناہ (چھوڑا) اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا وہ

عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾

سب (لکھا ہوا) موجود پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا

کہ بے کیا ہوا گناہ لکھ لے یا کی ہوئی نیکی نہ لکھے بشرطیکہ وہ قاعدہ کے موافق کی گئی ہو خلاصہ یہ کہ رؤسا مشرکین جس چیز پر فخر کرتے ہیں ان کا حال اور انجام سنایا اور جن غرباء کو حقیر سمجھتے ہیں ان کے باقیات صالحات کا لازوال دولت ہونا معلوم کر لیا اب بھی عقل نہ آوے تو ان کے گولی ماریئے

ربط: اوپر عام الفاظ سے رؤسا کفار کی اخلاقی خرابی اور افتخار و تکبر اور عقائد کا فساد و کفر و انکار بیان ہوا تھا آگے اسی تعلق سے ابلیس کی بدانجامی جو تکبر کی وجہ سے ہے ان لوگوں کا اس کے تابع ہونا اور قیامت میں اس اتباع کا کچھ کام نہ آنا بلکہ عذاب پانا وغیرہ اسی کے مناسب مضامین ہیں اخیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے ان کے ایمان سے ناامیدی ظاہر کی گئی اور عذاب کی تاخیر کی حکمت بتائی گئی و اذقلنا تا موعداً

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ

اور جب کہ ہم نے ملائکہ کو حکم دیا کہ وہ آدم (علیہ السلام) کے سامنے سجدہ کرو

فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ

سو سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے وہ جنات میں سے تھا

فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ

سو اس نے اپنے رب کے حکم سے عدول کیا

جیسا کہ اس کے آگ سے پیدا ہونے کا مقتضا تھا لیکن وہ اس میں معذور نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ مقتضا مغلوب ہو سکتا تھا جیسا کہ اکثر آدمی کی طبیعت گناہ کی طرف مائل ہوتی ہے مگر اس تقاضے کا روکنا ممکن ہے۔

اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ

سو کیا پھر بھی تم اس کو اور اس کے چیلے چانٹوں کو دوست بناتے ہو مجھ کو چھوڑ کر

یعنی جب ابلیس ایسا ہے تو کیا تم میرا اتباع چھوڑ کر اس کا اور اس کی اولاد و توابع کا عقائد میں اتباع کرتے ہو جو کہ محض شرک ہے

وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ

حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں

یعنی ابلیس اور اس کی جماعت ہر وقت تمہارے ضرر کے درپے رہتے ہیں۔

بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴿۵۰﴾

یہ ظالموں کے لئے بہت برا بدل ہے

یعنی مجھ کو چھوڑ کر جو انہوں نے شیاطین کو دوست بنایا یہ بہت ہی برا عوض ہے اور عوض اس لئے کہا کہ درحقیقت ان کو یہ چاہئے تھا کہ خدا کو دوست بناتے مگر انہوں نے خدا کے بدلے اپنے دشمن کو دوست بنایا حالانکہ اس کی دشمنی خود دوستی سے مانع ہے اور کوئی دوسرا سبب بھی ایسا موجود نہیں جس کی وجہ سے اس کو دوست بنایا جائے۔

مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

میں نے انکو نہ تو آسمان اور زمین کے پیدا کرنے کے وقت بلایا اور نہ خود ان

وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۠ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ

کے پیدا کرنے کے وقت (بلایا) اور میں ایسا (عاجز) نہ تھا کہ (کسی کو

الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ﴿۵۱﴾

خصوص) گمراہ کرنے والوں کو اپنا (دست) بازو بناتا

یعنی معین تو وہ ڈھونڈے جو خود قادر نہ ہو خدا کو کسی کی کیا ضرورت تھی حاصل یہ ہے کہ خدا کا شریک اگر مستقل مخلوق نہ پیدا کرتا تو کم از کم مددگار تو ہوتا اور اگر دوسری مخلوقات میں اس کی شرکت نہ ہوتی تو کم از کم خود ان کی پیدائش وغیرہ کے بارہ میں تو ان کی کچھ پوچھ ہوتی جب یہ بھی نہیں تو ان کو شریک قرار دینا محض حماقت ہے۔

وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ

اور اس دن کو یاد کرو کہ حق تعالیٰ فرماوے گا کہ جن کو تم ہمارا شریک سمجھا کرتے

زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا

تھے ان کو پکارو پس وہ ان کو پکاریں گے سو وہ جواب ہی نہ دیں گے

لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿۵۲﴾

اور ہم ان کے درمیان میں ایک آڑ کر دیں گے

جس سے بالکل ہی مایوسی ہو جائے ورنہ وہ تو بے آڑ کے بھی مدد نہ کر سکتے تھے غرض یہاں جن کو شریک خدائی سمجھ رہے ہو وہاں ان کی حقیقت معلوم ہوگی۔

وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ

اور (اس وقت) مجرم لوگ دوزخ کو دیکھیں گے پھر یقین کریں گے کہ وہ اس

مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿۵۳﴾ ع

میں گرنے والے ہیں اور اس سے کوئی بچنے کی راہ نہ پاویں گے اور ہم نے اس

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ

قرآن میں لوگوں (کی ہدایت) کے واسطے ہر قسم کے (ضروری) عمدہ مضامین

مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ

طرح طرح سے بیان فرمائے ہیں اور (اس پر بھی منکر) آدمی جھگڑنے میں

شَيْءٍ جَدَلًا ﴿۵۴﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ

سب سے بڑھ کر ہے اور لوگوں کو بعد اس کے کہ ان کو ہدایت پہنچ چکی ایمان

يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا

لانے سے اور اپنے پروردگار سے (کفر وغیرہ کی) مغفرت مانگنے سے اور کوئی

رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ

امر مانع نہیں رہا بجز اس کے کہ ان کو اس کا انتظار ہو کہ اگلے لوگوں کا سا معاملہ ان

اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۵﴾

کو بھی پیش آئے یا یہ کہ عذاب (الٰہی) روبرو ان کے سامنے آ کھڑا ہو

مطلب یہ کہ کیا اس لئے ایمان نہیں لاتے کہ ایسے امور واقع ہوں تب ایمان لائیں جیسا کہ ان کی حالت سے مترشح ہوتا ہے اور کبھی زبان سے کہہ بھی ڈالتے تھے کہ ایسے امور کیوں نہیں واقع ہوتے پس اگر وہ رسول کے ماننے کو ایسے ہی واقعات کے ظہور پر معلق کرتے ہیں تو اس کو مسئلہ رسالت سے کوئی تعلق نہیں۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ

اور رسولوں کو تو ہم صرف بشارت دینے والے اور ڈرانے والے بنا

وَمُنْذِرِيْنَ ج

کر بھیجا کرتے ہیں

اور اسکو ثابت کرنے کیلئے کافی دلیل ان کو عطا کر دیتے ہیں اس سے زیادہ فرمائش محض لغو ہے۔

وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ

اور کافر لوگ ناحق کی باتیں پکڑ پکڑ کر جھگڑے نکالتے ہیں تا کہ اس کے ذریعہ سے

لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ

حق بات کو بچلا دیں اور انہوں نے میری آیتوں کو اور جس (عذاب) سے ان کو

وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴿۵۶﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ

ڈرایا گیا تھا اس کو دل لگی بنا رکھا ہے اور اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جس کو اس کے

ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ

رب کی آیتوں سے نصیحت کی جاوے پھر وہ اس سے روگردانی کرے اور جو کچھ

مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ

اپنے ہاتھوں (گناہ) سمیٹ رہا ہے اس (کے نتیجہ) کو بھول جائے ہم نے اس

اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ

(حق بات) کے سمجھنے سے ان کے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں اور (اس کے

وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا

سننے سے) ان کے کانوں میں ڈاٹ دے رکھی ہے اور (اس وجہ سے) اگر آپ

اِذًا اَبَدًا ﴿۵۷﴾

ان کو راہ راست کی طرف بلاویں تو ایسی حالت میں ہرگز بھی راہ پر نہ آویں

جب ان کے دلوں اور کانوں کی یہ حالت ہے پھر آپ کیوں غم کریں آگے عذاب کی تاخیر کی حکمت بتلاتے ہیں۔

وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ط

اور آپ کا رب بڑا مغفرت کرنے والا (اور) بڑا رحمت والا ہے

پس مہلت اس لئے دی ہے کہ اگر مسلمان ہو جاویں تو ان کی مغفرت کر دوں گا دوسرے خود رحمت اس کی بھی مقتضی ہے کہ ایمان نہ لانے پر بھی دنیا میں عذاب شدید سے مہلت دی جائے ورنہ ان کے اعمال تو ایسے ہیں (آگے ترجمہ پڑھو)

لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ

اگر ان سے ان کے اعمال پر دارو گیر کرنے لگتا تو ان پر فوراً ہی عذاب واقع کر

الْعَذَابَ ط بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا

دیتا (مگر ایسا نہیں کرتا) بلکہ ان کے واسطے ایک معین وقت ہے (یعنی یوم

مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ﴿۵۸﴾

قیامت) کہ اس سے اس طرف (یعنی پہلے) کوئی پناہ کی جگہ نہیں پا سکتے

اس طور سے کہ اس کے آنے سے پہلے اس پناہ میں جا چھپیں اور اس سے محفوظ رہیں۔

وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا

اور یہ بستیاں (جن کے قصے مشہور مذکور ہیں) جب انہوں نے (یعنی انکے باشندوں نے)

وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴿۵۹﴾ ع

شرارت کی تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا اور ہم نے انکے ہلاک ہونے کیلئے وقت معین کیا تھا

غرض یہی قاعدہ پہلے کفار کے ساتھ برتا گیا جس سے کفر کا موجب ہلاکت ہونا ثابت ہو گیا تو ان کے لئے بھی وقت معین ہے دیر ہونے سے یہ کیسے لازم آیا کہ عذاب ہونے کا ہی نہیں

ربط: اوپر رؤساء کفار کی اس درخواست کی کہ ہماری مجلس تعلیم میں غریب مسلمان نہ رہنے پاویں قباحت مذکور ہوئی تھی آگے موسیٰ علیہ السلام کے ایک قصہ سے اس کی زیادہ وضاحت فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے تو اپنے سے چھوٹے کو بعض خاص علوم میں استاد بنانے سے بھی عار نہیں کی اور تم کو ان غریبوں کے محض شریک تعلیم ہونے سے عار آتی ہے نیز اس مقصود کے ساتھ اس قصہ میں آپ کی نبوت پر بھی دلالت ہو گئی جیسا کہ ظاہر ہے واذقال موسیٰ تا ذکرا

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ

اور (وہ وقت یاد کرو) جبکہ موسیٰ نے اپنے خادم سے فرمایا

جس کا نام یوشع تھا رواہ البخاری

حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ

کہ میں (اس سفر میں) برابر چلا جاؤں گا یہاں تک کہ اس موقع پر پہنچ جاؤں

حُقُبًا ﴿۶۰﴾

جہاں دو دریا آپس میں ملے ہیں یا یونہی زمانہ دراز تک چلتا رہوں گا

یہ مضمون ایسا ہے جیسا کسی شاعر نے کہا ہے

دست از طلب ندارم تا کام من برآید
یا تن رسد بجاناں یا جان زتن برآید

اور وجہ اس سفر کی یہ ہوئی تھی کہ ایک بار موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں وعظ فرمایا تو کسی نے پوچھا کہ اس وقت آدمیوں میں سب سے بڑا عالم کون شخص ہے آپ نے فرمایا کہ "میں" مطلب آپ کا یہ تھا کہ جن علوم کو قرب الٰہی حاصل ہونے میں دخل ہے ان میں میرے برابر کوئی نہیں اور یہ فرمانا صحیح تھا کیونکہ آپ نبی اولوالعزم تھے اور انبیاء اولوالعزم کے برابر وہ دوسروں کو یہ علم نہیں ہوتا مگر بظاہر چونکہ الفاظ عام تھے جن سے یہ بھی مفہوم ہو سکتا تھا کہ ہر علم میں سب سے بڑا میں ہوں) اس لئے اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ آپ کو کلام میں احتیاط کی تعلیم دی جائے پس ارشاد ہوا کہ مجمع البحرین میں ہمارا ایک بندہ تم سے بھی زیادہ علم رکھتا ہے مطلب یہ تھا کہ بعض علوم میں وہ زیادہ ہے اگرچہ ان علوم کو قرب الٰہی میں دخل نہ ہو لیکن ایسی حالت میں اپنے آپ کو مطلقاً ہر ایک سے تو زیادہ عالم نہ کہنا چاہئے تھا موسیٰ علیہ السلام ان کے ملنے کے مشتاق ہوئے اور پوچھا کہ ان تک پہنچنے کی کیا صورت ہے ارشاد ہوا کہ ایک بے جان مچھلی اپنے ساتھ لے کر سفر کرو جہاں وہ گم ہو جائے وہ شخص وہیں ہے اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے یوشع علیہ السلام کو ساتھ لیا اور یہ بات فرما دی تھی۔

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا

پس جب (چلتے چلتے) دونوں دریاؤں کے جمع ہونے کے موقع پر پہنچے اس

فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿٦١﴾

اپنی مچھلی کو دونوں بھول گئے اور مچھلی نے دریا میں اپنی راہ لی اور چل دی

یہاں پہنچ کر دونوں حضرات کسی پتھر سے لگ کر سو رہے تھے اور وہ مچھلی خدا کے حکم سے زندہ ہو کر دریا میں جا پڑی یوشع علیہ السلام نے بیدار ہو کر مچھلی کو نہ پایا ارادہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام جب جاگیں گے تو اس کا ذکر کروں گا مگر ان کو مطلق یاد نہ رہا شاید اہل و عیال اور وطن کے خیالات کا بہت زیادہ ہجوم ہوا ہو کہ ذکر کرنا بھول گئے ورنہ ایسی عجیب بات کا بھول جانا کم ہوتا ہے لیکن جو شخص ہر وقت خلاف عادت امور دیکھتا رہتا ہو اس کے ذہن سے کسی ادنیٰ درجہ کی عجیب بات کا نکل جانا کسی خیال کے غلبہ میں عجیب نہیں اور موسیٰ علیہ السلام کو بھی پوچھنا یاد نہ رہا۔

فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ز

پھر جب دونوں (وہاں سے) آگے بڑھ گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے فرمایا

لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿٦٢﴾

کہ ہمارا ناشتہ تو لاؤ ہم کو تو اس سفر میں (یعنی آج کی منزل میں) بڑی تکلیف پہنچی

اور اس سے پہلے کی منزلوں میں نہیں تھکتے تھے جس کی وجہ بظاہر موقع مقصود سے آگے بڑھ جانا تھا۔

قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ

خادم نے کہا کہ لیجئے دیکھئے (عجیب بات ہوئی) جب ہم اس پتھر کے قریب ٹھہرے

نَسِيْتُ الْحُوْتَ ز وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ

تھے سو میں اس مچھلی (کے تذکرہ) کو بھول گیا اور مجھ کو شیطان ہی نے بھلا دیا

اگر شبہ ہو کہ یوشع علیہ السلام نبی ہوئے ہیں پھر ان پر شیطان کا تصرف بھولنے کے بارہ میں کیسے ہوا جواب یہ ہے کہ جو تصرف گناہ میں مبتلا کر دے اس سے انبیاء کا محفوظ ہونا ثابت ہے باقی دوسرے تصرفات ایسے ہیں جیسے کوئی کافر کسی نبی کے پتھر مار دے اور چوٹ لگ جائے اور اگر یہ شبہ ہو کہ جب مجمع البحرین کا موقعہ آ گیا تھا تو وہاں پہنچ کر کیوں آگے بڑھ گئے اگرچہ مچھلی کے زندہ ہونے کا قصہ معلوم نہ ہوا تھا مگر یہ تو معلوم تھا کہ دو دریاؤں کے ملنے کا موقع آ گیا جواب یہ ہے کہ مجمع البحرین سے کوئی خاص موقعہ مراد ہونا ضروری نہیں (کہ اس کے قرب و جوار کو دور تک مجمع بحرین کہا جا سکتا ہے اور اسی وسعت کی وجہ سے مچھلی میں جان پڑ جانا علامت مقرر کی گئی تھی اور اس مچھلی کا زندہ ہونا بظاہر محض قدرت الٰہی سے ہوا کیونکہ وہی علامت بتلائی گئی تھی اگرچہ پانی لگنے کے وقت حیات ہوئی ہو مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ پانی کا لگنا سبب تھا اور دو دریاؤں کے ملنے کے مواقع متعدد ہوں گے ان میں سے ایک موقع یہ بھی ہوگا جس کی تعیین پر کوئی ضروری امر موقوف نہیں۔

اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ج وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ

کہ میں اس کو ذکر کرتا اور (وہ قصہ یہ ہوا کہ) اس مچھلی نے (زندہ ہونے کے

فِي الْبَحْرِ ق صلے عَجَبًا ﴿٦٣﴾

بعد) دریا میں عجیب طور پر اپنی راہ لی

ایک عجیب بات تو خود اس کا زندہ ہو جانا ہے اور دوسرا عجیب واقعہ بطور خرق عادت یہ کہ وہ مچھلی دریا میں جہاں کو گزری تھی وہاں کا پانی خلاف عادت اسی طرح سرنگ کے طور پر ہو گیا تھا غالباً پھر مل گیا ہوگا۔

قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ صلے ق فَارْتَدَّا عَلٰٓى

موسیٰ نے (یہ حکایت سن کر) فرمایا کہ یہی وہ موقع ہے جس کی ہم کو تلاش تھی

اٰثَارِهِمَا قَصَصًا لا ﴿٦٤﴾

سو دونوں اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے الٹے

غالباً وہ راستہ سڑک کا نہ ہوگا اس لئے نشان دیکھنے پڑے۔

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ

سو (وہاں پہنچ کر) انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جن

رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا

کو ہم نے اپنی خاص رحمت (یعنی مقبولیت) دی تھی

مقبولیت کے معنی میں دونوں احتمال ہیں کہ ولایت مراد ہو یا نبوت۔

وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿٦٥﴾

اور ہم نے ان کو اپنے پاس سے ایک خاص طور کا علم سکھلایا تھا

مراد اس سے اسرار کونیہ سے واقعات عالم کا علم ہے جیسا کہ آئندہ کلام سے معلوم ہوتا ہے یہ علم ان کو بدوں پڑھے پڑھائے منجانب اللہ حاصل تھا اور اس علم کو قرب الٰہی حاصل ہونے میں کچھ دخل نہیں جس علم

کو قرب میں دخل وہ اسرار الٰہی کا علم ہے جس میں موسیٰ علیہ السلام بڑھے ہوئے تھے۔

قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ

موسیٰ نے (ان کو سلام کیا اور) ان سے فرمایا کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں

یعنی مجھ کو ساتھ رہنے کی اجازت دیجئے۔

عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿۶۶﴾

اس شرط پر کہ جو علم مفید آپ کو (منجانب اللہ) سکھلایا گیا ہے اس میں سے آپ مجھ کو بھی

قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۶۷﴾

سکھلا دیں ان بزرگ نے جواب دیا آپ سے میرے ساتھ رہ کر (میرے افعال پر) صبر نہ ہو سکے گا

کیونکہ آپ میرے افعال پر روک ٹوک کریں گے اور متعلم جب تعلیم کے متعلق معلم کو روک ٹوک کرے اس صورت میں ساتھ رہنا مشکل ہے۔

وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿۶۸﴾

اور (بھلا) ایسے امور پر آپ کیسے صبر کریں گے جو آپ کے احاطہ واقفیت سے باہر ہیں

یعنی ظاہر میں وہ باتیں بوجہ منشا معلوم نہ ہونے کے خلاف شرع نظر آئیں گی اور آپ خلاف شرع امور پر خاموش نہ رہ سکیں گے اس سے بعض لوگوں کو یہ دھوکہ ہوا ہے کہ پیر اگر خلاف شرع کام کرے تو مرید اس پر انکار نہ کرے چنانچہ اس قصہ میں حدیث میں آیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اگر صبر کرتے تو خوب ہوتا جواب یہ ہے کہ خضر علیہ السلام کا کمال اور ان کی مقبولیت خدا تعالیٰ کے ارشاد سے معلوم ہو چکی تھی اس لئے سکوت جائز تھا دوسرے کا ان پر قیاس کرنا غلط ہے بعض کو دھوکہ ہوا ہے کہ الہام پر خلاف شرع عمل کرنا جائز ہے جواب یہ ہے کہ خضر علیہ السلام یا تو نبی ہوں گے پس ان واقعات میں جو کچھ کیا وحی سے کیا یا یہ پہلی شریعت کا حکم ہو گا اس شریعت میں یہ جائز نہیں۔

قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ

موسیٰ نے فرمایا انشاء اللہ آپ مجھ کو صابر (یعنی ضابط) پاویں گے اور میں کسی

اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ﴿۶۹﴾

بات میں آپ کے خلاف حکم نہ کروں گا

یعنی اگر آپ مثلاً روک ٹوک کرنے سے منع کر دیں گے تو میں روک ٹوک نہ کروں گا اسی طرح اور کسی بات میں بھی خلاف نہ کروں گا فانطلقا تا لم تستطع علیہ صبرا

قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ

ان بزرگ نے فرمایا تو (اچھا) اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو اتنا خیال رہے کہ) مجھ سے کسی بات کی نسبت کچھ پوچھنا نہیں

حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿۷۰﴾ ع وقفة فَانْطَلَقَا

جب تک کہ اس کے متعلق میں خود ہی ابتداءً ذکر نہ کروں پھر دونوں (کسی طرف) چلے

اور غالباً یوشع علیہ السلام بھی ساتھ ہوں گے مگر چونکہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے تابع تھے اس لئے اصل کا ذکر کر کے تابع کے ذکر کی ضرورت نہ رہی غرض چلتے چلتے کسی ایسے مقام پر پہنچے جہاں کشتی پر سوار ہونے کی ضرورت ہوئی۔

حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ط

یہاں تک کہ جب دونوں کشتی میں سوار ہوئے تو ان بزرگ نے کشتی میں چھید کر دیا

یعنی کشتی کا ایک تختہ نکال لیا شاید پھر بعد میں مرمت کر دی ہو گی اور غالباً کشتی والے اجمالاً ان کے معتقد ہوں گے اس لئے نہ روکا ہو۔

قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ج

موسیٰ نے فرمایا کہ آپ نے اس کشتی میں اس لئے چھید کیا ہو گا کہ اس کے بیٹھنے والوں کو غرق کر دیں

یعنی اس پر یہ نقصان مرتب ہونا بعید نہ تھا اور اگرچہ اس ضرر کا احتمال ہی تھا مگر جب تک کوئی غالب مصلحت نہ ہو اس وقت تک محتمل ضرر سے بھی بچنا واجب ہے اور مصلحت کچھ معلوم ہوتی نہیں۔

لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا ﴿۷۱﴾ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ

آپ نے بڑی بھاری (یعنی خطرہ کی) بات کی ان بزرگ نے کہا کہ

اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۷۲﴾

کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ سے میرے ساتھ صبر نہ ہو سکے گا

آخر وہی ہوا اور اپنے قول پر نہ رہے۔

قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا

موسیٰ نے فرمایا کہ (مجھ کو یاد نہ رہا تھا) آپ میری بھول چوک پر گرفت نہ

تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ﴿۷۳﴾

کیجئے اور میرے اس معاملہ میں مجھ پر زیادہ تنگی نہ ڈالئے

کہ بھول چوک بھی معاف نہ کی جائے بات گئی گزری ہوئی۔

فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ

پھر دونوں (کشتی سے اتر کر آگے) چلے یہاں تک کہ جب ایک (کمسن) لڑکے سے ملے تو ان بزرگ نے اس کو مار ڈالا موسیٰ (گھبرا کر)

قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ

کہنے لگے آپ نے ایک بے گناہ جان کو مار ڈالا (اور وہ بھی) بے بدلے کسی جان

لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا ﴿۷۴﴾

کے بیشک آپ نے (یہ تو) بڑی بے جا حرکت کی

کیونکہ اول تو نابالغ کو قتل کیا جس کو قصاص میں بھی قتل نہیں کیا جاتا پھر اس نے کوئی کام بھی موجب قتل نہیں کیا تھا اس وجہ سے یہ فعل پہلے سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ وہاں مال کا نقصان تو یقینی ہوا مگر جان کے ضرر کا احتمال ہی تھا اور یہاں جان کا ضرر یقینی ہوا اور وہ بھی معصوم بچہ کا کیونکہ مسلم کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لڑکا نابالغ تھا نیز اگر وہ بالغ اور ڈاکو ہوتا جیسا کہ بعض لوگوں نے کہا ہے تو خضر علیہ السلام آئندہ چل کر اس قتل کے عذر میں یہ نہ فرماتے کہ اس کے والدین کے بگڑنے کا اندیشہ تھا بلکہ ڈاکو ہونے کا عذر فرماتے جو جلد ہی سمجھ میں آ سکتا تھا۔

الحمدللہ پندرویں پارہ کی تفسیر ختم ہوئی

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ

ان بزرگ نے فرمایا کہ کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ سے میرے

مَعِيَ صَبْرًا ﴿۷۵﴾ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ

ساتھ صبر نہیں ہو سکے گا۔ موسیٰ نے فرمایا کہ (خیر اب کے اور جانے دیجئے) اگر

بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ

اس مرتبہ کے بعد آپ سے کسی امر کے متعلق پوچھوں تو آپ مجھ کو اپنے

لَّدُنِّيْ عُذْرًا ﴿۷۶﴾

ساتھ نہ رکھیئے بیشک آپ میری طرف سے عذر (کی انتہا) کو پہنچ چکے ہیں

یعنی آپ نے بہت درگزر کی اگر اب ساتھ نہ رکھیں گے تو آپ معذور ہیں اور اس مرتبہ نسیان کا عذر نہ کرنے سے معلوم ہوا کہ اب کی بار بھولے سے سوال نہ کیا تھا اور آپ نے وعدہ کر کے جو اعتراض فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ وعدہ اگرچہ بظاہر بلا قید تھا مگر معنےً اس کے ساتھ یہ قید ملحوظ تھی کہ جب تک مخالفت شریعت کی نہ ہو اور شریعت کے موافق کام کرتے رہو میں نہ بولوں گا پس خلاف وعدہ لازم نہیں آیا اور آپ نے جواب میں یہ نہ کہا کہ خلاف شرع کام کرتے ہو وجہ یہ کہ بعد غصہ کم ہو جانے کے اجمالاً سمجھ گئے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس بھیجا ہے تو ان کا ہر فعل حکم خدا کے موافق ہوگا۔

فَانْطَلَقَا ٝ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ ِۨ اسْتَطْعَمَآ

پھر دونوں (آگے) چلے یہاں تک کہ جب ایک گاؤں والوں پر گزر ہوا تو وہاں والوں سے

اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا

کھانے کو مانگا (کہ ہم مہمان ہیں) سو انہوں نے ان کی مہمانی کرنے سے انکار کر دیا اتنے

جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ۭ

میں ان کو وہاں ایک دیوار ملی جو گرا ہی چاہتی تھی تو ان بزرگ نے اس کو (ہاتھ کے سہارے

قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴿۷۷﴾

سے) سیدھا کر دیا۔ موسیٰ نے فرمایا کہ آپ چاہتے تو اس (کام) پر کچھ اجرت ہی لے لیتے

کہ اس وقت کام بھی چلتا اور ان لوگوں کے اخلاق کی بھی اصلاح ہوتی کیونکہ ایسوں کے ساتھ رعایت کرنے سے ان کی بد خلقی زیادہ بڑھتی ہے۔

قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ

ان بزرگ نے کہا کہ یہ وقت ہماری اور آپ کی علیحدگی کا ہے (جیسا کہ خود آپ نے

بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿۷۸﴾

شرط کی تھی) میں ان چیزوں کی حقیقت بتلائے دیتا ہوں جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا

چنانچہ آئندہ آیات میں وہ حقیقت آتی ہے اور عجب نہیں کہ ان اسرار کے بتلانے سے اس درخواست کا پورا کرنا بھی منظور ہو جو موسیٰ علیہ السلام نے کی تھی کہ مجھے اپنا علم سکھلا دیجئے الخ گو اس وقت نمونہ ہی کے طور پر سہی اور زیادہ ساتھ رہنے میں غالباً وہ مناسب موقعہ پر خود ہی بتلاتے اور ہر واقعہ پر بتلاتے تو یہ علم زیادہ حاصل ہوتا اور گو یہ علم موسیٰ علیہ السلام کے علم کے برابر مفید نہیں کیونکہ اتباع کے قابل نہیں تاہم اس اعتبار سے خاص لوگوں کو مفید ضرور ہے کہ خدا تعالیٰ کی بعض حکمتیں مفصلاً منکشف ہوتی ہیں اگرچہ قرب کے لئے یہ اجمالی عقیدہ کافی ہے کہ ہر واقعہ میں خدا کی حکمتیں ہوتی ہیں اما السفینہ تا لم تسطع علیہ صبرا

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ

وہ جو کشتی تھی سو چند غریب آدمیوں کی تھی جو (اس کے ذریعہ سے) دریا میں محنت مزدوری

فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ

کرتے تھے سو میں نے چاہا کہ اس میں عیب ڈال دوں اور (وجہ اس کی یہ تھی کہ) ان

وَرَاۗءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿۷۹﴾

لوگوں سے آگے کی طرف ایک (ظالم) بادشاہ تھا جو ہر (اچھی) کشتی کو زبردستی پکڑ رہا تھا

پس اگر ان کی کشتی میں عیب نہ ڈالا جاتا تو اس کو بھی چھین لیتا اور اسی پر ان کی گزر اوقات تھی ان غریبوں کا ٹکڑا مارا جاتا پس اس توڑنے میں یہ مصلحت تھی۔

وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ

اور رہا وہ لڑکا سو اس کے ماں باپ ایماندار تھے

اور وہ اگر بڑا ہوتا تو کافر ہوتا اور ماں باپ اس کو چاہتے بہت تھے تو اس کی محبت کے سبب وہ بھی بد دینی میں اس کا ساتھ دینے لگتے۔

فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ﴿۸۰﴾ ۚ

سو ہم کو اندیشہ (یعنی تحقیق) ہوا کہ یہ ان دونوں پر سرکشی اور کفر کا اثر نہ ڈال دے پس ہم کو

فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً

یہ منظور ہوا کہ بجائے اس کے ان کا پروردگار ان کو ایسی اولاد دے جو پاکیزگی (یعنی دین)

وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ﴿۸۱﴾

میں اس سے بہتر ہو اور (ماں باپ کے ساتھ) محبت کرنے میں اس سے بڑھ کر ہو

پس ہم نے چاہا کہ اس کا تو قصہ تمام کر دیا جائے پھر حق تعالیٰ ان کو اس سے بہتر لڑکا یا لڑکی عطا کر دیں۔

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ

رہی دیوار سو وہ دو یتیم لڑکوں کی تھی جو اس شہر میں (رہتے ہیں اور اس دیوار

فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ

کے نیچے ان کا کچھ مال مدفون تھا جو ان کے باپ سے میراث میں پہنچا ہے)

اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ

اور ان کا باپ (جو مر گیا ہے) ایک نیک آدمی تھا

پس اس کے نیک ہونے کی برکت سے خدا تعالیٰ نے اس کی اولاد کے مال کو محفوظ فرمانا چاہا دیوار گرنے سے لوگ مال لوٹ لے جاتے اور غالباً جوان لڑکوں کا سرپرست تھا اور اس کو دفینہ کا علم ہوگا وہ یہاں موجود نہ ہوگا جو انتظام کر لیتا۔

فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا

سو آپ کے رب نے اپنی مہربانی سے چاہا کہ دونوں اپنی جوانی (کی عمر) کو پہنچ جاویں اور

كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ

اپنا دفینہ نکال لیں اور (یہ سارے کام میں نے بالہام الٰہی کیے ہیں کوئی کام میں نے

اَمْرِيْ ۭ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿۸۲﴾ ۧ

اپنی رائے سے نہیں کیا۔ لیجئے یہ ہے حقیقت ان باتوں کی جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا

اور میں حسب وعدہ اس کو بتلا چکا چنانچہ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام ان سے رخصت ہوئے حدیث میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے شرما کر یہ کہہ دیا کہ اگر اب کی بار پوچھوں تو ساتھ نہ رکھنا ورنہ اگر ساتھ رہتے تو اور عجیب باتیں دیکھتے اور اس قصہ سے بعض لوگوں کو دھوکہ ہوا ہے کہ علم باطن علم شریعت سے افضل ہے جواب اس کا یہ ہے کہ علم باطن کے دو حصے ہیں ایک تو مرضیات الٰہی کا علم جو کہ نفس کے متعلق ہے کہ برے اخلاق سے اس کی اصلاح کرنا اور اچھے اخلاق سے آراستہ کرنا ہو تو شریعت کا ایک جزو ہے اور جزو کبھی کل سے افضل نہیں ہو سکتا اور دوسرا حصہ واقعات عالم کے اسرار ہیں چونکہ وہ قرب الٰہی میں کچھ دخل نہیں رکھتا اس لئے اس کی فضیلت کا احتمال ہی نہیں اور اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ خضر علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے افضل نہیں کیونکہ اس قصہ سے خضر علیہ السلام کو علم باطن کا دوسرا شعبہ حاصل ہونا ثابت ہوتا ہے اور ابھی سن لیا کہ وہ علم شریعت سے جو کہ موسیٰ علیہ السلام کو حاصل تھا افضل نہیں رہا ان کے پاس بھیجنا یہ فضیلت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ ایک ادب کی تعلیم کرنے کے لئے تھا تا کہ آئندہ کلام میں احتیاط رکھیں اور بعضے اہل کتاب کہتے ہیں کہ یہ قصہ مشہور موسیٰ پیغمبر علیہ السلام کا نہیں ہے ورنہ ہماری کتابوں میں ہوتا مگر حدیث میں تصریح ہے کہ صاحب واقعہ وہی مشہور موسیٰ ہیں اور اہل کتاب کی بعض کتابیں گم ہو گئی ہیں ممکن ہے ان میں ہو اور اگر نہ بھی ہو تو مثبت نافی پر مقدم ہوتا ہے۔

ربط: اوپر جس سوال کے جواب میں قصہ اصحاب کہف مذکور ہوا ہے اسی کے ساتھ ذوالقرنین کا قصہ بھی اسی امتحان نبوت کی غرض سے پوچھا گیا تھا آگے اس کا جواب ہے جس میں ان کے تین سفروں کا بیان ہے۔ ویسئلونک تا یسرا

وَيَسْــَٔـلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۭ

اور یہ لوگ آپ سے ذوالقرنین کا حال پوچھتے ہیں

اس کے پوچھنے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ ان کی تاریخ قریب قریب گم تھی اور اس لئے جو امور ان کے متعلق قرآن میں مصرح نہیں ان میں آج تک اختلاف ہے اور اسی واسطے کفار نے اس کو سوال کے لئے منتخب کیا تھا پس اس سوال کا جواب بھی نبوت کی دلیل ہے۔

قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ﴿۸۳﴾ ۭ

آپ فرما دیجئے کہ میں اس کا ذکر ابھی تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں

آگے حق تعالیٰ ان کی حکایت بیان فرماتے ہیں کہ ذوالقرنین بڑے جلیل القدر بادشاہ ہوئے ہیں۔

اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ

ہم نے ان کو روئے زمین پر حکومت دی تھی اور ہم نے ان کو ہر قسم کا

شَيْءٍ سَبَبًا ﴿۸۴﴾ ۙ

سامان (کافی) دیا تھا

جس سے وہ اپنے شاہی ارادوں کو پورا کر سکیں۔

فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۵﴾ حَتّٰٓی اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ

چنانچہ وہ (بارادۂ فتوحات) ملک مغرب کی ایک راہ پر ہو لئے یہاں تک کہ جب غروب آفتاب کے موقع پر پہنچے

یعنی سفر کرتے کرتے اور درمیان شہروں کو فتح کرتے کرتے مغرب کی سمت میں آبادی کے منتہا پر پہنچے۔

وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ

تو آفتاب ان کو ایک سیاہ رنگ کے پانی میں ڈوبتا ہوا دکھائی دیا

مراد اس سے غالباً سمندر ہے کہ اس کا رنگ اکثر جگہ سیاہ ہے اور سمندر میں اگرچہ سچ مچ غروب نہیں ہوتا لیکن جہاں سمندر سے آگے نگاہ نہ جاتی ہو تو ظاہر نظر میں سمندر ہی میں غروب ہوتا معلوم ہوگا۔

وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ۗ

اور اس موقعہ پر انہوں نے ایک قوم دیکھی

جن کا کافر ہونا اگلی آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ فاما من ظلم الخ.

قُلْنَا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ

ہم نے (الہاماً) یہ کہا اے ذوالقرنین خواہ سزا دو اور خواہ ان کے

اَنْ تَتَّخِذَ فِیْهِمْ حُسْنًا ﴿۸۶﴾

بارے میں نرمی کا معاملہ اختیار کرو

یعنی اس قوم کے بارے میں تم کو اختیار ہے یا تو ان کو ابتدا ہی سے قتل وغیرہ کے ذریعہ سزا دو یا اول دعوت ایمان کرلو اور شاید ابتداءً قتل کرنا اس لئے جائز ہو کہ ان کو کسی ذریعہ سے دعوت پہنچ چکی ہوگی لیکن دوسری صورت چونکہ افضل تھی اس کو حسن فرمایا۔

قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ

ذوالقرنین نے عرض کیا کہ (بہت اچھا اول دعوت ایمان ہی کروں گا) لیکن جو ظالم رہے گا سو اس کو تو ہم لوگ سزا دیں گے پھر وہ اپنے مالک حقیقی کے

یُرَدُّ اِلٰی رَبِّهٖ فَیُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸۷﴾

پاس پہنچایا جاوے گا پھر وہ اس کو دوزخ کی) سزا دے گا اور جو شخص ایمان لے آوے گا

وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ

اور نیک عمل کرے گا تو اس کے لئے (آخرت میں بھی) بدلے میں بھلائی ملے گی اور

ۨالْحُسْنٰی ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا یُسْرًا ﴿۸۸﴾ ؕ

ہم (بھی دنیا میں) اپنے برتاؤ میں اس کو آسان (اور نرم) بات کہیں گے

یعنی اس کے ساتھ بات میں سختی روا نہ رکھیں گے فعلی سختی تو بدرجہ اولیٰ روا نہ رکھی جائے گی۔ اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین کوئی بزرگ مقبول بادشاہ ہیں خواہ نبی ہوں یا ولی ہوں پھر ولایت کی صورت میں حق تعالیٰ کی گفتگو بطور الہام کے ہوئی ہو یا کسی نبی کے ذریعہ سے اور شاید ذوالقرنین ان کا لقب اس لئے ہوا ہو کہ قرن جانب ان کا لقب اس لئے ہوا ہو کہ قرن جانب کو کہتے ہیں چونکہ انہوں نے زمین کی تمام جانبوں پر تسلط حاصل کیا تھا اس لئے ذوالقرنین لقب ہو گیا۔ اور آئندہ دو سفروں کے متعلق یہ مضمون سزا دینے میں اختیار دینے کا مذکور نہیں ہوا شاید ایک جگہ ذکر کر کے سننے والوں کے قیاس پر چھوڑ دیا ہو اور ان کے متعلق بھی یہی گفتگو ہوئی ہو ثم اتبع سببا تا خبرا

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾

پھر ایک (دوسری) راہ پر ہو لئے

یعنے ممالک مغربیہ فتح کر کے ممالک مشرقیہ کے فتح کرنے کے ارادہ سے مشرق کی طرف چلے۔

حَتّٰٓی اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ

یہاں تک کہ جب (مسافت قطع کر کے) طلوع آفتاب کے موقع پر پہنچے

یعنے بہت مشرق میں منتہائے آبادی پر پہنچے۔

وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰی قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ

تو آفتاب کو ایسی قوم پر طلوع ہوتے دیکھا جن کے لئے ہم نے آفتاب کے

دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿۹۰﴾ لا

ادھر کوئی آڑ نہیں رکھی

ظاہراً یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ مکان وغیرہ بنانا نہ جانتے تھے کہ آفتاب کی گرمی سے پناہ لے سکیں۔

كَذٰلِكَ ۭ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَیْهِ خُبْرًا ﴿۹۱﴾

یہ قصہ اسی طرح ہے اور ذوالقرنین کے پاس جو کچھ (سامان وغیرہ) تھا ہم کو اس کی پوری خبر ہے

یہ اس مضمون کی تاکید اور تحقیق کے لئے فرما دیا کہ ہم جو کچھ بیان کر رہے ہیں اپنے علم سے کہہ رہے ہیں اور ہمارا علم مطابق واقع کے ہے شاید اس سے نبوت محمدیہ پر زیادہ متنبہ کرنا مقصود ہو کہ دیکھو ہم گذشتہ قصے مٹے ہوئے کس طرح ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم بتلاتے ہیں ثم اتبع تا وعد ربی حقا

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾

پھر (مشرق و مغرب فتح کر کے) ایک اور راہ پر ہو لئے

چونکہ آبادی شمالی حصہ میں زیادہ ہے اس لئے غالب گمان یہ ہے کہ اس سمت سے شمال مراد ہے اور مفسرین نے یہی سمت لکھی ہے۔

حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ

یہاں تک کہ جب دو پہاڑوں کے درمیان میں پہنچے تو

مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ

ان پہاڑوں سے اس طرف ایک قوم کو دیکھا جو کوئی بات سمجھنے کے قریب بھی

قَوْلًا ﴿۹۳﴾

نہیں پہنچتے

یعنی غیر قوم ہونے کی وجہ سے تو بات نہیں سمجھتے اور وحشی اور کم فہم ہونے کے سبب سمجھنے کے لگ بھگ بھی نہیں پہنچتے ورنہ عاقل آدمی اشاروں قرینوں سے بھی کچھ کچھ سمجھ لیتا ہے پھر کسی مترجم کے ذریعہ سے گفتگو ہوئی۔

قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ

انہوں نے (ذوالقرنین سے) عرض کیا کہ اے ذوالقرنین قوم یاجوج وماجوج (جو اس گھاٹی کے اس طرف رہتے ہیں ہماری) اس سرزمین میں

مُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ

(کبھی کبھی) بڑا فساد مچاتے ہیں

یعنی ہم پر مار دھاڑ کرتے ہیں اور ہم کو مقابلہ کی طاقت نہیں۔

فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ

سو کیا ہم لوگ آپ کے لئے کچھ چندہ جمع کر دیں اس شرط پر کہ آپ ہمارے اور ان

بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿۹۴﴾ قَالَ مَا مَكَّنِّىْ فِيْهِ

کے درمیان میں کوئی روک بنا دیں (کہ وہ پھر آنے نہ پاویں) ذوالقرنین نے جواب دیا کہ جس میں میرے رب نے مجھ کو اختیار دیا ہے وہ بہت کچھ ہے سو (مال کی مجھے

رَبِّىْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِىْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ

ضرورت نہیں البتہ) ہاتھ پاؤں سے میری مدد کرو میں تمہارے اور ان کے درمیان میں

وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿۹۵﴾ اٰتُوْنِىْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ؕ

خوب مضبوط دیوار بنا دوں (اچھا تو) تم لوگ میرے پاس لوہے کی چادریں لاؤ

دام سرکار سے ملیں گے اور ضرورت کی اور بھی چیزیں منگوائی ہوں گی مگر رکن اعظم اور اس وحشی ملک میں کمیاب چیز یہی لوہے کی چادریں تھیں اس لئے ذکر میں اس کی تخصیص کی گئی چنانچہ سب سامان جمع کیا گیا اور دونوں پہاڑوں کے درمیان بنیاد کھود کر اس کو پتھروں وغیرہ سے بھروا کر اوپر سے یہی لوہے کی چٹانوں کے ردے رکھنے شروع کئے۔

حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ

یہاں تک کہ جب (ردے ملاتے ملاتے) ان کے دونوں سروں کے بیچ (کے خلا) کو برابر کر دیا تو حکم دیا کہ دھونکو (دھونکنا شروع ہوگیا)

انْفُخُوْا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِىْٓ

یہاں تک کہ جب اس کو لال انگارا کر دیا تو (اس وقت) حکم دیا کہ اب میرے

اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ﴿۹۶﴾ ؕ

پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ (جو پہلے سے تیار کرا لیا ہوگا) کہ اس پر ڈال دوں

چنانچہ تانبا لایا گیا اور آلات کے ذریعہ سے اوپر سے چھوڑ دیا گیا کہ تمام درزوں میں گھس کر سب چادریں ایک ذات ہو کر ایک سپاٹ لوہے کی دیوار بن گئی طول و عرض اللہ کو معلوم

فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ

سو نہ تو یاجوج ماجوج اس پر چڑھ سکتے تھے

کیونکہ غایت درجہ بلند اور بہت ہی چکنی دیوار تھی۔

وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿۹۷﴾

اور (غایت استحکام کے باعث) نہ اس میں نقب دے سکتے تھے

اور دیوار بنانے کے وقت وہ لوگ اس موقع سے بہت دور تھے کیونکہ اسی طرف وسیع زمین ہے۔

قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ

ذوالقرنین نے کہا کہ یہ (تیاری دیوار کی) میرے رب کی ایک رحمت ہے

یعنی جب اس دیوار کو تیار دیکھا جس کا تیار ہونا معمولی کام نہ تھا تو بطور شکر کے کہا کہ اس میں مجھ پر بھی خدا کی رحمت ہے کہ میرے ہاتھ سے ایسا کام لیا اور اس دیوار سے باہر بسنے والوں کے لئے بھی رحمت ہے کہ یاجوج ماجوج کے شر سے محفوظ ہو گئے۔

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ

پھر جس وقت میرے رب کا وعدہ آوے گا (یعنی اس کے فنا کا وقت آوے گا)

وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ﴿۹۸﴾ ؕ

تو اس کو ڈھا کر (زمین کے) برابر کر دے گا اور میرے رب کا ہر وعدہ برحق ہے

اپنے وقت پر ضرور پورا ہوگا یہ مضمون ذوالقرنینؒ نے شاید اس وجہ سے فرمایا ہو کہ اجمالی طور پر ہر شے کا فانی ہونا معلوم ہے یا ممکن ہے کہ ان کو الہام یا وحی کے ذریعہ سے اس کے منہدم ہونے کا مفصل حال کہ قیامت کے قریب ٹوٹے گی معلوم ہو گیا ہو جیسا کہ حدیثوں میں مشرح ہے اور حضرت ذوالقرنین کا مقصود اس بات سے یہ تھا کہ آدمی کسی حال میں حق تعالیٰ سے غافل نہ ہو اور نہ کسی سامان پر غرور کرے بلکہ نعمت پر شکر کرے اور فنا کو پیش نظر رکھے اور جاننا چاہئے کہ مصنفین نے اس سد سکندری کے متعلق اپنی اپنی باتیں اور خیالات جمع کئے ہیں اور اپنی اپنی رائے سے اس کا مصداق متعین کرنا چاہا ہے لیکن قرآن وحدیث سے جو اس کے چند اوصاف معلوم ہوتے ہیں ایک یہ کہ اس کا بانی کوئی مقبول بندہ ہے دوسرے یہ کہ وہ جلیل القدر بادشاہ ہے تیسرے یہ کہ وہ دیوار لوہے کی ہے چوتھے یہ کہ اس کے دونوں سرے دو پہاڑوں سے ملے ہیں پانچویں یہ کہ اس دیوار کے اس طرف یاجوج ماجوج ہیں جو ابھی باہر نہیں نکل سکتے چھٹے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اس میں تھوڑا سا سوراخ ہو گیا ہے ساتویں یہ کہ وہ لوگ ہر روز اس کو چھیلتے ہیں اور پھر وہ خدا کے حکم سے ویسی ہی دبیز ہو جاتی ہے اور قیامت کے قریب جو چھیلیں گے تو یوں کہیں گے کہ انشاء اللہ کل آر پار کر دیں گے اس روز پھر دبیز نہ ہوگی اور اگلے روز اس کو توڑ کر نکل پڑیں گے آٹھویں یاجوج ماجوج کی قوت باوجود آدمی ہونے کے انسانوں سے بہت بڑھی ہوئی ہے اور شمار میں بھی بہت زیادہ ہیں نویں یہ کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں نکلیں گے اس وقت عیسیٰ علیہ السلام وحی الٰہی سے اپنے خاص لوگوں کو لے کر کوہ طور پر چلے جائیں گے باقی لوگ اپنے طور پر قلعہ بند اور محفوظ مکانوں میں بند ہو جاویں گے دسویں یہ کہ وہ دفعۃً غیر معمولی موت سے مر جاویں گے اول کے پانچ اوصاف قرآن میں اور آخیر کے پانچ اوصاف احادیث صحیحہ میں ہیں ان اوصاف کو پیش نظر رکھ کر معلوم ہوگا کہ جتنی دیواروں کا لوگوں نے رائے سے پتہ دیا ہے یہ مجموعہ اوصاف کسی ایک میں بھی موجود نہیں پس وہ خیالات صحیح نہیں اور حدیثوں کا انکار یا آیات میں بعید تاویل کرنا خود دین کے خلاف ہے۔ رہا مخالفین کا یہ کہنا کہ ہم نے تمام زمین کو چھان ڈالا کہیں اس کا پتہ نہیں ملا اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ ہمارے اور اس کے درمیان بڑے بڑے سمندر حائل ہوں اور یہ دعویٰ کہ ہم تمام خشکی اور تری کا احاطہ کر چکے ہیں قابل تسلیم نہیں بلکہ عقلاً ممکن ہے کہ امریکہ کی طرح سمندر کے درمیان میں کوئی حصہ زمین کا ایسا ہو جہاں اب تک رسائی نہ ہوئی ہو کسی کے نہ پانے سے اس کا نہ ہونا لازم نہیں آتا پس جب مخبر صادق نے جس کا سچا ہونا دلائل قطعیہ سے ثابت ہے اس دیوار کی مع اس کے اوصاف کے خبر دی ہے تو ہم پر واجب ہے کہ تصدیق کریں اور ایسے بددینوں کے فضول کلام کی طرف التفات کرنا دین کی کمزوری اور یقین کی کمی کے سوا کچھ نہیں اور قرآن میں سفر جنوب کا ذکر یا تو اس لئے نہیں کیا گیا کہ اس سفر کا اتفاق نہ ہوا ہو یا اور کسی وجہ سے ذکر نہیں کیا۔

ربط: اوپر ذوالقرنین کے قول سے اس دیوار کے فنا ہونے کی اور یاجوج و ماجوج کے نکلنے کی طرف اشارہ تھا۔ آگے حق تعالیٰ اس وقت کی خاص حالت اور عموماً دنیا کا فنا ہو کر دوبارہ پیدا ہونا اس کے بعد جزاء وسزا کا معاملہ اور اعمال جزاء وسزا کا سبب ہونا اجمالاً بیان فرماتے ہیں۔ وترکنا تا حولا۔

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ

اور ہم روز ان کی یہ حالت کریں گے کہ ایک میں ایک گڈمڈ ہو جاویں گے

یعنی جب اس دیوار کے منہدم ہونے کا وقت آئے گا اور یاجوج و ماجوج نکلیں گے تو چونکہ وہ کثرت سے ہیں اور ایک دم سے نکل پڑیں گے تو ایک پر ایک گرتا پڑتا نکلے گا اور یہ قیامت کے قریب زمانہ میں ہوگا پھر کچھ دنوں کے بعد قیامت کا سامان شروع ہوگا حتیٰ کہ ایک بار اول صور پھونکا جائے گا جس سے تمام عالم فنا ہو جائے گا۔

وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿۹۹﴾ ۙ وَّعَرَضْنَا

اور صور پھونکا جاوے گا پھر ہم سب کو ایک ایک کر کے جمع کر لیں گے

جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا ﴿١٠٠﴾ الَّذِيْنَ

اور دوزخ کو اس روز کافروں کے سامنے پیش کر دیں گے جن کی

كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ

آنکھوں پر (دنیا میں) ہماری یاد سے (یعنی دین حق دیکھنے سمجھنے سے)

وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿١٠١﴾ اَفَحَسِبَ

پردہ پڑا ہوا تھا اور وہ سن بھی نہ سکتے تھے۔ سو کیا پھر بھی ان کافروں کا

الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ

خیال ہے کہ مجھ کو چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا کارساز (یعنی معبود

دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ

حاجت روا) قرار دیں

یعنی کفر پر ایسے سخت عذاب کا مرتب ہونا معلوم کر کے بھی کفر کرتے ہیں تو خیرہ جانیں۔

اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴿١٠٢﴾ قُلْ

ہم نے تو کافروں کی دعوت کے لئے دوزخ کو تیار کر رکھا ہے آپ (ان

هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾ اَلَّذِيْنَ

سے) کہئے کہ کیا ہم تم کو ایسے لوگ بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے بالکل

ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ

خسارہ میں ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیا میں کری کرائی محنت سب گئی گزری

يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿١٠٤﴾

ہوئی اور وہ (بوجہ جہل کے) اسی خیال میں ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں

یعنی اگر ان کو اپنے اعمال پر ناز ہو جن کو وہ اپنے نزدیک اعمال حسنہ سمجھتے ہیں اور اس نسبت سے اپنے کو عذاب سے محفوظ اور نجات پانے والا سمجھتے ہیں تو ان سے کہہ دیجئے کہ یہ اعمال کام نہیں آنے کے آگے اشارۃً ان کی محنت ضائع ہونے کی وجہ بھی بتلاتے ہیں۔

ربط: اوپر توحید و رسالت کے انکار پر عذاب کی دھمکی اور تصدیق و اطاعت پر ثواب کا وعدہ مذکور ہوا تھا آگے توحید و رسالت کا اثبات اور مومن کا ثواب صراحۃً اور منکر کا عذاب دلالۃً مذکور ہے اور اسی پر سورۃ ختم ہے اور بعینہ یہی مضمون شروع سورۃ میں بھی تھا قل لو کان تا احدا

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کی آیتوں کا (یعنی کتب الٰہیہ کا) اور اس سے ملنے کا (یعنی

فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ

قیامت کا) انکار کر رہے ہیں سو (اس لئے) ان کے سارے کام غارت ہو گئے تو قیامت

الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ﴿١٠٥﴾ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ

کے روز ہم ان (کے نیک اعمال) کا ذرا بھی وزن قائم نہ کریں گے (بلکہ) ان کی سزا وہی

بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ

ہوگی یعنی دوزخ اس سبب سے کہ انہوں نے کفر کیا اور (یہ کہ) میری آیتوں اور پیغمبروں

هُزُوًا ﴿١٠٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

کا مذاق اڑایا تھا بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ان کی مہمانی کے

كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿١٠٧﴾

لئے فردوس (یعنی جنت) کے باغ ہوں گے جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے (نہ ان کو کوئی

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿١٠٨﴾

نکالے گا) اور نہ وہ وہاں سے کہیں اور جانا چاہیں گے آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ اگر

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ

میرے رب کی باتیں لکھنے کے لئے سمندر (کا پانی) روشنائی (کی جگہ) ہو تو میرے

لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ

رب کی باتیں ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جاوے (اور باتیں احاطہ میں نہ آویں)

جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿١٠٩﴾

اگر چہ اس سمندر کی مثل ایک دوسرا سمندر (اس کی) مدد کے لئے ہم لے آویں

تب بھی وہ باتیں ختم نہ ہوں اور دوسرا سمندر بھی ختم ہو جائے پس اس کے کمالات تو غیر متناہی ہیں اور کوئی تراشیدہ معبود ایسا ہے نہیں پس معبودیت اور ربوبیت کا خدا کے ساتھ ہونا ثابت ہو گیا اور کمالات میں حکم بھی داخل ہے تو اس سے خدا کے علم کا غیر متناہی ہونا بھی ثابت ہو گیا پس

اس سے یہود کے اس قول کا جواب ہو گیا جو انہوں نے ما اوتیتم من العلم الا قلیلا سن کر کہا تھا کہ ہمارا علم بہت ہے حاصل جواب کا یہ ہوا کہ خدا کے علم کے مقابلہ میں سب تھوڑا ہی ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

اور آپ یوں بھی کہہ دیجئے کہ میں تو تم ہی جیسا بشر ہوں

یعنی میں بشریت کے سوا فرشتہ وغیرہ ہونے کا دعویٰ تو نہیں کرتا جس سے توحش کیا جائے۔

يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ

میرے پاس بس یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود (برحق)

يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ

ایک ہی معبود ہے

پس نہ تو وحی کا آنا کچھ عجیب نہ اس کا مضمون کچھ وحشت ناک کیونکہ توحید تو دلائل عقلیہ سے بھی ثابت ہے پس تم جو میرے ساتھ انکار سے پیش آئے ہو تو یہ بتلاؤ کہ میں کس مستبعد یا محال کا دعویٰ کر رہا ہوں۔

فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا

سو جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھے تو نیک کام کرتا رہے

یعنی جو خدا کا مقرب و محبوب بننا چاہے وہ مجھ کو رسول مان کر میری شریعت کے موافق عمل کرتا رہے کیونکہ توحید و رسالت کے اعتقاد پر تو نجات ہمیشہ کے لئے موقوف ہے اور اعمال صالحہ پر بھی اکثر تو موقوف ہے ہی بلکہ کبھی فضل بھی سبب ہو جاتا ہے۔

وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿١١٠﴾

اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے

اس جگہ شرک میں شرک خفی بمعنی ریاء کا بھی داخل ہونا حدیث سے معلوم ہوتا ہے لطیفہ قل لو کان البحر الخ اس آیت کی تفسیر لکھنے کے وقت مجھے اپنے ایک بزرگ جناب ماموں منشی شوکت علی صاحب مرحوم کا ایک مخمس جو گویا اس آیت کا ترجمہ ہے یاد آیا دلچسپی کے لئے اس کو نقل کرتا ہوں واقعی خوب کہا ہے۔

اگر جملہ دریا شود روشنائی　　کند کلک اشجار مدحت سرائی
محال از ثنائے تو عہدہ برائی　　ازل تا ابد اے تو فرمانروائی
کرا جز تو در ملک تو بادشاہی

سورة مريم عليها السلام الآية السجده وهي اوتسع و تسعون آية كذافي البيضاوي

ربط: اس سورۃ کا خلاصہ تین مضمون ہیں اول اثبات توحید چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تقریر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نصیحت اور بعض آیات واقعہ آخیر کی اس پر دال ہیں دوم اثبات نبوت اس کی تقریر دو طرح پر ہے ایک تو بعض انبیاء علیہم السلام کے قصے بیان فرمانے سے اس طرف اشارہ ہو گیا کہ نبوت کوئی عجیب وغریب چیز نہیں آپ سے پہلے بھی بعض حضرات کو یہ دولت عطا ہوئی ہے دوسرے یہ کہ باوجود کسی سے علم نہ حاصل کرنے کے آپ نے گذشتہ خبروں کو کس طرح صحیح صحیح بیان فرمایا ہے جو کہ صاحب وحی ہونے کی دلیل ہے تیسرے قیامت کے مباحث ہیں جن میں جزا وسزا کے ذکر کے ساتھ منکرین کے بعض شبہات کا بھی جواب ہے اور اس طرح سورۃ گذشتہ کے ختم پر آپ کی رسالت کا ذکر ہے اس سورت کے شروع میں بعض انبیاء سابقین کی نبوت کا مضمون ہے اس تقریر سے اس سورت کا پہلی کے ساتھ نیز اس کے اجزاء میں بھی خود باہم ارتباط معلوم ہو گیا۔ بسم الله الرحمن الرحيم كٓهيٰعٓصٓ تا يبعث حيا

(١٩) سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ (٩٨)

سورۂ مریم مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں اٹھانوے آیتیں اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

كٓهٰيٰعٓصٓ ﴿١﴾ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ

كٓهٰيٰعٓصٓ یہ تذکرہ ہے آپ کے پروردگار کی مہربانی فرمانے کا اپنے بندہ

زَكَرِيَّا ﴿٢﴾ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ﴿٣﴾

زکریا پر جبکہ انہوں نے اپنے پروردگار کو پوشیدہ طور پر پکارا (جس میں)

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ

عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میری ہڈیاں (بوجہ پیری) کے کمزور ہو گئیں

الرَّاْسُ شَيْبًا

اور سر میں بالوں کی سفیدی پھیل گئی

یعنی تمام بال سفید ہو گئے اور اس حالت کا مقتضا یہ تھا کہ میں اس حالت میں اولاد کی درخواست نہ کروں مگر آپ کی قدرت و رحمت بڑی کامل ہے۔

وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿٤﴾

اور (اس کے قبل کبھی میں) آپ سے مانگنے میں اے میرے رب ناکام نہیں رہا ہوں

یعنی میں اس قدرت ورحمت کے ظہور کا ہمیشہ عادی رہا ہوں اسی وجہ سے بعید سے بعید مقصود کو بھی طلب کرنے میں مضائقہ نہیں۔

وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَرَائِي

اور میں اپنے بعد (اپنے) رشتہ داروں کی طرف سے اندیشہ رکھتا ہوں

اندیشہ یہ کہ وہ میری مرضی کے موافق شریعت کے خدمت نہ بجا لاویں گے اس لئے ایسی اولاد کی طلب ہے جس میں خاص خاص اوصاف پائے جاویں جن کے بعد اس سے خدمت دین کی توقع ہو۔

وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا

اور میری بی بی بانجھ ہے

جس کے کبھی باوجود میرے مزاج کی صحت کے اولاد ہی نہیں ہوئی اور اب بھی میرا بڑھاپا آ گیا اس لئے ظاہری اسباب اولاد ہونے کے کچھ نہیں ہیں۔

فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا ﴿٥﴾

سو (اس صورت میں) آپ مجھ کو خاص اپنے پاس سے

یعنی خرق عادت کے طور پر بلا واسطہ ظاہری اسباب کے۔

يَرِثُنِي وَيَرِثُ

ایک ایسا وارث (یعنی بیٹا) دے دیجئے کہ وہ (میرے علوم خاصہ میں میرا وارث بنے

یعنی پہلوں اور پچھلوں کے علوم سب اس کو حاصل ہوں پس یہاں مالی وراثت مراد نہیں جس کی نقلی دلیل تو خود لفظ من ال یعقوب ہے کیونکہ یحییٰ علیہ السلام تمام خاندان یعقوب کے اموال کے وارث کس طرح ہو گئے تھے۔

مِنْ آلِ يَعْقُوبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ﴿٦﴾

یعقوبؑ کے خاندان کا وارث بنے اور اس کو اے میرے رب (اپنا) پسندیدہ بنائیے

یعنی عالم بھی اور باعمل بھی ہو

يَا زَكَرِيَّا إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اسْمُهُ يَحْيَىٰ

اے زکریا ہم تم کو ایک فرزند کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا

لَمْ نَجْعَلْ لَهُ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ﴿٧﴾

اس کے قبل ہم نے کسی کو اس کا ہم صفت نہ بنایا ہوگا

ف: یعنی جس علم وعمل کی تم دعا کرتے ہو وہ اس فرزند کو ضرور عطا کریں گے اور عقلی دلیل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی نظر میں مال ومتاع ذرا بھی مہتم بالشان نہیں ہوتا کیا وہ اس لئے دعا مانگتے کہ میرا روپیہ پیسہ میرے رشتہ داروں کو نہ ملے اگر یہ کہا جائے کہ ہاں دوسروں کو ملنا اس لئے نہ چاہتے تھے کہ وہ اس کو معاصی میں صرف کرتے اس کا جواب یہ ہے کہ پھر اس سے مورث پر مواخذہ نہیں ہوتا جو اس سے بچنے کی فکر ہو اور لفظ میراث صرف مال میراث ہی کے ساتھ خاص نہیں **ثم اورثنا الکتٰب الذین اصطفینا من عبادنا** میں کتاب اور علوم کو بھی میراث کہا گیا ہے اور اس مسئلہ میں اہل سنت کی تائید خود شیعہ کی کتابوں میں موجود ہے کافی کلینی ابی البختری کی روایت سے امام جعفرؒ کا قول نقل کیا ہے۔ **ان العلماء ورثة الانبیاء و ذلک ان الانبیاء لم یورثوا درهما ولا دینارا وانما ورثوا احادیث من احادیثهم فمن اخذ بشیء منها فقد اخذ بحظ وافر** کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ انبیاء کی میراث روپے اشرفیاں نہیں ہوتیں بلکہ علماء ان کی احادیث اور علم کے وارث ہوتے ہیں سو جس نے ان احادیث میں سے کچھ حاصل کر لیا اس نے پورا حصہ لے لیا اور نیز دوسری روایت امام جعفرؒ اسی سے کافی کلینی میں ہے۔ **قال ان سلیمان ورث داؤد و ان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم ورث سلیمان علیہ السلام** کہ سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد کے وارث ہوئے اور سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سلیمان کے وارث ہوئے اور ظاہر ہے کہ حضورؐ کی وراثت حضرت سلیمان علیہ السلام سے مالی ہو ہی نہیں سکتی اور سورۂ آل عمران میں اس دعاء خاص کا سبب حضرت مریمؑ کی کرامتیں ظاہر ہونا آیا ہے اور یہاں دوسرا سبب مذکور ہے سو دونوں میں منافات نہیں ممکن ہے کہ اصل رغبت اس سبب سے ہوا اور اظہار دعا کا سبب وہ کرامات بن گئی ہوں ایک شبہ یہاں یہ ہوتا ہے کہ زکریا علیہ السلام کی دعا میں یہ بھی ہے کہ وہ لڑکا میرا وارث ہو جس کے معنے یہ ہیں کہ وہ میرے بعد بھی باقی رہے اور سورۃ انبیاء میں **فاستجبنالہ** سے اس دعاء کا قبول ہونا بھی معلوم ہو گیا حالانکہ یحییٰ علیہ السلام ان سے پہلے قتل کئے گئے جواب یہ ہے کہ اول تو یحییٰ علیہ السلام کے پہلے قتل ہونے کا قصہ ثابت نہیں دوسرے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ **فاستجبنالہ** کے معنے ہوں کہ اس دعاء کے بعض اجزاء کو ہم نے قبول کر لیا تو اگر وہ پہلے ہی قتل ہوئے ہوں تب بھی اشکال نہیں ف: یعنی عالم بھی اور باعمل بھی ہوگا۔ آگے حق تعالیٰ کا ارشاد مذکور ہے جو فرشتوں کے راستہ سے ہوا تھا۔ یعنی جس علم وعمل کی تم دعا کرتے ہو وہ تو اس فرزند کو ضرور ہی عطا کریں گے اور اس سے زیادہ بھی کچھ خاص اوصاف عنایت کئے

جاویں گے مثلاً خوف الٰہی سے خاص درجہ کی رقت قلب وغیرہ۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِىْ

زکریاؑ نے عرض کیا کہ اے میرے رب میرے اولاد کس طور پر ہوگی حالانکہ

عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ﴿۸﴾

میری بی بی بانجھ ہے اور (ادھر) میں بڑھاپے کے انتہائی درجہ کو پہنچ چکا ہوں

چونکہ دعا قبول کرنے کے وقت کوئی خاص کیفیت بچہ پیدا ہونے کی نہ بتلائی گئی اس لئے زکریا علیہ السلام نے اس کیفیت کے متعلق سوال کیا کہ اولاد کس طور پر ہوگی کیا ہم جوان ہو جاویں گے یا مجھ کو دوسرا نکاح کرنا پڑے گا یا اسی حالت موجودہ میں اولاد ہوگی۔

قَالَ كَذٰلِكَ ۚ

ارشاد ہوا کہ حالت (موجودہ) یونہی رہے گی

قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَىَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ

(اور پھر اولاد ہوگی اے زکریا) تمہارے رب کا قول ہے کہ یہ (امر) مجھ کو

قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْـًٔا ﴿۹﴾

آسان ہے اور میں نے تم کو پیدا کیا حالانکہ تم (پیدائش کے قبل) کچھ بھی نہ تھے

اسی طرح دوسرے اسباب بھی کوئی چیز نہ تھے جب معدوم کا موجود کرنا مجھے آسان ہے تو ایک موجود سے دوسرے کو موجود کر دینا کیا مشکل ہے اور یہ سب ارشاد امید قوی کرنے کے لئے تھا نہ کہ شبہ دفع کرنے کے لئے کیونکہ زکریا علیہ السلام کو کوئی شبہ نہ تھا۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّىْٓ اٰيَةً ۭ

(تب) زکریا نے عرض کیا کہ اے میرے رب میرے لئے کوئی علامت مقرر فرما دیجئے

مطلب یہ کہ وعدہ پر تو مجھے اطمینان ہے اور اس وعدہ کے واقع ہونے یعنی حمل قرار پانے کی کوئی علامت بھی بتلا دیجئے تا کہ زیادہ شکر کروں۔

قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ

ارشاد ہوا کہ تمہاری (وہ) علامت یہ ہے کہ تم تین رات (اور تین دن تک)

سَوِيًّا ﴿۱۰﴾

آدمیوں سے بات نہ کر سکو گے حالانکہ تندرست ہو گے

کوئی بیماری وغیرہ نہ ہوگی اسی وجہ سے ذکر اللہ کے ساتھ کلام کرنے پر قدرت رہے گی چنانچہ باذن الٰہی زکریا علیہ السلام کی بی بی حاملہ ہوئیں اور حسب علامت زکریا علیہ السلام کی زبان بند ہو گئی۔

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى

پس حجرے میں سے اپنی قوم کے پاس برآمد ہوئے اور ان کو اشارے

اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿۱۱﴾

سے فرمایا کہ تم لوگ صبح اور شام خدا کی پاکی بیان کیا کرو

اشارہ سے اس لئے کہا کہ زبان سے بول نہ سکتے تھے اور یہ تسبیح کا حکم یا تو حسب معمول تھا کہ ہمیشہ زبان سے ان کی یاد دہانی کرتے تھے یا اس نئی نعمت کے شکر میں خود بھی تسبیح کی زیادتی فرمائی اور دوسروں کو بھی اس کا امر فرمایا غرض پھر یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور سن شعور کو پہنچے اور ان پر احکام الٰہی نازل ہوئے۔

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ

اے یحییٰ کتاب کو مضبوط ہو کر لو

یعنی توریت کو کیونکہ اس وقت وہی کتاب شریعت کی تھی انجیل کا نزول بعد میں ہوا مطلب یہ کہ ان پر خاص کوشش کے ساتھ عمل کرو۔

وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿۱۲﴾ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا

اور ہم نے ان کو (ان کے) لڑکپن ہی میں (دین کی) سمجھ اور خاص اپنے

وَزَكٰوةً ۭ وَكَانَ تَقِيًّا ﴿۱۳﴾

پاس سے رقت قلب اور پاکیزگی (اخلاق کی) عطا فرمائی تھی

حکم میں علم کی طرف اور حنان وزکوۃ میں اخلاق کی طرف اشارہ ہو گیا آگے ظاہری اعمال کی طرف اشارہ فرماتے ہیں

وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ

اور وہ بڑے پرہیزگار اور اپنے والدین کے خدمت گزار تھے

اس میں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی طرف اشارہ ہو گیا

وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿۱۴﴾ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ

اور وہ (حق کے ساتھ) سرکشی کرنے والے (یا حق تعالیٰ کی) (نافرمانی کرنے والے نہ تھے اور ان کو (اللہ تعالیٰ کا) سلام پہنچے جس دن کہ وہ پیدا ہوئے اور جس دن

يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿۱۵﴾

کہ وہ انتقال کریں گے اور جس دن (قیامت میں) زندہ ہوکر اٹھائے جاویں گے

یعنی وہ عنداللہ ایسے وجیہ اور مکرم تھے کہ ان کے حق میں خدا تعالیٰ یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہر حالت میں ان کو ہمارا سلام پہنچے واذکر فی الکتب مریم تا مقضیا۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ

اور (اے محمد صلعم) اس کتاب میں مریم کا ذکر بھی کیجئے

یعنی قرآن کی اس خاص سورت میں ان کا ذکر بھی کیجئے کیونکہ پہلے قصہ کے ساتھ اس کو بہت مناسبت ہے۔

اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿۱۶﴾

جبکہ وہ اپنے گھر والوں سے علیحدہ (ہوکر) ایک ایسے مکان میں جو مشرق کی جانب میں تھا

فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا

(غسل کے لئے) گئیں پھر ان (گھر والے) لوگوں کے سامنے سے انہوں نے پردہ ڈال لیا

تاکہ آڑ میں غسل کرسکیں مریمؑ کا اول رہنا سہنا مسجد کے متصل مکانات میں تھا پس اس وقت اگر یہ جوان تھیں تب تو اپنی خالہ یعنی حضرت زکریاؑ کی بی بی کے پاس ان کے گھر میں آرہی ہوں گی اور اگر جوان نہ تھیں جیسا کہ بعض کا قول ہے تو غسل کے لئے گھر آئی ہوں گی اور غسل کو مفسرین نے روایات سے بھی نقل کیا ہے اور فاتخذت من دونهم حجاباً یعنے ان کا پردہ ڈالنا بھی اس پر دلالت کرتا ہے واللہ اعلم۔

فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا

پس (اس حالت میں) ہم نے ان کے پاس اپنے فرشتہ جبرئیلؑ کو بھیجا اور ان

بَشَرًا سَوِيًّا ﴿۱۷﴾

کے سامنے ایک پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا

یعنی ہاتھ پاؤں اور حسن و جمال میں پورا آدمی تھا چونکہ حضرت مریم ان کو بشر سمجھیں اس لئے گھبرا گئیں۔

قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ

کہنے لگیں کہ میں تجھ سے (اپنے خدائے) رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو (کچھ) خدا ترس ہے

كُنْتَ تَقِيًّا ﴿۱۸﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ

(تو یہاں سے ہٹ جاوے گا) فرشتہ نے کہا کہ میں تمہارے رب کا بھیجا ہوا (فرشتہ) ہوں

آدمی نہیں ہوں جو تم مجھ سے ڈرتی ہو۔

لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿۱۹﴾

تاکہ تم کو ایک پاکیزہ لڑکا دوں

یعنی اس لئے آیا ہوں کہ تمہارے منہ میں یا گریبان میں دم کردوں تاکہ اس کے اثر سے باذن الٰہی لڑکا پیدا ہو۔

قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ

وہ (تعجبا) کہنے لگیں کہ (بھلا) میرے لڑکا کس طرح ہو جاوے گا

يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿۲۰﴾

حالانکہ مجھ کو کسی بشر نے ہاتھ تک نہیں لگایا اور نہ میں بدکار ہوں

یعنی منجملہ ظاہری شرائط کے اولاد ہونے کے لئے مرد کی مقاربت بھی ایک شرط ہے اور وہ بالکل مفقود ہے کیونکہ نہ تو میرا نکاح ہوا نہ ویسے مجھے کسی نے ہاتھ لگایا اول اول اگرچہ مریمؑ نے فرشتہ کو نہیں پہچانا تھا مگر ان کی تقریر سن کر نور ولایت سے پہچان لیا اور یقین آگیا پس یہ شبہ نہ ہوسکتا کہ حضرت مریم علیہ السلام نے اس کا نرا دعویٰ کیسے قبول کرلیا اور اس غرض خاص کے لئے فرشتہ کے آنے اور کلام کرنے سے حضرت مریم کا نبی ہونا لازم نہیں آتا اور صورت بدلنے سے فرشتہ کی حقیقت کا بدل جانا بھی لازم نہیں آتا یہ صورتیں ان کی حقیقت کے اعتبار سے ایسی ہیں جیسے ہمارے اعتبار سے مختلف لباس اور فرشتوں کے صورت بدل لینے پر یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ پھر ہر شخص میں یہ احتمال ہے کہ شاید کوئی دوسری مخلوق اس شخص کی شکل میں ظاہر ہوئی ہو وجہ یہ کہ ایسے امور شاذ و نادر واقع ہوتے ہیں پس بدوں دلیل کے یہ احتمال محض فضول ہے جو عقلاً بالکل معتبر نہیں اور شاید اصلی صورت میں فرشتہ کے نہ آنے کی یہ حکمت ہو کہ ڈر نہ جائیں اور انسان کی صورت میں اس لئے آئے ہوں کہ جنس کو جنس سے انس ہوتا ہے اور مکان کا شرقی ہونا اتفاقاً تھا قصداً نہ تھا۔

قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ

فرشتہ نے کہا کہ یونہی (اولاد) ہو جاوے گی تمہارے رب نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ بات مجھ کو آسان ہے

یعنی میں یہ بات اپنی طرف سے نہیں بلکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بدون اسباب ظاہری کے پیدا کرنا مجھے مشکل نہیں۔

وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ

اور اس طور پر اس لئے پیدا کریں گے تاکہ ہم اس فرزند کو لوگوں کے لئے ایک نشانی (قدرت کی) بنادیں اور باعث رحمت بنائیں

کیونکہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کو ہدایت ہوگی اور ہدایت کے بعد رحمت نازل ہوگی۔

وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿٢١﴾

اور یہ ایک طے شدہ بات ہے

یعنی بے باپ کے اس بچہ کا پیدا ہونا طے ہو چکا ہے **فحملتہ** تا **انسیا**

فَحَمَلَتْهُ

(جو ضرور ہوگی) پھر ان کے پیٹ میں لڑکا رہ گیا

یعنی اس گفتگو کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ان کے گریبان میں پھونک ماری جس سے ان کو حمل رہ گیا۔

فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿٢٢﴾

پھر اس حمل کو لئے ہوئے (اپنے گھر سے) کسی دور جگہ میں الگ چلی گئیں

جب کہ ان کو آثار وضع حمل کے معلوم ہوئے تو جنگل پہاڑ میں چلی گئیں وہاں ان کو درد شروع ہوا۔

فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ

پھر درد زہ کے مارے کھجور کے درخت کی طرف آئیں

تاکہ اس کے سہارے بیٹھ سکیں اب حالت یہ تھی کہ نہ کوئی انیس و جلیس درد سے بے چین ایسے وقت جو سامان راحت وضرورت کا ہونا چاہئے وہ ندارد ادھر بچہ ہونے پر بدنامی کا خیال آخر گھبرا آ گئیں۔

قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ

(گھبرا کر) کہنے لگیں کاش میں اس (حالت) سے پہلے ہی مرگئی ہوتی اور

نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿٢٣﴾

ایسی نیست ونابود ہو جاتی کہ کسی کو یاد بھی نہ رہتی

اسی وقت خدا تعالیٰ کے حکم سے جبرئیل آ پہنچے اور ان کے احترام کی وجہ سے سامنے نہیں گئے بلکہ جہاں حضرت مریم تھیں اس سے نیچے کسی جگہ آڑ میں آئے یہ تمنائے موت اگر دنیا کے غم سے تھی تب تو غلبہ حال کی وجہ سے حضرت مریم علیہ السلام کو معذور کہا جائے گا کیونکہ ایسی حالت میں انسان پوری طرح مکلّف نہیں رہتا اور اگر دین کے غم سے تھی کہ لوگ مجھے بدنام کریں گے اور شاید مجھ سے اس پر صبر نہ ہو سکے تو بے صبری کے گناہ میں مبتلا ہوں گی مر جاتی تو اس گناہ سے بچی رہتی تو ایسی تمنا موت کی حرام نہیں۔

فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ

پس جبرئیل نے ان کی (اس) پائیں (مکان) سے ان کو پکارا کہ تم مغموم مت ہو

نہ بے سروسامانی کا غم کرو نہ بدنامی کا خوف کیونکہ حق تعالیٰ نے ہر بات کا انتظام کر دیا ہے۔

قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿٢٤﴾

تمہارے رب نے تمہاری پائیں میں ایک نہر پیدا کر دی ہے

جس کے دیکھنے سے اور پانی پینے سے طبعی فرحت ہوتی ہے و نیز حسب روایت روح ان کو اس وقت پیاس بھی تھی اور اگر وہ پانی گرم بھی ہو جیسا کہ بعض چشموں میں مشاہدہ کیا جاتا ہے تو مزاج کے بھی بہت موافق ہوگا کیونکہ طبی مسئلہ کی رو سے گرم چیزوں کا استعمال بچہ پیدا ہونے سے پہلے ولادت کو سہل کرتا اور بعد ولادت کے فضلات کو دفع کرتا اور طبیعت کو قوت دیتا ہے نیز علاوہ طبعی قوت کے خلاف عادت بطور کرامت کے اس نہر کا پیدا ہونا چونکہ عنداللہ مقبول ہونے کی علامت تھی اس لئے روحانی مسرت بھی اس سے حاصل تھی۔

وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ

اور اس کھجور کے تنہ کو (پکڑ کر) اپنی طرف کو ہلاؤ اس سے

عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿٢٥﴾ ز

تم پر خرمائے تر و تازہ جھڑیں گے

کہ اس سے بھی پھل کھانے میں جسمانی لذت اور اس کھجور کے درخت پر خلاف عادت بطور کرامت کے پھل آ جانے سے روحانی لذت تھی اور درد زہ میں پانی اور کھجور کا استعمال طبًا بھی مفید ہے کھجور کثیر الغذا خون پیدا کرنے والی بدن کو موٹا کرنے والی اور گردہ و کمر اور جوڑوں کو قوت دینے والی ہے اس وجہ سے زچہ کے لئے عمدہ غذا اور بہتر دوا ہے۔ اور حرارت کی وجہ سے جو اس کی مضرت ہے سو اول تو تازہ کھجور میں گرمی کم ہوتی ہے دوسرے

پانی سے اس کی اصلاح ہو سکتی ہے تیسرے نقصان جب ظاہر ہوتا ہے کہ اعضاء میں ضعف ہو ورنہ کوئی چیز بھی کچھ نہ کچھ مضرت سے خالی نہیں ہوتی۔

فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا ۚ

پھر (اس پھل کو) کھاؤ اور (وہ پانی) پیو اور آنکھیں ٹھنڈی کرو

یعنی بچہ کے دیکھنے سے اور کھانے پینے سے اور عنداللہ مقبول ہونے کی علامت دیکھنے سے خوش ہو۔ یہ تو بے سروسامانی کا انتظام پھر جب بدنامی کے احتمال کا موقع آوے یعنی کوئی آدمی اس قصہ پر مطلع ہو اور تہمت لگاوے تو اس کا انتظام آگے بتلاتے ہیں۔

فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُولِي إِنِّي

پھر اگر تم آدمیوں میں سے کسی کو بھی (اعتراض کرتا) دیکھو تو کہہ دینا کہ میں

نَذَرْتُ لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ

نے تو اللہ کے واسطے روزے کی منت مان رکھی ہے سو آج میں کسی آدمی سے

إِنسِيًّا ۚ ﴿٢٦﴾

نہیں بولوں گی

یعنی تم زبان سے مت بولنا بلکہ اشارہ سے یہ بات کہہ دینا اور اتنا جواب دے کر بے فکر ہو جانا پھر اللہ تعالیٰ معجزہ کے طور پر اس بچہ کو بولتا کر دے گا جو تمہاری عصمت ونزاہت کی دلیل ہو جائے گی غرض ہر غم کا علاج ہو گیا اور اگر شبہ ہو کہ حضرت مریمؑ کو جو کہا گیا کہ تم کہہ دینا کہ میں نے نذر کی ہے سو انہوں نے تو نذر نہ کی تھی جواب یہ ہے کہ اسی سے یہ حکم بھی سمجھا گیا کہ تم نذر بھی کر لینا اور اس کو ظاہر کر دینا اور بلا واسطہ مرد کے حمل قرار پانا اور بچہ پیدا ہونا یہ معجزہ ہے اور معجزات میں خواہ کتنا ہی استبعاد ہو مضائقہ نہیں لیکن اس میں تو کچھ بہت زیادہ استبعاد بھی نہیں کیونکہ طب کی کتابوں میں لکھا ہے کہ تنہا عورت کی منی سے بھی اعضاء بن سکتے ہیں اس لئے رجا کی بیماری میں کچھ ناتمام اعضاء کی صورت بن جاتی ہے قانون میں اس کی تصریح ہے پس اگر یہی قوت کچھ اور بڑھ جائے کہ پوری صورت عورت ہی کی منی سے بن جائے تو کیا مشکل ہے غرض مریم علیہا السلام کی اس کلام سے تسلی ہو گئی اور عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ فاتت به تا ابعث حيا۔

فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ ۖ قَالُوا يَا مَرْيَمُ لَقَدْ

پھر وہ ان کو گود میں لئے ہوئے اپنی قوم کے پاس لائیں لوگوں نے کہا اے

جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ﴿٢٧﴾

مریم تم نے بڑے غضب کا کام کیا

لوگوں نے جو دیکھا کہ ان کی شادی تو ہوئی نہیں پھر یہ بچہ کیسا بدگمان ہو کر کہنے لگے کہ تم نے نعوذ باللہ بدکاری کی اور یوں تو بدکاری ہر ایک کے لئے بری چیز ہے لیکن تم سے ایسا فعل ہونا زیادہ غضب کی بات ہے کیونکہ تمہارے خاندان میں کسی نے ایسا نہیں کیا۔

يَا أُخْتَ هَارُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ

اے ہارون کی بہن تمہارے باپ کوئی برے آدمی نہ تھے

وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا ﴿٢٨﴾

اور نہ تمہاری ماں بدکار تھیں

پھر یہ اثر تم میں کہاں سے آیا پھر ہارون جو تمہارے رشتہ کے بھائی ہیں جن کا نام ہارون پیغمبر علیہ السلام کے نام پر رکھا گیا ہے وہ تو کیسے کچھ نیک شخص ہیں غرض جن کا خاندان کا خاندان پاک صاف ہو اس سے یہ حرکت ہونا کتنا بڑا غضب ہے۔

فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ ۖ

پس مریم نے بچہ کی طرف اشارہ کر دیا

یعنی یہ تقریر سن کر خود کچھ جواب نہیں دیا بلکہ بچہ کی طرف اشارہ کر دیا کہ جو کچھ کہنا ہو اس سے کہو یہ جواب دے گا۔

قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَن كَانَ فِي الْمَهْدِ

وہ لوگ کہنے لگے کہ بھلا ہم ایسے شخص سے کیونکر باتیں کریں جو ابھی گود میں

صَبِيًّا ﴿٢٩﴾

بچہ ہی ہے

وہ لوگ یہ سمجھے کہ یہ ہمارے ساتھ تمسخر کرتی ہیں کیونکہ بات اس شخص سے کی جاتی ہے جو خود بھی بات چیت کرتا ہو اور یہ بچہ بات چیت پر قادر نہیں اس سے کیا بات کریں۔

قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ ۖ

وہ بچہ (خود ہی) بول اٹھا کہ میں اللہ کا (خاص) بندہ ہوں

نہ تو خدا ہوں جیسا کہ جہلاء نصاریٰ سمجھیں گے اور نہ غیر مقبول ہوں

جیسا کہ یہود سمجھیں گے۔

اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ﴿٣٠﴾

اس نے مجھ کو کتاب (یعنی انجیل) دی

یعنی آئندہ دے گا مگر بوجہ یقینی ہونے کے ایسا ہی ہے کہ جیسے اب دے دے یہ اپنی مقبولیت اور خاص بندہ ہونے کے آثار بتلائے

وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا

اور اس نے مجھ کو نبی بنایا (یعنی بنادے گا) اور مجھ کو برکت والا بنایا

یعنی مجھ سے مخلوق کو دین کا نفع پہنچے گا اور وہ نفع احکام کا پہنچانا ہے خواہ کوئی قبول کرے یا نہ کرے وہ تو نفع پہنچا ہی دیں گے

اَیْنَ مَا کُنْتُ ص وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوۃِ

میں جہاں کہیں بھی ہوں اور اس نے مجھ کو نماز

وَالزَّکٰوۃِ مَا دُمْتُ حَیًّا ﴿٣١﴾

اور زکوٰۃ کا حکم دیا جب تک میں (دنیا میں) زندہ ہوں

اور ظاہر ہے کہ آسمان پر جانے کے بعد مکلف نہیں رہے پس اس تفسیر سے اہل قادیان کو استدلال کی گنجائش نہیں رہی وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کو زندگی بھر کے لئے نماز اور زکوٰۃ کا حکم تھا سو اگر وہ آسمان پر اٹھا لئے گئے ہوں تو لازم آتا ہے کہ وہاں بھی نماز وغیرہ کے مکلف ہوں جواب ظاہر ہے کہ اس جگہ حیات دنیوی سے مراد ہے آسمان پر جانے کے بعد وہ اس کے مکلف نہیں رہے پھر جب دنیا میں آئیں گے مکلف ہو جائیں گے اور اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ انبیاء علیہم السلام پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی تو مطلب یہ ہوگا کہ میری شریعت میں زکوٰۃ فرض کی گئی ہے گو امت ہی کے واسطے ہو۔

وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِیْ ز

اور مجھ کو میری والدہ کا خدمت گزار بنایا

چونکہ بے باپ کے پیدا ہوئے ہیں اس لئے والدہ کی تخصیص کی گئی۔

وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ﴿٣٢﴾

اور اس نے مجھ کو سرکش بدبخت نہیں بنایا

کہ خدا تعالیٰ یا والدہ کے حق سے سرکشی کر کے یا ان حقوق و اعمال کو ترک کر کے بدبختی خریدوں۔

وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ

اور مجھ پر (اللہ کی جانب سے) سلام ہے جس روز میں پیدا ہوا اور جس روز مروں

اور وفات کا زمانہ قیامت کے قریب آسمان سے اترنے کے بعد ہوگا

وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا ﴿٣٣﴾

اور جس روز میں (قیامت میں) زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا

اور اللہ کا سلام دلیل ہے خاص بندہ ہونے کی پس عیسیٰ علیہ السلام کے ان تمام اقوال و اوصاف سے مریم کی پاکی اور عصمت ثابت ہوگئی جو خلاف عادت بالکل ہی بچپن میں عیسیٰ علیہ السلام کے بولنے سے ظاہر ہے جس میں سب سے بڑھ کر اس مقصود کو ثابت کرنے والا وصف نبوت ہے کیونکہ نبوت کے ساتھ نسب کی خرابی جو کہ اعلیٰ درجہ میں عار کا سبب ہے جمع نہیں ہوسکتی اور نبوت کا ثبوت اس معجزہ سے ہوگیا کہ آپ نے خرق عادت کے طور پر کلام کیا ذٰلک عیسی ابن مریم تا یرجعون.

ذٰلِکَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ ج

یہ ہیں عیسیٰ ابن مریم

جن کے اقوال و احوال سے ان کا مقبول بندہ ہونا معلوم ہوتا ہے نہ ایسے ہیں جیسے کہ عیسائیوں نے ان کو بندگی سے خارج کر کے خدائی تک پہنچایا ہے اور نہ ایسے ہیں جیسا کہ یہودیوں نے ان کو مقبول بندہ بھی نہ مانا بلکہ طرح طرح کی تہمتیں ان پر لگائی ہیں۔

قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِیْ فِیْهِ یَمْتَرُوْنَ ﴿٣٤﴾ مَا

میں بالکل سچی بات کہہ رہا ہوں جس میں یہ لوگ جھگڑ رہے ہیں اللہ تعالیٰ کی یہ

کَانَ لِلّٰهِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ لا سُبْحٰنَهٗ ط

شان نہیں ہے کہ وہ (کسی کو) اولاد اختیار کرے وہ (بالکل) پاک ہے وہ جب

اِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ﴿٣٥﴾ ط

کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو بس اس کو ارشاد فرما دیتا ہے کہ ہو سو وہ ہو جاتا ہے

اور جس کی یہ شان ہو ایسے باکمال کے واسطے اولاد ہونا عقلاً بڑا نقص ہے چونکہ یہود کا قول ظاہر میں بھی نبی کی تنقیص کا موجب تھا جو کہ بالکل باطل ہے اس لئے اس مقام پر اس کے رد کی طرف توجہ نہیں فرمائی بخلاف نصاریٰ کے قول کے کہ اس سے بظاہر کمال ثابت ہوتا تھا کہ وہ نبوت کے ساتھ ان کو خدا کا بیٹا کہتے تھے اس لئے اس کو خاص اہتمام سے رد فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ اس

میں توحید کے انکار کی وجہ سے حق تعالیٰ کی تنقیص لازم آتی ہے آگے مشرکین کے سنانے کے لئے آپ کو توحید کا مضمون بیان کرنے کا حکم فرماتے ہیں اور بعضوں نے ان اللہ ربی و ربکم الخ کو بھی عیسیٰ علیہ السلام کا قول مانا ہے یعنی اوپر جو کلام مذکور ہوا وہ نبوت سے پہلے کا تھا پھر نبوت کے بعد یہ فرمایا۔

وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا

اور بیشک اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے سو (صرف) اسی کی

صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝۳۶

عبادت کرو یہی (دین کا) سیدھا راستہ ہے

یعنی خالص خدا کی عبادت کرنا اور توحید کا اختیار کرنا۔

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ

سو (پھر بھی) مختلف گروہوں نے (اس بارے میں) باہم اختلاف ڈال دیا

یعنی باوجودیکہ توحید پر دلائل عقلی اور نقلی قائم ہیں پھر بعض لوگوں نے توحید کا انکار کر کے طرح طرح کے مذاہب ایجاد کر لئے۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ

سو ان کافروں کیلئے ایک بڑے دن کے آنے سے بڑی

عَظِيْمٍ ۝۳۷

خرابی (ہونے والی) ہے

اس سے مراد قیامت کا دن ہے جو بوجہ درازی اور شدت کے بڑا عظیم الشان ہوگا۔

اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا

جس روز یہ لوگ (حساب و جزا کے لئے) ہمارے پاس آویں گے کیسے شنوا اور بینا ہو جاویں گے

کیونکہ قیامت میں تمام حق باتیں پیش نظر ہو جاویں گی اور سب غلطیاں رفع ہو جائیں گی۔

لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۳۸

لیکن یہ ظالم آج (دنیا میں کیسی) صریح غلطی میں ہیں اور آپ ان لوگوں کو

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ

حسرت کے دن سے ڈرایئے جبکہ (جنت دوزخ کا) اخیر فیصلہ کر دیا جائے گا

جس کا ذکر حدیث میں ہے کہ جنت اور دوزخ والوں کو موت کو بشکل دنبہ دکھلا کر ذبح کر دیا جائے گا اور دونوں کو ہمیشہ ہمیشہ رہنے کا حکم سنا دیا جائے گا۔ رواہ الشیخان اور اس وقت کی حسرت کا بے حد ہونا ظاہر ہے واذکر تا ولیا

وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۳۹ اِنَّا

اور وہ لوگ (آج دنیا میں) غفلت میں ہیں اور وہ لوگ ایمان نہیں لاتے

نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا

(لیکن آخر ایک دن مریں گے اور) تمام زمین اور زمین کے رہنے والوں

يُرْجَعُوْنَ ۝۴۰ ۧ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ڛ

کے ہم ہی وارث (یعنی آخر مالک) رہ جاویں گے اور یہ سب ہمارے پاس لوٹائے جاویں گے اور اس کتاب میں ابراہیمؑ کا (قصہ) ذکر کیجئے

تا کہ لوگوں کو توحید و رسالت کا مسئلہ زیادہ منکشف ہو جائے۔

اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝۴۱ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ

وہ بڑے راستی والے اور پیغمبر تھے جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے (جو کہ

يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ

مشرک تھا) کہا اے میرے باپ تم ایسی چیز کی کیوں عبادت کرتے ہو جو نہ

وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـــًٔا ۝۴۲

کچھ سنے اور نہ کچھ دیکھے اور نہ تمہارے کچھ کام آ سکے

حالانکہ اگر کوئی دیکھتا سنتا کچھ کام بھی آتا ہو وہ بھی اگر کامل قدرت والا نہ ہو تب بھی عبادت کے لائق نہیں تو جس میں یہ اوصاف بھی نہ ہوں یعنی بت وغیرہ وہ تو بدرجہ اولیٰ عبادت کے لائق نہیں ہو سکتا۔

يٰٓاَبَتِ اِنِّىْ قَدْ جَاۗءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ

اے میرے باپ میرے پاس ایسا علم پہنچا ہے جو تمہارے پاس نہیں آیا

مراد وحی کا علم ہے جس میں غلطی کا احتمال ہو ہی نہیں سکتا پس میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ یقیناً حق ہے۔

فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝۴۳ يٰٓاَبَتِ

تو تم میرے کہنے پر چلو تم کو میں سیدھا راستہ بتلاؤں گا اے میرے باپ تم

لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ ؕ

شیطان کی پرستش مت کرو

یعنی شیطان کو اور اس کی عبادت کو تو تم بھی برا سمجھتے ہو اور بت پرستی میں شیطان کی عبادت یقیناً لازم آتی ہے کیونکہ وہی یہ حرکت کراتا ہے اور تم اس کا کہنا مانتے ہو اور کسی کی ایسی اطاعت کرنا کہ حق تعالیٰ کے مقابلہ میں بھی اس کی بات کو حق سمجھتے یہی عبادت ہے۔ پس بت پرستی میں شیطان پرستی ضرور ہوئی۔

اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِیًّا ﴿۴۴﴾

بیشک شیطان رحمٰن کا نافرمانی کرنے والا ہے اے میرے باپ میں اندیشہ

یٰۤاَبَتِ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ

کرتا ہوں کہ تم پر رحمٰن کی طرف سے کوئی عذاب نہ آ پڑے پھر تم (عذاب

الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّیْطٰنِ وَلِیًّا ﴿۴۵﴾

میں) شیطان کے ساتھی ہو جاؤ

یعنے جب اطاعت میں اس کا ساتھ دو گے تو عذاب میں بھی اس کا ساتھ ہوگا جس کو کوئی بھلائی چاہنے والا اپنے واسطے پسند نہ کرے گا اور وہ عذاب دنیا میں ہو یا آخرت میں اگرچہ شیطان کو صرف آخرت ہی میں ہو گا مگر سزا پانے میں تو سب برابر ہوں گے اور عذاب کے ساتھ من الرحمن کہنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ حق تعالیٰ گو رحمٰن ہیں مگر یہ نہ سمجھنا کہ کفر پر سزا نہ دیں گے بلکہ باوجود رحمٰن ہونے کے بھی اس پر جزاء و سزا دیں گے قال اراغبٌ تا علیا۔

قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یٰۤاِبْرٰهِیْمُ ۚ

باپ نے جواب دیا کہ تم میرے معبودوں سے پھرے ہوئے ہو اے ابراہیمؑ

اور اسی لئے مجھ کو بھی منع کرتے ہو یاد رکھو کہ ان بتوں کی برائی سے اور مجھ کو ان کی عبادت سے منع کرنے سے باز آ جاؤ۔

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِیْ مَلِیًّا ﴿۴۶﴾

اگر تم باز نہ آئے تو میں ضرور تم کو مارے پتھروں کے سنگسار کردوں گا اور ہمیش ہمیش کے لئے مجھ سے برکنار رہو

یعنی میرے کہنے سننے سے علیحدہ رہو۔

قَالَ سَلٰمٌ عَلَیْكَ ۚ

ابراہیم نے کہا میرا اسلام لو

کیونکہ اب تم سے کہنا سننا بے سود ہے۔

سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ ؕ

تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت کی (اس طرح) درخواست کروں گا

اس طرح کہ تم کو ہدایت کرے جس پر مغفرت مرتب ہوتی ہے۔

اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا ﴿۴۷﴾

بیشک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے

اس لئے اسی سے عرض کروں گا اس کا قبول کرنا یا نہ کرنا ہر ایک میں رحمت و مہربانی ہے اور تم اور تمہارے ہم مذہب میری حق بات کو نہیں مانتے تو تم میں رہنا بھی فضول ہے۔

وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اور میں تم لوگوں سے اور جن کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کر رہے ہو ان سے کنارہ کرتا ہوں

یعنی دل سے تو جدا ہو ہی گیا ظاہر سے بھی علیحدہ ہوتا ہوں یعنی یہاں رہنا بھی نہیں۔

وَاَدْعُوْا رَبِّیْ ۖ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّیْ

اور (علیحدہ ہو کر اطمینان سے) اپنے رب کی عبادت کروں گا امید ہے کہ

شَقِیًّا ﴿۴۸﴾

اپنے رب کی عبادت کر کے محروم نہ رہوں گا

جیسا کہ بت پرست اپنے جھوٹے معبودوں کی عبادت کر کے محروم رہتے ہیں غرض اس گفتگو کے بعد ان سے اس طرح علیحدہ ہوئے کہ ملک شام کی طرف ہجرت کر کے چلے گئے

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ

پس جب ان لوگوں سے اور جن کی وہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے ان

اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ؕ

سے علیحدہ ہو گئے (تو) ہم نے ان کو اسحاق (بیٹا) اور یعقوب (پوتا) عطا فرما دیا

جو رفاقت کے لئے اس بت پرست قوم سے بدرجہا بہتر تھے

وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿۴۹﴾ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ

اور ہم نے (ان دونوں میں) ہر ایک کو نبی بنایا اور ان سب کو ہم نے اپنی

رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿۵۰﴾

رحمت کا حصہ دیا اور (آئندہ نسلوں میں) ہم نے ان کا نام نیک اور بلند کیا

کہ سب تعظیم اور ثناء کے ساتھ ان کا ذکر کرتے ہیں اور اسحاق علیہ السلام سے پہلے اسماعیل علیہ السلام بھی ان ہی صفات کے ساتھ موصوف ہو کر عطا ہو چکے تھے۔ مگر اسماعیل علیہ السلام کا ذکر اس جگہ اس لئے نہیں فرمایا کہ اول تو وہ دوسروں سے پہلے عطا ہو چکے تھے تو پچھلوں کے ذکر سے پہلے کا ذکر خود ہی سمجھ میں آ جاتا ہے دوسرے ان کا ذکر مستقل طور پر آئندہ قریب ہی آتا ہے۔ تیسرے جس طرح ابراہیم علیہ السلام کے ذکر سے اہل عرب کے قلوب کو قائل کرنا مقصود تھا اسی طرح اسحاق و یعقوب علیہما السلام کے ذکر سے اہل کتاب کے قلوب کو مائل کرنا مناسب ہے اور اسی وجہ سے اس کے متصل موسیٰ علیہ السلام کا ذکر آتا ہے پھر ان کے بعد اسماعیل علیہ السلام کا ذکر آوے گا۔ واللہ اعلم واذکر تا بکیا۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ز

اور اس کتاب میں موسیٰ علیہ السلام کا بھی ذکر کیجئے

یعنی لوگوں کو سنایئے ورنہ کتاب میں ذکر کرنے والا تو فی الحقیقت اللہ تعالیٰ ہے۔

اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۱﴾

وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے خاص کئے ہوئے (بندے تھے) اور وہ رسول بھی تھے نبی بھی تھے

رسول وہ ہے جو لوگوں کو نئی شریعت پہنچائے خواہ وہ شریعت اس رسول کے اعتبار سے بھی نئی ہو کہ پہلے پہل اسی کو ملی ہو یا صرف ان لوگوں کے اعتبار سے نئی ہو جن کی طرف وہ رسول مبعوث ہوا ہے جیسے اسماعیل علیہ السلام کی شریعت ابراہیم علیہ السلام ہی کی شریعت تھی لیکن قوم جرہم کے اعتبار سے وہ نئی شریعت تھی کیونکہ ان کو اس کا علم اسماعیل علیہ السلام ہی سے حاصل ہوا۔ اور رسول خواہ نبی ہو یا نبی نہ ہو جیسے فرشتوں کو بھی رسول کہا جاتا ہے اور انبیاء کے قاصدوں کو بھی سورۂ یٰسین میں رسول کہا گیا ہے۔ **اذجاء ھا المرسلون** اور نبی وہ ہے جو صاحب وحی ہو خواہ نئی شریعت کی تبلیغ کرے یا پہلی شریعت کی پس رسول اور نبی یہ دونوں وصف ایک شخص میں بھی جمع ہو سکتے ہیں چنانچہ ان آیات میں کئی جگہ ایک ہی شخص کو رسول اور نبی کہا گیا ہے البتہ جہاں رسول اور نبی کو مقابلہ کے طور پر ذکر کیا گیا ہے وہاں نبی کے یہ معنی ہوں گے کہ جو پہلی شریعت کی تبلیغ کرے اور رسول کے معنے وہی ہیں جو جدید شریعت کی تبلیغ کرے اب ان دونوں میں مقابلہ صحیح ہو جاوے گا جیسے **ما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الخ**۔ مطلب یہ کہ ہم نے آپ سے پہلے نہ کوئی جدید شریعت والا بھیجا نہ قدیم شریعت کی تبلیغ کرنے والا بھیجا لیکن اب چونکہ لفظ رسول سے صاحب نبوت ہونا سمجھا جاتا ہے اس لئے نبی کے سوا کسی کو رسول کہنا جائز نہیں کیونکہ اس سے وہم پیدا ہوگا جیسا کہ بعض گمراہ لوگ اپنے لئے وحی اور رسالت بلکہ نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان الفاظ کے استعمال کو اپنے واسطے جائز رکھتے ہیں اور تفسیر بھی ان الفاظ کی بدل ڈالی ہے۔ نعوذ باللہ۔

وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ

اور ہم نے ان کو کوہ طور کی داہنی جانب سے آواز دی

اس کو داہنی جانب اس لئے کہا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کی داہنی جانب میں تھی۔

وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿۵۲﴾

اور ہم نے ان کو راز کی باتیں کرنے کے لئے مقرب بنایا

موسیٰ کی وحی کو راز اس وجہ سے کہا کہ اس وقت اس کے سننے میں کوئی بشر شریک نہ تھا گو بعد میں دوسروں کو بھی موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ سے اس کی اطلاع ہو گئی۔

وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ

اور ہم نے ان کو اپنی رحمت سے ان کے بھائی ہارون کو

نَبِيًّا ﴿۵۳﴾

نبی بنا کر عطا کیا

ہارون علیہ السلام کا موسیٰ علیہ السلام کو عطا کیا جانا اس سے مراد یہ ہے کہ موسیٰ کو ہارون علیہ السلام کی مدد اور معاونت عطا کی یعنی ان کی درخواست کے موافق ان کو نبی بنایا تا کہ ان کی مدد کریں اور ہارون علیہ السلام عمر میں بڑے تھے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ز اِنَّهٗ كَانَ

اور اس کتاب میں اسماعیل کا بھی ذکر کیجئے بلاشبہ وہ

صَادِقَ الْوَعْدِ

وعدے کے (بڑے) سچے تھے

اسماعیل علیہ السلام کے کمالات میں صدق وعدہ کو خاص طور پر اس لئے ذکر فرمایا کہ یہ صفت خصوصیت کے ساتھ آپ پر غالب تھی چنانچہ مشہور ہے جس میں سے ایک بڑی بات تو یہی ہے کہ بچپن میں اپنے ذبح کے متعلق ایسا سخت وعدہ کیا تھا ستجدنی ان شاء اللہ من الصٰبرین کہ انشاء اللہ تم مجھ کو مستقل مزاج پاؤ گے اور اس کو سچا کر دیا جس کا قرآن میں بھی ذکر ہے۔

وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ﴿٥٤﴾ وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ

اور وہ رسول بھی تھے نبی بھی تھے اور اپنے متعلقین کو

بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ص

نماز اور زکوٰۃ کا حکم کرتے رہتے تھے

نماز اور زکوٰۃ کی تخصیص اہتمام کی وجہ سے ہے انحصار مقصود نہیں پس یہ لازم نہیں آتا کہ اور باتوں کا حکم نہ کرتے تھے اہل سے مراد اگر امت ہے تب تو سب کے واسطے یہ حکم عام ہونا ثابت ہی ہے اور اگر گھر والے مراد ہیں تو مطلب یہ ہے کہ ان کو دوسروں سے پہلے حکم کیا اور انبیاء کی یہی شان ہوتی ہے کہ پہلے اپنے قرابتداروں کو تبلیغ کرتے ہیں پھر دوسروں کو تاکہ دوسرے لوگ ان کا اقتداء کریں۔

وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا ﴿٥٥﴾ وَاذْكُرْ فِي

اور وہ اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ تھے اور اس کتاب میں

الْكِتٰبِ إِدْرِيسَ ز إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا ﴿٥٦﴾ ولا

ادریسؑ کا بھی ذکر کیجئے بیشک وہ بڑے راستی والے نبی تھے

وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿٥٧﴾

اور ہم نے ان کو (کمالات میں) بلند رتبہ تک پہنچایا

یہاں رفعت اور علو اور مکان ان سب الفاظ سے مرتبہ کی بلندی مراد لی گئی ہے اور ان کا آسمان پر جانا جو مشہور ہے اگر وہ صحیح بھی ہو تب بھی تفسیر اس پر موقوف نہیں اور لفظ مکان کا استعمال مرتبہ کے معنے میں محاورات و شعار عرب میں موجود ہے۔ چنانچہ نبوت سے بڑھ کر کون سی نعمت ہوگی اور یہ وصف تمام انبیاء میں مشترک ہے۔

أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ

یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے (خاص) انعام فرمایا ہے منجملہ (دیگر)

النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ق وَمِمَّنْ حَمَلْنَا

انبیاء کے آدمؑ کی نسل سے اور ان کی نسل سے جن کو ہم نے

مَعَ نُوحٍ ز

نوحؑ کے ساتھ سوار کیا تھا

چنانچہ ادریس علیہ السلام کے سوا کہ وہ تو نوح علیہ السلام کے اجداد میں سے ہیں باقی سب میں یہ وصف ہے۔

وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ إِبْرٰهِيمَ

اور ابراہیمؑ اور یعقوبؑ کی نسل سے

چنانچہ حضرت زکریا و حضرت یحییٰ و عیسیٰ و موسیٰ علیہم السلام دونوں کی اولاد میں تھے۔ اور حضرت اسماعیل و اسحاق و یعقوب علیہم السلام صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں تھے۔

وَإِسْرٰٓءِيلَ ز وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ط

اور (یہ سب حضرات) ان لوگوں میں سے ہیں جن کو ہم نے ہدایت فرمائی

إِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا

اور ان کو مقبول بنایا جب ان کے سامنے (حضرت) رحمٰن کی آیتیں پڑھی

وَّبُكِيًّا ﴿٥٨﴾ السجدة

جاتی تھیں تو سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے (زمین پر) گر جاتے تھے

یعنی باوجود اس مقبولیت و خصوصیت کے ان سب حضرات کی عبدیت اور غایت احتیاج اور انکسار و اطاعت کی یہ کیفیت تھی ف: چونکہ بعض انبیاء علیہم السلام کی شان میں بعضے بددین مبالغہ یا توہین کرتے تھے اس لئے حق تعالیٰ نے سب حضرات کے دو قسم کے اوصاف بیان فرمائے ایک تو ان کا مقبول اور صاحب کمال ہونا یہ تو گستاخی کا جواب ہے دوسرے ان کا خدا کے سامنے عاجز و محتاج و منکسر ہونا یہ مبالغہ کا علاج ہے۔ پس افراط و تفریط دونوں کا علاج ہو گیا۔

ربط: انبیاء علیہم السلام کے قصے ذکر کر کے آگے ان کے اتباع کرنے والوں اور بدعت ایجاد کرنے والوں کا حال اور انجام بیان فرماتے ہیں تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافقین اور مخالفین کو رغبت اور خوف پیدا ہو نیز اس میں قیامت کا بھی اثبات ہے جو توحید و نبوت کے ساتھ اکثر جگہ قرآن میں مذکور ہوتا ہے فخلف من بعدهم تا نقيا.

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا

پھر ان کے بعد (بعضے) ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنہوں نے

الصَّلٰوةَ

نماز کو برباد کیا

یا تو اعتقاداً کہ نماز کا انکار کیا یا عملاً کہ اس کے ادا کرنے میں یا حقوق میں اور ضروری آداب میں کوتاہی کی۔

وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ

اور (نفسانی ناجائز) خواہشوں کی پیروی کی

جو ضروری طاعات سے غافل کرنے والی تھیں۔

فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾

سو یہ لوگ عنقریب (آخرت میں) خرابی دیکھیں گے

خواہ ہمیشہ کے لئے یا کچھ عرصہ کے لئے کافر کو ہمیشہ کے لئے خرابی ہے اور گنہگاروں کے لئے کچھ دنوں کا عذاب ہے۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ

ہاں مگر جس نے توبہ کر لی اور ایمان لے آیا

کفر سے توبہ کرنے کا یہی طریقہ ہے۔

وَعَمِلَ صَالِحًا

اور نیک کام کرنے لگا

گناہوں سے توبہ کرنے کا یہی مطلب ہے۔

فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ

سو یہ لوگ جنت میں جاویں گے اور ان کا ذرا نقصان نہ

شَيْـًٔا ﴿۶۰﴾

کیا جاوے گا

یعنی جزا ملنے کے وقت ان کو ہر نیک عمل کی جزا ملے گی۔

جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِیْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ

وہ ہمیشہ رہنے کے باغ جن کا رحمان نے اپنے بندوں سے غائبانہ وعدہ فرمایا

عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ

ہے (اور) اس کے وعدے کی ہوئی چیز کو یہ لوگ ضرور پہنچیں گے اس

مَاْتِيًّا ﴿۶۱﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا

(جنت) میں وہ لوگ کوئی فضول بات نہ سننے پاویں گے

کیونکہ وہاں فضول بات ہی نہ ہوگی۔

اِلَّا سَلٰمًا ؕ

بجز سلام کے

یعنی فرشتے ان کو یا وہ آپس میں ایک دوسرے کو سلام کریں گے اور ظاہر ہے کہ سلام سے خوشی اور راحت ہوتی ہے تو وہ فضول نہیں اور سلام کی تخصیص مثال کے طور پر ہے یہ مطلب نہیں کہ سلام کے سوا اور کچھ بات چیت نہ کریں گے۔

وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿۶۲﴾

اور ان کو ان کا کھانا صبح و شام ملا کرے گا

یعنی یہ تو معین طور پر ہوگا اور یوں دوسرے وقت بھی اگر چاہیں گے ملے گا اور صبح و شام سے مراد صبح و شام کی مقدار ہے ورنہ جنت میں اندھیرا نہ ہوگا جس پر صبح و شام کا وجود موقوف ہے۔

ربط: اوپر اہل ایمان کی فضیلت اور ثواب کے بیان کرنے میں اطاعت کی ترغیب تھی آگے اس کی تاکید کے لئے فرشتوں کا غایت درجہ حکم الٰہی کا تابع ہونا اور تمام عالم کا خدا کی قدرت سے مسخر ہونا بیان فرما کر **فاعبده** میں اطاعت کا حکم فرماتے ہیں اور **ما نتنزل الا بامر ربک الخ** کا شان نزول بخاری وغیرہ نے یہ روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے یہ آرزو ظاہر فرمائی تھی کہ ذرا زیادہ آیا کرو اس پر یہ آیت نازل ہوئی جبرئیل علیہ السلام کی جانب سے بطور جواب کے ہے جس سے ان کا غایت درجہ حکم الٰہی کا تابع ہونا ظاہر ہے اور اس سے اطاعت کی تاکید اور ترغیب ظاہر ہے کہ جب فرشتوں کی یہ کیفیت ہے تو دوسرے کیوں اطاعت نہ کریں **وما نتنزل تا سمیا**۔

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا

یہ جنت (جس کا ذکر ہوا) ایسی ہے کہ ہم اپنے بندوں میں سے اس کا مالک

مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿۶۳﴾

ایسے لوگوں کو بنادیں گے جو کہ خدا سے ڈرنے والا ہو

ہم آپ کی درخواست کا جبرئیل علیہ السلام کی طرف سے جواب دیتے ہیں اس لئے (آگے ترجمہ)

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ج لَهٗ مَا بَيْنَ

اور ہم (یعنی فرشتے) بدون آپ کے رب کے حکم کے وقتاً فوقتاً نہیں آسکتے

اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ج

اسی کی (ملک) ہیں ہمارے آگے کی سب چیزیں ہمارے پیچھے کی سب چیزیں اور جو چیزیں ان کے درمیان میں ہیں

یعنی جو مکان ہمارے سامنے ہے اور جو ہماری پشت کی طرف ہے اور جس مکان میں ہم رہتے ہیں اسی طرح جو زمانہ آئندہ آنے والا ہے اور جو گزر گیا اور جو زمانہ کہ اب موجود ہے سب خدا کی ملک ہے مطلب یہ ہے کہ ہم ہر طرح حکم کے تابع ہیں اپنی رائے سے ایک مکان سے دوسرے مکان میں یا جس زمانہ میں ہم چاہیں کہیں آجا نہیں سکتے لیکن جب ہمارا بھیجنا مصلحت ہوتا ہے حق تعالیٰ خود بھیج دیتے ہیں اور بعض لوگوں نے جن کو حدیثوں سے اعتقاد نہیں اس آیت کو جنت والوں کا قول بتایا ہے کہ وہ جنت میں جا کر کہیں گے کہ ہمارا یہ جنت میں اترنا خدا کے حکم سے ہوا ہے لیکن اول تو یہ صحیح شان نزول کے خلاف ہے دوسرے تنزل کے معنے بار بار اترنے کے ہیں سو یہ جنت میں کہاں ہوگا جنت میں تو ایک بار ہی پہنچنا ہوگا پھر وہیں رہیں گے وہاں سے نکل کر بار بار تو نہ جائیں گے۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ج ﴿۶۴﴾

اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں

چنانچہ سب ہی اس کو پہلے سے معلوم ہیں وہاں یہ احتمال نہیں کہ شاید کسی مصلحت کے وقت بھیجنا بھول جاتے ہوں۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا

وہ رب ہے آسمانوں اور زمین کا اور ان سب چیزوں کا جو ان کے درمیان

فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ط

میں ہیں سوائے مخاطب تو اس کی عبادت کیا کر اور اس کی عبادت پر قائم رہ

یعنی جب وہ ایسا حاکم اور مالک ہے تو اسی کی اطاعت لازم ہے اور وہ بھی ایک دوبار نہیں بلکہ اس پر جمارہنا چاہئے۔

هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ع ﴿۶۵﴾

بھلا تو کسی کو اس کا ہم صفت جانتا ہے

یعنی اگر اس کی عبادت نہ کرے گا تو کیا دوسرے کی عبادت کرے گا حالانکہ جب اس کا ہم صفت کوئی نہیں تو عبادت کے لائق بھی کوئی نہیں پس اسی کی عبادت کرنا ضروری ہوئی۔

ربط: اوپر اطاعت و معصیت کرنے والوں کا دنیوی حال اور آخرت کا انجام اجمالاً مذکور ہوا تھا آگے اس کی کسی قدر تفصیل ہے نیز اس کے متعلق بعض لوگوں کے اقوال بھی مذکور ہوتے ہیں نیز اس میں دوبارہ قیامت میں زندہ ہونے کی بھی تفصیل ہے جو اوپر اجمال کے ساتھ مذکور تھا۔ اخیر سورۃ تک یہی

ربط: جاری ہے ویقول الانسان تا جثیا۔

وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ

اور انسان (منکر بعث) یوں کہتا ہے کہ میں جب مرجاؤں گا تو کیا پھر زندہ کر

اُخْرَجُ حَيًّا ﴿۶۶﴾ اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا

کے (قبر سے) نکالا جاؤں گا کیا (یہ) انسان اس بات کو نہیں سمجھتا کہ ہم اس کو

خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْـًٔا ﴿۶۷﴾

اس کے قبل (عدم سے) وجود میں لاچکے ہیں اور یہ (اس وقت) کچھ بھی نہ تھا

جب ایسی حالت سے حیات تک لانا آسان ہے تو دوبارہ حیات دینا تو بدرجہ اولیٰ آسان ہے یہ جواب ہے منکر قیامت کے قول کا۔

فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ

سو قسم ہے آپ کے رب کی ہم ان کو (اس وقت میں) جمع کریں گے اور شیاطین کو بھی

یعنی ان کو زندہ کر کے میدان حساب میں لائیں گے اور ان کے ساتھ ان شیاطین کو بھی جو دنیا میں ان کے ساتھ رہ کر بہکاتے سکھاتے تھے جمع کریں گے۔

ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ج ﴿۶۸﴾ ثُمَّ

پھر ان کو دوزخ کے گردا گرد اس حالت سے حاضر کریں گے

لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى

کہ گھٹنوں کے بل گرے ہوں گے پھر (ان کفار کے) ہر گروہ میں سے ان

الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ج ﴿۶۹﴾

لوگوں کو جدا کریں گے جو ان میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے سرکشی کیا کرتا تھا

تاکہ ایسوں کو دوسروں سے پہلے دوزخ میں داخل کریں اور کفار کی

جماعتوں سے مراد یہود ونصاریٰ ومجوس وبت پرست وغیرہ ہیں۔

ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا

پھر ہم (خود) ایسے لوگوں کو خوب جانتے ہیں جو دوزخ میں جانے کے زیادہ

صِلِيًّا ﴿۷۰﴾

(یعنی اول) مستحق ہیں

یعنی یہ نہ ہوگا کہ جدا کرنے میں ہم کو کسی تحقیقات کی ضرورت پڑے بلکہ اپنے علم سے ایسے سرکشوں کو الگ کر کے پہلے ان کو پھر دوسرے کفار کو دوزخ میں داخل کر دیں گے اور یہ ترتیب صرف پہلے داخل ہونے میں ہے اور داخل ہونے کے بعد پھر کوئی نکالا نہ جائے گا سب اسی میں ہمیشہ رہیں گے اس حالت میں سب برابر ہیں۔

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ

اور تم میں کوئی بھی نہیں جس کا اس پر سے گزر نہ ہو

یعنی جہنم کا وجود ایسا یقینی ہے کہ اس کا معائنہ ہر کافر ومومن کو کرایا جائے گا اگرچہ ہر ایک کے معائنہ کی صورت اور غرض مختلف ہوگی کفار کا معائنہ داخل ہونے کے لئے ہمیشہ ہمیشہ عذاب پانے کے لئے ہوگا اور مومنین کو پل صراط پر گزرتے ہوئے معائنہ ہوگا تا کہ جہنم کو دیکھ کر جو جنت میں پہنچیں تو زیادہ شکر کریں اور خوش ہوں اور بعض گنہگاروں کو جو دوزخ میں بھیجا جائے گا اس سے ان کی پاکی اور صفائی مقصود ہوگی نہ کہ عذاب دینا۔

كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿۷۱﴾ ۚ ثُمَّ نُنَجِّي

یہ آپ کے رب کے اعتبار سے لازم ہے جو (ضرور) پورا ہو کر رہے گا پھر ہم

الَّذِيْنَ اتَّقَوْا

ان لوگوں کو نجات دیں گے جو خدا سے ڈر کر ایمان لاتے تھے

خواہ فوراً ہی نجات ہو جائے کہ اسی وقت پل صراط سے گزر کر جنت میں پہنچ جاویں جیسا کہ مومنین کاملین کے لئے ہوگا یا کسی قدر تکلیف کے بعد نجات ہو جائے جیسا کہ ناقص مسلمانوں کو پیش آئے گا مطلب یہ ہے کہ جہنم پر سب کے گزرنے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اس میں مسلمان اور کافر برابر ہوں گے۔

وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ﴿۷۲﴾ وَاِذَا تُتْلٰى

اور ظالموں کو اس میں ایسی حالت میں رہنے دیں گے کہ (مارے رنج وغم کے گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے اور جب ان (منکر) لوگوں کے سامنے ہماری

عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ

کھلی کھلی آیتیں پڑھی جاتی ہیں

واذاتتلی تا خیر مرداً جن میں مومنین کا حق پر ہونا اور کفار کا باطل پر ہونا مذکور ہوتا ہے۔

قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۙ اَيُّ

تو یہ کافر لوگ مسلمانوں سے کہتے ہیں دونوں فریقوں میں

الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿۷۳﴾

مکان کس کا زیادہ اچھا ہے اور محفل کس کی اچھی ہے

یعنی یہ بتلاؤ کہ ہم میں اور تم میں خانگی سامان اور مجلس کی آرائش اور اہل وعیال اور خادم زیادہ کس کے پاس ہیں ظاہر ہے کہ اس ساز وسامان میں ہم بڑھے ہوئے ہیں اس کے ساتھ یہ مقدمہ اور ملالو کہ محبوب ہی کو نعمت دی جاتی ہے اس سے ثابت ہوا کہ ہم اللہ کے محبوب اور مقبول ہیں اور تم سے خدا ناراض ہے آگے اللہ تعالیٰ دو جواب دیتے ہیں ایک الزامی دوسرا واقعی۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ

اور ہم نے ان سے پہلے بہت سے ایسے ایسے گروہ ہلاک کئے ہیں جو سامان

اَثَاثًا وَّرِءْيًا ﴿۷۴﴾

اور نمود میں ان سے بھی (کہیں) اچھے تھے

اس سے معلوم ہوا کہ یہ ساز وسامان مقبولیت کی دلیل نہیں بلکہ کسی حکمت اور مصلحت کی وجہ سے یہ نعمت دنیوی تم کو دے رکھی ہے باوجودیکہ تم مردود ہو آگے دوسرا جواب ہے۔

قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ

آپ فرما دیجئے کہ جو لوگ گمراہی میں ہیں (یعنی تم)

الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ

رحمٰن ان کو ڈھیل دیتا چلا جا رہا ہے

یعنی تم کو یہ نعمت دنیوی دینے میں یہ حکمت ہے کہ مہلت دے کر تم پر حجت تمام کر دے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے اولم نعمر کم مایتذکر الیہ من تذکر الخ اور یہ مہلت چند روزہ ہے۔

حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ

یہاں تک کہ جس چیز کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے جب اس کو دیکھ لیں گے خواہ

وَاِمَّا السَّاعَةَ ؕ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ

عذاب کو (دنیا میں) خواہ قیامت کو (دوسرے عالم میں) سو (اس وقت) ان

مَّكَانًا

کو معلوم ہو جاوے گا کہ برا مکان کس کا ہے

یعنی دنیا میں جو اپنے مجلس والوں کو اپنا مددگار سمجھتے ہیں اور فخر کرتے ہیں وہاں معلوم ہوگا کہ ان میں کتنا زور ہے وہاں تو زور میں اتنی کمی ہوگی کہ ذرا بھی زور نہ ہوگا۔ پس یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ قیامت میں کافروں کے پاس لشکر ہوگا مگر کمزور ہوگا کیونکہ یہاں لشکر سے مراد مجلس والے ہیں جن کو وہ مددگار نہ سمجھتے تھے کوئی اور جمعیت مراد نہیں اور یہ شبہ بھی نہ کیا جائے کہ اس لشکر میں قوت تو ہوگی مگر کم ہوگی کیونکہ ضعف کی انتہا یہ ہے کہ بالکل قوت نہ رہے یہاں ضعف سے یہی انتہائی درجہ مراد ہے آگے مسلمانوں کی حالت بیان فرماتے ہیں۔

وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ۝٧٥ وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ

اور کمزور مددگار کس کے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہدایت والوں کو

اهْتَدَوْا هُدًى ؕ

ہدایت بڑھاتا ہے

یعنی اصل سرمایہ یہ ہے کہ اگر اس کے ساتھ مال و دولت نہ ہو تو مضر نہیں۔

وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا

اور جو نیک کام ہمیشہ کے لئے باقی رہنے والے ہیں وہ تمہارے رب کے

وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ۝٧٦

نزدیک ثواب میں بھی بہتر ہیں اور انجام میں بھی بہتر ہیں

پس ان کو ثواب میں بڑی بڑی نعمتیں ملیں گی جن میں مکانات اور باغات سب کچھ ہوں گے اور ان اعمال کا انجام یہ ہے کہ وہ نعمتیں ہمیشہ رہیں گی آخر کار مقدار میں بھی اور کیفیت میں بھی مسلمانوں ہی کی حالت بہتر ہوگی اور آخر ہی کا اعتبار بھی ہے۔

ربط: آگے بھی بعض منکروں کا قول کا رد ہے اور قصہ اس کا یہ ہے کہ خباب بن ارت صحابی لوہار کا کام کرتے تھے ان کا کچھ قرض عاص بن وائل کے ذمہ رہ گیا تھا انہوں نے ایک بار تقاضا کیا تو عاص نے جواب دیا کہ جب تک تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر نہ کرے گا تیرے دام نہ دوں گا انہوں نے کہا کہ اگر تو مر کر بھی زندہ ہوگا جب بھی کفر نہ کروں گا کہنے لگا بس جب یہ بات ہے کہ میں مر کر پھر زندہ ہونے والا ہوں تو میرے پاس جبھی آنا اس وقت میرے پاس مال اولاد سب کچھ ہوگا تیرے دام بھگتا دوں گا اس پر آئندہ آیت نازل ہوئی افرأیت الذی تا یاتینا فردا۔

اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا

بھلا آپ نے اس شخص (کی حالت) کو بھی دیکھا جو ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کرتا ہے

جن میں قیامت کے متعلق بھی آیات ہیں حالانکہ ان کا حق یہ تھا کہ ان پر ایمان لایا جاتا۔

وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ۝٧٧ ؕ

اور کہتا ہے کہ مجھ کو (آخرت میں) مال اور اولاد ملیں گے

مطلب یہ کہ اس شخص کی حالت بھی تعجب کے قابل ہے آگے اس کا رد فرماتے ہیں۔

اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ

کیا یہ شخص غیب پر مطلع ہو گیا ہے یا اس نے اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد (اس بات

عَهْدًا ۝٧٨ ۙ

کا) لے لیا ہے

یعنی یہ دعویٰ کہاں سے کر رہا ہے کوئی دلیل بھی اس کے پاس ہے یا محض زبانی جمع خرچ ہے اگر کوئی دلیل ہو تو بیان کرے سو یہ دعویٰ عقلی تو ہے نہیں محض نقلی ہے جس کی دلیل خداوند تعالیٰ کا قول ہو سکتا ہے سو کیا خدا تعالیٰ نے اس سے خود یہ بات کہی ہے یا علم غیب کے ذریعہ سے اس نے معلوم کر لیا دونوں طریقے اس کے پاس نہیں دوسرے یہ دعویٰ عقلاً بھی ممتنع ہے اور واقع کے بھی خلاف ہے۔

كَلَّا ؕ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ

ہرگز نہیں محض غلط کہتا ہے (اور) ہم اس کا کہا ہوا بھی لکھے لیتے ہیں اور اس کے لئے عذاب

مَدًّا ۝٧٩ ۙ وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ۝٨٠

بڑھاتے چلے جائیں گے اور اس کی کہی ہوئی چیزوں کے ہم مالک رہ جائیں گے

یعنی وہ تو دنیا سے مر کر چلا جاوے گا اور اموال و اولاد پر اس کا کوئی اختیار نہ رہے گا ہم ہی سب کے مالک رہیں گے اور قیامت میں ہم اس کو کچھ نہ دیں گے۔

وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لِيَكُونُوا

اور وہ ہمارے پاس (مال و اولاد سے) تنہا ہو کر آوے گا اور ان لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر اور معبود تجویز کر رکھے ہیں تا کہ ان کے لئے وہ (عند اللہ) باعث عزت

لَهُمْ عِزًّا ﴿٨١﴾ كَلَّا سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ

ہوں (ایسا) ہرگز نہیں (ہوگا بلکہ) وہ تو ان کی عبادت ہی کا انکار کر بیٹھیں گے

واتخذوا تا ضداً جیسا کہ سورۂ یونس کے تیسرے رکوع میں گزر چکا ہے۔ قال شرکاؤھم ما کنتم ایانا تعبدون ان کے شرکاء کہیں گے کہ تم ہماری عبادت تو نہ کرتے تھے۔

وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٨٢﴾

اور ان کے مخالف ہو جاویں گے

بات سے بھی اور حالت سے بھی مخالفت کی بات تو اوپر گزر چکی اور حالت سے اس طرح مخالفت کریں گے کہ بجائے عزت کے ان کی ذلت کا سبب ہو جاویں گے اور ان معبودوں میں اصنام یعنی بت بھی ہوں گے ان کا بولنا مثل اعضاء کے بولنے کے کچھ بعید نہیں۔

ربط: اوپر جن گمراہوں کا ذکر ہوا ہے آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے ان کا سبب کہ شیاطین کا تسلط تھا پھر ان کا انجام کہ عذاب شدید ہے اور عذاب کا وقت جو کہ قیامت کا دن ہے بیان فرماتے ہیں علاوہ

ربط: عام کے جو اوپر مذکور ہوا ہے یہ خاص

ربط: ہے۔ الم تر تا عھدا

أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ہم نے شیاطین کو کفار پر (ابتلاءً) چھوڑ رکھا ہے کہ وہ

الْكَافِرِينَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا ﴿٨٣﴾

ان کو (کفر و ضلال پر) خوب ابھارتے رہتے ہیں

جب آپ کو یہ بات معلوم ہے تو پھر جو خود ہی اپنے اختیار سے اپنے دشمن بدخواہ کے بہکانے میں آجاوے اس کا کیوں غم کیا جاوے۔

فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ

سو آپ ان کے لئے جلدی نہ کیجئے

کیونکہ شیاطین کا مسلط ہونا بھی آزمائش و امتحان کے لئے ہے اور جلدی سزا دینے میں ابتلا نہیں رہتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جلدی عذاب چاہنا ان کے ایمان سے مایوسی کے بعد شاید اس وجہ سے ہو کہ ان کے کفر کا ضرر دوسروں تک نہ پہنچنے لگے چنانچہ ایسا ہوتا بھی تھا پس یہ جلدی شان رحمت کے منافی نہیں۔ اس میں بھی دوسروں پر رحمت تھی کہ وہ ان کے کفر کے ضرر سے محفوظ رہیں۔

إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿٨٤﴾

ہم ان کی باتیں خود شمار کر رہے ہیں

جن پر ان کو سزا ہوگی آگے بتلاتے ہیں کہ وہ سزا کس روز ہوگی۔

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَٰنِ وَفْدًا ﴿٨٥﴾

اور جس روز ہم متقیوں کو رحمٰن (کے دار النعیم) کی طرف مہمان بنا کر جمع

وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿٨٦﴾

کریں گے اور مجرموں کو دوزخ کی طرف پیاسا ہانکیں گے

بظاہر مجرمین سے مراد کفار ہیں تو اس کے مقابل متقین سے مراد مومنین ہیں پھر اس حشر سے اگر جنت کی طرف لے جانا مراد ہے تب تو مطلقاً مسلمان مراد ہیں اور اگر قبر سے میدان حساب کی طرف لے جانا مراد ہے تو مومن کامل مراد ہیں کیونکہ شروع سے آخیر تک اکرام و تعظیم ان ہی کے ساتھ خاص ہے اور ناقص مسلمانوں کا حال قیاس سے سمجھ لیا جائے گا کہ وہ بین بین ہوں گے۔

ربط: اوپر بعض گمراہوں اور ان کے عذاب کا بیان تھا آگے بھی ایک خاص گمراہی کا مع اس کے ابطال اور وبال کے ذکر ہے۔ وقالوا اتخذالرحمن تا فردا.

لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ

(وہاں) کوئی سفارش کا اختیار نہ رکھے گا مگر ہاں جس نے رحمٰن کے پاس

الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ﴿٨٧﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَٰنُ

(سے) اجازت لی ہے اور (کافر) لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد

وَلَدًا ﴿٨٨﴾

(بھی) اختیار کر رکھی ہے

چنانچہ نصاریٰ کثرت سے اور یہود کم اور مشرکین عرب وغیرہ اس فاسد عقیدہ میں مبتلا تھے اللہ تعالیٰ آگے رد فرماتے ہیں۔

لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ﴿٨٩﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ

(اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) تم نے (جو) یہ (بات کہی تو) ایسی سخت حرکت کی ہے کہ اس کے

مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿٩٠﴾

سبب کچھ بعید نہیں کہ آسمان پھٹ پڑیں اور زمین کے ٹکڑے اڑ جائیں اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں

اس قول کی وجہ سے آسمان وزمین کا ٹوٹ پھوٹ جانا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس قول کا جو اثر عقل پر ہوتا ہے وہ اگر محسوس ہوتا تو عالم میں اس کے یہ آثار ہوتے۔

أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿٩١﴾ وَمَا يَنْبَغِي

اس بات سے کہ وہ لوگ خدا کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں حالانکہ خدا تعالیٰ

لِلرَّحْمٰنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ﴿٩٢﴾ إِنْ كُلُّ مَنْ فِي

کی شان نہیں کہ وہ اولاد اختیار کرے (کیونکہ) جتنے بھی کچھ آسمانوں اور

السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿٩٣﴾

زمین میں ہیں سب خدا تعالیٰ کے روبرو غلام ہو کر حاضر ہوتے ہیں

کہ ہر شخص خدا ہی کا محتاج اور محکوم ہوگا پس اگر خدا کے اولاد ہو تو اس کو بھی خدا کی طرح صفات کمال سے موصوف ہونا چاہئے اور خدا کی صفات اوپر مذکور ہوئیں یعنی قدرت کا عام ہونا اور علم عام ہونا اور خدا کے سوا سب کی صفات یہ ہیں محتاج اور تابعدار ہونا جو کمال کے منافی ہے پھر خدا کے ایسی ناقص اولاد کب ہو سکتی ہے لہذا ثابت ہوا کہ خدا کے لئے اولاد ہونا محال ہے۔

ربط: اوپر کفار کو عذاب آخرت کی وعید اور نیک بندوں کو نعیم جنت کا وعدہ سنایا تھا آگے مسلمانوں کو نعمت دنیوی کا وعدہ اور کفار کو سزائے دنیا کی وعید سناتے ہیں اور چونکہ اوپر کی آیتوں میں زیادہ روئے سخن کفار سے ہے اس لئے سورت کو وعید پر ختم کرتے ہیں۔ پس سورت کا رحمت سے شروع ہونا اور وعید پر ختم ہونا ایک خاص لطف دیتا ہے۔ ان الذین تا رکزا

لَقَدْ أَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿٩٤﴾ وَكُلُّهُمْ

(اور) اس نے سب کو (اپنی قدرت میں) احاطہ کر رکھا ہے اور سب کو شمار کر

آتِيهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿٩٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ

رکھا ہے اور قیامت کے روز سب کے سب اس کے پاس تنہا تنہا حاضر ہوں

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ

گے۔ بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اللہ تعالیٰ ان

الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿٩٦﴾

کے لئے محبت پیدا کر دے گا

یعنی علاوہ آخرت کی نعمتوں کے دنیا میں یہ نعمت دے گا کہ مخلوق کے دلوں میں ان کی محبت پیدا کر دے گا یہ تفسیر حدیث میں آئی ہے اور اس کا نعمت ہونا بلکہ بڑی نعمت ہونا ظاہر ہے کیونکہ نعمت کا خلاصہ راحت اور چین ہے اور ظاہر ہے کہ محبوب ہو جانا اس کا بڑا سبب ہے اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ مسلمان سے کسی کو عداوت نہ ہو گی بلکہ مقصود یہ ہے کہ مسلمان متبع شریعت سے عام خلائق کو جن کا نہ کوئی نفع اس سے متعلق ہو نہ کوئی ضرر پہنچا ہو محبت ہوتی ہے چنانچہ اس کا مشاہدہ ہے اور جن کو اس سے نفع پہنچتا ہو ان کا محبت کرنا یا جن کو ضرر پہنچا ہو ان کا بغض کرنا یہ قابل اعتبار نہیں کیونکہ در حقیقت یہ محبت وعداوت اپنے نفع وضرر سے ہے چنانچہ نفع پہنچانے والے کفار سے بھی لوگوں کو محبت ہوتی ہے۔ اگر نفع وضرر سے قطع نظر کر لی جائے اس وقت بھی مومن کی صفات میں یہ اثر ہے کہ اس کی طرف عام قلوب کو کشش ہوتی ہے لہذا آپ ان کو یہ بشارت دے دیجئے ١٢

فَإِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ

سو ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان (عربی) میں اس لئے آسان کیا ہے کہ آپ اس سے متقیوں کو خوشخبری سنا دیں

کم اھلکنا میں کفار کو دنیوی ہلاکت کی وعید سناتے ہیں اور چونکہ یہ وعدہ اور وعیدیں تبشیر وانذار ہیں لہذا اسی تبشیر وانذار کا قرآن کی غایت ہونا ارشاد فرماتے ہیں۔

وَتُنْذِرَ بِهِ قَوْمًا لُدًّا ﴿٩٧﴾

اور (نیز) اس سے جھگڑالو آدمیوں کو خوف دلا دیں

اور ان خوف کی چیزوں میں ایک مضمون دنیوی عذاب کا یہ ہی ہے جو آگے آتا ہے۔

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ

اور ہم نے ان کے قبل بہت سے گروہوں کو (عذاب وقہر سے) ہلاک کر دیا ہے

مِنْهُمْ مِنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿٩٨﴾

(سو) کیا آپ ان میں سے کسی کو دیکھتے ہیں یا ان کی کوئی آہستہ آواز سنتے ہیں

مراد یہ ہے کہ بالکل بے نام ونشان ہو گئے پس کفار اس دنیوی سزا کے بھی مستحق ہیں اگرچہ کسی مصلحت سے کسی کافر کے لئے اس کا ظہور نہ ہو مگر اندیشہ کے قابل تو ہے اور پہلے لوگوں کے ہلاک کرنے کا مضمون اس سے پہلے رکوع میں بھی آیا ہے مگر وہاں مقصود دوسرا تھا یعنی کفار کے اس قول کا جواب دینا تھا کہ ہم میں اور مسلمانوں میں ساز وسامان اور مجلس کے اعتبار سے کون اچھا ہے پس تکرار نہ رہا اور آہستہ آواز کی نفی اس لئے فرمادی کہ دارو گیر کے وقت مجرم خوفزدہ ہوتا ہے دلیری سے بات کرنے کی تو مجال ہی نہیں ہوتی البتہ چپکے چپکے باتیں کرلیا کرتا ہے یہاں اس کی بھی نفی فرمادی کہ ان کی آہستہ آواز بھی نہ نکل سکے گی زور سے تو کیا بولتے۔

لطیفہ اس سورت میں رحمت کا ذکر بکثرت لایا گیا ہے چنانچہ لفظ رحمٰن پندرہ سولہ جگہ آیا ہے اور لفظ رحمت شروع میں نیز اور بھی چند جگہ میں آیا ہے پس جہاں مسلمانوں کے ذکر میں یہ لفظ آیا ہے وہاں اس طرف اشارہ ہے کہ ان پر بڑی رحمت ہوگی اور جہاں کفار کے ذکر میں یہ لفظ آیا ہے وہاں اس طرف اشارہ ہے کہ کفار ایسے بڑے رحمت والے کی مخالفت کرتے ہیں اور اس کے احسانات وانعامات سے بھی نہیں شرماتے۔ واللہ اعلم

سورة طٰہٰ مکیة و هی مائة واربع و ثلثون اية کذافی البیضاوی

ربط: اوپر کی سورۃ میں توحید ورسالت ومعاد کا بیان تھا اس سورت میں بھی یہی مضامین ہیں چنانچہ شروع میں رسالت ووحی کے متعلق مضمون ہے اور تنزیلا ممن خلق سے توحید کے متعلق ہے اور موسیٰ کے قصہ سے توحید ورسالت دونوں کی تقریر ہوگئی اور موسیٰ علیہ السلام کی رسالت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی توضیح ہے اور درمیان درمیان میں رسالت کی تصدیق وتکذیب کرنے والوں کی جزاوسزا کے ساتھ معاد کی تفصیل ہے اور چونکہ اوپر کی سورت قرآن کے ذکر پر ختم ہوئی تھی اور یہ سورت بھی قرآن کے ذکر سے شروع ہوئی اس لئے اس کے اختتام اور اس کے ابتداء میں بھی خاص مناسبت حاصل ہے۔

(۲۰) سُوْرَةُ طٰهٰ مَكِّيَّةٌ (۴۵)

سورہ طٰہٰ مکہ میں اتری اور اس کی ایک سو پینتیس آیتیں اور آٹھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

طٰهٰ ﴿۱﴾ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ﴿۲﴾

طٰہٰ (کے معنی تو اللہ کو معلوم ہیں) ہم نے آپ پر قرآن (مجید) اس لئے نہیں اتارا کہ آپ تکلیف اٹھائیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم. طٰہٰ تا الحسنی

تکلیف اٹھانے کی چند صورتیں ہوسکتی ہیں ایک یہ کہ کفار کے انکار پر حزن وغم ہوا جس کی بھی نفی کر دی گئی کہ آپ کا کام نصیحت کر دینا اور احکام پہنچا دینا ہے جس کی قسمت میں ڈرنا اور ماننا ہے وہ قبول کرے گا آپ غم نہ کیجئے دوسرے آپ رات کو نماز میں لمبا قیام فرماتے اور اتنا قرآن پڑھتے کہ تھک جاتے تھے اس لئے آسانی کا حکم دیا جیسے ارشاد ہے فاقرؤا ماتیسر من القران کہ جس قدر جلد آسانی سے قرآن پڑھا جاوے اتنا پڑھ لیا کرو تیسرے اس لمبے لمبے قیام پر کفار نے طعن کیا تھا کہ قرآن کی وجہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مصیبت میں پڑ گئے اس کی نفی کر دی۔

اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿۳﴾ تَنْزِيْلًا

بلکہ ایسے شخص کی نصیحت کے لئے (اتارا ہے) کہ جو (اللہ سے) ڈرتا ہو یہ اس

مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ﴿۴﴾

ذات کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جس نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴿۵﴾ لَهٗ

کیا ہے (اور) وہ بڑی رحمت والا عرش پر قائم ہے اسی کی ملک ہیں جو چیزیں

مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا

آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں زمین میں ہیں اور جو چیزیں ان دونوں کے

وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ﴿۶﴾

درمیان میں ہیں اور جو چیزیں تحت الثریٰ میں ہیں

یعنی زمین کے نیچے جو تر مٹی ہے اس کے نیچے بھی تو چیزیں ہیں غرض یہ کہ زمین کی تہ میں بھی جو کچھ ہے خدا ہی کی ملک ہے یہ تو اللہ تعالیٰ کی قدرت وسلطنت کی شان تھی آگے علم کی شان بتلاتے ہیں۔

وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ

اور (علم کی یہ شان ہے کہ) اگر تم پکار کر بات کہو تو وہ چپکے سے کہی ہوئی بات کو

وَاَخْفٰى ﴿۷﴾

اور اس سے بھی زیادہ مخفی کو جانتا ہے

یعنی جب وہ دل کی بات کو بھی جانتا ہے تو جو پکار کر کہی جائے اس کے سننے میں تو کیا شبہ ہے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى (٨)

وہ اللہ ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کے اچھے اچھے نام ہیں

جو کہ اوصاف وکمالات پر دلالت کرتے ہیں پس قرآن ایسے جامع کمالات خدا کا نازل کیا ہوا ہے اور یقینی حق ہے اور عرش علاوہ آسمانوں اور کرسی کے ان سب کے اور مثل قبہ کے ایک بڑا جسم ہے اس کے پائے بھی ہیں اور فرشتے اس کو اٹھائے ہوئے ہیں اور وہ ساکن ہے کبھی اس کو حرکت بھی ہو جاتی ہے۔

ربط: اوپر توحید ورسالت کی تقریر تھی آگے موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں اسی کی تفصیل ہے۔ وھل اتک تا فتردیٰ

وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى (٩)

اور کیا آپ کو موسیٰ (علیہ السلام کے قصہ) کی خبر بھی پہنچی ہے

یعنی وہ سننے کے قابل ہے کہ اس میں توحید ونبوت کے متعلق بہت علوم ہیں جن کی تبلیغ نافع ہوگی۔

اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّىْٓ

جبکہ انہوں نے (مدین سے آتے ہوئے رات کو) ایک آگ دیکھی سو اپنے

اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ

گھر والوں سے فرمایا کہ تم ٹھہرے رہو میں نے ایک آگ دیکھی ہے

جو واقع میں نور تھا مگر شکل آگ کی تھی اور اس رات میں سردی بھی تھی اور موسیٰ علیہ السلام راستہ بھی بھول گئے تھے۔

اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَي النَّارِ

شاید میں اس میں سے تمہارے پاس کوئی شعلہ لاؤں یا (وہاں) آگ کے

هُدًى (١٠)

پاس راستہ کا پتہ مجھ کو مل جاوے

یعنے شاید وہاں کوئی راستہ جاننے والا آدمی ہو۔

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى (١١) ۭ

سو وہ جب اس (آگ) کے پاس پہنچے تو ان کو منجانب اللہ) آواز دی گئی

اس آواز کی کیفیت نہ نصوص میں مذکور ہے نہ قیاس سے معلوم ہوسکتی ہے اس لئے تخمین وگمان سے بیان کرنا فضول ہے البتہ یہ بات یقینی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو یقین کے ساتھ یہ معلوم ہوگیا تھا کہ یہ آواز منجانب اللہ ہے۔

اِنِّىْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ

کہ اے موسیٰ میں تمہارا رب ہوں پس تم اپنی جوتیاں اتار ڈالو

جوتیاں اتارنے کا حکم یا تو اس لئے ہوا کہ ان میں ناپاکی لگی ہوئی ہو یا اس لئے کہ ادب کا مقام ہو یا اس لئے کہ متبرک جگہ سے قدم بھی مس کرے کہ اس کی برکت اندر پہنچے۔

اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى (١٢) ۭ وَاَنَا

(کیونکہ) تم ایک پاک میدان یعنے طویٰ میں ہو (یہ اس کا نام ہے) اور میں نے تم کو

اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى (١٣) اِنَّنِيْٓ اَنَا

(نبی بنانے کے لئے) منتخب فرمایا ہے سو (اس وقت) جو کچھ وحی کی جارہی ہے اس کو سن

اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ

لو (وہ یہ ہے کہ) میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں تم تو میری ہی عبادت کرو

کیونکہ میں ہی معبود ہونے کے لائق ہوں۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ (١٤)

اور میری ہی یاد کی نماز پڑھا کرو

عقائد میں بڑے مسئلے تین ہیں توحید ونبوت ان کی تعلیم تو ہو چکی اور معاد کی تعلیم آگے آتی ہے اور عبادات میں تمام فرعی احکام آگئے اور نماز کو شرف کی وجہ سے مستقل طور پر بھی ذکر فرمایا۔

اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا

اور دوسری بات یہ سنو کہ) بلاشبہ قیامت آنے والی ہے میں اس کو (تمام خلائق سے) پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں

آگے قیامت کے آنے کی حکمت بتلاتے ہیں۔

لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا تَسْعٰى (١٥) فَلَا يَصُدَّنَّكَ

تاکہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ مل جاوے سو تم کو قیامت سے ایسا شخص باز نہ رکھنے پاوے جو اس پر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی (نفسانی)

عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى (١٦)

خواہشوں پر چلتا ہے کہیں تم (اس بے فکری کی وجہ سے) تباہ نہ ہو جاؤ

مطلب یہ کہ تم ایسے شخص کے اثر سے قیامت کیلئے تیاری کرنے سے بے

فکر نہ ہو جانا اور یہ بات موسیٰ علیہ السلام سے اس لئے فرمائی تا کہ استقامت کی تاکید ہو نیز دوسروں کو سنانے کے لئے بھی فرمائی کہ جب خاص لوگوں کو یہ احکام سنائے جاتے ہیں تو دوسرے تو کس شمار میں ہیں۔ وما تلک تا انه طغیٰ

وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ﴿١٧﴾

اور یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا چیز ہے۔ اے موسیٰ

یہ سوال اس لئے تھا کہ اس وقت اس کے منافع اور اس کی حقیقت کہ یہ ایک لاٹھی ہے ذہن میں خوب حاضر ہو جائے پھر جو سانپ بن جاوے گا تو ذات اور صفات دونوں کے بدل جانے سے قدرت خداوندی پر زیادہ دلالت ہوگی اسی لئے موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں اس کی حقیقت اور منافع دونوں عرض کئے پس سوال و جواب دونوں بالکل مطابق ہیں۔

قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ

انہوں نے کہا کہ یہ میری لاٹھی ہے (کبھی اس پر سہارا لگاتا ہوں اور (کبھی) اس

بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ﴿١٨﴾

سے اپنی بکریوں پر پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے اور بھی کام (نکلتے) ہیں

مثلاً کندھے پر رکھ کر اسباب وغیرہ لٹکا لینا اور موذی جانوروں کو اس سے دفع کرنا وغیرہ وغیرہ

قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ﴿١٩﴾ فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِيَ

ارشاد ہوا کہ اس کو (زمین پر) ڈال دو اے موسیٰ سو انہوں نے اس کو ڈال دیا

حَيَّةٌ تَسْعٰى ﴿٢٠﴾ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ وقفة

یکا یک وہ (خدا کی قدرت سے) ایک دوڑتا ہوا سانپ بن گیا ارشاد ہوا کہ

سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ﴿٢١﴾

اس کو پکڑ لو اور ڈرو نہیں ہم ابھی اسکو اس کی پہلی حالت پر کر دیں گے

یعنی یہ پھر عصا بن جاوے گا اور تم کو کوئی تکلیف نہ پہنچے گی اور موسیٰ علیہ السلام کا ڈر جانا بعض نے کہا ہے کہ طبعی امر تھا جو کسی طرح آپ کی جلالت و عظمت کے منافی نہیں اور بعض نے کہا ہے کہ جو حادثہ مخلوق کی طرف سے پیش آوے اس میں تو خوف نہ ہونا کمال ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام نمرود کی آگ سے نہیں ڈرے اور جو امر خدا کی طرف سے ہو اس میں ڈرنا ہی کمال ہے کہ وہ فی الحقیقت خدا تعالیٰ سے ڈرنا ہے جیسا کہ ہوا تیز ہونے کے وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھبرا جانا حدیثوں میں آیا ہے تو چونکہ اس تغیر میں مخلوق واسطہ نہ تھا اس لئے ڈر گئے کہ یہ کوئی قہر الٰہی نہ ہو۔ ایک معجزہ تو یہ ہوا دوسرا معجزہ اور دیا جاتا ہے۔

وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ

اور تم اپنا (داہنا) ہاتھ اپنی (بائیں) بغل میں دے لو (پھر نکالو) وہ بلا کسی عیب (یعنی)

مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى ﴿٢٢﴾

بلا کسی مرض برص وغیرہ) کے نہایت روشن ہو کر نکلے گا کہ یہ دوسری نشانی ہوگی

ہماری قدرت اور تمہاری نبوت کی آگے بتلاتے ہیں کہ ہم نے عصا ڈالنے اور ہاتھ بغل میں لے جانے کا کیوں حکم کیا اس میں کیا حکمت تھی۔

لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ﴿٢٣﴾ اِذْهَبْ

تا کہ ہم تم کو اپنی (قدرت کی) بڑی نشانیوں میں سے بعض نشانیاں دکھلائیں

اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿٢٤﴾

(اب یہ نشانیاں لے کر) تم فرعون کے پاس جاؤ وہ بہت حد سے نکل گیا ہے

کہ خدائی کا دعویٰ کرتا ہے تم اس کو توحید کی تبلیغ کرو اور اگر نبوت میں شبہ کرے تو یہ معجزے دکھلاؤ جب موسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ مجھ کو پیغمبر بنا کر فرعون کے سمجھانے کے لئے بھیجا جاتا ہے اس وقت اس عظیم الشان منصب کی مشکلات آسان کرنے کی درخواست کی قال رب اشرح لی تا بصیرا۔

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ﴿٢٥﴾

عرض کیا کہ اے میرے رب میرا حوصلہ فراخ کر دیجئے

تا کہ احکام پہنچانے میں انقباض یا تکذیب و مخالفت سے تنگی اور پریشانی نہ ہو۔

وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ﴿٢٦﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ﴿٢٧﴾

اور میرا (یہ) کام (تبلیغ کا) آسان فرما دیجئے اور میری زبان پر سے بستگی (لکنت کی) ہٹا دیجئے

آپ کی زبان میں یا تو پیدائشی لکنت تھی جیسا کہ بعض قائل ہوئے ہیں یا بچپن میں ایک بار جب انہوں نے فرعون کی ڈاڑھی پکڑی تھی اور فرعون نے بدلہ لینا چاہا تھا اور حضرت آسیہ فرعون کی بیوی نے سفارش کی کہ بچہ ہے اس کو کیا سمجھ ہے اور سمجھ کے امتحان کے لئے ان کے سامنے آگ حاضر کی گئی اس وقت انہوں نے ایک چنگاری اٹھا کر منہ میں رکھ لی تھی اس سے زبان کی روانی کم ہوگئی تھی اور شاید اس کوئلہ کا کچھ حصہ جلا ہوا نہ ہو اس کو پکڑ کر منہ میں رکھ لیا یا جلدی سے منہ میں ڈال لیا ہو جس سے ہاتھ نہ جلا اور

زبان جل گئی پھر اس دعا سے مقصود آپ کا یہ تھا کہ رکاوٹ بالکل دور ہو جائے یا یہ تھا کہ بقدر ضرورت بات سمجھانے کے قابل کم ہو جاوے دونوں احتمال ہیں اور دوسرے احتمال پر اگر کچھ رکاوٹ باقی بھی رہی ہو تو وہ ایسا عیب نہیں جس سے نبی کا مبرا ہونا ضروری ہو البتہ اتنی رکاوٹ جس سے بات سمجھانے میں خلل پڑتا ہو اور سننے والے کو نفرت ہوتی ہو اس سے نبی کا مبرا ہونا ضروری ہے اور جب یہ خرابی نہ ہو تو ذرا سی رکاوٹ کا عیب ہونا مسلم نہیں بہر حال **اوتیت سؤلک یا موسیٰ** سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی درخواست جو کچھ بھی ہو منظور ہوئی۔

يَفْقَهُوا قَوْلِي ﴿٢٨﴾ وَاجْعَل لِّي وَزِيرًا مِّنْ

تا کہ لوگ میری بات سمجھ سکیں اور میرے واسطے میرے کنبہ میں سے ایک

أَهْلِي ﴿٢٩﴾ هَارُونَ أَخِي ﴿٣٠﴾ اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي ﴿٣١﴾

معاون مقرر کر دیجئے یعنی ہارون کو کہ میرے بھائی ہیں ان کے ذریعہ سے میری

وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي ﴿٣٢﴾

قوت کو مستحکم کر دیجئے اور ان کو میرے (اس تبلیغ کے) کام میں شریک کر دیجئے

یعنی ان کو بھی نبی بنا کر تبلیغ احکام پر مقرر کر دیجئے کہ ہم دونوں تبلیغ کریں اور میرے قلب کو ان سے قوت پہنچے اور معاون خاندان میں سے خاص طور پر شاید اس لئے مانگا ہو کہ ان کو طبعی الفت بھی زیادہ ہوگی اور ان سے معاونت بھی بہ نسبت غیروں کے زیادہ ہو سکتی ہے اور چونکہ یہ درخواست ان کے معاون بنانے کی موسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے کی ہے اس لئے معلوم ہو کہ ان کا نبی بنوانا مقصود ہے کیونکہ بدوں نبوت کے تو وہ خود ہارون علیہ السلام سے امداد کی درخواست کر سکتے تھے۔

كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا ﴿٣٣﴾ وَنَذْكُرَكَ كَثِيرًا ﴿٣٤﴾

تا کہ ہم دونوں آپ کی خوب کثرت سے پاکی (شرک کے نقائص سے) بیان کریں اور آپ کا خوب کثرت سے ذکر کریں

کیونکہ جب دو شخص مبلغ ہوں گے تو ہر شخص کا بیان دوسرے کی تائید سے قوی اور وافر ہو جائے گا اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ دونوں مل کر خلوت میں بہت ذکر کیا کریں گے کیونکہ ایک دوسرے کی تقویت سے طبیعت کو نشاط ہوگا اور نشاط خوب ہونے سے کام بھی زیادہ ہوتا ہے۔

إِنَّكَ كُنتَ بِنَا بَصِيرًا ﴿٣٥﴾

بیشک آپ ہم کو خوب دیکھ رہے ہیں

یعنے آپ ہماری حالت سے خوب واقف ہیں اور یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ ایک دوسرے کے معاون ہونے کی ہم کو احتیاط ہے **قال قد اوتیت تا یخشیٰ**۔

قَالَ قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يَا مُوسَىٰ ﴿٣٦﴾

ارشاد ہوا کہ تمہاری (ہر) درخواست منظور کی گئی اے موسیٰ اور ہم تو ایک دفعہ

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ ﴿٣٧﴾

اور بھی (اس کے قبل بے درخواست ہی) تم پر احسان کر چکے ہیں

تو جو درخواست خود تمہاری کی ہوئی ہے وہ کیونکر پوری نہ کریں گے۔

إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰ ﴿٣٨﴾ أَنِ

جبکہ ہم نے تمہاری ماں کو وہ بات الہام سے بتلائی جو الہام سے بتلانے کی تھی (وہ)

اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ

یہ کہ موسیٰ کو (جلادوں کے ہاتھوں سے بچانے کیلئے) ایک صندوق میں رکھو پھر ان کو

فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي

دریا میں ڈال دو پھر دریا ان کو (مع صندوق کے) کنارے تک لے آوے گا (آخر

وَعَدُوٌّ لَّهُ

کار) ان کو ایک شخص پکڑ لے گا جو (کافر ہونے کی وجہ سے) میرا بھی دشمن ہے

مراد فرعون تھے اور وہ یا تو اس وقت بھی دشمن تھا کہ سب بچوں کو قتل کرتا تھا یا یہ مطلب ہے کہ آئندہ چل کر ان کا خاص طور پر دشمن ہو جائے گا اور الہام میں اس دشمن کی تعیین نہیں فرمائی تھی کہ وہ کون ہے اور یہ الہام اگر فرشتہ کے ذریعہ سے بھی ہوا ہو تب بھی موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی نبوت لازم نہیں آتی کیونکہ نبوت کے لئے تبلیغ احکام کا ہونا بھی لازم ہے صرف فرشتہ کا بات کرنا کافی نہیں۔

وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي ۚ وَلِتُصْنَعَ

اور ان کا بھی دشمن ہے اور میں نے تمہارے اوپر اور اپنی طرف سے ایک اثر محبت ڈال دیا (تا کہ جو تم کو دیکھے پیار کرے) اور تا کہ تم میری نگرانی میں

عَلَىٰ عَيْنِي ﴿٣٩﴾ إِذْ تَمْشِي أُخْتُكَ

پرورش پاؤ (یہ قصہ اس وقت کا ہے) جبکہ تمہاری بہن چلتی ہوئی آئیں

یعنی تمہاری تلاش میں فرعون کے گھر آئیں

فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ ؕ

پھر کہنے لگیں کیا تم کو ایسے شخص کا پتہ دوں جو اس کو اچھی طرح) پالے رکھے

موسیٰ علیہ السلام کسی انا کا دودھ نہ پیتے تھے یہ حال دیکھ کر آپ کی بہن نے اجنبی بن کر یہ بات کہی چنانچہ ان لوگوں نے منظور کیا کیونکہ ان کی تلاش تھی تو وہ جا کر موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو لے آئیں

فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ؕ

پھر (اس تدبیر سے) ہم نے تم کو تمہاری ماں کے پاس پھر پہنچا دیا تا کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور ان کو غم نہ رہے اور تم نے (غلطی سے) ایک شخص

وَقَتَلْتَ نَفْسًا

(قبطی) کو جان سے مار ڈالا

جس کا قصہ سورۂ قصص میں ہے اور مار کر غم ہوا عذاب کے خوف سے بھی اور انتقام کے خوف سے بھی۔

فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ

پھر ہم نے تم کو اس غم سے نجات دی

عذاب کے خوف سے اس طرح نجات دی کہ استغفار کی توفیق دی اور اس کو قبول کیا اور انتقام کے خوف سے اس طرح کہ مصر سے مدین پہنچا دیا اور وہاں کوئی نہ پہنچ سکا۔

وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۫ قف

اور ہم نے تم کو خوب خوب محنتوں میں ڈالا

یعنی مدین پہنچنے تک آپ کو بہت مشقت کا سامنا ہوا پھر ان سے خلاصی دی کہ خلاصی دینا بھی نعمت تھی اور خود مصیبت بھی نعمت تھی کیونکہ اس سے اخلاق حمیدہ اور اچھے ملکات حاصل ہوتے ہیں جو کہ خود مستقل احسان ہے۔

فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۥ ثُمَّ جِئْتَ

پھر (مدین پہنچے اور) مدین والوں میں کئی سال رہے پھر ایک خاص وقت پر

عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ﴿٤٠﴾

تم (یہاں) آئے اے موسیٰ

کہ یہ وقت میرے علم میں تمہاری نبوت اور ہم کلامی کے لئے مقدر تھا

اور بار بار یا موسیٰ فرمانا محبت و شفقت اور شرافت ظاہر کرنے کے لئے ہے۔

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ﴿٤١﴾ ج اِذْهَبْ اَنْتَ

اور (یہاں آنے پر) میں نے تم کو اپنے لئے منتخب کیا (سواب) تم اور تمہارے

وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ

بھائی دونوں میری نشانیاں (یعنی معجزات) لے کر جاؤ

اصل معجزے دو ہیں عصا اور ید بیضا مگر چونکہ ان میں کئی طرح سے اعجاز تھا اس لئے ان کو معجزات کہا گیا اور وہ کئی طرح یہ ہیں کہ عصا کا اژدھا بن جانا ایک معجزہ تھا پھر اس کا عصا بن جانا دوسرا معجزہ تھا اسی طرح ہاتھ کا روشن ہو جانا ایک معجزہ تھا پھر اصلی حالت پر آ جانا دوسرا معجزہ تھا اور دونوں کو حکم فرمانے کے لئے ہارون علیہ السلام کا وہاں تشریف رکھنا ضرور نہیں یا تو موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا ہو کہ ان سے بھی کہہ دیں یا ان کو ان کی جگہ وحی ہوئی ہو یا یہ وحی طور سے واپس آنے کے بعد دونوں کے اجتماع کے وقت ہوئی ہو۔

وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ﴿٤٢﴾ ج

اور میری یادگاری میں سستی مت کرنا

سستی نہ کرنے کا حکم اہتمام کے لئے فرمایا ورنہ انبیاء میں اس کا احتمال نہیں اب آگے موقع جانے کا بتلاتے ہیں۔

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿٤٣﴾ صلے ج فَقُوْلَا لَهٗ

دونوں فرعون کے پاس جاؤ وہ بہت نکل چلا ہے پھر اس سے نرمی کے ساتھ بات

قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿٤٤﴾

کرنا شاید وہ (برغبت) نصیحت قبول کر لے یا (عذاب الٰہی سے) ڈر جائے

شاید کا لفظ دوسروں کے اعتبار سے فرمایا ورنہ علم الٰہی میں شک و احتمال نہیں ہوا کرتا قالا ربنا تا ثم ھدیٰ۔

قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ

دونوں نے عرض کیا کہ ہمارے پروردگار ہم کو یہ اندیشہ ہے کہ (کہیں) وہ ہم

اَنْ يَّطْغٰى ﴿٤٥﴾

پر زیادتی نہ کر بیٹھے یا یہ کہ زیادہ شرارت نہ کرنے لگے

یعنی ہم کو یہ اندیشہ ہے کہ کہیں وہ تبلیغ سے پہلے ہی ہم کو ستانے لگے اور تبلیغ رہ جاوے یا عین تبلیغ کے وقت شرارت کرنے لگے کہ اپنی بک بک

میں نہ سنے نہ سننے دے جس سے تبلیغ کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہو جائے۔

قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿۴۶﴾

ارشاد ہوا کہ تم اندیشہ نہ کرو (کیونکہ) میں تم دونوں کے ساتھ ہوں سب سنتا دیکھتا ہوں

میں تمہاری حفاظت کروں گا اور اس کو مرعوب کر دوں گا جس سے پوری تبلیغ کر سکو گے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے۔ فجعل لکما سلطٰناً الخ کہ ہم تم دونوں کو غلبہ اور شوکت عطا کریں گے اور یہ شبہ نہ ہو کہ غلبہ دینے کا وعدہ تو ہارون علیہ السلام کو نبی بنانے کے وعدہ کے ساتھ ہی ہو گیا تھا پھر جب یہ وعدہ پہلے ہی ہو گیا تھا تو خوف کیوں ہوا جواب یہ ہے کہ سنشد عضدک باخیک و نجعل لکما سلطٰنا الخ میں اگرچہ غلبہ دینے کا وعدہ ہارونؑ کی نبوت کے وعدہ کے ساتھ مذکور ہے مگر دونوں کے ایک ساتھ مذکور ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں وعدے ایک ساتھ ہی کئے گئے تھے ممکن ہے کہ یہ دونوں وعدے مختلف اوقات میں ہوئے ہوں اور کسی مصلحت سے آیت میں ایک ساتھ ذکر کر دیا ہو اور اگر یہ شبہ ہو کہ یسرلی امری میں موسیٰ علیہ السلام نے تبلیغ کی آسانی کی درخواست کی تھی اور اوتیت سؤلک یا موسیٰ میں وہ درخواست منظور ہو چکی تھی پھر یہ خوف کیوں ہوا جواب یہ ہے کہ اس میں آسانی کی درخواست کا یہ مطلب تھا کہ جو موانع میرے اندر ہیں لکنت و کمزوری وغیرہ وہ رفع کر دیئے جائیں اس درخواست کے قبول ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ مخاطب کی جانب میں جو موانع ہیں وہ بھی مرتفع ہو گئے۔

فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ

سو تم اس کے پاس جاؤ اور (اس سے) کہو کہ ہم دونوں تیرے پروردگار کے فرستادے

مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۥ

ہیں (کہ ہم کو نبی بنا کر بھیجا ہے) سو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دے

کہ جہاں چاہیں اور جس طرح چاہیں رہیں مطلب یہ کہ تو ہماری اطاعت کر عقیدہ کی اصلاح کر یعنی توحید کی تصدیق کر اور اخلاق کی بھی اصلاح کر کہ ظلم وغیرہ سے باز آ اور بنی اسرائیل کو جن پر تو ظلم ناحق کرتا ہے اپنے پنجہ ظلم سے رہا کر دے آگے بتلاتے ہیں کہ ہم جو نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں سو یہ دعویٰ خالی خولی نہیں بلکہ ہمارے پاس اس کی دلیل بھی موجود ہے۔

وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۭ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ

اور ان کو تکلیفیں مت پہنچا ہم تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے (اپنی نبوت کا) نشان

رَّبِّكَ ۭ وَالسَّلٰمُ عَلٰي مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿۴۷﴾

(یعنی معجزہ بھی) لائے ہیں اور ایسے شخص کے لئے سلامتی ہے جو (سیدھی) راہ پر چلے

اس قاعدہ کلیہ میں حق بات قبول کرنے کا ثمرہ بتلا دیا کہ جو ہماری تصدیق کرے اس کے لئے سلامتی ہے آگے حق بات کے جھٹلانے کا نتیجہ بتلاتے ہیں۔

اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰي مَنْ

ہمارے پاس یہ حکم پہنچا ہے کہ (اللہ کا) عذاب اس شخص پر ہو گا جو (حق کو)

كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۴۸﴾

جھٹلا دے اور (اس سے) روگردانی کرے

عذاب کے ترجمہ میں قہر کا لفظ بڑھا دینے سے یہ شبہ جاتا رہا کہ عذاب تو گناہ گاروں کو بھی ہو گا جواب یہ ہے کہ وہ ان کے حق میں قہر نہ ہو گا بلکہ ان کی پاکی اور صفائی کے لئے ہو گا غرض دونوں حضرات تشریف لے گئے اور یہ سب مضمون فرعون سے جا کر کہہ دیا

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿۴۹﴾ قَالَ رَبُّنَا

وہ کہنے لگا پھر (یہ بتلاؤ) تم دونوں کا رب کون ہے اے موسیٰ۔ موسیٰ نے کہا (ہمارا سب

الَّذِيْٓ اَعْطٰي كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿۵۰﴾

کا) رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کے مناسب بناوٹ عطا فرمائی پھر رہنمائی فرمائی

یعنی ان میں جو جاندار چیزیں تھیں ان کو ان کے منافع اور مصالح سب بتلا دیئے چنانچہ ہر جانور اپنی متناسب غذا اور جوڑہ اور رہنے کی جگہ وغیرہ سب ڈھونڈھ لیتا ہے پس وہی ہمارا بھی رب ہے اور فرعون کا صرف موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب بنانا یا تو اس لئے ہے کہ قرائن سے اس کو معلوم ہو گیا ہو کہ یہی اصل ہیں یا قدیم تعلق کی وجہ سے ہو یا اس لئے ہو کہ گفتگو موسیٰ علیہ السلام ہی نے کی تھی ہارون علیہ السلام صرف مؤید تھے واللہ اعلم اور ہر چیز کو مناسب بناوٹ عطا کرنے پر یہ شبہ نہ ہو کہ بعض چیزیں ناقص الخلقت بھی ہوتی ہیں کیونکہ وہاں وہی مناسب ہوتا ہے گو اس کی مصلحت مخفی ہوں قال فما بال القرون تا اخریٰ۔

قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿۵۱﴾

فرعون نے کہا کہ اچھا تو پہلے لوگوں کا کیا حال ہوا

موسیٰ علیہ السلام نے جو فرمایا تھا کہ حق بات کے جھٹلانے والوں پر عذاب نازل ہو گا فرعون نے پھر اعتراض کیا کہ پہلے لوگ بھی تو انبیاء کی تکذیب کرتے تھے ان پر کون سا عذاب نازل ہوا۔

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ

موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ ان لوگوں کا علم میرے پروردگار کے پاس

رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴿٥٢﴾

دفتر اعمال میں (محفوظ) ہے میرا رب نہ غلطی کرتا ہے اور نہ بھولتا ہے

مطلب یہ کہ میں نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ عذاب دنیا ہی میں آنا ضرور ہے بلکہ کبھی دنیا میں بھی آتا ہے اور آخرت میں تو ضرور ہوگا چنانچہ اللہ تعالیٰ کو ان کے اعمال کا صحیح صحیح علم حاصل ہے جب وقت آئے گا وہ عذاب ان پر جاری کر دے گا پس دنیا میں عذاب نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کفر اور تکذیب پر بالکل عذاب نہ ہوگا اور خدا تعالیٰ کو دفتر وغیرہ کی حاجت نہیں مگر بعض حکمتوں کی وجہ سے ایسا کیا گیا ہے یہاں تک موسیٰ علیہ السلام کی تقریر ہو چکی آگے اللہ تعالیٰ اپنی شان تربیت کی کچھ تفصیل بیان فرماتے ہیں جس کا ذکر موسیٰ علیہ السلام کے کلام میں اجمالاً تھا۔

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ

وہ (رب) ایسا ہے جس نے تم لوگوں کے لئے زمین کو (مثل) فرش (کے) بنایا اور

لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ

اس (زمین) میں تمہارے (چلنے کے) واسطے راستے بنائے اور آسمان سے پانی برسایا

مَاۗءً ۭ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿٥٣﴾

پھر ہم نے اس (پانی) کے ذریعہ سے اقسام مختلفہ کے نباتات پیدا کئے (اور تم کو اجازت

كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

دی کہ) خود (بھی) کھاؤ اور اپنے مواشی کو (بھی) چراؤ ان سب چیزوں میں اہل عقل

لِّاُولِي النُّهٰى ﴿٥٤﴾ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ

کے واسطے (قدرت الٰہیہ کی) نشانیاں ہیں ہم نے تم کو اسی زمین سے پیدا کیا

یعنی جس طرح نباتات کو زمین سے نکالتے ہیں اسی طرح تم کو بھی ابتداء میں اسی سے بنایا چنانچہ آدم علیہ السلام مٹی سے بنائے گئے اور ان کے واسطہ سے سب کی اصل خاک ہی ہے۔

وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ

اور اسی میں ہم تم کو (بعد موت) لے جاویں گے

چنانچہ کوئی مردہ کسی حالت میں ہو لیکن آخر میں گو مدتوں کے بعد سہی مٹی میں ضرور ملے گا۔

وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴿٥٥﴾

اور (قیامت کے روز) پھر دوبارہ اسی سے ہم تم کو نکال لیں گے

جیسا کہ پہلی بار اس سے پیدا کر چکے ہیں اور شاید اللہ تعالیٰ نے یہ بات اس لئے بڑھا دی ہو کہ یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی ہے اور کفار مکہ توحید و قیامت کے منکر تھے اور اس میں دونوں پر دلالت ہے۔ واللہ اعلم۔

وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا

اور ہم نے اس (فرعون) کو اپنی سب ہی نشانیاں دکھلائیں

ولقد اریناہ تا ضحیٰ جو کہ موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئی تھیں

فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿٥٦﴾ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا

سو (جب بھی) وہ جھٹلاتا ہی گیا اور انکار ہی کرتا رہا (اور) کہنے لگا کہ اے موسیٰ تم ہمارے پاس اس

مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿٥٧﴾

واسطے آئے ہو (گے) کہ ہم کو ہمارے ملک سے اپنے جادو کے زور سے نکال باہر کرو

اور خود عوام کو فریفتہ اور اپنا تابع بنا کر رئیس بن جاؤ اور یہ بات فرعون نے شاید اس لئے کہی ہو کہ سننے والوں کو موسیٰ علیہ السلام پر غیظ پیدا ہو جاوے کیونکہ ترک وطن اکثر طبائع پر شاق ہوتا ہے تو اس غیظ کی وجہ سے ان کی طرف میلان نہ ہونے پاوے نہ آیات میں غور کر سکیں۔

فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ

سو اب ہم بھی تمہارے مقابلہ میں ایسا ہی جادو لاتے ہیں تو ہمارے اور اپنے درمیان

مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا

میں ایک وعدہ مقرر کر لو جس کو نہ ہم خلاف کریں اور نہ تم خلاف کرو کسی ہموار میدان میں

سُوًى ﴿٥٨﴾ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ

(تاکہ سب دیکھ لیں) موسیٰ نے فرمایا تمہارے (مقابلہ کے) وعدہ کا وقت وہ دن ہے

يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿٥٩﴾

جس میں (تمہارا) میلہ ہوتا ہے اور (جس میں) دن چڑھے لوگ جمع ہو جاتے ہیں

اور ظاہر ہے کہ میلے کا موقع اکثر ہموار ہی زمین میں ہوتا ہے اس سے

وہ شرط بھی پوری ہوگئی جو فرعون نے لگائی تھی کہ ہموار زمین میں مقابلہ ہو

فتولی فرعون تا من تزکی۔

فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿٦٠﴾

غرض (یہ سن کر) فرعون (دربار سے اپنی جگہ) لوٹ گیا پھر اپنا مکر کا (یعنی جادو کا) سامان جمع کرنا شروع کیا پھر آیا

یعنے سب کو لے کر اس میدان میں جہاں وعدہ ٹھہرا تھا آیا۔

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ

اس وقت موسیٰ نے ان (جادوگر) لوگوں سے فرمایا کہ ارے کم بختی

كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ

مارو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ و افترا مت کرو

کہ خدا کے وجود یا توحید کا انکار کرنے لگو یا اس کے ظاہر کئے ہوئے معجزات کو جادو بتلانے لگو۔

وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿٦١﴾ فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ

کبھی خدا تعالیٰ تم کو کسی قسم کی سزا سے بالکل نیست و نابود ہی کردے اور جو جھوٹ

بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿٦٢﴾ قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ

باندھتا ہے وہ (آخر کو ناکام رہتا ہے پس جادوگر (یہ بات سن کر) باہم اپنی رائے میں

لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ

اختلاف کرنے لگے اور خفیہ گفتگو کرتے رہے (آخری نتیجہ سب متفق ہو کر) کہنے

بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿٦٣﴾

لگے کہ بیشک یہ دونوں جادوگر ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ اپنے جادو (کے زور سے)

فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ

تم کو تمہاری زمین سے نکال باہر کریں اور تمہارے عمدہ (مذہبی) طریقہ کا دفتر ہی

اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿٦٤﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى

اٹھادیں تو اب تم مل کر اپنی تدبیر کا انتظام کرو اور صفیں آراستہ کر کے (مقابلہ میں) آؤ

اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ

اور آج وہی کامیاب ہے جو غالب ہوا انہوں نے کہا کہ اے موسیٰ آپ (اپنا عصا)

اَلْقٰى ﴿٦٥﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ

پہلے ڈالیں گے یا ہم پہلے ڈالنے والے بنیں آپ نے فرمایا نہیں تم ہی پہلے ڈالو

چنانچہ انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں اور نظر بندی کردی

فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ

پس یکا یک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کی نظر بندی سے موسیٰ کے خیال

مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿٦٦﴾ فَاَوْجَسَ

میں ایسی معلوم ہونے لگیں جیسے (سانپ کی طرح) چلتی دوڑتی ہوں

فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿٦٧﴾

سو موسیٰ کے دل میں تھوڑا سا خوف ہوا

کہ جب دیکھنے میں یہ رسیاں اور لاٹھیاں بھی سانپ معلوم ہوتے ہیں اور میرا عصا بھی بہت سے بہت سانپ بن جاوے گا تو دیکھنے والے تو دونوں چیزوں کو ایک ہی سا سمجھیں گے تو حق و باطل میں امتیاز کس طرح کریں گے۔

قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿٦٨﴾ وَاَلْقِ

ہم نے کہا کہ تم ڈرو نہیں تم ہی غالب رہو گے اور (اس کی صورت یہ ہے)

مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ۭ اِنَّمَا صَنَعُوْا

کہ یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں جو (عصا) ہے اس کو ڈال دو ان لوگوں نے جو کچھ

كَيْدُ سٰحِرٍ ۭ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴿٦٩﴾

(سانگ) بنایا ہے یہ (عصا) سب کو نگل جائے گا یہ جو کچھ بنایا ہے جادوگروں کا سانگ ہے اور جادوگر کہیں جاوے (معجزے کے مقابلے میں کہیں) کامیاب نہیں ہوتا

موسیٰ علیہ السلام کو تسلی ہوگئی کہ اب امتیاز حق و باطل میں خوب ہو سکتا ہے چنانچہ انہوں نے عصا ڈالا اور واقعی وہ سب کو نگل گیا جادوگروں نے جو یہ فعل جادو کی حد سے بڑھا ہوا دیکھا تو سمجھ گئے کہ یہ جادو نہیں بیشک معجزہ ہے۔

فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ

سو جادوگر سجدہ میں گر گئے اور (با آواز بلند) کہا کہ ہم تو ایمان لے آئے ہارون

هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ﴿٧٠﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ

اور موسیٰ کے پروردگار پر فرعون نے کہا کہ بدوں اس کے کہ میں تم کو اجازت

أَنْ آذَنَ لَكُمْ ۖ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي

دوں (یعنی میری خلاف مرضی) تم موسیٰ پر ایمان لے آئے واقعی (معلوم ہوتا

عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ

ہے کہ) وہ (سحر میں) تمہارے بھی بڑے ہیں کہ انہوں نے تم کو سحر سکھلایا ہے

اور استاد شاگردوں نے مل کر سازش کر کے جنگ زرگری کی ہے تا کہ تم کو ریاست وحکومت حاصل ہو جاوے اور یہ بات فرعون نے عوام کو فریب دینے کے لئے کہی ورنہ موسیٰ علیہ السلام سے ان کی بے تعلقی وہ بھی جانتا تھا۔

فَلَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ مِنْ خِلَافٍ

سو میں تم سب کے ہاتھ پاؤں کٹواتا ہوں ایک طرف کا ہاتھ ایک طرف کا

وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ فِي جُذُوعِ النَّخْلِ ز

پاؤں اور تم سب کو کھجوروں کے درختوں پر ٹنگواتا ہوں

اسکی کہیں تصریح نہیں دیکھی کہ فرعون نے ان نومسلموں کو یہ سزا دی یا نہیں۔

وَلَتَعْلَمُنَّ أَيُّنَا أَشَدُّ عَذَابًا وَأَبْقَىٰ ﴿٧١﴾ قَالُوا

اور یہ بھی تم کو معلوم ہوا جاتا ہے کہ ہم دونوں میں (یعنی مجھ میں اور رب موسیٰ میں) کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہے ان لوگوں نے صاف جواب

لَنْ نُؤْثِرَكَ عَلَىٰ مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ

دے دیا کہ ہم تجھ کو کبھی ترجیح نہ دیں گے بمقابلہ ان دلائل کے جو ہم کو ملے

وَالَّذِي فَطَرَنَا ۖ فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ ۖ

ہیں اور بمقابلہ اس ذات کے جس نے ہم کو پیدا کیا ہے تجھ کو جو کچھ کرنا ہو (دل کھول کر)

إِنَّمَا تَقْضِي هَٰذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿٧٢﴾ إِنَّا

کر ڈال تو بجز اس کے کہ اس دنیاوی زندگانی میں کچھ کر لے اور کر ہی کیا سکتا

آمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطَايَانَا وَمَا أَكْرَهْتَنَا

ہے بس اب تو ہم اپنے پروردگار پر ایمان لا چکے تا کہ ہمارے (پچھلے) گناہ (کفر وغیرہ) معاف کر دیں اور تو نے جو جادو (کے مقدمہ) میں ہم پر زور

عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۗ

ڈالا اس کو بھی معاف کر دیں

زور ڈالنا یا تو اس بنا پر ہو کہ حکم سلطانی کے بعد آزادی سے رائے قائم کرنے کی گنجائش نہیں رہتی تو فرعون کے حکم کے بعد وہ ایسے مغلوب ہو گئے کہ موسیٰ علیہ السلام کی نسبت کچھ صحیح رائے قائم نہ کر سکے یا اس وجہ سے ہو کہ کسی مصلحت کے خیال سے ساحرین کی مقابلہ میں آنے کی رائے نہ ہوگی۔

وَاللَّهُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ﴿٧٣﴾

اور اللہ تعالیٰ (تجھ سے) بدرجہا اچھے ہیں اور زیادہ بقا والے ہیں

اور تجھ کو نہ کچھ خوبی نصیب ہے نہ بقا تو تیرا انعام ہی کیا جس کا وعدہ تو نے ہم سے کیا تھا اور عذاب ہی کیا جس کی اب دھمکی سناتا ہے آگے ثواب وعذاب کے متعلق اللہ تعالیٰ کا قانون بیان کرتے ہیں۔

إِنَّهُ مَنْ يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ

جو شخص (بغاوت کا) مجرم ہو کر اپنے رب کے پاس حاضر ہوگا سو اس کے لئے

جَهَنَّمَ ۖ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ ﴿٧٤﴾

دوزخ (مقرر) ہے اس میں نہ مرے ہی گا اور نہ جئے ہی گا

نہ مرنا تو ظاہر ہے اور نہ جینا یہ کہ آرام سے جینا نصیب نہ ہوگا

وَمَنْ يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ

اور جو شخص رب کے پاس مومن ہو کر حاضر ہوگا جس نے نیک کام بھی کئے

فَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَىٰ ﴿٧٥﴾ جَنَّاتُ

ہوں سوایسوں کے لئے بڑے اونچے درجے ہیں یعنی ہمیشہ رہنے کے باغات

عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ

جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے اور

فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ مَنْ تَزَكَّىٰ ﴿٧٦﴾ ع

جو شخص (کفر ومعصیت) سے پاک ہو اس کا یہی انعام ہے

پس اس قانون کے موافق ہم نے کفر کو چھوڑ کر ایمان اختیار کر لیا اور جو مومن نیک اعمال نہ کرے اس کا اس آیت میں ذکر نہیں اس کا حال دوسرے دلائل سے معلوم ہے ولقد او حینا تا ثم اهتدی۔

وَلَقَدْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ ۙ أَنْ أَسْرِ

اور ہم نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ ہمارے (ان) بندوں (یعنی بنی اسرائیل)

بِعِبَادِیْ

کو (مصر سے) راتوں رات (باہر) لے جاؤ

یعنی جب فرعون ایمان نہ لایا اور ایک عرصہ تک مختلف معاملات و واقعات ہوتے رہے اس وقت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے دور چلے جاؤ تا کہ فرعون کے ظلم و شدائد سے ان کو نجات ہو۔

فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ

پھر ان کے لئے دریا میں (عصا مار کر) خشک راستہ بنا دینا

یعنے راہ میں جو دریا ملے گا اس پر عصا مارنا اس سے خشک راستہ بن جاویگا۔

لَا تَخَافُ دَرَكًا وَلَا تَخْشَىٰ ﴿٧٧﴾

نہ تم کو کسی کے تعاقب کا اندیشہ ہوگا اور نہ اور کسی قسم کا خوف ہوگا

کیونکہ تعاقب کرنے والے اگر چہ تعاقب کریں کامیاب نہ ہوں گے اور تم کو غرق وغیرہ کا بھی خوف نہیں بلکہ امن و اطمینان سے پار ہو جاؤ گے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام موافق حکم کے راتوں رات بنی اسرائیل کو نکال لے گئے اور صبح کو مصر میں خبر مشہور ہوئی۔

فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُودِهِ

پس فرعون اپنے لشکروں کو لے کر ان کے پیچھے چلا

اور بنی اسرائیل وعدہ الٰہی کے موافق دریا سے پار ہو گئے اور ابھی تک وہ دریائی راستے اسی طرح اپنی حالت پر تھے کہ فرعونیوں نے جلدی میں کچھ آگا پیچھا نہ سوچا ان راستوں پر ہو لئے اور سب دریا کے اندر آ گئے۔

فَغَشِيَهُم مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿٧٨﴾

تو دریا ان پر جیسا ملنے کو تھا آ ملا

یعنی اس وقت چاروں طرف سے دریا کا پانی سمٹ کر آ ملا اور سب غرق ہو کر رہ گئے۔

وَأَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهُ وَمَا هَدَىٰ ﴿٧٩﴾

اور فرعون اپنی قوم کو بری راہ لایا اور نیک راہ ان کو نہ بتلائی

جس کا اس کو دعویٰ تھا وما اهديكم الا سبيل الرشاد کہ میں بجز نیک راہ کے تمہیں کچھ نہیں بتاتا مگر اس کی راہ کا برا ہونا ظاہر ہے کہ دنیا کا بھی ضرر ہوا اور آخرت کا بھی حيث اغرقوا فادخلوا نارا کہ غرق بھی کئے گئے پھر جہنم میں داخل کئے گئے اس نجات کے بعد بنی اسرائیل کو اور بھی نعمتیں عطا ہوئیں۔ مثلاً تورات عطا ہوئی من و سلویٰ وغیرہ دیا گیا یہ نعمتیں عطا کر کے حق تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو خطاب فرمایا جو آگے آ رہا ہے۔

يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ قَدْ أَنجَيْنَاكُم مِّنْ

اے بنی اسرائیل (دیکھو) ہم نے تم کو تمہارے (ایسے بڑے) دشمن سے نجات دی

عَدُوِّكُمْ وَوَاعَدْنَاكُمْ جَانِبَ الطُّورِ الْأَيْمَنَ

اور ہم نے تم سے (یعنی تمہارے پیغمبر سے) کوہ طور کی داہنی جانب آنے کا وعدہ کیا

اور وہاں آنے کے بعد تورات دینے کا وعدہ تمہارے نفع کے واسطے کیا اور اس کو داہنی جانب اس لئے فرمایا کہ وہ جانب اس طرف جانے والے کے داہنے ہاتھ پڑتی تھی اور بعض نے ایمن کے معنے مبارک لئے ہیں اس کی توجیہ ظاہر ہے کیونکہ وحی کی جگہ کے مبارک ہونے میں کیا شبہ ہے چنانچہ پہلے اس کو مقدس بھی کہا ہے۔

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ ﴿٨٠﴾ كُلُوا

اور (وادی تیہ میں) ہم نے تم پر من و سلویٰ نازل فرمایا (اور اجازت دی کہ)

مِن طَيِّبَاتِ مَا

ہم نے یہ نفیس چیزیں تم کو دی ہیں ان کو کھاؤ

کہ وہ شرعاً بھی نفیس کیونکہ حلال ہیں اور طبعاً بھی نفیس کیونکہ لذیذ مزے دار ہیں۔

رَزَقْنَاكُمْ

اور اس (کھانے) میں حد (شرعی) سے مت گزرو

مثلاً یہ کہ حرام طریقہ سے حاصل کیا جائے یا کھا کر معصیت کی جائے۔

وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ

کہیں میرا غضب تم پر واقع ہو جاوے اور جس شخص پر میرا غضب

غَضَبِي ۖ وَمَن يَحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِي

واقع ہوتا ہے وہ بالکل گیا گزرا ہوا اور (نیز اس کے ساتھ یہ بھی کہ)

فَقَدْ هَوَىٰ ﴿٨١﴾ وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ

میں ایسے لوگوں کے لئے بڑا بخشنے والا بھی ہوں جو توبہ کر لیں اور ایمان لے

وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ ﴿٨٢﴾

آئیں اور نیک عمل کریں پھر (اسی راہ پر) قائم (بھی) رہیں

یعنی ایمان و عمل صالح پر مداومت کریں غرض یہ مضمون ہم نے بنی اسرائیل سے کہا تھا کیونکہ نعمت کی یاد دہانی اور شکر کا حکم اور معصیت کی ممانعت اور وعدہ اور وعید یہ خود بھی دینی نعمت ہے اور جب اللہ تعالیٰ کو توراۃ دینا منظور ہوا تو موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر آنے کا حکم فرمایا اور قوم میں سے بعضوں کو ساتھ آنے کا حکم ہوا موسیٰ علیہ السلام شوق میں سب سے آگے تنہا جا پہنچے اور دوسرے لوگ اپنی جگہ رہ گئے طور کا ارادہ ہی نہیں کیا آگے اس کا ذکر ہے۔ وما اعجلک تا ولا نفعا

وَمَآ اَعۡجَلَكَ عَنۡ قَوۡمِكَ يٰمُوۡسٰى ﴿٨٣﴾

اور اے موسیٰ آپ کو اپنی قوم سے آگے جلدی آنے کا کیا سبب ہوا انہوں نے (اپنے گمان کے موافق) عرض کیا کہ وہ لوگ یہی تو ہیں میرے پیچھے

قَالَ هُمۡ اُولَاۤءِ عَلٰٓى اَثَرِىۡ

پیچھے (آرہے ہیں) اور میں آپ کے پاس

مراد وہ جگہ ہے جہاں گفتگو کا وعدہ ہوا تھا۔

وَعَجِلۡتُ اِلَيۡكَ رَبِّ لِتَرۡضٰى ﴿٨٤﴾

جلدی سے اس لئے چلا آیا کہ آپ (زیادہ) خوش ہوں گے

کیونکہ حکم کی بجا آوری میں سبقت کرنا زیادہ خوشنودی کا سبب ہے۔

قَالَ فَاِنَّا قَدۡ فَتَنَّا قَوۡمَكَ مِنۡۢ بَعۡدِكَ

ارشاد ہوا کہ تمہاری قوم کو تو ہم نے تمہارے (چلے آنے کے) بعد ایک بلا

وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِىُّ ﴿٨٥﴾

میں مبتلا کر دیا اور ان کو سامری نے گمراہ کر دیا

جس کا بیان آگے آتا ہے فاخرج لهم عجلا الخ کہ اس نے چاندی سونے کا ایک بچھڑا بنایا تھا اور سامری کا گمراہ کرنا تو ظاہر ہے اور فتنا میں جو حق تعالیٰ نے اس فتنہ کو اپنی طرف منسوب فرمایا کہ ہم نے مبتلا کر دیا یہ باعتبار تخلیق کے ہے کیونکہ تمام اچھے برے افعال کے خالق اللہ تعالیٰ ہی ہیں جس میں کوئی قباحت نہیں اور ظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گفتگو طور پر پہنچتے ہی ہوئی اور اس گفتگو سے پہلے گوسالہ کا فتنہ واقع ہو چکا تھا پس غالب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے پہنچنے میں جو دن لگے ان دنوں میں یہ واقعہ ہو گیا اور اگر کسی صحیح روایت سے یہ ثابت ہو جائے کہ اس سے زیادہ مدت میں یہ واقعہ ہوا تو آیت میں یہ تاویل کی جاوے گی کہ اس فتنہ اور گمراہی کا سامان شروع ہو گیا سامری نے لوگوں کی رائے بدلنا اور اس کا منصوبہ سوچنا شروع کیا ہو گا واللہ اعلم۔

فَرَجَعَ مُوۡسٰٓى اِلٰى قَوۡمِهٖ غَضۡبَانَ اَسِفًا ۚ

غرض موسیٰ (بعد انقضاء میعاد کے) غصہ اور رنج میں بھرے ہوئے اپنی قوم

قَالَ يٰقَوۡمِ اَلَمۡ يَعِدۡكُمۡ رَبُّكُمۡ وَعۡدًا

کی طرف واپس آئے (اور) فرمانے لگے کہ اے میری قوم کیا تم سے تمہارے

حَسَنًا ۙ

رب نے ایک اچھا وعدہ نہیں کیا تھا

کہ ہم تم کو ایک کتاب احکام کی دیں گے تو اس کتاب کا انتظار تم کو واجب تھا۔

اَفَطَالَ عَلَيۡكُمُ الۡعَهۡدُ

کیا تم پر (میعاد مقرر سے کچھ) زیادہ زمانہ گزر گیا تھا

اس لئے اس کے ملنے سے ناامیدی ہوگئی اور اپنی طرف سے ایک عبادت ایجاد کر لی۔

اَمۡ اَرَدْتُّمۡ اَنۡ يَّحِلَّ عَلَيۡكُمۡ غَضَبٌ

یا تم کو یہ منظور ہوا کہ تم پر تمہارے رب کا غضب واقع ہو اس لئے تم نے مجھ

مِّنۡ رَّبِّكُمۡ

سے جو وعدہ کیا تھا

کہ آپ کی واپسی تک اسی دین توحید پر قائم رہیں گے۔

فَاَخۡلَفۡتُمۡ مَّوۡعِدِىۡ ﴿٨٦﴾ قَالُوۡا مَاۤ اَخۡلَفۡنَا

اس کو خلاف کیا وہ کہنے لگے کہ ہم نے جو آپ سے وعدہ کیا تھا اس کو اپنے

مَوۡعِدَكَ بِمَلۡكِنَا

اختیار سے خلاف نہیں کیا

یہ مطلب نہیں کہ بالکل مجبور ہو گئے تھے بلکہ مراد یہ ہے کہ جس رائے کو ہم خود اپنی طبیعت سے اختیار کرتے سامری کے اس فعل سے ہم کو اس میں اشتباہ ہو گیا جس سے ہم نے وہ پہلی رائے اختیار نہ کی بلکہ رائے بدل گئی اگرچہ اس پر بھی عمل اختیار ہی سے ہوا خلاصہ یہ کہ یہ رائے ہماری ذاتی رائے نہ تھی بلکہ سامری نے ہم کو دھوکہ میں ڈال دیا۔

وَلٰـكِنَّا حُمِّلۡنَاۤ اَوۡزَارًا مِّنۡ زِيۡنَةِ الۡقَوۡمِ

ولیکن قوم (قبط) کے زیور میں سے ہم پر بوجھ لد رہا تھا سو ہم نے اس کو (سامری

فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِیُّ ﴿٨٧﴾

کے کہنے سے آگ میں) ڈال دیا پھر اسی طرح سامری نے (بھی) ڈال دیا

آگے اللہ تعالیٰ پورا قصہ بیان فرماتے ہیں

فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا

پھر اس (سامری) نے ان لوگوں کے لئے ایک بچھڑا (بنا کر) ظاہر کیا کہ وہ ایک قالب تھا جس میں ایک (بے معنی) آواز تھی سو وہ احمق) لوگ (ایک

هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۥ فَنَسِیَ ﴿٨٨﴾

دوسرے سے) کہنے لگے کہ تمہارا اور موسیٰ کا معبود تو یہ ہے موسیٰ تو بھول گئے

کہ طور پر خدا کی طلب میں گئے ہیں آگے حق تعالیٰ ان کی حماقت ظاہر کرتے ہیں۔

اَفَلَا یَرَوْنَ اَلَّا یَرْجِعُ اِلَیْهِمْ قَوْلًا ۥ وَّلَا

کیا وہ لوگ اتنا بھی نہیں دیکھتے تھے کہ وہ نہ تو ان کی کسی بات کا جواب دے

یَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿٨٩﴾

سکتا ہے اور نہ ان کے کسی ضرر اور نفع پر قدرت رکھتا ہے

تو ایسا عاجز و ناکارہ خدا کیا ہوگا کیونکہ معبود برحق تو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ سے کلام بھی فرماتا ہے اور خطاب بھی کرتا ہے اور زیور لینے کا قصہ نویں پارہ میں واتخذ قوم موسیٰ الخ کی تفسیر میں گزر چکا ہے اور اس زیور کو تصرف میں نہ لانے کی یہ وجہ تھی کہ وہ مال کفار سے بدوں رضامندی کے لیا ہوا تھا اور شریعت موسوی میں اس کا حکم اب تک معلوم نہ ہوا تھا اس لئے سامری نے اس کو ایک جگہ جمع کرنے کی رائے دی تاکہ محفوظ رہے پھر حکم کی تحقیق کرلیں گے اور سامری سامرہ کی طرف منسوب ہے جو ملک شام کی ایک بستی کا نام ہے اور یہ شخص منافق تھا اور بچھڑے میں آواز پیدا ہونے کی وجہ آگے آوے گی۔ ولقد قال تا لم ترقب قولی۔

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ یٰقَوْمِ

اور ان لوگوں سے ہارون نے (موسیٰ علیہ السلام کے لوٹنے سے) پہلے بھی کہا

اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ

تھا کہ اے میری قوم تم اس (گوسالہ) کے سبب گمراہی میں پھنس گئے ہو

یعنی اس طریقہ میں درستی کا ذرا بھی احتمال نہیں یقیناً گمراہی ہے۔

وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِیْ وَاَطِیْعُوْٓا

اور تمہارا رب (حقیقی) رحمٰن ہے سو تم میری راہ پر چلو اور

اَمْرِیْ ﴿٩٠﴾

میرا کہا مانو

یعنی میرے قول و فعل کی اقتداء کرو۔

قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَیْهِ عٰكِفِیْنَ حَتّٰى یَرْجِعَ

انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو جب تک موسیٰ ہمارے پاس واپس ہوکر آئیں

اِلَیْنَا مُوْسٰى ﴿٩١﴾

اسی (کی عبادت) پر برابر جمے بیٹھے رہیں گے

یہ مطلب نہیں کہ ان کے آنے کے بعد چھوڑ دیں گے بلکہ یہ مقصود تھا کہ دیکھیں وہ آکر کیا کہتے ہیں غرض ہارون علیہ السلام کا کہنا نہیں مانا یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام بھی آگئے اور انہوں نے پہلے قوم سے خطاب کیا جو اوپر گزر چکا اس کے بعد ہارون علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے۔

قَالَ یٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَیْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿٩٢﴾

(موسیٰ نے) کہا اے ہارون جب تم نے (ان کو) دیکھا تھا کہ یہ (بالکل) گمراہ ہو

اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ

گئے تو (اس وقت) تم کو میرے پاس چلے آنے سے کون امر مانع ہوا تھا

یعنے جب لوگوں نے تمہاری نصیحت بھی نہ سنی تو تم کو میرے پاس چلا آنا چاہئے تھا تاکہ ان لوگوں کو اور زیادہ یقین ہوتا کہ تم ان کے افعال کو نہایت ناپسند کرتے ہو اور نیز ایسے باغیوں سے جس قدر قطع تعلق ہو بہتر ہے۔

اَفَعَصَیْتَ اَمْرِیْ ﴿٩٣﴾

سو کیا تم نے میرے کہنے کے خلاف کیا

کہ میں نے کہا تھا لاتتبع سبیل المفسدین کہ مفسدوں کا طریقہ اختیار نہ کرنا جس کا مطلب یہ تھا کہ مفسدوں کی طرح بھی موافقت نہ کرنا اور ان کے ساتھ رہنا یہ بھی ایک طرح ان کی موافقت تھی۔

قَالَ یَبْنَؤُمَّ

ہارون نے کہا کہ اے میرے ماں جائے

یعنی اے بھائی اور اے میاں جائے کہنے سے ان کا ماں شریک بھائی ہونا لازم نہیں آتا ممکن ہے کہ شفقت ابھارنے کے لئے یہ لفظ کہہ دیا ہو۔

لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي ۖ إِنِّي خَشِيتُ

تم میری ڈاڑھی مت پکڑو اور نہ سر (کے بال) (پکڑو) مجھ کو اندیشہ ہوا کہ تم

أَنْ تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَائِيلَ

کہنے لگو کہ تم نے بنی اسرائیل کے درمیان میں تفریق ڈال دی اور تم نے میری

وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي ﴿۹۴﴾

بات کا پاس نہ کیا

ہارون علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے تمہارے پاس نہ آنے کی یہ وجہ تھی کہ مجھ کو اندیشہ ہوا کہ اگر میں گیا تو میرے ساتھ وہ لوگ بھی چلیں گے جنہوں نے گوسالہ کی عبادت نہیں کی اور اس صورت میں قوم متفرق ہو جاتی اور یہ تفریق بعض دفعہ ایک جگہ رہنے سے زیادہ مضر ہوتی ہے کیونکہ مفسد لوگ میدان خالی پا کر بے خوف وخطر فساد میں ترقی کرتے ہیں پھر تم یہ کہتے کہ میں نے تم کو اصلاح کا حکم کیا تھا اور تم نے تفریق ڈال کر قوم کو تباہ کر دیا خلاصہ یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کے اجتہاد میں ساتھ نہ رہنا زیادہ نافع معلوم ہوا اور ہارون علیہ السلام کے اجتہاد میں ساتھ چھوڑنا زیادہ مضر تھا باقی اس قدر غصہ کی اور ڈاڑھی اور سر پکڑنے کی توجیہ نویں پارہ میں واتخذ قوم موسیٰ الخ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يَا سَامِرِيُّ ﴿۹۵﴾

(پھر سامری کی طرف متوجہ ہوئے) کہا کہ اے سامری تیرا کیا معاملہ ہے

قال فما خطبک تا بکل شیٔ علما یعنی تو نے یہ حرکت کیوں کی

قَالَ بَصُرْتُ

اس نے کہا کہ مجھ کو ایسی چیز نظر آئی تھی

یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام گھوڑے پر چڑھے ہوئے جس روز دریا سے پار اترے ہیں جو مومنین کی امداد اور کفار کے ہلاک کرنے کو آئے ہوں گے یا بقول طبری حضرت جبرئیل علیہ السلام موسیٰ کے پاس گھوڑے پر سوار ہو کر یہ حکم لے کر آئے تھے کہ آپ طور پر جاویں اس وقت سامری نے ان کو دیکھا تھا اور خود بخود اس کے دل میں یہ بات آئی کہ ان کے گھوڑے کے نقش قدم کی خاک میں حیات پیدا کر دینے کا اثر ہے یا بقول بعض اس کا جہاں سم پڑتا تھا سبزہ جم جاتا تھا اس سے استدلال کیا ہو

بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً

جو اوروں کو نظر نہ آئی تھی پھر میں نے اس فرستادہ (خداوندی کی سواری) کے

مِّنْ أَثَرِ الرَّسُولِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذَٰلِكَ

نقش قدم سے ایک مٹھی (بھر خاک) اٹھا لی تھی سو میں نے وہ مٹھی (اس

سَوَّلَتْ لِي نَفْسِي ﴿۹۶﴾

قالب کے اندر) ڈال دی اور میرے جی کو یہی بات پسند آئی

تو اس مٹی کے ڈالنے سے اس مورت میں آواز پیدا ہو گئی در منثور میں حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کی یہی تفسیر منقول ہے اور اسی کو روح المعانی میں صحابہ و تابعین و جمہور مفسرین سے منقول کہا ہے اور اس میں بعضے ظاہر پرستوں کو جو اشکالات واقع ہوئے ہیں صاحب روح نے سب کا جواب دیا ہے فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء

قَالَ فَاذْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيَاةِ أَنْ

آپ نے فرمایا تو بس تیرے لئے اس (دنیوی) زندگی میں یہ سزا ہے کہ تو یہ

تَقُولَ لَا مِسَاسَ ۖ

کہتا پھرا کرے گا کہ مجھ کو کوئی ہاتھ نہ لگانا

یہ سزا ممکن ہے کہ وحی سے دی گئی ہو یا اجتہاد سے اور اس سزا کی تقریر میں مشہور قول یہ ہے کہ اگر کوئی اس کو چھوتا تھا تو دونوں کو بخار چڑھ جاتا تھا اس ڈر کے مارے بھاگتا پھرتا تھا اور کسی کو دور سے دیکھتا تو کہتا تھا لامساس کہ مجھے مت چھونا اور دوسرے بھی اس سے بچتے تھے۔

وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهُ ۖ وَانْظُرْ إِلَىٰ

اور تیرے لئے ایک اور وعدہ ہے کہ جو تجھ سے ٹلنے والا نہیں (یعنی آخرت میں جو

إِلَٰهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ۖ لَّنُحَرِّقَنَّهُ

عذاب ہوگا) اور تو اپنے اس معبود (باطل) کو دیکھ جس پر تو جما ہوا بیٹھا تھا (دیکھ)

ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿۹۷﴾

ہم اس کو جلا دیں گے پھر اس (کی راکھ) کو دریا میں بکھیر کر بہا دیں گے

تا کہ نام و نشان اس کا باقی نہ رہے اور اس گوسالہ کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا وہ گوشت پوست کا تھا یا چاندی سونے ہی کا تھا پھر اس

میں حیوان کی آواز پیدا ہوگئی پہلے قول پر جلانا ذبح کے بعد ہوگا اور دوسرے قول پر جلانا دو صورت سے ہوسکتا ہے یا تو سوہان سے ریت کر یا کسی کیمیاوی ترکیب سے جلایا ہو اور ہر حالت میں وہ ایک خلاف عادت چیز تھی اس پر یہ شبہ نہ ہو کہ خلاف عادت امور تو نبوت کی دلیل ہوتے ہیں تو جھوٹے کے ہاتھ پر اس کا ظہور کیسے ہوگیا جواب یہ ہے کہ خارق عادت ہمیشہ نبوت کی دلیل نہیں بلکہ جب مدعی رسالت کے ہاتھ پر اس کا ظہور ہو اس وقت رسالت کی دلیل ہے پس اگر وہ رسالت کا دعویٰ کرتا تو عادت الٰہی کے موافق اس کے ہاتھ پر اس خارق کا ظہور نہ ہوتا مگر اس نے ایسا دعویٰ کیا جو عقلاً بھی غلط تھا یعنے گوسالہ کا خدا ہونا اس صورت میں تو کسی عاقل کے شبہ میں پڑنے کا احتمال ہی نہیں لہذا اخلاف عادت کام کا اس سے ظاہر ہو جانا محال نہیں اور امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کے قتل کا ارادہ کیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے سخی ہونے کے سبب قتل سے منع فرما دیا یہاں ایک اور شبہ ہے وہ یہ کہ بنی اسرائیل نے قبطیوں سے جو زیور لیا تھا اگر وہ اس کے مالک نہ تھے تو واپس کیوں نہ کیا اور اگر مالک ہو گئے تھے تو یہ احادیث کے خلاف ہے کیونکہ احادیث سے غنیمت کا حلال ہونا امت محمدیہ کی خصوصیات سے معلوم ہوتا ہے پہلی امتوں کے لئے مال غنیمت حلال نہ تھا جواب یہ ہے کہ وہ لوگ فرعونیوں کے غرق ہونے کے بعد یا پہلے ہی اس کے مالک ہو گئے تھے اور غنیمت کا حلال ہونا جو امت محمدیہ کے لئے خاص ہے اس سے شاید وہ غنیمت مراد ہے جو لڑائی کے وقت حاصل ہو اور جو بدوں لڑائی کے حاصل ہو وہ غالباً سب امتوں کے لئے حلال تھی اور یہی جواب ہے اس کا کہ بنی اسرائیل قبطیوں کے باغات واملاک کے کیونکر مالک ہو گئے تھے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں واورثنا ھا بنی اسرائیل الخ رہا یہ شبہ کہ جب بنی اسرائیل مالک تھے تو جب موسیٰ علیہ السلام نے اس چاندی سونے کے گوسالہ کو ضائع کیا ان کے ذمہ ضمان کیوں نہ واجب ہوا جواب یہ ہے کہ جو چیز گناہ کا ذریعہ ہو اس کے تلف کرنے سے امام پر ضمان نہیں ہوتا

ربط: اوپر موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں رسالت محمدیہ کا اثبات بھی تھا آگے اجمالاً دوسرے قصوں سے اور قرآن کے نازل کرنے سے بھی رسالت مذکور کا اثبات ہے اور حقانیت قرآن کے ضمن میں کچھ قیامت کی بھی تفصیل ہے کذلک نقص تا زدنی علما.

إِنَّمَآ إِلَٰهُكُمُ ٱللَّهُ ٱلَّذِى لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ وَسِعَ

بس تمہارا (حقیقی) معبود تو صرف اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں وہ

كُلَّ شَىْءٍ عِلْمًا (۹۸) كَذَٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ

(اپنے) علم سے تمام چیزوں کو احاطہ کئے ہوئے ہے (جس طرح ہم نے موسیٰ کا قصہ

مِنْ أَنۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ

بیان کیا) اسی طرح ہم آپ سے اور واقعات گذشتہ کی خبریں بیان کرتے رہتے ہیں

تا کہ نبوت کی دلیلیں زیادہ ہوتی جاویں۔

وَقَدْ ءَاتَيْنَٰكَ مِن لَّدُنَّا ذِكْرًا (۹۹)

اور ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ایک نصیحت نامہ دیا ہے (یعنی قرآن)

جس میں وہ خبریں مذکور ہیں اور وہ خود بھی بوجہ اپنے اعجاز کے ایک مستقل معجزہ ہے جو نبوت پر دلالت کرتا ہے آگے قرآن کی صفت بیان کرتے ہیں۔

مَّنْ أَعْرَضَ عَنْهُ فَإِنَّهُۥ يَحْمِلُ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ

جو لوگ اس سے روگردانی کریں گے سو وہ قیامت کے روز بڑا بھاری بوجھ (عذاب کا) لادے ہوں گے (اور) وہ اس (عذاب) میں

وِزْرًا (۱۰۰) خَٰلِدِينَ فِيهِ ۖ وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ

ہمیشہ رہیں گے اور یہ بوجھ قیامت کے روز ان کے لئے برا (بوجھ) ہوگا جس روز صور میں پھونک ماری جاوے گی (جس سے مردے زندہ ہو جاویں گے)

ٱلْقِيَٰمَةِ حِمْلًا (۱۰۱) يَوْمَ يُنفَخُ فِى ٱلصُّورِ ۚ وَنَحْشُرُ

اور ہم اس روز مجرم (یعنی کافر) لوگوں کو (میدان قیامت میں) اس حالت

ٱلْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا (۱۰۲)

سے جمع کریں گے کہ (آنکھوں سے) کرنجے ہوں گے

یعنی نہایت بدصورت ہوں گے چنانچہ آنکھوں کا یہ رنگ تمام الوان میں بدتر ہے آگے ان کے خوف زدہ ہونے کا بیان ہے۔

يَتَخَٰفَتُونَ بَيْنَهُمْ إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا عَشْرًا (۱۰۳)

چپکے چپکے آپس میں باتیں کرتے ہوں کہ تم لوگ (قبروں میں) صرف دس روز رہے ہوگے

مطلب یہ کہ ہمارا گمان تو یہ تھا کہ مر کر پھر زندہ نہ ہوں گے یہ گمان تو بالکل غلط نکلا زندہ نہ ہونا تو کیا یہ بھی تو نہ ہوا کہ دیر ہی میں زندہ ہوتے بلکہ بہت جلدی زندہ ہو گئے اور دس روز کے برابر مدت معلوم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن کی درازی اور ہول کے سامنے قبر میں رہنے کی مدت بہت کم معلوم ہوگی۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ

جس (مدت) کی نسبت وہ بات چیت کریں گے ہم اس کو خوب جانتے ہیں (کہ وہ کس قدر ہے) جبکہ ان سب میں کا زیادہ صائب الرائے یوں کہتا ہو

طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴿١٠٤﴾

کہ نہیں تم تو ایک ہی روز (قبر میں) رہے ہو

اس شخص کو زیادہ صائب الرائے اس لئے فرمایا کہ اس دن کی درازی اور ہول کے اعتبار سے یہی نسبت زیادہ قریب ہے پس اس شخص کو اس دن کی شدت کا زیادہ احساس ہوا یہ مقصود نہیں کہ قبر میں رہنے کی مدت اس نے صحیح بیان کی کیونکہ ظاہر ہے کہ واقع میں دونوں مقداریں صحیح نہیں۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ

اور لوگ آپ سے پہاڑوں کی نسبت پوچھتے ہیں (کہ قیامت میں ان کا کیا حال ہوگا) سو

نَسْفًا ﴿١٠٥﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿١٠٦﴾ لَّا تَرٰى

آپ فرما دیجئے کہ میرا رب ان کو بالکل اڑا دے گا پھر زمین کو ایک ہموار میدان کر دے گا کہ

فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿١٠٧﴾ يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ

جس میں تو (اے مخاطب) نہ نا ہمواری دیکھے گا اور نہ کوئی بلندی دیکھے گا اس روز سب کے

الدَّاعِيَ

سب (خدائی) بلانے والے (یعنی صور پھونکنے والا فرشتہ) کے کہنے پر ہو لیں گے

یعنی وہ صور پھونکنے کی آواز سے سب کو قبروں سے بلاوے گا سب نکل پڑیں گے۔

لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ

اس کے سامنے (کسی کا) کوئی ٹیڑھا پن نہ رہے گا

کہ قبر سے زندہ ہو کر نہ نکلے جیسے دنیا میں انبیاء علیہم السلام کے سامنے ٹیڑھے رہتے تھے کہ تصدیق نہ کرتے تھے۔

وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا

اور تمام آوازیں اللہ تعالیٰ کے سامنے (مارے ہیبت کے) دب جاویں گے

هَمْسًا ﴿١٠٨﴾

سو تو (اے مخاطب) بجز پاؤں کی آہٹ کے اور کچھ نہ سنے گا

یعنی میدان حشر کی طرف آہستہ آہستہ چل رہے ہوں گے پھر یا تو اس وقت بولتے ہی نہ ہوں گے گو بعد میں آہستہ آہستہ بولیں گے جیسا کہ اوپر آیا ہے یا یہ کہ بہت آہستہ بولتے ہوں گے کہ جو ذرا فاصلہ پر وہ نہ سن سکے۔

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ

اس روز (کسی کو کسی کی) سفارش نفع نہ دے گی مگر ایسے شخص کو کہ جس کے واسطے

الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴿١٠٩﴾

اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہو اور اس شخص کے واسطے بولنا پسند کر لیا ہو

مراد اس سے مومن ہے کہ اس کی سفارش کے لئے شفاعت کرنے والوں کو اجازت ہوگی اور اسکے بارہ میں شفاعت کرنے والے کا بولنا خدا کو پسند ہوگا اور کفار کے لئے سفارش کی کسی کو اجازت نہ ہوگی تو شفاعت کا ان کے واسطے نافع نہ ہونا اس اعتبار سے ہے کہ شفاعت ہی نہ ہوگی اس میں کفار کو دھمکی ہے کہ تم شفاعت سے بھی محروم رہو گے۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا

وہ (اللہ تعالیٰ) ان سب کے اگلے پچھلے احوال کو جانتا ہے

يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿١١٠﴾

اور اس کو ان کا علم احاطہ نہیں کر سکتا

یعنی ایسا تو کوئی امر نہیں جو مخلوق کو معلوم ہو اور خدا تعالیٰ کو معلوم نہ ہو اور ایسے امور بہت ہیں جو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں اور مخلوق کو معلوم نہیں پس مخلوقات کے وہ احوال بھی اس کو معلوم ہیں جن سے وہ شفاعت کے قابل یا نا قابل ہوتے ہیں سو جو اس کا اہل ہوگا اس کے لئے شفاعت کی اجازت ہوگی اور جو اہل نہ ہوگا اس کے لئے اجازت نہ ہوگی۔

وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ۭ

اور (اس روز) تمام چہرے اس حی و قیوم کے سامنے جھکے ہوں گے

اور سب متکبرین اور منکرین کا تکبر وانکار ختم ہو جاوے گا۔

وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿١١١﴾

اور ایسا شخص تو (ہر طرح) ناکام رہے گا جو ظلم (یعنی شرک) لے کر آیا ہو گا

یعنی یہ نہ ہوگا کہ کوئی گناہ اس کے نامہ اعمال میں زیادہ لکھ دیا جائے یا کوئی نیکی کم لکھ دی جائے پس زیادتی کمی نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ پورا ثواب ملے گا تو اس کے مقابلہ میں کفار کے لئے مطلقاً ثواب نہ ہونا مقصود

ہوگا کیونکہ ان میں ثواب کی علت ہی موجود نہیں پس کفار کے لئے بھی کی زیادتی نہ ہوگی اور ان کی نیکیوں کا نہ لکھنا اس وجہ سے ہے کہ ان میں قبولیت کی شرط یعنے ایمان ہی نہیں اور اس کو کمی زیادتی نہیں کہہ سکتے۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ

اور جس نے نیک کام کئے ہوں گے اور وہ ایمان بھی رکھتا ہوگا سو اس کو (کامل

فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿١١٢﴾ وَكَذٰلِكَ

ثواب ملے گا) نہ کسی زیادتی کا اندیشہ ہوگا اور نہ کمی کا اور ہم نے اسی طرح

اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ

اس کو عربی قرآن کر کے نازل کیا ہے اور اس میں ہم نے طرح طرح سے

الْوَعِيْدِ

وعید بیان کی ہے

غرض اس کے الفاظ بھی واضح ہیں اور معانی بھی مطلب یہ ہے کہ سارے قرآن کے مضامین ہم نے صاف صاف بتلائے ہیں۔

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿١١٣﴾

تا کہ وہ (سننے والے) لوگ ڈر جائیں یا یہ قرآن ان کیلئے کسی قدر (تو) سمجھ پیدا کردے

یعنے یا تو اس کے ذریعہ سے لوگ بالکل ڈر جائیں اور اسی وقت ایمان لے آئیں یا اگر بالکل نہ ڈریں اور پورا اثر نہ ہو تو تھوڑا ہی ہو اور اسی طرح چند بار تھوڑا تھوڑا اثر ہو کر کسی وقت مسلمان ہو جائیں۔

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ج

سو اللہ تعالیٰ جو بادشاہ حقیقی ہے بڑا عالیشان ہے

کہ اس نے ایسا نافع کلام نازل فرمایا اور جس طرح عمل کرنا اور نصیحت ماننا قرآن کے حقوق میں سے ہے جن کا ادا کرنا سب آدمیوں پر فرض ہے اسی طرح نزول قرآن کے متعلق بھی کچھ آداب ہیں جن کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ہے آگے اسی کا بیان ہے

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى

اور قرآن (پڑھنے) میں قبل اس کے کہ آپ پر اس کی وحی پوری نازل ہو

اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ز

چکے عجلت نہ کیا کیجئے

کہ اس میں آپ کو تکلیف ہوتی ہے کہ جبرئیل علیہ السلام سے سننا اور اس کو پڑھنا پھر ساتھ ساتھ یاد کرنا پڑتا ہے سو ایسا نہ کیجئے اور اس کا اندیشہ نہ کیجئے کہ شاید یاد نہ رہے یاد کرانا ہمارے ذمہ ہے حدیثوں میں آیا ہے کہ پہلے آپ ایسا کرتے تھے۔

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿١١٤﴾

اور آپ یہ دعا کیجئے کہ اے میرے رب میرا علم بڑھادے

حاصل یہ ہے کہ یاد کرنے کی یہ خاص تدبیر یعنی ساتھ ساتھ پڑھنا اور جلدی جلدی یاد کرنا چھوڑ دیجئے اور دعا کی تدبیر کو اختیار کیجئے اس دعا میں یہ بھی درخواست ہے کہ جو علم حاصل ہو گیا وہ یاد رہے اور جو حاصل نہیں ہوا وہ حاصل ہو جائے اور جو حاصل ہونے والا ہی نہیں اس کے حاصل نہ ہونے کو بہتر سمجھا جائے اور سب علوم میں خوش فہمی نصیب ہو پس **لاتعجل** کے بعد اس کا آنا نہایت ہی مناسب ہوا

ربط : اوپر **من اعرض عنه الخ** میں احکام سے اعراض کرنے والوں پر وعید تھی آگے اسی مضمون کی تاکید کے لئے آدم علیہ السلام کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ دیکھو جب ایسے مقرب اور مقبول بندہ کو ایک احتیاط کے چھوڑنے سے ان کی شان کے مناسب ضرر پہنچا تو عام لوگ تو کس شمار میں ہیں ان کو احکام سے اعراض کرنے پر سزا ہونا کیا بعید ہے۔ **ولقد عهدنا تا ابٰی**

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ

اور اس سے (بہت زمانہ) پہلے ہم آدم کو ایک حکم دے چکے تھے سو ان سے

وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿١١٥﴾ ع

غفلت (اور بے احتیاطی) ہو گئی اور ہم نے ان میں پختگی نہ پائی

یعنی اس حکم کے اہتمام میں ثابت قدم نہ رہے آگے اس اجمال کی تفصیل ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ

اور وہ وقت یاد کرو جبکہ ہم نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ آدم کے سامنے سجدہ (تحیت)

فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ط اَبٰى ﴿١١٦﴾ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ

کرو سو سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے (کہ اس نے انکار کیا پھر ہم نے (آدم سے)

اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا

کہا اے آدم (یاد رکھو) یہ بلاشبہ تمہارا اور تمہاری بی بی کا (اس وجہ سے) دشمن ہے (کہ

مِنَ الْجَنَّةِ

تمہارے معاملہ میں یہ مردود ہوا) سو کہیں تم دونوں کو جنت سے نہ نکلوا دے

یعنی اس کے کہنے سے کوئی ایسا کام مت کر بیٹھنا کہ جنت سے باہر کئے جاؤ۔

فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾

پھر تم مصیبت میں پڑ جاؤ

یعنی کسب معاش کی مصیبت میں پڑ جاؤ اور ساتھ میں تمہاری بی بی بھی مگر زیادہ حصہ مصیبت کا تم کو بھگتنا پڑے گا کیونکہ اکثر مرد پر معاش کی مشقت زیادہ ہوتی ہے۔

اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا

یہاں جنت میں تو تمہارے لئے یہ (آرام) ہے کہ تم نہ کبھی بھوکے رہو گے

جس سے تکلیف ہو یا اس کی تدبیر میں دیر اور پریشانی ہو۔

وَلَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾

اور نہ ننگے ہو گے

کہ کپڑا نہ ملے یا ضرورت کے بعد اتنی دیر میں ملے کہ تکلیف ہونے لگے۔

وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا

اور نہ یہاں پیاسے ہو گے

کہ پانی نہ ملے یا دیر ہونے سے تکلیف ہو اور بھوک پیاس نہ لگنے کا جو مطلب بیان کیا گیا ہے اس سے یہ فائدہ ہے کہ اگر جنت میں کسی قدر بھوک پیاس کا لگنا ثابت ہو جائے تب بھی اشکال نہ رہے جیسا کہ احتمال ہے کہ شاید خفیف سی بھوک پیاس اس مصلحت سے لگے کہ کھانے پینے کی چیزوں میں لذت آوے۔

وَلَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾

اور نہ دھوپ میں تپو گے

کیونکہ جنت میں دھوپ ہی نہیں اور مکان بھی ہر طرح پناہ کے ہیں بخلاف اس حالت کے کہ اگر جنت سے نکل کر دنیا میں گئے وہ ساری مصیبتیں ہوں گی اس لئے ان سب امور کو پیش نظر رکھ کر خوب ہی ہوشیاری و بیداری سے رہنا۔

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ

پھر ان کو شیطان نے بہکایا کہنے لگا کہ اے آدم کیا میں تم کو ہمیشگی (کی

اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ

خاصیت) کا درخت بتلا دوں

کہ اس کھانے سے ہمیشہ شاد و آباد رہو۔

الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾ فَاَكَلَا مِنْهَا

اور ایسی بادشاہی کا کہ جس میں کبھی ضعف نہ آوے سو (اس کے بہکانے سے) دونوں نے اس درخت سے کھا لیا

جس سے ممانعت ہوئی تھی اور شیطان نے اسی کو شجرۃ الخلد کہا تھا۔

فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ

تو ان دونوں کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور (اپنا بدن ڈھانکنے

عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ

کو) دونوں اپنے اوپر جنت کے (درختوں کے) پتے چپکانے لگے اور آدم

فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾

سے اپنے رب کا قصور ہو گیا سو غلطی میں پڑ گئے

یعنی ہمیشہ آباد رہنے کا مقصود حاصل کرنے میں غلطی کر گئے پس عصی اور غوی کا فرق اس تقریر سے ظاہر ہو گیا اور آدم علیہ السلام کے قصہ کی تفصیل اور مضامین کی توجیہ سورۂ بقرہ اور سورۂ اعراف کے شروع میں گزر چکی ہے۔

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ

پھر (جب انہوں نے معذرت کی تو) ان کو ان کے رب نے (زیادہ) مقبول بنا لیا

ترجمہ میں زیادہ کی قید بڑھانے سے یہ اشکال جاتا رہا کہ کیا کسی وقت وہ مقبول نہیں بھی تھے۔

فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾

سو ان پر توجہ فرمائی اور راہ (راست) پر (ہمیشہ) قائم رکھا

پھر ایسی خطا ان سے نہیں ہوئی اور جب وہ درخت کھا لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں جانے کا حکم کیا۔

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دونوں کے دونوں جنت سے اترو (اور دنیا میں) ایسی

عَدُوٌّ ج

حالت سے (جاؤ) کہ ایک کا دشمن ایک ہوگا

یعنے تمہاری اولاد میں ایک دوسرے کا دشمن ہوگا

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ

پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت (کا ذریعہ یعنی رسول یا کتاب) پہنچے تو (تم میں) جو شخص میری اس ہدایت کا اتباع کرے گا تو وہ

هُدَاىَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ اَعْرَضَ

(دنیا میں) نہ گمراہ ہوگا اور نہ (آخرت میں) شقی ہوگا اور جو شخص میری اس

عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا

نصیحت سے اعراض کرے گا تو اس کے لئے تنگی کا جینا ہوگا

قبر میں تنگی تو ظاہر ہے کہ قبر کافر پر تنگ ہوگی اور طرح طرح سے اس پر عذاب ہوگا اور دنیا میں تنگی قلب کے اعتبار سے ہے کہ ہر وقت دنیا کی حرص میں ترقی کی فکر میں کمی کے اندیشہ میں بے آرام رہتا ہے گو کوئی کافر بے فکر بھی ہو لیکن اکثر کی یہی حالت ہے اور آیت میں مطلق تنگی کا ذکر ہے اگر کسی کو صرف قبر ہی میں تنگی ہو جب بھی یہ حکم صادق ہے خوب سمجھ لو۔

وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾

اور قیامت کے روز ہم اس کو اندھا کر کے (قبر سے) اٹھائیں گے

کافر کا قیامت میں اندھا اٹھنا قبر سے نکلنے کے وقت ہوگا پھر یہ اندھا پن زائل ہو جائے گا پس جن آیتوں میں کافروں کا جہنم کو دیکھنا اور باتیں سننا آیا ہے ان سے اس کو کوئی تعارض نہیں۔

قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِىْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ

وہ (تعجب سے) کہے گا کہ اے میرے رب آپ نے مجھ کو اندھا کر کے کیوں اٹھایا میں تو (دنیا میں) آنکھوں والا تھا ارشاد ہوگا کہ ایسا ہی (تجھ سے

بَصِيْرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا

عمل ہوا تھا اور وہ یہ کہ) تیرے پاس ہمارے احکام پہنچے تھے پھر تو نے ان کا کچھ خیال

فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾

نہ کیا اور ایسا ہی آج تیرا کچھ خیال نہ کیا جاوے گا اور اسی طرح (ہر) اس شخص کو ہم

وَكَذٰلِكَ نَجْزِىْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ

(مناسب عمل کے) سزا دیں گے جو حد (اطاعت سے) گزر جاوے اور اپنے

بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾

رب کی آیتوں پر ایمان نہ لاوے اور واقعی آخرت کا عذاب ہے بڑا سخت اور بڑا دیرپا

کہ اس کی کہیں انتہا ہی نہیں تو اس سے بچنے کا بہت ہی اہتمام واجب ہے۔

ربط: قصہ آدم علیہ السلام سے اعراض کرنے والوں کو تنبیہ تھی آگے بھی ان ہی کے اقوال واحوال کی قباحت بیان کرتے ہیں اور ان کے اقوال و احوال سے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوتا تھا درمیان میں اس کا ازالہ اور آپ کی تسلی کا مضمون ہے اس مضمون کو شروع سورت کے مضمون سے بھی خاص مناسبت ہے چنانچہ وہاں پہلی آیت میں آپ کے اوپر سے مشقت رفع کرنے کا مضمون تھا جو کفار کی باتوں سے غمگین ہونے کو بھی شامل ہے دوسرے وہاں فرمایا تھا کہ یہ قرآن ڈرنے والوں کے لئے نصیحت ہے اس سے نہ ڈرنے والوں کا نصیحت نہ ماننا بھی معلوم ہو گیا پس وہاں جو مضمون مجمل ہے یہاں اس کی تفصیل ہے افلم یهدلهم تا من اهتدیٰ۔

اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ

کیا ان لوگوں کو (اب تک) اس سے بھی ہدایت نہیں ہوئی کہ ہم ان سے پہلے بہت سے گروہوں کو ہلاک کر چکے ہیں

یعنے یہ لوگ جو اعراض پر اصرار کر رہے ہیں کیا ان کو یہ معلوم نہیں کہ اسی اعراض کی بدولت عذاب سے ہم بہتوں کو تباہ کر چکے ہیں۔

مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِىْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ

کہ ان (میں سے بعض) کے رہنے کے مقامات میں یہ لوگ بھی چلتے (پھرتے) ہیں

کیونکہ شام کو جاتے ہوئے اہل مکہ کے رستے میں بعض ان قوموں کے مساکن آتے تھے۔

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى النُّهٰى ﴿۱۲۸﴾ ع

اس میں تو اہل فہم کے لئے (کافی) دلائل موجود ہیں

جن سے اعراض کا عنداللہ مذموم ہونا معلوم ہوسکتا ہے اور اب تک عذاب نہ آنے سے جو ان کو اپنے طریقہ کے برا نہ ہونے کا شبہ ہوتا ہے اس کا جواب بھی آگے مذکور ہے۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا

اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات پہلے سے فرمائی ہوئی نہ ہوتی

وہ یہ کہ بعض مصلحتوں سے ان کو مہلت دی جائے گی۔

وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿١٢٩﴾

اور (عذاب کے لئے) ایک میعاد معین نہ ہوتی

(کہ وہ قیامت کا دن ہے تو عذاب لازمی طور پر ہوتا

خلاصہ یہ کہ کفر تو عذاب کو چاہتا ہے لیکن ایک مانع سے توقف ہو رہا ہے پس عذاب نہ ہونے سے ان کا وہ شبہ بالکل غلط ہے۔

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ

سو (جب عذاب کا آنا یقینی ہے تو) آپ ان کی (کفر آمیز) باتوں پر صبر کیجئے

اور بغض فی اللہ کی وجہ سے جو ان پر غصہ آتا ہے اور عذاب کے توقف سے اضطراب ہوتا ہے اس اضطراب کو چھوڑ دیجئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غیظ کی جو وجہ بیان کی گئی ہے اس سے شفقت نہ ہونے کا شبہ جاتا رہا نیز اس تقریر پر یہ آیت حکم جہاد سے منسوخ نہ ہوگی کیونکہ اضطراب چھوڑ دینے سے لڑائی کا چھوڑنا لازم نہیں آتا۔

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ

اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ (اس کی) تسبیح کیجئے (اس میں نماز بھی آگئی) آفتاب

وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ

نکلنے سے پہلے (مثلاً نماز فجر) اور اس کے غروب سے پہلے (مثلاً نماز ظہر وعصر) اور اوقات شب میں (بھی) تسبیح کیا کیجئے (مثلاً نماز مغرب وعشاء اور دن کے اول

وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿١٣٠﴾

وآخر میں تاکہ (آپ کو جو ثواب ملے) آپ (اس سے) خوش ہوں

مطلب یہ کہ آپ اپنی توجہ معبود حقیقی کی طرف رکھئے کفار کی فکر نہ کیجئے۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى

اور ہرگز ان چیزوں کی طرف آپ آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے

جیسا کہ اب تک بھی نہیں دیکھا

مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ

جن سے ہم نے کفار کے مختلف گروہوں کو ان کی آزمائش کے لئے

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ

متمتع کر رکھا ہے کہ وہ (محض) دنیوی زندگی کی رونق ہے

مطلب اوروں کو سنانا ہے کہ جب معصوم کے لئے یہ ممانعت ہے جن میں احتمال بھی نہیں تو غیر معصوم کو تو اس کا اہتمام کیونکر ضروری نہ ہوگا اور آزمائش یہ کہ کون احسان مانتا ہے اور کون سرکشی کرتا ہے۔

وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿١٣١﴾

اور آپ کے رب کا عطیہ (جو آخرت میں ملے گا) بدرجہا بہتر ہے اور دیرپا ہے

کہ کبھی فنا ہی نہ ہوگا خلاصہ کلام کا یہ ہوا کہ نہ ان کے اعراض کی پرواہ کیجئے اور نہ ان کے سامان پر نظر کیجئے سب کا انجام عذاب ہے۔

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۭ

اور اپنے متعلقین کو (یعنی اہل خاندان کو یا مومنین کو) بھی نماز کا حکم کرتے رہئے اور خود بھی اس کے پابند رہئے

یعنی زیادہ توجہ کے قابل یہ امور ہیں۔

لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۭ

ہم آپ سے معاش (کھانا) نہیں چاہتے معاش تو آپ کو ہم دیں گے

مطلب یہ کہ ہم آپ سے اور اسی طرح دوسروں سے ایسی معاش کموانا نہیں چاہتے جو ضروری طاعات میں مانع ہو روزی سب کو ہم دیں گے غرض اصلی مقصود کسب معاش نہیں بلکہ دین اور طاعت ہے کسب معاش کی اسی حالت میں اجازت یا امر ہے جب کہ اس سے ضروری طاعت میں خلل نہ ہوتا ہو۔

وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿١٣٢﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا

اور بہتر انجام تو پرہیزگاری ہی کا ہے اور وہ لوگ (عناداً) یوں کہتے ہیں کہ یہ

بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي

رسول ہمارے پاس کوئی نشانی (اپنی نبوت کی) کیوں نہیں لاتے (جواب یہ

الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿١٣٣﴾

ہے کہ) کیا ان کے پاس پہلی کتابوں کے مضامین کا ظہور نہیں پہنچا

مراد اس سے قرآن ہے کہ اس سے پہلی کتابوں کی پیشین گوئی کا سچا ہونا ظاہر ہوگیا مطلب یہ ہے کہ کیا ان کے پاس قرآن نہیں پہنچا جس کی پہلے سے شہرت تھی اور وہ نبوت پر کافی دلیل ہے۔

وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ

اور اگر ہم ان کو قبل قرآن آنے کے (سزائے کفر میں) کسی عذاب سے ہلاک کر

لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا

دیتے تو یہ لوگ (بطور عذر کے) یوں کہتے کہ اے ہمارے رب آپ نے ہمارے

فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ

پاس کوئی رسول (دنیا میں) کیوں نہیں بھیجا تھا کہ ہم آپ کے احکام پر چلتے قبل اس

وَنَخْزٰى ﴿١٣٤﴾

کے کہ ہم (یہاں خود) بے قدر ہوں اور (دوسروں کی نگاہ میں) رسوا ہوں

سو اب اس عذر کی بھی گنجائش نہیں رہی اور اگر وہ یوں کہیں کہ وہ عذاب کب ہوگا تو اس کا جواب آگے ہے۔

قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ

آپ کہہ دیجئے کہ (ہم) سب انتظار کر رہے ہیں سو (چندے) اور انتظار کرلو

مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ

اب عنقریب تم کو (بھی معلوم ہو جاوے گا کہ راہ راست والے کون ہیں اور

اهْتَدٰى ﴿١٣٥﴾ ع

وہ کون ہے جو (منزل) مقصود تک پہنچا

یعنی وہ فیصلہ عنقریب بعد موت کے یا بعد حشر کے ظاہر ہو جاوے گا۔

الحمدللہ سولویں پارہ کی تفسیر ختم ہوئی

سورة الانبياء مكية و هي مائة و اثنا عشرة آية كذافي البيضاوى

ربط: سورہ طٰہٰ کے ختم پر کہا گیا ہے کہ عنقریب حقیقت کا انکشاف ہو جائے گا اور اس سورت کے شروع میں حساب کے قریب ہونے کا ذکر ہے یہ مناسبت ہے پہلی سورت کے انجام اور اس کے آغاز میں اور اس سورۃ میں یہ مضامین ہیں تحقیق آخرت، تحقیق نبوت، تحقیق توحید اور توحید و رسالت کی تائید کے لئے بعض انبیاء علیہم السلام کے قصے مذکور ہوئے اور یہ مضامین بھی خصوصاً قصوں کا مضمون سورۃ طٰہٰ کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم اقترب للناس تا افلا تعقلون

(۲۱) سُوْرَةُ الْاَنْبِيَآءِ مَكِّيَّةٌ (۷۳)

سورۂ انبیاء مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں ایک سو بارہ آیتیں اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ

ان (منکر) لوگوں سے ان کا (وقت) حساب نزدیک آ پہنچا

یعنی قیامت وقتاً فوقتاً نزدیک ہوتی جاتی ہے۔

وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝۱

اور یہ (ابھی) غفلت میں (پڑے) ہیں (اور) اعراض کئے ہوئے ہیں

یعنی اس کے یقین کرنے سے اور اس کے لئے تیاری کرنے سے اعراض کرتے ہیں اور ان کی غفلت یہاں تک بڑھ گئی ہے کہ قرآن سے بجائے اس کے کہ متنبہ ہوتے الٹا تمسخر کرتے ہیں۔

مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ

ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو نصیحت تازہ (حسب حال ان کے) آتی

اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝۲ لَاهِيَةً

ہے یہ اس کو ایسے طور سے سنتے ہیں کہ (اس کے ساتھ) ہنسی کرتے ہیں (اور) ان

قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ

کے دل متوجہ نہیں ہوتے اور یہ لوگ یعنی ظالم اور کافر) لوگ آپس میں) چپکے چپکے

هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ

سرگوشی کرتے ہیں کہ یہ (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) محض تم جیسے ایک معمولی آدمی ہیں

نبی نہیں ہیں اور یہ جو ایک دلکش اور دلربا کلام سناتے ہیں اس پر معجزہ ہونے کا شبہ اور اس معجزے سے ان کی نبوت کا خیال نہ کرنا کیونکہ حقیقت میں وہ جادو آمیز کلام ہے اور یہ باتیں چھپا کر اس لئے نہ کرتے تھے کہ اہل اسلام کا کچھ خوف تھا کیونکہ وہ تو مکہ میں ضعیف تھے بلکہ اسلام کی اشاعت روکنے کے لئے تدبیر اور تمہید کرتے تھے اور عادۃً ایسی باتوں کا اخفاء ہی کیا جاتا ہے۔

اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝۳

تو کیا پھر بھی تم جادو کی بات سننے کو (ان کے پاس جاؤ گے حالانکہ تم جانتے ہو

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کے جواب دینے کا حکم ہوا جو آگے مذکور ہے۔

قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۡ

پیغمبر نے فرمایا کہ میرا رب ہر بات کو خواہ آسمان میں (ہو) اور (خواہ) زمین

وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۴

میں (ہو) جانتا ہے اور وہ خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے

وہ تمہاری ان کفریہ باتوں کو بھی جانتا ہے اور تم کو پوری سزا دے گا۔

بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۢ

بلکہ یوں) بھی) کہا کہ یہ (قرآن) پریشان خیالات ہیں

یعنی ان لوگوں نے قرآن کو صرف جادو کہنے پر بس نہیں کیا بلکہ یہ بھی کہا کہ یہ مضامین کچھ دلکش بھی نہیں پریشان خیالات ہیں۔

بَلِ افْتَرٰىهُ

بلکہ انہوں نے (یعنی پیغمبر نے) اس کو تراش لیا ہے

یعنی پریشان خیالات میں تو انسان کسی قدر بے اختیار اور معذور بھی ہوتا ہے کیونکہ شبہ میں مبتلا ہوتا ہے مگر یہ قرآن تو قصداً واختیاراً اپنے دل سے پیغمبر نے بنالیا ہے۔

بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚ

بلکہ یہ تو ایک شاعر شخص ہیں

یعنی تراشیدہ ہونا کچھ قرآن ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہ تو شاعر ہیں ان کی تمام باتیں ایسی ہی تراشی ہوئی خیالی ہوتی ہیں خلاصہ یہ کہ یہ رسول نہیں ہیں اور اگر بڑے مدعی رسالت کے ہیں تو کوئی بڑا معجزہ لائیں۔

فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝۵

تو ان کو چاہئے کہ ہمارے پاس ایسی کوئی (بڑی) نشانی لاویں جیسا پہلے لوگ رسول بنائے گئے

اور انہوں نے بڑے بڑے معجزات ظاہر کئے وہ بھی اگر ویسے ہی معجزے لاویں تو اس وقت ہم رسول مانیں اور ایمان لائیں مگر یہ بات بھی ان کا ایک بہانہ تھا ورنہ وہ پہلے انبیاء ہی کو کب مانتے تھے آگے حق تعالیٰ جواب دیتے ہیں۔

مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ

ان سے پہلے کوئی بستی والے جن کو ہم نے ہلاک کیا ہے ایمان نہیں لائے سو

يُؤْمِنُوْنَ ﴿٦﴾

کیا یہ لوگ ایمان لے آویں گے

یعنی پہلے لوگ فرمائشی معجزات ظاہر ہو جانے پر بھی ایمان نہیں لائے سو ان معجزات کے ظاہر ہونے پر یہ لوگ کیا ایمان لائیں گے اور ایسی حالت میں ایمان نہ لانے پر عذاب نازل ہو جاوے گا اس لئے ہم وہ فرمائشی معجزے ظاہر نہیں کرتے اور قرآن کافی معجزہ ہے آگے رسالت کے متعلق ان کے اس شبہ کا جواب ہے کہ رسول آدمی نہ ہونا چاہئے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ

اور ہم نے آپ سے قبل صرف آدمیوں ہی کو پیغمبر بنایا جن کے پاس ہم وحی بھیجا کرتے

فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٧﴾

تھے سو (اے منکرو) اگر تم کو (یہ بات) معلوم نہ ہو تو اہل کتاب سے دریافت کرلو

کیونکہ اول تو یہ خبر متواتر ہے اور خبر متواتر کے لئے راوی کا معتبر ہونا ضروری نہیں وہ اس کے بدوں بھی حجت ہے پھر تم ان کو اپنا دوست سمجھتے ہو تو تمہارے نزدیک وہ معتبر ہونے چاہئیں اور وہ لوگ اس شبہ کو کبھی دوسرے عنوان سے تعبیر کرتے تھے کہ رسول فرشتہ ہونا چاہئے آگے اس کا جواب ہے۔

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ

اور ہم نے ان رسولوں کے ایسے جسد نہیں بنائے تھے جو کھانا نہ کھاتے ہوں

وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ﴿٨﴾

(یعنی فرشتہ نہ بنایا تھا) اور وہ حضرات ہمیشہ رہنے والے نہیں ہوئے

تو یہ لوگ جو آپ کی وفات کے انتظار میں خوشیاں منا رہے ہیں یہ وفات بھی نبوت کے منافی نہیں پہلے انبیاء بھی دنیا میں ہمیشہ نہیں رہے اگر آپ کی بھی وفات ہو جائے تو اس سے نبوت میں کیا عیب لازم آیا۔ غرض جیسے پہلے رسول تھے ویسے ہی آپ ہیں اور جس طرح یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں اسی طرح پہلے انبیاء کی ان کے زمانہ کے کفار نے تکذیب کی۔

ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ

پھر ہم نے جو ان سے وعدہ کیا تھا

کہ تم کو اور مومنین کو محفوظ رکھیں گے اور تکذیب کرنے والوں کو عذاب سے ہلاک کریں گے۔

الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا

اس کو سچا کیا یعنی ان کو اور جن جن کو (نجات دینا) منظور ہوا ہم نے نجات دی اور حد

الْمُسْرِفِيْنَ ﴿٩﴾ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا

(اطاعت سے) گزرنے والوں کو ہلاک کیا ہم تمہارے پاس ایسی کتاب بھیج چکے ہیں

فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿١٠﴾

کہ اس میں تمہاری نصیحت (کافی) موجود ہے کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے اور نہیں مانتے

سو تم کو ڈرنا چاہئے کیونکہ باوجود ایسی تبلیغ نصیحت کے پھر بھی تم تکذیب کرتے ہو اب اگر دنیا یا آخرت میں تم کو عذاب ہو تو کچھ تعجب نہیں۔

ربط: اوپر منکرین کی مذمت اور عذاب الٰہی سے ان کا ہلاک ہونا اجمالاً بیان کیا گیا تھا۔ آگے کسی قدر تفصیل فرماتے ہیں۔ و کم قصمنا تا خامدین۔

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً

اور ہم نے بہت سی بستیاں جہاں کے رہنے والے ظالم (یعنی کافر) تھے

وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿١١﴾ فَلَمَّآ

غارت کردیں اور ان کے بعد دوسری قوم پیدا کردی سو جب

اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ﴿١٢﴾

ان ظالموں نے ہمارا عذاب آتا دیکھا تو اس بستی سے بھاگنا شروع کیا بھاگو

لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ

مت اور اپنے سامان عیش کی طرف اور اپنے

وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿١٣﴾

مکانوں کی طرف چلو شاید تم سے کوئی پوچھے پاچھے

کہ کیا گزری۔ کیا مصیبت پیش آئی اور مقصود اس سے یہ ہے کہ وہ سامان رہا نہ مکان رہا نہ کسی حدود کا نشان رہا تو لوٹتے کس کی طرف۔

قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴﴾

اور وہ لوگ (نزول عذاب کے وقت) کہنے لگے کہ ہائے ہماری کمبختی بیشک ہم لوگ ظالم تھے

یہ اقرار اور ندامت ان کو اس لئے نافع نہ ہوئی کہ ملائکہ عذاب کے دیکھنے کے بعد ہوئی ہوگی جیسا فرعون نے ڈوبتے ہوئے کہا تھا کہ میں اب ایمان لاتا ہوں۔ واللہ اعلم۔ **ربط:** شروع سورت سے یہاں تک مضمون نبوت کا سلسلہ چلا آرہا تھا آگے کل فی فلک یسبحون تک توحید کی تحقیق ہے۔ وما خلقنا تا نجزی الظلمین

فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ

سو ان کی یہی غل پکار رہی حتی کہ ہم نے ان کو ایسا (نیست و نابود) کر دیا جس طرح

حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ﴿۱۵﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ

کھیتی کٹ گئی ہو اور آگ ٹھنڈی ہوگئی ہو اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان

وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۱۶﴾

کے درمیان میں ہے اس کو اس طور پر نہیں بنایا کہ ہم فعل عبث کرنیوالے ہوں

بلکہ ان میں بہت سی حکمتیں ہیں جن میں بڑی حکمت توحید پر دلالت کرنا ہے کہ ہماری مصنوعات ہمارے واحد ہونے پر دلالت کر رہی ہیں۔

لَوْ اَرَدْنَآ

اور اگر ہم کو مشغلہ ہی بنانا منظور ہوتا

یعنی آسمان و زمین کے بنانے سے کوئی حکمت مقصود نہ ہوتی بلکہ محض ایک مشغلہ ہوتا جس سے دل بہلانا منظور ہوتا (آگے ترجمہ)

اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ

تو ہم خاص اپنے پاس کی چیز کو مشغلہ بناتے

اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۷﴾

اگر ہم کو یہ کرنا ہوتا

مثلاً اپنی صفات کے مشاہدہ کو مشغلہ بنا لیتے کیونکہ مشغلہ کو شغل کرنے والے کی شان سے مناسبت چاہئے تو ان حادث مخلوقات کو خدا کی قدیم ذات سے کیا مناسبت البتہ خدا کی صفات چونکہ قدیم ہیں اور اس کی ذات کے ساتھ لازم ہیں ان کو تاہم مناسبت ہے لیکن جب دلائل عقلیہ سے اور تمام اہل مذاہب کے اتفاق سے صفات ہی کا مشغلہ ہونا محال ہے تو حادث مخلوقات میں بدرجہ اولیٰ یہ احتمال نہیں ہو سکتا پس ثابت ہوا کہ ہم نے عبث پیدا نہیں کیا بلکہ ہم نے ان کو توحید ثابت کرنے اور شرک باطل کرنے کے لئے پیدا کیا ہے۔

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ

بلکہ ہم حق بات کو باطل پر پھینک مارتے ہیں سو وہ (حق) اس (باطل) کا بھیجا نکال

فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۭ

دیتا ہے (یعنی اس کو مغلوب کر دیتا ہے) سو وہ (مغلوب ہوکر) دفعۃً جاتا رہتا ہے

یعنی ان مصنوعات سے جو توحید کے دلائل حاصل ہوتے ہیں وہ شرک کی بالکل نفی کر دیتے ہیں جس کے بعد شرک کا احتمال ہی باقی نہیں رہتا۔

وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾

اور تمہارے لئے اس بات سے بڑی خرابی ہوگی جو تم گھڑتے ہو

کہ باوجود ان مضبوط دلائل کے ناحق کفر و شرک کی باتیں ایجاد کرتے ہو

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَنْ

اور (حق تعالیٰ کی وہ شان ہے کہ) جتنے کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں سب

عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا

اسی کے ہیں اور (ان میں سے) جو اللہ کے نزدیک بڑے مقبول و مقرب)

يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ

ہیں وہ اس کی عبادت سے عار نہیں کرتے اور نہ تھکتے ہیں (بلکہ) شب و روز

لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿۲۰﴾

(اللہ کی) تسبیح کرتے ہیں (کسی وقت) موقوف نہیں کرتے

جب ان کی یہ حالت ہے تو عام مخلوق تو کس شمار میں ہے پس لائق عبادت کے وہی ہے اور جب کوئی دوسرا ایسا نہیں ہے تو پھر اس کا شریک سمجھنا کتنی بے عقلی ہے۔

اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ

کیا (باوجود ان دلائل توحید کے) ان لوگوں نے خدا کے سوا اور معبود بنا

يُنْشِرُوْنَ ﴿۲۱﴾

رکھے ہیں (بالخصوص) زمین کی چیزوں میں سے

جو کہ اور بھی حقیر اور کمتر ہیں جیسے پتھر یا چاندی سونے وغیرہ کے بت۔

لَوْ كَانَ

جو کسی کو زندہ کرتے ہیں؟

یعنی جو جان بھی نہ ڈال سکتا ہو ایسا عاجز کب معبود ہونے کے قابل ہوگا۔

فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ج

زمین (میں یا) آسمان میں اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود (واجب الوجود) ہوتا تو دونوں درہم برہم ہو جاتے

کیونکہ عادۃً دونوں کے ارادوں میں اور افعال میں مزاحمت ہوتی وہ کچھ چاہتا دوسرا کچھ کرتا اور اس صورت میں فساد ہونا لازم ہے لیکن فساد واقع نہیں ہے اس لئے ثابت ہوا کہ معبود بھی چند نہیں ہیں بلکہ ایک ہی معبود ہے اور یہ استدلال بظاہر عادت پر مبنی ہے لیکن اس میں عقلی دلیل کی طرف اشارہ ہے جس کی تقریر سیقول کے چوتھے رکوع میں گزر چکی ہے۔

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾

سو (ان تقریرات سے ثابت ہوا کہ) اللہ تعالیٰ ان امور سے پاک ہے جو کچھ یہ لوگ بیان کرتے ہیں

کہ نعوذ باللہ کوئی اس کا شریک بھی ہے حالانکہ اس کی ایسی بڑی شان ہے جو کسی دوسرے کی نہیں ہو سکتی آگے عظمت کا بیان ہے۔

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

وہ جو کچھ کرتا ہے اس سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا اور اوروں سے باز پرس کی جا سکتی ہے

یعنے اللہ تعالیٰ باز پرس کر سکتا ہے پس کوئی عظمت میں اس کا شریک نہ ہوا پھر معبودیت میں کوئی کیسے شریک ہو سکتا ہے۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ط قُلْ هَاتُوْا

کیا خدا کو چھوڑ کر انہوں نے اور معبود بنا رکھے ہیں (ان سے) کہیئے کہ تم اپنی

بُرْهَانَكُمْ ج

دلیل (اس دعویٰ پر) پیش کرو

یہاں تک تو دلیل عقلی سے اور سوال کے طریقہ سے شرک کو باطل کیا تھا آگے نقلی دلیل سے استدلال کرتے ہیں۔

هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِىَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِىْ ط

یہ میرے ساتھ والوں کی کتاب (یعنی قرآن) اور مجھ سے پہلے لوگوں کی کتابیں (یعنی توراۃ و انجیل وغیرہ) موجود ہیں

جن کا سچا ہونا اور خدا کی طرف سے نازل ہونا دلائل عقلیہ سے ثابت ہے اور دوسری کتابوں میں اگرچہ تحریف بھی ہوئی ہے مگر قرآن میں تو نہیں ہوئی پس جو مضمون ان کتابوں کا قرآن کے مطابق ہوگا وہ یقیناً صحیح ہے تو کوئی مضمون شرک کا اگر ان میں ہو تو دکھلاؤ اور ان سب دلائل کا مقتضا یہ تھا کہ یہ لوگ توحید کے قائل ہو جاتے لیکن پھر بھی قائل نہ ہوئے۔

بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ لا الْحَقَّ

بلکہ ان میں زیادہ وہی ہیں جو امر حق کا یقین نہیں کرتے سو (اس وجہ سے)

فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۴﴾

وہ اعراض کر رہے ہیں

آگے بتلاتے ہیں کہ یہ توحید کوئی نئی بات نہیں جس سے توحش ہو بلکہ قدیم طریقہ ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا

اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی ایسا پیغمبر نہیں بھیجا جس کے پاس ہم نے یہ وحی

نُوْحِىْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿۲۵﴾

نہیں بھیجی ہو کہ میرے سوا کوئی معبود (ہونے کے لائق نہیں) پس میری ہی عبادت کیا کرو اور یہ (مشرک) لوگ یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے (فرشتوں

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ط

کو) اولاد بنا رکھی ہے وہ (اللہ تعالیٰ اس سے) پاک ہے بلکہ (وہ فرشتے اس

بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ لا

کے) بندے ہیں مگر (ہاں) معزز

اسی سے جاہلوں کو اشتباہ ہو گیا وہ خدا کی اولاد ہرگز نہیں ہیں بلکہ نہایت تابعدار غلام ہیں آگے ان کی غلامی اور محکومی اور ادب کی کیفیت بیان فرماتے ہیں۔

لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ

وہ اس سے آگے بڑھ کر بات نہیں کر سکتے اور وہ اسی کے حکم کے

يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾

موافق عمل کرتے ہیں

غرض حکم کے منتظر رہتے ہیں اس کے خلاف نہیں کر سکتے۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

(وہ جانتے ہیں کہ) اللہ تعالیٰ ان کے اگلے پچھلے احوال کو جانتا ہے

پس جو حکم ہوگا اور جب ہوگا حکمت کے موافق ہوگا اس لئے نہ عملی مخالفت کرتے ہیں نہ آگے بڑھ کر بات کرتے ہیں۔ آگے ان کے ادب کی کیفیت مذکور ہے۔

وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ وَهُمْ

اور وہ بجز اس کے جس کے لئے (شفاعت کرنے کی) خدا تعالیٰ کی مرضی ہو اور

مِّنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ ﴿٢٨﴾

کسی کی سفارش نہیں کر سکتے اور وہ سب اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں

یہ تو فرشتوں کی محکومیت کا بیان تھا آگے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور غلبہ کا بیان ہے گو دونوں کا حاصل قریب ہی قریب ہے۔

وَمَن يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَٰهٌ مِّن دُونِهِ

اور ان میں سے جو شخص (فرضاً) یوں کہے کہ میں علاوہ خدا کے

فَذَٰلِكَ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي

معبود ہوں سو ہم اس کو سزائے جہنم دیں گے (اور) ہم ظالموں کو ایسی

الظَّالِمِينَ ﴿٢٩﴾

ہی سزا دیا کرتے ہیں

یعنی خدا کا ان پر پورا قبضہ اور تسلط ہے جیسا کہ دوسری مخلوقات پر ہے پھر وہ خدا کی اولاد کیسے ہو سکتے ہیں جس کے لئے خدا جیسا ہونا ضروری ہے اور ملائکہ کے ہمیشہ تسبیح کرنے پر یہ شبہ کیا گیا ہے کہ بات چیت اور کام کے وقت تسبیح کیسے ممکن ہے جواب یہ ہے کہ کام کے ساتھ تسبیح کا جمع ہونا تو کچھ موجب اشکال نہیں رہا بات چیت کے وقت تو ممکن ہے گو ذکر قلبی کی طرح جاری رہتی ہو یا بات کا وقت مستثنیٰ ہو

ربط: اوپر کی آیتوں میں ان مصنوعات کا توحید پر دلالت کرنا اجمالاً مذکور تھا آگے اس کی تفصیل ہے۔ اولم یر الذین کفروا تا یسبحون.

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ

کیا ان کافروں کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ آسمان اور

وَالْأَرْضَ

زمین (پہلے) بند تھے

یعنی نہ آسمان سے بارش ہوتی تھی نہ زمین سے کچھ پیداوار اور اسی کو بند ہونا فرمادیا یہی تفسیر درمنثور میں ابن عباسؓ سے منقول ہے چنانچہ جس زمانہ میں بارش نہیں ہوتی اور زمین سے کچھ پیدا نہیں ہوتا اب بھی بند ہوتے ہیں۔

كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا ۖ

پھر ہم نے دونوں کو (اپنی قدرت سے) کھول دیا

کہ آسمان سے بارش ہونے لگی اور زمین سے نباتات اگنے لگیں پس ان دونوں کا کھل جانا تو مشاہد ہے اور بند ہونا جو اس وقت ہوتا ہے وہ بھی مشاہد ہے رہا ابتداء میں بند ہونا وہ دلیل عقلی سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ بارش وغیرہ ہونا یہ حالت نئی اور حادث ہے تو کسی وقت میں یہ ضرور معدوم تھی اور آسمانی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے جن کے سچے ہونے پر عقلی دلیل قائم ہو چکی ہے کہ ایک زمانہ میں آسمان و زمین موجود تھی اور بارش وغیرہ بند تھی۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ

اور ہم نے (بارش کے) پانی سے ہر جاندار چیز کو بنایا ہے

یعنی بارش سے صرف نباتات ہی کا نشوونما نہیں ہوتا بلکہ تمام چیزیں یا تو اس سے پیدا ہوتی ہیں یا اس پر ان کا بقا موقوف ہے خواہ بواسطہ یا بلاواسطہ اس سے شاید ہی کوئی شاذ و نادر جاندار خارج رہا ہو اور اگر رہ گیا ہو تو نادر چیز کالمعدوم ہے پس کسی ایک دو کے رہ جانے سے قاعدہ کلیہ پر اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ جو حالت اکثر کی ہوتی ہے وہی سب کی سمجھی جاتی ہے اور محاورات میں بھی کل بمعنی اکثر آتا ہے۔

أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٠﴾ وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ

کیا (ان باتوں کو سن کر) پھر بھی ایمان نہیں لاتے اور ہم نے زمین میں اس لئے پہاڑ

رَوَاسِيَ أَن تَمِيدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا

بنائے کہ زمین ان لوگوں کو لے کر ہلنے نہ لگے اور ہم نے اس (زمین) میں کشادہ کشادہ

فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿٣١﴾ وَجَعَلْنَا

راستے بنائے تاکہ وہ لوگ (ان کے ذریعہ سے) منزل (مقصود) کو پہنچ جائیں اور ہم

السَّمَاءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا ۖ

نے (اپنی قدرت سے) آسمان کو (مثل) ایک چھت (کے) بنایا جو محفوظ ہے

یعنی گرنے سے بھی ٹوٹنے پھوٹنے سے بھی اور شیاطین کی باتیں سننے سے بھی اور یہ حفاظت زمانہ دراز تک رہے گی ہمیشہ کے لئے نہیں ہے قیامت میں سب ٹوٹ پھوٹ جائیں گے۔

وَهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَهُوَ الَّذِيْ

اور یہ لوگ اس (آسمان کے اندر) کی (موجودہ) نشانیوں سے اعراض کیے ہوئے ہیں

خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ

(یعنی ان میں تدبر نہیں کرتے) اور وہ ایسا ہے کہ اس نے رات اور دن اور سورج اور

كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۳۳﴾

چاند بنائے (وہ نشانیاں یہی ہیں) ہر ایک ایک دائرہ میں تیر رہے ہیں

یعنی اس طرح چل رہے ہیں کہ گویا تیر رہے ہیں اور تیرنا جو آفتاب وچاند کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود حرکت کرتے ہیں کیونکہ اصل یہی ہے کہ اسناد حقیقی مراد لی جائے اور فلک گول چیز کو کہتے ہیں چونکہ شمس وقمر کی حرکت متدیر ہے اس لئے اس کے گھومنے کی جگہ کو فلک فرما دیا اور گھومنے کی جگہ خواہ آسمان ہو یا آسمان زمین کا درمیانی خلاء غرض اس میں قطعی نص کوئی نہیں اس کو مبہم ہی رکھنا احتیاط کے قریب ہے اور ہر حال میں اس سے آسمان کا متدیر ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

ربط: شروع سورت میں رسالت کے انکار پر ملامت تھی اور اس پر وعید عذاب کا مستحق ہونا۔ متفرع فرمایا تھا آگے بھی دوسرے عنوان سے اسی کا بیان ہے۔ کفیٰ بنا حاسبین

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ

اور ہم نے آپ سے پہلے بھی کسی بشر کے لئے ہمیشہ رہنا تجویز نہیں کیا

نبی ہو یا غیر نبی موت سب کے ساتھ رہی پس جیسے آپ سے پہلے نبوت اور موت میں منافاۃ نہ تھی اسی طرح آپ میں بھی دونوں باتیں جمع ہو سکتی ہیں پھر یہ لوگ آپ کی وفات کی خوشیاں کس لئے منا رہے ہیں اور اس آیت سے عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر زندہ ہونے کی نفی نہیں ہو سکتی کیونکہ یہاں دنیوی زندگی سے گفتگو ہو رہی ہے مطلب یہ ہے کہ ہم نے دنیا میں کسی بشر کے لئے ہمیشہ رہنا تجویز نہیں کیا

اَفَائِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴿۳۴﴾

پھر اگر آپ کا انتقال ہو جائے تو کیا یہ لوگ (دنیا میں) ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے

آخر یہ بھی مریں گے پھر خوشی کا ہے کی خلاصہ یہ ہے کہ آپ کی وفات کی خوشی اگر اس لئے ہے کہ اس سے نبوت کو باطل کرنا چاہتے ہیں تب تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ سے پہلے بھی انبیاء کو موت کا سامنا ہوا اور اگر یہ خوشی محض مخالفت کے خیال سے ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کیا یہ لوگ ہمیشہ رہیں گے غرض ہر حالت میں یہ انتظار مہمل اور لغو ہے اور موت تو ایسی چیز ہے کہ اس سے کوئی بھی نہیں بچ سکتا۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَنَبْلُوْكُمْ

ہر جاندار موت کا مزہ چکھے گا اور ہم تم کو بری بھلی

بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ

حالتوں سے اچھی طرح آزماتے ہیں

یعنی یہ چند روزہ زندگی جو ہم نے تم کو دے رکھی ہے اس سے مقصود محض آزمائش ہے کہ دیکھیں کیسے کیسے عمل کرتے ہو اور بری حالت سے مراد وہ حالات ہیں جو خلاف مزاج پیش آتے ہیں جیسے بیماری اور فقر اور اچھی حالت سے مراد وہ جو مزاج کے موافق ہو جیسے صحت اور غنا کہ زندگی میں بھی مختلف طور پر پیش آتی ہیں کوئی ان حالات میں ایمان وطاعت بجالاتا ہے اور کوئی کفر ومعصیت کرتا ہے اور آیت میں امتحان وآزمائش کا ذکر ہونا اس بات کا قرینہ ہے کہ یہاں وہ نفس مراد ہے جو مکلف احکام کا ہو اس کے لئے موت ضروری ہے اور ملائکہ جو کہ مکلف نہیں ہیں ان کا مرنا یا نہ مرنا اس آیت میں مذکور نہیں۔

وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۵﴾

اور پھر (اس زندگی کے ختم پر) تم سب ہمارے پاس چلے آؤ گے

اور ہر ایک کو اس کے مناسب سزا وجزا دیں گے پس اہتمام کے قابل موت اور مابعد موت کی حالت ہے اور یہ زندگی محض عارضی ہے پھر یہ لوگ اس پر کیسے اتراتے ہیں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر خوشیاں مناتے ہیں یہ نہ ہوا کہ اس مستعار زندگی میں ایمان وطاعت کی دولت کما لیتے کہ وہ کام آتی اور الٹا نامہ اعمال کو سیاہ اور آخرت کو برباد کر رہے ہیں ڈرتے نہیں۔

وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ

اور یہ کافر لوگ جب آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ سے ہنسی کرنے لگتے ہیں (اور

اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ

آپس میں کہتے ہیں) کہ کیا یہی ہیں جو تمہارے معبودوں کا (برائی سے) ذکر کیا

وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۶﴾

کرتے ہیں اور (خود) یہ لوگ (حضرت) رحمٰن کے ذکر پر انکار کیا کرتے ہیں

سو آپ پر توبتوں کے انکار کا بھی اعتراض ہے اور یہ خبر نہیں کہ خود کتنا بڑا کفر کر رہے ہیں۔ اعتراض کی بات تو درحقیقت یہ ہے کہ پس ان کو اپنی اس حالت پر ہنسنا چاہئے آگے فرماتے ہیں کہ ان کی یہ حالت ہے کہ جب کفر کی سزا کا مضمون سنتے ہیں تو اس کو جھٹلا کر سزا کا تقاضا کرتے ہیں اور جلدی کرنا کچھ انسان کی طبیعت کا خاصہ ہے گو بعضے ایسے نہ بھی ہوں۔

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ

انسان جلدی ہی (کے خمیر) کا بنا ہوا ہے

یعنی جلدی اس کی طبیعت میں ایسی ہے کہ گویا اس کے خمیر میں داخل ہے اسی لئے یہ لوگ عذاب کی جلدی مچاتے ہیں اور اس میں دیر ہونے سے یہ سمجھتے ہیں کہ واقع ہی نہ ہوگا لیکن اے کافرو! یہ تمہاری غلطی ہے کیونکہ اس کا وقت معین ہے سوذرا صبر کرو۔

سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۳۷﴾

ہم عنقریب (اس کے وقت آنے پر) تم کو اپنی نشانیاں (قہر کی یعنی سزائیں) دکھائے دیتے ہیں پس تم مجھ سے جلدی مت مچاؤ

کیونکہ وقت سے پہلے آتا نہیں اور وقت پر ٹلتا نہیں۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کس وقت آوے گا اگر تم (وقوع عذاب کی

صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾

خبر میں) سچے ہو

یعنی جب یہ مضمون سنتے ہیں کہ وقت معین پر آئے گا تو رسول اور اہل ایمان سے کہتے ہیں کہ توقف کاہے کا ہے جلدی سے کیوں نہیں واقع کیا جاتا اصل یہ ہے کہ ان کو اس مصیبت کی خبر نہیں جو ایسی بے فکری کی باتیں بناتے ہیں۔

لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ

کاش ان کافروں کو اس وقت کی خبر ہوتی جب کہ یہ لوگ (اس)

عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ

آگ کو نہ اپنے سامنے سے روک سکیں اور نہ اپنے پیچھے سے

وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۳۹﴾

اور نہ ان کی کوئی حمایت کرے گا

یعنی دوزخ کی آگ ان کو سب طرف سے گھیرے گی اس مصیبت کا اگر ان کو علم ہوتا تو ایسی باتیں نہ بناتے اور یہ جو دنیا ہی میں دوزخ کے عذاب کی فرمائش کر رہے ہیں سو یہ ضرور نہیں کہ ان کی فرمائش کے موافق دوزخ ہی کا عذاب آ جاوے۔

بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا

بلکہ وہ (آگ) تو ان کو ایک دم سے آلے گی سو ان کو بدحواس کر دے گی پھر

يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۴۰﴾

نہ اس کے ہٹانے کی ان کو قدرت ہوگی اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی

اور اگر وہ یوں کہیں کہ یہ عذاب دنیا میں اگر اس لئے نہیں آتا کہ آخرت میں ہونے والا ہے تو اچھا دنیا میں اس کا نمونہ تو دکھا دو پس اگرچہ مناظرہ کے قاعدہ سے نمونہ دکھلانا ضرور نہیں لیکن نمونہ کا پتہ بھی دیا جاتا ہے (آگے ترجمہ)

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ

اور آپ سے پہلے جو پیغمبر گزرے ہیں ان کے ساتھ بھی (کفار کی طرف

بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ

سے) تمسخر کیا گیا تھا سو جن لوگوں نے ان سے تمسخر کیا تھا ان پر وہ عذاب

يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۱﴾ ع

واقع ہو گیا جس کے ساتھ وہ استہزاء کرتے تھے

ان واقعات سے معلوم ہوا کہ کفر کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے پس اگر کسی کو دنیا میں نہ ہوا تو آخرت میں ہوگا

قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ

اور یہ بھی (ان سے) کہہ دیجئے کہ وہ کون ہے جو رات میں اور دن میں

الرَّحْمٰنِ ؕ

رحمٰن (کے عذاب) سے تمہاری حفاظت کرتا ہو

یعنی یہ جو دنیا میں تم عذاب سے محفوظ ہو یہ حفاظت بھی حق تعالیٰ ہی کر رہے ہیں اسی کا احسان ہے اور اگر تم اس کو تسلیم نہیں کرتے تو پھر بتلاؤ کہ اگر وہ عذاب

نازل کرنا چاہیں تو کوئی تمہاری حفاظت کر سکتا ہے ظاہر ہے کہ کوئی نہیں پھر اس مسلم مضمون کا مقتضا یہ تھا کہ توحید کے قائل ہو جاتے مگر اب بھی قائل نہ ہوئے۔

بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۲﴾

بلکہ وہ لوگ اپنے رب کے ذکر سے روگرداں (ہی) ہیں

آگے اسی حفاظت کے مضمون کو واضح کرنے کیلئے صراحۃً دریافت کرتے ہیں۔

اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ط

کیا انکے پاس ہمارے سوا اور ایسے معبود ہیں کہ (عذاب مذکور سے) انکی حفاظت کر لیتے ہوں

وہ بیچارے ان کی تو کیا حفاظت کرتے خود ہی عاجز ولاچار ہیں۔

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ

وہ خود اپنی حفاظت کی قدرت نہیں رکھتے

مثلاً کوئی ان کو توڑنے پھوڑنے لگے تو اس کو دفع بھی نہیں کر سکتے ہیں۔ پس وہ ان کی حفاظت نہیں کر سکتے۔

وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ﴿۴۳﴾

اور نہ ہمارے مقابلہ میں کوئی اور ان کا ساتھ دے سکتا ہے

آگے بتلاتے ہیں کہ یہ لوگ باوجود ان روشن دلیلوں کے جو حق کو قبول نہیں کرتے تو اس کی یہ وجہ نہیں کہ دعوے میں یا دلیل میں کوئی خلل ہے۔

بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى

بلکہ میں نے ان کو اور ان کے باپ دادوں کو (دنیا کا) خوب سامان دیا یہاں

طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ط

تک کہ ان پر (اسی حالت میں) ایک عرصہ دراز گزر گیا

کہ پشتوں سے عیش و آرام کرتے آرہے ہیں پس کھا کھا کے غرانے لگے اور آنکھیں پتھرا گئیں پھر ان ہی میں غفلت کا خلل ہے لیکن شرعی اور ظاہری تنبیہات کے بعد اتنی غفلت بھی نہ ہونا چاہئے چنانچہ آگے ایک واقعہ تنبیہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا

کیا ان کو یہ نظر نہیں آتا کہ ہم (ان کی) زمین کو (بذریعہ فتوحات اسلامیہ کے)

مِنْ اَطْرَافِهَا ط اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾

ہر چہار طرف سے برابر گھٹاتے چلے جاتے ہیں سو کیا یہ لوگ غالب آویں گے

کیا اب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین پر غالب آنے کی توقع رکھتے ہیں حالانکہ ظاہری قرائن اور قرآنی دلائل اس پر متفق ہیں کہ جب تک اسلام کی کامل اشاعت نہ ہو جاوے اس وقت تک یہ لوگ مغلوب اور اہل حق غالب ہوتے جاویں گے کیونکہ ابتداء میں اسلام کا مغلوب ہو جانا اس کی اشاعت میں مخل ہوگا۔ ہاں جب اس کی تبلیغ و اشاعت کافی ہو چکے گی اس وقت مغلوب ہونے سے اسلامی اشاعت کو ضرر نہ پہنچے گا چنانچہ مشاہد ہے اس تقریر سے یہ اشکال رفع ہو گیا کہ بعد میں تو مسلمان مغلوب ہوئے ہیں جواب ظاہر ہے غرض ان لوگوں کو متنبہ کے لئے اس حالت میں تامل کرنا بھی کافی ہے اگر اس پر بھی سرکشی اور جہالت سے عذاب ہی کی فرمائش کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ عذاب کا آنا میرے بس کا نہیں ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖ وَلَا يَسْمَعُ

آپ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف وحی کے ذریعہ سے تم کو ڈراتا ہوں اور یہ

الصُّمُّ الدُّعَآءَ

بہرے، جس وقت ڈرائے جاتے ہیں سنتے ہی نہیں

یعنی حق واضح ہونے کے طریقہ میں تامل ہی نہیں کرتے بلکہ وہی مرغی کی ایک ٹانگ عذاب ہی مانگے جاتے ہیں۔

اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ

اور (ان کی عالی ہمتی کی کیفیت یہ ہے کہ) اگر ان کو آپ کے رب کے

نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ

عذاب کا ایک جھونکا بھی ذرا لگ جاوے تو یوں کہنے لگیں کہ ہائے ہماری کم

اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۴۶﴾

بختی واقعی ہم خطاوار تھے

غرض ذرا سے عذاب میں ساری بہادری ختم ہو جائے بس اس ہمت پر عذاب کی فرمائش ہے واقعی ان کی شرارت کا تو یہی مقتضا تھا کہ ہم دنیا ہی میں فیصلہ کر دیتے مگر بہت سی حکمتوں کی وجہ سے دنیا میں آخرت کا عذاب دینا نہیں چاہتے۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ

اور (ہاں) قیامت کے روز ہم میزان عدل قائم کریں (اور سب

فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ط وَاِنْ كَانَ

کے اعمال کا وزن کریں گے) کسی پر اصلاً ظلم نہ ہوگا اور اگر (کسی کا)

مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا

عمل رائی کے دانہ کے برابر بھی ہو گا تو ہم اس کو (وہاں)

بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿۴۷﴾

حاضر کردیں گے اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں

ہمارے وزن اور حساب کے بعد پھر کسی حساب کتاب کی ضرورت نہ رہے گی بلکہ اسی پر سب فیصلہ ہو جائے گا پس وہاں ان لوگوں کی شرارتوں کی بھی مناسب اور کافی سزا دی جائے گی اور میزان کی تحقیق سورۂ اعراف کے اول رکوع میں گزر چکی ہے۔

ربط: شروع سورت سے یہاں تک توحید اور رسالت کا زیادہ اور اس کے تعلق سے رسولوں کے مخالفین کا آخرت میں معذب ہونا اور بعض کا دنیا میں بھی ہلاک ہونا مذکور تھا آگے بعض انبیاء علیہم السلام کے قصے بیان فرمانے سے ان ہی مضامین کی تائید فرماتے ہیں۔ ولقد اٰتینا موسیٰ تا منکرون

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ

اور ہم نے (آپ کے قبل) موسیٰ اور ہارون کو ایک فیصلہ کی

وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ الَّذِيْنَ

اور روشنی کی اور متقیوں کے لئے نصیحت کی چیز) یعنی توریت

يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ

عطا فرمائی تھی جو (متقی) اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں

السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾

اور وہ لوگ قیامت سے (بھی) ڈرتے ہیں

اور قیامت کا خوف بھی خدا ہی سے ڈرنے کی وجہ سے ہے کیونکہ قیامت میں اسی کا اندیشہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور سزا نہ ہونے لگے۔

وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ

اور یہ (قرآن بھی) ایک کثیر الفائدہ نصیحت (کی کتاب ہے جس کو ہم نے

لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

نازل کیا تو کیا پھر بھی تم اس سے منکر ہو

یعنی جب معلوم ہو گیا کہ کتابیں نازل کرنا خدا تعالیٰ کی عادت ہے اور خود قرآن کا منجانب اللہ ہونا دلیل سے ثابت ہے تو کیا پھر بھی اس کے منزل من اللہ ہونے کا تم انکار کرتے ہو۔ ولقد اٰتینا ابراھیم تا لنا عٰبدین

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ

اور ہم نے اس (زمانہ موسوی) سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو ان کی (شان

قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ ج

کے مناسب) خوش فہمی عطا فرمائی تھی اور ہم ان کو خوب جانتے تھے

یعنی ان کے علمی و عملی کمالات کو ہم خوب جانتے ہیں وہ بڑے کامل تھے یعنی خوش فہمی عطا ہونے سے پہلے ان میں قابلیت اور استعداد بہت تھی اور عطا ہونے کے بعد بالفعل کامل ہو گئے تھے۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ

ان کا وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے اور اپنی برادری

الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾

سے فرمایا کہ یہ کیا (واہیات مورتیں ہیں) جن (کی عبادت) پر تم جمے بیٹھے ہو

یعنی یہ ہرگز قابل عبادت نہیں۔

قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿۵۳﴾

وہ لوگ (جواب میں) کہنے لگے کہ ہم نے اپنے بڑوں کو ان کی عبادت کرتے ہوئے دیکھا ہے

اور وہ لوگ عاقل تھے اس سے معلوم ہوا کہ یہ مورتیں عبادت کے لائق ہیں۔

قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ

ابراہیمؑ نے کہا کہ بیشک تم اور تمہارے باپ دادے (ان کو) لائق عبادت

فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۴﴾

سمجھنے میں صریح غلطی میں ہو

یعنی خود ان ہی کے پاس بتوں کی معبودیت کی کوئی دلیل اور سند نہیں وہ تو اس لئے گمراہی میں ہیں اور تم ایسوں کی تقلید کرتے ہو جن کا دلیل پر ہونا ثابت نہیں تم اس لئے گمراہی میں ہو چونکہ ان لوگوں نے ایسی بات کبھی نہ سنی تھی نہایت متعجب ہوئے۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ

وہ کہنے لگے کہ کیا تم (اپنے نزدیک) سچی بات (سمجھ کر) ہمارے سامنے پیش

اللّٰعِبِيْنَ ۵۵ قَالَ

کررہے ہو یا دل لگی کررہے ہو ابراہیمؑ نے فرمایا کہ نہیں (دل لگی نہیں)

بلکہ سچی بات ہے اور صرف میرے ہی نزدیک نہیں بلکہ واقع میں بھی یہی بات سچی ہے کہ یہ مورتیں عبادت کے قابل نہیں۔

بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

بلکہ تمہارا رب (حقیقی جولائق عبادت ہے) وہ ہے جو تمام آسمانوں اور زمین

الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۡ صلے

کا رب ہے جس نے ان سب کو پیدا (بھی) کیا

جن میں آسمان اور زمین اور ان کے درمیان جو مخلوق ہے اور اصنام وغیرہ سب داخل ہیں۔

وَاَنَا عَلٰي ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۵۶

اور میں اس (دعویٰ) پر دلیل بھی رکھتا ہوں

تمہاری طرح کورانہ تقلید پر اعتماد نہیں کرتا۔

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ

اور خدا کی قسم تمہارے ان بتوں کی گت بناؤں گا جب تم

تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ۵۷

(ان کے پاس سے) چلے جاؤ گے

تاکہ ان کا عاجز ولاچار ہونا زیادہ مشاہدہ میں آجائے ان لوگوں نے یہ سمجھ کر کہ یہ اکیلے ہمارے مخالف کارروائی کیا کر سکتے ہیں کچھ التفات نہ کیا ہوگا اور چلے گئے۔

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ

تو ان کے چلے جانے کے بعد) انہوں نے ان بتوں کو (تبر وغیرہ سے) ٹکڑے ٹکڑے کر دیا بجز ان کے ایک بڑے بت کے

جو جثّے میں یا بوجہ معظم ہونے کے لوگوں کی نظروں میں بڑا تھا اس کو چھوڑ دیا جس سے ایک قسم کی ہنسی مقصود تھی کہ ایک کے سالم رہنے اور دوسروں کے ٹوٹے پھوٹے ہونے سے ایہام ہوتا ہے کہ کہیں اسی نے تو سب کی خبر نہیں لی پس اول تو ان کو وہم میں ڈالنا مقصود ہے پھر جب وہ لوگ توڑنے والے کی تحقیق کریں گے اور بڑے بت پر احتمال بھی نہ کریں گے تو ان کی طرف سے اس کے عاجز ہونے کا اقرار بھی ہو جاوے گا اور دوسروں کا عاجز ہونا تو خود ٹوٹنے پھوٹنے سے معلوم ہو جائے گا تو حجت تمام ہو جائے گی۔ اخیر میں یہ الزام ان پر قائم ہو جائے گا اس مصلحت سے ایک کو چھوڑ کر سب کو توڑ دیا۔

لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ۵۸

کہ شاید وہ لوگ ابراہیمؑ کی طرف (دریافت کرنے کے لئے) رجوع کریں

پھر وہ جواب کی تقریر کرتے ہوئے دوبارہ حق کو ثابت کرسکیں غرض وہ لوگ جو بت خانہ میں آئے تو بتوں کی بری گت دیکھی۔

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ

کہنے لگے کہ یہ ہمارے بتوں کے ساتھ کس نے کیا ہے اس میں کوئی شک

لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۵۹

نہیں کہ اس نے بڑا ہی غضب کیا

یہ بات ایسے لوگوں نے پوچھی جن کو ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کی اطلاع نہ تھی کہ میں ان بتوں کی گت بناؤں گا یا تو اس وجہ سے کہ وہ لوگ اس وقت موجود نہ ہوں گے کیونکہ مناظرہ کے وقت تمام قوم کا جمع ہونا ضرور نہیں یا موجود ہوں مگر سنا نہ ہو اور بعض نے سن لیا ہو۔

قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ

بعضوں نے کہا کہ ہم نے ایک نوجوان آدمی کو جس کو ابراہیم کر کے پکارا جاتا ہے ان بتوں کا

لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ۶۰ؕ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓي

(برائی سے) تذکرہ کرتے سنا ہے (پھر) وہ لوگ بولے کہ (جب یہ بات ہے) تو اچھا اس

اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ۶۱

کو سب آدمیوں کے سامنے حاضر کرو تاکہ وہ لوگ (اس اقرار کے) گواہ ہو جاویں

یعنی شاید وہ اقرار کرلیں اور لوگ ان کے اقرار پر گواہ ہو جائیں پھر حجت کے ساتھ سزا دی جائے جس پر کوئی ملامت نہ کرے۔

قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا

(غرض وہ سب کے روبرو آئے) ان لوگوں نے کہا کہ کیا ہمارے بتوں کے

يَا بْرٰهِيْمُ ﴿٦٢﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ

ساتھ تم نے یہ حرکت کی ہے اے ابراہیم انہوں نے (جواب میں) فرمایا کہ

كَبِيْرُهُمْ هٰذَا

نہیں بلکہ ان کے اس بڑے (گرو) نے کی

مطلب یہ کہ اگر بتوں میں کچھ کرنے کی قدرت ہے تو تم کو یہ احتمال کیوں نہیں ہوا کہ یہ حرکت میں نے نہیں کی بلکہ اس بڑے بت نے کی ہے اور جب بڑے بت میں ایسی حرکت کرنے کا احتمال ہو سکتا ہے تو ان چھوٹوں میں بولنے اور بات کرنے کا بھی احتمال ہوگا

فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿٦٣﴾

سو ان (ہی) سے پوچھ لو (نا) اگر یہ بولتے ہوں

اور اگر بڑے بت میں توڑنے پھوڑنے کی قدرت اور چھوٹوں میں بولنے کی طاقت نہیں ہے تو تمہارے نزدیک ان کا عاجز ہونا مسلم ہو گیا پھر ان کو معبود اعتقاد کرنے کی کیا وجہ اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ ابراہیم علیہ السلام کا یہ کلام بالکل سچا ہے اور بل فعله كبيرهم بطور فرض کے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ اس بڑے بت نے کیا ہو میں نے نہ کیا ہو تم یہ احتمال کیوں نہیں فرض کرتے لیکن اس کلام کے بطور فرض ہونے پر کلام میں کوئی قرینہ نہیں صرف قرینہ مقام سے یہ بات معلوم ہوتی ہے اس لئے حدیث میں ظاہر کے اعتبار سے اس کو مجازاً کذب کہہ دیا گیا ہے۔ چنانچہ هذا ربی میں بھی ایسا ہی ہے۔

فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ

اس پر وہ لوگ اپنے جی میں سوچے پھر (آپس میں) کہنے لگے کہ حقیقت میں تم ہی ناحق پر

الظّٰلِمُوْنَ ﴿٦٤﴾ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ

ہو (کہ جو ایسا عاجز ہوگا وہ کیا معبود ہوگا) پھر (شرمندگی کے مارے) اپنے سروں کو جھکا لیا

لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿٦٥﴾

(اور یہ بولے کہ) اے ابراہیم تم کو تو معلوم ہی ہے کہ یہ بت (کچھ) بولتے نہیں

ہم ان سے کیا پوچھیں اور اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بڑے بت میں بھی کسی کام کی قدرت نہیں

قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا

ابراہیم نے فرمایا کہ تو کیا خدا کو چھوڑ کر تم ایسی چیز کی عبادت کرتے ہو

يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿٦٦﴾ ط

جو تم کو نہ کچھ نفع پہنچا سکے اور نہ کچھ نقصان پہنچا سکے

یعنی خود کچھ نقصان اپنے ہاتھوں سے نہیں دے سکتے اور یہ بات تو یقینی ہے کہ وہ نقصان کا سبب بنتے ہیں کیونکہ ان کی عبادت کفر اور عذاب کا سبب ہے۔

اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ

تف ہے تم پر (کہ باوجود وضوح حق کے باطل پر مصر ہو) اور ان پر جن کو تم

اللّٰهِ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾

خدا کے سوا پوجتے ہو کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے

اس تمام تقریر سے خصوص اس بات سے کہ توڑنے پھوڑنے کا انکار نہیں فرمایا ان کو ثابت ہو گیا کہ یہ کام ان ہی کا ہے اور جب تقریر کا کچھ جواب نہ بن آیا تو اس قول کے موافق۔

چو حجت نماند جفا جوئے را بہ پرخاش درہم کشد روئے را

جب جاہل جواب نہ رکھتا ہو اور قدرت رکھتا ہو تو ظلم پر کمر باندھ لیتا ہے۔

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ

(آپس میں) وہ لوگ کہنے لگے کہ ان کو آگ میں جلاؤ اور اپنے معبودوں کا (ان سے) بدلہ لو اگر تم کو کچھ کرنا ہے (جب انہوں نے متفق ہو کر آگ میں

كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿٦٨﴾ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا

ڈال دیا تو اس وقت) ہم نے (آگ کو) حکم دیا کہ اے آگ تو ٹھنڈی

وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾ لا

اور بے گزند ہو جا ابراہیم کے حق میں

یعنی نہ اتنی تیز رہ کہ حرارت کی تکلیف پہنچے اور نہ اتنی ٹھنڈی ہو جا کہ سردی کی تکلیف ہو بلکہ مثل ہوائے معتدل کے بن جا چنانچہ ایسا ہی ہو گیا۔

وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ

اور ان لوگوں نے ان کے ساتھ برائی کرنی چاہی تھی سو ہم نے

الْاَخْسَرِيْنَ ﴿٧٠﴾ ج

ان ہی لوگوں کو ناکام کر دیا

کہ ان کا مقصود حاصل نہ ہوا بلکہ اور برعکس حقانیت ابراہیم علیہ السلام

کا زیادہ ثبوت ہو گیا۔

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا

اور ہم نے ابراہیمؑ کو اور (ان کے برادرزادے) لوطؑ کو

کہ انہوں نے ساری قوم کے خلاف ہو کر ابراہیم علیہ السلام کی تصدیق کی تھی چنانچہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ واٰمن لہ' لوط اور اسی وجہ سے لوگ ان کے بھی مخالف اور درپے تھے۔

اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾

ایسے ملک (یعنی شام) کی طرف بھیج کر بچالیا جس میں ہم نے دنیا جہان

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ؕ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ

والوں کے واسطے (خیرو) برکت رکھی ہے اور (ہجرت کے بعد) ہم نے ان کو

وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿۷۲﴾

اسحٰق (بیٹا) اور یعقوب پوتا عطا کیا اور ہم نے ان سب کو (اعلیٰ درجہ کا) نیک کیا

کہ اعلیٰ درجہ کی نیکی معصوم ہونا ہے جو انسان میں نبوت سے حاصل ہوتی ہے پس مراد یہ ہے کہ ان سب کو نبی بنایا۔

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا

اور ہم نے ان کو مقتدا بنایا کہ ہمارے حکم سے (خلق کو) ہدایت کیا کرتے تھے

مقتدا ہونا نبوت کے لئے لازم اور ہدایت کرنا نبوت کے مناسب ہے۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ

اور ہم نے ان کے پاس نیک کاموں کے کرنے کا اور (خصوصاً) نماز کی

الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا

پابندی کا اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم بھیجا اور وہ (حضرات) ہماری عبادت

عٰبِدِيْنَ ﴿۷۳﴾ ۚلا

(خوب) کرتے تھے

یعنی ان کو جو حکم ہوا تھا اس کو اچھی طرح بجالاتے تھے پس صالحین میں کمال نبوت کی طرف اور نیک کاموں کی وحی بھیجنے میں کمال علم کی طرف اور عابدین میں کمال عمل کی طرف اور پیشوا اور ہادی ہونے میں دوسروں کی تکمیل کی طرف پورا اشارہ ہے اور ابراہیم علیہ السلام جس آگ میں ڈالے گئے تھے اس کے ٹھنڈا ہو جانے میں چند احتمال ہیں ایک یہ کہ اس میں گرمی اور جلانے کی خاصیت نہ رہی ہو روشنی اور چمک رہی ہو دوسرے یہ کہ ہیئت آگ ہی کی رہی ہو اور اس کی حقیقت بدل گئی ہو مثلاً ہوا بن گئی ہو تیسرے یہ کہ آگ ہی رہی ہو مگر تکلیف دہ نہ رہی ہو اور علیٰ ابراھیم کی قید سے ظاہر تیسرا ہی احتمال ہے اگرچہ معجزہ ہر حالت میں ہے اور ابراہیم علیہ السلام کے بت شکنی کے قصہ سے کوئی شخص اس مسئلہ فقہیہ پر شبہ نہ کرے کہ ذمی کے بت کا ضمان توڑنے والے پر لازم ہوتا ہے کیونکہ وہ مسئلہ ذمی کے لئے ہے جو مسلمانوں کی رعایا ہو اور جزیہ دیتا ہو اور یہ لوگ ذمی نہ تھے۔ ولوطاً تا من الصلحین

وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ

اور لوط (علیہ السلام) کو ہم نے حکمت اور علم (جو شان انبیاء کے مناسب ہوتا ہے)

مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ

عطا فرمایا اور ہم نے ان کو اس بستی سے نجات دی جس کے رہنے والے گندے کام کیا کرتے تھے

ہر چند کہ ان کی کئی بستیاں تھیں لیکن چونکہ ان میں اصل پرگنہ ایک تھا اور باقی اس کے تابع تھے اس لئے اسی کے ذکر پر اکتفا فرمایا اور ان کے گندے کاموں میں سب سے بدتر لواطت تھی اور بھی بعض بیہودہ افعال کے وہ لوگ عادی تھے۔ ڈھیلے پھینکنا' کبوتر بازی' گانا بجانا' شراب خواری' داڑھی کٹانا' مونچھیں بڑھانا' سیٹی بجانا' ریشمی لباس پہننا اور بعض نے خبائث سے صرف لواطت مراد لی ہے اس صورت میں جمع کا صیغہ اس لئے لایا گیا ہوگا کہ بہت سے کرنے والے تھے تو کام بھی بہت سے تھے۔ ونوحا تا اجمعین

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ﴿۷۴﴾ ۙ وَاَدْخَلْنٰهُ

بلاشبہ وہ لوگ بڑے بدذات بدکار تھے اور ہم نے لوطؑ کو اپنی رحمت میں داخل

فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ ع

کیا (کیونکہ) بلاشبہ وہ بڑے نیکوں میں سے تھے اور نوحؑ (کے قصہ) کا

وَنُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا

تذکرہ کیجئے جب کہ اس (زمانہ ابراہیمی) سے (بھی) پہلے انہوں نے دعا

لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ

کی سو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو اور ان کے تابعین کو بڑے بھاری

الْعَظِيمِ ﴿٧٦﴾

غم سے نجات دی

جو کفار کی تکذیب اور ایذا رسانی کی وجہ سے ان کو پیش آتا تھا و داؤد تا حفظین.

وَنَصَرْنَاهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا

اور (نجات اس طرح دی کہ) ہم نے ایسوں لوگوں سے ان کا بدلہ لیا جنہوں

بِآيَاتِنَا ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَأَغْرَقْنَاهُمْ

نے ہمارے حکموں کو (جو کہ نوحؑ لائے تھے) جھوٹا بتایا تھا بلاشبہ وہ لوگ بہت

أَجْمَعِينَ ﴿٧٧﴾ وَدَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ

برے تھے اس لئے (ہم نے ان سب کو) غرق کر دیا اور داؤد اور سلیمان

يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ

(علیہما السلام کے قصہ) کا تذکرہ کیجئے جبکہ دونوں کسی کھیت کے بارے میں

جس میں غلہ تھا یا انگور کے درخت کذا فی الدر المنثور

إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا

فیصلہ کرنے لگے جبکہ اس (کھیت) میں کچھ لوگوں کی بکریاں رات کے وقت جا پڑیں

لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ ﴿٧٨﴾ فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ ۚ

(اور اس کو چر گئیں) اور ہم فیصلہ کو جو لوگوں کے متعلق ہوا تھا دیکھ رہے تھے سو ہم نے

وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ

اس فیصلہ کی سمجھ سلیمان کو دے دی اور (یوں) ہم نے دونوں کو حکمت اور علم فرمایا تھا

یعنی داؤد علیہ السلام کا فیصلہ بھی خلاف شرع نہ تھا صورت مقدمہ کی یہ تھی کہ جس قدر کھیت کا نقصان ہوا تھا اس کی لاگت بکریوں کی قیمت کے برابر تھی۔ داؤد علیہ السلام نے ضمان میں کھیت والے کو وہ بکریاں دلوا دیں اور قانون شرعی کا اصل مقتضا یہی تھا جس میں مدعی یا مدعا علیہ کی رضامندی بھی شرط نہیں مگر چونکہ اس صورت میں بکری والوں کا بالکل ہی نقصان ہوتا تھا اس لئے سلیمان علیہ السلام نے مصالحت کے طور پر جو فریقین کی باہم رضامندی پر موقوف تھی یہ صورت تجویز کی کہ چند روز کے لئے بکریاں تو کھیت والے کو دی جائیں کہ ان کے دودھ وغیرہ سے اپنا گزر کرے اور بکری والوں کو وہ کھیت سپرد کیا جاوے کہ اس کی خدمت آبپاشی وغیرہ سے کریں جب کھیت پہلی حالت پر آ جاوے کھیت اور بکریاں اپنے اپنے مالکوں کو دی جاویں اس صورت میں دونوں کی سہولت اور رعایت تھی اس سے معلوم ہو گیا کہ دونوں فیصلوں میں کوئی تعارض نہیں ایک کے صحیح ہونے سے دوسرے کا غلط ہونا لازم نہیں آتا اس لئے کلا اتینا حکما و علما بڑھایا گیا اور اگر ایسا واقعہ اب واقع ہو تو ائمہ شریعت میں اس حکم کے بارہ میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ تفصیل ہے کہ اگر بکریوں کے ساتھ کوئی ہانکنے والا نہ ہو تو اس صورت میں کچھ ضمان لازم نہیں آتا اور اگر ہانکنے والا ہمراہ ہو تو ضمان لازم آوے گا اور چونکہ کھیتی ذات القیم کی قسم سے ہے اس لئے جتنا نقصان ہوگا اس کی قیمت لازم آئے گی البتہ اگر رضامندی سے قیمت کے بدلے کوئی خاص چیز لے لی جاوے جائز ہے یہاں تک تو عام کرامت کا ذکر تھا جو دونوں حضرات میں مشترک تھی آگے دونوں کی خاص خاص کرامتوں کا بیان ہے۔

وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُودَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ

اور ہم نے داؤد کے ساتھ تابع کر دیا تھا پہاڑوں کو کہ (ان کی تسبیح کے ساتھ)

وَالطَّيْرَ ۚ وَكُنَّا فَاعِلِينَ ﴿٧٩﴾

وہ تسبیح کیا کرتے تھے اور پرندوں کو بھی اور کرنے والے ہم تھے

اور ہماری قدرت کا بڑا ہونا ظاہر ہے پس ان معجزات میں تعجب نہ کیا جائے کہ یہ کام کیونکر ہوتے ہوں گے۔

وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ

اور ہم نے ان کو (زرہ) بنانے کی صنعت تم لوگوں کے (نفع کے) واسطے سکھائی

اگر زرہ اول داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں ایجاد ہوئی جیسا کہ جلالین میں ہے اور آپ سے پہلے تختیاں بھی ہوتی تھیں تب تو آیت کا مطلب ظاہر ہے کہ تم لوگ اس ایجاد سے منتفع ہو رہے ہو اور اگر ثابت ہو جائے کہ پہلے بھی زرہ بنتی تھی تو خوبی صنعت اور ہر قسم کی رعایت میں زرہ داؤد بڑھی ہوئی کہی جائے گی۔ اس اعتبار سے اس کو راحت و نفع میں زیادہ دخل ہوگا چنانچہ سورہ سباء میں ہے وقدر فی السرد کہ جوڑنے میں پورا اندازہ رکھو۔ تو اگر پہلے سے بھی جوڑنے میں اندازہ چلا آتا ہوتا تو بظاہر اس کہنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

لَكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِنْ بَأْسِكُمْ ۖ فَهَلْ أَنْتُمْ

تا کہ وہ (زرہ) تم کو (لڑائی میں) ایک دوسرے کی زد سے بچائے سو تم شکر کرو گے بھی (یا

شَاكِرُونَ ﴿٨٠﴾ وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ عَاصِفَةً

نہیں) اور ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کا زور کی ہوا کو تابع بنا دیا تھا کہ وہ ان کے حکم سے

تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ

اس سرزمین کی طرف کو چلتی جس میں ہم نے برکت کر رکھی ہے (مراد ملک شام ہے)

یعنی جب ملک شام سے کہیں جاتے اور پھر آتے تو یہ آنا اور اسی طرح جانا بھی ہوا کے ذریعہ سے ہوتا تھا جیسا کہ درمنثور میں ابن عباسؓ سے اس کی کیفیت مروی ہے کہ سلیمان علیہ السلام مع ارکان دولت کے کرسیوں پر بیٹھ جاتے پھر ہوا کو حکم دیتے وہ سب کو اٹھا کر تھوڑی دیر میں ایک ایک مہینہ کی مسافت قطع کرتی اور بعضوں نے جو ہوا کے تابع ہونے میں خواہ مخواہ تاویل کی ہے کہ اس سے جہاز چلانا مراد ہے تو الفاظ قرآنیہ اس کی تردید کرتے ہیں۔ فسخرنا له (ہم نے ہوا کو ان کے تابع کر دیا) تجری بامرہ (ہوا ان کے حکم سے چلتی تھی) نیز ابن عباسؓ کی وہ روایت جو اوپر گزری ہے، جس کو حاکم نے صحیح کہا ہے یہ سب ان بیہودہ تاویلوں کو دفع کرتی ہیں اور یہاں تو زور کی ہوا فرمایا ہے اور سورہ ص میں رخآء (یعنی نرم ہوا) فرمایا ہے پس یا تو سلیمان علیہ السلام کے ارادہ پر اس کا نرم اور تیز ہونا تھا یا یہ کہ سرعت سیر اور جلدی مسافت قطع کرنے کے اعتبار سے وہ زور کی ہوا کے مثل تھی اور سوار کو حرکت نہ ہونے اور بدن میں کچھ اثر نہ کرنے کے اعتبار سے نرم ہوا کے مثل تھی۔

وَكُنَّا بِكُلِّ شَیْءٍ عٰلِمِیْنَ ﴿۸۱﴾

اور ہم ہر چیز کو جانتے ہیں

پس ہمارے علم میں سلیمان علیہ السلام کی یہ چیزیں دینے میں حکمت تھی اس لئے عطا فرمائیں۔

وَمِنَ الشَّیٰطِیْنِ مَنْ یَّغُوْصُوْنَ لَهٗ

اور بعضے بعضے شیطان ایسے تھے کہ سلیمانؑ کے لئے (دریاؤں میں) غوطہ

وَیَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا

لگاتے تھے (تا کہ موتی نکال کر لاویں) اور وہ اور کام بھی اس کے علاوہ

لَهُمْ حٰفِظِیْنَ ﴿۸۲﴾ ۙ

کرتے تھے اور ان کے سنبھالنے والے ہم تھے

یعنی اگرچہ وہ جن بڑے سرکش اور شریر تھے مگر ہم ان کو سنبھالتے تھے اس لئے وہ چوں نہیں کر سکتے تھے اور لفظ شیاطین سے بظاہر مفہوم ہوتا ہے کہ وہ جن کافر تھے کیونکہ اکثر یہ لفظ کافر جنوں کے لئے بولا جاتا ہے اور دوسرے کاموں سے مراد وہ ہیں جن کا ذکر سورہ سبا میں ہے۔ یعملون له ما یشاء من محاریب و تماثیل و جفان کالجواب و قدور راسیات وہ جنات ان کے لئے وہ وہ چیزیں بناتے جو ان کو بنوانا منظور ہوتا بڑی بڑی عمارتیں اور مورتیں اور لگن (ایسے بڑے) جیسے حوض اور (بڑی بڑی) دیگیں جو ایک ہی جگہ جمی رہیں (ہلائے نہ ہل سکیں) وایوب تا للعٰبدین

وَاَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ

اور ایوبؑ کا تذکرہ کیجئے جبکہ انہوں نے (بعد مبتلا ہونے مرض شدید کے) اپنے رب کو

الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۸۳﴾ ۚۖ

پکارا کہ مجھ کو یہ تکلیف پہنچ رہی ہے اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں

پس اپنی مہربانی سے میری تکلیف رفع کر دیجئے اور آپ کی بیماری کے بارے میں بھی کئی قول ہیں بہر حال کوئی سخت بیماری تھی اور اولاد کے گم ہونے کا الگ صدمہ تھا بعض کہتے ہیں کہ غائب ہو گئے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ مر گئے تھے ان سب پر آپ نے صبر کیا جیسا دوسری آیت میں ہے۔ انا وجدناه صابرا (بیشک ہم نے ان کو صابر پایا) اور یہ دعاء خواہ شروع مرض ہی میں کی ہو اور قبولیت یا جلدی ہوئی ہو یا کسی مصلحت سے دیر میں ہوئی ہو اور یا دعاء چند روز کے بعد کی ہو جیسا کہ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کو دعا کرنا بھلا دیا جب بیماری کی مدت پوری ہو گئی اس وقت دعا کی اجازت دی اور آسان کر دی اور ہر حال میں دعاء صبر کے منافی نہیں اور دعا صرف زوال مرض کی غالباً اس لئے کی کہ مرض کی تکلیف حاضر ہوتی ہے اور اولاد کے مرنے یا گم ہونے پر جو غم ہوتا ہے وہ بعض اوقات غائب ہو جاتا ہے۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ

سو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو جو تکلیف تھی اس کو دور کر دیا

ضُرٍّ وَّاٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ

اور (بلا استدعا) ہم نے ان کو ان کا کنبہ عطا فرمایا

یعنی اولاد جو ان غائب ہوگئی تھی وہ ان کے پاس آ گئی یا جو مر گئی تھی اتنے ہی اور پیدا ہو گئے۔

وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ

اور ان کے ساتھ (گنتی میں) ان کے برابر اور بھی

خواہ ان ہی کی پشت سے یا ان کی اولاد کی پشت سے۔

رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا

اپنی رحمت خاصہ کے سبب سے

یعنی تا کہ عابدین یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو کیسی جزا دیتے ہیں اور صابرین کی جزاء عام ہے خواہ دنیا میں بھی ہو یا صرف آخرت میں ہو۔

وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ

اور عبادت کرنے والوں کے لئے یادگار رہنے کے سبب سے اور اسماعیلؑ اور

وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ كُلٌّ مِّنَ

اور ادریسؑ اور ذوالکفل کا تذکرہ کیجئے (یہ) سب (احکام الٰہیہ پر) ثابت قدم

الصّٰبِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ

رہنے والے لوگوں سے تھے اور ہم نے ان کو اپنی رحمت (خاصہ) میں داخل

اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۶﴾

کرلیا تھا بیشک یہ کمال صلاحیت والے لوگوں میں تھے

واسمٰعیل تا من الصلحین حضرت ذوالکفل کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا یہ نبی تھے یا نیک شخص تھے پھر پہلے سے نیک تھے یا بعد توبہ کے نیک ہوئے جیسا کہ ترمذی کی روایت میں مرفوعاً وارد ہے۔ لایتورع من ذنب الخ قال واللہ لااعصی اللہ بعدھا ابداً کہ اول وہ گناہ سے نہ بچتے تھے پھر توبہ کی اور قسم کھائی کہ اب کبھی خدا کی نافرمانی نہ کروں گا بظاہر قرآن کے طرز سے نبی ہونے کا گمان غالب ہوتا ہے اس صورت میں وہ توبہ کرنے والے دوسرے ہوں گے اور ذوالکفل کئی شخصوں کا نام ہو **وذالنون اذ ذھب تا ننجی المؤمنین**

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا

اور مچھلی والے (پیغمبر یونس علیہ السلام) کا تذکرہ کیجئے جب وہ (اپنی قوم سے) خفا ہو کر چل دیئے

جب کہ وہ لوگ ایمان نہ لائے تو آپ خفا ہو کر چل دیئے پیچھے ان پر عذاب آنے کو ہوا اور ان کی توبہ و آہ زاری کی وجہ سے ٹل گیا اور قوم پر سے عذاب ٹلنے کے بعد بھی خود واپس نہ آئے اور اس سفر کے لئے ہمارے حکم کا انتظار نہ کیا۔

فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى

اور انہوں نے یہ سمجھا کہ ہم ان پر (اس چلے جانے میں) کوئی دارو گیر نہ

فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ

کریں گے پس انہوں نے اندھیروں میں پکارا کہ آپ کے سوا کوئی معبود

اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

نہیں ہے آپ (سب نقائص سے) پاک ہیں میں بیشک قصوروار ہوں

یونس علیہ السلام نے اس چلے جانے کو اجتہاداً جائز سمجھا اس لئے وحی کا انتظار نہ کیا اور یہ سمجھے کہ میں جائز کام کر رہا ہوں اس لئے اس میں مجھ پر کوئی دارو گیر نہ ہوگی لیکن جب تک کہ وحی کی امید رہے اس وقت تک انبیاء کو وحی کا انتظار مناسب ہے اجتہاد نہ کرنا چاہئے اس مناسب صورت کے چھوڑنے پر ان کو یہ ابتلاء پیش آیا کہ راہ میں ان کو کوئی دریا ملا اور وہاں کشتی میں سوار ہوئے کشتی چلتے چلتے رک گئی یونس علیہ السلام سمجھ گئے کہ میرا بلا اجازت بھاگ کر چلا آنا ناپسند ہوا اس کی وجہ سے یہ کشتی رکی کشتی والوں سے فرمایا کہ مجھ کو دریا میں ڈال دو وہ راضی نہ ہوئے غرض قرعہ پر اتفاق ہوا ان ہی کا نام نکلا آخر ان کو دریا میں ڈال دیا اور خدا کے حکم سے ان کو ایک مچھلی نگل گئی وہاں مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا دوسرا قعر دریا کا اندھیرا اور تیسرا رات کا اندھیرا۔ قالہ ابن مسعودؓ غرض ان تاریکیوں میں دعاء کی اور یہ استغفار ہے جس سے مقصود یہ ہے کہ میرا قصور معاف کر کے اس مصیبت سے نجات دیجئے پس حضرت یونس علیہ السلام سے اس واقعہ میں حکم کی مخالفت کوئی نہیں ہوئی صرف اجتہاد میں غلطی ہوئی جو امت کے لئے تو معاف ہے بلکہ ایک ثواب بھی ملتا ہے مگر انبیاء علیہم السلام کی تربیت اور تہذیب زیادہ مقصود ہوتی ہے اس لئے یہ ابتلاء ہوا اور استغفار سے پہلے خدا کی ثناء یعنی توحید و تنزیہ کو مقدم کر کے استغفار کا ادب بتلا دیا **وزکریا تا خشعین**

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ

سو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو اس گھٹن سے نجات دی اور ہم اسی طرح (اور)

وَكَذٰلِكَ نُـۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾

ایمان والوں کو (بھی کرب و بلا سے) نجات دیا کرتے ہیں اور زکریا (علیہ السلام) کا

وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا

تذکرہ کیجئے جبکہ انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے رب مجھ کو لاوارث مت

تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۸۹﴾

رکھیو (یعنی مجھ کو فرزند دیجئے کہ میرا وارث ہو) اور سب وارثوں سے بہتر آپ ہی ہیں

یعنی وہ حقیقی وارث نہ ہوگا بلکہ ایک وقت وہ بھی فنا ہو جائے گا لیکن اس ظاہری وارث سے بعض دینی منافع حاصل ہوں گے اس لئے اس کو مانگتا ہوں۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۫ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى

سو ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور ہم نے ان کو یحییٰ (فرزند)

وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ

عطا فرمایا اور ان کی خاطر سے ان کی بی بی کو (جو کہ بانجھ تھیں)

كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ

اولاد کے قابل کر دیا یہ سب نیک کاموں میں دوڑتے تھے

وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا

اور امید و بیم کے ساتھ ہماری عبادت کیا کرتے تھے اور ہمارے

لَنَا خٰشِعِيْنَ ۝۹۰

سامنے دب کر رہتے تھے

جس سے ان حضرات کی کامل عبادت اور ہماری کامل معبودیت ثابت ہوتی ہے پس رسالت اور توحید دونوں مسئلوں کی ان قصوں سے تقویت ہوتی ہے جو اس سورت کا بڑا مقصود ہے۔

وَالَّتِىْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا

اور اس بی بی (مریمؑ) کا (بھی) تذکرہ کیجئے جنہوں نے اپنے ناموس کو (مردوں

فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا

سے) بچایا (نکاح سے بھی اور ناجائز سے بھی) پھر ہم نے ان میں (بواسطہ جبرائیل) اپنی روح پھونک دی

والتی احصنت تا للعلمین جس سے ان کو بے شوہر حمل رہ گیا

وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝۹۱

اور ہم نے ان کو اور ان کے فرزند (عیسیٰؑ) کو دنیا جہاں والوں کے لئے (اپنی قدرت کاملہ کی) نشانی بنادی

یعنی عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ میں علاوہ اور صفات مذکورہ کے ایک خاص صفت یہ بھی تھی کہ ان کو دیکھ کر منکر لوگ یہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

ربط: یہاں تک انبیاء علیہم السلام کے قصوں کا بیان ہوا چونکہ یہ سب حضرات موحد اور توحید کی طرف بلانے والے تھے چنانچہ بعض جگہ اوپر صراحۃً اور بعض جگہ اشارۃً یہ بات معلوم ہو چکی ہے نیز توحید میں سب انبیاء کا متفق ہونا مشہور و معروف بھی ہے اس لئے آگے ان قصوں کے نتیجہ کے طور پر توحید کا اثبات اور شرک کی مذمت اور اس کی تاکید کے لئے آخرت کی تفصیل جس میں اہل حق کو جزا اور اہل باطل کو سزا ہوگی بیان فرماتے ہیں۔ ان ھذہ تا عبادی الصلحون

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ

یہ ہے تمہارا طریقہ کہ (جس پر تم کو رہنا واجب ہے اور) وہ ایک ہی طریقہ ہے

یعنی اوپر جو انبیاء علیہم السلام کا طریقہ توحید کا معلوم ہوا ہے وہ ایک ہی طریقہ ہے جس میں کسی نبی اور کسی شریعت کو اختلاف نہیں ہوا۔

وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ۝۹۲ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ

اور میں تمہارا رب (حقیقی) ہوں سو تم سب میری عبادت کیا کرو اور ان لوگوں

بَيْنَهُمْ ؕ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ۝۹۳ ع

نے اپنے دین میں اختلاف پیدا کر لیا (سو ان کی سزا دیکھیں گے کیونکہ) سب ہمارے پاس آنے والے ہیں

اور آنے کے بعد ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ ملے گا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو چاہئے تھا کہ اس امر مذکور کے ثابت ہو جانے کے بعد سب ایک طریقہ پر رہتے مگر ایسا نہ کیا۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ

سو جو شخص نیک کام کرتا ہوگا اور وہ ایمان والا بھی ہوگا سو اس کی محنت

فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ۝۹۴

اکارت جانے والی نہیں اور ہم اس کو لکھ لیتے ہیں

پس قیامت میں وہی لکھا ہوا اعمال نامہ ظاہر ہوگا اور اس کے موافق اس کو ثواب ملے گا آگے منکرین آخرت کے اس شبہ کا جواب ہے کہ اب تک دوبارہ زندہ کر کے کسی کا حساب و کتاب کیوں نہیں کیا گیا سو یہ شبہ محض کمزور ہے کیونکہ دوبارہ زندہ ہونے کے لئے ایک خاص وقت معین کر رکھا ہے جب تک وہ وقت نہیں آتا کوئی زندہ نہیں ہو سکتا۔

وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا

اور ہم جن بستیوں کو (عذاب سے یا موت سے) فنا کر چکے ہیں ان کے لئے

يَرْجِعُوْنَ ۝۹۵

یہ بات ناممکن ہے کہ وہ (دنیا میں) پھر لوٹ کر آویں

یعنی جب تک وہ وقت معین نہ آجاوے اس وقت تک شرعاً یہ بات محال ہے کہ وہ حساب وکتاب کے لئے دنیا میں لوٹ کر آئیں البتہ مرنے کے بعد نبی کے معجزہ سے اگر کوئی زندہ ہوجاوے تو یہ محال نہیں کیونکہ وہ لوٹنا حساب وکتاب کے لئے نہیں پس اس تقریر سے ان لوگوں کا استدلال باطل ہوگیا جو ایسے معجزات کے انکار پر اس آیت سے دلیل لاتے ہیں۔

حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ

یہاں تک کہ جب یاجوج ماجوج کھول دیئے جاویں گے

جواب سد سکندری میں بند ہیں اور اس وقت حشر کا ابتدائی سامان شروع ہوجائے گا اور قیامت کی علامات اگرچہ اور بھی ہیں مگر یاجوج ماجوج کے واقعہ کو اس لئے خاص طور پر بیان کیا گیا کہ اس کے بعد قیامت بہت ہی نزدیک ہوگی جیسا کہ احادیث میں ہے دوسرے یہ واقعہ ہولناک بہت زیادہ ہے۔

وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾

اور وہ (غایت کثرت کی وجہ سے) ہر بلندی سے (جیسے پہاڑ اور ٹیلہ) نکلتے (معلوم) ہوں گے

یعنی جدھر دیکھو وہی نظر آویں گے سو ہموار زمین میں تو نظر پڑتے ہی دکھلائی دیں گے اور بلندی کی آڑ میں اول وہلہ میں نہ دکھائی دیں گے لیکن تھوڑی دیر میں وہاں سے وہی نکلتے معلوم ہوں گے۔

وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ

اور (وہ رجوع وبعث کا) سچا وعدہ نزدیک آپہنچا ہوگا تو بس پھر ایک دم سے

شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ

یہ قصہ ہوگا کہ منکروں کی نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جاویں گی (اور یوں کہتے نظر

يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا

آویں گے) کہ ہائے ہماری کم بختی ہم اس (امر) سے غفلت میں تھے

بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۹۷﴾

بلکہ (واقعہ) یہ ہے کہ ہم ہی قصوروار تھے

کیونکہ غفلت بھی جب کہی جاتی کہ جب کوئی ہم کو آگاہ نہ کرتا ہم تو باوجود تنبیہ کے متنبہ نہ ہوئے خلاصہ یہ کہ اس وقت آخرت کے منکر بھی قائل ہوجائیں گے آگے مشرکین کو وعید ہے۔

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

بلاشبہ تم (اے مشرکین اور جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوج رہے ہو سب جہنم میں

حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾

جھونکے جاؤ گے (اور) تم سب اس میں داخل ہو گے

البتہ اگر کسی معبود میں کوئی امر جہنم میں جانے سے مانع ہو تو وہ جہنم میں نہ جائے گا مثلاً انبیاء یا ملائکہ کو کسی نے معبود بنالیا تو خود ان کی مقبولیت اس سے مانع ہوگی چنانچہ یہ بات خود عقلی بھی ہے اور اس کی تائید کے لئے آگے ایک آیت بھی ہے۔ ان الذین سبقت الخ پس اس وعید میں اصنام اور شیاطین داخل رہ گئے یہ سب جہنم میں جائیں گے اور اصنام کا دوزخ میں جانا اس لئے نہیں کہ ان کو عذاب ہوگا بلکہ اس لئے تاکہ کفار پر حجت خوب قائم ہوجائے اور وہ حجت یہ ہے لو کان ھؤلاء الھۃ الخ کہ اگر یہ واقعی معبود ہوتے تو جہنم میں کیوں جاتے الخ اور تاکہ کفار کو زیادہ حسرت ہو کہ جس سے خیر کی توقع تھی وہی شر کا سبب ہوگیا اور تاکہ اپنی حماقت ظاہر ہو کہ جب یہ خود نہ بچ سکے تو ہم کو کیا بچاتے۔

لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ

اور یہ بات سمجھنے کی ہے کہ) اگر یہ (تمہارے معبود) واقعی معبود ہوتے تو اس (جہنم)

وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۹۹﴾ لَهُمْ فِيْهَا

میں کیوں جاتے اور سب (عابدین ومعبودین) اس میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے (اور)

زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

ان کا اس میں شور ہوگا اور وہاں (اپنے غل وشور میں کسی کی) کوئی بات سنیں گے بھی نہیں

کیونکہ وہ جنت میں ہوں گے اور جنت ودوزخ میں بہت بڑا فاصلہ ہوگا اور اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جب آیت انکم وما تعبدون الخ نازل ہوئی جس میں مشرکین کو تنبیہ تھی کہ خدا کو چھوڑ کر تم جن کی عبادت کر رہے ہو وہ بھی جہنم میں جائیں گے تو ایک شخص نے اس پر یہ اعتراض کیا کہ ملائکہ اور حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کو بھی بعض لوگوں نے خدا کے سوا معبود بنایا ہے کیا وہ بھی جہنم میں جھونکے جاویں گے اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ جو ہمارے بندے شرک سے بیزار اور کفر سے منع کرنے والے تھے ان کو بھلا دوزخ سے کیا نسبت وہ اس سے بالکل دور رہیں گے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ سَبَقَتۡ لَهُمۡ مِّنَّا الۡحُسۡنٰۤی ۙ

(یہ تو دوزخیوں کا حال ہوا اور) جن کے لئے ہماری طرف سے بھلائی مقدر

اُولٰٓئِكَ عَنۡهَا مُبۡعَدُوۡنَ ﴿۱۰۱﴾ لَا یَسۡمَعُوۡنَ

ہو چکی ہے وہ لوگ اس (دوزخ) سے (اس قدر) دور رکھے جاویں گے

حَسِیۡسَهَا ۚ وَهُمۡ فِیۡ مَا اشۡتَهَتۡ اَنۡفُسُهُمۡ

(کہ) اس کی آہٹ بھی نہ سنیں گے اور وہ لوگ اپنی جی چاہی چیزوں میں

خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۰۲﴾ ۚ لَا یَحۡزُنُهُمُ الۡفَزَعُ الۡاَكۡبَرُ

ہمیشہ رہیں گے (اور) ان کو بڑی گھبراہٹ (یعنی نفخۂ ثانیہ سے زندہ ہونے

وَتَتَلَقّٰهُمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا یَوۡمُكُمُ

کی) غم میں نہ ڈالے گی اور (قبر سے نکلتے ہی) فرشتے انکا استقبال کریں

الَّذِیۡ كُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۱۰۳﴾

گے (اور کہیں گے کہ) یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا

کہ قیامت آوے گی اور نیک لوگوں کو جزا ملے گی پس یہ تعظیم اور بشارت ان کے لئے زیادہ مسرت کا سبب ہوگی اور کسی روایت سے اگر قیامت کی ہول کا سب کے لئے عام ہونا ثابت ہو جائے تو چونکہ اہل ایمان کے لئے ہول کا زمانہ بہت ہی قلیل ہوگا اس لئے وہ کالعدم ہے پس اس آیت سے کوئی تعارض نہیں ہوگا اور ان الذین سبقت الخ میں مومنین بشر اور ملائکہ دونوں داخل ہیں اور هم فی مااشتهت الخ مومنین بشر کے ساتھ خاص ہے۔

یَوۡمَ نَطۡوِی السَّمَآءَ كَطَیِّ السِّجِلِّ لِلۡكُتُبِ ؕ

وہ دن (بھی) یاد کرنے کے قابل ہے جس روز ہم (نفخۂ اولیٰ کے وقت) آسمان کو اس طرح لپیٹ لیں گے جس طرح لکھے ہوئے مضمون کا کاغذ لپیٹ لیا جاتا ہے

پھر لپٹنے کے بعد خواہ بالکل نیست اور معدوم کر دیا جائے یا دوسری بار صور پھکنے تک اسی حالت پر رہے دونوں باتیں ممکن ہیں۔

كَمَا بَدَاۡنَاۤ اَوَّلَ خَلۡقٍ نُّعِیۡدُهٗ ؕ وَعۡدًا

اور ہم نے جس طرح اول بار پیدا کرنے کے وقت (ہر چیز کی) ابتدا کی تھی اسی طرح (آسانی) سے اس کو دوبارہ پیدا کر دیں گے یہ ہمارے ذمے وعدہ ہے

عَلَیۡنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِیۡنَ ﴿۱۰۴﴾

(اور) ہم ضرور (اس کو پورا) کریں گے

آگے بتلاتے ہیں کہ اوپر جو نیک بندوں سے ثواب و نعمت کا وعدہ ہوا ہے وہ بہت قدیم اور پختہ وعدہ ہے۔

وَلَقَدۡ كَتَبۡنَا فِی الزَّبُوۡرِ مِنۡۢ بَعۡدِ الذِّكۡرِ

اور ہم (سب آسمانی) کتابوں میں لوح محفوظ (میں لکھنے) کے بعد لکھ چکے

اَنَّ الۡاَرۡضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوۡنَ ﴿۱۰۵﴾

ہیں کہ اس زمین (جنت) کے مالک میرے نیک بندے ہوں گے

پس قدامت تو اس سے ظاہر ہے کہ اول لوح محفوظ میں یہ وعدہ لکھا گیا ہے اور تاکید و پختگی اس سے ظاہر ہے کہ کوئی کتاب الٰہی اس مضمون سے خالی نہیں۔

ربط: اب سورۃ ختم پر پہنچی یہاں تک سورت کے زیادہ حصہ میں توحید و نبوت کی تحقیق اور منکرین کے لئے وعید مذکور ہوئی ہے آگے ان مفید مضامین پر مشتمل ہونے کی وجہ سے قرآن کی صراحۃً مدح ہے اور دوسری آیت میں ان مضامین لانے والے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اشارۃً مدح ہے اور قل انما یوحی الخ میں مضمون سابق کے خلاصہ کے طور پر توحید و اسلام کی طرف دوبارہ دعوت ہے اور فان تولوا الخ سے آخر تک بطور خلاصہ ہی کے انکار توحید پر مکرر وعید اور اس کے مناسب دیگر مضامین ارشاد ہیں پس خاتمہ کا مضمون بمنزلہ خلاصہ مقصود و حاصل کلام کے ہے۔ ان فی هذا تا تصفون

اِنَّ فِیۡ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوۡمٍ عٰبِدِیۡنَ ﴿۱۰۶﴾ؕ

بلاشبہ اس (قرآن) میں (ہدایت کا) کافی مضمون ہے ان لوگوں کیلئے جو بندگی کرنے والے ہیں

اور جو لوگ بندگی و اطاعت سے سرتابی کرنے والے ہیں ان کے لئے بھی اگرچہ یہ کافی ہدایت ہے مگر وہ خود ہی منتفع نہیں ہوتے اس لئے خاص طور پر عابدین کا ذکر کیا کہ وہی اس سے نفع حاصل کرتے ہیں۔

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۰۷﴾

اور ہم نے (ایسے مضامین نافعہ دیکر) آپ کو اور کسی بات کے واسطے نہیں بھیجا مگر دنیا جہان کے لوگوں (یعنی مکلفین پر) مہربانی کرنے کے لئے

وہ مہربانی یہی ہے کہ لوگ رسول سے ان مضامین کو حاصل کریں اور ان کو قبول کریں اور ہدایت سے اور اس کے ثمرات سے حصہ لیں اور جو

قبول نہ کرے یہ اس کا قصور ہے اس سے اس مضمون کی صحت میں کوئی خلل نہیں پڑتا پس آیت کی اس تفسیر پر کوئی اشکال متوجہ نہیں ہوتا۔

قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ

آپ (بطور خلاصہ مکرر) فرما دیجئے کہ میرے پاس تو صرف یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود (حقیقی) ایک ہی معبود ہے سو اب بھی تم مانتے ہو (یا نہیں یعنی

وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ فَاِنْ

اب تو مان لو) پھر (بھی) اگر یہ لوگ سرتابی کریں تو (بطور اتمام حجت کے)

تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ

آپ فرما دیجئے کہ میں تم کو نہایت صاف اطلاع کر چکا ہوں

جس میں ذرہ برابر کسی پر خفا نہیں رہا خود توحید و اسلام کی حقانیت کی اطلاع بھی اور انکار پر جو سزا مرتب ہوگی اس کی اطلاع بھی دے چکا سو اب نہ مجھ پر کوئی بار رہا اور نہ تم کو کوئی عذر رہا اور اگر اس کے حق ہونے میں تم کو یہ شبہ ہو کہ وہ سزا اب تک کیوں نہیں ہوئی تو اس کا جواب بھی سنو

وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا

اور میں یہ جانتا نہیں کہ جس (سزا) کا تم سے وعدہ ہوا ہے آیا وہ قریب ہے یا

تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ

دور دراز ہے (البتہ وقوع ضرور ہوگا کیونکہ) اللہ تعالیٰ کو (تمہاری) پکار کر کہی

الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

ہوئی بات کی بھی خبر ہے اور جو (بات) تم دل میں رکھتے ہو اس کی بھی خبر ہے

جب اس کو سب احوال و افعال کی اطلاع ہے اور کفر یہ اعمال و احوال پر سزا کا وعدہ ہے تو لامحالہ سزا واقع ہوگی۔

وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ

اور میں (بالیقین نہیں جانتا (کہ کیا مصلحت ہے) شاید وہ (تاخیر عذاب) تمہارے لئے صورۃً امتحان ہو

کہ عجب نہیں اب بھی ایمان لے آویں اور صورۃً کی قید اس لئے بڑھا دی کہ حقیقی امتحان کی حق تعالیٰ کی جناب میں گنجائش ہی نہیں کیونکہ وہ تو عالم الغیب ہیں۔

وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۱۱﴾

اور ایک وقت (یعنی موت) تک زندگی سے) فائدہ پہنچانا ہو

تا کہ خوب غفلت بڑھے تو عذاب بھی زیادہ ہو پس پہلی صورت رحمت ہے اور دوسری صورت عذاب غرض عذاب میں دیر ہونے سے یہ شبہ نہ کرنا چاہئے کہ واقع ہی نہ ہوگا کیونکہ اس میں کچھ مصلحت ہے۔

قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ

پیغمبر نے (باذن الٰہی کہا کہ اے میرے رب فیصلہ کر دیجئے حق کے موافق

اور خدائی فیصلہ تو ہمیشہ حق کے موافق ہونا لازم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب ان مضامین سے بھی ہدایت نہ ہوئی تو پیغمبر نے کہا کہ اے رب ہمارے اور اس کافر قوم کے درمیان عملی فیصلہ کر دیجئے جس سے حق پوری طرح واضح ہو جائے یعنی مسلمانوں کے لئے جس غلبہ کی پیشین گوئی کی گئی ہے مثلاً اس آیت میں سيهزم الجمع ويولون الدبر اس غلبہ کو واقع کر دیجئے تا کہ حجت زیادہ تمام ہو جائے۔

وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا

اور (پیغمبر نے کفار سے یہ بھی فرمایا کہ ہمارا رب (ہم پر) بڑا مہربان ہے

تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع

جس سے ان باتوں کے مقابلہ میں مدد چاہی جاتی ہے جو تم بنایا کرتے ہو

وہ لوگ یہ باتیں بناتے تھے کہ اسلام اور مسلمان جلدی نیست و نابود ہو جائیں گے اس کے مقابلہ میں پیغمبرؑ نے خدا سے مدد چاہی چنانچہ بدر میں وہ پیشینگوئی واقع ہوگئی وللہ الحمد

سورة الحج مكية الاست ايات من هذان خصمان الیٰ صراط الحميد وهي ثمان و سبعون اٰيةً كذافي البيضاوی وقال صاحب الروح والاصح القول بانها مختلطة فيها مدنی و مکی الخ

ربط: سورۃ سابقہ کے ختم اور اس سورت کے شروع میں تعلق و مناسبت یہ ہے کہ دونوں جگہ ڈرانے کا مضمون ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یایھاالناس تا شدید۔

(۲۲) سُوْرَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۳)
سورۂ حج مدینہ میں نازل ہوئی اور اس میں اٹھتر آیتیں اور دس رکوع ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں
يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ
اے لوگو اپنے رب سے ڈرو (کیونکہ) یقیناً قیامت (کے دن) کا
السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ①
زلزلہ بڑی بھاری چیز ہوگی

جب قیامت کا زلزلہ ایسا ہوگا جو کہ بہت سے واقعات میں سے ایک واقعہ ہے تو سارے واقعات مل کر کیا کچھ سخت و شدید ہوں گے تو ان مصائب کے خیریت سے گزرنے کے لئے سامان چاہئے اور وہ تقویٰ ہے پس خدا سے ڈرو اور ایمان و تقویٰ اختیار کرو آگے اس زلزلہ کی شدت کا بیان ہے۔

يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ
جس روز تم لوگ (اس زلزلہ) کو دیکھو گے اس دن تمام دودھ پلانے والیاں
عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ
(مارے ہیبت کے) اپنے دودھ پیتے کو بھول جاویں گی اور تمام حمل والیاں اپنا
حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ
حمل (پورے دن ہونے سے پہلے) ڈال دیں گی اور (اے مخاطب) تجھ کو لوگ
بِسُكٰرٰى
نشہ کی سی حالت میں دکھائی دیں گے حالانکہ وہ (واقع میں) نشہ میں نہ ہوں گے

کیونکہ نشہ تو کسی نشہ کی چیز کے استعمال سے ہوتا ہے جس کا وہاں نہ ہونا ظاہر ہے۔

وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ②
ولیکن اللہ کا عذاب ہے ہی سخت چیز

جس کے خوف سے لوگوں کی حالت نشہ والوں کی سی ہو جائے گی احادیث سے عین قیامت کے دن اور اس سے پہلے بھی زلزلہ کا واقع ہونا ثابت ہے لیکن جس زلزلہ کا آیت میں ذکر ہے حدیث سے قیامت کے دن اس کا واقع ہونا معلوم ہوتا ہے چنانچہ ترمذی و حاکم وغیرہما نے عمران بن حصین سے روایت کیا ہے اور اس حدیث کو دونوں نے صحیح کہا ہے کہ حضور نے دریافت فرمایا کہ جانتے ہو کہ یہ کون سا دن ہے صحابہ نے عرض کیا اللہ ورسوله اعلم آپ نے فرمایا کہ یہ وہ دن ہے جس میں حق تعالیٰ آدم علیہ السلام سے فرمائیں گے کہ جہنم کا لشکر جہنم میں بھیجو الخ اور یہ ہیبت و وحشت اگر سب کے لئے عام کہی جاوے تو لايحزنهم الفزع الاكبر سے اس کو تعارض نہیں کیونکہ وہاں جو فرمایا ہے کہ خاص بندوں کو بڑی گھبراہٹ غم میں نہ ڈالے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اکثر حالات میں ان کو گھبراہٹ نہ ہوگی گو کسی وقت ہو جاوے چنانچہ جس وقت کا اس آیت میں ذکر ہے ممکن ہے اس قلیل ساعت میں خاص بندوں کو بھی گھبراہٹ ہو جائے اور اگر اس کو عام نہ لیا جاوے بلکہ اکثر لوگوں کے اعتبار سے کہا جاوے تو اصل سے اشکال ہی نہ ہوگا اور تذهل كل مرضعة کے ظاہر الفاظ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ قیامت کے روز بھی عورتیں بچوں کو دودھ پلائیں گی سو یا تو اس کو مان لیا جائے اور کہا جاوے کہ جو جس حالت میں مرا ہے اسی حالت میں اٹھے گا سو ممکن ہے کہ جو عورتیں دودھ پلانے کی حالت میں مری ہیں ان کی وہاں بھی یہی حالت ہو اور یا اس کلام کو مثال کے طور پر سمجھا جائے یعنی مطلب یہ ہے کہ اگر بالفرض کوئی عورت اپنے بچہ کو دودھ پلاتی ہو تو اس دن کی شدت ہول سے دودھ پلاتے ہوئے بچہ کو بھول جائے اور یہی دو احتمال حاملہ عورتوں کے حمل گرنے میں بھی ہیں لیکن دودھ پلانے کے بارہ میں غالب دوسرا احتمال ہے کہ یہ بطور مثال کے کہا گیا ہے اور حمل کے بارہ میں غالب پہلا احتمال ہے کیونکہ حمل والیوں کا حمل کی حالت میں قیامت کو اٹھنا بظاہر زیادہ قرین قیاس ہے اور مقصود یہ نہیں کہ بس اس زلزلہ کی ہیبت اتنی ہی ہوگی بلکہ لوگوں کے ذہنوں میں چونکہ یہ ہیبت بھی بڑی ہے جس پر یہ آثار مرتب ہوں اس لئے اس کو ذکر کر دیا پس زیادہ کی نفی مقصود نہیں ہے۔

ربط: اوپر تقویٰ کی تاکید کے لئے قیامت کے بعض احوال کا ذکر فرمایا تھا چونکہ بعضے کفار قیامت کے منکر تھے چنانچہ نضر بن الحارث بڑا

جھگڑالو تھا کہتا تھا کہ قرآن محض ایک افسانہ ہے اور جو شخص گل سڑ کر مٹی ہو گیا اللہ تعالیٰ اس کے زندہ کرنے پر (نعوذ باللہ) قادر نہیں اس لئے آگے ان کا رد فرماتے ہیں۔ ومن الناس تا للعبید

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ

اور بعضے آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں (یعنی ذات یا صفات

بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ

میں) بے جانے بوجھے جھگڑا کرتے ہیں اور ہر شیطان سرکش کے

مَّرِيْدٍ ۝۳

پیچھے ہو لیتے ہیں

یعنی اس میں گمراہی کی ایسی قابلیت ہے کہ جو شیطان جس طرح بہکاوے اس کے بہکانے میں آ جاتا ہے پس اس شخص میں غایت درجہ کی گمراہی ہوئی کہ اس پر ہر شیطان کا قابو چل جاتا ہے۔

كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ

جس کی نسبت (خدا کے یہاں سے) یہ بات لکھی جا چکی ہے کہ جو شخص اس سے

يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝۴

تعلق رکھے گا یعنی اس کا اتباع کرے گا تو اس کا کام ہی یہ ہے کہ وہ اس کو (راہ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ

حق سے) بے راہ کر دے گا اور اس کو عذاب دوزخ کا راستہ دکھلا دے گا اے لوگو

الْبَعْثِ

اگر تم (قیامت کے روز) دوبارہ زندہ ہونے سے شک (وانکار) میں ہو تو

ذرا آئندہ مضمون میں غور کر لو تا کہ شک رفع ہو جاوے اور معلوم ہو جاوے کہ دوبارہ زندہ ہونا ممکن ہے۔

فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ

ہم نے (اول) تم کو مٹی سے بنایا

کیونکہ غذا جس سے نطفہ بنتا ہے اول عناصر سے پیدا ہوتی ہے جس کی ایک جز مٹی بھی ہے۔

ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ

پھر نطفہ سے (جو غذا سے پیدا ہوتا ہے) پھر خون کے لوتھڑے سے

جو نطفہ میں گاڑھا پن اور سرخی آنے سے حاصل ہوتا ہے۔

ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ

پھر بوٹی سے

جو خون کے لوتھڑے میں سختی آ جانے سے بنتی ہے۔

مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ

کہ (بعضی) پوری ہوتی ہے اور (بعضی) ادھوری بھی

بعض میں پورے اعضا بن جاتے ہیں اور بعض میں ناقص رہ جاتے ہیں۔

لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ط

تا کہ ہم تمہارے سامنے (اپنی قدرت) ظاہر کر دیں

یعنی یہ اس طرح کی ساخت اور ترتیب اور تفاوت قدرت الٰہی کی دلیل ہے اور اسی سے ظاہر ہے کہ وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے آگے اس مضمون کا تتمہ ہے جس سے اور زیادہ قدرت ظاہر ہوتی ہے۔

وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ

اور ہم (ماں کے) رحم میں جس (نطفہ) کو چاہتے ہیں ایک مدت معین (یعنی

مُّسَمًّى

وقت وضع) تک ٹھہرائے رکھتے ہیں

اور جس کو ٹھہرانا نہیں چاہتے وہ اسقاط ہو جاتا ہے۔

ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا

پھر ہم تم کو بچہ بنا کر باہر لاتے ہیں

پھر اس کے بعد تین قسمیں ہو جاتی ہیں ایک قسم یہ کہ تم میں سے بعض کو جوانی تک مہلت دیتے ہیں۔

ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ج وَمِنْكُمْ مَّنْ

پھر تا کہ تم اپنی بھری جوانی (کی عمر) تک پہنچ جاؤ اور (بعضے) تم میں وہ بھی

يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ

ہیں جو (جوانی سے پہلے ہی) مرجاتے ہیں اور بعضے تم میں وہ ہیں جو نکمی عمر

الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ

(یعنی زیادہ بڑھاپے) تک پہنچا دیا جاتا ہے جس کا اثر یہ ہے کہ ایک چیز سے

شَيْـًٔا ط

باخبر ہو کر پھر بے خبر ہو جاتا ہے

جیسا اکثر بوڑھوں کو دیکھا جاتا ہے کہ ابھی ایک بات بتلائی اور ابھی پھر پوچھ رہے ہیں یہ تیسری قسم ہوئی یہ سب حالتیں بھی قدرت پر دلالت کرتی ہیں ایک دلیل تو یہ تھی آگے دوسری دلیل ہے۔

وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ

اور (آگے دوسرا استدلال ہے کہ) اے مخاطب تو زمین کو دیکھتا ہے کہ خشک

اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ

(پڑی) ہے پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی

وَاَنْۢبَتَتْ

ہے اور ہر قسم کی خوشنما نباتات اگاتی ہے

سو یہ بھی قدرت کاملہ کی دلیل ہے آگے دلیل کے واضح کرنے کے لئے ان تمام تصرفات وتغیرات کی علت وحکمت بیان فرماتے ہیں

مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ﴿۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ

یہ سب اس سبب سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی

اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ

ہستی میں کامل ہے

یہ تو اس کا ذاتی کمال ہے

وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى

اور وہی بے جانوں میں جان ڈالتا ہے

یہ اس کا عملی کمال ہے۔

وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۶﴾

اور وہی ہر چیز پر قادر ہے

یہ اس کا وصفی کمال ہے اور یہ تینوں مل کر تصرفات مذکورہ کی علت ہیں کیونکہ اگر ان تین کمالات میں سے ایک بھی نہ ہوتا تو ایجاد نہ پایا جاتا موجد عالم وہی ہو سکتا ہے جو ذات وصفات وعمل سب میں کامل ہو چنانچہ ظاہر ہے۔

وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ

اور (نیز اس سبب سے ہوا کہ) قیامت آنے والی ہے اس میں ذرا شبہ نہیں

اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿۷﴾

اور اللہ تعالیٰ (قیامت میں) قبر والوں کو دوبارہ پیدا کر دے گا

یعنی ہم نے یہ تصرفات مذکورہ اس لئے ظاہر کئے کہ ان میں منجملہ اور حکمتوں کے ایک حکمت اور غایت یہ تھی کہ ہم کو قیامت کا لانا اور مردوں کا زندہ کرنا منظور ہے تو ان تصرفات سے اس کا ممکن ہونا لوگوں پر ظاہر ہو جائے گا کہ جو خدا ایسے ایسے تصرفات کرتا ہے وہ دوبارہ بھی زندہ کر سکتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ

اور بعضے آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدوں واقفیت (یعنی

عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ﴿۸﴾

علم ضروری اور بدوں دلیل) یعنی علم استدلال عقلی) اور بدوں کسی روشن کتاب

ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط

(یعنی علم استدلال نقلی) کے تکبر کرتے ہوئے جھگڑا کرتے ہیں تاکہ اللہ کی راہ

لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ

سے (یعنی دین حق سے) بے راہ کر دیں ایسے شخص کے لئے دنیا میں رسوائی ہے

خواہ کسی قسم کی رسوائی ہو چنانچہ بعضے گمراہ قتل وقید وغیرہ سے ذلیل ہوتے ہیں بعضے مناظرہ اہل حق میں مغلوب ہو کر عقلاء کی نظر میں بے عزت ہوتے ہیں۔

ربط: اوپر ان لوگوں کی مذمت تھی جو انکار اور مباحثہ پر اصرار کرنے والے تھے آگے ان کی مذمت ہے جو ان باتوں سے توبہ کرنے اور اسلام لانے کے بعد بعض حالتوں میں باوجود ظاہری اسلام کے دل سے اخلاص نہ رکھتے تھے اور بعض حالتوں میں کفر وانکار کی طرف لوٹ

کر مرتد ہو جاتے تھے چنانچہ بخاری وغیرہ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ بعض لوگ مدینہ میں آ کر مسلمان ہوتے جب گھر جا کر مال واولاد میں برکت وفراغت دیکھتے تو کہتے کہ بڑا اچھا دین ہے ورنہ کہتے یہ برا دین ہے اور پھر جاتے اور ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کا اسلام پر رہنا بھی اس کی حقانیت کی وجہ سے نہ ہوگا کیونکہ ان کے نزدیک تو حقانیت کا مدار دنیوی نفع تھا پس اسلام کی حالت میں بھی ان کا عقیدہ اور غرض میں خرابی ہوئی تھی اس لئے بوجہ اخلاص نہ ہونے کے وہ اسلام معتبر نہیں بلکہ نفاق کی قسم ہے۔ ومن الناس تا لبئس العشير

وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۹﴾

اور قیامت کے دن ہم اس کو جلتی آگ کا عذاب چکھادیں گے (اور اس سے کہا جاوے

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ

گا کہ یہ تیرے ہاتھ کے کئے ہوئے کاموں کا بدلہ ہے اور یہ بات ثابت ہی ہے کہ اللہ

بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۰﴾ ع وَمِنَ النَّاسِ مَنْ

تعالیٰ (اپنے) بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں (پس تم کو بلا جرم سزا نہیں دے گا) اور بعض

يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ج

آدمی اللہ کی عبادت (ایسے طور پر) کرتا ہے (جیسے کسی چیز کے) کنارے پر (کھڑا ہو)

اور موقع پا کر چل دینے پر تیار ہو۔

فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ اِۨطْمَاَنَّ بِهٖ ج وَاِنْ

پھر اگر اس کو کوئی (دنیوی) نفع پہنچ گیا

اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ اِۨنْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ قف ج

تو اس کی وجہ سے (ظاہری) قرار پالیا اور اگر اس پر کچھ آزمائش ہوگئی

خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ط ذٰلِكَ هُوَ

منہ اٹھا کر (کفر کی طرف) چل دیا (جس سے) دنیا وآخرت دونوں کو کھو

الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۱﴾

بیٹھا یہی کھلا نقصان (کہلاتا) ہے

چنانچہ دنیا کا نقصان تو اس آزمائش اور معصیت سے مشاہد ہے اور آخرت کے نقصان کا آگے ذکر ہے۔

يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا

خدا (کی عبادت) کو چھوڑ کر ایسے کی عبادت کرنے لگا جو نہ اس کو نقصان پہنچا

لَا يَنْفَعُهٗ ط

سکتا ہے اور نہ اس کو نفع پہنچا سکتا ہے

اور ظاہر ہے کہ خدائے قادر کو چھوڑنا اور ایسے عاجز کو اختیار کرنا آخرت میں سخت مضر ہے اور اس پر قطعی دلائل قائم ہیں۔

ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۲﴾ ج يَدْعُوْا لَمَنْ

یہ انتہا درجہ کی گمراہی ہے وہ ایسے کی عبادت کررہا ہے کہ اس (کی عبادت) کا

ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ط

ضرر بہ نسبت اس کے نفع کے زیادہ قریب الوقوع ہے

یعنی صرف یہی نہیں کہ اس عبادت سے نفع نہ ہوتا ہو بلکہ اس کی عبادت میں ضرر بھی ہوتا ہے۔

لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ﴿۱۳﴾

ایسا کارساز بھی برا اور ایسا رفیق بھی برا

جو بالکل ہی کام نہ آوے نہ بڑا ہو کر کام آوے نہ برابر ہو کر کام آوے

ربط: اوپر کفار کی چند جماعتوں کی مذمت تھی آگے سب کے مقابلہ میں مومنین کی فضیلت ہے۔ ان اللہ یدخل تا مایرید.

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے (بہشت کے)

الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

ایسے باغوں میں داخل فرماویں گے جن کے نیچے نہریں جاری

الْاَنْهٰرُ ط اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۱۴﴾

ہوں گی اللہ تعالیٰ جو ارادہ کرتا ہے کر گزرتا ہے

پس اوپر جو کفار کی سزا اور مومنین کی جزا کا بیان کیا گیا ہے اس کے واقع ہونے میں ذرا شبہ نہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی مزاحمت نہیں کرسکتا ہے جب وہ جزا وسزا کا ارادہ کرچکا ہے تو ضرور ایسا ہی واقع ہوگا۔

ربط: اوپر ان کفار کا ذکر ہوا تھا جو دین میں جھگڑا کرتے تھے چونکہ

اس سے ان کی غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دین اسلام کو مغلوب اور کمزور کرنا تھا اس لئے آگے ان لوگوں کی غرض کی ناکامی بیان فرماتے ہیں۔ من کان یظن تا یغیظ۔

مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي

جو شخص (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخالفت کر کے) اس بات کا

الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

خیال رکھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ رسول کی دنیا اور آخرت میں مدد نہ کرے گا

کیونکہ بدوں اس خیال کے دین اسلام کے مقابلہ میں مخالفانہ تقریریں اور تدبیریں کرنا خلاف عقل ہے اس لئے کہ مقصود کوشش سے اپنی کامیابی اور مخالف کی ناکامی ہوتی ہے اور ناکام وہ ہوتا ہے جس کی خدا مدد نہ کرے پس رسول کے مقابلہ میں یہ سعی کرنا کہ آپ مغلوب ہو جائیں گے اور آپ کی اور دین اسلام کی ترقی رک جائے گی اس قاعدہ کے موافق اس خیال کو ضرور مستلزم ہوگی۔

فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ

تو اس کو چاہئے کہ ایک رسی آسمان تک تان لے پھر (اس کے ذریعہ سے آسمان پر پہنچ کر اگر ہو سکے) اس وحی کو موقوف کرا دے

اور ظاہر ہے کہ ایسا کوئی نہیں کر سکتا۔

فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا

تو پھر (خوب) غور کرنا چاہئے آیا اس کی یہ تدبیر اس کی ناگواری کی چیز کو (یعنی

يَغِيْظُ ⑮ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ

وحی کو) موقوف کر سکتی ہے اور ہم نے اس قرآن کو اسی طرح اتارا ہے

ہرگز نہیں کر سکتی حاصل یہ ہوا کہ امداد الٰہی آپ کے ساتھ بوجہ نبوت اور وحی کے ہے سو آپ کی ناکامی میں کوشش کرنا اس وقت مفید ہو سکتا ہے جب کہ نبوت اور وحی کے قصہ کو پاک کر دیا جائے اور یہ ہو نہیں سکتا۔ پس دین کے خلاف میں سعی کرنا سراسر حماقت ہے۔

ربط: اوپر یہ مذکور تھا کہ سلسلہ وحی قطع کرنے پر کوئی قادر نہیں آگے اسی کی تاکید کے لئے بیان فرماتے ہیں کہ وحی کے نازل کرنے والے حق تعالیٰ ہیں اور اوپر غور و فکر کا امر تھا جس کا مقتضا یہ تھا کہ سامع کو ضرور ہدایت ہو جاتی آگے ختم آیت پر ہدایت کا خدا کی مشیت پر موقوف ہونا مذکور ہے۔ وکذلک تا یرید کہ اس میں صرف ہمارے ہی ارادہ اور قدرت کا دخل ہے۔

اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ⑯

جس میں کھلی کھلی دلیلیں تعیین حق کی ہیں اور بات یہ (ہی) ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے (حق کی) ہدایت کرتا ہے

البتہ انسان کی سعی اور طلب کے بعد اللہ تعالیٰ ارادہ کر ہی لیتے ہیں۔

ربط: اوپر کفار کا دین اسلام اور مومنین کے ساتھ اختلاف کرنا اور اس اختلاف کا قولی فیصلہ پختہ دلائل سے واضح طور پر بیان فرمایا تھا مگر چونکہ کفار بوجہ عناد کے اس پر کفایت نہیں کرتے اس لئے آگے قیامت کے عملی فیصلہ کا ذکر فرماتے ہیں۔ ان الذین اٰمنوا تا شھید

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان اور یہود اور صابئین اور نصاریٰ اور مجوس اور

وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ

مشرکین اللہ تعالیٰ ان سب کے درمیان میں قیامت کے روز (عملی) فیصلہ کر

اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ

دے گا (مسلمانوں کو جنت میں داخل کرے گا اور کافروں کو دوزخ میں)

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ⑰

بیشک خدا تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے

پس اس کو ہر ایک کے کفر و ایمان کی بھی اطلاع ہے ہر ایک کو مناسب بدلہ دے گا فرقہ صابئین کے متعلق الم کے نصف سے پہلے ان الذین اٰمنوا الخ کی تفسیر میں کچھ بیان ہو چکا ہے اور مجوس آتش پرست ہیں باقی سب مشہور ہیں۔ ربط: اوپر مومنین اور کفار کے درمیان میں قیامت کے روز فیصلہ فرمانے کا بیان تھا چونکہ عادۃً فیصلہ کے لئے اس اختلاف کا باوقعت ہونا ضروری ہے اس لئے آگے اپنی اطاعت کا باعظمت و باوقعت ہونا تمام مخلوقات کے عاجز و منقاد ہونے سے بتلاتے ہیں اور ایسے ظاہر امر میں بے جا اختلاف کا برا ہونا بیان کرتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ

اے مخاطب کیا تجھ کو (عقل سے یا مشاہدہ سے) یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ کے سامنے (اپنی اپنی حالت کے مناسب) عاجزی کرتے ہیں

یسجد کی تفسیر میں اپنی اپنی حالت کی مناسب کی قید لگا دینے سے یہ اشکال رفع ہو گیا کہ اس سے مراد اگر اختیاری اطاعت ہے تو تمام مخلوقات کی طرف اس کا منسوب کرنا مشکل کیونکہ جمادات اور حیوانات میں ارادہ اور اختیار کہاں اور اگر بے اختیاری اطاعت مراد ہے تو لکثیر من الناس کی تخصیص مشکل ہے یعنی یہ کیوں فرمایا کہ بہت سے آدمی بھی کیونکہ بے اختیاری اطاعت تو سبھی آدمی کرتے ہیں مومن بھی اور کافر بھی خدا جس کو چاہے زندہ کرے جسے چاہے مار دے جسے چاہے صحت وغنا دے جس کو چاہے بیماری وفقر میں مبتلا کر دے ان باتوں میں تو کوئی بھی خدا کے خلاف نہیں کر سکتا جواب یہ ہے کہ ہر چیز کے مناسب جیسی اطاعت ہے وہ مراد ہے پس جو مخلوقات مکلّف نہیں ہیں ان کے مناسب بے اختیاری اطاعت ہے اور انسان کے مناسب علاوہ اس بے اختیاری اطاعت کے تشریعی واختیاری اطاعت میں سب برابر نہیں اس لئے فرمایا کہ بہت سے آدمی بھی الخ

ربط: اوپر مومنین وکفار کی قسمیں تفصیلاً اور ان کا عملی فیصلہ اجمالاً مذکور تھا آگے ان اقسام کو بطور میزان الکل کے اجمالاً اور فیصلہ کو توضیح کے لئے تفصیلاً بیان فرماتے ہیں هذان خصمان تا صراط الحمید.

مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ

جو کہ آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے

وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ

اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے (تو) آدمی بھی اور بہت سے

وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ

ایسے ہیں جن پر (بوجہ منقاد نہ ہونے کے) عذاب ثابت ہو گیا ہے اور (سچ یہ

وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ يُّهِنِ

ہے کہ) جس کو خدا ذلیل کرے (اور اس کو توفیق ہدایت نہ ہو) اس کا کوئی

اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ

عزت دینے والا نہیں (اور) اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے) جو چاہے کرے (جن کا

مَا يَشَآءُ ۩ (السجدة) ۱۸

اوپر آیۃ میں ذکر ہوا) دو فریق ہیں

ایک مومن دوسرا کافر پھر دوسرے فریق کی کئی قسمیں ہیں یہود اور نصاریٰ اور صائبین اور مجوس اور بت پرست۔

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ز

جنہوں نے دربارے اپنے رب کے (دین کے) باہم اختلاف کیا

اعتقاد میں تو اختلاف ہی ہے کبھی صورت مباحثہ سے وہ اختلاف ظاہر بھی ہو جاتا ہے سو اس اختلاف کا عملی فیصلہ قیامت میں ہوگا آگے اسی کا بیان ہے۔

فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ

سو جو لوگ کافر تھے ان کے (پہننے کے) لئے (قیامت میں) آگ کے

مِّنْ نَّارٍ ؕ

کپڑے قطع کئے جاویں گے

یعنی آگ چاروں طرف سے سر سے پاؤں تک کپڑوں کی طرح گھیرے ہوئے ہوگی۔

يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ۱۹ ج

اور ان کے سر کے اوپر سے تیز گرم پانی چھوڑا جاوے گا (اور) اس سے ان

يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ۲۰ ؕ

کے پیٹ میں کی چیزیں (یعنی انتڑیاں) اور ان کی کھالیں سب گل جاویں گی

اس طرح سے کہ کچھ حصہ اس پانی کا کھال کو توڑ کر اندر گھس جاوے گا اس سے انتڑیاں گل جاویں گی اور کچھ حصہ کھال کے اوپر بھی آ بہے گا اس سے کھال گل جاوے گی اور یہ شبہ نہ ہو کہ جب کھال اور پیٹ سب گل گئے تو عذاب کا محل نہ رہا پھر عذاب کیسے ہوگا جواب یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ پھر وہ اپنی حالت پر ہو جاوے گا رواہ الترمذی اور دوسری آیت میں ہے۔ كلما نضجت جلودهم بدلنا هم جلوداً غيرها ليذوقوا العذاب

وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ۲۱ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا

اور ان کے (مارنے کے) لئے لوہے کے گرز ہوں گے وہ لوگ جب (دوزخ میں) گھٹے

اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا

گھٹے (گھبرا جائیں گے) اور اس سے باہر نکلنا چاہیں گے تو پھر اسی میں دھکیل دیئے جاویں

فِيْهَا ق وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۲۲ ع

گے اور (ان کو) کہا جاوے گا کہ جلنے کا عذاب (ہمیشہ کے لئے) چکھتے رہو

کبھی نکلنا نصیب نہ ہوگا اور اگرچہ دوزخ سے نکلنا بوجہ اس کی گہرائی کے اور دروازے بند ہونے کے ناممکن ہوگا اور گھبراہٹ کے وقت یہ حرکت طبعی ہوتی ہے کہ دروازہ کی طرف انسان بھاگا کرتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

(اور) اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کہ ایمان لائے

الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا

اور انہوں نے نیک کام کئے (بہشت کے) ایسے باغوں میں

الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ

داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی (اور) ان کو وہاں

مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا ۖ وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا

سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جاویں گے اور پوشاک ان کی

حَرِيرٌ ﴿٢٣﴾

وہاں ریشم کی ہوگی

اگر کسی کو شبہ ہو کہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ سب جنتیوں کا لباس ریشم کا ہوگا اور حدیث میں آیا ہے جو مرد دنیا میں ریشم پہنے گا اس کو جنت میں نہ ملے گا گو وہ جنت میں بھی چلا جائے جواب یہ ہے کہ ممکن ہے ایسے لوگوں کو اول داخل ہوتے ہی نہ ملے پھر مل جائے اس پر اگر یہ شبہ ہو کہ اس کے نہ ملنے سے اگر حسرت نہ ہوگی تو پھر سزا کیا ہوئی اور اگر حسرت ہوگی تو جنت میں حسرت ہونا لازم آتا ہے جواب یہ ہے کہ تھوڑی دیر کیلئے حسرت ہوگی اس میں سزا بھی ہوگئی اور اشکال بھی نہیں کیونکہ اس کے بعد جو راحت دائمی ہوگی اس کے سامنے وہ حسرت کالعدم ہے پس تھوڑی دیر کے لئے بھی جنت میں حسرت نہ ہونا اس پر کوئی دلیل نہیں

ربط: اوپر بعض کفار کا دین میں جھگڑنا اور لوگوں کو اپنی باتوں سے گمراہ کرنا مذکور تھا اسی سلسلہ میں یہاں تک کلام چلا آیا آگے ان کے عملی جدال اور بعض احکام دینی کے عملی ابطال کا مع وعید کے ذکر ہے جیسا کہ سال حدیبیہ میں کفار قریش نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو عمرہ کے لئے مکہ میں جانے سے روکا تھا اس پر وعید شدید کے ساتھ ایسی جگہ میں شرک کرنے کی قباحت و مذمت کا بھی بیان ہوا ہے کہ جو لوگ اس مقام اور خاص ایام کے مناسب عبادت کرنے آئے ان کو تو روکا اور خود ان مواقع میں شرکیہ اور کفریہ اعمال کرتے ہیں اور وعید کی تاکید کے لئے اس مقدس مکان اور اس کے متعلق بعض افعال وغیرہ کی عظمت و فضیلت کا مضمون بھی ارشاد فرمایا ہے۔ ان الذین کفروا تا الیم

وَهُدُوا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ

اور (یہ سب انعام ان کے لئے اس لئے ہے کہ دنیا میں) ان کو کلمہ طیب (کے اعتقاد)

وَهُدُوا إِلَىٰ صِرَاطِ الْحَمِيدِ ﴿٢٤﴾ إِنَّ

کی ہدایت ہوگئی تھی اور ان کو اس (خدا) کے راستہ کی ہدایت ہوگئی تھی جو لائق حمد ہے

الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ

(وہ راستہ اسلام ہے) بیشک جو لوگ کافر ہوئے اور (مسلمانوں کو) اللہ کے راستہ سے

یعنی دین کے کام سے کہ وہ عمرہ ہے۔

وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

اور مسجد حرام (یعنی حرم) سے روکتے ہیں

کیونکہ عمرہ کے ارکان حرم کے خاص حصہ میں ادا ہوتے ہیں کہ عمرہ سے روکنا حرم سے روکنا ہوا حالانکہ حرم کو کسی کے ساتھ خصوصیت نہیں۔

الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ

جس کو ہم نے تمام آدمیوں کے واسطے مقرر کیا ہے کہ اس میں سب برابر ہیں اس میں رہنے والا بھی اور باہر سے آنے والا بھی

یعنی بجز ان مقامات کے جن پر کسی کا استحقاق صحیح طور پر ثابت ہے اور دلیل سے وہ کسی خاص کی مملوک ہیں باقی تمام اجزاء حرم میں وہاں کے رہنے والے اور باہر سے آنے والے مسافر سب کے لئے برابر ہیں اور مسجد حرام کی تفسیر تمام حرم کے ساتھ درمنثور میں ابن عباسؓ سے مروی ہے اور آیت میں بھی اس کے قرآئن موجود ہیں حنفیہ نے اسی تفسیر کو اختیار کر کے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ تمام حرم کی زمین مثل وقف کے ہے کسی کو اس میں دعویٰ ملک یا کسی کو انتفاع سے روکنا یا زمین کا کرایہ لینا جائز نہیں اور اس بارہ میں کچھ احادیث بھی ہیں لیکن خود امام صاحب سے بھی ایک قول جواز کا منقول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور جو تفسیر احقر نے کی ہے وہ کسی مذہب کو مضر نہیں۔

وَالْبَادِ ط

یہ (روکنے والے) لوگ معذب ہوں گے

کیونکہ جن مواقع سے ان کفار نے روکا ہے یعنی مسجد اور اس کے حوالی جہاں طواف اور سعی وغیرہ ہوتے ہیں اور وہ سڑکیں جن سے وہاں پہنچتے ہیں یہ سب مواقع ان کے مملوک نہیں تھے پھر اس سے روکنے میں تو چند گناہ تھے ہی اس کی ساتھ کفر بھی ملا ہوا ہے اس پر عذاب کیسے نہ ہوتا آگے مقام حرم کی عظمت وحرمت بیان فرماتے ہیں۔

وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ

اور جو شخص اس میں (یعنی حرم میں) کوئی خلاف دین کام قصداً ظلم (یعنی شرک

مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٢٥﴾

وکفر) کے ساتھ کرے گا تو ہم عذاب دردناک کا مزہ چکھائیں گے

یہ حکم سارے حرم کے لئے عام ہے کیونکہ روکنے کے بارہ میں تو دلیل سے تخصیص کر لی گئی تھی اور یہاں تخصیص کی کوئی دلیل نہیں پس حرم کے کسی حصہ میں بھی دین کے خلاف کوئی گناہ کا کام کیا جاوے گا تو اس پر سخت عذاب ہوگا اور ہر چند کہ گناہ کرنا ہر جگہ موجب عذاب ہے لیکن حرم کے اندر زیادہ عذاب کا سبب ہے باقی اس پر کوئی دلیل قائم نہیں کہ حرم کے اندر صغائر حکم کبائر میں ہیں یا ایک گناہ سے کئی گناہ لکھے جاتے ہیں البتہ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ دوسری جگہ صغائر وکبائر کا جو اثر ہے حرم میں دونوں کا اثر کیفیت اور شدت میں زیادہ ہے لیکن صغیرہ کا اثر کبیرہ کے برابر یا ایک گناہ کا کئی گناہ کے برابر ہونا ثابت نہیں اور ارادہ سے مراد وہ مرتبہ نہیں۔ جو دوسری جگہ معاف ہوتا ہے بلکہ ارادہ کے معنی عزم اور کوشش کے ہیں جیسا کہ اراد الاخرۃ میں سعی و طلب کے معنے ہیں اور اس قید سے فائدہ یہ ہوگا کہ نسیان وخطا کا معاف ہونا معلوم ہو جائے گا باقی جس درجہ کا ارادہ ہر جگہ معاف ہے حرم میں بھی معاف ہے حرم میں ان کا موجب عتاب ہونا ثابت نہیں اور ظلم یعنی شرک کی قید اس لئے نہیں بڑھائی گئی کہ بدوں شرک کے دوسری معصیت عذاب کی موجب نہ ہوگی بلکہ اس کا یہ فائدہ ہے کہ جو شخص شرک کے ساتھ موصوف ہوگا وہ تو یقیناً معذب ہوگا اور جو شخص مومن ہو ممکن ہے کہ ایمان کی برکت سے بلا عذاب ہی معاف کر دیا جائے واذبوأنا تا بالبیت العتیق۔

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ

اور جبکہ ہم نے ابراہیمؑ کو خانہ کعبہ کی جگہ بتلا دی

کیونکہ اس وقت خانہ کعبہ بنا ہوا نہ تھا تو اس وقت کا قصہ لوگوں کو سنا دیجئے جو اس محترم مقام کی جو کہ بیت اللہ کو مشتمل ہے عظمت ظاہر کرتا ہے

تا کہ بے حرمتی کرنے والوں کی زیادہ خرابی ظاہر ہو

اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ

اور حکم دیا) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرنا (یہ ان کے مابعد والوں

لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ

کو سنانا ہے) اور میرے (اس) گھر کو طواف کرنے والوں کے اور (نماز

السُّجُوْدِ ﴿٢٦﴾

میں) قیام ورکوع وسجدہ کرنے والوں کے واسطے پاک رکھنا

ظاہری اور معنوی گندگیوں سے جیسے بت وغیرہ جیسا کہ تم نے اب تک اس کو پاک رکھا ہے اور یہ بھی بعد والوں کو سنانا منظور ہے کہ جن مقدس بزرگوں کے عہد میں پاک نہ رکھنے کا احتمال بھی نہ تھا جب اہتمام کے طور پر ان کو پاک رکھنے کا حکم کیا گیا تو دوسروں کو جو حقیقۃً کھلم کھلا اس میں بت رکھے ہوئے ہیں کیونکر معاف کر دیا جائے گا اور بیت اللہ کے ذکر کے ساتھ شرک کی ممانعت کا ذکر اس لئے نہایت ہی مناسب ہوا کہ کسی ناواقف و بیت اللہ کی تعظیم سے اور اس کے عبادت گاہ ہونے سے اس کے معبود ہونے کا وہم نہ ہو جائے۔

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ

اور (ابراہیمؑ سے یہ بھی کہا گیا کہ) لوگوں میں حج (کے فرض ہونے) کا اعلان کر دو

حاکم وبیہقی نے ابن عباس سے اس اعلان کا قصہ نقل کیا ہے کہ جب وہ بیت اللہ کی تعمیر سے فراغت پا کر اس اعلان کے لئے مامور ہوئے تو عرض کیا کہ میری آواز کہاں تک پہنچے گی حق تعالیٰ نے پہنچانے کا وعدہ فرمایا تو ان کی آواز اور اعلان کو سب نے سنا کذافی الرواح

يَاْتُوْكَ رِجَالًا

لوگ تمہارے پاس

یعنی تمہاری اس مقدس عمارت کے پاس

وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ

(حج کو) چلے آویں گے پیادہ بھی اور دبلی اونٹنیوں پر بھی جو کہ دور دراز

عَمِيْقٍ ﴿٢٧﴾

راستوں سے پہنچی ہوں گی

یا جو سواری کسی کو میسر ہو اس پر آویں گے اور دبلی اونٹنیوں کی تخصیص باعتبار غالب حالت کے ہے اور مثال کے طور پر ہے آگے وہ غرض بتلاتے ہیں جس کے لئے لوگ حرم میں آویں گے۔

لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ

تاکہ اپنے (دینیہ اور دنیویہ) فوائد کے لئے آموجود ہوں

مثلاً آخرت کے منافع یہ ہیں حج وثواب ورضا حق اور دنیوی فوائد یہ ہیں قربانی کا گوشت کھانا اور تجارت وغیرہ دنیوی فوائد کا مقصود اصلی ہونا برا ہے وہ تابع ہونے چاہئیں۔

وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ

اور (اس لئے آویں گے) تاکہ ایام مقررہ (یعنی ایام قربانی) میں ان مخصوص چوپاؤں پر (ذبح

عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ

کے وقت) اللہ کا نام لیں (یعنی بسم اللہ اللہ اکبر کہیں) جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطاء کئے ہیں

قربانی کے ایام دسویں گیارہویں بارہویں ذی حجہ کی ہے اور مخصوص چوپایوں سے مراد گائے اونٹ بکری بھیڑ ہیں اور یہ منفعت کچھ دینی ہے کچھ دنیوی ہے دونوں سے مرکب ہے یہاں تک ابراہیم علیہ السلام کے خطاب کا مضمون ہو چکا جس سے حج اور قربانی کا اس وقت مقرر ہونا بھی یقیناً معلوم ہو گیا آگے امت محمدیہ کو خطاب ہے کہ تمہارے لئے بھی یہ حکم حج اور قربانی کا مشروع ہے اور چند احکام بطور تکمیل کے اور بتلاتے ہیں سو تم بھی قربانی پر بسم اللہ کہا کرو۔

فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ

سو ان (قربانی کے) جانوروں میں سے تم (کو) بھی (اجازت مع الاستحباب

الْفَقِيْرَ ۝۲۸ ز

ہے کہ) کھایا کرو اور (مستحب ہے کہ) مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلایا کرو

بلکہ غنی کو بھی کھلاؤ تو مضائقہ نہیں۔

ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ

پھر لوگوں کو چاہئے کہ اپنا میل کچیل دور کردیں

یعنی قربانی کے بعد احرام کھول ڈالیں سر منڈا دیں یا بال کٹادیں اور ناخن اور لب بنوالیں۔

وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ

اور اپنے واجبات کو پورا کریں

خواہ نذر سے قربانی وغیرہ واجب کر لی ہو یا بلا نذر کے جو افعال حج ابتداً واجب ہیں جیسے کنکریاں مارنا وغیرہ۔

وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۝۲۹

اور (ان ہی ایام معلومات میں) اس مامون گھر (یعنی خانہ کعبہ) کا طواف کریں

یہ طواف زیارت کہلاتا ہے جو کہ فرض ہے اور حدیث ترمذی سے بیت اللہ کے مامون ہونے کے یہ معنے معلوم ہوتے ہیں کہ جبار لوگوں میں سے جس نے اس کی بے ادبی کا ارادہ کیا وہ غارت ہوا اور اکثر کا تو حوصلہ ہی نہیں ہوا اور حضرت عبد اللہ بن زبیر سے جو حجاج بن یوسف لڑا اس کا مقصود اہانت بیت اللہ نہ تھا ذلک تا العتیق۔

ذٰلِكَ ۚ ق

یہ بات تو ہو چکی

جو خاص احکام مذکورہ کے متعلق تھی اب کل احکام کے متعلق دوسری بات سن لو۔

وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ

اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے محترم احکام کی وقعت کرے گا

علم سے بھی کہ ان کو معلوم کرے اور عمل سے بھی کہ ان کے خلاف نہ کرے عام اس سے کہ وہ حج کے متعلق ہوں اور یہی احکام مذکورہ ہوں یا حج کے متعلق نہ ہوں۔

فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ

سو یہ (وقعت کرنا) اس کے حق میں اس کے رب کے نزدیک بہتر ہے

کیونکہ موجب ثواب ہے اور عذاب سے نجات دینے والا ہے اور اوپر جو خاص چوپاؤں کے کھانے کی اجازت ہے اس پر کوئی شبہ نہ کرے کہ احرام میں شکار تو حرام ہو جاتا ہے پھر یہ جانور کیوں حلال رہے آگے اس کا جواب ہے۔

وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى

اور ان مخصوص چوپاؤں کو باستثناء ان (بعض بعض) کے جو تم کو پڑھ کر سنا

عَلَيْكُمْ

دیئے گئے ہیں تمہارے لئے حلال کردیئے

اور حلت وحرمت کا مدار اللہ تعالیٰ کے حکم پر ہے جب ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا حکم حلت کے ساتھ ہو چکا تو ان کا حلال سمجھنا بھی احکام خداوندی کی تعظیم میں داخل ہے جس کا بہتر ہونا اوپر بتلا دیا گیا۔

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ

تو تم لوگ گندگی سے یعنی بتوں سے (بالکل) کنارہ کش رہو

ان کو خدا کے ساتھ شریک نہ کرو کیونکہ اس میں تو خدا کا بڑا حکم یعنی توحید ضائع ہوتی ہے چنانچہ مشرکین کی عادت تھی کہ لبیک میں اتنا اور بڑھا دیتے الاشریکا ھو لک تملکه و ما ملک یعنی اے اللہ آپ کا کوئی شریک نہیں بجز اس شریک کے جو آپ ہی کا ہے کہ آپ ہی اس کے اور اس کی مملوکات کے مالک ہیں۔

وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ ﴿٣٠﴾

اور جھوٹی بات سے کنارہ کش رہو

خواہ وہ عقیدہ کے بارہ میں ہو جیسا کہ مشرکین کا یہی قول جو اوپر مذکور ہوا یا عقائد کے متعلق ہو جیسے جھوٹی گواہی وغیرہ۔

حُنَفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ ۚ وَمَنْ

اس طور سے کہ اللہ ہی کی طرف جھکے رہو (اور) اس کے

يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ

ساتھ شریک مت ٹھہراؤ اور جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو گویا وہ آسمان

فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ

سے گر پڑا پھر پرندوں نے اس کی بوٹیاں نوچ لیں یا اس کو ہوا

فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ ﴿٣١﴾

نے کسی دور دراز جگہ میں لے جا پٹکا

غرض ہر طرح ہلاک ہوا اسی طرح جو شرک کرتا ہے خواہ کسی کے ہاتھ سے مارا گیا یا اپنی موت سے آپ مر گیا ہر حالت میں جہنم میں پہنچے گا۔

ذَٰلِكَ ۖ

یہ بات بھی ہو چکی

جو بطور قاعدہ کلیہ کے تھی اب ایک خاص بات قربانی کے جانور کے متعلق جو ضروری ہے اور سن لو۔

وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ

اور (قربانی کے جانور کے متعلق اور سن لو کہ) جو شخص دین خداوندی کے ان (مذکورہ) یادگاروں کا پورا لحاظ رکھے گا

یعنی قربانی کے جانوروں کے متعلق جو احکام ہیں خواہ وہ ذبح سے پہلے کے احکام ہوں جیسا کہ عنقریب ذکر آوے گا یا ذبح کے وقت کے ہوں جیسا کہ اس پر اللہ کا نام لینا یا بعد ذبح کے ہوں جیسا کہ کھانا یا نہ کھانا وغیرہ جو ان احکام کا پورا لحاظ رکھے (آگے ترجمہ)

فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ ﴿٣٢﴾ لَكُمْ فِيهَا

تو اس کا یہ لحاظ رکھنا (خدا تعالیٰ سے دل کے ساتھ ڈرنے سے ہوتا ہے تم کو ان

مَنَافِعُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى

سے ایک معین وقت تک فوائد حاصل کرنا جائز ہے

یعنی جب تک کہ وہ قواعد شرعیہ سے ہدی نہ بنائے جائیں پھر ہدی بنانے کے بعد دودھ سے یا سواری و بار برداری وغیرہ سے منتفع نہ ہونا چاہئے الا سخت ضرورت ہو تو خیر۔

ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿٣٣﴾ ع

پھر (یعنی بعد ہدی بننے کے) ان کے ذبح حلال ہونے کا موقع بیت عتیق کے قریب ہے

مراد کل حرم ہے یعنی حرم سے باہر ذبح نہ کریں یہ تفسیر امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کے موافق کی گئی ہے اور تعظیم کے ترجمہ میں جو پورا لحاظ رکھنا کہا گیا ہے اس کی یہ وجہ ہے کہ کچھ ناتمام لحاظ تو بدوں خوف کے بھی ہو سکتا ہے۔
ولکل امة تا بشر المخبتين.

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِيَذْكُرُوا

اور (جتنے اہل شرائع گزرے ہیں ان میں سے ہم نے ہر امت کے لئے

اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ

قربانی کرنا اس غرض سے مقرر کیا تھا کہ وہ ان مخصوص چوپاؤں پر اللہ کا نام

الْأَنْعَامِ ۗ

لیں جو اس نے ان کو عطا فرمائے تھے

پس اصل مقصود خدا کا نام لینا تھا اور یہاں سے ایک شبہ کا جواب دینا

منظور ہے وہ یہ کہ اوپر جو قربانی کا حرم میں ذبح کرنا مذکور ہے اس سے کوئی یوں نہ سمجھے کہ اصل مقصود حرم کی تعظیم ہے بلکہ اصل مقصود اللہ ہی کی تعظیم ہے اور مذبوحہ جانور اور جائے ذبح یہ اس کے ذرائع ہیں اور جگہ اور وقت وغیرہ کی تخصیص بعض حکمتوں کی وجہ سے ہے اور اگر یہ تخصیصات اور قیود مقصود اصلی ہوتیں تو کسی شریعت میں یہ نہ بدلتیں مگر ان کا ہر شریعت میں بدلتا رہنا ظاہر ہے البتہ تقرب الی اللہ جو اصل مقصود تھا وہ سب شریعتوں میں بحالہ باقی رہا۔

فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ط

سو (اس سے یہ بات نکل آئی کہ) تمہارا معبود (حقیقی) ایک خدا ہے تو تم ہمہ تن اسی کے ہو کر رہو (یعنی موحد خالص رہو)

کسی مکان وغیرہ کو بالذات معظم سمجھنے سے ذرہ برابر شرک کا شائبہ اپنے عمل میں نہ ہونے دو۔

وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْنَ اِذَا

اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ (ایسے احکام الٰہیہ کے سامنے) گردن جھکا دینے والوں کو جنت وغیرہ کی) خوشخبری سنا دیجئے جو ایسے ہیں کہ

ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ

جب (ان کے سامنے) اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جو ان مصیبتوں پر کہ ان پر پڑتی ہیں صبر کرتے ہیں اور جو نماز کی

عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ لا

پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾

اس میں سے (بقدر حکم اور توفیق کے) خرچ کرتے ہیں

یعنی توحید خالص ایسی بابرکت چیز ہے کہ اس کی بدولت کمالات نفسانیہ وبدنیہ و مالیہ حاصل ہو جاتے ہیں آگے بتلاتے ہیں کہ اوپر جو قربانی کے جانوروں سے بعض منافع حاصل کرنے کی ممانعت معلوم ہوئی ہے اس سے ان قربانیوں کی تعظیم کا شبہ نہ کیا جائے کیونکہ اس سے بھی اللہ تعالیٰ کی اور اس کے دین کی تعظیم اصل مقصود ہے اور یہ خاص قیود اس کا ایک طریق ہے۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ

اور قربانی کے اونٹ اور گائے (اور اسی طرح بھیڑ اور بکری کو بھی) ہم نے اللہ (کے دین) کی یادگار بنایا ہے

کہ اس کے متعلق احکام جاننے اور ان پر عمل کرنے سے اللہ کی عظمت اور دین کی وقعت ظاہر ہوتی ہے کہ اس کے نام کی چیز سے منتفع ہونے میں مالک مجازی کی رائے کا اعتبار نہیں رہتا جس سے اس کی پوری عبدیت (بندگی) اور مالک حقیقی کی معبودیت ظاہر ہوتی ہے۔

لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ق صلے

ان جانوروں میں تمہارے (اور بھی) فائدے ہیں

مثلاً دنیوی فائدہ کھانا اور کھلانا اور اخروی فائدہ ثواب ہے۔

فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ج

سو تم ان پر کھڑے کر کے (ذبح کرنے کے وقت) اللہ کا نام لیا کرو

یہ کھڑا کرنا صرف اونٹوں کے اعتبار سے فرمایا کیونکہ ان کا اس طرح ذبح کرنا کہ ایک ہاتھ داہنا یا بایاں باندھ دیا جاوے اور تین پاؤں پر کھڑا کر کے نحر کریں بوجہ آسانی سے جان نکلنے کے یہ طریقہ بہتر نیز موافق سنت بھی ہے اور اگر ایسا نہ کیا جائے جب بھی درست ہے پس اس سے اخروی ثواب حاصل ہوا اور نیز اللہ تعالیٰ کی عظمت ظاہر ہوئی کہ اس کے نام کے بعد ایک جان قربان ہوئی جس سے اس کا خالق اور اس کا مخلوق ہونا ظاہر کر دیا گیا۔

فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا

پس جب وہ (کسی کروٹ کے بل) گر پڑیں (اور ٹھنڈے ہو جائیں) تو تم

وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ط كَذٰلِكَ

خود بھی کھاؤ اور بے سوال اور سوالی (محتاج) کو بھی کھانے کو دو (اور ہم نے ان

سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ

جانوروں کو اس طرح تمہارے زیر حکم کر دیا

کہ باوجود تمہاری کمزوری اور ان کی قوت کے تم اس طرح ان کے ذبح پر قادر ہو گئے۔

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۳۶﴾

تاکہ تم (اس پر اللہ تعالیٰ کا) شکر کرو

کہ ان جانوروں کو تمہارے تابع کر دیا اور یہ حکمت ہر ذبح کے اعتبار سے ہے خواہ وہ قربانی ہو یا نہ ہو آگے ایک عقلی قاعدہ سے یہ بات بیان کرتے ہیں کہ ذبح کی یہ خاص قیود خود مقصود نہیں بلکہ اصل مقصود خدا کی تعظیم ہے۔

لَن يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا

اللہ تعالیٰ کے پاس نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون

اور جو شے خود مقصود ہواس کا مقصود ہواس کا مقبول ہونا اور خدا تعالیٰ تک پہنچنا لازم تھا جب یہ چیزیں خدا تک نہیں پہنچتیں تو یہ اصل مقصود بھی نہیں۔

وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ط

ولیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے

کہ تقرب کی نیت کرنا اور اخلاص اس کے شعبوں میں سے ہے پس تعظیم الٰہی کا مقصود ہونا ثابت ہوا اور اوپر جانوروں کی عام تسخیر کی حکمت مذکور تھی آگے خاص قربانی کے لئے ان کو مسخر کرنے کی حکمت بیان کرتے ہیں۔

كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو تمہارا زیر حکم کر دیا تا کہ تم (اللہ کی راہ میں ان کو قربانی کر کے) اس بات پر اللہ کی بڑائی (بیان) کرو کہ اس نے تم

عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ط

کو (اس طرح قربانی کرنے کی) توفیق دی

ورنہ اگر توفیق الٰہی رہبر نہ ہوتی تو یا تو ذبح میں شبہات نکال کر اس عبادت سے محروم رہتے یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنے لگتے۔

وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۷﴾

اور (اے محمدؐ) اخلاص والوں کو خوشخبری سنا دیجئے

پہلی خوشخبری اخلاص کے شعبوں پر تھی یہ خاص اخلاص پر ہے

ربط: اوپر احکام حج سے بظاہر ان لوگوں پر زیادہ تشنیع مقصود معلوم ہوتی ہے جو مسلمانوں کو مسجد حرام سے روکتے تھے ایسے موقعہ پر احکام سن کر مسلمانوں کو خیال ہو سکتا ہے کہ ہم کو حالت موجودہ میں جب کہ دشمن کا اس قدر غلبہ ہے ان احکام پر عمل کہاں نصیب ہوگا وہاں تک رسائی تو ہے ہی نہیں اس لئے آگے مسلمانوں سے ایک تسلی کا وعدہ فرماتے ہیں جس میں کفار کو ایک وعید بھی ہے ان اللہ تا کفور.

اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ط

بلا شبہ اللہ تعالیٰ (ان مشرکین کے غلبہ وغیرہ کو) ایمان والوں سے (عنقریب) ہٹا دے گا

پھر وہ حج وغیرہ سے روک ہی نہ سکیں گے نہ کسی کو ایذا پہنچانے کی ان کو قدرت رہے گی۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۸﴾ ع

بیشک اللہ تعالیٰ کسی دغا باز کفر کرنے والے کو نہیں چاہتا

بلکہ ایسوں سے ناراض ہے اس لئے انجام کار ان کو مغلوب اور مخلص مسلمانوں کو غالب کر دے گا اور اس نصرت کا طریقہ آئندہ آیت میں مذکور ہے

ربط: اوپر مسلمانوں کی نصرت کا وعدہ تھا آگے اس نصرت کے طریقہ کا بیان ہے جس میں جہاد کی اجازت اور اس پر نصرت کا وعدہ ہے اور ہر چند کہ یہ آیۃ واقعہ حدیبیہ سے پہلے نازل ہو چکی ہے کیونکہ یہ آیت جہاد کی آیتوں میں سب سے اول ہے اور واقعہ حدیبیہ چند غزوات کے بعد ہوا ہے لیکن تلاوت کی ترتیب خدا تعالیٰ کی بتلائی ہوئی ہے اور اس میں یہ آیت اسی جگہ ہے اس لئے ربط مذکور کو یہ ترتیب مقتضی ہے جس کی تقریر یہ ہوگی کہ اس نصرت کا طریقہ یہ ہے کہ جہاد کی اجازت ہو ہی چکی ہے جس پر مدد کا وعدہ ہے پس جب مکہ والوں کا وقت آوے گا اسی جہاد سے ان پر غالب آ جاؤ گے اور اس وقت اس خاص نصرت کا بھی ظہور ہو جائے گا۔ اذن للذین تا عاقبة الامور گو اب تک بوجہ مصالح کے کفار سے لڑنے کی ممانعت تھی۔

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ط

(اب) لڑنے کی ان لوگوں کو اجازت دیدی گئی جن سے کافروں کی طرف سے) لڑائی کی جاتی ہے

یہ علت ہے جہاد کے مشروع ہونے کی اور اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جب کفار کا ظلم کرنا جہاد کی مشروعیت کی علت ہے تو جو کفار ظالم نہ ہوں مگر اسلام کے زیر فرمان بھی نہ ہوں ان سے جہاد جائز نہ ہوگا۔ جواب یہ ہے کہ اس ایک علت میں انحصار کی کوئی دلیل نہیں بلکہ یکون الدین للہ سے دوسری علت جہاد کی یہ بھی معلوم ہوئی کہ کوئی کافر زیر فرمان اسلام نہ ہو تو اس وقت بھی جہاد کرنا چاہیے اور اس میں یہ راز ہے کہ ایسی صورت میں پھر کسی وقت اہل حق پر ظلم کی نوبت پہنچے گی پس جیسے بالفعل مظلوم ہونا جہاد کی لت ہے اسی طرح آئندہ اندیشہ مظلومیت بھی اس کی علت ہے۔

وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ﴿۳۹﴾ لا

اس وجہ سے کہ ان پر (بہت ظلم کیا گیا ہے) اور بلا شبہ اللہ تعالیٰ ان کو غالب کر دینے پر پوری قدرت رکھتا ہے

پس مسلمانوں کی قلت اور کفار کی کثرت پر نظر نہ کرنا چاہئے۔

اِلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ

(آگے ان کی مظلومیت کا بیان ہے) جو اپنے گھروں سے بے وجہ نکالے

اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ

گئے محض اتنی بات پر کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے

یعنی کفار کا یہ تمام غیظ و غضب توحید پر تھا کہ اس کی وجہ سے مسلمانوں کو اس قدر پریشان کیا کہ وطن چھوڑنا پڑا آگے جہاد کی حکمت ہے۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ (ہمیشہ سے) لوگوں کا ایک کا دوسرے کے ہاتھ سے زور نہ گھٹواتا رہتا

یعنی اہل حق کو اہل باطل پر وقتاً فوقتاً غالب نہ کرتا رہتا۔

لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ

تو اپنے اپنے زمانے میں) نصاریٰ کے خلوت خانے اور عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور (مسلمانوں کی)

وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ

وہ مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے سب منہدم ہو گئے ہوتے

ترجمہ میں اپنے اپنے زمانوں کی قید سے یہ شبہ جاتا رہا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبادت گاہیں اب بھی حق تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہیں اصل یہ ہے کہ اپنے اپنے زمانہ شریعت میں یہ بھی مطلوب تھے جب وہ شرائع منسوخ ہو گئیں تو یہ عبادت خانے بھی مقبول نہ رہے اور نصاریٰ کے وہ معابد اس لئے ذکر کئے کہ ان میں درویشی کی بھی رسم جاری تھی خاص عبادت خانوں کو صومعہ اور عام عبادت گاہ کو بیعہ کہتے ہیں آگے جہاد میں اخلاص کرنے پر غلبہ کی بشارت ہے۔

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ

اور بیشک اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا جو اللہ (کے دین) کی مدد کرے گا

یعنی لڑنے میں خالص نیت اعلاء کلمۃ اللہ کی ہو اس سے یہ شبہ نہ ہو کہ بعض اوقات حامیان حق بھی مغلوب ہو جاتے ہیں اصل یہ ہے کہ اگر وہ ثابت قدم رہیں تو لوٹ پوٹ کر انجام میں غلبہ اہل حق ہی کو ہوتا ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں جس میں ہرقل کی حکایت مذکور ہے یہ مضمون آیا ہے۔ اور للہ عاقبۃ الامور میں بھی اس طرف لطیف اشارہ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۴۰﴾ اَلَّذِيْنَ اِنْ

بیشک اللہ تعالیٰ قوت والا (اور) غلبہ والا ہے (وہ جس کو چاہے غلبہ اور قوت دے سکتا ہے) یہ لوگ

مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا

ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ (خود بھی) نماز کی پابندی کریں اور

الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ

زکوٰۃ دیں اور (دوسروں کو بھی) نیک کاموں کے کرنے کو کہیں اور برے کاموں سے منع کریں

اس آیت سے صحابہؓ کی فضیلت اور خلفائے راشدین کی حقانیت ثابت ہوتی ہے کیونکہ ان حضرات کا دنیا میں صاحب حکومت ہونا متواتر اخبار سے معلوم ہے اور حکومت کی صورت میں ان کا نماز و زکوٰۃ کی پابندی کرنا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنا خود اس نص قطعی سے ثابت ہے پس ان حضرات کا کامل و مکمل ہونا ثابت ہو گیا۔

وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾

اور سب کاموں کا انجام تو خدا ہی کے اختیار میں ہے

پس مسلمانوں کی موجودہ حالت دیکھ کر یہ کیونکر کوئی کہہ سکتا ہے کہ انجام بھی ان کا یہی رہے گا بلکہ ممکن ہے کہ اس کے برعکس ہو جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اعتبار ہر کام میں انجام ہی کا ہے جیسا کہ دوران علاج میں مریض کی مختلف حالتیں ہوتی ہیں مگر انجام اگر صحت ہے تو علاج کو نافع کہیں گے۔

ربط: چونکہ کفار کا مقصود اس نزاع وغیرہ سے آپ کی تکذیب تھی جو حضور کیلئے موجب رنج تھا اس لئے آگے آپ کی تسلی فرماتے ہیں اور چونکہ اوپر کفار کو عذاب کی وعید کی گئی تھی اور عذاب کے جلدی نہ آنے سے وہ اپنے حق پر ہونے اور نعوذ باللہ حضور کے ناحق پر ہونے کی دلیل پکڑتے تھے اس لئے تسلی کے بعد ان شبہات کا بھی جواب ہے۔ وان یکذبوک تا اصحب الجحیم.

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ

اور یہ (مجادل) لوگ اگر آپ کی تکذیب کرتے ہوں تو (آپ مغموم نہ ہو

نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ﴿۴۲﴾ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ

جایئے) (کیونکہ) ان لوگوں سے پہلے قوم نوح اور عاد اور ثمود اور قوم ابراہیم

وَقَوْمُ لُوْطٍ ﴿۴۳﴾ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ

اور قوم لوط اور اہل مدین بھی (اپنے اپنے انبیاء علیہم السلام) کی تکذیب کر چکے ہیں

مُوسٰى فَأَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ ج

اور موسیٰ کو بھی (قبط کی طرف سے) کاذب قرار دیا گیا سو (تکذیب کے بعد) میں نے (ان) کافروں کو (چندے) مہلت دی

جیسے ان کو مہلت دے رکھی ہے۔

فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۴﴾ فَكَأَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ

پھر میں نے ان کو (عذاب میں) پکڑ لیا سو (دیکھو) میرا عذاب کیسا ہوا غرض کتنی

أَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى

بستیاں ہیں جن کو ہم نے (عذاب سے) ہلاک کیا جن کی یہ حالت تھی کہ وہ نافرمانی

عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ

کرتی تھیں سو (اب ان کی یہ کیفیت ہے کہ) وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں

مراد یہ ہے کہ وہ ویران ہیں کیونکہ عادۃً اول چھت گرتی ہے پھر اس پر دیواریں آ پڑتی ہیں۔

وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴿۴۵﴾

اور (اسی طرح ان بستیوں میں) بہت سے بیکار کنویں اور بہت سے قلعی چونے کے محل

جواب شکستہ ہو گئے یہ سب ان بستیوں کے ساتھ تباہ ہوئے پس اسی طرح وقت موعود پر یہ لوگ معذب ہوں گے۔

أَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْأَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ

سو کیا یہ (منکر) لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں جس سے ان کے دل ایسے

يَّعْقِلُوْنَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ج فَإِنَّهَا

ہو جاویں کہ اس سے سمجھنے لگیں یا ان کے کان ایسے ہو جاویں جن سے سننے

لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ

لگیں بات یہ ہے کہ (نہ سمجھنے والوں کی کچھ) آنکھیں اندھی نہیں ہو جایا

الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾

کرتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہو جایا کرتے ہیں

سو ان کے بھی وہی دل اندھے ہو رہے ہیں ورنہ امم مذکورہ کی حالت سے سمجھ لیتے کہ فی الواقع کفر ناپسندیدہ حق ہے جب تو اس پر عذاب آیا۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ

اور یہ لوگ (نبوت میں شبہ نکالنے کیلئے) آپ سے عذاب کا تقاضا کرتے ہیں

اور جلدی نہ آنے سے بالکل نہ آنے پر استدلال کرتے ہیں

وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ط

حالانکہ اللہ تعالیٰ کبھی اپنا وعدہ خلاف نہ کرے گا

یعنی وعدہ کے وقت ضرور عذاب واقع ہوگا پس وہ استدلال غلط ہے۔

وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا

اور آپ کے رب کے پاس کا ایک دن (امتداد میں یا اشتداد میں) برابر ایک

تَعُدُّوْنَ ﴿۴۷﴾

ہزار سال کے ہے تم لوگوں کی شمار کے موافق

سو عجب بیوقوف ہیں کہ ایسی مصیبت کا تقاضا کرتے ہیں

وَكَأَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ أَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ

اور بہت سی بستیاں ہیں جن کو میں نے (ان کی طرح) مہلت دی تھی اور وہ (ان ہی کی طرح) نافرمانی کرتی تھیں

یعنی وہ عذاب میں جلدی اور اس کے ساتھ مذاق کرتے تھے۔

ثُمَّ أَخَذْتُهَا ج وَإِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۴۸﴾ ع

پھر میں نے ان کو (عذاب میں) پکڑ لیا اور (سب کو) میری ہی طرف لوٹنا ہوگا

اس وقت کفر کی پوری سزا ہوگی۔

قُلْ يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَآ أَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ

(اور) آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ اے لوگوں میں تو صرف تمہارے لئے

مُّبِيْنٌ ﴿۴۹﴾ ج

ایک آشکارا ڈرانے والا ہوں

اس عذاب کے واقع کرنے میں میرا ذرا بھی دخل واختیار نہیں ہے نہ کبھی میں نے اس کا دعویٰ کیا تاکہ عذاب واقع نہ کرنے سے میری تکذیب کی جاوے۔

فَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ

سو جو لوگ (اس ڈر کو سن کر) ایمان لے آئے اور اچھے کام کرنے لگے ان

مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۵۰﴾ وَالَّذِيْنَ

کے لئے مغفرت اور عزت کی روزی (یعنی جنت) ہے اور جو لوگ ہماری

سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ

آیتوں کے متعلق (ان کے ابطال کی) کوشش کرتے رہتے ہیں (نبی کو اور

اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۵۱﴾

اہل ایمان کو) ہرانے کے لئے ایسے لوگ دوزخ (میں رہنے) والے ہیں

بس یہ میرا دعویٰ ہے اور اس پر میں دلیلیں رکھتا ہوں اور عذاب سے ڈرانا میرا فرض منصبی ہے جس کا وقوع بھی اپنے وقت پر خدا تعالیٰ کے اختیار سے ہوگا اس سے میرا کوئی تعلق نہیں جو مجھ سے درخواست کیا کرتے ہو

ربط: اوپر انسانی شیطانوں کے نزاع و مخالفت اور بیجا کوشش کے مقابلہ میں دین حق اور اہل حق کی نصرت کا ذکر تھا آگے شیاطین الجن کے بہکانے گمراہ کرنے اور وسوسہ ڈالنے کے مقابلہ میں حق کی مدد اور ان کے کید کے دفع ہونے کا بیان ہے۔ وما ارسلنا تا مهين.

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ

اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کے قبل کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا

وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ

جس کو یہ قصہ پیش نہ آیا ہو کہ جب اس نے (اللہ تعالیٰ کے احکام میں سے) کچھ

اُمْنِيَّتِهٖ ج

پڑھا (تب ہی) شیطان نے اس کے پڑھنے میں (کفار کے قلوب میں) شبہ ڈالا

اور کفار ان ہی شبہات اور اعتراضات کو پیش کر کے انبیاء سے جھگڑتے تھے پس اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ لوگ جو شیاطین کے اغواء سے آپ سے جھگڑتے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں یہی مضمون دوسری آیت میں بھی آ چکا ہے وکذلک جعلنا لکل نبی عدوا شیٰطین الانس والجن یوحی بعضھم الی بعض زخرف القول غرورا وان الشیٰطین لیوحون الی اولیاء ھم لیجادلوکم اور بعض کتابوں میں ان آیات کے متعلق ایک قصہ لکھا ہے وہ بے سند اور بد دینوں کا گھڑا ہوا ہے جیسا کہ صاحب روح نے بیہقی و قاضی عیاض و محمد بن اسحاق و شیخ ابو منصور ماتریدی کی تصریح نقل کی ہے اور جنہوں نے اس کی صحت کا حکم کیا

ہے وہ ان لوگوں کے برابر نہیں ہیں جو موضوع بتلاتے ہیں۔

فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ

پھر اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو (جوابات قاطعہ سے) نیست و نابود کر دیتا ہے

جیسا کہ ظاہر ہے کہ جواب صحیح کے بعد اعتراض دفع ہو جاتا ہے۔

ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ط

پھر اللہ تعالیٰ اپنی آیات (کے مضامین) کو زیادہ مضبوط کر دیتا ہے

اگر چہ وہ فی نفسہ پہلے سے بھی مستحکم تھیں مگر جواب اعتراضات سے ان کا استحکام خوب ظاہر ہو گیا۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۲﴾ لا لِّيَجْعَلَ مَا

اور اللہ تعالیٰ خوب علم والا خوب حکمت والا ہے (اور یہ قصہ اس لئے کیا ہے) تا کہ اللہ

يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ

تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو ایسے لوگوں کے لئے آزمائش (کا ذریعہ)

قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ط

بنادے جن کے دل میں (شک کا) مرض ہے اور جن کے دل (بالکل ہی سخت ہیں

کہ وہ شک سے بڑھ کر غلط باتوں کا یقین کئے ہوئے ہیں سو ان کی آزمائش ہوتی ہے کہ دیکھیں جواب کے بعد اب بھی شبہات کا اتباع کرتے ہیں یا جواب کو سمجھ کر حق کو قبول کرتے ہیں۔

وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ لا

اور واقعی (یہ) ظالم لوگ بڑی مخالفت میں ہیں

کہ حق کو باوجود واضح ہو جانے کے محض عناد کے سبب قبول نہیں کرتے آگے اس کی وجہ بتلاتے ہیں کہ نور ہدایت اور صحیح جوابات سے ان شبہات کو کس لئے باطل کیا جاتا ہے۔

وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ

اور تا کہ جن لوگوں کو فہم (صحیح) عطا ہوا ہے وہ (ان اجوبہ اور نور ہدایت سے) اس

مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ

امر کا زیادہ یقین کر لیں کہ یہ (جو نبی نے پڑھا ہے وہ) آپ کے رب کی طرف

قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

سے حق ہے سو ایمان پر زیادہ قائم ہو جاویں پھر اس کی طرف ان کے دل اور بھی

اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٥٤﴾

جھک جاویں اور واقعی ان ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ ہی راہ راست دکھلاتا ہے

پھر ان کو ہدایت کیونکر نہ ہو یہ تو ایمان والوں کی کیفیت ہوئی۔

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ

اور (رہ گئے) کافر لوگ (سو وہ) ہمیشہ اس (پڑھے ہوئے حکم) کی طرف سے شک ہی میں رہیں گے

جو ان کے دل میں شیطان نے ڈالا تھا۔

حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً

یہاں تک کہ ان پر دفعۃً قیامت آ جاوے

جس کی ہول ہی کافی ہے گو عذاب نہ بھی ہوتا۔

اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿٥٥﴾

یا ان پر کسی بے برکت دن کا (کہ قیامت کا دن ہے) عذاب آ پہنچے

اور واقع میں یہ دونوں باتیں جمع ہوں گی تو ان کا جمع ہونا یہ اور بھی سخت مصیبت ہے مطلب یہ کہ یہ لوگ بدوں عذاب دیکھے کفر سے باز نہ آئیں گے۔ مگر دیکھنے کے بعد باز آنے کا نفع بھی نہ ہوگا۔

ربط: اوپر جہاد کی اجازت اور نصرت کی بشارت اور للذین اخرجوا میں مظلوم مسلمانوں کی ہجرت کا بیان تھا اور یہاں تک اسی سلسلہ میں مضمون چلا آیا تھا چونکہ جہاد اور ہجرت کے درمیان میں بعض کو قتل یا طبعی موت کی نوبت آ جاتی ہے اگرچہ وہ وعدہ نصرت کے منافی نہیں کیونکہ غالب اور منصور ہونا قوم کی صفت ہوتی ہے ہر ہر شخص کی صفت نہیں ہوتی لیکن پھر بھی اس صورت میں اس میت یا مقتول کی حسرت کا احتمال ہو سکتا ہے کہ ہم نے اس وعدہ کے پورا ہونے کا معائنہ نہ کیا نہ اس سے فائدہ اٹھایا اس لئے ان مقتولین یا مرنے والوں کو نصرت کی بشارت سے بڑھ کر دوسری بشارت سناتے ہیں۔ والذین ھاجروا تا حلیم۔

اَلْمُلْكُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ

بادشاہی اس روز اللہ ہی کی ہوگی وہ ان سب (مذکورین) کے درمیان

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

(عملی) فیصلہ فرمائے گا سو جو لوگ ایمان لائے ہوں گے اور اچھے کام

فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٥٦﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

کئے ہوں گے وہ چین کے باغوں میں ہوں گے اور جنہوں نے کفر کیا ہوگا

وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ

اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہوگا تو ان کے لئے ذلت کا عذاب ہوگا (وہ

عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿٥٧﴾ ع وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا

فیصلہ یہ ہوگا) اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں (یعنی دین کے لئے) اپنا

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا

وطن چھوڑا پھر وہ لوگ (کفر کے مقابلہ میں) قتل کئے گئے یا مر گئے

وہ ناکام نہیں ہیں گو دنیا میں ان کو فتح و ظفر و غنیمت وغیرہ نہیں ملی مگر آخرت میں ان کے لئے سب کچھ ہے۔

لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ

اللہ تعالیٰ ضرور ان کو ایک عمدہ رزق دے گا

یعنی جنت کے میوے اور دیدار حق۔

وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿٥٨﴾

اور یقیناً اللہ تعالیٰ سب دینے والوں سے اچھا (دینے والا) ہے (اور رزق حسن

لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۭ وَاِنَّ

کے ساتھ) اللہ تعالیٰ ان کو ایسی جگہ لے جا کر داخل کرے گا جس کو وہ (بہت ہی)

اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ

پسند کریں گے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر بات (کی مصلحت) کو خوب جاننے والا ہے

پس یہ شبہ نہ کیا جائے کہ بعض مسلمان قتل ہو کر یا مر کر اس طرح ناکام ہی کیوں رہے اور کافر قاتل ہونے سے پہلے ہی قہر الٰہی سے کیوں نہ ہلاک ہو گیا کہ مسلمان کے قتل کی نوبت ہی نہ آتی بات یہ ہے کہ اس ظاہری ناکامی میں بھی بہت سی مصلحتیں ہیں جن کو حق تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

حَلِيْمٌ ﴿٥٩﴾

بہت حلم والا (بھی) ہے

اس لئے اپنے دشمنوں کو ہمیشہ جلدی ہی سزا نہیں دیتا۔

ربط : مظلوم پر دو طرح ظلم ہوا کرتا ہے ایک تو یہ کہ ابتداء اس پر ظلم کیا جائے دوسرے یہ کہ مظلوم پہلے ظلم کا انتقام لے لے اور اس انتقام کی وجہ سے پھر اس کو تکلیف پہنچائی جاوے پس مظلومیت پر جو امداد کا وعدہ اوپر کیا گیا ہے وہ اگرچہ دونوں صورتوں کو شامل ہے لیکن دوسری صورت میں چونکہ مظلوم کی طرف سے ظالم کو سزا مل چکی ہے اور اس سزا کے بعد ظالم نے پھر ایذا پہنچائی ہے اس لئے اس صورت میں اس مظلوم کا مظلوم ہونا پہلی صورت کی طرح ظاہر نہ تھا تو احتمال ہو سکتا تھا کہ کوئی اس کو مظلومیت میں شامل ہی نہ سمجھے اس لئے آگے صراحۃً اس صورت پر بھی امداد کا وعدہ فرماتے ہیں رہا مظلوم کی طرف سے ظالم کو سزا پہنچانا یہ ظالم کے پہلے ظلم کا بدلہ ہونے کی وجہ سے کالعدم ہے پس یہ دوبارہ کا ظلم پہلے ہی ظلم کے مثل ہوا۔ ذلک تا غفور

ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ

یہ (مضمون تو) ہو چکا اور جو شخص (دشمن کو) اسی قدر تکلیف پہنچاوے جس

بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ

قدر (اس دشمن کی طرف سے) اس کو تکلیف پہنچائی گئی تھی (اور) پھر اس شخص پر زیادتی کی جاوے

یعنی برابر سزا ہو جانے کے بعد اس دشمن کی طرف سے پھر زیادتی ہو چنانچہ کفار کی طرف سے ایسا معاملہ بھی ہوتا تھا۔

لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۭ

تو اللہ تعالیٰ اس شخص کی ضرور امداد کرے گا

اگر یہ شخص بدلہ لینا چاہے تو دنیا میں اس کی شرعی مدد یقینی ہے یعنی انتقام کی اس کو اجازت ہے اور اگر بدلہ نہ لے تو آخرت میں حسی مدد ضروری ہے یعنی ظالم کو عذاب ہوگا آگے بتلاتے ہیں کہ اوپر جو یہ قید لگائی گئی ہے کہ دشمن کو اسی قدر تکلیف پہنچا دے جس قدر اس کی طرف سے پہنچی ہے سو اس برابری کی رعایت کرنا مظلوم کی رائے اور اجتہاد پر ہے بشرطیکہ اس نے حتی الامکان اپنی طاقت برابری کرنے میں خرچ کر دی ہو اس پر بھی اگر برابر سے کچھ زیادتی ہو جائے جو بوجہ غایت درجہ باریک اور پوشیدہ ہونے کے سمجھ میں نہ آ سکے تو اس پر مواخذہ نہیں اور نہ اس کی وجہ سے وعدہ امداد میں کچھ خلل ہوگا بلکہ معاف ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾

اللہ تعالیٰ کثیر العفو کثیر المغفرت ہے

وہ ایسی باریک باتوں پر دارو گیر نہیں فرماتا اور یہ برابری کی رعایت معاملات معاشرت میں واجب ہے نہ کہ جہاد میں چنانچہ دلائل شرعیہ سے یہ بات ظاہر ہے اور نیز جو افعال ہر حال میں حرام ہیں وہ بھی اس حکم میں داخل نہیں ان میں برابری کرنا جائز نہیں مثلاً کوئی کسی کے والدین کو برا کہے تو اس کے عوض میں اس کے والدین کو برا کہنا جائز نہ ہوگا۔

ربط : اوپر مومنین کے غالب اور کفار کے مغلوب ہونے کا بیان تھا چونکہ مسلمانوں کے موجودہ بے سروسامانی اور کفار کے سامان و جمعیت کی کثرت پر نظر کر کے ایک گونہ یہ بات دشوار معلوم ہوتی تھی اس لئے آگے اپنی قدرت کاملہ کا بیان فرماتے ہیں اور چونکہ جاہل کفار کو ایسے موقع پر اپنے معبودوں کی طرف سے اعانت کی امید ہوتی تھی اس لئے ان کا ناکارہ ہونا بتلاتے ہیں۔ ذلک تا لکفور

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ

(ایسے دقائق پر دارو گیر نہیں کرتا) یہ (مومنین کا غالب کر دینا) اس سبب سے ہے کہ اللہ رات (کے اجزاء) کو دن میں اور دن (کے اجزاء) کو رات میں داخل کر دیتا ہے

پس خدا تعالیٰ کی قدرت بڑی کامل ہے کیونکہ یہ انقلاب مومنین اور کفار کی حالت کے انقلاب سے بدرجہا زیادہ عجیب ہے۔

وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ

اور (نیز) اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ (ان سب احوال واقوال کو) خوب

سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۶۱﴾

سننے والا خوب دیکھنے والا ہے

پس کفار کے قولی اور فعلی ظلم اور مسلمانوں کی مظلومیت کو دیکھتا سنتا ہے پس قدرت اور اطلاع دونوں مل کر مدد کے لئے سبب ہو گئے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ

یہ (نصرت) اس سبب سے (یقینی) ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہستی میں کامل ہے

جن کی وجہ سے کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی بات میں مزاحمت نہیں کر سکتا۔

وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ

اور جن چیزوں کی اللہ تعالیٰ کے سوا یہ لوگ عبادت کر رہے ہیں وہ بالکل ہی لچر ہیں

اولاً بوجہ ممکن و حادث ہونے کے دوسرے بوجہ ضعیف و عاجز ہونے کے تو یہ کیا مزاحمت کر سکتے ہیں۔

وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۶۲﴾

اور اللہ ہی عالیشان اور (سب سے) بڑا ہے

آگے فرماتے ہیں کہ اے مخاطب اس مضمون میں غور کر کے توحید کی حقانیت اور شرک کا بطلان سمجھنا چاہئے اور اس کے علاوہ اور بھی حق تعالیٰ کے کمالات اور نعمتیں ہیں جن سے توحید اور شکر واجب ہونے پر استدلال ہوسکتا ہے چنانچہ ہم بیان کرتے ہیں۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ

(اور اے مخاطب) کیا تجھ کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے

مَاءً فَتُصْبِحُ الْأَرْضُ مُخْضَرَّةً ۗ

پانی برسایا جس سے زمین سرسبز ہو گئی بیشک اللہ تعالیٰ

إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ﴿٦٣﴾

بہت مہربان (اور) سب باتوں کی خبر رکھنے والا ہے

اس لئے سب بندوں کی ضرورتوں پر مطلع ہے اور ان کے مناسب مہربانی فرماتا ہے۔

لَّهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ

سب اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے (یعنی وہ سب

وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٦٤﴾

کا مالک ہے) اور بیشک اللہ ہی ایسا ہے جو کسی کا محتاج نہیں (اور) ہر طرح کی

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ

تعریف کے لائق ہے (اور اے مخاطب) کیا تجھ کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تم

وَالْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۗ

لوگوں کے کام میں لگا رکھا ہے زمین کی چیزوں کو اور کشتی کو (بھی) کہ وہ دریا

وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ أَن تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ

میں اس (خدا کے حکم) سے چلتی ہے اور وہی آسمانوں کو زمین پر گرنے سے

إِلَّا بِإِذْنِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ

تھامے ہوئے ہے ہاں اگر اسی کا حکم ہو جائے تو خیر بالیقین اللہ تعالیٰ لوگوں

رَّحِيمٌ ﴿٦٥﴾

(کے حال) پر بڑی شفقت اور رحمت فرمانے والا ہے

کہ باوجودیکہ بندوں کے اعمال اسی کو مقتضی ہیں کہ ان پر آسمان ٹوٹ پڑے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ ان نشانخسف بهم الارض او نسقط عليهم كسفا من السماء پھر بھی شفقت کی وجہ سے گرنے کا حکم نہیں دیتا

وَهُوَ الَّذِي أَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ

اور وہی ہے جس نے تم کو زندگی دی پھر (وقت موعود پر) تم کو موت دے گا

يُحْيِيكُمْ ۗ إِنَّ الْإِنسَانَ لَكَفُورٌ ﴿٦٦﴾

پھر (قیامت میں دوبارہ) تم کو زندہ کرے گا واقعی انسان ہے بڑا بے قدر

کہ ان دلائل اور نعمتوں کا مقتضا یہ تھا کہ لوگ توحید اور شکر کو اختیار کرتے مگر وہ اب بھی کفر و شرک سے باز نہیں آتے انسان سے مراد ایسے ہی لوگ ہیں

ربط: سورت کے زیادہ حصے میں کفار کے جھگڑنے کا اور ان کے نزاع کے ابطال کا ذکر تھا منجملہ ان مجادلات کے ایک جھگڑا ذبائح کے متعلق تھا جس کا حاصل وہی ہے جو اب بھی بعض کفار کی زبان پر مشہور ہے کہ خدا کی ماری مردار اور اپنی ماری حلال آگے اس پر مشرکین کو دھمکاتے ہیں۔

لِّكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ

(جتنی امتیں اہل شرائع گزری ہیں) ہم نے (ان میں) ہر امت کے واسطے ذبح کرنے کا طریق مقرر کر دیا ہے کہ وہ اسی پر ذبح کیا کرتے تھے سو ان

فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ

(معترض) لوگوں کو چاہئے کہ آپ سے اس امر (ذبح) میں جھگڑا نہ کریں

کیونکہ ان کے مسلمہ اصول سے ہے کہ جو بات قدیم سے چلی آتی ہو وہ صحیح ہے اور ان کے نزدیک جب محض قدیم ہونا بھی حجت ہے اگرچہ وہ بات دلیل صحیح کے خلاف ہی ہو تو جب قدامت کے ساتھ اس کا مبنی دلیل صحیح بھی ہو تب تو اس کی صحت میں کلام ہی نہیں ہوسکتا اور یہاں ایسا ہی ہے کیونکہ ذبح کا طریقہ قدیم بھی ہے اور اس کے صحیح ہونے پر دلیل بھی قائم ہے۔

وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى

اور آپ (ان کو) اپنے رب (یعنی اس کے دین) کی طرف بلاتے رہئے

مُّسْتَقِيمٍ ﴿٦٧﴾

(کیونکہ) آپ یقیناً صحیح راستہ پر ہیں

یعنی اگرچہ ان لوگوں کو اس بارہ میں آپ سے گفتگو جائز نہیں مگر آپ

کو ان سے خطاب کا حق ہے کیونکہ صحیح راستہ والے کو یہ حق ہوتا ہے کہ غلط راستہ والوں کو اپنی طرف بلاوے اور غلط راستہ والوں کو یہ حق نہیں ہوتا۔

وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا

اور اگر (اس پر بھی) یہ لوگ آپ سے جھگڑا نکالتے رہیں تو آپ (اخیر بات

تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۸﴾

یہ) فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے

وہی تم کو سمجھے گا کیونکہ جب کوئی شخص معقول جواب کو نہ قبول کرے نہ اس میں کوئی معقول شبہ نکال سکے اور خواہ مخواہ بیہودہ گفتگو کئے جائے تو اس کا یہی جواب ہے کہ خدا تم کو سمجھے گا آگے اسی کی توضیح ہے۔

اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا

اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان قیامت کے روز (عملی) فیصلہ فرما دے گا جن

كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ

چیزوں میں تم اختلاف کرتے تھے (آگے اس کی تائید ہے کہ) اے مخاطب

اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ

کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب چیزوں کو جانتا ہے

کیونکہ فیصلہ کا بڑا مدار حاکم کے لئے علم ہی پر ہے اور غیر حاکم کے لئے علم کے ساتھ حکومت کی ضرورت بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کا حاکم ہونا مسلم ہی تھا ف: یہ آیت ولکل جعلنا منسکاً چار رکوع پہلے بھی آ چکی ہے مگر چونکہ دونوں کے مقصود کا علیحدہ علیحدہ ہونا تقریر ترجمہ سے ظاہر ہے اس لئے تکرار لازم نہیں آیا۔

ربط: اوپر لکفور تک توحید کا بیان تھا آگے لقوی عزیز تک شرک کا رد ہے۔ **ویعبدون تا لقوی عزیز**

مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ۭ

جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے یقینی بات یہ ہے کہ یہ (سب ان کا قول فعل)

اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۷۰﴾

نامۂ اعمال میں ہے۔ (پس) یقیناً (ثابت ہو گیا کہ) یہ (فیصلہ کرنا) اللہ تعالیٰ کے نزدیک (بہت) آسان ہے

یعنی جب قیامت میں ان کو شرک پر سزا ہونے لگے گی تو کوئی ان کی مدد نہ کر سکے گا نہ قول سے کہ ان کے افعال کے اچھے ہونے پر کوئی حجت پیش کر سکے نہ عمل سے کہ ان کو عذاب سے بچا لے آگے بتلاتے ہیں کہ ان لوگوں کو گمراہی اور عناد میں بہت ہی غلو ہے۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ

اور یہ (مشرک) لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جن (کے

بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَمَا

جواز عبادت) پر اللہ تعالیٰ نے کوئی حجت (اپنی کتب میں) نہیں بھیجی اور نہ ان کے پاس

لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۷۱﴾ وَاِذَا تُتْلٰى

اس کی کوئی (عقلی) دلیل ہے اور ان ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا اور جب ان لوگوں

عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ

کے سامنے ہماری آیتیں جو کہ (اپنے مضامین میں) خوب واضح ہیں پڑھ کر سنائی جاتی

الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ۭ

ہیں تو تم ان کافروں کے چہروں (بوجہ ناگواری باطنی کے) برے آثار دیکھتے ہو

جیسے چہرہ پر بل پڑ جانا ناک چڑھ جانا تیور بدل جانا۔

يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ

قریب ہے کہ یہ ان لوگوں پر اب حملہ کر بیٹھیں (گے) جو ہماری آیتیں ان

عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۭ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ

کے سامنے پڑھ رہے ہیں آپ (ان مشرکین سے) کہیے کہ کیا

مِّنْ ذٰلِكُمْ ۭ اَلنَّارُ ۭ وَعَدَهَا اللّٰهُ

میں تم کو اس (قرآن) سے زیادہ ناگوار چیز بتلا دوں وہ دوزخ ہے

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۲﴾ ع

(کہ) اس کا اللہ نے کافروں سے وعدہ کیا ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے

یعنی قرآن سے ناگواری کا نتیجہ دوزخ ہے اس ناگواری کا علاج تو غیظ وغضب اور انتقام سے کچھ کر لیتے ہو مگر دوزخ کی ناگواری کا کیا علاج کرو گے آگے ایک نہایت بدیہی دلیل سے شرک کا ابطال کرتے ہیں

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا

اے لوگو ایک عجیب بات بیان کی جاتی ہے اس کو کان لگا کر سنو (وہ یہ ہے کہ)

لَهٗ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جن کی تم لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو

اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا

وہ ایک (ادنیٰ) مکھی کو تو پیدا کر ہی نہیں سکتے گو سب کے سب بھی (کیوں نہ)

لَهٗ ۭ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـــًٔا

جمع ہو جائیں اور (پیدا کرنا تو بڑی بات ہے وہ ایسے عاجز ہیں کہ) اگر ان سے مکھی کچھ چھین لے جائے تو اس کو (تو) اس سے چھڑا (ہی) نہیں سکتے ایسا

لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ۭ ضَعُفَ الطَّالِبُ

عابد بھی لچر اور ایسا معبود بھی لچر (افسوس ہے) ان لوگوں نے اللہ کی جیسی تعظیم

وَالْمَطْلُوْبُ ۝۷۳ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ

کرنا چاہئے تھی (کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرتے) وہ نہ کی (کہ شرک

قَدْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝۷۴

کرنے لگے حالانکہ اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا سب پر غالب (بھی) ہے

تو عبادت خالص خدا کا حق تھا نہ اس کا جو کہ قوی اور غالب نہیں جس کا عاجز ہونا واضح طریقہ سے معلوم ہو چکا۔

ربط: اوپر توحید کی تحقیق تھی آگے رسالت کے متعلق مشرکین کے ایک خاص کلام کا جواب ہے وہ کہتے تھے کہ رسول کوئی فرشتہ ہونا چاہئے تھا انسان اور پھر انسان میں بھی آپ کہ ظاہری حشمت و شوکت نہ رکھتے تھے رسالت کے لائق نہیں اللہ یصطفی تا الامور

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰۗىِٕكَةِ رُسُلًا

اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے رسالت کے لئے جس کو چاہتا ہے) منتخب کر لیتا ہے فرشتوں میں سے) جن فرشتوں کو چاہے) احکام پہنچانے والے (مقرر فرما

وَّمِنَ النَّاسِ ۭ

دیتا ہے) اور اسی طرح آدمیوں میں سے

جس کو چاہے عام لوگوں کی طرف احکام پہنچانے کے لئے مقرر کر دیتا ہے غرض رسالت کا مدار خدائی انتخاب پر ہے اس میں فرشتوں کی کچھ خصوصیت نہیں جس طرح فرشتہ رسول ہو سکتا ہے جس کو مشرکین بھی مانتے ہیں اسی طرح انسان بھی رسول ہو سکتا ہے۔ رہا یہ کہ انتخاب کسی ایک شخص کے ساتھ کیوں واقع ہوا اس کا ظاہری سبب تو ان رسولوں کے احوال کی خصوصیات ہیں اور حقیقی سبب خدا کا ارادہ ہے چنانچہ آگے بیان فرماتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝۷۵ يَعْلَمُ

یقینی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے (یعنی) وہ

مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۭ

ان (سب فرشتوں اور آدمیوں) کی آئندہ اور گذشتہ حالتوں کو (خوب) جانتا ہے

تو حالت موجودہ کا تو بدرجہ اولیٰ جانے گا غرض سب احوال اس کو معلوم ہیں ان میں سے بعض کے حالات اس انتخاب کے مقتضی ہو گئے آگے حقیقی سبب کا بیان ہے۔

وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۷۶

اور تمام کاموں کا مدار اللہ ہی پر ہے (یعنی وہ مالک مستقل بالذات ہے

اس کا ارادہ خود ہر چیز کی ترجیح کے لئے کافی ہے اس کے ارادہ کے لئے کسی مرجح کی ضرورت نہیں پس حقیقی سبب خدا تعالیٰ کا ارادہ ہے اور اس کا سبب پوچھنا لغو ہے **ف:** انبیاء علیہم السلام کے پاس پیغام خداوندی لانے والے مشہور قول پر جبریل علیہ السلام ہیں پھر فرشتوں میں چند رسول ہونے کا کیا مطلب جواب یہ ہے کہ آیات و روایات سے ثابت ہے کہ بعض پیغاموں کے واسطے دوسرے فرشتے بھی بھیجے گئے ہیں البتہ قرآن مجید پورا یقیناً حضرت جبرئیل ہی لائے ہیں کیونکہ ارشاد ہے نزل به الروح الامین بلکہ دوسری خدائی کتابیں بھی غالباً حضرت جبرئیل علیہ السلام ہی لائے ہیں لیکن وحی قرآن اور مشہور کتابوں ہی میں منحصر نہیں ان کے علاوہ کسی دوسرے پیغام کے واسطے دوسرے ملائکہ بھی بھیجے گئے ہیں

ربط: اوپر سورت میں مہتم بالشان اصول یعنی قیامت و توحید و رسالت کا اثبات اور ہر ایک کے متعلق شبہات کا جواب مذکور ہو چکا ہے آگے خاتمہ میں اول فروعی احکام کا امر فرمایا ہے پھر ملت ابراہیم پر جو کہ حاصل ہے اسلام کا قائم رہنے اور ثابت قدم رہنے کا حکم فرمایا ہے اور اس کی ترغیب کے لئے بعض مضامین بیان فرما کر سورۃ ختم کر دی ہے۔ یایها الذین تا نعم النصیر

يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا

اے ایمان والو تم رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو

یعنی اسلام کے قبول کرنے کے بعد فروع کی بھی پابندی رکھو خصوصاً نماز کی اور عموماً دوسرے احکام کو بھی بجالاؤ۔

وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ

اور اپنے رب کی عبادت کیا کرو اور (تم ایسے) نیک کام (بھی) کیا کرو

یعنی جو افعال خود اپنی ذات سے عبادت نہیں ہیں بلکہ مباح ہیں لیکن کسی عارض کی وجہ سے مثلاً نیت نیک یا دوسروں کو نافع ہونے کی وجہ سے عبادت ہوجاتے ہیں ان کو بھی کیا کرو۔

وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۷۷﴾ السجدة ج

امید (یعنی وعدہ) ہے کہ تم فلاح پاؤ گے اور اللہ کے کام میں خوب

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ط

کوشش کیا کرو جیسا کوشش کرنے کا حق ہے

یعنی ان کاموں کو سستی اور بے دلی سے مت کرو کیونکہ دین میں کوشش کرنے کے مقتضی اسباب موجود ہیں اور مانع کوئی ہے نہیں چنانچہ آگے بتلاتے ہیں۔

هُوَ اجْتَبٰىكُمْ

اس نے تم کو (اور امتوں سے) ممتاز فرمایا

جیسا کہ آیۃ جعلنکم امۃ وسطاً وغیرہ میں مذکور اور احادیث میں مشہور ہے یہ تو پوری کوشش کرنے کو مقتضی ہے کیونکہ جس کو کوئی خاص ترجیح دی جاتی ہے وہ خدمت کے لئے زیادہ دوڑا کرتا ہے۔

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ط

اور (اس نے) تم پر دین (کے احکام) میں کسی قسم کی تنگی نہیں

چنانچہ ابواب فقہیہ میں احکام رخصت میں نظر کرنے سے معلوم ہوسکتا ہے پس اگر تنگی ہوتی تو بھی کسی درجہ میں وہ پوری کوشش سے مانع ہوتی لیکن اب تو مانع بھی مرتفع ہے۔

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ط

تم اپنے باپ ابراہیمؑ کی (اس) ملت پر (ہمیشہ) قائم رہو

پس اوپر اسلام لانے کا حکم تھا اور اس میں اس کے باقی رکھنے کا حکم ہے۔

هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۵ لا مِنْ قَبْلُ

اس (اللہ) نے تمہارا لقب مسلمان رکھا (نزول قرآن سے) پہلے بھی اور اس

وَفِيْ هٰذَا

(قرآن) میں بھی

چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے امۃ مسلمۃ لک کہلوایا اور شاید دوسری آسمانی کتابوں میں بھی ہو اور قرآن میں تو جا بجا آیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا لقب اپنے معنے سے خالی نہیں ہوسکتا تو بالضرور امت محمدیہ میں انقیاد اور اتباع کا مادہ زیادہ ہوگا کیونکہ مسلم تابعدار کو کہتے ہیں اور ہر چند کہ لغوی معنی کے اعتبار سے دوسری مومن امتیں بھی صفت اسلام سے موصوف تھیں مگر لقب کے طور پر یہی امت موصوف ہے دوسروں کے القاب یہود و نصاریٰ وقوم نوح وقوم ہود وغیرہ تھے۔ اور ملۃ ابیکم میں جو خطاب ساری امت کو ہے حالانکہ وہ سب کے باپ حقیقی معنی کے اعتبار سے نہیں ہیں اس کی تحقیق الٓم کے آخیر میں گزر چکی ہے غرض تمام مسلمان معنی لغوی کے اعتبار سے ذریۃ ابراہیم تھے بالخصوص زمانہ نبوی کے مسلمان چونکہ وہ بقیہ مسلمانوں کے اعتبار سے دین پھیلانے کا اصل سبب ہوئے اس لئے خطاب میں ان کو غالب قرار دے کر تغلیب کا استعمال کیا گیا۔

لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ

تاکہ تمہارے (قابل شہادت اور معتبر ہونے کے لئے) رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)

وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ صلے ج

گواہ ہوں اور (اس شہادت رسولؐ کے قبل) تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ (تجویز) ہو

یعنی ہم نے تمہارے میں اطاعت کا مادہ اس لئے زیادہ رکھا تاکہ تم اس کے ذریعہ سے کمالات حاصل کرو جس سے دنیا میں شرف وامتیاز حاصل ہونے کے علاوہ آخرت میں بھی تمہارا بڑا شرف ظاہر ہو کہ تم ایک بڑے مقدمہ میں جس میں ایک فریق حضرات انبیاء ہوں گے اور دوسرا فریق ان کی مخالف قومیں ہوں گی ان مخالف قوموں کے مقابلہ میں تم انبیاء

کی طرف سے گواہ تجویز ہوگے پھر تمہاری شہادت سے وہ مقدمہ انبیاء کے حق میں فیصل ہوگا اور مخالفین مجرم قرار پا کر سزایاب ہوں گے اور اس کا اعلیٰ درجہ کی عزت ہونا ظاہر ہے۔

فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ
سو تم لوگ (خصوصیت کے ساتھ) نماز کی پابندی رکھو

جو عبادات بدنیہ میں سب سے افضل ہے سو جب ہم نے تم پر ایسی عنایتیں کی ہیں تو تم کو بھی ہمارے احکام کی بجا آوری چاہئے۔

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ
اور زکوٰۃ دیتے رہو

جو عبادات مالیہ میں سب سے افضل ہے۔

وَاعْتَصِمُوْا
اور اللہ ہی کو مضبوط پکڑے رہو

یعنی بقیہ احکام میں بھی عموماً ہمت اور عزم سے کام لو دین کے کاموں میں خدا کے سوا کسی کی رضا و ناراضی یا اپنے نفس کی مصلحت و مضرت کی طرف التفات مت کرو۔

بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى
وہ تمہارا کارساز ہے (کسی کی مخالفت تم کو حقیقۃً ضرر نہ دے گی) سو کیا اچھا
وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ؑ (۷۸)
کارساز ہے اور کیسا اچھا مددگار ہے

پس ایسی ذات کے ساتھ تو یہ معاملہ رکھنا چاہئے۔

مصلحت دید من آن ست کہ یاراں ہمہ کار
بگزارند و خم طرہ یارے گیرند

یعنی سب کو چھوڑ کر اسی کا ہونا چاہئے۔

الحمدللہ ستارویں پارہ کی تفسیر ختم ہوئی

سورة المومنين مكية و هي مائه و تسع عشرة او ثماني عشرة اية كذافي البيضاوى

ربط: اس سورہ کے شروع میں عبادت کی فضیلت مذکور ہے جیسا کہ گذشتہ سورۃ کے اخیر میں بھی اس کا ذکر تھا اور اس سے دونوں میں تناسب ظاہر ہے۔

(۲۳) سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَكِّيَّةٌ (۷۴)

سورۂ مومنون مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں ایک سو اٹھارہ آیتیں اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ

باتحقیق ان مسلمانوں نے (آخرت میں) فلاح پائی جو اپنی نماز

صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝۲

میں خشوع کرنے والے ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم قد افلح تا خلدون مطلب یہ ہے کہ تصحیح عقائد کے ساتھ وہ ان صفات سے بھی موصوف ہیں اور خشوع کی حقیقت یعنی دل میں خیالات غیر کو بالقصد حاضر نہ کرے اور دیگر اعضاء سے عبث حرکتیں نہ کرے اور اس کی فرضیت میں کلام ہے مگر حق یہ کہ نماز کا صحیح ہونا تو اس پر موقوف نہیں اور اس مرتبہ میں فرض نہیں اور قبول ہونا اس پر موقوف ہے اور اس مرتبہ میں فرض ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝۳

اور جو لغو باتوں سے (خواہ قولی ہوں یا فعلی) برکنار رہنے والے ہیں

لغو کا ادنیٰ درجہ اگرچہ مباح ہو مگر اس کا چھوڑنا اولیٰ اور موجب مدح ہے اور معصیت لغو کا اعلیٰ درجہ ہے اس کا چھوڑنا واجب ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝۴

اور جو (اعمال و اخلاق میں) اپنا تزکیہ کرنے والے ہیں

زکوٰۃ کی مشہور تفسیر اس لئے نہیں کی کہ یہ آیات مکی ہیں اور زکوٰۃ مدینہ میں فرض ہوئی اور اگر ان آیات کا مدنی ہونا ثابت ہو جائے جیسا کہ بعض اقوال سے مفہوم ہوتا ہے تو وہ تفسیر بھی صحیح ہو سکتی ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝۵ اِلَّا

اور جو اپنی شرمگاہوں کی (حرام شہوت رانی سے) حفاظت رکھنے والے ہیں

عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ

لیکن اپنی بیبیوں سے یا اپنی (شرعی لونڈیوں سے حفاظت نہیں کرتے) کیونکہ

غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝۶ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ

ان پر (اس میں) کوئی الزام نہیں ہاں جو اس کے علاوہ (اور جگہ شہوت رانی

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝۷

کا) طلبگار ہو ایسے لوگ حد (شرعی) سے نکلنے والے ہیں

اس میں زنا اور لواطت و وطی بہائم اور باندیوں کا مانگی دینا اجماعاً داخل ہے اور بعض کے نزدیک استمناء بالید (یعنی جلق) بھی داخل ہے اور اگر یہ آیت مدنی ہو تو متعہ کے حرام ہونے پر بھی اس سے استدلال صحیح ہے کیونکہ جس عورت سے متعہ کیا جائے وہ بظاہر نہ ازواج میں داخل ہے نہ باندیوں میں اور مکی ہونے کی صورت میں گو اس سے استدلال نہیں ہو سکتا لیکن استدلال کا مدار یہی آیت نہیں ہے بلکہ مسلم میں حضور کا ارشاد صراحۃً مذکور ہے کنت اذنت لکم فی الاستمتاع بالنساء قد حرم اللہ ذلک الی یوم القیمۃ میں نے تم کو عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دے دی تھی لیکن اب حق تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے حرام کر دیا اور صحیح مسلم میں متعہ کی حرمت حضرت علیؓ کے واسطے سے بھی مروی ہے اور صحابہ کا اس پر اجماع بھی ہے اور حضرت ابن عباس نے بھی اس کی طرف رجوع کیا جس پر ابن ہمام نے ان کے اس قول سے استدلال کیا ہے جو ترمذی میں منقول ہے انما کانت المتعہ فی اول الاسلام الی قولہ فکل فرج سواھما حرام کہ متعہ شروع اسلام میں جائز تھا یہاں تک کہ ارشاد فرمایا کہ اب (بیوی اور باندی) ان دونوں کے سوا ہر فرج حرام ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝۸

اور جو اپنی (سپردگی میں لی ہوئی) امانتوں اور اپنے

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝۹

عہدوں کا خیال رکھنے والے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی پابندی

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝۱۰ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ

کرتے ہیں (ہاں) ایسے ہی لوگ وارث ہونے والے ہیں جو فردوس کے

الْفِرْدَوْسَ

وارث ہوں گے

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ

اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور ہم نے انسان کو مٹی

مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ج

کے خلاصہ (یعنی غذا) سے بنایا

اور وارث کہنے کی وجہ حدیث نبوی میں یہ ہے کہ ہر شخص کے نام پر دو گھر بنے ہوئے ہیں ایک جنت میں ایک جہنم میں جو شخص جہنمی ہوگا اس کا گھر اہل جنت کو مل جاوے گا قرطبی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے کذافی الروح اور اگر کسی کے پاس یہ حدیث ثابت نہ ہو تو وارث کے معنی مالک ہو سکتے ہیں۔ اور اولئک هم الوارثون میں جو حصر ہے کہ یہی لوگ وارث ہوں گے وہ باعتبار فردوس کے مستحق ہونے کے ہے جو کہ جنت کا اعلیٰ درجہ ہے ورنہ نفس جنت مومنین مطلق کے لئے عام ہوگی گو ان صفات میں کمی ہو۔

ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾ ص ثُمَّ

پھر ہم نے اس کو نطفہ سے بنایا جو کہ (ایک مدت معینہ تک) ایک محفوظ مقام

خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ

(یعنی رحم) میں رہا پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنا دیا پھر ہم نے اس خون کے لوتھڑے کو (گوشت کی) بوٹی بنا دیا پھر ہم نے اس بوٹی (کے بعض

مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا

اجزاء) کو ہڈیاں بنا دیا پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا پھر ہم نے

الْعِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ط

(اس میں روح ڈال کر) اس کو ایک دوسری ہی (طرح کی) مخلوق بنا دیا

جو پہلے حالات سے نہایت ہی متمائز اور جدا حالت ہے کیونکہ پہلے جماد تھا پھر نبات ہوا اور ان دونوں میں تفاوت ہے ان سے حیوانیت اور جاندار ہونے کی حالت بدرجہا متفاوت ہے۔

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ ط

سو کیسی بڑی شان ہے اللہ کی جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے

کیونکہ دوسرے صناع صرف جوڑ توڑ کر سکتے ہیں حقیقتاً حیات دینا یہ خاص اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے اور ان تغیرات انسانی کا بیان اسی طرح قانون وغیرہ کی کتب طب میں ہے آگے فنا کا بیان ہے۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾ ط ثُمَّ اِنَّكُمْ

پھر تم بعد اس (تمام قصہ عجیبہ) کے ضرور ہی مرنے والے ہو پھر

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾

تم قیامت کے روز دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے

اس میں اعادہ کا بیان ہوا آگے بتلاتے ہیں کہ جس طرح ہم نے تم کو ابتداً وجود عطا کیا اسی طرح تمہاری بقاء کا سامان بھی کیا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ق صلے

اور ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے

جن میں فرشتوں کی آمد و رفت کے لئے راستے ہیں اس سے بھی تمہاری مصلحتیں متعلق ہیں۔

وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾

اور ہم مخلوق (کی مصلحتوں) سے بے خبر نہ تھے

بلکہ ہر مخلوق میں مصالح اور حکم شامل ہیں۔

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ

اور ہم نے آسمان سے (مناسب) مقدار کے ساتھ پانی برسایا پھر ہم نے اس

فِي الْاَرْضِ ق صلے

کو (مدت تک) زمین میں ٹھہرایا

چنانچہ کچھ پانی تو زمین کے اوپر رہتا ہے اور کچھ اندر اتر جاتا ہے جو وقتاً فوقتاً نکلتا رہتا ہے۔۱۲ منہ۔

وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ ج

اور ہم اس (پانی) کے معدوم کر دینے پر (بھی) قادر ہیں

خواہ اس طرح کہ پانی کو ہوا بنا کر اڑا دیں یا اتنی دور زمین کے اندر اتار دیں کہ آلات کے ذریعہ سے نہ نکال سکو مگر ہم نے ایسا نہیں کیا بلکہ اس کو باقی رکھا۔

فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ

پھر ہم نے اس (پانی) کے ذریعہ سے باغ پیدا کئے کھجوروں کے

وَّاَعْنَابٍ م لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ

اور انگوروں کے تمہارے واسطے ان میں بکثرت میوے بھی ہیں

جب کہ ان کو تازہ تازہ کھایا جائے تو میوہ سمجھا جاتا ہے۔

وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۱۹﴾

اور ان میں سے کھاتے بھی ہو

جو بچا کر خشک کر کے رکھ لیا جاتا ہے اس کو بطور غذا کے کھایا جاتا ہے۔

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ

اور (اسی پانی سے) ایک (زیتون کا) درخت بھی (ہم نے پیدا کیا) جو کہ طور

بِالدُّهْنِ

سینا میں (بکثرت) پیدا ہوتا ہے

جس پہاڑ کا نام طور ہے طور سینا بھی اسی کا نام ہے کیونکہ وہ جس جگہ ہے اس جگہ کا نام سینا ہے اور سینین بھی گو اب کچھ اور نام ہو گیا ہے اور زیتون کی تخصیص طور کے ساتھ بوجہ کثرت سے پیدا ہونے کے ہے۔

وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿۲۰﴾

جو اگتا ہے تیل لئے ہوئے اور کھانے والوں کا سالن لئے ہوئے

یعنی اس کے پھل سے دونوں کام کی چیز حاصل ہوتی ہے۔ خواہ روشن کرنے کے بعد مالش کرنے کے کام میں لاؤ خواہ اس میں روٹی ڈبو کر کھاؤ یہ سامان مذکور پانی اور نباتات سے تھا آگے اس سامان کا بیان ہے جو حیوانات سے حاصل ہوتا ہے۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ

اور تمہارے لئے مواشی میں (بھی) غور کرنے کا موقع ہے کہ ہم تم کو ان کے جوف میں کی

مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ

چیز (یعنی دودھ) پینے کو دیتے ہیں اور تمہارے لئے ان میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں

کہ ان کے بال اور اون کام آتی ہے۔

ربط: اوپر توحید معبود پر دلائل قائم کئے گئے تھے آگے مضمون توحید کی تائید کے لئے بعض قصے مذکور ہیں جو تین طور پر توحید کے لئے مؤکد ہیں ایک یہ کہ پہلے انبیاء نے توحید کا امر فرمایا اور منکرین توحید کو کافی سمجھایا۔ دوسرے یہ کہ منکران توحید کا انجام برا ہوا تیسرے انبیاء علیہم السلام کے معجزات ظاہر ہونے سے توحید کا اثبات ہوا۔

وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ

اور (نیز) ان میں سے بعض کو کھاتے بھی ہو اور ان پر اور کشتی پر لدے لدے

تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ

پھرتے (بھی) ہو۔ اور ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف پیغمبر کر کے بھیجا

فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ

سو انہوں نے (اپنی قوم سے) فرمایا کہ اے میری قوم اللہ ہی کی عبادت کیا کرو اس کے سوا کوئی تمہارے لئے معبود بنانے کے لائق نہیں (اور جب یہ

غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا

بات ثابت ہے تو) پھر کیا تم (دوسروں کو معبود بنانے سے) ڈرتے نہیں ہو

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا

پس (نوح کی یہ بات سن کر) ان کی قوم میں جو کافر رئیس تھے (عوام سے) کہنے لگے کہ یہ شخص بجز اس کے کہ تمہاری طرح کا ایک (معمولی) آدمی ہے

بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ

اور کچھ نہیں ہے (اس دعویٰ سے) ان کا مطلب یہ ہے کہ تم سے برتر ہو کر رہے

ولقد ارسلنا تا لمبتین یعنی ریاست اور جاہ و عزت مقصود ہے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚۖ

اور اگر اللہ کو (رسول بھیجنا) منظور ہوتا تو فرشتوں کو بھیجتا

پس یہ دعویٰ ان کا غلط ہے اسی طرح ان کا توحید کی دعوت کرنا یہ دوسری غلطی ہے کیونکہ یہ بالکل نئی بات ہے۔

مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ اِنْ

ہم نے یہ بات اپنے پہلے بڑوں میں کبھی نہیں سنی بس

هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ

یہ ایک آدمی ہے جس کو جنون ہو گیا ہے

اسی واسطے ساری دنیا کے خلاف باتیں کرتا ہے کہ میں رسول ہوں اور معبود ایک ہے قوم نوح کا اول یہ کہنا کہ یہ سرداری چاہتے ہیں اور پھر یہ کہنا کہ ان کو جنون ہو گیا ہے۔ اگر جنون سے مراد کسی قدر جنون ہو تب تو دونوں باتوں کا جمع ہونا ممکن ہے اور اگر جنون کامل مراد ہو تو ان کے اقوال میں تعارض ہوگا کیونکہ کامل جنون کے ساتھ سرداری کا ارادہ جمع نہیں ہو سکتا تو یہ خود اس قوم کے جنون کی دلیل ہے اور چونکہ کفار کے یہ اقوال صراحۃً باطل

تھے اس لئے اس مقام پر ان کے جواب کی ضرورت نہ تھی۔

فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ۝۲۵

سو ایک وقت خاص (یعنی اس کے مرنے کے وقت تک اس (کی حالت) کا اور انتظار کر لو

آخر ایک وقت پر پہنچ کر ختم ہو جائے گا اور سب پاٹ کٹ جائے گا۔

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ۝۲۶ فَاَوْحَيْنَآ

نوحؑ نے عرض کیا کہ اے میرے رب میرا بدلہ لے بوجہ اس کے کہ انہوں نے مجھ کو جھٹلایا ہے پس ہم نے (اس کی دعا قبول کی اور) ان کے پاس حکم

اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا

بھیجا کہ تم کشتی تیار کر لو ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم سے

کہ اب طوفان آئے گا اور تم اور مومنین اس کے ذریعہ سے محفوظ رہو گے۔

فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ

پھر جس وقت ہمارا حکم (عذاب قریب) آ پہنچے اور (علامت اس کی یہ ہے کہ)

فِيْهَا مِنْ كُلٍّ

زمین سے پانی ابلنا شروع ہو تو (اس وقت) ہر قسم (کے جانوروں) میں سے

جو انسان کے کارآمد ہیں اور پانی میں زندہ نہیں رہتے۔

زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ

ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ یعنی دو دو عدد اس (کشتی) میں داخل کر لو اور اپنے گھر والوں کو بھی (سوار کر لو) باستثناء اس کے جس پر ان میں سے (غرق

عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ

ہونے کا) حکم نافذ ہو چکا ہے

یعنی جو کافر ہو اس کو سوار مت کرو ۱۲

وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ

اور (یہ سن لو کہ) مجھ سے کافروں (کی نجات) کے بارے میں کچھ گفتگو مت

مُّغْرَقُوْنَ ۝۲۷ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ

کرنا (کیونکہ) وہ سب غرق کئے جائیں گے۔ پھر جس وقت تم اور تمہارے

عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ

ساتھی (مسلمان) کشتی میں بیٹھ چکو تو یوں کہنا شکر ہے خدا کا جس نے ہم کو

الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۲۸ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ

کافر لوگوں سے (یعنی ان کے افعال اور تکالیف سے) نجات دی اور یوں

مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا

کہنا کہ اے میرے رب مجھ کو (زمین پر) برکت کا اتارنا اتاریو

یعنی اطمینان ظاہری و باطنی کے ساتھ رکھیو

وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ۝۲۹

اور آپ سب اتارنے والوں سے اچھے ہیں

یعنی اور لوگ جو مہمانوں کو اتار لیتے ہیں حقیقۃً اس کے حصول نفع و ضرر پر قادر نہیں ہوتے اور آپ قادر ہیں ۱۲ منہ

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ۝۳۰

اس (واقعہ مذکورہ) میں بہت سی نشانیاں ہیں اور ہم (یہ نشانیاں معلوم کرا کر اپنے بندوں کو) آزماتے ہیں

کہ دیکھیں کون سا منتفع ہوتا ہے کون نہیں ہوتا اور نشانیاں یہ ہیں رسول بھیجنا ایمانداروں کو بچالینا کافروں کو ہلاک کر دینا دفعتاً طوفان پیدا کر دینا کشتی کو محفوظ کر دینا وغیرہ وغیرہ ۱۲

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝۳۱ ۚ

پھر ہم نے (قوم نوحؑ کے بعد) دوسرا گروہ پیدا کیا

ثم انشانامن بعد هم تا للقوم الظلمين اس جماعت سے مراد قوم عاد ہے یا ثمود چونکہ دوسری آیات میں ثمود کا سخت آواز سے ہلاک ہونا آیا ہے اس قرینہ سے بعض نے تو اس کو ثمود کا قصہ سمجھا ہے۔ اس صورت میں پیغمبر سے صالح علیہ السلام مراد ہوں گے اور چونکہ اکثر جگہ بعد قوم نوح کے عاد کا قصہ آیا ہے اس قرینہ سے بعض نے اس کو عاد کا قصہ سمجھا ہے اور صیحہ سے مراد سخت سزا لی ہے یا ممکن ہے کہ قوم عاد پر ہوا کے ساتھ سخت آواز کا عذاب بھی ہوا ہو اور اس صورت میں پیغمبر سے مراد ہود علیہ السلام ہوں گے۔

فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

پھر ہم نے ان میں ایک پیغمبر کو بھیجا جو ان ہی میں کے تھے (ان پیغمبر نے کہا) کہ تم لوگ

مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ

اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا اور کوئی معبود (حقیقی) نہیں کیا تم (شرک سے)

الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا

ڈرتے نہیں ہو اور ان پیغمبر کی یہ بات سن کر) ان کی قوم میں سے جو رئیس تھے جنہوں نے

بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ

(خدا اور رسول کے ساتھ) کفر کیا تھا اور آخرت کے آنے کو جھٹلایا تھا اور ہم نے ان کو دنیوی

مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ

زندگانی میں عیش بھی دیا تھا کہنے لگے کہ بس یہ تو تمہاری طرح ایک معمولی آدمی ہیں

مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾ ۙ وَلَئِنْ

(چنانچہ) یہ وہی کھاتے ہیں جو تم کھاتے ہو اور وہی پیتے ہیں جو تم پیتے ہو اور اگر تم اپنے

اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ ۙ

جیسے ایک (معمولی) آدمی کے کہنے پر چلنے لگو تو بیشک تم (عقل کے) گھاٹے میں ہو

یعنی جب یہ تمہارے ہی جیسے بشر ہیں تو ان کا اتباع بڑی بے وقوفی ہے۔

اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا

کیا یہ شخص تم سے کہتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور (مر کر) مٹی اور ہڈیاں ہو

وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾ ۙ

جاؤ گے تو (دوبارہ زندہ کر کے زمین سے) نکالے جاؤ گے

یعنی مرنے کے بعد گوشت کا حصہ تو پہلے ہی خاک ہو جاتا ہے تو
ہڈیاں بے گوشت رہ جاتی ہیں پھر بعد چندے وہ بھی خاک ہو جاتی ہیں تو یہ
شخص کہتا ہے کہ اس حالت کے بعد بھی تم دوبارہ زندہ ہو گے تو بھلا ایسا
شخص کہیں اطاعت واتباع کے قابل ہو سکتا ہے۔

هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾ ۙ اِنْ هِيَ

بہت ہی بعید اور بہت ہی بعید ہے جو بات تم سے کہی جاتی ہے

اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ

بس زندگی تو یہی ہماری دنیوی زندگی ہے کہ ہم میں کوئی مرتا ہے

بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۳۷﴾ ۙ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ِۨ افْتَرٰى

اور کوئی پیدا ہوتا ہے اور ہم دوبارہ زندہ کئے جاویں گے بس یہ ایک

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا

ایسا شخص ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے

کہ اس نے مجھ کو رسول بنا کر بھیجا ہے اور کوئی دوسرا معبود نہیں اور
قیامت آوے گی۔

وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ

اور ہم تو ہرگز اس کو سچا نہ سمجھیں گے پیغمبر نے دعا کی کہ اے میرے رب میرا بدلہ لے اس وجہ

بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۳۹﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ

سے کہ انہوں نے مجھ کو جھٹلایا ارشاد ہوا کہ یہ لوگ عنقریب پشیمان ہوں گے چنانچہ ان کو ایک

نٰدِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ ۚ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ

سخت آواز نے (یعنی عذاب نے) موافق وعدہ برحق کے آ پکڑا (جس سے وہ سب ہلاک

فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾

ہو گئے) پھر ہم نے ان کو خس وخاشاک (کی طرح پامال) کر دیا سو خدا کی مار کافر لوگوں پر

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۴۲﴾ ؕ

پھر ان (عاد یا ثمود) کے (ہلاک ہونے کے) بعد ہم نے اور امتوں کو پیدا کیا

ثم انشانامن بعدهم تا لایومنون جو کہ تکذیب رسل کے سبب
سے وہ بھی ہلاک ہوئے اور ان کے ہلاک ہونے کی جو مدت علم الٰہی میں
مقرر تھی عین اسی وقت پر ہلاک کئے گئے۔

مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ ؕ

کوئی امت (ان امتوں میں سے) اپنی مدت معینہ سے (ہلاک ہونے میں)
نہ پیش دستی کر سکتی تھی اور نہ (اس مدت سے) وہ لوگ پیچھے ہٹ سکتے تھے پھر

ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ

(ان کے پاس) ہم نے اپنے پیغمبروں کو یکے بعد دیگرے (ہدایت کیلئے) بھیجا

جس طرح وہ امتیں یکے بعد دیگرے پیدا ہوئی تھیں۔

كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا

جب کبھی کسی امت کے پاس اس امت کا (خاص) رسول آیا انہوں نے اس کو جھٹلایا سو ہم نے

بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ج

(بھی ہلاک کرنے میں) ایک کے بعد ایک کا نمبر لگا دیا اور ہم نے ان کی کہانیاں بنا دیں

یعنی وہ ایسے نیست و نابود ہوئے کہ بجز کہانیوں کے ان کا کچھ نام و نشان نہ رہا اور ان امتوں میں سے بعض کا ذکر سورہ اعراف وغیرہ میں ہے چنانچہ عاد کے بعد ثمود کا اور ثمود کے بعد قوم لوط کا اور قوم لوط کے بعد اہل مدین کا ذکر آیا ہے اور بعض کی نسبت فرمایا ہے۔ لایعلمھم الا اللہ کہ ان کو بجز خدا تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا اور اگر بعض قوموں کی کچھ نسل باقی رہی تب بھی جعلنا ھم احادیث میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ خاص وہ جھٹلانے والے تو نیست و نابود ہو گئے تھے یا یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ہم نے اس کو دوسروں کے لئے عبرت بنا دیا۔

فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا

سو خدا کی مار ان لوگوں پر جو (انبیاء کے سمجھانے پر بھی) ایمان نہ لاتے تھے

مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۵ لا

پھر ہم نے موسیٰؑ اور ان کے بھائی ہارونؑ کو اپنے احکام اور کھلی دلیل

ثم ارسلنا موسیٰ تا لعلھم یھتدون یعنی صاف اور صریح معجزے جو نبوت کی دلیل ہیں۔

بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾ لا

دے کر فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس (بھی پیغمبر بنا کر) بھیجا

اور بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہونا تو معلوم ہی ہے۔

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا

سو ان لوگوں نے (ان کی تصدیق و اطاعت سے) تکبر کیا اور وہ

قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾ ج

لوگ تھے ہی متکبر

یعنی پہلے ہی سے ان کا دماغ سڑا ہوا تھا۔

فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا

چنانچہ وہ (باہم) کہنے لگے کہ کیا ہم ایسے دو شخصوں پر جو ہماری طرح کے آدمی ہیں

اور ان میں کوئی بات امتیاز کی نہیں

وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ ج

ایمان لے آویں (اور ان کے مطیع بن جاویں) حالانکہ ان کی قوم کے لوگ ہمارے زیر حکم ہیں

یعنی ہم کو خود ان کی قوم پر ریاست حاصل ہے پھر ان دونوں کو ہم پر کیسے ریاست حاصل ہو سکتی ہے ان لوگوں نے ریاست دینیہ کو دنیوی ریاست پر قیاس کیا کہ جب ہم کو ایک ریاست حاصل ہے تو دوسری کے بھی ہم ہی مستحق ہیں اور جب ان کو ایک حاصل نہیں تو دوسری کیسے ہو سکتی ہے اور اسی قیاس کا غلط ہونا ظاہر ہے صاحب روح نے اس جگہ ایک لطیفہ خوب لکھا ہے کہ یہ منکرین بشر کے لئے تو نبوت کو محال سمجھتے تھے اور پتھروں کے لئے معبودیت کو جائز جانتے تھے کس قدر عجیب بات ہے اور باوجودیکہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل اور فرعون سب کی طرف مبعوث ہوئے تھے فرعون کی اور قوم فرعون میں سے رؤسا کی تخصیص اس لئے کی گئی کہ یہ لوگ انکار میں زیادہ سخت تھے پس ان کو خاص طور پر زیادہ قباحت ظاہر کرنے کے لئے ذکر فرمایا۔

فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَلَقَدْ

غرض وہ لوگ ان دونوں کی تکذیب ہی کرتے رہے پس ہلاک کئے گئے (اور

اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾

ان کے ہلاک ہونے کے بعد) ہم نے موسیٰ کو کتاب (یعنی توراۃ) عطا فرمائی

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً

تا کہ (اس کے ذریعہ سے) وہ لوگ (یعنی قوم بنی اسرائیل) ہدایت پاویں اور ہم نے مریم کے بیٹے (عیسیٰؑ) کو اور ان کی ماں (حضرت مریم کو بڑی نشانی بنایا

کیونکہ بے باپ کے تولد ہونا خدا کی قدرت اور ان دونوں کی سچائی کی بڑی دلیل ہے۔

وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾ ع

اور ہم نے ان دونوں کو ایک ایسی بلند زمین پر لے جا کر پناہ دی

چونکہ ان کو نبی بنانا مقصود تھا اور ایک ظالم بادشاہ ہیر دوس نام بچپن ہی میں ان کے درپے قتل ہو گیا تھا کیونکہ نجومیوں نے اس سے کہا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سرداری نصیب ہوگی پس الہام ربانی سے حضرت مریم ان کو لے کر ملک مصر میں چلی گئیں اور اس ظالم کے مرنے کے بعد پھر شام میں چلی

آئیں یہاں تک کہ وہ امن وامان سے جوان ہوئے اور نبوت عطا ہوئی۔ پس توحید ورسالت میں ان کی تصدیق ضروری تھی مگر بعض نے نہ کی۔

ربط: شروع سورت میں عبادت کا واجب ہونا اس کے بعد اس کی تاکید اور ترغیب کے لئے معبود کی صفات کمال اور بڑی بڑی نعمتوں کا بیان تھا اسی سلسلہ میں چند قصے مذکور ہوئے تھے اب آگے ان ہی مضامین بالا کی تجدید اور تاکید اور اجمال بعد تفصیل ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا

جو (بوجہ غلات اور میوہ جات پیدا ہونے کے) ٹھہرنے کے قابل اور شاداب جگہ تھی اے پیغمبرو تم (اور تمہاری امتیں) نفیس چیزیں کھاؤ اور نیک

صَالِحًا ؕ

کام (یعنی عبادت) کرو

یاایھاالرسل مالا یشعرون یعنی جس طرح ہم نے تم کو اپنی نعمتوں کے استعمال کی اوپر اجازت دی اور عبادت کا حکم کیا اسی طرح سب پیغمبروں کو اور ان کے ذریعہ سے ان کی امتوں کو بھی یہی حکم دیا کہ خدا کی نفیس نعمتیں کھاؤ اور کھا کر شکر ادا کرو جس کا طریقہ عبادت ہے اور مسلم اور ترمذی کی حدیث مرفوع میں جو حلال روزی کے بارہ میں اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے اس سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ حدیث سے طیب کی تفسیر حلال روزی معلوم ہوتی ہے اور میں نے لذیذ اور نفیس کے ساتھ تفسیر کی ہے جواب یہ ہے کہ جو لذیذ حلال نہ ہو وہ گویا حلال ہی نہیں کیونکہ ان میں معنوی لذت نہیں خوب سمجھ لو۔

اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ؕ ﴿۵۱﴾

(اور) میں تم سب کے کئے ہوئے کاموں کو خوب جانتا ہوں

پس عبادات پر ثمرات عطا کروں گا۔

وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً

اور (ہم نے ان سب سے یہ بھی کہا کہ) یہ ہے تمہارا طریقہ کہ وہ ایک ہی طریقہ ہے

یعنی کسی شریعت میں یہ طریقہ نہیں بدلا اس پر رہنا تم کو واجب ہے۔

وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾

اور (حاصل اس طریقہ کا یہ ہے کہ) میں تمہارا رب ہوں سو تم مجھ سے ڈرتے رہو

اور میرے احکام کی مخالفت مت کرو کیونکہ میں تمہارا مالک اور منعم حقیقی ہوں مالک ہونے کا یہی مقتضا ہے پھر منعم ہونے کا تو اور زیادہ مقتضا ہے کہ میری اطاعت کی جائے آگے فرماتے ہیں کہ ان رسولوں کی امت کے لوگوں کو چاہیے تھا کہ ان اسباب کے موجود ہونے کے بعد سب ایک ہی طریق پر رہتے مگر انہوں نے ایسا نہ کیا۔

فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۢ

سو ان لوگوں نے اپنے دین میں اپنا طریق الگ الگ کر کے اختلاف پیدا کر

بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۳﴾

لیا ہر گروہ کے پاس جو دین ہے وہ اسی سے خوش ہے

چنانچہ ان میں اب بھی جتنے گروہ موجود ہیں ان میں سے ہر گروہ اپنے دین کو باوجودیکہ اس کا باطل ہونا ثابت ہو چکا ہے حق سمجھتا ہے جب یہ بات ہے تو آپ بھی ان مشرکین قریش کے ایسے ہی دعویٰ بلا دلیل اور کفر پر جمے رہنے سے غم نہ کیجئے۔

فَذَرْهُمْ فِىْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۵۴﴾

سو آپ ان کو ان کی (اسی) جہالت میں ایک خاص وقت تک رہنے دیجئے

جب وہ خاص وقت یعنی موت کا وقت آ جاویگا سب حقیقت معلوم ہو جاویگی۔

اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ

کیا یہ لوگ یوں گمان کر رہے ہیں کہ ہم ان کو جو کچھ مال و اولاد دیتے چلے

وَّبَنِيْنَ ﴿۵۵﴾ لا نُسَارِعُ لَهُمْ فِى الْخَيْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا

جاتے ہیں تو ہم ان کو جلدی جلدی فائدے پہنچا رہے ہیں (یہ بات ہرگز

يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

نہیں) بلکہ یہ لوگ (اس کی وجہ) نہیں جانتے

یعنی اس کی وجہ استدراج ہے کہ آہستہ آہستہ دفعۃً ان کو سخت عذاب میں مبتلا کرنا مقصود ہے جس کا انجام اعلیٰ درجہ کا ضرر ہے نہ کہ نفع

ربط: اوپر یہ مذکور تھا کہ کفار کی موجودہ حالت سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ہم ان کو جلدی جلدی فائدہ پہنچا رہے ہیں آگے مقابلہ کے طور پر اہل ایمان کی موجودہ حالت کی بابت فرماتے ہیں کہ چونکہ شریعت کا اتباع کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے حقوق ادا کرتے ہیں وہ البتہ جلدی جلدی فائدے حاصل کر رہے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۵۷﴾

اس میں کوئی شک نہیں جو لوگ اپنے رب کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں اور

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَالَّذِيْنَ

جو لوگ اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جو لوگ (اس ایمان

هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾

میں) اپنے رب کے ساتھ شرک نہیں کرتے ہیں

ان الذین تا لایظلمون یومنون کے بعد لایشرکون فرمانے کا یہ فائدہ ہوسکتا ہے کہ مشرکین بھی چونکہ خدا کو مانتے تھے اس لئے دعوئ ایمان کا کرتے تھے جیسا کہ فرمایا ہے۔ لئن سالتھم من خلق السموٰت لیقولن اللّٰہ اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان وزمین کو کس نے پیدا کیا وہ بھی کہیں گے کہ اللہ نے اور اسی بناء پر ارشاد ہوا ہے۔ وما یومن اکثرھم باللّٰہ الاوھم مشرکون کہ ان میں سے اکثر لوگ ایمان خدا پر نہیں رکھتے مگر اس حالت میں کہ ایمان کے ساتھ شرک بھی کرتے ہیں تو اس سے مشرکین پر مومن ہونے کا شبہ ہوسکتا تھا اس لئے لایشرکون بڑھانا مفید ہوا کہ جو ایمان شرک سے خالی ہو وہی معتبر ہے اور جس کے ساتھ شرک کی آمیزش ہو وہ ایمان نہیں ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ

اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور (باوجود دینے کے) ان

وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿۶۰﴾

کے دل اس سے خوفزدہ ہوتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے پاس جانے والے ہیں

دیکھئے وہاں جا کر ان صدقات کا کیا ثمرہ ظاہر ہوا ایسا نہ ہو کہ حکم کے موافق نہ دیا گیا ہو مثلاً مال حلال نہ ہو یا نیت خالص نہ ہو اور اس کی ہم کو اطلاع نہ ہوئی ہو الٹا مواخذہ ہونے لگے۔

اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا

یہ لوگ (البتہ) اپنے فائدے جلدی جلدی حاصل کر رہے ہیں اور وہ ان کی طرف دوڑ رہے ہیں اور ہم (تو) کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ کام کرنے

سٰبِقُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا

کو نہیں کہتے (بس جو کام بتلا رکھے ہیں سب آسان ہی ہیں) اور ہمارے

وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا

پاس ایک دفتر (نامۂ اعمال کا محفوظ) ہے جو ٹھیک ٹھیک (سب کا حال) بتا

يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾

دے گا اور لوگوں پر ذرا ظلم نہ ہوگا

بلکہ ہر ایک کی کوشش کی پوری پوری قدر ہوگی اور ذرہ ذرہ نیکی پر ثواب ملے گا پس یہ اعمال مذکورہ آسان ہونے کے ساتھ ان کا ثمرہ بھی یقینی ہے اس لئے لوگوں کو ان میں ضرور کوشش کرنا چاہئے۔ **ربط**: اوپر مخالفین دین کی جہالت اور عذاب کے استحقاق کا اجمالی بیان تھا آگے اسی کی تفصیل ہے اور درمیان میں مقابلہ کے لئے مومنین کا اور ان کے اعمال کا ذکر تھا اور اس تفصیل کے شروع میں کفار کے اعمال کا مومنین کے اعمال کے ساتھ مقابلہ بھی کیا گیا ہے کہ اوپر مسلمانوں کی تو یہ حالت سنی مگر کفار ایسے نہیں ہیں۔

بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِىْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ

بلکہ ان کفار کے قلوب اس دین کی طرف سے جہالت (اور شک) میں ہیں اور اس

اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿۶۳﴾

کے علاوہ ان لوگوں کے اور بھی (برے برے) عمل ہیں جن کو یہ کرتے رہتے ہیں

بل قلوبھم تا عملون جیسا کہ مومنین علاوہ آیات پر ایمان لانے کے اور بھی اعمال خیر کرتے تھے اسی طرح یہ لوگ شرک اور برے اعمال کے برابر عادی رہیں گے۔

حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ

یہاں تک کہ جب ہم ان کے خوشحال لوگوں کو عذاب (بعد الموت) میں دھر پکڑیں گے تو فوراً چلا اٹھیں گے

اور غریب غربا تو کس گنتی میں ہیں وہ تو عذاب سے کیا بچاؤ کر سکتے ہیں غرض یہ کہ جب ان پر عذاب نازل ہوگا اس وقت سارا انکار و تکبر جس کے اب عادی ہیں کافور ہو جائے گا۔

اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ قف اِنَّكُمْ

(اس وقت ان سے کہا جاوے گا) کہ اب مت چلاؤ ہماری طرف سے

مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۶۵﴾

تمہاری مطلق مدد نہ ہوگی

کیونکہ یہ دار الجزا ہے دار العمل نہیں ہے کہ چلانا اور عاجزی کرنا مفید ہو جو دار العمل تھا اس میں تو تمہارا یہ حال تھا جو آگے آتا ہے۔

قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ

میری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر (رسول کی زبانی) سنائی جایا کرتی تھیں تو تم

تَنْكِصُوْنَ ۝ مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ بِهٖ سٰمِرًا

الٹے پاؤں بھاگتے تھے تکبر کرتے ہوئے قرآن کا مشغلہ بناتے ہوئے اس

تَهْجُرُوْنَ ۝

قرآن کی شان میں بیہودہ بکتے ہوئے

کہ کوئی اس کو جادو کہتا تھا کوئی شعر کہتا تھا اور مشغلہ کا یہی مطلب ہے پس تم نے دار العمل یعنی دنیا میں جیسا کیا آج دار الجزا یعنی آخرت میں ویسا ہی بھگتو آگے فرماتے ہیں کہ یہ لوگ؟ قرآن اور صاحب قرآن کی تکذیب کرتے ہیں تو اس کی کیا وجہ ہے۔

اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ

تو کیا ان لوگوں نے اس کلام (الہی) میں غور نہیں کیا

جس سے اس کا معجزہ ہونا ظاہر ہو جاتا اور یہ ایمان لے آتے۔

اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝

یا ان کے پاس ایسی چیز آئی ہے جو ان کے پہلے بڑوں کے پاس نہیں آئی تھی

مراد اس سے احکام الٰہیہ کا رسولوں کے ذریعہ آنا ہے مطلب یہ ہے کہ یہ بات بھی نہیں ہے کہ ان رسولوں پر وحی نئی آئی ہو کہ احکام الٰہی تو رسولوں کے ذریعہ ہمیشہ سے نازل ہوتے آئے ہیں **قل ما كنت بدعا من الرسل** آپ کہہ دیجئے کہ میں کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ **لتنذر قوما ما انذر اباء هم** سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین عرب کے آباؤ اجداد میں رسول نہیں آئے تھے اور اس آیت سے ان کے آباؤ اجداد کے پاس رسولوں کا آنا معلوم ہوتا ہے جس سے بظاہر دونوں آیتوں میں تعارض کا شبہ ہوتا ہے جواب یہ ہے کہ اس آیت میں دور کے آباؤ اجداد مراد ہیں جیسا کہ لفظ اولین بھی اس کا قرینہ ہے اور دوسری آیت میں نزدیک کے آباؤ اجداد مراد ہیں غرض تکذیب کی یہ وجہ بھی باطل ٹھہری اور یہ دو وجہ تو قرآن کے متعلق فرماتے ہیں۔

اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ

یا یہ لوگ اپنے رسول سے واقف نہ تھے اس وجہ سے ان کے منکر ہیں

یعنی یہ وجہ بھی باطل ہے کیونکہ آپ کی دیانت وامانت وصدق پر سب کا اتفاق تھا۔

فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝

یا یہ لوگ آپ کی نسبت جنون کے قائل ہیں

سو یہ بھی غلط ہے کیونکہ آپ کا اعلیٰ درجہ کا صائب الرائے ہونا بھی ظاہر ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ

(سو ان میں تو کوئی وجہ بھی معقول نہیں) بلکہ (ان کی اصلی تکذیب کی وجہ یہ ہے کہ) یہ رسول ان کے پاس حق بات لے کر آئے ہیں اور ان میں اکثر

وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ۝

لوگ حق بات سے نفرت رکھتے ہیں

بس تمام تر وجہ تکذیب کی اور حق کے اتباع نہ کرنے کی یہ ہے اور لفظ اکثر اس لئے فرمایا کہ بعض ان میں سے علم الٰہی میں ایمان لانے والے تھے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ کراہت صرف بعض کو تھی اور بعض کے لئے ایمان سے اور موانع تھے جیسے عار یا خوف مال و جاہ کے فوت ہونے کا وغیرہ وغیرہ اور حق سے کوئی خاص عداوت نہ تھی آگے فرماتے ہیں کہ یہ لوگ حق کا اتباع تو کیا کرتے یہ تو الٹا یہ چاہتے ہیں کہ وہ دین حق ہی ان کے خیالات کا تابع کر دیا جائے اور جو مضامین قرآن میں ان کے خلاف ہیں ان کو خارج یا ترمیم کر دیا جائے۔ جیسا کہ سورہ یونس میں ارشاد ہے۔

قال الذين لا يرجون لقاء نا ائت بقران غير هذا او بدله

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ

اور بفرض محال اگر دین حق ان کے خیالات کے تابع ہو جاتا تو تمام آسمان

وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ

اور زمین اور جو ان میں آباد ہیں سب تباہ ہو جاتے

کیونکہ اس صورت میں تمام عالم میں کفر و شرک و گمراہی پھیل جاتی اور اس کا اثر یہ ہوتا کہ حق تعالیٰ کا غضب تمام عالم پر متوجہ ہوتا تو سب ہلاک ہو جاتے جیسا کہ قیامت میں گمراہی عام ہونے سے سب ہلاک ہو جاویں گے۔

بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ۭ

بلکہ ہم نے ان کے پاس ان کی نصیحت کی بات بھیجی سو یہ لوگ اپنی نصیحت (نافعہ) سے بھی روگردانی کرتے ہیں

یعنی اول تو کسی امر کا حق ہونا خود اس کو مقتضی ہے کہ اس کو قبول کیا جائے گو وہ نافع بھی نہ ہو اور حق کا قبول نہ کرنا خود عیب ہے مگر ان لوگوں میں صرف یہی ایک عیب نہیں کہ حق سے کراہت کرتے ہیں بلکہ اس سے بڑھ کر دوسرا عیب اور بھی ہے کہ جو امر ان کے لئے نافع ہے اس سے بھی اعراض کرتے ہیں کیونکہ وہ دین حق ان کے لئے نافع بھی ہے۔

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ ق

یا آپ ان سے کچھ آمدنی چاہتے ہیں تو آمدنی تو آپ کے رب کی سب

وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۷۲﴾

سے بہتر ہے اور وہ سب دینے والوں سے اچھا ہے

یعنی علاوہ وجوہ مذکور کے کیا ان کی تکذیب کی یہ ہے کہ ان کو شبہ یہ ہوا ہو کہ آپ ان سے کچھ وصول کرنا چاہتے ہیں کہ خدا کی آمدنی سب سے بہتر ہے تو آپ کسی سے کیوں مانگتے۔

وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۳﴾

اور (خلاصہ ان کی حالت کا یہ ہے کہ) آپ تو ان کو سیدھے راستہ کی طرف

وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ

(جس کو اوپر حق کہا ہے) بلا رہے ہیں اور ان لوگوں کی جو کہ آخرت پر ایمان

الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿۷۴﴾

نہیں رکھتے یہ حالت ہے کہ اس (سیدھے) راستہ سے ہٹے جاتے ہیں

مطلب یہ کہ دین کا حق ہونا اور مستقیم ہونا اور نافع ہونا یہ سب ایمان لانے کے اسباب مجتمع ہیں اور پانچ وجوہ جو موانع ہو سکتے تھے وہ غلط ہیں پھر ایمان نہ لانا سخت درجہ کی گمراہی ہے آگے یہ بتلاتے ہیں کہ ان کی سنگدلی اور عناد کی یہ حالت ہے کہ جس طرح یہ لوگ شرعی احکام سے متاثر نہیں ہوتے اسی طرح قہر کی نشانیوں اور مصائب و بلیات سے بھی متاثر نہیں ہوتے گو تکلیف پہنچنے کے وقت بھی طبعی طور پر ہم کو پکارتے ہیں لیکن وہ دفع الوقتی ہوتی ہے۔

وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ

اور اگر ہم ان پر مہربانی فرما دیں اور ان پر جو تکلیف ہے اس کو ہم دور بھی کر

لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۵﴾

دیں تو وہ لوگ (پھر) اپنی گمراہی میں بھٹکتے ہوئے اصرار کرتے ہیں

اور وہ قول و قرار جو مصیبت میں تھے سب گاؤ خورد ہو جائیں گے اس کی دلیل مذکور ہے۔

وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا

اور ہم نے ان کو گرفتار عذاب بھی کیا ہے سو ان لوگوں نے نہ اپنے رب کے

لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۷۶﴾

سامنے (پورے طور سے) فروتنی کی اور نہ عاجزی اختیار کی

پورے طور کی قید اس لئے بڑھائی کہ کسی قدر عاجزی کا ظہور تو ہونا تھا لیکن وہ اس لئے ناتمام تھا کہ اس پر کوئی معقول اثر عذاب کی حالت میں بھی مرتب نہ ہوتا تھا جو کہ قبول اسلام ہے صرف وعدہ ہی وعدہ ہوا کرتا تھا پس جب عین مصیبت میں اور مصیبت بھی ایسی سخت جس کو عذاب کہا جا سکے جیسے قحط وغیرہ جو مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا سے ہوا تھا انہوں نے عاجزی اختیار نہ کی تو تکلیف زائل ہونے کے بعد تو بدرجہ اولیٰ ان سے اس کی توقع نہیں آگے بتلاتے ہیں کہ یہ ساری بے پرواہی اور بیباکی معمولی مصائب تک ہے۔

حَتّٰىٓ اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ

یہاں تک کہ ہم جب ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیں گے

شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۷﴾ ع

تو اس وقت بالکل حیرت زدہ رہ جاویں گے

یعنی جب کوئی عذاب فوق العادت آئے گا خواہ دنیا ہی میں کوئی غیبی قہر آپڑے جس کا آنا ممکن ہے یا موت کے بعد تو ضرور ہی واقع ہو گا اس وقت منہ تکتے رہ جائیں گے کہ یہ کیا ہو گیا اور سارا نشہ ہرن ہو جائے گا۔

ربط: اوپر کی آیتوں میں کفار کے احوال و اقوال بد کے ساتھ ان کے آخرت میں معذب ہونے کا بھی بیان تھا چونکہ یہ عذاب دوبارہ زندہ ہونے پر موقوف ہے اور وہ لوگ اس کے منکر تھے اس لئے آگے بعث و حشر کا اثبات اور ان کے انکار کا جواب ہے بعث و حشر کا اثبات موقوف ہے قدرت کاملہ کے اثبات پر اس لئے بعض آیات میں قدرت کے کارناموں کا بھی بیان ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ

اور وہ (اللہ) ایسا ہے جس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں

وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ

اور دل بنائے

وھو الذی انشاتا یشر کون کہ آرام بھی برتو اور شریعت اور دین کو بھی سمجھو۔

قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾

تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو

کیونکہ اصلی شکر یہ تھا کہ اس منعم کے پسند کئے ہوئے دین کو قبول کرتے اور دوبارہ زندہ کرنے پر اس کی قدرت کا انکار نہ کرتے اور کم شکر کرنے سے یا تو یہ مراد ہے کہ بالکل شکر نہ کرتے یا یہ کہ خدا کو خالق ماننے والا طبعاً کچھ شکر ادا کرتا ہے لیکن چونکہ شکر کا بڑا فرد یعنی ایمان ان کو حاصل نہ تھا اس لئے وہ شکر قلیل قرار دیا گیا۔

وَهُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَاِلَیْهِ

اور وہ ایسا ہے جس نے تم کو زمین پر پھیلا رکھا ہے اور تم سب (قیامت میں)

تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۹﴾

اسی کے پاس لائے جاؤ گے

اس وقت اس کفران نعمت کی حقیقت معلوم ہوگی۔

وَهُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ

اور وہ ایسا ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے اور اسی کے اختیار میں ہے رات اور

الَّیْلِ وَالنَّهَارِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۸۰﴾

دن کا گھٹنا بڑھنا سو کیا تم (اتنی بات نہیں سمجھتے

کہ یہ دلائل قدرت توحید پر اور قیامت کے امکان پر دلالت کرتے ہیں مگر پھر بھی نہیں مانتے۔

بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۸۱﴾

بلکہ یہ بھی ویسی ہی بات کہتے ہیں جو اگلے (کافر) لوگ کہتے چلے آئے

قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا

(یعنی) یوں کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مرجائیں گے اور ہم مٹی اور ہڈیاں رہ

ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۸۲﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ

جاویں گے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کئے جاویں گے اس کا تو ہم سے اور (ہم

وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ

سے) پہلے ہمارے بڑوں سے وعدہ ہوتا چلا آیا ہے

اس میں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ ان کے آباؤ اجداد کے پاس تو کوئی رسول نہیں آیا تھا۔ بقولہ تعالیٰ ما انذر اٰباؤھم اس کا جواب یا تو آباؤ اجداد میں قریب و بعید مراد لے کر دیا جائے جیسا کہ اوپر ایک فائدہ میں گزرا ہے یا یہ کہا جاوے کہ انبیاء سابقین کے اس قسم کے اقوال مشہور تھے دوسرے ناقلین کے ذریعہ سے ان کے آباء تک پہنچ گئے۔

اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۸۳﴾

یہ کچھ بھی نہیں محض بے سند باتیں ہیں جو اگلوں سے منقول ہوتی چلی آتی ہیں

چونکہ اس قول سے قدرت کا انکار لازم آتا ہے اور انکار قدرت سے قیامت کے انکار کے ساتھ توحید کا انکار بھی ہوتا ہے اس لئے اس قول کے جواب میں قدرت کو ثابت کرتے ہوئے توحید کو بھی ثابت کرتے ہیں۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهَآ اِنْ كُنْتُمْ

آپ (جواب میں) یہ کہہ دیجئے کہ (اچھا یہ بتلاؤ کہ) یہ زمین اور جو اس پر

تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا

رہتے ہیں یہ کس کی ہیں اگر تم کو کچھ خبر ہے وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ کی ہیں

تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾

(تو) ان سے کہئے کہ پھر کیوں نہیں غور کرتے

کہ تم کو توحید کا اور دوبارہ زندہ کرنے پر قدرت کا ثبوت ہو جائے۔

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ

(اور) آپ یہ بھی کہئے کہ (اچھا یہ بتلاؤ کہ) ان سات آسمانوں کا مالک اور

الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ﴿۸۶﴾ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ

عالیشان عرش کا مالک کون ہے (اس کا بھی) وہ ضرور یہی جواب دیں گے کہ یہ بھی

قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾

(سب) اللہ کا ہے (اس وقت) آپ کہیئے کہ پھر تم (اس سے) کیوں نہیں ڈرتے

کہ اس کی قدرت کا اور قیامت کے دلائل کا انکار کرتے ہو۔

قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ

آپ (ان سے) یہ بھی کہیے (اچھا) وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں تمام چیزوں کا

وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ

اختیار ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا

تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ فَاَنّٰى

اگر تم کو کچھ خبر ہے (تب بھی جواب میں) وہ ضرور یہی کہیں گے کہ یہ سب صفتیں

تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾

بھی اللہ ہی کی ہیں آپ (اس وقت) کہیے کیا کہ پھر تم کو کیسا خبط ہو رہا ہے

کہ ان سب مقدمات کو تو مانتے ہو اور نتیجہ کو یعنی توحید اور بعثت کو نہیں یہ تو مقصود پر استدلال تھا آگے ان کے اس قول کو باطل کرتے ہیں ان ھذا الا اساطیر الاولین یعنی ان کو جو یہ بتلایا جا رہا ہے کہ قیامت آوے گی یہ بے سند بات نہیں ہے۔

بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾

بلکہ ہم نے ان کو سچی بات پہنچائی ہے اور یقیناً یہ جھوٹے ہیں

یہاں تک گفتگو ختم ہو چکی اور توحید و بعثت دونوں ثابت ہو گئے مگر ان دونوں مسئلوں میں چونکہ توحید کا مسئلہ زیادہ مہتم بالشان تھا اور حقیقت میں مسئلہ بعثت بھی اسی پر مبنی ہے اور وہ محل کلام بھی زیادہ تھا اس لئے تتمہ تقریر میں اس کو مستقل طور پر ارشاد فرماتے ہیں

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ

اللہ نے کسی کو اولاد نہیں قرار دیا

جیسا کہ مشرکین ملائکہ کی نسبت فرماتے تھے۔

وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ

اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے اگر ایسا ہوتا

كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ

تو ہر خدا اپنی مخلوق کو (تقسیم کر کے) جدا کر لیتا اور ایک دوسرے

عَلٰي بَعْضٍ ۭ

پر چڑھائی کرتا

دوسرے کی مخلوقات چھیننے کے لئے جیسا کہ دنیا کے رؤسا کی عادت ہے پھر مخلوق کی تباہی کی تو کیا انتہا ہوئی لیکن اس وقت نظام عالم بدستور قائم ہے اس سے ثابت ہوا کہ خدا ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور اس آیت کا حاصل وہی ہے جو آیت لو کان فیھما الھۃ الا اللہ کا حاصل ہے اس کی تحقیق مع ضروری فوائد کے گزر چکی ہے ملاحظہ کر لیا جائے۔

ربط: اوپر آیت حتیٰ اذا فتحنا علیھم میں کفار کے عناد و سرکشی پر سخت عذاب کی وعید بیان فرمائی تھی آگے ایک بلیغ عنوان سے اس عذاب کا غایت درجہ خوفناک ہونا بیان فرماتے ہیں اور وہ خاص عنوان یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دعا مناسب وقت کی تعلیم ہے جس میں اظہار قدرت رب عظیم ہے۔

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾ عٰلِمِ الْغَيْبِ

اللہ ان (مکروہ) باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ (اس کی نسبت) بیان کرتے ہیں جاننے والا ہے سب پوشیدہ اور آشکارا کا غرض ان لوگوں کے

وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾ قُلْ

شرک سے وہ بالاتر ہے آپ (حق تعالیٰ سے) دعا کیجئے کہ اے میرے رب

رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾

جس عذاب کا ان کافروں سے وعدہ کیا جا رہا ہے اگر آپ مجھ کو دکھا دیں

قل رب تا ان یحضرون مثلاً یہ کہ وہ عذاب میری زندگی میں ان پر اس طور پر آوے کہ میں بھی دیکھوں کیونکہ اس عذاب کا کوئی خاص وقت تو بتلایا نہیں گیا چنانچہ یہ آیت بھی مبہم ہے تو اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ آپ کی زندگی ہی میں کافروں پر عذاب آ جاوے۔

رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾

تو اے میرے رب مجھ کو ان ظالم لوگوں میں شامل نہ کیجئے

اس دعا کی یہ وجہ نہیں کہ نعوذ باللہ آپ کی نسبت اس قسم کا احتمال تھا بلکہ محض عذاب کی ہول کا ظاہر کرنا مقصود ہے کہ جس پر اس کے آنے کا احتمال بھی نہیں جب اس کو پناہ مانگنے کا امر ہے تو جو عذاب کے مستحق ہیں ان کو تو بہت ہی ڈرنا چاہئے اور دعا کا صحیح ہونا اس پر موقوف نہیں کہ دعا کرنے والے پر عذاب کے آنے کا بھی احتمال ہو بلکہ صحت دعا کے لئے محض قدرت بھی کافی ہے۔

وَاِنَّا عَلٰٓي اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾

اور ہم اس بات پر کہ جو ان سے وعدہ کر رہے ہیں آپ کو بھی دکھلا دیں قادر ہیں

اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ السَّیِّئَۃَ ؕ

آپ ان کی بدی کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کر دیا کیجئے جو بہت ہی اچھا اور (نرم) ہو

اور اپنی ذات کے لئے بدلہ نہ لیا کیجئے بلکہ ہمارے حوالے کر دیا جائے پس یہ آیت جہاد کے معارض نہیں کیونکہ جہاد حقوق دین کے لئے ہوتا ہے اور آیت حقوق نفس کے بارہ میں ہے۔

نَحۡنُ اَعۡلَمُ بِمَا یَصِفُوۡنَ ﴿۹۶﴾

ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ (آپ کی نسبت) کہا کرتے ہیں

آگے آپ کو دعا کی تعلیم ہے اگر بمقتضائے بشریت ان کی باتوں پر آپ کو غصہ آ جائے۔

وَ قُلۡ رَّبِّ اَعُوۡذُ بِکَ مِنۡ ہَمَزٰتِ الشَّیٰطِیۡنِ ﴿۹۷﴾

اور آپ یوں دعا کیا کیجئے کہ اے میرے رب میں
آپ کی پناہ مانگتا ہوں شیطانوں کے وسوسوں سے

جو کسی ایسے امر کی طرف پہنچا دیں جو خلاف مصلحت ہو گو خلاف شریعت نہ ہو کیونکہ شیاطین انبیاء سے خلاف شریعت کام نہیں کرا سکتے اور وسوسہ کی تحقیق سورۂ اعراف کے اخیر میں گزر چکی ہے اس کے ذیل میں اس کے متعلق ایک ضروری فائدہ مرقوم ہو چکا ہے ملاحظہ کر لیا جائے۔

ربط: اوپر آیت والیہ تحشرون میں صراحۃً اور تمام آیات عذاب میں دلالۃً قیامت کا ثبات ہے آگے قریب ختم سورت تک بطور تفصیل و تتمیم کے اسی کا اور اس کے احوال و واقعات کا ذکر ہے۔

وَ اَعُوۡذُ بِکَ رَبِّ اَنۡ یَّحۡضُرُوۡنِ ﴿۹۸﴾ حَتّٰۤی

اور اے میرے رب میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ شیطان میرے پاس بھی

اِذَا جَآءَ اَحَدَہُمُ الۡمَوۡتُ قَالَ رَبِّ

آویں۔ یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سر پر موت آ (کھڑی ہو) تی ہے

ارۡجِعُوۡنِ ﴿ۙ۹۹﴾

اس وقت کہتا ہے کہ اے میرے رب مجھ کو (دنیا میں) پھر واپس بھیج دیجئے

حتیٰ اذا جاء تا رب ارجعون یعنی جب کافر کو موت کے وقت آخرت کا معائنہ ہونے لگتا ہے اس وقت آنکھیں کھلتی ہیں اور اپنے جہل و کفر پر نادم و پشیمان ہو کر کہتا ہے کہ اے رب مجھ سے موت کو ٹال دیجئے۔

ف: بظاہر دنیا میں واپس بھیجنا موت کے بعد بولا جاتا ہے لیکن موت کے وقت بھی چونکہ علم آخرت منکشف ہو جاتا ہے اس تعلق کی وجہ سے اس شخص کو فی الجملہ آخرت کی طرف منتقل سمجھا جاوے گا موت کے موخر کرنے کو دنیا میں واپس بھیجنے سے تعبیر کیا اور رب ارجعون فرمایا۔

لَعَلِّیۡۤ اَعۡمَلُ صَالِحًا فِیۡمَا تَرَکۡتُ کَلَّا ؕ اِنَّہَا

تاکہ جس (دنیا) کو میں چھوڑ آیا ہوں اس میں (پھر جا کر) نیک کام کروں ہرگز

کَلِمَۃٌ ہُوَ قَآئِلُہَا ؕ

(ایسا) نہیں (ہوگا) یہ (اس کی) ایک بات ہی بات جس کو وہ کئے جا رہا ہے

اور پوری ہونے والی نہیں آگے اس کی وجہ مذکور ہے۔

وَ مِنۡ وَّرَآئِہِمۡ

اور ان لوگوں کے آگے ایک (چیز) آڑ (کی آنے والی) ہے

کہ وہ ضرور واقع ہوگی اور وہی دنیا میں واپس آنے سے مانع ہے یعنی موت جو کہ وقت مقررہ پر ضرور آئے گی۔ ولن یوخر اللہ نفساً اذا جاء اجلھا اور موت کا دنیا میں واپس آنے سے مانع ہونا ثابت ہے۔ وحرام علی قریۃ اھلکنا ھا انھم لایرجعون

بَرۡزَخٌ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾

مراد اس سے موت ہے) قیامت کے دن تک

اس سے یہ مقصود نہیں کہ قیامت کے دن دنیا میں واپس آ جائیں گے بلکہ مقصود اس سے ہر طرح مایوس کرنا ہے کہ کبھی واپس نہ آ سکیں گے کیونکہ قیامت میں زندہ ہونا دنیا میں واپس آنا نہیں ہے بلکہ وہ تو خود آخرت ہی ہے اور یہی کہہ سکتے ہیں کہ قیامت کے دن گو بظاہر مکان دنیا کی طرف واپسی ہوگی مگر وہ واپسی عمل کے لئے نہ ہوگی بلکہ حساب کے لئے ہوگی بس اس سے تناسخ کا ابطال ہو گیا۔

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوۡرِ فَلَاۤ اَنۡسَابَ بَیۡنَہُمۡ

پھر جب (قیامت میں) صور پھونکا جائے گا تو ان میں (جو) باہمی رشتے

یَوۡمَئِذٍ وَّ لَا یَتَسَآءَلُوۡنَ ﴿۱۰۱﴾

ناتے (تھے) اس روز نہ رہیں گے اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا

کہ بھائی تم کس حالت میں ہو یعنی کوئی کسی کی ہمدردی نہ کرے گا بلکہ

سب اجنبی ہو جائیں گے اور انساب کی نفی سے مراد یہ ہے کہ نسب کام نہ آئیں گے یہ مراد نہیں کہ نسب باقی نہ رہے گا اسی طرح سوال کی نفی سے بھی یہ مراد نہیں کہ سوال اور بات چیت نہ ہوگی کیونکہ **فاقبل بعضهم علی بعض یتساء لون** سے سوال کا ثبوت ہوتا ہے اور یہ سب انساب اور سوال کا نافع نہ ہونا کفار کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ **الاخلاء یومئذ بعضهم لبعض عدو الا المتقین** سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل ایمان کی دوستی اور تعلقات نافع ہوں گے مگر اہل ایمان کے لئے نسب کے نافع ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ عرفی شرافت نافع ہوگی بلکہ جو شخص شرعاً شریف ہو یعنی مومن ہو اور عند اللہ مقبول ہو اس کے ساتھ ولدیت کی نسبت اس کی اولاد کو نافع ہوگی گو عرفاً وہ شخص کم قوم ہو لقولہ تعالیٰ **والذین امنوا و اتبعتهم ذریتهم بایمان الحقنابهم ذریتهم الخ** غرض نہ رشتہ ناطہ کام آئے گا نہ دوستی اور تعارف بس وہاں کام کی چیز ایک ایمان ہے جس کی عام شناخت کے لئے کہ سب پر ظاہر ہو جاوے ایک ترازو کھڑی کی جاوے گی اور اعمال وعقائد کا وزن ہوگا۔

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

سو جس شخص کا پلہ (ایمان کا) بھاری ہوگا تو ایسے لوگ کامیاب

الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

(یعنی ناجی) ہوں گے

اور یہ مصائب مذکورہ یعنی ایمان لانے کے لئے دنیا میں واپسی کی تمنا اور انساب وتعلقات اور بات چیت کا نافع نہ ہونا ان کے لئے نہیں لقولہ تعالیٰ **لا یحزنهم الفزع الاکبر الخ** ہاں بعض گنہگار مسلمانوں سے بعض اعمال کے لئے واپسی کی تمنا صادر ہوگی لقولہ تعالیٰ **وانفقوا مما رزقنکم من قبل ان یاتی احدکم الموت فیقول الخ** اور ترقی درجات کی طمع سے رجعت کی تمنا بعض مقبول بندوں سے بھی ہو سکتی ہے جیسا حدیث میں شہداء کی تمنا مذکور ہے لیکن ایمان لانے کے لئے واپسی کی تمنا صرف کفار کو ہوگی۔

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

اور جس شخص کا پلہ ہلکا ہوگا (یعنی وہ کافر ہوگا) سو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں

خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

نے اپنا نقصان کر لیا اور جہنم میں ہمیشہ کیلئے رہیں گے ان کے چہروں کو (اس

تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

جہنم کی) آگ جھلستی ہوگی اور اس (جہنم) میں ان کے منہ بگڑے ہوں گے

جس کی تفسیر حدیث ومرفوع میں یہ آئی ہے کہ اوپر کا ہونٹ سکڑ کر سر کے بیچ تک پہنچ جائے گا اور نیچے کا ہونٹ لٹک کر ناف تک آجائے گا۔ اور اس ہیئت کے لئے دانتوں کا کھلنا لازمی ہے۔

اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا

کیوں کیا تم کو میری آیتیں (دنیا میں) پڑھ کر سنائی نہیں جایا کرتی تھیں اور تم

تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا

ان کو جھٹلایا کرتے تھے (یہ اس کی سزا مل رہی ہے) وہ کہیں گے کہ اے ہمارے

شِقْوَتُنَا

رب واقعی اپنے ہاتھوں ہماری بدبختی نے ہم کو گھیر لیا تھا

اپنے ہاتھوں کی قید اس لئے ظاہر کی گئی کہ بدبختی کا جو اثر عذاب ہے وہ انسان کے اختیار سے وابستہ ہے اور مسئلہ اختیار پر دلائل عقلیہ ونقلیہ بکثرت قائم ہیں۔

وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾

اور (بیشک) ہم گمراہ لوگ تھے

اقرار اس غرض سے کیا گیا کہ بعض اوقات اقرار پر معافی مرتب ہو جاتی ہے۔ پس جرم کا اقرار اور اس پر ندامت ومعذرت کا اظہار کر کے آگے درخواست نجات کی کرتے ہیں۔

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا

اے ہمارے رب ہم کو اس (جہنم) سے (اب) نکال دیجئے پھر اگر ہم دوبارہ (ایسا)

ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا

کریں تو ہم بیشک پورے قصوروار ہیں ارشاد ہوگا کہ اسی (جہنم) میں راندے ہوئے

تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ

پڑے رہو اور مجھ سے بات مت کرو میرے بندوں میں ایک گروہ تھا جو (ہم سے)

عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا

عرض کیا کرتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے سو ہم کو بخش دیجئے

وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ (۱۰۹)

اور ہم پر رحمت فرمایئے اور آپ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے

فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰى اَنْسَوْكُمْ

ہیں سو تم نے ان کا مذاق مقرر کیا تھا (اور) یہاں تک (اس کا مشغلہ کیا) کہ اس مشغلہ

ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ (۱۱۰)

نے تم کو ہماری یاد بھی بھلا دی اور تم ان سے ہنسی کیا کرتے تھے

سو ان کا تو کچھ نہ بگڑا چند روزہ کلفت تھی کہ صبر کرنا پڑا نتیجہ یہ ملا کہ (آگے ترجمہ پڑھو)

اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا اَنَّهُمْ

میں نے ان کو آج ان کے صبر کا یہ بدلا دیا کہ

هُمُ الْفَآئِزُوْنَ (۱۱۱)

وہی کامیاب ہوئے

اور تم اس ناکامی میں گرفتار ہوئے مطلب جواب کا یہ ہوا کہ تمہارا قصور اس قابل نہیں کہ سزا کے وقت اقرار کرنے سے معاف کر دیا جائے کیونکہ تم نے ایسا معاملہ کیا جس سے ہمارے حقوق کو بھی تلف کیا اور بندوں کے حقوق کو بھی اور بندے بھی کیسے ہمارے مقبول و محبوب کیونکہ ان سے مسخرہ پن کرنے میں ان کی ایذاء بھی جو کہ حق العبد ضائع کرنا ہے پس اس کی سزا کے لئے عذاب دائمی اور سخت ہی مناسب ہے اور یہ شبہ نہ ہو کہ آخرت میں تو حقیقت منکشف ہو جائے گی تو دنیا کی طرف رجعت کا محال ہونا بھی معلوم ہو جائے گا پھر اس کی تمنا کیسے ہوگی جواب یہ ہے کہ یا تو تمنا طبعی ہے یا یوں کہا جاوے کہ اس جواب ہی سے یہ حقیقت منکشف ہوئی یا یہ کہا جاوے کہ جو حقائق شرعاً بالذات مقصود ہیں جیسے توحید و رسالت و معاد و جنت وغیرہ ان کا انکشاف ضروری ہے سب کا انکشاف ضروری نہیں مثل حقائق مقصود بالغیر کے اور مسلمانوں کو کامیابی کی جزاء دینا بھی کفار کے لئے فی الجملہ سزا ہے کیونکہ دشمن کی راحت سے روحانی تکلیف ہوتی ہے یہ تو ان کی درخواستوں کا جواب ہو گیا آگے تنبیہ ہے ان کے اعتقاد اور مشرب کے باطل ہونے پر تاکہ ذلت پر ذلت اور حسرت پر حسرت ہونے سے سزا میں اور شدت ہو

قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ (۱۱۲)

ارشاد ہوگا کہ (اچھا یہ بتلاؤ) کہ تم برسوں کے شمار سے کس قدر مدت زمین پر

قٰلُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ

رہے ہوگے وہ جواب دیں گے کہ ہم ایک دن یا ایک دن سے بھی کم رہے

الْعَآدِّيْنَ (۱۱۳)

ہوں گے اور سچ یہ ہے کہ ہم کو یاد نہیں) سو گننے والوں سے پوچھ لیجئے

یعنی فرشتوں سے جو اعمال اور عمر وغیرہ کا حساب کرتے تھے کیونکہ وہاں کے ہول و ہیبت سے ان کے ہوش و حواس گم ہو چکے ہوں گے اس لئے برس کیسے وہ تو ساری مدت کو ایک دن سے بھی کم سمجھیں گے۔

قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ

ارشاد ہوگا کہ تم (دنیا میں) تھوڑی ہی مدت رہے (لیکن) کیا خوب ہوتا کہ تم

كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۱۱۴)

(یہ بات دنیا میں) سمجھتے ہوتے

کہ دنیا کی بقاء ناقابل اعتبار ہے اور اس کے سوا اور کوئی دار القرار ہے مگر وہاں تو بقا کو دنیا ہی میں منحصر سمجھا اور آخرت کی نفی کرتے رہے اب جو غلطی واضح ہوئی اور صحیح سمجھے تو بیکار آگے پھر اس اعتقاد پر دھمکی ہے جو بطور خلاصہ مضمون کے ہے۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ

ہاں تو کیا تم نے یہ خیال کیا تھا کہ ہم نے تم کو یونہی مہمل (خالی از حکمت) پیدا

اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ (۱۱۵)

کر دیا ہے اور یہ (خیال کیا تھا) کہ تم ہمارے پاس نہیں لائے جاؤ گے

مطلب یہ کہ جب ہم نے آیات و کتب میں جن کا سچا ہونا صحیح دلائل سے ثابت ہے قیامت اور قیامت میں جزاء و سزا کی خبر دی تھی تو معلوم ہو گیا تھا کہ تمہاری پیدائش کی حکمتوں میں سے ایک بڑی حکمت یہ بھی ہے سو اس کا منکر ہونا کتنا بڑا جرم تھا اس تقریر سے یہ شبہ جاتا رہا کہ اگر حق تعالیٰ جزاء و سزا نہ مقرر فرماتے تو مکلف کا پیدا ہونا عبث ہوتا اور فعل عبث خدا سے محال ہے تو جزاء و سزا خدا کے ذمہ عقلاً واجب ہے حالانکہ اہل حق کے نزدیک خدا کے ذمہ عقلاً کوئی چیز واجب نہیں جواب ظاہر ہے کہ اگر جزاء و سزا نہ ہوتی تب بھی پیدا کرنا عبث نہ ہوتا کیونکہ حکمت کوئی اسی میں منحصر نہیں۔

ربط: اوپر تمام سورت میں جو مضامین مذکور ہوئے ہیں خاتمہ سورت میں ان پر ایک تفریع بطور نتیجہ اور خلاصہ کے ارشاد فرماتے ہیں اور فتعالیٰ پر

حرف فاء کا آنا تفریع کے قصد کا قرینہ ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ عبادت کے حکم سے حق تعالیٰ کا معبود اور بادشاہ ہونا اور آثار قدرت سے جو کہ توحید کے دلائل ہیں اس کا واحد اور شرک سے منزہ ہونا ثابت ہے اور یہی حاصل ہے۔ **فتعالیٰ اللہ الملک الحق لاالٰہ الا ھو** کا اور انبیاء کے بھیجنے سے بھی اس کا بادشاہ اور فرمانروا ہونا اسی طرح قیامت اور جزا وسزا کے بیان سے بھی اس کا صاحب حکومت ہونا اسی طرح مکذبین کی ہلاکت کے قصوں سے اور کفار کے احوال کی مذمت سے ان کا دار و گیر کے قابل ہونا ثابت ہوتا ہے اور یہی مدلول ہے **فانما حسابہ** کا دار جو ذات ان صفات کمال وجلال کے ساتھ موصوف ہو وہ اس قابل ہے کہ اس کو اپنا قبلہ حاجات بنایا جائے یہ بھی ظاہر ہے چنانچہ بالکل آخیر کی آیت **وقل رب اغفر الخ** کے مضمون میں اسی کو ظاہر کیا گیا ہے اور شروع سورت میں **قد افلح المومنون** میں مومنین کے لئے فلاح ثابت کی گئی ہے اور خاتمہ میں کافروں سے فلاح کی نفی کی گئی ہے۔ **انہ لایفلح الکفرون** ان دونوں میں عجیب مقابلہ ہے۔

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ج لَآ اِلٰهَ اِلَّا

سو (اس سے کامل طور پر ثابت ہو گیا کہ) اللہ تعالیٰ بہت ہی عالیشان ہے جو کہ بادشاہ حقیقی ہے اس کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں (اور وہ)

هُوَ ج رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾ وَمَنْ

عرش عظیم کا مالک ہے اور جو شخص (اس امر پر دلیل قائم ہونے کے بعد) اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی بھی عبادت کرے کہ جس (کے معبود ہونے) پر اس

يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لا لَا بُرْهَانَ

کے پاس کوئی بھی دلیل نہیں سو اس کا حساب اس کے رب کے ہاں ہوگا (جس

لَهٗ بِهٖ لا فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ط

کا نتیجہ لازمی یہ ہے کہ) یقینا کافروں کو فلاح نہ ہوگی (بلکہ ابد الآباد معذب

اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُلْ

رہیں گے) اور آپ یوں کہا کریں کہ اے میرے رب (میری خطائیں)

رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ ع

معاف کر اور رحم کر اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے

فتعلی اللہ تاخیر الرحمین مع اللہ کی قید واقعی ہے کیونکہ وہ لوگ خدا کو بھی مانتے تھے دوسرے اس سے ان لوگوں کا حال بدرجہ اولیٰ معلوم ہو گیا جو خدا کے بالکل ہی منکر ہیں کیونکہ جب خدا کے ساتھ کسی کو شریک کرنا کفر ہے تو خدا کا بالکل انکار کرنا کیسے کفر نہ ہوگا اور **لابرھان لہ** کی قید بھی اتفاقی ہے کیونکہ خدا کے سوا کسی کی خدائی پر کوئی دلیل نہیں بلکہ ہر غیر کے معبود نہ ہونے پر دلیل قائم ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مغفرت ورحمت مانگنا یہ آپ کے درجہ کے موافق ہے پس اس سے حضور کی نسبت گناہوں کا شبہ نہیں ہو سکتا۔

سورہ النور مدنیہ و ھی ثنتان او اربع و ستون ایۃ کذافی البیضاوی

ربط: اوپر کی سورت کے آخیر میں **افحسبتم انما الخ** سے مفہوم ہوا تھا کہ انسان کے پیدا کرنے کی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ ہے کہ اس کو احکام کا مکلف کیا جائے اور آخرت میں اس کی اطاعت یا مخالفت پر جزاء وسزا ملے اس سورت میں بعض احکام کی تفصیل سے دوسرے پہلی سورت کے شروع میں **والذین ھم لفروجھم حفظون** فرمایا ہے اس سورت میں اکثر احکام عفت کے متعلق مذکور ہیں اس طور پر اس کو پہلی سورت کے اول وآخر دونوں سے ربط ہو گیا۔

(۲۴) سُوْرَةُ النُّوْرِ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۲)

سورۂ نور مدینہ میں نازل ہوئی اور اس میں چونسٹھ آیتیں ہیں اور نو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا

یہ ایک سورت ہے جس کے (الفاظ) کو (بھی) ہم (ہی) نے نازل کیا ہے اور اس (کے معنی یعنی احکام) کو (بھی) ہم (ہی) نے مقرر کیا ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم سورۃ انزلنھا تا تذکرون عام اس سے کہ بعض احکام فرض ہوں اور بعض مستحب ہوں جیسا کہ غلام کو مکاتب کرنے کا جو آئندہ حکم آئے گا وہ امر استحباب کے واسطے ہے۔

وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ

اور ہم نے اس (سورت) میں صاف صاف آیتیں نازل کی ہیں

تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱﴾

تا کہ تم سمجھو اور عمل کرو

یہ آیت اس سورۃ کے تمام مضامین کی اجمالی تمہید ہے اس میں سورۃ کے الفاظ اور معانی واحکام کو اپنی طرف منسوب فرما کر پھر ان سب کی غایت بیان

فرما کر ان احکام پر عمل کرنے کا نہایت مہتم بالشان ہونا بتلا دیا اور شاید یہ خاص اہتمام اس لئے فرمایا گیا ہو کہ اس میں کثرت سے احکام عورتوں کے متعلق ہیں جو اکثر مشکل ہوتے ہیں اور آیات کے واضح ہونے کا یہ مطلب ہے کہ جو معانی الفاظ سے مفہوم ہوتے ہیں ان پر یہ آیتیں صاف دلالت کرتی ہیں اور یہ مراد نہیں کہ ان سے استدلال کرنے کے تمام طریقے واضح ہیں کیونکہ دوسرے طریقے استدلال کے ائمہ مجتہدین کے ساتھ مخصوص ہیں واللہ اعلم

ربط: اجمالی تمہید کے بعد احکام کی تفصیل ہے جو مختلف قسم کے ہیں۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ

زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد سو ان میں ہر ایک کے

مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۠ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا

سو درے مارو اور تم لوگوں کو ان دونوں پر اللہ تعالیٰ کے معاملے میں

رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ

ذرا رحم نہ آنا چاہئے

الزانية والزانی تا من المومنین یہ سزا اس زانی اور زانیہ کی ہے جو آزاد عاقل بالغ ہوں اور نکاح کئے ہوئے نہ ہوں۔ کہ رحم کھا کر چھوڑ دو یا سزا میں کمی کر دو۔

اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ

اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو

جس دن عمل نہ کرنے والوں کو سزا ملے گی۔

وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَاۗىِٕفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲

اور دونوں کو سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو حاضر رہنا چاہئے

تاکہ عبرت ہو۔

اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۡ

زانی نکاح بھی کسی کے ساتھ نہیں کرتا بجز زانیہ یا مشرکہ کے

کیونکہ اس کا مقصود ازالہ خواہش ہے جائز ناجائز سے اس کو کیا بحث۔

وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ

اور (اسی طرح) زانیہ کے ساتھ بھی اور کوئی نکاح نہیں کرتا بجز زانی یا مشرک

وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۳

کے اور یہ (یعنی ایسا نکاح) مسلمانوں پر حرام (اور موجب گناہ) کیا گیا ہے

حاصل یہ کہ زنا نہایت رسوا کرنے والی حرکت ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ

اور جو لوگ (زنا) کی تہمت لگائیں پاکدامن عورتوں کو

جن کا زانیہ ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں۔

ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَاۗءَ فَاجْلِدُوْهُمْ

اور پھر چار گواہ (اپنے دعوی پر) نہ لا سکیں تو ایسے لوگوں کو اسی درے لگاؤ اور

ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ

ان کی کوئی گواہی کبھی قبول مت کرو (یہ دنیا میں ان کی سزا ہوئی) اور یہ لوگ

شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۴ لا

(آخرت میں بھی مستحق سزا ہیں اس وجہ سے کہ) فاسق ہیں

کہ یہ بھی حد کا تتمہ ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ

لیکن جو لوگ اس (تہمت لگانے) کے بعد (خدا کے سامنے) توبہ کر لیں اور اپنی (حالت کی) اصلاح کر لیں

یعنی جس پر تہمت لگائی ہے اس سے بھی معاف کرا لیں

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵

سو (اس حالت میں) اللہ تعالیٰ ضرور مغفرت کرنے والا رحمت کرنے والا ہے

یعنی عذاب آخرت سے بچا لیا جائے گا

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ

اور جو لوگ اپنی (منکوحہ) بیبیوں کو (زنا کی) تہمت لگائیں اور ان کے پاس

لَّهُمْ شُهَدَاۗءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ

بجز اپنے (ہی دعوے کے) اور کوئی گواہ نہ ہوں (جن کو عدد میں چار ہونا چاہئے)

اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ

تو ان کی شہادت (جو کہ دافع حبس یا حد قذف ہو) یہی ہے کہ چار بار اللہ کی

لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٦﴾ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ

قسم کھا کر یہ کہہ دے کہ بیشک میں سچا ہوں اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر خدا

لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٧﴾

کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں اور (اس کے بعد)

وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ

اس عورت سے سزا (ئے حبس یا حد زنا) اس طرح ٹل سکتی ہے کہ

شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٨﴾

وہ چار بار قسم کھا کر کہے کہ بیشک یہ مرد جھوٹا ہے

وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ

اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر خدا کا غضب

مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٩﴾

ہو اگر یہ سچا ہو

اس طرح سے دونوں سزا سے بچ جائیں گے البتہ وہ عورت اس مرد پر حرام ہو جائے گی اس طرح سے کہلوانے کو لعان کہتے ہیں اور لعان خاص اس صورت میں ہوتا ہے جب شوہر اپنی عورت کو تہمت زنا کی لگا دے یا اپنے بچہ کو کہے کہ یہ میرے نطفہ سے نہیں ہے اور مقذوفہ مطالبہ موجب قذف کا کرے پس غیر منکوحہ عورت کو تہمت لگانے سے اگر چار گواہ نہ لا سکے تو حد قذف واجب ہے جس کا حکم اس سے اوپر گزرا ہے اور منکوحہ عورت کو تہمت لگانے سے اول اس سے چار گواہ مانگے جاویں گے اگر گواہ پیش کر دے تو عورت پر حد زنا جاری ہوگی اور اگر گواہ نہ لا سکے تو مرد سے کہا جاوے گا کہ یہ الفاظ مذکور کہے اگر وہ نہ کہے تو اس کو قید کر دیں گے اور دھمکائیں گے کہ یا تو اپنے جھوٹا ہونے کا اقرار کر لے یا لعان کرے اگر جھوٹ ہونے کا اقرار کر لیا تو حد قذف کی لگائی جائے گی اور اگر ان الفاظ کے کہنے پر راضی ہو گیا تو یہ الفاظ اس سے کہلوائے جائیں گے اس کے بعد عورت سے بعد والے الفاظ کہلوائیں گے اور اگر وہ انکار کرے گی تو اس کو قید کر دیں گے کہ یا تو مرد کی تصدیق کرے اور یا وہ الفاظ کہے اگر اس نے مرد کی تصدیق کر دی تو اس پر حد زنا جاری ہوگی اور اگر ان الفاظ کے کہنے پر راضی ہو گئی تو وہ الفاظ اس سے کہلوائیں گے اور جب لعان سے فرصت ہو جائے تو اس عورت سے صحبت اور دواعی سب حرام ہو جاتے ہیں (کذا فی الروح) پھر اگر اس کو طلاق دے دی تو فبہا ورنہ قاضی ان میں تفریق کر دے گو دونوں رضامند نہ ہوں یعنی زبان سے کہہ دے کہ میں نے ان میں تفریق کر دی اور یہ تفریق طلاق بائن کے حکم میں ہے پھر اس سے کبھی نکاح جائز نہیں البتہ اگر یہ کہے کہ میں نے جھوٹ کہا تھا تو اس پر حد قذف جاری کی جائے گی اور پھر نکاح جائز ہو جاوے گا ۱۲ منہ۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ

اور (اے مردو اور عورتو) اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ کا فضل اور اس کا کرم ہے (کہ ایسے ایسے احکام مقرر کیے ہیں)

توضیح اس کی یہ ہے کہ اگر یہ حکم مشروع نہ ہوتا تو پہلی آیت کے موافق شوہر پر حد قذف واجب ہوتی یا وہ ساری عمر خون کے گھونٹ پیتا رہتا اور ظاہر نہ کرتا کیونکہ ممکن ہے وہ سچا ہو بخلاف غیر شوہر کے کہ اس کو اظہار کی ایسی ضرورت نہیں اس لئے اس کے قانون میں ان امور کی رعایت ضرور نہیں پھر اگر محض خاوند کی قسم پر زنا کا ثبوت ہو جاتا تو عورت کا بڑا ضرر تھا کیونکہ ممکن ہے وہی سچی ہو اسی طرح عورت کی قسموں سے اگر وہ یقیناً بری سمجھی جاتی اور مرد پر حد قذف واجب ہوتی تو مرد کا نقصان تھا کیونکہ ممکن ہے وہی سچا ہو پس ایسے طور پر یہ حکم مقرر ہوا کہ سب کی رعایت ہے اور یہ حق تعالیٰ کے فضل و رحمت و حکمت کا اثر ہے اب رہا یہ کہ مرد یا عورت کو ایسی قسمیں کھانا جائز ہیں یا نہیں اس کا حکم یہ ہے کہ جو شخص شرعی دلیل کی رو سے یقیناً سچا ہو اس کو جائز ہے مثلاً مرد نے اپنی آنکھ سے دیکھ لیا یا تین چار سال تک صحبت نہیں کی تھی اور پھر بچہ ہوا تو زنا ثابت کرنا اور بچہ کی اپنے سے نفی کرنا اور اس پر قسم کھانا سب جائز ہے اسی طرح عورت کو اپنا حال پورا معلوم ہو سکتا ہے اور چونکہ عورتیں لعنت کا استعمال زیادہ کرتی ہیں اس لئے ان کی جانب میں لفظ غضب مقرر کیا گیا ہے۔ ان الذین جاء و ابالافک تا رزق کریم۔

وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ﴿١٠﴾ ع

اور یہ کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا (اور) حکمت والا ہے (تو تم بڑی مضرتوں میں پڑ جاتے)

اول قصہ کا خلاصہ لکھا جاتا ہے صحیح بخاری وغیرہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بنی المصطلق سے جو ٦ھ میں ہوا تھا واپس تشریف لا رہے تھے حضرت عائشہؓ بھی آپ کے ہمراہ تھیں ایک روز ایک منزل میں مقام ہوا اور کوچ سے ذرا پہلے حضرت صدیقہؓ قضائے حاجت کے لئے جنگل کی طرف گئیں وہاں اتفاقاً آپ کو دیر لگی بوجہ ہار ٹوٹ جانے کے یہاں کوچ ہو گیا اونٹ والوں کو ہودج اٹھاتے ہوئے بوجہ عائشہ کے ہلکی پھلکی ہونے کے کچھ شبہ نہ ہوا غرض یہ لوٹ کر آئیں تو چادر اوڑھ کر وہیں لیٹ رہیں۔

حضرت صفوان بن معطل گری پڑی چیز کی حفاظت کی غرض سے قافلہ سے پیچھے فاصلہ پر رہا کرتے تھے جب یہ آئے اور ان کو لیٹے ہوئے دیکھا تو غایت افسوس سے انا للہ پڑھا الحاصل وہ اپنے اونٹ پر سوار کر کے اور خود نکیل پکڑ کر چلے اور ان کو قافلہ میں پہنچا دیا عبداللہ بن ابی بڑا خبیث تھا اس نے واہی تباہی بکنا شروع کیا اور بعض بھولے مسلمانوں کو اس تہمت میں پھانس لیا جیسے حضرت حسانؓ و مسطحؓ مردوں میں اور حضرت حمنہ عورتوں میں ایک ماہ کے بعد یہ آیت حضرت عائشہؓ کی براءۃ میں نازل ہوئیں آپ نے تہمت لگانے والوں پر حد قذف جاری کی۔

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُو بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ط

جن لوگوں نے یہ طوفان (حضرت صدیقہؓ کی نسبت) برپا کیا ہے (اے مسلمانو) وہ تم میں کا ایک (چھوٹا سا) گروہ ہے

یعنی رنج نہ کرو یہ بات غلط ہے اور اصل ناقل بھی کل چار ہی ہیں۔

لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ط بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ط

تم اس (طوفان بندی) کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو بلکہ یہ (باعتبار انجام کے) تمہارے حق میں بہتر ہی بہتر ہے

اگرچہ ظاہراً غم کی بات ہے۔

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ج

ان میں سے ہر شخص کو جتنا کسی نے کچھ کیا تھا گناہ ہوا اور ان میں سے جس

وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ

نے اس (طوفان) میں سب سے بڑا حصہ لیا

کہ اس بہتان کو اول اختراع کیا یعنی عبداللہ بن ابی منافق ۱۲

لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۱﴾

اس کو سخت سزا ہوگی

مراد اس سے جہنم ہے۔

لَّوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ

آگے ان قاذفین مومنین کو ناصحانہ ملامت ہے) جب تم لوگوں نے یہ بات سنی

وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ

تھی تو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنے آپس والوں کے ساتھ گمان

یعنی حضرت صدیقہؓ اور ان صحابی کے ساتھ

خَيْرًا لا وَقَالُوا هَٰذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ ﴿۱۲﴾

نیک کیوں نہ کیا اور (زبان سے) یوں کیوں نہ کہا کہ یہ صریح جھوٹ ہے

چنانچہ حضرت ابوایوب اور ان کی زوجہ نے یہی فرمایا تھا در منثور میں ان کا قول نقل کیا ہے اس میں تہمت لگانے والوں کے ساتھ سکوت کرنے والوں اور شک کرنے والوں پر بھی ملامت ہے جن میں اور مومنین اور مومنات بھی داخل ہوگئے۔

لَّوْلَا جَاءُو عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ ج

(آگے اس حسن ظن اور افک کے وجوب کی وجہ ارشاد ہے کہ یہ (قاذف) لوگ اس (اپنے قول) پر چار گواہ کیوں نہ لائے

جو کہ زنا ثابت کرنے کے لئے شرط ہے۔

فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَٰئِكَ عِندَ اللَّهِ

سو جس صورت میں یہ لوگ (موافق قاعدہ کے) گواہ نہیں لائے تو

هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿۱۳﴾

بس اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں

یعنی حق تعالیٰ کے قانون کے اعتبار سے یہ لوگ جھوٹے ہیں کیونکہ اصلی حالت تو ہر مسلمان کی یہی ہے کہ وہ زنا سے پاک ہوتا ہے تو جب تک کوئی یقینی دلیل اس کے خلاف نہ ہو اسی کا یقین شرعاً واجب ہے کیونکہ قاعدہ شرعیہ ہے۔ الیقین لایزول بالشک اس تقریر سے یہ شبہ جاتا رہا کہ چار گواہ نہ لانے سے تہمت لگانے والے کا جھوٹا ہونا اور متہم کا یقیناً منزہ ہونا کیونکر لازم آ گیا جواب یہ ہے کہ شرعی قانون سے لازم آ گیا گو واقع میں کچھ ہی ہو اس کی کسی کو کیا خبر ہے تو جب تک شرعی ثبوت نہ ہو اس وقت تک مسلمان کی برأت کا یقین ہی واجب ہے پس اس بناء پر حضرت صدیقہؓ کی برأت کا یقین ہے اور تہمت کے مقابلہ میں اس یقین کا اعلان واجب تھا اور جاننا چاہئے کہ یقین کے دو معنی ہیں ایک یقین شرعی جس کے لئے اتنا کافی ہے کہ اس کے خلاف پر کوئی دلیل نہ ہو ایک یقین اصطلاحی جس کے لئے جانب مخالف کے غلط ہونے پر دلیل قائم ہونے کی ضرورت ہے یقین شرعی کے ساتھ تردد اور وہم جمع ہو سکتا ہے اور یقین اصطلاحی میں احتمال کی اصلاً گنجائش نہیں ہوتی اس واقعہ تہمت میں آیات کے نزول سے پہلے بھی چونکہ اس اتہام پر کوئی دلیل نہ تھی اس وقت براءت و نزاہت کا یقین شرعی واجب تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے حسن ظن سے تعبیر فرمایا ہے

اور یہی یقین ہے جس کا ایسے امور میں بندہ کو مکلف بنایا گیا ہے البتہ نزول آیات کے بعد چونکہ اس اتہام کے غلط ہونے پر دلیل قطعی بھی قائم ہوگئی اس وقت یقین اصطلاحی کا بھی مکلف بنایا گیا پس اب احتمال مرجوح یعنی وہم بھی کفر ہے اس تقریر سے یہ شبہ دفع ہوگیا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تردد تھا چنانچہ حضرت صدیقہؓ سے فرمایا تھا کہ اگر کوئی لغزش ہوگئی ہوتو توبہ کرلینا چاہئے رواہ البخاری اور آیت سے یقین برأت کا واجب ہونا معلوم ہوتا ہے پھر تردد میں لازم آتا ہے کہ نبی معصوم نے واجب کو ترک کیا سو جواب ظاہر ہے کہ یہ تردد یقین شرعی کے منافی نہیں چنانچہ اس یقین کو آپ نے ان الفاظ سے ظاہر فرمایا تھا۔ ماعلمت علی اھلی الاخیرا رواہ البخاری میں اپنے اہل کی نسبت بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتا البتہ تردد ہونا یقین اصطلاحی کے منافی ہے سو اس کا وجوب نزول آیات سے پہلے نہ ہوا تھا بلکہ بعد نزول آیات کے ہوا اور اس واقعہ میں تو متہم کرنے والے واقع میں بھی کاذب تھے اور نہ کوئی معائنہ کا مدعی تھا اور اگر کسی جگہ کوئی شخص معائنہ کرلے اور گواہ نہ لا سکے تو اس کا عنداللہ جھوٹا ہونا بایں معنی ہے کہ اس کے ساتھ وہی معاملہ کیا جاوے گا جو جھوٹے کے ساتھ کیا جاتا ہے یعنی اس پر حد قذف جاری کرنے کا حکم ہے آگے اس اتہام میں شریک ہونے والے مسلمانوں کے ساتھ اپنی رحمت بیان فرماتے ہیں۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا
اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم نہ ہوتا دنیا میں
وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَاۤ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ
اور آخرت میں تو جس شغل میں تم پڑے تھے اس میں تم پر سخت
عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾
عذاب واقع ہوتا

جیسا عبداللہ بن ابی کو بوجہ توبہ نہ کرنے کے ہوگا۔ اور اس کا غلط ہونا فاولئک عنداللہ الخ سے معلوم ہوچکا۔

اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ
جب کہ تم اس (جھوٹ) کو اپنی زبانوں سے نقل در نقل کر رہے تھے اور اپنے
مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ
منہ سے ایسی بات کہہ رہے تھے جس کی تم کو (کسی دلیل سے) مطلق خبر نہیں

کہ پاک دامن اور پھر رسول اللہ کی زوجہ مطہرہ پر ایسا برا اتہام لگایا۔

وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖۗ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾
اور تم اس کو ہلکی بات (یعنی غیر موجب گناہ) سمجھ رہے تھے حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک
وَلَوْلَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ
بہت بھاری بات تھی اور تم نے جب اس (بات) کو (اول) سنا تھا تو یوں کیوں نہ کہا
نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾
کہ مجھ کو زیبا نہیں کہ ہم ایسی بات منہ سے بھی نکالیں معاذاللہ یہ تو بڑا بہتان ہے

جیسا کہ بعض صحابہ نے اسی طرح کہا تھا۔

يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ
اللہ تعالیٰ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ پھر ایسی حرکت مت کرنا اگر
كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷﴾
تم ایمان والے ہو

کہ ایسی حرکات کرنا ایمان کے مقتضیٰ کے خلاف ہے۔

وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ
اور اللہ تعالیٰ تم سے صاف صاف احکام بیان کرتا ہے

جن میں نصیحت وحد قذف اور قبول توبہ سب داخل ہے۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۸﴾
اور اللہ تعالیٰ بڑا جاننے والا بڑا حکمت والا ہے

یہاں تک ان لوگوں کا ذکر تھا جو نزول برأت سے پہلے تذکرہ کرتے تھے آگے ان کا ذکر ہے جو نزول برأت کے بعد بھی باز نہ آویں اور ظاہر ہے کہ ایسا شخص بے ایمان ہی ہوگا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ
جو لوگ (بعد نزول آیات کے بھی) چاہتے ہیں کہ بے حیائی کی بات کا
فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
مسلمانوں میں چرچا ہو

یعنی اس بات کی عملی کوشش کرتے ہیں کہ یہ بات شائع ہو کہ

مسلمانوں میں بے حیائی کی یہ بات ہے خلاصہ یہ کہ جو لوگ ان مقدس حضرات کی طرف زنا کی نسبت کرتے ہیں (آگے ترجمہ)

لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ

ان کے لئے دنیا اور آخرت میں سزائے دردناک (مقرر) ہے

دنیا میں تو حد قذف جس کے مستحق ایسے لوگ ہمیشہ ہیں اور کبھی اس کا وقوع بھی ہو جاتا ہے جب کہ سب شرائط پائے جائیں اور کبھی بعض عوارض سے وقوع نہیں ہوتا منجملہ ان کے حنفیہ کے نزدیک یہ صورت بھی ہے کہ حد قذف کے بعد پھر اسی شخص کو پہلے کی تہمت لگا دی جائے تو دوبارہ حد نہیں لگتی اور آخرت میں عذاب جہنم کا استحقاق اور وقوع دونوں یقینی ہیں کیونکہ نص قطعی سے برأت ہو جانے کے بعد اس کے خلاف زبان سے بات نکالنا کفر ہے اور اگر زبان سے نہ کہے تو صرف اعتقاد پر بھی عذاب آخرت مرتب ہوگا گو دنیا میں ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے حد سے بچ جاوے

فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا

اور (اس امر پر سزا کا تعجب مت کرو کیونکہ) اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور

تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾

تم نہیں جانتے

یعنی اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ کون معصیت کس درجہ کی ہے اور تم اس کی حقیقت پوری نہیں جانتے آگے توبہ کرنے والے مومنین پر احسان ظاہر فرماتے ہیں کہ وہ اس وعید سے محفوظ رہے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ

اور (اے تائبین) اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ کا فضل و کرم ہے (جس سے تم کو توفیق

اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ ع

توبہ کی دی) اور یہ کہ اللہ تعالیٰ بڑا شفیق بڑا رحیم ہے (تو تم بھی اس وعید سے نہ بچتے)

آگے مسلمانوں کو بلا تخصیص اس معصیت مذکورہ کے تمام گناہوں سے بچنے کا حکم اور توبہ سے پاکی حاصل ہونے کی تصریح مع اپنے احسان کے ارشاد فرماتے ہیں اور احسان کا مضمون اہتمام کے لئے مختلف عنوانات سے مکرر لایا گیا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ

اے ایمان والو تم شیطان کے قدم بقدم مت چلو (یعنی اس کے اغوا پر عمل

الشَّيْطٰنِ ؕ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ

مت کرو) اور جو شخص شیطان کے قدم بقدم چلتا ہے تو وہ تو (ہمیشہ ہر شخص کو)

يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ

بے حیائی اور نا معقول ہی کام کرنے کو کہے گا

جیسا کہ اس واقعہ تہمت میں تم نے دیکھ لیا۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى

اور اگر تم پر اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی کبھی بھی (توبہ کر کے)

مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ

پاک و صاف نہ ہوتا

یا تو توبہ کی توفیق ہی نہ ہوتی جیسا کہ منافقین کو نہ ہوئی اور یا توبہ قبول نہ کی جاتی کیونکہ ہم پر کوئی قبول کرنا واجب تو ہے نہیں پس شیطان کے قدم بقدم چل چکنے اور گناہ سمیٹ لینے کے بعد اس کے وبال اور نقصان سے جو کہ ثابت ہو ہی چکا تھا نجات دے دینا بھی ہمارا ہی فضل تھا۔

وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

ولیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے (توبہ کی توفیق دے کر) پاک و صاف کر دیتا ہے

اور توبہ کے بعد اپنے فضل سے قبول کا بھی وعدہ فرما لیا ہے۔

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾

اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا سب کچھ جانتا ہے

پس تمہاری توبہ سن لی اور تمہاری ندامت جان لی اس لئے فضل فرمایا آگے اس کا بیان ہے کہ آیات براءت نازل ہونے کے بعد بعض صحابہ نے جن میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ بھی ہیں شدت غیظ میں یہ قسم کھائی تھی کہ جس جس نے یہ چرچا کیا ہے جن میں بعض حاجتمند بھی تھے ان کو آئندہ کسی قسم کی مالی امداد نہ دیں گے اللہ تعالیٰ ان کی خطا معاف کر دینے اور امداد جاری کرنے کے لئے ارشاد فرماتے ہیں۔

وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ

اور جو لوگ تم میں (دینی) بزرگی (اور دنیوی) وسعت والے ہیں وہ اہل

يُّؤْتُوْۤا اُولِی الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ

قرابت کو اور مساکین کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے سے

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ صلے

قسم نہ کھا بیٹھیں

مطلب یہ ہے کہ اس قسم کے مقتضا پر جمے نہ رہیں بلکہ توڑ ڈالیں ورنہ قسم تو ہو ہی چکی تھی یعنی ان صفات کا مقتضا یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی امداد کی جائے بالخصوص وہ جس میں یہ سب باتیں موجود ہوں جیسے حضرت مسطح کہ وہ حضرت ابوبکر کے نزدیک کے رشتہ دار بھی تھے اور مسکین بھی اور مہاجر بھی آگے اللہ تعالیٰ اور زیادہ رغبت دلاتے ہیں۔

وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ط اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ

اور چاہئے کہ یہ معاف کر دیں اور درگزر کریں کیا تم یہ بات نہیں چاہتے کہ

اللّٰهُ لَكُمْ ط

اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف کر دے

سو تم بھی اپنے قصور والوں کو معاف کر دو ۱۲۔

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ

بیشک اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے (آگے منافقین کے وعید کی تفصیل ہے) جو لوگ تہمت لگاتے ہیں ان عورتوں کو جو پاکدامن ہیں (اور) ایسی باتوں

الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ

(کے کرنے) سے (بالکل) بے خبر ہیں (اور) ایمان والیاں ہیں

اور جن کی براءت قرآن سے ثابت ہو چکی ہے اور صیغہ جمع اس لئے لایا گیا تا کہ سب ازواج مطہرات کو شامل ہو جائے کیونکہ **الطیبات للطیبین** سے سب کی طہارت و نظافت ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ جو لوگ ایسی پاکباز مطہرات کو متہم کریں وہ کافر اور منافق ہی ہو سکتے ہیں۔

لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ص

ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی جاتی ہے

یعنی خدا کی رحمت خاصہ سے دارین میں بوجہ کفر کے دور ہوں گے۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ لا يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ

اور ان کو (آخرت میں) بڑا عذاب ہوگا جس روز ان کے خلاف میں ان کی

اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا

زبانیں گواہی دیں گی اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں بھی (گواہی دیں

يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾

گے) ان کاموں کی جو کہ یہ لوگ کیا کرتے تھے

مثلاً زبان کہے گی کہ اس نے میرے ذریعہ سے فلاں کفر کی بات بکی اور ہاتھ پاؤں کہیں گے کہ اس نے کفر کی باتیں رائج کرنے میں یوں یوں دوڑ دھوپ کی۔

يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ

اس روز اللہ تعالیٰ ان کو واجبی بدلہ پورا پورا دے گا اور (اس روز ٹھیک ٹھیک) ان کو معلوم ہو

اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿۲۵﴾

گا کہ اللہ ہی ٹھیک فیصلہ کرنے والا (اور) بات (کی حقیقت) کو کھول دینے والا ہے

یعنی اب بوجہ کفر کے اس کا پوری طرح اعتقاد نہیں اس روز معلوم ہو جائے گا اور یہ معلوم کر کے نجات سے بالکل مایوس ہو جائیں گے کیونکہ ان کے مناسب فیصلہ دائمی عذاب ہے اور یہ آیتیں توبہ نہ کرنے والوں کے بارے میں ہیں جو کہ نزول آیات کے بعد تہمت کے اعتقاد سے بھی باز نہیں آئے اور توبہ کرنے والوں کو **فضل اللّٰہ و رحمۃ** میں مرحوم دارین فرمایا ہے اور توبہ نہ کرنے والوں کو **لعنوا** میں ملعون دارین فرمایا ہے۔ تائبین کو **لمسکم فیما افضتم** میں عذاب سے محفوظ بتلایا تھا اور غیر تائبین کو **لھم عذاب عظیم** اور نیز اس سے پہلے **والذی تولی کبرہ** میں مبتلائے عذاب بتلایا تائبین کے لئے عفو و رحمت کی بشارت دی اور غیر تائبین کے لئے **یوم تشھد** اور **یوفیھم** میں مغفرت نہ ہونے اور فضیحت ہونے کی وعید سنائی۔ تائبین کو **ما زکی منکم** میں پاک صاف بتلایا تھا غیر تائبین کو اگلی آیت میں خبیث فرمایا جس میں حضرت صدیقہ کی برأت پر ایک قاعدہ کلیہ سے استدلال کر کے قصہ کو ختم کیا ہے۔

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ج

اور یہ قاعدہ کلیہ ہے) گندی عورتیں گندے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لائق ہوتے ہیں

ایک مقدمہ تو یہ ہوا اور دوسرا مقدمہ بدیہی یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چیز آپ کے لائق اور مناسب ہی دی گئی ہے تو جب آپ ستھرے ہیں تو اس مقدمہ کے اعتبار سے ضرور آپ کی بی بی بھی ستھری ہیں اور ان کے پاک و منزہ ہونے سے حضرت صفوان صحابی کا بھی منزہ ہونا لازم آ گیا اسی لئے آگے ارشاد ہے کہ (آگے ترجمہ)۔

وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ج

اور ستھری عورتیں ستھرے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور ستھرے مرد ستھری عورتوں کے

اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ط لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ

لائق ہوتے ہیں یہ اس بات سے پاک ہیں جو یہ (منافق) کہتے پھرتے ہیں ان

وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۶﴾ ع

(حضرات) کے لئے (آخرت میں) مغفرت اور عزت کی روزی (یعنی جنت) ہے

مغفرت ہر ایک کی اس کی حالت کے مناسب ہے پس اب کوئی اشکال نہیں اور اس میں منافقین کے خبث کا بھی بیان ہو گیا اور حضرت نوح ولوط علیہما السلام کی بی بی گو کافر ہوں مگر خبث یعنی زنا سے پاک تھیں در منثور میں ابن عباس سے منقول ہے کہ کسی نبی کی بی بی نے کبھی زنا نہیں کیا اور اس میں راز یہ ہے کہ بی بی کا کافر ہونا موجب نفرت نہیں اور زانیہ ہونا باعث نفرت وعار ہے اور انبیاء علیہم السلام اسباب نفرت سے منزہ ہوتے ہیں اور اس واقعہ میں اگر شبہ ہو کہ حضرت علیؓ نے مشورہ میں حضور سے کہا تھا کہ اگر آپ طلاق دیدیں تو آپ کے لئے عورتیں بہت ہیں جواب یہ ہے کہ ان کو بدگمانی ہرگز نہ تھی بلکہ اس بات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسکین اور تقویت قلب اور غم ہلکا کرنا مقصود تھا اور تحقیق کی طرف متوجہ کرنا تھا تاکہ براءت خوب ثابت ہو جائے چنانچہ آپ کے یہ الفاظ تھے یا رسول الله ان الله لم يضيق عليك والنساء سواها كثير فاسئال الجارية تصدقك رواه البخاري حق تعالیٰ نے آپ کے اوپر تنگی نہیں کی اور عورتیں آپ کے لئے بہت ہیں اور بریرہ باندی سے دریافت کیجئے وہ سچ سچ بیان کریں گی اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا مقصود یہی تھا کہ حضور کا غم ہلکا کر کے آپ کو تحقیق کی طرف متوجہ کریں تاکہ براءت ثابت ہو جائے چنانچہ بریرہ سے دریافت کرنے کا مشورہ حضرت علی نے خود ہی دیا یہ واقع میں ثبوت براءت میں اعانت تھی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ

اے ایمان والو تم اپنے (خاص رہنے کے) گھروں کے سوا دوسرے گھروں

بُيُوْتِكُمْ

میں داخل مت ہو۔

يايها الذين امنوا تا تكتمون جن میں دوسرے لوگ رہتے ہوں خواہ بطور ملک کے یا بطور عاریت کے یا اجارہ کے۔

حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ط

جب تک کہ (ان سے) اجازت حاصل نہ کر لو اور (اجازت لینے سے قبل) ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کر لو

یعنی اول سلام کر کے ان سے پوچھو کہ ہم آویں؟ اور ویسے ہی بے اجازت لئے مت گھس جاؤ۔

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ

یہی تمہارے لئے بہتر ہے

یعنی گو اجازت مانگنے کو بعضے آدمی خلاف شان اور موجب ذلت سمجھتے ہیں اور اس لئے اجازت نہ لینے کو اچھا سمجھتے ہیں لیکن واقع میں اجازت لے کر اندر جانا بے پوچھے چلے جانے سے بہتر ہے کیونکہ بے پوچھے چلے جانے میں احتمال ہے ناجائز موقع پر نظر پڑ جانے کا یا گھر والوں کی کسی ایسی حالت پر مطلع ہونے کا جس پر مطلع ہونا ان کو ناگوار ہے اسی لئے تجسس کی ممانعت ہے اس لئے یہ حکم عام ہوگا اندھوں اور عورتوں سب کے لئے اور اجازت مانگنے میں جو بھی ذلت سمجھی جاتی ہے اس سے یہ مفاسد جو اجازت نہ لینے پر مرتب ہو سکتے ہیں کہیں زائد ہیں۔

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ

(یہ بات تم کو اس لئے بتلائی ہے) تاکہ تم خیال رکھو (اور اس پر عمل کرو) پھر

اَحَدًا

اگر ان گھروں میں تم کو کوئی (آدمی) معلوم نہ ہو

خواہ واقع میں وہاں کوئی ہو یا نہ ہو۔

فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ج

تو (بھی) ان گھروں میں نہ جاؤ جب تک کہ تم کو (مختار اذن کی جانب سے) اجازت نہ دی جائے

کیونکہ اول تو اس میں آدمی کے ہونے کا احتمال ہے تو اوپر جو علت وجوب استیذان کی مذکور ہوئی ہے وہ یہاں بھی محتمل ہے اور اگر یقین بھی ہو جائے کہ اس میں کوئی نہیں اور وہ ہے پرایا گھر تب بھی بے اجازت جانے میں ملک غیر میں بلا اجازت تصرف ہے جو کہ حرام ہے۔

وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ط

اور اگر تم سے (اجازت لینے کے وقت) یہ کہہ دیا جائے کہ (اس وقت) لوٹ جاؤ تو تم لوٹ آیا کرو یہی بات تمہارے لئے بہتر ہے

اس سے کہ وہیں جم جاؤ کیونکہ یہ پوری ذلت ہے اور دوسرے شخص کے دل پر گرانی ڈالنا ہے اور ایذا کا حرام ہونا ظاہر ہے اسی طرح بے وجہ ذلیل ہونا بھی برا ہے کیونکہ یہ ذلت واقعی ہے اور بے ضرورت ہے اور اجازت چاہنے میں وہمی ذلت ہے نیز اس میں دوسرے کے حقوق کی حفاظت ہے اس لئے دونوں ذلتوں میں فرق ہے۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾

اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی سب خبر ہے (اور اگر خلاف کرو گے تو سزا کے مستحق ہوگے

اسی طرح جب تین بار پوچھنے پر اجازت نہ ملے تب بھی لوٹ آنے کا حکم ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ

تم کو ایسے مکان میں چلے جانے کا گناہ نہ ہوگا جن میں (گھر کے طور پر)

فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ط

کوئی نہ رہتا ہو ان میں تمہاری کچھ برت ہو

یہ ان مکانات کا حکم ہے جہاں منافع عامہ متعلق ہیں جیسے مدرسہ، خانقاہ، سرائے تو وہاں جانے کی بظاہر عام اجازت ہوتی ہے پس جس کو اجازت نہ ہو اس کو ان مکانات میں بھی جانا جائز نہ ہوگا جن میں چوری یا ضرر رسانی کا احتمال و شبہ ہو خلاصہ یہ کہ مکانات کی چار قسمیں ہیں ایک خاص اپنے حصے کا مکان جس میں کسی دوسرے کے آنے کے احتمال ہی نہیں دوسرا وہ گھر جس میں کوئی اور بھی رہتا ہو گو وہ اپنے محرم ہی کیوں نہ ہوں یا کسی غیر کے وہاں آ جانے کا احتمال ہو تیسرا وہ جس میں اس وقت کسی کے ہونے یا نہ ہونے دونوں کا احتمال ہو چوتھا وہ جس میں کسی خاص شخص کا سکونت کے طور پر نہ رہنا متعین ہو جیسے سرائے وغیرہ پس قسم اول کا حکم تو یہ ہے کہ اس میں کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں کیونکہ وجوب استیذان کی جو علت مذکور ہوئی ہے وہاں نہیں پائی جاتی اور دوسری اور تیسری قسم میں استیذان کی ضرورت ہے اور چوتھی قسم میں بھی اجازت لینے کی ضرورت نہیں البتہ اگر کسی کو روک دیا جائے تو جانا جائز نہ ہوگا۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾

اور تم جو کچھ علانیہ کرتے ہو اور جو پوشیدہ طور پر کرتے ہو اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے

پس ظاہر اور باطن میں تقویٰ کی پابندی لازم آتی ہے۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ

آپ مسلمانوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں

اور ناجائز نظر سے بچیں

وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ط

اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں

اس میں زنا و لواطت سب داخل ہے

ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ط

یہ ان کے لئے زیادہ صفائی کی بات ہے

کہ زنا یا مقدمہ زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ رہے۔

اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ

بیشک اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں اور (اسی طرح) مسلمان عورتوں سے

يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ

(بھی) کہہ دیجئے کہ (وہ بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں

جس میں زنا و مساحقت سب داخل ہے۔

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ

اور اپنی زینت (کے مواقع) کو ظاہر نہ کریں

یعنی سر سے پاؤں تک تمام بدن اپنا پوشیدہ رکھیں۔

اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ

مگر جو اس (موقع زینت) میں سے (غالباً) کھلا رہتا ہے

(جس کے ہر وقت چھپانے میں حرج ہے

یعنی چہرہ اور ہتھیلیاں اور قدم۔

عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ص وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا

اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں اور اپنی زینت (کے موقع مذکورہ) کو (کسی پر) ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے (محارم پر

لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ

یعنی) باپ پر یا اپنے شوہر کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہر کے

اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ

بیٹوں پر یا اپنے (حقیقی علاتی اور اخیافی بھائیوں پر

نہ کہ چچا اور ماموں وغیرہ کی اولاد پر۔

أَوْ إِخْوَانِهِنَّ

یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں پر

نہ کہ چچازاد اور خالہ زاد بہنوں کی اولاد پر۔

أَوْ بَنِيٓ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِيٓ أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَآئِهِنَّ

یا اپنی (حقیقی علاتی اور اخیافی) بہنوں کے بیٹوں پر یا اپنی عورتوں پر

زینت ظاہر کرنا جائز ہے۔ کافر عورت کا حکم مثل اجنبی مرد کے ہے۔

أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي

یا اپنی لونڈیوں پر یا ان مردوں پر جو طفیلی (کے طور پر رہتے) ہوں

الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ

اور ان کو ذرا توجہ نہ ہو

یعنی بوجہ حواس درست نہ ہونے کے ان کو عورتوں کی طرف التفات نہ ہوتا ہو پس اس حکم کا مدار حواس درست نہ ہونے پر ہے تو ہر مجنون اور بدحواس کا یہی حکم ہے خواہ وہ کھانے پینے میں طفیلی ہو یا نہ ہو طفیلی کی قید اتفاقی ہے کیونکہ اس وقت وہ طفیلی ایسے ہی ہوتے تھے ابن عباس سے درمنثور میں اس کی یہی تفسیر مذکور ہے کہ مراد ایسے لوگ ہیں جو مغفل اور پاگل نہ ہوں جن کو عورتوں کی طرف التفات اور میلان نہ ہوتا ہو اور جو سمجھ رکھتا ہو اس سے پردہ واجب ہے کہ آخر تو وہ اجنبی مرد ہے خواہ بوڑھا یا خواجہ سرا ہی کیوں نہ ہو۔

أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ

یا ایسے لڑکوں پر جو عورتوں کے پردوں کی باتوں سے واقف نہیں ہوئے (مراد

النِّسَآءِ ص

غیر مراہق ہیں)

جو بلوغ کے قریب نہیں پہنچے پس ان سب کے سامنے منہ اور ہاتھوں اور قدموں کے سوا زینت کے مواقع کا ظاہر کرنا بھی جائز ہے اور شوہر کے سامنے کسی جگہ کا بھی چھپانا واجب نہیں اگرچہ خاص بدن کو دیکھنا اچھا نہیں اور شوہر کے باپ میں اس کے حقیقی دادے اور نانے بھی داخل ہیں اس طرح بیٹوں میں پوتے اور بھتیجوں میں ان کی اولاد اور بھانجوں میں بھانجوں کی اولاد بھی داخل ہے اور یہاں عورت کے ماموں اور چچا کا ذکر نہیں فرمایا مگر حکم ان کا بھی یہی ہے کہ ان سے پردہ نہیں اور محرم وہ رشتہ دار ہے جس سے ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہے خواہ وہ محرم نسب سے ہو یا سسرالی رشتہ سے یا دودھ پینے کی وجہ سے

البتہ بعض فقہا نے زمانہ کے فتنہ کو دیکھ کر سسرالی رشتہ اور دودھ پینے کی وجہ سے جو محرم ہوں ان کے ساتھ تنہائی میں رہنے بیٹھنے کو منع کیا ہے۔

وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ

اور اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ ان کا مخفی زیور

مِنْ زِينَتِهِنَّ ط

معلوم ہو جائے

یعنی پردہ کا یہاں تک اہتمام رکھیں کہ زیور کی آواز بھی چھپاویں اور اس سے یہ سمجھ میں آ سکتا ہے کہ جب زیور کی آواز کے چھپانے کا ایسا اہتمام ہے تو خود زیور والی کی آواز کا چھپانا کیونکر نہ اہتمام کے قابل ہوگا جس کے ظاہر کرنے میں فتنہ کا خوف اور غیر مردوں کے میلان کا اندیشہ ہے اور یہ بھی سمجھا گیا کہ جب آواز اس قدر چھپانے کے قابل ہے تو صورت کیوں نہ چھپانے کے قابل ہوگی جو کہ فتنہ کی اصل جڑ ہے ہاں ضرورت کے وقت اجازت ہے جس کا اوپر بیان آ چکا ہے اور جس زیور کی آواز پیدا ہو وہ دو قسم کا ہے ایک وہ جو خود بھی بجتا ہو جیسے گھونگرو یا باجادار جھانور اس کا پہننا تو بالکل ممنوع ہے کیونکہ حدیث میں گھنٹی اور باجا سے ممانعت آئی ہے اور آیت میں یہ مراد نہیں دوسری قسم وہ جو خود نہیں بجتا مگر دوسری چیز سے لگ کر آواز دیتا ہے جیسے چھڑے اور کڑے وغیرہ اس کا پہننا جائز ہے اور اسی کی بابت اس آیت میں حکم ہے کہ پاؤں زور سے نہ رکھیں یعنی پہننا درست ہے مگر ظاہر کرنا بوجہ خوف فتنہ کے درست نہیں باقی مسائل پردہ کے متعلق کتب فقہ میں مذکور ہیں اور رسالہ القول الصواب میں اس کی پوری تحقیق ہے۔

وَتُوبُوٓا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ

اور مسلمانو (تم سے جو ان احکام میں کوتاہی ہوگئی ہو تو) تم سب اللہ کے

تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾ وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ

سامنے توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ اور تم میں (یعنی احرار میں) جو بے نکاح ہوں

وانکحوا تا من فضلہ یعنی خواہ وہ لوگ بے نکاح ہوں خواہ مرد خواہ عورت اور خواہ ابھی نکاح ہی نہ ہوا ہو یا وفات یا طلاق سے بے نکاح رہ گئے ہوں ۱۲

وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ط

تم ان کا نکاح کر دیا کرو اور (اسی طرح) تمہارے غلام اور لونڈیوں میں سے جو اس (نکاح کے) لائق ہو

یعنی حقوق نکاح کوادا کر سکے۔

اِنْ يَّكُوْنُوْا

اس کا بھی

نکاح کر دیا کرو اور محض اپنی مصلحت کے خیال سے ان کی مصلحت کو فوت نہ کیا کرو خصوصاً جب کہ غلام لونڈیوں کو نکاح کی ضرورت ہی ہو۔

فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ

اگر وہ مفلس ہوں گے تو خدا تعالیٰ (اگر چاہے گا) ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا

پس نہ افلاس کو نکاح سے مانع اور نہ نکاح کو افلاس کا سبب سمجھیں۔

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (۳۲) وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ

اور اللہ تعالیٰ وسعت والا ہے خوب جاننے والا ہے اور ایسے لوگوں کو کہ جن کو

لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ

نکاح کا مقدور نہیں ان کو چاہئے کہ (اپنے نفس کو) ضبط کریں یہاں تک کہ

فَضْلِهٖ ؕ

اللہ تعالیٰ (اگر چاہے) ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے (پھر نکاح کر لیں)

یعنی بعد رفع مانع۔

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ

اور تمہارے مملوکوں میں سے جو مکاتب ہونے کے خواہاں ہوں تو (بہتر ہے

اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ

کہ) ان کو مکاتب بنا دیا کرو

مکاتبہ وہ معاہدہ ہے جو درمیان آقا اور غلام کے ہو کہ اس قدر مال ادا کرنے کے بعد آزاد ہو جائے۔

اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ ق

اگر ان میں بہتری (کے آثار) پاؤ

کہ اخلاق شرعیہ کا پابند رہے گا۔

وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ

اور اللہ کے (دیئے ہوئے) اس مال میں سے ان کو بھی دو

یعنی زکوۃ وغیرہ سے ان کی امداد کیا کرو۔

الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ؕ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى

جو اللہ نے تم کو دے رکھا ہے (تا کہ جلدی آزاد ہو سکیں) اور اپنی (مملوکہ) لونڈیوں

الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا

کو زنا کرانے پر مجبور مت کرو (اور بالخصوص) جب وہ پاکدامن رہنا چاہیں

یہ قید اتفاقی ہے یعنی اس صورت میں مجبور کرنا تو پوری بے حیائی ہے چاہئے تو یہ کہ اگر وہ زنا کا قصد کریں تو تم روک دو نہ کہ الٹا وہ بچنا چاہیں اور تم مجبور کرو جاہلیت میں بعض لوگ اس بات کی کمائی کرتے تھے اور عبداللہ بن ابی منافق نے بھی اپنی دو لونڈیوں کو اس پر مجبور کیا تھا اور وہ اس سے بچنا چاہتی تھیں چنانچہ مسلم کی روایت میں ہے کہ ان لونڈیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی تھی اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اور فتیات کے اصلی معنی جوان عورتوں کے ہیں پھر باندیوں کے معنی میں مستعمل ہونے لگا یہ قید بھی اتفاقی ہے کیونکہ بوڑھیوں پر کوئی جبر نہیں کرتا تھا ان سے رغبت ہی کسی کو نہیں ہوتی۔

لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ

محض اس لئے کہ دنیوی زندگی کا کچھ فائدہ (یعنی مال) تم کو حاصل ہو جائے

ان جبر کرنے والوں کا مقصود مال کرانا ہوا کرتا تھا اس لئے یہ فرمادیا کہ محض ایسی خسیس غرض کے لئے مجبور کرنا بہت ہی برا ہے اور یہ قید بھی اتفاقی ہے ورنہ زنا پر جبر کرنا کسی اور غرض سے بھی جائز نہیں بلکہ یہ بات کہنا بھی جائز نہیں گو زبردستی بھی نہ ہو پس اس تقریر سے سب شبہات دفع ہو گئے۔

وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ

اور جو شخص ان کو مجبور کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان کے مجبور کئے جانے کے بعد ان

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۳۳)

کے لئے) بخشنے والا مہربان ہے

اور جس زبردستی میں عورت پر مواخذہ نہیں وہ وہ ہے جس میں جان یا عضو ضائع ہونے کا خوف ہو کہ دوسرا قتل کی یا ہاتھ پاؤں کاٹنے کی دھمکی دیتا ہو اور غالب گمان یہ ہو کہ وہ ایسا کر ہی دے گا اور چونکہ زنا تو اصل میں گناہ ہی ہے گو جبر کی وجہ سے عورت کے حق میں گناہ نہ رہا اس لئے اصل کا لحاظ کر کے مغفرت اور بخشش کا لفظ لایا گیا ہے ورنہ مغفرت کے لفظ سے گناہ ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔

فائدہ: دس احکام مذکورہ کے متعلق: حکم اول میں زنا کی قباحت ہے دوسرے میں بھی اسی کی تاکید ہے تیسرے میں زنا کی تہمت لگانے کی قباحت ہے چوتھے میں بھی خاص محل کے اعتبار سے تہمت ہی کے احکام ہیں اور قصہ میں ایسی تہمت کی نہایت سختی کے ساتھ مذمت ہے کیونکہ جس پر تہمت لگائی گئی تھی ان کی شان بہت بلند تھی اور چھٹے حکم میں مردوں اور عورتوں کے میل جول کو بالکل بند کیا ہے جو کہ زنا کا ذریعہ ہو جاتا ہے اور ساتویں و آٹھویں میں نکاح کا حکم ہے جو زنا سے مانع ہے اور نواں حکم اگرچہ بظاہر زنا سے تعلق نہیں رکھتا لیکن غور کرنے سے وہ بھی اسی کے متعلق معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس میں یہ قید مذکور ہے کہ اگر غلام میں بہتری کے آثار معلوم ہوں تو اس کو مکاتب کر دیا جائے اور بہتری نہ ہونے میں آوارگی بھی داخل ہے تو جس میں ایسا احتمال ہو کہ آزاد ہو کر آوارہ ہو جائے گا اس کے لئے غلام رہنا زنا سے مانع ہے اور جس میں یہ احتمال نہ ہو اس کے لئے آزاد ہونا زنا سے مانع ہے کیونکہ وہ آزاد ہو کر نکاح کرے گا اور غلامی کی حالت میں آقا اپنی خدمت وغیرہ کی مصلحت سے اکثر غلام کو نکاح کی اجازت نہیں دیا کرتا اور دسویں حکم میں صراحۃً زنا سے روکا ہے پس سب احکام میں تعلق یہ ہوا کہ بے حیائی کے کاموں سے رکنا چاہئے۔

ربط: ان احکام کو بیان کر کے اس سورت کے نازل کرنے پر اور بندہ کے نزدیک پورے قرآن کے نازل کرنے پر اپنا احسان بندوں پر ظاہر فرماتے ہیں۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا

اور ہم نے تمہارے پاس کھلے کھلے احکام بھیجے ہیں اور جو لوگ تم سے پہلے ہو

مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً

گزرے ہیں ان کی بعض حکایات اور (خدا سے) ڈرنے والوں کے لئے

لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۴﴾

نصیحت کی باتیں (بھیجی ہیں)

ولقد انزلنا تا للمتقین یعنی اپنے اخلاق واعمال کی اصلاح کریں۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اللہ تعالیٰ نور (ہدایت) دینے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا

مراد کل عالم ہے۔

مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ

اس کے نور ہدایت (کی حالت عجیبہ ایسی ہے جیسے (فرض کرو) ایک طاق ہے (اور) اس میں ایک چراغ رکھا ہے (اور) وہ چراغ ایک قندیل میں ہے

فِيْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ

(اور وہ قندیل) طاق میں رکھا ہے اور وہ قندیل ایسا (صاف شفاف) ہے

يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا

جیسے ایک چمکدار ستارہ ہو اور وہ چراغ ایک نہایت مفید درخت (کے تیل سے) روشن کیا جاتا ہے کہ وہ زیتون (کا درخت) ہے جو کسی آڑ کے) نہ

شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ

پورب رخ ہے اور نہ پچھم رخ

ایسے درخت کا تیل نہایت عمدہ ہوتا ہے۔

يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ

اس کا تیل (اس قدر صاف اور سلگنے والا ہے کہ) اگر اس کو آگ بھی نہ چھوئے تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود جل اٹھے گا اور جب آگ بھی لگ گئی تب

نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ

تو) نور علی نور ہے

چونکہ اس مثال میں بہ نسبت آفتاب وغیرہ کے زیادہ وضاحت تھی اس لئے اس کو اختیار کیا

يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ

اور اللہ تعالیٰ اپنے (اس نور ہدایت) تک جس کو چاہتا ہے راہ دے دیتا ہے

یعنی مقصود تک پہنچا دیتا ہے۔

وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ

اور اللہ تعالیٰ لوگوں (کی ہدایت) کے لئے (یہ) مثالیں بیان فرماتا ہے

تا کہ عقلی باتیں آسانی سے سمجھ میں آجائیں۔

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۳۵﴾

اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے

آگے ہدایت والوں کا بیان ہے۔

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ

وہ ایسے گھروں میں (جا کر عبادت کرتے) ہیں جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے

ان گھروں سے مسجدیں مراد ہیں اور ان کا ادب یہ ہے کہ جنبی اور حائضہ ان میں داخل نہ ہو اور ان میں کوئی ناپاک چیز داخل نہ کی جائے وہاں غل نہ مچایا جائے دنیا کے کام اور باتیں کرنے کے لئے وہاں نہ بیٹھیں بدبو کی چیز کھا کر ان میں نہ جائیں وغیرہ وغیرہ اور مسجدوں کی قید مردوں کے لئے ہے عورتوں کے لئے نہیں حدیث میں ان کے واسطے گھروں میں نماز پڑھنا افضل آیا ہے وہی بجائے مسجدوں کی ہیں۔

يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿٣٦﴾ رِجَالٌ

ان (مسجدوں) میں ایسے لوگ صبح وشام اللہ کی پاکی (نمازوں میں) بیان

لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ

کرتے ہیں جن کو اللہ کی یاد سے اور (بالخصوص) نماز پڑھنے سے اور زکوٰۃ

وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ

دینے سے نہ خرید غفلت میں ڈالنے پاتی ہے اور نہ فروخت

یعنی تمام احکام سے اور بالخصوص نماز وزکوٰۃ سے جو کہ اور احکام سے زیادہ بڑے ہیں دنیا کے مشاغل ان کو نہیں روک سکتے۔

يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿٣٧﴾

(اور) وہ ایسے دن (کی دار وگیر) سے ڈرتے رہتے ہیں جن میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ جاویں گی

یعنی باوجود احکام بجالانے کے پھر بھی وہ ڈرتے رہتے ہیں مقصود اس سے ہدایت والوں کے اعمال واوصاف بیان کرنا ہے۔

لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ

انجام (ان لوگوں کا) یہ ہوگا کہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا بہت ہی اچھا بدلہ دے

مِّنْ فَضْلِهٖ

گا (یعنی جنت) اور (علاوہ جزا کے) ان کو اپنے فضل سے اور بھی زیادہ دے گا

بدلہ وہ ہے جس کا صاف صاف وعدہ ہے اور زیادہ وہ ہے جس کا صاف وعدہ نہیں اگرچہ اجمالی طور پر وعدہ ہوا ہو۔

وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٨﴾

اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے بے شمار دے دیتا ہے

پس ان لوگوں کو جنت میں بے شمار ملے گا آگے گمراہی اور گمراہوں کا بیان ہے ١٢

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

اور جو لوگ کافر ہیں

ان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو قیامت کے قائل ہیں اور اپنے بعضے کاموں پر جن کو اچھا سمجھتے ہیں ثواب کی آخرت میں امید رکھتے ہیں دوسرے وہ جو قیامت ہی کے منکر ہیں آگے دونوں کی جدا مثال بیان فرماتے ہیں۔

اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ

ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے ایک چٹیل میدان میں چمکتا ہوا ریت کہ پیاسا

مَآءً ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْــًٔا وَّوَجَدَ

(آدمی) اس کو (دور سے) پانی خیال کرتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے

اللّٰهَ عِنْدَهٗ

پاس آیا تو اس کو (جو سمجھ رکھا تھا) کچھ بھی نہ پایا اور قضاالٰہی کو پایا

یعنی پیاس کی شدت اور غایت ناامیدی سے تڑپ تڑپ کر مر گیا تو یوں کہنا چاہئے کہ بجائے پانی کے اس نے قضائے الٰہی کو وہاں پایا یہ مثال پہلی قسم کے کافروں کی ہے کہ اسی طرح وہ لوگ اپنے اعمال کو ظاہری صورت سے مقبول اور مفید اور اچھا سمجھتے ہیں جیسا کہ پیاسا دور سے ریت کو پانی سمجھتا ہے مگر چونکہ ان میں ایمان نہیں جو کہ قبولیت کی شرط ہے اس لئے آخرت میں جا کر ان کو حقیقت معلوم ہوگی جیسا کہ پیاسے کو ریت کے پاس جا کر حقیقت معلوم ہوتی ہے اس وقت اپنی امید کے غلط ہونے پر حسرت ہوگی۔

فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿٣٩﴾

سو اللہ تعالیٰ نے اس (کی عمر) کا حساب اس کو برابر سرابر چکا دیا (یعنی عمر کا خاتمہ کر دیا) اور اللہ تعالیٰ دم بھر میں حساب کر دیتا ہے

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ

یا وہ ایسے ہیں جیسے بڑے گہرے سمندر کے اندرونی اندھیرے کہ اس کو بڑی لہر

فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ

نے ڈھانک لیا ہو اس (لہر) کے اوپر دوسری لہر اس کے اوپر بادل (ہے غرض)

بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ

اوپر تلے بہت سے اندھیرے (ہی اندھیرے) ہیں کہ اگر (کوئی ایسی حالت

يَكَدْ يَرٰىهَا ؕ

میں) اپنا ہاتھ نکالے (اور دیکھنا چاہے) تو دیکھنے کا احتمال بھی نہیں

اس کو کچھ بکھیڑا کرنا نہیں پڑتا کہ دیر لگے تو ایک قسم کی مثال تو یہ ہے آگے دوسری قسم کی مثال ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ

اور جس کو اللہ ہی نور (ہدایت) نہ دے اس کو (کہیں سے بھی)

نُّوْرٍ ع ﴿۴۰﴾

نور نہیں (میسر ہوسکتا)

کیونکہ اول تو دریا گہرا کہ اس کی تہہ میں اندھیرا ہوتا ہے پھر موجوں کا تلاطم اس سے اور اندھیرا بڑھے گا پھر اوپر سے بادل گھٹا بھی ہو جس سے ستارے وغیرہ کی روشنی بھی نہیں پہنچتی غرض اندھیرا ہی اندھیرا ہے اسی طرح جو لوگ قیامت کے منکر ہیں ان کے اعمال خیر میں ایک تو فی نفسہ خود نور نہیں کیونکہ وہ اعمال ان کو نافع نہ ہوں گے پھر خیالی نور بھی نہیں کیونکہ وہ قیامت کا انکار کر کے خود بھی ان کے اعمال کے نافع نہ ہونے کا اقرار کرتے ہیں غرض ظلمت ہی ظلمت ہے وہمی روشنی بھی نہیں اور مراد ان اعمال سے وہ اعمال ہیں جن کو یہ کرنے والے اپنے خیال میں اچھا سمجھتے ہیں کیونکہ برے اعمال کے نافع نہ ہونے پر سب کا اتفاق ہے نفع کا احتمال اچھے اعمال ہی میں ہوسکتا ہے پس ان لوگوں کو چاہئے تھا کہ احکام الٰہی کے اتباع کا ارادہ کرتے تو حق تعالیٰ اپنی عادت کے موافق کہ ارادہ کے بعد مقصود پیدا کر دیتا ہے ان کو ہدایت کا نور دے دیتا مگر انہوں نے احکام سے بے رخی کی تو اندھیروں میں رہ گئے کہیں سے بھی سہارا نہ لگا

ربط: اوپر ہدایت کے نور و گمراہی کی ظلمت کی مثال تھی اور اس سے پہلے چند عملی احکام کا ذکر تھا آگے وجود خدا اور توحید کے دلائل مذکور ہیں جو کہ عملی احکام ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ

اے مخاطب کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے ہیں سب جو

وَالْاَرْضِ

کچھ کہ آسمانوں میں اور زمین میں (مخلوقات) ہیں

الم تر تا قدیر خواہ زبان سے پاکی بیان کرتے ہوں جس کا بعض مخلوقات میں عقلی دلیل سے نہ ہونا معلوم ہے اور اس کے متعلق سورہ بنی اسرائیل میں تحقیق گزر چکی ہے۔

وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ

اور بالخصوص پرندے جو پر پھیلائے ہوئے اڑتے پھرتے ہیں

کہ ان کا خدا کے وجود پر دلالت کرنا اور زیادہ عجیب ہے کہ باوجود بدن کے بوجھ کے پھر بھی آسمان زمین کے درمیان میں رکے ہوئے ہیں۔

وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ

سب کو اپنی اپنی دعا اور اپنی تسبیح معلوم ہے

جانوروں کا اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا حدیثوں میں وارد ہے مثلاً عالم باعمل کے لئے دعا کرنا نیز ایک نبی کے قصہ میں آیا ہے کہ انہوں نے ایک چیونٹی کو بارش کی دعا کرتے ہوئے دیکھا تھا مگر باوجود ان دلائل کے پھر بھی بعضے توحید کو نہیں مانتے۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾

اور اللہ تعالیٰ کو ان لوگوں کے سب افعال کا پورا علم ہے

سو اس انکار اور بے رخی پر ان کو سزا دے گا۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ

اور اللہ ہی کی حکومت ہے آسمانوں اور زمین میں اور اللہ ہی کی طرف (سب

الْمَصِيْرُ ﴿۴۲﴾

کو) لوٹ کر جانا ہے

اس وقت بھی پوری حکومت اسی کی ہوگی چنانچہ اپنی حکومت کا آگے اثر بیان فرماتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ

کیا تجھ کو یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ (ایک) بادل کو (دوسرے بادل کی طرف)

ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ

چلتا کرتا ہے (اور) پھر اس بادل (کے مجموعہ) کو باہم ملا دیتا ہے پھر اس کو تہ بتہ

خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا

کرتا ہے پھر تو بارش کو دیکھتا ہے کہ اس (بادل) کے بیچ میں سے نکلتی ہے اور اسی

مِنْۢ بَرَدٍ

بادل سے یعنی اس کے بڑے بڑے حصوں میں سے اولے برساتا ہے

یہاں سماء کے معنی بادل کے ہیں اور اس کے بڑے بڑے حصوں کو

پہاڑ سے تشبیہ دی چنانچہ محاورہ میں کہتے ہیں کہ فلاں شخص کے پاس سونے کا پہاڑ ہے یعنی بڑا سونا ہے۔

فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ

پھر ان کو جس (کی جان پر یا مال) پر چاہتا ہے گراتا ہے

جس سے اس کا نقصان ہو۔

وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ط

اور جس سے چاہتا ہے اس کو ہٹا دیتا ہے

کہ اس کا گھرانا جان و مال محفوظ رہتا ہے۔

يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ

(اور) اس بادل کی بجلی کی چمک کی یہ حالت ہے

یعنی بادل میں بجلی پیدا ہوتی ہے اور وہ ایسی چمک دار ہے۔ (آگے ترجمہ)

يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ط ﴿۴۳﴾ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ

کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس نے اب بینائی لی (اور نیز) اللہ تعالیٰ رات

وَالنَّهَارَ ط

کو اور دن کو (بھی) بدلتا رہتا ہے

یہ تبدیلیاں حق تعالیٰ ہی کے حکم سے ہیں۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾

اس (سب مجموعہ) میں اہل دانش کے لئے استدلال (کا موقع) ہے

جس سے وہ خدا کی توحید اور اس کی حکومت پر استدلال کرتے ہیں۔

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ج فَمِنْهُمْ

اور اللہ (تعالیٰ ہی) نے ہر چلنے والے جاندار کو (بری ہو یا بحری) پانی سے

مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ج

پیدا کیا ہے پھر ان میں بعضے تو وہ (جانور) ہیں جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں

جیسے سانپ اور مچھلی ۱۲

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ج

اور بعضے ان میں وہ ہیں جو دو پیروں پر چلتے ہیں

جیسے انسان اور پرندے جب کہ ہوا میں نہ ہوں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ط

اور بعضے ان میں وہ ہیں جو چار (پیروں) پر چلتے ہیں

جیسے مواشی چوپائے اور بعضوں کے اس سے بھی زیادہ پیر ہیں

ربط: اوپر توحید اور وجود خدا کے دلائل مذکور تھے آگے ان کی تعلیم پر عام احسان ظاہر کرتے ہیں کیونکہ یہ سبھی کے واسطے نازل ہوئے ہیں اور عمل کی توفیق پر خاص احسان جتلاتے ہیں کیونکہ عمل کرنے والے خاص ہی لوگ ہوتے ہیں اور پہلے بھی ایک آیت ایسی ہی گزر چکی ہے مگر تکرار کچھ نہیں کیونکہ دونوں جگہ پہلے مضمون کی تاکید اور آئندہ کی تمہید مقصود ہے۔

يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے بناتا ہے بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پورا قادر ہے ہم نے حق

قَدِيْرٌ ﴿۴۵﴾ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ط وَاللّٰهُ

کے سمجھانے والے دلائل نازل فرمائے ہیں اور (ان عام لوگوں

يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۶﴾

میں سے) جس کو اللہ چاہتا ہے راہ راست کی طرف ہدایت فرماتا ہے

لقد انزلنا تا مستقیم کہ وہ حق تعالیٰ کے ساتھ صحیح اعتقاد رکھتے اور اطاعت کو بجالاتے ہیں ورنہ بہت سے محروم ہی رہتے ہیں۔

ربط: یھدی من یشاء میں بعض کا ہدایت پر ہونا اور بعض کا ہدایت پر نہ ہونا اجمالاً بیان کر کے آگے ان کی تفصیل فرماتے ہیں۔

وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا

اور یہ (منافق) لوگ (زبان سے) دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور رسول پر ایمان لے آئے اور (خدا اور رسول کا) حکم (دل سے) مانا پھر اس کے بعد

ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ

(موقع ظہور صدق دعویٰ پر) ان میں کا ایک گروہ

ویقولون تا للمبین جو کہ بہت زیادہ شریر ہیں کیونکہ غریب غربا میں گو باوجود دلی نفرت کے انکار ظاہر کرنے کی جرات و ہمت نہیں ہوا کرتی یہ کام باوجاہت ہی لوگوں سے ہوسکتا ہے۔

مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ط

سرتابی کرتا ہے

مراد اس موقع سے وہ صورت ہے جب ان کے ذمہ کسی کا حق چاہتا ہو اور صاحب حق اس منافق سے یہ کہے کہ چلو حضور کے پاس مقدمہ لے چلیں اس موقعہ پر وہ انکار کرتے ہیں کیونکہ جانتے ہیں کہ آپ کے اجلاس میں جب حق ثابت ہو جائے گا تو آپ اسی کے موافق فیصلہ کریں گے جب کہ عنقریب و اذا دعوا میں اس موقعہ کا بھی بیان آتا ہے۔

وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ (۴۷)

اور یہ لوگ (دل میں) اصلاً ایمان نہیں رکھتے

یعنی دل میں تو کسی منافق کے بھی ایمان نہیں مگر ان کا تو وہ ظاہری بنایا ہوا ایمان بھی نہ رہا اور آگے ان کی سرکشی کا موقعہ بتلاتے ہیں۔

وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ

اور یہ لوگ جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف اس غرض سے بلائے جاتے ہیں کہ رسول ان کے اور ان کے (خصم کے) درمیان میں فیصلہ کر دیں تو ان

اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ (۴۸)

میں کا ایک گروہ پہلو تہی کرتا ہے

یعنی آپ کے پاس حاضر ہونے سے بچتا ہے اور ٹالنا چاہتا ہے اور چونکہ آپ کا فیصلہ خدا کے حکم کے موافق ہوتا ہے تو آپ کے پاس بلانا گویا خدا کی طرف بلانا ہے اس لئے الی اللہ بڑھا دیا غرض جب ان کے ذمہ کسی کا حق چاہتا ہے تب تو ان کی یہ حالت ہوتی ہے۔

وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ (۴۹) ط

اور اگر ان کا حق (کسی کی طرف واجب) ہو تو سر تسلیم خم کیے ہوئے آپ کے پاس چلے آتے ہیں

کیونکہ جانتے ہیں کہ وہاں جا کر حق مل جائے گا آگے فرماتے ہیں کہ تحقیق کرنا چاہئے کہ اس بے رخی کا سبب کیا ہے؟ سو چند اسباب بیان فرما کر ایک سبب کی تعیین کرتے ہیں۔

اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ

آیا ان کے دلوں میں (کفر کا) مرض ہے یا یہ (نبوت کی طرف سے) شک میں

اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ط

پڑتے ہیں؟ یا ان کو یہ اندیشہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان پر ظلم نہ کرنے لگیں

کہ ان کے ذمہ جتنا حق ہے اس سے زائد دلا دیں سو ان اسباب میں سے اس بے رخی کا کوئی سبب نہیں کیونکہ اگر چہ ان کے دلوں میں کفر اور شک یقیناً تھا

لیکن مقدمہ نہ لانے کا یہ سبب نہیں ہو سکتا اگر یہ سبب ہوتا تو چاہئے تھا کہ جب اپنا حق ہوتا جب بھی مقدمہ نہ لاتے اور ظلم کا خوف بھی جب نہیں ہو سکتا کیونکہ حضور کا عدل و صدق و امانت وغیرہ مخالفین کے نزدیک بھی مسلم تھا۔

بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (۵۰) ع

نہیں بلکہ (اصلی سبب یہ ہے کہ) یہ لوگ بر سر ظلم ہوتے ہیں

تو حضور کے پاس اس حالت میں مقدمہ لانا نہیں چاہتے کہ ہم ہار جائیں گے ہاں جب خود مظلوم ہوں تو مقدمہ لے آتے ہیں تو اس انکار کا اصلی سبب ظالم ہوتا ہے آگے مسلمانوں کا حال اور قول مذکور ہے جس سے منافقین پر بھی طعن ہے کہ دعوے کا مقتضا تو یہ ہے جو مسلمانوں سے ظاہر ہوا ۱۲

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى

مسلمانوں کا قول تو جب کہ ان کو (کسی مقدمہ میں) اللہ کی اور اس کے رسول

اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا

کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ رسول ان کے درمیان میں فیصلہ کر دیں یہ ہے

سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ط

کہ وہ (خوشی خوشی) کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور (اس کو) مان لیا

اور پھر بلانے کے بعد فوراً چلے آتے ہیں حاضری سے انکار نہیں کرتے یہ ہے علامت اس بات کی کہ ان کا ایمان اور اطاعت کا دعویٰ دنیا میں بھی سچا ہے۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۵۱)

اور ایسے لوگ (آخرت میں) فلاح پائیں گے

آگے ایک قاعدہ کلیہ بیان فرماتے ہیں ۱۲

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانے اور اللہ سے ڈرے اور اس کی

وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ (۵۲)

مخالفت سے بچے پس ایسے لوگ بامراد ہوں گے

آگے منافقین کی ایک اور حالت بیان فرماتے ہیں

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَىِٕنْ اَمَرْتَهُمْ

اور وہ لوگ بڑا زور لگا کر قسمیں کھایا کرتے ہیں کہ (واللہ ہم ایسے فرمانبردار ہیں کہ) اگر آپ ان کو (یعنی ہم کو) حکم دیں

کہ گھر بار سب چھوڑ دیا یہ کہ جہاد کے لئے نکلو۔

لَیَخْرُجُنَّ ؕ

تو وہ ابھی نکل کھڑے ہوں

یعنی ہم سب کو چھوڑ چھاڑ دیں یا یہ کہ جہاد کیلئے فوراً نکل کھڑے ہوں۔

قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ

آپ (اُن سے) کہہ دیجئے کہ بس قسمیں نہ کھاؤ (تمہاری) فرمانبرداری

اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾ قُلْ

(کی حقیقت) معلوم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے

اَطِيْعُوا اللّٰهَ

آپ کہیے کہ اللہ کی اطاعت کرو

یعنی باتیں بنانے سے کام نہیں چلتا کام کرو آگے اللہ تعالیٰ اس مضمون کے اہتمام کے لئے خود ان لوگوں کو خطاب فرماتے ہیں کہ رسول کے اس کہنے اور سمجھانے کے بعد بھی نہ مانو تو تم جانو۔

وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ

اور رسول کی اطاعت کرو پھر اگر تم لوگ (اطاعت سے) روگردانی کرو گے تو

مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ

سمجھ رکھو کہ رسول کے ذمہ وہی (تبلیغ) ہے جس کا ان پر بار رکھا گیا ہے

اور وہ تبلیغ پوری کر کے سبکدوش ہو چکے اب اگر نہ مانو گے تو رسول کا کوئی ضرر نہیں۔

مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ

اور تمہارے ذمہ وہ ہے جس کا تم پر بار رکھا گیا ہے

جس کو تم نہیں بجالائے پس تمہارا ہی ضرر ہوگا۔

وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ

اور اگر تم نے ان کی اطاعت کر لی

اور سرکشی نہ کی اور رسول کی اطاعت بعینہ اللہ کی اطاعت ہے۔

وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۵۴﴾

تو راہ پر جا لگو گے اور (بہر حال) رسول کے ذمہ صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے

آگے تم سے سوال ہوگا کہ قبول کیا یا نہیں

ربط: اوپر ہدایت کی پیروی کرنے کی مدح اور گمراہی اور پیروی کی مذمت مذکور تھی آگے ہدایت وگمراہی پر بعضے وعدے اور وعیدیں دنیا و آخرت کے متعلق مذکور ہیں۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

(اے مجموعہ امت) تم میں جو لوگ ایمان لاویں اور نیک عمل کریں ان سے

لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ

اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو (اس اتباع کی برکت سے) زمین میں حکومت

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪

عطا فرمائے گا جیسے ان سے پہلے (اہل ہدایت) لوگوں کو حکومت دی تھی

وعداللّٰه الذين تا لبئس المصير مثلاً بنی اسرائیل کو قبطیوں پر غالب کیا پھر عمالقہ پر غلبہ دیا اور مصر وشام کی حکومت دی آگے اس حکومت دینے کا مقصود بیان کرتے ہیں ۱۲

وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى

اور جس دین کو (اللہ تعالیٰ نے) ان کے لئے پسند کیا ہے (یعنی اسلام) اس کو ان کے (نفع

لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ

آخرت کے) لئے قوت دے گا۔ اور ان کے اس خوف کے بعد اس کو مبدل (بامن کر دے گا

یعنی دشمنوں سے جو ان کو طبعی خوف ہے وہ زائل ہو جائے گا غرض حکومت دینے سے یہ مقصود ہے کہ دین کو غلبہ ہو اور کفر مغلوب ہو۔

يَعْبُدُوْنَنِىْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْـًٔا ؕ

بشرطیکہ میری عبادت کرتے رہیں (اور) میرے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں

نہ ظاہر نہ پوشیدہ جس کو ریا کہتے ہیں غرض یہ وعدہ تمام امت سے اس شرط پر ہے کہ دین میں پختہ رہیں اور اس پر جمے رہیں جس کا ظہور زمانہ نبوی سے شروع ہوا اور خلفائے راشدین کی خلافت تک مستقل طور پر باقی رہا چنانچہ جزیرہ عرب آپ ہی کے زمانہ میں اور دیگر ممالک خلفاء راشدین کے زمانہ میں فتح ہو گئے اور بعد میں بھی وقتاً فوقتاً دوسرے نیک خلفاء اور بادشاہوں کے حق میں اس کا ظہور ہوتا رہا اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ کافروں اور فاسقوں کو سلطنت نہ ملے گی بلکہ مقصود یہ ہے کہ ایسی حکومت جس سے دین کو قوت ہو اور کفر مغلوب ہو اسی وقت عطا ہو گی جب کہ ایمان اور اعمال صالحہ میں پختگی ہو اور ظاہر ہے کہ فاسقوں کی حکومت سے دین کو کامل غلبہ نہیں ہوا کیونکہ ان کے ساتھ خدا کی تائید کم تھی دوسرے فاسق بادشاہوں کے افعال کا رعایا پر بھی خاص اثر پڑتا

ہے جس سے بہت لوگوں میں دینی کمزوری پیدا ہو جاتی ہے اگرچہ تھوڑی بہت دین کی خدمت ان سے بھی ہوئی کیونکہ حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ اس دین کی خدمت فاسقوں سے بھی لے لیتا ہے۔ ان اللہ لیوید ھذا الدین بالرجل الفاجر پس اس آیت سے خلفاء راشدین کی مدح اور ان کی خلافت کا صحیح ہونا ظاہر ہے کیونکہ ان کے وقت میں دین کا غلبہ ہونا اور مسلمانوں کا سب اوصاف میں پختہ ہونا آفتاب کی طرح مشہور ہے اور یہ وعدہ دنیا میں ہے اور آخرت میں ایمان و اعمال صالحہ پر ثواب کا وعدہ ہے وہ جدا ہے۔

وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۵۵﴾

اور جو شخص بعد (ظہور) اس (وعدے) کے ناشکری کرے گا تو یہ لوگ بے حکم ہیں

ان کے واسطے یہ وعدہ نہیں بلکہ وعدہ حکم بجالانے والوں کے لئے ہے غرض کہ ہدایت کی پیروی وہ چیز ہے جس سے دونوں جہاں میں خدا کی معیت نصیب ہوتی ہے اور گمراہی کے اتباع سے دونوں جہان میں خدا سے دوری ہوتی ہے۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا

اور (اے مسلمانو) نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور (باقی احکام میں

الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾

بھی) رسول کی اطاعت کیا کرو تاکہ تم پر (کامل) رحم کیا جاوے

یعنی جب تم کو ایمان و اعمال صالحہ کا ثمرہ معلوم ہو گیا تو احکام کی خوب پابندی کرو آگے کفر و معصیت کا ثمرہ مذکور ہوتا ہے۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي

(اے مخاطب) کافروں کی نسبت یہ خیال مت کرنا کہ زمین میں (بھاگ کر

الْاَرْضِ ۚ

ہم کو) ہرا دیں گے

اور ہمارے قہر سے بچ جائیں گے نہیں بلکہ خود ہی ہار کر مغلوب ہو جائیں گے۔

ربط: اوپر چوتھے رکوع میں کچھ احکام استیذان (یعنی پوچھ کر گھر میں جانے) کے اور پردہ کے متعلق مذکور ہوئے ہیں ان سے یہ باتیں معلوم ہو چکی ہیں اول استیذان اس واسطے ضروری ہے کہ بے پردگی نہ ہو اور کوئی ناگوار حالت کسی کی ظاہر نہ ہو دوم جو لڑکا بلوغ کے قریب نہیں پہنچا وہ محرموں کے حکم میں ہیں تو عورت کو جن اعضاء کا ظاہر کرنا محرم کے سامنے جائز ہے ایسے بچہ کے سامنے بھی جائز ہے سوم عورت کی اپنی باندی اگرچہ کافر ہو وہ بھی محرم کے حکم میں ہے اس سے بھی پردہ نہیں چہارم چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں ستر نہیں ضرورت کے وقت نامحرم کے سامنے بھی ان کا کھولنا جائز ہے چونکہ مختلف اوقات اور اشخاص کے اعتبار سے مختلف صورتیں کچھ اور پیدا ہوتی ہیں اس لئے آگے ان دوسری صورتوں کا بیان ہے۔

وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۵۷﴾ ع يٰٓاَيُّهَا

اور (آخرت میں) ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور بہت ہی برا ٹھکانا ہے اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ

ایمان والو (تمہارے پاس آنے کیلئے) مملوکوں کو اور تم میں جو حد

مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا

بلوغ کو نہیں پہنچے ان کو تین وقتوں میں اجازت لینا چاہئے (ایک تو

الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ۭ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ

نماز صبح سے پہلے (اور) دوسرے جب سونے لیٹنے کے لئے دوپہر کو

الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ

اپنے (بعض) کپڑے اتار دیا کرتے ہو اور (تیسرے) نماز عشاء

وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَاۗءِ ڜ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ۭ

کے بعد یہ تین وقت تمہارے پردہ کے (وقت) ہیں

یایھا الذین امنوا تا سمیع علیم یعنی چونکہ عادتاً یہ اوقات آرام کرنے کے ہیں جن میں اکثر تنہائی مقصود ہوتی ہے اور ان میں اکثر آدمی بے تکلفی سے رہتے ہیں اس لئے اپنے غلام باندیوں اور نابالغ بچوں کو سمجھا دو کہ بے اطلاع و اجازت لینے ان اوقات میں نہ آیا کریں تو پہلے جو بتلایا گیا ہے کہ نابالغ بچوں اور باندیوں سے مسلمان عورتوں کا پردہ نہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر وقت بے تکلف چلے آیا کریں کیونکہ ان اوقات میں بعض دفعہ مرد و عورت بے پردہ ہوتے ہیں یا بے تکلفی کے ساتھ بوس و کنار میں مشغول ہوتے ہیں تو اس وقت بچوں اور باندیوں کا بے پوچھے آنا جائز نہیں کہ اس میں بے پردگی ہوگی یا ایسی بات کا اظہار ہوگا جس کا ظاہر کرنا مناسب نہیں۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ۭ

(اور) ان اوقات کے سوا نہ تم پر کوئی الزام ہے اور نہ (بلا اجازت چلے آنے میں) ان پر کچھ

طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ

الزام ہے (کیونکہ) وہ بکثرت تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں کوئی کسی کے پاس

اس کا مطلب مذہب حنفیہ کے موافق یہ ہے کہ غلام تو مردوں کے پاس آتے رہتے ہیں اور باندیاں اور بچے مردوں اور عورتوں سب کے پاس آتے رہتے ہیں اور غلام عورتوں کے پاس بکثرت نہیں آسکتے کیونکہ غلام نامحرم مرد کے حکم میں ہے غرض کہ غلام اور باندیوں تو کاروبار خدمت وغیرہ کے لئے اور بچے طبعی طور پر چونکہ بکثرت آتے رہتے ہیں اور یہ وقت پردہ کے نہیں اس لئے ان میں ستر چھپائے رکھنا کچھ مشکل نہیں پس انکا بے اجازت آنا درست ہے کیونکہ ہر وقت اجازت لینے میں دقت ہے اور ان تین وقتوں کی تخصیص باعتبار عادت کے ہے اگر ان کے ماسوا میں بھی کوئی مانع پیش آجائے تو اجازت لینا واجب ہے۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ

اور کوئی کسی کے پاس اسی طرح (جیسا کہ یہ حکم صاف صاف بیان کردیا) اللہ تعالیٰ تم سے (اپنے) احکام صاف صاف بیان کرتا ہے اور اللہ جاننے والا

عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾

حکمت والا ہے

پس سب مصالح اور حکمتوں پر اس کی نظر ہے اور احکام میں ان کی رعایت فرماتا ہے۔

وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ

اور جس وقت تم میں کے وہ لڑکے (جن کا اوپر حکم آیا ہے) حد بلوغ کو پہنچیں

یعنی بالغ ہوجائیں یا بلوغ کے قریب پہنچ جائیں۔

فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ

تو ان کو بھی اسی طرح اجازت لینا چاہئے جیسا کہ ان سے

مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ

اگلے لوگ اجازت لیتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے اپنے

لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۹﴾

احکام صاف صاف بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے

اس کو مکرر اس لئے لایا گیا کہ قانون استیذ ان کی مصلحتیں نہایت واضح اور اس کے احکام نہایت قابل رعایت ہیں تکریر سے اہتمام ظاہر ہوگیا۔

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ

اور بڑی بوڑھی عورتیں جن کو (کسی کے) نکاح (میں آنے) کی کچھ امید نہ

نِكَاحًا

رہی ہو

یعنی بالکل رغبت کے قابل نہیں رہیں بڑی بوڑھی ہونے کا یہ مطلب ہے۔

فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ

ان کو (البتہ) اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے (زائد) کپڑے

ثِيَابَهُنَّ

اتار رکھیں

جیسے چہرہ وغیرہ چھپا رہتا ہے پس اوپر جو یہ بتلایا گیا ہے کہ چہرہ اور ہتھیلیاں ستر نہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ عورتیں کھلی مہار اپنی صورت غیر مردوں کو دکھاتی پھرا کرتی کیونکہ فتنہ کے احتمال سے ان کا چھپانا بھی واجب ہوجاتا ہے البتہ جہاں فتنہ کا احتمال نہ ہو جیسے بڑی بوڑھی عورت تو اس کو منہ ہاتھ کھولنا نامحرموں کے سامنے مضائقہ نہیں۔

غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۢ بِزِيْنَةٍ ؕ

بشرطیکہ زینت (کے مواقع) کا اظہار نہ کریں

جن کا ظاہر کرنا نامحرم کے سامنے بالکل ہی جائز نہیں اور ان مواقع کا بیان چوتھے رکوع میں گزر چکا ہے اور جوان عورت کو بوجہ احتمال فتنہ وغیرہ کے چہرہ کا پردہ بھی واجب ہے جیسا کہ سورہ احزاب میں یدنین علیھن من جلابیبھن کی تفسیر عبیدہ سلیمانی سے درمنثور میں منقول ہے کہ چادر میں سر کے ساتھ چہرہ کو بھی چھپالے اور ایک آنکھ کھلی رہنے دے۔

وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ

اور (ہرچند کہ بڑھیوں کو منہ کھولنے کی اجازت ہے لیکن اگر) اس سے بھی احتیاط رکھیں تو ان کے لئے اور زیادہ بہتر ہے

کیونکہ اول تو بعض گندی طبیعتیں ایسی بھی ہیں جن کو بوڑھیوں کی طرف بھی رغبت ہوتی ہے دوسرے بے پردگی کا پورا انسداد ہی مناسب ہے۔

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۶۰﴾

اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا ہے سب کچھ جانتا ہے

یعنی یہ تو پردہ کا انتظام ہے اب اگر نامحرم مرد و عورت باہم بات چیت کریں یا دلی تعلق رکھیں تو حق تعالیٰ سب سے واقف ہے اگر ناجائز طریق سے ہوگا گناہ ہوگا۔

ربط: اوپر استیذان کا بیان تھا جو گھروں میں جانے سے پہلے مقرر ہے۔ آگے بعض ان باتوں کا ذکر ہے جن کی گھروں میں جانے کے بعد اجازت ہے یا حکم ہے مثلاً گھر والوں کو سلام کرنا یا دوسرے کے گھر کھانا پینا اور شان نزول یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے مدینہ والوں میں اہل عرب کی عادت کے موافق کھانے پینے میں بہت بے تکلفی تھی کہ میں نے تمہارے گھر کھا لیا تم نے میرے گھر کھا لیا بلکہ کبھی کسی غریب محتاج کو بھی ساتھ لے جاتے اور اپنے کسی عزیز یا دوست کے گھر اسے کھانا کھلا دیتے اور یہ بے تکلفی بہت بڑھ گئی تھی جس سے کبھی ظلم اور زیادتی کرنے کی نوبت آ جاتی اس افراط سے روکنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی **لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل** کہ آپس میں ناحق کسی کا مال نہ کھایا کرو اس سے صحابہ بہت ڈر گئے اور بہت ہی احتیاط کرنے لگے کہ جہاں یقینی رضامندی بھی معلوم ہوتی وہاں بھی احتیاط کرتے اور کسی کے گھر نہ کھاتے اسی طرح معذور آدمی اندھے لنگڑے محتاج وغیرہ ایسے موقعوں پر جانے سے پرہیز کرنے لگے کہ پرائے گھر لے جا کر کھلانے کا اس شخص کا کیا حق ہے اسی طرح اگر کھانا مشترک ہوتا خصوصاً اگر اس میں معذور لوگوں کا حق ہوتا اس کو سب کے ساتھ کھانے میں اس لئے پرہیز کرنے لگے کہ نامعلوم کون زیادہ کھائے کون کم کھائے تو ایسا نہ ہو کہ ہم اپنے حق سے زیادہ کھالیں چونکہ اس درجہ احتیاط بھی تکلیف کا سبب تھی اس لئے آئندہ آیت میں اس تنگی کو دور فرماتے ہیں۔ اور بعض دفعہ معذور آدمی تندرستوں کے ساتھ اس لئے نہ کھاتے کہ شاید یہ ہم سے نفرت کریں گے ان آیتوں میں اس کا بھی جواب ہوگیا۔

لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ وَّلَا عَلَی
نہ تو اندھے آدمی کے لئے کچھ مضائقہ ہے اور نہ لنگڑے آدمی کے لئے کچھ
الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْمَرِیْضِ
مضائقہ ہے اور نہ بیمار کے لئے کچھ مضائقہ ہے اور نہ خود تمہارے لئے اس
حَرَجٌ وَّلَا عَلٰۤی اَنْفُسِکُمْ اَنْ تَاْکُلُوْا مِنْۢ
بات میں (کچھ مضائقہ ہے) کہ تم اپنے گھروں سے (جن میں بی بی اور
بُیُوْتِکُمْ
اولاد کے گھر بھی آ گئے) کھانا کھالو

لیس علی الاعمی تا تعقلون یعنی نہ تم کو خود کھانے میں گناہ ہے اور نہ معذوروں کو کھلانے میں اسی طرح ان معذوروں کو بھی تمہارے کھانے سے کھا لینے میں گناہ نہیں جب کہ اس عزیز یا ملاقاتی کی رضامندی یقینی طور پر معلوم ہو جس کے گھر لے جا کر تم ان کو کھلاتے پلاتے ہو۔

اَوْ بُیُوْتِ اٰبَآئِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ اُمَّهٰتِکُمْ
یا اپنے باپ کے گھر سے یا اپنی ماؤں کے گھر سے
اَوْ بُیُوْتِ اِخْوَانِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَخَوٰتِکُمْ
یا اپنے بھائیوں کے گھر سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے
اَوْ بُیُوْتِ اَعْمَامِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ
یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں
عَمّٰتِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَخْوَالِکُمْ اَوْ
کے گھروں سے یا اپنے ماموں کے گھروں سے
بُیُوْتِ خٰلٰتِکُمْ اَوْ مَا مَلَکْتُمْ مَّفَاتِحَهٗۤ
یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی کنجیاں تمہارے اختیار میں ہیں
اَوْ صَدِیْقِکُمْ ؕ لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ
یا اپنے دوستوں کے گھروں سے (پھر اس میں بھی) تم پر کچھ گناہ نہیں
تَاْکُلُوْا جَمِیْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ
کہ سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ (کھاؤ)

یعنی ایسے ضعیف وسوسوں پر شریعت نظر نہیں کرتی کہ شاید میں زیادہ کھاؤں تو پرایا حق کھا لیا اور دوسرا کھائے تو اس کا حق رہ گیا میل جول میں ایسی باریک باتوں کی تکلیف نہیں البتہ اگر کسی کے کھانے پر گھر والے کی رضامندی نہ زبان سے معلوم ہو نہ قرائن سے اس وقت جائز نہیں اسی طرح ساتھ کھانے میں اگر شریک راضی نہ ہو تو اس کی تقسیم ضروری ہے اور اگر شریک یتیم نابالغ ہے وہاں بدوں رضامندی کے بھی ساتھ کھانا جائز ہے بشرطیکہ اس کی مصالح کی رعایت کی جائے کیونکہ نابالغ کی رضامندی اور ناراضی معتبر نہیں اور چونکہ اس حکم کا مدار رضامندی پر ہے اس لئے نہ ان موقعوں پر ہمیشہ اجازت ہے نہ دوسرے موقعوں میں ہمیشہ ممانعت ہے ناگواری کے وقت ان موقعوں پر بھی ممانعت ہے اور رضامندی کے وقت دوسرے موقعوں میں بھی اجازت ہے ان موقعوں کو خصوصیت سے اس لئے بیان کیا گیا کہ ان میں عادۃً اکثر رضامندی ہوتی ہے خاص کر عرب میں کہ وہاں ہندوستان کی طرح بخل نہیں

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا

پھر (یہ بھی معلوم رکھو کہ) جب تم اپنے گھروں میں جانے لگا کرو تو اپنے لوگوں کو

یعنی وہاں جو مسلمان ہوں ان کو

ربط: اوپر بہت سے احکام مذکور ہوئے ہیں آگے ایک خاص حکم اس وقت کے مناسب ایسا ارشاد فرماتے ہیں۔

فَسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ

سلام کرلیا کرو (جوکہ) دعا کے طور پر (ہے اور) جو خدا کی طرف سے مقرر

عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ۭ كَذٰلِكَ

ہے (اور) برکت والی عمدہ چیز ہے (خدا تعالیٰ نے جس طرح احکام بتلائے)

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ

اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے (اپنے) احکام بیان فرماتا ہے تاکہ تم سمجھو

تَعْقِلُوْنَ ﴿٦١﴾ ع اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ

(اور عمل کرو) بس مسلمان تو وہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر

اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ

ایمان رکھتے ہیں

اس مضمون کا حاصل یہ ہے کہ اجازت لینا بدوں ایمان کے نہیں پایا جاتا۔

وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓي اَمْرٍ جَامِعٍ

اور جب رسول کے پاس کسی ایسے کام پر ہوتے ہیں جس کے لئے مجمع کیا گیا ہے (اور اتفاقاً وہاں سے جانے کی ضرورت پڑتی ہے) (تو جب تک آپ

لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ

سے اجازت نہ لیں نہیں جاتے (اے پیغمبرؐ) جو لوگ (ایسے مواقع پر) آپ سے

يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ

اجازت لیتے ہیں بس وہی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں

بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ

تو جب یہ (اہل ایمان) لوگ (ایسے مواقع پر) اپنے کسی (ضروری) کام

لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ

کے لئے آپ سے (جانے کی) اجازت طلب کریں تو ان میں سے آپ

مِنْهُمْ

جس کے لئے چاہیں اجازت دے دیا کریں

اور جس کو مناسب نہ سمجھیں نہ اجازت دیں۔

وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ۭ

اور اجازت دے کر بھی) آپ ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کیجئے

کیونکہ اجازت لینا نقص کے شائبہ سے خالی نہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٦٢﴾

بلاشبہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے

کہ بوجہ حسن نیت کے مواخذہ نہ فرمایا۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَاۗءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاۗءِ

تم لوگ رسول کے بلانے کو ایسا معمولی بلانا مت سمجھو جیسا تم میں ایک

بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۭ

دوسرے کو بلا لیتا ہے

جب وہ کسی اسلامی ضرورت سے تم کو جمع کریں ۱۲ خواہ آیا یا نہ آیا

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو (خوب) جانتا ہے جو (دوسرے کی) آڑ میں ہو کر تم

لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ

میں سے (مجلس نبویؐ سے) کھسک جاتے ہیں سو جو لوگ اللہ کے حکم کی (جو کہ بواسطہ رسول پہنچا ہے) مخالفت کرتے ہیں

جس میں یہ حکم بھی داخل ہے کہ مجلس رسول سے اجازت لے کر جانا چاہئے اور اس آیت کی بعضوں نے یہ تفسیر کی ہے کہ حضور کا نام لے کر نہ پکارا کرو بلکہ یا رسول اللہ یا نبی اللہ کہا کرو تو چونکہ اجازت مانگنے میں خطاب کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے استیذان کے ساتھ خطاب کا ادب بھی بتلا دیا مگر اول تفسیر چونکہ مقام کے زیادہ مناسب تھی اس لئے بندہ نے اسی کو اختیار کیا۔

اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ

ان کو اس سے ڈرنا چاہئے کہ ان پر (دنیا میں) کوئی آفت (نہ) آن پڑے یا

أَلِيمٌ (۶۳)

ان پر (آخرت میں) کوئی دردناک عذاب نازل (نہ) ہو جائے

یعنی ممکن ہے کہ دونوں جہان میں سزا ہو کیونکہ حکم کی مخالفت ناراضی کا سبب ہے اور خدا سے وہ پوشیدہ بھی نہیں۔

أَلَآ إِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ط

(اور یہ بھی) یاد رکھو کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں (موجود) ہے سب خدا ہی کا ہے

تو خدا کو اختیار بھی پورا ہے غرض محکوم کی طرف سے اس حال میں مخالفت سرزد ہونا کہ حاکم کا علم اور اس کی قدرت کامل ہو بیشک اندیشہ کی بات ہے۔

قَدْ يَعْلَمُ مَآ أَنْتُمْ عَلَيْهِ ط

اللہ تعالیٰ اس حالت کو بھی جانتا ہے جس پر تم (اب) ہو

اس سے تو یہ احتمال ہے کہ شاید دنیا ہی میں تم کو سزا دے دے۔

وَيَوْمَ يُرْجَعُونَ إِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا ط

اور اللہ تعالیٰ اس دن کو بھی (جانتا ہے) جس میں سب اس کے پاس دوبارہ زندہ کر کے) لائے جائیں گے پھر وہ ان کو سب جتلا دے گا جو کچھ انہوں نے کیا تھا

پس آخرت میں سزا دینا بھی کچھ بعید نہیں غرض جب دونوں جہان کے ساتھ اس کا علم متعلق ہے تو دونوں جگہ سزا کا احتمال ہے۔

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (۶۴)

اور اللہ تعالیٰ (تو) سب کچھ جانتا ہے

تمہاری اس وقت کی اور آئندہ کی حالت ہی کی کیا تخصیص ہے

سورة فرقان مكية و ايها سبع و سبعون كذافي البيضاوی

ربط: سورہ سابقہ کے ختم پر رسولؐ کے حقوق کا ذکر تھا اور اس کے شروع میں رسالت کا اثبات ہے پس دونوں کے ختم اور شروع میں مناسبت ظاہر ہے بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ حصہ سورۃ کا رسالت ہی کی بحث میں ہے۔

(۲۵) سُورَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ (۴۲)

سورۂ فرقان مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی ستر آیتیں اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان بڑے رحم والے ہیں

تَبٰرَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهِ لِيَكُونَ

بڑی عالیشان ذات ہے جس نے یہ فیصلہ کی کتاب (یعنی قرآن) اپنے بندۂ خاص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل فرمائی تا کہ وہ (بندہ) تمام دنیا جہان

لِلْعٰلَمِينَ نَذِيرًا (۱)

والوں کے لئے ڈرانے والا ہو

بسم الله الرحمن الرحيم تبرك الذى تا نشورا یعنی انسان اور جن سب کو ایمان نہ لانے کی صورت میں عذاب الٰہی سے ڈراویں۔

الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَلَمْ

ایسی ذات جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی حکومت حاصل ہے اور اس نے کسی کو

يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ

(اپنی) اولاد قرار نہیں دیا اور نہ کوئی اس کا شریک ہے حکومت میں اور اس نے

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا (۲)

(ممکنات میں سے) ہر (موجود) چیز کو پیدا کیا پھر سب کا الگ الگ اندازہ رکھا

کہ کسی چیز کی خاصیتیں اور آثار کچھ ہیں اور کسی کے کچھ ہیں۔

وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ آلِهَةً لَا يَخْلُقُونَ

اور (باوجود حق تعالیٰ کے ایسے یکتا ہونے کے) ان مشرکین نے (خدا کی

شَيْئًا

توحید) کو چھوڑ کر اور ایسے معبود قرار دیئے جو کسی چیز کے خالق نہیں

تو وہ معبود ہونے کے بھی قابل نہیں ۱۲

وَهُمْ يُخْلَقُونَ وَلَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ

اور (بلکہ) وہ خود مخلوق ہیں اور خود اپنے لئے نہ کسی نقصان (کے رفع کرنے)

ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا

کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ کسی نفع (کے حاصل کرنے) کا اور نہ کسی کے مرنے

وَلَا حَيٰوةً

کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ کسی کے جینے کا

یعنی نہ کسی جاندار کی جان نکال سکیں نہ کسی بے جان میں جان ڈال سکیں۔

وَّلَا نُشُوْرًا ﴿۳﴾

اور نہ کسی کو (قیامت میں) دوبارہ جلانے کا

اور معبود ہونے کے لئے ان تصرفات پر مستقل طور سے قادر ہونا لازم ہے جب ان میں یہ باتیں نہیں تو وہ معبود بننے کے بھی قابل نہیں۔

ربط: اوپر توحید و رسالت کو ثابت کر کے توحید کے انکار پر ملامت کی تھی آگے رسالت کے انکار کی قباحت اور اس پر کفار کو جو اعتراضات و شبہات ہیں ان کا جواب ہے اور ہر اعتراض کے بعد اس کا جواب ہے اور یہ مضمون سوال و جواب کا چار رکوع تک چلا گیا ہے اور درمیان درمیان میں مناسب مقام پر دوسرے مضامین ہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ

اور کافر (یعنی مشرک) لوگ (قرآن کے بارے میں) یوں کہتے ہیں کہ یہ تو

اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ

کچھ بھی نہیں نرا جھوٹ ہے جس کو ایک شخص (یعنی پیغمبر) نے گھڑ لیا ہے اور

اٰخَرُوْنَ ۚ

دوسرے لوگوں نے اس (گھڑت) میں اس کی امداد کی ہے

وقال الذین تا رجلا مسحورا مراد اس سے وہ اہل کتاب ہیں جو مسلمان ہوگئے تھے یا آپ کی خدمت میں ویسے ہی حاضر ہوا کرتے تھے۔

فَقَدْ جَاۗءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۚ ﴿۴﴾

سو یہ لوگ بڑے ظلم اور جھوٹ کے مرتکب ہوئے

چنانچہ اس کا ظلم اور جھوٹ ہونا دلیل کے ساتھ عنقریب آتا ہے۔

وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا

اور یہ (کافر) لوگ یوں کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) بے سند باتیں ہیں جو اگلوں سے منقول ہوتی چلی آئی ہیں جن کو اس شخص (یعنی پیغمبر) نے لکھوا لیا ہے

یعنی سوچ سوچ کر عمدہ عبارت میں اپنے اپنے صحابہ سے لکھوا لیا ہے تاکہ منضبط رہے۔

فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۵﴾

پھر وہی (باتیں) اس کو صبح و شام پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں

تاکہ یاد رہیں پھر ان ہی کو یاد کر کے مجمع میں بیان کر کے خدا کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ

آپ (اس کے جواب میں) کہہ دیجئے کہ اس (قرآن) کو اس ذات نے اتارا

وَالْاَرْضِ ۭ

ہے جس کو چھپی باتوں کی خواہ وہ آسمانوں میں ہوں یا زمین میں ہوں خبر ہے

اور چونکہ اس کا علم ایسا کامل ہے تو اس نے کلام میں تمام خوبیوں کی پوری رعایت کر کے دوسرے کے کلاموں سے اس کو ممتاز کر دیا ہے کیونکہ کسی دوسرے کا علم ایسا نہیں ہے تو وہ اپنے کلام میں اس قدر خوبیوں کی رعایت بھی نہیں کر سکتا پس یہ قرآن معجزہ ہے جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا اور کسی دوسرے کا کلام معجزہ نہیں ہو سکتا اگر یہ کلام خود پیغمبر کا بنایا ہوا یا کسی دوسرے کا لکھا ہوا ہوتا تو معجزہ کیسے ہو جاتا اور سارا عالم اس کے مقابلہ سے عاجز کیوں ہو جاتا پس قرآن کا اعجاز اس کی دلیل ہے کہ اس کو بے سند باتیں کہنا غلط ہے اور اسی سے ثابت ہو گیا کہ یہ لوگ بڑے ظلم اور جھوٹ کے مرتکب ہوئے ہیں یہ دو اعتراض تو قرآن پر تھے جس کا جواب تفصیل سے ہو گیا۔

اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۶﴾

واقعی اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے

یعنی ان کفریات پر ان کو فوراً سزا ہو جاتی مگر اللہ غفور الرحیم ہے اس لئے جب فوراً سزا دینے میں کوئی خاص حکمت نہ ہو فوراً مواخذہ نہیں کرتا پس یہ مغفرت و رحمت خاص وقت تک ہے پھر مہلت کی مدت ختم ہونے کے بعد عذاب واقع ہوگا آگے ان اعتراضات کا بیان ہے جو رسول پر کرتے تھے۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ

اور یہ (کافر) لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یوں کہتے ہیں کہ اس

الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ

رسول کو کیا ہوا کہ وہ (ہماری طرح) کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے

یعنی ہماری طرح آدمی ہے جو کھانے کا بھی محتاج ہے اور معاش کی فکر کا بھی مطلب یہ کہ رسول فرشتہ ہونا چاہیے یا اگر فرشتہ نہ ہو تو کم از کم فرشتہ اس کے ساتھ تو رہے۔

لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ

اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا کہ وہ اس کے ساتھ رہ کر

نَذِيْرًا ۙ﴿۷﴾ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ

ڈراتا یا اس کے پاس (غیب سے) کوئی خزانہ آپڑتا

یعنی اگر فرشتہ بھی ساتھ رہے تو کم از کم معاش کے اہتمام سے تو ان کو بے فکری ہوتی۔

اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ط

یا اس کے پاس کوئی (غیبی) باغ ہوتا جس سے یہ کھایا کرتا

تاکہ معمولی کھانے اور بازار میں چلنے پھرنے کی ضرورت نہ ہوتی اور اس آیت سے بازار میں چلنا پھرنا بلا کراہت جائز معلوم ہوتا ہے اور حدیثوں سے جو کراہت مفہوم ہوتی ہے وہاں بلا ضرورت جانا مراد ہے بلکہ اگر بازار میں نہ جانا تکبر کی وجہ سے ہو تو نہ جانا برا اور جانا اچھا ہوگا ۱۲

وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا

اور (ایمانداروں سے) یہ ظالم یوں (بھی) کہتے ہیں کہ تم لوگ ایک مسلوب

مَّسْحُوْرًا ﴿۸﴾

العقل آدمی کی راہ پر چل رہے ہو

یعنی جب ان کے پاس کوئی عجیب بات لائق امتیاز نہیں ہے جو نبوت کے واسطے لازم ہے اور یہ پھر بھی نبوت کے مدعی ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ان کی عقل میں فتور ہے تو رسول پر انہوں نے دو اعتراض کئے ایک کھانا پینا' بازاروں میں چلنا' دوسرے عقل میں فتور ہونا آگے دونوں کا جواب ہے۔

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) دیکھئے تو یہ لوگ آپ کے لئے کیسی عجیب عجیب باتیں بیان

فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۹﴾ ع

کر رہے ہیں سو (ان خرافات سے) وہ (بالکل) گمراہ ہو گئے پھر وہ راہ نہیں پا سکتے

چونکہ دوسرے اعتراض کا باطل ہونا بالکل ظاہر تھا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے زیادہ عاقل ہونا مشاہد تھا اس لئے اس کا جواب تو اس آیۃ میں تفصیل کے ساتھ ہو گیا کہ رسالت کے لئے ان باتوں کا لازم ہونا خود عجیب بات ہے پھر ان کے نہ ہونے سے اعتراض کرنا یہ اس سے بڑھ کر عجیب ہے اور پہلے اعتراض کا جواب اس آیۃ میں اجمالی طور پر دیدیا کہ جب ان باتوں کا رسالت کیلئے لازم ہونا خود عجیب ہے تو ان کو لازم سمجھنا پوری گمراہی ہے کیونکہ نبوت کے لئے کسی ایک معجزہ کا ہونا کافی ہے خاص معجزہ کا ہونا ضروری نہیں یہ تو اجمالی جواب ہے اور تفصیلی جواب آگے آتا ہے اور بل کذبوا بالساعۃ میں اس اعتراض کا منشاء بیان کیا گیا ہے پھر قیامت کی مناسبت سے کئی آیتوں تک اس کے واقعات کا ذکر ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا

وہ ذات بڑی عالیشان ہے کہ اگر وہ چاہے تو آپ کو (کفار کی) اس (فرمائش)

مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

سے (بھی) اچھی چیز دے دے یعنی بہت سے (غیبی) باغات جن کے

الْاَنْهٰرُ لا

نیچے سے نہریں بہتی ہوں

تبرک الذی تا عذاباً کبیرا بہتر اس لئے کہا کہ وہ تو صرف باغ کی فرمائش کرتے تھے گویا ایک ہی ہو اور چند باغوں کا ایک سے بہتر ہونا ظاہر ہے۔

وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ﴿۱۰﴾

اور آپ کو بہت سے محل دے دے

یعنی ان باغوں کے ساتھ اور بھی مناسب چیزیں دیدے جن کی کفار نے فرمائش بھی نہیں کی خلاصہ یہ کہ جو چیزیں جنت میں ملیں گی اگر اللہ چاہے تو آپ کو دنیا ہی میں دیدے بعض حکمتوں سے نہیں چاہا اور نہ کچھ ضرورت تھی اس لئے شبہ محض بیہودہ ہے اور ان باغوں سے غیبی باغات مراد ہونا قتادہ کے قول سے اس کی تائید ہوتی ہے جو درمنثور میں ہے اور چونکہ یہ معجزہ بشریت کے منافی نہیں اور جو معجزات بشریت کے منافی نہ ہوں وہ انبیاء کے ہاتھ سے ظاہر ہو سکتے ہیں تو سرسری نظر سے اس شبہ کی گنجائش ہو سکتی تھی کہ کفار کی فرمائش کیوں نہ پوری کر دی گئی اس لئے پہلے اس کا جواب دیا اور کھانے پینے اور بازار میں چلنے سے جو اعتراض تھا اس کا منشا یہ تھا کہ رسول فرشتہ کیوں نہ ہوا اور فرشتہ ہونا بشریت کے منافی ہے اور بشریت کے خلاف معجزے انبیاء سے ظاہر نہیں ہوا کرتے تو اس شبہ کی سرسری نظر میں بھی گنجائش نہ تھی اس لئے جواب کو پیچھے بیان کیا جو عنقریب آتا ہے آگے بتلاتے ہیں کہ کفار کے ان شبہات کا سبب یہ نہیں کہ ان کو حق کی طلب اور فکر ہے اور تحقیق سے پہلے ایسے شبہات پیش آگئے۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ قف

بلکہ یہ لوگ قیامت کو جھوٹ سمجھ رہے ہیں

یعنی ان اعتراضات کی وجہ محض شرارت اور طلب حق سے بے فکری ہے اور بے فکری کا سبب یہ ہے کہ ان کو انجام کی خبر نہیں جو جی میں آتا ہے کر لیتے ہیں بک دیتے ہیں۔

وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ

اور (انجام اس کا یہ ہوگا کہ) ہم نے ایسے شخص کے لئے جو کہ قیامت کو

سَعِيْرًا ﴿١١﴾

جھوٹے سمجھے دوزخ تیار کر رکھی ہے

کیونکہ قیامت کے انکار سے اللہ و رسول کی تکذیب لازم آتی ہے جو کہ دوزخ میں جانے کا اصلی سبب ہے۔

اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا

وہ ان کو دور سے دیکھے گی تو وہ لوگ (دور ہی سے) اس کا

تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ﴿١٢﴾

جوش و خروش سنیں گے

اس آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ دیکھے گی اور دوسری آیات و احادیث سے بھی جہنم کے لئے شعور و ادراک ہونا معلوم ہوتا ہے چنانچہ ارشاد ہے وتقول هل من مزيد دوزخ کہے گی کہ کچھ اور بھی ہے اور حدیث بخاری میں ہے کہ دوزخ نے اپنی گرمی کی حق تعالیٰ سے شکایت کی اور روح میں طبرانی سے مرفوعاً روایت نقل کی ہے صحابہ نے حضورؐ سے پوچھا کہ جہنم کے آنکھ بھی ہے آپ نے فرمایا کہ ہاں ہے کیا تم نے یہ آیت نہیں سنی اذا راتهم من مكان بعيد تو کیا بدوں آنکھ ہی کے دیکھ لے گی۔

وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ

اور (پھر) جب وہ اس (دوزخ) کی کسی تنگ جگہ میں ہاتھ پاؤں جکڑ کر ڈال

دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿١٣﴾

دیئے جاویں گے تو وہاں موت ہی موت پکاریں گے

جیسا کہ مصیبت میں عادۃً موت کو بلاتے اور اس کی تمنا کیا کرتے ہیں اور اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ جہنم تنگ ہو جائے گی کیونکہ احادیث سے اس کا بے انتہا وسیع ہونا معلوم ہوتا ہے بلکہ جس طرح جیل خانہ بڑا ہوتا ہے اور ہر قیدی کے واسطے الگ الگ کوٹھڑی تنگ ہوتی ہے اسی طرح جہنم بے انتہا بڑی ہے مگر ہر طرح جہنمی کے رہنے کی خاص جگہ بہت تنگ ہوگی۔

لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا

آج ایک موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی

ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ﴿١٤﴾

موتوں کو پکارو

کیونکہ موت کو مصیبت کی وجہ سے پکارتے ہیں تو جتنی مصیبتیں ہیں اتنی ہی موتوں کو پکارنا چاہئے اور وہاں کی مصیبتیں بے انتہا ہیں تو بے انتہا موتوں کو پکارو۔

قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ

آپ (ان کو یہ مصیبت سنا کر) کہئے کہ (یہ بتلاؤ کہ) کیا یہ (مصیبت کی) حالت اچھی ہے یا وہ ہمیشہ کے رہنے کی جنت (اچھی ہے) جس کا خدا سے

الْمُتَّقُوْنَ ۭ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّمَصِيْرًا ﴿١٥﴾

ڈرنے والوں سے وعدہ کیا گیا ہے کہ وہ ان (کی اطاعت) کا صلہ ہے اور ان کا (آخری ٹھکانا (اور) ان کو وہاں وہ سب چیزیں ملیں گی جو کچھ وہ چاہیں

لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ۭ

گے (اور) وہ (اس میں) ہمیشہ رہیں گے (اے پیغمبر) یہ ایک وعدہ ہے جو

كَانَ عَلٰي رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ﴿١٦﴾

آپ کے رب کے ذمہ ہے اور قابل درخواست ہے

اور ظاہر ہے جنت ہی بہتر ہے پس اس میں دھمکی کے بعد ایمان کی ترغیب ہے ١٢

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ

اور جس روز اللہ تعالیٰ ان (کافر) لوگوں کو اور جن کو وہ لوگ خدا کے

دُوْنِ اللّٰهِ

سوا پوجتے تھے

اور انہوں نے ان کو گمراہ نہیں کیا تھا پس یا تو صرف بت مراد ہیں یا ملائکہ وغیرہ بھی۔

فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ

ان (سب) کو جمع کرے گا پھر ان معبودین سے) فرماوے گا کیا تم نے میرے

هٰٓؤُلَاۗءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ﴿١٧﴾

ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ (خود ہی) راہ (حق) سے گمراہ ہو گئے تھے

مطلب یہ کہ انہوں نے تمہاری عبادت جو کہ حقیقت میں گمراہی ہے تمہاری خوشی اور تمہارے کہنے سے کی ہے جیسا کہ ان کو گمان تھا کہ یہ معبود ہم سے خوش ہوتے ہیں اور خوش ہو کر اللہ سے شفاعت کریں گے یا خود اپنی رائے سے یہ تجویز نکالی۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ

وہ (معبودین) عرض کریں گے کہ معاذ اللہ ہماری کیا مجال تھی کہ

نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ

ہم آپ کے سوا اور کارسازوں کو تجویز کریں

خواہ وہ کارساز ہم ہوں یا ہمارے سوا اور کوئی ہو مطلب یہ کہ ہم تو عبادت صرف آپ کا حق سمجھتے ہیں تو ان کو شرک کا حکم کیوں کرتے اور اس سے راضی کیسے ہوتے۔

وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا

ولیکن آپ نے (تو) ان کو اور ان کے بڑوں کو (خوب) آسودگی دی یہاں

الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًاۢ بُوْرًا ﴿۱۸﴾

تک کہ وہ (آپ کی) یاد کو بھلا بیٹھے اور یہ لوگ خود ہی برباد ہوئے

اور برباد بھی ایسے نامعقول طور پر ہوئے کہ جو باتیں شکر کا سبب تھیں ان کو ناشکری کا سبب بنایا راحت پانے کا مقتضا یہ تھا کہ محسن کی معرفت اور اس کی اطاعت بجالاتے مگر یہ لوگ شہوات ولذات میں منہمک ہو کر خود تباہ ہوئے۔

فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ

(اس وقت اللہ تعالیٰ ان عابدین کو برملا جواب کرنے کے لئے فرماوے گا کہ) لو تمہارے ان معبودوں نے تو تم کو تمہاری باتوں میں جھوٹا ٹھہرا دیا

اور انہوں نے بھی تمہارا ساتھ نہ دیا اور جرم پوری طرح ثابت ہو گیا۔

فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ

سو (اب) تم نہ تو خود (عذاب کو) ٹال سکتے ہو اور نہ (کسی دوسرے کی طرف سے) مدد دیئے جا سکتے ہو

حتیٰ کہ جن پر پورا بھروسہ تھا وہ بھی صاف جواب دے رہے ہیں اور تمہاری کھلی مخالفت کر رہے ہیں۔

وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا

اور جو (جو) تم میں ظالم (یعنی مشرک) ہوگا ہم اس کو بڑا عذاب

كَبِيْرًا ﴿۱۹﴾

چکھائیں گے

گو اس وقت سارے مخاطب مشرک ہی ہوں گے اور وہ سب ہی ظلم ڈھانے والے ہیں مگر اس عنوان سے فرمانے کی یہ وجہ ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ اس عذاب کا سبب شرک ہے جو کہ بہت بڑا ظلم ہے۔

ربط: آگے کھانے پینے اور بازار میں چلنے کے متعلق جو ان کا اعتراض تھا اس کا تفصیلی جواب ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ

اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے سب

اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ

کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی

فِي الْاَسْوَاقِ ۭ

چلتے پھرتے تھے

مطلب یہ کہ کھانا کھانے اور نبی ہونے میں کوئی منافات نہیں چنانچہ جن انبیاء کی نبوت دلائل سے ثابت ہے گو اعتراض کرنے والے نہ مانیں وہ سب ایسے ہی ہوتے تھے پس آپ پر بھی یہ اعتراض غلط ہے آگے حضور اور مسلمانوں کو تسلی ہے۔

وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ

اور ہم نے (تم میں) ایک کو دوسرے کے لئے آزمائش بنایا ہے

پس اسی عادت کے موافق انبیاء کی ایسی حالت بنائی جس سے امت کی آزمائش ہو کہ کون ان کے انسانی حالات پر نظر کر کے جھٹلاتا ہے اور کون نبوت کے کمالات پر نظر کر کے تصدیق کرتا ہے پس کفار کی ایسی بے ہودہ باتوں سے غمگین نہ ہونا چاہئے۔

اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴿۲۰﴾ ع

کیا صبر کرو گے (یعنی صبر کرنا چاہئے) اور آپ کا رب خوب دیکھ رہا ہے

پس وقت مقررہ پر ان کو سزا ضرور دے گا پھر آپ کیوں غم میں پڑیں ۱۲

الحمد للہ اٹھارویں پارہ کی تفسیر ختم ہوئی

ربط: اوپر کفار کے بعض اعتراضات رسالت کے متعلق مذکور تھے ایک اعتراض ان کا یہ تھا کہ ہم سے فرشتے یا خود حق تعالیٰ کھلم کھلا فرمادیں کہ محمدؐ رسول اللہ ہیں آگے اس کا بیان اور پھر جواب ہے وقال الذین تا محجورا

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا

اور جو لوگ ہمارے سامنے پیش ہونے سے اندیشہ نہیں کرتے (بوجہ اس کے کہ

لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ

اس کے منکر ہیں) وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں آتے

کہ ہم سے آ کر کہیں کہ یہ رسول ہیں۔

اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ

یا ہم اپنے رب کو دیکھ لیں

اور وہ ہم سے کہہ دے کہ واقعی یہ رسول ہیں ہم جب مانیں گے آگے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ

یہ لوگ اپنے دلوں میں اپنے کو بہت بڑا سمجھ رہے ہیں

کہ اپنے کو فرشتوں کی ملاقات اور حق تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے لائق جانتے ہیں حاصل جواب کا یہ ہوا کہ رکاوٹ خود ان کی طرف سے ہے کہ یہ اس لائق نہیں ورنہ فرشتوں کی ملاقات سے تو انبیاء و اولیاء دنیا ہی میں مشرف ہوتے ہیں اور خدا کے دیدار سے آخرت میں سب مسلمان مشرف ہوں گے گو دنیا میں نہ ہوسکیں اور اس رکاوٹ کے دور کرنے کا انہوں نے کوئی سامان نہیں کیا پھر ایسی درخواست اعلیٰ درجہ کا تکبر نہیں تو اور کیا ہے۔

وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾

اور یہ لوگ حد (انسانیت) سے بہت دور نکل گئے ہیں

یعنی خدا سے ہم کلام ہونے اور اس کے دیدار کی فرمائش میں تو یہ اپنی حد ہی سے باہر ہوگئے کیونکہ فرشتوں اور انسانوں میں کسی بات میں تو شرکت ہے اللہ تعالیٰ سے تو کسی بات میں بھی شرکت نہیں۔

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ

جس روز یہ لوگ فرشتوں کو دیکھیں گے اس روز مجرموں (یعنی کافروں) کے

لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾

لئے کوئی خوشی کی بات نہ ہوگی اور کہیں گے کہ پناہ ہے پناہ ہے

یعنی خیر خدا دیکھنے کے لائق تو کیا ہوتے البتہ فرشتے ایک دن ان کو دکھلائی دیں گے مگر اس طرح نہیں جس طرح یہ چاہتے ہیں بلکہ ان کو عذاب لاتے ہوئے دیکھیں گے کیونکہ ان کی موجودہ حالت کا یہی مقتضا ہے کہ اگر ملائکہ ان سے ملیں تو اسی طرح ملیں اور وہ دن قیامت کا ہوگا اور دنیا میں بھی اگر ملیں گے تو اسی طرح عذاب لاتے ہوئے ملیں گے تو یہاں جو یہ ان کی ملاقات کی تمنا کرتے ہیں گویا مصیبت کی درخواست کررہے ہیں جس سے خود ہی پناہ مانگیں گے پھر فضول ایسی چیز کو طلب کررہے ہیں۔

ربط: اوپر قیامت میں ملائکہ کو دیکھنے اور ان کے اترنے کا بیان تھا آگے اسی مناسبت سے اس ہیبت ناک دن کے دوسرے واقعات کا بیان ہے۔ وقدمنا تا مھجورا.

وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ

ہم (اس روز) ان کے (یعنی کفار کے) ان (نیک) کاموں کی طرف جو کہ وہ (دنیا

هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾

میں) کرچکے تھے متوجہ ہوں گے سو ان کو ایسا بیکار کردیں گے جیسے پریشان غبار

کہ وہ کسی کام نہیں آتا اسی طرح ان کفار کے اعمال پر کچھ ثواب ہوگا۔

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا

(البتہ) اہل جنت اس روز قیام گاہ میں بھی اچھے رہیں گے اور آرام گاہ میں

وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿۲۴﴾

بھی خوب اچھے ہوں گے

مراد جنت ہے یعنی جنت ان کے لئے آرام اور قیام کی جگہ ہوگی اور اس کا اچھا ہونا ظاہر ہے۔

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ

اور جس روز آسمان ایک بدلی پر سے پھٹ جائے گا

اس بدلی کا ذکر دوسرے پارہ کے نصف پر گزر چکا ہے کہ یہ بدلی بشکل سائبان آسمان سے اترے گی اور اس میں حق تعالیٰ کی تجلی ہوگی اور اس کے گرد فرشتے ہوں گے یہ حساب شروع ہونے کا وقت ہوگا اور اس وقت آسمان کا پھٹنا صرف کھلنے کے طور پر ہوگا کیونکہ یہ واقعہ دوبارہ صور پھونکنے کے بعد ہوگا جب کہ زمین و آسمان دوبارہ درست ہوجاویں گے۔

وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ﴿۲۵﴾

اور فرشتے (زمین پر) بکثرت اتارے جاویں گے

اور اسی وقت حق تعالیٰ حساب وکتاب کے لئے تجلی فرمائیں گے۔

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ط

(اور) اس روز حقیقی حکومت (حضرت) رحمٰن (ہی کی ہوگی

یعنی حساب وکتاب وجزا وسزا میں کسی کو دخل نہ ہوگا جیسا کہ دنیا میں ظاہری تصرف تھوڑا بہت دوسروں کو بھی حاصل ہے۔

وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿۲۶﴾

اور وہ (دن) کافروں پر بڑا سخت دن ہوگا اور جس روز ظالم (یعنی کافر آدمی

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ

غایت حسرت سے) اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھاوے گا اور کہے گا کیا اچھا

يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿۲۷﴾

ہوتا کہ میں رسول کے ساتھ (دین کی) راہ پر لگ لیتا ہائے میری شامت

يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾

(کہ ایسا نہ کیا اور) کیا اچھا ہوتا کہ میں فلاں شخص کو دوست نہ بناتا اس

لَقَدْ اَضَلَّنِىْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِىْ ط

(کمبخت) نے مجھ کو نصیحت آئے پیچھے بہکایا (اور ہٹا دیا) اور شیطان تو

وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾

انسان کو (عین وقت پر) امداد کرنے سے جواب دے ہی دیتا ہے

چنانچہ اس کافر کی اس حسرت کے وقت اس نے کوئی ہمدردی نہ کی اگرچہ کرنے سے بھی کچھ نہ ہوتا وہ تو صرف دنیا ہی میں بہکانے کو تھا اور ان آیتوں میں ایک قصہ کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ عقبہ بن ابی معیط نے ایک بار دعوت کی مجلس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا آپ نے فرمایا کہ جب تک تو اسلام نہ لاوے گا میں دعوت نہ مانوں گا اس نے کلمہ پڑھ لیا آپ دعوت میں شریک ہوگئے یہ خبر ابی بن خلف کو جو اس کا دوست تھا پہنچی تو اس نے ملامت کی عقبہ نے جواب دیا کہ میں نے ان کی خاطر سے ظاہر میں کلمہ پڑھ لیا تھا دل سے اسلام نہیں لایا غرض وہ کافر کا کافر ہی رہا تو قیامت میں اس کی اس کو حسرت ہوگی اور گو اس نے اول بھی دل سے کلمہ نہ پڑھا تھا لیکن اگر ابی بن خلف سے دوستی نہ ہوتی تو شاید اس ظاہری اثر سے باطنی اثر بھی ہو جاتا اور شیطان کا ذکر اس میں اس لئے کیا گیا کہ ابی بن خلف کا اثر شیطان ہی کے اغواء سے ہوا اور بعض مفسرین کا یہ قول ہے کہ ظالم سے مراد ہر کافر ہے اور تفسیر ظاہر ہے۔

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِى اتَّخَذُوْا

اور (اس دن) رسول کہیں گے کہ اے میرے پروردگار میری (اس) قوم

هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾

نے اس قرآن کو (جو کہ واجب العمل تھا) بالکل نظر انداز کر رکھا تھا

حضور یہ بات کافروں کی شکایت کے طور پر فرمائیں گے کہ یہ لوگ عمل تو کیا کرتے قرآن کی طرف التفات بھی نہ کرتے تھے غرض کفار خود بھی اپنی گمراہی کا اقرار کرلیں گے اور رسول بھی گواہی دیں گے اور ثبوت جرم کی یہی دو صورتیں عادۃً ہوتی ہیں دونوں کے جمع ہونے سے ثبوت اور پختہ ہو جائے گا اور سزا پائیں گے۔

ربط: کفار کے ان اعتراضات سے حضور کے ساتھ ان کی عداوت معلوم ہوتی ہے آگے آپ کی تسلی فرماتے ہیں کہ اس عداوت سے غمگین نہ ہوں وکذلک تا نصیراً

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِىٍّ عَدُوًّا مِّنَ

اور ہم اسی طرح (یعنی جس طرح یہ لوگ آپ سے عداوت کرتے ہیں) مجرم

الْمُجْرِمِيْنَ ط

لوگوں میں سے ہر نبی کے دشمن بناتے رہے ہیں

یعنی یہ قدیم طریقہ ہے کہ کفار انبیاء کے ساتھ عداوت کرتے رہے ہیں سو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے جس کا غم کیا جاوے۔

وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿۳۱﴾

اور ہدایت کرنے کو اور مدد کرنے کو آپ کا رب کافی ہے

یعنی غم کے دو سبب ہو سکتے ہیں ایک انکا گمراہ ہونا دوسرے تکلیف دینے کے درپے ہونا سو اللہ تعالیٰ کو اگر کسی کو ہدایت دینا منظور ہوگی اس کو ہدایت دیدے گا اور جب ہدایت نہیں ہوتی تو اس میں بھی حکمت ہے اور تکلیف دفع کرنے کے لئے بھی حق تعالیٰ کافی ہیں اگر کچھ دنوں دفع نہ کرے تو اسی میں حکمت ہوگی غرض نہ اس سے غم کیجئے اور نہ اس سے۔

ربط: اوپر کفار کے پانچ اعتراضات مع جواب کے بیان کئے گئے ہیں بعض اعتراضات کا آگے بیان ہے وقال الذین تا ترتیلا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ

اور کافر لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان (پیغمبر) پر

الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ

یہ قرآن دفعۃً واحدۃً کیوں نہیں نازل کیا گیا

حاصل اعتراض کا یہ ہے کہ اگر خدا کا کلام ہوتا تو آہستہ آہستہ نازل ہونے کی کیا ضرورت تھی اس سے تو شبہ پڑتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود سوچ سوچ کر تھوڑا تھوڑا اپنا لیتے ہیں آگے جواب ہے۔

كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ

اس طرح (تدریجاً) اس لئے (ہم نے نازل کیا) ہے تا کہ ہم اس کے ذریعہ سے

تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾

آپ کے دل کو قوی رکھیں اور (اس لئے) ہم نے اس کو بہت ٹھہر ٹھہرا کر اتارا ہے

چنانچہ تئیس سال کے اندر پورا ہوا حاصل جواب کا یہ ہے کہ اس طریقہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کی تقویت ہے چند طریقوں سے اول یہ کہ یاد رہنے میں آسانی ہے ورنہ بڑی کتاب جبکہ بے لکھی ہوئی ہو اس کا یاد رکھنا عادۃً دشوار اور اس کو دیکھ کر طبیعت کا پریشان ہو جانا طبعی بات ہے اور آپ کے بعد امت کو لکھی ہوئی کتاب مل جانے سے یہ فائدہ بسہولت حاصل ہو گیا دوسرے یہ کہ جب کفار کوئی اعتراض یا ناگوار معاملہ کرتے تب ہی آپ کی تسلی نازل ہو جاتی اس میں دل کی تقویت اس سے زیادہ ہے کہ ایک کتاب آدمی کے پاس ہو اور اس میں سے مضمون تلاش کر کے کام میں لاوے تیسرے بار بار خدا کا پیغام آنا اس بات کی گواہی ہے کہ خدا آپ کے ساتھ ہے جو قوت دل کا بڑا مدار ہے اور تدریجاً نازل کرنے کی حکمتیں صرف یہی نہیں ہیں چنانچہ بعض فائدے سورہ بنی اسرائیل کے ختم پر وقرآنا فرقناہ میں مذکور ہوئے ہیں۔

ربط: اوپر کئی اعتراضوں کے کافی شافی جواب مذکور ہوئے ہیں آگے ان جوابوں کی مدح فرماتے ہیں۔ ولا یاتونک ، تا تفسیرا۔

وَلَا يَأْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ

اور یہ لوگ کیسا ہی عجیب سوال آپ کے سامنے پیش کریں مگر ہم (اس کا)

وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿۳۳﴾ ؕ

ٹھیک جواب اور وضاحت میں بڑھا ہوا آپ کو عنایت کر دیتے ہیں

تا کہ آپ اس سوال کو دفع کریں اور جواب میں دو خوبیاں ہوتی ہیں ایک یہ کہ فی نفسہ شبہ کی جڑ کاٹنے والا ہو دوسرے وضاحت کی وجہ سے سمجھنے میں آسان ہو الحق میں پہلی خوبی اور احسن تفسیرا میں دوسری خوبی کی طرف اشارہ ہے اور اس میں حضور کی تقویت قلب کا بھی ایک طریقہ بیان ہو گیا ہے تو اس کو پہلی آیت سے یہ ربط بھی ہو سکتا ہے کہ قرآن کو آہستہ آہستہ اس لئے نازل کیا گیا کہ جب کفار اعتراض کریں اسی وقت جواب نازل ہو جائے۔

ربط: اوپر اعتراضات کا قولی جواب تھا آگے عملی جواب ہے یعنی اس پر جو سزا ہوگی اس کا بیان ہے۔ الذین یحشرون تا سبیلا۔

اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ

یہ وہ لوگ ہیں کہ جو اپنے مونہوں کے بل جہنم کی طرف لے جائے جاویں گے

خواہ اس طرح کہ منہ کے بل چل سکیں یا کہ گھسیٹے جاویں۔

اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۳۴﴾ ع

یہ لوگ جگہ میں بھی بدتر ہیں اور طریقہ میں بھی بہت گمراہ ہیں

جگہ سے مراد دوزخ اور طریقہ سے مراد مذہب ہے اور یہ سزا ان کے مناسب اس لئے ہے کہ اعتراضات عقل کے اندھے پن سے کرتے تھے تو سزا بھی یہ ہوئی کہ اوندھے منہ چلائے جائیں گے۔

ربط: اوپر توحید و رسالت کے انکار پر وعید تھی آگے اس کی تائید کے لئے بعض قصے پہلے منکروں کے مع ان کے وبال و عذاب کے مذکور ہیں تا کہ عبرت ہو نیز اوپر آپ کی تسلی تھی ان قصوں میں اس کی یا تو عقلی دلائل ہیں اور ظاہر ہے کہ دلائل سمجھ جانے کے بعد توحید کا انکار کرنا ضرور دھمکی کے قابل ہے یا وہ دلائل مراد ہیں جو پہلے انبیاً سے منقول ہوتے ہوئے ان لوگوں تک پہنچے ہونگے جیسا کہ ولقد جاء کم یوسف من قبل بالبینات سے انبیاً کی تعلیم کا ان تک منقول چلا آنا معلوم ہوتا ہے اور ان کے انکار کا برا ہونا ظاہر ہے اگرچہ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس جانے کے بعد کتاب ملی ہے لیکن اس کا ذکر پہلے کر دینے میں یہ فائدہ ہو سکتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا جلیل القدر نبی ہونا اور فرعون وغیرہ کے انکار کا حماقت پر مبنی ہونا معلوم ہو جائے کہ موسیٰ علیہ السلام ایسے نبی تھے جن کو بعد میں کتاب بھی ملی تھی تو ان کی تعلیم بوجہ فطرت قوی ہونے کے پہلے ہی سے کامل و مکمل تھی مگر پھر بھی وہ لوگ منکر ہی رہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗٓ

اور تحقیق ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب (یعنی توریت) دی تھی اور ہم نے ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارون (علیہ السلام) کو ان کا معین بنایا تھا پھر

اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ﴿٣٥﴾ فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى

ہم نے (دونوں کو) حکم دیا کہ دونوں آدمی ان لوگوں کے پاس جاؤ

الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ

جنہوں نے ہماری (توحید کی) دلیلوں کو جھٹلایا ہے

فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ﴿٣٦﴾ؕ

سو ہم نے ان کو (اپنے قہر سے) بالکل ہی غارت کر دیا

چنانچہ ان کا غرق کیا جانا مشہور ہے اور قرآن میں بھی جا بجا مذکور ہے وقوم نوح تا عذاباً الیما۔

وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ

اور قوم نوحؑ کو بھی ہم ہلاک کر چکے ہیں جب انہوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا

اور یہی ان کی ہلاکت کا سبب ہوا اور پیغمبروں کو جھٹلانا اس لئے کہا کہ سب پیغمبروں کے دینی اصول ایک ہیں جب ایک کو جھوٹا کہا سب کو جھوٹا کہا یا یہ کہ نوحؑ سے پہلے جو انبیاء گزر چکے تھے ان کی تعلیم بھی ان تک پہنچی ہوا اور انہوں نے اس کو بھی جھٹلایا ہو۔

اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ؕ

تو ہم نے ان کو غرق کر دیا اور ہم نے ان لوگوں کے لئے ایک نشان بنا دیا

وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿٣٧﴾ۚۖ وَّعَادًا

اور ہم نے ظالموں کے لئے دردناک سزا تیار کر رکھی ہے

وَّثَمُوْدَا۟ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ

اور ہم نے عاد اور ثمود اور اصحاب الرس

وعاداً تا تتبیرا لغت میں رس کنویں کو کہتے ہیں کچھ لوگ قوم ثمود کے باقی رہ گئے تھے اور کسی کنویں پر آباد تھے وہ اصحاب الرس ہیں کذا فی القاموس

وَقُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿٣٨﴾ وَكُلًّا ضَرَبْنَا

اور ان کے بیچ بیچ میں بہت سی امتوں کو ہلاک کیا اور ہم نے ہر ایک کے

لَهُ الْاَمْثَالَ ۡ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴿٣٩﴾ وَلَقَدْ

واسطے عجیب عجیب مضامین بیان کئے اور ہم نے سب کو بالکل برباد ہی کر دیا

اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ

اور یہ اس بستی پر ہو کر گزرے ہیں جس پر بری طرح پتھر برسائے گئے تھے

السَّوْءِ ؕ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ

(سو کیا یہ لوگ) اس کو دیکھتے نہیں رہتے

پھر بھی عبرت نہیں پکڑتے کہ کفر وغیرہ کو چھوڑ دیں جس کی بدولت قوم لوط ہلاک ہوئی سو بات یہ ہے کہ عبرت نہ پکڑنے کی یہ وجہ نہیں کہ یہ اس بستی کو نہ دیکھتے ہوں (آگے ترجمہ)

بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿٤٠﴾

بلکہ یہ لوگ مر کر جی اٹھنے کا احتمال ہی نہیں رکھتے

اس لئے کفر کو عذاب کا سبب نہیں سمجھتے اور اسی لئے ان کی ہلاکت کو کفر کی سزا نہیں مانتے بلکہ اتفاقی بات خیال کرتے ہیں اس لئے اس سے عبرت ہی نہیں لیتے۔

ربط: اوپر کفار کی قباحت اور ملامت مذکور تھی۔ آگے بھی ان کی بعض قباحتیں قولی اور فعلی مذکور ہیں اور اهذا الذی بعث الله رسولا میں ان کے ایک اعتراض کی طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ آپ کے مالدار نہ ہونے کو بھی شان نبوت کے خلاف سمجھتے تھے آگے اس کا جواب ہے کہ یہ اعتراض محض بے دلیل اور صریح گمراہی ہے جس کا منشاء خواہش نفس کی پیروی ہے واذا رأوک تا اضل سبیلا

وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ

اور جب یہ لوگ آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ سے تمسخر کرنے لگتے ہیں

اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿٤١﴾

کہ کیا یہی ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے

یعنی ایسا آدمی رسول نہ ہونا چاہئے اگر نبوت کوئی چیز ہے تو کوئی رئیس ہونا چاہئے تھا پس یہ رسول نہیں۔

اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ

کہ کیا یہی ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے اس شخص نے تو ہم کو

صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۭ

ہمارے معبودوں سے ہٹا ہی دیا ہوتا اگر ہم ان پر قائم نہ رہتے

پس ہم تو ہدایت پر ہیں اور یہ ہم کو اپنی جادو بیانی سے گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ آگے رد فرماتے ہیں کہ بس اسی وقت اپنے منہ سے اپنے آپ کو ہدایت پر اور رسول کو گمراہی پر بتلا رہے ہیں۔

وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ

اور جلدی ہی ان کو معلوم ہو جاوے گا جب عذاب کا معائنہ کریں گے

مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾

کہ کون شخص گمراہ تھا

آیا وہ خود گمراہ تھے یا نعوذ باللہ پیغمبر اور اس میں جواب کی طرف بھی اشارہ ہے کہ صحیح دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ نبوت کے لئے ثروت لازم نہیں پس اس وجہ سے انکار کرنا کھلی گمراہی ہے مگر یہاں بے توجہی کی وجہ سے اپنا گمراہ ہونا معلوم نہیں ہوتا وہاں مشاہدہ سے ظاہر ہو جاوے گا۔

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ۭ

(اے پیغمبر!) آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے

اس میں ان کی گمراہی کا منشاء بھی بیان کر دیا کہ کسی دلیل سے ان کو یہ شبہ نہیں پیدا ہوا بلکہ اس کا سبب خواہش نفس کا اتباع ہے۔

اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴿۴۳﴾ اَمْ تَحْسَبُ

سو کیا آپ اس کی نگرانی کر سکتے ہیں یا آپ خیال کرتے ہیں کہ

اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ۭ

ان میں اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں

مطلب یہ کہ آپ ان کی گمراہی سے مغموم نہ ہوں کیونکہ آپ ان پر مسلط نہیں ہیں کہ زبردستی راہ پر لے آویں اور نہ ہدایت کی ان سے توقع کیجئے کیونکہ نہ ان کے کان حق بات سنتے ہیں نہ ان کی عقل سمجھتی ہے اور اکثر اس لئے فرمایا کہ بعض کو عنایت خداوندی سے بعد میں ایمان کی توفیق ہوئی اور بعض عقل بھی رکھتے تھے مگر عناد کی وجہ سے ایمان نہ لاتے تھے۔

اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ

یہ تو محض چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ یہ ان سے بھی زیادہ

سَبِيْلًا ﴿۴۴﴾ ع

بے راہ ہیں

کیونکہ چوپائے دین کے مکلف نہیں تو ان کا نہ سمجھنا کچھ عیب نہیں اور یہ مکلف ہیں پھر نہیں سمجھتے دوسرے اگر چوپائے ضروریات دین کے معتقد نہیں تو منکر بھی نہیں اور یہ تو منکر ہیں۔

ربط: اوپر دور سے رسالت کے انکار پر دھمکی اور ملامت چلی آرہی ہے آگے دلائل سے توحید کو ثابت کر کے اس کے انکار پر مذمت اور ملامت ہے اور اس کے ضمن میں انعامات کا بھی ذکر ہے الم تر تا اوراد شکورا

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ج

(اے مخاطب) کیا تو نے پروردگار کی (اس قدرت) پر نظر نہیں کی کہ اس نے سایہ کو کیونکر (دور تک) پھیلایا ہے

کیونکہ جب آفتاب طلوع ہوتا ہے اس وقت کھڑی ہوئی چیزوں کا سایہ لمبا ہوتا ہے۔

وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ج

اور اگر وہ چاہتا تو اس کو ایک حالت پر ٹھہرا ہوا رکھتا

یعنی اگر ہم چاہتے تو آفتاب کے بلند ہونے سے بھی سایہ نہ گھٹتا کیونکہ آفتاب کی شعاعوں کا زمین کے حصوں پر پہنچنا ہمارے ارادہ سے ہے خود بخود نہیں ہے تو ہم آفتاب کی شعاعوں کو اتنی دور تک نہ پہنچنے دیتے جس سے سایہ ایک ہی حال پر رہتا مگر اپنی حکمت سے ہم نے ایسا نہیں کیا بلکہ اس کو گھٹاتے بڑھاتے رہتے ہیں۔

ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ﴿۴۵﴾ لا

پھر ہم نے آفتاب کو اس (سایہ کی درازی اور کوتاہی) پر علامت مقرر کیا

یعنی آفتاب اور سایہ میں ایک ایسا تعلق پیدا کر دیا کہ آفتاب کے بلند ہونے سے سایہ گھٹتا اور نیچے ہونے سے بڑھتا ہے۔

ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ﴿۴۶﴾

پھر ہم نے اس کو اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ لیا

چنانچہ جوں جوں آفتاب اونچا ہوتا ہے سایہ زائل ہوتا جاتا ہے اور چونکہ اس کا غائب ہونا محض خدا کی قدرت سے ہے کسی دوسرے کا اس میں دخل نہیں پھر وہ باوجود ظاہر میں غائب ہو جانے کے خدا کے علم سے غائب نہیں اس لئے فرمایا کہ ہم نے اس کو اپنی طرف سمیٹ لیا تو سایہ کی یہ عجیب

حالت صانع کے کمال اور اس کے تنہا معبود ہونے کی دلیل ہے۔

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا

اور وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لئے رات کو پردہ کی چیز اور نیند

وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾

کو راحت کی چیز بنایا اور دن کو زندہ ہونے کا وقت بنایا

کیونکہ سونا موت کے مشابہ ہے اور جاگنا زندہ ہونے کے مشابہ ہے اور دن کا وقت جاگنے کا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ

اور وہ ایسا ہے کہ اپنی باران رحمت سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ (بارش کی امید دلا کر

يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً

دل کو) خوش کر دیتی ہیں اور ہم آسمان سے پانی برساتے ہیں جو پاک صاف کرنے کی

طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾ لِّنُحْيِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ

چیز ہے تا کہ اس کے ذریعہ سے مردہ زمین میں جان ڈال دیں اور اپنی مخلوقات میں سے

مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ﴿۴۹﴾

بہت سے چارپایوں اور بہت سے آدمیوں کو سیراب کریں اور ہم اس (پانی) کو (بقدر

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا

مصلحت) ان لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیتے ہیں تا کہ لوگ غور کریں

کہ یہ کام کسی بڑی قدرت والے کے ہیں کہ وہی عبادت کا مستحق ہے۔

فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾

سو (چاہئے تھا کہ غور کر کے اس کا حق ادا کرتے لیکن) اکثر لوگ بے ناشکری کئے نہ رہے

جس میں سب سے بڑھ کر ناشکری کفر اور شرک ہے آگے حضور کو خطاب ہے کہ آپ اس ناشکری کو دیکھ کر احکام پہنچانے سے ہمت نہ ہاریئے کہ میں اکیلا ان سب سے کیسے جیتوں گا بلکہ آپ تنہا ہی اپنا کام کرتے جایئے۔

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿۵۱﴾

اور اگر ہم چاہتے تو آپ کے علاوہ اسی زمانہ میں) ہر بستی میں ایک ایک پیغمبر بھیج دیتے

اور تنہا آپ پر سارا کام نہ ڈالتے مگر ہم کو آپ کا ثواب اور قرب بڑھانا مقصود ہے اس لئے ایسا نہیں کیا تو تنہا آپ ہی کو نبی بنا کر بھیجا تو اس

صورت میں اتنا کام آپ کے سپرد کیا جانا خدا کی نعمت ہے۔

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ

سو (اس نعمت کے شکریہ میں) آپ کافروں کی خوشی کا کام نہ کیجئے

کیونکہ ان کی خوشی تو یہ ہے کہ احکام نہ پہنچائے جائیں کہ ان کی آزادی میں خلل نہ پڑے تو آپ اس میں کمی نہ کیجئے۔

وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿۵۲﴾

اور قرآن سے انکا زور شور سے مقابلہ کیجئے

یعنی سب سے کہئے اور بار بار کہئے اور ہمیشہ کہتے رہئے جیسا کہ اب تک کرتے رہے اور ہمت قوی رکھئے پس مقصود اس امر و نہی سے یہ ہے کہ جیسا اب تک رہے ویسے ہی ہمیشہ رہئے تو اس پر کوئی اشکال لازم نہیں آتا۔

وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ

(آگے پھر عود ہے دلائل توحید کی طرف) اور وہ ایسا ہے جس نے دو دریاؤں کو (صورۃ)

فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا

ملایا جن میں ایک (کا پانی) تو شیریں تسکین بخش ہے اور ایک (کا پانی) شور تلخ ہے

بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾

اور ان کے درمیان میں (اپنی قدرت سے) ایک حجاب اور ایک مانع قوی رکھ دیا

کہ باوجود ظاہر میں ملے ہوئے ہونے کے دونوں کے پانی کے مزہ میں امتیاز باقی رہتا ہے اور مراد دو دریاؤں سے وہ مواقع ہیں جہاں شیریں ندیاں اور نہریں بہتے بہتے سمندر میں آ کر گرتی ہیں وہاں باوجودیکہ اوپر سے دونوں کا سطح ایک معلوم ہوتا ہے لیکن خدا کی قدرت ہے ان میں ایک ایسی حد فاصل ہے کہ جہاں دونوں ملتے ہیں اس کی ایک جانب سے پانی لیا جائے تو میٹھا اور اس کے بالکل قریب دوسری جانب سے پانی لیا جائے تو کڑوا چنانچہ بنگال میں بھی اراکان سے چاٹگام تک ایسا موقع موجود ہے (کہ ایک طرف پانی سفید اور دوسری طرف سیاہ ہے اور دونوں کے بیچ میں ایک خط معلوم ہوتا ہے سیاہ پانی میں تلاطم بھی بہت ہوتا ہے اور سفید پانی بالکل ساکن رہتا ہے اور کشتیاں سفید ہی پانی میں چلتی ہیں ۱۲ (منہ الحاشیہ)

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَاۗءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ

اور وہ ایسا ہے جس نے پانی سے (یعنی نطفہ سے) آدمی کو پیدا کیا پھر اس کو

نَسَبًا

خاندان والا اسرال والا بنایا

چنانچہ باپ دادا ماں نانی وغیرہ سے پیدا ہوتے ہی تعلقات پیدا ہو جاتے ہیں پھر شادی کے بعد سسرالی رشتے پیدا ہو جاتے ہیں یہ قدرت کی بھی دلیل ہے کہ نطفہ کیا تھا اور اس کو کیسا بنا دیا کہ اتنے علاقوں والا ہو گیا اور نعمت بھی ہے کیونکہ ان ہی تعلقات پر معاونت اور امداد کا مدار ہے۔

وَّصِهْرًا ۭ وَكَانَ رَبُّكَ

اور (اے مخاطب) تیرا پروردگار

اس میں نعمت کی طرف اشارہ ہے

قَدِيْرًا ﴿٥٤﴾

بڑی قدرت والا ہے

اس میں قدرت کی دلیل کی طرف اشارہ ہے۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ

اور (باوجود اس کے) یہ (مشرک) لوگ (ایسے) خدا کو چھوڑ کر ان چیزوں

وَلَا يَضُرُّهُمْ ۭ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰي رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ﴿٥٥﴾

کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو کچھ نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ ان کو کچھ ضرر پہنچا سکتی ہیں اور کافر تو اپنے رب کا مخالف ہے

کہ اس کو چھوڑ کر دوسرے کی عبادت کرتا ہے آگے اس کی تسلی ہے کہ آپ ان کی مخالفت معلوم کر کے نہ تو ان کے ایمان نہ لانے سے مغموم ہوں اور نہ اس فکر میں پڑیں کہ یہ لوگ کہیں میری باتوں کو خود غرضی پر محمول نہ کریں اور نہ ان کی طرف سے ضرر پہنچنے کا اندیشہ کیجئے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿٥٦﴾

اور ہم نے آپ کو صرف اس لئے بھیجا ہے کہ (ایمان والوں کو جنت کی) خوشخبری سنائیں اور (کافروں کو دوزخ سے) ڈرائیں

پس ان کے ایمان نہ لانے سے آپ کا کیا نقصان ہے پھر آپ کیوں غم کریں۔

قُلْ مَآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ

آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا

یعنی اگر وہ احکام پہنچانے میں آپ کو خود غرض سمجھیں یا قرینہ سے ان کا ایسا خیال معلوم ہو تو اتنا جواب دے کر آپ بے فکر ہو جایئے۔

اِلَّا مَنْ شَاۗءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿٥٧﴾

ہاں جو شخص یوں چاہے کہ اپنے رب تک (پہنچنے) کا راستہ اختیار کرے

تو اس کو راستہ بتلانا میں ضرور چاہتا ہوں اب اس کو جی چاہے کرے۔

وَتَوَكَّلْ عَلَي الْـحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ

اور اس حی لایموت پر توکل رکھئے اور (اطمینان کے ساتھ)

وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ۭ

اس کی تسبیح وتحمید میں لگے رہیے

اور کسی کے ضرر پہنچانے کا اندیشہ نہ کیجئے اپنا کام بے فکری سے کرتے رہیے۔

وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرَا ﴿٥٨﴾

اور وہ (خدا) اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی (طور پر) خبردار ہے

آپ اس خیال سے کہ ان کی مخالفت دوسروں کو ضرر نہ پہنچا دے ان کے واسطے جلدی عذاب آنے کی بھی تمنا نہ کیجئے خدا جب مناسب سمجھے گا عذاب دے دے گا پس ان آیتوں میں حضور کے غور وفکر اور خوف وغیرہ کو زائل کر کے آگے پھر توحید کا بیان ہے۔

الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا

وہ ایسا ہے جس نے آسمان وزمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے

بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَي

سب چھ روز (کی مقدار) میں پیدا کیا پھر تخت (شاہی) پر قائم ہوا

الْعَرْشِ ښ اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔـلْ بِهٖ خَبِيْرًا ﴿٥٩﴾

اور بڑا مہربان ہے سو اس کی شان کسی جاننے والے سے پوچھنا چاہئے

کافر اور مشرک کیا جانیں کہ وہ کیسا ہے اور اسی نہ جاننے کی وجہ سے یہ لوگ شرک کرتے ہیں۔ وما قدروا الله حق قدره.

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا

اور جب ان (کافروں سے) کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو (بوجہ جہل عناد

الرَّحْمٰنُ ق

کے) کہتے ہیں کہ رحمٰن کیا چیز ہے

جس کے سامنے سجدہ کرنے کو ہم سے کہتے ہو رحمٰن کا لفظ ان میں کم مشہور تھا مگر یہ نہیں کہ جانتے نہ ہوں خوب جانتے تھے کہ رحمٰن خدا کا نام ہے مگر چونکہ اسلامی تعلیم سے مخالفت بڑھی ہوئی تھی تو اس مخالفت کو لفظوں میں بھی نباہتے تھے تو قرآن میں جو یہ لفظ کثرت سے آیا اس میں بھی مخالفت کر بیٹھے اور محض اس وجہ سے کہ یہ لفظ قرآن میں آیا ہے۔ انجان بن کر اس میں گفتگو اور انکار کرنے لگے گو اس سے خدا ہی کا انکار اور بے ادبی ہو جائے۔

اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ﴿۶۰﴾ السجدۃ ع

کیا ہم اس کو سجدہ کرنے لگیں جس کو تم سجدہ کرنے کے لئے ہم کو کہو گے اور اس سے ان کو

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا

اور زیادہ نفرت ہوئی ہے وہ ذات بہت عالیشان ہے جس نے آسمان میں بڑے بڑے

وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا ﴿۶۱﴾

ستارے بنائے اور اس (آسمان) میں ایک چراغ (یعنی آفتاب) اور نورانی چاند بنایا

یعنی ان ستاروں میں دو بڑے نورانی اور فائدہ پہنچانے والے ستارے بنائے اور شاید آفتاب کو تیزی کی وجہ سے چراغ کے ساتھ تشبیہ دی۔

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً

اور وہ ایسا ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے

لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿۶۲﴾

والے بنائے اور یہ سب کچھ دلائل و نعم جو مذکور ہوئے) اس شخص کے (سمجھنے کے) لئے ہیں جو سمجھنا چاہے یا شکر کرنا چاہے

پس سمجھنے والے کی نظر میں یہ دلائل ہیں اور شکر کرنے والے کی نظر میں انعامات ہیں اور نادان کے حق میں حکمت کی ہزار کتابیں بھی بیکار ہیں۔

ربط: اوپر توحید کے دلائل کے ساتھ ساتھ کفار و مشرکین کا کفر اور مخالفت کرنا مع ان کی مذمت کے مذکور تھا آگے مقابلہ میں مومنین کی اطاعت اور احکام کی بجا آوری کا مع ان کی فضیلت کے ذکر ہے اور درمیان میں تبعاً بعض گناہوں کی تفصیل اور توبہ سے انکا معاف ہو جانا مذکور ہے۔ وعباد الرحمٰن تا و مقاما

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی

اور (حضرت رحمان کے (خاص) بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی

الْاَرْضِ هَوْنًا

کے ساتھ چلتے ہیں

مطلب یہ کہ ان کے مزاج میں تواضع ہے اور اسی کا اثر چلنے پر بھی خود بخود ظاہر ہوتا ہے ورنہ چال کی ہیئت بیان کرنا مقصود نہیں کیونکہ دماغداری کیساتھ نرم رفتاری کچھ بھی موجب تعریف نہیں۔

وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾

اور جب ان سے جہالت والے لوگ (جہالت کی) بات (چیت) کرتے ہیں تو وہ رفع شر کی بات کہتے ہیں

مطلب یہ کہ اپنی ذات کے واسطے قولی یا فعلی بدلہ نہیں لیتے اور جو سختی اصلاح اور تعلیم یا خدا کا بول بالا کرنے کے لئے ہو تو اس کی نفی مقصود نہیں خلاصہ یہ کہ اپنے اعمال میں ان کا طریقہ تواضع کرنا ہے اور دوسروں کے ساتھ انکا یہی طریقہ ہے آگے بتلاتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے ساتھ کیا طرز رکھتے ہیں۔

وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا ﴿۶۴﴾

اور جو راتوں کو اپنے رب کے آگے سجدہ اور قیام (یعنی نماز)

وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ

میں لگے رہتے ہیں اور جو دعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم

جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿۶۵﴾

سے جہنم کے عذاب کو دور رکھئے کیونکہ اس کا عذاب

اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۶۶﴾

پوری تباہی ہے بیشک وہ جہنم برا ٹھکانا اور برا مقام ہے

یعنی باوجود حقوق اللہ و حقوق العباد ادا کرتے رہنے کے وہ خدا سے اس قدر ڈرتے رہتے ہیں کہ ہمیشہ عذاب سے پناہ مانگتے ہیں۔

وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ

(تو یہ ان کی حالت طاعات بدنیہ میں ہے) اور (طاعات مالیہ میں ان کا یہ طریقہ ہے کہ) وہ جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور

یَقْتُرُوْا

نہ تنگی کرتے ہیں

یعنی نہ گناہوں میں مال صرف کرتے ہیں اور نہ ضروری طاعت میں خرچ کی کمی کرتے ہیں اور اسراف میں وہ خرچ بھی داخل ہے کہ بلاضرورت طاقت سے زیادہ جائز کاموں یا غیر ضروری طاعات میں خرچ کرے کیونکہ اس کا انجام اخیر میں بے صبری اور حرص و بدنیتی ہوتی ہے اور یہ باتیں گناہ ہیں اور جو گناہ کا ذریعہ بن جائے وہ بھی گناہ ہے اور جب ضروری جگہ میں کم خرچ کرنے کی برائی معلوم ہوگئی تو بالکل خرچ نہ کرنا تو بدرجہ اولیٰ ناجائز ہوگا غرض کہ وہ خرچ کرنے میں افراط اور تفریط دونوں سے پاک ہیں۔

وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿٦٧﴾

اور ان کا خرچ کرنا اس (افراط وتفریط) کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے

اور یہ حالت تو ان کی طاعات بجالانے میں تھی آگے بتلاتے ہیں کہ گناہوں سے بچنے میں ان کی کیا شان ہے۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ

اور جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے

کہ یہ گناہ عقیدے کے متعلق ہے۔

وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ

اور جس شخص (کے قتل کرنے) کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اس کو قتل نہیں

اِلَّا بِالْحَقِّ

کرتے ہاں مگر حق پر

یعنی اگر کسی شرعی سبب سے قتل کرنا واجب یا جائز ہوجائے تو اور بات ہے۔

وَلَا يَزْنُوْنَ ج

اور وہ زنا نہیں کرتے

اور قتل اور زنا یہ گناہ اعمال کے متعلق ہیں۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ

اور جو شخص ایسے کام کرے گا

یعنی شرک کرے یا شرک کے ساتھ قتل ناحق یا زنا بھی کرے جیسے مکہ کے مشرک تھے پس یہ آیت کفار ومشرکین کے بارہ میں ہے۔ صحیحین میں ابن عباسؓ سے اس کا شان نزول ان ہی کے بارہ میں منقول ہے اور آیت کے الفاظ بھی اس پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ عذاب کا بڑھتا جانا اور ہمیشہ عذاب ہونا اور ذلیل و خوار ہونا یہ کفار کے لئے مخصوص ہے اور گنہگار مسلمانوں کو جو عذاب ہوگا اس میں زیادتی نہ ہوگی نہ ہمیشہ ہوگا اور نہ وہ عذاب ذلیل وخوار کرنے کے لئے ہوگا بلکہ پاکی وصفائی کے لئے ہوگا دوسرا قرینہ یہ ہے کہ آگے فرماتے ہیں الامن تاب و اٰمن مگر جو ایمان لے آئے اور توبہ کرلے تو اگر یہ آیت گنہگار مسلمانوں کے حق میں ہوتی تو وہاں صرف توبہ کا ذکر ہوتا ایمان کا ذکر نہ ہوتا کیونکہ مسلمان کے لئے گناہ کے بعد توبہ کافی ہے تجدید ایمان ضروری نہیں۔

يَلْقَ اَثَامًا ﴿٦٨﴾ لا يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ

تو سزا سے اس کو سابقہ پڑے گا کہ قیامت کے روز اس کا عذاب

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

بڑھتا چلا جائے گا

یہ شبہ نہ کیا جائے کہ دوسری جگہ تو یہ فرمایا ہے کہ بڑے اعمال کی سزا ان کے برابر ہوگی زیادہ نہ ہوگی۔ **من جاء بالسیئة فلا یجزی الامثلها** اور یہاں زیادہ ہونا معلوم ہوتا ہے اور دونوں میں تعارض ہوا جواب یہ ہے کہ برابر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایک گناہ کا ایک ہی لکھا جاتا ہے دو یا زیادہ نہیں لکھے جاتے اور جس قدر لکھے جاتے ہیں سزا بھی ان ہی کی دی جاتی ہے لیکن اگر ان میں ایک گناہ اتنا سخت ہو کہ اس کی سزا اتنی ہو کہ ہمیشہ عذاب زیادہ ہوتا رہے تو یہ برابری کے خلاف نہیں اس صورت میں سزا جرم کے برابر ہی ہے زیادہ نہیں

وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ صلے ق اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ

اور وہ اس (عذاب) میں ہمیشہ ہمیشہ ذلیل (وخوار) ہوکر رہے گا مگر جو (شرک و

وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا

معاصی سے) توبہ کرلے اور ایمان (بھی) لے آئے اور نیک کام کرتا رہے

یہ اس توبہ کے قبول ہونے کی شرط ہے یعنی ضروری طاعات کو بجالاتا رہے تو وہ جہنم میں ہمیشہ تو کیا رہتا جہنم سے اس کو ذرا بھی لگاؤ نہ ہوگا

فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ط

اور اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے (گذشتہ) گناہوں کی جگہ نیکیاں عطا فرمائے گا

یعنی چونکہ کفر اور کفر کے زمانے کے سب گناہ اسلام سے معاف ہو گئے اور آئندہ بوجہ نیک اعمال کے نیکیاں لکھی جاتی رہیں گی اور ان پر ثواب ملے گا اس لئے جہنم سے ان کو کوئی تعلق نہ ہوگا۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٧٠﴾

اور اللہ تعالیٰ غفور ہے رحیم ہے

اس لئے اس کے گناہوں کو مٹا دیا اور نیک کام ان کی جگہ لکھ دیئے اور یہ تو کفر سے توبہ کرنے والوں کا بیان تھا آگے گناہ سے توبہ کرنے والے مومن کا بیان ہے۔

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ

اور جو شخص (اس کی معصیت سے) توبہ کرتا ہے اور نیک کام کرتا ہے تو (وہ بھی

اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿۷۱﴾

عذاب سے بچا رہے گا کیونکہ) وہ اللہ تعالیٰ کی طرف خاص طور پر رجوع کر رہا ہے

یعنی خوف اور اخلاص کے ساتھ جو کہ توبہ کی شرط ہے پس اس توبہ کا اثر بھی یہی ہے کہ اس شخص کو جہنم سے ذرا لگاؤ نہ ہوگا پس توبہ کے بعد نیک عمل کرتا رہنا توبہ قبول ہونے کی شرط نہیں اگر توبہ کے بعد عمل صالح نہ کرے تو یہ توبہ قبول ہو جائے گی مگر اس کا وعدہ نہیں کہ اس کو جہنم سے ذرا بھی لگاؤ نہ ہوگا پس عمل صالح کی قید جہنم سے لگاؤ نہ ہونے کے لئے شرط ہے۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا

اور وہ بیہودہ باتوں میں شامل نہیں ہوتے اور اگر (اتفاقاً) بیہودہ مشغلوں کے

بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿۷۲﴾

پاس کو ہو کر گزریں تو سنجیدگی کے ساتھ گزر جاتے ہیں

یعنی نہ اس کی طرف مشغول ہوتے ہیں اور نہ گناہگاروں کی تحقیر اور اپنی بڑائی ظاہر کرتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا

اور وہ ایسے ہیں کہ جس وقت ان کو اللہ کے احکام کے ذریعہ سے نصیحت کی

عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿۷۳﴾

جاتی ہے تو ان (احکام) پر بہرے اندھے ہو کر نہیں گرتے

بلکہ عقل و فہم کے ساتھ قرآن پر متوجہ ہوتے اور اشتیاق کے ساتھ دوڑتے ہیں کفار کی طرح نہیں کہ وہ قرآن کو نئی بات سمجھ کر تماشے کے طور پر اور اس میں اعتراض نکالنے کے لئے اس کی حقیقت سے بے خبر ہو کر اندھے بادلوں کی طرح ہجوم کر لیتے تھے۔

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا

اور وہ ایسے ہیں کہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیبیوں

وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ

اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک (یعنی راحت) عطا فرما

یعنی انکو دیندار و متقی بنا دے ہم کو دینداری کی کوشش میں کامیاب فرما کہ ان کی دینداری کو دیکھ کر راحت اور خوشی ہو غرض وہ لوگ جیسے خود دین کے عاشق ہیں اسی طرح اپنے اہل و عیال کے لئے بھی اس کی کوشش اور دعا کرتے ہیں۔

وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾

اور ہم کو متقیوں کا افسر بنا دے

یعنی تو نے ہم کو خاندان کا افسر تو بنایا ہی ہے مگر ہماری دعا یہ ہے کہ ان سب کو متقی کر دے تاکہ ہم متقی خاندان کے افسر کہلائیں بددین خاندان کے افسر نہ کہلائیں پس اصل مقصود اپنے خاندان کے متقی ہونے کی درخواست ہے افسری مانگنا مقصود نہیں اگرچہ اس میں بھی قباحت نہیں مگر مقام اس پر دلالت نہیں کرتا آگے ان نیک بندوں کی جزاء کا بیان ہے۔

اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ

ایسے لوگوں کو (بہشت میں رہنے کو) بالاخانے ملیں گے بوجہ ان کے (دین و

فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ﴿۷۵﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ

طاعت پر) ثابت قدم رہنے کے اور ان کو اس (بہشت) میں (فرشتوں کی جانب سے) بقا کی دعا اور سلام ملے گا (اور) اس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں

مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۷۶﴾

گے وہ کیسا اچھا ٹھکانا اور مقام ہے

اور اس مقام پر جس قدر اوصاف مذکور ہوئے ہیں نجات کا ان پر مدار نہیں ہے نجات کے لئے صرف ایمان ہی کافی ہے بلکہ ان اعمال پر بلند درجات کا ملنا موقوف ہے جیسا کہ یجزون الغرفۃ کا قرینہ ہے اور جنت میں سلامتی اور بقاء کی دعا محض تعظیم و اکرام کے لئے ہوگی اس لئے اس کو فضول نہیں کہہ سکتے۔

ربط: اوپر اذا قیل لھم اسجدوا میں عبادت سے انکار کرنے والوں کی مذمت اور عبادالرحمٰن میں عبادت بجالانے والوں کی فضیلت بیان فرمائی اور اسی کی تاکید کے لئے فرماتے ہیں کہ بندوں کو حق تعالیٰ سے کوئی ذاتی خصوصیت نہیں ہے کہ خواہ مخواہ آؤ بھگت کرے بس تعلق عبادت کا ہے اور چونکہ یہ مضمون اجمالی طور پر سورت کے تمام مضامین کا فیصلہ ہے اس لئے اس پر سورۃ کا ختم ہونا اعلیٰ درجہ کا حسن ختام ہے۔ قل ما یعبؤا تا لزاما۔

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ج

آپ (عام طور پر لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ میرا رب تمہاری ذرا بھی پرواہ نہ کرے گا اگر تم عبادت نہ کرو گے سو تم تو (احکام الٰہیہ کو) جھوٹا سمجھتے ہو تو

فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾ ع

عنقریب (جھوٹا سمجھنا تمہارے لئے) وبال (جان) ہوگا

خواہ دنیا ہی میں جیسے واقعہ بدر میں کفار پر مصیبت آئی یا آخرت میں اور وہ تو ظاہر ہے۔

سورۃ الشعراء مکیۃ الاقولہ' والشعراء الخ
مائتان وست او سبع ایۃ کذافی البیضاوی

ربط: اس سورت کے سب سے پہلے اور سب سے پچھلے رکوع میں قرآن اور رسالت کی حقانیت اور صدق اور اس کے مناسب مضامین کا ذکر ہے اور پہلے رکوع کے ختم پر منکرین کی دھمکی اور عبرت کے لئے بعض دلیلیں توحید ثابت کرنے والی مذکور ہیں اور پچھلی سورت کا ختم منکرین کی وعید پر ہوا تھا پس دونوں سورتوں کے شروع اور ختم میں مناسبت ظاہر ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم. طٰسٓمٓ تا ھو العزیز الرحیم

(۲۶) سُوْرَةُ الشُّعَرَآءِ مَكِّيَّةٌ (۴۷)

سورۂ شعراء مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں دو سو ستائیس آیتیں اور گیارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

طٰسٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾

طٰسٓمٓ یہ (مضامین جو آپ پر نازل ہوتے ہیں) کتاب واضح (یعنی قرآن) کی آیتیں ہیں شاید آپ ان کے ایمان نہ لانے پر (رنج کرتے

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ

کرتے) اپنی جان دے دیں گے۔

یعنی یہ لوگ جو اس پر ایمان نہیں لاتے تو آپ اتنا غم کیوں کرتے ہیں اصل یہ ہے کہ یہ عالم امتحان کی جگہ ہے یہاں ہم حق ثابت کرنے کے لئے ایسے ہی دلائل قائم کرتے ہیں جن کے بعد بھی ایمان لانا بندہ کے اختیار میں رہتا ہے ورنہ اگر ہم چاہتے تو کوئی ایسی دلیل بھیج دیتے جس سے وہ مجبور و مضطر ہو کر ایمان لے آتے۔

اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ

اگر ہم (ان کو مومن کرنا) چاہیں تو ان پر آسمان سے ایک بڑی نشانی

عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ

نازل کردیں پھر ان کی گردنیں اس نشانی سے

اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ﴿۴﴾

پست ہو جاویں

یعنی اختیار بالکل سلب ہو جائے اور مجبور ہو کر ایمان لے آئیں لیکن اس صورت میں ابتلاء وامتحان باقی نہ رہے گا اس لئے نہیں کیا جاتا اور حکم کو قدرت اور جبر کے درمیان رکھا جاتا ہے۔

وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ

اور (ان کی حالت یہ ہے کہ) ان کے پاس کوئی تازہ فہمائش (حضرت) رحمٰن کی

اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ﴿۵﴾ فَقَدْ

طرف سے ایسی نہیں آتی جس سے یہ بے رخی نہ کرتے ہوں سو (اس بے رخی کی

كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ

یہاں تک نوبت پہنچی کہ) انہوں نے (دین حق کو) جھوٹا بتلا دیا سو اب عنقریب ان

يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶﴾

کو اس بات کی حقیقت معلوم ہو جاوے گی جس کے ساتھ یہ استہزاء کیا کرتے تھے

یعنی جب موت کے وقت یا قیامت میں عذاب الٰہی کا معائنہ ہوگا اس وقت قرآن کا اور اس کے مضامین کا سچا ہونا منکشف ہو جائے گا۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ

کیا انہوں نے زمین کو نہیں دیکھا

جو ان سے بہت قریب اور ہر وقت سامنے ہے۔

كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ﴿۷﴾

کہ ہم نے اس میں کس قدر عمدہ عمدہ قسم کی بوٹیاں اگائی ہیں

جو دوسری مصنوعات کی طرح حق تعالیٰ کے کمال اور وحدت پر دلالت کرتی ہیں پس اگر قرآن کی آیتوں کا یہ لوگ انکار کرتے ہیں تو ان ظاہری دلیلوں کا انکار تو نہ کرنا چاہئے تھا جو خدا کی توحید پر محض عقلی طور پر

دلالت کرتی ہیں اگر شریعت سے نفرت ہے تو عقل سے تو دور نہیں۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ط

اس میں (توحید کی) ایک بڑی نشانی ہے

جس سے صانع عالم کا ذات اور صفات اور افعال میں یکتا ہونا عقلاً معلوم ہوتا ہے اور خود یہ بات بھی عقل سے ثابت ہے کہ معبود کے لئے ذات وصفات میں کامل ہونا شرط ہے اور اس کمال کے واسطے یہ ضروری ہے کہ وہ اکیلا معبود ہو (کیونکہ یکتائی اور بے نظیری اعلیٰ درجہ کا کمال ہے اور کسی کا اس کے برابر ہونا بہت بڑا نقص ہے اس سے معبود کو منزہ ہونا چاہئے ملخص)۔

وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۸﴾

اور ان میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے

اور شرک کرتے رہتے ہیں غرض شرک کرنا یہ نبوت کے انکار سے بھی بڑھ کر ہے سو اس سے معلوم ہوا کہ فساد نے ان کی فطرت کو بالکل خراب کر دیا پھر ایسوں کے پیچھے کیوں جان کھپائی جائے۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۹﴾ ع

اور بلاشبہ آپ کا رب غالب ہے رحیم ہے

یعنی اگر ان کو جلدی عذاب نہ آنے سے یہ شبہ ہو کہ ہمارا شرک کرنا خدا کے نزدیک برا نہیں ورنہ عذاب جلدی آ جاتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ خدا کی رحمت عامہ دنیا میں کفار کو بھی شامل ہے جس کا اثر یہ ہے کہ ان کو مہلت دے رکھی ہے ورنہ کفر یقیناً برا اور عذاب کا سبب ہے اور ایسی ہی آیت آئندہ قصوں کے ختم پر آئی ہے وہاں بھی یہی حاصل ہے کہ جس طرح یہ دلیل عبرت حاصل کرنے کے قابل ہے وہ واقعات بھی اس لائق ہیں کہ ان سے خدا کی قدرت پر استدلال کیا جائے اور خدا سے ڈر کر احکام کی بجا آوری میں مستعد ہونا چاہئے مگر پھر بھی یہ لوگ ایمان نہیں لاتے اور خدا تعالیٰ باوجود عذاب پر قادر ہونے کے رحمت کی وجہ سے مہلت دیتا ہے اور اہتمام کی وجہ سے اس آیت کو بار بار بیان فرمایا ہے۔

ربط: اوپر تکذیب کرنے والوں کی مذمت تھی آگے ان کی دھمکی اور عبرت کے لئے چند قصے مذکور ہوتے ہیں۔ واذنادی تا للنظرین

وَاِذْ نَادٰی رَبُّكَ مُوْسٰۤی اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ

اور (ان لوگوں سے اس وقت کا قصہ ذکر کیجئے) جب آپ کے رب نے موسیٰ کو پکارا (اور حکم دیا) کہ تم ان ظالموں کے یعنی قوم فرعون کے پاس

الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۰﴾ لا قَوْمَ فِرْعَوْنَ ط اَلَا یَتَّقُوْنَ ﴿۱۱﴾

جاؤ (اور اے موسیٰ دیکھو) کیا یہ لوگ (ہمارے غضب سے) نہیں ڈرتے

یعنی ان کی حالت بہت عجیب اور قابل ملامت ہے اس لئے تم کو ان کی طرف بھیجا جاتا ہے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ﴿۱۲﴾ ط

انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار مجھ کو یہ اندیشہ ہے کہ وہ مجھ کو جھٹلانے لگیں اور (طبعی طور پر ایسے وقت میں کہ) میرا دل

وَیَضِیْقُ صَدْرِیْ وَلَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ

تنگ ہونے لگتا ہے اور میری زبان (اچھی طرح) نہیں چلتی

جیسا کہ کہا گیا ہے۔

فہم سخن تا نکند مستمع قوت طبع از متکلم مجو

یعنی جب سننے والا بات سمجھنے ہی کا ارادہ نہ کرے تو کہنے والے کی طبیعت کھل نہیں سکتی حاصل کلام یہ ہے کہ میں اس خدمت کے لئے حاضر ہوں مگر اس کی تکمیل کے لئے ایک مددگار چاہتا ہوں۔

فَاَرْسِلْ اِلٰی هٰرُوْنَ ﴿۱۳﴾

اس لئے ہارون کے پاس بھی وحی بھیج دیجئے

اور ان کو بھی نبوت دے دیجئے کہ اگر لوگ مجھ کو جھٹلائیں تو وہ میری تائید اور تصدیق کرنے لگیں تاکہ میرا دل کھلا رہے اور زبان چلتی رہے اور اگر کسی وقت میری زبان رک جائے تو وہ تقریر کرنے لگیں اور یہ غرض ویسے بھی محض ہارون علیہ السلام کو بلا نبوت ملے ساتھ رکھنے سے حاصل ہو سکتی تھی مگر نبوت مل جانے سے اچھی طرح پوری ہوگئی

وَلَهُمْ عَلَیَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ﴿۱۴﴾ ج

میرے ذمہ ان لوگوں کا ایک جرم بھی ہے سو مجھ کو یہ اندیشہ ہے کہ وہ مجھ کو (قبل تبلیغ رسالت) قتل کر ڈالیں

تو اس کی بھی کچھ تدبیر فرما دیجئے کہ وہ مجھ کو دیکھتے ہی قتل نہ کر ڈالیں کہ بات بھی نہ کر سکوں اور یہ جرم ایک قبطی کا قتل تھا جس کا قصہ سورہ قصص میں آوے گا۔

قَالَ كَلَّا ج

ارشاد ہوا کہ کیا مجال ہے

جوا ایسا کر سکیں اور ہم نے ہارونؑ کو بھی نبوت دی اب دونوں رکاوٹیں دور ہو گئیں۔

فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿۱۵﴾ فَاْتِيَا

سو (اب) تم دونوں ہمارے احکام لے کر جاؤ ہم (نصرت و امداد سے)

فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾

تمہارے ساتھ ہیں سنتے ہیں سو تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ

اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا

ہم رب العالمین کے فرستادہ ہیں کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دے

یعنی توحید کے ساتھ یہ حکم بھی لائے ہیں کہ بنی اسرائیل کو اپنے بیگار اور ظلم سے نجات دے کر ان کے اصلی ملک شام کی طرف جانے دے دونوں باتوں کا حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ اور حق العباد میں حد سے آگے نہ بڑھے۔

بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۷﴾

(دونوں حضرات گئے اور فرعون سے سب مضامین کہہ دیئے)

فرعون نے یہ باتیں سن کر موسیٰ علیہ السلام کو پہچانا اور اول ان کی طرف متوجہ ہوا۔

قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا

فرعون کہنے لگا کہ (آہا تم ہو) کیا ہم نے تم کو بچپن میں پرورش نہیں کیا اور تم

مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ

اپنی (اس) عمر میں برسوں ہم میں رہا سہا کئے اور تم نے اپنی وہ حرکت بھی کی

الَّتِیْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾

تھی جو کی تھی (یعنی قبطی کو قتل کیا تھا) اور تم بڑے ناسپاس ہو

کہ میرا ہی کھایا اور میرا ہی آدمی قتل کیا اور پھر مجھ کو اپنا تابع بنانے آئے ہو چاہئے تو یہ کہ تم مجھ سے ہر طرح دبو۔

قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۲۰﴾

موسیٰ نے جواب دیا کہ (واقعی) اس وقت وہ حرکت میں کر بیٹھا تھا اور مجھ سے بڑی غلطی ہو گئی تھی

یعنی عمداً میں نے قتل نہیں کیا بلکہ اس کی خطا پر اس کو آگاہ کرتا تھا اتفاق سے وہ مر گیا۔

فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِیْ رَبِّیْ

پھر مجھ کو ڈر لگا تو میں تمہارے گھر سے مفرور ہو گیا پھر مجھ کو میرے

حُكْمًا وَّجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۱﴾

رب نے دانشمندی عطا فرمائی اور مجھ کو پیغمبروں میں شامل کر دیا

اور دانشمندی نبوت کے لئے لازم ہے خلاصہ یہ کہ میں اس وقت پیغمبر ہی کی حیثیت سے آیا ہوں جس میں دبنے کی کوئی وجہ نہیں اور یہ قتل کا واقعہ نبوت کے منافی نہیں۔ کیونکہ وہ خطا سے ہو گیا تھا اور بھول چوک سے نبوت کی لیاقت پر کوئی دھبہ نہیں آ سکتا۔ یہ تو قتل کے اعتراض کا جواب ہے۔

وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَیَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِیْٓ

اور (رہا احسان جتلانا پرورش کا سو) وہ یہ نعمت ہے جس کا تو مجھ پر احسان رکھتا

اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۲﴾

ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو سخت ذلت میں ڈال رکھا تھا

کہ ان کے لڑکوں کو قتل کرتا تھا جس کے خوف سے میں صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈالا گیا اور تیرے ہاتھ لگ گیا اور تیری پرورش میں رہا تو اس پرورش کی اصلی وجہ تو تیرا ظلم ہے تو ایسی پرورش کا کیا احسان جتلایا جاتا ہے بلکہ اس سے تو اپنی ناشائستہ حرکات کو یاد کر کے شرمانا چاہئے اور اس جواب سے یہ مقصود نہیں کہ میں احسان نہیں مانتا بلکہ مقصود یہ ہے کہ تجھ کو احسان جتلانا نہ چاہئے کیونکہ احسان جتلانا ہمیشہ برا ہے خاص کر جب اس کا سبب احسان کرنے والے کا ظلم ہو۔

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ رَبُّ

فرعون (اس بات میں لاجواب ہوا اور سخن کا پہلو بدل کر اس نے) کہا کہ رب العالمین کی ماہیت (اور حقیقت) کیا ہے موسیٰ نے جواب دیا کہ وہ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ

پروردگار ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ (مخلوقات) ان کے درمیان

مُّوْقِنِيْنَ ﴿۲۴﴾

میں ہے اس کا اگر تم کو یقین کرنا ہو (تو یہ پتہ بہت ہے)

مطلب یہ کہ تم حق تعالیٰ کی حقیقت سے اس کو نہیں پہچان سکتے اور نہ کوئی حقیقت بتلا سکے اس لئے جب سوال کرو گے جواب میں خدا کی صفات ہی بیان کی جائیں گی۔

قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗۤ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿٢٥﴾ قَالَ

فرعون نے اپنے اردگرد (بیٹھنے) (والوں سے کہا کہ تم لوگ (کچھ سنتے ہو کہ سوال کچھ

رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٢٦﴾

اور جواب کچھ) موسیٰ نے فرمایا کہ وہ پروردگار ہے تمہارا اور تمہارے پہلے بزرگوں کا

اس جواب میں دوبارہ اسی پہلے مطلب پر تنبیہ کردی کہ تم خدا کو اس کی صفات سے پہچان سکتے ہو حقیقت نہیں جان سکتے موسیٰ علیہ السلام خدا کی قدرتیں بیان کرتے جاتے تھے اور فرعون بیچ میں اپنے درباریوں کو ابھارتا جاتا تھا تا کہ ان کو یقین نہ آجائے کہ دیکھو میں ان سے خدا کی حقیقت پوچھتا ہوں اور یہ اتے پتے بتلاتے ہیں۔

قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْۤ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ

فرعون (نہ سمجھا اور) کہنے لگا کہ یہ تمہارا رسول جو (بزعم خود) تمہاری طرف

لَمَجْنُوْنٌ ﴿٢٧﴾ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ

رسول ہو کر آیا ہے مجنون (معلوم ہوتا) ہے موسیٰ نے فرمایا کہ پروردگار ہے

وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٢٨﴾ قَالَ

مشرق کا اور مغرب کا اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے اس کا بھی اگر تم کو عقل

لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ

ہو تو اس کو مان لو) فرعون (آخر جھلا کر) کہنے لگا کہ اگر تم میرے سوا کوئی اور

الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿٢٩﴾ قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ

معبود تجویز کرو گے تو تم کو جیل خانہ بھیج دوں گا موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا اگر

مُّبِيْنٍ ﴿٣٠﴾ ج قَالَ فَاْتِ بِهٖۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ

میں کوئی صریح دلیل پیش کردوں تب بھی (نہ مانے گا) فرعون نے کہا اچھا تو وہ

الصّٰدِقِيْنَ ﴿٣١﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ

دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو سو موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈال دی تو وہ دفعۃً ایک نمایاں

ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿٣٢﴾ صلے ج وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ

اژدہا بن گیا اور (دوسرا معجزہ دکھلانے کے لئے اپنا ہاتھ (گریبان میں دے کر)

بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿٣٣﴾ ع

باہر نکالا تو وہ دفعۃً سب دیکھنے والوں کے روبرو بہت ہی چمکتا ہوا ہوگیا

جس کو کھلی آنکھوں سب نے دیکھا جب موسیٰ علیہ السلام کے معجزات ظاہر ہوئے تو فرعون نے ان کو جادو بتا کر ٹالا تا کہ کوئی ایمان نہ لائے قال للملا تا اول المؤمنین

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿٣٤﴾ لا

فرعون نے اہل دربار سے جو اس کے آس پاس (بیٹھے) تھے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے

يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ ق صلے

جادو (کے زور سے تم کو تمہاری سرزمین سے باہر کر دے

تا کہ بدوں کسی روک ٹوک کے اپنی قوم کو لے کر اکیلا حکومت کرے۔

فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿٣٥﴾ قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ

سو تم لوگ کیا مشورہ دیتے ہو درباریوں نے کہا کہ آپ ان کو اور ان کے بھائی کو

وَابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿٣٦﴾ لا يَاْتُوْكَ

(چندے) مہلت دیجئے اور شہروں میں چپڑاسیوں (کو حکمنامے) دے کر بھیج

بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿٣٧﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ

دیجئے کہ وہ (سب شہروں سے) سب ماہر جادوگروں کو آپ کے پاس لا کر

يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٣٨﴾ لا

حاضر کردیں غرض وہ جادوگر ایک معین دن کے خاص وقت پر جمع کر لئے گئے

معین دن سے میلہ کا دن مراد ہے اور خاص وقت سے چاشت کا وقت جیسا کہ سورہ طٰہٰ میں مذکور ہے یعنی اس وقت کے قریب تک سب جمع کر لئے اور فرعون کو جمع ہونے کی اطلاع کی گئی۔

وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿٣٩﴾ لا

اور (فرعون کی طرف سے بطور اعلان عام کے) لوگوں کو یہ اشتہار دیا گیا کہ

لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ

کیا تم لوگ جمع ہو گے (یعنی جمع ہو جاؤ) تا کہ اگر جادوگر غالب آجاویں تو ہم

الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۰﴾

ان ہی کی راہ پر رہیں

یعنی وہی راہ جس پر فرعون تھا اور دوسروں کو بھی اس پر رکھنا چاہتا تھا اور یہ عنوان اس لئے اختیار کیا تا کہ خود غرضی ظاہر نہ ہو مطلب یہ کہ جمع ہو کر دیکھو امید ہے جادوگر غالب رہیں گے تو ہم لوگوں کے طریق کا حق ہونا حجت سے ثابت ہو جائے گا۔

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ

پھر جب وہ جادوگر (فرعون کی پیشی میں) آئے تو فرعون سے کہنے لگے کیا اگر ہم (موسیٰ

لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۱﴾ قَالَ

علیہ السلام) پر غالب آگئے تو کیا ہم کو کوئی بڑا صلہ (اور انعام) ملے گا فرعون نے کہا کہ

نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۲﴾

ہاں اور (مزید برآں) تم اس صورت میں (ہمارے) مقرب لوگوں میں داخل ہو جاؤ گے

غرض اس گفتگو کے بعد میں عین موقعہ پر مقابلہ کے لئے آئے اور دوسری طرف موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے اور مقابلہ شروع ہوا اور جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ اپنا عصا پہلے ڈالئے گا یا ہم ڈالیں۔

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۴۳﴾

موسیٰ نے ان سے فرمایا کہ تم کو جو کچھ ڈالنا ہو (میدان میں)

فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ

ڈالو سو انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں

جو جادو کے اثر سے سانپ معلوم ہوتے تھے۔

وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾

اور کہنے لگے کہ فرعون کے اقبال کی قسم بیشک ہم ہی غالب آویں گے پھر موسیٰ نے اپنا عصا ڈالا سو ڈالتے کے ساتھ ہی (اژدہا بن کر) ان کے تمام تر بنے

فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا

بنائے دھندے کو نگلنا شروع کر دیا سو (یہ دیکھ کر) جادوگر (ایسے متاثر ہوئے

يَاْفِكُوْنَ ﴿۴۵﴾ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۴۶﴾

کہ سب سجدے میں گر پڑے اور پکار پکار کر) کہنے لگے کہ ہم ایمان لے

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾

آئے رب العالمین پر جو موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) کا بھی رب ہے

فرعون یہ دیکھ کر بڑا گھبرایا کہ ایسا نہ ہو کہ ساری رعایا ہی مسلمان ہو جائے تو اس نے ایک مضمون گھڑ کر ساحروں کو یہ دھمکانا شروع کیا۔

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ

فرعون کہنے لگا کہ ہیں تم موسیٰ پر ایمان لے آئے بدوں اس کے کہ میں تم کو اجازت دوں

لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ

ضرور (معلوم ہوتا ہے کہ) یہ (جادو میں) تم سب کا استاد ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے

اور تم اس کے شاگرد ہو اس لئے آپس میں خفیہ سازش کر لی ہے کہ تم یوں کرنا ہم یوں کریں گے پھر اسی طرح ہار جیت ظاہر کریں گے تا کہ قبطیوں سے سلطنت چھین کر اطمینان سے خود حکومت کرو۔

فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۥ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ

سو اب تم کو حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے (اور وہ یہ ہے) میں تمہارے ایک

وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ

طرف کے ہاتھ اور دوسرے طرف کے پاؤں کاٹوں گا اور تم سب کو سولی پر

اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۹﴾ قَالُوْا لَا ضَيْرَ ۡ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا

ٹانگ دوں گا (تا کہ اوروں کو عبرت ہو) انہوں نے جواب دیا کہ کچھ حرج

مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۵۰﴾

نہیں ہم اپنے مالک کے پاس جا پہنچیں گے

جہاں ہر طرح کا امن و آرام ہے پھر ایسے مرنے سے نقصان ہی کیا ہوا۔

اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ

(اور) ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہماری خطاؤں کو معاف کر دے اس

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۱﴾

وجہ سے کہ ہم (اس موقع پر حاضرین میں سے) سب سے پہلے ایمان لائے

پس یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ ان سے پہلے بھی بعضے ایمان لا چکے تھے جیسے آسیہ اور مومن آل فرعون اور بنی اسرائیل کیونکہ مطلب یہ ہے کہ یہاں حاضر ہونے والوں میں سے ہم پہلے ایمان لائے پھر جب فرعون کو اس

واقعہ سے بھی ہدایت نہ ہوئی اور اس نے بنی اسرائیل کو تکلیف پہنچانا نہ چھوڑا تو موسیٰ علیہ السلام کو مصر سے باہر چلے جانے کا حکم ہوا۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ

اور ہم نے موسیٰ کو حکم بھیجا کہ میرے ان بندوں کو شبا شب (مصر سے باہر)

مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾

نکال لے جاؤ (اور فرعون کی جانب سے) تم لوگوں کا تعاقب کیا جاوے گا

چنانچہ وہ موافق حکم کے بنی اسرائیل کو لے کر رات کو چل دیئے صبح کو یہ خبر مشہور ہوئی۔

فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۵۳﴾

فرعون نے تعاقب کی تدبیروں کے لئے آس پاس کے) شہروں میں چپراسی دوڑا دیئے

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿۵۴﴾

(اور یہ کہلا بھیجا) کہ یہ لوگ (یعنی بنی اسرائیل ہماری نسبت) تھوڑی سی جماعت ہے

ان کے مقابلہ سے کوئی اندیشہ نہ کرے۔

وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾

اور انہوں نے ہم کو بہت غصہ دلایا ہے

کہ خفیہ چالاکی سے نکل گئے یا یہ کہ ہمارا بہت ساز یور شادی کے بہانے سے مانگ کر بھاگ گئے غرض ہم کو احمق بنا کر گئے ہیں ان کا تدارک ضرور کرنا چاہئے۔

وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾

اور ہم سب ایک مسلح جماعت (اور باقاعدہ فوج) ہیں

آخر کار دو چار روز میں جب سامان اور فوج سے درست ہو گیا تو لشکر لے کر بنی اسرائیل کے پیچھے چلا اور یہ خبر نہ تھی کہ اب لوٹنا نصیب نہ ہوگا۔

فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّكُنُوْزٍ

غرض ہم نے ان کو باغوں سے اور چشموں سے اور خزانوں سے اور عمدہ مکانات

وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ ۭ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ

سے نکال باہر کیا ہم نے ان کے ساتھ تو) یوں کیا اور ان کے بعد بنی اسرائیل

اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾

کو ان کا مالک بنایا

اس پر یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ تواریخ سے ثابت ہے کہ اس وقت بنی اسرائیل مصر کو نہیں لوٹے بلکہ شام کی طرف بڑھتے رہے بیچ میں وادی تیہ کا قصہ ہوا پھر چالیس برس کے بعد شام پر قابض ہوئے اور وہیں رہ پڑے جواب یہ ہے کہ آیت میں یہ تصریح نہیں ہے کہ فرعون کے ہلاک ہوتے ہی بنی اسرائیل مصر پر قابض ہوگئے بلکہ صرف اتنا مذکور ہے کہ ان کو مالک بنادیا اور مالک بنانا عام ہے خواہ اسی وقت مالک بنایا ہو یا کچھ زمانہ کے بعد سو حکومت مصر میں ایسے انقلابات ہوتے رہے کہ ایک وقت میں وہ بھی بنی اسرائیل کی سلطنت میں شامل ہو گیا اور یہ زمانہ سلیمان علیہ السلام کا تھا اور فرعونیوں کے زیور لینے کے متعلق اگر کسی کو پرایا مال لینے کا شبہ ہو تو اسکا ایک جواب سورہ طٰہٰ میں گزر چکا ہے اور ایک جواب یہ ہے کہ مصریوں نے خدا جانے ان غریبوں کا ظلم کر کے کتنا نقصان کیا ہوگا اور کتنی مزدوری ان کی مار لی ہوگی اس طور پر تو شاید حساب بھی پورا نہ ہوا ہوگا۔

فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿۶۰﴾

(یہ جملہ معترضہ تھا آگے قصہ ہے) غرض (ایک روز)

سورج نکلنے کے وقت ان کو پیچھے سے جالیا

یعنی قریب پہنچ گئے اور اس وقت بنی اسرائیل دریائے قلزم میں اترنے کی فکر میں تھے کہ پار ہونے کا کیا سامان کریں۔

فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى

پھر دونوں جماعتیں آپس میں ایسی قریب ہوئیں کہ) ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں تو موسیٰ کے ہمراہی (گھبرا کر) کہنے لگے کہ (اے موسیٰ) بس ہم تو

اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ

ان کے ہاتھ آ گئے۔ موسیٰ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں کیونکہ میرے ہمراہ میرا

سَيَهْدِيْنِ ﴿۶۲﴾

پروردگار ہے وہ مجھ کو (دریا سے نکلنے کا) ابھی راستہ بتلادے گا

کیونکہ موسیٰ علیہ السلام سے حق تعالیٰ نے پہلے ہی یہ فرمادیا تھا فاضرب لھم طریقا فی البحر یبسا لاتخاف درکا ولا تخشی کہ بنی اسرائیل کے لئے دریا میں سوکھا راستہ بنا دینا پھر نہ کسی کا خوف کیجیو نہ کوئی اندیشہ اگرچہ یہ کیفیت نہ بتلائی تھی کہ خشک راستہ کس طرح پیدا ہوجائے گا۔ پس موسیٰ علیہ السلام اس وعدہ پر مطمئن تھے اور بنی اسرائیل حقیقت معلوم نہ ہونے سے مضطرب تھے۔

فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۭ

پھر ہم نے موسیٰ کو حکم دیا کہ اپنی عصا کو دریا پر مارو چنانچہ (انہوں نے اس پر

فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ۝۶۳

عصا مارا جس سے) وہ (دریا) پھٹ گیا اور ہر حصہ اتنا (بڑا) تھا جیسا بڑا پہاڑ

یعنی دریا پھٹ کر کئی حصے ہوگیا اور پانی کئی جگہ سے ہٹ کر بیچ میں چند سڑکیں کھل گئیں اور یہ لوگ امن واطمینان کے ساتھ دریا پار ہوگئے۔

وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ۝۶۴

اور ہم نے دوسرے فریق کو بھی اس موقع کے قریب پہنچا دیا

یعنی فرعون اور فرعونی بھی دریا کے نزدیک پہنچے اور موافق پیشینگوئی واترک البحر رھوا کے دریا اس وقت تک اسی حال پر ٹھہرا ہوا تھا اس لئے کھلے ہوئے راستے کو غنیمت سمجھا اور آ گا پیچھا کچھ سوچا نہیں سارا لشکر اندر گھس گیا اور چاروں طرف سے پانی سمٹنا شروع ہوا اور سارے لشکر کا کام تمام ہوا۔

وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ۝۶۵

اور (انجام قصہ یہ ہوا کہ) ہم نے موسیٰ کو اور ان کے ساتھ والوں کو سب کو بچا

ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝۶۶ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ

لیا پھر دوسروں کو غرق کردیا (اور) اس واقعہ میں بھی بڑی عبرت ہے

یعنی اس قابل ہے کہ کفار اس سے استدلال کریں کہ مخالف احکام و رسل موجب عذاب خداوندی ہے اور اس کو سمجھ کر مخالفت سے بچیں۔

وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۶۷ وَاِنَّ رَبَّكَ

اور (باوجود اس کے) ان (کفار) میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور آپ

لَهُوَ الْعَزِيْزُ

کا رب بڑا زبردست ہے

اگر چاہتا دنیا ہی میں عذاب دیتا لیکن وہ مہربان بھی ہے اس لئے اپنی رحمت سے مہلت دے رکھی ہے پس جلدی عذاب نہ ہونے سے بے فکر نہ رہیں واتل علیھم تا لھو العزیز الرحیم

الرَّحِيْمُ ۝۶۸ۧ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ۝۶۹ۘ

(اور) بڑا مہربان ہے اور آپ ان لوگوں کے سامنے ابراہیم (علیہ السلام) کا قصہ بیان کیجئے

تا کہ ان کو شرک کی برائی کے دلائل معلوم ہوں خاص کر ابراہیم علیہ السلام سے منقول ہو کر کیونکہ مشرکین عرب اپنے آپ کو دین ابراہیمی پر بتلاتے ہیں آگے اس کا بیان ہے کہ وہ قصہ کب واقع ہوا تھا۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝۷۰ قَالُوْا

جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کس چیز کی عبادت کیا

نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ۝۷۱ قَالَ

کرتے ہو انہوں نے کہا کہ ہم بتوں کی عبادت کیا کرتے ہیں اور ہم ان ہی (کی

هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ۝۷۲ۙ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ

عبادت) پر جمے بیٹھے رہتے ہیں ابراہیم نے فرمایا کہ کیا یہ تمہاری سنتے ہیں جب تم

اَوْ يَضُرُّوْنَ ۝۷۳

ان کو پکارا کرتے ہو یا یہ تم کو کچھ نفع پہنچاتے ہیں یا یہ تم کو کچھ ضرر پہنچا سکتے ہیں

یعنی معبود ہونے کے لئے علم اور کامل قدرت بھی تو ضروری ہے۔

قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَاۗءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ۝۷۴

ان لوگوں نے کہا کہ (ان کی عبادت کرنے کی وجہ یہ تو) نہیں بلکہ ہم نے اپنے بڑوں کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے

یعنی ان میں علم اور قدرت کچھ بھی نہیں اور نہ اس واسطے ہم ان کی عبادت کرتے ہیں بلکہ ہمارے بڑے ایسا ہی کرتے آئے ہیں ہم بھی ویسا ہی کرتے ہیں۔

قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۝۷۵ۙ

ابراہیمؑ نے فرمایا کہ بھلا تم نے ان کو (غور سے) دیکھا بھی جن کی تم عبادت

اَنْتُمْ وَاٰبَاۗؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ۝۷۶ۡۖ فَاِنَّهُمْ

کیا کرتے ہو تم بھی اور تمہارے پرانے بڑے بھی کہ یہ (معبودین میرے

عَدُوٌّ لِّيْٓ

(اور تمہارے) لئے باعث ضرر ہیں

یعنی اگر ان کی عبادت کی جاوے خواہ نعوذ باللہ میں کروں یا تم کرو تو بجز ضرر کے اور کوئی نتیجہ نہیں۔

اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۷۷ۙ

مگر ہاں رب العالمین

کہ وہ اپنے عبادت کرنے والوں کا دوست ہے اور اس کی عبادت ہر حالت میں سراسر نافع ہے۔

الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ﴿۷۸﴾

جس نے مجھ کو (اور اسی طرح سب کو) پیدا کیا پھر وہی مجھ کو (میری مصلحتوں کی طرف) رہنمائی کرتا ہے

یعنی عقل وفہم دیتا ہے جس سے نفع اور ضرر کو سمجھتا ہوں۔

وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ﴿۷۹﴾ وَاِذَا

اور جو مجھ کو کھلاتا پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں (جس کے بعد شفا ہو

مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ﴿۸۰﴾ وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ

جاتی ہے) تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے اور جو مجھ کو (وقت پر) موت دے گا پھر

ثُمَّ یُحْیِیْنِ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ

(قیامت کے روز) مجھ کو زندہ کرے گا اور جس سے مجھ کو یہ امید ہے کہ میری

خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿۸۲﴾

غلط کاری کو قیامت کے روز معاف کر دے گا

غلط کاری سے مراد خلاف اولیٰ ہے ورنہ انبیاء گناہوں سے پاک ہیں اور یہ تمام تر صفات اس لئے سنائیں تاکہ قوم کو خدا تعالیٰ کی عبادت کی رغبت ہو پھر صفات کمال بیان فرماتے فرماتے غلبہ حضور سے حق تعالیٰ سے مناجات کرنے لگے۔

رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا

اے میرے پروردگار مجھ کو حکمت عطا فرما

یعنی علم وعمل میں پورا کمال عطا فرما کیونکہ نفس حکمت تو دعاء کے وقت بھی حاصل ہے۔

وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۳﴾ وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ

اور (مراتب قرب میں) مجھ کو اعلیٰ درجہ کے) نیک لوگوں کے ساتھ شامل فرما

صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۸۴﴾

اور میرا ذکر آئندہ آنے والوں میں جاری رکھ

تاکہ وہ بھی میرے طریقہ پر چلیں جس سے مجھ کو زیادہ ثواب ملے۔

وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ ﴿۸۵﴾

اور مجھ کو جنت النعیم کے مستحقین میں سے کر اور میرے باپ (کو توفیق

وَاغْفِرْ لِاَبِیْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ ﴿۸۶﴾

ایمان کی دے کر اس) کی مغفرت فرما کہ وہ گمراہ لوگوں میں ہے

ترجمہ میں باپ کے لئے دعا مغفرت کی جو توجیہ کی گئی ہے کہ ایمان کی توفیق دے کر اس کی مغفرت کر دیجئے اس سے کافر کے لئے استغفار کرنے کا شبہ نہ رہا کیونکہ اس کا حاصل ہدایت کے لئے دعا کرنا ہے اور یہ دعاء کافر کے واسطے بھی جائز ہے۔

وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ ﴿۸۷﴾

اور جس روز سب زندہ ہو کر اٹھیں گے اس روز مجھ کو رسوا نہ کرنا

آگے اس دن کے بعض ہیبتناک واقعات کا ذکر بھی فرما دیا تاکہ قوم سنے اور ڈرے۔

یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾

جس دن میں کہ (نجات کے لئے) نہ مال کام آوے گا اور نہ اولاد

اس پر یہ شبہ نہ ہو کہ مسلمانوں کو تو صدقہ کئے ہوئے مال اور نیک اولاد سے یا جو نابالغ ہی مر گئے ہوں نفع ہوتا ہے جواب یہ ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ مال و اولاد کی ذات خود نافع نہیں جب تک کہ ان کے ساتھ کوئی نیک عمل نہ ملے اور مومن چونکہ مال کو خیرات کرتا ہے یا اولاد کے مرنے پر صبر کرتا ہے یا اولاد اس کو محسن سمجھ کر ثواب بخشتی ہے یا وہ ان کی تعلیم دین کے لئے کوشش کرتا ہے اس وجہ سے اس کو نفع ہوتا ہے تو یہ نفع اپنے عمل سے ہوا مال و اولاد کی ذات سے نہیں ہوا پس اس جواب کی ضرورت نہیں کہ یہ نفع نہ ہونا کفار کے لئے مخصوص ہے۔

اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ﴿۸۹﴾ وَاُزْلِفَتِ

مگر ہاں (اس کی نجات ہوگی) جو اللہ کے پاس (کفر و شرک سے) پاک دل لے کر آوے گا اور (اس روز) خدا ترسوں (یعنی ایمان والوں) کے لئے

الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۹۰﴾

جنت نزدیک کر دی جائے گی

کہ اس کو دیکھیں اور یہ معلوم کر کے کہ ہم اس میں جاویں گے خوش ہوں۔

وَبُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ لِلْغٰوِیْنَ ﴿۹۱﴾ وَقِیْلَ لَهُمْ

اور گمراہوں (یعنی کافروں) کے لئے دوزخ سامنے ظاہر کی جاوے گی اور

أَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿٩٢﴾ مِنْ دُونِ اللّٰهِ ط

(اس روز) ان سے کہا جاوے گا کہ وہ معبود کہاں گئے جن کی تم خدا کے سوا

هَلْ يَنْصُرُونَكُمْ أَوْ يَنْتَصِرُونَ ﴿٩٣﴾ ط فَكُبْكِبُوا

عبادت کیا کرتے تھے کیا وہ تمہارا ساتھ دے سکتے ہیں یا اپنا ہی بچاؤ کر سکتے

فِيهَا هُمْ وَالْغَاوُونَ ﴿٩٤﴾ وَجُنُودُ إِبْلِيسَ

ہیں پھر (یہ کہہ کر) وہ (معبودین) اور گمراہ لوگ اور ابلیس کا لشکر سب کے

أَجْمَعُونَ ﴿٩٥﴾ ط

سب دوزخ میں اوندھے منہ ڈال دیئے جاویں گے

کہ اس کو دیکھ کر غمزدہ ہوں کہ ہم اس میں جاویں گے۔

قَالُوا وَهُمْ فِيهَا يَخْتَصِمُونَ ﴿٩٦﴾ تَاللّٰهِ إِنْ

وہ کفار اس دوزخ میں گفتگو کرتے ہوئے (ان معبودین سے) کہیں گے کہ

كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿٩٧﴾

بخدا بے شک ہم صریح گمراہی میں تھے

پس وہ بت نہ اپنے کو بچا سکے نہ اپنے عابدین کو اسی طرح شیاطین بھی نہ مدد کر سکے اور نہ کرا سکے۔

إِذْ نُسَوِّيكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٩٨﴾ وَمَا أَضَلَّنَا

جبکہ تم کو (عبادت میں) رب العالمین کے برابر کرتے تھے اور ہم کو تو بس ان

إِلَّا الْمُجْرِمُونَ ﴿٩٩﴾ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِينَ ﴿١٠٠﴾

بڑے مجرموں نے (جو کہ بانی ضلالت تھے) گمراہ کیا (اب) نہ کوئی ہمارا سفارشی

وَلَا صَدِيقٍ حَمِيمٍ ﴿١٠١﴾ فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً

ہے (کہ چھڑا لے اور نہ کوئی مخلص دوست ہے (کہ خالی دلسوزی ہی کر لے)

فَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٠٢﴾

سو کیا اچھا ہوتا کہ ہم کو (دنیا میں) پھر واپس جانا ملتا کہ ہم مسلمان ہو جاتے

یہاں تک ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کی تقریر ہو گئی آگے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ط

بیشک اس واقعہ میں (بھی طالبان حق کے لئے) ایک بڑی عبرت ہے

کہ اس مناظرہ کے مضامین میں غور کر کے توحید کا اعتقاد کریں اور قیامت کے واقعات سے ڈریں اور ایمان لاویں۔

وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٠٣﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ

اور باوجود اس کے ان (مشرکین مکہ) میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے بیشک

لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٠٤﴾ ع

آپ کا رب بڑا زبردست رحمت والا ہے

کہ عذاب دے سکتا تھا مگر مہلت دے رکھی ہے۔ کذبت قوم نوح تا لھو العزیز الرحیم

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٠٥﴾ صلے ج

قوم نوح نے پیغمبروں کو جھٹلایا

کیونکہ ایک پیغمبر کی تکذیب سے سب کی تکذیب لازم آتی ہے۔

إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٠٦﴾ ج

جبکہ ان سے ان کی (برادری کے بھائی نوح (علیہ السلام) نے فرمایا کہ کیا تم

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٠٧﴾

(خدا سے) نہیں ڈرتے میں تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں

کہ بعینہ پیغام خداوندی بلا کمی بیشی کے پہنچاتا ہوں۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٠٨﴾ ج وَمَا أَسْأَلُكُمْ

سو اس کا مقتضایہ ہے کہ) تم لوگ اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو اور (نیز) میں تم

عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ج إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ

سے کوئی (دنیوی) صلہ نہیں مانگتا میرا صلہ تو بس رب العالمین کے ذمہ ہے سو

الْعَالَمِينَ ﴿١٠٩﴾ ج فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١١٠﴾ ط

(میری اس بے غرضی کا مقتضایہ ہے کہ) تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو وہ لوگ

قَالُوا أَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْأَرْذَلُونَ ﴿١١١﴾ ط

کہنے لگے کہ کیا ہم تم کو مانیں گے حالانکہ رذیل لوگ تمہارے ساتھ ہو لئے ہیں

جن کی موافقت سے شرفاء کو عار آتی ہے دوسرے اکثر ایسے کم حوصلہ لوگوں کی غرض بھی مال حاصل کرنے یا بڑے بننے کی ہوتی ہے سو یہ لوگ بھی دل سے ایمان نہیں لائے۔

قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١١٢﴾

نوح (علیہ السلام) نے فرمایا کہ ان کے (پیشہ اور) کام سے مجھ کو کیا بحث

خواہ شریف ہوں یا رذیل ہوں دین میں اس تفاوت کا کوئی اثر نہیں ہوسکتا جو ایمان لانا چاہے گا اس کا ایمان قبول کیا جائے گا کوئی کیوں نہ ہو رہا یہ احتمال کہ ان کا ایمان دل سے نہیں سو اس کا تعلق خدا کے ساتھ ہے۔

اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿١١٣﴾

ان سے حساب کتاب لینا بس خدا کا کام ہے کیا خوب ہو کہ تم اس کو سمجھو اور

وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٤﴾

میں ایمانداروں کو دور کرنے والا نہیں ہوں

یعنی تمہارے اس قول سے کہ رذیل پیشہ لوگوں کے ساتھ ہونے سے ہم کو عار آتی ہے اس لئے ایمان نہیں لاتے اشارۃً یہ درخواست نکلتی ہے کہ میں ان کو اپنے پاس سے دور کردوں سو یہ نہیں ہوسکتا خواہ تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ میرا کوئی ضرر نہیں۔

اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١١٥﴾

میں تو صاف طور پر ایک ڈرانے والا ہوں

احکام پہنچا دینے سے میرا فرض منصبی ادا ہو جاتا ہے آگے اپنا نفع نقصان تم دیکھ لو۔

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ

وہ لوگ کہنے لگے کہ اگر تم (اس کہنے سننے سے) اے نوح باز نہ آؤ گے تو ضرور سنگسار کر

مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿١١٦﴾ قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ

دیئے جاؤ گے نوح (علیہ السلام) نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار میری قوم مجھ کو

كَذَّبُوْنِ ﴿١١٧﴾ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا

(برابر) جھٹلا رہی ہے سو آپ میرے اور ان کے درمیان میں ایک (عملی) فیصلہ کر دیجئے

جب سالہا سال اس طرح گزر گئے تب آپ نے ان کی ہلاکت کے لئے بددعا کی اور آئندہ قصوں میں بھی دوسرے انبیاء کی دعوت میں اسی طرح کا مضمون آیا ہے کیونکہ یہ طرز گفتگو سب میں مشترک ہے۔

وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٨﴾

اور مجھ کو اور جو ایماندار میرے ساتھ ہیں ان کو (اس ہلاکت سے) نجات دیجئے

فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿١١٩﴾

تو ہم نے (ان کی دعا قبول کی اور) ان کو اور جو ان کے ساتھ بھری ہوئی کشتی

ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ ﴿١٢٠﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

میں (سوار) تھے ان کو نجات دی پھر اس کے بعد ہم نے باقی لوگوں کو غرق کر دیا

لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٢١﴾

اس (واقعہ) میں بھی بڑی عبرت ہے اور (باوجود اس کے) ان (کفار مکہ) میں

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٢٢﴾

اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور بیشک آپ کا رب زبردست (اور) مہربان ہے

کہ باوجود عذاب پر قادر ہونے کے ان کو مہلت دیئے ہوئے ہے

کذبت عاد تا لھو العز الرحیم

كَذَّبَتْ عَادُ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٢٣﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ

قوم عاد نے پیغمبروں کو جھٹلایا جبکہ ان سے ان (کی برادری) کے

اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٢٤﴾ اِنِّيْ لَكُمْ

بھائی ہود (علیہ السلام) نے کہا کہ کیا تم (خدا سے) ڈرتے نہیں ہو

رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٢٥﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٢٦﴾

میں تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو

وَمَآ اَسْــَٔـلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا

اور میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی صلہ نہیں مانگتا بس میرا

عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٢٧﴾ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ

صلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے کیا تم ہر اونچے مقام پر ایک یادگار (کے

اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿١٢٨﴾

طور پر عمارت) بناتے ہو

یعنی علاوہ شرک کے تکبر اور تفاخر میں بھی تم اس درجہ منہمک ہو کہ عمارتیں اونچی بناتے ہو تاکہ خوب بلند نظر آوے۔

وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ

جس کو محض فضول (بلا ضرورت) بناتے ہو اور بڑے بڑے محل بناتے ہو

حالانکہ اس سے کم میں آرام مل سکتا ہے غرض جو رہنے کے مکان ہیں جن کی ایک درجہ میں ضرورت بھی ہے ان میں بھی یہ حد سے زیادتی ہے۔

لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ﴿١٢٩﴾

جیسے دنیا میں تم کو ہمیشہ رہنا ہے

یعنی ایسی توسیع اور ایسے بلند محل اور اتنی مضبوطی اور ایسے یادگار اس وقت مناسب تھے کہ دنیا میں ہمیشہ رہنا ہوتا تو یہ خیال ہوتا کہ وسیع مکان بناؤ تاکہ آئندہ نسل میں تنگی نہ ہو کیونکہ ہم بھی رہیں گے اور وہ بھی ہوں گے اور اونچا بھی بناؤ تاکہ اگر نیچے جگہ نہ رہے تو اوپر رہنے لگیں گے اور مضبوط بناؤ تاکہ ہماری بڑی عمر تک کے لئے کافی ہو اور یادگاریں بناؤ تاکہ ہمارے زندہ رہنے سے ہمارا نام بھی زندہ رہے اور اب تو سب فضول ہے بڑی بڑی یادگاریں بنی ہیں اور بنانے والے کا نام تک معلوم نہیں موت نے سب کا نام مٹا دیا کسی کا جلدی کسی کا دیر میں اور اس تکبر کے سبب سے تمہاری طبیعت میں سختی اور بے رحمی بھی غایت درجہ ہے۔

وَإِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ ﴿١٣٠﴾

اور جب کسی پر دارو گیر کرنے لگتے ہو تو بالکل جابر (اور ظالم) بن کر دارو گیر کرتے ہو

اور ان برے اخلاق کا اس لئے ذکر کیا گیا کہ یہ برے اخلاق اکثر ایمان واطاعت سے مانع ہو جاتے ہیں۔

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٣١﴾

سو تم (کو چاہئے کہ) اللہ سے ڈرو

کیونکہ شرک اور یہ برے اخلاق خدا کی ناراضی اور عذاب کا سبب ہیں۔

وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ ﴿١٣٢﴾ أَمَدَّكُمْ

اور (چونکہ میں رسول ہوں اس لئے) میری اطاعت کرو اور اس (اللہ) سے

بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ ﴿١٣٣﴾ وَجَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿١٣٤﴾

ڈرو جس نے تمہاری ان چیزوں سے امداد کی جن کو تم جانتے ہو (یعنی) مواشی اور بیٹوں اور باغوں اور چشموں سے تمہاری امداد کی

تو منعم ہونے کا مقتضا یہ ہے کہ اس کے احکام کی ذرا بھی مخالفت نہ کی جاوے۔

إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٣٥﴾

مجھ کو تمہارے حق میں (اگر تم ان حرکات سے باز نہ آئے) ایک بڑے سخت

قَالُوا سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَوَعَظْتَ أَمْ لَمْ تَكُنْ مِنَ

دن کے عذاب کا اندیشہ ہے وہ لوگ بولے کہ ہمارے نزدیک تو دونوں باتیں

الْوَاعِظِينَ ﴿١٣٦﴾

برابر ہیں خواہ تم نصیحت کرو اور خواہ ناصح نہ بنو

یعنی ہم دونوں حالتوں میں اپنی کرتوت سے باز نہ آئیں گے۔

إِنْ هَٰذَا إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٣٧﴾

یہ تو پس اگلے لوگوں کی ایک (معمولی) عادت (اور رسم) ہے

کہ ہر زمانہ میں کچھ لوگ نبوت کے مدعی بن کر لوگوں کو یوں ہی کہتے سنتے رہے۔

وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ﴿١٣٨﴾ فَكَذَّبُوهُ فَأَهْلَكْنَاهُمْ

اور (تم جو ہم کو عذاب سے ڈراتے ہو تو) ہم کو ہرگز عذاب نہ ہوگا غرض ان لوگوں نے ہود (علیہ السلام) کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو (آندھی کے عذاب

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً

سے) ہلاک کر دیا بیشک اس (واقعہ) میں بھی بڑی عبرت ہے

کہ احکام کی مخالفت کا کیا انجام ہوا۔

وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٣٩﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ

اور (باوجود اس کے) ان میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور بیشک

لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٤٠﴾

آپ کا رب زبردست اور مہربان ہے

کہ عذاب دینے پر بھی قادر ہے پھر رحمت سے مہلت دے رکھی ہے

كذبت ثمود تا لهو العزيز الرحيم.

كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٤١﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ

قوم ثمود نے (بھی) پیغمبروں کو جھٹلایا جبکہ ان سے

أَخُوهُمْ صَالِحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٤٢﴾ إِنِّي لَكُمْ

ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) نے فرمایا کہ کیا تم (اللہ سے)

رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٤٣﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٤٤﴾

نہیں ڈرتے میں تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور

وَمَآ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ‌ۚ اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا

میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس پر کچھ صلہ نہیں چاہتا

عَلٰى رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَؕ ﴿۱۴۵﴾ اَتُتۡرَكُوۡنَ فِىۡ مَا هٰهُنَاۤ

بس میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے کیا تم کو ان ہی چیزوں میں بےفکری

اٰمِنِيۡنَۙ ﴿۱۴۶﴾

سے رہنے دیا جاوے گا

یعنی تم جو عیش و آرام کی بدولت اللہ تعالیٰ سے اس درجہ غافل ہو تو کیا حق تعالیٰ تم کو اس بےفکری میں چھوڑ دیں گے ہرگز نہیں۔

فِىۡ جَنّٰتٍ وَّعُيُوۡنٍۙ ﴿۱۴۷﴾ وَّزُرُوۡعٍ وَّنَخۡلٍ طَلۡعُهَا

جو یہاں (دنیا میں) موجود ہیں یعنی باغوں میں اور چشموں میں اور کھیتوں میں

هَضِيۡمٌ‌ۚ ﴿۱۴۸﴾

اور ان کھجوروں میں جن کے گپھے خوب گوندھے ہوئے ہیں

جن میں خوب کثرت سے پھل آتا ہے۔

وَتَنۡحِتُوۡنَ مِنَ الۡجِبَالِ بُيُوۡتًا فٰرِهِيۡنَ‌ۚ ﴿۱۴۹﴾

اور کیا (اسی غفلت کی وجہ سے) تم پہاڑوں کو تراش تراش کر اتراتے (اور فخر

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِ‌ۚ ﴿۱۵۰﴾ وَلَا تُطِيۡعُوۡۤا اَمۡرَ

کرتے ہوئے) مکان بناتے ہو سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو اور ان حدود

الۡمُسۡرِفِيۡنَۙ ﴿۱۵۱﴾ الَّذِيۡنَ يُفۡسِدُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ

(بندگی) سے نکل جانے والوں کا کہنا مت مانو جو سرزمین میں فساد کیا کرتے

وَلَا يُصۡلِحُوۡنَ ﴿۱۵۲﴾

ہیں اور (کبھی) اصلاح (کی بات) نہیں کرتے

اس سے مراد کفار کے سردار ہیں جو گمراہی پر لوگوں کو آمادہ کرتے ہیں اور فساد سے بھی یہی مراد ہے۔

قَالُوۡۤا اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مِنَ الۡمُسَحَّرِيۡنَ‌ۚ ﴿۱۵۳﴾

ان لوگوں نے کہا کہ تم پر تو کسی نے بڑا بھاری جادو کر دیا ہے

جس سے عقل میں خلل ہو گیا ہے کہ نبوت کا دعویٰ کرتے ہو۔

مَاۤ اَنۡتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا ‌ۖۚ فَاۡتِ بِاٰيَةٍ اِنۡ

تم بس ہماری طرح کے ایک (معمولی) آدمی ہو (اور آدمی نبی ہوتا نہیں) سو

كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿۱۵۴﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ

کوئی معجزہ پیش کرو اگر تم (دعوئ نبوت میں) سچے ہو صالح (علیہ السلام) نے

لَّهَا شِرۡبٌ

فرمایا کہ یہ ایک اونٹنی ہے

جو خلاف عادت پتھر سے پیدا ہونے کے سبب سے میرا معجزہ ہے اور جیسا کہ یہ میری رسالت کی ایک دلیل ہے اسی طرح خود اس کے بھی کچھ حقوق تم پر ہیں چنانچہ آگے ان کا بیان ہے۔

وَّلَـكُمۡ شِرۡبُ يَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ‌ۚ ﴿۱۵۵﴾

پانی پینے کے لئے ایک باری اس کی ہے اور ایک مقرر دن میں
ایک باری تمہاری (یعنی تمہارے مواشی کی

پانی کی باری اس طرح تھی کہ ایک دن اونٹنی کا اور ایک دن دوسرے مواشی کا جب اونٹنی کی باری کا دن ہوتا تمام پانی پی جاتی اس روز نہ دوسرے مواشی کو پانی ملتا نہ آدمیوں کو اور یہی بات ان لوگوں کو ناگوار ہوئی اور اس اونٹنی کے دشمن ہو گئے اور حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں ایک کنواں تھا جس میں یہ باری تھی۔

وَلَا تَمَسُّوۡهَا بِسُوۡٓءٍ فَيَاۡخُذَكُمۡ عَذَابُ يَوۡمٍ

اور ایک یہ ہے کہ اس کو برائی اور تکلیف دہی کے ساتھ ہاتھ بھی مت لگانا کبھی

عَظِيۡمٍ ﴿۱۵۶﴾

تم کو ایک بھاری دن کا عذاب آ پکڑے

پس انہوں نے نہ رسالت کی تصدیق کی نہ اس اونٹنی کے حقوق ادا کئے۔

فَعَقَرُوۡهَا فَاَصۡبَحُوۡا نٰدِمِيۡنَۙ ﴿۱۵۷﴾ فَاَخَذَهُمُ

سو انہوں نے اس اونٹنی کو مار ڈالا (پھر جب آثار عذاب کے نمودار ہوئے تو

الۡعَذَابُ‌ؕ

اپنی حرکت پر) پشیمان ہوئے

مگر اول تو عذاب دیکھنے کے وقت ندامت بےکار دوسرے جب تک توبہ اور ایمان نہ ہو خالی ندامت سے کیا ہوتا ہے پس یہ ندامت طبعی تھی اختیاری نہ تھی کذبت قوم لوط تا لھو العزیز الرحیم.

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم

پھر (آخر) عذاب نے ان کو آلیا بیشک اس (واقعہ) میں بڑی عبرت ہے اور

مُّؤْمِنِينَ ﴿١٥٨﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٥٩﴾

باوجود اسکے) ان (کفار مکہ) میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور بیشک آپ

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٦٠﴾ إِذْ قَالَ

کارب بڑا زبردست اور بہت مہربان ہے (کہ باوجود قدرت کے مہلت

لَهُمْ أَخُوهُمْ

دیتا ہے) قوم لوطؑ نے (بھی) پیغمبروں کو جھٹلایا جبکہ ان سے ان کے بھائی

روح المعانی میں تفسیر سورہ ق میں ہے کہ یہ لوگ نسبی بھائی نہ تھے مجازاً بھائی کہہ دیا سسرالی رشتہ دار تھے کیونکہ لوط علیہ السلام یہاں ہجرت کر کے تشریف لائے تھے آپ کی برادری کے لوگ آپ کے ساتھ نہ تھے۔

لُوطٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٦١﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٦٢﴾

لوطؑ نے کہا کہ کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں ہو میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٦٣﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ

سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں

مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٤﴾

چاہتا بس میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے کیا تمام دنیا جہان والوں میں سے تم

أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٥﴾ وَتَذَرُونَ

یہ (حرکت کرتے ہو کہ) مردوں سے بدفعلی کرتے ہو اور تمہارے رب نے

مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُم مِّنْ أَزْوَاجِكُم ۚ

جو تمہارے لئے بیبیاں پیدا کی ہیں ان کو نظر انداز کئے رہتے ہو

یعنی اور کوئی آدمی تمہارے سوا یہ حرکت نہیں کرتا اور یہ نہیں ہے کہ اس کے قبیح ہونے میں کچھ خفا ہے (اب ترجمہ پڑھو)

بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ ﴿١٦٦﴾ قَالُوا لَئِن لَّمْ

بلکہ (اصل بات یہ ہے کہ) تم حد (انسانیت) سے گزر جانے والے لوگ ہو وہ لوگ کہنے لگے کہ اے لوطؑ اگر تم (ہمارے کہنے سننے سے) باز نہیں

تَنتَهِ يَا لُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِينَ ﴿١٦٧﴾

آؤ گے تو ضرور (بستی سے) نکال دیئے جاؤ گے لوط علیہ السلام نے فرمایا کہ میں

قَالَ إِنِّي لِعَمَلِكُم مِّنَ الْقَالِينَ ﴿١٦٨﴾

تمہارے اس کام سے سخت نفرت رکھتا ہوں

اس لئے اس دھمکی سے کہنا سننا نہ چھوڑوں گا جب کسی طرح ان لوگوں نے نہ مانا تو عذاب آ پہنچا

رَبِّ نَجِّنِي وَأَهْلِي مِمَّا يَعْمَلُونَ ﴿١٦٩﴾

لوطؑ نے دعا کی کہ اے میرے رب مجھ کو اور میرے خاص متعلقین کو ان کے اس کام (کے وبال سے) نجات دے

جو ان پر ان کے کفر و شرک اور بداعمالیوں کی وجہ سے آنے والا ہے۔

فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ ﴿١٧٠﴾ إِلَّا عَجُوزًا فِي

سو ہم نے ان کو اور ان کے متعلقین کو سب کو نجات دی بجز ایک بڑھیا کے کہ وہ

الْغَابِرِينَ ﴿١٧١﴾

(عذاب کے اندر) رہ جانے والوں میں رہ گئی

مراد اس سے لوط علیہ السلام کی زوجہ ہے اور اس کا عذاب میں رہ جانا اس لئے تھا کہ وہ کافرہ تھی اور اس لئے رات کو لوط علیہ السلام کے ساتھ بستی سے نہ نکلی سورۂ ہود میں یہ قصہ آیا ہے۔

ثُمَّ دَمَّرْنَا الْآخَرِينَ ﴿١٧٢﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِم مَّطَرًا ۖ

پھر ہم نے اور سب کو ہلاک کر دیا اور ہم نے ان پر ایک خاص قسم کا (یعنی پتھروں کا) مینہ

فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنذَرِينَ ﴿١٧٣﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ

برسایا سو کیا برا مینہ تھا جو ان لوگوں پر برسا جن کو (عذاب الٰہی سے) ڈرایا گیا تھا بیشک

وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٧٤﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ

اس (واقعہ) میں (بھی) عبرت ہے اور (باوجود اس کے) ان (کفار مکہ) میں اکثر

لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٧٥﴾

لوگ ایمان نہیں لاتے اور بیشک آپ کا رب بڑی قدرت والا بڑی رحمت والا ہے

کہ عذاب دے سکتا تھا مگر ابھی نہیں دیا کذبت اصحب لئیکة تالهو العزیز الرحیم.

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْــَٔیْكَةِ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۷۶﴾ صلے ج

اصحاب الایکہ نے (بھی) پیغمبروں کو جھٹلایا

انکا ذکر سورۂ حجر کے آخر میں گزر چکا ہے اور وہیں اصحاب ایکہ کی تحقیق بھی مع دیگر ضروری مضامین کے گزر چکی ہے ملاحظہ ہو۔

اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَیْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ج اِنِّیْ لَكُمْ

جب کہ ان سے شعیب (علیہ السلام) نے فرمایا کہ کیا

رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۷۸﴾لا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿۱۷۹﴾ج

تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں ہو میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں

وَ مَاۤ اَسْــَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ج اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا

سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں

عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۸۰﴾ط اَوْفُوا الْكَیْلَ وَ لَا

چاہتا بس میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے تم لوگ پورا ناپا کرو اور

تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِیْنَ ﴿۱۸۱﴾ج وَ زِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ

(صاحب حق کا) نقصان مت کیا کرو اور (اسی طرح تولنے کی چیزوں میں)

الْمُسْتَقِیْمِ ﴿۱۸۲﴾ج

سیدھی ترازو سے تولا کرو

یعنی ڈنڈی نہ مارا کرو نہ باٹوں میں فرق کیا کرو۔

وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَ لَا تَعْثَوْا فِی

اور لوگوں کا ان کی چیزوں میں نقصان مت کیا کرو اور سرزمین

الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۱۸۳﴾ج وَ اتَّقُوا الَّذِیْ خَلَقَكُمْ

میں فساد مت مچایا کرو اور اس (خدائے قادر) سے ڈرو جس نے

وَ الْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۸۴﴾ط قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ

تم کو اور تمام اگلی مخلوقات کو پیدا کیا وہ لوگ کہنے لگے کہ بس تم پر

مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ ﴿۱۸۵﴾لا

تو کسی نے بڑا بھاری جادو کر دیا ہے

جس سے عقل خراب ہوگئی اور نبوت کا دعویٰ کرنے لگے

وَ مَاۤ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَ اِنْ نَّظُنُّكَ

اور تم تو محض ہماری طرح (کے) ایک (معمولی) آدمی ہو اور ہم

لَمِنَ الْكٰذِبِیْنَ ﴿۱۸۶﴾ج فَاَسْقِطْ عَلَیْنَا كِسَفًا

تو تم کو جھوٹے لوگوں میں سے خیال کرتے ہیں سو اگر تم سچوں

مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۸۷﴾ط

میں سے ہو تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرادو

تا کہ ہم کو معلوم ہو جاوے کہ واقعی تم نبی تھے تم کو جھٹلانے سے ہم کو یہ سزا ہوئی۔

قَالَ رَبِّیْۤ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

شعیب (علیہ السلام) بولے کہ تمہارے اعمال کو میرا رب (ہی) خوب جانتا ہے

میں عذاب کا لانے والا یا اس کی کیفیت مقرر کرنے والا کون ہوں تمہارے اعمال کا جیسا مقتضا ہوگا کہ کیا عذاب ہو اور کب ہو اس کو خدا ہی جانتا ہے اس کو اختیار ہے۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ یَوْمِ الظُّلَّةِ ط

سو وہ لوگ (برابر) ان کو جھٹلاتے رہے پھر ان کو سائبان کے واقعہ نے آ پکڑا

عذاب سائبان کا جیسا درمنثور میں مروی ہے یہ تھا کہ اول ان لوگوں پر گرمی مسلط ہوئی پھر ایک ابر نمودار ہوا جس میں سے ٹھنڈی ہوا آتی تھی سب لوگ اس کے نیچے جمع ہوگئے اس میں سے آگ برسنا شروع ہوئی اور سب جل گئے۔

اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِیْ

بیشک وہ بڑے سخت دن کا عذاب تھا (اور) اس (واقعہ) میں (بھی) بڑی

ذٰلِكَ لَاٰیَةً ط وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۹۰﴾

عبرت ہے اور (باوجود اس کے) ان (کفار مکہ) میں اکثر لوگ ایمان نہیں

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۹۱﴾ع

لاتے اور بیشک آپ کا رب بڑی قدرت والا بڑی رحمت والا ہے

کہ عذاب نازل کر سکتا ہے مگر مہلت دے رکھی ہے۔

ربط: سورۃ میں قرآن کی حقانیت مع ان مضامین کے جو اس کے متعلق تھے مذکور ہوئے ہیں آگے ختم سورۃ پر پھر اسی کی طرف رجوع ہے اور اس کے متعلق یہ مضامین ہیں منکرین کی مذمت اور وعید بعض شبہات کا جواب تبلیغ کا حکم

اور تبلیغ میں توکل کی تعلیم اور ختم پر منکروں کو سخت دھمکی وانه لتنزيل تا ينقلبون.

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ

اور یہ قرآن رب العالمین کا بھیجا ہوا ہے اس کو امانت دار فرشتہ لے

الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ

کر آیا ہے آپ کے قلب پر صاف عربی زبان میں

الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹۵﴾

تاکہ آپ (بھی) منجملہ ڈرانے والوں کے ہوں

یعنی جس طرح اور پیغمبروں نے اپنی اپنی امتوں کو احکام الٰہیہ پہنچائے آپ بھی پہنچائیں۔

وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۹۶﴾

اور اس (قرآن) کا ذکر پہلی امتوں کی (آسمانی) کتابوں میں (بھی) ہے

کہ ایسی ایسی شان کا پیغمبر ہوگا اور اس پر ایسا کلام نازل ہوگا چنانچہ تفسیر حقانی کے حواشی میں اس مقام پر چند بشارتیں نقل کی ہیں آگے اسی مضمون کی توضیح ہے۔

اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا

کیا ان لوگوں کے لئے یہ بات دلیل نہیں ہے کہ اس (پیشین گوئی) کو

بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۹۷﴾

علماء بنی اسرائیل جانتے ہیں

چنانچہ ان میں جو لوگ اسلام لے آئے ہیں وہ تو علی الاعلان اس کا اعتراف کرتے ہیں اور جو اسلام نہیں لائے وہ بھی خاص خاص لوگوں کے سامنے اس کا اقرار کرتے ہیں اور یہ دلیل ان پڑھ لوگوں کے اعتبار سے ہے ورنہ لکھے پڑھے خود اصل کتابوں سے دیکھ سکتے تھے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ پہلی کتابوں میں تحریف نہیں ہوئی بلکہ مطلب یہ ہے کہ باوجود تحریف کے ایسے مضامین کا رہ جانا جس میں آپ کی پیشینگوئی ہے زیادہ حجت ہے اور یہ احتمال نکالنا کہ شاید یہ مضامین ہی تحریف کا نتیجہ ہوں یعنی کسی نے تحریف کر کے بڑھا دیئے ہوں اس لئے غلط ہے کہ اپنے نقصان کے واسطے کوئی تحریف نہیں کیا کرتا یہ مضامین تو تحریف کرنے والوں کے لئے مضر ہیں جیسا کہ ظاہر ہے یہاں تک تو نقلی دلیلیں بیان ہوئیں آگے عقلی دلیل یعنی قرآن کے اعجاز کی طرف اشارہ ہے۔

وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴿۱۹۸﴾

اور اگر (بالفرض) ہم اس (قرآن) کو کسی عجمی (غیر عربی) پر نازل کر دیتے پھر وہ (عجمی)

فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۹﴾

ان کے سامنے پڑھ بھی دیتا یہ لوگ (بوجہ غایت عناد کے) تب بھی اس کو نہ مانتے

یعنی قرآن کا اعجاز خود بہت بڑی عقلی دلیل ہے جس سے اس کا خدا کی طرف سے نازل ہونا صاف واضح ہوتا ہے کیونکہ جس کلام کے مقابلہ سے تمام لوگ عاجز ہو گئے وہ ہرگز انسان کا کلام نہیں ہوسکتا مگر یہ لوگ ایسے سرکش ہیں کہ اگر یہ قرآن کسی عجمی شخص پر بھی نازل ہوتا جس کو عربی زبان سے ذرا بھی واقفیت نہ ہوتی پھر وہ ایسا فصیح و بلیغ قرآن ان کو سنا دیتا تب بھی نہ مانتے حالانکہ اس صورت میں اس کا اعجاز بہت ہی زیادہ واضح ہوتا کیونکہ اب تو عربی رسول پر نازل ہوا ہے جن کو عربی سے کچھ تو واقفیت ہے اگرچہ قرآن جیسی عربی پر قدرت نہیں اور اس صورت میں تو اس عجمی شخص کو جس پر قرآن نازل کیا جاتا عربی پر ذرا بھی قدرت نہ ہوتی پھر تو سرسری نظر میں بھی شبہ کی گنجائش نہ ہوتی آگے حضور کی تسلی کے واسطے ان کے ایمان لانے سے ناامیدی دلاتے ہیں۔

كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۰۰﴾ لَا

ہم نے اسی طرح (شدت واصرار کے ساتھ) اس ایمان نہ لانے کو ان نافرمانوں کے دلوں میں ڈال رکھا ہے یہ لوگ اس (قرآن) پر ایمان نہ لاویں گے جب تک

يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۲۰۱﴾

کہ سخت عذاب کو (مرنے کے وقت) برزخ میں یا آخرت میں) نہ دیکھ لیں گے

یعنی یہ لوگ کفر میں مضبوط اور اس پر جمے ہوئے ہیں اس وجہ سے عذاب کے پہلے ایمان نہ لاویں گے۔

فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾

جو اچانک ان کے سامنے آ کھڑا ہوگا اور ان کو (پہلے سے) خبر بھی نہ ہوگی پھر (اس وقت

فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

جان کے بچانے کو) کہیں گے کہ کیا (کسی طور پر) ہم کو (کچھ) مہلت مل سکتی ہے

لیکن وہ وقت نہ مہلت کا ہے نہ ایمان قبول ہونے کا ہے اور وہ کفار ایسے مضامین عذاب کے سن کر عذاب کا تقاضا کیا کرتے تھے جس سے

انکار مقصود ہوتا تھا اور عذاب میں دیر ہونے کو جو کہ ڈھیل کے طور پر ہے بالکل عذاب نہ آنے کی دلیل سمجھتے تھے آگے اس کا جواب ہے۔

أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿۲۰۴﴾ أَفَرَءَيْتَ إِن مَّتَّعْنَاهُمْ

کیا (ہماری وعیدوں کو سن کر) یہ لوگ ہمارے عذاب کی تعجیل چاہتے ہیں اے مخاطب

سِنِينَ ﴿۲۰۵﴾ ثُمَّ جَاءَهُم مَّا كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿۲۰۶﴾

ذرا بتلاؤ تو اگر ہم ان کو چند سال تک عیش میں رہنے دیں پھر جس (عذاب) کا ان

مَا أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا يُمَتَّعُونَ ﴿۲۰۷﴾

سے وعدہ ہے وہ ان کے سر پر آپڑے تو ان کا وہ عیش کس کام آسکتا ہے

یعنی یہ عیش و آرام جو ڈھیل کے طور پر ان کو دے رکھا ہے اس کو عذاب کم کرنے میں تو دخل ہے ہی نہیں بالکل عذاب نہ آنے میں تو اس کو کیا دخل ہوتا پس مہلت کی وجہ سے انکار کرنے اور باوجود دلائل قائم ہونے اور سچے مخبر کے خبر دینے کے عذاب کو نہ ماننا محض بیہودہ ہے آگے بتلاتے ہیں کہ حکمت کی وجہ سے چندروزہ مہلت دینا کچھ ان ہی کے واسطے خاص نہیں بلکہ پہلی امتوں کو بھی مہلتیں ملی ہیں۔

وَمَا أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنذِرُونَ ﴿۲۰۸﴾

اور جتنی بستیاں (منکرین کی) ہم نے (عذاب سے) غارت کی ہیں سب میں نصیحت کے واسطے ڈرانے والے (پیغمبر) آئے (جب نہ مانا تو عذاب

ذِكْرَىٰ وَمَا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿۲۰۹﴾

نازل ہوا) اور ہم (صورۃ بھی) ظالم نہیں ہیں

یعنی پیغمبروں کا آنا اور سمجھانا اس کے لئے بھی تو مدت کی ضرورت ہے یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ رسول کے آتے ہی جب لوگ انکار کریں تو فوراً عذاب نازل ہوجائے البتہ کچھ عرصہ کے بعد حجت تمام کر کے تمام عذر ختم کر کے پھر ہلاک کیا جاتا ہے چنانچہ سب امتوں کے ساتھ یہی برتاؤ رہا پس اس سے مہلت دینے کی حکمت بھی معلوم ہوگئی اور صورۃً اس لئے کہا کہ حقیقت میں تو کسی حالت میں بھی ظلم نہ ہوتا آگے پھر خدا کی حقانیت ثابت کرنے کی طرف رجوع کرتے ہیں اور قرآن کے متعلق چند شبہات کا جواب دیتے ہیں ایک شبہ یہ تھا کہ جیسے عرب میں پہلے کاہن ہوتے آتے تھے جن کے پاس شیاطین خبریں لاتے تھے نعوذ باللہ آپ کی نسبت بھی بعضے کفار یہی کہتے تھے کہ ان کے قبضہ میں کچھ شیاطین ہیں وہ یہ باتیں آ کر کہہ جاتے ہیں

آگے اس کا جواب ہے کہ یہ تو رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے۔

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيَاطِينُ ﴿۲۱۰﴾

اور اس (قرآن) کو شیاطین لے کر نہیں آئے

جو کاہنوں کے پاس آیا کرتے تھے آگے بتلاتے ہیں کہ یہ شیاطین کے لانے کا احتمال تو کیا ہوتا اس کا تو امکان بھی نہیں بالکل محال ہے کیونکہ اس کے لئے دو قوی مانع موجود ہیں ایک مانع تو شیطان کی شیطنت ہے۔

وَمَا يَنبَغِي لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿۲۱۱﴾

اور یہ ان (کی حالت) کے مناسب ہی نہیں

کیونکہ قرآن سراپا ہدایت ہے اور شیطان سراپا گمراہ نہ اس کو ایسے مضامین سوجھ سکتے ہیں اور نہ ان کے شائع کرنے سے اس کی جو غرض ہے یعنی مخلوق کو گمراہ کرنا وہ پوری ہوسکتی ہے کیونکہ اس میں تو جابجا شیطان کے فریبوں سے بچنے کی تعلیم ہے پس شیاطین ایسی تعلیم سے اپنے مقصود میں کس طرح روڑے اٹکا سکتے ہیں ایک مانع تو یہ ہے دوسرا مانع آگے مذکور ہے۔

إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُولُونَ ﴿۲۱۲﴾

اور وہ اس پر قادر بھی نہیں کیونکہ وہ شیطان (وحی آسمانی) سننے سے روک دیئے گئے ہیں

کیونکہ وہ جب آسمانی باتوں کا سننا چاہتے ہیں تو ایک چمکتا ہوا شعلہ یعنی شہاب ثاقب فوراً ان کا پیچھا لیتا ہے جس سے وہ ہلاک یا مخبوط الحواس ہوجاتے ہیں چنانچہ کاہنوں اور مشرکوں سے ان کے جنات نے ناکامی کا خود اقرار کیا جس کی ان لوگوں نے دوسروں کو بھی خبر دی چنانچہ بخاری میں ایسے قصے حضرت عمرؓ کے اسلام کے باب میں مذکور ہیں پس شیاطین کے سکھانے کا کسی طرح احتمال نہ رہا۔ جب اس کا خدا کی طرف سے نازل ہونا ثابت ہوگیا تو اس کی تعلیم واجب العمل ہوئی جس میں سب سے بڑی مہتم بالشان توحید کی تعلیم ہے۔

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَتَكُونَ مِنَ

سو (اے پیغمبر) تم خدا کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت مت کرنا کبھی

الْمُعَذَّبِينَ ﴿۲۱۳﴾

تم کو سزا ہونے لگے

یعنی ہم توحید کی تاکید ایک خاص طریق سے کرتے ہیں وہ یہ کہ ہم

آپ کو خطاب کرتے ہیں کہ شرک کبھی مت کرنا حالانکہ آپ میں نعوذ باللہ نہ شرک کا احتمال ہے نہ عذاب کا پس جب آپ کو اس کا حکم کیا جاتا ہے تو اور بیچارے تو کس شمار میں ہیں شرک سے ان کو کیسے منع نہ کیا جائے گا اور شرک کر کے وہ عذاب سے کیونکر بچ سکتے ہیں۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾

اور (اس مضمون سے) آپ (سب سے پہلے) اپنے نزدیک کے کنبہ کو ڈرایئے

چنانچہ آپ نے سب کو پکار کر جمع کیا اور شرک پر عذاب الٰہی سے ڈرایا جیسا کہ حدیثوں میں ہے آگے اس ڈرانے کے بعد ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کے ساتھ معاملہ کا طریقہ بتلاتے ہیں۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ

اور ان لوگوں کے ساتھ (تو مشفقانہ) فروتنی سے پیش آیئے جو مسلمانوں میں

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾

داخل ہو کر آپ کی راہ پر چلیں

خواہ آپ کے کنبہ کے

فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّىْ بَرِىْٓءٌ مِّمَّا

اور اگر یہ لوگ (جن کو آپ نے ڈرایا ہے) آپ کا کہنا نہ مانیں تو آپ کہہ

تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۱۶﴾

دیجئے کہ میں تمہارے افعال سے بیزار ہوں

ان دونوں مضمونوں میں حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کی پوری تعلیم ہے آگے ارشاد ہے کہ ان مخالفوں کی طرف سے کبھی کوئی خطرہ دل میں نہ لایئے۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِىْ

اور آپ خدائے قادر رحیم پر توکل رکھئے جو آپ کو جس وقت کہ آپ (نماز کیلئے)

يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِى

کھڑے ہوتے ہیں اور (نیز نماز شروع کرنے کے بعد) نمازیوں کیساتھ آپ

السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۲۰﴾

کی نشست و برخاست کو دیکھتا ہے وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے

یعنی نماز کے علاوہ بھی وہ دیکھتا بھالتا ہے پس جب اس کو علم بھی کامل ہے اور اس کو سب کچھ قدرت بھی ہے اور وہ آپ پر مہربان بھی ہے تو وہ ضرور بھروسہ کے لائق ہے وہ حقیقی نقصان سے آپ کو بچائے گا اور متوکل کو جو کبھی ضرر پہنچتا ہے وہ ظاہری ضرر ہوتا ہے جس کے اندر ہزاروں منافع ہوتے ہیں جن کا کبھی دنیا ہی میں ورنہ آخرت میں تو ضرور ظہور ہوتا ہے آگے کہانت کے شبہ کے جواب کا تتمہ ہے۔

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۲۱﴾

(اے پیغمبر لوگوں سے کہہ دیجئے کہ) کیا میں تم کو بتلاؤں کہ کس پر شیاطین اترا کرتے ہیں

تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۲۲﴾ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ

(سنو) ایسے شخصوں پر اترا کرتے ہیں جو (پہلے سے) دروغ گفتار بڑے بدکردار ہوں اور

وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿۲۲۳﴾

جو (شیاطین کی خبریں سننے کے لئے) کان لگا دیتے ہیں اور وہ بکثرت جھوٹ بولتے ہیں

یعنی چونکہ وہ باتیں اکثر ناتمام ہوتی ہیں اس لئے ان کو باوقعت اور رنگین بنانے کے لئے کچھ حاشیہ بھی اپنی طرف سے گھڑ کر چڑھا دیتے ہیں چنانچہ سفلی عاملوں کو اب بھی اسی حالت میں دیکھا جاتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ شاگرد استاد میں مناسبت ضروری ہے تو شیطان کا شاگرد بھی وہی ہوگا جو بات میں جھوٹا اور افعال میں فاسق ہو پھر شیطان کی طرف دل سے بھی متوجہ ہو کیونکہ بدوں توجہ کے استاد سے فائدہ نہیں ہوسکتا پس کاہن کے لئے عادۃً یہ باتیں لازم ہیں جو ذات مقدس نبویہ سے بہت دور ہیں آپ کا سب سے زیادہ سچا ہونا تمام عالم سے بڑھ کر نیک و متقی ہونا اور شیاطین سے سخت متنفر ہونا خبریں بیان کرنے میں پورا سچا ہونا معروف و مشہور اور مخالفین کے نزدیک بھی مسلم تھا پھر کہانت کا کب احتمال رہا یہ بھی مخالفین کی ایک شرارت تھی کہ جان جان کر جھوٹے شبہات نکالتے تھے آگے شاعری کے شبہ کا جواب ہے کفار کہتے تھے بل ھو شاعر کہ یہ تو شاعر ہیں یعنی اگرچہ قرآن نظم میں نہیں مگر اس کے مضامین خیالی ہیں واقعی نہیں فرماتے ہیں کہ یہ احتمال بھی غلط ہے آپ شاعر بھی نہیں۔

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾

اور شاعروں کی راہ تو بے راہ لوگ چلا کرتے ہیں

شاعروں کی راہ سے مراد شعر گوئی ہے یعنی شاعرانہ خیالی مضامین کہنا خواہ نظم میں ہوں یا نثر میں ان لوگوں کا شیوہ ہے جو تحقیق کے راستہ سے دور ہوں چنانچہ خیالی مضامین کہتے ہی اس کو ہیں جو تحقیق کے خلاف ہوں۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ﴿۲۲۵﴾ وَأَنَّهُمْ

اے مخاطب کیا تم کو معلوم نہیں کہ وہ (شاعر) لوگ (خیالی مضامین کے) ہر میدان

يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ﴿۲۲۶﴾

میں حیران پھرا کرتے ہیں اور زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں

یعنی اول تو وہ مضامین کی تلاش میں ٹکریں مارتے پھرتے ہیں پھر جب مضمون مل جاتا ہے تو چونکہ وہ اکثر واقع کے خلاف ہوتا ہے تو وہ زبان سے ایسی گپیں ہانکتے ہیں جو کرتے نہیں چنانچہ شاعرانہ گپیں مشہور ہیں جس کا ایک نمونہ یہ ہے۔

اے رشک مسیحا تری رفتار کے قربان
ٹھوکر سے کئی بار میری لاش جلا دی
اے باد صبا ہم تجھے کیا یاد کریں گے
اس گل کی خبر تو نے کبھی ہم کو نہ لادی
صبا نے اس کے کوچہ سے اڑا کر
خدا جانے ہماری خاک کیا کی

حتیٰ کہ کبھی کفریہ باتیں بھی بکنے لگتے ہیں جو جھوٹ میں نمبر اول میں حاصل جواب کا یہ ہوا کہ مضامین شاعرانہ خیالی ہوتے ہیں واقعی نہیں ہوتے اور قرآن کے مضامین جس مسئلہ کے متعلق ہیں سب کے سب نہایت تحقیقی اور واقعی ہیں پس آپ کو شاعر کہنا یہ خود شاعرانہ جنون ہے اور چونکہ یہاں جو شعر کی مذمت بیان ہوئی ہے وہ بظاہر سب شعراء کو شامل ہے گو ان کے مضامین عین حکمت اور واقعی ہوں اس لئے آگے ان کو مستثنیٰ فرماتے ہیں۔

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

ہاں مگر جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے

یعنی شرع کے خلاف نہ ان کا قول ہے نہ فعل یعنی ان کے اشعار میں بیہودہ مضامین نہیں ہیں۔

وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا

اور انہوں نے اپنے اشعار میں) کثرت سے اللہ کا ذکر کیا

یعنی تائید دین واشاعت علم میں ان کے اشعار ہیں کہ یہ سب ذکر اللہ ہے۔

وَانْتَصَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا ط

اور انہوں نے بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہو چکا ہے (اس کا) بدلہ لیا

یعنی اگر ان کے اشعار میں بظاہر کوئی نامناسب مضمون بھی ہوتا ہے جیسے کسی کی ہجو اور برائی جو بظاہر اخلاق حسنہ کے خلاف ہے تو اس کا سبب یہ ہے کہ کفار وفساق نے اول ان کو ایذا پہنچائی کہ ان کی ہجو کی یا دین کی یا رسول کی توہین کی جو سب سے بڑھ کر باعث ایذا ہے یا ان کو مالی اور جانی نقصان پہنچایا تو اس کا بدلہ وہ ان کی ہجو کر کے لے لیتے ہیں پس یہ لوگ مستثنیٰ ہیں اور ایسے اشعار میں بعضے مباح ہیں اور بعضے ثواب اور اطاعت ہیں یہاں تک رسالت کے متعلق شبہات کا جواب ہو گیا اور اس سے پہلے دلائل کے ساتھ رسالت کا ثبوت ہو چکا تھا اور شاعر و کاہن ہونے کے سوا دوسرے شبہات کا جواب اور موقع میں مذکور ہے آگے ان لوگوں کی وعید ہے جو اس پر بھی منکر نبوت رہے اور آپ کو ایذا پہنچاتے رہے۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ

اور عنقریب ان لوگوں کو معلوم ہو جاوے گا جنہوں نے (حقوق اللہ وغیرہ

يَنْقَلِبُونَ ﴿۲۲۷﴾ ع

میں) ظلم کر رکھا ہے کہ کیسی جگہ ان کو لوٹ کر جانا ہے

مراد اس سے جہنم ہے جو بہت بری اور سخت مصیبت کی جگہ ہے اور مسلمان شعرا کو جو بعد میں مستثنیٰ فرمایا ہے یہ استثناء محض شعر کی صورت کے اعتبار سے ہے ورنہ ایسے اشعار جن میں شریعت کے حدود کی رعایت ہو اس شعر ہی میں داخل نہیں جس کی مذمت شروع کلام میں مذکور ہے کیونکہ اس سے مراد خیالی مضامین ہیں خواہ وہ نظم ہوں یا نثر پس صرف نظم ہونے کو قباحت میں کوئی دخل نہیں اور نہ محض نثر ہونا۔ قباحت سے بچا سکتا ہے جب تک کہ شرعی حدود کی رعایت نہ ہو۔

سورة النمل مكية وهي ثلث او اربع وتسعون اية كذافي البيضاوي

ربط: اس سورت کو وحی اور رسالت کے ثابت کرنے سے شروع کیا ہے اور اسی پر پہلی سورت ختم ہوئی تھی اور اسی مناسبت سے بعضے قصے انبیاء علیہم السلام کے مذکور ہوئے ہیں بسم الله الرحمن الرحيم. طسٓ تا حكيم عليم

(۲۷) سُورَةُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ (۴۸)

سورۂ نمل مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں ترانوے (۹۳) آیتیں اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

طسٓ قف تِلْكَ آيَاتُ الْقُرْآنِ وَكِتَابٍ

طٰسٓ یہ آیتیں (جو آپ پر نازل کی جاتی ہیں) قرآن کی اور ایک واضح

مُبِينٍ ﴿۱﴾ لا

کتاب کی ہیں

یعنی اس میں دو صفتیں ہیں قرآن ہونا اور واضح کتاب ہونا۔

هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲ الَّذِيْنَ

یہ (آیتیں) ایمان والوں کے لئے (موجب) ہدایت اور مژدہ سنانے والی

يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ

ہیں جو (مسلمان) ایسے ہیں کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں

نماز جسمانی طاعات میں سب سے بڑی ہے اور زکوٰۃ مالی طاعات میں سب سے افضل ہے خلاصہ یہ کہ وہ عمل میں بھی ہدایت پر ہیں اور آگے بتلاتے ہیں کہ وہ عقیدہ میں بھی ہدایت پر ہیں۔

وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۳

اور آخرت پر (پورا) یقین رکھتے ہیں

اور اہل کتاب بھی آخرت کے قائل تھے مگر اس میں بہت سی غلط باتیں ملا دینے سے وہ اقرار معتبر نہ رہا تھا ترجمہ میں لفظ پورا بڑھا کر اسی کی طرف اشارہ کیا گیا کہ پورا یقین مسلمانوں کے سوا کسی کو نہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا

(یہ تو ایمان والوں کی صفت ہے اور) جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے ان کے اعمال بد ان کی نظر میں مرغوب کر رکھے ہیں

لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ۝۴

سو وہ (اپنے اس جہل مرکب میں حق سے دور) بھٹکتے پھرتے ہیں

چنانچہ نہ ان کے عقائد درست ہیں نہ اعمال اس لئے وہ قرآن کو بھی نہیں مانتے سو جس طرح قرآن ایمان والوں کو خوشخبری سناتا ہے ان کو وعید اور دھمکی سناتا ہے جس کا آگے بیان ہے۔

ربط: اوپر رسالت اور وحی کو ثابت کیا گیا تھا آگے اس کی تائید کے لئے بعض قصے مذکور ہوتے ہیں جن سے دو طرح پر اس کی تائید ہوتی ہے اول یہ کہ حضورؐ امی تھے نہ کچھ پڑھا تھا نہ کسی پڑھے لکھے کی صحبت میں بیٹھے تھے پھر پہلے قصوں کو صحیح صحیح بیان فرمانا آپ کے نبی ہونے کی دلیل ہے دوسرے کفار آپ کی نبوت کو دشوار سمجھتے تھے انبیاء کے ذکر سے اس شبہ کا دفعیہ ہو گیا کہ نبوت کوئی انوکھی چیز نہیں اس کے علاوہ اس واقعہ سے آپ کی تسلی بھی ہے کہ دوسرے انبیاء کی بھی تصدیق وتکذیب ہوتی آئی ہے۔ آپ اس سے غم نہ کیجئے اور منکرین پر وعید ہے کہ انبیاء کے انکار کا انجام خسارہ ہے تم کو بھی یہ برا دن دیکھنا ہے **واذ قال موسیٰ** تا عاقبة المفسدین۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ

یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے (مرنے کے وقت بھی) سخت عذاب ہے اور وہ لوگ آخرت

وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝۵

میں (بھی) سخت خسارہ میں ہیں (کہ کبھی نجات نہ ہوگی) اور آپ کو بالیقین ایک بڑے

وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ

حکمت والے علم والے کی جانب سے قرآن دیا جا رہا ہے (لہٰذا آپ ان کے انکار سے

عَلِيْمٍ ۝۶ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ

غمگین نہ ہو جائیے) (اس وقت کا قصہ یاد کیجئے) جبکہ موسیٰؑ نے اپنے گھر والوں سے کہا

نَارًا ۭ سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ

کہ میں نے آگ دیکھی ہے میں ابھی (جا کر) وہاں سے یا تو راستہ کی کوئی خبر لاتا ہوں

یہ قصہ مدین سے آتے ہوئے پیش آیا جب کہ کوہ طور کے قریب رات کو سردی کے وقت پہنچے اور اس وقت مصر کی راہ بھی بھول گئے تھے۔

اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ

یا تمہارے پاس (وہاں سے) آگ کا شعلہ کسی لکڑی وغیرہ میں لگا ہوا لاتا ہوں تا کہ تم سینک لو سو جب اس (آگ کے پاس پہنچے تو ان کو (منجانب اللہ) آواز

تَصْطَلُوْنَ ۝۷ فَلَمَّا جَاۗءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ

دی گئی کہ جو اس آگ کے اندر ہیں (یعنی فرشتے) ان پر بھی برکت ہو اور جو اس

بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ

کے پاس ہے (یعنی موسیٰؑ) اس پر بھی (برکت ہو یہ دعا بطور تحیہ وسلام کے ہے)

جیسا کہ آنے کے وقت آنے والا یا جس کے پاس آیا جائے وہ سلام کیا کرتا ہے چونکہ موسیٰ علیہ السلام جانتے نہ تھے کہ یہ نور خدا کے انوار میں سے ہے اس لئے خود سلام نہیں کر سکتے تو منجانب اللہ ان کو مانوس کرنے کے لئے سلام ارشاد ہوا۔

وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۸

اور اللہ رب العالمین پاک ہے

اس میں یہ بتلا دیا کہ یہ نور جو آگ کی شکل میں ہے خود حق تعالیٰ کی

ذات نہیں کیونکہ خدا رنگ اور مقدار اور جہت سے پاک ہے اور اس نور میں یہ قیدیں موجود ہیں پس اگر موسیٰ علیہ السلام کا ذہن اس مسئلہ سے خالی ہوتب تو اس کی تعلیم کردی گئی اور اگر فطرت سلیمہ کے ذریعے سے پہلے سے یہ ان کو معلوم ہو تو زیادہ سمجھانے کے لئے فرمادیا گیا اس کے بعد دوسرا ارشاد ہوا۔

يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۹

اے موسیٰ بات یہ ہے کہ میں (جو بے کیف کلام کر رہا ہوں) اللہ ہوں زبردست

وَاَلْقِ عَصَاكَ ؕ

حکمت والا اور (اے موسیٰ) تم اپنا عصا (زمین پر) ڈال دو

چنانچہ انہوں نے ڈال دیا تو وہ اژدہا بن کر لہرانے لگا۔

فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا

سو جب انہوں نے اس کو اس طرح حرکت کرتے دیکھا جیسے سانپ ہو تو پیٹھ

وَّلَمْ يُعَقِّبْ ؕ

پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی تو نہ دیکھا

سانپ سے ڈر جانے کا سبب سورہ طٰہٰ میں گزر چکا ہے کہ یہ خوف یا تو طبعی تھا یا چونکہ اس تغیر میں کسی مخلوق کا واسطہ نہ تھا اس لئے عقلی خوف تھا کہ یہ کہیں خدا کا قہر نہ ہو اور یہ دونوں خوف شان نبوت کے منافی نہیں۔

يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۣ اِنِّىْ لَا يَخَافُ لَدَىَّ

(ارشاد ہوا کہ) اے موسیٰ ڈرو نہیں اور ہمارے حضور میں پیغمبر

الْمُرْسَلُوْنَ ۝۱۰

نہیں ڈرا کرتے

یعنی ہم نے تم کو پیغمبری دی اور خلعت پیغمبری عطا ہونے کے وقت ایسی چیزوں سے پیغمبر نہیں ڈرا کرتے جو خود ان کی رسالت کی دلیل ہو یعنی معجزات مطلب یہ ہے کہ یہ اژدہا تو آپ کا معجزہ ہے اس سے ڈرنا نہ چاہئے پس اگر موسیٰ علیہ السلام کا خوف طبعی تھا تب تو اس ارشاد سے اس طرح زائل ہو گیا کہ نبوت عطا ہونے کی ایسی خوشی غالب ہوئی کہ اس خوف کا اثر غالب نہ رہا کیونکہ قاعدہ ہے کہ ایک طبعی کیفیت پر جب دوسری کیفیت غالب آجاتی ہے تو پہلی کیفیت زائل ہو جاتی ہے اور اگر عقلی خوف تھا تو وہ اس طرح زائل ہو گیا کہ ان کو بتلا دیا گیا کہ انبیاء علیہم السلام پر بھی اگرچہ مصائب آتے ہیں مگر ہم اپنی عادت سے اطلاع دیتے ہیں کہ خود ان کے معجزہ سے اور خاص کر نبوت عطا ہونے کے وقت ان کو ضرر نہیں ہوا کرتا اور چونکہ انبیاء کو حق تعالیٰ کے بتلانے ہی سے اپنی نبوت کا علم ہوتا ہے اس لئے علم سے پہلے اس خوف کا ہونا موجب اشکال نہیں۔

اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًاۢ بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّىْ

ہاں مگر جس سے کوئی قصور (یعنی لغزش سرزد) ہو جاوے پھر برائی (ہو جانے) کے بعد بجائے اس کے نیک کام کرلے (یعنی توبہ کرلے) تو میں

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۱

مغفرت والا رحمت والا ہوں

یعنی اگر کسی سے قصور ہو جائے اور اس کو یاد کر کے ڈرے تو مضائقہ نہیں لیکن اس کے لئے بھی یہ قاعدہ ہے کہ اگر قصور ہو جانے کے بعد توبہ کرے تو میں اس کو بھی معاف کر دیتا ہوں اور یہ اس لئے فرمادیا کہ کہیں اپنا قصہ قبطی کے قتل کا یاد کر کے پریشان نہ ہوں اس لئے اس سے بھی مطمئن کر دیا اور وہ قبطی چونکہ کافر حربی تھا اس کا خون فی نفسہ مباح تھا اس لئے اس کے قتل کرنے میں کسی بندہ کا حق نہ تھا کہ اس کے ورثہ سے معافی کی ضرورت ہوتی البتہ ظاہری مصالحت کو توڑنے کی وجہ سے اس کا قتل حق اللہ تھا اس لئے معاف کر دیا گیا خصوصاً جب کہ وہ قصداً نہ تھا پھر ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ اس معجزہ عصا کے علاوہ ایک معجزہ آپ کو اور بھی عطا ہوتا ہے۔

وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِىْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ

اور تم اپنا ہاتھ اپنے گریبان کے اندر لے جاؤ (اور پھر نکالو تو) وہ بلا کسی عیب (یعنی بلا کسی

مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۣ فِىْ تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ

مرض برص وغیرہ) کے روشن ہو کر نکلے گا نو معجزوں میں (جن کے ساتھ تم کو) فرعون اور

وَقَوْمِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝۱۲

اس کی قوم کی طرف (بھیجا جاتا ہے کیونکہ) وہ بڑے حد سے نکل جانے والے لوگ ہیں

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا

غرض جب ان لوگوں کے پاس ہمارے (دیئے ہوئے) معجزے پہنچے

یعنی اول دو معجزے دکھلائے تھے پھر وقتاً فوقتاً بقیہ دکھلائے جاتے رہے۔

مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۳

جو نہایت واضح تھے تو وہ لوگ (ان سب کو دیکھ کر بھی) بولے یہ صریح جادو ہے اور (غضب

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ

تو یہ تھا کہ) ظلم اور تکبر کی راہ سے ان (معجزات) کے (بالکل) منکر ہوگئے

ظلم سے یہ مراد ہے کہ ان معجزات کو ان کے رتبہ سے گھٹایا اور تکبر یہ کہ اپنے آپ کو اپنے رتبہ سے بڑھایا۔

اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ؕ

حالانکہ ان کے دلوں نے ان کا یقین کرلیا تھا

اور باوجود یقین قلبی کے فرعون وغیرہ کا مومن نہ ہونا اس لئے ہے کہ یہ یقین اختیار سے نہ تھا بلکہ مجبوراً خود بخود دل میں پیدا ہوتا تھا اور اپنے اختیار سے تو وہ لوگ اس کو دفع کرتے تھے اور اس کی تفصیل پارہ سیقول آیت یعرفونه الخ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴﴾

سو دیکھئے کیسا (برا) انجام ہوا ان مفسدوں کا

کہ دنیا میں غرق اور آخرت میں جہنم کی سزا ہوئی و لقد اتینا تا عبادک الصلحین.

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا

اور ہم نے داؤدؑ اور سلیمانؑ کو (شریعت اور ملک داری کا) علم عطا فرمایا اور ان

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ

دونوں نے (ادائے شکر کیلئے) کہا کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے سزاوار ہیں

عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵﴾

جس نے ہم کو اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت دی

اور بہت سے بندوں پر اس لئے کہا کہ بعض انبیاء علیہم السلام کو حق تعالیٰ نے ان پر بھی فضیلت دی ہے قال تعالیٰ و فضلنا بعض النبیین علی بعض.

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ

اور داؤد (علیہ السلام کی وفات کے بعد ان) کے قائم مقام سلیمانؑ ہوئے

یعنی ان کو سلطنت وغیرہ ملی پس وارث ہونے سے محض احکام کی اشاعت اور مخلوق کی اصلاح اور ملکی انتظام میں جانشینی مراد ہے اور ظاہر ہے کہ یہ مالی میراث نہیں ہے حدیث میں تصریح ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے ترکہ میں میراث نہیں ہوتی اور شیعہ کی کتابوں میں بھی یہ مسئلہ موجود ہے کلینی میں حضرت جعفر صادق کا قول نقل کیا ہے ان سلیمان ورث داؤد و ان محمداً صلی اللہ علیہ وسلم ورث سلیمان کذافی الروح کہ سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سلیمان کے وارث ہوئے اور ظاہر ہے کہ حضورؐ ان کے مال کے وارث نہ ہوئے تھے پس جیسے آپ سلیمانؑ کے وارث ہوئے ویسے ہی وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے۔

وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ

اور انہوں نے (اظہار شکر کے لئے) کہا کہ اے لوگو ہم کو پرندوں کی بولی (سمجھنے) کی تعلیم کی گئی ہے

جو دوسرے بادشاہوں کو میسر نہیں اور یہ جو فرمایا گیا کہ ہم کو تعلیم دی گئی تو اس میں داؤد علیہ السلام کو شامل کرنا مقصود نہیں کیونکہ ان کا پرندوں کی بولی سمجھنا ثابت نہیں بلکہ یہ شاہانہ محاورہ ہے کہ اپنے آپ کو ہم کہا کرتے ہیں اور اس سے مقصود تکبر نہیں بلکہ رعایا پر رعب بٹھلانا ہے تاکہ شرعی امور میں اطاعت سے باہر نہ ہوں۔

وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ؕ

اور ہم کو (سامان سلطنت کے متعلق) ہر قسم کی (ضروری) چیزیں دی گئی ہیں

جیسے فوج اور لشکر و مال اور لڑائی کے سامان وغیرہ۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾ وَحُشِرَ

واقعی یہ (اللہ تعالیٰ کا) صاف فضل ہے اور سلیمانؑ کے لئے (جو) ان کا لشکر جمع کیا گیا (تھا

لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ

ان میں) جن بھی (تھے اور انسان بھی اور پرندے بھی (جو کسی بادشاہ کے مسخر نہیں ہوتے)

وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾

اور (پھرتے بھی اس کثرت سے کہ) ان کو (چلنے کے وقت) روکا جاتا تھا

تاکہ متفرق نہ ہو جائیں پیچھے والوں کا انتظار کریں اور سب ساتھ مل کر چلیں اور یہ بات عادۃً زیادہ مجمع میں ہوتی ہے ایسے مجمع میں اگلوں کو پچھلوں کی خبر بھی نہیں ہوتی اس لئے ایسا انتظام کرنا پڑتا ہے آگے ایک بار کا واقعہ ذکر فرماتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام اپنے لشکر کے ساتھ تشریف لئے جاتے تھے (آگے ترجمہ)

حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ

یہاں تک کہ جب چیونٹیوں کے میدان میں آئے تو ایک چیونٹی نے

نَمْلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ

(دوسری چیونٹیوں سے) کہا کہ اے چیونٹیو اپنے اپنے سوراخوں

لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا

میں جا گھسو کہیں تم کو سلیمانؑ اور ان کا لشکر بے خبری میں نہ کچل ڈالیں

يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا

سو سلیمانؑ اس کی بات سے مسکراتے ہوئے ہنس پڑے

آپ کو تعجب ہوا کہ اس ذرا سے چھوٹے جثہ پر یہ ہوشیاری اور احتیاط اور اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جانوروں کی بولی سمجھنے میں صرف پرندوں کی خصوصیت نہ تھی بلکہ پرندوں کے سوا دوسروں کی بھی بولی سمجھتے تھے باقی اس کی تصریح نہیں کہ کوئی قسم جانوروں کی اس سے مستثنیٰ بھی تھی یا نہیں (کہ ان کی بولی آپ نہ سمجھتے ہوں) اور ظاہر یہ ہے کہ یہ جانور آدمی کی بولی نہ بولتے تھے بلکہ وہی آوازیں جن کو جانور اپنی اغراض کے لئے استعمال کرتے ہیں سلیمان علیہ السلام انہی کو سمجھ جاتے تھے اور چیونٹی اور ہدہد کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حیوانات بعضی عقلی باتیں بھی سمجھتے ہیں سو اس کی نفی پر کوئی دلیل نہیں ممکن ہے کہ ان میں تھوڑی سی عقل ہو لیکن وہ مکلف ہونے کے لئے کافی نہ ہو جیسا کہ بچے اور بے وقوف کو مکلف نہیں کیا گیا حالانکہ کچھ عقل ان میں بھی ہوتی ہے اور اس قصہ سے انبیاء علیہم السلام کا ہنسنا ثابت ہے اور حدیث میں جو آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہنستے نہ تھے اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کو ہنسنے کی عادت نہ تھی یہ مطلب نہیں کہ آپ کبھی نہیں ہنسے پھر سلیمان علیہ السلام کو یہ دیکھ کر کہ میں اس کی بولی سمجھ گیا جو معجزہ ہونے کی وجہ سے ایک بڑی نعمت ہے اور نعمتیں بھی یاد آ گئیں اور دعا کرنے لگے۔

وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ

اور کہنے لگے کہ اے میرے رب مجھ کو اس پر مداومت دیجئے کہ میں آپ کی نعمتوں

الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ

کا شکر کیا کروں جو آپ نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں

ایمان اور علم تو سب کو اور نبوت آپ کو اور آپ کے والد کو۔

وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ

اور (اس پر بھی مداومت دیجئے کہ) میں نیک کام کروں جس سے آپ خوش ہوں

یعنی مقبول عمل عنایت ہو کیونکہ اگر عمل فی نفسہ اچھا ہو مگر آداب اور شرائط میں کوتاہی و کمی ہونے سے مقبول نہ ہو تو وہ مطلوب نہیں وتفقد الطیر تا ماذا یرجعون۔

وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾

اور مجھ کو اپنی رحمت (خاصہ) سے اپنے (اعلیٰ درجہ کے) نیک بندوں میں

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ

داخل رکھیے اور (ایک بار یہ قصہ ہوا کہ) سلیمانؑ نے پرندوں کی حاضری لی

یا تو آپ نے پرندوں کو کچھ خدمتیں سپرد کر رکھی ہوں گی اس لئے حاضری لی یا محض انتظام کے لئے ایسا کیا جیسا کہ لشکروں کے سردار کیا کرتے ہیں۔

فَقَالَ مَا لِيَ لَاۤ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ

تو (ہدہد کو نہ دیکھا) فرمانے لگے کہ یہ کیا بات ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھتا کیا

مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ﴿۲۰﴾

کہیں غائب ہو گیا ہے

پھر جب ثابت ہو گیا کہ واقعی غائب ہے تو فرمانے لگے (آگے ترجمہ)

لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗۤ

میں اس کو (غیر حاضری پر) سخت سزا دوں گا یا اس کو ذبح کر ڈالوں گا یا وہ کوئی

اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۱﴾

صاف حجت (اور عذر حاضری کا) میرے سامنے پیش کرے۔

تو خیر چھوڑ دوں گا اس سے معلوم ہوا کہ جانوروں کو تعلیم دینے کے لئے سزا دینا جائز ہے اور تکلیف دفع کرنے کے لئے قتل بھی جائز ہے بشرطیکہ تعلیم مقصود ہو اور سزا دینے کا کچھ اثر ظاہر ہو اور اس کے قتل سے تکلیف دفع ہوتی ہو ورنہ جائز نہیں مثلاً اب ہدہد نہ تعلیم کے قابل ہے نہ اس سے کوئی تکلیف پہنچتی ہے بخلاف اس وقت کے کہ غیر حاضری پر سزا دینا نافع تھا اور اس کی نافرمانی سے آپ کو تکلیف پہنچی تھی۔

فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ

سو تھوڑی دیر میں وہ آ گیا اور (سلیمانؑ سے) کہنے لگا کہ میں ایسی بات معلوم

تُحِطْ بِهٖ

کر کے آیا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں ہوئی

ہدہد کو ایک خاص محسوس واقعہ معلوم ہو جانے سے نبی کے علم پر فضیلت لازم نہیں آتی کیونکہ نبی کے علوم دوسری قسم کے ہیں دنیا کے تمام واقعات

کا علم ہونا نبی کے لئے ضروری نہیں اور مطلب ہدہد کے جواب کا یہ ہے کہ میری غیر حاضری نافرمانی کی وجہ سے نہ تھی بلکہ ایک درجہ میں اطاعت تھی کیونکہ میں آپ ہی کے کام میں لگا ہوا تھا۔

وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍۭ بِنَبَإٍ يَّقِيْنٍ ﴿۲۲﴾

اور (اجمالی بیان اس کا یہ ہے کہ) میں آپ کے پاس قبیلہ سبا کی ایک تحقیقی خبر لایا ہوں

سبا ایک شخص کا نام تھا پھر اس کی اولاد کو کہنے لگے پھر ان کے شہر کو بھی سبا کہنے لگے جو صنعاء سے تین دن کے فاصلے پر ہے بلقیس اسی خاندان سے ہے اور یعرب ابن قحطان کی اولاد میں ہونے کی وجہ سے زبان ان کی عربی تھی اور سلیمان علیہ السلام اگر دنیا بھر کے بادشاہ مان لئے جائیں تو یہ کہنا چاہئے کہ آہستہ آہستہ تمام عالم کے بادشاہ ہوگئے تھے تاکہ اس وقت تک بلقیس کا ملک آپ کے قبضہ میں نہ آنے سے اشکال نہ ہو آگے ہدہد نے تفصیلی واقعہ بیان کیا۔

اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ

میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ ان لوگوں پر بادشاہی کر رہی ہے اور اس کو (سلطنت کے

كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾

لوازم میں سے) ہر قسم کا سامان میسر ہے اور اس کے پاس ایک بڑا (اور قیمتی) تخت ہے

تخت کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لئے کیا گیا کہ وہ بہت عجیب اور اس وقت کے بادشاہوں کے اعتبار سے نایاب ہوگا اور یہ بھی ممکن ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے بھی باوجود قدرت کے ایسے تخت بنوانے کا اہتمام نہ کیا ہو اور ہماری شریعت میں عورت کو بادشاہ بنانے کی ممانعت ہے پس بلقیس کے قصہ سے کوئی شبہ نہ کرے کیونکہ اول تو یہ فعل مشرکین کا تھا دوسرے اگر سلیمان علیہ السلام نے بھی اس کی بادشاہت کو جائز رکھا ہو تو شریعت محمدی میں اس کے خلاف حکم ہوتے ہوئے ان کا فعل بھی حجت نہیں آگے ہدہد نے اس قوم کی مذہبی حالت بیان کی جس سے شاید جہاد کی رغبت دلانا مقصود ہو۔

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ

میں نے اس کو اور اس (عورت) کی قوم کو پایا کہ وہ خدا کی عبادت کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ

دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ

کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے (ان) اعمال (کفریہ) کو ان کی نظر میں مرغوب کر

فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾

رکھا ہے اور ان کو راہ (حق) سے روک رکھا ہے سو وہ راہ (حق) پر نہیں چلتے کہ اس خدا کو

اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ

سجدہ نہیں کرتے جو (ایسا قادر ہے کہ) آسمان اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو (جن میں

فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ

بارش اور نبات بھی ہے) باہر لاتا ہے اور (ایسا عالم ہے کہ) تم لوگ جو کچھ (دل میں)

وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ

پوشیدہ رکھتے ہو اور جو کچھ زبان وغیرہ سے) ظاہر کرتے ہو وہ سب کو جانتا ہے (پس اللہ

الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۶﴾ السجدة

ہی ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے

بظاہر یہ تمام کلام ذات وصفات کے متعلق ہدہد کا ہے اور اوپر آیات کی تفسیر میں گزر چکا ہے کہ کسی قدر عقلی قوت کا احتمال جانوروں میں بھی ہے۔

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾

سلیمانؑ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ ہم ابھی دیکھ لیتے ہیں کہ تو سچ کہتا ہے یا تو جھوٹوں میں سے ہے (اچھا) میرا یہ خط لے جا اور اس کو

اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ

اس کے پاس ڈال دینا پھر (وہاں سے) ہٹ جانا

ہٹ جانے کا حکم جو ہدہد کو دیا گیا اس میں تہذیب اور بادشاہوں کی مجلس کا ادب سکھلایا ہے اور ہدہد ہی کی معرفت خط بھیجنا اس لئے تھا کہ اس سے جھوٹ سچ کا امتحان کرنا تھا۔ اور پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ بلقیس کی زبان عربی تھی تو سلیمان علیہ السلام کا خط یا تو عربی میں ہوگا اگرچہ وہ خود عربی نہیں ہیں لیکن جس کو جانوروں کی بولی کا علم تھا اس کو آدمیوں کی بولیوں کا علم کیا مشکل ہے یا اپنی زبان میں لکھا ہوگا اور وہاں ترجمہ کرالیا گیا ہوگا۔

ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾

پھر دیکھنا کہ آپس میں کیا سوال و جواب کرتے ہیں

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہدہد سلیمان علیہ السلام کے علاوہ دوسروں کی بات بھی سمجھتا تھا سو یہ بھی سلیمان علیہ السلام کا معجزہ ہوگا غرض سلیمان علیہ

السلام نے ہدہد سے یہ گفتگو کر کے بلقیس کے نام ایک خط لکھا جس کا مضمون آگے قرآن میں مذکور ہے اور ہدہد کو حوالہ کیا وہ اس کو چونچ میں لے کر چلا اور خلوت میں یا مجلس میں بلقیس کے پاس ڈال دیا قالت یایہا الملأ تا صاغرون

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ

بلقیس (نے پڑھ کر اپنے سرداروں سے مشورہ کے لئے) کہا کہ اے اہل دربار

كَرِيْمٌ ﴿۲۹﴾

میرے پاس ایک خط (جس کا مضمون نہایت) باوقعت (ہے) ڈالا گیا ہے

باوقعت اس لئے کہا کہ حاکمانہ مضمون ہے جس میں باوجود نہایت اختصار کے اعلیٰ درجہ کی بلاغت ہے۔

اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ

وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور اس میں یہ (مضمون) ہے (اول) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) اور اس کے بعد یہ کہ) تم لوگ (یعنی بلقیس اور سب اعیان

الرَّحِيْمِ ﴿۳۰﴾ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ

سلطنت جن کے ساتھ عوام بھی وابستہ ہیں) میرے مقابلہ میں تکبر مت کرو

مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

اور میرے پاس مطیع ہو کر چلے آؤ

پس مقصود تمام اہل سبا کو اسلام کی طرف بلانا ہے اور آنے سے مراد جسمانی حاضری نہیں بلکہ اطاعت میں آنا مراد ہے اور یہ لوگ سلیمان علیہ السلام کا حال یا تو پہلے سے سن چکے ہوں گے گو حضرت سلیمان علیہ السلام ان کو نہ جانتے ہوں کیونکہ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ بڑے آدمی چھوٹوں کو نہیں جانتے اور چھوٹے بڑوں کو جانا کرتے ہیں یا خط آنے کے بعد تحقیق کر لیا ہوگا۔

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ

بلقیس نے کہا کہ اے اہل دربار تم مجھ کو میرے اس معاملہ میں رائے دو (کہ مجھ کو سلیمانؑ

مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿۳۲﴾

کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہئے اور) میں کسی بات کا قطعی فیصلہ نہیں کرتی جب تک کہ تم

قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ

لوگ میرے پاس موجود ہو وہ کہنے لگے کہ ہم بڑے طاقت ور اور بڑے لڑنے والے ہیں

اگر مقابلہ اور لڑائی کرنا مصلحت ہو تو ہم اپنی ذات سے ہر طرح حاضر ہیں۔

وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ﴿۳۳﴾

اور (آئندہ) اختیار تم کو ہے سو تم ہی (مصلحت) کو دیکھ لو جو کچھ (تجویز کر کے) حکم دینا ہو

قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً

بلقیس کہنے لگی کہ والیان ملک (کا قاعدہ ہے کہ) جب کسی بستی میں (مخالفانہ طور پر) داخل ہوتے ہیں تو اس کو تہ و بالا کر دیتے ہیں اور اس کے رہنے

اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً

والوں میں جو عزت دار ہیں ان کو (ان کا زور گھٹانے کیلئے) ذلیل کیا کرتے ہیں

اور سلیمان علیہ السلام بھی والی ملک ہیں اگر ان سے مقابلہ کیا جائے تو ممکن ہے کہ ان ہی کو غلبہ ہو جائے۔

وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۴﴾

اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے

تو بے ضرورت خلجان میں پڑنا مصلحت کے خلاف ہے اس لئے لڑنا تو میرے نزدیک مصلحت نہیں ابھی اس قصہ کو ملتوی کیا جاوے۔

وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ

اور میں ان لوگوں کے پاس کچھ ہدیہ بھیجتی ہوں پھر دیکھوں گی کہ وہ فرستادے

يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۵﴾

(وہاں سے) کیا (جواب) لے کر آتے ہیں

اس وقت دوبارہ غور کیا جائے گا چنانچہ ہدایا اور تحائف کا سامان درست ہوا اور قاصد اس کو لے کر روانہ ہوا۔

فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ

سو جب وہ فرستادہ سلیمانؑ کے پاس پہنچا (اور تحفے پیش کئے تو سلیمانؑ نے) فرمایا کیا

فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ بَلْ اَنْتُمْ

تم لوگ (یعنی بلقیس وغیرہ) مال سے میری امداد کرتے ہو سو (سمجھ رکھو کہ) اللہ نے

بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۶﴾

جو کچھ مجھ کو دے رکھا ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو تم کو دے رکھا ہے

کیونکہ تمہارے پاس صرف دنیا ہے اور میرے پاس دین بھی ہے اور دنیا بھی تم سے زیادہ سو میں تو ان چیزوں کا حریص نہیں ہوں۔

ارْجِعْ اِلَيْهِمْ

ہاں تم ہی اپنے اس ہدیہ پر اتراتے ہو گے (سو یہ تحفے ہم نہ لیں گے) تم (ان کو لے کر) ان لوگوں کے پاس لوٹ جاؤ

اگر وہ اب بھی ایمان لے آویں تو خیر ورنہ مقابلہ کے لئے آمادہ رہیں۔

فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا

ہم ان پر ایسی فوجیں بھیجتے ہیں کہ ان لوگوں سے ان کا ذرا مقابلہ نہ ہو سکے گا اور ہم ان کو

وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

وہاں سے ذلیل کر کے نکال دیں گے اور وہ (ہمیشہ کے لئے) ماتحت ہو جاویں گے

یہ نہیں ہوگا کہ نکالنے کے بعد آزادی سے چھوڑ دیئے جائیں کہ جہاں چاہیں چلے جائیں بلکہ ذلت کے ساتھ ہمیشہ کے لئے رعیت بن کر رہیں گے اور آپ نے جو ہدیہ لوٹا دیا تو اگر آپ کی شریعت میں جزیہ لینا جائز نہ ہو تب تو ظاہر ہے اور اگر جائز ہو تو یہ ہدیہ جزیہ کے طور پر نہ تھا جو کہ اطاعت کی علامت ہے بلکہ بدوں اطاعت کے محض دوستی کا ذریعہ تھا سو یہ بلاضرورت جائز نہیں رہا یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی نبوت پر دلیل قائم کرنے کیلئے کوئی معجزہ کیوں نہ پیش کیا جواب یہ ہے کہ اس کی ضرورت درخواست کے وقت ہوتی ہے کیونکہ بعض لوگوں کو انبیاء کے باطنی کمالات ہی سے نبوت کا یقین ہو جاتا ہے اور جس کو اس سے یقین نہ ہو وہ خود درخواست کر سکتا ہے غرض وہ قاصد ہدیہ وغیرہ واپس لے گیا اور سارا قصہ بلقیس سے بیان کیا مجموعی حالات سے اس کو سلیمان علیہ السلام کے ذاتی کمالات اور نبوت کا یقین ہو گیا اور حاضر ہونے کے قصد سے اپنے ملک سے چلی۔ قال یایها الملأ تا لاتهتدون.

قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا

سلیمانؑ (کو وحی سے یا اور کسی مخبر وغیرہ کے ذریعہ سے اس کا چلنا معلوم ہوا تو انہوں) نے فرمایا کہ اے اہل دربار تم میں کوئی ایسا ہے جو اس (بلقیس) کا

قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۸﴾

تخت قبل اس کے کہ وہ لوگ میرے پاس مطیع ہو کر آویں حاضر کر دے

غالباً تخت منگانا اس غرض سے تھا کہ وہ لوگ میرا معجزہ بھی دیکھ لیں کیونکہ اتنا بڑا تخت پھر ایسے سخت چوکی پہروں میں سے اس کا اس طور پر اچانک آ جانا کہ اطلاع تک بھی نہ ہو انسانی عادت سے باہر ہے اگر وہ جنوں کے ذریعہ سے آیا تب بھی ان کا خود بخود تابع ہونا ایک معجزہ ہے اور اگر کرامت سے کسی ولی کی کرامت سے آیا تو ولی کی کرامت بھی نبی کا معجزہ ہے اور اگر خود حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا سے آیا تو بلاواسطہ معجزہ ہے ہر حالت میں یہ آپ کا معجزہ ہے اور نبوت کی دلیل ہے پس مقصود یہ ہوگا کہ باطنی کمالات کے ساتھ معجزہ کا کمال بھی دیکھ لیں کہ ایمان اور اطمینان زیادہ ہو۔

قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ

ایک قوی ہیکل جن نے جواب میں عرض کیا کہ میں اس کو آپ کی خدمت میں حاضر کر دوں گا قبل اس کے کہ آپ اپنے اجلاس سے اٹھیں اور (گو وہ بڑا

اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ

بھاری ہے مگر) میں اس (کے لانے) پر طاقت رکھتا ہوں اور گو وہ بڑا قیمتی

لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿۳۹﴾

مرصع جواہرات سے ہے مگر امانت دار (بھی) ہوں

اس میں کوئی خیانت نہیں کروں گا۔

قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ

جس کے پاس کتاب کا علم تھا

یعنی توریت کا یا اور کسی آسمانی کتاب کا جس میں خدا کے ناموں کی تاثیرات لکھی ہوں اور ظاہر یہ ہے کہ اس سے خود سلیمان علیہ السلام مراد ہیں تفسیر کبیر میں چند وجوہ مذکور ہیں جن سے یہی قول راجح معلوم ہوتا ہے اس صورت میں سلیمان علیہ السلام کا یہ سوال کرنا جنات کے امتحان اور ان کی کمزوری ظاہر کرنے کیلئے ہوگا اور بعض روایات میں اس عالم کا سلیمان علیہ السلام کے صحابہ میں سے ہونا آیا ہے اور یہ اس صحابی کی کرامت تھی اور وہ غرض اس صورت میں بھی پوری ہو سکتی ہے کہ آپ کو معلوم ہو گیا ہو کہ اس صحابی سے یہ کرامت ظاہر ہوگی تو سوال کر کے جنات کو سنانا اور دکھلانا منظور ہوا کہ مجھ سے فیض پانے والوں میں وہ قوت ہے کہ تم میں بھی نہیں اور چونکہ امتی کی کرامت نبی کا معجزہ ہوتا ہے اس لئے آپ نے شکر ادا کیا اور ہر حال میں اگر کتاب سے مراد تورات ہے تو اس کو تخت کے حاضر کرنے میں کوئی دخل نہ ہوگا محض تعریف کرنا مقصود ہے۔

أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ

اس نے (اس جن سے) کہا کہ میں اس کو تیرے سامنے تیری آنکھ جھپکنے سے پہلے لاکھڑا کرسکتا ہوں

کیونکہ میں معجزہ (یا کرامت) کی قوت سے لاؤں گا چنانچہ حق تعالیٰ سے ویسے ہی دعا کی یا کسی اسم الٰہی کے ذریعہ سے اور تخت فوراً سامنے آموجود ہوا۔

أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ فَلَمَّا رَآهُ

پس جب سلیمان علیہ السلام نے اس کو اپنے روبرو رکھا دیکھا

مُسْتَقِرًّا عِنْدَهُ قَالَ هَٰذَا مِنْ فَضْلِ

تو (خوش ہو کر شکر کے طور پر) کہنے لگے کہ یہ بھی میرے پروردگار کا

رَبِّي

ایک فضل ہے

کہ میرا یہ معجزہ ظاہر کیا۔

لِيَبْلُوَنِي أَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ ۖ وَمَنْ شَكَرَ

تا کہ وہ میری آزمائش کرے کہ میں شکر کرتا ہوں یا (خدانخواستہ) ناشکری کرتا ہوں اور (ظاہر ہے کہ) جو شخص شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی نفع کے لئے

فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ

شکر کرتا ہے (اللہ تعالیٰ کا کوئی نفع نہیں) اور (اسی طرح) جو ناشکری کرتا ہے

وہ بھی اپنا ہی نقصان کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا کوئی ضرر نہیں۔

رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ ﴿٤٠﴾ قَالَ نَكِّرُوا لَهَا

میرا رب غنی ہے کریم ہے (اس کے بعد) سلیمانؑ نے (بلقیس کی عقل آزمانے

عَرْشَهَا

کے لئے) حکم دیا کہ اس کے لئے اس کے تخت کی صورت بدل دو

جس کے بہت سے طریقے ہو سکتے ہیں مثلاً جواہرات کے مواقع بدلہ دیا اور کسی طرح۔

نَنْظُرْ أَتَهْتَدِي أَمْ تَكُونُ مِنَ الَّذِينَ

ہم دیکھیں کہ اس کو پتہ لگتا ہے یا اس کا ان ہی میں شمار رہتا ہے

لَا يَهْتَدُونَ ﴿٤١﴾

جن کو (ایسی باتوں کا) پتہ نہیں لگتا

پہلی صورت میں معلوم ہوگا کہ عاقل ہے اور عاقل سے حق بات سمجھنے کی زیادہ امید ہے اور اس کا اثر دوسروں پر بھی پڑتا ہے اور دوسری صورت میں دونوں باتوں کی امید کم ہے۔ فلما جاء ت تا رب العالمین۔

فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ أَهَٰكَذَا عَرْشُكِ ۖ

(سلیمانؑ نے یہ سب سامان کر رکھا پھر بلقیس پہنچی) سو جب بلقیس آئی تو اس سے (تخت دکھا کر) کہا گیا

خواہ سلیمان علیہ السلام نے خود کہا ہو یا کسی سے کہلوایا ہو۔

قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ ۚ

کہ کیا تمہارا تخت ایسا ہی ہے وہ کہنے لگی ہاں ہے تو ویسا ہی

چونکہ اس تخت کی ہیئت بدل دی گئی تھی تو اصل میں تو وہی تخت تھا مگر صورت میں وہ نہ تھا اس لئے اس طرح سوال کیا گیا کہ تمہارا تخت کیا ایسا ہی ہے بلقیس اس کو پہچان گئی اور اس کی صورت بدل دینے کو بھی سمجھ گئی اس لئے جواب بھی سوال کے مطابق دیا کہ ہاں ہے تو ویسا ہی جس سے اس کا عاقل ہونا معلوم ہوگیا۔

وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا

اور (یہ بھی کہا کہ) ہم لوگوں کو تو اس واقعہ سے پہلے ہی (آپ کی نبوت کی)

مُسْلِمِينَ ﴿٤٢﴾

تحقیق ہو چکی ہے اور ہم (اسی وقت دل سے) مطیع ہو چکے ہیں

جیسے قاصد کی زبانی آپ کے کمالات معلوم ہوئے تھے پس اس معجزہ کی چنداں ضرورت نہ تھی اور چونکہ معجزہ سے پہلے ہی اعتقاد کر لینا کمال عقل کی دلیل ہے اس لئے اللہ تعالیٰ اس کے عاقل ہونے کو بیان فرماتے ہیں کہ فی الواقع وہ تھی سمجھدار مگر چند روز تک ایک وجہ سے ایمان نہ لائی آگے وہ وجہ مذکور ہے۔

وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ دُونِ

اور اس کو (ایمان لانے سے) غیر اللہ کی عبادت نے (جس کی اس کو عادت

اللَّهِ ۖ إِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كَافِرِينَ ﴿٤٣﴾

تھی) روک رکھا تھا (اور وہ عادت اس لئے پڑ گئی تھی کہ) وہ کافر قوم میں کی تھی

پس جو سب کو کرتے دیکھا وہی وہی آپ کرنے لگی اور عادت اکثر متنبہ نہیں ہونے دیا کرتی مگر چونکہ تھی عاقل اس لئے جب تنبیہ کی گئی متنبہ ہوگئی اس کے بعد سلیمان علیہ السلام نے چاہا کہ علاوہ اعجاز و شان نبوت دکھلانے کے اس کو ظاہری سلطنت کی شان بھی دکھلا دی جائے تا کہ اپنے کو دنیا کے اعتبار سے بھی بڑا نہ سمجھے اس لئے ایک شیش محل بنوا کر اس کے صحن میں حوض بنوایا اور اس میں پانی اور مچھلیاں بھر کر اس کو شیشہ سے پاٹ دیا اور شیشہ ایسا شفاف تھا کہ سرسری نظر سے نظر نہ آتا تھا اور وہ حوض ایسے موقع پر تھا کہ اس محل میں جانے والے کو لامحالہ اس پر سے گزرنا پڑے چنانچہ اس تمام سامان کے بعد (آگے ترجمہ دیکھو)۔

قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ج

بلقیس سے کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہو

ممکن ہے کہ وہی محل قیام کے واسطے تجویز کیا گیا ہو تو اس میں جانا اور ٹھہرنا ضروری ہوا۔

فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَكَشَفَتْ

(وہ چلیں راہ میں حوض آیا) تو جب اس کا صحن دیکھا تو اس کو پانی (سے بھرا

عَنْ سَاقَيْهَا ط قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُمَرَّدٌ

ہوا) سمجھا اور (اس کے اندر گھسنے کے لئے) اپنی دونوں پنڈلیاں کھول دیں

مِنْ قَوَارِيرَ ط

(اس وقت) سلیمانؑ نے فرمایا کہ یہ تو ایک محل ہے جو شیشوں سے بنایا گیا ہے

اور یہ حوض بھی شیشہ سے پٹا ہوا ہے دامن اٹھانے کی ضرورت نہیں ویسے ہی چلی آؤ پس بلقیس کو معلوم ہوگیا کہ یہاں دنیوی صفتیں بھی ایسی عجیب ہیں جو آج تک میں نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھیں تو ان کے دل میں ہر طرح سے سلیمان علیہ السلام کی عظمت پیدا ہوئی۔

قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَأَسْلَمْتُ

(اس وقت) بلقیس کہنے لگیں کہ اے میرے پروردگار میں نے (اب تک) اپنے نفس پر ظلم کیا تھا (کہ شرک میں مبتلا تھی) اور میں (اب) سلیمانؑ کے

مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ع (۴۴)

ساتھ (یعنی ان کے طریقہ پر) ہو کر رب العالمین پر ایمان لائی

ایمان کا اقرار کرنا مسلمین میں بھی تھا مگر اس سے خبر دینا مقصود تھا اور دل سے ایمان لانا جو کہ مطلوب ہے وہ اس کلام سے حاصل ہوا ہے آگے پورے قصہ میں مختلف قول ہیں مگر اس سے کوئی ضروری غرض متعلق نہیں اس لئے بیان نہیں کیا گیا اور اس قصے سے چند فائدے حاصل ہوئے ایک تو حضورؐ کا بدوں لکھے پڑھے پہلے قصوں کو صحیح بیان کر دینا جو کہ نبوت کی دلیل ہے دوسرے انبیاء کی موافقت کی ترغیب کہ بلقیس باوجود اس شان وشوکت کے جب اس پر حق واضح ہوگیا فوراً ایمان لے آئی تیسرے انبیاء کی مخالفت سے ڈرانا کہ اگر وہ ایمان نہ لاتی تو وہی ہوتا جو سلیمان علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ ذلیل ہو کر شہر سے نکالی جاتی نیز اس میں اشارہ کے طور پر حضورؐ کی تسلی بھی ہے کہ ہم سلیمان علیہ السلام کے لشکر کی طرح آپ کے لشکر کو بھی ان کفار پر غالب کریں گے اگر یہ ایمان نہ لائے چنانچہ بعد میں جہاد کی اجازت ہوئی اور مسلمان غالب ہوئے ولقد ارسلنا تا کانوا یتقون

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا

اور ہم نے (قوم) ثمود کے پاس ان (کی برادری) کے بھائی صالح کو (پیغمبر

أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ فَإِذَا هُمْ فَرِيقَانِ

بنا کر) بھیجا یہ (پیغام دیکر) کہ تم اللہ کی عبادت کرو سو اچانک ان میں دو

يَخْتَصِمُونَ (۴۵)

فریق ہوگئے جو (دین کے بارے میں) باہم جھگڑنے لگے

یعنی چاہیے تو یہ تھا کہ سب ایمان لے آتے مگر ان میں ایک فرقہ تو ایمان لایا ایک نہ لایا اور ان میں جو جھگڑا اور مباحثہ ہوا کچھ اس کا بیان سورۂ اعراف میں ہو چکا ہے اور کچھ آگے آتا ہے اور جب ان لوگوں نے کفر پر اصرار کیا تو صالح علیہ السلام نے انبیاء کی عادت کے موافق ان کو عذاب الٰہی سے ڈرایا جس پر وہ کہنے لگے کہ لاؤ وہ عذاب کہاں ہے۔

قَالَ يَا قَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُونَ بِالسَّيِّئَةِ

صالح (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اے بھائیو نیک کام کرو (یعنی توبہ وایمان)

قَبْلَ الْحَسَنَةِ ج

سے پہلے عذاب کو کیوں جلدی مانگتے ہو

یعنی چاہیے تو یہ تھا کہ عذاب کی وعید سن کر ایمان لے آتے نہ یہ کہ ایمان تو نہ لائے اور الٹے عذاب ہی کی درخواست کرنے لگے بڑی بےباکی کی بات ہے۔

لَوْلَا تَسْتَغْفِرُونَ اللَّهَ لَعَلَّكُمْ

تم لوگ اللہ کے سامنے (کفر کی) معافی کیوں نہیں چاہتے جس سے توقع ہوتا کہ تم پر رحم کیا جاوے (یعنی عذاب سے محفوظ رہو) وہ لوگ

تَرْجُمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ط

کہنے لگے کہ ہم تو تم کو اور تمہارے ساتھ والوں کو منحوس سمجھتے ہیں

کہ جب سے تم نے یہ مذہب نکالا ہے اور تمہاری یہ جماعت پیدا ہوئی ہے قوم میں نااتفاقی ہوگئی اور نااتفاقی کی جو مضرتیں اور خرابیاں ہوتی ہیں وہ سب ظاہر ہونے لگیں پس جڑ ان سب برائیوں کی تم ہو۔

قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ

صالحؑ نے (جواب میں) فرمایا کہ تمہاری (اس) نحوست (کا سبب) اللہ کے علم میں ہے

یعنی تمہارے اعمال کفریہ اللہ کو معلوم ہیں یہ برائیاں ان ہی اعمال پر مرتب ہیں چنانچہ ظاہر ہے کہ نااتفاقی بری وہی ہے جو حق کے خلاف کرنے سے ہو تو اس کا الزام ایمان والوں پر نہیں ہو سکتا بلکہ کافروں پر ہوگا اور بعض تفاسیر میں ہے کہ ان پر قحط پڑا تھا۔

بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿۴۷﴾

بلکہ تم لوگ ہو کہ (اس کفر کی بدولت) عذاب میں مبتلا ہوئے

یعنی تمہارے کفر کا نقصان انہی مصیبتوں پر ختم نہ ہوگا آخرت میں بھی اس کا مزہ چکھو گے۔

وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ

اور (کفر کے سرغنہ) اس بستی میں نو شخص تھے جو سرزمین میں (یعنی بستی کے

يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۴۸﴾

باہر تک بھی) فساد کیا کرتے تھے اور (ذرا) اصلاح نہ کرتے تھے

یعنی بعضے مفسد ایسے ہوتے ہیں کہ کچھ فساد کیا کچھ اصلاح کر لی مگر وہ ایسے نہ تھے بلکہ خالص مفسد تھے چنانچہ ایک بار یہ فساد کیا (آگے ترجمہ دیکھو)۔

قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ

انہوں نے کہا کہ آپس میں سب (اس پر) اللہ کی قسم کھاؤ کہ ہم شب کے

ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ

وقت صالحؑ اور ان کے متعلقین (یعنی ایمان والوں کو) جا ماریں گے (پھر) (بروقت تحقیق) ہم ان کے وارث سے

اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۴۹﴾

کہہ دیں گے کہ ہم ان کے متعلقین کے (اور خود ان کے) مارے جانے میں موجود (بھی) نہ تھے اور ہم بالکل سچے ہیں

جو خون کا دعویٰ کرے گا اور یہ وارث یا تو مسلمان ہوگا اور اس کی عزت و وجاہت کی وجہ سے اس کے قتل کی رائے نہ ہوئی ہوگی یا اگر مومن نہ ہوگا تو یہ احتمال ہوا ہوگا کہ وہ خاندانی حمیت اور جوش کی وجہ سے شاید بدلہ لینا چاہے۔ بس اسی طرح بات دب دبا جائے گی کیونکہ مشاہدہ کا گواہ تو کوئی ہوگا نہیں۔

وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا

اور (یہ مشورہ کر کے) انہوں نے ایک خفیہ تدبیر کی

کہ رات کے وقت یہ کارروائی کرنے چلے۔

وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

اور ایک خفیہ تدبیر ہم نے کی اور (اس تدبیر کی) ان کو خبر بھی نہ ہوئی ان کی شرارت کا کیا انجام

مَكْرِهِمْ لا اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۱﴾

ہوا کہ ہم نے ان کو (بطریق مذکور) اور (پھر) ان کی قوم کو سب کو (آسمانی عذاب سے)

فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ط

غارت کر دیا سو یہ ان کے گھر ہیں جو ویران پڑے ہیں ان کے کفر کے سبب سے

وہ یہ کہ ایک پہاڑ پر سے ایک پتھر ان پر لڑھک آیا اور وہ سب وہاں ہی کھیت رہے یعنی ہلاک ہوئے۔ کذا فی الدر المنثور

جو کہ مکہ والوں کو شام کے سفر میں آتے جاتے ملتے ہیں۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۵۲﴾

بلاشبہ اس (واقعہ) میں بڑی عبرت ہے دانش مندوں کے لئے

وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۳﴾

اور ہم نے ایمان اور تقویٰ والوں کو نجات دی

اس قتل سے بھی جس کا مشورہ کفار نے کیا تھا اور آسمانی عذاب سے بھی جو کہ قہر الٰہی تھا و لوطاً تا مطر المنذرین ۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ

اور ہم نے لوط (علیہ السلام) کو بھیجا تھا کہ جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا

وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۴﴾

کہ کیا تم یہ بے حیائی کا کام کرتے ہو حالانکہ سمجھ دار ہو

کیا تم اس کی قباحت نہیں سمجھتے آگے اس بے حیائی کا بیان ہے۔

أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّن دُونِ

کیاتم مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو عورتوں کو چھوڑ کر (اور اس کی

النِّسَاءِ ۚ بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿٥٥﴾ فَمَا

برائی میں کوئی شبہ نہیں) بلکہ (اس بات میں) تم (محض) جہالت کر رہے ہو

كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَن قَالُوا أَخْرِجُوا

سو (اس تقریر کا) ان کی قوم سے کوئی (معقول) جواب نہ بن پڑا بجز اس کے

آلَ لُوطٍ

کہ آپس میں کہنے لگے کہ لوطؑ کے لوگوں کو

یعنی ایمان والوں کو مع لوط علیہ السلام کے۔

مِّن قَرْيَتِكُمْ ۖ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ ﴿٥٦﴾

تم اپنی بستی سے نکال دو (کیونکہ) یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں سو ہم نے

فَأَنجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَاهَا

(اس قوم پر عذاب نازل کیا اور) لوط (علیہ السلام) کو اور ان کے متعلقین کو بچا لیا بجز

مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٥٧﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِم

ان کی بیوی کے کہ اس کو (بوجہ ایمان نہ لانے کے) ہم نے انہی لوگوں میں تجویز کر

مَّطَرًا ۖ

رکھا تھا جو عذاب میں رہ گئے تھے اور ہم نے ان پر ایک نئی طرح کا مینہ برسایا

کہ وہ پتھروں کا مینہ تھا۔

فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنذَرِينَ ﴿٥٨﴾

ان لوگوں کا کیا برا مینہ تھا جو ڈرائے گئے تھے

یعنی اول خدا کے عذاب سے ڈرائے گئے تھے جس پر انہوں نے التفات نہ کیا اور سورہ اعراف میں اس قصہ کے متعلق بعضے ضروری مضامین گزر چکے ہیں ملاحظہ ہوں اور لوط علیہ السلام نے ان کو سمجھدار بھی کہا اور جاہل بھی سو اس میں کوئی تعرض نہیں وہ علم کے اعتبار سے سمجھدار تھے اور عمل کے اعتبار سے جاہل تھے۔

ربط: شروع سورت سے یہاں تک رسالت کی بحث تھی آگے توحید کی بحث ہے جس کو ایک بلیغ اور مختصر خطبہ سے شروع فرمایا ہے۔ قل الحمد للہ تا صدقین۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ

آپ (بیان توحید کے لئے بطور خطبہ کے) کہئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے

الَّذِينَ اصْطَفَىٰ ۗ

سزاوار ہیں اور اس کے ان بندوں پر سلام (نازل) ہو جن کو اس نے منتخب فرمایا ہے

یعنی انبیاء وصلحاء آگے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مضمون توحید بیان کرنے کا حکم ہے کہ لوگوں سے یہ سوال کیجئے۔

آللَّهُ خَيْرٌ أَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٥٩﴾

کیا اللہ بہتر ہے یا وہ چیزیں جن کو شریک ٹھہراتے ہیں

یعنی ظاہر اور مسلم ہے کہ اللہ ہی بہتر ہے۔

پس عبادت کا مستحق بھی وہی ہوگا اور ان باتوں میں تو خدا کا بہتر ہونا علاوہ عقل سے ثابت ہونے کے خود کفار کو بھی مسلم تھا اور اس سے خدا کا تنہا مستحق عبادت ہونا عقلاً لازم آتا ہے۔ یہ تو اجمالی بیان تھا جو بوجہ ظاہر و بدیہی ہونے کے باوجود اجمال کے بھی کافی ہے۔

مگر زیادہ اہتمام وتنبیہ کے لئے آگے تفصیل ہے کہ اچھا خدا تعالیٰ کے کمالات میں غور کر کے بتلاؤ کہ یہ بت بہتر ہیں (آگے ترجمہ)

الحمد للہ انیسویں پارہ کی تفسیر ختم ہوئی

أَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ

یا وہ ذات (بہتر ہے) جس نے آسمان اور زمین کو بنایا اور اس نے آسمان سے پانی

وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ج

برسایا پھر اس (پانی) کے ذریعہ سے ہم نے رونق دار باغ اگائے (ورنہ) تم سے تو

فَأَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ج مَا

ممکن نہ تھا کہ تم ان (باغوں) کے درختوں کو اگا سکو (یہ سن کر بتلاؤ) کیا اللہ تعالیٰ کے

كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ط ءَإِلٰهٌ

ساتھ (عبادت میں شریک ہونے کے لائق) کوئی اور معبود ہے (مگر مشرکین پھر

مَّعَ اللّٰهِ ط بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ط ﴿٦٠﴾

بھی نہیں مانتے) بلکہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ (دوسروں کو) خدا کے برابر ٹھہراتے ہیں

اچھا پھر اور کمالات سن کر بتلاؤ کہ آیا یہ بت بہتر ہیں

أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ

یا وہ ذات جس نے زمین کو (مخلوق کا) قرار گاہ بنایا اور اس کے درمیان

خِلٰلَهَآ أَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ

درمیان نہریں بنائیں اور اس (زمین) کے (ٹھہرانے کے) لئے پہاڑ

بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ط

بنائے اور دو دریاؤں کے درمیان ایک حد فاصل بنائی

جیسا کہ سورۂ فرقان میں مرج البحرین کی تفسیر میں اس کا بیان آ
چکا ہے یہ سن کر اب بتلاؤ (آگے ترجمہ)

ءَإِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ط بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ط ﴿٦١﴾

کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے مگر مشرکین نہیں مانتے) بلکہ ان
میں زیادہ تو (اچھی طرح) سمجھتے بھی نہیں

اچھا پھر اور کمالات سن کر بتلاؤ کہ آیا یہ بت بہتر ہیں (آگے ترجمہ)

أَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ

یا وہ ذات جو بے قرار آدمی کی سنتا ہے جب وہ اس کو پکارتا ہے
اور (اس کی) مصیبت کو دور کر دیتا ہے

اس میں دائمی حکم نہیں کہ ہمیشہ دعا کے بعد مصیبت زائل ہو جاتی ہے
پس اب کچھ اشکال نہیں۔

وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ

اور تم کو زمین میں صاحب تصرف بناتا ہے (یہ سن کر بتلاؤ کہ) کیا اللہ کے ساتھ

الْأَرْضِ ط ءَإِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ط قَلِيْلًا مَّا

کوئی اور معبود ہے (مگر تم لوگ بہت ہی کم یاد رکھتے ہو) اچھا پھر اور کمالات سن

تَذَكَّرُوْنَ ﴿٦٢﴾ ط أَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ

کر بتلاؤ کہ یہ بت بہتر ہیں) یا وہ ذات جو تم کو خشکی یا دریا کی تاریکیوں میں راستہ

الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا

سوجھاتا ہے اور جو کہ ہواؤں کو بارش سے پہلے بھیجتا ہے جو (بارش کی امید دلا کر)

بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ط ءَإِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ط تَعٰلَى

دلوں کو خوش کر دیتی ہیں (یہ سن کر بتلاؤ کہ) کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود

اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ط ﴿٦٣﴾

ہے (ہرگز نہیں بلکہ) اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے شرک سے برتر ہے

اچھا پھر اور کمالات سن کر بتلاؤ کہ یہ بت بہتر ہیں (آگے ترجمہ)

أَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ

یا وہ ذات جو مخلوق کو اول بار پیدا کرتا ہے) جو کہ مسلم ہے) پھر اس کو دوبارہ پیدا کریگا

اور اس پر دلیل قطعی قائم ہے۔

وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ ط

اور جو کہ آسمان (سے پانی برسا کر) اور زمین سے (نباتات نکال کر) تم کو رزق دیتا

ءَإِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ط قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ

ہے (یہ سن کر اب بتلاؤ کہ) کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے آپ کہیئے کہ) اچھا تم

إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٦٤﴾

ان کے استحقاق عبادت پر) اپنی دلیل پیش کرو اگر تم (اس دعوے میں) سچے ہو

یعنی اگر وہ یہ سن کر بھی کہیں کہ ہاں اور معبود بھی عبادت کے مستحق ہیں تو
آپ ان سے فرمایئے کہ کوئی ایسی دلیل پیش کرو جس میں وہ کمالات بھی خدا

کے سوا کسی کے لئے ثابت کر کے دکھلا دو جس پر استحقاق عبادت موقوف ہے۔

ربط: اوپر نبوت کے بعد توحید کا ذکر ہو چکا آگے معاد کا ذکر ہے (یعنی قیامت کا) جس کی طرف اجمالی اشارہ اوپر اس قول میں ہو چکا ہے۔ ثم یعیدہ الخ کہ وہ پھر دوبارہ پیدا کرے گا اور چونکہ کفار قیامت کی تکذیب کی وجہ ایک یہ بھی بتلاتے تھے کہ ہم کو قیامت کا وقت پوچھنے پر بھی نہیں بتلایا جاتا تو وقت معلوم نہ ہونے کو اس کے نہ آنے کی دلیل سمجھتے تھے اس لئے اس مضمون کو علم غیب کے بیان سے شروع کیا ہے جس میں ان کے اس شبہ کا بھی فی الجملہ جواب ہو گیا قل لایعلم تا مبین

قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

آپ کہہ دیجئے کہ جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین (یعنی عالم) میں موجود

الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ ط

ہیں ان میں سے کوئی بھی غیب کی بات نہیں جانتا بجز اللہ تعالیٰ کے

یعنی یہ لوگ جو قیامت کا وقت نہ بتلانے سے اس کے واقع نہ ہونے پر استدلال کرتے ہیں اس کا جواب یہ دیجئے کہ یہ استدلال غلط ہے کیونکہ بہت سے بہت اس سے اتنا لازم آیا کہ مجھے اور تمہیں اس کا خاص وقت معلوم نہیں سو اس میں اسی کی کیا خصوصیت ہے غیب کی نسبت قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ غیب کی بات بدوں خدا کے ابتداءً کوئی نہیں جانتا اور اللہ تعالیٰ کو بے بتلائے سب معلوم ہے مگر دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے امور جن کا علم پہلے سے نہیں ہوتا واقع ہوتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کا معلوم نہ ہونا واقع نہ ہونے کی دلیل نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بعض علوم کا مخفی رکھنا ہی منظور ہے اور قیامت کی تعیین بھی ان ہی میں سے ہے اس لئے کسی مخلوق کو اس کا علم نہیں دیا مگر اس سے واقع نہ ہونا کیسے لازم آ گیا۔

وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ

اور (اسی وجہ سے) ان (مخلوقات) کو یہ خبر نہیں کہ وہ کب دوبارہ زندہ کئے

ادّٰرَکَ عِلْمُھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ قف

جاویں گے بلکہ آخرت کے بارے میں ان کا علم (بالوقوع ہی) نیست ہو گیا

یعنی اتنی بات تو سب میں مشترک ہے کہ کسی کو قیامت کی تعیین کا علم نہیں مگر ان کفار میں اس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ خود اس کے واقع ہونے کا بھی علم نہیں رکھتے۔

بَلْ ھُمْ فِیْ شَکٍّ مِّنْھَا قف

بلکہ یہ لوگ اس سے شک میں ہیں

یہ علم نہ ہونے سے بھی بدتر ہے کیونکہ علم نہ ہونے کی تو ایک یہ بھی صورت ہو سکتی ہے کہ ذہن خالی ہو ادھر التفات نہ ہوا ہو اور شک میں باوجود التفات کے اس کو جھٹلاتا ہے۔

بَلْ ھُمْ مِّنْھَا عَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ ع

بلکہ یہ اس سے اندھے بنے ہوئے ہیں

یعنی جس طرح اندھے کو راستہ نظر نہیں آتا اس لئے مقصود تک پہنچنا دشوار ہے اسی طرح آخرت کی تصدیق کا جو طریقہ ہے کہ صحیح دلائل میں غور کیا جائے یہ لوگ غایت عناد سے اس میں تامل بھی نہیں کرتے اس لئے وہ دلائل ان کو نظر نہیں آتے جس سے مقصود تک پہنچنے کی امید ہوتی پس یہ حالت شک سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ شک والا بعض اوقات دلائل میں غور کر کے شک دور کر لیتا ہے اور یہ غور بھی نہیں کرتے پس وقت کی تعیین نہ ہونے سے بالکل نہ معلوم ہونا بڑھ کر ہوا اور اس سے بڑھ کر شک اور اس سے بڑھ کر اندھا پن ہوا پس یہ انتقالات ترقی کے واسطے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ سب باتیں ان میں موجود ہیں وقت کی تعیین بھی ان کو معلوم نہیں اس کا واقع ہونا بھی معلوم نہیں اور شک بھی اور اندھا پن بھی ہے کیونکہ ترقی میں پہلے مضمون کی نفی نہیں ہوتی بلکہ سب کا ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے اس لئے تعارض کا شبہ نہیں ہو سکتا۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا ءَاِذَا کُنَّا

اور یہ کافریوں کہتے ہیں کہ کیا ہم لوگ جب (مرکر) خاک ہو گئے اور (اسی

تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿۶۷﴾

طرح) ہمارے بڑے بھی تو کیا (پھر ہم) زندہ کر کے قبروں سے نکالے

لَقَدْ وُعِدْنَا ھٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا

جاویں گے اس کا ہم سے اور ہمارے بڑوں سے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے)

مِنْ قَبْلُ لا

پہلے سے وعدہ ہوتا چلا آیا ہے

کیونکہ انبیاء یہ کا قول ہمیشہ سے مشہور ہے لیکن نہ آج تک ہوا اور نہ کسی نے وقت بتلایا کہ کب ہوگا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ باتیں ہی باتیں ہیں۔

اِنْ ھٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۶۸﴾

یہ بے سند باتیں ہیں جو اگلوں سے نقل ہوتی چلی آئی ہیں آپ کہہ دیجئے کہ تم

قُلْ سِيْرُوْا فِی الْاَرْضِ

زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ مجرمین کا انجام کیا ہوا

یعنی جب قیامت کے ممکن ہونے پر عقلی دلائل اور واقع ہونے پر نقلی دلائل جا بجا بار بار تم کو بتلا دیئے گئے تو تم کو تکذیب سے باز آنا چاہئے ورنہ جو حال اور تکذیب کرنے والوں کا ہوا کہ قہر سے ہلاک ہوئے وہی تمہارا حال ہوگا اگر کچھ شبہ ہو تو آنکھوں سے دیکھ لو چنانچہ ان کے عذاب سے ہلاک ہونے کے آثار اس وقت بھی موجود تھے۔

فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۶۹﴾

اور (اگر باوجود ان مواعظ بلیغہ کے پھر بھی مخالفت پر کمر بستہ

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِیْ ضَيْقٍ

رہیں تو) آپ ان پر غم نہ کیجئے اور جو کچھ یہ شرارتیں کر رہے ہیں

مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

اس سے تنگ نہ ہو جایئے

یعنی اگر ان موثر نصائح کے بعد پھر بھی وہ مخالفت پر تلے رہیں تو غم نہ کیجئے کیونکہ اور انبیاء کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ

اور یہ لوگ (بیباکانہ) یوں کہتے ہیں کہ یہ وعدہ (عذاب وقہر کا) کب ہوگا اگر

صٰدِقِيْنَ ﴿۷۱﴾ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ

تم سچے ہو (تو بتلاؤ) آپ کہہ دیجئے کہ عجب نہیں کہ جس عذاب کی تم جلدی

رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۷۲﴾

مچا رہے ہو اس میں سے کچھ تمہارے پاس ہی آ لگا ہو اور (اب تک جو دیر ہو

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ

رہی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ) آپ کا رب لوگوں پر (اپنا) بڑا فضل رکھتا ہے

اس رحمت عامہ کی وجہ سے قدرے مہلت دے رکھی ہے۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾

ولیکن اکثر آدمی (اس بات پر) شکر نہیں کرتے

کہ تاخیر کو غنیمت سمجھیں اور اس مہلت میں حق کو طلب اور اس کو قبول کرلیں کہ عذاب سے نجات ابدی حاصل ہو بلکہ بالعکس انکار اور تمسخر کے طور پر اس کا جلدی آنا چاہتے ہیں۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ

اور آپ کے رب کو سب خبر ہے جو کچھ ان کے دلوں میں مخفی ہے

وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِی

اور جس کو وہ علانیہ کرتے ہیں اور آسمان اور زمین میں

السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۵﴾

ایسی کوئی چیز مخفی نہیں جو لوح محفوظ میں نہ ہو

یعنی یہ تاخیر چونکہ بمصلحت ہے اس لئے یوں نہ سمجھیں کہ ان افعال کی کبھی سزا ہی نہ ہوگی کیونکہ علاوہ حق تعالیٰ کو خبر ہونے کے ظاہری طور پر باضابطہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے دفتر میں درج ہیں اور وہ دفتر لوح محفوظ ہے۔ غرض ان کے اعمال کی خدا کو بھی خبر ہے دفتر میں بھی محفوظ ہیں اور وہ اعمال خود سزا کے قابل ہیں اور سزا واقع ہونے پر صحیح خبریں متفق ہیں پھر اس سمجھنے کی کیا گنجائش ہے کہ سزا نہ ہوگی البتہ دیر ہونا ممکن ہے چنانچہ بعضی سزائیں ان کافروں کو دنیا میں بھی ہوئیں جیسے قحط اور قتل اور بعض قبر میں ہوں گی کہ یہ تو سب قریب ہیں اور کچھ آخرت میں ہوں گی۔

ربط: چونکہ قیامت کا امکان عقل سے ثابت ہے اور واقع ہونا نقل سے اور اوپر اس کے واقع ہونے کی خبر دی گئی ہے تو یہ ثابت کرنا بھی ضروری ہے کہ قرآن جس میں یہ خبر مذکور ہے سچا ہے اس لئے آگے قرآن کا مخبر صادق ہونا ایک خاص طریقہ سے علاوہ معجزہ ہونے کے ثابت فرماتے ہیں مع اس کی برکتوں کے بیان کے۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِیْٓ

بیشک یہ قرآن بنی اسرائیل پر اکثر ان

اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِیْ هُمْ فِيْهِ

باتوں (کی حقیقت) کو ظاہر کرتا ہے جن میں وہ

يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۷۶﴾

اختلاف کرتے ہیں

اور ظاہر بھی ایسے طور پر کرتا ہے کہ علماء بنی اسرائیل کو بھی جو کہ ان میں کسی قدر منصف ہیں کلام نہیں رہتا اور علماء کے اختلاف کا فیصلہ کرنے والا ان سے زیادہ عالم ہونا چاہئے اور زیادہ عالم ہونے کے دو طریقے ہیں یا تو حق تعالیٰ سے علوم حاصل کرے یا مخلوق سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں دوسری صورت ہرگز نہ تھی چنانچہ یہ احتمال کسی مخالف نے بھی نہیں نکالا تھا پس لامحالہ پہلی ہی صورت متعین ہوگئی پس آپ کا صاحب وحی ہونا اور قرآن کا وحی ہونا ثابت ہوگیا اور وحی کا سچا ہونا ضروری ہے پس قرآن کا سچا ہونا ثابت ہوگیا جو کہ قیامت کی خبر دے رہا ہے اور یہی مقصود تھا اور گو اس آیت سے رسالت کا اثبات بھی صاف ہے لیکن طرز کلام سے قرآن کا صدق اور اس کی صحت ثابت کرنا مقصود ہے اور بنی اسرائیل کے اختلافات کے فیصلہ کی مثالیں اس مقام پر تفسیر حقانی میں متعدد نقل کی ہیں ملاحظہ کرلی جائیں احقر کو پہلی کتابوں سے واقفیت نہیں اور جتنے اختلافات کا فیصلہ قرآن میں مذکور ہے اگر بنی اسرائیل میں ان کے علاوہ اختلافات تھے تب تو لفظ اکثر اپنے ظاہری معنی پر ہے ورنہ اکثر کے یہ معنے ہوں گے کہ بہت سے اختلافات کا فیصلہ کر دیا ہے گو ان کے علاوہ اور بھی بہت ہوں۔

وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾

اور بالیقین وہ ایمانداروں کے لئے (خاص) رحمت ہے

یعنی اس کی ظاہری برکت تو موافق ومخالف سب کے لئے عام ہے لیکن اس کو باطنی برکتیں دیکھنی ہوں تو ایمان لا کر کوئی دیکھے اور قرآن کی ہدایت طاعت کے اعتبار سے ہے۔

ربط: اوپر قرآن کا صحیح ہونا مذکور تھا جو کہ قیامت کی دلیل اور اس کا ثابت کرنے والا ہے جس کا مقتضایہ تھا کہ کفار انکار سے باز آجاتے اور پھر بھی ان کے باز نہ آنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوتا تھا اس لئے آگے آپ کی تسلی ہے۔ ان ربک تا مسلمون۔

اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ج

بالیقین آپ کا رب ان کے درمیان اپنے حکم سے (عملی) فیصلہ (قیامت کے دن) کرے گا

اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ دین حق کیا تھا اور غلط راستہ کیا تھا تو ایسے لوگوں پر کیا افسوس کیا جائے پس نہ آپ ان کی مخالفت کی فکر کیجئے نہ ان کی حالت پر افسوس کیجئے کیونکہ ان کی حالت سمجھانے کے دور سے گزر گئی ہے اب یہ عقلی اور شرعی فیصلہ کو نہ مانیں گے بلکہ عملی فیصلہ کی ضرورت ہے جو خدا کا کام ہے۔

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۸﴾ ج لا

اور وہ زبردست اور علم والا ہے

پس بدوں اس کی مشیت کے کوئی کسی کو ضرر نہیں پہنچا سکتا اور اس سے کسی کی تدبیر چھپی ہوئی نہیں وہ سب کو جانتا ہے اور اپنی قدرت سے سب کو دفع کر سکتا ہے پس آپ ان کی مخالفت سے بھی فکر نہ کیجئے۔

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ط اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ﴿۷۹﴾

سو (جب وہ ایسا ہے تو) آپ اللہ پر توکل رکھیے یقیناً آپ صریح حق (طریقہ) پر ہیں

اور اہل حق اہل باطل کے مقابلہ میں غالب ہوا کرتے ہیں پس خوف اور فکر کچھ نہ کیجئے اور چونکہ بہ نسبت خوف اور فکر کے آپ کو غم زیادہ ہوتا تھا اس لئے اس کے متعلق دوبارہ دوسرے عنوان سے تسلی فرماتے ہیں۔

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۸۰﴾

آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو اپنی آواز سنا سکتے ہیں (خصوصاً) جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں

وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ط اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾

اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے (بچا کر) راستہ دکھلانے والے ہیں آپ تو صرف ان ہی کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں کا یقین رکھتے ہیں (اور) پھر وہ مانتے (بھی) ہیں

مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ تو مردوں اور بہروں اور اندھوں کے مشابہ ہیں پھر ان سے ہدایت پانے اور سمجھنے کی توقع بیکار ہے اور جب توقع نہ ہوگی تو غم بھی نہ ہوگا **ف:** اس آیت سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ مردے نہیں سنا کرتے اور اگرچہ یہاں مردوں سے کفار مراد ہیں لیکن تشبیہ جبھی درست ہوگی جب کہ مردے نہ سنتے ہوں لیکن چونکہ بعض احادیث

سے مردوں کا قریب جگہ سے سننا نہ کہ دور سے معلوم ہوتا ہے اس لئے بعض علماء نے کہا ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ مردوں کو سننے سنانے سے نفع نہیں ہوتا چنانچہ ظاہر ہے کہ اگر کوئی مردوں کو نصیحت کرے تو بیکار ہے کیونکہ وہ جگہ عمل کی نہیں اور ثواب سے ان کو نفع ہونا یا تلاوت قرآن سے انس ہونا یہ دوسری بات ہے اس آیت سے اس کی نفی نہیں ہوتی اور قرینہ اس کا یہ ہے کہ کفار کا بالکل نہ سننا تو مشاہدہ کے خلاف ہے پس یہ مطلب نہیں ہوسکتا کہ وہ بالکل نہیں سنتے بلکہ مقصود یہ ہے کہ کفار کو حق بات سننے سے نفع نہیں ہوسکتا پس یہی مردوں کے نہ سننے سے بھی مراد ہے کہ ان کو سننے سنانے سے نفع نہیں ہوتا یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مردے بالکل نہیں سنتے اس کے علاوہ حدیث اور قرآن کے تعارض کا رفع کرنا بھی ضروری ہے اور تعارض اس تقریر سے دفع ہوتا ہے اور بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ حقیقی مردہ تو بدن ہے وہ نہیں سن سکتا مگر اس سے روح کا بھی نہ سننا لازم نہیں آتا۔

ربط: اوپر قیامت کا ذکر تھا آگے پھر اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور بعض علامتیں قیامت کی مذکور ہیں پھر حشر کا واقع ہونا پھر ایک دلیل قیامت کے ممکن ہونے کی پھر بعض واقعات عین قیامت کے مذکور ہیں پھر جزاوسزا کا طریقہ بتلایا ہے **واذا وقع تا تعملون**

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ
اور جب وعدہ (قیامت کا) ان پر پورا ہونے کو ہوگا

یعنی قیامت کا دن قریب آپہنچے گا۔

اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ
تو ہم ان کے لئے زمین سے ایک (عجیب) جانور نکالیں گے کہ وہ ان سے
تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا
باتیں کرے گا کہ (کافر) لوگ ہماری (یعنی اللہ تعالیٰ کی) آیتوں پر
يُوْقِنُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع
یقین نہ لاتے تھے

خاص کر ان آیتوں پر جو قیامت کے متعلق ہیں سو اب قیامت قریب آپہنچی چنانچہ اس کی ایک علامت میرا ظاہر ہونا ہے اور مقصود اس سے کفار پر حجت قائم کرنا اور ان کو دھمکانا ہے اور چونکہ یہ معجزہ بہت بڑا ہوگا اس لئے مجبوراً اس کی تصدیق کریں گے تو اس میں کفار پر زیادہ طعن ہوا کہ انبیاء کو تو جھٹلاتے رہے اب جانور کی کیوں تصدیق کی اور چونکہ یہ جانور مغرب سے آفتاب طلوع ہونے کے ذرا پہلے یا ذرا پیچھے ہوگا جیسا کہ خازن میں مسلم سے نقل کیا ہے اس لئے اس وقت کا اقرار مقبول نہ ہوگا اور درمنثور وروح میں اس کے متعلق کثرت سے روایات نقل کی ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ عجیب الخلقت جانور ہے جو قیامت کے قریب مکہ کی زمین سے نکلے گا اور انسان کی طرح باتیں کرے گا اور **من الارض** سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی جانور کے پیٹ سے پیدا نہ ہوگا بلکہ زمین سے خود بخود پیدا ہوگا۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ
اور جس دن (قبروں سے زندہ کرنے کے بعد) ہم ہر امت میں سے

یعنی پہلی امتوں میں سے بھی اور اس امت سے بھی۔

فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ
ایک ایک گروہ ان لوگوں کا (حساب کے لئے) جمع کریں گے جو ہماری
يُوْزَعُوْنَ ﴿۸۳﴾
آیتوں کو جھٹلایا کرتے تھے پھر ان کو روکا جائے گا

یعنی پھر ان کو حساب کے لئے میدان حشر کی طرف روانہ کیا جاوے گا اور چونکہ آدمی کثرت سے ہوں گے اس لئے ان کو چلتے ہوئے پچھلوں کے آملنے کے واسطے روکا جاوے گا تاکہ آگے پیچھے نہ رہیں سب شامل ہو کر چلیں اور جب آدمیوں کی کثرت ہوتی ہے تو ایسا کیا جاتا ہے خواہ روک ٹوک ہو یا نہ ہو پس مقصود اس سے ان کی کثرت کا بیان کرنا ہے۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ
یہاں تک کہ جب (موقف میں) حاضر ہو جاویں گے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ
وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا
کیا تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا تھا حالانکہ تم ان کو اپنے احاطہ علمی میں بھی نہیں لائے

بلکہ سنتے ہی بدوں سوچے انکار کر دیا اچھی طرح سنا بھی نہیں کہ اس کے بعد غور وفکر کا موقع ملتا۔

اَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾
بلکہ اور بھی کیا کیا کام کرتے رہے

یعنی صرف انکار ہی پر کفایت نہیں کی بلکہ اور بھی حرکتیں کیں مثلاً انبیاء اور مسلمانوں کو تکلیف دی جو انکار سے بھی بڑھ کر ہے اسی طرح اور کفریہ عقائد واعمال میں مبتلا رہے۔

وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِم بِمَا ظَلَمُوا فَهُمْ

اور (اب وہ وقت ہے کہ) ان پر وعدہ (عذاب کا) پورا ہوگیا کہ بوجہ اس کے کہ (دنیا

لَا يَنطِقُونَ ﴿٨٥﴾

میں) انہوں نے (بڑی بڑی) زیادتیاں کی تھیں سو وہ لوگ بات بھی نہ کرسکیں گے

کیونکہ ثبوت قوی ہے اس لئے عذر نہ بیان کرسکیں گے اور بعض آیتوں میں جوان کا عذر کرنا مذکور ہے اور ابتداء میں ہوگا پھر حجت قائم ہونے کے بعد کچھ نہ بول سکیں گے۔

أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا اللَّيْلَ لِيَسْكُنُوا

کیا انہوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم نے رات بنائی تاکہ لوگ اس میں آرام کریں (اور یہ آرام مشابہ موت کے ہے) اور دن بنایا جس میں دیکھیں

فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ فِي

بھالیں (اور یہ مشابہ حیات بعد الموت کے ہے پس) بلاشبہ اس میں بڑی

ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٨٦﴾

دلیلیں ہیں ان (ہی) لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں

کیونکہ موت کی حقیقت یہ ہے کہ روح کا تعلق بدن سے جدا ہوجائے اور دوبارہ زندہ ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ وہ تعلق پھر لوٹ آئے اور نیند میں بھی وہ تعلق کسی درجہ میں زائل ہوجاتا ہے اور بیداری میں پھر وہ تعلق جو کمزور ہوکر فی الجملہ زائل ہوگیا تھا لوٹ آتا ہے پس نیند اور موت میں اور بیداری اور دوبارہ زندہ ہونے پوری مشابہت ہے اور یہ تعلق خدا ہی نے پیدا کیا ہے تو وہ پھر دوبارہ بھی پیدا کرسکتا ہے اس کا محال ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں پس اول تو دوسری حیات کا ممکن ہونا خود بدیہی ہے پھر اس کی ایک نظیر رات دن تمہارے ساتھ ہے اس سے اس کا بدیہی ہونا اور زیادہ پختہ ہوگیا پھر دوبارہ زندہ ہونے کے متعلق خدا کی قدرت سے کیا انکار ہوسکتا ہے اور یہ چونکہ عقلی دلیل ہے اس لئے ہر شخص کے لئے عام ہے مگر اس سے نفع ایمان والے ہی حاصل کرتے ہیں کیونکہ وہ غور کرتے ہیں اور دوسرے غور نہیں کرتے اور ایک واقعہ ہولناک حشر سے پہلے ہوگا جس کا آگے ذکر ہے۔

وَيَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ فَفَزِعَ

اور جس دن صور میں پھونک ماری جاوے گی

مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ

سو جتنے آسمان اور زمین میں ہیں سب گھبرا جاویں گے

پھر مرجائیں گے اور جو مرچکے ہیں ان کی روحیں بے ہوش ہوجاویں گی اور یہ بیان پہلے نفخہ کا ہے۔

إِلَّا مَن شَاءَ اللَّهُ ۚ

مگر جس کو خدا چاہے

تو وہ اس گھبراہٹ اور موت سے محفوظ رہے گا مراد ان سے حدیث مرفوع کے موافق جبریل و میکائیل و اسرافیل اور ملک الموت اور عرش کو اٹھانے والے فرشتے ہیں پھر بعد میں بدوں صور کے اثر کے ان سب کی بھی وفات ہوجائے گی كذافي الدر المنثور

وَكُلٌّ أَتَوْهُ دَاخِرِينَ ﴿٨٧﴾

(وہ اس گھبراہٹ سے اور موت سے محفوظ رہے گا) اور سب کے سب اسی کے سامنے (دبے جھکے حاضر رہیں گے

یعنی جس طرح دنیا میں عادت ہے کہ جس سے گھبراہٹ اور خوف ہوتا ہے اس سے بھاگ جاتے ہیں وہاں اللہ تعالیٰ سے بھاگ نہ سکیں گے یہاں تک کہ زندے مردہ اور مردے بیہوش ہوجاویں گے یہ تو صور پھکنے کی تاثیر جانداروں میں ہوگی آگے بے جان چیزوں میں اس کی تاثیر بتلاتے ہیں۔

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ

اور تو پہاڑوں کو دیکھ رہا ہے (اور) ان کو خیال کررہا ہے کہ یہ (اپنی جگہ سے)

تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۚ

جنبش نہ کریں گے حالانکہ وہ بادلوں کی طرح اڑے اڑے پھریں گے

یعنی ہلکے پھلکے ہوجائیں گے اور روئی کی طرح اڑ جائیں گے۔

صُنْعَ اللَّهِ الَّذِي أَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ

یہ خدا کا کام ہوگا جس نے ہر چیز کو (مناسب انداز پر) مضبوط بنا رکھا ہے

پس اس پر کچھ تعجب نہ کرنا چاہئے کہ ایسی بھاری اور سخت چیز کا یہ حال کیسے ہوجائے گا بات یہ ہے کہ پہلے پہل تو کسی چیز میں مضبوطی نہ تھی کیونکہ خود کوئی چیز ہی نہ تھی سو جیسے اس نے ناپید سے پیدا کیا اور کمزور سے قوی بنایا اسی طرح اس کا الٹا بھی کرسکتا ہے یہ تو پہلی بار صور پھکنے کا یہ حال ہوا اس کے بعد دوبارہ صور پھونکا جائے گا جس سے تمام روحیں ہوش میں آکر

اپنے اپنے بدن سے مل جائیں گی اور عالم نئے طرز سے درست ہو جائے گا اور اوپر جو حشر کا بیان تھا وہ اس کے بعد ہوگا آگے جزا وسزا کا بیان ہے جو قیامت سے اصل مقصود ہے۔

اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾

یہ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب افعال کی پوری خبر ہے

یہ جزا وسزا کے بیان کی تمہید ہے کیونکہ جزا وسزا کی بڑی شرط یہی ہے کہ اعمال کی اطلاع بھی ہو اور قدرت وغیرہ اور بھی شرطیں ہیں جو مستقل دلائل سے ثابت ہیں پس اس کا ممکن ہونا تو اسی سے ثابت ہو گیا پھر حکمت خداوندی چاہتی ہے کہ اس کا وقوع بھی ہو اس سے اس کا واقع ہونا ثابت ہو گیا آگے جزا وسزا کا قانون اور طریقہ بتلاتے ہیں۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ

جو شخص نیکی (یعنی ایمان) لاوے گا سو اس شخص کو اس (نیکی کے اجر) سے

وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾

بہتر (اجر ملے گا) اور وہ لوگ بڑی گھبراہٹ سے اس روز امن میں رہیں گے

یہاں بظاہر یہ شبہ ہوگا کہ اوپر تو فرمایا تھا کہ آسمان اور زمین والے سب گھبرا جائیں گے اور یہاں فرمایا کہ ایمان والے اس گھبراہٹ سے امن میں رہیں گے جواب یہ ہے کہ اوپر پہلی بار صور پھنکنے کی گھبراہٹ کا ذکر تھا جس کا اثر موت ہے اس سے کوئی نہ بچے گا نہ مومن نہ کافر اور اس جگہ دائمی عذاب جہنم کی گھبراہٹ کا ذکر ہے جس سے ہر مومن بچا رہے گا گو تھوڑے سے عذاب کی گھبراہٹ کسی کسی کو ہوگی مگر وہ بڑی گھبراہٹ نہ ہوگی کیونکہ اس کے ساتھ ہی نجات کا یقین بھی ہوگا۔

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي

اور جو شخص بدی (یعنی کفر وشرک) لاوے گا تو وہ اوندھے منہ آگ میں ڈال

النَّارِ ۭ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾

دیئے جاویں گے اور (ان سے کہا جاوے گا کہ) تم کو تو ان ہی عملوں کی سزا دی جارہی ہے جو تم (دنیا میں) کیا کرتے تھے

بے وجہ تو عذاب نہیں ہو رہا

ربط: اوپر سورت میں جو مضامین تفصیل سے مذکور ہوئے ہیں نبوت وتوحید و قیامت ہیں آگے خاتمہ میں ان کا خلاصہ ہے قل انما امرت تا تعملون۔

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ

مجھ کو تو یہی حکم ملا ہے کہ میں اس شہر (مکہ) کے مالک (حقیقی) کی عبادت کیا

الَّذِيْ حَرَّمَهَا

کروں جس نے اس (شہر) کو محترم بنایا ہے

اور اسی احترام کی وجہ سے اس کو حرم بنا دیا اور حرم کے احکام چوتھے پارہ کے شروع میں اور کچھ مائدہ کے شروع میں مذکور ہو چکے ہیں مطلب یہ کہ عبادت میں شریک کرنے سے علیحدہ ہوں جیسا کہ اب تک رہا ہوں۔

وَّلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ ۡ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ

اور (اس کی عبادت کیوں نہ کی جائے جبکہ وہ ایسا ہے کہ (سب چیزیں اسی کی ملک ہیں اور مجھ کو یہ بھی حکم ہوا ہے کہ میں فرمانبردار رہوں اور (مجھ کو) یہ

الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ

(بھی حکم ملا ہے) کہ میں قرآن (کریم) پڑھ پڑھ کر سناؤں

یعنی تبلیغ احکام کروں جو کہ نبوت کے لوازم سے ہے۔

فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ

سو (میری تبلیغ کے بعد) جو شخص راہ پر آویگا سو وہ اپنے ہی فائدہ کیلئے راہ پر آویگا

یعنی اس کو اجر وثواب ونجات ہوگی میں اس سے کسی مالی یا جانی نفع کا خواہاں نہیں ہوں۔

وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۹۲﴾

اور جو شخص گمراہ رہے گا تو آپ کہہ دیجئے کہ (میرا کوئی ضرر نہیں کیونکہ) میں تو صرف ڈرانیوالے پیغمبروں میں سے ہوں

یعنی میرا کام صرف حکم پہنچانا ہے سو پہنچا کر سبکدوش ہو جاؤں گا آگے نہ ماننے کا وبال تم کو وہاں بھگتنا پڑے گا یہ رسالت کا مسئلہ ہوا اور اکون من المسلمین تک توحید کا بیان تھا آگے قیامت کا ذکر آتا ہے۔

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ

اور آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ سب خوبیاں خالص اللہ ہی کے لئے ثابت ہیں وہ تم کو عنقریب اپنی نشانیاں (یعنی قیامت کے واقعات) دکھلاوے گا

یعنی تم جو انکار اس وجہ سے کر رہے کہ اب تک واقع نہیں ہوئی یہ تمہاری غلطی ہے کیونکہ اب واقع نہ ہونے سے کبھی واقع نہ ہونا کیسے لازم آ

گیا اور مجھ سے یہ درخواست کرنا کہ اگر قیامت کچھ ہے تو واقع کر دو محض بے کار ہے کیونکہ میں نے کبھی دعویٰ قدرت کا نہیں کیا بلکہ سب خوبیاں قدرت بھی علم بھی حکمت بھی خالص خدا کے لئے ہیں سو وہ اپنے علم کے موافق اپنی قدرت سے جب حکمت کا تقاضا ہوگا قیامت قائم کر دے گا البتہ اتنا اجمالاً مجھ کو معلوم ہے کہ بہت زیادہ مدت نہیں ہے۔

فَتَعۡرِفُوۡنَهَا ؕ

سو تم (وقوع کے وقت) ان کو پہچانو گے

گو اب انکار کر رہے ہو صرف دکھلانے پر ہی کفایت نہ ہوگی بلکہ اپنی کرتوت کو بھگتنا بھی پڑے گا۔

وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۳﴾ ع

اور آپ کا رب ان کاموں سے بے خبر نہیں جو تم سب لوگ کر رہے ہو

پس رسول اور مومنین کو جزا اور کفار کو سزا دے گا یہ قیامت کا بیان ہو گیا پس خاتمہ میں تمام مضامین سورت کے بالاجمال آ گئے سورۃ القصص مکیۃ و قیل الا قولہ الذین اٰتینٰھم الکتاب الیٰ قولہ الجاھلین و ھی ثمان و ثمانون اٰیۃ کذافی البیضاوی

ربط: اول حقانیت قرآن سے سورت شروع کر کے نصف سورت میں موسیٰ علیہ السلام کا قصہ فرعون کے ساتھ اور ختم سورت کے قریب قارون کے ساتھ مذکور ہے اور پہلی سورۃ کے ختم پر فرمایا تھا ومن ضل فقل انما انا من المنذرین کہ جو شخص گمراہ رہے گا تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف ڈرانے والے پیغمبروں میں ہوں ان قصوں سے اس جملہ کے مضمون پر فی الجملہ استدلال ہے جس سے دونوں سورتوں میں ربط بھی حاصل ہو سکتا ہے۔

(۲۸) سُوۡرَةُ الۡقَصَصِ مَكِّيَّةٌ (۴۹)

سورۂ قصص مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں اٹھاسی آیتیں ہیں اور نو (۹) رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان اور نہایت رحم والے ہیں

طٰسٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ الۡمُبِيۡنِ ﴿۲﴾

طٰسٓمّٓ یہ (مضامین جو آپ پر وحی کئے جاتے ہیں) کتاب واضح (یعنی قرآن) کی

نَتۡلُوۡا عَلَيۡكَ مِنۡ نَّبَاِ مُوۡسٰى وَفِرۡعَوۡنَ

آیتیں ہیں ہم آپ کو موسیٰ (علیہ السلام) اور فرعون کا کچھ قصہ ٹھیک ٹھیک پڑھ کر (یعنی

بِالۡحَقِّ لِقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۳﴾

نازل کر کے) سناتے ہیں ان لوگوں کے (نفع کے) لئے جو کہ ایمان رکھتے ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم طٰسٓمّٓ تا اکثرھم لا یعلمون کیونکہ ان قصوں سے جو مقصود ہے یعنی عبرت حاصل کرنا اور نبوت پر استدلال کرنا وغیرہ وہ مومنین ہی کے ساتھ خاص ہے خواہ وہ سچ مچ مومن ہوں یا آئندہ ایمان لانے کا ارادہ رکھتے ہوں۔

اِنَّ فِرۡعَوۡنَ عَلَا فِى الۡاَرۡضِ وَجَعَلَ

فرعون سرزمین (مصر) میں بہت بڑھ چڑھ گیا تھا اور اس نے وہاں کے

اَهۡلَهَا شِيَعًا

باشندوں کو مختلف قسمیں کر رکھا تھا

قبطیوں کو معزز بنا رکھا تھا اور سبطیوں یعنی بنی اسرائیل کو پست اور ذلیل کر رکھا تھا جس کا آگے بیان ہے۔

يَّسۡتَضۡعِفُ طَآئِفَةً مِّنۡهُمۡ يُذَبِّحُ

کہ ان (باشندوں) میں سے ایک جماعت (یعنی بنی اسرائیل) کا زور گھٹا رکھا تھا (اس طرح سے) کہ ان کے بیٹوں کو ذبح کراتا تھا اور ان کی

اَبۡنَآءَهُمۡ وَيَسۡتَحۡىٖ نِسَآءَهُمۡ ؕ

عورتوں (یعنی لڑکیوں) کو زندہ رہنے دیتا تھا

تاکہ ان سے خدمت لی جائے اور نیز ان سے اندیشہ بھی نہ تھا۔

اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ﴿۴﴾ وَنُرِيۡدُ اَنۡ

واقعی وہ بڑا مفسد تھا (غرض فرعون تو اس خیال میں تھا) اور ہم کو یہ منظور تھا کہ

نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا فِى الۡاَرۡضِ

جن لوگوں کا زمین (مصر) میں زور گھٹایا جا رہا تھا ہم ان پر (دنیوی و دینی)

وَنَجۡعَلَهُمۡ اَئِمَّةً وَّنَجۡعَلَهُمُ الۡوٰرِثِيۡنَ ﴿۵﴾ لا

احسان کریں اور (وہ احسان یہ کہ) ان کو (دینی) پیشوا بنا دیں اور (دنیا میں)

وَنُمَكِّنَ لَهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ وَنُرِىَ فِرۡعَوۡنَ

ان کو (ملک کا) مالک بنائیں اور (ملک ہونے کے ساتھ) ان کو زمین میں

وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا

حکومت دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے تابعین کو ان (بنی اسرائیل) کی

يَحْذَرُوْنَ ⑥

جانب سے وہ (ناگوار) واقعات دکھلائیں جن سے وہ بچاؤ کر رہے تھے

مراد اس سے سلطنت کا زوال اور ان کی ہلاکت ہے کہ اسی سے بچاؤ کرنے کے لئے بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کر رہا تھا بوجہ ایک خواب کے جس کی تعبیر نجومیوں نے یہی دی تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا وہ تیری سلطنت کو زائل کرے گا پس ہمارے قضا و قدر کے سامنے ان لوگوں کی تدبیر کچھ کام نہ آئی یہ تو قصہ کا اجمال ہوا آگے اس کی شروع سے تفصیل ہے جب کہ موسیٰ علیہ السلام اسی مصیبت کے زمانہ میں پیدا ہوئے

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ

اور (جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو) ہم نے موسیٰؑ کی والدہ کو الہام کیا کہ تم ان کو دودھ پلاؤ

جب تک کہ ان کا چھپانا ممکن ہو۔

فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ

پھر جب تم کو ان کی نسبت (جاسوسوں کے مطلع ہونے کا) اندیشہ ہو تو (بے خوف و خطر) ان کو دریا (نیل) میں ڈال دینا

اس طرح پر کہ پہلے ان کو ایک صندوق میں رکھ دینا۔

وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ

اور نہ تو (غرق سے) اندیشہ کرنا اور نہ (مفارقت پر) غم کرنا (کیونکہ) ہم ضرور ان کو پھر

اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ⑦

تمہارے ہی پاس واپس پہنچا دیں گے اور (پھر اپنے وقت پر) ان کو پیغمبر بنا دیں گے

غرض وہ اسی طرح دودھ پلاتی رہیں پھر جب افشا راز کا خوف ہوا تو صندوق میں بند کر کے اللہ کے نام پر دریائے نیل میں چھوڑ دیا اس کی کوئی شاخ فرعون کے محل میں جاتی تھی یا تفریحاً فرعون کے متعلقین دریا کی سیر کو نکلے تھے غرض وہ صندوق کنارے پر لگا۔

فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ

تو فرعون کے لوگوں نے موسیٰؑ کو (یعنی مع صندوق کے) اٹھا لیا تا کہ وہ ان

عَدُوًّا وَّحَزَنًا ؕ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ

لوگوں کے لئے دشمن اور غم کا باعث بنیں بلاشبہ فرعون اور ہامان اور ان کے

وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ ⑧

تابعین (اس بارے میں) بہت چوکے

کہ اپنے دشمن کو اپنی بغل میں پالا۔

وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ

اور فرعون کی بی بی (حضرت آسیہ) نے (فرعون سے) کہا کہ یہ (بچہ) میری

لِّىْ وَلَكَ ؕ

اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک

یعنی جب موسیٰ علیہ السلام صندوق سے نکال کر فرعون کے سامنے لائے گئے تو اس کی بیوی نے کہا کہ ہم اس کو پرورش کریں گے اس کو دیکھ کر میرا اور تیرا جی خوش ہوا کرے گا۔

لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ

اس کو قتل مت کرو عجب نہیں کہ (بڑا ہو کر) ہم کو کچھ فائدہ پہنچا دے ہم اس کو

وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ⑨

(اپنا) بیٹا ہی بنا لیں اور ان لوگوں کو (انجام کی) خبر نہ تھی

کہ یہ وہی بچہ ہے جس سے فرعون کی سلطنت غارت ہوگی اور موسیٰ علیہ السلام کو قتل نہ کرنا باوجودیکہ سب بچوں کے قتل کا قانون تھا اس کی وجہ سورہ طٰہٰ میں گزر چکی ہے والقیت علیک محبة منی کہ جو ان کو دیکھتا تھا اس کو بے اختیار پیار آتا تھا اور جس اندیشہ سے یہ قانون تھا اس کی نسبت اول تو بچہ کا بنی اسرائیل سے ہونا معلوم نہ تھا دوسرے اپنے جی کو یہ سمجھا لیا ہوگا کہ جب ہمارا پالا ہوا ہوگا تو ہمارا مخالف کیوں ہوگا یہ کیا خبر تھی کہ وہ حق تعالیٰ شانہٗ کا موافق ہوگا جس کے ہم ناحق مخالف ہیں۔

وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ؕ

اور (ادھر یہ قصہ ہوا کہ) موسیٰؑ کی والدہ کا دل (خیالات مختلفہ کے ہجوم سے) بے قرار ہو گیا

اور بے قراری بھی ایسی ویسی نہیں بلکہ سخت بیقراری تھی۔

اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِىْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا

قریب تھا کہ وہ موسیٰؑ کا حال (سب پر) ظاہر کر دیتیں اگر ہم ان کے دل کو اس

عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰﴾

غرض سے مضبوط نہ کئے رہیں کہ یہ (ہمارے وعدہ پر) یقین کئے (بیٹھی) رہیں

غرض بمشکل انہوں نے دل کو سنبھالا اور تدبیر شروع کی جس کا آگے بیان ہے۔

وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ز فَبَصُرَتْ بِهٖ

انہوں نے موسیٰ کی بہن (یعنی اپنی بیٹی) سے کہا کہ ذرا موسیٰ کا سراغ تو

عَنْ جُنُبٍ

لگا سو انہوں نے موسیٰ کو دور سے دیکھا

اور یہ معلوم کر کے کہ صندوق محل میں کھلا ہے محل میں پہنچیں یا تو ان کی وہاں آمد و رفت ہوگی یا کسی حیلہ سے پہنچیں۔

وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ

اور ان لوگوں کو (یہ) خبر نہ تھی (کہ یہ ان کی بہن ہیں اور اسی فکر میں آئی ہیں)

الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ

اور ہم نے پہلے ہی سے موسیٰ پر دودھ پلانیوں کی بندش کر رکھی تھی

یعنی جب سے صندوق سے نکلے تھے کسی کا دودھ نہ لیتے تھے۔

فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ

سو وہ (اس موقع کو دیکھ کر) کہنے لگیں کیا تم لوگوں کو کسی ایسے گھرانے کا پتہ بتاؤں

يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ﴿۱۲﴾

جو تمہارے لئے اس بچہ کی پرورش کریں اور وہ (دل سے) اس کی خیر خواہی کریں

در منثور میں ابن جریج سے روایت ہے کہ اس بات سے فرعونیوں کو شبہ ہوا کہ یہ عورت اس بچہ کو پہچانتی ہے تو انہوں نے مجبور کیا کہ بتلاؤ یہ بچہ کس کا ہے ورنہ تم کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ اس کی خیر خواہی کریں گے انہوں نے فوراً ذہانت سے جواب دیا کہ **هم له نٰصحون** اس میں لہٗ کی ضمیر سے بادشاہ مراد ہے یعنی وہ لوگ سرکاری خیر خواہ ہیں اور دوسرا جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی طبیعت سے ہر ایک کے خیر خواہ ہیں اس لئے اس بچہ کے بھی خیر خواہ ہوں گے پس ان لوگوں نے ایسے وقت میں کہ دودھ پلانے کی مشکل پڑ رہی تھی اس مشورہ کو غنیمت سمجھا اور اس گھرانے کا پتہ پوچھا انہوں نے اپنی والدہ کا پتہ بتلایا چنانچہ وہ بلائی گئیں اور موسیٰ علیہ السلام ان کی گود میں دیئے گئے جاتے ہی دودھ پینا شروع کر دیا اور ان لوگوں کی اجازت سے چین سے اپنے گھر لے آئیں کبھی کبھی لے جا کر ان کو دکھلا آتیں۔

فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا

غرض ہم نے موسیٰ کو ان کی والدہ کے پاس (اپنے وعدہ کے موافق) واپس پہنچا دیا تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور تاکہ (فراق کے غم میں نہ رہیں

تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ

اور تاکہ اس بات کو جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا (ہوتا) ہے لیکن (افسوس

اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ ع

کی بات ہے کہ) اکثر لوگ (اس کا) یقین نہیں رکھتے

یہ کفار پر طعن ہے اور در منثور میں موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا دودھ پلانے پر اجرت لینا منقول ہے۔ جس پر شبہ ہوتا ہے کہ واجب کام پر اجرت لینا کب جائز ہے ان کے ذمہ تو دودھ پلانا واجب تھا جواب اس کا ایک یہ ہے کہ شاید اس شریعت کا یہ حکم نہ ہو دوسرا جواب یہ ہے کہ کافر حربی کا مال اس کی رضامندی سے لینا خواہ کسی طریق سے ہو جائز ہے تیسرا جواب احقر کے نزدیک یہ ہے کہ اس وقت کسی شریعت کا موجود ہونا ہی ثابت نہیں تو انہوں نے اپنی رائے سے ایسا کیا ہوگا جو کہ شریعت آنے سے پہلے موجب ملامت نہیں ولما بلغ اشدہ' تا من القوم الظلمین۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا

اور جب (پرورش پا کر) اپنی بھری جوانی (کی عمر) کو پہنچے اور (قوت جسمانیہ

وَّعِلْمًا ط

عقلیہ سے) با درست ہو گئے تو ہم نے ان کو حکمت اور علم عطا فرمایا

یعنی نبوت سے پہلے ہی فہم سلیم و عقل مستقیم عطا فرمائی جس سے اچھے برے میں امتیاز کر سکیں۔

وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴﴾

اور ہم نیکو کاروں کو یونہی صلہ دیا کرتے ہیں

اس میں اشارہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ہمیشہ سے نیکوکار تھے آپ نے فرعون کا طریقہ کبھی اختیار نہ کیا تھا بلکہ اس سے نفرت تھی۔

وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ

(یعنی عمل صالح سے فیضان علم میں ترقی ہوتی ہے) اور موسیٰ شہر میں (یعنی مصر میں کہیں باہر سے) ایسے وقت پہنچے کہ

اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا

وہاں کے (اکثر) باشندے بے خبر (پڑے سو رہے) تھے

اکثر روایات سے یہ وقت دوپہر کا معلوم ہوتا ہے اور بعض روایات سے کچھ رات گئے کا وقت معلوم ہوتا ہے کذا فی الدر المنثور۔

رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا

تو انہوں نے وہاں دو آدمیوں کو لڑتے دیکھا ایک تو ان کی برادری میں کا تھا

مِنْ عَدُوِّهٖ

اور دوسرا مخالفین میں سے تھا

یعنی فرعون کے متعلقین اور ملازمین سے تھا دونوں کسی بات پر الجھ رہے تھے اور زیادتی فرعون والے کی تھی۔

فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ

سو وہ جوان کی برادری میں کا تھا اس نے موسیٰ سے اس کے مقابلہ میں جو کہ ان کے مخالفین

مِنْ عَدُوِّهٖ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ

میں سے تھا مدد چاہی تو موسیٰ نے اس کو (ایک) گھونسا مارا سو اس کا کام ہی تمام کر دیا

یعنی موسیٰ علیہ السلام نے اول اس کو سمجھایا جب اس پر بھی وہ باز نہ آیا تو آپ نے تنبیہ کے طور پر ظلم دفع کرنے کے لئے اس کے ایک گھونسا مارا جس سے وہ اتفاقاً مر ہی گیا موسیٰ علیہ السلام اس کے خلاف توقع مر جانے سے بہت پچھتائے۔

قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ

موسیٰ (علیہ السلام کہنے لگے یہ تو شیطانی حرکت ہو گئی بیشک شیطان (بھی آدمی کا) کھلا

مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ

دشمن ہے غلطی میں ڈال دیتا ہے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار مجھ سے قصور ہو گیا

یہ فرعونی چونکہ کافر حربی تھا اس لئے اس کا قتل فی نفسہ جائز تھا اور قتل العمد نہ تھا جیسا کہ سورہ نمل میں گزر چکا اور نیز خطاء و غلطی سے قتل ہو گیا تھا مقصود تنبیہ کے طور پر مارنا تھا لیکن کمال خوف کی وجہ سے خلاف اولیٰ کو بھی گناہ سمجھا اور انبیاء پر شیطان کا تصرف ہونا نہ ہونا سورہ کہف میں اس کی تحقیق گزر چکی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ علاوہ معصیت کے اور کام انبیاء سے شیطان کے تصرف سے صادر ہو سکتے ہیں اور یہ کام بھی معصیت نہ تھا اس لئے اشکال نہیں۔

فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶﴾

آپ معاف کر دیجئے سو اللہ تعالیٰ نے معاف فرمایا بلاشبہ وہ بڑا غفور رحیم ہے

اور موسیٰ علیہ السلام کو اس معافی کا علم یقینی طور پر نبوت عطا ہونے کے بعد ہوا جیسا کہ سورہ نمل میں ہے۔ الا من ظلم ثم بدل حسنا الخ اور اس وقت خواہ الہام سے معلوم ہو گیا ہو یا بالکل نہ معلوم ہوا ہو پھر موسیٰ علیہ السلام نے گذشتہ گناہ سے توبہ کے ساتھ آئندہ کے لئے بھی احتیاط کا عہد کیا۔

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ

موسیٰ نے (یہ بھی) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار چونکہ آپ نے مجھ

ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۷﴾

پر بڑے بڑے) انعامات فرمائے ہیں سو کبھی میں مجرموں کی مدد نہ کروں گا

یہاں مجرموں سے مراد وہ ہیں جو دوسروں سے گناہ کراتے ہیں کیونکہ کسی سے گناہ کرانا یہ بھی جرم ہے پس اس میں شیطان بھی داخل ہو گیا وہ گناہ کراتا ہے اور گناہ کرنے والا خواہ قصداً یا خطاءً اس کی مدد کرتا ہے مطلب یہ ہوا کہ میں شیطان کا کہنا کبھی نہ مانوں گا یعنی جن مواقع میں غلطی کا احتمال بھی ہو گا وہاں احتیاط اور ہوشیاری سے کام لوں گا غرض اس درمیان میں اس قبطی کے قتل کا چرچا ہو گیا مگر چونکہ اسرائیلی کے سوا کوئی اس راز سے واقف نہ تھا اور اسی کی حمایت میں یہ واقعہ ہوا تھا اس نے ظاہر نہ کیا اس وجہ سے کسی کو اطلاع نہ ہوئی مگر موسیٰ علیہ السلام کو اندیشہ رہا یہاں تک کہ رات گزری۔

فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا

پھر موسیٰ کو شہر میں صبح ہوئی خوف اور وحشت کی حالت میں کہ اچانک (دیکھتے کیا ہیں کہ) وہی

الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ

شخص جس نے کل گذشتہ میں ان سے مدد چاہی تھی وہ پھر ان کو (مدد کے لئے) پکار رہا ہے

آج وہ کسی اور سے الجھ پڑا تھا موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھ کر اور کل کے واقعہ کو یاد کر کے اس پر ناخوش ہوئے کہ ہر روز ہی لوگوں سے الجھتا ہے۔

قَالَ لَهٗ مُوْسٰى اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾

موسیٰ اس سے فرمانے لگے بیشک تو صریح بدراہ (آدمی) ہے

کہ روز لوگوں سے لڑتا پھرتا ہے موسیٰ علیہ السلام کو قرائن سے معلوم ہوا ہو گا کہ اس کی طرف سے بھی کوئی قصہ ہوا ہے لیکن فرعونی کی زیادتی دیکھ کر اس کو روکنا چاہا۔

فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ

سو جب موسیٰ نے اس پر ہاتھ بڑھایا جو

هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ

دونوں کا مخالف تھا

مراد فرعون کا آدمی ہے جو اسرائیلی کا بھی مخالف تھا اور موسیٰ علیہ السلام کا بھی کیونکہ موسیٰ علیہ السلام بھی بنی اسرائیل میں سے ہیں اور وہ لوگ سب بنی اسرائیل کے مخالف تھے گو خاص طور پر موسیٰ علیہ السلام کو اس نے اسرائیلی نہ سمجھا ہو یا یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کی فرعون کے طریقہ سے نفرت مشہور ہوگئی ہو اس لئے فرعونی والے ان کے مخالف ہو گئے ہوں بہر حال جب موسیٰ علیہ السلام نے اس فرعون پر ہاتھ بڑھایا اور اس سے پہلے اسرائیلی پر خفا ہو چکے تھے تو اس سے اسرائیلی کو شبہ ہوا کہ شاید آج میری خبر لیں گے۔

قَالَ يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا

وہ اسرائیلی کہنے لگا اے موسیٰ کیا (آج) مجھ کو قتل کرنا چاہتے ہو جیسا

قَتَلْتَ نَفْسًا ۢ بِالْاَمْسِ ۖ اِنْ تُرِيْدُ

کل ایک (آدمی) قتل کر چکے ہو (معلوم ہوتا ہے کہ)

اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ وَمَا

بس تم دنیا میں اپنا زور بٹھلانا چاہتے ہو

تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾

اور صلح (اور ملاپ) کروانا نہیں چاہتے

یہ بات فرعون کے اس آدمی نے سنی قاتل کی تلاش ہو ہی رہی تھی اتنا پتہ لگ جانا بہت تھا فوراً اس نے فرعون کو خبر کر دی فرعون اپنے آدمی کے قتل ہو جانے سے برہم تھا یہ سن کر جھلا اٹھا اور شاید اس سے اس کو اپنے خواب کا اندیشہ قوی ہو گیا ہو کہ کہیں وہ شخص یہی نہ ہو خصوصاً اگر موسیٰ علیہ السلام کا فرعونی طریقہ سے نفرت کرنا بھی اس کو معلوم ہو تو کچھ عداوت اس سبب سے ہوگی اس پر یہ واقعہ زیادہ ہوا بہر حال اس نے اپنے درباریوں کو مشورہ کے لئے جمع کیا اور اخیر رائے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی قرار پائی۔

وَجَآءَ رَجُلٌ

اور (اس مجمع میں) ایک شخص

جو موسیٰ علیہ السلام کے محب اور خیر خواہ تھے۔

مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ۡ

شہر کے (اس) کنارہ سے) جہاں یہ مشورہ ہو رہا تھا) دوڑتے ہوئے آئے

اور موسیٰ علیہ السلام کے پاس نزدیک کی گلیوں سے پہنچے۔

قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ

(اور) کہنے لگے کہ اے موسیٰ اہل دربار آپ کے متعلق مشورہ کر رہے ہیں کہ آپ کو قتل کر

لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۰﴾

دیں سو آپ (یہاں سے) چل دیجئے میں آپ کی خیر خواہی کر رہا ہوں پس (یہ سن کر) موسیٰ

فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۡ قَالَ رَبِّ

وہاں سے (کسی طرف کو) نکل گئے خوف اور وحشت کی حالت میں (اور چونکہ راستہ معلوم نہ

نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۱﴾ ع

تھا دعا کے طور پر) کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار مجھ کو ان ظالم لوگوں سے بچا لیجئے

اور امن کی جگہ پہنچا دیجئے ولما توجه تا و کیل

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ

اور جب موسیٰ مدین کی طرف ہو لئے

یعنی جب دعا کر کے خدا پر بھروسہ کر کے ایک طرف چلے تو غیبی الہام سے مدین کو ہو لئے۔

قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ

کہنے لگے کہ امید ہے کہ میرا رب مجھ کو (کسی مقام امن کا) سیدھا

السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾

راستہ چلا وے گا

چونکہ راستہ معلوم نہ تھا اس لئے دل کو تسلی اور قرار دینے کے لئے آپ ہی آپ یہ بات کہنے لگے۔

وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً

(چنانچہ ایسا ہی ہوا اور مدین جا پہنچے اور جب مدین کے پانی (یعنی کنویں) پر

مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۡ ۵

پہنچے تو اس پر (مختلف) آدمیوں کا ایک مجمع دیکھا جو پانی پلا رہے تھے

یعنی کنویں سے پانی کھینچ کر اپنے جانوروں کو پلا رہے تھے۔

وَوَجَدَ مِنۡ دُوۡنِهِمُ امۡرَاَتَيۡنِ تَذُوۡدٰنِ ۚ

اوران لوگوں سے ایک طرف (الگ) کو دو عورتیں دیکھیں کہ وہ (اپنی بکریاں) روکے کھڑی ہیں موسیٰ نے (ان سے) پوچھا تمہارا کیا مطلب ہے وہ دونوں

قَالَ مَا خَطۡبُكُمَا ؕ قَالَتَا لَا نَسۡقِىۡ حَتّٰى

بولیں کہ (ہمارا معمول یہ ہے) کہ ہم (اپنے جانوروں کو) اس وقت تک پانی

يُصۡدِرَ الرِّعَآءُ ۚ وَاَبُوۡنَا

نہیں پلاتے جب تک کہ یہ چرواہے پانی پلا کر (جانوروں کو ہٹا نہ لے جاویں

اور اس معمول کا ایک سبب تو حیا تھا دوسرے کمزور عورتوں سے مردوں کے بیچ میں گھسنا کب ممکن ہے اس لئے وہ اپنے جانوروں کو سب کے بعد پانی پلاتی تھیں۔

شَيۡخٌ كَبِيۡرٌ ﴿۲۳﴾

اور ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں

یعنی اس حالت میں تو ہم آتے بھی نہیں مگر گھر پر اور کوئی کام کرنے والا ہے نہیں اور کام ضروری ہے اس مجبوری سے ہم کو آنا پڑتا ہے پس اس قصہ سے بے پردگی کا شبہ نہ کیا جاوے کیونکہ ضرورت کے لئے عورت کو نکلنا جائز ہے جبکہ سارا بدن چھپا لیا جائے۔

فَسَقٰى لَهُمَا

پس (یہ سن کر) موسیٰ نے ان کے لئے پانی (کھینچ کر ان کے جانوروں کو) پلا یا

اور ان کو انتظار اور پانی کھینچنے کی زحمت سے بچایا۔

ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّىۡ لِمَآ

پھر (وہاں) سے ہٹ کر سایہ میں جا بیٹھے پھر (جناب باری میں) دعا کی کہ اے میرے پروردگار (اس وقت) جو (نعمت) بھی آپ

اَنۡزَلۡتَ اِلَىَّ مِنۡ خَيۡرٍ فَقِيۡرٌ ﴿۲۴﴾

مجھ کو بھیج دیں میں اس کا (سخت) حاجتمند ہوں

کیونکہ اس سفر میں کچھ کھانے کو نہ ملا تھا حق تعالیٰ نے اس کا یہ سامان کیا کہ جب وہ بیٹیاں اپنے گھر لوٹ کر گئیں تو باپ نے جلدی آنے کی وجہ دریافت کی انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے پانی پلانے کا سارا قصہ بیان کیا انہوں نے ایک لڑکی کو بھیجا کہ ان کو بلاؤ۔

فَجَآءَتۡهُ اِحۡدٰٮهُمَا تَمۡشِىۡ عَلَى اسۡتِحۡيَآءٍ ۚ

سو موسیٰ کے پاس ایک لڑکی آئی کہ شرماتی ہوئی چلتی تھی

جو کہ شرفاء کی طبعی حالت ہے۔

قَالَتۡ اِنَّ اَبِىۡ يَدۡعُوۡكَ لِيَجۡزِيَكَ اَجۡرَ

(اور آ کر کہنے لگی کہ میرے والد تم کو بلاتے ہیں تاکہ تم کو اس کا صلہ دیں جو تم

مَا سَقَيۡتَ لَنَا ؕ

نے ہماری خاطر (ہمارے جانوروں کو) پانی پلا دیا تھا

یہ ان صاحبزادی کو اپنے والد کی عادت سے معلوم ہوا ہو گا کہ احسان کا بدلہ ضرور دیا کرتے ہیں موسیٰ علیہ السلام ساتھ ہو لئے گو بالیقین موسیٰ علیہ السلام کا مقصود عوض لینا نہ تھا لیکن امن کی جگہ اور کسی رفیق شفیق کی تلاش میں ضرور تھے اور اگر بھوک کی شدت بھی اس جانے کا ایک سبب ہو تو مضائقہ نہیں لیکن اس کو اجرت سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ کسی کا خود مہمان بن جانا خاص کر ضرورت کے وقت بالخصوص سخی اور شریف آدمی کا مہمان بن جانا اس میں کچھ ذلت نہیں ہے چہ جائیکہ دوسرے کی درخواست پر ضیافت قبول کر لینا موسیٰ علیہ السلام نے راستہ میں ان بی بی سے فرمایا کہ تم میرے پیچھے ہو جاؤ میں اولاد ابراہیم سے ہوں اجنبی عورت کو بے وجہ بے قصد دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا غرض اسی طرح ان بزرگ کے پاس پہنچے۔

فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيۡهِ الۡقَصَصَ ۙ قَالَ لَا

سو جب ان کے پاس پہنچے اور ان سے تمام حال بیان کیا تو انہوں نے (تسلی

تَخَفۡ ۖ نَجَوۡتَ مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۲۵﴾

کی اور) کہا کہ (اب) اندیشہ نہ کرو تم ظالم لوگوں سے بچ آئے

کیونکہ اس مقام پر فرعون کی عملداری نہ تھی کذافی الروح۔

قَالَتۡ اِحۡدٰٮهُمَا يٰۤاَبَتِ اسۡتَاۡجِرۡهُ ۚ

(پھر) ایک لڑکی نے کہا ابا جان! آپ ان کو نوکر رکھ لیجئے

آپ کو آدمی کی ضرورت ہے اور ہم سیانی ہو گئیں ہمارا اب گھر میں رہنا مناسب ہے۔

اِنَّ خَيۡرَ مَنِ اسۡتَاۡجَرۡتَ الۡقَوِىُّ الۡاَمِيۡنُ ﴿۲۶﴾

کیونکہ اچھا نوکر وہ شخص ہے جو مضبوط (ہو اور) امانت دار (بھی) ہو

اور ان میں دونوں صفتیں ہیں چنانچہ ان کی قوت پانی کھینچنے سے اور امانت ان کے برتاؤ سے خصوصاً راہ میں عورت کو پیچھے کر دینے سے معلوم ہوئی تھی اور اپنے باپ سے بھی بیان کیا تھا۔

قَالَ إِنِّيٓ أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ٱبْنَتَيَّ

وہ (بزرگ موسیٰ علیہ السلام سے) کہنے لگے کہ میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں لڑکیوں

هَٰتَيْنِ عَلَىٰٓ أَن تَأْجُرَنِي ثَمَٰنِيَ حِجَجٍ ج

میں سے ایک کو تمہارے ساتھ بیاہ دوں اس شرط پر کہ تم آٹھ سال تک میری نوکری کرو

اور اس نوکری کا معاوضہ وہی نکاح ہے حاصل یہ کہ آٹھ سال کی خدمت اس نکاح کا مہر ہے اور مدت معینہ تک جانور چرانا ہماری شریعت میں بھی جائز ہے کذافی الدر المختار اور اگر یہ بکریاں ان صاحبزادی کی تھیں تب تو مہر کا ان کو ادا کیا جانا ظاہر ہے اور اگر باپ کی تھیں تو بالغہ لڑکی کی رضامندی سے ایسا معاملہ اس شریعت میں بھی جائز ہے اور بزرگ حضرت شعیب علیہ السلام ہیں اور چونکہ موسیٰ علیہ السلام کا اولاد ابراہیم علیہ السلام سے ہونا ان کو معلوم ہو گیا تھا اس لئے یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے کفاءت کی تحقیق کیوں نہ کی۔

فَإِنْ أَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِندِكَ ج

پھر اگر تم دس سال پورے کر دو تو یہ تمہاری طرف سے احسان ہے

یعنی میری طرف سے شرط نہیں۔

وَمَآ أُرِيدُ أَنْ أَشُقَّ عَلَيْكَ ط

اور میں (اس معاملہ میں) تم پر کوئی مشقت ڈالنا نہیں چاہتا

یعنی کام لینے میں اور وقت کی پابندی میں اسی طرح معاملہ کی اور جزئیات میں آسانی برتوں گا۔

سَتَجِدُنِيٓ إِن شَآءَ ٱللَّهُ مِنَ ٱلصَّٰلِحِينَ ﴿٢٧﴾

تم مجھ کو انشاءاللہ تعالیٰ خوش معاملہ پاؤ گے موسیٰ (علیہ السلام رضامند ہو گئے

قَالَ ذَٰلِكَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ ط أَيَّمَا ٱلْأَجَلَيْنِ

اور) کہنے لگے کہ (بس تو) یہ بات میرے اور آپ کے درمیان (پکی) ہو چکی

قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَٰنَ عَلَيَّ ط وَٱللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ

ان دونوں مدتوں میں سے جس (مدت) کو بھی پورا کر دوں مجھ پر کوئی جبر نہ ہوگا

وَكِيلٌ ﴿٢٨﴾ ع

اور ہم جو (معاملہ کی) بات چیت کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس کا گواہ (کافی) ہے

اس کو حاضر ناظر سمجھ کر عہد پورا کرنا چاہیے یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ گواہ کافی ہے نکاح کے لئے کسی اور گواہ کی ضرورت نہیں اور نہ اس معاہدہ سے یہ لازم آتا ہے کہ اسی وقت نکاح ہو گیا ہو بلکہ کسی دوسرے وقت گواہوں کے سامنے ہوا ہوگا درمنثور میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے دس ہی برس پورے کئے تھے فلما قضی تا الغلبون۔

فَلَمَّا قَضَىٰ مُوسَى ٱلْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِۦٓ

غرض جب موسیٰ اس مدت کو پورا کر چکے اور (باجازت شعیبؑ کے) اپنی بی بی کو لے کر (مصر یا شام) کو روانہ ہوئے تو ان کو کوہ

ءَانَسَ مِن جَانِبِ ٱلطُّورِ نَارًا ج

طور کی طرف سے ایک (روشنی بشکل) آگ دکھلائی دی

اور وہ رات کا وقت تھا جس میں سردی بھی تھی اور وہ راہ بھی بھول گئے تھے۔

قَالَ لِأَهْلِهِ ٱمْكُثُوٓا۟ إِنِّيٓ ءَانَسْتُ نَارًا

انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم (یہاں ہی) ٹھہرے رہو میں نے

لَّعَلِّيٓ ءَاتِيكُم مِّنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ

ایک آگ دیکھی ہے (میں وہاں جاتا ہوں) شاید میں تمہارے پاس وہاں

ٱلنَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ﴿٢٩﴾ فَلَمَّآ أَتَىٰهَا

سے (راستہ کی) کچھ خبر لاؤں یا کوئی آگ کا (دہکتا ہوا) انگارا لے آؤں تاکہ

نُودِىَ مِن شَٰطِئِ ٱلْوَادِ ٱلْأَيْمَنِ

تم سینک لو سو وہ جب اس آگ کے پاس پہنچے تو ان کو اس میدان کی داہنی

فِى ٱلْبُقْعَةِ ٱلْمُبَٰرَكَةِ مِنَ ٱلشَّجَرَةِ أَن

جانب سے (جو کہ موسیٰ علیہ السلام کی داہنی جانب تھا) اس مبارک مقام میں

يَٰمُوسَىٰٓ إِنِّيٓ أَنَا ٱللَّهُ رَبُّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٣٠﴾ لا

ایک درخت سے آواز آئی کہ اے موسیٰ میں اللہ رب العالمین ہوں اور یہ

وَأَنْ أَلْقِ عَصَاكَ ط

(بھی آواز آئی) کہ تم اپنا عصا ڈال دو

چنانچہ انہوں نے ڈال دیا اور وہ سانپ بن کر چلنے لگا۔

فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى

سوانہوں نے جب اس کو لہراتا ہوا دیکھا جیسا پتلا سانپ (تیز) ہوتا ہے تو

مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ؕ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ

پشت پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا (حکم ہوا کہ)

وَلَا تَخَفْ ۫ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾

اے موسیٰ (علیہ السلام) آگے آؤ اور ڈرو مت تم (ہر طرح) امن میں ہو

اور یہ کوئی ڈر کی بات نہیں بلکہ تمہارا معجزہ ہے اور دوسرا معجزہ اور عنایت ہوتا ہے۔

اُسْلُكْ يَدَكَ فِىْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ

تم اپنا ہاتھ گریبان کے اندر ڈالو (اور پھر نکالو) وہ بلا کسی مرض کے نہایت

مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۡ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ

روشن ہو کر نکلے گا اور خوف (رفع کرنے) کے واسطے اپنا (وہ) ہاتھ (پھر)

مِنَ الرَّهْبِ

اپنے (گریبان اور بغل) سے (بدستور سابق) ملا لینا

یعنی جس طرح عصا کے بدل جانے سے خوف ہوا تھا اگر اس معجزہ سے بھی طبعاً خوف اور حیرت پیدا ہو تو اس ہاتھ کو پھر گریبان میں داخل کر لیجیو وہ اپنی اصلی حالت پر آ جائے گا، اور طبعی خوف بھی نہ ہو گا۔

فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ

سو یہ (تمہاری نبوت کی) دو سندیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے فرعون

وَمَلَا۟ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۳۲﴾

اور اس کے سرداروں کے پاس جانے کے واسطے (جس کا تم کو حکم کیا جاتا ہے

قَالَ رَبِّ اِنِّىْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا

کیونکہ) وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب میں نے ان میں سے ایک آدمی کا خون کر دیا تھا سو مجھ کو اندیشہ ہے کہ (کہیں

فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾

اول ہی وہلہ میں) وہ لوگ مجھ کو قتل کر دیں

اور احکام بھی پہنچانے نہ پاؤں اس لئے میں جانے کے لئے حاضر ہوں مگر آپ کی خاص امداد کی ضرورت ہے اور یہ عذر بظاہر آپ نے اس لئے کیا کہ زمانہ دراز گزر جانے کی وجہ سے مصر میں چھپ جانے کی تو امید تھی لیکن فرعون کے پاس جا کر اخفا کی توقع نہ تھی اور اگر اس وقت ملک شام کو جاؤں تو کچھ اشکال نہیں دوسرا یہ عذر کیا کہ میری زبان بھی زیادہ رواں نہیں ہے۔

وَاَخِىْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّىْ لِسَانًا

اور میرے بھائی ہارونؑ کی زبان مجھ سے زیادہ رواں ہے تو ان کو بھی میرا مددگار بنا کر

فَاَرْسِلْهُ مَعِىَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِىْٓ ۡ اِنِّىْٓ

میرے ساتھ رسالت دیدیجئے کہ وہ میری (تقریر کی تائید اور) تصدیق کریں گے

اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾

کیونکہ مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ لوگ (یعنی فرعون اور اس کے درباری میری تکذیب کریں

کیونکہ اس وقت مناظرہ کی ضرورت ہو گی اور زبانی مناظرہ کے لئے عادۃً خوب چلنے والی زبان زیادہ مفید ہے۔

قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ

ارشاد ہوا کہ (بہتر ہے) ہم ابھی تمہارے بھائی کو تمہارا قوت بازو بنائے دیتے ہیں

ایک درخواست تو یہ منظور ہوئی آگے دوسری درخواست کی منظوری بھی بیان فرماتے ہیں۔

وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ

(ایک درخواست تو یہ منظور ہوئی) اور ہم تم دونوں کو ایک خاص شوکت (وہیبت) عطا کرتے

اِلَيْكُمَا ۚۛ بِاٰيٰتِنَآ ۚۛ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا

ہیں جس سے ان لوگوں کو تم پر دسترس نہ ہو گی (پس) ہمارے معجزے لے کر جاؤ تم دونوں

الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى

اور جو تمہارے پیرو کار ہو گا (ان لوگوں پر) غالب رہو گے غرض جب ان لوگوں کے پاس

بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ

موسیٰ (علیہ السلام) ہماری صریح دلیلیں لے کر آئے تو ان لوگوں نے (معجزات دیکھ کر)

مُّفْتَرًى

کہا کہ یہ تو محض) ایک جادو ہے کہ (خواہ مخواہ) خدا تعالیٰ پر افترا کیا جاتا ہے

فلما جآء موسیٰ تا من المقبوحین کہ یہ خدا کی طرف سے معجزات ہیں اور رسالت کی دلیل ہیں

وَمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۶﴾

اور ہم نے ایسی بات کبھی نہیں سنی کہ ہمارے اگلے باپ دادوں کے وقت میں

وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ

بھی ہوئی ہو اور موسیٰ (علیہ السلام) نے (اس کے جواب میں فرمایا کہ میرا

بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ

پروردگار اس شخص کو خوب جانتا ہے جو صحیح دین اس کے پاس سے لے کر آیا

عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ

ہے اور جس کا انجام اس عالم سے اچھا ہونے والا ہے

یعنی جب باوجود صحیح دلائل قائم ہونے کے اور ان میں کوئی معقول شبہ نہ نکال سکنے کے بھی نہیں مانتے تو یہ ہٹ دھرمی ہے جس کا اخیر جواب یہی ہے کہ اچھا بھائی تم نہیں مانتے ہو نہ مانو خدا خوب جانتا ہے۔

اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾

(اور) بالیقین ظالم لوگ کبھی فلاح نہ پاویں گے

یعنی جو لوگ ہدایت اور دین صحیح پر نہ ہوں ان کا انجام اچھا نہ ہوگا مطلب یہ کہ خدا کو خوب معلوم ہے کہ ہم میں اور تم میں کون ظالم ہے اور کس کا انجام اچھا ہے اور کون فلاح سے محروم ہے پس ہر ایک کی حالت اور نتیجہ کا ظہور جلدی ہی مرنے کے ساتھ ہو جائے گا اب نہیں مانتے تو تم جانو۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ

اور (دلائل موسویہ دیکھ سن کر) فرعون کہنے لگا کہ اے اہل دربار مجھ کو تو تمہارا

مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ

اپنے سوا کوئی خدا معلوم نہیں ہوتا

فرعون کو اندیشہ ہوا کہ کہیں میرے معتقدین موسیٰ علیہ السلام کی طرف مائل نہ ہو جائیں تو اس نے لوگوں کو جمع کر کے یہ بات کہی اور اس کے بعد فریب دینے کے واسطے اپنے وزیر سے کہا کہ ان لوگوں کا اس سے اطمینان نہ ہو تو میرے واسطے ایک اونچا محل بنواؤ۔

فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ

تو اے ہامان تم ہمارے لئے مٹی (کی اینٹیں بنوا کر ان) کو آگ میں (پزادہ

لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ

لگا کر) پکواؤ پھر ان پختہ اینٹوں سے) میرے واسطے ایک بلند عمارت بنواؤ تا کہ میں) (اس پر چڑھ کر) موسیٰ کے خدا کو دیکھوں بھالوں

فرعون کا مقصود محل بنوانے سے لوگوں کو دھوکہ دینا تھا کہ اگر کوئی بڑا خدا ہوتا اور بڑے ہونے کے سبب اس کا مکان بہت اونچا ہوتا تو میں تحقیق کر کے آتا ہوں تا کہ لوگ اس کو بڑا محقق سمجھیں اور اس محل کا بننا یا نہ بننا کسی صحیح روایت میں نہیں آیا شاید دفع الوقتی مقصود ہو اور نہ بنوایا ہو۔

وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾

اور میں تو (اس دعویٰ میں کہ میرے سوا کوئی اور خدا ہے)

وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ

موسیٰ کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں اور فرعون اور اس کے تابعین نے ناحق دنیا

بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا

میں سر اٹھا رکھا تھا اور یوں سمجھ رہے تھے کہ ان کو ہمارے پاس لوٹ کر

يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ

آنا نہیں ہے، تو ہم نے (تکبر کی سزا میں) اس کو اور

فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ

اس کے تابعین کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا (یعنی غرق کر دیا) سو دیکھئے

عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾

ظالموں کا کیا انجام ہوا

جس سے موسیٰ علیہ السلام کے قول کا ظہور ہو گیا کہ ظالم لوگ کبھی فلاح نہ پاویں گے اور معلوم ہو گیا کہ انجام کس کا اچھا ہے۔

وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ

اور ہم نے ان لوگوں کو ایسا رئیس بنایا تھا جو (لوگوں کو) دوزخ کی طرف بلاتے رہے اور (اسی واسطے) قیامت کے روز ایسے بیکس رہ جاویں گے کہ)

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾

کوئی ان کا ساتھ نہ دے گا اور (یہ لوگ دونوں عالم میں مبتلائے خسران

وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ج

ہوئے چنانچہ) دنیا میں بھی ہم نے ان کے پیچھے لعنت لگا دی

لعنت پیچھے لگا دینے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جو کوئی ظالموں اور کافروں پر لعنت کرتا ہے وہ ان پر بھی پڑتی ہے کیونکہ وہ لوگ بھی ایسے ہی تھے۔

ربط: موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ختم ہوا آگے اس قصہ سے جو بڑا مقصود ہے یعنی رسالت محمدیہ کا اثبات اس کا بیان فرماتے ہیں مع جواب بعض شبہات کفار اور تمہید کے لئے موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا صراحۃً ذکر فرماتے ہیں۔ ولقد اٰتینا تا یتذکرون

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿۴۲﴾ ع

اور قیامت کے دن بھی وہ بدحال لوگوں میں سے ہوں گے

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اگلی امتوں (یعنی قوم نوح و عاد و ثمود)

بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى

کے ہلاک کے پیچھے کتاب (یعنی توریت) دی تھی

جب کہ پہلے زمانوں کے انبیاء کی تعلیم ناپید ہوگئی تھی اور لوگ ہدایت کے سخت محتاج تھے اور اس سے معلوم ہوا کہ نبوت کا سلسلہ ہمیشہ سے چلا آیا ہے۔

بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ

جو لوگوں کے (یعنی بنی اسرائیل کے) لئے دانشمندیوں کا سبب اور ہدایت

يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾

اور رحمت تھی تاکہ وہ (اس سے) نصیحت حاصل کریں

طالب حق کی اول فہم درست ہوتی ہے یہ بصیرت ہے پھر احکام قبول کرتا ہے یہ ہدایت ہے پھر ہدایت کا ثمرہ یعنی قرب و قبول عنایت ہوتا ہے یہ رحمت ہے۔

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ

اور آپ (طور کی) مغربی جانب میں موجود نہ تھے جبکہ ہم نے

اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ

موسیٰ (علیہ السلام) کو احکام دیئے تھے

یعنی جب موسیٰ علیہ السلام کا دورہ بھی ختم ہو چکا اور لوگ پھر کسی نئی ہدایت کے محتاج ہوئے تو اپنی دائمی عادت کے موافق ہم نے آپ کو رسول بنایا جس کے دلائل میں سے ایک یہی موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی یقینی خبر دینا ہے کیونکہ بغیر وحی کے یہ یقینی خبر آپ کو معلوم نہ ہو سکتی تھی اس لئے کہ یقینی خبر حاصل ہونے کے چار طریقے ہیں ایک تو عقل سو یہ واقعہ عقلی باتوں میں سے نہیں ہے جو کہ عقل سے معلوم ہو سکتا ہو دوسرے اہل علم سے سننا سو آپ نے کسی سے پڑھا نہ اہل علم سے اختلاط کیا تیسرے اپنا مشاہدہ اور آپ میں اس کا نہ ہونا بھی ثابت ہے ظاہر ہے کیونکہ آپ اس واقعہ کے وقت وہاں کب تھے۔

وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۴۴﴾ لا

اور (وہاں خاص تو کیا موجود ہوتے) آپ (تو) ان لوگوں میں سے (بھی) نہ تھے جو (اس زمانہ میں) موجود تھے

سو مشاہدہ کا احتمال بھی نہ رہا۔

وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ج

(لیکن بات یہ ہے کہ) ہم نے (موسیٰ کے بعد) بہت سی نسلیں پیدا کیں پھر ان پر زمانہ دراز گزر گیا

جس سے پھر صحیح علوم نایاب ہو گئے اور لوگ پھر ہدایت کے محتاج ہوئے اور گو درمیان درمیان میں انبیاء علیہم السلام آیا کئے مگر ان کے علوم بھی اسی طرح ناپید ہو گئے تو ہم نے اپنی رحمت سے آپ کو وحی اور نبوت سے مشرف کیا جس کے ذریعہ سے یہ یقینی خبریں آپ کو معلوم ہوئیں خلاصہ یہ کہ یقینی علم حاصل ہونے کے چار طریقے ہیں تین طریقے تو آپ میں موجود نہیں ہیں پس چوتھا ہی طریقہ ہو سکتا ہے یعنی وحی اور یہی مقصود ہے۔

وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا

اور آپ اہل مدین میں بھی قیام پذیر نہ تھے کہ آپ (وہاں کے حالات دیکھ

عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا لا

کر ان حالات کے متعلق) ہماری آیتیں ان لوگوں کو پڑھ پڑھ کر سنا رہے ہوں

یعنی جس طرح توراۃ دیئے جانے کا آپ نے مشاہدہ نہیں کیا اور محض وحی سے اس کی یقینی اور سچی خبر دے رہے ہیں اسی طرح آپ نے موسیٰ علیہ السلام کے قیام مدین کا بھی مشاہدہ نہیں کیا چنانچہ ظاہر ہے۔

وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۴۵﴾

(لیکن ہم ہی (آپ کو) رسول بنانے والے ہیں

کہ رسول بنا کر وحی سے یہ واقعات آپ کو بتلا دیئے۔

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا

اور (اسی طرح) آپ طور کی جانب (مغربی مذکور) میں اس وقت (بھی) موجود نہ تھے جبکہ ہم نے موسیٰ کو پکارا تھا

جب ان کو نبوت دی گئی تھی اس وقت پکارا تھا کہ اے موسیٰ میں اللہ رب العالمین ہوں اور اپنا عصا ڈال دو اور ان آیات میں اول آپ کا توراۃ دینے کے وقت حاضر نہ ہونا بتلایا اور یہ واقعہ سب کے بعد ہوا پھر قیام مدین کے وقت موجود نہ ہونا بتلایا اور یہ سب سے پہلے کا واقعہ ہے پھر موسیٰ علیہ السلام کو پکارنے کے وقت آپ کا موجود ہونا بیان فرمایا جو کہ درمیان کا واقعہ ہے پس ترتیب کے بدلنے میں یہ نکتہ ہے کہ ہر موقع میں آپ کا تشریف نہ رکھنا آپ کے صاحب وحی ہونے کی مستقل دلیل ہو جائے کہ یہ سب واقعات آپ کو وحی سے معلوم ہوئے خود آپ نے کچھ نہیں معلوم کیا اور اگر سب کو ترتیب وار ذکر فرماتے تو سب کو ملا کر ایک دلیل سمجھا جاتا۔

وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا

(لیکن اس کا علم بھی اسی طرح حاصل ہوا کہ آپ اپنے رب کی رحمت سے نبی بنائے گئے تا کہ

مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ

آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا (نبی) نہیں آیا

کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ والوں بلکہ ان کے قریب کے باپ دادوں نے بھی کسی نبی کو نہیں دیکھا تھا اگرچہ بعض احکام شرعیہ بالخصوص توحید کسی ذریعہ سے ان تک بھی پہنچی تھی پس ولقد بعثنا فی کل امة رسولا سے اس آیت کو تعارض نہ رہا کیونکہ مطلب اس آیۃ کا یہ ہے کہ ہم نے ہر امت کی طرف رسول بھیجا ہے خواہ بواسطہ ہو یا بلا واسطہ۔

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَوْلَآ اَنْ

کیا عجب ہے کہ نصیحت قبول کریں اور ہم رسول نہ بھی بھیجتے اگر یہ بات نہ

تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ

ہوتی کہ ان پر ان کے کرداروں کے سبب (جو کہ عقلاً قبیح ہیں) کوئی مصیبت

فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا

(دنیا میں یا آخرت میں) نازل ہوتی تو یہ کہنے لگتے کہ اے ہمارے پروردگار

رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ

آپ نے ہمارے پاس کوئی پیغمبر کیوں نہ بھیجا تا کہ ہم آپ کے احکام کا اتباع

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾

کرتے اور (ان احکام اور رسول پر) ایمان لانے والوں میں ہوتے

پس یہ لوگ اگر ذرا تامل کریں تو سمجھ سکتے ہیں کہ پیغمبر بھیجنے سے ہمارا کوئی فائدہ نہیں بلکہ ان ہی لوگوں کا فائدہ ہے کہ یہ لوگ اچھی اور بری بات پر مطلع ہو کر عذاب سے بچ سکتے ہیں ورنہ جن باتوں کی برائی عقل سے دریافت ہو سکتی ہے ان پر بدوں پیغمبر بھیجے کے بھی عذاب آ سکتا تھا لیکن اس وقت ان لوگوں کو یہ حسرت ہوتی کہ ہائے اگر رسول آ جاتا تو ہم کو زیادہ تنبہ ہو جاتا اور اس مصیبت میں نہ پڑتے اس لئے رسول بھی بھیج دیا تا کہ اس حسرت سے بچنا ان کو آسان ہو تو اس کا مقتضا تو یہ تھا کہ رسول کے آنے کو غنیمت سمجھتے اور اس کے دین کو قبول کرتے لیکن ان کی حالت اس کے برعکس ہے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا

سو جب ہماری طرف سے ان لوگوں کے پاس امر حق پہنچا (تو اس میں شبہ نکالنے کے

لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ط

لئے یوں) کہنے لگے کہ ان کو ایسی کتاب کیوں نہ ملی جیسی موسیٰ (علیہ السلام) کو ملی تھی

یعنی قرآن بھی توراۃ کی طرح ایک دفعہ کیوں نہ نازل ہوا آگے جواب ہے۔

اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ج

کیا جو کتاب موسیٰ کو ملی تھی اس کے قبل یہ لوگ اس کے منکر نہیں ہوئے

چنانچہ ظاہر ہے کہ مشرک لوگ توراۃ اور موسیٰ علیہ السلام کو بھی نہ مانتے تھے کیونکہ وہ سرے سے نبوت ہی کے منکر تھے۔

قَالُوْا سِحْرٰنِ

یہ لوگ تو یوں کہتے ہیں کہ دونوں جادوگر ہیں

یعنی قرآن بھی اور توراۃ بھی۔

تَظٰهَرَا وقفة قف

جو ایک دوسرے کے موافق ہیں

کیونکہ اصول شریعت میں دونوں متفق ہیں۔

وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور یوں بھی کہتے ہیں کہ ہم دونوں میں سے کسی کو نہیں مانتے

قرآن کو جادو کہنا تو قرآن ہی میں مذکور ہے اور توراۃ کو بھی یا تو صراحۃً جادو کہا ہو یا یہ کہ قرآن کو جادو کہنے سے اس کو بھی جادو کہنا لازم آ گیا کیونکہ جب دو چیزیں آپس میں متفق ہوں تو جو صفت ایک کی ہوگی وہی دوسری کی ہوگی اور اسی سے انجیل کا نہ ماننا بھی لازم آ گیا اگرچہ اس کا ذکر اس جگہ صراحۃً نہیں مگر حکماً وہ بھی مذکور ہے کیونکہ نہ ماننے کی ایک ہی علت ہے نبوت سے انکار کرنا اور شاید توراۃ کو خاص طور پر اس لئے ذکر کیا ہو کہ وہ مشہور زیادہ تھی غرض اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس شبہ کا منشا یہ نہیں ہے کہ اگر قرآن توراۃ کی طرح دفعۃً نازل ہوتا تو یہ اس کی مان لیتے مگر محض واویلا اور شرارت مقصود ہے۔ جس کا آگے جواب ہے۔

قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ

آپ کہہ دیجئے کہ اچھا تو (علاوہ توراۃ وقرآن کے) تم کوئی اور کتاب اللہ

اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ

کے پاس سے لے آؤ جو ہدایت کرنے میں ان دونوں سے بہتر ہو میں اسی کی

صٰدِقِيْنَ ﴿۴۹﴾

پیروی کرنے لگوں گا اگر تم (اس دعویٰ میں) سچے ہو

خلاصہ یہ کہ مقصود تو حق کا اتباع ہے پس اگر خدا کی کتابوں کو حق مانتے ہو تو آپ کی پیروی کرو قرآن کی تو ہر بات میں اور توراۃ کی توحید میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارات اور تصدیق میں پیروی کرو اور اگر ان کو حق نہیں مانتے تو تم کوئی حق پیش کرو اور اس کا ہدایت ہونا ثابت کردو کیونکہ حق سے یہی مقصود ہوتا ہے کہ اس سے ہدایت ہو اگر بالفرض تم یہ بات کردو گے تو میں اس کا اتباع کرلوں گا غرض یا تو میں حق ثابت کردوں تم اس کا اتباع کرلو یا تم حق ثابت کردو تو میں اس کے ماننے کے لئے تیار ہوں اور اس سے آسمانی کتابوں کے سوا دوسری کتاب کا اتباع کرنا لازم نہیں آتا کیونکہ یہ کلام بطور فرض کے ہے۔ جس سے ان کا عاجز کرنا مقصود ہے۔

فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا

پھر (اس احتجاج کے بعد) اگر یہ لوگ آپ کا (یہ) کہنا نہ کرسکیں تو آپ سمجھ

يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ

لیجئے کہ یہ لوگ محض اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں

یعنی ان سوالات کا منشاء کوئی شبہ یا تردد یا حق کی تلاش نہیں ہے بلکہ ان کا نفس کہتا ہے کہ جس طرح بن پڑے انکار کرنا چاہئے پس گو حق واضح بھی ہوجائے یہ ایسا ہی کریں گے۔

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ

اور ایسے شخص سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہو بدوں

هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى

اس کے کہ منجانب اللہ کوئی دلیل (اس کے پاس) ہو (اور) اللہ تعالیٰ ایسے

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۰﴾ ع

ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا

جو حق واضح ہونے کے بعد بھی بدوں کسی صحیح وجہ کے اپنی گمراہی سے باز نہ آویں اور ہدایت نہ کرنے کا سبب یہ ہے کہ خود ہی لوگ گمراہ رہنے کا قصد کرتے ہیں اور خدا کی عادت ہے کہ جیسا کوئی قصد کرتا ہے ویسا ہی کردیتے ہیں اس لئے ایسا شخص ہمیشہ گمراہ رہتا ہے یہاں تک تو الزامی جواب تھا ان کے اس قول کا کہ قرآن توراۃ کی طرح دفعۃً کیوں نازل نہ ہوا آگے تحقیقی جواب ہے۔ جس میں قرآن کے دفعۃً نازل نہ ہونے کی حکمت بیان فرماتے ہیں۔

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ

اور ہم نے اس کلام (یعنی قرآن) کو ان لوگوں کے لئے وقتاً فوقتاً یکے

يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۱﴾ ط

بعد دیگرے بھیجا تاکہ یہ لوگ (بار بار تازہ بتازہ سننے سے) نصیحت مانیں

یعنی ہم تو ایک ہی دفعہ بھیجنے پر بھی قادر ہیں مگر ان ہی کی مصلحت سے تھوڑا تھوڑا نازل کرتے ہیں پھر اندھیر ہے کہ اپنی ہی مصلحت کی مخالفت کرتے ہیں۔

ربط: اوپر موسیٰ علیہ السلام کے قصہ سے رسالت محمدیہ پر استدلال تھا آگے پہلی کتابوں کی پیشینگوئیوں کی بناء پر منصف اہل کتاب کے ایمان لانے سے آپ کی رسالت پر استدلال ہے اور ساتھ میں ان کی مدح بھی ہے۔ جس میں سے بعض کے ناموں کی تصریح بھی آئی ہے۔ ابورفاعہ اور ان کے ساتھ نو آدمی سلمان فارسی، عبداللہ بن سلام، امین بن یامین اور نجاشی بادشاہ حبشہ اور ان کے ساتھی ان میں بعضے پہلے یہودی تھے اور بعضے نصرانی اور ان کو مخالفوں سے ایذا بھی پہنچی تھی الذين اتينا هم تا الجهلين

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ

اور جن لوگوں کو ہم نے قرآن سے پہلے (آسمانی) کتابیں دی ہیں (ان میں جو منصف

بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا

ہیں) وہ اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں اور جب قرآن ان کے سامنے پڑھا جاتا

اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا

ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے بیشک یہ حق ہے (جو) ہمارے رب کی طرف

مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ﴿۵۳﴾

سے نازل ہوا ہے (اور) ہم تو اس (کے آنے) سے پہلے بھی مانتے تھے

کیونکہ ہماری کتابوں میں اس کی بشارت موجود ہے اور اب نزول کے بعد نیا عہد کرتے ہیں اور ان لوگوں کی طرح نہیں ہیں جو قرآن کے نزول سے پہلے اس کے شائق اور منتظر تھے اور نزول کے بعد کافر ہو گئے **فلما جاء هم ما عرفوا كفروا به** اس سے صاف ظاہر ہوا کہ پہلی کتابوں کی بشارتیں حضور ہی کے حق میں تھیں اور آپ ہی ان کے مصداق تھے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پہلی کتابوں کے علماء کی تصدیق سے بھی ظاہر ہے یہ بھی نبوت محمدیہ کی ایک دلیل ہے چنانچہ حق تعالیٰ نے سورہ شعراء میں فرمایا ہے۔ **اولم يكن لهم اية ان يعلمه علماء بنی اسرائيل الخ** آگے ان ایمان لانے والے علماء اہل کتاب کی فضیلت ہے۔

اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا

ان لوگوں کو ان کی پختگی کی وجہ سے دوہرا

صَبَرُوْا

ثواب ملے گا

پختگی سے یہ مراد ہے کہ پہلی کتاب پر ایمان رکھنے کے وقت بھی قرآن پر ایمان رکھتے تھے اور قرآن نازل ہونے کے بعد بھی اس ایمان پر قائم رہے اور اس کو از سر نو تازہ کیا اور یہ مضمون حدیث میں بھی آیا ہے کہ اہل کتاب جو ایمان لائیں ان کو دوہرا ثواب ملتا ہے اور اس کے ساتھ دو شخصوں کے لئے اور بھی دوسرے ثواب کا وعدہ ہے ایک وہ جس کے پاس شرعی باندی ہو اور وہ اس کو علم و ادب سکھا کر آزاد کر کے اس کی رضامندی سے اپنے آپ اس سے نکاح کرے دوسرے وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کی بھی اچھی طرح عبادت کرے اور اپنے آقا کی بھی خدمت گزاری و خیر خواہی کرے اور مشہور وجہ اس کی یہ ہے کہ ان لوگوں نے دو عمل کئے اس لئے دوہرا ثواب ملا اور بعض علماء نے یہ سمجھ کر کہ اس میں ان ہی کی کیا خصوصیت ہے جو شخص بھی دو عمل کرے گا دو ثواب ملیں گے یہ کہا ہے کہ ان لوگوں کو تمام اعمال میں یا ان ہی دو عملوں میں سے ہر ایک پر بہ نسبت دوسرے عمل کرنے والوں کے دوہرا ثواب ملے گا مثلاً اوروں کو ایک عمل پر کم از کم دس گنا ثواب ہوتا ہے تو ان کو ہر عمل پر کم از کم بیس گنا ثواب ہوگا جیسا کہ قرض کی نسبت اٹھارہ گنا ثواب آیا ہے اور بظاہر یہی دوسری توجیہ صحیح ہے کیونکہ ظاہر ان لوگوں کی خصوصیت مقصود معلوم ہوتی ہے اور پہلی توجیہ سے ان کی کوئی خصوصیت ظاہر نہیں ہوتی لیکن ان کے ساتھ ازواج مطہرات کو بھی شامل کیا جانا چاہئے جن کے لئے **نؤتها اجرها مرتين** آیا ہے ان کو بھی ہر عمل پر دوہرا ثواب ہوتا ہے یہ تو بیان تھا ان کے اعتقاد اور ثواب کا آگے ان کے اعمال و اخلاق کا بیان ہے۔

وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ

اور وہ لوگ نیکی (اور تحمل) سے بدی (اور ایذا) کا دفعیہ کر دیتے ہیں

احقر کے نزدیک اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ حب جاہ سے خالی ہیں۔

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۵۴﴾

اور ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں

اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ حب مال سے خالی ہیں اور یہی دو امر حب مال اور حب جاہ اکثر ایمان سے مانع ہوتے ہیں پس ایمان کے بعد اس طرف اشارہ ہو گیا کہ ان میں ایمان سے مانع ہونے والی کوئی چیز نہ تھی پھر کیسے ایمان نہ لاتے۔

وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا

اور جب (کسی سے اپنی نسبت) کوئی لغو بات سنتے ہیں تو اس کو (بھی) ٹال جاتے ہیں اور (سلامت روی کے طور پر) کہہ دیتے ہیں کہ

لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ز

(ہم کچھ جواب نہیں دیتے) ہمارا کیا ہمارے سامنے آوے گا

مطلب یہ کہ جس طرح لوگوں کے ایذا فعلی پر تحمل کرتے ہیں اسی طرح ایذا قولی کا بھی تحمل کرتے ہیں۔

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ز لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ﴿۵۵﴾

اور تمہارا کیا تمہارے سامنے آوے گا (بھائی) ہم تم کو سلام کرتے ہیں ہم بے سمجھ لوگوں سے الجھنا نہیں چاہتے

ہم کو جھگڑے سے معاف رکھو

ربط: اوپر اہل کتاب کا ایمان لانا اطاعت کرنا مذکور تھا اور اس سے پہلے فلما جاءھم الحق میں کفار قریش کا کفر وعناد مذکور تھا اور قریش آپ کے قرابتدار تھے اور اہل کتاب قرابتدار نہ تھے اور غیروں کے ایمان کو دیکھ کر قرابتداروں کے ایمان نہ لانے پر طبعاً زیادہ رنج ہوتا ہے اور ان میں سے بعض کے ایمان لانے کے متعلق آپ کو خاص اہتمام اور شوق غالب تھا اس میں کامیاب نہ ہونے سے زیادہ رنج ہوتا تھا اس لئے آگے تسلی کا مضمون ہے کہ کسی کو ایمان کی توفیق ہوجانا یہ خدا کے قبضہ قدرت میں ہے نہ کہ آپ کے پھر رنج کیوں کیا جائے انک تا بالمھتدین.

اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ

آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ

اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ

جس کو چاہے ہدایت کر دیتا ہے اور ہدایت پانے والوں کا

بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿٥٦﴾

علم (بھی) اسی کو ہے

یعنی ہدایت کرنے کی قدرت تو کسی کو خدا کے سوا کیا ہوتی کسی کو اس کا علم بھی تو نہیں کہ کون کون ہدایت پانے والا ہے اور سورہ شوریٰ کے اخیر میں جو ہے انک لتھدی الخ کہ آپ سیدھے راستہ کی طرف ہدایت کرتے ہیں وہاں ظاہری ہدایت یعنی صرف راستہ بتلا دینا مراد ہے اور یہاں حقیقی ہدایت یعنی مقصود تک پہنچا دینا مراد ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ آپ کا کام صرف رستہ بتلا دینا ہے اور مقصود تک پہنچانا اور راستہ پر ڈال دینا یہ ہمارا کام ہے صحیح مسلم میں اس آیت کا ابوطالب کے بارہ میں نازل ہونا منقول ہے لیکن چونکہ الفاظ عام ہیں لہذا دوسروں کو بھی شامل ہے۔ صاحب روح نے کہا ہے کہ بے ضرورت اس مسئلہ میں کلام کرنا اور ان کو برا کہنا یقیناً حضرت علیؓ کی اولاد کی کلفت کا موجب بھی ہے پس احتیاط بہتر ہے۔

ربط: اوپر دور سے کفار کے ایمان نہ لانے کا ذکر چلا آرہا ہے اور ان کے ایمان لانے میں چند امور مانع تھے ایک وہی شبہ کہ قرآن دفعۃً کیوں نہ نازل ہوا جس کا جواب گزر چکا ہے دوسرے ان کو وہی خوف تھا کہ ہم کو ایمان سے دنیوی ضرر پہنچے گا عرب کے لوگ ہمارے دشمن ہو جائیں گے اور مکہ سے باہر نکال دیں گے تیسرے ان کو اپنی خوش عیشی پر ناز تھا چوتھے باوجود کفر کے عذاب نازل نہ ہونے سے شبہ تھا پانچویں یہ کہ ان کو دنیا سے تعلق تھا اور آخرت سے بے تعلقی تھی آگے ان سب موانع کا جواب ہے۔

وقالوا ان نتبع تا افلاتعقلون.

وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم آپ کے ساتھ ہو کر (اس دین کی) ہدایت پر چلنے

مِنْ اَرْضِنَا ۭ

لگیں تو فی الفور اپنے مقام سے مار کر نکال دیئے جاویں

جس سے بے وطنی کی بھی تکلیف ہو اور معاش کی پریشانی الگ ہو ایک مانع ان لوگوں کو ایمان لانے سے یہ ہے کہ لیکن اس عذر کا باطل ہونا بالکل ہی ظاہر ہے۔۱۲

اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى

کیا ہم نے ان کو امن وامان والے حرم میں جگہ نہیں دی وہاں ہر قسم کے پھل کھنچے چلے

اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا

آتے ہیں جو ہمارے پاس (یعنی ہماری قدرت اور رزاقی سے) کھانے کو ملتے ہیں

پس حرم محترم سے جس کا سب احترام کرتے ہیں بے وطن ہونے کا بھی اندیشہ نہیں اور جب یہ اندیشہ نہیں تو رزق فوت ہونے کا بھی احتمال نہیں رہا نو مسلموں کو جو مکہ میں تکلیف پہنچی تو وہ باہر والوں نے نہیں پہنچائی خود اہل مکہ نے حرم کی تعظیم فوت کر کے تکلیف دی دوسرے اس کمزوری کا سبب یہ تھا کہ مسلمان تھوڑے تھے اگر کثرت سے حق قبول کرتے تو یہ نوبت نہ آتی اور یہاں سب ہی کے ایمان کی نسبت گفتگو ہے پس ان کو چاہئے تھا کہ اس حالت کو غنیمت سمجھتے اور اس کو نعمت سمجھ کر قدر کرتے اور ایمان لے آتے۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٥٧﴾

ولیکن ان میں اکثر لوگ (اس کو) نہیں جانتے

یعنی اس کا خیال نہیں کرتے اور ایک سبب ان کے ایمان نہ لانے کا یہ ہے کہ وہ اپنی دولت پر ناز کرتے ہیں لیکن یہ بھی حماقت ہے جس کا آگے بیان ہے۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۢ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ

اور ہم بہت سی ایسی بستیاں ہلاک کر چکے ہیں جو اپنے سامان عیش پر نازاں

فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ

تھے (سو دیکھ لو) یہ ان کے گھر (تمہاری آنکھوں کے سامنے پڑے) ہیں کہ

إِلَّا قَلِيلًا ط

ان کے بعد آباد ہی نہ ہوئے مگر تھوڑی دیر کے لئے

کہ کسی آتے جاتے مسافر کا ادھر کو اتفاقاً گزر ہو جاوے اور وہ تھوڑی دیر وہاں ستانے کو یا تماشا دیکھنے کو بیٹھ جائے یا رات کو رہ جاوے اور ان بستیوں سے مراد ثمود و عاد کی بستیاں ہیں جو شام کی آمد و رفت میں نظر آتی تھیں۔

وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ ﴿۵۸﴾

اور آخر کار (ان کے سامانوں کے) ہم ہی مالک رہے

کوئی ظاہری وارث بھی ان کا نہ ہوا۔ ایک شبہ ان کو یہ ہوتا ہے کہ اگر پہلے لوگ کفر کی وجہ سے ہلاک ہوئے تو ہم تو مدت سے کفر کرتے آرہے ہیں ہم کو کیوں نہ ہلاک کیا گیا آگے اسی شبہ کا جواب ہے۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ

اور آپ کا رب بستیوں کو (اول ہی بار میں) ہلاک نہیں کیا کرتا جب تک کہ

فِي أُمِّهَا رَسُولًا

ان (بستیوں) کے صدر مقام میں کسی پیغمبر کو نہ بھیج لے

صدر مقام سے عادةً تمام علاقہ میں خبر پہنچ جاتی ہے دوسرے صدر مقام کے لوگ بہ نسبت دوسرے علاقوں کے فہیم بھی ہوتے ہیں تو پہلے ایسے ہی لوگوں سے خطاب کرنا مناسب ہے۔

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا ج وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٰ

کہ وہ ان لوگوں کو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائے اور ہم ان بستیوں کو ہلاک نہیں

إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ ﴿۵۹﴾

کرتے مگر اسی حالت میں کہ وہاں کے باشندے بہت ہی شرارت کرنے لگیں

یعنی جب ایک خاص مدت تک بار بار کے سمجھانے سے بھی نہ مانیں اس وقت ہلاک کر دیتے ہیں سو اسی قانون کے موافق تمہارے ساتھ عملدرآمد ہو رہا ہے نہ تم کو رسول آنے سے پہلے ہلاک کیا نہ رسول آنے کے بعد فوراً ہلاک کیا چند روز گزرنے دو اگر تمہاری یہی سرکشی رہی تو سزا ہوگی چنانچہ بدر وغیرہ میں ہوئی اور ایک سبب ان کے ایمان نہ لانے کا یہ ہے کہ دنیا نقد ہے اس لئے مرغوب ہے اور آخرت کا ادھار ہے اس لئے اس سے رغبت نہیں پس دنیا کی رغبت ہی سے دل خالی نہیں ہوتا کہ اس میں آخرت کی رغبت سماوے آگے اس کا جواب ہے۔

وَمَا أُوتِيتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ

اور جو کچھ تم کو دیا دلایا گیا ہے وہ محض (چند روزہ) دنیوی زندگی کے برتنے

الدُّنْيَا وَزِينَتُهَا ج

کے لئے ہے اور یہیں کی (زیب و زینت) ہے

کہ عمر ختم ہونے کے ساتھ اس کا بھی خاتمہ ہو جاوے گا۔

وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ط أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۶۰﴾ ع

اور جو (اجر و ثواب) اللہ کے یہاں ہے وہ بدرجہا اس سے بہتر ہے اور زیادہ (یعنی ہمیشہ) باقی رہنے والا ہے سو کیا تم لوگ (اس تفاوت کو) نہیں سمجھتے

غرض تمہارے سارے شبہات اور عذر جن کی وجہ سے کفر پر جمے ہوئے ہو محض بے بنیاد اور لغو ہیں سمجھو اور مانو

ربط: اوپر بہت سی آیتوں میں کفر اور گمراہی پر دھمکی اور ایمان کی ہدایت ترغیب تھی آگے کفر و ایمان کے جو ثمرات قیامت کے دن ظاہر ہونگے ان کا ذکر ہے۔ افمن وعدناه تا من المفلحين.

أَفَمَنْ وَعَدْنَاهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيهِ

بھلا وہ شخص جس سے ہم نے ایک پسندیدہ وعدہ کر رکھا ہے پھر وہ شخص اس (وعدہ کی چیز کو)

كَمَنْ مَتَّعْنَاهُ مَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

پانے والا ہے کیا اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جس کو ہم نے دنیوی زندگانی کا چند روزہ فائدہ

ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ الْمُحْضَرِينَ ﴿۶۱﴾

دے رکھا ہے پھر وہ قیامت کے روز ان لوگوں میں ہوگا جو گرفتار کر کے لائے جاویں گے

پہلے شخص سے مراد مومن ہے جس سے جنت کا وعدہ ہے اور دوسرے سے مراد کافر ہے جو مجرم ہو کر آوے گا اور دونوں کا برابر نہ ہونا اسی اعتبار سے ہے کہ قیامت کے دن دونوں کی حاضری یکساں نہ ہوگی مگر چونکہ ایسے لوگ متاع دنیا ہی پر بھول رہے ہیں اور وہی اس حاضری کی فکر سے مانع بھی ہے اس لئے متاع دنیا کا بھی ذکر فرما دیا آگے اس حاضری کی کیفیت کی تفصیل بیان فرماتے ہیں۔

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ

اور (وہ دن قابل یاد کرنے کے ہے) جس دن خدا تعالیٰ ان کافروں کو (توبیخاً)

الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿۶۲﴾

پکار کر کہے گا کہ وہ میرے شریک کہاں ہیں جن کو تم (ہمارا شریک) سمجھ رہے تھے

مراد اس سے شیاطین ہیں کہ ان ہی کی اطاعت کے سبب شرک کرتے تھے اس لئے ان کو شریک کہا۔

قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ

جن پر بوجہ گمراہ کرنے کے) خدا کا فرمودہ (یعنی استحقاق عذاب) ثابت ہو چکا ہوگا وہ بول اٹھیں گے کہ اے ہمارے پروردگار بیشک یہ وہی لوگ ہیں جن کو

الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ

ہم نے بہکایا ہم نے ان کو ویسا ہی (بلا جبر و کراہ) بہکایا جیسا ہم خود بہکے تھے

شیاطین یہ سمجھ کر کہ اب یہ لوگ ہمارا نام لے دیں گے کہ ہم ان کی عبادت کرتے تھے اور خود بری ہونے کی کوشش کریں گے پھر ہم سے دارو گیر شروع ہوگی کہ تم نے کیوں گمراہ کیا پہلے ہی سے عذر کے طور پر یہ جواب دیں گے کہ گو ہم نے ان کو بہکایا ضرور لیکن یہ بھی بالکل بے قصور نہ تھے کیونکہ جس طرح ہمارے اوپر کوئی گمراہ کرنے والا مسلط نہ تھا بلکہ اپنے ہاتھوں گمراہ ہوئے اسی طرح ہم کو ان پر کوئی زور نہ تھا ہمارا کام صرف بہکانا تھا جس کو انہوں نے اپنے ارادہ و اختیار سے قبول کیا پس گو ہم بھی مجرم ہیں لیکن یہ بھی نہیں کہ یہ لوگ اپنے اوپر کوئی الزام نہ آنے دیں۔

تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ۡ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ﴿٦٣﴾

اور ہم آپ کی پیشی میں ان (کے تعلقات) (سے دستبرداری کرتے ہیں اور یہ لوگ درحقیقت) ہم کو نہ پوجتے تھے

یعنی جب یہ اپنے اختیار سے بہکے ہیں نہ کہ محض ہمارے بہکانے سے تو اس اعتبار سے وہ اپنی خواہش کے بندے تھے ہمارے تابعدار نہ تھے وہ اپنی خواہش سے خود خراب ہوئے مقصود سب اس حکایت سے یہ ہے کہ جن کی شفاعت کے بھروسہ پر یہ بیٹھے ہیں وہ ان سے کانوں پر ہاتھ رکھیں گے اور ان کے خلاف گواہی دیں گے۔

وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ

اور (اس وقت ان مشرکین سے تحکما) کہا جاوے گا کہ (اب) اپنے شرکاء کو بلاؤ چنانچہ وہ (فرط حیرت سے بالاضطرار) ان کو پکاریں گے سو وہ جواب بھی نہ

يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ

دیں گے اور (اس وقت) یہ لوگ (اپنی آنکھوں) عذاب کو دیکھ لیں گے اے

كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ﴿٦٤﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ

کاش یہ لوگ (دنیا میں) راہ راست پر ہوتے (تو یہ مصیبت نہ دیکھتے) اور

فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٦٥﴾

جس دن ان کافروں سے پکار کر پوچھے گا کہ تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا تھا

چونکہ اس دھمکی میں یہ احتمال تھا کہ وہ کہہ دیتے کہ ہمارے پاس پیغمبر نہیں آئے اس لئے اس سوال سے یہ جتلا دیا کہ پیغمبر تو آئے تھے اور سمجھایا بھی تھا سو یہ کہنے کی تو گنجائش نہیں کہ کوئی نہیں آیا مگر یہ بات بتلاؤ کہ تم نے کیا جواب دیا۔

ربط: اوپر شرک پر دھمکاتے ہوئے شرک کی برائی بھی بیان فرمائی ہے آگے توحید کا اور اس کے ضمن میں انعامات و احسانات کا ذکر ہے وربک یخلق تا تشکرون

فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ

سو اس روز ان (کے ذہن) سے سارے مضامین گم ہو جاویں گے تو وہ (نہ خود سمجھیں گے اور) آپس میں پوچھ پاچھ بھی نہ کرسکیں گے البتہ جو شخص) کفر اور

لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿٦٦﴾ فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ

شرک سے دنیا میں) توبہ کرلے اور ایمان لے آئے اور نیک کام کیا کرے تو ایسے

وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ

لوگ امید ہے کہ (آخرت میں) فلاح پانے والوں میں سے ہوں گے اور آپ کا

الْمُفْلِحِيْنَ ﴿٦٧﴾ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ۭ

رب جس چیز کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور (جس حکم کو چاہتا ہے) پسند کرتا ہے

یعنی حق تعالیٰ صفات کمال کے ساتھ تنہا موصوف ہے چنانچہ تکوینی اور تشریعی اختیارات سب اسی کو حاصل ہیں جو چاہے پیدا کردے اور جو حکم چاہے انبیاء کے ذریعہ سے نازل کردے۔

مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۭ

ان لوگوں کو تجویز (احکام) کا کوئی حق (حاصل) نہیں

کہ جو حکم چاہیں تجویز کرلیں جیسے یہ مشرک اپنی طرف سے شرک کو جائز بنا رہے ہیں۔

سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٨﴾

اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے پاک اور برتر ہے

کیونکہ جب وہ خالق اور مختار ہونے میں یکتا ہے تو معبود ہونے میں بھی یکتا ہے اسلئے کہ عبادت کا مستحق وہی ہے جو خالق اور مختار ہونے میں کامل ہو۔

وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۶۹﴾

اور آپ کا رب سب چیزوں کی خبر رکھتا ہے جو ان کے دلوں میں پوشیدہ رہتا ہے اور جس کو یہ ظاہر کرتے ہیں

کسی دوسرے کا علم بھی ایسا نہیں اس سے بھی اس کا یکتا ہونا ثابت ہوا آگے اس کو صراحۃً بیان فرماتے ہیں۔

وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِى

اور اللہ وہی (ذات کامل الصفات) ہے اس کے سوا کوئی معبود (ہونے کے

الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ز

قابل) نہیں حمد (وثنا) کے لائق دنیا و آخرت میں وہی ہے

کیونکہ اس کے تصرفات دونوں عالم میں ایسے ہیں جو اس کی صفات کمال پر دلالت کرتے ہیں اور حمد وثنا کی قابلیت کا مدار اسی پر ہے آگے اختیارات سلطنت کا بیان ہے۔

وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۷۰﴾

اور حکومت (قیامت میں) بھی اسی کی ہوگی اور تم سب اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے

یہ نہیں کہ بچ جاؤ یا اور کہیں جا کر پناہ لے لو اس سے اس کی سلطنت کی قوت اور وسعت معلوم ہوئی پس ثابت ہوا کہ معبود ہونے میں وہ اکیلا ہے آگے اپنی قدرت کے ظاہر کرنے کا حکم فرماتے ہیں۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ

آپ (ان لوگوں سے) کہیئے کہ بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر

الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ

ہمیشہ کے لئے قیامت تک رات ہی رہنے دے تو خدا کے سوا وہ کونسا

غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿۷۱﴾

معبود ہے جو تمہارے لئے روشنی کو لے آوے تو کیا تم (توحید کے

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ

ایسے دلائل کو) سنتے نہیں آپ کہیئے کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم

النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ

پر ہمیشہ کے لئے قیامت تک دن ہی رہنے دے تو خدا کے سوا وہ کونسا

اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ

معبود ہے جو تمہارے لئے رات کو لے آوے جس میں تم آرام پاؤ

فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۷۲﴾

کیا تم (اس شاہد قدرت کو) دیکھتے نہیں

رات ہمیشہ رہنے کی یہ صورت ہو کہ سورج کو افق سے نکلنے نہ دے یا اس کی روشنی زائل کر دے اور دن ہمیشہ ہونا اس طرح ہو کہ سورج کو غروب نہ ہونے دے یا آفتاب کے بغیر ایسی روشنی پیدا کر دے جو کسی وقت زائل نہ ہو پس قدرت میں یکتا ہونا اس کو مقتضی ہے کہ وہ اکیلا معبود ہو۔

وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ

اور (وہ منعم ایسا ہے کہ) اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات اور دن

لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ

کو بنایا تا کہ تم رات میں آرام کرو اور تا کہ (دن میں) اس کی روزی تلاش

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾

کرو اور تا کہ (ان دونوں نعمتوں پر) تم (اللہ کا) شکر کرو

پس انعام میں یکتا ہونا بھی اسی کو مقتضی ہے کہ وہ اکیلا معبود ہو پس کل صفات کمال جو اس جگہ توحید کے استدلال میں مذکور ہوئے یہ ہیں خالق ہونا مختار مطلق ہونا صاحب علم، حکومت قوت و وسعت سلطنت، قدرت عطاء نعمت وغیرہ ہونا۔

ربط: اوپر توحید کے دلائل سے پہلے شرک پر دھمکی دیتے ہوئے اس کی برائی مذکور تھی اب توحید کے دلائل کے بعد پھر اسی طرز سے شرک کی مذمت مذکور ہے اور دونوں میں فرق یہ ہوسکتا ہے کہ پہلی جگہ شرک کی مذمت کا بیان بطور دعویٰ کے تھا اور دلائل توحید سے اس پر استدلال کیا تھا کہ شرک کا برا ہونا ان دلائل سے ثابت ہے اور اس جگہ بطور نتیجہ کے ذکر ہے کہ شرک کا برا ہونا ان دلائل سے ثابت ہو چکا ویوم ینادیھم تا یفترون

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ

اور جس دن اللہ تعالیٰ ان کو پکار کر فرماوے گا

تا کہ اور لوگ بھی ان کی رسوائی سن لیں۔

فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِىَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ

کہ جن کو تم میرا شریک سمجھتے تھے وہ کہاں گئے اور ہم

تَزْعُمُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا

ہر امت میں سے ایک ایک گواہ نکال کر لائیں گے

مراد اس سے انبیاء ہیں کہ وہ ان کے کفر کی گواہی دیں گے اور گو خود ان کے قول سے بھی ان پر حجت قائم ہو جائے گی لیکن اقرار کے ساتھ گواہی سے بھی ان کا جرم پختہ کر دیا جائے گا۔

فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ

پھر ہم (ان مشرکین سے) کہیں گے کہ (اب) اپنی (کوئی) دلیل (صحت شرک کے دعویٰ پر) پیش کرو سو (اس وقت) ان کو معلوم ہو جاوے گا کہ سچی

الْحَقَّ لِلّٰهِ

بات خدا ہی کی تھی

جو انبیاء کے ذریعہ سے بتلائی گئی تھی اور شرک کا دعویٰ جھوٹا تھا۔

وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۷۵﴾ ع

اور (دنیا میں) جو کچھ باتیں گھڑا کرتے تھے (آج) کسی کا پتہ نہ رہے گا

کیونکہ حق منکشف ہو جانے کے بعد باطل کا غائب ہو جانا لازم ہے۔

ربط: اوپر مختلف عنوانوں سے کفر کا عند اللہ برا ہونا اور موجب ناکامی ہونا اور مال و دولت پر ناز کا بے فائدہ ہونا عذاب و ہلاکت سے اس کا نہ بچا سکنا معلوم ہوتا ہے آگے قارون کے قصہ سے ان سب باتوں کی تائید کی جاتی ہے۔ ان قارون تا لایفلح الکفرون.

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى

قارون موسیٰ (علیہ السلام) کی برادری میں سے تھا

یعنی بنی اسرائیل میں سے تھا بلکہ ان کا چچا زاد بھائی تھا اس کا حال دیکھ لو کہ کفر و مخالفت سے اس کو کیا ضرر پہنچا اور اس کا مال و دولت کچھ کام نہ آیا بلکہ سب اس کے ساتھ ہی برباد ہو گیا۔

فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ص وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ

سو وہ (کثرت مال کی وجہ سے) ان لوگوں کے مقابلہ میں تکبر کرنے لگا اور

اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ ق

(اس کے مال کی کثرت یہ تھی کہ) ہم نے اس کو اس قدر خزانے دیئے تھے کہ ان کی کنجیاں کئی کئی زور آور شخصوں کو گرانبار کر دیتی تھیں

یعنی ان سے بدقت اٹھتی تھیں تو جب کنجیاں اس کثرت سے تھیں تو ظاہر ہے کہ خزانے بہت ہی ہوں گے بعض کم عقلوں کو کنجیوں کے مضمون میں اشکال ہوا ہے لیکن اگر تھوڑا غور کیا جائے تو عادۃً بھی یہ بات کچھ بعید نہیں مثلاً اگر کنجیاں اٹھانے والی جماعت دس آدمیوں کی مان لی جائے جیسا کہ بعض اہل لغت نے عصبہ کے یہی معنے بیان کئے ہیں اور ایک ایک آدمی کے لئے پانچ پانچ سیر کا وزن فرض کیا جاوے تو جس طرح کنجیوں کو لے کر چلنے کا طریقہ ہے کہ ہاتھ میں یا جیب میں یا کمر بند وغیرہ میں رکھی جاتی ہیں۔ یقیناً اتنی وزنی کنجیوں کو لے کر چلنا تکلف کا محتاج ہوگا پھر لوہا وغیرہ ٹھوس چیزیں گو وزن میں کم ہوں اس کا اٹھانا ویسے بھی بہ نسبت دوسری چیزوں کے تکلف کا محتاج ہوتا ہے گو وزن دونوں کا برابر ہو اور ایک ایک کنجی ایک ایک تولہ کی مانی جاوے تو ایک ایک آدمی کے حصہ میں چار سو کنجیاں آتی ہیں اور دس آدمیوں کے مقابلہ میں چار ہزار کنجیاں ہوتی ہیں اگر ایک کنجی ایک ایک صندوق کی سمجھی جائے تو چار ہزار صندوق ہوئے اور ایک امیر کبیر کے پاس چار ہزار صندوق نقد مال سے بھرے ہوئے ہونا کوئی بعید بات نہیں۔ یقیناً اتنے روپے والے اب بھی ہوں گے۔

اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا

جبکہ اس کو اس کی برادری نے (سمجھانے کے طور پر) کہا کہ تو (اس مال و حشمت پر) اترا

يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ﴿۷۶﴾ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰكَ

مت واقعی اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا اور (یہ بھی کہا کہ) تجھ کو خدا تعالیٰ نے

اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ

جتنا دے رکھا ہے اس میں عالم آخرت کی بھی جستجو کیا کر اور دنیا سے اپنا حصہ (آخرت

مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ

میں لے جانا) فراموش مت کر اور جس طرح خدا تعالیٰ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے

اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ط

تو بھی (بندوں کے ساتھ) احسان کیا کر اور دنیا میں فساد کا خواہاں مت ہو

یعنی گناہ کرنے سے دنیا میں فساد ہوتا ہے خصوصاً وہ گناہ جن کا اثر دوسروں پر پہنچتا ہو پس خدا کی نافرمانی نہ کر اور واجب حقوق کو ضائع نہ کر۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۷۷﴾

بیشک اللہ تعالیٰ اہل فساد کو پسند نہیں کرتا

یہ سب نصیحت مسلمانوں کی طرف سے ہوئی اور غالباً یہ مضامین اول موسیٰ علیہ السلام نے فرمائے ہوں گے پھر دوبارہ مسلمانوں نے بھی کہا ہوگا۔

قَالَ إِنَّمَآ أُوتِيتُهُۥ عَلَىٰ عِلْمٍ عِندِىٓ ۚ

قارون (یہ سن کر) کہنے لگا کہ مجھ کو تو یہ سب کچھ میری ذاتی ہنرمندی سے ملا ہے

یعنی میں تلاش کی تدبیریں خوب جانتا ہوں اسی سے میں نے یہ مال جمع کیا ہے پھر میرا فخر کرنا بے جا نہیں اور نہ اس کو غیبی احسان کہا جا سکتا ہے اور نہ کسی دوسرے کا اس میں حق ہے آگے حق تعالیٰ اس کے قول کا رد فرماتے ہیں۔

أَوَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ ٱللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِن قَبْلِهِۦ

کیا اس (قارون) نے (اخبار متواترہ سے) یہ نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے

مِنَ ٱلْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً

گزشتہ امتوں میں سے ایسے ایسوں کو ہلاک کر چکا ہے جو قوت (مالی) میں

وَأَكْثَرُ جَمْعًا ۚ

(بھی) اس سے کہیں بڑھے ہوئے تھے اور مجمع (بھی) ان کا اس سے زیادہ تھا

اور صرف یہی نہیں کہ بس ہلاک ہو کر چھوٹ گئے ہوں بلکہ کفر کے جرم کی وجہ سے قیامت میں بھی ان کو عذاب ہوگا جیسا کہ وہاں کا قاعدہ ہے آگے اس قاعدہ کا بیان ہے۔

وَلَا يُسْـَٔلُ عَن ذُنُوبِهِمُ ٱلْمُجْرِمُونَ ﴿٧٨﴾

اور اہل جرم سے ان کے گناہوں کا (تحقیق کرنے کی غرض سے) سوال نہ کرنا پڑے گا

کیونکہ اللہ تعالیٰ کو سب معلوم ہے اگرچہ دھمکانے کے طور پر سوال ہوگا اس کے بعد عذاب میں گرفتار کر دیئے جائیں گے مطلب یہ کہ اگر قارون اس مضمون پر نظر کرتا تو ایسی جہالت کی بات نہ کہتا کیونکہ پہلے لوگوں کی دنیوی ہلاکت سے اور آخرت کے مواخذہ سے حقیقی قدرت کے تحت میں سب کا ہونا ظاہر ہے پھر ایسے شخص کی کیا قدرت ہے کہ اپنے کسب اور کمائی کو اور مال و دولت کی علت سمجھے اور ایسے شخص کی کیا رائے جو حقوق واجب کی نفی کرے۔

فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِۦ فِى زِينَتِهِۦ ۖ

پھر (ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ وہ اپنی آرائش (اور شان) سے اپنی برادری کے سامنے نکلا جو لوگ (اس کی برادری میں) دنیا کے طالب تھے (گو مومن ہوں)

جیسا کہ ان کے اگلے قول ویکان اللہ یبسط الخ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ مومن تھے۔

قَالَ ٱلَّذِينَ يُرِيدُونَ ٱلْحَيَوٰةَ ٱلدُّنْيَا

کہنے لگے کیا خوب ہوتا کہ ہم کو بھی وہ ساز و سامان ملا

يَٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ أُوتِىَ قَٰرُونُ إِنَّهُۥ

ہوتا جیسا قارون کو ملا ہے واقعی وہ بڑا

لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ﴿٧٩﴾

صاحب نصیب ہے

یہ تمنا حرص کی تھی اس سے کافر ہونا لازم نہیں آتا جیسا کہ اب بھی بعضے آدمی باوجود مسلمان ہونے کے رات دن دوسری قوموں کی ترقی دیکھ کر للچاتے ہیں اور اس کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔

وَقَالَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْعِلْمَ وَيْلَكُمْ

اور جن لوگوں کو (دین کی) فہم عطا ہوئی تھی وہ (ان حریصوں سے) کہنے لگے ارے تمہارا ناس ہو

اس سے مقصود بددعا نہیں بلکہ شفقت یا غلطی پر تنبیہ کرنے کے موقعہ پر ایسا کلمہ ہمارے محاورہ میں بھی بولا جاتا ہے اسی طرح ویلکم عربی کا محاورہ ہے۔

ثَوَابُ ٱللَّهِ خَيْرٌ لِّمَنْ ءَامَنَ وَعَمِلَ صَٰلِحًا ۚ

تم اس دنیا پر کیا للچاتے ہو) اللہ تعالیٰ کے گھر کا ثواب (اس دنیاوی کروفر) سے ہزار درجہ بہتر ہے جو ایسے شخص کو ملتا ہے کہ ایمان لائے اور نیک عمل

وَلَا يُلَقَّىٰهَآ إِلَّا ٱلصَّٰبِرُونَ ﴿٨٠﴾ فَخَسَفْنَا بِهِۦ

کرے اور پھر) وہ (ثواب کامل طور پر) انہی کو دیا جاتا ہے جو (دنیا) کی

وَبِدَارِهِ ٱلْأَرْضَ قف

حرص و طمع سے) صبر کرنے والے ہیں

پس تم ایمان کامل اور عمل صالح حاصل کرنے میں لگو اور حد شرعی کے اندر رہ کر دنیا حاصل کرو اور اس کی حرص و طمع سے صبر کرو اور ثواب کامل کی قید اس لئے لگائی کہ کچھ ثواب تو ہر مسلمان کو حاصل ہوتا ہے۔

فَمَا كَانَ لَهُۥ مِن فِئَةٍ يَنصُرُونَهُۥ مِن

پھر ہم نے اس قارون کو اور اس کے محل سرائے کو اس کی شرارت (بڑھ جانے) سے زمین میں دھنسا دیا سو ایسی کوئی جماعت نہ ہوئی جو اس کو اللہ

دُوْنِ اللّٰهِ ۗ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿٨١﴾

کے (عذاب) سے بچا لیتی اور نہ وہ خود ہی اپنے آپ کو بچا سکا

قارون جس شرارت کی وجہ سے دھنسایا گیا اس کی نسبت درمنثور میں حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ اس کو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ احکام شرعیہ کی وجہ سے خصوص زکوٰۃ کے حکم کی وجہ سے عداوت تھی اس نے کسی بدکار عورت کو کچھ روپیہ دینا کر کے بہکایا کہ تو مجمع عام میں موسیٰ علیہ السلام پر بدکاری کی تہمت لگانا جب اس کا موقع ہوا اللہ تعالیٰ نے اس کو ہدایت کی اور اس نے سچا سچا واقعہ بیان کر دیا کہ مجھ کو قارون نے بہکایا تھا اس وقت موسیٰ علیہ السلام کو غصہ آیا اور بددعا فرمائی جس سے وہ مع اپنے گھر بار کے زمین میں غرق ہو گیا اور سب سے بڑھ کر گناہ ایمان نہ لانا ہے شاید یہ پہلے سے ہی ایمان نہ لایا ہو جیسا کہ سورہ مومن کی اس آیت سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے ولقد ارسلنا موسیٰ بآیٰتنا و سلطٰن مبین الی فرعون وھامان و قارون فقالوا سٰحر کذاب

وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ

اور کل (یعنی پچھلے قریب زمانہ میں) جو لوگ اس جیسے ہونے کی تمنا کر رہے تھے وہ (آج

يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ

اس کو زمین میں دھنستا دیکھ کر) کہنے لگے بس جی یوں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اپنے بندوں

يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ

میں سے جس کو چاہے زیادہ روزی دے دیتا ہے اور (جس کو چاہے) تنگی دینے لگتا ہے

رزق کا مدار خوش نصیب اور بدنصیب ہونے پر نہیں بلکہ یہ تو محض خدا کی حکمت ہے اللہ ہی کے قبضہ میں ہے یہ ہماری غلطی تھی کہ اس کو خوش نصیبی سمجھے تھے ہماری توبہ ہے۔

لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ۭ

اگر ہم پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی نہ ہوتی تو ہم کو بھی دھنسا دیتا

کیونکہ حرص اور محبت دنیا کا گناہ ہم سے بھی صادر ہوا تھا۔

وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨٢﴾ ع

بس جی معلوم ہوا کہ کافروں کو فلاح نہیں ہوتی

گو چند روز مزے لوٹ لیں مگر انجام پھر ناکامی ہے بس یقینی کامیابی اہل ایمان ہی کے لئے ہے۔

ربط: اوپر قارون کے قصہ میں تکبر اور معصیت اور ترا ہٹ کا برا ہونا اور ایمان و عمل صالح کا بہتر اور مقصود ہونا مذکور ہوا ہے اور اس سے پہلے بھی یہ مضمون ارشاد ہوا تھا آگے اسی کی تائید اور توضیح کے لئے بیان فرماتے ہیں کہ ثواب آخرت کا حاصل ہونا تکبر و فساد نہ کرنے اور تقویٰ اختیار کرنے پر موقوف ہے اور آخرت کے ثمرات اعمال صالحہ ہی کی بدولت ملیں گے۔

تلک الدار الاخرۃ تا یعملون۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا

یہ عالم آخرت ہم ان ہی لوگوں کے لئے خاص کرتے ہیں

يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ

جو دنیا میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا

یعنی نہ تکبر کرتے ہیں جو کہ نفسانی گناہ ہے اور نہ کوئی دوسرا ظاہری گناہ کرتے ہیں خصوص وہ گناہ جس کا اثر دوسروں تک پہنچے جیسا کہ فرعون و قارون تکبر و فساد کے مرتکب ہوئے آگے بتلاتے ہیں کہ صرف گناہوں کے چھوڑنے پر اکتفا کر لینا کافی نہیں بلکہ گناہوں کے چھوڑنے کے ساتھ احکام بھی بجالانے چاہئیں۔

وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٨٣﴾

اور نیک نتیجہ متقی لوگوں کو ملتا ہے

جو گناہوں کو چھوڑنے کے ساتھ احکام کی بجا آوری بھی کرتے ہیں آگے آخرت میں احکام کی بجا آوری یا مخالفت پر جو نتائج مرتب ہوں گے ان کی کیفیت بتلاتے ہیں۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ

جو شخص (قیامت کے دن) نیکی لے کر آوے گا اس کو اس سے بہتر (بدلہ) ملے گا

کیونکہ مقتضا تو صرف اس قدر ہے کہ عمل کی حیثیت کے موافق بدلہ ملے مگر وہاں زیادہ ملے گا جس کا کم از کم درجہ دس حصہ ہے۔

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ

اور جو شخص بدی لے کر آوے گا سو ایسے لوگوں کو جو کہ بدی کے

عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٨٤﴾

کام کرتے ہیں اتنا ہی بدلہ ملے گا جتنا وہ کرتے تھے

یعنی اس کے مقتضا سے زیادہ نہ ملے گا اور یہ تکبر اور فساد اگر حد کفر تک ہے تب تو بالکل ثواب سے مانع ہے اور یہ جو فرمایا کہ دنیا میں بڑا بننا نہیں چاہتے اس

میں اشارہ ہے کہ گناہ پر ارادہ کرنا بھی گناہ ہے گو اس کے ارتکاب کا موقعہ نہ ملے۔

ربط: اوپر رسالت اور توحید و قیامت کے مضامین دور سے چلے آ رہے ہیں بلکہ موسیٰ علیہ السلام کے قصہ سے بھی اگر رسالت محمدیہ کا ثابت کرنا مقصود مانا جاوے اور اس قصہ کو بھی مضمون رسالت کے متعلق کہا جائے تو گویا شروع سورت ہی سے یہ سلسلہ چلا آ رہا ہے آگے خاتمہ میں نہایت بلاغت اور اختصار کے ساتھ ان ہی مضامین کو بطور خلاصہ کے مکرر فرماتے ہیں اور مضمون رسالت کے ساتھ آپ کی تسلی اور مضمون توحید کے ساتھ تمام عالم کے وجود کا فانی ہونا اور مضمون قیامت کے ساتھ جزا اور سزا ہونا مذکور ہے پس خاتمہ گویا تمام سورت کے مضامین کا اجمالی طور پر میزان کل ہے۔

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ
جس خدا نے آپ پر قرآن (کے احکام اور اس کی تبلیغ) کو فرض کیا ہے

ان الذی فرض تا ترجعون جو مجموعی طور پر آپ کی نبوت کی دلیل ہے

لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ ؕ
وہ آپ کو (آپ کے) اصلی وطن (یعنی مکہ) میں پھر پہنچا دے گا

اور اس وقت آپ آزاد اور صاحب سلطنت ہوں گے اور ایسی حالت میں اگر دوسری جگہ قیام کے لئے تجویز کی جاتی ہے وہ مصلحت اور اختیار سے ہوتی ہے جس سے رنج نہیں ہوتا پس آپ کے مخالفین نے جو آپ کو پریشان کر کے ترک وطن پر مجبور کیا ہے جس کی اضطراری مفارقت کا آپ کو صدمہ ہے تو آپ تسلی رکھیں یہ آیۃ اس وقت نازل ہوئی جبکہ آپ ہجرت کر کے مدینہ کو چلے اور جحفہ پہنچ کر آپ کو مکہ کا جو آپ کا وطن تھا اشتیاق غالب ہوا وہاں بطور وعدہ کے یہ آیۃ نازل ہوئی جس میں پیشینگوئی ہے کہ آپ مکہ میں پھر چین کے ساتھ داخل ہونگے حاصل کلام کا یہ ہے کہ جس نے آپ کو نبی اور صاحب وحی بنایا ہے اور نبی سے جو وعدہ کیا جاتا ہے وہ یقیناً سچا ہوتا ہے کیونکہ وحی دلیل قطعی ہے وہ آپ سے یہ وعدہ کرتا ہے پس بالیقین ایسا ہو گا چنانچہ فتح مکہ کے دن نہایت خوبی و کامیابی کے ساتھ یہ وعدہ پورا ہوا اور اس پیشینگوئی کا واقع ہونا عقلاً آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔

قُلْ رَّبِّیْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰی
آپ (ان سے) فرما دیجئے کہ میرا رب خوب جانتا ہے کہ (اللہ کی طرف
وَمَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۸۵﴾
سے) کون سچا دین لے کر آیا ہے اور کون صریح گمراہی میں (مبتلا) ہے

کفار مکہ آپ سے کہا کرتے تھے انک لفی ضلال کہ تم گمراہی میں ہو اس کی بابت ارشاد فرماتے ہیں کہ باوجود آپ کی نبوت ثابت ہونے کے جو یہ لوگ آپ کو غلطی پر اور اپنے کو حق پر سمجھتے ہیں تو آپ ان سے فرما دیجئے کہ میرے حق پر ہونے اور تمہارے باطل پر ہونے کے لئے قطعی دلائل موجود ہیں مگر جب تم ان سے کام نہیں لیتے تو اخیر جواب یہی ہے کہ خیر خدا کو معلوم ہے وہ بتلا دے گا اور کفار آپ سے کہا کرتے تھے کہ اپنے آباواجداد کا دین اختیار کر لیجئے اس کی بابت ارشاد ہے۔

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ یُّلْقٰٓی اِلَیْكَ
اور آپ کو (اپنے نبی ہونے کے قبل) یہ توقع نہ تھی کہ آپ پر یہ کتاب نازل
الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ
کی جاوے گی مگر محض آپ کے رب کی مہربانی سے اس کا نزول ہوا

پس آپ کی یہ دولت نبوت محض خداداد ہے۔

فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِیْرًا لِّلْكٰفِرِیْنَ ﴿۸۶﴾
سو آپ ان کافروں کی ذرا تائید نہ کیجئے

اور ان کی خرافات کی طرف توجہ نہ کیجئے اور جس طرح اب تک ان سے الگ تھلگ رہے ہمیشہ اسی طرح رہئے۔

وَلَا یَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ
اور جب اللہ کے احکام آپ پر نازل ہو چکیں تو ایسا نہ ہونے پاوے (جیسا اب تک بھی
اُنْزِلَتْ اِلَیْكَ وَادْعُ اِلٰی رَبِّكَ وَلَا
نہیں ہونے پایا) کہ یہ لوگ آپ کو ان احکام سے روک دیں اور آپ (بدستور) اپنے
تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۸۷﴾
رب (کے دین) کی طرف لوگوں کو بلاتے رہئے اور ان مشرکین میں شامل نہ ہو جائیے

اور جیسا کہ اب تک مشرکوں سے کوئی تعلق نہیں رہا اسی طرح ہمیشہ ایسے بے تعلق رہئے۔

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ
اور (جس طرح آپ شرک سے معصوم ہیں اسی طرح آئندہ بھی) اللہ کے ساتھ کسی کو معبود نہ پکارنا

ان آیتوں میں کفار و مشرکین کو ان کی درخواستوں سے ناامید کرنا منظور ہے اور مقصود ان ہی کو سنانا ہے کہ تم جو حضور سے اپنے دین میں موافق ہونے کی درخواست کرتے ہو اس کی کامیابی کا کبھی احتمال نہیں مگر عادت ہے کہ جس پر زیادہ غصہ ہوا کرتا ہے اس سے بات نہیں کیا کرتے اپنے محبوب سے باتیں کر کے اس کو سنایا کرتے ہیں اسی لئے اس کلام کو اس عنوان سے شروع کیا کہ آپ کو خود بھی یہ توقع نہ تھی کہ آپ پر یہ کتاب نازل ہوگی مگر محض آپ کے رب کی مہربانی سے یہ نزول ہوا تا کہ اشارہ ہو جائے کہ جو شخص خداداد طور پر خدا تعالیٰ کی رحمت سے نبوت کے ساتھ نوازا گیا ہو وہ کب کافروں کا موافق ہوگا اور خدا تعالیٰ کے احکام کی تعمیل سے کیسے دور ہوگا جب وہ خود دوسروں کو حق کی طرف بلاتا ہے تو خود کیسے مشرک بن جاوے گا اور اس توجیہ کی تائید ابن عباسؓ کے اس قول سے ہوتی ہے جو معالم میں ہے کہ یہ خطاب صرف ظاہر میں آپ کو ہے اور مقصود آپ نہیں ہیں یہاں تک رسالت کے متعلق مضمون قصداً تھا گو توحید کا ذکر بھی ضمناً آ گیا آگے توحید کا مضمون قصداً ذکر ہوتا ہے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ قف كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ

اس کے سوا کوئی معبود (ہونے کے قابل) نہیں (اس لئے کہ) سب چیزیں

اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ

فنا ہونے والی ہیں بجز اس کی ذات کے۔

پس معدوم ہو جانا قدیم نہ ہونے کی دلیل ہے اور قدیم نہ ہونے سے یہ لازم آیا کہ انکا وجود ہمیشہ ضروری نہیں اور معبود ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ اس کا وجود ہمیشہ ضروری ہو اور شرط فوت ہونے سے مشروط بھی فوت ہو جاتا ہے پس اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہ ٹھہرا اور جن روایتوں میں جنت و دوزخ عرش و کرسی کا فنا نہ ہونا آیا ہے اگر وہ صحیح سند سے ثابت ہو جاویں تب بھی اس دلیل کے صحیح ہونے میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ فنا ذات و صفات دونوں کو شامل ہے اور صفات بجز ایک ذات منزہ کے سب کے بدلتے ہیں اس سے کوئی خالی نہیں اور جس کے صفات فنا ہو جائیں وہ حادث ہوتا ہے اور حادث کا وجود ہمیشہ ضروری نہیں ہوتا پس اب بھی استدلال عام رہا آگے قیامت کا مضمون ہے۔

لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۸﴾ ع

اسی کی حکومت ہے (جس کا ظہور کامل قیامت میں ہوگا) اور اسی کے پاس سب کو جانا ہے) پس اس کو ان کے کئے کی جزا دے گا

یہ قیامت کا مضمون بھی ختم ہو گیا اور شاید رسالت کا مضمون ذرا زیادہ اس لئے بیان ہوا کہ اس کے ماننے سے بقیہ دونوں مسئلے بآسانی مان لئے جاتے اس لئے اس کا زیادہ اہتمام ہوا ہو واللہ اعلم سورۃ العنکبوت مکیۃ و ھی تسع ایۃ کذافی البیضاوی الا من اولھا الیٰ قولہ لیعلمن المنافقین کذافی الاتقان

ربط: اس سورۃ میں زیادہ تر ان امور کے متعلق احکام ہیں جو دین پر قائم رہنے سے مانع ہیں ایک مانع کفار کا مسلمانوں کو عملی و قولی ایذا پہنچانا تھا دوسرا مانع بعض کفار کا مسلمانوں پر زبانی جبر کرنا تھا۔ تیسرا مانع کفار کا مسلمانوں کو بہکانا تھا اور ان میں سے اکثر کفار کا مقصود مسلمانوں کو دین سے ہٹا دینا تھا اور یہی مضمون خاص عنوان سے سورت سابقہ کی اخیر آیت ولا یصدنک الخ میں مذکور ہوا ہے اس سے اس سورت کے شروع کا دوسری کے خاتمہ سے تعلق بھی ظاہر ہو گیا اور چوتھا مانع ہجرت سے تھا یعنی فکر رزق جس کو یاعبادی الذین اٰمنوا الخ میں رفع کیا اور اس سارے مجموعہ کے درمیان میں مسائل توحید و نبوت کے مذکور ہیں جو کفار کی اس تمام مخالفت کا بڑا سبب تھا۔ پھر تسلی کے لئے جو بعض قصے پہلی امتوں کے مذکور ہوئے ہیں اور سب کے بعد والذین جاھدوا میں کفار کی ان ایذاؤں پر صبر کرنے والوں اور دین پر جمے رہنے والوں کو بڑی بشارت دے کر سورت ختم کی گئی اور چونکہ یہ مجاہدہ شروع کی آیت ومن جاھد میں بھی مذکور تھا اس سے سورت کی دونوں طرفیں بھی باہم متناسب ہو گئیں اور اگر اس پر نظر کی جائے کہ پہلی آیۃ مجاہدہ میں ہیبت کا اثر ہے اور اخیر کی آیت میں انس کا اثر ہے تو اس ترتیب سے تربیت کا جو لطف سمجھا جاتا ہے وہ وجد میں لانے والا ہے۔ واللہ اعلم بسم اللہ الرحمن الرحیم الٓمٓ کے معنے تو اللہ ہی کو معلوم ہیں۔

(۲۹) سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْتِ مَكِّيَّةٌ (۸۵)

سورۂ عنکبوت مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں انہتر ۶۹ آیتیں اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ

الٓمٓ (بعضے مسلمان جو کفار کی ایذاؤں سے گھبرا جاتے ہیں تو) کیا ان لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ اتنا کہنے پر چھوٹ جاویں گے کہ ہم ایمان لے

يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ﴿۲﴾

آئے اور ان کو (قسم قسم کے مصائب سے) آزمایا نہ جاوے گا

احسب الناس تا یعملون یعنی ایسا نہ ہوگا بلکہ اس قسم کے امتحانات بھی پیش آویں گے اور ان لوگوں سے مراد خاص خاص مومن ہیں جو اس وقت مصائب میں مبتلا تھے یا مطلق مسلمان مراد ہیں جس کے صحیح ہونے کے لئے بعض کا مبتلا ہونا کافی ہے۔ سب مسلمان مراد نہیں پس دونوں تقدیر پر شبہ نہ رہا کہ بعضے مسلمانوں کو تو کچھ بھی تکلیف نہیں پیش آئی۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

اور ہم تو (ایسے واقعات سے) ان لوگوں کو بھی آزما چکے ہیں جو ان سے پہلے (مسلمان) ہوگزرے ہیں

یعنی اور امتوں کے مسلمانوں پر بھی یہ معاملے گزرے ہیں اور اس بات کے معلوم کرنے سے تسلی ہوسکتی ہے کہ اہل باطل ہمیشہ اہل حق کے ساتھ مخالفت کرتے رہے ہیں۔

فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا

کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو (ظاہری علم سے) جان کر رہے گا جو (ایمان کے

وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ③

دعوئ میں) سچے تھے اور جھوٹوں کو بھی جان کر رہے گا

چنانچہ جو سچے اعتقاد سے مسلمان ہوتے ہیں وہ ان امتحانات میں ثابت قدم رہتے ہیں بلکہ اور زیادہ پختہ ہوجاتے ہیں اور جو دفع الوقتی کے لئے مسلمان ہوجاتے ہیں وہ ایسے وقت میں اسلام کو چھوڑ بیٹھتے ہیں تو یہ ایک حکمت ہے امتحان کی کیونکہ گھال میل میں بہت سی مضرتیں ہوتی ہیں خاص کر ابتدائی حالت میں اور ظاہری علم کا مطلب شروع پارہ سیقول میں گزر چکا ہے یہ مضمون تو مسلمانوں کے متعلق ہوا آگے ان تکلیف دینے والے کفار کی بابت فرماتے ہیں۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ

ہاں کیا جو لوگ برے برے کام کر رہے ہیں وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم سے

يَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ④

کہیں نکل بھاگیں گے ان کی یہ تجویز نہایت ہی بیہودہ ہے

یہ مضمون سنا کر مسلمانوں کی گونہ تسلی کر دی کہ انجام کار اہل باطل ہی ناکام ہوتے ہیں اور ان سے ان سب ایذاؤں کا بدلہ لیا جاوے گا آگے پھر مسلمانوں کی طرف روئے سخن ہے۔

مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ

جو شخص اللہ سے ملنے کی امید رکھتا ہو سو (اس کو تو ایسے ایسے حوادث سے پریشان نہ ہونا چاہئے کیونکہ) اللہ تعالیٰ (سے ملنے) کا وہ معین وقت ضرور آنے والا

اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ⑤

ہے) جس سے سارے غم غلط ہوجائیں گے اور وہ سب سنتا سب کچھ جانتا ہے

اس سے نہ کوئی بات مخفی ہے نہ کوئی فعل پس ملاقات کے وقت تمہاری سب طاعات کا صلہ دے کر سب غم دور کر دے گا۔

وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ

اور جو شخص محنت کرتا ہے وہ اپنے ہی (نفع کے) لئے محنت کرتا ہے

اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ⑥

(ورنہ) خدا تعالیٰ کو تمام جہان والوں میں کسی کی حاجت نہیں

پس یاد رکھو کہ ہم جو تم کو مشقتیں برداشت کرنے کی ترغیب دے رہے ہیں اس میں ظاہر ہے کہ ہماری کوئی منفعت نہیں اس میں بھی مشقتیں برداشت کرنے کی ترغیب ہے کیونکہ اپنے نفع پر متنبہ ہوجانے سے وہ کام زیادہ آسان ہوجاتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ

اور (وہ نفع جو طاعت سے پہنچتا ہے اس کا بیان یہ ہے کہ) جو لوگ ایمان

عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ

لاتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں ہم ان کے گناہ ان سے دور کر دیں گے

جن میں سے بعضے گناہ جیسے کفر و شرک تو ایمان سے زائل ہوجاتے ہیں اور بعضے گناہ توبہ سے اور بعضے گناہ صرف اعمال حسنہ سے اور بعضے گناہ محض فضل سے معاف ہوجاویں گے اور کوئی گناہ بعد قدرے سزا کے پس گناہ دور کرنا سب کو شامل ہے۔

وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا

اور ان کو ان کے (ان اعمال (ایمان و اعمال صالحہ) کا (استحقاق سے)

يَعْمَلُوْنَ ⑦

زیادہ اچھا بدلہ دیں گے

پس اتنی ترغیبوں کے بعد طاعات اور مجاہدہ پر قائم رہنے کا اہتمام بہت ضروری ہے۔ ربط: کفار طرح طرح سے مسلمانوں کو اسلام سے ہٹانے کی فکریں کرتے تھے بعض تکالیف پہنچاتے جس کا اوپر بیان تھا اور بعضے دوسرے طریقوں سے مجبور کرتے چنانچہ سعد بن ابی وقاصؓ کی والدہ نے ان سے کہا کہ اللہ کا حکم ہے والدین کی اطاعت کا سو میں قسم کھاتی ہوں کہ جب تک تو اسلام کو نہ چھوڑے گا کھانا پانی نہ چکھوں گی اگرچہ میری جان نکل جائے اس پر اگلی آیت نازل ہوئی جس میں ارشاد ہے کہ ایسی بات میں والدین کی اطاعت نہیں۔ ووصینا الانسان تا من الصلحین۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۗ

اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے

وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ

اور (اس کو ساتھ یہ بھی کہہ دیا ہے کہ) اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا زور ڈالیں کہ تو ایسی چیز کو میرا شریک ٹھہرائے جس (کے معبود ہونے) کی کوئی

لَكَ بِهِ عِلْمٌ

(صحیح) دلیل تیرے پاس نہیں

اور ہر چیز ایسی ہی ہے بلکہ تمام اشیاء کے معبود نہ ہونے پر دلیلیں قائم ہیں۔

فَلَا تُطِعْهُمَا ۚ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ

تو ان کا کہنا نہ ماننا تم سب کو میرے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے سو میں تم کو

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٨﴾ وَالَّذِينَ

تمہارے سب کام (نیک ہوں یا بد) جتلا دوں گا اور (تم میں) جو لوگ

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ

ایمان لائے ہوں گے اور نیک عمل کئے ہوں گے ہم ان کو نیک بندوں (کے

فِي الصَّالِحِينَ ﴿٩﴾

درجہ) میں (کہ بہشت ہے) داخل کر دیں گے

اور اسی طرح برے اعمال پر ان کے مناسب سزا دیں گے پس جس نے ہماری اطاعت پر والدین کی اطاعت کو مقدم رکھا ہوگا وہ سزا پاوے گا اور جس نے اس کا الٹا کیا ہوگا نیک جزا پائے گا حاصل یہ ہوا کہ واقعہ مذکورہ میں ماں کی نافرمانی سے گناہ کا وسوسہ نہ کیا جاوے بلکہ اس صورت میں اس کی اطاعت سے گناہ ہے۔ ربط: اوپر فرمایا تھا کہ ہم سچوں اور جھوٹوں کو جان کر رہیں گے پھر اس کی تفصیل میں سچوں کا ذکر فرمایا تھا آگے جھوٹوں کا ذکر ہے جو ذرا سی تکلیف سے گھبرا کر دین پر قائم نہیں رہتے اور اس کا نزول بعض خاص لوگوں کے بارے میں ہوا ہے جو ایمان لا کر مکہ سے ہجرت کر کے چلے تھے بعض روساء مکہ ان کو ہٹا کر لے گئے اور تکلیف پہنچائی تو وہ دین پر ثابت قدم نہ رہے ومن الناس تا المنفقین

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ

اور بعضے آدمی ایسے ہیں جو کہہ دیتے ہیں کہ اللہ پر ایمان لائے پھر جب ان کو

فَإِذَا أُوذِيَ فِي اللَّهِ جَعَلَ فِتْنَةَ

راہ خدا میں کچھ تکلیف پہنچائی جاتی ہے تو لوگوں کی ایذا رسانی کو ایسا (عظیم)

النَّاسِ كَعَذَابِ اللَّهِ ۖ

سمجھ جاتے ہیں جیسے خدا کا عذاب

جس سے آدمی بالکل ہی مجبور ہو جاتا ہے اور اس وقت جو کچھ زبان سے کہے گا وہ دل میں بھی ہوگا پس مطلب یہ ہوا کہ لوگوں کے تکلیف دینے سے جو یہ کلمہ کفر کہتے ہیں اس میں بلا ضرورت دل کو بھی موافق کر لیتے ہیں اور بلا ضرورت اس لئے ہے کہ جبر کرنے والے کو دل کی تو خبر نہیں ہوتی وہ کوئی خدا تو نہیں جو دل کے بھید سے واقف ہو پھر دل سے کفر کرنے کی کیا وجہ اس لئے زبردستی کے وقت زبان سے کلمہ کفر کہنے کی تو شرعاً اجازت ہے دل سے اجازت نہیں اور ملامت اسی پر ہے کہ دل سے کیوں کفر کیا تھا اور کچی طبیعت کے لوگ دل ہی سے پھر جاتے ہیں اس خیال سے کہ روز روز جھگڑے کون جھیلے لاؤ ان ہی میں شامل رہو۔

وَلَئِنْ جَاءَ نَصْرٌ مِنْ رَبِّكَ لَيَقُولُنَّ

اور اگر (کبھی) کوئی مدد (مسلمانوں کی) آپ کے رب کی طرف سے آ پہنچتی

إِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۗ

ہے تو (اس وقت) کہتے ہیں کہ ہم تو (دین وعقیدے میں) تمہارے ساتھ تھے

یعنی اگر کبھی مثلاً جہاد ہوا اس میں ایسے لوگ بھی ہاتھ آ جائیں تو وہ اس وقت کہتے ہیں کہ ہم تو مسلمان تھے گو زبردستی کے سبب سے بظاہر کفار کے ساتھ ہو گئے تھے خدا تعالیٰ اس پر رد فرماتے ہیں۔

أَوَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِمَا فِي صُدُورِ

کیا اللہ تعالیٰ کو دنیا جہان والوں کے دلوں کی باتیں معلوم نہیں ہیں (یعنی ان کے

الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰﴾ وَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ

دل ہی میں ایمان نہ تھا) اور (یہ واقعات اس لئے ہوتے رہتے ہیں کہ) اللہ تعالیٰ

اٰمَنُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ ﴿۱۱﴾

ایمان لانے والوں کو معلوم کر کے رہے گا اور منافقوں کو بھی معلوم کر کے رہے گا

مقصود اس رد کرنے سے یہ نہیں کہ ان کا اسلام اب بھی مقبول نہ ہو بلکہ وہ جو دعویٰ کرتے تھے کہ ہم ہمیشہ سے اسلام پر قائم ہیں اس کی تکذیب فرماتے ہیں کہ زمانہ گذشتہ میں تو یہ مومن نہ رہے تھے اور دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم مومن تھے اس اعتبار سے ان کو آیت میں منافق فرمایا ہے واللہ اعلم

ربط: اوپر کفار کی ایذاء اور بعض دوسرے طریقوں کا ذکر تھا جس سے مسلمانوں کو دین سے ہٹانے کی وہ کوشش کرتے تھے ایک طریق کا آگے بیان ہے وہ یہ کہ کفار قریش نو مسلموں کو کہتے کہ اس دین میں تمام چیزیں جن کے تم عادی تھے حرام ہیں تم اس سے ہٹ جاؤ اگر قیامت ہوئی تو تمہارا گناہ ہمارے ذمہ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ وقال الذین تا یفترون۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا

اور کفار مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم (دین میں) ہماری راہ

اتَّبِعُوْا سَبِیْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰیٰكُمْ ؕ

پر چلو اور (قیامت میں) تمہارے گناہ ہمارے ذمہ

یعنی کفر اور معاصی کا سب گناہ ہمارے ذمہ اور تم ہلکے پھلکے رہنا۔

وَمَا هُمْ بِحٰمِلِیْنَ مِنْ خَطٰیٰهُمْ مِّنْ

حالانکہ یہ لوگ ان کے گناہوں میں سے ذرا بھی نہیں

شَیْءٍ ؕ

لے سکتے

یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک گنہگار کے گناہ دوسرے کے ذمہ اس طرح ہو جائیں کہ وہ بالکل ہلکا ہو جائے بلکہ اس کو اپنے گناہ کا عذاب ہوگا اور بہکانے والے کو اس کے اور اپنے دونوں کے گناہوں کا عذاب ہوگا چنانچہ آگے اسی کا بیان ہے۔

اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَیَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ

یہ بالکل جھوٹ بک رہے ہیں اور (البتہ یہ ہوگا کہ) یہ لوگ اپنے گناہ اپنے اوپر لادے

وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ز

ہوں گے اور اپنے (ان) گناہوں کے ساتھ (ہی) کچھ گناہ اور (بھی لادے ہوں گے)

یہ دوسرے گناہ وہ ہیں جن کے یہ لوگ دوسروں کے بہکانے کی وجہ سے ان کے گناہ کا سبب بنتے تھے مگر ان کا کہنا ماننے والے جب بھی سبکدوش نہ ہوں گے غرض دوسرے تو ہلکے نہ ہوئے البتہ اس بہکانے سے یہ اور زیادہ بھاری ہو گئے اگر چہ بہکانے کا اثر بھی نہ ہوا ہو کیونکہ ان کی طرف سے تو ارادہ پایا گیا تو ان کو بہکانے کا بھی گناہ ہوگا۔

ربط: اوپر کفار کی ایذاؤں اور مخالفتوں کا بیان تھا جس سے مسلمانوں کو ضرر پہنچتا تھا آگے تسلی کے لئے بعض پہلی امتوں کے قصے مذکور ہیں۔

وَلَیُسْـَٔلُنَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا

اور یہ لوگ جیسی جیسی جھوٹی باتیں بناتے تھے قیامت میں ان سے باز پرس

یَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳﴾ ع وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا

(اور پھر سزا) ضرور ہوگی اور ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف

اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِیْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ

(پیغمبر بنا کر) بھیجا سو وہ ان میں پچاس سال کم ایک ہزار برس رہے اور قوم کو

اِلَّا خَمْسِیْنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ

سمجھاتے رہے) پھر (جب اس پر بھی وہ باز نہ آئے تو) ان کو طوفان نے

الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾

آ دبایا اور وہ بڑے ظالم لوگ تھے۔

ولقد ارسلنا نوحاً تا للعلمین

کہ اتنی مدت دراز کے سمجھانے سے بھی ان پر اثر نہ ہوا۔

فَاَنْجَیْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِیْنَةِ

پھر (اس طوفان آنے کے بعد) ہم نے ان کو اور کشتی والوں کو (اس طوفان سے)

وَجَعَلْنٰهَاۤ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۵﴾

بچالیا اور ہم نے اس واقعہ کو تمام جہان والوں کے لئے موجب عبرت بنایا

کیونکہ دوسروں کو تواتر کے ساتھ یہ خبر پہنچی تو غور کر کے سمجھ سکتے ہیں کہ حق کی مخالفت کا کیا انجام ہے روح المعانی میں حاکم کی تصحیح سے حضرت ابن عباس

سے نقل کیا ہے کو نوح علیہ السلام کو چالیس برس میں نبوت ملی اور ساڑھے نو سو برس وعظ فرمایا پھر طوفان کے بعد ساٹھ برس زندہ رہے اور سو اس حساب سے ان کی عمر ایک ہزار پچاس سال کی ہوئی واللہ اعلم **و ابراھیم تا المبین**

وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

اور ہم نے ابراہیمؑ کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے (جو

وَاتَّقُوْهُ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

کہ بت پرست تھے) فرمایا کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو یہ تمہارے

تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶﴾

لئے بہتر ہے اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو

تو خدا سے ڈر کر طریقہ شرک کو جو بالکل برا ہے چھوڑ دو

اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر محض بتوں کو پوج رہے ہو

جو ہر طرح عاجز اور ناکارہ ہیں۔

اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ۭ

اور (اس کے متعلق) جھوٹی باتیں تراشتے ہو

کہ ان سے ہماری روزی اور روزگار کے احکام چلتے ہیں اور یہ محض جھوٹ ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ

تم خدا کو چھوڑ کر جن کو پوج رہے ہو وہ تم کو کچھ بھی رزق دینے

اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا

کا اختیار نہیں رکھتے سو تم لوگ رزق خدا کے پاس سے

عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ

تلاش کرو اور اسی کی عبادت کرو

کیونکہ رزق کا مالک وہی ہے اسی سے مانگو اور اسی کی عبادت کرو۔

وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ

اور اسی کا شکر کرو

کیونکہ پچھلا رزق بھی اسی کا دیا ہوا ہے پس ایک سبب تو خدا کی عبادت واجب ہونے کا یہ ہے کہ وہ نفع کا مالک ہے آگے دوسرا سبب بتلاتے ہیں کہ وہ نقصان کا بھی مالک ہے۔

اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾

اور تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے

اس وقت تم کو کفر پر سزا دے گا۔

وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ

اور اگر تم لوگ مجھ کو جھوٹا سمجھو تو (میرا کچھ نقصان نہیں کیونکہ) تم سے پہلے بھی بہت سی امتیں (اپنے پیغمبروں کو) جھوٹا سمجھ چکی ہیں اور پیغمبروں کا کچھ بھی

قَبْلِكُمْ ۭ وَمَا عَلَي الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ

نقصان نہیں ہوا وجہ اس کی یہ ہے) کہ پیغمبروں کے ذمہ تو صرف (بات کا)

الْمُبِيْنُ ﴿۱۸﴾

صاف صاف طور پر پہنچا دینا ہے

منوانا پیغمبر کا کام نہیں پس سارے انبیاء تبلیغ کے بعد سبکدوش ہو گئے اسی طرح میں بھی پس ہم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا البتہ ماننا تمہارے ذمہ تھا اس کے چھوڑنے سے تمہارا نقصان ضرور ہوا یہاں تک تو ابراہیم علیہ السلام کا ارشاد ہوا اور کئی آیتوں کے بعد ان کی قوم کا جواب مذکور ہے اور درمیان میں **اولم یروا** سے **عذاب الیم** تک کفار عرب کی طرف قیامت اور جزا و سزا کے مضمون کے متعلق اس مناسبت سے روئے سخن ہے کہ وہ لوگ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخالفت کرنے میں قوم ابراہیم علیہ السلام کے مشابہ تھے اس لئے ان کو متنبہ کر دیا گیا کہ دیکھو ابراہیم علیہ السلام کی یہ تعلیم تھی جس میں قیامت کا بھی ذکر ہے جس پر الیہ ترجعون دلالت کرتا ہے پھر تم ان کی اولاد ہو کر قیامت کے کیوں منکر ہوا اور اگر اب بھی اس میں شک و شبہ ہو تو اگلا مضمون سنو اس تقریر سے اگلی آیتوں کا ربط ظاہر ہو گیا۔

اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ

کیا ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کس طرح مخلوق کو اول بار پیدا کرتا

الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي

ہے (کہ عدم محض سے وجود میں لاتا ہے) پھر وہی دوبارہ اس کو پیدا کر دے

اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۱۹﴾

گا یہ اللہ کے نزدیک بہت ہی آسان ہے

اولم یروا تا عذاب الیم بلکہ ظاہر نظر میں دوبارہ پیدا کرنا پہلی پیدائش سے بھی زیادہ سہل ہے گو حق تعالیٰ کی قدرت کے اعتبار سے دونوں برابر ہیں البتہ لوگ پہلی بار کا تو اقرار کرتے تھے اور دوسری بار پیدا کرنا اس کی مثل ہے اس دلیل سے اس کا بھی قدرت کے تحت میں ہونا معلوم ہو گیا۔ اور زیادہ اہتمام کے لئے پھر یہی مضمون کسی قدر عنوان بدل کر سنانے کا حکم فرماتے ہیں۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا

آپ (ان لوگوں سے) کہیئے کہ تم لوگ ملک میں

كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ

چلو پھرو اور دیکھو خدا تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو کس طور

النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى

پر اول بار پیدا کیا ہے پھر اللہ پچھلی بار بھی پیدا کرے گا

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۚ﴿۲۰﴾

بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے

اوپر کی آیۃ میں پہلی پیدائش کے عقلی علم سے دوبارہ پیدا کرنے پر استدلال کیا تھا اور اس آیت میں اس کے حسی علم سے دوبارہ پیدا کرنے پر دلیل بیان کی جس میں اول سے ترقی ہے کہ اس دعویٰ پر صرف عقلی ہی دلیل نہیں حسی دلیل بھی ہے اور چونکہ فکر کرنے کے لئے ایک چیز کا مشاہدہ کافی ہے اور نظر دوڑانے کے لئے اشیاء کثیرہ کا مشاہدہ ضرور ہے۔ اس لئے فانظروا کے ساتھ سیروا فی الارض بھی آیا کہ زمین میں چل پھر کر دیکھ لو یہ تو قیامت کا ثابت کرنا تھا آگے جزا و سزا کا بیان ہے۔

يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَرْحَمُ مَنْ

جس کو چاہے عذاب دے گا (یعنی جو اس کا مستحق ہوگا) اور جس پر چاہے رحمت

يَّشَاۗءُ ۚ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ﴿۲۱﴾

فرماوے گا (یعنی جو اس کا اہل ہوگا) اور تم سب اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے

کسی اور کے پاس نہ جاؤ گے تو اس عذاب و رحمت میں کسی دوسرے کا دخل نہ ہوگا آگے بتلاتے ہیں کہ اس کے عذاب سے بچنے کی کوئی تدبیر اس کی اطاعت کے سوا تم نہیں کر سکتے۔

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ

اور تم نہ زمین میں (چھپ کر خدا کو) ہرا سکتے ہو اور نہ

وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ۡ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ

آسمان میں (اڑ کر) اور خدا کے سوا نہ تمہارا

اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۲۲﴾ ع

کوئی کارساز ہے اور نہ کوئی مددگار

پس نہ اپنی تدبیر سے بچ سکو گے نہ دوسرے کی حمایت سے اور اوپر جو قاعدہ کلیہ بتلایا تھا کہ جس کو ہم چاہیں گے عذاب دیں گے آگے اس کا مصداق بتلاتے ہیں کہ وہ عذاب کے مستحق کون لوگ ہیں **ربط**: آگے پھر ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کی طرف رجوع ہے۔ فما کان تا لمن الصّٰلحین.

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَاۗىِٕهٖٓ

اور جو لوگ خدا تعالیٰ کی آیتوں کے اور (بالخصوص) اس کے سامنے جانے کے

اُولٰۗىِٕكَ يَىِٕسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰۗىِٕكَ

منکر ہیں وہ لوگ (قیامت میں) میری رحمت سے ناامید ہوں گے اور یہی ہیں

لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۳﴾ فَمَا كَانَ

جن کو عذاب دردناک ہوگا سو (ابراہیم کی اس تقریر دلپذیر کے بعد) ان کی قوم

جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ

کا (آخری) جواب بس یہ تھا کہ (آپس میں) کہنے لگے کہ ان کو یا تو قتل کر ڈالو

اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ۭ

یا ان کو جلا دو (چنانچہ جلانے کا سامان کیا) سو اللہ نے ان کو اس آگ سے بچا لیا

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾

بیشک اس واقعہ میں ان لوگوں کے لئے جو کہ ایمان رکھتے ہیں کئی نشانیاں ہیں

یعنی یہ واقعہ چند باتوں کی دلیل ہے اللہ کا قادر ہونا ابراہیم علیہ السلام کا نبی ہونا کفر و شرک کا باطل ہونا۔ پس ایک ہی دلیل سے چونکہ چند باتیں مفہوم ہو گئیں اس لئے وہ بجائے کئی دلیلوں کے ہے۔

وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اورابراہیم (علیہ السلام) نے (وعظ میں یہ بھی) فرمایا کہ تم نے جو خدا کو چھوڑ

اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ

کر بتوں کو (معبود) تجویز کر رکھا ہے بس یہ تمہارے باہمی دنیا کے تعلقات

الدُّنْيَا ۚ

کی وجہ سے ہے

چنانچہ مشاہدہ ہے کہ اکثر آدمی اپنے علاقہ اور دوستی اور رشتہ داروں کے طریق پر رہتا ہے یا تو اس وجہ سے حق میں غور ہی نہیں کرتا اور یا سمجھ کر بھی ڈرتا ہے کہ یہ سب چھوٹ جاویں گے۔

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ

پھر قیامت میں (تمہارا یہ حال ہو گا کہ) تم میں ایک دوسرے

بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۫

کا مخالف ہو جاوے گا اور ایک دوسرے پر لعنت کرے گا

چنانچہ سورہ اعراف میں ہے لعنت اختھا کہ ہر جماعت دوسری کو لعنت کرے گی اور سورہ سباء میں ہے یرجع بعضھم الی بعض القول کہ ایک دوسرے کے ذمہ بات رکھیں گے اور سورہ بقرہ میں ہے اذتبرا الذین اتبعوا کہ سردار کمزور لوگوں سے بے تعلقی ظاہر کریں گے۔

وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۟ۙ (۲۵)

اور (اگر تم اس بت پرستی سے باز نہ آئے تو) تمہارا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور تمہارا کوئی حمایتی نہ ہوگا سو (اتنے وعظ دلپذیر کو بھی ان کی قوم نے نہ مانا اور)

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ

صرف لوط (علیہ السلام) نے ان کی تصدیق فرمائی اور ابراہیم نے فرمایا کہ میں اپنے پروردگار کی (بتلائی ہوئی جگہ کی) طرف ترک

اِلٰى رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (۲۶)

وطن کر کے چلا جاؤں گا بیشک وہ زبردست حکمت والا ہے

وہ میری حفاظت کرے گا اور مجھ کو ہجرت کا ثمرہ دے گا۔

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا

اور ہم نے (ہجرت کے بعد) ان کو اسحاقؑ (بیٹا) اور یعقوب (پوتا) عنایت

فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ

فرمایا اور ہم نے ان کی نسل میں نبوت اور کتاب (کے سلسلہ) کو قائم رکھا اور

اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ

ہم نے ان کا صلہ ان کو دنیا میں بھی دیا اور آخرت میں بھی (بڑے درجہ کے)

لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ (۲۷)

نیک بندوں میں ہوں گے

اس صلہ سے مراد قبولیت اور قرب ہے کہ وہ دنیا وآخرت دونوں جگہ میں مقبول ومقرب ہیں جیسا کہ سورہ بقرہ میں فرمایا ہے۔

ولقد اصطفیناه الخ ولوطاً تا یعقلون

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ

اور ہم نے لوط (علیہ السلام) کو پیغمبر بنا کر بھیجا جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا

الْفَاحِشَةَ ۡ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ

کہ تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو کہ تم سے پہلے کسی نے دنیا

اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ (۲۸) اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ

جہان والوں میں نہیں کیا کیا تم مردوں سے فعل کرتے ہو (وہ بے حیائی

الرِّجَالَ

کا کام یہی ہے)

اور اسکے علاوہ دوسری نامعلوم حرکتیں بھی کرتے تھے جس کا آگے بیان ہے۔

وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ وَتَاْتُوْنَ فِيْ

اور تم ڈاکے ڈالتے ہو اور (غضب یہ ہے کہ) اپنی بھری

نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ۭ

مجلس میں نامعقول حرکت کرتے ہو

اور گناہ کھلم کھلا کرنا یہ خود ایک گناہ اور عقلاً بہت ہی قبیح ہے۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ

سو ان کی قوم کا (آخری) جواب بس یہ تھا کہ تم ہم پر اللہ کا عذاب لے آؤ اگر

قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ

تم (اس بات میں) سچے ہو (کہ یہ افعال موجب عذاب ہیں) لوط

مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِىْ

(علیہ السلام) نے دعا کی کہ اے میرے رب مجھ کو ان مفسد

عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۳۰﴾

لوگوں پر غالب (اور ان کو عذاب سے ہلاک) کردے

چنانچہ ان کی دعا قبول ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے عذاب کی خبر دینے کے لئے فرشتے مقرر فرمائے اور دوسرا کام ان فرشتوں کو یہ بتلایا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق علیہ السلام کے پیدا ہونے کی بشارت دیں چنانچہ وہ پہلے ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ

اور ہمارے (وہ) بھیجے ہوئے فرشتے جب ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس بشارت لے کر پہنچے تو (اثناء گفتگو میں)

اور اس گفتگو کا مفصل بیان دوسری جگہ ہے قال فما خطبکم ایھا المرسلون الخ۔

قَالُوْۤا اِنَّا مُهْلِكُوْۤا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ

ان فرشتوں نے (ابراہیمؑ سے) کہا کہ ہم اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں

جس میں لوط علیہ السلام رہتے ہیں۔

اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ ۚۖ قَالَ اِنَّ

(کیونکہ) وہاں کے باشندے بڑے شریر ہیں ابراہیمؑ نے فرمایا کہ وہاں تو

فِيْهَا لُوْطًا ؕ

لوط (علیہ السلام بھی موجود) ہیں

وہاں عذاب نہ بھیجا جائے کہ ان کو گزند پہنچے گا۔

قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ۫ وقفة

فرشتوں نے کہا کہ جو جو وہاں (رہتے) ہیں ہم کو سب معلوم ہیں ہم ان کو اور

لَنُنَجِّيَنَّهٗ

ان کے خاص متعلقین کو بچالیں گے

یعنی ان کے خاندان والوں کو اور جو مومن ہوں ان کو اس عذاب سے بچالیں گے اس طرح سے کہ عذاب آنے سے پہلے ان کو بستی سے نکل جانے کی ہدایت کردیں گے۔

وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖق كَانَتْ مِنَ

بجز ان کی بی بی کے کہ وہ عذاب میں رہ جانے والوں

الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

میں سے ہوگی

اور اس کا ذکر سورہ ہود اور سورہ حجر میں گزر چکا۔

وَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ

(یہ گفتگو ابراہیمؑ سے ہوئی) اور (پھر وہاں سے فارغ ہو کر) جب ہمارے فرستادے لوطؑ کے پاس پہنچے تو لوط (علیہ السلام) ان (کے آنے) کی وجہ سے مغموم ہوئے

اس لئے کہ وہ بہت حسین جوانوں کی شکل میں آئے تھے اور لوط علیہ السلام نے ان کو آدمی سمجھا اور اپنی قوم کی نامعقول حرکت کا خیال آیا۔

وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ

اور ان کے سبب تنگدل ہوئے اور (فرشتوں نے جو یہ حال دیکھا تو) وہ

وَلَا تَحْزَنْ قف

فرشتے کہنے لگے (کسی بات کا) آپ اندیشہ نہ کریں اور نہ مغموم ہوں

ہم آدمی نہیں عذاب کے فرشتے ہیں۔

اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ

ہم آپ کو اور آپ کے خاص متعلقین کو بچالیں گے بجز آپ کی بی بی کے کہ وہ

مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰۤى

عذاب میں رہ جانے والوں میں ہوگی (اور آپ کو مع متعلقین اس سے بچا

اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ

کر) ہم اس بستی کے (بقیہ) باشندوں پر ایک آسمانی عذاب ان کی بدکاریوں

بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿٣٤﴾

کی سزا میں نازل کرنے والے ہیں

چنانچہ وہ بستی الٹی گئی اور غیبی پتھروں سے سنگ باری کی گئی۔

وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةً ۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ

اور ہم نے اس بستی کے کچھ ظاہر نشان (اب تک) رہنے دیئے ہیں ان لوگوں

يَّعْقِلُوْنَ ﴿٣٥﴾

(کی عبرت) کے لئے جو عقل رکھتے ہیں

چنانچہ اہل مکہ سفر شام میں ان ویران مکانات کو دیکھتے تھے اور جو اہل عقل تھے وہ منتفع بھی ہوتے تھے کہ ڈر کر ایمان لے آتے تھے۔ والی مدین تا جثمین

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ

اور مدین والوں کے پاس ہم نے ان (کی برادری) کے بھائی شعیب (علیہ السلام)

فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا

کو پیغمبر بنا کر بھیجا سو انہوں نے فرمایا کہ اے میری قوم

الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ

اللہ کی عبادت کرو (اور شرک چھوڑ دو) اور قیامت سے

مُفْسِدِيْنَ ﴿٣٦﴾

ڈرو اور سرزمین میں فساد مت پھیلاؤ

یعنی قیامت کا انکار چھوڑ دو اور حقوق اللہ وحقوق العباد کو ضائع مت کرو جیسا کہ کفر وشرک کے ساتھ کم ناپنے تولنے کے بھی وہ عادی تھے اور اس کا فساد ہونا ظاہر ہے۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ

سو ان لوگوں نے شعیبؑ کو جھٹلایا پس زلزلہ نے ان کو آ پکڑا

فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٣٧﴾ ز

پھر وہ اپنے گھروں میں اوندھے گر کر رہ گئے

سورۂ اعراف وسورۂ ہود میں یہ قصہ مع ضروری فوائد گزر چکا ہے

وعاداً و ثمود تا یظلمون۔

وَعَادًا وَّثَمُوْدَا۠ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ

اور ہم نے عاد اور ثمود کو بھی (ان کے عناد وخلاف کی وجہ سے) ہلاک کیا اور یہ

مَّسٰكِنِهِمْ ۗ

ہلاک ہونا تم کو ان کے رہنے کے مقامات سے نظر آ رہا ہے

کہ آثار ویرانی وبربادی کے ان سے نمایاں ہیں اور یہ مقامات شام کو جاتے ہوئے ملتے تھے۔

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ

(اور حالت ان کی یہ تھی کہ) شیطان نے ان کے اعمال (بد) کو ان کی نظر میں مستحسن کر رکھا

عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ﴿٣٨﴾ ۙ

تھا اور (اس ذریعہ سے) ان کو راہ (حق) سے روک رکھا تھا اور وہ لوگ (ویسے) ہشیار تھے

یعنی مجنون وبے وقوف نہ تھے مگر اس جگہ انہوں نے اپنی عقل سے کام نہ لیا۔

وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ ۣ وَلَقَدْ

اور ہم نے قارون اور فرعون اور ہامان کو بھی (ان کے کفر کے سبب) ہلاک کیا

جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا

اور ان (تینوں) کے پاس موسیٰ (علیہ السلام) کھلی دلیلیں (حق کی) لے کر

فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ﴿٣٩﴾ صلے ج

آئے تھے پھر ان لوگوں نے زمین میں سرکشی کی اور (ہمارے عذاب سے)

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا

بھاگ نہ سکے تو ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ کی سزا میں پکڑ لیا سو ان

عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ

میں سے بعضوں پر تو ہم نے تند ہوا بھیجی اور ان میں بعضوں کو ہولناک

الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ

آواز نے آ دبایا اور ان میں بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا

مراد اس سے قارون ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ

اور ان میں بعضوں کو ہم نے (پانی میں) ڈبو دیا

مراد اس سے فرعون وہامان ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ

اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا

یعنی بلاوجہ سزا دینا جو ظاہرا مشابہ ظلم کے ہے گو واقع میں بوجہ اپنے ملک میں تصرف کرنے کے یہ بھی ظلم نہ ہوتا۔

وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۰﴾

لیکن یہی لوگ (شرارتیں کر کے) اپنے اوپر ظلم کیا کرتے تھے

کہ اپنے کو مستحق تعذیب بنایا اور غارت ہوئے تو اپنا ضرر خود کیا۔

ربط: شروع سورت سے کفار کے مسلمانوں کو تکلیف دینے کا مضمون یہاں تک چلا آیا ہے آگے توحید ونبوت کی تحقیق ہے جو اس تکلیف دینے کی بنا تھی اور اس سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ یہ ایذاء رسانی ناحق تھی مثل الذین تا للمومنین۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

جن لوگوں نے خدا کے سوا اور کارساز تجویز کر رکھے ہیں

اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ ۖ اِتَّخَذَتْ

ان لوگوں کی مثال مکڑی کی سی مثال ہے جس نے ایک گھر بنایا

بَيْتًا ۭ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ

اور کچھ شک نہیں کہ سب گھروں میں زیادہ بودا

الْعَنْكَبُوْتِ ۘ

مکڑی کا گھر ہوتا ہے

پس جیسا کہ اس مکڑی نے اپنے خیال میں ایک پناہ اپنے واسطے بنائی ہے مگر واقع میں وہ پناہ غائت درجہ کمزور ہونے کی وجہ سے بالکل کالعدم ہے اسی طرح یہ مشرک اپنے باطل معبودوں کو اپنے گمان میں اپنی پناہ سمجھتے ہیں مگر واقع میں وہ پناہ کچھ بھی نہیں۔

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾

اگر وہ (حقیقت حال کو) جانتے تو ایسا نہ کرتے اللہ تعالیٰ (تو) ان سب چیزوں (کی حقیقت اور ضعف) کو جانتا ہے

اگر وہ نہ جانیں تو کیا ہوا۔

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ

جس جس کو وہ لوگ خدا کے سوا پوج رہے ہیں (پس وہ چیزیں تو نہایت

مِنْ شَيْءٍ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۴۲﴾

ضعیف ہیں) اور وہ (اللہ تعالیٰ) زبردست حکمت والا ہے

جس کا حاصل یہ ہے کہ اس کی علمی اور عملی دونوں قوتیں کامل ہیں۔

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ

اور ہم ان (قرآنی) مثالوں کو لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے بیان کرتے ہیں

کیونکہ ہم ان چیزوں کی حقیقت کو جانتے ہیں جن میں سے ایک مثال اس مکان پر مذکور ہوئی۔

وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾

اور ان مثالوں کو بس علم والے لوگ ہی سمجھتے ہیں

یعنی ان مثالوں سے چاہئے تھا کہ ان لوگوں کا جہل علم سے بدل جاتا مگر ان کو وہی سمجھتے ہیں جو علم والے ہیں خواہ اسی وقت علم والے ہوں یا آئندہ ہو جائیں۔ حاصل یہ کہ علم اور حق کے طالب ہوں اور یہ لوگ طالب بھی نہیں اس لئے جہل میں مبتلا رہتے ہیں لیکن ان کے جہل ہونے سے حق حق ہی رہے گا غلط نہ ہو جائے گا پس خدا کے سوا کسی کا مستحق عبادت نہ ہونا تو ثابت ہوا آگے حق تعالیٰ کے مستحق عبادت ہونے کی دلیل ہے۔

خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو مناسب طور پر بنایا ہے ایمان

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۴﴾ ع

والوں کے لئے اس میں (اس کے) استحقاق عبادت کی) بڑی دلیل ہے

الحمد للہ بیسویں پارہ کی تفسیر ختم ہوئی

ربط: اوپر توحید کا ذکر تھا جس کے ربط کی وجہ اوپر بیان ہو چکی آگے نبوت کا ذکر ہے کہ پہلے آپ کو زبانی تبلیغ کا حکم ہے پھر عملی تبلیغ کا حکم ہے اس کے بعد اعمال کی فضیلت کا بیان ہے۔ اتل ما اوحی تا تصنعون

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ

جو کتاب آپ پر وحی کی گئی ہے آپ اس کو پڑھا کیجئے

یعنی لوگوں کو پڑھ کر سنایا کیجئے اور زبانی تبلیغ کے ساتھ دین کے کاموں کو کر کے بھی دکھلائیے۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ

اور نماز کی پابندی رکھیئے

تا کہ اور لوگ عمل میں اتباع کریں اسی اتباع کی رغبت دلانے کے لئے نماز کی فضیلت سنائی جاتی ہے۔

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ

بیشک نماز (اپنی وضع کے اعتبار سے) بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روک ٹوک کرتی رہتی ہے

یعنی نماز کی صورت یہ کہتی ہے کہ جس معبود کی تو اتنی تعظیم کرتا ہے بے حیائی کے کاموں کے ارتکاب سے اس کی بے تعظیمی بہت ہی نازیبا ہے۔

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ

اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے

یعنی نماز کے علاوہ بھی جتنے نیک کام ہیں سب پابندی کے قابل ہیں کیونکہ سب میں زبان سے یا فعل سے خدا کی یاد ہوتی ہے اور خدا کی یاد بڑی فضیلت کی چیز ہے اس لئے بڑی پابندی کے قابل ہے

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿۴۵﴾

اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو جانتا ہے

جیسا کام کرو گے ویسا بدلہ ملے گا نیک کا نیک اور برے کا برا اس میں ترغیب کے بعد دھمکی کا مضمون بھی عام عنوان سے سنا دیا۔ ربط ولاتجادلوا سے قل کفی باللہ تک رسالت کے انکار کرنے والوں سے کلام ہے۔ پہلے اہل کتاب سے پھر دوسروں سے پھر یستعجلونک سے بعض منکروں کے شبہ کا جواب ہے ولا تجادلوا تا الا الکفرون

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ

اور تم اہل کتاب کے ساتھ بجز مہذب طریقہ کے مباحثہ مت کرو

یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ثابت ہے تو اے مسلمانو رسالت کا انکار کرنے والے جو اہل کتاب ہیں ہم ان سے گفتگو کا طریقہ تم کو بتلاتے ہیں اور اہل کتاب کی خصوصیت اس وجہ سے ہے کہ اول تو وہ بوجہ اہل علم ہونے کے بات کو سنتے ہیں اور مشرکین تو بات سننے سے پہلے ہی تکلیف پہنچانے کے درپے ہو جاتے تھے۔ دوسرے اہل علم کے ایمان لے آنے سے عام لوگوں کے ایمان لانے کی زیادہ توقع ہو سکتی ہے اور وہ طریقہ یہی ہے کہ ان سے تہذیب کے ساتھ گفتگو کرو

هِیَ اَحْسَنُ ۖ ق

ہاں جو ان میں زیادتی کریں

تو ان کو جواب ترکی بہ ترکی دینے کا مضائقہ نہیں اگرچہ جب بھی مناسب تو یہی ہے تہذیب کا لحاظ رکھو اور مباحثہ میں تہذیب کا حکم مشرکین کے ساتھ بھی سورۂ نحل کے آخر میں آیا ہے اور یہاں پر اہل کتاب کی خصوصیت کی وجہ اوپر مذکور ہو چکی ہے آگے اس مہذب طریقہ کا بیان ہے۔

اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِیْٓ

اور یوں کہو کہ ہم اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو ہم

اُنْزِلَ اِلَیْنَا

پر نازل ہوئی

کیونکہ ایمان کا دارومدار اس پر ہے کہ وہ کتاب اللہ کی طرف نازل ہوئی ہو پس جب ہماری کتاب کا اللہ کی طرف سے نازل ہونا تمہاری کتابوں سے بھی ثابت ہے پھر تم کو قرآن پر بھی ایمان لانا چاہیے

وَاُنْزِلَ اِلَیْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ

اور ان کتابوں پر بھی جو تم پر نازل ہوئیں (اور یہ تم بھی تسلیم کرتے ہو کہ) ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہے

جیسا کہ الی کلمۃ سواء بیننا الخ میں اس کا بیان ہوا ہے تو جب توحید پر سب کا اتفاق ہے اور علماء اور راہبوں کی اطاعت سے نبی پر ایمان لانا توحید کے خلاف ہے تو تم کو ہمارے نبی پر ایمان لانا چاہیے اور اس گفتگو کے ساتھ اپنا مسلمان ہونا بھی بتلا دو

وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾

اور ہم تو اس کی اطاعت کرتے ہیں

اس میں عقائد واعمال سب آ گئے یعنی اسی طرح تم کو کرنا چاہیے جیسا کہ پہلے ارشاد فرمایا فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ؕ

اور اسی طرح ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل فرمائی

جیسا کہ پہلے انبیاء پر نازل کیں اور اسی وجہ سے مہذب گفتگو کی تعلیم کی گئی۔

فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ

سو جن لوگوں کو ہم نے کتاب (کی نافع سمجھ) دی ہے وہ اس (آپ والی) کتاب پر ایمان لے آتے ہیں

اور ان سے مباحثہ کی نوبت بہت کم آتی ہے۔

وَمِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَمَا يَجْحَدُ

اور ان (اہل عرب مشرک) لوگوں میں بھی بعض ایسے (منصف) ہیں کہ اس کتاب پر ایمان

بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا

لے آتے ہیں اور ہماری آیتوں سے بجز (ضدی) کافروں کے اور کوئی منکر نہیں ہوتا اور آپ اس

مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ

کتاب سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھے ہوئے تھے اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے

خواہ خود سمجھ کر یا اہل علم کے ایمان کو دیکھ کر وما کنت تتلوا تا ھم الخسرون اوپر مباحثہ کی تقریر نقلی دلیل سے کی تھی جس میں خاص اہل علم کو خطاب تھا اب عقلی دلیل بیان کرتے ہیں جس میں سب کو عام طور پر خطاب ہے یعنی جو لوگ آپ کی نبوت کے منکر ہیں ان کے پاس کوئی منشا بھی تو شبہ کرنے کا نہیں۔

اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾

کہ ایسی حالت میں یہ ناحق شناس لوگ کچھ شبہ نکالتے

یعنی اگر آپ لکھے پڑھے ہوتے اس وقت تو شبہ کرنے کا کچھ منشاء بھی ہوتا کہ یہ لکھے پڑھے آدمی ہیں آسمانی کتابیں دیکھ کر ان کی مدد سے مضامین سوچ کر فرصت میں بیٹھ کر لکھ لئے اور ہم کو یاد کر کے سنا دیئے ہوں گے اگر چہ جب بھی یہ شبہ کرنے والے غلطی پر ہوتے کیونکہ قرآن کا اعجاز پھر بھی نبوت کے لئے کافی دلیل تھا لیکن اب تو اتنا منشا بھی شبہ کرنے کے واسطے نہیں اس لئے اس کتاب میں شک وشبہ کی ذرا بھی گنجائش نہیں۔

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ

بلکہ یہ کتاب خود بہت سی واضح دلیلیں ہیں

یعنی اگر چہ یہ ایک کتاب ہے لیکن چونکہ اس کا ہر حصہ معجزہ ہے اور حصے بہت ہیں اس لئے وہ تنہا گویا بہت سی دلیلیں ہیں۔

فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۭ

ان لوگوں کے ذہن میں جن کو علم عطا ہوا ہے

اہل علم سے مراد مومنین ہیں اور یہ صفت قرآن کی مدح کے لئے بڑھائی کہ وہ مسلمانوں کے ذہن میں قوت حافظہ سے محفوظ ہے اس کی حفاظت لکھنے پر موقوف نہیں اور یہ بات فی نفسہ بہت عجیب ہے دوسرے اس سے پہلی کتابوں کی پیشین گوئی سچی ہوگئی اناجیلھم فی صدورھم پہلی کتابوں میں امت محمدیہ کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ ان کی کتاب ان کے سینوں میں ہوگی یعنی وہ اپنی کتاب کے حافظ ہوا کریں گے چنانچہ اس کا ظہور اچھی طرح ہوگیا کہ ہر زمانہ میں ہزاروں مسلمان قرآن کے حافظ موجود رہتے ہیں ملخص تیسرے اس کتاب کا قوت حافظہ میں محفوظ رہنا خود اس کے لئے تبدل وتغیر اور تحریف سے بھی حفاظت کا سبب ہے اور اس صفت کا قابل مدح ہونا ظاہر ہے۔

وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾

اور ہماری آیتوں سے بس ضدی لوگ انکار کئے جاتے ہیں

ورنہ منصف کو تو ذرا شبہ نہیں رہنا چاہیے۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ

اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان پر ان کے رب کے پاس سے نشانیاں کیوں نہیں نازل ہوئیں

یعنی باوجود معجزۂ قرآن عطا ہونے کے محض سرکشی اور عناد سے یوں کہتے ہیں کہ ہماری فرمائش کے موافق معجزے کیوں نہیں نازل ہوتے۔

قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ

آپ یوں کہہ دیجئے کہ وہ نشانیاں تو خدا کے قبضہ میں ہیں اور میں تو صرف

مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾

ایک صاف صاف ڈرانے والا ہوں

یعنی فرمائشی معجزات میرے اختیار میں نہیں میں تو صرف رسول ہوں اور اپنے رسول ہونے پر قطعی اور صحیح دلیلیں رکھتا ہوں جن میں سب سے بڑی دلیل قرآن ہے پھر خاص دلیل کی کیا ضرورت ہے خصوصاً جب کہ فرمائشی معجزات کے واقع نہ ہونے میں حکمت بھی ہے۔ آگے قرآن کا بڑی دلیل ہونا بتلاتے ہیں۔

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى

کیا ان لوگوں کو یہ بات کافی نہیں ہوئی کہ ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل

عَلَيْهِمْ ؕ

فرمائی ہے جو ان کو سنائی جاتی رہتی ہے

کہ اگر ایک بار سننے سے اس کا معجزہ ہونا ظاہر نہ ہوا تو دوسری بار میں ہو جائے یا اس کے بعد ہو جائے اور دوسرے معجزات میں تو یہ بات بھی نہ ہوتی کیونکہ وہ ہمیشہ باقی نہ رہتے جیسا کہ ظاہر ہے اور یہ معجزہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ

بلاشبہ اس کتاب میں ایمان لانے والے لوگوں کے لئے

يُّؤْمِنُوْنَ ۝۵۱ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ

بڑی رحمت اور نصیحت ہے آپ یہ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ میرے

شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

اور تمہارے درمیان گواہ بس ہے اس کو سب چیز کی خبر ہے جو آسمانوں میں ہے

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ

اور زمین میں ہے اور جو لوگ جھوٹی باتوں پر یقین رکھتے ہیں اور اللہ کے

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۵۲ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ

منکر ہیں تو وہ لوگ بڑے زیاں کار ہیں اور یہ لوگ آپ سے

بِالْعَذَابِ ؕ

عذاب کا تقاضا کرتے ہیں

اور عذاب نہ آنے سے آپ کی نبوت پر شبہ کرتے ہیں

وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ؕ

اور اگر (علم الٰہی میں عذاب آنے کی) میعاد معین نہ ہوتی تو ان پر عذاب

وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۵۳

آچکا ہوتا اور وہ عذاب ان پر دفعۃً آپہنچے گا اور ان کو خبر بھی نہ ہوگی

یعنی اپنے وقت پر وہ عذاب اچانک آجائے گا آگے ان لوگوں کی جہالت اور بے وقوفی ظاہر کرنے کے لئے ان کے تقاضے کو دوبارہ بیان کر کے اس میعاد خاص کا اور عذاب کا پتہ بتلاتے ہیں

يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ

یہ لوگ آپ سے عذاب کا تقاضا کرتے ہیں اس میں کچھ شک نہیں کہ جہنم

لَمُحِيْطَةٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝۵۴ يَوْمَ يَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ

ان کافروں کو گھیر لے گا جس دن کہ ان پر عذاب

مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ

ان کے اوپر سے اور ان کے نیچے سے گھیر لے گا اور حق تعالیٰ فرمادے گا

ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۵۵

کہ جو کچھ کرتے رہے ہو (اب اس کا مزہ) چکھو

پس وہ عذاب جہنم کا عذاب اور وہ میعاد قیامت کا دن ہے اور قیامت کے عذاب کا اچانک آنا اس طرح ہو سکتا ہے کہ قبر میں گو عذاب کا مشاہدہ ہوگا لیکن قیامت کا عذاب اس سے بھی سخت ہوگا اس کا مشاہدہ نہیں ہوا تھا اس لئے اس کا آنا اچانک ہی ہوگا۔ ربط اوپر شروع سورۃ میں مسلمانوں کے ساتھ کفار کی عداوت کا ذکر تھا اور اوپر کی آیتوں میں بھی توحید و رسالت کے انکار کے علاوہ ان کی عداوت کا حال معلوم ہو چکا ہے اور چونکہ یہ عداوت احکام الٰہی کے ادا کرنے سے مانع ہوتی ہے اس لئے ایسی صورت میں اکثر وطن چھوڑنے یعنی ہجرت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے آگے ہجرت کا حکم فرماتے ہیں اور چونکہ ہجرت میں کبھی عزیزوں اور وطن کے چھوٹنے کا خیال اور فقر و فاقہ کا اندیشہ مانع ہوتا ہے اس لئے ان موانع کو بھی باطل فرماتے ہیں اور ساتھ ساتھ صبر و توکل وغیرہ کی ترغیب فرماتے ہیں۔ یٰعبادی الذین تا العلیم

يٰعِبَادِيَ

اے میرے ایماندار بندو

جب یہ لوگ دشمنی اور عداوت سے تم کو ایمان لانے اور احکام خداوندی بجالانے پر تکلیفیں پہنچاتے ہیں تو یہاں رہنا کیا ضرور اگر یہاں عبادت نہیں کر سکتے تو اور کہیں چلے جاؤ۔

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ
میری زمین فراخ ہے سو خالص
فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾
میری ہی عبادت کرو

اور یہاں چونکہ اہل شرک کا زور ہے تو ایسی عبادت جو خالص خدا کے لئے ہو اور شرک سے پاک ہو یہاں رہ کر مشکل ہے اس لئے ہجرت کرنا ضروری ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ قف
ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہے

یعنی اگر تم کو ہجرت میں احباب اور وطن کا چھوڑنا دشوار ہو تو یہ سمجھ لو کہ ایک نہ ایک روز تو ایسا ہونا ہی ہے مرتے وقت آخر سبھی چھوٹیں گے۔

ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾
پھر تم سب کو ہمارے پاس آنا ہے

اور نافرمان ہو کر آنے میں سزا کا خوف ہے اور یہ مفارقت اگر ہماری رضامندی کے واسطے ہو تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہمارے پاس پہنچنے کے بعد تم بڑے ثواب کے مستحق ہو گے آگے اس وعدہ کا ذکر ہے

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کئے

اور اچھے عمل کرنا بعض دفعہ ہجرت پر موقوف ہوتا ہے تو مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ایسے وقت میں ہجرت بھی کریں

لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ
ہم ان کو جنت کے بالاخانوں میں جگہ دینگے جن کے نیچے نہریں
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ نِعْمَ اَجْرُ
چلتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے کام کرنے
الْعٰمِلِيْنَ ﴿۵۸﴾ صلے الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ
والوں کا کیا اچھا اجر ہے جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر

يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۵۹﴾
توکل کیا کرتے تھے

یعنی جو مصیبتیں پیش آئیں ان پر صبر کیا اور جن تکلیفوں کے پیش آنے کا اندیشہ ہوا جیسے رزق وغیرہ کی کمی کا اندیشہ تو ان میں خدا پر بھروسہ کیا

وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ق صلے
اور بہت سے جانور ایسے ہیں جو اپنی غذا اٹھا کر نہیں رکھتے اللہ ہی ان کو
اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ز صلے
(مقدر) روزی پہنچاتا ہے اور تم کو بھی

یعنی اگر ہجرت میں تم کو یہ وسوسہ ہو کہ پردیس میں کھانے کو کہاں سے ملے گا تو یہ سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ جانوروں کو بھی روزی پہنچاتا ہے اور تم کو بھی روزی پہنچائے گا خواہ تم کہیں ہو پس ایسا وسوسہ مت لاؤ بلکہ دل قوی کر کے اللہ پر بھروسہ رکھو۔

وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۰﴾
اور وہ سب کچھ سنتا ہے سب کچھ جانتا ہے
وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ وہ کون ہے جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا
وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ج
اور جس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے تو وہ لوگ یہی کہیں گے کہ وہ اللہ ہے
فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۱﴾
پھر کدھر الٹے چلے جا رہے ہیں

اسی طرح وہ سب صفات میں کامل ہے اور جو ایسا کامل ہو وہ ضرور بھروسہ کے قابل ہے۔

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ
اللہ ہی اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور
وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۲﴾
جس کیلئے چاہے تنگ کر دیتا ہے بیشک اللہ ہی سب کے حال سے واقف ہے

جیسی مصلحت دیکھتا ہے ویسی ہی روزی دیتا ہے غرض جیسا کہ اللہ ہی خالق ہے وہی رازق بھی ہے پس روزی مانگنے میں بھی شرک کرنا بے ہودہ ٹھہرا۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً

اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ وہ کون ہے جس نے آسمان سے پانی

فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ

برسایا پھر اس سے زمین کو بعد اس کے کہ خشک پڑی تھی تر و تازہ کر دیا تو وہ

اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ

لوگ یہی کہیں گے کہ وہ بھی اللہ ہی ہے آپ کہیئے کہ الحمد للہ

جس سے توحید پر استدلال کرنا ظاہر ہے کیونکہ انہوں نے تسلیم کر لیا کہ عالم کا باقی رکھنے والا اور اس کا انتظام کرنے والا بھی ایک ہی ہے اس سے معبود کا ایک ہونا خود معلوم ہو سکتا ہے مگر یہ لوگ نہیں مانتے ۔

بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ع ﴿۶۳﴾

بلکہ ان میں اکثر سمجھتے بھی نہیں

نہ اس وجہ سے کہ ان کو عقل نہیں بلکہ عقل سے کام نہیں لیتے اور غور نہیں کرتے اس لئے کھلی ہوئی بات بھی چھپی رہتی ہے اور غور نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کو دنیا کے کاموں میں بہت انہماک ہے ۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ

اور یہ دنیوی زندگی (فی نفسہ) بجز لہو و لعب کے اور کچھ بھی نہیں

البتہ اگر حیات دنیا دین حاصل کرنے کا ذریعہ بن جاوے تو پھر وہ لہو و لعب نہیں بلکہ ثواب کے اعتبار سے وہ بھی باقی رہنے والی ہے ۔

وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ م

اور اصل زندگی عالم آخرت ہے

چنانچہ دنیا کے فانی ہونے اور آخرت کے پائیدار ہونے سے یہ دونوں باتیں ظاہر ہیں پس فنا ہونے والی چیز میں اس قدر مشغولی کہ باقی رہنے والی چیز سے غفلت اور محرومی ہو جائے یہ خود بے عقلی کی بات ہے ۔

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾

اگر ان کو اس کا علم ہوتا تو ایسا نہ کرتے

آگے بتلاتے ہیں کہ جس طرح خالق کے ایک ماننے سے معبود کا ایک ہونا عقلاً لازم آتا ہے اسی طرح کبھی کبھی یہ لوگ زبان سے بھی اس کا اقرار کر لیتے ہیں اور سچی بات ان کے منہ سے خود بخود نکل جاتی ہے

فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ

پھر جب یہ لوگ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو خالص

مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ۬

اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں

کہ اگر خدا ہم کو اس مصیبت سے نجات دے تو ہم موحد ہو جائیں گے جس سے معبود کے ایک ہونے پر اور بھی حجت پوری ہو جاتی ہے ۔

فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۵﴾

پھر جب وہ ان کو نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو وہ فوراً ہی شرک کرنے لگتے ہیں

یعنی یہ حالت دیر تک نہیں رہتی کیونکہ پھر آکر دنیا میں مشغول ہو جاتے ہیں اور اس حالت کو بھول جاتے ہیں ۔

لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ وَلِيَتَمَتَّعُوْا وقفة

جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے جو نعمت ان کو دی ہے اس کی ناقدری کرتے ہیں اور یہ لوگ چندے اور حظ حاصل کر لیں

یعنی کچھ دنوں ان کے کفریہ اعمال و عقائد سے اور نفس کی پیروی سے اور مزے لے لیں اس وقت ان کو دنیا میں منہمک ہونے کی وجہ سے کچھ نظر نہیں آتا ۔

فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾

پھر قریب ہی ان سب کو سب خبر ہوئی جاتی ہے

پس توحید قبول کرنے سے ایک مانع تو ان کو دنیا کا انہماک ہے اور دوسرا ایک اور بہانہ نکال رکھا ہے کہ وہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اگر ہم رسول کا اتباع کر لیں گے تو اپنے وطن سے نکال دیئے جائیں گے حالانکہ مشاہدہ سے اس بہانہ کا بیہودہ ہونا ان کو خود معلوم ہو سکتا ہے ۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ

کیا ان لوگوں نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ ہم نے امن والا حرم بنایا ہے اور

النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ؕ

ان کے گرد و پیش میں لوگوں کو نکالا جا رہا ہے

بخلاف ان لوگوں کے کہ یہ امن سے بیٹھے ہیں اور یہ بات مشاہدہ میں آرہی ہے کہ دوسرے مقامات میں جو کہ حرم سے باہر ہیں لوگوں پر مار دھاڑ کر کے ان کے گھروں سے نکالا جا رہا ہے اور مکہ پر کوئی حملہ نہیں کرتا کیونکہ

وہ حرم میں داخل ہے تو یہ لوگ مشاہدہ کے خلاف بھی بہانے نکالتے ہیں۔

أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَةِ اللَّهِ

پھر کیا یہ لوگ جھوٹے معبود پر تو ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کی

يَكْفُرُونَ ﴿٦٧﴾

ناشکری کرتے ہیں

یعنی باوجود حق واضح ہو جانے کے اس حماقت اور ضد کا کیا ٹھکانہ ہے کہ جن پر ایمان لانے کی کوئی بھی وجہ نہیں ان کو تو مانتے ہیں اور جس پر ایمان لانے کی بہت سی دلیلیں موجود ہیں اور واقعی مانع کوئی بھی نہیں اس کی ناشکری کرتے ہیں یعنی خدا کے ساتھ شرک کرتے ہیں کیونکہ شرک سے بڑھ کر کوئی ناشکری نہیں کہ زندگی اور روزی وغیرہ تو حق تعالیٰ عطا فرماویں اور عبادت دوسرے کے لئے تجویز کی جاوے جو کہ ان نعمتوں کا شکریہ تھا۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا

اور اس شخص سے زیادہ کون ناانصاف ہوگا جو اللہ پر جھوٹ افترا کرلے اور

أَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُ ۚ

جب سچی بات اس کے پاس پہنچے تو وہ اس کو جھٹلا دے

بے انصافی ظاہر ہے کہ بلا دلیل بات کو مانا جاوے اور دلیل والی بات کو جھٹلایا جاوے۔

أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِلْكَافِرِينَ ﴿٦٨﴾

کیا ایسے کافروں کا جہنم میں ٹھکانا نہ ہوگا

یعنی ضرور ہوگا کیونکہ سزا جرم کے مناسب ہوتی ہے جتنا بڑا جرم ہو ویسی ہی بڑی سزا ہونی چاہئے ربط چونکہ سورت میں تمام مضامین اس قسم کے ہیں جن سے مسلمانوں پر سختیوں کا واقع ہونا سمجھا جاتا ہے اس لئے خاتمہ میں دین کے لئے مشقت برداشت کرنے والوں کو ایک بڑی بشارت دے کر سورت کو ختم فرماتے ہیں۔ والذين جاهدوا تا مع المحسنين

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا

اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں

یعنی اوپر تو ان لوگوں کا حال تھا جو کفر کرنے والے اور نفس کی خواہش پر چلنے والے ہیں اب ان کے مقابلوں کا بیان ہے۔ (آگے ترجمہ)

فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ

ہم ان کو اپنے (قرب وثواب یعنی جنت کے) راستے ضرور دکھائیں گے

جن سے وہ جنت میں جا پہنچیں گے اور راستے اس لئے کہا کہ جنت میں جانے والے بہت سے ہوں گے تو ایک راستہ کے بہت سے حصے ہو جاویں گے۔

وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٦٩﴾ ع

اور بیشک اللہ تعالیٰ (کی رضا ورحمت) ایسے خلوص عمل والوں کے ساتھ ہے

یعنی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

سورة الروم مكية الاقوله فسبحن و هي ستون او تسع و خمسون اية كذافي البيضاوی ربط اس سورت میں اول بعض ایسے واقعات کی پیشین گوئی ہے جو اہل اسلام کے لئے باعث خوشی تھے جن میں نبوت پر بھی دلالت ہے اور پہلی سورت میں کفار کے تکلیف پہنچانے سے جو مسلمانوں کے رنج کا بیان تھا جس پر ان کو صبر وتحمل ومجاہدہ کی تعلیم کی گئی تھی اس خوشخبری سے وہ رنج بھی دور کر دیا اور اس سے دونوں سورتوں میں مناسبت بھی ظاہر ہوگئی اور اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک بار روم اور فارس میں لڑائی ہوئی اور رومی مغلوب ہو گئے مشرکین مکہ مسلمانوں سے کہنے لگے کہ تم اور رومی کتاب والے ہو اور ہم اور فارسی کتاب والے نہیں پس فارس کا روم پر غالب آنا اس بات کی فال ہے کہ ہم بھی تم پر غالب رہیں گے اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں جس میں پیشین گوئی ہے کہ نو سال کے اندر رومی فارسیوں پر غالب آجاویں گے چنانچہ اس سے ساتویں برس پھر دونوں کا مقابلہ ہوا اور رومی غالب آگئے اتفاق سے اسی زمانہ میں یہاں مسلمان بدر میں مشرکین مکہ پر غالب آئے تھے۔ بسم الله الرحمن الرحيم. الم

(۳۰) سُورَةُ الرُّومِ مَكِّيَّةٌ (۸۴)

سورۂ روم مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں ساٹھ آیتیں اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

الم ﴿١﴾

الم

اس کے معنی اللہ کو معلوم ہیں غلبت الروم تا لايعلمون

غُلِبَتِ الرُّومُ ﴿٢﴾

اہل روم ایک قریب کے موقع میں مغلوب ہو گئے

یعنی زمین روم کے ایسے مقام میں جو بہ نسبت فارس کے عرب سے زیادہ قریب ہے اور اس سے مراد اذرعات و بصری ہیں جو ملک شام میں دو شہر ہیں اور رومی حکومت میں ہونے سے زمین روم میں داخل ہیں

فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ

اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب تین

غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ﴿۳﴾ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۬ؕ

سال سے لے کر نو سال تک کے اندر اندر غالب آ جاویں گے

لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ؕ

پہلے بھی اختیار اللہ ہی کو تھا اور پیچھے بھی

یعنی یہ مغلوب اور غالب ہونا سب خدا کی طرف سے ہے پہلے اسی نے اپنے اختیار سے مغلوب کر دیا اور پھر وہی اپنے اختیار سے غالب کر دے گا۔

وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۴﴾

اور اس روز مسلمان اللہ تعالیٰ کی اس امداد پر خوش ہوں گے

اس امداد سے یا تو مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کی بات کو غالب کر دے گا کیونکہ مسلمانوں نے اس پیشین گوئی کو دعویٰ کے طور سے کفار پر ظاہر کیا تھا تو انہوں نے جھٹلایا چنانچہ ترمذی میں مذکور ہے تو اس کے واقع ہونے سے مسلمانوں کی جیت ہو جاوے گی یا یہ مراد ہو کہ مسلمانوں کو لڑائی میں بھی غالب کر دے گا چنانچہ وہی وقت جنگ بدر میں مسلمانوں کے غالب ہونے کا تھا اور ہر حالت میں مسلمانوں ہی کو خوشی ہوگی۔

بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ

وہ جس کو چاہے غالب کر دیتا ہے اور وہ

الْعَزِيْزُ

زبردست ہے

یعنی مسلمانوں کی ظاہری کمزوری کو دیکھ کر ان کے غالب آنے پر تعجب کیا جائے یا رومیوں کی ظاہری مغلوبیت کو دیکھ کر مسلمانوں کی بات کے غالب ہونے میں شبہ نہ کیا جائے حق تعالیٰ زبردست ہے وہ جب چاہے کفار کو لڑائی میں یا اس پیشینگوئی کے جھٹلانے میں مغلوب کر سکتا ہے۔

الرَّحِيْمُ ﴿۵﴾

رحیم ہے

جب چاہے مسلمانوں کو غالب کر دے۔

وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ

اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶﴾

کو خلاف نہیں فرماتا و لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے

بلکہ صرف ظاہری اسباب کو دیکھ کر ان پر حکم لگا دیتے ہیں اس لئے اس پیشین گوئی کے پورا ہونے کو دشوار سمجھتے ہیں حالانکہ حق تعالیٰ اسباب کا مالک ہے اس کو ان کا بدلنا بھی آسان ہے اس طرح پیشین گوئی سچی ہونے کے بعد خبر دینے والے کی نبوت پر استدلال نہیں کرتے اور یہ نہیں مانتے کہ خدائی وعدہ سچا ہو گیا ربط او پر پیشین گوئی کے ساتھ کفار کی جہالت کا بیان تھا کہ وہ اس سے نبوت پر استدلال نہیں کرتے آگے آخرت کے بارہ میں ان کی جہالت بیان فرماتے ہیں اور اس کا سبب بھی بتلاتے ہیں جو کہ دنیا میں منہمک ہونا ہے۔ یعلمون تا یستھزؤن

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ

یہ لوگ صرف دنیوی زندگانی کے ظاہر کو جانتے ہیں

وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۷﴾

اور یہ لوگ آخرت سے بے خبر ہیں

کہ وہاں کیا ہوگا اس لئے نہ ان کو کفر وغیرہ سے اندیشہ ہے جو عذاب کا سبب ہے اور نہ ایمان و تصدیق کی فکر ہے جو کہ نجات کا ذریعہ ہے آگے فرماتے ہیں کہ کیا قیامت آنے کے دلائل سن کر بھی ان کی نظر دنیا ہی پر رہی۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۫ مَا خَلَقَ

کیا انہوں نے اپنے دلوں میں یہ غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین

اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا

کو اور ان چیزوں کو جو ان کے درمیان میں ہیں حکمت ہی سے اور ایک میعاد

بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ

معین کے لئے پیدا کیا ہے

جیسا کہ اس نے قرآن میں خبر دی ہے کہ ان حکمتوں میں سے ایک حکمت جزا و سزا کا ہونا بھی ہے یہ میعاد معین قیامت ہے اگر اپنے دلوں

میں غور کرتے تو ان واقعات کا ممکن ہونا عقل سے اور ان کا واقع ہونا قرآن سے اور قرآن کا سچا ہونا اس کے اعجاز سے منکشف ہو جاتا ہے لہذا آخرت کے منکر نہ ہوتے مگر غور کرنے سے ہی انکار کر رہے ہیں۔

وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ

اور بہت سے آدمی اپنے رب کے ملنے کے منکر ہیں کیا یہ لوگ زمین میں

لَكٰفِرُوْنَ ﴿۸﴾ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ

چلے پھرے نہیں جس میں دیکھتے بھالتے کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو

فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ

گزرے ہیں ان کا انجام کیا ہوا وہ ان سے قوت میں بھی بڑھے ہوئے

قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا

تھے اور انہوں نے زمین کو بھی بو یا جوتا تھا اور جتنا انہوں نے اس کو آباد کر

الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَاۤ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا

رکھا ہے اس سے زیادہ انہوں نے اس کو آباد کیا تھا اور ان کے پاس بھی

وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ

ان کے پیغمبر معجزے لے کر آئے تھے

جن کو انہوں نے نہیں مانا اور عذاب سے ہلاک ہوئے جن کی ہلاکت کے نشان ان کی بستیوں سے جو شام کے رستہ میں ملتی ہیں ظاہر ہو رہے ہیں۔

فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا

سو خدا ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا ولیکن وہ تو خود ہی

اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ؕ ﴿۹﴾

اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے

کہ رسولوں کا انکار کر کے ہلاکت کے مستحق ہوئے یہ تو ان کی حالت دنیا میں ہوئی ربط اوپر آخرت سے انکار پر دھمکی تھی آگے آخرت کا واقع ہونا مع کفر وانکار اور تصدیق وایمان کے انجام کے مذکور ہے الله يبدؤ تا محضرون

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْۤاٰى

پھر ایسے لوگوں کا انجام جنہوں نے برا کام کیا تھا برا ہی ہوا اس وجہ سے

اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا

کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا تھا اور ان کی ہنسی اڑاتے تھے

يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۰﴾ ع اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ

اللہ تعالیٰ خلق کو اول بار بھی پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ بھی اس کو پیدا

يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَيَوْمَ

کرے گا پھر اس کے پاس لائے جاؤ گے اور جس روز قیامت قائم ہوگی

تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۲﴾

اس روز مجرم لوگ حیرت زدہ رہ جاویں گے

یعنی ان سے کوئی معقول بات بن نہ پڑے گی۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ

اور ان شریکوں میں سے

جن کو عبادت میں شریک کرتے تھے۔

شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳﴾

ان کا کوئی سفارشی نہ ہوگا اور یہ لوگ اپنے شریکوں سے منکر ہو جاویں گے

کہ والله ربنا ما كنا مشركين خدائے پروردگار کی قسم ہم تو مشرک نہ تھے۔ ربط اوپر ایمان اور نیک اعمال کی فضیلت یعنی اس پر جنت ملنے کا ذکر تھا آگے ایک خاص جامع عنوان سے ایمان اور نیک اعمال کی ترغیب ہے کیونکہ تسبیح اور تحمید جن کا آگے ذکر ہے عبادت کی تمام اقسام کو جامع اور شامل ہے جن میں ایک بڑی چیز نماز ہے جس سے ان اوقات کو خاص تعلق اور مناسبت ہے جن کا آیت میں ذکر کیا گیا ہے فسبحن الله تا تظهرون

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور جس روز قیامت قائم ہو گی اس روز سب آدمی

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

جدا جدا ہو جاویں گے یعنی جو لوگ ایمان لائے تھے

فَهُمْ فِىْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَاَمَّا

اور انہوں نے اچھے کام کئے تھے وہ تو باغ میں مسرور ہوں گے

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ

اور جن لوگوں نے کفر کیا تھا اور ہماری آیتوں کو

الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾

اور آخرت کے پیش آنے کو جھٹلایا تھا وہ لوگ عذاب میں

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ

گرفتار ہوں گے سوتم اللہ کی تسبیح کیا کرو

یعنی دل سے اور اعتقاد سے بھی تسبیح کرو جس میں ایمان داخل ہو گیا اور زبان سے اور قول سے بھی جس میں ایمان کا اقرار اور تمام اذکار آ گئے اور ظاہری اعضاء اور عمل سے بھی جس میں عام طور پر سب عبادتیں اور خصوصاً نماز داخل ہو گئی

تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿۱۷﴾

شام کے وقت اور صبح کے وقت

آگے بتلاتے ہیں کہ تم کو اللہ کی تسبیح کرنے کا جو حکم ہوا ہے تو وہ واقع میں اس کا مستحق بھی ہے۔

وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اور تمام آسمان و زمین میں اسی کی حمد ہوتی ہے

یعنی آسمان میں تو سب فرشتے اس کی حمد کرتے ہیں اور زمین میں بعض انسان تو اپنے اختیار سے کرتے ہیں اور جو نہیں کرتے ان کی عاجزی اور احتیاج کی حالت سے خدا کی حمد ظاہر ہوتی ہے پس جب وہ ذات و صفات میں ایسا کامل ہے تو تم کو بھی ضرور اس کی تسبیح کرنی چاہئے۔

وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿۱۸﴾

اور بعد زوال اور ظہر کے وقت

کیونکہ ان اوقات میں نئی نعمت حاصل ہوتی ہے اور قدرت کے آثار زیادہ ظاہر ہوتے ہیں اس لئے ان میں مستقل طور پر تسبیح و تحمید کرنا مناسب ہے اس لئے بالخصوص نماز کے لئے بھی یہ اوقات مقرر ہیں چنانچہ شام کے وقت میں مغرب و عشاء داخل ہے اور بعد زوال میں ظہر و عصر دونوں داخل تھے مگر ظہر کا ذکر صراحۃً ہو گیا اس لئے بعد زوال سے صرف عصر مراد رہ گئی اور صبح کا ذکر بھی صراحۃً ہوا ہے ربط تسبیح و تحمید کے ذکر سے پہلے اوپر آخرت کا

ذکر تھا چونکہ کفار مشرکین قیامت کے امکان ہی کا انکار کرتے تھے اس لئے آگے دلائل قدرت کا بیان کر کے قیامت کا ممکن ہونا اور بالیقین واقع ہونا ثابت کرتے ہیں دلیل کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کا واقع ہونا فی نفسہ ممکن بات ہے کیونکہ اس کے محال ہونے کی کوئی دلیل نہیں اور اگر یہ شبہ ہو کہ ممکن تو ہے مگر دشوار ہے تو جو کام خدا کی قدرت سے رات دن ہوتے ہیں قیامت ان سے زیادہ دشوار تو نہیں پھر خدا کی قدرت کے سامنے تمام ممکنات برابر ہیں خواہ وہ آسان ہوں یا دشوار جب قیامت کا ممکن ہونا ثابت ہو گیا اور دشواری کا شبہ بھی دفع ہو گیا تو اب مخبر صادق (یعنی قرآن اور رسول) اس کے واقع ہونے کی خبر دیتا ہے پس وہ یقیناً آئے گی اگلا رکوع پورا اسی مضمون میں ہے یخرج الحی من المیت تا ھو العزیز الحکیم

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ

وہ جاندار کو بے جان سے باہر لاتا ہے

الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ

اور بے جان کو جاندار سے باہر لاتا ہے اور زمین کو اس کو

مَوْتِهَا ؕ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۹﴾ ع وَمِنْ

مردہ ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے اور اسی طرح تم لوگ نکالے جاؤ گے

اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ

اور اسی کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ تم کو مٹی سے پیدا کیا

جیسے نطفہ اور بیضہ سے انسان اور پرندہ کا بچہ اور انسان اور پرندہ سے نطفہ اور بیضہ کو پیدا کرتا ہے جب اس کی ایسی قدرت ہے تو اس کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔

یا تو اس طرح کہ آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے جو اپنی تمام اولاد کے لئے اصل ہیں تو ان کے واسطہ سے گویا سب مٹی سے پیدا ہوئے یا اس طرح کہ نطفہ غذا سے بنتا ہے اور غذا عناصر سے بنتی ہے جس میں غالب حصہ مٹی ہے۔

ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَمِنْ

پھر تھوڑے روزوں بعد تم آدمی بن کر پھیلے ہوئے پھرتے ہو

اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا

اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے

لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً

تمہارے واسطے تمہاری جنس کی بیبیاں بنائیں تا کہ تم کو ان کے پاس آرام

وَّرَحْمَةً ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

ملے اور تم میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی ان میں ان لوگوں کے لئے

يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾

نشانیاں ہیں جو فکر سے کام لیتے ہیں

کیونکہ استدلال کے لئے غور وفکر کی ضرورت ہے اور نشانیاں صیغہ جمع کے ساتھ اس لئے فرمایا کہ ان میں سے ہر چیز متعدد نشانیوں پر مشتمل ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اور اسی کی نشانیوں میں سے آسمان و زمین کا بنانا ہے

وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ؕ

اور تمہارے لب ولہجہ اور رنگتوں کا الگ الگ ہونا ہے

لب ولہجہ کے اختلاف سے مراد یا تو زبانوں کا مختلف ہونا ہے یا آواز و طرز گفتگو کا مختلف ہونا۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَمِنْ

اس میں دانشمندوں کے لئے نشانیاں ہیں اور اسی کی نشانیوں میں سے

اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ

تمہارا سونا لیٹنا ہے رات میں اور دن میں

گو رات کو زیادہ ہو اور دن کو کم

وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ

اور اس کی روزی کو تمہارا تلاش کرنا ہے

روزی کی تلاش دن کو زیادہ ہوتی ہے اور رات کو کم اسی لئے دوسری آیتوں میں روزی کی تلاش کو دن کے ساتھ خاص کیا گیا ہے اور سونے کو رات کے ساتھ

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾

اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں اور اسی کی نشانیوں

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ

میں سے یہ ہے کہ وہ تم کو بجلی دکھلاتا ہے

یعنی بارش کے وقت بجلی چمکتی ہوئی نظر آتی ہے

خَوْفًا وَّطَمَعًا

جس سے ڈر بھی ہوتا ہے اور امید بھی ہوتی ہے

ڈر گرنے کا ہوتا ہے اور امید بارش کی

وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ

اور وہی آسمان سے پانی برساتا ہے پھر اس سے زمین کو اس کے مردہ ہو

الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ

جانے کے بعد زندہ کر دیتا ہے

زمین کے زندہ کرنے کا ذکر اس جگہ مکرر شاید اس لئے ہوا ہو کہ یہاں قیامت میں مردوں کو زندہ کرنے کا ذکر ہے اور یہ اس کا خاص نمونہ ہے

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۴﴾

اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو عقل رکھتے ہیں

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ

اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آسمان اور زمین

بِاَمْرِهٖ ؕ

اس کے حکم سے قائم ہیں

اوپر خلق السموات والارض میں آسمان وزمین کی پیدائش کا ذکر تھا یہاں ان کے باقی رہنے کا ذکر ہے پس تکرار نہ رہا۔ مقصود یہ ہے کہ ان چیزوں کی پیدائش اور بقا سب خدا تعالیٰ کی قدرت اور ارادہ سے متعلق ہے آگے بتلاتے ہیں کہ یہ تمام نظام عالم جو اوپر مذکور ہوا یعنی انسانوں میں سلسلہ توالد و تناسل کا جاری ہونا اور ان میں باہم میاں بیوی کا تعلق ہونا اور آسمان زمین کا اس خاص ہیئت پر موجود اور قائم ہونا اور زبانوں اور رنگتوں میں اختلاف ہونا اور لیل ونہار کے انقلاب میں خاص مصلحتوں کا ہونا اور بارش کا نازل ہونا اور اس کے ابتدائی آثار کا ظاہر ہونا یہ سب سلسلہ زمانہ کے باقی رہنے تک ہے اور ایک روز یہ سب کارخانہ ختم ہو جائے گا۔

ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖ مِّنَ الْاَرْضِ ۖ

پھر جب تم کو پکار کر زمین میں سے بلاوے گا

اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴿۲۵﴾

تو یکبارگی نکل پڑو گے

اور دوسرا انتظام شروع ہو جاوے گا جس کا بیان کرنا اس جگہ مقصود ہے۔

وَلَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ

اور جتنے آسمان اور زمین میں موجود ہیں

قٰنِتُوْنَ ﴿۲۶﴾

سب اسی کے تابع ہیں

جیسا کہ اوپر دلائل قدرت سے معلوم ہو چکا ہے۔

وَهُوَ الَّذِىْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ

اور وہی ہے جو اول بار پیدا کرتا ہے

چنانچہ یہ بات کفار کے نزدیک بھی مسلم ہے اور دلائل قدرت کاملہ سے بھی ثابت ہو چکی ہے

ثُمَّ يُعِيْدُهٗ

پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا

جیسا کہ دلائل مذکورہ سے اس کا ممکن ہونا اور دشوار نہ ہونا معلوم ہو چکا ہے اور اس کے ساتھ جب یہ بات ملا لی جائے کہ مخبر صادق کی خبر سے دوبارہ زندہ ہونا ثابت ہے تو پھر اس کے انکار کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ؕ

اور یہ اس کے نزدیک زیادہ آسان ہے

یعنی ظاہر نظر میں انسان کے اعتبار سے دوبارہ پیدا کرنا پہلی بار پیدا کرنے سے آسان ہے چنانچہ انسانی قدرت کے اعتبار سے غالب عادت یہی ہے کہ کسی چیز کا پہلی بار بنانے سے دوسری بار بنانا بہت سہل ہوتا ہے اور قدرت خداوندی کے سامنے دونوں یکساں ہیں

وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ

اور آسمان اور زمین میں اسی کی شان اعلیٰ ہے

یعنی نہ آسمانوں میں کوئی ایسا بڑا ہے اور نہ زمین میں

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾

اور زبردست حکمت والا ہے

چنانچہ مذکورہ بالا تصرفات سے اس کی قدرت اور حکمت دونوں ظاہر ہیں پس وہ اپنی قدرت سے دوبارہ پیدا کردے گا اور جتنا توقف ہو رہا ہے اس میں حکمت اور مصلحت ہے پس قدرت اور حکمت کے ثابت ہو جانے کے بعد جلدی قیامت نہ آنے سے اس کا انکار کر دینا جہالت ہے۔

ربط: اوپر قیامت کا مضمون تھا جس کو ثابت کرنے کے لئے حق تعالیٰ کے افعال اور صفات کمال کا بیان کیا گیا تھا آگے اصل مقصود توحید کا بیان ہے اور یہ مضمون پورے رکوع تک چلا گیا ہے اور چونکہ توحید کے دلائل میں سے رزاقی بھی ہے اس کی مناسبت سے بعض احکام مال خرچ کرنے کے اور اس کی اغراض کے متعلق تبعاً بیان کئے گئے باقی اصل مقصود توحید ہی کا مضمون ہے۔ ضرب لکم من انفسکم تا عما یشرکون

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ

اللہ تعالیٰ تم سے ایک مضمون عجیب تمہارے ہی حالات میں سے بیان فرماتے ہیں

جس سے شرک کی قباحت اور اس کا باطل ہونا ثابت ہوگا پس اس میں غور کرو۔

هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ

کیا تمہارے غلاموں میں کوئی شخص تمہارا اس مال میں جو ہمنے

شُرَكَآءَ فِىْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ

تم کو دیا ہے شریک ہے کہ تم اور وہ اس میں برابر ہوں جن کا

سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ

تم ایسا خیال کرتے ہو جیسا اپنے آپس کا خیال کرتے ہو

کہ ان کی بغیر اجازت کوئی تصرف مال میں نہیں کرتے یا کم از کم یہ اندیشہ تو ضرور رہتا ہے کہ کبھی وہ مخالفت نہ کر بیٹھے اور ظاہر ہے کہ غلام اس طرح (اپنے آقا کے مال میں) شریک نہیں ہوتا پس جب تمہارا غلام جو کہ انسان ہونے میں تمہارا شریک ہے صرف ایک صفت سے اس میں اور تم میں امتیاز ہے کہ تمہارے خاص اختیارات میں شریک نہیں ہو سکتا تو یہ من گھڑت معبود جو کہ حق تعالیٰ کے غلام اور کسی کمال میں اس کے برابر نہیں بلکہ بعض تو ان میں سے خود مخلوق کے بنائے ہوئے ہیں وہ حق تعالیٰ کے

خاص حق عبادت میں کس طرح اس کے شریک ہو سکتے ہیں۔

كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ

ہم اسی طرح سمجھ داروں کے لئے دلائل صاف صاف بیان

يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾

کرتے رہتے ہیں

جس کا مقتضی یہ تھا کہ وہ لوگ حق کا اتباع اختیار کر لیتے اور شرک وکفر کو چھوڑ دیتے مگر وہ حق کا اتباع نہیں کرتے۔

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ

بلکہ ان ظالموں نے بلا دلیل اپنے خیالات کا اتباع کر رکھا ہے

بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ

سو جس کو خدا گمراہ کرے اس کو کون راہ پر لاوے گا

یعنی جس کو بوجہ اس کی سرکشی اور عناد اور بے جا ہٹ دھرمی کے خدا تعالیٰ گمراہ کردے اسے کوئی راہ پر نہیں لا سکتا۔

وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَقِمْ وَجْهَكَ

اور ان کا کوئی حمایتی نہ ہو گا سو تم یکسو ہو کر اپنا رخ اس

لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۭ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ

دین کی طرف رکھو اللہ کی دی ہوئی قابلیت کا اتباع کرو جس پر

النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے

فطرت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص میں یہ پیدائشی استعداد رکھی ہے کہ اگر وہ حق کو سنے اور سمجھنا چاہے تو سمجھ میں آ جاتا ہے اور اس فطرت کی اتباع کا مطلب یہ ہے کہ اس قابلیت اور استعداد سے کام لے اور حق کو سمجھ کر عمل کرے۔ ف یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جس لڑکے کو خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا اس کے بارہ میں حدیث میں آیا ہے کہ وہ پیدائشی کافر تھا کیونکہ معنی حدیث کے یہ ہیں کہ اس کی قسمت میں یہ تھا کہ وہ بڑا ہوگا تو کافر ہوگا یہ مطلب نہیں کہ اس میں حق کے سمجھنے اور قبول کرنے کی قابلیت ہی نہ تھی۔

لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ

اللہ تعالیٰ کی اس پیدا کی ہوئی چیز کو جس پر اس نے تمام آدمیوں کو پیدا کیا ہے

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾

بدلنا نہ چاہئے پس سیدھا دین یہی ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے تم خدا کی

مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ

طرف رجوع ہو کر فطرت الٰہیہ کا اتباع کرو اور اسی سے ڈرو

یعنی خدا کی مخالفت سے اور مخالفت کے عذاب سے

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

اور نماز کی پابندی کرو

جو کہ توحید پر بہت زیادہ دلالت کرتی ہے

وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۳۱﴾ مِنَ

اور شرک کرنے والوں میں سے مت رہو جن لوگوں نے

الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ

اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر لیا

یعنی حق تو ایک تھا اور باطل بہت ہیں انہوں نے حق کو چھوڑ کر باطل کی مختلف راہیں اختیار کر لیں ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا یہی مطلب ہے کہ ایک نے ایک راستہ لیا دوسرے نے دوسرا

وَكَانُوْا شِيَعًا ۭ

اور بہت سے گروہ ہو گئے

اور اگر حق پر رہتے تو سب کی ایک ہی جماعت ہوتی آگے فرماتے ہیں کہ باوجودیکہ ان حق کے چھوڑنے والوں میں سب کے طریقے غلط ہیں مگر پھر بھی غایت جہالت سے وہ اس میں خوش ہیں

كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۳۲﴾

ہر گروہ اپنے اس طریقہ پر نازاں ہے جو ان کے پاس ہے

آگے فرماتے ہیں کہ جس توحید کی طرف ہم بلا رہے ہیں مصیبت کے وقت عام طور پر مخالف اور منکر لوگوں کی حالت اور زبان سے بھی اس کا اظہار اور اقرار ہونے لگتا ہے جس سے اس کی بھی تائید ہوتی ہے کہ توحید ایک فطری شے ہے۔

وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ

اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے اپنے رب کو اسی کی طرف رجوع ہو کر

مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ

پکارنے لگتے ہیں

اور سب معبودوں کو چھوڑ دیتے ہیں مگر یہ حالت دیر تک نہیں رہتی

ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ

پھر جب اللہ تعالیٰ ان کو اپنی طرف سے کچھ عنایت کا مزہ چکھا دیتا ہے تو بس

مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ

ان میں سے بعض لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں جس کا

اٰتَيْنٰهُمْ ط

حاصل یہ ہے کہ ہم نے جو ان کو دیا ہے اس کی ناشکری کریں

جو عقلاً بری چیز ہے

فَتَمَتَّعُوْا وقفة فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾

سو چندروزہ اور حظ حاصل کرلو پھر جلدی تم معلوم کرلوگے

آگے فرماتے ہیں کہ میں یہ لوگ جو شرک کرتے ہیں خصوصاً اقرار توحید کے بعد بھی تو ان سے کوئی پوچھے کہ اس کی کیا وجہ ہے۔

اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا

کیا ہم نے ان پر کوئی سند نازل کی ہے کہ وہ ان کو

بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۵﴾

شرک کرنے کو کہہ رہی ہے

یعنی ان کے پاس کوئی دلیل نقلی بھی نہیں ہے اور شرک کا عقل کے خلاف ہونا ظاہر ہے جو مصیبت کے وقت خود ان کے اقرار سے ظاہر ہو جاتا ہے پس سراسر غلط ٹھہرا۔

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ط

اور ہم جب لوگوں کو کچھ عنایت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہوتے ہیں

یعنی اس طرح خوش ہوتے ہیں کہ غفلت اور انہماک میں پڑ کر شرک کرنے لگتے ہیں پس نعمت پر اس طرح کی خوشی ناجائز ہے اور سورۂ یونس میں فلیفرحوا میں نعمت پر خوشی کرنے کا حکم ہے اس سے مراد بطور شکر کے خوش ہونا ہے پس دونوں میں کچھ تعارض نہیں۔

وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ

اور اگر ان کے اعمال کے بدلہ میں جو پہلے اپنے ہاتھوں کر چکے ہیں ان پر کوئی

اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ﴿۳۶﴾

مصیبت آپڑتی ہے تو بس وہ لوگ ناامید ہوجاتے ہیں

یہ مضمون آیت اذامس الانسان ضرالخ کے مضمون کا تتمہ ہے اور درمیان میں آیت ام انزلنا علیهم سلطنا الخ اس مناسبت سے لائی گئی کہ اوپر معلوم ہوا تھا کہ شرک پر دلیل عقلی کوئی نہیں تو اس کے ساتھ یہ بھی بتلا دیا کہ نقلی دلیل بھی کوئی نہیں پھر آیت اذااذقنا الناس الخ میں شرک کا سبب بتلا دیا گیا کہ غفلت اور انہماک ہے اور مصیبت کے وقت کفار کی مایوسی بیان کر کے یہ بتلا دیا کہ ان کا تعلق خدا کے ساتھ بہت کمزور ہے کہ ذرا سی بات میں جاتا رہتا ہے پس اصل مضمون توحید کا ثابت کرنا اور شرک کا باطل کرنا ہے آگے اس کی دوسری دلیل بیان فرماتے ہیں

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ

کیا ان کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے زیادہ روزی دیتا ہے اور جس

يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ط

کو چاہے کم کر دیتا ہے

اور یہ بات مشرکین کو بھی مسلم تھی کہ روزی کا گھٹانا بڑھانا اصل میں خدا ہی کا کام ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾

اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں

یعنی وہ ان دلائل کو خوب سمجھتے ہیں اور دوسرے بھی اگر سمجھنا چاہیں سمجھ سکتے ہیں کہ جو ایسا قادر ہوگا عبادت کا مستحق بھی یقیناً وہی ہوگا اور جب دلائل توحید سے معلوم ہوگیا کہ رزق کی فراخی اور تنگی اللہ ہی کی طرف سے ہے تو اس سے ایک بات اور بھی ثابت ہوئی کہ بخل کرنا برا ہے کیونکہ بخل کرنے سے تقدیر سے زیادہ نہیں مل سکتا پھر مال کا روکنا بے فائدہ ہے پس آگے ہر مسلمان کو خطاب ہے کہ نیک کاموں میں خرچ کرنے سے بخل نہ کرنا چاہئے۔

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ

پھر قرابتدار کو اس کا حق دیا کر اور مسکین اور مسافر کو

السَّبِيلِ ۚ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ

بھی یہ ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی رضا کے

وَجْهَ اللّٰهِ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۳۸﴾

طالب ہیں اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں

آگے بتلاتے ہیں کہ ہم نے جو بہتری کے لئے یہ قید بڑھائی ہے کہ اللہ کی رضا کے طالب ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک مطلق مال کا خرچ کرنا بہتر اور فلاح کا سبب نہیں بلکہ اس کے لئے ایک قانون ہے جو آگے مذکور ہے۔

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَاۡ فِىْٓ اَمْوَالِ

اور جو چیز تم اس غرض سے دو گے کہ وہ لوگوں کے مال میں پہنچ کر

النَّاسِ

زیادہ ہو جاوے

جیسا کہ رسوم نوتہ وغیرہ میں اکثر اسی غرض سے روپیہ دیا جاتا ہے کہ یہ شخص ہمارے موقعہ پر کچھ اور شامل کر کے دے گا

فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ

تو یہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا

کیونکہ خدا کے پاس پہنچنا اور بڑھنا اسی مال کے لئے مخصوص ہے جو اللہ کی رضا کے لئے خرچ کیا جاوے جیسا آگے آتا ہے اور اس میں یہ نیت نہ تھی اس لئے نہ مقبول ہوا نہ زیادہ ہوا۔

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ

اور جو زکوۃ دو گے جس سے اللہ کی رضا طلب کرتے ہو گے

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾

تو ایسے لوگ خدا تعالیٰ کے پاس بڑھاتے رہیں گے

حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ مقبولہ کا ایک چھوارا احد کے پہاڑ سے بھی زیادہ بڑھ جاتا ہے اور یہ آیت اگر مکی ہو تو زکوۃ کے معنی مطلق صدقہ ہوں گے کیونکہ زکوۃ کی فرضیت مدینہ میں ہوئی ہے اور یہ مضمون مال خرچ کرنے کے متعلق تبعاً مذکور ہو گیا کیونکہ خدا کی صفت رزاقی سے جو کہ توحید کی دلیل ہے اس کو مناسبت تھی اور اصل مقصود توحید کا مضمون ہے اس لئے آگے پھر اسی کا ذکر ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ

اللہ ہی وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو رزق دیا پھر

ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۚ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ

تم کو موت دیتا ہے پھر تم کو جلائے گا کیا تمہارے شرکاء میں بھی کوئی

يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَىْءٍ ۚ

ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے

اور ظاہر ہے کہ کوئی بھی ایسا نہیں پس ثابت ہوا کہ خدا کا کوئی شریک نہیں پس توحید کا ثبوت اور شرک کا باطل ہونا معلوم ہو گیا ربط اوپر توحید کو ثابت اور شرک کو باطل کیا تھا آگے گناہوں کا دنیا اور آخرت میں شامت اور وبال کا سبب ہوتا جن میں شرک وکفر سب سے بڑا گناہ ہے اور مقابلہ کے طور پر توجہ اور طاعات کا انجام نیک ہونا مذکور ہے ظهر الفساد تا الكفرين

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۰﴾ ظَهَرَ

وہ ان کے شرک سے پاک اور برتر ہے خشکی

الْفَسَادُ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ

اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب بلائیں پھیل رہی ہیں

اَيْدِى النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِىْ عَمِلُوْا

تا کہ اللہ تعالیٰ ان کے بعضے اعمال کا مزہ ان کو چکھا دے

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۱﴾

تا کہ وہ باز آ جاویں

بعضے اعمال اس لئے فرمایا کہ اگر سب گناہوں پر سزا دی جائے تو ایک دم کوئی بھی زندہ نہ رہے جیسا کہ ایک آیت میں پہلے فرمایا ہے لو يؤاخذ الله الناس بما كسبوا ما ترک علی ظهرها من دابة اور اسی وجہ سے دوسری ایک آیت میں فرمایا ہے۔ وما اصابكم من مصيبة فبما كسبت ايديكم و يعفو عن كثير کہ جو کچھ تم پر مصیبت آتی ہے تمہارے ہاتھوں کی کرتوت کے سبب آتی ہے اور حق تعالیٰ بہت سے گناہوں کو معاف بھی فرما دیتے ہیں۔

قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ

آپ فرما دیجئے کہ ملک میں چلو پھرو پھر دیکھو کہ

كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ كَانَ

جو لوگ پہلے ہو گزرے ہیں ان کا اخیر کیسا ہوا ان

اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ﴿۴۲﴾

میں اکثر مشرک ہی تھے

سو دیکھ لو وہ عذاب آسمانی سے کس طرح ہلاک ہوئے جس سے صاف واضح ہے کہ شرک بڑی وبال کی چیز ہے اور یہ جو فرمایا کہ ان میں اکثر مشرک ہی تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ بعضے علاوہ شرک کے کفر کی دوسری اقسام میں مبتلا تھے جیسے قوم لوطؑ اور قارون اور وہ لوگ جو مسخ ہو کر بندر اور سور ہو گئے تھے کہ انہوں نے آیات کی تکذیب کی اور جن باتوں سے ان کو منع کیا گیا تھا ان کی مخالفت کی اس لئے کفر اور لعنت میں مبتلا ہوئے ف حوادث اور بلیات کے گناہوں کے سبب سے آنے پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ بعض دفعہ نیک بندوں پر بھی تو بلائیں آتی ہیں کیونکہ آیت کا یہ مطلب نہیں کہ ہر بلا کی علت ہمیشہ گناہ ہی ہوتا ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ جو مصیبت سزا کے طور پر ہو اس کی علت گناہ ہوتا ہے اور جو سزا کے طور پر نہ ہو بلکہ درجے بڑھانے اور اخلاق درست کرنے وغیرہ کے لئے ہو اس کی علت گناہ نہیں ہوتا اور دونوں صورتوں میں فرق کی علامت یہ ہے کہ جس مصیبت سے پہلے گناہ اور معصیت ہوئی ہو اس کی علت گناہ ہے اور جس سے پہلے گناہ نہ ہوا ہو (جیسے انبیاء علیہم السلام میں) تو اس کا سبب گناہ نہ ہوگا۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ

سو تم اپنا رخ اس دین راست کی طرف رکھو قبل اس کے کہ ایسا دن آجاوے

يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ

جس کے واسطے پھر خدا کی طرف سے ہٹنا نہ ہوگا

یعنی جیسے دنیا میں کسی خاص عذاب کے وقت کو قیامت کے وعدہ پر ہٹا دیا جاتا ہے قیامت میں ایسا نہ ہوگا۔ اس دن کے آنے کے لئے توقف اور مہلت نہ ہوگی پہلے شرک کا دنیوی وبال بتلایا تھا اس جملہ میں اخروی وبال بتلا دیا۔

يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿۴۳﴾

اس دن سب لوگ جدا جدا ہو جاویں گے

یعنی سب عمل کرنے والے جزا و سزا کے اعتبار سے ایک دوسرے سے ممتاز ہو جاویں گے جس کا طریقہ آگے مذکور ہے۔

مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا

جو شخص کفر کر رہا ہے اس پر تو اس کا کفر پڑے گا اور جو نیک عمل کر رہا ہے

فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ﴿۴۴﴾ لِيَجْزِيَ

سو یہ لوگ اپنے لئے سامان کر رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہوگا

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ

کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اپنے فضل سے جزا دے گا جو ایمان لائے اور انہوں

فَضْلِهٖ ؕ

نے اچھے عمل کئے

اور کفار اس سے محروم رہیں گے جس کی وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ بوجہ کفر کے ان سے ناخوش ہے اور کفر حقیقت میں ہے بھی ناخوشی کی بات۔ اس لئے وہ اس دولت سے محروم ہیں۔

ربط: مذکورہ بالا سے اوپر توحید کا مضمون تھا آگے دوسرے عنوان سے پھر اسی کی طرف رجوع ہے اور دوسرا عنوان یہ ہے کہ پہلے توحید کو دلائل کے پیرایہ میں ثابت کیا تھا اور یہاں خاص انعامات کے پیرایہ میں بیان کرتے ہیں جو کہ بارش کے نازل ہونے اور اس کے آثار وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں ومن ایاته تا مسلمون

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ

واقعی اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک یہ

اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ

ہے کہ وہ ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ خوشخبری دیتی ہیں

پس ان کے بھیجنے میں ایک نفع تو مخلوق کا جی خوش کرنا ہے اور باقی منافع آگے آتے ہیں۔

وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ

اور تاکہ تم کو اپنی رحمت کا مزہ چکھا دے

یعنی ہوا کے بعد بارش ہو اور بارش کے فوائد تم کو حاصل ہوں

وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ

اور تاکہ کشتیاں اس کے حکم سے چلیں

پھر اس ہوا سے جب کشتیاں چلیں تو تم ان کے ذریعہ سے سفر کرو۔

وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ

اور تاکہ تم اس کی روزی تلاش کرو

غرض کہ کشتی کا چلنا اور اس میں سوار ہو کر سفر بغرض تجارت کرنا یہ دونوں ہوا کے ذریعہ سے ہوتے ہیں۔

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۴۶﴾

اور تاکہ تم شکر کرو

یعنی روزی حاصل کر کے خدا کی ان تمام نعمتوں کا شکر کرو آگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے کہ ان نعمتوں کے بعد بھی جو یہ مشرکین شرک اور رسول کی مخالفت اور مسلمانوں کو ایذا دے کر حق تعالیٰ کی ناشکریاں کرتے ہیں اس سے آپ مغموم نہ ہوں کیونکہ ہم عنقریب ان سے بدلہ لینے والے ہیں جس میں کفار (مغلوب اور اہل حق غالب ہو جاویں گے جیسا کہ پہلے بھی ہوا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى

اور ہم نے آپ سے پہلے بہت سے پیغمبر ان کی قوموں کے پاس

قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ

بھیجے اور وہ ان کے پاس دلائل لے کر آئے

جس پر بعضے ایمان لائے اور بعضے نہ لائے۔

فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ؕ

سو ہم نے ان لوگوں سے انتقام لیا جو مرتکب جرائم ہوئے تھے

اور وہ جرائم یہ تھے کہ وہ حق کی تکذیب اور اہل حق کی مخالفت کرتے تھے پس انتقام لے کر ہم نے ان کو مغلوب کیا اور اہل حق کو غالب کیا اور انتقام سے مراد عذاب الٰہی ہے اس میں کفار کا ہلاک ہونا ان کا مغلوب ہونا ہے اور اہل ایمان کا بچ جانا ان کا غالب آنا ہے غرض اسی طرح ان کفار سے بھی انتقام لیا جائے گا خواہ دنیا میں یا بعد موت کے اور یہ مضمون تسلی کا درمیان میں آ گیا تھا۔ آگے ہواؤں کے چھوٹنے کے بعض آثار تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ اَللّٰهُ

اور اہل ایمان کا غالب کرنا ہمارے ذمہ تھا اللہ ایسا ہے

الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا

کہ وہ ہوائیں بھیجتا ہے پھر وہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں

کبھی ان ہواؤں سے پہلے زمین سے بخارات اٹھ کر بادل بن چکتے ہیں جن کو ہوائیں ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتی ہیں اور کبھی وہ بخارات انہیں ہواؤں سے بلند ہو کر بادل بن جاتے ہیں اس صورت میں ہوائیں بخارات کو زمین سے اٹھاتی ہیں۔

فَيَبْسُطُهٗ فِى السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ

پھر اللہ تعالیٰ اس کو جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلا دیتا ہے اور اس کے

كِسَفًا

ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے

پھیلانے کا مطلب یہ ہے کہ بادلوں کو اکٹھا کر کے دور تک پھیلا دیتا ہے اور ٹکڑے کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کچھ تھوڑی دور تک پھیلتے ہیں اور کچھ دوسری طرف پہنچ جاتے ہیں۔

فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ

پھر تم مینہ کو دیکھتے ہو کہ اس کے اندر سے نکلتا ہے

گھرے ہوئے بادل سے مینہ برسنا تو بکثرت ہوتا ہے اور بعض موسموں میں متفرق بدلیوں سے بھی اکثر بارش ہو جاتی ہے۔

فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ

پھر جب وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے

اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ ۚ وَاِنْ كَانُوْا

پہنچا دیتا ہے تو بس وہ خوشیاں کرنے لگتے ہیں اور

مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ

وہ لوگ قبل اس کے کہ ان کے خوش ہونے سے پہلے

لَمُبْلِسِيْنَ ﴿۴۹﴾

ان پر برسے ناامید تھے

یعنی ابھی ابھی تو ناامید تھے اور ابھی ابھی خوش ہو گئے اور ایسا ہی دیکھا جاتا ہے کہ انسان کی کیفیت ایسی حالت میں بہت ہی جلدی بدل جاتی ہے۔

فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ

سو رحمت الٰہی کے آثار دیکھو کہ اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے مردہ

الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ

ہونے کے بعد کس طرح زندہ کرتا ہے

اور یہ بات علاوہ نعمت اور دلیل وحدت ہونے کے قیامت میں دوبارہ زندہ کرنے کی بھی دلیل ہے۔

اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ

کچھ شک نہیں کہ وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے

کیونکہ عقلاً ممکن ہونے میں دونوں برابر ہیں خشک زمین کا زندہ کرنا بھی اور مردوں کو زندہ کرنا بھی اور قدرت خداوندی کے سامنے کوئی دشوار نہیں تو جب ایک پر قدرت ثابت ہے دوسرے پر بھی ثابت ہے۔

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾

اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے

یہ مضمون مردوں کے زندہ کرنے کا درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر تھا آگے پھر بارش اور ہواؤں کے متعلق مضمون ہے جس میں غافلوں کی ناشکری کا بیان ہے۔

وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ

اور اگر ہم ان پر اور ہوا چلا دیں پھر یہ لوگ کھیتی کو زرد ہوا دیکھیں تو یہ اس کے

بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾

بعد ناشکری کرنے لگیں

اور پچھلی نعمتیں سب طاق نسیاں میں رکھ دیں آگے فرماتے ہیں کہ جب ان کی غفلت اور ناشکری کی یہ حالت ہے تو اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ بالکل ہی بے حس ہیں پس ان کے ایمان نہ لانے اور آیات میں غور نہ کرنے پر غم کرنا بھی بے کار ہے۔

فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ

سو آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور بہروں کو آواز نہیں سنا سکتے

الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَآ اَنْتَ

جبکہ پیٹھ پھیر کر چل دیں اور آپ اندھوں کو

بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ

ان کی بے راہی سے راہ پر نہیں لا سکتے

جو کہ آنکھوں والے کا اتباع کرنا نہیں چاہتے غرض کہ کفار کی ایسی مثال ہے جیسے کسی کی آنکھ کان وغیرہ میں فتور ہو

اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ

آپ تو بس ان کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں کا یقین رکھتے ہیں

مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾ ع

پھر وہ مانتے ہیں

اور جب کفار مردوں اور بہروں اندھوں کے مشابہ ہیں پھر ان سے ایمان کی توقع نہ رکھیے اور غم نہ کیجئے۔ ربط اوپر توحید کا مضمون ہے آگے پھر قیامت میں دوبارہ زندہ کرنے کا بیان ہے جو اوپر توحید کے مضمون میں بھی اجمالاً آچکا ہے اللہ الذی خلقکم تا یستعتبون

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضَعْفٍ

اللہ ایسا ہے جس نے تم کو ناتوانی کی حالت میں بنایا

مراد اس سے ابتدائی حالت بچپن کی ہے

ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ

پھر ناتوانی کے بعد توانائی عطا کی پھر توانائی کے بعد

جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَّشَيْبَةً ؕ

ضعف اور بڑھاپا کیا وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے

يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ﴿۵۴﴾

اور وہ جاننے والا اور قدرت رکھنے والا ہے

یعنی وہ ہر تصرف کو جانتا ہے اور اس کے نافذ کرنے پر قدرت رکھتا ہے تو جو ایسا قادر ہو اس کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے یہ تو قیامت کے ممکن ہونے کا بیان تھا آگے اس کے واقع ہونے کا بیان ہے۔

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ۬

اور جس روز قیامت قائم ہوگی مجرم لوگ قسم کھا بیٹھیں گے کہ وہ لوگ (یعنی ہم

مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ط

عالم برزخ میں) ایک ساعت سے زیادہ نہیں رہے

یعنی وہاں کی ہول اور ہیبت اور پریشانی کو دیکھ کر قیامت کے آنے کو ناگوار سمجھ کر کہیں گے کہ قیامت بہت جلدی آ گئی اور جو میعاد اس کے آنے کی مقرر تھی وہ بھی پوری نہیں ہوئی اس سے پہلے ہی آ گئی جیسا کہ مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ اگر پھانسی والے کی میعاد ایک ماہ مقرر کی جاوے تو مہینہ گزرنے کے بعد اس کو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا مہینہ نہیں گزرا اور مصیبت جلدی آ گئی آگے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۵﴾

اسی طرح یہ لوگ الٹے چلا کرتے تھے

یعنی جس طرح یہاں آخرت میں انہوں نے قیامت کی واقعی حالت کا قسمیں کھا کر انکار کر دیا اور اس کو وقت سے پہلے بتایا اسی طرح دنیا میں وہ سرے سے قیامت کے آنے ہی کا انکار بڑی شد و مد سے کرتے تھے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ

اور جن لوگوں کو علم اور ایمان عطا ہوا ہے

مراد اہل ایمان ہیں جن کو شریعت کی خبروں کا علم حاصل ہے۔

لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ز

وہ کہیں گے کہ تم تو نوشتہ خداوندی کے موافق قیامت کے دن تک رہے ہو

یعنی تم عالم برزخ (یعنی قبر) میں میعاد سے کم ہرگز نہیں رہے جیسا کہ تم غلط دعویٰ کر رہے ہو۔

فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾

سو قیامت کا دن یہی ہے و لیکن تم یقین نہ کرتے تھے

بلکہ تکذیب و انکار کیا کرتے تھے اس انکار کے وبال میں آج تم کو پریشانی کا سامنا ہوا اس وجہ سے گھبرا کر یہ خیال ہوا کہ ابھی تو میعاد بھی پوری نہیں ہوئی حالانکہ وہ ٹھیک وقت پر آئی ہے اور اگر تم تصدیق کرتے اور ایمان لے آتے تو اس کے آنے کو جلدی نہ سمجھتے بلکہ یوں چاہتے کہ اس سے بھی جلدی آ جاتی کیونکہ یہ عادت طبعی ہے کہ انسان راحت کے وقت کی جلدی کیا کرتا ہے اور انتظار کی مدت اس پر گراں گزرتی ہے جیسا کہ مومنین کے اس جواب سے (کہ کم کہاں رہے بہت تو رہے) مترشح ہوتا ہے کہ وہ قیامت کے مشتاق تھے اور حدیث میں بھی ہے کہ کافر قبر میں بھی کہتا ہے۔ رب لاتقم الساعة الٰہی قیامت نہ لائیو اور مومن کہتا ہے رب اقم الساعة الٰہی قیامت جلدی قائم کر دے۔

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ

غرض اس دن ظالموں کو ان کا عذر کرنا نفع نہ دے گا

وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾

اور نہ ان سے خدا کی خفگی کا تدارک چاہا جاوے گا

یعنی اس کا موقعہ نہ دیا جائے گا کہ توبہ کر کے خدا کو راضی کر لیں ربط اب خاتمہ میں دو مضمون ہیں جو سورۃ کے تمام مضامین کا گویا نتیجہ ہے یعنی سورت کے تمام مضامین کی مدح اور ان کے بلیغ ہونے کا اجمالی بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ مضامین تاثیر میں بہت کامل ہیں اور باوجود اس کے کفار کے نہ ماننے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے کفار کی سرکشی اور جہالت کا ذکر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ان میں اثر قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ ولقد ضربنا تا لایوقنون

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ

اور ہم نے لوگوں کے واسطے اس قرآن میں

كُلِّ مَثَلٍ ط وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ

ہر طرح کے عمدہ مضامین بیان کئے ہیں اور اگر

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿۵۸﴾

آپ ان کے پاس کوئی نشانی لے آویں تب بھی یہ لوگ

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا

جو کافر ہیں یہی کہیں گے کہ تم سب نرے اہل باطل ہو جو لوگ یقین نہیں کرتے

يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۹﴾

اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر یونہی مہر کر دیتا ہے

جو اپنی بلاغت اور کمال تاثیر کی وجہ سے اس کو مقتضی تھے کہ ان کافروں کو ہدایت ہو جاتی مگر ان لوگوں نے غایت عناد کی وجہ سے ان کو قبول نہ کیا اور ان سے منتفع نہ ہوئے۔

جیسا کہ ان کے دلوں پر ہو رہی ہے کہ باوجود بار بار دلائل اور معجزات ظاہر ہو جانے کے پھر بھی طریق حق حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے

جس سے حق بات قبول کرنے کی استعداد روزانہ مضمحل اور کمزور ہوتی جاتی ہے اس لئے اطاعت سے انحراف اور سرکشی میں زیادتی ہو رہی ہے آگے حضور کو خطاب ہے کہ جب یہ ایسے سرکش ہیں تو آپ ان کی مخالفت وایذا رسانی اور بدکلامی وغیرہ سے برداشتہ خاطر نہ ہوں۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ

سو آپ صبر کیجئے بیشک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے

وہ وعدہ یہ ہے کہ اہل حق کامیاب اور اہل کفر ناکام ہوں گے سو وہ وعدہ ضرور پورا ہوگا تھوڑے ہی دنوں صبر وتحمل کرنا پڑتا ہے۔

وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ۝۶۰

اور یہ بدیقین لوگ آپ کو بے برداشت نہ کرنے پاویں

یعنی ان کی طرف سے خواہ کیسی ہی بات پیش آوے مگر آپ تحمل وبرداشت کو ہاتھ سے نہ جانے دیں مطلب یہ کہ نفسانی انتقام اگرچہ فی نفسہ جائز ہے مگر پیغمبر کو اپنے نفس کی وجہ سے انتقام لینا مناسب نہیں بلکہ خلاف مصلحت ہے خصوصاً ایسے وقت میں کہ اسلام کی ابتدائی حالت تھی باقی رہا جہاد سو وہ فی نفسہا انتقام نہیں ہے اس لئے اس کی ممانعت بھی نہیں ہے پس اس آیت کو آیات جہاد سے کوئی تعارض نہیں تاکہ ناسخ ومنسوخ کا قائل ہونا پڑے۔

سورة لقمان مكية قيل الاثلثا من قوله ولوان مافي الارض من شجرة اقلام وآياتها اربع و ثلثون و قيل ثلث و ثلثون ربط اس سورت کے شروع میں قرآن کی مدح کی ہے جو پہلی سورت کے ختم پر بھی مذکور ہے اور بقیہ مضامین بھی دونوں سورتوں کے باہم مناسب ہیں جیسا کہ آئندہ معلوم ہوجائے گا۔ بسم الله الرحمن الرحيم الٓمٓ

(۳۱) سُوْرَةُ لُقْمٰنَ مَكِّيَّةٌ (۵۷)

سورۂ لقمان مکے میں نازل ہوئی اور اس میں چونتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

الٓمّٓ ۝۱

الٓمّٓ

اس کے معنی اللہ ہی کو معلوم ہیں۔ تلك تا العزيز الحكيم

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝۲ هُدًى وَّرَحْمَةً

یہ آیتیں ہیں اس پر حکمت کتاب کی جو کہ ہدایت اور رحمت ہے

لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۝۳ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ

نیکوکاروں کے لئے جو نماز کی پابندی کرتے ہیں

وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ

اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں

زکوٰۃ کی فرضیت گو مدینہ میں ہوئی مکہ میں جائز اور مستحب ہوگی اس لئے جو سورتیں مکی ہیں ان میں زکوٰۃ کا ذکر آنے سے کوئی اشکال نہیں

وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۴ اُولٰٓئِكَ عَلٰى

اور وہ لوگ آخرت کا پورا یقین رکھتے ہیں یہ لوگ اپنے رب کے

هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵

سیدھے راستہ پر ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں

پس قرآن اس طرح ان کے لئے ہدایت اور رحمت کا سبب ہوگیا جس کا انجام کامیابی ہے پس بعضے آدمی تو ایسے ہیں جیسا بیان کیا گیا اور بعضے اس کے برعکس ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ

اور بعضا آدمی ایسا (بھی) ہے جو ان باتوں کا خریدار بنتا ہے جو (اللہ سے)

لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا

غافل کرنے والی ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے بے سمجھے بوجھے گمراہ کرے اور اس

هُزُوًا ۭ

کی ہنسی اڑاوے

سو اول تو لہو ولعب کا اختیار کرنا جب کہ خدا کی آیتوں سے اعراض کر کے ہو خود ہی کفر اور گمراہی ہے پھر خاص کر جب کہ دوسروں کو گمراہ کرنے اور دین حق کی توہین کرنے کی غرض سے اختیار کیا جاوے تب تو اور بھی برا ہے۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۶

ایسے لوگوں کے لئے ذلت کا عذاب ہے

جیسا کہ پہلی قسم کے لوگوں کے لئے فلاح کا ہونا معلوم ہوا ہے

فائدہ: ان آیتوں کا شان نزول یہ ہے کہ نظر بن الحارث ایک رئیس کافر تھا وہ تجارت کے لئے فارس آتا تو وہاں سے شاہان عجم کے قصے اور تواریخ خرید کر لاتا اور

قریش سے کہتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو عاد وثمود کے قصے سناتے ہیں میں رستم واسفندیار اور شاہان فارس کے قصے سناتا ہوں لوگ اس کے قصوں کو شوق سے سنتے اور قرآن سے اعراض کرتے نیز اس نے ایک گانے والی لونڈی خرید کی تھی تو جب کسی کو اسلام کی طرف راغب پاتا اس کو اپنی لونڈی کے پاس لے جاتا اور اس سے کہتا کہ اس کو کھلا پلا اور گانا سنا اور اس شخص سے کہتا کہ یہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بلاتے ہیں کہ نماز پڑھو روزہ رکھو اور اپنی جان دو پس شان نزول اگرچہ خاص ہے مگر آیت کے الفاظ عام ہونے کی وجہ سے حکم عام ہے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ

اور جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ شخص تکبر کرتا ہوا

لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْۤ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ

منہ موڑ لیتا ہے جیسے اس نے سنا ہی نہیں جیسے اس کے کانوں میں ثقل ہے سو

بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ⑦

اس کو ایک دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے

تو یہ اعراض کرنے والے کی سزا کا بیان ہوا آگے ہدایت والوں کی کامیابی کو تفصیل سے بیان فرماتے ہیں

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ

البتہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ان کے لئے عیش کی

جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۙ⑧ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ

جنتیں ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ اللہ نے سچا وعدہ فرمایا ہے اور وہ

حَقًّا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑨

زبردست حکمت والا ہے

پس کمال قدرت کی وجہ سے وہ اپنے وعدہ ووعید کو واقع کر سکتا ہے اور حکمت سے اس کو وعدہ کے موافق وقت پر واقع کر دے گا۔

ربط: اوپر قرآن کی اور اس کے ماننے والوں کی مدح اور بے رخی کرنے والوں کی مذمت تھی آگے دور تک توحید کا مضمون ہے جو قرآن کی بڑی اہم تعلیم ہے۔ خلق السموات تا ضلل مبین

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو بلا ستون بنایا تم ان کو دیکھ رہے ہو اور زمین

فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ

میں پہاڑ ڈال رکھے ہیں کہ وہ تم کو لے کر ڈانواڈول نہ ہونے لگے

فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَاۗبَّةٍ ۭ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ

اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا رکھے ہیں اور ہم نے آسمان سے

مَاۗءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ⑩

پانی برسایا پھر اس زمین میں ہر طرح کے عمدہ اقسام اگائے

هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ

یہ تو اللہ کی بنائی ہوئی چیزیں ہیں اب تم لوگ مجھ کو دکھاؤ کہ اس کے سوا

الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ

جو ہیں انہوں نے کیا کیا چیزیں پیدا کی ہیں

تاکہ ان کا خدائی میں شریک ہونا اور عبادت کا مستحق ہونا ثابت ہو اس دلیل سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ خدائی کے استحقاق کے لئے ممکنات کا پیدا کرنا لازم ہے کیونکہ خدائی کا استحقاق قدیم ہے (یعنی ہمیشہ سے ہے) اگر ممکنات کا پیدا کرنا اس کے لئے لازم ہوگا تو ممکنات بھی سب قدیم ہو جاویں گے حالانکہ عالم حادث ہے پس مطلب یہ ہے کہ ممکنات کے موجود ہونے کی صورت میں یہ لازم ہے کہ ان کا پیدا کرنے والا وہی ہو جو خدائی کا مستحق ہے پس اگر یہ باطل معبود تمہارے نزدیک خدائی کے مستحق ہیں تو موجود چیزوں میں سے بتلاؤ کہ ان کی بنائی ہوئی کون چیزیں ہیں اور جب ان کی بنائی ہوئی ایک بھی چیز نہیں تو معلوم ہوا کہ وہ عبادت کے مستحق نہیں ہو سکتے اور اس دلیل کا مقتضا یہ تھا کہ وہ لوگ ہدایت پر آ جاتے مگر انہوں نے ہدایت کو قبول نہیں کیا۔ ربط آگے بھی اوپر کی طرح توحید کا مضمون ہے اور اس کی تقریر وتاکید کے لئے لقمان علیہ السلام کا قصہ مذکور ہے جن کی وصیت میں توحید کی بھی تعلیم ہے جو کہ اعتقاد کی تکمیل میں سب سے بڑی چیز ہے پھر عمل کامل کرنے کی تعلیم ہے جس کو اعتقاد کی مناسبت سے ذکر کر دیا گیا اور زیادہ مقصود توحید کا مضمون معلوم ہوتا ہے۔ ولقد اتینا تا لصوت الحمیر

بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ⑪ ع وَلَقَدْ

بلکہ یہ ظالم لوگ صریح گمراہی میں ہیں اور ہم نے لقمان

اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ

کو دانشمندی عطا فرمائی

جس کی حقیقت یہ ہے کہ علم مع عمل کے ہو اور حضرت لقمان علیہ السلام کو عکرمہ اور لیث نے نبی کہا ہے لیکن حکیم ترمذی نے نوادر میں حدیث مرفوع نقل کی ہے کہ ان کو داؤد علیہ السلام سے پہلے خلافت (یعنی نبوت) دی جاتی تھی انہوں نے عرض کیا کہ اگر حکم ہے تو سر آنکھوں پر اور اگر میری مرضی پر ہے تو میں معافی چاہتا ہوں پھر بعد میں داؤد علیہ السلام کو خلافت دی گئی اس سے معلوم ہوا کہ لقمان علیہ السلام نبی نہ تھے لیکن بہت بڑے ولی تھے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کا زمانہ داؤد علیہ السلام کے قریب تھا۔

أَنِ اشْكُرْ لِلَّهِ ۚ

کہ اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے رہو

سب نعمتوں پر عموماً اور نعمت حکمت پر جو تمام نعمتوں سے افضل ہے خصوصاً اور نبی نہ ہونے کی صورت میں یہ حکم یا بطور الہام کے ہوا ہوگا یا اس زمانہ کے نبی کے ذریعہ سے

وَمَنْ يَشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ

اور جو شخص شکر کرے گا وہ اپنے ذاتی نفع کے لئے شکر کرتا ہے اور

كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿١٢﴾

جو ناشکری کرے گا تو اللہ تعالیٰ بے نیاز خوبیوں والا ہے

تو ناشکری کرنے والا اپنا ہی نقصان کرے گا کیونکہ حق تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں کامل ہے اس لئے اس کو کسی کے شکر و ثنا کی احتیاج نہیں اور چونکہ لقمانؑ حکمت یعنی علم و عمل کے ساتھ موصوف تھے اس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے شکر کی تعلیم پر خود بھی عمل کیا ہوگا اور شاکر ہونے سے ان کی حکمت میں ترقی بھی ہوئی ہوگی پس وہ اعلیٰ درجہ کے حکیم ہوئے اور ایسے حکیم کی تعلیم ضرور قابل عمل ہونا چاہیے اس لئے ان کی تعلیمات کو لوگوں کے سامنے بیان فرماتے ہیں

وَإِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يَا بُنَيَّ

اور جب لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ بیٹا خدا کے ساتھ

لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ ۖ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ﴿١٣﴾

کسی کو شریک مت ٹھہرانا بیشک شرک کرنا بڑا بھاری ظلم ہے

کیونکہ ظلم کہتے ہیں بے موقعہ کام کرنے کو اور ظاہر ہے کہ شرک میں یہ بات سب سے زیادہ ہے پس وہ بہت بڑا ظلم ہے اور اس قصہ کے درمیان میں توحید کی تاکید کے لئے آگے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ

اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق تاکید کی ہے

کہ ان کی اطاعت اور خدمت بجا لاوے کیونکہ انہوں نے اس کے لئے بڑی مشقتیں جھیلی ہیں بالخصوص ماں نے

حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ

اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اس کو پیٹ میں رکھا

کیونکہ جوں جوں حمل بڑھتا جاتا ہے حاملہ کا ضعف بڑھتا جاتا ہے

وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ

اور دو برس میں اس کا دودھ چھوٹتا ہے

ان دنوں میں بھی وہ ہر طرح کی خدمت کرتی ہے اسی طرح اپنی حالت کے موافق باپ بھی مشقت اٹھاتا ہے اس لئے ہم نے اپنے حقوق کے ساتھ ماں باپ کے حقوق ادا کرنے کا بھی حکم دیا چنانچہ ارشاد فرمایا (آگے ترجمہ)

أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ

کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کیا کر

حق تعالیٰ کی شکر گزاری تو عبادت اور حقیقی اطاعت کے ساتھ اور ماں باپ کی شکر گزاری خدمت اور شرعی حقوق ادا کرنے کے ساتھ

إِلَيَّ الْمَصِيرُ ﴿١٤﴾

میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے

اس وقت میں تمام اعمال کی جزا و سزا دوں گا اس لئے میرے احکام کی بجا آوری ضروری ہے اور اس آیۃ مین جو دودھ چھڑانے کی مدت دو سال مذکور ہے یہ ان علماء کے نزدیک جو دودھ پلانے کی مدت ڈھائی سال کہتے ہیں غالب عادت پر محمول ہے (کیونکہ اکثر دو ہی سال میں دودھ چھڑا دیا جاتا ہے یہ مطلب نہیں کہ اس سے زیادہ دودھ پلانا حرام ہے (آگے فرماتے ہیں کہ باوجودیکہ ماں باپ کا اتنا بڑا حق ہے جیسا ابھی معلوم ہوا لیکن توحید اتنی بڑی چیز ہے کہ اس کے بارے میں ماں باپ کی بھی اطاعت جائز نہیں۔

وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ

اور اگر تجھ پر وہ دونوں اس بات کا زور ڈالیں کہ میرے ساتھ ایسی چیز کو

لَكَ بِهٖ عِلْمٌ لا

شریک ٹھہرائے جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہ ہو

اور ظاہر ہے کہ ایسی کوئی بھی چیز نہیں جس کے شریک خدائی ہونے پر کوئی دلیل قائم ہو بلکہ اس کے خلاف پر دلیلیں قائم ہیں کہ کوئی چیز خدا کے سوا خدائی کی مستحق نہیں پس مطلب یہ ہوا کہ اگر وہ کسی چیز کو بھی خدا کا شریک ٹھہرانے کے لئے تجھ پر زور دیں۔

فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ز

تو تو ان کا کہنا نہ ماننا اور دنیا میں ان کے ساتھ خوبی سے بسر کرنا

کہ ان کی مالی اعانت اور خدمت وغیرہ کرتے رہنا

وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ج

اور اس شخص کی راہ پر چلنا جو میری طرف رجوع ہو

یعنی میرے احکام کا معتقد اور ان پر عمل کرنے والا ہو

ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

پھر تم سب کو میرے پاس آنا ہے پھر میں تم کو جتلا دوں گا جو

تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾

جو کچھ تم کرتے تھے

اس لئے کسی امر میں میرے حکم کے خلاف مت کرو آگے پھر لقمان علیہ السلام کی وصیتوں کا بیان ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو اور بھی نصیحتیں کیں چنانچہ توحید اور اعمال کے بارہ میں ایک نصیحت یہ بھی کی کہ (آگے ترجمہ دیکھو)

يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ

بیٹا اگر کوئی عمل رائی کے دانہ کے برابر ہو

یعنی کیسا ہی چھپا ہوا اور کم مقدار میں ہو

مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ

پھر وہ کسی پتھر کے اندر ہو

جو کہ ایسی آڑ ہے جس کا اٹھانا دشوار ہے اور بدون اٹھائے کسی کو اس کے اندر کی چیز معلوم نہیں ہو سکتی۔

اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ

یا وہ آسمانوں کے اندر ہو

جو کہ تمام مخلوقات سے بہت دور ہے۔

اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ط

یا وہ زمین کے اندر ہو تب بھی اس کو اللہ تعالیٰ حاضر کر دے گا

جہاں بہت ظلمت اور تاریکی رہتی ہے اور کسی چیز کے مخلوق سے پوشیدہ ہونے کی یہی صورتیں ہوتی ہیں کہ کبھی ذرا سی مقدار ہونے کی وجہ سے چھپی رہتی ہے کبھی سخت آڑ ہونے کی وجہ سے کبھی دور ہونے سے کبھی ظلمت اور تاریکی سے لیکن حق تعالیٰ کے علم اور قدرت کی ایسی شان ہے کہ یہ سب صورتیں بھی جمع ہو جاویں تب بھی اس سے کوئی چیز چھپ نہیں سکتی۔

جس سے علم اور قدرت دونوں ثابت ہوئے

اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۶﴾ يٰبُنَيَّ اَقِمِ

بیشک اللہ تعالیٰ بڑا باریک بین باخبر ہے بیٹا

الصَّلٰوةَ

نماز پڑھا کرو

جو کہ عقائد درست کرنے کے بعد بڑا اعلیٰ درجہ کا عمل ہے۔

وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ

اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کر

یعنی جس طرح اعمال و عقائد کی درستی سے اپنی اصلاح اور تکمیل کرتے ہو اسی طرح دوسروں کی اصلاح میں بھی کوشش کرنا چاہئے۔

وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ط

اور برے کاموں سے منع کیا کر اور تجھ پر جو مصیبت واقع ہو

اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾ ج

اس پر صبر کیا کر یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے

عزم کے معنے واجب اس لئے نہیں کئے کہ اس مقام پر جو امور مذکور ہیں بعضے ان میں سے مستحبات اور آداب ہیں اور عزم کے معنی قاموس میں ہمت اور کوشش کے بھی لکھے ہیں آگے اخلاق اور عادت کے بارہ میں نصیحت ہے۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي

اور لوگوں سے اپنا رخ مت پھیر اور زمین پر اترا کر

الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ

مت چل بیشک اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے فخر کرنے والے کو

فَخُوْرٍ ۝۱۸ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ

پسند نہیں کرتے اور اپنی رفتار میں اعتدال اختیار کر

یعنی نہ بہت دوڑ کر چل کہ وقار کے خلاف ہے نیز گر جانے کا بھی احتمال ہے اور نہ بہت گن گن کر قدم رکھ کہ یہ متکبروں کی وضع ہے بلکہ بے تکلف اور درمیانی رفتار تواضع اور سادگی کے ساتھ اختیار کر۔

وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ

اور اپنی آواز کو پست کر

یعنی بہت غل مت مچا اور یہ مطلب نہیں کہ اتنی پست آواز کر کہ دوسرا سنے بھی نہیں آگے غل مچانے سے نفرت دلاتے ہیں۔

اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۝۱۹ۧ

بیشک آوازوں میں سب سے بری آواز گدھوں کی آواز ہے

تو آدمی ہو کر گدھوں کی طرح چیخنا چلانا کب مناسب ہے نیز اس سے بعض اوقات دوسروں کو وحشت اور اذیت بھی ہوتی ہے اور کہیں صحیح اور صریح طور پر یہ نہیں دیکھا گیا کہ لقمانؑ کے یہ بیٹے جن کو نصیحت کی گئی ہے ان کا طریقہ کیا تھا آیا پہلے سے موحد تھے یا اس نصیحت کے بعد موحد تھے یا کیا ہوا واللہ اعلم ربط اوپر سے توحید کا مضمون چلا آتا تھا اور اسی کی مناسبت سے حضرت لقمانؑ کی وصیتیں مذکور ہوئی تھیں آگے پھر توحید کا مضمون ہے الم تروا تا اختار کفور

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ

کیا تم لوگوں کو یہ بات معلوم نہیں ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو تمہارے

وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ

کام میں لگا رکھا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں اور اس نے

ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ۭ

تم پر اپنی نعمتیں ظاہری اور باطنی پوری کر رکھی ہیں

ظاہری نعمت وہ جو حواس سے معلوم ہو سکے اور باطنی وہ جو عقل سے معلوم ہوتی ہے اور ان نعمتوں سے وہ نعمتیں مراد ہیں جو آسمان اور زمین کے مسخر کرنے سے حاصل ہوئیں پس یہ لازم نہیں آتا کہ اس آیت کے مخاطب مسلمان ہی ہوں کیونکہ وہ نعمتیں تو سب پر ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ

اور بعضے آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدوں واقفیت

عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝۲۰

اور بدوں دلیل اور بدوں کسی روشن کتاب کے جھگڑا کرتے ہیں

یعنی نہ ان کے پاس کوئی دلیل عقلی ہے نہ نقلی اور نہ شرک ایسی چیز ہے جس کو عقل خود تسلیم کر لے بلکہ محض عناد سے کام لے رہے ہیں

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کا اتباع کرو جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے

یعنی قرآن میں جو دلیلیں توحید کی ہیں ان میں غور کر کے اس کا اتباع کرو۔

قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَاۗءَنَا ۭ

تو کہتے ہیں کہ نہیں ہم اسی کا اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا ہے

آگے ان کے اس قول کی تردید ہے۔

اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ

کیا اگر شیطان ان کے بڑوں کو عذاب دوزخ کی طرف

السَّعِيْرِ ۝۲۱

بلاتا رہا ہو

یعنی گمراہی کی طرف بلاتا رہا ہو جو کہ سبب ہے عذاب دوزخ کا مطلب یہ کہ ایسے سرکش ہیں کہ باوجودیکہ ان کو دلیل کی طرف بلایا جاتا ہے مگر پھر بھی بلا دلیل اپنے گمراہ باپ دادوں کی راہ پر چلتے ہیں یہ حالت تو گمراہوں کی ہے آگے اہل حق کا حال مذکور ہے۔

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ

تب بھی اور جو شخص اپنا رخ اللہ کی طرف جھکا دے

مراد اسلام اور توحید ہے یعنی فرمانبرداری اختیار کرے عقائد میں بھی اور اعمال میں بھی

وَهُوَ مُحْسِنٌ

اور وہ مخلص بھی ہو

محض ظاہری اسلام نہ ہو

فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ

تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا

یعنی وہ اس شخص کے مشابہ ہے جو کسی مضبوط رسی کا حلقہ ہاتھ میں تھام کر گرنے سے محفوظ رہتا ہے اسی طرح یہ شخص ہلاکت اور خسارہ سے بچا رہے گا۔

وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۲۲﴾

اور اخیر سب کاموں کا اللہ ہی کی طرف پہنچے گا

پس چاہے حق کا اتباع کرو یا ناحق کا سب اعمال اسی کے حضور میں پیش ہوں گے وہ ہر ایک کو مناسب سزا و جزا دے گا۔

وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ؕ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ

اور جو شخص کفر کرے سو آپ کے لئے اس کا کفر باعث غم نہ ہونا چاہئے ان

فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ

سب کو ہمارے ہی پاس لوٹنا ہے سو ہم ان کو جتلا دیں گے جو کچھ وہ کیا کرتے

الصُّدُوْرِ ﴿۲۳﴾

تھے اللہ تعالیٰ کو دلوں کی باتیں خوب معلوم ہیں

ظاہری باتیں تو کس شمار میں ہیں پس ہم سے کوئی بات مخفی نہیں سب جتلا دیں گے اور مناسب سزا دیں گے اس لئے آپ غم نہ کریں اور اگر یہ لوگ محض چندروزہ عیش پر بھول رہے ہیں تو یہ ان کی بڑی غلطی ہے کیونکہ یہ ہمیشہ نہ رہے گا۔

نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ

ہم ان کو چندروزہ عیش دیئے ہوئے ہیں پھر ان کو کشاں کشاں ایک سخت

غَلِيْظٍ ﴿۲۴﴾

عذاب کی طرف لے آویں گے

پس اس پر ناز کرنا محض جہالت ہے آگے فرماتے ہیں کہ جس توحید کی طرف ہم ان کو بلا رہے ہیں اس کے مقدمات کو خود یہ لوگ بھی تسلیم کرتے ہیں مگر ان سے نتیجہ نہیں نکالتے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے

وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ

تو ضرور یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے آپ کہیئے کہ الحمد للہ

جو مقدمہ مہتم بالشان تھا وہ تو تمہارے اقرار سے ثابت ہوا اور دوسرا مقدمہ تو نہایت ہی ظاہر ہے کہ جو خود مخلوق ہو اور دوسروں کا بنایا ہوا ہو وہ خدائی کا مستحق نہیں پس مقصود ثابت ہو گیا کہ خدا کے سوا کوئی معبود بننے کے قابل نہیں مگر یہ لوگ اس نتیجہ کو نہیں مانتے۔

بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾

بلکہ ان میں اکثر نہیں جانتے

چنانچہ دوسرے بدیہی مقدمہ کی طرف توجہ نہیں کرتے کہ خدائی کا مستحق ہونا خالق کے لئے خاص ہے جو خالق نہ ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا آگے اپنی شان بتلاتے ہیں۔

لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

جو کچھ آسمان اور زمین میں موجود ہے سب اللہ ہی کا ہے بیشک اللہ تعالیٰ

هُوَ الْغَنِىُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۶﴾

بے نیاز سب خوبیوں والا ہے

تو جس کی ایسی سلطنت اور ایسی ذات ہے وہی معبود بننے کے لائق ہے۔

وَلَوْ اَنَّ مَا فِى الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ

اور جتنے درخت زمین بھر میں ہیں اگر وہ سب قلم بن جاویں

یعنی جیسے قلم سے عادۃً لکھا جایا کرتا ہے اس کے برابر درختوں کے قلم بنالئے جائیں اور ظاہر ہے کہ اس طرح تو ایک ایک درخت سے ہزاروں قلم تیار ہوں۔

وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ

اور یہ جو سمندر ہے اس کے علاوہ سات سمندر اور ہو جاویں

پھر ان قلموں اور اس روشنائی سے حق تعالیٰ کے کمالات لکھنا شروع کریں تو سب قلم اور روشنائی ختم ہو جائیں اور سات سمندر بطور مثال کے فرض کئے گئے ہیں پس یہ شبہ نہ کیا جائے کہ سمندر تو ایک ہی ہے۔

مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ

تو اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں بیشک خدا تعالیٰ زبردست

حَكِيْمٌ ﴿۲۷﴾

حکمت والا ہے

کہ وہ قدرت میں بھی کامل ہے اور علم میں بھی اور یہ دونوں صفتیں چونکہ تمام صفات اور اعمال سے تعلق رکھتی ہیں شاید اس لئے ان دونوں کو خاص طور پر بیان کیا گیا اور کمال قدرت کی ایک فرع قیامت بھی ہے جس کو جاہل لوگ دشوار سمجھتے ہیں آگے بیان فرماتے ہیں کہ قیامت خدا کے لئے کچھ مشکل نہیں۔

مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ

تم سب کا پیدا کرنا اور زندہ کرنا بس ایسا ہی ہے جیسا ایک شخص کا

پس جو لوگ باوجود ان دلائل کے قیامت کا انکار کر رہے ہیں اور اس جرأت پر فسق و فجور کرتے ہیں خدا کو ان کے سب کاموں کی خبر ہے ان کو سزا دے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۸﴾

بیشک خدا تعالیٰ سب کچھ سنتا سب کچھ دیکھتا ہے

آگے پھر توحید کا ذکر ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ

اے مخاطب کیا تجھ کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں

النَّهَارَ فِى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۫

اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو

كُلٌّ يَّجْرِىْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ

کام میں لگا رکھا ہے کہ ہر ایک مقررہ وقت تک چلتا رہے گا

بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۹﴾

اور یہ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب عملوں کی پوری خبر رکھتا ہے

پس جب خدا کی قدرت اور اس کا علم ایسا کامل ہے تو اس کا مقتضا یہ ہے کہ شرک چھوڑ دیا جائے آگے اس کی وجہ بتلاتے ہیں کہ یہ کمال قدرت وغیرہ خدا تعالیٰ کے ساتھ مخصوص کیوں ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ

یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ ہی ہستی میں کامل ہے اور جن چیزوں کی

مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِىُّ

اللہ کے سوا یہ لوگ عبادت کر رہے ہیں بالکل ہی لچر ہیں اور اللہ ہی عالیشان

الْكَبِيْرُ ﴿۳۰﴾ ع

اور بڑا ہے

اس لئے یہ سب تصرفات اسی کے ساتھ خاص ہیں ہاں اگر دوسرے موجودات فانی نہ ہوتے بلکہ نعوذ باللہ کوئی اور بھی ایسا ہوتا جس کا فنا ہونا محال اور ہمیشہ موجود رہنا ضروری ہوتا تو پھر یہ تصرفات خدا کے ساتھ خاص نہ ہوتے مگر موجودات میں کوئی بھی اس شان کا نہیں پس توحید ثابت ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ

اے مخاطب کیا تجھ کو یہ (دلیل توحید کی) معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے فضل سے

اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ؕ

کشتی دریا میں چلتی ہے تاکہ تم کو اپنی نشانیاں دکھلائے

چنانچہ مخلوقات میں ہر موجود چیز اپنے پیدا کرنے والے کو بتلاتی ہے۔

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۱﴾

اس میں نشانیاں ہیں ہر ایک ایسے شخص کے لئے جو صابر شاکر ہو

مراد اس سے مومن ہے کہ صبر و شکر میں کامل ہونا اسی کی صفت ہے اور اس جگہ ان صفتوں کا بیان کرنا خصوصیت کے ساتھ اس وجہ سے مناسب ہوا کہ کشتی کی حالت کے اعتبار سے موجوں کا اٹھنا صبر کا موقعہ ہے اور سلامتی سے کنارہ پر جا لگنا شکر کا موقع ہے پس جو لوگ ان واقعات میں فکر کرتے رہتے ہیں توحید پر استدلال کرنے کی ان ہی کو توفیق ہوتی ہے آگے بتلاتے ہیں کہ جس طرح کفار کو دلیل توحید کے مقدمات کا اقرار ہے جن کا بیان ولئن سالتھم میں اوپر آ چکا ہے اسی طرح بعض اوقات خود توحید کا اقرار بھی کر لیتے ہیں جس سے توحید خوب ہی واضح ہو گئی۔

وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ

اور جب ان لوگوں کو موجیں سائبان کی طرح گھیر لیتی ہیں تو وہ خالص اعتقاد

مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ

کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں پھر جب ان کو نجات دے کر خشکی کی طرف

فَمِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ ؕ

لے آتا ہے سو بعضے تو ان میں اعتدال پر رہتے ہیں

یعنی شرک کے ٹیڑھے راستہ کو چھوڑ کر توحید کو اختیار کر لیتے ہیں جو کہ نہایت معتدل راستہ ہے اور بعضے پھر ہماری آیتوں کے منکر ہو جاتے ہیں۔

وَمَا يَجۡحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوۡرٍ ﴿۳۲﴾

اور ہماری آیتوں کے بس وہی لوگ منکر ہوتے ہیں جو بدعہد اور ناشکر ہیں

کہ کشتی میں توحید عہد تھا اس کو توڑ دیا اور سلامتی سے خشکی میں آنے کا مقتضا شکر کرنا تھا اس کو چھوڑ دیا۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمۡ وَاخۡشَوۡا

اے لوگو اپنے رب سے ڈرو اور اس دن سے ڈرو جس میں نہ کوئی باپ اپنے

يَوۡمًا لَّا يَجۡزِىۡ وَالِدٌ عَنۡ وَّلَدِهٖ ۚ وَلَا

بیٹے کی طرف سے کچھ مطالبہ ادا کر سکے گا اور نہ کوئی بیٹا ہی ہے کہ وہ اپنے

مَوۡلُوۡدٌ هُوَ جَازٍ عَنۡ وَّالِدِهٖ شَيۡــًٔا ؕ

باپ کی طرف سے ذرا بھی مطالبہ ادا کر دے

ربط اوپر شرک کو باطل کیا تھا اور نمتعهم قليلا میں اس پر اجمالی وعید تھی آگے عام نصیحت کے رنگ میں قیامت کو یاد دلا کر تفصیلی وعید فرماتے ہیں یایها الناس اتقوا تا بالله الغرور

اور یہ دن ضرور آنے والا ہے کیونکہ اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے

اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الۡحَيٰوةُ

یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے سو تم کو دنیوی زندگانی دھوکے

الدُّنۡيَا ۚ وقفة

میں نہ ڈالے

کہ اس میں منہمک ہو کر اس دن سے غافل رہو۔

وَلَا يَغُرَّنَّكُمۡ بِاللّٰهِ الۡغَرُوۡرُ ﴿۳۳﴾

اور نہ تم کو دھوکہ باز شیطان اللہ سے دھوکہ میں ڈالے

کہ تم اس کے اس بہکانے میں آ جاؤ کہ اللہ تم کو عذاب نہ دے گا جیسا کہ بعض کافر کہا کرتے تھے۔ ولئن رجعت الی ربی ان لی عنده الحسنی کہ اگر میں خدا کے پاس گیا بھی تب بھی میرے لئے خدا کے پاس اچھا ٹھکانہ ہوگا ربط اوپر قیامت کی وعید تھی اور کفار انکار کے قصد سے اس کا وقت پوچھا کرتے تھے اس لئے اگلی آیت میں بطور جواب کے فرماتے ہیں کہ علم غیب خدا ہی کے ساتھ خاص ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قیامت کے وقت کو نہ جاننا اس کے نہ آنے کی دلیل نہیں ہو سکتی نیز اس آیت میں مخلوقات سے علم غیب کی نفی ہو گئی جن میں باطل معبود بھی داخل ہیں تو اس سے توحید کا اثبات بھی ہو گیا کہ جس کا علم ناقص ہو وہ معبود نہیں ہو سکتا اور خلاصہ تمام سورت کا یہی دو باتیں ہیں قیامت کا ثابت کرنا اور توحید کا بیان کرنا پس یہ آیۃ سورۃ کے تمام مضامین کو جامع ہو گئی اس لئے اس پر ختم کرنا عین بلاغت ہوا ان الله تا خبير

اِنَّ اللّٰهَ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ

بیشک اللہ ہی کو قیامت کی خبر ہے اور وہی مینہ

الۡغَيۡثَ ۚ

برساتا ہے

پس اس کا علم اور قدرت بھی اسی کے ساتھ خاص ہیں

وَيَعۡلَمُ مَا فِى الۡاَرۡحَامِ ؕ وَمَا تَدۡرِىۡ

اور وہی جانتا ہے جو کچھ رحم میں ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا

نَفۡسٌ مَّاذَا تَكۡسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدۡرِىۡ

کہ وہ کل کیا عمل کرے گا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ

نَفۡسٌۢ بِاَىِّ اَرۡضٍ تَمُوۡتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ

وہ کس زمین میں مرے گا بیشک اللہ سب باتوں کا

خَبِيۡرٌ ﴿۳۴﴾ ع

جاننے والا باخبر ہے

کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں

فائدہ: علم غیب کے معنی یہ ہیں کہ ہر چیز کو بلا واسطہ جاننا اور تمام چیزوں کے حالات وغیرہ کو احاطہ کر لینا ایسا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں ہو سکتا رہا یہ سوال کہ جب علم غیب مطلقاً خدا کے لئے مخصوص ہے تو ان پانچ چیزوں کی کیا خصوصیت ہے جو ان ہی کو بیان کیا گیا جواب یہ ہے کہ لوگوں نے حضورؐ سے ان ہی پانچ چیزوں کا سوال کیا تھا اس لئے آیۃ میں ان کو خصوصیت کے

ساتھ بیان کر دیا گیا دوسرے یہ کہ ان چیزوں کے جاننے کا لوگوں کو بہت اشتیاق ہوتا ہے اور حدیث میں جو وارد ہے مفاتح الغیب خمس کہ غیب کی کنجیاں پانچ چیزیں ہیں پھر آپ نے ان ہی چیزوں کو بیان فرمایا تو اس سے مقصود مثال کے طور پر بیان کرنا ہے یہ مطلب نہیں کہ ان پانچ کے سوا دوسری چیزوں کا علم غیب مخلوق کو ہوسکتا ہے اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ بعض اوقات علامات سے پیٹ کے بچہ کا حال اور بارش نازل ہونے کا وقت دوسرے لوگ بھی جان لیتے ہیں پھر ان کا جاننا خدا کے ساتھ کیونکر مخصوص ہو گا جواب یہ ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں کا علم غیب کے طریقہ پر جاننا خدا کے ساتھ خاص ہے اور علم غیب کے معنی معلوم ہو چکے ہیں کہ بلا واسطہ جاننے کو کہتے ہیں اور دوسرے لوگ علامات کے واسطہ سے جانتے ہیں بلا واسطہ نہیں جان سکتے پس اب کوئی اشکال نہیں رہا۔

سورة السجدة مكية و هي ثلثون اية و قيل تسع و عشرون

ربط: سورۂ سابقہ میں توحید و قیامت کے مضامین تھے اس سورت کے شروع میں حقانیت قرآن ثابت کرتے ہوئے رسالت کو ثابت کیا گیا ہے جس کا توحید و معاد کے ساتھ تناسب ظاہر ہے پھر اس کے بعد توحید و آخرت کا بھی ذکر ہے۔ بسم الله الرحمن الرحيم الٓمٓ

(۳۲) سُوْرَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ (۷۵)
سورۃ سجدہ مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں تیس آیتیں اور تین رکوع ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں
الٓمّٓ ۝۱ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ
الٓمٓ یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے اس میں کچھ شبہ نہیں
مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲
یہ رب العالمین کی طرف سے ہے

اس کے معنی اللہ کو معلوم ہیں تنزیل الکتٰب تا یھتدون

جیسا کہ اس کا اعجاز بلاغت وغیرہ خود اس کی دلیل ہے

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ
کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ پیغمبر نے یہ اپنے دل سے بنا لیا ہے

یہ کہنا محض لغو اور جھوٹ ہے یہ بنایا ہوا ہر گز نہیں۔

بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا
بلکہ یہ سچی کتاب ہے آپ کے رب کی طرف سے تاکہ
مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ
آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے
يَهْتَدُوْنَ ۝۳ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تا کہ وہ لوگ راہ پر آ جاویں اللہ ہی ہے
وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ
جس نے آسمان اور زمین کو اور اس مخلوق کو جو ان دونوں کے
ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۭ
درمیان میں ہے چھ روز میں پیدا کیا پھر تخت پر قائم ہوا

ربط: اوپر رسالت کو ثابت کیا گیا تھا آگے توحید کا اثبات ہے اور ضمناً قیامت کی طرف بھی اشارہ ہے الله الذى تا تشكرون

یعنی عالم میں احکام اور تصرفات نافذ اور جاری کرنے لگا۔

مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ۭ
بدوں اس کے نہ تمہارا کوئی مددگار ہے اور نہ کوئی سفارش کرنے والا

البتہ اجازت کے بعد شفاعت ہو جائے گی اور مدد کرنے کی اجازت ہی نہ ہوگی۔

اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝۴
سو کیا تم سمجھتے نہیں ہو

کہ ایسی ذات کا کوئی شریک نہیں ہوسکتا۔

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَاۗءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ
وہ آسمان سے لے کر زمین تک ہر امر کی تدبیر کرتا ہے پھر ہر امر اسی کے
يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ
حضور پہنچ جاوے گا ایک ایسے دن میں جس کی مقدار تمہارے شمار کے
اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝۵
موافق ایک ہزار برس کی ہوگی

یعنی قیامت میں تمام امور اور طاعات و گناہ سب اس کے حضور میں پیش ہوں گے اور یہاں قیامت کے دن کی مقدار ایک ہزار برس بیان ہوئی ہے اور دوسری آیت میں خمسین الف سنۃ یعنی پچاس ہزار سال کی مقدار آئی ہے سو دونوں میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ بعضوں کو سختی اور پریشانی کی وجہ سے وہ دن بہت زیادہ بڑا معلوم ہوگا ان کے اعتبار سے پچاس ہزار سال کہا گیا ہے کہ وہ ایسا ہی سمجھیں گے۔

ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ

وہی ہے جاننے والا پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا زبردست

الرَّحِيْمُ ﴿٦﴾ الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ

رحمت والا جس نے جو چیز بنائی خوب بنائی

خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ﴿٧﴾

اور انسان کی پیدائش مٹی سے شروع کی

ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ

پھر اس کی نسل کو خلاصہ اخلاط یعنی ایک بے قدر پانی

مَّهِيْنٍ ﴿٨﴾

سے بنایا

یعنی نطفہ سے جو کہ غذا کے چوتھے ہضم کا فضلہ ہے جب کہ غذا سے اخلاط (خون و بلغم سوداوصفرا) بن جاتے ہیں۔

ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ

پھر اس کے اعضاء درست کئے اور اس میں اپنی روح پھونکی

من روحه میں جو روح کو خدا کی طرف مضاف کیا گیا ہے یہ اضافت تشریفی ہے جیسے کعبہ کو بزرگی کی وجہ سے خدا کی طرف منسوب کر کے بیت اللہ (خدا کا گھر) کہا جاتا ہے ایسا ہی روح کو شرافت کی وجہ سے خدا کی طرف منسوب کر دیا گیا اور یہ مطلب نہیں کہ اللہ میں کوئی روح ہے اس کا کوئی جزو انسان میں پیدا کر دیا نعوذ باللہ منہ

وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ ؕ

اور تم کو کان اور آنکھیں اور دل دئے

یعنی ظاہری اور باطنی حواس اور قوتیں عطا کیں اور یہ سب خدا کی قدرت اور انعام پر دلالت کرتے ہیں جس کا مقتضا یہ تھا کہ خدا کا شکر کرتے اور بڑا شکر یہ ہے کہ توحید اختیار کرتے۔ ربط: اوپر توحید کا مضمون تھا آگے قیامت اور جزا کا بیان ہے اور کافروں کو زیادہ دھمکانے کے لئے قیامت کی سزا سے پہلے ایک اور سزا کا بیان فرمایا ہے جس کو عذاب ادنیٰ کہا ہے اور اس کے ساتھ اس کی وجہ بھی بتلادی کہ یہ لوگ عذاب کے مستحق کیوں ہیں محض اپنے شرک اور معصیت کی وجہ سے وقالوا اذا ضللنا تا منتقمون

قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿٩﴾ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا

تم لوگ بہت کم شکر کرتے ہو (یعنی نہیں کرتے) اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب

فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ؕ

ہم زمین میں نیست و نابود ہو گئے تو کیا ہم پھر نئے جنم میں آویں گے

آگے بتلاتے ہیں کہ ان لوگوں کو دوبارہ زندہ ہونے پر صرف تعجب ہی نہیں جیسا کہ بظاہر ان کے طرز گفتگو سے معلوم ہوتا ہے۔

بَلْ هُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ﴿١٠﴾

بلکہ وہ لوگ اپنے رب سے ملنے کے منکر ہی ہیں

اور یہ سوال محض انکار کی غرض سے کر رہے ہیں۔

قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ

آپ فرما دیجئے کہ تمہاری جان موت کا فرشتہ قبض کرتا ہے جو تم

بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿١١﴾

پر متعین ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے

جواب میں اصل مقصود تو یہی جملہ ہے کہ تم خدا کی طرف لوٹا کر لائے جاؤ گے اور درمیان میں موت کا ذکر زیادہ ڈرانے کے لئے بڑھا دیا کہ موت بھی فرشتے کے ذریعہ سے آئے گی جو جان نکالنے کے وقت تم کو مارے دھاڑے گا بھی جیسا کہ دوسری آیۃ میں ہے ولو تری اذ یتوفی الذین کفروا الملئکة یضربون وجوھھم وادبارھم کہ فرشتے جان نکالنے کے وقت کافروں کے چہروں اور پشتوں پر ماریں گے پس مرنے کا انجام صرف خاک ہی میں مل جانا نہ ہوگا جیسا کہ تم سمجھتے ہو

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ

اور اگر آپ دیکھیں (تو عجب حال دیکھیں) جبکہ یہ مجرم لوگ اپنے رب کے

عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ

سامنے سر جھکائے ہوں گے

غایت ندامت کی وجہ سے

رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا

کہ اے ہمارے پروردگار بس ہماری آنکھیں اور ہمارے کان کھل گئے

اور معلوم ہوگیا کہ جو کچھ انبیاء علیہم السلام نے کہا تھا سب حق تھا۔

فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿۱۲﴾

سو ہم کو پھر بھیج دیجئے ہم نیک کام کیا کریں گے ہم کو پورا یقین آ گیا

مگر ان کا یہ کہنا محض بے کار ہوگا کیونکہ دنیا میں تو ان کو جب بھیجتے کہ خواہ مخواہ ان کا راہ پر آنا ہی ہم کو مطلوب ہوتا نیز دوبارہ بھیجنے میں ان کا راہ پر آنا متوقع بھی ہوتا حالانکہ یہ دونوں باتیں نہیں ہیں نہ ان کا راہ پر آنا مطلوب ہے نہ یہ دوبارہ دنیا میں جا کر راہ پر آ دیں گے۔

وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا

اور اگر ہم کو منظور ہوتا تو ہم ہر شخص کو اس کا راستہ عطا فرماتے

یعنی جیسا کہ ان کو راستہ بتلایا گیا تھا اسی طرح ان کو مقصود تک پہنچا بھی دیا جاتا

وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ

ولیکن میری یہ بات محقق ہو چکی ہے کہ میں جہنم کو

مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳﴾

جنات اور انسان دونوں سے ضرور بھروں گا

اور یہ بات بہت سی حکمتوں کی وجہ سے مقدر ہوئی ہے چنانچہ بعض حکمتوں کا بیان سورۂ ہود کے اخیر میں ایسی ہی آیت کی تفسیر میں گزر چکا ہے پس ان کا راہ پر آنا تو اس لئے مطلوب نہیں اور دوبارہ جا کر بھی ان کے راہ پر نہ آنے کا بیان سورۂ انعام کے تیسرے رکوع کی اس آیت میں گزر چکا ہے ولو ردوا لعادوا لما نهوا عنه الخ کہ اگر (بالفرض) وہ واپس بھی کر دیئے جائیں تب بھی وہ ان ہی باتوں کی طرف لوٹیں گے جن سے ان کو منع کیا گیا ہے اور جن باتوں پر ان کا دنیا میں دوبارہ لوٹنا موقوف تھا جب وہ دونوں نہیں ہو سکتیں تو ان کا لوٹنا بھی نہیں ہو سکتا۔

فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ

تو اب اس کا مزہ چکھو کہ تم اپنے اس دن کے آنے کو بھولے رہے

اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ

ہم نے تم کو بھلا دیا

یعنی رحمت سے محروم کر دیا اور رحمت سے محروم کرنے کو مجازاً بھلا دینا کہہ دیا ہے آگے بتلاتے ہیں کہ یہ مزہ چکھنا ایک دو روز کا نہیں ہے

وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور اپنے اعمال کی بدولت ابدی عذاب کا مزہ چکھو

یہ تو کفار کا حال اور انجام ہوا آگے مومنین کا حال اور انجام بیان فرماتے ہیں۔

اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا

بس ہماری آیتوں پر تو وہ لوگ ایمان لاتے ہیں کہ

خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ

جب ان کو وہ آیتیں یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب

لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۱۵﴾ السجدة

کی تسبیح و تحمید کرنے لگتے ہیں اور وہ لوگ تکبر نہیں کرتے

جیسا کہ کافر لوگ تکبر کرتے ہیں یہ تو ان کے ایمان اور اخلاق کا حال ہے آگے اعمال کا حال مذکور ہے

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ

ان کے پہلو خوابگاہوں سے علیحدہ ہوتے ہیں

خواہ عشاء کے فرض کے لئے یا تہجد کے لئے بھی اور اس عام تفسیر سے سب روایتیں جمع ہو گئیں آگے فرماتے ہیں کہ ان کے پہلو خوابگاہوں سے صرف علیحدہ ہی نہیں ہوتے بلکہ وہ لوگ رات کو اٹھ کر اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں۔

يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ز

اس طور پر کہ وہ لوگ اپنے رب کو امید سے اور خوف سے پکارتے ہیں

اس میں نماز اور دعاء اور ذکر سب داخل ہیں

وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾

اور ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرتے ہیں

غرض کہ ایمان لانے والوں کی یہ صفات ہیں جن میں سے بعض تو ایسی ہیں جن پر خود ایمان ہی موقوف ہے اور بعض ایسی ہیں جن پر ایمان کا کامل ہونا موقوف ہے۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ

سو کسی شخص کو خبر نہیں جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ایسے لوگوں کے لئے

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾ اَفَمَنْ كَانَ

خزانہ غیب میں موجود ہے یہ ان کو ان کے اعمال کا صلہ ملا ہے تو جو شخص مومن

مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا یَسْتَوٗنَ ﴿۱۸﴾

ہو کیا وہ اس شخص جیسا ہو جاوے گا جو بے حکم ہو وہ آپس میں برابر نہیں ہو سکتے

چنانچہ ابھی معلوم ہو چکا ہے اور خاص انجام میں برابر نہ ہونے کی تفصیل تاکید کے لئے آگے پھر بیان فرماتے ہیں

اَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے سو ان کے لئے ہمیشہ

جَنّٰتُ الْمَاْوٰی ؗ نُزُلًۢا بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾

کا ٹھکانا جنتیں ہیں جو ان کے بدلے میں بطور ان کی مہمانی کے ہیں

یعنی جس طرح مہمان کی خاطر تعظیم کے ساتھ کی جاتی ہے اسی طرح اکرام کے ساتھ ان کو یہ چیزیں دی جائیں گی بھیک مانگنے والے محتاجوں کی طرح بے قدری اور بے وقعتی کے ساتھ نہ دی جاویں گی

وَاَمَّا الَّذِیْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ كُلَّمَآ

اور جو لوگ بے حکم تھے سو ان کا ٹھکانا دوزخ ہے وہ لوگ

اَرَادُوْٓا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَآ

جب اس سے باہر نکلنا چاہیں گے

اور کنارہ کی طرف بڑھیں گے

اُعِیْدُوْا فِیْهَا

تو پھر اسی میں دھکیل دیئے جاویں گے

تکلیف اور مصیبت سے بھاگنا اور نکلنے کا قصد کرنا طبعی حرکت ہے اگرچہ نکلنے کا راستہ کوئی بھی نہ ہو پس کفار بھی اسی طرح نکلنا چاہیں گے گو

بوجہ دروازے بند ہونے اور جہنم کی گہرائی کے وہ نکل نہ سکیں گے

وَقِیْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِیْ

اور ان کو کہا جاوے گا کہ دوزخ کا وہ عذاب چکھو

كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَنُذِیْقَنَّهُمْ

جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے اور ہم ان کو قریب

مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰی دُوْنَ الْعَذَابِ

کا (یعنی دنیا میں آنے والا) عذاب بھی اس بڑے عذاب سے

الْاَكْبَرِ

پہلے چکھا دیں گے

اس دنیوی عذاب سے مراد بیماریاں اور وبائیں اور قحط وغیرہ کے مصائب ہیں جو کہ گناہوں کے سبب سے آتی ہیں جیسا کہ آیت وما اصابکم الخ سے معلوم ہو چکا ہے۔

لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۲۱﴾

تاکہ یہ لوگ باز آ دیں

پھر جو اس پر بھی باز نہ آوے اس کے لئے بڑا عذاب ہے ہی آگے فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں پر عذاب ہونے سے کچھ تعجب نہ کرنا چاہیے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ

اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جس کو اپنے رب کی آیتیں یاد دلائی

اَعْرَضَ عَنْهَا ؕ

جاویں پھر وہ ان سے اعراض کرے

پھر اس کے سزا اور عذاب ہونے میں کیا شبہ ہے اس لئے ایسوں کو ضرور عذاب ہونا چاہیے

ربط: اوپر کفار کی تکذیب اور مخالفت کا ذکر آیا ہے چونکہ ان امور سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حزن اور غم ہوتا تھا اور مخالفت کی بعض باتوں سے مسلمانوں کو بھی تکلیف ہوتی تھی اس لئے آگے آپ کی اور مومنین کی تسلی کا مضمون ہے اور اس مضمون پر کفار کے بعض شبہات تھے ان کا بھی جواب دیا گیا ہے اور اسی پر سورت ختم ہے۔ ولقد اتینا تا منتظرون

اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ

ہم ایسے مجرموں سے بدلہ لیں گے اور

اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ

ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی

جس کی تبلیغ اور اشاعت میں ان کو تکلیفیں برداشت کرنا پڑیں اسی طرح آپ کو بھی برداشت کرنا چاہئے یہ ایک تسلی ہوئی اور خصوصیت کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کا ذکر شاید اس لئے کیا گیا کہ آپ میں اور موسیٰ علیہ السلام میں بہت سی وجوہ سے مشابہت تھی

فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ

سو آپ اس کے ملنے میں کچھ شک نہ کیجئے

یعنی اس کے منجانب اللہ ہونے میں شبہ نہ کیجئے اور ظاہر ہے کہ آپ کو اس میں شبہ کبھی نہیں ہوسکتا پس مطلب یہ ہے کہ آپ یقیناً صاحب کتاب و صاحب خطاب ہیں اور جب آپ اللہ کے نزدیک ایسے مقبول ہیں پس اگر چند مٹھی بھر احمق آپ کو قبول نہ کریں تو کوئی غم کی بات نہیں یہ دوسری تسلی ہوئی۔

وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۳﴾ ج

اور ہم نے اس کو بنی اسرائیل کے لئے موجب ہدایت بنایا تھا

اسی طرح آپ کی کتاب سے بہتوں کو ہدایت ہوگی یہ تیسری تسلی ہوئی۔

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ

اور ہم نے ان میں جبکہ انہوں نے صبر کیا بہت سے پیشوا بنا دیئے تھے

بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ط وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا

جو ہمارے حکم سے ہدایت کیا کرتے تھے اور وہ لوگ ہماری آیتوں کا

يُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾

یقین رکھتے تھے

اس لئے ان کی اشاعت اور مخلوق کی ہدایت میں مشقت گوارا کرتے تھے اس میں مسلمانوں کو تسلی ہے کہ جب تم لوگ بھی صاحب یقین ہو اور یقین کا مقتضا صبر کرنا ہے تو تم کو بھی صبر کرنا ضروری ہے اس وقت ہم تم کو بھی دین کا پیشوا بنا دیں گے یہ تسلی تو دنیا کے اعتبار سے ہے اور آگے آخرت کے اعتبار سے دوسری تسلی مذکور ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ

آپ کا رب قیامت کے روز ان سب کے آپس میں فیصلہ ان

الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۲۵﴾

امور میں کر دے گا جن میں یہ باہم اختلاف کرتے تھے

یعنی مومن کو جنت میں اور کافر کو دوزخ میں پہنچا دے گا اور قیامت بھی کچھ دور نہیں اس سے بھی تسلی حاصل کرنا چاہئے اور اس مضمون کو سن کر کفار دو شبہے کر سکتے تھے ایک یہ کہ ہم اسی کو نہیں مانتے کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارا کفر ناپسند ہے دوسرے یہ کہ ہم قیامت ہی کو ناممکن سمجھتے ہیں آگے دونوں کا جواب ہے پہلے کا جواب یہ ہے کہ اگر ان کو کفر کے برا ہونے میں شبہ ہے تو گذشتہ کافروں کے حال میں غور کرلیں۔

اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ

کیا ان کو یہ امر موجب رہنمائی نہیں ہوا کہ ہم ان سے پہلے کتنی امتیں ہلاک کر چکے ہیں

کہ ان کی ہلاکت خلاف عادت طریقہ سے ہوئی اور انبیاء کی پیشین گوئی کے بعد ہوئی جس سے خدا کا غضب ٹپکتا تھا اور اس سے کفر کا مبغوض و ناپسند ہونا صاف واضح ہے۔

مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ط

جن کے رہنے کے مقامات میں یہ لوگ آتے جاتے ہیں ان

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ط

میں صاف صاف نشانیاں ہیں

کفر کے مبغوض عند اللہ اور ناپسند ہونے کی۔

اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾

کیا یہ لوگ سنتے نہیں ہیں

حالانکہ وہ مشہور ہیں اور مخلوق کی زبانوں پر مذکور ہیں آگے دوسرے شبہ کا جواب ہے کہ وہ لوگ قیامت کو ناممکن سمجھتے ہیں

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ

کیا انہوں نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ ہم خشک افتادہ زمین کی طرف پانی

الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ

پہنچاتے ہیں پھر اس کے ذریعہ سے کھیتی پیدا کرتے ہیں جس سے ان کے

اَنۡعَامُهُمۡ وَاَنۡفُسُهُمۡ ؕ اَفَلَا يُبۡصِرُوۡنَ ﴿۲۷﴾

مواشی اور وہ خود بھی کھاتے ہیں تو کیا دیکھتے نہیں ہیں

یہ صاف نمونہ ہے مردوں کے دوبارہ زندہ کرنے کا جیسا کہ اس کی تقریر کئی جگہ گزر چکی ہے پس دونوں شبہے دفع ہو گئے۔

وَيَقُوۡلُوۡنَ مَتٰى هٰذَا الۡفَتۡحُ اِنۡ كُنۡتُمۡ

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ فیصلہ

صٰدِقِيۡنَ ﴿۲۸﴾

کب ہوگا

اوران کی غرض اس سوال سے محض تقاضا اور استہزاء اور انکار ہے آگے جواب ہے کہ تم فضول اس دن کا تقاضا کرتے ہو تمہارے لئے وہ پوری مصیبت کا دن ہے۔ بچاؤ کی یہی ایک صورت تھی جو وہاں نہ ہو سکے گی۔

قُلۡ يَوۡمَ الۡفَتۡحِ لَا يَنۡفَعُ الَّذِيۡنَ

آپ فرما دیجئے کہ اس فیصلہ کے دن ان

كَفَرُوۡۤا اِيۡمَانُهُمۡ

کافروں کو ان کا ایمان لانا نفع نہ دے گا

جن کے خیال سے غم ہوتا ہے

وَلَا هُمۡ يُنۡظَرُوۡنَ ﴿۲۹﴾ فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ

اور ان کو مہلت بھی نہ ملے گی سو ان کی باتوں کا خیال نہ کیجئے

اور بچاؤ کی یہی ایک صورت تھی جو وہاں نہ ہو سکے گی۔

وَانۡتَظِرۡ اِنَّهُمۡ مُّنۡتَظِرُوۡنَ ﴿۳۰﴾ ع

اور آپ منتظر رہیے یہ بھی منتظر ہیں

یعنی اپنے خیال میں اس کے منتظر ہیں کہ خدانخواستہ آپ کو ناکامی یا ضرر ہوگا مگر معلوم ہو جائے گا کہ کس کا انتظار صحیح ہے اور کس کا غلط اور کون کامیاب ہوتا ہے اور کون ناکام واللہ اعلم

سورة الاحزاب مدنية و هي ثلث و سبعون اية

ربط: اس سورت کے تمام مضامین کا خلاصہ یہ ہے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منجانب اللہ منصور ہونا اور خدا کے نزدیک محبوب اور خاص مقرب ہونا بتلایا گیا ہے اور آپ کی تعظیم کو مختلف وجوہ سے واجب اور ایذا رسانی کو حرام بتلایا گیا ہے اور سورۃ سابقہ کے ختم پر حضور کی تسلی کا مضمون تھا کہ وہ بھی محبوب ہونے کی دلیل ہے اس لئے دونوں سورتوں میں پوری مناسبت ہے اور چونکہ رسول کو ایذا پہنچانے کی مختلف صورتیں ہیں جن میں سے ایک ایذا کفار کی طرف سے زبان اور بات کی تھی کہ وہ آپ سے درخواست کرتے تھے کہ نعوذ باللہ آپ دعوت اسلام سے باز آ جائیں اور ہم آپ کو اتنا مال دیں گے اور بعض نے قتل کی بھی دھمکی دی تھی اس پر آپ کو رنج ہوا اس لئے سورت اسی کے متعلق مضمون سے شروع کی گئی۔ بسم الله الرحمن الرحيم يايها النبى تا وكيلا

(۳۳) سُوۡرَةُ الۡاَحۡزَابِ مَدَنِيَّةٌ (۹۰)

سورۂ احزاب مدینے میں نازل ہوئی اور اس میں تہتر آیتیں اور نو رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ اتَّقِ اللّٰهَ

اے نبی اللہ سے ڈرتے رہئے

اور کسی سے نہ ڈرے اور ان کی دھمکیوں کی ذرا پرواہ نہ کیجئے

وَلَا تُطِعِ الۡكٰفِرِيۡنَ وَالۡمُنٰفِقِيۡنَ ؕ

اور کافروں کا اور منافقوں کا کہنا نہ مانئے

یعنی جو لوگ کھلم کھلا دین کے خلاف مشورے دیتے ہیں اور جو کہ در پردہ ان کے ساتھی ہیں ان کا کہنا نہ مانیے بلکہ اللہ ہی کا کہنا کیجئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ان احکام پر پہلے ہی سے عمل کرنے والے تھے یہاں زیادہ مقصود مخالفین کو سنانا ہے کہ ہمارے نبی تو اس حالت پر رہیں گے تم ناکام ہو کر بیٹھ رہو۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ۙ ﴿۱﴾

بیشک اللہ تعالیٰ بڑا علم والا بڑی حکمت والا ہے

اس کا ہر حکم فوائد و مصالح پر مشتمل ہوتا ہے آگے اللہ کا کہنا ماننے کا مطلب بیان فرماتے ہیں۔

وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ط اِنَّ

اور آپ کے پروردگار کی طرف سے جو حکم آپ پر وحی کیا جاتا ہے اس پر چلئے

اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۲﴾

تم لوگوں کے سب اعمال کی اللہ تعالیٰ پوری خبر رکھتا ہے

پس تم میں جو لوگ ہمارے نبی کی مخالفت کر رہے ہیں ہم سب کو سمجھیں گے۔

وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ط وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۳﴾

اور آپ اللہ پر بھروسہ رکھئے اور اللہ کافی کارساز ہے

اس کے مقابلہ میں ان کی کوئی تدبیر نہیں چل سکتی اس لئے ان کے ڈرانے دھمکانے کا کچھ اندیشہ نہ کیجئے البتہ اگر اللہ تعالیٰ ہی اپنی حکمت کی وجہ سے کوئی کلفت آپؐ کے لئے بھیجے تو وہ سراسر منفعت ہے غرض یہ لوگ خود ضرر پہنچانے پر قادر نہیں ہیں۔ ربط اوپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی زبانی ایذا کے متعلق تسلی دی گئی تھی آگے ایک دوسری زبانی ایذا کے متعلق مضمون ہے جس کا واقعہ یہ ہوا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ سے نکاح کیا تھا جن کو حضرت زید بن حارثہ نے طلاق دی تھی اور ان زید بن حارثہ کو حضور نے کسی وقت اپنا متبنیٰ (بیٹا) بنالیا تھا اس لئے زمانہ نبوت سے پہلے اور اس کے بعد بھی آیت **ادعوهم لأباء هم** کے نازل ہونے تک یہ زید بن محمد کہلاتے تھے پھر جب اس آیت میں متبنیٰ بنانے کی ممانعت نازل ہوئی تو زید بن حارثہ پکارے جانے لگے غرض جب آپ نے حضرت زینب سے نکاح کیا تو مخالفین نے طعن کیا کہ اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرلیا آگے اس طعن کا اجمالی جواب دینا مقصود ہے اور تفصیلاً یہ مضمون نصف سورۃ پر آئے گا اور جواب کی تاکید کے لئے دو مضمون اور بیان فرما دیئے کہ ان دونوں مضمونوں میں بھی مسئلہ متبنیٰ کی طرح جاہلیت کے غلط خیالات کی اصلاح کرنا منظور ہے حاصل یہ کہ متبنیٰ کو بیٹا سمجھنا اور اس وجہ سے اس کی مطلقہ بی بی سے نکاح کرنے پر کسی کو طعن کرنا ایسا ہی غلط خیال ہے جیسا کہ بی بی کو زبان سے ماں کہہ دینے پر اس کو ماں کی طرح سمجھ لینا اور اس وجہ سے اس کو نکاح سے باہر سمجھنا یا کسی شخص کو زیادہ ہوشیار ہونے کی وجہ سے یہ سمجھنا کہ اس کے دو دل ہیں تو جس طرح یہ دونوں خیال غلط ہیں ایسے ہی یہ بھی غلط ہے کہ متبنیٰ کی بی بی سے نکاح کرنا طعن کی بات ہے۔ **ما جعل الله لرجل تا رحيما**

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ

اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے سینہ میں دو دل نہیں بنائے اور

جَوْفِهٖ ج وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓئِىْ تُظٰهِرُوْنَ

تمہاری ان بیبیوں کو جن سے تم ظہار کر لیتے ہو تمہاری ماں نہیں

مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ج وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ

بنا دیا اور تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا (سچ مچ کا)

اَبْنَآءَكُمْ ط ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ط

بیٹا نہیں بنا دیا یہ صرف تمہارے منہ سے کہنے کی بات ہے

جو واقع کے مطابق نہیں ہے بلکہ غلط ہے اور غلط بات پر کوئی واقعی حکم نہیں لگایا جاتا پس منہ بولے بیٹے کی بیوی سے طلاق کے بعد نکاح کرنے پر طعن کرنا محض حماقت ہے۔

وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِى السَّبِيْلَ ﴿۴﴾

اور اللہ حق بات فرماتا ہے اور وہی سیدھا راستہ بتلاتا ہے

چنانچہ ان تینوں غلطیوں کی اصلاح فرما دی جاہلیت میں یہ تینوں غلط باتیں مشہور تھیں کہ ذہین اور عقلمند آدمی کے دو دل سمجھا کرتے تھے چنانچہ روح المعانی میں ایک شخص کی حکایت ہے جو دو دل والا ہونے کا دعویٰ کرتا تھا وہ جنگ بدر سے اس حال میں بھاگا کہ ایک جوتا پاؤں میں اور ایک ہاتھ میں تھا ابوسفیان نے اس کو ٹوکا تو اس نے کہا کہ میں دونوں جوتے پاؤں ہی میں سمجھا تھا جس سے اس کے دعویٰ کا جھوٹ ہونا واضح ہو گیا دوسرے بیوی کو ماں کہہ دینے سے ہمیشہ کے لئے اسے حرام سمجھتے تیسرے متبنیٰ کو تمام احکام میں حقیقی بیٹے کی طرح سمجھتے پس یہاں بظاہر تیسری غلطی کا دور کرنا زیادہ مقصود ہے مگر تاکید کے لئے دو غلطیاں اور دور کر دیں اور ان کو پہلے بیان کیا گیا کیونکہ ان کا غلط ہونا زیادہ ظاہر تھا تو ان کی غلطی معلوم ہو جانے کے بعد تیسری بات کا غلط ہونا بھی اس طرح معلوم ہو جائے گا کہ متبنیٰ کا بیٹا ہونا محض مشہور ہی مشہور ہے اور کسی بات کا مشہور ہونا کوئی تعجب نہیں چنانچہ دیکھو فلاں فلاں باتیں بھی مشہور ہیں حالانکہ محض غلط ہیں اور جب وہ واقع میں تمہارے بیٹے نہیں ہیں تو ان کو متبنیٰ کرنے والوں کا بیٹا نہ کہو

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ج فَاِنْ

تم ان کو ان کے باپوں کی طرف منسوب کیا کرو یہ اللہ

لَمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ

کے نزدیک راستی کی بات ہے اور اگر تم ان کے باپوں کو نہ جانتے ہو تو وہ

وَمَوَالِيْكُمْ ؕ

تمہارے دین کے بھائی ہیں اور تمہارے دوست ہیں

پس ان کو اپنا بھائی اور اپنا دوست کہہ کر پکارو اور اس ممانعت میں وہ صورت داخل نہیں جب کہ شفقۃً اور مجازاً کسی کو بیٹا کہہ دیا جائے بلکہ خاص جاہلیت کے اعتقاد کے طور پر اپنی حقیقی اولاد کی طرح سمجھ کر بیٹا کہنے کی ممانعت ہے اور اگر کہنے والے کا یہ اعتقاد نہ ہو مگر وہ یقیناً جانتا ہے کہ اس سے جاہلیت کے اعتقاد کی تائید اور اشاعت ہوگی تب بھی قصداً ممنوع ہے۔

وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ

اور تم کو اس میں جو بھول چوک ہو جاوے تو اس سے تو تم پر کچھ گناہ نہ ہوگا

مثلاً عادت قدیمہ کے موافق سبقت لسانی یا سہو سے نکل جاوے تو معاف ہے۔

وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَكَانَ

لیکن ہاں دل سے ارادہ کر کے کرو اور

اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ⑤

اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے

اگر اس سے بھی استغفار کر لو گے تو پھر معاف ہو جائے گا ربط اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ اس سورۃ کا خلاصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان اور آپ کے حقوق کا بیان کرنا ہے جن میں سے ایک حق آپ کا اتباع اور تعظیم بھی ہے جس کی مختلف قسمیں ہیں آگے ایک خاص قسم کا بیان ہے جو سب کو شامل ہے یعنی حضور کا مسلمانوں کے ساتھ ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق ہونا اور اسی تعلق معنوی کی مناسبت سے ایک مسئلہ میراث کی تحقیق کا بھی بیان فرما دیا کیونکہ وہ ظاہری تعلق کی ایک فرع ہے النبی اولیٰ تا مسطوراً

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ

نبی مومنین کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں

کیونکہ اگر مسلمان کا نفس برا ہے تب تو ظاہر ہے کہ وہ بدخواہ ہے اور حضور خیر خواہ ہیں اور اگر نفس اچھا بھی ہے تب بھی بعض مصالح اور منافع اس سے پوشیدہ رہتے ہیں ان کا مشورہ وہ نہیں دے سکتا اور حضور کو اللہ تعالیٰ نے تمام ضروری مصلحتوں کا علم عطا فرمایا ہے اور آپ نے ان کی تعلیم فرمائی ہے بہر حال آپ سے نفع ہی نفع ہے پھر ہر قسم کا نفع ہے اس لئے آپ کا اپنی جان سے بھی زیادہ حق ہے اور آپ کی اطاعت مطلقاً اور تعظیم کمال درجہ ہے اور اس میں تمام احکام آ گئے۔

وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ

اور آپ کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں

کیونکہ جب حضور کو مسلمانوں کے ساتھ تعلق ان کی جان سے بھی زیادہ ہے تو آپ معنیً سب مسلمانوں کے باپ ہیں اس تعلق کی فرع یہ ہے کہ آپ کی ازواج مطہرات باعتبار تعظیم کے ان کی ماں ہیں اور اسی طرح ہر نبی اپنی امت کا باپ ہے اور ان کی بیبیاں ماں ہیں اور چونکہ ازواج مطہرات کا ماں ہونا تعظیم کے اعتبار سے ہے تو جن احکام کا تعلق تعظیم سے نہ ہوگا ان میں ماں ہونے کا اثر ظاہر نہ ہوگا مثلاً پردہ نہ کرنا اور ان کو دیکھنا یا تنہائی میں ان کے پاس بیٹھنا وغیرہ کہ ان امور کو تعظیم سے کوئی تعلق نہیں اس لئے ازواج مطہرات سے مسلمانوں کو پردہ کرنا واجب اور ان کو دیکھنا اور تنہائی میں ان کے پاس بیٹھنا بدستور حرام رہا البتہ حضور کے بعد ان سے نکاح کرنا حرام کیا گیا کیونکہ تعظیم کی یہ بھی ایک فرع ہے لیکن تمام انبیاء کی بیویوں سے امتیوں کا نکاح حرام ہونا ثابت نہیں بلکہ روح میں مواہب سے نقل کیا ہے کہ یہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے آگے بتلاتے ہیں کہ چونکہ حضورؐ کا اپنی امت کے لئے باپ ہونا حقیقت نہیں ہے بلکہ معنیً ہے اس لئے یہ لازم نہ سمجھا جائے کہ تمام مسلمان آپس میں حقیقی بھائی ہو جائیں کہ ان میں ہر شخص دوسرے کا وارث ہو سکے بلکہ وراثت کا مدار صرف رشتہ داری پر ہے۔

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ

اور رشتہ دار کتاب اللہ میں ایک دوسرے سے زیادہ تعلق

كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ

رکھتے ہیں بہ نسبت دوسرے مومنین اور مہاجرین کے

پس ایمان اور ہجرت کے علاقہ سے اب کوئی کسی کا وارث نہ ہوگا اور شروع اسلام میں جو اس قسم کا حکم تھا کہ ایمان اور ہجرت کے تعلق سے بھی ایک مسلمان دوسرے کا وارث ہوتا تھا وہ بعض مصالح کی وجہ سے تھا اب یہ حکم منسوخ ہے۔

اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ

مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں سے کچھ سلوک کرنا چاہو تو وہ جائز ہے

كَانَ ذٰلِكَ فِى الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۶﴾

یہ بات لوح محفوظ میں لکھی جا چکی تھی

کہ اخیر حکم شریعت کا یہ ہوگا کہ وراثت کا مدار رشتہ داری پر ہے ایمان اور ہجرت کے تعلق سے کوئی کسی کا وارث نہ ہوگا ربط اوپر شروع سورت میں حضور کو وحی کے اتباع کا حکم ہوا ہے اور مسلمانوں کو صاحب وحی کے اتباع کا آگے ان کی تاکید کے لئے انبیاء سے عہد لئے جانے کا بیان ہے اور یہ کہ جو لوگ انبیاء کے منکر ہیں وہ عذاب کے مستحق ہیں واذ اخذنا من النبین تا عذاباً الیماً

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ

اور جبکہ ہم نے تمام پیغمبروں سے ان کا اقرار لیا اور آپ سے بھی

وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ

اور نوحؑ اور ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ بن

مَرْيَمَ

مریم سے بھی

اور وہ عہد یہ تھا کہ احکام کا اتباع کرنا جس میں احکام کا پہنچانا اور ایک نبی کا دوسرے کی تائید و تصدیق کرنا بھی داخل ہے۔

وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۷﴾ لِّيَسْـَٔلَ

اور ہم نے ان سب سے خوب پختہ عہد لیا تاکہ

الصّٰدِقِيْنَ

ان سچوں سے

یعنی پیغمبروں سے جو کہ اپنے قول و قرار میں سچے تھے

عَنْ صِدْقِهِمْ ج

ان کے سچ کی تحقیقات کرے

جس سے انبیاء کی بزرگی ظاہر ہوگی اور نہ ماننے والوں پر حجت قائم ہو گی پس اس سے دونوں باتوں کا واجب ہونا معلوم ہو گیا۔ انبیاء پر اتباع وحی کا واجب ہونا اور ۲۔ دوسروں پر انبیاء کا اتباع واجب ہونا انبیاءؑ کا اپنے عہد کو پورا کرنا تو اسی سے معلوم ہو گیا کہ خدا نے ان کو صادقین فرمایا ہے اب رہ گئے دوسرے لوگ سو ان کو انبیاء کا اتباع کرنے پر آگے وعید سناتے ہیں۔ ربط اوپر وعید سنا کر اطاعت کی رغبت دلائی تھی آگے اپنی ایک بڑی نعمت یاد دلا کر اطاعت کی ترغیب دیتے ہیں وہ یہ کہ مسلمانوں کو دو غزووں میں کامیابی دی اور پریشانی دور کی اور اس کے ضمن میں کفار و منافقین کے افعال و اقوال اور زبان درازی وغیرہ پر ملامت اور تشنیع بھی ہے جن سے رسول اللہ کو اذیت پہنچی تھی اور اس سورت میں بڑا مقصود رسولؐ کی ایذا رسانی پر ملامت بھی ہے نیز اس قصہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منظور من اللہ اور محبوب ہونا بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ بھی اس سورت کا بڑا مقصود ہے اور خلاصہ اس واقعہ کا یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود بنی نضیر کو مدینہ سے نکال دیا تھا جس کا قصہ سورۂ حشر میں آوے گا انہوں نے سنہ چار یا پانچ ہجری میں قبائل عرب کو بہکایا اور سب ملکر دس بارہ ہزار آدمی مدینہ پر چڑھ آئے آپ نے مدینہ کے گرد جہاں جہاں سے آنے کا موقع تھا خندق کھدوائی اور تین ہزار آدمیوں سے ان کا مقابلہ کیا اور دور دور سے کچھ لڑائی بھی ہوتی رہی قریب ایک ماہ کے یہ محاصرہ رہا آخر اللہ تعالیٰ نے ظاہر میں ایک آندھی سے اور باطن میں فرشتوں کے لشکر سے سب کفار کو بھگا دیا چونکہ یہود بنی قریظہ نے اپنے معاہدہ کے خلاف ان محاصرہ کرنے والوں کی مدد کی تھی اس لئے آپ غزوۂ خندق سے فارغ ہوتے ہی بنو قریظہ کے مقابلہ کے لئے چلے وہ اول قلعہ میں بند ہو گئے اور بیس پچیس روز تک محصور رہے پھر آخر تنگ ہو کر نکلے اور بعضے قتل اور بعضے قید ہوئے اور اس واقعہ میں منافقین کی طرف سے بھی بہت بے مروتی کی باتیں ظاہر ہوئیں یایھا الذین تا قدیراً

وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۸﴾ ع يٰۤاَيُّهَا

اور کافروں کے لئے اللہ تعالیٰ نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ

ایمان والو اللہ کا انعام اپنے اوپر یاد کرو جبکہ تم پر

جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ

بہت سے لشکر چڑھ آئے

یعنی عینیہ کا لشکر اور ابوسفیان کا لشکر اور یہود بنی قریظہ کا لشکر

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا

پھر ہم نے ان پر ایک آندھی بھیجی

جس نے ان کو پریشان کر دیا اور ان کے خیمے اکھاڑ پھینکے

وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ط

اور ایسی فوج بھیجی جو تم کو دکھائی نہ دیتی تھی

گو بعض صحابہؓ نے بعض فرشتوں کو انسانی شکل میں دیکھا بھی تھا اور وہ صحابہ کفار کے لشکر میں جاسوسی کے لئے گئے تھے وہاں یہ آواز بھی سنی کہ بھاگو بھاگو اور یہ فرشتے لڑے نہ تھے صرف کفار کے دل میں رعب ڈالنے کے لئے بھیجے گئے تھے۔

وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿۹﴾ ج

اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتے تھے

جیسے خندق کھودنا اور لڑائی کے لئے ثابت قدم رہنا اور ان کاموں سے خوش ہو کر تمہاری امداد فرما رہے تھے۔

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ

جبکہ وہ لوگ تم پر آ چڑھے تھے اوپر کی طرف سے بھی اور نیچے کی طرف سے بھی

یعنی کوئی جماعت مدینہ کے نشیب کی طرف سے آئی اور کوئی بلندی کی جانب سے۔

وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ

اور جبکہ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں تھیں اور کلیجے منہ کو آنے لگتے تھے

الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ﴿۱۰﴾

اور تم لوگ اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کر رہے تھے

جیسا کہ پریشانی کے وقت میں مختلف وسوسے اور اپنے غالب یا مغلوب ہونے کے احتمالات آیا کرتے ہیں اور یہ وسوسہ کچھ برا نہیں نہ اس پر مواخذہ ہے آگے جو مسلمانوں کا قول آوے گا ھذا ما وعدنا الله و رسوله و صدق الله و رسوله الخ کہ یہ وہی موقع ہے جس کی خدا نے اور اس کے رسولؐ نے ہم کو خبر دی تھی اور خدا کی اور اس کے رسول کی خبر سچی تھی الخ تو اس سے مراد کفار کے لشکروں کا آنا ہے پس چونکہ اس کی ان کو خبر دے دی گئی تھی اس لئے اس کا پہلے سے یقین تھا لیکن اس واقعہ کا انجام نہیں بتلایا گیا تھا اس لئے انجام کی بابت مختلف خیالات پیدا ہوتے تھے۔

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا

اس موقعہ پر مسلمانوں کا امتحان کیا گیا اور سخت زلزلہ میں

شَدِيْدًا ﴿۱۱﴾ وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ

ڈالے گئے اور جبکہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ

مرض ہے یوں کہہ رہے تھے کہ ہم سے تو اللہ نے اور اس کے رسول نے محض

اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲﴾

دھوکہ ہی کا وعدہ کر رکھا ہے

خندق کھودتے ہوئے ایک پتھر پر کدال لگنے سے کئی بار آگ کی چنگاریاں نکلی تھیں اور حضور نے ہر بار میں یہ ارشاد فرمایا تھا کہ مجھ کو روم اور شام اور فارس کے محل اس کی روشنی میں نظر آئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی فتح کا وعدہ فرمایا ہے جب کفار کے ان لشکروں کے جمع ہونے سے پریشانی ہوئی تو معتب بن قشیر اور اس کے ساتھی منافقین کہنے لگے کہ یہ تو حالت ہے اور اس پر شام اور روم کی فتح ہونے کی بشارتیں دی جاتی ہیں یہ محض دھوکہ ہے اور اگرچہ وہ منافقین اس کو اللہ کا وعدہ نہ سمجھتے تھے نہ آپ کو رسول مانتے تھے مگر اس کو اللہ کا اور رسول کا وعدہ استہزاء اور دل لگی کے طور پر کہا ہوگا۔

وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ

اور جبکہ ان میں سے بعض لوگوں نے کہا کہ اے یثرب کے لوگو تمہارے لئے

لَا مُقَامَ لَكُمْ

ٹھہرنے کا موقع نہیں

کیونکہ یہاں میدان میں رہنا موت کے منہ میں جانا ہے۔

فَارْجِعُوْا ج

سو لوٹ چلو

یہ بات اوس بن قیظی نے کہی تھی اور بھی کچھ لوگ اس میں شریک تھے

وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ

اور بعض لوگ ان میں نبی سے اجازت مانگتے تھے کہتے تھے

اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ط

کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں

صرف عورتیں بچے رہ گئے اور گھر کی دیواریں بھی اطمینان کے قابل نہیں اندیشہ ہے کبھی چور نہ آگھسیں اور یہ بات ابوعرابہ اور بنی حارثہ کے بعض لوگوں نے کہی تھی یعنی ان کو چوری وغیرہ کا اندیشہ ہرگز نہیں اور نہ وہاں جانے سے ان کی یہ نیت ہے کہ ان کا انتظام قابل اطمینان کر کے چلے آویں گے۔

وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ إِنْ يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ﴿١٣﴾

حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں ہیں یہ محض بھاگنا ہی چاہتے ہیں

وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِنْ أَقْطَارِهَا

اور اگر مدینہ میں اس کے اطراف سے ان پر کوئی آ گھسے

جب کہ یہ اپنے گھروں میں ہوں۔

ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَآتَوْهَا

پھر ان سے فساد کی درخواست کی جاوے

یعنی مسلمانوں سے لڑنے کی ان منافقین سے درخواست کی جائے۔

وَمَا تَلَبَّثُوا بِهَا إِلَّا يَسِيرًا ﴿١٤﴾

تو یہ اس کو منظور کر لیں اور ان گھروں میں بہت ہی کم ٹھہریں

یعنی اتنا توقف تو کریں کہ ان سے کوئی اس قسم کی درخواست کرے اور اس کے بعد فوراً ہی مسلمانوں ہی کے مقابلہ میں جا پہنچیں اور اپنے گھروں کا کچھ بھی خیال نہ کریں کہ ہم لڑائی میں جا رہے ہیں ایسا نہ ہو کبھی کوئی ہمارے گھر لوٹ لے اس سے معلوم ہوا کہ اصل میں ان کو مسلمانوں سے عداوت اور کفار سے محبت ہے اس لئے مسلمانوں کی اتنی امداد بھی گوارا نہیں کرتے کہ ان کے ساتھ رہ کر شمار ہی بڑھا دیں باقی گھروں کا تو بہانہ ہے۔

وَلَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ

حالانکہ یہی لوگ پہلے خدا سے عہد کر چکے تھے

لَا يُوَلُّونَ الْأَدْبَارَ ۚ

کہ پیٹھ نہ پھیریں گے

یہ عہد اس وقت کیا تھا جب کہ جنگ بدر میں بعض لوگ شرکت سے رہ گئے تھے تو بعض منافقوں نے مفت کا احسان دھرنے کے لئے کہا تھا کہ افسوس! ہم شریک نہ ہوئے ورنہ ایسا کرتے ویسا کرتے جب وقت آیا ساری قلعی کھل گئی۔

وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْئُولًا ﴿١٥﴾ قُلْ لَنْ يَنْفَعَكُمُ

اور اللہ سے جو عہد کیا جاتا ہے اس کی باز پرس ہوگی آپ فرما دیجئے کہ تم کو

الْفِرَارُ إِنْ فَرَرْتُمْ مِنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ

بھاگنا کچھ نافع نہیں ہو سکتا اگر تم موت سے یا قتل سے بھاگتے ہو اور اس

وَإِذًا لَا تُمَتَّعُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٦﴾

حالت میں بجز تھوڑے دنوں کے اور زیادہ متمتع نہیں ہو سکتے

یعنی تم جو بھاگے بھاگے پھرتے ہو تو اس سے عمر نہیں بڑھ سکتی کیونکہ اس کا وقت مقدر ہے اگر تم نہ بھاگتے جب بھی وقت سے پہلے نہیں مر سکتے تھے مثلاً وہ تم کو ہلاک کرنا چاہے تو کیا تم کو کوئی بچا سکتا ہے جب کہ تم بھاگنے کو نافع سمجھتے ہو مثلاً وہ زندہ رکھنا چاہے (جو کہ دنیوی فضل ہے) تو کیا کوئی خدا کو روک سکتا ہے جیسا کہ تم سمجھتے ہو کہ میدان میں رہنا یقیناً موت کے منہ میں جانا ہے۔

قُلْ مَنْ ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُمْ مِنَ اللَّهِ إِنْ

یہ بھی فرما دیجئے کہ وہ کون ہے جو تم کو خدا سے بچا سکے اگر وہ تمہارے ساتھ

أَرَادَ بِكُمْ سُوءًا

برائی کرنا چاہے

یعنی نہ کوئی نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان اب اس تقدیر کے مسئلہ کو بیان کر کے آگے پھر منافقین کی مذمت چلی ہے۔

أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۚ وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ

یا وہ کون ہے جو خدا کے فضل کو تم سے روک سکے اگر وہ تم پر فضل کرنا چاہے اور

دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿١٧﴾ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ

خدا کے سوا نہ کوئی اپنا حمایتی پائیں گے اور نہ کوئی مددگار اللہ تعالیٰ تم میں سے

الْمُعَوِّقِينَ مِنْكُمْ وَالْقَائِلِينَ لِإِخْوَانِهِمْ

ان لوگوں کو جانتا ہے جو مانع ہوتے ہیں اور جو اپنے (نسبی یا وطنی) بھائیوں

هَلُمَّ إِلَيْنَا ۚ

سے یوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس آ جاؤ

وہاں جا کر کیوں اپنی جان دیتے ہو یہ بات ایک منافق نے اس وقت کہی تھی جب کہ وہ بھنا ہوا گوشت اور روٹی کھا رہا تھا اس کا حقیقی بھائی مسلمان تھا اس نے کہا افسوس! تو اس چین میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسی تکلیف میں وہ بولا کہ بھائی تم بھی یہیں چلے آؤ۔

وَلَا يَأْتُونَ الْبَأْسَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٨﴾

اور لڑائی میں بہت ہی کم آتے ہیں

یعنی اتنی دیر کو آتے ہیں کہ ذرا نام ہو جائے

اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚ

تمہارے حق میں بخیلی لئے ہوئے

یعنی آنے میں بڑی نیت یہ ہوتی ہے کہ سب غنیمت مسلمانوں ہی کو نہ مل جائے اس لئے برائے نام ہی شریک ہو جاتے ہیں تا کہ غنیمت کے استحقاق کا دعویٰ تو کر سکیں۔

فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ

سو جب خوف پیش آتا ہے تو ان کو دیکھتے ہو کہ وہ آپ کی طرف اس طرح

تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ

دیکھنے لگتے ہیں کہ ان کی آنکھیں چکرائی جاتی ہیں جیسے کسی پر موت کی بیہوشی

الْمَوْتِ ۖ

طاری ہو

یہ تو بزدلی کی حالت ہے۔

فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُمْ بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ

پھر جب وہ خوف دور ہو جاتا ہے تو تم کو تیز تیز باتوں سے طعنے دیتے ہیں

أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۚ

مال پر حرص لئے ہوئے

یعنی مال غنیمت لینے کے لئے دلخراش باتیں کرتے ہیں کہ کیوں ہم شریک نہ تھے ہماری ہی مدد سے تم کو یہ فتح میسر نہیں ہوئی یہ ان کے بخل و حرص کی حالت ہے آگے خدا کے ساتھ جو ان کا معاملہ ہے اس کا ذکر ہے۔

أُولَٰئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ ۚ

یہ لوگ ایمان نہیں لائے تو اللہ تعالیٰ نے تو ان کے تمام اعمال نیک بیکار کر رکھے ہیں

کہ آخرت میں کچھ ثواب نہ ملے گا

وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿١٩﴾

اور یہ بات اللہ کے نزدیک بالکل آسان ہے

کوئی اس سے مزاحمت نہیں کر سکتا کہ ہم تو اپنے اعمال کا بدلہ ضرور لیں گے یہ حالت تو منافقین کے ان لشکروں کے مجتمع ہونے کے وقت تھی آگے

فرماتے ہیں کہ یہ ایسے بزدل ہیں کہ ان کے چلے جانے کے بعد بھی ان کے دل سے دہشت دور نہیں ہوئی۔

يَحْسَبُونَ الْأَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوا ۖ وَإِنْ يَأْتِ

ان لوگوں کا یہ خیال ہے کہ (ابھی تک) لشکر گئے نہیں اور اگر (بالفرض) یہ

الْأَحْزَابُ يَوَدُّوا لَوْ أَنَّهُمْ بَادُونَ فِي

(گئے ہوئے) لشکر (جولوٹ کر) آجاویں تو (پھر تو) یہ لوگ (اپنے لئے) یہی

الْأَعْرَابِ يَسْأَلُونَ عَنْ أَنْبَائِكُمْ ۖ

پسند کریں کہ کاش ہم دیہاتیوں میں باہر جا رہیں کہ تمہاری خبریں پوچھتے رہیں

اور اپنی آنکھوں سے میدان کا خوفناک منظر نہ دیکھیں

وَلَوْ كَانُوا فِيكُمْ مَا قَاتَلُوا إِلَّا قَلِيلًا ﴿٢٠﴾ ع

اور اگر تم ہی میں رہیں تب بھی کچھ یونہی سا لڑیں

یعنی اگر دیہات میں کل یا بعض نہ جا سکیں تو اس وقت کی لے دے سن کر یہ نہ ہوگا کہ لڑائی میں پوری طرح شریک ہوں بلکہ پھر بے غیرت بن کر لڑائی سے بیٹھ رہیں گے ہاں غنیمت میں حق لینے کے خیال سے برائے نام شرکت کر لیں گے آگے فرماتے ہیں کہ استقلال اور ثابت قدمی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرنا ایمان کی علامت اور اسلام کا تقاضا ہے جس سے منافقین کو عار دلانا منظور ہے کہ باوجود دعویٰ ایمان کے حضور کے اتباع سے پیچھے ہٹ گئے اور سچے مومنوں کو بشارت ہے کہ وہ البتہ خدا سے ڈرنے والے ہیں۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ

تم لوگوں کے لئے یعنی ایسے شخص کے لئے جو اللہ سے اور روز

حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ

آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہو

یعنی مومن کامل ہو پس اللہ سے اور روز آخرت سے ڈرنے میں مبدأ و معاد کا اعتقاد داخل ہے اور ذکر اللہ میں سب طاعتیں آگئیں۔

وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ﴿٢١﴾ ط

رسول اللہ ؐ کا ایک عمدہ نمونہ موجود تھا

یعنی جب آپ ہی لڑائی میں شریک رہے تو آپ سے زیادہ کون پیارا

ہے کہ وہ اپنی جان بچائے پھرے۔

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا

اور جب ایمانداروں نے ان لشکروں کو دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ وہی ہے جس

مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ

کی ہم کو اللہ نے اور اس کے رسول نے خبر دی تھی

چنانچہ سورۂ بقرہ کی اس آیت ام حسبتم ان تدخلوا الجنة تا وزلزلوا حتی یقول الرسول الخ میں اس کی طرف اشارہ قریب صراحت کے ہے کہ پہلے مسلمانوں کو جس طرح مصیبتیں اور سخت پریشانیاں پہنچیں اور زلزلہ میں ڈالے گئے اسی طرح تم کو بھی ان کے لئے آمادہ رہنا چاہئے کیونکہ سورۂ بقرہ سورۂ احزاب سے پہلے نازل ہوئی ہے کما فی الاتقان۔

وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۫ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ

اللہ اور رسول نے سچ فرمایا تھا اور اس سے ان کے ایمان

اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾

اور اطاعت میں اور ترقی ہوگئی

کیونکہ اس سے اس پیشین گوئی کی تصدیق ہوگئی اور یہ وصف تو سب مسلمانوں میں مشترک تھا اور بعض مومنین کے خاص اوصاف بھی تھے جن کا آگے ذکر ہے۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا

ان مومنین میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ انہوں نے جس بات کا اللہ سے عہد

عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ

کیا تھا اس میں سچے اترے

اس کا یہ مطلب نہیں کہ بعضے مسلمانوں نے عہد کیا اور سچے نہیں اترے بلکہ مطلب یہ ہے کہ بعض نے عہد ہی نہیں کیا تھا اور بلا عہدی ثابت قدم رہے اور بعضوں نے عہد بھی کیا تھا اور اسے پورا بھی کر دیا اور ان عہد کرنے والوں سے مراد حضرت انس بن النضر اور ان کے ساتھی ہیں یہ حضرات اتفاق سے غزوۂ بدر میں شریک نہ ہونے پائے تھے تو ان کو افسوس ہوا اور عہد کیا کہ اگر اب کے کوئی جہاد ہو تو اس میں ہماری جان توڑ کوشش دیکھ لی جاوے گی مطلب یہ تھا کہ منہ نہ موڑیں گے گو مارے جاویں

فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ

پھر بعضے تو ان میں وہ ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے ہیں اور بعضے ان میں

يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾

مشتاق ہیں اور انہوں نے ذرا تغیر تبدل نہیں کیا

نذر سے مراد عہد ہی ہے جس کا پورا کرنا مثل نذر کے واجب ہے مطلب یہ کہ وہ عہد پورا کر چکے اور شہید ہوگئے اور اخیر دم تک منہ نہیں موڑا چنانچہ حضرت انس ممدوح احد میں شہید ہوگئے تھے اور حضرت مصعب بھی اور ابھی شہید نہیں ہوئے یعنی اپنے ارادہ پر بدستور قائم ہیں پس تمام جماعت کی اول دو قسمیں ہوئیں ایک منافق (جس کا اوپر بیان ہوا ہے) دوسرے مومنین پھر مومنین میں دو قسمیں ہوئیں ایک عہد کرنے والے دوسرے عہد نہ کرنے والے (اور ثابت قدم دونوں رہے) پھر عہد کرنے والوں کی دو قسمیں ہیں ایک شہید دوسرے شہادت کے منتظر پس ان آیتوں میں کل چار قسمیں مذکور ہیں آگے اس واقعہ احزاب کی ایک حکمت بیان فرماتے ہیں

لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ

یہ واقعہ اس لئے ہوا تا کہ اللہ تعالیٰ سچے مسلمانوں کو ان کے سچ کا صلہ دیوے

الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ

اور منافقوں کو چاہے سزا دے یا چاہے ان کو توبہ کی توفیق دے

کیونکہ ایسے حوادث میں مخلص اور بناوٹ کرنے والے میں امتیاز ہو جاتا ہے اور کبھی ملامت سے متاثر ہو کر بناوٹ کرنے والے بھی مخلص ہو جاتے ہیں اور بعضے اسی حالت میں رہتے ہیں

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۴﴾ۚ

بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے

اس توبہ کا قبول ہو جانا کچھ مستبعد نہیں اس میں توبہ کی ترغیب ہے یہاں تک مجمع اسلام کے مختلف لوگوں کے حالات مذکور ہوئے آگے کفار مخالفین کی حالت مذکور ہے۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ

اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ان کے غصہ میں بھرا ہوا ہٹا دیا کہ ان کی کچھ بھی

يَنَالُوْا خَيْرًا ۭ

مراد پوری نہ ہوئی

اور اسی کا غصہ ان میں بھرا ہوا تھا

وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ط

اور جنگ میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لئے آپ ہی کافی ہو گیا

یعنی کفار کو باقاعدہ لڑائی کی نوبت بھی نہ آئی کہ پہلے ہی دفع ہو گئے گو متفرق طور پر خفیف سی لڑائی ہوئی سو اس کی نفی مراد نہیں آگے فرماتے ہیں کہ اس طرح کافروں کو دفع کر دینا کچھ عجیب نہ سمجھو۔

وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ج ﴿۲۵﴾

اور اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا بڑا زبردست ہے

اسے کچھ دشوار نہیں یہ تو مشرکین کا حال ہوا اور مخالفوں میں دوسری جماعت یہود بنو قریظہ کی تھی آگے ان کا ذکر ہے۔

وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ

اور جن اہل کتاب نے ان کی مدد کی تھی ان کو ان کے قلعوں سے

الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ

نیچے اتار دیا اور ان کے دلوں میں تمہارا رعب بٹھلا دیا

الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ

بعض کو تم قتل کرنے لگے اور بعض کو قید کر لیا اور

فَرِيْقًا ج ﴿۲۶﴾ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ

ان کی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے مالوں کا تم کو مالک بنا دیا

وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ط

اور ایسی زمین کا بھی جس پر تم نے قدم نہیں رکھا

اس میں بشارت ہے آئندہ ہونے والی فتوحات کی عموماً یا فتح خیبر کی خصوصاً جو اس واقعہ سے کچھ ہی بعد ہوا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی میں تم کو ایسی زمینوں کا بھی مالک بنا رکھا ہے جہاں اب تک تم نہیں پہنچے۔ ربط اس سورت کا مقصود پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا سے منع کرنا ہے آگے اس ایذا کا بیان ہے جو ازواج مطہرات کے کچھ زیادہ دنیوی سامان تقاضے کے ساتھ مانگنے سے آپ کے قلب کو پہنچی تھی جس کو ازواج مطہرات غلطی سے زیادہ نہ سمجھی تھیں حتیٰ کہ آپ ناخوش ہو کر ایک مہینہ کے لئے سب سے الگ ہو گئے تھے اور یہ قسم ایذا کی دوسری اقسام سے بہت زیادہ خفیف ہے کیونکہ اس میں ان کا مقصد ایذا کا نہ تھا بلکہ دلی محبت اس کے ساتھ ملی ہوئی تھی محض غلطی کی بناء پر ان سے یہ فعل صادر ہوا اور غالباً اس مانگنے کی وجہ یہ ہوئی کہ فتح خیبر وغیرہ سے حضورؐ کو کسی قدر مالی وسعت ہوگئی تھی تو اپنے خیال میں وہ اس کو تکلیف اور ایذا کا سبب نہیں سمجھیں اور یہ قصہ فتح خیبر کے بعد ہوا ہے اگلی آیتیں حضرات امہات المومنین کی فہمائش کے لئے نازل ہوئیں اور یہ قصہ حدیثوں میں خوب مفصل آیا ہے یایھا النبی تا خبیرا

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ع ﴿۲۷﴾ يٰٓاَيُّهَا

اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے اے نبی آپ اپنی

النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ

بیبیوں سے فرمادیجئے

کہ تم سے دوٹوک بات کہی جاتی ہے تاکہ ہمیشہ کے لئے قصہ ایک طرف ہو

اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا

کہ تم اگر دنیوی زندگی کا عیش) اور اس کی بہار چاہتی ہو تو آؤ

یعنی لینے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ

میں تم کو کچھ مال و متاع (دنیوی) دیدوں

یا تو اس سے وہ جوڑا مراد ہے جو طلاق کے بعد مطلقہ مدخولہ کو دینا مستحب ہے یا مراد عدت کا نان ونفقہ ہے یا دونوں مراد ہے۔

وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾

اور تم کو خوبی کے ساتھ رخصت کروں

یعنی سنت کے موافق طلاق دے کر تاکہ جہاں چاہو جا کر دنیا حاصل کرو اور اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کی ازواج میں سے اگر کوئی دنیوی زینت کے لئے طلاق اختیار کرتی تو اس کو دوسرا نکاح جائز ہوتا کیونکہ اگر یہ مطلب ہو کہ بدون دوسرا نکاح کر کے دنیا حاصل کرو تو یہ تو حضورؐ کے نکاح میں رہ کر بھی ممکن تھا طلاق کی کیا ضرورت تھی صاحب روح نے یہ مسئلہ امام سے نقل کیا ہے۔

وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ

اور اگر تم اللہ کو چاہتی ہو

یعنی ایسی حالت میں تھوڑی سی روزی پر قناعت کر کے رسولؐ کے نکاح میں رہنا چاہتی ہو

وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ
اور اس کے رسول کو اور عالم آخرت کو

جو کہ رسول کی زوجیت کی وجہ سے تم کو ملیں گے۔

فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا
تو تم میں سے نیک کرداروں کے لئے اللہ تعالیٰ نے اجر
عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾
عظیم مہیا کر رکھا ہے

یعنی جو تم میں سے حضور کو اختیار کرے گی اس کے لئے خاص ثواب کا وعدہ ہے جو دوسری نیک بیبیوں کے ثواب سے بڑھا ہوا ہے اور جس سے وہ عورت محروم رہے گی جو حضور کی زوجیت کو اختیار نہ کرے بلکہ دنیوی سامان کو اختیار کرے اگرچہ ایمان اور اعمال صالحہ کا ثواب اس صورت میں بھی حاصل ہوگا جیسا کہ دوسری آیات کے عام الفاظ سے معلوم ہوتا ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے اپنی بیبیوں کو پڑھ کر سنا دی آپ کی جو نو بیبیاں مشہور ہیں۔ ۱۔ حضرت عائشہؓ ۲۔ حفصہؓ ۳۔ ام حبیبہؓ ۴۔ ام سلمہؓ ۵۔ سودہؓ (یہ پانچوں تو قریش میں سے ہیں) اور ۶۔ صفیہؓ ۷۔ خیبریہؓ ۸۔ میمونہ ہلالیہؓ ۹۔ زینبؓ اسدیہ جویریہؓ مصطلقیہ رضی اللہ عنہن۔ ان سب نے آپؐ کی زوجیت میں رہنا قبول کیا اور دنیا کی طرف التفات نہیں کیا اور بعض روایات میں ہے کہ ایک عورت عامریہ حمریہ نے اس اختیار کے بعد آپ کی زوجیت میں رہنا نہیں چاہا یہاں تک وہ

مضمون تھا جس کا خطاب حضورؐ کی طرف سے بیبیوں کو ہوگا آگے خود حق تعالیٰ ان کو خطاب کر کے وہ احکام بیان فرماتے ہیں جن کا اہتمام کرنا حضور کے نکاح میں رہنے کے بعد ان پر ضروری ہوگا۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ
اے نبیؐ کی بیبیوں جو کوئی تم میں کھلی ہوئی
مُّبَيِّنَةٍ
بیہودگی کرے گی

مراد اس سے وہ معاملہ ہے جس سے رسول اللہ تنگ اور پریشان ہوں کیونکہ بے ہودگی کے جو معنی عام طور پر سمجھے جاتے ہیں اس کا احتمال حضور کی بیبیوں میں نہیں ہو سکتا جیسا کہ سورۂ نور کی آیت الطيبٰت للطيبين الخ میں گزر چکا ہے۔

يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ط
اس کو دوہری سزا دی جاوے گی

یعنی دوسرے شخص کو اس تمام پر جتنی سزا ملتی اس سے دوہری سزا ہوگی اور سزا بڑھنے کی وجہ آگے آتی ہے۔

وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾
اور یہ بات اللہ کو آسان ہے

یہ نہ سمجھنا کہ جس طرح دنیوی حکام بھی کسی کی عظمت کی وجہ سے سزا بڑھانے سے رک جاتے ہیں یونہی خدا بھی تمہاری عظمت کے خیال سے رک جاویں گے سو خدا پر کسی کی عظمت کا اثر نہیں ہو سکتا۔

الحمد للہ اکیسویں پارہ کی تفسیر ختم ہوئی

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

اور جو کوئی تم میں اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گی

یعنی جن امور کو اللہ تعالیٰ نے واجب کیا ہے ان کو ادا کرے گی اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بی بی ہونے کے جو حقوق واجب ہیں وہ سب ادا کرے گی کیونکہ رسول ہونے کی حیثیت سے جو حقوق آپ کے ہیں ان کا ادا کرنا خدا ہی کی اطاعت میں داخل ہے۔

وَتَعْمَلْ صَالِحًا

اور نیک کام کرے گی

یعنے واجبات کے علاوہ جو نیک کام ہیں وہ بھی کرے گی

نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا

تو ہم اس کا ثواب دوہرا دیں گے اور اس کے لئے ہم نے ایک

لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾

عمدہ روزی تیار کر رکھی ہے

جو جنت میں حضورؐ کی بیبیوں کے لئے خاص ہے اور اس وجہ سے ثواب کے علاوہ ہے اور ازواج مطہرات کو حضورؐ کی اطاعت پر دوہرا ثواب اور نافرمانی پر دگنی سزا ہونے کی وجہ نبی کی زوجیت کا شرف ہے جیسا کہ ینساء النبی میں اس طرف اشارہ ہے کیونکہ خاص لوگوں کی نافرمانی بھی اوروں کی نافرمانی سے سخت ہوتی ہے اسی طرح ان کی اطاعت بھی دوسروں کی اطاعت سے زیادہ مقبول ہوتی ہے دوسرے یہ کہ ازواج مطہرات کی خدمت واطاعت بہ نسبت دوسروں کی اطاعت کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے زیادہ راحت پہنچانے والی تھی اسی طرح ان کی نافرمانی بھی زیادہ ایذا دینے والی ہوگی اور حضورؐ کی راحت رسانی مطلقاً موجب ثواب ہے تو زیادہ راحت رسانی زیادہ ثواب کو موجب ہے اور آپ کو ایذا رسانی مطلقاً موجب گناہ ہے تو زیادہ ایذا رسانی زیادہ گناہ کا موجب ہے پس اس سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ من جاء بالسیئة فلا یجزیٰ الا مثلها سے اس آیت کو تعارض ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہ کی سزا اس کے برابر ہی ہوگی اور یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات کو حضورؐ کی نافرمانی پر دگنی سزا ہوگی جواب یہ ہے کہ اس خاص صورت میں دگنی سزا گناہ سے زیادہ ہرگز نہیں بلکہ بالکل اس کے برابر ہے کیونکہ وہ گناہ ہی ایسا ہے کہ دوسروں کے گناہ سے بڑھا ہوا ہے تو سزا بھی دوسروں کی سزا سے زیادہ ہونی چاہیے۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ

اے نبیؐ کی بیبیو تم معمولی عورتوں کی طرح نہیں ہو

النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ

اگر تم تقویٰ اختیار کرو

یعنی تم اس بات پر مت پھول جانا کہ ہم نبی کی بیبیاں ہیں اس لئے عام عورتوں سے ممتاز ہیں اور ہمارے لئے یہ نسبت وشرف کافی ہے یہ وسوسہ مت کرنا کیونکہ یہ بات اگرچہ واقع میں صحیح ہے کہ تم معمولی عورتوں کی طرح نہیں ہو مگر اس کے ساتھ ایک شرط بھی ہے کہ تم تقویٰ اختیار کرو تب تو واقعی اس نسبت کی وجہ سے تم کو دوسروں پر شرف ہے حتیٰ کہ ثواب دوگنا ملے گا اور اگر یہ شرط نہ پائی گئی تو اس نسبت کی وجہ سے تم کو گناہ بھی اوروں سے زیادہ ہوگا اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ متقی نہ تھیں بلکہ مقصود یہ بتلانا ہے کہ فضیلت کا مدار تقویٰ پر ہے اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ جس طرح اب متقی ہو اسی طرح اگر متقی رہو تب اوروں سے افضل رہو گی جب یہ بات ہے کہ تقویٰ کے بغیر نری نسبت کچھ نہیں تو تم کو احکام شرعیہ کی پابندی دوسروں سے زیادہ کرنی چاہیے خصوصاً ان احکام کی جو آگے مذکور ہیں۔

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ

تو تم (نامحرم مرد سے) بولنے میں (جبکہ بضرورت بولنا پڑے) نزاکت مت کرو

مطلب یہ ہے کہ اس انداز کو تکلف اور اہتمام سے ترک کرو

فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ

(اس سے) ایسے شخص کو (طبعًا) خیال (فاسد پیدا) ہونے لگتا ہے جس کے

قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾ ج

قلب میں خرابی ہے اور قاعدہ (عفت) کے موافق بات کہو

جس میں روکھا پن ہو کہ یہ انداز عصمت کا محافظ ہے۔

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ

اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو

مراد یہ ہے کہ پردہ اس طرح کرو کہ بدن مع لباس نظر نہ آئے۔

وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى

اور قدیم زمانہ جاہلیت کے دستور کے موافق مت پھرو

جس میں بے پردگی رائج تھی

وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ

اور تم نمازوں کی پابندی کرو اور زکوٰۃ دیا کرو

اگر نصاب کی مالک ہو

وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ

اور اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانو

آگے بتلاتے ہیں کہ اس میں تمہارا ہی نفع ہے

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ

اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ اے گھر والو! تم سے آلودگی کو دور رکھے

اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۚ﴿۳۳﴾

اور تم کو (ہر طرح ظاہراً و باطناً) پاک و صاف رکھے

اس آیت سے اہل بیت کے معصوم ہونے پر استدلال نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ مضمون ایسا ہی ہے جیسا کہ دوسری آیۃ میں عام مومنین کو ارشاد ہے۔ ولکن یرید لیطھر کم الخ

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ

اور تم آیات الٰہیہ یعنی اس علم (احکام) کو یاد رکھو جس کا تمہارے

اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ؕ

گھروں میں چرچا رہتا ہے

کیونکہ عمل موقوف ہے احکام کے جاننے اور یاد رکھنے پر

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾

بے شک اللہ تعالیٰ رازدان ہے پورا خبردار ہے

کہ دلوں کی حالت کو بھی جانتا ہے اور چھپے ہوئے کاموں کو بھی

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ

بے شک اسلام کے کام کرنیوالے مرد اور اسلام کے کام کرنیوالی عورتیں اور ایمان لانے والے

وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ

مرد اور ایمان لانیوالی عورتیں اور فرمانبرداری کرنیوالے مرد اور فرمانبرداری کرنیوالی عورتیں

اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان کے اعمال وعقائد سب طاعت پر مبنی ہیں ان میں کچھ پس وپیش یا کراہت نہیں کرتے۔

وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ

اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں

اس میں بات اور عمل اور نیت سب کی سچائی آ گئی یعنی نہ وہ بات میں جھوٹے ہیں نہ عمل میں کم ہمت اور سست ہیں نہ نیت میں ریاکار ہیں اور نہ منافق ہیں۔

وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ

اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں

اس میں صبر کے سب اقسام آ گئے طاعات پر صبر و استقلال اور گناہوں سے نفس کو روکنا اور مصائب پر صبر و تحمل

وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ

اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں

اس میں تواضع بھی داخل ہے جو کہ تکبر کی ضد ہے اور نماز وعبادت میں قلب اور جوارح سے توجہ اور سکون رکھنا بھی داخل ہے۔

وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ

اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں

اس میں زکوٰۃ اور نفلی صدقات سب داخل ہیں

وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ

اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں

اس میں روزہ فرض اور نفل سب آ گیا

وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ

اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں

وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ

اور بکثرت خدا کو یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں

یعنی جو کہ فرض اذکار کے علاوہ نفل اذکار بھی ادا کرتے ہیں۔ ربط اوپر زید بن حارثہ کا قصہ اجمالاً آ چکا ہے آگے اسی قصہ کے متعلق دو مضمون مذکور ہیں ایک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم الشان حق کا بیان ہے دوسرے

میں اس ایذا کی تفصیل ہے جس کا اوپر اجمالاً بیان آ چکا ہے کہ منافقین و کفار نے آپ پر طعن کیا تھا کہ اپنے بیٹے کی بہو سے نکاح کر لیا ہے پہلے مضمون کا سبب نزول یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ کا نکاح اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ سے کرنا چاہا کیونکہ حضرت زید عام لوگوں میں غلام مشہور ہو چکے تھے اس لئے حضرت زینب اور ان کے بھائی عبداللہ بن جحش نے اس نکاح کی منظوری سے عذر کیا اس پر مضمون اول کی آیۃ **وما کان لمؤمن ولا مؤمنة الخ** نازل ہوئی اور دوسرے مضمون کا سبب نزول یہ ہے کہ جب پہلی آیۃ کے نازل ہونے پر نکاح منظور کر لیا گیا تو اتفاق سے باہم مزاجوں میں موافقت نہ ہوئی حضرت زیدؓ نے طلاق دینی چاہی اور حضورؐ سے مشورہ کیا آپ نے سمجھایا کہ طلاق مت دو۔ مگر جب کسی طرح موافقت نہ ہوئی تو آخر طلاق کا ارادہ ظاہر کیا اس وقت آپ کو وحی سے معلوم ہوا کہ زید ضرور طلاق دیں گے اور زینب کا نکاح آپ سے ہوگا (روح المعانی میں حکیم ترمذی کی روایت سے امام زین العابدین کے واسطہ سے یہ حدیث مذکور ہے) اور اس وقت بھی مصلحت یہی تھی کہ زینبؓ سے حضورؐ نکاح کر لیں کیونکہ اول تو یہ نکاح خلاف مرضی ہونے سے طبعی رنج کا سبب ہوا تھا پھر اس پر طلاق دینا اور زیادہ دل شکنی کا سبب تھا اس کا تدارک اس سے بہتر اور کوئی نہ تھا کہ حضورؐ ان سے نکاح کر کے ان کی دل جوئی اور عزت افزائی فرمائیں مگر ساتھ ہی آپ کو عوام کے طعن کا خیال تھا مگر حکم الٰہی سے نکاح ہوا جس میں علاوہ مصلحت مذکورہ کے خاص شرعی مصلحت یہ تھی کہ متبنیٰ کی زوجہ سے نکاح کا حلال ہونا حضورؐ کے فعل سے بھی ثابت ہو جائے۔ **وما کان لمؤمن ولا مؤمنة تا بکل شئی علیما**

أَعَدَّ اللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴿٣٥﴾

ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے اور کسی

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى

ایمان دار مرد اور کسی ایماندار عورت کو گنجائش نہیں جبکہ اللہ اور اس کا رسول کسی

اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ

کام کا حکم دے دیں کہ (پھر) ان کو ان (مومنین) کے اس کام میں کوئی

مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ

اختیار باقی رہے

کہ چاہے کریں چاہے نہ کریں۔

وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ

اور جو اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا نہ مانے گا وہ صریح

ضَلَالًا مُّبِينًا ﴿٣٦﴾

گمراہی میں پڑا

چنانچہ حضرت زینب اور ان کے بھائی نے اس نکاح کو منظور کر لیا۔

وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ

اور جب آپ اس شخص سے فرما رہے تھے جس پر اللہ نے بھی انعام کیا اور

عَلَيْهِ

آپ نے بھی انعام کیا

اللہ کا انعام یہ کہ اسلام کی توفیق دی۔ غلامی سے چھڑایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کہ دین کی تعلیم دی آزاد کیا پھوپھی کی بیٹی سے نکاح کرایا

أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ

کہ اپنی بی بی (زینب) کو اپنی زوجیت میں رہنے دے

اور معمولی باتوں پر نظر نہ کر

وَاتَّقِ اللَّهَ

اور خدا سے ڈرو

یعنی اس کے حقوق میں کوتاہی نہ کر

وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ

آپ اپنے دل میں وہ (بات بھی) چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ تعالیٰ (آخر میں) ظاہر کرنے والا ہے

کہ اگر زید نے طلاق دی تو میں خود نکاح کر لوں گا

وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ

اور آپ لوگوں (کے طعن) سے اندیشہ کرتے تھے

اس وقت تک اس کی دینی مصلحت ذہن مبارک میں نہ ہوگی۔

وَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَاهُ ۖ

اور ڈرنا تو آپ کو خدا ہی سے زیادہ سزاوار تھا

یعنے چونکہ واقع میں اس نکاح میں دینی مصلحت بھی ہے جیسا کہ آگے اس کا بیان آتا ہے اس لئے مخلوق سے اندیشہ نہ کیجئے۔ چنانچہ دینی مصلحت معلوم ہونے کے بعد پھر آپ نے اندیشہ نہیں کیا اور نکاح کے ارادہ میں تو کیا اندیشہ ہوتا خود نکاح کے بعد بھی اندیشہ نہیں کیا جس کا قصہ آگے آتا ہے۔

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا

پھر جب زید کا اس سے جی بھر گیا

یعنی طلاق دے دی اور عدت بھی گزر گئی اور اس قصہ کو یاد دلانے سے جو ایک عتاب محبت مترشح ہوتا ہے اس میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ جب آپ کو وحی سے آئندہ اپنے ساتھ زینبؓ کا نکاح ہونا معلوم تھا تو زید کو سمجھانا اور فہمائش کرنا مناسب نہ تھا مگر آپ کی فہمائش اس وحی کے خلاف اس لئے نہ تھی کہ آپ کو اپنے نکاح کا وقت معلوم ہوگا اس لئے آپ چاہتے ہوں گے کہ جب تک وہ وقت نہ آئے اس وقت تک زید کے نکاح کا باقی رہنا ہی بہتر ہے۔

وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ

ہم نے آپ سے اس کا نکاح کر دیا تا کہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں

حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا

کی بیبیوں کے (نکاح کے) بارہ میں کچھ تنگی نہ رہے جب وہ (منہ بولے

مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ

بیٹے) ان سے اپنا جی بھر چکیں

یعنی طلاق دے دیں مطلب یہ کہ اس نکاح سے ہم کو اس حکم شرعی کا ظاہر کرنا مقصود تھا

وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا (۳۷)

اور خدا کا حکم تو ہونے والا تھا ہی

کیونکہ حکمت اسی کو مقتضی تھی آگے طعن کا جواب ہے کہ ان کو جس کام کی اجازت ہوتی وہ بے تکلف اس کو کرتے رہے اور محل طعن نہیں ہو سکے ایسے ہی ان پیغمبر پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ

ان پیغمبر کے لئے جو بات (تکوینا یا تشریعا) خدا تعالیٰ نے مقرر کر دی

اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ

تھی اس میں ان پر کوئی الزام نہیں اللہ تعالیٰ نے ان (پیغمبروں) کے حق میں (بھی) یہی معمول کر رکھا ہے جو پہلے ہو گزرے ہیں

اور اسی تجویز کے موافق ان کو حکم ہوتا ہے جس پر وہ عمل کرتے رہے ہیں اسی طرح آپ کے لئے یہ حکم تجویز ہو چکا تھا جس پر آپ نے عمل کیا اور اس مضمون کو مکرر لانے سے شاید اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ ایسے کاموں میں پیغمبر پر اعتراض کرنا جو کہ پہلے ہی سے علم الٰہی میں ان کے لئے بطور حکم کے تجویز ہو چکے ہیں اللہ پر طعن کرنا ہے کہ خدا نے ایسا حکم کیوں تجویز کیا آگے ان پیغمبروں کی خاص مدح ہے تا کہ آپ کو تسلی ہو۔

وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا (۳۸)

اور اللہ کا حکم تجویز کیا ہوا (پہلے سے) ہوتا ہے

پس آپ کو بھی معلوم نہ تھا کہ اس نکاح میں ایک شرعی حکم کا مسلمانوں کو عملی طور پر بتلانا مقصود ہے اس وقت تک اندیشہ ہونے کا مضائقہ نہیں تھا لیکن اب جب یہ بات معلوم ہو گئی تو آپ بھی اندیشہ نہ کیجئے جیسا کہ شان رسالت کا مقتضا ہے چنانچہ یہ مصلحت منکشف ہونے کے بعد پھر آپ نے اندیشہ نہیں کیا اور باوجودیکہ حضور کو رسالت کے ادا کرنے میں کبھی خوف نہیں ہوا نہ اس کا احتمال تھا پھر بھی انبیاء علیہم السلام کا قصہ سنانا آپ کے دل کو زیادہ مضبوط کرنے کے لئے ہے آگے آپ کی اور زیادہ تسلی فرماتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ

یہ سب (پیغمبران گذشتہ) ایسے تھے کہ اللہ کا پیغام پہنچایا کرتے تھے اور (اس

وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ

باب میں) اللہ ہی سے ڈرتے تھے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے

حَسِيْبًا (۳۹)

اور اللہ حساب لینے کے لئے کافی ہے

پھر کسی سے کاہے کا ڈر ہے نیز حق تعالیٰ آپ پر طعن کرنیوالوں کو سزا بھی دینگے تو آپ اس طعن سے مغموم نہ ہوجئے یہاں تک تو اس نکاح کی خوبی اور مصلحت کا ذکر ہوا آگے اس کے قبیح سمجھنے کا جواب ہے جیسا کہ اعتراض کرنیوالے سمجھتے تھے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ

محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں

یعنی جولوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اولاد ہونے کا علاقہ نہیں رکھتے تھے آپ ان کے ایسے باپ نہیں ہیں کہ ان کی بیبیاں آپ کے لئے قطعاً حرام ہو جائیں ہاں آپ مسلمانوں کے روحانی باپ بیشک ہیں

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ

لیکن اللہ کے رسول ہیں

اور رسول روحانی مربی ہونے کی وجہ سے روحانی باپ ہوتا ہے آگے فرماتے ہیں کہ آپ روحانی باپ ہونے کی صفت میں اس درجہ کامل ہیں کہ سب رسولوں سے افضل اور اکمل ہیں۔

وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ

اور سب نبیوں کے ختم پر ہیں

اور جو نبی ایسا ہوگا وہ روحانی باپ ہونے میں سب سے بڑھ کر ہوگا کیونکہ دوسرے انبیاء کی تربیت دائمی نہ ہوگی اور ایسے نبی کی تربیت دائمی ہوگی نیز خاتم الانبیاء کی نبوت تمام عالم کے لئے عام ہوگی تو وہ سب کے لئے روحانی باپ ہوگا اور دوسرے انبیاء خاص خاص قوموں کے لئے نبی ہوتے ہیں تمام عالم کے مربی نہیں ہوتے اور حضور کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کے آنے سے خاتم النبیین پر شبہ نہ کیا جائے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کو اس وقت بھی نبی ہوں گے مگر ان کی نبوت پہلے سے ہے حضور کے بعد نہیں ملی دوسرے وہ مستقل ہو کر نہ آئیں گے بلکہ آپ ہی کا اتباع کریں گے غرض آپ مسلمانوں کے جسمانی باپ تو ہیں نہیں جو اعتراض ہو سکے البتہ روحانی باپ ہونے میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں اور اس سے کوئی اعتراض اس نکاح پر نہیں ہو سکتا۔

وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۴۰﴾ ع

اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے

یعنی اگر یہ وسوسہ ہو کہ یہ نکاح ناجائز تو اگرچہ نہیں لیکن اگر نہ ہوتا تو بہتر تھا کہ اعتراض کا موقع ہی نہ ہوتا تو سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کی مصلحت کو خوب جانتا ہے پس اس نکاح کے ہونے ہی میں مصلحت تھی اس لئے نبی کے لئے تجویز کیا گیا ربط اوپر نکاح زینب کے متعلق طعن کو دفع کیا تھا اور اس کے ضمن میں آپ کی رسالت اور فضیلت ختم نبوت وغیرہ کا ذکر تھا جس سے عام مسلمانوں کو پورا نفع پہنچا ہے آگے مسلمانوں کو اس احسان عظیم کے شکریہ میں خصوصیت کے ساتھ ذکر و طاعت کا حکم اور زیادہ ترغیب کے لئے اپنے دوسرے احسانات اور بشارات کا بیان ہے۔

یایھا الذین اٰمنوا تا وکیلا

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿۴۱﴾ لا

اے ایمان والو! تم اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو اور صبح و شام

وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۴۲﴾

(یعنی علی الدوام) اس کی تسبیح (و تقدیس) کرتے رہو

دل سے بھی اور اعضاء سے بھی اور زبان سے بھی پس پہلے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ تمام طاعات کو عام طور پر بجالاؤ اور دوسرے جملہ کا حاصل یہ ہے کہ تمام اوقات میں بجالاؤ یعنی نہ تو ایسا کرو کہ کوئی حکم بجالائے اور کوئی نہ بجالائے اور نہ ایسا کرو کہ کسی دن کوئی کام کر لیا کسی دن نہ کیا۔ آگے فرماتے ہیں کہ جیسا اس نے تم پر بہت سے احسان کئے ہیں اور آئندہ بھی کرتا رہتا ہے تو وہ بالضرور ذکر و شکر کا مستحق ہے۔

هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ

وہ ایسا (رحیم) ہے کہ وہ (خود بھی) اور اس کے فرشتے (بھی) تم پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں

خدا کا رحمت بھیجنا تو یہ ہے کہ وہ رحمت کرتا ہے اور فرشتوں کا رحمت بھیجنا رحمت کی دعا کرنا ہے جیسا کہ آیت الذین یحملون العرش الخ میں ملائکہ کی دعا مذکور ہے۔

لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ

تا کہ حق تعالیٰ تم کو تاریکیوں سے نور کی طرف لے آوے

تاریکیوں سے مراد جہالت اور گمراہی ہے اور نور سے علم وہدایت مراد ہے یعنی تم کو جو علم اور ہدایت کی توفیق اور اس پر استقامت حاصل ہے یہ خدا کی رحمت اور فرشتوں کی دعا کی برکت ہے اور یہ نعمت تم پر ہر وقت ہوتی رہتی ہے۔

وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿۴۳﴾

اور مومنین پر اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہے

آگے فرماتے ہیں کہ وہ آخرت میں بھی مورد رحمت ہوں گے۔

تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚ صلے

وہ جس روز اللہ سے ملیں گے تو ان کو جو سلام ہوگا وہ یہ ہوگا کہ السلام علیکم

یہ روحانی انعام تھا آگے جسمانی انعام کا بیان ہے۔

وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ﴿۴۴﴾

اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے عمدہ صلہ (جنت میں) تیار رکھا ہے

بس ان کے جانے کی دیر ہے

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا

اے نبی بیشک ہم نے آپ کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ گواہ ہوں گے

یعنی امت کے مقابلہ میں آپ خود سرکاری گواہ ہوں گے۔

وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ

اور آپ (مومنین) کے بشارت دینے والے ہیں اور (کفار کے) ڈرانے والے ہیں اور

بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾

(ان کو) اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں اور آپ ایک روشن چراغ ہیں

نمونہ ہدایت ہونے میں

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا

اور مومنین کو بشارت دیجئے کہ ان پر اللہ کی طرف سے بڑا فضل

كَبِيْرًا ﴿۴۷﴾

ہونے والا ہے

اور اسی طرح کفار کو ڈراتے رہئے

وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ

اور کافروں اور منافقین کا کہنا نہ کیجئے

یعنی تبلیغ کو ترک نہ کیجئے۔

وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى

اور ان کی طرف سے جو ایذا پہنچے اس کا خیال نہ کیجئے اور اللہ پر بھروسہ کیجئے

بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۴۸﴾

اور اللہ کافی کارساز ہے

وہ آپ کو ہر ضرر سے بچاوے گا

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ

اے ایمان والو تم جب مسلمان عورتوں سے نکاح کرو (اور)

ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ

پھر تم ان کو قبل ہاتھ لگانے کے (کسی اتفاق سے) طلاق دیدو تو تمہارے

فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ

لئے ان پر کوئی عدت (واجب) نہیں جس کو تم شمار کرنے لگو تو

فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۴۹﴾

ان کو کچھ (مال) متاع دیدو اور خوبی کے ساتھ ان کو رخصت کرو

اور مسلمان عورتوں کی مثل کتابی عورتوں کا بھی یہی حکم ہے مگر مومنات کی قید کا یہ فائدہ ہے کہ مسلمان مرد کو مسلمان عورت ہی سے نکاح کرنا زیادہ بہتر ہے اور ہاتھ لگانے سے مراد صحبت کرنا ہے خواہ حقیقۃً یا حکماً جیسے خلوت قاعدہ کے موافق تو ان دونوں صورتوں میں عدت واجب ہے اور مال ومتاع دینے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس عورت کا مہر مقرر نہیں ہوا تو ایک جوڑا اور مہر مقرر ہوا ہے تو آدھا مہر دیا جائے اور خوبی سے رخصت کرنا یہ ہے کہ ناحق نہ روکے اس کا حق واجب نہ رکھے اور دیا ہوا واپس نہ لے کوئی سخت بات نہ کہے۔ یہ احکام تو عام مسلمانوں کے متعلق ہیں آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے کہ بعض احکام آپ کے لئے مخصوص ہیں جن سے آپ کی خصوصیت اور بزرگی بھی ثابت ہوتی ہے۔

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ

اے نبی ہم نے آپ کے لئے آپ کی یہ بیبیاں جن کو

الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ

آپ ان کے مہر دے چکے ہیں حلال کی ہیں

یعنی باوجودیکہ وہ عدد میں زیادہ ہیں اور اتنی بیبیوں کی عام مسلمانوں کو اجازت نہیں مگر آپ کے لئے اجازت ہے۔

وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ

اور وہ عورتیں بھی جو خاص طور پر خاص طور پر تمہاری مملوکہ ہیں

ترجمہ میں لفظ ''خاص طور پر'' جو بڑھایا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس جگہ حضورؐ کی خصوصیات کا ذکر ہے پس سیاق کلام سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ باندیوں کے بارہ میں بھی کوئی حکم آپ کے لئے خاص ہے مثلاً غنیمت کی تقسیم سے پہلے آپ کو ایک چیز کے لینے کا اختیار تھا اور وہ صفی کہلاتی تھی چنانچہ غزوۂ خیبر میں حضرت صفیہؓ کو آپ نے اسی طرح لیا تھا اور یہ حق دوسروں کے لئے نہیں دوسرے یہ کہ اہل حرب کی طرف سے جو ہدیہ خاص آپ کے لئے آتا تھا وہ آپ ہی کا ہوتا تھا جیسے مقوقس نے ماریہ

قبطیہ کو دیا تھا اور آپ کے بعد اگر کسی امام یا خلیفہ کو اہل حرب ہدیہ دیں تو وہ عام مسلمانوں کا حق ہوتا ہے اسی طرح جو باندی وفات تک آپ کے پاس ہو جیسے ماریہ قبطیہ وہ دوسروں کے لئے حرام ہے (جیسا کہ روح المعانی میں نقل کیا ہے) اور ممکن ہے کہ کوئی اور خصوصیت ہو جو اس زمانہ کے لوگوں کو معلوم ہو کہ انہی کے جاننے کی ضرورت بھی تھی

مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ

جو اللہ تعالیٰ نے غنیمت میں آپ کو دلوادی ہیں

مراد اس سے باپ کے خاندان کی بیٹیاں ہیں کسی خاص چچا یا پھوپھی کی بیٹیاں مراد نہیں۔

وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ

اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں

وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ

اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں

مراد ماں کے خاندان کی بیٹیاں ہیں۔

الّٰتِیْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ز

جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہو

یعنی یہ خاندان کی عورتیں مطلقاً حلال نہیں بلکہ ان میں سے صرف وہی حلال ہیں جنہوں نے آپ کی طرح ہجرت کی ہو یہ شرط غالباً اس لئے بڑھائی گئی کہ قرابت والیاں زیادہ بے تکلف ہوتی ہیں اور ان کو قرابت کا ناز بھی ہوتا ہے اور زیادہ بے تکلفی بدون اخلاق کی اصلاح کے اکثر کلفت کا سبب ہوتی ہے اور ہجرت سے جو پریشانیاں اکثر پیش آتی ہیں ان سے اخلاق درست ہو جاتے ہیں اور اجنبی عورتوں میں یہ بات نہیں ہوتی اس لئے ان سے نکاح کرنے میں صرف ایمان ہی کو کافی قرار دیا گیا اور آپ کے ساتھ ہجرت کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ ایک زمانہ میں آپ کی اور ان کی ہجرت واقع ہوئی ہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ کی طرح انہوں نے بھی یہ فعل کیا ہو۔

وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ

اور اس مسلمان عورت کو بھی جو بلا عوض اپنے آپ کو پیغمبر کو دے دے

اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ق

بشرطیکہ پیغمبر اس کو نکاح میں لانا چاہیں

مسلمان کی قید سے کافرہ نکل گئی

خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ط

یہ سب آپ کے لئے مخصوص کئے گئے ہیں نہ اور مومنین کے لئے

قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ

ہم کو وہ احکام معلوم ہیں جو ہم نے ان پر ان کی بیبیوں اور لونڈیوں کے

وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ

بارے میں مقرر کئے ہیں

اور آیات و احادیث میں دوسروں کو بھی بتلا دیئے ہیں۔

لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ط

تا کہ آپ پر کسی قسم کی تنگی (واقع) نہ ہو

اور آپ کی مصالح فوت نہ ہوں۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٥٠﴾

اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے

یعنی عام مومنین کے ساتھ بھی رعایت کی گئی ہے۔

تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ

ان میں سے آپ جس کو چاہیں (اور جب تک چاہیں) اپنے سے دور رکھیں

یعنی اس کو باری نہ دیں۔

وَتُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ط

اور جس کو چاہیں (اور جب تک چاہیں) اپنے نزدیک رکھیں

یعنی اس کو باری دیں۔

وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ط

اور جن کو دور کر رکھا تھا ان میں سے پھر کسی کو طلب کریں تب بھی آپ پر کوئی گناہ نہیں

اس میں ایک ضروری مصلحت کی رعایت ہے جس کا ذکر آگے ہے۔

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ

اس میں زیادہ توقع ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی اور آزردہ خاطر نہ

وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ط

ہوں گی اور جو کچھ بھی آپ ان کو دیں گے اس پر سب کی سب راضی رہیں گی

کیونکہ رنجیدگی اکثر دعویٰ استحقاق کی وجہ سے ہوتی ہے کہ ہمارا یہ حق تھا جو ہم کو نہیں دیا گیا اور جب یہ معلوم ہو جاوے کہ ہمارا کوئی حق نہیں اور جو کچھ توجہ وغیرہ مبذول ہوگی وہ محض احسان ہے تو پھر کوئی شکایت نہ رہے گی اور باندیوں کا باری میں حق نہ ہونا سبھی کے لئے معلوم ہے آگے مسلمانوں کو خطاب ہے کہ یہ خاص خاص احکام سن کر دل میں یہ خیال مت پکا لینا کہ یہ احکام سب کے لئے عام کیوں نہ ہوئے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِىْ قُلُوْبِكُمْ ؕ
اور خدا تعالیٰ کو تم لوگوں کے دلوں کی سب باتیں معلوم ہیں

اگر ایسا خیال پکاؤ گے تم کو سزا دے گا کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ پر اعتراض اور رسول پر حسد ہے جو کہ عذاب کا سبب ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا
اور اللہ تعالیٰ (یہی کیا) سب کچھ جاننے والا ہے

وہ ان احکام کی مصلحتوں کو بھی خوب جانتا ہے۔

حَلِيْمًا ﴿۵۱﴾
بردبار ہے

اس لئے کبھی دیر میں بھی سزا دیتا ہے پس جلدی سزا نہ دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کو علم نہیں آگے بقیہ احکام مذکور ہیں جو حضور کے ساتھ مخصوص ہیں جن میں بعض نئے احکام ہیں اور بعض پہلے احکام کا تتمہ ہیں۔

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ
ان کے علاوہ اور عورتیں آپ کے لئے حلال نہیں ہیں

یعنی اوپر منکوحہ عورتوں میں ہجرت اور ایمان کی قید لگائی گئی ہے پس قرابت والیوں میں سے ہجرت نہ کرنے والی حلال نہیں اور دوسری عورتوں میں سے جو مومنہ نہ ہو وہ حلال نہیں یہ تو پہلے حکم کا تتمہ ہوا آگے ساتواں حکم نیا ہے۔

وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ
اور نہ یہ درست ہے کہ آپ ان (موجودہ) بیبیوں کی جگہ دوسری بیبیاں کر لیں

اس طرح کہ ان میں سے کسی کو طلاق دے دیں اور اس کی جگہ دوسری کر لیں کیونکہ اس میں کم فہموں کو غرض پرستی کا شبہ ہو سکتا ہے کہ اپنے ایک نفسانی نفع کے لئے نئی بیوی کر لی اور پہلی کو ضرر پہنچایا گیا اور یوں بدون ان کے طلاق دیئے اگر کسی سے نکاح کر لیں تو اس کی ممانعت نہیں اسی طرح اگر ایک کی جگہ دوسری سے نکاح کا قصد نہ ہو اور کسی کو طلاق دے دیں تو اس کی ممانعت بھی ثابت نہیں کیونکہ اس صورت میں اس شبہ کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔

وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ
اگرچہ آپ کو ان (دوسریوں) کا حسن اچھا معلوم ہو

اس پر کوئی وسوسہ نہ کیا جائے کیونکہ کسی کے حسن کا اچھا ہونا غیر اختیاری بات ہے دوسرے اس کی حقیقت یہ ہے کہ جو چیز جیسی ہے اس کو ویسا ہی سمجھنا سو یہ تو واقع میں کمال ہے کیونکہ حسین کو بدصورت سمجھنا یہ کوئی کمال نہیں اور جو بات شرعاً مذموم ہے وہ یہ ہے کہ بلا ضرورت اور بدون شرعی اجازت کے قصداً نظر کرنا یا اس کے تصور سے لذت لینا سو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے منزہ تھے اور قرآن کا لفظ اس پر کسی طرح دلالت نہیں کرتا بلکہ دوسرے دلائل اس کے خلاف پر موجود ہیں

اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ؕ
مگر جو آپ کی مملوکہ ہوں

یعنی باندیاں ان احکام سے مستثنیٰ ہیں کہ وہ یہودی اور نصرانی بھی ہوں تو آپ کو ان کا خریدنا جائز ہے اور ایک کی جگہ دوسری کا بدلنا بھی جائز ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ رَّقِيْبًا ﴿۵۲﴾ ع
اور اللہ تعالیٰ ہر چیز (کی حقیقت اور آثار و مصالح) کا پورا نگران ہے

اس لئے ان سب احکام میں مصلحتیں اور حکمتیں ہیں گو عام لوگوں کو معلوم نہ ہوں اس واسطے کسی کو سوال یا اعتراض کا منصب اور استحقاق نہیں

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ
اے ایمان والو نبی کے گھر میں (بے بلائے) مت جایا کرو مگر
النَّبِىِّ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ
جس وقت تم کو کھانے کے لئے اجازت دی جاوے
غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰٮهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ
ایسے طور پر کہ اس کی تیاری کے منتظر نہ رہو لیکن جب تم کو بلایا
فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا
جاوے (کہ کھانا تیار ہے) تب جایا کرو پھر جب کھانا کھا چکو

مُسْتَأْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ

تو اٹھ کر چلے جایا کرو اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو اس بات سے

يُؤْذِي النَّبِيَّ

نبی کو ناگواری ہوتی ہے

یہ احکام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام ہیں۔

فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ز

سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں

اور اپنے نفس کے حق کو ظاہر نہیں فرماتے

وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ

اور اللہ تعالیٰ صاف صاف بات کہنے سے (کسی کا) لحاظ نہیں کرتا

اس لئے صاف صاف تم کو کہہ دیا

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْــَٔلُوْهُنَّ

اور جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے

مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ

باہر سے مانگا کرو

اگر ضرورت پڑے اور بے ضرورت یہ بھی مناسب نہیں

ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ

یہ بات (ہمیشہ کے لئے) تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے

آگے فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا رسانی کا حرام ہونا یہ حکم ہر کام کے لئے عام ہے۔

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ

اور تم کو جائز نہیں کہ رسول اللہ کو کلفت پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے

وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ

کہ تم آپ کے بعد آپ کی بیبیوں سے کبھی بھی نکاح کرو یہ خدا کے

اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴿۵۳﴾

نزدیک بڑی بھاری (معصیت کی) بات ہے

آگے فرماتے ہیں کہ جس طرح نکاح کرنا حرام ہے ویسے ہی اس کا زبان سے ذکر کرنا یا دل میں ارادہ کرنا سب گناہ ہے

اِنْ تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ

اگر تم کسی چیز کو ظاہر کرو گے یا اس کو پوشیدہ رکھو گے تو اللہ تعالیٰ

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۵۴﴾

ہر چیز کو خوب جانتے ہیں

تو اس کو اس کی بھی خبر ہوگی جس پر تم کو سزا دیں گے آگے فرماتے ہیں کہ ہم نے جو اوپر امہات المومنین کو پردہ کا حکم کیا ہے تو بعضے آدمی اس سے مستثنیٰ بھی ہیں جن کے سامنے آنا ان کو جائز ہے اور اگرچہ ان لوگوں سے پردہ نہ کرنے کا ذکر سورۃ توبہ میں آچکا ہے مگر وہاں عام عورتوں کا حکم تھا جس میں یہ احتمال ہوسکتا تھا کہ چونکہ ازواج مطہرات کے لئے بعض مخصوص احکام بھی ہیں تو شاید ان کو محرموں کے سامنے آنا بھی جائز نہ ہو اس لئے یہاں بھی ان کو ذکر کر دیا۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ

پیغمبر کی بیبیوں پر اپنے باپوں کے بارے میں کوئی گناہ نہیں

وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ

اور نہ اپنے بیٹوں کے اور نہ اپنے بھائیوں کے اور نہ

اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا

اپنے بھتیجوں کے اور نہ اپنے بھانجوں کے اور نہ اپنی عورتوں کے

مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ج

اور نہ اپنی لونڈیوں کے

یعنی انکے سامنے آنا جانا جائز ہے آگے حضور کی بیبیوں کو خطاب ہے۔

وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ؕ

اور خدا سے ڈرتی رہو

یعنی ان احکام کو بجالاتی رہو کسی حکم کی خلاف ورزی نہ ہونے پائے

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۵۵﴾

بے شک اللہ ہر چیز پر حاضر (ناظر) ہے

یعنی اس سے کوئی بات مخفی نہیں پس خلاف میں سزا کا احتمال ہے ربط اوپر امہات المومنین کا نکاح حضورؐ کے بعد حرام کر کے سرکار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت شان ظاہر کی گئی تھی آگے درود و سلام کے حکم سے اس کو زیادہ ظاہر فرماتے ہیں ان اللہ و ملئکۃ تا تسلیما

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ

ان پیغمبر پر اے ایمان والو! تم بھی آپ پر رحمت بھیجا کرو

وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٥٦﴾

اور خوب سلام بھیجا کرو

تا کہ آپ کی عظمت کا حق جو تمہارے ذمہ ہے وہ ادا ہو اور اللہ تعالیٰ کا رحمت بھیجنا تو یہ ہے کہ وہ رحمت کرتے ہیں مگر اس سے عام رحمت مراد نہیں کیونکہ اس سے کوئی خصوصیت ثابت نہ ہوگی حالانکہ یہاں خصوصیت بیان کرنا مقصود ہے بلکہ خاص رحمت مراد ہے جو آپ کی شان عالی کے مناسب ہے اور فرشتوں کا رحمت بھیجنا اور اسی طرح جس رحمت بھیجنے کا ہم کو حکم ہے اس سے مراد اس خاص رحمت کی دعا کرنا ہے اور اسی کو ہمارے محاورہ میں درود کہتے ہیں اور اس دعا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب عالیہ میں بھی ترقی ہو سکتی ہے کیونکہ ترقی کی کوئی حد نہیں اور خود دعا کرنے والے کو بھی اس سے نفع ہوتا ہے کہ حکم الٰہی کو بجالایا اور آپ کی تعظیم کا حق ادا کیا چنانچہ حدیث میں ہے کہ ہر بار درود بھیجنے سے اس شخص پر حق تعالیٰ کی دس رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور اس آیت میں محققین نے فرمایا ہے کہ صیغہ امر فرضیت کے لئے ہے اس لئے عمر بھر میں ایک بار درود بھیجنا تو فرض ہے جیسا کہ کلمہ توحید کا ایک بار کہنا فرض ہے اور جس مجلس میں آپ کا ذکر مبارک ہو وہاں ایک بار واجب ہے اور زیادہ مستحب ہے یہ تو نماز سے باہر حکم ہے اور نماز کے اندر اختلاف ہے امام صاحب کے نزدیک سنت ہے۔ اللھم صل علیٰ سیدنا و مولانا محمد و علیٰ اٰل سیدنا و مولانا محمد و بارک وسلم

ربط اوپر متفرق آیتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانے کی مختلف صورتوں سے منع کیا گیا ہے جن میں بعض جو بلا قصد تھیں ان میں صرف فہمائش اور نصیحت کر دی گئی اور بعض ایذائیں جو قصداً تھیں جو مخالفین کی طرف سے پیش آتی تھیں ان پر آگے سخت وعید فرماتے ہیں اور تاکید کے لئے پہلی آیت میں رسول کی ایذا کو مثل خدا کی ایذا کے قرار دیا گیا اور دوسری آیت میں مسلمانوں کی ایذا کو بھی بڑا گناہ فرمایا جس سے رسول کی ایذا کا موجب وعید ہونا زیادہ مؤکد ہو گیا کہ جب مسلمانوں کی ایذا ایسی ہے تو سید المومنین کی ایذا کیسی ہوگی۔ ان الذین یؤذون اللہ تا مبینا

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

بیشک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو قصداً ایذا دیتے ہیں

قصداً کی قید اس لئے بڑھائی گئی کہ ایذاء پہنچانا اختیاری فعل ہے اور اختیاری فعل کیلئے ارادہ و قصد شرط ہے دوسرے جس فعل سے بلا قصد ایذاء ہو جائے وہ حقیقت میں ایذا نہیں بلکہ اس کا مقدمہ ہے اس کو ایذا کہنا مجازاً ہے اور کلام میں اصل معنی حقیقی ہوتے ہیں اور حقیقی ایذا وہی ہے جو قصد سے ہو تیسرے شریعت میں ان کاموں پر وعید نہیں جو بلا قصد ہوں جیسا کہ حدیث میں ہے رفع عن امتی الخطاء الخ میری امت سے خطا پر مواخذہ نہیں اور یہاں وعید مذکور ہے اس سے معلوم ہوا کہ ایذا قصدی مراد ہے اور ازواج مطہرات کے بارہ میں جو یضاعف لھا العذاب الخ آیا ہے کہ ان میں سے جو کوئی حضورؐ کو ایذا پہنچائے اس کو دوگنا عذاب ہوگا حالانکہ ان کی ایذا ارادہ وقصد سے نہ تھی اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ حضورؐ کو اس کام سے ایذاء ہوتی ہے پھر جو کوئی اس کام کو کرے گی اس کو دوگنا عذاب ہوگا اور جان لینے کے بعد ان میں سے پھر کسی نے ایذا کا کام نہیں کیا اور جو پہلے ہو چکا تھا اس کی بابت ان کو یہ علم نہ تھا کہ آپ کو اس سے ایذا ہوگی اور آیت میں اللہ تعالیٰ کے ناراض کرنے کو مجازاً ایذا کہہ دیا گیا۔

لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ

اللہ تعالیٰ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے لئے ذلیل

عَذَابًا مُّهِينًا ﴿٥٧﴾ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ

کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے اور جو لوگ ایمان والے مردوں کو اور

الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا

ایمان والی عورتوں کو بدوں اس کے کہ انہوں نے کچھ کیا ہو ایذا

فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ﴿٥٨﴾

پہنچاتے ہیں تو وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ کا بار لیتے ہیں

یعنی اگر وہ ایذا زبانی ہے تو بہتان ہے اور فعلی ہے تو بڑا گناہ ہے اور جو

یہ فرمایا کہ "بدون اس کے کہ انہوں نے کچھ کیا ہو" اس سے یہ ثابت ہوا کہ اگر مسلمان کوئی کام سزا کے لائق کرے تو اس وقت سیاست اور تادیب جائز ہے بشرطیکہ قاعدہ شرعی سے ہو ربط اوپر رسول اور عام مومنین کی ایذا پر وعید فرمائی تھی آگے بعض خاص ایذاؤں کے متعلق بیان ہے اور یہ ایذا منافقین کی طرف سے دو طرح ظاہر ہوئی تھی ایک یہ کہ ان میں سے بعضے شریر بدطینت مسلمانوں کی باندیوں کو رستہ میں چھیڑتے تھے اور بعضے آزاد بیبیوں سے بھی باندیوں کے شبہ میں تعرض کرتے دوسرے یہ کہ ہمیشہ ایسی جھوٹی خبریں اڑاتے کہ فلاں غنیم چڑھائی کرنا چاہتا ہے ان دونوں سے حضورؐ کو اور عام مسلمانوں کو کلفت ہوتی آگے اس کا انتظام ہے یایھا النبی تا تبدیلا ۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ

اے پیغمبرؐ اپنی بیبیوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور دوسرے مسلمانوں کی

الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ

بیبیوں سے بھی کہہ دیجئے کہ (سر سے) نیچی کر لیا کریں اپنے اوپر تھوڑی سی

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ

اپنی چادریں اس سے جلدی پہچان ہو جایا کرے گی تو آزار نہ دی جایا کرے گی

اس وضع سے آزاد عورتیں ان اشرار سے محفوظ ہو جائیں گی۔ باندیوں کا انتظام آگے آتا ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾

اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے

اس معمولی بے احتیاطی کو معاف فرما دیتا ہے

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ

یہ منافقین اور وہ لوگ جن کے

قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

دلوں میں خرابی ہے

اس لئے باندیوں سے چھیڑ کرتے ہیں

وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ

اور وہ لوگ جو مدینہ میں (جھوٹی جھوٹی) افواہیں اڑایا کرتے ہیں

جن سے مومنین کی تفضیح منظور ہوتی تھی

لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ

اگر باز نہ آئے تو ضرور ہم آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے پھر

یعنی ان کو نکالنے کا حکم کر دیں گے

لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۰﴾

یہ لوگ مدینہ میں آپ کے پاس بہت ہی کم رہنے پاویں گے

جس قدر مدت نکلنے کے سامان میں لگے

مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا

وہ بھی (ہر طرف سے) پھٹکارے ہوئے جہاں ملیں گے پکڑ دھکڑ اور مار دھاڑ

تَقْتِيْلًا ﴿۶۱﴾

کی جاوے گی

یعنے نکل کر بھی امن نصیب نہ ہوگا

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ

اللہ تعالیٰ نے ان (مفسد) لوگوں میں بھی اپنا یہی دستور رکھا ہے جو پہلے ہو گزرے ہیں

کہ ان کو آسمانی سزائیں دی ہیں

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۶۲﴾

اور آپ خدا کے دستور میں (کسی شخص کی طرف سے) ردو بدل نہ پاویں گے

کہ خدا کسی بات کو جاری کرنا چاہے اور کوئی اس کو روک دے

يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ؕ قُلْ اِنَّمَا

یہ (منکر) لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ فرما دیجئے

عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ

کہ اس کی خبر تو بس اللہ ہی کے پاس ہے اور آپ کو اس کی کیا خبر عجب نہیں کہ

السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ﴿۶۳﴾

قیامت قریب ہی واقع ہو جاوے

کیونکہ جب وقت مقرر نہیں تو قریب ہونے کا بھی احتمال ہے تو اس احتمال سے ان کو چاہئے تھا کہ ڈرتے اور اس کے لئے تیاری کرتے نہ کہ

الثا انکار کے طور پر تقاضا اور دل لگی کرتے ہیں اور قیامت کا قریب ہونا ظاہر ہے کیونکہ اول تو دن بدن اس کا وقت قریب ہی آتا جاتا ہے کہ جتنا بعد کل تھا آج اس قدر نہیں رہا دوسرے قیامت کے دن کی پریشانی اور درازی کے سامنے دنیا کی مدت دراز بھی کم معلوم ہوگی اس کے مقابلہ میں یہ مجموعی مدت قریب ہی ہے آگے لعنت اور عذاب کی کیفیت مذکور ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِينَ وَأَعَدَّ لَهُمْ سَعِيرًا ﴿٦٤﴾

بیشک کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو رحمت سے دور رکھا ہے اور ان کے لئے آتش

خٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا ۚ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَّلَا

سوزاں تیار کر رکھی ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے نہ کوئی یار پائیں گے اور

نَصِيرًا ﴿٦٥﴾ ۚ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ

نہ کوئی مددگار جس روز ان کے چہرے دوزخ میں الٹ پلٹ کئے جاویں گے

یعنی منہ کے بل گھسیٹے جاویں گے کبھی چہرہ کی اس کروٹ کبھی اس کروٹ جیسا کہ اس طرح گھسیٹنے میں مشاہدہ ہوتا ہے کہ اس شخص کا منہ کبھی ایک طرف ہو جاتا ہے کبھی دوسری طرف۔

يَقُولُونَ يٰلَيْتَنَآ أَطَعْنَا اللّٰهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَا ﴿٦٦﴾

یوں کہتے ہوں گے اے کاش ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور ہم نے رسولؐ

وَقَالُوا رَبَّنَآ إِنَّآ أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا

کی اطاعت کی ہوتی اور کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہم نے اپنے سرداروں

فَأَضَلُّونَا السَّبِيلَا ﴿٦٧﴾ رَبَّنَآ آتِهِمْ ضِعْفَيْنِ

اور اپنے بڑوں کا کہنا مانا تھا سو انہوں نے ہم کو (سیدھے) راستہ سے گمراہ کیا

مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيرًا ﴿٦٨﴾

تھا اے ہمارے رب ان کو دوہری سزا دیجئے اور ان پر بڑی لعنت کیجئے

ایسا ایک مضمون سورہ اعراف کے چوتھے رکوع میں بھی گزر چکا ہے اور وہاں اس کا جواب بھی مذکور ہے جس سے معلوم ہو گیا کہ کفار کی اس درخواست سے جو غرض تھی وہ اس میں ناکام رہے اس تفسیر کو دیکھ لیا جائے ربط اوپر کی آیتوں میں اللہ و رسول کی مخالفت کا مہلک ہونا اور اطاعت کا باعث نجات ہونا معلوم ہوا ہے آگے مسلمانوں کو اس مخالفت سے منع اور موافقت کا حکم فرماتے ہیں کیونکہ احکام الٰہی سے وہی منتفع ہوتے ہیں۔

یایھا الذین امنوا تا فوزاً عظیما

يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا

اے ایمان والو تم ان لوگوں کی طرح مت ہونا

اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مسلمانوں نے کبھی قصداً ایسا کیا ہو بلکہ ہمیشہ احتیاط رکھنے کا حکم ہے جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے اور حدیثوں میں جو بعضے لوگوں کے قصے آئے ہیں یا تو وہ منافقین کے قصے ہیں یا بعضے ناواقف بھولے مسلمانوں کو ان باتوں کے موذی ہونے کی طرف التفات نہ ہوا ہوگا

كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسٰى فَبَرَّأَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوا ۭ

جنہوں نے (کچھ تہمت تراش کر) موسیٰؑ کو ایذا دی تھی سو ان کو اللہ تعالیٰ نے ان کی تہمت سے بری ثابت کر دیا

یعنی ان کا تو کچھ ضرر نہ ہوا تہمت لگانے والے ہی جھوٹے اور سزا کے مستحق ٹھہرے اور اس کا قصہ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر کے طور پر بیان فرمایا ہے بخاری وغیرہ میں اس طرح مذکور ہے کہ بنی اسرائیل غلبہ جہالت سے کھلم کھلا ننگے نہایا کرتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام حکم شرعی کے موافق بدن چھپا کر کسی آڑ میں غسل فرماتے۔ بنی اسرائیل نے چرچا کیا کہ ان کے بدن میں کوئی عیب اور مرض ضرور ہے اس لئے یہ سب کے سامنے بدن نہیں کھولتے یہ بات ایذا رسانی کی تھی اللہ تعالیٰ کو اس عیب سے آپ کی برأت ظاہر کرنا تھی آپ نے ایک بار تنہائی میں کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیئے اور غسل کرنے لگے خدا کے حکم سے وہ پتھر کپڑوں سمیت وہاں سے چلا آپ کپڑے اٹھانے کے لئے اس کے پیچھے ہو لئے (آپ کا گمان تھا کہ یہاں خالی میدان میں کوئی آدمی نہ ہوگا) اتفاق سے بنی اسرائیل کا ایک مجمع موجود تھا وہ پتھر وہاں جا کر ٹھہرا اور سب نے سر سے پاؤں تک دیکھ لیا کہ کسی قسم کا کوئی عیب آپ کے بدن میں نہیں پھر آپ نے کپڑے پہن لئے اس قصہ میں موسیٰ علیہ السلام پر تو اس لئے اعتراض نہیں ہو سکتا کہ آپ کے اختیار کو اس میں کوئی دخل نہ تھا اور اللہ تعالیٰ پر اس لئے اعتراض نہیں ہو سکتا کہ وہ کسی قانون کے محکوم نہیں اور یہاں تو موسیٰ علیہ السلام کو بری کرنے کی حکمت بھی ظاہر ہے اور خود اس برأت میں یہ حکمت ہے کہ نبی سے کسی کو نفرت نہ ہو جو کہ طبعاً اتباع سے مانع ہو جاتی ہے۔

وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيهًا ﴿٦٩﴾ ۭ

اور وہ اللہ کے نزدیک بڑے معزز تھے

اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی برأت ظاہر فرما دی جیسا کہ اور انبیاء علیہم السلام کے لئے بھی وجاہت کا تہمتوں سے برأت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ غرضکہ تم رسول کو ان کی مخالفت کر کے ایذا مت دینا کہ وہ اللہ کی مخالفت بھی ہے پھر اس سے تم ہی کو ضرر ہوگا بلکہ ہر امر میں اللہ و رسول کی اطاعت کرنا جس کا آگے حکم کیا جاتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو

قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿٧٠﴾

اور راستی کی بات کہو

یعنی ہر امر میں خدا کی اطاعت کرو بالخصوص کلام میں اس کی بہت رعایت رکھو کہ اعتدال اور عدل سے تجاوز نہ ہو اور تقویٰ اور طاعت کی باتوں میں سے اس جگہ راستی کلام کی تخصیص شاید اس لئے ہو کہ اس کو اکثر لوگ سہل سمجھتے ہیں یا اس لئے کہ اس میں ایذا سخت اور صریح ہوتی ہے نیز اس کا وقوع بھی زیادہ ہے۔

يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ

اللہ تعالیٰ (اس کے صلہ میں) تمہارے اعمال کو قبول کرے گا

تقویٰ اور راستی کلام سے عمل کا مقبول ہونا ظاہر ہے کیونکہ عمل کا مقبول ہونا جن شرائط پر موقوف ہے وہ تقویٰ کے اجزاء ہیں جب کسی عمل کے مقبول ہونے میں کمی ہوگی ضرور تقویٰ کا کوئی جز و کم ہوگا

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ

اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا

کچھ ان اعمال کی برکت سے کچھ توبہ کی برکت سے کہ وہ بھی تقویٰ اور قول سدید میں داخل ہے اور یہ تمام ثمرات طاعت کے ہیں آگے بتلاتے ہیں کہ اطاعت بہت بڑی چیز ہے ربط اوپر کی آیتوں میں اللہ و رسول کی اطاعت کا واجب ہونا اور مخالفت کا حرام ہونا مذکور ہے بلکہ تمام تر سورت اسی مضمون کی شرح ہے آگے اسی کی تاکید کے لئے خاتمہ سورت میں احکام کے ساتھ انسان کا مکلف ہونا اور احکام کو امانت کے ساتھ تشبیہ دے کر اس کا حق ادا کرنے والوں کا مورد عنایت اور حق ضائع کرنے والوں کا مستحق عذاب ہونا بیان فرماتے ہیں۔ انا عرضنا تا رحیما

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا سو وہ بڑی کامیابی کو پہنچے

عَظِيْمًا ﴿٧١﴾ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ

گا ہم نے یہ امانت (یعنی احکام جو بمنزلہ امانت کے ہیں) آسمان اور زمین

وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ

اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تھی

یعنی ان میں کچھ سمجھ اور شعور پیدا کر کے جو کہ اب بھی ہے ان کے سامنے اپنے احکام پیش کئے اور یہ کہہ دیا گیا کہ اگر تم ان احکام کو اپنے ذمہ رکھتے ہو تو ان کے موافق عمل کرنے میں ثواب اور خلاف کرنے کی صورت میں عذاب ہوگا اور اگر ذمہ نہیں لیتے تو مکلف نہ بنائے جاؤ گے۔ اور ثواب و عذاب کے مستحق نہ ہو گے تم کو دونوں اختیار ہیں

فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا

سو انہوں نے اس کی ذمہ داری سے انکار کر دیا

یعنی عذاب کے خوف سے وہ ثواب سے بھی دست بردار ہو گئے۔

وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا

اور اس سے ڈر گئے

کہ خدا جانے کیا انجام ہو اور اگر وہ اپنے ذمہ رکھ لیتے تو انسان کی طرح ان کو بھی عقل عطا کی جاتی جس پر احکام اور ثواب و عذاب کی تفصیل کا سمجھنا موقوف ہے چونکہ انہوں نے منظور نہیں کیا اس لئے عقل کی بھی ضرورت نہ ہوئی۔

وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۭ

اور انسان نے اس کو اپنے ذمہ لے لیا

یعنی جب آسمان و زمین اور پہاڑوں کے بعد انسان کو پیدا کر کے اس سے یہی بات پوچھی گئی تو اس نے بوجہ اس کے کہ علم الٰہی میں اس کا خلیفہ ہونا مقدر تھا اس امانت کو اپنے ذمہ لے لیا اور احکام کو امانت کے ساتھ تشبیہ دینا اس بناء پر ہے کہ اس کے حقوق کا ادا کرنا واجب ہے اور غالباً یہ پیشی میثاق سے پہلے ہوئی ہے اور کسی خاص انسان سے نہیں ہوئی بلکہ میثاق کی طرح سب انسانوں سے ہوئی ہے۔

اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿٧٢﴾

وہ ظالم ہے جاہل ہے

یعنی اعمال وعقائد دونوں میں خلاف ورزی کرتا ہے۔

لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ

انجام یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ منافقین اور منافقات

وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ

اور مشرکین اور مشرکات کو سزا دے گا

کیونکہ یہ لوگ احکام کو ضائع کرنے والے ہیں۔

وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ط

اور مومنین و مومنات پر توجہ (اور رحمت) فرمائے گا

کیونکہ وہ امانت کا حق ادا کرنے والے ہیں۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۳﴾ ع

اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے

(۳۴) سُوْرَةُ سَبَاٍ مَّكِّيَّةٌ (۵۸)

سورۂ سبا مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں چون آیتیں اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

تمام ترحمد (وثنا) اس اللہ کو سزاوار ہے جس کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے

وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ط

اور جو کچھ زمین میں ہے اور اسی کو حمد (وثنا) آخرت میں (بھی) سزاوار ہے

یعنی جس طرح فی الحال اس کا استحقاق حمد بیان کیا گیا ہے

وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۱﴾

اور وہ حکمت والا خبردار ہے۔

کہ سب اشیاء کو مصالح اور منافع پر مشتمل پیدا کیا

يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ

وہ سب کچھ جانتا ہے جو زمین کے اندر داخل ہوتی ہے (مثلاً) بارش اور جو چیز اس میں

مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا

سے نکلتی ہے (مثلاً نباتات) اور جو چیز آسمان سے اترتی ہے بارش وغیرہ اور جو چیز

يَعْرُجُ فِيْهَا ط وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ ﴿۲﴾

اس میں چڑھتی ہے (نیک اعمال اور فرشتے) وہ اللہ رحیم (اور) غفور (بھی) ہے

مثلاً ملائکہ اور اعمال عباد پس ابتداء رحمت سے ہوتی ہے اور انتہاء مغفرت پر

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ط

اور یہ کافر کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہ آئے گی

قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ لا عٰلِمِ الْغَيْبِ ج لَا

آپ فرما دیجئے کہ کیوں نہیں قسم اپنے پروردگار عالم الغیب کی

يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ

وہ ضرور تم پر آوے گی اس (کے علم) سے کوئی ذرہ برابر بھی غائب نہیں نہ

وَلَا فِي الْاَرْضِ

آسمانوں میں اور نہ زمین میں

بلکہ سب اس کے علم میں حاضر ہیں۔

وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ

اور نہ کوئی چیز اس (مقدار مذکورہ) سے چھوٹی ہے اور نہ کوئی چیز (اس سے)

كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳﴾ قلا

بڑی ہے مگر یہ سب کتاب مبین میں (مرقوم) ہے

قیامت کے متعلق کفار کے کئی شبہے تھے ایک یہ کہ اگر وہ آنے والی ہے تو اس کا وقت بتلایا جائے دوسرے یہ کہ ہمارے بدن کے اجزاء کا تو کہیں نشان بھی نہ رہے گا پھر وہ جمع کیسے ہوں گے پس ان آیتوں میں خدا کے لئے علم غیب ثابت کرنے سے پہلے شبہ کا جواب ہو گیا کہ قیامت کے وقت کا علم بعض حکمتوں کی وجہ سے خدا تعالیٰ ہی کے ساتھ مخصوص ہے پس نبی کے نہ جاننے سے یہ لازم نہیں آتا کہ قیامت واقع ہی نہ ہو اور خدا کے علم کا محیط ہونا ثابت کر کے دوسرے شبہ کا جواب دے دیا کہ وہ اجزاء چاہے زمین میں مل جائیں یا ہوا میں منتشر ہو جائیں کسی طرح ہمارے علم سے باہر نہ ہوں گے ہم جب چاہیں گے جمع کر لیں گے تیسرا شبہ یہ تھا کہ وہ قیامت کو محال سمجھتے تھے

اس کا جواب آگے آئے گا۔ اب قیامت کی غرض اور غایت بتلاتے ہیں۔

لِّيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۚ

تاکہ ان لوگوں کو صلہ (نیک) دے جو ایمان لائے تھے اور انہوں نے نیک کام کئے تھے

أُولَٰئِكَ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ④

(سو) ایسے لوگوں کے لئے مغفرت اور (بہشت میں) عزت کی روزی ہے۔ اور جن

وَالَّذِينَ سَعَوْ فِي آيَاتِنَا مُعَاجِزِينَ

لوگوں نے ہماری آیتوں کے متعلق (ان کے ابطال کی) کوشش کی تھی ہرانے کے لئے

اگرچہ وہ اس کوشش میں ناکام ہی رہے

أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّن رِّجْزٍ أَلِيمٌ ⑤

ایسے لوگوں کے لئے سختی کا دردناک عذاب ہو گا

اور قرآن کی تکذیب پر یہ سزا ہونا ہی چاہئے کیونکہ اول تو قرآن فی الواقع خدا کی طرف سے اترا ہوا ہے اور ایسے امر حق کو جھٹلانا خود حق تعالیٰ کو جھٹلانا ہے اس پر جتنی سزا ہو تھوڑی ہے۔ دوسرے قرآن راہ راست کی تعلیم کرتا ہے جو خدا کے نزدیک پسندیدہ ہے تو جو شخص اس کو نہ مانے گا وہ راہ راست سے قصداً دور رہے گا کہ نہ اس کو صحیح عقائد کا پتہ لگے گا نہ اعمال صالحہ کا اور یہی طریقہ تھا نجات کا پس نجات کے طریقہ سے قصداً دور رہنے پر سزا ہونا بے جا نہیں آگے قرآن کی حقانیت کی ایک سہل دلیل بتلاتے ہیں

وَيَرَى الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ الَّذِي

اور جن لوگوں کو (آسمانی کتابوں کا) علم دیا گیا ہے وہ اس قرآن کو

أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ

جو کہ آپ کے رب کی طرف سے آپ کے پاس بھیجا گیا ہے ایسا سمجھتے ہیں

وَيَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ⑥

کہ وہ حق ہے اور خدائے غالب محمود (کی رضا) کا راستہ بتلاتا ہے

پس قرآن کی حقانیت کی یہ کھلی دلیل ہے کہ علماء اہل کتاب اس کو حق سمجھتے ہیں اور اس استدلال کی تقریر سورہ شعراء کے اخیر رکوع کے شروع میں گزر چکی ہے اور شاید قرآن کی حقانیت ثابت کرنے کا اہتمام اس جگہ اس لئے کیا گیا کہ وہ قیامت کی خبر دیتا ہے جس میں یہاں کلام ہو رہا ہے پس حاصل یہ ہوا کہ قیامت کے دن قرآن کے جھٹلانے پر بھی عذاب ہوگا

آگے پھر قیامت کا ثبوت بیان فرماتے ہیں

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلَىٰ

اور یہ کافر (آپس میں) کہتے ہیں کہ کیا ہم تم کو ایسا آدمی بتائیں جو کہ تم کو یہ

رَجُلٍ يُنَبِّئُكُمْ إِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ

عجیب خبر دیتا ہے کہ جب تم بالکل ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو (اس کے بعد

إِنَّكُمْ لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ⑦ أَفْتَرَىٰ عَلَى

قیامت کو) ضرور تم ایک نئے جنم میں آؤ گے معلوم نہیں کہ اس شخص نے خدا

اللَّهِ كَذِبًا أَم بِهِ جِنَّةٌ ۗ

پر (قصداً) جھوٹ بہتان باندھا ہے یا اس کو کسی طرح کا جنون ہے

کہ قصداً تو جھوٹ نہیں بولتا مگر جنون کی وجہ سے واہی تباہی باتیں کرتا ہے کیونکہ قیامت کا آنا تو محال ہے تو اس کے آنے کا خبر دینا بھی ضرور غلط ہے خواہ قصداً جھوٹ بولا گیا ہو یا حواس میں خلل ہو آگے حق تعالیٰ ان دونوں شقوں کی تردید فرماتے ہیں کہ ہمارے نبی تو نہ مفتری ہیں نہ مجنون ہیں کچھ بھی نہیں۔

بَلِ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ فِي

بلکہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے (وہی)

الْعَذَابِ وَالضَّلَالِ الْبَعِيدِ ⑧

عذاب اور دور دراز گمراہی میں (مبتلا) ہیں

اس گمراہی کا اس وقت تو یہ اثر ہے کہ سچے آدمی بھی مفتری اور مجنون نظر آتے ہیں اور انجام میں یہ اثر ہے کہ عذاب بھگتنا پڑے گا۔ آگے فرماتے ہیں کہ یہ جاہل جو قیامت کو محال سمجھتے ہیں اور مردہ بدن کے اجزاء جمع کرنے اور اس میں جان ڈالنے کو دشوار سمجھتے ہیں خدا کے نزدیک کچھ بھی مشکل نہیں

أَفَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ

تو کیا انہوں نے آسمان اور زمین کی طرف نظر نہیں کی

جو کہ قدرت الٰہی کی بڑی دلیلیں ہیں

وَمَا خَلْفَهُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۚ

کہ جو ان کے آگے بھی اور پیچھے (بھی) موجود ہیں

کہ جدھر دیکھو وہ نظر آرہے ہیں پس ان بڑے بڑے اجسام کا ابتداءً پیدا

کرنے والا کیا اس پر قادر نہیں کہ چھوٹے چھوٹے اجسام کو دوبارہ پیدا کردے۔

إِن نَّشَأْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْأَرْضَ

اگر ہم چاہیں تو ان کو زمین میں دھنسا دیں

یعنی ان واضح دلائل کے بعد بھی قیامت کا انکار کرنا محض عناد اور سرکشی ہے پس یہ لوگ ہیں تو اس قابل کہ انہی آسمان و زمین کو جو کہ بندوں کے لئے بڑی نعمتیں ہیں ان کے عذاب کا آلہ بنا دیا جائے کہ جس نعمت کی ناشکری ہو اسی نعمت کو عذاب کا آلہ بنانے سے سخت حسرت ہوتی ہے لیکن حکمت کی وجہ سے مہلت دے رکھی ہے غرض ان لوگوں کو قیامت کو محال نہ سمجھنا چاہئے اور آسمان و زمین میں قدرت الٰہی پر نظر کرنا چاہئے۔

أَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَاءِ ۚ إِنَّ فِي

یا ان پر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں اس (دلیل مذکورہ) میں (قدرت الٰہیہ) کی

ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ ⑨

پوری دلیل ہے (مگر) اس بندہ کے لئے جو (خدا کی طرف) متوجہ (بھی) ہو

اور حق کی طلب ہو یعنے دلیل کافی ہے مگر ان کی طرف سے طلب نہیں اس لئے محروم ہیں۔

ربط: اوپر اللہ کی طرف متوجہ ہونے والے بندوں کی فضیلت اجمالاً بیان فرمائی ہے آگے اس کی تفصیل کے لئے بعض اعلیٰ درجہ کے حضرات یعنی داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا قصہ بیان کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ خدا کی طرف متوجہ ہونا سرمایہ سعادت ہے اور اپنی استعداد کے موافق اس سے حصہ لیں نیز حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو چونکہ دنیوی سامان ایسا دیا گیا تھا جو دنیا پرستوں کے نزدیک بھی بہت عجیب و غریب چیز تھی اس لئے ان کی نبوت میں کسی کو انکار کی گنجائش نہیں رہتی۔ تو ان کی نبوت بیان کرنے سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ انسان کا نبی ہونا کچھ دشوار نہیں پس کفار جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار اس وجہ سے کرتے تھے کہ رسول آدمی نہیں ہوتا اس شبہ کا جواب بھی اس قصہ سے ہو جاوے گا ولقد اٰتینا داؤد تا فی العذاب المهين

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ مِنَّا فَضْلًا ۖ يَا جِبَالُ

اور ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے بڑی نعمت دی تھی۔ اے پہاڑو داؤد کے

أَوِّبِي مَعَهُ

ساتھ بار بار تسبیح کرو

یعنی جب یہ ذکر میں مشغول ہوں تم بھی ان کا ساتھ دو

وَالطَّيْرَ ۖ

اور (اسی طرح) پرندوں کو بھی حکم دیا

کہ ان کے ساتھ تسبیح کرو شاید اس میں ایک حکمت یہ ہو کہ داؤد علیہ السلام کو ذکر میں نشاط ہو دوسرے یہ کہ آپ کا معجزہ بھی ظاہر ہوگا اور غالباً یہ تسبیح ایسی ہوگی جس کو سب لوگ سمجھتے ہوں گے ورنہ اس میں داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح کرنے کی کیا تخصیص ہوگی کیونکہ پہاڑ وغیرہ ایسی تسبیح تو اب بھی کرتے ہیں جس کو لوگ نہیں سمجھتے۔

وَأَلَنَّا لَهُ الْحَدِيدَ ⑩ أَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ

اور ہم نے اس کے واسطے لوہے کو (مثل موم) نرم کر دیا (اور یہ حکم دیا) کہ تم پوری

وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ ۖ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۖ

زرہیں بناؤ اور کڑیوں کے جوڑنے میں اندازہ رکھو اور تم سب نیک کام کیا کرو

یعنی جیسے ہم نے تم کو وہ نعمتیں دی ہیں ان کے شکر میں تم اور تمہارے سب متعلقین نیک کام کرتے رہو۔

إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ⑪

میں تمہارے سب اعمال دیکھ رہا ہوں

اس لئے حدود و احکام کی رعایت کا پورا اہتمام رکھو

وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَرَوَاحُهَا

اور سلیمان (علیہ السلام) کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا کہ اس (ہوا) کی صبح کی منزل

شَهْرٌ ۖ

ایک مہینہ بھر کی (راہ) ہوتی اور اس کی شام کی منزل ایک مہینہ بھر کی (راہ ہوتی

یعنی وہ ہوا سلیمان علیہ السلام کو اتنی اتنی دور پہنچاتی تھی

وَأَسَلْنَا لَهُ عَيْنَ الْقِطْرِ ۖ

اور ہم نے) ان کے لئے تانبے کا چشمہ بہا دیا

یعنی لوہے کو اس کی کان میں پانی کی طرح بہنے والا کر دیا تاکہ اس سے چیزیں بنانے میں بدون آلات کے آسانی ہو پھر وہ منجمد ہو جاتا یہ بھی ایک معجزہ ہے اور ایک نعمت یہ دی تھی کہ جنات کو ان کے تابع کر دیا تھا

وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ

اور جنات میں بعضے وہ تھے جو ان کے آگے کام کرتے تھے ان کے رب کے

رَبِّهٖ ؕ

حکم سے

یعنی چونکہ پروردگار نے ان کو مسخر کر دیا تھا اور تسخیر کے ساتھ یہ شرعی حکم بھی دیا تھا کہ سلیمان علیہ السلام کی اطاعت کرو

وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا

ان میں سے جو شخص ہمارے حکم سے سرتابی کرے گا

یعنی خوشی سے کام نہ کرے گا گو تسخیر کی وجہ سے سلیمان علیہ السلام ان سے جبراً کام لینے پر بھی قادر ہوں گے جیسے بیگاریوں سے کام لیا جاتا ہے مگر ان کو یہ حکم تھا کہ خوشی سے کام کریں اور ان کی اطاعت کریں ورنہ آخرت میں عذاب ہوگا۔

نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۱۲﴾

ہم اس کو (آخرت میں) دوزخ کا عذاب چکھا دیں گے

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو اطاعت کرے گا وہ عذاب سے محفوظ رہے گا اور ظاہر ہے کہ ہر نبی اپنے محکومین کو ایمان کا بھی حکم کرتا ہے تو پوری اطاعت یہ ہے کہ ایمان بھی اختیار کریں پس حاصل یہ ہوا کہ جو جن ایمان اور اطاعت اختیار کرے گا وہ عذاب دوزخ سے بچا رہے گا جیسا کہ ایمان کا مقتضا ہے۔ آگے ان کاموں کا بیان ہے جن پر جنات مامور تھے۔

يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ

وہ جنات ان کے لئے وہ وہ چیزیں بناتے جو ان کو (بنوانا) منظور ہوتا بڑی بڑی عمارتیں اور مورتیں

تصویریں بنانا پہلے جائز تھا ہماری شریعت نے اس کو منسوخ کر دیا

وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ؕ

اور لگن (ایسے بڑے) اور (بڑی بڑی) دیگیں جو ایک ہی جگہ جمی رہیں۔ اے

اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ

داؤد کے خاندان والو تم سب شکریہ میں نیک کام کیا کرو

یعنی ہم نے ان کو یہ حکم بھی دیا تھا کہ تم اور تمہارا سارا خاندان ان نعمتوں کا شکریہ ادا کرتے رہو جس کا طریقہ یہ ہے کہ اعمال صالحہ کرتے رہو اور خاندان والوں کو ان نعمتوں کے شکر کا حکم فرمانا اس لئے ہے کہ ان کا نفع ان کو بھی پہنچتا تھا خواہ ظاہری خواہ باطنی اور کم از کم یہ نفع تو تھا ہی کہ ایسے جلیل القدر انبیاء کے ساتھ ان کو نسبت تھی کیونکہ خاندان میں ایک شخص کو بادشاہت یا نبوت مل جانے سے سارا خاندان دوسروں کی نگاہوں میں معزز ہو جاتا ہے غرض زندگی بھر سلیمان علیہ السلام کے سامنے جنات کا یہ معاملہ رہا۔

وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾ فَلَمَّا قَضَيْنَا

اور میرے بندوں میں شکر گزار کم ہی ہوتے ہیں پھر جب ہم نے ان پر موت

عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ

کا حکم جاری کر دیا تو کسی چیز نے ان کے مرنے کا پتہ نہ بتلایا

یعنی ایسے طریقہ پر موت واقع ہوئی کہ جنات کو ان کے مرنے کی خبر نہ ہوئی اور وہ طریقہ یہ تھا کہ سلیمان علیہ السلام موت کے قریب اپنے عصا کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر ٹھڈی کے نیچے لگا کر کرسی پر بیٹھ گئے اور اسی حالت میں روح قبض ہو گئی اسی طرح سال بھر تک بیٹھے رہے جنات آپ کو بیٹھا دیکھ کر زندہ سمجھتے رہے اور رعب کی وجہ سے کسی کو مجال نہ تھی کہ پاس جا کر خوب گھور کر دیکھ سکے خصوصاً جب کہ کوئی وجہ شبہ کی بھی نہ ہو۔ غرض وہ زندہ سمجھ کر بدستور کام کرتے رہے اور کسی نے ان کی موت کی اطلاع جنوں کو نہ دی۔

اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ

مگر گھن کے کیڑے نے کہ وہ سلیمانؑ کے عصا کو کھاتا تھا

یہاں تک کہ اس کا ایک حصہ کھا گیا تو عصا گرا اور حضرت سلیمان علیہ السلام بھی گر پڑے۔ حساب کیا تو معلوم ہوا کہ ان کی وفات کو ایک سال گزرا۔

فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا

سو جب وہ گر پڑے تب جنات کو حقیقت معلوم ہوئی

يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ

کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت کی مصیبت

الْمُهِيْنِ ؕ ﴿۱۴﴾

میں نہ رہتے

مراد وہ سخت کام ہیں جن پر مامور تھے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِیْ مَسْكَنِهِمْ اٰیَةٌ ۚ

سبا (کے لوگوں) کے لئے ان کے وطن (کی مجموعی حالت) میں نشانیاں موجود تھیں

احکام خداوندی کی اطاعت واجب ہونے کے لئے۔

جَنَّتٰنِ عَنْ یَّمِیْنٍ وَّشِمَالٍ ۬ؕ

دو قطاریں تھیں باغ کی دائیں اور بائیں

جس سے سایہ اور رونق خوب تھی

كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ

اپنے رب کا (دیا ہوا) رزق کھاؤ اور اس کا شکر کرو

یعنی اطاعت کرو

بَلْدَةٌ طَیِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾ فَاَعْرَضُوْا

(کہ رہنے کو) عمدہ شہر اور بخشنے والا رب سو انہوں نے سرتابی کی

شاید یہ لوگ آفتاب پرست بھی تھے جیسا سورۂ نمل کی آیات وجدتها وقومها یسجدون للشمس سے ثابت ہوتا ہے

فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ سَیْلَ الْعَرِمِ

تو ہم نے ان پر بند کا سیلاب چھوڑ دیا

جس سے وہ اور ان کے باغات سب غارت ہو گئے

وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَیْهِمْ جَنَّتَیْنِ ذَوَاتَیْ

اور ہم نے ان کے ان دو رویہ باغوں کے بدلے اور دو باغ دیدیئے

اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَیْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِیْلٍ ﴿۱۶﴾

جن میں دو چیزیں رہ گئیں بدمزہ پھل اور جھاؤ اور قدرے قلیل بیری

وہ بھی شہری نہیں بلکہ جنگلی خودرو جس میں کانٹے بہت اور پھل میں لطافت ندارد

ذٰلِكَ جَزَیْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ؕ وَهَلْ نُجٰزِیْٓ

ان کو یہ سزا ہم نے ان کی ناسپاسی کے سبب دی اور ہم ایسی سزا بڑے ناسپاس

اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿۱۷﴾

ہی کو دیا کرتے ہیں۔

ورنہ معمولی خطاؤں پر تو ہم درگزر ہی کرتے رہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ کفر سے بڑھ کر کیا ناسپاسی ہوگی جس میں وہ مبتلا تھے

وَجَعَلْنَا بَیْنَهُمْ وَبَیْنَ الْقُرَى الَّتِیْ بٰرَكْنَا

اور ہم نے ان کو اور ان بستیوں کے درمیان میں جہاں ہم نے برکت

فِیْهَا

کر رکھی ہے

اگر اس سے شام کی بستیاں مراد ہوں تو برکت سے دینی برکات مراد ہیں کیونکہ شام انبیاء علیہم السلام کا مسکن رہا ہے اور اگر صنعاء کی بستیاں مراد ہوں تو اس سے پیداوار اور نہروں اور پھلوں کی برکت مراد ہے۔

قُرًى ظَاهِرَةً

بہت سے گاؤں آباد کر رکھے تھے جو نظر آتے تھے

کہ مسافر کو سفر میں دہشت نہ ہو اور کہیں ٹھہرنا چاہے تو وہاں جانے میں خوف اور تردد بھی نہ ہو

وَّقَدَّرْنَا فِیْهَا السَّیْرَ ؕ

اور ہم نے ان کے دیہات کے درمیان ان کے چلنے کا ایک خاص اندازہ رکھا تھا

یعنی ایک گاؤں سے جب دوسرے گاؤں تک چال کے حساب سے ایسا مناسب فاصلہ رکھا تھا کہ سفر میں راحت لینے کے موقع پر کوئی نہ کوئی گاؤں مل جاتا جہاں آدمی کھا پی سکے آرام کر سکے

سِیْرُوْا فِیْهَا لَیَالِیَ وَاَیَّامًا اٰمِنِیْنَ ﴿۱۸﴾

کہ بے خوف و خطر ان میں راتوں کو اور دنوں کو چلو

یعنی پاس پاس گاؤں ہونے سے نہ رہزن کا خطرہ تھا نہ دانہ پانی اور زادراہ میسر نہ آنے کا کیونکہ ہر جگہ ہر سامان ملتا تھا مگر جیسا کہ انہوں نے ان نعمتوں کی اصل شکرگزاری نہیں کی جو کہ اطاعت الٰہی تھی ایسے ہی ظاہری شکرگزاری بھی نہ کی کہ اس نعمت کو غنیمت سمجھتے اور اس کی قدر کرتے۔

فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَیْنَ اَسْفَارِنَا

سو وہ کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے سفروں میں درازی کردے

یعنی بیچ کے دیہات اجاڑ دیئے تاکہ منزلوں میں خوب فاصلہ ہو جائے کیونکہ ایسے پاس پاس دیہات ہونے سے سفر کا لطف نہیں آتا لطف تو اسی میں ہے کہ کہیں زادراہ ختم ہو گیا کہیں پیاس پانی نہیں ملتا اس لئے اشتیاق

ہے انتظار ہے کہیں چوروں کا خطرہ ہے اگر پہرہ دے رہے ہیں ہتھیار بندھے ہوئے ہیں نیز اس موجودہ حالت میں ہم کو اپنی امارت ظاہر کرنے کا بھی موقع نہیں ملتا امیر غریب سب یکساں سفر کر سکتے ہیں پس جس طرح بنی اسرائیل من وسلویٰ سے اکتا گئے تھے اور ترکاری اور کھیرے ککڑی کی درخواست کرنے لگے یونہی اہل سبا اس راحت کے سامان سے اکتا گئے

وظلموا انفسهم فجعلنهم احاديث

اور (علاوہ اس ناشکری کے) انہوں نے (اور بھی نافرمانیاں کر کے) اپنی

ومزقنهم كل ممزق ؕ

جانوں پر ظلم کیا سو ہم نے ان کو افسانہ بنا دیا اور ان کو بالکل تتر بتر کر دیا

یا تو اس طرح کہ بعض کو ہلاک کر دیا اور ان کے قصے ہی رہ گئے اور بعض کو پریشان و منتشر کر دیا یا یہ کہ تنعم اور عیش کے اعتبار سے سب ہی افسانہ ہو گئے یا یہ مطلب ہے کہ ان کی حالت کو عبرت بنا دیا کہ اب عبرت کے طور پر ان کی حکایات بیان ہوتی ہیں غرض وہ پاس پاس کے دیہات اور خود ان کے باغات اور رہنے کے گھر بھی سب ویران ہو گئے ربط اوپر خدا کی طرف متوجہ ہونے والوں اور نہ متوجہ ہونے والوں میں سے خاص لوگوں کا ذکر تھا آگے دونوں جماعتوں کا عام طور پر ذکر ہے اور ابلیس کے اتباع کرنے اور نہ کرنے سے ان دونوں کی حالت اور انجام میں تفاوت بتلاتے ہیں جس میں خدا کی طرف متوجہ ہونے والوں کی خاص فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ ایسے بڑے بہکانے والے سے بچتے ہیں اور نہ متوجہ ہونے والوں کی مذمت ثابت ہوتی ہے کہ ایسے بدخواہ اور دشمن کے ہاتھ میں پھنستے ہیں ولقد صدق تا حفیظ

ان في ذلك لايت لكل صبار شكور ﴿١٩﴾

بیشک اس قصہ میں ہر صابر و شاکر (مومن) کے لئے بڑی بڑی عبرتیں ہیں

ولقد صدق عليهم ابليس ظنه

اور واقعی ابلیس نے ان لوگوں کے بارہ میں اپنا گمان صحیح پایا

یعنی اس کا یہ گمان صحیح نکلا لاحتنکن ذریته الا قلیلا (کہ میں آدم کی اولاد کو تباہ کر دوں گا مگر تھوڑے سے آدمیوں کو) اور شاید اس نے خاک کے ضعف اور آگ کی قوت سے یہ استدلال کیا ہو۔

فاتبعوه الا فريقا من المؤمنين ﴿٢٠﴾

کہ یہ سب اسی کی راہ پر ہو لئے مگر ایمان والوں کا گروہ

کہ وہ محفوظ رہا اگر ایمان کامل تھا تو بالکل محفوظ رہا اور اگر ایمان ضعیف تھا تو شرک و کفر میں اتباع نہیں کیا گو اور گناہوں میں اتباع کر لیا۔

وما كان له عليهم من سلطن الا لنعلم

اور ابلیس کا ان لوگوں پر (جو) تسلط (بطور اغواء ہے) بجز اس کے اور کسی وجہ سے

من يؤمن بالاخرة ممن هو منها في شك ؕ

نہیں کہ ہم کو (ظاہری طور پر) ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ان لوگوں سے (الگ کر کے) معلوم کرنا ہے جو اس کی طرف سے شک میں ہیں

یعنی ہم کو امتحان اور آزمائش مقصود ہے کہ مومن اور کافر متعین ہو جاویں کیونکہ بعض کو ثواب اور بعض کو عذاب دینا مقتضائے حکمت ہے اور وہ حکمت صفات الٰہی کا ظاہر ہونا ہے یا اور کچھ ہو جو انسان کو معلوم نہ ہو اور ظاہری طور پر جاننے کا مطلب شروع پارۂ سیقول میں گزر چکا ہے اور ایمان میں آخرت کی تخصیص کی یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ آخرت کے اعتقاد کو طلب حق اور درستی دین میں زیادہ دخل ہے۔

وربك على كل شيء حفيظ ﴿٢١﴾ ع

اور آپ کا رب ہر چیز کا نگران ہے

اور ہر چیز میں ایمان و کفر بھی داخل ہے اس لئے اس کی بھی خبر ہے پس ہر ایک کو مناسب بدلہ ملے گا ربط اوپر شروع سورت میں توحید کا ذکر تھا آگے پھر توحید کی طرف رجوع ہے نیز اہل سبا کے قصہ میں ناشکری کی مذمت تھی اور شرک سے بڑھ کر کیا ناشکری ہوگی اس لئے شرک کو باطل کرتے ہیں قل ادعوا الذين زعمتم تا العزيز العليم

قل ادعوا الذين زعمتم من دون الله ۚ

آپ فرمائیے کہ جن کو تم خدا کے سوا (دخیل خدائی) سمجھ رہے ہو ان کو پکارو

معلوم ہو جائے گا کہ وہ کتنی قدرت اور اختیار رکھتے ہیں آگے ان کی واقعی حالت کا بیان ہے۔

لا يملكون مثقال ذرة في السموت

وہ ذرہ برابر اختیار نہیں رکھتے نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں

ولا في الارض وما لهم فيهما من

اور نہ ان کی ان دونوں (کے پیدا کرنے) میں کوئی شرکت ہے

شِرۡكٍ وَّمَا لَهٗ مِنۡهُمۡ مِّنۡ ظَهِيۡرٍ ﴿۲۲﴾

اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا (کسی کام میں) مددگار ہے

خلاصہ یہ کہ نہ عالم کی ایجاد میں ان کا کوئی دخل ہے اور نہ عالم کے موجود ہونے کے بعد اس میں کوئی مستقل اختیار رکھتے ہیں اور نہ خدا کے نائب ہو کر کچھ اختیار رکھتے ہیں آگے فرماتے ہیں کہ جس طرح وہ خود کوئی کام نہیں کر سکتے اسی طرح اللہ تعالیٰ سے کہہ کر بھی کوئی کام نہیں کرا سکتے جس کو شفاعت کہتے ہیں جیسا کہ کفار کا قول تھا ھؤلاء شفعاؤنا عنداللہ (کہ یہ معبود خدا کے پاس ہماری سفارش کرنے والے ہیں

وَلَا تَنۡفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنۡدَهٗۤ اِلَّا لِمَنۡ اَذِنَ لَهٗ ؕ

اور خدا کے سامنے (کسی کی) سفارش کسی کے لئے کام نہیں آتی مگر اس کے لئے جس کی نسبت (شفیع کو) وہ اجازت دے دے

اور دلائل سے ثابت ہے کہ یہ اجازت صرف مؤمنین کے حق میں ہوگی پس اس قانون عام کے موافق کفار کی کوئی سفارش نہ کرے گا آگے بتلاتے ہیں کہ یہ بت اور شیاطین تو کیا شفاعت کرتے کہ بتوں میں قابلیت ہی نہیں اور شیاطین میں مقبولیت کی شان نہیں وہاں تو فرشتے بھی باوجودیکہ مقبولان الٰہی ہیں بلا اجازت کے سفارش کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے ان کا تو خدا کی عظمت اور ہیبت کی وجہ سے یہ حال ہے کہ جب ان کو حق تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم ہوتا ہے تو اسی میں ہیبت کے مارے گھبرا اٹھتے ہیں۔

حَتّٰۤى اِذَا فُزِّعَ عَنۡ قُلُوۡبِهِمۡ قَالُوۡا مَاذَا ۙ

یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو ایک دوسرے

قَالَ رَبُّكُمۡ ؕ قَالُوا الۡحَقَّ ۚ

سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے پروردگار نے کیا حکم فرمایا

یعنی حکم دینے کے وقت شدت ہیبت سے ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ان کو اس وقت اپنے سمجھنے اور یاد رکھنے پر پورا بھروسہ نہیں ہوتا تو جیسا کہ طالب علم استاد کی تقریر کا تکرار کیا کرتے ہیں اس طرح باہم پوچھ پاچھ اور تحقیق کرتے ہیں اور اس طرح جب وہ حکم تحقیق ہو جاتا ہے پھر اس پر عمل کرتے ہیں تو جب حق تعالیٰ کی جانب سے معمولی احکام کے خطاب پر ان کی یہ حالت ہے تو خود ان کا اپنی طرف سے ایک نئی بات کے متعلق خطاب کرنا کیا کچھ دشوار نہ ہوگا آگے بتلاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سامنے فرشتوں کا ایسا حال ہو جانا کچھ تعجب کی بات نہیں ہے۔

وَهُوَ الۡعَلِىُّ الۡكَبِيۡرُ ﴿۲۳﴾ قُلۡ مَنۡ يَّرۡزُقُكُمۡ مِّنَ

وہ کہتے ہیں کہ (فلانی) حق بات کا حکم فرمایا اور وہ عالیشان سب سے بڑا ہے آپ (تحقیق توحید کے لئے یہ بھی) پوچھئے (اچھا بتلاؤ) تم کو آسمان اور

السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ

زمین سے کون روزی دیتا ہے

پانی برسا کر اور نباتات نکال کر چونکہ اس کا جواب ان کے نزدیک بھی یہی ہے کہ خدا ایسا کرتا ہے اس لئے خود ہی جواب دیتے ہیں

قُلِ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّاۤ اَوۡ اِيَّاكُمۡ لَعَلٰى هُدًى اَوۡ فِىۡ

آپ (ہی) کہہ دیجئے کہ اللہ روزی دیتا ہے اور (یہ بھی کہیے کہ اس مسئلہ توحید

ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۲۴﴾

میں) بیشک ہم یا تم ضرور راہ راست پر ہیں یا صریح گمراہی میں ہیں)

یعنی یہ تو نہیں ہو سکتا کہ توحید کے ماننے والے اور نہ ماننے والے دونوں حق پر یا دونوں غلطی پر ہوں ضرور ایک راہ پر ہے اور دوسرا گمراہ ہے اب غور کرنے کی ضرورت ہے اور ظاہر ہے کہ توحید کے دلائل میں غور کرنے سے نتیجہ اہل اسلام ہی کے موافق نکلتا ہے پس ان ہی کا حق پر ہونا ثابت ہوگا اور باوجودیکہ واقع میں ہدایت والے اور گمراہ ہونے والے متعین ہیں مگر اس جگہ نرمی اور لطف کی غرض سے یہ عنوان اختیار کیا گیا کہ ہم یا تم ضرور راہ راست پر ہیں یا صریح گمراہی میں تا کہ مقابل کو اشتعال نہ ہو جائے جو کہ تامل اور طلب سے مانع ہو جاتا ہے۔

قُلۡ لَّا تُسۡـئَلُوۡنَ عَمَّاۤ اَجۡرَمۡنَا وَلَا نُسۡـئَلُ عَمَّا

آپ یہ بھی فرما دیجئے (اگر ہم مجرم ہیں تو) تم سے ہمارے جرائم کی باز پرس نہ

تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۵﴾

ہوگی اور ہم سے تمہارے اعمال کی باز پرس نہ ہوگی

یعنی جب تم باوجود حق واضح ہو جانے کے بھی اس کو قبول نہیں کرتے تو بس اخیر بات یہی ہے کہ تم جانو اور تمہارا کام اور ہم جانیں اور ہمارا کام اور اس جواب میں بھی غایت درجہ نرمی کی رعایت ہے کہ مقابل کے اعمال کو جرائم سے تعبیر نہیں کیا۔

قُلۡ يَجۡمَعُ بَيۡنَنَا رَبُّنَا

(اور یہ بھی) کہہ دیجئے کہ ہمارا رب ہم سب کو (ایک جگہ) جمع کرے گا

اس لئے یہ احتمال نہ کیا جائے کہ بالکل باز پرس نہ ہوگی جیسا کہ قیامت کے منکر کہتے تھے بلکہ ایک وقت ضرور آنے والا ہے۔

ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۭ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ۝۲۶

پھر ہمارے درمیان میں ٹھیک ٹھیک فیصلہ (عملی) کردے گا اور وہ بڑا فیصلہ کرنے والا جاننے والا ہے

اس سے کسی کا حال پوشیدہ نہیں ہے جس سے غلط فیصلہ کا شبہ ہو سکے اور جب حق تعالیٰ کی شان اور دوسرے معبودوں کی عاجزی ظاہر ہو چکی تو آگے نتیجہ کے طور پر شرک کا باطل ہونا اور توحید کا حق ہونا بتلاتے ہیں ربط اوپر توحید کا ذکر تھا آگے رسالت محمدیہ کا حق ہونا اور اس کا تمام مخلوق کے لئے عام ہونا بتلاتے ہیں کیونکہ کفار اس کے بھی منکر تھے نیز توحید کا حق بدون رسول کے اتباع کے ادا بھی نہیں ہوتا۔ وما ارسلنک تا لایعلمون

قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَاۗءَ كَلَّا ۭ

آپ (یہ بھی) کہیے کہ مجھ کو ذرا وہ تو دکھلایئے جن کو تم نے شریک بنا کر خدا

بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۲۷ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ

کے ساتھ ملا رکھا ہے ہرگز اس کا (کوئی شریک) نہیں بلکہ (واقع میں) وہی

اِلَّا كَاۗفَّةً

ہے اللہ زبردست حکمت والا اور ہم نے تو آپ کو تمام لوگوں کے واسطے

خواہ جن ہوں یا انسان عرب ہوں یا عجم اور اس وقت موجود ہوں یا آئندہ ہونے والے ہوں سب کے واسطے

لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

پیغمبر بنا کر بھیجا ہے (ایمان لانے پر ان کو ہماری رضا و ثواب کی) خوشخبری سنانے والے اور (ایمان نہ لانے پر ان کو ہمارے غضب و عذاب سے)

لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۲۸

ڈرانے والے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے

بلکہ محض جہالت سے انکار کرتے ہیں گو یقین ہی آ جاوے یا یقین حاصل کر سکیں ربط توحید و رسالت کے بعد قیامت کا اور اس کے بعض واقعات کا ذکر کرتے ہیں کیونکہ کفار اس کے بھی منکر تھے دوسرے قیامت کا اعتقاد نہ ہونے سے بعض دفعہ حق کی طلب اور فکر ہی نہیں ہوتی ویقولون متی ھٰذا الوعد تا ما کانوا یعملون

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ

اور یہ لوگ (ایسے مضامین سن کر) کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہوگا اگر تم (یعنی نبی اور

صٰدِقِيْنَ ۝۲۹ قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا

آپ کے اتباع) سچے ہو (تو بتلاؤ) آپ کہہ دیجئے کہ تمہارے واسطے ایک خاص

تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ۝۳۰ ع

دن کا وعدہ (مقرر ہے) نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکتے ہو اور نہ آگے بڑھ سکتے ہو

یعنی تم جو پوچھ رہے ہو اور اس پوچھنے سے تمہارا مقصود انکار کرنا ہے تو سن لو کہ قیامت ضرور آوے گی گو بعض حکمتوں کی وجہ سے ہم اس کا وقت تم کو نہ بتلائیں گے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِھٰذَا الْقُرْاٰنِ

اور یہ کفار (دنیا میں تو خوب باتیں بناتے ہیں اور) کہتے ہیں کہ ہم ہرگز اس قرآن پر ایمان نہ لاویں گے اور نہ اس سے پہلی کتابوں پر

مگر قیامت میں یہ ساری لمبی چوڑی باتیں ختم ہو جاویں گی چنانچہ آگے وہاں کی حالت بتلاتے ہیں۔

وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ۭ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ

اور اگر (ان کی) اس وقت کی حالت دیکھیں (تو ایک ہولناک منظر نظر آوے) جب

مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ښ

یہ ظالم اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے جاویں گے ایک دوسرے پر بات ٹالتا ہوگا

جیسا کہ کام بگڑ جانے کے وقت عادت ہوتی ہے کہ ایک دوسرے کو الزام دیا کرتا ہے۔

يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِۨ الْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ

چنانچہ ادنیٰ درجے کے لوگ بڑے درجے کے لوگوں سے کہیں گے (ہم

الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ

تمہارے سبب برباد ہوئے) اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایمان لے آئے

اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ۝۳۱ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا

ہوتے (اس پر) یہ بڑے لوگ ان درجے (ادنیٰ) کے لوگوں سے کہیں گے

لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا أَنَحْنُ صَدَدْنَٰكُمْ عَنِ

کہ کیا ہم نے تم کو ہدایت (پرعمل کرنے) سے (زبردستی) روکا تھا بعد اس

الْهُدَىٰ بَعْدَ إِذْ جَاءَكُمْ ۖ بَلْ كُنْتُمْ مُجْرِمِينَ ﴿۳۲﴾

کے وہ (ہدایت) تم کو پہنچ چکی تھی نہیں بلکہ تم ہی قصوروار ہو اور (اس کے

وَقَالَ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ

جواب میں) یہ کم درجہ کے لوگ ان بڑے لوگوں سے کہیں گے کہ (ہم زبردستی

اسْتَكْبَرُوا بَلْ مَكْرُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ

کو مانع) نہیں (کہتے) بلکہ تمہاری رات دن کی تدبیروں نے روکا تھا

تدبیروں سے مراد للچانا اور دھمکانا ہے مطلب یہ ہے کہ تمہاری رات دن کی ان تعلیمات اور تدبیرات کا ہم پر اثر ہو گیا اور تباہ و برباد ہوئے پس ہم کو تم ہی نے خراب کیا اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ بعض کفار نے تو اپنے ماتحتوں پر زبردستی بھی کی ہے پھر وہ یہ کیسے کہیں گے کہ ہم نے تم کو زبردستی نہیں روکا جواب یہ ہے کہ اصل ایمان اعتقاد ہے اور وہ دل میں ہوتا ہے اور دل پر کسی کی زبردستی نہیں چل سکتی۔ پس ان کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے تمہارے دلوں پر تو جبر نہ کیا تھا۔

إِذْ تَأْمُرُونَنَا أَنْ نَكْفُرَ بِاللَّهِ وَنَجْعَلَ

جب تم ہم کو فرمائش کرتے رہتے کہ ہم اللہ کے ساتھ کفر کریں اور اس کے

لَهُ أَنْدَادًا ۚ

لئے شریک قرار دیں

آگے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس گفتگو میں تو ہر شخص دوسرے پر الزام دے گا مگر دل میں اپنا اپنا قصور سب سمجھیں گے کہ واقعی ہم نے ان کو گمراہ کیا تھا اور گمراہ ہونے والے سمجھیں گے کہ گو ہم کو دوسروں نے غلط رستہ بتایا تھا لیکن آخر ہم بھی تو اپنا نفع نقصان سمجھ سکتے تھے تو ضرور ہمارا بھی بلکہ زیادہ ہمارا ہی قصور ہے

وَأَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ ۚ

اور وہ لوگ (اپنی اس) پشیمانی کو (ایک دوسرے سے) مخفی رکھیں گے جبکہ عذاب دیکھیں گے

اور پشیمانی اس لئے چھپادیں گے تاکہ نقصان مایہ کے ساتھ شماتت ہمسایہ نہ ہو لیکن آخر میں عذاب کی شدت سے وہ تحمل جاتا رہے گا اور ندامت ظاہر کریں گے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے۔

وَجَعَلْنَا الْأَغْلَالَ فِي أَعْنَاقِ

اور ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈالیں گے

اور ہاتھ پاؤں میں زنجیریں ڈال کر پھر مشکیں باندھ کر جہنم میں جھونک دیا جاوے گا ربط اوپر آخرت کے عذاب کا بیان تھا چونکہ وہ لوگ دنیا میں اپنی خوشحالی دیکھ کر آخرت کے عذاب کو غلط بتاتے تھے اور اس سے طبعاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غم ہونے کا احتمال تھا اس لئے آگے کفار کے اس خیال کا رد اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرماتے ہیں وما ارسلنا تا محضرون

الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا

جیسا کرتے تھے ویسا ہی تو بھرا اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا

يَعْمَلُونَ ﴿۳۳﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِنْ نَذِيرٍ

(پیغمبر) نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوش حال لوگوں نے

خوشحال لوگوں کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ تکذیب اکثر وہی لوگ پہلے شروع کرتے تھے اور ان کا یہ کہنا کہ "جو حکم تم کو دے کر بھیجا گیا ہے" بطور استہزاء اور دل لگی کے ہے ورنہ وہ تو رسالت ہی کے منکر تھے

إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا ۙ إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ

(یہی کہا کہ ہم تو ان احکام کے منکر ہیں جو تم کو دے کر

بِهِ كَافِرُونَ ﴿۳۴﴾ وَقَالُوا نَحْنُ أَكْثَرُ

بھیجا گیا ہے اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہم مال اور اولاد میں

أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا ۙ

تم سے زیادہ ہیں

اور یہ اس کی دلیل ہے کہ ہم خدا کے نزدیک بھی مقبول اور معزز ہیں۔

وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ﴿۳۵﴾

اور ہم کو کبھی عذاب نہ ہوگا

اور یہی باتیں کفار مکہ کہتے تھے پس آپ ان لوگوں کی جہالت اور گمراہی کی باتوں سے غمگین نہ ہوں کیونکہ یہ معاملہ انوکھا آپ ہی کے ساتھ نہیں ہوا بلکہ سب رسولوں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا آیا ہے البتہ آپ ان کے اس قول کو رد کر دیجئے۔

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ

آپ کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار جس کو چاہتا ہے زیادہ

وَیَقْدِرُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾

روزی دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے کم دیتا ہے ولیکن اکثر لوگ (اس سے) واقف نہیں

تو وسعت رزق کا مدار عنداللہ مقبول ہونے پر نہیں ہے بلکہ محض مشیت پر ہے اور اس میں دوسری حکمتیں ہوتی ہیں۔

کہ اس کا مدار دوسری مصلحتوں پر ہے عنداللہ مقبول ہونے پر نہیں آگے فرماتے ہیں کہ جس طرح اموال واولاد قرب عنداللہ کی علامات نہیں ہیں اسی طرح یہ قرب کی علت اور سبب بھی نہیں ہیں

وَمَآ اَمْوَالُکُمْ وَلَآ اَوْلَادُکُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُکُمْ

اور تمہارے اموال واولاد ایسی چیز نہیں جو درجے میں تم کو ہمارا مقرب بنا

عِنْدَنَا زُلْفٰٓی

دے (یعنی موثر وعلت قرب کی بھی نہیں)

غرض نہ یہ بات ہے کہ اموال واولاد مقرب اور مقبول ہی کو ملے اور نہ یہ بات ہے کہ جس کے پاس مال واولاد ہو وہ مقرب اور مقبول ہی ہوا کرے ان چیزوں کو قرب میں کسی درجہ میں بھی دخل نہیں

اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ز فَاُولٰٓئِكَ

مگر ہاں جو ایمان لاوے اور اچھے کام کرے (یہ دونوں چیزیں البتہ سبب

لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا

قرب ہیں) سو ایسے لوگوں کے لئے ان کے (نیک) عمل کا دونا صلہ ہے

یعنی عمل سے زیادہ ثواب ملے گا اگرچہ دونے سے بھی زیادہ ہو۔

وَهُمْ فِی الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِیْنَ

اور وہ (بہشت کے) بالاخانوں میں چین سے (بیٹھے) ہوں گے اور جو لوگ ہماری

یَسْعَوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ

آیتوں کے متعلق (ان کے ابطال کی) کوشش کر رہے ہیں (نبی کو) ہرانے کے لئے

اور محض اپنے اموال واولاد وغیرہ پر مغرور ہیں اور ایمان اور عمل صالح کو اختیار نہیں کرتے۔ ربط اوپر رزق کی کمی بیشی کو خدا کی مشیت پر موقوف بتلا کر کفار کے غلط گمان کو دفع کیا تھا آگے اسی مضمون پر متفرع کر کے مسلمانوں کی ایک اصلاح فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ جب مال کی کمی بیشی کا مدار محض مشیت پر ہے تو مومن کو چاہیے کہ اس کے ساتھ زیادہ دل نہ لگائے اور کفار کی طرح اس کو مقصود نہ سمجھے بلکہ رضا وقرب الٰہی حاصل ہونے کا اس کو ذریعہ بناوے قل ان ربی تا خیر الرازقین

اُولٰٓئِكَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۸﴾

ایسے لوگ عذاب میں لائے جاویں گے آپ (مومنین سے)

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ

فرما دیجئے کہ میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے

یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَیَقْدِرُ لَهٗ ط

فراخ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہے تنگی سے دیتا ہے

اس صورت میں بخل سے رزق بڑھ نہیں سکتا اور شریعت کے موافق خرچ کرنے سے گھٹ نہیں سکتا پس مال سے زیادہ تعلق مت رکھو بلکہ جہاں جہاں خدا کے حقوق اور اہل وعیال وفقراء کے حقوق میں خرچ کرنے کا حکم ہے بے دھڑک خرچ کرتے رہو کہ اس سے رزق مقسوم میں تو کمی نہ ہوگی اور آخرت کا نفع ہوگا جس کا آگے بیان ہے۔

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ ج

اور جو چیز تم (مواقع حکم الٰہی میں) خرچ کرو گے سو وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) اس کا عوض دے گا

آخرت میں تو ضرور اور کبھی دنیا میں بھی مل جاتا ہے۔

وَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴿۳۹﴾

اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے

پس اس خرچ سے تمہاری دنیوی روزی کم نہ کرے گا اور آخرت کی روزی اس کے علاوہ عطا فرمائے گا اور سب سے بہتر روزی دینے والا اس لئے فرمایا کہ جو لوگ ظاہر میں اپنے ہاتھ سے دیتے دلاتے ہیں ان کو مجازاً رازق قرار دے دیا گیا اور چونکہ اللہ تعالیٰ حقیقی رازق ہیں اس لئے اس کا خیر الرازقین ہونا ظاہر ہے ربط اوپر ویقولون متیٰ ھذا الوعد میں قیامت کا بیان تھا آگے پھر اسی کی طرف عود ہے ویوم یحشرھم تا تکذبون

وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ یَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ

اور (وہ دن قابل ذکر ہے) جس روز اللہ تعالیٰ ان سب کو (میدان قیامت میں) جمع

أَهٰؤُلَآءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴿۴۰﴾

فرماوے گا پھر فرشتوں سے ارشاد فرمائے گا کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کیا کرتے تھے

یہ سوال مشرکین کے دھمکانے کے لئے ہوگا جو فرشتوں وغیرہ کو اس لئے پوجتے تھے کہ یہ راضی ہو کر ہماری شفاعت کریں گے تاکہ فرشتوں کے جواب سے ان کی غلطی ظاہر ہو مطلب سوال کا یہ ہے کہ کیا تمہاری رضامندی سے یہ تمہاری عبادت کرتے تھے ملائکہ اس سوال سے گھبرا کر اول حق تعالیٰ کی پاکی ظاہر کریں گے۔

قَالُوا سُبْحٰنَكَ

وہ عرض کریں گے کہ آپ پاک ہیں

اس سے مشرکین کی غلطی ہر طرح ظاہر ہوگئی کہ آپ تو مطلقاً شریک سے پاک ہیں خواہ وہ فرشتہ ہو یا اور کچھ پھر آگے اس سوال کا جواب دیں گے۔

أَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُونِهِمْ ج

ہمارا تو آپ سے تعلق ہے نہ کہ ان سے

اس میں یہ ظاہر کر دیا کہ نہ ہم نے شرک کا ان کو حکم دیا نہ ہم اس سے راضی تھے ہم تو آپ کے تابعدار ہیں جو چیز آپ کو ناپسند ہے جیسے شرک وغیرہ اس سے ہم بھی ناخوش ہیں اور جب شرک میں نہ ہمارا امر ہے نہ رضا ہے تو واقع میں یہ ہماری عبادت نہ کرتے تھے

بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ ج

بلکہ یہ لوگ شیاطین کو پوجا کرتے تھے

کیونکہ شیاطین ہی شرک کی ترغیب دیتے تھے اور وہ اس سے راضی بھی تھے پس واقع میں ان کے معبود وہ ہوئے کیونکہ عبادت کے واسطے کامل اطاعت لازم ہے اور یہ لوگ اطاعت شیاطین ہی کی کرتے تھے کہ ان ہی کے کہنے پر چلتے تھے تو عبادت بھی ان ہی کی ہوئی گو یہ لوگ اس کا نام کچھ ہی رکھیں خواہ اسے فرشتوں کی عبادت کہیں یا بتوں کی مگر واقع میں وہ شیاطین ہی کی عبادت ہے اور ہماری ہرگز اطاعت نہ کرتے تھے کیونکہ ہم نے شرک کرنے کو ان سے نہ کہا تھا پس ہماری عبادت بھی نہ ہوئی

أَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُؤْمِنُونَ ﴿۴۱﴾

ان میں اکثر لوگ انہیں کے معتقد تھے

یعنی قصداً بھی ان کو پوجتے تھے

فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا

سو (کافروں سے کہا جاوے گا) آج تم (مجموع عابدین ومعبودین) میں

وَّلَا ضَرًّا ط

سے نہ کوئی کسی کو نفع پہنچانے کا اختیار رکھتا ہے اور نہ نقصان پہنچانے کا

یعنے جن سے تم امیدیں رکھتے تھے آج ان کی بیزاری اور عاجزی سے تمہارے گمان کے خلاف یہ حالت ظاہر ہوئی کہ وہ تمہارے کچھ کام نہ آ سکے پس اصل مطلب تو یہ ہے کہ تمہارے معبود تم کو نفع نہیں پہنچا سکتے مگر مبالغہ کے لئے اس کو اس طرح بیان فرمایا کہ تم میں سے کوئی کسی کے نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتا تاکہ اس سے دونوں کا برابر ہونا ثابت ہو جاوے کہ جیسے تم عاجز ہو ایسے ہی وہ بھی عاجز ہیں اور وہ تم کو نفع تو کیا پہنچا سکتے نقصان پہنچانے پر بھی قادر نہیں اس سے کلام اور پختہ ہو گیا اور اگرچہ یہ بیزاری اور عجز تمام معبود ظاہر کریں گے مگر فرشتوں کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لئے ہوا کہ جب سب سے افضل معبودوں کا یہ حال ہوگا تو دوسروں کا نفع نہ دینا بدرجہ اولیٰ سمجھ لیا جاوے۔

ربط اوپر ومآ ارسلنک میں رسالت کا مسئلہ مذکور تھا آگے پھر اسی کی طرف رجوع ہے واذا تتلیٰ تا سمیع قریب

وَنَقُولُ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ

اور اس وقت ہم ظالموں (یعنی کافروں سے) کہیں گے کہ جس دوزخ کے عذاب کو تم جھٹلایا

الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ ﴿۴۲﴾ وَإِذَا تُتْلٰى

کرتے تھے (اب) اس کا مزہ چکھو اور جب ان لوگوں کے سامنے ہماری آیتیں جو (حق اور

عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوا مَا هٰذَآ إِلَّا

ہادی ہونے کی صفت میں) صاف صاف ہیں پڑھی جاتی ہیں تو یہ لوگ (پڑھنے والے یعنی نبی

رَجُلٌ يُّرِيدُ أَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ

صلعم کی نسبت) کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) یہ محض ایسا شخص ہے جو یوں چاہتا ہے کہ تم کو ان

اٰبَآؤُكُمْ ج

چیزوں کی (کی عبادت) سے باز رکھے جن کو (قدیم سے) تمہارے بڑے پوجتے تھے

مطلب ان کم بختوں کا یہ تھا کہ یہ نبی نہیں اور ان کی دعوت خدا کی طرف سے نہیں بلکہ اس میں خود ان کی ذاتی غرض بڑا بننے کی ہے

وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ط

اور (قرآن کی نسبت) کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) یہ محض ایک تراشا ہوا جھوٹ ہے

خدا کی طرف اس کی نسبت کرنا محض تراشی ہوئی بات ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ

اور یہ کافر اس امر حق یعنی (ان) کی نسبت جبکہ وہ ان کے پاس پہنچا

اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴۳﴾

یوں کہتے ہیں کہ یہ محض ایک صریح جادو ہے

یعنی جب ان کافروں پر یہ اعتراض پڑتا ہے کہ اگر قرآن تراشا ہوا جھوٹ ہے تو پھر بہت سے عاقل اس کا اتباع کیوں کرتے ہیں اور اس میں ایسا اثر کیوں ہے تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ جادو ہے اس لئے اس کو سن کر لوگ فریفتہ اور مغلوب العقل ہو جاتے ہیں آگے فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کو تو قرآن اور نبی کی بڑی قدر کرنا چاہئے تھی کیونکہ ان کے لئے تو یہ دونوں نعمت غیر مترقبہ ہیں۔

وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا

اور ہم نے ان کو کتابیں نہیں دی تھیں کہ ان کو پڑھتے پڑھاتے ہوں

جیسے بنی اسرائیل کے پاس کتابیں تھیں تو ان کے حق میں قرآن بالکل ایک نئی چیز تھی اس لئے اس کی قدر کرنا چاہئے تھی۔

وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ط ﴿۴۴﴾

اور (اسی طرح) ہم نے آپ سے پہلے انکے واسطے کوئی ڈرانے والا (یعنی پیغمبر) نہیں بھیجا تھا

تو ان کے حق میں نبی کا آنا بھی ایک نئی دولت تھی اس لئے اس کی بھی قدر کرنا چاہئے تھی خصوصاً جب کہ پہلے سے خود اس کی تمنا بھی تھی مگر ان لوگوں نے پھر بھی قدر نہ کی بلکہ جھٹلایا مگر جھٹلا کر بے فکر نہ بیٹھیں کیونکہ اس کا بڑا سخت وبال ہے جیسا کہ پہلے کافروں نے بھگتا ہے۔

وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا

اور ان سے پہلے جو (کافر) لوگ تھے انہوں نے تکذیب کی تھی اور یہ (مشرکین

بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ

عرب) تو اس سامان کے جو ہم نے ان کو دے رکھا تھا دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے

یعنی ان کی عمریں اور ان کی سی ثروت ان کو نہیں ملی جو کہ ناز وافتخار کے سامان ہیں۔

فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ قف فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ع ﴿۴۵﴾

غرض انہوں نے میرے رسولوں کی تکذیب کی سو (دیکھو) میرا (ان پر) کیسا عذاب ہوا

سو یہ بیچارے تو کیا چیز ہیں کہ ان کے پاس تو اتنا سامان بھی نہیں تو یہ کس دھوکہ میں ہیں یہاں تک کفار کو انکار نبوت پر دھمکی تھی مگر آگے نبوت کی تصدیق کا طریقہ بتلاتے ہیں۔

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ج

آپ کہیے کہ میں (تو) صرف تم کو ایک بات سمجھاتا ہوں

اس سے حق واضح ہو جائے گا بس اس کو کرلو

اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ

وہ یہ کہ تم (محض) خدا کے واسطے کھڑے ہو جاؤ

یعنے نفسانیت اور تعصب نہ ہو

مَثْنٰى وَفُرَادٰى

دو دو اور ایک ایک

یعنی کسی موقع پر دو دو اور کہیں ایک ایک

ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا قف مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ط

پھر سوچو کہ تمہارے اس ساتھی کو جنون (تو) نہیں ہے

کہ یہ باتیں تو اعلیٰ درجہ ہوشمندی کی ہیں

اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ

وہ تم کو ایک سخت عذاب آنے سے پہلے

شَدِيْدٍ ﴿۴۶﴾

ڈرانے والا ہے

اور اس طریق سے نبوت کا ثابت کرنا تسلی اور اطمینان کے لئے کافی ہے۔

قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ط

آپ کہہ دیجئے کہ میں نے تم سے (اس تبلیغ پر) کچھ معاوضہ مانگا ہو تو وہ تمہارا ہی رہا

یعنے اس کو اپنے ہی پاس رکھو یہ محاورہ میں نفی ہے طلب اجر کی بطریق مبالغہ

اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ج

میرا معاوضہ تو بس اللہ ہی کے ذمہ ہے

وہ آپ ہی مجھ کو اجر دیں گے

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۴۷﴾ قُلْ اِنَّ

اور وہی ہر چیز پر اطلاع رکھنے والا ہے آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب حق بات

رَبِّىْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ج

(یعنی ایمان) کو (کفر پر) غالب کر رہا ہے

گفتگو اور دلیل سے بھی

عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۴۸﴾

(اور) وہ علام الغیوب ہے

اس کو پہلے سے معلوم تھا کہ حق غالب ہوگا۔

قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا

آپ کہہ دیجئے کہ حق (دین) آ گیا اور (دین) باطل نہ کرنے کا رہا نہ

يُعِيْدُ ﴿۴۹﴾

دھرنے کا

محض گیا گزرا ہو گیا

قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِىْ ج

آپ کہہ دیجئے کہ اگر (مثلاً وفرضاً) گمراہ ہو جاؤں تو میری گمراہی مجھ ہی پر

وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِىْٓ اِلَىَّ رَبِّىْ ط

وبال ہوگی اور اگر میں راہ (راست) پر ہوں تو یہ بدولت اس قرآن کے ہے جس کو میرا رب میرے پاس بھیج رہا ہے

اصل مقصود دوسروں کو سنانا ہے کہ باوجود حق واضح ہو جانے کے اگر تم نے اس کا اتباع نہ کیا تو تم بھگتو گے میرا کیا بگڑے گا اور اگر راہ پر آ گئے تو یہ راہ پر آنا اسی دین کی بدولت ہوگا جو کہ وحی سے ثابت ہے مگر مبالغہ کے لئے اس مضمون کو حضور پر رکھ کر بیان کیا گیا کہ اس دین کا اتباع ایسا ضروری ہے کہ اگر خدانخواستہ رسول بھی اس کا اتباع چھوڑ دیں تو ان کو بھی خمیازہ بھگتنا پڑے اگرچہ رسول سے ایسا ہونا محال ہے پھر دوسرے تو کس شمار میں ہیں آگے فرماتے ہیں کہ کسی کا گمراہ ہونا یا راہ پر آنا خالی نہ ہو جائے گا کہ بے فکر ہو کر بیٹھ جاویں

اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ﴿۵۰﴾

وہ سب کچھ سنتا (اور) بہت نزدیک ہے

اللہ کو ہر ایک کا حال معلوم ہے وہ سب کو مناسب جزا دے گا ربط مجموعہ سورت میں توحید و رسالت و قیامت کا بیان تھا جس کو مع دیگر اجزاء کے اوپر کی آیت میں دین حق سے تعبیر کیا تھا آگے خاتمہ میں کفار کی سزا اور دائمی حسرت کا ذکر ہے جو کہ ان اصول کا انکار کرتے ہیں ولو تری تا شک مریب

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا

اور اگر آپ وہ وقت ملاحظہ کریں تو آپ کو حیرت ہو جبکہ گھبرائے پھریں گے

قیامت کے ہول و ہیبت کی وجہ سے

فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۵۱﴾ لا

پھر نکل بھاگنے کی کوئی صورت نہ ہوگی اور پاس کے پاس ہی (یعنی فوراً) پکڑ

وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ ج

لئے جاویں گے کہ کہیں گے کہ ہم دین حق پر ایمان لے آئے

اور جتنی باتیں اس میں بتلائی گئی ہیں سب کو مان لیا سو ہماری توبہ قبول کر لیجئے خواہ دنیا میں دوبارہ بھیج دیجئے یا ویسے ہی معاف کر دیجئے آگے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾ صلے ج

اور اتنی دور جگہ سے (ایمان کا) ان کے ہاتھ آنا کہاں ممکن ہے

یعنی ایمان لانے کی جگہ دار العمل ہونے کی وجہ سے دنیا تھی جو بڑی دور گئی اب آخرت میں جو کہ دار الجزاء ہے ایمان مقبول نہیں اور دنیا کی طرف دوبارہ لوٹنا شرعاً محال ہے اور آخرت کا ایمان چونکہ معائنہ و مشاہدہ کے بعد ہے وہ ایمان بالغیب نہیں اس لئے بھی مقبول نہیں

وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ج وَيَقْذِفُوْنَ

حالانکہ پہلے سے (دنیا میں) یہ لوگ اس حق کا انکار کرتے رہے

بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾

اور بے تحقیق باتیں دور ہی دور سے ہانکا کرتے تھے

یعنی انکار بھی ایسا تھا جس کا کوئی صحیح منشا نہ تھا بلکہ بے تحقیق ہی انکار کرتے تھے اور دور سے ہانکنے کا یہی مطلب ہے کہ اس کی تحقیق سے دور تھے غرض دنیا میں تو کفر کرتے رہے اب ایمان سوجھا ہے اور اس کے قبول ہونے کی آرزو ہے۔

وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ

اور ان میں اور ان کی (قبول ایمان کی) آرزو میں ایک آڑ کر دی جاوے گی

یعنی ان کی آرزو پوری نہ ہوگی کیونکہ آخرت ایمان لانے اور عمل کرنے کی جگہ نہیں

مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ

جیسا ان کے ہم مشربوں کے ساتھ (بھی) یہی (برتاؤ) کیا گیا جو ان سے پہلے تھے

یعنی ان کا ایمان بھی آخرت میں مقبول نہ ہوگا اور دونوں کے ساتھ ایک معاملہ کرنے کی یہ وجہ ہے کہ دونوں کے عمل بھی یکساں تھے

اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ﴿۵۴﴾

کیونکہ یہ سب بڑے شک میں تھے جس نے ان کو تردد میں ڈال رکھا تھا

یہاں شک اور تردد یقین کے مقابل ہے جو پختہ انکار کو بھی شامل ہے کیونکہ کفار کو تو شک نہ تھا وہ تو بڑی پختگی سے انکار کرتے تھے اور لفظ شک سے تعبیر کرنے میں یہ نکتہ ہو سکتا ہے کہ اگر حق میں شک بھی ہو تب بھی مہلک ہے چہ جائیکہ پختہ انکار ہو یا یوں کہا جائے کہ حق جب بار بار کان میں پہنچتا ہے تو طبعی طور پر کچھ نہ کچھ احتمال جانب مخالف کا اکثر ہو ہی جاتا ہے پس شک اور تردد دونوں اپنے معنی پر رہیں گے مگر چونکہ حق کا یقین حاصل نہ ہوا تھا اس لئے باطل کا اتنا دل سے اکھڑ جانا مقبول نہ ہوگا۔ سورۃ الفاطر و تسمی سورۃ الملائکۃ و ھی خمس و اربعون اٰیۃ

ربط: سورۃ سابقہ کے ختم پر انکار توحید کا وبال مذکور تھا یہ سورۃ توحید کے بیان سے شروع ہوئی ہے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔

الحمد للہ تا فانی تؤفکون

(۳۵) سُوْرَةُ فَاطِرٍ مَّكِّيَّةٌ (۴۳)

سورۃ فاطر مکے میں نازل ہوئی اور اس میں پینتالیس آیتیں اور پانچ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

تمام ترحمد (اسی) اللہ کو لائق ہے جو آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا ہے جو

جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ

فرشتوں کو پیغام رساں بنانے والا ہے جن کے دو دو اور تین تین اور چار چار

مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ

پر دار بازو ہیں

پیغام سے مراد انبیاء علیہم السلام کی طرف وحی لانا ہے خواہ احکام شرعیہ ہوں یا بشارات وغیرہ ہوں اور شاید فرشتوں کی رسالت کے ذکر میں یہ حکمت ہو کہ بعض ان کو بھی معبود قرار دیتے تھے پس اس میں ان کا محکوم اور مامور ہونا بتلا دیا تا کہ ان کی خدائی کا ابطال ہو جائے

يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ

وہ پیدائش میں جو چاہے زیادہ کر دیتا ہے

حتیٰ کہ بعض فرشتوں کے چھ سو بازو ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کی نسبت آیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱﴾

بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے

اور قادر بھی ایسا کہ کوئی اس کی مزاحمت اور مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ

اللہ جو رحمت (بارش وغیرہ) لوگوں کے لئے کھول دے

مثلاً بارش اور رزق کے دروازے کھول دے

فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ

سو اس کا کوئی بند کرنے والا نہیں اور جس کو بند کر دے سو اس کے (بند کرنے

لَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ

کے) بعد اس کا کوئی جاری کرنے والا نہیں

البتہ وہی پھر بند کر سکتا ہے اور وہی کھول سکتا ہے۔

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲﴾

اور وہی غالب حکمت والا ہے

یعنی وہی کشادہ اور بند کرنے پر قادر ہے اور ان میں سے جس صورت کو وہ اختیار کرتا ہے اس میں حکمت ہوتی ہے آگے بتلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کامل قدرت والا ہونے کے علاوہ انعام کرنے میں بھی کامل ہے چنانچہ تم پر اس نے بے شمار نعمتیں فائض کی ہیں

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱذْكُرُوا۟ نِعْمَتَ ٱللَّهِ عَلَيْكُمْ ۚ

اے لوگو تم پر جو اللہ کے احسانات ہیں ان کو یاد کرو (شکر اور غور کر کہ)

اور وہ شکر یہ ہے کہ توحید اختیار کرو اور شرک چھوڑو چنانچہ آگے اپنی دو بڑی نعمتوں پر متنبہ کرتے ہیں ایک نعمت ایجاد (یعنی پیدا کرنے کی نعمت) دوسرے باقی رکھنے کی نعمت

هَلْ مِنْ خَٰلِقٍ غَيْرُ ٱللَّهِ يَرْزُقُكُم مِّنَ ٱلسَّمَآءِ

کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق ہے جو تم کو آسمان و زمین سے

وَٱلْأَرْضِ ۚ

رزق پہنچاتا ہو

یعنی نہ کوئی پیدا کرنے والا اس کے سوا ہے نہ روزی دینے والا پیدا کرنا نعمت ایجاد ہے اور روزی دینا ابقاء ہے اور یہ دونوں نعمتیں خدا ہی نے عطا کی ہیں تو وہی ہر طرح کامل ہے۔

لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ

اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں

کیونکہ معبود کے لئے کامل ہونا ضروری ہے لہذا معبود ہونا اسی کا حق ہے (آگے ترجمہ)

ربط اوپر توحید کا ذکر تھا چونکہ کفار اس کا انکار کرتے تھے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غم بھی ہوتا تھا تو آگے انکار پر دھمکی اور آپ کے حزن و ملال پر تسلی کا مضمون ہے۔ اور درمیان میں مقابلہ کے طور پر مؤمنین کے لئے بشارت ہے۔

فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ۝٣ وَإِن يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ

سو تم (شرک کر کے) کہاں الٹے جا رہے ہو اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں تو

رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ ۚ

(آپ غم نہ کریں کیونکہ) آپ سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر جھٹلائے جا چکے ہیں

وان یکذبوک تا بما یصنعون (ایک تو اس سے تسلی حاصل کیجئے کہ یہ معاملہ میرے ساتھ انوکھا نہیں دوسری ایک اور بات تسلی کی آگے مذکور ہے)

وَإِلَى ٱللَّهِ تُرْجَعُ ٱلْأُمُورُ ۝٤

اور سب امور اللہ ہی کے روبرو پیش کئے جاویں گے

وہ خود سب سمجھ لے گا آپ کیوں فکر میں پڑے اور چونکہ اس مضمون میں قیامت کی خبر ہے اس لئے آگے عام لوگوں کو خطاب ہے کہ قیامت کی خبر سن کر تعجب مت کرنا۔ کہ اس میں منہمک ہو کر اس خاص دن سے غافل رہو۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّ وَعْدَ ٱللَّهِ حَقٌّ ۖ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ

اے لوگو اللہ تعالیٰ کا (یہ) وعدہ ضرور سچا ہے سو ایسا نہ ہو کہ یہ دنیوی زندگی تم کو دھوکے

ٱلْحَيَوٰةُ ٱلدُّنْيَا ۖ وقفہ وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِٱللَّهِ ٱلْغَرُورُ ۝٥

میں ڈالے اور ایسا نہ ہو کہ تم کو دھوکہ باز شیطان اللہ سے دھوکہ میں ڈال دے

کہ تم اس کے اس بہکاوے میں آ جاؤ کہ اللہ تعالیٰ تم کو عذاب نہ دے گا جیسا کہ کفار کہتے تھے کہ اگر بالفرض قیامت آئی بھی تب بھی ہم آرام میں ہی رہیں گے۔

إِنَّ ٱلشَّيْطَٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَٱتَّخِذُوهُ عَدُوًّا ۚ

یہ شیطان بیشک تمہارا دشمن ہے سو تم اس کو (اپنا) دشمن (ہی) سمجھتے رہو وہ تو

إِنَّمَا يَدْعُوا۟ حِزْبَهُۥ لِيَكُونُوا۟ مِنْ أَصْحَٰبِ ٱلسَّعِيرِ ۝٦

اپنے گروہ کو محض اس لئے (باطل کی طرف) بلاتا ہے تا کہ وہ لوگ دوزخیوں

ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟

میں سے ہو جاویں پس جو لوگ کافر ہو گئے

اور شیطان کے بہکائے میں آ کر دھوکہ میں پھنس گئے

لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۖ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟

ان کے لئے سخت عذاب ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور

ٱلصَّٰلِحَٰتِ

اچھے کام کئے

اور شیطان کے کہنے میں نہیں آئے نہ اس کے دھوکہ میں پھنسے

لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۝٧ ع

ان کے لئے (معاصی کی) بخشش اور (ایمان پر) بڑا اجر ہے

آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی ہے کہ جب یہ کفار شیطان کے دھوکہ میں آ گئے اور اس کے بہکانے سے بری باتوں کو اچھا سمجھتے ہیں کہ نیک و بد میں تمیز ہی نہیں کرتے تو ایسی حالت میں ہدایت کرنے والے کو

ان سے مایوس ہو کر غم نہ کرنا چاہئے۔

اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ

تو کیا ایسا شخص جس کو اس کا عمل بد اچھا کر کے دکھلایا گیا پھر وہ اس کو اچھا سمجھنے لگا

اس سے مراد کافر ہے جو کہ باطل کو حق اور مضر چیز کو نافع سمجھتا ہے۔

فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ

(یعنی کافر) اور ایسا شخص جو قبیح کو قبیح سمجھتا ہے (یعنی مومن) کہیں برابر ہو سکتے ہیں سو اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے

کہ اس کی عقل ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔

وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۖ

اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے

کہ اس کی سمجھ اور ادراک صحیح رہتا ہے

فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ

سو ان پر افسوس کر کے کہیں آپ کی جان نہ جاتی رہے

یعنی جب ہدایت و گمراہی کا مدار مشیت پر ہے تو ان پر کچھ افسوس نہ کیجئے صبر سے بیٹھے رہئے

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝۸

اللہ کو ان سب کاموں کی خبر ہے

وقت پر ان سے سمجھ لے گا ربط شروع سورت میں توحید کا مضمون تھا آگے ختم رکوع تک پھر وہی مضمون ہے اور درمیان میں بعض اور مضامین اسی کی مناسبت سے آ گئے ہیں واللہ الذی تا مثل خبیر

وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا

اور اللہ ایسا (قادر) ہے جو (بارش سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے پھر وہ ہوائیں) بادلوں

فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ

کو اٹھاتی ہیں پھر ہم اس بادل کو خشک خطہ زمین کی طرف ہانک لے جاتے ہیں

کہ وہاں بارش ہوتی ہے

فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ كَذٰلِكَ

پھر ہم اس کے (پانی کے) ذریعہ سے زمین کو زندہ کرتے ہیں اسی طرح

النُّشُوْرُ ۝۹

(قیامت میں) آدمیوں کا جی اٹھنا ہوگا

کہ جس طرح خشک زمین کو پانی سے اس کے مناسب حیات (یعنی تر و تازگی) عطا فرمائی اسی طرح مردوں کو قیامت میں ان کے مناسب حیات عطا ہوگی کہ ان میں جان پڑ جائے گی یہ مضمون قیامت میں زندہ ہونے کا زمین کے زمین کے زندہ کرنے کی مناسبت سے مذکور ہوا پھر قیامت میں زندہ ہونے کی مناسبت سے آگے ایک دوسرا مضمون ارشاد فرماتے ہیں وہ یہ کہ جب قیامت میں زندہ ہونا ہے تو وہاں کی ذلت و خواری سے بچنا چاہئے اور مشرکین نے شیطان کے بہکانے سے اپنے معبودوں کو حصول عزت کا ذریعہ سمجھ رکھا تھا چنانچہ وہ کہتے تھے ھٰؤلآء شفعآء نا عنداللہ یعنی یہ ہمارے ہر حال میں سفارش کرنے والے ہیں دنیوی حوائج میں بھی اور اگر قیامت کوئی چیز ہے تو آخرت کی نجات کے لئے بھی اس کے متعلق آگے ارشاد ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ

جو شخص عزت حاصل کرنا چاہے

اور یہ چاہنا ضروری ہے کیونکہ قیامت یقیناً آنے والی ہے تو اس کو اللہ سے عزت حاصل کرنا چاہئے

فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ؕ

تو تمام تر عزت خدا ہی کے لئے ہے

اور دوسرے کے لئے جب ہوگی خدا ہی کے واسطہ سے ہوگی پس اس میں سب خدا ہی کے محتاج ہیں اور خدا سے اس کا حاصل کرنا اس طرح ہے کہ اقوال میں اعمال میں اس کی اطاعت و فرمانبرداری اختیار کرے کہ خدا کے نزدیک پہنچنے میں یہی باتیں پسندیدہ ہیں چنانچہ آگے بیان فرماتے ہیں

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ

اچھا کلام اسی تک پہنچتا ہے

یعنے وہی اس کو قبول کرتا ہے

الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ؕ

اور اچھا کام اس کو پہنچاتا ہے

یعنی اچھے کاموں کی وجہ سے اچھی باتیں مقبول ہو جاتی ہیں اچھے کلام میں کلمہ توحید اور خدا کا ذکر وغیرہ داخل ہے اور اچھے کام میں ایمان اور

تمام ظاہری و باطنی اچھے اعمال داخل ہیں اور اچھے کاموں کے ذریعہ سے اچھی باتوں کا مقبول ہونا اس میں دیگر دلائل شرعیہ نے یہ تفصیل کی ہے کہ ایمان تو اچھی باتوں کے قبول ہونے کے لئے ہر حال میں شرط ہے اس کے بغیر کوئی بات کسی درجہ میں قبول نہیں ہو سکتی اور دوسرے نیک کام بدرجہ کمال مقبول ہونے کی شرط ہیں کیونکہ فاسق اگر کوئی اچھی بات کہے تو وہ بھی قبول ہو سکتی ہے گو بدرجہ کمال قبول نہ ہو پس جب یہ چیزیں عند اللہ پسند ہیں تو جو ان کو اختیار کرے گا وہ معزز ہوگا اور جو لوگ اس کے خلاف طریقہ اختیار کر کے رسول کی مخالفت کر رہے ہیں کہ وہ درحقیقت اللہ ہی کی مخالفت ہے ان کے لئے ذلت کا سامنا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ

اور جو لوگ (اس کے خلاف) بری بری تدبیریں کر رہے ہیں ان کو سخت

شَدِيْدٌ ؕ

عذاب ہوگا

اور ان کے خیالی معبود اس ذلت سے بچا کر ان کو خاک عزت نہ دے سکیں گے بلکہ وہ الٹے ان کے مخالف ہو جاویں گے یہ خسارہ تو آخرت میں ہوگا

وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ ⑩

اور ان لوگوں کا یہ مکر نیست و نابود ہو جاوے گا

یعنی ان کی تدبیروں میں ان کو کامیابی نہ ہوگی چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ اسلام کو مٹانا چاہتے تھے خود ہی مٹ گئے یہ درمیانی مضمون تمام ہو کر آگے پھر مضمون توحید کی طرف رجوع ہے

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ

اور اللہ تعالیٰ نے تم کو ضمناً مٹی سے پیدا کیا پھر (استقلالاً) نطفہ سے پیدا کیا

ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ؕ

پھر تم کو جوڑے جوڑے بنایا

یعنی کچھ مذکر کچھ مونث بنائے یہ تو قدرت کا بیان تھا آگے علم کا بیان ہے۔

وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ

اور کسی عورت کو نہ حمل رہتا ہے اور نہ وہ جنتی ہے مگر سب اس کی اطلاع سے ہوتا ہے

یعنی اس کو پہلے ہی سے سب کی خبر ہوتی ہے

وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ

اور نہ اسی طرح) کسی کی عمر زیادہ (مقرر) کی جاتی ہے اور نہ کسی کی عمر کم (مقرر)

اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ؕ

کی جاتی ہے مگر یہ سب لوح محفوظ میں ہوتا ہے

جس کو حق تعالیٰ نے اپنے علم قدیم کے موافق اس میں ضبط کر دیا ہے آگے فرماتے ہیں کہ یہ تعجب نہ کرو کہ پہلے سے سب واقعات کو کیسے مقدر کر دیا گیا

اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ⑪

یہ سب اللہ کو آسان ہے

کیونکہ اس کا علم کامل ہے جس کا تعلق تمام معلومات کے ساتھ واقع ہونے سے پہلے اور واقع ہونے کے بعد یکساں ہے آگے قدرت کے اور دلائل بیان فرماتے ہیں کہ دیکھو پانی باوجودیکہ ایک مادہ ہے مگر اس میں حق تعالیٰ نے کس طرح دو قسمیں پیدا کر دیں۔

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ

اور دونوں دریا برابر نہیں ہیں بلکہ ایک تو شیریں پیاس بجھانے والا ہے جس کا

سَآئِغٌ شَرَابُهٗ

پینا بھی آسان

کیونکہ طبیعت اس کو قبول کرتی ہے

وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ؕ

اور ایک شور تلخ ہے

تو یہ موتی بھی عجائب قدرت میں سے ہے اور ان ہی دریاؤں کے متعلق اور بھی دلائل قدرت کے ہیں جو قدرت کی دلیل ہونے کے علاوہ نعمت پر بھی دلالت کرتے ہیں

وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ

اور تم ہر ایک (دریا) سے (مچھلیاں نکال کر ان کا) تازہ گوشت کھاتے ہو

حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ

(نیز) زیور (یعنی موتی) نکالتے ہو جس کو تم پہنتے ہو

مشہور یہ ہے کہ موتی صرف دریائے شور سے نکلتا ہے اگر یہ صحیح ہے تو

موتی نکالنے کا مضمون صرف دریائے شور کے متعلق ہوگا یعنی مچھلی کا تازہ گوشت کھانا یہ نعمت تو دونوں میں مشترک ہے اور بعضے منافع دریائے شور کے ساتھ خاص ہیں جیسے موتی نکالنا

وَتَرَى الْفُلْكَ فِيهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوا مِنْ

اور تو کشتیوں کو اس میں دیکھتا ہے پانی کو پھاڑتی ہوئی چلتی ہیں تاکہ تم (ان

فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۲﴾

کے ذریعہ سے) اس کی روزی ڈھونڈو اور تاکہ تم شکر کرو

آگے بعض اور نعمتوں کا بیان ہے جو قدرت کے دلائل بھی ہیں

يُولِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ

وہ رات کو دن میں داخل کردیتا ہے

جس سے رات اور دن کے گھٹنے بڑھنے کے متعلق فوائد و منافع حاصل ہوتے ہیں

وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ

اور دن کو رات میں داخل کردیتا ہے اور (مثلاً یہ کہ) اس نے سورج اور چاند کو

وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ ذَٰلِكُمُ

کام میں لگا رکھا ہے ہر ایک وقت مقرر تک چلتے ہیں۔ یہی اللہ (جس کی یہ

اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۗ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ

شان ہے) تمہارا پروردگار ہے اسی کی سلطنت ہے اور اس کے سوا جن کو تم

مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ ﴿۱۳﴾

پکارتے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کی برابر بھی اختیار نہیں رکھتے

چنانچہ بتوں کو اختیار نہ ہونا تو ظاہر ہے اور جو معبود ان کے جاندار ہیں جیسے ملائکہ و شیاطین وغیرہ وہ بھی خود کچھ اختیار نہیں رکھتے بلکہ خدا تعالیٰ ہی کے واسطہ سے کچھ کرسکتے ہیں اسی کے محتاج ہیں

إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ ۚ

اگر تم ان کو پکارو بھی تو وہ تمہاری پکار (اول) کو سنیں گے نہیں

بتوں میں سننے کی طاقت ہی نہیں اور ملائکہ و شیاطین وغیرہ میں گو سننے کی قوت ہے مگر جیسا کہ کفار کا اعتقاد ہے کہ وہ ہمیشہ ہماری بات سنتے ہیں یہ غلط ہے اس طرح وہ بھی نہیں سنتے

وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ ۗ

اور اگر (بالفرض) سن بھی لیں تو تمہارا کہنا نہ کریں گے

کیونکہ بتوں میں تو اس کی قابلیت ہی نہیں اور فرشتے جو کہ عند اللہ مقبول ہیں وہ ان سے راضی اور خوش نہیں اور شیاطین جو کہ مردود ہیں ان کی قدرت سے بعض باتیں جن کی کفار دعا کرتے ہیں خارج ہیں اور جن کی قدرت بھی ہے ان میں بھی وہ خدا کے محتاج ہیں خود کچھ نہیں کرسکتے پس یہ حالت تو ان کے معبودوں کی دنیا میں ہے

وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ ۗ

اور قیامت کے روز وہ (خود) تمہارے شرک کرنے کی مخالفت کریں گے

چنانچہ صاف کہہ دیں گے ماکانوا ایانا یعبدون کہ یہ لوگ ہماری عبادت نہ کرتے تھے

وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ ﴿۱۴﴾ ع

اور تجھ کو خبر رکھنے والے کی برابر کوئی نہیں بتلاوے گا

یعنی جو کچھ ہم نے فرمایا ہے اس کے سچ ہونے میں ذرا شک و شبہ نہیں کیونکہ ہم واقعی حال کی پوری خبر رکھتے ہیں پس ہمارا بتلانا سب سے زیادہ صحیح ہے ربط اوپر توحید کا ذکر تھا چونکہ کفار اس کا انکار کرتے تھے اس لئے آگے فرماتے ہیں کہ اس کے انکار اور تسلیم سے خدا تعالیٰ کا کوئی ضرر یا نفع نہیں بلکہ تمہارا ہی نفع یا ضرر ہے نیز چونکہ حضور کو ان کے انکار سے رنج ہوتا تھا اس لئے بعد میں آپ کو تسلی بھی دی گئی ہے۔ یایھا الناس تا کیف کان نکیر

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللّٰهِ ۚ

اے لوگو! تم (بھی) خدا کے محتاج ہو۔ اور اللہ (تو)

وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿۱۵﴾

بے نیاز (اور خود تمام) خوبیوں والا ہے

پس تمہاری احتیاج دیکھ کر تمہارے ہی فائدہ کے لئے توحید وغیرہ کی تعلیم کی گئی ہے اگر تم نہیں مانو گے تو اپنا ہی ضرر کرو گے باقی حق تعالیٰ کو تو بے نیازی اور ذاتی کمال کی وجہ سے تمہاری یا تمہارے عمل کی کوئی حاجت نہیں کہ اس کے ضرر کا احتمال ہو آگے فرماتے ہیں کہ کفر سے جو ضرر ہونے

والا ہے خدا تعالیٰ اس کو اس وقت بھی واقع کر سکتے ہیں۔

اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَ یَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ ﴿۱۶﴾

اگر وہ چاہے تو تم کو فنا کر دے اور ایک نئی مخلوق پیدا کر دے

جو کہ تمہاری طرح کفر اور انکار نہ کریں

وَ مَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ ﴿۱۷﴾

اور یہ بات خدا کو کچھ مشکل نہیں

لیکن کسی مصلحت کی وجہ سے مہلت دے رکھی ہے غرض کفر سے دنیا میں بھی ضرر پہنچنے کا احتمال ہے اور قیامت میں تو یقیناً ضرر ہوگا اس وقت وہ حالت ہوگی جس کا آگے بیان ہے

وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَ اِنْ تَدْعُ

اور کوئی دوسرے کا بوجھ (گناہ کا) نہ اٹھاوے گا اور اگر کوئی بوجھ کا الدا ہوا (یعنی

مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا یُحْمَلْ مِنْهُ شَیْءٌ

کوئی گنہگار) کسی کو اپنا بوجھ اٹھانے کے لئے بلاوے گا (بھی) تب اس میں

وَّ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ؕ

سے کچھ بھی بوجھ نہ بٹایا جاوے گا اگرچہ وہ شخص قرابت دار ہی (کیوں نہ) ہو

پس اس وقت کفر اور بدعملی کا پورا ضرر خود ہی بھگتنا پڑے گا یہ تو کفار کو دھمکی تھی آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے کہ آپ ان کے انکار پر جس کی سزا یہ ایک دن ضرور بھگتیں گے اس قدر غم اور افسوس کیوں کرتے ہیں

اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ

تو آپ تو صرف ایسے لوگوں کو ڈرا سکتے ہیں جو بے دیکھے اپنے رب سے

بِالْغَیْبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ

ڈرتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں

اس سے مراد ایمان والے ہیں یعنی آپ کے ڈرانے سے صرف مومنین منتفع ہوتے ہیں خواہ وہ اس وقت مومن ہوں یا آئندہ ایمان لانے والے ہوں کیونکہ ان کو حق کی طلب ہے خلاصہ یہ کہ طالب حق کو نفع ہوا کرتا ہے اور یہ لوگ طالب حق ہی نہیں پس ان سے امید ہی نہ رکھئے۔

وَ مَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا یَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ؕ

اور جو شخص پاک ہوتا ہے وہ اپنے لئے پاک ہوتا ہے

اور جو ایمان نہیں لاتا وہ وہاں بھگتے گا پھر آپ ان کے ایمان نہ لانے سے فکر کیوں کرتے ہیں

وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِیْرُ ﴿۱۸﴾

اور اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے

آگے فرماتے ہیں کہ ان لوگوں سے کیا توقع کی جائے کہ ان کی سمجھ بھی مسلمانوں کی فہم جیسی ہو اور اس فہم سے کام لے کر مومنین کی طرح یہ بھی طریق حق کو قبول کر لیں اور راہ حق قبول کرنے کے جو ثمرات ہیں ان میں مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو جائیں کیونکہ مسلمانوں کی مثال حق بات سمجھنے کی وجہ سے سوانکھے جیسی ہے اور جس راستہ کو وہ اختیار کرتے ہیں اس کی مثال نور کیسی ہے اور اس پر جو ثمرہ ان کو ملے گا (یعنی جنت وغیرہ) اس کی مثال ٹھنڈے سایہ جیسی ہے اور کافروں کی مثال اندھوں جیسی اور ان کے گمراہی کے رستہ کی مثال ظلمت اور اندھیری جیسی اور گمراہی پر جو ثمرہ ملے گا اس کی مثال جلتی دھوپ کی سی ہے۔

وَ مَا یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَ الْبَصِیْرُ ﴿۱۹﴾ وَ لَا

اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں

الظُّلُمٰتُ وَ لَا النُّوْرُ ﴿۲۰﴾ وَ لَا الظِّلُّ وَ لَا

اور نہ تاریکی اور روشنی اور نہ چھاؤں اور

الْحَرُوْرُ ﴿۲۱﴾

دھوپ

یعنی دوزخ کی جلتی ہوئی آگ اس کی جلتی دھوپ کی سی ہے

وَ مَا یَسْتَوِی الْاَحْیَآءُ وَ لَا الْاَمْوَاتُ ؕ

اور زندے اور مردے برابر نہیں ہو سکتے

پس نہ ان کی اور مسلمانوں کی فہم برابر ہے نہ طریقہ اور نہ اس طریقہ کا ثمرہ

اِنَّ اللّٰهَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَ مَاۤ اَنْتَ

اللہ جس کو چاہتا ہے سنوا دیتا ہے اور آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے

بِمُسْمِعٍ مَّنۡ فِى الۡقُبُوۡرِ ﴿۲۲﴾

جو قبروں میں (مدفون) ہیں

اور جب یہ مردے ہیں تو مردوں کو زندہ کرنا خدا کی قدرت میں تو ہے بندہ کی قدرت میں نہیں پس خدا ہی ان کو ہدایت کردے تو اور بات ہے

اِنۡ اَنۡتَ اِلَّا نَذِيۡرٌ ﴿۲۳﴾

آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں

باقی آپ کی کوشش سے یہ لوگ حق کو قبول نہیں کریں گے کیونکہ ان کی مثال مردوں کی سی آپ نے سن لی

اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ بِالۡحَـقِّ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا ؕ

ہم نے ہی آپ کو (دین) حق دے کر خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے

پس اگر یہ نہ مانیں تو آپ غم میں نہ پڑیئے کیونکہ آپ کے ذمہ یہ نہیں کہ وہ ڈر کر مان بھی جاویں آگے فرماتے ہیں کہ آپ کا ڈرانا اپنی طرف سے نہیں ہے جیسا کہ کفار کہتے ہیں بلکہ ہماری طرف سے ہے۔

وَاِنۡ مِّنۡ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيۡهَا نَذِيۡرٌ ﴿۲۴﴾

اور کوئی امت ایسی نہیں ہوئی جس میں کوئی ڈر سنانیوالا نہ گزرا ہو

آگے فرماتے ہیں کہ آپ کو رسول بنا کر بھیجنا کوئی انوکھی بات نہیں جیسا کہ کفار کہتے تھے۔

وَاِنۡ يُّكَذِّبُوۡكَ فَقَدۡ كَذَّبَ الَّذِيۡنَ

اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاویں تو جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں

مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ۚ

انہوں نے بھی جھٹلایا تھا

تو آپ بھی گذشتہ پیغمبروں کے ساتھ کافروں کا معاملہ یاد کر کے اپنے دل کو سمجھا لیجئے۔

جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ

(اور) ان کے پاس بھی ان کے پیغمبر معجزے

وَبِالۡكِتٰبِ الۡمُنِيۡرِ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَخَذۡتُ

اور صحیفے اور روشن کتابیں لے کر آئے تھے پھر میں نے

الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَكَيۡفَ كَانَ نَكِيۡرِ ﴿۲۶﴾ ع

ان کافروں کو پکڑ لیا سو (دیکھو) میرا کیسا عذاب ہوا

اسی طرح ان کے وقت پر ان کو بھی سزا دوں گا ربط اوپر بیان فرمایا تھا کہ مومن اور کافر میں سوانکھے اور اندھے کا تفاوت ہے آگے فرماتے ہیں کہ کچھ ان ہی کی تخصیص نہیں ہم نے اور مخلوقات میں بھی بمقتضائے حکمت بہت سی باتوں میں اختلافات رکھے ہیں الم تر تا عزیز غفور

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ

(اے مخاطب) کیا تو نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ اللہ نے آسمان سے پانی

مَآءً ۚ فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخۡتَلِفًا اَلۡوَانُهَا ؕ

اتارا۔ پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے مختلف رنگوں کے پھل نکالے

کہ کوئی کسی قسم کا ہے اور کوئی دوسری قسم کا ہے پھر ایک قسم میں بھی کوئی کیسا ہے کوئی کیسا

وَمِنَ الۡجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيۡضٌ وَّحُمۡرٌ مُّخۡتَلِفٌ

اور (اسی طرح) پہاڑوں کے بھی مختلف حصے ہیں (بعضے) سفید (بعضے) سرخ کہ ان کی بھی رنگتیں مختلف ہیں

کہ بعضے بہت سفید اور بہت سرخ ہیں اور بعضے ہلکے سفید اور ہلکے سرخ ہیں

اَلۡوَانُهَا وَغَرَابِيۡبُ سُوۡدٌ ﴿۲۷﴾ وَمِنَ

اور (بعضے نہ سرخ بلکہ) بہت گہرے سیاہ اور اسی طرح

النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالۡاَنۡعَامِ مُخۡتَلِفٌ

آدمیوں اور جانوروں اور چوپایوں میں بھی بعض ایسے ہیں کہ

اَلۡوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ

ان کی رنگتیں مختلف ہیں

پس جیسا کہ آدمیوں کی رنگتوں میں اختلاف ہے اسی طرح ان کے اوصاف بھی مختلف ہیں کہ کوئی کافر ہے کوئی مومن ہے پس آپ کافروں کے ایمان نہ لانے سے افسوس نہ کریں کیونکہ سارے آدمی یکساں نہیں ہو سکتے آگے فرماتے ہیں کہ آپ کے ڈرانے سے صرف ان ہی لوگوں میں خدا کا خوف اور خوف سے اطاعت پیدا ہو سکتی ہے جو ان مضامین میں غور کر کے حق تعالیٰ کی عظمت کا علم حاصل کرتے ہیں۔

اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ
اور خدا سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو (اس کی عظمت کا)
الْعُلَمٰٓؤُا ط
علم رکھتے ہیں

اگر عظمت کا علم محض اعتقادی ہے تو خوف بھی اعتقادی ہوگا اور اگر عظمت کا علم حال کے درجہ میں ہے تو خوف بھی حال کے درجہ میں ہوگا اس تقریر پر اس شبہ کی گنجائش نہ رہی کہ بعض اہل علم کو خشیت سے خالی دیکھا جاتا ہے کہ وہ بہت بیباک ہوتے ہیں جواب ظاہر ہے کہ ان کا علم محض اعتقاد کے درجہ میں ہے حال کے درجہ میں نہیں اس لئے خوف بھی اعتقاد ہی کے درجہ میں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾
واقعی اللہ تعالیٰ زبردست بڑا بخشنے والا ہے

تو اس سے ضرور ڈرنا چاہئے کیونکہ ایک تو وہ زبردست ہے سب کچھ کر سکتا ہے دوسرے وہ ڈرنے والوں کے گناہوں کا بخشنے والا بھی ہے پس اس سے ڈرنے میں عزت بھی حاصل ہوتی ہے اور مغفرت بھی ربط اوپر کئی جگہ آخرت اور جزا وسزا کا ذکر ہوا ہے اور مضمون سابق کے ختم پر عزیز غفور سے بھی اس کی طرف اشارہ ہوا ہے آگے اس کی تفصیل ہے ان الذین تا من نصیر

اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ
جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت (مع العمل) کرتے رہتے ہیں

اس سے اتنا ثابت ہوا کہ تلاوت قرآن کو بھی دخول جنت میں دخل ہے باقی یہ لازم نہیں آتا کہ تلاوت پر دخول جنت موقوف ہو اور عمل کی قید اس لئے بڑھائی کہ بدون عمل کے محض تلاوت کافی نہیں گو کسی قدر ثواب مل جاتا ہے مگر کامل نجات تلاوت اور عمل دونوں کے ملنے سے ہوتی ہے

وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا
اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا
رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ
اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں وہ ایسی
تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ﴿۲۹﴾ لا
تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی ماند نہ ہوگی

کیونکہ اس سودے کا خریدار کوئی مخلوقات میں سے نہیں ہے جو کبھی تو سودے کی قدر کرتا ہے کبھی نہیں کرتا بلکہ اس کا خریدار حق تعالیٰ ہوگا جو ضرور حسب وعدہ اپنی غرض سے نہیں بلکہ محض ان کی نفع رسانی کے لئے اس کی قدر کرے گا۔

لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ
تاکہ ان کو ان کی (اجرتیں) (بھی) پوری (پوری) دیں اور ان کو اپنے فضل
فَضْلِهٖ ط اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۳۰﴾
سے اور زیادہ (بھی) دیں بیشک وہ بڑا بخشنے والا بڑا قدر دان ہے

کہ ان کے اعمال میں جو کچھ کوتاہی اور کمی رہ گئی تھی اس کو معاف کر کے جس قدر تھوڑی بہت خوبی رہ گئی تھی اس کی ایسی قدر کی اجرت کے علاوہ انعام بھی دیا آگے فرماتے ہیں کہ قرآن مجید پر عمل کرنے کی برکت سے جو ان کو اجر و انعام ملا سو واقعی قرآن مجید ایسی ہی چیز ہے

وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ
اور یہ کتاب جو ہم نے آپ کے پاس وحی کے طور پر بھیجی ہے یہ بالکل ٹھیک
الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ط
ہے جو کہ اپنے سے پہلی کتابوں کی بھی (بایں معنی) تصدیق کرتی ہے

یعنی یہ بتلاتی ہے کہ وہ کتابیں اصل میں حق تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی تھیں گو بعد میں جاہلوں نے ان میں تحریف کر دی غرض یہ کتاب ہر طرح کامل ہے

اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌ بَصِيْرٌ ﴿۳۱﴾
اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی (حالت کی) پوری خبر رکھنے والا دیکھنے والا ہے

اس لئے اس وقت ایسی ہی کامل کتاب کا نازل کرنا قرین حکمت تھا اور ظاہر ہے کہ کامل کتاب پر عمل کرنے والا بھی کامل اجر کا مستحق ہوگا اس لئے ہم نے یہ کتاب آپ پر نازل کی۔

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا
پھر یہ کتاب ہم نے ان لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچائی جن کو ہم نے اپنے
مِنْ عِبَادِنَا ج فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ج
(تمام دنیا کے) بندوں میں سے پسند فرمایا پھر بعضے تو ان میں اپنی جانوں پر ظلم

وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ

کرنیوالے ہیں اور بعضے ان میں متوسط درجے کے ہیں

مراد اہل اسلام ہیں جو کہ ایمان کی وجہ سے تمام دنیا والوں میں عند اللہ مقبول ہیں گو ان میں کوئی دوسری وجہ موجب ملامت بھی ہو مثلاً بعضوں میں گناہ اور اعمال بد ہوں مگر ایمان کی وجہ سے وہ بھی مقبول ہیں اگرچہ نیک کام کرنے والوں سے کم درجہ میں ہوں خلاصہ یہ کہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں وہ کتاب پہنچائی جن میں تین قسم کے لوگ ہیں اور مقبول ہونے میں تینوں شریک ہیں۔

جو نہ گناہ کرتے ہیں اور نہ ضروری طاعات سے زیادہ کرتے ہیں

وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ

اور بعضے ان میں جو خدا کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کئے چلے جاتے ہیں

کہ گناہوں سے بھی بچتے ہیں اور فرائض کے ساتھ نوافل کی بھی ہمت کرتے ہیں غرض ہم نے تینوں قسم کے مسلمانوں کو اس کتاب کا وارث بنایا

ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ۳۲ ۗ

یہ بڑا فضل ہے

یعنی ایسی کامل کتاب کا مسلمانوں کے ہاتھوں میں پہنچا دینا خدا کا بڑا فضل ہے کیونکہ اس پر عمل کرنے کی بدولت وہ کیسے ثواب و انعام کے مستحق ہو گئے آگے اس انعام کا بیان ہے۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا

وہ باغات میں ہمیشہ رہنے کے جن میں یہ لوگ داخل ہوں گے (اور)

مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ

ان کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جاویں گے اور پوشاک ان کی

فِيْهَا حَرِيْرٌ ۳۳ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ

وہاں ریشم کی ہوگی اور کہیں گے کہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہم

اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۗ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ

سے (رنج و) غم دور کر دیا۔ بے شک ہمارا پروردگار بڑا بخشنے والا بڑا

شَكُوْرُ ۳۴ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ

قدر دان ہے۔ جس نے ہم کو اپنے فضل سے ہمیشہ رہنے کے مقام میں

فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا

لا اتارا ہے جہاں ہم کو نہ کوئی کلفت پہنچے گی اور نہ ہم کو خستگی پہنچے گی اور

فِيْهَا لُغُوْبٌ ۳۵ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ

جو لوگ (برخلاف ان کے) کافر ہیں ان کے لئے دوزخ کی آگ

نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا

ہے نہ تو ان کی قضا آوے گی کہ مر ہی جاویں اور نہ دوزخ کا عذاب ہی

وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۗ كَذٰلِكَ

ان سے ہلکا کیا جاوے گا ہم ہر کافر کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں اور وہ لوگ

نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ۳۶ ۚ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ

اس (دوزخ) میں چلاویں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو (یہاں

فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ

سے) نکال لیجئے ہم (اب خوب) اچھے (اچھے) کام کریں گے برخلاف

الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۗ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا

ان کاموں کے جو کیا کرتے تھے۔ کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی

يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ

کہ جس کو سمجھنا ہوتا وہ سمجھ سکتا

مراد اس سے بلوغ کی عمر ہے کہ بقدر ضرورت اس میں فہم کامل حاصل ہو جاتی ہے اسی لئے اس عمر میں انسان مکلّف ہو جاتا ہے قتادہ سے درمنثور میں یہی تفسیر منقول ہے قال اعلموا ان طول العمر حجة نزلت و ان فيهم لابن ثمان عشر سنة الخ قتادہ نے کہا کہ عمر کا بڑھنا بھی انسان پر خدا کی حجت ہے چنانچہ یہ آیت کفار کے حق میں نازل ہوئی ہے حالانکہ ان میں اٹھارہ سال کی عمر کے بھی ہوں گے اور اٹھارہ سال کی عمر سے مراد بلوغ ہے جیسا کہ امام صاحب نے بلوغ کی اکثر مدت یہی ٹھہرائی ہے اور بعض حدیثوں میں جو اس عمر کی تفسیر ساٹھ برس آئی ہے تو اس سے یہ مراد نہیں کہ ساٹھ برس سے کم عمر سے حجت نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ ساٹھ برس کی عمر سے اور زیادہ حجت قائم ہوگی

وَجَآءَكُمُ النَّذِيرُ ؕ

اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی پہنچا تھا

کسی کے پاس بلا واسطہ اور کسی کے پاس بواسطہ مگر تم نے اس کی ایک نہ سنی

فَذُوقُوا فَمَا لِلظّٰلِمِينَ مِنْ نَّصِيرٍ ﴿۳۷﴾ ع

سو (اس نہ ماننے کا) مزہ چکھو کہ ایسے ظالموں کا) یہاں) کوئی مددگار نہیں

خدا تو ناراض ہونے کی وجہ سے مددگار نہیں اور دوسرے قدرت نہ ہونے کے سبب سے مدد نہیں کر سکتے ربط اوپر اکثر آیات میں توحید مذکور ہوئی ہے آگے پھر توحید کو ثابت اور شرک کو باطل کرتے ہیں اور درمیان میں کفر کی برائی بھی مذکور ہے۔ ان اللہ عالم تا حلیما غفوراً

اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

بیشک اللہ (ہی) جاننے والا ہے آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کا

اِنَّهٗ عَلِيمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۳۸﴾

بیشک وہی جاننے والا ہے دل کی باتوں کا

پس اس کا علم تو ایسا کامل ہے آگے قدرت کا کمال بیان فرماتے ہیں جس سے اس کی نعمت بھی معلوم ہوتی ہے۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ ؕ

وہی ایسا ہے جس نے تم کو زمین میں آباد کیا

جس سے خدا کی قدرت اور نعمت دونوں ظاہر ہیں اور اس کا مقتضا یہ تھا کہ ان دلیلوں اور نعمتوں میں غور کرتے اور شکر کرتے اور توحید و اطاعت اختیار کرتے مگر بعضے اس کے خلاف کفر پر جمے ہوئے ہیں

فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ؕ

سو جو شخص کفر کرے گا اس کے کفر کا وبال اسی پر پڑے گا

کسی دوسرے کا کیا بگڑ جائے گا آگے اس وبال کی تفصیل ہے۔

وَلَا يَزِيدُ الْكٰفِرِينَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا

اور کافروں کے لئے ان کا کفران کے پروردگار کے نزدیک ناراضی ہی

مَقْتًا ج

بڑھنے کا باعث ہوتا ہے

اور وہ ناراضی دنیا ہی میں ہو جاتی ہے

وَلَا يَزِيدُ الْكٰفِرِينَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ﴿۳۹﴾

اور (نیز) کافروں کے لئے ان کا کفر خسارہ (بھی) بڑھنے کا باعث ہوتا ہے

اور خسارہ یہ ہے کہ وہ جنت سے محروم رہیں گے اور جہنم کا کندہ بنیں گے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِينَ تَدْعُونَ

آپ کہیے کہ تم اپنے قرار داد شریکوں کا حال تو بتاؤ جن کو تم خدا کے

مِنْ دُونِ اللّٰهِ ؕ اَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا

سوا پوجا کرتے ہو۔ یعنی مجھ کو یہ بتاؤ کہ انہوں نے زمین کا کون

مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ج

سا جزو بنایا ہے یا ان کا آسمان (بنانے میں) کچھ ساجھا ہے

تا کہ عقلی دلیل سے ان کا مستحق عبادت ہونا ثابت ہو کیونکہ معبود وہی ہوسکتا ہے جو عالم کا پیدا کرنے والا ہو

اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا

یا ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے

جس میں شرک و کفر کے اعتقاد کا صحیح ہونا لکھا ہو

فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ج

کہ یہ اس کی کسی دلیل پر قائم ہوں

تو ذرا اس نقلی دلیل ہی سے اپنے دعویٰ کو ثابت کر دیں اصل یہ ہے کہ ان کے پاس نہ عقلی دلیل ہے نہ نقلی

بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُونَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا

بلکہ یہ ظالم ایک دوسرے سے نرے دھوکہ کی باتوں کا وعدہ

اِلَّا غُرُورًا ﴿۴۰﴾

کرتے آئے ہیں

کہ ان کے بڑوں نے ان کو ایک غلط اور بے سند بات بتلا دی کہ یہ معبود خدا کے یہاں ہمارے کام بنا دیں گے حالانکہ واقع میں وہ محض بے اختیار ہیں پس وہ عبادت کے مستحق بھی نہیں البتہ حق تعالیٰ قادر و مختار ہے تو وہی عبادت کے قابل بھی ہے چنانچہ آگے اللہ تعالیٰ کے بااختیار اور دوسروں کے بے اختیار

ہونے کے دلائل میں سے نمونہ کے طور پر ایک مختصر سی بات بیان فرماتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ یُمۡسِکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ

یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ

اَنۡ تَزُوۡلَا ۬ۚ وَ لَئِنۡ زَالَتَاۤ اِنۡ اَمۡسَکَہُمَا

موجودہ حالت کو نہ چھوڑیں اور اگر (بالفرض) وہ موجودہ حالت کو چھوڑ بھی

مِنۡ اَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِہٖ ؕ

دیں تو پھر خدا کے سوا اور کوئی ان کو تھام نہیں سکتا

جب دوسروں سے عالم کی حفاظت بھی نہیں ہو سکتی تو کسی چیز کا پیدا کرنا تو بہت دور ہے جس میں بندوں کی حوائج بھی داخل ہیں کہ ان کو بھی کوئی پور نہیں کر سکتا پھر وہ عبادت کے مستحق کیسے ہو سکتے ہیں

اِنَّہٗ کَانَ حَلِیۡمًا غَفُوۡرًا ﴿۴۱﴾

وہ حلیم غفور ہے

یعنی باوجود شرک و کفر کے باطل ہونے کے بعد پھر اس کو اختیار کرنا مقتضی اس کو ہے کہ ان کو ابھی سزا دے دی جائے مگر چونکہ اللہ تعالیٰ حکیم بھی ہیں اس لئے مہلت دے رکھی ہے اور اگر اس مہلت میں یہ لوگ حق کی طرف آجاویں تو حق تعالیٰ مغفرت کرنے والے بھی ہیں ان کی سب پہلی شرارتیں معاف کر دی جائیں گی ربط اوپر توحید و رسالت و قیامت کے ذکر میں ضمناً کفار کی تکذیب اور انکار کا چند جگہ بیان ہوا ہے آگے اس انکار و تکذیب پر ملامت اور تشنیع اور اس پر دھمکی دیتے ہوئے سورۃ ختم کرتے ہیں۔ واقسموا باللہ تا بعبادہ بصیراً

وَ اَقۡسَمُوۡا بِاللّٰہِ جَہۡدَ اَیۡمَانِہِمۡ لَئِنۡ

اور ان کفار (قریش) نے بڑی زور دار قسم کھائی تھی کہ اگر

جَآءَہُمۡ نَذِیۡرٌ لَّیَکُوۡنُنَّ اَہۡدٰی مِنۡ

ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آوے تو وہ ہر ہر امت سے

اِحۡدَی الۡاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَہُمۡ نَذِیۡرٌ مَّا

زیادہ ہدایت قبول کرنے والے ہوں پھر جب ان کے پاس پیغمبر

زَادَہُمۡ اِلَّا نُفُوۡرَا ﴿۴۲﴾

آپہنچے تو بس ان کی نفرت ہی کو ترقی ہوئی

یعنی یہود و نصاریٰ وغیرہ کی طرح ہم رسول کی تکذیب نہ کریں چنانچہ درمنثور میں ابن ابی حاتم کے واسطہ سے ابو ہلال سے یہ روایت منقول ہے کہ قریش کے لوگ آپ کی نبوت سے پہلے کہتے تھے کہ اگر حق تعالیٰ ہمارے میں سے کوئی نبی بھیجیں تو ہم سے زیادہ کوئی امت خدا کی تابعدار اور نبی کی بات کو ماننے والی اور کتاب خداوندی کو مضبوطی کے ساتھ لینے والی نہ ہوگی اس پر یہ آیت اور اس قسم کی چند اور آیتیں نازل ہوئیں

یعنی تکبر کی وجہ سے آپ کے اتباع سے تو عار ہوئی ہی تھی مگر یہ بھی نہ کیا کہ اگر اتباع کی توفیق نہ ہوئی تھی تو آپ کو ایذا ہی نہ پہنچاتے مگر وہ تو اور الٹے ایذا رسانی کی فکر میں لگ گئے چنانچہ ان کا ہر وقت اسی میں لگا رہنا معلوم اور مشہور ہے آگے فرماتے ہیں کہ یہ جو کچھ ہمارے رسول کے لئے بری بری تدبیریں کر رہے ہیں خود اپنا ہی ضرر کر رہے ہیں۔

اِۨسۡتِکۡبَارًا فِی الۡاَرۡضِ وَ مَکۡرَ السَّیِّیَٴ ؕ

دنیا میں اپنے کو بڑا سمجھنے کی وجہ سے اور ان کی بری تدبیروں کی وجہ سے اور

وَ لَا یَحِیۡقُ الۡمَکۡرُ السَّیِّیُٴ اِلَّا بِاَہۡلِہٖ ؕ

بری تدبیروں کا وبال (حقیقی) ان تدبیروں والوں ہی پر پڑتا ہے

گو ظاہر میں کبھی اس شخص کو بھی کچھ ضرر پہنچ جاوے جس کو ضرر پہنچانا چاہا ہے مگر وہ محض دنیوی ضرر ہے اور ظالم ضرر پہنچانے والے پر آخرت میں ضرر و وبال پڑے گا اور دنیوی ضرر اخروی ضرر کے سامنے کچھ بھی نہیں

فَہَلۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا سُنَّتَ الۡاَوَّلِیۡنَ ۚ

سو کیا یہ اسی دستور کے منتظر ہیں جو اگلے (کافر) لوگوں کے ساتھ ہوتا رہا ہے

فَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَبۡدِیۡلًا ۬ۚ

سو آپ خدا کے (اس) دستور کو کبھی بدلتا ہوا نہیں پائیں گے

کہ ان پر بجائے عذاب کے عنایت و رحمت ہونے لگے

وَ لَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَحۡوِیۡلًا ﴿۴۳﴾

اور آپ خدا کے دستور کو کبھی منتقل ہوتا ہوا نہ پاویں گے

کہ ان کی جگہ دوسروں کو عذاب ہونے لگے جو کافر نہ ہوں مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ کافروں کو عذاب ہوگا خواہ دنیا میں بھی یا صرف آخرت میں اور حق تعالیٰ کا وعدہ ہمیشہ سچا ہوتا ہے پس نہ یہ احتمال ہے کہ ان کو عذاب نہ ہو نہ یہ احتمال ہے کہ دوسروں کو ہونے لگے ف بعض

تعلیم یافتہ لوگ اس آیت سے معجزات کے انکار میں استدلال کرتے ہیں کہ معجزات قانون قدرت کے خلاف ہیں اور قانون قدرت کا بدلنا محال ہے اور دلیل میں یہ آیت پیش کر دیتے ہیں پس وہ لوگ آیت کی اس تفسیر میں غور کریں تو ان کے شبہ میں اس کی اصلاً گنجائش نہ رہے گی کیونکہ اس تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ سنت اللہ سے مراد قانون نظام عالم نہیں بلکہ وعدہ خداوندی مراد ہے (اور اگر یہ بھی مان لیا جاوے کہ سنت اللہ سے قانون قدرت اور نظام عالم ہی مراد ہے تب بھی ان کا استدلال غلط ہے کیونکہ آیت کے معنے یہ ہوں گے کہ خدا کے طریقہ کو کوئی دوسرا بدل نہیں سکتا اس سے یہ کیونکر لازم آیا کہ خدا خود بھی نہیں بدل سکتا اور ظاہر ہے کہ معجزات میں قانون قدرت کے خلاف خدا تعالیٰ خود کر دیتے ہیں کوئی دوسرا نہیں کرتا۔ آگے فرماتے ہیں کہ یہ کفار جو یوں سمجھتے ہیں کہ کفر کرنا عذاب کا سبب نہیں تو یہ ان کی بڑی غلطی ہے۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا

اور کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں جس میں دیکھتے بھالتے کو

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

جو (منکر) لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا انجام کیا ہوا

کہ ان پر عذاب نازل ہوا چنانچہ شام اور یمن کے سفر میں قوم ثمود اور سبا کی بستیاں مکہ والے خود دیکھتے ہیں کہ عذاب الٰہی سے کس طرح ویران پڑی ہوئی ہیں اور ان کے عذاب کے قصے بھی لوگوں کی زبانوں پر مشہور ہیں

وَكَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ وَمَا كَانَ

حالانکہ وہ قوت میں ان سے بڑھے ہوئے تھے اور خدا ایسا نہیں ہے

اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ

کہ کوئی چیز (قوت والی) اس کو ہرا دے

خواہ کسی میں کیسی ہی قوت ہو مگر خدا کو کوئی نہیں ہرا سکتا

فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ

نہ آسمان میں اور نہ زمین میں (کیونکہ) وہ بڑے علم والا

كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ﴿۴۴﴾

(اور) بڑی قدرت والا ہے

پس علم سے وہ اپنے ارادہ کے نافذ کرنے کا طریقہ جانتا ہے اور قدرت سے اس کو نافذ کر سکتا ہے اور دوسرا کوئی ایسا نہیں ہے پھر اس کو کون چیز ہرا سکتی ہے آگے فرماتے ہیں کہ اگر یہ لوگ اس دھوکہ میں ہوں کہ ہم کو عذاب ہونا ہوتا تو ہو چکتا دیر کیوں ہو رہی ہے اور اس سے وہ کفر کے برا نہ ہونے پر استدلال کریں تو یہ بھی ان کی غلطی ہے کیونکہ حکمت کی وجہ سے ان کیلئے سزا جلدی تجویز نہیں کی گئی

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا

اور اگر اللہ تعالیٰ (ان) لوگوں پر ان کے اعمال کے سبب (فوراً)

مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ

دارو گیر فرمانے لگتا تو روئے زمین پر ایک متنفس کو نہ چھوڑتا

کیونکہ کفار تو کفر سے ہلاک ہوتے اور اہل ایمان کم ہونے کی وجہ سے دنیا میں نہ رکھے جاتے کیونکہ بمقتضائے حکمت نظام عالم دونوں کے ساتھ وابستہ ہے اور یہ ضرور نہیں کہ مسلمان بھی اسی عذاب سے ہلاک ہوتے بلکہ وہ اور کسی طریقہ سے ہلاک کر دیئے جاتے اور دوسری مخلوقات اس لئے ہلاک کر دی جاتیں کہ ان کے پیدا کرنے سے مقصود بنی آدم کا انتفاع ہے جب یہ نہ ہوتے وہ بھی نہ رہتے۔

وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ

لیکن اللہ تعالیٰ ان کو ایک میعاد معین (یعنی قیامت) تک مہلت

فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ

دے رہا ہے سو جب ان کی وہ میعاد آ پہنچے گی (اس وقت)

بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ ع

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیکھ لے گا

یعنی ان میں جو کفار ہوں گے ان کو سزا دے لے گا۔

سورة یٰس مکیة و ایها ثلث و ثمانون

ربط: یہ سورۃ اثبات رسالت سے شروع ہوئی ہے اور سورۃ گذشتہ کے خاتمہ میں اسی رسالت کے انکار پر کفار کو دھمکی دی گئی تھی جس سے دونوں کے آغاز وانجام میں مناسبت ظاہر ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم یٰس

(۳۶) سُوْرَةُ یٰسٓ مَكِّيَّةٌ (۴۱)

سورۂ یٰسین مکے میں نازل ہوئی اور اس میں تراسی آیتیں اور پانچ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

يٰسٓ ﴿١﴾

یٰس

اس کی مراد اللہ ہی کو معلوم ہے۔ والقرآن الحکیم تا امام مبین

وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ﴿٢﴾

قسم ہے قرآن باحکمت کی

قرآن کی قسم اگر کلام نفسی کے اعتبار سے ہے تب تو غیر مخلوق کی قسم ہے کیونکہ کلام نفسی کے مرتبہ میں وہ خدا کی صفت ہے اور اگر کلام لفظی کے اعتبار سے ہے تو مخلوق کی قسم ہے اور مخلوقات کے ساتھ قسم کھانے کی توجیہ سورۃ حجر آیت لعمرک انهم لفی سکرتهم الخ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٣﴾ عَلٰى صِرَاطٍ

کہ بیشک آپ منجملہ پیغمبروں کے ہیں (اور) سیدھے

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٤﴾

راستہ پر ہیں

کہ اس میں جو کوئی آپ کی پیروی کرے خدا تک پہنچ جاوے گا اور کفار جو آپ کی رسالت کا انکار اور قرآن کو آپ کی تصنیف بتاتے ہیں یہ بالکل غلط ہے۔

تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿٥﴾

یہ قرآن خدائے زبردست مہربان کی طرف سے نازل کیا گیا ہے

تا کہ اسکے اعجاز سے آپکی رسالت ثابت ہو نیز ہدایت سب کیلئے عام ہو

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ

تا کہ آپ (اولاً) ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے باپ دادے نہیں ڈرائے گئے تھے

یعنی کسی قریب آنے والے پیغمبر کے ذریعہ سے نہیں ڈرائے گئے گو پہلے رسولوں کی شریعتوں کے بعض مضامین ان کے کانوں تک پہنچے تھے جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ ام جاء هم مالم یات اباء هم الاولین

فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿٦﴾

سو اسی سے یہ بے خبر ہیں

کیونکہ عرب میں اگرچہ پہلے رسولوں کی بعض باتیں منقول ہوتی چلی آتی تھیں مگر پھر بھی نبی کے آنے سے جس قدر تنبہ ہوتا ہے محض احکام کے منقول ہونے سے بالخصوص جب کہ وہ ناتمام اور بدلے ہوئے بھی ہوں ویسا تنبہ نہیں ہوتا اور آپ کا ڈرانا اولاً قریش کو تھا پھر عام لوگوں کو بھی آپ نے دعوت فرمائی کیونکہ آپ کی نبوت عام ہے (اور چونکہ آپ کی شریعت کے محفوظ رکھنے کا وعدہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے اس لئے آپ کے بعد کسی اور نبی کی ضرورت نہیں رہی) آگے فرماتے ہیں کہ باوجود آپ کی رسالت کے صحیح ہونے اور قرآن کے سچا ہونے کے پھر جو یہ لوگ نہیں مانتے تو آپ اس کا غم نہ کیجئے۔

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ

ان میں سے اکثر لوگوں پر بات (تقدیری) ثابت ہو چکی ہے

اور وہ بات یہ ہے لاملئن جهنم من الجنة والناس اجمعین کہ میں جہنم کو بعض جنوں اور آدمیوں سے بھروں گا آہ تو بعض آدمی جہنمی بھی ہوں گے جن میں سے یہ لوگ بھی ہیں جو آپ کی رسالت کا انکار کر رہے ہیں

فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٧﴾

سو یہ لوگ (ہرگز) ایمان نہ لاویں گے

البتہ بعض کی قسمت میں ایمان لانا تھا وہ ایمان لے آئے آگے ایمان سے دور ہونے میں کفار کی ایک مثال بیان فرماتے ہیں

اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى

ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں پھر وہ ٹھوڑیوں تک (اڑ

الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ﴿٨﴾

گئے) ہیں جس سے ان کے سر اوپر کو الل گئے

یعنی اوپر کو اٹھے رہ گئے نیچے کو نہیں ہو سکتے سو جیسا کہ اس حالت میں آدمی راستہ نہیں دیکھ سکتا اسی طرح یہ لوگ سیدھا راستہ دیکھنے سے محروم ہو گئے۔

وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ

اور ہم نے ایک آڑ ان کے سامنے کر دی اور ایک آڑ ان

خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۹﴾

کے پیچھے کر دی جس سے ہم نے (ہر طرف سے)

وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ

ان کو (پردوں سے) گھیر دیا سو وہ نہیں دیکھ سکتے اور ان کے حق میں آپ کا

تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰﴾

ڈرانا یا نہ ڈرانا دونوں برابر ہیں یہ ایمان نہ لاویں گے

پس ان سے مایوس ہو کر راحت حاصل کیجئے اور فکر میں نہ پڑیئے

اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ

بس آپ تو صرف ایسے شخص کو ڈرا سکتے ہیں جو نصیحت پر چلے اور

الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ج

خدا سے بے دیکھے ڈرے

کہ ڈرنے ہی سے حق کی طلب ہوتی ہے اور طلب سے حق تک رسائی ہوتی ہے اور یہ لوگ ڈرتے ہی نہیں ہاں جن کو خدا کا خوف ہے ان کو بے شک آپ سے فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۱﴾

سو آپ اس کو مغفرت اور عمدہ عوض کی خوشخبری سنا دیجئے

مغفرت سے گناہوں کی معافی اور عمدہ عوض سے اطاعت کا ثواب مراد ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص گمراہی اور بے رخی میں گرفتار ہے وہ مغفرت اور ثواب سے محروم ہے آگے فرماتے ہیں کہ دنیا میں اگرچہ جزا و سزا کا ظاہر ہونا لازم نہیں مگر ایک دن ضرور اس کا ظہور ہوگا۔

اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا

بیشک ہم مردوں کو زندہ کریں گے اور ہم لکھتے جاتے ہیں وہ اعمال بھی جن کو یہ

قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ط

لوگ آگے بھیجتے ہیں اور ان کے وہ اعمال بھی جن کو پیچھے چھوڑے جاتے ہیں

جو کام آگے بھیجتے ہیں اس سے مراد وہ کام ہیں جو خود اپنے ہاتھ سے کئے اور جو پیچھے چھوڑتے ہیں اس سے مراد وہ اثر ہے جو ان کاموں کی وجہ سے پیدا ہوا اور موت کے بعد بھی باقی رہا مثلاً کسی نے کوئی نیک کام کیا اور وہ دوسروں کی ہدایت کا سبب ہو گیا یا کسی نے کوئی برا کام کیا اور وہ دوسروں کی گمراہی کا سبب ہو گیا یہ سب لکھے جا رہے ہیں اور وہاں پر اس کے متعلق سزا و جزا ہو جائے گی آگے فرماتے ہیں کہ ہمارا علم تو ایسا وسیع ہے کہ ہم کو لوگوں کے عمل کرنے کے بعد لکھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ قیامت تک جو کچھ ہوگا وہ پہلے ہی سے لوح محفوظ میں لکھ دیا گیا تھا محض بعض حکمتوں کی وجہ سے عمل کرنے کے بعد بھی لکھا جاتا ہے۔

وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ع

اور ہم نے ہر چیز کو ایک واضح کتاب میں ضبط کر دیا تھا

پس جب وقوع سے پہلے ہم کو سب چیزوں کا علم ہے تو واقع ہونے کے بعد کیوں نہ ہوتا پس کسی عمل سے مکرنے یا چھپائے رکھنے کی ذرا گنجائش نہیں سزا ضرور ہوگی اور لوح محفوظ میں چونکہ تمام اشیاء کی تفصیل ہے اس لئے اس کو واضح کتاب کہا گیا۔

ربط اوپر رسالت کا مسئلہ مذکور تھا آگے رسالت کی تائید اور تکذیب کرنے والوں کی دھمکی کے لئے ایک قصہ مذکور ہے۔ واضرب لھم تا لدینا محضرون

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ م

اور آپ ان کے سامنے ایک قصہ یعنی ایک بستی والوں کا قصہ اس وقت بیان کیجئے

اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ ج

جبکہ اس بستی میں کئی رسول آئے

اکثر مفسرین نے اس بستی کو انطاکیہ کہا ہے اور ابن کثیر نے اس پر چند اعتراض کئے ہیں اور بعضوں نے ان کے جواب بھی دیئے ہیں لیکن آیت کی تفسیر تعیین پر موقوف نہیں۔

اس لئے بہتر یہی ہے کہ اس کو مبہم رکھا جاوے اور قصہ میں اختلاف کی بناء پر ان رسولوں میں دو احتمال ہیں کہ یا تو وہ بلا واسطہ خدا کی طرف سے بھیجے ہوئے تھے جس کو پیغمبر کہتے ہیں یا کسی پیغمبر کے واسطہ سے خدا

کے بھیجے ہوئے تھے جس کو نائب پیغمبر کہتے ہیں۔

پس ترجمہ میں لفظ رسول سے عام معنی مراد ہیں جو نائب رسول پر بھی صادق آتے ہیں۔

اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا

یعنی جبکہ ہم نے ان کے پاس (اول) دو کو بھیجا سو ان لوگوں نے (اول)

فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ

دونوں کو جھوٹا بتلایا پھر تیسرے (رسول) سے تائید کی

یعنی تائید کے لئے پھر تیسرے کو وہاں جانے کا حکم دیا

فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

سو ان تینوں نے کہا کہ ہم تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں

تاکہ تم کو ہدایت کریں کہ توحید اختیار کرو اور بت پرستی چھوڑو کیونکہ وہ لوگ بت پرست تھے جیسا کہ ومالی لااعبد الذی فطرنی اور ءاتخذمن دونه الهة الخ سے معلوم ہوتا ہے

قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ

ان لوگوں نے کہا کہ تم تو ہماری طرح محض معمولی آدمی ہو

یعنی تم کو رسول ہونے کا امتیاز حاصل نہیں اور تمہاری کیا تخصیص ہے رسالت کا مسئلہ ہی خود بے اصل ہے

وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ

اور خدائے رحمٰن نے (تو) کوئی چیز نازل (ہی) نہیں کی

اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾ قَالُوْا رَبُّنَا

تم نرا جھوٹ بولتے ہو ان رسولوں نے کہا ہمارا

يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

پروردگار علیم ہے کہ بے شک ہم تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں

اور قسم کھانے سے یہ مقصود نہیں کہ اسی سے رسالت کو ثابت کرتے تھے بلکہ دلائل قائم کرنے کے بعد بھی جب انہوں نے نہ مانا تب آخری جواب کے طور پر مجبور ہو کر قسم کھائی چنانچہ آگے خود ان کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۷﴾

اور ہمارے ذمہ تو صرف واضح طور پر حکم کا پہنچادینا تھا

اور ظاہر ہے کہ واضح طور پر حکم کا پہنچانا دلیل سے ثابت کرنے پر موقوف ہے اس سے معلوم ہوا کہ اول دلائل قائم کر چکے تھے اگر وہ پیغمبر تھے تب تو معجزات ظاہر کئے ہوں گے اور اگر نائب پیغمبر تھے تو اول عقلی دلائل سے اصل پیغمبر کی رسالت ثابت کی ہوگی پھر اس کے معجزات کو ثابت کیا ہوگا غرض آخر میں یہ فرمایا کہ ہم اپنا کام کر چکے تم نہ مانو تو ہم مجبور ہیں

قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ

وہ یوں کہنے لگے کہ ہم تو تم کو منحوس سمجھتے ہیں

یہ بات یا تو اس لئے کہی کہ ان پر قحط پڑا تھا جیسا کہ معالم میں ہے یا اس لئے کہی کہ جب کوئی نئی بات سنی جاتی ہے تو اس کا چرچا ضرور ہوتا ہے اور اکثر عام لوگوں میں اس کی وجہ سے گفتگو اور اختلاف اور کبھی لڑائی جھگڑے اور نااتفاقی کی بھی نوبت پہنچ جاتی ہے پس مطلب یہ ہوگا کہ تم نے لوگوں میں ایک فتنہ ڈال دیا جس سے نقصان پہنچ رہا ہے یہ نحوست ہے جس کا سبب تم ہو۔

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ

اگر تم باز نہ آئے تو ہم پتھروں سے تمہارا کام تمام کردیں گے

مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸﴾

اور تم کو ہماری طرف سے سخت تکلیف پہنچے گی

یعنے اول طرح طرح سے ستاویں گے نہیں مانو گے تو اخیر میں پتھروں سے کام تمام کردیں گے۔

قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ؕ

ان رسولوں نے کہا کہ تمہاری نحوست تو تمہارے ساتھ ہی لگی ہوئی ہے۔

یعنی جس کو تم فتنہ اور نقصان کہتے ہو اس کا سبب حق کا قبول نہ کرنا ہے اگر حق کو سب مل کر قبول کر لیتے تو نہ آپس میں اختلاف ہوتا نہ قحط کے عذاب میں مبتلا ہوتے باقی پہلا اتفاق اور پہلی آسائش وہ اس لئے قابل

قدر نہیں کہ اس وقت تم سب غلط بات پر متفق تھے۔ جس کا زائل کرنا ضروری تھا اور وہ آسائش نعمت نہ تھی بلکہ آخرت میں وبال جان ہوتی

أَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ط

کیا اس کو نحوست سمجھتے ہو کہ تم کو نصیحت کی جاوے

تو یہ واقع میں نحوست نہیں بلکہ سعادت کا سبب ہے

بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿١٩﴾

بلکہ تم (خود) حد (عقل و شرع) سے نکل جانے والے لوگ ہو

پس شریعت کی مخالفت سے تم پر یہ نحوست آئی جو خود تمہارا فعل ہے اور عقل کی مخالفت کر کے تم نے اس نحوست کا سبب غلط سمجھا

وَجَآءَ مِنْ أَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى

اور ایک شخص (مسلمان) اس شہر کے کسی دور مقام سے دوڑتا ہوا آیا

یعنی اس گفتگو کی خبر جو شائع ہوئی تو ایک شخص یہ خبر سن کر اپنی قوم کی خیر خواہی کے لئے یا رسولوں کی طرفداری کے لئے مبادا یہ لوگ رسولوں کو قتل کر دیں جیسا کہ سنگسار کرنے کی وہ دھمکی دے رہے تھے یہاں آیا

قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٢٠﴾

(اور) کہنے لگا کہ اے میری قوم ان رسولوں کی راہ پر

اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ

چلو ایسے لوگوں کی راہ پر چلو جو تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتے اور وہ

مُّهْتَدُوْنَ ﴿٢١﴾

خود راہ راست پر بھی ہیں

یعنی اتباع سے روکنے والی خود غرضی ہوتی ہے سو وہ یہاں موجود نہیں اور اتباع کے لئے اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ جس کا اتباع کیا جاوے راہ راست پر ہو سو یہ بات یہاں موجود ہے پھر اتباع کیوں نہ کیا جاوے۔

الحمدللہ بائیسویں پارہ کی تفسیر ختم ہوئی

وَمَا لِیَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ

اور میرے پاس کون سا عذر ہے کہ میں اس (معبود) کی عبادت نہ کروں جس نے مجھ کو پیدا کیا

جو کہ استحقاق عبادت کی ایک دلیل ہے اور اپنے اوپر رکھ کر اس لئے کہا تا کہ مخاطب کو اشتعال نہ ہو اور اصل مطلب یہی ہے کہ تم کو کون سا عذر ہے جیسا کہ آگے کے قول سے معلوم ہوتا ہے

وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۲﴾

اور تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے

پس ایسی حالت میں اتباع حق نہایت ضروری ہے یہاں تک تو اس کا بیان تھا کہ حق تعالیٰ عبادت کے مستحق ہیں آگے اس کا بیان ہے کہ یہ من گھڑت معبود عبادت کے مستحق نہیں

ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً اِنْ یُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ

کیا میں خدا کو چھوڑ کر اور ایسے ایسے معبود قرار دے لوں کہ اگر خدائے رحمٰن

بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْـًٔا وَّلَا

مجھ کو کچھ تکلیف پہنچانا چاہے تو نہ ان معبودوں کی سفارش میرے کام آوے

یُنْقِذُوْنِ ﴿۲۳﴾

اور نہ وہ مجھ کو چھڑا سکیں

یعنی نہ وہ خود قادر ہیں نہ خدا تعالیٰ سے کچھ کہہ کر کرا سکتے ہیں کیونکہ اول تو بتوں میں شفاعت کی قابلیت ہی نہیں دوسرے شفاعت بدون اجازت کے نہیں ہو سکتی اور کفار کے واسطے شفاعت کی اجازت نہ ہوگی

اِنِّیْۤ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۴﴾

اگر میں ایسا کروں تو صریح گمراہی میں جا پڑا

یہ بھی اپنے اوپر رکھ کر دوسروں کو سنانا ہے

اِنِّیْۤ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴿۲۵﴾

میں تو تمہارے پروردگار پر ایمان لا چکا سو تم (بھی) میری بات سن لو

اور ایمان لے آؤ مگر ان لوگوں پر کچھ اثر نہ ہوا بلکہ اس کو پتھروں سے یا آگ میں ڈال کر یا گلا گھونٹ کر شہید کر ڈالا اور قرآن میں اس کا ذکر نہیں کہ پھر ان میں رسولوں کا کیا قصہ ہوا جب وہ شہید ہو گیا تو اس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری دی گئی جس کا آگے بیان ہے

قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ؕ

ارشاد ہوا کہ جا جنت میں داخل ہو

اگر مراد یہ ہے کہ فی الفور اسی وقت داخل ہو تو جنت سے مراد کوئی خاص جگہ ہے جو جنت کے متصل ہوگی کیونکہ جنت میں جانے کے بعد پھر اس سے نکلنا نہیں ہو سکتا اور حشر ونشر یقیناً جنت سے باہر ہے جس میں تمام مخلوق حاضر ہوگی اور اگر اس سے مقصود محض بشارت سنانا ہے کہ تو وقت معین پر جنت میں داخل ہونے کا مستحق ہے تو خود جنت بھی مراد لینا صحیح ہے

قَالَ یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ

کہنے لگا کہ کاش میری قوم کو یہ بات معلوم ہو جاتی کہ میرے پروردگار نے

وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُكْرَمِیْنَ ﴿۲۷﴾

مجھ کو بخش دیا اور مجھ کو عزت داروں میں شامل کر دیا

اس وقت بھی اس کو اپنی قوم کی فکر ہوئی کہ میری اس حالت کو معلوم کر کے وہ بھی ایمان لے آتے تو اسی طرح ان کی بھی مغفرت اور عزت ہوتی

وَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلٰی قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ

اور ہم نے اس (شہید) کی قوم پر اس کے بعد کوئی لشکر (فرشتوں کا) آسمان

مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِیْنَ ﴿۲۸﴾

سے نہیں اتارا اور نہ ہم کو اتارنے کی ضرورت تھی

کیونکہ ان کا ہلاک کرنا زیادہ جمعیت پر موقوف نہ تھا اس سے جنگ بدر میں کفار کے مقابلہ کے لئے ملائکہ کے نازل ہونے پر شبہ نہ کیا جائے کیونکہ اس آیت میں احتیاج کی نفی کرنا مقصود ہے یہ مطلب نہیں کہ دوسری حکمتوں سے بھی فرشتوں کا نزول نہ ہوگا سو ممکن ہے کہ اس قصہ میں نزول ملائکہ کے لئے کوئی حکمت مقتضی نہ ہو اور جنگ بدر میں حکمت ہو اور احتیاج تو کسی وقت بھی نہ تھی۔

اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً

وہ سزا بس ایک آواز سخت تھی

جو جبرائیل علیہ السلام یا اور کسی فرشتہ نے کر دی تھی اور یہ بھی ممکن ہے کہ صیحہ سے آواز مراد نہ ہو بلکہ مطلق عذاب مراد ہو جس کی کیفیت نہیں بتلائی گئی

فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ﴿۲۹﴾

اور وہ سب اسی دم (اس سے) بجھ کر (یعنی مر کر) رہ گئے

آگے اس قصہ کی مناسبت سے قصہ کے مکذبین کی مذمت فرماتے ہیں

يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ

افسوس (ایسے) بندوں کے حال پر کبھی ان کے پاس کوئی رسول نہیں آیا جس

اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۰﴾ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ

کی انہوں نے ہنسی نہ اڑائی ہو۔ کیا ان لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم ان

اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا

سے پہلے بہت سی امتیں غارت کر چکے کہ وہ (پھر) ان کی طرف (دنیا میں)

يَرْجِعُوْنَ ﴿۳۱﴾ ط

لوٹ کر نہیں آتے

اگر اس بات میں غور کرتے تو استہزاء اور تکذیب سے بچتے اور یہ سزا تو تکذیب کرنے والوں کو دنیا میں ہوگی۔

وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۲﴾ ع

اور ان سب میں کوئی ایسا نہیں جو مجموعی طور پر ہمارے روبرو حاضر نہ کیا جاوے

پس وہاں پھر سزا ہوگی اور وہ سزا کبھی ختم نہ ہوگی۔

ربط: اوپر رسالت کا مضمون تھا جس میں توحید کا مضمون بھی تبعاً آ گیا ہے آگے توحید کو قصداً بیان کیا جاتا ہے اور ایسے دلائل سے اس کو ثابت کیا جاتا ہے جو نعمتوں اور احسانات کی یاد دہانی پر مشتمل ہیں۔ وآیۃ لهم الارض تا الی حین

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۖۚ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا

اور ایک نشانی ان لوگوں کیلئے مردہ زمین ہے ہم نے اس کو (بارش سے)

مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ

زندہ کیا اور ہم نے اس سے غلے نکالے سو ان میں سے لوگ کھاتے ہیں اور

مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ

(نیز) ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ لگائے اور (نیز) اس

الْعُيُوْنِ ﴿۳۴﴾ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ

میں چشمے جاری کئے تا کہ لوگ باغ کے پھلوں میں سے کھائیں اور اس (پھل

اَيْدِيْهِمْ ط

اور غلہ) کو ان کے ہاتھوں نے نہیں بنایا

گو تخم ریزی اور آبپاشی بظاہر انہی کے ہاتھوں ہوئی ہو مگر پھل اور غلہ کی خاص صورت کا پیدا کرنا خاص خدا ہی کا کام ہے

اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۵﴾

سو کیا شکر نہیں کرتے

جس کا پہلا زینہ توحید ہے یہ تو زمین کی خاص نشانیوں سے استدلال تھا آگے زمین کی عام نشانیوں سے اور انسان کی ذات میں جو نشانیاں ہیں ان سے استدلال ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ

وہ پاک ذات ہے جس نے تمام مقابل قسموں کو پیدا کیا نباتات زمین کے

الْاَرْضُ

قبیل سے بھی

آدمیوں کی مقابل قسمیں مرد اور عورت ہیں اور نباتات کی مقابل قسمیں جیسے گیہوں اور جو اور میٹھا پھل اور کھٹا پھل یا اس سے بھی زیادہ اختلاف ہو

وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾

اور (خود) ان آدمیوں میں سے بھی اور ان چیزوں میں سے بھی جن کو (عام لوگ) نہیں جانتے

کیونکہ جو چیزیں مخفی ہیں ان میں بھی کوئی شے مقابل سے خالی نہیں آگے آسمان کی بعض نشانیوں اور ان کے بعض آثار سے استدلال ہے۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۖۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ

اور ایک نشانی ان لوگوں کیلئے رات ہے کہ ہم اس (رات) پر سے دن کو اتار لیتے ہیں

چونکہ روشنی کرنے والے اجسام بعد میں پیدا ہوئے اس لئے پہلے ظلمت ہی ظلمت تھی اور گویا اصلی وقت رات ہی کا تھا پھر آفتاب کی عارضی روشنی سے دن نے اس کو چھپا لیا تھا جیسے بکری کے گوشت کو کھال چھپا لیتی ہے تو اس کی عارضی روشنی کو زائل کرنا گویا رات پر سے دن کو اتار لینا ہے

جس سے رات پھر آ جاتی ہے۔

فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ

سو یکا یک (وہ لوگ) اندھیرے میں رہ جاتے ہیں اور (ایک نشانی) آفتاب

لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ

(ہے کہ وہ) اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے

ٹھکانے سے مراد عام ہے یہ شامل ہے اس نقطہ کو بھی جہاں سے آفتاب چل کر سال بھر کا دورہ پورا کر کے پھر اسی نقطہ پر پہنچ جاتا ہے اور اس نقطہ کو بھی جہاں روزانہ حرکت میں پہنچ کر غروب ہو جاتا ہے اور اس آیت کی تفسیر میں ایک حدیث آئی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آفتاب کا مستقر (یعنی ٹھکانا) عرش کے نیچے ہے اور وہ غروب کے وقت سجدہ کر کے حکم دریافت کرتا ہے تو اس کو معمول کے موافق طلوع ہونے کا حکم ہوتا ہے یہاں تک کہ ایک دن اس کو واپس لوٹنے کا حکم ہوگا تو مغرب سے طلوع ہوگا اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوئیں جو قابل تحقیق ہیں ایک یہ کہ ٹھکانے سے مراد وہ نقطہ ہے جہاں روزانہ حرکت ختم کر کے غروب ہو جاتا ہے لیکن جو تفسیر اوپر بیان کی گئی ہے چونکہ وہ اس کو بھی شامل ہے اس لئے دونوں میں کوئی منافات نہیں دوسرے یہ کہ وہ ٹھکانا عرش کے نیچے ہے سو ظاہر ہے کہ جس نقطہ پر پہنچ کر اس کا دورہ ختم ہوتا ہے یا جس نقطہ پر پہنچ کر غروب ہوتا ہے وہ دونوں عرش ہی کے نیچے ہیں اس لئے حدیث میں اور ہماری تفسیر میں کوئی منافات نہیں تیسرے یہ کہ سجدہ کرنے کا کیا مطلب ہے جواب یہ ہے کہ بظاہر آیات و روایات سے ان مخلوقات میں بھی تھوڑا بہت شعور ہونا ثابت ہے سو ممکن ہے کہ اسی شعور کی وجہ سے حق تعالیٰ کے حضور میں آفتاب خشوع و خضوع اور عرض معروض کرتا ہو چوتھے یہ کہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ کے وقت آفتاب کو سکون ہو جاتا ہو حالانکہ دلائل رصدیہ اور نظام شمسی سے آفتاب کی حرکت کا منقطع نہ ہونا ثابت ہے جواب یہ ہے کہ سجدہ کے جو معنے بیان کئے گئے ہیں اول تو اس کے لئے حرکت کا منقطع ہونا ضروری نہیں دوسرے ممکن ہے کہ یہ سکون ایک آن میں ہوتا ہو اور حرکت زمانی ہو اس لئے نظام شمسی میں خلل نہ ہوتا ہو اور اس سکون کا ادراک نہ ہوتا ہو پانچویں یہ کہ حقیقی غروب تو کبھی نہیں ہوتا کیونکہ جب ایک جگہ غروب ہوتا ہے دوسری جگہ طلوع ہوتا ہے پھر غروب کے وقت حکم دریافت کرنے کے کیا معنی۔ جواب ممکن ہے کہ اکثر حصہ آبادی کا غروب مراد ہو یا خاص افق مدینہ کا غروب مراد ہو یا خط استوا کا غروب مراد ہو بہرحال یہ مخبر صادق کی خبر ہے اور عقلی اشکال کوئی نہیں ہے اس لئے تسلیم کرنا واجب ہے۔

ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ ؕ

یہ اندازہ باندھا ہوا ہے (اس خدا) کا جو زبردست علم والا ہے

کہ اپنے علم سے ان انتظامات کی مصلحت و حکمت کو جانتا ہے اور اپنی قدرت سے ان کو نافذ کرتا ہے۔

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ

اور چاند کے لئے منزلیں مقرر ہیں یہاں تک کہ ایسا رہ جاتا ہے جیسے کھجور کی

الْقَدِيْمِ ﴿۳۹﴾

پرانی ٹہنی

یعنی وہ ہر روز منزل قطع کرتا رہتا ہے اور آخر میں پتلا ہوتا ہوتا کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح ہو جاتا ہے جو کہ پتلی اور خمدار ہوتی ہے۔

لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا

نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ

الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ

رات دن سے پہلے آ سکتی ہے

یعنی سورج اور چاند کی چال اور رات و دن کی آمد و رفت ایسے انداز اور انتظام سے رکھی گئی ہے کہ نہ آفتاب چاند کی روشنی کے وقت میں طلوع ہو سکتا ہے کہ رات کے وقت دن ہو جائے نہ چاند آفتاب کے وقت میں روشن ہو سکتا ہے کہ دن میں رات ہو جاوے غرض کہ دن کی مقدار ختم ہونے سے پہلے رات نہیں آ سکتی اور رات کا زمانہ ختم ہونے سے پہلے دن نہیں آ سکتا۔

وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۴۰﴾

اور دونوں ایک ایک دائرے میں تیر رہے ہیں

یعنی اس طرح چل رہے ہیں کہ گویا تیر رہے ہیں اور حساب سے باہر نہیں ہو سکتے کہ رات دن کے حساب میں خلل واقع ہو جائے آگے زمین کی نشانیوں میں سے ایک نشانی خاص سواری اور سفر کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ

اور ایک نشانی ان کے لئے یہ ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی

الْمَشْحُوْنِ ۙ﴿۴۱﴾

کشتی میں سوار کیا

اپنی اولاد کو اکثر لوگ تجارت کے لئے سفر میں بھیجتے تھے پس اس عنوان میں تین نعمتوں کی طرف اشارہ ہوگیا ایک یہ کہ بھری ہوئی کشتی اپنے بوجھ کی وجہ سے غرق ہونے کو مقتضی ہے اس کو پانی کی سطح پر رواں کر دیا دوسرے ان لوگوں کو اولاد عطا فرمائی تیسرے رزق اور سامان دیا کہ یہ خود گھر بیٹھے رہے اور اولاد کو کارندہ بنا کر بھیجتے ہیں۔

وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ﴿۴۲﴾

اور ہم نے ان کے لئے کشتی ہی جیسی ایسی چیزیں پیدا کیں جن پر یہ لوگ سوار ہوتے ہیں

مراد اس سے اونٹ وغیرہ ہیں۔

وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ

اور اگر ہم چاہیں تو ان کو غرق کر دیں پھر نہ تو کوئی ان کا فریاد رس ہو اور نہ یہ خلاصی دیے

يُنْقَذُوْنَ ۙ﴿۴۳﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۴۴﴾

جاویں مگر یہ ہماری ہی مہربانی ہے اور ان کو ایک وقت معین تک فائدہ دینا (منظور) ہے

اس لئے مہلت دے رکھی ہے

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ

اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ تم لوگ اس عذاب سے ڈرو جو تمہارے سامنے ہے

یعنی دنیا میں آ سکتا ہے جیسے غرق کر دینا یا زمین میں دھنسا دینا

وَمَا خَلْفَكُمْ

اور جو تمہارے (مرے) پیچھے ہے

جو آخرت میں یقیناً آنے والا ہے

لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۵﴾

تا کہ تم پر رحمت کی جاوے تو وہ اصلاً پرواہ نہیں کرتے

آگے ان کا اور ہدایت سے دور ہونا بیان کرتے ہیں

وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا

اور ان کے رب کی آیتوں میں سے کوئی آیت بھی ان کے پاس نہیں آتی

كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۶﴾

جس سے وہ سرتابی نہ کرتے ہوں

اسی طرح ترغیب سے بھی ان کو نفع نہیں ہوتا

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں سے خرچ

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ

کرو تو یہ کفار (ان) مسلمانوں سے یوں کہتے ہیں کہ کیا ہم ایسے لوگوں کو

لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ

کھانے کو دیں جن کو اگر خدا چاہے تو (بہتیرا کچھ) کھانے کو دے دے تم نری

مُّبِيْنٍ ﴿۴۷﴾

صریح غلطی میں (پڑے) ہو

اور وہ یہ جواب صرف شرارت سے دیتے تھے

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ

اور یہ لوگ (بطور انکار) کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہو گا

صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾

اگر تم سچے ہو

تو اس کا وقت بتلاؤ

مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ

یہ لوگ بس ایک سخت آواز کے منتظر ہیں جو ان کو آ پکڑے گی

سخت آواز سے مراد پہلی بار صور پھونکنا ہے

وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ﴿۴۹﴾

اور وہ سب باہم لڑ جھگڑ رہے ہوں گے

اور اس سے آواز کے ساتھ دفعۃً فنا ہو جاویں گے

فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ

سو نہ تو وصیت کرنے کی فرصت ہوگی اور نہ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر

يَرْجِعُوْنَ ﴿٥٠﴾

جاسکیں گے

بلکہ جو جس حال میں ہوگا وہیں مرکر رہ جاوے گا

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَإِذَا هُمْ مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَى

اور (پھر دوبارہ صور) پھونکا جاوے گا سو وہ سب یکا یک قبروں سے (نکل

رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ﴿٥١﴾

نکل) اپنے رب کی طرف جلدی جلدی چلنے لگیں گے

اور ایک جگہ ارشاد ہے فاذاھم قیام ینظرون (کہ دوسری بار صور پھکنے کے وقت) وہ اچانک حیرت زدہ کھڑے رہ جاویں گے سوممکن ہے کہ اول وہلہ میں حیرت زدہ کھڑے رہیں پھر فرشتوں کے ہانکنے سے دوڑنا شروع کریں۔

قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ

کہیں گے کہ ہائے ہماری کم بختی ہم کو قبروں سے کس نے اٹھادیا

کہ یہاں کی بہ نسبت تو وہاں ہی راحت میں تھے

هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٥٢﴾

یہ وہی (قیامت) ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور پیغمبر سچ کہتے تھے

مگر تم نے نہ مانا تھا آگے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً

وہ بس ایک زور کی آواز ہوگی

جس طرح پہلا نفخ صور ایک آواز تھا اسی طرح یہ بھی ایک ہی آواز ہوگی

فَإِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿٥٣﴾

جس سے یکا یک سب جمع ہوکر ہمارے پاس حاضر کردئے جاویں گے

پہلے میدان حساب کی طرف چلنا مذکور تھا اور یہاں پہنچ جانا مذکور ہے اور یہ چلنا اور پہنچنا جبراً ہوگا

فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا

پھر اس دن کسی شخص پر ذرا ظلم نہ ہوگا اور تم کو بس انہیں کاموں کا بدلہ ملے گا

مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٥٤﴾

جو تم کیا کرتے تھے

یہ تو دوزخ والوں کا حال ہوا آگے جنتیوں کا حال مذکور ہے

إِنَّ أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ﴿٥٥﴾

اہل جنت بے شک اس روز اپنے مشغلوں میں خوش دل ہوں گے

هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ

وہ اور ان کی بیویاں

اس سے حوریں اور دنیا کی مسلمان بیبیاں دونوں مراد ہوسکتی ہیں خواہ ان میں سے ایک قسم مراد ہو یا دونوں کا مجموعہ مراد ہو

فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْأَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿٥٦﴾ لَهُمْ فِيْهَا

سایوں میں مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے ان کے لئے وہاں ہر طرح

فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ﴿٥٧﴾

کے میوے ہوں گے اور جو کچھ مانگیں گے ان کو ملے گا

اس پر یہ اشکال نہ کیا جائے کہ جب اہل جنت کو مانگنے سے ملے گا تو جنت میں بھی ایک گونہ کلفت باقی رہی جواب یہ ہے کہ اپنے محبوب سے مانگنا یہ خود ایک قسم کی لذت ہے بالخصوص جب کہ مانگتے ہی مل جائے ذرا بھی دیر نہ لگے اور بعض علماء نے یدعون کی تفسیر تمنا سے کی ہے کہ وہ جو کچھ تمنا کریں گے پوری کی جائے گی اس تفسیر سے اور بھی سہولت ہوگئی

سَلٰمٌ ۣ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿٥٨﴾

ان کو پروردگار مہربان کی طرف سے سلام فرمایا جاوے گا

یعنی حق تعالیٰ خود فرماویں گے السلام علیکم یا اہل الجنۃ رواہ ابن ماجۃ اور جنت میں سلام سے مقصود یا تو محض اکرام و اعزاز ہے یا ہمیشہ کی سلامتی کی بشارت اور خبر سنانا ہے آگے پھر دوزخ والوں کا بقیہ حال مذکور ہے۔

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٥٩﴾

اور اے مجرمو آج (اہل ایمان سے) الگ ہوجاؤ

کیونکہ ان کو جنت میں بھیجنا ہے تم کو دوزخ میں اور اس وقت ان کو مذمت کے طور پر یہ بات کہی جائے گی جس کا آگے ذکر ہے۔

أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ أَنْ لَّا تَعْبُدُوا

اے اولاد آدم کیا میں نے تم کو تاکید نہیں کر دی تھی کہ

الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٦٠﴾ وَّاَنِ

تم شیطان کی عبادت نہ کرنا وہ تمہارا صریح دشمن ہے اور یہ

اعْبُدُوْنِيْ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦١﴾

کہ میری ہی عبادت کرنا یہی سیدھا راستہ ہے

عبادت سے مراد کامل اطاعت ہے اور یہ خطاب جنات سے بھی ہوگا چنانچہ دوسری آیت میں یمعشر الجن والانس الخ ہے

وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ؕ

اور وہ (شیطان) تم میں ایک کثیر مخلوق کو گمراہ کر چکا ہے

جن کی گمراہی کا وبال بھی تم کو بتلا دیا گیا تھا جیسا کہ پہلے کفار کے قصے اور ان کی سزائیں قرآن میں مذکور ہیں

اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٢﴾

سو کیا تم نہیں سمجھتے

کہ اگر ہم اس کے گمراہ کرنے سے گمراہ ہو جاویں گے تو ہم بھی اسی طرح عذاب کے مستحق ہوں گے اور یہ خطاب سب کفار کو نہیں بلکہ اکثر کو ہے کیونکہ جو لوگ سب سے پہلے کافر ہوئے ہیں انہوں نے دوسرے کفار کا گمراہ ہونا اور ان پر وبال نازل ہونا نہیں دیکھا اور نہ سنا تو یہ خطاب ان کو شامل نہیں مگر الزام ان پر بھی قائم ہے کیونکہ ان کے حق میں اس ایک تنبیہ کے نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اور کسی طرح بھی ان کو تنبیہ نہ کی گئی ہو

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿٦٣﴾

یہ جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جایا کرتا تھا

اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿٦٤﴾ اَلْيَوْمَ

آج اپنے کفر کے بدلہ میں اس میں داخل ہو آج ہم

نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ

ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے

جس سے وہ بیہودہ عذر نہ کر سکیں گے جیسا کہ شروع میں کہیں گے واللہ ربنا ما کنا مشرکین پروردگار کی قسم ہم تو مشرک نہ تھے۔

وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا

اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور ان کے پاؤں شہادت دیں گے جو کچھ یہ لوگ

يَكْسِبُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ

کیا کرتے تھے اور اگر ہم چاہتے تو (دنیا ہی میں) ان کی آنکھوں کو ملیامیٹ کر دیتے

جیسا کہ قوم لوط کے لئے ایسا ہو چکا ہے چنانچہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے فطمسنا اعینهم کہ ہم نے ان کی آنکھیں ملیامیٹ کر دیں

فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿٦٦﴾ وَلَوْ

پھر یہ رستہ کی طرف دوڑتے پھرتے سو ان کو کہاں نظر آتا اور اگر ہم چاہتے تو

نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ

ان کی صورتیں بدل ڈالتے

جیسا کہ پہلے بعضے لوگ بندر اور سور ہو گئے۔

عَلٰى مَكَانَتِهِمْ

اس حالت سے کہ یہ جہاں ہیں وہیں رہ جاتے

یعنی صورتیں مسخ کرنے کے ساتھ اپاہج بھی بنا دیتے جس کا حاصل یہ ہے کہ ان کو جانور بنا دیتے اور جانور بھی اپاہج

فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٦٧﴾ ع

جس سے یہ لوگ نہ آگے چل سکتے اور نہ پیچھے کی طرف لوٹ سکتے

آگے فرماتے ہیں کہ اس پر کچھ تعجب نہ کرنا چاہئے کہ یہ مسخ وغیرہ کیسے ہو جاتا دیکھو اس کی ایک نظیر پر ہمارا قادر ہونا شب و روز مشاہدہ میں آتا ہے۔

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ

اور ہم جس کی عمر زیادہ کر دیتے ہیں

یعنی بہت بوڑھا کر دیتے ہیں

نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ؕ

تو اس کو طبعی حالت میں الٹا کر دیتے ہیں

طبعی حالت سے مراد سمجھنے اور سننے اور دیکھنے اور نشو و نما پانے غذا وغیرہ ہضم کرنے کی قوتیں اور رنگ و روغن اور حسن و جمال وغیرہ ہیں اور الٹا کرنے سے مراد ان کو بدل دینا اور قوت کے بعد ضعیف اور حسن کے بعد بدصورت کر دینا ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ بڑھاپے میں انسان کی تمام قوتیں پستی کی طرف مائل ہو جاتی ہیں اسی پر مسخ وغیرہ کو قیاس کرنا چاہئے کیونکہ وہ بھی ایک قسم کا تغیر ہے کامل سے ناقص کی طرف

أَفَلَا يَعْقِلُونَ ﴿٦٨﴾

سو کیا وہ نہیں سمجھتے

کہ جب خدا کو ایک تغیر پر قدرت ہے تو وہ دوسری طرح بھی تغیر کر سکتا ہے کیونکہ قدرت الٰہی کو تمام ممکنات کے ساتھ یکساں نسبت ہے سو اس پر نظر کر کے ان لوگوں کو ڈرنا اور کفر کو چھوڑ دینا چاہئے۔ ربط اوپر بعث و جزا کا ذکر تھا آگے رسالت اور اس کی بڑی دلیل یعنی قرآن کی حقانیت کا مضمون ہے وما علمنا تا على الكفرين

وَمَا عَلَّمْنَٰهُ الشِّعْرَ

اور ہم نے آپ کو شاعری کا علم نہیں دیا

یعنی یہ کفار جو آپ کی نبوت باطل کرنے کے لئے آپ کو شاعر اور خیالی مضامین باندھنے والا کہتے ہیں یہ بالکل غلط ہے کیونکہ ہم نے آپ کو خیالی مضامین مرتب کرنے کا علم نہیں دیا اور نہ آپ نے کسی سے یہ فن سیکھا ہے اور بدون تعلیم کے کوئی علم حاصل نہیں ہوتا اور تعلیم کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو خدا سکھادے (جس کو وہبی کہتے ہیں) یا بندے سکھا دیں اور شاعری کا فن آپ کو کسی نے نہیں سکھایا پس آپ اس سے بالکل پاک ہیں اور شعر کا اطلاق نظم و نثر دونوں پر ہوتا ہے کیونکہ شعر خیالی مضمون کو کہتے ہیں خواہ موزوں ہو یا نہ ہو

وَمَا يَنْبَغِي لَهُ ۚ

اور وہ آپ کے لئے شایان بھی نہیں

کیونکہ آپ اعلیٰ درجہ کے محقق ہیں مضامین صحیح اور حق بیان کرتے ہیں اور شاعری کی بنا محض تخیل پر ہوتی ہے اور ان دونوں میں منافات ہے اس لئے آپ کی باتیں شاعرانہ خیالات نہیں ہیں پھر شاعری پر آپ کی قدرت نہ ہونا یہ اعلیٰ درجہ کی نزاہت اور پاکی ہے حتیٰ کہ آپ کو نظم میں مہارت نہیں دی کیونکہ نظم میں اکثر خیالی مضامین ہوتے ہیں اور یوں کبھی کسی شعر کا نقل کر دینا کسی صحیح غرض سے یا بلا قصد کوئی کلام موزوں منہ سے نکل جانا یہ اس آیت کے خلاف نہیں۔

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ ﴿٦٩﴾ لِّيُنذِرَ مَن

وہ تو محض نصیحت (کا مضمون) اور ایک آسمانی کتاب ہے جو احکام کی ظاہر

كَانَ حَيًّا

کرنے والی ہے تاکہ ایسے شخص کو ڈراوے جو زندہ ہے

یعنی ان احکام کے بیان کرنے سے نفع اور اثر اسی شخص کو ہوتا ہے جس کا دل زندہ ہو

وَيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٧٠﴾

اور تاکہ کافروں پر (عذاب کی) حجت ثابت ہو جاوے

کہ ان سے کہا جاوے گا کہ تم نے باوجود احکام سننے کے انکار کیا تو اس کی سزا چکھو ربط اوپر آیۃ لهم الارض الخ میں ایسے دلائل سے توحید کو ثابت کیا تھا جو نعمتوں کو بھی شامل ہیں آگے پھر اسی مضمون کی طرف ایسے ہی دلائل سے رجوع ہے۔ اولم يروا تا جند محضرون

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُم مِّمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا أَنْعَامًا

کیا ان لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم نے ان کے (نفع کے لئے) اپنے ہاتھ کی ساختہ چیزوں میں سے مواشی پیدا کئے

اپنے ہاتھ کے بنائے ہوئے کہنے کا یہ مطلب ہے کہ ان کی پیدائش میں کسی اور کو دخل نہیں ہے آگے مواشی کے منافع کی کچھ تفصیل ہے۔

فَهُمْ لَهَا مَالِكُونَ ﴿٧١﴾ وَذَلَّلْنَاهَا لَهُمْ

پھر یہ لوگ ان کے مالک بن رہے اور ہم نے ان مواشی کو ان کا تابع بنا دیا

کہ وہ ان کے کام میں لانے سے کام دیتے ہیں۔

فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ ﴿٧٢﴾

سو ان میں بعضے تو ان کی سواریاں ہیں اور بعض کو وہ کھاتے ہیں

اگر انعام سے خاص مواشی مراد ہیں جو کہ حلال ہیں تو بعض کے کھانے کا یہ مطلب ہے کہ ان کے بعض اجزاء کھاتے ہیں بعض پھینک بھی دیئے جاتے ہیں اور اگر لفظ انعام حلال و حرام سب جانوروں کو عام ہو تو ظاہر ہے کہ ان میں سے وہی کھائے جاتے ہیں جو حلال ہیں اس صورت میں بعض کا لفظ بے تکلف درست ہے۔

وَلَهُمْ فِيهَا مَنَافِعُ

اور ان میں ان لوگوں کے لئے اور بھی نفعے ہیں

جیسے بال کھال ہڈی وغیرہ مختلف طریقوں سے استعمال میں آتے ہیں

وَمَشَارِبُ ۖ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿٧٣﴾

اور پینے کی چیزیں بھی ہیں (یعنی دودھ) سو کیا یہ لوگ شکر نہیں کرتے

جس میں سب سے مقدم اور مہتم بالشان توحید کا قبول کرنا ہے آگے فرماتے ہیں کہ ان لوگوں نے بجائے توحید اور شکر کے شرک اور کفر کو اختیار کر رکھا ہے۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ

اورانہوں نے خدا کے سوااور معبود قرار دے رکھے ہیں اس امید پر کہ ان کو

يُنْصَرُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَهُمْ لَهُمْ

مدد ملے (لیکن) وہ ان کی کچھ مدد کر ہی نہیں سکتے اور وہ ان لوگوں کے حق میں

جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿۷۵﴾

ایک فریق (مخالف) ہو جاویں گے جو حاضر کئے جاویں گے

اور وہاں حاضر ہو کر ان کی مخالفت ظاہر کریں گے ربط اوپر مشرکین کا باوجود حق واضح ہو جانے کے توحید قبول نہ کرنا اور باوجود بتوں کی عاجزی ظاہر ہو جانے کے شرک اختیار کرنا مذکور تھا جس سے ان کا غایت درجہ احمق یا نہایت درجہ سرکش ہونا لازم آتا ہے آگے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرماتے ہیں کہ جب یہ لوگ ایسی صاف صاف باتوں میں مخالفت کرتے ہیں تو آپ ان کی حالت پر غم نہ کریں۔

فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ

تو ان لوگوں کی باتیں آپ کے لئے آزردگی کا باعث نہ ہونا چاہئے

کیونکہ آزردگی ہوتی ہے امید سے اور امید ہوتی ہے مخاطب کی عقل و انصاف سے اور یہاں بجائے عقل کے غباوت اور بجائے انصاف کے عناد ہے پھر کیا امید پھر غم کیوں آگے دوسرے طور پر تسلی کی تاکید فرماتے ہیں۔

اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۶﴾

بیشک ہم سب جانتے ہیں جو کچھ وہ دل میں رکھتے ہیں اور جو کچھ یہ ظاہر کرتے ہیں

پس وقت پر ان کو کافی سزا ملے گی۔

ربط: خاتمہ سورت میں پھر قیامت کے مضمون کی طرف عود ہے البتہ اتنا فرق ہے کہ اوپر قیامت کے واقعات کا زیادہ ذکر تھا اور آگے دلیل کا پہلو زیادہ ہے کیونکہ وہاں قیامت کے وقت سے سوال ہوا تھا اور یہاں اس کے ممکن ہونے پر اعتراض ہوا تھا چنانچہ شان نزول یہ ہے کہ عاص بن وائل ایک بوسیدہ ہڈی لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کو چٹکی میں مل کر کہنے لگا کہ کیا ایسی حالت کے بعد یہ پھر زندہ ہوگی آپ نے فرمایا ہاں اور تو دوزخ میں جائے گا۔ اگلی آیتیں اسی قصہ میں نازل ہوئیں۔ اولم یر الانسان تا الیہ ترجعون

اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ

کیا آدمی کو یہ معلوم نہیں کہ ہم نے اس کو نطفہ سے پیدا کیا

جس کا مقتضا تو یہ تھا کہ اپنی اس حالت کو یاد کر کے اول تو اپنی حقارت اور خالق کی عظمت کی وجہ سے انکار کی جرات اور اعتراض کی گستاخی سے طبعاً شرماتا دوسرے خود اس حالت ہی سے دوبارہ زندہ ہونے پر استدلال کرتا کہ جس نے بے جان نطفہ سے جاندار آدمی بنا دیا ہے وہ بے جان ہڈی میں بھی جان ڈال سکتا ہے مگر اس نے ایسا نہ کیا۔

فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۷﴾ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا

سو وہ علانیہ اعتراض کرنے لگا اور اس نے ہماری شان میں ایک عجیب مضمون بیان کیا

عجیب اس لئے کہا کہ اس سے قدرت کا انکار لازم آتا ہے

وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ؕ

اور اپنی اصل کو بھول گیا

کہ نطفہ ایک حقیر چیز ہے جس سے ہم نے اس کو انسان بنایا ہے اگر اپنی اصل کو نہ بھولتا تو ایسی بات نہ کہتا

قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ﴿۷۸﴾ قُلْ

کہتا ہے کہ ہڈیوں کو (خصوص) جبکہ وہ بوسیدہ ہوگئی ہوں کون زندہ کرے گا آپ

يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ

جواب دے دیجئے کہ ان کو وہ زندہ کرے گا جس نے اول بار میں ان کو پیدا کیا ہے

جب کہ وہ حیات سے بہت ہی دور تھیں اور اب تو وہ ایک بار حیات کو قبول بھی کر چکی ہیں اب ان کا زندہ کرنا کیا دشوار ہے۔

وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾

اور وہ سب طرح کا پیدا کرنا جانتا ہے

ابتداءً پیدا کرنا بھی اور دوبارہ پیدا کرنا بھی اسے کچھ مشکل نہیں

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا

وہ ایسا قادر ہے کہ بعض ہرے درخت سے تمہارے لئے آگ

فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ﴿۸۰﴾ اَوَلَيْسَ الَّذِيْ

پیدا کر دیتا ہے پھر تم اس سے اور آگ سلگا لیتے ہو

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ

اور جس نے آسمان اور زمین پیدا کیے کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ ان جیسے

يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ

آدمیوں کو دوبارہ پیدا کر دے

چنانچہ عرب میں ایک درخت تھا مرخ اور ایک عفار ان سے چقماق کا کام لیتے تھے پس جب پانی میں وہ آگ پیدا کر دیتے ہیں حالانکہ پانی کا اثر ہی سرسبزی اور ہرا پن ہے تو جماد میں حیات پیدا کرنا کیا مشکل ہے کیونکہ وہاں تو آگ کے ساتھ پانی بھی رہتا ہے اور یہاں حیات کے بعد وہ جماد نہ رہے گا تو وہ اس سے زیادہ عجیب ہے

یہ کلام ایسا ہے جیسا کہ ہمارے محاورہ میں بوتے ہیں کہ میں تم جیسوں کو کیا سمجھتا ہوں یعنی تم کو بھی اور تم جیسوں کو بھی میں کچھ نہیں سمجھتا

بَلٰى ۗ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۱﴾ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ

ضرور قادر ہے اور وہ بڑا پیدا کرنے والا خوب جاننے والا ہے جب وہ کسی چیز کا ارادہ

اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۸۲﴾

کرتا ہے تو بس اس کا تو یہ معمول ہے کہ اس چیز کو کہتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے

پھر اس کو کیا بات مشکل ہو سکتی ہے

فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ

تو اس کی پاک ذات ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا پورا اختیار ہے

یعنی وہ عاجزی وغیرہ کے نقص سے پاک ہے

وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ ع

اور تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے

یعنی اب یہ دعوے تمام شبہات سے سالم ہو گیا

(۳۷) سُوْرَةُ الصّٰٓفّٰتِ مَكِّيَّةٌ (۵۶)

سورہ صٰفّٰت مکے میں نازل ہوئی اس میں ایک سو بیاسی آیتیں اور پانچ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم کرنے والے ہیں

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ﴿۱﴾

قسم ہے ان فرشتوں کی جو صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں

عبادت میں

فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ﴿۲﴾

پھر ان فرشتوں کی جو بندش کرنے والے ہیں

شیاطین کی آسمانی خبریں لانے سے

فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ﴿۳﴾

پھر ان فرشتوں کی جو ذکر کی تلاوت کرنے والے

یعنے خدا کی تسبیح وتقدیس کرتے ہیں

اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ؕ ﴿۴﴾

کہ تمہارا معبود برحق ایک ہے

یعنی خدا کی تسبیح وتقدیس کرتے ہیں

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ

وہ پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے اور

الْمَشَارِقِ ؕ ﴿۵﴾

پروردگار ہے طلوع کرنے کے مواقع کا

مغارب بھی اس لفظ مشارق سے خود مفہوم ہو گیا اس لئے اظہار کی حاجت نہیں

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ِۨالْكَوَاكِبِ ﴿۶﴾

ہم ہی نے رونق دی ہے اس طرف والے آسمان کو ایک عجیب آرائش یعنی ستاروں کے ساتھ

اس آیت سے ستاروں کا اسی آسمان پر ہونا بظاہر معلوم ہوتا ہے بہر کیف ستاروں سے اس آسمان کی زینت ہونے میں تو کلام نہیں

وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ﴿۷﴾ لَا يَسَّمَّعُوْنَ

اور حفاظت بھی کی ہے ہر شریر شیطان سے ۔ وہ شیاطین عالم بالا کی

إِلَى الْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ

طرف کان بھی نہیں لگا سکتے

یعنی فرشتوں کی باتیں نہیں سن سکتے کیونکہ اکثر تو مار کے خوف سے دور ہی دور رہتے ہیں اور اگر کبھی اتفاقاً آنے کی کوشش کرتے بھی ہیں تو بری طرح خبر لی جاتی ہے جس کا آگے بیان ہے۔

وَيُقْذَفُونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ⑧

اور وہ ہر طرف سے مار کر دھکے دے دیئے جاتے ہیں

شیاطین کی اس حالت کے بیان کرنے سے شرک کا ابطال ہوگیا کہ جن شیطانوں کو تم خدا کا شریک قرار دیتے ہو وہ اس درجہ ذلیل وخوار ہیں کہ عالم بالا تک ان کو رسائی تو میسر ہے نہیں اس سے زیادہ قدر ومنزلت ان کی کیا ہوگی پھر وہ خدائی کے مستحق کب ہو سکتے ہیں نیز اس سے رسالت محمدیہ کے صحیح ہونے پر بھی اشارہ ہوگیا کہ اس قرآن میں کہانت کا احتمال نہیں کیونکہ اب شیاطین آسمان کی خبریں نہیں سن سکتے اور یہ بات کاہنوں کی زبانی بھی عام لوگوں کو معلوم ہوگئی تھی کاہن خود اقرار کرتے تھے کہ اب شیاطین پہلے کی طرح ہمارے پاس آسمانی خبریں نہیں لاتے

دُحُورًا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ ⑨

اور ان کے لئے دائمی عذاب ہوگا

یہ دائمی عذاب کفر کی وجہ سے ہوگا

إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ

مگر جو شیاطین کچھ خبر لے ہی بھاگے تو ایک دہکتا ہوا شعلہ اس کے پیچھے لگ

ثَاقِبٌ ⑩

لیتا ہے

کہ اس کو جلا پھونک کر ہلاک کر دیتا ہے پس خبر سننے کے بعد کسی کو پہنچا نہیں سکتا غرض کہ شیاطین خبر سننے کا قصد کر کے ناکام رہتے ہیں اور سننے سے پہلے ہی مار کر بھگا دئے جاتے ہیں اور شہاب ثاقب سے شیاطین کے رجم کی تحقیق سورۂ حجر میں گزر چکی ہے پس یہ تمام تر انتظامات وتصرفات توحید پر دلالت کرتے ہیں اور اگر چہ اس دلیل کے بعض مقدمات صرف قرآن ہی کے بیان سے معلوم ہوئے ہیں لیکن خود قرآن کی صحت دلیل عقلی سے ثابت ہے اس لئے توحید پر یہ استدلال عقلی ہی رہا ربط اوپر توحید کا بیان تھا آگے قیامت میں دوبارہ زندہ ہونے کو ثابت کرتے ہیں جس کے ممکن ہونے پر توحید کی دلیل کے بعض اجزاء سے استدلال بھی ہو چکا ہے جیسا کہ فاستفتهم میں فا داخل کر کے اس طرف اشارہ کیا گیا یعنے جب دلائل توحید میں حق تعالیٰ کے اور تصرفات پر قدرت اور مخلوقات کا اس کی قدرت کے تحت میں ہونا معلوم ہوگیا (آگے ترجمہ) فاستفتهم تا عباد الله الصالحين

فَاسْتَفْتِهِمْ أَهُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمْ مَنْ خَلَقْنَا ۚ

تو آپ ان سے پوچھیے کہ یہ لوگ بناوٹ میں زیادہ سخت ہیں یا ہماری پیدا کی ہوئی یہ چیزیں

جن کا ابھی ذکر ہوا ہے سو واقع میں یہی چیزیں سخت ہیں

إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِنْ طِينٍ لَازِبٍ ⑪

کیونکہ ہم نے ان لوگوں کو چپکتی مٹی سے پیدا کیا ہے

یعنی آدم علیہ السلام کو اسی معمولی مٹی سے پیدا کیا ہے جس میں نہ کچھ قوت ہے نہ سختی اور انسان جو اس سے بنا ہے وہ بھی زیادہ قوی اور سخت نہیں پس جب ہم مضبوط اور سخت چیزوں کے پیدا کرنے پر قادر ہیں تو کمزور اور نرم چیز کے دوبارہ پیدا کرنے پر کیوں نہ قدرت ہوگی مگر باوجود ایسی واضح دلیل کے بھی یہ لوگ قیامت کے قائل نہیں ہوتے

بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُونَ ⑫

بلکہ آپ تو تعجب کرتے ہیں اور یہ لوگ تمسخر کرتے ہیں

یعنی آپ کو تو اس پر تعجب ہے کہ یہ ایک قیامت کو غیر ممکن سمجھ کر خدا کی قدرت کا انکار کیسے کرتے ہیں اور یہ لوگ انکار سے بڑھ کر اس دعوائے بعث سے تمسخر کرتے ہیں

وَإِذَا ذُكِّرُوا لَا يَذْكُرُونَ ⑬ وَإِذَا رَأَوْا آيَةً

اور جب ان کو سمجھایا جاتا ہے تو یہ نہیں سمجھتے اور جب یہ کوئی معجزہ دیکھتے ہیں

جو آپ کی نبوت ثابت کرنے کے لئے دکھلایا جاتا ہے جس سے قیامت کا واقع ہونا بھی ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ جب آپ کا نبی ہونا ثابت ہو جاوے گا تو یہ بھی ثابت ہو جاوے گا کہ جو کچھ آپ فرما رہے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے۔

يَسْتَسْخِرُونَ ⑭ وَقَالُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ⑮

تو (خود) اس کی ہنسی اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو صریح جادو ہے

کیونکہ اگر یہ معجزہ ہو تو اس سے نبوت کا ثبوت اور مدعی نبوت کے اس دعوی

کا سچا ہونا لازم آتا ہے کہ ہم مر کر دوبارہ زندہ ہوں گے حالانکہ یہ محال ہے۔

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۱۶﴾

(کیونکہ) بھلا جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں ہو گئے تو کیا

اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۱۷﴾ قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿۱۸﴾

ہم (پھر) زندہ کئے جاویں گے اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی۔
آپ کہہ دیجئے کہ ہاں (ضرور زندہ ہوگے) اور تم ذلیل بھی ہوگے

جو شخص دلیل کے بعد بھی عناد اور ہٹ دھرمی سے انکار کرے اس کے لئے ایسا ہی جواب مناسب ہے قیامت کو دلیل سے ثابت کرنے کے بعد آگے اس کے واقعات بیان فرماتے ہیں۔

فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۱۹﴾

پس قیامت تو بس ایک للکار ہوگی (یعنی نفخہ ثانیہ) سو سب یکایک دیکھنے بھالنے لگیں

وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۲۰﴾ هٰذَا يَوْمُ

گے اور کہیں گے ہائے ہماری کم بختی یہ تو وہی روز جزا (معلوم ہوتا) ہے (ارشاد ہوگا کہ

الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۱﴾

ہاں یہ وہی فیصلہ کا دن ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے جمع کرلو ظالموں کو

یعنی جو شرک اور کفر کے بانی اور پیشوا تھے

اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ

اور ان کے ہم مشربوں کو

یعنی جو ان کے تابع تھے۔

وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۲۲﴾

اور ان معبودوں کو جن کی وہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کیا کرتے تھے

یعنی شیاطین اور بت وغیرہ

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ﴿۲۳﴾ الربع

پھر ان سب کو دوزخ کا راستہ بتلاؤ اور (اچھا) ان کو (ذرا)

وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ﴿۲۴﴾ مَا لَكُمْ لَا

ٹھہراؤ ان سے کچھ پوچھا جائے گا تو اب تم کو کیا ہوا ایک دوسرے کی

تَنَاصَرُوْنَ ﴿۲۵﴾

مدد نہیں کرتے

یعنی جو پیشوا اور سردار ہیں خواہ انسانوں میں سے ہوں یا جنوں میں سے وہ اب عذاب کی خبر سن کر ماتحت لوگوں کی کیوں مدد نہیں کرتے جیسا کہ دنیا میں گمراہ کرتے وقت ان کو دھوکے دیتے تھے کہ تم طریقہ شرک اختیار کرو کچھ ضرر نہ ہوگا مگر اس سوال کے بعد بھی کوئی کسی کی مدد نہ کرے گا۔

بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿۲۶﴾

بلکہ وہ سب کے سب اسی روز سرافگندہ (کھڑے) ہوں گے

اور بجائے مدد و اعانت کے آپس میں نفرت اور نزاع کی باتیں شروع ہوں گی

وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۷﴾

اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر جواب سوال (یعنی اختلاف) کرنے لگیں

قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ﴿۲۸﴾

گے (چنانچہ) تابعین کہیں گے کہ ہم پر تمہاری آمد بڑے زور کی ہوا کرتی تھی

یعنی ہم پر خوب زور ڈال کر ہمارے گمراہ کرنے کی کوشش اور اہتمام کرتے تھے۔

قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَمَا كَانَ لَنَا

متبوعین کہیں گے کہ نہیں بلکہ تم خود ہی ایمان نہیں لائے تھے اور ہمارا تم پر کوئی

عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ﴿۳۰﴾

زور تو تھا ہی نہیں بلکہ تم خود ہی سرکشی کیا کرتے تھے۔ سو ہم سب ہی پر ہمارے

فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ﴿۳۱﴾

رب کی یہ (ازلی) بات محقق ہو چکی تھی کہ ہم سب کو مزہ چکھنا ہے

یعنی جب کفر کا ارتکاب ہم نے بھی کیا ہے اور تم نے بھی تو اس سے معلوم ہوا کہ ہم سب کی قسمت میں عذاب بھگتنا لکھا ہوا تھا

فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ﴿۳۲﴾

تو ہم نے تم کو بہکایا ہم خود بھی گمراہ تھے

یعنے اس تقدیر کے پورا ہونے کا یہ سامان ہو گیا کہ ہم نے تم کو بہکایا جس سے تم بااختیار خود بدون ہماری زبردستی کے گمراہ ہوئے ادھر ہم خود بھی

اپنے اختیار سے گمراہ تھے پس دونوں کی گمراہی کے اسباب مجتمع ہو گئے اور تمہاری گمراہی میں تمہارے اختیار کو بھی دخل تھا پھر اپنے کو بری کرنا کیسے چاہتے ہو آگے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَإِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ۝٣٣

وہ تو سب کے سب اس روز عذاب میں (بھی) شریک ہوں گے

کیونکہ دونوں فریق کا کفر میں شریک ہونا ثابت ہے جب جرم میں سب شریک ہیں تو سزا بھی سبھی بھگتیں گے

إِنَّا كَذَٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ ۝٣٤ إِنَّهُمْ كَانُوا

(اور) ہم ایسے مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں وہ لوگ ایسے تھے کہ

إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ ۝٣٥

جب ان سے کہا جاتا تھا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں تو تکبر کیا کرتے تھے

آگے ان کے کفر و جرم کا بیان ہے کہ وہ توحید کے بھی منکر تھے اور رسالت کے بھی

وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُو آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ ۝٣٦

اور کہا کرتے تھے کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک شاعر دیوانہ کی وجہ سے چھوڑ دیں گے

پس اس قول میں توحید اور رسالت دونوں کا انکار ہو گیا آگے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ پیغمبر نہ شاعر ہیں نہ مجنون۔

بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِينَ ۝٣٧

بلکہ یہ تو ایک سچا دین لے کر آئے ہیں اور دوسرے پیغمبروں کی تصدیق کرتے ہیں

یعنی ایسے اصول بتلاتے ہیں جن میں سب رسول متفق ہیں پس وہ اصول حق ہیں کیونکہ ان کے حق ہونے پر بہت دلائل قائم ہیں ان کو خیال بندی کہنا غلط ہے اور حق بات کا بیان کرنا جنون بھی نہیں ہو سکتا

إِنَّكُمْ لَذَائِقُو الْعَذَابِ الْأَلِيمِ ۝٣٨

تم سب کو عذاب چکھنا پڑے گا

اور اس حکم میں تم پر کوئی ظلم نہیں ہوا

وَمَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝٣٩ إِلَّا عِبَادَ

اور تم سب کو اسی کا بدلہ ملے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔ ہاں مگر

اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ۝٤٠

جو اللہ کے خاص کئے ہوئے بندے ہیں

اس سے مراد اہل ایمان ہیں کہ انہوں نے حق کا اتباع کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو مقبول و برگزیدہ بنالیا

أُولَٰئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُومٌ ۝٤١ فَوَاكِهُ ۖ وَهُم

ان کے واسطے ایسی غذائیں ہیں جن کا حال (دوسری صورتوں میں) معلوم

مُّكْرَمُونَ ۝٤٢ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۝٤٣ عَلَىٰ سُرُرٍ

ہو چکا ہے یعنی میوے اور وہ لوگ بڑی عزت سے آرام کے باغوں میں تختوں

مُّتَقَابِلِينَ ۝٤٤ يُطَافُ عَلَيْهِم بِكَأْسٍ مِّن

پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ ان کے پاس ایسا جام (شراب) لایا جاوے

مَّعِينٍ ۝٤٥

گا جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا جاوے گا

جن کا ذکر سورۂ یٰسٓ میں اور جن کی صفت سورۂ واقعہ میں اس سے پہلے معلوم ہو چکی ہے کیونکہ یہ دونوں سورتیں نزول میں سورۂ صٰفٰت میں مقدم ہیں کذا فی الاتقان جس سے اس کی کثرت اور لطافت معلوم ہوئی

بَيْضَاءَ لَذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ ۝٤٦ لَا فِيهَا غَوْلٌ

سفید ہوگی پینے والوں کو لذیذ معلوم ہوگی اور نہ اس میں درد سر ہوگا

جیسا دنیا کی شراب میں ہوتا ہے۔ جس کو خمار کہتے ہیں

وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنزَفُونَ ۝٤٧ وَعِندَهُمْ قَاصِرَاتُ

اور نہ اس سے عقل میں فتور آوے گا اور ان کے پاس نیچی نگاہ والی بڑی بڑی

الطَّرْفِ عِينٌ ۝٤٨ كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُونٌ ۝٤٩

آنکھوں والی (حوریں) ہوں گی گویا وہ بیضے ہیں جو چھپے ہوئے رکھے ہیں

کہ گرد و غبار وغیرہ سے بالکل محفوظ ہوتے ہیں اور یہ تشبیہ محض صفائی میں ہے کیونکہ اہل عرب عورتوں کے لئے اس تشبیہ کو استعمال کیا کرتے ہیں اور خاص رنگت میں انڈے سے تشبیہ دینا مقصود نہیں چنانچہ سورۂ رحمٰن میں ان کے رنگ کو یاقوت اور مونگے سے تشبیہ دی گئی ہے تو یہ مختلف رنگتیں کیسے جمع ہو سکتی ہیں یا یوں کہا جائے کہ سب الوان کچھ دکھتے ہوں گے۔

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۵۰﴾

پھر ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر بات چیت کریں گے ان میں سے ایک

قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّىْ كَانَ لِىْ قَرِيْنٌ ﴿۵۱﴾

کہنے والا کہے گا کہ (دنیا میں) میرا ایک ملاقاتی تھا وہ کہا کرتا تھا کہ کیا

يَّقُوْلُ ءَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ﴿۵۲﴾ ءَاِذَا

تو بعث کے معتقدین میں سے ہے کیا جب ہم مر جاویں گے اور مٹی

مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ﴿۵۳﴾

اور ہڈیاں ہو جاویں گے تو کیا ہم جزا سزا دیئے جاویں گے

یعنی وہ قیامت کا منکر تھا پس ضرور دوزخ میں گیا ہوگا اور جس جنتی کا یہ قصہ یہاں مذکور ہے اس کا نام اور پتہ کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ساری جنت میں ایسا شخص ایک ہی ہو

قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿۵۴﴾

ارشاد ہوگا کہ کیا تم جھانک کر (اس کو) دیکھنا چاہتے ہو

اگر دیکھنا چاہو تو تم کو اجازت ہے اور احقر نے اس کو حق تعالیٰ کا قول قرار دیا ہے اور بعض مفسرین کی طرح اس جنتی آدمی کا قول قرار نہیں دیا کیونکہ حق تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اہل جنت کا ایسا کہنا اور کرنا بعید معلوم ہوتا ہے۔

فَاطَّلَعَ

سو وہ شخص جھانکے گا

خواہ اور لوگ بھی جھانکیں یا نہ جھانکیں اور پہلی صورت میں اسی کا ذکر خصوصیت سے اس لئے کیا گیا کہ اس کو اشتیاق زیادہ تھا اور جھانکنے کی اجازت بھی اسی کے سبب ملی اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت اوپر اور دوزخ نیچے ہے اور اس وقت باہم ان میں ایسی نسبت ہوگی کہ جھانکنے سے دوزخ نظر آ جاوے گی۔

فَرَاٰهُ فِىْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿۵۵﴾

تو اس کو وسط جہنم میں دیکھے گا

وسط سے حقیقی وسط (یعنی بالکل بیچوں بیچ) مراد ہونا ضروری نہیں

قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ﴿۵۶﴾

کہے گا کہ خدا کی قسم تو تو مجھ کو تباہ ہی کرنے کو تھا

یعنی مجھ کو بھی قیامت کا منکر بنانے کی کوشش کیا کرتا تھا۔

وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّىْ

اور اگر میرے رب کا مجھ پر فضل نہ ہوتا

کہ مجھ کو خدا نے صحیح اعتقاد پر قائم رکھا

لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَمَا نَحْنُ

تو میں بھی ماخوذ لوگوں میں ہوتا کیا ہم بجز پہلی بار کے

بِمَيِّتِيْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا

مر چکنے کے اب نہیں مریں گے اور نہ

نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۵۹﴾

ہم کو عذاب ہوگا

یہ بات اہل جنت سے اور اسی طرح پہلی بات اس کافر ملاقاتی کے متعلق اور اس کو جھانکنا اور دیکھنا اس سے باتیں کرنا یہ سب خوشی کے جوش میں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو سب آفات اور کلفتوں سے بچا لیا اور ہمیشہ کے لئے بےفکر کر دیا آگے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے لوگو! یہ جو کچھ جنت کی روحانی وجسمانی نعمت مذکور ہوئی ہے بڑی دولت ہے۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۰﴾ لِمِثْلِ

یہ بیشک بڑی کامیابی ہے ایسی ہی کامیابی کے لئے

هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے

یعنی ایمان لانا اور اطاعت کرنا چاہئے۔ آگے دونوں کے عذاب و ثواب کا مقابلہ کر کے اہل ایمان کو رغبت دلاتے اور کفار کو ڈراتے ہیں

اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا

بھلا یہ دعوت بہتر ہے

جو اہل ایمان کے لئے جنت کی نعمتوں سے ہوگی

اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿۶۲﴾

یا زقوم کا درخت

جو کفار کے لئے ہے بیضاوی نے لکھا ہے کہ زقوم ایک درخت کا نام ہے جس کے چھوٹے چھوٹے پتے ہوتے ہیں اور بدبودار اور تلخ ہوتا ہے تھامہ میں بکثرت پیدا ہوتا ہے اھ ہندوستان میں اس کے قریب تھوہر اور سینڈھ کا درخت ہوتا ہے۔

إِنَّا جَعَلْنَاهَا فِتْنَةً لِّلظَّالِمِينَ ﴿٦٣﴾

ہم نے اس درخت کو ظالموں کے لئے موجب امتحان بنایا ہے

یعنی وہ درخت آخرت میں تو ان کے لئے عذاب ہے ہی دنیا میں بھی امتحان کا سبب ہے کہ دیکھیں اس کو سن کر تصدیق کرتے ہیں یا جھٹلاتے اور دل لگی کرتے ہیں چنانچہ کفار تکذیب اور دل لگی سے پیش آئے کہنے لگے کہ زقوم تو مسکہ اور چھوارے کو کہتے ہیں وہ تو خوب مزیدار اور لذیذ چیز ہے لغت عرب میں زقوم کے ایک معنی یہ بھی ہیں مگر جب اس کے ساتھ شجر کا لفظ بڑھا دیا گیا اور بتلا دیا گیا کہ یہاں زقوم سے درخت مراد ہے تو اب اس احتمال کی بالکل گنجائش نہ رہی تھی مگر کفار کو تو محض شرارت مقصود تھی اور یہ بھی کہنے لگے کہ زقوم اگر درخت ہے تو دوزخ کی آگ میں درخت کیسے ہو سکتا ہے آگے اس کا جواب دیتے ہیں

إِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِي أَصْلِ الْجَحِيمِ ﴿٦٤﴾

وہ ایک درخت ہے جو قعر دوزخ میں سے نکلتا ہے

یعنے مسکہ اور چھوہارہ نہیں اور وہ خود آگ ہی میں پیدا ہوتا ہے اس لئے وہاں اس کا رہنا کچھ بعید نہیں جیسے سمندر جانور کہ آگ ہی میں پیدا ہوتا ہے اور آگ ہی میں رہتا ہے اس سے دونوں باتوں کا جواب ہو گیا آگے اس کی کیفیت مذکور ہے۔

طَلْعُهَا كَأَنَّهُ رُءُوسُ الشَّيَاطِينِ ﴿٦٥﴾

اس کے پھل ایسے ہیں جیسے سانپ کے پھن

بدنمائی اور بدصورتی میں اس کو سانپ کے پھن سے تشبیہ دی گئی ہے جیسے ہندوستان میں ایک خاردار درخت کو ناگ پھن کہتے ہیں اور سانپوں کو ایذا رسانی و خباثت کی وجہ سے شیاطین کہتے ہیں غرض ایسے درخت سے ظالموں کی دعوت ہوگی۔

فَإِنَّهُمْ لَآكِلُونَ مِنْهَا فَمَالِئُونَ مِنْهَا

تو وہ لوگ اس سے کھاویں گے اور اسی سے پیٹ

الْبُطُونَ ﴿٦٦﴾ ثُمَّ إِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ

بھریں گے پھر ان کو کھولتا ہوا پانی (پیپ میں)

حَمِيمٍ ﴿٦٧﴾ ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَإِلَى

ملا کر دیا جاوے گا پھر اخیر ٹھکانا ان کا دوزخ

الْجَحِيمِ ﴿٦٨﴾

ہی طرف ہوگا

یعنی اسی پر مصیبت کا خاتمہ نہ ہوگا بلکہ اس کے بعد بھی پھر ہمیشہ کے لئے دوزخ ہی میں رہنا ہوگا آگے اس سزا کی وجہ بتلاتے ہیں۔

إِنَّهُمْ أَلْفَوْا آبَاءَهُمْ ضَالِّينَ ﴿٦٩﴾ فَهُمْ عَلَىٰ

کیونکہ انہوں نے اپنے بڑوں کو گمراہی میں پایا تھا پھر یہ بھی انہیں کے قدم

آثَارِهِمْ يُهْرَعُونَ ﴿٧٠﴾

بقدم تیزی کے ساتھ چلتے تھے

یعنی انہوں نے ہدایت خداوندی کا اتباع نہیں کیا تھا بلکہ شوق اور رغبت کے ساتھ اپنے بڑوں کی بے راہی پر چلتے تھے اور یہ حکم اکثر کفار کے اعتبار سے ہے۔

وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٧١﴾

اور ان سے پہلے بھی اگلے لوگوں میں اکثر گمراہ ہو چکے ہیں اور ہم نے

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيهِم مُّنذِرِينَ ﴿٧٢﴾ فَانظُرْ

ان میں بھی ڈرانے والے (پیغمبر) بھیجے تھے۔ سو دیکھ لیجئے کہ ان

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنذَرِينَ ﴿٧٣﴾

لوگوں کا کیسا برا انجام ہوا جن کو ڈرایا گیا تھا

کہ انہوں نے رسولوں کا کہنا نہ مانا تھا تو ان پر دنیا ہی میں کیا کیا عذاب نازل ہوا۔

إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿٧٤﴾

ہاں مگر جو خدا کے خاص کئے ہوئے بندے تھے

یعنی ایمان والے کہ وہ اس دنیوی عذاب سے بھی محفوظ رہے اور

اخروی عذاب سے ان کے محفوظ رہنے کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ ربط اوپر توحید اور آخرت کا مضمون تھا اور ختم پر لقد ارسلنا الخ میں اجمالاً مسئلہ رسالت کو ثابت کیا تھا کہ ہم پہلے بھی پیغمبر بھیج چکے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں آگے اس اجمال کی تفصیل کے لئے انبیاء علیہم السلام کے قصے مذکور ہوتے ہیں اور چونکہ سب انبیاء توحید کی دعوت دیتے تھے اس سے توحید کی بھی تائید ہوگئی۔ ولقد نادٰنا تا اغرقنا الاخرین

وَلَقَدْ نَادٰنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿٧٥﴾

اور ہم کو نوح نے پکارا سو ہم خوب فریاد سننے والے ہیں اور ہم نے

وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿٧٦﴾

ان کو اور ان کے تابعین کو بڑے بھاری غم سے نجات دی

غم وہ جو کفار کی تکذیب وایذا سے پیش آیا تھا اور نجات اس طرح دی کہ طوفان سے کفار کو غرق کر دیا اور ان کو اور ان کے متبعین کو بچالیا

وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴿٧٧﴾

اور ہم نے باقی ان ہی کی اولاد کو رہنے دیا

اس کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ ان ہی کی اولاد کی نسل چلی کیونکہ کفار تو غرق ہو گئے اور باقی کشتی والوں سے بھی کسی کی نسل نہیں چلی پس اب جس قدر آدمی دنیا میں ہیں سب کا نسب نوح علیہ السلام پر پہنچتا ہے جیسا کہ ترمذی نے اس آیت کی تفسیر میں دو حدیثیں نقل کی ہیں اول یہ کہ نوح علیہ السلام کے تین بیٹے ہیں۔ سامؑ حام یافث اور دوسری یہ کہ سام اہل عرب کے باپ ہیں اور حام اہل حبش کے اور یافث اہل روم کے اور بظاہر قرآن کی آیات سے طوفان کا تمام روئے زمین کے لئے عام ہونا معلوم ہوتا ہے اور ترمذی کی مذکورہ روایتوں سے بھی ظاہراً اسی کی تائید ہوتی ہے اور جمہور نے اسی کو اختیار کیا ہے اور اس صورت میں نوح علیہ السلام کی نبوت کے عام ہونے کا شبہ ہوتا ہے اس کا جواب سورۂ آل عمران کی آیت فلما احس عیسیٰ الخ کی تفسیر میں گزر چکا ہے اور ممکن ہے کہ اس وقت دنیا کی آبادی خاص اسی مقام تک محدود ہو جہاں نوح علیہ السلام تشریف رکھتے تھے اور اس سے نبوت کا عام ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ نبوت کا عام ہونا یہ ہے کہ جب زمین مختلف قوموں سے بکثرت آباد ہو ان سب کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہو ورنہ آدم علیہ السلام کی نبوت کا بھی عام ہونا لازم آئے گا۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿٧٨﴾ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ

اور ہم نے ان کے لئے پیچھے آنے والوں میں یہ بات رہنے دی کہ نوح پر

فِي الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٩﴾

سلام ہو عالم والوں میں

یعنے خدا کرے ان پر تمام جہان والے جن اور انسان اور فرشتے سلام بھیجا کریں چنانچہ انبیاء علیہم السلام کے لئے علیہ السلام کہنا اسی عبارت کے حکم میں ہے اس کا یہی مطلب ہے کہ تمام جہان کا سلام ان کو پہنچے۔

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٨٠﴾

ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں

اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمام مخلصین کو یکساں صلہ دیا کرتے ہیں بلکہ معنے یہ ہیں کہ مخلصین کو اچھا بدلہ دیا کرتے ہیں اب جس مرتبہ کا اخلاص ہوگا اسی مرتبہ کا بدلہ ہوگا پس انبیاء اور غیر انبیاء کی برابری لازم نہیں آتی۔ و ان من شیعته لابراھیم تا لنفسه مبین

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨١﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا

بیشک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے پھر ہم نے دوسرے لوگوں کو

الْاٰخَرِيْنَ ﴿٨٢﴾ وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿٨٣﴾

(یعنی کافروں کو) غرق کر دیا اور نوح کے طریقہ والوں میں سے ابراہیم بھی تھے

یعنی وہ بھی نوح علیہ السلام کے ساتھ اصول شریعت میں متفق تھے۔

اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿٨٤﴾

جبکہ وہ اپنے رب کی طرف صاف دل سے متوجہ ہوئے

صاف دل کا مطلب یہ ہے کہ برے عقائد اور ریا وغیرہ سے ان کا دل پاک تھا جس کا حاصل یہ ہے کہ ان کی توحید اور اخلاص کامل تھا۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٨٥﴾

جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کس واہیات چیز کی

اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿٨٦﴾ فَمَا

عبادت کیا کرتے ہو کیا جھوٹ موٹ کے معبودوں کو اللہ کے سوا چاہتے ہو تو

ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٧﴾

تمہارا رب العالمین کے ساتھ کیا خیال ہے

یعنی تم نے اس کی عبادت ترک کر رکھی ہے تو کیا اس کے معبود ہونے

میں کوئی شبہ ہے سو اول تو ایسا نہ ہونا چاہئے اور اگر شبہ ہے تو اس کو رفع کرنا چاہئے غرض یوں ہی بحث ومباحثہ ہوتا رہتا تھا ایک بار کا واقعہ ہے کہ ان کا کوئی تیوہار آیا قوم نے ان سے بھی درخواست کی کہ ہمارے میلہ میں چلو اور شاید ان کی یہ غرض ہو کہ ہماری شان وشوکت دیکھ کر ہمارے طریقہ کی کچھ وقعت ان کے دل میں پیدا ہو جائے اور ابراہیم علیہ السلام کو یہ منظور تھا کہ میں اکیلا رہ جاؤں تو یہاں ان کے بتوں کی مرمت کروں اس لئے آپ نے ایک بہانہ سے ان کو ٹال دیا

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ﴿٨٨﴾ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ﴿٨٩﴾

سو ابراہیم نے ستاروں کو ایک نگاہ بھر کر دیکھا اور کہہ دیا کہ میں بیمار ہونے کو ہوں

ابراہیم علیہ السلام کا ستاروں کو دیکھنا قوم کو وہم میں ڈالنے کے لئے تھا کہ وہ چونکہ ستاروں کی تاثیر کے قائل تھے اس لئے یہ سمجھے کہ ان کو نجوم کا کوئی قاعدہ آتا ہوگا جس سے ستارہ کی رفتار دیکھ کر ان کو معلوم ہو گیا کہ میں تھوڑی دیر میں بیمار ہو جاؤں گا اور چونکہ وہ لوگ نجوم کے معتقد تھے اس لئے ان پر کچھ اصرار نہیں کیا اور ابراہیمؑ کی غرض ستاروں کے دیکھنے سے وہی تھی جو شریعت میں محمود ہے یعنی آسمان کو دیکھ کر حق تعالیٰ کے کمال اور عظمت پر نظر کرنا (جس سے اشارۃً ان کو یہ بتلانا مقصود تھا کہ میں تمہارے بتوں کا قائل نہیں بلکہ اس خدا کو مانتا ہوں جس نے یہ آسمان اور ستارے پیدا کئے ہیں) اور بیمار ہونے کا یہ مطلب تھا (کہ مجھ کو میلہ میں جا کر تمہاری حرکتوں سے سخت کلفت ہوگی یا یہ) کہ میں آئندہ کبھی تو بیمار ہوں گا کیونکہ موت کا آنا یقینی ہے اور موت سے پہلے آدمی بیمار ہوا ہی کرتا ہے شبہ نہ کیا جائے کہ اس طرح ستاروں کو دیکھ کر جواب دینا ان لوگوں کی گمراہی کا سبب تھا کہ وہ ابراہیم کو بھی نجوم کا معتقد سمجھنے لگے ہوں گے جواب یہ ہے کہ وہ لوگ تو پہلے ہی سے گمراہ تھے سو تھوڑی دیر ان کا اور گمراہ رہنا اس لئے مضر نہیں تھا کہ آپ اس طریقہ سے آئندہ موقعہ پا کر ان سے صاف صاف مناظرہ کرنے والے تھے دوسرے آپ پہلے بھی ان سے بہت مناظرے کر چکے تھے جن سے وہ لوگ یہ جانتے تھے کہ آپ نجوم کے معتقد نہیں تو ان صاف اور صریح باتوں کے ہوتے ہوئے اس وہم کا کیا اثر ہو سکتا تھا۔ تیسرے آپ کا اصل مقصود اپنی جان چھڑانا تھا تا کہ آئندہ ان سے مناظرہ کر کے ان کی حجت قطع کر دیں تو ایسی ضرورت میں ایسا وہمی ضرر قابل اعتبار نہیں ہوتا

فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ ﴿٩٠﴾

غرض وہ لوگ ان کو چھوڑ کر چلے گئے

کہ ناحق بیماری میں ان کو بھی اور ان کی وجہ سے اوروں کو بھی تکلیف ہوگی۔

فَرَاغَ إِلَىٰ آلِهَتِهِمْ فَقَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ﴿٩١﴾ ج

تو یہ ان کے بتوں میں جا گھسے اور کہنے لگے کیا تم کھاتے نہیں ہو تم کو

مَا لَكُمْ لَا تَنطِقُونَ ﴿٩٢﴾

کیا ہوا تم تو بولتے بھی نہیں ہو

بتوں سے یہ سب باتیں تحقیر اور استہزاء کے طور پر فرمائیں۔

فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ ﴿٩٣﴾

پھر ان قوت کے ساتھ جا پڑے اور مارنے لگے

اور کلہاڑی وغیرہ سے ان کو توڑ پھوڑ دیا جیسا کہ دوسری آیت میں ہے فجعلھم جذاذا الخ اس کی اطلاع ان کی قوم کو بھی ہوئی

فَأَقْبَلُوا إِلَيْهِ يَزِفُّونَ ﴿٩٤﴾

سو وہ لوگ ان کے پاس دوڑتے ہوئے آئے

گھبرائے ہوئے غصہ میں آئے اور گفتگو شروع ہوئی

قَالَ أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ ﴿٩٥﴾

ابراہیم نے فرمایا کہ کیا تم ان چیزوں کو پوجتے ہو جن کو خود تراشتے ہو

یعنے اپنے ہاتھوں سے بناتے ہو تو جو تمہارا محتاج ہوگا وہ کیا خدا ہوگا

وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ﴿٩٦﴾

حالانکہ تم کو اور تمہاری ان بنائی ہوئی چیزوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے

سو عبادت اس کی کرنا چاہئے جب وہ لوگ مناظرہ میں مغلوب ہوئے اور کچھ جواب نہ بن پڑا تو جھلا کر ایذا رسانی کے درپے ہوئے

قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيمِ ﴿٩٧﴾

وہ لوگ کہنے لگے کہ ابراہیم کے لئے آتش خانہ تعمیر کرو اور ان کو دہکتی ہوئی آگ میں ڈال

فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَلِينَ ﴿٩٨﴾

دو غرض ان لوگوں نے ابراہیم کے ساتھ برائی کرنی چاہی سو ہم نے ان ہی کو نیچا دکھایا

جس کا قصہ سورۃ انبیاء میں گزر چکا ہے اور ہم نے جو یہ کہا ہے کہ ابراہیمؑ کا ستاروں کو دیکھنا قوم کو وہم میں ڈالنے کے لئے تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ علم نجوم شرعاً مذموم ہے خواہ اس لئے کہ وہ اصل ہی سے باطل ہے اور ستاروں میں سعادت ونحوست کچھ نہیں یا اس وجہ سے کہ ستاروں میں

سعادت ونحوست نہ ہونے کا گو ثبوت نہ ہو مگر ہونے کا بھی ثبوت نہیں اور اس کے قواعد کسی صحیح دلیل سے ثابت نہیں پھر اس پر بہت سے مفاسد مرتب ہوتے ہیں اعتقاد کا خراب ہونا شرک صریح میں مبتلا ہونا خدا پر توکل کمزور ہو جانا اور علوم نافعہ سے محروم رہنا وغیرہ وغیرہ اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ابراہیمؑ نے علم نجوم سے یہ خبر دی تھی اور قرآن میں جو بعض ایام کی نسبت نحوست کا ذکر ہے جیسے **ایام نحسات و یوم نحس مستمر** تو اس سے یہ شبہ کرنا محض غلط ہے کیونکہ وہاں عذاب کی نحوست مراد ہے جو انہی لوگوں کے ساتھ خاص تھی جن پر عذاب نازل ہوا تھا مطلقاً ایام کی نحواست مراد نہیں ورنہ پہلی آیت کے موافق پورا ہفتہ منحوس ہونا چاہئے کیونکہ **ایام نحسات** کی تفسیر خود قرآن میں **سبع لیال و ثمانية ایام** یعنی سات راتیں اور آٹھ دن آئی ہے حالانکہ نجومی پورے ہفتہ کو منحوس نہیں کہتے اور دوسری آیت کی تفسیر میں چارشنبہ کا دن مذکور ہوا ہے حالانکہ نجومی چارشنبہ کو منحوس نہیں کہتے اور بعض واقعات کا اہل نجوم کے قول کے موافق ہونا اگر اس کے سچے ہونے کی دلیل ہے تو ان سے زیادہ واقعات کا خلاف ہونا اس کے غلط ہونے کی بدرجہ اولیٰ دلیل ہوگی اور یہ جو منقول ہے کہ فرعون کو موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اور ان کے ہاتھ سے اس کی سلطنت تباہ ہونے کی خبر نجوم سے دی گئی تھی سو ممکن ہے کہ وہ خبر کہانت سے دی گئی ہو کیونکہ پہلے کچھ آسمانی خبریں شیاطین کے ذریعہ سے معلوم ہو جاتی تھیں

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿۹۹﴾

اور ابراہیم کہنے لگے کہ میں تو اپنے رب کی طرف چلا جاتا ہوں وہ مجھ کو (اچھی جگہ) پہنچا ہی دے گا

چنانچہ ملک شام میں جا پہنچے

رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَبَشَّرْنٰهُ

اے میرے رب مجھ کو ایک نیک فرزند دے سو ہم نے ان کو ایک نیک فرزند

بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ﴿۱۰۱﴾

کی بشارت دی

اس میں اختلاف ہوا ہے کہ یہ فرزند جن کے ذبح کرنے کا حکم ہوا اسماعیل ہیں یا اسحاقؑ بظاہر آیت کے سیاق سے اسماعیل معلوم ہوتے ہیں کیونکہ یہاں فرزند کی بشارت کے بعد ذبح کا قصہ مذکور ہوا ہے پھر قصہ ذبح کے بعد اسحاق کی بشارت مذکور ہے اس سے معلوم ہوا کہ ذبح کا قصہ اسحاق علیہ السلام کی بشارت سے پہلے ہوا ہے اور ان سے پہلے فرزند اسماعیلؑ ہی تھے اور اس کی تائید دوسری آیۃ سے بھی ہوتی ہے۔ **فبشرناها باسحق و من وراء اسحق یعقوب** (کہ ہم نے سارہ علیہا السلام کو اسحاق کی بشارت دی اور اسحاق کے بعد یعقوبؑ کی بشارت دی) تو جب اسحاق کی بشارت کے ساتھ یہ بشارت بھی دی گئی تھی کہ وہ صاحب اولاد ہوں گے تو ان کے ذبح کے حکم میں عظیم الشان امتحان نہ ہوگا کیونکہ پہلی بشارت سے یہ معلوم ہی ہو چکا تھا کہ یہ زندہ رہیں گے اور ذبح نہ ہوں گے غرض وہ فرزند پیدا ہوا اور ہوشیار ہوا۔

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْٓ اَرٰى

سو جب وہ لڑکا ایسی عمر کو پہنچا کہ ابراہیم کے ساتھ چلنے لگا تو ابراہیم نے فرمایا

فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُكَ

کہ برخوردار میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تم کو بامر الٰہی ذبح کر رہا ہوں

آپ نے ایک خواب میں دیکھا کہ میں اس فرزند کو ذبح کر رہا ہوں اور یہ ثابت نہیں کہ گلا کٹا ہوا بھی دیکھا یا نہیں غرض آنکھ کھلی تو اس وجہ سے کہ انبیاء کا خواب وحی ہوتا ہے اس کو خدا کا حکم سمجھے اور اس کی تعمیل کیلئے آمادہ ہوئے پھر اس خیال سے کہ یہ کام بیٹے کے متعلق بھی ہے خدا جانے اس کی کیا رائے ہو اس کو اطلاع کرنا ضروری سمجھا کہ اگر وہ بھی آمادہ ہو گیا تب تو بےفکری ہے اور اگر آمادہ نہ ہوا تو اس کو سمجھائیں گے اس لئے اس کو بھی اطلاع کر دی

فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا

سو تم بھی سوچ لو کہ تمہاری کیا رائے ہے وہ بولے کہ ابا جان آپ کو جو حکم ہوا ہے آپ

تُؤْمَرُ ز سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ

(بلا تامل) کیجئے انشاء اللہ تعالیٰ آپ مجھ کو سہار کرنے والوں میں سے دیکھیں گے۔

الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۰۲﴾ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ

غرض جب دونوں نے (خدا کے حکم کو) تسلیم کر لیا اور باپ نے بیٹے کو (ذبح کرنے

لِلْجَبِیْنِ ﴿۱۰۳﴾ وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰٓاِبْرٰهِیْمُ ﴿۱۰۴﴾ قَدْ

کیلئے) کروٹ پر لٹایا اور چاہتے تھے کہ گلا کاٹ ڈالیں اس وقت ہم نے ان کو آواز

صَدَّقْتَ الرُّءْیَا ج

دی کہ اے ابراہیم (شاباش ہے) تم نے خواب کو خوب سچ کر دکھایا

یعنی خواب میں جو تم کو حکم ہوا تھا اپنی طرف سے تم نے اس پر پورا عمل کیا اب ہم اس حکم کو منسوخ کرتے ہیں بس ان کو چھوڑ دو اور خواب میں حکم

ہونے کی شاید یہ حکمت ہو کہ ابراہیم علیہ السلام کی فرمانبرداری زیادہ ظاہر ہو کہ خواب کو خیال نہیں سمجھا اور اتنے بڑے کام پر آمادہ ہو گئے غرض ان کو چھوڑ دیا جان کی جان بچ گئی اور بلند مرتبے جدا عطا ہوئے۔

إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿١٠٥﴾

(وہ وقت بھی عجیب تھا) ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں

کہ دونوں جہاں کی راحت ان کو عطا کرتے ہیں

إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ﴿١٠٦﴾

حقیقت میں یہ تھا بڑا امتحان

جس کو کامل مخلص کے سوا کوئی دوسرا برداشت نہیں کرسکتا تو ایسے امتحان میں پورا اترنے پر ہم نے ان کو بدلہ بھی بڑا بھاری دیا اور اس میں جیسا ابراہیم علیہ السلام کا امتحان تھا اسماعیل علیہ السلام کا بھی تھا تو جزا و صلہ میں وہ بھی شریک ہوں گے۔

وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ﴿١٠٧﴾

اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ ان کے عوض میں دیا

کہ اسماعیل علیہ السلام کی جگہ وہ ذبح کرایا گیا بعض نے کہا ہے کہ معمولی دنبہ تھا فربہ اور تیار ہونے کی وجہ سے اس کو بڑا ذبیحہ فرمایا اور بعض نے کہا ہے کہ جنت سے بھیجا گیا تھا اور بڑا ذبیحہ اس لئے فرمایا کہ جنت سے آنے کی وجہ سے وہ مرتبہ میں بڑا تھا اور جب حجر اسود وغیرہ کا جنت سے آنا ثابت ہے تو ایک حیوان کا آنا کیا بعید ہے اور یہاں آکر اس میں یہاں کی خاصیت پیدا ہوگئی کہ ذبح کرنے سے اس کی جان نکل گئی پس یہ اشکال نہیں ہوسکتا کہ جنت کی چیز فنا کیسے ہوگئی جواب ظاہر ہے کہ جنت کی چیزیں جنت میں رہ کر فنا نہیں ہوسکتیں باقی دنیا میں آکر ان میں یہاں کی خاصیت پیدا ہوجاتی ہے۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿١٠٨﴾ سَلَامٌ

اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں یہ بات ان کے لئے رہنے دی کہ

عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ﴿١٠٩﴾

ابراہیم پر سلام ہو

چنانچہ ان کے نام کے ساتھ اب تک علیہ السلام کہا جارہا ہے

كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿١١٠﴾ إِنَّهُ مِنْ

ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں بے شک وہ ہمارے ایماندار بندوں

عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿١١١﴾ وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ

میں سے تھے اور ہم نے (ایک انعام ان پر یہ کیا) کہ ان کو اسحاق کی بشارت

نَبِيًّا مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿١١٢﴾ وَبَارَكْنَا عَلَيْهِ

دی کہ نبی اور نیک بختوں میں سے ہوں گے اور ہم نے ابراہیم پر اور اسحاق پر

وَعَلَىٰ إِسْحَاقَ ۚ

برکتیں نازل کیں

ایک یہ کہ ان کی نسل بہت ہوئی دوسرے یہ کہ ان کی اولاد میں انبیاء بہت ہوئے وغیرہ وغیرہ

وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَظَالِمٌ لِنَفْسِهِ

اور (پھر آگے) ان دونوں کی نسل میں بعضے اچھے بھی ہیں اور بعضے ایسے بھی جو

مُبِينٌ ﴿١١٣﴾

(بدیاں کرکے صریح) اپنا نقصان کررہے ہیں

اس میں یہ بات ظاہر کردی کہ باپ دادوں کا نیک ہونا اولاد کے کام نہیں آسکتا جب کہ وہ خود ایمان سے محروم ہوں اس میں علماء یہود کا فخر توڑ دیا گیا کہ وہ نبی زادے ہونے پر ناز کرتے تھے۔ ولقد مننا تا عبادنا المؤمنین

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ﴿١١٤﴾

اور ہمنے موسیٰ اور ہارون پر بھی احسان کیا

کہ ان کو نبوت اور دیگر کمالات سے مشرف فرمایا

وَنَجَّيْنَاهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ﴿١١٥﴾

اور ہم نے ان دونوں کو اور ان کی قوم کو بڑے غم سے نجات دی

وہ غم یہ تھا کہ فرعون کی طرف سے ان کو تکلیف پہنچتی تھی

وَنَصَرْنَاهُمْ فَكَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ﴿١١٦﴾

اور ہم نے ان سب کی (فرعون کے مقابلہ میں) مدد کی سو یہی لوگ غالب آئے

کہ فرعون کو غرق کردیا گیا اور یہ لوگ صاحب حکومت ہوئے

وَآتَيْنَاهُمَا الْكِتَابَ الْمُسْتَبِينَ ﴿١١٧﴾

اور ہم نے ان دونوں کو واضح کتاب دی

مراد توراۃ ہے کہ اس میں احکام واضح طور پر مذکور تھے جو اصالۃً موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی اور ہارون علیہ السلام کو تبعاً

وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۱۸﴾

اور ہم نے ان دونوں کو سیدھے راستہ پر قائم رکھا

جس کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ معصوم تھے کیونکہ نبوت کیلئے عصمت لازم ہے۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰى

اور ہم نے ان دونوں کے لئے پیچھے آنے والے لوگوں میں یہ بات رہنے دی

مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾

کہ موسیٰ اور ہارون پر سلام ہو

چنانچہ دونوں حضرات کے لئے علیہ السلام برابر کہا جاتا ہے۔

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾

ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں

کہ ان کو دعا اور ثنا کا مستحق بنا دیتے ہیں

اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۲﴾

بے شک وہ دونوں ہمارے (کامل) ایماندار بندوں میں سے تھے

اس لئے ان کو صلہ بھی کامل عطا ہوا وان الیاس تا عبادنا المومنین

وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾

اور الیاس بھی (بنی اسرائیل کے) پیغمبروں میں سے تھے

روح میں طبری سے نقل کیا ہے کہ الیاسؑ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔

اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے

یہ لوگ بت پرستی کرتے تھے۔

اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا

کیا تم بعل کو پوجتے ہو

بعل ایک بت کا نام ہے اور بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ بعلبک جو شام میں ایک مشہور شہر ہے وہ اسی بت کے نام پر ہے۔

وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۲۵﴾

اور اس کو چھوڑے بیٹھے ہو جو سب سے بڑھ کر بنانے والا ہے

کیونکہ اور لوگ تو صرف بعض چیزوں کے جوڑ توڑ پر قدرت رکھتے ہیں اور وہ بھی عارضی قدرت اور خدا تعالیٰ تمام چیزوں کے پیدا کرنے پر قدرت رکھتے ہیں اور قدرت بھی ذاتی اور کامل پھر دوسرا کوئی جان نہیں ڈال سکتا ہے اور وہ جان ڈالتا ہے۔

اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۲۶﴾

(اور وہ) معبود برحق ہے تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا

فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِلَّا عِبَادَ

بھی رب ہے سو ان لوگوں نے ان کو جھٹلایا سو وہ لوگ پکڑے جاویں گے مگر

اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۲۸﴾

جو اللہ کے خاص بندے تھے

وہ ثواب اور راحت میں ہوں گے

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۲۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰى

اور ہم نے الیاسؑ کے لئے پیچھے آنے والے لوگوں میں یہ بات رہنے دی کہ

اِلْ يَاسِيْنَ ﴿۱۳۰﴾

الیاسین پر سلام ہو

لفظ الیاس میں ایک لغت الیاسین بھی ہے اور روح میں کشاف سے نقل کیا ہے کہ شاید لغت سریانی میں اس یا ونون کے کچھ معنے ہوں گے اور یہاں اس لغت کے اختیار کرنے میں آیت کے اخیر کلمات کے ہم وزن ہونے کی بھی رعایت ہے وان لوطاً تا افلا تعقلون

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ اِنَّهٗ

ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں بے شک وہ ہمارے (کامل)

مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَاِنَّ لُوْطًا

ایماندار بندوں میں سے تھے اور بے شک لوط (علیہ السلام) بھی

لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ

پیغمبروں میں سے تھے۔ جبکہ ہم نے ان کو اور ان کے متعلقین سب کو

اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۱۳۴﴾ اِلَّا عَجُوۡزًا فِی الۡغٰبِرِیۡنَ ﴿۱۳۵﴾

نجات دی بجز اس بڑھیا (یعنی ان کی زوجہ کے کہ وہ رہ جانے والوں میں

ثُمَّ دَمَّرۡنَا الۡاٰخَرِیۡنَ ﴿۱۳۶﴾

رہ گئی پھر ہم نے اور سب کو ہلاک کر دیا

جو کہ لوط علیہ السلام اور ان کے اہل وعیال کے سوا تھے جن کا قصہ کئی جگہ آ چکا ہے۔

وَ اِنَّکُمۡ لَتَمُرُّوۡنَ عَلَیۡہِمۡ مُّصۡبِحِیۡنَ ﴿۱۳۷﴾

اور تم تو ان (کے دیار ومسکن) پر صبح ہوتے اور رات میں گزرا کرتے ہو

اوران کی بربادی کے آثار دیکھتے ہو اور صبح اور رات کا ذکر اس لئے کیا کہ عرب میں اکثر عادت رات کو صبح تک چلنے کی ہے پس اگر قوم لوط کے مساکن کے قریب سے منزل شروع ہوئی تو وہاں رات کو گزرہو گا اور اگر وہاں منزل ختم ہوئی تو صبح کو گزرہو گا۔

وَ بِالَّیۡلِ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۳۸﴾

تو کیا پھر بھی نہیں سمجھتے ہو

کہ کفر کا انجام کیا ہوا اور جو کفر کرے گا اس پر بھی اندیشہ ہے۔ و ان یونس تا الی حین

وَ اِنَّ یُوۡنُسَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۱۳۹﴾ؕ اِذۡ اَبَقَ

اور بے شک یونس (علیہ السلام) بھی پیغمبروں میں سے تھے جب کہ

اِلَی الۡفُلۡکِ الۡمَشۡحُوۡنِ ﴿۱۴۰﴾

بھاگ کر بھری ہوئی کشتی کے پاس پہنچے

یعنی انہوں نے اپنی قوم سے ایمان نہ لانے پر بحکم الٰہی عذاب آنے کا وعدہ کیا اور خود وہاں سے چلے گئے وعدہ کے موافق جب عذاب کے آثار ظاہر ہوئے تو قوم کو یونسؑ کی تلاش ہوئی تا کہ ان پر ایمان لے آئیں جب وہ نہ ملے تو سب نے متفق ہو کر حق تعالیٰ کے سامنے گریہ وزاری کی اور اجمالی طور پر ایمان لے آئے اور عذاب ٹل گیا اور اس سے وعدہ کا خلاف ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ عذاب کا نافذ نہ ہونا ایمان نہ لانے پر موقوف تھا جب وہ ایمان لے آئے عذاب بھی نافذ نہ ہوا یونسؑ نے عذاب ٹل جانے کی خبر کسی ذریعہ سے معلوم کر کے طبعی شرمندگی کی وجہ سے بغیر حق تعالیٰ کی صریح اجازت کے محض اپنی رائے سے کہیں دور چلے جانے کا ارادہ کیا راستہ میں دریا تھا اس میں مسافروں سے بھری ہوئی کشتی کھڑی تھی آپ بھی سوار ہو گئے کشتی چلی تو طوفان آیا کشتی والے کہنے لگے کہ ہم میں کوئی نیا قصوروار معلوم ہوتا ہے اس کو کشتی سے علیحدہ کر دینا چاہئے تعیین کے لئے قرعہ ڈالنے پر اتفاق ہوا

فَسَاہَمَ فَکَانَ مِنَ الۡمُدۡحَضِیۡنَ ﴿۱۴۱﴾ۚ

سو یونس بھی شریک قرعہ ہوئے اور یہی ملزم ٹھہرے

یعنی قرعہ میں ان ہی کا نام نکلا پس انہوں نے اپنے کو دریا میں ڈال دیا اور شاید کنارہ نزدیک ہوگا تیر کر کنارہ پر پہنچنے کا ارادہ کیا ہوگا پس خودکشی کا شبہ لازم نہیں آتا اور یہ قرعہ کسی کا حق ثابت کرنے کے واسطے نہ تھا جس میں علماء کا اختلاف ہے بلکہ کشتی کے مالکوں کو بدون قرعہ کے بھی کسی سوار کو کشتی سے اتار دینے کا مجاز تھا محض تطییب خاطر کے لئے قرعہ ڈالا گیا تھا اور خود یونس علیہ السلام بھی اپنی خوشی سے کشتی سے علیحدہ ہو گئے تھے

فَالۡتَقَمَہُ الۡحُوۡتُ وَ ہُوَ مُلِیۡمٌ ﴿۱۴۲﴾

پھر ان کو مچھلی نے (ثابت) نگل لیا اور یہ اپنے کو ملامت کر رہے تھے

یعنی اپنی اجتہادی غلطی پر نادم تھے کہ میں خدا کی صریح اجازت کے بغیر قوم سے کیوں بھاگا یہ تو دل سے توبہ ہوئی اور زبان سے بھی تو حید وتسبیح و استغفار کر رہے تھے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے کہ وہ لاالٰہ انت سبحانک انی کنت من الظلمین کہہ رہے تھے۔

فَلَوۡ لَاۤ اَنَّہٗ کَانَ مِنَ الۡمُسَبِّحِیۡنَ ﴿۱۴۳﴾ۙ

سو اگر وہ (اس وقت) تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے۔

لَلَبِثَ فِیۡ بَطۡنِہٖۤ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ ﴿۱۴۴﴾ۚ

تو قیامت تک اسی کے پیٹ میں رہتے

اس سے یہ لازم نہیں آیا کہ وہ مچھلی اور اس کا پیٹ قیامت تک باقی رہتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ پیٹ سے باہر نکلنا میسر نہ ہوتا بلکہ وہیں ہضم ہو کر اس کی غذا بنا دیئے جاتے خلاصہ یہ کہ اس اجتہادی غلطی پر جسمانی تکلیف ان کو دی جاتی کیونکہ ۔ مقرباں را بیش بود حیرانی ورنہ انبیاء علیہم السلام حقیقی گناہ اور حقیقی سزا سے تو پاک ہی ہوتے ہیں۔

فَنَبَذۡنٰہُ بِالۡعَرَآءِ

سو ہم نے ان کو ایک میدان میں ڈال دیا

یعنی چونکہ انہوں نے توبہ وتسبیح کی اس لئے ہم نے اس کلفت سے ان کو محفوظ رکھا اور مچھلی کو حکم دیا کہ کنارہ پر ان کو اگل دے۔

وَهُوَ سَقِيمٌ ﴿۱۴۵﴾

اور وہ اس وقت مضمحل تھے

کیونکہ مچھلی کے پیٹ میں کافی ہوا اور غذا نہ پہنچی تھی

وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴿۱۴۶﴾

اور ہم نے ان پر ایک بیلدار درخت بھی اگا دیا تھا

تاکہ دھوپ سے حفاظت رہے اور کوئی پہاڑی ہرنی ان کو دودھ پلا جایا کرتی اور اس بیلدار درخت کی بابت بعض روایات میں آیا ہے کہ کدو کی بیل تھی اور شاید اس میدان کوئی تنادار درخت ہوگا جس کے پتے سایہ دار نہ ہوں گے اس پر کدو کی بیل پھیل گئی ہوگی اب یہ شبہ نہیں رہا کہ زمین پر پھیلنے والے درخت کا سایہ ان پر کیسے ہوا اور بعض نے کہا ہے کہ خلاف عادت معجزہ کے طور پر وہ کدو ہی تنہ دار ہو گیا تھا واللہ اعلم

وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾

اور ہم نے ان کو ایک لاکھ یا اس سے بھی زیادہ آدمیوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا تھا

یعنی ان کی قوم شمار میں بہت زیادہ تھی جو نینوئ میں قریب موصل کے آباد تھی اور یہ جو کہا کہ ایک لاکھ یا اس سے زیادہ تو اس میں شک ظاہر کرنا مقصود نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر کسر کا اعتبار نہ کرو تو ایک لاکھ کہو اور کسر کا اعتبار کرو تو زیادہ کہو اور ترمذی میں مرفوعاً آیا ہے کہ ایک لاکھ سے بیس ہزار زیادہ تھے۔

فَاٰمَنُوْا

پھر وہ لوگ ایمان لے آئے تھے

یعنی عذاب کے آثار دیکھ کر اجمالاً ایمان لے آئے اور جب یونس علیہ السلام مچھلی کے قصہ سے فارغ ہو کر وہاں دوبارہ تشریف لے گئے تو اس وقت تفصیلاً ایمان لائے۔

فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۴۸﴾

تو ہم نے ان کو ایک زمانہ تک عیش دیا

یعنی ایمان کی برکت سے مدت دراز تک خیر و خوبی کی زندگی عطا کی ربط اوپر کے قصوں سے ان سب انبیاء علیہم السلام کا جن کی نبوت دلائل سے عقلاً ثابت ہے مومن و موحد و مخلص اور توحید و ایمان کی طرف داعی ہونا ثابت ہوتا ہے اس سے پہلے شروع سورت میں توحید کے عقلی دلائل مذکور ہو چکے ہیں آگے ان سب عقلی و نقلی دلائل پر تفریع کر کے شرک و کفر کا باطل ہونا بیان فرماتے ہیں۔ فاستفتهم تا لنحن المسبحون

فَاسْتَفْتِهِمْ

سو ان لوگوں سے پوچھیے

جو ملائکہ اور جنات کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں کہ نعوذ باللہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں اور سرداران جن کی بیٹیوں کو ان فرشتوں کی مائیں قرار دیتے ہیں جس سے نعوذ باللہ فرشتوں سے خدا کا علاقہ نسب اور جنات سے زوجیت اور سسرالی علاقہ لازم آتا ہے۔

اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾

کہ خدا کے لئے تو بیٹیاں اور ان کے لئے بیٹے

یعنی جب اپنے لئے بیٹے پسند کرتے ہو تو خدا کے لئے بیٹیاں کیسے تجویز کرتے ہو کہ یہ تو عرفاً بھی ظاہر قباحت ہے۔

اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾

ہاں کیا ہم نے فرشتوں کو عورت بنایا ہے اور وہ ان کے (بننے کے وقت) دیکھ رہے تھے

یعنی اس عقیدہ میں دوسری قباحت یہ ہے کہ فرشتوں پر عورت ہونے کی تہمت بلا دلیل رکھتے ہیں کیونکہ دلیل یا عقلی ہے یا نقلی اور اگر دونوں نہ ہوں تو مشاہدہ ہونا چاہیئے تو کیا کسی نے فرشتوں کو دیکھا ہے کہ وہ عورتیں ہیں۔

اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾

خوب سن لو کہ وہ لوگ اپنی سخن تراشی سے کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) اللہ

وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾

صاحب اولاد ہے اور وہ یقیناً (بالکل) جھوٹے ہیں

پس تیسری قباحت اس عقیدہ میں یہ ہوئی خدا تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت لازم آتی ہے اور ان تینوں قباحتوں میں پہلی قباحت کی برائی عرف سے بھی ثابت ہے اور دوسری کی نقل سے اور تیسری کی عقل سے ثابت ہے مگر جاہلوں پر عرفی قباحت کا الزام زیادہ حجت ہوتا ہے اس لئے پہلی قباحت کو دوسرے عنوان سے پھر مکرر بیان فرماتے ہیں۔

اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَا لَكُمْ

کیا اللہ تعالیٰ نے بیٹوں کے مقابلہ میں بیٹیاں زیادہ پسند کیں تم کو کیا ہو گیا تم کیسا

كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

(بیہودہ) حکم لگاتے ہو

جس کو تم عرفاً بھی مذموم سمجھتے ہو

اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۵﴾
پھر کیا تم (عقل اور) سوچ سے کام نہیں لیتے ہو

کیونکہ یہ عقیدہ تو عرف کے علاوہ خود عقل کے بھی خلاف ہے چند وجہ سے اول تو اس سے حق تعالیٰ کا صاحب اولاد ہونا لازم آتا ہے دوسرے ذات وصفات کے مرتبہ میں ایک ناقص بات کی نسبت اس کی طرف لازم آتی ہے کیونکہ اولاد ہونے کا اثر ذات وصفات تک پہنچے گا آگے بتلاتے ہیں کہ اس عقیدہ پر تمہارے پاس کوئی نقلی دلیل بھی نہیں

اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵۶﴾
ہاں کیا تمہارے پاس (اس پر) کوئی واضح دلیل موجود ہے

مراد نقلی دلیل ہے کیونکہ وہ مدعا کے ثابت کرنے میں زیادہ واضح ہوتی ہے اور آگے اس کو کتاب سے تعبیر کرنا بھی خود اس کا قرینہ ہے پس مطلب یہ ہوا کہ کیا تمہارے پاس کوئی دلیل نقلی موجود ہے۔

فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۷﴾
تم اگر اس میں سچے ہو تو اپنی وہ کتاب پیش کرو

خلاصہ یہ کہ جس عقیدہ کا تم دعویٰ کرتے ہو اس میں تین تو قباحتیں ہیں عرفی بھی نقلی بھی عقلی بھی اور دلیل ایک بھی نہیں نہ مشاہدہ نہ نقل نہ عقل پس ملائکہ کو خدا کی اولاد بتلانا سراسر بہتان اور افتراء پردازی ہے۔

وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا
ان لوگوں نے اللہ میں اور جنات میں (بھی) رشتہ داری قرار دی ہے

جس کا باطل ہونا اور بھی ظاہر ہے کیونکہ بی بی جس کام کے لئے ہوتی ہے اس سے حق تعالیٰ پاک ہیں اور جب بی بی ہونا محال ہے تو سسرالی رشتہ ہونا بھی محال ہے کیونکہ وہ تو اسی کی فرع ہے

وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾
اور (جس) جس کو یہ لوگ خدا کا شریک ٹھہرا رہے تھے ان کی تو یہ کیفیت ہے کہ ان میں جو
سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۵۹﴾
جنات ہیں ان) کا عقیدہ یہ ہے کہ (ان میں جو کافر ہیں) وہ (عذاب میں) گرفتار ہوں گے

اور عذاب میں کیوں نہ گرفتار ہوں جب کہ حق تعالیٰ کی نسبت بری باتیں بیان کرتے ہیں۔

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۰﴾
اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں مگر جو اللہ کے خاص (ایمان والے) بندے ہیں

کفار عرب کے معبودوں میں سے بھی بعضے جن اسلام لے آئے تھے خلاصہ یہ کہ جنات بیچارے تو خود ہی اپنے آپ کو بندہ سمجھتے اور بندگی کا اقرار کرتے ہیں پھر ان کو خدا کا شریک ٹھہرانا بڑی حماقت ہے اور فرشتوں کا ذکر آگے آوے گا درمیان میں مخلصین کی مناسبت سے یہ مضمون بیان فرماتے ہیں کہ جس طرح یہ اللہ کے خالص بندے عذاب سے بچے ہوئے ہیں اسی طرح گمراہ ہونے سے بھی بچے ہوئے ہیں اور کفار جو ان کے گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ ناکام رہیں گے۔

فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ
سو تم اور تمہارے سارے معبود خدا سے کسی کو نہیں
بِفٰتِنِيْنَ ﴿۱۶۲﴾
پھیر سکتے

جیسی تم کوششیں کیا کرتے ہو

اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۶۳﴾
مگر اسی کو جو کہ (علم الٰہی میں) جہنم رسید ہونے والا ہے

آگے فرشتوں کا ذکر ہے کہ ان کو جو کفار نے معبود سمجھا ہے وہ بھی اپنے آپ کو بندہ ہی سمجھتے ہیں

وَمَا مِنَّاۤ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۴﴾
اور ہم میں ہر ایک کا ایک معین درجہ ہے

یعنی ہر ایک کے ایک خدمت سپرد ہے

وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ
اور (خدا کے حضور میں حکم سننے کے وقت) ہم صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں
الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿۱۶۶﴾
اور ہم (خدا کی) پاکی بیان کرنے میں بھی لگے رہتے ہیں

غرض وہ ہر طرح محکوم اور غلام ہیں

وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴿١٦٧﴾ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا

اور یہ لوگ کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی نصیحت (کی کتاب)

ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٦٨﴾ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ

پہلے لوگوں (کی کتابوں کے) طور پر آتی تو ہم اللہ کے خاص

الْمُخْلَصِيْنَ ﴿١٦٩﴾

بندے ہوتے

یہ حضور کی بعثت سے قبل کا کفار عرب کا مقولہ ہے۔

فَكَفَرُوْا بِهٖ

پھر یہ لوگ اس کا انکار کرنے لگے

اور وہ عہد توڑ دیا

فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿١٧٠﴾

سو (خیر) اب ان کو (اس کا انجام) معلوم ہوا جاتا ہے

چنانچہ مرتے ہی کفر کا انجام منکشف ہوگیا

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٧١﴾

اور ہمارے خاص بندوں یعنی پیغمبروں کے لئے ہمارا یہ قول پہلے سے ہی مقرر

اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿١٧٢﴾

ہو چکا ہے کہ بے شک وہی غالب کئے جاویں گے

چنانچہ آخیر میں غلبہ ہمیشہ انبیاء کو ہوتا ہے۔

وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿١٧٣﴾

اور (ہمارا تو قاعدہ عام ہے) کہ ہمارا ہی لشکر غالب رہتا ہے

یعنے اصل منشاء یہی ہے

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿١٧٤﴾ وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ

تو آپ (تسلی رکھیے) اور تھوڑے زمانہ تک (صبر کیجئے اور) ان (کی مخالفت اور ایذا

يُبْصِرُوْنَ ﴿١٧٥﴾

رسانی) کا خیال نہ کیجئے اور (ذرا) ان کو دیکھتے رہیے سو عنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے

اور آپ کو تو ابھی سے یقین ہے

اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿١٧٦﴾ فَاِذَا نَزَلَ

کیا ہمارے عذاب کا تقاضا کرتے ہیں سو وہ (عذاب) جب ان کے

بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿١٧٧﴾

روبرو نازل ہوگا سو وہ دن ان لوگوں کا جن کو ڈرایا جا چکا تھا بہت ہی برا ہوگا

وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿١٧٨﴾ وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ

اور آپ تھوڑے زمانہ تک ان کا خیال نہ کیجئے اور دیکھتے رہیے سو عنقریب یہ

يُبْصِرُوْنَ ﴿١٧٩﴾

بھی دیکھ لیں گے

یہاں بھی وہی مطلب ہے کہ آپ کو تو ہمارے کہنے سے یقین ہے ہی مشاہدہ کے بعد ان کو بھی اپنے مغلوب ہونے کا یقین آ جاوے گا اور بظاہر یہ آیت مکرر معلوم ہوتی ہے مگر معنی کے اعتبار سے تکرار نہیں ہے کیونکہ وہاں یہ مضمون اہل حق کے غلبہ کے متعلق تھا اور یہاں کفار کے مغلوب ہونے کے متعلق ہے۔ ربط: سورت میں اصل مقصود تین مضمون تھے توحید و رسالت اور اثبات قیامت پھر قیامت کا اعتقاد چونکہ نقل پر موقوف ہے اور اس کے ثبوت کے لئے عقلی دلائل کافی نہیں ہیں اس لئے واقع میں وہ اعتقاد رسالت کی فرع ہے اس لحاظ سے اصل مقصود توحید و رسالت کے مضمون رہ گئے سورۃ کو انہی پر اجمالاً ختم کیا جاتا ہے۔ سبحان ربک تا رب العلمین

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿١٨٠﴾

آپ کا رب جو بڑی عظمت والا ہے ان باتوں سے پاک ہے جو یہ (کافر) بیان کرتے ہیں

پس خدا کو پاک و منزہ سمجھو۔

وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٨١﴾

اور سلام ہو پیغمبروں پر

یعنی پیغمبروں کا اتباع واجب سمجھو کیونکہ ان کی ایسی شان ہے کہ ہم ان پر سلام بھیجتے ہیں آگے فرماتے ہیں کہ خدا کو عیبوں سے پاک سمجھنے کے ساتھ کمالات سے موصوف بھی سمجھو

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٨٢﴾

اور تمام تر خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام عالم کا پروردگار ہے

سبحان اللہ! کیا اچھا خاتمہ ہے کہ اجمالاً شریعت کے تمام اصول وفروع کو جامع ہے کیونکہ اعتقاد رسالت پر مرتب ہونے سے کوئی مسئلہ خالی نہیں اور اس خاتمہ کی عمدگی اور عظمت کی وجہ سے احادیث میں نماز کے بعد اور مجلس سے اٹھنے کے وقت اس کا پڑھنا منقول ہے اس لئے تبرکاً میرا بھی جی چاہتا کہ خلاصہ تفسیر کی اس جلد کو اسی پر ختم کروں سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین .سورۃ صٓ مکیۃ و ھی ست اوثمان و ثمانون آیۃ کذافی البیضاوی ربط اس سورت میں زیادہ مضمون رسالت کے متعلق ہے اور بعض آیات میں خاص توحید وجزا وسزا کے انکار پر ملامت ہے اور بعض آیات میں ان دونوں کی مجمل دلیل اور بعض میں ان دونوں کے واقعات کی قدرے تفصیل ہے اور مسئلہ رسالت کی مناسبت سے بعض آیات میں قرآن کی مدح ہے اور پہلی سورت کو انہی مضامین میں اس سورت سے مناسبت ہے اور شروع کی آیتوں کا سبب نزول یہ ہے کہ ابوطالب کے مرض میں قریش کے لوگ ان کے پاس آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لائے تو قریش نے آپ کی شکایت کی ابوطالب نے آپ سے پوچھا کہ آپ اپنی قوم سے کیا بات چاہتے ہیں آپ نے فرمایا کہ صرف ایک بات چاہتا ہوں جس سے تمام عرب ان کے مطیع ہو جاویں گے اور اہل عجم ان کو جزیہ دینے لگیں گے انہوں نے پوچھا وہ ایک بات کیا ہے آپ نے فرمایا لا الٰہ الا اللہ قریش کہنے لگے کہ سب معبودوں کو باطل کر کے ایک ہی معبود قرار دے دیا عجیب بات ہے اور ایک روایت میں ہے کہ ناراض ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اس پر صٓ سے بل لما یذوقوا عذاب تک آیتیں نازل ہوئیں بسم اللہ الرحمن الرحیم صٓ

(۳۸) سُوْرَةُ صٓ مَكِّيَّةٌ (۳۸)

سورۂ صٓ مکے میں نازل ہوئی اور اس میں اٹھاسی آیتیں اور پانچ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

صٓ

صٓ

ان کے معنی اللہ کو معلوم ہیں والقرآن تا یوم الحساب

وَالْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ ۝١

قسم ہے قرآن کی جو نصیحت سے پر ہے

کہ کفار رسالت کے انکار میں جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ ٹھیک نہیں

بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ۝٢

بلکہ (خود) یہ کفار (ہی) تعصب اور (حق کی) مخالفت میں ہیں

اور اس تعصب ومخالفت کا وبال ایک روز ان پر پڑنے والا ہے

كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا

ان سے پہلے بہت سی امتوں کو ہم (عذاب سے) ہلاک کر چکے ہیں سو انہوں

وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ۝٣

نے (ہلاکت کے وقت) بڑی ہائے پکار کی اور وہ وقت خلاصی کا نہ تھا

تو اس وقت شور وغل کرنے سے کیا ہوتا ہے۔

وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَاۗءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ ز

اور ان کفار (قریش) نے اس بات پر تعجب کیا کہ ان کے پاس ان (ہی) میں سے ایک پیغمبر ڈرانے والا آ گیا

جو کہ ان ہی کے مثل انسان ہے اور تعجب کی وجہ ان کی جہالت تھی کہ وہ بشریت اور نبوت میں منافات سمجھتے تھے اور اس منافات کے یہاں تک معتقد ہوئے کہ دعویٰ نبوت اور معجزات کی نسبت جن میں سب سے بڑا معجزہ قرآن ہے کچھ سے کچھ بکنے لگے۔

وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝٤

اور کہنے لگے کہ یہ شخص (خوارق میں) ساحر (اور دعویٰ نبوت میں) جھوٹا ہے (اور) کیا

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ

(یہ شخص سچا ہو سکتا ہے کہ) اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود رہنے دیا واقعی یہ

عُجَابٌ ۝٥ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا

بہت ہی عجیب بات ہے اور (توحید کا مضمون سن کر) ان کفار میں کے رئیس یہ کہتے

وَاصْبِرُوْا عَلٰٓي اٰلِهَتِكُمْ ۚ

ہوئے چلے کہ (یہاں سے) چلو اور اپنے معبودوں (کی عبادت) پر قائم رہو

یعنی وہ یہ کہتے تھے کہ انسان ہونے کی وجہ سے آپ کا نبی ہونا محال ہے اور قرآن کے معجزہ ہونے سے نبوت کا ثبوت لازم آتا ہے مگر جب انسان کا نبی ہونا ہی ممکن نہیں تو قرآن کا معجزہ ہونا بھی صحیح نہیں مگر ہے عجیب کلام پس لامحالہ جادو ہوگا

إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ يُرَادُ ﴿٦﴾

یہ کوئی مطلب کی بات ہے

یعنی توحید کی طرف بلا کر اس بہانہ سے یہ پیغمبر ریاست اور سرداری کے خواہاں معلوم ہوتے ہیں دوسرے خود ان کا دعویٰ بھی فی نفسہ باطل اور عجیب ہے۔

مَا سَمِعْنَا بِهَٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْآخِرَةِ إِنْ

ہم نے تو یہ بات (اپنے) پچھلے مذہب میں سنی نہیں ہو نہ

هَٰذَا إِلَّا اخْتِلَاقٌ ﴿٧﴾

ہو یہ (اس شخص کی) گھڑت ہے

پچھلے مذہب کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں بہت سے طریقہ کے لوگ ہیں سب سے پیچھے ہم موجود ہیں اور ہم حق پر ہیں سو ہم نے اپنے طریقہ کے بزرگوں سے کبھی یہ بات نہیں سنی اور یہ شخص جو نبوت کا مدعی ہے اور توحید کو خدا کی تعلیم بتلاتا ہے سو اول تو انسان نبی ہو ہی نہیں سکتا دوسرے اگر اس سے قطع نظر کی جاوے تو ان میں کونسی فضیلت اور فوقیت تھی کہ انہی کو نبوت ملی

أَأُنزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِن بَيْنِنَا

کیا ہم سب میں سے اسی شخص پر کلام الٰہی نازل کیا گیا

کسی رئیس پر نازل ہوتا تو خیر کچھ مضائقہ نہ تھا آگے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کا یہ کہنا کہ قرآن ان پر کیوں نازل ہوا کسی رئیس پر نازل ہونا چاہئے تھا اس سبب سے نہیں کہ اگر کسی رئیس پر نازل ہوتا تو اس وقت یہ اس کا اتباع کرتے۔

بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّن ذِكْرِي

بلکہ یہ لوگ خود) میری وحی کی طرف سے شک (یعنی انکار) میں ہیں

یعنی یہ تو سرے سے مسئلہ نبوت ہی کے منکر ہیں خاص کر بشر کی نبوت کے اور یہ انکار بھی اس سبب سے نہیں کہ ان کے پاس کوئی دلیل ہے۔

بَل لَّمَّا يَذُوقُوا عَذَابِ ﴿٨﴾

بلکہ (اصل وجہ یہ ہے) انہوں نے ابھی تک میرے عذاب کا مزہ نہیں چکھا

ورنہ سب عقل ٹھکانے آجاتی اس تقریر سے ان کے دونوں شبہوں کا جواب ہو گیا آگے دوسرے طرز پر جواب ہے۔

أَمْ عِندَهُمْ خَزَائِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيزِ

کیا ان لوگوں کے پاس آپ کے پروردگار زبردست فیاض کی رحمت کے

الْوَهَّابِ ﴿٩﴾

خزانے ہیں (جن میں نبوت بھی داخل ہے)

کہ جس کو چاہیں دیں جس کو چاہیں نہ دیں مطلب یہ کہ نبوت بہت بڑی چیز ہے اس کو عطا کرنے والے کو خزانوں کا مالک اور سخت غلبہ والا اور بہت بخشش والا ہونا چاہئے تو اگر یہ لوگ ایسے ہوتے تو ان کو اس کہنے کی گنجائش تھی کہ ہم نے انسان کو نبوت نہیں دی پھر وہ کیسے نبی ہو گیا یا ہم نے فلاں انسان کو نبوت دی ہے فلاں کو نہیں دی اور اگر کل خزانے قبضہ میں نہ ہوں تو کم از کم آسمان وزمین ہی کی چیزیں ان کے قبضہ میں ہوتیں تب ان کو یہ بات کہنا زیبا تھی کیونکہ نبوت سے خدا کے احکام معلوم ہوتے ہیں جن پر عمل کرنا بقاء عالم کا سبب ہے یہی وجہ ہے کہ جب کوئی مومن نہ رہے گا قیامت آجاوے گی پس نبوت کو عالم کے نظام اور بقاء میں بڑا دخل ہے تو نبوت دینے والا ایسا شخص ہونا چاہئے جو تمام عالم کے مصالح کو جانتا ہوا ان کے نافذ کرنے پر قادر ہوتا کہ ایسے مناسب احکام مقرر کرے جن سے نظام عالم قائم رہے اس لئے آگے فرماتے ہیں کہ یہ لوگ جو نبوت میں دخل دیتے ہیں تو کیا آسمان وزمین کی چیزیں ان کے قبضہ میں ہیں

أَمْ لَهُم مُّلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا

یا کیا ان کو آسمان اور زمین اور جو چیزیں ان کے درمیان میں ہیں ان کا اختیار حاصل

فَلْيَرْتَقُوا فِي الْأَسْبَابِ ﴿١٠﴾

ہے (اگر اختیار ہے) تو ان کو چاہیے کہ سیڑھیاں لگا کر (آسمان پر) چڑھ جائیں

اور ظاہر ہے کہ یہ لوگ اس پر قادر نہیں تو جب آسمان پر پہنچنے کی بھی ان کو قدرت نہیں جو کہ ان کا حال معلوم کرنے کا اصل طریقہ ہے تو اور طریقوں یا سخت کاموں پر تو کیا قدرت ہو گی پھر وہ ان کے نظام کی کیا رعایت کر سکتے ہیں تو کسی کو نبوت عطا کرنے کی ان میں کیا صلاحیت ہو سکتی ہے پھر ان کو ایسی بے سروپا بے تکی باتیں کہنے کا کیا حق ہے مگر اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کی مخالفت سے فکر نہ کریں

جُندٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِّنَ الْأَحْزَابِ ﴿١١﴾

اس مقام پر ان لوگوں کی یونہی ایک بھیڑ ہے منجملہ (مخالفین رسل کے) گروہوں کے جو شکست دیے جائیں گے

چنانچہ بدر میں یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ

ان سے پہلے بھی قوم نوح نے اور عاد نے اور فرعون نے جس (کی سلطنت)

ذُو الْأَوْتَادِ ﴿١٢﴾

کے کھونٹے گڑ گئے تھے

یعنی اس کی سلطنت وسیع اور مضبوط تھی اور ایک تفسیر ذوالاوتاد کی سورۃ فجر میں آوے گی

وَثَمُودُ وَقَوْمُ لُوطٍ وَّأَصْحَابُ لْئَيْكَةِ ۚ أُولَٰئِكَ

اور ثمود نے اور قوم لوط نے اور اصحاب ایکہ نے تکذیب کی تھی (اور) وہ گروہ

الْأَحْزَابُ ﴿١٣﴾ إِنْ كُلٌّ إِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ

یہی لوگ ہیں ان سب نے صرف رسولوں کو جھٹلایا تھا

اس کا یہ مطلب نہیں کہ انہوں نے تکذیب کے سوا اور کچھ نہ کیا تھا بلکہ اس میں اس زمانہ کے کفار کا یہ وہم دور کرنا چاہتے ہیں کہ شاید ان کی ہلاکت کا سبب کفر نہ ہوا ہو کوئی دوسرا امر ہوا ہو پس مطلب یہ ہے کہ ان کی ہلاکت کا اصل سبب کفر اور تکذیب کے سوا اور کوئی نہ تھا کیونکہ ان کی دوسری ناشائستہ حرکتیں بھی رسولوں کی تکذیب ہی کے سبب پیدا ہوئی تھیں پس ہلاکت کا بڑا سبب یہی تھا

فَحَقَّ عِقَابِ ﴿١٤﴾

میرا عذاب (ان پر) واقع ہو گیا

تو جب جرم میں سب شریک ہیں تو عذاب میں شریک ہونے سے یہ لوگ کیوں مطمئن ہیں۔

وَمَا يَنْظُرُ هَٰؤُلَاءِ إِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا

اور یہ لوگ بس ایک روز کی چیخ کے منتظر ہیں جس میں دم لینے کی

لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ﴿١٥﴾

گنجائش نہ تھی (مراد اس سے قیامت ہے)

مراد اس سے قیامت کا دن ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ جو مخالفت اور تکذیب پر جمے ہوئے ہیں تو بس قیامت کے منتظر معلوم ہوتے ہیں کہ اس کو دیکھ کر ایمان لاویں

وَقَالُوا رَبَّنَا عَجِّلْ لَنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمارا حصہ ہم کو روز

الْحِسَابِ ﴿١٦﴾

حساب سے پہلے دے دے

یعنی قیامت کی وعید سن کر رسول کو جھٹلانے اور ان سے استہزاء کرنے کے طور پر کہتے ہیں کہ الٰہی آخرت میں جو کافروں کو عذاب ہو گا اس میں سے ہمارے حصہ کا عذاب ابھی بھیج دیجئے کیونکہ اول تو قیامت کچھ ہے نہیں اور اگر ہے تو ہم کو اسی وقت عذاب مطلوب ہے اور جب اس وقت عذاب نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ قیامت نہ آوے گی خدا ایسے جہل سے پناہ میں رکھے ربط اوپر کفار کی مخالفت اور ان کے بعض کفریہ اقوال کا ذکر تھا چونکہ ان امور سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غم ہوتا تھا اس لئے آگے آپ کو صبر کا حکم ہے اور تسلی کے لئے بعض انبیاء علیہم السلام کے قصے مذکور ہیں کہ وہ بھی صابر تھے اور تسلی کے علاوہ ان قصوں میں نبوت کی بھی تائید ہے۔

اصبر علی مایقولون تا یوم الحساب

اصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا

آپ لوگوں کے اقوال پر صبر کیجئے اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کیجئے

دَاوُودَ ذَا الْأَيْدِ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ ﴿١٧﴾ إِنَّا

جو بڑی قوت (اور ہمت) والے تھے وہ (خدا کی طرف)

سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ

رجوع ہونے والے تھے۔ ہم نے پہاڑوں کو حکم کر رکھا تھا کہ ان کے ساتھ

وَالْإِشْرَاقِ ﴿١٨﴾

شام اور صبح تسبیح کیا کریں

کہ داؤد علیہ السلام کی تسبیح کے یہی اوقات تھے۔

وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً ۖ كُلٌّ لَّهُ أَوَّابٌ ﴿١٩﴾ وَشَدَدْنَا

اور (اسی طرح) پرندوں کو بھی جو (تسبیح کے وقت) ان کے پاس جمع ہو

مُلْكَهُ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿٢٠﴾

جاتے تھے سب ان کی (تسبیح کی) وجہ سے مشغول ذکر رہتے اور ہم نے ان کی سلطنت

وَهَلۡ اَتٰىكَ نَبَؤُا الۡخَصۡمِ ۘ

کو بڑی قوت دی اور ہم نے ان کو حکمت اور فیصلہ کر دینے والی تقریر عطا فرمائی تھی

جو نہایت واضح اور جامع ہوتی تھی اور باوجود اتنی بڑی سلطنت کے جو کہ اکثر احوال میں آدمی کو نازک مزاج اور بے فکر کر دیتی ہے وہ نبوت کی برکت سے نہایت ضابط اور صابر تھے چنانچہ ان کے حالات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔

اِذۡ تَسَوَّرُوا الۡمِحۡرَابَ ﴿۲۱﴾

اور بھلا آپ کو ان اہل مقدمہ کی خبر پہنچی ہے

جو داؤد علیہ السلام کے پاس مقدمہ لائے تھے

اِذۡ دَخَلُوۡا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنۡهُمۡ

جبکہ وہ لوگ (داؤد کے) عبادت خانہ کی دیوار پھاند کر داؤد کے پاس آئے تو وہ (ان کے اس طرح آنے سے) گھبرا گئے

کیونکہ دروازے کی طرف سے پہرہ داروں نے اس وجہ سے نہیں آنے دیا تھا کہ وہ وقت خاص آپ کی عبادت کا تھا مقدمات فیصل کرنے کا نہ تھا۔ کہ کہیں یہ لوگ دشمن نہ ہوں کہ قتل کے ارادہ سے تنہائی میں اس طرح آ گئے ہوں۔

قَالُوۡا لَا تَخَفۡ ۚ خَصۡمٰنِ بَغٰى بَعۡضُنَا عَلٰى

وہ لوگ کہنے لگے کہ ڈریں نہیں ہم دو اہل معاملہ ہیں کہ ایک نے دوسرے پر

بَعۡضٍ

(کچھ) زیادتی کی ہے

اس کے فیصلے کے لئے ہم آئے ہیں چونکہ پہرہ داروں نے دروازہ سے نہیں آنے دیا اس لئے اس طرح بے قاعدہ آنے پر مجبور ہوئے۔

فَاحۡكُمۡ بَيۡنَنَا بِالۡحَـقِّ وَلَا تُشۡطِطۡ وَاهۡدِنَاۤ اِلٰى

سو آپ ہم میں انصاف کر دیجئے اور بے انصافی نہ کیجئے اور ہم کو (معاملہ کی) سیدھی

سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿۲۲﴾ اِنَّ هٰذَاۤ اَخِىۡ ۗ قف

راہ بتا دیجئے (پھر ایک شخص بولا کہ صورت مقدمہ کی یہ ہے کہ) یہ شخص میرا بھائی ہے

دین کے اعتبار سے یا ملاقات کے اعتبار سے اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں باہم شرکت ہوگی اور جو قصہ آگے مذکور ہے ممکن ہے کہ ان دونوں میں یہ قصہ واقع ہوا ہو یا ویسے ہی بات بنائی ہو یا فرشتے ہوں جو کہ امتحان کے لئے بھیجے گئے ہوں اور فرضی طور پر انہوں نے یہ سوال کیا ہو اور یہ جھوٹ نہیں ہے۔

لَهٗ تِسۡعٌ وَّتِسۡعُوۡنَ نَعۡجَةً وَّلِىَ نَعۡجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۗ قف

اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے سو وہ

فَقَالَ اَكۡفِلۡنِيۡهَا وَعَزَّنِىۡ فِى الۡخِطَابِ ﴿۲۳﴾

کہتا ہے کہ وہ بھی مجھ کو دے ڈال اور بات چیت میں مجھ کو دباتا ہے

کہ میری بات کو اپنی منہ زوری سے چلنے نہیں دیتا

قَالَ لَقَدۡ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعۡجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ؕ

داؤد نے کہا یہ جو تیری دنبی اپنی دنبیوں میں ملانے کی درخواست کرتا ہے تو واقعی تجھ پر ظلم کرتا

وَاِنَّ كَثِيۡرًا مِّنَ الۡخُلَطَآءِ لَيَبۡغِىۡ بَعۡضُهُمۡ

ہے اور اکثر شرکاء (کی عادت ہے کہ) ایک دوسرے پر (یوں ہی) زیادتی کیا کرتے ہیں۔

عَلٰى بَعۡضٍ اِلَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

مگر ہاں جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں اور ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں

یہ مضمون مظلوم کی تسلی کے لئے فرمایا

وَقَلِيۡلٌ مَّا هُمۡ ؕ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ

داؤد کو خیال آیا کہ ہم نے ان کا امتحان کیا ہے

کہ دیکھیں یہ کیسے صابر و متحمل ہیں کیونکہ ایسے بڑی جلیل القدر بادشاہ کے خاص خلوت خانہ میں کسی کا بے اجازت آ گھسنا پھر اس بے ڈھنگے پن سے آنا پھر بات چیت اس طرز سے کرنا کہ اول تو یہ کہا کہ ڈرو مت جس سے متکلم کا بڑا اور مخاطب کا چھوٹا ہونا مترشح ہوتا ہے پھر یہ کہا کہ انصاف سے فیصلہ کرنا بے انصافی نہ کرنا جس سے وہم ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ آپ سے بے انصافی کا بھی احتمال ہے غرض ان کے اقوال و افعال میں نہایت درجہ گستاخی تھی تو اس میں داؤد علیہ السلام کے صبر و تحمل کا امتحان ہو گیا کہ آیا سلطنت کے زور میں ان گستاخیوں پر دار و گیر کرتے ہیں اور اس مقدمہ کو ملتوی کر کے ان پر دوسرا مقدمہ توہین حاکم کا قائم کرتے ہیں یا نور نبوت کے غلبہ سے ان کو معاف کرتے ہیں اور اس مقدمہ کو پورے انصاف سے بدون غیظ و غضب کے شائبہ کے فیصل کرتے ہیں چنانچہ وہ امتحان میں صابر و متحمل ثابت ہوئے کہ مقدمہ کو نہایت ٹھنڈے دل سے سنا اور فیصلہ فرمایا لیکن انبیاء کی شان انصاف جس اعلیٰ درجہ پر ہوتی ہے اس کے اعتبار سے بظاہر ایک خفیف سی بات یہ پیش آ گئی کہ شرعی طور پر مقدمہ ثابت ہو جانے کے بعد

بجائے اس کے کہ صرف ظالم سے فرماتے کہ تونے ظلم کیا آپ نے مظلوم سے خطاب فرمایا کہ تجھ پر ظلم کیا گیا جس میں ایک گونہ طرفداری کا وہم ہوتا ہے اور گو مظلوم ہونے کی حیثیت سے یہ طرفداری بھی عبادت ہے خاص کر مقدمہ ختم ہو چکنے کے بعد لیکن چونکہ وہ مظلوم فریق مقدمہ تھا اور فیصلہ کی مجلس ابھی تک بدلی نہ تھی اس لحاظ سے یہ وہمی طرفداری بھی اگر نہ ہوتی تو بہت ہی زیادہ انصاف اور کامل عدل ہوتا اس لئے داؤد علیہ السلام غایت تقویٰ کی وجہ سے اتنی بات کو بھی صبر وتحمل اور کمال عدل وانصاف کے خلاف سمجھے

فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ۩ ﴿۲۴﴾ فَغَفَرْنَا (السجدة)

سو انہوں نے اپنے رب کے سامنے توبہ کی اور سجدے میں گر پڑے اور رجوع

لَهٗ ذٰلِكَ ط

ہوئے سو ہم نے ان کو وہ (امر) معاف کر دیا

اور اس سے جو کمی ثواب کامل میں ہوتی نہ ہوئی۔

وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾

اور ہمارے یہاں ان کے لئے (خاص) قرب اور (اعلیٰ درجہ کی) نیک انجامی ہے

اور مقربین کی یہی شان ہوتی ہے۔

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ

اے داؤد ہم نے تم کو زمین پر حاکم بنایا ہے سو لوگوں میں

فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ

انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے رہنا

جیسا کہ اب کرتے رہے ہو

وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى

اور آئندہ بھی نفسانی خواہش کی پیروی مت کرنا

جیسا کہ اب تک نہیں کی

فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط اِنَّ الَّذِيْنَ

(اگر ایسا کرو گے تو) وہ خدا کے راستہ سے تم کو بھٹکا دے گی

يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ

جو لوگ خدا کے راستہ سے بھٹکتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہوگا

شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾ ع

اس وجہ سے کہ وہ روز حساب سے بھولے رہے

یہ بات دوسروں کو سنانے کے لئے فرمائی

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ

اور ہم نے زمین وآسمان کو اور جو چیزیں ان کے درمیان موجود ہیں خالی از حکمت پیدا نہیں کیا

بلکہ ان میں بہت سی حکمتیں ہیں

وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ط ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ج

یہ (یعنی ان کا خالی از حکمت ہونا) ان لوگوں کا خیال ہے جو کافر ہیں

کیونکہ توحید کے انکار سے ایک زبردست حکمت کا انکار ظاہر ہے

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ط ﴿۲۷﴾

سو کافروں کے لئے (آخرت میں) بڑی خرابی ہے یعنی دوزخ

بوجہ انکار توحید کے

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

ہاں تو کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے ان کی

كَالْمُفْسِدِيْنَ فِى الْاَرْضِ ز اَمْ نَجْعَلُ

برابر کر دیں گے جو (کفر وغیرہ کر کے) دنیا میں فساد کرتے پھرتے ہیں یا ہم

الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾

پرہیزگاروں کو بدکاروں کے برابر کر دیں گے

یعنی جس حکمت کے واقع کرنے کا ہم نے قصد کیا تھا قیامت کے انکار سے وہ باطل ہوئی جاتی ہے پس قیامت کا انکار ہی خود باطل ہے اور اس آیت سے یہ نہ سمجھا جائے کہ جزا وسزا کا ہونا عقلی طور پر واجب ہے یہ تو معتزلہ کا مذہب ہے اہل سنت کے نزدیک عقلاً خدا تعالیٰ کے ذمہ کچھ واجب نہیں اور نہایت تعجب ہے کہ کشاف نے جو اس مقام کی تقریر کردی ہے تمام پچھلے مفسرین اسی کو نقل کرتے چلے گئے اور کسی نے معتزلہ کی اس چال پر نظر نہیں کی الحمد للہ کہ حق تعالیٰ نے بندہ پر فضل فرمایا اور آیت کی تفسیر اہل سنت کے اصول کے موافق قلب پر وارد فرمائی جس کا حاصل یہ ہے کہ جزا وسزا کا ہونا خود واجب نہیں بلکہ حق تعالیٰ کی خبر دینے کے بعد اس کا واقع

ہونا واجب ہو گیا اگر یہ کہا جائے کہ قیامت کا واقع نہ ہونا حکمت کے خلاف ہے اور حکمت کے خلاف ہونا محال ہے تو پھر اس کا واقع ہونا عقلاً واجب ہو گیا جواب یہ ہے کہ خود اس حکمت کا واقع ہونا ہی واجب نہیں بلکہ جائز ہے اور اگر قیامت واقع نہ ہوتی تو اس وقت اسی میں حکمت ہوتی مگر چونکہ اس جائز حکمت کا واقع ہونا دلیل قطعی سے معلوم ہو چکا ہے اب اس کا انکار کرنا کفر ہے اور اس آیت میں دوسرا عنوان اختیار کرنے کی وجہ شاید یہ ہو کہ پہلا عنوان کفار کے نزدیک اس قدر واضح نہ تھا کیونکہ وہ ایمان کو ہی نہ سمجھتے تھے اور اپنے کفر کو فساد ہی نہ جانتے تھے اور دوسرا عنوان نہایت واضح ہے کیونکہ بہت سی باتیں عقلاً قبیح ہیں جن سے مسلمانوں کا بچنا اور کفار کا ان میں مبتلا ہونا خود کفار بھی سمجھتے اور دیکھتے تھے تو اس مضمون کو وہ بہت آسانی کے ساتھ مان سکتے تھے کہ پرہیزگار اور بدکار برابر نہیں ہو سکتے آگے بتلاتے ہیں کہ جس طرح توحید و قیامت دلیل سے ثابت ہے اسی طرح رسالت بھی دلیل سے ثابت ہے جس کے لئے بڑا معجزہ قرآن ہے۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ

یہ ایک بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر اس واسطے نازل کیا ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں

یعنی ان کے اعجاز کو بھی دیکھیں کہ کوئی شخص ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور ان کے نافع مضامین میں بھی غور کریں

وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾

اور تاکہ اہل فہم نصیحت حاصل کریں

یعنی غور سے اس کی حقیقت معلوم کر کے اس پر عمل کریں جس میں رسالت کا اعتقاد بھی آ گیا اور بقیہ احکام بھی آ گئے ربط اوپر کا مضمون قصوں کے درمیان میں آ گیا تھا آگے پھر قصوں کی طرف رجوع ہے ووھبنا لداؤد تا حسن ماب

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ

اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیا وہ بہت اچھے بندے تھے کہ (خدا کی طرف

اَوَّابٌ ﴿۳۰﴾ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ

بہت رجوع ہونے والے تھے (چنانچہ وہ قصہ ان کا یاد کرنے کے قابل ہے)

الْجِيَادُ ﴿۳۱﴾

جبکہ شام کے وقت ان کے روبرو اصیل (اور) عمدہ گھوڑے پیش کئے گئے

جو جہاد وغیرہ کی غرض سے رکھے جاتے تھے اور ان کے ملاحظہ کرنے میں اس قدر دیر ہو گئی کہ دن چھپ گیا اور ہیبت و عظمت کی وجہ سے کسی خادم کو جرات نہ ہوئی کہ آپ کو تنبیہ کرے پھر خود ہی متنبہ ہوا۔

فَقَالَ اِنِّىْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ

تو کہنے لگے کہ (افسوس) میں اس مال کی محبت میں (لگ کر) اپنے رب کی

رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿۳۲﴾ وقفة رُدُّوْهَا عَلَيَّ ۭ

یاد سے غافل ہو گیا یہاں تک کہ آفتاب پردہ (مغرب) میں چھپ گیا (پھر

فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ﴿۳۳﴾

حشم و خدم کو حکم دیا کہ) ان گھوڑوں کو ذرا پھر تو میرے سامنے لاؤ سو انہوں نے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر (تلوار سے) ہاتھ صاف کرنا شروع کیا

یعنی ان کو قربانی کے طور پر ذبح کر ڈالا

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ

اور ہم نے سلیمان کو (ایک اور طرح بھی) امتحان میں ڈالا

کہ آپ نے سرداران لشکر پر جہاد میں کسی کوتاہی سے خفا ہو کر یہ فرمایا تھا کہ میں آج اپنی ستر ازواج سے ہم بستر ہوں گا اور ستر مجاہد پیدا ہوں گے تو مجھ کو تمہاری پرواہ نہ رہے گی اور انشاء اللہ کہنا یاد نہ رہا تو صرف ایک عورت حاملہ ہوئی اور اس سے بھی ادھورا بچہ ہوا جس کے ایک طرف کا دھڑ نہ تھا۔

وَاَلْقَيْنَا عَلٰي كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا

اور ہم نے ان کے تخت پر (ایک ادھورا) دھڑ لا ڈالا

یعنی دایہ نے لا کر تخت پر رکھا کہ یہ پیدا ہوا ہے

ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾

پھر انہوں نے (خدا کی طرف) رجوع کیا

اور انشاء اللہ کے چھوٹ جانے سے توبہ کی

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ

دعا مانگی کہ اے میرے رب میرا (پچھلا) قصور معاف کر اور (آئندہ کے لئے)

لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ

مجھ کو ایسی سلطنت دے کہ میرے سوا (میرے زمانہ میں) کسی کو میسر نہ ہو

خواہ کوئی غیبی سامان عطا کر دیجئے

إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ ﴿٣٥﴾

آپ بڑے دینے والے ہیں

آپ کو اس دعا کا قبول کر لینا دشوار نہیں پس ان کی دعا قبول ہوئی

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً

ہم نے ان کی دعا قبول کی اور (نیز) ہم نے ہوا کو ان کے تابع کر دیا اور وہ

حَيْثُ أَصَابَ ﴿٣٦﴾

ان کے حکم سے جہاں وہ جانا چاہتے نرمی سے چلتی

کہ اس کے بعد ان کو گھوڑوں کی ضرورت نہ رہی

وَالشَّيَاطِينَ كُلَّ بَنَّاءٍ وَغَوَّاصٍ ﴿٣٧﴾ وَآخَرِينَ

اور جنات کو بھی ان کا تابع بنا دیا یعنی تعمیر بنانے والوں کو بھی اور غوطہ خوروں کو

مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ﴿٣٨﴾

بھی اور دوسرے جنات کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے ہیں

غالباً خدمات سے گریز پر یہ سزا مقرر ہوگی

هَٰذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ

(اور ہم نے یہ سامان دے کر ارشاد فرمایا کہ) یہ ہمارا عطیہ ہے خواہ (کسی کو)

حِسَابٍ ﴿٣٩﴾

دو یا نہ دو تم سے کچھ دار و گیر نہیں

یعنی جتنا سامان ہم نے آپ کو دیا ہے اس کا مالک بنا دیا ہے خزانچی اور نگہبان نہیں بنایا جیسا کہ دوسرے بادشاہ ملکی خزانوں کے مالک نہیں ہوتے بلکہ منتظم ہوتے ہیں پس تم مالکانہ تصرفات کے مختار ہو مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کو حقوق واجبہ کے چھوڑنے کا بھی اختیار ہو واذکر عبدنا ایوب تا انه اواب

وَإِنَّ لَهُ عِندَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَآبٍ ﴿٤٠﴾

اور (علاوہ اس کے) ان کے لئے ہمارے یہاں (خاص) قرب اور نیک

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي

انجامی ہے اور آپ ہمارے بندے (ایوبؑ کو یاد کیجئے جبکہ انہوں نے اپنے

مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ ﴿٤١﴾

رب کو پکارا کہ شیطان نے مجھ کو رنج اور آزار پہنچایا ہے

اس رنج و آزار کا بیان یہ ہے کہ احمد نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ ایک بار شیطان طبیب کی شکل میں ایوب علیہ السلام کی بی بی کو راستہ میں ملا انہوں نے طبیب سمجھ کر ایوب علیہ السلام کے علاج کی اس سے درخواست کی اس نے کہا کہ اس شرط سے علاج کروں گا کہ اگر ان کی شفا ہو جائے تو یوں کہہ دینا کہ تو نے ان کو شفا دی اور کچھ نذرانہ نہیں چاہتا انہوں نے ایوب علیہ السلام سے ذکر کیا انہوں نے فرمایا کہ بھلی مانس وہ تو شیطان تھا میں عہد کرتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو شفا دے دے تو میں تجھ کو سو قمچیاں ماروں گا۔ کذا فی الدر۔ پس آپ کو اس سے سخت رنج پہنچا کہ میری بیماری کی بدولت شیطان کا یہاں تک حوصلہ بڑھا کہ خاص میری بی بی سے ایسی بات کہلوانا چاہتا ہے جو ظاہر میں موجب شرک ہے گو تاویل کے بعد شرک نہ ہو۔ آپ مرض زائل ہونے کی دعا پہلے بھی کرتے تھے مگر اس واقعہ سے اور زیادہ تضرع و زاری سے دعا کی کہ حق تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی

ارْكُضْ بِرِجْلِكَ ۖ

اپنا پاؤں مارو

چنانچہ انہوں نے پاؤں مارا تو وہاں ایک چشمہ پیدا ہوگیا

هَٰذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَشَرَابٌ ﴿٤٢﴾

یہ نہانے کا ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کا

یعنی اس میں غسل کرو اور پیو بھی چنانچہ نہائے اور پیا اور بالکل اچھے ہو گئے

وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مَّعَهُمْ رَحْمَةً

اور ہم نے ان کو ان کا کنبہ عطا فرمایا اور ان کے ساتھ (گنتی میں) ان کے برابر اور بھی (دیے)

مِّنَّا وَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿٤٣﴾

اپنی رحمت خاصہ کے سبب سے اور اہل عقل کے لئے یادگار رہنے کے سبب سے

یعنی اہل عقل یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ صابروں کو کیسی جزا دیتے ہیں اس کے بعد ایوب علیہ السلام نے اپنی قسم پورا کرنے کا ارادہ کیا مگر چونکہ ان کی بی بی نے خدمت بہت کی تھی اور کوئی گناہ بھی ان سے سرزد نہ ہوا تھا اس لئے حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ان کے لئے ایک تخفیف کر دی۔

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا

اور تم اپنے ہاتھ میں ایک مٹھا سینکوں کا لو

جس میں سو سینکیں ہوں

فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ط

اور اس سے مارو اور قسم نہ توڑو

چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس طرح سے قسم کا پورا ہو جانا ایوب علیہ السلام کے لئے مخصوص تھا اب اگر کوئی ایسی قسم کھائے تو بدون معنی عرفی کے واقع ہوئے پوری نہ ہوگی البتہ جہاں سزا دینا واجب نہ ہو وہاں قسم توڑ دینا جائز اور جہاں سزا دینا جائز نہ ہو وہاں قسم توڑ دینا واجب ہوگا اور اس قصہ سے یہ نہ سمجھا جائے کہ احکام میں ہر جگہ حیلہ جائز ہے بلکہ اس میں تو قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس حیلہ سے کسی شرعی حکمت اور غرض کا باطل کرنا مقصود ہو وہ حرام ہے اور جس میں یہ نہ ہو بلکہ کسی شرعی مطلوب کا حاصل کرنا مقصود ہو وہ جائز ہے آگے ایوب علیہ السلام کی تعریف ہے۔ **واذکر عبدنا ابراهیم تا من الاخیار**

اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ط نِعْمَ الْعَبْدُ ط اِنَّهٗٓ

بیشک ہم نے ان کو صابر پایا اچھے بندے تھے کہ بہت رجوع ہوتے تھے

اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾ وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ

اور ہمارے بندے ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کو یاد کیجئے

وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾

جو ہاتھوں والے اور آنکھوں والے تھے

یعنی ان میں عمل کی قوت بھی تھی اور علم کی بھی

اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ج ﴿۴۶﴾

ہم نے ان کو ایک خاص بات کے ساتھ مخصوص کیا تھا کہ وہ یاد آخرت کی ہے

چنانچہ ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں یہ صفت سب سے زیادہ کامل ہوتی ہے اور شاید یہ اس لئے بڑھایا ہوتا کہ غافلوں کے کان ہوں کہ جب انبیاء اس فکر سے خالی نہ تھے تو ہم کس شمار میں ہیں۔

وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ط ﴿۴۷﴾

اور وہ (حضرات) ہمارے یہاں منتخب اور سب سے اچھے لوگوں میں سے ہیں

یعنی منتخب لوگوں میں بھی سب سے بڑھ کر ہیں چنانچہ ظاہر ہے کہ انبیاء تمام اولیاء و صلحاء سے افضل ہوتے ہیں۔

وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ط

اور اسماعیل اور الیسع اور ذوالکفل کو بھی یاد کیجئے

حضرت ذوالکفل کا قصہ سورۂ انبیاء میں گزر چکا ہے اور الیسع علیہ السلام کو اول الیاس علیہ السلام نے بنی اسرائیل پر اپنا نائب مقرر کیا تھا پھر ان کو نبوت عطا ہوگئی کذا فی الروح ربط او پر ان قصوں سے پہلے توحید و جزا و سزا اور رسالت کے متعلق مجمل مضمون تھا آگے جزا و سزا کی کسی قدر تفصیل ہے۔ **هذا ذکر تا اهل النار**

وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ط ﴿۴۸﴾ هٰذَا ذِكْرٌ ط

اور یہ سب بھی سب سے اچھے لوگوں میں سے ہیں ایک نصیحت کا مضمون تو یہ ہو چکا

مراد انبیاء علیہم السلام کے قصے ہیں جن میں کافروں کے لئے مسئلہ رسالت ثابت کیا گیا ہے اور مسلمانوں کے لئے عمدہ اعمال اور اخلاق جمیلہ کی تعلیم ہے اب دوسرا مضمون جزا و سزا کے متعلق شروع ہوتا ہے

وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ لا ﴿۴۹﴾ جَنّٰتِ

اور پرہیزگاروں کے لئے (آخرت میں) اچھا ٹھکانہ ہے یعنی ہمیشہ رہنے

عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ج ﴿۵۰﴾

کے باغات جن کے دروازے ان کے واسطے کھلے ہوں گے

بظاہر مراد یہ ہے کہ پہلے سے کھلے ہوں گے۔

مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ

وہ ان باغوں میں تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے ہوں گے (اور) وہ وہاں (جنت

كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ﴿۵۱﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ

کے خادموں سے) بہت سے میوے اور پینے کی چیزیں منگوائیں گے اور ان

الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿۵۲﴾

کے پاس نیچی نگاہ والیاں ہم عمر ہوں گی

دنیا میں ہم عمر عورتوں کا بعض طبائع کا محبوب نہ ہونا بلکہ اپنے سے کم عمر کا محبوب ہونا اس لئے ہے کہ کم سن عورت میں حسن و جمال اور ناز و انداز

زیادہ ہوتا ہے اور چونکہ حوروں میں یہ صفات کامل درجہ میں ہوں گی اس لئے ان کا ہم عمر ہونا محبوبیت سے مانع نہ ہوگا بلکہ اور زیادہ موانست کا ذریعہ ہوگا اور یہ ہم عمری زمانہ کے اعتبار سے نہ ہوگی بلکہ مطلب یہ ہے کہ شکل وشمائل اور ظاہری صورت میں سب ہم عمر معلوم ہوں گی

هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۵۳﴾ إِنَّ هٰذَا

(اے مسلمانو) یہ وہ (نعمت) ہے جس کا تم سے روز حساب آنے پر وعدہ کیا

لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿۵۴﴾ هٰذَا

جاتا ہے بے شک یہ ہماری عطا ہے اس کا کہیں ختم بھی نہیں یہ بات تو ہو چکی

جو نیک بندوں کے متعلق تھی آگے بدبختوں کے متعلق مضمون ہے۔

وَإِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿۵۵﴾

اور سرکشوں کے لئے برا ٹھکانا ہے

سرکشوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو کفر میں سردار تھے۔

جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۵۶﴾ هٰذَا

یعنی دوزخ اس میں وہ داخل ہوں گے سو بہت بری جگہ ہے یہ کھولتا ہوا پانی

فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ﴿۵۷﴾ وَّاٰخَرُ مِنْ

اور پیپ ہے سو یہ لوگ اس کو چکھیں گے اور (اس کے علاوہ) اور بھی اسی قسم

شَكْلِهٖٓ أَزْوَاجٌ ﴿۵۸﴾

کی (ناگوار) طرح طرح کی چیزیں ہیں

اور جو لوگ ان سرداروں کے تابع تھے ان کے لئے بھی یہی چیزیں ہیں گو مقدم وموخر اور کم زیادہ ہونے کا تفاوت ہو مگر عذاب میں سب شریک ہوں گے چنانچہ سرداروں کے داخل ہونے کے بعد جب ان کے ماتحت لوگ جہنم میں داخل ہوں گے تو ان میں حسب ذیل گفتگو ہوگی (ترجمہ دیکھو)

هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ

یہ ایک جماعت اور آئی جو تمہارے ساتھ (عذاب میں شریک ہونے کے لئے)

إِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿۵۹﴾

دوزخ میں گھس رہے ہیں ان پر خدا کی مار یہ بھی دوزخ ہی میں آرہے ہیں

یعنی کوئی ایسا آتا جو مستحق عذاب نہ ہوتا تو اس کے آنے سے خوشی بھی ہوتی اور اس کی آؤ بھگت بھی کرتے یہ تو خود جہنمی ہے ان سے کیا امید اور ان کے آنے کی کیا خوشی اور اور کیا آؤ بھگت

قَالُوْا بَلْ أَنْتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ أَنْتُمْ

وہ (اتباع ان متبوعین سے) کہیں گے بلکہ تمہارے ہی اوپر خدا کی مار (کیونکہ

قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۶۰﴾

تم ہی تو یہ (مصیبت) ہمارے آگے لائے سو (جہنم) بہت ہی برا ٹھکانا ہے

کیونکہ تم ہی نے ہم کو بہکایا تھا جو تمہاری بدولت ہمارے آگے آیا اس کے بعد جب ان میں ہر شخص دوسرے پر الزام رکھنے لگے گا تو اس وقت ماتحت لوگ اپنے سرداروں کو چھوڑ کر حق تعالیٰ سے عرض معروض کریں گے

قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا

دعا کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار جو شخص اس (مصیبت) کو ہمارے آگے

ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴿۶۱﴾ وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى

لایا ہو اس کو دوزخ میں دونا عذاب دیجیو اور وہ لوگ کہیں گے کہ کیا بات ہے ہم ان

رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْأَشْرَارِ ﴿۶۲﴾

لوگوں کو (دوزخ میں) نہیں دیکھتے جن کو ہم برے لوگوں میں شمار کیا کرتے تھے

یعنی مسلمان لوگ جن کو ہم برا اور حقیر سمجھتے تھے جہنم میں کیوں نظر نہیں آتے

أَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا أَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ

کیا ہم نے ان لوگوں کی ہنسی کر رکھی تھی یا ان (کے دیکھنے) سے نگاہیں

الْأَبْصَارُ ﴿۶۳﴾

چکرا رہی ہیں

یعنی کیا وہ واقع میں برے نہ تھے اس لئے دوزخ میں نہیں آئے یا جہنم میں موجود ہیں مگر ہماری نظر ان پر نہیں جمتی غرضکہ عذاب کے ساتھ ایک اور حسرت ان کو ہوگی ربط اوپر جزا وسزا کی تفصیل مذکور ہوئی ہے آگے نبوت اور توحید کا مضمون ہے اور چونکہ توحید کی تحقیق رسالت سے خوب ہوتی ہے اس لئے زیادہ کلام رسالت ہی کے متعلق ہے۔ قل انما انا منذر تا نذیر مبین

إِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ أَهْلِ النَّارِ ﴿۶۴﴾

یہ بات یعنی دوزخیوں کا آپس میں لڑنا جھگڑنا بالکل سچی بات ہے آپ کہہ

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ

دیجئے کہ میں تو تم کو (عذاب خداوندی سے) ڈرانے والا ہوں

پس تم جو رسالت اور توحید کے مسئلہ میں مخالفت اور انکار کرتے ہو تو تمہارا ہی نقصان ہے میرا کچھ ضرر نہیں آگے بتلاتے ہیں کہ جیسا میرا رسول اور ڈرانے والا ہونا واقعی ہے اسی طرح توحید بھی حق ہے۔

وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٦٥﴾

اور بجز اللہ واحد غالب کے کوئی لائق عبادت کے نہیں ہے وہ پروردگار ہے

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا

آسمانوں اور زمین کا اور ان چیزوں کا جو ان کے درمیان میں ہیں (اور وہ)

الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿٦٦﴾

زبردست بڑا بخشنے والا ہے

اور چونکہ توحید کو وہ لوگ کسی درجہ میں مانتے بھی تھے اور رسالت کے بالکل ہی منکر تھے اس لئے آگے رسالت کی زیادہ کی تحقیق فرماتے ہیں

قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ﴿٦٧﴾ اَنْتُمْ عَنْهُ

آپ کہہ دیجئے کہ یہ ایک عظیم الشان مضمون ہے جس سے

مُعْرِضُوْنَ ﴿٦٨﴾

تم (بالکل) ہی بے پرواہ ہو رہے ہو

یعنی حق تعالیٰ کا مجھے توحید وغیرہ کی تعلیم کے لئے رسول بنانا ایک عظیم الشان بات ہے جس کا تم کو بڑا اہتمام چاہئے تھا مگر افسوس کہ تم اس کی پرواہ نہیں کرتے اور اس کے عظیم الشان ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حقیقی سعادت کا حاصل ہونا بدون اس کے اعتقاد کے محال ہے آگے رسالت ثابت کرنے کے لئے ایک دلیل بیان فرماتے ہیں

مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٦٩﴾

مجھ کو عالم بالا (کی بحث و گفتگو) کی کچھ بھی خبر نہ تھی جبکہ وہ (تخلیق آدم کے بارے میں) جھگڑا کر رہے تھے

یعنی آدم علیہ السلام کی پیدائش کے بارہ میں حق تعالیٰ سے اپنی تسلی کے لئے گفتگو کر رہے جیسے شاگرد استاد سے سوال کیا کرتا ہے اس گفتگو کو مجازاً جھگڑنا کہہ دیا کیونکہ ظاہر صورت اسی کے مشابہ تھی ورنہ حقیقت میں ملائکہ جھگڑے سے پاک ہیں خلاصہ یہ کہ مجھ کو عالم بالا کی باتوں کا کسی ذریعہ سے بھی علم نہ تھا کیونکہ اطلاع کا ذریعہ یا مشاہدہ ہوتا ہے سو مشاہدہ مجھے حاصل نہیں یا کسی سے سننا سنانا ہوتا ہے سو اہل کتاب سے میرا اختلاط نہیں جو ان سے اس قسم کی باتیں سن لیتا پس ایک یہی صورت متعین ہے کہ حق تعالیٰ میرے پاس وحی بھیجتے ہیں جس سے مجھ کو عالم بالا کی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧٠﴾

میرے پاس (جو وحی آتی ہے تو محض) اس سبب سے آتی ہے کہ میں (منجانب اللہ) صاف صاف ڈرانے والا (کر کے بھیجا گیا) ہوں

یعنی مجھ کو پیغمبری ملی ہے اس لئے مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے پس واجب ہے کہ تم میری رسالت کی تصدیق کرو ربط اوپر ملاء اعلیٰ کی گفتگو بذریعہ وحی معلوم ہونے سے رسالت پر استدلال کیا گیا تھا آگے آدم علیہ السلام کا قصہ مذکور ہے جس میں فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض معروض کی تھی اور گو اس قصہ میں وہ گفتگو مذکور نہیں لیکن اسی گفتگو کے زمانہ کے واقعات مذکور ہیں **اذقال تا منهم اجمعين**

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا

جبکہ آپ کے رب نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ میں گارے سے ایک انسان

مِّنْ طِيْنٍ ﴿٧١﴾

(یعنی انسان کے پتلے کو) بنانے والا ہوں

تو اس وقت ملائکہ نے حق تعالیٰ سے وہ گفتگو کی تھی ف آدم علیہ السلام کی پیدائش کا مادہ کہیں گارا بتلایا گیا ہے کہیں مٹی کہیں کھنکھناتی پختہ مٹی تو اس میں کچھ تعارض نہیں کیونکہ وہ پہلے مٹی ہی تھی پھر اس کا گارا بنایا گیا پھر وہ پختہ ہوگئی تھی تو کہیں پہلی حالت بتلا دی کہیں پچھلی

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ

سو جب میں اس کو پورا بنا چکوں اور اس میں (اپنی طرف سے) جان ڈال دوں تو تم سب

فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿٧٢﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ

اس کے روبرو سجدہ میں گر پڑنا۔ سو (جب اللہ نے) اس کو بنالیا تو سارے کے سارے

اَجْمَعُوْنَ ﴿٧٣﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ

فرشتوں نے (آدم کو) سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے کہ وہ غرور میں آ گیا اور کافروں میں سے

مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ

ہوگیا حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابلیس جس چیز کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا

یعنی جس کے پیدا کرنے کی طرف عنایت ربانی خاص طور پر متوجہ ہوئی یہ تو اس کی فی نفسہ بزرگی ہے پھر اس کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم بھی دیا گیا یہ اس کی مزید کرامت ہے۔

اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ

اس کو سجدہ کرنے سے تجھ کو کون چیز مانع ہوئی کیا تو غرور میں آ گیا (اور واقع

اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ﴿۷۵﴾

میں بڑا نہیں ہے) یا یہ کہ تو (واقع میں ایسے) بڑے درجہ والوں میں ہے

جس کی وجہ سے تجھ کو سجدہ کا حکم کرنا ہی زیبا نہ تھا

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ

کہنے لگا کہ (شق ثانی واقع ہے یعنی) میں آدم سے بہتر ہوں (کیونکہ) آپ

مِنْ طِيْنٍ ﴿۷۶﴾

نے مجھ کو نار سے پیدا کیا ہے اور اس (آدم) کو مٹی سے پیدا کیا ہے

پس مجھ کو یہ حکم دینا کہ اس کے سامنے سجدہ کروں حکمت کے خلاف ہے

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿۷۷﴾

ارشاد ہوا تو (اچھا پھر) آسمان سے نکل کیونکہ بیشک تو (اس حرکت سے) مردود

وَّاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۷۸﴾

ہو گیا اور بیشک تجھ پر میری لعنت رہے گی قیامت کے دن تک

اور اس کے بعد رحمت ہونے کا احتمال ہی نہیں۔

ربط: اوپر سورت کی تمہید میں مذکور ہو چکا ہے کہ اس سورت کا حاصل رسالت کا اثبات ہے جس پر مناظرانہ طرز سے کلام ہو چکا ہے اب ناصحانہ طریق سے اسی پر سورت کا خاتمہ فرماتے ہیں۔ قل ما اسئلکم تا بعد حین

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۷۹﴾

کہنے لگا کہ پھر مجھ کو مہلت دیجئے قیامت کے دن تک ارشاد ہوا (کہ جب تو

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِلٰى

مہلت مانگتا ہے) تو (جا) تجھ کو وقت معین کی تاریخ تک مہلت دی گئی ہے۔

يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۸۱﴾ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ

کہنے لگا (جب مجھ کو مہلت مل گئی تو (مجھ کو بھی) تیری عزت کی قسم کہ میں ان

لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۲﴾

سب کو گمراہ کروں گا بجز آپ کے ان بندوں کے جو ان میں منتخب کئے گئے ہیں

اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۸۳﴾ قَالَ

ارشاد ہوا کہ میں سچ کہتا ہوں اور میں تو (ہمیشہ) سچ ہی کہا

فَالْحَقُّ ۡ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ۚ﴿۸۴﴾ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ

کرتا ہوں کہ میں تجھ سے اور جو ان میں تیرا ساتھ دے

مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۵﴾

ان سب سے دوزخ کو بھر دوں گا آپ کہہ دیجئے کہ میں

قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا

تم سے اس قرآن (کی تبلیغ) پر نہ کچھ معاوضہ چاہتا ہوں اور نہ میں

مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴿۸۶﴾

بناوٹ کرنے والوں میں ہوں

یعنی آپ نے ان کو میرے اثر سے محفوظ رکھا ہے۔

کہ بناوٹ کی راہ سے نبوت کا دعویٰ کیا ہو اور کسی دوسرے کے کلام کو خدا کا کلام کہہ دیا ہو ایسا ہرگز نہیں کیونکہ اگر میں جھوٹ بولتا تو اس کا منشا یا کوئی ذاتی نفع ہوتا جس کو اجر کہا گیا ہے یا کوئی طبعی عادت ہوتی جس کو تکلف کہا گیا ہے سو مجھ میں یہ دونوں باتیں نہیں

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾

یہ قرآن تو (اللہ کا کلام اور) بس دنیا جہان والوں کے لئے ایک نصیحت ہے

جس کے پہنچانے کے لئے مجھ کو نبوت ملی ہے اور اس میں سراسر تمہارا ہی نفع ہے اور اگر حق واضح ہو جانے کے بعد بھی نہیں مانتے تو خود بھگتو گے

وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ﴿۸۸﴾ ع

اور تھوڑے دنوں پیچھے تم کو اس کا حال معلوم ہو جائے گا (یعنی مرنے کے ساتھ ہی) حقیقت کھل جائے گی کہ یہ حق تھا

اوراس کا انکار کرنا غلط تھا مگر اس وقت معلوم ہونے سے کچھ نفع نہیں ہوگا

ف اس سورت میں قرآن کی تین جگہ مدح ہے اور تینوں جگہ اس کو ذکر (یعنی نصیحت) فرمایا ہے ایک تو شروع میں والقران ذی الذکر دوسرے وسط میں لیتذکر اولوا الالباب تیسرے آخیر میں ذکر للعٰلمین.

سورة الزمر مكية الاقوله تعالىٰ قل يعبادى الاية وأيها خمس او اثنان و سبعون كذافي البيضاوی

ربط: جیسے پہلی سورت میں زیادہ مضامین رسالت کے متعلق تھے اس سورت میں زیادہ توحید کے متعلق ہیں اور بقیہ مضامین اس کے تابع ہیں جیسے قرآن کی حقانیت جس سے یہ سورت شروع ہوئی ہے اور پہلی سورت اسی مضمون پر ختم ہوئی تھی پس دونوں کا آغاز وانجام بھی متناسب ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم . تنزيل الكتاب تا فانى تصرفون

(۳۹) سُوْرَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ (۵۹)

سورۂ زمر مکے میں نازل ہوئی اس میں پچھتر آیتیں اور آٹھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم کرنے والے ہیں

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ①

یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے

غالب ہونے کا مقتضا یہ تھا کہ جو اس کی تکذیب کرے اس کو سزا دی جائے مگر چونکہ وہ حکیم بھی ہے اور مہلت دینے میں مصلحت تھی اس لئے سزا میں مہلت دے رکھی ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ

ہم نے ٹھیک طور پر اس کتاب کو آپ کی طرف نازل کیا ہے سو آپ (قرآن

اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۭ ②

کی تعلیم کے موافق) خالص اعتقاد کر کے اللہ کی عبادت کرتے رہیے

جیسا کہ اب تک کرتے رہے اور جب آپ پر بھی عبادت اور خالص اعتقاد واجب ہے تو اوروں پر کیوں نہیں واجب ہوگا۔

اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۭ

یاد رکھو عبادت جو کہ (شرک سے) خالص ہو اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے

یعنی توحید کا اعتقاد سب پر واجب ہے

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا

اور جن لوگوں نے خدا کے سوا اور شرکاء تجویز کر رکھے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ

نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ

ہم تو ان کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ ہم کو خدا کا مقرب بنا دیں

یعنی ہماری حاجات و عبادات کو خدا کے حضور میں پیش کریں جیسا کہ دنیا میں سلاطین کے دربار میں وزراء اسی کام کے ہوتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ

تو ان کے (اور ان کے مقابل اہل ایمان کے) باہمی اختلافات کا (قیامت

يَخْتَلِفُوْنَ ۭ۬

کے روز) اللہ تعالیٰ فیصلہ کر دے گا

کہ اہل توحید کو جنت میں اور اہل شرک کو دوزخ میں داخل کر دے گا مطلب یہ ہے کہ آپ ان لوگوں کے نہ ماننے پر غم نہ کریں ان کا فیصلہ وہاں ہوگا اور اس پر بھی تعجب نہ کریں کہ باوجود دلائل قائم ہونے کے یہ لوگ راہ حق پر کیوں نہیں آتے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ③

اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو راہ پر نہیں لاتا جو (قولاً) جھوٹا اور (اعتقاداً) کافر ہو

یعنی منہ سے اقوال کفریہ بکتا ہو اور دل سے کفریہ عقائد پر جما ہوا ہو اس سے باز آنے اور حق طلب کرنے کا قصد ہی نہ کرتا ہو تو اس کے اس عناد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بھی اس کو ہدایت کی توفیق نہیں دیتا اور چونکہ مشرکین میں بعضے خدا کی طرف اولاد کی نسبت کرتے تھے جیسے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے تو آگے ان کا رد کرتے ہیں۔

لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى

اگر (بالفرض) اللہ تعالیٰ کسی کو اولاد بنانے کا ارادہ کرتا تو ضرور اپنی

مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ

مخلوق میں سے جس کو چاہتا منتخب فرماتا

یعنی اگر خدا کسی کو اپنی اولاد بناتا تو وہ مخلوق ہی میں سے کوئی ہوتا کیونکہ خدا کے سوا سب مخلوق ہیں اور ظاہر ہے کہ مخلوق خالق کی جنس نہیں

سُبۡحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ الۡوَاحِدُ الۡقَهَّارُ ﴿۴﴾

وہ پاک ہے وہ ایسا اللہ ہے جو واحد ہے زبردست ہے

اور اولاد کا غیر جنس ہونا بڑا عیب ہے اس لئے مخلوق میں سے کسی کا خدا کی اولاد ہونا محال ہے پس شرک کی یہ صورت بھی باطل ہوگئی اور توحید ثابت ہوگئی یعنی نہ اس وقت کوئی اس کا شریک ہے نہ آئندہ ہوسکتا ہے کیونکہ شریک ہونے کی صلاحیت کسی میں جب ہوتی جب کوئی ویسا ہی زبردست ہوتا حالانکہ ایسا کوئی نہیں آگے توحید کے دلائل بیان فرماتے ہیں

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ

اس نے آسمان اور زمین کو حکمت سے پیدا کیا وہ رات (کی ظلمت) کو دن

الَّيۡلَ عَلَى النَّهَارِ

(کی روشنی کے محل یعنی ہوا) پر لپیٹتا ہے

جس سے دن غائب اور رات موجود ہو جاتی ہے

وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيۡلِ

اور دن (کی روشنی) کو رات پر لپیٹتا ہے

جس سے رات غائب اور دن موجود ہو جاتا ہے

وَسَخَّرَ الشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجۡرِىۡ لِاَجَلٍ

اور اس نے ایک سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے کہ (ان میں سے) ہر ایک

مُّسَمًّى ؕ اَلَا هُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡغَفَّارُ ﴿۵﴾

وقت مقرر تک چلتا رہے گا یاد رکھو کہ وہ زبردست بڑا بخشنے والا (بھی) ہے

یعنی دلائل کے بعد توحید کے انکار سے عذاب کا اندیشہ ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر بھی ہے کیونکہ وہ زبردست ہے لیکن اگر انکار کے بعد کوئی پھر توحید کو مان لے تو پہلے انکار پر عذاب نہ دے گا کیونکہ وہ بخشنے والا بھی ہے اس میں توحید کی رغبت دلائی اور شرک سے ڈرایا آگے دوسرے دلائل سے توحید کو ثابت کرتے ہیں۔

خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنۡهَا

اس نے تم لوگوں کو تن واحد (یعنی آدم) سے پیدا کیا پھر اسی سے

زَوۡجَهَا

اس کا جوڑا بنایا

یعنی اول آدم علیہ السلام کو تنہا پیدا کیا پھر ان کے کسی عضو سے حوا کو پیدا کیا جس کی تفصیل سورہ نساء کے شروع میں گزر چکی ہے پھر ان سے تمام آدمی پھیلائے۔

وَاَنۡزَلَ لَـكُمۡ مِّنَ الۡاَنۡعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزۡوَاجٍ ؕ

اور (بعد اس حدوث کے) تمہارے (نفع بقا کیلئے) آٹھ نر و مادہ چارپایوں کے پیدا کئے

جن کی تفصیل آٹھویں پارہ کے ربع پر گزر چکی ہے اور ان آٹھ نر و مادہ کو خصوصیت سے شاید اس لئے بیان کیا کہ یہ زیادہ کام آتے ہیں آگے نسل انسانی کے پیدا ہونے کی کیفیت بیان فرماتے ہیں

يَخۡلُقُكُمۡ فِىۡ بُطُوۡنِ اُمَّهٰتِكُمۡ خَلۡقًا مِّنۡۢ

وہ تم کو ماؤں کے پیٹ میں ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت

بَعۡدِ خَلۡقٍ

پر بناتا ہے

یعنی یکے بعد دیگرے مختلف کیفیات پر بناتا ہے کہ اول نطفہ ہوتا ہے پھر علقہ پھر مضغہ الیٰ آخرہ

فِىۡ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ

تین تاریکیوں

ایک تاریکی پیٹ کی دوسری رحم کی تیسری اس جھلی کی جس میں بچہ لپٹا ہوتا ہے پس ان مختلف کیفیتوں پر پیدا کرنا کمال قدرت کی دلیل ہے

ذٰ لِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمۡ لَهُ الۡمُلۡكُ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا

میں یہ ہے اللہ تمہارا رب اسی کی سلطنت ہے اس کے سوا کوئی لائق عبادت

هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصۡرَفُوۡنَ ﴿۶﴾

نہیں سو (ان دلائل کے بعد) تم کہاں (حق سے) پھرے جا رہے ہو

بلکہ واجب ہے کہ توحید کو قبول کرو اور شرک کو چھوڑو ربط اوپر توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال تھا آگے کفر و شرک کی قباحت اور کفار کی مذمت اور کفر پر دھمکی اور ایمان کا پسندیدہ ہونا اور مخلص مسلمانوں کی مدح اور ان کے لئے زائد لطف کا وعدہ مذکور ہے ان تکفروا تا بغیر حساب ۔

اِنۡ تَكۡفُرُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنۡكُمۡ قف

اگر تم کفر کرو گے تو خدا تعالیٰ تمہارا (تمہاری عبادت کا) حاجتمند نہیں

یعنی تم نے شرک وکفر کا باطل ہونا تو سن لیا اس کے بعد بھی اگر کفر وشرک کرو گے تو خدا تعالیٰ کا تمہاری عبادت اور توحید اختیار نہ کرنے سے کوئی ضرر نہیں۔

وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ

اور وہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند نہیں کرتا

کیونکہ کفر سے بندوں کو ضرر پہنچتا ہے

وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ۗ

اور اگر تم شکر کرو گے تو اس کو تمہارے لئے پسند کرتا ہے

کیونکہ اس میں تمہارا نفع ہے باقی اس کا کوئی نفع نہیں اور شکر کی بڑی فرد ایمان ہے کہ اسی پر شکر کی تمام صورتیں موقوف ہیں پس تم کو ایمان لانا چاہیے آگے یہ بتلاتے ہیں کہ کوئی شخص کفر کر کے یوں نہ سمجھے کہ میرا کفر دوسرے کے نامہ اعمال میں کسی وجہ سے درج ہو جائے گا اور میں بری ہو جاؤں گا یا تو اس وجہ سے کہ میں دوسروں کا متبع ہوں خواہ اپنے زمانہ والوں کا یا پہلے باپ دادوں کا یا اس وجہ سے کہ دوسرے میرا بوجھ اٹھانے کا وعدہ کر رہے ہیں جیسا کہ بعض کفار کہا کرتے تھے کہ ہم تمہارے گناہ اپنے سر دھر لیں گے غرض یہ نہ ہوگا بلکہ تمہارا کفر تمہارے ہی نامہ اعمال میں لکھا جاوے گا۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۗ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ

اور کوئی کسی (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھاتا پھر اپنے پروردگار کے پاس تم کو

مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۗ

لوٹ کر جانا ہے سو وہ تم کو تمہارے سب اعمال جتلا دے گا

اور سزا دے گا پس یہ گمان بھی غلط ہے کہ ان اعمال کی پیشی کا وقت نہ آئیگا۔

اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۷

وہ دلوں کی باتوں کا جاننے والا ہے

پس یہ گمان بھی مت کرنا کہ ہمارے کفر کی شاید اس کو اطلاع نہ ہو جیسا کہ حدیثوں میں ہے کہ بعض لوگوں میں گفتگو ہوئی کہ معلوم نہیں اللہ تعالیٰ ہماری باتیں سنتا ہے یا نہیں کسی نے کچھ جواب دیا اور کسی نے کچھ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ وما کنتم تستترون ان یشھد الخ

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ

اور مشرک آدمی کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے پروردگار کو اسی کی طرف رجوع ہو کر پکارنے لگتا ہے

اور اس کے سوا سب معبودوں کو بھول جاتا ہے

ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ

پھر جب اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے پاس سے نعمت دامن و آرائش عطا فرما دیتا ہے تو

يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا

جس کے لئے پہلے سے (خدا کو) پکار رہا تھا اس کو بھول جاتا ہے اور خدا کے شریک

لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۗ

بنانے لگتا ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی راہ سے دوسروں کو گمراہ کرتا ہے

اور اگر اس مصیبت کو پیش نظر رکھتا تو خالص توحید جو اس سے پیدا ہوگئی تھی باقی رہتی یہ تو شرک کی مذمت ہوگئی آگے دھمکی ہے۔

قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ۖۗ اِنَّكَ مِنْ

آپ (ایسے شخص سے) کہہ دیجئے کہ اپنے کفر کی بہار تھوڑے دنوں اور لوٹ

اَصْحٰبِ النَّارِ ۝۸

لے (پھر آخرکار) تو دوزخیوں سے ہونے والا ہے

آگے توحید والوں کی مدح اور بشارت ہے۔

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَاۗىِٕمًا

بھلا جو شخص اوقات شب میں سجدہ وقیام (یعنی نماز) کی حالت میں عبادت کر رہا ہو

حالانکہ رات کا وقت عموماً غفلت کا ہوتا ہے۔

يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ۭ

آخرت سے ڈرتا رہا ہو اور اپنے پروردگار کی رحمت کی امید کر رہا ہو

مشرک مذکور کے برابر ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ یہ عبادت اور سجدہ و قیام کرنے والا اچھا ہے اور مشرک جو مطلب نکال لینے کے بعد توحید کو چھوڑ دیتا ہے برا ہے اور چونکہ ان عبادات کے چھوڑنے کو کفار برا نہ سمجھتے تھے اس لئے اس تفاوت کی بناء پر اپنے برے ہونے اور مسلمانوں کے اچھے ہونے میں ان کو کلام ہو سکتا تھا اس لئے آگے زیادہ واضح عنوان سے اس حکم کو ثابت فرماتے ہیں۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ

آپ کہہ دیجئے کہ کیا علم والے اور جہل والے (کہیں) برابر ہوتے ہیں

چونکہ جہل کو ہر شخص برا سمجھتا ہے اس کے جواب میں ان کی طرف سے بھی یہی کہا جا سکتا ہے کہ جہل والے برے ہیں اب یہ ثابت کرنا رہ گیا کہ جاہل کون ہے سو یہ بات ذرا سے تامل سے معلوم ہو سکتی ہے کہ صاحب علم وہ ہے جو عمل بھی کرتا ہے اور جو عمل سے اعراض کرے وہ جاہل ہے۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا
وہی لوگ نصیحت پکڑتے ہیں جو اہل عقل (سلیم) ہیں
الْاَلْبَابِ ﴿۹﴾ قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا
(آپ) مومنین کو میری طرف سے کہیے کہ اے ایمان والے بندو تم اپنے
اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ؕ
پروردگار سے ڈرتے رہو

یعنے ہر چند کہ اس بیان سے کفر اور اہل کفر کا برا ہونا اور ایمان اور اہل ایمان کا اچھا ہونا ثابت ہو گیا لیکن پھر بھی ہر شخص اس سے منتفع نہیں ہوتا بلکہ جن کی عقل سلیم ہے وہی اس سے نصیحت لیتے ہیں اور جب ایمان واطاعت والوں کا عند اللہ اچھا ہونا معلوم ہو گیا تو آگے اطاعت کی ترغیب دیتے ہیں یعنے طاعت پر دوام اور گناہوں سے پرہیز کرو کہ یہ سب تقویٰ کی شاخیں ہیں آگے اس کا ثمرہ مذکور ہے۔

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ
جو لوگ اس دنیا میں نیکی کرتے ہیں ان کے لئے نیک صلہ ہے

آخرت میں تو ضرور ہی اور دنیا میں دل کی راحت ضرور حاصل ہوتی ہے۔ اور کبھی ظاہر میں بھی راحت میسر ہوتی ہے آگے فرماتے ہیں کہ اگر تم کو وطن میں رہ کر نیک کام کرنے سے کوئی روکے تو ہجرت کر کے دوسری جگہ چلے جاؤ۔

وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ
اور اللہ کی زمین فراخ ہے

آگے فرماتے ہیں کہ اگر وطن چھوڑنے میں کچھ تکلیف پہنچے تو اس میں استقلال سے کام لو۔

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۱۰﴾
مستقل رہنے والوں کو ان کا صلہ بے شمار ہی ملے گا

بے شمار کا مطلب یہ ہے کہ بہت زیادہ ملے گا کیونکہ اشیاء کا متناہی ہونا ثابت ہے۔

ربط: اوپر کفر و شرک کا ناپسندیدیہ اور موجب عذاب ہونا مذکور تھا آگے صراحۃً ایمان کا حکم فرماتے ہیں اور کفر و شرک سے اشارۃً منع فرماتے ہیں قل انی امرت تا المیعاد

قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ
آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو (منجانب اللہ) حکم ہوا ہے کہ میں اللہ کی اس طرح
الدِّيْنَ ﴿۱۱﴾
عبادت کروں کہ عبادت کو ان کے لئے خاص رکھوں

یعنے اس میں شرک کا شائبہ نہ ہو

وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲﴾
اور مجھ کو یہ (بھی) حکم ہوا ہے کہ (اس) امت کو (لوگوں میں) سب مسلمانوں سے اول میں ہوں

اور ظاہر ہے کہ نبی کا احکام قبول کرنے میں سب سے اول ہونا ضروری ہے۔

قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ
(آپ یہ بھی کہہ دیجئے) اگر (بافرض محال میں) اپنے رب کا کہنا نہ مانوں تو
يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳﴾
میں ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں

مطلب یہ کہ توحید خالص کا واجب ہونا اور اس کے چھوڑنے پر عذاب کا مستحق ہونا ایسا ہے کہ اس قاعدہ سے نبی معصوم بھی مستثنیٰ نہیں حالانکہ اس میں معصیت کا احتمال ہی نہیں تو غیر معصوم تو کس شمار میں ہیں

قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ ﴿۱۴﴾
آپ کہہ دیجئے کہ میں تو اللہ ہی کی عبادت اس طرح کرتا ہوں کہ اپنی عبادت کو اسی کے لئے خاص رکھتا ہوں

یعنی جس بات کا مجھ کو حکم ہوا ہے جس کا ذکر ابھی ہوا ہے میں تو اسی پر کاربند ہوں کہ میری عبادت میں شرک کا شائبہ بھی نہیں پس تم کو بھی ایسی ہی خالص عبادت اختیار کرنا چاہئے لیکن اگر تم نہیں مانتے تو تم جانو

فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ؕ
سو خدا کو چھوڑ کر تمہارا دل جس چیز کو چاہے اس کی عبادت کرو

قیامت کے دن اس کا نقصان معلوم ہو جائے گا۔

قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ پورے زیاں کار وہی لوگ ہیں جو اپنی جانوں

وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ

سے اور اپنے متعلقین سے قطعاً قیامت کے روز خسارہ میں پڑے

یعنی نہ اپنی جان سے ان کو نفع حاصل ہوا کہ رحمت اور نجات نصیب ہوتی اور نہ اپنے متعلقین سے نفع حاصل ہوا کیونکہ اگر متعلقین نجات پانے والے ہوئے تب تو وہ ان سے دور ہی رہیں گے اور اگر ان کے گمراہ کرنے سے وہ بھی نجات سے محروم ہوئے تب بھی دوزخ میں ساتھ ہونا کچھ نفع نہیں دے سکتا۔

اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۵﴾

یادرکھو کہ صریح خسارہ یہی ہے

جو قیامت کے دن واقع ہو جو کہ فیصلہ کا آخری دن ہے آگے اس خسارہ کی کیفیت ہے۔

لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ

ان کے لئے ان کے اوپر سے بھی آگ کے محیط شعلے ہوں گے اور ان کے نیچے سے بھی

تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ

آگ کے محیط شعلے ہوں گے یہ وہی (عذاب) ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے

اور اس سے بچنے کی تدبیریں بتلاتا ہے کہ وہ دین حق پر عمل کرنا ہے۔

يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴿۱۶﴾

اے میرے بندو مجھ سے (یعنی میرے عذاب سے) ڈرو

اور دین حق پر عمل کرو یہ تو کفار و مشرکین کا حال ہوا آگے مسلمانوں کا حال مذکور ہے۔

وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ

اور جو لوگ شیطان کی عبادت سے بچتے ہیں (مراد غیر اللہ کی عبادت ہے)

اور غیر اللہ کی عبادت کو شیطان کی عبادت اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں شیطان کی کامل اطاعت کی جاتی ہے اور یہی حقیقت ہے عبادت کی

اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ

اور (ہمہ تن) اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں وہ مستحق خوش خبری سنانے کے ہیں

فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ ۙ

سو آپ میرے ان بندوں کو خوشخبری سنا دیجئے

جو شیطان کی عبادت سے بچتے اور خدا کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ دوسرے صفات سے بھی موصوف ہیں جن کا آگے ذکر ہے۔

الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ

جو اس کلام (الٰہی) کو کان لگا کر سنتے ہیں پھر اس کی اچھی اچھی باتوں پر چلتے ہیں

اور قرآن کے تمام احکام اچھے ہی ہیں چنانچہ آگے احسن الحدیث فرمایا ہے پس مطلب یہ ہے کہ وہ قرآن کی سب باتوں پر عمل کرتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا

یہی ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی اور یہی ہیں جو

الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾

اہل عقل ہیں

سو ان کو بشارت سنا دیجئے اور جس بات کی بشارت ان کے لئے ہے اس کا ذکر لکن الذی اتقوا میں آگے آتا ہے اور درمیان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے کفار و مشرکین کے ایمان کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار سے باہر ہونا بیان فرماتے ہیں۔

اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ؕ اَفَاَنْتَ

بھلا جس شخص پر عذاب کی (ازلی تقدیری) بات محقق ہو چکی تو کیا آپ ایسے

تُنْقِذُ مَنْ فِى النَّارِ ﴿۱۹﴾ ۚ

شخص کو جسے (علم الٰہی میں) دوزخ ہی میں جانا ہے چھڑا سکتے ہیں

یعنی جو دوزخ میں جانے والے ہیں وہ آپ کی کوشش سے بھی گمراہی سے نہ نکلیں گے تو افسوس و غم بے فائدہ ہے۔

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ

لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے

اس لئے ان پر عذاب کی بات محقق نہیں ہوئی اور یہ وہ لوگ ہیں جن کی اور بھی بہت سی صفات اوپر گزر چکی ہیں۔

لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِىْ

ان کے لئے (جنت کے) بالا خانے (ہیں) جن کے اوپر اور بالا خانے ہیں

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۬ؕ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا یُخْلِفُ اللّٰهُ

جو بنے بنائے تیار ہیں ان کے نیچے نہریں چل رہی ہیں یہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ

الْمِیْعَادَ ﴿۲۰﴾

کیا ہے اور اللہ وعدہ میں خلاف نہیں کرتا

پس ضرور ان کو یہ سب کچھ ملے گا ربط اوپر ان چیزوں کا بیان تھا جو ایمان پر آمادہ کرنے والی ہیں یعنی آخرت کا لازوال ثواب وعذاب آگے ایمان سے روکنے والی چیزوں کو رفع کرتے ہیں یعنی دنیا کا جلدی فنا ہو جانا بتلا کر اس میں انہماک سے منع فرماتے ہیں۔ الم تر تا اولی الالباب

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ

(اے مخاطب) کیا تو نے (اس بات پر) نظر نہیں کی کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان

یَنَابِیْعَ فِی الْاَرْضِ

سے پانی برسایا پھر اس کو زمین کی سوتوں میں داخل کر دیتا ہے

یعنی زمین کے اس حصہ میں پہنچا دیتا ہے جہاں سے پانی ابل کر کنوؤں اور چشموں کی صورت میں نکلتا ہے اور چشموں اور کنوؤں میں پانی کا جمع ہونا دو سبب سے ہوتا ہے ایک یہ کہ زمین کی سردی سے بخارات پانی بن جاتے ہیں دوسرے بارش کا پانی زمین کے مسامات میں پیوست ہو کر سمٹ کر جمع ہو جاتا ہے اس آیت میں ایک کا ذکر ہے اور دوسرے کا انکار نہیں پس آیت کو فلسفی مسئلہ سے کوئی تعارض نہیں

ثُمَّ یُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ

پھر (جب وہ ابلتا ہے) اس کے ذریعہ سے کھیتیاں پیدا کرتا ہے جس کی مختلف

یَهِیْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ

قسمیں ہیں پھر وہ کھیتی خشک ہو جاتی ہے سو تو اس کو زرد دیکھتا ہے پھر (اللہ تعالیٰ)

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۲۱﴾ ع

اس کو چورا چورا کر دیتا ہے اس (نمونہ) میں اہل عقل کے لئے بڑی عبرت ہے

کہ بعینہ یہی حالت انسان کی دنیوی زندگی کی ہے کہ آخر کار سب کو فنا ہونا ہے پھر اس میں منہمک ہو کر ہمیشہ کی راحت سے محروم رہنا اور دائمی مصیبت سر پر لینا نہایت حماقت ہے۔

ربط: اوپر حق کا اثبات اور باطل کا ابطال نہایت شافی کافی بلیغ طرز سے مذکور ہو چکا ہے آگے ان بیانات سے بعض کا متاثر ہونا اور بعض کا متاثر نہ ہونا بیان فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ ہمارا بیان اگرچہ نہایت بلیغ اور موثر ہے مگر پھر بھی سننے والوں میں باہم بہت تفاوت ہے سب یکساں نہیں ہیں افمن شرح تا من هاد

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ

سو جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام (کے قبول کرنے) کے لئے کھول دیا

یعنے اسلام کے حق ہونے کا اسے یقین آ گیا۔

فَهُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ

اور وہ اپنے پروردگار کے (عطا کئے ہوئے) نور پر ہے

یعنی یقین لا کر اسی کے موافق عمل کر رہا ہے۔

فَوَیْلٌ لِّلْقٰسِیَةِ

کیا وہ شخص اور اہل فساد برابر ہیں

اہل قساوت کا ذکر آگے آتا ہے

قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ

سو جن لوگوں کے دل خدا کے ذکر سے متاثر نہیں ہوتے

یعنی خدا کے وعدوں اور احکام پر ایمان نہیں لاتے۔

اُولٰٓئِكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۲﴾

ان کے لئے بڑی خرابی ہے یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں

یعنی آخرت میں ان کے لئے بڑی خرابی ہے اور دنیا میں کھلی گمراہی میں گرفتار ہیں آگے اس نور اور ذکر کا بیان ہے۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا

اللہ تعالیٰ نے بڑا عمدہ کلام نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے کہ

مَّثَانِیَ ۖ ق

باہم ملتی جلتی ہے

یعنی اس کی عبادت کا اعجاز اور بلاغت اول سے آخیر تک یکساں ہے کسی جگہ کلام کی شوکت اور بلاغت وفصاحت کم نہیں ہوئی اسی طرح اس کے معانی بھی صحت وخوبی میں سب برابر ہیں اس میں کوئی مضمون کمزور نہیں۔

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ

بار بار دہرائی گئی ہے

جس میں علاوہ اس فائدہ کے کہ مخاطب کے دل میں بار بار بیان کرنے سے مضمون پختہ ہو کر جم جاتا ہے ہر جگہ خاص خاص باریکیاں اور لطائف بھی ملحوظ ہوتے ہیں جس سے تکرار محض نہیں رہتا اور قرآن میں بعض مضامین کا بار بار دہرانا دلیل ہے اس کے کمال ہدایت پر مشتمل ہونے کی اور غایت درجہ بلیغ ہونے کی کیونکہ ایک بات کے بار بار دہرانے سے انسان کا کلام فصیح و بلیغ و شیریں نہیں رہتا اور اس سے طبیعت اکتا جاتی ہے پس یہ قرآن کا کھلا معجزہ ہے کہ تکرار مضامین سے اس کی بلاغت و شوکت میں کچھ بھی تفاوت نہیں ہوا اور اس کے ساتھ اس کی حلاوت زیادہ ہی ہوگئی۔

الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ج

جس سے ان لوگوں کے جو کہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں بدن کانپ اٹھتے ہیں

مطلب یہ ہے کہ ڈر جاتے ہیں خواہ وہ خوف دل ہی میں رہے بدن پر اس کا اثر نہ آوے اور اگرچہ وہ خوف عقلی و ایمانی ہو یا طبعی اور روحانی

ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ط

ان کے دل پھر نرم اور (منقاد) ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں

یعنی ذکر ان اعمال کو توجہ سے بجالاتے ہیں جو کہ اعضاء اور دل کے متعلق ہیں۔

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ط

یہ قرآن اللہ کی ہدایت ہے جس کو وہ چاہتا ہے اس کے ذریعہ سے ہدایت کرتا ہے

جیسا کہ ڈرنے والوں کا حال ابھی سنایا گیا۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾

اور خدا جس کو گمراہ کرتا ہے اس کا کوئی ہادی نہیں

جیسا کہ سنگ دلوں کا حال ابھی سنایا گیا ربط اوپر ڈرنے والوں اور سنگ دلوں کی حالت میں باعتبار اثر قبول کرنے اور نہ کرنے کے تفاوت مذکور تھا۔ آگے انجام کے اعتبار سے دونوں میں تفاوت بتلاتے ہیں۔

افمن یتقی تا لو کانوا یعلمون

اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ

بھلا جو شخص اپنے منہ کو قیامت کے روز سخت عذاب کی

الْقِيٰمَةِ ط

سپر بناوے گا

سپر بنانے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی عادت ہے کہ جب کوئی اس پر وار کرتا ہے تو وہ ہاتھ پر روکتا ہے مگر وہاں ہاتھ پاؤں تو جکڑے ہوں گے اس لئے سارا عذاب منہ ہی پر لے گا نعوذ باللہ من غضب اللہ

وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۲۴﴾

اور ایسے ظالموں کو حکم ہوگا کہ جو کچھ تم کیا کرتے تھے (اب) اس کا مزہ چکھو تو کیا

كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ

یہ (معذب) اور جو ایسا نہ ہو برابر ہو سکتے ہیں جو لوگ ان سے پہلے ہو چکے ہیں

مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ

انہوں نے بھی (حق کو) جھٹلایا تھا سو ان پر (خدا کا) عذاب ایسے طور پر آیا کہ ان

الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج

کو خیال بھی نہ تھا سو اللہ تعالیٰ نے ان کو اسی دنیوی زندگی میں رسوائی کا مزہ چکھایا

کہ زمین میں دھنس کر یا مسخ ہو کر یا آسمانی پتھروں کی مار کھا کر تمام عالم میں بدنام ہوئے پس کفار ان عذابوں کو سن کر انکار نہ کریں کیونکہ انکار اور اس کا انجام پہلے بہت کچھ ہو چکا ہے۔ ربط اوپر قرآن سے بعض کا متاثر ہونا اور بعض کا متاثر نہ ہونا بتلا چکے ہیں آگے فرماتے ہیں کہ قرآن تو فی نفسہ اسی قابل ہے کہ اس کا اثر قبول کیا جائے حاصل یہ ہے کہ تفاوت باعتبار مخاطب کی استعداد کے ہے ورنہ قرآن کے موثر ہونے میں کچھ کمی نہیں۔ ولقد ضربنا تا یتقون

وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا

اور آخرت کا عذاب اور بھی بڑا (اور سخت) ہے کاش یہ لوگ سمجھ

يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ

جاتے اور ہم نے لوگوں کو (ہدایت) کے لئے اس قرآن میں ہر قسم

هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ

کے (ضروری) عمدہ مضامین بیان کئے ہیں تا کہ یہ لوگ نصیحت پکڑیں

يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ ج قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ

جس کی کیفیت یہ ہے کہ وہ عربی قرآن ہے جس میں ذرا کجی نہیں

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۲۸﴾

(اور) تا کہ یہ لوگ ڈریں

یعنی قرآن میں یہ مضامین اس لئے لائے گئے ہیں تا کہ ان سچے اور بلیغ مضامین کو سن کر خدا کا خوف کریں غرض کتاب ہدایت ہونے کے لئے جن صفات کمال کی ضرورت تھی قرآن میں وہ سب جمع ہیں چنانچہ عمدہ مضامین ہونا پھر عربی ہونا جس کو اہل عرب بلا واسطہ سمجھ سکتے تھے کیونکہ وہ پہلے مخاطب ہیں پھر ان کے ذریعہ سے دوسروں کو سمجھ لینا آسان ہے پھر کسی مضمون میں کسی قسم کا خلل نہیں لیکن اگر ان ہی کی استعداد فاسد تو کیا کیا جاوے ربط اوپر مومن و مشرک میں ہدایت و گمراہی کا تفاوت معلوم ہوا ہے آگے ایک مثال سے اس تفاوت کو واضح کر کے توحید کو ثابت کرتے اور شرک سے عار دلاتے ہیں۔ ضرب الله تا لایعلمون

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ

اللہ تعالیٰ نے (موحد و مشرک کے بارے میں) ایک مثال بیان فرمائی کہ ایک شخص

مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ۭ هَلْ

(غلام) ہے جس میں کئی ساجھی ہیں جن میں باہم ضد اضدی بھی ہے اور ایک اور شخص

يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ

ہے کہ پورا ایک ہی شخص کا (غلام) ہے (تو) کیا ان دونوں کی حالت یکساں (ہو سکتی) ہے

اور ظاہر ہے کہ دونوں برابر نہیں بلکہ پہلا شخص تکلیف میں ہے کہ ہمیشہ متحیر رہتا ہے کہ کس کا کہنا مانوں کس کا نہ مانوں دوسرا شخص آرام میں ہے کہ ایک ہی شخص سے تعلق ہے پس پہلی مثال مشرک کی ہے کہ ہمیشہ ڈانواں ڈول رہتا ہے کبھی غیر اللہ کی طرف دوڑتا ہے کبھی خدا کی طرف پھر کبھی غیر اللہ میں بھی کسی ایک پر اطمینان نہیں ہوتا کبھی کسی طرف رجوع کرتا ہے کبھی کسی کی طرف

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ

الحمد للہ

چونکہ وہ لوگ بھی اس کے سوا کچھ جواب نہیں دے سکتے تھے جس سے حجت کا لازم ہونا ثابت ہو گیا اس لئے خود ہی فرماتے ہیں کہ الحمد للہ حق ثابت ہو گیا مگر پھر بھی یہ لوگ قبول نہیں کرتے۔

بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾

بلکہ (قبول تو کیا) ان میں اکثر سمجھتے بھی نہیں

کیونکہ سمجھنے کا قصد ہی نہیں کرتے ربط اوپر جب ہر پہلو سے بحث کا فیصلہ ہو گیا اور سرکشوں نے اس فیصلہ کو قبول نہ کیا تو آگے قیامت کا فیصلہ بیان فرماتے ہیں جو کہ آخری فیصلہ ہو گا جس سے کوئی سرتابی نہ کر سکے گا۔ انک میت تا تختصمون

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ

آپ کو بھی مرنا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے پھر قیامت کے روز تم مقدمات اپنے

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿۳۱﴾ ع

رب کے سامنے پیش کرو گے (اس وقت عملی فیصلہ ہو جاوے گا)

پس اگر دنیا میں یہ لوگ اس عقلی فیصلہ کو نہیں مانتے تو آپ غم نہ کریں۔

الحمد للہ تیئسویں پارہ کی تفسیر ختم ہوئی

ربط: اوپر قیامت میں مقدمات پیش ہونے کا ذکر تھا آگے اس کا ظہور اور نتیجہ مذکور ہے کہ اس دن یہ فیصلہ ہوگا کہ ناحق پرستوں کو دوزخ کا عذاب اور حق پرستوں کو اجر عظیم نصیب ہوگا۔ فمن اظلم تا کانوا یعملون

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ

سو اس شخص سے زیادہ بے انصاف کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے

یعنی خدا کی نسبت یوں کہے کہ اس کا کوئی شریک ہے

وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ط

اور سچی بات کو (یعنی قرآن کو) جبکہ وہ اس کے پاس (رسول کے ذریعہ سے) پہنچی جھٹلاوے

سو ایسے شخص کا زیادہ ناانصاف ہونا اور آدمی کا سخت عذاب کے لائق ہونا بھی ظاہر ہے اور سخت عذاب جہنم ہے۔

اَلَيْسَ فِىْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

(قیامت کے دن) جہنم میں ایسے کافروں کا ٹھکانا ہوگا

ضرور ہوگا یہ تو ناحق پرستوں کا فیصلہ ہوا آگے حق پرستوں کا فیصلہ مذکور ہے۔

وَالَّذِىْ جَآءَ بِالصِّدْقِ

اور جو لوگ سچی بات لے کر آئے

یا تو خدا کی طرف سے یا رسول کی طرف سے پس اس عام مضمون میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام جو کہ خدا کی طرف سے حق لے کر آئے اور ان کے وہ متبعین جو رسول کی طرف سے حق بات لوگوں کو پہنچاتے ہیں سب داخل ہیں۔

وَصَدَّقَ بِهٖٓ

اور خود بھی اس کو سچ جانا

یعنی وہ سچے بھی ہیں اور تصدیق کرنے والے بھی ہیں جیسے پہلے لوگ یعنی بے انصاف اور ناحق پرست جھوٹے بھی تھے اور جھٹلانے والے بھی تھے اور اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ جہنم میں جانا خدا پر جھوٹ باندھنے اور قرآن کو جھٹلانے دونوں پر موقوف ہے اسی طرح جنت میں جانا سچ بولنے اور تصدیق کرنے دونوں پر موقوف ہے بلکہ مقصود زیادہ مدح اور زیادہ مذمت ہے۔ چونکہ دونوں میں یہ دونوں باتیں موجود ہیں یا موجود نہیں اس لئے ہر ایک کی دونوں صفتیں بیان کر دی گئیں ورنہ درحقیقت جنت میں جانا صرف تصدیق پر موقوف ہے اور جہنم میں جانے کے لئے خدا پر جھوٹ باندھنا بھی کافی ہے اور قرآن کا جھٹلانا بھی۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ

تو یہ لوگ پرہیزگار ہیں (ان کا فیصلہ یہ ہوگا) وہ جو کچھ چاہیں گے ان کے لئے

عِنْدَ رَبِّهِمْ ط ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۴﴾ صلے ج

ان کے پروردگار کے پاس سب کچھ ہے یہ صلہ ہے

لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِىْ عَمِلُوْا

نیکو کاروں کا ۔ تاکہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کے برے

وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِىْ

عملوں کو دور کر دے اور ان کے نیک کاموں کے

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۵﴾

عوض ان کو ان کا ثواب دے

چونکہ برے عملوں کو دور کرنا اور نیک کاموں کا ثواب دینا مقصود تھا اس لئے ان سے وعدہ کیا گیا کہ وہ جو کچھ چاہیں گے وہی ان کو ملے گا تاکہ وہ برے عملوں کی معافی اور نیک اعمال کے ثواب کی خواہش کریں تو حسب وعدہ ان کی یہ خواہش پوری کر دی جائے اور مسلمانوں کو ایسی خواہش ہونا ظاہری ہے۔ ربط اوپر کئی آیتوں میں توحید کو ثابت اور شرک کو باطل کیا گیا ہے ایسے مضامین کو سن کر کفار مشرکین آپ سے کہتے کہ ہمارے معبودوں سے گستاخی نہ کیجئے ورنہ ہم ان سے درخواست کر کے آپ کو مجنون کرا دیں گے اس پر اگلی آیت ویخوفونک الخ نازل ہوئی اسی طرح وہ اور بھی عناد و مخالفت کی باتیں کیا کرتے تھے جن سے آپ مغموم ہوئے اس لئے آگے آپ کی تسلی کا مضمون ہے۔ الیس اللہ بکاف تا بو کیل

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ط وَيُخَوِّفُوْنَكَ

کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندہ (خاص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت) کیلئے کافی نہیں اور یہ لوگ

بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ط

آپ کو ان (جھوٹے معبودوں) سے ڈراتے ہیں جو خدا کے سوا (تجویز کر رکھے) ہیں

یعنی وہ سب ہی کی حفاظت کے لئے کافی ہے۔ خصوص اپنے محبوب خاص بندہ کے لئے کیوں نہ کافی ہوگا۔ یعنی یہ ایسے احمق ہیں کہ خدا کی حفاظت سے انجان بن کر آپ کو ایسے کمزور اور جھوٹے معبودوں سے

ڈراتے ہیں جو خود ہی بے حس وحرکت اور عاجز ہیں اور اگر قادر بھی ہوتے تو پھر بھی خدا کی حفاظت کے سامنے عاجز ہی ہوتے۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۚ (۳۶)

اور جس کو خدا گمراہ کرے اس کا کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ اور جس

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَيْسَ

کو ہدایت دے اس کا کوئی گمراہ کرنے والا نہیں کیا خدا تعالیٰ زبردست

اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ (۳۷) وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ

انتقام لینے والا نہیں اور اگر (آپ) ان سے پوچھیں کہ آسمان اور

مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ

زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہی کہیں گے کہ اللہ نے۔ آپ (ان

اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ

سے) کہیے کہ بھلا پھر تو یہ بتلاؤ کہ خدا کے سوا تم جن معبودوں کو پوجتے

دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ

ہو اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو کوئی تکلیف پہنچانا چاہے کیا یہ معبود اس کی دی ہوئی

هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ

تکلیف کو دور کر سکتے ہیں یا اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی رحمت کرنا چاہے کیا یہ

هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ

معبود اس کی عنایت کو روک سکتے ہیں

یعنی اللہ تعالیٰ کو تنہا خالق ماننے کے بعد جس کو کمال قدرت لازم ہے کیا تم اس کے قائل ہو سکتے ہو کہ اس کا کوئی مقابلہ اور مزاحمت بھی کر سکتا ہے۔ ہرگز قائل نہیں ہو سکتے کیونکہ اس سے خدا کے کمال قدرت کی نفی لازم آئے گی حالانکہ تم اس کو پہلے تسلیم کر چکے ہو اور کفار کے جواب میں اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ کیا یہ معبود خدا کی عنایت کو مجھ سے روک سکتے ہیں لیکن چونکہ ان کے قول سے یہ بھی لازم آتا تھا کہ اگر آپ ان کے معبودوں کو کچھ نہ کہیں گے تو وہ آپ کو مضرت نہ پہنچنے دیں گے اس لئے جواب میں اتنا اور بڑھا دیا کہ اگر خدا مجھ کو کوئی تکلیف دینا چاہے تو کیا یہ معبود اس کو دور کر سکتے ہیں خلاصہ یہ کہ وہ نہ فائدہ پہنچا سکتے ہیں نہ ضرر دے سکتے ہیں۔

قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ

آپ کہہ دیجئے کہ (اس سے ثابت ہو گیا کہ) میرے لئے خدا کافی ہے

الْمُتَوَكِّلُوْنَ (۳۸)

توکل کرنے والے اسی پر توکل کرتے ہیں

کیونکہ وہ قادر اور مددگار ہے پس میں بھی اسی پر توکل کرتا ہوں اور تمہاری مخالفت وعناد کی کچھ پرواہ نہیں کرتا اور چونکہ وہ لوگ ان روشن دلائل اور قطعی براہین کے بعد بھی اپنی اسی جہالت وگمراہی پر جمے ہوئے تھے اس لئے آگے آخری جواب تعلیم فرماتے ہیں

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ

آپ کہہ دیجئے کہ تم اپنی حالت پر عمل کئے جاؤ

یعنی اس پر بھی اگر نہیں مانتے تو تم جانو

اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ

میں بھی عمل کر رہا ہوں

یعنی جیسے تم اپنا طریقہ نہیں چھوڑتے میں اپنا طریقہ نہیں چھوڑتا

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (۳۹) مَنْ يَّاْتِيْهِ

سو اب جلدی تم کو معلوم ہوا جاتا ہے کہ وہ کون شخص ہے۔ جس پر (دنیا میں) ایسا

عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ

عذاب آیا چاہتا ہے جو اس کو رسوا کر دے گا اور (بعد مرگ) اس پر دائمی

مُّقِيْمٌ (۴۰)

عذاب نازل ہوگا

چنانچہ دنیا میں جنگ بدر میں ان کو سزا ہوئی اور آخرت کا عذاب مرنے کے بعد بھگتنا ہوگا جو سخت ہوگا یہاں تک تو مخالفین کا خوف دور کر کے آپ کو تسلی دی گئی تھی آگے رنج وغم زائل کر کے تسلی دیتے ہیں۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ

ہم نے آپ پر یہ کتاب لوگوں کے (نفع کے) لئے اتاری جو حق کو لئے

بِالْحَقِّ ۚ

ہوئے ہے

اور آپ کا کام اس کو پہنچا دینا ہے

فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَن ضَلَّ

سو جو شخص راہ راست پر آوے گا تو اپنے نفع کے واسطے اور جو شخص بے راہ

فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۖ وَمَا أَنتَ عَلَيْهِم

رہے گا تو اس کا بے راہ ہونا (یعنی اس کا وبال اسی پر پڑے گا اور آپ ان پر

بِوَكِيلٍ ﴿٤١﴾

(کچھ بطور ذمہ داری کے) مسلط نہیں کئے گئے

کہ آپ سے ان کی بے راہی کی باز پرس ہونے لگے پھر آپ ان کی گمراہی سے کیوں غمگین ہوتے ہیں ربط جیسے اوپر چند جگہ توحید کا ذکر تھا آگے پھر اسی کی طرف رجوع ہے الله يتوفى الانفس تا يستبشرون

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا

اللہ ہی قبض یعنی (معطل) کرتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت

یعنی جن کی موت کا وقت آ جاتا ہے ان کی جانوں کو پوری طرح قبض کر لیتا ہے کہ حیات بالکل باقی نہیں رہتی۔

وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا ۖ

اور ان جانوں کو بھی جن کو موت نہیں آئی ان کے سونے کے وقت

کیونکہ سونے کے وقت حیات کے بعض آثار کم ہو جاتے ہیں مثلاً ادراک باقی نہیں رہتا اور موت کے وقت نہ جان رہتی ہے نہ ادراک رہتا ہے۔

فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ

پھر ان جانوں کو تو روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم فرما چکا ہے

وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ

اور باقی جانوں کو ایک میعاد معین تک کے لئے رہا کر دیتا ہے

کہ وہ جاگ کر پھر بدستور اجسام میں تصرف کرنے لگتی ہیں کیونکہ ابھی ان کی موت کا وقت نہ آیا تھا۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٤٢﴾

اس میں ان کے لئے جو کہ سوچنے کے عادی ہیں دلائل ہیں

جن سے وہ توحید پر استدلال کرتے ہیں

أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ ۚ

ہاں کیا ان (مشرک) لوگوں نے خدا کے سوا دوسروں کو (معبود) قرار دے

قُلْ أَوَلَوْ كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا

رکھا ہے جو (ان کی) سفارش کریں گے آپ کہہ دیجئے کہ اگر چہ یہ کچھ بھی

يَعْقِلُونَ ﴿٤٣﴾

قدرت نہ رکھتے ہوں اور کچھ بھی علم نہ رکھتے ہوں

یعنی شفاعت کے لئے کم از کم علم وقدرت تو درکار ہے جو ان میں نہیں ہے کیونکہ یہ تو خود بے حس وحرکت جماد ہیں اور چونکہ یہاں یہ احتمال تھا کہ کوئی مشرک کہے کہ یہ بت اگر چہ جماد ہیں اور خود شفاعت نہیں کر سکتے مگر جن کی یہ تصویریں ہیں وہ تو جاندار ہیں اور ان میں علم وقدرت دونوں ہیں وہی شفاعت بھی کریں گے اس لئے آگے اس کا جواب تعلیم فرماتے ہیں۔

قُل لِّلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا ۖ

آپ کہہ دیجئے کہ سفارش تو تمام تر خدا ہی کے اختیار میں ہے

کہ بدوں اس کی اجازت کے کسی کی مجال نہیں کہ شفاعت کر سکے اور اجازت کے لئے دو شرطیں ہیں ایک شفاعت کرنے والے کا مقبول ہونا دوسرے جس کی کچھ شفاعت کی جائے اس کا مغفرت کے قابل ہونا پس جن ارواح کو یہ لوگ معبود قرار دیتے ہیں اگر وہ شیاطین ہیں تب تو دونوں شرطیں مفقود ہیں اور اگر ملائکہ وغیرہ ہیں تو دوسری شرط موجود نہیں حق تعالیٰ بہرحال کفار کی شفاعت کی اجازت نہیں دے سکتے پس شفاعت بھی نہیں ہو سکتی اور ان کو اسی لئے معبود قرار دیا تھا تو ان کا معبود ہونا بھی باطل ہو گیا اور حق تعالیٰ کی توحید ثابت ہو گئی۔

لَّهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ ثُمَّ إِلَيْهِ

تمام آسمانوں اور زمین کی سلطنت اسی کی ہے پھر تم اسی کی طرف

تُرْجَعُونَ ﴿٤٤﴾

لوٹ کر جاؤ گے

جب یہ عالم ختم ہو جائے گا پس سب کو چھوڑ کر اسی سے ڈرو اسی کی عبادت کرو آگے بتلاتے ہیں کہ باوجود توحید کے دلائل قائم ہو جانے کے ان مشرکین کا یہ حال ہے کہ توحید سے نفرت ہی کرتے ہیں۔

وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ

اور جب فقط اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل منقبض ہوتے ہیں

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ

جو کہ آخرت کا یقین نہیں رکھتے

کیونکہ ان کو توحید سے نفرت ہے

وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ

اور جب اس کے سوا اوروں کا ذکر آتا ہے تو

يَسْتَبْشِرُوْنَ (۴۵)

اسی وقت وہ لوگ خوش ہو جاتے ہیں

کیونکہ شرک ان کو محبوب ہے اور کفار کو دنیوی حوائج میں تو اپنے معبودوں کی سفارش کا اعتقاد تھا ہی اور آخرت میں بطور فرض کے تھا کہ اگر بفرض محال آخرت کوئی چیز ہے تو ہمارے معبود وہاں بھی سفارش کریں گے۔

ربط: اوپر توحید کے ضمن میں کفار کی ہٹ دھرمی کا بھی ذکر ہوا ہے چونکہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حزن وغم ہوتا تھا اس لئے آپ کی تسلی کے لئے آگے ایک دعا تعلیم فرماتے ہیں اور کفار کی سزا بیان کر کے مضمون دعا کو کامل کرتے ہیں۔ **قل اللھم تا یستھزون**

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

آپ کہیے کہ اے اللہ آسمان اور زمین کے پیدا کرنے والے باطن ظاہر کے جاننے

عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ

والے آپ ہی (قیامت کے روز) اپنے بندوں کے درمیان ان امور میں

بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ (۴۶)

فیصلہ فرمائیں گے جن میں وہ باہم اختلاف کرتے تھے

مطلب یہ کہ آپ ان کی ہٹ دھرمی سے غم نہ کیجئے نہ ان کی فکر میں پڑیئے بلکہ ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کیجئے وہ خود عملی فیصلہ کر دیں گے آگے اس فیصلہ کے وقت کی حالت بتلاتے ہیں۔

وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ

اور اگر ظلم (یعنی شرک وکفر) کرنے والوں کے پاس دنیا بھر کی تمام چیزیں

جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ

ہوں اور ان چیزوں کے ساتھ اتنی چیزیں اور بھی ہوں تو وہ لوگ قیامت کے

سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ

دن سخت عذاب سے چھوٹ جانے کے لئے (بے تامل) ان کو دینے لگیں

اگرچہ مقبول نہ ہو جیسا کہ سورۂ مائدہ میں گزر چکا ہے **ماتقبل منھم** اور اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ وہ قیامت کے دن عذاب سے چھوٹنے کے لئے ایسا کریں گے بلکہ مقصود صرف مثال بیان کرنا ہے کہ اس وقت ان کی ایسی حالت ہوگی کہ وہ یہ چاہیں گے کہ کسی طرح ہم عذاب سے بچ جائیں مگر ان کے لئے عذاب ایسا لازم ہوگا کہ اگر بفرض محال وہ دنیا بھر کی دولت بھی اس کے معاوضہ میں دینے لگیں جب بھی اس سے نہ بچ سکیں گے۔

وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا

اور خدا کی طرف سے ان کو وہ معاملہ پیش آوے گا جن کا

يَحْتَسِبُوْنَ (۴۷)

ان کو گمان بھی نہ تھا

کیونکہ اول تو وہ آخرت کے منکر تھے پھر اس میں بھی وہ اپنے لئے راحت کے مدعی تھے۔

ربط: اوپر مشرکین کی ہٹ دھرمی اور ذکر توحید سے نفرت اور غیر اللہ کے ذکر سے مسرت کا حال مذکور ہوا ہے آگے اسی پر متفرع کر کے ان کی ایک دوسری حالت بیان فرماتے ہیں **فاذامس تا یؤمنون**

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ

اور (اس وقت) ان کو تمام اپنے برے اعمال ظاہر ہو جاویں گے اور جس

بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (۴۸)

(عذاب) کے ساتھ وہ استہزا کیا کرتے تھے وہ ان کو آگھیرے گا

اور یوں تو یہ لوگ غیر اللہ کے ذکر سے خوشی اور اللہ کے ذکر سے نفرت کرتے ہیں

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ۡ

پھر جس وقت (اس مشرک) آدمی کو تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے

حالانکہ پہلے ہم سے نفرت تھی اور جن معبودوں کے ذکر سے خوش ہوا کرتا تھا ان سب کو اس وقت چھوڑ دیتا ہے جس سے توحید کا حق ہونا خود

اس کے اقرار سے ثابت ہو جاتا ہے اور یہ صریح تناقض ہے اقوال واحوال میں جس سے مشرک کی صاف حماقت و جہالت ظاہر ہونے کے علاوہ اس کا مذہب بھی باطل قرار پاتا ہے۔

ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ

پھر جب ہم اس کو اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرماتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو

اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ

مجھ کو (میری) تدبیر سے ملی ہے

یعنی اس نعمت کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کرتا بلکہ اپنی تدبیر کا نتیجہ سمجھتا ہے اور جس توحید کا حق ہونا خود ان کے اقرار سے ثابت ہو چکا تھا اس پر قائم نہیں رہتا بلکہ اپنے قدیمی شرک کی طرف لوٹ کر غیر خدا کی عبادت میں لگ جاتا ہے آگے حق تعالیٰ اس کی بات کو رد فرماتے ہیں کہ وہ نعمت اسکی عبادت کا نتیجہ ہرگز نہیں۔

بَلْ هِىَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا

بلکہ وہ ایک آزمائش ہے لیکن اکثر

يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٩﴾

لوگ سمجھتے نہیں

یعنی وہ نعمت خدا کی دی ہوئی ہے جس سے انسان کی آزمائش مقصود ہے کہ دیکھیں نعمت ملنے پر ہم کو بھول جاتا ہے اور کفر کرتا ہے یا کہ یاد رکھتا اور شکر کرتا ہے اور اسی آزمائش کے لئے نعمتوں میں ظاہری اسباب اور کسب کا واسطہ بھی رکھ دیا ہے کہ اس سے اور زیادہ آزمائش ہوگئی کہ دیکھیں انسان اس ظاہری سبب پر نظر کرتا ہے یا حقیقی سبب پر۔

اس لئے اس کو اپنی تدبیر کا نتیجہ بتلا کر شرک میں مبتلا رہتے ہیں آگے اس پر دھمکی ہے۔

قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

یہ بات (بعض) ان لوگوں نے بھی کہی تھی جو ان سے پہلے ہوگزرے ہیں

جیسے قارون نے کہا تھا انما اوتیته علیٰ علم عندی کہ یہ مال و دولت مجھ کو اپنے علم اور تدبیر سے ملا ہے اسی طرح جو لوگ خدا کے منکر تھے جیسے نمرود و فرعون وغیرہ وہ بھی کسی نعمت کی خدا کی طرف نسبت نہ کرتے تھے بلکہ جو نعمت بدوں محنت کے حاصل ہوتی اس کو نصیب اور اتفاق کی طرف منسوب کرتے اور جو محنت سے حاصل ہوتی اس کو ہنر اور تدبیر کا نتیجہ بتلاتے تھے۔

فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٥٠﴾

(جیسے قارون نے کہا ہے) سو ان کی کارروائی ان کے کچھ کام نہ آئی

اور جس تدبیر پر ان کو گھمنڈ تھا وہ خدا کے عذاب کو نہ روک سکی

فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ؕ وَالَّذِيْنَ

پھر ان کی تمام بداعمالیاں ان پر آپڑیں (اور سزایاب ہوئے)

ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ

اور ان میں بھی جو ظالم ہیں ان پر بھی ان کی بداعمالیاں ابھی

مَا كَسَبُوْا ۙ

پڑنے والی ہیں

پس اس زمانہ کے کافر یہ خیال نہ کریں کہ جو کچھ ہونا تھا اگلوں کے ساتھ ہو چکا

وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿٥١﴾

اور یہ خدا تعالیٰ کو ہرا نہیں سکتے

چنانچہ بدر میں خوب سزا ہوئی

اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ

کیا ان لوگوں کو (احوال میں غور کرنے سے) یہ معلوم نہیں کہ اللہ ہی جس کو

لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

چاہتا ہے رزق دیتا ہے اور وہی (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگی کر دیتا ہے

يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٥٢﴾ ع

اس (بسط وقدر) میں ایمان والوں کے لئے نشانیاں ہیں

جن سے مخلوق کا عجز ثابت ہو کر خالق کا وجود اور قوت ثابت ہوتی ہے

قُلْ يٰعِبَادِىَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ

آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو جنہوں نے (کفر و شرک کرکے) اپنے

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ

اوپر زیادتیاں کی ہیں کہ تم خدا کی رحمت سے ناامید مت ہو

کہ ایمان لانے کے بعد گذشتہ کفر و شرک پر مواخذہ ہوگا۔

اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا

بالیقین خداتعالیٰ تمام (گذشتہ) گناہوں کو معاف فرماوے گا

اگر چہ وہ کفر وشرک ہی کیوں نہ ہو۔

اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۳﴾

واقعی وہ بڑا بخشنے والا بڑی رحمت والا ہے

اور چونکہ اس معافی کی شرط اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ کفر سے توبہ کی جائے اور اسلام قبول کیا جائے اس لئے آگے یہ طریقہ بتلاتے ہیں

وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ

اور تم اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور (اسلام قبول کرنے میں) اس کی فرمانبرداری کرو قبل اس کے کہ تم پر عذاب (الٰہی) واقع ہونے لگے (اور)

اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾

پھر (اس وقت کسی کی طرف سے) تمہاری کوئی مدد نہ کی جاوے

یعنی جیسا کہ اسلام لانے کی صورت میں سب کفر وشرک معاف ہو جائے گا اسی طرح اسلام نہ لانے کی صورت میں اس کفر وشرک پر عذاب بھی ہوگا جس کا کوئی دفعیہ نہیں اور جب اسلام نہ لانے کا انجام یہ ہے کہ تو تم کو ضرور اسلام لانا چاہئے۔

وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ

اور تم (کو چاہیے کہ) اپنے رب کے پاس سے آئے ہوئے

رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ

اچھے اچھے حکموں پر چلو۔ قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب

بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾

آپڑے اور تم کو اس کا خیال بھی نہ ہو

مراد اس سے آخرت کا عذاب ہے اور اس کو اچانک اس لئے کہا کہ پہلی بار صور پھونکنے کے وقت سب روحیں مدہوش ہو جاویں گی پھر دوسری بار صور پھونکنے کے وقت دفعۃً عذاب کا احساس ہونے لگے گا اور یا اس لئے کہا کہ آخرت کا عذاب جیسا سخت ہوگا پہلے اس کی حقیقت معلوم نہ تھی اور ویسا گمان نہ تھا۔

اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ

کبھی (کل قیامت کو) کوئی شخص کہنے لگے کہ افسوس میری اس کوتاہی پر جو

فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ

میں نے خدا کی جناب میں کی

یعنی اس کی اطاعت میں جو مجھ سے کوتاہی ہوئی اس پر افسوس ہے

وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلَ

اور میں تو (احکام خداوندی پر) ہنستا ہی رہا یا یوں کہنے لگے

لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ

کہ اگر خدا تعالیٰ (دنیا میں) مجھ کو ہدایت کرتا تو میں بھی

الْمُتَّقِيْنَ ﴿۵۷﴾

پرہیزگاروں میں سے ہوتا

مگر ہدایت ہی سے محروم رہا اس لئے یہ تمام تر تقصیر و کوتاہی ہوئی

اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ

یا کوئی عذاب کو دیکھ کر یوں کہنے لگے کہ کاش میرا (دنیا میں)

لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾

پھر جانا ہووے۔ پھر میں نیک بندوں میں ہو جاؤں

یہاں عذاب دیکھنے کی قید بڑھانے سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ پہلے دو قول عذاب دیکھنے سے پہلے ہوں گے پس غالباً اول میدان حساب میں جب اپنے اعمال کی تقصیر کی اطلاع ہوگی اس وقت پہلی بات کہیں گے پھر بطور عذر اور بہانہ کے دوسری بات کہیں گے جس میں اپنی تقصیر کا سبب خدا کی طرف سے ہدایت نہ ہونے کو بتلادیں گے پھر جب اس عذر کو نافع نہ پاویں گے اور عذاب ہی کا معائنہ ہو جاوے گا اس وقت دنیا میں لوٹنے کی تمنا کریں گے پس تینوں قول یکے بعد دیگرے ترتیب وار ہیں اب خواہ تو ہر کافر سے تینوں باتیں صادر ہوں یا کوئی ایک بات کہے کوئی دوسری اور چونکہ ان میں سے دوسرا قول بظاہر موجب تلبیس ہے اس لئے اس کا جو جواب دیا جائے گا اس کو آگے بیان فرماتے ہیں۔

بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا

ہاں بیشک تیرے پاس میری آیتیں پہنچی تھیں سو تو نے ان کو جھٹلایا اور جھٹلانا

وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۹﴾

کسی شبہ سے نہ تھا بلکہ تو نے تکبر کیا اور کافروں میں (ہمیشہ) شامل رہا

یعنی کسی دوسرے وقت بھی تیرا دماغ درست نہ ہوا حاصل جواب کا یہ ہے کہ جبریہ ہدایت تو آزمائش کے خلاف ہے اس لئے جبریہ ہدایت اگرنہیں کی گئی تو اس میں کوئی اشکال نہیں ہوسکتا اور اختیاری ہدایت کا انکار کرنا غلط ہے کیونکہ رسولوں اور آیتوں کا آنا بھی ہدایت ہے جس سے اگر تو چاہتا ہدایت حاصل کرسکتا تھا پس خدا کی طرف سے تجھ کو ہدایت ہوئی تھی مگر تو نے خود اپنے اختیار سے ایمان وتقویٰ کو چھوڑا پس تیرا یہ عذر محض باطل ہے آگے کفر پر جمے رہنے والوں اور توبہ کرنے والوں کی جزاوسزا کا مختصر طور پر ذکر فرماتے ہیں۔

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى

اور آپ قیامت کے روز ان لوگوں کے چہرے سیاہ دیکھیں گے

اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ

جنہوں نے خدا پر جھوٹ بولا تھا

اس میں دو باتیں آگئیں ایک یہ کہ جو بات خدا نے نہیں کہی اس کی بابت یہ کہنا کہ خدا نے کہی ہے جیسے شرک وغیرہ کی نسبت کفار کہتے تھے دوسرے یہ کہ جو بات خدا نے کہی ہے جیسے قرآن اس کی بابت یہ کہنا کہ خدا نے نہیں کہی۔

اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۶۰﴾

کیا ان متکبرین کا ٹھکانا جہنم میں نہیں ہے

جو کہ عناد اور تکبر سے خدا کی بات کو جھٹلاتے ہیں ضرور ہے ربط اوپر توحید کا حکم اور اس پر مزید لطف کا وعدہ اور شرک سے ممانعت اور اس پر سخت عذاب کی وعید مذکور تھی آگے بعض آیات میں حق تعالیٰ کی بعض صفات بیان کر کے توحید اور وعدہ وعید کی تائید فرماتے ہیں اور درمیان میں شرک کی مذمت فرماتے ہیں نیز ممانعت شرک کی تائید کرتے ہیں اور والارض جمیعا الخ سے قیامت کے بعض احوال کی تفصیل ہے۔ اللہ خالق کل شیء تا عمایشرکون

وَيُنَجِّى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ز

اور جو لوگ (شرک وکفر سے) بچتے تھے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کامیابی کے

لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۱﴾

ساتھ (جہنم سے) نجات دے گا ان کو ذرا تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ وہ غمگین

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ز وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ

ہوں گے (کیونکہ جنت میں غم نہیں) اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے

شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۶۲﴾ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ

ہر چیز کا اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے اور اسی کو اختیار میں ہیں کنجیاں آسمانوں

وَالْاَرْضِ ؕ

اور زمین کی

یعنی پیدا کرنے والا بھی وہی ہے اور زمین وآسمان کے خزانوں میں تصرف کرنے والا بھی وہی ہے پس ایسے اوصاف رکھنے والا شریک سے بھی یقیناً پاک ہوگا کیونکہ شرکت بہت بڑا عیب ہے جس کو خود انسان بھی اپنے لئے گوارا نہیں کرتا تو ایسے عیب کو اپنے خالق کے لئے کیونکر گوارا کرتا ہے اور جو خدا ایسا ہے وہ جزاوسزا کا بھی مالک ہوگا پس اوپر کے دونوں مضمون یعنی توحید اور وعدہ وعید کی اس تقریر سے تائید ہوگئی اور چونکہ خدا کا خالق ومحافظ اور خزانوں کی کنجیوں کا مالک ہونا کفار کو بھی مسلم تھا تو مقدمات کے مان لینے سے مقصود (یعنی توحید وجزاوسزا) کا تسلیم کرلینا اور زیادہ مؤکد ہوگیا۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ

اور جو لوگ (اس پر بھی) اللہ کی آیتوں کو نہیں مانتے

هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۳﴾ ع

وہ بڑے خسارہ میں رہیں گے

آگے فرماتے ہیں کہ اے پیغمبر یہ لوگ خود تو کفر وشرک میں مبتلا تھے ہی مگر ان کا یہاں تک حوصلہ بڑھا ہے کہ نعوذ باللہ آپ کو بھی اپنے طریقہ پر لانے کی فرمائش کرتے ہیں اس لئے ان کے حوصلے پست کرنے کو آئندہ مضمون ہم آپ کو تعلیم کرتے ہیں وہ ان کو سنا دیجئے۔

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا

آپ (ان کے جواب میں) کہہ دیجئے کہ اے جاہلو! کیا پھر بھی تم مجھ کو غیر

الْجٰهِلُوْنَ ﴿۶۴﴾

اللہ کی عبادت کرنے کی فرمائش کرتے ہو

حالانکہ توحید ثابت ہوچکی اور شرک باطل ہو چکا آگے فرماتے ہیں کہ اے پیغمبر بھلا آپ میں کفر وشرک کرنے کا کب احتمال ہوسکتا ہے جس کی

یہ احمق توقع کرتے ہیں کیونکہ آپ تو نبی معصوم ہیں اور دنیا بھر کے آدمیوں کو شرک سے بچانے کے لئے پیدا ہوئے ہیں

وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ

اور آپ کی طرف بھی اور جو پیغمبر آپ سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کی طرف

قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ

بھی یہ (بات) وحی میں بھیجی جا چکی ہے کہ اے عام مخاطب اگر تو شرک کرے گا تو تیرا

وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٦٥﴾ بَلِ اللّٰهَ

کیا کرایا سب غارت ہو جائے گا اور تو خسارہ میں پڑے گا تو اے مخاطب کبھی

فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٦٦﴾

شرک مت کرنا بلکہ (ہمیشہ) اللہ ہی کی عبادت کرنا اور (اللہ کا) شکر گزار رہنا

اس میں شرک کی قباحت پر دلیل بیان کر دی کہ وہ سخت درجہ کی ناشکری ہے پس جب انبیاء علیہم السلام کو شرک کی قباحت وحی سے معلوم ہے اور دوسروں تک اس کے پہنچا دینے کا ان کو حکم ہے اور آپ بھی انبیاء میں سے ہیں تو آپ سے شرک کا صادر ہونا کب ممکن ہے پس کفار کا ایسی ہوس رکھنا ان کا خلل دماغ ہے

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ

اور (افسوس ہے کہ) ان لوگوں نے خدا تعالیٰ کی کچھ عظمت نہ کی جیسی عظمت کرنا چاہیے تھی

خدا کی عظمت کا حق توحید ہے اور اس حق کی بے قدری شرک ہے اور توحید کو خدا کی عظمت کا حق عقائد کے اعتبار سے کہا گیا ہے ورنہ اس کی عظمت کے حقوق اور بھی بہت سے ہیں کچھ اسی میں منحصر نہیں اور ان کو عظمت کا حق کہنا بندہ کی وسعت کے اعتبار سے ہے ورنہ اس کی ذات کا حق کون ادا کر سکتا ہے۔

وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

حالانکہ اس کی وہ شان ہے کہ ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے

وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ؕ

دن اور تمام آسمان لپیٹے ہوں گے اس کے داہنے ہاتھ میں

خدا کے لئے مٹھی اور داہنے ہاتھ کا ثبوت متشابہات میں سے ہے جس کا مطلب خدا ہی کو معلوم ہے پس بلا کیفیت دریافت کئے ایمان لانا واجب ہے۔

ربط: اوپر توحید کو ثابت کرنے اور شرک کو باطل کرنے کے ضمن میں جزا و سزا کے مضمون کی تمہید تھی اور اس سے پہلے بھی بعض آیتوں میں اجمالاً اس کا ذکر ہوا ہے آگے ختم سورت تک تفصیل کے ساتھ یہی مضمون ہے

ونفخ في الصور تا رب العالمين

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٧﴾

وہ پاک اور برتر ہے ان کے شرک سے اور (قیامت کے روز)

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ

صور میں پھونک ماری جاوے گی سو تمام آسمان و زمین

وَمَنْ فِي الْاَرْضِ

والوں کے ہوش اڑ جاویں گے

پھر زندہ تو مر جاویں گے اور مردوں کی روحیں بے ہوش ہو جاویں گی

اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ

مگر جس کو خدا چاہے

وہ اس بیہوشی اور موت سے محفوظ رہے گا

ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى

پھر اس (صور) میں دوبارہ پھونک ماری جاوے گی تو دفعتاً سب کے سب کھڑے ہو جاویں گے

یعنی دوسری بار صور پھونکنے سے سب ہوش میں آ جاویں گے اور روحوں کا تعلق اجسام سے ہو جاوے گا

فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴿٦٨﴾

اور (چاروں طرف) دیکھنے لگیں گے

جیسا کہ نیا حادثہ ہونے کے وقت چاروں طرف دیکھنا طبعی عادت ہے پھر حق تعالیٰ حساب کے لئے اپنی شان کے مناسب زمین پر نزول اور تجلی فرمائیں گے۔

وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ

اور زمین اپنے رب کے نور (بے کیف) سے روشن ہو جاوے گی اور (سب کا) نامہ

وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَالشُّھَدَآءِ

اعمال (ہر ایک کے سامنے) رکھ دیا جاوے گا اور پیغمبر اور گواہ حاضر کئے جاویں گے

گواہ میں انبیاء علیہم السلام بھی داخل ہیں اور فرشتے بھی اور امت محمدیہ بھی اور انسان کے اعضاء و جوارح بھی

وَقُضِیَ بَیْنَھُمْ بِالْحَقِّ وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿٦٩﴾

اور سب میں ٹھیک ٹھیک فیصلہ کیا جاوے گا اور ان پر ذرا ظلم نہ ہوگا

کہ کوئی نیک کام چھپا لیا جائے (جو کہ شرعی قاعدہ کے موافق ہوا ہو) یا کوئی برا کام بڑھا دیا جائے ایسا ہرگز نہ ہوگا۔

وَوُفِّیَتْ کُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ

اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جاوے گا

نیک کاموں میں بدلہ پورا ہونے کا یہ مطلب ہے کہ کمی نہ کی جائے گی اور برے اعمال میں بدلہ پورا ہونے کا یہ مطلب ہے کہ زیادتی نہ کی جاوے گی۔

وَھُوَ اَعْلَمُ بِمَا یَفْعَلُوْنَ ﴿٧٠﴾ ع

اور وہ سب کے کاموں کو خوب جانتا ہے

پس اس کو ہر ایک کے موافق بدلہ دے دینا کچھ مشکل نہیں آگے اس بدلہ کا بیان ہے جو کہ فیصلہ کا نتیجہ ہے

وَسِیْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِلٰی جَھَنَّمَ زُمَرًا ط

اور جو کافر ہیں وہ جہنم کی طرف گروہ گروہ بنا کر ہانکے جاویں گے

دھکے دے کر ذلت و خواری کے ساتھ اور گروہ گروہ اس لئے کہا کہ کفر کے درجے اور قسمیں مختلف ہیں پس ایک ایک طرح کے کافروں کی ایک ایک جماعت ہوگی

حَتّٰٓی اِذَا جَآءُوْھَا فُتِحَتْ اَبْوَابُھَا وَقَالَ

یہاں تک کہ جب دوزخ کے پاس پہنچیں گے تو (اس وقت) اس کے دروازے کھول دیئے جاویں گے اور ان سے دوزخ کے محافظ (فرشتے بطور ملامت کے)

لَھُمْ خَزَنَتُھَآ اَلَمْ یَاْتِکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ

کہیں گے کیا تمہارے پاس تمہیں لوگوں میں سے پیغمبر نہ آئے تھے

کہ ان سے فیض لینا اس صورت میں بہت آسان تھا

یَتْلُوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِ رَبِّکُمْ وَیُنْذِرُوْنَکُمْ

جو تم کو تمہارے رب کی آیتیں پڑھ کر سنایا کرتے تھے اور تم کو تمہارے اس

لِقَآءَ یَوْمِکُمْ ھٰذَا ط قَالُوْا بَلٰی

دن کے پیش آنے سے ڈرایا کرتے تھے۔ کافر کہیں گے کہ ہاں

رسول بھی آئے تھے اور انہوں نے ڈرایا بھی تھا

وَلٰکِنْ حَقَّتْ کَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَی

لیکن عذاب کا وعدہ کافروں پر

الْکٰفِرِیْنَ ﴿٧١﴾

پورا ہو کر رہا

یہ بات عذر خواہی کے طور پر نہ کہیں گے بلکہ جرم کا اقرار ہے کہ باوجود رسولوں کے پہنچانے کے ہم نے کفر کیا اور کافروں کے لئے جس عذاب کا وعدہ تھا وہ ہمارے سامنے آیا واقعی ہماری نالائقی ہے۔

قِیْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَھَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ج

(پھر ان سے) کہا جاوے گا (یعنی وہ فرشتے کہیں گے) کہ جہنم کے دروازوں میں داخل ہو (اور) ہمیشہ اس میں رہا کرو

پھر اس کے بعد وہ جہنم میں داخل کر دیئے جاویں گے اور دروازے بند کر دیئے جاویں گے یہ تو کفار کا حال ہوا آگے مومنین کا حال ہے۔

فَبِئْسَ مَثْوَی الْمُتَکَبِّرِیْنَ ﴿٧٢﴾ وَسِیْقَ

(غرض خدا کے احکام سے) تکبر کرنے والوں کا برا ٹھکانا ہے

الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّھُمْ

اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے

جس کا پہلا مرتبہ ایمان ہے پھر اس کے بعد مختلف مراتب ہیں

اِلَی الْجَنَّةِ زُمَرًا ط

وہ گروہ گروہ ہو کر جنت کی طرف روانہ کئے جاویں گے

کہ جس مرتبہ کا تقویٰ ہوگا اس مرتبہ کے متقی ایک جگہ کر دیئے جائیں گے اور شوق دلا دلا کر جلدی جلدی روانہ کئے جاویں گے

حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا

یہاں تک کہ جب اس (جنت) کے پاس پہنچیں گے اور اس کے دروازے

وَقَالَ لَهُمْ

(پہلے سے) کھلے ہوئے ہونگے (تاکہ ذرا بھی دیر نہ لگے)

اور معزز لوگوں کے لئے ایسا ہی کیا جاتا ہے چنانچہ عادت ہے کہ مہمان کے لئے دروازہ پہلے سے کھول دیا جاتا ہے۔

خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا

اور ہانکے محافظ (فرشتے) ان سے کہیں گے السلام علیکم تم مزہ میں رہے سو اس

خٰلِدِیْنَ ﴿۷۳﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ

(جنت) میں ہمیشہ رہنے کے لئے داخل ہو جاؤ۔ اور (داخل ہو کر) کہیں گے

صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ

کہ اللہ کا (لاکھ لاکھ) شکر ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کیا اور ہم کو اس

نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ ۚ

سرزمین کا مالک بنا دیا کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں مقام کریں

یعنی ہر شخص کو خوب فراغت کی جگہ ملے گی کہ خوب کھل کھل کر چلیں پھریں بیٹھیں انھیں قیام کے طور پر تو اپنی ہی جگہ میں اور سیر کے طور پر تمام جنت میں جہاں چاہیں پھریں۔

فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ﴿۷۴﴾

غرض (نیک) عمل کرنیوالوں کا اچھا بدلہ ہے

یا تو یہ بھی جنتیوں کا کلام ہو یا حق تعالیٰ کا ارشاد ہو آگے شروع اجلاس سے اخیر فیصلہ تک کے اسی مضمون کو مختصر اور شوکت بھرے الفاظ میں خلاصہ کے طور پر بیان فرماتے ہیں

وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّیْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ

اور آپ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ (حساب کے اجلاس کے وقت) عرش کے گرداگرد حلقہ باندھے ہوں گے (اور) اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے ہوں

یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ

گے اور تمام بندوں میں ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیا جاوے گا اور کہا جاوے گا

اور اس فیصلہ کے ٹھیک ہونے پر ہر طرف سے جوش کے ساتھ نعرہ تحسین بلند ہوگا

وَقِیْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۵﴾ ع

کہ ساری خوبیاں خدا کو زیبا ہیں جو تمام عالم کا پروردگار ہے

جس لئے ایسا عمدہ فیصلہ کیا پھر اس نعرہ تحسین پر دربار برخاست ہو جائیگا۔

سورۃ المؤمن مکیۃ وآیہا خمس او ثمان و ثمانون

ربط: سورہ سابقہ کے ختم پر مومنین اور کفار کی حالت میں تفاوت آخرت کے اعتبار سے مذکور تھا کہ ایک نجات پانے والے اور دوسرے عذاب میں مبتلا ہوں گے اور اس سورت میں فریقین کی حالت کا تفاوت دنیا کے اعتبار سے مذکور ہے کہ ایک مومن فرمانبردار ہے اور دوسرا گمراہی اور ضد میں گرفتار ہے اور اس مضمون سے پہلے جو قرآن کی حقانیت اور رسول کی بعض صفات کا ذکر مع توحید کے مذکور ہوا ہے وہ بطور تمہید کے ہے جس سے مومنین اور کفار کے محل اختلاف کو متعین کرنا مقصود ہے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

(۴۰) سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ مَكِّیَّةٌ (۶۰)

سورہ مومن مکے میں نازل ہوئی اور اس میں پچاسی آیتیں اور نو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

حٰمٓ ﴿۱﴾ ۚ

حٰمٓ (اس کے معنی اللہ ہی کو معلوم ہیں)

اور یہاں سے سورہ احقاف تک متصل سات سورتیں حٰمٓ سے شروع ہوئی ہیں اور عجیب لطیفہ یہ ہے کہ ساتوں سورتوں کے شروع میں قرآن مجید کے منجانب اللہ نازل ہونے کا مضمون ہے۔

تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴿۲﴾ لا

یہ کتاب اتاری گئی ہے اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے۔

غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِیْدِ

ہر چیز کا جاننے والا اور بخشنے والا ہے اور توبہ کا قبول کرنے والا ہے

الْعِقَابِ ۙ ذِی الطَّوْلِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ

سخت سزا دینے والا ہے قدرت والا ہے اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں

اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝۳

اسی کے پاس (سب کو) جانا ہے

پس قرآن مجید اور توحید کی حقانیت کا مقتضا یہ ہے کہ اس میں انکار اور جھگڑا نہ کیا جاوے۔

مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اللہ تعالیٰ کی ان آیتوں میں (یعنی قرآن میں) وہی لوگ (ناحق کے) جھگڑے نکالتے ہیں جو (اس کے) منکر ہیں سو ان لوگوں کا شہروں میں

فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ۝۴

(امن وامان سے) چلنا پھرنا آپ کو اشتباہ میں نہ ڈالے

یعنی اس سے یہ نہ سمجھ لیا جاوے کہ یہ ہمیشہ کے لئے سزا سے بچے رہیں گے اور آپ کو خطاب کر کے دوسروں کو سنانا مقصود ہے کہ ان پر کسی نہ کسی وقت دار و گیر ضرور ہوگی۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ

ان سے پہلے نوح کی قوم نے اور دوسرے گروہوں نے جو ان کے بعد ہوئے) جیسے

مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۠ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ

عاد وثمود وغیرہم) نے دین حق کو جھٹلایا تھا اور ہر امت (میں سے جو لوگ

لِيَاْخُذُوْهُ

ایمان نہ لائے تھے انہوں نے) اپنے پیغمبر کو گرفتار کرنے کا ارادہ کیا

تا کہ ان کو پکڑ کر قتل کر دیا جائے

وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ

اور ناحق کے جھگڑے نکالے تا کہ اس ناحق سے حق کو باطل کر دیں سو میں نے (آخر)

فَاَخَذْتُهُمْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝۵

ان پر دار و گیر کی سو (دیکھا) میری طرف سے (ان کو) کیسی سزا ہوئی اور اس

وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ

طرح تمام کافروں پر آپ کے پروردگار کا یہ قول ثابت

كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝۶

ہو چکا ہے کہ وہ لوگ آخرت میں دوزخی ہوں گے

یعنی یہاں بھی سزا ہوئی اور وہاں بھی ہوگی اسی طرح کفر کی وجہ سے اس زمانہ کے کافروں کو بھی دار و گیر اور سزا ہونی ہے خواہ دونوں عالم میں یا صرف آخرت میں یہ تو ان انکار کرنے والوں کا حال ہوا کہ وہ ذلت اور عذاب کے مستحق ہیں آگے مومن وموحد لوگوں کا حال مذکور ہے

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ

جو فرشتے کہ عرش (الٰہی) کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو فرشتے اس کے گرداگرد

يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ

ہیں وہ اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں

بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا

اور ایمان والوں کے لئے (اس طرح) استغفار کیا کرتے ہیں کہ اے ہمارے

وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا

پروردگار آپ کی رحمت (عامہ) اور علم ہر چیز کو شامل ہے

پس اہل ایمان پر بدرجہ اولیٰ رحمت ہوگی اور آپ کو ان کے ایمان کا علم بھی ہے۔

فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ

سو ان لوگوں کو بخش دیجئے جنہوں نے (شرک وکفر سے) توبہ کر لی ہے اور

وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝۷

آپ کے راستہ پر چلتے ہیں اور ان کو جہنم کے عذاب سے بچا لیجئے

کہ مغفرت کا مقتضا یہی ہے کیونکہ عذاب کا سبب گناہ ہیں جب ان کے گناہ بخش دیئے گئے تو عذاب بھی دور ہو جاوے گا۔

رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨالَّتِيْ

اے ہمارے پروردگار اور ان کو ہمیشہ رہنے کی بہشتوں میں جن کا آپ نے

وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ

ان سے وعدہ کیا ہے داخل کر دیجئے اور ان کے ماں باپ اور بیبیوں اور اولاد

وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ؕ

میں جو (جنت کے) لائق (یعنی مومن) ہوں

گو اس درجہ کے نہ ہوں جس درجہ کے یہ لوگ جن کے اوصاف اوپر مذکور ہوئے۔

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۙ﴿۸﴾

ان کو بھی داخل کر دیجئے بلاشک آپ زبردست حکمت والے ہیں

کہ مغفرت کرنے پر قادر ہیں اور ہر ایک کے مناسب اس کو درجہ عطا فرماتے ہیں۔

وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ؕ

اور ان کو (قیامت کے دن ہر طرح کی) تکالیف سے بچائیے

یعنی جس طرح دوزخ کے بڑے عذاب سے بچانے کی آپ سے دعا ہے اسی طرح یہ بھی دعا ہے کہ ان کو ہر طرح کی تکالیف سے نجات دیجئے گو وہ جہنم کی تکلیف سے ہلکی ہی ہوں جیسے میدان قیامت کی پریشانیاں وغیرہ

وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ؕ

اور آپ جس کو اس دن کی تکالیف سے بچالیں تو اس پر

وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۹﴾ ع

آپ نے (بہت) مہربانی فرمائی اور یہ بڑی کامیابی ہے

جس کا اوپر ذکر ہوا ہے یعنی مغفرت اور چھوٹے بڑے عذاب سے حفاظت اور جنت میں داخل ہونا پس اپنے مومن بندوں کو اس کامیابی سے محروم نہ رکھئے خلاصہ یہ کہ مومنین ایسے مکرم ومعزز ہیں کہ مقرب فرشتے جس طرح ایمان وتسبیح میں مشغول رہتے ہیں اسی طرح ان کے لئے دعا واستغفار کرنے میں بھی مشغول رہتے ہیں پھر یفعلون مایؤمرون سے معلوم ہو چکا ہے کہ فرشتے بدون خدا کے حکم کے کوئی کام نہیں کرتے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ ان کو مومنین کے لئے استغفار کرنے کا خدا کی طرف سے حکم ہوا ہے جس سے مسلمانوں کو عنداللہ محبوب ہونا ثابت ہوتا ہے ایک آیت میں جو یستغفرون لمن فی الارض آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے سب زمین والوں کے لئے استغفار کرتے ہیں تو اس میں یا تو زمین والوں سے مراد مسلمان ہی ہیں اور اگر سب مراد ہوں تو استغفار کا مطلب یہ ہے کہ وہ زمین والوں پر جلدی عذاب نازل نہ کرنے کی دعا کرتے ہیں۔ ربط اوپر کفار کا دوزخ میں داخل ہونا مذکور تھا آگے دخول نار کے بعد کا حال مذکور ہے۔ ان الذین کفرو تا للہ العلی الکبیر

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ

جو لوگ کافر ہوئے (اس وقت) ان کو پکارا جاوے گا کہ جیسی تم کو (اس وقت) اپنے سے نفرت ہے

وہ لوگ دوزخ میں جا کر اپنے کفر وشرک اختیار کرنے پر حسرت وافسوس کریں گے اور خود ان کو اپنے سے سخت نفرت ہوگی حتیٰ کہ غصہ کے مارے اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کھاویں گے کذا فی الدر عن الحسن

لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ

اس سے بڑھ کر خدا کو (تم سے) نفرت تھی جبکہ تم (دنیا میں)

اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰﴾

ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے تم پھر نہیں مانا کرتے تھے

اس کہنے سے مقصود زیادہ حسرت اور ندامت دلانا ہے

قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ

وہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے ہم کو دو بار مردہ رکھا

ہم جو آخرت کی زندگی کا انکار کیا کرتے تھے اور اس کے انکار سے کفر وشرک اور تمام گناہوں پر دلیر تھے اب ہم کو اپنی غلطی معلوم ہوگئی ایک بار پیدائش سے پہلے جبکہ بالکل جماد اور بے حس وحرکت تھے کہ اس حالت میں جان نہ پڑی تھی اور دوسری بار وہ موت جس کو سب لوگ موت کہتے ہیں

وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ

اور دو بار زندگی دی

ایک دنیا کی زندگی دوسری آخرت کی یہ سب چار حالتیں ہوئیں اور اگرچہ ان میں سے انکار ایک ہی کا تھا (یعنی آخرت کی زندگی کا) اور اس وقت اسی کا اقرار کرنا مقصود ہے لیکن بقیہ تین حالتیں اس لئے ذکر کردیں کہ جس طرح وہ تین حالتیں یقینی تھیں یہ چوتھی حالت بھی انہی کی طرح یقینی ہے

فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا

سو ہم اپنی خطاؤں کا اقرار کرتے ہیں

جن میں اصل خطا قیامت کا انکار ہے اور باقی اس کے فروع ہیں

فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۱۱﴾

تو کیا (یہاں سے) نکلنے کی کوئی صورت ہے

کہ دنیا میں پھر جا کر ان سب خطاؤں کا تدارک کر لیں جواب ارشاد ہوگا کہ اب تمہارے نکلنے کی کوئی صورت نہیں بلکہ ہمیشہ یہیں رہنا ہوگا

ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗۤ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ

وجہ اس کی یہ ہے کہ جب صرف اللہ کا نام لیا جاتا تھا تو تم انکار کرتے تھے اور اگر

وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ۭ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ

اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا تھا تو تم مان لیتے تھے سو (اس پر) یہ فیصلہ

الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ﴿۱۲﴾

اللہ کا ہے جو عالیشان (اور) بڑے رتبے والا ہے

یعنی چونکہ حق تعالیٰ کی بڑائی اور بلند مرتبہ کے اعتبار سے تمہارا جرم بہت بڑا تھا اس لئے فیصلہ میں سزا بھی بہت بڑی تجویز ہوئی یعنی ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہنا ربط اوپر شروع کی آیتوں میں توحید اور دھمکی کا مضمون تھا آگے پھر اسی کی طرف رجوع ہے۔ هو الذی تا شديد العقاب

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ

وہی ہے جو تم کو اپنی نشانیاں دکھلاتا ہے

تا کہ ان سے توحید پر استدلال کرو

وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ رِزْقًا ۭ

اور (وہی ہے جو) آسمان سے تمہارے لئے رزق بھیجتا ہے

یعنی بارش کرتا ہے جس سے رزق پیدا ہوتا ہے کہ یہ بھی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾

اور صرف وہی شخص نصیحت قبول کرتا ہے جو (خدا کی طرف) (رجوع کرنے کا ارادہ) کرتا ہے

کیونکہ وہ رجوع کے ارادہ سے غور و تامل کرتا ہے اور تامل سے حق تک پہنچ جاتا ہے۔

فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ

سو تم لوگ خدا کو خالص اعتقاد کر کے پکارو

یعنی جب توحید پر دلائل قائم ہیں تو کفر و شرک کو چھوڑ کر توحید اختیار کرو اور مسلمان ہو جاؤ

وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ

گو کافروں کو ناگوار (ہی) کیوں نہ ہو وہ رفیع الدرجات ہے

رفیع الدرجات کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک رفیع الدرجات یعنی درجے بلند کرنے والا اس صورت میں رسالت اور قیامت کے مضمون سے اس کو مناسبت ہوگی کہ وہ کسی کا مرتبہ رسالت اور نبوت تک بڑھاتا ہے جیسا کہ آگے فرمایا ہے کہ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے وحی بھیجتا ہے اور اسی طرح قیامت میں نیک کام کرنے والوں کو مختلف درجے عطا فرماوے گا اور دوسرے معنے ہیں مرتفع الدرجات یعنی وہ خود بلند درجوں والا ہے اس صورت میں درجات سے مراد خدا تعالیٰ کی صفات ہیں کہ اس کی شان بہت بلند اور عظیم الشان ہیں

ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰي

وہ عرش کا مالک ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے وحی یعنی اپنا حکم

مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ

بھیجتا ہے تا کہ (وہ صاحب وحی لوگوں کو) اجتماع کے دن (یعنی قیامت کے

التَّلَاقِ ﴿۱۵﴾ ۙ

دن سے) ڈرائے

قیامت کے دن کو اجتماع کا دن کہنا ظاہر ہے کہ سب خلائق اس میں مجتمع ہونگی۔

يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ڬ لَا يَخْفٰى عَلَي اللّٰهِ

جس دن سب لوگ (خدا کے سامنے) آموجود ہوں گے (کہ) ان کی بات

مِنْهُمْ شَيْءٌ ۭ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ

خدا سے مخفی نہ رہے گی آج کے روز کس کی حکومت ہوگی

درمنثور کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ لمن الملک الیوم دو بار فرماویں گے ایک پہلی بار صور پھونکنے کے بعد جبکہ سب فنا ہو جاویں گے دوسرے نفخہ ثانیہ کے بعد حساب شروع ہونے سے پہلے لیکن اس آیت کی تفسیر ان روایات پر موقوف نہیں اور ظاہری مدلول سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس وقت کی نداء کا نقل کرنا مقصود نہیں بلکہ آیت میں مبالغہ کے طور پر اس دن کو موجود اور حاضر فرض کر کے استفہام تقریری کے طریقہ پر سوال کر کے خود ہی جواب ارشاد فرماتے ہیں پس آیت کو نہ ان روایات کی ضرورت ہے اور نہ اس میں ان کی نفی ہے۔

لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى

بس اللہ ہی کی ہوگی جو یکتا (اور) غالب ہے آج ہر شخص کو

كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ؕ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ؕ

اس کے کئے کا بدلہ دیا جاوے گا آج (کسی پر) ظلم نہ ہوگا

اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۷﴾

اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے

آگے فرماتے ہیں کہ جیسا سب پیغمبروں کو اس دن سے ڈرانے کا حکم ہے اسی طرح آپ کو بھی حکم ہے۔

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ

اور آپ ان لوگوں کو ایک قریب آنے والے مصیبت کے دن سے (کہ روز قیامت ہے)

قیامت کے دن کو قریب آنے والا اس لئے فرمایا کہ وہ دن بدن قریب ہوتا جاتا ہے۔

لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ؕ۬ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ

ڈرایئے جس وقت کلیجے منہ کو آجاویں گے (اور غم سے) گھٹ گھٹ جاویں گے (اس

مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ﴿۱۸﴾ يَعْلَمُ

روز) ظالموں کا نہ کوئی ولی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی ہوگا جس کا کہا مانا جاوے وہ (ایسا

خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِى الصُّدُوْرُ ﴿۱۹﴾

ہے) کہ آنکھوں کی چوری کو جانتا ہے اور ان (باتوں) کو بھی جو سینوں میں پوشیدہ ہیں

جن کو کوئی دوسرا نہیں جانتا مطلب یہ کہ بندوں کے تمام کاموں کو اس کا علم احاطہ کئے ہوئے ہے اور اسی پر سزا و جزا موقوف ہے۔

وَاللّٰهُ يَقْضِىْ بِالْحَقِّ ؕ

اور اللہ تعالیٰ ٹھیک ٹھیک فیصلہ کردے گا

کیونکہ اس کا علم اور تمام صفات کامل ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ

اور خدا کے سوا جن کو یہ لوگ پکارا کرتے ہیں وہ کسی طرح کا بھی فیصلہ نہیں کر

بِشَيْءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۲۰﴾ ع

سکتے (کیونکہ) اللہ ہی سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے

اسی طرح اس میں اور بھی بہت صفات کمال ہیں اور دوسرے معبود ان صفات کمال سے خالی اور بالکل کورے ہیں اس لئے خدا کے سوا کوئی فیصلہ بھی نہیں کرسکتا اس مضمون سے دو باتیں ثابت ہوئیں ایک یہ کہ جن کو کفار معبود سمجھتے ہیں وہ ان کی مدد کرنے سے عاجز ہیں آگے فرماتے ہیں کہ یہ لوگ جو ایسے مضامین جزا و سزا اور فیصلہ کے سن کر کفر و شرک پر سزا ہونے سے انکار کرتے ہیں تو کیا ان کو پہلے کافروں کی حالت معلوم نہیں ہوئی

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا

کیا ان لوگوں نے ملک میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ جو (کافر) لوگ

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ

ان سے پہلے ہوگزرے ہیں ان کا کیسا انجام ہوا وہ لوگ قوت اور

قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً

نشانیوں میں جو کہ زمین پر چھوڑ گئے ہیں ان سے بہت زیادہ تھے

وَّاٰثَارًا فِى الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ

سو ان کے گناہوں کی وجہ سے خدا نے ان پر دار و گیر فرمائی اور ان کا

بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ

کوئی خدا (کے عذاب) سے بچانے والا نہ ہوا۔ یہ (مواخذہ)

مِنْ وَّاقٍ ﴿۲۱﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ

اس سبب سے ہوا کہ ان کے پاس ان کے رسول واضح دلیلیں لے کر

رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ

آتے رہے پھر انہوں نے نہ مانا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر مواخذہ

اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۲﴾

فرمایا بے شک وہ بڑی قوت والا سخت سزا دینے والا ہے

پس جب مواخذہ کا سبب کفر و شرک ہے جو کہ ان میں بھی موجود ہے پھر یہ اس سے مامون اور بے فکر کیسے ہیں کفر پر ان سے مواخذہ ضرور ہوگا خواہ

دونوں جہان میں یا صرف آخرت میں۔

ربط: اوپر جا بجا توحید و رسالت کے منکروں کو دھمکی دیتے ہوئے ان کی عناد و مخالفت کا بھی ذکر ہوا ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہونے کا احتمال ہو سکتا تھا آگے آپ کی تسلی کے لئے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ مذکور ہے جس میں منکرین رسالت کی دھمکی کا مضمون بھی موکد ہو گیا ہے۔ **ولقد ارسلنا تا اشد العذاب**

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ

اور ہم نے موسیٰ کو اپنے احکام اور کھلی

مُّبِيْنٍ ﴿۲۳﴾

دلیل کے ساتھ

یعنی معجزہ جو کہ دعویٰ نبوت کے سچے ہونے کی دلیل ہے۔

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا

فرعون اور ہامان اور قارون کے پاس بھیجا تو ان لوگوں نے یہ کہا کہ

سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿۲۴﴾

یہ جادوگر (اور) جھوٹا ہے

معجزہ میں جادوگر کہا اور دعویٰ نبوت میں جھوٹا کہا اور قارون چونکہ بنی اسرائیل میں سے تھا اس لئے اس کی بابت دونوں احتمال ہیں کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کو ساحر کہا ہو یا نہ کہا ہو اگر اس نے نہ کہا ہو تو قالوا میں تغلیب ہوگی یعنی چونکہ اکثر نے یہ بات کہی تھی اس لئے مجموعہ کی طرف نسبت کر دی گئی

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا

پھر (اس کے بعد) جب وہ (عام) لوگوں کے پاس دین حق جو ہماری طرف سے تھا لے کر آئے

جس پر بعض لوگ مسلمان بھی ہو گئے تھے۔

قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ

تو ان (مذکور) لوگوں نے (بطور مشورہ کے) کہا کہ جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لے آئے ہیں ان کے بیٹوں کو قتل کر ڈالو

تا کہ ان کی جمعیت اور قوت نہ بڑھ جائے جس سے زوال سلطنت کا اندیشہ ہے اور چونکہ عورتوں سے ایسا اندیشہ نہ تھا دوسرے گھروں میں کار و خدمت کے لئے ان کی ضرورت سمجھی اس لئے ان کے قتل کا مشورہ نہ ہوا

وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ

اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دو

غرضکہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کا غلبہ روکنے کے لئے یہ تدبیر کی تھی

وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۲۵﴾

اور ان کافروں کی تدبیر محض بے اثر رہی

چنانچہ آخر میں موسیٰ علیہ السلام ہی غالب رہے اور اس کے متعلق کوئی روایت دیکھنے میں نہیں آئی کہ یہ تدبیر لڑکوں کے قتل کی عمل میں لائی گئی یا نہیں اور یہ قتل اس قتل کے علاوہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ہوا تھا پھر اس کے بعد خود موسیٰ علیہ السلام کے قتل کے بارہ میں گفتگو ہوئی۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى

اور فرعون نے (اہل دربار سے) کہا کہ مجھ کو چھوڑ دو میں موسیٰ کو قتل کر ڈالوں

وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ

اور اس کو چاہئے کہ اپنے رب کو (مدد کے لئے) پکارے

فرعون کا یہ کہنا کہ مجھ کو چھوڑ دیا تو اس وجہ سے تھا کہ اہل دربار نے موسیٰ علیہ السلام کے قتل کی رائے اس لئے نہ دی ہوگی کہ اس کو مصلحت ملکی کے خلاف سمجھا ہوگا کہ عام لوگوں میں چرچا ہوگا کہ ایک بے سروسامان شخص سے ڈر گئے یا فرعون نے دھوکہ دینے کے لئے یہ بات کہی ہو تا کہ عام سننے والے یہ سمجھیں کہ اب تک موسیٰ علیہ السلام کے قتل میں توقف مشیروں کے روکنے کی وجہ سے ہو رہا ہے گو حقیقت میں اس پر جرات نہ کرنے کا سبب بلائے آسمانی کے نازل ہونے کا خوف ہو (یا موسیٰ علیہ السلام کی خداداد ہیبت ہو) کیونکہ دل میں تو ان کو معجزات کی وجہ سے نبوت کا یقین ہو ہی گیا تھا چنانچہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے **وجحدوا بها و استيقنتها انفسهم** کہ ظاہر میں وہ لوگ معجزات کے منکر تھے مگر ان کے دلوں کو ان کا یقین آ گیا تھا اور ایک جگہ ارشاد ہے **ويجعل لكما سلطنا الخ** کہ ہم تم دونوں کو غلبہ اور رعب عطا کریں گے اسی طرح ممکن ہے کہ اس کا یہ کہنا کہ موسیٰ کو چاہئے کہ اپنے رب کو مدد کے لئے پکارے محض بہادری ظاہر کرنے کے لئے ہو گو دل اندر سے تھرا رہا ہو۔ الغرض یہ بات موسیٰ علیہ السلام نے بھی سنی خواہ بالمشافہہ (رودررو) سنی ہو یا کسی ذریعہ سے سنی ہو آگے ان کا جواب مذکور ہے۔

اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّبَدِّلَ دِیْنَکُمْ اَوْ

اور مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ (کہیں) تمہارا دین (نہ) بدل ڈالے۔

اَنْ یُّظْهِرَ فِی الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿۲۶﴾

یا ملک میں کوئی خرابی (نہ) پھیلاوے۔ اور موسیٰ نے (جب یہ بات سنی تو)

وَقَالَ مُوْسٰٓی اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّکُمْ

کہا کہ میں اپنے اور تمہارے (یعنی سب کے) پروردگار کی

مِّنْ کُلِّ مُتَکَبِّرٍ لَّا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ

پناہ لیتا ہوں ہر خردماغ شخص (کے شر) سے جو روز حساب پر

الْحِسَابِ ﴿۲۷﴾ ع

یقین نہیں رکھتا

اسی لئے حق کا مقابلہ کرتا ہے اگر یہ جواب فرعون کے سامنے دیا تو ربکم کا خطاب فرعون وغیرہ کو ہوگا اور خردماغ سے بھی وہی مراد ہے اور دوسری صورت میں یہ خطاب خبر پہنچانے والوں کو ہوگا اور مطلب یہ ہوگا کہ تم مطمئن رہو انشاءاللہ مجھ پر کسی متکبر خردماغ کا ہاتھ نہیں پہنچ سکے گا۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ

اور (اس مجلس مشورہ میں) ایک مومن شخص نے جو کہ فرعون کے خاندان سے

فِرْعَوْنَ یَکْتُمُ اِیْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ

تھے (اور اب تک) اپنا ایمان پوشیدہ رکھتے تھے کہا کیا تم ایک شخص کو (محض)

رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَکُمْ

اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا پروردگار اللہ ہے حالانکہ وہ تمہارے

بِالْبَیِّنٰتِ مِنْ رَّبِّکُمْ ؕ

رب کی طرف سے (اس دعویٰ پر) دلیلیں (بھی) لے کر آیا

یعنی معجزات بھی دکھلاتا ہے جو کہ دعویٰ نبوت کے سچ ہونے کی دلیل ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص خدا کی طرف سے توحید کی تعلیم دینے کا مامور ہے اور دلیل کے ہوتے ہوئے دلیل والے کی مخالفت کرنا اور مخالفت بھی اس درجہ کہ اس کے قتل کا قصد کیا جاوے نہایت نازیبا ہے۔

وَاِنْ یَّکُ کَاذِبًا فَعَلَیْهِ کَذِبُهٗ ۚ

ہے اور اگر (بالفرض) وہ جھوٹا ہی ہے تو اس کا جھوٹ اسی پر پڑے گا

یعنی خدا تعالیٰ خود اس کو ذلیل کر دینگے قتل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

وَاِنْ یَّکُ صَادِقًا

اور اگر وہ سچا ہوا تو وہ جو پیشین گوئی کر رہا ہے

کہ ایمان نہ لانے کی صورت میں ایسا ایسا عذاب ہوگا

یُّصِبْکُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُکُمْ ؕ

اس میں سے کچھ تو تم پر (ضرورہی) آ پڑے گا

تو اس صورت میں قتل کرنے سے اور زیادہ بلا اپنے اوپر لینا ہے غرض ان کے جھوٹے ہونے کی صورت میں تو قتل فضول ہے کیونکہ خود ہی منجانب اللہ ذلیل ہو جائیں گے اور سچے ہونے کی صورت میں قتل کرنا مضر ہے پھر ایسا کام کیوں کیا جاوے اور گو اس مومن کو موسیٰ علیہ السلام کے سچا ہونے کا پورا یقین تھا مگر اس نے دعوت میں نرمی اختیار کرنے کو ترجیح دی اور قوم کو آہستہ آہستہ ہدایت کی طرف گفتگو کی۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ

اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو مقصود تک نہیں پہنچاتا جو (اپنی) حد سے گزر جانے والا

کَذَّابٌ ﴿۲۸﴾

بہت جھوٹ بولنے والا ہو

یعنی چھوٹے آدمی کی بات کو چند روز کے لئے چل جاوے مگر اس کا انجام ناکامی اور ذلت ہے پس اس قاعدہ سے اگر موسیٰ علیہ السلام بالفرض جھوٹے ہوں تو چونکہ نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنا حد سے بڑا گناہ اور بڑا بھاری جھوٹ ہے۔ اس لئے یہ ضرور مغلوب اور ذلیل ہونگے کیونکہ ایسے جھوٹے پر اگر خدا کا قہر نازل نہ ہو تو اس سے مخلوق کو شبہ میں ڈالنا لازم آتا ہے اور یہ عقلاً حق تعالیٰ سے محال ہے پھر ان کے قتل کی کیا ضرورت ہے اور اگر یہ سچے ہیں تو تم بالیقین جھوٹے ہو اور جھوٹ میں بھی حد سے گزرنے والے ہو کہ فرعون کی خدائی کا دعویٰ کرتے ہو اور حد سے گزرنے والے جھوٹے کو کامیابی نہیں ہوتی پس تم لوگ ان کے قتل میں کامیاب نہ ہوگے یا تو قدرت ہی نہ ہوگی یا اس کا انجام برا ہوگا بہر حال دونوں صورتوں کا مقتضا یہی ہے کہ ان کو قتل نہ کیا جاوے اور یہ شبہ نہ ہو کہ اس تقریر سے یہ لازم آتا

ہے کہ کسی مفسد کو بھی قتل نہ کیا جائے کیونکہ ہر جگہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ اگر یہ جھوٹا ہے تو خدا اسے خود ذلیل کر دے گا اور اگر سچا ہے تو سچے کا قتل کرنا برا ہے جواب یہ ہے کہ یہ تقریر اس صورت میں ہے جہاں کسی کے صادق و کاذب ہونے میں شبہ ہوا اور ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے (اگر کسی کو یقین بھی نہ ہوا ہو تو) کم از کم سچے ہونے کا احتمال تو ضرور تھا اور جہاں قطعی دلائل سے کسی کا جھوٹا ہونا متیقن ہو گیا ہو اس موقعہ کے لئے یہ تقریر نہیں آگے بھی اسی قتل سے روکنے کے متعلق مضمون ہے۔

یٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي

اے میرے بھائیو! آج تو تمہاری سلطنت ہے کہ اس سرزمین میں تم حاکم

الْاَرْضِ ۡ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ

ہو۔ سو خدا کے عذاب میں ہماری کون مدد کرے گا اگر (ان کے قتل کرنے

اِنْ جَآءَنَا ؕ

سے) وہ ہم پر آ پڑا

جیسا کہ ان کے سچے ہونے کی صورت میں اس کا احتمال ہے۔

قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى

فرعون نے (یہ تقریر سن کر جواب میں) کہا کہ میں تو تم کو وہی رائے دوں گا جو خود سمجھ

وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾

رہا ہوں (کہ ان کا قتل ہی مناسب ہے) اور میں تم کو عین طریق مصلحت بتاتا ہوں

جب اس مومن نے دیکھا کہ نصیحت میں نرمی کرنے اور گفتگو میں مخاطب کے خیال کی رعایت کرنے سے کام نہیں چلتا تو اب اس نے ڈرانے دھمکانے سے کام لیا۔

وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ

اور اس مومن نے کہا صاحبو! مجھ کو تمہاری نسبت

عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿۳۰﴾ۙ مِثْلَ

اور امتوں کے سے روز بد کا اندیشہ ہے جیسا

دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ

قوم نوح اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد والوں (یعنی قوم لوط وغیرہ)

وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ

کا حال ہوا تھا اور خدا تعالیٰ تو بندوں پر

يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿۳۱﴾

کسی طرح ظلم نہیں چاہتا

لیکن جب تم حرکتیں ہی ایسی کرو گے تو ضرور اپنی سزا کو پہنچو گے یہ تو دنیا کے عذاب کی دھمکی تھی آگے آخرت کے عذاب کی دھمکی ہے۔

وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ

اور صاحبو! مجھ کو تمہاری نسبت اس دن کا اندیشہ ہے جس میں کثرت سے

التَّنَادِ ﴿۳۲﴾ۙ

ندائیں ہوں گی

چنانچہ سب سے اول پکار صور پھونکنے والے کی ہو گی جس سے مردے زندہ ہو جائیں گے ایک ندا حساب کے لئے ہو گی اور ایک ندا جنتی اور جہنمی لوگوں میں باہم ہو گی کہ ایک دوسرے کو باہم پکاریں گے اور ایک ندا موت کو ذبح کرنے کے وقت ہو گی کہ سب کو پکار کر موت کے مینڈھے کی صورت میں سب کے سامنے ذبح کر دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اے جنت والو ہمیشہ رہو اب موت نہیں اور اے جہنم والو ہمیشہ رہو اب مرنا بھی نصیب نہ ہو گا حاصل یہ ہے کہ اس دن بڑے بڑے واقعات ہوں گے کیونکہ کثرت سے ندائیں بڑے واقعات ہی میں ہوتی ہیں آگے اس دن کی ایک اور حالت مذکور ہے۔

يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ

جس روز (موقف حساب سے) پشت پھیر کر (دوزخ کی طرف) لوٹو گے

مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ

(اور اس وقت) تم کو خدا سے کوئی بچانے والا نہ ہو گا اور جس کو خدا ہی گمراہ

مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾

کرے اس کا ہدایت کرنے والا کوئی نہیں

آگے اس پر دھمکی ہے کہ تم نے موسیٰ علیہ السلام سے پہلے اور پیغمبروں کو بھی جھٹلایا ہے۔

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ

اور اس سے قبل تم لوگوں کے پاس یوسف (علیہ السلام) دلائل (توحید و نبوت کے) لے کر آ چکے ہیں

یعنی وہ بھی اسی قوم قبط میں آئے تھے جن میں سے تم بھی ہو اور اپنے باپ دادوں سے تم متواتر طریقہ سے ان کی خبر معلوم کر چکے ہو

فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ؕ حَتّٰٓى اِذَا

سو تم ان امور میں برابر شک ہی میں رہے جو وہ تمہارے پاس لے کر آئے

هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ

تھے حتیٰ کہ جب ان کی وفات ہوگئی تو تم لوگ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ بس اب

رَسُوْلًا ؕ

کسی رسول کو نہ بھیجے گا

یہ قول شرارت کے طور پر تھا مطلب یہ تھا کہ اول تو یوسف بھی رسول نہ تھے اور اگر بالفرض تھے بھی تو جب ہم نے ایک رسول کو نہ مانا تو اللہ میاں کہیں گے کہ دوسرے کو بھیجنا اب کیا ضرور ہے تو ہمیشہ کے لئے رسالت کا جھگڑا پاک ہو گیا اور اس کلام کا اصل مقصود رسالت کا انکار کرنا تھا۔

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ

اسی طرح اللہ تعالیٰ آپے سے باہر جانے والوں (اور) شبہات میں گرفتار

مُّرْتَابُۨ ۚۖ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ

رہنے والوں کو غلطی میں ڈالے رکھتا ہے جو بلا کسی سند کے کہ ان کے پاس

اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ؕ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ

موجود ہو۔ خدا کی آیتوں میں جھگڑے نکالا کرتے ہیں اس (کج بحثی) سے

اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ

خدا تعالیٰ کو بھی بڑی نفرت ہے اور مومنین کو بھی اور اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر

اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾

مغرور جابر کے پورے قلب پر مہر کر دیتا ہے

کہ اس میں حق سمجھنے کی اصلاً گنجائش نہیں رہتی یہ تقریر بھی ان مومن بزرگ کی اور اس تقریر سے ان بزرگ کا ایمان ظاہر ہو گیا اور پہلے جو وہ اخفا کرتے تھے اب اخفا نہ رہا فرعون نے جو یہ لاجواب تقریر سنی تو اس مومن کو تو کچھ جواب نہ دے سکا بلکہ اپنی قدیمی جہالت پر اپنے زعم میں ایک حجت قائم کرنے کے لئے ہامان سے خطاب کرنے لگا

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ

اور فرعون نے کہا اے ہامان میرے واسطے ایک بلند عمارت بنواؤ شاید میں

اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿۳۶﴾ لا اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ

آسمان پر جانے کی راہوں تک پہنچ جاؤں۔ پھر (وہاں جا کر) موسیٰ کے خدا

اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ؕ

کو دیکھوں بھالوں اور میں تو موسیٰ کو جھوٹا سمجھتا ہی ہوں

پھر نہ معلوم وہ محل بنایا نہیں بنا۔ آگے خلاصہ کے طور پر فرعون کی مجموعی حالت کی مذمت بیان فرماتے ہیں کہ اس کی ایک یہی جہالت نہ تھی بلکہ وہ بہت سی جہالتوں میں گرفتار تھا۔

وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ

اور اسی طرح فرعون کی (اور) بدکرداریاں (بھی) اس کو مستحسن معلوم ہوتی

وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ؕ

تھیں اور وہ (سیدھے) رستہ سے رک گیا

اور موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں اس نے بڑی بڑی تدبیریں کیں

وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾ ع

اور فرعون کی ہر تدبیر غارت ہی گئی

کسی تدبیر میں کامیاب نہ ہوا جب اس مومن نے دیکھا کہ فرعون سے کوئی معقول جواب نہ بن سکا تو پھر مکرر تقریر کی جس کا آگے بیان ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ

اور اس مومن نے کہا کہ اے میرے بھائیوں تم میری راہ پر چلو میں تم کو

سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾ ج

ٹھیک ٹھیک رستہ بتلاتا ہوں

یعنی ٹھیک رستہ میرا بتلایا ہوا ہے نہ کہ فرعون کا جیسا کہ اس نے دعویٰ کیا

تھا کہ میں تم کو ٹھیک رستہ بتلاتا ہوں

يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ز

اے میرے بھائیو! یہ دنیوی زندگانی محض چند روزہ ہے

وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾ مَنْ

اور (اصل) ٹھہرنے کا مقام تو آخرت ہے) جہاں جزا کا یہ قانون ہے

عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ج وَمَنْ

کہ) کہ جو شخص گناہ کرتا ہے اس کو تو برابر سرابر ہی

عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ

بدلہ ملتا ہے اور جو نیک کام کرتا ہے

فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا

خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مومن ہو ایسے لوگ جنت میں جاویں گے (اور)

بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾

وہاں بے حساب ان کو رزق ملے گا

اور اس مومن کو قوم کی حالت یا ان کی باتوں سے معلوم ہوا کہ وہ میری باتوں پر تعجب کرتے ہیں اور خود مجھی کو اپنے کفر کے طریقہ کی طرف بلانا چاہتے ہیں اس لئے اس نے عملی بات میں ان کا رد کیا۔

وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ

اور میرے بھائیو! کیا بات ہے کہ میں تو تم کو (طریق) نجات کی طرف بلاتا

وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ﴿۴۱﴾ ط تَدْعُوْنَنِيْ

ہوں اور تم مجھ کو دوزخ کی طرف بلاتے ہو (یعنی) تم مجھ کو اس بات کی طرف

لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ

بلاتے ہو کہ میں خدا کے ساتھ کفر کروں اور ایسی چیز کو اس کا ساجھی بناؤں جس

لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ز

(کے ساجھی ہونے) کی میرے پاس کوئی بھی دلیل نہیں

بلکہ واقع میں بھی کوئی دلیل نہیں بلکہ اس کے خلاف پر دلیلیں قائم ہیں

وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ﴿۴۲﴾

اور میں تم کو خدا ازبردست خطا بخش کی طرف بلاتا ہوں یقینی بات یہ ہے کہ تم

لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ لَيْسَ لَهٗ

جس چیز (کی عبادت) کی طرف مجھ کو بلاتے ہو وہ نہ تو دنیا ہی میں پکارے

دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا

جانے لائق ہے

کہ کسی کی دنیوی حاجت بھی پوری کر سکے

وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ

اور نہ آخرت ہی میں

یعنی آخرت میں بھی مصیبت کو دفع نہیں کر سکتے اور معبود ہونے کے لئے علم کامل اور قدرت کامل ضروری ہے اور یہ شرط ان جھوٹے معبودوں میں موجود نہیں۔

وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ

اور (یقینی بات ہے) کہ ہم سب کو خدا کے پاس جانا ہے اور جو لوگ دائرہ

هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾ فَسَتَذْكُرُوْنَ

(عبودیت) سے نکل رہے ہیں وہ سب دوزخی ہوں گے سو آگے چل کر تم

مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ط

میری بات کو یاد کرو گے

اور اس مومن کو آثار سے یا قوم کی باتوں سے کچھ دھمکی وغیرہ معلوم ہوئی ہوگی (جیسا کہ معالم میں ہے) اور کم از کم شبہ تو ضروری تھا اس لئے اس نے یہ بھی کہا کہ میں تم سے اصلاً نہیں ڈرتا

وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌ م

اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سب بندوں

بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾ فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا

کا نگران ہے پھر خدا تعالیٰ نے اس (مومن) کو ان لوگوں کی مضر تدبیروں

مَكَرُوْا

سے محفوظ رکھا

تفصیل تو نظر سے نہیں گزری کہ فرعونیوں نے اس کے واسطے کیا تدبیر سوچی ہوگی بہرحال وہ محفوظ رہا چنانچہ قتادہ کے قول کے موافق موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اس کو بھی غرق سے نجات ہوئی کذا فی الدر

وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾

اور فرعون والوں پر (مع فرعون کے) موذی عذاب نازل ہوا (جس کا آگے

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا

بیان ہے کہ) وہ لوگ (برزخ میں) صبح اور شام آگ کے سامنے لائے جاتے ہیں

اور ان کو بتلایا جاتا ہے کہ تم قیامت کے روز اس آگ میں داخل ہو گے

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ

اور جس روز قیامت ہوگی حکم ہوگا (کہ) فرعون والوں کو

فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾

(مع فرعون کے) نہایت سخت آگ میں داخل کرو

چنانچہ وہ سخت عذاب میں داخل ہوں گے اور مراد اس سے دوزخ ہے اور پھر دوزخ کا بھی سخت طبقہ اور قبر میں صرف اس آگ کا مشاہدہ ہوتا ہے اور کچھ اثر بھی پہنچتا ہے اور قبر میں جس آگ سے عذاب ہوتا ہے وہ برزخی آگ ہے خواہ اس کی حقیقت کچھ جدا ہو یا وہ جہنم ہی کی آگ کا اثر ہو اور ان آیتوں سے قبر کا عذاب ثابت ہوتا ہے اس پر ابن کثیر نے ایک سوال لکھا ہے کہ یہ آیتیں مکی ہیں اور حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ میں حضرت عائشہ نے کسی یہودی عورت کو کچھ دیا تو اس نے دعا دی کہ خدا تم کو عذاب قبر سے بچاوے حضرت عائشہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے اس کی نفی فرمائی اس کے بعد فرمایا کہ ہاں مجھ کو وحی سے معلوم ہوا کہ قبر میں عذاب ہوتا ہے پس جب ان آیتوں سے جو مکہ میں نازل ہو چکی تھیں قبر میں عذاب ہونا معلوم ہو گیا تھا تو پھر آپ نے نفی کیسے فرمائی اس کے جواب کئی دیئے ہیں احقر کے نزدیک سہل جواب یہ ہے کہ اس آیت سے صرف آل فرعون کے لئے قبر کا عذاب ثابت ہوتا ہے اس لئے آپ نے دوسروں کی بابت نفی فرما دی تھی پھر وحی سے دوسروں کے لئے بھی معلوم ہو گیا۔

ربط: اوپر چند جگہ کفار کو وعید سنائی گئی ہے آگے جہنمیوں کی جہنم میں داخل ہونے کے بعد کی کچھ حالت مذکور ہوئی ہے اور ان جہنمیوں میں آل فرعون بھی داخل ہیں جن کا قصہ ابھی مذکور ہوا ہے واذیتحاجون تا الافی ضلل

وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ

اور جب کہ کفار دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے

الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا

تو ادنیٰ درجہ کے لوگ (یعنی تابعین) بڑے

لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا

درجہ کے لوگوں سے کہیں گے کہ ہم (دنیا میں) تمہارے تابع تھے سو

نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾

کیا تم ہم سے آگ کا کوئی جزو ہٹا سکتے ہو

یعنی جب تم ہم سے اپنا اتباع کراتے تھے تو اب تم کو ہماری مدد کرنا چاہئے۔

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ

وہ بڑے لوگ کہیں گے کہ ہم سبھی دوزخ میں ہیں

یعنی جب تم دوزخ میں ہو ہم بھی دوزخ میں ہیں سو اگر ہم کو کچھ قدرت مدد کرنے کی ہوتی تو اول اپنی ہی فکر کرتے جب ہم اپنے ہی سے عذاب دفع نہیں کر سکتے تو تم سے کیا دفع کریں گے۔

اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿۴۸﴾

اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ کر چکا

اور اس فیصلہ میں ہم سب جہنمی ٹھہرے اب کیا ہوتا ہے اب اس کے خلاف کا احتمال ہی نہیں

وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ

اور (اس کے بعد) جتنے لوگ دوزخ میں ہوں گے جہنم کے موکل فرشتوں

جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا

سے (درخواست کے طور پر) کہیں گے کہ تم ہی اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ

مِّنَ الْعَذَابِ ﴿۴۹﴾

کسی دن تو ہم سے عذاب ہلکا کر دے

یعنی اس کی تو کیا امید کریں کہ عذاب بالکل ہٹ جاوے یا ہمیشہ کے لئے ہلکا ہو جاوے مگر خیر ایک ہی دن کے لئے ہلکا ہو جائے۔

قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ

فرشتے کہیں گے کہ (یہ بتلاؤ) کیا تمہارے پاس تمہارے پیغمبر معجزات لے کر

بِالْبَيِّنٰتِ ؕ

نہیں آتے رہے

اور دوزخ سے بچنے کا طریقہ نہیں بتلاتے رہے تھے

قَالُوْا بَلٰى ؕ

دوزخی کہیں گے کہ ہاں آتے تو رہے تھے

مگر ہم نے ان کا کہنا نہ مانا تھا

قَالُوْا

فرشتے کہیں گے

کہ پھر ہم تمہارے لئے دعا نہیں کر سکتے کیونکہ کافروں کے لئے دعا کرنے کی ہم کو اجازت نہیں ہے۔

فَادْعُوْا ۚ

کہ پھر تم ہی دعا کرو

اگر تمہارا جی چاہے مگر تمہاری دعا کا بھی کوئی نتیجہ نہ ہوگا

وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِىْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾ ع

اور کافروں کی دعا محض بے اثر ہے

گو وہ حق تعالیٰ ہی سے دعا کریں کیونکہ اس دعا کا موقع دنیا ہی میں تھا اور اس کے قبول ہونے کی جو شرط ہے یعنی ایمان اس کا موقع بھی دنیا ہی میں تھا کہ وہ عمل کی جگہ ہے باقی آخرت تو جزا و سزا کی جگہ ہے یہاں عمل بیکار ہے اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ گو وہ حق تعالیٰ ہی سے دعا کریں اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر خدا سے دعا کرنا تو دنیا میں بھی بے اثر ہے اور ترجمہ میں جو آخرت کی قید بڑھائی ہے اس سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ دنیا میں کافر کی دعا قبول ہو سکتی ہے (اگر وہ خدا سے دعا کرے) جیسا کہ ابلیس نے اپنی عمر دراز ہونے کی دعا کی تھی اور منظور کی گئی ربط اوپر جا بجا کفار کی مخالفت اور خصومت کا ذکر ہوا ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غم ہوتا تھا آگے آپ کی تسلی کے لئے امداد الٰہی کی خبر سناتے ہیں جس کی موسیٰ کے واقعہ سے بھی تائید کی گئی ہے نیز بنی اسرائیل کی حالت سنا کر بھی تسلی فرماتے ہیں جس سے مسئلہ رسالت کی تائید بھی ہے۔ انا لننصر رسلنا تا داخرین

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِى

ہم اپنے پیغمبروں کی اور ایمان والوں کی دنیوی

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

زندگانی میں بھی مدد کرتے تھے

جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے قصہ سے معلوم ہو چکا ہے اور دنیا میں مدد کرنے کی تحقیق سورۂ مائدہ کے آٹھویں رکوع میں گزر چکی ہے یہاں اس سے زیادہ اتنی بات تفسیر ابن کثیر میں اور نظر سے گزری کہ نصرت اور امداد کی ایک صورت بدلہ اور انتقام لینا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ ہم رسولوں اور ایمان والوں کا بدلہ کفار سے لیا کرتے ہیں چنانچہ جب کبھی کفار نے رسولوں اور مومنوں پر غلبہ پا کر ان کو قتل و ہلاک کیا ہے تو گو اس وقت اہل حق مغلوب ہو گئے ہوں مگر منجانب اللہ کسی وقت ان سے بھی بدلہ لیا گیا چنانچہ قرآن و حدیث و تواریخ سب اس پر شاہد ہیں اور یہ جواب احقر کو بہت پسند آیا

وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿۵۱﴾ لا

اور اس روز بھی جس میں گواہی دینے والے (یعنی فرشتے جو کہ اعمالنامے لکھتے تھے) کھڑے ہونگے

مراد قیامت کا دن ہے فرشتے اس دن گواہی دینگے کہ رسولوں نے احکام پہنچائے تھے اور کفار نے ان کو جھٹلایا تھا اور وہاں رسولوں کی امداد کرنے کا حال بھی معلوم ہو چکا ہے کہ کفار کو جہنم کا عذاب ہوگا آگے اس دن کا بیان ہے۔

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ

جس دن کہ ظالموں (یعنی کافروں) کو ان کی معذرت کچھ نفع نہ دے گی

یعنی اول تو وہ کچھ معقول عذر نہ کر سکیں گے اور اگر حرکت مذبوحی کی طرح کچھ معذرت بھی کی تو وہ نافع نہ ہوگی۔

وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾

اور ان کے لئے لعنت ہوگی اور ان کے لئے اس عالم میں خرابی ہوگی

پس اسی طرح آپ اور آپ کے متبعین بھی منصور ہوں گے اور مخالفین ذلیل و خوار ہونگے تو آپ تسلی رکھئے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا

اور (آپ کے قبل) ہم موسیٰ کو ہدایت نامہ (یعنی توریت) دے چکے ہیں

بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ﴿۵۳﴾ هُدًى

اور (پھر) ہم نے وہ کتاب بنی اسرائیل کو پہنچائی تھی کہ وہ

وَّذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ﴿۵۴﴾

ہدایت اور نصیحت (کی کتاب) تھی اہل عقل (سلیم) کے لئے

بخلاف بے عقلوں کے کہ وہ اس سے منتفع نہ ہوئے پس موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ بھی صاحب رسالت اور صاحب وحی ہیں اور بنی اسرائیل کی طرح آپ کے متبعین بھی آپ کی کتاب کی خدمت کریں گے اور جس طرح ان میں اہل عقل نے اتباع اختیار کیا اور بے عقلوں نے انکار مخالفت اختیار کی تھی اسی طرح آپ کی امت میں بھی دونوں طرح کے لوگ ہیں اس سے بھی تسلی حاصل کیجئے۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ

سو آپ صبر کیجئے بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے

جس کا اوپر لننصر رسلنا الخ میں ذکر ہوا ہے پس وہ وعدہ ضرور پورا ہو کر رہے گا آگے فرماتے ہیں کہ اگر کبھی کمال صبر میں کچھ کمی ہو جائے جو کہ شرعی قاعدہ کے موافق واقع میں تو گناہ نہیں مگر آپ کے رتبہ عالی کے اعتبار سے وہ گناہ ہی کے زمرہ میں شامل ہے اس کا تدارک کر لیا کیجئے جس کا طریقہ آگے مذکور ہے۔

وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ

اور اپنے (اس) گناہ (جس کو مجازاً گناہ کہہ دیا) معافی مانگیے

رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۵۵﴾

اور شام و صبح اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہیے

یعنی ایسے کاموں میں مشغول رہیے کہ رنج دینے والی باتوں کی طرف التفات ہی نہ ہو اور وہ شغل یہ ہے کہ خدا کی یاد میں لگے رہیے یہ مضمون تو تسلی کے متعلق تھا آگے کفار پر دھمکی اور ان کی باتوں کا جواب ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ

(اور) جو لوگ بلا کسی سند کے جو ان کے پاس موجود ہو خدائی آیتوں میں

بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ

جھگڑے نکالا کرتے ہیں ان کے دلوں میں نری بڑائی (ہی بڑائی) ہے

اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ

کہ وہ اس تک کبھی پہنچنے والے نہیں

یعنی ان کو کسی وجہ سے اشتباہ نہیں ہے کہ وہ جھگڑا نکالنے کا منشاء ہو بلکہ اس کا سبب محض بڑائی ہے کہ وہ اپنے کو بڑا سمجھتے ہیں اس لئے اتباع سے عار آتا ہے وہ خود اوروں ہی کو اپنا تابع بنانے کی ہوس رکھتے ہیں لیکن ان کو یہ بڑائی نصیب نہ ہوگی بلکہ جلدی ہی ذلیل و خوار ہوں گے چنانچہ مختلف غزوات میں مسلمانوں سے مغلوب ہوئے آگے بتلاتے ہیں کہ جب یہ خود بڑائی چاہتے ہیں تو آپ سے ضد و عداوت سب کچھ کریں گے مگر آپ اندیشہ نہ کیجئے۔

فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ

سو آپ اللہ کی پناہ مانگتے رہیے بیشک وہی ہے سب کچھ سننے

الْبَصِيْرُ ﴿۵۶﴾

والا سب کچھ دیکھنے والا

تو وہ اپنی صفت کمال کی وجہ سے اپنی پناہ میں آئے ہوئے کو محفوظ رکھے گا اب تک گفتگو ان کی رسول کے ماننے میں تھی آگے قیامت کے بارہ میں ان کی گفتگو مع رد کے مذکور ہے کہ یہ لوگ جو آدمیوں کے دوبارہ پیدا ہونے کے منکر ہیں بڑے ہی کم عقل ہیں

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ

بالیقین آسمانوں اور زمین کا (ابتداءً پیدا کرنا آدمیوں کے

مِنْ خَلْقِ النَّاسِ

(دوبارہ) پیدا کرنے کی نسبت بڑا کام ہے

تو جب بڑے کام پر قدرت ثابت ہو گئی تو چھوٹے پر بدرجہ اولیٰ ثابت ہے اور یہ دلیل ثبوت قدرت کے لئے کافی شافی ہے۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾

لیکن اکثر آدمی (اتنی بات) نہیں سمجھتے

کیونکہ غور نہیں کرتے اور بعضے جو غور کرتے ہیں وہ سمجھتے بھی ہیں اور مانتے بھی ہیں اور اسی سمجھنے اور ماننے میں تفاوت ہونے کی وجہ سے دو طرح کے لوگ ہو گئے ایک وہ جو کہ بصیرت اور ایمان کے ساتھ موصوف ہیں دوسرے وہ جو کہ اندھے پن اور بدکاری کے ساتھ موصوف ہیں کیونکہ سمجھنا بصیرت ہے اور ماننا ایمان ہے اور نہ سمجھنا اندھا پن ہے اور نہ ماننا بدکاری ہے۔

وَمَا يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ۵

اور بینا نابینا اور (ایک) وہ لوگ جو ایمان لائے

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

اور انہوں نے اچھے کام کئے اور (دوسرے)

وَلَا الْمُسِيْٓءُ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ۵۸

بدکار باہم برابر نہیں ہوتے تم لوگ بہت ہی کم سمجھتے ہو

اس مضمون میں حضور کی تسلی بھی ہے کہ آدمی ہر قسم کے ہوا کرتے ہیں سب کیسے سمجھ سکتے ہیں اور کفار کو عذاب نہایت کی دھمکی بھی ہے کہ ہم سب کو برابر نہ رکھیں گے۔ ورنہ اندھے اور بدکار نہ رہتے یہ ان ہی مخالفین کو خطاب ہے جو کہ اندھے اور بدکار تھے اوپر قیامت کے متعلق جواب دے کر آگے اس کے واقعہ ہونے کی خبر دیتے ہیں۔

اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا

قیامت تو ضرور ہی آ کر رہے گی۔ اس (کے آنے) میں

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۵۹

کسی طرح کا شک ہے ہی نہیں۔ مگر اکثر لوگ نہیں مانتے

کیونکہ دلائل میں غور نہیں کرتے اور ایک گفتگو ان لوگوں کو توحید میں تھی کہ خدا کے ساتھ شریک کرتے تھے آگے اس کے متعلق کلام ہے۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ

اور تمہارے پروردگار نے فرمایا کہ مجھ کو پکارو

اور اپنی حاجات کے لئے غیروں کو مت پکارو

اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ

میں تمہاری درخواست قبول کروں گا

بجز اس درخواست کے جو کہ نامناسب ہو

اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ

جو لوگ (صرف) میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں

اور غیروں کو پکارتے اور ان کی عبادت کرتے ہیں پس عبادت میں دعا مانگنا بھی داخل ہے حاصل یہ ہوا کہ جو لوگ توحید سے اعراض کر کے شرک اختیار کرتے ہیں (آگے ترجمہ) ربط اوپر کی آیتوں میں توحید کا ذکر تھا آگے بھی یہی مضمون ہے۔ اللہ الذی تا کن فیکون

سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۶۰ ع اَللّٰهُ

وہ عنقریب (مرتے ہی) ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے اللہ ہی ہے جس

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ

نے تمہارے (نفع کے) لئے رات بنائی تاکہ تم اس میں آرام کرو اور اس

وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ

نے دن کو (دیکھنے کے لئے) روشن بنایا

تاکہ اس میں بے تکلف معاش حاصل کرو

اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ

بیشک اللہ تعالیٰ کا لوگوں پر بڑا ہی فضل ہے

کہ ان کی مصلحتوں کی کیسی رعایت فرمائی

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۶۱

لیکن اکثر آدمی (ان نعمتوں کا) شکر نہیں کرتے

بلکہ اور الٹا شرک کرتے ہیں

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ

یہ اللہ ہے تمہارا رب

جس کا اوپر ذکر ہوا نہ کہ وہ جن کو تم نے تراش رکھا ہے

خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۡ

وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں سو (بعد

فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۶۲

اثبات توحید کے) تم لوگ شرک کر کے کہاں الٹے جا رہے ہو

آگے فرماتے ہیں کہ الٹا چلنے میں کچھ ان ہی لوگوں کی تخصیص نہیں بلکہ پہلے بھی ایسے لوگ گزرے ہیں

كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ

اسی طرح وہ (پہلے) لوگ بھی الٹے چلا کرتے تھے جو

اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۶۳

اللہ کی نشانیوں کا انکار کیا کرتے تھے

یہ مضمون ایسا ہے جیسا کہ ایک آیت میں ہے تشابهت قلوبهم کہ ان سب کافروں کے دل (گمراہی میں) باہم ملتے جلتے ہیں اس میں ایک گونہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی بھی ہے کہ ہر زمانہ میں کفار کی یہی حالت رہی ہے

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا

اللہ ہی ہے جس نے زمین کو (مخلوق کا) قرار گاہ بنایا

وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ

اور آسمان کو (مثل) چھت (کے) بنایا اور تمہارا نقشہ بنایا

صُوَرَكُمْ

سو عمدہ نقشہ بنایا

چنانچہ انسان کے اعضاء کے برابر کسی حیوان کے اعضاء میں تناسب نہیں اور یہ مشاہدہ مسلم ہے۔

وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ

اور تم کو عمدہ عمدہ چیزیں کھانے کو دیں (پس) یہ اللہ ہے تمہارا رب۔ سو بڑا

رَبُّكُمْ ښ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۶۴

عالی شان ہے اللہ جو سارے جہان کا پروردگار ہے وہی (ازلی وابدی)

هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ

(رہنے والا ہے) اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں

مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۭ

سو تم (سب) خالص اعتقاد کر کے اس کو پکارو

اور شریک نہ کیا کرو

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۶۵ قُلْ

تمام خوبیاں اسی اللہ کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہان کا۔ آپ (ان مشرکین کو سنانے

اِنِّىْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ

کے لئے) کہہ دیجئے کہ مجھ کو اس سے ممانعت کردی گئی ہے کہ میں ان (شرکاء) کی عبادت

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَاۗءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ

کروں جن کو خدا کے علاوہ تم پکارتے ہو جبکہ میرے پاس میرے رب کی نشانیاں آچکی ہیں

مراد توحید کی عقلی اور نقلی دلیلیں ہیں مطلب یہ کہ مجھ کو شرک سے ممانعت ہوئی ہے

مِنْ رَّبِّيْ ۡ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ

اور مجھ کو حکم یہ ہوا ہے کہ میں (صرف)

لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۶۶

رب العالمین کے سامنے گردن جھکالوں

مطلب یہ کہ مجھ کو توحید کا حکم ہوا ہے

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ

وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر خون

نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ

کے لوتھڑے سے پھر تم کو بچہ کر کے (ماں کے پیٹ سے)

طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا

نکالتا ہے پھر (تم کو زندہ رکھتا ہے) تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو۔

شُيُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ

پھر تاکہ تم بوڑھے ہو جاؤ اور کوئی کوئی تم میں سے پہلے ہی مر جاتا ہے

یعنی جوانی اور بڑھاپے کی عمروں سے پہلے کہ کوئی جوان ہوا کوئی نہ ہوا کوئی بوڑھا ہوا کوئی نہ ہوا

وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۶۷

اور تاکہ تم سب (اپنے اپنے) وقت مقررہ (مقدر) تک پہنچ جاؤ
اور (یہ سب کچھ) اس لئے کیا گیا) تاکہ تم سمجھو

یعنی ان امور میں غور کر کے حق تعالیٰ کی توحید کو سمجھو

هُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰٓى

وہی ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے پھر جب وہ کسی کام کا (دفعۃً) پورا کرنا چاہتا

اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝۶۸ ع

ہے سو بس اس کی نسبت (اتنا) فرما دیتا ہے کہ ہو جاؤ سو وہ ہو جاتا ہے

اس سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ تدریجاً کوئی چیز پیدا نہیں کی جاتی بلکہ

مطلب یہ ہے کہ وہ ایسا قادر ہے کہ اگر کسی چیز کو دفعۃً پیدا کرنا چاہے تو کر سکتا ہے پس تدریجاً پیدا کرنے پر تو بدرجہ اولیٰ قادر ہوگا اور ایک جواب اس شبہ کا سورہ یاسین میں گزر چکا ہے ربط اوپر انا لننصر رسلنا الخ میں جس طرح کفار پر دھمکی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی تھی اسی طرح آگے بھی یہی مضمون ہے مگر وہاں کفر کی سزا اجمالاً مذکور تھی آگے کسی قدر تفصیل سے ہے اور وہاں تسلی میں صرف موسیٰ کا خاص طور پر ذکر تھا یہاں عام طور پر تمام رسولوں کا ذکر ہے الم ترالی الذین تا ھنالک المبطلون

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ

کیا آپ نے ان لوگوں (کی حالت) کو نہیں دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں

اللَّهِ أَنَّىٰ يُصْرَفُونَ ﴿٦٩﴾ الَّذِينَ كَذَّبُوا

جھگڑے نکالتے ہیں (حق سے) کہاں پھرے جا رہے ہیں جن لوگوں نے اس

بِالْكِتَابِ وَبِمَا أَرْسَلْنَا بِهِ رُسُلَنَا قف

کتاب (یعنی قرآن) کو جھٹلایا اور اس چیز کو بھی جو ہم نے اپنے پیغمبروں کو دے کر بھیجا

اس میں کتابیں اور احکام اور معجزات سب داخل ہو گئے کیونکہ مشرکین عرب اور کسی دوسرے پیغمبر کو بھی نہیں مانتے تھے اور اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ عذاب کا مدار سب کے جھٹلانے پر ہے کیونکہ یقیناً ان میں سے ایک کا جھٹلانا بھی دائمی عذاب کو موجب ہے بلکہ مقصود مشرکین کی حالت بیان کرنا ہے کہ وہ سب ہی کو جھٹلاتے تھے۔

فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٧٠﴾ إِذِ الْأَغْلَالُ فِي أَعْنَاقِهِمْ

سو ان کو ابھی (یعنی قیامت میں جو قریب ہے) معلوم ہوا جاتا ہے جبکہ طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے اور زنجیریں

یعنی ان طوقوں میں زنجیریں پروئی ہوئی ہوں گی جن کا دوسرا سرا فرشتوں کے ہاتھ میں ہوگا جس سے وہ ان کو گھسیٹیں گے

وَالسَّلَاسِلُ يُسْحَبُونَ ﴿٧١﴾ فِي الْحَمِيمِ

ان کو گھسیٹتے ہوئے کھولتے پانی میں لے جاویں گے

ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ ﴿٧٢﴾

پھر یہ آگ میں جھونک دیئے جاویں گے

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کھولتے ہوئے پانی کی طرف جہنم میں جھونکنے سے پہلے لے جایا جاوے گا خذوہ فاعتلوہ الی سواء الجحیم ثم صبوا افوق راسہ من عذاب الحمیم سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم میں جھونکنے کے بعد کھولتے ہوئے پانی کا عذاب دیا جائے گا تو بات یہ ہے کہ اس میں کچھ تعارض نہیں کیونکہ دوزخ میں قسم قسم کا عذاب ہوگا کبھی نار کے آگ کا کبھی کھولتے ہوئے پانی کا پس کبھی پانی کی طرف لاویں گے اور کبھی آگ کی طرف تو بہر نوع ایک فرد کے اعتبار سے دوسری نوع سے مقدم بھی ہے اور دوسری فرد کے اعتبار سے موخر بھی ہے اور دوزخ کبھی صرف آگ کو کو کہہ دیتے ہیں کبھی آگ اور پانی کے مجموعہ کو کہہ دیتے ہیں کیونکہ پانی کا کھولتا ہوا ہونا یہ بھی تو آگ ہی کے اثر سے ہے پس پانی کی طرف جانا بھی دوزخ ہی میں جانا ہے پس اس تقریر پر اگر پانی کو جہنم سے باہر بھی مانا جائے جیسا کہ بعض علماء نے کہا ہے تو یہ اشکال لازم نہ آئے گا کہ پانی پر جانے کے وقت کفار کا جہنم سے باہر نکلنا لازم آتا ہے حالانکہ ماھم بخارجین من النار سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جہنم سے کبھی نہ نکلیں گے کیونکہ ہم کہیں گے کہ کھولتے ہوئے پانی کی طرف جانا یہ بھی جہنم ہی میں رہنا ہے وہ بھی دوزخ ہی کا ایک عذاب ہے اس تقریر پر تمام آیتیں جمع ہو گئیں اور اس تقریر کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے ھذہ جھنم التی یکذب بھا المجرمون یطوفون بینھا و بین حمیم اٰن یہ وہ جہنم ہے جس کو مجرم لوگ جھٹلاتے تھے اب وہ اس کے اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان گھومتے رہیں گے ابن کثیر مفسر نے اس مقام پر لکھا ہے کہ وہ چہروں کے بل کبھی کھولتے ہوئے پانی کی طرف گھسیٹے جاویں گے کبھی آگ کی طرف واللہ اعلم بحقیقۃ الحال

ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُونَ ﴿٧٣﴾

پھر ان سے پوچھا جاوے گا کہ وہ (معبود) غیر اللہ کہاں گئے جن کو تم شریک

مِنْ دُونِ اللَّهِ ط قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا

(خدائی) ٹھہراتے تھے وہ کہیں گے کہ وہ تو سب ہی ہم سے غائب ہو گئے

اب وہ تمہاری مدد کیوں نہیں کرتے اس پر ایک شبہ ہوتا ہے کہ دوسری آیتوں سے خود بتوں اور شیطانوں کا بھی دوزخ میں ہونا معلوم ہوتا ہے قال تعالیٰ انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جھنم الخ پھر اس کے کیا معنے کہ وہ تو غائب ہو گئے جواب یہ ہے کہ یا تو اس وقت وہ ان کی نظر سے پوشیدہ ہوں یا مطلب یہ ہے کہ ان کی مدد ہم سے غائب ہو گئی۔

بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـًٔا ط

بلکہ ہم اس سے قبل کسی کو بھی نہیں پوجتے تھے

یعنی جن کو ہم پوجتے تھے اب معلوم ہوا کہ وہ لاشے محض تھے کسی قابل بھی نہ تھے اور یہ بات ایسی ہے جیسے کسی شخص کو تجارت میں خسارہ ہو جائے اور اس سے کوئی پوچھے کہ تم کس مال کی تجارت کیا کرتے ہو اور وہ جھلا کر کہے کہ میں تو کسی مال کی بھی تجارت نہیں کرتا یعنی جب اس سے فائدہ حاصل نہ ہو تو یوں سمجھنا چاہئے کہ میں کسی چیز کی بھی تجارت نہیں کرتا اسی طرح کفار کہیں گے کہ جب ان معبودوں کی عبادت ہمارے کام نہ آئی تو یوں سمجھنا چاہئے کہ ہم کسی کو بھی نہ پوجتے تھے آگے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۴﴾

اللہ تعالیٰ اسی طرح کافروں کو غلطی میں پھنسائے رکھتا ہے

کہ جس چیز کے بے حقیقت ہونے کا وہاں خود اقرار کریں گے آج یہاں اس کی عبادت میں مشغول ہیں

ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ

یہ (سزا) اس کے بدلہ میں ہے کہ تم دنیا میں ناحق خوشیاں مناتے تھے

بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴿۷۵﴾ ج

اور اس کے بدلہ میں ہے کہ تم اتراتے تھے

خوشی منانا دل کے متعلق ہے اور اترانا بدن کے متعلق ہے حاصل یہ ہے کہ تم نے دنیوی عیش کو اصل مقصود سمجھ کر اس کے حاصل کرنے میں کوشش کی اور اس پر ایسے خوش ہوتے تھے کہ خوشی کے آثار بدن پر بھی نمودار ہوتے تھے جیسے چال وغیرہ میں

اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ج

جہنم کے دروازوں میں گھسو (اور) ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہو۔

فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۶﴾

سو متکبرین کا وہ برا ٹھکانا ہے

یہ حکم گذشتہ گفتگو سے پہلے ہوگا کذا فی الروح عن ابن عطیۃ

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ج فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ

(اور جب ان سے اس طرح انتقام لیا جاوے گا) تو آپ (چندے) صبر کیجئے بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے پھر جس (عذاب) کا ہم ان سے وعدہ کر رہے

بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ

ہیں انمیں سے کچھ تھوڑا سا عذاب اگر ہم آپ کو دکھلا دیں

یعنی آپ کی زندگی میں ان پر وہ عذاب نازل ہو جاوے

اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ

یا (اس کے نزول کے قبل ہی) ہم آپ کو وفات فرماویں

پھر خواہ آپ کے بعد میں نازل ہو دونوں احتمال ہیں کوئی شق ضروری نہیں

فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۷۷﴾

سو ہمارے ہی پاس ان کو آنا ہوگا

اس وقت یقیناً ان پر عذاب واقع ہوگا خلاصہ یہ کہ ان سے مواخذہ ضرور ہوگا خواہ آپ کی زندگی میں ہو جائے یا آپ کے بعد ہو یا دنیا میں نہ ہوا تو آخرت میں ضرور ہی ہوگا پس آپ مطمئن رہیں یہاں یہ شبہ ہوگا کہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ باوجود ایسے رحیم و شفیق ہونے کے ان کے لئے عذاب چاہتے تھے جواب یہ ہے کہ ان کے ایمان سے مایوس ہونے کے بعد مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی کی وجہ سے (جن کو وہ ظالم ستاتے تھے) کفار کے لئے عذاب کا چاہنا رحمت و شفقت کے خلاف نہیں کیا ظالم کو اگر مظلوم کی ہمدردی میں سزا دی جائے تو کوئی اس کو رحمت و شفقت کے خلاف کہہ سکتا ہے ہرگز نہیں اور اسی حکمت کے لئے جہاد بھی تو ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ

اور ہم نے آپ سے پہلے بہت سے پیغمبر بھیجے جن میں بعضے تو وہ ہیں کہ ان کا

مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ

قصہ ہم نے آپ سے بیان کیا ہے اور بعضے وہ ہیں جن کا ہم نے قصہ آپ کو

نَقْصُصْ عَلَيْكَ ط وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ

بیان (ہی) نہیں کیا اور (اتنا امر سب میں مشترک ہے کہ) کسی رسول سے

يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ج

اتنا نہ ہو سکا کہ کوئی معجزہ بدون اذن الٰہی کے ظاہر کر سکے

اور امت کی ہر فرمائش پوری کر سکے سو بعض لوگ اس لئے بھی رسولوں کی تکذیب کرتے تھے کہ وہ ان کی ہر فرمائش پوری نہ کرتے تھے اسی طرح یہ لوگ آپ کی تکذیب کر رہے ہیں سو آپ پہلے انبیاء کی حالت سے تسلی

حاصل کیجئے اور صبر کیجئے۔

فَإِذَا جَآءَ أَمْرُ اللّٰهِ

پھر جس وقت اللہ کا حکم (نزول عذاب کے لئے) آوے گا

خواہ دنیا میں یا آخرت میں جیسا کہ اوپر معلوم ہوا۔

ربط: اوپر الله الذی جعل لکم اللیل الخ میں توحید کا مضمون تھا۔ آگے اسی پر سورت ختم کی ہے پھر اس کے انکار پر دھمکی دی ہے پھر پہلی امتوں کا حال یاد دلا کر ڈراتے ہیں اور اسی سلسلہ میں عذاب کا معائنہ ہو جانے کے بعد شرک سے توبہ قبول نہ ہونے کا بیان ہے۔ الله الذی تا الکفرون

قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُونَ ﴿٧٨﴾ ع

ٹھیک ٹھیک فیصلہ ہو جاوے گا اور اس وقت اہل باطل خسارہ میں رہ جاویں

اَللّٰهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَنْعَامَ

گے اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے مواشی بنائے تاکہ ان میں بعض سے

لِتَرْكَبُوا مِنْهَا وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٧٩﴾ ز

سواری لو اور ان میں بعض (ایسے ہیں کہ ان) کو کھاتے بھی ہو اور تمہارے

وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ

لئے ان میں اور بھی فائدے ہیں

کہ ان کے بال اور اون کام آتی ہے

وَلِتَبْلُغُوا عَلَيْهَا حَاجَةً فِي صُدُورِكُمْ

اور (اس لئے بنائے) تاکہ تم اپنے مطلب تک پہنچو جو تمہارے دلوں میں ہے

جیسے کسی سے ملنے کے لئے جانا وغیرہ وغیرہ اوپر سواری کو خود ایک نفع کہا تھا یہاں اسکے منافع بتلا دیئے آگے فرماتے ہیں کہ سواری کے لئے کچھ جانوروں ہی کی تخصیص نہیں

وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ﴿٨٠﴾ ط

اور ان پر (بھی) اور کشتی پر (بھی) لدے لدے پھرتے ہو اور (ان کے

وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ ق صلے

علاوہ) تم کو اپنی اور بھی نشانیاں دکھلاتا رہتا ہے

چنانچہ ہر مخلوق خدا کی قدرت اور صفت کی نشانی ہے

فَأَيَّ آيَاتِ اللّٰهِ تُنْكِرُونَ ﴿٨١﴾

سو تم اللہ کی کون کون سی نشانیوں کا انکار کرو گے

آگے فرماتے ہیں کہ یہ لوگ جو باوجود دلائل قائم ہونے کے توحید سے منکر ہیں تو کیا ان کو شرک کے وبال کی خبر نہیں

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا

کیا ان لوگوں نے ملک میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ جو (مشرک) لوگ ان

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ط

سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا کیا حال ہوا (حالانکہ) وہ لوگ

كَانُوا أَكْثَرَ مِنْهُمْ وَأَشَدَّ قُوَّةً وَآثَارًا

ان سے زیادہ تھے اور قوت اور نشانیوں میں (بھی) جو کہ

فِي الْأَرْضِ

زمین پر چھوڑ گئے ہیں

جیسے عمارات وغیرہ

فَمَا أَغْنَى عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٨٢﴾

بڑھے ہوئے تھے سو ان کی (یہ تمام تر) کمائی ان کے کچھ بھی کام نہ آئی

اور عذاب الٰہی سے نہ بچ سکے۔

فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا

غرض جب ان کے پیغمبران کے پاس کھلی دلیلیں لے کر آئے تو وہ لوگ اپنے

بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ

(اس) علم (معاش) پر بڑے نازاں ہوئے جو ان کو حاصل تھا

یعنی دنیوی معاش کو مقصود سمجھ کر اس میں جو ان کو لیاقت اور سلیقہ حاصل تھا اس پر خوش ہوئے اور آخرت کا انکار کر کے اس کی طلب کو دیوانگی ٹھہرایا اور انکار آخرت پر جب عذاب کی دھمکی دی گئی تو اس سے تمسخر کرنے لگے۔

وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٨٣﴾

اور ان پر وہ عذاب آپڑا جس کے ساتھ تمسخر کرتے تھے پھر جب انہوں نے

فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ

ہمارا عذاب دیکھا تو کہنے لگے ہم خدائے واحد پر ایمان لائے اور ان سب

وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ﴿٨٤﴾ فَلَمْ

چیزوں سے ہم منکر ہوئے جس کو ہم اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے سو ان

يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ

کو ان کا ایمان لانا نافع نہ ہوا جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا

کیونکہ وہ ایمان اضطراری تھا یعنی مجبوری کی حالت میں تھا اور بندہ اختیاری ایمان کا مکلف ہے۔ مسئلہ جب آخرت کا عذاب اور عذاب کے فرشتے نظر آجاویں پھر اس وقت ایمان قبول نہیں ہوتا اور اس کو ایمان یاس کہتے ہیں اور اس کی تحقیق سورۂ نساء کے تیسرے رکوع میں گزری ہے ملاحظہ فرمائیے۔

سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ

اللہ تعالیٰ نے اپنا یہی معمول مقرر کیا ہے جو اس کے بندوں میں پہلے

وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨٥﴾ ع

سے ہوتا چلا آیا ہے اور اس وقت کافر خسارہ میں رہ گئے

جب کہ ایمان نافع نہ ہوا پس ان مشرکین کو بھی یہ سب مضامین سمجھ کر ڈرنا چاہئے کہ ان کے لئے بھی یہی ہوگا پھر کچھ تلافی نہ ہو سکے گی۔

سورة حٰمٓ السجدة مكية وآيتها ثلث واربع و خمسون

ربط: یہ سورت کسی قدر تمہید کے بعد مضمون توحید سے شروع ہوئی ہے جس پر پہلی سورت ختم ہوئی تھی اور توحید سے پہلے رسالت کا مضمون ہے جو اسی کی تمہید ہے پھر توحید و رسالت کے انکار پر زجر اور وعید ہے اور اسی کی مناسبت سے قیامت کے واقع ہونے کی تحقیق ہے اور مقابلہ کے طور پر چند جگہ اہل ایمان کے لئے بشارات بھی مذکور ہیں۔

(٤١) سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ (٦١)

سورۂ حم سجدہ مکے میں نازل ہوئی اور اس میں چون آیتیں اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

حٰمٓ ﴿١﴾ ج

حٰم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس کے معنی اللہ ہی کو معلوم ہیں تنزیل الکتاب تا غیر ممنون

تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿٢﴾ ج كِتٰبٌ فُصِّلَتْ

یہ کلام رحمٰن رحیم کی طرف سے نازل کیا جاتا ہے یہ ایک کتاب ہے جس کی آیتیں

اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا

صاف صاف بیان کی جاتی ہیں یعنی ایسا قرآن ہے جو عربی (زبان میں) ہے

تاکہ جن لوگوں میں یہ کتاب نازل ہوئی ہے وہ آسانی سے سمجھ لیں پھر دوسرے لوگ ان کے ذریعے سے سمجھ سکتے ہیں

لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٣﴾ لا

ایسے لوگوں کے لئے (نافع) ہے جو دانشمند ہیں

یعنی گو مکلف و مخاطب سب ہی ہیں مگر منتفع صرف اہل دانش ہی ہوتے ہیں۔

بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ

بشارت دینے والا ہے (ماننے والوں کے لئے) ڈرانے والا ہے

اکثر لوگوں نے (اس سے) روگردانی کی

حالانکہ قرآن کی صفات کمال کا مقتضاء یہ تھا کہ اس پر سب ایمان لاتے۔

فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿٤﴾ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ

پھر وہ (بوجہ اعراض کے) سنتے ہی نہیں اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ جس بات کی طرف

مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ

آپ ہم کو بلاتے ہیں ہمارے دل اس سے پردوں میں ہیں

یعنی ہماری سمجھ میں آپ کی بات نہیں آتی۔

وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ

اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ لگ رہی ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان

حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ﴿٥﴾

میں ایک حجاب ہے سو آپ اپنا کام کئے جائیے ہم اپنا کام کر رہے ہیں

یعنی ہم سے کچھ امید سوال نہ رکھئے اور پھر بھی کہنے کو جی چاہے تو کہے جائیے ہم اپنا طریقہ نہیں چھوڑیں گے اور یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ اس جگہ حق تعالیٰ نے کفار کا یہ قول کہ "ہمارے دل پردوں میں ہیں اور

ہمارے کانوں میں ڈاٹ لگ رہی ہے" مذمت کے طور پر نقل فرمایا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ قول غلط اور جھوٹ تھا حالانکہ بعض آیتوں میں حق تعالیٰ نے خود ان چیزوں کو کفار کے لئے ثابت کیا ہے۔ **وجعلنا علیٰ قلوبھم اکنۃً ان یفقھوہ و فی اذانھم وقرا الخ** جواب یہ ہے کہ کفار کا مطلب ان باتوں سے یہ تھا کہ ہمارے اندر قرآن کے سننے اور سمجھنے کی مطلق استعداد نہیں اور یہ غلط ہے اور حق تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ ان لوگوں میں استعداد قریب نہیں جس سے حق کو جلدی سمجھ لیں اور اس کو اختیار کرلیں اور یہ صحیح ہے دوسرے یہ کہ ان کی غرض اس کلام سے یہ بتلانا تھا کہ ہم نے کفر پر جمے رہنے کا ارادہ کرلیا ہے اور یہ غرض یقیناً بری ہے اور اس اعتبار سے اس کا رد کیا گیا ہے کیونکہ کسی کلام کا رد بھی صرف غرض کے اعتبار سے ہی ہوا کرتا ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ

آپ فرما دیجئے کہ میں بھی تم ہی جیسا بشر ہوں مجھ پر یہ وحی نازل ہوتی ہے

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے

یعنی میں تم کو ایمان پر مجبور کرنے کی تو قدرت نہیں رکھتا جو قبول کرا سکوں کیونکہ میں بھی تم ہی جیسا انسان ہوں لیکن خدا تعالیٰ نے مجھ کو یہ امتیاز دیا ہے کہ مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے اور میں صاحب نبوت ہوں جس کی تصدیق معجزات سے ہو چکی ہے، جن میں سب سے بڑا معجزہ قرآن ہے اور نبی ہونے کا مقتضی یہ ہے کہ اگر اس کی کوئی بات عقل سے بھی ثابت نہ ہو اس کو بھی ماننا چاہئے چہ جائیکہ مجھ پر جو وحی آتی ہے وہ عقلاً بھی قابل قبول ہے اس حالت میں تمہارے قبول نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں تم کو ضرور قبول کرنا چاہئے

فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ

سو اس (معبود برحق) کی طرف سیدھ باندھ لو

یعنی اور کسی کی عبادت کی طرف توجہ مت کرو

وَاسْتَغْفِرُوْهُ ط

اور اس سے معافی مانگو

یعنی اب تک جو غیر اللہ کی عبادت کی ہے خدا سے اس کی معافی مانگو توحید اختیار کرو اور گذشتہ کفر و شرک سے توبہ کرو

وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝٦ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ

اور ایسے مشرکوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو

الزَّكٰوةَ

زکوٰۃ نہیں دیتے

یعنی نبوت کی حقانیت اور اس کے اتباع کے واجب ہونے کا مضمون سن کر بھی اپنا طریقہ نہیں چھوڑتے اور یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ کفار کو زکوٰۃ نہ دینے پر یہ وعید کیسی اور اس کے کیا معنی ہیں کیونکہ وہ تو صرف ایمان کے مکلف ہیں اور کفر کی حالت میں وہ نماز زکوٰۃ وغیرہ کے مکلف نہیں ہیں جواب یہ ہے کہ کفار کا زکوٰۃ نہ دینا چونکہ ایمان نہ لانے کی علامت ہے اس لئے یہ عنوان اختیار کیا گیا پس اصل مقصود کفر ہی پر مذمت اور وعید سنانا ہے اور ایمان نہ لانے کی اگرچہ اور بھی علامتیں ہیں مگر زکوٰۃ نہ دینے کو خاص طور پر شاید اس لئے ذکر فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ مال کی محبت ان لوگوں کو ایمان سے روک رہی ہے دوسرا سوال یہ ہوتا ہے کہ زکوٰۃ تو مدینے میں فرض ہوئی تھی اور یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی ہے تو یہاں زکوٰۃ سے کیا مراد ہے جواب یہ ہے کہ زکوٰۃ کا لفظ مطلق نیک کام میں خرچ کرنے کے معنی میں پہلے سے بھی عرب میں مشہور تھا اور نیک کاموں میں خرچ کرنا بعض مواقع پر مکہ میں بھی واجب تھا البتہ زکوٰۃ کی خاص مقدار اور خاص شرائط کے ساتھ فرضیت مدینہ میں ہوئی ہے ربط اوپر تمہید کے طور پر رسالت کا مضمون تھا آگے توحید کا مضمون ہے **قل ء انکم تا العزیز العلیم**

وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝٧ اِنَّ الَّذِيْنَ

اور وہ آخرت کے منکر ہی رہتے ہیں (اور برخلاف ان کے) جو لوگ ایمان لے

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ

آئے اور انہوں نے نیک کام کئے ان کے لئے (آخرت میں) ایسا اجر ہے جو

مَمْنُوْنٍ ۝٨ ع قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ

(کبھی) موقوف ہونے والا نہیں آپ فرما دیجئے کہ کیا تم لوگ ایسے خدا (کی

خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ

توحید) کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو (باوجود اتنی وسعت کے) دو روز میں

اَنْدَادًا ط ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٩ ج

پیدا کر دیا اور تم اس کے شریک ٹھہراتے ہو یہی سارے جہان کا رب ہے

جس کی قدرت ابھی معلوم ہوئی پس معبود بھی وہی ہے

وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ

اوراس نے زمین میں اس کے اوپر پہاڑ بنادیئے اوراس (زمین) میں فائدے کی

فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا

چیزیں رکھدیں اوراس میں (اس کے رہنے والوں کی) غذائیں تجویز کردیں

چنانچہ مشاہد ہے کہ ہر حصہ زمین کے رہنے والوں کے مناسب الگ الگ غذائیں ہیں یعنی زمین میں ہر قسم کے غلے میوے پیدا کردیئے کہیں کچھ کہیں کچھ جن کا سلسلہ اب تک چلا آتا ہے۔

فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ⑩

یہ سب چاردن میں ہوا جوشمار میں) پورے ہیں پوچھنے والوں کے لئے

یہود نے آسمان وزمین کی پیدائش کے متعلق حضور سے سوال کیا تھا اس لئے فرمایا کہ یہ چاردن پورے ہیں پوچھنے والوں کے لئے یعنی زمین کا اوراس کی سب چیزوں کا چاردن میں پیدا ہونا ان کے ذہن میں جلدی آسکتا ہے بہ نسبت آسمان کے دودن میں بننے کے کیونکہ وہاں مدت کم ہے اورکم مدت میں زمین سے بڑی چیز بنائی گئی اوراس کا یہ مطلب نہیں کہ زمین کو دودن میں پیدا کرنے کے بعد اس کے علاوہ چاردن میں پہاڑ وغیرہ پیدا کئے کیونکہ اس طرح مجموعہ آٹھ دن ہوجاویں گے حالانکہ تمام آسمان وزمین کا چھ دن میں بنانا چند جگہ صراحۃً مذکور ہوا ہے بلکہ یہ چاردن پہلے دودنوں کوملاکر ہیں اوراس کی ایسی مثال ہے جیسے محاورات میں بولا جاتا ہے کہ دوسال میں تواس لڑکے کا دودھ چھڑایا اور چارسال میں مکتب میں بٹھایا ظاہر ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ان دوسال کے علاوہ چار سال ہیں اور یہ جوفرمایا کہ چاردن شمار میں پورے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ جن دودنوں میں آسمان بنایا گیا ہے وہ دوروز پورے نہیں تھے بلکہ ان کی اخیرساعت میں عصر کے بعد آدم علیہ السلام بنائے گئے (رواہ مسلم) اس لئے یہاں فرمادیا کہ یہ چاردن پورے ہیں۔

ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ

پھرآسمان (کے بنانے) کی طرف توجہ فرمائی اوروہ (اس وقت) دھواں ساتھا

یعنی اس کا مادہ دھوئیں کی شکل میں تھا اورآسمان کا مادہ زمین کے مادہ کے بعد اوراس کی موجودہ صورت سے پہلے بن چکا تھا جس کے متعلق سورۂ بقرہ کے شروع میں تحقیق گزرچکی ہے

فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ

سواس سے اورزمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یازبردستی سے

یعنی تم دونوں کو ہمارے حکم کی طرف آنا توضرور پڑے گا اور ہمارے تکوینی احکام تمہارے اندر جاری ہوا کریں گے چنانچہ آسمان میں اس کے بعد ہی تغیر ہونے والا تھا کہ اس کے ایک مادہ سے سات آسمان بننے والے تھے اورزمین میں توبے انتہا تغیرات قیامت تک چلے جاویں گے تو انکاری ہونا تمہارے اختیار سے باہر ہے لیکن جس قدر شعورو ادراک تم کو عطا ہوا ہے اس سے اپنی حالت کے مناسب تم خوشی یا ناخوشی ظاہر کرسکتے ہو جیسے انسان کے لئے مرض یا موت باوجودیکہ غیراختیاری ہے مگرکوئی اس پرراضی ہے کوئی ناراض سوتم دیکھ لوکہ ہمارے ان احکام پرراضی رہوگے یا کراہت رکھوگے۔

قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ⑪ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ

دونوں نے عرض کیا کہ ہم خوشی سے حاضر ہیں سودوروز میں اس کے سات

سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ

آسمان بنائے اور ہرآسمان میں اس کے مناسب اپنا حکم (فرشتوں کو)

اَمْرَهَا ؕ

بھیج دیا

چونکہ سب آسمان فرشتوں سے آباد کردیئے گئے تھے اس لئے بعض فرشتوں سے جوکام لینا تھا وہ ان کو بتلادیا۔

وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ وَحِفْظًا ؕ

اورہم نے آسمان کوستاروں سے زینت دی اور (استراق شیاطین سے) اس کی حفاظت کی

اور جب یہ آسمان شیطان سے محفوظ ہے تو دوسرے آسمان بدرجہ اولیٰ محفوظ ہیں اوراس حفاظت کی تحقیق سورۂ حجر کے دوسرے رکوع میں گزرچکی ہے

ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ⑫

یہ تجویز ہے (خدائے) زبردست واقف الکل کی

پس عبادت کے لائق یہ ذات ہے جو کہ صفات کمال سے موصوف ہے یا وہ چیزیں جوذات وصفات دونوں میں ناقص ہیں ربط اورپر توحید کو ثابت اورشرک کو باطل کیا تھا آگے منکران توحید کو دنیوی عذاب کی دھمکی اوراخروی عذاب کی وعید سناتے ہیں اور ایک قصہ کے ضمن میں رسالت کے انکار پر بھی ملامت ہے۔ فان اعرضوا تا كانوا خسرين

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً

پھر اگر (دلائل توحید سن کر بھی) یہ لوگ توحید سے اعراض کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ

مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ﴿۱۳﴾

میں تم کو ایسی آفت سے ڈراتا ہوں جیسی عاد و ثمود پر (شرک و کفر کی بدولت) آئی تھی

مراد ہلاکت کا عذاب ہے چنانچہ مکہ والے بھی بدر میں ہلاک کئے گئے اور عاد و ثمود کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ یمن اور شام کے سفر میں اہل عرب ان کے مساکن پر گزرتے تھے اور ان قوموں کو یہ لوگ جانتے بھی خوب تھے۔

اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ

جب کہ ان کے پاس ان کے آگے سے بھی اور ان کے پیچھے

وَمِنْ خَلْفِهِمْ

سے بھی پیغمبر آئے

یعنی جو پیغمبران کی طرف مبعوث ہوئے تھے انہوں نے بڑی کوشش سے بار بار سمجھایا جیسے کوئی شخص کسی کو کبھی سامنے سے آ کر سمجھاوے کبھی پیچھے سے آ کر سمجھاوے اور یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ مشہور تو یہ ہے کہ قوم عاد میں ہود علیہ السلام اور ثمود میں صالح علیہ السلام آئے تھے اور یہاں جمع کا صیغہ لایا گیا ہے جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ ان کے سوا ان میں اور بھی پیغمبر آئے تھے جواب یہ ہے کہ ممکن ہے اور بھی کوئی رسول آئے ہوں اور وہ ان انبیاء میں داخل ہوں جن کا ذکر قرآن میں نہیں ہوا یا ہود اور صالح علیہما السلام ہی کو تعظیما صیغہ جمع سے بیان فرما دیا ہو کہ ہر ایک نے گویا کئی کئی رسولوں کا کام کیا یا یہ مطلب ہو کہ ان دونوں کے ذریعہ سے رسولوں کی خبر اور سب کا توحید میں متفق ہونا ان لوگوں کو معلوم ہو گیا تھا آگے پیغمبروں کا قول مذکور ہے۔

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا

کہ بجز اللہ کے کسی کو مت پوجو انہوں نے جواب دیا کہ اگر ہمارے پروردگار

لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً

کو یہ منظور ہوتا (کہ کسی کو پیغمبر بنا کر بھیجے) تو فرشتوں کو بھیجتا

یعنی تم جو کہتے ہو کہ خدا نے ہم کو پیغمبر بنا کر اس لئے بھیجا ہے تا کہ توحید کی دعوت دیں خود یہی غلط ہے کیونکہ اس کام کے لئے فرشتوں کو آنا چاہئے تھا۔

فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

سو ہم اس (توحید) سے بھی منکر ہیں جس کو دیکر (بزعم خود تم) بھیجے گئے ہو

یہاں تک سب کا مشترک قول بیان فرما کر آگے ہر ایک کے حال کی الگ الگ تفصیل ہے۔

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ

پھر وہ جو لوگ عاد کے تھے وہ دنیا میں ناحق کا تکبر کرنے لگے اور کہنے لگے کہ

وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ

وہ کون ہے جو قوت میں ہم سے زیادہ ہے

یعنی عذاب کی وعید سن کر کہنے لگے کہ ہم پر ایسا حادثہ کون واقع کر سکتا ہے جس کو ہم دفع نہ کر سکیں گے آگے جواب ہے

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ

(آگے جواب ہے کہ) کیا ان کو یہ نظر نہ آیا کہ جس خدا نے ان کو پیدا کیا وہ

مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ

ان سے قوت میں بہت زیادہ ہے

اور وہ ان پر عذاب واقع کر سکتا ہے مگر اس کے باوجود بھی ایمان نہ لائے۔

وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ

اور ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہے تو ہم نے ان پر ایک ہوائے

رِيْحًا صَرْصَرًا فِىْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ

تند ایسے دنوں میں بھیجی جو منحوس تھے

یعنی چونکہ ان دنوں میں ان پر عذاب نازل ہوا تھا اس لئے ان کے حق میں وہ دن منحوس تھے اور نحوست ایام کے متعلق ضروری تحقیق سورۂ صافات آیت فنظر نظرة فى النجوم کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْىِ فِى الْحَيٰوةِ

تا کہ ہم ان کو اس دنیوی حیات میں رسوائی کے عذاب کا مزہ چکھا دیں اور

الدُّنْيَا ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا

آخرت کا عذاب اور زیادہ رسوائی کا سبب ہے اور ان کو مدد نہ پہنچے گی اور وہ جو

يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا

ثمود تھے تو ہم نے ان کو (پیغمبر کے ذریعہ سے) رستہ بتلایا سو انہوں نے

الْعَمٰی عَلَی الْهُدٰی فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ

گمراہی کو بمقابلہ ہدایت کے پسند کیا پس ان کو عذاب سراپا ذلت کی آفت

الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿١٧﴾ وَنَجَّيْنَا

نے پکڑ لیا ان کی بدکرداریوں کی وجہ سے اور ہم نے (اس عذاب سے) ان

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿١٨﴾

لوگوں کو نجات دی جو ایمان لائے اور ہم سے ڈرتے تھے

یہاں تک دنیوی عذاب کا ذکر تھا آگے آخرت کے عذاب کا ذکر ہے۔

وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ

اور (ان کو وہ دن بھی یاد دلائیے) جس دن اللہ کے دشمن (یعنی کفار) دوزخ کی طرف (جمع کرانے) کے (لیے موقف حساب) میں لائے جائیں گے

بعض تفاسیر میں لکھا ہے اور اچھا لکھا ہے کہ اس آیت میں اللہ کے دشمنوں سے خاص کفار یعنی اہل مکہ مراد ہیں سب مراد نہیں کیونکہ ان کے بارے میں آگے آیا ہے کہ ان کے حق میں اللہ کا قول ان لوگوں کے ساتھ پورا ہو کر رہا جو ان سے پہلے جن وانسان کافر گزرے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ سب صفت کفار میں نہیں پائی جاتی کیونکہ بعضے کافر ایسے بھی ہیں کہ ان سے پہلے کوئی کافر نہ تھا۔

فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿١٩﴾

پھر وہ روکے جائیں گے (تاکہ بقیہ بھی آجائیں)

یعنی مجمع چونکہ زیادہ ہوگا اس لئے سب کو ایک ساتھ جمع کرنے کے لئے راستے میں ٹھہرا ٹھہرا کر لے جایا جائے گا۔

حَتّٰۤى اِذَا مَا جَآءُوْهَا

یہاں تک کہ جب وہ اس کے قریب آجاویں گے

دوزخ کے قریب سے مراد حساب کا میدان ہے کیونکہ دوزخ وہاں قریب ہی نظر آئے گی جیسا کہ حدیث میں ہے کہ دوزخ کو میدان حساب میں قریب کریں گے اور یہ بھی آیا ہے کہ کافر اپنے چاروں طرف آگ ہی آگ دیکھے گا غرض جب میدان حساب میں سب جمع ہو کر آجاویں گے اس وقت حساب شروع ہوگا۔

شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ

تو ان کے کان اور آنکھیں اور ان کی کھالیں ان پر ان کے اعمال کی گواہی

وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٠﴾ وَقَالُوْا

دیں گے اور (اس وقت) وہ لوگ (متعجب ہو کر) اپنے اعضاء سے

لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ط

کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی

ہم تو دنیا میں تمہارے ہی لئے سب کچھ کرتے تھے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ کافر اپنے اعضاء سے کہے گا فعنکن کنت اناضل کہ میں تو تمہارے اوپر سے (بلاؤں کو) دفع کیا کرتا تھا رواہ مسلم

قَالُوْۤا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْۤ اَنْطَقَ كُلَّ

وہ (اعضاء) جواب دیں گے کہ ہم کو اس اللہ نے گویائی دی جس نے ہر

شَیْءٍ

(گویا) چیز کو گویائی دی

جس سے ہم نے خود اپنے اندر خدا کی قدرت کا مشاہدہ کر لیا

وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٢١﴾

اور اسی نے تم کو اول بار پیدا کیا تھا اور اسی کے پاس پھر لائے گئے ہو

مگر تم دوبارہ زندہ ہونے کے منکر تھے پس جو خدا ایسا قادر اور عظیم الشان ہو اس کے سامنے اس کو پوچھنے پر ہم حق بات کو کیسے چھپا سکتے تھے اس کی عظمت ہم کو اس سے روکتی تھی اس لئے ہم نے گواہی دیدی اس کے بعد حق تعالیٰ ان منکروں کو خطاب فرماویں گے۔

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ

اور (تم دنیا میں) اس بات سے تو اپنے آپ کو چھپا ہی نہ

عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَاۤ اَبْصَارُكُمْ وَلَا

سکتے تھے کہ تمہارے کان اور آنکھیں اور کھالیں تمہارے خلاف

جُلُوْدُكُمْ

میں گواہی دیں

یعنی تم اس سے کسی طرح بچ نہیں سکتے تھے کیونکہ حق تعالیٰ کا اعضاء کو گویائی عطا کرنے پر قادر ہونا اور تمام اعمال کا جاننا واقع میں ثابت ہے اور اس کا مقتضاء یہ تھا کہ تم ناشائستہ افعال سے بچتے۔

وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا

ولیکن تم اس گمان میں رہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے بہت سے اعمال

مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾

کی خبر بھی نہیں

اس لئے تم ایسے افعال سے نہ بچے اور یہاں علم وخبر سے عام معنے مراد ہیں کیونکہ بعض احمق تو خود علم ہی کے معتقد نہ تھے وہ کہتے تھے کہ خدا تعالیٰ کو ہمارے افعال کی اطلاع ہی نہ ہوتی ہوگی جیسا کہ اس کی شان نزول میں روایت ہے اور بعض یہ کہتے تھے کہ خدا تعالیٰ کو ہمارے افعال پر التفات نہیں یعنی وہ اس کے نزدیک سزا کے قابل نہیں کیونکہ سزا ہوتی ہے برے کام پر اور وہ افعال کفریہ کو برا ہی نہ سمجھتے تھے اور قیامت کے انکار کی وجہ سے جزاوسزا کے تو سب ہی منکر تھے پس لفظ علم مجازی طور پر اس جگہ اطلاع والتفات وجزا سب کو شامل ہے اور بہت سے اعمال کی قید اس لئے بڑھائی کہ ہر عمل کی بابت وہ خدا کے علم کا انکار کرتے تھے چنانچہ جو اعمال کھلم کھلا کئے جاتے ہیں ان میں اطلاع کے سب معتقد تھے اور بعض اعمال کو برا بھی سمجھتے تھے اور ان پر دنیوی سزا کے بھی قائل تھے چنانچہ قسامت میں جھوٹی قسم کھانے سے تباہ ہوجانے کا خوف کرتے تھے۔

وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ

اور تمہارے اس گمان نے جو کہ تم نے اپنے رب کے ساتھ کیا تھا

اَرْدٰىكُمْ

تم کو برباد کیا

کیونکہ اس گمان کی وجہ سے افعال کفریہ کے مرتکب ہوئے اور وہ تباہی وبربادی کا سبب ہے۔

فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا

پھر تم (ابدی) خسارہ میں پڑ گئے سو (اس حالت میں) اگر یہ لوگ صبر کریں

فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ط

تب بھی دوزخ ہی ان کا ٹھکانا ہے

یعنی اگر وہ اس بربادی اور خسارہ پر تن بتقدیر رہ کر عذر وغیرہ کچھ نہ کریں تو یہ نہ ہوگا کہ ان کی خاموشی اور صبر رحم کا سبب ہوجائے جیسا کہ کبھی دنیا میں ایسا ہوجاتا ہے بلکہ ہر حالت میں ان کو عذاب بھگتنا ضرور پڑے گا

وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ﴿۲۴﴾

اور اگر وہ عذر کرنا چاہیں گے تو بھی مقبول نہ ہوگا اور ہم نے (دنیا میں) ان

وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا

کے لئے کچھ ساتھ رہنے والے (شیاطین) مقرر کر رکھے تھے سو انہوں نے

بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

ان کے اگلے پچھلے اعمال ان کی نظر میں مستحسن کر رکھے تھے

اس لئے ان کاموں پر جمے رہے اور کفر پر اصرار کرنے ہی کی وجہ سے وہ عذاب میں گرفتار ہوئے ربط اوپر شروع سورت میں قرآن ورسالت کے متعلق مضمون تھا آگے اس کے انکار کرنے والوں پر ملامت اور دھمکی ہے وقال الذین کفروا تا من الاسفلین

وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْۤ اُمَمٍ قَدْ

اور ان کے حق میں بھی ان لوگوں کے ساتھ اللہ کا قول (یعنی وعدہ عذاب)

خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ع

پورا ہو کر رہا جو ان سے پہلے جن وانس (کفار) ہو گزرے ہیں

اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ ع وَقَالَ

بیشک وہ (سب) بھی خسارہ میں رہے اور یہ کافر (باہم) یہ کہتے ہیں

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ

کہ اس قرآن کو سنو ہی مت اور (اگر پیغمبر سنانے لگیں تو)

وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾

اس کے بیچ میں غل مچا دیا کرو شاید (اس تدبیر سے) تم ہی غالب رہو

اور پیغمبر ہار کر چپ ہو جاویں گے اس نالائق حرکت پر اور اس کے ارادہ پر عذاب کی دھمکی ہے۔

فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا

سو ہم ان کافروں کو سخت عذاب کا مزہ چکھا دیں گے اور

شَدِيْدًا لا وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ

ان کو ان کے (ایسے) برے برے کاموں کی سزا دیں گے

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٧﴾ ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ

یہی سزا ہے اللہ کے دشمنوں کی یعنی دوزخ ان کے لئے وہاں

اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ؕ

ہمیشگی کا مقام ہوگا اس بات کے بدلہ میں کہ وہ ہماری آیتوں کا

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿٢٨﴾

انکار کرتے تھے اور (جب مبتلائے عذاب ہوں گے تو) وہ کفار

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ

کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو وہ دونوں شیاطین اور

اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا

انسان دکھا دیجئے جنہوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا ہم ان کو اپنے

تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿٢٩﴾

پیروں کے تلے میں ڈالیں تاکہ وہ خوب ذلیل ہوں

یعنی اس وقت ان لوگوں پر غصہ آوے گا جنہوں نے بہکایا تھا خواہ وہ آدمی ہوں یا شیطان ہوں اور ایک ایک ہو یا کئی کئی ہوں اور اس درخواست کا منظور ہونا ضروری نہیں اور یوں تو وہ گمراہ کرنے والے بھی جہنم ہی میں ہوں گے مگر شاید اس درخواست کے وقت نظر نہ آویں ربط اوپر کفار کی بدحالی اور برا انجام مذکور تھا آگے مسلمانوں کی خوشحالی اور اچھا انجام مذکور ہے اور ساتھ ہی ان کو اخلاق حمیدہ و افعال حسنہ کا حکم اور ترغیب ہے جس سے ان کی خوشحالی میں ترقی ہو دوسرے ایسے اخلاق کی ضرورت ایسے لوگوں کے مقابلہ میں بھی واقع ہوگی جو یہ کہتے تھے کہ قرآن کو نہ سنو اور غل و شور مچادیا کرو ان الذين تا العليم۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ

جن لوگوں نے (دل سے) اقرار کرلیا کہ ہمارا رب اللہ ہے

مطلب یہ کہ شرک سے بیزار ہوکر توحید اختیار کرلی

ثُمَّ اسْتَقَامُوْا

پھر (اس پر) مستقیم رہے

یعنی توحید کو چھوڑا نہیں

تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ

ان پر فرشتے اتریں گے

یعنی ان پر اللہ کی طرف سے رحمت اور خوشخبری لے کر فرشتے اتریں گے اول مرتے وقت پھر قبر میں پھر قیامت میں۔

اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا

کہ تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو

یعنی آخرت کے آنے والے مصائب سے نہ ڈرو اور دنیا کے چھوٹنے پر رنج نہ کرو کیونکہ آگے تمہارے لئے امن چین اور اچھا بدلہ ہے

وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿٣٠﴾

اور تم جنت (کے ملنے) پر خوش رہو جس کا تم سے (پیغمبر کی معرفت) وعدہ کیا

نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي

جایا کرتا تھا اور ہم تمہارے رفیق تھے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں

الْاٰخِرَةِ ۚ

بھی رہیں گے

چنانچہ دنیا میں نیک کاموں کا دل میں آنا اور حوادث و مصائب میں صبر و اطمینان ہونا یہ ملائکہ ہی کا فیض ہے۔ حدیث کے بیان کے موافق وہ دنیا میں انسان کے ساتھ رہتے ہیں اور آخرت میں ساتھ رہنا خود آیات میں وارد ہے تتلقاهم الملئكة اور يدخلون عليهم من كل باب مسلمانوں سے فرشتے ملیں گے اور ہر دروازے سے ان کے پاس پہنچیں گے

وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ

اور تمہارے لئے اس (جنت) میں جس چیز کو تمہارا جی چاہے گا موجود ہے اور تمہارے

فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ؕ ﴿٣١﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿٣٢﴾ ع

لئے اس میں جو مانگو گے موجود ہے یہ بطور مہمانی کے ہوگا غفور رحیم کی طرف سے

یعنی یہ نعمتیں اکرام و اعزاز کے ساتھ ملیں گی جس طرح مہمانوں کو ملتی ہیں مسلمانوں کی اچھی حالت بتلا کر آگے ان کے اچھے اعمال بتلاتے ہیں۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ

اور اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو (لوگوں کو) خدا کی طرف بلائے

صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۳۳﴾

اور خود بھی نیک عمل کرے اور کہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں

یعنی بندگی کو فخر سمجھے متکبرین کی طرح اس سے عار نہ کرے اور چونکہ اللہ کی طرف بلانے میں جہلاء کی طرف سے اکثر ایذا اور ضرر رسانی کا سامنا ہوتا ہے آگے اس کے متعلق خصوصاً اور دوسرے حالات کے لئے عموماً اچھا برتاؤ کرنے کی تعلیم فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصیت کے ساتھ اور آپ کے متبعین کو عموماً

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَۃُ وَلَا السَّیِّئَۃُ ؕ

اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی (بلکہ ہر ایک کا اثر جدا ہے

یعنی اول مقدمہ کے طور پر اس کو سمجھ لینا چاہئے کہ نیکی اور بدی ہر ایک کا اثر جدا ہے

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ہِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ

تو (اب) آپ (مع اتباع) نیک برتاؤ سے (بدی کو) ٹال دیا کیجئے پھر یکایک آپ

وَبَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ﴿۳۴﴾

میں اور جس شخص میں عداوت تھی وہ ایسا ہو جاوے گا جیسے کوئی دلی دوست ہوتا ہے

یعنی بدی کا بدلہ بدی سے کرنے میں تو عداوت بڑھتی ہے اور نیکی اور بھلائی کرنے سے عداوت گھٹتی ہے بشرطیکہ دشمن کی طبیعت میں سلامتی ہو حتیٰ کہ اکثر عداوت بالکل جاتی رہتی ہے اور اسبات میں وہ دوست کے مشابہ ہو جاتا ہے گو دل سے دوست نہ ہو اور سلامت طبع کی قید دلیل عقلی سے بڑھائی گئی ہے اب یہ خدشہ نہ رہا کہ بعض دفعہ اس کے خلاف مشاہدہ ہوتا ہے ربط اوپر دوسرے رکوع میں توحید کا مضمون تھا آگے پھر اس کی طرف رجوع ہے اور اس کے ختم پر زمین کو زندہ کرنے کا بیان ہے اس کی مناسبت سے مردوں کو زندہ کرنے کا ذکر فرمایا جس سے عذاب قیامت کی تاکید بھی ہوگئی جس کا اس سورت میں کفار کے لئے جا بجا ذکر ہو رہا ہے۔

وَمَا یُلَقّٰہَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا یُلَقّٰہَآ

اور یہ بات اسی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے مستقل (مزاج) ہیں اور یہ بات اسی

اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ﴿۳۵﴾ وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ

کو نصیب ہوتی ہے جو بڑا صاحب نصیب ہے اور اگر (ایسے وقت میں) آپ کو

الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیْعُ

شیطان کی طرف سے کچھ وسوسہ آنے لگے تو (فوراً) اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے

الْعَلِیْمُ ﴿۳۶﴾ وَمِنْ اٰیٰتِہِ الَّیْلُ وَالنَّہَارُ

بلاشبہ وہ خوب جاننے والا ہے خوب سننے والا ہے اور منجملہ اس کی (قدرت و

وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ؕ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ

توحید کی) نشانیوں کے رات ہے اور دن ہے اور سورج ہے اور چاند ہے پس تم

وَلَا لِلْقَمَرِ

لوگ نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو

ومن ایہ تا قدیرہ جیسا کہ صابئین وغیرہ بعض فرقے ستاروں کی عبادت کرتے تھے

وَاسْجُدُوْا لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَہُنَّ اِنْ کُنْتُمْ

اور صرف اس خدا کو سجدہ کرو جس نے ان (سب) نشانیوں کو پیدا کیا

اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾

اگر تم کو خدا کی عبادت کرنا ہے

یعنی مشرکین بھی عبادت خداوندی ہی کے مدعی ہیں تو جس عبادت میں شرک ہو وہ حقیقۃً خدا کی عبادت نہیں ہے اور وہ دعویٰ غلط ہے اگر خدا کی عبادت کرنا ہے تو شرک کو چھوڑ کر عبادت کرو

فَاِنِ اسْتَکْبَرُوْا

پھر اگر یہ لوگ تکبر کریں

یعنی توحید کے ساتھ عبادت کرنے سے عار کریں جس میں باپ دادوں کا طریقہ چھوڑنا اور نبی کا اتباع کرنا پڑتا ہے۔

فَالَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّکَ

تو جو فرشتے آپ کے رب کے مقرب ہیں

اور عظمت و شان میں ان سے ہزار درجے زیادہ ہیں

یُسَبِّحُوْنَ لَہٗ بِالَّیْلِ وَالنَّہَارِ وَہُمْ لَا

وہ شب و روز اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور وہ (اس سے) ذرا نہیں اکتاتے

يَسْئَمُوْنَ ۩ ﴿۳۸﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى

اور منجملہ اس کی (قدرت وتوحید کی) نشانیوں کے ایک یہ ہے کہ (اے

الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا

مخاطب) تو زمین کو دیکھتا ہے کہ دبی دبائی (پڑی) ہے کہ جب ہم اس پر پانی

الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ط

برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے

اوراس سے علاوہ توحید پر دلالت ہونے کے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں دوبارہ زندہ ہونے کے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں دوبارہ زندہ ہونا بھی ممکن ہے۔

اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ط اِنَّهٗ عَلٰى

(اس سے ثابت ہوا کہ) جس نے اس زمین کو زندہ کر دیا وہی مردوں کو

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾

زندہ کر دے گا بیشک ہر چیز پر قادر ہے

اور یہ دونوں باتیں ممکن ہونے پر برابر ہیں تو دونوں پر خدا کی قدرت بھی یکساں ہوگی اور ان میں سے ایک کا سہل ہونا مشاہدہ سے معلوم ہے تو دوسری صورت بھی سہل ہوگی پھر اس کو دشوار سمجھنا محض جہالت ہے ربط اوپر ویل للمشرکین وغیرہ آیتوں میں توحید ورسالت کے منکروں کے لئے عذاب کی وعید مذکور ہوئی ہے آگے پھر اسی کی طرف عود ہے ان الذین تا بصیر

اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا

بلاشبہ جو لوگ ہماری آیتوں میں کجروی کرتے ہیں

یعنی ان آیتوں میں توحید کا مضمون مذکور ہے جس کا مقتضا یہ تھا کہ یہ لوگ توحید کو اختیار کرتے اور ایمان لے آتے مگر وہ اس کو چھوڑ کر جھٹلانے کے درپے ہیں۔

لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ط

وہ لوگ ہم پر مخفی نہیں ہیں

ہم کو ان سب کا حال معلوم ہے اور ہم ان کو جہنم کی سزا دیں گے۔

اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا

سو بھلا جو شخص نار میں ڈالا جاوے وہ اچھا ہے یا وہ شخص جو قیامت کے روز

يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ط

امن وامان سے (جنت میں) آئے

آگے دھمکی کے طور پر خطاب ہے

اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ لا اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۴۰﴾

جو جی چاہے کر لو وہ سب تمہارا کیا ہوا دیکھ رہا ہے

ایک دفعہ ہی پوری سزا دے دے گا۔

ربط: اوپر شروع سورت میں اور وقال الذین کفروا لا تسمعوا لهذا القرآن الخ میں رسالت اور قرآن کے متعلق گفتگو ہوئی تھی آگے پھر یہی گفتگو ہے اور اسی سلسلے میں منکرین کے بعض اقوال کا جواب اور بعض مضامین سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی بھی دی گئی ہے ان الذین تا للعبید

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ ج

جو لوگ اس قرآن کا جب کہ وہ ان کے پاس پہنچتا ہے انکار کرتے ہیں (ان

وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ﴿۴۱﴾ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ

میں خود تدبیر کی کمی ہے) اور یہ (قرآن) بڑی باوقعت کتاب ہے جس میں غیر

بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ط

واقعی بات نہ اس کے آگے کی طرف سے آسکتی ہے اور نہ پیچھے کی طرف سے

یعنی اس میں کسی پہلو اور کسی جہت سے یہ احتمال نہیں کہ وہ خدا کی طرف سے نازل نہ ہوا ہو اور خلاف واقع اس کو خدا کی طرف سے نازل شدہ کہا جاتا ہو جیسا کہ کفار آپ پر بھی شبہ کرتے تھے اور اس احتمال کے نہ ہو سکنے کی وجہ قرآن کا اعجاز ہے کہ قرآن کی عبادات ایک ایسی ممتاز ہے جو تمام مخلوق کی عبادات سے الگ نظر آتی ہے ایسا کلام کوئی انسان نہیں کر سکتا۔

تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ﴿۴۲﴾

یہ خدائے حکیم محمود کی طرف سے نازل کیا گیا ہے

آگے فرماتے ہیں کہ اگر اس پر بھی یہ لوگ جھٹلائیں تو آپ دوسرے رسولوں کی حالت سے تسلی حاصل کیجئے۔

مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ

آپ کو وہی باتیں (تکذیب وایذا کی) کہی جاتی ہیں جو آپ سے پہلے

قَبْلِكَ ۭ

رسولوں کو کہی گئی ہیں

انہوں نے بھی صبر کیا تھا آپ بھی صبر کیجئے

اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ۝۴۳

آپ کا رب بڑی مغفرت والا اور دردناک سزا دینے والا ہے

پس اگر یہ مخالف لوگ مخالفت سے باز آ کر مغفرت کے مستحق نہ بنے تو میں ان کو سزا بھی دوں گا پھر آپ کاہے کے لئے پریشان ہوں آگے کفار کے اس شبہ کا جواب ہے کہ وہ کہتے تھے کہ قرآن کا کچھ حصہ عجمی زبان میں بھی ہونا چاہئے تھا تا کہ اس کا اعجاز خوب ظاہر ہو جاتا کہ جو بنی عجمی زبان نہیں جانتے وہ عجمی میں کلام کرتے ہیں

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا

اور اگر ہم اس کو عجمی (زبان کا) قرآن بناتے تو یوں کہتے کہ اس کی آیتیں

فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ۭ

صاف صاف کیوں نہیں بیان کی گئیں

کہ ہم بھی سمجھ لیتے یعنی عربی میں کیوں نہیں آیا اور اگر کچھ حصہ عجمی میں ہوتا تو یوں کہتے کہ یہ حصہ بھی عربی کیوں نہ ہوا غرض عجمی ہونے کی صورت میں بھی یہ ہرگز نہ ہوتا کہ اس کو مان لیتے بلکہ اس میں ایک اور حجت نکالتے کیونکہ جب ماننے اور سمجھنے کا ارادہ نہیں ہوتا تو ہر صورت میں کچھ نہ کچھ شاخ نکال لی جاتی ہے۔

ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ۭ

یہ کیا بات ہے کہ عجمی کتاب اور عربی رسول

خلاصہ یہ کہ اب جو قرآن عربی ہے تو کہتے ہیں کہ عجمی کیوں نہ ہوا اگر عجمی ہوتا تو کہتے عربی کیوں نہ ہوا کسی حال پر بھی ان کو قرار نہیں ہے پھر عجمی ہونے ہی سے کیا فائدہ ہوتا۔ رہا قرآن کا اعجاز سو وہ عربی ہونے کی صورت میں بھی موجود ہے بلکہ اس حالت میں اس کا اعجاز اہل عرب پر زیادہ حجت ہے کیونکہ وہ فن عربی میں ماہر ہیں اور اس کے باوجود قرآن کے مثل کلام لانے سے عاجز ہیں اس وقت قرآن کا اعجاز تفصیل کے ساتھ ان کی سمجھ میں آ سکتا ہے اور عجمی ہونے کی صورت میں اجمالاً سمجھتے اور اگر چہ اعجاز کا اجمالاً سمجھ لینا بھی کافی حجت ہے جیسا کہ اہل عجم قرآن کے اعجاز کو اجمالاً ہی سمجھ سکتے ہیں اور ان کے حق میں یہی کافی حجت ہے مگر ظاہر ہے کہ تفصیلاً سمجھنا زیادہ موثر اور بہت بڑی حجت ہے الغرض یہ شبہات محض لغو ہیں اصل مدار اعجاز پر ہے جس کا اوپر ذکر آ چکا ہے پس معلوم ہوا کہ قرآن کے حق ہونے میں تو کوئی کمی نہیں اگر کوئی شخص نہ مانے تو اسی میں انصاف وغیرہ کی کمی ہے آگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے جواب کا حکم ہے۔

قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَاۗءٌ ۭ

آپ کہہ دیجئے کہ یہ قرآن ایمان والوں کے لئے تو رہنما اور شفا ہے

یعنی نیک کاموں کا رستہ بتلاتا ہے اور برے کاموں سے روگ دلوں میں پیدا ہو جاتے ہیں قرآن کی تعمیل پر عمل کرنا ان روگوں سے شفا بخشتا ہے پس چونکہ ایمان والوں میں تدبر اور طلب حق کی کمی نہ تھی اس لئے ان کے حق میں قرآن اپنی حقانیت کی وجہ سے نافع ہوا۔

وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ

اور جو ایمان نہیں لائے ان کے کانوں میں ڈاٹ ہے

جس سے حق بات کو انصاف اور تدبر کے ساتھ نہیں سنتے اور یہی ان میں کمی ہے۔

وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۭ

اور وہ قرآن ان کے حق میں نابینائی ہے

کیونکہ تدبر اور انصاف کی کمی سے تعصب کو قوت ہوتی ہے اور تعصب ہدایت سے مانع لہذا وہ گمراہی کا باعث ہو جاتا ہے پس ان کے حق میں نابینائی کا سبب ہونا ایسا ہے جیسا کہ آفتاب عالم کو روشنی دیتا ہے مگر خفاش کو اندھا کر دیتا ہے مگر یہ آفتاب کا قصور نہیں بلکہ خود اسی کی آنکھ کا قصور ہے اس کی نگاہ کمزور ہے۔

اُولٰۗىِٕكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ۝۴۴ۧ

یہ لوگ (بوجہ عدم انتفاع کے ایسے ہیں کہ گویا) کسی بڑی دور جگہ سے بلائے جا رہے ہیں (کہ آواز سنتے ہیں مگر سمجھتے نہ ہوں

جیسا کہ اوپر صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے اجمالاً رسولوں کا ذکر ہوا ہے۔ آگے خاص طور پر موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرماتے ہیں

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ

اور ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب دی تھی سو اس میں بھی اختلاف ہوا

کہ کسی نے مانا کسی نے نہ مانا پس آپ ہی کے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں ہوئی اس لئے آپ مغموم نہ ہوں

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ

اور اگر ایک بات نہ ہوتی جو آپ کے رب کی طرف سے پہلے ٹھہر چکی ہے (کہ

بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝٤٥

پورا عذاب آخرت میں ملے گا) تو ان کا فیصلہ (دنیا ہی میں) ہو چکا ہوتا اور یہ لوگ اس کی طرف سے ایسے شک میں ہیں جس نے ان کو تردد میں ڈال رکھا ہے

یعنی باوجود دلائل قائم ہو جانے کے ابھی تک ان کو عذاب کا یقین ہی نہیں آتا حالانکہ فیصلہ ضرور ہوگا آگے اس فیصلہ کا حاصل بیان فرماتے ہیں

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ج

جو شخص نیک عمل کرتا ہے وہ اپنے ہی نفع کے لئے

یعنی وہاں اس کا نفع اور ثواب پاوے گا

وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ؕ

اور جو برا عمل کرتا ہے اس کا وبال اسی پر پڑے گا

یعنی ضرور عذاب بھگتے گا

وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝٤٦

اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں

کہ کوئی نیکی جو کہ قاعدہ کے موافق عمل میں لائی گئی اس کو شمار نہ کرے یا کسی گناہ کو زائد شمار کر لے۔

الحمد للہ چوبیسویں پارہ کی تفسیر ختم ہوئی

ربط: اوپر توحید و رسالت اور قرآن کے منکروں کو عذاب قیامت کی دھمکی دی گئی ہے آگے ان تینوں کے متعلق مخلوط طور پر کلام ہے الیہ یرد تا محیط

اِلَیۡهِ یُرَدُّ عِلۡمُ السَّاعَةِ ؕ

قیامت کے علم کا حوالہ خدا ہی کی طرف دیا جاسکتا ہے

یعنی کفار جو بطور انکار کے قیامت کا وقت دریافت کرتے ہیں تو اس کے جواب میں کہ قیامت کب آوے گی یہی کہا جاوے گا کہ اس کا علم خدا ہی کو ہے مخلوق کو اس کا علم نہ ہونے سے اس کا واقع نہ ہونا لازم نہیں آتا اور قیامت ہی کی کیا تخصیص ہے اس کا علم تو ہر چیز کو محیط ہے۔

وَمَا تَخۡرُجُ مِنۡ ثَمَرٰتٍ مِّنۡ اَكۡمَامِهَا وَمَا

اور کوئی پھل اپنے خول میں سے نہیں نکلتا اور نہ کسی عورت کو حمل رہتا ہے

تَحۡمِلُ مِنۡ اُنۡثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلۡمِهٖ ؕ

اور نہ وہ بچہ جنتی ہے مگر یہ سب اس کی اطلاع سے ہوتا ہے

اور اس اطلاع کی وجہ یہ ہے کہ علم خدا کی ذاتی صفت ہے جو بوجہ اعلیٰ درجہ کا کمال ہونے کے توحید کی بھی دلیل ہے اور چونکہ خدا کے علم کا تعلق تمام چیزوں کے ساتھ برابر ہے تو یہ اس کی بھی دلیل ہے کہ خدا کو قیامت کا علم ہے آگے قیامت کے ایک واقعہ کا ذکر ہے جس سے توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال بھی ہوتا ہے۔

وَيَوۡمَ يُنَادِيۡهِمۡ اَيۡنَ شُرَكَآءِىۡ ۙ

اور جس روز اللہ تعالیٰ ان (مشرکین) کو پکارے گا (اور کہے گا) کہ میرے شریک اب کہاں ہیں

یعنی جن کو تم نے میرا شریک بنا رکھا تھا اب ان کو بلاؤ تا کہ تم کو اس مصیبت سے بچاویں

قَالُوۡۤا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنۡ شَهِيۡدٍ ۚ ﴿۴۷﴾

وہ کہیں گے کہ (اب تو) ہم آپ سے یہی عرض کرتے ہیں کہ ہم میں (اس عقیدہ کا) کوئی مدعی نہیں

یعنی ہم سب اپنی غلطی کے مقر ہیں کیونکہ وہاں سب عقیدوں کی حقیقتیں منکشف ہو جاویں گی پس یہ اقرار یا تو بے اختیار ہو کر کریں گے یا اس سے نجات کی کچھ توقع ہو

وَضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَدۡعُوۡنَ مِنۡ قَبۡلُ

اور جن کو یہ لوگ پہلے سے (یعنی دنیا میں) پوجا کرتے تھے وہ سب غائب ہو جاویں گے

یا تو یہ مطلب ہے کہ حق واضح ہو جانے کی وجہ سے ان کے معبود ہونے کا اعتقاد سب کے ذہن سے غائب ہو جائے گا یا یہ مراد ہے کہ وہ مدد نہ کر سکیں گے اور بعض آیات میں جو آیا ہے کہ کفار سے کہا جائے گا کہ اپنے معبودوں کو پکارو اور وہ پکاریں گے فدعوهم فلم يستجيبوا لهم الخ تو وہ اس آیت کے معارض نہیں کیونکہ وہ پکار نا بدحواسی اور فرط حیرت سے ہوگا اعتقاد سے نہ ہوگا۔

وَظَنُّوۡا مَا لَهُمۡ مِّنۡ مَّحِيۡصٍ ﴿۴۸﴾

اور یہ لوگ سمجھ لیں گے کہ ان کے لئے کہیں بچاؤ کی صورت نہیں

یعنی اس وقت جھوٹے معبودوں کا باطل ہونا اور خدائے وحدہ کا برحق ہونا معلوم ہو جائے گا آگے شرک و کفر کا ایک بڑا اثر جو طبیعت انسانی پر ہوتا ہے اس کو بیان فرماتے ہیں

لَا يَسۡـَٔمُ الۡاِنۡسَانُ مِنۡ دُعَآءِ الۡخَيۡرِ ۫

ہر آدمی ترقی کی خواہش سے اس کا جی نہیں بھرتا

یعنی توحید و ایمان سے جو شخص بے بہرہ ہوتا ہے اس کے اخلاق و اعمال و عقائد ایسے برے ہوتے ہیں کہ ایک تو وہ ہر وقت دنیوی ترقی کی دھن میں رہتا ہے جو کہ غایت درجہ کی حرص ہے دوسرے خاص تنگی کی حالت میں اس کی وہ کیفیت ہوتی ہے جو آگے مذکور ہے

وَاِنۡ مَّسَّهُ الشَّرُّ

اور اگر اس کو کچھ تکلیف پہنچتی ہے

اور یہ غایت درجہ کی ناشکری کی علامت ہے

فَيَـُٔوۡسٌ قَنُوۡطٌ ﴿۴۹﴾ وَلَئِنۡ اَذَقۡنٰهُ رَحۡمَةً

تو ناامید ہراساں ہو جاتا ہے اور اگر ہم اس کو کسی تکلیف کے بعد جو کہ اس پر

مِّنَّا مِنۡۢ بَعۡدِ ضَرَّآءَ مَسَّتۡهُ لَيَقُوۡلَنَّ

واقع ہوئی تھی اپنی مہربانی کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو میرے لئے

هٰذَا لِىۡ ۙ

ہونا ہی چاہئے تھا

اور یہ بھی غایت ناشکری و تکبر ہے

وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً

اور میں قیامت کو آنے والا نہیں خیال کرتا

یعنے اس نعمت میں یہاں تک پھولتا ہے

وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّىْٓ

اور اگر میں اپنے رب کے پہنچایا بھی گیا

جیسا کہ نبی کہتے ہیں

اِنَّ لِىْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى

تو میرے لئے اس کے پاس بھی بہتری ہی ہے

کیونکہ میں حق پر اور اس کا مستحق ہوں

فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَ

سو ہم ان منکروں کو ان کے (یہ) سب کردار ضرور بتلا دیں گے

لَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۰﴾

اور ان کو سخت عذاب کا مزہ چکھا دیں گے

جو ناشکری کی سزا ہے

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ

اور جب ہم آدمی کو نعمت عطا کرتے ہیں تو (ہم سے اور ہمارے احکام سے)

وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ

منہ موڑ لیتا ہے اور کروٹ بدل لیتا ہے

اور یہ غایت درجہ کا تکبر اور اترانا ہے۔

وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ﴿۵۱﴾

اور جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو خوب لمبی چوڑی دعائیں کرتا ہے

نہ بطور التجا بلکہ صرف جزع وفزع کے طور پر

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ

آپ کہیے کہ بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر یہ قرآن خدا کے یہاں سے آیا ہو اور پھر تم

كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِىْ

اس کا کروا انکار تو ایسے شخص سے زیادہ کون غلطی میں ہوگا جو (حق سے) ایسی

شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾

دور دراز مخالفت میں پڑا ہو

یعنی قرآن کے حق ہونے پر جو دلائل قائم ہیں مثلاً اس کا اعجاز بلاغت اور غیب کی خبریں اور پیشین گوئیاں بیان کرنا وغیرہ اگر تم تدبر و غور نہ کرنے کی وجہ سے ان کو یقین حاصل کرنے کے لئے کافی نہیں سمجھتے تو کم از کم ان دلائل سے قرآن کے حق ہونے کا احتمال تو ضرور ہوگا کیونکہ تمہارے پاس ایسی کوئی دلیل تو ہے نہیں جس سے تم قرآن کا منجانب اللہ نہ ہونا ثابت کر دو اور جب اس میں حق ہونے کا احتمال ہے تو انکار اور تکذیب کی صورت میں تمہارے گمراہ ہونے کا بھی احتمال ہے اور عقلاً گمراہی کے احتمال سے بھی بچنا واجب ہے اور وہ اس پر موقوف ہے کہ تم قرآن میں تدبر و تامل کرو پس انکار میں جلدی نہ کرو بلکہ سوچ سمجھ سے کام لو تا کہ حق تم پر واضح اور متعین ہو جاوے۔

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ

ہم عنقریب ان کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں ان کے گرد ونواح میں بھی دکھائیں گے

یعنی ان لوگوں سے تو کیا امید ہے کہ یہ سوچ سمجھ سے کام لیں گے مگر ہم خود ہی قرآن کے سچے ہونے کی نشانیاں ان کے گرد و نواح میں عنقریب دکھائیں گے کہ قرآن کی پیشین گوئی کے موافق عرب کے اطراف و جوانب سب فتح ہو جاویں گے۔

وَفِىْٓ اَنْفُسِهِمْ

اور خود ان کی ذات میں بھی

یعنی خود ان کی ذات میں بھی حقانیت قرآن کی نشانیاں دکھائیں گے کہ یہ بدر میں مارے جاویں گے اور ان کا وطن مکہ بھی فتح ہو جاوے گا

حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ

یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ قرآن حق ہے

یعنی ان پیشین گوئیوں کے سچ ہونے سے وہ مجبور ہو کر قرآن کا حق ہونا تسلیم کریں گے اور اگر چہ یہ اضطراری علم بدون اختیاری تصدیق کے معتبر نہیں مگر اس سے حجت تمام کرنے میں تو زیادہ قوت ہو جاوے گی غرض اس کی حقانیت ایک روز ضرور ظاہر ہو کر رہے گی باقی اس وقت جو یہ لوگ آپ کی رسالت و وحی کا انکار کر رہے ہیں اس سے آپ مغموم نہ ہوں۔

أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

تو کیا آپ کے رب کی یہ بات (آپ کی حقیقت کی شہادت کے لئے) کافی

شَهِيدٌ ۝٥٣

نہیں کہ وہ ہر چیز کا شاہد ہے

پس اگر یہ لوگ آپ کی رسالت کی گواہی نہ دیں تو حق تعالیٰ اس پر گواہ ہے اور اس نے جابجا آپ کی حقانیت کی گواہی دی ہے قول سے بھی اور عمل سے بھی کہ آپ کی رسالت کی دلیل میں بہت سے معجزات ظاہر کئے ہیں پس اس کی گواہی کافی ہے آگے ان لوگوں کے انکار کی اصل وجہ بتلاتے ہیں جس سے آپ کو تسلی بھی زیادہ ہو سکتی ہے۔

أَلَا إِنَّهُمْ فِي مِرْيَةٍ مِّن لِّقَاءِ رَبِّهِمْ ۗ

یاد رکھو کہ وہ لوگ اپنے رب کے روبرو جانے کی طرف سے شک میں پڑے ہیں

پس ان کے دل میں خوف نہیں جس سے طلب حق کی فکر ہو

أَلَا إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ ۝٥٤

یاد رکھو کہ وہ ہر چیز کو (اپنے علم کے) احاطہ میں لئے ہوئے ہے

پس وہ ان کے شک اور انکار کو بھی جانتا ہے اور اس پر سزا دے گا۔

سورة الشورىٰ مكية و هي ثلث و خمسون آية

ربط: پہلی سورت توحید و رسالت اور قیامت اور قرآن کی حقانیت کے بیان پر ختم ہوئی تھی اور یہ سورت انہی مضامین سے شروع ہوئی ہے پس دونوں میں تناسب ظاہر ہے۔ بسم الله الرحمن الرحيم . حمٓ. عسٓق.

(۴۲) سُورَةُ الشُّورَىٰ مَكِّيَّةٌ (۶۲)

سورۂ شوریٰ مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں ترپن آیتیں اور پانچ رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

حمٓ ۝١ عٓسٓقٓ ۝٢

حمٓ عسٓق

اس کے معنے اللہ ہی کو معلوم ہیں۔ كذلك يوحى اليك تا علي كلي شئ قدير

كَذَٰلِكَ يُوحِي إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكَ

اسی طرح آپ پر اور جو (پیغمبر) آپ سے پہلے ہو چکے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ جو

اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝٣ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ

زبردست حکمت والا ہے (دوسری سورتوں اور کتابوں کی) وحی بھیجتا رہا ہے اسی کا ہے

وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ۝٤

جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اور وہی سب سے برتر اور عظیم الشان

تَكَادُ السَّمَاوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِن فَوْقِهِنَّ

ہے کچھ بعید نہیں کہ آسمان اپنے اوپر (کہ ادھر ہی اسے بوجھ پڑتا ہے) پھٹ پڑیں

یعنی خدا کی عظمت کو اگرچہ بعض زمین والے نہ جانیں اور نہ مانیں مگر آسمانوں میں اس کی عظمت جاننے والے یعنی فرشتے اس کثرت سے ہیں کہ ان کے بوجھ کی وجہ سے اگر آسمان پھٹ پڑیں تو کچھ بعید نہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ آسمان چرچر کرتا ہے اور کیوں نہ کرے اس میں چار انگشت کی جگہ بھی ایسی نہیں جہاں کوئی فرشتہ اپنی پیشانی رکھے ہوئے خدا کے سامنے سجدہ نہ کر رہا ہو اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں میں ثقل اور بوجھ بھی ہے اور یہ کچھ بعید نہیں کیونکہ فرشتوں کا اجسام ہونا تو قطعی دلائل سے ثابت ہے اور اجسام میں ثقل ہونا کچھ تعجب کی بات نہیں۔ غرض آسمانوں میں فرشتے اس کثرت سے ہیں کہ تل دھرنے کی بھی جگہ نہیں۔

وَالْمَلَائِكَةُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُونَ

اور (وہ) فرشتے اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں اور اہل

لِمَن فِي الْأَرْضِ ۗ

زمین کے لئے معافی مانگتے ہیں

یعنی زمین والوں میں جو لوگ خدا کی عظمت کا حق ادا نہیں کرتے مثلاً شرک و کفر کرتے ہیں اور اس وجہ سے وہ فوری عذاب کے مستحق ہیں تو فرشتے ان کے لئے ایک خاص وقت تک کے واسطے معافی مانگتے ہیں یعنی حق تعالیٰ سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ دنیا میں کفار پر ایسا عذاب نازل نہ کیا جائے جو ان کا استیصال ہی کر دے بلکہ چندے ان کو مہلت دی جائے پس معمولی واقعات سے سزائیں ہونا یا آخرت میں اصلی عذاب ہونا اس استغفار سے خارج ہے اس سے معافی کی دعا وہ نہیں کرتے اور

اللہ تعالیٰ فرشتوں کی اس درخواست کو منظور فرما کر مشرکین و کفار پر دنیا میں ایسا عذاب نازل نہیں فرماتے جس سے ان کا استیصال ہو۔

أَلَآ إِنَّ ٱللَّهَ هُوَ ٱلْغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ ﴿٥﴾

خوب سمجھ لو کہ اللہ ہی معاف کرنے والا رحمت کرنے والا ہے

گو کفار کے لئے وہ معافی اور رحمت دنیا ہی میں ہوتی ہے آگے حضور کو ارشاد ہے کہ دنیا میں کفار پر عذاب نازل نہ ہونے سے آپ مغموم نہ ہوں

وَٱلَّذِينَ ٱتَّخَذُوا۟ مِن دُونِهِۦٓ أَوْلِيَآءَ ٱللَّهُ

اور جن لوگوں نے خدا کے سوا دوسرے کارساز قرار دے رکھے ہیں

حَفِيظٌ عَلَيْهِمْ

اللہ ان کو دیکھ بھال رہا ہے

وہ آپ ہی مناسب وقت پر سزا دے دے گا

وَمَآ أَنتَ عَلَيْهِم بِوَكِيلٍ ﴿٦﴾

اور آپ کو ان پر کوئی اختیار نہیں دیا گیا

کہ آپ جب چاہیں ان پر عذاب نازل کرا دیں آگے ارشاد ہے کہ آپ ان کے ایمان نہ لانے سے بھی محزوں نہ ہوں کیونکہ آپ کا کام صرف احکام کا پہنچا دینا ہے اس سے زیادہ آپ کیوں فکر کرتے ہیں

وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ قُرْءَانًا عَرَبِيًّا لِّتُنذِرَ

اور ہم نے اسی طرح آپ پر (یہ) قرآن عربی وحی کے ذریعہ سے نازل کیا

أُمَّ ٱلْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنذِرَ يَوْمَ ٱلْجَمْعِ

ہے تا کہ آپ (سب سے پہلے) مکہ کے رہنے والوں کو اور جو لوگ اس کے آس پاس ہیں ان کو ڈرائیں اور جمع ہونے کے دن سے ڈرائیں

بس آپ کا کام محض ایسے دن سے ڈرانا ہے باقی ان کے ایمان لانے یا نہ لانے سے آپ کو کیا بحث وہ خدا کی مشیت پر موقوف ہے۔

لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ فَرِيقٌ فِى ٱلْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِى

جس (کے آنے) میں ذرا شک نہیں ایک گروہ جنت میں (داخل) ہوگا اور ایک

ٱلسَّعِيرِ ﴿٧﴾ وَلَوْ شَآءَ ٱللَّهُ لَجَعَلَهُمْ أُمَّةً

دوزخ میں ہوگا اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو ان سب کو ایک ہی

وَٰحِدَةً

طریقہ کا بنا دیتا

یعنے سب کو ایمان نصیب کر دیتا مگر بہت سی حکمتوں کی وجہ سے اس کو یہ منظور نہ ہوا۔

وَلَٰكِن يُدْخِلُ مَن يَشَآءُ فِى رَحْمَتِهِۦ ۚ

لیکن وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے

اور جس کو چاہتا ہے شرک و کفر میں مبتلا رکھ کر رحمت سے خارج کر دیتا ہے۔

وَٱلظَّٰلِمُونَ مَا لَهُم مِّن وَلِىٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿٨﴾

اور (ان) ظالموں کا قیامت کے روز کوئی حامی (مددگار) نہیں

اور پر شرک پر دھمکی تھی آگے شرک کا ابطال ہے

أَمِ ٱتَّخَذُوا۟ مِن دُونِهِۦٓ أَوْلِيَآءَ ۖ فَٱللَّهُ

کیا ان لوگوں نے خدا کے سوا دوسرے کارساز قرار دے رکھے ہیں

هُوَ ٱلْوَلِىُّ وَهُوَ يُحْىِ ٱلْمَوْتَىٰ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ

سو اللہ ہی کارساز ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرے گا اور وہی ہر

شَىْءٍ قَدِيرٌ ﴿٩﴾

چیز پر قدرت رکھتا ہے

تو کارساز بنانے کے لائق وہی ہے جس کی قدرت عام طور سے ہر چیز پر ہے اور مردوں کے زندہ کرنے پر خصوصیت کے ساتھ اس کی قدرت ثابت ہے اور اس خاص قدرت کا بیان اس لئے فرمایا کہ اس وقت دوسروں کی قدرت جواب برائے نام ہے وہ بھی بالکل بے نام و نشان ہو جائے گی تو اس وقت خدا تعالیٰ کی قدرت کامل طور پر ظاہر ہوگی ربط اوپر تین مضمونوں میں جو توحید کا مضمون تھا آگے بھی اسی کی تاکید ہے وما اختلفتم فيه تا بكل شئ عليم

وَمَا ٱخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِن شَىْءٍ فَحُكْمُهُۥٓ

اور جس جس بات میں تم (اہل حق کے ساتھ) اختلاف کرتے ہو اس کا فیصلہ

إِلَى ٱللَّهِ ۚ

اللہ ہی کے سپرد ہے

یعنی اے مشرکو تم جو توحید وغیرہ میں اختلاف کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ دنیا

میں صحیح دلائل سے اور آخرت میں اس فیصلہ سے کہ ایک جماعت جنتی اور ایک جہنمی ہوگی فیصلہ کردے گا۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَاِلَيْهِ
یہ اللہ میرا رب ہے میں اسی پر توکل کرتا ہوں اور اسی کی طرف
اُنِيْبُ ﴿۱۰﴾
رجوع کرتا ہوں

یعنی ان اختلافات کے جو آثار ہیں مثلاً تم میری ایذا اور ضرر رسانی کا قصد کرتے ہو ان کے بارے میں میں خدا ہی پر بھروسہ کرتا ہوں اور دنیا و دین کے تمام کاموں میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں پس نہ ان مضرتوں سے ڈرتا ہوں اور نہ توحید میں کوئی شبہ کرتا ہوں جس کو خدا نے حق کہہ دیا ہے اس سے توحید کا مضمون خوب پختہ ہوگیا آگے دوسری صفات کمال بیان فرما کر اس کی تاکید کی جاتی ہے۔

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ جَعَلَ لَكُمْ
وہ آسمان اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس
مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ
کے جوڑے بنائے اور (اسی طرح) مواشی کے جوڑے بنائے (اور) اس
اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ۭ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ
کے (جوڑے ملانے کے) ذریعہ سے تمہاری نسل چلاتا رہتا ہے کوئی چیز اس
شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۱۱﴾
کی مثل نہیں اور وہی ہر بات کا سننے والا دیکھنے والا ہے

بخلاف دوسروں کے کہ وہ کسی بات کو تو سنتے دیکھتے ہیں اور کسی کو نہیں سنتے دیکھتے پس اس صفت میں بھی کوئی اس کے مثل نہیں

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ
اسی کے اختیار میں ہیں کنجیاں آسمان اور زمین کی

یعنی وہی آسمان وزمین میں ہر قسم کا تصرف کرنے والا ہے چنانچہ ایک تصرف کا آگے بیان ہے۔

يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ
جس کو چاہے زیادہ روزی دیتا ہے اور (جس کو چاہے) کم دیتا ہے بے شک

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾
وہ ہر چیز کا پورا جاننے والا ہے

کہ کس کے لئے کیا مصلحت ہے پس ہر اک کو اس کے مناسب رزق عطا فرماتا ہے ربط اوپر فحکمه الی الله میں فرمایا ہے کہ تمام اختلافات کا فیصلہ حق تعالیٰ کے سپرد ہے کہ جو فیصلہ دنیوی واخروی دونوں کو شامل ہے آگے دنیوی فیصلہ بیان فرماتے ہیں اور اسی مضمون سے رسالت کی بھی تاکید ہوگی شرع لکم تا الیه المصیر

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ
اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے واسطے وہی دین مقرر کیا جس کا اس نے نوح کو حکم
نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا
دیا تھا اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعہ سے بھیجا ہے اور جس کا
بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا
ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو (مع ان سب کے اتباع کے) حکم دیا
الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ
تھا (اور ان کی امم کو یہ کہا تھا) کہ اسی دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا

اس جگہ دین لیس مراد اصول دین ہیں جیسے توحید و رسالت و قیامت وغیرہ کا اعتقاد جو کہ تمام شریعتوں میں مشترک ہیں اور قائم رکھنے سے یہ مراد ہے کہ اس کو تبدیل نہ کرنا اور ترک مت کرنا اور تفرقہ ڈالنا یہ ہے کہ کسی بات پر ایمان لائیں کسی پر نہ لائیں یا کوئی شخص ایمان لاوے کوئی نہ لاوے حاصل یہ کہ توحید وغیرہ کی تعلیم قدیم ہے کہ اول سے اس وقت تک تمام شریعتیں اس میں متفق رہی ہیں اور اس سے نبوت کی بھی تائید ہوگئی پس چاہیے تھا کہ اس کے قبول کرنے میں لوگوں کو ذرا پس وپیش نہ ہوتا

كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ
مشرکین کو وہ بات بڑی گراں گزرتی ہے جس کی طرف آپ ان کو
اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ
بلا رہے ہیں اللہ اپنی طرف جس کو چاہے کھینچ لیتا ہے

یعنی دین حق قبول کرنے کی توفیق دے دیتا ہے۔

وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾

اور جو شخص (خدا کی طرف) رجوع کرے اس کو اپنے تک رسائی دیدیتا ہے

خلاصہ یہ کہ مشیت الٰہی کے بعد ایمان کی توفیق ہوتی ہے اور اس توفیق کے بعد اگر خدا کی طرف رجوع اور اطاعت بھی ہو تو اس پر قرب الٰہی اور ثواب غیر متناہی عطا ہوتا ہے غرض مشرکین تو اعتراض اور بے رخی کرتے ہیں اور مومنین کو خدا نے اپنی طرف کھینچ لیا ہے آگے فرماتے ہیں کہ پہلی امتوں کو جو ہم نے یہ حکم کیا تھا کہ دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ مت ڈالو تو بہت لوگ اس پر قائم نہ رہے اور متفرق ہو گئے لیکن اس تفرقہ کا منشا یہ نہ تھا کہ وہ کسی اشتباہ میں پڑ گئے ہوں جس سے ان کے معذور ہونے کا احتمال ہو بلکہ جان بوجھ کر انہوں نے ایسا کیا۔

وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ

اور وہ لوگ بعد اس کے کہ ان کے پاس علم پہنچ چکا تھا محض آپس کی ضد اضدی

الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ط

سے باہم متفرق ہو گئے

اس طرح کہ اول مال و دولت کی طلب اور جاہ و ریاست کی خواہش سے اغراض مختلف ہوئیں پھر فرقے بن گئے اور ایسے وقت میں ایک دوسرے کی تنقیص و تحقیر کے لئے دین کو آڑ بنایا کرتے ہیں شدہ شدہ مذہب اور طریقہ مختلف ہو جاتا ہے پھر فروع سے گزر کر اصول میں بھی اختلاف کرنے لگتے ہیں آگے بتلاتے ہیں کہ یہ لوگ اس جرم عظیم کی وجہ سے کہ جان بوجھ کر اختلاف میں پڑے سخت عذاب کے مستحق ہو گئے تھے۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ

اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک وقت معین تک (کے لئے

مُّسَمًّى

مہلت دینے کی) ایک بات پہلے قرار نہ پاچکتی

وہ یہ کہ ان کو اصلی عذاب آخرت میں ہوگا

لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ط

تو (دنیا ہی میں) ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا

یعنے عذاب سے ان کا استیصال کر دیا جاتا اور گو پہلی امتوں پر ایسا عذاب آیا ہے لیکن وہ کفار پر آیا مومنین میں سے جنہوں نے تفرقہ ڈالا ان پر ایمان کی برکت سے ایسا عذاب نہیں آیا جس سے استیصال ہو جائے اور اگر مسلمانوں میں سے کسی پر ایسا عذاب آنا ثابت ہو جاوے تو سب پر یقیناً نہیں آیا یہ قصہ تو پہلی امتوں کا ہوا۔

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ

اور جن لوگوں کو ان کے بعد کتاب دی گئی (مراد اس سے مشرکین عہد نبوی کے ہیں) وہ اس کی طرف سے ایسے (قوی) شکست میں پڑے ہیں جس

لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۴﴾

نے (ان کو) تردد میں ڈال رکھا ہے

مطلب یہ کہ جیسے پہلی امتوں میں سے بعض نے انکار کیا تھا اسی طرح اب ان کی نوبت آئی۔

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ج

سو آپ اسی طرف (ان کو برابر) بلائے جایئے

یعنی آپ کسی کے انکار سے دل شکستہ نہ ہو جئے بلکہ جس توحید کی طرف آپ ان کو پہلے سے بلا رہے ہیں اسی کی طرف بلاتے رہئے

وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ج وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ج

جس طرح آپ کو حکم ہوا ہے (اس پر) مستقیم رہیے اور ان کی (فاسد) خواہشوں پر نہ چلئے

یعنی وہ لوگ مخالفت کر کے یہ چاہتے ہیں کہ آپ ان کو کہنا چھوڑ دیں تو آپ چھوڑ یئے نہیں۔

وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ج

اور آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں میں سب پر ایمان لاتا ہوں

جن میں قرآن بھی داخل ہے اور توحید کے مضمون پر ان سب کتابوں کا اتفاق ہے میں اس پر بھی ایمان لاتا ہوں خلاصہ یہ کہ جس بات کی طرف میں تم کو بلاتا ہوں خود بھی اس پر عمل کرتا ہوں۔

وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ط

اور مجھ کو یہ (بھی) حکم ہوا ہے کہ (اپنے اور) تمہارے درمیان میں عدل رکھوں

کہ جس چیز کو تم پر واجب اور لازم کہوں اپنے اوپر بھی اس کو لازم سمجھوں یہ نہیں کہ تم کو کلفت میں ڈالوں اور خود آزاد رہوں اور ایسے مضامین

اور ایسے معاملہ سے انصاف پسند طبیعتوں کو اتباع کی رغبت ہوا کرتی ہے اور اس پر بھی اگر کوئی نرم نہ ہو تو اس کے لئے آگے اخیر بات کہی جاتی ہے۔

اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ

اللہ ہمارا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی مالک ہے ہمارے اعمال ہمارے لئے

اَعْمَالُكُمْ ۚ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۚ

اور تمہارے عمل تمہارے لئے ہماری تمہاری کچھ بحث نہیں اللہ ہم سب کو جمع

اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿١٥﴾

کرے گا اور اس میں شک بھی نہیں کہ اسی کے پاس جانا ہے

اس وقت وہ سب کا فیصلہ اعمال کے موافق کر دے گا اس وقت تم سے بحث فضول ہے۔ ہاں احکام کی تبلیغ کئے جائیں گے ربط اوپر قیامت میں زندہ ہونے اور جزا و سزا ملنے کا ذکر تھا آگے بھی اس کے متعلق مضمون ہے جس میں منکرین توحید کے عذاب کی بھی خبر دی گئی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِى اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے (دین کے) بارہ میں (مسلمانوں سے) جھگڑے

مَا اسْتُجِيْبَ

نکالتے ہیں بعد اس کے کہ وہ مان لیا گیا

یعنے بہت سے عقلمند اور سمجھدار آدمی مسلمان ہو کر اس کو مان چکے جس سے حجت زیادہ ظاہر ہوگئی اور ظاہر ہے کہ حجت واضح ہو جانے کے بعد انکار اور جھگڑا کرنا زیادہ برا ہے۔

لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ

ان لوگوں کی حجت ان کے رب کے نزدیک باطل ہے

یعنے خدا کے پاس جا کر اس کا باطل ہونا خوب ظاہر ہو جاوے گا۔

وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿١٦﴾

اور ان پر غضب (واقع ہونے والا) ہے اور ان کیلئے (قیامت کو) سخت عذاب (ہونے والا) ہے

جس سے بچنے کا طریقہ یہی ہے کہ اللہ کو اور اس کے دین کو مانو اور اس کا ماننا یہ کہ قرآن کو حق اور واجب العمل جانو جس میں حقوق اللہ اور حقوق العباد سب بیان کئے گئے ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ

اللہ ہی ہے جس نے (اس) کتاب (یعنی قرآن) کو اور انصاف کو نازل فرمایا

انصاف سے مراد حقوق العباد ہیں اور اگرچہ وہ بھی قرآن میں داخل ہیں مگر ان کو جدا بیان کرنا اہتمام شان کے لئے ہے اور شاید اس لئے بھی اس کو علیحدہ بیان فرمایا ہوتا کہ اس سے قرآن کی تصدیق میں زیادہ رغبت ہو کہ اس کتاب کے ماننے سے تو ہماری دنیوی مصالح کی بھی حفاظت رہے گی غرض جب قرآن اللہ کی کتاب ہے تو اللہ کو ماننا بدون اس کے مانے ہوئے معتبر نہیں ہو سکتا اور بدون اللہ کے مانے ہوئے عذاب و غضب سے نجات نہیں ہو سکتی پس نجات موقوف ہے قرآن کے ماننے پر تو اہل اسلام کے سوا جو لوگ اپنے زعم میں خدا کو مانتے تھے وہ ماننا نجات کے لئے کافی نہیں آگے ان لوگوں کا جواب ہے جو قیامت کے واقعات سن کر آپ سے اس کا وقت پوچھتے تھے۔

وَالْمِيْزَانَ ۚ وَمَا يُدْرِيْكَ

اور آپ کو (اس کی) کیا خبر

لیکن خبر نہ ہونے سے یا خبر نہ دینے سے قیامت کی نفی لازم نہیں آتی بلکہ اس کا واقع ہونا دلائل سے ثابت ہے پھر خواہ مخواہ یہ لوگ آپ سے اس کا وقت دریافت کرتے ہیں۔

لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ﴿١٧﴾

عجب نہیں کہ قیامت قریب ہو

یعنی تعیین وقت کی نسبت سب کو اجمالاً اتنا سمجھ لینا کافی کہ شاید قیامت جلدی ہی آ جاوے۔

يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ

مگر جو لوگ اس کا یقین نہیں رکھتے اس کا تقاضا کرتے ہیں اور

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ

جو لوگ یقین رکھنے والے ہیں وہ اس سے ڈرتے ہیں

جس خوف کا یہاں بیان ہے اس سے اعتقادی خوف مراد ہے جو دو باتوں کے اعتقاد سے پیدا ہوا ہے ایک قیامت کے واقع ہونے کا اعتقاد دوسرے اپنے اعمال کی نسبت یہ اعتقاد کہ ان کے مردود ہونے کا بھی احتمال ہے پس یہ خوف اعتقادی ہر مسلمان کو ہوتا ہے اور اگر کسی کو غلبہ حال کی وجہ سے موت یا قیامت کا اشتیاق عارض ہو جاوے تو وہ شوق طبعی اور اضطراری ہوتا ہے اس

وقت اعتقادی خوف بھی باقی رہتا ہے کیونکہ دونوں میں کچھ منافات نہیں اور یہ خوف دنیا میں ہوتا ہے پس قبر میں کسی مردہ کا یہ کہنا کہ اے اللہ قیامت جلدی قائم کر دے محل اشکال نہیں کیونکہ وہاں یقینی بشارتیں سن کر اپنے اعمال کے مردود ہونے کا احتمال نہیں رہتا اس لئے خوف بھی زائل ہو جاتا ہے۔

ربط: اوپر ان لوگوں کی گمراہی کا ذکر تھا جو قیامت کے بارہ میں جھگڑے نکالتے ہیں آگے اس انکار و خصومت کی علت فرماتے ہیں جو کہ دنیا سے دھوکہ کھانا اور آپس میں انہاک کرنا ہے اور اس کے مقابلہ میں آخرت کی طلب کی ترغیب دیتے ہیں۔ الله لطيف تا من نصيب

وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا الْحَقُّ ۗ أَلَا إِنَّ الَّذِينَ

اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ برحق ہے یاد رکھو کہ جو لوگ قیامت کے بارہ میں

يُمَارُونَ فِي السَّاعَةِ لَفِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ﴿١٨﴾

جھگڑتے ہیں بڑی دور کی گمراہی میں (مبتلا) ہیں اللہ تعالیٰ (دنیا میں) اپنے

اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ

بندوں پر مہربان ہے

اور اسی عام رحمت کی وجہ سے دنیا میں سب کو روزی دیتا ہے پس یہ لوگ جو دنیا کی ناز و نعمت پر پھولے ہیں اور اس میں منہمک ہو کر آخرت کو بھولے ہیں اور اپنی اس ناز و نعمت سے استدلال کرتے ہیں کہ اگر ہمارا طریقہ خدا تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہوتا تو وہ ہم کو یہ عیش و عشرت کیوں دیتے سو یہ ان کی حماقت ہے کیونکہ یہ رضامندی کی دلیل نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سب پر عام ہے وہ سب کو روزی دیتا ہے گو حسب مصلحت اس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔

يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ ۖ

جس کو (جس قدر) چاہتا ہے روزی دیتا ہے

آگے فرماتے ہیں کہ دنیا میں اس لطف و مہربانی سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کا طریقہ حق ہو اور آخرت میں بھی ان پر لطف ہو اور عذاب نہ ہو بلکہ وہاں بوجہ گمراہی کے ضرور معذب ہونگے اور ان کو عذاب دینا کوئی بعید بات نہیں۔

وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ﴿١٩﴾ ع

اور وہ قوت والا اور زبردست ہے

اس کو سب قدرت ہے وہ تو کیا وہ ان سب کو سزا دے سکتا ہے غرض ان کی تمام تر خرابی کی وجہ دنیا میں انہاک ہے سو لوگوں کو اس پر مغرور نہ ہونا چاہئے بلکہ آخرت کو طلب کریں۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ

جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہو

نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ ۖ

ہم اس کو اس کھیتی میں ترقی دیں گے

کھیتی سے مراد ثواب آخرت ہے جو کہ اعمال کا ثمرہ ہے جیسا کہ کھیتی تخم کا ثمرہ ہے مطلب یہ ہے کہ ہم اس کے اعمال پر ثواب دیں گے اور اس ثواب کو مضاعف کر دیں گے۔

وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا

اور جو دنیا کی کھیتی کا طالب ہو

یعنی متاع دنیا ہی کے لئے سعی اور تدبیر کرے اور دنیا ہی اس کا سرمایہ ہو اور آخرت کے لئے کچھ سعی نہ کرے حتیٰ کہ ایمان بھی نہ لاوے۔

نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ

تو ہم اس کو کچھ دنیا (اگر چاہیں) دے دیں گے اور آخرت میں

نَصِيبٍ ﴿٢٠﴾

اس کا کچھ حصہ نہیں

کیونکہ اس کے لئے ایمان شرط ہے اور وہ اس کے پاس ہے نہیں غرض اس حالت میں طلب کے قابل آخرت ہی ہے نہ کہ دنیا کیونکہ وہ تمنا کے موافق نصیب نہیں ہوتی اور اس میں پڑ کر آخرت سے محروم رہ جاتا ہے۔ ربط اوپر شرع لکم میں دین حق کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہونا بیان فرمایا تھا جو کہ توحید وغیرہ کو شامل ہے آگے مشرکین و کفار کے دین باطل کا کسی صحیح دلیل سے ثابت نہ ہونا بیان فرماتے ہیں ام لهم شركاء تا غفور شكور

أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ

کیا ان کے کچھ شریک (خدائی) ہیں جنہوں نے ان کے لئے ایسا دین مقرر

مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ ۚ

کر دیا ہے جس کی خدا نے اجازت نہیں دی

مقصود اس سوال سے یہ ہے کہ کوئی شخص اس قابل نہیں کہ خدا کے خلاف اس کا مقرر کیا ہوا دین معتبر ہو سکے۔

وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۗ

اور اگر (خدا کی طرف سے) ایک قول فیصل (ٹھہرا ہوا) نہ ہوتا تو (دنیا ہی میں)

وَإِنَّ الظّٰلِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢١﴾

ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور (آخرت میں) ان ظالموں کو ضرور دردناک عذاب ہو

تَرَى الظّٰلِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا كَسَبُوا

گا (اس روز) آپ ان ظالموں کو دیکھیں گے کہ اپنے اعمال کے وبال سے ڈر

وَهُوَ وَاقِعٌ بِهِمْ ۗ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

رہے ہوں گے اور وہ (وبال) ان پر (ضرور) پڑ کر رہے گا اور جو لوگ ایمان لائے

الصّٰلِحٰتِ فِي رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ

اور انہوں نے اچھے کام کئے وہ بہشتوں کے باغوں میں (داخل) ہوں گے

وہ قول یہ ہے کہ اصل عذاب ان پر موت کے بعد ہوگا۔

بہشت کو جمع اس لئے لائے کہ بہشت کے مختلف طبقات اور درجات ہیں ہر طبقہ ایک بہشت ہے اور ہر طبقہ میں متعدد باغات ہیں اپنے اپنے رتبہ کے موافق کوئی کہیں ہوگا کوئی کہیں ہوگا۔

لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ ذٰلِكَ

وہ جس چیز کو چاہیں ان کے رب کے پاس ان

هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ﴿٢٢﴾

کو ملے گی یہی بڑا انعام ہے

نہ کہ وہ عیش و عشرت جو دنیا میں موجود ہے۔

ذٰلِكَ الَّذِي يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِينَ

یہی ہے جس کی بشارت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دے رہا ہے

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۗ

جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے

چونکہ کفار کی عادت تھی کہ وہ پورا مضمون سننے سے پہلے ہی جھٹلانے لگتے تھے اس لئے بشارت کا مضمون پورا کرنے سے پہلے ہی درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر کفار کو تکذیب میں جلدی کرنے سے روکنے کے لئے حضور کو حکم فرماتے ہیں کہ ان کو ایک دل گداز مضمون سنا دیں

قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ

آپ (ان سے) یوں کہیے کہ میں تم سے کچھ مطلب نہیں چاہتا بجز رشتہ داری

فِي الْقُرْبٰى ۗ

کی محبت کے

یعنی اتنا چاہتا ہوں کہ میرے تمہارے درمیان جو تعلقات رشتہ داری کے ہیں جو کہ تمام قریش میں بلکہ تمام عرب میں پھیلے ہوئے تھے دور یا نزدیک جیسا برادری میں ہوا کرتا ہے ان کے حقوق کا تو خیال رکھو کیا رشتہ داری کا یہی حق ہے کہ

ع منہ نہ کھولا تھا کہ پر باندھنے صیاد آیا

کیا اس کا یہ حق نہیں کہ مجھ سے عداوت میں جلدی نہ کرو بلکہ سادہ دل سے سہولت و اطمینان کے ساتھ میری پوری بات تو سن لو اور میزان و عقل و دلیل صحیح سے جانچو اگر معقول ہو تو قبول کر لو اور اگر کچھ شبہ ہو تو صاف کر لو اور بفرض محال باطل ہو تو مجھ کو سمجھا دو راہ پر لے آؤ غرض جو بات ہو خیر خواہی سے ہو یہ نہیں کہ فوراً ہی بھڑک اٹھو بلکہ سمجھائے سے بھی خلاف سے باز نہ آؤ۔

وَمَنْ يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَزِدْ لَهُ فِيهَا حُسْنًا ۗ

اور جو شخص کوئی نیکی کرے گا ہم اس میں اور خوبی زیادہ کر دیں گے

یعنی استحقاق سے زیادہ دیں گے

إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ شَكُورٌ ﴿٢٣﴾

بے شک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا بڑا قدردان ہے

کہ عفو فرماتا اور انعام بخشتا ہے

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ

کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ انہوں نے خدا پر جھوٹ بہتان باندھ رکھا ہے

کہ نعوذ باللہ نبوت اور وحی کا دعویٰ خلاف واقع کیا

فَإِنْ يَشَإِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ۗ

سو خدا اگر چاہے تو آپ کے دل پر بند لگا دے

حاصل یہ کہ خدا کو پہلے بھی قدرت حاصل تھی اور اب بھی ہے

وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ

اور اللہ تعالیٰ باطل کو مٹایا کرتا ہے

یعنی اس کے ہاتھ سے معجزہ ظاہر نہیں ہوتا

وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ

اور حق کو اپنے احکام سے ثابت کیا کرتا ہے

یعنی قانون عادت سے

اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۴﴾

وہ دلوں کی باتیں جانتا ہے

جن پر ان کو سزا دی جائے گی

وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ

اور وہ ایسا (رحیم) ہے کہ وہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے

بشرطیکہ وہ توبہ حسب قاعدہ ہو

وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲۵﴾

اور وہ تمام گناہ (گذشتہ) معاف فرمادیتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو وہ اس (سب) کو جانتا ہے

تو تم کو خالص توبہ کرنا چاہئے

وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور ان لوگوں کی عبادت قبول کرتا ہے جو ایمان لائے

بشرطیکہ اس میں ریا نہ ہو

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

اور انہوں نے نیک عمل کئے

یعنی ان کو ثواب دیتا ہے ربط اوپر شروع سورت میں توحید کا مضمون تھا پھر چند آیتوں میں اس کی تاکید اور تائید تھی آگے اپنی بعض صفات اور افعال کو بیان کر کے پھر اسی کی زیادہ تفصیل فرماتے ہیں۔ ولو بسط اللہ الرزق تا من محیص

وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ

اور ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ (ثواب) دیتا ہے اور جو لوگ کفر کر رہے ہیں

عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ

ان کے لئے سخت عذاب ہے اور اگر بحالت موجودہ سب بندوں کے لئے

لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ

روزی بالعموم فراخ کر دیتا تو وہ دنیا میں شرارت کرنے لگتے

ترجمہ میں حالت موجودہ کی قید اس لئے بڑھائی کہ اگر اللہ تعالیٰ موجودہ طبائع کو بدل دیں تو پھر روزی فراخ ہونے سے شرارت پیدا نہ ہوگی جیسا کہ جنت میں تمام طبائع سلیم ہوں گی یا مہدی علیہ السلام کے مبارک زمانے کے بارہ میں حدیث میں آیا ہے کہ اس وقت ہر شخص غنی ہوگا کوئی کسی کا صدقہ قبول نہ کرے گا اس کے بعد ایک قید بالعموم کی اور لگائی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں بندوں سے مراد عام لوگ ہیں خواص اور مقبولین یعنی انبیاء و اولیاء مراد نہیں کیونکہ ان میں سرکشی اور شرارت سے ایک امر مانع موجود ہے کہ مجاہدہ و ریاضات سے ان کے اخلاق مہذب ہو چکے ہیں خلاصہ یہ کہ عام طبائع کے اعتبار سے اس وقت اکثر لوگوں کے دبے رہنے کی زیادہ درجہ احتیاج ہے کہ امیروں کو غریبوں سے کام میں مدد لینے کی احتیاج ہے تو وہ ان سے دبتے رہیں اس لئے جب مزدور اتفاق کر لیتے ہیں تو آخر بڑے بڑے کارخانہ والوں کو ان سے مغلوب ہونا پڑتا ہے اور غریبوں کو امیروں سے روپیہ پیسہ لینے کی احتیاج ہے اس لئے وہ ان سے دبتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اگر سب لوگ غنی ہو جائیں تو مال کی ضرورت تو کسی کو کسی سے باقی نہ رہے اور کوئی کسی کا کام بھی نہ کرے تو جانبین میں سے ایک دوسرے کی احتیاج باقی نہ رہتی تو پھر کوئی کسی سے کیوں دبتا اور ظاہر ہے کہ ہر چیز ہر شخص کے پاس نہیں ہوا کرتی اور ہر چیز میں ہر اک کو رغبت ہونے کا بھی احتمال ہے تو اس صورت میں اگر کسی کو کسی کا گھوڑا یا کسی کی عورت یا اور کوئی چیز پسند آ گئی اور وہ چیز ایک ہی ہے اور اس کے طلبگار دو ہیں تو ضرور ان میں جھگڑا ہوگا اور ایک دوسرے سے چھیننے پر آمادہ ہوگا اور کوئی کسی کی اعانت اور حفاظت اس لئے نہ کرے گا کہ ہر شخص دوسرے سے مستغنی ہے کسی کو کسی کی احتیاج ہی نہیں تو وہ دونوں خود ہی آپس میں لڑیں مریں گے اسی طرح ہر شخص کے پاس کوئی نہ کوئی چیز ایسی ضرور ہوگی جس میں دوسرے کو رغبت ہو اور یہی قصہ ہر ہر شخص میں پیدا ہوگا تو سرکشی اور شرارت کا عام ہو جانا ظاہر ہے اس مضرت کی وجہ سے بندوں کے لئے روزی فراخ نہیں کی گئی اور یہ بھی نہیں کیا کہ بالکل ہی کسی کو کچھ نہ دیا ہو

وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ

لیکن جتنا رزق چاہتا ہے انداز (مناسب ہے) (ہر ایک کے لئے) اتارتا ہے

خَبِیۡرٌۢ بَصِیۡرٌ ﴿۲۷﴾

اور وہ اپنے بندوں (کے مصالح) کو جاننے والا اور (ان کا حال) دیکھنے والا ہے

اس میں علاوہ حکیم ہونے کے خبیر وبصیر دو صفتیں اور ثابت ہوئیں۔

وَهُوَ الَّذِیۡ یُنَزِّلُ الۡغَیۡثَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا

اور وہ ایسا ہے جو لوگوں کے ناامید ہو جانے کے بعد بسا

قَنَطُوۡا وَیَنۡشُرُ رَحۡمَتَهٗ ؕ

اوقات مینہ برساتا ہے اور اپنی رحمت پھیلاتا ہے

بسا اوقات کی قید اس لئے بڑھائی کہ بسا اوقات ناامیدی سے پہلے بھی بارش ہوتی ہے اور بعض اوقات ناامیدی کے بعد بھی نہیں ہوتی اور آیت میں کوئی قرینہ اس پر دلالت نہیں کرتا کہ ناامیدی کے بعد بارش ہمیشہ ہو جاتی ہے۔

رحمت کے آثار سے مراد نباتات اور ثمرات ہیں

وَهُوَ الۡوَلِیُّ الۡحَمِیۡدُ ﴿۲۸﴾

اور وہ (سب کا) کارساز قابل حمد ہے

یعنی اس کارسازی پر وہ حمد وثنا کے لائق ہے۔

وَمِنۡ اٰیٰتِهٖ خَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ

اور منجملہ اس (کی قدرت) کی نشانیوں کے پیدا کرنا ہے آسمانوں کا اور

وَمَا بَثَّ فِیۡهِمَا مِنۡ دَآبَّةٍ ؕ

زمین کا اور ان جانداروں کا جو اس نے آسمان وزمین میں پھیلا رکھے ہیں

اس میں اوپر کی چھ صفات کے ساتھ خالق ہونا بھی ثابت ہے اور قیامت کے دن دوبارہ زندہ کر کے۔

وَهُوَ عَلٰی جَمۡعِهِمۡ اِذَا یَشَآءُ قَدِیۡرٌ ﴿۲۹﴾ ع

اور وہ ان (خلائق) کے جمع کر لینے پر بھی جب وہ (جمع کرنا) چاہے قادر ہے

خواہ دونوں جہان میں یا صرف دنیا میں درگزر کر دیتا ہے

وَمَاۤ اَصَابَکُمۡ مِّنۡ مُّصِیۡبَةٍ فَبِمَا کَسَبَتۡ

اور تم کو (اے گنہگارو) جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے ہاتھوں کے کئے

اَیۡدِیۡکُمۡ وَیَعۡفُوۡا عَنۡ کَثِیۡرٍ ﴿۳۰﴾ ؕ

ہوئے کاموں سے) پہنچتی ہے) اور بہت سے تو درگزر ہی کر دیتا ہے

اس سے منتقم اور عفو اور عزیز ہونا بھی ثابت ہوا۔

وَمَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ۚۖ وَمَا

اور تم زمین میں (پناہ لے کر) اس کو ہرا نہیں سکتے

لَکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیۡرٍ ﴿۳۱﴾

اور خدا کے سوا تمہارا کوئی بھی حامی و مددگار نہیں

یعنی سمندر میں جہازوں کا چلنا بھی آثار قدرت میں سے ہے۔

وَمِنۡ اٰیٰتِهِ الۡجَوَارِ فِی الۡبَحۡرِ کَالۡاَعۡلَامِ ﴿۳۲﴾ ؕ

اور منجملہ اس کی نشانیوں کے جہاز ہیں سمندر میں (ایسے اونچے) جیسے پہاڑ

یہ بیان ہے اس اثر قدرت کا جو جہازوں میں ہے۔

اِنۡ یَّشَاۡ یُسۡکِنِ الرِّیۡحَ فَیَظۡلَلۡنَ رَوَاکِدَ

اگر وہ چاہے ہوا کو ٹھہرا دے تو وہ (جہاز) سمندر کی سطح پر کھڑے کے

عَلٰی ظَهۡرِهٖ ؕ

کھڑے رہ جاویں

غرض اگر وہ چاہے تو ہوا کو ساکن کر کے جہازوں کو کھڑا کر دے۔

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوۡرٍ ﴿۳۳﴾ ۙ

بے شک اس میں نشانیاں ہیں ہر صابر و شاکر (یعنی مومن) کے لئے

یعنی اگر وہ چاہے تو زور کی ہوا چلا کر جہازوں کو مع سواروں کے غرق کر دے۔

اَوۡ یُوۡبِقۡهُنَّ بِمَا کَسَبُوۡا

یا ان جہازوں کو ان کے اعمال (بدکفر وغیرہ) کے سبب تباہ کر دے

درگزر کر جاوے کہ وہ اس وقت غرق نہ ہوں گو آخرت میں سزایاب ہوں۔

وَیَعۡفُ عَنۡ کَثِیۡرٍ ﴿۳۴﴾ ۙ

اور (ان میں) بہت سے آدمیوں سے درگزر کر جاوے

کیونکہ ایسے وقت میں اپنے من گھڑت معبودوں کا عاجز ہونا وہ خود بھی جانتے تھے پس اس سے اوپر کی گیارہ صفات کے ساتھ حق تعالیٰ کا تمام افعال میں مستقل طور پر قادر متصرف ہونا ثابت ہو گیا ربط اوپر دنیا سے مغرور ہونے کی مذمت اور طلب آخرت کی ترغیب بیان فرمائی تھی آگے

اس مذمت کی تائید کے لئے دنیا کی تحقیر مذکور ہے اور ترغیب آخرت کی تاکید کے لئے آخرت کی فضیلت اور اعمال حسنہ کے ذکر سے اس کے طلب کا طریقہ بیان فرماتے ہیں **فما اوتیتم تا عزم الامور**

وَّيَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا ۭ مَا

اور (اس تباہی کے وقت) ان لوگوں کو جو کہ ہماری آیتوں میں جھگڑے نکالتے

لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿۳۵﴾

ہیں معلوم ہوجاوے کہ (اب) ان کے لئے کہیں بچاؤ نہیں

عمر کے خاتمہ کے ساتھ اس کا بھی خاتمہ ہوجاوے گا اور تم اوپر سن چکے ہو کہ طالب دنیا کی دنیاوی تمنا پوری نہیں ہوتی اور دنیا میں انہاک کرنے سے وہ آخرت سے محروم ہوجاتا ہے اور طالب آخرت کو ہر دم ترقی ہوتی ہے اور یہ بھی سن چکے ہو کہ زیادہ دنیا کا انجام اچھا نہیں اس سے اکثر برے اعمال پیدا ہوتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ مطلوب بنانے کے قابل دنیا نہیں ہے بلکہ آخرت ہی اس قابل ہے۔

فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ

سو جو کچھ تم کو دیا دلایا گیا ہے وہ محض (چندروزہ) دنیوی زندگی کے برتنے

الدُّنْيَا ۚ

کے لئے ہے

یعنے وہ کیفیۃً بھی دنیا سے بہتر ہے اور مقدار میں بھی اس سے زیادہ ہے کہ ہمیشہ رہنے والا ہے پس دنیا کی طلب چھوڑ کر آخرت کی طلب کرو مگر آخرت میں ادنیٰ درجہ حاصل کرنے کے لئے سب سے بڑی طاقت یعنی ایمان کا اختیار کرنا اور سب سے بڑے گناہ یعنی کفر کا چھوڑنا ضروری شرط ہے اور بلند مرتبہ حاصل کرنے کے لئے تمام ضروری طاعات کا اختیار کرنا اور تمام گناہوں کا ترک کرنا شرط اکثری ہے اور بہت زیادہ قرب حاصل کرنے طاعات نافلہ کا اختیار کرنا اور مباحات غیر ادنیٰ کو ترک کرنا چاہئے۔

وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور (اجر و ثواب آخرت میں) جو اللہ کے یہاں ہے وہ بدرجہا اس سے بہتر

وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۳۶﴾ۚ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ

اور زیادہ پائیدار وہ تو ان لوگوں کے لئے ہے جو ایمان لے آئے اور اپنے

كَبٰۗىِٕرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا

رب پر توکل کرتے ہیں اور جو کہ کبیرہ گناہوں سے اور (ان میں) بے حیائی

غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ۚ وَالَّذِيْنَ

کی باتوں سے بچتے ہیں اور جب ان کو غصہ آتا ہے تو معاف کردیتے ہیں اور

اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۠

جن لوگوں نے اپنے رب کا حکم مانا اور وہ نماز کے پابند ہیں اور ان کا ہر کام

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠

(جس میں بالتعیین نص نہ ہو) آپس کے مشورہ سے ہوتا ہے

مہتم بالشان کی قید اس لئے بڑھائی کہ معمولی کاموں میں جیسے دو وقت کا کھانا وغیرہ مشورہ کرنا منقول نہیں اور نص نہ ہونے کی قید اس لئے لگائی کہ جن کاموں کے لئے بالتعیین نص موجود ہے ان میں بھی مشورہ نہیں جیسے یہ مشورہ کہ پانچ وقت نماز پڑھا کروں یا نہ پڑھا کروں۔

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۸﴾ۚ وَالَّذِيْنَ اِذَآ

اور ہم نے جو کچھ دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور جو ایسے ہیں کہ

اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾

جب ان پر ظلم واقع ہوتا ہے تو وہ برابر کا بدلہ لیتے ہیں

یعنی اگر بدلہ لیتے ہیں تو زیادتی نہیں کرتے۔

وَجَزٰۗؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ

اور برائی کا بدلہ برائی ہے ویسی ہی

یعنی برابر کا بدلہ لینے کے لئے ہم نے یہ اجازت دے رکھی ہے کہ برائی کے بدلہ میں ویسی ہی برائی کی جاوے بشرطیکہ وہ فعل فی نفسہ گناہ نہ ہو کیونکہ ایسے کاموں میں ویسا ہی بدلہ لینا جائز نہیں مثلاً کسی نے ایک شخص سے حرام کاری کی تو اس سے حرام کاری جائز نہیں ہوگی۔

فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَي اللّٰهِ ۭ

پھر (بعد اجازت انتقام کے) جو شخص معاف کرے اور اصلاح کرے

جس سے عداوت رہتی جاتی اور دوستی ہوجائے کہ یہ معافی سے بھی بڑھ کر ہے۔

إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّٰلِمِينَ ﴿٤٠﴾ وَلَمَنِ انْتَصَرَ

تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے واقعی اللہ تعالیٰ ظالموں کو

بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَٰئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ

پسند نہیں کرتا اور جو اپنے اوپر ظلم ہو چکنے کے بعد برابر کا بدلہ لے لے

سَبِيلٍ ﴿٤١﴾ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ

سو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں الزام صرف ان لوگوں پر ہے

يَظْلِمُونَ النَّاسَ

جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں

خواہ ابتداءً یا انتقام کے وقت

وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ

اور ناحق دنیا میں سرکشی (اور تکبر) کرتے ہیں

اور تکبر اور سرکشی ہمیشہ ناحق ہی ہوتی ہے کیونکہ تکبر کرنے کا حق کسی کو بھی حاصل نہیں پس ناحق کی قید واقعی ہے احترازی نہیں آگے اس الزام کا بیان ہے۔

أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٤٢﴾ وَلَمَنْ

ایسوں کے لئے دردناک عذاب (مقرر) ہے اور جو شخص

صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿٤٣﴾

صبر کرے اور معاف کردے یہ البتہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے

یعنی ایسا کرنا بہتر اور اولوالعزمی ہے۔

ربط: اوپر مسلمانوں کا جو طالب آخرت ہیں اچھا انجام بیان فرمایا ہے۔ آگے کفار کا جو کہ طالب دنیا ہیں برا انجام مذکور ہے۔ **ومن یضلل اللہ تا فمالہٗ من سبیل**

وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ وَلِيٍّ مِنْ بَعْدِهِ

اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کردے تو اس کے بعد اس شخص کا (دنیا میں بھی) کوئی چارہ ساز نہیں

جو اس کو راہ پر لے آوے اور قیامت میں بھی اس کا برا حال ہوگا

وَتَرَى الظَّٰلِمِينَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ يَقُولُونَ

اور آپ ان ظالموں کو دیکھیں گے جس وقت کہ ان کو عذاب کا معائنہ ہوگا

هَلْ إِلَىٰ مَرَدٍّ مِنْ سَبِيلٍ ﴿٤٤﴾

کہتے ہوں گے کیا (دنیا میں) واپس جانے کی کوئی صورت ہے

تاکہ پھر اچھے عمل کر کے آویں غرض نہایت حسرت سے دنیا میں آنے کی تمنا کریں گے۔

وَتَرَاهُمْ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا خَاشِعِينَ مِنَ

اور (نیز) ان کو اس حالت میں دیکھیں گے جس وقت کہ وہ دوزخ کے روبرو لائے

الذُّلِّ يَنْظُرُونَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ

جاویں گے مارے ذلت کے جھکے ہوئے ہوں گے سست نگاہ سے دیکھتے ہوں گے

جیسا کہ خوف زدہ آدمی اسی طرح دیکھا کرتا ہے

وَقَالَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ الْخَاسِرِينَ الَّذِينَ

اور (اس وقت) ایمان والے کہیں گے کہ پورے خسارے والے وہ لوگ ہیں جو

خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَأَهْلِيهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

اپنی جانوں سے اور اپنے متعلقین سے (آج) قیامت کے روز خسارہ میں پڑے

یعنی وہ اپنے بچنے پر شکر کریں گے اور کفار پر ملامت کریں گے

أَلَا إِنَّ الظَّٰلِمِينَ فِي عَذَابٍ مُقِيمٍ ﴿٤٥﴾ وَمَا

یاد رکھو کہ ظالم (یعنی مشرک و کافر) لوگ عذاب دائمی میں رہیں گے اور (وہاں)

كَانَ لَهُمْ مِنْ أَوْلِيَاءَ يَنْصُرُونَهُمْ مِنْ دُونِ

ان کے کوئی مددگار نہ ہوں گے جو خدا سے الگ ہو کر ان کی مدد کریں اور جس

اللَّهِ ۗ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ سَبِيلٍ ﴿٤٦﴾

کو خدا گمراہ کر دے اس (کی نجات) کے لئے کوئی راستہ ہی نہیں

یعنی نہ معذرت کر سکیں گے نہ ایک دوسرے کی مدد کر سکیں گے نہ اور کچھ تدبیر کر سکیں گے ربط اوپر ایمان نہ لانے پر عذاب قیامت کی وعید سنائی تھی آگے تفریع کے طور پر اس وعید کے آنے سے پہلے ایمان لانے کا حکم فرماتے ہیں اور ان کے ایمان نہ لانے کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کا مضمون سناتے ہیں **استجیبو الربکم تا کفور**

اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا

تم اپنے رب کا حکم مان لو قبل اس کے کہ ایسا دن آ پہنچے جس کے لئے خدا کی

مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ط

طرف سے ہٹنا نہ ہوگا

یعنی دنیا میں جس طرح عذاب ہٹا جاتا ہے وہاں توقف اور مہلت نہ ہوگی۔

مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ

نہ تم کو اس روز کوئی پناہ ملے گی اور نہ تمہارے بارہ میں کوئی (خدا) سے روک

نَّكِيْرٍ ﴿۴۷﴾

ٹوک کرنے والا ہے

کہ اتنا ہی پوچھ لے کہ ان کا یہ حال کیوں بنایا گیا آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی کا مضمون سناتے ہیں

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ط

پھر اگر یہ لوگ (یہ سن کر بھی) اعتراض کریں تو ہم نے آپ کو ان پر نگران کر کے نہیں بھیجا (جس سے آپ کو اپنی باز پرس کا احتمال ہو) آپ کے ذمہ تو

اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ط

صرف (حکم کا) پہنچا دینا ہے

جس کو آپ کر رہے ہیں پھر آپ اس سے زیادہ فکر کیوں کریں آگے فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کے حق سے اعراض کرنے کا سبب یہ ہے کہ ان کو خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق بہت کم ہے جو حالت مذکورہ آئندہ کے مشاہدہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ج

اور ہم جب (اس قسم کے) آدمی کو اپنی عنایت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو وہ اس پر خوش ہو جاتا ہے

اور منعم حقیقی پر نظر کر کے شکر نہیں کرتا۔

وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ

اور ایسے لوگوں پر ان کے ان اعمال کے بدلے میں جو پہلے اپنے ہاتھوں کر

الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ﴿۴۸﴾

چکے ہیں کوئی مصیبت آ پڑتی ہے تو آدمی ناشکری کرنے لگتا ہے

اور گناہوں سے توبہ کر کے حق تعالیٰ کی طرف التجاء اور دعاء وغیرہ سے رجوع نہیں کرتا اور یہ دونوں حالتیں اس کی دلیل ہیں کہ ان لوگوں کو نفسانی لذات سے سخت تعلق ہے اور حق تعالیٰ سے بے تعلقی ہے اور یہ حالت ان کی طبیعت ثانیہ بن گئی ہے پس ان سے آپ ایمان کی توقع کیوں رکھیں جو غم کا سب ہو ربط اوپر چند جگہ توحید کا ذکر ہوا ہے اور قریب کی آیتوں میں بھی عذاب کے وقت کسی کا مشرکین کے کام نہ آنا مذکور ہے جس سے شرک کو باطل کیا گیا ہے آگے بھی توحید کا ذکر ہے لله ملک السموات تا علیم قدیر

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ط

اللہ ہی کی ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے

يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ

جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے

الذُّكُوْرَ ﴿۴۹﴾ لا اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ج

بیٹے عطا فرماتا ہے یا ان کو جمع کر دیتا ہے بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی اور جس کو

وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ط اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾

چاہے بے اولاد رکھتا ہے بیشک وہ بڑا جاننے والا بڑی قدرت والا ہے

اللہ کی سلطنت آسمانوں اور زمین میں ہونا تصرفات کو عام ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے اسی کے حکم سے ہوتا ہے اور ان میں سے ایک خاص تصرف بیٹے اور بیٹیاں دینے کے متعلق شاید اس لئے خاص طور پر بیان فرما دیا کہ اس کا ہر وقت مشاہدہ ہے اور اس سے استدلال خدا کی قدرت پر آسان ہے۔ ربط اوپر چند جگہ رسالت کا ذکر ہوا ہے اور متصل کی آیتوں میں بھی ان علیک الا البلغ فرمایا ہے چونکہ کفار کو نبوت کے متعلق ایک شبہ یہ بھی تھا کہ ہم سے اللہ تعالیٰ یا فرشتے رو در رو کیوں نہیں کہہ دیتے کہ یہ رسول ہیں اس لئے آئندہ آیات میں اس کا جواب ہے اور اسی کے سلسلہ میں آپ کی نبوت کا ثبوت اور اس پر احسان جتلاتے ہیں اور قرآن کی عظمت شان اور اس کا عام و خاص فیضان بتلاتے ہیں اور اس کی اتباع واجب ہونے کی تاکید کے لئے خدا تعالیٰ کی عظمت کو صراحۃً اور جزا و سزا کا ذکر اشارۃً فرما کر سورت کو ختم فرماتے ہیں۔ وما کان لبشر تا تصیر الامور

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا

اور کسی بشر کی (حالت موجودہ میں) یہ شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام فرماوے) مگر تین طریق سے یا تو الہام فرماوے

کہ دل میں کوئی اچھی بات بلاواسطہ حواس طبعی کے ڈال دے خواہ بیداری میں یا خواب میں اور وہ الہام خواہ قطعی ہو جیسے انبیاء کا الہام خواہ قطعی نہ ہو جیسے انبیاء کے سوا دوسروں کا الہام

اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ

یا حجاب کے باہر سے

کچھ کلام سناوے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے خدا کا کلام حجاب کے باہر سے سنا تھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تجلی صفاتی کے حجاب کے ساتھ حق تعالیٰ نے بلاواسطہ یہ ارشاد فرمایا تھا فیم یختصم الملاء الاعلی کہ فرشتوں کی معزز جماعت کس بات میں جھگڑا کر رہی ہے الخ رواہ الترمذی اور یہ حجاب کوئی جسم نہیں جو کہ بندہ اور خدا کے درمیان حائل ہو اور نہ یہ حجاب حق تعالیٰ کی ذات اور نور کو پوشیدہ کر سکتا ہے بلکہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کا ادراک ضعیف ہے جس سے باوجود نور ذات کے کمال درجہ ظاہر ہونے کے یہ ادراک سے عاجز ہے اور یہی وہ حجاب تھا جو موسیٰ علیہ السلام کو دیدار سے مانع ہوا تھا اور جنت میں مانع دور ہو جائے گا اور بعض اکابر اس کے قائل ہیں کہ معراج میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حق تعالیٰ نے کھلم کھلا کلام فرمایا تو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تحمل دیدار کی قوت عطا ہو گئی ہو گی پس ترجمہ میں حالت موجودہ کی قید بڑھانے سے ان سب صورتوں سے احتراز ہو گیا اور مشکوٰۃ میں جو ایک حدیث ہے قسم اللہ رویتہ و کلامہ بین موسیٰ و محمدٌ علیھما السلام او نحوہ کہ حق تعالیٰ نے اپنی ہم کلامی اور دیدار کو موسیٰ اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں تقسیم فرمایا جس سے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام کی خصوصیت معلوم ہوتی ہے تو بات یہ ہے کہ اس حدیث میں خاص طور پر کلام کرنا مراد ہے جو کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مخصوص تھا۔ چنانچہ کلم اللہ موسیٰ تکلیما میں لفظ تکلیما کا بڑھانا اس پر قرینہ بھی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سے ایک خاص طور پر ہم کلامی ہوئی تھی اور ان ہی کے ساتھ مخصوص تھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حق تعالیٰ نے بلاواسطہ کلام نہیں فرمایا پھر یہ بلاواسطہ کلام حجاب کے باہر سے اگر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہو تو جو بات سنی جائے وہ قطعی ہو گی اور اگر اولیاء کے لئے بھی اس طرح کلام ہونا ثابت ہو جائے جیسا کہ روح المعانی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے عبدالوہاب شعرانی کے واسطہ سے ثابت کیا ہے اور کسی نص سے اس کی نفی نہیں ہوتی تو اس صورت میں جو بات سنی جائے وہ قطعی نہ ہو گی۔

اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ

یا کسی فرشتے کو بھیج دے کہ وہ خدا کے حکم سے جو خدا کو منظور ہوتا ہے پیغام پہنچا دیتا ہے

اگر انبیاء کے سوا دوسروں کے لئے اس کا ثبوت ہو جاوے جیسا کہ بعض کتابوں میں شیخ اکبر سے نقل کیا ہے اور مریم علیہا السلام کے ساتھ فرشتوں کی بات چیت سے اس کی تائید ہوتی ہے تو اس صورت میں بھی دو قسمیں نکلیں گی ایک قطعی جو کہ انبیاء کے لئے مخصوص ہیں دوسرے ظنی جو غیر انبیاء علیہم السلام کے لئے ہے اور اولیاء کے ساتھ جو کلام ملائکہ کا ہوا اس کو وحی کہنا جائز نہیں غرض انسان کے ساتھ خدا تعالیٰ کی ہم کلامی کے یہ تین طریقہ ہیں اور کھلم کھلا رو در رو کسی سے کلام کرنا عادت الٰہی کے اس لئے خلاف ہے کہ حالت موجودہ میں خود دیدار الٰہی کے تحمل کی قوت انسان کو حاصل نہیں۔

اِنَّهٗ عَلِيٌّ

وہ بڑا عالیشان ہے

پس جب تک وہ خود تحمل کی طاقت نہ دے اس سے کوئی ہم کلام نہیں ہو سکتا

حَكِيْمٌ ﴿۵۱﴾

بڑی حکمت والا ہے

اس لئے اس نے تین طریقے کلام کے مقرر فرما دئے۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ

اور اسی طرح ہم نے آپ کے پاس بھی وحی یعنی اپنا حکم بھیجا ہے

اور آپ کو نبی بنایا ہے

مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ

آپ کو نہ یہ خبر تھی کہ کتاب اللہ کیا چیز ہے اور نہ یہ خبر تھی کہ ایمان (کا انتہائی

وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا

کمال) کیا چیز ہے ولیکن ہم نے اس قرآن کو ایک نور بنایا

گو نفس ایمان نبی کو نبوت سے پہلے بھی حاصل ہوتا ہے

نَّهۡدِیۡ بِهٖ مَنۡ نَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِنَا ؕ

جس کے ذریعہ سے ہم اپنے بندوں میں سے جسکو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں

پس اس کے نور عظیم ہونے میں کوئی شبہ نہیں

وَاِنَّكَ لَتَهۡدِیۡۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ۙ ﴿۵۲﴾

اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ ایک سیدھے رستہ کی ہدایت کر رہے ہیں

آگے اس راستہ کا بیان ہے

صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِیۡ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا

یعنی اس خدا کے راستہ کی کہ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ

فِی الۡاَرۡضِ ؕ

زمین میں ہے

آگے ان احکام کے ماننے اور نہ ماننے والوں کی جزاء وسزا کی طرف اشارہ ہے۔

اَلَاۤ اِلَى اللّٰهِ تَصِيۡرُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۵۳﴾ ع

یاد رکھو سب امور اسی کی طرف رجوع ہوں گے

(۴۳) سُوۡرَةُ الزُّخۡرُفِ مَكِّيَّةٌ (۶۳)

سورۂ زخرف مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں نواسی آیتیں اور سات رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

حٰمٓ ۚ ﴿۱﴾ وَالۡكِتٰبِ الۡمُبِيۡنِ ۙ ﴿۲﴾

حٰمٓ قسم ہے اس کتاب واضح کی

یہاں جو قرآن کی قسم ہے وہ علاوہ تاکید کلام کے خود جواب قسم کی دلیل بھی ہے۔

اِنَّا جَعَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۳﴾ ۚ

کہ ہم نے اس کو عربی زبان کا قرآن بنایا ہے تاکہ (اے عرب) تم (آسانی سے)

وَاِنَّهٗ فِیۡۤ اُمِّ الۡكِتٰبِ لَدَيۡنَا لَعَلِىٌّ حَكِيۡمٌ ؕ ﴿۴﴾

سمجھ لو اور وہ ہمارے پاس لوح محفوظ میں بڑی رتبہ کی اور حکمت بھری کتاب ہے

ایسی کتاب کو ضرور ماننا چاہیئے۔

اَفَنَضۡرِبُ عَنۡكُمُ الذِّكۡرَ صَفۡحًا اَنۡ كُنۡتُمۡ

کیا ہم تم سے اس نصیحت (نامہ) کو اس بات پر ہٹالیں گے کہ تم حد (اطاعت)

قَوۡمًا مُّسۡرِفِيۡنَ ﴿۵﴾

سے گزرنے والے ہو

اور اس کو نہیں مانتے غرض خواہ تم مانو یا نہ مانو نصیحت برابر کی جائے گی اور یہ فیض کامل ہو کر رہے گا کیونکہ اس میں بہت سی حکمتیں ہیں مسلمانوں کو نفع ہونا اور تم پر حجت تمام ہونا وغیرہ وغیرہ اور قرآن کا واضح ہونا ان معانی کے اعتبار سے ہے جو اولاً اس سے مفہوم ہوتے ہیں اسی طرح جو مضامین اصول دین کے یا ترغیب وترہیب کے متعلق ہیں وہ بھی آسان ہیں مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو معانی اس سے استنباط کئے جاتے ہیں وہ بھی ایسے سہل ہیں کہ ہر شخص کو اجتہاد کی اجازت ہو جاوے اور قرآن کے عربی ہونے سے اس کی دعوت عام ہونے پر اشکال نہ کیا جاوے کیونکہ اس تخصیص کی یہ حکمت ہے کہ عرب قرآن کے اول مخاطب ہیں اور ان کے بعد تمام عالم اس کا مخاطب ہے جن کو اہل عرب کے واسطہ سے اس کا سمجھنا آسان ہے چنانچہ مشاہد ہے۔

وَكَمۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ نَّبِىٍّ فِى الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۶﴾

اور ہم پہلے لوگوں میں بہت سے نبی بھیجتے رہے ہیں

باوجودیکہ وہ لوگ جھٹلاتے بھی رہے مگر یہ نہیں ہوا کہ ان کی تکذیب کی وجہ سے سلسلہ بند ہو جاتا آگے فرماتے ہیں کہ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جیسے ہم نے ان کے جھٹلانے کی پرواہ نہیں کی اسی طرح آپ بھی کچھ پروا اور غم نہ کیجئے کیونکہ پہلے لوگوں کا بھی یہی حال تھا۔

وَمَا يَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ نَّبِىٍّ اِلَّا كَانُوۡا بِهٖ

اور ان لوگوں کے پاس کوئی نبی ایسا نہیں آیا جس کے ساتھ انہوں نے استہزاء

يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۷﴾ فَاَهۡلَكۡنَاۤ اَشَدَّ مِنۡهُمۡ

نہ کیا ہو پھر ہم نے ان لوگوں کو جو کہ ان سے زیادہ زور آور تھے غارت کر ڈالا

بَطۡشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۸﴾

اور پہلے لوگوں کی یہ حالت (ہلاکت وغارت کی) ہو چکی ہے

پس نہ آپ غم کریں کیونکہ ان کا بھی ایسا ہی حال ہونے والا ہے چنانچہ بدر وغیرہ میں ہوا اور نہ یہ بے فکر ہوں کیونکہ نمونہ موجود ہے ربط اور پر رسالت کا

مضمون تھا جس کی بڑی دعوت توحید ہے آگے توحید کو ایسے دلائل سے ثابت کرتے ہیں جو انعام کو بھی متضمن ہیں ولئن سالتھم تا عاقبة المكذبين

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان وزمین کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور

لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿۹﴾

یہی کہیں گے کہ ان کو زبردست جاننے والے (خدا) نے پیدا کیا ہے

اور پیدا کرنے میں تنہا ہونا اس کو مستلزم ہے کہ وہ معبود ہونے میں بھی تنہا ہے پس توحید ان کے اقرار سے ثابت ہوگئی آگے اللہ تعالیٰ کی توحید کے لئے اپنے دوسرے افعال بیان فرماتے ہیں جو کہ توحید پر دلالت کرتے ہیں تاکہ توحید کی رغبت ہو کیونکہ نعمت کا شکر یہی ہے۔

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ

جس نے تمہارے (آرام کے) لئے زمین کو (مثل) فرش (کے) بنایا اس

لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰﴾

پر آرام کرتے ہو اور اس میں اس نے تمہارے لئے رستے بنائے تاکہ تم

وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَنْشَرْنَا

منزل مقصود تک پہنچ سکو اور جس نے آسمان سے پانی ایک انداز سے برسایا

بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَالَّذِيْ

پھر ہم نے اس سے خشک زمین کو (اس کے مناسب) زندہ کیا اسی طرح تم

خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ

(بھی اپنی قبروں سے) نکالے جاؤ گے اور جس نے تمام اقسام بنائیں اور

وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ﴿۱۲﴾ لِتَسْتَوٗا عَلٰى

تمہاری وہ کشتیاں اور چوپائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو تاکہ ان کی پیٹھ

ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ

پر جم کر بیٹھو پھر جب اس پر بیٹھ چکو تو اپنے رب کی نعمت کو دل سے یاد اور

عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا

(زبان سے استحباباً) یوں کہو کہ اس کی ذات پاک ہے جس نے ان چیزوں کو

هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

ہمارے بس میں کر دیا اور ہم تو ایسے نہ تھے جو ان کو قابو میں کر لیتے

کیونکہ ہم میں جانور سے زیادہ زور نہیں اور بدون اس کے کہ خدا تعالیٰ دل میں ڈالے کشتی چلانے کی تدبیر سے ہم واقف نہیں تھے تو دونوں کے متعلق خدا تعالیٰ نے تدبیر بتلائی۔

وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور ہم کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے

اس لئے ہم اس پر سوار ہو کر شکر سے غفلت یا بڑائی اور تفاخر نہیں کرتے کیونکہ شکر اور ناشکری دونوں کا بدلہ وہاں ملے گا اور لوٹ کر جانے کا مضمون اس لئے بڑھا دیا کہ اس کا یاد کرنا شکر کے لئے محرک بن جاتا ہے اور اس آیت سے ظاہر یہ متبادر ہوتا ہے کہ یہ کلمات کشتی میں سوار ہو کر بھی پڑھے اور گو حدیث میں صرف جانور کی سواری میں ان کا پڑھنا منقول ہے مگر کشتی کے لئے نفی بھی نہیں اور شاید منقول اس لئے نہ ہوا ہو کہ اس وقت اس کا اتفاق کم ہو

وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ۭ

اور ان لوگوں نے خدا کے بندوں میں سے (جو مخلوق ہوتے ہیں) جز ٹھہرایا

اور خدا کے لئے جزو ہونا عقلاً محال اور قبیح ہے پس ایک خرابی تو یہ ہوئی کہ باوجود توحید پر دلائل قائم ہونے کے شرک اختیار کیا اور شرک بھی کیسا برا کہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾

واقعی انسان صریح ناشکر ہے

کہ خدا کے ساتھ اتنا بڑا کفر کرتا ہے کہ اس کو صاحب اولاد مانتا ہے اور اولاد جزو ہوتی ہے اور جس چیز میں سے اجزا نکل سکیں وہ حادث ہوتی ہے حالانکہ خدا قدیم ہے اور دوسری خرابی یہ ہے کہ یہ لوگ لڑکی کو خود ناقص سمجھتے ہیں اور پھر خدا کے لئے بیٹیاں مانتے ہیں

اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصْفٰكُمْ

کیا خدا نے اپنی مخلوقات میں سے بیٹیاں پسند کیں اور تم کو بیٹوں کے ساتھ مخصوص

بِالْبَنِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ

کیا حالانکہ جب ان میں سے کسی کو اس چیز کے ہونے کی خبر دی جاتی ہے جس کو

لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ

(خدا) رحمٰن کا نمونہ (یعنی اولاد) بنا رکھا ہے (مراد بیٹی ہے) تو اس قدر ناراض ہو

كَظِيْمٌ ﴿۱۷﴾

کہ) سارے دن اس کا چہرہ بے رونق رہے اور دل ہی دل میں گھٹتا رہے

تو حیرت ہے کہ خدا کی طرف ناقص کی نسبت کرتے ہو اور یہ تقریر تو الزامی جواب کے طور پر تھی آگے اسی کے متعلق ایک تحقیقی جواب مذکور ہے یعنی گو لڑکی ہونا فی نفسہ عار اور ذلت کا سبب نہیں جیسا کہ تم سمجھ رہے ہو لیکن عوارض سے قطع نظر کر کے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اپنی وضع اور فطرت کے اعتبار سے ناقص العقل اور ضعیف الرائے ضرور ہے جب یہ بات ہے تو کیا خدا اولاد بنانے کے لئے لڑکی کو پسند کرتا ہے۔

اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ

کیا جو کہ (عادۃً آرائش میں نشو ونما پائے

جو کہ زیور کی طرف رغبت ہونے کی علامت بھی ہے اور سبب بھی اور زینت و آرائش کی طرف زیادہ رغبت ہونے کے لئے عادۃً عقل اور رائے کا کمزور ہونا لازم ہے۔

وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴿۱۸﴾

اور وہ مباحثہ میں قوت بیانیہ (بھی) نہ رکھے

چنانچہ عورتوں کی تقریروں میں ذرا غور کرنے سے مشاہدہ ہوتا ہے کہ نہ وہ اپنے دعوٰی کو کافی بیان سے ثابت کر سکیں نہ دوسرے کے دعوٰی کو باطل کر سکیں ہمیشہ ادھوری بات کہیں گی یا فضول باتیں اس میں لاویں گی جن کو مقصود میں کچھ دخل نہ ہو کہ اس سے بھی مقصود کے بیان کرنے میں خلل پڑ جاتا ہے اور مباحثہ کی تخصیص اس وجہ سے کی کہ اس میں چونکہ قوت بیانیہ کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے اس لئے اس میں ان کا عاجز ہونا زیادہ ظاہر ہو جاتا ہے۔

وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ

اور انہوں نے فرشتوں کو جو کہ خدا کے بندے ہیں

اور اس لئے ان کی پوری حالت اور صفت اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے اور چونکہ وہ عام طور پر محسوس نہیں ہیں اس لئے جب تک خدا تعالیٰ کسی کو ان کی حالت نہ بتلا دے اس وقت تک معلوم نہیں ہو سکتی۔

اِنَاثًا ؕ

بلا دلیل عورت قرار دے رکھا ہے

بلا دلیل اس لئے ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کا عورت ہونا کسی کو نہیں بتلایا اور اس پر کوئی دلیل عقلی اور نقلی بھی یقیناً نہیں ہے پس مشاہدہ ہونا چاہئے۔

اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ

کیا یہ ان کی پیدائش کے وقت موجود تھے

اور ہر چند کا مشاہدہ کا نہ ہونا بھی یقینی تھا مگر ان کو صراحۃً احمق بنانا منظور ہے۔

سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْئَلُوْنَ ﴿۱۹﴾

ان کا یہ دعوٰی لکھ لیا جاتا ہے اور قیامت میں ان سے باز پرس ہوگی

کیونکہ دعوٰی بلا دلیل جھوٹ ہے بالخصوص عقائد کے بارہ میں پھر بالخصوص جب کہ اس کے ساتھ اور بھی خرابیاں شامل ہوں یہ گفتگو تو فرشتوں کے عورت ہونے اور خدا کی اولاد ہونے کے متعلق تھی آگے ان کے معبود ہونے کے متعلق کلام ہے۔

وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ

اور وہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے

یعنی اگر خدا فرشتوں کی عبادت سے ناخوش ہوتا تو وہ ہم کو کرنے ہی نہ دیتا بلکہ جبراً روک دیتا نہیں روکا تو معلوم ہوا کہ وہ ان کی عبادت نہ کرنے سے ناخوش نہیں بلکہ عبادت کرنے سے خوش ہے آگے ان کا رد ہے۔

مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۗ اِنْ هُمْ اِلَّا

ان کو اسکی کچھ تحقیق نہیں محض بے تحقیق بات کر

يَخْرُصُوْنَ ؕ ﴿۲۰﴾

رہے ہیں

کیونکہ کسی بات پر قادر کر دینا رضامندی کی دلیل نہیں خدا نے انسان کو زہر کھا لینے کی قدرت دی ہے تو کیا اسی دلیل سے مشرکین زہر کھا لینے پر پیش قدمی کر سکتے ہیں اور کیا زہر کھانے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ اگر خدا کو میرا زہر کھانا پسند نہ ہوتا تو وہ مجھ کو روک دیتا مگر جب نہیں روکا تو معلوم ہوا کہ اس کو یہی پسند ہے اس کا جواب ہر شخص یہی دے گا کہ خدا نے تو تم کو روکا تھا کیونکہ اس نے تم کو عقل دی تھی مگر تم نے خدا کے کہنے کو نہیں مانا اور حماقت سے کام لیا پس معلوم ہوا کہ زہر کھا لینے پر انسان کو

قادر کردینا خدا کی رضامندی پر دلیل نہیں ہوسکتا اسی طرح یہاں سمجھو۔

أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا مِّن قَبْلِهِ فَهُم بِهِ

کیا ہم نے ان کو اس قرآن سے پہلے کوئی کتاب دی ہے کہ

مُسْتَمْسِكُونَ ﴿٢١﴾

یہ اس سے استدلال کرتے ہیں

یعنی مشیت خداوندی سے جو ان لوگوں نے عقلی طور پر استدلال کیا تھا وہ تو لغو اور مہمل ٹھہرا تو اب یہ بتلاویں کہ ان کے پاس فرشتوں کی عبادت جائز ہونے پر کوئی دلیل نقلی ہے سو حقیقت یہ ہے کہ ان کے پاس نہ دلیل عقلی ہے نہ نقلی محض اگلوں کی رسم کا اتباع کرتے ہیں

بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ

بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا ہے

وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّهْتَدُونَ ﴿٢٢﴾ وَكَذَٰلِكَ

اور ہم بھی ان کے پیچھے پیچھے رستہ چل رہے ہیں اور اسی طرح ہم نے

مَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّذِيرٍ

آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوشحال

إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا

لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا ہے

عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّقْتَدُونَ ﴿٢٣﴾

اور ہم بھی ان ہی کے پیچھے پیچھے چلے جا رہے ہیں

غرض جس طرح یہ لوگ بلا دلیل بلکہ دلیل کے خلاف اپنی پرانی رسم کو سند بناتے ہیں اسی طرح پہلے لوگ بھی کرتے تھے۔

قَالَ أَوَلَوْ جِئْتُكُم بِأَهْدَىٰ مِمَّا وَجَدتُّمْ

(اس پر) ان کے پیغمبر نے کہا کہ کیا (رسم آبائی ہی کا اتباع کئے جاؤ گے) اگرچہ میں اس سے اچھا مقصود پر پہنچانے والا طریقہ تمہارے پاس لایا ہوں

عَلَيْهِ آبَاءَكُمْ ۖ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ

جس پر تم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے (براہ عناد) وہ کہنے لگے کہ ہم تو اس

كَافِرُونَ ﴿٢٤﴾ فَانتَقَمْنَا مِنْهُمْ

دین کو مانتے نہیں جس کو دیکر تم کو بھیجا گیا ہے سو ہم نے ان سے انتقام لیا

جب کہ ان کا عناد حد سے بڑھ گیا ربط اوپر توحید کا مضمون تھا آگے اس کی تاکید کے لئے یہ بتلاتے ہیں کہ توحید کا مضمون حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی منقول ہے جن کو اہل عرب بھی بزرگ اور معظم مانتے تھے اور وہ ان کے جد امجد بھی ہیں اس سے ان کے اس دعویٰ کی بھی تردید ہوگئی کہ ہم تو اپنے باپ دادوں کا اتباع کرتے ہیں کیونکہ دوسروں سے یہ جد امجد یقیناً زیادہ لائق اتباع ہیں نیز بتلاتے ہیں کہ ابراہیمؑ کے بعد ان کی اولاد میں بھی توحید منقول چلی آتی رہی اور اب آخر زمانہ میں پیغمبر آخر الزمان کی معرفت اس کی تجدید کی گئی ہے اور اس کے ساتھ حضور کی نبوت کے متعلق ان کے ایک اعتراض کا جواب بھی مذکور ہے۔ واذقال تا للمتقین.

فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿٢٥﴾ ع

سو دیکھئے تکذیب کرنے والوں کا کیسا برا انجام ہوا اور (وہ وقت بھی قابل ذکر

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي

ہے) جبکہ ابراہیم نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میں ان چیزوں

بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ ﴿٢٦﴾ إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي

(کی عبادت) سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو مگر ہاں جس نے

فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ ﴿٢٧﴾

مجھ کو پیدا کیا پھر وہی مجھ کو رہنمائی کرتا ہے

یعنی دین و دنیا کی مصلحتیں مجھ کو بتلاتا ہے بس اس خدا سے میں تعلق رکھتا ہوں مطلب یہ کہ ان لوگوں کو ابراہیم علیہ السلام کا حال یاد کرنا چاہئے کہ وہ خود بھی توحید کے معتقد تھے۔

وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ

اور وہ اس (عقیدہ) کو اپنی اولاد میں (بھی) ایک قائم رہنے والی بات کر گئے

یعنی اپنی اولاد کو بھی توحید کی وصیت کی جیسا کہ ووصی بھا ابراھیم بنیہ الخ سے معلوم ہوا ہے جس کا کچھ کچھ اثر حضور کی نبوت تک بھی برابر رہا یہاں تک کہ زمانہ جاہلیت میں بھی عرب کے بعضے لوگ شرک سے متنفر تھے تاریخ اس پر شاہد ہے آگے اس وصیت کی وجہ بتلاتے ہیں۔

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾

تا کہ (ہر زمانہ میں مشرک) لوگ (شرک سے) باز آتے رہیں

یعنی موحدین سے توحید کا مضمون سن سن کر شرک سے بچتے رہیں مگر یہ لوگ پھر بھی باز نہیں آتے اور اس طرف توجہ نہیں کرتے۔

بَلْ مَتَّعْتُ هٰۤؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ

بلکہ میں نے ان کو اور ان کے باپ دادوں کو (دنیا کا) خوب سامان دیا ہے

پس اس میں منہمک اور مشغول ہو کر یہ لوگ حق سے غافل ہو رہے ہیں

حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۹﴾

یہاں تک کہ ان کے پاس سچا قرآن اور صاف صاف بتانے والا رسول آیا

اور قرآن بوجہ اپنے اعجاز کے اپنے سچا ہونے کی آپ ہی دلیل ہے اور معجزات کے ذریعہ سے اس رسول کا بھی اللہ کی طرف سے ہونا ان کو معلوم ہو چکا ہے مگر پھر بھی اپنے خواب غفلت سے بیدار نہیں ہوتے۔

وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا

اور جب ان کے پاس یہ سچا قرآن پہنچا تو کہنے لگے کہ یہ تو جادو ہے اور ہم اس کو

بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ

نہیں مانتے اور کہنے لگے کہ یہ قرآن (اگر کلام الٰہی ہے تو) ان دونوں بستیوں (مکہ

عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿۳۱﴾

اور طائف کے رہنے والوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا

یعنی رسول کے لئے عظیم الشان ہونا ضروری ہے اور یہ رسول مال اور ریاست نہیں رکھتے تو یہ پیغمبر نہیں ہو سکتے مقصود اس شبہ کی آڑ میں رسالت کا انکار کرنا تھا اور ان دیہاتیوں کی تخصیص اس لئے کی کہ ان کے آس پاس کوئی شہر نہ تھا اور دیہات والوں کو تو اس قابل نہیں سمجھا کرتے کیونکہ ان میں علاوہ سلیقہ کم ہونے کے اکثر مال و جاہ بھی شہر والوں سے کم ہوتا ہے اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ وہ لوگ تو نبوت اور بشریت میں منافات سمجھتے تھے پھر انہوں نے یہ کیسے کہا کہ ان دو بستیوں میں سے بڑے آدمی پر قرآن کیوں نہ اترا جواب یہ ہے کہ پہلا قول تو ان کا اصلی عقیدہ تھا اور یہ دوسرا قول بطریق تنزل تھا کہ خیر اگر آدمی نبی ہو سکتا ہے تو کوئی بڑا رئیس ہونا چاہئے تھا آگے اس شبہ کا رد فرماتے ہیں۔

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ

کیا یہ لوگ آپ کے رب کی رحمت (خاصہ یعنی نبوت) کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں

یعنی یہ چاہتے ہیں کہ ہماری رائے کے موافق نبوت ملنی چاہئے گویا اس کی ہوس کرنا ہے کہ یہ تقسیم ہمارے سپرد ہو سو یہ ہوس محض نادانی ہے۔

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِى الْحَيٰوةِ

دنیوی زندگی میں (تو) ان کو روزی ہم (ہی) نے تقسیم کر رکھی ہے اور ہم نے

الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ

ایک کو دوسرے پر رفعت دے رکھی ہے تا کہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے

دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ؕ

(اور عالم کا انتظام قائم رہے) اور آپ کے رب کی رحمت بدرجہا اس

وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾

(دنیوی مال و متاع) سے بہتر ہے جس کو یہ لوگ سمیٹتے پھرتے ہیں

پس جب دنیوی معاش کی تقسیم ان کی رائے پر نہیں رکھی حالانکہ وہ ادنیٰ درجہ کی چیز ہے بلکہ اس کی تقسیم بھی خدا نے اپنی حکمت اور مشیت پر رکھی ہے تو نبوت کیوں کر ان کی رائے پر تقسیم کی جا سکتی ہے جو کہ خود بھی اعلیٰ درجہ کی چیز ہے اور اس کی مصلحتیں بھی بڑے درجہ کی ہیں۔ رہی یہ بات کہ نبوت کے لئے صلاحیت ہونا تو ضروری ہے اور صلاحیت مال و ریاست پر موقوف ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اعلیٰ درجہ کی چیز کو کسی اعلیٰ درجہ کی چیز پر موقوف ہونا چاہئے اور دنیا کی دولت و جاہ ہمارے نزدیک کوئی چیز نہیں وہ نہایت درجہ حقیر و ذلیل ہے اس لئے اس پر نبوت کا موقوف ہونا غلط ہے آگے دنیا کی ذلت کا بیان ہے۔

وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً

اور اگر یہ بات (متوقع) نہ ہوتی کہ تمام آدمی ایک ہی طریقہ کے ہو جاویں گے

یعنی کافر بن جاویں گے

لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ

تو جو لوگ خدا کے ساتھ کفر کرتے ہیں ان کے لئے ان کے گھروں کی چھتیں چاندی

سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾ ۙ

کی کر دیتے اور (نیز) زینے بھی جن پر سے چڑھا (اترا) کرتے ہیں اور ان کے

وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ﴿۳۴﴾

گھروں کے کواڑ بھی اور تخت بھی جن پر تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں اور (یہی چیزیں سونے کی

وَزُخْرُفًا ۭ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ

بھی) اور یہ سب (سازوسامان) کچھ بھی نہیں صرف دنیوی زندگی کی چندروزہ کامرانی

الدُّنْيَا ۭ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾

ہے (پھر فنا آخر فنا) اور آخرت آپ کے رب کے ہاں خداترسوں کے لئے ہے

مگر یہ سب سامان کفار کو اس لئے نہیں دیا کہ اکثر طبائع میں مال ومتاع کی حرص غالب ہے اور اس صورت میں مال ومتاع کفر کے ذریعہ سے خوب ملتا تو بجز تھوڑے سے آدمیوں کے قریب قریب سبھی کفر اختیار کر لیتے اس وجہ سے عام طور پر کفار کو مال ومتاع نہیں دیا گیا بلکہ بعضوں کو دیا اور بعض کو نہیں دیا اور بعض کو کم دیا اگر یہ مصلحت نہ ہوتی تو ہم سب کو بڑا مالدار کر دیتے اور ظاہر ہے کہ دشمن کو عمدہ چیز نہیں دیا کرتے اس سے معلوم ہوا کہ دنیا واقع میں وقعت کی چیز نہیں پس نبوت کی صلاحیت اس پر موقوف نہیں ہوسکتی بلکہ اس کا مدار ان خاص کمالات پر ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتے ہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں پورے طور پر موجود ہیں پس نبوت ان ہی کے لئے زیبا تھی نہ کہ مکہ اور طائف کے رئیسوں کے لئے اور اس جواب سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ انبیاء میں دنیوی وقعت کا لحاظ بالکل نہیں ہوتا کیونکہ حدیث بخاری قصہ ہرقل میں خود آیا ہے کذلک الرسل تبعث فی نسب قومھا الخ کہ رسول اپنی قوم کے اعلیٰ خاندان میں مبعوث ہوتے ہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ وقعت بقدر ضرورت کافی ہے تاکہ وہ عام نظروں میں حقیر نہ سمجھا جاوے جس سے اتباع میں عار ہوتا ہے باقی اس سے زیادہ محض ترفع ہے اور جس جاہ کی مذمت آئی ہے اس سے یہی دوسرا مرتبہ مراد ہے جو قدر ضرورت سے زیادہ ہو پہلا مرتبہ مراد نہیں کہ اس کا حاصل کرنا تو ضروری اور مقصود ہے۔

پس جو چیز فانی ہو وہ نہ قابل قدر ہے نہ قابل طلب ہے البتہ آخرت جو کہ باقی رہنے والی ہے وہ بیشک قابل قدر ہے اور اس کے حاصل کرنے کا ذریعہ اعمال اور طاعات اور باطنی کمالات ہیں اور نبوت کی صلاحیت کا مدار بھی ان ہی پر ہے کیونکہ وہ آخرت کی کامیابی کا ذریعہ ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کمالات سے پوری طرح متصف ہیں۔

ربط: اوپر توحید و رسالت کے منکروں کی گمراہی اور کفر و شرک کا بیان تھا آگے اس گمراہی اور کفر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو غم ہوتا تھا اس کو دور کرنے اور تسلی کے لئے اس گمراہی کی علت بتلاتے ہیں ومن یعش تا یعبدون

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ

اور جو شخص اللہ کی نصیحت (یعنی قرآن) سے اندھا بن جاوے

اور جان بوجھ کر اس سے آنکھیں بند کر لے جیسے یہ کفار ہیں کہ شافی کافی دلائل کے ہوتے ہوئے ان سے جاہل اور غافل بنتے ہیں جیسا فرعون کا حال تھا۔ وجحدوا بها واستيقنتها انفسهم کہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا انکار کرتے رہے حالانکہ دل سے یقین کر چکے تھے۔

نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾

ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں سو وہ (ہر وقت) اسکے ساتھ رہتا ہے

اگر یہ شبہ ہو کہ احادیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص پر ایک ایک شیطان مقرر ہے پھر قرآن سے اندھا بننے والوں ہی کی کیا تخصیص رہی۔ جواب یہ ہے کہ یہاں صرف مقرر کرنا مراد نہیں بلکہ خاص طور پر مسلط کرنا مراد ہے جس سے گمراہی ضرور پیدا ہو جاوے سو ہر شخص پر شیطان کو اس طرح مسلط نہیں کیا جاتا دوسرے یہاں ساتھ رہنے سے ہر وقت ساتھ رہنا مراد ہے سو یہ بھی کفار کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ مومن جب ذکر اللہ کرتا ہے شیطان اس سے ہٹ جاتا ہے۔

وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ

اور وہ ان کو راہ (حق) سے روکتے رہتے ہیں اور یہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں

اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۷﴾

کہ وہ (راہ راست) پر ہیں

اگر یہ شبہ ہو کہ اوپر من یعش الخ کے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حق اور باطل تو جانتے تھے اور جان بوجھ کر اندھے بنتے تھے اور یہاں یحسبون الخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ غلط راستہ کو سیدھا راستہ سمجھتے تھے جواب یہ ہے کہ اضطراری طور پر تو وہ حق کو حق اور باطل کو باطل سمجھتے تھے مگر اختیاری طور پر باطل کو حق سمجھتے تھے۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ

یہاں تک کہ ایسا شخص ہمارے پاس آوے گا تو (اس شیطان سے) کہے گا کاش میرے

بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴿۳۸﴾

اور تیرے درمیان میں (دنیا میں) مشرق و مغرب کی برابر فاصلہ ہوتا کہ (تو تو) برا ساتھی تھا کہ تو نے مجھ کو گمراہ کیا

وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِى

اور (ان سے کہا جاوے گا کہ) جبکہ تم (دنیا میں) کفر کر چکے تھے تو آج یہ

الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۹﴾

بات تمہارے کام نہ آئے گی کہ تم (اور شیاطین) سب عذاب میں شریک ہو

دوسروں کو بھی مصیبت میں مبتلا دیکھ کر کچھ تسلی نہ ہوگی کیونکہ بوجہ سختی عذاب کے ہر ایک اپنے عذاب کو زیادہ سمجھے گا

اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِى الْعُمْىَ

سو کیا آپ (ایسے) بہروں کو سنا سکتے ہیں یا (ایسے) اندھوں کو

وَمَنْ كَانَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۰﴾

اور ان لوگوں کو جو کہ صریح گمراہی میں ہیں راہ پر لا سکتے ہیں

ان کی بے راہی پر آپ رنج نہ کریں

فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿۴۱﴾

پس اگر ہم (دنیا سے) آپ کو اٹھا لیں تو بھی ہم ان سے بدلہ لینے والے ہیں

اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِىْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ

یا اگر ان سے جو ہم نے عذاب کا وعدہ کر رکھا ہے وہ آپ کو (بھی) دکھلا دیں

مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿۴۲﴾

تب بھی (کچھ بعید نہیں) کیونکہ ہم کو ان پر ہر طرح کی قدرت ہے

آپ اطمینان سے اپنے کام میں لگے رہیے

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِىْٓ اُوْحِىَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ

تو آپ اس قرآن پر قائم رہیے جو آپ پر وحی کے ذریعہ سے نازل کیا گیا ہے

عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۳﴾

آپ بے شک سیدھے راستہ پر ہیں

دوسروں کا غم نہ کیجئے

وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ

اور یہ قرآن آپ کے لئے اور آپ کی قوم کیلئے بیشک بڑے شرف کی چیز ہے

کہ اس کے ذریعہ سے احکم الحاکمین کے خطاب کا شرف حاصل ہوا

وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ ﴿۴۴﴾

اور عنقریب تم سب پوچھے جاؤ گے

پس آپ سے صرف تبلیغ کے متعلق سوال ہوگا نہ ان کے اعمال کا

وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ

اور آپ ان سب پیغمبروں سے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے پوچھ لیجئے

یعنی ان کی کتابوں اور صحیفوں سے جن کا بقیہ اب بھی موجود ہے

اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً

کیا ہم نے خدائے رحمٰن کے سوا دوسرے معبود ٹھہرا دیئے تھے ان کی

يُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾ ع

عبادت کی جاوے

اور یہ حقیقت اوروں کو سنانا منظور ہے کہ جس کا جی چاہے تحقیق کر لے ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی کیا ضرورت تھی۔

ربط: اوپر تسلی کا مضمون ہے آگے موسیٰ علیہ السلام کے قصہ سے اس کی تائید فرماتے ہیں نیز اوپر توحید و رسالت اور کفار کی دھمکی کے مضامین مذکور ہوئے ہیں اس سے ان کی بھی تائید ہوتی ہے ولقد ارسلنا تا للآخرین

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ

اور ہم نے موسیٰ کو اپنے دلائل دے کر فرعون کے اور اس کے امراء کے پاس بھیجا سو انہوں

وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّىْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۶﴾

نے (ان لوگوں کے پاس آ کر) فرمایا کہ میں رب العالمین کی طرف سے پیغمبر ہو کر آیا ہوں

تا کہ تم لوگوں کو ہدایت کروں مگر فرعون اور اس کے متبعین نے نہیں مانا تو ہم نے دوسرے معجزات عذاب کے رنگ میں ظاہر کئے تا کہ ان سے موسیٰ کی نبوت ثابت کی جائے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ

پھر جب موسیٰ ان کے پاس ہماری نشانیاں لے کر آئے

یہ نو نشانیاں ہیں جو آیات تسعہ کہلاتی ہیں۔

اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾

تو وہ یکایک ان پر ہنسنے لگے

کہ یہ کیا اچھے معجزے ہیں یہ تو محض معمولی واقعات ہیں کیونکہ قحط وغیرہ ویسے بھی ہو جاتا ہے مگر یہ ان کی حماقت تھی کیونکہ قرائن کے مل جانے سے ان واقعات کا عجیب اور خلاف عادت ہونا ان کو معلوم تھا چنانچہ ان کا ان واقعات کو جادو کہنا خود اس کی دلیل ہے جیسا کہ سورۂ اعراف میں ان کا قول آیا ہے لتسحرنابها الخ آگے ان نشانوں کی کیفیت بتلاتے ہیں

وَمَا نُرِيهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ز

اور ہم ان کو جو نشانی دکھلاتے تھے وہ دوسری نشانی سے بڑھ کر ہوتی تھی

مطلب یہ کہ سب نشانیاں بڑی ہی تھیں اور یہ مطلب نہیں کہ ہر نشانی ہر نشانی سے بڑی تھی یہ ایک محاورہ ہے جب کئی چیزوں کا کمال بیان کرنا چاہتے ہیں تو یوں ہی بولتے ہیں کہ ایک سے ایک بڑھ کر ہے۔

وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور ہم نے ان لوگوں کو عذاب میں پکڑا تھا تا کہ وہ (اپنے کفر سے) باز آجاویں

یعنی وہ نشانیاں نبوت کے لئے دلائل بھی تھیں اور ان کے لئے سزا بھی تھیں مگر وہ لوگ باز نہ آئے باوجودیکہ ہر نشانی کے واقع ہونے پر چند بار اس کا عہد بھی کیا۔

وَقَالُوْا يٰۤاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا

اور انہوں نے کہا کہ اے جادوگر ہمارے لئے اپنے رب سے اس بات کی دعا

عَهِدَ عِنْدَكَ ج

کر دیجئے جس کا اس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے

وہ بات یہ تھی کہ اگر یہ لوگ نافرمانی سے باز آجاویں گے تو قہر دور ہو جاویگا۔

اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾

ہم ضرور راہ پر آجاویں گے

یعنی ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اگر آپ اس عذاب کو دور کرا دیں تو ہم ایمان لے آویں گے۔

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۵۰﴾

پھر جب ہم نے وہ عذاب ان سے ہٹا دیا تب ہی انہوں نے (اپنا) عہد توڑ دیا

ان نو نشانیوں کا بیان سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے جن میں بعض واقعات تو ظاہر میں بھی معمولی نہیں ہیں پس یا تو ان پر فرعونیوں نے ہنسی نہ اڑائی ہو محض بعض واقعات پر ہنسی اڑائی ہو جیسے قحط اور پھل وغیرہ کا نقصان اور مابعد کے واقعات پر عاجزی کا اظہار کیا ہو اور یا سب پر ہنسی اڑائی ہو تو یہ ہو سکتا ہے کہ ابتداء میں ہنستے رہے ہوں پھر جب وہ واقعہ مدت تک رہا اور سخت تکلیف ہوئی اس وقت خوشامد شروع کی ہو۔

وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِيْ قَوْمِهٖ

اور فرعون نے اپنی قوم میں منادی کرائی

غالباً اس خیال سے منادی کرائی کہ کہیں یہ زبردست معجزات دیکھ کر عام لوگ مسلمان ہو جاویں۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ

یہ بات کہی کہ اے میری قوم کیا مصر کی سلطنت میری نہیں ہے اور یہ نہریں

الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ ج اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۱﴾ ط

میرے (محل کے) پائیں میں بہہ رہی ہیں کیا تم نہیں دیکھتے ہو

اور موسیٰ کے پاس کچھ بھی سامان نہیں تو بتلاؤ کہ میں افضل اور قابل اتباع ہوں یا موسیٰ ہیں۔

اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ ۵ۙ وَّلَا

بلکہ میں ہی افضل ہوں اس شخص سے جو کہ کم قدر ہے

يَكَادُ يُبِيْنُ ﴿۵۲﴾

اور قوت بیانیہ بھی نہیں رکھتا

یا تو فرعون کی یہ بات جھوٹ ہے یا ممکن ہے کہ کچھ رکاوٹ آپ کی زبان میں رہ گئی ہو یا رکاوٹ بالکل نہ ہو مگر بہت تیزی اور روانی بھی نہ ہو جیسا کہ خود موسیٰ علیہ السلام کا قول ہے۔ واخی هرون هو افصح منی لسانا الخ کہ میرے بھائی ہارون کی زبان مجھ سے زیادہ صاف ہے۔

فَلَوْلَاۤ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ

تو اس کے سونے کے کنگن کیوں نہیں ڈالے گئے

جیسا کہ شاہان دنیا کی عادت ہے کہ جب کسی پر خاص عنایت کرتے ہیں تو اس کو عام دربار میں سونے کے کنگن پہناتے ہیں چنانچہ راجاؤں میں اب بھی دستور ہے مطلب یہ کہ اس شخص کو نبوت عطا ہوتی تو خدا کی طرف سے اس کے ہاتھ میں سونے کے کنگن ہوتے۔

اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ﴿۵۳﴾

یا فرشتے اس کے جلو میں پر باندھ کر آئے ہوتے

جیسا کہ خاص امراء شاہی کا جلوس اسی طرح نکلا کرتا ہے مطلب یہ کہ اگر موسیٰ علیہ السلام خدا کے خاص بھیجے ہوئے ہیں تو خصوصیت کی علامات تو ظاہر ہوتیں حالانکہ یہ محض فرعون کی حماقت تھی کیونکہ نبوت جس قسم کا کمال ہے اور اس میں جو خصوصیت ہے اسی قسم کے علامات اور دلائل اس کے ساتھ ہونے چاہئیں سو وہ موسیٰ علیہ السلام میں پورے طور پر موجود تھے۔

فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا

غرض اس نے (ایسی باتیں کر کر کے) اپنی قوم کو مغلوب کر دیا اور وہ اس کے کہنے

قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ

میں آ گئے وہ لوگ (کچھ پہلے سے بھی) شرارت سے بھرے تھے پھر جب ان

فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۵﴾ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا

لوگوں نے ہم کو غصہ دلایا تو ہم نے ان سے بدلہ لیا اور ان سب کو ڈبو دیا اور ہم نے

وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ ع

ان کو آئندہ آنے والوں کے لئے خاص طور پر متقدمین اور نمونہ (عبرت) بنا دیا

نمونہ عبرت بنانا یہ سلفاً کی تفسیر کے طور پر ہے یعنی خاص طور کے متقدمین بنانے کا مطلب یہ ہے کہ لوگ ان کے قصے یاد کر کے ایک دوسرے کو عبرت دلاتے ہیں کہ دیکھو پہلے لوگوں میں ایسے ایسے ہوئے ہیں اور ان کا ایسا ایسا حال ہوا ربط اوپر آیت و اسئل من ارسلنا الخ میں شرک کو باطل کیا ہے اور اس سے پہلے بھی جا بجا توحید کو ثابت اور شرک کو باطل کیا ہے آگے اس مضمون کے متعلق کفار کے ایک معاندانہ اعتراض کا جواب ہے اعتراض کا بیان یہ ہے کہ ایک بار شرک کو باطل کرنے کی غرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے فرمایا کہ خدا کے سوا جس کسی کی عبادت کی جاتی ہے اس میں خیر نہیں آہ اس پر بعض نے کہا کہ اس میں تو عیسیٰ علیہ السلام بھی داخل ہیں وہ بھی ہمارے معبودوں کی طرح ہوئے کیونکہ نصاریٰ نے ان کی عبادت کی ہے حالانکہ آپ ان کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ نبی اور صالح تھے اس پر یہ اگلی آیتیں نازل ہوئیں حاصل جواب کا یہ ہے کہ جن معبودوں کی نسبت یہ کہا گیا ہے کہ ان میں خیر نہیں اس سے مراد وہ ہیں جن میں بھلائی کی کوئی وجہ موجود نہیں نیز وہ جو کہ اپنی عبادت سے لوگوں کو منع نہیں کرتے بلکہ خود معبود بننا چاہتے ہیں جیسا کہ شیاطین وغیرہ ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام چونکہ نبی ہیں اور خدا کے مقبول بندے ہیں وہ بھلائی سے خالی نہیں ہو سکتے دوسرے انہوں نے تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم کیا ہے اور اس کے سوا دوسروں کی عبادت سے منع کیا ہے پس ان کی ممانعت کے باوجود اگر کسی نے ان کی عبادت کی ہو تو اس سے ان پر کوئی الزام نہیں آ سکتا۔ ولما ضرب ابن مریم تا یوم الیم

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا

اور جب عیسیٰ بن مریم کے متعلق ایک عجیب مضمون بیان کیا گیا

اس مضمون کی تقریر اوپر گزر چکی اور اس اعتراض کو عجیب اس لئے فرمایا کہ اس کا غلط ہونا سرسری نظر سے خود معلوم ہو سکتا تھا پس عقل رکھ کر ایسا اعتراض کرنا بہت عجیب ہے۔

اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ﴿۵۷﴾ وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا

تو یکایک آپ کی قوم کے لوگ اس سے (مارے خوشی کے) چلانے لگے اور

خَيْرٌ اَمْ هُوَ ۭ

(اس معترض کے ساتھ ہو کر کہنے لگے کہ ہمارے معبود زیادہ بہتر ہیں یا عیسیٰ

جن کو پیغمبر اور ان میں خیر کا ہونا آپ بھی مانتے ہیں

مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ۭ

ان لوگوں نے جو یہ (مضمون عجیب) بیان کیا ہے تو محض جھگڑے کی وجہ سے

اور طلب حق ان کو مقصود نہیں۔

بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴿۵۸﴾

بلکہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو

کہ ہمیشہ ان باتوں میں جھگڑے نکالتے ہیں

اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا

عیسیٰ تو محض ایک ایسے بندے ہیں جن پر ہم نے فضل کیا تھا اور ان کو بنی

لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ﴿۵۹﴾ ط

اسرائیل کے لئے ہم نے (اپنی قدرت کا) ایک نمونہ بنایا تھا

تا کہ لوگ خدا کی قدرت پر استدلال کریں

وَلَوْ نَشَاۗءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰۗئِكَةً فِي

اور اگر ہم چاہتے تو ہم تم سے فرشتوں کو پیدا کر دیتے کہ

الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ﴿۶۰﴾

وہ زمین پر یکے بعد دیگرے رہا کرتے

ہم ہر شے پر قدرت کاملہ رکھتے ہیں

وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ

اور وہ (یعنی عیسیٰ) قیامت کے یقین کا ذریعہ ہیں

آگے بطور جملہ معترضہ کے قیامت کا صحیح ہونا بیان فرماتے ہیں

فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ؕ

تو تم لوگ اس (کی صحت) میں شک مت کرو اور تم لوگ میرا اتباع کرو

تمہارے لئے فلاح اسی میں ہے

هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ

یہ سیدھا راستہ ہے اور تم کو شیطان (اس راہ پر آنے سے) روکنے نہ پائے

الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۲﴾

وہ بے شک تمہارا صریح دشمن ہے

آگے عیسیٰ کی دعوت کے مضمون سے توحید کا ثبوت اور شرک کا ابطال ہے۔

وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ

اور جب عیسیٰ معجزے لے کر آئے تو انہوں نے لوگوں سے کہا کہ میں

جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ

تمہارے پاس سمجھ کی باتیں لے کر آیا ہوں

تاکہ تمہارے عقائد کی اصلاح کروں۔

وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ

اور تاکہ بعض باتیں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو تم سے بیان کر دوں

جس سے وہ اختلاف اور اشتباہ دور ہو جائے اور چونکہ بنی اسرائیل میں سرکشی کا غلبہ تھا تو عجب نہیں کہ کسی نے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر لیا ہو اور چونکہ بعضی باتیں اصلی حالت پر بھی ہوں گی اس لئے عیسیٰ نے لفظ بعض فرمایا۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ

تو تم لوگ اللہ سے ڈرو

یعنی جب میں معجزات لے کر ان مقاصد کے لئے آیا ہوں تو میری نبوت کا انکار نہ کرو کہ یہ خدا کی مخالفت ہے۔

وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ

اور میرا کہنا مانو بیشک اللہ ہی میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی سو اسی کی عبادت

فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۴﴾ فَاخْتَلَفَ

کرو یہی (توحید) سیدھا راستہ ہے سو مختلف گروہوں نے (اس بارے

الْاَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ۚ

میں) باہم اختلاف ڈال لیا

یعنی توحید کے خلاف طرح طرح کے مذاہب ایجاد کر لئے چنانچہ نصاریٰ وغیرہ کا اختلاف توحید میں معلوم ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ

سو ان ظالموں کے لئے ایک پردرد دن کے عذاب سے

اَلِيْمٍ ﴿۶۵﴾

بڑی خرابی ہے

پس عیسیٰ علیہ السلام کی اس دعوت سے خود توحید کی تائید ہوگئی پھر ان کی عبادت کرنے والوں کے فعل سے شرک کے صحیح ہونے پر معترض کا استدلال کرنا اس مثل کا مصداق ہے مدعی سست گواہ چست ربط اوپر قیامت کے دن سے مشرکین کو دھمکی تھی آگے بھی اسی کا مضمون ہے اور کفار ومومنین کے لئے وعید اور وعد مذکور ہے هل ينظرون تا ماكنتون

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ

بس یہ لوگ قیامت کا انتظار کر رہے ہیں

کیونکہ باوجود حق واضح ہو جانے کے باطل پر جمار ہنا یہی بتلاتا ہے اور چونکہ وہ لوگ قیامت کے منکر تھے اس لئے انتظار سے مراد یہ ہے کہ ان کا دلائل کو نہ ماننا ایسا ہے جیسے کوئی شخص مشاہدہ کا منتظر ہو کہ دیکھنے کے بعد مانوں گا۔

اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۶﴾

کہ وہ ان پر دفعۃً آ پڑے اور ان کو خبر بھی نہ ہو

خبر نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قبر میں اگرچہ قیامت کا یقین ہو جائے گا مگر زیادہ انکشاف اور عین الیقین قیامت ہی میں ہوگا آگے اس دن کے واقعات ہیں

الْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا

تمام (دنیوی) دوست اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہو جاویں گے بجز خدا

الْمُتَّقِیْنَ ﴿۶۷﴾

سے ڈرنے والوں کے

یعنی ایمان والوں کے کیونکہ اس دن حق کی دوستی کا نفع اور ثواب محسوس ہوگا اس لئے ایسی دوستی باقی رہے گی اور بری دوستی کا ضرر محسوس ہوگا تو لامحالہ اس سے کراہت اور ایسے دوستوں سے نفرت ہوگی کہ یہ لوگ نقصان کا سبب ہوئے۔

یٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ وَلَآ

(اور مومنین کو حق تعالیٰ کی طرف سے ندا ہوگی کہ) اے میرے بندو تم پر آج

اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۶۸﴾

کوئی خوف نہیں اور نہ تم غمگین ہوگے

ایمان والوں کو خوف اور غم نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ گنہگاروں کو سزا نہ ہو کیونکہ ایمان کے مختلف درجے ہیں کامل ایمان سے جنت میں فوراً داخل ہونا نصیب ہوگا اور ناقص ایمان سے کسی وقت داخل ہونا نصیب ہو جائے گا۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاٰیٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ﴿۶۹﴾

یعنی وہ بندے جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے تھے اور ہمارے

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ

فرمانبردار تھے تم اور تمہاری (ایماندار) بیبیاں خوش

تُحْبَرُوْنَ ﴿۷۰﴾ یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ

بخوشی جنت میں داخل ہو جاؤ ان کے پاس سونے کی رکابیاں

ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ

اور گلاس لائے جاویں گے

یعنی رکابیاں کھانوں سے بھری ہوئی اور سونے چاندی کے گلاس شربتوں وغیرہ سے لبریز غلمان ان کے پاس لاویں گے۔

وَفِیْهَا مَا تَشْتَهِیْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْیُنُ

(یعنی غلمان لاویں گے) اور وہاں وہ چیزیں ملیں گی جن کو جی چاہے گا اور جن

وَاَنْتُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ

سے آنکھوں کو لذت ہوگی اور تم یہاں ہمیشہ رہو گے اور ان سے کہا جاوے گا کہ)

الَّتِیْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۲﴾

یہ وہ جنت ہے جس کے تم مالک بنا دیئے گئے اپنے (نیک) اعمال کے عوض میں

لَكُمْ فِیْهَا فَاكِهَةٌ كَثِیْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۳﴾

اور تمہارے لئے اس میں بہت سے میوے ہیں جن میں سے کھا رہے ہو

یہ تو ایمان والوں کا حال ہوا آگے کفار کا ذکر ہے۔

اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۷۴﴾

بے شک نافرمان (یعنی کافر) لوگ عذاب دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے

لَا یُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۵﴾

وہ (عذاب) ان سے ہلکا نہ کیا جاوے گا اور وہ اسی میں مایوس پڑے رہیں

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۷۶﴾

گے اور ہم نے ان پر (ذرا) ظلم نہیں کیا لیکن یہ خود ہی ظالم تھے

کہ ناحق عذاب دیا ہو کہ کفر وشرک کرکے اپنا نقصان کر لیا آگے ان کا بقیہ حال مذکور ہے کہ نجات سے بالکل مایوس ہو جاویں گے اس وقت موت کی تمنا کریں گے۔

وَنَادَوْا یٰمٰلِكُ لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ

اور پکاریں گے کہ اے مالک تمہارا پروردگار (ہم کو موت دے کر) ہمارا کام

اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿۷۷﴾

ہی تمام کر دے وہ (فرشتہ) جواب دے گا کہ تم ہمیشہ اسی حال میں رہو گے

نہ نکلو گے نہ مرو گے ربط اوپر کفار ومشرکین کے عذاب کا تفصیلاً ذکر تھا اور جرم کا اجمالاً آگے خاتمہ سورت میں جرم کا تفصیلاً ذکر ہے اور عذاب کا اجمالاً لقد جئنکم تا یعملون

لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ

ہم نے سچا دین تمہارے پاس پہنچایا لیکن تم میں اکثر آدمی سچے

لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿٧٨﴾

دین سے نفرت رکھتے ہیں

اکثر کی قید یا تو اس واسطے بڑھائی کہ بعضے لوگ خدا کے علم میں آئندہ ایمان لانے والے تھے یا اس لئے کہ نفرت بعض کو تھی اور بعضے محض دوسروں کے دیکھا دیکھی حق کو چھوڑے ہوئے تھے اور سچے دین سے نفرت کرنے میں شرک بھی داخل ہے اور رسول کے ساتھ مخالفت بھی

اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿٧٩﴾ ۚ

ہاں کیا انہوں نے کوئی انتظام درست کیا ہے سو ہم نے بھی ایک انتظام درست کیا ہے

اور ظاہر ہے کہ خدائی انتظام کے سامنے ان کا انتظام نہیں چل سکتا چنانچہ آپ محفوظ رہے اور وہ لوگ آخر بدر میں ہلاک ہوئے

اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ۭ

ہاں کیا ان لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ہم اس کی چپکی چپکی باتوں کو اور انکے مشوروں کو نہیں سنتے

ورنہ اگر ہم کو سننے والا سمجھتے تو آپ کی ضرر رسانی کے لئے خفیہ تدبیریں کرنے پر ایسی جرات کیوں کرتے اور ممکن ہے کہ بعضے احمق حقیقۃً ایسا ہی سمجھتے ہوں کہ اللہ تعالیٰ سنتا نہیں جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے

بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿٨٠﴾

ہم ضرور سنتے ہیں اور ہمارے فرشتے ان کے پاس ہیں وہ بھی لکھتے ہیں

گو اس کی ضرورت نہ ہو مگر اس میں مصلحت ہے وہ یہ کہ عام لوگوں کی عادت کے موافق خود حاکم کے معائنہ سے پولیس کی رپورٹ مجرم پر زیادہ حجت ہوتی ہے یہ تو بیان تھا رسولوں کی مخالفت کا آگے خدا کے ساتھ شریک کرنے پر مذمت ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ڰ فَاَنَا اَوَّلُ

آپ کہئے کہ اگر خدائے رحمان کے اولاد ہو تو سب سے اول اس کی عبادت

الْعٰبِدِيْنَ ﴿٨١﴾

کرنے والا میں ہوں

مطلب یہ کہ مجھ کو تمہاری طرح حق بات کے ماننے سے انکار اور عار نہیں تم اگر ثابت کردو کہ خدا کے اولاد ہے یا فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں تو سب سے پہلے میں اس کو مانوں گا اور جب اس کو خدا کی اولاد مان لوں گا تو چونکہ اولاد کا غیر جنس ہونا عیب ہے اس لئے خدا کی اولاد بھی خدا ہی ہونا چاہئے اور خدا عبادت کا مستحق ہے اس لئے میں اس کی اولاد کی بھی عبادت کروں گا مگر چونکہ یہ بات محض غلط ہے اور درحقیقت خدا اس سے پاک ہے اس لئے نہ میں مانوں اور نہ خدا کے سوا کسی کی عبادت کروں گا شرک سے خدا کی پاکی بیان فرماتے ہیں

سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ

آسمان اور زمین کا مالک جو کہ عرش کا بھی مالک ہے ان باتوں سے مبرّیٰ ہے جو یہ

الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿٨٢﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا

(مشرک) لوگ بیان کر رہے ہیں تو آپ ان کو اسی شغل اور تفریح میں رہنے دیجئے

وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿٨٣﴾

یہاں تک کہ ان کو اپنے اس دن سے سابقہ واقع ہو جس دن کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے

اس وقت سب حقیقت معلوم ہو جائے گی اور رہنے دینے کا یہ مطلب نہیں کہ ان کو احکام نہ سنایئے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کی مخالفت کی طرف التفات نہ کیجئے اور ان کے ایمان نہ لانے سے مغموم نہ ہوجئے آگے جرم شرک کو موکد کرنے کے لئے توحید کی تاکید ہے کہ یہ لوگ ایسی پختہ بات کی مخالفت کرتے ہیں جو ایسے ایسے مضبوط دلائل سے ثابت ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَاۗءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ

اور وہی ذات ہے جو آسمان میں بھی قابل عبادت ہے اور زمین میں بھی قابل

اِلٰهٌ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿٨٤﴾

عبادت ہے اور وہی بڑا علم والا بڑی حکمت والا ہے

اور علم و حکمت میں کوئی اس کا شریک نہیں پس معبود بھی وہی اکیلا ہے یہ گویا ماسبق کی دلیل ہے۔

وَتَبٰرَكَ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اور وہ ذات بڑی عالیشان ہے جس کے لئے آسمان اور زمین کی اور جو مخلوق اس کے

وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ

درمیان میں ہے اس کی سلطنت ثابت ہے اور اس کو قیامت کی (بھی) خبر ہے

جس پر کسی مخلوق کو بھی اطلاع نہیں تو اس کا علم ایسا کامل ہے۔

وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۵﴾

اور تم سب اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے

اور اس کو حساب دو گے تو جزا و سزا کا مالک بھی وہی ہے

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ

وہ خدا کے سوا جن معبودوں کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ سفارش (تک) کا اختیار نہ رکھیں گے

الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾

ہاں جن لوگوں نے حق بات (یعنی کلمہ ایمان) کا اقرار کیا تھا اور وہ تصدیق بھی کیا کرتے تھے

وہ البتہ خدا تعالیٰ کی اجازت سے اہل ایمان کی سفارش کریں گے مگر اس سے کفار کو کیا فائدہ آگے بتلاتے ہیں کہ ہم نے جو اوپر توحید کا مضمون بیان کیا ہے جس میں یہ لوگ اختلاف کرتے ہیں سو اس کے مقدمات کو یہ بھی تسلیم کرتے ہیں۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہی کہیں گے کہ اللہ نے

پس ایک مقدمہ تو خود ان کے اقرار سے ثابت ہوا اور دوسرا مقدمہ بدیہی طور پر عقل سے ثابت ہے کہ عبادت کا مستحق وہی ہو سکتا ہے جو حقیقۃً پیدا کرنے پر قادر ہو کیونکہ عبادت غایت تعظیم کا نام ہے تو اس کا مستحق وہی ہوگا جو غایت درجہ عظیم ہو اور جو لوگ خود ہی خالق کے محتاج ہیں وہ غایت درجہ عظیم نہیں ہو سکتے۔

فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۸۷﴾

سو یہ لوگ کدھر الٹے چلے جاتے ہیں

کہ مقدمات کو تو مانتے ہیں اور نتیجہ کو نہیں مانتے اس سے اور بھی جرم پختہ ہو گیا کہ ان کا یہ اختلاف محض عناد سے ہے اور ظاہر ہے کہ ہٹ دھرم زیادہ مجرم ہوتا ہے آگے عذاب کی تاکید کے لئے ایک اور بات بیان فرماتے ہیں۔

وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

اور اس کو رسول کے اس کہنے کی بھی خبر ہے کہ اے میرے رب یہ ایسے لوگ ہیں کہ ایمان نہیں لاتے

اس سے عذاب کی تاکید اور بڑھ گئی کہ ان کے جرائم کے ساتھ رسول کی نالش بھی موجود ہے پس ایسی حالت میں سمجھ لینا چاہئے کہ کیسا سخت عذاب ہوگا آگے اسی پر تفریع کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرماتے ہیں

فَاصْفَحْ عَنْهُمْ

تو آپ ان سے بے رخ رہیے

یعنی جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ ان کا یہ انجام ہونے والا ہے تو ان کے ایمان کی فکر اور اس کی امید نہ کیجئے کیونکہ جب ان کی تقدیر میں یہ انجام ہے تو یہ کیا خاک ایمان لاویں گے

وَقُلْ سَلٰمٌ ؕ

اور یوں کہہ دیجئے کہ تم کو سلام کرتا ہوں

یعنی اگر وہ آپ سے مخالفت اور جہالت کی بات کریں تو رفع شر کے لئے ان سے کہہ دیجئے کہ میں تم کو کچھ نہیں کہتا اور نہ تم سے کچھ واسطہ رکھتا ہوں مجھے ان باتوں سے معاف کرو آگے اس مضمون کی تاکید کے لئے بطور علت کے فرماتے ہیں کہ آپ چندے صبر کیجئے (آگے ترجمہ)

فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾ ع

سو ان کو ابھی معلوم ہو جاوے گا

سورة الدخان مكية الاقوله انا كاشفوا العذاب الأية
وهي سبع اوتسع و خمسون اية

ربط: یہ سورت رسالت اور توحید سے شروع ہوئی ہے اور پچھلی سورت اسی پر ختم ہوئی تھی۔ **بسم الله الرحمن الرحيم . حٰمٓ تا يلعبون**

(۴۴) سُوْرَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ (۶۴)

سورہ دخان مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں انسٹھ آیتیں اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

حٰمٓ ﴿۱﴾ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ

حٰم قسم ہے اس کتاب واضح کی کہ ہم نے اس کو (لوح محفوظ سے آسمان دنیا میں

فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ﴿۳﴾

ایک برکت والی رات یعنی شب قدر میں اتارا ہے ہم آگاہ کرنے والے تھے

یعنی ہم کو منظور ہوا کہ ان کو مضرتوں سے بچا لینے کے لئے خیر و شر کی اطلاع کر دیں یہ علت ہوئی تنزیل قرآن کی آگے اس شب قدر کے برکات و منافع بیان فرماتے ہیں۔

فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ﴿٤﴾

اس رات میں ہر حکمت والا معاملہ ہماری پیشی سے

أَمْرًا مِّنْ عِندِنَا ۚ

حکم صادر ہوکر طے کیا جاتا ہے

یعنی سال بھر کے معاملات کہ وہ سب ہی رحمت کے موافق ہوتے ہیں جس طور پر اللہ تعالیٰ کو کرنا منظور ہوتا ہے اس طریقہ کو متعین کر کے اور ان کی اطلاع فرشتوں کو کر کے ان کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں چونکہ وہ رات ایسی ہے اور قرآن سب سے زیادہ حکمت کی چیز ہے اس لئے اس کو بھی اسی رات میں نازل کیا گیا اور اس رات کی تفسیر اکثر نے شب قدر سے کی ہے اور اس کے بارہ میں آثار بھی ہیں چنانچہ سعید بن جبیرؒ نے فرمایا ہے کہ پورا قرآن اوپر کے آسمان سے آسمان دنیا پر شب قدر میں آ گیا تھا پھر تھوڑا تھوڑا کئی سال میں نازل ہوتا رہا اور ابن عباس نے فرمایا ہے کہ سال بھر میں جو کچھ ہونے والا ہوتا ہے رزق اور موت وحیات وبارش وغیرہ وہ سب شب قدر میں لوح محفوظ سے نقل کر لیا جاتا ہے (کذا فی الدر) پہلی روایت سے اس شبہ کا بھی جواب ہو گیا کہ قرآن تو تھوڑا تھوڑا تئیس سال میں آیا ہے پھر شب قدر میں نازل ہونے کے کیا معنے جواب ظاہر ہے کہ شب قدر میں آسمان دنیا پر نازل ہونا مراد ہے اور بعض نے لیلة مبارکة کی تفسیر شب برات سے کی ہے کیونکہ اس کی نسبت بھی یہ آیا ہے کہ اس میں سالانہ واقعات کا فیصلہ ہوتا ہے لیکن چونکہ کسی روایت سے قرآن کا اس میں نازل ہونا معلوم نہیں ہوا اور شب قدر میں نازل ہونا خود قرآن میں مذکور ہے۔ انا انزلنه فی لیلة القدر اس لئے یہ تفسیر صحیح نہیں معلوم ہوتی۔

إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ﴿٥﴾

ہم بوجہ رحمت کے جو آپ کے رب کی طرف سے ہوتی ہے آپ کو پیغمبر بنانے والے تھے

تاکہ آپ کی معرفت اپنے بندوں کو آگاہ کر دیں

رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦﴾

بے شک وہ بڑا سننے والا بڑا جاننے والا ہے

اس لئے بندوں کی مصلحت کی رعایت کرتا ہے

رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ إِن

جو کہ مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو (مخلوق) ان دونوں کے درمیان

كُنتُم مُّوقِنِينَ ﴿٧﴾

میں ہے اس کا بھی اگر تم یقین لانا چاہو

تو یہ توحید کے دلائل یقین لانے کے لئے کافی موجود ہیں آگے توحید کا صراحۃً بیان ہے۔

لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۖ رَبُّكُمْ وَرَبُّ

اس کے سوا کوئی لائق عبادت کے نہیں وہی جان ڈالتا ہے اور وہی جان نکالتا ہے

آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿٨﴾

وہ تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا بھی پروردگار ہے

اور اس واضح بیان کا مقتضا تو یہ تھا کہ وہ لوگ مان لیتے مگر پھر بھی نہیں مانتے۔

بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ يَلْعَبُونَ ﴿٩﴾

بلکہ وہ شک میں ہیں کھیل میں مصروف ہیں

آخرت کی فکر نہیں جو حق کو طلب کریں اس میں غور سے کام لیں ربط اوپر توحید و رسالت اور قرآن کا حق ہونا مذکور تھا آگے ان حق باتوں کا انکار کرنے والوں کے لئے وعید مذکور ہے فارتقب تا منتقمون

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ﴿١٠﴾

سو آپ (ان کے لئے) اس روز کا انتظار کیجئے کہ آسمان کی طرف ایک نظر آنے والا

يَغْشَى النَّاسَ ۖ هَٰذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١١﴾

دھواں پیدا ہو جو ان سب لوگوں پر عام ہو جاوے یہ (بھی) ایک دردناک سزا ہے

مراد اس سے غلہ کا قحط ہے جس میں اہل مکہ مبتلا ہوئے تھے جس کا حقیقی سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بد دعا تھی جبکہ وہ سرکشی میں بڑھنے لگے اور یہ بد دعا ایک بار مکہ میں ہوئی تھی ایک بار مدینہ میں اور ظاہری سبب اس کا یہ تھا کہ جب ثمامہ بن اثال حنفیؓ رئیس یمامہ مسلمان ہو گئے اور کفار مکہ نے ان پر ملامت کی تو انہوں نے یمامہ سے غلہ آنا بند کر دیا اور مکہ میں غلہ کی آمد وہیں سے تھی اور بارش بھی بند ہو گئی تو اہل مکہ بھوکے مرنے لگے اور قاعدہ ہے کہ سخت بھوک اور خشکی کی حالت میں آسمان زمین کے درمیان آنکھوں کے سامنے دھواں سا نظر آیا کرتا ہے اسی کو دخان فرمایا غرض اہل مکہ اپنی جانوں سے تنگ آ گئے اور لگے عاجزی کرنے چنانچہ آگے بطور پیشینگوئی کے فرماتے ہیں۔

رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾

اے ہمارے رب ہم سے اس مصیبت کو دور کر دیجئے ہم ضرور ایمان لے آویں گے

چنانچہ یہ پیشینگوئی اس طرح پوری ہوئی کہ ابو سفیان اور قریش کے دوسرے لوگوں نے حضور کو لکھا بھی اور مدینہ آئے بھی کہ آپ دعا کریں اور ثمامہ کو سمجھاویں اور روح المعانی میں ابو سفیان کا وعدۂ ایمان بھی نقل کیا ہے آگے اس وعدہ کا سچے دل سے نہ ہونا بیان فرماتے ہیں۔

اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ

ان کو (اس سے) کب نصیحت ہوتی ہے حالانکہ (اس کے قبل) ان کے پاس

مُّبِيْنٌ ﴿۱۳﴾

ظاہر شان کا پیغمبر آیا

جس کی نبوت کی شان ظاہر تھی

ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿۱۴﴾

پھر بھی یہ لوگ اس سے سرتابی کرتے رہے اور یہی کہتے رہے کہ (کسی دوسرے بشر کا) سکھایا ہوا (دیوانہ) ہے

تو جب اتنے بڑے رسول کے آنے پر یہ لوگ ایمان نہیں لائے جس کے دلائل اور معجزات میں کوئی تاویل ہی نہیں ہو سکتی تو قحط ہونے پر کب ایمان لانے کی امید ہے جس میں بے انصاف آدمی یہ احتمال بھی نکال سکتا ہے کہ یہ ایک معمولی اور اتفاقی واقعہ ہے کفر کی سزا نہیں ہے۔ پس یہ ان کا وعدہ محض دفع الوقتی ہے کہ کسی طرح کام نکل جائے اور مصیبت ٹل جائے

اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ﴿۱۵﴾

ہم چندے اس عذاب کو ہٹا دیں گے تم پھر اسی حالت پر آ جاؤ گے

کہ پھر تکبر اور کفر پر اصرار کرنے لگو گے اور اس عاجزی اور بیچارگی کو بھول جاؤ گے چنانچہ یہ پیشین گوئی اس طرح پوری ہوئی کہ آپ نے دعا فرمائی اور بارش ہوئی اور ثمامہ کو بھی خط لکھا کہ غلہ آنے دیں بند نہ کریں اور مکہ والوں کو فارغ البالی میسر ہوئی مگر ایمان تو کیا لاتے وہ نرمی اور عاجزی بھی جاتی رہی پھر وہی زور و شور شروع ہو گیا اور یہ جو فرمایا کہ ہم چندے اس عذاب کو ہٹا دیں گے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس عذاب کے دفع ہونے کی حد محض دنیوی زندگی تک ہے اور دنیا کی راحت قلیل ہی ہے پھر مرنے کے بعد جو مصیبت آوے گی اس کا کہیں خاتمہ نہیں چنانچہ آگے اس کا بیان ہے۔

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۱۶﴾

جس روز ہم بڑی سخت پکڑ پکڑیں گے (اس روز ہم (پورا) بدلہ لیں گے

یعنی آخرت میں بڑی سزا ہوگی اور یہ روایتیں جو تفسیر کی تقریر میں لکھی گئی ہیں روح المعانی اور درمنثور اور بخاری سے لکھی ہیں اور بعض روایات میں آیا ہے کہ ایک دھواں قیامت کے قریب آوے گا مگر ابن مسعودؓ نے اس آیت کی تفسیر اس سے کرنا پسند نہیں کی اور کسی صحیح سند سے بھی یہ ثابت نہیں کہ قیامت کے قریب ظاہر ہونے والے دھویں کو اس آیت کی تفسیر کے طور پر فرمایا گیا ہو اور جو تفسیر پہلے اختیار کی ہے اس پر یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ قحط کے زمانہ میں جو دھواں سا نظر آتا ہے وہ تو خیالی ہوتا ہے پھر اس کو دخان مبین (صاف نظر آنے والا دھواں) کیسے فرمایا اصل یہ ہے کہ وہ خیالی نہیں ہوتا بلکہ واقعی ہوتا ہے کیونکہ حقیقت میں وہ بخارات ہوتے ہیں۔ ربط: اوپر منکرین کی وعید تھی آگے عذاب فرعون کے قصہ سے اس وعید کی تاکید ہے۔ ولقد فتنا تا مبین

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ

اور ہم نے ان سے پہلے قوم فرعون کو آزمایا تھا اور وہ آزمائش یہ تھی کہ) ان

كَرِيْمٌ ﴿۱۷﴾

کے پاس ایک معزز پیغمبر آئے تھے

یعنی موسیٰ اور پیغمبر کے آنے سے یہ آزمائش ہوتی ہے کہ کون ایمان لاتا ہے اور کون نہیں لاتا

اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ۭ

کہ ان اللہ کے بندوں (یعنی بنی اسرائیل) کو میرے حوالے کر دو

جن کو تم نے طرح طرح کی تکالیف میں پھنسا رکھا ہے ان سے دست بردار ہو جاؤ کہ میں جہاں اور جس طرح مناسب سمجھوں ان کو آزاد کر کے رکھوں۔

اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۸﴾

میں تمہاری طرف (خدا کا) فرستادہ ہو کر آیا ہوں دیانتدار ہوں

کوئی بات وحی سے کم یا زیادہ نہیں کرتا ہوں جو حکم ہوتا ہے پہنچاتا ہوں پس تم کو ماننا چاہئے۔

وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ

اور یہ بھی فرمایا کہ تم خدا سے سرکشی مت کرو

اور حق العباد کا حکم تھا اور یہاں حق اللہ کا حکم ہے۔

اِنِّیْۤ اٰتِیْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ۚ﴿۱۹﴾

میں تمہارے سامنے ایک واضح دلیل (اپنی نبوت کی) پیش کرتا ہوں

مراد اس سے عصا اور ید بیضا ہے جب فرعون اور اس کی قوم نے نہ مانا بلکہ آپس میں آپ کے قتل کا مشورہ ہوا اس وقت آپ نے سن کر فرمایا کہ میری ایذاء اور ضرر رسانی کے در پے مت ہو

وَاِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿۲۰﴾

اور میں اپنے پروردگار اور تمہارے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں اس سے کہ تم لوگ مجھ کو پتھر

وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِیْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿۲۱﴾

(یا غیر پتھر) سے قتل کرو اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو تم مجھ سے الگ ہی رہو۔

کیونکہ مجھ کو تو کوئی ضرر نہ ہوگا مجھ سے خدا کا وعدہ ہے کہ تم میرا کچھ نہ بنا سکو گے لیکن مجھ کو ایذا دینے سے تمہارا جرم اور زیادہ سخت ہو جائے گا اس لئے خیر خواہی سے کہتا ہوں کہ ایسا مت کرو مگر وہ کب باز آتے تھے۔

فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۲۲﴾

تب موسیٰ نے اپنے رب سے دعا کی کہ یہ بڑے سخت مجرم لوگ ہیں

کہ جرائم سے باز نہیں آتے تو ان کا فیصلہ کر دیجئے ارشاد ہوا کہ ہم نے تمہاری دعا قبول کی اور ان کے فیصلہ کا وقت آ گیا۔

فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ۙ﴿۲۳﴾

تو اب میرے بندوں کو تم رات ہی رات میں لے کر چلے جاؤ تم لوگوں کا تعاقب ہوگا

یعنی فرعون تمہارا پیچھا کرے گا اس لئے رات میں نکل جانے سے اتنی دور تو نکل جاؤ گے کہ وہ تعاقب کر کے تم کو پا نہ سکے

وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ؕ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۴﴾

اور تم اس دریا کو سکون کی حالت میں چھوڑ دینا ان کا سارا لشکر ڈبو دیا جاوے گا

یعنی اول دریا پر عصا مارنا کہ وہ خشک ہو کر رستہ دے دے گا پھر تم پار ہونے کے بعد جب اس کو اسی حالت پر دیکھو تو یہ فکر نہ کرنا کہ شاید فرعون بھی اسی طرح پار ہو جائے گا بلکہ تم بے فکر رہنا۔

یعنی تمہارے پار ہو جانے کے بعد دریا کے اسی حالت پر رہنے میں یہ حکمت ہے کہ فرعون اور اس کے ساتھ والے بھی اس میں آ گھسیں گے اور جب اس میں آ جاویں گے تو چاروں طرف سے پانی آ ملے گا چنانچہ اسی طرح واقع ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام پار ہو گئے اور فرعونی غرق ہوئے۔

كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ۙ﴿۲۵﴾ وَّزُرُوْعٍ

وہ لوگ کتنے ہی باغ اور چشمے (یعنی نہریں) اور کھیتیاں اور عمدہ مکانات اور

وَّمَقَامٍ كَرِیْمٍ ۙ﴿۲۶﴾ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِیْهَا

آرام کے سامان جس میں وہ خوش رہا کرتے تھے چھوڑ گئے (یہ قصہ)

فٰكِهِیْنَ ۙ﴿۲۷﴾ كَذٰلِكَ ۫ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ ﴿۲۸﴾

اسی طرح ہوا اور ہم نے ایک دوسری قوم کو ان کا مالک بنا دیا

حسن بصریؒ اس کے قائل ہیں کہ بنی اسرائیل فرعونیوں کے غرق ہونے کے بعد مصر میں آئے تھے اور قتادہؒ نے اس کا اس لئے انکار کیا کہ مشہور تواریخ اس کے خلاف ہیں اس صورت میں مالک بنانے کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ ان کو تصرف پر قادر کر دیا کہ وہ فرعونیوں کے سامان کو جو چاہتے کر سکتے تھے اور یہ واپسی ہی پر موقوف نہیں اور بعض نے حسنؒ کے قول کو اس لئے ترجیح دی ہے کہ وہ بظاہر قرآن کے موافق ہے اور کہا ہے کہ تواریخ کا اور یہود کی کتابوں کا کچھ اعتبار نہیں۔

فَمَا بَكَتْ عَلَیْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا

نہ تو ان پر آسمان و زمین کو رونا آیا اور نہ

كَانُوْا مُنْظَرِیْنَ ﴿۲۹﴾ ع

ان کو مہلت دی گئی

یعنی خدا کو ان سے نفرت تھی اس لئے آسمان و زمین کو بھی ان پر رونا نہ آیا اور خدا کا قہر و غضب ان پر بہت تھا اس لئے عذاب سے کچھ مہلت بھی نہ ملی ورنہ اگر کچھ دنوں اور جیتے تو جہنم کے عذاب سے اور بچے رہتے اور مومن کے واسطے آسمان و زمین کا رونا حدیث میں آیا ہے ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن جب مرتا ہے تو آسمان کا ایک دروازہ جس میں کو اس کا عمل اوپر جاتا تھا اور ایک دروازہ جس میں سے اس کا رزق نزول ہوتا تھا اس پر روتے ہیں اور آپ نے یہ آیت پڑھی اور روح میں بیہقی نے نقل کیا ہے کہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ زمین مومن کے مرنے پر چالیس دن تک روتی ہے اور ابن المنذر نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ جب مومن مرجاتا ہے تو زمین میں اس کی نماز پڑھنے کی

جگہ اور آسمان میں اس کے عمل جانے کی جگہ اس پر روتی ہے پس آیت میں تاویل کی ضرورت نہیں کیونکہ جب حقیقی معنی بن سکیں مجاز نہ لینا چاہیئے اور حقیقی معنی کے لئے کوئی امر مانع نہیں بلکہ روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے اور ان چیزوں میں بقدر ضرورت شعور ہونا ثابت ہے۔

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ مِنَ الْعَذَابِ

اور ہم نے بنی اسرائیل کو سخت ذلت کے عذاب یعنی فرعون (کے ظلم وستم)

الْمُهِينِ ﴿۳۰﴾ مِن فِرْعَوْنَ ۚ إِنَّهُۥ كَانَ عَالِيًا

سے نجات دی واقعی وہ بڑا سرکش (اور) (حد عبودیت) سے نکل جانے

مِّنَ الْمُسْرِفِينَ ﴿۳۱﴾ وَلَقَدِ اخْتَرْنَٰهُمْ عَلَىٰ

والوں میں سے تھا اور (اس کے علاوہ) ہم نے بنی اسرائیل کو اپنے علم کی رو

عِلْمٍ عَلَى الْعَٰلَمِينَ ﴿۳۲﴾

سے (بعض امور میں تمام دنیا جہان والوں پر فوقیت دی

مطلب یہ کہ ہمارے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے

وَءَاتَيْنَٰهُم مِّنَ الْءَايَٰتِ مَا فِيهِ بَلَٰٓؤٌا مُّبِينٌ ﴿۳۳﴾

اور ہم نے ان کو ایسی نشانیاں دیں جن میں صریح انعام تھا

یعنی نعمتیں بھی تھیں اور دلائل قدرت بھی۔

إِنَّ هَٰٓؤُلَآءِ لَيَقُولُونَ ﴿۳۴﴾ إِنْ هِيَ إِلَّا مَوْتَتُنَا

یہ لوگ کہتے ہیں کہ اخیر حالت بس یہی ہمارا دنیا

الْأُولَىٰ وَمَا نَحْنُ بِمُنشَرِينَ ﴿۳۵﴾

کا مرنا ہے اور ہم دوبارہ زندہ نہ ہوں گے

بلکہ دنیا کی موت ہی اخیر حالت ہے

فَأْتُوا بِـَٔابَآئِنَآ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ ﴿۳۶﴾

سو اے مسلمانو اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادوں کو زندہ کرا کے) لا موجود کرو

آگے ان کی ایسی کفریات پر دھمکی ہے

أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ

یہ لوگ (قوت وشوکت میں) زیادہ بڑھے ہوئے ہیں یا تبع (شاہ یمن) کی قوم

تبع شاہ یمن کا لقب ہوتا تھا جس تبع کا یہاں ذکر ہے اس کا نام اسعد تھا

وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ

اور جو قومیں ان سے پہلے ہو گزری ہیں

جیسے عاد ثمود وغیرہ

أَهْلَكْنَٰهُمْ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿۳۷﴾

ہم نے ان کو (بھی) ہلاک کر ڈالا وہ نافرمان تھے

سو یہ لوگ بھی اگر نافرمانی سے باز نہ آئے اسی طرح ہلاک ہوں گے

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا

اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے اس کو اس طور پر نہیں بنایا

لَٰعِبِينَ ﴿۳۸﴾ مَا خَلَقْنَٰهُمَآ إِلَّا بِالْحَقِّ

کہ ہم فعل عبث کرنے والے ہوں (بلکہ) ہم نے ان دونوں کو کسی حکمت ہی سے بنایا ہے

کہ ان سے اس کی قدرت کاملہ ظاہر ہوتی ہے

وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۹﴾

لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے

کہ وہ دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہیں

إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيقَٰتُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۴۰﴾

بے شک فیصلہ کا دن (یعنی قیامت کا دن) ان سب کا وقت مقرر ہے

جو اپنے موقع پر ضرور آوے گا

يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلًى عَن مَّوْلًى شَيْـًٔا وَلَا

جس دن کوئی علاقہ والا کسی علاقے والے کے ذرا کام نہ آوے گا اور نہ

هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۴۱﴾ إِلَّا مَن رَّحِمَ اللَّهُ ۚ

ان کی کچھ حمایت کی جاوے گی ہاں مگر جس پر اللہ رحم فرمائے

کہ رحمت سے اس کے حق میں اجازت کے بعد شفاعت کام آوے گی اور اللہ تعالیٰ اس کا مددگار ہوگا

إِنَّهُۥ هُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۴۲﴾

اور اللہ زبردست ہے مہربان ہے

کافروں سے انتقام لے گا اور مسلمانوں پر رحمت فرمادے گا اس میں سب واقعات غضب اور رحمت کے داخل ہو گئے اور یہ پانچواں مضمون ہے ربط اوپر واقعات قیامت کا اجمالی بیان تھا آگے ان کی کسی قدر تفصیل ہے ان شجرة الزقوم تا هو الفوز العظيم

إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿٤٣﴾

بیشک زقوم کا درخت بڑے مجرم (یعنی کافر) کا کھانا ہوگا

جس کی تحقیق سورۂ صفت میں گزر چکی ہے حکایت مفیدہ ایک مجلس میں احقر اور دو عالم جو اصل میں ہندی ہیں اور سکونت مکہ میں ہے مجمع کثیر کے ساتھ موجود تھے ایک شخص نے ان دونوں صاحبوں سے کہا کہ مکہ میں زقوم کا پھل کھایا جاتا ہے جس کو برشومی کہتے ہیں اور قرآن سے وہ جہنمیوں کا کھانا معلوم ہوتا ہے سو ایسی لذیذ چیز سے کیا وعید ہوئی میں نے کہا کہ قرآن شریف میں شجرة الزقوم (زقوم کا درخت) آیا ہے زقوم کا پھل نہیں آیا اور درخت نہیں کھایا جاتا اس جواب کو ان دونوں صاحبوں نے اور دوسرے اہل مجلس نے بہت پسند کیا اور اس جواب کی ضرورت اس وقت ہے جبکہ برشومی اسی زقوم کا پھل ہو جس کا ذکر قرآن میں ہے اور اگر کوئی دوسری قسم ہے تو سوال ہی واقع نہیں ہوتا۔

طَعَامُ الْاَثِيْمِ ﴿٤٤﴾ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي

جو (کریہہ صورت ہونے میں) تیل کی تلچھٹ جیسا ہوگا (اور) وہ

الْبُطُوْنِ ﴿٤٥﴾ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ﴿٤٦﴾ خُذُوْهُ

پیٹ میں ایسا کھولے گا جیسا تیز گرم پانی کھولتا ہے (اور فرشتوں کو حکم ہوگا

فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿٤٧﴾ ثُمَّ صُبُّوْا

کہ) اس کو پکڑو پھر گھسیٹتے ہوئے دوزخ کے بیچوں بیچ تک لے جاؤ پھر

فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ﴿٤٨﴾

اس کے سر کے اوپر تکلیف دینے والا گرم پانی چھوڑ دو لے چکھ تو بڑا معزز

ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ﴿٤٩﴾ اِنَّ هٰذَا

مکرم ہے یہ وہی چیز ہے جس میں تم شک کیا کرتے تھے بے شک خدا سے

مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ﴿٥٠﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ

ڈرنے والے امن (چین) کی جگہ میں ہوں گے باغوں میں اور نہروں

اَمِيْنٍ ﴿٥١﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿٥٢﴾ يَّلْبَسُوْنَ

میں (اور) وہ لباس پہنیں گے باریک اور دبیز ریشم کا آمنے سامنے بیٹھے

مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿٥٣﴾

ہوں گے (اور) یہ بات اسی طرح ہے اور ہم ان کا گوری گوری بڑی

كَذٰلِكَ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿٥٤﴾

بڑی آنکھوں والیوں سے بیاہ کریں گے

حوروں سے بیاہ ہونا یا تو متعارف طریقہ کے موافق ہو یا اس سے معنے لغوی مراد ہوں یعنی جوڑا ملا دینا تو جس طرح کسی کو باندی ہبہ کر دیا کرتے ہیں اسی طرح جنتیوں کو حوریں دے دی جائیں گی اور پہلی صورت پر شبہ نہ کیا جائے کہ جنت میں تو احکام کے مکلف نہ ہوں گے پھر نکاح کے کیا معنی جواب یہ ہے کہ اگر ایسا ہوگا تو طبیعت کی رغبت خود اسی کی طرف ہو جاوے گی کہ وہ لوگ خود ہی نکاح کرنا چاہیں گے اس صورت میں آزمائش اور تکلیف کے معنی باقی نہ رہیں گے ربط سورت میں مہتم بالشان مضامین بیان فرما کر ختم سورت میں اجمالاً بطور خلاصہ کے انہی کا اعادہ ہے اور کفار کا ان مضامین کو نہ ماننا چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رنج کا سبب تھا اس لئے تسلی کا مضمون بھی ارشاد ہے فانما يسرناه تا مرتقبون

يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ ﴿٥٥﴾ لَا

(اور) وہ وہاں اطمینان سے ہر قسم کے میوے منگاتے ہوں گے (اور) وہاں

يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ

بجز اس موت کے جو دنیا میں آ چکی تھی اور موت کا ذائقہ بھی نہ چکھیں گے

وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿٥٦﴾ فَضْلًا مِّنْ

(یعنی مرنے کے نہیں) اور اللہ تعالیٰ ان کو دوزخ سے بچالے گا یہ سب کچھ

رَّبِّكَ ۗ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٥٧﴾ فَاِنَّمَا

آپ کے رب کے فضل سے ہوگا بڑی کامیابی یہی ہے سو ہم نے اس قرآن کو

يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٥٨﴾

آپ کی زبان (عربی) میں آسان کر دیا ہے تاکہ یہ لوگ نصیحت قبول کریں تو

فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ﴿۵۹﴾ ع

(اگر یہ لوگ نہ مانیں تو) آپ منتظر رہیے یہ لوگ بھی منتظر ہیں

یعنی یہ لوگ آپ پر مصیبت نازل ہونے کے منتظر ہیں آپ ان پر مصیبت نازل ہونے کا انتظار کیجئے پس آپ تبلیغ سے زیادہ فکر میں نہ پڑیئے نہ ان کی مخالفت پر رنج کیجئے معاملہ خدا تعالیٰ کے سپرد کیجئے اور صبر کیجئے وہ خود سمجھ لے گا۔

سورة الجاثيه مكية و هي سبع او ست و ثلثون اٰية

ربط: سورۂ سابقہ کے ختم پر بطور خلاصہ کے اور اس سورت کے شروع میں بطور تمہید کے قرآن کا ذکر ہے جس میں دونوں میں باہمی مناسبت حاصل ہے۔ بسم الله الرحمن الرحيم حٰمٓ تا عذاب اليم

(۴۵) سُوْرَةُ الْجَاثِيَةِ مَكِّيَّةٌ (۶۵)

سورۂ جاثیہ مکے میں نازل ہوئی اور اس میں سینتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

حٰمٓ ﴿۱﴾ ج تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ

حٰمٓ یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے اللہ غالب حکمت والے

الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾

کی طرف سے

جب یہ ایسی کتاب ہے تو اس کے مضامین کو خوب غور سے سننا چاہئے چنانچہ اس مقام پر ایک مضمون توحید کا ہے جس کا بیان آگے ہے۔

اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾ ط

آسمانوں اور زمین میں اہل ایمان کے (استدلال کے) لئے بہت سے

وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ

دلائل ہیں اور (اسی طرح) خود تمہارے اور ان حیوانات کے پیدا کرنے میں

لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾ لا

جن کو زمین میں پھیلا رکھا ہے دلائل ہیں ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں

باوجودیکہ یہ سب دلائل عقلی ہیں جن کا سمجھنا ایمان و یقین پر موقوف نہیں پھر جو یہ فرمایا کہ ان میں اہل ایمان و اہل یقین کے لئے دلائل ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ان سے منتفع وہی لوگ ہوں گے جو اس وقت ایمان والے ہیں ان میں ایمان کی صلاحیت اور طلب ہے کیونکہ عقلی دلیل میں بھی نظر و فکر اور طلب حق کی ضرورت ہوتی ہے

وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ

اور (اسی طرح) یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے جانے میں اور اس

السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ

(مادہ) رزق میں جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اتارا

مراد بارش ہے

فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ

پھر اس (بارش) سے زمین کو تر و تازہ کیا اس کے خشک ہونے پیچھے اور (اسی

الرِّيٰحِ

طرح) ہواؤں کے بدلنے میں

باعتبار سمت اور کیفیت کے کہ کبھی پروا ہے کبھی پچھوا۔ کبھی گرم ہے کبھی سرد۔

اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۵﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ

دلائل ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل (سلیم) رکھتے ہیں اور یہ اللہ کی آیتیں

نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ج

ہیں جو صحیح صحیح طور پر ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں

جس سے نبوت ثابت ہوتی ہے لیکن باوجود اتنی بڑی دلیل معجزہ کے بھی اگر یہ لوگ نہیں مانتے (آگے ترجمہ)

فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾

تو پھر اس کی آیتوں کے بعد اور کون سی بات پر یہ لوگ ایمان لاویں گے

اور تیسرا مضمون معاد کا ہے جس میں ان مخالفین حق کو سزا بھی ہوگی جس کا بیان آگے ہے

وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ﴿۷﴾ لا

بڑی خرابی ہوگی ایسے شخص کے لئے جو جھوٹا ہو نافرمان ہو

یعنے عقائد کے متعلق باتوں میں جھوٹا اور اعمال میں نافرمان

يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا

جو خدا کی آیتوں کو سنتا ہے جب کہ وہ اس کے اوپر پڑھی جاتی ہیں (اور) پھر بھی وہ

كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٨﴾

تکبر کرتا ہوا (اپنے کفر پر) اس طرح اڑا رہتا ہے جیسے اس نے ان کو سنا ہی نہیں سو

وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْئًا اتَّخَذَهَا هُزُوًا ۗ

ایسے شخص کو ایک دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے اور جب وہ کسی آیت کی خبر پاتا

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿٩﴾

ہے تو اس کی ہنسی اڑاتا ہے ایسے لوگوں کے لئے آخرت میں ذلت کا عذاب ہے

مطلب یہ کہ جن آیتوں کو تلاوت میں سنتا ہے ان کو بھی جھٹلاتا ہے اور جن آیتوں کی ویسی ہی خبر سن لیتا ہے ان کو بھی جھٹلاتا ہے غرض آیتوں کی تکذیب میں بہت بڑھا ہوا ہے آگے اس عذاب کی تعیین ہے۔

مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا

ان کے آگے جہنم (آرہا) ہے اور (اس وقت) نہ تو ان کے وہ چیزیں ذرا

كَسَبُوْا شَيْئًا

کام آویں گی جو دنیا میں کما گئے تھے

اس میں مال و اعمال سب داخل ہیں۔

ربط: اوپر تین مضامین میں توحید کا بھی مضمون تھا آگے بیان نعمت کے ضمن میں پھر اسی کی طرف عود ہے۔ **اللہ الذی تا یتفکرون** ربط اوپر **ویل لکل افاک الخ** میں کفار کے جھوٹ اور نافرمانی اور تکبر وغیرہ کا ذکر تھا چونکہ ان کی ان شرارتوں پر مسلمانوں کو غصہ آ جایا کرتا تھا اس لئے آگے مسلمانوں کو درگزر کرنے کا حکم ہے اور ان کی تسلی کے لئے قیامت میں کفار سے انتقام لینے کا ذکر ہے **قل للذین اٰمنوا تا ترجعون**

وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ ۚ

اور نہ وہ جن کو انہوں نے اللہ کے سوا کارساز (اور معبود) بنا رکھا تھا اور ان

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١٠﴾ هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِيْنَ

کے لئے بڑا عذاب ہوگا یہ قرآن سراسر ہدایت ہے اور جو لوگ اپنے

كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ﴿١١﴾ ع

رب کی (ان) آیتوں کو نہیں مانتے ان کے لئے سختی کا دردناک عذاب ہوگا

اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے دریا کو مسخر بنایا تا کہ اس کے حکم سے اس

فِيْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ

میں کشتیاں چلیں اور تا کہ تم اس کی روزی تلاش کرو اور تا کہ تم شکر کرو اور

تَشْكُرُوْنَ ﴿١٢﴾ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ

(اسی طرح) جتنی چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جتنی چیزیں زمین میں ہیں

وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

ان سب کو اپنی طرف سے مسخر بنا دیا بے شک ان باتوں میں ان لوگوں کے

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿١٣﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ

لئے دلائل ہیں جو غور کرتے ہیں آپ ایمان والوں سے فرما دیجئے کہ ان

اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ

لوگوں سے درگزر کریں جو خدا کے معاملات کا یقین نہیں رکھتے

یعنی آخرت کے منکر ہیں • جس میں خدا کے دوستوں پر انعام اور دشمنوں کو سزا ہوگی۔

لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿١٤﴾ مَنْ عَمِلَ

تا کہ اللہ تعالیٰ ایک قوم کو (یعنی مسلمانوں کو) ان کے فعل کا صلہ دے جو شخص

صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۖ ثُمَّ

نیک کام کرتا ہے سو اپنے ذاتی نفع کے لئے اور جو شخص برا کام کرتا ہے اس کا

اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿١٥﴾

وبال اسی پر پڑتا ہے پھر تم کو اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جانا ہے

پس وہاں تم کو اخلاق و اعمال حسنہ کا نعم البدل اور ان تمہارے مخالفین کو برا بدل دیا جائے گا سو تم کو یہاں درگزر ہی مناسب ہے ربط اوپر تین مضامین میں نبوت کا بھی مضمون تھا آگے پھر اسی کی طرف رجوع ہے **ولقد اٰتینا تا یؤمنون**

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ

اور ہم نے بنی اسرائیل کو (کتاب آسمانی) اور حکمت (یعنی علم احکام) اور

وَالنُّبُوَّةَ

نبوت دی تھی

بنی اسرائیل کو نبوت دینا یہ ہے کہ ان میں انبیاء پیدا کئے خلاصہ یہ کہ نبوت کوئی انوکھی چیز نہیں جو اس کا انکار کیا جاوے۔

وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ

اور ہم نے ان کو نفیس نفیس چیزیں کھانے کو دی تھیں۔

اس طرح سے کہ وادی تیہ میں من وسلویٰ دیا پھر ان کو ملک شام کا مالک بنایا جو زمین کی برکتوں کا معدن ہے۔

وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۚ﴿۱۶﴾

اور ہم نے ان کو دنیا جہان والوں پر فوقیت دی

جیسے دریا کو ان کے لئے پھاڑ دیا اور ان پر بادلوں کا سایہ کیا وغیرہ

وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ

اور ہم نے ان کو دین کے بارہ میں کھلی کھلی دلیلیں دیں

یعنی ان کو بڑے صریح معجزات دکھلائے غرض ظاہری اور باطنی اور علمی سب طرح کی نعمتیں ان کو دیں جن کا مقتضا یہ تھا کہ وہ خوب اطاعت کرتے

فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ

سو انہوں نے علم ہی کے آنے کے بعد باہم اختلاف کیا

الْعِلْمُ ۙ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ

بوجہ آپس کی ضدا ضدی کے

یعنی جو چیز اختلاف کو زائل کرنے والی تھی (یعنی علم) انہوں نے اس کو محض نفسانفسی سے اختلاف کا سبب بنالیا یہ نہیں کہ دلائل واحکام میں ان کو کچھ شک وشبہ تھا

اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا

آپ کا رب ان کے آپس میں قیامت کے روز ان امور میں (عملی) فیصلہ

كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۷﴾

کرے گا جن میں یہ باہم اختلاف کیا کرتے تھے

اس مضمون سے دو باتیں حاصل ہوئیں ایک بنی اسرائیل کو کتاب اور احکام اور نبوت ملنے سے آپ کی نبوت کی تائید دوسرے آپ کو تسلی دی گئی کہ جو وجہ اختلاف کی بنی اسرائیل کو پیش آئی تھی وہی وجہ آپ کی قوم کو آپ سے اختلاف کرنے میں پیش آئی یعنی حب دنیا اور حسد اور نفسانیت یہ نہیں کہ آپ کے دلائل یا احکام کے واضح ہونے میں کچھ کمی ہے پس آپ غم نہ کریں یہ قصہ یاد کیا کریں کہ بنی اسرائیل کے کیا کیا واقعات ہوئے۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰي شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا

پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقہ پر کر دیا سو آپ

وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾

اسی طریقہ پر چلے جایئے اور ان جہلاء کی خواہشوں پر نہ چلئے

کہ ان کی خواہش تو یہ ہے کہ آپ احکام بیان کرنا چھوڑ دیں اور اسی لئے یہ طرح طرح سے پریشان کرتے ہیں سو آپ سے اگرچہ یہ احتمال نہیں مگر اہتمام اور تاکید کے طور پر آپ کو پھر اس کا حکم ہوتا ہے

اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْــــًٔا ۭ

یہ لوگ خدا کے مقابلہ میں آپ کے ذرا کام نہیں آ سکتے

پس ان کا اتباع نہ ہونے پاوے

وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۚ

اور ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں اور اللہ دوست ہے اہل

وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹﴾ هٰذَا بَصَاۗىِٕرُ لِلنَّاسِ

تقویٰ کا یہ قرآن عام لوگوں کے لئے دانشمندیوں کا سبب اور ہدایت کا ذریعہ

وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۲۰﴾

ہے اور یقین (یعنی ایمان) لانے والوں کے لئے بڑی رحمت کا (سبب)

اور اہل تقویٰ اس کا کہنا مانا کرتے ہیں سو جب آپ ظالم نہیں ہیں بلکہ متقیوں کے سردار ہیں تو آپ کو ان کے اتباع سے کیا نسبت البتہ حکم الٰہی کے اتباع سے آپ کو خاص مناسبت ہے۔

اور ظاہر ہے کہ قرآن سے علم اور ہدایت کا فیض تو عام ہے کہ وہ سب کو حق کا رستہ بتلاتا ہے لیکن رحمت جو کہ عمل کا نتیجہ ہے وہ صرف ایمان والوں کے لئے خاص ہے۔

ربط: اوپر تین مضامین میں آخرت کا بھی ذکر تھا آگے پھر اسی کی طرف عود ہے جس میں اول آخرت کی حکمت بتلاتے ہیں پھر اس کا ممکن ہونا مع دوسری حکمت کے پھر اس کے منکرین کی مذمت پھر ان کے قول کی ایک حکایت پھر اس کا جواب پھر اس جواب کی تائید پھر قیامت کے بعض واقعات مذکور ہیں ام حسب تا مایحکمون

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ

اور یہ لوگ جو برے برے کام کرتے ہیں کیا یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کو

نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۙ

ان لوگوں کے برابر رکھیں گے جنہوں نے ایمان اور عمل صالح اختیار کیا کہ

سَوَاءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۚ

ان سب کا جینا اور مرنا یکساں ہو جاوے

یعنی مسلمان کا مرنا جینا تو اس طرح برابر ہو جاوے کہ جیسے زندگی میں انہوں نے لذات سے فائدہ نہیں اٹھایا اسی طرح مرنے کے بعد بھی محروم رہیں اور کافروں کا مرنا جینا اس طرح برابر ہو جاوے کہ جیسے زندگی میں وہ عذاب سے بچے رہے اسی طرح مرنے کے بعد بھی اس سے مامون رہیں۔ خلاصہ یہ کہ قیامت کے انکار سے یہ لازم آتا ہے کہ اطاعت کرنے والوں کو اطاعت کا ثمرہ کہیں نہ ملے اور سرکشوں پر سرکشی کا زیان کبھی نہ پڑے اور یہ بات فی نفسہ اگرچہ ممکن ہے مگر چونکہ دلائل شرعیہ سے یہ ثابت ہے کہ حکمت کا مقتضا یہ ہے کہ ہر ایک کو اپنے اعمال کے مناسب ثمرہ ملے لہذا اس حکمت کا واقع ہونا ضروری ہو گیا اور دنیا میں اس کا وقوع ہوا نہیں پس لامحالہ آخرت کا موجود ہونا ضروری ہو گیا

سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿٢١﴾ ع

یہ برا حکم لگاتے ہو

کیونکہ صحیح دلائل سے اس کا باطل ہونا ثابت ہو چکا ہے پس آخرت کے وجود میں یہ حکمت ہوئی کہ ہر ایک کو اس کے اعمال کے ثمرات مل جاویں وخلق تا لایظلمون

وَخَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ

اور اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا

جس میں ایک حکمت یہ ہے کہ ان کے پیدا کرنے پر خدا کی قدرت دیکھ کر قیامت میں دوبارہ زندہ کرنے پر اس کا قادر ہونا سمجھا جائے۔

وَلِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ

اور تاکہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جاوے

اور دنیا میں پورا بدلہ ملتا نہیں پس ضرور آخرت ہونے والی ہے وہاں بدلہ ملے گا اور اوپر کی آیۃ میں جو حکمت مذکور ہے اور جو حکمت اس آیت میں مذکور ہے اصل حاصل دونوں کا ایک ہے یعنی اطاعت کرنے والوں کو اطاعت کا بدلہ ملنا اور مخالفین کو مخالفت کی سزا ملنا لیکن اس آیت میں تو صرف یہ بتلایا گیا ہے کہ عمل فی نفسہ جزا کو چاہتا ہے اور اطاعت اور مخالفت یہ دونوں عمل برابر نہیں ہیں اس لئے ہر ایک کی جزا الگ الگ ہونی چاہئے اور پہلی آیت میں اتنی بات زیادہ ہے کہ قیامت واقع نہ ہونے کی صورت میں یہ لازم آتا ہے کہ نیک کام کرنے والے اور برے کام کرنے والے برابر ہو جائیں اور یہ طبعاً خود ایک مستقل خرابی ہے چنانچہ عادۃً دیکھا جاتا ہے کہ اگر کسی کے پاس ایک ہی نوکر ہو اور وہ ہر طرح سے اطاعت کرتا ہو مگر اس کو کوئی انعام نہ دیا جائے تو اس کو اس قدر شکایت نہیں ہوتی جیسے اس صورت میں ہوتی ہے کہ ایک دوسرا شریر نوکر آجاوے اور وہ طرح طرح کی شرارتیں کرے اور اس کو شرارت پر بھی کوئی سزا نہ دی جائے اس وقت تابعدار نوکر کے دل میں خیال ہوگا کہ میرے اطاعت کرنے سے کیا فائدہ ہوا اگر اس شریر کو سزا ملتی تو میں یہی سمجھتا کہ خیر اطاعت میں اگر انعام نہیں تو یہی فائدہ سہی کہ سزا سے حفاظت رہتی ہے اور جبکہ اس کو سزا بھی نہیں تو میری اطاعت بیکار ہی ہوگئی خوب سمجھ لو افرأیت من اتخذ تا افلاتذکرون

وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٢﴾ أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ

اور ان پر ذرا ظلم نہ کیا جاوے گا سو کیا آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی

إِلَٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ

جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے

کہ علم اور عمل کے اعتبار سے جو جی میں آتا ہے اس کا اتباع کرتا ہے

وَّخَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ
اور خدا تعالیٰ نے اس کو باوجود سمجھ بوجھ کے گمراہ کر دیا ہے

کہ حق کو سنا اور سمجھا بھی مگر اتباع نہ ہونے سے گمراہ ہو گیا

وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ
اور خدا تعالیٰ نے اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے

کہ خواہش نفسانی کے اتباع کی بدولت حق بات قبول کرنے کی استعداد نہایت کمزور ہو گئی۔

فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ
اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے سو ایسے شخص کو بعد خدا کے (گمراہ کر دینے کے) کون ہدایت کرے

اس میں حضورؐ کو تسلی بھی ہے آگے ان منکروں کو دھمکی کے طور پر خطاب ہے

اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾
کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے

یعنی ایسا سمجھنا جو کہ نافع ہو گو عام طور پر تو وہ سمجھتے ہی تھے۔

وَقَالُوْا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ
اور (بعثت کے منکر) یوں کہتے ہیں کہ بجز ہماری اس دنیوی حیات کے اور کوئی حیات نہیں
وَنَحْیَا وَمَا یُهْلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ
ہے، ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم کو صرف زمانہ (کی گردش) سے موت آجاتی ہے

وقالوا تا لایعلمون مطلب یہ کہ زمانہ گزرنے سے بدن کی قوتیں تحلیل ہو جاتی ہیں اس وجہ سے موت آجاتی ہے اسی طرح حیات کا سبب بھی طبعی اسباب ہیں تو جب موت وحیات کا مدار طبعی اسباب پر ہے اور دوسری زندگی کو طبعی اسباب مقتضی نہیں تو دوسری حیات نہ ہو گی اور کفار کے اس قول سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ خدا کے منکر ہوں لیکن فلاسفہ یونان کی طرح وہ اسباب طبعیہ کو فاعل اور موثر مانتے تھے آگے حق تعالیٰ ان کی جہالت ظاہر کرتے ہیں۔

وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ ﴿۲۴﴾
اور ان لوگوں کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں محض اٹکل سے ہانک رہے ہیں

یعنی حیات آخرت کے انکار پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں اور جو دلیل ذکر کی ہے وہ خود دلیل کی محتاج ہے کیونکہ وہ بدیہی تو ہے نہیں جس کو بے دلیل مان لیا جائے بلکہ اس کے خلاف پر دلیل قائم ہے چنانچہ علم کلام میں ثابت ہو چکا ہے کہ حق تعالیٰ فاعل مختار ہیں اور افعال طبعیہ پر کسی چیز کا مدار نہیں پس نہ تو ان کے پاس کوئی دلیل ہے اور نہ اہل حق کی دلیل کا وہ کچھ جواب دے سکتے ہیں۔

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ
اور جس وقت (اس بارہ میں) ان کے سامنے ہماری کھلی کھلی آیتیں پڑھی جاتی ہیں

جس کے صحیح ہونے پر خود قرآن کا اعجاز ہی دلیل ہے جو کہ اس کی ذاتی صفت ہے۔

مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا
تو ان کا (اس پر) بجز اس کے اور کوئی جواب نہیں ہوتا کہ کہتے ہیں کہ ہمارے
بِاٰبَآئِنَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۵﴾
باپ دادوں کو (زندہ کر کے) سامنے لے آؤ اگر تم سچے ہو

اور اس کے سوا کوئی اور جواب نہیں دے سکتے مثلاً کسی عقلی دلیل سے قیامت کا محال ہونا ثابت کر دیتے یا قرآن کا مثل لے آتے تا کہ اس کے اعجاز کا جواب ہو جاتا مگر ان میں سے تو کوئی جواب نہ بن پڑا اور جو جواب دیا وہ محض نامعقول کیونکہ دنیا میں مردوں کے زندہ نہ ہونے سے یہ کیونکر لازم آ گیا کہ وہ کسی وقت بھی زندہ نہ ہو سکیں گے چنانچہ آگے اسی جواب کے لئے حضورؐ کو ارشاد ہے۔

قُلِ اللّٰهُ یُحْیِیْكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یَجْمَعُكُمْ
آپ یوں کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو زندہ رکھتا ہے پھر (جب چاہے گا) تم کو موت
اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَا رَیْبَ فِیْهِ
دے گا پھر قیامت کے دن جس (کے وقوع) میں ذرا شک نہیں تم کو جمع کرے گا

پس دعویٰ قیامت میں زندہ کرنے کا ہے اور دنیا میں زندہ نہ کرنے سے اس کی نفی لازم نہیں آتی۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ ع
لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے

کہ نہ خود کوئی دلیل قائم کرتے ہیں نہ مخالف کی دلیل کا جواب دیتے ہیں خواہ مخواہ حق کا انکار کرتے ہیں و اللہ ملک السمٰوٰت تا لاھم یستعتبون

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ

اور اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں میں (اور زمین میں)

پس وہ جو چاہے تصرف کرے ہر چیز پر قادر ہے آگے قیامت کے واقعات کا ذکر ہے

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَىِٕذٍ يَّخْسَرُ

اور جس روز قیامت قائم ہوگی اس روز بل باطل خسارہ میں پڑیں گے اور (اس

الْمُبْطِلُوْنَ ۲۷ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۣقف

روز) آپ ہر فرقہ کو دیکھیں گے کہ (مارے خوف کے) زانو کے بل گر پڑیں گے

اگر یہ آیت سب کے لئے عام ہو تو اس سے بظاہر مقبول بندوں کے لئے بھی قیامت کا ہول ثابت ہوتا ہے لیکن ممکن ہے کہ ان کے لئے یہ حالت بہت تھوڑی دیر کے لئے ہو اسی لئے قابل اعتبار نہ ہو پس جن آیتوں میں نیک بندوں کے لئے قیامت میں خوف نہ ہونا مذکور ہے ان سے تعارض نہ ہوگا اور اگر دوسرے مفسرین کی طرح اس کے معنی یہ کہے جاویں کہ حساب کے وقت ادب کی وجہ سے دو زانو بیٹھے ہوں گے تو پھر کچھ اشکال ہی نہیں رہتا اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ آیت سب کے لئے عام نہ ہو صرف کفار و فساق کے لئے ہو۔

كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ

ہر فرقہ اپنے نامہ اعمال (کے حساب) کی طرف بلایا جاوے گا آج تم کو

مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۲۸ ھٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ

تمہارے کئے کا بدلہ ملے گا (اور کہا جاوے گا کہ) یہ (نامہ اعمال) ہمارا دفتر

عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ

ہے جو تمہارے مقابلہ میں ٹھیک ٹھیک بول رہا ہے

یعنی تمہارے اعمال کو ٹھیک ٹھیک ظاہر کر رہا ہے۔

اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۲۹ فَاَمَّا

اور ہم (دنیا میں) تمہارے اعمال کو (فرشتوں سے) لکھواتے جاتے تھے سو

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ

جو لوگ ایمان لائے تھے اور انہوں نے اچھے کام کئے تھے (ان کو) ان کا رب

رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۳۰

اپنی رحمت میں داخل کرے گا اور یہ صریح کامیابی ہے اور جو لوگ کافر تھے

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۣقف اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ

(ان سے کہا جاوے گا) کیا میری آیتیں تم کو پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں سو

تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا

تم نے (ان کو قبول کرنے سے) تکبر کیا تھا اور تم (اس وجہ سے) بڑے مجرم

مُّجْرِمِيْنَ ۳۱ وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ

تھے اور جب (تم سے) کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ حق ہے اور قیامت میں

وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ

کوئی شک نہیں ہے تو تم کہا کرتے تھے کہ ہم نہیں جانتے قیامت کیا چیز ہے

مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ

محض ایک خیال سا تو ہم کو بھی ہوتا ہے اور ہم کو یقین نہیں اور (اس وقت)

بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ۳۲ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا

ان کو اپنے تمام برے اعمال ظاہر ہو جاویں گے اور جس (عذاب) کے

وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۳۳

ساتھ وہ استہزاء کیا کرتے تھے وہ ان کو آ گھیرے گا اور (ان سے) کہا

وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ

جاوے گا کہ آج ہم تم کو بھلائے دیتے ہیں

یعنی رحمت سے دور کئے دیتے ہیں جس کو بھلانا مجازاً کہہ دیا۔

كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰكُمُ

جیسا تم نے اپنے اس دن کے آنے کو بھلا رکھا تھا اور (آج) تمہارا

النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ ذٰلِكُمْ

ٹھکانہ جہنم ہے اور کوئی تمہارا مددگار نہیں یہ سزا اس وجہ سے ہے کہ تم نے

بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ

خدائے تعالیٰ کی آیتوں کی ہنسی اڑائی تھی اور تم کو دنیوی زندگی نے

الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ج

دھوکے میں ڈال رکھا تھا

کہ اس میں مشغول ہو کر آخرت سے بالکل غافل بلکہ منکر ہو گئے تھے

فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۳۵﴾

سو آج نہ تو یہ لوگ دوزخ سے نکالے جاویں گے اور نہ ان سے (خدا کی خفگی کا تدارک چاہا جاوے گا

یعنی اس کا موقع نہ دیا جائے گا کہ توبہ کر کے خدا کو راضی کر لیں ربط اوپر سورت کے مضامین میں توحید سے خدا تعالیٰ کی عظمت و عزت اور نبوت سے رحمت و حکمت اور قیامت کے ذکر سے لطف و ہیبت ضمناً معلوم ہو چکی ہے آگے خاتمہ میں اس مضمون کو صراحۃً بیان فرماتے ہیں۔ فللہ الحمد تا ھو العزیز الحکیم

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ

سو تمام خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے آسمانوں کا

الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۶﴾

اور پروردگار ہے زمین کا پروردگار تمام عالم کا

یعنی اوپر کے مضامین سن لینے کے بعد حق تعالیٰ کی یہ صفات خود بخود سمجھ میں آ گئی ہوں گی چنانچہ زمین و آسمان اور تمام عالم کا پروردگار ہونے سے اس کی رحمت معلوم ہوئی کیونکہ پیدا کرنا اور باقی رکھنا یہ اصل رحمت ہے۔

وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ص

اور اسی کو بڑائی ہے آسمانوں اور زمین میں

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۷﴾ ع

اور وہی زبردست حکمت والا ہے

اس سے باقی صفات کا معلوم ہونا ظاہر ہے۔

الحمدللہ پچیسویں پارہ کی تفسیر ختم ہوئی

سورة الاحقاف مكية وأيها اربع او خمس و ثلثون كذافي البيضاوی

ربط: پچھلی سورت میں اور اس میں توحید اور آخرت کا بیان مشترک ہے پس دونوں میں مناسبت ظاہر ہے مگر پہلی سورت میں آخرت کا بیان تفصیلی اور توحید کا اجمالی تھا اور اس میں اس کے برعکس ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حٰمٓ اس کے معنے اللہ کو معلوم ہیں تنزيل الكتاب تا كفرين

(۴۶) سُوْرَةُ الْاَحْقَافِ مَكِّيَّةٌ (۶۶)

سورۂ احقاف مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں پینتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

حٰمٓ ۝۱ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ

حٰمٓ یہ کتاب اللہ زبردست حکمت والے کی طرف سے

الْحَكِيْمِ ۝۲

بھیجی گئی ہے

پس اس کے مضامین غور کے قابل ہیں آگے توحید اور آخرت کا بیان ہے۔

مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ

ہم نے آسمان و زمین اور ان چیزوں کو جو ان کے درمیان میں ہیں حکمت

اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ

کے ساتھ ایک میعاد معین (تک) کے لئے پیدا کیا ہے

حکمت یہ ہے کہ ان سے توحید پر اور جزا و سزا ہونے پر دلالت ہوتی ہے جس کی تقریر بارہا گزر چکی ہے اور وہ میعاد قیامت ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ۝۳

اور جو لوگ کافر ہیں ان کو جس چیز سے ڈرایا جاتا ہے اور وہ اس سے بے رخی کرتے ہیں

یعنی جب ان سے یہ کہا جائے کہ توحید کے انکار پر تم کو قیامت میں عذاب ہوگا تو اس سے بے التفاتی کرتے ہیں اور توحید کو قبول نہیں کرتے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

آپ کہیے کہ یہ تو بتاؤ جن چیزوں کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو

ان کے معبود ہونے کی کیا دلیل ہے اگر کوئی عقلی دلیل ہے تو بیان کرو

اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ

مجھ کو یہ دکھلاؤ کہ انہوں نے کونسی زمین پیدا کی ہے یا ان کا آسمان) کے پیدا

شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ؕ

کرنے) میں کچھ ساجھا ہے

اور ظاہر ہے کہ تم بھی ان کو خالق نہیں مانتے جو کہ معبود کی شان کے خلاف ہے پس تمہارے پاس عقلی دلیل تو کوئی نہیں بلکہ خود ان کے معبود نہ ہونے پر عقلی دلیل قائم ہوگئی اور اگر تمہارے پاس کوئی نقلی دلیل ہے تو اس کو پیش کرو۔

اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ

میرے پاس کوئی (صحیح) کتاب لاؤ

جس میں شرک کا حکم ہو۔

مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ

جو اس (قرآن) سے پہلے کی ہو

کیونکہ قرآن میں شرک کا باطل ہونا تم بھی جانتے تو کسی اور ہی کتاب کی ضرورت ہوگی۔

اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ

یا اگر وہ کتاب نہ ہو تو) کوئی اور (معتبر) مضمون منقول لاؤ

جو زبانی نقل ہوتا چلا آتا ہو اور کتاب میں لکھا ہوا نہ ہو کیونکہ نقلی دلیل کے لئے ضروری ہے کہ اس کی اصل جہاں سے وہ منقول ہو رہا ہے صحیح اور قابل تصدیق ہو خواہ وہ اصل کسی نبی کی کتاب ہو یا ان کا زبانی قول ہو جس کی صحیح سند موجود ہو۔

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۴

اگر تم سچے ہو

اور ظاہر ہے کہ ایسی دلیل کوئی پیش نہیں کر سکا مگر اپنی غلطی سے پھر بھی باز نہ آئے آگے ایسے شخص کی نسبت ارشاد ہے۔

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اور اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہو گا جو خدا کو چھوڑ کر

مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

ایسے معبود کو پکارے جو قیامت تک بھی اس کا کہنا نہ کرے

کیونکہ بتوں میں تو سننے ہی کی قابلیت نہیں اور جو معبود جاندار ہیں ان میں کامل قدرت نہیں اور فرشتے وغیرہ ان کے افعال سے راضی نہیں تو جو شخص دلیل سے عاجز ہو کر بلکہ شرک کے باطل ہونے پر دلیل سن کر بھی اس سے باز نہ آوے اس سے بڑھ کر گمراہ کوئی نہیں۔

وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۵﴾

اور ان کو ان کے پکارنے تک کی بھی خبر نہ ہو

کیونکہ بے جان معبودوں میں تو سننے ہی کی قوت نہیں اور جانداروں کو بھی ویسی خبر نہیں جیسی کفار کے اعتقاد میں ہے کہ وہ ہمیشہ سنتے ہیں اور ضرور سنتے ہیں اور ان سے ان کو فائدہ پہنچے گا سو یہ کچھ بھی نہیں۔

وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا

اور پھر جب (قیامت) میں سب آدمی جمع کیے جاویں تو وہ (معبود) ان کے

بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۶﴾

دشمن ہو جاویں اور ان کی عبادت ہی کا انکار کر بیٹھیں

جیسا کہ سورہ یونس میں ہے قال شرکاؤ ھم ما کنتم ایانا تعبدون ان کے معبود کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہ کرتے تھے پس ایسے معبودوں کی عبادت کرنا اس سے بڑھ کر کیا غلطی ہو سکتی ہے کہ ان کی عبادت کی صحیح وجہ ایک بھی نہیں اور ان کے معبود نہ ہونے پر دلائل بہت سے موجود ہیں۔ ربط اوپر توحید اور آخرت کا ثبوت تھا آگے نبوت کا مضمون ہے۔ واذا تتلیٰ تا الظلمین

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ

اور جب ہماری کھلی کھلی آیتیں ان لوگوں کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو یہ منکر

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ هٰذَا

لوگ اس سچی بات کی نسبت جبکہ وہ ان تک پہنچتی ہے یوں کہتے ہیں کہ یہ

سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷﴾

صریح جادو ہے

حالانکہ جادو کا مقابلہ اور جواب ہو سکتا ہے پس قرآن کے مقابلہ کا محال ہونا اس قول کے غلط ہونے کی صریح دلیل ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ

کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے اس کو اپنی طرف سے بنالیا ہے آپ کہہ دیجئے کہ

فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ

اگر میں نے اس کو اپنی طرف سے بنایا ہوگا تو پھر تم لوگ مجھ کو خدا سے ذرا بھی نہیں بچا سکتے

کیونکہ خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ وہ اپنے بندوں کو دھوکہ سے پوری طرح بچاتا ہے تو اگر میں نے یہ قرآن اپنے آپ بنا کر خدا کے ذمہ لگایا ہوگا تو وہ مجھ کو نبوت کے جھوٹے دعویٰ پر جلدی ہلاک کر دے گا اور نبوت کے جھوٹے دعویٰ پر سزا ہونا ایسی ضروری ہے کہ میرا کوئی حامی و مددگار بھی اس کو ہٹا نہیں سکتا سو اب دیکھ لو میں نبوت کا دعویٰ کر رہا ہوں اور زندگی بھر کرتا رہوں گا اور اب تک بھی خدا کے قہر سے محفوظ ہوں اور آئندہ بھی بچا رہوں گا معلوم ہوا کہ میرا دعویٰ غلط نہیں اور یہ قرآن خدا کا کلام ہے اور حق تعالیٰ میرے ہاتھ سے معجزے بھی ظاہر فرما رہے ہیں جس سے خود شبہ ہو سکتا ہے کیونکہ جھوٹے مدعی نبوت کے ہاتھ پر حق تعالیٰ معجزے ظاہر نہیں فرمایا کرتے۔

هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ كَفٰى

وہ خوب جانتا ہے تم قرآن میں جو جو باتیں بنا رہے

بِهٖ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ

ہو میرے اور تمہارے درمیان میں وہ کافی گواہ ہے

یعنی حق تعالیٰ کو میرا اور تمہارا سچا اور جھوٹا ہونا خوب معلوم ہے وہ خود فیصلہ کر دے گا اگر میں جھوٹا ہوں گا تو مجھ کو جلدی ہلاک کر دے گا اور اگر تم جھوٹے ہو گے تو تم کو سزا دے گا خواہ دنیا میں یا آخرت میں اور یہ نہ سمجھا جاوے کہ مسئلہ نبوت کا مدار اسی مضمون پر ہے بلکہ اصلی مدار تو معجزہ ظاہر کرنے پر ہے جو کہ ہو چکا تھا یہ تو صرف ان کی ہٹ دھرمی کا آخری جواب ہے اور اگر کفار کو یہ شبہ ہو کہ جس طرح نبوت کے مدعی پر عذاب نہ آنا اس کی حقانیت کی دلیل ہے اسی طرح ہم منکروں پر عذاب نہ آنا ہمارے سچے ہونے کی دلیل ہو سکتی ہے تو آگے اس کا جواب ہے۔

وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۸﴾

اور وہ بڑی مغفرت والا رحمت والا ہے

پس ایک قسم کی مغفرت ورحمت کفار پر بھی ہوتی ہے کہ دنیا میں بعض دفعہ ان کو عذاب نہیں ہوتا پس کفر وانکار پر دنیا میں عذاب نہ ہونا ان کے سچے ہونے کی دلیل نہیں ہے اور یہ احتمال نبوت کے مدعی میں نہیں ہوسکتا کیونکہ نبوت کے جھوٹے دعوے پر دنیا میں عذاب نازل ہونا عادتاً لازم ہے اور مقصد اس کا یہ ہے کہ حق اور باطل کی تحقیق کا اخیر ذریعہ نبوت ہے اور جس پر حق اور باطل کی پہچان کا اخیر دارومدار ہو اس کو نہایت واضح ہونا چاہئے اس لئے نبوت میں ذرا سے دھوکہ کو بھی گوارا نہیں کیا گیا اس کے جھوٹے دعویٰ پر عذاب نازل ہوجاتا ہے اور جب عذاب نہ آنے سے نبوت میں دھوکہ نہ رہا تو پھر کفار کی حالت میں بھی دھوکہ نہیں رہ سکتا کیونکہ دو مخالف باتوں میں سے ایک کے سچے ہوجانے سے دوسرے کا جھوٹا ہونا خود لازم آجاوے گا اس لئے کفار کے انکار پر عذاب نازل ہونا لازم نہیں ہوا بلکہ اکثر ڈھیل دینے کے لئے ان پر جلدی عذاب نہیں بھیجا جاتا آگے پھر نبوت کی تاکید ہے۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ

آپ کہہ دیجئے کوئی میں انوکھا رسول تو ہوں نہیں

کہ انوکھا ہونے سے تعجب کیا جائے کیونکہ مجھ سے پہلے بہت سے پیغمبر گزر چکے ہیں جن کی صدہا خبریں تم نے بھی سنی ہیں۔

وَمَآ أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ ط

اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا

یعنی میں کسی عجیب بات کا بھی دعویٰ نہیں کرتا جیسے علم غیب کا دعویٰ چنانچہ میں خود کہتا ہوں کہ سوا ان غیبی باتوں کے جو وحی سے مجھ کو معلوم ہوتی ہیں اور مجھے کسی بات کی بھی خبر نہیں حتیٰ کہ خود اپنے اور تمہارے حالات بھی آئندہ کے میں نہیں جانتا حالانکہ ان حالات سے تعلق بھی بہت زیادہ ہے تو جو اور غیبی باتیں دور کی ہیں ان کی نسبت تو میں کیا دعویٰ کرتا البتہ جن باتوں کا علم وحی سے ہوگیا ہے خواہ وہ اپنے متعلق ہوں یا غیروں کے اور دنیا کے متعلق ہوں یا آخرت کے ان کا علم بے شک کامل ہے۔

إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ وَمَآ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ

اور (نہ یہ معلوم کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا) میں تو صرف اسی کا اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کے ذریعہ آتا ہے اور میں تو صاف صاف

مُّبِينٌ ﴿۹﴾

ڈرانے والا ہوں

پس اگر تم اس کو نہیں مانتے تو میرا کوئی نقصان نہیں۔

قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَكَفَرْتُمْ

آپ کہہ دیجئے کہ تم مجھ کو یہ بتاؤ کہ اگر یہ قرآن منجانب اللہ ہو اور تم اس کے

بِهِ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ

منکر ہو اور بنی اسرائیل میں سے کوئی گواہ اس جیسی کتاب پر گواہی دے کر

عَلَىٰ مِثْلِهِ فَآمَنَ

ایمان لے آوے

تو تم سے زیادہ بے انصاف کون ہوگا کہ وہ تو عالم ہو کر اس کتاب پر ایمان لاویں اور تم باوجود بے علم ہونے کے اس سے عار کرتے ہو خلاصہ یہ کہ اول تو میں دلائل قائم کرکے اور شبہات کا جواب دے کر ثابت کرچکا ہوں کہ یہ کتاب میری گھڑی ہوئی نہیں پھر اگر اس کی تائید کسی معتبر اسرائیلی عالم کی زبانی ہوجاوے جو دیانت اور علم میں مسلم ہو خواہ ایک ہو یا کئی ہوں اور وہ اس کی منجانب اللہ ہونا تسلیم کرلیں تب تو تم کو اپنی فکر کرنا چاہئے اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ نبوت کا ثابت ہونا اس گواہی پر موقوف ہے بلکہ زیادہ تاکید کے لئے اس کو بڑھا دیا ہے اور اس آیت میں گواہ سے مراد کوئی خاص شخص نہیں بلکہ بنی اسرائیل کے تمام معتبر علماء کو شامل ہے خواہ وہ اس آیت سے پہلے ایمان لائے ہوں یا بعد میں اور بعض روایات سے جو اس آیت کے عبداللہ بن سلام کے بارہ میں نازل ہونا آیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بھی اس میں داخل ہیں پس یہ آیت خواہ مکی ہو خواہ مدنی اب اس پر کوئی اشکال نہیں۔

وَاسْتَكْبَرْتُمْ ط إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّٰلِمِينَ ﴿۱۰﴾ ع

اور تم تکبر ہی میں رہو بے شک اللہ تعالیٰ بے انصاف لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا

بلکہ ہمیشہ گمراہی میں رہتے ہیں اور گمراہی کا انجام دوزخ ہے

ربط: اوپر نبوت کی تحقیق میں جو مضامین مذکور تھے آگے ان میں سے بعض کا اجمالی اور بعض کا تفصیلی بیان ہے جس سے پہلے مضامین کی تاکید ہوجائے گی۔ وقال تا للمحسنین۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا

اور یہ کافر ایمان والوں کی نسبت یوں کہتے ہیں کہ اگر یہ قرآن

جس پر یہ لوگ ایمان لائے ہیں۔

لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ۭ وَاِذْ لَمْ

کوئی اچھی چیز ہوتا تو یہ لوگ اس کی طرف ہم سے سبقت نہ کر سکتے تھے اور

يَهْتَدُوْا بِهٖ

جب ان لوگوں کو قرآن سے ہدایت نصیب نہ ہوئی

یعنی ہم بڑے عاقل ہیں بوجہ غایت تکبر اور سرکشی کے یا پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ﴿۱۱﴾

تو یہ کہیں گے کہ یہ قدیمی جھوٹ (مضمون) ہے

موسیٰ کی تمام امت کے لئے

وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ

اور اس (قرآن) سے پہلے موسیٰ کی کتاب ہے جو رہنما اور رحمت تھی

حاصل یہ کہ نزول قرآن کوئی اجنبی کام نہیں

وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ

اور یہ ایک کتاب ہے جو اس (کی پیشینگوئی) کو سچا کرتی ہے عربی زبان میں

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ڰ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲﴾

ہے ظالموں کے ڈرانے کے لئے اور نیک لوگوں کو بشارت دینے کے لئے

یعنی حسب تعلیم رسول توحید کو قبول کیا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ

جن لوگوں نے (سچے دل سے) کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے

یعنی اس کو چھوڑا نہیں۔

ثُمَّ اسْتَقَامُوْا

پھر مستقیم رہے

یعنی ایسے ایمان کا مقتضا یہی ہے۔

فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۳﴾

سو ان لوگوں پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے

جو مذکور ہوئے۔

اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ

یہ لوگ اہل جنت ہیں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے

جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

بعوض ان (نیک) کاموں کے جو وہ کرتے تھے

غرض اس قدر مصائب اٹھاتی ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ۭ حَمَلَتْهُ

اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے (اس کی

اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۭ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ

ماں نے) بڑی مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور بڑی مشقت کے ساتھ اس کو

ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ۭ

جنا اور اس کو پیٹ میں رکھنا اور اس کا دودھ چھوڑنا اکثر تیس مہینے میں پورا ہوتا ہے

اگر ماں باپ مسلمان ہیں تب تو دین کی نعمت بھی ورنہ دنیوی نعمت تو ظاہر ہے اور ماں باپ کی نعمت کا اثر اولاد پر بھی پہنچتا ہے چنانچہ ان کے وجود اور زندگی کی بدولت تو خود اولاد کا وجود ہی ہوتا ہے اور دینی نعمت کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ان کی قولی اور فعلی تعلیم اولاد کے لئے علم وعمل کا ذریعہ ہو جاتی ہے۔

حَتّٰٓي اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ

یہاں تک کہ جب وہ اپنی جوانی کو (یعنی بلوغ کو) پہنچ جاتا ہے اور (پھر بلوغ کے

قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ

بعد) چالیس برس کو پہنچتا ہے (تو جو نیک بخت ہوتا ہے) وہ کہتا ہے کہ اے

اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ

میرے پروردگار مجھ کو اس پر مداومت دیجئے کہ میں آپ کی نعمتوں کا شکر کیا

صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ

کروں جو آپ نے مجھ کو اور میرے باپ کو عطا فرمائی ہیں اور میں نیک کام کیا کروں

اِنِّىْ تُبْتُ اِلَيْكَ

جس سے آپ خوش ہوں اور میری اولاد میں بھی میرے لئے صلاحیت پیدا کر دیجئے

اولاد کی صلاحیت سے دنیوی نفع تو یہ ہوتا ہے کہ ان کو دیکھ دیکھ کر راحت ہوتی ہے اور آخرت کا نفع یہ کہ ثواب ہوتا ہے۔

وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿١٥﴾

میں آپ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں فرمانبردار ہوں

مقصود اس سے غلامی کا اقرار ہے دعویٰ مقصود نہیں حاصل یہ ہوا کہ جو شخص نیک بخت ہوتا ہے وہ اللہ کا حق بھی ادا کرتا ہے اور والدین کے حقوق بھی جو کہ حقوق العباد میں سے ہیں کیونکہ والدین کے ذریعہ سے جو نعمت اس پر ہوئی ہے وہ بھی خدا کی نعمت ہے اور اس کا پورا شکر والدین کی خدمت پر موقوف ہے اور اس کے ہمیشہ ادا ہوتے رہنے کی دعا کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس شخص کو اس کی رغبت ہے اور اس کا ارادہ ہے اور رغبت وارادہ سے عادۃً ہر کام کی توفیق ہو جاتی ہے ان سب باتوں سے معلوم ہو گیا کہ ایسا شخص والدین کے حقوق ادا کرتا رہتا ہے اور چالیس سال کی قید کا یہ مطلب نہیں کہ اس سے کم میں ایسا نہ ہونا چاہئے بلکہ مقصود یہ ہے کہ چالیس سال کے بعد پھر غفلت نہ ہونی چاہئے کیونکہ جوانی میں عقل مغلوب ہوتی ہے اور چالیس سال پر عقل کامل اور غالب ہوتی ہے تو اس وقت خدا کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے اور اگر آیت کا شان نزول کوئی خاص قصہ ہے جیسا کہ درمنثور میں ابن عباس سے منقول ہے کہ یہ آیت حضرت صدیق کی شان میں نازل ہوئی اور انہوں نے چالیس سال کی عمر میں یہ بات کہی تھی تب تو چالیس سال کی خصوصیت کی وجہ ظاہر ہے اور یہ دعا اس طرح پوری ہوئی ہے کہ حضرت صدیق خود تو مع اولاد کے پہلے ہی اسلام لے آئے تھے اور فتح مکہ کے بعد ان کے والد ابو قحافہ بھی مسلمان ہو گئے تھے اور ان کی والدہ ام الخیر بھی مسلمان ہو گئی تھیں آگے ان اعمال کا انجام بیان فرماتے ہیں۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا

یہ وہ لوگ ہیں کہ ہم ان کے نیک کاموں کا قبول کر لیں گے اور

عَمِلُوا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ

ان کے گناہوں سے درگزر کریں گے

اوپر تبت الیک میں توبہ کا ذکر آیا ہے اس کے بعد گناہوں سے درگزر کرنے کا وعدہ بیان ہوا ہے اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ بدون توبہ کے گناہ معاف نہیں ہوتے کیونکہ محض فضل سے بھی معافی ہو جاتی ہے اصل یہ ہے کہ یہاں یہ مقصود نہیں کہ توبہ پر معافی موقوف ہے بلکہ یہ بتلانا مقصود ہے کہ توبہ پر معافی کا وعدہ موقوف ہے بدون توبہ کے معافی کا وعدہ نہیں لیکن گناہوں کا معاف ہونا وعدہ ہی پر موقوف نہیں ہے بدون وعدہ کے بھی معافی ہو سکتی ہے۔

فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ ۖ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِي كَانُوا

اس طور پر کہ یہ اہل جنت میں سے ہوں گے (یہ سب) اس وعدہ صادقہ کی وجہ سے

يُوعَدُونَ ﴿١٦﴾ وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ

(ہوا) جس کا ان سے (دنیا میں) وعدہ کیا جاتا تھا اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا

اس آیت کو جو مروان نے حضرت عبدالرحمان بن ابی بکر کی شان میں بتلایا ہے صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے اس کی تکذیب منقول ہے مروان نے محض عداوت سے کہہ دیا تھا

أُفٍّ لَّكُمَا أَتَعِدَانِنِي أَنْ أُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ

کہ تف ہے تم پر کیا تم مجھ کو یہ وعدہ یعنی خبر دیتے ہو کہ میں (قیامت میں دوبارہ

الْقُرُونُ مِن قَبْلِي ج

زندہ ہو کر) قبر سے نکالا جاؤں گا حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سی امتیں گزر گئیں

جن سے ہر زمانہ میں ان کے پیغمبریوں ہی وعدہ کرتے چلے آئے مگر آج تک کسی وعدہ کا ظہور نہ ہوا اس سے معلوم ہوا کہ یہ سب باتیں ہی باتیں ہیں۔

وَهُمَا يَسْتَغِيثَانِ اللَّهَ وَيْلَكَ آمِنْ ۖ إِنَّ

اور وہ دونوں اللہ سے فریاد کر رہے ہیں کہ ارے تیرا ناس ہو ایمان لا بے شک

وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۚ فَيَقُولُ مَا هَٰذَا إِلَّا

اللہ کا وعدہ سچا ہے تو (وہ اس پر بھی) یہ کہتا ہے کہ یہ بے

أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٧﴾

سند باتیں اگلوں سے منقول چلی آ رہی ہیں

مطلب یہ کہ ایسا شقی اور بد بخت ہے کہ اس نے حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کو ضائع کیا اور حقوق العباد میں بھی والدین کا حق جو بہت ضروری ہے خصوصاً جب کہ وہ مسلمان بھی ہو اور خاص کر جب کہ وہ اس کو بھی اسلام کی تعلیم کرتے ہوں مگر وہ بد بخت پھر بھی کفر اور والدین کی نافرمانی کرتا ہے اور نافرمانی بھی اس درجہ کی کہ ماں باپ کی مخالفت کے ساتھ بات چیت میں بھی بدتمیزی اور سختی کرتا ہے آگے ان اعمال کا انجام بیان فرماتے ہیں۔

أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيٓ

یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے حق میں بھی ان لوگوں کے ساتھ

أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِم مِّنَ الْجِنِّ

اللہ کا قول (یعنی وعدہ عذاب) پورا ہو کر رہا جو ان سے پہلے جن

وَالْإِنسِ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ ﴿١٨﴾

اور انسان (کافر) ہو گزرے ہیں بے شک یہ (سب خسارہ میں رہے

آگے اس تفصیلی مضمون کو بطور خلاصہ کے بیان فرماتے ہیں۔

وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوا ۖ

اور ہر ایک (فریق) کے لئے ان کے (مختلف) اعمال کی وجہ سے الگ الگ درجے ملیں گے

کسی کو جنت کے درجے ملیں گے کسی کو دوزخ کے۔

وَلِيُوَفِّيَهُمْ أَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٩﴾

اور تاکہ اللہ تعالیٰ سب کو ان کے اعمال (کی جزا) پوری کردے
اور ان پر (کسی طرح کا) ظلم نہ ہوگا

اوپر ان ظالموں کا عذاب معین طور پر نہیں بتلایا تھا صرف اشارہ کردیا کہ ان پر خدا کا قول پورا ہو کر رہا اور یہ لوگ خسارہ میں رہے اور نیک بختوں کی جزا میں جنت کا بیان صاف طور پر ہوا تھا اس لئے آگے عذاب کو صاف طور پر معین فرماتے ہیں۔

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ

اور جس روز کفار آگ کے سامنے لائے جائیں گے (اور ان سے کہا جائے گا)

أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا

کہ تم اپنی لذت کی چیزیں اپنی دنیوی زندگی میں حاصل کر چکے اور ان کو خوب

وَاسْتَمْتَعْتُم بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ

برت چکے (کہ ہم کو بھی بھول گئے) سو آج تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی

چنانچہ سزا کے لئے جہنم اور ذلت کے لئے یہ ملامت اور پھٹکار ہے۔

بِمَا كُنتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ

اس وجہ سے کہ تم دنیا میں ناحق تکبر کیا

الْحَقِّ

کرتے تھے

فی الارض کی قید سے اس طرف اشارہ ہے کہ زمین پر رہ کر تکبر کرنا اور بھی زیادہ برا ہے اور ناحق کی قید واقعی ہے کیونکہ مخلوق سے تکبر کا ظاہر ہونا ہمیشہ ناحق ہی ہوگا اور تکبر سے مراد ایمان سے تکبر کرنا ہے کہ ہمیشہ کا عذاب اسی کی خاصیت ہے۔

وَبِمَا كُنتُمْ تَفْسُقُونَ ﴿٢٠﴾ ۞ وَاذْكُرْ أَخَا

اور اس وجہ سے کہ تم نافرمانیاں کیا کرتے تھے اور آپ قوم عاد کے بھائی (یعنی ہود) کا (ان سے) ذکر کیجئے جب کہ انہوں نے اپنی قوم کو جو کہ ایسے

عَادٍ ۘ إِذْ أَنذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ

مقام پر رہتے تھے کہ وہاں ریگ کے مستطیل خمدار تودے تھے

اس میں تمام کفر اور فسق کی باتیں اور ظلم کے تمام طریقے داخل ہوگئے۔

ربط: اوپر مکہ والوں کو سنانے کے لئے کفر کی اور دنیا میں منہمک ہونے کی مذمت اور قباحت مذکور ہے۔ آگے قصہ عاد یاد دلاتے ہیں کہ وہ بھی عرب تھے جس سے اوپر کے مضمون کی تاکید مقصود ہے **واذکر اخاعادتا یستھزون**
اس سے سامعین کے ذہن میں اس موقعہ کا حاضر کرنا مقصود ہے اور ان لوگوں کی سکونت (بقول اکثر) یمن کے شہروں میں تھی اور وہاں ریت کے ٹیلے تھے عرب کے لوگ تجارت کے لئے اکثر سفر کرتے تو ان مقامات پر گزرتے تھے۔

وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ

اس پر ڈرایا کہ تم خدا کے سوا کسی کی عبادت مت کرو اور ان سے پہلے اور ان

خَلْفِهِ

سے پیچھے بہت ڈرانے والے (پیغمبر اب تک) گزر چکے ہیں

ورنہ تم پر عذاب نازل ہوگا یعنی یہ بات ایسی ضروری اور صحیح ہے کہ ہود علیہ السلام کے پہلے اور ان کے بعد بہت سے پیغمبر اسی بات کی تعلیم کرتے آئے ہیں پس اس جملہ کے بڑھانے سے توحید کے مضمون کی تاکید مقصود ہے اور عجب نہیں کہ ہود علیہ السلام نے تمام انبیاء کا توحید کی تعلیم میں متفق ہونا ان کے سامنے بیان کیا ہو

أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۖ إِنِّيٓ أَخَافُ عَلَيْكُمْ

مجھ کو تم پر ایک بڑے (سخت) دن کے عذاب کا اندیشہ ہے وہ کہنے لگے کیا تم

عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۲۱﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا

ہمارے پاس اس ارادہ سے آئے ہو کہ ہم کو ہمارے معبودوں سے پھیر دو سو

عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ

ہم پھرنے والے نہیں اگر تم سچے ہو تو جس (عذاب) کا تم ہم سے وعدہ کرتے

الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ

ہو اس کو ہم پر واقع کر دو ہود نے کہا پورا علم تو خدا ہی کو ہے (کہ عذاب کب تک آوے

اللّٰهِ ۖ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ

گا) اور مجھ کو تو جو پیغام دے کر بھیجا گیا تھا میں تم کو وہ پہنچا دیتا ہوں

چنانچہ مجھ سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ تم پر عذاب آوے گا جس کی میں نے تم کو اطلاع کر دی اس سے زیادہ نہ مجھ کو علم ہے نہ قدرت۔

وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

لیکن میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نری جہالت کی باتیں کرتے ہو

کہ ایک تو توحید کو نہیں قبول کرتے پھر اپنے منہ سے بلا مانگتے ہو پھر مجھ پر اس کا تقاضا کرتے ہو البتہ میں اپنے سچے ہونے کا مدعی ہوں جس پر دلیل قائم کر چکا ہوں اور عذاب کا وقت مجھ کو نہیں بتلایا گیا ہاں جب آئے گا تو اس وقت اللہ چاہے دیکھ لینا غرض جب کسی طرح انہوں نے حق کو قبول نہ کیا تو عذاب کا اس طرح سامان شروع ہوا کہ اول ایک بادل اٹھا۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ

سو ان لوگوں نے جب اس بادل کو اپنی وادیوں کے مقابل آتا دیکھا تو کہنے

قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۭ بَلْ هُوَ مَا

لگے کہ یہ تو بادل ہے جو ہم پر برسے گا نہیں نہیں بلکہ یہ وہی ہے جس کی تم جلدی مچاتے تھے (کہ عذاب لاؤ اس میں) ایک آندھی ہے جس میں دردناک

اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۭ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۴﴾

عذاب ہے وہ ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے ہلاک کر دے گی چنانچہ

وہ آندھی چھوٹی اور آدمیوں اور جانوروں کو اٹھا اٹھا کر پٹک دیتی تھی درمنثور میں آدمیوں اور مواشی کا اس ہوا میں اڑے اڑے پھرنا حضرت ابن عباس سے منقول ہے۔

تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا

وہ (ایسے) تباہ ہو گئے کہ بجز ان کے مکانات کے

لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي

اور کچھ نہ دکھلائی دیتا تھا ہم مجرموں کو سزا دیا کرتے تھے

الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ

اور ہم نے ان لوگوں کو ان باتوں میں قدرت دی تھی کہ تم کو

اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ

ان باتوں میں قدرت نہیں دی

مراد ان باتوں سے وہ کام ہیں جو جسمانی اور مالی قوت پر موقوف ہیں

وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ڮ

اور ہم نے ان کو کان اور آنکھ اور دل (سبھی کچھ) دیے تھے

فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ

سو چونکہ وہ لوگ آیات الٰہیہ کا انکار کرتے تھے

وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا

اس لئے (جب عذاب آیا) تو نہ ان کے کان ان کے ذرا کام آئے

يَجْحَدُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا

اور نہ ان کی آنکھیں اور نہ ان کے دل اور جس (عذاب) کی

كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۲۶﴾ ع

وہ ہنسی کیا کرتے تھے اسی نے ان کو آ گھیرا

یعنی نہ ان کے حواس ان کو عذاب سے بچا سکے اور نہ ان کی تدبیریں جو دل سے نکالا کرتے تھے اور نہ ان کی قوت پھر تمہاری تو کیا حقیقت ہے ربط اوپر عاد کا قصہ تفصیلاً مذکور ہوا ہے آگے دوسری ہلاک شدہ امتوں کا اجمالی قصہ ہے کہ مکہ والے ان کے مقامات پر بھی گزرتے تھے۔ ولقد اهلكنا تا يفترون

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى

اور ہم نے تمہارے آس پاس کی اور بستیاں بھی (شرک وکفر کے سبب) غارت کی ہیں

جیسے ثمود اور قوم لوط کہ شام کو جاتے ہوئے ان کے مقامات پر گزرتے تھے اور چونکہ مکہ سے ایک طرف یمن ہے اور دوسری طرف میں شام ہے اس لئے آس پاس فرما دیا۔

وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۷﴾

اور ہم نے بار بار اپنی نشانیاں (ان کو) بتلا دی تھیں تا کہ وہ شرک (وکفر سے) باز آجائیں

مگر وہ باز نہ آئے اور ہلاک ہوئے۔

فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ

سو خدا کے سوا جن جن چیزوں کو انہوں نے خدا تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کو اپنا

دُوْنِ اللّٰهِ

معبود بنا رکھا ہے

کہ یہ مصیبت میں ہمارے کام آئیں گے۔

قُرْبَانًا اٰلِهَةً ۭ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ

انہوں نے ان کی مدد کیوں نہ کی بلکہ وہ سب ان سے غائب ہو گئے

اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۸﴾

اور وہ محض ان کی تراشی ہوئی اور گھڑی ہوئی بات ہے

کہیں واقع میں وہ سفارش کرنے والے یا معبود تھوڑا ہی تھے ربط اوپر کفار مکہ کو سنانے کے لئے کفر اور تکبر کی مذمت مذکور ہے آگے اسی کی تاکید کے لئے عار دلانے کو بعض جنات کے اسلام لانے کا قصہ بیان فرمایا جاتا ہے جس کا حاصل مقصود یہ ہے کہ جنات جو تکبر میں انسان سے زیادہ ہوتے ہیں وہ تکبر کو چھوڑ کر کفر سے دست بردار ہو گئے مگر تم کہ انسان ہو تکبر اور کفر سے باز نہیں آتے اور جن جنات کے ایمان لانے کا اس آیت میں ذکر ہے ان کا قصہ حدیثوں میں اس طرح آیا ہے کہ جب حضورؐ کی ابتدائی نبوت کے وقت جنات کو آسمانی خبریں سننے سے شہاب ثاقب کے ذریعہ سے روک دیا گیا تو جنات میں تذکرہ ہوا کہ اس کا سبب تحقیق کرنا چاہئے کہ کون سا نیا واقعہ دنیا میں ہوا ہے جس کی وجہ سے یہ بات پیش آئی ہے جنات مختلف اطراف میں تحقیق کے واسطے روانہ ہوئے بعضے حجاز کی طرف بھی چلے اس روز جناب رسول اللہ مع چند اصحاب کے بطن نخلہ میں کہ ایک مقام کا نام ہے تشریف رکھتے تھے اور بازار عکاظ کی طرف (غالباً بغرض دعوت اسلام) تشریف لے جانے کا قصد تھا آپ صبح کی نماز پڑھ رہے تھے جو وہ جنات یہاں پہنچے قرآن سن کر کہنے لگے بس وہ نئی بات یہی ہے۔ جس کی وجہ سے ہم آسمانی خبروں سے روک دیئے گئے اور ایک روایت میں ہے کہ جب یہاں آئے تو آپس میں کہنے لگے کہ خاموش ہو کر قرآن سنو جب آپ نماز صبح سے فارغ ہوئے تو وہ معتقد اور مومن ہو کر اپنی قوم کے پاس واپس گئے اور ان کو ایمان کی ترغیب دی اور آپ کو ان کے آنے جانے کی خبر نہیں ہوئی یہاں تک کہ سورۂ جن کے نازل ہونے سے آپ کو خبر دی گئی اور ایک روایت میں ہے کہ یہ نو شخص تھے جب انہوں نے اپنی قوم کو خبر پہنچائی تو ان میں سے پھر تین سو اشخاص اسلام لانے کے لئے حاضر خدمت ہوئے اور دوسری حدیثوں میں جنات کے آنے کی دوسرے طور پر بھی روایتیں آئی ہیں مگر چونکہ یہ واقعات متعدد مرتبہ ہوئے ہیں اس لئے تعارض کا شبہ نہ کیا جاوے خفاجیؒ نے فرمایا ہے کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنات آپ کی خدمت میں چھ مرتبہ آئے ہیں۔ واذ صرفنا تا ضلل مبین.

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ

اور جب کہ ہم جنات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف لے آئے جو (یہاں

يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ

پہنچ کر) قرآن سننے لگے تھے غرض جب وہ لوگ قرآن کے پاس آپہنچے

یعنی اس موقعہ پر پہنچے جہاں قرآن پڑھا جا رہا تھا۔

فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ

کہنے لگے کہ خاموش رہو پھر جب قرآن پڑھا جا چکا

یعنی جتنا اس وقت حضور ﷺ کو نماز میں پڑھنا تھا ختم ہو چکا۔

فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۲۹﴾

تو وہ لوگ اپنی قوم کے پاس (اس کی) خبر پہنچانے کے واسطے واپس گئے

قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ

کہنے لگے کہ اے بھائیو ہم ایک (عجیب) کتاب سن کر آئے ہیں جو

بَعْدِ مُوْسٰى

موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے

موسیٰ علیہ السلام کے بعد کہنے سے بعض علماء نے یہ سمجھا ہے کہ وہ جن یہودی تھے لیکن اس کی کوئی نقلی دلیل نہیں اور اس سے استدلال کرنا نا کافی ہے کیونکہ اس کہنے کی وجہ یہ ہے کہ انجیل اکثر احکام میں توریت کے تابع ہے اور قرآن تورات کی طرح مستقل ہے پس مقصود یہ ہے کہ جیسی مستقل کتاب

موسیٰ پر آئی تھی اس شان کی کتاب موسیٰ کے بعد یہ آئی اور یہ بات ان کو تھوڑا سا قرآن سن کر اس کے طرز بیان اور جلالت شان سے معلوم ہوگئی ہوگی۔

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ

جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے (اور دین) حق

وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۰﴾

اور راہ راست کی طرف رہنمائی کرتی ہے

یہاں تک تو اسلام کی حقانیت کا اظہار ہے آگے اس کے قبول کرنے کا حکم ہے اول ترغیب سے پھر خوف دلا کر۔

يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ

اے بھائیو اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا مانو اور اس پر ایمان لے آؤ

اس میں اس طرف اشارہ ہوگیا کہ وہ ایمان لانے کی طرف بلاتا ہے کسی دنیوی غرض کی طرف نہیں بلاتا اور داعی سے مراد یا تو قرآن ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ

اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کردے گا

بعض علماء نے من ذنوبکم سے بعض گناہ مراد لئے ہیں کیونکہ اسلام سے حقوق العباد معاف نہیں ہوتے اور بعض نے کہا ہے کہ اسلام سے سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور اس پر حقوق العباد معاف نہ ہونے سے اشکال نہیں پڑتا کیونکہ جو حقوق گناہ ہیں جیسے قتل وغیرہ ان کے معاف ہوجانے پر تو سب کا اتفاق ہے اور جو حقوق گناہ نہیں جیسے قرض وغیرہ تو وہ من ذنوبکم میں داخل ہی نہیں پھر بعض گناہ مراد لینے کی کوئی حاجت نہیں

وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۱﴾

اور تم کو عذاب دردناک سے محفوظ رکھے گا

جنات کو کفر اور معصیت سے عذاب ہونے پر سب کا اتفاق ہے اور ایمان و اعمال صالحہ پر ان کو جنت اور ثواب ملنے میں اختلاف ہے اکثر علماء تو اس کے قائل ہیں کہ ایمان اور نیک اعمال سے ان کو جنت اور ثواب ملے گا کیونکہ شریعت کی عام نصوص اور حق تعالیٰ کے اس ارشاد سے بالخصوص لم یطمثھن انس قبلھم ولا جان سے یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ حق تعالیٰ حوروں کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ ان کو نہ اس سے پہلے کسی انسان نے چھوا نہ جن نے تو اگر جنات کے چھونے کا احتمال ہی نہ تھا تو ان کے ذکر کی اس جگہ کیا ضرورت تھی معلوم ہوا کہ جنات بھی حوروں کو چھوڑ سکتے ہیں دوسرے سورہ انعام میں انسان اور جنات کے ذکر کے بعد حق تعالیٰ نے فرمایا ہے لکل درجت مما عملوا کہ ہر ایک کو اپنے اعمال کے سبب درجے ملیں گے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ نے غایت احتیاط کی وجہ سے چونکہ اس بارہ میں کوئی صاف اور صریح نص موجود نہ تھی اس میں توقف فرمایا ہے اور یہ جو امام صاحب کا قول مشہور ہوگیا ہے کہ وہ جنات کے جنت میں نہ جانے کے قائل ہیں تو غالباً اسی توقف کے بیان میں ناقلین کو غلطی ہوئی ہے واللہ اعلم

وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ

اور جو شخص اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا نہ مانے گا تو وہ زمین (کے کسی حصہ)

فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ

میں (بھاگ کر خدا) کو ہرا نہیں سکتا اور خدا کے سوا کوئی اس کا حامی ہی نہ ہوگا

یعنی جیسا وہ خود نہیں بچ سکتا کوئی اس کو بچا بھی نہیں سکتا۔

اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۲﴾

(اور) ایسے لوگ صریح گمراہی میں (مبتلا) ہیں

کہ باوجودیکہ داعی کے حق ہونے پر دلائل قائم ہیں پھر بھی اس کا کہنا نہیں مانتے ربط اوپر قیامت کی جزا و سزا کا بیان تھا اور متصل کی آیتوں میں بھی اس طرف اشارہ تھا چونکہ بعضے خود قیامت کے امکان ہی کے منکر تھے اس لئے آگے پہلے اس کا امکان پھر اس کا واقع ہونا بیان فرماتے ہیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور صبر کی تعلیم ہے۔ اولم یروا تا الفسقون۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

کیا ان لوگوں نے یہ نہ جانا کہ جس خدا نے آسمان و زمین کو جو پیدا کیا اور ان

وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى

کے پیدا کرنے میں ذرا نہیں تھکا وہ اس پر (بدرجہ اولیٰ) قدرت رکھتا ہے کہ

اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ۭ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ

مردوں کو (قیامت میں) زندہ کردے اور وہ اس پر قادر) کیوں نہ ہو بے

قَدِيْرٌ ﴿۳۳﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

شک وہ (تو) ہر چیز پر قادر ہے اور جس روز کافر لوگ دوزخ کے سامنے لائے

عَلَى النَّارِ ؕ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ

جائیں گے (اوران سے پوچھا جائے گا کہ) کیا یہ دوزخ امر واقعی نہیں ہے

جیسا کہ دنیا میں اس کی واقعیت کا انکار کیا کرتے تھے۔ مانحن بمعذبین کہ ہم کو عذاب نہ ہوگا۔

قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ

وہ کہیں گے کہ ہم کو اپنے پروردگار کی قسم ضرور امر واقعی ہے ارشاد ہوگا (اچھا)

بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۴﴾

تو اپنے کفر کے بدلے میں اس (دوزخ) کا عذاب چکھو

جس میں دوزخ کا انکار بھی داخل ہے۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ

تو آپ (ویسا ہی) صبر کیجئے جیسے اور ہمت والے پیغمبروں نے صبر کیا

آگے حضور کی تسلی ہے اولوالعزم سے پیغمبر مراد ہیں۔

مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ؕ

اوران لوگوں کے لئے (انتقام الٰہی کی) جلدی نہ کیجئے

جو مسلمانوں کے غلبہ کے لئے چاہتے تھے۔

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْٓا

اور جس روز یہ لوگ اس چیز کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے

اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ؕ

(یعنی عذاب) تو گویا یہ لوگ (دنیا میں) دن بھر میں ایک گھڑی رہے ہیں

آگے کفار کو دھمکی ہے

بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ ع

یہ (خدا کی طرف) سے پہنچا دینا ہے (جس سے حجت تمام ہوگئی) سو (اس کے بعد) وہی برباد ہوں گے جو نافرمانی کریں گے

کیونکہ تبلیغ کے بعد کوئی عذر نہیں رہا

(۴۷) سُوْرَةُ مُحَمَّدٍ مَّدَنِيَّةٌ (۹۵)

سورہ محمد مدینہ میں نازل ہوئی اور اس میں اڑتیس (۳۸) آیتیں اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

جو لوگ کافر ہوئے اور اللہ کے راستہ سے روکا

اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ﴿۱﴾

خدا نے ان کے عمل کالعدم کر دیے

جیسا کہ رؤساء کفار کی عادت تھی اور ایمان کے غارت ہونے کے لئے صرف کفر بھی کافی ہے دوسروں کو روکنا بھی اس کے لئے شرط نہیں لیکن ان کی واقعی حالت بیان فرمادی۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا

اور (برخلاف اس کے) جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے وہ اس سب پر ایمان لائے جو محمد پر نازل کیا گیا ہے اور وہ ان کے رب کے

بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ

پاس سے (آیا ہوا) امر واقعی (بھی) ہے اللہ تعالیٰ ان کے گناہ ان پر سے

كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ﴿۲﴾

اتار دے گا اور (دونوں جہان میں) ان کی حالت درست رکھے گا

دنیا میں تو اس طرح کہ نیک اعمال کی توفیق بڑھتی جاوے گی اور آخرت میں اس طرح کہ ان کو نجات ہوگی۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ

یہ اسی وجہ سے کہ کافر تو غلط رستہ پر چلے اور اہل ایمان صحیح رستہ

وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ

پر چلے جو ان کے رب کی طرف سے (آیا) ہے

یعنی مسلمانوں کی اچھی حالت اور کفار کی بری حالت۔

اور غلط رستہ سے ناکامی ہونا اور صحیح رستہ سے کامیابی ہونا ظاہر ہے اس لئے وہ ناکام ہوئے اور اگر اسلام کے صحیح ہونے میں شبہہ ہو تو اس کا جواب

من ربهم سے ہوگیا کہ اس کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ من جانب اللہ ہے اور من جانب اللہ ہونا معجزات سے خاص کر قرآنی معجزہ سے ثابت ہے ربط اوپر مسلمانوں کا مصلح ہونا اور کفار کا مفسد ہونا سمجھایا گیا ہے آگے مصلحین کے ہاتھ سے مفسدوں کا فساد دبانے کے لئے بعض احکام جہاد کے متعلق ارشاد ہوتے ہیں فاذا لقیتم تا اوزارھا۔

كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ﴿۳﴾

اللہ تعالیٰ اسی طرح لوگوں کے (نفع و ہدایت کے) لئے ان کے حالات بیان

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ط

فرماتا ہے سو تمہارا جب کفار سے مقابلہ ہو جائے تو ان کی گردنیں مارو

یعنی جب کفار ایسے مفسد میں تو ہم تو ان کا فساد دفع کرنے کے لئے حکم دیتے ہیں کہ ان کو قتل کرو۔

حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ

یہاں تک کہ جب تم ان کی خوب خونریزی کر چکو

جس کی حد یہ ہے کہ اب اگر قتل موقوف کر دیا جائے اور قید کرنے پر اکتفا کیا جائے تو مسلمانوں کی مضرت اور کفار کے غالب آنے کا احتمال نہ ہو۔

فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ

تو خوب مضبوط باندھ لو پھر اس کے بعد یا تو بلا معاوضہ چھوڑ دینا

یعنی ان دو باتوں میں ایک بات کا اختیار ہے پس دونوں کو جمع نہ کیا جائے ہاں یہ جائز ہے کہ سرے سے چھوڑا ہی نہ جائے بلکہ غلام بنا لیا جائے یا قتل کر دیا جائے اور حنفیہ کے نزدیک یہ آیت سورۂ براءۃ سے منسوخ ہے کیونکہ وہ اس کے بعد نازل ہوئی اب چھوڑنا کسی طرح جائز نہیں بہر حال اس آیت سے بعض ہوا پرستوں کا مسئلہ غلامی کے غلط ہونے پر استدلال کرنا محض باطل ہے کیونکہ اول تو یہ آیت منسوخ ہے دوسرے اس کا یہ مطلب کیونکر سمجھ لیا گیا کہ چھوڑنا معاوضہ لے کر یا بلا معاوضہ ضروری ہے اور بچے اور عورتیں قتل کے حکم سے مستثنیٰ ہیں ان کا قتل ناجائز ہے اور اس مقام کی تحقیق سورۂ انفال میں ملاحظہ ہو۔

وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۚ

اور یا معاوضہ لے کر چھوڑ دینا جب تک کہ لڑنے والے (دشمن) اپنے ہتھیار نہ رکھ دیں

یعنی یہ قید اور قتل کا حکم اس وقت تک ہے جب تک کہ مخالف اسلام یا صلح میں سے کسی کو قبول نہ کرے پس اگر قتل اور قید سے پہلے اسلام لے آویں یا

صلح کر کے رعیت بننا قبول کریں تو اب نہ قتل جائز ہے اور نہ قید جائز ہے۔ ربط اوپر مسلمانوں کو کفار سے جہاد کرنے کا حکم تھا آگے اس حکم کی تاکید اور اس کی حکمت اور جہاد میں مسلمانوں کے قتل ہونے کے متعلق بشارت اور جہاد کی ترغیب اور کفار کی مذمت اور وعید وغیرہ مذکور ہے۔ ذلک تا لا مولیٰ لھم

ذٰلِكَ ۛ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ

یہ حکم (جہاد کا جو مذکور ہوا) بجا لانا اور اگر اللہ چاہتا تو ان سے (خود ہی) انتقام لے لیتا

یعنی ہم نے جو بعض صورتوں میں کفار سے بدلہ لینے کا طریقہ جہاد کا مقرر کیا ہے اس میں حکمت ہے ورنہ اگر ہم چاہتے تو دوسرے طریقہ سے مثلاً زمین میں دھنسا کر یا غرق کر کے یا زلزلہ بھیج کر پہلی امتوں کی طرح ان کو تباہ کر دیتے کہ تم کو جہاد وغیرہ نہ کرنا پڑتا۔

وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا۟ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ط

لیکن (تم کو جہاد کا حکم اس لیے دیا) تاکہ تم میں ایک کا دوسرے کے ذریعہ سے امتحان کرے

مسلمانوں کا امتحان یہ ہے کہ حکم الٰہی کو جان پر کون ترجیح دیتا ہے اور کفار کا امتحان یہ ہے کہ اس سزا سے متنبہ ہو کر کون حق کو قبول کرتا ہے پس جہاد میں یہ بھی حکمت ہے آگے بتلاتے ہیں کہ جہاد میں جیسے کفار کو قتل کرنا کامیابی ہے اسی طرح خود مارا جانا بھی ناکامی نہیں

وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں اللہ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع

اَعْمَالَهُمْ ﴿۴﴾

نہ کرے گا

جن میں وہ عمل بھی آ گیا جس کی بدولت وہ مارے گئے یعنی جہاد غرض ظاہر میں یہ وہم ہو سکتا ہے کہ جب مارا گیا تو اس کے جہاد پر کوئی نتیجہ مرتب نہیں ہوا اور اس کا جہاد ضائع گیا سو واقع میں وہ ضائع نہیں ہوا کیونکہ اس پر دوسرا نتیجہ جو ظاہری نتیجہ سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے مرتب ہوا جس کا آگے بیان ہے۔

سَيَهْدِيْهِمْ

اللہ تعالیٰ ان کو (منزل) مقصود تک پہنچا دے گا

منزل مقصود کا بیان آگے آتا ہے۔

وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ﴿۵﴾ ج

اور ان کی حالت درست رکھے گا

یعنی قبر میں اور قیامت میں اور پل صراط پر اور تمام مواقع آخرت میں کہیں کوئی خرابی اور نقصان نہ پہنچے گا آگے منزل مقصود تک پہنچنے کا بیان ہے۔

وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ﴿٦﴾

اور ان کو جنت میں داخل کرے گا جس کی ان کو پہچان کرا دے گا

خواہ خود بخود یا کسی فرشتہ کے ذریعہ سے ہر جنتی کو اپنے اپنے درجہ اور مکان کا ایسا علم ہو جاوے گا کہ بدون پہلے سے دیکھے بھالے ہوئے وہاں بے تکلف جا پہنچے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ

اے ایمان والو اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری

يَنْصُرْكُمْ

مدد کرے گا

جس کا نتیجہ دنیا میں بھی مجموعی طور پر مسلمانوں کا کفار پر غالب آنا ہے خواہ شروع ہی میں یا آخر میں اور بعض مسلمانوں کا مارا جانا یا کسی معرکہ میں مسلمانوں کی جماعت کا مغلوب ہونا اس کے منافی نہیں۔

وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ﴿٧﴾

اور اسی طرح تمہارے قدم جماوے گا

اسی طرح کا مطلب یہ ہے کہ سارے مسلمان مجموعی طور پر تمام کفار کے مقابلہ میں خواہ شروع ہی سے یا آخر میں ثابت قدم رہ کر کفار پر غالب آجاویں گے چنانچہ مشاہد ہے یہ تو مسلمانوں کا حال بیان کیا گیا۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعْسًا لَهُمْ وَأَضَلَّ

اور جو لوگ کافر ہیں ان کے لئے تباہی ہے اور آخرت میں ان کے اعمال کو

أَعْمَالَهُمْ ﴿٨﴾

خدا تعالیٰ کالعدم کر دے گا

یعنی دنیا میں جب کہ وہ مسلمانوں سے مقابلہ کریں مغلوب ہوں گے اسی تفصیل کے موافق جو اوپر مسلمانوں کے غالب آنے میں مذکور ہوئی۔

غرض کفار دونوں جہان میں ناکام رہے اور اوپر بھی اعمال کے کالعدم کرنے کا بیان ہوا ہے وہاں خود اسی کا بتلانا مقصود تھا اور یہاں اس حیثیت سے بیان کیا گیا ہے کہ دونوں جہان کے خسارہ کا وہ بھی ایک جزو ہے۔

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ

یہ اس سبب سے ہوا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے احکام کو ناپسند کیا

یعنی یہ تباہی اور اعمال کی بربادی اس لئے ہے کہ انہوں نے اعتقاد اور عمل دونوں طرح سے احکام الٰہی کو ناپسند کیا حاصل یہ کہ کفر کیا۔

فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ﴿٩﴾

سو اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو (پہلے ہی سے) اکارت کر دیا

کیونکہ کفر کا یہی اثر ہے جو کہ اعلیٰ درجہ کی بغاوت ہے اور یہ مراد نہیں کہ وہ اعمال پہلے صحیح تھے پھر اکارت ہو گئے کیونکہ جب وہ اول ہی سے کافر ہیں تو ان کے اعمال کسی وقت صحیح ہوئے ہی نہیں اسی لئے ترجمہ میں لفظ "پہلے ہی سے" بڑھا دیا گیا۔

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا

کیا یہ لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں اور انہوں نے دیکھا نہیں کہ جو (کافر)

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ط

لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا انجام کیسا ہوا کہ خدا تعالیٰ نے

دَمَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ز

ان پر کیسی تباہی ڈالی

یعنی یہ لوگ جو ان وعیدوں کے واقع ہونے کو بعید سمجھتے ہیں اس کا منشا یہ ہے کہ یہ لوگ کفر کا عند اللہ مبغوض (و ناگوار) ہونا تسلیم نہیں کرتے مگر اس کا انکار کرنا ایک کھلی ہوئی بدیہی بات کا انکار ہے کیونکہ پہلے کفار کی تباہی کے آثار ان کے دیار و مکانات سے نظر آرہے ہیں یہ صاف دلیل ہے کفر کے برے ہونے پر اور جب کفر کا عند اللہ مبغوض ہونا ثابت ہو گیا تو ان کو بھی بے فکر رہنا اور عذاب کے واقع ہونے کو بعید سمجھنا نہ چاہئے کیونکہ جب کفر دونوں میں مشترک ہے تو عذاب بھی دونوں کو ہونا چاہئے خواہ دنیا میں بھی ہو یا صرف آخرت میں ہو۔

وَلِلْكَافِرِينَ أَمْثَالُهَا ﴿١٠﴾

اور ان کافروں کے لئے بھی اسی قسم کے معاملات ہونے کو ہیں

اسی قسم سے مراد مطلق سزا ہے بالکل ویسی ہی سزا مراد نہیں چنانچہ کفار مکہ کو مسلمانوں کے ہاتھوں دنیا میں بھی سزا ہوئی قال تعالیٰ قاتلوهم يعذبهم الله بايديكم تم ان سے جہاد کرو خدا تعالیٰ تمہارے ہاتھوں

سے ان کو عذاب دے گا اور آخرت میں تو ظاہر ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا کارساز ہے

اس لئے دونوں جہان میں ان کو کامیاب فرماتا ہے۔

وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ﴿۱۱﴾ ع

اور کافروں کا کوئی کارساز نہیں

جو خدا کے مقابلہ میں ان کے کام بنا سکے اس لئے وہ دونوں جہان میں ناکام رہتے ہیں ہاں یہ ممکن ہے کہ دنیا میں کبھی مسلمانوں کو بظاہر ناکامی ہو جاوے اور کفار کو بظاہر کامیابی ہو جاوے لیکن اعتبار حقیقت اور انجام کا ہے سو اس کے اعتبار سے مسلمان ہمیشہ کامیاب اور کافر ہمیشہ ناکام رہتا ہے اور لفظ مولی کے دو معنی ہیں کارساز و مددگار اور مالک پس حق تعالیٰ پہلے معنے کے اعتبار سے کفار کے مولیٰ نہیں ہیں اور دوسرے معنے کے اعتبار سے وہ ان کے بھی مولی ہیں کیونکہ مالک تو وہ سب کے ہیں پس دوسری جگہ جو فرمایا ہے **ثم ردوا الی اللہ مولا ھم الحق** کہ پھر سب کفار حق تعالیٰ اپنے مولیٰ حقیقی کی طرف لے جائیں گے سو وہاں کے معنے مالک کے ہیں اور یہاں جو فرمایا ہے کہ کفار کے لئے کوئی مولیٰ نہیں یہاں مددگار اور کارساز کے معنی ہیں۔

ربط: اوپر مسلمانوں کی کامیابی اور کفار کی ناکامیابی آخرت کے متعلق اجمالاً مذکور تھی آگے اس کی تفصیل ہے۔ ان اللہ تا امعاء ھم

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے (جنت

الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ط

کے) ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی اور جو

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا

لوگ کافر ہیں وہ (دنیا میں) عیش کر رہے ہیں اور اس طرح (آخرت سے بے فکر ہو

تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ﴿۱۲﴾

کر) کھاتے ہیں جس طرح چوپائے کھاتے ہیں اور جہنم ان لوگوں کا ٹھکانا ہے

کہ وہ یہ نہیں سوچتے کہ ہم کو کیوں کھلایا پلایا جاتا ہے اور ہمارے ذمہ اس کا کیا حق واجب ہے۔

آگے فرماتے ہیں کہ جس عیش کا ذکر ہوا ہے آپ کے ان مخالفوں کو اس پر مغرور نہ ہونا چاہئے اور نہ ان کی اس غفلت پر جو کہ مخالفت کا سبب ہو گئی ہے حتی کہ آپ کو تنگ کر کے مکہ میں بھی نہ رہنے دیا اس پر آپ کو کچھ افسوس و غم نہ ہونا چاہئے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ

اور بہت سی بستیاں ایسی تھیں جو قوت میں آپ کی اس بستی سے بڑھی ہوئی

قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ج اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا

تھیں جس کے رہنے والوں نے آپ کو گھر سے بے گھر کر دیا کہ ہم نے ان کو

نَاصِرَ لَهُمْ ﴿۱۳﴾

(عذاب سے) ہلاک کر دیا سو ان کا کوئی مددگار نہ ہوا

تو یہ بے چارے تو کیا چیز ہیں ایسی حالت میں نہ ان کو مغرور ہونا چاہئے کیونکہ ہم جب چاہیں ان کی بھی صفائی کر سکتے ہیں اور نہ آپ غمگین ہوں کیونکہ ہم ان کو بھی وقت پر سزا دینے والے ہیں۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ

تو جو لوگ اپنے پروردگار کے واضح راستہ پر ہوں کیا وہ ان شخصوں کی طرح ہو سکتے

زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۴﴾

ہیں جن کی بدعملی ان کو مستحسن معلوم ہوتی ہو اور جو اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہوں

یعنی یہ لوگ باطل پر ہیں تو آپ کے اور تمام اہل حق کے مقابلہ میں کیونکر سزا کے قابل نہ ہونگے جب کہ یہ محض نفس کی راہ پر ہیں اور اہل حق خدا کی راہ پر ہیں تو جب اعمال میں تفاوت ہے انجام میں بھی تفاوت ہوگا پس جس طرح اہل حق ثواب کے مستحق ہیں اہل باطل عذاب کے مستحق ہیں چنانچہ اس ثواب و عذاب کا کچھ بیان آگے آتا ہے۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ط فِيْهَآ

جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا جاتا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں

اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ج

بہت سی نہریں تو ایسے پانی کی ہیں جس میں ذرا تغیر نہ ہوگا

نہ بو میں نہ رنگ میں نہ مزہ میں

وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ

اور بہت سی نہریں دودھ کی ہیں جن کا ذرا ذائقہ نہ بدلا ہوا ہوگا اور بہت سی

خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ

نہریں شراب کی ہیں جو پینے والوں کو بہت لذیذ معلوم ہوں گی اور بہت سی

مُّصَفًّى ؕ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ

نہریں ہیں شہد کی جو بالکل (میل سے پاک) صاف ہوگا اور ان کے لئے

وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ

وہاں ہر قسم کے پھل ہوں گے اور ان کے رب کی طرف سے بخشش

غرض یہ کہ جب ان کے اعمال میں تفاوت ہے تو انجام میں یہ تفاوت ہوگا جس کا اب بیان ہوا اور چونکہ دنیا کا پانی کبھی رنگ کبھی مزہ کبھی بو میں متغیر ہو جاتا ہے اسی طرح دنیا کا دودھ بگڑ جاتا ہے اور دنیا کی شراب اکثر بدمزہ اور کڑوی ہوتی ہے صرف بعض منافع خاص کے خیال سے پی جاتی ہے پھر عادت پڑ جاتی ہے اسی طرح دنیا کے شہد میں میل کچیل موم وغیرہ سے مل جاتا ہے اس لئے وہاں کی نہروں میں ان باتوں کا نہ ہونا بیان فرما دیا۔

كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا

کیا ایسے لوگ ان جیسے ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور کھولتا ہوا

فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴿۱۵﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ

پانی ان کو پینے کے لئے دیا جائے گا سو وہ ان کی انتڑیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر

اِلَيْكَ ۚ

ڈالے گا اور بعضے آدمی ایسے ہیں کہ وہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں

اور دل سے متوجہ نہیں ہوتے

حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ

یہاں تک کہ وہ لوگ آپ کے پاس سے باہر جاتے ہیں تو دوسرے اہل علم

اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۟ قف

(صحابہ) سے کہتے ہیں کہ حضرت نے ابھی کیا بات فرمائی تھی

گویا اشارۃً یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہم نے آپ کے ارشاد کو قابل توجہ نہیں سمجھا۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ

یہ وہ لوگ ہیں کہ حق تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے

پس ہدایت سے دور ہو گئے

وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا

اور یہ اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں اور جو لوگ راہ پر ہیں اللہ تعالیٰ ان کو

زَادَهُمْ هُدًى

زیادہ ہدایت دیتا ہے

اس میں طبع اللہ الخ کا مقابلہ ہے

وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿۱۷﴾

اور ان کو ان کے تقویٰ کی توفیق دیتا ہے

اور یہ اتبعوا اھواءھم کا مقابلہ ہے

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ

(سو کیا یہ لوگ بس) قیامت کے منتظر ہیں کہ وہ ان پر دفعۃً آ پڑے

اس سے مجازاً دھمکانا مقصود ہے۔

اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ

سو اس کی (متعدد) علامتیں تو آ چکی ہیں

چنانچہ قرب قیامت کی علامت حضورؐ کی پیدائش بھی ہے۔

فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ

تو جب قیامت ان کے سامنے آ کھڑی ہوگی اس وقت ان کو سمجھنا کہاں میسر ہوگا

یعنی نصیحت قبول کرنے میں توقف کرنا یہ ان کی رائے کی غلطی ہے جب اب نہیں سمجھتے کہ سمجھنے کا وقت ہے تو اس وقت کیا سمجھیں گے اور سمجھنے سے فائدہ ہی کیا ہوگا۔

ربط: شروع سورت سے یہاں تک مومنین اور کافرین اور منافقین کے احوال معہ انجام کے مذکور ہوئے ہیں آگے دوسروں کو سنانے کے لئے آپ کو دین پر مستقیم رہنے اور جن باتوں سے دین ناقص ہوتا ہے استغفار وغیرہ سے ان کی تلافی کرنے کا خطاب ہے اور آپ کو بظاہر مخاطب بنانے کا یہ فائدہ ہے کہ مبالغہ کے ساتھ اس حکم کا مہتم بالشان ہونا معلوم ہو جائے کہ

جب معصوم کو بھی اس کا حکم ہے تو دوسرے کس شمار میں ہیں اور دوسروں کو سنانے کا قرینہ متقلبکم و مثوئکم کی ضمیر ہے کہ اس میں سب کو خطاب ہے اور ماقبل سے اس کا ربط یہ ہے کہ جب دین کی جزا اور کفرو نافرمانی کی سزا سن لی تو سامعین کو چاہیے کہ دین وایمان پر قائم رہیں اور جو چیزیں کہ ایمان کو ناقص بھی کرتی ہوں چاہے زائل نہ کریں جیسے تمام گناہ اولاً ان سے بچیں اور اگر کبھی ہو جائیں تو فوراً استغفار سے تلافی کریں فاعلم انہ تا مثوٰکم۔

فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿۱۸﴾

تو آپ اس کا (کامل طور پر) یقین رکھیے کہ بجز

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

اللہ کے اور کوئی قابل عبادت نہیں

یعنی جب تابعدار اور نافرمان کا انجام سن چکے تو پہلے کی طرح آئندہ بھی خدا کی عبادت پر اچھی طرح جمے رہے اس میں دین کے تمام احکام اصول وفروع آ گئے کیونکہ علم سے علم کامل مراد ہے اور کامل علم کے لئے تمام احکام پر عمل کرنا لازم ہے اور یہ عنوان اس لئے اختیار کیا گیا کہ توحید تمام احکام کی اصل بنیاد ہے حاصل یہ کہ تمام احکام کی بجاآوری پر مداومت رکھو اور ہر چند کہ آپ میں بوجہ معصوم ہونے کے اس کے خلاف کا احتمال نہیں ہوسکتا لیکن احکام سنانا معصوم ہونے کے منافی نہیں معصوم کو بھی احکام سنائے جاتے ہیں جس سے کبھی محض بتلانا مقصود ہوتا ہے اور اگر آپ کو پہلے سے وہ حکم معلوم ہو تو بغرض اہتمام دوسروں کو سنانا مقصود ہوتا ہے۔

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ

اور آپ اپنی (ظاہری) خطاؤں پر معافی مانگتے رہیے

یعنی اگر کبھی خطا ہو جائے اگرچہ آپ سے صادر ہونے کے وقت وہ واقع میں خطا نہ ہوگی بلکہ جائز ہوگی بلکہ بعض اوقات کسی درجہ میں عبادت ہوگی دوسرے بوجہ معصوم ہونے کے وہ خطا اجتہاد سے ہوگی جو خود عبادت اور ثواب کا سبب ہے لیکن اس اعتبار سے کہ اس کام میں مشغول ہونے سے دوسرے افضل کام میں خلل آ گیا اور افضل کو چھوڑنا آپ کی شان رفیع کے خلاف ہے اس لئے وہ صورۃً خطا ہوگی اس تقریر سے معلوم ہوگیا کہ گناہ سے مجازی گناہ مراد ہیں اور ایسے گناہ کی ایک مثال سورۂ عبس میں آئے گی ایسی ہی باتوں کو سورۂ انا فتحنا کے شروع میں گناہ سے تعبیر کر کے مغفرت کی بشارت دی گئی ہے خوب سمجھ لو۔

وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ

اور سب مسلمان مردوں اور سب عورتوں کے لئے بھی

یعنی ایسی باتیں کمال دین میں خلل ڈالنے والی آپ کی امت سے بھی صادر ہوسکتی ہیں اور ان کی خطائیں واقع میں بھی گناہ ہوسکتی ہیں اس لئے آپ امت کے واسطے بھی بخشش مانگتے رہیے تاکہ جو درجہ کمال دین کا آپ کی شان کے مناسب ہے اور جو ان کی شان کے مناسب ہے وہ محفوظ رہے اور جو چیزیں اس میں خلل پیدا کریں ان کا تدارک ہوتا رہے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ﴿۱۹﴾ ع

اور یہ یاد رہے کہ) کہ اللہ تعالیٰ تمہارے چلنے پھرنے اور رہنے سہنے کی خبر رکھتا ہے

یعنی سب احوال واعمال کی اس کو اطلاع ہے۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ

اور جو لوگ ایمان والے ہیں وہ (تو) کہتے رہتے ہیں کہ کوئی (نئی) سورت کیوں نہ نازل ہوئی

یعنی اگر نازل ہو تو تمنا پوری ہو۔

فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا

سو جس وقت کوئی صاف (مضمون کی) سورت نازل ہوتی ہے اور (اتفاق سے)

الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

اس میں جہاد کا بھی (صاف صاف) ذکر ہوتا ہے تو جن لوگوں کے دلوں میں

يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ؕ

بیماری (نفاق کی) ہے آپ ان لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو

یعنی بھیانک نگاہوں سے دیکھتے ہو۔

فَاَوْلٰى لَهُمْ ﴿۲۰﴾ ج

سو اصل یہ ہے کہ عنقریب ان کی کمبختی آنے والی ہے

خواہ دنیا میں ورنہ آخرت میں تو ضرور ہے۔

طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۫ قف

ان کی اطاعت اور بات چیت (کی حقیقت) معلوم ہے

اگرچہ یہ لوگ خوب خوشامد کی باتیں بنایا کرتے ہیں۔

فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ قف فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ

پھر جب سارا کام (لڑائی کا) تیار ہو جاتا ہے تو اگر یہ لوگ اللہ سے سچے

خَيْرًا لَّهُمْ ۚ ﴿۲۱﴾

رہتے تو ان کے لئے بہت ہی بہتر ہوتا

اگر ایمان کے مقتضا پر عمل کرتے۔

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي

سو اگر تم (جہاد سے) کنارہ کش رہو تو آیا تم کو یہ احتمال بھی ہے کہ (اس

الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾

صورت میں) تم دنیا میں فساد مچادو اور آپس میں قطع قرابت کر دو یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے اپنی رحمت سے دور کر دیا

پس جہاد میں دنیوی فائدہ بھی بہت بڑا ہے اس لئے ان کو توفیق ہی نہیں ہوتی

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ

پھر ان کو بہرا کر دیا اور ان کی (باطنی) آنکھوں

وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾

کو اندھا کر دیا

کہ راہ حق نہیں پہچان سکتے

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ

تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے

کہ انکار ہی پر تلے رہتے ہیں

اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾

(یا غور کرتے ہیں مگر) دلوں پر قفل لگ رہے ہیں

کہ غور ہی نہیں کر سکتے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ

جو لوگ پشت پھیر کے ہٹ گئے بعد اس کے کہ سیدھا رستہ

مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ

ان کو صاف معلوم ہو گیا

دلائل عقلیہ سے بھی جیسے قرآن کا اعجاز اور نقلی دلائل سے بھی جیسے پہلی کتابوں کی پیشین گوئی کیونکہ اکثر منافقین یہودی تھے۔

الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ۭ وَاَمْلٰى لَهُمْ ﴿۲۵﴾

شیطان نے ان کو چکمہ دیا ہے اور ان کو دور دور کی سوجھائی ہے

کہ ایمان لانے سے فلاں فلاں مصلحتیں فوت ہو جائیں گی یہ تو دور کی سجھائی اس لئے ایمان نہ لانا ہی بہتر ہے یہ چکمہ ہے حاصل یہ ہوا کہ غور نہ کرنے کی وجہ عناد ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

یہ اس سبب سے ہوا

یعنی ہدایت کا رستہ دیکھ کر پیٹھ موڑ کر اس لئے ہٹ گئے۔

قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ

کہ ان لوگوں نے ایسے لوگوں سے جو کہ خدا کے اتارے ہوئے احکام کو (حسد سے) ناپسند کرتے ہیں

مراد اس سے یہودیوں کے روساء ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حسد کرتے تھے اور باوجود حق پہچان لینے کے اتباع سے عار کرتے تھے

فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ

یہ کہا کہ بعضی باتوں میں ہم تمہارا کہنا مان لیں گے

یعنی تم جو ہم کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع سے منع کرتے ہو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ظاہر میں بھی اتباع نہ کریں دوسرے یہ کہ باطن میں اتباع نہ کریں سو پہلی صورت میں تو بوجہ مصلحت کے ہم تمہارا کہنا نہیں مان سکتے لیکن دوسری صورت میں مان لیں گے کیونکہ عقائد میں ہم تمہارے ساتھ ہیں مطلب یہ ہے کہ حق سے پھرنے کا سبب قومی تعصب اور اندھی تقلید ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿۲۶﴾

اور اللہ تعالیٰ ان کی خفیہ باتیں کرنے کو خوب جانتا ہے

یعنی اگرچہ اس قسم کی باتیں یہ منافقین خفیہ کرتے ہیں مگر ہم سب کو جانتے ہیں اور بعض امور پر وحی سے آپ کو مطلع کر دیتے ہیں آگے وعید ہے کہ یہ لوگ جو ایسی حرکتیں کر رہے ہیں انجام سے بے خبر ہیں۔

فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ

سو ان کا کیا حال ہوگا جبکہ فرشتے ان کی جان قبض کرتے ہوں گے اور ان کے مونہوں پر

وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا

اور پشتوں پر مارتے جاتے ہوں گے اور یہ (سزا) اس سبب سے (ہوگی) کہ جو طریقہ

مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ

خدا کی ناراضی کا موجب تھا یہ اسی پر چلے اور اس کی رضا (کے کاموں) سے نفرت کیا

اَعْمَالَهُمْ ﴿۲۸﴾ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ

کیے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے سب اعمال (نیک اول ہی سے) کالعدم کر دیے

پس اس سزا کے مستحق ہو گئے اور اگر کسی کے پاس کوئی عمل مقبول ہو تو اس کی برکت سے کچھ تو سزا میں کمی ہو بھی جاتی ہے۔

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

جن لوگوں کے دلوں میں مرض (نفاق) ہے

اور وہ اس کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔

اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾

کیا یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کبھی ان کی دلی عداوتوں کو ظاہر نہ کریگا

یعنی ان کو یہ اطمینان کیسے ہو گیا جب کہ حق تعالیٰ کا عالم الغیب ہونا ثابت اور مسلم ہے اس میں واللہ یعلم اسرارہم کی شرح ہو گئی۔

وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ

اور ہم (تو) اگر چاہتے تو آپ کو ان کا پورا پتہ بتلا دیتے سو آپ ان کو حلیہ سے پہچان لیتے

پورے پتہ کا یہی مطلب ہے کہ ہر ایک کا پورا حلیہ بتلا دیتے اور حلیہ کا مفہوم اگرچہ عام ہوتا ہے مگر جس عام مفہوم کا مصداق ایک ہی شخص ہو اس کا بتلا دینا بمنزلہ اشارہ کے ہوتا ہے اس شخص کی طرف

وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ

اور آپ ان کو طرز کلام سے (اب بھی) ضرور پہچان لیں گے

یعنی اگرچہ مصلحت کی وجہ سے ہم نے اس طرح نہیں بتلایا لیکن طرز کلام سے آپ ان کو پہچان لیں گے کیونکہ ان کا کلام سچائی سے پیدا نہیں ہوتا اور آپ کو حق تعالیٰ نے نور فراست سے سچ اور جھوٹ کی پہچان دی ہے کہ سچ کا اثر دل پر اور ہوتا ہے اور جھوٹ کا اور جیسا کہ حدیث میں ہے الصدق طمانینة والکذب ریبة کہ سچ (کا اثر) اطمینان (ہوتا) ہے اور جھوٹ (سے سننے والے کے دل میں) کھٹک ہوتی ہے اور در منثور میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ پھر حق تعالیٰ نے حضور کو منافقین کا پتہ بتلا دیا پھر آپ منافقین کا نام تک بتلا دیا کرتے تھے سو یہ روایت آیت کے منافی نہیں کیونکہ یہ پتہ طرز کلام سے بھی چل سکتا ہے اور روح میں حضرت انس سے بلا سند روایت ہے کہ حضور منافقین کو علامت سے پہچان لیتے تھے اگر یہ روایت ثابت ہو تو بظاہر منافی ہے لیکن لونشاء ماضی کے معنی میں ہے اس سے آئندہ بتلا دینے کی نفی لازم نہیں آتی سو ممکن ہے کہ اس آیت کے بعد علامت کے ساتھ بھی پہچان بتلا دی گئی ہو اور حضرت حذیفہ کا منافقین کو بتلا دینا جو بعض روایات سے سمجھا جاتا ہے اس میں آپ کی پہچان کے متعلق دونوں احتمال ہیں آگے منافقین اور مومنین سب کو خطاب ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۰﴾

اور اللہ تعالیٰ تم سب کے اعمال کو جانتا ہے

پس مسلمانوں کو ان کے اخلاص پر جزا اور منافقین کو ان کے نفاق اور فریب پر سزا دے گا اور آگے جہاد وغیرہ کی ایک حاکمانہ حکمت بیان ہوتی ہے جیسا کہ اوپر فهل عسیتم میں حکیمانہ حکمت بیان ہوئی تھی

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ

اور (دشوار کاموں سے) ہم ضرور تم سب کی آزمائش کریں گے تاکہ ہم (ظاہری

وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾

طور پر بھی) ان لوگوں کو معلوم کر لیں جو تم میں جہاد کرنے والے ہیں اور جو ثابت قدم رہنے والے ہیں اور تاکہ تمہاری حالتوں کی جانچ کر لیں

ظاہری طور پر جان لینے کا مطلب پارہ سیقول لنعلم من یتبع الرسول کی تفسیر میں گزر چکا ہے اور یہ اس لئے بڑھا دیا تاکہ حکم جہاد کے علاوہ اور احکام بھی داخل ہو جائیں اور علاوہ مجاہدہ اور صبر کی حالت کے دوسرے حالات بھی داخل ہو جاویں ربط اوپر شروع سورت سے مسلمانوں کی تعریف اور کفار کی مذمت اور درمیان میں کفار سے جہاد کا حکم مذکور ہوا ہے آگے خاتمہ میں ان مضامین کا کچھ خلاصہ اور کچھ تتمہ اور کچھ تاکید ہے۔ ان الذین تا امثالکم

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

بیشک جو لوگ کافر ہوئے اور انہوں نے (اوروں کو بھی) اللہ کے رستہ (یعنی

وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ

دین) سے روکا اور رسول کی مخالفت کی بعد اس کے کہ ان کو (دین کا) رستہ نظر

الْهُدٰى ۙ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ

آ چکا تھا یہ لوگ اللہ (کے دین) کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے

بلکہ دین ہر حال میں پورا ہو کر رہے گا چنانچہ ہوا

وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ﴿۳۲﴾

اور اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو مٹا دے گا

جو دین حق کے مٹانے کے لئے عمل میں لا رہے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا

اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی (بھی)

الرَّسُوْلَ

اطاعت کرو

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ ہی کا حکم بتلاتے ہیں خواہ وہی خاص حکم وحی سے معلوم ہوا ہو یا یہ کہ وحی سے ایک عام حکم معلوم ہو گیا ہو جس سے خاص خاص واقعات کا حکم آپ نے خود سمجھ کر بیان فرما دیا ہو۔

وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾

کفار کی طرح اللہ و رسول کی مخالفت کر کے اپنے اعمال کو برباد مت کرو

اگر وہ مخالفت اعتقاد کے درجہ میں ہے اور پہلے ہی سے کافر ہے تب تو اعمال کا برباد ہونا اس لئے ہے کہ کفر کے ساتھ عمل صحیح ہی نہیں ہوتا اور اگر بعد میں کافر ہوا تو اس لئے برباد ہوئے کہ مرتد ہونے سے اعمال اکارت ہو جاتے ہیں اور اگر مخالفت اعتقاد میں نہیں بلکہ صرف عمل کے درجہ میں ہے جیسے گناہ گار مسلمانوں کی مخالفت تب برباد ہونے کی یہ صورت ہے کہ اس عمل کے صحیح ہونے یا باقی رہنے کی جو شرط ہے اس میں خلل ڈالا جائے اور چونکہ مخالفت خواہ کسی وجہ کی ہو یہ کام اصل میں کافروں کا ہے اس لئے دھمکی کے موقعہ میں یہ کہنا کہ کفار کی طرح مخالفت کر کے اعمال کو برباد نہ کرو جیسا کہ ترجمہ میں کہا گیا ہے صحیح ہے اگرچہ مسلمانوں کی مخالفت اس درجہ کی نہیں ہوتی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ

بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور انہوں نے واقعی اللہ کے رستہ سے روکا پھر وہ

اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ

کافر ہی رہ کر مر (بھی) گئے سو خدا تعالیٰ ان کو کبھی نہ بخشے گا

مغفرت نہ ہونے کے لئے کفر کے ساتھ دوسروں کو بھی دین سے روکنا بلکہ موت تک صرف کافر رہنے کا بھی یہی اثر ہے لیکن زیادہ ملامت کے لئے واقعی کی قید بڑھا دی ہے کیونکہ اس وقت کے بڑے بڑے کافروں میں یہ بات بھی تھی کہ وہ دوسروں کو بھی روکتے تھے آگے مومنین کی تعریف اور کفار کی برائی بیان فرماتے ہیں۔

فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿۳۴﴾ فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا

تو (اے مسلمانو) تم ہمت مت ہارو اور صلح کی طرف

اِلَى السَّلْمِ ۖ ۚ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖ ۚ

مت بلاؤ اور تم ہی غالب رہو گے

یعنی ہمت ہار کر ان سے صلح مت کرو وہ مغلوب ہوں گے کیونکہ تم محبوب ہو اور وہ مبغوض ہیں پس اس جگہ ہر صلح کی ممانعت نہیں بلکہ صرف وہ صلح جس کا منشا پست ہمتی ہو ممنوع ہے۔

وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾

اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور تمہارے اعمال (کے ثواب) میں ہرگز کمی نہ کریگا

اور دنیا و آخرت میں کامیابی عطا فرما دے گا۔

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ

دنیوی زندگی تو محض ایک لہو و لعب ہے

دنیا کی راحت ہی کیا اور پھر نہ اس کا کچھ نتیجہ۔

وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ

اور اگر تم ایمان اور تقویٰ اختیار کرو تو اللہ تم کو تمہارے اجر عطا کرے گا۔

غرض تم کو اپنے پاس سے نفع پہنچائے گا

وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿۳۶﴾

اور تم سے تمہارے مال طلب نہ کرے گا کہ پھر انتہا درجہ تک تم سے طلب کرتا رہے

بطور امتحان کے

اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ

گو تم (یعنی اکثر) بخل کرنے لگو اور (اس وقت) اللہ تعالیٰ تمہاری ناگواری

اَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾

ظاہر کر دے

تا کہ دل کی حالت کھل جائے

هٰۤاَنۡتُمۡ هٰۤؤُلَآءِ تُدۡعَوۡنَ

ہاں تم لوگ ایسے ہو کہ تم کو اللہ کی راہ میں (تھوڑا سا مال)

شریعت میں تمام مال دینا واجب نہیں کیا گیا

لِتُنۡفِقُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنۡكُمۡ مَّنۡ

خرچ کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے سو (اس پر بھی) بعضے تم میں سے وہ ہیں جو

يَّبۡخَلُ ۚ وَمَنۡ يَّبۡخَلۡ فَاِنَّمَا يَبۡخَلُ عَنۡ

بخل کرتے ہیں اور جو شخص (ایسی جگہ خرچ کرنے سے) بخل کرتا ہے تو وہ

نَّفۡسِهٖ ؕ

(درحقیقت) اپنے سے بخل کرتا ہے

اگر چہ ایسے لوگ تھوڑے سہی مگر اس سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ اگر سارا مال خرچ کرنے کا حکم ہوتا تو جیسے اب تھوڑے بخل کرتے ہیں اس وقت اکثر لوگ بخل کرتے جیسا کہ طبیعتوں کے انداز سے صاف ظاہر ہے آگے تھوڑا مال خرچ کرنے میں بخل کی مذمت ہے۔

یعنی اپنے ہی کو اس کے دائمی نفع سے محروم رکھتا ہے۔

وَاللّٰهُ الۡغَنِىُّ

اور (نہیں تو) اللہ تو کسی کا محتاج نہیں

کہ اس کے ضرر کا احتمال ہو۔

وَاَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ ۚ

اور تم سب محتاج ہو

تمہاری ہی ضرورت کی رعایت سے تم کو خرچ کرنے کا حکم کیا گیا ہے کیونکہ آخرت میں تم کو ثواب کی حاجت ہوگی اور ثواب لینے کا طریقہ یہی اعمال ہیں اب تم اپنا نفع نقصان دیکھ لو۔

وَاِنۡ تَتَوَلَّوۡا يَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَيۡرَكُمۡ ۙ ثُمَّ

اور اگر تم (ہمارے احکام سے) روگردانی کرو گے تو خدا تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری

لَا يَكُوۡنُوۡۤا اَمۡثَالَـكُمۡ ع (۳۸)

قوم پیدا کر دے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے

یعنی اول تو ہمیں کسی کے عمل ہی کی حاجت نہیں اور اگر بعض حکمتوں کی وجہ سے دنیا میں ایسے لوگوں کو رکھنا ہی ہو گا جو نیک کام کریں تو ہم ایسی قوم پیدا کر دیں گے جو نہایت فرمانبردار ہوں گے اور دین کا کام ان سے لیا جاوے گا اور اس طرح وہ حکمت پوری ہو گی اور بظاہر اس پوری آیۃ کے مخاطب مسلمان ہیں کیونکہ **ان تتلوا** کے متعلق ترمذی کی ایک حدیث میں صحابہ کا یہ سوال مروی ہے **من ھولاء الذین اذا تولینا استبدلوا بنا** یہ کون لوگ ہیں کہ اگر ہم بے رخی کرنے لگیں تو وہ ہماری جگہ پیدا کئے جائیں گے آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ مسلمانان اہل فارس ہوں گے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ **ان تتولوا** میں مسلمانوں کو خطاب ہے اور ظاہر ہے کہ سب ضمیروں کا مخاطب ایک ہی ہونا مناسب ہے تو شروع آیۃ میں بخل کے متعلق بھی مسلمانوں ہی کو مخاطب کہنا مناسب ہے اور بعض نے کہا ہے کہ بخل کے متعلق منافقین سے خطاب ہے کیونکہ مسلمانوں سے بخل کا صادر ہونا بعید ہے مگر اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو ہم بجز انبیاء اور ملائکہ کے کسی کو معصوم نہیں کہتے دوسرے یہ کیا ضرور ہے کہ مسلمانوں سے بخل صادر نہ ہوا ہو ممکن ہے کہ خرچ کرنے میں انقباض اور دل تنگی پیدا ہوئی ہو اور یہ کوئی گناہ نہیں ہے اگر اس کے مقتضا پر عمل نہ کیا جائے لیکن یہ انقباض چونکہ کسی وقت بخل کا ذریعہ بھی بن جاتا ہے اس لئے اس پر عتاب ہوا ہو کہ اس کا زائل کرنا ضروری ہے اور یہ بات یقینی ہے کہ صحابہ سے احکام الٰہی میں بے رخی صادر نہیں ہوئی مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ دوسری قوم پیدا نہ کی گئی ہو البتہ یہ یقینی ہے کہ وہ صحابہ کی جگہ پیدا نہیں ہوئی پس حدیث میں جو اس قوم کی تفسیر اہل فارس سے آئی ہے جو کہ پیدا کئے گئے اس میں کوئی اشکال نہیں **سورۃ الفتح مدینۃ وآیہا تسع و عشرون کذافی البیضاوی** ربط پہلی سورت کے ختم میں اللہ کے راستہ میں جان و مال خرچ کرنے کی ترغیب تھی اور اس تمام سورت میں اس کے چند مواقع مذکور ہیں اور اس سورت میں چند واقعات کی طرف اشارہ ہے سہولت کے لئے ان کو لکھ دینا مناسب ہے واقعہ اول حضورؐ نے مدینہ میں خواب دیکھا کہ ہم مکہ میں امن و امان کے ساتھ گئے اور عمرہ کیا آپ نے یہ خواب صحابہ سے بیان فرمایا اگرچہ آپ نے مدت کی تعیین نہ فرمائی تھی مگر اکثروں کو یہ خیال ہوا کہ ہم کو اسی سال عمرہ میسر ہو گا اور اتفاقاً آپ کا قصد بھی ہو گیا تو آپ مع ڈیڑھ ہزار صحابہ اور قربانی کے جانوروں کے مکہ روانہ ہوئے واقعہ ۲ آپ نے حدیبیہ میں قیام فرما کر قاصد بھیجا کہ ہم لڑنے نہیں آئے عمرہ کر کے چلے جائیں گے جواب نہ ملنے پر حضرت عثمان کو بھیجا ان کو قریش نے روک لیا یہاں دیر ہونے سے مشہور ہو گیا کہ عثمان قتل ہو گئے تو آپؐ نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہ سے جہاد کی بیعت لی قریش نے ڈر کر حضرت عثمان کو واپس بھیج دیا واقعہ ۳ مکہ کے

چند رؤسا صلح کی غرض سے حاضر ہوئے اور بعد ایسے امور کے جن پر مسلمانوں کو جوش آتا تھا مگر حضور کے علم کی وجہ سے نہ بول سکتے تھے صلح نامہ مرتب ہوا جس میں ایک شرط یہ تھی کہ سال آئندہ آ کر عمرہ کریں اور اس سال چلے جائیں اور یہ کہ دس سال تک لڑائی نہ ہوگی چنانچہ آپ نے حدیبیہ ہی میں قربانی کی اور مدینہ واپس ہوئے واقعہ ۴ صلح سے قبل مکہ والوں کی ایک مسلح جماعت حضور کی نسبت بدارادہ کر کے خفیہ طور پر حدیبیہ آئی جو گرفتار کر لی گئی مگر حضور نے ان کو رہا فرما دیا واقعہ ۵ مکہ سے روانگی کے وقت لڑائی کے شبہ پر دیہات والوں میں بھی حضور نے چلنے کا حکم بھیج دیا تھا مگر وہ بوجہ نفاق کے نہیں آئے واپسی کے وقت حاضر ہو کر جھوٹے عذر کرنے لگے واقعہ ۶ حدیبیہ سے مدینہ کو واپسی کے وقت یہ سورۃ یا اس کا اکثر حصہ نازل ہوا واقعہ ۷ حدیبیہ سے واپس تشریف لا کر خیبر فتح کیا جو یہود کا شہر تھا مدینہ سے چار منزل پر اس میں حدیبیہ والوں کے سوا کوئی شریک نہ تھا واقعہ ۸ سال آئندہ میں آپ نے امن کے ساتھ عمرہ فرمایا واقعہ ۹ صلح نامہ میں دس سال تک لڑائی موقوف رہنے کا معاہدہ قریش نے توڑ دیا آپ نے مکہ پر چڑھائی کی اور اس کو فتح کیا۔

(۴۸) سُوْرَةُ الْفَتْحِ مَدَنِيَّةٌ (۱۱۱)

سورۂ فتح مدینہ میں نازل ہوئی اور اس میں انتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ (۱)

بے شک ہم نے آپ کو (صلح حدیبیہ سے) ایک کھلم کھلا فتح دی

یہ صلح ہی فتح کا سبب ہو گیا۔

لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ

تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی (ظاہری) خطائیں معاف فرما دے

یعنی آپ کی تبلیغ واشاعت کا نتیجہ ظاہر ہو۔

وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ

اور آپ پر اللہ تعالیٰ اپنے احسانات کی (اور زیادہ) تکمیل کر دے

کہ بہت سے آدمی آپ کے ہاتھ پر ایمان لاویں۔

وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۙ (۲)

اور آپ کو سیدھے رستہ پر لے چلے

یعنی کفار کو مغلوب کر کے رکاوٹیں دور کر دے۔

وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا (۳)

اور آپ کو ایسا غلبہ دے جس میں عزت ہی عزت ہو

اور آپ کو کبھی نہ دبنا پڑے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ

وہ خدا ایسا ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں تحمل پیدا کیا

اور جوش کو فرو کیا۔

فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا

تا کہ ان کے پہلے ایمان کے ساتھ ان کا

مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ۭ

ایمان اور زیادہ ہو

کہ موافق حکم ورضائے رسول تھا

وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ

اور آسمان و زمین کا سب لشکر اللہ ہی کا لشکر ہے

پس جہاد کے وقت کفار کی تعداد کا کبھی خیال نہ کرنا

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ (۴)

اور اللہ تعالیٰ (مصلحتوں کا) بڑا جاننے والا حکمت والا ہے

پس جو حکم دیا جائے اس کی تعمیل کرو

لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ

تا کہ اللہ تعالیٰ (اس اطاعت کی بدولت مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا

ایسی بہشتوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں

وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ

ہمیشہ کو رہیں گے اور تا کہ (اطاعت ہی کی بدولت) ان کے گناہ دور کر دے

عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۙ (۵)

اور یہ (جو کچھ مذکور ہوا) اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے

یہ بھی اسی سکینہ اور تحمل کا ثمرہ ہے کیونکہ وہ سکینہ اطاعت کا سبب ہوا اور اطاعت سبب ہے جنت میں جانے کا اور اس بشارت میں عورتوں کے شامل کرنے پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ وہ تو حدیبیہ میں شریک نہ تھیں بات یہ ہے کہ فضیلت کا مدار اطاعت پر ہے خواہ کسی خاص کام میں ہو یا دوسرے کاموں میں ہو تو اس میں مسلمان عورتیں بھی شریک ہیں دوسرے اس کے بڑھا دینے سے ایک گونہ عورتوں کی تسلی بھی ہے کہ حدیبیہ والوں کے فضائل سن کر شاید ان کو یہ خیال ہوتا کہ ہم ان فضائل سے محروم ہیں اس لئے بتلا دیا کہ مدار اطاعت پر ہے تو جو احکام تمہارے متعلق ہیں تم ان میں اطاعت کرو تو تم بھی ان کے مستحق ہوگی تیسرے یہ کہ مسلمانوں کے غلبہ سے ان کی عورتیں بھی دل سے خوش ہوتی اور دعا کرتی تھیں تو وہ بھی اس ثواب میں شریک ہیں اور چونکہ اس جگہ سکینہ نازل کرنیکا بیان مسلمانوں کی مدح میں ہوا ہے اور مدح اکثر ایسی چیز کے ساتھ کی جاتی ہے جو ممدوح کے ساتھ خاص ہو اس لئے اس آیت سے یہ بھی سمجھا گیا کہ کفار کے قلب پر سکینہ نازل نہیں کیا گیا آگے اس کا انجام بیان فرماتے ہیں کہ کافروں کے دل پر سکینہ بالکل نازل نہیں کیا گیا کیونکہ ان کو ایمان کی بھی توفیق نہ ہوئی اور وہ ایمان ہی کا نتیجہ تھا۔

وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ

اور تا کہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک

وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ

عورتوں کو عذاب دے جو کہ اللہ کے ساتھ برے برے گمان رکھتے ہیں

برے گمان میں کفر اور شرک کے عقائد اور رسول کی نبوت کا انکار اور غلبہ اسلام کے وعدہ کو جھوٹا سمجھنا سب داخل ہے اس میں کفار مکہ کی طرف بھی اشارہ ہے جنہوں نے اس واقعہ میں آپ سے ضد باندھی اور منافقین مدینہ پر بھی اشارہ ہے کہ وہ بوجہ عداوت کے تمنا کرتے تھے کہ مسلمان بچ کر نہ آئیں اور غلبہ اسلام کے وعدہ کو جھوٹا سمجھنا سب داخل ہے اس میں کفار مکہ کی طرف بھی اشارہ ہے جنہوں نے اس واقعہ میں آپ سے ضد باندھی اور منافقین مدینہ پر بھی اشارہ ہے کہ وہ بوجہ عداوت کے تمنا کرتے تھے کہ مسلمان بچ کر نہ آئیں اور غلبہ اسلام کی نسبت خدا کے وعدوں کو غلط سمجھتے تھے اور چونکہ عذاب کا مدار کفر پر ہے اس لئے منافق اور کافر عورتوں کو بھی شامل کر لیا نیز اس واقعہ میں بالخصوص آپ کی مخالفت میں یہ عورتیں بھی شریک نہیں گو دل ہی سے سہی آگے ان سب کفار کے لئے وعید ہے۔

عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ

دنیا میں ان پر برا وقت پڑنے والا ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ ان پر

وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ

غضبناک ہوگا اور ان کو رحمت سے دور کردے گا اور ان کے لئے اس نے دوزخ

مَصِيْرًا ⑥

تیار کر رکھی ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے

چنانچہ مشرکین چند ہی روز میں قتل وقید ہوئے اور منافقین کی تمام عمر حسرت اور پریشانی میں کٹی کیونکہ اسلام بڑھتا تھا اور وہ گھٹتے جاتے تھے۔

وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ

اور آسمان و زمین کا سب لشکر اللہ ہی کا ہے اور

اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ⑦

اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے

یعنی پوری قدرت والا ہے اگر چاہتا کسی لشکر سے ایک دم میں ان سب کی صفائی کر دیتا کیونکہ یہ اس کے مستحق ہیں لیکن چونکہ وہ حکمت والا بھی ہے اس لئے مصلحت سے اس میں توقف فرماتا ہے اور یہ مضمون اوپر بھی آچکا ہے مگر وہاں مقصود یہ تھا کہ ہم مسلمانوں کے غالب کرنے پر قادر ہیں جس میں تسلی تھی اور یہاں مقصود یہ ہے کہ ہم کفار کے مقہور کرنے پر قادر ہیں جس میں دھمکی ہے اسی لئے یہاں حکیما کے ساتھ عزیزا فرمایا جو قہر پر دلالت کرتا ہے وہاں یہ نہ تھا بس تکرار کچھ نہیں ربط اوپر مسلمانوں پر انعامات کا ذکر تھا چونکہ وہ انعامات حق تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے عطا ہوئے ہیں اس لئے آگے اللہ و رسول کے حقوق کا اور ان کے بجالانے والوں کی فضیلت اور نہ ماننے والوں کی مذمت کا بیان ہے۔ انا ارسلنک تا اجراً عظیما۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ⑧ۙ

ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور (مسلمانوں کو) بشارت دینے والا اور کافروں کو ڈرانے والا کر کے بھیجا ہے

قیامت کے دن تمام امت کے اعمال پر آپ گواہ ہوں گے آگے مسلمانوں کو خطاب ہے کہ ہم نے ان کو اس واسطے رسول بنا کر بھیجا ہے کہ تم خدا کی اطاعت کرو۔

لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ

تا کہ تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کے دین

وَتُوَقِّرُوْهُ ۭ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۹﴾

کی مدد کرو اس کی تعظیم کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح میں لگے رہو

عقیدہ سے بھی کہ اللہ تعالیٰ کو کمالات کے ساتھ موصوف اور عیوب سے پاک سمجھو اور اعمال میں بھی اطاعت کرو۔

تسبیح کی تفسیر نماز سے کی جاوے تو صبح اور شام کی فرض نمازیں مراد ہوں گی ورنہ مطلق ذکر اگرچہ مستحب ہی ہو مراد ہوگا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ

جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں

یعنی حدیبیہ کے دن اس بات پر بیعت کر چکے ہیں کہ جہاد سے بھاگیں گے نہیں

اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ

تو وہ (واقع میں) اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے ہیں

کیونکہ آپ سے بیعت کرنے کا یہی مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام بجالاویں گے۔

يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ

خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے پھر (بعد بیعت کے) جو شخص عہد توڑے گا سو

فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰي نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا

اس کے عہد توڑنے کا وبال اسی پر پڑے گا اور جو شخص اس بات کو پورا کرے گا

عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۰﴾

(جس پر (بیعت میں) خدا سے عہد کیا ہے تو عنقریب خدا اس پر بڑا اجر دے گا

یہ پہلے ہی مضمون کی تاکید ہے کیونکہ اس سے مراد بھی بیعت ہے۔

اس بیعت کا ذکر واقعہ میں گزر چکا ہے اور چونکہ الفاظ عام ہیں اس لئے جس جہد کا پورا کرنا شرعاً واجب ہو اس کے توڑنے پر یہی وعید ہے اور پیری مریدی کی بیعت توڑنے کو یہ وعید شامل نہیں کیونکہ اگر ایک پیر سے قطع تعلق کر دیا لیکن احکام الٰہی میں اعتقادی یا عملی خلل واقع نہیں کیا ذرہ برابر گناہ نہیں البتہ بلا شرعی ضرورت کے ایسا کرنا بے برکتی کا سبب ضرور ہے اور ممکن ہے کہ یہ بالواسطہ گناہ تک بھی پہنچادے اور شرعی ضرورت سے قطع تعلق واجب ہے مثلاً کسی غیر متشرع سے بیعت ہوگیا ہو اور ید اللہ کے حقیقی معنی متشابہات میں سے ہیں اس میں زیادہ تفتیش نہ کریں ربط اوپر

حدیبیہ والوں کے مدائح تھے آگے اس سے پیچھے رہنے والوں کی فضائح ہیں جس کا قصہ واقعہ پنجم میں ذکر ہو چکا ہے۔ **سیقول لک تا رحیما**

سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ

جو (دیہاتی حدیبیہ سے پیچھے رہ گئے وہ عنقریب

یعنی جب کہ آپ مدینہ پہنچیں گے کیونکہ یہ سورت راستہ میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہوا ہے

مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا

آپ سے (بات بنا کر) کہیں گے کہ ہم کو ہمارے مال اور عیال نے فرصت نہ لینے دی

یعنی ہم جو آپ کے ساتھ شریک نہیں ہوئے اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ہم ان کی ضروریات میں مشغول رہے ورنہ شرکت کا ارادہ تھا۔

فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ

سو ہمارے لئے (اس کوتاہی کی) معافی کی دعا کر دیجئے

صحیح عذر کے ہوتے ہوئے استغفار کی درخواست اگر غیر مخلص کرے تو وہ اخلاص میں ریاء ہے اور اگر مخلص کرے تو اس کی یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ عذر کا عذر ہونا اکثر اپنی رائے سے سمجھا جاتا ہے جس میں بعض اوقات نفس اور شیطان کے دھوکہ سے تامل میں یا اس کے موافق عمل کرنے میں کوتاہی ہو جاتی ہے لہٰذا استغفار کی حاجت ہوتی ہے آگے حق تعالیٰ ان کی تکذیب فرماتے ہیں۔

بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ

یہ لوگ اپنی زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہیں

مطلب یہ کہ ان کے عذر میں کئی مضمون ہیں ایک یہ کہ ہم کو فرصت نہ تھی دوسرے یہ کہ ہمارا ارادہ شریک ہونے کا تھا تیسرے ہم آپ کے استغفار کو مفید سمجھتے ہیں حالانکہ خود اپنے دل میں صحیح نہیں سمجھتے کیونکہ پہلی دو باتیں تو واقع کے خلاف ہیں اور تیسری بات میں اس لئے جھوٹے ہیں کہ ان کو نبوت کا اعتقاد نہیں آگے آپ کو جواب تعلیم فرماتے ہیں۔

قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ

آپ کہہ دیجئے کہ سو وہ کون ہے جو خدا کے سامنے تمہارے لئے کسی چیز کا (کچھ

اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۭ

بھی) اختیار رکھتا ہو اگر اللہ تعالیٰ تم کو کوئی نقصان یا کوئی نفع پہنچانا چاہے

اور ظاہر ہے کہ ایسا کوئی نہیں اس سے ثابت ہوا کہ کوئی عذر قضا وقدر کو دفع نہیں کر سکتا پس تم اپنے اہل وعیال میں رہ کر کسی تقدیری امر کو دفع نہیں کر سکتے تھے تو اگر یہ عذر صحیح بھی ہوتا تب بھی قطعی حکم کے سامنے محض بے ہودہ ہے ہاں بعض جگہ شریعت نے مصلحت سمجھ کر نفس کی تسلی وغیرہ کے لئے واقعی عذر کو قبول کر کے اس پر سہولت اور رخصت کا مدار بھی رکھا ہے لیکن جہاں شریعت نے اس کا اعتبار نہیں کیا اور قطعی طور پر ایک حکم دے دیا جیسا کہ اس جگہ ہوا وہاں واقعی عذر بھی قبول نہیں ہوگا دوسرے یہ عذر خود واقعی بھی نہیں جیسا کہ آگے آتا ہے اور یہ مت سمجھنا کہ مجھ کو اس عذر کی حقیقت کی خبر نہیں۔

بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۱﴾ بَلْ

بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال پر مطلع ہے بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ)

ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ

تم نے یوں سمجھا کہ رسول اور (ہمراہی) مومنین اپنے گھر والوں میں کبھی

اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا

لوٹ کر نہ آویں گے

اور اس نے بذریعہ وحی کے مجھ کو اطلاع کر دی ہے کہ تمہارے پیچھے رہنے کی وجہ وہ نہیں ہے جو تم نے بیان کی ہے۔

بلکہ مشرکین سب کی صفائی کر دیں گے۔

وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِىْ قُلُوْبِكُمْ

اور یہ بات تمہارے دلوں میں اچھی ہی معلوم ہوتی تھی

یعنی بوجہ عداوت کے تم کو اسی بات کی تمنا بھی تھی۔

وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚۖ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا ﴿۱۲﴾

اور تم نے برے برے گمان کئے اور تم برباد ہونے والے لوگ ہوگئے

یعنی تم ان بڑے گناہوں کی وجہ سے جو کہ خیالات کفریہ میں عذاب کے مستحق ہوگئے۔

وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا

اور جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان نہ

لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۳﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ

لاوے گا سو ہم نے کافروں کے لئے دوزخ تیار کر رکھی ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ

اور تمام آسمان و زمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے

وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ

وہ جس کو چاہے بخش دے اور جس کو چاہے سزا دے

چنانچہ مومن کے لئے مغفرت اور کافر کے لئے عذاب چاہا اور اسی طرح قانون ٹھہرا دیا۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۴﴾

اور اللہ تعالیٰ بڑا غفور رحیم ہے

کہ کافر اگرچہ سزا کا مستحق ہوتا ہے لیکن وہ بھی اگر ایمان لے آوے اس کو بھی بخش دیتا ہے اور بعض تفاسیر میں ہے کہ ان منافقوں میں سے بہت سے تائب اور مخلص ہوگئے تھے ربط اوپر ان پیچھے رہنے والوں سے واقعہ حدیبیہ کے متعلق حکم تھا آگے اور دو واقعوں کے متعلق ان سے گفتگو کا حکم ہے سیقول المخلفون تا الیما

سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ

جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے وہ عنقریب جب تم (خیبر کی) غنیمتیں لینے چلو گے

مطلب یہ کہ جب خیبر فتح کرنے چلو گے جہاں غنیمت ملنے والی ہے پس وہ گویا غنیمت کے لئے جانا ہے

لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ

کہیں گے کہ ہم کو بھی اجازت دو کہ ہم تمہارے ساتھ (خیبر کو) چلیں

اور وجہ اس درخواست کی غنیمت کا لالچ تھا جس کے وہاں حاصل ہونے کی قرائن سے ان کو امید تھی بخلاف حدیبیہ کے کہ وہاں زحمت بلکہ ہلاکت کا اندیشہ تھا۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ۭ

وہ لوگ یوں چاہتے ہیں کہ خدا کے حکم کو (جو خیبر کے متعلق ہوا ہے) بدل ڈالیں

اور وہ حکم یہ ہے کہ حدیبیہ والوں کے سوا خیبر اور کوئی نہ جائے بالخصوص پیچھے رہ جانے والے تو مسلمانوں سے اس کی درخواست کرنا گویا یہ درخواست ہے کہ مسلمان خدا کے حکم کے خلاف کریں جو شرعاً ان کے لئے ممنوع ہے اور اس تبدیلی کے واقع ہونے سے افعال وصفات خداوندی میں کوئی نقص نہیں آتا کیونکہ وہ حکم شرعی تھا لیکن مسلمانوں کا گناہ گار ہونا لازم آتا ہے حاصل یہ

ہوا کہ وہ یوں چاہتے ہیں کہ تم گناہ کے مرتکب ہو کر ہم کو بھی ساتھ لے چلو۔

قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا

آپ کہہ دیجئے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے

یعنی ہم اس درخواست کو منظور نہ کریں گے اور تم کو ساتھ لے جا کر گناہ گار نہ ہوں گے۔

كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ج

خدا تعالیٰ نے پہلے ہی یوں فرما دیا ہے

یعنی یہی حکم دے دیا ہے کہ اوروں کو مت لے جانا اور پہلے سے اس لئے کہا کہ حدیبیہ سے واپسی میں یہ حکم ہو گیا تھا۔

فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ط

تو وہ لوگ کہیں گے بلکہ تم لوگ حسد کرتے ہو

یہ بطور پیشین گوئی ان کے جواب کی اطلاع ہے۔

بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵﴾

بلکہ خود یہ لوگ بہت کم بات سمجھتے ہیں

اس لئے مسلمانوں کے جواب کو حسد پر محمول کرتے ہیں۔

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ

آپ پیچھے رہنے والے دیہاتیوں سے (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ عنقریب تم لوگ

اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ

ایسے لوگوں (سے لڑنے) کی طرف بلائے جاؤ گے جو سخت لڑنے والے ہوں

اَوْ يُسْلِمُوْنَ ج

گے کہ یا تو ان سے لڑتے رہو یا وہ مطیع (اسلام) ہو جائیں

مراد فارس و روم کے غزوات ہیں۔

یعنی مسلمان ہو جائیں یا جزیہ دینا قبول کر لیں۔

فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ج

سو اس وقت اگر تم اطاعت کرو گے تو تم کو اللہ تعالیٰ نیک عوض (یعنی جنت)

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ

دے گا اور اگر تم (اس وقت) بھی روگردانی کرو گے جیسا کہ اس کے قبل

عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶﴾

(حدیبیہ وغیرہ) میں روگردانی کر چکے ہو تو وہ دردناک عذاب کی سزا دے گا

آگے ارشاد ہے کہ جہاد سے معذور لوگ مستثنیٰ بھی ہیں۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ

نہ اندھے پر کوئی گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے اور نہ بیمار

حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ط

پر کوئی گناہ ہے اور نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے

آگے فرماتے ہیں کہ یہ وعدہ وعید ہر مطیع و نافرمان کے لئے عام ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

اور کلیہ یہ ہے کہ) جو شخص اللہ و رسول کا کہنا مانے گا اس کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور جو شخص (حکم سے)

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ج وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ

روگردانی کرے گا اس کو دردناک عذاب کی سزا دے گا۔ بالتحقیق اللہ تعالیٰ

عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۷﴾ ع لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ

ان مسلمانوں سے خوش ہوا جب کہ یہ لوگ آپ سے درخت (سمرہ) کے

اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ

نیچے بیعت کر رہے تھے اور ان کے دلوں میں جو کچھ تھا اللہ کو وہ بھی معلوم تھا

جہاد میں ثابت قدم رہنے پر بیعت کر رہے تھے

مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ

اور اس وقت) اللہ تعالیٰ نے ان (کے قلب) میں اطمینان پیدا کر دیا

آگے ظاہری نعمتوں کا بیان ہے۔

وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾ لا وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً

اور ان کو ایک لگتے ہاتھ فتح بھی دیدی اور (اس فتح میں) بہت سی غنیمتیں بھی

يَّاْخُذُوْنَهَا ط وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۹﴾

(دیں) جن کو یہ لوگ لے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست بڑا حکمت والا ہے

کہ اپنی قدرت اور حکمت سے جس کو چاہے اور جب مناسب ہو فتح دے دیتا ہے اور مراد اس سے فتح خیبر ہے اور یہ غزوہ حدیبیہ سے واپسی کے بعد ہوا پس اگر یہ آیتیں بھی رستہ ہی میں نازل ہوئی ہیں تب تو اس آیت میں پیشین گوئی ہے فتح کی جس کو مجازاً صیغہ ماضی کے ساتھ بیان فرمایا اور اگر یہ آیتیں فتح خیبر کے بعد نازل ہوئی ہیں تو اس سورت کا حدیبیہ سے واپسی مدینہ کے وقت نازل ہونا اکثر اجزاء کے اعتبار سے ہے چنانچہ تمہید میں بذیل واقعہ ۶ اس طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے۔

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا

اللہ نے تم سے (اور بھی) بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر رکھا ہے جن کو تم لوگے

اس میں جتنی غنیمتیں بھی آیت کے نزول کے بعد حاصل ہوئیں سب داخل ہیں اور ان میں اگرچہ فتح مکہ بھی داخل ہے مگر اس کا ذکر خاص طور پر واخری لم تقدروا میں کیا گیا کیونکہ وہ صحابہ کو خصوصیت کے ساتھ مطلوب تھی تو اس کا خاص اہتمام سے بیان ہوا

فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ

سو سردست تم کو یہ دے دی ہے اور لوگوں کے ہاتھ تم سے

عَنْكُمْ ج

روک دیے اور تا کہ یہ (واقعہ اہل ایمان کے لئے ایک نمونہ ہو جائے

یعنی خیبر والوں کے دلوں میں رعب پیدا کر دیا کہ ان کو زیادہ مقابلہ کی ہمت نہ ہوتی اور اس سے تمہارا دنیوی نفع بھی مقصود تھا تا کہ آرام اور فراغت ہو اور دینی نفع بھی مقصود تھا جس کا آگے بیان ہے۔

دوسرے وعدوں کے سچے ہونے کا یعنی خدا کے وعدوں کے سچا ہونے پر اور زیادہ پختہ ایمان ہو جائے۔

وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا

اور تا کہ تم کو (ہر امر میں) ایک سیدھی سڑک پر

مُّسْتَقِيْمًا ﴿۲۰﴾ لا

ڈال دے

سیدھی سڑک سے مراد توکل اور خدا پر بھروسہ ہے یعنی ہمیشہ اس واقعہ کو سوچ کر اللہ پر اعتماد سے کام لیا کرو پس اس میں دینی منافع دو ہوئے ایک اعتقادی کہ خدا کے وعدوں کو ہمیشہ سچا سمجھو دوسرا عملی و اخلاقی کہ ہمیشہ خدا پر بھروسہ رکھو۔

وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا

اور ایک فتح اور بھی (ہونے والی) ہے جو (اس وقت تک) تمہارے قابو میں نہیں آئی

مراد اس سے فتح مکہ ہے جس کا اب تک وقوع نہ ہوا تھا۔

قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ط

خدا تعالیٰ اس کو احاطہ (قدرت) میں لیے ہوئے ہے

جب چاہے گا تم کو عطا فرما دے گا۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۱﴾

اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے

اسی کی کیا تخصیص ہے چنانچہ جب مصلحت ہوئی مکہ بھی فتح ہو گیا جس کا ذکر واقعہ ۹ میں لکھا گیا ہے۔ ربط اوپر مکہ کا اس وقت تک فتح نہ ہونا اور آئندہ فتح ہونے کا وعدہ مذکور ہے آگے بتلاتے ہیں کہ اگرچہ بعض باتیں اس کو مقتضی تھیں کہ مکہ اسی وقت فتح ہو جاتا مگر بعض دوسری حکمتوں کی وجہ سے ایسا نہ ہوا چنانچہ ان حکمتوں کو بیان فرماتے ہیں۔ ولو قاتلوکم تا علیما۔

وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ

اور اگر تم سے یہ کافر لڑتے تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگتے

لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۲۲﴾

پھر نہ ان کو کوئی یار ملتا اور نہ مددگار

یعنی چونکہ کفار کے مغلوب ہونے کے اسباب موجود تھے جن کا آگے بیان ہوگا اس لئے اگر وہ مقابلہ کرتے مغلوب ہو جاتے۔

سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ صلے ج

اللہ تعالیٰ نے کفار کے لئے) یہی دستور کر رکھا ہے جو پہلے سے چلا آتا ہے

کہ مقابلہ کے وقت اہل حق غالب اور باطل والے مغلوب ہوتے رہے ہیں اور کبھی کسی حکمت سے اس میں توقف ہو جانا غلبہ کے منافی نہیں۔

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾

اور آپ خدا کے دستور میں (کسی شخص کی طرف) سے ردوبدل نہ پائیں گے

کہ خدا تعالیٰ کوئی کام کرنا بھی چاہے اور کوئی اس کو نہ ہونے دے۔

وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ

اور وہ ایسا ہے کہ اس نے ان کے ہاتھ تم سے (یعنی تمہارے قتل سے) اور

عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ

تمہارے ہاتھ ان (کے قتل) سے عین مکہ (کے قرب) میں روک دیئے

یعنی باوجودیکہ لڑائی میں تم ہی کو غلبہ ہوتا لیکن بعض حکمتوں ہی کی وجہ سے جن کا بیان آگے آتا ہے تم سے لڑائی کو روک دیا اور قرب مکہ سے مراد حدیبیہ ہے جس کو غایۂ قرب کی وجہ سے بطن مکہ بمعنی عین مکہ فرما دیا اور اس سے بظاہر حنفیہ کے قول کی تائید ہوسکتی ہے جو حدیبیہ کا ایک حصہ حرم میں داخل مانتے ہیں اور معکوفا ان یبلغ محلہ سے جو معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کے جانور اپنے اصلی موقعہ پر نہیں پہنچے تھے کہ اصلی موقعہ سے مراد مطلق حرم نہیں کیونکہ حدیبیہ میں جانوروں کا پہنچنا یقینی ہے اور حدیبیہ کا ایک حصہ حنفیہ کے نزدیک حرم ہے بلکہ اس سے مراد منٰی یا مکہ ہوسکتا ہے جہاں قربانی کرنے کی اکثر عادت ہے۔

مِنْ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ط

بعد اس کے کہ تم کو ان پر قابو دے دیا تھا

یہ اشارہ ہے واقعہ کی طرف کہ ایک مسلح جماعت خفیہ آئی تھی اور صحابہ نے ان کو پکڑ لیا تھا یعنی اس میں خدا کی طرف سے حکمت اور احسان تھا کفار کے ہاتھ روک دینے میں تو احسان ظاہر ہے اور مسلمانوں کے ہاتھ روک دینے میں احسان یہ ہے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو لڑائی شروع ہو جاتی اور جو حکمتیں لڑائی نہ ہونے میں تھیں وہ فوت ہو جاتیں۔

وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿۲۴﴾

اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو (اس وقت) دیکھ رہا تھا

اور ان کاموں کے اثر کو جانتا تھا اس لئے ایسا کام نہیں ہونے دیا۔ جس سے لڑائی ہو جاوے آگے کفار کے مغلوب ہونے کے اسباب بیان فرماتے ہیں

هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ

وہ یہ لوگ ہیں جنہوں نے (خدا کے ساتھ) کفر کیا اور تم کو (عمرہ پورا کرنے میں) مسجد حرام سے روکا اور (نیز) قربانی کے جانور کو

الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ط

جو (حدیبیہ میں) رکا ہوا رہ گیا اس کے موقع (خاص) میں پہنچنے سے روکا

یہ اشارہ ہے آپ کے حدیبیہ میں قیام کرنے کی طرف کہ قریش نے مکہ میں داخل ہونے سے آپ کو روک دیا تھا غرض ان باتوں کا مقتضا یہ تھا کہ مسلمانوں کو کفار کے ساتھ لڑوا کر کافروں کو مغلوب کر دیا جاتا لیکن بعض حکمتیں اس سے مانع ہوگئیں جن میں سے ایک حکمت یہ ہے کہ اس وقت وہاں بہت سے مسلمان تھے جو کفار کے ہاتھ میں قیدی اور مظلوم تھے تو لڑائی کا اثر ان تک بھی ضرور پہنچتا جس سے ان کو ظاہری مضرت اور لڑنے والے مسلمانوں کو باطنی مضرت پہنچتی اس لئے لڑائی نہ ہوئی اسی کا آگے بیان ہے۔

وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ

اور اگر (مکہ میں اس وقت) بہت سے مسلمان مرد اور بہت سی مسلمان عورتیں

لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَئُوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ

نہ ہوتیں جن کی تم کو خبر بھی نہ تھی یعنی ان کے پس جانے کا احتمال نہ ہوتا جس

مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌ ۢ

پر ان کی وجہ سے تم کو بھی بے خبری میں ضرر پہنچتا

گناہ بھی ہوتا اور جی بھی برا ہوتا اگر یہ شبہ ہو کہ بے خبری میں گناہ کیوں ہوتا جواب یہ ہے کہ جہاں بے خبری دور کرنے پر قدرت ہو اور اس میں کوشش نہ کی جائے تو اس کا گناہ ہوگا اگر کہا جائے کہ صحابہ میں یہ احتمال کب ہے کہ وہ کوشش میں کوتاہی کرتے جواب یہ ہے کہ بعض اوقات اس طرف التفات نہیں ہوتا کہ ہم سے کوتاہی ہوئی اور صحابہ سے بے التفاتی ہو جانے میں کوئی اشکال نہیں

بِغَيْرِ عِلْمٍ ج

تو بھی سب قصہ طے کر دیا جاتا

یعنی اگر یہ بات نہ ہوتی تو کفار کی شرارتوں کا مقتضا یہ تھا کہ مکہ ابھی فتح ہو جاتا۔

لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ج

لیکن ایسا اس لئے نہیں کیا گیا تا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کر دے

چنانچہ ان مظلوم مسلمانوں کی جان بچالی اور تمہارا دین بچالیا۔

لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ

اگر یہ مظلوم مسلمان مکہ سے کہیں ٹل گئے ہوتے

عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۲۵﴾ اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

تو ان میں جو کافر تھے ہم ان کو دردناک سزا دیتے۔ جبکہ ان کافروں نے

فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ

اپنے دلوں میں عار کو جگہ دی اور عار بھی جاہلیت کی

اس عار سے مراد وہ ضد ہے جو بسم اللہ اور لفظ رسول اللہ لکھنے میں انہوں نے مسلمانوں سے کی تھی اسی لئے اس کو جاہلیت کی عار فرمایا ورنہ ہر حمیت اور عار بری نہیں پس اس بے جا ضد کا بھی مقتضا یہ تھا کہ مسلمان جوش میں آ کر لڑ پڑتے اور اسی وقت فیصلہ ہو جاتا۔

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ

سو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مومنین کو اپنی طرف سے تحمل عطا کیا

جس سے انہوں نے جوش کو ضبط کیا۔

وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ

اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تقویٰ کی بات پر جمائے رکھا

اس سے مراد توحید و رسالت کا اقرار ہے۔

وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى

اور وہ اس کے زیادہ مستحق ہیں

کیونکہ ان کو طلب حق ہے۔

وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ

اور اس کے اہل ہیں اور اللہ تعالیٰ

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۲۶

ہر چیز کو خوب جانتا ہے

اس لئے ان حکمتوں کی وجہ سے مسلمانوں کے دلوں میں تحمل پیدا کر دیا۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ

بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھلایا ہے جو (بالکل) مطابق

لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَاۗءَ

واقع کے ہے کہ تم لوگ مسجد حرام (یعنی مکہ) میں ان شاء اللہ ضرور جاؤ گے

اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ

امن و امان کے ساتھ کہ تم میں کوئی سر منڈاتا ہوگا اور کوئی بال کترا تا ہوگا

اس سے مراد عمرہ کرنا ہے

لَا تَخَافُوْنَ ۭ

تم کو کسی طرح کا اندیشہ نہ ہوگا

چنانچہ سال آئندہ اسی طرح ہوا

فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا

سو اللہ تعالیٰ کو وہ باتیں معلوم ہیں جو تم کو معلوم نہیں

یعنی اس تاخیر میں حکمتیں تھیں

فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ۲۷

پھر اس سے پہلے لگتے ہاتھ ایک فتح دے دی

یعنی اس تاخیر سے جو رنج ہوا تھا اس کی اشک شوئی کے لئے خواب کی تعبیر ظاہر ہونے سے پہلے خیبر کی فتح عنایت کی اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ خیبر کا فتح ہو جانا بھی اس تاخیر کی ایک حکمت ہے کیونکہ اگر اسی سال عمرہ ہوتا تو لڑائی ضرور ہوتی اور صلح نہ ہوتی اور اس میں علاوہ دوسری حکمتیں فوت ہونے کے ایک حکمت یہ بھی فوت ہوتی کہ خیبر کی غنیمتیں ہاتھ نہ آتیں کیونکہ اول تو مکہ والوں کی لڑائی سے تعب اور مشقت پہنچتی تو دو ہی مہینہ کے بعد دوسری معرکہ آرائی مشکل تھی دوسرے خیبر کے سفر میں مکہ والوں کی طرف سے اندیشہ لگا رہتا کہ کہیں وہ مدینہ پر نہ آ چڑھیں تو سفر کرنا دشوار ہوتا پس تعبیر خواب کی تاخیر میں ایک منفعت یہ بھی ہے کہ اہل مکہ سے صلح ہو کر خیبر کی فتح جلدی نصیب ہو گئی اور یہاں لفظ انشاء اللہ تحقیق اور تاکید کے لئے ہے تعلیق اور شرط کے لئے نہیں واللہ اعلم ربط اوپر جو وعدے فتوحات کے اور بشارتیں اور فضائل حدیبیہ والوں کو خصوصاً اور صحابہ کو عموماً سنائے گئے ہیں آگے خاتمہ میں ان مضامین کی تاکید اور خلاصہ ہے اور وعدوں کا عام ہونا اس سے ظاہر ہے کہ اوپر وعدکم اللہ مغانم الخ میں جن غنیموں کا وعدہ کیا ہے اسی طرح واخریٰ لم تقدر واعلیھا میں جو فتح مکہ کا وعدہ کیا ہے ان میں حدیبیہ والوں کے سوا اور صحابہ بھی شریک تھے اسی طرح اگلی آیات میں والذین معہ عام عنوان ہے جو سب صحابہ پر صادق آتا ہے اور چونکہ یہ سب نعمتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی بدولت عطا ہوئی ہیں اس لئے اس پر ثابت قدم رہنے کی تاکید کے لئے نیز صلح کے وقت لفظ رسول اللہ لکھنے پر کفار کی ضد سے رسالت کا انکار معلوم ہوتا ہے اس کے رد کرنے کے لئے رسالت محمدیہ کی حقانیت صاف طور پر بیان کرتے ہیں۔ **ھو الذی ارسل تا اجراً عظیما**

هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ

وہ اللہ ایسا ہے کہ اس نے اپنے رسول کو ہدایت دی اور سچا دین (یعنی اسلام)

الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ كُلِّهٖ ؕ

دے کر (دنیا میں) بھیجا ہے تا کہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے

حجت اور دلیل سے تو ہمیشہ اور شوکت وسلطنت اہل اسلام سے اس شرط کے ساتھ کہ مسلمان اپنی حالت کو درست رکھیں اور چونکہ یہ شرط صحابہ میں پائی جاتی تھی جیسا کہ آئندہ آیات میں ان کی مدح سے معلوم ہوتا ہے اس لئے یہ آیت صحابہ کے لئے عام فتوحات کی بشارت بھی ہوگئی چنانچہ ایسا ہی واقع ہوا جیسا کہ تاریخ سے ظاہر ہے۔

وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیۡدًا ؕ﴿۲۸﴾

اور اللہ کافی گواہ ہے

یعنی یہ جاہل لوگ جو آپ کی رسالت کے منکر ہیں آپ مغموم نہ ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کی رسالت کی تصدیق کرتا ہے اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ دلائل کی ضرورت نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ انکا انکار مضر نہیں اور اللہ تعالیٰ کی گواہی یہی ہے کہ اس نے آپ کی رسالت پر دیگر معجزات اور اعجاز قرآن سے دلائل قائم فرمائے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ ؕ

محمد اللہ کے رسول ہیں

یعنی یہ ہی بات دلائل سے ثابت ہوگئی۔

وَالَّذِیۡنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ

اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں

اس میں سب صحابہ آ گئے۔

عَلَی الۡكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیۡنَهُمۡ تَرٰىهُمۡ رُكَّعًا

(عموماً) وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز ہیں اور آپس میں مہربان ہیں اے مخاطب تو ان کو دیکھے

سُجَّدًا یَّبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضۡوَانًا ۫

گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدہ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو

سِیۡمَاهُمۡ فِیۡ وُجُوۡهِهِمۡ مِّنۡ اَثَرِ السُّجُوۡدِ ؕ

میں لگے ہیں ان (کی عبدیت) کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں

یہ آثار خشوع وخضوع کے انوار ہیں۔

ذٰلِكَ مَثَلُهُمۡ فِی التَّوۡرٰىةِ ۛۚ وَمَثَلُهُمۡ فِی

یہ (جو) ان کے اوصاف (مذکور ہوئے) توریت میں ہیں اور انجیل میں ان کا یہ وصف

الۡاِنۡجِیۡلِ ۛ۟ كَزَرۡعٍ اَخۡرَجَ شَطۡـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ

(مذکور) ہے کہ جیسے کھیتی اس نے اپنی سوئی نکالی پھر اس نے اس کو قوی کیا پھر وہ اور موٹی ہوئی

فَاسۡتَغۡلَظَ فَاسۡتَوٰی عَلٰی سُوۡقِهٖ یُعۡجِبُ الزُّرَّاعَ

پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوئی کہ (اپنے نشوونما سے) کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی

اسی طرح صحابہ میں اول ضعف تھا پھر قوت بڑھتی گئی۔

لِیَغِیۡظَ بِهِمُ الۡكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا

تا کہ ان (کی اس حالت) سے کافروں کو جلادے اللہ تعالیٰ نے ان صاحبوں سے جو

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنۡهُمۡ مَّغۡفِرَةً وَّاَجۡرًا عَظِیۡمًا ﴿۲۹﴾ ع

کہ ایمان لائے ہیں اور نیک کام کر رہے ہیں مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے

اس میں سب صحابہ داخل ہیں۔

سورة الحجرات مدنية وايها ثماني عشرة كذافي البيضاوى

ربط: اوپر کی سورت میں جہاد کے ذریعہ سے عالم کی اصلاح کا بیان ہے اس میں ارشاد وہدایت سے اصلاح نفس کا بیان ہے اور مجموعہ سورت میں حضرت سید المرسلین اور عامہ مومنین کے حقوق کا بیان ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم يايها الذين تا رحيم

(۴۹) سُوۡرَةُ الۡحُجُرٰتِ مَدَنِیَّةٌ (۱۰۶)

سورہ حجرات مدینہ میں نازل ہوئی اور اس میں اٹھارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُقَدِّمُوۡا بَیۡنَ یَدَیِ

اے ایمان والو اللہ اور رسول (کی اجازت) سے پہلے (کسی قول یا فعل میں) تم سبقت مت کیا کرو

قصہ ان آیتوں کے نزول کا یہ ہے کہ ایک بار بنو تمیم کے کچھ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما میں آپ کے

سامنے باہم یہ گفتگو ہوئی کہ ان لوگوں پر حاکم کس کو بنایا جائے حضرت ابوبکر نے قعقاع بن معبد کی نسبت رائے دی اور حضرت عمر نے اقرع بن حابس کی نسبت رائے دی اور گفتگو بڑھ کر دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں اس پر یہ حکم نازل ہوا جس کا حاصل یہ ہے کہ جب تک قوی قرائن سے یا صراحۃً گفتگو کی اجازت نہ ہو گفتگو مت کرو جیسا کہ اس موقعہ پر انتظار چاہئے تھا کہ یا تو آپ خود کچھ فرماتے یا پوچھتے کیونکہ بدون انتظار کے سبقت کرنے میں احتمال تھا کہ شاید یہ جلدی آپ کی مرضی کے خلاف ہو تو جائز نہ ہوگا۔

اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ

سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (۱) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا

(تمہارے سب اقوال کو) سننے والا (اور تمہارے افعال کو)

تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ

جاننے والا ہے اے ایمان والو تم اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے بلند

وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ

مت کیا کرو اور نہ ان سے کھل کر بولا کرو

یعنی جب آپ کے سامنے آپس میں بات کرنا ہو تو بلند آواز سے نہ بولو اور جب خود آپ سے بات کرنا ہو تو برابر کی آواز سے نہ بولو۔

كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ

جیسے تم آپس میں کھل کر ایک دوسرے سے بولا کرتے ہو کبھی تمہارے اعمال

وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (۲)

برباد ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو

مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات آواز بلند کرنا جو کہ بظاہر بے باکی ہے یا کھل کر بولنا کہ طبعاً گستاخی ہے آپ کی ناگواری اور کلفت کا سبب ہو سکتا ہے کیونکہ تم تابع ہو اور حضور متبوع ہیں اور تابع کو ادب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اور اس میں ادب کا التزام چھوٹ جاتا ہے اور حضور کی کلفت سے اعمال برباد ہو جاتے ہیں اگرچہ دوسرے گناہوں سے برباد نہیں ہوتے لیکن رسول کی شان بہت بڑی ہے ان کو تکلیف پہنچانے کا اثر یہی ہے پس اس تقریر سے معتزلہ اور خوارج کو اپنے مذہب پر استدلال کرنے کی گنجائش نہ رہی اور نہ اہل حق کی طرف سے یہ تکلیف جواب دینے کی حاجت اور چونکہ بعض دفعہ متکلم کو سامع کی کلفت وغیرہ کا علم نہیں ہوتا تو ممکن ہے کہ آپ کو تکلیف ہو اور بات کرنے والے کو یہی گمان رہے کہ تکلیف نہیں ہوئی پس اعمال کے برباد ہونے کی خبر بھی نہ ہو **لاتشعرون** کے یہی معنی ہیں اسی وجہ سے مطلقاً آواز بلند کرنے اور کھل کر بولنے کو منع فرمادیا آگے پست آواز سے کہنے کی ترغیب ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ

بے شک جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہ ؐ کے سامنے

اللّٰهِ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ

پست رکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے

لِلتَّقْوٰى ۭ

خالص کردیا ہے

یعنی ان کے قلوب میں تقویٰ کے سوا کچھ نہیں مطلب یہ ہے کہ کامل متقی ہیں ان آیتوں کے نزول کے بعد حضرت ابوبکر نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ قسم ہے کہ اب مرتے دم تک آپ سے اس طرح بولوں گا کہ جیسے کوئی کان میں بات کیا کرتا ہے اور حضرت عمر اس قدر آہستہ بولنے لگے کہ بعض دفعہ دوبارہ پوچھنا پڑتا۔

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ (۳) اِنَّ الَّذِيْنَ

ان لوگوں کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے

يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَاۗءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ

جو لوگ حجروں کے باہر سے آپ کو پکارتے ہیں ان میں اکثروں کو

لَا يَعْقِلُوْنَ (۴)

عقل نہیں ہے

ورنہ آپ کا ادب کرتے اور ایسی جرات نہ کرتے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ

اور اگر یہ لوگ (ذرا) صبر (اور انتظار) کرتے یہاں تک کہ آپ خود باہر ان کے پاس

خَيْرًا لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۵)

آجاتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا (کیونکہ ادب کی بات تھی) اور اللہ غفور رحیم ہے

اگر یہ لوگ اب بھی توبہ کرلیں تو گناہ معاف ہوجائے

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ

اے ایمان والو اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے (جس میں کسی

فَتَبَیَّنُوْۤا

کی شکایت ہو) تو خوب تحقیق کرلیا کرو

جیسا کہ حضورؐ نے ولید بن عقبہ کی خبر پر عمل کرنے میں جلدی نہیں کی۔

اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ

کبھی کسی قوم کو نادانی سے کوئی ضرر نہ پہنچادو پھر اپنے کئے پر پچھتانا پڑے

اس سے معلوم ہوا کہ مطلب یہ نہیں ہے کہ اس خبر کی ضرور تحقیق کی جائے کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ اگر ہم کسی کی برائی سن کر بالکل التفات نہ کریں تو جائز ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ اس پر بلا تحقیق عمل نہ کیا جائے بس عمل کرنے کے لئے تحقیق ضروری ہے اور اگر عمل ہی نہ کرنا ہو تو تحقیق بھی ضروری نہیں اور یہ مسئلہ مستقل ہے کہ تحقیق کہاں واجب ہے کہاں جائز اور کہاں ممنوع اس میں اجمالی قول یہ ہے کہ جہاں تحقیق نہ کرنے سے کوئی واجب شرعی فوت ہوتا ہو وہاں واجب ہے اور جہاں تحقیق نہ کرنے سے واجب فوت نہ ہوتا ہو اور تحقیق کرنے سے اس شخص کا بھی ضرر نہیں ہوتا جس کی شکایت سنی ہے وہاں جائز ہے اور جہاں تحقیق نہ کرنے سے اپنا کوئی نقصان نہیں اور تحقیق کرنے سے اس دوسرے کو ناگواری ہو تو وہاں تحقیق حرام ہے جیسے سنا کہ فلاں شخص خفیہ شراب پیتا ہے تو تحقیق نہ کرنے سے اپنا تو کوئی نقصان نہیں اور تحقیق کرنے سے وہ رسوا ہوتا ہے خوب سمجھ لو ربط اوپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ادب یہ بتلایا گیا ہے کہ کسی امر میں آپ کے حکم سے سبقت نہ کی جاوے اور بعض امور ایسے ہیں جو دینی نہیں بلکہ دنیوی امور ہیں جیسے آپ نے حضرت زینب اور ان کے بھائی کو فرمایا تھا کہ زید بن حارثہ سے زینب کا نکاح کردیا جاوے تو ایسے امور میں بوجہ دنیوی ہونے کے یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ ان میں سبقت جائز ہو اور اطاعت واجب نہ ہو بلکہ اس سے بڑھ کر یہ بھی خیال ہوسکتا ہے کہ یہ امور رائے اور تدبیر کے متعلق ہیں ان میں خود حضور کو ہماری رائے کی موافقت مناسب ہے آگے اس کے متعلق ارشاد ہے۔ واعلموا تا حکیم

فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ ﴿۶﴾

اور جان رکھو کہ تم میں رسول اللہؐ (تشریف فرما) ہیں

یہ الفاظ بظاہر اس کا قرینہ ہیں کہ ایسے امر کا بیان کرنا مقصود ہے جو حضورؐ کی زندگی کے ساتھ مخصوص تھا اور وہ احقر کے نزدیک دنیوی امور میں اطاعت کرنا ہے کہ حضور کی زندگی میں دنیوی کام میں بھی آپ کی اطاعت کرنا چاہیے اور حیات کی تخصیص کی یہ وجہ نہیں کہ اگر آپ اپنے بعد کے لئے ایسا احکام فرماجاتے تو اطاعت واجب نہ ہوتی بلکہ تخصیص کی یہ وجہ ہے کہ ایسے واقعات خاص ہوتے ہیں اور آپ نے جو شریعت چھوڑی ہے وہ قانون کلی کے طور پر عام احکام ہیں ان میں خاص خاص واقعات کے متعلق آپ نے صراحۃً احکام بیان نہیں فرمائے تو اب بعض احکام ایسے بھی ہیں جن کو شریعت نے ہماری رائے پر چھوڑ دیا ہے مثلاً یہ کہ بیٹی کا نکاح کس شخص سے کیا جائے زید سے یا عمرو سے اس کو ہماری رائے پر چھوڑ دیا گیا البتہ عام حکم یہ فرمادیا ہے کہ دین داری اور کفو ہونے کا خیال رکھا جائے۔

وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ فِیْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ یُطِیْعُكُمْ

بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر وہ اس میں تمہارا کہنا مانا کریں

فِیْ كَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ

تو تم کو بڑی مضرت پہنچے

کیونکہ بہت سی باتیں مصلحت کے خلاف ہوتی ہیں

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْكُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَهٗ

اور لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو ایمان (کامل) کی محبت دی اور اس کو تمہارے

فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَیْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ

دلوں میں مرغوب کردیا اور کفر اور فسق (گناہ کبیرہ) اور عصیان (گناہ صغیرہ)

وَالْعِصْیَانَ ؕ

سے تم کو نفرت دے دی

اس طرح پر تم کو مصیبت سے بچالیا۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ﴿۷﴾ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ

ایسے لوگ خدا تعالیٰ کے فضل اور انعام سے راہ راست پر ہیں

وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۸﴾

اور اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا ہے

ان احکام کی مصالح کو وہ جانتا ہے۔

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا

اور اگر مسلمانوں میں دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو

فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ج

ان کے درمیان اصلاح کردو

یعنی وجہ نزاع کو دور کرکے لڑائی موقوف کرادو۔

فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى

پھر اگر ان میں کا ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے

اور لڑنا موقوف نہ کرے۔

فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ج

تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو جائے

حکم خدا سے مراد لڑائی کا بند کرنا ہے۔

فَاِنْ فَآءَتْ

پھر اگر وہ (زیادتی کرنے والا) رجوع ہو جائے

اور لڑنا موقوف کردے۔

فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ

تو ان دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ اصلاح کردو

یعنی شرعی قوانین کے موافق معاملہ کو طے کردو۔

وَاَقْسِطُوْا ط

اور انصاف کا خیال رکھو

یعنی غرض نفسانی کو غالب نہ ہونے دو۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝۹ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ

بے شک اللہ انصاف والوں کو پسند کرتا ہے مسلمان تو

اِخْوَةٌ

سب بھائی ہیں

دین میں متفق ہونے کی وجہ سے

فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ج

سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح کردیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو

یعنی شرعی حدود کی رعایت رکھا کرو

وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۱۰ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

تاکہ تم پر رحمت کی جائے اے ایمان والو نہ تو مردوں کو

اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا

مردوں پر ہنسنا چاہئے کیا عجب ہے کہ (جن پر ہنستے ہیں)

خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى

وہ ان (ہنسنے والوں) سے (خدا کے نزدیک) بہتر ہوں اور نہ عورتوں کو عورتوں

اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ج

پر ہنسنا چاہئے کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں

پھر کس لئے ایک دوسرے کی تحقیر کرتا ہے کیونکہ دوسرا شخص اگرچہ اس وقت کیسا ہی ہو مگر خاتمہ کا حال کسی کو معلوم نہیں کہ کس کا اچھا ہوگا کس کا برا اس لئے ہر حال میں ممکن ہے کہ دوسرا اپنے سے اچھا ہو اور تمسخر وہ ہنسی ہے جس سے دوسرے کی تحقیر اور دل آزاری ہو یہ حرام ہے اور جس سے دوسرے کا جی خوش ہو وہ مزاح کہلاتا ہے وہ جائز ہے اور اگر مرد عورت سے یا عورت مرد سے ہنسی کرے اس کا بھی یہی حکم ہے مگر تمسخر چونکہ اکثر ہم جنسوں ہی میں ہوا کرتا ہے شاید اس لئے یہ صورت بیان نہ کی گئی ہو دوسرے اس کا حکم خود اسی سے معلوم ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں تمسخر کے علاوہ بے غیرتی اور بے حیائی بھی ہے۔

وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ

اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارو

کیونکہ یہ سب باتیں گناہ کی ہیں برے لقب سے ذکر کرنا اگر بدون کسی صحیح غرض کے ہے حرام ہے اور کوئی غرض صحیح ہو جیسے ایک شخص لنگڑا ہے اور اسی پتہ سے پہچانا جاتا ہے تو اس لقب کے ذکر کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔

وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ط

ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا (ہی) برا ہے

یعنی یہ گناہ کرکے تمہاری شان میں یہ کہا جا سکے کہ فلاں مسلمان گناہ

یعنی خدا کی نافرمانی کرتا ہے نفرت کی بات ہے تو اس سے بچو

بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ

اور جو ان حرکتوں سے) باز نہ آویں

لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۱﴾

گے تو وہ ظلم کرنے والے ہیں

یعنی بندوں کے حقوق ضائع کرتے ہیں تو جو سزا ظالموں کو ملے گی وہی ان کو ملے گی یاایھاالذین اٰمنوا تا رحیم۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ

اے ایمان والو بہت سے گمانوں سے بچا

الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ

کرو کیونکہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں

ظن اور گمان کی کئی قسمیں ہیں ایک واجب جیسے خدا کے ساتھ اچھا گمان رکھنا ایک حرام جیسے ذات وصفات خدا اور نبوت میں بدون قطعی دلیل کے گمان کرنا یا جس شخص میں فسق وفجور کی علامات قوی نہ ہوں بلکہ ظاہر میں نیکی کے آثار نمودار ہوں اس کے ساتھ بدگمانی کرنا یہ حرام ہے اور ایک مباح ہے جیسے امور معاش میں گمان کرنا یا ایسے شخص سے بدگمانی کرنا جس میں فسق کی علامتیں علانیہ پائی جاتی ہوں جیسے کسی کا فاحشہ عورتوں کے مکانوں پر آمد ورفت کرنا اور اس کے متعلق فسق کا گمان ہو جانا مگر یقین نہ کرے اسی طرح جو بدگمانی بلا اختیار پیدا ہو جائے اس میں بھی گناہ نہیں بشرطیکہ حتی الامکان اس کو دفع کرے چونکہ سب قسمیں گمان کی حرام نہیں اس لئے فرمایا کہ بہت سی بدگمانیوں سے بچا کرو کیونکہ جن گمانوں میں لوگ زیادہ تر مبتلا ہیں وہ حرام ہی ہیں اور یہ جو مشہور ہے الحزم سوء الظن کہ ہوشیاری بدگمانی کا نام ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مشتبہ آدمی سے اپنی احتیاط رکھے باقی محض بدگمانی سے اس کی تحقیر وتنقیص کرنا اس کو ضرر پہنچانا یہ حرام ہے۔

وَّلَا تَجَسَّسُوْا

اور (کسی کے عیب کا) سراغ مت لگاؤ

اوپر ان جآء کم فاسق بنبا فتبینوا کی تفسیر میں بیان ہو چکا ہے کہ سنی ہوئی بات کی تحقیق کہاں واجب ہے کہاں جائز اور کہاں حرام چھپ کر باتیں سننا یا اپنے کو سوتا ہوا بنا کر باتیں سن لینا یہ سب تجسس میں داخل ہے

البتہ اگر کسی سے مضرت پہنچنے کا احتمال ہو اور اپنی یا کسی مسلمان کی حفاظت کی غرض سے اس شخص کی تدبیروں اور ارادوں کا تجسس کرلے تو یہ جائز ہے۔

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ

اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے

غیبت یہ ہے کہ کسی کے پیچھے اس کی ایسی برائی کرنا کہ اس کے سامنے کی جائے تو رنج دہ ہو۔

اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ

کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا

مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ

گوشت کھائے اس کو تو تم ناگوار سمجھتے ہو

پس غیبت بھی اسی کے مشابہ ہے کہ وہ قلبی ایذاء کا سبب ہے

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ

اور اللہ سے ڈرتے رہو

اور غیبت چھوڑ کر دو اور توبہ کرلو۔

اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا

بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے

خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا

پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کرسکو

مثلاً اگر ایک نام کے دو شخص ہوں تو خاندان کے فرق سے امتیاز ہوسکتا ہے۔

وَّقَبَاۗىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ

اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہی ہے جو سب سے

اَتْقٰىكُمْ ۭ

زیادہ پرہیزگار ہو

اور یہ اللہ ہی جانتا ہے کہ کون زیادہ متقی ہے پھر کسی کو تفاخر نہیں کرنا چاہئے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾

اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا پورا خبردار ہے

پس اپنے کو مقدس مت سمجھو۔

ربط: اوپر نسب پر تفاخر سے منع فرماتے ہوئے ان اکرمکم عنداللہ اتقکم میں تقدس کے دعویٰ سے منع کرنے کی طرف بھی اشارہ ہے آگے ایک ایسی ہی خاص جماعت کی قباحت مذکور ہے جنہوں نے دکھلاوے کے طور پر تقدس کا اظہار اور دعویٰ کیا تھا اور چونکہ وہ جھوٹے تھے اس لئے زیادہ مذمت کی گئی اور اس میں علاوہ ریاء اور جھوٹ ہونے کے حضورؐ کے ساتھ گستاخی بھی ہے کیونکہ ان کا یہ دعویٰ احسان جتلانے کے طور پر تھا پس اس آیت کو شروع سورت سے بھی ربط ہے جس میں حضور صلی اللہ کے آداب مذکور ہیں اور سورت کا آپ کے آداب سے شروع ہونا اور اسی پر ختم ہونا آپ کی عظمت شان کی طرف اشارہ ہے۔ قالت الاعراب تا بما تعملون

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ

یہ گنوار کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے آپ فرما دیجئے کہ تم ایمان تو نہیں لائے

قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا

لیکن یوں کہو کہ ہم (مخالفت چھوڑ کر) مطیع ہو گئے

یعنی بنی اسد کے بعض گنوار آپ کے پاس آ کر جو ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں اس میں انہوں نے کئی قباحتوں کا ارتکاب کیا ایک تو جھوٹ کا کہ محض زبان سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ ایمان دل کی تصدیق پر موقوف ہے اور ان کے دل میں تصدیق نہیں ہاں ان کو یہ کہنا چاہیے کہ ہم مخالفت چھوڑ کر مطیع ہو گئے اور اطاعت ظاہری موافقت سے بھی متحقق ہو جاتی ہے اور اس جگہ ایمان و اسلام کے لغوی معنی مراد ہیں شرعی معنی مراد نہیں کیونکہ شرعاً دونوں ایک چیز ہیں۔

وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ

اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا اور اگر تم اللہ اور اس کے

تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ

رسول کا (سب باتوں میں) کہنا مان لو تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال میں سے

اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ

ذرا بھی کم نہ کرے گا

یعنی اگرچہ اب تک تم ایمان نہیں لائے لیکن اب بھی اگر سب باتوں میں خدا اور رسول کا کہنا مان لو جس میں یہ بات بھی داخل ہے کہ دل سے ایمان لے آؤ تم کو سب اعمال کا پورا پورا ثواب ملے گا اور اس وقت کے کفر اور جھوٹ کی وجہ سے اس میں کمی نہ کی جائے گی کیونکہ سچے ایمان سے پہلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٤﴾

(کیونکہ) بے شک اللہ غفور و رحیم ہے

آگے بتلاتے ہیں کہ ہم سے سنو کہ پورے مومن کون ہوتے ہیں تاکہ اگر تم کو مومن بننا ہے تو ویسے بنو۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ

پورے مومن وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر

وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ

ایمان لائے پھر (عمر بھر کبھی) شک نہیں کیا

وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ

اور اپنے مال اور جان سے خدا کے رستہ میں محنت اٹھائی

الصّٰدِقُوْنَ ﴿١٥﴾

یہ لوگ ہیں پورے سچے

اور یوں اگر صرف تصدیق ہی ہو تب بھی ایمان ہو جائے گا اور تمہارے میں ایمان کا ادنیٰ درجہ بھی نہیں اور دعویٰ کرتے ہو کامل ایمان کا

قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا

آپ فرما دیجئے کہ کیا خدا تعالیٰ کو اپنے دین کی خبر دیتے ہو حالانکہ (یہ محال

فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ

ہے کیونکہ) اللہ کو تو سب آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کی خبر ہے

اگر تمہارے دل میں واقعی ایمان ہوتا تو خدا کو ضرور اس کی خبر ہوتی مگر حق تعالیٰ جانتے ہیں کہ تم نے ایمان قبول نہیں کیا تو اس کے خلاف تمہارا دعویٰ کرنا گویا خدا تعالیٰ کو ایک بات بتلانا ہے تو جھوٹ کے علاوہ یہ دوسرا جرم ہوا کہ خدا کو دھوکہ دینا چاہتے ہو آگے تیسرا جرم بتلاتے ہیں۔

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٦﴾ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ

اور اللہ تعالیٰ سب چیزوں کا جاننے والا ہے یہ لوگ اپنے اسلام لانے کا آپ

اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ

پر احسان رکھتے ہیں

کہ دیکھئے ہم لڑے نہ بھڑے اور مسلمان ہو گئے اور دوسرے لوگ پریشان کر کر کے مسلمان ہوئے ہیں۔

قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ

آپ کہہ دیجئے کہ مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ رکھو

کیونکہ اول تو یہ نہایت درجہ گستاخی ہے دوسرے اگر تم اس دعوے میں سچے ہوتے تو تمہارا ہی آخرت کا نفع ہوتا اور جھوٹے ہونے میں بھی تمہارا ہی دنیا کا نفع ہے کہ قتل وقید سے بچ گئے تمہارے اسلام لانے سے میرا کیا نفع اور نہ لانے سے میرا کیا ضرر ہو گیا مجھ پر احسان رکھنا محض جہالت ہے۔

بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ

بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تم کو ایمان کی

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۷﴾

ہدایت دی بشرطیکہ تم سچے ہو

یعنی اگر بالفرض تمہارا یہ دعویٰ سچا ہو تو خدا کا احسان ماننا چاہئے کہ ایسی بڑی نعمت عطا فرمائی کیونکہ ایمان بدون خدا کی توفیق کے نصیب نہیں ہوتا پس جھوٹ اور فریب اور احسان جتلانے سے باز آؤ۔

اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

بے شک اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کی مخفی باتوں کو جانتا ہے

وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ ع

اور تمہارے سب اعمال کو بھی جانتا ہے

اور ان ہی کے موافق تم کو جزا دے گا پھر اس کے سامنے باتیں بنانے سے کیا فائدہ۔

سورة قٓ مكية و هي خمس واربعون اية

ربط پہلی سورت کے ختم پر والله بصير بما تعملون میں جزاوسزا واقع ہونے کی طرف اشارہ تھا اور اس سورت میں تمام تر یہی مضمون ہے کہ قیامت کا امکان اور اس کا وقوع اور اس کے واقعات اور اسی کے مناسب مضامین مذکور ہیں بسم الله الرحمن الرحيم. قٓ تا لبس جديد

(۵۰) سُوْرَةُ قٓ مَكِّيَّةٌ (۳۴)

سورۂ قٓ مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں پینتالیس آیتیں اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

قٓ ۚ قف وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ ﴿۱﴾ ۚ

قٓ قسم ہے قرآن مجید کی

کہ ہم نے آپ کو قیامت کے عذاب سے ڈرانے کے لئے بھیجا ہے مگر ان لوگوں نے نہ مانا

بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ

بلکہ ان کو اس بات پر تعجب ہوا کہ ان کے پاس انہی (کی جنس) میں سے (کہ بشر ہیں) ایک ڈرانے والا پیغمبر آ گیا سو کافر لوگ کہنے لگے کہ

الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَیْءٌ عَجِیْبٌ ﴿۲﴾ ۚ

(اول تو خود) یہ (ایک) عجیب بات ہے

کہ انسان پیغمبر ہو دوسرے پھر دعویٰ بھی عجیب بات کا کرے کہ ہم دوبارہ زندہ ہوں گے۔

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِیْدٌ ﴿۳﴾

(بھلا جب ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے تو کیا دوبارہ زندہ ہوں گے دوبارہ (زندہ ہونا امکان سے) بہت ہی بعید بات ہے

اس دعویٰ محال سے تو رسالت اور بھی غلط ہوئی جاتی ہے حق تعالیٰ آگے دوسری زندگی کا ممکن ہونا ثابت فرماتے ہیں کہ دوبارہ زندہ ہونا آخر کس وجہ سے دشوار اور بعید ہے کیا یہ وجہ ہے کہ جسم میں زندگی کی قابلیت نہیں یہ تو مشاہدہ سے باطل ہے کیونکہ جسم میں اس وقت خود حیات موجود ہے تو یقیناً حیات کی اس میں قابلیت ہے یا یہ سمجھتے ہو کہ جسم کے ریزہ ریزہ ہو جانے کے بعد معاذ اللہ خدا کو اس کے اجزاء کا علم نہیں رہے گا یا ان میں

تصرف کرنے کی اس کو قدرت نہ ہوگی تو ہمارے علم کی شان سن لو۔

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ

ہم ان کے ان اجزاء کو جانتے ہیں جن کو مٹی (کھاتی اور) کم کرتی ہے

اور یہی نہیں کہ ہم آج سے جانتے ہیں بلکہ ہمارا علم قدیم ہے ہم نے عالم کے پیدا ہونے سے پہلے ہی تمام چیزوں کے حالات ایک کتاب میں جو لوح محفوظ کہلاتی ہے لکھ دیئے تھے۔

وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ﴿۴﴾

اور اب تک ہمارے پاس (وہ) کتاب (یعنی لوح محفوظ) موجود ہے

جس میں ان ریزوں کی جگہ اور ہیئت وحالت سب کچھ ہے پس اگر علم قدیم کو نہیں سمجھ سکتے تو یوں ہی سمجھ لیں کہ وہ دفتر جس میں سب کچھ ہے ہمارے سامنے حاضر ہے مگر یہ لوگ پھر بھی بلاوجہ تعجب ہی میں ہیں۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْۤ اَمْرٍ

بلکہ سچی بات کو جبکہ وہ ان کو پہنچتی ہے جھٹلاتے ہیں غرض یہ کہ وہ ایک متزلزل

مَّرِيْجٍ ﴿۵﴾

حالت میں ہیں

کہ کبھی تعجب کرتے ہیں کبھی انکار آگے قدرت کا بیان ہے۔

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْۤا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا

کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر کی طرف آسمان کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو کیسا (اونچا

وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ﴿۶﴾

اور بڑا) بنایا اور (ستاروں سے) اس کو آراستہ کیا اور اس میں کوئی رخنہ تک نہیں

جیسا کہ اکثر عمارتوں میں زمانہ دراز کے بعد رخنہ پڑ جاتا ہے غرض بہت مستحکم ہے اور دوسری آیت میں جو آسمان کے دروازے آئے ہیں وہ رخنے نہیں ہیں اور اس آیت سے معلوم ہوا کہ آسمان نظر آتا ہے اور یہ جو مشہور ہے کہ یہ نیلا رنگ جو نظر آتا ہے یہ کرۂ ہوا ہے تو ممکن ہے کہ اس کے رنگ میں آسمان کا رنگ بھی ملا ہوا ہو اور اس کے اندر آسمان بھی نظر آتا ہو یہ تو خدا کی قدرت آسمان میں ہوئی۔

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ

اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اس میں پہاڑوں کو جما دیا

وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ﴿۷﴾

اور اس میں ہر قسم کی خوشنما چیزیں اگائیں جو ذریعہ ہے بینائی اور دانائی

تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ﴿۸﴾

کا ہر رجوع ہونے والے بندے کے لئے

یعنی ایسے شخص کے لئے جو اسی غرض سے مخلوقات میں فکر کرے کہ ان کی طرف متوجہ ہونا عین خدا کی طرف توجہ کرنا ہے۔

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا

اور ہم نے آسمان سے برکت (یعنی نفع) والا پانی برسایا پھر اس سے بہت سے باغ

بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ﴿۹﴾ وَالنَّخْلَ

اگائے اور کھیتی کا غلہ اور لمبی لمبی کھجور کے درخت جن کے گچھے خوب گوندھے ہوئے

بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ﴿۱۰﴾ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ

ہوتے ہیں بندوں کے رزق دینے کے لئے اور ہم نے اس (بارش) کے ذریعہ

وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۭ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ﴿۱۱﴾

سے مردہ زمین کو زندہ کیا (پس اسی طرح (سمجھ لو کہ مردوں کا) زمین سے نکالا ہوا

کیونکہ خدا کی ذاتی قدرت کے سامنے تو تمام چیزیں برابر ہیں مگر تمہاری نظر میں آسمان وزمین بہت بڑے ہیں تو بڑی چیزوں پر قدرت ہونے سے چھوٹی چیزوں پر قدرت ہونا زیادہ ظاہر ہے پھر تعجب یا تکذیب کے کیا معنی آگے ان منکروں کے ڈرانے کی وعید ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ

ان سے پہلے قوم نوح اور اصحاب الرس اور ثمود اور عاد اور

وَثَمُوْدُ ﴿۱۲﴾ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ﴿۱۳﴾

فرعون اور قوم لوط اور اصحاب ایکہ اور قوم تبع

وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۭ كُلٌّ كَذَّبَ

(تکذیب کر چکے) یعنی) سب نے (اپنے اپنے) پیغمبروں کو جھٹلایا

الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾

سو میری وعید (ان پر) محقق ہوگئی

ان سب پر عذاب آیا اسی طرح ان لوگوں پر عذاب آوے گا خواہ دنیا میں بھی یا صرف آخرت میں آگے پھر پہلے مضمون کی طرف دوسرے طور پر رجوع فرماتے ہیں۔

أَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ ۚ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ

کیا ہم پہلی بار کے پیدا کرنے میں تھک گئے (کہ دوبارہ زندہ نہ کرسکیں)

مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿۱۵﴾

بلکہ یہ لوگ ازسرنو پیدا کرنے کی طرف سے (محض بے دلیل) شبہ میں ہیں

کہ دوبارہ زندہ نہ کرسکیں یعنی ایک مانع یہ بھی ہوسکتا ہے کہ باوجود جسم کی قابلیت اور خدا کے علم وقدرت کے عارضی تھکن کی وجہ سے قدرت کو نافذ نہ کرسکے اس لئے اس کو بھی باطل کردیا کہ تعب اور تھکن قدرت کے ناقص ہونے کی دلیل ہے کامل قدرت والے میں اس کا احتمال نہیں ہوسکتا پس دوبارہ زندہ ہونا دلائل سے ثابت ہوگیا اور یہ لوگ جو انکار کر رہے ہیں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔

جو دلائل کے سامنے کسی طرح قابل التفات ہیں ربط قیامت کا امکان ثابت ہو چکا آگے اس کا وقوع بتلاتے ہیں اور چونکہ دوبارہ زندہ کرنے سے غرض جزاوسزا دینا ہے اور یہ اس پر موقوف ہے کہ جزاوسزا دینے والے کو اعمال کا علم ہو اور عمل کرنے والے پر قدرت اس لئے اول اس کا بیان ہے۔ ولقد خلقنا تا للعبید

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ

اور ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے جی میں جو خیالات آتے ہیں ہم

بِهِ نَفْسُهُ ۖ

ان کو بھی جانتے ہیں

تو جو اعمال اس کی زبان اور اعضاء سے صادر ہوں ان کو تو بدرجہ اولیٰ جانتے ہیں بلکہ ہم کو اس کے احوال کا ایسا علم ہے کہ خود اس کو بھی اپنے احوال کا ویسا علم نہیں۔

وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ﴿۱۶﴾ إِذْ

اور ہم (باعتبار علم کے) انسان کے اس قدر قریب ہیں کہ اس کی رگ گردن

يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ

سے بھی زیادہ جب وہ اخذ کرنے والے فرشتے (اعمال کو) اخذ کرتے ہیں جو

قَعِيدٌ ﴿۱۷﴾

کہ دائیں اور بائیں طرف بیٹھے رہتے تھے

جس کے کٹ جانے سے انسان مرجاتا ہے اور اس کی روح نکل جاتی ہے مطلب یہ ہوا کہ ہم علم کے اعتبار سے اس کی روح اور نفس سے بھی زیادہ نزدیک ہیں کہ جیسا علم انسان کو اپنے احوال کا ہے ہم کو خود اس سے زیادہ علم ہے مگر چونکہ جان نکالنے کا طریقہ عادۃً گردن کاٹنے سے ہے اس لئے یہ عنوان اختیار کیا گیا اور گردن کی رگ سے وہ رگ مراد لینا مناسب ہے جس کو روح میں زیادہ دخل ہو اور وہ شریانیں ہے جو دل سے لگی ہوئی ہے کیونکہ اس میں روح غالب اور خون مغلوب ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ سورہ حاقہ میں وتین فرمایا ہے جو دل کی رگ ہے آگے بتلاتے ہیں کہ اس کے علاوہ وہ اعمال ہمارے پاس ظاہری طور پر بھی محفوظ اور منضبط ہیں جو عادت کے موافق زیادہ واضح اور پختہ حجت ہے۔

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب انسان بیٹھتا ہے تو وہ فرشتے بیٹھ جاتے ہیں اور جب چلتا ہے تو ایک فرشتہ آگے اور ایک پیچھے ہوجاتا ہے اور جب لیٹتا ہے تو ایک سرہانے ایک پیروں کی طرف ہوتا ہے اور پاخانہ وغیرہ کے وقت جدا ہوجاتے ہیں مگر خدا نے ان کو اعمال کی کوئی ایسی پہچان دی ہے کہ اس وقت جو آدمی نے کام کئے ہیں ان کو معلوم کرلیتے ہیں۔

مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴿۱۸﴾

یہاں تک کہ) وہ کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالنے پاتا مگر اس کے پاس ہی ایک تاک لگانے والا تیار موجود ہوتا) ہے

اگر وہ نیکی کی بات ہوئی تو داہنے والا اور بدی کی بات ہوئی تو بائیں والا لکھتا ہے جب بات تک لکھی جاتی ہے جو اور کاموں سے آسان اور ہلکی ہے تو بڑے کام کیوں نہ لکھے جائیں گے آگے اصل مقصود تو قیامت اور جزاوسزا کے واقع ہونے کا بتلانا ہے مگر اول موت کو بتلاتے ہیں اگرچہ اس کا کسی کو انکار نہیں مگر اکثر قیامت کا انکار موت ہی کے بھولنے سے ہوتا ہے موت کا نصب العین ہونا انسان کو فکر اور طلب حق کی طرف متوجہ کردیتا ہے جس کے بعد صحیح دلائل میں غور کرکے قیامت کا قائل ہوسکتا ہے پس ارشاد ہے کہ لو ہوشیار ہو جاؤ۔

وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۖ

اور موت کی سختی (قریب) آ پہنچی

یعنی ہر شخص کی موت قریب ہے چنانچہ ظاہر ہے۔

ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ﴿۱۹﴾

یہ (موت) وہ چیز ہے جس سے تو بدکتا تھا

بدکار تو دنیا کی محبت کی وجہ سے اور نیک آدمی طبعی خوف کی وجہ سے ہاں طبعی خوف پر کبھی شوق غالب ہو جاوے تو وہ عارضی بات ہے اور یہاں اس کا ذاتی اثر بیان کرنا مقصود ہے اب موت کے بیان کے بعد قیامت کے واقع ہونے کا بیان ہے جو کہ اصل مقصود تھا۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ﴿۲۰﴾

اور (قیامت کے دن دوبارہ) صور پھونکا جائیگا (تو سب زندہ ہو جائیں گے) یہی دن ہوگا وعید کا

جس سے لوگوں کو ڈرایا جاتا تھا آگے واقعات قیامت کا ذکر ہے۔

وَجَاۗءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَاۗىِٕقٌ وَّشَهِيْدٌ ﴿۲۱﴾

اور ہر شخص اس طرح (میدان قیامت میں) آوے گا کہ اس کے ساتھ (دو فرشتے ہوں گے جن میں سے ایک اس کو اپنے ہمراہ لاوے گا اور ایک (اس کے اعمال کا) گواہ ہوگا

حدیث مرفوع میں ہے کہ یہ وہی دو فرشتے نیکیاں اور گناہ لکھنے والے ہیں اگر یہ حدیث قوی نہ ہو تو احتمال ہے کہ کوئی اور دو فرشتے ہوں جیسا کہ بعض کا قول ہے اس وقت جو کافر ہوگا اس سے کہا جاوے گا کہ (آگے ترجمہ)

لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ

تو اس دن سے بے خبر تھا سو اب ہم نے تجھ پر سے تیرا پردہ

غِطَاۗءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴿۲۲﴾

(غفلت کا) ہٹا دیا آج (تو) تیری نگاہ بڑی تیز ہے

کہ قیامت کے معائنہ سے کوئی چیز مانع نہیں کاش دنیا میں بھی تو غفلت کے پردہ کو دور کر دیتا تو تیرے دن بھلے ہوتے۔

وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ﴿۲۳﴾ ؕ

اور اس کے بعد فرشتہ جو اس کے ساتھ رہتا تھا عرض کرے گا کہ یہ وہ روزنامچہ) ہے جو میرے پاس تیار ہے

ابن جریج نے اس قرین کی تفسیر میں فرشتہ اور آئندہ قرین کی تفسیر میں شیطان کہا ہے رواہ فی الدر

اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ

(حکم ہوگا کہ ہر) ایسے شخص کو جہنم میں ڈال دو

جب کفار کو معلوم ہوگا کہ اب ہمیشہ کے لئے خسارہ میں پڑنے والے ہیں اس وقت اپنے اپنے بچاؤ کے لئے گمراہ کرنے والوں کے ذمہ الزام رکھیں گے جن میں شیاطین بھی ہوں گے آگے ان کا جواب مذکور ہے

كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۲۴﴾ ۙ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبِۨ ﴿۲۵﴾ ۙ

جو کفر کرنے والا ہو اور (حق سے) ضد رکھتا ہو اور نیک کام سے روکتا ہو اور حد (عبدیت)

الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ

سے باہر ہو جانے والا ہو اور (دین میں) شبہ پیدا کرنے والا ہو جس نے خدا کے ساتھ

فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ﴿۲۶﴾ قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا

دوسرا معبود تجویز کیا ہو سو ایسے شخص کو سخت عذاب میں ڈال دو اور وہ شیطان جو اس کے

مَآ اَطْغَيْتُهٗ

ساتھ رہتا تھا کہے گا کہ اے میرے پروردگار میں نے اس کو (جبراً) گمراہ نہیں کیا تھا

جیسا کہ اس نے الزام رکھنے سے مفہوم ہوتا ہے کیونکہ گمراہی میں اس کے فعل کو بالکل دخل نہ تھا حدیث مسلم میں ہے کہ ہر شخص کے ساتھ دو قرین ہیں ایک فرشتہ ایک شیطان اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ فرشتہ نیک باتیں بتلاتا ہے اور شیطان بری باتیں

وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۲۷﴾

لیکن یہ خود دور دراز کی گمراہی میں تھا

اگرچہ بہکایا میں نے بھی لیکن وہ مجبور تو نہ ہو گیا تھا اس لئے اس کی گمراہی کا اثر مجھ پر نہ ہونا چاہئے۔

قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا

ارشاد ہوا میرے سامنے جھگڑے کی باتیں مت کرو

کیونکہ جو کفر کرے گا چاہے خود یا کسی کے بہکانے سے اسی طرح جو کفر کا امر کرے گا خواہ جبر سے بلا جبر کے سب کو جہنم کی سزا دوں گا اگرچہ ہر ایک کا درجہ مختلف ہوگا۔

لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ﴿۲۸﴾

(کہ بے سود ہیں) اور میں تو پہلے ہی تمہارے پاس وعیدیں بھیج چکا تھا

کہ تم سب دوزخ میں جھونکے جاؤ گے۔

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۲۹﴾

میرے ہاں (وہ) بات (وعید مذکور کی) نہیں بدلی جاوے گی اور میں (اس تجویز میں بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں

بلکہ بندوں نے خود ایسے ناشائستہ کام کیے جن کی سزا آج بھگت رہے ہیں فائدہ ان آیتوں میں پہلی آیتیں مومن وکافر دونوں میں مشترک ہیں اور اخیر کی آیتیں کافر کے لئے خاص ہیں اس کے بعد جہنم کا بقیہ حال بیان کر کے ازلفت الخ میں مومن کا ذکر ہے پس مجموعہ میں اجمال کے بعد تفصیل ہوگئی یوم نقول تا مزید۔

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ

جس دن کہ ہم دوزخ سے (کفار کو داخل کرنے کے بعد) کہیں گے کہ تو بھر

هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴿۳۰﴾

بھی گئی اور وہ کہے گی کہ کچھ اور بھی ہے

یہاں سے بقیہ واقعات کا بیان ہے اور جہنم سے یہ سوال شاید کفار کے ڈرانے کے لئے ہو کہ جواب سن کر ان کے دل میں دوزخ کی اور ہول پیدا ہو جائے کہ ہم کیسے غضب کے ٹھکانے پہنچے ہیں اور اس جواب کے بعد حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ اس پر اپنا قدم رکھ دیں گے اور وہ دب جاوے گی اور سمٹ جاوے گی اور عرض کرے گی کہ بس بس بھر گئی رواہ الشیخان اور یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے لاملئن جهنم من الجنة والناس اجمعين کہ جہنم کو آدمیوں اور جنات سے بھر دوں گا اور یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھرے گی نہیں جواب یہ ہے کہ اخیر میں تو بھر جاوے گی پس یہ وعدہ انتہا کے اعتبار سے ہے اگرچہ پہلے پہل نہ بھرے اگر یہ کہا جائے کہ یہ بھرنا تو قدم سے ہوگا آدمیوں اور جنوں سے نہ ہوگا جواب یہ ہے کہ بھرے گی آدمیوں اور جنات ہی سے قدم کا صرف تصرف ہوگا جیسے گیلی مٹی کے برتن میں کنکر وغیرہ تھوڑے سے بھرے جاویں کہ وہ اوچھا رہے پھر اس کو ہاتھ سے دبا دیا جاوے کہ وہ چاروں طرف سے دب دبا کر اندر سے اتنا رہ جاوے کہ وہ کنکر منہ تک آ جاویں اور قدم کے معنی متشابہات میں سے ہیں اس کی تفتیش نہ چاہئے یہ تو دوزخ کا بیان ہوا آگے جنت کا بیان ہے۔

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ﴿۳۱﴾

اور جنت متقیوں کے قریب لائی جائے گی کہ کچھ دور نہ رہے گی

جنت کے قریب کرنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو اس کی جگہ سے منتقل کر کے میدان قیامت میں لے آویں اور اللہ کو سب قدرت ہے اس صورت میں ادخلوھا کے معنی یہ نہیں کہ ابھی چلے جاؤ بلکہ بشارت اور وعدہ ہے کہ تم بعد حساب وکتاب وغیرہ کے اس میں جانا دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ حساب سے فراغت کے بعد ان لوگوں کو جنت کے قریب پہنچا کر باہر ہی سے کہا جاوے گا کہ یہ ہے وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا پھر اور قریب کر کے کہا جاوے گا کہ اس میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو۔

هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ﴿۳۲﴾ مَنْ

اور ان سے کہا جاوے گا کہ) یہ وہ چیز ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا کہ وہ ہر ایسے شخص کے لئے ہے جو رجوع ہونے والا پابندی کرنے والا ہو جو شخص خدا سے

خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ ﴿۳۳﴾

بے دیکھے ڈرتا ہوگا اور رجوع ہونے والا دل لے کر آوے گا (اس کو حکم ہوگا کہ)

ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ﴿۳۴﴾

اس جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ یہ دن ہے ہمیشہ رہنے کا ان کو بہشت

لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴿۳۵﴾

میں سب کچھ ملے گا جو جو چاہیں گے اور ہمارے پاس اور بھی زیادہ (نعمت) ہے

کہ وہاں تک جنتی کا ذہن بھی نہ پہنچے گا ان میں سے ایک باری تعالیٰ کی تجلی ہے اور بعض حوریں ہوں گی وہ کہیں گی کہ میں مُزید نعمتوں میں سے ہوں۔ ربط چونکہ عذاب ہونا کفر کے مبغوض اور برا ہونے پر موقوف ہے اور کفار اس کے بھی منکر تھے اس لئے آگے کفر کی برائی پہلے کافروں کے بذریعہ عذاب کے ہلاک ہونے سے ثابت کرتے ہیں اور اس پر بھی ان لوگوں کا انکار چونکہ حضور ؐ کے لئے باعث رنج تھا اس لئے فاصبر میں آپ کی تسلی ہے۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ

اور ہم ان (اہل مکہ) سے پہلے بہت سی امتوں کو (ان کی کفر کی شامت سے) ہلاک

بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِى الْبِلَادِ

کر چکے ہیں جو قوت میں ان سے (کہیں) زیادہ تھے اور تمام شہروں کو چھانتے تھے

یعنی قوت کے ساتھ اسباب معاش میں بھی بہت ترقی کی تھی

هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۳۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى

لیکن جب ہمارا عذاب نازل ہوا تو ان کو) کہیں بھاگنے کی جگہ بھی نہ ملی۔ اس

لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ

میں اس شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جس کے پاس دل ہو یا وہ (کم از کم

شَهِيْدٌ ﴿۳۷﴾

دل سے) متوجہ ہو کر (بات کی طرف) کان ہی لگا دیتا ہو

اور سن کر اجمالاً حقانیت کا معتقد ہو کر اہل فہم کا اتباع کر کے حق بات کو قبول کر لیتا ہو حاصل عبرت کا یہ ہے کہ ان لوگوں کی ہلاکت سے کفر کا عنداللہ مبغوض ہونا معلوم ہو گیا پس عذاب کا انکار اس بناء پر تو باطل ٹھہرا جو کفار کا خیال ہے کہ کفر بری چیز نہیں اور اگر اس وجہ سے انکار ہے کہ خدا کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں سمجھتے تو وہ باطل ہے کیونکہ قدرت کا حال بھی سن لو۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا

اور ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے

فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿۳۸﴾

اس سب و چھ دن میں پیدا کیا اور ہم کو تکان نے چھوا تک نہیں

پھر آدمی کو دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے چونکہ قیامت کے امکان میں بہت شور وشغب تھا اس لئے امکان کو دوبارہ تاکید کے لئے ثابت کر دیا اور باوجود ان قطعی جوابوں کے یہ لوگ پھر بھی انکار پر اڑے ہوئے ہیں

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ

سو ان کی باتوں پر صبر کیجئے اور اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرتے رہئے (اور اس میں نماز بھی داخل

قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿۳۹﴾

ہے) آفتاب نکلنے سے پہلے (مثلاً صبح کی نماز) اور چھپنے سے پہلے (مثلاً ظہر وعصر) اور رات

وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿۴۰﴾

میں بھی ان کی تسبیح کیا کیجئے (اس میں مغرب وعشاء آ گئی) اور فرض نمازوں کے بعد بھی

اس میں نوافل اور اذکار آ گئے حاصل یہ ہوا کہ ذکر اللہ میں اور اس کی فکر میں لگے رہیے تاکہ ان کے اقوال کفریہ کی طرف توجہ نہ ہو۔

ربط: اوپر قیامت کا ممکن ہونا مکرر بیان کیا گیا تھا آگے قیامت کے آنے کا تاکید کے لئے مکرر ذکر ہے اور اس کے بعد پھر مکرر تسلی ہے اور تسلی پر سورت ختم ہے۔ **واستمع تا وعید**

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۴۱﴾

اور سن رکھو کہ جس دن ایک پکارنے والا (فرشتہ یعنی اسرافیل) پاس ہی سے پکارے گا

پاس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آواز سب کو بے تکلف پہنچے گی اور جیسے اکثر دور کی آواز کسی کو پہنچتی ہے کسی کو نہیں پہنچتی ایسا نہ ہوگا۔

يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ

جس روز اس چیخنے کو بالیقین سب سن لیں گے یہ دن ہوگا (قبروں سے نکلنے کا

الْخُرُوْجِ ﴿۴۲﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا

ہم ہی (اب بھی) جلاتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری ہی طرف پھر

الْمَصِيْرُ ﴿۴۳﴾

لوٹ کر آنا ہے

اس میں بھی اشارہ کر دیا کہ ہم دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہیں۔

يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ؕ ذٰلِكَ

جس روز زمین ان (مردوں) پر سے کھل جائے گی جبکہ وہ (میدان قیامت

حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿۴۴﴾

کی طرف) دوڑتے ہوں گے یہ ہمارے نزدیک ایک آسان جمع کر لینا ہے

غرض بار بار قیامت کا ممکن ہونا اور واقع ہونا سب ثابت ہو چکا اس پر بھی جو لوگ نہ مانیں تو اب کچھ غم نہ کیجئے۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ

جو کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں ہم خوب جانتے ہیں اور آپ ان پر (منجانب اللہ) جبر کرنے والے (کر کے) نہیں (بھیجے گئے) ہیں تو آپ قرآن کے

بِجَبَّارٍ ۫ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿۴۵﴾

ذریعہ سے ایسے شخص کو نصیحت کرتے رہئے جو میری وعید سے ڈرتا ہو

اس میں اس طرف اشارہ ہو گیا کہ آپ اگرچہ نصیحت عام فرماتے ہیں جیسا کہ مشاہدہ ہے لیکن پھر بھی وعید سے ڈرنے والا کوئی کوئی ہوتا ہے

پس ثابت ہوا کہ یہ آپ کے اختیار میں نہیں کہ سب نصیحت قبول کرلیں جب آپ کے اختیار میں نہیں تو بے اختیار بات کی فکر ہی کیا۔

سورۃ والذٰریٰت مکیۃ وایھا ستون کذافی البیضاوی

ربط: اوپر کی سورت میں قیامت کا ذکر تھا اس سورت کا زیادہ حصہ بھی اسی مضمون میں ہے چنانچہ اسی سے سورت شروع بھی ہوئی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم والذاریات تا تنطقون الخ

(۵۱) سُوْرَۃُ الذّٰرِیٰتِ مَکِّیَّۃٌ (۶۷)

سورہ ذریت مکہ میں نازل ہوئی اس کی ساٹھ آیتیں اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

وَالذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا ﴿۱﴾ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ﴿۲﴾

قسم ہے ان ہواؤں کی جو غبار وغیرہ اڑاتی ہوں پھر ان بادلوں کی جو بوجھ (یعنی

فَالْجٰرِیٰتِ یُسْرًا ﴿۳﴾ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ﴿۴﴾ اِنَّمَا

بارش) کو اٹھاتے ہیں پھر ان کشتیوں کی جو نرمی سے چلتی ہیں پھر ان فرشتوں کی جو

تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ﴿۵﴾ وَّاِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌ ﴿۶﴾

(حکم کے موافق اہل ارض میں چیزیں تقسیم کرتے ہیں تم سے جس (قیامت) کا وعدہ کیا جاتا ہے وہ بالکل سچ ہے اور (اعمال کی) جزا (وسزا) ضرور ہونے والی ہے

مثلاً جہاں جس قدر بارش کا حکم ہوتا ہے جو رزق کا وسیلہ ہے وہاں بادلوں کے ذریعہ سے اس کی قدر پہنچاتے ہیں اسی طرح رحم میں بچہ کی صورت لڑکا یا لڑکی حق تعالیٰ سے پوچھ کر بناتے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے اور اطمینان اور رعب بھی تقسیم کرتے ہیں آگے قسم کا جواب ہے۔

مخلوق کی قسم کھانے کی توجیہ سورہ والصافات کے شروع میں گزر چکی ہے اور ان قسموں میں اشارہ ہے دلیل کی طرف یعنی یہ سب عجیب تصرفات قدرت خداوندی سے ہوتے ہیں تو یہ خدا کی عظیم الشان قدرت کے دلائل ہیں پھر ایسی بڑی قدرت والے کو قیامت کا لانا کیا مشکل ہے اور جیسے یہاں آسمان کی چیزوں کی قسم تھی اسی طرح قیامت کے ایک مضمون کے متعلق خود آسمان کی قسم ہے۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُکِ ﴿۷﴾ اِنَّکُمْ لَفِیْ قَوْلٍ

قسم ہے آسمان کی جس میں (فرشتوں کے چلنے کے) رستے ہیں کہ تم (یعنی

مُّخْتَلِفٍ ﴿۸﴾

سب) لوگ (قیامت کے بارے میں مختلف گفتگو میں ہو

کوئی تصدیق کرتا ہے کوئی جھٹلاتا ہے اور آسمان کی قسم سے شاید اس طرف اشارہ ہو کہ جنت آسمان میں ہے اور آسمان میں رستہ بھی ہے مگر جو حق میں اختلاف کرے گا اس کے لئے رستہ بند ہو جاوے گا

یُّؤْفَکُ عَنْہُ مَنْ اُفِکَ ﴿۹﴾

اس سے وہی پھرتا ہے جس کو پھرنا ہوتا ہے

یعنی قیامت کے آنے سے اور جزا وسزا کے اعتقاد سے وہی پھرتا ہے جو خیر اور سعادت سے بالکل پھرنا چاہتا ہے یہ مضمون ایسا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے من حرمہ فقد حرم الخیر کلہ جو شب قدر سے محروم رہا وہ ہر بھلائی سے محروم رہا اور دوسری جماعت کا حال اسی کے مقابلہ سے معلوم ہو گیا کہ وہ خیر وسعادت سے پھرے ہوئے نہیں ہیں آگے ان پھرنے والوں کی مذمت ہے۔

قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ﴿۱۰﴾

غارت ہو جائیں بے سند باتیں کرنے والے جو کہ جہالت میں بھولے ہوئے ہیں

یعنی جو قیامت کا بلا دلیل انکار کرتے ہیں اور بھولنے سے مراد اختیاری غفلت ہے۔

الَّذِیْنَ ہُمْ فِیْ غَمْرَۃٍ سَاہُوْنَ ﴿۱۱﴾ یَسْـَٔلُوْنَ اَیَّانَ

اور وہ لوگ پوچھتے ہیں کہ روز جزا کب ہو گا (وہ اس دن ہو گا)

یَوْمُ الدِّیْنِ ﴿۱۲﴾ یَوْمَ ہُمْ عَلَی النَّارِ یُفْتَنُوْنَ ﴿۱۳﴾

جس دن وہ لوگ آگ پر رکھے جائیں گے (اور کہا جائے گا)

ذُوْقُوْا فِتْنَتَکُمْ ہٰذَا الَّذِیْ کُنْتُمْ بِہٖ

اپنی اس سزا کا مزہ چکھو یہی ہے جس کی تم

تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۴﴾

جلدی مچایا کرتے تھے

یہ جواب ایسا ہے جیسے کسی مجرم کو پھانسی کا حکم سنا دیا جائے مگر وہ احمق محض اس وجہ سے کہ اس کو تاریخ نہیں بتلائی گئی جھٹلائے ہی جائے اور کہے کہ اچھا وہ دن کب آوے گا چونکہ یہ سوال محض سرکشی کے طور پر ہے اس

لئے جواب میں بجائے تاریخ بتلانے کے یہ کہنا مناسب ہوگا کہ وہ دن اس وقت آوے گا جب تم پھانسی میں لٹکا دیئے جاؤ گے آگے دوسرے فریق کا ذکر ہے جو پھرنے والے نہیں ہیں۔

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۱۵﴾ اٰخِذِیْنَ

بے شک متقی لوگ بہشتوں میں اور چشموں میں ہوں گے (اور) ان کے رب

مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ

نے ان کو جو (ثواب) عطا کیا ہوگا وہ اس کو (خوشی خوشی) لئے رہے ہوں گے

مُحْسِنِیْنَ ؕ ﴿۱۶﴾

(اور کیوں نہ ہو) وہ لوگ اس کے قبل (دنیا میں) نیکوکار تھے

پس حسب وعدہ ہل جزاء الاحسان الا الاحسان نیکی کا بدلہ بھلائی کے سوا کچھ نہیں ان کے ساتھ اچھا معاملہ کیا گیا آگے کسی قدر ان کے نیک کاموں کی تفصیل ہے۔

كَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾

وہ لوگ رات کو بہت کم سوتے تھے

وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۱۸﴾

اور اخیر شب میں استغفار کیا کرتے تھے

یعنی وہ لوگ فرائض و واجبات سے ترقی کر کے نوافل کا بھی ایسا التزام کرتے تھے کہ رات کا زیادہ حصہ عبادت میں صرف کرتے تھے پھر باوجود اس محنت و مشقت کے اپنی عبادت پر نظر نہ کرتے بلکہ اپنے آپ کو عبادت میں ناقص سمجھ کر اخیر شب میں استغفار کرتے تھے اور ایک روایت میں اس کی تفسیر یہ آئی ہے کہ بدون عشاء پڑھے نہ سوتے تھے تو مطلب یہ ہوگا کہ ساری رات نہیں سوتے رہتے تھے جیسا کہ کفار سوتے ہیں پس اس تفسیر پر تہجد مراد نہ ہوگا یہ تو جسمانی عبادت میں ان کی حالت تھی آگے مالی عبادت کی کیفیت ہے۔

وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۱۹﴾

اور ان کے مال میں سوالی اور غیر سوالی (سب) کا حق تھا

یعنی ایسے التزام سے دیا کرتے تھے جیسے ان کے ذمہ کسی کا کچھ آتا ہو اور یہ مطلب نہیں کہ جنت کا ملنا ان نوافل پر موقوف ہے بلکہ یہاں بڑے درجے والوں کا ذکر کیا گیا ہے اور چونکہ کفار قیامت کے ممکن ہونے کا انکار کرتے تھے اس لئے آگے اس کی دلیل کی طرف اشارہ ہے۔

وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ﴿۲۰﴾ وَفِیْٓ

اور یقین لانے کے لئے زمین (کی کائنات) میں بہت سی نشانیاں ہیں اور

اَنْفُسِكُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۲۱﴾

خود تمہاری ذات میں بھی پس کیا تم کو (پھر بھی) دکھلائی نہیں دیتا

یعنی تمہارے ظاہری اور باطنی مختلف حالات اور اسی طرح تمام عالم کے احوال یقیناً قدرت کے تحت میں داخل ہیں پس یہ ان کے ممکن ہونے کی دلیل ہے اور چونکہ قیامت کے محال ہونے پر کوئی دلیل قائم نہیں اس لئے وہ بھی ممکنات سے ہے اور حق تعالیٰ کی ذاتی قدرت کو تمام ممکنات کے ساتھ یکساں نسبت ہے پس وہ بھی قدرت میں داخل ہے رہا یہ کہ اس کا خاص وقت نہ معلوم ہونے سے اس کے واقع نہ ہونے پر جو استدلال کیا جاتا ہے اس کی نسبت آگے ارشاد ہے۔

وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۲۲﴾

اور تمہارا رزق اور جو تم سے (قیامت کے متعلق) وعدہ کیا جاتا ہے

(ان) سب (کا معین وقت) آسمان میں ہے

یعنی لوح محفوظ میں درج ہے اور زمین والوں کو کسی مصلحت سے اس کا یقینی علم نہیں دیا گیا چنانچہ مشاہدہ ہے کہ یقینی تعیین کسی کو معلوم نہیں کہ رزق کب اور کتنا ملے گا لیکن باوجود وقت معین نہ معلوم ہونے کے رزق کے وجود کا یقین ہے پھر وقت معین معلوم نہ ہونے سے قیامت کا نہ ہونا کیسے لازم آ گیا اور اسی دلیل کی طرف اشارہ کرنے کے لئے یہاں رزق کا بیان بڑھا دیا گیا ورنہ اس کا ذکر یہاں خود مقصود نہ تھا آگے نتیجہ کے طور پر فرماتے ہیں کہ جب قیامت کے محال ہونے کی کوئی دلیل نہیں اور ممکن ہونے کی دلیل موجود ہے (آگے ترجمہ)

فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ

تو قسم ہے آسمان اور زمین کے پروردگار کی کہ وہ (قیامت کا دن) برحق ہے

مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ﴿۲۳﴾ ع

(اور ایسا یقینی جیسا تم باتیں کر رہے ہو

کہ اس میں شک نہیں ہوتا اسی طرح قیامت کو یقینی سمجھو اور اس مثال میں ایک نکتہ بھی ہے وہ یہ کہ زبان مثل زمین کے ہے اور اس سے ایک حرف کا پیدا ہونا انسان کی پہلی پیدائش کے مثل ہے اور اس حرف کا ختم ہو کر فنا ہو جانا موت انسانی کے مشابہ ہے پھر اس حرف کا دوبارہ پیدا ہو جانا انسان

کے دوبارہ زندہ ہونے کے مشابہ ہے پس اس میں قیامت کی ایک نظیر کی طرف اشارہ ہوگیا۔

ربط: اوپر کافروں کی مذمت کے ساتھ مومنوں کی مدح بھی تھی آگے ابراہیم علیہ السلام کے قصہ سے اس طرف اشارہ ہے کہ حق ماننے والوں کو فلاح آخرت کے ساتھ دنیوی فلاح بھی عطا ہوتی ہے پھر کفار کے لئے سزا ثابت کرنے کے لئے پہلی ہلاک شدہ امتوں کے چند قصے بیان فرماتے ہیں هل اتک تا قوم فسقين۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۴﴾

کیا ابراہیم کے معزز مہمانوں کی حکایت آپ تک پہنچی ہے

معزز یا تو اس لئے کہا کہ وہ ملائکہ تھے جن کی شان میں ہے بل عباد مکرمون یا اس لئے کہ ابراہیمؑ نے اپنی عادت کے موافق ان کا اکرام کیا تھا اور مہمان کہنا ظاہر کی بنا پر ہے کیونکہ وہ انسانی شکل میں آئے تھے۔

اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ سَلٰمٌ ۚ

اور یہ قصہ اس وقت میں تھا جبکہ وہ (مہمان) ان کے پاس آئے پھر ان کو سلام کیا ابراہیم

قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ ۚ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ

نے بھی (جواب میں) کہا سلام اور کہنے لگے کہ) انجان لوگ (معلوم ہوتے) ہیں

بظاہر یہ بات دل میں کہی کیونکہ آگے فرشتوں کا جواب مذکور نہیں اور بعید احتمال یہ بھی ہے کہ پوچھنے کے طور پر ان ہی سے کہہ دیا ہو کہ آپ لوگوں کو پہچانا نہیں اور انہوں نے جواب نہ دیا ہو اور ابراہیم علیہ السلام نے جواب کا انتظار نہ کیا ہو۔

فَجَاۗءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴿۲۶﴾ ۙ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ

پھر اپنے گھر کی طرف چلے اور ایک فربہ بچھڑا (تلا ہوا) لائے اور اس کو ان

اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۷﴾

کے پاس (یعنی سامنے) لا کر رکھا کہنے لگے کہ آپ لوگ کھاتے کیوں نہیں

چونکہ وہ فرشتے تھے کیوں کھاتے اس وقت ابراہیم علیہ السلام کو شبہ ہوا کہ یہ لوگ کہیں مخالف اور دشمن نہ ہوں۔

فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۭ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۭ

تو ان سے دل میں خوف زدہ ہوئے انہوں نے کہا تم ڈرو مت

کیونکہ ہم آدمی نہیں فرشتے ہیں۔

وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾

اور ان کو ایک فرزند کی بشارت دی جو بڑا عالم ہوگا

کیونکہ مخلوق میں سب سے زیادہ علم انبیاء کو ہوتا ہے اور مراد اس سے اسحاق علیہ السلام ہیں۔

فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا

آگے میں ان کی بی بی بولتی پکارتی آئیں پھر (یہ خبر سن کر تعجب سے) ماتھے پر

وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ﴿۲۹﴾

ہاتھ مارا اور کہنے لگیں کہ (اول تو) بڑھیا (پھر) بانجھ

اس وقت بچہ پیدا ہونا بھی عجیب بات ہے۔

قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ

فرشتے کہنے لگے کہ (تعجب مت کرو) تمہارے پروردگار نے ایسا ہی فرمایا

الْعَلِيْمُ ﴿۳۰﴾

ہے کچھ شک نہیں کہ وہ بڑا حکمت والا بڑا جاننے والا ہے

یعنی گو فی نفسہ یہ بات تعجب کی ہے مگر تم تو خاندان نبوت میں ہو اور علم و فہم سے مشرف ہو تم کو یہ معلوم کر کے کہ خدا کا ارشاد ہے جس کا علم و حکمت اور قدرت مسلم بھی ہے تعجب نہ رہنا چاہئے پھر ابراہیمؑ کو نبوت کی فراست سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بشارت کے علاوہ ان کے آنے سے کچھ اور بھی مقصود ہے۔

الحمدللہ چھبیسویں پارہ کی تفسیر ختم ہوئی

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿٣١﴾

ابراہیم کہنے لگے (کہ) اچھا تو (یہ بتلاؤ کہ) تم کو بڑی مہم کیا درپیش ہے اے

قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُجْرِمِينَ ﴿٣٢﴾

فرشتو۔ فرشتوں نے کہا کہ ہم ایک مجرم قوم (یعنی قوم لوط) کی طرف بھیجے گئے

لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِنْ طِينٍ ﴿٣٣﴾ مُسَوَّمَةً

ہیں تاکہ ہم ان پر کھنگر کے پتھر برسائیں جن پر آپ کے رب پاس (یعنی عالم

عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِينَ ﴿٣٤﴾ فَأَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ

غیب میں) خاص نشانیاں بھی ہیں (اور وہ) حد سے گزرنے والوں کے لئے

فِيهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٣٥﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا

(ہیں) اور ہم نے جتنے ایماندار تھے سب کو وہاں سے نکال کر علیحدہ کردیا سو بجز

غَيْرَ بَيْتٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٣٦﴾

مسلمانوں کے ایک گھر کے اور کوئی گھر مسلمانوں کا ہم نے نہیں پایا

مطلب یہ کہ وہاں کوئی مسلمان تھا ہی نہیں اگر ہوتا تو خدا کو ضرور معلوم ہوتا جب خدا کے علم میں وہاں کوئی مسلمان ایک گھر کے سوا نہ تھا تو واقع میں بھی کوئی نہ تھا فاخرجنا من کان فیھا سے حق تعالیٰ کا ارشاد شروع ہوا ہے فرشتوں کا کلام ختم ہوگیا

وَتَرَكْنَا فِيهَا آيَةً لِلَّذِينَ يَخَافُونَ الْعَذَابَ

اور ہم نے اس واقعہ میں (ہمیشہ کے واسطے) ایسے لوگوں کے لئے ایک عبرت رہنے

الْأَلِيمَ ﴿٣٧﴾ وَفِي مُوسَىٰ إِذْ أَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ

دی جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں اور موسیٰ کے قصہ میں بھی عبرت ہے جب

بِسُلْطَانٍ مُبِينٍ ﴿٣٨﴾ فَتَوَلَّىٰ بِرُكْنِهِ وَقَالَ

کہ ہم نے ان کو فرعون کے پاس ایک کھلی ہوئی دلیل (یعنی معجزہ) دے کر بھیجا سو

سَاحِرٌ أَوْ مَجْنُونٌ ﴿٣٩﴾ فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ

اس نے مع اپنے ارکان سلطنت کے سرتابی کی اور کہنے لگا کہ یہ ساحر یا مجنون

فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيمٌ ﴿٤٠﴾ وَفِي

ہے ہم نے اس کو اور اس کے لشکر کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا (یعنی غرق کردیا) اور

عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ ﴿٤١﴾

اس نے کام ہی ملامت کا کیا تھا اور عاد کے قصہ میں بھی عبرت ہے جبکہ ہم نے ان

مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ أَتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَتْهُ

پر نامبارک آندھی بھیجی جس چیز پر گزرتی (یعنی اشیاء میں سے کہ جن کی ہلاکت کا

كَالرَّمِيمِ ﴿٤٢﴾ وَفِي ثَمُودَ إِذْ قِيلَ لَهُمْ

حکم تھا) اس کو ایسا کر چھوڑتی تھی جیسے کوئی چیز گل کر ریزہ ریزہ ہوجاتی ہے اور ثمود

تَمَتَّعُوا حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٤٣﴾

کے قصہ میں بھی عبرت ہے جبکہ ان سے کہا گیا اور تھوڑے دنوں چین کرلو

یعنی کفر سے باز نہیں آؤ گے تو چند دن کے بعد ہلاک ہوجاؤ گے اور یہ کہنے والے پیغمبر صالح علیہ السلام تھے اور یہاں جس چین و آرام کا ذکر کیا گیا ہے یہ وہ نہیں ہے جس کے ساتھ تین دن کی قید تھی تمتعوا فی دارکم ثلثة ایام کیونکہ یہاں تمتعوا کے بعد فعتوا عن امر ربھم بھی فرمایا ہے کہ صالح علیہ السلام کے اس کہنے کے بعد ان لوگوں نے سرکشی کی اور تمتعوا فی دارکم ثلثة ایام یقیناً سرکشی کے بعد کہا گیا ہے پس یہاں جس چین و آرام کے لئے کہا گیا وہ سرکشی کے پہلے تھا اور وہاں جس چین و آرام کے لئے کہا گیا وہ سرکشی کے بعد تھا۔

ربط: اوپر شروع سورت میں قیامت کی تحقیق اور اس کے ساتھ ماننے اور نہ ماننے والوں کی جزا و سزا اور تکذیب کی مناسبت سے پہلی امتوں کا ذکر آ گیا تھا آگے توحید و رسالت کی تحقیق ہے اور رسالت کے ساتھ تسلی کا مضمون ہے۔ والسماء بنینھا تا تنفع المومنین

فَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّاعِقَةُ

سو اس سے ڈرانے پر بھی ان لوگوں نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی سو

وَهُمْ يَنْظُرُونَ ﴿٤٤﴾ فَمَا اسْتَطَاعُوا مِنْ

ان کو عذاب نے آلیا اور وہ (اس عذاب کے آثار کو) دیکھ رہے تھے سو نہ تو

قِيَامٍ وَمَا كَانُوا مُنْتَصِرِينَ ﴿٤٥﴾ وَقَوْمَ نُوحٍ

وہ کھڑے ہی ہوسکے اور نہ ہم سے بدلہ لے سکے اور ان سے پہلے قوم نوح کا

مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۴۶﴾ ع

یہی حال ہو چکا تھا (یعنی) اس سبب سے کہ) وہ بڑے نافرمان لوگ تھے اور

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾

ہم نے آسمانوں کو (اپنی) قدرت سے بنایا اور ہم وسیع القدرت ہیں اور ہم

وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾

نے زمین کو فرش (کے طور پر) بنایا سو ہم (کیسے) اچھے بچھانے والے ہیں

یعنی اس میں کیسے کیسے منافع رکھے ہیں

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ

اور ہم نے ہر چیز کو دو دو قسم بنایا ہے

ظاہر ہے کہ ہر چیز میں کوئی نہ کوئی ایسی صفت اعتبار کی جاتی ہے جس میں دوسری چیز اس کے مقابل شمار کی جاتی ہے جیسے آسمان و زمین گرمی سردی، چھوٹی بڑی، خوشنما بدنما، سفیدی سیاہی، روشنی تاریکی جوہر و عرض یعنی مستقل اور غیر مستقل وغیرہ وغیرہ پس دو دو قسم بنانے سے یہی مراد ہے کہ ہر چیز ایک دوسری کے مقابل ہے

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ؕ

تا کہ تم (ان مصنوعات سے توحید کو) سمجھو تو تم اللہ ہی کی (توحید کی) طرف دوڑو

اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾ ج

میں تمہارے (سمجھانے کے لئے) اللہ کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہو کر آیا ہوں

یعنی اول تو ان دلائل کی وجہ سے خود عقل ہی توحید کے اعتقاد کو ضروری بتلا رہی ہے پھر اوپر سے میں سمجھانے کے واسطے آیا ہوں کہ توحید سے انکار کرنے والے کو عذاب ہو گا پس عذاب کے خوف سے توحید کا اعتقاد اور بھی ضروری ہو گیا۔

وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ؕ

اور خدا کے ساتھ کوئی اور معبود مت قرار دو

اوپر ففروا الی اللہ میں توحید کی طرف دوڑنے کا امر تھا جس سے شرک کی ممانعت لازم آ گئی اس آیت میں صراحۃً شرک کی ممانعت ہے اور چونکہ توحید کا عنوان اس آیت میں بدل گیا اس لئے ڈرانے کا مضمون پھر تاکید کے واسطے لایا گیا

اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۱﴾ ج

میں تمہارے واسطے اللہ کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں

آگے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ آپ واقع میں صاف صاف ڈرانے والے ہیں لیکن یہ مخالفین کیسے جاہل ہیں کہ نعوذ باللہ کبھی آپ کو جادوگر کبھی مجنون بتلاتے ہیں سو آپ صبر کیجئے

كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ

اسی طرح جو (کافر) لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کے پاس کوئی

رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾ ج

پیغمبر ایسا نہیں آیا جس کو انہوں نے ساحر یا مجنون نہ کہا ہو

یعنی ساری قوم نے یا بعض نے ایسا ضرور کہا اب یہ شبہ جاتا رہا کہ جن رسولوں کو لوگوں نے جھٹلایا ہے بعض نے ان کی تصدیق بھی کی ہے پھر قالوا میں سب کی طرف نسبت کیسے کی گئی جواب ظاہر ہے آگے اس قول پر تمام کفار کے متفق ہونے سے تعجب دلاتے ہیں۔

اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ

کیا اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کرتے چلے آئے تھے

یعنی یہ اتفاق تو ایسا ہو گیا جیسے ایک دوسرے سے کہتے چلے آتے ہیں کہ دیکھو جو رسول آوے تم بھی ہماری طرح کہنا آگے فرماتے ہیں کہ وصیت تو نہیں کی کیونکہ بعضی قومیں بعض قوموں سے ملیں بھی نہیں۔

بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۵۳﴾ ج

بلکہ (وجہ اس اجماع کی یہ ہوئی کہ) یہ سب کے سب سرکش لوگ ہیں

یعنی اس قول کا سبب سرکشی ہے اور وہ چونکہ سب میں مشترک ہے اس لئے سب باتیں بھی ایک سی کرتے ہیں۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿۵۴﴾ ق

سو آپ ان کی طرف التفات نہ کیجئے

کیونکہ جب پہلے لوگ بھی ایسے گزرے ہیں اور معلوم ہو گیا کہ اس کا سبب ان ہی کی سرکشی ہے تو آپ ان کی تکذیب کی پروا اور غم نہ کیجئے۔

وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى

کیونکہ آپ پر کسی طرح کا الزام نہیں اور سمجھاتے رہئے

یعنی اطمینان کے ساتھ اپنے منصبی کام میں لگے رہئے۔

تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۵۵﴾

کیونکہ سمجھانا ایمان (لانے) والوں کو (بھی) نفع دے گا

یعنی سمجھانے میں عام فائدے اور حکمتیں سب کے اعتبار سے ہیں جن کی قسمت میں ایمان نہیں ان پر حجت تمام ہو جائے گی اور جن کی قسمت میں ایمان ہے وہ ایمان لے آئیں گے اور جو ایمان لا چکے ہیں ان کو بھی نفع ہو گا پس نصیحت کئے جایئے اور کسی کے ایمان نہ لانے کا غم نہ کیجئے ربط اوپر زیادہ تر قیامت اور توحید و رسالت اور بعض آیات میں نیک کاموں کا ذکر تھا اور یہ سب اعتقادی اور عملی عبادات ہیں آگے ختم سورت میں ایک جامع عنوان سے عبادت کا مطلوب ہونا بیان فرماتے ہیں اور رغبت اور خوف دلا کر اس کی تاکید فرماتے ہیں پھر جو عبادت فرض ہے اس کو موکد ہونا تو ظاہر ہے اور جو نفل ہے اس کے شرعاً مقرر ہونے کا اعتقاد واجب ہے وما خلقت تا یوعدون۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿۵۶﴾

اور میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں

اور تبعاً عبادت کی تکمیل کے لئے جن و انسان کی پیدائش پر دوسرے منافع کا مرتب ہونا اس کے منافی نہیں اسی طرح بعض جن و انسان کا عبادت نہ کرنا بھی اس کے منافی نہیں کیونکہ حق تعالیٰ نے تو سب کو اس کا مکلف بنا دیا ہے اب آگے وہ عبادت کریں یا نہ کریں یہ ان کا کام ہے اور جن و انسان کی تخصیص اس لئے ہے کہ اس جگہ عبادت سے مراد وہ عبادت ہے جو اختیار کے ساتھ کی جائے اور اس سے آزمائش مقصود ہو اور ملائکہ میں امتحان مقصود نہیں اور دوسری مخلوقات میں اختیار کی صفت نہیں۔

مَا أُرِيدُ مِنْهُم مِّن رِّزْقٍ

میں ان سے (مخلوق کی) رزق رسانی کی درخواست نہیں کرتا ہوں

اگر اس پر یہ شبہ ہو کہ اہل و عیال کو رزق پہنچانا تو واجب کیا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ مطلب آیۃ کا یہ ہے کہ ہم ان سے ایسا رزق کموانا نہیں چاہتے جو عبادت سے مانع ہو دوسرے یہ کہ اہل و عیال کے واسطے صرف کمانا اور خرچ کرنا واجب ہے اور اس کو رزق پہنچانا نہیں کہہ سکتے رازق پھر بھی اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ اگر کمانے سے رزق حاصل نہ ہوا تو کیا کر سکتا ہے یا حصول کے بعد اگر پہنچانے پر قادر نہ ہو تو کیا کر سکتا ہے یا پہنچانے کے بعد غذا کا حلق سے اترنا یا پھر اس سے قوت حاصل کرنا جو کہ رزق سے مقصود ہے یہ تو کسی کی قدرت میں نہیں پس حقیقت میں بندہ کسی طرح رازق نہیں اور اس کے کمانے اور خرچ کرنے سے کچھ خدا کا تو نفع نہیں نہ اس کو کچھ سہارا لگتا ہے کہ اس نے اپنے ذمہ جو مخلوق کو رزق پہنچانا رکھا ہے بندہ کے خرچ کرنے سے کچھ اس کو مدد مل گئی ہو بلکہ اس کا نفع خود خرچ کرنے والے کو ہوتا ہے کہ ثواب ملتا ہے اور ما اریدمنھم من رزق سے مقصود یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کو کسی کے کمانے اور خرچ کرنے سے نفع نہیں پہنچتا۔

وَمَا أُرِيدُ أَن يُطْعِمُونِ ﴿۵۷﴾ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ

اور نہ یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ مجھ کو کھلایا کریں اللہ خود ہی سب کو رزق پہنچانے والا

تو ہم کو اسکی ضرورت ہی کیا تھی کہ ہم مخلوقات کی روزی رسانی انکے متعلق کرتے۔

ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ﴿۵۸﴾

قوت والا نہایت قوت والا ہے

اس میں عجز اور کمزوری اور کسی قسم کی احتیاج کا احتمال بھی نہیں تو اپنے آپ کو کھلانے کی درخواست کرنا تو ممکن ہی نہیں حاصل یہ کہ عبادت کے مقرر کرنے سے ہماری خود کوئی غرض نہیں بلکہ صرف بندوں ہی کا نفع ہے تو ان کو اس میں پس و پیش نہ کرنا چاہیے یہ تو ترغیب ہوگئی آگے ڈراتے ہیں۔

فَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذَنُوبًا مِّثْلَ ذَنُوبِ أَصْحَابِهِمْ

تو ان ظالموں کی سزا کی بھی باری (علم الٰہی میں) مقرر ہے جیسے ان کے (گذشتہ) ہم مشربوں کی باری (مقرر) تھی

یعنی وقت مقرر پر ان پر بھی عذاب آنے والا ہے خواہ دنیا میں یا صرف آخرت میں

فَلَا يَسْتَعْجِلُونِ ﴿۵۹﴾

سو مجھ سے (عذاب) جلدی طلب نہ کریں

جیسا کہ ان کی عادت ہے کہ وعیدیں سن کر جھٹلانے کے لئے تقاضا کرنے لگتے ہیں۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِن يَوْمِهِمُ الَّذِي

غرض ان کافروں کے لئے اس دن کے آنے سے بڑی خرابی ہوگی جس کا ان

يُوعَدُونَ ﴿۶۰﴾ ع

سے وعدہ کیا جاتا ہے

جن میں سب سے سخت قیامت کا دن ہے اور سورت کو اسی وعدہ سے شروع بھی کیا گیا ہے انما توعدون لصادق اور اس سے سورت کے آغاز و انجام کی خوبی ظاہر ہے۔

سورة الطور مكية وايها ثمان اوتسع واربعون

ربط: پہلی سورت قیامت کی وعید پر ختم ہوئی ہے اور یہ سورت اسی سے شروع ہوئی ہے پھر وعید کے بعد قرآن کی عادت کے موافق مومنین کے لئے وعدہ مذکورہ ہے۔ بسم الله الرحمن الرحيم والطور تا الرحيم

(۵۲) سُورَةُ الطُّورِ مَكِّيَّةٌ (۷۶)

سورۂ طور پر مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی انچاس آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

وَالطُّوْرِ ۙ﴿۱﴾ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۙ﴿۲﴾ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۙ﴿۳﴾

قسم ہے طور (پہاڑ) کی اور اس کتاب کی جو کھلے ہوئے کاغذ میں لکھی ہے

اس سے مراد نامہ اعمال ہے اور جس چیز میں وہ لکھا ہے اس کو کاغذ سے تشبیہ دے دی۔

وَالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۙ﴿۴﴾

اور قسم ہے بیت المعمور کی

کہ ساتویں آسمان میں فرشتوں کی عبادت کا گھر ہے۔

وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۙ﴿۵﴾ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۙ﴿۶﴾

اور قسم ہے اونچی چھت کی (مراد آسمان ہے) اور (قسم ہے) دریائے شور کی جو پانی سے پر ہے

اور ان قسموں کی خصوصیت کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ قیامت کی اصل غرض جزاوسزا ہے اور جزاوسزا کی اصل احکام شرعیہ ہیں پس طور کی قسم کھانے میں اس طرف اشارہ ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام اور احکام نازل کئے ہیں پھر جزاوسزا احکام کی مخالفت وموافقت پر موقوف ہے نامہ اعمال کی قسم سے اس طرف اشارہ ہوگیا کہ تمہارے سب کام محفوظ ہیں پھر جزاوسزا اس پر بھی موقوف ہے کہ عبادت ضروری ہو بیت المعمور کی قسم سے اشارہ ہوگیا کہ عبادت ایسی ضروری ہے کہ فرشتوں کو بھی اس سے چھوڑا نہیں گیا حالانکہ ان کے لئے جزاوسزا بھی نہیں پھر جزاوسزا کے دو نتیجے ہیں جنت اور دوزخ آسمان کی قسم میں جنت کی طرف اشارہ ہوگیا کہ وہ بھی ایسی ہی بلند جگہ ہے اور دریائے شور کی قسم میں دوزخ کی طرف اشارہ ہے کہ وہ بھی ایسی ہی خوفناک چیز ہے۔

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۙ﴿۷﴾ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۙ﴿۸﴾

کہ بے شک آپ کے رب کا عذاب ضرور ہو کر رہے گا کوئی اس کو ٹال نہیں سکتا (اور یہ اس

يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ۙ﴿۹﴾ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ؕ﴿۱۰﴾

روز واقع ہوگا) جس روز آسمان تھرتھرانے لگے گا اور پہاڑ (اپنی جگہ سے) ہٹ جاویں گے

آسمان کے تھرانے سے یا تو مشہور معنی مراد ہیں یا پھٹ جانا مراد ہے اور یہاں پہاڑوں کا ہٹنا مذکور ہے۔ اور دوسری آیتوں میں ریزہ ریزہ ہوکر اڑ جانا بھی آیا ہے اور مراد اس سے قیامت کا دن ہے۔

فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۙ﴿۱۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ

تو جو لوگ جھٹلانے والے ہیں (اور) جو (تکذیب کے) مشغلہ میں بے ہودگی

خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ﴿۱۲﴾ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ

کیساتھ لگ رہے ہیں ان کی اس روز کم بختی آئے گی جس روز کہ ان کو آتش دوزخ

دَعًّا ؕ﴿۱۳﴾ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۴﴾

کی طرف دھکے دے کر لاویں گے یہ وہی دوزخ ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے

اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ۚ﴿۱۵﴾

تو کیا یہ بھی سحر ہے (دیکھ کر بتلاؤ) یا یہ کہ تم کو (اب بھی) نظر نہیں آتا

یعنی جن آیتوں میں اس کی خبر تھی ان کو تم جھٹلاتے اور جادو بتاتے تھے خیر وہ تو تمہارے نزدیک جادو تھا تو کیا اس کا بھی انکار کروگے جیسا کہ دنیا میں نظر نہ آنے کی وجہ سے منکر ہوگئے تھے۔

اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ

اس میں داخل ہو پھر خواہ (اس کی) سہار کرنا یا سہار نہ کرنا تمہارے حق میں

عَلَيْكُمْ ؕ

دونوں برابر ہیں

نہ یہی ہوگا کہ تمہارے ہائے واویلا سے نجات ہو جاوے نہ یہی ہوگا کہ تمہارے خاموشی اور اطاعت پر رحم کھا کر نکال دیا جائے بلکہ ہمیشہ اس میں رہنا ہوگا

اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

جیسا تم کرتے تھے ویسا ہی تم کو بدلا دیا جائے گا

پس تم کفر کیا کرتے تھے جو کہ سخت نافرمانی اور خدا تعالیٰ کے بے انتہا کمالات کی بے قدری ہے اس کے بدلہ میں ہمیشہ کے لئے دوزخ میں رہنا ہوگا جو کہ سخت اور ختم نہ ہونے والی سزا ہے آگے ان کے مقابل لوگوں کا بیان ہے۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَعِيمٍ ﴿۱۷﴾ فَاكِهِينَ

متقی لوگ بلاشبہ (بہشت کے) باغوں اور سامان عیش میں ہوں گے اور ان کو

بِمَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ وَوَقَاهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ

جو چیزیں ان کے پروردگار نے دی ہوں گی اس سے خوش دل ہوں گے اور

الْجَحِيمِ ﴿۱۸﴾ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنْتُمْ

ان کا پروردگار ان کو عذاب دوزخ سے محفوظ رکھے گا خوب کھاؤ اور پیو مزہ کے

تَعْمَلُونَ ﴿۱۹﴾

ساتھ اپنے عملوں کے بدلہ میں

وہ نیک عمل جو دنیا میں کیا کرتے تھے

مُتَّكِئِينَ عَلَىٰ سُرُرٍ مَصْفُوفَةٍ وَزَوَّجْنَاهُمْ

تکیہ لگائے ہوئے تختوں پر جو برابر بچھائے ہوئے ہیں اور ہم ان کا گوری

بِحُورٍ عِينٍ ﴿۲۰﴾

گوری بڑی بڑی آنکھوں والیوں (یعنی حوروں) سے بیاہ کردیں گے

یہ تو عام مسلمانوں کا ذکر ہوا آگے خاص ان مومنوں کا ذکر ہے جن کی اولاد بھی مومن تھی مگر اعمال میں وہ اپنے آباء کے رتبہ کو نہیں پہنچتے جس کا قرینہ یہ ہے کہ اس جگہ اولاد کے اعمال کا ذکر نہیں اور احادیث میں تو صراحۃً یہ مضمون موجود ہے پس اگرچہ ان کے اعمال کم ہونے کا مقتضا یہ تھا کہ ان کا درجہ بھی کم ہوتا لیکن ان کے مسلمان آباء کی خاطر ان کو بھی بلند درجوں میں پہنچا دیا جائے گا اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ذریت سے ہر ماتحت اور تابع مراد ہے جیسے ازواج احباب شاگرد مرید اور محبت کرنے والے کیونکہ حدیث میں اولاد کا ذکر ذریت کے بعد کیا گیا ہے باقی جو شخص کسی درجہ میں دوسرے کا تابع ہو کر پہنچ جائے گا پھر اس کے تابع ہو کر اور کوئی اس درجہ میں نہ جائے گا ورنہ لازم آئے گا کہ سارے مسلمان ایک ہی درجہ میں پہنچ جائیں کیونکہ اس تابع کے بھی تابع ہوں گے پھر ان کے بھی تابع ہوں گے پھر تو کوئی انتہا ہی نہ رہے گی۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ

اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کے اولاد نے بھی ایمان میں ان کا ساتھ دیا

بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ

ہم ان کی اولاد کو بھی (درجہ میں) ان کے ساتھ شامل کردیں گے اور ان کے

مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ ۚ

عمل میں سے کوئی چیز کم نہیں کریں گے

یعنی یہ صورت نہ ہوگی کہ بڑوں کے کچھ اعمال لے کر چھوٹوں کو دے کر دونوں کو برابر کردیں جس کا نتیجہ یہ ہو کہ بڑے کو اس کے درجہ سے کچھ نیچے لائیں اور چھوٹے کو کچھ اوپر لے جائیں اور دونوں ایک درمیانی درجہ میں رکھے جائیں بلکہ کریموں کی شان کے لائق یہ ہے کہ بڑے لوگوں کو اپنے بلند درجوں میں بدستور رکھیں گے اور چھوٹوں کو وہاں پہنچا دیا جائے گا۔

كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ ﴿۲۱﴾

ہر شخص اپنے اعمال (کفریہ) میں محبوس (فی النار) رہے گا

یعنی کافر اولاد اپنے مسلمان باپ دادوں کے ساتھ نہیں رہ سکتی کیونکہ کفر سے نجات کی کوئی صورت نہیں اس لئے اولاد کو باپ دادوں سے ملانے کے لئے ایمان شرط ہے آگے پھر سب مسلمانوں اور جنتیوں کا بیان ہے۔

وَأَمْدَدْنَاهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَلَحْمٍ مِمَّا يَشْتَهُونَ ﴿۲۲﴾

اور ہم ان کو میوے اور گوشت جس قسم کا ان کو مرغوب ہو روز افزوں دیتے رہیں گے اور وہاں آپس میں (بطور خوش طبعی) کے جام شراب میں چھینا

يَتَنَازَعُونَ فِيهَا كَأْسًا لَا لَغْوٌ فِيهَا وَلَا

جھپٹی بھی کریں گے اس میں نہ بک بک لگے گی کیونکہ نشہ نہ ہوگا اور نہ کوئی

تَأْثِيمٌ ﴿۲۳﴾ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَهُمْ

بیہودہ بات ہوگی ان کے پاس ایسے لڑکے آویں جاویں گے جو خاص انہی

كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَكْنُونٌ ﴿۲۴﴾

کے لئے ہوں گے گویا حفاظت سے رکھے ہوئے موتی ہیں

کہ ان پر ذرا گرد و غبار نہیں ہوتا اور آب و تاب اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے آگے ان کی روحانی مسرت کا بیان ہے۔

وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۵﴾

اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر بات چیت کریں گے یہ بھی کہیں گے

قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ﴿۲۶﴾

کہ (بھائی) ہم تو اس سے پہلے اپنے گھر (یعنی دنیا میں انجام کار سے) بہت

فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾

ڈرا کرتے تھے سو خدا نے ہم پر بڑا احسان کیا اور ہم کو عذاب دوزخ سے بچا

اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ط

لیا ہم اس سے پہلے (یعنی دنیا میں) اس سے دعائیں مانگا کرتے تھے

کہ ہم کو دوزخ سے بچا کر جنت میں لے جاوے سو اللہ نے دعا قبول کر لی۔

اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ﴿۲۸﴾ ع

واقعی وہ بڑا محسن اور مہربان ہے

اور اس مضمون سے خوشی ہونا ظاہر ہے اور چونکہ جنت میں پہنچانا دو حیثیت سے انعام تھا ایک تو فی نفسہ عذاب کی مصیبت سے بچانا دوسرے ہم ناکاروں کی ناچیز دعا قبول کر لینا اس لئے دو عنوانوں کو بیان کیا گیا ربط اوپر تکذیب کی سزا مذکور تھی آگے جھٹلانے والوں کا رد ہے اور جن امور کی وہ تکذیب کرتے تھے ان میں اصل تین چیزیں تھیں توحید و رسالت اور دوبارہ قیامت میں زندہ ہونا ان آیتوں میں تینوں کی بابت ان کے اعتقادات و اقوال و خیالات کا رد ہے اور ختم سورت پر آپ کی تسلی ہے۔ فذکر تا ادبار النجوم

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا

تو آپ سمجھاتے رہئے کیونکہ آپ بفضلہ تعالیٰ نہ تو کاہن ہیں اور نہ مجنون

مَجْنُوْنٍ ﴿۲۹﴾ ط اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ

ہیں (جیسا یہ مشرکین کہتے ہیں) ہاں کیا یہ لوگ یوں (بھی) کہتے ہیں کہ یہ

بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿۳۰﴾

شاعر ہیں (اور) ہم ان کے بارے میں حادثہ موت کا انتظار کر رہے ہیں

جیسا کہ درمنثور میں ہے کہ قریش دار الندوہ میں مجتمع ہوئے اور آپ کے بارہ میں یہ مشورہ قرار پایا کہ جیسے اور شعراء مر مر گئے آپ بھی ان ہی میں سے ایک ہیں اسی طرح آپ بھی ہلاک ہو جاویں گے۔

قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴿۳۱﴾ ط

آپ فرما دیجئے کہ (بہتر) تم منتظر رہو سو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں

یعنی تم میرا انجام دیکھو میں تمہارا انجام دیکھتا ہوں اس میں اشارۃ پیشین گوئی ہے کہ میرا انجام فلاح و کامیابی ہے اور تمہارا انجام خسارہ اور ناکامی ہے اور یہ مقصود نہیں کہ تم مرو گے میں نہ مروں گا بلکہ ان لوگوں کا جو اس سے مقصود تھا کہ ان کا دین چلے گا نہیں یہ مر جائیں گے اور دین مٹ جائے گا اس کا رد مقصود ہے چنانچہ یوں ہی ہوا۔

اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ

کیا ان کی عقلیں ان کو ان باتوں کی تعلیم کرتی ہے یا یہ ہے کہ یہ

طَاغُوْنَ ﴿۳۲﴾ ج

شریر لوگ ہیں

وہ لوگ خود بھی عقل کا دعویٰ رکھتے تھے چنانچہ سورۂ احقاف میں ان کا قول گزر چکا ہے لو کان خیرا ما سبقونا الخ کہ اگر اسلام حق ہوتا تو یہ غریب مسلمان ہم سے پہلے اس پر سبقت نہ کر جاتے بلکہ ہم ہی اول قبول کرتے کیونکہ ہم عاقل ہیں دوسرے سردار ان لوگوں میں بھی عقلاء مانے جاتے تھے یہاں ان کی عقل کی نارسائی دکھائی گئی ہے کہ پس یہی عقل ہے جو ایسی تعلیم دیتی ہے اور اگر یہ عقل کی تعلیم نہیں تو فقط شرارت اور خبط ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ مضمون ان کے تینوں اقوال کا رد ہے کاہن اور مجنون اور شاعر کہنے کا پس ہر قول کا جدا جدا جواب بھی ہے اور عام جواب بھی ہے

اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ج

ہاں کیا یہ (بھی) کہتے ہیں کہ انہوں نے اس قرآن کو خود گھڑ لیا ہے

سو تحقیقی جواب تو اس کا یہ ہے کہ یہ بات نہیں ہے بلکہ یہ بات صرف اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ لوگ بوجہ عناد کے اس کی تصدیق نہیں کرتے۔

بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾ ج

بلکہ یہ لوگ تصدیق نہیں کرتے

اور قاعدہ ہے کہ جس چیز کی آدمی تصدیق نہیں کرتا ہزار وہ حق ہو مگر وہ اس کی ہمیشہ نفی ہی کیا کرتا ہے اور دوسرا الزامی جواب یہ ہے کہ اچھا اگر یہ ان کا بنایا ہوا ہے (آگے ترجمہ)۔

فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِن كَانُوا صَادِقِينَ ﴿۳۴﴾

تو یہ لوگ اس طرح کا کوئی کلام بنا کر لے آئیں اگر یہ (اس دعویٰ میں) سچے ہیں

کیونکہ آخر یہ بھی عربی دان اور بڑے فصیح و بلیغ اور زبان پر پورے قادر ہیں تو اس دعویٰ کے بھی دو جواب ہو گئے ایک تحقیقی اور واقعی اور دوسرا الزامی اور یہ سب مضامین رسالت کے متعلق ہیں۔

أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ﴿۳۵﴾

(آگے توحید کے متعلق گفتگو ہے کہ) کیا یہ لوگ بدوں کسی خالق کے خود بخود

أَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ

پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود اپنے خالق ہیں یا انہوں نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا

حاصل یہ کہ توحید کا انکار وہ شخص کر سکتا ہے جو خدا تعالیٰ کے تنہا خالق ہونے یا اپنے مخلوق ہونے کا منکر ہو اور اس کی تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ اپنے کو کسی خالق کا محتاج نہ سمجھے یہ صورت ام خلقوا من غير شيء میں مذکور ہے دوسرے یہ کہ اپنے کو خالق کا محتاج جانے مگر خالق اپنے ہی کو مانے یہ صورت اَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ میں مذکور ہے تیسرے یہ کہ اپنے کو خالق کا محتاج سمجھے مگر حق تعالیٰ کو تنہا خالق نہ مانے بلکہ کسی دوسرے کو بھی خالق ہونے میں شریک کرے خواہ اپنے ہی کو یا کسی اور کو اپنے آپ کو خالق سمجھنے کا رد ام خلقوا السموت میں ہو گیا اور کسی دوسرے کو شریک ماننے کا رد دوسری آیتوں میں مذکور ہے اور چونکہ وہ اپنے خالق نہ ہونے کو جلد ہی مان لیں گے اس لئے اس جگہ اسی کا رد کیا گیا پھر جو دلیل ان کے خود خالق نہ ہونے کی ہے وہی دوسروں کے خالق نہ ہونے کی ہے تو دوسروں کا خالق نہ ہونا اس کے بعد آسانی سے سمجھ میں آ جائے گا اور چونکہ ان تینوں صورتوں کا باطل ہونا ظاہر تھا اس لئے یہاں تفصیل کے ساتھ رد نہیں کیا گیا صرف استفہام انکاری پر اکتفا کیا گیا چنانچہ پہلی صورت تو اس لئے باطل ہے کہ تمام عالم ممکن ہے جس میں خود یہ لوگ بھی داخل ہیں اور ممکن کا وجود اور عدم برابر ہوتا ہے تو وجود کی ترجیح کے لئے وہ یقیناً کسی مرجح کا محتاج ہو گا اس لئے ہر شخص خالق کا ضرور محتاج ہے اور دوسری صورت اس لئے باطل ہے کہ ایک ہی چیز علت اور معلول اپنی ذات کے واسطے نہیں ہو سکتی اس لئے ہر شخص خود ہی خالق اور خود ہی مخلوق نہیں ہو سکتا اور تیسری صورت اس لئے باطل ہے کہ صانع عالم کا متعدد ہونا عقلی دلائل سے محال ہو چکا ہے چنانچہ پارہ سیقول ان فی خلق السموات میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے اور دلائل کے علاوہ عرب والے خدا تعالیٰ کو تنہا خالق اور اپنے کو خالق کا محتاج مانتے تھے۔ لیکن غور نہ کرنے کی وجہ سے یہ نہ سمجھتے تھے کہ اس اعتقاد سے توحید لازم آ گئی اس کو بھی ماننا چاہئے۔

بَل لَّا يُوقِنُونَ ﴿۳۶﴾

بلکہ یہ لوگ (بوجہ جہل کے توحید کا) یقین نہیں لاتے

آگے رسالت کے متعلق ان کے دوسرے خیالات کا رد ہے۔

أَمْ عِندَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ

کیا ان لوگوں کے پاس تمہارے رب کے خزانے ہیں

کہ جس کو چاہیں خدا کی نعمت دے دیں۔

أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُونَ ﴿۳۷﴾

یا یہ لوگ (اس محکمہ نبوت کے) حاکم ہیں

کہ جسے چاہیں نبوت دلوا دیں۔

أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَسْتَمِعُونَ فِيهِ

کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے کہ اس پر (چڑھ کر آسمان کی) باتیں سن لیا کرتے ہیں

اور کوئی دلیل تو ان کے پاس ہے نہیں۔

فَلْيَأْتِ مُسْتَمِعُهُم بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿۳۸﴾

تو ان میں جو (وہاں کی) باتیں سن آتا ہو وہ (اس دعویٰ پر) کوئی صاف دلیل پیش کرے

جس سے ثابت ہو کہ یہ شخص وحی سے مشرف ہوا ہے

أَمْ لَهُ الْبَنَاتُ وَلَكُمُ الْبَنُونَ ﴿۳۹﴾

کیا خدا کے لئے بیٹیاں اور تمہارے لئے بیٹے تجویز ہوئے ہیں

اسی سے تمہار خیالات کی حقیقت کھل گئی

أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُم مِّن مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُونَ ﴿۴۰﴾

کیا آپ ان سے کچھ معاوضہ (تبلیغ کا) مانگتے ہیں کہ وہ تاوان ان کو گراں معلوم ہوتا ہے

سو یہ بات بھی نہیں

أَمْ عِندَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿۴۱﴾

کیا ان کے پاس غیب کا علم ہے کیا یہ لکھ لیا کرتے ہیں

کیونکہ جس دعویٰ پر کوئی دلیل قائم نہ ہو وہ غیب ہی کا دعویٰ ہو سکتا ہے

أَمْ يُرِيدُونَ كَيْدًا ۖ فَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمُ

کیا یہ لوگ کچھ برائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں سو یہ کافر خود ہی (اس) برائی

الْمَكِيدُونَ ﴿۴۲﴾

میں گرفتار ہوں گے

چنانچہ انہوں نے حضور کی نسبت بد ارادے کئے اور بدر میں خود ہی مارے گئے۔

أَمْ لَهُمْ إِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۴۳﴾

کیا ان کا اللہ کے سوا کوئی معبود ہے اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے پاک ہے

آگے پھر رسالت کے متعلق ایک کلام ہے۔

وَإِن يَرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ سَاقِطًا يَقُولُوا

اور اگر وہ آسمان کے ٹکڑے کو دیکھ لیں کہ گرتا ہوا آ رہا ہے تو یوں کہہ دیں کہ یہ

سَحَابٌ مَّرْكُومٌ ﴿۴۴﴾

تو تہ بتہ جما ہوا بادل ہے

حاصل یہ کہ ان کو عناد کی وجہ سے کوئی بات حق نظر نہیں آتی پھر ان کے فرمائشی معجزات پر کیوں توجہ کی جائے۔

فَذَرْهُمْ حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي فِيهِ

تو ان کو رہنے دیجئے یہاں تک کہ ان کو اپنے اس دن سے سابقہ ہو

يُصْعَقُونَ ﴿۴۵﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ

جس میں ان کے ہوش اڑ جائیں گے جس دن ان کی تدبیریں ان کے کچھ

كَيْدُهُمْ شَيْئًا

بھی کام نہ آویں گے

جو دنیا میں اپنی کامیابی اور اسلام کی مخالفت کے بارہ میں کیا کرتے تھے۔

وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۴۶﴾ وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا

اور نہ (کہیں سے) ان کو مدد ملے گی اور ان ظالموں کے لئے قبل اس (عذاب)

عَذَابًا دُونَ ذَٰلِكَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۴۷﴾

کے بھی عذاب ہونے والا ہے (جیسے قحط وقتل بدر) لیکن ان میں اکثر کو معلوم

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ

نہیں اور آپ اپنے رب کی (اس) تجویز پر صبر سے بیٹھے رہئے

اور ان کے لئے خدائی انتقام کی جلدی نہ کیجئے جس کو آپ مسلمانوں کے غلبہ کے واسطے چاہتے تھے۔

فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا

کہ آپ ہماری حفاظت میں ہیں

پس اس خیال سے بھی جلدی نہ کیجئے کہ یہ لوگ اس مہلت کی مدت میں کوئی ضرر آپ کو پہنچا دیں گے خدا آپ کا محافظ ہے پھر کاہے کا ڈر۔

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ﴿۴۸﴾

اور اٹھتے وقت (مجلس سے یا سونے سے) اپنے رب کی تسبیح وتحمید کیا کیجئے

وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ ﴿۴۹﴾

اور رات میں اس کی تسبیح کیا کیجئے (مثلاً عشاء) اور ستاروں سے پیچھے بھی

حاصل یہ ہوا کہ اگر ان کے کفر کا غم دل پر آوے تو اس کا علاج یہ ہے کہ اپنے دل کو خدا کی طرف مشغول رکھئے پھر فکر اور غم کا غلبہ نہ ہوگا اور ان اوقات کی تخصیص اہتمام ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ ان اوقات میں زیادہ توجہ خدا کی طرف کی جائے مثلاً نماز پڑھی جائے اور مطلق ذکر بھی اس میں آ گیا۔

سورة النجم مكية و ايها احدى او اثنتان و ستون آية

ربط: اوپر کی سورت میں توحید ورسالت وقیامت کا بیان تھا اس سورت میں بھی یہی مضامین ہیں۔ بسم الله الرحمن الرحيم والنجم تا الكبرى

(۵۳) سُورَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ (۲۳)

سورۂ نجم مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں باسٹھ آیتیں اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ﴿۱﴾

قسم ہے (مطلق ستارہ کی جب وہ غروب ہونے لگے

اس قسم کو آئندہ مضمون سے یہ مناسبت ہے کہ جس طرح ستارہ طلوع سے غروب تک تمام مسافت میں اپنی باقاعدہ رفتار سے ادھر ادھر نہیں ہوتا اسی طرح آپ بھی عمر بھر کو گمراہی سے محفوظ ہیں نیز اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جیسے ستارہ سے رستہ کا پتہ چلتا ہے اسی طرح آپ سے بھی راہ حق کی ہدایت ہوتی ہے اور ستارہ سے ہدایت جبھی ہوتی ہے جب کہ وہ افق سے نزدیک ہو کیونکہ بیچ آسمان میں ہونے کے وقت سمت کا پتہ نہیں چلتا اور

افق کے قریب طلوع کے وقت بھی ہوتا ہے۔ لیکن غروب میں یہ بات زیادہ ہے کہ رستہ ڈھونڈھنے والے اس وقت اس کو غنیمت سمجھتے ہیں کہ اگر رستہ معلوم کرنے میں ذرا توقف کیا تو پھر غائب ہو جائے گا اور طلوع کے وقت بے فکری ہوتی ہے پس اس میں اس طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہدایت حاصل کرنے کو غنیمت سمجھو اور شوق سے دوڑو

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ

یہ تمہارے (ہمہ وقت) ساتھ کے رہنے والے نہ راہ (حق)

پیغمبر جن کے تمام احوال و افعال تم کو معلوم ہیں جن سے بشرط انصاف ان کی حقانیت پر استدلال کر سکتے ہو

وَمَا غَوٰى ﴿٢﴾

سے بھٹکے اور نہ غلط راستہ ہو لئے

ضلال یہ ہے کہ بالکل رستہ بھول کر کھڑا رہ جائے اور غوایت یہ ہے کہ غلط راستہ کو راستہ سمجھ کر چلتا رہے یعنی جیسے تم ان کو دعویٰ نبوت وغیرہ میں بے راہ سمجھتے ہو یہ بات نہیں ہے بلکہ آپ نبی برحق ہیں

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ﴿٣﴾

اور نہ آپ اپنی خواہش نفسانی سے باتیں بنانے والے ہیں

جیسا تم لوگ کہتے ہو کہ قرآن خود گھڑ لیا ہے

اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴿٤﴾

ان کا ارشاد نری وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے

خواہ الفاظ وحی کیے گئے ہوں جو قرآن کہلاتا ہے یا صرف معانی کی وحی ہو جو سنت کہلاتی ہے اور خواہ وحی کسی خاص مسئلہ کی ہو یا قاعدہ کلیہ کی ہو جس سے آپ دوسرے واقعات کے لئے اجتہاد کرتے ہوں پس اس سے اجتہاد اور قیاس کی نفی نہیں ہوتی خلاصہ یہ کہ خدا کی طرف غلط بات کی نسبت نہیں کرتے۔

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ﴿٥﴾

ان کو ایک فرشتہ تعلیم کرتا ہے جو بڑا طاقت ور ہے پیدائشی طاقتور ہے

مطلب یہ کہ یہ کلام کسی شیطان کے واسطہ سے آپ تک نہیں پہنچتا کہ کاہن ہونے کا احتمال ہو بلکہ فرشتہ کے ذریعے سے آیا ہے اور فرشتہ بھی ایسا قوی کہ شیطان کی مجال نہیں کہ اس کے پاس بھی پھٹک سکے اس لئے یہ احتمال نہیں ہو سکتا کہ فرشتہ وحی لے کر چلا ہو اور راستہ میں کوئی شیطانی تصرف ہو گیا ہو اور نازل ہونے کے بعد حق تعالیٰ نے وعدہ کر لیا ہے کہ آپ کی زبان سے بعینہ ادا کرا دیں گے اور دل میں محفوظ کر دیں گے۔ ان علینا جمعہ و قرانہ اور ایک روایت میں جبرئیل علیہ السلام نے اپنی طاقت کا بیان فرمایا کہ میں نے قوم لوط کی بستیوں کو جڑ سے اکھاڑ کر آسمان کے قریب لے جا کر چھوڑ دیا آگے اس شبہ کا جواب ہے کہ وحی لانے والے کا فرشتہ ہونا اور جبرئیل ہونا اس وقت معلوم ہو سکتا ہے جب آپ ان کو پہچانتے ہوں اور پوری پہچان اصلی صورت میں دیکھنے پر موقوف ہے تو کیا آپ نے ان کو اصلی صورت میں دیکھا ہے فرماتے ہیں کہ ایسا بھی ہوا ہے۔

ذُوْ مِرَّةٍ ۭ فَاسْتَوٰى ﴿٦﴾ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ﴿٧﴾

پھر وہ فرشتہ (اپنی) اصلی صورت پر (آپ کے روبرو) نمودار ہوا ایسی حالت میں کہ وہ (آسمان کے) بلند کنارہ پر تھا

قصہ یہ ہوا تھا کہ ایک بار حضور نے جبرئیل علیہ السلام سے درخواست کی کہ مجھ کو اپنی اصلی صورت دکھلا دو انہوں نے حراء کے پاس اور ایک روایت میں ہے کہ جیاد میں وعدہ ٹھہرا آپ وہاں تشریف لے گئے تو مشرقی جانب میں دیکھا کہ ان کے چھ سو بازو ہیں اور اس قدر پھیلے ہوئے ہیں کہ مغربی جانب تک گھیر رکھا ہے آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے اس وقت جبرئیل علیہ السلام بصورت بشر یہ آپ کی تسلی کے واسطے اتر آئے۔

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ﴿٨﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ

پھر وہ فرشتہ (آپ کے) نزدیک آیا پھر اور نزدیک آیا سو دو کمانوں کے برابر

اَوْ اَدْنٰى ﴿٩﴾

فاصلہ رہ گیا بلکہ اور بھی کم

یعنی بہت کم فاصلہ رہ گیا اور یہ واقعہ آپ کے بیہوش ہونے کے بعد ہوا اور دو کمانوں کا مطلب یہ ہے کہ اہل عرب کی عادت تھی کہ جب دو شخص باہم غایت درجہ کا اتفاق کرنا چاہتے تو دونوں اپنی اپنی کمانیں لے کر ان کے تانت کو باہم ملا دیتے اور اس ملانے میں بھی بعض اجزاء کے اعتبار سے کچھ فصل ضرور ہی رہتا ہے اور چونکہ یہ محض ظاہری اتفاق کی علامت تھی تو اگر روحانی اور قلبی اتفاق بھی ہو تو وہاں اور بھی کم فاصلہ ہو گا تو او ادنیٰ کہنے سے اشارہ ہو گیا کہ ظاہری قرب کے علاوہ آپ میں اور جبرئیل میں روحانی مناسبت بھی تھی غرض ان کی تسلی سے آپ کو تسکین ہوئی اور افاقہ ہوا۔

فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ﴿١٠﴾

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے پر وحی نازل فرمائی جو کچھ نازل فرمائی تھی

جس کی تعیین خاص طور پر معلوم نہیں اور نہ معلوم ہونے کی ضرورت اور شاید اس وقت وحی نازل ہونا اس لئے ہوتا کہ اس سے معرفت میں اور زیادہ قوت ہو کیونکہ جب آپ اس وقت کی وحی کو جو جبریل علیہ السلام کی اصلی صورت دیکھنے کے بعد ہوئی اور دوسرے اوقات کی وحی کو جب کہ جبرئیل انسانی شکل میں آتے تھے ایک شان پر دیکھیں گے تو یقین میں اور زیادہ قوت ہوگی کہ دونوں حالتوں میں وحی لانے والا ایک ہی شخص ہے جیسا کہ ہم کسی آدمی کے لہجہ اور طرز کلام سے خوب آگاہ ہوں تو اگر وہ کبھی صورت بدل کر بھی بولتا ہے۔ تو صاف پہچانا جاتا ہے۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿۱۱﴾

قلب نے دیکھی ہوئی چیز میں کوئی غلطی نہیں کی

یہ ایک شبہ کا جواب ہے وہ یہ کہ پوری پہچان اس پر موقوف ہے کہ قلب ادراک کرنے میں غلطی سے محفوظ ہو ورنہ اگر قلب کے ادراک میں خطا ہوگی تو ظاہری حواس میں بھی خطا ہوگی پس اس شبہ کا جواب دے دیا گیا کہ آپ کا دیکھنا صحیح طور پر تھا۔

اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ﴿۱۲﴾

تو کیا ان (پیغمبر) سے ان کی دیکھی ہوئی چیز میں نزاع کرتے ہو

اور اگر شناخت کے لئے مکرر دیکھنے کی ضرورت ہو تو سنو۔

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴿۱۳﴾ عِنْدَ سِدْرَةِ

اور انہوں نے (یعنی پیغمبر نے) اس فرشتہ کو ایک اور دفعہ بھی (صورت اصلیہ

الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾

میں) دیکھا ہے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس

بس اب تو وہ وہم بھی زائل ہو گیا۔

عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ﴿۱۵﴾

اس کے قریب جنت الماویٰ ہے

یعنی سدرۃ المنتہیٰ ایسی ممتاز جگہ ہے۔

اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ﴿۱۶﴾

جب اس سدرۃ المنتہیٰ کو لپیٹ رہی تھی جو چیزیں لپیٹ رہی تھیں

جو کہ ملائکہ تھے سونے کے پروانوں کی صورت۔

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿۱۷﴾

نگاہ تو نہ ہٹی اور نہ بڑھی

بلکہ نہایت مستقل رہی۔

لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿۱۸﴾

انہوں نے اپنے پروردگار (کی قدرت) کے بڑے بڑے عجائبات دیکھے

مگر آپ کی وہی شان رہی۔

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿۱۹﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ

بھلا تم نے لات اور عزیٰ اور تیسرے مناۃ کے

الْاُخْرٰى ﴿۲۰﴾

حال میں غور بھی کیا ہے

کہ وہ قابل پرستش ہیں

اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿۲۱﴾

کیا تمہارے لیے تو بیٹے (تجویز) ہوں اور خدا کے لئے بیٹیاں

جن کو اپنے لئے تم پسند نہیں کرتے

تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿۲۲﴾

اس حالت میں تو یہ بہت بے ڈھنگی تقسیم ہوئی

یہ عرف کی بناء پر فرمایا ورنہ خدا کے لئے بیٹا تجویز کرنا بھی ایسا ہی ہے

اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ

یہ (معبودات مذکور) نرے نام ہی نام ہیں

یعنی خیالی باتیں ہیں

اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ

جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے ٹھہرا لیا ہے خدا تعالیٰ نے تو ان

سُلْطٰنٍ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى

(کے معبود ہونے) کی کوئی دلیل بھیجی نہیں (بلکہ) یہ لوگ صرف بے اصل

الْاَنْفُسُ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ

خیالات پر اور اپنے نفس کی خواہش پر چل رہے ہیں حالانکہ ان کے پاس ان

الْهُدٰى ؕ (۲۳)

کے رب کی جانب سے (بواسطہ رسول) ہدایت آچکی ہے

آگے بت پرستی کی غایت کو باطل فرماتے ہیں

اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى (۲۴) فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ

کیا انسان کو اس کی ہر تمنا مل جاتی ہے سو خدا ہی کے اختیار میں ہے

وَالْاُوْلٰى (۲۵)

آخرت اور دنیا

پس وہ جس کو چاہیں پورا فرمادیں۔

وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ

اور بہت سے فرشتے آسمان میں موجود ہیں ان کی

شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا

سفارش ذرا بھی کام نہیں آسکتی

بلکہ خود شفاعت ہی نہیں پائی جاسکتی اور آسمان میں ہونے سے شاید ان کی بلندی شان کی طرف اشارہ کردیا۔

اِلَّا مِنْ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ

مگر بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہیں اجازت دیں اور (اس کے

وَيَرْضٰى (۲۶)

لئے شفاعت کرنے سے) راضی ہوں

یہ اس لئے بڑھادیا کہ بعض دفعہ انسان بلا رضامندی کے بھی کسی دباؤ یا مصلحت سے اجازت دے دیا کرتا ہے سو خدا پر کسی کا دباؤ نہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ

یہ لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کو (خدا کی)

الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى (۲۷)

بیٹی کے نام سے نامزد کرتے ہیں

اور ان کے کفر کے بیان میں آخرت کا ذکر شاید اس لئے کیا گیا ہو کہ یہ سب گمراہیاں آخرت کی بے فکری سے پیدا ہوئی ہیں ورنہ آخرت پر اعتقاد رکھنے والے کو اپنی نجات کی ضرور فکر ہوتی ہے اور جب ملائکہ کو خدا کے ساتھ شریک ٹھہرانا کفر ہے تو بتوں کو بدرجہ اولیٰ شریک ٹھہرانا کفر ہے اسی لئے صرف اس پر اکتفا کیا گیا آگے اس عقیدہ کا بے دلیل ہونا بیان فرماتے ہیں۔

وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا

حالانکہ ان کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں صرف بے اصل خیالات پر چل

الظَّنَّ ج

رہے ہیں

یہ مضمون پہلے بھی آیا ہے مگر دونوں جگہ میں فرق یہ ہے کہ اوپر نقلی دلیل کا نہ ہونا بیان فرمایا تھا اور یہاں نقلی اور عقلی دونوں یا مقابلہ کی وجہ سے صرف عقلی دلیل کا نہ ہونا مراد ہے پس تکرار نہ رہا اور فرشتوں کا ذکر مکرر لانا شاید اس لئے ہو کہ ان کے مقبول ومقرب ہونے کی وجہ سے ان میں خدا کا شریک اور سفارش کرنے والا ہونے کا احتمال زیادہ ہوسکتا ہے۔

وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ج (۲۸)

اور یقیناً بے اصل خیالات امر حق (کے اثبات) میں ذرا بھی مفید نہیں ہوتے

فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا

تو آپ ایسے شخص سے اپنا خیال ہٹا لیجئے جو ہماری نصیحت کا خیال نہ کرے اور

وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ؕ (۲۹)

بجز دنیوی زندگی کے اس کو کوئی (اخروی مطلب) مقصود نہ ہو

اس آیت کے ترجمہ سے معلوم ہوگیا کہ جو لوگ قیاس اور اجتہاد شرعی کے باطل ہونے پر اس سے استدلال کرتے ہیں بالکل غلط ہے کیونکہ قیاس شرعی کو بے اصل خیالات ہرگز نہیں کہہ سکتے اس کا ماخذ آیات واحادیث ہوتی ہیں ربط اوپر توحید ورسالت کا اور کفار کے نہ ماننے کا ذکر تھا آگے اس ماننے نہ ماننے کی جزا وسزا کا ذکر ہے اور چونکہ اس کے نہ ماننے سے حضور کو رنج ہوتا تھا اس لئے تسلی سے اس مضمون کو شروع فرمایا ہے۔ فاعرض تا بمن اتقی

ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ

ان لوگوں کی فہم کی رسائی کی حد بس یہی (دنیوی زندگی) ہے

کیونکہ اوپر ان کا ہٹ دھرم ہونا معلوم ہو چکا کہ باوجود ہدایت اور قرآن آجانے کے پھر بھی یہ اپنے گمان اور خواہش پر چلتے ہیں اور ہٹ

دھرم سے قبول حق کی امید نہیں ہوتی۔

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ ۙ

تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون اس کے راستہ سے بھٹکا ہوا ہے

جب کہ بے وقوفی اور بے فکری کی نوبت یہاں تک پہنچی ہے تو ان کی فکر نہ کیجئے اور ان کا معاملہ اللہ کے حوالہ کیجئے۔

وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدَىٰ ﴿٣٠﴾ وَلِلَّهِ مَا فِي

اور وہی اس کو بھی خوب جانتا ہے جو راہ راست پر ہے اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں

السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ

ہے وہ سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے انجام کار یہ ہے کہ برا کام کرنے والوں کو ان

أَسَاءُوا بِمَا عَمِلُوا وَيَجْزِيَ الَّذِينَ أَحْسَنُوا

کے (برے) کام کے عوض میں (خاص طور کی) سزا دے گا نیک کام کرنے والوں کو

بِالْحُسْنَى ﴿٣١﴾ الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ

ان کے نیک کام کے عوض میں جزا دے گا وہ لوگ ایسے ہیں کہ کبیرہ گناہوں سے اور

الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ إِلَّا اللَّمَمَ ۚ

(ان میں) بے حیائی کی باتوں سے بالخصوص (زیادہ) بچتے ہیں مگر ہلکے ہلکے گناہ

یعنی اس جگہ جن نیک لوگوں کا محبوب ہونا مذکور ہوا ہے اس محبوبیت کے لئے اور نیک کہلانے کے لئے بڑے گناہوں سے بچنا تو شرط ہے اور صغیرہ گناہ اگر کبھی کبھی ہو جائیں ان سے نیکی میں خلل نہیں آتا البتہ ان پر اصرار نہ کرنا شرط ہے پس اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ صغائر کی اجازت ہے اور نہ یہ سمجھا جاوے کہ نیک کام پر ثواب ملنا کبائر سے بچنے پر موقوف ہے کیونکہ کبیرہ گناہ کرنے والا بھی جو نیکی کرے گا اس کی جزا پاوے گا بلکہ کبائر سے بچنا متقی اور محبوب بننے کے لئے شرط ہے اور اوپر کی آیت سے بدکاروں کو مایوسی کا وہم ہو سکتا ہے جس سے ایمان اور توبہ ہی کی ہمت ہار دیں اور اس آیت سے نیک لوگوں کو اپنے اچھے ہونے کا وہم ہو سکتا ہے آگے دونوں وہموں کو دور کرتے ہیں

إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۚ

بلاشبہ آپ کے رب کی مغفرت بڑی وسیع ہے

پس بدکاروں کو توبہ وغیرہ سے ہمت نہ ہارنا چاہئے وہ اگر چاہے تو شرک وکفر کے سوا تمام گناہوں کو محض فضل سے معاف کر دے تو توبہ سے تو کیوں نہ معاف کرے گا اسی طرح نیک لوگوں کو عجب نہ کرنا چاہئے کیونکہ نیک کاموں میں بعض دفعہ ایسی مخفی آمیزش نفس وغیرہ کی ہو جاتی ہے جس سے وہ قابل قبول نہیں رہتے اور نیکی کا مدار قبول ہی پر تھا جب وہ قبول ہی نہ ہوئے پھر اپنے کو اچھا سمجھنا کیسا اور اس آمیزش کی خبر بعض دفعہ کرنے والے کو نہیں ہوتی مگر خدا کو تو معلوم ہے اور تم کو کسی بات کا معلوم نہ ہونا اور خدا کو معلوم ہونا کوئی عجیب بات نہیں کیونکہ پہلے سے ہی ایسا ہوتا آ رہا ہے۔

هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ إِذْ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَإِذْ أَنْتُمْ

وہ تم کو اور احوال کو (اس وقت سے) خوب جانتا ہے جب تم کو زمین سے

أَجِنَّةٌ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ ۖ

پیدا کیا تھا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے

اور ان دونوں وقتوں میں تم کو اپنا علم بالکل ہی نہ تھا اور ہم کو تھا پس اسی طرح اب بھی کسی حالت کو تمہارا نہ جاننا اور ہمارا جاننا عجیب نہیں اس پر اگر یہ شبہ ہو کہ اس وقت تو ہم کو شعور نہ تھا اور اب شعور ہے اس وقت کی حالت کو اس پر قیاس کرنا صحیح نہیں جواب یہ ہے کہ ہر چیز کے انکشاف کے لئے صرف شعور ہونا کافی نہیں بلکہ معلومات کے ساتھ شعور کا متعلق ہونا بھی شرط ہے اور ممکن ہے کہ کسی حالت کے ساتھ شعور متعلق نہ ہو چنانچہ بہت حالات میں اس کا مشاہدہ ہوتا ہے اور مقصود آیت کا صرف یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا علم ذاتی ہونے کے سبب کامل اور ہر حالت میں برابر ہے اور تمہارا علم حادث ہونے کی وجہ سے ناقص ہے اور کسی وقت نہیں بھی تھا پس مخفی خرابیوں کا اعمال حسنہ میں تم سے پوشیدہ رہ جانا عجیب نہیں اور اس مقام کی یہ تقریر بھی ہو سکتی ہے کہ نیک ہونے کا مدار خاتمہ پر ہے اور خاتمہ کا حال تم کو معلوم نہیں جیسا کہ ابتدا کی حالت معلوم نہیں اور اللہ کو معلوم ہے پھر تعجب کیوں کیا جائے اور ایک حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے وہ یہ کہ حضور نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو ماں کے پیٹ میں نیک بخت اور بدبخت کر دیا ہے" اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

فَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ ۖ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ ﴿٣٢﴾ ع

تو تم اپنے کو مقدس مت سمجھا کرو بس) تقویٰ والوں کو وہی خوب جانتا ہے

کہ کون متقی ہے اور کون نہیں گو تقویٰ کے افعال ظاہر میں دونوں سے صادر ہوتے ہیں۔

ربط: اوپر بدکاروں اور نیک کاروں کا مجملاً بیان تھا پھر نیک کاروں

کی نیکی کی کچھ وضاحت تھی آگے بدکاروں کی برائی کی کچھ وضاحت فرماتے ہیں اور شان نزول اس کا یہ ہے کہ کوئی شخص اسلام لے آیا تھا کسی نے اس کو ملامت کی اس نے کہا کہ میں عذاب سے ڈرتا ہوں تو وہ بولا کہ مجھ کو کچھ دے دے میں تیری طرف سے عذاب اپنے سر رکھوں گا چنانچہ کچھ دے دیا اس نے اور مانگا نہایت کشاکشی سے اس نے اور بھی کچھ دیا اور بقیہ کی دستاویز مع گواہوں کے لکھ دی اور روح المعانی وغیرہ میں اس شخص کا نام لکھا ہے کہ یہ ولید بن مغیرہ تھا اس کا کچھ میلان اسلام کی طرف ہو چلا تھا اور ظاہر ہے کہ جس کسی شخص کی ایسی حالت ہو آیت سب کو شامل ہے

افرئیت الذی تا تتماریٰ.

اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ تَوَلّٰى ﴿٣٣﴾ وَاَعْطٰى قَلِيْلًا

تو بھلا آپ نے ایسے شخص کو بھی دیکھا جس نے دین حق سے) روگردانی کی اور تھوڑا مال دیا اور

وَّاَكْدٰى ﴿٣٤﴾ اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ﴿٣٥﴾

پھر بند کر دیا کیا اس شخص کے پاس (کسی صحیح ذریعہ سے) علم غیب ہے کہ اس کو دیکھ رہا ہے

یعنی جس نے اپنے مطلب کے واسطے مال دینے کا وعدہ کیا تھا وہ بھی پورا نہ دیا اور اسی سے سمجھ لو کہ دوسروں کو نفع پہنچانے کے لئے تو وہ کیا خرچ کرے گا جب اپنے ہی مطلب کے لئے پورا خرچ نہ کر سکا پس اس سے بخل کی مذمت مقصود ہے۔ جس سے یہ معلوم ہو گیا کہ فلاں شخص میری طرف سے عذاب اپنے سر دھر لے گا۔

اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِىْ صُحُفِ مُوْسٰى ﴿٣٦﴾

آیا اس کو اس مضمون کی خبر نہیں پہنچی جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہے

در منثور کی روایت کے موافق یہ دس صحیفے توراۃ کے علاوہ ہیں۔

وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِىْ وَفّٰى ﴿٣٧﴾ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ

اور نیز ابراہیم کے جنہوں نے احکام کی پوری بجا آوری کی اور وہ مضمون یہ ہے

وِّزْرَ اُخْرٰى ﴿٣٨﴾

کہ کوئی شخص کسی کا گناہ اپنے اوپر نہیں لے سکتا

یعنی ایسے طور پر نہیں لے سکتا کہ گناہ کرنے والا بالکل بری ہو جاوے پھر یہ شخص کیسے سمجھ گیا کہ میرا سارا گناہ یہ ملامت کرنے والا اپنے سر رکھ لے گا اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ آیت کا یہ مطلب نہیں کہ گمراہ کرنے والے کو گناہ نہ ہوگا بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ گمراہ کرنے کا عذاب بھگتے گا۔

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿٣٩﴾

اور یہ کہ انسان کو (ایمان کے بارے میں) صرف اپنی کمائی ملے گی

یعنی کسی دوسرے کا ایمان اس کے کام نہ آوے گا پس اگر ملامت کرنے والے کے پاس ایمان ہوتا بھی جب بھی اس شخص کے کام نہ آتا چہ جائیکہ وہاں بھی ندارد ہے اور اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ ثواب پہنچانے سے ثواب پہنچنے کی اس آیت سے نفی نہیں ہوتی۔

وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ﴿٤٠﴾ ثُمَّ يُجْزٰىهُ

اور یہ کہ انسان کی سعی بہت جلد دیکھی جائے گی پھر اس کو پورا

الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ﴿٤١﴾

بدلہ دیا جائے گا

پھر باوجود اس کے یہ شخص اپنی فلاح سے کیسے غافل ہو گیا

وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿٤٢﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ

اور یہ کہ (سب کو) آپ کے پروردگار ہی کے پاس پہنچنا ہے

اَضْحَكَ وَاَبْكٰى ﴿٤٣﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا ﴿٤٤﴾

اور یہ کہ وہی ہنساتا ہے اور رولاتا ہے اور یہ کہ وہی مارتا ہے

وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿٤٥﴾

اور جلاتا ہے اور یہ کہ وہی دونوں قسم یعنی نر اور مادہ کو نطفہ سے بناتا ہے جب

مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ﴿٤٦﴾

(رحم میں) ڈالا جاتا ہے

یعنی تمام تصرفات کا مالک خدا ہی ہے پھر وہ شخص کیسے سمجھ گیا کہ قیامت کے روز مجھ کو عذاب سے بچانا کسی دوسرے کے قبضہ میں ہو جاوے گا

وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ﴿٤٧﴾

اور یہ کہ دوبارہ پیدا کرنا (حسب وعدہ) اس کے ذمہ ہے

یعنی ایسا ضرور ہی ہونے والا ہے جیسے کسی کے ذمہ ہو تو اس شخص کے نڈر ہونے کی یہ وجہ بھی نہ ہونا چاہئے کہ قیامت نہ آوے گی

وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى ﴿٤٨﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ

اور یہ کہ وہی غنی کرتا ہے اور سرمایہ (دے کر محفوظ اور) باقی رکھتا ہے اور یہ کہ

الشِّعْرٰی ﴿۴۹﴾

وہی مالک ہے ستارہ شعریٰ کا بھی

شاید اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جن چیزوں کو اپنا معین و مددگار سمجھتے ہیں جیسے مال اور وہ ستارے جن کی پرستش لوگ کرتے ہیں ان کے مالک بھی ہم ہی ہیں پھر قیامت میں دوسرے شخص کو کیا اختیار پہنچ سکتا ہے۔

وَأَنَّهُ أَهْلَكَ عَادًا الْأُولَىٰ ﴿۵۰﴾ وَثَمُودَا

اور یہ کہ اس نے قدیم قوم عاد کو (اس کے کفر کی وجہ سے) ہلاک کیا اور ثمود کو

فَمَا أَبْقَىٰ ﴿۵۱﴾ وَقَوْمَ نُوحٍ مِّن قَبْلُ إِنَّهُمْ

بھی کہ (ان میں سے) کسی کو باقی نہ چھوڑا اور ان سے پہلے قوم نوحؑ کو ہلاک

كَانُوا هُمْ أَظْلَمَ وَأَطْغَىٰ ﴿۵۲﴾

کیا بے شک وہ سب سے بڑھ کر ظالم اور شریر تھے

کہ ساڑھے نو سو برس کی ہدایت میں بھی راہ پر نہ آئے

وَالْمُؤْتَفِكَةَ أَهْوَىٰ ﴿۵۳﴾ فَغَشَّاهَا مَا غَشَّىٰ ﴿۵۴﴾

اور الٹی ہوئی بستیوں کو بھی پھینک مارا تھا پھر ان بستیوں کو گھیر لیا جس چیز نے گھیر لیا

یعنی اوپر سے پتھر برسنا شروع ہوئے پس یہ شخص اگر ان قصوں میں غور کرتا تو کفر کی مصیبت سے ڈرتا اور بے فکر نہ ہوتا آگے بطور نتیجہ کے فرماتے ہیں کہ اے انسان تجھ کو ایسے ایسے مضامین سے آگاہ کیا جاتا ہے جن میں سے ہر مضمون ہدایت کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے ایک مستقل نعمت ہے۔ ربط اوپر توحید و رسالت و جزا و سزا کی تفصیل تھی آگے خاتمہ میں بھی یہی تینوں مضامین اجمالی طور پر ملے جلے بیان فرمائے گئے ہیں هذا نذير تا واعبدوا.

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكَ تَتَمَارَىٰ ﴿۵۵﴾ هَٰذَا نَذِيرٌ

سو تو اپنے رب کی کون کون سی نعمت میں شک (و انکار) کرتا رہے گا یہ پیغمبر بھی

مِّنَ النُّذُرِ الْأُولَىٰ ﴿۵۶﴾ أَزِفَتِ الْآزِفَةُ ﴿۵۷﴾

پہلے پیغمبروں کی طرح ایک پیغمبر ہیں (ان کو مان لو کیونکہ) وہ جلدی آنے

لَيْسَ لَهَا مِن دُونِ اللَّهِ كَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾

والی چیز قریب آ پہنچی ہے کوئی غیر اللہ اس کا ہٹانے والا نہیں

پس کسی کے بھروسہ پر بے فکری کی گنجائش نہیں۔

أَفَمِنْ هَٰذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ ﴿۵۹﴾

سو کیا (ایسی خوف کی باتیں سن کر بھی) تم لوگ اس کلام (الٰہی) سے تعجب

وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ ﴿۶۰﴾ وَأَنتُمْ سَامِدُونَ ﴿۶۱﴾

کرتے ہو اور ہنستے ہو اور (خوف عذاب سے) روتے نہیں ہو

فَاسْجُدُوا لِلَّهِ وَاعْبُدُوا ﴿۶۲﴾ السجدة ع

اور تم تکبر کرتے ہو سو اللہ کی اطاعت کرو اور (اس کی بلا شرکت) عبادت کرو

تا کہ تم کو نجات ہو اور تینوں مضامین کا یہاں مذکور ہونا ترجمہ سے ظاہر ہے

سورة القمر مكية و ايها خمس و خمسون كذافي البيضاوى

ربط: سورت سابقہ کے ختم پر ازفت الازفة میں قیامت کے قریب ہونے کا مضمون تھا اسی مضمون سے یہ سورت شروع ہوئی ہے اس کے بعد شق القمر کا ذکر ہے کہ قرب قیامت کا موکد ہے اس کے ساتھ تکذیب کرنے والوں کی حالت پر آپ کی تسلی اور قیامت کے واقعات سے منکروں کو دھمکی ہے۔ بسم الله الرحمن الرحيم اقتربت الساعة تا يوم عسر

(۵۴) سُورَةُ الْقَمَرِ مَكِّيَّةٌ (۳۷)

سورہ قمر مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں پچپن آیتیں ہیں اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانشَقَّ الْقَمَرُ ﴿۱﴾

قیامت نزدیک آ پہنچی اور چاند شق ہو گیا

جو کہ قیامت کے قرب ہونے کی تصدیق کرتا ہے کیونکہ شق القمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے جس سے نبوت ثابت ہوتی ہے اور نبی کا ہر قول سچا ہے پس آپ کا قیامت کے نزدیک آنے کی خبر دینا بھی صحیح ہے اس سے ڈرانے والی چیز کا پایا جانا یقینی ہو گیا

وَإِن يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ﴿۲﴾

اور یہ لوگ اگر کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو ٹال دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے جو ابھی ختم ہوا جاتا ہے

مطلب یہ ہے کہ یہ باطل ہے اس کا اثر باقی نہ رہے گا تو جس چیز پر

قیامت سے ڈرنا موقوف ہے یعنی نبوت کا اعتقاد یہ لوگ خود اس کی دلیل ہی میں تامل نہیں کرتے اور اس کو باطل سمجھتے ہیں پھر کیا ڈریں گے اور شق القمر کا معجزہ ہونا اور واقع ہو چکنا صحیحین وغیرہ میں بہت سے مختلف طریقوں سے بہت سے صحابہ سے مروی ہے صحیحین کی ایک روایت میں ہے کہ چاند دو ٹکڑے ہو کر ایک ٹکڑا پہاڑ پر تھا اور ایک اس سے ہٹا ہوا تھا اور حضور نے یہ بھی فرمایا کہ گواہ ہو جاؤ اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ چاروں طرف کے آنے والے مسافروں سے پوچھا انہوں نے بھی اپنا دیکھنا بیان کیا اور بعض لوگوں نے بلا دلیل محض وہم سے بعید سمجھ کر اور تاریخ میں منقول نہ ہونے کی بناء پر اس میں تاویل کی ہے کہ قیامت میں ایسا ہوگا لیکن معجزہ تو ہمیشہ عادت سے بعید ہوتا ہے اس سے مکان کی نفی تو نہیں ہوتی اور تواریخ میں منقول نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بعض جگہ تو اختلاف مطالع کی وجہ سے چاند غائب ہوگا اور تھوڑی دیر کا قصہ تھا کوئی شخص ہر وقت چاند کو تکا نہیں کرتا اور اس وقت تاریخ کا اس قدر اہتمام بھی نہ تھا رہا بعید ہونا یہ تو قیامت میں بھی مشترک ہے پھر وہاں ماننا یہاں نہ ماننا زبردستی ہے اور صیغہ ماضی سے معلوم ہوتا ہے کہ شق القمر ہو چکا اور اگلی آیت اس کی تائید کرتی ہے۔ وان یروا اية یعرضوا الخ کیونکہ اگر قیامت میں شق القمر ہوا تو اس وقت کوئی اس کو جادو نہ کہے گا اس وقت سب کو قدرت الٰہی کا پورا یقین ہوگا۔

وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَاۗءَهُمْ

اور ان لوگوں نے جھٹلایا اور اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی

یعنی ان کا انکار کسی صحیح دلیل کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کا سبب خواہش کا اتباع اور ہٹ دھرمی سے حق کا جھٹلانا ہے

وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ③

اور ہر بات کو قرار آ جاتا ہے

یعنی اگرچہ حق اس وقت بھی متعین ہے مگر کم فہموں کی سمجھ میں اگر اب نہیں آتا تو چند دنوں کے بعد ان کو بھی معلوم ہو جائے گا بشرطیکہ وہ غور سے کام لیں کہ یہ ختم ہونے والا جادو ہے یا باقی رہنے والا سچا طریقہ ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد ہر بات کو اپنی اصلی حالت پر آ کر قرار آ جاتا ہے اور حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا علامات و آثار سے عام طور پر متعین ہو جاتا ہے۔

وَلَقَدْ جَاۗءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَاۗءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ④

اور ان لوگوں کے پاس (تو امم ماضیہ کی بھی) خبریں اتنی پہنچ چکی ہیں کہ ان میں کافی عبرت ہو (یعنی اعلیٰ درجہ کی دانشمندی حاصل ہو سکتی ہے سو ان کی

حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ⑤ فَتَوَلَّ

کیفیت یہ ہے کہ خوف دلانے والی چیزیں ان کو کچھ فائدہ نہیں دیتیں تو آپ

عَنْهُمْ ۘ

ان کی طرف سے کچھ خیال نہ کیجئے

اس میں آپ کی تسلی ہے کہ جب وہ وقت قیامت اور عذاب کا آوے گا جس سے ان کو ڈرایا جاتا ہے اس وقت ان کو خود معلوم ہو جاوے گا آگے اس دن کا بیان ہے۔

يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ⑥ خُشَّعًا

جس روز ایک بلانے والا فرشتہ (ان کو) ایک ناگوار چیز کی طرف بلاوے گا ان

اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ

کی آنکھیں مارے ذلت کے جھکی ہوں گی اور قبروں سے اس طرح نکل رہے

كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ⑦ مُّهْطِعِيْنَ

ہوں گے جیسے ٹڈی پھیل جاتی ہے اور پھر نکل کر) بلانے والے کی طرف

یعنی میدان حساب کی طرف جہاں جمع ہونے کیلئے بلانے والے نے پکارا ہے۔

اِلَى الدَّاعِ ط

دوڑے چلے جا رہے ہوں گے

اور ایک آیت میں مقنعی رؤسهم لایرتد الیهم طرفهم کہ سر جھکاتے ہوئے جائیں گے آنکھیں جھپکتی بھی نہ ہوں گی بلکہ پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی سو دونوں میں مطابقت اس طرح ہے کہ وہاں مختلف حالتیں ہوں گی کبھی حیرت کے آثار کا غلبہ ہوگا کبھی ہیبت اور ذلت کے آثار کا غلبہ ہوگا۔

ربط: اوپر بیان ہوا ہے کہ لوگوں کے پاس عبرت آمیز خبریں آ چکی ہیں آگے بعض عبرت کی خبروں کا بیان ہے کذبت قبلهم تا من مدکر

يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ⑧ كَذَّبَتْ

کافر کہتے ہوں گے کہ یہ دن بڑا سخت ہے ان لوگوں سے پہلے قوم نوح نے

قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا

تکذیب کی یعنی ہمارے بندہ (خاص نوح) کی تکذیب کی اور کہا کہ یہ مجنون

مَجۡنُوۡنٌ وَّازۡدُجِرَ ﴿۹﴾ فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّیۡ مَغۡلُوۡبٌ

ہے اور نوح کو دھمکی دی گئی تو نوح نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں درماندہ

فَانۡتَصِرۡ ﴿۱۰﴾

ہوں سو آپ (ان سے) انتقام لے لیجئے

یعنی میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا آپ ان کو ہلاک کر دیجئے

فَفَتَحۡنَاۤ اَبۡوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنۡهَمِرٍ ﴿۱۱﴾ صلے ز

پس ہم نے کثرت سے برسنے والے پانی سے آسمان کے دروازے کھول

وَّفَجَّرۡنَا الۡاَرۡضَ عُيُوۡنًا فَالۡتَقَى الۡمَآءُ عَلٰۤى

دیئے اور زمین سے چشمے جاری کر دیئے پھر (آسمان اور زمین کا) پانی اس کام

اَمۡرٍ قَدۡ قُدِرَ ﴿۱۲﴾ ج

کے (پورا ہونے کے) لئے مل گیا جو (علم الٰہی میں) تجویز ہو چکا تھا

مراد اس کام سے کفار کی ہلاکت ہے یعنی دونوں پانی مل کر طوفان بڑھا جس میں سب غرق ہو گئے۔

وَحَمَلۡنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلۡوَاحٍ وَّدُسُرٍ ﴿۱۳﴾ لا تَجۡرِیۡ

ہم نے نوح کو تختوں اور میخوں والی کشتی پر جو کہ ہماری نگرانی میں رواں تھی (مع مومنین

بِاَعۡيُنِنَا ج جَزَآءً لِّمَنۡ كَانَ كُفِرَ ﴿۱۴﴾

کے) سوار کیا یہ سب کچھ اس شخص کا بدلہ لینے کے لئے کیا جس کی بے قدری کی تھی

تا کہ وہ اور ان کے ساتھی طوفان سے محفوظ رہیں

مراد نوح علیہ السلام ہیں اور رسول کی بے قدری سے خدا کے ساتھ بھی کفر لازم آ گیا پس یہ شبہ نہ رہا کہ یہ غرق کرنا کفر باللہ کے عوض میں نہ ہوا تھا۔

وَلَقَدۡ تَّرَكۡنٰهَاۤ اٰيَةً فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۵﴾

اور ہم نے اس واقعہ کو عبرت کے واسطے رہنے دیا

یعنی حکایات اور تذکروں میں اس واقعہ کو باقی رکھا

فَكَيۡفَ كَانَ عَذَابِیۡ وَنُذُرِ ﴿۱۶﴾

کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے پھر (دیکھو) میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا ہوا

یعنی جس چیز سے ڈرایا تھا وہ کیسا پورا پورا ہو کر رہا۔

وَلَقَدۡ يَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّكۡرِ

اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے

اور لوگوں کے لئے بوجہ بیان واضح ہونے کے عموماً اور اہل عرب کے لئے بوجہ عربی زبان ہونے کے خصوصاً یہ قرآن آسان ہے بعض لوگوں کو اس آیت پر سرسری نظر کرنے سے مجتہد بننے کی ہوس ہوئی لیکن عبرت و نصیحت کے لئے آسان کر دینے سے یہ لازم نہیں آیا کہ اس سے احکام کا استنباط کرنا بھی آسان ہے اس کا تو سیدھا مطلب یہ ہے کہ ترغیب و ترہیب کے متعلق جو مضامین قرآن میں ہیں وہ نہایت واضح ہیں اور استنباط کے طریقوں کا دقیق ہونا تو خود ظاہر ہے و کذبت عاد تا مدکر۔

فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۷﴾ كَذَّبَتۡ عَادٌ فَكَيۡفَ كَانَ

سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے عاد نے بھی اپنے پیغمبر کی تکذیب کی

عَذَابِیۡ وَنُذُرِ ﴿۱۸﴾ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ رِيۡحًا صَرۡصَرًا

سو (اس کا قصہ سنو کہ) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا ہم نے ان پر ایک تند ہوا

فِیۡ يَوۡمِ نَحۡسٍ مُّسۡتَمِرٍّ ﴿۱۹﴾ لا

بھیجی ایک دوامی نحوست کے دن میں

یعنی وہ زمانہ ان کے حق میں ہمیشہ کے لئے اس لئے منحوس رہا کہ اس روز جو عذاب آیا وہ عذاب قبر سے متصل ہو گیا پھر کفار سے عذاب کبھی منقطع نہ ہوگا اور یوم سے مراد مطلق زمانہ ہے پس دوسری جگہ جو ایام یعنی چند دن مذکور ہوئے ہیں اس سے تعارض نہیں اور نحوست کی تحقیق سورۂ صافات میں گزر چکی ہے۔

تَنۡزِعُ النَّاسَ لا كَاَنَّهُمۡ اَعۡجَازُ نَخۡلٍ مُّنۡقَعِرٍ ﴿۲۰﴾

وہ ہوا لوگوں کو اس طرح اکھاڑ اکھاڑ کر پھینکتی تھی کہ گویا وہ اکھڑی ہوئی کھجوروں کے تنے ہیں

اس تشبیہ میں ان کے طویل القامت و عظیم الجثہ ہونے کی طرف بھی اشارہ ہے۔

فَكَيۡفَ كَانَ عَذَابِیۡ وَنُذُرِ ﴿۲۱﴾ وَلَقَدۡ يَسَّرۡنَا

سو دیکھو میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہولناک ہوا اور ہم نے قرآن کو نصیحت

الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّكۡرِ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ ﴿۲۲﴾ ع

حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿۲۳﴾

ہے ثمود نے (بھی) پیغمبروں کی تکذیب کی

کیونکہ ایک پیغمبر کی تکذیب سے سب پیغمبروں کی تکذیب لازم آتی ہے۔

فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ

اور کہنے لگے کہ کیا ہم ایسے شخص کا اتباع کریں گے جو ہماری جنس کا آدمی ہے اور اکیلا ہے

یعنی یا تو فرشتہ ہوتا تو ہم دین میں اس کا اتباع کرتے یا حشم وخدم والا ہوتا تو دنیوی امور میں اس کو بڑا بناتے لیکن جب کہ وہ بشر ہے اور حشم وخدم سے اکیلا ہے تو نہ دنیوی امور میں بڑا بننے کے قابل ہے نہ دینی امور میں اتباع کے قابل ہے۔

اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿۲۴﴾ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ

اس صورت میں ہم بڑی غلطی اور بلکہ جنون میں پڑ جائیں کیا ہم سب میں سے (منتخب

عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴿۲۵﴾

ہو کر) اسی پر وحی نازل ہوئی ہے (ہرگز ایسا نہیں) بلکہ یہ بڑا جھوٹا اور بڑا شیخی باز ہے

شیخی کے مارے ایسی باتیں بڑائی کی کرتا ہے کہ لوگ مجھ کو سردار بنالیں حق تعالیٰ نے صالح علیہ السلام سے فرمایا کہ تم ان کو بکنے دو رنج مت کرو

سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿۲۶﴾

ان کو عنقریب (مرتے ہی) معلوم ہو جاوے گا کہ جھوٹا شیخی باز کون تھا

یعنی یہی لوگ شیخی باز تھے کہ نبوت کے انکار میں جھوٹے تھے اور نبی کے اتباع سے بوجہ شیخی کے عار کرتے تھے۔

اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ

ہم اونٹنی کو نکالنے والے ہیں ان کی آزمائش کے لئے سو ان کو دیکھتے بھالتے

وَاصْطَبِرْ ﴿۲۷﴾ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ

رہنا اور صبر سے بیٹھے رہنا اور ان لوگوں کو یہ بتلا دینا کہ پانی (کنویں کا) ان

بَيْنَهُمْ ۚ

میں بانٹ دیا گیا ہے

یعنی جب اونٹنی پیدا ہو تو ان سے یہ کہہ دیا جائے کہ تمہارے مواشی کی اور اونٹنی کی باری مقرر ہو گئی ہے

كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿۲۸﴾ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ

ہر ایک باری پر باری والا حاضر ہوا کرے گا سو انہوں نے اپنے رفیق (قدار)

فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ﴿۲۹﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ

کو بلایا سو اس نے (اونٹنی پر) وار کیا اور مار ڈالا سو (دیکھو) میرا عذاب اور

وَنُذُرِ ﴿۳۰﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً

ڈرانا کیسا ہوا ہم نے ان پر ایک ہی نعرہ (فرشتہ کا) مسلط کیا سو وہ (اس سے)

فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿۳۱﴾

ایسے ہو گئے جیسے کانٹوں کی بگاڑ لگانے والے (کی باڑ) کا چورا

یعنی اونٹنی اپنی باری میں پانی پیوے اور مواشی اپنی باری میں چنانچہ اونٹنی پیدا ہوئی اور صالح علیہ السلام نے اسی طرح فرما دیا یعنی کھیت یا مواشی وغیرہ کی حفاظت کے لئے جیسے کانٹوں وغیرہ کی باڑ لگا دیتے ہیں اور چند روز بعد سب چورا چورا ہو جاتا ہے اسی طرح وہ ہلاک اور تباہ ہو گئے عرب کے لوگ اس صورت کو رات دن دیکھتے تھے تو وہ اس تشبیہ کو خوب سمجھتے تھے کذبت قوم لوط مدکرہ

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ

اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیئے سو کیا کوئی

مُّدَّكِرٍ ﴿۳۲﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۢ بِالنُّذُرِ ﴿۳۳﴾

نصیحت حاصل کرنے والا ہے قوم لوط نے (بھی) پیغمبروں کی تکذیب کی ہم

اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۭ

نے ان پر پتھروں کا مینہ برسایا بجز متعلقین لوط کے (یعنی بجز مومنین کے) کہ

نَّجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ۙ﴿۳۴﴾

ان کو اخیر شب میں بچا لیا

ان کو عذاب سے پہلے بستی کے باہر کر دیا۔

نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ

اپنی جانب سے فضل کر کے جو شکر کرتا ہے ہم اسے ایسا ہی صلہ

شَكَرَ ﴿۳۵﴾

دیا کرتے ہیں

یعنی ایمان والوں کو قہر سے بچا لیتے ہیں۔

وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿۳۶﴾

اور (قبل عذاب آنے کے) لوط نے ان کو ہماری دارو گیر سے ڈرایا تھا انہوں نے اس ڈرانے میں جھگڑے پیدا کئے

یعنی یقین نہ لائے اور جب لوط علیہ السلام کے پاس فرشتے مہمان بن کر آئے اور ان لوگوں کو حسین لڑکوں کا آنا معلوم ہوا تو ان کی قوم نے بڑا سر اٹھایا۔

وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ

اور ان لوگوں نے لوط سے ان کے مہمانوں کو بارادہ بد لینا چاہا

جس سے لوط علیہ السلام اول گھبرائے مگر فرشتوں نے تسلی کی کہ ہم آدمی نہیں ہیں خدا کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔

فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ

سو ہم نے ان کی آنکھیں

یعنی جبریل علیہ السلام نے اپنا پر ان کی آنکھوں پر پھیر دیا جس سے اندھے بھٹ ہو گئے۔

فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۳۷﴾

چوپٹ کر دیں کہ لو میرے عذاب اور ڈرانے کا مزہ چکھو

پہلے اندھے ہونے کے عذاب پر یہ کہا گیا ہے اور یہاں ہلاکت کے عذاب پر پس تکرار نہیں ہوا **و لقد جاء تا عزیز مقتدر**

وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿۳۸﴾ ج

(یہ تو اس وقت واقعہ ہوا) اور (پھر) صبح سویرے ان پر عذاب دائمی

فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا

آ پہنچا اور ارشاد ہوا کہ لو میرے عذاب اور ڈرانے کا مزہ چکھو اور ہم نے

الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۴۰﴾ ع وَلَقَدْ

قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے

جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿۴۱﴾ ج

والا ہے اور فرعون اور) فرعون والوں کے پاس بھی ڈرانے کی بہت سی چیزیں پہنچیں

مراد موسیٰ علیہ السلام کے اقوال اور معجزات ہیں

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ

ان لوگوں نے ہماری (ان تمام نشانیوں کو جھٹلایا سو ہم نے ان کو زبردست

مُّقْتَدِرٍ ﴿۴۲﴾

قدرت کا پکڑنا پکڑا

یعنی ان سے جو مقصود تھا موسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور توحید کو ثابت کرنا اس کو جھٹلایا ورنہ واقعات کے پائے جانے کی تکذیب تو ہو نہیں سکتی زبردست قوت والے سے حق تعالیٰ مراد ہیں یعنی جب ہم نے ان کو قہر سے پکڑا تو اس پکڑ کو کوئی نہیں دفع نہیں کر سکا ربط اوپر عذاب سے ہلاک ہونے والوں کے قصے مذکور تھے آگے کفار مکہ کا مستحق عذاب ہونا بتلاتے ہیں کیونکہ کفر جو عذاب کی علت ہے ان میں بھی موجود تھا اور اخیر میں مقابلہ کے طور پر متقین کو بشارت بھی دی گئی ہے حاصل یہ کہ یہ قصے پہلے کفار کے اور کفر کی وجہ سے ان پر عذاب آنے کے تم نے سن لئے اب جب کہ تم بھی اسی جرم کفر میں مبتلا ہو تو تم پر عذاب نہ آنے کی کیا وجہ **اکفار کم تا مقتدر**

اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ

کیا تم میں جو کافر ہیں ان میں ان (مذکور) لوگوں سے کچھ فضیلت ہے یا

فِي الزُّبُرِ ﴿۴۳﴾ ج اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿۴۴﴾

تمہارے لئے (آسمانی) کتابوں میں کوئی معافی ہے یا یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری ایسی جماعت ہے جو غالب ہی رہیں گے

جس کی وجہ سے یہ لوگ باوجود کفر کا جرم کرنے کے سزا نہ پائیں

یعنی ان کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں عذاب دفع کرنے کی کوئی قوت ہے تو کیا عذاب سے بچے رہنے کی یہ علت ہے مگر پہلی دو باتوں کا غلط ہونا تو ظاہر ہے اور تیسری بات اگرچہ فی نفسہ ممکن ہے مگر دلائل سے ثابت ہے کہ وہ یقیناً مغلوب ہوں گے اور اس وقت ان کا جھوٹا ہونا ظاہر ہو جاوے گا۔

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾

عنقریب (ان کی) یہ جماعت شکست کھاوے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے

اور یہ پیشین گوئی غزوہ بدر و احزاب وغیرہ میں واقع ہوئی اور یہی نہیں کہ اس دنیوی عذاب پر بس ہو کر رہ جاوے گا۔

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى

بلکہ قیامت ان کا اصل وعدہ ہے اور قیامت بڑی سخت

وَاَمَرُّ ﴿٤٦﴾

اور نا گوار چیز ہے

اس کو کوئی ہلکی چیز نہ سمجھیں اور وہ ضرور واقع ہونے والی ہے۔

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿٤٧﴾

یہ مجرمین (یعنی کفار) بڑی غلطی اور بے عقلی میں ہیں

اور وہ غلطی عنقریب ان کو کھلی آنکھوں ظاہر ہو جاوے گی۔

يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ؕ

جس روز یہ لوگ اپنے مونہوں کے بل جہنم میں گھسیٹے جاویں گے (تو ان سے

ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ﴿٤٨﴾

کہا جاوے گا کہ دوزخ (کی آگ) کے لگنے کا مزہ چکھو

اور اگر ان کو اس سے شبہہ پیدا ہو کہ قیامت ابھی کیوں نہیں آ جاتی تو اس کی وجہ آگے آتی ہے۔

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿٤٩﴾

ہم نے ہر چیز کو اندازے سے پیدا کیا ہے

جو ہمارے علم میں ہے یعنی ہر چیز کا وقت وغیرہ اپنے علم میں مقرر کیا ہے اسی طرح قیامت کے آنے کا بھی ایک وقت معین ہے پس اس وقت واقع نہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ ابھی وقت نہیں آیا اس سے یہ کیونکر سمجھ گئے کہ کبھی نہ آوے گی۔

وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ ۢ بِالْبَصَرِ ﴿٥٠﴾

اور ہمارا حکم یکبارگی ایسا ہو جائے گا جیسے آنکھوں کا جھپکانا

اور اگر تمکو یہ شبہ ہو کہ ہمارا طریقہ خدا کو ناپسند نہیں ہے تو اگر قیامت آئی بھی تب بھی ہم کو ضرر نہیں اس کی بابت سن رکھو۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ

اور ہم تمہارے ہم طریقہ لوگوں کو ہلاک کر چکے ہیں

جو اس طریقہ کے عند اللہ ناپسند ہونے کی دلیل ہے اور وہی طریقہ تمہارا ہے پس لامحالہ خدا کو تمہارا طریقہ ناپسند ہے اور یہ دلیل بہت صاف ہے۔

فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٥١﴾

سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے

اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ ان کے اعمال خدا کے علم سے غائب رہ جاویں تا کہ باوجود کفر کے ناپسند ہونے کے پھر بھی سزا سے بچنے کا احتمال ہو۔

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ﴿٥٢﴾

اور جو کچھ بھی یہ لوگ کرتے ہیں سب اعمالناموں میں مندرج ہے

اور حق تعالیٰ کو بھی معلوم ہیں اعمال ناموں میں حجت پوری کرنے کے لئے درج کئے گئے اور یہ نہیں کہ ان میں کچھ لکھا گیا ہو کچھ رہ گیا ہو بلکہ (آگے ترجمہ)

وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿٥٣﴾

اور چھوٹی بڑی بات (اس میں) لکھی ہوئی ہے

پس ان پر عذاب واقع ہونے میں کوئی شبہ نہ رہا یہ تو کفار کا حال ہوا

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ﴿٥٤﴾ فِيْ مَقْعَدِ

پرہیزگار لوگ باغوں میں اور نہروں میں ہوں گے ایک عمدہ مقام میں

صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿٥٥﴾ ع

قدرت والے بادشاہ کے پاس

یعنی جنت کے علاوہ ان کو قرب بھی ہوگا واللہ اعلم

سورة الرحمن مكية او مدنية او متبعضة وايها ست و سبعون كذافي البيضاوى

ربط: سورت گذشتہ میں زیادہ مضمون عذاب کا تھا اور کچھ اول و آخر میں نعمتوں کا مضمون بھی تھا اور اس سورت میں زیادہ مضمون نعمتوں کا ہے کچھ دنیوی اور کچھ اخروی اور درمیان میں کچھ مضمون عذاب کا بھی ہے اگرچہ اس حیثیت سے کہ وہ ہدایت کا سبب ہو جاتا ہے وہ بھی نعمتوں میں داخل ہے اسی وجہ سے نعمتوں کی طرح اس کے بعد بھی فبای الاء ربکما تکذبان فرمایا ہے اور یہ آیت اس سورت میں اکتیس جگہ آئی ہے اور چونکہ ہر جگہ جدا جدا نعمتیں مراد ہیں اس لئے معنوی تکرار نہیں ہے صرف لفظی تکرار معلوم ہوتا ہے اور ظاہری تکرار سے تاکید کا فائدہ بھی ہے اور اس قسم کا تکرار جو کہ قند مکرر سے بھی زیادہ شیریں ہے عرب و عجم کے کلام نثر و نظم میں بکثرت بلا انکار کے مستعمل ہے چنانچہ اپنے انعامات کا تذکرہ کرتے ہوئے تمام

اہل زبان اس طرح گفتگو کرتے ہیں۔ الم احسن الیک بان خولتک فی الاموال الم احسن الیک بان فعلت بک کذا و کذا کیا میں نے تجھ پر یہ احسان نہیں کیا کہ بہت سا مال تجھ کو دیا گیا کیا میں نے تجھ پر یہ احسان نہیں کیا کہ تیرے ساتھ یہ سلوک کئے اس موقعہ پر یہ لفظ بار بار کہا جاتا ہے کہ کیا میں نے تجھ پر یہ احسان نہیں کیا اور مہلہل شاعر کلیب کے مرثیہ میں علی ان لیس عدلا من کلیب اس مصرعہ کو سات جگہ مکرر لایا ہے اور فارسی اور اردو کی نظموں میں اس کی کثرت کسی پر مخفی نہیں علاوہ ازیں یہ کہ اگر اس آیت کے مکرر ہونے سے فصاحت و بلاغت میں ذرا بھی کمی آتی تو سب سے پہلے وہ کفار عرب جو ہر وقت قرآن میں عیب نکالنے کے لئے تیار رہتے تھے جن کو غیرت دلا دلا کر یہ کہا گیا تھا کہ قرآن کی مثل ایک ہی آیت بنا کر لے آؤ وہ ضرور اس جگہ کلام کرتے مگر کسی نے اس سورت پر کچھ بھی اعتراض نہیں کیا کیونکہ وہ کھلی آنکھوں دیکھتے تھے کہ جس جگہ فبای الاء ربکما تکذبان لایا گیا ہے اگر اس کو وہاں سے حذف کر دیا جائے تو کلام کی شیرینی باقی نہ رہے گی بلکہ یہ آیت ہر جگہ قند مکرر سے بھی زیادہ شیریں ہے جس کو اہل زبان ہی خوب سمجھتے ہیں ۱۲ ملخص

بسم اللہ الرحمن الرحیم الرحمن تا کالاعلام

(۵۵) سُوْرَۃُ الرَّحْمٰنِ مَدَنِیَّۃٌ (۹۷)

سورۂ رحمٰن مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں اٹھہتر آیتیں اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

اَلرَّحْمٰنُ (۱) عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ (۲)

رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی

یعنی خدا کی بے شمار نعمتیں ہیں ان میں سے ایک روحانی نعمت یہ ہے کہ اس نے قرآن کو نازل کیا کہ اس کے بندے اس پر ایمان لا کر اس کا علم حاصل کر کے اس سے منتفع ہوں آگے ایک جسمانی نعمت کا ذکر ہے جس پر یہ روحانی نعمت موقوف ہے۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ (۳) عَلَّمَهُ الْبَيَانَ (۴)

اس نے انسان کو پیدا کیا پھر اس کو گویائی سکھلائی

جس پر ہزاروں منافع مرتب ہوتے ہیں جن میں سے ایک قرآن کا دوسرے کی زبان سے پہنچنا اور دوسروں کو پہنچانا بھی ہے آگے ایک آفاقی نعمت کا ذکر ہے۔

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ (۵) وَّالنَّجْمُ

سورج اور چاند حساب کے ساتھ (چلتے) ہیں اور بے تنے کے درخت اور

وَّالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ (۶)

تنے دار درخت دونوں اللہ کے مطیع ہیں

سورج اور چاند کا چلنا تو اس لئے نعمت ہے کہ اس پر رات اور دن جاڑا اور گرمی اور دنوں اور مہینوں کی شمار وغیرہ مرتب ہوتی ہیں اور درختوں کی اطاعت اس لئے نعمت ہے کہ حق تعالیٰ ان میں بہت سے منافع پیدا فرماتے ہیں اور وہ تابعدار ہو کر ان منافع کی پیدائش کو قبول کرتے ہیں پھر وہ منافع استعمال میں آتے ہیں اور درختوں کے سجدہ سے مراد بھی اطاعت اور تابعداری ہے۔

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا

اور اسی نے آسمان کو اونچا کیا

جس میں دوسرے منافع کے علاوہ جو کہ آسمان سے متعلق ہیں بڑی منفعت یہ ہے کہ صانع عالم پر اس سے استدلال ہوتا ہے۔

وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ (۷) اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ (۸)

اور (اسی نے دنیا میں) ترازو رکھ دی تاکہ تم تولنے میں کمی بیشی نہ کرو

یعنی جب یہ اتنی بڑی منفعت کے لئے مقرر کی گئی ہے کہ حقوق کے ادا کرنے اور وصول کرنے کا ذریعہ ہے جس سے ہزاروں ظاہری اور باطنی خرابیاں دفع ہوتی ہیں تو تم اس نعمت کا خاص طور پر شکر کرو اور اسی شکریہ میں سے یہ بھی ہے کہ وزن کو ٹھیک رکھو۔

وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا

اور انصاف (اور حق رسانی) کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول کو گھٹاؤ مت

الْمِيْزَانَ (۹) وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ (۱۰)

اور اسی نے خلقت کے واسطے زمین کو اس جگہ رکھ دیا کہ اس میں میوے ہیں

فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ (۱۱)

اور کھجور کے درخت ہیں جن (کے پھل) پر غلاف ہوتا ہے اور (اس میں)

وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ (۱۲)

غلہ ہے جن میں بھوسا (بھی) ہوتا ہے اور اس میں غذا کی چیز بھی ہے

جیسے بہت سی ترکاریاں وغیرہ۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۳﴾

سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے

یعنی باوجود نعمتوں کی اس کثرت اور عظمت کے جن میں یہ نعمتیں بھی داخل ہیں منکر ہونا بڑی ہٹ دھرمی بلکہ بدیہی اور حسی نعمتوں کا انکار ہے۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿۱۴﴾

اسی نے انسان کی اصل اول یعنی (آدمؑ) کو ایسی مٹی سے جو ٹھیکرے کی طرح

وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴿۱۵﴾

بجتی تھی پیدا کیا اور جنات کو خالص آگ سے پیدا کیا سوائے جن وانس

اور پھر دونوں کی نسل توالد اور تناسل کے ذریعہ سے چلی

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۶﴾ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ

تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے

وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿۱۷﴾

وہ دونوں مشرق اور دونوں مغرب کا

مراد اس سے سورج اور چاند کے طلوع اور غروب کی جگہ ہے اس میں بھی نعمت کی وجہ ظاہر ہے کہ رات اور دن کے شروع اور ختم ہونے کے ساتھ بہت سے اغراض متعلق ہیں

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۸﴾ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ

مالک ہے سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے اسی نے دو دریاؤں کو ملا دیا کہ (ظاہر میں) باہم ملے ہوئے ہیں اور حقیقۃً

يَلْتَقِيٰنِ ﴿۱۹﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿۲۰﴾

ان دونوں کے درمیان میں ایک حجاب (قدرتی ہے) کہ دونوں بڑھ نہیں سکتے

جس کی شرح سورۂ فرقان کے ختم سے کچھ پہلے گزر چکی ہے اور آب شور اور آب شریں کے منافع بھی ظاہر ہیں اور دونوں کے ملنے میں یہ نعمت بھی ہے کہ اس سے خدا کی قدرت پر استدلال ہوتا ہے

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۱﴾ يَخْرُجُ مِنْهُمَا

سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے ان

اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾

دونوں سے موتی اور مونگا برآمد ہوتا ہے

موتی مونگے کے منافع اور ان کا نعمت ہونا ظاہر ہے اور جو لوگ موتی مونگے کے نکلنے کو دریائے شور کے ساتھ خاص کہتے ہیں ان کے نزدیک دونوں سے برآمد ہونے کا یہ مطلب ہوگا کہ دونوں کے مجموعہ سے برآمد ہوتا ہے کیونکہ مل جانے کی وجہ سے وہ دونوں گویا ایک ہی ہو گئے

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۳﴾ وَلَهُ الْجَوَارِ

سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے اسی کے

الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۲۴﴾

(اختیار اور ملک میں) ہیں جہاز جو پہاڑوں کی طرح اونچے کھڑے نظر آتے ہیں

جن کی منفعت ظاہر بلکہ بہت ظاہر ہے ربط اوپر دنیوی نعمتوں کا ذکر تھا جن کا مقتضا شکر و اطاعت و ایمان کا واجب اور ضروری ہونا ہے اور کفر و معصیت و سرکشی کا حرام ہونا اور اس مقتضا پر بعضے عمل کرتے ہیں بعضے عمل نہیں کرتے اس لئے آگے دونوں فرقوں کا انجام کہ جہنم اور جنت ہے بیان فرماتے ہیں چنانچہ لمن خاف تک عذاب کا اور اس کے بعد ختم سورت تک ثواب کا ذکر ہے خلاصہ یہ کہ جتنی نعمتیں تم لوگوں نے سنی ہیں تم کو توحید و اطاعت بجالا کر ان کا شکر ادا کرنا چاہئے اور کفر و معصیت سے ناشکری نہ کرنا چاہئے کیونکہ اس عالم کے فنا ہونے کے بعد ایک دوسرا عالم آنے والا ہے جہاں ایمان و کفر پر جزا و سزا واقع ہوگی جس کا بیان آیات آئندہ میں ہے کل من علیها فان تا حمیم ان

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۵﴾ كُلُّ مَنْ

سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے جتنے

عَلَيْهَا فَانٍ ﴿۲۶﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ

(جن وانس) روئے زمین پر موجود ہیں فنا ہو جائیں گے اور (صرف) آپ

وَالْاِكْرَامِ ﴿۲۷﴾

کے پروردگار کی ذات جو کہ عظمت والی اور احسان والی ہے باقی رہ جاوے گی

آگے خاص طور پر حق تعالیٰ کی عظمت کا بیان ہے۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۸﴾ يَسْئَلُهٗ مَنْ فِي

سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے اسی سے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

(اپنی اپنی حاجتیں) سب آسمان اور زمین والے مانگتے ہیں

سب اس کی رحمت کے محتاج ہیں۔

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِىْ شَاْنٍ ۚ ﴿۲۹﴾

وہ ہر وقت کسی نہ کسی کام میں رہتا ہے

یعنی عالم کے جملہ تصرفات اسی کے قبضہ میں ہیں۔

فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۰﴾ سَنَفْرُغُ لَكُمْ

سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے اے جن و

اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ۚ ﴿۳۱﴾

انس ہم عنقریب تمہارے (حساب کتاب کے) لئے خالی ہوجاتے ہیں

یہ نہ سمجھنا کہ فنا ہو کر زندہ نہ ہوں گے بس حساب وکتاب سے بچ گئے۔

فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۲﴾ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ

سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے اے

وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ

گروہ جن وانس کے اگر تم کو یہ قدرت ہے کہ آسمان اور زمین کی حدود سے

اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا

کہیں باہر نکل جاؤ تو (ہم بھی دیکھیں) نکلو (مگر) بدوں زور کے نہیں نکل

تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۚ ﴿۳۳﴾

سکتے (اور زور ہے) نہیں پس نکلنے کا وقوع بھی محتمل نہیں

اور یہی حالت قیامت میں ہوگی بلکہ وہاں تو یہاں سے بھی زیادہ ضعف اور عجز ہوگا پس حساب وکتاب میں یہ احتمال نہیں ہوسکتا کہ کوئی کہیں بچ کر نکل جائے پس اس سے حساب ہونے کی تاکید مقصود ہے اور یہ بات بتلا دینا ہی ہدایت کا سبب اور نعمت عظمٰی ہے

فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۴﴾ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا

سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے تم دونوں پر

شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ۚ ﴿۳۵﴾

(قیامت کے روز) آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑا جائے گا پھر تم (اس کو) ہٹا نہ سکو گے

جیسا کہ اوپر حساب کے وقت عاجز ہونے کا بیان ہے اور اس کا بتلانا بھی بوجہ ذریعہ ہدایت ہونے کے ایک نعمت عظمٰی ہے جب حساب کا ہونا اور بندوں کا اس وقت عاجز ہونا معلوم ہو گیا تو اس سے قیامت کے دن حساب و عذاب کا واقع ہونا ثابت ہو گیا فاذا انشقت السماء میں اسی کا بیان ہے

فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۶﴾ فَاِذَا انْشَقَّتِ

سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے غرض

السَّمَاۤءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ۚ ﴿۳۷﴾

جب (قیامت آئے گی جس میں) آسمان پھٹ جائے گا اور ایسا سرخ ہو جائے گا جیسے سرخ نری (یعنی چمڑا)

یہ پھٹنا وہ ہے جو دوسری بار صور پھونکنے کے بعد فرشتوں کے اترنے کے لئے آسمان کھلے گا اس وقت فرشتے اتریں گے اور بادل میں حق تعالیٰ کی تجلی ہوگی اور حساب وکتاب شروع ہو جاوے گا جس کا بیان سورۂ فرقان کی اس آیۃ میں ہوا ہے۔ یوم تشقق السماء بالغمام الخ

شاید یہ رنگ اس واسطے ہو کہ یہ غصہ کی علامت ہے کہ غصہ میں چہرہ سرخ ہو جاتا ہے اس روز آسمان کی سرخی حق تعالیٰ کے غضب کی علامت ہو گی اور یہ خبر دینا بھی نعمت ہے۔

فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۸﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا

سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے تو اس روز (اللہ تعالیٰ کے

يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّلَا جَاۤنٌّ ۚ ﴿۳۹﴾

معلوم کرنے کے لئے) کسی انسان اور جن سے اس کے جرم کے متعلق نہ پوچھا جائے گا

کیونکہ اللہ تعالیٰ کو سب معلوم ہے مطلب یہ ہے کہ حساب اس غرض سے نہ ہوگا کہ خدا تعالیٰ کو معلوم ہو بلکہ خود مخلوق کو معلوم کرانے اور جتلانے کے لئے سوال اور حساب ہوگا اور یہ خبر دینا بھی ایک نعمت ہے۔

فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۰﴾ يُعْرَفُ

سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے مجرم

الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ

لوگ اپنے حلیہ سے (کہ سیاہی چہرہ اور نیلگوں چشم ہے) پہچانے جائیں گے

یعنی اللہ تعالیٰ کو تو مجرم لوگوں کی خبر ہے اس لئے ان کو تحقیق کی ضرورت نہ ہوگی لیکن فرشتوں کو مجرموں کا پتہ ان کے حلیہ سے یعنی چہرہ کی سیاہی اور آنکھوں کی نیل گونی سے معلوم ہوگا۔

فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ﴿۴۱﴾

(سو ان کے) سر کے بال اور پاؤں پکڑ لئے جائیں گے

اور ان کو گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا کسی کا سر پکڑیں گے کسی کی ٹانگ جیسے جس کے اعمال ہوں گے یا کبھی ایک ہی شخص کا سر پکڑیں گے کبھی ٹانگ تاکہ قسم قسم کا عذاب دیا جائے اور اگرچہ اس کی پہچان مجرموں کی تعیین موقوف نہیں مگر حق تعالیٰ کسی مصلحت سے ایسا ہی کر دیں گے اور یہ خبر دینا بھی ہدایت کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے ایک نعمت ہے۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ

سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے یہ

الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ يَطُوْفُوْنَ

ہے وہ جہنم جس کو مجرم لوگ جھٹلاتے تھے وہ لوگ دوزخ کے اردگرد کھولتے

بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ﴿۴۴﴾

ہوئے پانی کے درمیان دورہ کرتے ہوں گے

اس میں اصلی عذاب بیان فرمادیا اگرچہ شعلہ کا چھوڑنا بھی ایک عذاب تھا یعنی کبھی اس طرح عذاب ہوگا کبھی اس طرح اور یہ خبر دینا بھی نعمت ہے ربط اوپر کی تقریر ربط میں لکھ چکا ہوں اور ان آیتوں میں دو باغوں کا ذکر ولمن خاف سے شروع ہوا ہے اور مزید دو باغوں کا من دونهما سے اور پہلے دو باغ خاص مقربین کے لئے ہیں اور پچھلے دو باغ عام مومنین کے لئے اور اس تقسیم کے دلائل آگے معلوم ہو جاویں گے غرض کہ مجرموں کا حال تو یہ تھا اور جنتیوں کا حال یہ ہے ولمن خاف تا والاکرام۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۵﴾ وَلِمَنْ خَافَ

سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے اور جو

مَقَامَ رَبِّهٖ

شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے (ہر وقت ڈرتا رہتا ہے

اور ڈر کر شہوات اور گناہوں سے بچتا رہتا ہو مطلب یہ کہ خاص لوگوں میں ہو کیونکہ یہ شان خواص ہی کی ہے عوام پر تو کبھی کبھی خوف طاری ہو جاتا ہے اور ان سے گناہ بھی سرزد ہو جاتے ہیں گو توبہ کر لیں پس جنتیوں میں دو قسم کے لوگ ہوئے خواص اور عوام۔ خواص کا حال اس جگہ بیان ہو رہا ہے۔

جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾

اس کے لئے دو باغ ہوں گے

یعنی ہر متقی کے لئے دو دو باغ ہونگے اور غالباً دو دو ہونے میں حکمت یہ ہے کہ ان کا اکرام ظاہر ہو اور صاحب دولت ہونا معلوم ہو جیسا کہ دنیا میں دولت والوں کے پاس اکثر چیزیں ایک قسم کی کئی کئی ہوا کرتی ہیں۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾ ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾

سوائے جن وانس تم اپنے رب کے کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے
(اور وہ) دونوں باغ کثیر شاخ والے ہوں گے

اس میں سایہ کی گنجائی اور پھلوں کی کثرت کی طرف اشارہ ہے

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ

سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے ان دونوں باغوں

تَجْرِيٰنِ ﴿۵۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾

میں دو چشمے ہوں گے کہ بہتے چلے جائیں گے سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون

فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾

کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے ان دونوں باغوں میں ہر میوے کی دو دو قسمیں ہوں گی

اس میں زیادہ لذت حاصل ہوگی کہ کبھی ایک قسم کا مزہ لے لیا کبھی دوسری قسم کا۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى

سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے وہ لوگ

فُرُشٍۢ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ

تکیہ لگائے ایسے فرشوں پر بیٹھے ہوں گے جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے

اور قاعدہ ہے کہ ابرہ بہ نسبت استر کے زیادہ نفیس ہوتا ہے پس جب استر دبیز ریشم کا ہوگا تو ابرہ کیسا کچھ ہوگا

وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴿۵۴﴾ ج

اور ان دونوں باغوں کا پھل بہت نزدیک ہوگا

کہ کھڑے بیٹھے لیٹے ہر طرح بلا مشقت ہاتھ آسکتا ہے

فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾ فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ

سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر

الطَّرْفِ لا لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَاۗنٌّ ﴿۵۶﴾ ج

ہوجاؤ گے ان میں نیچی نگاہ والیاں (یعنی حوریں) ہوں گی کہ ان (جنتی) لوگوں سے پہلے ان پر نہ تو کسی آدمی نے تصرف کیا ہوگا اور نہ کسی جن نے

بلکہ ہر طرح محفوظ و غیر مستعمل ہوں گی۔

فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾ ج كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ

سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہوجاؤ گے گویا وہ

وَالْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾ ج

یاقوت اور مرجان ہیں

یعنی رنگت ان کی بہت صاف وشفاف ہوگی اور ممکن ہے کہ سرخی میں بھی تشبیہ دینا منظور ہو اور چند تشبیہیں دینا غالباً اہتمام کے لئے ہے۔

فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۹﴾ هَلْ جَزَاۗءُ

سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہوجاؤ گے بھلا

الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾ ج

غایت اطاعت) کا بدلہ بجز غایت عنایت کے اور بھی کچھ ہوسکتا ہے

یہ مضمون سابق کی تاکید ہے کہ انہوں نے غایت درجہ اطاعت کی تو اس کے صلہ میں غایت درجہ مورد عنایت ہوئے اور اس کو بدلہ فرمانا اور استفہام کی صورت میں اس کے ضروری ہونے کی طرف اشارہ فرمانا یہ سب بطور فضل واحسان کے ہے ورنہ عقلاً خدا کے ذمہ کچھ واجب نہیں یہ تو خاص لوگوں کے باغوں کا ذکر ہوا آگے عام مومنین کے باغوں کا ذکر ہے۔

فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۱﴾ وَمِنْ دُوْنِهِمَا

سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہوجاؤ گے اور ان

جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ ج

دونوں باغوں سے کم درجہ میں دو باغ اور ہیں

جو عام مسلمانوں کے لئے ہیں اور یہ ایک شخص کو دو دو ملیں گے۔

فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۳﴾ لا مُدْهَاۗمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾ ج

سوائے جن وانس تم اپنے کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہوجاؤ گے

وہ دونوں باغ گہرے سبز رنگ کے ہوں گے

یہاں ذواتا افنان نہیں فرمایا جس سے اشارہ ہے کہ یہ دونوں باغ اس صفت میں پہلے باغوں سے کم ہیں یعنی ان کا پھل اور سایہ اتنا نہ ہوگا اور پہلے باغوں کی صفت میں گہرے سرسبز نہ فرمانے سے یہ وہم نہ ہونا چاہئے کہ وہ کچھ کم سرسبز ہوں گے کیونکہ یہ صفت قرینہ مقام سے دونوں میں مشترک ہے نیز وہاں ان باغ والوں کی صفت میں خوف بمعنی تقویٰ کامل اور جزائے احسان بمعنی اخلاص ذکر فرمانا اور یہاں کوئی صفت بیان نہ فرمانا بھی اس کا قرینہ ہے کہ یہ عام مومنین کے لئے ہے اس لئے کسی خاص صفت کی قید بڑھانے کی ضرورت نہیں۔

فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۵﴾ ج فِيْهِمَا

سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہوجاؤ گے ان

عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿۶۶﴾ ج

دونوں باغوں میں دو چشمے ہوں گے کہ جوش مارتے ہوں گے

جوش مارنا چونکہ چشموں کے لئے لازم ہے اس لئے یہ صفت اوپر کے چشموں میں بھی مشترک ہے اور وہاں جاری ہونا بھی بیان فرمایا ہے اور یہاں نہیں یہ اس کا قرینہ ہے کہ یہ چشمے جاری ہونے کی صفت میں ان سے کم ہیں اور یہ باغ ان باغوں سے کم درجہ میں ہیں۔

فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۷﴾ فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ

سوائے جن وانس تم اپنے رب کے کون کون سی نعمتوں کے منکر ہوجاؤ گے ان

وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿۶۸﴾ ج

دونوں باغوں میں میوے کھجوریں اور انار ہوں گے

یہاں مطلق میوہ کا ذکر ہے پھر اس کی تفصیل میں کھجور و انار پر اکتفا فرمایا اور وہاں کل فاکھۃ کا لفظ ہر قسم کے میوہ کو صراحۃً شامل ہے پھر ذوجان فرمانے سے ہر میوہ کی متعدد قسمیں ہونا اور بھی زیادہ کثرت پر دلالت کرتا ہے یہ بھی اس کا قرینہ ہے کہ پہلے باغ پچھلوں سے افضل و اعلیٰ ہیں۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۶۹﴾ فِیْهِنَّ خَیْرٰتٌ

سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے ان میں خوب سیرت خوبصورت عورتیں ہوں گی (یعنی حوریں) سوائے جن و

حِسَانٌ ﴿۷۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۱﴾ حُوْرٌ

انس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے وہ عورتیں گوری

مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ ﴿۷۲﴾

رنگت کی ہوں گی اور خیموں میں محفوظ ہوں گی

وہاں یاقوت و مرجان سے تشبیہ دینا جو کہ مبالغہ پر دلالت کرتا ہے اور یہاں صرف خوبصورت کہنے پر اکتفا کرنا یہ بھی اس کا قرینہ ہے کہ پہلی حوریں پچھلیوں سے افضل ہیں اور جتنی باقی صفات یہاں مذکور ہیں وہ سب وہاں بھی صراحۃً یا اشارۃً مذکور ہیں مثلاً خوش سیرت ہونا قاصرات الطرف سے سمجھا جاتا ہے کیونکہ نیچی نگاہ والی باحیا اور باعفت ہوگی جس کے لئے خوش سیرت ہونا لازم ہے اور مقصورات (خیمہ میں محفوظ) سے زیادہ قاصرات الطرف کا لفظ (نیچی نگاہ والیاں) عفت اور حیا پر دلالت کرتا ہے کہ جو ایسی ہوگی وہ ضرور ہی گھر میں رہے گی اور حور ہونا قرینہ مقام سے سب میں مشترک ہے۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۳﴾ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ

سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے اور ان

اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۷۴﴾

(جنتی) لوگوں سے پہلے ان پر نہ تو کسی آدمی نے تصرف کیا ہوگا اور نہ جن نے

بظاہر ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جن و انس دونوں جنت میں جائیں گے اور حوریں بھی دونوں کو ملیں گی اور لم یطمثھن کی تفسیر یہ ہوگی کہ جو حوریں انسان کے لئے خاص ہیں ان کو کسی انسان نے پہلے سے نہیں چھوا اور جن کے چھونے کا تو احتمال ہی نہیں کیونکہ وہ انسان کے لئے خاص ہیں اور جو حوریں جنوں کے لئے خاص ہیں ان کو کسی جن نے پہلے سے نہیں چھوا اور انسان کے چھونے کا احتمال ہی نہیں۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۵﴾ مُتَّکِـِٕیْنَ عَلٰی رَفْرَفٍ

سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے وہ لوگ

خُضْرٍ وَّعَبْقَرِیٍّ حِسَانٍ ﴿۷۶﴾

سبز اور عجیب خوبصورت کپڑوں (کے فرشوں) پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے

یہ بھی تامل کے بعد پہلے جنتیوں کے فرش سے کم درجہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہاں ریشمی ہونے کی تصریح ہے اور پھر دوہرا ہونے کی اور یہاں نہیں ہے یہ تو لفظی قرائن تھے پہلے باغوں کے افضل ہونے کے اب دلائل لکھتا ہوں در منثور میں ولمن خاف و من دونھما کی تفسیر میں مرفوعاً روایت ہے قال صلی اللہ علیہ وسلم جنتان من ذهب للمقربین و جنتان من ورق لاصحاب الیمین کہ پہلے دو باغ سونے کے ہیں مقربین کے لئے اور پچھلے دو باغ چاندی کے ہیں عام مومنین کے لئے اور براء بن عازب سے موقوفاً روایت ہے قال العینان اللتان تجریان خیر من النضاختین کہ جن باغوں کی صفت میں عینان تجریان ہے وہ ان سے بہتر ہیں جن کی صفت میں عینان نضاختان ہے آگے خاتمہ میں حق تعالیٰ کی ثناء و صفت ہے۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۷﴾ تَبٰرَکَ اسْمُ

سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے بڑا

رَبِّکَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ ﴿۷۸﴾

برکت والا ہے نام آپ کے رب کا جو عظمت والا اور احسان والا ہے

یعنی یہ بے شمار نعمتیں جو اس سورت میں مذکور ہوئی حق تعالیٰ کی عظمت اور احسان کی دلیل ہیں اور نام سے مراد صفات ہیں جو کہ ذات کی غیر نہیں اور شاید نام کے بڑھانے سے مقصود مبالغہ ہو کہ وہ خود تو کیسا کچھ کامل اور بابرکت ہوگا اس کا تو نام ہی مبارک اور کامل ہے پس حاصل جملہ کا حق تعالیٰ کی ذات و صفات کے کامل ہونے کی ثناء ہے واللہ اعلم

سورة الواقعه مكية و ايها تسع و تسعون كذافى البيضاوى

ربط: یہ سورت باعتبار مضامین کے سورت سابقہ کے قریب قریب مشابہ ہی ہے بسم الله الرحمن الرحيم اذا وقعت الواقعة تا فزلهم يوم الدين

(۵٦) سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ (۴٦)

سورہ واقعہ مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی چھیانوے آیتیں اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱﴾ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا

جب قیامت واقع ہو گی جس کے واقع ہونے میں کوئی

كَاذِبَةٌ ﴿۲﴾

خلاف نہیں ہے

بلکہ اس کا واقع ہونا بالکل صحیح اور برحق ہے۔

خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ﴿۳﴾

تو وہ (بعض کو) پست کر دے گی اور بعض کو بلند کر دے گی

یعنی اس دن کفار کی ذلت کا اور مومنین کی رفعت کا ظہور ہوگا۔

اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ﴿۴﴾ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ

جبکہ زمین کو سخت زلزلہ آوے گا اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ

بَسًّا ﴿۵﴾ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ﴿٦﴾ وَّكُنْتُمْ

ہو جائیں گے پھر وہ پراگندہ غبار ہو جائیں گے اور تم

اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ﴿۷﴾

تین قسم کے ہو جاؤ گے

یعنی تمام مکلفین پہلے اور پچھلے تین قسم ہو جاویں گے ا۔ خواص مومنین ۲۔ عوام مومنین اور ۳ کفار کہ سورۂ رحمٰن میں بھی یہی تین قسمیں مذکور ہیں اور آئندہ آیات میں خواص کو مقربین اور سابقین کہا گیا ہے اور عوام مومنین کو اصحاب الیمین اور کفار کو اصحاب الشمال آگے ان تینوں قسموں کے احکام جدا جدا مذکور ہیں اول اجمالاً پھر تفصیلاً

فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ۬ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿۸﴾

سو جو داہنے والے ہیں وہ داہنے والے کیسے اچھے ہیں

اصحاب الیمین سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور یہ صفت اگرچہ مقربین میں بھی مشترک ہے لیکن ان کے ذکر میں صرف اسی پر اکتفا کرنا اس طرف اشارہ ہے کہ اصحاب الیمین ہونے سے زیادہ ان میں اور کوئی صفت خاص قرب کی نہیں پائی جاتی اس لئے اس سے مراد عوام مومنین ہوئے اور یہاں اجمالاً ان کی حالت کا اچھا ہونا بتلا دیا آگے فی صدر مخضود سے اس کی تفصیل کی گئی ہے۔

وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۙ۬ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿۹﴾

اور جو بائیں والے ہیں وہ بائیں والے کیسے برے ہیں

اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے نامہ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے یعنی کفار اور اس میں اجمالاً ان کی حالت کا برا ہونا بتلایا آگے فی سموم سے اس کی تفصیل کی گئی ہے

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ﴿۱۰﴾ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۱۱﴾

اور جو اعلیٰ درجہ کے ہیں وہ تو اعلیٰ ہی درجے کے ہیں (اور) وہ خدا تعالیٰ کے ساتھ) خاص قرب رکھنے والے ہیں

اس میں تمام اعلیٰ درجہ کے بندے داخل ہیں انبیاء اور اولیاء اور صدیقین اور کامل متقی اور اس میں اجمالاً ان کی حالت کا عالی ہونا بتلا دیا آگے فی جنت النعیم سے اس کی تفصیل ہے۔

فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۱۲﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾

یہ (مقرب) لوگ آرام کے باغوں میں ہوں گے ان کا ایک بڑا گروہ تو اگلے

وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۴﴾

لوگوں میں سے ہوگا اور تھوڑے سے پچھلے لوگوں میں سے ہوں گے

اگلوں سے مراد آدم علیہ السلام کے وقت سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک اور پچھلوں سے مراد حضورؐ کے وقت سے لے کر قیامت تک اور اگلوں میں مقربین کی کثرت اور پچھلوں میں کمی کی یہ وجہ ہے کہ خواص ہر زمانہ میں کم ہوتے ہیں اور اگلوں کا زمانہ امت محمدیہ کے زمانہ سے جو کہ قیامت کے قریب پیدا ہوئے ہیں زیادہ طویل ہے پس جس قدر خواص اس زمانہ دراز میں ہوئے ہیں جن میں لاکھ یا دو لاکھ یا کم و بیش انبیاء بھی ہیں اس تھوڑے

زمانہ میں عادۃً ان سے کم ہی ہوں گے۔ آگے اس آرام کی تفصیل ہے۔

عَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ﴿١٥﴾ مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا

وہ لوگ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر تکیہ لگائے آمنے سامنے

مُتَقٰبِلِيْنَ ﴿١٦﴾ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ﴿١٧﴾

بیٹھے ہوں گے ان کے آس پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے یہ چیزیں لے کر آمدورفت کیا کریں گے

غلمان کے بارہ میں راجح قول جس کو خازن نے صحیح اور ظنی طور پر حق کو اس میں منحصر کیا ہے یہ ہے کہ وہ حور کی طرح ایک مستقل مخلوق ہے اور ولدان میں ولادت کے معنی ماخوذ نہیں جس سے یہ شبہ ہو کہ وہ بطور ولادت کے پیدا ہوئے ہیں اور حکمت ان کے خادم بنانے میں محض فرحت ہے بلا شہوت کے۔

بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿١٨﴾

آبخورے اور آفتابے اور ایسا جام شراب جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا جاوے گا نہ ان

لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ﴿١٩﴾ وَفَاكِهَةٍ

کو اس سے دردسر ہوگا اور نہ اس سے عقل میں فتور ہوگا اور میوے جن کو وہ پسند کریں

مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ﴿٢٠﴾ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿٢١﴾

گے اور پرندوں کا گوشت جو ان کو مرغوب ہوگا اور ان کے لئے گوری گوری بڑی بڑی

وَحُوْرٌ عِيْنٌ ﴿٢٢﴾ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿٢٣﴾

آنکھوں والی عورتیں ہونگی (مراد حوریں ہیں) جیسے (حفاظت سے) پوشیدہ رکھا ہوا ہے

یعنی ان کی رنگت ایسی صاف شفاف ہوگی۔

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٤﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا

یہ ان کے اعمال کے صلہ میں ملے گا (اور) وہاں نہ بک بک سنیں گے

لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ﴿٢٥﴾

اور نہ کوئی بیہودہ بات

یعنی شراب پی کر یا ویسے بھی یہ باتیں عیش کو مکدر کرنیوالی نہ پائی جائینگی۔

اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿٢٦﴾

بس (ہر طرف سے) سلام ہی سلام کی آواز آوے گی

جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے والملئكة يدخلون عليهم من كل باب سلام عليكم و قوله تعالىٰ تحيتهم فيها سلام اور ہر طرف سے سلام کی آواز آنا اکرام وتعظیم کی دلیل ہے غرض روحانی جسمانی ہر طرح کی لذت ومسرت اعلیٰ درجہ کی ہوگی یہ تو مقربین کی جزا کا بیان کیا گیا آگے اصحاب الیمین کی جزا کا بیان ہے۔

وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ﴿٢٧﴾

اور جو داہنے والے ہیں وہ داہنے کیسے اچھے ہیں

یہ اجمالی مضمون پہلے بھی آچکا ہے چونکہ اس کو فصل ہو گیا تھا اس لئے دوبارہ لایا گیا۔

فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿٢٨﴾ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿٢٩﴾ وَّظِلٍّ

وہ ان باغوں میں ہوں گے جہاں بیخار بیریاں ہوں گی اور تہ بتہ کیلے ہوں

مَّمْدُوْدٍ ﴿٣٠﴾ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ﴿٣١﴾ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ﴿٣٢﴾

گے اور لمبا لمبا سایہ ہوگا اور چلتا ہوا پانی ہوگا اور کثرت سے میوے ہوں گے

لَّا مَقْطُوْعَةٍ

جو نہ ختم ہوں گے

جیسے دنیا کے میوے فصل تمام ہونے سے تمام ہو جاتے ہیں۔

وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿٣٣﴾

اور نہ ان کی روک ٹوک ہوگی

جیسے دنیا میں باغ والے اس کی روک تھام کرتے ہیں۔

وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿٣٤﴾

اور اونچے اونچے فرش ہوں گے

کیونکہ جن درجوں میں وہ بچھے ہوں گے وہ درجے بلند ہوں گے اور چونکہ اس مقام پر عیش وآرام کا ذکر ہے اور عیش وآرام بدون عورتوں کے کامل نہیں ہوتا اس وجہ سے ان اسباب عیش کے ذکر سے عورتوں کا وہاں ہونا بھی معلوم ہو گیا پس آگے بہشتی عورتوں کی طرف ضمیر راجع کر کے ان کا ذکر فرمایا جاتا ہے۔

اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿٣٥﴾

ہم نے (وہاں کی) ان عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے

یہ عام ہے حوروں کو بھی اور دنیا کی عورتوں کو بھی جیسا کہ ترمذی وغیرہ میں مرفوعاً روایت ہے ان المنشات التی کن فی الدنیا عجائز عمشارمصا کہ خاص طور پر بنائی ہوئی عورتیں وہ بھی ہیں جو دنیا میں بوڑھی چوندھی بدصورت تھیں۔

فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿۳۶﴾

یعنی ہم نے ان کو ایسا بنایا کہ وہ کنواریاں ہیں

یعنی بعد مجامعت کے پھر کنواری ہو جائیں گی کذا فی الدر عن ابی سعید مرفوعاً۔

عُرُبًا

محبوبہ ہیں

یعنی حرکات وشمائل وناز وانداز وحسن وجمال سب چیزیں ان کی دلکش ہیں۔

اَتْرَابًا ﴿۳۷﴾ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۳۸﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ

ہم عمر ہیں یہ سب چیزیں داہنے والوں کے لئے ہیں ان (اصحاب الیمین) کا

الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۰﴾

ایک بڑا گروہ اگلے لوگوں میں ہوگا اور ایک بڑا گروہ پچھلے لوگوں

بلکہ پچھلوں میں اصحاب الیمین کی تعداد اگلوں سے زیادہ ہوگی کیونکہ احادیث میں تصریح ہے کہ اس امت کے مومنین پہلی امتوں کے مجموعہ مومنین سے زیادہ ہوں گے اور اس کی یہی صورت ہے کہ اصحاب الیمین اس امت میں ان سے زیادہ ہوں کیونکہ مقربین کا اگلوں میں زیادہ ہونا تو اوپر کی آیت سے معلوم ہو چکا ہے اور جب اصحاب الیمین مرتبہ میں مقربین سے کم ہیں تو ان کی جزا بھی کم ہوگی چنانچہ مقربین کی جزا میں زیادہ تر وہ سامان عیش بیان کیا گیا ہے جو شہر والوں کو زیادہ مرغوب ہوتا ہے اور اصحاب الیمین کی جزا میں زیادہ تر وہ سامان عیش مذکور ہوا ہے جو گاؤں والوں کو زیادہ مرغوب ہے پس اس طرف اشارہ ہو گیا کہ ان میں ایسا تفاوت ہوگا جیسا کہ شہر والوں اور دیہات والوں میں کذا فی الروح آگے کفار کا اور ان کے عذاب کا ذکر ہے۔

وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾ فِيْ

میں ہوگا اور جو بائیں والے ہیں وہ بائیں والے کیسے برے ہیں وہ لوگ

سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ ﴿۴۲﴾ وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ﴿۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ

آگ میں ہوں گے اور کھولتے ہوئے پانی میں اور سیاہ دھوئیں کے سایہ میں

وَّلَا كَرِيْمٍ ﴿۴۴﴾

جو نہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ فرحت بخش ہوگا

یعنی سایہ سے ایک تو جسمانی نفع ہوتا ہے راحت اور ٹھنڈک اور ایک روحانی نفع ہوتا ہے لذت وفرحت وہاں دونوں نہ ہوں گے آگے اس عذاب کی وجہ بیان فرماتے ہیں۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَكَانُوْا

وہ لوگ ان کے قبل (یعنی دنیا میں) بڑی خوشحالی میں رہتے تھے اور بڑے

يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ﴿۴۶﴾

بھاری گناہ (یعنی شرک وکفر) پر اصرار کیا کرتے تھے

یعنی اس خوشحالی کے غرہ میں ایمان نہ لاتے تھے۔

وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا

اور یوں کہا کرتے تھے کہ جب ہم مر گئے اور مٹی ہڈیاں (ہوکر) رہ گئے تو کیا

وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۴۷﴾ اَوَاٰبَآؤُنَا

(اس کے بعد) ہم دوبارہ زندہ کئے جاویں گے اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا

الْاَوَّلُوْنَ ﴿۴۸﴾

بھی (زندہ کئے جاویں گے)

غرض کہ قیامت کے انکار کو کفر میں زیادہ دخل تھا۔

ربط: اوپر عذاب کی علت بیان فرماتے ہوئے کفار کا شرک وکفر اور انکار قیامت نقل فرمایا ہے آگے خدا کے بعض تصرفات یاد دلا کر اس کفر و انکار کو اس طرح باطل فرماتے ہیں کہ دیکھو یہ تصرفات نعمت بھی ہیں پھر شرک وکفر کیسے کرتے ہو اور قدرت کے دلائل بھی ہیں پھر قیامت کے ممکن ہونے کے کیسے منکر ہوتے ہو نحن خلقنکم تا ربک العظیم

قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۹﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ

آپ کہہ دیجئے کہ سب اگلے اور پچھلے جمع کئے جاویں گے

اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا

ایک معین تاریخ کے وقت پھر (جمع ہونے کے بعد)

الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿۵۱﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ

تم کو اے گمراہو جھٹلانے والو درخت زقوم سے

شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿۵۲﴾ فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا

کھانا ہو گا پھر اس سے پیٹ بھرنا ہو گا پھر اس پر کھولتا

الْبُطُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ﴿۵۴﴾

ہوا پانی پینا ہوگا پھر پینا بھی پیاسے اونٹوں کا سا (غرض) ان لوگوں کی

فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ﴿۵۵﴾ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ

قیامت کے روز یہ دعوت ہوگی ہم نے تم کو (اول بار) پیدا کیا ہے

الدِّيْنِ ﴿۵۶﴾ نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿۵۷﴾

(جس کو تم بھی تسلیم کرتے ہو) پھر تم تصدیق کیوں نہیں کرتے

یعنی اس کے نعمت ہونے کی وجہ سے توحید کو کیوں نہیں مانتے اور دلیل قدرت ہونے کی وجہ سے دوبارہ زندہ ہونے کی کیوں نہیں تصدیق کرتے۔

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿۵۸﴾ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ

اچھا پھر یہ بتلاؤ تم جو عورتوں کے رحم میں منی پہنچاتے ہو اس کو

اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾

تم آدمی بناتے ہو یا ہم بنانے والے ہیں

اور ظاہر ہے کہ ہم ہی بناتے ہیں۔

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ

ہم ہی نے تمہارے درمیان موت کو (معین وقت پر) ٹھہرا رکھا ہے

مطلب یہ کہ بنانا اور اس بنائے ہوئے کو ایک خاص وقت تک باقی رکھنا یہ سب ہمارا ہی کام ہے آگے یہ بتلاتے ہیں کہ جس طرح ذات کا پیدا کرنا اور باقی رکھنا ہمارا کام ہے اسی طرح تمہاری صورت کا باقی رکھنا جس پر راحت و آرام اور ذات سے منفعت حاصل کرنے کا مدار ہے یہ بھی ہمارا ہی کام ہے۔

وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۶۰﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ

اور ہم اس سے عاجز نہیں ہیں کہ تمہاری جگہ اور تم

اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾

جیسے آدمی پیدا کر دیں اور تم کو ایسی صورت میں بنا دیں جن کو تم جانتے بھی نہیں

یعنی مثلاً آدمی سے جانور کی صورت میں مسخ کر دیں جس کا گمان بھی نہ ہو آگے تنبیہ ہے کہ ان باتوں سے قدرت پر استدلال کرنا چاہئے

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾

اور تم کو اول پیدائش کا علم حاصل ہے پھر تم کیوں نہیں سمجھتے

کہ سمجھ کر اس نعمت کا شکر کرو یعنی توحید کو مانو اور قیامت پر بھی استدلال کرو آگے ایک دوسری تنبیہ ہے۔

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿۶۳﴾ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ

اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ تم جو کچھ (تخم وغیرہ) بوتے ہو اس

اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿۶۴﴾

کو تم اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں

یعنی بیج ڈالنے میں تو تم کو کچھ دخل ہے بھی لیکن اس کو زمین سے نکالنا یہ کس کا کام ہے آگے بتلاتے ہیں کہ جس طرح اس کا پیدا ہونا قدرت پر موقوف ہے اس سے منتفع ہونا بھی قدرت پر موقوف ہے۔

لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا

اور اگر ہم چاہیں تو اس پیداوار کو چورا چورا کر دیں

یعنی دانہ کچھ نہ پڑے پتی خشک ہو کر ریزہ ریزہ ہو جائے۔

فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿۶۶﴾

پھر تم متعجب ہو کر رہ جاؤ گے کہ (اب کے تو) ہم پر تاوان ہی پڑ گیا

یعنی سرمایہ میں نقصان آ گیا۔

بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۶۷﴾ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ

بلکہ بالکل ہی محروم رہ گئے (یعنی سارا ہی سرمایہ گیا گزرا)

الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿۶۸﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ

اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو اس کو

مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿۶۹﴾

بادل سے تم برساتے ہو یا ہم برسانے والے ہیں

آگے پھر اس کی بابت بھی بتلاتے ہیں کہ اس سے منتفع ہونا بھی قدرت پر موقوف ہے۔

لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

اگر ہم چاہیں اس کو کڑوا کر ڈالیں سو تم شکر کیوں نہیں کرتے

اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ﴿۷۱﴾ ءَاَنْتُمْ

اچھا پھر یہ بتلاؤ جس آگ کو تم سلگاتے ہو اس کے

اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ

درخت کو تم نے پیدا کیا ہے

جس میں سے یہ جھڑتی ہے جس کا بیان سورۂ یٰسٓ کے اخیر میں آچکا ہے اور اسی طرح جن ذرائع سے یہ پیدا ہوتی ہے ان ذرائع کو کس نے پیدا کیا ہے۔

اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ﴿۷۲﴾ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا

یا ہم پیدا کرنے والے ہیں ہم نے اس کو یاد دہانی

تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿۷۳﴾

کی چیز اور مسافروں کے فائدے کی چیز بنایا ہے

کہ اس سے دوزخ کی آگ کا نمونہ معلوم ہوتا ہے یہ دینی فائدہ ہے اور سفر وغیرہ میں اس سے کام نکلتے ہیں یہ دنیوی فائدہ ہے اور مسافر کی تخصیص اس لئے کی کہ سفر میں آگ کمیاب ہونے سے بڑی عجیب چیز معلوم ہوتی ہے اور سفر میں اس کی بہت قدر رہتی ہے۔

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾ الثلثۃ ع

سو آپ عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے

کیونکہ ذات وصفات کا کامل ہونا اس کو مقتضی ہے کہ ایسا خدا حمد وثنا کا ضرور مستحق ہے اور یہ سب نعمتیں توحید کو بھی ثابت کرتی ہیں اور قیامت کے ممکن ہونے کے بھی دلائل ہیں۔ ربط اوپر توحید اور قیامت پر دلائل عقلیہ بیان کئے گئے ہیں چونکہ ان لوگوں کو قرآن میں بھی کلام تھا جس میں یہ سب دلائل بیان ہوئے ہیں اس لئے آگے قرآن کی حقانیت ثابت کرتے ہیں اس طرح عقلی دلائل کے ساتھ نقلی دلیل بھی قائم ہوجائے گی جس سے قیامت کا واقع ہونا ثابت ہوتا ہے اس کے بعد پھر قیامت اور جزا وسزا کا واقع ہونا اور کسی قدر اس کی مختصر تفصیل ارشاد ہے اور اس مضمون سے توحید بھی ثابت ہوتی ہے فلا اقسم تا ربک العظیم

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهٗ

سو میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے چھپنے کی

لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿۷۶﴾

اور اگر تم غور کرو تو یہ ایک بڑی قسم ہے

یہاں ستاروں کے چھپنے کی قسم کھانا ویسا ہی ہے جیسے سورۂ والنجم کے شروع میں جس میں اشارہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رہنما ہونے کی طرف جیسا کہ ستاروں سے راستہ معلوم کیا کرتے ہیں اور قسمیں جتنی قرآن میں ہیں بوجہ مقصود پر دلالت کرنے کے سب ہی بڑی ہیں لیکن کہیں کہیں مقصود کے اہتمام کے لئے اور اس پر زیادہ تنبیہ کرنے کے واسطے بڑے ہونے کی تصریح بھی کردی۔

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۷﴾ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾

کہ یہ ایک مکرم قرآن ہے جو ایک محفوظ کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں درج

لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾

ہے کہ اس کو بجز پاک فرشتوں کے کوئی ہاتھ نہیں لگانے پاتا

جب ہاتھ نہیں لگا سکتا تو اس کے مضامین پر مطلع ہونا تو کہاں ممکن ہے پھر وہاں سے یہاں خاص طور پر آنا فرشتہ ہی کے ذریعہ سے ہے اور یہی ثبوت ہے اور خاص طور پر کی قید اس لئے بڑھائی کہ لوح محفوظ پر بواسطہ کشف کے یا فرشتے کے خبر دینے کے ذریعہ مطلق اطلاع ہونے سے نبوت لازم نہیں آتی اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ نبی کے سوا کسی کے لئے ایسا ہو بھی سکتا ہے ورنہ اس قید ہی کی ضرورت نہیں اور شیاطین لوح محفوظ کے مضامین کو نہیں لا سکتے تاکہ کہانت وغیرہ کا احتمال نبوت میں ہو سکے اس سے ثابت ہوا کہ قرآن خدا کی طرف سے ہے۔

تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ

یہ رب العالمین کی طرف سے بھیجا ہوا ہے سو کیا تم لوگ

اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿۸۱﴾

اس کلام کو سرسری بات سمجھتے ہو

کہ اس کی تصدیق کو واجب نہیں جانتے۔

وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾

اور تکذیب کو اپنی غذا بنا رہے ہو

اس لئے توحید کا اور قیامت کے آنے کا بھی انکار کرتے ہو۔

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿٨٣﴾ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ

سو جس وقت روح حلق تک آ پہنچتی ہے اور تم اس وقت تکا کرتے ہو اور ہم

تَنْظُرُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ

(اس وقت) اس مرنے والے) شخص کے تم سے بھی زیادہ نزدیک ہوتے ہیں

یعنی تم سے بھی زیادہ اس کے حال سے واقف ہوتے ہیں کیونکہ تم تو صرف ظاہری حالت دیکھتے ہو اور ہم اس کی باطنی حالت پر بھی مطلع ہوتے ہیں۔

وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿٨٥﴾

لیکن تم سمجھتے نہیں ہو

یعنی علم کے اعتبار سے تم ہمارے نزدیک ہونے کو بوجہ جہل اور کفر کے نہیں سمجھتے ہو۔

فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿٨٦﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ

(فی الواقع) اگر تمہارا حساب کتاب ہونے والا نہیں ہے تو تم اس روح کو (بدن کی طرف) پھر کیوں نہیں لوٹاتے ہو

جس کی اس وقت تم کو تمنا بھی ہوا کرتی ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٨٧﴾

اگر تم سچے ہو

حاصل یہ کہ قرآن سچا ہے اور وہ قیامت کا آنا بتلاتا ہے پس دلیل موجود ہے اور مانع کوئی ہے نہیں تو قیامت کا آنا ثابت ہو گیا اور اس پر بھی تمہارا انکار کئے چلا جانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ گویا تم روح کو اپنے بس میں سمجھتے ہو کہ اگرچہ خدا تعالیٰ قیامت میں دوبارہ روح ڈالنا چاہیں مگر ہم نہ ڈالنے دیں گے اور قیامت نہ ہونے دیں گے جب ہی تو ایسے زور سے انکار کرتے ہو ورنہ جو اپنے کو عاجز جانے وہ دلائل کے بعد ایسے زور کی بات کیوں کہے سو اگر تم روح کو اپنے بس میں سمجھتے ہو تو ذرا اپنا زور اسی وقت دکھلا دو جب کہ موت کے قریب مرنے والے کو زندہ رہنے کی تم کو تمنا بھی ہوتی ہے اور دیکھ دیکھ کر رحم بھی آتا ہے جب اس پر بس نہیں کہ روح کو نکلنے نہ دو تو قیامت کے روکنے پر بھی تمہارا بس نہیں جو روح کو اندر سے باہر نکالتا ہے وہ باہر سے اندر بھی دوبارہ داخل کر سکتا ہے پھر ایسے بیہودہ دعوے کیوں کرتے ہو اور اس تقریر سے چونکہ قدرت کا ثبوت بھی ہو گیا اس لئے قیامت کے ساتھ یہ توحید کی بھی دلیل ہے آگے جزا و سزا کی کیفیت ارشاد فرماتے ہیں۔

فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿٨٨﴾ فَرَوْحٌ

پھر (جب قیامت واقع ہوگی تو) جو شخص مقربین میں سے ہوگا اس کے لئے

وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿٨٩﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ

راحت ہے اور (فراغت کی) غذائیں ہیں اور آرام کی جنت ہے اور جو شخص

مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٩٠﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ

داہنے والوں میں سے ہوگا (تو اس سے کہا جائے گا کہ تیرے لئے امن و امان ہے

اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٩١﴾

کہ داہنے والوں میں سے ہے

اور یہ بات یا تو شروع ہی میں کہی جاوے گی اگر فضل و رحمت یا توبہ کے سبب اول ہی مغفرت ہو جائے یا بعد میں کہی جائیگی اگر سزا کے بعد مغفرت ہو اور یہاں راحت و آرام کے ذکر نہ فرمانے کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے لئے راحت و آرام نہ ہوگا بلکہ اشارہ اس طرف ہے کہ مقربین سے ان باتوں میں یہ لوگ کم ہوں گے۔

وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿٩٢﴾

اور جو شخص جھٹلانے والوں اور گمراہوں میں سے ہو گا

فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿٩٣﴾ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿٩٤﴾

تو کھولتے ہوئے پانی سے اس کی دعوت ہوگی اور دوزخ میں داخل ہونا

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿٩٥﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ

ہوگا بے شک (جو کچھ مذکور ہوا) تحقیقی یقینی بات ہے سو اپنے اس عظیم

رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٩٦﴾

الشان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے

سورة الحديد مدنية الاصدرها الى قوله مستخلفين الأية فمكى كما في الروح و هى تسع و عشرون اية

ربط: سورت سابقہ کے ختم پر اور اس کے شروع میں تسبیح ہے وہاں حکم تھا اور یہاں خبر ہے اور مقصود اس خبر سے اور دوسرے افعال و صفات کی خبر سے توحید ثابت کرنا ہے بسم الله الرحمن الرحيم سبح لله تا بذات الصدور

(۵۷) سُوْرَةُ الْحَدِيْدِ مَدَنِيَّةٌ (۹۴)

سورہ حدید مدینہ میں نازل ہوئی اور اس میں انتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ

اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں سب جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

زبردست اور حکمت والا ہے اس کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی وہی

وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

حیات دیتا ہے اور (وہی) موت دیتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے (سب

قَدِيْرٌ ② هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ

مخلوق سے) وہی پہلے ہے اور وہی پیچھے

یعنی سب کے فنا کے بعد وہی رہے گا نہ اس پر پہلے عدم طاری ہوا جیسے سب مخلوق پر طاری ہوا ہے اور نہ آئندہ اس پر عدم پہنچ سکتا ہے جیسا کہ عالم فنا ہونے کے وقت مخلوق پر پہنچے گا اور نہ اس پر ظاہر میں عدم آ سکتا ہے نہ ذات کے مرتبہ میں جیسا کہ جنت اور دوزخ والے جنت اور دوزخ میں جانے کے بعد باوجود ہمیشہ زندہ رہنے کے پھر بھی ذات کے مرتبہ میں معدوم ہیں کیونکہ مخلوق ہر حال میں ممکن ہے خواہ وہ ہمیشہ ہی کیلئے زندہ رہے اور ممکن اپنی ذات کے درجہ میں وجود سے خالی ہے اور جو کچھ اس کا ظاہری وجود ہے وہ اس کا ذاتی نہیں ہے بلکہ خدا کا دیا ہوا ہے اور حق تعالیٰ کی ذات کے لئے وجود ہمیشہ ضروری ہے کیونکہ وہ اس کا ذاتی وجود ہے پس اسی وجہ سے سب سے آخر وہی ہے۔

وَالظَّاهِرُ

اور وہی ظاہر ہے

یعنی دلائل سے اس کا مطلق وجود بہت ظاہر ہے۔

وَالْبَاطِنُ ۚ

اور وہی مخفی

یعنی حقیقت کے اعتبار سے نہایت پوشیدہ ہے کوئی اس کی ذات کا ادراک نہیں کر سکتا۔

وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ③

اور وہی ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے

یعنی مخلوق کو تو اس کا علم کسی قدر ہے اور کسی قدر نہیں لیکن اس کو مخلوق کا پوری طرح علم ہے۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ

وہ ایسا ہے کہ جس نے آسمان اور زمین کو چھ روز

اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ

(کی مقدار) میں پیدا کیا پھر تخت پر قائم ہوا

مراد احکام کا نافذ کرنا ہے۔

يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا

وہ سب کچھ جانتا ہے جو چیز زمین کے اندر داخل ہوتی ہے (مثلاً بارش) اور جو چیز اس سے

وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۚ

نکلتی ہے (مثلاً نباتات) اور جو چیز آسمان سے اترتی ہے اور جو چیز اس میں چڑھتی ہے

مثلاً فرشتے اترتے چڑھتے ہیں اور مثلاً احکام نازل ہوتے ہیں اور اعمال آسمان کی طرف چڑھتے ہیں اور جس طرح ان چیزوں کا اس کو علم ہے اسی طرح تمہارے احوال کا بھی اس کو علم ہے

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۚ

وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے خواہ تم لوگ کہیں بھی ہو

یعنی علم کے اعتبار سے وہ تمہارے ساتھ ہے تم کسی جگہ اس سے چھپ نہیں سکتے۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ④ لَهٗ مُلْكُ

اور وہ تمہارے سب اعمال کو بھی دیکھتا ہے اسی کی سلطنت ہے آسمانوں اور

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ⑤

زمین کی اور اللہ ہی کی طرف سب امور لوٹ جائیں گے

یعنی قیامت میں سب پیش ہو جائیں گے اس میں توحید کے ساتھ ضمناً قیامت کا ثبوت بھی ہو گیا اور سلطنت کا ذکر اوپر اس بات کے ثابت کرنے کے لئے ہے کہ خدا ہی جلاتا اور مارتا ہے اور یہاں قیامت کے ثابت کرنے کے لئے ہے بس تکرار نہیں ربط اوپر توحید کو ثابت کیا تھا آگے

توحید کے قبول کرنے کا حکم اور اس کے ساتھ رسول ؐ پر ایمان لانے کا حکم
ہے کیونکہ بدون اس کے رسول کی سننے والوں کو صرف توحید سے نجات نہیں
ہو سکتی اور اس کے ساتھ اللہ کی راہ میں یعنی جہاد میں خرچ کرنے کا بھی حکم
ہے جو کہ کمال ایمان کی علامت ہے اور اشاعت اسلام میں معین ہے جو کہ
جہاد سے اصل مقصود ہے پس حال یہ ہوگا کہ خود بھی ایمان لاؤ اور دوسروں
کے ایمان لانے کے واسطے بھی کوشش کرو ۱منوا باللہ تا اجر کریم

يُولِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي

وہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے (جس سے دن بڑا ہو جاتا ہے) اور وہی دن کو رات

الَّيْلِ ۭ وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۶

میں داخل کرتا ہے (جس سے رات بڑی ہو جاتی ہے) اور وہ دل کی باتوں (تک) کو

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا

جانتا ہے تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ (ایمان لا کر) جس مال میں تم

جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ۭ

کو اس کے قائم مقام بنایا ہے اس میں سے (اس کی راہ میں) خرچ کرو

قائم مقام بنانے کے عنوان میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ مال تم سے
پہلے کسی اور کے پاس تھا اور اسی طرح تمہارے بعد اور کسی کے ہاتھ میں چلا
جائے گا پس جب سدا رہنے والی چیز نہیں تو اس کو اس طرح جوڑ جوڑ کر رکھنا
کہ ضروری جگہ بھی خرچ نہ کیا جائے محض حماقت ہے

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ

سو جو لوگ تم میں سے ایمان لے آئیں اور خرچ کریں ان کو بڑا ثواب ہوگا

كَبِيْرٌ ۝۷ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ

اور تمہارے لئے اس کا کون سبب ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ

يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ

رسول تم کو اس بات کی طرف بلا رہے ہیں کہ تم اپنے رب پر

مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۸

ایمان لاؤ اور خود خدا نے تم سے عہد لیا اگر تم کو ایمان لانا ہو

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت دلائل سے ثابت ہے پس
ایمان لانے کا ایک قوی داعی تو یہ موجود ہے۔
یعنی میثاق الست میں جس کا کسی قدر اثر تمہاری فطرت میں اب بھی موجود
ہے اور رسول ؐ نے اس کی یاد دہانی بھی کی جن کی معجزات سے تائید کی گئی ہے۔
تب تو یہ اسباب کافی ہیں ورنہ پھر ایمان لانے کے لئے کس داعی کا
انتظار ہے آگے رسول کے بلانے کی اور شرح فرماتے ہیں۔

هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰي عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ

اور (رحیم) ایسا ہے کہ اپنے بندے (خاص محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر صاف

لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَاِنَّ

صاف آیتیں بھیجتا ہے تا کہ وہ تم کو (کفر و جہل کی) تاریکیوں سے روشنی کی

اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۹

طرف لاوے اور بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے حال پر بڑا شفیق مہربان ہے

کہ اس نے ایسا رسول جہل کی تاریکیوں سے نکالنے والا اور علم و حقائق
کی روشنی کی طرف لانے والا تمہارے پاس بھیجا اور اس مضمون میں تو
ایمان نہ لانے پر سوال تھا آگے خرچ نہ کرنے پر سوال ہے۔

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ

اور تمہارے لئے اس کا کون سبب ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے

مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ

حالانکہ سب آسمان زمین اخیر میں اللہ ہی کا رہ جائے گا

جب کہ سب مالک مر جاویں گے اور وہی رہ جاوے گا پس جب سب مال
ایک روز چھوڑنا ہے تو خوشی سے کیوں نہ دیا جائے کہ ثواب بھی ہو اور آسمان کا ذکر کرنا
باوجودیکہ کوئی مخلوق اس کی مالک نہیں شاید یہ بتلانے کے لئے ہو کہ جیسے آسمان بلا
کسی کی شرکت کے اسی کی ملک ہے اسی طرح زمین بھی بلا کسی کی شرکت کے اسی کی
ملک ہے آگے خرچ کرنے والوں کے درجوں کا تفاوت بتلاتے ہیں کہ اگرچہ خرچ
کرنے کا سب کو ثواب ملے گا لیکن پھر بھی بعض وجوہ سے درجوں میں تفاوت ہے۔

لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ

جو لوگ فتح مکہ سے پہلے (فی سبیل اللہ) خرچ کر چکے اور لڑ چکے اور جو اس کے

الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ

بعد لڑے اور خرچ کیا (دونوں) برابر نہیں وہ لوگ درجہ میں ان لوگوں سے بڑے

الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا ؕ وَكُلًّا

ہیں جنہوں نے (فتح مکہ کے) بعد میں خرچ کیا اور لڑے اور (یوں) اللہ تعالیٰ

وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

نے بھلائی (یعنی ثواب) کا وعدہ سب سے کر رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے

خَبِيْرٌ ﴿۱۰﴾ ع

سب اعمال کی پوری خبر ہے

اس لئے ثواب دونوں وقت کے عمل پر دیں گے اور فتح مکہ سے پہلے اور بعد میں خرچ کرنے میں تفاوت کی وجہ روح میں یہ لکھی ہے کہ فتح مکہ سے پہلے جان و مال سے مدد کرنے کی زیادہ حاجت تھی کیونکہ مسلمان کم تھے اور دشمن زیادہ تھے اور غنیمت وغیرہ کی بھی امید نہ تھی اس لئے اس وقت خرچ کرنا اور لڑنا زیادہ نافع اور نفس پر گراں بھی زیادہ تھا۔ فتح مکہ کے بعد ان باتوں میں تفاوت ہو گیا آگے ان لوگوں کو خرچ کرنے کی رغبت دلاتے ہیں جن کو فتح سے پہلے خرچ کا موقع نہیں ملا۔

ربط: اوپر ایمان کا اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم تھا آگے بتلاتے ہیں کہ ایمان مطلوب ہے جو کامل ہو یعنی اس میں اقرار کے ساتھ دل سے بھی تصدیق ہو اس لئے منافقین کی جن کو دل سے ایمان نصیب نہ تھا محرومی اور ناکامی کا ذکر کیا گیا اس کے بعد خشوع کے چھوڑنے پر عتاب ہے جس سے اعمال میں کوتاہی ہو جاتی ہے اس کے بعد ایمان کامل کی اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی فضیلت اور اس پر بشارت ذکر کرنا مقصود ہے اگرچہ اوپر بھی اجمالاً اس کی فضیلت مذکور ہے مگر وہاں حکم کے مضبوط کرنے کے لئے تھی اور یہاں مستقل طور پر بھی مقصود ہے پھر عنوان بھی جدا ہے اس لئے تکرار نہ رہا۔ **یوم تری المومنین تا اصحب الجحیم۔**

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا

کوئی شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح قرض کے طور پر دے پھر خدا تعالیٰ

فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۱﴾ يَوْمَ تَرَى

اس (دیئے ہوئے ثواب) کو اس شخص کے لئے بڑھاتا چلا جائے اور اس کے

الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ

لئے اجر پسندیدہ ہے جس دن آپ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو

اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ

دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کی داہنی طرف دوڑتا ہوگا

یہ نور پل صراط سے گزرنے کے لئے مومن کے ساتھ ہوگا اور ایک روایت میں ہے کہ بائیں طرف بھی ہوگا تو شاید داہنی طرف کو خصوصیت کے ساتھ اس لئے بیان فرمایا ہو کہ اس طرف زیادہ قوی نور ہو اور شاید یہ علامت ہو ان کے نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں دیئے جانے کی اور سامنے نور ہونا ایسے موقع پر عادت کے موافق ہے۔

بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

آج تم کو بشارت ہے ایسے باغوں کی جن کے نیچے سے نہریں

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ

جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے (اور) یہ

الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾ ج

بڑی کامیابی ہے

یا تو یہ بات بھی اسی وقت کہی جاوے یا اس وقت خبر دینے کے طور پر کہی جا رہی ہے اور یہ بشارت دینے والے غالباً فرشتے ہیں یا حق تعالیٰ اس خطاب سے مشرف فرمائیں۔

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ

اور یہ وہ دن ہوگا) جس روز منافق مرد اور منافق عورتیں مسلمانوں سے (پل صراط) پر

اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ج

کہیں گے کہ (ذرا) ہمارا انتظار کر لو کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کر لیں

یہ اس وقت ہوگا کہ مسلمان اپنے ایمان اور اعمال کی برکت سے بہت آگے بڑھ جائیں گے اور منافقین جو کہ پل صراط پر مسلمانوں کے ساتھ چڑھائے جاویں گے پیچھے اندھیرے میں رہ جاویں گے خواہ ان کے پاس پہلے ہی سے نور نہ ہو یا ان کے پاس بھی کسی قدر نور ہو جو پھر گل ہو جاوے گا۔ جیسا ایک روایت میں ہے اور شاید ان کو نور دینے میں یہ حکمت ہو کہ یہ ان کا نفاق اور فریب کی سزا ہے کہ پہلے ان کو نور مل گیا پھر خلاف امید گم ہو گیا جیسا کہ وہ دنیا میں زبان سے ایمان کا اقرار اور ظاہر میں کچھ اعمال کرتے تھے مگر دل میں کفر چھپائے ہوئے تھے۔ غرض کہ وہ مسلمانوں سے ٹھہرنے کو کہیں گے۔

قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ

ان کو جواب دیا جائے گا کہ تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ پھر (وہاں سے) روشنی تلاش کرو

یہ جواب دینے والے خواہ فرشتے ہوں یا مومنین ہوں اور پیچھے سے مراد وہ جگہ ہے جہاں پل صراط پر چڑھنے کے وقت بوجہ سخت اندھیرے کے نور تقسیم ہوا تھا چنانچہ وہ ادھر جاویں گے اور جب وہاں بھی کچھ نہ ملے گا پھر ادھر ہی آویں گے اور اب مسلمانوں کے پاس نہ پہنچ سکیں گے۔

فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ

پھر ان (فریقین کے درمیان میں ایک دیوار قائم کر دی جائے گی جس میں

فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ؕ ﴿۱۳﴾

ایک دروازہ بھی ہوگا (جس کی کیفیت یہ ہے کہ) اس کے اندرونی جانب میں رحمت ہوگی اور بیرونی جانب کی طرف عذاب ہوگا

یہ دیوار اعراف ہے اور اندر کی جانب سے مراد مسلمانوں کی جانب ہے اور باہر کی جانب سے مراد کافروں کی جانب ہے اور رحمت سے مراد جنت اور عذاب سے مراد دوزخ ہے اور شاید یہ دروازہ بات چیت کے لئے ہو یا اسی دروازہ میں سے جنت میں جانے کا رستہ ہو۔

يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ

یہ منافق ان کو پکاریں گے کہ کیا (دنیا میں) ہم تمہارے ساتھ نہ تھے

یعنی اعمال اور طاعات میں تمہارے ساتھ شریک رہا کرتے تھے تو آج بھی رفاقت کرنا چاہئے۔

قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ

وہ مسلمان) کہیں گے کہ (ہاں) تھے تو سہی لیکن تم نے اپنے کو گمراہی میں پھنسا رکھا تھا

آگے اس گمراہی کا بیان ہے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے عداوت رکھتے تھے اور ان پر حوادث اور مصائب واقع ہونے کی تمنا کیا کرتے تھے۔

وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ

اور تم منتظر رہا کرتے تھے اور اسلام کے حق میں تم شک رکھتے تھے اور تم کو تمہاری

حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ

بیہودہ تمناؤں نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا یہاں تک کہ تم پر خدا کا حکم آ پہنچا

بے ہودہ تمنائیں یہ تھیں کہ اسلام مٹ جاوے گا اور ہمارا مذہب حق ہے اور نجات دینے والا ہے اور حکم خدا سے مراد موت ہے یعنی تم عمر بھر ان ہی کفریات پر جمے رہے توبہ بھی نہ کی تو ایسا ساتھ ہونا کس کام کا کہ محض ظاہر میں ساتھ تھے اور باطنی حالت یہ تھی۔

وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۱۴﴾

اور تم کو دھوکہ دینے والے شیطان نے اللہ کے ساتھ دھوکے میں ڈال رکھا تھا

کہ حق تعالیٰ کفر کی وجہ سے تم پر مواخذہ نہ کریں گے حاصل یہ کہ ان کفریات کی وجہ سے تمہارا اظاہر میں ہمارے ساتھ ہونا نجات کے لئے کافی نہیں۔

فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ

غرض آج نہ تم سے کوئی معاوضہ لیا جاوے گا

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ

اور نہ کافروں سے

یعنی اول تو معاوضہ دینے کے واسطے تمہارے پاس کوئی چیز نہیں لیکن بالفرض اگر ہوتی بھی تو مقبول نہ ہوتی کیونکہ یہ جزا کا مقام ہے عمل کی جگہ نہیں۔

مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ؕ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾

تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے وہی تمہارا رفیق ہے اور (واقعی) برا ٹھکانا ہے

اس تمام بیان سے ثابت ہو گیا کہ جس ایمان میں تصدیق نہ ہو وہ کالعدم ہے آگے بتلاتے ہیں کہ جس ایمان میں ضروری طاعات کی کمی ہو وہ اگرچہ کالعدم نہیں لیکن کامل بھی نہیں اس لئے اس کی تکمیل کا حکم عتاب کی صورت میں مسلمانوں کو فرماتے ہیں۔

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ

کیا ایمان والوں کے لئے اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل خدا کی نصیحت

لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ

کے اور جو دین حق منجانب اللہ) نازل ہوا ہے اس کے سامنے جھک جاویں

یعنی جو لوگ ضروری طاعات میں کوتاہی کرتے ہیں جیسے گنہگار مسلمانوں کی حالت ہوتی ہے کیا ان کے لئے ابھی اس بات کا وقت نہیں آیا کہ دل سے ضروری طاعات کی پابندی اور گناہوں کے چھوڑنے کا پختہ عزم کر لیں اور اس کو خشوع اس لئے کہا کہ اس حالت پر رہنا جو کہ اصلی حالت کے مشابہ ہے سکون ہے اور گناہوں کی طرف جانا حرکت کے مشابہ ہے۔

وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ

اوران لوگوں کی طرح نہ ہوجاویں جن کوان کے قبل کتاب آسمانی ملی تھی

کہ انہوں نے بھی اپنی کتابوں کے خلاف شہوات اور گناہوں میں انہماک شروع کردیا۔

فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ ط

(یعنی یہود ونصاریٰ) پھر (اسی حالت میں) ان پر زمانہ دراز گزر گیا اورتوبہ نہ کی پھران کے دل (خوب ہی) سخت ہوگئے

کہ ندامت اوراضطراری ملامت بھی دل میں پیدا نہ ہوتی تھی۔

وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُونَ ﴿۱۶﴾

اوربہت سے آدمی ان میں کے (آج) کافر ہیں

کیونکہ گناہوں سے قساوت پیدا ہوکر پھران کی عادت ہوجاتی ہے اوران پراصرار کرنے سے پھران کواچھا سمجھنے لگتے ہیں جس سے حق بات قبول کرنے سے عاراور نبی ناصح سے عداوت پیدا ہوکر کفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے آگے فرماتے ہیں کہ اگرتم لوگوں کے دلوں میں گناہوں سے کوئی خرابی کسی قدر پیدا ہوگئی ہوتواس وہم سے توبہ سے نہ رکو کہ اب توبہ سے کیا اصلاح ہوگی۔

اِعْلَمُوٓا أَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ط

یہ بات جان لو کہ اللہ تعالیٰ زمین کواس کے خشک ہوئے پیچھے زندہ کردیتا ہے

جب اس کی ایسی شان ہے تواسی طرح توبہ کرنے پر اپنی رحمت سے مردوں کوزندہ اوردرست کرسکتا ہے پس مایوس نہ ہونا چاہئے۔

قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۱۷﴾

ہم نے تم سے اس کے نظائر بیان کردیئے ہیں تاکہ تم سمجھو

نمونہ سے مراد یہی زمین کازندہ کرنا ہے اورشاید جمع کا صیغہ اس لئے لایا گیا ہوکہ یہ نظیر بار بار پیش آتی رہتی ہے اس لئے بمنزلہ نظائر کی ہوگئی آگے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی فضیلت ارشاد ہے۔

إِنَّ الْمُصَّدِّقِينَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَأَقْرَضُوا

بلاشبہ صدقہ دینے والے مرداورصدقہ دینے والی عورتیں اور (یہ صدقہ دینے

اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ

والے) اللہ کوخلوص کے ساتھ قرض دے رہے ہیں وہ صدقہ (باعتبار ثواب

کَرِيمٌ ﴿۱۸﴾ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ

کے) ان کے لئے بڑھادیا جاوے گا اوران کے لئے اجر پسندیدہ ہے اور جو لوگ اللہ پراوراس کے رسولوں پرایمان رکھتے ہیں

جس کا ضروری ہونا اوپر معلوم ہوا ہے کہ اس میں تصدیق اور پابندی طاعات کی کامل طریقہ پرہو

أُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ

ایسے ہی لوگ اپنے رب کے نزدیک صدیق

عِنْدَ رَبِّهِمْ ط

اورشہید ہیں

یعنی یہ کمال کے مرتبے ایمان کامل ہی کی بدولت حاصل ہوتے ہیں اورشہید کا مطلب یہ ہے کہ اپنی جان اللہ کے راستہ میں دے دے اگرچہ قتل ہونا اختیار سے باہر ہے۔

لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ ط وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا

ان کے لئے (جنت میں) ان کا اجر (خاص) اور (صراط پر) ان کا نور (خاص)

بِاٰيٰتِنَآ أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ الْجَحِيمِ ﴿۱۹﴾ ع

ہوگا اور جولوگ کافر ہوئے اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا یہی لوگ دوزخی ہیں

اور پل صراط پر کافروں کا حال اس لئے نہیں بیان کیا کہ وہ ادخلوا ابواب جھنم کے ظاہر معنی کے موافق پل صراط پر نہ چڑھیں گے بلکہ دروازہ سے داخل ہوں گے شاہ عبدالقادر صاحب نے اس کی تصریح فرمائی ہے اوردرمنثور کے بعض تصریحات بھی اس مقام پران کے موید ہیں۔ ربط اوپرآخرت کے عذاب وثواب کا ذکرتھا آگے آخرت کا باقی ہونا اوراس کا اہتمام واجب ہونا اوردنیا کا ناقابل التفات اورفانی ہونا بتلاتے ہیں کہ دنیا کی مشغولی ہی آخرت کے اہتمام سے روکتی ہے۔ اعلموا انما تا العظیم

اِعْلَمُوٓا أَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ

تم خوب جان لو کہ (آخرت کے مقابلہ میں) دنیوی حیات محض لہو ولعب اور

وَّزِينَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ

(ایک ظاہری) زینت اور باہم ایک دوسرے پرفخر کرنا اوراموال اوراولاد

وَالْاَوْلَادِ ؕ

میں ایک دوسرے سے زیادہ بتلانا ہے

یعنی دنیا کے مقاصد یہ ہیں کہ بچپن میں لہو ولعب کا غلبہ رہتا ہے اور جوانی میں زینت اور فخر کا اور بڑھاپے میں مال و دولت و اولاد کی شمار کا اور یہ سب مقاصد فانی اور محض خواب وخیال ہیں جس کی آگے ایک مثال بیان ہوتی ہے۔

كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ

جیسے مینہ (برستا) ہے کہ اس کی پیداوار (کھیتی) کاشتکاروں کو اچھی معلوم ہوتی

فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ؕ

ہے پھر وہ خشک ہو جاتی ہے پھر اس کو تو زرد دیکھتا ہے پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے

اسی طرح دنیا چندروزہ بہار ہے پھر زوال اور فنا ہے یہ تو دنیا کی حالت ہوگئی۔

وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ

اور آخرت (کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں عذاب شدید ہے اور یہ خدا کی

اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ

طرف سے مغفرت اور رضامندی ہے اور دنیوی زندگانی محض دھوکے کا

الْغُرُوْرِ ﴿۲۰﴾ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ

اسباب ہے تم اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف دوڑو اور (نیز) ایسی جنت

وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ

کی طرف جن کی وسعت آسمان اور زمین کی وسعت کے برابر ہے وہ ان

اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ

لوگوں کے واسطے تیار کی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے

فَضْلُ اللّٰهِ

ہیں یہ اللہ کا فضل ہے

اس میں اشارہ ہے کہ اپنے اعمال پر کوئی مغرور نہ ہو اور اپنے اعمال پر جنت کے استحقاق کا دعویٰ نہ کرے یہ محض فضل وانعام ہے جس کا مدار مشیت پر ہے مگر حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ان اعمال کے بجالانے والوں کے ساتھ اپنی مشیت متعلق کردی ہے اگر چاہتے نہ بھی کرتے کیونکہ قدرت دو جانبوں کے ساتھ متعلق ہوا کرتی ہے۔ ربط دنیا کی دو حالتیں ہیں راحت اور تکلیف اور یہ دونوں مختلف حیثیتوں سے آخرت کی فکر سے مانع ہو جاتی ہیں اوپر راحت ونعمت کا ذکر تھا کہ ان کے فنا کو پیش رکھ کر آخرت سے غفلت نہ چاہئے آگے تکلیف اور مصیبت کا ذکر ہے کہ ان کے مقدر ہونے کو پیش نظر رکھ کر آخرت سے بے رخی نہ کرنا چاہئے اور چونکہ نعمت سے فخر وبخل وغیرہ بری بری صفات پیدا ہو جاتی ہیں جن سے کبھی حق سے اعراض کی نوبت آ جاتی ہے اس لئے ان پر وعید بھی فرماتے ہیں مااصاب تا الحمید

يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾

وہ اپنا فضل جس کو چاہیں عنایت کریں اور اللہ بڑے فضل والا ہے

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ

کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے اور نہ خاص تمہاری جانوں میں مگر وہ ایک

اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ

کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں لکھی ہے قبل اس کے کہ ہم ان جانوں کو پیدا کریں

یعنی تمام مصیبتیں ظاہری اور باطنی وہ سب مقدر ہیں۔

اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۲۲﴾ صلے

یہ اللہ کے نزدیک آسان کام ہے

کہ واقع ہونے سے پہلے ہی سب کو لکھ دیا کیونکہ اس کو علم غیب حاصل ہے۔

لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ

اور تا کہ جو چیز تم کو عطا فرمائی ہے اس پر اتراؤ نہیں

اس کی نسبت بھی یہی سمجھنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے فضل ورحمت سے ان چیزوں کا عطا فرمانا ہمارے لئے تجویز کر دیا تھا اور اسی نے ہم کو دی ہے پس اتراوے وہ جس کا ذاتی استحقاق ہو اور جب دوسرے کی مشیت اور حکم سے ایک چیز ملی ہے اس پر اترانے کا کیا حق ہے۔

وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ؕ

تمہیں یہ بات اس واسطے بتلا دی تا کہ جو چیز تم سے جاتی رہے تم اس پر رنج (اتنا) نہ کرو

کہ آخرت کے کاموں اور خدا کی رضا حاصل کرنے سے مانع ہو جائے اور طبعی رنج کا مضائقہ نہیں۔

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ﴿۲۳﴾ الَّذِيْنَ

اور اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا جو ایسے ہیں کہ (حب دنیا کی وجہ

يَبْخَلُوْنَ وَيَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ط

سے) خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کی تعلیم کرتے ہیں

یعنی جن حقوق میں صرف کرنا خدا کو پسند ہے ان میں صرف نہیں کرتے اگر چہ اپنی شہوات اور گناہوں میں کتنا ہی اسراف اور فضول خرچی کریں۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ وعید ان افعال کے مجموعہ کے ساتھ متعلق ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر بری عادت پر وعید ہے بلکہ مقصود یہ بتلانا ہے کہ دنیا کی محبت ایسی چیز ہے جس سے اکثر بری عادتیں پیدا ہو جاتی ہیں تکبر اور افتخار بھی اور بخل وغیرہ بھی اور یہی محبت دنیا کبھی حق سے بے رخی کرنے کا سبب ہو جاتی ہے۔ جس پر آگے وعید ہے۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّ

اور جو شخص اعراض کرے گا (دین حق سے)

جس کی ایک فرع اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا بھی ہے۔

فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۴﴾

تو اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں سزاوار حمد ہیں

یعنی خدا کا کوئی ضرر نہیں کیونکہ وہ سب کی عبادت اور مال وغیرہ سے بے نیاز ہے اور اپنی ذات وصفات میں کامل ہے اس لئے دوسروں کا محتاج ہونا اس کی ذات کے لئے محال ہے۔ ربط اوپر دنیا کا نا قابل التفات ہونا اور آخرت کا مہتم بالشان ہونا بتلایا ہے آگے بھی آخرت کے مہتم بالشان ہونے کو اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ اصل میں ہم نے آخرت کے درست کرنے ہی کے لئے رسولوں کو بھیجا اور احکام مقرر کئے اور دین کی امداد کے لئے بالخصوص لوہے کو پیدا کیا اور ان چیزوں میں تبعاً تمہارے دنیوی منافع بھی رکھ دیئے پس اصل مقصود آخرت ہے اور دنیا تبعاً مقصود ہے۔ لقد ارسلنا رسلنا تا عزیز۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا

ہم نے (اسی اصلاح آخرت کے لئے) اپنے پیغمبروں کو کھلے کھلے احکام دے کر

مَعَهُمُ الْكِتٰبَ

بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب کو اور انصاف کرنے (کے حکم) کو نازل کیا

جس کا تعلق بندوں کے حقوق سے ہے۔

وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ج

تا کہ لوگ (حقوق اللہ اور حقوق العباد میں) اعتدال پر قائم رہیں

یعنی خدا تعالیٰ اور بندوں کے حقوق میں کمی نہ کریں نہ حد سے بڑھیں اس میں ساری شریعت آ گئی جو کہ افراط و تفریط سے پاک ہے۔

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ

اور ہم نے لوہے کو پیدا کیا جس میں شدید ہیبت ہے

تا کہ اس کے ذریعہ سے عالم کا انتظام رہے کیونکہ ڈر سے بہت سی بے انتظامیاں دور ہو جاتی ہیں۔

بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

(اس کے علاوہ) لوگوں کو اور بھی طرح طرح کے فوائد

چنانچہ اکثر اوزاروں میں لوہے کا خرچ ہے۔

وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ

اور (اس لئے پیدا کیا) تا کہ اللہ جان لے کہ بے دیکھے اس کی اور اس کے

بِالْغَيْبِ ط

رسولوں کی (یعنی دین کی) کون مدد کرتا ہے

کیونکہ لوہا جہاد میں بھی کام آتا ہے تو یہ بھی آخرت کا نفع ہوا۔

اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۵﴾ ع

اللہ تعالیٰ قوی اور زبردست ہے

پس جہاد کا حکم اس لئے نہیں ہے کہ خدا کو اس کی احتیاج ہے بلکہ تمہارے ثواب کے لئے ہے۔ ربط اوپر رسولوں کا مخلوق کی اصلاح کی غرض سے بھیجنا اجمالاً مذکور تھا آگے بعض خاص رسولوں کا امتوں کی اصلاح کے لئے بھیجنا اور ان امتوں میں سے بعض کا اصلاح قبول کرنا اور بعض کا نہ کرنا بیان فرماتے ہیں اور ساتھ میں موجودہ آدمیوں کو اصلاح قبول کرنے کا حکم ہے۔ ولقد ارسلنا نوحا تا ذو الفضل العظیم۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ

اور ہم نے نوحؑ اور ابراہیمؑ کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور ہم نے ان

ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ

کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب جاری رکھی

یعنی انکی اولاد میں بھی بعضے پیغمبر اور ان میں بعضے صاحب کتاب بھی ہوئے۔

فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۶﴾

سو اُن لوگوں میں بعضے تو ہدایت یافتہ ہوئے اور بہت سے ان میں نافرمان تھے

اور یہ پیغمبر تو مستقل شریعت والے تھے خواہ وہ صاحب کتاب بھی ہوں جیسے موسیٰ علیہ السلام جو حضرت نوح و ابراہیم علیہم السلام دونوں کی اولاد میں تھے یا صاحب کتاب نہ ہوں جیسے حضرت ہود اور صالح علیہما السلام کہ ان کی شریعت مستقل تھی مگر ان کا صاحب کتاب ہونا منقول نہیں اور اگر صاحب کتاب ہوں تب بھی آیت کے خلاف نہیں غرض بہت سے نبی تو مستقل شریعت والے بھیجے۔

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا

پھر ان کے بعد اور رسولوں کو (جو کہ صاحب شریعت مستقلہ تھے) یکے بعد دیگرے بھیجتے رہے

جیسے موسیٰ علیہ السلام کے بعد توریت کے اتباع کرنیوالے بہت سے پیغمبر آئے۔

وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ

اور ان کے بعد عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا اور ہم نے ان کو

الْاِنْجِيْلَ ۙ

انجیل دی

اور ان کی امت میں دو قسم کے لوگ ہوئے ایک ان کا اتباع کرنے والے یعنی ان پر ایمان لانے والے اور دوسرے انکار کرنے والے۔

وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً

اور جن لوگوں نے ان کا اتباع کیا تھا ہم نے ان کے دلوں میں شفقت اور

وَّرَحْمَةً ۭ

ترحم پیدا کردیا

جو کہ اخلاق حمیدہ میں سے ہے جیسا کہ صحابہ کی شان میں فرمایا ہے رحماء بینھم آپس میں مہربان ہیں اور شاید اس وجہ سے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں جہاد نہ تھا دوسری صفت اس کے مقابل یعنی کفار کے حق میں سخت ہونا ذکر نہیں فرمائی غرض کہ غالب ان لوگوں میں شفقت اور رحمت تھی

وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا

اور انہوں نے رہبانیت کو خود ایجاد کرلیا ہم نے ان پر اس کو واجب نہ کیا تھا

بلکہ ہماری طرف سے تو ان کو صرف احکام کے اتباع کا حکم ہوا تھا لیکن ان میں سے بعضوں نے اپنے دین کی حفاظت کے لئے رہبانیت خود اختیار کرلی اور رہبانیت کا حاصل یہ ہے میل جول نہ کرنا اور نکاح اور لذات کا چھوڑ دینا اور اس ایجاد کا سبب یہ ہوا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جب لوگوں نے احکام کو چھوڑنا شروع کیا تو بعضے اہل حق بھی تھے۔ وہ حق ظاہر کرتے رہتے تھے یہ بات دوسروں کو ناگوار ہوئی اور انہوں نے اپنے بادشاہوں سے درخواست کی کہ ان لوگوں کو مجبور کیا جائے کہ ہمارے ہم مشرب ہوکر رہیں جب ان کو مجبور کیا گیا تو انہوں نے درخواست کی کہ ہم کو اجازت دی جائے کہ تم لوگوں سے کوئی تعلق اور غرض نہ رکھیں اور آزادانہ زندگی بسر کریں خواہ گوشہ میں بیٹھ کر یا سفر و سیاحت میں عمر گزار کر چنانچہ وہ اسی پر چھوڑ دیئے گئے۔

مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ

لیکن انہوں نے حق تعالیٰ کی رضا کے واسطے اس کو اختیار کیا تھا

فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ

سوانہوں نے اس (رہبانیت) کی پوری رعایت نہ کی

یعنی جس غرض سے اس کو کیا تھا کہ خدا کی رضامندی حاصل ہو اس کا اہتمام نہ کیا چنانچہ جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے ان کے لئے رہبانیت کی پوری رعایت کی شرط یہ تھی کہ حضورؐ پر ایمان لاویں پس جو حضور پر ایمان لائے وہ تو رہبانیت کا حق ادا کرنے والے تھے اور جو ایمان نہیں لائے وہ اس کی پوری رعایت نہ کرنے والے تھے۔

فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ

سو ان میں سے جو لوگ ایمان لائے ہم نے ان کو ان کا اجر

وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۷﴾

(وموعود) دیا اور زیادہ ان میں نافرمان ہیں

کہ آپ پر ایمان نہیں لائے اور چونکہ جو حکم اکثر کا ہوتا ہے وہی حکم کل کا ہوتا ہے اور زیادہ وہی تھے جنہوں نے اس کی رعایت نہیں کی اس لئے عام طور پر فمارعوها فرمادیا کہ انہوں نے اس کی پوری رعایت نہیں کی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا

اے (عیسیٰ پر) ایمان رکھنے والو تم اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان

بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ

لاؤ اللہ تعالیٰ تم کو اپنی رحمت سے (ثواب کے دو حصے دے گا

کیونکہ جب کافر مسلمان ہوتا ہے تو اس کی پہلی نیکیوں پر بھی ثواب ملتا ہے۔

وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ

اور تم کو ایسا نور عنایت کرے گا کہ تم اس کو لیے ہوئے چلتے پھرتے ہوگے

جو پل صراط تک ہر وقت رفیق رہے گا۔

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۸﴾

اور تم کو بخش دے گا اور اللہ غفور رحیم ہے (اور یہ دولتیں تم کو اس لئے عنایت

لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ

کرے گا) تاکہ اہل کتاب کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ ان لوگوں کو اللہ کے

عَلٰي شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ

فضل کے سوا کسی جزو پر بھی دسترس نہیں

اور بدون ایمان کے خدا کی رحمت کا کوئی حصہ ان کو نہیں مل سکتا۔

وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ

اور یہ کہ فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہے دے دے

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

اور اللہ بڑے فضل والا ہے

چنانچہ اس نے یہ فضل مسلمانوں کو دینا چاہا تو ان کو عنایت فرمادیا۔

الحمدللہ ستائیسویں پارہ کی تفسیر ختم ہوئی

سورة المجادلة مدينة و عن عطاء العشر الاول
مدني و باقيها مكي و هي ثنتان و عشرون اٰية

ربط: سورہ سابقہ کے ختم پر رسالت کا مضمون اور اس سورت کے شروع میں حق تعالیٰ کا تمام باتوں کو سننا جو کہ مسائل توحید سے ہے مذکور ہے اور نیز پہلی صورت کے ختم پر مسلمانوں کے اوپر فضل اخروی کا بیان تھا اور اس کے شروع میں دنیوی فضل واحسان کا ذکر ہے کہ مسئلہ ظہار میں جو پہلے سختی تھی اس کو دور کردیا اور شان نزول اول کی آیت کا یہ ہے کہ اوس بن الصامت نے غصہ میں ایک بار اپنی بی بی خولہ کو یوں کہہ دیا انت علی کظھر امی کہ تو میرے حق میں ایسی ہے جیسی میری ماں کی پیٹھ یعنی مجھ پر حرام ہے۔ اور حضورؐ کی نبوت سے پہلے اس لفظ سے بیوی ہمیشہ کے لئے حرام طلاق سے بھی بڑھ کر سمجھی جاتی تھی خولہ مسئلہ دریافت کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں آپ نے اس وجہ سے کہ ابھی تک اس مشہور قول کے خلاف وحی نازل نہ ہوئی تھی اس قول کو قابل عمل خیال کر کے فرمادیا کہ میری رائے میں تو حرام ہوگئی وہ یہ سن کر واویلا کرنے لگیں کہ پھر میرا اور میرے بچوں کا گزر کیسے ہوگا اس لئے ان آیات میں ظہار کا حکم نازل ہوا۔

(۵۸) سُوْرَةُ الْمُجَادِلَةِ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۵)

سورۂ مجادلہ مدینہ میں نازل ہوئی اور اس میں بائیس آیتیں اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا

بے شک اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ سے اپنے شوہر کے معاملہ میں جھگڑتی تھی

بسم اللہ الرحمن الرحیم قدسمع اللہ تا شھید

مثلاً وہ یہ کہتی تھی کہ میرے شوہر نے طلاق کا لفظ تو استعمال نہیں کیا پھر حرمت کیسے ہوگئی اور بات سن لینے سے مراد یہ ہے کہ خدا نے اس کی مصیبت دور کردی اور اس کی تضرع وزاری کو قبول کرلیا

وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ

اور (اپنے رنج وغم کی) اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتی تھی

مثلاً اس نے یہ کہا تھا اللھم انی اشکوالیک اے اللہ میں آپ سے (اپنی حالت کی) شکایت کرتی ہوں

وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ

اور اللہ تعالیٰ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا (اور) اللہ تو سب کچھ سننے والا سب

بَصِيْرٌ ۝۱

کچھ دیکھنے والا ہے

تو اس کی بات کیسے نہ سنتا آگے ظہار کا حکم ہے جس میں اس شکایت کرنے والی کی تضرع وزاری کے قبول کرنے کا بیان ہے۔

اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ

تم میں جو لوگ اپنی بیبیوں سے اظہار کرتے ہیں (مثلاً یوں کہہ دیتے ہیں

مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰۗـِٔيْ

انت علی کظہر امی) وہ ان کی مائیں نہیں ہیں ان کی مائیں تو بس وہی ہیں

وَلَدْنَهُمْ ۭ

جنہوں نے ان کو جنا ہے

اور ان عورتوں کا ان کو نہ جننا ظاہر ہے پس یہ ان کی مائیں نہ ہوئیں تاکہ ماں کی طرح ہمیشہ کے لئے حرمت ثابت ہو اور کوئی سبب بھی ہمیشہ کو حرمت ثابت کرنیوالا کسی دلیل سے ثابت نہیں پس ہمیشہ کے لئے ثابت نہ ہوئی۔ مسئلہ ظہار کے معنی میں اپنی بی بی کو کسی ایسی عورت کے (جو اس شخص پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جیسے ماں، بہن بیٹی وغیرہ) کسی ایسے عضو سے تشبیہ دینا جس کی طرف بلا ضرورت نظر کرنا حرام ہے جیسے پیٹ پیٹھ اور ران وغیرہ۔ مسئلہ کافر اور نابالغ کا ظہار معتبر نہیں۔ مسئلہ نسائھم سے مراد منکوحہ بیبیاں ہیں پس اپنی باندی سے ظہار معتبر نہیں مسئلہ ظہار کرنے سے گنہگار ہوگا بلکہ بعض نے اس کو گناہ کبیرہ کہا ہے۔ مسئلہ بدون کفارہ ادا کئے صحبت اور اس کے مقدمات جائز نہیں ۱۲

وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۭ

اور وہ لوگ بلاشبہ ایک نامعقول اور (چونکہ) جھوٹ بات کہتے ہیں اس لئے گناہ ضرور ہوگا

اور اگر اس گناہ کا تدارک توبہ وغیرہ سے کرلیا جائے تو وہ گناہ معاف بھی ہوجائے گا

وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝۲ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ

اور یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کردینے والے بخش دینے والے ہیں اور جو لوگ

مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ

اپنی بیٹیوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اپنی بات کی تلافی کرنی چاہتے ہیں

یعنے ظہار کی وجہ سے صحبت وغیرہ جو حرام ہوگئی ہے تو اب وہ اس سے متمتع ہونا چاہتے ہیں۔

لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ

تو ان کے ذمہ ایک غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے قبل اس کے کہ دونوں میاں

يَّتَمَآسَّا ۭ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا

بیوی باہم اختلاط کریں اس سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو

تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ③

تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے

کہ کفارہ کے متعلق احکامات کی پوری بجا آوری کرتے ہو یا نہیں پس کفارہ میں دو حکمتیں ہوئیں ایک گناہ کا معاف ہونا جس کی طرف **لعفو غفور** میں اشارہ ہے دوسرے آئندہ ایسی حرکت سے رک جانا جس کا بیان توعظون میں ہے۔

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ

پھر جس کو (غلام لونڈی) میسر نہ ہو تو اس کے ذمہ پیاپے یعنی لگاتار دو مہینے

مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۭ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ

کے روزے ہیں قبل اس کے کہ دونوں باہم اختلاط کریں پھر جس سے یہ بھی

سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۭ

نہ ہو سکیں تو اس کے ذمہ ساٹھ مسکینوں کا کھانا کھلانا ہے

آگے دوسرے احکام کی طرح اس حکم کی تصدیق کا واجب ہونا اس لئے بیان فرماتے ہیں کہ اس میں جاہلیت کی پرانی رسم کو توڑا گیا ہے اس لئے اہتمام مناسب ہوا۔

ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ

یہ حکم اس لئے (بیان کیا گیا ہے) کہ تم اللہ اور رسول پر ایمان لے آؤ

یعنی علاوہ ان مصلحتوں کے حاصل کرنے کے جو عمل کے ساتھ متعلق ہیں ان احکام میں خدا اور رسول کی تصدیق بھی کرو تا کہ جو مصلحتیں ایمان کے متعلق ہیں وہ بھی حاصل ہوں۔

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ

اور یہ اللہ کی حدیں (باندھی ہوئی) ہیں اور کافروں کے لئے سخت دردناک

اَلِيْمٌ ④

عذاب ہوگا

کیونکہ وہ ان احکام کی تصدیق نہیں کرتے اور تھوڑا بہت عذاب اس شخص کو بھی ہو سکتا ہے جو عمل میں کوتاہی کرے مسئلہ اگر صحبت وغیرہ کا کسی وجہ سے ارادہ نہ ہو مثلاً اس بی بی کو طلاق ہی دیدی یا وہ مرگئی تو اس گناہ کی معافی کے لئے صرف توبہ کافی ہے کیونکہ کفارہ واجب ہونے کے لئے صحبت وغیرہ کا ارادہ کرنا شرط ہے۔ مسئلہ اگر بدون صحبت کے ارادہ کے بھی کفارہ ادا کردے تو کفارہ ادا ہو جائے گا اور صحبت حلال ہے البتہ بدون ارادہ صحبت وغیرہ کے واجب نہیں ہوتا پس قرآن میں **ثم تعودون لما قالوا** کا مطلب یہ ہے کہ بدون کفارہ کے صحبت جائز نہیں یہ مطلب نہیں کہ بدون ارادہ صحبت کے کفارہ ادا ہی نہ ہوگا۔ مسئلہ اگر غلام آزاد کرنے یا روزے رکھنے کے درمیان میں صحبت کرلی تو کفارہ پھر سے ادا کرنا ہوگا اور آزاد کرنے کے بیچ میں صحبت کرنے کی یہ صورت ہے کہ پہلے آدھا آزاد کردیا اور صحبت کرلی پھر باقی آدھا بعد میں آزاد کردیا اور کھانا کھلانے کے بیچ میں صحبت کرلی تو صرف گناہ ہوگا کفارہ پھر سے ادا کرنا واجب نہ ہوگا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَاۗدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا

جو لوگ اللہ اور رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ (دنیا میں بھی) ایسے ذلیل

كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

ہوں گے جیسے ان سے پہلے لوگ ذلیل ہوئے

چنانچہ کئی غزوات میں اس کا ظہور ہوا

وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۭ

اور ہم نے کھلے کھلے احکام نازل کئے ہیں

جن کا صحیح ہونا قرآن کے اعجاز سے ثابت ہے تو ان کا انکار لامحالہ سزا کو موجب ہوگا اور یہ تو سزا دنیا میں ہوگی۔

وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ⑤ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ

اور کافروں کو ذلت کا عذاب ہوگا جس روز ان سب کو اللہ تعالیٰ دوبارہ زندہ

اللّٰهُ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا ۚ أَحْصَاهُ

کرے گا پھر ان سب کا کیا ہوا ان کو بتلادے گا (کیونکہ) اللہ تعالیٰ نے وہ

اللّٰهُ وَنَسُوهُ ۚ

محفوظ کر رکھا ہے اور یہ لوگ اس کو بھول گئے

یا وہ واقعی بھول گئے یا بے فکری اور بے التفاتی کے اعتبار سے ہو۔ ربط اوپر **ان الذین یحادون** میں اللہ ورسول کے خلاف کرنے والوں کے لئے وعید ہے اور یہ خلاف کرنے والے دو قسم کے ہیں ایک کھلے کافر دوسرے منافق اوپر کھلے کافروں کا بیان تھا آگے منافقوں کی اور کھلے کافروں میں سے بالخصوص یہود کی مذمت مذکور ہے کہ منافق بھی ان ہی میں سے تھے۔

الم تر تا بما تعقلون اور شان نزول ان آیات کا یہ ہے کہ یہود اور مسلمانوں میں صلح تھی لیکن یہود جب کسی مسلمان کو دیکھتے تو اس کے خیالات پریشان کرنے کو آپس میں کھس پھس کرنے لگتے اور مسلمان سمجھتا کہ مجھ کو ضرر پہنچانے کے لئے یہ باتیں ہو رہی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو اس سے منع کیا مگر وہ باز نہ آئے دوسرے منافقین بھی آپس میں سرگوشیاں کیا کرتے تھے تیسرے یہود جب آپ کی حضور میں آتے تو بجائے السلام علیکم کے السام علیکم کہتے جو موت کے معنے میں ہے اور منافقین بھی اسی طرح کہتے اور اس طرح سلام کر کے چپکے سے کہتے **لولا یعذبنا اللہ بما نقول** کہ خدا تعالیٰ ہم کو اس بات پر عذاب کیوں نہیں کرتے۔

وَاللّٰهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿٦﴾

اور اللہ ہر چیز پر مطلع ہے کیا آپ نے اس پر نظر نہیں فرمائی

مطلب دوسروں کو سنانا ہے جو ممانعت کے بعد سرگوشی سے باز نہ آتے تھے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا

کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے

فِي الْأَرْضِ ۖ

اور جو زمین میں ہے

اور اسی میں ان کی سرگوشی بھی داخل ہے۔

مَا يَكُونُ مِن نَّجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا

کوئی سرگوشی تین آدمیوں کی ایسی نہیں ہوتی جس کا چوتھا وہ (یعنی اللہ) نہ ہو اور پانچ

خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ مِن ذَٰلِكَ

کی سرگوشی نہیں ہوتی ہے جس میں چھٹا وہ نہ ہو اور نہ اس (عدد سے کم میں ہوتی ہے

وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ۖ ثُمَّ

جیسے دو یا چار آدمیوں میں) اور نہ اس سے زیادہ مگر وہ (ہر حالت میں) ان لوگوں

يُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ

کے ساتھ ہوتا ہے (خواہ) وہ لوگ کہیں بھی ہوں پھر ان (سب) کو قیامت کے روز

شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٧﴾

ان کے کئے ہوئے کام بتلادے گا بیشک اللہ تعالیٰ کو ہر بات کی پوری خبر ہے

اس آیت کا عام مضمون اگلے خاص خاص مضامین کی تمہید ہے یعنے یہ ناحق سرگوشی کرنے والے خدا سے ڈرتے نہیں کہ خدا کو سب خبر ہے اور وہ ان کو سزا دے گا۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نُهُوا عَنِ النَّجْوَىٰ

کیا آپ نے ان لوگوں پر نظر نہیں فرمائی جن کو سرگوشی سے منع کر دیا گیا تھا

ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَيَتَنَاجَوْنَ بِالْإِثْمِ

(مگر) پھر (بھی) وہ وہی کام کرتے ہیں جس سے ان کو منع کیا گیا تھا اور گناہ

وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ ۖ

اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں

یعنی ایسی سرگوشی کرتے ہیں جس میں بوجہ ممانعت گناہ بھی ہے اور بوجہ مسلمانوں کو رنج پہنچانے کے عدوان یعنی ظلم اور زیادتی بھی ہے اور بوجہ اس کے کہ حضور منع فرما چکے تھے رسول کی نافرمانی بھی ہے۔

وَإِذَا جَاءُوكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ

اور وہ لوگ جب آپ کے پاس آتے ہیں آپ کو ایسے لفظ سے سلام کہتے ہیں جس سے اللہ نے آپ کو سلام نہیں فرمایا

یعنے اللہ تعالیٰ کے تو یہ الفاظ ہیں۔ **سلام علی المرسلین** (رسولوں پر سلام ہو) **سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ** (خدا کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) **صلوا علیہ وسلموا تسلیما** (رسول پر درود اور سلام بھیجا کرو) اور وہ کہتے ہیں **السام علیک** (جس کے معنی موت کے ہیں)

وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا

اور اپنے جی میں (یا اپنے آپس میں) کہتے ہیں کہ (اگر یہ پیغمبر ہیں تو

نَقُوْلُ ؕ حَسْبُهُمْ

اللہ تعالیٰ ہمارے اس کہنے پر سزا (فوراً) کیوں نہیں دیتا

کیونکہ اس میں سراسر آپ کے ساتھ بے ادبی ہے آگے ان کے اس فعل پر وعید اور اس بات کا جواب ہے کہ بعض حکمتوں کے سبب جلدی عذاب نہ آنے سے مطلقاً عذاب نہ ہونا لازم نہیں آتا۔

جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۸﴾

ان کے لئے جہنم کافی ہے اس میں یہ لوگ (ضرور) داخل ہوں گے سو وہ برا ٹھکانہ ہے

آگے ایمان والوں کو خطاب فرما کر منافقین کے تشبہ سے ان کو بھی ممانعت ہے اور منافقین کو بھی سنانا منظور ہے کہ تم تو ایمان کے مدعی ہو پس ایمان کے مقتضا پر کیوں نہیں عمل کرتے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَا

اے ایمان والو جب تم (کسی ضرورت سے) سرگوشی کرو تو گناہ اور زیادتی

جَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ

اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں مت کرو اور نفع رسانی اور پرہیزگاری کی

وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ

باتوں کی سرگوشیاں کرو اور اللہ سے ڈرو جس کے پاس تم سب جمع کئے

اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹﴾ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ

جاؤ گے ایسی سرگوشی محض شیطان کی طرف سے (یعنی اس کے بہکانے سے)

الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

ہے تاکہ مسلمانوں کو رنج میں ڈالے

آگے مسلمانوں کو تسلی ہے کہ ان کی سرگوشیوں سے رنجیدہ نہ ہوا کریں

وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى

اور وہ شیطان بدوں خدا کے ارادے ان کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتا اور مسلمانوں

اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰﴾

کو (ہر امر میں) اللہ ہی پر توکل کرنا چاہئے

کوئی ان کو ضرر نہیں پہنچا سکتا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا

اے ایمان والو جب تم سے کہا جاوے کہ مجلس میں جگہ کھول دو تو تم

فِي الْمَجٰلِسِ

جگہ کھول دیا کرو

یعنی حضور فرمائیں یا دیگر اکابر۔ جس میں آنے والے کو بھی جگہ مل جائے۔

فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ

اللہ تم کو (جنت میں) کھلی جگہ دے گا اور جب کسی ضرورت سے کہا جائے کہ

انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا

(مجلس سے اٹھ کھڑے ہو) تو اٹھ کھڑے ہوا کرو

ہاں آنے والے کو نہ چاہئے کہ کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھ جائے (شیخین) یعنی اس حکم کے ماننے والے تین قسم کے لوگ ہیں ایک تو بے ایمان جیسے منافقین وغیرہ جو کسی دنیوی مصلحت سے مان لیں وہ اس وعدہ سے خارج ہیں دوسرے مسلمان بے علم ان کے لئے مطلقاً درجے بلند ہونے کا وعدہ ہے تیسرے مسلمان اہل علم ان کے لئے زیادہ درجے بلند ہونے کا وعدہ ہے کیونکہ ان کو علم و معرفت حاصل ہے وہ زیادہ خلوص اور زیادہ خوف سے حکم کو مانتے ہیں جس سے علم کا ثواب بڑھ جاتا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اہل علم کو عام مسلمانوں کے بعد خاص طور پر ذکر فرمایا ہے۔

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ

اللہ تعالیٰ اس حکم کی (اطاعت سے) تم میں ایمان والوں کے اور (ایمان والوں میں) ان لوگوں کے جن کو علم (دین) عطا ہوا ہے (آخروی) درجے

اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾

بلند کر دے گا اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے

کہ کس کا عمل ایمان کے ساتھ ملا ہوا ہے اور کس میں ایمان نہیں پھر مومنین میں کس کے عمل میں خلوص زیادہ ہے کس میں کم اس لئے ہر ایک کے ثواب میں تفاوت رکھا آگے پھر سرگوشی کے متعلق ایک حکم ہے شان

نزول اس کا یہ ہے کہ بعض امیر لوگ حضور میں حاضر ہو کر آپس میں بڑی دیر تک سرگوشی کرتے جس سے غریبوں کو بات سننے کا موقع کم ملتا آپ کو ان لوگوں کا دیر تک سرگوشی کرنا ناگوار گزرتا اور ایک روایت میں بلاسند یہ ہے کہ منافقین اور یہود بلاضرورت آپ سے سرگوشیاں کرتے مسلمانوں کو یہ ناگوار گزرتا اس پر ان کو منع کیا گیا جب باز نہ آئے تو یہ حکم نازل ہوا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ

اے ایمان والو جب تم رسول سے سرگوشی (کرنے کا ارادہ) کیا کرو تو اپنی

فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ

اس سرگوشی سے پہلے (مساکین کو) کچھ خیرات دے دیا کرو

جس کی مقدار متعین نہیں اور ظاہر یہ ہے کہ کچھ متعین بھی نہ تھی مگر کوئی معقول مقدار ضرور ہے۔

ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ

یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور (گناہوں سے) پاک ہونے کا اچھا ذریعہ ہے

کیونکہ طاعت سے گناہ معاف ہوتے ہیں یہ مصلحت غنی مسلمانوں کے اعتبار سے ہے اور غریب مسلمانوں کے اعتبار سے یہ ہے کہ ان کو مالی نفع پہنچے گا کیونکہ وہ صدقہ غریبوں ہی کو ملتا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتبار سے یہ مصلحت ہے کہ اس میں عظمت شان ظاہر ہوتی ہے اور منافقین اور متکبروں کی سرگوشی سے جو آپ کو تکلیف ہوتی تھی اس سے نجات اور راحت ہو جائے گی کیونکہ ان کو سرگوشی کی تو ضرورت نہ تھی اور بے ضرورت محض محبت سے خرچ کرنا ان کو بے حد گراں تھا اور غالباً یہ صدقہ کھلم کھلا دینے کا حکم تھا ورنہ ہر شخص صدقہ ادا کر دینے کا دعویٰ کر سکتا

فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

پھر اگر تم کو (صدقہ دینے کی مقدور نہ ہو تو اللہ غفور رحیم ہے

اس صورت میں اس نے معاف کر دیا اور اس سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ یہ صدقہ کا حکم واجب تھا جب یہ حکم نازل ہوا تو بہت سے آدمی ضروری بات کرنے سے بھی رک گئے اس پر اگلی آیت نازل ہوئی اگرچہ اس حکم میں ناداروں کے لئے اجازت تھی کہ بدون صدقہ دیئے سرگوشی کر لیں مگر بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو نہ تو بالکل نادار ہوتے ہیں نہ پورے صاحب ثروت غالباً ایسوں کو تنگی آئی ہوگی کہ وسعت کم ہونے کی وجہ سے تو خرچ کرنا گراں ہوا اور اپنے نادار ہونے میں بھی شبہ ہوا اس لئے نہ صدقہ

دیتے تو بدون صدقہ دینے کے اپنے لئے اجازت بھی نہ سمجھ سکے اور آپ سے سرگوشی کرنا کوئی عبادت نہ تھی جس کے چھوڑنے پر ملامت ہو سکے اس لئے یہ حضرات ضروری بات کرنے سے بھی رک گئے۔

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ

کیا تم اپنی سرگوشی کے قبل خیرات دینے سے ڈر گئے سو (خیر) جب تم (اس

صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ

کو) نہ کر سکے اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے حال پر عنایت فرمائی

کہ اس حکم کو منسوخ کر کے صدقہ معاف کر دیا جس کی حکمت ظاہر ہے کہ جس مصلحت کے واسطے یہ حکم واجب ہوا تھا وہ مصلحت حاصل ہو گئی تھی کیونکہ مقصود سرگوشی کا دروازہ بند کرنا تھا یہ مصلحت صدقہ منسوخ ہونے کے بعد بھی باقی رہی کیونکہ منافقین اور متکبرین اگر پھر سرگوشی کرتے تو ان پر تکبر اور بڑائی کا صریح اعتراض لازم آتا کہ جب تک صدقہ کا حکم تھا اس وقت تک تو کبھی سرگوشی نہ کی صدقہ دینے میں عار اور بخل کرتے رہے صدقہ معاف ہونے کے بعد پھر سرگوشیاں کرنے چلے اس وجہ سے آئندہ ان کو جرات نہ ہو سکتی تھی۔

فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا

تو تم نماز کے پابند رہو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ و

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ

رسول کا کہنا مانا کرو

مطلب یہ کہ یہ صدقہ منسوخ ہونے کے بعد تمہارے قرب اور مقبولیت اور نجات کے لئے باقی کام پر جمار ہنا کافی ہے۔ ربط آگے منافقین اور یہود اور دوسرے کفار کی مذمت ہے جس کو مسلمانوں کی مدح پر ختم فرمایا ہے۔

وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ ع اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ

اور اللہ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے کیا آپ نے ان لوگوں پر نظر

تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ مَا هُمْ مِّنْكُمْ

فرمائی جو ایسے لوگوں سے دوستی کرتے ہیں جن پر اللہ نے غضب کیا ہے یہ

وَلَا مِنْهُمْ ۙ

منافق لوگ نہ تو (پورے پورے) تم میں ہیں اور نہ ان ہی میں ہیں

الم تر تا هم المفلحون پہلے لوگوں سے مراد منافقین ہیں دوسرے لوگوں سے مراد یہود اور تمام کھلے کافر ہیں منافقین چونکہ یہودی تھے اس لئے ان کی یہود سے دوستی اور اسی طرح کفار سے بھی تعلقات مشہور و معلوم ہیں۔ بلکہ ظاہر میں تم سے ملے ہوئے ہیں اور دل سے اور عقیدہ سے کفار کے ساتھ ہیں۔

وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ

اور جھوٹی بات پر قسمیں کھا جاتے ہیں

اور وہ جھوٹی بات یہی ہے کہ ہم مسلمانوں میں شامل ہیں۔

وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾ أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا

اور وہ خود بھی جانتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے سخت عذاب مہیا

إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾

کر رکھا ہے (کیونکہ) بیشک وہ برے برے کام کیا کرتے تھے

چنانچہ کفر اور نفاق سے بدتر کون کام ہوگا اور ان ہی برے کاموں میں سے ایک برے کام کا آگے بیان ہے۔

اِتَّخَذُوْا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ

انہوں نے اپنی قسموں کو (اپنے بچاؤ کے لئے) سپر بنا رکھا ہے پھر خدا کی راہ

سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۶﴾ لَنْ تُغْنِيَ

سے روکتے رہتے ہیں سو (اس وجہ سے) ان کے لئے ذلت کا عذاب ہونے

عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ

والا ہے ان کے اموال اور اولاد اللہ (کے عذاب) سے ان کو ذرا نہ بچا سکیں

شَيْئًا أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا

گے (اور) یہ لوگ دوزخی ہیں وہ لوگ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں جس

خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا

روز اللہ ان سب کو دوبارہ زندہ کرے گا سو یہ اس کے روبرو بھی (جھوٹی)

فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ

قسمیں کھا جاویں گے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھا جاتے ہیں

جس سے مسلمان انکو مسلمان سمجھ کر انکی جان و مال سے بری طرح پیش نہ آئیں ۱۲

جیسا کہ مشرکین کا قیامت کے دن جھوٹی قسم کھانا اس آیت میں مذکور ہے واللہ ربنا ما کنا مشرکین خدائے پروردگار کی قسم ہم مشرک نہ تھے۔

وَيَحْسَبُوْنَ أَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ

اور یوں خیال کریں گے کہ کسی اچھی حالت میں ہیں

اس جھوٹی قسم کی بدولت بچ جاویں گے۔

أَلَآ إِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۸﴾

خوب سن لو یہ لوگ بڑے ہی جھوٹے ہیں

کہ خدا کے سامنے بھی جھوٹ بولنے سے نہ چوکے آگے ان حرکتوں کی وجہ بتلاتے ہیں۔

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَأَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ

ان پر شیطان نے پورا پورا تسلط کر لیا ہے سو اس نے ان کو خدا کی یاد

أُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ أَلَآ إِنَّ حِزْبَ

بھلا دی یہ لوگ شیطان کا گروہ ہے خوب سن لو کہ یہ شیطان کا

الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ

گروہ ضرور برباد ہونے والا ہے جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی

يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ أُولٰٓئِكَ فِي الْأَذَلِّيْنَ ﴿۲۰﴾

مخالفت کرتے ہیں یہ لوگ سخت ذلیل لوگوں میں ہیں

جب یہ اللہ و رسول کے مخالف ہیں تو پھر ان کی یہ حالت کیوں نہ ہو یہ ضرور برباد ہوں گے آخرت میں تو یقیناً اور کبھی دنیا میں بھی آگے بتلاتے ہیں کہ جس طرح خدا تعالیٰ نے ان کے لئے ذلت تجویز کر رکھی ہے اسی طرح اطاعت کرنے والوں کے لئے عزت ہے کیونکہ وہ لوگ اللہ و رسول کے تابعدار ہیں۔

كَتَبَ اللّٰهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِيْ

اور اللہ تعالیٰ نے یہ بات (اپنے حکم ازلی میں) لکھ دی ہے کہ میں اور میرے پیغمبر غالب رہیں گے

جو کہ عزت کی حقیقت ہے اور جب رسول عزت والے ہیں تو ان کا اتباع کرنے والے بھی صاحب عزت ہیں اور مقصود اس جگہ رسولوں کا غلبہ بیان کرنا ہے اپنا ذکر حق تعالیٰ نے انبیاء کو مشرف کرنے کے لئے فرما دیا اور غلبہ کے معنی

سورہ مائدہ آیت الاان حزب اللہ ھم الغلبون میں گزر چکے ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٢١﴾

بیشک اللہ قوت والا غلبہ والا ہے

اس لئے وہ جس کو چاہے غالب کر دے آگے کفار کی دوستی کے بارہ میں منافقوں کے خلاف سچے مسلمانوں کی حالت بیان فرماتے ہیں۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو

يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا

نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھتے ہیں جو اللہ ورسول کے

آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ

برخلاف ہیں گو وہ ان کے باپ و بیٹے یا بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہو ان لوگوں

عَشِيرَتَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ

کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثبت کر دیا اور ان (قلوب) کو اپنے فیض

وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ ۖ

سے قوت دی ہے فیض سے مراد نور ہدایت ہے

یعنی ہدایت کے مقتضا پر ظاہراً عمل کرتے ہیں اور دل میں سکون و اطمینان ہے۔ فھو علی نور من ربہ میں بھی اسی فیض کا ذکر ہے چونکہ اس سے باطنی حیات زیادہ ہوتی ہے اس لئے اس کو روح فرمایا یہ تو ان کو دنیا میں دولت ملی۔

وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں

خَالِدِينَ فِيهَا ۚ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا

جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا اور وہ

عَنْهُ ۚ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ

اللہ سے راضی ہوں گے یہ لوگ اللہ کا گروہ ہے خوب سن لو کہ

اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٢٢﴾ ع

اللہ ہی کا گروہ فلاح پانے والا ہے

کفار سے دوستی رکھنے کی تحقیق سورہ آل عمران آیت لایتخذ المومنین الخ میں گزر چکی ہے سورہ الحشر مدینہ وایھا اربع و عشرون کذافی البیضاوی ربط اوپر کی سورۃ کے اخیر حصہ میں زیادہ تر منافقین کی مذمت اور ان کا یہود کے ساتھ دوستی رکھنا مذکور تھا اس سورت کے ابتدائی حصہ میں زیادہ تر یہود کی سزا یعنی جلاوطنی کا اور منافقین کی دوستی ان کے کام نہ آنے کا ذکر ہے اور جلاوطنی کی مناسبت سے بعض احکام غنیمت کے بیان کر دیئے ہیں اور قصہ ان یہود کا یہ ہوا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو یہود سے صلح کا معاہدہ ہو گیا منجملہ ان کے ایک قبیلہ بنی نضیر تھا ان سے بھی صلح تھی اور یہ لوگ مدینہ سے دو میل کے فاصلہ پر رہتے تھے ایک مرتبہ عمرو بن امیہ ضمریؓ کے ہاتھ سے دو خون ہو گئے اس میں آپ کو خون بہا ادا کرنا تھا آپ بنی نضیر کے پاس تشریف لے گئے اگر یہ لوگ بھی چندہ میں شریک ہونا چاہئے تو ہو جائیں انہوں نے آپ کو ایک جگہ بٹھلا دیا کہ ہم اس کا انتظام کئے دیتے ہیں اور آپس میں خفیہ مشورہ کر کے ایک شخص کو اونچے پر چڑھا دیا کہ وہاں سے چکی کا پتھر آپ پر چھوڑ دے کہ معاذ اللہ آپ کا کام تمام ہو جائے آپ کو فوراً وحی سے معلوم ہو گیا آپ وہاں سے اٹھ آئے اور کہلا بھیجا کہ تم نے عہد توڑ دیا ہے دس روز کی تم کو مہلت ہے اس مدت میں جہاں چاہو چلے جاؤ۔ ورنہ جو شخص اس مدت کے بعد نظر آوے گا اس کی گردن مار دی جائے گی انہوں نے جانے کا ارادہ کیا تو عبداللہ بن ابی منافق وغیرہ نے ان کے پاس کہلا بھیجا کہ تم کہیں مت جاؤ میرے ساتھ دو ہزار آدمی ہیں اپنی جان دے دیں گے اور تم پر آنچ نہ آنے دیں گے وہ لوگ ان کے کہنے میں آ گئے اور آپ کے پاس کہلا بھیجا کہ ہم کہیں نہیں جاتے جو آپ سے ہو سکے کر لیجئے۔ آپ فوج کو لے کر چلے وہ لوگ قلعہ میں بند ہو گئے اور منافقین منہ چھپا کر بیٹھ رہے آپ نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور ان کے باغوں کے درخت جلوا دیئے کٹوا دیئے آخر تنگ آ کر انہوں نے نکل جانا منظور کیا آپ نے فرمایا کہ ہتھیاروں کے سوا جتنا اسباب لے جا سکو لے جانے کی اجازت ہے غرض وہ لوگ کچھ شام کو کچھ خیبر کو نکل گئے اور مارے حسد و حرص کے اپنے گھروں کی چوکھٹ باز و کڑیاں تختے تک لاد لاد کر لے گئے اور یہ قصہ بدر کے بعد ۴ ھجری میں ہوا امیر حضرت عمر نے اپنی خلافت میں ان کو مع دیگر یہود کے ملک شام کی طرف نکال دیا یہ دونوں جلاوطنی حشر اول وحشر ثانی کہلاتی ہیں۔

(۵۹) سُوْرَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۱)

سورۂ حشر مدینہ میں نازل ہوئی اور اس میں چوبیس ۲۴ آیتیں اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ

اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں سب جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں (مخلوقات)

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ

ہیں (خواہ زبان حال سے یا قال سے) اور وہ زبردست (اور) حکمت والا

كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ

ہے وہی ہے جس نے (ان) کفار اہل کتاب (یعنی بنی نضیر) کو ان کے

لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕ

گھروں سے پہلی ہی بار اکٹھا کر کے نکال دیا

بسم الله الرحمن الرحيم سبح لله تا سنجزی الفسقین

کیونکہ بقول زہری کے اس سے پہلے ان پر یہ مصیبت واقع نہ ہوئی تھی جلاوطنی کی مصیبت ان پر اول ہی بار آئی جو ان کی بیہودہ حرکتوں کا نتیجہ ہے اور اس میں لطیف اشارہ ہے ان کے دوبارہ جلاوطن کئے جانے کی طرف چنانچہ دوبارہ حضرت عمرؓ نے تمام یہود کو جزیرہ عرب سے نکال دیا۔

مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ

تمہارا گمان بھی نہ تھا کہ وہ (کبھی اپنے گھروں سے) نکلیں گے اور (خود)

حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ

انہوں نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ان کے قلعے ان کو اللہ سے بچالیں گے

یعنی ان کو اپنے قلعوں کی مضبوطی پر ایسا ناز تھا کہ غیبی انتقام کا خطرہ بھی ان کے دل میں نہ آتا تھا پس ان کی حالت ایسے شخص کے مشابہ تھی جس کا یہ گمان ہو کہ قلعے اللہ کے قہر سے بچالیں گے مراد اس جگہ سے یہ ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں نکالے گئے جن کی بے سروسامانی پر نظر کر کے اس کا احتمال بھی نہ ہوتا تھا کہ یہ بے ساماں ان ساماں والوں کو نکال دیں گے۔ اور ان پر غالب آجاویں گے۔

فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۖ وَقَذَفَ

سو ان پر خدا (کا عقاب) ایسی جگہ سے پہنچا کہ ان کو خیال بھی نہ تھا اور ان

فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ

کے دلوں میں رعب ڈال دیا

کہ اس رعب کی وجہ سے نکلنے کا قصد کیا۔

يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۖ

کہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں سے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی اجاڑ رہے تھے

یعنی خود ہی کڑی تختے نکالنے کے لئے اپنے مکانوں کو گرا رہے تھے اور مسلمان بھی ان کے قلب کو صدمہ پہنچانے کے لئے منہدم کرتے تھے اور مسلمانوں کے منہدم کرنے کو ان کی طرف اس لئے منسوب کیا کہ اس کا اصل سبب ان کا عہد توڑنا ہے جو خود ان کا فعل تھا تو یہ مصیبت انہوں نے خود اپنے سر لی

فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ②

سو اے دانشمندو (اس حالت کو دیکھ کر) عبرت حاصل کرو

کہ خدا اور رسول کی مخالفت کا انجام بعض دفعہ دنیا میں بھی بہت برا ہوتا ہے۔

وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاۗءَ

اگر اللہ تعالیٰ ان کی قسمت میں جلاوطن ہونا نہ لکھ چکتا تو ان کو

لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۭ

دنیا ہی میں (قتل کی سزا دیتا)

تو جس طرح ان کے بعد بنی قریظہ کے ساتھ معاملہ کیا گیا۔

وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ③

اور ان کے لئے آخرت میں دوزخ کا عذاب (تیار) ہے

اگر چہ دنیا میں قتل کے عذاب سے بچ گئے آگے دنیا میں جلاوطنی کی سزا اور آخرت میں جہنم کی سزا کی وجہ بتلاتے ہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاۗقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ

یہ اس سبب سے ہے کہ ان لوگوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی

يُّشَاۗقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ④

ہے اور جو شخص اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو سخت سزا دینے والا ہے

یہ مخالفت دو طرح سے ہوئی ایک عہد توڑنے سے جس کی سزا جلا وطنی ہوئی دوسرے ایمان نہ لانے سے جس سے جہنم کا عذاب ہوگا آگے یہود کے ایک طعن کا جواب ہے جب مسلمانوں نے ان کے درخت کاٹ دیئے اور جلا دیئے تو انہوں نے کہا کہ یہ فساد ہے اور فساد بری چیز ہے اور بعض مسلمانوں نے بھی باوجود اجازت کے یہ سمجھ کر کے کہ درختوں کا چھوڑ دینا بھی جائز ہے اور آخر میں یہ مسلمانوں ہی کے کام آئیں گے تو ان کا رہنا ہی بہتر ہے نہیں کاٹے اور بعض نے یہ سمجھ کر کہ یہود کا دل دکھے گا کاٹ دیئے جواب کے ساتھ ان دونوں فعلوں کا درست ہونا بتلاتے ہیں۔۱۲

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً

جو کھجوروں کے درخت تم نے کاٹ ڈالے یا ان کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا سو

عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۵

دونوں باتیں) خدا ہی کے حکم (اور رضا) کے موافق ہیں اور تاکہ کافروں کو ذلیل

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ

کرے اور جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو ان سے دلوایا تم نے اس پر نہ گھوڑے

عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ

دوڑائے اور نہ اونٹ لیکن اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ اپنے رسولوں کو جس پر

يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى

چاہے (خاص طور پر) مسلط فرما دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۶ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ

ہے جو کچھ اللہ تعالیٰ (اس طور) پر اپنے رسول کو دوسری بستیوں کے (کافر)

مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ

لوگوں سے دلوا دے (جیسے فدک اور ایک حصہ خیبر کا) سو وہ بھی اللہ کا حق ہے

یعنی اللہ تعالیٰ نے اس میں مالکانہ تصرف کرنے کا آپ کو اعتبار دے دیا ہے۔

وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ

اور رسول کا اور آپ کے قرابت داروں کا اور یتیموں کا اور مسکینوں کا اور

السَّبِيْلِ ۙ

مسافروں کا

یعنی یہ سب اسی کے مصرف ہیں جیسا کہ اور بھی مصرف ہیں جن میں حضور اپنی رائے سے خرچ کر دیا کریں گے اور ان مصارف میں سے یتامیٰ اور مساکین اور مسافروں میں تو یہ حکم مطلقاً باقی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ اور آپ کی قرابت کا جو حصہ آپ کی نصرت وحمایت کی وجہ سے تھا وہ بوجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اب نہیں رہا۔ البتہ اگر ان میں کوئی غریب مسکین ہو اس کا حق بوجہ مسکنت کے ہوگا۔

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۭ

تاکہ وہ (مال) تمہارے تونگروں کے قبضے میں نہ آ جائے

جیسا کہ جاہلیت میں لڑائی کی سب آمدنی اور غنیمت بااختیار لوگ کھا جاتے تھے اور فقراء بالکل محروم رہ جاتے تھے اس لئے حق تعالیٰ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے پر رکھا اور اس کے مصارف بھی بتلا دیئے کہ آپ باوجود مالک ہونے کے پھر بھی محتاجوں میں مصلحت عامہ کے موقعوں میں خرچ فرما دیں گے اس سے معلوم ہوگیا کہ حضور کی رائے پر ہونے میں حکمت ہے۔

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ

اور رسول تم کو جو کچھ دے دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز کے لینے) سے تم کو روک

عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ

دیں تم رک جایا کرو (اور بالعموم الفاظ یہی حکم ہے افعال اور احکام میں بھی) اور اللہ سے ڈرو

الْعِقَابِ ۝۷ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ

بیشک اللہ تعالیٰ مخالفت کرنے پر سخت سزا دینے والا ہے اور حاجتمند مہاجرین کا (بالخصوص)

اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ

حق ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے (جبراً وظلماً) جدا کر دیئے گئے

یعنی کفار نے ان کو اس قدر تنگ کیا کہ گھر بار چھوڑ کر ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔

يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا

وہ اللہ تعالیٰ کے فضل یعنی جنت) اور رضامندی کے طالب ہیں

یعنی کسی دنیوی غرض سے ہجرت نہیں کی

وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۤئِكَ هُمُ

اور وہ اللہ اور اس کے رسول (کے دین) کی مدد کرتے ہیں (اور) یہی لوگ

الصّٰدِقُوْنَ ۝۸ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ

(ایمان) کے سچے ہیں اور نیز ان لوگوں کا (بھی حق ہے) جو دارالاسلام (یعنی

وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ

مدینہ) میں ان (مہاجرین) کے (آنے کے) قبل سے قرار پکڑے ہوئے ہیں

اور اس صفت کو فضیلت میں دخل یہ ہے کہ اپنے وطن میں علوم و کمالات حاصل کرنا خصوصاً اطاعت اور تابعداری کرنا کمال کی بات ہے کیونکہ وطن میں ان امور سے اکثر موانع پیش آجاتے ہیں نیز اپنی ریاست اور وجاہت کی وجہ سے عار بھی آتی ہے۔

يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ

جو ان کے پاس ہجرت کر کے آتا ہے اس سے یہ لوگ محبت کرتے ہیں اور

فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ

مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے (اس سے یہ انصار) اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں

عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ قف

پاتے اور اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان پر فاقہ ہی ہو

یعنی خود بسا اوقات فاقہ سے بیٹھ رہتے اور مہاجرین کو کھلا دیتے ہیں ۱۲

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

اور واقعی جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جاوے ایسے ہی لوگ

الْمُفْلِحُوْنَ ۚ ﴿۹﴾

فلاح پانے والے ہیں

جیسا کہ خدا نے ان لوگوں کو حرص سے اور اس کے مقتضا پر عمل کرنے سے بچا رکھا ہے مسئلہ طبعی اور پیدائشی حرص پر ملامت نہیں البتہ اس کے ناجائز مقتضا پر عمل کرنا گناہ ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ

اور ان لوگوں کا بھی اس مال فے میں حق ہے) جو ان کے بعد آئے

یعنی مہاجرین وانصار کے بعد اسلام میں یا مدینہ میں یا دنیا میں آئے یا آوینگے۔

يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ

جو (ان مذکورین کے حق میں) دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو

سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا

بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو (بھی) جو ہم سے پہلے ایمان لاچکے

غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ ہونے دیجئے

یہ دعا اپنے زمانہ والوں کو بھی عام ہے حاصل یہ ہوا کہ پہلے بزرگوں کی فضیلت کے معتقد رہیں اور اپنے معاصرین سے بھی محبت رکھیں۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰﴾ ع

اے ہمارے رب آپ بڑے شفیق رحیم ہیں

ہماری دعا قبول فرمالیجئے اور ان اوصاف کے بیان کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ جس میں یہ صفات نہ ہوں وہ مال فے کا حقدار نہیں بلکہ مقصود ان کے بیان سے محض رغبت دلانا ہے کہ بعد کے لوگوں کو ایسا ہونا چاہئے کہ بدون اس کے کامل مستحق اور پورے مصرف نہیں ہوں گے پس مجموعہ آیات وروایات سے ان لوگوں کا مصارف ہونا اور خرچ کا اختیار آپ کی رائے پر ہونا معلوم ہوا چونکہ بعد حیات کے آپ کی رائے پر رہنا ممکن نہیں لہٰذا وفات نبوی سے یہ اختیار خلفاء اسلام کو حاصل ہوا مگر اتنا فرق ہے کہ امام کا مالکانہ تصرف نہ ہوگا بلکہ حاکمانہ اختیار قانون شرعی کی پابندی کے ساتھ حاصل ہوگا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ

کیا آپ نے ان منافقین (یعنی عبداللہ بن ابی وغیرہ کی حالت نہیں دیکھی کہ اپنے

لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ

(ہم مذہب) بھائیوں سے کہ کفار اہل کتاب ہیں (یعنی بنی نضیر سے) کہتے ہیں

الم ترالی تا جزاء الظلمین یعنی کہتے تھے کیونکہ نزول سورت کا واقعہ کے بعد ہوا ہے جیسا کہ خود اس کے الفاظ سے نیز روح المعانی میں اہل سیر ومحدثین کا قول نقل کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔

لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا

کہ واللہ اگر تم نکالے گئے تو ہم تمہارے ساتھ نکل جائیں گے

نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ لا

اور تمہارے معاملہ میں کبھی کہنا نہ مانیں گے

یعنی ہم کو کوئی کیسا ہی سمجھائے کہ جلاوطنی یا لڑائی میں تمہارا ساتھ نہ دیں مگر ہم نہ مانیں گے ۱۲۔

وَاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ط وَاللّٰهُ يَشْهَدُ

اور اگر تم سے کسی کی لڑائی ہوئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے اور اللہ گواہ ہے

اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۱﴾ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا

کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں واللہ اگر اہل کتاب نکالے گئے تو یہ منافقین) ان

يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ

کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر ان سے لڑائی ہوئی تو یہ ان کی مدد نہ کریں

وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ قف ثُمَّ لَا

گے اور اگر (بفرض محال) ان کی مدد بھی کی تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے پھر ان

يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲﴾

کی کوئی مدد نہ ہوگی

کیونکہ جو مددگار تھے جب وہی بھاگ گئے اور دوسرا کوئی مددگار ہے نہیں پس لامحالہ مغلوب ہونگے مطلب یہ کہ منافقین کی جو غرض ہے کہ اپنے ان بھائیوں پر کوئی آفت نہ آنے دیں اس میں ہر طرح ناکامی رہے گی چنانچہ ایسے ہی ہوا اور حق تعالیٰ کے یہ فرمادینے کے بعد کہ وہ مدد نہ کریں گے مدد کرنے کا احتمال نہیں ہوسکتا مگر فرض محال کے طور پر اس صورت کا بھی ذکر فرمادیا تاکہ فرضی اور واقعی تمام صورتوں پر مقصود ثابت ہوجائے کہ منافقین کسی طرح ان کے کام نہیں آسکتے اگر اس سورت کا نزول واقعہ سے پہلے ہوا ہے تب تو ان آیتوں پر کوئی اشکال ہی نہیں اور اگر واقعہ کے بعد نزول ہوا ہے تو اس طرح کلام فرمایا کہ اگر وہ نکالے جائیں گے تو منافقین ساتھ میں نہ نکلیں گے الخ گذشتہ صورت کو ذہن میں حاضر کرنے کے لئے ہے تاکہ ان کا وعدہ خلافی کرنا اور یہود کا بے یار ومددگار رہو جانا خوب پیش نظر ہوجائے۔

لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ

بے شک تم لوگوں کا خوف ان (منافقین) کے دلوں میں اللہ سے

اللّٰهِ ؕ

بھی زیادہ ہے

یعنی ایمان کا دعویٰ کر کے جو یہ اپنا خدا سے ڈرنا بیان کرتے ہیں وہ تو غلط ہے ورنہ دل میں کفر ہی کیوں چھپاتے ہاں تمہارا واقعی خوف ہے اسی وجہ سے یہ لوگ بنی نضیر کا ساتھ نہیں دے سکتے پس خدا سے نہ ڈرنے کا مطلب ایمان نہ لانا ہے اور اسی پر ملامت ہے ورنہ طبعی طور پر مخلوق کا خوف خدا کے خوف سے زیادہ ہونا گناہ کا سبب نہیں عقلی طور پر خدا کا خوف سب سے زیادہ ہونا چاہئے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۳﴾ لَا

اور یہ (ان کا تم سے ڈرنا خدا سے نہ ڈرنا) اس سبب سے ہے کہ وہ ایسے لوگ

يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا

ہیں کہ سمجھتے نہیں یہ لوگ (تو) سب مل کر بھی تم سے نہ لڑیں گے

الگ الگ تو تمہارے مقابلہ کا کیا حوصلہ کرتے

اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ

مگر حفاظت والی بستیوں میں یا دیوار (قلعہ وشہر پناہ) کی آڑ میں

حفاظت سے مراد عام ہے خندق وغیرہ سے ہو یا قلعہ وغیرہ سے مطلب یہ کہ اگر کبھی یہود یا منافقین الگ الگ یا اکٹھے ہو کر تمہارے مقابلہ میں آئے بھی تو قلعہ یا شہر پناہ کی آڑ میں رہ کر مقابلہ کریں گے چنانچہ بنو قریظہ اور خیبر کے یہودیوں نے اسی طرح مقابلہ کیا اور منافقین کا کبھی اتنا حوصلہ ہی نہ ہوا پس اس میں مسلمانوں کو جوش دلانا بھی ہے کہ ان سے کچھ اندیشہ نہ رکھیں آگے یہ بتلاتے ہیں کہ ان کی آپس کی خانہ جنگیوں کے واقعات دیکھ کر یہ اندیشہ نہ کیا جائے کہ شاید اسی طرح اہل اسلام کے مقابلہ میں یہ لوگ کارنمایاں کرسکیں۔

بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ؕ

ان کی لڑائی آپس ہی میں بڑی تیز ہے

مگر مسلمانوں کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں ہیں اسی طرح یہ احتمال نہ کیا جائے کہ اگر چہ مسلمانوں کے مقابلہ میں یہ ضعیف ہوں مگر بہت سے کمزور ہو کر قوی ہوجاتے ہیں تو شاید اس طرح یہ مسلمانوں سے بازی لے جائیں آگے اس کا جواب ہے۔

تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ؕ

اے مخاطب تو ان کو (ظاہر میں) متفق خیال کرتا ہے حالانکہ ان کے قلوب غیر متفق ہیں

یعنی خود ان میں عقائد کے اختلاف کی وجہ سے فرقہ بندی اور عداوت ہے پس وہ احتمال اجتماعی قوت کا نہ رہا اور اس احتمال کا دفع کرنا محض تاکید کے لئے ہے ورنہ جب حق تعالیٰ کی مشیت میں انکا مغلوب ہونا ہے تو اگر اتفاق بھی ہوتا تو کیا کام آتا آگے نااتفاقی کی وجہ بتلاتے ہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۴﴾ ۚ

اس وجہ سے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو (دین کی) عقل نہیں رکھتے

اس لئے پریشان خیالات کا اتباع کرتے ہیں اور متفرق خیالات سے دلوں کا اختلاف لازمی ہے اور اس جگہ قاعدہ کلیہ بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ خاص ان میں جو نا اتفاقی تھی اس کا سبب بتلانا مقصود ہے پس یہ شبہ نہ کیا جائے کہ بے دینوں میں بسا اوقات قلبی اتفاق دیکھا جاتا ہے آگے بنو نضیر کی اور ان منافقوں کی جنہوں نے امداد کا وعدہ کر کے ان کو دھوکہ میں ڈالا اور عین موقعہ پر دغا دی مثال بیان فرماتے ہیں۔

كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا

ان کی مثال ان لوگوں کی سی مثال ہے جو ان سے کچھ ہی پہلے ہوئے ہیں جو دنیا میں بھی) اپنے

وَبَالَ اَمْرِهِمْ ج وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۵﴾ ج

کردار کا مزہ چکھ چکے ہیں اور آخرت میں بھی ان کے لئے دردناک عذاب ہونے والا ہے

مراد ان لوگوں سے یہود بنی قینقاع ہیں جن کا قصہ یہ ہوا کہ واقعہ بدر کے بعد ۲ ھجری میں انہوں نے عہد توڑ کر آپ سے مقابلہ کیا پھر مغلوب ہوئے اور قلعہ سے آپ کے فیصلہ پر باہر نکلے اور سب کی مشکیں باندھی گئیں پھر عبداللہ بن ابی کے الحاح سے اس شرط پر ان کی جان بخشی کی گئی کہ مدینہ سے چلے جائیں چنانچہ وہ شام کی طرف نکل گئے اور ان کے اموال میں غنیمت کی طرح عمل ہوا۔

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ج

ان کی شیطان کی سی مثال ہے کہ (اول تو) انسان سے کہتا ہے کہ تو کافر ہو جا

فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ

پھر جب وہ کافر ہو جاتا ہے تو (اس وقت صاف) کہہ دیتا ہے کہ میرا تجھ سے

اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ فَكَانَ

کوئی واسطہ نہیں میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں سو آخری (انجام

عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ط

دونوں کا یہ ہوا) کہ دونوں دوزخ میں گئے جہاں ہمیشہ رہیں گے (ایک گمراہ

وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۷﴾ ع

کرنے کی وجہ سے دوسرے ہونے کی وجہ سے) اور ظالموں کی یہی سزا ہے

پس جس طرح شیطان اول انسان کو بہکاتا ہے پھر وقت پر ساتھ نہیں دیتا اور دونوں خسارہ میں پڑتے ہیں اسی طرح ان منافقوں نے اول بنی نضیر کو برا مشورہ دیا کہ تم کہیں مت جاؤ ہم تمہارے ساتھ ہیں پھر عین وقت پر ان کو دغا دی اور دونوں بلا میں پھنسے بنو نضیر تو جلاوطنی میں اور منافقین ناکامی میں۔

ربط: آگے مسلمانوں کو کفار کے ایسے افعال سے نفرت اور خوف دلانے کی غرض سے آخرت کی تیاری کرنے اور احکام الٰہی کی مخالفت سے بچنے کا حکم فرماتے ہیں اور اس حکم کی مضبوطی کے لئے اپنے جلال و جمال کی صفات بیان فرماتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ

اے ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل

وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ج

(قیامت) کے واسطے اس نے کیا ذخیرہ بھیجا ہے

یایها الذین اٰمنوا اتقوا الله تا هو العزیز الحکیم یعنے نیک اعمال میں کوشش کرو جو کہ آخرت کا ذخیرہ ہیں۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾

اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی سب خبر ہے

پس گناہوں کے ارتکاب سے عذاب کا اندیشہ ہے تو جس طرح نیک اعمال میں خدا سے ڈرنے کا حکم ہے گناہوں سے بچنے کے بارہ میں بھی تقویٰ کا حکم ہے۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ

اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جنہوں نے اللہ (کے احکام) سے بے پروائی

اَنْفُسَهُمْ ط

کی سو اللہ تعالیٰ نے خود ان کی جان سے ان کو بے پرواہ بنا دیا

یعنے ان لوگوں نے احکام پر عمل ترک کیا جس بات کا ان کو حکم دیا گیا اس کو پورا نہ کیا اور جس سے منع کیا گیا اس کا ارتکاب کیا تو ان کی عقل ایسی ماری گئی کہ خود اپنے نفع کو نہ سمجھے نہ اسے حاصل کیا۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۹﴾

یہی لوگ نافرمان ہیں

جو اس نافرمانی کی سزا بھگتیں گے اور اوپر دو قسم کے لوگوں کا ذکر ہوا ہے متقیوں اور نافرمانوں کا ان میں ایک جنت والے ہیں ایک دوزخ والے۔

لَا يَسْتَوِیْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ

اہل نار اور اہل جنت باہم برابر نہیں جو جو اہل جنت ہیں

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝۲۰

وہ کامیاب لوگ ہیں اور (اہل نار ناکام ہیں

پس تم کو جنت والوں میں سے ہونا چاہئے آگے قرآن کی مدح ہے جس کے ذریعہ سے تم کو یہ مفید نصائح سنائی جاتی ہیں۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے

اور اس میں سمجھنے کا مادہ رکھ دیتے اور شہوت کا مادہ نہ رکھتے۔

لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ

تو (اے مخاطب) تو اس کو دیکھتا کہ خدا کے خوف سے دب جاتا اور

اللّٰهِ ؕ

پھٹ جاتا

یعنی قرآن فی نفسہ ایسا موثر ہے مگر انسان میں بوجہ شہوات غلبہ کے قابلیت خراب ہوگئی جس کے سبب اثر نہیں ہوتا پس انسان کو چاہیے کہ طاعت کی بجاآوری اور گناہوں کے چھوڑنے سے اپنی شہوت کو مغلوب کرے تاکہ قرآن کی نصائح سے اس کو اثر ہو اور احکام میں پختگی اور استقامت اور ذکر وفکر نصیب ہو جس کا حکم اوپر ہوا ہے۔

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ

اور ان مضامین عجیبہ کو ہم (ان لوگوں کے) نفع کے) لئے بیان

لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ۝۲۱

کرتے ہیں تاکہ وہ سوچیں

اور نفع حاصل کریں آگے حق کی صفات کمال بیان کئے جاتے ہیں جن سے حق تعالیٰ کی عظمت دل پر نقش ہو کر احکام بجالانے میں معین ہو۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ

وہ ایسا معبود ہے کہ اس کے سوا کوئی اور معبود بننے کے لائق نہیں

الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ

وہ جاننے والا ہے پوشیدہ چیزوں کا اور ظاہر چیزوں کا وہی بڑا مہربان

الرَّحِیْمُ ۝۲۲

رحم والا ہے

اور چونکہ توحید نہایت مہتم بالشان چیز ہے اس لئے تاکید کیلئے اس کو بار بار بیان فرمایا ۱۲

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ

وہ ایسا معبود ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بادشاہ ہے (سب عیبوں

الْقُدُّوْسُ

سے) پاک ہے

یعنی زمانہ ماضی میں بھی اس میں کوئی عیب نہیں ہوا

السَّلٰمُ

سالم ہے

یعنی آئندہ بھی اس میں کسی عیب کا احتمال نہیں

الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ

امن دینے والا نگہبانی کرنے والا ہے

یعنی آفت آنے بھی نہیں دیتا اور آئی ہوئی بلا کو دور بھی کردیتا ہے

الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ

زبردست ہے خرابی کا درست کردینے والا ہے بڑی عظمت والا ہے اللہ تعالیٰ (جس

اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝۲۳ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ

کی شان یہ ہے کہ لوگوں کے شرک سے پاک ہے وہ معبود (برحق) ہے پیدا کرنے

الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ

والا ہے ٹھیک ٹھیک بنانے والا ہے صورت بنانے والا ہے اس کے اچھے اچھے نام ہیں

جو اچھی اچھی صفتوں پر دلالت کرتے ہیں

یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ

سب چیزیں اس کی تسبیح کرتی ہیں جو آسمان میں ہیں اور جو زمین میں

وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٢٢﴾ ع

ہیں اور وہی زبردست حکمت والا ہے

پس ایسے عظمت والے خدا کے احکام کا بجالانا ضروری اور نہایت ضروری ہے ۱۲

(۶۰) سُورَةُ الْمُمْتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ (۵۱)

سورۂ ممتحنہ مدینہ میں نازل ہوئی اور اس میں تیرہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي

اے ایمان والو تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست

وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ

مت بناؤ کہ ان سے دوستی کرنے لگو

سورة الممتحنة مدنية و ايها ثلث عشر كذافي البيضاوى

ربط: سورۂ گذشتہ میں منافقین کی یہود سے دوستی کرنے کی مذمت تھی اس سورت کے اول و آخر میں مسلمانوں کو کفار سے دوستی کے تعلقات رکھنے اور بالخصوص مشرک عورتوں سے نکاح کرنے کی ممانعت ہے اور مشرک اور مومن عورتوں میں امتیاز کے لئے صرف ظاہری امتیاز پر کفایت کرنے کا حکم ہے۔ بسم الله الرحمن الرحيم يا ايها الذين امنوا لاتتخذوا تا هم الظلمون اور یہ آیتیں ایک قصہ کے متعلق ہیں وہ یہ کہ جب آپ نے فتح مکہ کے لئے جہاد کا ارادہ کیا تو حاطب بن ابی بلتعہ نے جو کہ بدر والوں میں سے ہیں اور اصل میں یمن کے رہنے والے ہیں مکہ میں جا رہے تھے اور ان کے بھائی اور والدہ اور اہل وعیال اور مال باپ بھی مکہ میں تھے مکہ والوں کے نام ایک خط لکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تم پر چڑھائی کرنے والے ہیں اور یہ خط ایک عورت کو دیدیا کہ مکہ والوں کو پہنچا دے آپ کو وحی سے یہ بات معلوم ہوگئی آپ نے حضرت علی اور چند صحابہ کو حکم دیا کہ فلاں جگہ ایک عورت ملے گی اس سے وہ خط لے آؤ یہ گئے تو وہ عورت ملی اور ان کے دھمکانے سے اس نے خط دیدیا وہ خط لے کر آئے تو آپ نے حاطب سے پوچھا انہوں نے کہا کہ واقعی خط میرا لکھا ہوا ہے لیکن خدا نہ کرے میں نے اسلام کی مخالفت کے سبب یہ خط نہیں لکھا بلکہ میں جانتا تھا کہ اسلام کو تو اس سے کوئی ضرر نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ضرور اس کو غالب کرنے والا ہے آپ کو ضرور فتح ہوگی اور میرا نفع ہو جاوے گا کہ مکہ والے اس کا احسان مان کر میرے اہل وعیال اور اموال کی حفاظت کریں گے اور انکو تکلیف یا ضرر نہ پہنچاویں گے کیونکہ ان سے میری کوئی اور قرابت نہیں ہے جس سے وہ میری رعایت کرتے بلکہ میں بالکل اجنبی اور پردیسی آدمی ہوں اس پر حضرت عمر کو غصہ آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی گردن مارنے کی اجازت چاہی آپ نے فرمایا کہ یہ بدر والوں میں سے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے بدر والوں کے سب گناہ معاف فرما دیئے ہیں اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

یعنی اگر چہ دل سے دوستی نہ ہو مگر ایسا دوستانہ برتاؤ بھی مت کرو۔

وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ ج

حالانکہ تمہارے پاس جو دین آچکا ہے وہ اس کے منکر ہیں

یہ بیان ہے ان کے دشمن خدا ہونے کا۔

يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ

رسول کو اور تم کو اس بنا پر کہ تم اپنے پروردگار اللہ پر ایمان لے آئے شہر بدر کر

رَبِّكُمْ ط

چکے ہیں

یہ بیان ہے مسلمانوں کے ساتھ اور خدا اور رسول کے ساتھ ان کی دشمنی کا غرض ایسے لوگوں سے دوستی مت کرو۔

إِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ

اگر تم میرے راستہ پر جہاد کرنے کی غرض سے اور میری رضامندی ڈھونڈھنے

مَرْضَاتِي ق صلے

کی غرض (اپنے گھروں سے) نکلے ہو

کیونکہ کفار کی دوستی جس کا حاصل کفار کو راضی کرنے کی فکر کرنا ہے خدا کی رضامندی طلب کرنے کے منافی ہے۔

تُسِرُّونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ق صلے وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ

تم ان سے چپکے چپکے دوستی کی باتیں کرتے ہو حالانکہ مجھ کو سب چیزوں کا

وَمَا أَعْلَنْتُمْ ط وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ

خوب علم ہے تم جو کچھ چھپا کر کرتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو اور (آگے اس پر

سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿١﴾

وعید ہے) کہ جو شخص تم میں سے ایسا کرے گا وہ راہ راست سے بھٹکے گا

یعنی اول تو دوستی ہی بری چیز ہے پھر خفیہ پیغام بھیجنا جس سے خصوصیت اور زیادہ تعلق کا وہم ہو اور زیادہ برا ہے۔

اور گمراہوں کا انجام معلوم ہی ہے آگے کفار کی سخت دشمنی کا ذکر ہے۔

إِن يَثْقَفُوكُمْ يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً وَيَبْسُطُوا

اگر ان کو تم پر دسترس ہو جائے تو (فوراً) اظہار عداوت کرنے لگیں اور (وہ اظہار عداوت یہ کہ) تم پر برائی کے ساتھ دست درازی اور زبان درازی

إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَأَلْسِنَتَهُم بِالسُّوءِ وَوَدُّوا

کرنے لگیں (یہ دنیوی اصرار ہے) اور (دینی اصرار یہ ہے) وہ اس بات

لَوْ تَكْفُرُونَ ﴿٢﴾

کے متمنی ہیں کہ تم کافر (ہی) ہو جاؤ

پس ایسے لوگ کب دوستی کے قابل ہیں اور اگر تم کو دوستی کا خیال اپنے عیال و اہل کی وجہ سے ہو تو خوب سمجھ لو (آگے ترجمہ)

لَن تَنفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ

تمہارے رشتہ دار اور اولاد قیامت کے دن تمہارے کام نہ آویں گے خدا

الْقِيَامَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ

تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کو خوب

بَصِيرٌ ﴿٣﴾

دیکھتا ہے

پس ہر عمل کا فیصلہ ٹھیک ہو جائے گا پس اگر تمہارے اعمال سزا کے قابل ہوں گے تو اس عتاب سے رشتہ دار اور اولاد بچا نہ سکیں گے پھر ان کی رعایت میں خدا کے حکم کے خلاف کرنا بہت بری بات ہے اور اس سے اموال کا قابل رعایت نہ ہونا اچھی طرح ظاہر ہو گیا آگے اس حکم پر ترغیب کے لئے ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ارشاد ہے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ

تمہارے لئے ابراہیمؑ میں اور ان لوگوں میں جو کہ (ایمان و اطاعت میں ان

وَالَّذِينَ مَعَهُ ۚ

کے شریک حال تھے ایک عمدہ نمونہ ہے

یعنی اس بارہ میں کفار سے ایسا برتاؤ رکھنا چاہئے جیسا ابراہیم علیہ السلام اور ان کے متبعین نے کیا۔

إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنكُمْ وَمِمَّا

جب کہ ان سب نے مختلف اوقات میں اپنی قوم سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور

تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ

جن کو تم اللہ کے سوا معبود سمجھتے ہو ان سے بیزار ہیں

مختلف اوقات اس لئے کہا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام نے جس وقت اول یہ بات اپنی قوم سے کہی تھی اس وقت وہ بالکل تنہا تھے پھر جو جو آپ کے ساتھ ہوتے گئے کفار سے قطع تعلق کرتے چلے گئے آگے اس بیزاری کا بیان ہے۔

كَفَرْنَا بِكُمْ

ہم تمہارے منکر ہیں

یعنی ہم تمہارے عقائد کے اور تمہارے معبودوں کی عبادت کے منکر ہیں یہ تو عقیدہ کے اعتبار سے بیزاری ہوئی اور آگے معاملہ اور برتاؤ کے اعتبار سے بیزاری کا بیان ہے۔

وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا

اور ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لئے عداوت اور بغض زیادہ ظاہر ہو گیا

کیونکہ عبادت کی بناء عقائد کا اختلاف ہے اور اب اس کا خوب کھلم کھلا اعلان ہو گیا تو عداوت بھی خوب ظاہر ہو گئی۔

حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ

جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ

غرض ابراہیم علیہ السلام اور ان کے متبعین نے کفار سے صاف قطع تعلق کر دیا۔

إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ

لیکن ابراہیمؑ کی اتنی بات تو اپنے باپ سے ہوئی تھی کہ میں تمہارے لئے استغفار کروں گا اس سے زیادہ) مجھ کو خدا کے آگے کسی بات کا اختیار نہیں

وَمَا أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللَّهِ مِن شَيْءٍ ۖ رَّبَّنَا

اے ہمارے پروردگار ہم آپ پر توکل کرتے ہیں اور آپ ہی کی طرف

عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ④

رجوع کرتے ہیں اور آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے

جس سے ظاہر میں تعلق کا وہم ہوسکتا ہے کیونکہ بعض لوگ اس سے مطلق استغفار کرنا سمجھ گئے حالانکہ یہاں استغفار کے دوسرے معنے ہیں یعنے ہدایت کی دعا کرنا جس کی سب کو اجازت ہے اور واقع میں ہدایت کی دعا کرنا قطع تعلق کے خلاف بھی نہیں اور اس استغفار کی تحقیق سورہ برأت کے آخر میں گزری ہے۔

کہ دعا قبول ہی کرالوں یا تم کو عذاب سے بچالوں یہ گفتگو تو ابراہیم علیہ السلام کی اپنی قوم سے ہوئی آگے ان کی دعا کا مضمون ہے کہ انہوں نے کفار سے قطع تعلق کر کے اس بارہ میں اس طرح عرض کیا (آگے ترجمہ)۔

پس اس اعتقاد کی وجہ سے ہم نے جو کچھ بیزاری وغیرہ ظاہر کی ہے محض خلوص سے کی ہے اس میں کوئی دنیوی غرض نہیں ہے اور اسی سبب سے جو کچھ ہم دعا میں عرض کر رہے ہیں یہ تفاخر کے طور پر نہیں بلکہ عرض حال بغرض سوال ہے ۱۲۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا

اے ہمارے پروردگار ہم کو کافروں کا تختہ مشق نہ بنا

یعنی اس بیزاری اور قطع تعلق سے یہ لوگ ہم پر ظلم نہ کرنے پاویں

وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ⑤

اور اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہ معاف کر دیجئے بے شک آپ زبردست حکمت والے ہیں

اور ہر طرح کی قدرت آپ کو حاصل ہے آگے دوسرے عنوان سے اہتمام کی غرض سے اسی ترغیب کی تاکید فرماتے ہیں

لَقَدْ كَانَ

بے شک ان لوگوں میں

یعنی ابراہیم علیہ السلام اور ان کے متبعین میں

لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ

تمہارے لئے یعنی ایسے شخص کے لئے عمدہ نمونہ ہے جو اللہ کے سامنے جانے)

وَالْيَوْمَ الْآخِرَ ۚ وَمَن يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ

کا اور قیامت کے دن (کے آنے) کا اعتقاد رکھتا ہو اور جو شخص (اس حکم سے) روگردانی کرے گا سو (اسی کا ضرر ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ (تو) بالکل بے

الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ⑥ ع

نیاز اور سزاوار حمد ہے

پس اس میں یہ احتمال ہی نہیں کہ دوسروں کی عبادت سے اس کا کچھ نفع ہو اور چونکہ کچھ ان کی عداوت سن کر مسلمانوں کو فکر ہوسکتی تھی کچھ قطع قرابت سے طبعاً رنج ہوسکتا تھا اس لئے بطور خوشخبری کے ایک پیشین گوئی فرماتے ہیں ۱۲

عَسَى اللَّهُ أَن يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ

اللہ تعالیٰ سے امید ہے (یعنی ادھر سے وعدہ ہے) کہ تم میں اور ان لوگوں میں

عَادَيْتُم مِّنْهُم مَّوَدَّةً ط

جن سے تمہاری عداوت ہے دوستی کر دے

گو بعض ہی سے سہی یعنی ان کو مسلمان کر دے جس سے عداوت دوستی کے ساتھ بدل جاوے اور اس کو کچھ بعید نہ سمجھو ۱۲

وَاللَّهُ قَدِيرٌ ط

اور اللہ کو بڑی قدرت ہے

چنانچہ فتح مکہ کے دن بہت سے آدمی خوشی سے مسلمان ہو گئے مطلب یہ کہ اگر مکہ والوں سے قطع تعلق ہمیشہ کے لئے ہوتا تب بھی بوجہ حکم کے اس پر عمل واجب تھا خاص کر جب کہ تھوڑی ہی مدت کے واسطے کرنا پڑے پھر بعد میں ان کے ایمان لے آنے سے دوستی اور تعلق بدستور لوٹ آوے گا آگے فرماتے ہیں کہ اب تک جو کسی سے اس حکم کے خلاف خطا ہو گئی ہو جس سے وہ اب تائب ہو چکا ہو تو اس کی خطا معاف کر دی جائے گی۔

وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ⑦

اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے

یہاں تک تو دوستانہ تعلقات کی نسبت حکم فرمایا تھا کہ ان کا قطع تعلق کرنا واجب ہے آگے محسنانہ تعلقات کے حکم کی تفصیل فرماتے ہیں۔

لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ

اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع

فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن

نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں

تَبَرُّوْهُمْ

سے نہیں نکالا

مراد ان سے وہ کافر ہیں جو ذمی یا صلح کرنے والے ہوں کہ ان کے ساتھ احسان کا یہ برتاؤ جائز ہے اور اسی کو منصفانہ برتاؤ فرمادیا پس انصاف سے مراد خاص انصاف ہے کہ ان کے ذمی ہونے یا صلح کرنے کے اعتبار سے انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے ساتھ احسان سے دریغ نہ کیا جائے ورنہ مطلق انصاف تو ہر کافر بلکہ جانور کے ساتھ بھی واجب ہے آگے اس برتاؤ کی ترغیب ہے۔

وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ⑧

اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں صرف ان لوگوں

اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي

کے ساتھ دوستی کرنے سے اللہ تعالیٰ تم کو منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارے

الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا

میں لڑے ہوں (خواہ بالفعل یا بالعزم) اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہو اور

عَلٰٓي اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ

(اگر نکالا بھی نہ ہو لیکن) تمہارے نکالنے میں (نکالنے والوں کی) مدد کی ہو

یعنی ان کے ساتھ اس وقت شریک ہوں یا آئندہ ارادہ ہو اس میں سب حربی کافر جن سے مصالحت نہ ہو داخل ہیں ان سے محسنانہ برتاؤ کرنا جائز نہیں پس اس آیت میں دوستی کرنے سے مراد محسنانہ برتاؤ کرنا ہے اس کو دوستی کہنا اس معنی کر ہے کہ یہ دشمنی نہیں ہے پس دوستی کے ایک تو اصلی معنے ہیں دل سے محبت والفت کرنا یہ تو ہر کافر سے ناجائز ہے اور ایک عدمی معنی ہیں یعنی دشمنی نہ کرنا یہ ان کافروں سے جائز ہے جو ذمی ہوں یا جن سے مصالحت ہو اور حربی کافروں سے دشمنی نہ کرنا بھی جائز نہیں بلکہ دشمنی رکھنا واجب ہے۔

یاایھاالذین اٰمنوا اذا جاء کم المومنات تا غفور الرحیم یہ آیتیں صلح حدیبیہ کے متعلق ہیں منجملہ ان شرطوں کے جو صلحنامہ میں لکھی گئی تھیں ایک شرط یہ بھی تھی کہ جو شخص مسلمانوں میں سے کافروں کی طرف چلا آوے وہ واپس نہ دیا جاوے اور جو شخص کافروں میں سے مسلمانوں کی طرف چلا جاوے وہ واپس دے دیا جاوے چنانچہ بعضے مسلمان مرد آئے اور وہ واپس کر دیئے گئے پھر بعض عورتیں مسلمان ہو کر آئیں ان کے اقارب نے ان کی واپسی کی درخواست کی اس پر یہ آیتیں حدیبیہ ہی میں نازل ہوئیں جس میں عورتوں کے واپس کرنے کی ممانعت کی گئی پس صلح نامہ کا وہ عام مضمون اس حکم سے خاص ہو گیا اور اس کی ساتھ کچھ احکام ایسی عورتوں کے بابت مقرر ہوئے جو پہلے مسلمانوں کے نکاح میں تھیں مگر اسلام نہ لائیں اور مکہ ہی میں رہ گئیں اور اگر یہ شبہ ہو کہ اس عام مضمون کو خاص کر دینے سے معاہدہ کا توڑنا لازم آتا ہے اور معاہدہ کا توڑنا جائز نہیں تو جواب یہ ہے کہ معاہدہ کا توڑنا عذر اور دھوکہ سے جائز نہیں اور بدون عذر کے خود صلح ہی کا توڑنا جائز ہے اور کسی خاص دفعہ کا توڑنا تو اس سے بھی آسان ہے اور فریق ثانی کو اس میں مجبور نہیں کیا گیا وہ اگر نہ مانتے تو بہت سے بہت صلح باقی نہ رہتی پھر اس میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی لیکن جب فریق ثانی نے بھی اس کو مان لیا تو اتفاق کے ساتھ صلح ہو گئی اور چونکہ ان احکام کا مدار آنے والی عورتوں کے مسلمان ہونے پر ہے اس لئے طریقہ امتحان بھی بتلایا گیا۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ⑨ يٰٓاَيُّهَا

اور جو شخص ایسوں سے دوستی کرے گا سو وہ گنہگار ہوں گے اے ایمان والو

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَاۗءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ

جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں (دار الحرب سے) ہجرت کر کے آئیں

خواہ مدینہ میں آویں جو کہ دار الاسلام ہے یا حدیبیہ میں کیونکہ اسلامی لشکر کی قیام گاہ بھی دار الاسلام کے حکم میں ہے۔

فَامْتَحِنُوْهُنَّ ۭ

تو تم ان کا امتحان کر لیا کرو

جس کا طریقہ آگے آتا ہے اور اس امتحان میں ظاہری ایمان پر کفایت کیا کرو زیادہ کھود کرید نہ کرو۔

اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ

ان کے ایمان کو اللہ ہی خوب جانتا ہے

تم کو تحقیق ہو ہی نہیں سکتا ۱۲

فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ

پس اگر ان کو (اس امتحان کی رو سے) مسلمان سمجھو تو ان کو کفار کی طرف

اِلَى الْكُفَّارِ ۭ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ

واپس مت کرو کیونکہ نہ تو وہ عورتیں ان کافروں کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ

لَهُنَّ ؕ

کافران عورتوں کے لئے حلال ہیں

کیونکہ مسلمان عورت کا نکاح کافر مرد سے بالکل نہیں رہتا

وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ؕ

اوران کافروں نے جو خرچ کیا ہو وہ ان کو ادا کردو

یعنی کافر شوہر نے اس مسلمان ہونے والی عورت کو جو کچھ مہر دیا ہو وہ اس کو ادا کردو خلاصہ ان احکام کا یہ ہے۔۱۔ جو عورت دار الحرب سے مسلمان ہو کر آوے اس کا نکاح کافر شوہر سے ٹوٹ جائے گا اسی طرح جس کافر عورت کا شوہر مسلمان ہو جائے اس کا نکاح بھی فوراً ٹوٹ جائے گا ۲۔ جو عورت مسلمان ہو کر آوے اس کا نکاح مسلمان مرد سے جائز ہے اگر حاملہ ہے تو بچہ جننے کے بعد بالاتفاق اور اگر حاملہ نہیں ہے تو امام صاحب کے نزدیک بدون عدت کے اور صاحبین کے نزدیک عدت کے بعد اور جس کافر عورت کا شوہر مسلمان ہو جائے اس پر کسی کے نزدیک عدت نہیں حتیٰ کہ شوہر کو فوراً اس کی بہن وغیرہ سے جن کا نکاح عدت وغیرہ میں جائز نہیں ہوتا نکاح کرنا جائز ہے اور یہ حکم اب بھی باقی ہے۔۳۔ مسلمان ہونے والی عورت کو کافر شوہر نے جس قدر مہر دیا ہو مسلمان وہ مہر اس شوہر کو واپس کر دیں اگر کوئی خاص شخص نکاح کرے تو وہ واپس کرے ورنہ بیت المال سے واپس دیا جائے یہ حکم صلح کی وجہ سے اسی وقت کے لئے خاص تھا تا کہ کافروں کو اشتعال نہ ہو جس سے صلح ٹوٹ جاوے اب یہ حکم باقی نہیں ۴۔ اسی طرح جس کافر عورت کا شوہر مسلمان ہو جائے تو کفار اس کا مہر مسلمان شوہر کو ادا کریں یہ حکم بھی اسی واقعہ کے ساتھ مخصوص تھا ۵۔ اگر کفار ایسی عورتوں کا مہر ان کے مسلمان شوہروں کو واپس نہ کریں تو جو مہر کفار کا مسلمانوں کی طرف آتا ہو وہ ان کفار کی جگہ ان مسلمان شوہروں کو دیا جائے برابری کی صورت میں تو کچھ تکلیف ہی نہیں اور کمی بیشی کی صورت میں یہ حکم تھا کہ جو کفار کا بچے وہ کفار کو دے دیا جائے اور جو اپنا رہے اس کا مطالبہ ان سے کیا جائے اور یہ حکم بھی اسی واقعہ کے لئے مخصوص تھا اور ان احکام کے اس واقعہ کے ساتھ مخصوص ہونے کی دلیل اجماع ہے دوسرے یہ کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور جگہ یہ برتاؤ نہیں کیا۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ

اور تم کو عورتوں سے نکاح کر لینے میں کچھ گناہ نہ ہوگا جب کہ تم ان کے مہر ان

اُجُوْرَهُنَّ ؕ

کو دے دو

خواہ ادا کردو یا اپنے ذمہ لازم کرلو مطلب یہ ہے کہ مہر نکاح کے لئے لازم ہے یہ مطلب نہیں کہ نکاح کا صحیح ہونا مہر ادا کرنے پر موقوف ہے نکاح بدون مہر مقرر کئے بھی صحیح ہوسکتا ہے مگر لازم ہر صورت میں ہوگا۔

وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ

اور (اے مسلمانو) تم کافر عورتوں کے تعلقات کو باقی مت رکھو

یعنی تمہاری جو بیبیاں دار الحرب میں کفر کی حالت میں رہ گئیں ان کا نکاح تم سے زائل ہوگیا ان کے تعلقات کا کوئی اثر باقی نہ سمجھو

وَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ؕ

اور (اس صورت میں) جو کچھ تم نے خرچ کیا ہو (ان کافروں سے) مانگ لو اور جو کچھ ان کافروں نے خرچ کیا ہو وہ تم سے مانگ لیں

جیسا کہ اوپر ارشاد ہوا ہے۔ اٰتوھم تا انفقوا کہ جو مہر کافروں نے خرچ کیا ہے وہ ان کو دیدو اور شاید دوبارہ اس کو اس لئے بیان فرمایا ہو کہ جو حق دوسروں کا تمہارے ذمہ ہو اس کو زیادہ ضروری سمجھو۔

ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

یہ اللہ کا حکم ہے (اس کا اتباع کرو) وہ تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور اللہ

حَكِيْمٌ ۝۱۰ وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ

بڑا علم اور حکمت والا ہے اور اگر تمہاری بیبیوں میں سے کوئی بی بی کافروں میں

اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ

رہ جانے سے (بالکل ہی) تمہارے ہاتھ نہ آئے پھر تمہاری نوبت آئے

یعنی نہ وہ ملے اور نہ اس کا معاوضہ یعنی مہر ملے جو موافق چوتھے حکم کے کافروں پر تمہارا حق تھا۔ یعنی تیسرے حکم کے موافق تمہارے ذمہ کسی کافر کا مہر ادا کرنا واجب ہو۔

فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ

تو جن کی بیبیاں ہاتھ سے نکل گئیں جتنا (مہر) انہوں نے (ان بیبیوں) پر

مَآ اَنْفَقُوْا ؕ

خرچ کیا تھا اس کے برابر ان کو دے دو اور

یعنی اگر تمہاری طرف کافروں کا کچھ مہر آتا ہو تو وہ ان کو مت دو بلکہ اس میں سے ان مسلمان شوہروں کا مہر ادا کر دو جن کی بیبیاں کفار کے پاس رہ گئی ہیں اور کفار نے ان کا مہر ان مسلمانوں کو نہیں دیا۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ⑪

اللہ سے جس پر تم ایمان رکھتے ہو ڈرتے رہو

آگے حضور کو خطاب فرما کر ایمان کے امتحان کا طریقہ بتلاتے ہیں ۱۲

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ

اے پیغمبر جب مسلمان عورتیں آپ کے پاس (اس غرض سے) آویں کہ

عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ

آپ سے ان باتوں پر بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ کریں

وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا

گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں

يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ

گی اور نہ بہتان کی اولاد لاویں گی جس کو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان

وَاَرْجُلِهِنَّ

نطفہ شوہر سے جنی ہوئی دعوئی کر کے) بنالویں

جیسا کہ جاہلیت میں بعض عورتوں کا دستور تھا کہ غیر کا بچہ اٹھا لائیں اور کہہ دیا کہ میرے خاوند کا ہے یا کسی سے بدکاری کی اور اس نطفہ حرام کو اپنے خاوند کا بتلا دیا کہ اس میں گناہ کے علاوہ ایسے شخص کے ساتھ بچہ کو لاحق کرنا ہے کہ جس کا وہ بچہ نہیں ہے۔ جس پر حدیث میں بھی وعید آئی ہے

وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ

اور مشروع باتوں میں وہ آپ کے خلاف نہ کریں گی تو آپ ان کو بیعت کر لیا

وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ

کیجئے اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کیا کیجئے

مطلب یہ کہ اگر شرطوں کو قبول کر لیں جن کا اعتقاد کرنا ایمان کی شرط ہے اور عمل کے التزام سے ایمان کامل ہوتا ہے تو آپ ان کو مسلمان سمجھئے اور گذشتہ گناہوں کی مغفرت اگرچہ اسلام ہی سے ہو جاتی ہے مگر استغفار کا حکم حضور کو فرمانا یا تو اس لئے ہے کہ مغفرت کے آثار کامل طور پر مرتب ہوں یا مطلب اس کا یہ ہے کہ ان کے ایمان قبول ہونے کی دعا کیجئے جس پر مغفرت موقوف ہے۔

ربط: اوپر مطلقاً کفار سے تعلقات رکھنے کا بیان تھا جس میں زیادہ مضامین مشرکوں کے متعلق تھے آگے یہودیوں سے تعلق رکھنے کے بارہ میں ارشاد ہے کہ وہ مدینہ میں بکثرت تھے۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

بے شک اللہ غفور رحیم ہے اے ایمان والو ان لوگوں سے (بھی)

اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ

دوستی مت کرو) جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب فرمایا ہے کہ وہ

قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ

آخرت (کے خیر و ثواب سے) ایسے ناامید ہو گئے ہیں جیسے کفار جو قبروں

مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ⑬ ع

میں (مدفون) ہیں ناامید ہیں

یایھا الذین امنوا تا اصحٰب القبور چونکہ کافر کو مرنے کے بعد آخرت کا معائنہ ہو جاتا ہے اس لئے وہ حقیقت پر یقین کے ساتھ مطلع ہو کر جان لیتا ہے کہ اب میری ہرگز بخشش نہ ہوگی اور یہود چونکہ آپ کی نبوت کو اسی طرح مخالف رسول کے کافر ہونے اور نجات نہ پانے کو خوب جانتے تھے گو حسد اور ریا کی وجہ سے اتباع نہ کرتے تھے جیسا کہ آیت **یعرفونہ کما یعرفون ابنآء ھم** میں مذکور ہے اس لئے ان کو دل سے یقین تھا کہ ہماری نجات نہ ہوگی اگرچہ شیخی کے مارے بظاہر اس کے خلاف کہتے تھے تو جن کی گمراہی ایسی مسلم ہے کہ وہ خود بھی دل سے اس کو تسلیم کرتے ہیں ایسے گمراہوں سے تعلق رکھنا کیا ضرور اور دوستی کا تعلق اگرچہ ہر کافر کے ساتھ ناجائز ہے گو اس درجہ کا گمراہ نہ ہو مگر ایسوں کے ساتھ دوستی کرنا اور بھی سخت بات ہے اور یہود کی تخصیص اس جگہ شاید اس لئے ہو کہ وہ مدینہ میں زیادہ آباد تھے دوسرے وہ مفسد بھی بہت تھے ۱۲

سورة الصف مدنية وايها اربع عشر كذافي البيضاوى

ربط: اوپر کی سورت میں کفار سے دوستی نہ رکھنے کا ذکر تھا اس سورت میں کفار سے لڑائی کا ذکر ہے اور کچھ مضمون اس کے تابع ہو کر بیان ہوا ہے

بسم الله الرحمن الرحيم. سبح الله تا ظاهرين

(۶۱) سُوْرَةُ الصَّفِّ مَدَنِيَّةٌ (۱-۹)

سورۂ صف مدینہ میں نازل ہوئی اور اس میں چودہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ

سب چیزیں اللہ ہی کی پاکی بیان کرتی ہیں (قالاً یا حالاً) جو کچھ آسمانوں میں

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۱

ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں اور وہی زبردست حکمت والا ہے

پس جو ایسا باعظمت وشان ہو اس کی اطاعت ہر حکم میں ضرور ہے جن میں سے ایک حکم جہاد کا ہے جو اس سورت میں مذکور ہے جس کے نزول کا سبب موافق روایات درمنثور یہ ہے کہ ایک بار بعض مسلمانوں نے باہم تذکرہ کیا کہ اگر ہم کو کوئی ایسا عمل معلوم ہو جو حق تعالیٰ کے نزدیک نہایت محبوب ہو تو ہم اس کو عمل میں لاویں اور اس کے قبل جنگ احد میں بعضے جہاد سے بھاگ چکے تھے جس کا قصہ سورہ آل عمران میں ہے اور نیز وقت نزول حکم جہاد کے بعض کو وہ حکم گراں گزرا تھا جس کا قصہ سورہ نساء میں ہے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا

اے ایمان والو ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو

تَفْعَلُوْنَ ۝۲ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ

خدا کے نزدیک یہ بات بہت ناراضی کی ہے کہ

تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝۳ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ

ایسی بات کہو جو کرو نہیں اللہ تعالیٰ تو ان لوگوں کو (خاص طور پر) پسند کرتا ہے

الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ

جو اس کے راستہ میں اس طرح مل کر لڑتے ہیں کہ گویا وہ ایک عمارت ہے کہ

بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝۴

جس میں سیسہ پلایا گیا ہے

یعنی ایسی عمارت مضبوط ہوتی ہے اسی طرح وہ مجاہدین دشمن کے مقابلہ سے ہٹتے نہیں مطلب یہ ہوا کہ تم جو کہتے ہو کہ ہم کو خدا کے نزدیک جو کام محبوب ہو وہ معلوم ہو جائے سو خدا کے نزدیک تو جہاد محبوب ہے پھر اس کا حکم نازل ہونے کے وقت گرانی کیوں ہوئی تھی اور احد میں کیوں بھاگ گئے تھے ان تمام باتوں کے پیش نظر ہوتے ہوئے ایسے دعویٰ کی باتیں کرنا نہایت نازیبا اور خدا کو ناپسند ہیں پس یہاں دعویٰ کرنے پر دھمکی ہے اس سے وعظ بلاعمل کی ممانعت لازم نہیں آتی آگے بتلاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب اور مخالفت اور ایذا کی وجہ سے کفار قتل وقتال کے مستحق ہیں اور اسی مناسبت سے موسیٰ علیہ السلام وعیسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان فرماتے ہیں ۱۲

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ

اور (وہ وقت قابل ذکر ہے) جب کہ موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم مجھ کو

وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ۭ

کیوں ایذا پہنچاتے ہو حالانکہ تم کو معلوم ہے کہ میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں

وہ ایذائیں مختلف طور پر تھیں جن میں سے بعض بعض قرآن مجید میں بھی خصوص سورہ بقر میں مذکور ہیں اور حاصل ان سب کا عصیان اور مخالفت ہے۔

فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ

پھر جب اس فہمائش پر بھی) وہ لوگ ٹیڑھے ہی رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو اور زیادہ ٹیڑھا کر دیا

یعنی مخالفت اور نافرمانی کا مادہ اور زیادہ بڑھ گیا جیسا کہ قاعدہ ہے کہ ہمیشہ گناہ کرنے سے روزانہ اطاعت سے بعد ہوتا جاتا ہے۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۵

اور اللہ (کا معمول ہے) کہ وہ اپنے نافرمانوں کو ہدایت (کی توفیق) نہیں دیتا

اسی طرح یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انواع مخالفت سے ایذائیں پہنچاتے ہیں اس لئے یہ ان کا زیغ اور فسق متزائد ہو جاتا ہے کہ امید اصلاح نہیں رہی پس ان کے فساد مٹانے کے لئے قتال کا حکم دینا مصلحت ہوا۔

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ

اور اسی طرح) وہ وقت بھی قابل تذکرہ ہے) جبکہ عیسیٰ بن

رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ

مریم نے فرمایا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں

مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ

کہ مجھ سے جو پہلے توراۃ آچکی ہے میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور میرے بعد جو ایک رسول آنے والا ہے جن کا نام (مبارک) احمد ہوگا میں

بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ

ان کی بشارت دینے والا ہوں

احقر کے نزدیک مطلب اس سے اپنی شریعت کے احکام اور اس کے باقی رہنے کی مدت بتلانا ہے یعنی میری شریعت تو توریت کے احکام ہیں بجز بعض احکام کے جو عیسیٰ علیہ السلام کے آنے سے منسوخ ہوگئے تھے جیسا کہ **واحل لکم بعض الذی حرم علیکم** سے معلوم ہوتا ہے اور حضور کی بشارت دینے سے اپنی شریعت کے بقاء کی غایت بتلا دی کہ جو رسول میرے بعد آویں گے ان کے آنے تک میری شریعت رہے گی اور چونکہ وہ رسول مستقل ہیں جیسا کہ خود عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے اس لئے ان کا پہلی شریعتوں کو منسوخ کر دینا بھی ضروری ہے اور مقصود اس کے بتلانے سے اپنی امت کی ہدایت مکمل کرنا ہے کہ کبھی ایسا نہ ہو کہ اس وقت مجھ پر ایمان لا کر پھر اس رسول کا انکار کر کے کافر ہوجاویں اور عیسیٰ علیہ السلام سے اس بشارت کا منقول ہونا حدیثوں میں خود اہل کتاب کے ایمان سے ثابت ہے ابوداؤد کی روایت میں نجاشی بادشاہ حبشہ کا قول مذکور ہے کہ واقعی آپ ہی ہیں جن کی بشارت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی ترمذی میں عبداللہ بن سلام کا قول آیا ہے جو کہ علماء یہود سے تھے کہ توریت میں حضور کی صفت لکھی ہے اور یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام آپ کے ساتھ مدفون ہونگے اور مولانا رحمت اللہ صاحب نے اظہار الحق میں خود توریت کے موجودہ نسخوں سے چند بشارتیں نقل کی ہیں اور موجودہ انجیلوں میں ان مضامین کا نہ ہونا اس لئے مضر نہ ہوا کہ محققین کے نزدیک انجیلوں کے نسخے محفوظ نہیں رہے تاہم جو کچھ موجود ہیں ان میں بھی اس قسم کا مضمون موجود ہے چنانچہ یوحنا کی انجیل مترجمہ عربی مطبوعہ لندن ۱۸۳۱ء و ۱۸۳۳ء کے چودھویں باب میں ہے کہ تمہارے لئے میرا جانا ہی بہتر ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو فارقلیط تمہارے پاس نہ آوے پس اگر میں جاؤں تو اس کو تمہارے پاس بھیج دوں گا فارقلیط احمد کا ترجمہ ہے یعنی بہت سراہا گیا یا بہت حمد کرنے والا۔ اہل کتاب کی عادت ہے کہ وہ ناموں کا بھی ترجمہ کر دیتے ہیں اور بعض عبرانی نسخوں میں اب تک نام مبارک احمد موجود ہے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۶

پھر وہ جب ان لوگوں کے پاس کھلی دلیلیں لائے تو وہ لوگ (ان دلائل یعنی معجزات کی نسبت) کہنے لگے یہ صریح جادو ہے

اور جادو بتا کر نبوت کی تکذیب کی اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ نبوت میں اس وقت کے کافروں نے آپ کی مخالفت کی اور یہ بڑا ظلم ہے پس اس ظلم کے روکنے کے لئے جہاد کا حکم دینا مصلحت ہوا۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ

اور (واقعی) اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے

وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي

حالانکہ وہ اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے اور اللہ ایسے ظالم لوگوں

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۷

کو ہدایت (کی توفیق) نہیں دیا کرتا

اللہ پر جھوٹ باندھنا یہ کہ نبوت کو جھٹلایا کیونکہ ثابت شدہ بات کی نفی کرنا اور جو ثابت نہ ہو اس کو ثابت کرنا دونوں میں خدا پر جھوٹ باندھنا ہے اور **وھو یدعی** اس لئے بڑھایا تاکہ زیادہ قباحت ظاہر ہو کہ نہ تو خود متنبہ ہوا نہ دوسرے کی تنبیہ کرنے سے متنبہ ہوا اور **واللہ لایھدی** اس لئے بڑھایا کہ جس کو اسلام کی خبر نہ پہنچی ہو اول اس کو اسلام کی طرف دعوت کرنا چاہیے جب اس سے انکار کرے جو بظاہر ناامیدی کی علامت ہے تب جہاد جائز ہے آگے جہاد کی ترغیب کے لئے نصرت اور غلبہ حق اور باطل کے مغلوب ہونے کا وعدہ ہے ۱۲۔

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ؕ

یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور (یعنی دین اسلام) کو اپنے منہ سے (پھونک مار کر)

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۸ هُوَ

بجھادیں حالانکہ اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا گو کافر لوگ کیسے ہی ناخوش ہوں

الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ

(چنانچہ) وہ اللہ ایسا ہی ہے جس نے (اس تمام نور کے لئے) اپنے رسول کو ہدایت (کا

لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝۹ ع

سامان یعنی قرآن) اور سچا دین (یعنی اسلام) دے کر بھیجا ہے تاکہ اس (دین) کو بقیہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ

دینوں پر غالب کردے (کہ یہی اہتمام ہے) گو مشرک کیسے ہی ناخوش ہوں اے ایمان

تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۱۰﴾ تُؤْمِنُوْنَ

والو کیا میں تم کو ایسی سوداگری بتلاؤں جو تم کو ایک دردناک عذاب سے بچالے اور وہ یہ کہ

بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ ہی کی راہ میں اپنے مال اور جان سے

بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ

جہاد کرو یہ تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو جب ایسا کروگے تو اللہ

كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ

تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کرے گا اور تم کو (جنت کے) ایسے باغوں میں داخل کرے گا

وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور عمدہ مکانوں میں داخل کرے گا جو ہمیشہ رہنے

وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ

کے باغوں میں (بنے) ہوں گے یہ بڑی کامیابی ہے (اور اس ثمرہ اخرویہ) کے علاوہ

الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ۭ

ایک اور (ثمرہ دنیویہ) بھی ہے کہ تم ان کو بھی خاص طور پر پسند کرتے ہو

یعنی تدبیر عملی کے ساتھ منہ سے بھی رو در رو اعتراض کی باتیں اس غرض سے کرتے ہیں کہ دین حق کو فروغ نہ ہو اور بعض اوقات قولی شبہات موثر تر ہوتے ہیں یا یہ تمثیل ہے کہ ان کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی منہ سے نور الٰہی کو بجھانا چاہتا ہو یعنی ایسے طریقہ سے بجھاوے جس میں ناکام رہے ۱۲۔

اور اس کا خاص طور پر محبوب ہونا اسلئے ہے کہ انسان طبعاً ثمرہ عاجلہ بھی چاہتا ہے۔

نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

(یعنی) اللہ کی طرف سے مدد اور جلدی فتح یابی لہٰذا اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ مومنین کو بشارت دے دیجئے

چنانچہ فتح ونصر کی پیشین گوئی کا ظہور اظہر من الشمس ہے آگے اصحاب عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ یاد دلا کر نصرت دین کی ترغیب دیتے ہیں ۱۲ منہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ

اے ایمان والو تم اللہ کے (دین کے) مددگار ہو جاؤ

اس طریقہ سے جو کہ تمہارے لئے مقرر ہے یعنی جہاد

كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ

جیسا کہ عیسیٰ بن مریم نے (ان) حواریین سے فرمایا کہ اللہ کے

مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ

واسطے میرا کون مددگار ہوتا ہے

اس وقت لوگ کثرت سے عیسیٰ علیہ السلام کے دشمن اور مخالف تھے تو حواریین اپنی شریعت کے طریقہ کے موافق دین کے حامی ہوئے۔

قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ

وہ حواری بولے ہم اللہ (کے دین) کے مددگار ہیں

چنانچہ ان حواریوں نے دین کی یہ مدد کی کہ اس کی اشاعت میں کوشش کی۔

اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ

اس کوشش کے بعد بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگ ایمان لائے

وَكَفَرَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ ۚ

اور کچھ لوگ منکر ہوئے

پھر عیسائیوں میں باہم اختلاف مذہبی سے عداوت اور خانہ جنگیاں ہوئیں یا مذہبی گفتگو ہوئی۔

فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰي عَدُوِّهِمْ

سو ہم نے ایمان والوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں تائید کی

فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ﴿۱۴﴾ ع

سو وہ غالب ہو گئے

اسی طرح تم دین محمدی کے لئے کوشش اور جہاد کرو اور اگر ابتداءً ان خانہ جنگیوں کی کفار کی طرف سے ہو تو دین عیسوی میں جہاد کا ہونا لازم نہیں آتا۔

سورة الجمعة مدينة وايها احدى عشره كذافى البيضاوى

ربط: اوپر کی سورت میں توحید و رسالت کا اثبات اور مکذبین کا مستحق عقوبت یعنی قتل ہونا مذکور تھا اس سورت کے اول میں توحید ورسالت کا اثبات اور مکذبین میں سے یہود کا جو بعنوان قوم موسیٰ اوپر کی سورت میں مذکور ہوئے ہیں مستحق مذمت ووعید ہونا مذکور ہے اور چونکہ ان یہود کا اصل مرض حب دنیا تھا اس لئے مسلمانوں کو اس سے بچانے کے لئے دوسرے رکوع میں بضمن احکام جمعہ آخرت کو دنیا پر ترجیح دینے کا امر اور عکس سے نہی ارشاد ہے پس دونوں سورتوں کے اخیر میں تجارت کا ذکر ہے اول میں دینیہ کا دوسری میں دنیویہ کا۔

(۶۲) سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ (۱۱۰)

سورہ جمعہ مدینہ میں نازل ہوئی اور اس میں گیارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ

سب چیزیں جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں (قالاً یا حالاً) اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں جو کہ بادشاہ ہے (عیبوں) سے پاک ہے

الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝۱ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ

زبردست حکمت والا ہے وہی ہے جس نے (عرب کے ناخواندہ لوگوں میں

فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ

ان ہی (کی قوم) میں سے (یعنی عرب میں سے ایک پیغمبر بھیجا (جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو عقائد باطلہ واخلاق ذمیمہ سے)

وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ

پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور دانشمندی کی باتیں

بسم الله الرحمن الرحيم. يسبح لله تا بما كنتم تعملون

جس میں سب علوم دینیہ ضروریہ آ گئے

وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۲

سکھلاتے ہیں اور یہ لوگ (آپ کی بعثت) کے پہلے سے کھلی گمراہی میں تھے

کہ وہ شرک و کفر ہے مراد اکثر ہیں کیونکہ جاہلیت میں بھی بعضے موحد تھے مگر تاہم تکمیل ہدایت کے وہ بھی محتاج تھے۔

وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ

وہ علاوہ ان موجودین کے) دوسروں کے لئے بھی ان میں سے جو ہنوز ان میں شامل نہیں ہوئے

خواہ بوجہ اس کے کہ موجود ہیں مگر اسلام نہیں لائے یا بوجہ اس کے کہ ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے اس میں تمام امت قیامت تک عربی و عجمی سب آ گئے اور ان کو منھم باعتبار اسلام کے فرمایا کیونکہ مسلمان سب متحد ہیں کذا فی الخازن ۱۲

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۳ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ

وہ زبردست حکمت والا ہے یہ رسول کے ذریعہ سے گمراہی سے نکل کر ہدایت کی طرف

مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۴

آنا) خدا کا فضل ہے وہ فضل جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے

کہ اپنی قدرت وحکمت سے ایسا نبی بھیجا اور اوپر ان صفات کا فی نفسہ حق تعالیٰ کے لئے ثابت کرنا مقصود تھا اور یہاں خاص رسول کے بھیجنے میں قدرت وحکمت کا ثابت کرنا مقصود ہے پس تکرار نہ رہا ۲

اگر سب کو بھی عنایت کرے تو وسعت ہے مگر وہ اپنی حکمت سے جس کو چاہے اس کی تخصیص فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بے بہرہ رکھتا ہے جیسا کہ اوپر امیین کے ایمان لانے سے اور آئندہ کی آیت میں علماء یہود کے ایمان نہ لانے سے یہ امر ظاہر ہے آگے بعض مکذبین رسالت کی تقبیح کی ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا

جن لوگوں کو توراۃ پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا پھر انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان

كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ بِئْسَ

کی حالت اس گدھے کی سی حالت ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہے

مگر ان کتب کے نفع سے محروم رہے اسی طرح اصل مقصود اور نفع علم کا عمل ہے جب یہ نہ ہوا تو صرف تحصیل وحفظ علم میں تعب ہی تعب ہے تو بالکل ایسی ہی مثال ہوگئی اور گدھے کی تخصیص اس لئے کی کہ وہ جانوروں میں بے وقوف مشہور ہے تو اس میں زیادہ تنفیر ہوگئی۔

مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ

غرض ان لوگوں کی بری حالت ہے جنہوں نے خدا کی آیتوں کو جھٹلایا (جیسے

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥﴾

یہود ہیں) اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو (توفیق) ہدایت (کی) نہیں دیا کرتا

کیونکہ جان کر عناد کرتے رہے اور اگر ہدایت ہوگی تو عناد چھوڑنے کے بعد ہوگی اور تورات پر عمل کرنے کے لئے آپ پر ایمان لانا لازم ہے جیسا کہ اس میں حکم ہے پس آپ پر ایمان نہ لانا تورات پر عمل نہ کرنے کو مستلزم ہے آگے اس کا جواب ہے کہ وہ لوگ باوجود اس حالت کے بھی اپنے کو اللہ کے نزدیک مقبول بتلاتے ہیں۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ

(اور اگر یہ لوگ یہ کہیں کہ ہم باوجود اس حالت کے بھی اللہ کے مقبول ہیں تو) آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اے یہودیو اگر تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ تم بلاشرکت

لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ

غیرے اللہ کے مقبول (ومحبوب) ہو تو تم (اس کی تصدیق کے لئے) موت

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٦﴾ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًاۢ بِمَا

کی تمنا کر (کے دکھلا دو) اگر تم (اس دعویٰ میں) سچے ہو اور وہ کبھی اس کی تمنا نہ کریں گے بوجہ (خوف وسزا) ان اعمال (کفریہ) کے جو اپنے ہاتھوں سمیٹے

قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٧﴾

ہیں اور اللہ کو خوب اطلاع ہے ان ظالموں (کے حال کی

جب تاریخ مقدمہ کی آوے گی فرد قرارداد جرم سنا کر سزا کا حکم کر دیا جائے گا۔ ربط تمہید سورت میں گزر چکا اور سبب نزول ان آیات میں سے آخیر آیت کا یہ ہے کہ ایک بار آپؐ جمعہ کا خطبہ پڑھتے تھے کہ مدینہ میں ایک قافلہ غلہ لے کر آیا اور اس کے ساتھ اعلان کے لئے دف بجتا تھا بہت سے آدمی خطبہ چھوڑ کر غلہ خریدنے چلے گئے اور بارہ آدمی رہ گئے اس پر یہ آیت آئی کذا فی الصحاح اور درمنثور وغیرہ میں مراسیل ابوداؤد وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ اس وقت خطبہ بعد نماز کے ہوا کرتا تھا لوگ یوں سمجھے کہ نماز اصل مقصود ہے وہ ہو ہی چکی ہے خطبہ اگر نہ سنا جاوے کچھ حرج نہیں اور اگر ثابت ہو جاوے کہ خطبہ مقدم تھا تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان لوگوں کا ارادہ فوراً واپس آ جانے کا ہوگا۔

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ

آپ (ان سے یہ بھی) کہہ دیجئے کہ جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ (موت

مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ

ایک روز) تم کو آ پکڑے گی پھر تم پوشیدہ اور ظاہر جاننے والے (خدا کے پاس

وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٨﴾ ع

لے جائے جاؤ گے پھر وہ تم کو تمہارے سب کیے ہوئے کام بتلا دے گا اور (سزا

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ

بھی دے گا) اے ایمان والو جب جمعہ کے روز نماز (جمعہ) کے لئے اذان کہی

مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ

جایا کرے تو تم اللہ کی یاد (یعنی نماز و خطبہ) کی طرف (فوراً) چل پڑا کرو اور

وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ

خرید و فروخت (اور اسی طرح دوسرے مشاغل جو چلنے سے مانع ہوں) چھوڑ دیا

یاایھاالذین امنوا تا خیر الرازقین اور بیع کی تخصیص زیادہ اہتمام کی وجہ سے ہے کیونکہ اس کے چھوڑنے کو نفع فوت ہونے کا سبب سمجھتے ہیں۔

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٩﴾ فَاِذَا

کرو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اگر تم کو کچھ سمجھ ہو (کیونکہ اس کا نفع باقی

قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ

ہے) اور بیع وغیرہ کا فانی) پھر جب نماز جمعہ پوری ہو چکے تو (اس وقت تم کو

وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ

اجازت ہے کہ) تم زمین پر چلو پھرو اور خدا کی روزی تلاش کرو

یعنی اس وقت نماز ادا کر کے کاموں میں چلنا پھرنا جائز ہے اور اگر اس وقت خطبہ نماز کے بعد ہوتا تھا تو نماز پوری ہونے سے مراد یہ ہے کہ اپنے تمام متعلقات کے ساتھ پوری ہو جائے جس کا حاصل یہ ہے کہ نماز اور خطبہ دونوں ہو چکیں۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا

اور (اس میں بھی) اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو

یعنی دنیوی مشاغل میں ایسے منہمک مت ہو جاؤ کہ احکام اور ضروری عبادات سے غافل ہو جاؤ۔ یاایھاالذین امنوا میں خطاب ان لوگوں کو ہے

جن پر جمعہ فرض ہے کیونکہ بعض پر بالا جماع جمعہ فرض نہیں اور سعی سے مراد دوڑنا نہیں صرف چلنا مراد ہے مبالغہ اور اہتمام کے لئے سعی فرمادیا اور اذان سے مراد وہ اذان ہے جو آیت نازل ہونے کے وقت تھی یعنی جو امام کے سامنے ہوتی ہے کیونکہ پہلی اذان صحابہ کے اجماع سے بعد میں مقرر ہوئی ہے لیکن بیع وغیرہ کے حرام ہونے میں اس کا حکم بھی دوسری اذان کے مثل ہے البتہ دوسری اذان میں یہ حکم قطعی ہے اور پہلی اذان میں ظنی ہے اس سے تمام علمی اشکالات رفع ہوگئے اور جو صحابہ اٹھ کر چلے گئے ان کی ابتدائی حالت تھی پھر روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ قحط اور بھوک کا تھا پھر بڑے صحابہ سے اس کا صدور نہ ہوا تھا پھر غلطی اجتہادی تھی اس لئے اعتراض کی گنجائش نہیں۔

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ⑩ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ

تا کہ تم کو فلاح ہو اور بعضے لوگوں کا یہ حال ہے کہ) وہ لوگ جب کسی تجارت یا مشغولی کی

لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ قُلْ

چیز کو دیکھتے ہیں تو وہ اس کی طرف دوڑنے کے لئے بکھر جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا ہوا

مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ؕ

چھوڑ جاتے ہیں آپ فرمادیجئے کہ جو چیز (از قسم ثواب وقرب) خدا کے پاس ہے وہ

وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ⑪ ع

ایسے مشغلے اور تجارت سے بدرجہا بہتر ہے اور اللہ سب سے اچھا روزی پہنچانے والا ہے

یعنی اگر تجارت وغیرہ سے رزق زیادہ ہونے کی جمع ہو تو سمجھ لو کہ خدا کی ضروری طاعات میں مشغول رہنے سے یہ رزق مقدر بھی ملتا ہے پھر اس کے احکام کو کیوں ترک کیا جائے۔

سورة المنفقين مدنية و ايها احدى عشر

ربط: اوپر کی سورت میں یہود کا ذکر تھا اس سورت میں منافقین کا ذکر ہے اور پہلی سورت میں آخرت کو دنیا پر ترجیح دینے کا حکم تھا وہی اس سورۃ کے اخیر میں ہے اور منافقین اپنے مال اور خدم وحشم پر گھمنڈ کرتے تھے جیسا کہ آگے معلوم ہوگا اس لئے مال واولاد کے ساتھ زیادہ دل لگانے سے منع فرمایا ہے اور شان نزول ان آیتوں کا جن میں منافقین کا ذکر ہے یہ ہے کہ کسی غزوہ میں انصار ومہاجرین میں تکرار ہوگیا اس پر عبداللہ بن ابی بگڑا کہ تم نے ان پردیسیوں کو روٹیاں کھلا کھلا کر بگاڑ دیا اب کے مدینہ پہنچ کر ان لوگوں کو خرچ دینا بند کردو خود ہی چلے جائیں گے اور یہ بھی کہا کہ ہم عزت والے ہیں ان ذلت والوں کو نکال دیں گے یہ بات زید بن ارقم صحابیؓ نے سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کہی آپ نے ابن ابی اور اس کے رفقاء کو بلا کر پوچھا وہ صاف مکر گیا اور قسمیں کھا گیا زید بن ارقم کو بڑا رنج ہوا اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں کذا فی الصحاح اور جن لوگوں کو ابن کا کہنا معلوم تھا انہوں نے اس سے کہا کہ تو جا کر حضرت کے سامنے توبہ کر لے اس نے انکار کردیا کذا فی الدر المنثور اور چونکہ سب منافقین اس قول کے پسند کرنے میں شریک اور ہمراہی تھے لہذا سب کی طرف نسبت کردی ۱۲

بسم الله الرحمن الرحيم. اذا جآء ک المنفقون تا لايعلمون

(۶۳) سُوْرَةُ الْمُنٰفِقُوْنَ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۴)

سورہ منافقون مدینہ میں نازل ہوئی اور اس میں گیارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان ہیں نہایت رحم والے

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ

جب آپ کے پاس یہ منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم دل سے گواہی دیتے ہیں کہ آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں اور یہ تو اللہ کو معلوم ہے کہ آپ

اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ

اللہ کے رسول ہیں اس میں تو ان کے قول کی تکذیب نہیں کی جاتی اور (باوجود

يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ① ج

اس کے) اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین (اس کہنے میں) جھوٹے ہیں

کہ ہم دل سے گواہی دیتے ہیں کیونکہ وہ گواہی محض زبانی ہے دل سے نہیں

اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ

ان لوگوں نے اپنی قسموں کو اپنی جان ومال بچانے کے لئے سپر بنا رکھا ہے

کیونکہ اظہار کفر سے ان کی حالت بھی مثل دوسرے کفار کے ہوتی کہ جہاد کیا جاتا اور قتل وغارت ہوتا۔

اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ② ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

پھر یہ لوگ (دوسروں کو بھی) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں بے شک ان کے یہ اعمال برے ہیں (اور ہمارا یہ کہنا کہ ان کے اعمال بہت برے ہیں اس سبب سے ہے

اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا

کہ یہ لوگ (اول ظاہر میں ایمان لائے پھر (کلمات کفریہ کہہ کر) کافر ہوگئے

مطلب یہ کہ ہمارا یہ کہنا کہ ان کے اعمال بہت ہی برے ہیں ان کے نفاق کے سبب سے ہے کہ وہ بدترین اعمال میں سے ہے ۱۲

فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۳﴾

سو ان کے دلوں پر مہر لگادی گئی تو یہ (حق بات کو) نہیں سمجھتے اور جب آپ

وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ۭ وَاِنْ

ان کو دیکھیں تو (شان و شوکت کی وجہ سے) ان کے قد و قامت آپ کو

يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۭ

خوشنما معلوم ہوں اور اگر یہ باتیں کرنے لگیں تو آپ ان کی باتیں سن لیں

کیونکہ ظاہر میں بڑے چکنے چپڑے اور باتوں میں بڑے فصیح و بلیغ ہیں لیکن اندر خاک بھی نہیں اس لئے آگے ظاہری قد و قامت کے ساتھ اندر سے خالی ہونے میں ان کی ایک مثال بیان فرماتے ہیں۔

كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ۭ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ

گویا یہ لکڑیاں ہیں جو (دیوار کے) سہارے سے لگائی ہوئی (کھڑی) ہیں

کہ جثہ میں تو لمبی چوڑی موٹی موٹی مگر بے جان محض اور تیز بنا بر اس عادت کے کہ اکثر جو لکڑی کام میں فی الحال نہیں آتی وہ اس طرح رکھ دی جاتی ہے ایسی لکڑی بے نفع محض بھی ہے اسی طرح یہ لوگ ظاہری دیکھنے میں تو شاندار لیکن اندر سے محض بے کار۔

صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۭ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۭ

ہر غل پکار کو (خواہ کسی وجہ سے ہو) اپنے اوپر پڑنے والی) خیال کرنے لگتے ہیں

کیونکہ ایمان و اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے ہر وقت ان کو اندیشہ رہتا ہے کہ کبھی مسلمانوں کو ہمارے حال کی اطلاع قرینہ سے یا وحی کے ذریعہ سے نہ ہو جائے اور دوسرے کفار کی طرح ہم پر بھی جہاد وغیرہ نہ ہونے لگے اس لئے ہر ہر بات سے ڈرتے ہیں جب کوئی شور غل ہوتا ہے یہی سمجھتے ہیں کہ کہیں ہمارے اوپر ہی کوئی مصیبت نہ آنے والی ہو۔

قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۡ ز

یہی لوگ (تمہارے پورے) دشمن ہیں آپ ان سے ہوشیار رہیے

یعنی ان کی کسی بات پر اعتماد نہ کیجئے۔

اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۴﴾

خدا ان کو غارت کریں (دین حق سے) کہاں پھرے جاتے ہیں

یعنی روزانہ دور ہی ہوتے جاتے ہیں۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ (رسول اللہ کے پاس) آؤ تمہارے لئے رسول اللہ استغفار کردیں تو وہ اپنا سر پھیر لیتے ہیں اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ وہ (اس

اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ

نصیحت اور تحصیل استغفار سے) تکبر کرتے ہیں بے رخی کرتے ہیں (جب ان

مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۵﴾ سَوَاۗءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ

کے کفر کی یہ حالت ہے تو) ان کے حق میں دونوں باتیں برابر ہیں خواہ ان کے

اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ

لئے آپ استغفار کریں یا ان کے لئے استغفار نہ کریں اللہ تعالیٰ ہرگز نہ بخشے گا

مطلب یہ کہ اگر وہ آپ کے پاس آتے بھی اور آپ ان کی ظاہری حالت کے اعتبار سے استغفار بھی فرماتے تب بھی ان کو کچھ نفع نہ ہوتا یہ تو ان کی حالت زمانہ گذشتہ کے اعتبار سے ہوئی آئندہ حالت کے متعلق آگے ارشاد ہے ۱۲۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۶﴾ هُمُ

بے شک اللہ تعالیٰ ایسے نافرمان لوگوں کو (توفیق) ہدایت (کی) نہیں دیتا یہ وہ

الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰي مَنْ عِنْدَ

ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس (جمع) ہیں ان

رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ۭ وَلِلّٰهِ خَزَاۗىِٕنُ

پر کچھ خرچ مت کرو یہاں تک کہ یہ آپ ہی منتشر ہو جائیں گے اور (ان کا یہ کہنا

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا

جہل محض ہے کیونکہ) اللہ ہی کے ہیں سب خزانے آسمانوں کے اور زمین کے

يَفْقَهُوْنَ ﴿۷﴾ يَقُوْلُوْنَ لَىِٕنْ رَّجَعْنَآ اِلَى

ولیکن منافقین سمجھتے نہیں ہیں (اور) یہ (لوگ) کہتے ہیں کہ اگر ہم اب مدینہ میں

الْمَدِیْنَةِ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ

لوٹ کر جائیں گے تو عزت والا وہاں سے ذلت والے کو باہر نکال دے گا

یعنی ہم ان مسافر پردیسیوں کو نکال باہر کریں گے

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَلٰكِنَّ

اور (یہ کہنا جہل محض ہے بلکہ) اللہ ہی کی ہے عزت (بالذات) اور اس کے رسول کی (بواسطہ تعلق مع اللہ کے) اور مسلمانوں کی بواسطہ تعلق مع اللہ اور

الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ۸ ع

رسول کے) لیکن منافقین جانتے نہیں

کہ عزت کا مدار مال اور خدام وحشم وغیرہ کو سمجھتے ہیں جو کہ فانی چیزیں ہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ

اے ایمان والو تم کو تمہارے مال اور اولاد (مراد اس سے مجموعہ دنیا ہے) اللہ

اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ

کی یاد اور اطاعت سے (مراد اس سے مجموعہ دین ہے) غافل نہ کرنے پاویں

یاایھا الذین امنوا تا خبیر بما تعملون یعنی دنیا میں ایسے منہمک مت ہو جانا کہ دین میں خلل پڑنے لگے

وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۹

اور جو ایسا کرے گا ایسے لوگ ناکام رہنے والے ہیں

کیونکہ نفع دنیوی تو ختم ہو جاوے گا اور ضرر اخروی ممتد یا دائم رہ جاوے گا۔

وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ

اور منجملہ طاعت کے ایک طاعت مالیہ کا حکم کیا جاتا ہے کہ) ہم نے جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں سے (حقوق واجبہ) کے اس سے پہلے پہلے خرچ کر لو کہ تم میں

اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَیَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنِیْۤ اِلٰۤى

سے کسی کی موت آ کھڑی ہو پھر وہ (بطور تمنا و حسرت) کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار مجھ کو اور تھوڑے دنوں کیوں مہلت نہ دی کہ میں خیر خیرات

اَجَلٍ قَرِیْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ۱۰

دے لیتا اور نیک کام کرنے والوں میں شامل ہو جاتا اور اللہ تعالیٰ کسی شخص کو جبکہ

وَلَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ وَاللّٰهُ

اس کی میعاد (عمر کے ختم ہونے پر) آ جاتی ہے ہرگز مہلت نہیں دیتا اور اللہ تعالیٰ

خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۱۱ ع

کو تمہارے سب کاموں کی پوری خبر ہے (ویسی ہی جزاء کے مستحق ہوگے)

سورہ تغابن مختلف فیھا وایھا ثمان عشرہ کذافی البیضاوی

ربط: سورہ سابقہ کے اخیر میں آخرت کی ترغیب اور اس کے فکر نہ کرنے سے ڈرایا تھا اس سورت میں آخرت کی فکر کرنے والوں اور نہ کرنے والوں کی جزا کی تفصیل ہے جس سے ترغیب اور ترہیب دونوں کامل ہو گئیں

(۶۴) سُوْرَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِیَّةٌ (۱۰۸)

سورہ تغابن مدینہ میں نازل ہوئی اور اس میں اٹھارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۚ

سب چیزیں جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ کہ زمین میں ہیں اللہ کی پاکی

لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۫ وَهُوَ عَلٰى

(قالاً یا حالاً) بیان کرتی ہیں اسی کی سلطنت ہے اور وہی تعریف کے لائق ہے

كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۱

اور وہ ہر شے پر قادر ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم. یسبح للہ تا العزیز الحکیم یہ تمہید ہوئی اگلے بیان کی کہ جب وہ ایسی صفات کمال کے ساتھ متصف ہے تو اس کی اطاعت واجب اور معصیت قبیح ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ

وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا

جو مقتضی اس کو تھا کہ سب ایمان لاتے۔

فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ؕ وَاللّٰهُ

باوجود اس کے بھی) تم میں بعضے کافر ہیں اور بعضے مومن اور اللہ تمہارے

بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲﴾

اعمال (ایمانیہ) وکفریہ کو دیکھ رہا ہے

پس ہر ایک کے مناسب جزا دے گا۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ

اسی نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طور پر پیدا کیا

فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ج

اور تمہارا نقشہ بنایا سو عمدہ نقشہ بنایا

کیونکہ اعضاء انسانی کے برابر کسی حیوان کے اعضاء میں تناسب نہیں۔

وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۳﴾ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

اور اسی کے پاس (سب کو) لوٹنا ہے (اور) وہ سب چیزوں کو جانتا ہے جو

وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا

آسمانوں اور زمین میں ہیں اور سب چیزوں کو جانتا ہے جو تم پوشیدہ کرتے ہو

تُعْلِنُوْنَ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴﴾

اور جو علانیہ کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ دلوں تک کی باتوں کا جاننے والا ہے

اور یہ تمام امور اس کو مقتضی ہیں کہ تم اس کی اطاعت کیا کرو

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ

کیا تم کو ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جنہوں نے (تم سے) پہلے کفر کیا پھر انہوں

قَبْلُ ز فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ

نے اپنے (ان) اعمال کا وبال (دنیا میں بھی) چکھا اور اس کے علاوہ آخرت

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۵﴾

میں بھی) ان کے لئے عذاب دردناک ہونے والا ہے

تو یہ خبر پہنچانا بھی اطاعت کے لازم ہونے کو چاہتا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ

یہ اس سبب سے ہے کہ ان لوگوں کے پاس ان کے پیغمبر دلائل واضحہ لے کر آئے تو ان لوگوں نے (ان رسولوں کی نسبت) کہا کہ کیا آدمی ہم کو ہدایت کریں گے

یعنی بشر کہیں پیغمبر ہادی ہو سکتا ہے۔

فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ز فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا

غرض انہوں نے کفر کیا اور خدا نے (بھی ان کی کچھ) پرواہ نہ کی

وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ط وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۶﴾

اور اللہ سب سے بے نیاز ہے اور (ستودہ صفات ہے

اس کو نہ کسی کی معصیت سے ضرر اور نہ کسی کی اطاعت سے نفع خود مطیع اور عاصی کا نفع اور ضرر ہے۔

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ط

یہ کافر (مضمون عذاب آخرت کو سن کر) یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ہرگز دوبارہ

قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا

زندہ نہ کئے جاویں گے آپ کہہ دیجئے کیوں نہیں واللہ ضرور دوبارہ زندہ کئے

عَمِلْتُمْ ط وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۷﴾

جاویں گے پھر جو جو کچھ تم نے کیا ہے تم کو سب جتلا دیا جائے گا اور اس پر سزا دی جاوے گی) اور یہ (بعث و جزاء) اللہ کو بالکل آسان ہے سو (تم کو چاہئے کہ) اللہ

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ

پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر (یعنی قرآن پر) کہ ہم نے نازل کیا ہے

اَنْزَلْنَا ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۸﴾

ایمان لاؤ اور اللہ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے اور اس دن کو یاد کرو کہ) جس

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ط

دن تم سب کو ایک جمع ہونے کے دن جمع کرے گا یہی دن ہے سود و زیاں کا

یعنی مسلمانوں کو نفع اور کافروں کا نقصان اس روز عملاً ظاہر ہو جائے گا ۱۲

وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ

اور بیان اس کا یہ ہے کہ) جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور

عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

نیک کام کرتا ہو گا اللہ تعالیٰ اس کے گناہ دور کر دے گا اور اس کو (جنت کے)

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ

ایسے باغوں میں داخل کرے گا جس کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی جن

الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۹ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا

میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے یہ بہت بڑی کامیابی ہے اور جن لوگوں نے کفر

بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ

کیا ہو گا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہو گا یہ لوگ دوزخی ہیں

فِيْهَا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۱۰

اس میں ہمیشہ رہیں گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے

اور جس طرح کفر آخرت کی فلاح سے بالکل روکتا ہے اسی طرح مصیبت میں پڑ کر یا اولاد وازواج کی محبت میں مشغول ہو کر خدا کے احکام میں کوتاہی کرنا بھی آخرت کی فلاح سے کسی قدر روکتا ہے پس پہلے مصیبت کے لئے ایک تعلیم فرماتے ہیں کہ اس مصیبت کے وقت مضمون کو سمجھ لینا چاہئے ۱۲

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ

کوئی مصیبت بدوں حکم خدا کے نہیں آتی اور جو شخص اللہ پر (پورا) ایمان رکھتا

يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ

ہے اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو (صبر و رضا کی) راہ دکھا دیتا ہے اور اللہ ہر چیز کو

عَلِيْمٌ ۝۱۱

خوب جانتا ہے

پس یہ سمجھ کر صبر و رضا اختیار کرنا چاہئے ۱۲

کہ کس نے صبر و رضا اختیار کیا کس نے نہیں کیا اور ہر ایک کو حکمت کے موافق جزا دیتا ہے۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ

اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہر امر میں جس میں مصائب بھی داخل ہیں) اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو اور اگر تم (اطاعت سے) اعراض کرو گے

فَاِنَّمَا عَلٰي رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝۱۲

تو (یاد رکھو) کہ ہمارے رسول کے ذمہ صاف صاف پہنچا دینا ہے

جس کو وہ باحسن وجوہ کر چکے پس ان کا تو کوئی ضرر نہیں تمہارا ہی ضرر ہو گا اور چونکہ اللہ کو ضرر ہونے کا احتمال ہی نہیں ہے اس لئے اس کو یہاں بیان نہیں کیا۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَعَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

اللہ کے سوا کوئی معبود بننے کے قابل نہیں) اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر

الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۳

(مصائب وغیرہ میں توکل رکھنا چاہئے

پس اسی کو معبود سمجھنا چاہئے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

اے ایمان والو

اس میں ایمان کا مضمون جو اوپر مذکور تھا اور جس کا مضمون جو کہ بعد میں مذکور تھا دونوں آ گئے۔

اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ

تمہاری بعض بیبیاں اور اولاد تمہارے دین کی دشمن ہیں سو تم ان سے ہوشیار

فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ

رہو (اور ان کے ایسے امر پر عمل مت کرو)

جیسے مصیبت میں تم کو صبر و رضا کا حکم کیا گیا ہے تا کہ وہ آخرت سے مانع نہ ہو اسی طرح نعمت کے بارہ میں تم کو حکم کیا جاتا ہے کہ اس میں منہمک نہ ہو تا کہ وہ بھی آخرت سے مانع نہ ہو پس نعمت کے بارے میں آگے ایک مضمون کی تعلیم کی جاتی ہے کہ تم کو یوں سمجھنا چاہئے۔

وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا

اور اگر تم معاف کر دو اور درگزر کر جاؤ اور بخش دو

جب کہ وہ اپنے نفع دنیوی کے واسطے تم کو ایسی بات کا امر کریں جو تمہارے لئے مضر آخرت ہو ۱۲

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۴

تو اللہ (تمہارے گناہوں کا) بخشنے والا اور تمہارے حال پر رحم کرنے والا ہے

یعنی اگر تم کو ان کی فرمائشوں پر غصہ آ جاوے تو تم اس وقت ان پر سختی نہ کرنے لگو اور وہ معذرت اور توبہ کرنے لگیں تو ان کی خطا معاف کر دو یعنی سزا نہ دو اور درگزر کر جاؤ یعنی زیادہ ملامت نہ کرو اور بخش دو یعنی اس کو دل اور زبان سے بھلا دو۔

إِنَّمَآ أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۚ

تمہارے اموال اور اولاد بس تمہارے لئے ایک آزمائش کی چیز ہے

اس میں ترغیب ہے عفو کی اور یہ بعض اوقات واجب ہے جب کہ عقوبت سے احتمال غالب بے باکی کا ہو اور بعض اوقات مندوب ہے آگے اولاد کے ساتھ اموال کے متعلق بھی اسی قسم کا مضمون ہے۔

وَاللَّهُ عِندَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿١٥﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا

اور جو شخص ان میں پڑ کر اللہ کو یاد رکھے گا تو اللہ کے پاس اس کے لئے بڑا اجر

اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوا وَأَطِيعُوا وَأَنفِقُوا

ہے تو جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو (اور اس کے احکام کو سنو اور مانو

خَيْرًا لِّأَنفُسِكُمْ ۗ

اور (بالخصوص مواقع حکم میں) خرچ بھی کیا کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا

کہ دیکھیں ان میں پڑ کر خدا کے احکام کو کون بھول جاتا ہے اور کون یاد رکھتا ہے۔

وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٦﴾

اور جو شخص نفسانی حرص سے محفوظ رہا ایسے ہی لوگ (آخرت میں) فلاح پانے والے ہیں

غالباً خرچ کرنے کو خصوصیت کے ساتھ اس لئے بیان کیا کہ یہ نفس پر زیادہ گراں ہے۔

إِن تُقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَاعِفْهُ لَكُمْ

اور اگر تم اللہ کو اچھی طرح (یعنی خلوص کے ساتھ) قرض دو گے تو وہ اس کو تمہارے لئے بڑھاتا چلا جائے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بڑا

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٧﴾

قدردان ہے کہ عمل صالح کو قبول فرماتا ہے اور بڑا بردبار ہے

آگے اس کے بہتر ہونے اور موجب فلاح ہونے کا بیان ہے ۱۲۔

عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٨﴾ ع

پوشیدہ اور ظاہر اعمال کا جاننے والا ہے (اور) زبردست ہے اور (حکمت والا ہے)

کہ گناہ کے کام پر فوراً مواخذہ نہیں فرماتا ۱۲

سورة الطلاق مدنية و ايها اثنتاعشرة كذافى البيضاوى

ربط: سورت سابقہ کے اخیر میں بعض بیبیوں اور اولاد کا دشمن ہونا مذکور تھا چونکہ بعض دفعہ یہ دشمنی کا خیال ان کے واجب حقوق ادا کرنے بھی مانع ہو جاتا ہے خصوصاً جب کہ طلاق وغیرہ سے ظاہراً جدائی بھی ہو جاوے اس لئے اس سورت میں بعض احکام مطلقہ عورتوں اور شیر خوار بچوں کے بیان کرنے سے اس کی اصلاح ہو گئی کہ جب مفارقت میں بھی حقوق کی رعایت واجب ہے تو موافقت میں بدرجہ اولیٰ واجب ہوگی اور چونکہ ان احکام کے درمیان میں چار جگہ تقویٰ کا حکم اور ترغیب ہے اس لئے دوسرے رکوع میں تقویٰ کی تاکید ہے اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ دنیوی معاملات میں بھی احکام شرعیہ کی رعایت واجب ہے بخلاف بعض جاہلوں کے خیال کے کہ وہ دنیوی معاملات کو شریعت سے خارج سمجھتے ہیں

(۶۵) سُورَةُ الطَّلَاقِ مَدَنِيَّةٌ (۹۹)

سورۂ طلاق مدینہ میں نازل ہوئی اور اس میں بارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ

اے پیغمبر (آپ لوگوں سے کہہ دیجئے) کہ جب تم لوگ اپنی (مدخول بہا)

بسم الله الرحمن الرحيم يايها النبى تا يسراً

ایسی عورتیں جن سے صحبت یا تنہائی ہو چکی ہو کیونکہ تنہائی سے بھی عدت واجب ہو جاتی ہے چاہے صحبت نہ کی ہو۔

النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ

عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کو (زمانہ) عدت (یعنی حیض سے پہلے یعنی طہر میں) طلاق دو

اور یہ احادیث صحاح سے ثابت ہے کہ اس طہر میں صحبت نہ ہو اور یہ تفسیر مذہب حنفی پر ہے کہ ان کے نزدیک عدت حیض سے ہے اور شافعیہ کے نزدیک یہ معنی ہوں گے کہ ان کو شروع عدت میں طلاق دو یعنی طہر ہی سے عدت ہے طہر ہی میں طلاق دو

وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ ۖ

اور تم عدت کو یاد رکھو

یعنی مرد و عورت سب یاد رکھیں خاص کر مردوں کو اس لئے خطاب فرمایا کہ عورتوں میں غفلت زیادہ ہوتی ہے تو مردوں کو بھی اس کا اہتمام رکھنا چاہئے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ

اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے

یعنی اس کے بارہ میں جو اس کے احکام ہیں ان کے خلاف نہ کرو مثلاً تین طلاق ایک دفعہ مت دو اور حیض میں طلاق مت دو اور بعض احکام آگے آتے ہیں۔

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ

ان عورتوں کو (ان کے رہنے کے) گھروں سے مت نکالو (کیونکہ سکنی مطلقہ کا مثل منکوحہ کے) واجب ہے

کیونکہ رات شوہر کے گھر گزارنا یہ صرف عورت یا مرد کا حق نہیں ہے کہ اس کی رضامندی سے ساقط ہو جائے بلکہ شرعی حق ہے۔

وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ

اور نہ وہ عورتیں خود نکلیں مگر ہاں کوئی کھلی ہوئی بے حیائی کریں تو اور بات ہے

مثلاً مرتکب بدکاری یا سرقہ کی ہوں تو سزا کے لئے نکالی جاویں یا بقول بعض علماء زبان درازی اور ہر وقت کا رنج و تکرار رکھتی ہوں تو ان کو نکال دینا جائز ہے۔

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ

اور یہ سب خدا کے مقرر کئے ہوئے احکام ہیں اور جو شخص احکام خداوندی سے

فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ

تجاوز کرے (مثلاً اس عورت کو گھر سے نکال دے تو) اس نے اپنی اوپر ظلم کیا

یعنی گنہگار ہوا آگے طلاق دینے والے کو ترغیب دیتے ہیں کہ طلاق میں رجعی بہتر ہے۔

لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ

تجھ کو خبر نہیں شاید اللہ بعد اس (طلاق دینے) کے کوئی نئی بات تیرے دل میں) پیدا

اَمْرًا ① فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ

کر دے (مثلاً) طلاق پر ندامت ہو تو رجعی میں اس کا تدارک ہو سکتا ہے پھر جب وہ

بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا

(مطلقہ عورتیں اپنی عدت گزرنے کے قریب پہنچ جائیں تو تم کو دو اختیار ہیں یا تو ان کو

ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ

قاعدے کے موافق نکاح میں رہنے دو یا قاعدے کے موافق ان کو رہائی دو

یعنی عدت ختم ہونے تک رجعت نہ کرو مطلب یہ کہ تیسری بات مت کرو کہ رکھنا بھی مقصود نہ ہو مگر عدت بڑھانے کے لئے رجعت کر لو۔

وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ

آپس میں دو معتبر شخصوں کو گواہ کر لو

یہ مستحب ہے کذا فی الہدایہ والعنایہ رجعت میں تو اس لئے کہ بعد اقتضائے عدت کبھی عورت اختلاف نہ کرنے لگے اور مفارقت میں اس لئے کہ کبھی اپنا نفس شرارت نہ کرنے لگے کہ جھوٹا دعویٰ کر لے کہ میں رجعت کر چکا تھا۔

ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ

اے گواہو اگر گواہی کی حاجت پڑے تو ٹھیک ٹھیک اللہ کے واسطے بلا رو رعایت گواہی دو اس مضمون سے اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ پر اور

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ

یوم قیامت پر یقین رکھتا ہو

مطلب یہ کہ ایماندار ہی نصائح سے منتفع ہوتے ہیں اور یوں تو نصائح سب کے لئے عام ہیں۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ② وَّيَرْزُقْهُ

اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے وہ اس کے لئے نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور

مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ

اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا اور جو شخص

فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ

اللہ پر توکل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی اصلاح مہمات) کے لئے کافی ہے

اگر نفع اور نقصان اور رزق آخرت کا مراد لیا جائے تب تو یہ معنی ہوں گے کہ عذاب سے نجات دے گا اور جنت کا رزق دے گا کہ اس تک کسی کا گمان بھی نہیں پہنچ سکتا اور اگر نفع نقصان اور رزق دنیا کا مراد ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک ظاہری جو اکثر ہوتی ہے کہ بلا میں ٹل جاویں اور رزق وغیرہ میں فراغت ہو جائے دوسرے ماضی جو تقویٰ سے ہمیشہ حاصل ہوتی ہے کہ اس پر بلا صبر و رضا نصیب ہو جائے کہ یہ بھی اس کی گرفت سے نجات ہے اور تھوڑے رزق پر قناعت ہو جائے کہ اس سے بھی اطمینان و سکون ویسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ بہت رزق سے اور چونکہ نفس کے اطمینان کا طریقہ طعام رزق کی فراخی ہے تو قناعت سے سکون و اطمینان بیگماں ہوا

اس لئے من حیث لا یحتسب اس کو بھی شامل ہے ۱۲
یعنی اس کی شکلیں آسان کرنے میں اپنی کفایت کا خاص اثر ظاہر فرماتا ہے ورنہ خدا کی کفایت تو تمام عالم کے لئے ہے وہ سب ہی کو کافی ہے۔

إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ ۚ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ

اللہ تعالیٰ اپنا کام (جس طرح چاہے) پورا کر کے رہتا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر

قَدْرًا ﴿٣﴾

شے کا اندازہ (اپنے علم میں) مقرر کر رکھا ہے

اور اسی کے موافق اس کا واقع ہونا مصلحت ہوتا ہے آگے پھر احکام کی طرف رجوع ہے۔

وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِن نِّسَائِكُمْ إِنِ

(اوپر عدت کا اجمالاً ذکر تھا) اور تفصیل یہ کہ) تمہاری مطلقہ بیبیوں میں جو عورتیں بوجہ (زیادت سن کے) حیض آنے سے ناامید ہو چکی ہیں اگر تم کو ان

ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ

کی عدت کی تعیین میں شبہ ہو

جیسا کہ واقع میں صحابہ کو شبہ ہوا تھا اور اسی لئے پوچھا تھا

ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ ۚ

تو ان کی عدت تین مہینے ہیں اور اسی طرح جن عورتوں کو (اب تک بسبب کم عمری کے) حیض نہیں آیا

ان کی عدت بھی تین مہینے ہیں

وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ

اور حاملہ عورتوں کی عدت ان کا حمل کا پیدا ہو جانا ہے

خواہ وہ کامل ہوں یا ناقص بشرطیکہ کوئی عضو بن گیا ہو گو ایک انگلی ہی سہی اور چونکہ تقویٰ خود بھی مہتم بالشان ہے اور احکام مذکورہ میں جو کہ متعلق بمعاملات دنیا ہیں عام طبائع میں خیال ہو سکتا ہے کہ ان دنیوی معاملات کا دین سے کیا تعلق ہم جس طرح چاہیں کر لیں اس لئے آگے پھر تقویٰ کا مضمون ہے۔

وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا ﴿٤﴾

اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے ہر ایک کام میں آسانی کر دے گا

آخرت کی یاد دنیا کی ظاہر میں یا باطن میں آگے پھر احکام بجالانے کی تاکید ہے۔

ذَٰلِكَ أَمْرُ اللَّهِ أَنزَلَهُ إِلَيْكُمْ ۚ وَمَن يَتَّقِ

یہ (جو کچھ مذکور ہوا) اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہارے پاس بھیجا ہے اور جو شخص

اللَّهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُعْظِمْ لَهُ أَجْرًا ﴿٥﴾

(ان معاملات میں اور دوسرے امور میں بھی) اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا وہ اس کے گناہ دور کر دے گا (کہ مغفرت غطیہ کا سبب ہے) اور اس کو بڑا اجر دے گا

آگے پھر مطلقات کے احکام کا بیان ہے یعنی علاوہ گھر میں رکھنے کے اور عدت لمبی نہ کرنے کے ان کے اور بھی کچھ حقوق ہیں۔

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ

ان (مطلقہ) عورتوں کو اپنی وسعت کے موافق رہنے کا مکان دو جہاں تم رہتے ہو

یعنی عدت میں سکنیٰ بھی مطلقہ کا واجب ہے البتہ طلاق بائن میں ایک مکان میں خلوت کے ساتھ رہنا جائز نہیں بلکہ حائل ہونا ضرور ہے۔

وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ۚ

ان کو تنگ کرنے کے لئے (اس کے بارے میں) تکلیف مت پہنچاؤ

مثلاً کوئی ایسی بات کرنے لگو جس سے وہ پریشان ہو کر نکل جائیں۔

وَإِن كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنفِقُوا عَلَيْهِنَّ

اور اگر وہ مطلقہ عورتیں حمل والیاں ہوں تو حمل پیدا ہونے تک ان کو (کھانے پینے کا) خرچ دو

بخلاف غیر حمل والیوں کے کہ ان پر خرچ کرنے میں انتہا تین حیض یا تین مہینے ہیں غرض یہاں مقصود خرچ کی غایت بتلانا ہے کہ حمل والیوں کا نفقہ حمل جننے تک واجب ہے مگر خرچ کرنے کا حکم بھی خاص طور پر اس لئے کر دیا کہ ممکن ہے شروع حمل میں طلاق دی ہو تو بچہ جننے تک کی مدت تین حیض یا غالباً تین ماہ سے زیادہ ہوگی اور اتنے دنوں تک نفقہ دینا نفس پر گراں ہوتا ہے اس لئے اس کو صراحۃً فرما دیا اور طلاق والی عورتوں کے لئے مطلقاً نفقہ اور گھر عدت تک دینا یہ حنفیہ کا مذہب ہے اور بعض ائمہ کے نزدیک جس کو طلاق بائن دی گئی ہو اور وہ حاملہ نہ ہو اس کے لئے نہ گھر دینا واجب ہے نہ نفقہ یہ احکام تو عدت کے متعلق تھے۔

حَتَّىٰ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ

پھر اگر وہ (مطلقہ) عورتیں (جبکہ پہلے ہی سے بچے والیاں ہوں یا بچہ ہی پیدا ہونے سے ان کی عدت ختم ہوئی ہے) تمہارے لئے بچہ کو (اجرت پر)

أُجُورَهُنَّ ۚ وَأْتَمِرُوا بَيْنَكُم بِمَعْرُوفٍ ۖ

دودھ پلادیں تو تم ان کو (مقررہ) اجرت دو اور (اجرت کے بارے میں باہم مناسب طور پر مشورہ کرلیا کرو

یعنی نہ تو عورت اس قدر زیادہ مانگے کہ مرد کو دوسری آنا ڈھونڈنی پڑے اور نہ مرد اس قدر کم دینا چاہے کہ عورت اپنا کام نہ چلا سکے بلکہ حتی الامکان دونوں اس کا خیال رکھیں کہ ماں ہی دودھ پلاوے کہ بچہ کی اس میں زیادہ مصلحت ہے۔

وَإِن تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهُ أُخْرَىٰ ﴿٦﴾

اور اگر تم کشمکش کرو گے تو کوئی دوسری عورت دودھ پلاوے گی

مقصود اس خبر سے امر ہے یعنی اور کسی انا کو تلاش کرلیا جاوے نہ ماں کو مجبور کیا جاوے نہ باپ کو اور صورۃ خبر میں یہ نکتہ ہے کہ مرد کو کم اجرت تجویز کرنے پر عتاب ہے کہ آخر کوئی اور پلاوے گی تو وہ بھی غالباً بہت کم نہ لے گی پھر یہ کمی ماں ہی کے لئے کیوں تجویز کی جائے اور عورت کو زیادہ اجرت مانگنے پر عتاب ہے کہ تو نہ پلاوے گی تو اور کوئی میسر ہوجاوے گی کیا دنیا میں ایک تو ہی ہے جو اس قدر گراں بنتی ہے آگے بچہ کے نفقہ کے بارہ میں ارشاد ہے۔

لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ ۖ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ

آگے بچے کے نفقے کے بارے میں ارشاد ہے کہ وسعت والے کو موافق اپنی وسعت کے بچہ پر خرچ کرنا چاہئے اور جس کی آمدنی کم ہو اس کو چاہئے کہ

رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ ۚ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ

اللہ نے جتنا اس کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرے خدا کسی شخص کو اس سے

نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا ۚ

زیادہ تکلیف نہیں دیتا جتنا اس کو اللہ نے دیا

یعنی امیر آدمی اپنی حیثیت کے موافق خرچ اٹھاوے اور غریب آدمی اپنی حیثیت کے موافق۔

اور تنگ دست آدمی خرچ کرتا ہوا اس سے نہ ڈرے کہ خرچ کرنے سے بالکل ہی نہ رہے گا جیسا بعضے آدمی اس خوف سے اولاد کو قتل کر ڈالتے تھے ۱۲۔

سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا ﴿٧﴾ وَكَأَيِّن مِّن

ہے خدا تعالیٰ تنگی کے بعد جلدی فراغت دے گا گو بقدر ضرورت وحاجت روائی سہی

قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ فَحَاسَبْنَاهَا

اور بہت سی بستیاں تھیں جنہوں نے اپنے رب کے حکم ماننے سے اور اس کے

حِسَابًا شَدِيدًا

رسولوں سے سرتابی کی سو ہم نے ان (کے اعمال کا) سخت حساب کیا

مطلب یہ کہ ان کے اعمال کفریہ میں سے کسی عمل کو معاف نہیں کیا بلکہ سب پر سزا تجویز کی اور پرسش کے طور پر حساب مراد نہیں۔

وَعَذَّبْنَاهَا عَذَابًا نُّكْرًا ﴿٨﴾ فَذَاقَتْ وَبَالَ

اور ہم نے ان کو بڑی بھاری سزا دی (کہ وہ سزا اہلاک بالعذاب ہے) غرض

أَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا ﴿٩﴾ أَعَدَّ

انہوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھا اور ان کا انجام کار خسارہ ہی ہوا یہ تو دنیا میں ہوا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایک سخت عذاب تیار کر رکھا ہے اور

اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ

جب انجام نافرمانی کا یہ ہے تو اے سمجھدار وجو کہ ایمان لائے ہو تم خدا سے ڈرو

کیونکہ ایمان بھی اس کو مقتضی ہے اور ڈرنا یہ کہ اطاعت کرو

يَا أُولِي الْأَلْبَابِ ۚ الَّذِينَ آمَنُوا ۚ قَدْ أَنزَلَ

خدا نے تمہارے پاس ایک نصیحت نامہ بھیجا اور وہ نصیحت نامہ دے کر ایک

اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا ﴿١٠﴾ رَّسُولًا يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِ

ایسا رسول (بھیجا) جو تم کو اللہ کے صاف صاف احکام پڑھ کر سناتے ہیں تاکہ

اللَّهِ مُبَيِّنَاتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

ایسے لوگوں کو کہ جو ایمان لاویں اور اچھے عمل کریں (کفر وجہل کی) تاریکیوں

الصَّالِحَاتِ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ

سے (ایمان وعلم وعمل کے نور کی طرف لے آویں

مطلب یہ کہ جو نصیحت اس رسول کے ذریعہ سے پہنچے اس پر عمل کرنا بھی اطاعت ہے۔

وَمَن يُؤْمِن بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُدْخِلْهُ

اور آگے ایمان وغیرہ طاعت پر وعدہ ہے کہ جو شخص اللہ پر ایمان لاوے گا اور اچھے عمل کرے گا خدا اس کو (جنت کے) ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے

جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ

سے نہریں جاری ہیں ان میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے بلاشک اللہ نے

اَبَدًا ؕ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ﴿۱۱﴾ اَللّٰهُ الَّذِیْ

(ان کو بہت) اچھی روزی دی (آگے اللہ کا واجب الاطاعت ہونا بیان کیا جاتا ہے

خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ

(یعنی اللہ ایسا ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے اور ان ہی کی طرح زمین بھی

یعنی زمینیں بھی سات پیدا کیں جیسا ترمذی وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ ایک زمین کے نیچے دوسری زمین ہے اس کے نیچے تیسری زمین ہے اسی طرح سات زمینیں ہیں اور ان میں یہ بھی احتمال ہے کہ نظر آتی نہ ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ نظر آتی ہوں اور لوگ ان کو ستارے سمجھتے ہوں جیسا کہ مریخ کی نسبت بعض کا گمان ہے کہ اس میں پہاڑ اور نہریں اور آبادی ہے اور حدیث میں جو ان زمینوں کا اس زمین کے نیچے ہونا وارد ہے ممکن ہے کہ وہ بعض حالات کے اعتبار سے ہو کبھی زمینیں اس سے اوپر ہوجاتی ہوں۔

مِثْلَهُنَّ ؕ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ

اور ان سب میں (اللہ تعالیٰ کے) احکام نازل ہوتے رہتے ہیں

احکام نازل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہاں بھی انسان وغیرہ مکلفین آباد ہوں کیونکہ تکوینی احکام بدون مکلفین کے بھی نازل ہوسکتے ہیں چنانچہ آسمانوں میں فرشتوں پر احکام کا نازل ہونا ظاہر ہے حالانکہ وہ مکلّف نہیں ہیں اور اس کے متعلق عجائب میں سے وہ حدیث ہے جس کو در منثور میں ابن عباس سے موقوفات میں بیان فرمائی ہے بیہقی نے اس کی تصحیح بھی کی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔ سبع ارضین فی کل الارض نبی کنبیکم و ادم کادمکم و نوح کنوحکم و ابراھیم کابراھیمکم و عیسیٰ کعیساکم سات زمینیں ہیں اور ہر زمین میں ایک نبی ہیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اور ایک آدم ہیں تمہارے آدم کی طرح اور نوح ہیں نوح کی طرح اور ابراہیم ہیں ابراہیم کی طرح اور عیسیٰ ہیں عیسیٰ کی طرح اور ظاہر میں یہ حدیث مشکل ہے مگر عام فہم کے موافق سب سے اچھی اور سہل تفسیر اس کی وہ ہے جو روح المعانی میں ہے کہ ہر زمین میں ایسی مخلوق ہے جو اصل کی طرف لوٹتے ہیں جیسا کہ ہماری زمین میں سب انسان آدم علیہ السلام کی طرف لوٹتے ہیں اسی طرح ان زمینوں میں بھی کچھ افراد ایسے ہیں جو دوسروں سے ممتاز ہیں

جیسا کہ ہمارے اندر نوح و ابراہیم و عیسیٰ علیہم السلام وغیرہ ہیں چونکہ یہ حدیث ہمارے زمانہ میں شائع ہوگئی ہے اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس کی سہل تفسیر بھی لکھی جائے اس سے زیادہ کا عام لوگوں کی عقلیں تحمل نہیں کر سکتیں اس لئے وہ اس بحث میں نہ پڑیں علماء پر بدزبانی و بدگمانی نہ کریں اور بعض نے اس حدیث کو موضوع بھی کہا ہے جیسا کہ روح میں ابی حبان سے نقل کیا ہے لہٰذا علماء بھی اس کے منوانے میں عوام پر زور نہ دیں۔

بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ

اور یہ اس لئے بتلایا گیا ہے کہ تم کو معلوم ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر

قَدِیْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴿۱۲﴾

قادر ہے اور اللہ ہر شے کو اپنے احاطہ علمی میں لئے ہوئے ہے

اور اسی سے اللہ کا واجب الاطاعت ہونا ظاہر ہے۔

سورۃ التحریم مدنیۃ وایھا اثنتاعشرۃ کذافی البیضاوی

ربط: پچھلی سورۃ کی طرح اس میں بھی عورتوں کے متعلق مضامین ہیں مگر اس میں عام عورتوں کے متعلق تھے اس میں خاص ازواج مطہرات کے متعلق اور وہاں طلاق کے احکام تھے یہاں ازواج مطہرات کو طلاق کی دھمکی ہے اور جیسا اس سورۃ کے اخیر میں اطاعت کی عام تاکید تھی اسی طرح ازواج مطہرات کو خطاب کرنے کے بعد عام طور پر سب کو رجوع الی اللہ کی تاکید ہے اور سبب نزول اول کی آیتوں کا حضرت عائشہؓ سے صحیح بخاری وغیرہ میں اس طرح منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول شریف تھا کہ بعد عصر کھڑے کھڑے بیبیوں کے پاس تشریف لاتے ایک بار حضرت زینبؓ کے پاس معمول سے زیادہ ٹھہرے اور شہد پیا تو مجھ کو رشک آیا میں نے حفصہؓ سے مشورہ کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس تشریف لائیں وہ یوں کہے کہ آپ نے مغافیر نوش فرمایا ہے یہ ایک گوند ہے جو کہ کریہ الرائحہ ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا آپ نے فرمایا میں نے تو شہد پیا ہے ان بی بی نے کہا کہ شاید کوئی مکھی اس کے درخت پر بیٹھ گئی ہوگی اور اس کا عرق چوس لیا ہوگا آپ نے بقسم فرمایا کہ میں پھر شہد نہ پیوں گا اور اس خیال سے کہ حضرت زینبؓ کا جی برا نہ ہو اس کے اخفا کی تاکید فرمائی مگر ان بی بی نے دوسری سے کہہ دیا اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت حفصہ شہد پلانے والی ہیں اور حضرت عائشہ اور حضرت سودہؓ اور حضرت صفیہؓ صلاح کرنے والی ہیں اور بعض روایات میں اور طرح بھی قصہ آیا ہے ممکن ہے کہ کئی واقعے ہوں اور سب کے بعد یہ آیتیں نازل ہوئی ہوں ۱۲

(۶۶) سُوْرَةُ التَّحْرِيْمِ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۷)

سورۂ تحریم مدینہ میں نازل ہوئی اور اس میں بارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ

اے نبی جس چیز کو اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے آپ (قسم کھا کر) اس کو (اپنے

لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۭ

اوپر) کیوں حرام فرماتے ہیں (پھر وہ بھی) اپنی بیبیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے

بسم اللہ الرحمن الرحیم. یاایھا النبی تا ابکارا یعنی کو کسی مباح کا ترک کر دینا مباح ہے اور اس ترک کا موکد بالقسم کر لینا بھی کسی مصلحت سے مباح ہے لیکن تاہم خلاف اولیٰ ہے خصوص جب کہ سبب بھی ضعیف ہے یعنی بیبیوں کی خوشنودی ایسے امر میں کہ جس میں ان کا راضی کرنا ضروری نہ تھا

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ①

اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے

کہ گناہ کو معاف کر دیتا ہے اور آپ سے تو کوئی گناہ بھی نہیں ہوا اس لئے یہ عتاب نہیں بلکہ شفقۃ ورافۃ آپ سے کہا جاتا ہے کہ آپ نے ایک تمتع مباح کو ترک کر کے کیوں تکلیف اٹھائی اور چونکہ آپ نے قسم کھائی تھی اس لئے عام خطاب سے قسم کا کفارہ دینے کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ

اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے لئے تمہاری قسم کا کھولنا (یعنی قسم توڑنے کے بعد اس کے کفارہ کا

وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ②

طریقہ) مقرر فرما دیا ہے اور اللہ تمہارا کارساز ہے اور وہ بڑا جاننے والا بڑی حکمت والا ہے

اس لئے وہ اپنے علم وحکمت سے تمہاری مصلحتوں اور ضرورتوں کو جان کر تمہاری بہت سی دشواریوں کو آسان کر دینے کے طریقے مقرر فرما دیتا ہے چنانچہ کفارہ سے پابندی قسم کی کلفت کا علاج کر دیا

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ

اور جبکہ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی کسی بی بی سے ایک بات چپکے سے فرمائی

وہ بات یہی تھی کہ میں پھر شہد نہ پیوں گا مگر کسی سے کہنا نہیں اور حلال کو حرام کرنے کے اقسام اور ان کے احکام سورۂ مائدہ میں گزر چکے ہیں اور آپ نے جو حلال کو اپنے اوپر حرام فرمایا یہ تحریم ممنوع نہ تھی بلکہ قسم تھی جو ایک زوجہ کی وجہ سے کی گئی تھی مگر خلاف اولیٰ ہوئی جس سے حق تعالیٰ نے قسم توڑنے کا حکم فرمایا اور پہلی صورتوں میں یہ صورت خلاف اولیٰ بھی نہ تھی جیسا کہ حضرت یعقوب کا اپنے اوپر اونٹ کے گوشت کو حرام کر لینا تھا لن تنالوا آیۃ کل الطعام کان حلا الخ میں گزر چکا ہے۔

فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ

پھر جب اس بی بی نے وہ بات (دوسری بی بی) کو بتلا دی اور پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے (بذریعہ وحی) اس کی خبر کر دی تو پیغمبر نے (اس ظاہر کر دینے والی بی بی کو

بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ

تھوڑی سی بات تو جتلا دی اور تھوڑی سی بات کو ٹال گئے

یعنی آپ کا کرم اس غایت تک ہے کہ اپنے حکم کے خلاف کرنے پر جو بی بی کی شکایت کرنے بیٹھے تو شکایت کے وقت بھی پوری بات نہیں فرمائی کہ تم نے میری یہ بات کہہ دی اور یہ بھی کہہ دی کہ اس سے ان کو شرمندگی زیادہ ہوتی بلکہ کچھ اجزاء کا ذکر فرمایا تاکہ ان کو یہ گمان ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بس اتنی ہی بات کہنے کی خبر ہوئی ہے زیادہ کی نہیں ہوئی تو شرمندگی کم ہو۔

فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ۭ

سو جب پیغمبر نے اس بی بی کو وہ بات جتلائی وہ کہنے لگی کہ آپ کو اس کی کس نے خبر دی

قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ③

آپ نے فرمایا مجھ کو بڑے جاننے والے (خبر رکھنے والے (یعنی خدا) نے خبر کر دی

یہ شاید اس لئے سنایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پورے راز پر مطلع ہونا سن کر آپ کے تکرم سے اپنی کارروائی پر زیادہ شرمندہ ہوں اور توبہ کریں چنانچہ آگے خود بیبیوں کو توبہ وغیرہ کے لئے خطاب ہے۔

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ

اے (پیغمبر کی دونوں بیبیو) اگر تم اللہ کے سامنے توبہ کر لو تو تمہارے دل مائل ہو رہے ہیں

کیونکہ تم حضور کی دوسری بیبیوں سے ہٹا کر اپنا ہی بنا لینا چاہتے ہو چونکہ اس کا منشا محبت رسول ہے اس لئے فی نفسہ یہ بات بری نہ تھی مگر اس سے دوسروں کے حقوق کا ضائع کرنا اور دل توڑنا لازم آتا ہے اس وجہ سے بری ہے اور توبہ کے لائق ہے۔

وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ

اور اگر (اسی طرح) پیغمبر کے مقابلہ میں تم دونوں کارروائیاں کرتی رہیں تو

وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ

(یاد رکھو کہ) پیغمبر کا رفیق اللہ اور جبریل ہے اور نیک مسلمان ہیں اور ان کے

بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ﴿٤﴾

علاوہ فرشتے (آپ کے) مددگار ہیں

مطلب یہ کہ تمہاری ان سازشوں سے آپ کا کوئی ضرر نہیں ہے بلکہ تمہارا ہی ضرر ہے کیونکہ جس شخص کے ایسے حامی ہوں اس کے خلاف مزاج کارروائیوں کا انجام ظاہر ہے کہ برا ہی برا ہے اور چونکہ بعضے اسباب نزول میں حضرت عائشہ وحفصہ کے علاوہ اور بیبیاں بھی شریک تھیں جیسے حضرت سودہؓ وصفیہؓ اس لئے آگے جمع سے عام خطاب فرماتے ہیں کہ تم یہ وسوسہ دل میں مت لانا کہ آخر تو مرد کو بیبیوں کی ضرورت ہوتی ہے اور ہم سے بہتر عورتیں کہاں ہیں اس لئے ناچار ان سے ہماری سب باتیں سہی جاویں گی ۱۲

عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ

اگر پیغمبر تم عورتوں کو طلاق دے دیں تو ان کا پروردگار بہت جلد تمہارے

اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ

بدلے ان کو تم سے اچھی بیبیاں دے دے گا جو اسلام والیاں ایمان

قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ

والیاں فرمانبرداری کرنے والیاں توبہ کرنے والیاں روزہ رکھنے والیاں

وَّاَبْكَارًا ﴿٥﴾

عبادت کرنے والیاں ہوں گی کچھ بیوہ اور کچھ کنواریاں

بعض مصالح سے بیوہ بھی مرغوب ہوتی ہے جیسے تجربہ سلیقہ ہم عمری وغیرہ اس لئے اس کو بھی اوصاف مرغوبہ میں فرمایا ۱۲ ف یہ جو فرمایا کہ تم سے اچھی بیبیاں دے گا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس وقت ان بیبیوں سے بہتر کوئی بی بی موجود تھی بلکہ اگر حق تعالیٰ بدلنا چاہتے تو ان بیبیوں سے بہتر بنانے پر قادر تھے۔ اور **ان اللہ ھو مولاہ** میں جو سب کو رفیق فرمایا تو ہر ایک کی رفاقت جدا ہے حق تعالیٰ تو حقیقی رفیق اور مددگار ہیں اور جبرائیلؑ کی رفاقت یہ ہے کہ وہ فیوض و برکات میں واسطہ ہیں اور فرشتوں کی رفاقت یہ ہے کہ وہ سکینہ اور رحمت نازل کرتے ہیں اور مومنین کی رفاقت یہ ہے کہ وہ خادم اور تابع ہیں

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ

اے ایمان والو تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو (دوزخ کی) اس آگ سے

نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ

بچاؤ جس کا ایندھن (اور سوختہ) آدمی اور پتھر ہیں

عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ

جس پر تند خو اور مضبوط فرشتے متعین ہیں

یایھاالذین امنوا تا من القانتین کیونکہ جب رسول کی بیبیوں کو بھی عمل اور طاعت سے چارہ نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ازواج مطہرات کو نصیحت کرنا واجب ہے تو تم پر تو بدرجہ اولیٰ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی اصلاح کا اہتمام واجب ہوگا اس لئے تم کو بھی حکم کیا جاتا ہے۔

اپنے کو بچانا اور خود اطاعت کرنا اور گھر والوں کو بچانا ان کو احکام الٰہیہ سکھانا اور ان پر عمل کرانے کے لئے زبان سے ہاتھ سے بقدر امکان کوشش کرنا ۱۲

کہ نہ وہ خود رحم کریں اور نہ کوئی ان کا مقابلہ کر کے بچ سکے

لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ

جو خدا کی (ذرا) نافرمانی نہیں کرتے کسی بات میں جو ان کو حکم دیتا ہے اور جو

مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿٦﴾

کچھ ان کو حکم دیا جاتا ہے (فوراً) بجالاتے ہیں

یہاں عصیان سے مراد عصیان بالقلب ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ط

اور کافروں کو دوزخ میں داخل کرتے وقت ان سے کہا جاوے گا کہ (اے کافرو آج تم عذر (و معذرت) مت کرو کہ بے سود ہے بس تم کو

اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑦ ع

اسی کی سزا مل رہی ہے جو کچھ تم دنیا میں کیا کرتے تھے

آگے دوزخ سے بچنے کا طریقہ بتلاتے ہیں۔

یعنے دل میں معصیت پر پوری ندامت اور آئندہ کے لئے چھوڑ دینے کا پختہ ارادہ ہو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً

اے ایمان والو تم اللہ کے آگے سچی توبہ کرو (توبہ کا ثمرہ فرماتے ہیں کہ) امید

نَّصُوْحًا ط عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ

(یعنی وعدہ) ہے کہ تمہارا رب (اس توبہ کی بدولت) تمہارے گناہ معاف کر

سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

دے گا اور تم کو جنت کے ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لا يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِيَّ

جاری ہوں گی (اور یہ اس روز ہوگا) جس دن کہ اللہ تعالیٰ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم)

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ج

کو اور جو مسلمان () دین کی مدد سے) ان کے ساتھ ہیں ان کو رسوا نہ کرے گا

مقصود صرف مومنین کا حال بیان کرنا ہے۔

نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ

ان کا نور ان کے داہنے اور سامنے دوڑتا ہوگا اور یوں دعا کرتے ہوں گے کہ

يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ج

اے ہمارے رب ہمارے لئے اس نور کو اخیر تک رکھیے یعنی وہ گل نہ ہو جائے

اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑧

اور ہماری مغفرت فرما دیجئے آپ ہر شے پر قادر ہیں

اور نور کے باقی رکھنے کی دعا اس لئے کریں گے کہ پل صراط پر منافقوں کا نور بجھ جاوے گا جس کا ذکر سورہ حدید میں گزرا ہے اس وقت مومنین یہ دعا کریں گے غرض رسوائی نہ ہونے کی طرح نور کا باقی رہنا بھی سب مومنین کے لئے عام ہے اور اس سے گنہگار مسلمانوں کا جہنم میں داخل ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ ممکن ہے کہ باوجود اس نور کے باقی رہنے کے پھر گناہوں کی وجہ سے آگ میں داخل ہوں رہا یہ کہ پھر نور کے باقی رہنے سے کیا فائدہ سو ممکن ہے کہ وہ نور اصل میں ان کے ایمان کی صورت مثالیہ ہو جس کا ایمان کے ساتھ باقی رہنا لازم ہوگا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے انس کا حاصل ہونا مقصود ہو جس سے گناہگار مسلمانوں کو جہنم میں کفار کی سی وحشت نہ ہوگی آگے کفار و منافقین کے مردود اور جہنمی ہونے کی خبر دیتے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کفار (سے بالسنان) اور منافقین سے (باللسان)

وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ط وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ط وَبِئْسَ

جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے (دنیا میں تو یہ اس کے مستحق ہیں) اور آخرت

الْمَصِيْرُ ⑨

میں) ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے

او پر قوا انفسکم و اھلیکم میں مردوں کو اپنے اہل کی اصلاح کا حکم ہوا ہے اس سے دو باتوں کا واجب ہونا معلوم ہوا ایک تو اہل کی اصلاح کا صاحب اہل (یعنی مردوں) پر واجب ہونا دوسرے خود اہل پر اپنی اصلاح کا وجوب۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ

اللہ تعالیٰ کافروں کے لئے نوح (علیہ السلام) کی بی بی اور لوط علیہ السلام کی

وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ط كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ

بی بی کا حال بیان فرماتا ہے وہ دونوں ہمارے خاص بندوں میں سے دو بندوں

عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ

کے نکاح میں تھیں سو ان عورتوں نے ان دونوں بندوں کا حق ضائع کیا

یعنی دین میں ان کی اطاعت نہ کی

فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا

تو وہ دونوں نیک بندے اللہ کے مقابلہ میں ان کے ذرا کام نہ آ سکے اور ان دونوں

وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَضَرَبَ

عورتوں کو (بوجہ کافر ہونے کے حکم ہو گیا اور جانے والوں کے ساتھ تم بھی دوزخ میں

اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ

جاؤ اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں (کی تسلی) کے لئے فرعون کی بی بی حضرت آسیہ کا حال

اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي

بیان کرتا ہے جبکہ ان کی بی بی نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار میرے واسطے جنت

الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ

میں اپنے قرب میں مکان بنائیے اور مجھ کو فرعون کے شر سے اور اس کے عمل (کفر

وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۱﴾

کے ضرر اور اثر) سے محفوظ رکھیے اور مجھ کو تمام ظالم (یعنی کافر) لوگوں سے محفوظ رکھیے

یعنی کافروں کو کسی سے نفع نہیں ہو سکتا

یہ دعا یا تو مطلق احوال میں کی تھی یا اس وقت جبکہ فرعون نے ان کے مومن ہونے کی خبر سن کر ان کو تکالیف پہنچائیں تو ان کو بہشت میں اپنا مکان نظر آ گیا جس سے وہ تکلیف خفیف ہو گئی۔

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا

اور نیز مسلمانوں کی تسلی کے لئے) عمران کی بیٹی (حضرت) مریم (علیہا السلام) کا حال بیان کرتا ہے جنہوں نے اپنے ناموس کو (حرام اور حلال دونوں

فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ

سے) محفوظ رکھا سو ہم نے ان کے چاک گریبان میں اپنی روح پھونک دی اور انہوں نے اپنے پروردگار کے پیغاموں کی (جو ان کو ملائکہ کے ذریعے پہنچے

رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴿۱۲﴾ ع

تھے) اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ اطاعت والوں میں سے تھیں

یہ بیان ہے ان کے اعمال کا اور اوپر ان کی نزاہت کا بیان ہو چکا ہے۔

الحمد للہ اٹھائیسویں پارہ کی تفسیر ختم ہوئی

سورة الملک مکیة و ایها ثلثون کذافی البیضاوی

ربط: اوپر کی سورت میں رسالت کے حقوق کا بیان تھا اس سورت میں توحید کے حقوق کا بیان ہے اور ان کے پورا کرنے یا نہ کرنے پر جزاوسزا کا بیان ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم تبرک الذی تا بماء معین

(۶۷) سُوْرَةُ الْمُلْكِ مَكِّيَّةٌ (۷۷)

سورہ ملک مکہ میں نازل ہوئی اس میں تیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان ہیں نہایت رحم والے ہیں

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰى

وہ (خدا) بڑا عالیشان ہے جس کے قبضہ میں تمام سلطنت ہے

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۙ (۱) الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ

اور وہ ہر چیز پر قادر ہے جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا تا کہ تمہاری

وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ

آزمائش کرے کہ تم میں کون شخص عمل میں زیادہ اچھا ہے

حسن عمل میں موت کا تو دخل یہ ہے کہ موت کے مشاہدہ سے انسان دنیا کو فانی اور بعث کے اعتقاد سے آخرت کو باقی سمجھ کر وہاں کے ثواب حاصل کرنے اور وہاں کے عقاب سے بچنے کے لئے مستعد ہو سکتا ہے اور حیات کا دخل یہ ہے کہ اگر حیات نہ ہو تو عمل کس وقت کرے

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۙ (۲)

اور وہ زبردست (اور) بخشنے والا ہے

کہ اعمال غیر حسنہ پر عقاب اور اعمال حسنہ پر مغفرت وثواب مرتب فرماتا ہے

الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۭ

جس نے سات آسمان اوپر تلے پیدا کئے

جیسے حدیث صحیح میں ہے کہ ایک آسمان سے اوپر بفاصلہ دراز دوسرا آسمان ہے پھر اسی طرح اس سے اوپر تیسرا وعلیٰ ہذا۔

مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ

تو خدا کی اس صنعت میں کوئی خلل نہ دیکھے گا سو تو (اب کی بار) پھر نگاہ ڈال

فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ (۳) ثُمَّ

کر دیکھ لے کہیں تجھ کو کوئی خلل نظر آتا ہے (یعنی بلا تامل تو نے بہت بار دیکھا

ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ

ہوگا اب کی بار تامل سے نگاہ کر) پھر بار بار نگاہ ڈال کر دیکھ (آخر کار) نگاہ

خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ (۴)

ذلیل اور درماندہ ہو کر تیری طرف لوٹ آوے گی

اور کوئی رخنہ نظر نہ آوے گا یعنی وہ جس چیز کو جیسا چاہے بنا سکتا ہے چنانچہ آسمان کو مضبوط بنانا چاہا تو کیسا بنایا کہ باوجود اتنا دراز زمانہ گزرنے کے اس میں کوئی خلل نہیں آیا غرض اس کو ہر طرح کی قدرت حاصل ہے۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاۗءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ

اور ہم نے قریب کے آسمان کو چراغوں (یعنی ستاروں) سے آراستہ کر رکھا ہے اور ہم نے ان (ستاروں) کو شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ بھی بنادیا ہے اور ہم

وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ

نے ان (شیاطین) کے لئے (آخرت میں بوجہ ان کے کفر کے) دوزخ کا

عَذَابَ السَّعِيْرِ (۵) وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا

عذاب (بھی) تیار کر رکھا ہے اور جو لوگ اپنے رب (کی توحید) کا انکار کرتے

بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (۶)

ہیں ان کے لئے دوزخ کا عذاب ہے اور وہ بری جگہ ہے جب یہ لوگ اس میں

اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ

ڈالے جائیں گے تو اس کی ایک بڑی زور کی آواز سنیں گے اور وہ اس طرح جوش

تَفُوْرُ ۙ (۷) تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۭ

مارتی ہوگی جیسے معلوم ہوتا ہے کہ (ابھی) غصہ کے مارے پھٹ پڑے گی

یا تو اللہ تعالیٰ اس میں ادراک اور غصہ پیدا کر دے گا کہ مبغوضین حق پر اس کو بھی غیظ آوے گا اور یا مقصود تمثیل ہے یعنے جیسے کوئی غصہ سے جوش میں آتا ہے اسی طرح وہ شدت اشتعال سے جوش میں آوے گی

كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ

اور جب اس میں کوئی گروہ (کافروں کا) ڈالا جائے گا تو اس کے محافظ ان لوگوں

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ﴿۸﴾

سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا (پیغمبر) نہیں آیا تھا

جس نے تم کو اس عذاب سے ڈرایا ہو جس کا مقتضا یہ تھا کہ اس سے ڈرنے اور بچنے کا سامان کرتے یہ سوال بطور توبیخ یعنی دھمکی کے ہے یعنی پیغمبر تو آئے تھے اور یہ سوال ہر نئے جانے والے گروہ سے ہوگا کیونکہ دوزخ میں حسب تفاوت مراتب کفر سب فرقے کفار کے یکے بعد دیگرے جاویں گے

قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا

وہ کافر (بطور اعتراف کے) کہیں گے کہ واقعی ہمارے پاس ڈرانے

وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۚ اِنْ

والا پیغمبر آیا تھا سو (یہ ہماری شامت تھی کہ) ہم نے (اس کو) جھٹلایا اور کہہ دیا کہ خدا

اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ﴿۹﴾

تعالیٰ نے (از قبیل احکام و کتب) کچھ نازل نہیں کیا (اور) تم بڑی غلطی میں پڑے ہو

یعنی ہماری تمام جماعتوں نے تمام انبیاء اور رسولوں کو یوں کہہ دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر ہر جماعت نے اپنے اپنے رسول سے یوں کہا

وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ

اور (کافر فرشتوں سے یہ بھی) کہیں گے کہ ہم اگر سنتے یا سمجھتے

یعنی پیغمبروں کے کہنے کو قبول کرتے اور مانتے

مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴿۱۰﴾ فَاعْتَرَفُوْا

تو ہم اہل دوزخ میں (شامل) نہ ہوتے غرض اپنے جرم کا

بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴿۱۱﴾

اقرار کریں گے سو اہل دوزخ پر لعنت ہے بیشک جو لوگ

اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ

اپنے پروردگار سے بے دیکھے ڈرتے ہیں

اور ایمان و اطاعت اختیار کرتے ہیں

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۱۲﴾ وَاَسِرُّوْا

ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم (مقرر) ہے اور تم لوگ خواہ چھپا کر بات کہو

قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ

یا پکار کر کہو (اس کو سب خبر ہے کیونکہ) وہ دلوں تک کی باتوں سے خوب

الصُّدُوْرِ ﴿۱۳﴾ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۭ

واقف ہے (اور بھلا) کیا وہ نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے

وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۴﴾ ع

اور وہ باریک بین (اور) پورا باخبر ہے

حاصل استدلال کا یہ ہے کہ وہ ہر شے کا خالق مختار ہے پس تمہارے افعال احوال و اقوال کا بھی خالق ہے اور اختیار سے پیدا کرنا علم کے بعد ہی ہوسکتا ہے پس خدا کا عالم ہونا ضروری ہوا اور اقوال کی کچھ تخصیص مقصود نہیں بلکہ اس کا علم ہر چیز کو عام ہے اور شاید اقوال کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لئے کیا گیا ہو کہ باتیں کثرت سے واقع ہوتی ہیں غرض اس کو سب کا علم ہے وہ ہر ایک کو مناسب جزا دے گا۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَا

وہ ایسا (منعم) ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو مسخر کر دیا سو تم اس کے راستوں

مْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ۭ

میں چلو (پھرو) اور خدا کی روزی میں سے (جو زمین میں پیدا کی ہے) کھاؤ

وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ﴿۱۵﴾

(پیو) اور کھا پی کر اس کو بھی یاد رکھنا کہ) اسی کے پاس دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے

کہ وہ تمام تصرفات کی قابلیت رکھتی ہے اس میں کھیتی کرنا چلنا پھرنا عمارت بنانا سب آسان ہے۔

پس اس کا مقتضا یہ ہے کہ اس کی نعمتوں کا شکر کرو جس کا طریقہ ایمان واطاعت ہے۔

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ

کیا تم لوگ اس سے بے خوف ہوگئے ہو جبکہ وہ آسمان میں (بھی اپنا حکم و تصرف

الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ﴿۱۶﴾

رکھتا) ہے کہ وہ تم کو زمین میں دھنسا دے پھر وہ زمین تھرتھرا کر الٹ پلٹ ہونے لگے

جس سے تم نیچے ہو جاؤ اور زمین کے اجزا تمہارے اوپر آ کر مل جاویں

اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ

یا تم لوگ اس سے بے خوف ہو گئے ہو جو کہ آسمان میں (بھی اپنا حکم و تصرف رکھتا)

عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ط

ہے کہ وہ تم پر (مثل عاد کے) ایک تند ہوا بھیج دے (جس سے تم ہلاک ہو جاؤ)

یعنی مقتضا تمہارے کفر کا یہی ہے

فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ﴿۱۷﴾

سو عنقریب (مرتے ہی) تم کو معلوم ہو جاوے گا کہ میرا ڈرانا (عذاب سے) کیسا (صحیح) تھا

یعنی اگر کسی مصلحت سے فوری عذاب تم پر نہیں آیا تو کیا ہوا مرتے ہی معلوم ہو جائے گا آگے فرماتے ہیں کہ اگر فوری عذاب کے بدون کفر کا برا ہونا ان کی سمجھ میں نہ آوے تو اس کا نمونہ بھی موجود ہے

وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ

اور ان سے پہلے جو لوگ ہو گزرے ہیں انہوں نے جھٹلایا تھا سو (دیکھ لو ان

كَانَ نَكِيْرِ ﴿۱۸﴾

پر) میرا عذاب کیسا واقع ہوا

جس سے صاف معلوم ہوا کہ کفر مبغوض ہے پس اگر کسی مصلحت سے یہاں عذاب ٹل گیا تو دوسرے عالم میں حسب وعید ضرور واقع ہوگا

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ

کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر پرندوں کی طرف نظر نہیں کی کہ پر پھیلائے (اڑتے

وَّيَقْبِضْنَ ؕۘ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ط

پھرتے) ہیں اور (کبھی اسی حالت میں) پر سمیٹ لیتے ہیں بجز (خدائے) رحمٰن

اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۢ بَصِيْرٌ ﴿۱۹﴾ اَمَّنْ هٰذَا

کے ان کو کوئی تھامے ہوئے نہیں ہے بیشک وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے (اور جس طرح

الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ

چاہے) اس میں تصرف کر رہا ہے) ہاں رحمٰن کے سوا وہ کون ہے کہ وہ تمہارا لشکر بن کر

الرَّحْمٰنِ ط اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ ﴿۲۰﴾

(آفات سے) تمہاری حفاظت کرے (اور) کافر جو اپنے معبودوں کی نسبت ایسا خیال رکھتے ہیں) تو (وہ) نرے دھوکے میں ہیں اور ہاں (یہ بھی بتلاؤ کہ) وہ کون

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ

ہے جو تم کو روزی پہنچا دے اگر اللہ تعالیٰ اپنی روزی بند کر دے مگر یہ لوگ اس سے

رِزْقَهٗ ج بَلْ لَّجُّوْا فِيْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ﴿۲۱﴾

بھی متاثر نہیں ہوتے) بلکہ یہ لوگ سرکشی اور نفرت (عن الحق) پر جم رہے ہیں

خلاصہ یہ کہ تمہارے معبودان باطلہ نہ دفع مضار پر قادر ہیں اور نہ ایصال منافع پر قادر ہیں پھر ان کی عبادت محض سفاہت ہے۔

اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى

سو (جس کافر کا حال اوپر سنا ہے اس کو سن کر سوچو) کہ کیا جو شخص منہ کے بل

اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ

گرتا ہوا چل رہا ہو وہ منزل مقصود پر زیادہ پہنچنے والا ہوگا) یا وہ جو سیدھا ہموار

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۲﴾

سڑک پر چلا جا رہا ہو

یہی حال ہے مومن و کافر کا کہ مومن کے چلنے کا رستہ یہی دین مستقیم ہے اور چلتا بھی ہے وہ سیدھا ہو کر اور افراط و تفریط سے بچ کر اور کافر کے چلنے کا رستہ بھی زیغ و ضلالت ہے اور چلنے میں بھی ہر وقت مہالک و مخاوف میں گرتا جاتا ہے پس ایسی حالت میں کیا منزل مقصود تک پہنچے گا اور یہ دلائل توحید متعلق آفاق کے تھے آگے متعلق النفس کے ارشاد ہیں۔

قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ

آپ (ان سے) کہیے کہ وہی (ایسا قادر و منعم) ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور تم

السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ط قَلِيْلًا

کو کان اور آنکھیں اور دل دیئے مگر تم لوگ بہت کم شکر کرتے ہو اور آپ یہ

مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ هُوَ الَّذِىْ ذَرَاَكُمْ

بھی کہیے کہ وہی ہے جس نے تم کو روئے زمین پر پھیلایا اور تم اسی کے پاس

فِى الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَيَقُوْلُوْنَ

(قیامت کے روز) اکٹھے کئے جاؤ گے اور یہ لوگ (جب قیامت کا ذکر سنتے

مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ

ہیں تو) کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہوگا اگر تم

یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اتباع مومنین

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ

سچے ہو تو بتلاؤ) آپ (جواب میں) کہہ دیجئے کہ (یہ تعیین کا) علم تو خدا ہی کو
ہے اور میں تو محض (علی الاجمال مگر) صاف صاف ڈرانے والا ہوں

عِنْدَ اللّٰهِ ۪ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۶﴾

پھر جب اس (عذاب موعود) کو پاس آتا ہوا دیکھیں گے

پاس آتا ہوا دیکھنا یہ کہ اعمال کا محاسبہ ہوگا دوزخ میں جانے کا حکم ہوگا
جس سے متیقن ہو جاوے گا کہ اب عذاب سر پر آیا

فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ

اس وقت مارے غم کے) کافروں کے منہ بگڑ جاویں گے

كَفَرُوْا وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِىْ كُنْتُمْ

اور (ان سے) کہا جاوے گا یہی ہے وہ جس کو تم مانگا کرتے

بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿۲۷﴾

تھے (عذاب لاؤ عذاب لاؤ)

اور کفار یہ سب مضامین توحید اور قیامت کے سن کر کہتے تھے کہ یہ شاعر
ہیں ہم ان پر حادثہ موت کا انتظار کر رہے ہیں مرتے ہی سب باتیں ختم ہو
جاویں گی جن کا حاصل آپ کی موت کا انتظار اور نعوذ باللہ آپ کو گمراہی کی
طرف منسوب کرنا تھا آگے اس کا جواب بتلاتے ہیں جس میں کفار کے
عذاب کو ثابت کرتے ہوئے دوسرے مضامین سے اس کو مکمل کر دیا ہے

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِىَ اللّٰهُ وَمَنْ

آپ (ان سے) کہیے کہ تم یہ بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو اور میرے ساتھ والوں کو

مَّعِىَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ

(موافق تمہاری تمنا کے) ہلاک کر دے یا (موافق ہماری امید وار اپنے وعدہ

مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾

کے) ہم پر رحمت فرما دے تو کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچالے گا

یعنی ہماری تو جو حالت ہوگی دنیا میں ہوگی اور انجام اس کا ہر حال میں
اچھا ہے مگر اپنی کہو کہ تم پر جو مصیبت عظیم آنے والی ہے اس کو کون روکے گا
اور ہمارے دنیوی حوادث سے تمہاری وہ مصیبت کیسے ٹل جاوے گی تو اپنی
فکر چھوڑ کر ہمارے حوادث کا انتظار ایک فضول حرکت ہے۔

قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ

اور آپ ان سے یہ بھی) کہیے کہ وہ بڑا مہربان ہے ہم اس پر ایمان لائے
اور ہم اس پر توکل کرتے ہیں

پس ایمان کی برکت سے تو وہ ہم کو عذاب آخرت سے محفوظ رکھے گا
اور توکل کی برکت سے حوادث دنیویہ کو دفع یا سہل کر دے گا

فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۹﴾

سو عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ صریح گمراہی میں کون ہے
(یعنی تم جیسا کہ ہم کہتے ہیں یا ہم جیسا کہ تم کہتے ہو

آگے اوپر کے مضامین کی تاکید ہے یعنی یہ جو کہا گیا ہے کہ تم کو
دردناک عذاب سے کوئی نہیں بچا سکتا تو اگر ان کو اپنے باطل معبودوں پر
گھمنڈ ہو کہ وہ بچالیں گے تو اس گمان کے باطل کرنے کے لئے آگے اس
کا جواب دیا جاتا ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ

آپ یہ بھی کہہ دیجئے کہ اچھا یہ بتلاؤ کہ اگر تمہارا پانی جو کنوؤں میں ہے) نیچے
کو اتر کر غائب ہو جائے) سو وہ کون ہے جو تمہارے پاس سوت کا پانی لے

يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ﴿۳۰﴾ ع

آئے (یعنی کنوئیں کی سوت کو جاری کر دے

اور اعماق ارض یعنی تہ میں سے اوپر لے آئے اور اگر کسی کو کھود لینے پر
ناز ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اس کو اور نیچے غائب کر دے وعلیٰ ہذا پس
جب خدا کے مقابلہ میں کسی کو اتنی بھی قدرت نہیں کہ معمولی طبعی واقعات

میں تصرف کر سکے تو عذاب آخرت سے بچانے کی تو کیا قدرت ہوگی۔

ف ظاہر ماتریٰ فی خلق الرحمٰن الیٰ قولہ حسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان بلا جہت یا اس سقف نیلگون کے حجاب میں سے اس طرح نظر آتا ہے کہ اگر اس میں کوئی عیب وخلل ہوتا تو نظر آتا اور اگر شبہ ہو کہ دروازے کیوں نظر نہیں آتے تو ممکن ہے کہ دروازے اتنے بڑے نہ ہوں کہ اتنی دور سے نظر آویں اور اگر شبہ ہو کہ شاید وہ شقوق و شگاف بھی چھوٹے ہوں تو جواب یہ ہے کہ عادۃً بڑی عمارت میں شگاف بھی بڑا پڑتا ہے پھر وہ روزانہ بڑھا کرتا ہے آخر اس قدر زمانہ دراز گزرنے پر تو اس میں ایسا اتساع ضرور واقع ہوتا جو مرئی بننے اور دکھائی دینے کے قابل ہوتا۔

سورۃ نٓ مکیة وایتها اثنتان و خمسون کذافی البیضاوی

ربط: پہلی سورۃ میں منکرین توحید کی طرف زیادہ روئے سخن تھا اور اس سورت میں نبوت میں طعن کرنے والوں کی طرف زیادہ روئے سخن ہے اور چونکہ نبوت کا انکار کفر ہے اس لئے کفار کی اخروی اور دنیوی سزا کا بھی بعض آیتوں میں بیان ہے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم. نٓ اس کے معنی اللہ کو معلوم ہیں والقلم تا ذکر للعٰلمین

(۶۸) سُوْرَةُ الْقَلَمِ مَكِّيَّةٌ (۲)

سورۂ قلم مکہ میں نازل ہوئی اس میں باون آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

نٓ وَالْقَلَمِ

نٓ قسم ہے قلم کی

جس مقادیر خلق لوح محفوظ پر لکھے گئے

وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝١ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ

اور قسم ہے ان (فرشتوں) کے لکھنے کی (جو کاتب الاعمال ہیں کہ آپ اپنی

رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝٢

رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں (جیسا منکرین نبوت کہتے ہیں)

مطلب یہ کہ آپ نبی برحق ہیں اور یہ قسمیں اس مدعا کے نہایت مناسب ہیں کیونکہ منجملہ مقادیر کے نزول قرآن بھی ہے پس اس میں اشارہ ہے کہ نبوت آپ کی علم الٰہی میں پہلے ہی سے محقق وموکد ہے پس ثبوت اس کا متیقن ہوا اور کاتبان اعمال آپ کے مصدقین ومنکرین کے اعمال کو لکھ رہے ہیں پس انکار نبوت پر سزا ہوگی اس سے ڈر کر ایمان لانا واجب ہے۔

وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝٣

اور بے شک آپ کیلئے (اس تبلیغ احکام پر) ایسا اجر ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں

اس میں بھی مطاعن کو دفع کر کے نبوت کو ثابت کیا اور اس میں تسلی بھی ہے کہ آپ چندروز برداشت کر لیجئے کہ اس کا انجام اجر عظیم ہے۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝٤

اور بے شک آپ اخلاق (حسنہ) کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں

یعنی آپ کا ہر فعل اعتدال کے ساتھ موصوف اور حق تعالیٰ کی رضا کے موافق ہے اور مجنون میں اخلاق کا کمال کہاں ہوتا ہے اور یہ بھی طعن مذکور کا جواب ہے آگے تسلی ہے

فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ۝٥ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ۝٦

سو ان کے خلاف کا غم نہ کیجئے کیونکہ عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور یہ لوگ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں کس کو جنون تھا

کیونکہ جنون کی حقیقت ہے عقل کا زائل ہونا اور عقل کی غایت ہے نفع نقصان کا سمجھنا اور نفع نقصان زیادہ معتبر وہ ہے جو ہمیشہ کے لئے ہو پس قیامت میں ان کو بھی معلوم ہو جائے گا کہ عاقل اہل حق تھے جنہوں نے دوامی نفع کو اختیار کیا اور پاگل یہ خود تھے کہ اس نفع سے محروم رہ کر ہمیشہ کے لئے نقصان میں مبتلا ہوئے۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ

آپ کا پروردگار اس شخص کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکا

سَبِيْلِهٖ ۖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝٧

ہوا ہے اور وہ راہ راست پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے

اس لئے ہر ایک کو اس کے مناسب جزا وسزا دے گا اور اس جزا وسزا کے مناسب ہونے کو یہ منکرین بھی بوجہ انکشاف وتعیین عاقل ومجنون کے سمجھ لیں گے آگے ذم منکرین کا مضمون ہے۔

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝٨ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ

تو آپ ان تکذیب کرنے والوں کا کہنا نہ مانیئے (جیسا اب تک بھی نہیں مانا)

فَيُدْهِنُوْنَ ﴿٩﴾

یہ لوگ چاہتے ہیں کہ آپ اپنے منصبی کام یعنی تبلیغ میں ڈھیلے ہو جائیں

آپ کا ڈھیلا ہونا یہ کہ بت پرستی کی مذمت نہ کریں اور ان کا ڈھیلا ہونا یہ کہ آپ کی مخالفت نہ کریں کمافی الدرر۔

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ﴿١٠﴾

(تو یہ) لوگ بھی ڈھیلے ہو جائیں اور آپ (بالخصوص) کسی ایسی شخص کا کہنا نہ مانیں جو بہت قسمیں کھانے والا ہے

اکثر جھوٹے آدمی قسمیں بہت کھایا کرتے ہیں۔

هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ ﴿١١﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ

بے وقت طعنہ دینے والا ہو چغلیاں لگاتا پھرتا ہو نیک کام سے روکنے والا ہو حد (اعتدال)

مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿١٢﴾ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ﴿١٣﴾

سے گزرنے والا ہو سخت مزاج ہو (اور) ان (سب) کے علاوہ حرام زادہ (بھی) ہو

مراد حرام زادہ سے یہ ہے کہ اور اخلاق افعال بھی اس کے خبیث ہوں چونکہ غالباً حرام زادہ کے اخلاق و افعال اچھے نہیں ہوتے اس لئے مجازاً اس سے یہ مراد لیا گیا خلاصہ یہ کہ اول تو مطلقاً مکذبین کا پھر خصوص جب کہ وہ مکذبین ان ذمائم کے ساتھ بھی متصف ہوں جیسا کہ آپ کے مکذبین میں سے بعض بڑے بڑے ایسے ہی تھے اور اس درخواست میں شریک بلکہ اس کے بانی تھے غرض آپ ایسے شخص کا کہنا نہ مانئے۔

اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿١٤﴾

اس سبب سے کہ وہ مال و اولاد والا ہو

یعنی دنیا میں وجاہت رکھتا ہو سو محض اس وجہ سے اس کا کہنا نہ مانیے آگے اس شخص کی خبیث عادت کا بیان ہے۔ جس کی وجہ سے اس کی اطاعت سے منع کیا جاتا ہے۔

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٥﴾

جب ہماری آیتیں اس کے سامنے پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ بے سند باتیں ہیں جو اگلوں سے منقول ہوتی چلی آئی ہیں

مطلب یہ کہ آیات کی تکذیب کرتا اور ان کو جھٹلاتا ہے اور اصل وجہ ان کی اطاعت سے منع کرنے کی یہی ہے پھر تکذیب کرنے والوں میں سے بعض میں اور بھی بری خصلتیں تھیں ان کی اطاعت سے خاص طور پر منع فرمایا کیونکہ ظاہر ہے کہ جس میں آیات الٰہی کو جھٹلانے کے ساتھ اور بھی قبائح ہوں اس کی اطاعت اور زیادہ سخت ممنوع ہوگی لیکن اصل اطاعت سے منع کرنے کی وجہ تکذیب ہی ہے آگے ایسے شخص کی سزا کا بیان ہے۔

سَنَسِمُهٗ

ہم عنقریب ان کی ناک پر داغ لگا دیں گے

یعنی قیامت میں اس کے چہرہ اور ناک پر اس کے کفر کی وجہ سے کوئی علامت ذلت اور پہچان کی لگا دیں گے جس سے وہ خوب رسوا ہو گا کذا روی مرفوعا فی الدر المنثور ربط آگے اہل مکہ کو ایک قصہ سنا کر ان کے کفر کے وبال سے ڈراتے ہیں (آگے ترجمہ)

عَلَى الْخُرْطُوْمِ ﴿١٦﴾

ہم نے ان کی آزمائش کر رکھی ہے

یعنی ہم نے جوان مکہ والوں کو عیش کا سامان دے رکھا ہے جس پر یہ مغرور ہو رہے ہیں یہ آزمائش کے طور پر ہے کہ دیکھیں یہ لوگ نعمتوں کے شکر میں ایمان لاتے ہیں یا ناشکری اور بے قدری کر کے کفر کرتے ہیں۔

اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ

جیسا ہم نے (ان سے پہلے) ایک باغ والوں کی آزمائش کی تھی

یہ باغ بقول ابن عباسؓ حبشہ میں تھا اور بقول سعید بن جبیرؒ یمن میں تھا کذافی الدرر اور یہ قصہ اہل مکہ میں معلوم تھا اور جن باغ والوں کا یہ قصہ ہے ان کے باپ کا اپنے وقت میں معمول تھا کہ ایک بڑا حصہ اس باغ کے پھل کا مساکین میں صرف کیا کرتا تھا جب وہ مر گیا تو ان لوگوں نے یعنی بعض نے کہا کہ ہمارا باپ احمق تھا کہ اس قدر آمدنی مسکینوں کو دیدیتا تھا اگر یہ سب گھر آوے کس قدر فراغت ہو چنانچہ ان آیتوں میں ان کا بقیہ قصہ مذکور ہے۔

اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا

جبکہ ان لوگوں نے (یعنی اکثر یا بعض نے) قسم کھائی کہ اس (باغ) کا پھل ضرور

مُصْبِحِيْنَ ﴿١٧﴾ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ﴿١٨﴾ فَطَافَ

صبح چل کر توڑ لیں گے اور (ایسا وثوق ہوا کہ) انہوں نے انشاء اللہ ہی نہیں کہا سو

عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ

اس باغ پر آپ کے رب کی طرف سے ایک پھرنے والا عذاب پھر گیا

اور وہ ایک آگ تھی خواہ خالص ہو یا ہوا میں ملی ہو جیسے لو

وَهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۱۹﴾ فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ﴿۲۰﴾

اور وہ سو رہے تھے پھر صبح کو وہ باغ ایسا رہ گیا جیسا کٹا ہوا کھیت

کہ خالی زمین رہ جاتی ہے اور بعض جگہ کاٹ کر جلا بھی دیا جاتا ہے مگر ان کو اس کی کچھ خبر نہیں ہوئی۔

فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ﴿۲۱﴾ اَنِ اغْدُوْا عَلٰى

کہ خالی زمین رہ جاتی ہے) سو صبح کے وقت (سو کر جو اٹھے تو) ایک دوسرے

حَرْثِكُمْ

کو پکارنے لگے کہ اپنے کھیت

کھیت یا تو مجازاً کہہ دیا ہو یا اس میں ایسی چیزیں بھی ہوں جو تنہ دار نہیں ہوتیں جیسے انگور وغیرہ یا کہ اس باغ کے متعلق کھیت بھی ہو۔

اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ﴿۲۲﴾

پر سویرے چلو اگر تم کو پھل توڑنا ہے

کہ سب پھل گھر لے آویں گے اور کسی کو نہ دیں گے کذا فی الدر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ﴿۲۳﴾ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا

پھر وہ لوگ آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے چلے کہ آج تم تک کوئی محتاج نہ

الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ﴿۲۴﴾ وَّغَدَوْا عَلٰى

آنے پائے اور (بزعم خود) اپنے کو اس کے نہ دینے پر قادر سمجھ کر چلے پھر

حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا

جب (وہاں پہنچے اور) اس باغ کو (اس حالت میں) دیکھا تو کہنے لگے کہ

لَضَآلُّوْنَ ﴿۲۶﴾

بیشک ہم رستہ بھول گئے

اور کہیں نکل آئے کیونکہ یہاں تو باغ واغ کچھ بھی نہیں پھر جب موقع و حدود کو دیکھ کر یقین کیا کہ وہی جگہ ہے تو اس وقت کہنے لگے کہ ہم بھولے نہیں۔

بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ اَوْسَطُهُمْ

بلکہ (جگہ تو وہی ہے) لیکن ہماری قسمت ہی پھوٹ گئی (کہ باغ کا یہ حال ہوگیا)

اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ

ان میں جو (کسی قدر) اچھا آدمی تھا وہ کہنے لگا کہ کیوں میں نے تم کو کہا نہ تھا

کہ ایسی نیت مت کرو مساکین کے دینے سے برکت ہوتی ہے اسی لئے اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اچھا کہا اور عملاً یہ شخص بھی باوجود کراہت قلب کے سب کے لحاظ سے شریک حال ہوگیا تھا اسی لئے احقر نے ترجمہ لفظ کسی قدر بڑھا دیا پھر وہ پہلی بات یاد دلا کر اس شخص نے کہا اپنی شامت اعمال تو بھگت لی مگر (آگے ترجمہ)۔

لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿۲۸﴾

اب (توبا ور ہوا) تسبیح کیوں نہیں کرتے

تاکہ وہ گناہ معاف ہو اور اس سے زیادہ وبال نہ آجائے۔

قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ

سب (توبہ) کے طور پر کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار پاک ہے

یہ خدا کی تنزیہ اور تعریف ہے جو استغفار کی تعلیم ہے۔

اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى

بے شک ہم قصوروار ہیں (یہ استغفار ہے) پھر ایک دوسرے کو مخاطب بنا کر

بَعْضٍ

باہم الزام دینے لگے

جیسا کام بگڑنے کے وقت اکثر عادت ہے کہ ہر شخص دوسرے کو غلط رائے کا بانی بتلایا کرتا ہے کہ یہ رائے تو نے دی تھی۔

يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا

(پھر سب متفق ہو کر) کہنے لگے بیشک ہم حد سے نکلنے والے تھے (سب مل

طٰغِيْنَ ﴿۳۱﴾

کر توبہ کرلو) شاید (توبہ کی برکت سے)

کسی ایک کی خطا نہ تھی ایک دوسرے پر الزام فضول ہے۔

عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ

ہمارا پروردگار ہم کو اس سے اچھا باغ بدلہ میں دے دے (اب) ہم اپنے

إِلٰى رَبِّنَا رَاغِبُوْنَ ﴿۳۲﴾

رب کی طرف رجوع ہوتے ہیں

یعنی توبہ کرتے ہیں اور بدلہ ملنا عام ہے خواہ دنیا میں نعم البدل مل جائے خواہ آخرت میں اور ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ مومن تھے مرتکب معصیت ہوئے تھے اور بسند یہ امر نظر سے نہیں گزرا کہ آیا اس باغ کے عوض ان کو دنیا میں کوئی باغ ملا یا نہیں البتہ بلا سند روح المعانی میں ابن مسعودؓ کا قول لکھا ہے کہ اس سے اچھا باغ ان کو عطا کیا گیا تھا واللہ اعلم

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ

اس طرح عذاب ہوا کرتا ہے اور آخرت کا عذاب اس (دنیوی عذاب) سے بھی

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ ع

بڑھ کر ہے کیا خوب ہوتا کہ یہ لوگ (اس بات کو) جان لیتے (تا کہ ایمان لے آتے

یہ سب ہوا کرتا ہے یعنی اے اہل مکہ تم بھی ایسے ہی عذاب کے مستحق ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ کے کیونکہ عذاب مذکور تو محض معصیت پر تھا اور تم تو کفر کرتے ہو

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ

بیشک پرہیزگاروں کے لئے ان کے رب کے نزدیک آسائش

النَّعِيْمِ ﴿۳۴﴾

کی جنتیں ہیں

آگے ان سزاؤں کو پختہ کرنے کے لئے کفار کا یہ گمان باطل کرتے ہیں جو وہ کہتے تھے کہ اگر قیامت آئی جب بھی ہم آرام میں رہیں گے۔

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ ط

کیا ہم فرمانبرداروں کو نافرمانوں کے برابر کر دیں گے

یعنی جنت میں جانے کا سبب تقویٰ ہے اور کفار اس سے خالی ہیں تو انہیں جنت کیسے مل جاوے گی۔

مَا لَكُمْ وقفة كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۶﴾ ج

تم کو کیا ہوا تم کیسا فیصلہ کرتے ہو

یعنی اگر کافروں کو نجات ہو تو فرمانبرداروں کو نافرمانوں پر نجات میں فضیلت نہ ہوگی حالانکہ یہ فضیلت ثابت ہے۔

اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّ لَكُمْ

کیا تمہارے پاس کوئی (آسمانی) کتاب ہے جس میں پڑھتے ہو کہ اس میں

فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ﴿۳۸﴾ ج

تمہارے لئے وہ چیز (لکھی) ہے جس کو تم پسند کرتے ہو

یعنی اس میں لکھا ہے کہ تم کو آخرت میں جنت ملے گی۔

اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ

کیا ہمارے ذمہ کچھ قسمیں چڑھی ہوئی ہیں جو تمہاری خاطر سے کھائی گئی ہوں

الْقِيٰمَةِ ۙ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۹﴾ ج

اور قسمیں قیامت تک باقی رہنے والی ہوں (جن کا مضمون یہ ہو) کہ تم کو وہ

سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ﴿۴۰﴾ ج اَمْ لَهُمْ

چیزیں ملیں گی جو تم فیصلہ کر رہے ہو (یعنی ثواب و جنت) ان سے پوچھئے کہ ان

شُرَكَآءُ ۚ

میں اس کا کون ذمہ دار ہے کیا ان کے ٹھہرائے ہوئے کچھ شریک (خدائی) ہیں

کہ انہوں نے ان کو ثواب دینے کا ذمہ لیا ہے۔

فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۴۱﴾

سو ان کو چاہئے کہ یہ اپنے ان شریکوں کو پیش کریں اگر یہ سچے ہیں

غرض جب یہ مضمون کسی آسمانی کتاب میں نہیں ہے ویسے بلا کتاب دوسرے کسی طریق وحی سے ہمارا وعدہ نہیں جو مثل قسم کے ہوتا ہے پھر ایسی حالت میں کوئی شخص ان میں سے یا ان کے شرکاء میں سے اس کی ذمہ داری لے سکتا ہے ہرگز نہیں پھر دعویٰ کس بناء پر ہے آگے ان لوگوں کی قیامت کی رسوائی کا ذکر ہے۔

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ

وہ دن یاد کرنے کے قابل ہے) جس دن کہ ساق کی تجلی فرمائی جائے گی اور

اِلَى السُّجُوْدِ

سجدہ کی طرف لوگوں کو بلایا جاوے گا

اس کا قصہ حدیث شیخین میں مرفوعاً اس طرح آیا ہے کہ حق تعالیٰ

قیامت کے میدان میں اپنی ساق ظاہر فرمادیگا ساق کہتے ہیں پنڈلی کو اور یہ کوئی خاص صفت ہے جس کو کسی مناسبت سے ساق فرمایا جیسا قرآن میں ہاتھ آیا ہے اور ایسے مفہومات متشابہات میں سے کہلاتے ہیں اور اسی حدیث میں ہے کہ اس تجلی کو دیکھ کر تمام مومنین ومومنات سجدہ میں گر پڑیں گے مگر جو شخص ریا سے سجدہ کرتا تھا اس کی کمر تختہ سارہ جاوے گی ہذا مافی الحدیث اور سجدہ کی طرف بلائے جانے سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ وہ تو دارالتکلیف نہیں ہے کیونکہ بلائے جانے سے مراد امر بالسجود نہیں ہے بلکہ اس تجلی میں یہ اثر ہوگا کہ سب بالاضطرار سجدہ کرنا چاہیں گے جن میں مومن اس پر قادر ہوں گے اور اہل ریا ونفاق قادر نہ ہوں گے اور کفار کا قادر نہ ہونا اس سے بدرجہ اولیٰ مفہوم ہوتا ہے جس کا آگے ذکر ہے یعنی کفار بھی سجدہ کرنا چاہیں گے۔

فَلَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿٤٢﴾ خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ

سو یہ (کافر) لوگ سجدہ نہ کرسکیں گے (اور) ان کی آنکھیں (مارے شرمندگی

تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۖ وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ

کے) جھکی ہوں گی (اور) وجہ اس کی یہ ہے کہ) یہ لوگ (دنیا میں) سجدہ کی

إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَالِمُونَ ﴿٤٣﴾

طرف بلائے جایا کرتے تھے اور وہ صحیح سالم تھے (یعنی اس پر قادر تھے

چنانچہ ظاہر ہے کہ یہاں سجود فعل اختیاری ہے پس دنیا میں امتثال امر نہ کرنے سے آج ان کو یہ رسوائی وذلت ہوئی اور دوسری آیت میں جو نگاہ کا اوپر اٹھا رہنا آیا ہے وہ اس کے معارض نہیں کیونکہ گاہے غلبہ حیرت سے ویسا ہوگا اور گاہ غلبہ ندامت سے ایسا ہوگا۔ ربط آگے کفار کے اس خیال کی تردید ہے کہ وہ عذاب میں ڈھیل ہونے کو اپنے مقبول ہونے کی دلیل سمجھتے تھے اور اس کے ضمن میں آپ کی تسلی بھی ہے۔

فَذَرْنِي وَمَن يُكَذِّبُ بِهَٰذَا الْحَدِيثِ ۖ

تو مجھ کو اور جو اس کام کو جھٹلاتے ہیں ان کو (اس حال موجود پر) رہنے دیجئے

یعنی عذاب کے توقف سے رنج نہ کیجئے اور خدا پر بھروسہ کر کے اس پر سب کام چھوڑ دیجئے کیونکہ جو شخص کسی کو کسی کام کے لئے کافی سمجھتا ہے وہ اس کام کو اس پر چھوڑ دیتا ہے یہ حاصل ہے ذرنی کا۔

سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٤﴾

ہم ان کو بتدریج (جہنم) کی طرف لئے جارہے ہیں اس طور پر کہ (ان کو خبر بھی نہیں اور (دنیا میں عذاب کر ڈالنے سے) ان کو مہلت دیتا ہوں بیشک

وَأُمْلِي لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴿٤٥﴾ أَمْ

میری تدبیر بڑی مضبوط ہے کیا آپ ان سے کچھ معاوضہ مانگتے ہیں کہ وہ اس

تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُم مِّن مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُونَ ﴿٤٦﴾

تاوان سے دبے جاتے ہیں (اس لئے آپ کی طاعت سے نفرت ہے) یا

أَمْ عِندَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿٤٧﴾

ان کے پاس غیب (کا حکم) ہے کہ (اس کو) لکھ لیا کرتے ہیں

یعنی کیا ان کو احکام خداوندی کسی طریقہ سے معلوم ہوجاتے ہیں جس سے وہ اتباع صاحب وحی سے مستغنی ہیں اور ظاہر ہے کہ دونوں امر منتفی ہیں پھر انکار نبوت عجیب ہے آگے آپ کی تسلی ہے۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُن كَصَاحِبِ

تو آپ اپنے رب کی اس تجویز پر صبر سے بیٹھے رہئے اور (تنگدلی میں) مچھلی

الْحُوتِ

(کے پیٹ میں جانے) والے (پیغمبر یونسؑ) کی طرح نہ ہوجئے

کہ وہ عذاب نازل نہ ہونے سے تنگدل ہوئے اور کہیں چلے گئے جس کا قصہ تھوڑا تھوڑا آچکا ہے۔

إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ ﴿٤٨﴾ لَّوْلَا أَن تَدَارَكَهُ

جبکہ یونس نے دعا کی اور وہ غم سے گھٹ رہے تھے اگر خداوندی احسان ان کی

نِعْمَةٌ مِّن رَّبِّهِ لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ

دستگیری نہ کرتا تو وہ (جس) میدان (میں مچھلی کے پیٹ سے نکال کر ڈالے

مَذْمُومٌ ﴿٤٩﴾

گئے تھے اسی میں بدحالی کے ساتھ

یہ غم مجموعہ تھا کئی غموں کا ایک قوم کے ایمان نہ لانے کا ایک عذاب کے ٹل جانے کا ایک بلا اذن صریح حق تعالیٰ کے وہاں سے چلے آنے کا ایک مچھلی کے پیٹ میں محبوس ہوجانے کا اور وہ دعا یہ ہے۔ لا الٰہ الا انت سبحٰنک انی کنت من الظٰلمین جس سے مقصود استغفار اور طلب نجات عن الحبس ہے چنانچہ اس پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا اور مچھلی کے پیٹ سے نجات ہوئی۔ اور بدحالی سے مراد یہ ہے کہ ان کی اجتہادی غلطی پر خدا کی طرف سے

ملامت ہوئی حاصل یہ ہے کہ اگر وہ توبہ و استغفار نہ کرتے تب تو مچھلی کے پیٹ سے نجات نہ ہوتی جیسا کہ دوسری آیت میں ہے فلو لا انه کان من المسبحين للبث في بطنه الىٰ يوم يبعثون اور اگر توبہ و استغفار کرتے مگر اللہ تعالیٰ قبول نہ فرماتا تو اس توبہ و استغفار سے اتنی دنیوی برکت تو ہوتی کہ مچھلی کے پیٹ سے نجات ہو جاتی لیکن اب مقبول ہو کر نجات ہوئی ہے کیونکہ توبہ قبول ہونے کے بعد پھر خطا پر ملامت نہیں ہوتی اور اس وقت بدون مقبول ہوئے نجات ہوتی ملامت اور مذمت باقی رہتی۔

فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۵۰﴾

ڈالے جاتے (دستگیری سے مراد قبول توبہ ہے) پھر ان کے رب نے ان کو (اور زیادہ) برگزیدہ کرلیا اور ان کو صالحین میں سے کر دیا

شاید اس تمیم قصہ سے یہ بھی مقصود ہو کہ اپنے اجتہاد پر عمل کرنا ان کو کیسا مضر ہوتا اور توکل کیسا نافع ہوا اسی طرح عذاب کے بارہ میں آپ بھی اپنی رائے سے استعجال نہ کیجئے بلکہ اللہ پر توکل کیجئے کہ انجام بہتر ہوگا اور آگے آپ کی شان میں کفار کے اس قول کا بطلان جس کا بطلان شروع سورت میں بھی ہے یعنی مجنون کہنے کا بطلان دوسرے انداز سے بیان فرماتے ہیں۔

وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ

اور یہ کافر جب قرآن سنتے ہیں تو (شدت عداوت سے) ایسے معلوم ہوتے

بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ

ہیں کہ گویا آپ کو اپنی نگاہوں سے پھسلا کر گرا دیں گے

یہ ایک محاورہ ہے جیسے بولتے ہیں کہ فلاں شخص اس طرح دیکھتا ہے جیسے کھا جائے گا کما فی روح المعانی من قولهم نظرالی نظراً يكاد يصرعني او يكاد ياكلني مطلب یہ کہ شدت عداوت سے آپ کو بری بری نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔

وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۵۱﴾ وَمَا هُوَ اِلَّا

اور اسی عداوت سے آپ کی نسبت) کہتے ہیں کہ یہ مجنون ہیں حالانکہ یہ قرآن

ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۲﴾ ع

(جس کے ساتھ آپ تکلم فرماتے ہیں) تمام جہان کے واسطے نصیحت ہے

اور مجنون آدمی کے متعلق ایسے امور اصلاح عام نہیں ہو سکتے اس میں تو جواب طعن جنون ظاہر ہے اور بیان عداوت سے بھی اس طعن کی تزییف ہوگئی کیونکہ جس قول کا منشا شدت عداوت ہو وہ قابل التفات نہیں۔

سورة الحاقة مكية و ايتها احدى و خمسون كذا في البيضاوى

ربط اوپر کی سورت میں اثبات رسالت کے ساتھ کفار کے مجازات کا بیان تھا اس سورت میں مجازاۃ کی تحقیق اور اس کا وقت اور واقعات مذکور ہیں اور ختم پر حقانیت قرآن کا بیان ہے جس سے مجازاۃ کی بھی تقریر و تحقیق ہے کیونکہ قرآن اس پر بھی دال ہے اور صدق دلیل سے صدق مدلول لازم ہے و نیز سورت گذشتہ کے مضمون رسالت سے بھی مناسب ہے۔ بسم الله الرحمن الرحيم

(۶۹) سُوْرَةُ الْحَاقَّةِ مَكِّيَّةٌ (۷۸)

سورۂ الحاقہ مکہ میں نازل ہوئی اس میں باون آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان ہیں نہایت رحم والے ہیں

اَلْحَاقَّةُ ﴿۱﴾ مَا الْحَاقَّةُ ﴿۲﴾ وَمَا اَدْرٰىكَ

وہ ہونے والی چیز کیسی کچھ ہے وہ ہونے والی چیز اور ان کو کچھ خبر ہے کہ کیسی

مَا الْحَاقَّةُ ﴿۳﴾

کچھ ہے وہ ہونے والی چیز

مقصود اس سے قیامت کی شان کا بڑا ظاہر کرنا ہے کہ وہ سخت ہولناک چیز ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ ﴿۴﴾ فَاَمَّا

ثمود اور عاد نے اس کھڑ کھڑانے والی چیز (یعنی قیامت کی) تکذیب کی سو

ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ﴿۵﴾ وَاَمَّا

ثمود ایک زور کی آواز سے ہلاک کردیئے گئے اور عاد جو تھے وہ ایک تیز و تند

عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ﴿۶﴾

ہوا سے ہلاک کئے گئے جس کو اللہ تعالیٰ نے ان پر سات رات اور آٹھ دن

سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ

متواتر مسلط کر دیا تھا سو (اے مخاطب اگر) تو (اس وقت وہاں موجود ہوتا

اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى

تو) اس قوم کو اس طرح گرا ہوا دیکھتا کہ گویا وہ گری ہوئی کھجوروں کے تنے

كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۚ (۷)

(پڑے) ہیں سو کیا تجھ کو ان میں کوئی بچا ہوا نظر آتا ہے (یعنی بالکل استیصال

فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ (۸)

ہو گیا اور اسی طرح فرعون نے اور اس سے پہلے لوگوں نے اور (قوم لوط کی)

وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ

کٹی ہوئی بستیوں نے بڑے بڑے قصور کئے (یعنی کفر و شرک اس پر ان کے

بِالْخَاطِئَةِ ۚ (۹) فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ

پاس رسول بھیجے گئے سو انہوں نے اپنے رب کے رسول کا کہنا نہ مانا

اور کفر و شرک سے باز نہ آئے جس میں تکذیب قیامت بھی داخل ہے

فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً (۱۰)

تو ان کو اللہ نے بہت سخت پکڑا

جس میں سے عاد و ثمود کا قصہ تو ابھی آ چکا ہے اور قوم لوط کی سزا کی طرف بھی موتفکات کے لفظ میں اشارہ ہے کہ ان کی بستیاں الٹ دی گئیں اور فرعون کی سزا بہت سی آیتوں میں آئی ہے اور قوم نوح کی سزا کے ایک احسان کے ضمن میں مذکور ہے۔

اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ

یعنی ہم نے جب کہ نوح کے وقت میں) طغیانی ہوئی تم کو

یعنی تمہارے بزرگوں کو جو کہ مومن تھے اور ان کا نجات پانا تمہارے وجود کا سبب ہوا۔

حَمَلْنٰكُمْ فِى الْجَارِيَةِ ۙ (۱۱) لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ

کشتی میں سوار کیا (اور باقیوں کو غرق کر دیا) تاکہ ہم اس کے معاملہ کو تمہارے

تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ (۱۲)

لئے یادگار (اور عبرت) بنائیں اور یاد رکھنے والے کان اس کو یاد رکھیں

کان کو یاد رکھنے والا مجازاً کہہ دیا حاصل یہ کہ اس کو یاد رکھ کر موجبات عقوبت سے بچیں یہ قصے تو مکذبین قیامت کے ہوئے آگے قیامت کے احوال کا بیان ہے۔

فَاِذَا نُفِخَ فِى الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ۙ (۱۳)

پھر جب صور میں یکبارگی پھونک ماری جائے گی (مراد نفخہ اولیٰ ہے) اور

وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا

(اس وقت) زمین اور پہاڑ (اپنی جگہ سے) اٹھائے جاویں گے پھر دونوں

دَكَّةً وَّاحِدَةً ۙ (۱۴) فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ

ایک ہی دفعہ میں ریزہ ریزہ کر دیئے جاویں گے تو اس روز ہونے والی چیز ہو

الْوَاقِعَةُ ۙ (۱۵) وَانْشَقَّتِ

پڑے گی اور آسمان پھٹ جاوے گا

چنانچہ پھٹ جانا خود بودے ہونے کی دلیل ہے مطلب یہ ہے کہ جیسا اس وقت وہ مضبوط ہے اور اس میں کہیں سوراخ اور شگاف نہیں اس روز اس میں یہ بات نہ رہے گی بلکہ کمزور ہو کر پھٹ جاوے گا۔

السَّمَآءُ فَهِىَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ۙ (۱۶)

(اور وہ آسمان) اس روز بالکل بودا ہوگا اور فرشتے جو آسمان پر پھیلے ہوئے

وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ۭ وَيَحْمِلُ عَرْشَ

ہیں اس کے کناروں پر آ جاویں گے اور آپ کے

رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ۭ (۱۷)

پروردگار کے عرش کو اس روز آٹھ فرشتے اٹھائے ہوں گے

اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آسمان بیچ سے پھٹ کر چاروں طرف سمٹنا شروع ہوگا اس لئے فرشتے بھی بیچ میں سے کناروں پر آ کر رہیں گے پھر ان پر بھی موت مسلط ہو جاوے گی اور یہ سب واقعات تو پہلی بار صور پھونکنے کے ہیں آگے دوسری بار صور پھونکنے کے واقعات ہیں اگرچہ بظاہر آیت کے الفاظ سے شبہ ہوتا ہے کہ آئندہ کے واقعات بھی نفخہ اولیٰ کے وقت ہوں گے مگر بات یہ ہے کہ قیامت ایک وسیع وقت ہے اور اس کے سب اوقات مجموعی طور پر ایک ہی وقت کے حکم میں ہیں اس لئے دوسرے نفخہ کے واقعات کو بھی مجازاً پہلے نفخہ کے واقعات کہہ سکتے ہیں کیونکہ وہ سب قیامت ہی کے واقعات ہیں اور قیامت پہلی بار صور پھونکنے سے شروع ہو جاوے گی۔

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ (۱۸)

جس روز خدا کے روبرو (حساب کے واسطے تم پیش کئے جاؤ گے اور تمہاری کوئی بات (اللہ تعالیٰ سے) پوشیدہ نہ ہوگی پھر (نامہ اعمال) ہاتھ میں دیئے

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ۙ

جائیں گے تو) جس شخص کا نامہ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ

فَیَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِیَهْ ۚ﴿۱۹﴾ اِنِّیْ

تو خوشی کے مارے آس پاس والوں سے) کہے گا کہ لو میرا نامہ اعمال پڑھو

ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ ۚ﴿۲۰﴾

میرا تو پہلے ہی سے اعتقاد تھا کہ مجھ کو میرا حساب پیش آنے والا ہے

حدیث میں ہے کہ اب عرش کو چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں اور قیامت کے روز آٹھ فرشتے اٹھاویں گے غرض غرض آٹھ فرشتے عرش کو اٹھا کر میدان قیامت میں لاویں گے اور حساب شروع ہوگا جس کا آگے بیان ہے۔

یعنی قیامت و حساب و کتاب کا معتقد تھا مطلب یہ کہ میں ایمان و تصدیق رکھتا تھا خدا تعالیٰ نے اس کی برکت سے آج مجھ کو نوازا۔

فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ۙ﴿۲۱﴾ فِیْ جَنَّةٍ

غرض وہ شخص پسندیدہ عیش یعنی بہشت بریں میں ہوگا جس کے میوے (اس

عَالِیَةٍ ﴿۲۲﴾ قُطُوْفُهَا دَانِیَةٌ ﴿۲۳﴾ كُلُوْا

قدر) جھکے ہوں گے (کہ جس حالت میں چاہیں گے لے لیں گے اور حکم ہوگا

وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓــًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ

کہ) کھاؤ اور پیو مزہ کے ساتھ ان کے اعمال صلہ میں جو تم نے گذشتہ ایام

الْخَالِیَةِ ﴿۲۴﴾ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ

(یعنی زمانہ قیام (دنیا) میں کئے ہیں اور جس کا نامہ اعمال اس کے بائیں

بِشِمَالِهٖ ۙ۬ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ

ہاتھ میں دیا جائے گا سو وہ (نہایت حسرت سے) کہے گا کیا اچھا ہوتا کہ مجھ کو

كِتٰبِیَهْ ۚ﴿۲۵﴾ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِیَهْ ۚ﴿۲۶﴾

میرا نامہ عمل ہی نہ ملتا اور مجھ کو یہ بھی خبر نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے کیا اچھا

یٰلَیْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِیَةَ ۚ﴿۲۷﴾

ہوتا کہ موت (اولیٰ) ہی خاتمہ کر چکتی

اور دوبارہ زندہ نہ ہوتا جس سے نامہ اعمال ملنے اور حساب ہونے کی نوبت آئی۔

مَآ اَغْنٰی عَنِّیْ مَالِیَهْ ۚ﴿۲۸﴾

افسوس میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا میرا جاہ (بھی) مجھ سے گیا گزرا

یعنی مال و جاہ سب بے سود ٹھہرا

هَلَكَ عَنِّیْ سُلْطٰنِیَهْ ۚ﴿۲۹﴾ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۙ﴿۳۰﴾

ایسے شخص کے لئے فرشتوں کو حکم ہوگا کہ) اس شخص کو پکڑو

ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْهُ ۙ﴿۳۱﴾ ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَةٍ

اور اس کو طوق پہنا دو پھر دوزخ میں اس کو داخل کرو

ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ؕ﴿۳۲﴾

پھر ایک ایسی زنجیر میں جس کی پیمائش ستر گز ہے اس کو جکڑ دو

اِنَّهٗ كَانَ لَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ ۙ﴿۳۳﴾

یہ شخص خدائے بزرگ پر ایمان نہ رکھتا تھا

اس گز کی مقدار خدا کو معلوم ہے کیونکہ یہ گز وہاں کا ہوگا آگے اس عذاب کی وجہ بتلاتے ہیں۔ یعنی جس طرح ایمان لانا حسب تعظیم انبیاء ضروری تھا وہ ایمان نہ رکھتا تھا۔

وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْكِیْنِ ؕ﴿۳۴﴾

اور (خود تو کسی کو کیا دیتا اوروں کو بھی) غریب آدمی کے کھلانے کی ترغیب نہ دیتا تھا (اس لئے مستحق عذاب ہوا)

یہاں کھانا کھلوانے اور ترغیب دینے سے مراد وہ مرتبہ ہے جو کہ واجب ہے اور اس کے چھوڑنے سے مراد یہ ہے کہ ایمان نہ لانے کے سبب ان کو واجب بھی نہ سمجھتا تھا حاصل یہ کہ خدا کی عظمت اور مخلوق کی شفقت جو کہ ان عبادات میں اصل ہیں جن کا تعلق خدا اور بندوں کے ساتھ ہے یہ ان دونوں کو چھوڑنے والا اور انکار کرنے والا تھا۔

فَلَیْسَ لَهُ الْیَوْمَ هٰهُنَا حَمِیْمٌ ۙ﴿۳۵﴾ وَّلَا طَعَامٌ

سو آج اس شخص کا نہ کوئی دوست دار ہے اور نہ اس کو کوئی کھانے کی چیز

اِلَّا مِنْ غِسْلِیْنٍ ۙ﴿۳۶﴾

نصیب ہے بجز زخموں کے دھوون کے

یعنی ایسی چیز دی جاوے گی جو کراہت اور صورت میں دھوؤں کی طرح ہوگی اور مقصود یہ ہے کہ مرغوب کھانے نہ ملیں گے یہ مقصود نہیں کہ دھوؤں کے سوا کچھ نہ ملے گا کیونکہ زقوم وغیرہ کا ملنا خود آیات سے ثابت ہے۔

لَّا يَأْكُلُهُ

جس کو بجز بڑے گنہگاروں کے کوئی نہ کھاوے گا

آ گے قرآن کی حقانیت بیان کی جاتی ہے جو ان سزاؤں کو بیان کرتا ہے اور اس کی تکذیب بھی عذاب کا سبب ہے۔

إِلَّا الْخَاطِئُونَ ﴿٣٧﴾ فَلَا أُقْسِمُ بِمَا

پھر (بعد بیان مضمون مجازاۃ کے) میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی بھی جن کو

تُبْصِرُونَ ﴿٣٨﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُونَ ﴿٣٩﴾

تم دیکھتے ہو اور ان چیزوں کو بھی جن کو تم نہیں دیکھتے

کیونکہ بعض مخلوقات اس وقت آنکھوں سے نظر آتی ہیں یا نظر آنے کے قابل ہیں اور بعض مخلوقات اس وقت نظر نہیں آتیں اور نظر آنے کے قابل بھی نہیں اور اس قسم کو مقصود سے ایک خاص مناسبت ہے کیونکہ قرآن مجید کا لانے والا (فرشتہ) تو نظر نہ آتا تھا اور جن پر قرآن آتا تھا (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم) وہ نظر آتے تھے مطلب یہ کہ تمام مخلوقات کی قسم ہے۔

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿٤٠﴾ وَمَا هُوَ

کہ یہ قرآن (اللہ کا) کلام ہے ایک معزز فرشتہ کا لایا ہوا (پس جس پر آیا وہ ضرور رسول ہے)

بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۚ قَلِيلًا مَا تُؤْمِنُونَ ﴿٤١﴾

اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے (جیسا کہ کفار آپ کو شاعر کہتے تھے مگر تم بہت کم ایمان لاتے

وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۚ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ ﴿٤٢﴾

ہو اور نہ یہ کسی کاہن کا کلام ہے (جیسا بعض کفار آپ کو کہتے ہیں) تم بہت کم سمجھتے ہو

یہاں بھی اور پہلے بھی کمی سے مراد بالکل نہ ہونا ہے یعنی نہ تم کو ایمان ہے نہ سمجھ غرض یہ قرآن نہ شعر ہے نہ کہانت۔

تَنْزِيلٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٤٣﴾

(بلکہ) رب العالمین کی طرف سے بھیجا ہوا کلام ہے

آ گے قرآن کی حقانیت کی ایک دلیل ارشاد فرماتے ہیں۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ﴿٤٤﴾

اور اگر یہ (پیغمبر) ہمارے ذمہ کچھ (جھوٹی) باتیں لگا دیتے

یعنی جو کلام ہمارا نہ ہوتا اس کو ہمارا کلام کہتے اور جھوٹا دعویٰ نبوت کا کرتے

لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ﴿٤٥﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا

تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑتے پھر ہم ان کی

مِنْهُ الْوَتِينَ ﴿٤٦﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ

رگ دل کاٹ ڈالتے پھر تم میں کوئی ان کا اس سزا سے

عَنْهُ حَاجِزِينَ ﴿٤٧﴾

بچانے والا بھی نہ ہوتا

دل کی رگ کاٹنے سے آدمی مرجاتا ہے تو یہ کنایہ ہے قتل سے اور قاعدہ ہے کہ قتل کے وقت جلاد ایک ہاتھ سے مجرم کا ہاتھ پکڑتا ہے اور دوسرے ہاتھ سے گردن پر مارتا ہے اور چونکہ داہنے ہاتھ سے قتل کرتا ہے تو مجرم کا ہاتھ بائیں ہاتھ سے پکڑے گا اور اس کے بائیں ہاتھ کے مقابل مجرم کا داہنا ہاتھ ہوگا تو وہی مراد ہوگا اور داہنا ہاتھ پکڑنے اور رگ دل کاٹنے سے فنا کرنا مراد ہے خواہ جان کا یا حجت اور دلیل کا پس مطلب یہ ہے کہ جھوٹے مدعی نبوت کی تائید حجت سے نہیں ہوتی بلکہ یا ہلاک ہوتا ہے یا جھوٹ ظاہر ہوجانے سے رسوا اور ذلیل ہو کر ایسا ہوجاتا ہے جیسے دل کی رگ کاٹ دی گئی ہو کما فی الخازن فکان کمن قطع وتینہ

وَإِنَّهُ لَتَذْكِرَةٌ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٤٨﴾ وَإِنَّا لَنَعْلَمُ

اور بیشک یہ قرآن متقیوں کے لئے نصیحت ہے اور ہم کو معلوم ہے کہ تم میں

أَنَّ مِنْكُمْ مُكَذِّبِينَ ﴿٤٩﴾ وَإِنَّهُ لَحَسْرَةٌ

بعضے تکذیب کرنے والے بھی ہیں (پس ہم ان کو اس کی سزا دیں گے) اور

عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٥٠﴾

(اس اعتبار سے) یہ قرآن کافروں کے حق میں موجب حسرت ہے

کیونکہ ان کے لئے تکذیب کی وجہ سے عذاب کا سبب ہوگیا۔

سورة المعارج مكية و ايٰتها اربع و اربعون

ربط: اس میں بھی مثل سورۂ حاقہ کے جزا وسزا کا اور بعض اعمال کا جو کہ سزا وجزا کا موجب ہیں بیان ہے۔

وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿٥١﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ

اور یہ قرآن تحقیقی بات ہے سو (جس کا یہ کلام ہے اپنے (اس) عظیم الشان

رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٥٢﴾ ع

پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے

بسم الله الرحمن الرحيم سال سائل تا يوعدون

(۷۰) سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ (۷۹)

سورۂ معارج مکہ میں نازل ہوئی اس میں چوالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ﴿١﴾

ایک درخواست کرنے والا (براہ انکار) اس عذاب کی درخواست کرتا ہے جو کافروں پر واقع ہونے والا ہے (اور) جس کا کوئی دررفع کرنے والا نہیں

لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ﴿٢﴾ مِّنَ

(اور) جو اللہ کی طرف سے واقع ہوگا جو کہ سیڑھیوں کا (یعنی آسمان کا) مالک

اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ ﴿٣﴾ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ

ہے (جن سیڑھیوں سے) فرشتے اور (اہل ایمان کی) روحیں اس کے پاس

وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ

چڑھ کر جاتی ہیں

خدا کے پاس سے مراد وہ موقع ہے جو عالم بالا میں ان کے چڑھنے کا منتہا قرار دیا گیا ہے اور چونکہ اس چڑھنے کا راستہ آسمان ہیں اس لئے ان کو سیڑھیاں فرما دیا۔

فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ

(اور وہ عذاب) ایسے دن میں ہوگا جس کی مقدار (دنیا کے پچاس ہزار سال

سَنَةٍ ﴿٤﴾ ج

(کی برابر) ہے

مراد قیامت کا دن ہے کہ اپنی درازی اور سختی سے کفار کو اتنا لمبا محسوس ہوگا اور چونکہ کفر کے مراتب میں تفاوت ہونے کی وجہ سے اس دن کی سختی میں بھی تفاوت ہوگا اس لئے ایک آیۃ میں ہزار سال کی برابر فرمایا تو بعض کافروں کو ہزار سال کی برابر معلوم ہوگا اور کافروں کی تخصیص اس لئے ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ مومن کو وہ دن اتنا ہلکا معلوم ہوگا جیسے فرض نماز پڑھ لیتا ہے۔

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ﴿٥﴾

تو آپ (ان کی مخالفت پر صبر کیجئے (اور صبر بھی ایسا جس میں شکایت کا نام نہ ہو

یعنی ان کے خلاف سے ایسے تنگ نہ ہو جایئے کہ شکایت حکایت زبان پر آ جاوے بلکہ یہ سمجھ کر تحمل کیجئے کہ ان کو سزا ہونے والی ہے۔

اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ﴿٦﴾ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ﴿٧﴾

یہ لوگ اس دن کو (بوجہ اعتقاد نفی کے وقوع سے) بعید دیکھ رہے ہیں اور ہم اس کو (وقوع سے) قریب دیکھ رہے ہیں (وہ عذاب اس دن واقع ہوگا)

يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ﴿٨﴾

جس دن (کہ) آسمان رنگ میں) تیل کی تلچھٹ کی طرح ہو جاوے گا

اور ایک آیت میں کالدھان آیا ہے جس کی تفسیر سرخ نری سے کی گئی ہے تو دونوں اس طرح جمع ہو سکتے ہیں کہ سخت سرخی سے سیاہی کی جھلک پیدا ہو جاتی ہے پس سرخ اور سیاہ دونوں کہنا صحیح ہے یا یہ کہ اول ایک رنگ ہو پھر دوسرا بدل جاوے جیسا کہ ابن کثیر نے سورۂ رحمان میں حسن سے نقل کیا ہے غرض آسمان سیاہ ہو جاوے گا اور پھٹ بھی جاوے گا۔

وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ﴿٩﴾ وَلَا يَسْئَلُ

اور (اس روز) پہاڑ رنگین اون کی طرح (جو کہ دھنی ہوئی ہو) ہو جاویں گے

حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ﴿١٠﴾ صلے ج

(یعنی دوڑتے پھریں گے

اور رنگین اون سے تشبیہ اس لئے دی گئی کہ پہاڑ بھی مختلف رنگوں کے ہوتے ہیں۔

يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ۭ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ

اور اس روز کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا باوجودیکہ ایک دوسرے کو دکھا بھی دیا جائے گا

یعنی باوجود یکہ ایک دوسرے کو دیکھیں گے مگر کوئی کسی کی ہمدردی نہ کریگا۔

لَوْ يَفْتَدِىْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍۢ بِبَنِيْهِ ﴿۱۱﴾

اوراس روز مجرم (یعنی کافر) اس بات کی تمنا کرے گا کہ اس روز کے عذاب سے

وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ﴿۱۲﴾ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِىْ

چھوٹنے کے لئے اپنے بیٹوں کو اور بیوی کو اور بھائی کو اور کنبہ کو جن میں وہ رہتا تھا اور تمام

تُـْٔوِيْهِ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا

اہل زمین کو اپنے فدیہ میں دیدے پھر یہ (فدیہ دیدینا) اس کو عذاب سے) بچالے

یعنی اس روز ایسی نفسانفسی ہوگی کہ ہر شخص کو اپنی فکر پڑ جاوے گی اور جن پر جان دیتا تھا ان کو اپنے عوض میں سپرد کر دینے کو اگر اس کے قابو کی بات ہو گوارا کرلے گا۔

ثُمَّ يُنْجِيْهِ ﴿۱۴﴾ كَلَّا ۭ

یہ ہرگز نہ ہوگا

یعنی عذاب سے مطلق نجات نہ ہوگی۔

اِنَّهَا لَظٰى ﴿۱۵﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ﴿۱۶﴾ تَدْعُوْا

(بلکہ) وہ آگ ایسی شعلہ زن ہے جو (کھال) تک) اتار دے گی (اور) وہ اس شخص کو (خود) بلاوے گی جس نے (دنیا میں حق سے) پیٹھ پھیری ہوگی

مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۷﴾

اور (اطاعت سے) بیرخی کی ہوگی اور (مال جمع کیا ہوگا

خواہ دوسروں کا حق مار مار کر یا محض حرص کی وجہ سے۔

وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ﴿۱۸﴾

پھر اس کو اٹھا اٹھا رکھا ہوگا

مطلب یہ کہ خدا کے اور بندوں کے حقوق کو تلف کیا ہوگا یا اشارہ ہے عقائد اور اخلاق کے خراب ہونے کی طرف اور جہنم کا بلانا حقیقی معنے پر محمول ہو سکتا ہے خلاصہ یہ کہ ایسی صفات جہنم میں لے جانے والی ہیں اور اس کافر میں یہ صفات پائے جاتے تھے پھر عذاب سے نجات کیونکر ہو سکتی ہے آگے دوسرے برے افعال کا جو عذاب کا سبب ہیں بیان ہے اور اہل ایمان کو ان سے مستثنیٰ کر کے ان کا ثواب بتلاتے ہیں۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿۱۹﴾

انسان کم ہمت پیدا ہوا ہے

آئندہ استثناء کے ملانے کے بعد اس جگہ انسان سے کافر مراد ہے اور پیدا ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ پیدائش کے وقت سے وہ ایسا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایسی حالت پر پیدا ہوا ہے کہ وہ اپنے وقت پر پہنچ کر کم ہمت ہو جاتا ہے اور چونکہ اس کم ہمتی میں اس کے اختیار کو بھی دخل ہے اس لئے اس پر مواخذہ ہوگا پس طبعی کم ہمتی مراد نہیں ہے۔ بلکہ جو برے آثار اس کے اختیار سے کم ہمتی پر مرتب ہوتے ہیں وہ مراد ہیں جن کو آگے بیان فرماتے ہیں۔

اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴿۲۰﴾ وَّاِذَا مَسَّهُ

(یعنی) جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو (حد اباحت سے زیادہ) جزع فزع کرنے لگتا ہے اور جب اس کو فارغ البالی ہوتی ہے تو (حقوق ضروریہ سے)

الْخَيْرُ مَنُوْعًا ﴿۲۱﴾

بخل کرنے لگتا ہے

اور ظاہر ہے کہ یہ آثار انسان کے اختیار سے پیدا ہوتے ہیں اگرچہ کسی قدر کم ہمتی کو بھی اس میں دخل ہے۔

اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ﴿۲۲﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ

مگر وہ نمازی (یعنی مومن) جو اپنی نماز پر برابر توجہ رکھتے ہیں

دَآئِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَالَّذِيْنَ فِىْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ

(اور) ظاہراً یا باطناً دوسری طرف توجہ نہیں کرتے) اور جن کے

مَّعْلُوْمٌ ﴿۲۴﴾ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۲۵﴾

مالوں میں سوالی اور بے سوالی سب کا حق ہے

اس کے متعلق سورۂ ذاریات میں ایک مضمون گزر چکا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۲۶﴾

اور جو قیامت کے دن کا اعتقاد رکھتے ہیں اور

وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ

جو اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں

مُّشْفِقُوْنَ ﴿۲۷﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ

اور واقعی ان کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی

مَاْمُوْنٍ ﴿۲۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ

چیز نہیں (یہ جملہ معترضہ کے طور پر ہے) اور جو اپنی شرمگاہوں

حٰفِظُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا

کو (حرام سے) محفوظ رکھنے والے ہیں لیکن اپنی بیبیوں سے یا

مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۳۰﴾

اپنی (شرعی) لونڈیوں سے (حفاظت نہیں کرتے) کیونکہ ان

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ

پر (اس میں) کوئی الزام نہیں ہاں جو اس کے علاوہ (اور جگہ شہوت رانی کا)

هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ

طلب گار ہو ایسے ہی لوگ حد (شرعی) سے نکلنے والے ہیں اور جو اپنی

وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ

(سپردگی میں لی ہوئی) امانتوں اور اپنے عہد کا خیال رکھنے والے ہیں

بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور جو اپنی گواہیوں کو ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہیں

یعنی ان میں کمی بیشی نہیں کرتے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾

اور جو اپنی (فرض) نمازوں کی پابندی کرتے ہیں (بس)

اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۳۵﴾

ایسے لوگ بہشتوں میں عزت سے داخل ہوں گے

آگے کفار کی حالت کا عجیب ہونا اور قیامت کے وقوع کا بعید نہ ہونا بیان فرماتے ہیں

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿۳۶﴾

تو کافروں کو کیا ہوا کہ (ان مضامین کی تکذیب کرنے کے لئے) آپ کی

عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ﴿۳۷﴾

طرف کو داہنے اور بائیں سے جماعتیں بن بن کر دوڑے آ رہے ہیں

یعنی چاہیئے تو یہ تھا کہ ان مضامین کی تصدیق کرتے لیکن یہ لوگ متفق ہو کر آپ کے پاس اس غرض سے آتے ہیں کہ ان مضامین کی تکذیب اور ان کے ساتھ استہزاء کریں جیسا کہ کفار عرب نبوت کی خبریں سن سن کر اسی غرض سے آتے تھے اور اسلام کو باطل سمجھنے کے ساتھ اپنے کو حق پر سمجھتے تھے اور حق پر ہونے کا ثمرہ جنت میں جانا ہے پس اس بناء پر وہ اپنے کو مستحق جنت بھی سمجھتے تھے اس لئے اس کے متعلق بطور انکار کے فرماتے ہیں۔

اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ

کیا ان میں ہر شخص اس کی ہوس رکھتا ہے کہ وہ آسائش کی

جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴿۳۸﴾ كَلَّا

جنت میں داخل کر لیا جاوے گا یہ ہرگز نہ ہوگا

کیونکہ موجب دوزخ کے ہوتے ہوئے جنت کیسے مل جاوے گی اور ان مضامین کی تکذیب میں نفس قیامت کی بھی تکذیب کرتے اور اس کو مستحیل سمجھتے تھے آگے اس کے متعلق ارشاد ہے کہ ان کا یہ استبعاد جہالت محض ہے۔

اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾

ہم نے ان کو ایسی چیز سے پیدا کیا ہے جس کی ان کو خبر ہے

پس جب ان کو معلوم ہے کہ نطفہ سے آدمی کو بنایا ہے اور ظاہر ہے کہ نطفہ سے جس میں ابھی تک حیات نہیں آئی آدمی تک جتنا بعد ہے اس قدر اجزاء میت سے کہ جن میں ایک بار حیات آ چکی ہے دوسری بار آدمی بننے تک بعد نہیں ہے تو اس کو مستحیل سمجھنا ان کی سفاہت ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ

پھر دوسری طور پر وقوع قیامت کے لئے قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں

اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا

کے مالک کی کہ ہم اس پر قادر ہیں کہ (دنیا ہی میں) ان کی جگہ ان سے بہتر

مِّنْهُمْ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۴۱﴾

لوگ لے آئیں (یعنی پیدا کر دیں) اور ہم اس سے عاجز نہیں ہیں

پس جب نئی مخلوق اور وہ ایسی کہ جس میں صفات کمال زیادہ ہوں جن میں زیادہ اشیاء پیدا کرنی پڑیں ہم کو پیدا کرنا آسان ہے تو ہم کو دوبارہ پیدا کرنا کون مشکل ہے۔ سورة نوح عليه السلام مكية و ايٰتها تسع او ثمان و عشرون كذافي البيضاوى ربط سورة سابقہ میں عذاب کے اسباب کا بیان تھا ان میں سے ایک رسول کا جھٹلانا ہے اس سورت میں نوح علیہ السلام کے قصہ کے ضمن میں اس کا بیان ہے اور نیز اخروی عذاب کے ساتھ جس کا ذکر پہلی سورت میں ہوا ہے اس سورت میں کفر کی وجہ سے دنیوی عذاب کا استحقاق بھی ثابت کیا ہے نیز اس میں حضور کی تسلی بھی کی گئی ہے کہ نوح علیہ السلام کی قوم نے بھی رسول کو جھٹلایا تھا۔

فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتّٰى يُلٰقُوا

تو آپ ان کو اسی شغل اور تفریح میں رہنے دیجئے یہاں تک کہ ان کو اپنے اس

يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿٤٢﴾ يَوْمَ يَخْرُجُونَ

دن سے سابقہ واقع ہو جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے جس دن یہ قبروں سے

مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى

نکل کر اس طرح دوڑیں گے جیسے کسی پرستش گاہ کی طرف دوڑے جاتے ہیں

نُصُبٍ يُّوفِضُونَ ﴿٤٣﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ

اور ان کی آنکھیں (مارے شرمندگی کے) نیچے کو جھکی ہوں گی (اور) ان پر

تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِي

ذلت چھائی ہوگی (بس) یہ ہے ان کا وہ دن جس کا ان سے وعدہ کیا

كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿٤٤﴾

جاتا ہے (جو کہ اب واقع ہوا)

بسم الله الرحمن الرحيم. انا ارسلنا تا تبارا

(٧١) سُورَةُ نُوحٍ مَّكِّيَّةٌ (٧١)

سورۂ نوح مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں اٹھائیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

اِنَّا اَرْسَلْنَا نُوحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ

ہم نے نوح کو ان کی قوم کے پاس (پیغمبر بنا کر) بھیجا تھا کہ تم اپنی قوم کو

قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيمٌ ﴿١﴾

(وبال کفر سے) ڈراؤ قبل اس کے کہ ان پر دردناک عذاب آئے

یعنی ان سے کہو کہ اگر ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر عذاب الیم آوے گا خواہ دنیوی یعنی طوفان یا اخروی یعنی دوزخ۔

قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٢﴾ اَنِ

انہوں نے (اپنی قوم) سے کہا کہ اے میری قوم میں تمہارے لئے صاف

اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوهُ وَاَطِيعُونِ ﴿٣﴾

صاف ڈرانے والا ہوں (اور کہتا ہوں) کہ اللہ کی عبادت (یعنی توحید اختیار

يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ

کرو) اور اس سے ڈرو اور میرا کہنا مانو اور وہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا

اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى

اور تم کو وقت مقررہ (یعنی وقت موت) تک (بلا عقوبت) مہلت دے گا

یعنی ایمان نہ لانے پر جس عذاب کا آنے سے پہلے وعدہ کیا جاتا ہے اگر ایمان لے آئے تو وہ عذاب نہ آوے گا۔

اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ

(باقی موت کے لئے جو) اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت (ہے) جب (وہ) آ جاوے گا تو ٹلے گا نہیں

یعنی موت تو آنا ہر حال میں ضروری ہے ایمان میں بھی کفر میں بھی لیکن دونوں حالتوں میں اتنا فرق ہے کہ ایک حالت میں علاوہ عذاب آجل اخروی

کے عذاب عاجل دنیوی بھی ہوگا اور ایک حالت میں مثل عذاب آجل کے عذاب عاجل سے بھی محفوظ رہو گے اور تخصیص نفی عذاب عاجل میں یہ نکتہ ہے کہ ایمان پر عذاب آجل سے محفوظ رہتا ہی ہے مگر بعض اوقات باوجود ایمان کے بھی دنیوی کلفتیں پیش آجاتی ہیں پس اس کی نفی سے ایمان لانے پر مزید فضل کا وعدہ ہوگیا اور ان اجل اللہ الخ پر باوجود اس کے ظاہر ہونے کے متنبہ کرنے سے یہ بتلانا ہے کہ موت کے اشتراک سے ان دونوں کے ثمرات یکساں ہونے کا شبہ نہ کیا جائے کیونکہ موت تو بمقتضائے بشریت ضروری چیز ہے اس کا ٹلنا ثمرات ایمان سے نہیں پس اس کا ترتب ضروری ہے البتہ عقاب کا ارتفاع ثمرات ایمان سے ہے اور اس کا ترتب بھی ضروری ہے۔

لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٤﴾ قَالَ رَبِّ

کیا خوب ہوتا اگر تم (ان باتوں کو) سمجھتے ہوتے (جب مدتہائے دراز تک ان

اِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّنَهَارًا ﴿٥﴾

نصائح کا اثر قوم پر نہ ہوا تو) نوحؑ نے دعا کی کہ) اے میرے پروردگار میں نے

فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَاۗءِيْٓ اِلَّا فِرَارًا ﴿٦﴾

اپنی قوم کو رات کو بھی اور (دن کو بھی) دین حق کی طرف) بلایا سو میرے بلانے پر (دین سے) اور زیادہ بھاگتے رہے اور میں نے جب کبھی ان کو (دین حق کی

وَاِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ

طرف) بلایا تا کہ (ان کے ایمان کے سبب) آپ ان کو بخش دیں تو ان لوگوں

جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا

نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں دے لیں (تا کہ حق بات کو سنیں بھی نہیں) اور

ثِيَابَهُمْ

(نیز زیادتی کراہت سے) اپنے کپڑے (اپنے اوپر) لپیٹ لیے

تا کہ حق بات کہنے والے کو دیکھیں بھی نہیں اور کہنے والا بھی ان کو نہ دیکھے

وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ﴿٧﴾ ثُمَّ اِنِّيْ

اور کفر پر اصرار کیا اور (میری طاعت سے) غایت درجہ کا تکبر کیا پھر (بھی)

دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ﴿٨﴾

میں نے ان کو با آواز بلند بلایا

مراد اس سے خطاب و وعظ عام ہے جس میں عادۃً آواز بلند ہوتی ہے۔

ثُمَّ اِنِّيْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ

پھر میں نے ان کو (خطاب خاص کے طور پر) علانیہ بھی سمجھایا اور ان کو بالکل

لَهُمْ اِسْرَارًا ﴿٩﴾ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا

خفیہ بھی سمجھایا اور (اس سمجھانے میں) میں نے (ان سے یہ) کہا کہ تم اپنے

رَبَّكُمْ

پروردگار سے گناہ بخشواؤ

یعنی جتنے طریقوں سے نفع کا احتمال تھا سب ہی طرح سمجھایا

یعنی ایمان لاؤ تا کہ گناہ بخشے جائیں۔

اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ﴿١٠﴾

بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے

اگر تم ایمان لے آؤ گے تو علاوہ اخروی نعمت کے کہ مغفرت ہے دنیوی نعمتیں بھی تم کو عطا کرے گا۔

يُّرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ﴿١١﴾

کثرت سے تم پر بارش بھیجے گا اور تمہارے مال اور اولاد

وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ

میں ترقی دے گا اور تمہارے لئے باغ لگا دے گا

لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ﴿١٢﴾

اور تمہارے لئے نہریں بہادے گا

ان نعمتوں کے ذکر سے شاید یہ فائدہ ہو کہ اکثر طبائع میں دنیوی منافع کی طلب زیادہ ہے پس اس کو ترغیب میں زیادہ دخل ہے چنانچہ درمنثور میں قتادہ کا قول ہے کہ وہ لوگ دنیا کے زیادہ حریص تھے اس لئے یہ فرمایا اور اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ بسا اوقات ایمان و استغفار پر یہ دنیوی منافع ظاہر اور مرتب نہیں ہوتے بات یہ ہے کہ یا تو یہ وعدہ خاص ان ہی لوگوں کے لئے ہوگا اور اگر عام بھی ہو تو قاعدہ ہے کہ وعدہ کی چیز سے افضل کوئی چیز مل جانا یہ بھی وعدہ پورا ہونا ہی ہے بلکہ اس صورت میں زیادتی کے ساتھ پورا ہوگا پس ایمان کامل اور استغفار پر روحانی مسرت اور قناعت اور تقدیر پر رضامندی ضرور عطا ہوتی ہے جو ان دنیوی چیزوں سے بھی افضل و اکمل ہے بلکہ دنیوی منافع سے بھی مقصود

یہی کیفیات حاصل کرنا ہے آگے نوح علیہ السلام کے کلام کا بقیہ ہے۔

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلّٰهِ وَقَارًا ﴿۱۳﴾

زمین نے ان سے یہ بھی کہا کہ) تم کو کیا ہوا کہ تم اللہ

وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ﴿۱۴﴾ أَلَمْ تَرَوْا

کی عظمت کے معتقد نہیں ہو (ورنہ شرک نہ کرتے) حالانکہ

كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿۱۵﴾

اس نے تم کو طرح طرح سے بنایا کیا تم کو معلوم نہیں

وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَّجَعَلَ

کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان اوپر تلے پیدا کئے اور ان میں چاند کو نور

الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿۱۶﴾ وَاللّٰهُ أَنْبَتَكُمْ مِّنَ

(کی چیز) بنایا اور سورج کو (مثل) چراغ (روشن کے) بنایا اور اللہ نے تم کو

الْأَرْضِ نَبَاتًا ﴿۱۷﴾

زمین سے ایک خاص طور پر پیدا کیا

چنانچہ نطفہ سے پہلے پانی اور مٹی وغیرہ کا درجہ ہے پھر غذا کا مرتبہ ہے اس سے نطفہ پیدا ہوتا ہے اور نطفہ کے بعد جما ہوا خون پھر گوشت کی بوٹی بنتا ہے یہ تو انسان کی ذات میں دلیل ہے آگے آفاق عالم سے دلیل بیان فرماتے ہیں۔

یا تو اس طرح کہ حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے بنائے گئے اور یا اس طرح کہ انسان نطفہ سے بنا اور نطفہ غذا سے اور غذا عناصر سے بنی اور عناصر میں سے غالب زمین کے اجزاء ہیں۔

ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ

پھر تم کو (بعد مرگ) زمین ہی میں لے جاوے گا اور (قیامت میں پھر اسی

إِخْرَاجًا ﴿۱۸﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ

زمین سے) تم کو باہر لے آوے گا اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے زمین کو

بِسَاطًا ﴿۱۹﴾ لِّتَسْلُكُوا مِنْهَا سُبُلًا

(مثل) فرش (کے) بنایا تا کہ تم کھلے رستوں میں چلو

کیونکہ زمین میں چلنا اس پر موقوف ہے کہ اس پر قدم جم سکیں ورنہ بجائے چلنے کے دھنسا کرتے یہ تمام کلام وہ ہے جو حضرت نوحؑ نے اپنی قوم سے فرمایا تھا اس کے بعد وہ کلام ہے جو حضرت نوحؑ نے فریاد کے طور پر حق تعالیٰ سے عرض کیا۔

فِجَاجًا ﴿۲۰﴾ قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي

(اور یہ سب حکایات عرض کر کے) نوحؑ نے (یہ) کہا کہ اے میرے پروردگار

وَاتَّبَعُوا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدُهُ

ان لوگوں نے میرا کہنا نہیں مانا اور ایسے شخصوں کی پیروی کی کہ جن کے مال

إِلَّا خَسَارًا ﴿۲۱﴾

اور اولاد نے ان کو نقصان ہی زیادہ پہنچایا

ان شخصوں سے مراد رؤسا ہیں جن کا عام لوگ اتباع کیا کرتے ہیں اور مال و اولاد کا ان رؤسا کو نقصان پہنچانا اس طرح ہے کہ مال و اولاد زیادہ سرکشی کا سبب ہوگیا۔

وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۲﴾ وَقَالُوا لَا

اور انہوں نے جن کا اتباع کیا ہے وہ ایسے ہیں کہ) جنہوں نے (حق میں) بڑی

تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا

بڑی تدبیریں کیں اور جنہوں نے (اپنے تابعین سے) کہا کہ تم اپنے معبودوں کو

سُوَاعًا وَّلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ﴿۲۳﴾

ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ (بالخصوص) ود کو اور نہ سواع کو اور نہ یغوث کو اور یعوق کو اور نسر کو چھوڑنا

خصوصیت ان کے ذکر کی یہ ہے کہ یہ بت زیادہ مشہور تھے۔

وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا ۚ وَلَا تَزِدِ

اور ان (رئیس) لوگوں نے بہتوں کو (بہکا بہکا کر) گمراہ کر دیا اور (اب

الظّٰلِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا ﴿۲۴﴾

آپ) ان ظالموں کی گمراہی اور بڑھا دیجئے

چونکہ نوح علیہ السلام کو حق تعالیٰ کے ارشاد لن یومن من قومک الا من قد آمن سے معلوم ہوگیا تھا کہ یہ اب ایمان نہ لاویں گے اس لئے یہ دعا کی کہ ان کی گمراہی اور بڑھا دیجئے جس سے حقیقت میں گمراہی کی دعا کرنا

مقصود نہیں بلکہ ان کی ہلاکت کی بددعا مقصود ہے کہ گمراہی زیادہ ہونے سے جلدی ہلاکت کے مستحق ہوجائیں گے کیونکہ اب ان کے باقی رہنے میں نفع کچھ نہیں بلکہ نقصان کا اندیشہ ہے اور اس دعا کی تحقیق سورہ یونس میں گزر چکی۔

مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ

(ان لوگوں کا انجام یہ ہوا کہ) انہی گناہوں کے سبب وہ غرق کئے گئے پھر

فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿۲۵﴾

(بعد غرق) دوزخ میں داخل کئے گئے اور خدا کے سوا ان کو کوئی حمایتی بھی

وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ

میسر نہ ہوئے اور نوحؑ نے (یہ بھی) کہا کہ اے میرے پروردگار ان میں سے

مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ اِنَّكَ اِنْ

زمین پر ایک باشندہ بھی مت چھوڑ (بلکہ سب کو ہلاک کردے کیونکہ) اگر

تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا

آپ ان کو روئے زمین پر رہنے دیں گے تو آپ کے بندوں کو گمراہ کردیں

اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾

گے اور (آگے بھی) ان کے محض فاجر اور کافر ہی اولاد پیدا ہوگی

دعاؤں کے بیچ میں ان کے غرق کا حال بیان فرمانا شاید اس لئے ہو کہ جلدی اس دعا کا قبول ہونا معلوم ہوجائے یا ان خطاؤں کا عذاب کے لئے سبب ہوجانا معلوم ہوجائے اور کافروں کے لئے بددعا کرنے کے بعد مومنین کے لئے دعا فرمائی۔

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ

اے میرے رب مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور جو مومن ہونے کی حالت میں میرے

بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ

گھر میں داخل ہیں ان کو (یعنی اہل وعیال باستثناء زوجہ وکنعان) اور تمام مسلمان

وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾ ع

مردوں اور مسلمان عورتوں کو بخش دے اور ان ظالموں کی ہلاکت اور بڑھائیے

اور چونکہ مقصود مقام میں بددعا ہے کافروں کے لئے اور مومنین کے لئے دعا محض مقابلہ کی مناسبت سے ہوگئی تھی اس لئے پھر مضمون مقصود بددعا کی طرف عود ہے۔

یعنی ان کی نجات کی کوئی صورت نہ رہے ہلاک ہی ہوجائیں اور یہی مقصود تھا دعاء ضلال سے اور ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ نوحؑ کے والدین مومن تھے اور اگر اس کے خلاف ثابت ہوجائے تو والدین سے آباوامہات بعیدہ لیں گے اور آباو امہات بعیدہ میں مومنین کا تحقق یقینی ہے۔ سورة الجن مكية و ايٰتها ثمان و عشرون كذافي البيضاوى ربط سورت سابقہ میں قوم نوحؑ کے کفر اور عذاب کے قصہ سے اس وقت کے کافروں کو ایمان نہ لانے پر ڈرایا تھا اور اس سورت میں جنات کے ایمان لانے اور توحید و رسالت وقیامت کے متعلق تقریر کرنے کے قصہ سے ان کافروں کو ایمان کی رغبت دلاتے ہیں کہ جنات جو آگ سے بنے ہوئے ہیں وہ تو باوجود تکبر وغیرہ کے ایمان لائے تو انسان جو مٹی سے بنا ہے یہ باوجود اپنی پستی اور عاجزی کے کیوں نہیں ایمان لاتا اور تفسیر آیات سے پہلے چند واقعات جاننے کے قابل ہیں جن کی آگے ضرورت ہوگی۔

واقعہ اول بعثت محمدیہ سے پہلے شیاطین آسمان تک پہنچ کر فرشتوں کی باتیں سنتے تھے بعد بعثت کے ان کو شعلوں کی مار سے روک دیا گیا اور اسی حادثہ کی تحقیق کے ضمن میں یہ جنات آپ تک پہنچے جیسا سورۂ احقاف میں گزرا۔

واقعہ ثانی جاہلیت میں عادت تھی کہ جب کسی وادی میں مقام کرتے تو اس اعتقاد سے کہ جنات کے سردار ہماری حفاظت کریں یوں کہتے اعوذ بعزيز هذا الوادى من شر سفهاء قومه یعنی میں اس جنگل کے سردار سے اس کی قوم کے بیوقوفوں سے پناہ مانگتا ہوں۔

واقعہ ثالث مکہ میں آپ کی بددعاء سے قحط نمودار ہوا تھا اور کئی سال تک رہا۔

واقعہ رابع جب آپ نے دعوت اسلام شروع کی تو کفار مخالفین کا مسلمانوں پر ہجوم اور نرغہ ہوا۔

بسم الله الرحمن الرحيم قل اوحي الى تا عددا

(۷۲) سُوْرَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ (۴۰)

سورہ جن مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں اٹھائیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ

آپ (ان لوگوں سے) کہیئے کہ میرے پاس اس بات کی وحی آئی کہ جنات میں سے

فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾ يَّهْدِيْٓ اِلَى

ایک جماعت نے قرآن سنا پھر (اپنی قوم میں واپس جا کر) انہوں نے کہا کہ ہم نے

الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ط

ایک عجیب قرآن سنا ہے جو راہ راست بتلاتا ہے سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے

قرآن ہونا تو اس کے مضمون سے معلوم ہوا اور عجیب ہونا اس سے کہ مشابہ کلام بشر کے نہیں۔

وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ﴿۲﴾ وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى

اور ہم (اب) اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے اور انہوں نے

جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ﴿۳﴾

یہ بھی بیان کیا کہ) ہمارے پروردگار کی بڑی شان ہے اس نے نہ کسی کو بیوی

وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ

بنایا اور نہ اولاد اور ہم میں جو احمق ہوئے ہیں وہ اللہ کی شان میں حد سے بڑھی

شَطَطًا ﴿۴﴾

ہوئی باتیں کہتے تھے

مراد اس سے کفریہ کلمات ہیں جیسے خدا کی بیوی اور اولاد ہونا وغیرہ

وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ

اور ہمارا پہلے یہ خیال تھا کہ انسان اور جنات

وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴿۵﴾

خدا کی شان میں جھوٹ نہیں کہیں گے

کیونکہ بڑی بے باکی کی بات ہے اس میں وجہ اپنے مشرک ہونے کی بیان کی کہ چونکہ اکثر جن وانس شرک کرتے تھے ہم سمجھے کہ خدا کی شان میں اتنے لوگوں نے جھوٹ پر اتفاق نہ کیا ہوگا بس ہم نے بھی اسی طریقہ کو اختیار کر لیا حالانکہ نہ مطلق اتفاق حجت ہے اور نہ ہر اتفاق کا اتباع عذر ہے اور یہ شرک مذکور تو عام شرک تھا اور ایک شرک خاص تھا بعضے آدمیوں کے ساتھ جس سے جنات کا کفر اور بڑھ گیا تھا۔

وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ

اور بہت سے لوگ آدمیوں میں سے ایسے تھے کہ وہ جنات میں سے بعضے لوگوں

بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ﴿۶﴾

کی پناہ لیا کرتے تھے سو ان آدمیوں نے ان جنات کی بد دماغی اور بڑھا دی

کہ وہ اس وہم میں مبتلا ہو گئے کہ ہم جنات کے سردار تو پہلے سے تھے اب آدمی بھی ہم کو ایسا بڑا سمجھتے ہیں پس اس سے بد دماغی بڑھی اور کفر و عناد پر اور زیادہ مصر ہو گئے یہاں تک مضمون متعلق توحید کے تھا اور آگے بعث کے متعلق ہے۔

وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ

اور جیسا تم نے خیال کر رکھا تھا ویسا ہی آدمیوں نے بھی خیال کر رکھا تھا کہ اللہ

يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ﴿۷﴾ وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ

تعالیٰ کسی کو دوبارہ زندہ نہ کرے گا اور ہم نے آسمان (کی خبروں) کی تلاشی

فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا

(موافق عادت سابقہ کے) لینا چاہی سو ہم نے اس کو سخت پہروں (یعنی

وَّشُهُبًا ﴿۸﴾

محافظ فرشتوں) اور شعلوں سے بھرا ہوا پایا

یعنی اب پہرہ ہو گیا ہے کہ کوئی جن آسمانی خبر نہ لے جانے پائے اور جو جاوے شہاب ثاقب سے مارا جاوے اور شہاب ثاقب طبعی اسباب کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی ٹوٹتے تھے مگر فرشتوں کے ذریعہ سے ہونا اور اس میں یہ خاص اثر یعنی شیاطین کو مارنا یہ حضور کی بعثت کے بعد ہوا ہے۔

وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ط

اور اس کے قبل) ہم اس آسمان کی خبر سننے) کے موقعوں میں (خبر) سننے کے لئے جا بیٹھا کرتے تھے

اور یہ مواقع خواہ آسمان کے اندر ہوں یا ہوا و نار وغیرہ کے کرہ میں آسمان کے قریب ہوں اور جنات اپنی لطافت کی وجہ سے اس پر ٹھہر سکتے ہوں جیسے بعض پرندے ہوا میں چلتے پھرتے ٹھہر جاتے ہیں۔

فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا

سو جو کوئی اب سننا چاہتا ہے تو اپنے لئے ایک تیار شعلہ

رَّصَدًا ﴿۹﴾

پاتا ہے

مطلب یہ کہ حضور کو اللہ تعالیٰ نے رسالت دی ہے اور شبہ دور کرنے کے لئے کہانت کا دروازہ بند کر دیا ہے تا کہ کوئی جن آسمان سے قرآن کی آیتوں کو سن

کر کاہنوں تک نہ پہنچا دے پھر وہ قرآن کے مقابلہ میں اس کو پیش کر دیں اور اس دروازہ کا بند ہونا ہی سبب ہوا ان جنات کے پہنچنے کا آپ کی خدمت میں۔

وَّ اَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي

اور ہم نہیں جانتے کہ (ان جدید پیغمبر کے مبعوث فرمانے سے) زمین والوں کو کوئی

الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴿١٠﴾

تکلیف پہنچانا مقصود ہے یا ان کے رب نے ان کو ہدایت کرنے کا قصد فرمایا ہے

یعنی رسول بھیجنے سے شرعاً تو ہدایت ہی مقصود ہے کیونکہ رسول کے اتباع سے فلاح و ہدایت ہوتی ہے اور مخالفت سے مضرت اور عذاب۔ اور ہم کو معلوم نہیں کہ لوگ آئندہ کیا اختیار کریں گے۔ پس اس کی تعیین بھی ہم کو معلوم نہیں کہ رسول کے آنے سے ہدایت ہوگی یا بوجہ مخالفت کے مخلوق پر عذاب نازل ہوگا۔ شاید اس سے مقصود اپنی قوم کو ڈرانا ہو کہ ایمان نہ لانے سے عذاب کے مستحق ہو جاؤ گے۔

وَّ اَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ط

اور ہم سے (پہلے سے بھی) بعضے نیک (ہوتے آئے) ہیں اور بعضے اور طرح

كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ﴿١١﴾

کے (ہوتے آئے) ہیں ہم مختلف طریقوں پر تھے

اسی طرح ان نبی کی خبر سن کر اب بھی ہم میں دونوں طریقے کے لوگ موجود ہیں۔

وَّ اَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي

اور ہمارا طریقہ تو یہ ہے کہ) ہم نے سمجھ لیا ہے ہم زمین (کے کسی حصہ) میں

الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ﴿١٢﴾

(جا کر) اللہ تعالیٰ کو ہرا نہیں سکتے اور نہ (اور کہیں) بھاگ کر اس کو ہرا سکتے ہیں

یعنی زمین کے سوا بھی اور کہیں پناہ نہیں اور شاید اس سے مقصود بھی ڈرانا ہے کہ اگر کفر کریں گے تو خدا کے عذاب سے بچ نہیں سکتے اور اپنے پہلے مختلف طریقوں کے بیان کرنے سے شاید یہ مقصود ہو کہ حق واضح ہو جانے کے بعد بعض کا ایمان نہ لانا حق کے حق ہونے میں شبہ نہیں ڈال سکتا کیونکہ یہ تو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔

وَّ اَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ ط فَمَنْ

اور ہم نے جب ہدایت کی بات سن لی تو ہم نے تو اس کا یقین کر لیا سو (ہماری طرح)

يُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ﴿١٣﴾

جو شخص اپنے رب پر ایمان لے آوے گا تو اس کو نہ کسی کمی کا اندیشہ ہوگا اور نہ زیادتی کا

کمی یہ کہ اس کی کوئی نیکی لکھنے سے رہ جائے اور زیادتی یہ کہ کوئی گناہ زیادہ لکھ لیا جاوے شاید مقصود اس سے ترغیب ہو۔

وَّ اَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ط

اور ہم میں بعضے تو مسلمان (ہو گئے) ہیں اور بعضے

فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿١٤﴾

ہم میں (بدستور سابق) بے راہ ہیں سو جو

وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ

شخص مسلمان ہو گیا انہوں نے تو بھلائی کا رستہ ڈھونڈ لیا اور جو بے راہ ہیں

حَطَبًا ﴿١٥﴾

دوزخ کے ایندھن ہیں

یہاں تک جنات کا کلام ختم ہو گیا آگے دوسرے مضامین ہیں جن کی آپ کی طرف وحی کی گئی ہے۔

وَّ اَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ

اور (مجھ کو ان مضامین کی بھی وحی ہوئی کہ) کہ اگر یہ (مکہ والے) لوگ (سیدھے) رستہ پر قائم ہو جاتے تو ہم ان کو فراغت کے پانی سے

لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ﴿١٦﴾

سیراب کرتے تا کہ ہم اس میں ان کا امتحان کریں

کہ نعمت کا شکر ادا کرتے ہیں یا ناشکری و نافرمانی کرتے ہیں یہ غایت لنفتنهم میں قید واقعی ہے کیونکہ ہر نعمت پر یہ حکمت مرتب ہوتی ہے مطلب یہ کہ اگر اہل مکہ شرک نہ کرتے جس کی مذمت اوپر بضمن کلام جنات آ چکی ہے تو ان پر قحط مسلط نہ ہوتا جیسا واقعہ ثالث میں مذکور ہے مگر انہوں نے بجائے ایمان کے اعراض کیا اس لئے مبتلائے قحط ہوئے۔

لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ط وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ

اور جو شخص اپنے پروردگار کی یاد (یعنی ایمان و اطاعت) سے روگردانی کرے گا اللہ

ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿۱۷﴾

تعالیٰ اس کو سخت عذاب میں داخل کرے گا اور (ان وحی شدہ مضامین سے ایک یہ

وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ

ہے کہ) جتنے سجدے ہیں وہ سب اللہ کا حق ہیں سو اللہ کے ساتھ کسی کی عبادت

اَحَدًا ﴿۱۸﴾ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ

مت کرو اور جب خدا کا خاص بندہ (مراد رسول اللہ ہیں) خدا کی عبادت کرنے

يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾

کھڑا ہوتا ہے تو یہ (کافر) لوگ اس بندہ پر بھیڑ لگانے کو جمع ہو جاتے ہیں

یعنی یہ جائز نہیں کہ کوئی سجدہ اللہ کو کیا جائے اور کوئی سجدہ غیر اللہ کو جیسا مشرکین کرتے تھے۔

یعنی تعجب وعداوت سے ہر شخص اس طرح دیکھتا ہے جیسے اب حملہ کرنے کے لئے بھیڑ لگا چاہتی ہے یہ بھی تتمہ میں ہے مضمون توحید کا کیونکہ اس میں مذمت ہے مشرکین کی کہ توحید سے ان کو عداوت اور نفرت ہے آگے اس تعجب اور عداوت کے متعلق جواب دینے کے لئے آپ کو ارشاد ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ

آپ ان سے یہ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہوں

اَحَدًا ﴿۲۰﴾

اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا)

سو یہ کوئی تعجب وعداوت کی بات نہیں یہ مضمون متعلق توحید تھا آگے رسالت کے متعلق مضمون ہے۔

قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴿۲۱﴾

آپ یہ بھی کہہ دیجئے کہ میں تو تمہارے نہ کسی ضرر کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ کسی بھلائی کا

یعنی تم جو ایسی فرمائشیں کرتے ہو کہ اگر آپ رسول ہیں تو ہم پر عذاب لے آؤ جواب یہ ہے کہ یہ میرے اختیار میں نہیں اور اسی طرح جو یہ لوگ کہتے ہیں کہ ایک طرح ہم آپ کو رسول مان لیں کہ آپ مضامین توحید قرآن میں کچھ تغیر وتبدل کر دیں۔

قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ

آپ کہہ دیجئے کہ (اگر خدانخواستہ میں ایسا کروں تو) مجھ کو خدا (کے غضب)

وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۲﴾

سے کوئی نہیں بچا سکتا اور نہ میں اس کے سوا کوئی پناہ (کی جگہ) پا سکتا ہوں

مطلب یہ کہ نہ تو کوئی میرا بچانے والا ہوگا اور نہ میری تلاش سے کوئی پناہ دینے والا مل سکے گا اور کفار کے ایسے اقوال استعجاب عذاب واستبدال قرآن ودین کے قرآن میں جابجا مذکور ہیں اور اوپر لا املک لکم ضرا ولا رشدا میں نفی اختیار نفع وضرر کی فرمائی آگے اثبات منصب رسالت کا فرماتے ہیں۔

اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ۭ

لیکن خدا کی طرف سے پہنچانا اور اس کے پیغاموں کا ادا کرنا یہ میرا کام ہے

باقی نفع اور ضرر میرے قبضہ میں نہیں نہ یہ نبوت کے واسطے لازم ہے اور بلاغ اور رسالت میں فرق یہ ہے کہ بلاغ کسی ایک حکم کے عام طور پر پہنچانے کو بولتے ہیں اور رسالت تمام احکام کے متعلق پہنچانے کو کہتے ہیں چاہے خاص خاص لوگوں کو ہی پہنچا دیا جائے اس لئے دونوں کو جمع کر دیا کہ نبی کے ذمہ تمام احکام کو عام طور پر پہنچانا واجب ہے آگے توحید و رسالت دونوں کے متعلق مضمون ہے۔

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کا کہنا نہیں مانتے تو یقیناً ان لوگوں کے لئے آتش و

جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ﴿۲۳﴾ حَتّٰٓى

دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (لیکن یہ کفار اس حالت سے باز نہ

اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ

آویں گے) یہاں تک کہ جب اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا

مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾

ہے اس وقت جانیں گے کہ کس کے مددگار کمزور ہیں اور کس کی جماعت کم ہے

یعنی کافر ہی ایسے ہوں گے جن کے کوئی کام نہ آوے گا۔

قُلْ اِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ

آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ مجھ کو معلوم نہیں کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے آیا وہ نزدیک (آنے والی) ہے یا میرے پروردگار نے اس کے

اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْٓ اَمَدًا ﴿۲۵﴾

لئے کوئی مدت دراز مقرر کر رکھی ہے

لیکن ہر حال میں وہ آوے گی ضرور رہا علم تعیین کا سو وہ محض غیب ہے۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾

اور غیب کا جاننے والا وہی ہے سو وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا (جبکہ اس میں مصلحت نہ ہو) ہاں مگر اپنے کسی برگزیدہ پیغمبر

اور علم تعیین قیامت ایسا ہی ہے کہ اس پر کسی کو مطلع کرنے میں کوئی مصلحت نہیں کیونکہ وہ علوم متعلقہ بالنبوۃ سے نہیں جن کو قرب الٰہی میں دخل ہوتا ہے پس ایسے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔

اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ

کو (اس طرح اطلاع دیتا ہے کہ) اس پیغمبر کے آگے اور پیچھے محافظ فرشتے بھیج دیتا ہے

اگر کسی ایسے علم پر مطلع کرنا چاہتا ہے جو کہ علم نبوت سے ہو خواہ مثبت نبوت ہو جیسے پیشینگوئیاں خواہ فروع نبوت سے ہو جیسے علم احکام۔

تا کہ وہاں شیاطین کا گزر نہ ہو جو کہ وحی کے فرشتہ سے سن کر اور کسی سے جا کہیں یا کسی وسوسہ وغیرہ کا القاء کر سکیں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایسے پہرہ دار فرشتے چار تھے۔ کمافی الروح عن ابن عباسؓ

فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ

اور یہ انتظام اس لئے کیا جاتا ہے (تا کہ ظاہری طور پر) اللہ تعالیٰ کو

خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا

معلوم ہو جائے کہ ان فرشتوں نے اپنے پروردگار کے پیغام (رسول تک

رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ

بحفاظت) پہنچا دیے

اور اس میں کسی اور کا دخل اور تصرف نہیں ہوا اور پہنچانے والا تو صرف وحی کا فرشتہ ہے لیکن ساتھ ہونے کی وجہ سے دوسروں کو بھی پہنچانے والا کہہ دیا

وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ

اور اللہ تعالیٰ ان (پہرہ داروں کے تمام احوال کا احاطہ کئے ہوئے ہے

اس لئے پہرہ دار ایسے مقرر کئے گئے جو اس کام کے پورے پورے اہل ہیں۔

وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾ ع

اور اس کو ہر چیز کی گنتی معلوم ہے

پس وحی کے سب اجزاء ایک ایک کر کے اس کو معلوم ہیں اور وہ سب کی حفاظت کرتا ہے ملائکہ اور انبیاء کے اذہان میں اس کو جما دیتا ہے حاصل یہ کہ قیامت کا علم نبوت کے علوم میں سے نہیں اس لئے اس کا علم نہ ہونے سے نبوت پر اعتراض یا قیامت کا نہ آنا لازم نہیں آتا البتہ رسول کو نبوت کے علوم عطا کئے جاتے ہیں اور وہی مقصود بھی ہیں اور ان میں خطا کا احتمال نہیں ہوتا تو ایسے علوم سے فائدہ حاصل کرو اور زائد باتوں کی تحقیق چھوڑ دو۔

سورة المزمل مكية وآياتها تسع عشرة او عشرون كذافي البيضاوی

ربط: اوپر کی سورت میں کفار کو توحید و رسالت و قیامت پر ایمان لانے کی ترغیب تھی اس سورت میں ان کے ایمان نہ لانے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے اور تسلی کو پختہ کرنے کے لئے آپ کو کثرت ذکر اور رات میں نماز پڑھنے کا حکم ہے اور یہ سب مضمون اول کی آیتوں کا ہے اور اخیر کی ایک لمبی آیت میں جو کہ اول کی آیتوں سے ایک سال بعد نازل ہوئی تہجد کی فرضیت کو منسوخ فرما دیا خواہ صرف امت کے ذمہ سے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ سے بھی جیسا کہ سورہ اسراء میں و من الليل فتهجدبه کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم. ياايهاالمزمل تا غفور الرحيم

(۷۳) سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ (۳)

سورہ مزمل مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں بیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ﴿۱﴾

اے کپڑوں میں لپٹنے والے

وجہ اس عنوان سے خطاب کرنے کی یہ ہے کہ ابتداء نبوت میں قریش نے دار الندوہ میں جمع ہو کر آپ کے بارہ میں مشورہ کیا کہ آپ کی حالت کے مناسب کوئی لقب تجویز کیا جائے کہ اس پر سب متفق رہیں کسی نے کہا کہ کاہن ہیں پھر رائے قرار پائی کہ کاہن نہیں ہیں کسی نے مجنون کہا پھر اس کو بھی سب نے غلط قرار دیا پھر ساحر کہا پھر بعض نے اس کو بھی رد کیا لیکن پھر کہنے لگے کہ ساحر اس لئے ہیں کہ حبیب کو حبیب سے جدا کر دیتے ہیں آپ کو یہ خبر سن کر رنج ہوا اور رنج کی حالت میں کپڑوں میں لپٹ گئے

جیسا اکثر سوچ اور رنج میں مغموم آدمی اس طرح کر لیتا ہے پس تانیس و ملاطفت کے لئے اس عنوان سے خطاب فرمایا۔

قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ﴿۲﴾ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ

رات کو (نماز میں) کھڑے رہا کرو مگر تھوڑی سی رات یعنی نصف رات کہ اس

مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ﴿۳﴾

میں قیام نہ کرو بلکہ آرام کرو) یا اس نصف سے کسی قدر کم کردو

یعنی نصف سے کم قیام کرو اور نصف سے زیادہ آرام کرو اور اس نصف سے کم کا مصداق ایک تہائی ہے کیونکہ آئندہ حق تعالیٰ نے ثُلُثَه فرمایا ہے یعنی تہائی رات۔

اَوْ زِدْ عَلَيْهِ

یا نصف سے کچھ بڑھا دو

یعنی نصف سے زیادہ قیام کرو اور اس نصف سے زیادہ کا مصداق قریب دوثلث کے ہے بقرینہ قولہ تعالیٰ فیمابعد ادنیٰ من ثلثی اللیل غرض قیام لیل تو امر وجوبی سے فرض ہوا مگر مقدار وقت قیام میں تین صورتوں میں تخییر ہے نصف شب ثلثین شب ثلث شب۔

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ؕ﴿۴﴾

اور قرآن کو خوب صاف صاف پڑھا کرو (کہ ایک ایک حرف الگ الگ ہو

یہی حکم غیر صلوٰۃ میں بھی ہے اور تخصیص محض مقام کی وجہ سے ہے۔

اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ﴿۵﴾

ہم تم پر ایک بھاری کلام ڈالنے کو ہیں

مراد قرآن مجید ہے نزول کے وقت بھی آپ کی حالت کو متغیر کر دیتا تھا جیسا حدیثوں میں ہے کہ ایک بار آپ کی ران زید بن ثابتؓ کی ران پر رکھی تھی اس وقت وحی نازل ہوئی تو زید بن ثابتؓ کی ران پھٹنے لگے اور جب آپ نزول وحی کے وقت ناقہ پر سوار ہوتے تو گردن ڈال دیتی اور حرکت نہ کر سکتی رواہ فی الدر عن احمد وغیرہ اور شدت کے جاڑوں میں آپ عرق عرق ہو جاتے رواہ الشیخان عن عائشہؓ پھر علاوہ اس کے اس کا محفوظ رکھنا اور دوسروں تک پہنچانے میں کلفتیں برداشت کرنا ان اعتبارات سے بھی ثقیل کہا گیا اور اس میں تہجد کی فرضیت کی علت بیان کرنا اور اس کو آسان کر کے بتانا مقصود ہے آسان کرنا تو اس طرح ہے کہ رات کے اٹھنے کو تم گراں نہ سمجھو لو ہم تو اس سے بھاری بھاری کام تم سے لینے والے ہیں۔ اور علت یہ بیان کی کہ رات کے اٹھنے کا حکم اس لئے کرتے ہیں کہ آپ ریاضت کے عادی ہو جاویں جس سے نفس کی استعداد کامل اور مضبوط ہو جاوے کیونکہ ہم آپ پر بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں تو اس کے لئے اپنی استعداد کا قوی کرنا ضرور ہے آگے تہجد کی دوسری علت ارشاد ہے۔

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ

مراد قرآن مجید ہے) بے شک رات کو اٹھنے میں دل اور زبان کا خوب میل

قِيْلًا ؕ﴿۶﴾

ہوتا ہے اور دعا ہو یا قرأت پر بات خوب نکلتی ہے

ظاہراً تو اس طرح کی فرصت کا وقت ہوتا ہے الفاظ دعاء وقرأت کے خوب اطمینان سے ادا ہوتے ہیں اور باطناً اس طرح کہ جی خوب لگتا ہے اور موافقت دل و زبان کا یہی مطلب ہے اور اس کا علت ہونا ظاہر ہے آگے ایک تیسری تعلیل ہے جس میں تخصیص شب کی حکمت کا بیان ہے۔

اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ؕ﴿۷﴾

بے شک تم کو دن میں بہت کام رہتا ہے (دنیوی) بھی اور دینی بھی

دنیوی بھی جیسی تدبیر مہمات خانہ داری اور دینی بھی جیسے تبلیغ اس لئے ان کاموں کے لئے رات تجویز کی گئی۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ؕ﴿۸﴾

اور اپنے رب کا نام یاد کرتے رہو اور سب سے قطع کر کے اسی کی طرف متوجہ رہو

یعنی ذکر اور قطع تعلقات یہ ہر وقت کا فرض ہے اور قطع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ خدا کا تعلق اور تعلقات پر غالب رہے آگے توحید کے ساتھ اس مضمون کی تاکید اور تصریح ہے۔

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا

وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے اس کے سوا کوئی قابل عبادت نہیں تو اسی کو

هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ﴿۹﴾ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا

اپنے کام سپرد کر دینے کے لئے قرار دیے رہو اور یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں

يَقُوْلُوْنَ

ان پر صبر کرو اور خوبصورتی کے ساتھ ان سے الگ ہو جاؤ

الگ ہونا یہ کہ کوئی تعلق نہ رکھو اور خوبصورتی یہ کہ ان کی شکایت وانتقام کی فکر میں مت پڑو اور آگے ان کے عذاب کی خبر دے کر آپ کی تسلی کی تقویت کرتے ہیں۔

وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا ﴿١٠﴾ وَذَرْنِي

اور مجھ کو اور ان جھٹلانے والوں اور ناز و نعمت میں رہنے والوں کو (حالت

وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ

موجودہ پر) چھوڑ دو (یعنی رہنے دو) اور ان لوگوں کو تھوڑے دنوں اور مہلت

قَلِيلًا ﴿١١﴾

دے دو

یہ کنایہ ہے صبر وانتظار سے یعنی چند دن اور صبر کر لیجئے عنقریب ان کو سزا ہونے والی ہے

إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا وَجَحِيمًا ﴿١٢﴾ وَطَعَامًا

ہمارے یہاں بیڑیاں ہیں اور دوزخ ہے اور گلے میں پھنس جانے والا

ذَا غُصَّةٍ وَعَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٣﴾ يَوْمَ تَرْجُفُ

(کھانا ہے) اور دردناک عذاب ہے (اور یہ سزا اس دن ہوگی) جس روز کہ

الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا

زمین اور پہاڑ ہلنے لگیں گے اور پہاڑ (ریزہ ریزہ ہو کر) ریگ رواں ہو جائیں

مَهِيلًا ﴿١٤﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا ۙ

گے (پھراڑے پھریں گے) بیشک ہم نے تمہارے پاس ایک رسول بھیجا

شَاهِدًا عَلَيْكُمْ

ہے جو تم پر (قیامت کے روز) گواہی دیں گے

کہ ان لوگوں نے تبلیغ کے بعد کیا برتاؤ کیا۔

كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا ﴿١٥﴾ فَعَصَىٰ

جیسا کہ ہم نے فرعون کے پاس ایک رسول بھیجا تھا پھر فرعون نے اس رسول

فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا

کا کہنا نہ مانا تو ہم نے اس کو سخت پکڑنا پڑا سو اگر تم (بھی بعد بھیجنے رسول کے

وَبِيلًا ﴿١٦﴾

نافرمانی اور) کفر کرو گے تو

اسی طرح ایک روز تم کو بھی مصیبت جھیلنا پڑے گی چنانچہ وہ مصیبت کا دن آنیوالا ہے۔

فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا

اس دن سے کیسے بچو گے جو (غایت درجہ

يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا ﴿١٧﴾

اشتداد و امتداد سے) بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔

یہ کنایہ ہے شدت سے مقصود یہ ہے کہ وہ دن بہت سخت ہوگا

السَّمَاءُ مُنْفَطِرٌ بِهِ ۚ كَانَ وَعْدُهُ

جس میں آسمان پھٹ جائے گا بے شک اس کا وعدہ ضرور

مَفْعُولًا ﴿١٨﴾

ہو کر رہے گا

پس یہ احتمال بھی نہیں کہ وہ وقت ٹل جاوے۔

إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ

(یہ تمام مضمون) ایک (بلیغ) نصیحت ہے سو جس کا جی چاہے اپنے پروردگار

إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿١٩﴾

کی طرف راستہ اختیار کرے

یعنی اس تک پہنچنے کے لئے دین کا رستہ قبول کر لے آگے اس قیام لیل کی فرضیت کا نسخ ہے جو اول سورت میں مذکور تھا۔

إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ

آپ کے رب کو معلوم ہے کہ آپ اور اس کے ساتھ رہنے والوں میں سے

مِنْ ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ

بعضے آدمی (کبھی) دو تہائی رات کے قریب اور (کبھی) آدھی رات اور (کبھی)

وَطَائِفَةٌ مِنَ الَّذِينَ مَعَكَ ۚ وَاللَّهُ

تہائی رات (نماز میں) کھڑے رہتے ہیں اور رات اور دن کا

يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ

پورا اندازہ اللہ ہی کر سکتا ہے اس کو معلوم ہے کہ تم اس (تقدیر وقت) کو ضبط

تُحْصُوْهُ

نہیں کر سکتے

اور اس وجہ سے تم کو سخت مشقت لاحق ہوتی ہے کیونکہ اندازہ سے تخمینہ کرنے میں شبہ رہتا ہے کمی کا اور انداز سے زیادہ کرنے میں تمام رات کے قریب صرف ہو جاتا ہے تاکہ وقت مقرر یقیناً پورا ہو جائے اور ان دونوں امر میں مشقت شدید ہے روحانی یا جسمانی اور آلات معرفت اوقات موجود نہ تھے۔

فَتَابَ عَلَيْكُمْ

تو (ان وجوہ سے) اس نے تمہارے حال پر عنایت کی

اور اس پہلے حکم کو منسوخ کر دیا۔

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ

سو (اب) تم لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جاسکے پڑھ لیا کرو

مراد اس قرآن پڑھنے سے تہجد پڑھنا ہے کہ اس میں قرآن پڑھا جاتا ہے اور یہ امر ندب کے لئے ہے مطلب یہ کہ تہجد کی فرضیت منسوخ ہوگئی اب جس قدر وقت آسان ہو بطور مستحب کے اگر چاہو پڑھ لیا کرو۔

عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ

اس کو یہ بھی معلوم ہے کہ بعضے آدمی تم میں بیمار ہوں گے

وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ

اور بعضے تلاش معاش کے لئے ملک میں سفر کریں گے

مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ

اور بعضے اللہ کی راہ میں

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ

جہاد کریں گے

اس لئے بھی اس حکم کو منسوخ کر دیا کیونکہ ان حالتوں میں پابندی تہجد کی اور اوقات کی طرح مشکل تھی

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ

سو (اس لئے بھی) تم کو اجازت ہے کہ (اب) تم لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جاسکے پڑھ لیا کرو

اس کی تفسیر ابھی گزری ہے اور اس حکم کو ہر علت پر چونکہ مستقل طور پر مرتب کیا ہے اس لئے تکرار نہ رہی آگے بتلاتے ہیں کہ تہجد کی فرضیت گو منسوخ ہوگئی مگر یہ احکام جو آگے آتے ہیں اب بھی باقی ہیں۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ

اور نماز (فرض) کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو

وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَمَا

اور اللہ کو اچھی طرح (یعنی اخلاص سے) قرض دو اور جو نیک

تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ

عمل اپنے لئے آگے (ذخیرہ آخرت بنا کر) بھیج دو

تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا

اس کو اللہ کے پاس پہنچ کر اس سے اچھا اور

وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ

ثواب میں بڑا پاؤ گے

یعنی دنیوی اغراض میں خرچ کرنے سے جو عوض اور نفع حاصل ہوتا ہے نیک کاموں میں خرچ کرنے سے اس سے بہتر اور بڑا نفع ملے گا۔

وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

اور اللہ سے گناہ معاف کراتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ غفور

رَّحِيْمٌ ۝۲۰ ع

رحیم ہے

استغفار بھی انہی باقی احکام میں سے ہے اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ تہجد کی فرضیت عام تھی اور نسخ بھی ظاہراً عام معلوم ہوتا ہے۔ حضورؐ کے واسطے بھی اور بظاہر نصف اور تہائی اور دو تہائی رات میں اول اور آخر شب دونوں میں اختیار تھا البتہ ناشئة اللیل سے آخر شب کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔

سورة المدثر مكية و ايتها خمس و ثمانون كذافي البيضاوی

ربط: اوپر کی سورت میں اصل مقصود حضور کی تسلی تھی اور کفار کو طبعاً ڈرایا بھی تھا اور اس سورت میں اصل مقصود ڈرانا ہے اور تبعاً حضور کو تسلی بھی ہے تفسیر سے پہلے بعض واقعات لکھے جاتے ہیں جن کی طرف آیات میں اشارہ ہے۔

واقعہ اول: احادیث میں ہے کہ سب سے پہلے سورہ اقراء کے شروع کی آیتیں نازل ہو کر بعض حکمتوں سے چندے وحی نازل نہ ہوئی پھر ایک جنگل میں آپ کو ایک آواز سنائی دی اوپر نظر اٹھا کر دیکھا تو جبرائیل علیہ السلام ایک تخت پر درمیان زمین و آسمان کے بیٹھے ہیں آپ ہیبت سے گھبرا کر لوٹ آئے اور کپڑوں میں لپٹ گئے اس پر اول کی آیتیں نازل ہوئیں لفظ مدثر اسی کی طرف اشارہ ہے اور یہ آیتیں شروع شروع نبوت کی ہیں اور بقیہ سورۃ کا بعد میں نزول ہوا ہے اور اتقان سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ مزمل کے بعد نزول ہوا ہے یعنی بقیہ کا

واقعہ ثانی: ولید بن مغیرہ کافر بڑا مالدار تھا اور اس کے دس بیٹے تھے جو اس کے پاس رہتے تھے اور بوجہ فراغت معاش کے ان کو تلاش معاش کے لئے کہیں جانا نہ پڑتا تھا وہ ایک بار حضور کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اس کو قرآن پڑھ کر سنایا اور وہ کسی قدر متاثر ہوا مگر ابو جہل نے اس کو ورغلایا اور قریش میں تذکرہ ہوا کہ اگر ولید مسلمان ہو گیا تو بڑی خرابی ہوگی غرض سب جمع ہوئے اور آپ کے بارہ میں گفتگو ہوئی کسی نے کہا آپ شاعر ہیں کسی نے کہا آپ کاہن ہیں ولید نے کہا میں شعر میں خود بڑا ماہر ہوں اور کاہنوں کی باتیں بھی سب سنی ہیں قرآن نہ شعر ہے نہ کہانت لوگوں نے کہا کہ تیری کیا رائے ہے کہا کہ سوچ لوں چنانچہ سوچ ساچ کر کہنے لگا کہ مجھ کو تو ساحر معلوم ہوتا ہے جس کا منشیٰ تفریق بین الاحبہ ہے جو شروع مزمل میں مذکور ہوا اور اس کے قبل یہ بھی کہہ چکا تھا کہ یہ ساحر بھی نہیں اور مجنونانہ کلام بھی نہیں اور یہ کلام اللہ ہے مگر محض اپنی برادری کو خوش کرنے کو اب یہ بات بنائی۔ بسم الله الرحمن الرحيم. يايها المدثر الخ

(۷۴) سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ (۴)

سورہ مدثر مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں چھپن آتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝۱ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝۲

اے کپڑے میں لپٹنے والے اٹھو (یعنی اپنی جگہ سے اٹھو) یا یہ کہ مستعد رہو)

پھر (کافروں کو) ڈراؤ

جو کہ نبوت کا فرض منصبی ہے اور یہاں بشارت دینے کو اس لئے نہیں فرمایا کہ یہ آیت بالکل شروع زمانہ نبوت کی ہے اس وقت بجز ایک دو کے کوئی مسلمان نہ تھا تو ڈرانا ہی زیادہ مناسب ہے۔

وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝۳

اور اپنے رب کی بڑائیاں بیان کرو

کہ اول چیز توحید کی تبلیغ ہے اور آگے بعض ضروری اعمال و عقائد اور اخلاق کی تعلیم ہے جس پر خود بھی عامل رہنا چاہئے کہ تبلیغ کے ساتھ اپنی تہذیب بھی ضروری ہے۔

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝۴

اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھیے

یہ اعمال میں سے ہے اور چونکہ بالکل ابتداء میں نماز نہ تھی اس لئے اس کا حکم نہیں ہوا۔

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝۵

اور بتوں سے الگ رہو (جس طرح کہ اب تک الگ ہو)

یہ عقائد میں سے ہے یعنی بدستور سابق توحید پر دوام رکھو اور باوجود دوسری شق کے احتمال نہ ہونے کے یہ امر فرمانا ارشاد ہے اہتمام شان توحید کی طرف کہ ایسی ضروری چیز ہے کہ معصوم کو بھی باوجود احتیاج نہ ہونے کے اس کی تعلیم کی جاتی ہے تو غیر معصوم تو بدرجہ اولیٰ اس کا مکلف ہوگا۔

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝۶

اور کسی کو اس غرض سے مت دو کہ (دوسرے وقت) زیادہ معاوضہ چاہو

گو اوروں کے لئے یہ امر جائز ہے اگرچہ خلاف اولیٰ ہے لیکن حضور کی شان چونکہ ارفع ہے اس لئے آپ کو اس کی ممانعت کی گئی کما فی الروح والاصح ان النہی للتحریم وانہ من خواصہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝۷ فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ۝۸

اور پھر ایذاؤں میں جو ایذا پیش آئے اس پر اپنے رب کی خوشنودی کے واسطے صبر کیجئے

فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۝۹ عَلَى

پھر جس وقت صور پھونکا جاوے گا سو وہ وقت یعنی وہ دن کافروں پر ایک سخت دن

الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ﴿۱۰﴾ ذَرْنِيْ

ہوگا (جس میں ذرا آسانی نہ ہوگی) (آگے بعض خاص کفار کا ذکر ہے یعنی) مجھ کو

وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ﴿۱۱﴾

اور اس شخص کو (اپنے اپنے حال پر) رہنے دو جس کو میں نے اکیلا پیدا کیا

جیسا کہ پیدا ہونے کے وقت آدمی کے پاس نہ مال ہوتا ہے اور نہ اولاد اور مراد اس سے ولید ہے جس کا قصہ واقعہ ثانی میں مذکور ہوا ہے۔

وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ﴿۱۲﴾ وَّبَنِيْنَ

اور اس کو کثرت سے مال دیا اور پاس رہنے والے بیٹے

شُهُوْدًا ﴿۱۳﴾ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ﴿۱۴﴾

(دیے) اور سب طرح کا سامان اس کے لئے مہیا کر دیا

ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ﴿۱۵﴾ كَلَّا ۭ اِنَّهٗ كَانَ

پھر بھی اس بات کی ہوس رکھتا ہے کہ اس کو) اور زیادہ دوں۔ ہرگز (وہ زیادہ

لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ﴿۱۶﴾

دینے کے قابل نہیں) کیونکہ وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے

اور مخالفت کے ساتھ ناقابل عفو ہونا ظاہر ہے گو ڈھیل کے طور پر مہلت دے دی جائے لیکن اتفاقاً اس آیت کے نازل ہونے کے دن سے اس شخص کی ترقی ظاہراً بھی بند ہوگئی پھر نہ کوئی اولاد ہوئی نہ کچھ مال بڑھا۔

سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ﴿۱۷﴾

اس کو عنقریب (یعنی مرنے کے بعد) دوزخ کے پہاڑ پر چڑھاؤں گا

حدیث ترمذی میں مرفوعاً ہے کہ صعود دوزخ میں ایک پہاڑ ہے ستر برس میں اس کی چوٹی پر پہنچے گا پھر وہاں سے گر پڑے گا اسی طرح ہمیشہ چڑھے گا اور گرے گا اور وجہ اس سزا کی وہی عناد ہے جو اوپر مذکور ہوا ہے اور آگے بھی اس کی کچھ تفصیل ہے۔

اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿۱۸﴾ فَقُتِلَ كَيْفَ

اس شخص نے سوچا پھر ایک بات تجویز کی سو اس پر خدا کی مار ہو کیسی

قَدَّرَ ﴿۱۹﴾

بات تجویز کی

یعنی کیسی بے جوڑ بات تجویز کی جس کا احتمال ہی نہیں ہو سکتا کیونکہ سحر امور عادیہ میں سے ہے اور ایک حد تک اس کی قوت ہے اور اس میں اتنی قوت نہیں کہ جمیع غائبین پر بھی موثر ہو جاوے اور پہلوں اور پچھلوں پر بھی اثر کر جاوے کہ پہلوں کے کلام میں سے کوئی اس کا مثل پیش نہ کر سکے اور پچھلوں کی نسبت بھی دعویٰ کیا جائے کہ کوئی اس کے مثل نہیں بنا سکتا اور کاذب کو ایسے دعویٰ کی اولاً تو جرات کہاں پھر آئندہ چل کر بہت جلد اس کی تکذیب ہو جاتی ہے غرض نہایت مہمل بات تجویز کی۔

ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ

اور پھر (مکرر) اس پر خدا کی مار ہو کیسی بات تجویز کی پھر (حاضرین کے

نَظَرَ ﴿۲۱﴾

چہروں کو دیکھا)

کہ وہ تجویز کی ہوئی بات ان سے کہوں۔

ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ

پھر منہ بنایا (تاکہ دیکھنے والے سمجھیں کہ ان کو قرآن سے بہت کراہیت

وَاسْتَكْبَرَ ﴿۲۳﴾

ہے) اور زیادہ منہ بنایا پھر منہ پھیرا اور تکبر ظاہر کیا

جیسا عادت ہے کہ جس چیز کو قابل اعتراض سمجھتے ہیں اس کا تذکرہ کرتے ہوئے بھی گردن پھیر لیتے ہیں۔

فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ﴿۲۴﴾

پھر بولا کہ بس یہ تو جادو ہے (جو اوروں سے) منقول (ہے) بس یہ تو آدمی کا کلام ہے

مطلب یہ کہ اللہ کا کلام نہیں بلکہ بشر کا کلام ہے جس کو آپ کسی جادوگر سے نقل کر دیتے ہیں یا آپ خود مصنف ہیں لیکن مضامین مدعیان نبوت سابقین سے منقول ہیں اور اسلوب عبارت نعوذ باللہ آپ کے سحر کا اثر ہے آگے اس عناد کی سزا تفصیلاً فرماتے ہیں۔

اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿۲۵﴾

میں اس کو جلدی دوزخ میں داخل کروں گا اور تم کو کچھ خبر بھی ہے کہ دوزخ کیسی

سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ﴿۲۶﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا

ہے (مقصود اس سے تہویل ہے وہ ایسی ہے کہ) نہ تو باقی رہنے دے گی اور نہ

سَقَرُ ۝٢٧ لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ ۝٢٨ لَوَّاحَةٌ

چھوڑے گی (اور) وہ (جلاکر) بدن کی حیثیت بگاڑ دے گی (اور) اس پر

لِّلْبَشَرِ ۝٢٩ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۝٣٠

انیس فرشتے (جو اس کے خازن ہیں جن میں ایک مالک ہے مقرر ہوں گے

یعنی نہ تو داخل ہونے والوں کی کوئی چیز جلانے سے باقی رہنے دے گی اور جو کفار اس وقت باہر ہوں گے نہ ان میں سے کسی کو بے اپنے اندر لئے ہوئے چھوڑے گی۔ جو کافروں کو طرح طرح کے عذاب دیں گے حاصل یہ کہ فرشتے جن کی قوت معلوم ہے باوجودیکہ ان میں کا ایک بھی تمام اہل جہنم کی تعذیب کے لئے بس ہے پھر انیس فرشتوں کے مقرر ہونے سے ظاہر ہے کہ عذاب کا بہت ہی اہتمام ہوگا اور نکتہ خاص انیس کے عدد میں اللہ کو معلوم ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً

اور ہم نے دوزخ کے کارکن (آدمی نہیں بلکہ) صرف فرشتے بنائے ہیں

كَفَرُوا لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ

اور ہم نے جو ان کی تعداد (ذکر و حکایت میں) صرف ایسی رکھی ہے جو

وَيَزْدَادَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا وَلَا

کافروں کی گمراہی کا ذریعہ ہو تو اس لئے تاکہ اہل کتاب (سننے کے ساتھ)

يَرْتَابَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْمُؤْمِنُونَ

یقین کرلیں اور ایمان والوں کا ایمان اور بڑھ جائے اور اہل کتاب اور

وَلِيَقُولَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ

مومنین شک نہ کریں اور تاکہ جن لوگوں کے دلوں میں (رشک کا) مرض ہے

وَالْكَافِرُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ

وہ اور کافر لوگ کہنے لگیں کہ اس عجیب مضمون سے اللہ تعالیٰ کا کیا مقصود ہے

جن میں سے ایک ایک فرشتے میں تمام جن و انس کے برابر قوت ہے کذا فی الدر مرفوعاً۔

اہل کتاب کے یقین کی دو توجیہ ہوسکتی ہیں ایک یہ کہ ان کی کتاب میں بھی یہ عدد لکھا ہو تو وہ فوراً مان لیں گے اور اگر ان کی کتابوں میں یہ عدد نہ ہو تو ممکن ہے کہ کتابوں کے ضائع ہونے سے ضائع ہوگیا ہو اور دوسری توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ عدد ان کی کتاب میں نہ ہو لیکن وہ فرشتوں کی قوت کے قائل تھے دوسرے بہت سی باتیں جن کی حکمت خدا ہی کو معلوم ہے ان کی کتابوں میں بھی موجود تھیں تو ان کے پاس کوئی وجہ انکار کی نہیں اور اہل ایمان کے ایمان بڑھنے کی بھی دو توجیہ ہوسکتی ہیں ایک یہ کہ اہل کتاب کے مان لینے کو دیکھ کر ان کا ایمان قوی ہو کہ آپ باوجود اہل کتاب سے نہ ملنے کی پہلی وحی کے مطابق خبر دیتے ہیں تو ضرور نبی برحق ہیں دوسرے یہ کہ جب کوئی نیا مضمون نازل ہوتا تھا مسلمان اس پر ایمان لاتے تھے تو ایک مضمون ایمان میں اور بڑھ گیا پس ایمان کی مقدار اور بڑھ گئی۔

بِهَٰذَا مَثَلًا ۚ كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَن

اور جس طرح اس خاص باب میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کو گمراہ کیا) اسی طرح اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کردیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کردیتا ہے اور

يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَمَا يَعْلَمُ

(یہ انیس فرشتوں کا مقرر ہونا کسی حکمت سے ہے ورنہ) تمہارے رب کے

جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ

لشکروں یعنی فرشتوں کی تعداد کو) بجز رب کے کوئی نہیں جانتا

اگر وہ چاہتے تو بے انتہا فرشتوں کو خازن بنا دیتے اور اب بھی گو خازن انیس ہیں مگر ان کے اعوان و انصار بہت کثرت سے ہیں چنانچہ حدیث مسلم میں ہے کہ جہنم اس حال میں حاضر کیا جائے گا کہ اس کی ستر ہزار باگیں ہوں گی اور ہر باگ کو ستر ہزار فرشتے پکڑے ہوں گے۔

وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْبَشَرِ ۝٣١

اور دوزخ (کا حال بیان کرنا) صرف آدمیوں کی نصیحت کے لئے ہے

تاکہ وہاں کے عذاب کو سن کر ڈریں اور ایمان لاویں اور یہ مقصود کسی خاص خصوصیت پر موقوف نہیں پس مقتضاء عقل کا بھی یہی ہے کہ اصل مقصود کو ملحوظ رکھ کر ان بالائی امور کے درپے نہ ہوں آگے جہنم کی عقوبت کا کسی قدر بیان ہے۔

كَلَّا وَالْقَمَرِ ۝٣٢ وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ ۝٣٣

بالتحقیق قسم ہے چاند کی اور رات کی جب جانے لگی اور صبح کی جب روشن ہو

وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ ۝٣٤ إِنَّهَا لَإِحْدَى

جائے کہ وہ دوزخ بڑی بھاری چیز ہے جو انسان کے لئے بڑا

الْكُبَرِ ﴿۳۵﴾ نَذِيرًا لِّلْبَشَرِ ﴿۳۶﴾ لِمَنْ شَآءَ

ڈراوا ہے یعنی تم میں جو آگے (کی طرف) کو بڑھے ان کے لئے بھی

مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ ﴿۳۷﴾

یا جو (تیرے) پیچھے کو ہٹے اس کے لئے بھی

یعنی تمام انسان اور جنوں کے لئے ڈرانے والا ہے اور چونکہ اس ڈرانے کا نتیجہ قیامت میں ظاہر ہوگا اس لئے قسم ایسی چیزوں کی کھائی گئی جو قیامت کے بہت ہی مناسب ہے چنانچہ چاند کا اول بڑھنا پھر گھٹنا نمونہ ہے اس عالم کے نشو ونما کا اور پھر کمزوری اور فنا کا یہاں تک کہ چاند کے مٹنے کی طرح یہ بھی بالکل فنا ہو جائے گا اسی طرح دنیا کو آخرت کے ساتھ حقائق کے پوشیدہ اور ظاہر ہونے میں ایسی نسبت ہے جیسے رات کو دن کے ساتھ پس اس عالم کا ختم ہونا رات گزرنے کے مشابہ ہے اور اس عالم کا ظہور صبح چمکنے کے مشابہ ہے۔

كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّآ

ہر شخص اپنے اعمال (کفریہ) کے بدلے میں (دوزخ میں)

اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴿۳۹﴾

محبوس ہوگا مگر داہنے والے

یہاں یہ بائیں والوں یعنی کافروں کے مقابلہ میں کہا گیا ہے تو مقربین بھی اس میں شامل ہیں حاصل یہ کہ مومنین اس قید سے مستثنیٰ رہیں گے۔

فِيْ جَنّٰتٍ ۛ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۱﴾

کہ وہ بہشتوں میں ہوں گے (اور) مجرموں (یعنی کفار) کا حال (خود) ان

مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ﴿۴۲﴾ قَالُوْا لَمْ نَكُ

کفار ہی سے) پوچھتے ہوں گے (یعنی مومن کفار سے پوچھیں گے) کہ تم کو

مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿۴۳﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ

دوزخ میں کس بات نے داخل کیا وہ کہیں گے ہم نہ تو نماز پڑھا کرتے تھے

الْمِسْكِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿۴۵﴾

اور نہ غریب کو (جس کا حق واجب تھا) کھانا کھلایا کرتے تھے اور مشغلہ میں

وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۴۶﴾ حَتّٰٓى اَتٰىنَا

رہنے والوں کے ساتھ ہم بھی (اس) مشغلہ میں رہا کرتے تھے اور قیامت

الْيَقِيْنُ ﴿۴۷﴾

کے دن کو جھٹلایا کرتے تھے یہاں تک کہ (اسی حالت میں) ہم کو موت آگئی

اور ہم ان حرکات سے باز نہ آئے یعنی خاتمہ اسی نافرمانی پر ہوا اس وجہ سے ہم دوزخ میں آئے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کفار فروعی احکام یعنی نماز روزہ وغیرہ کے بھی مکلف ہوں کیونکہ جہنم میں دو چیزیں ہیں ایک مطلق عذاب ایک اس کی زیادتی تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کفار کو نماز روزہ وغیرہ چھوڑنے پر مستقل عذاب نہ ہوگا بلکہ مستقل عذاب تو کفر کی وجہ سے ہوگا اور ان میں زیادتی ان فروعی احکام کے چھوڑنے سے ہو جائے گی کیونکہ اصول کے ضمن میں وہ اخران فروع کے بھی مکلف ہیں اور مسلمان چونکہ مستقل طور پر فروعات کے بھی مکلف ہیں ان کو محض ان کے چھوڑ دینے سے بھی عذاب مستقل طور پر ہو سکتا ہے۔

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴿۴۸﴾ فَمَا

سو اس حالت میں) ان کو سفارش کرنے والوں کی سفارش نفع نہ دے گی (اور جب کفر و

لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۹﴾ كَاَنَّهُمْ

اعراض کی بدولت ان کی یہ گت بنتی ہے تو ان کو کیا ہوا کہ اس نصیحت (قرآنی) سے رو

حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿۵۰﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿۵۱﴾

گردانی کرتے ہیں کہ گویا وہ وحشی گدھے ہیں جو شیر سے بھاگے جا رہے ہیں

اس تشبیہ میں کئی امر کی رعایت ہے اول تو گدھا بلادت وحماقت میں مشہور ہے دوسرے اس کو وحشی فرض کیا جس کو گورخر کہتے ہیں کہ وہ بعضی غیر مخوف چیزوں سے بھی طبعاً بدکتا بھاگتا ہے تیسرے شیر سے اس کا ڈرنا فرض کیا کہ اس صورت میں اس کا بھاگنا انتہا درجہ کا ہوگا۔ اور اس بھاگنے کے اسباب میں ایک سبب یہ بھی ہے کہ یہ لوگ اس قرآن کو بزعم خود حجت میں کافی نہیں سمجھتے۔

بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ

بلکہ ان میں ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کو کھلے ہوئے (آسمانی) نوشتے دیئے

يُّؤْتٰى

جائیں

جیسا کہ درمنثور میں قتادہ سے مروی ہے کہ بعضے کفار نے آپ سے کہا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کا اتباع کریں تو خاص ہمارے نام ایسے نوشتے آویں جن میں آپ کے اتباع کا حکم لکھا ہوا ہو اور وہذا کقولہ تعالیٰ حتیٰ تنزل علینا کتبا نقرؤہ اور منشرۃ کا بڑھانا توضیح مقصود کے لئے ہے یعنی جیسے خطوط ہوتے ہیں کہ کھولے جاتے ہیں اور پڑھے جاتے ہیں ایسے ہی نوشتے ہمارے پاس آنے چاہئیں

صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿۵۲﴾ كَلَّا ۭ

آگے اس بیہودہ درخواست کا رد ہے

کیونکہ اس کی ضرورت نہ لوگوں کو اس کی لیاقت اور درخواست کا سبب یہ نہیں ہے کہ دل میں ان کا ارادہ ہو کہ اگر ایسا ہوگا تو اتباع کرلیں گے۔

بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۵۳﴾ ۭ

بلکہ یہ لوگ آخرت (کے عذاب) سے نہیں ڈرتے

اس لئے حق کی طلب ہی نہیں ہے اور یہ درخواستیں محض تعنت وعناد سے ہیں حتیٰ کہ اگر یہ درخواستیں بالفرض پوری بھی ہوجاویں تب بھی یہ لوگ اتباع نہ کریں۔

كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿۵۴﴾ ۚ فَمَنْ شَاۗءَ

پس یہ (ہرگز نہیں ہوسکتا بلکہ) قرآن (ہی) نصیحت (کے لئے کافی) ہے سو

ذَكَرَهٗ ﴿۵۵﴾ ۭ وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ

جس کا جی چاہے اس نصیحت سے نصیحت حاصل کرو اور بدون خدا کے

اللّٰهُ ۭ

چاہے یہ لوگ نصیحت قبول نہیں کریں گے

اور جس کا جی چاہے نہ کرے جہنم میں جائے ہم کو کوئی ضرورت نہیں کہ صحیفے نازل کریں

اور اس نہ چاہنے میں بعض حکمتیں ہیں لیکن قرآن فی نفسہ تذکرہ ضرور ہے پس اس سے تذکر حاصل کرو اور خدا کی اطاعت کرو

هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿۵۶﴾ ع

وہی ہے جس (کے عذاب) سے ڈرنا چاہئے اور (وہی ہے) جو (بندوں کے گناہ) معاف کرتا ہے

سورۃ القیمۃ مکیۃ وایتھا تسع و ثلثون کذافی البیضاوی

ربط: سورۃ سابقہ کے ختم پر ارشاد ہے کہ یہ لوگ آخرت سے نہیں ڈرتے اور اس سے پہلے کچھ احوال آخرت کے مذکور بھی ہوئے اس سورت میں آخرت کے احوال کی تفصیل ہے اور تبعاً موت کے وقت کا حال بھی مذکور ہے جو کہ آخرت کا مقدمہ ہے اور دوبارہ زندہ ہونے کو ذہن میں قریب کرنے کے لئے ابتدائے پیدائش کا حال بھی بیان کیا ہے اور ینبؤ الانسان سے چونکہ حق تعالیٰ کا انسان کے احوال و اعمال کو محفوظ رکھنا باوجود انسان کے یاد نہ رکھنے کے ثابت ہوتا ہے اس کی مناسبت سے لاتحرک بہ لسانک میں حضور کو وحی کے وقت زبان کو حرکت دینے سے منع فرمایا کہ ہم اس وحی کو آپ کے دل میں محفوظ کردیں گے آپ اس فکر میں نہ پڑیں اور یہ ارتباط علم وہبی ہے جس کا بیان ترجمہ میں آوے گا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لااقسم بیوم القیمۃ تا یحیی الموتیٰ.

(۷۵) سُوْرَةُ الْقِيٰمَةِ مَكِّيَّةٌ (۳۱)

سورۂ قیمہ مکہ میں نازل ہوئی اس میں چالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ﴿۱﴾ ۙ وَلَآ اُقْسِمُ

میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور قسم کھاتا ہوں ایسے

بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ﴿۲﴾ ۭ

نفس کی جو اپنے اوپر ملامت کرے

یعنی نیکی کرکے یہ کہے کہ میں نے کیا کیا ہے اس میں اخلاص نہ تھا اس میں فلانی خرابی رہ گئی تھی اور گناہ ہوجاوے تو بہت ہی نادم ہو کذافی الدر المنثور عن ابن عباس والحسن بس اس معنی کے اعتبار سے یہ نفس مطمئنہ کو بھی شامل ہے اور قسم محذوف ہے یعنی تم ضرور دوبارہ زندہ ہوگے اور ان دونوں قسموں کا اس مقام کے مناسب ہونا ظاہر ہے قیامت کا تو اس لئے کہ وہ دوبارہ زندہ ہونے کا وقت ہے اور نفس لوامہ کا اس لئے کہ ایسا نفس قیامت کی تصدیق کرتا ہے آگے قیامت کے منکروں پر رد ہے۔

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ﴿۳﴾ ۭ

آگے منکرین بعث پر رد ہے یعنی) کیا انسان خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں ہرگز نہ جمع کریں گے

انسان سے مراد کافر اور ہڈیوں کو خاص اس لئے بیان کہ بدن کی اصلی قوت انہی پر ہے آگے اس انکار کا جواب ہے۔

بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ④

ہم ضرور جمع کریں گے (اور یہ جمع کرنا کچھ دشوار نہیں کیونکہ) ہم اس پر قادر ہیں کہ اس کی انگلیوں کی پوریوں تک درست کردیں

پوروں کی تخصیص ذکر میں دو وجہ سے ہے ایک یہ کہ وہ بدن کے تمام اطراف میں پھیلے ہوئے ہیں اور ہر شے کا کامل طور پر بننا اطراف ہی سے ہوتا ہے چنانچہ ہمارے محاورہ میں بھی ایسے موقع پر بولتے ہیں کہ میرے پور پور میں درد ہے یعنی تمام بدن میں دوسرے یہ کہ پوروں میں باوجود چھوٹے ہونے کے صنعت کی رعایت زیادہ ہے اور یہ عادۃً زیادہ دشوار ہے تو جو اس پر قادر ہوگا وہ آسان پر بدرجہ اولیٰ قادر ہوگا لیکن پھر بھی بعض آدمی خدا کی قدرت میں غور نہیں کرتے۔

بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ⑤

بلکہ بعض آدمی (قیامت کا منکر ہوکر) یوں چاہتا ہے کہ اپنی آئندہ زندگی میں بھی (بے خوف وخطر ہوکر) فسق وفجور کرتا رہے (اس لئے بطور انکار کے)

يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ⑥

پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب آئے گا

یعنی چونکہ اپنی تمام عمر معاصی وشہوات میں گزارنے کا عازم ہے اس لئے اس کو طلب حق کی نوبت ہی نہیں آتی کہ قیامت کا آنا اس کو ثابت ہو اس لئے انکار پر مصر ہے اور انکاراً پوچھتا ہے کہ کب آئے گی۔

فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ⑦

سو جس وقت (مارے حیرت کے) آنکھیں خیرہ ہوجائیں گی

اور وجہ اس خیرہ ہونے کی یہ ہوگی کہ جن امور کی تکذیب کیا کرتا تھا وہ دفعۃً نظر آجاویں گے کذافی الجلالین

وَخَسَفَ الْقَمَرُ ⑧ وَجُمِعَ الشَّمْسُ

اور چاند بےنور ہوجائے گا اور (چاند کی کیا تخصیص ہے بلکہ) سورج اور چاند

وَالْقَمَرُ ⑨

دونوں) ایک حالت کے (یعنی بےنور) ہوجائیں گے

اور چاند کو جدا بیان کرنا شاید اس لئے ہو کہ عرب کو بوجہ قمری حساب رکھنے کے اس کا حال دیکھنے کا زیادہ اہتمام تھا۔

يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ⑩

اس روز انسان کہے گا کہ اب کدھر بھاگوں (ارشاد ہوتا ہے) ہرگز (بھاگنا

كَلَّا لَا وَزَرَ ⑪ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ

ممکن) نہیں (کیونکہ) کہیں پناہ کی جگہ نہیں اس دن صرف آپ ہی کے رب

اِلْمُسْتَقَرُّ ⑫ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۭ

کے پاس ٹھکانا (جانے کا) ہے اس روز انسان کو اس کا سب اگلا پچھلا کیا ہوا

بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ⑬ بَلِ الْاِنْسَانُ

جتلا دیا جائے گا (اور) بلکہ انسان خود (بھی) اپنی حالت پر خوب مطلع ہوگا گو

عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ⑭

(باقتضائے طبیعت اس وقت بھی) (اپنے) حیلے (حوالے) پیش لاوے

جیسے کفار کہیں گے واللہ ربنا ما کنا مشرکین کہ خدا کی قسم ہے ہم مشرک نہ تھے مگر دل میں خود بھی جانیں گے کہ ہم جھوٹے ہیں۔ غرض انسان اپنے سب حال کو خوب جانتا ہے اس لئے جتلانا خبر دینے کے واسطے نہ ہوگا بلکہ دھمکانے اور حجت تمام کرنے اور جواب قطع کرنے کے لئے ہوگا اور ان دونوں آیتوں سے دو مضمون حاصل ہوئے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کے جاننے والے ہیں اور سب کو محیط ہیں چنانچہ قیامت میں انسان کو اس کے کئے ہوئے سب کام بتلادیں گے دوسرے یہ کہ حق تعالیٰ کی عادت ہے کہ جب حکمت کا تقاضہ ہوتا ہے تو بہت سے غائب علوم کو مخلوق کے ذہن میں حاضر کر دیتا ہے اگرچہ ان غائب باتوں کا حاضر ہوجانا عادت طبعی کے خلاف ہو چنانچہ قیامت میں اس کا ظہور بھی ہوگا کہ جن باتوں کو انسان بھول گیا ہوگا وہ بھی اس کو اس دن یاد آجاویں گی جب یہ بات ہے تو آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے کہ وحی نازل ہونے کے وقت جیسا کہ اب تک آپ کی عادت ہے اس قدر مشقت کیوں برداشت کرتے ہیں کہ سنتے بھی ہیں پڑھتے بھی ہیں دھیان بھی رکھتے ہیں محض اس احتمال سے کہ شاید کچھ مضمون میرے ذہن سے نکل جائے کیونکہ جب ہم نے آپ کو نبی بنایا ہے اور آپ سے جو احکام پہنچانے کا کام لینا ہے تو حکمت کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ مضامین آپ کے ذہن میں حاضر رکھے جائیں اور ہمارا سب چیزوں کا محفوظ رکھنا ظاہر ہے اس لئے آپ یہ مشقت برداشت نہ کیا کیجئے۔

وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ط ﴿١٥﴾ لَا تُحَرِّكْ

اور اے پیغمبر آپ (قبل وحی کے ختم ہو چکنے کے) قرآن پر اپنی زبان نہ چلایا کیجئے تاکہ آپ اس کو جلدی یاد کرلیں (کیونکہ) ہمارے ذمہ (آپ کے

بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ط ﴿١٦﴾ اِنَّ عَلَيْنَا

قلب میں) اس کا جمع کردینا اور (آپ کی زبان سے) اس کا پڑھوا دینا ہے

جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ صلے ج ﴿١٧﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ

(جب یہ ہمارے ذمہ ہے) تو جب ہم اس کو پڑھنے لگا کریں (یعنی ہمارا

فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ج ﴿١٨﴾

فرشتہ پڑھنے لگا کرے) تو آپ اس کے تابع ہو جایا کیجئے

یعنی ادھر ہی متوجہ ہو جایا کیجئے اور اس کے دہرانے میں مشغول نہ ہوا کیجئے۔

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ط ﴿١٩﴾

پھر اس کا بیان کروا دینا بھی ہمارا ذمہ ہے

یعنی آپ کو یاد کرا دینا اور آپ کی زبان پر جاری کرا دینا پھر تبلیغ کے وقت بھی اس کا یاد رکھوانا اور لوگوں کے سامنے پڑھوا دینا یہ سب ہمارے ذمہ ہے یہ مضمون استطرادا آ گیا آگے پھر منکرین کو خطاب ہے۔

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ لا ﴿٢٠﴾

اے منکرو (قیامت کی بابت جیسا تم سمجھ رہے ہو) ہرگز ایسا نہیں بلکہ (صرف

وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ط ﴿٢١﴾

بات یہ ہے کہ تم دنیا سے محبت رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ بیٹھے ہو

پس تمہاری قیامت کا انکار کرنے کی بنا محض فاسد ہے سو قیامت ضرور ہوگی اور ہر ایک کو اس کے اعمال پر مطلع کر کے ان اعمال کی مناسب جزا ملے گی۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ لا ﴿٢٢﴾ اِلٰى رَبِّهَا

بہت سے چہرے تو اس روز با رونق ہوں گے اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے

نَاظِرَةٌ ج ﴿٢٣﴾

ہوں گے

جیسا کہ بہت سی احادیث صحیح میں دیدار الٰہی ہونے کا بیان صراحتاً وارد ہے یہ تو مومنین کا حال ہوا۔

وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ لا ﴿٢٤﴾ تَظُنُّ

(یہ تو مومنین کا حال ہے) لیکن بہت سے چہرے اس روز بد رونق ہوں گے (اور وہ لوگ) خیال کر رہے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا

اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ط ﴿٢٥﴾

معاملہ کیا جائے گا (یعنی ان کو عذاب شدید ہوگا)

آگے دنیا کی محبت پر دھمکی ہے کہ تم جو دنیا کو محبوب اور آخرت کو چھوڑنے کے قابل سمجھ رہے ہو یہ غلط ہے کیونکہ دنیا سے ایک دن جانا ہے اور اخیر کو آخرت میں پہنچنا ہے۔

كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ لا ﴿٢٦﴾ وَقِيْلَ

ہرگز ایسا نہیں جب جان ہنسلی تک پہنچ جاتی ہے اور (نہایت حسرت

مَنْ سکتہ رَاقٍ لا ﴿٢٧﴾ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ لا ﴿٢٨﴾

سے اس وقت) کہا جاتا ہے کہ کوئی جھاڑنے والا بھی ہے

مراد مطلق معالج ہے چونکہ عرب میں جھاڑ پھونک کا زیادہ چرچا تھا اس لئے راقی سے تعبیر کیا

وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ لا ﴿٢٩﴾

اور (اس وقت) وہ (مردہ) یقین کر لیتا ہے کہ یہ مفارقت (دنیا) کا وقت ہے اور شدت سکرات موت سے ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے لپٹ جاتی ہے

مراد اس سے موت کی سختی کے آثار کا ظاہر ہونا ہے کچھ پنڈلی کا لپٹنا ہی مقصود نہیں اس کا بیان محض مثال کے طور پر ہے

اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ۨ الْمَسَاقُ ط ع ﴿٣٠﴾

اور اس روز تیرے رب کی طرف جانا ہوتا ہے

پس اس حالت میں دنیا کی محبت اور آخرت سے غفلت کس قدر نادانی ہے پھر خدا کے پاس پہنچنے کے بعد اگر وہ کافر ہے تو اس کا برا حال ہوگا۔

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى لا ﴿٣١﴾ وَلٰكِنْ كَذَّبَ

تو اس نے نہ تو (خدا و رسول کی) تصدیق کی تھی اور نہ نماز پڑھی تھی اور (لیکن خدا و

وَتَوَلّٰى ﴿۳۲﴾ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿۳۳﴾

رسول) کی تکذیب کی تھی اور (احکام سے منہ موڑا تھا پھر ناز کرتا ہوا اپنے گھر چل دیتا تھا

مطلب یہ کہ اول تو کفر وعصیان پھر اس پر ندامت نہیں بلکہ اور الٹا فخر کرتا تھا کہ ہم نے اس طرح حق کو رد کیا اور باطل پر جمے رہے اور پھر اس کے بعد طلب حق نہیں بلکہ خدم وحشم میں جا کر اور زیادہ مغرور اور غافل ہو جاتا تھا آگے اس کافر کی بدحالی کا بیان ہے

اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۴﴾

تیری کمبختی پر کمبختی آنے والی ہے

اور چونکہ وقوع جزاء مذکور موقوف ہے دو امر پر ایک انسان کا مکلف ہونا دوسرے اس کا مبعوث ہونا جس کے امکان میں ان کو کلام تھا اس لئے آگے دو مضمون ہیں۔

ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۵﴾ اَيَحْسَبُ

پھر (مکرر سن لے) کہ تیری کمبختی پر کمبختی آنے والی ہے کیا انسان یہ خیال

الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾ اَلَمْ

کرتا ہے کہ یونہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا کیا یہ شخص (ابتدا میں محض) ایک

يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿۳۷﴾

قطرہ منی نہ تھا جو (عورت کے رحم میں) ٹپکایا گیا تھا پھر وہ خون کا لوتھڑا ہو

ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۳۸﴾

گیا پھر اللہ تعالیٰ نے (اس کو انسان) بنایا پھر اعضاء درست کئے پھر اس

فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ

کی دو قسمیں کر دیں مرد اور عورت (تو) کیا (جس نے ابتدا میں اپنی

وَالْاُنْثٰى ﴿۳۹﴾ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ

قدرت سے سب کچھ کیا) اس بات پر قدرت نہیں رکھتا (کہ قیامت

يُّحْیِۦَ الْمَوْتٰى ﴿۴۰﴾

میں مردوں کو زندہ کر دے

نہ اس پر امر ونہی متوجہ ہوگا اور نہ اس سے حساب وکتاب ہوگا بلکہ مکلف ہونا بھی یقینی ہے اور اس پر بازپرس ہونا بھی یقینی اور جو بعث کو

مستحیل سمجھتا ہے یہ بھی اس کی حماقت ہے۔

حالانکہ دوبارہ زندہ کرنا بہ نسبت پہلی پیدائش کے عام طور پر بھی آسان ہے اور خدا کے نزدیک تو دونوں برابر ہیں پس ان دلائل سے قیامت اور جزاوسزا کا ثبوت ہوگیا۔

سورة الانسان مكية و اٰيتها احدىٰ و ثلٰثون كذافى البيضاوى

ربط: سورت گذشتہ میں جزاوسزا کا زیادہ بیان تھا اور کچھ اس کی تفصیل تھی اس سورت میں زیادہ تر اسی جزاوسزا کی تفصیل ہے جس میں شاید ترغیب کے لئے زیادہ بیان ایمان کی جزا کا ہے اور چونکہ کفار کے انکار قیامت سے آپ کو رنج ہوتا تھا اس لئے درمیان میں آپ کو تسلی ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم. هل اتىٰ على الانسان تا عذاباً اليما

(۷۶) سُوْرَةُ الدَّهْرِ مَدَنِيَّةٌ (۵۸)

سورہ دہر مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں اکتیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ

بے شک انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت بھی آ چکا ہے

لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ﴿۱﴾ اِنَّا خَلَقْنَا

جس میں وہ کوئی چیز قابل تذکرہ نہ تھا (یعنی انسان نہ تھا بلکہ نطفہ تھا)

الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ

ہم نے اس کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا

یعنی مرد اور عورت دونوں کے نطفہ سے کیونکہ عورت کی منی بھی اندر ہی اندر عورت کے رحم میں گرتی ہے پھر کبھی فم رحم سے خارج ہو کر ضائع ہو جاتی ہے اور کبھی اندر رہ جاتی ہے اور مخلوط کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ اجزائے مختلفہ سے مرکب ہے چنانچہ ترکیب منی کی اجزائے مختلفہ سے ظاہر ہے غرض ہم نے اس کو ایسے نطفہ سے پیدا کیا

نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ﴿۲﴾

اس طور پر کہ ہم اس کو مکلف بنائیں تو (اسی واسطے) ہم نے اس کو سنتا دیکھتا (سمجھتا) بنایا

اور چونکہ محاورہ میں سمیع وبصیر استعمال مخصوص ہے عاقل کے ساتھ اس لئے عقل دینے کی جو کہ مدار ہے مکلف ہونے کا تصریح نہیں فرمائی گئی مگر مراد ہے مطلب یہ کہ ہم

نے ایسی ہیئت وصفات کے ساتھ پیدا کیا کہ اس میں مکلف بننے کی قابلیت ہو۔

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا

ہم نے اس کو (بھلائی برائی پر مطلع کرکے) رستہ بتلایا (یعنی احکام کا مخاطب

كَفُوْرًا ﴿۳﴾

بنایا پھر) یا تو وہ شکر گزار (اور مومن ہوگیا یا ناشکر (اور) کافر) ہوگیا

یعنی جس راستہ پر چلنے کو اس کو کہا گیا تھا جو اس پر چلا وہ مومن ہوگیا جو بالکل نہ چلا وہ کافر ہوگیا آگے فریقین کی جزا کا ذکر ہے۔

اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۟ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ﴿۴﴾

ہم نے کافروں کے لئے زنجیریں اور طوق اور آتش سوزاں تیار کر رکھی ہے (اور) جو

اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ

نیک (لوگ) ہیں وہ ایسے جام شراب سے (شرابیں) پیویں گے جس میں کافور کی

مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ﴿۵﴾ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ

آمیزش ہوگی یعنی ایسے چشمہ سے (پیویں گے) جس سے خدا کے خاص بندے

اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ﴿۶﴾

پئیں گے (اور) جس کو وہ (خاص بندے جہاں چاہیں گے) بہا کر لے جائیں گے

اور یہ بہشتیوں کی ایک کرامت ہوگی کہ جنت کی نہریں ان کی تابع ہوں گی جیسا درمنثور میں ابن شوذب سے مروی ہے کہ جنتیوں کے ہاتھ میں سونے کی چھڑیاں ہوں گی وہ چھڑیوں سے جس طرف اشارہ کردیں گے نہریں اس طرف چلنے لگیں گی اور یہ کافور دنیا کا کافور نہیں ہے بلکہ جنت کا کافور ہے جو کہ سفیدی اور خنکی اور تفریح وتقویت دل ودماغ میں اس کا مشارک ہے شراب میں خاص کیفیات حاصل کرنے کے لئے عادت ہے بعض مناسب چیزوں کے ملانے کی پس وہاں اس کاس میں کافور ملایا جائے گا اور وہ جام شراب ایسے چشمے سے بھرا جاوے گا جس سے مقرب بندے پئیں گے تو ظاہر ہے کہ وہ اعلیٰ درجہ کا ہوگا سو اس سے ابرار کی بشارت میں تقویت ہوگئی آگے ان ابرار کی صفات مذکور ہیں۔

يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ

وہ لوگ واجبات کو پورا کرتے ہیں اور ایسے دن سے ڈرتے ہیں

شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ﴿۷﴾

جس کی سختی عام ہوگی

یعنی سب پر کم وبیش اس کی سختی کا اثر ہوگا۔ الا ماشاء اللہ اور اس میں ان کے اخلاص کا بیان ہے کہ مال خرچ کرنے میں اکثر خلوص کم ہوتا ہے اور دیگر دنیوی اغراض زیادہ ہوتی ہیں مگر وہ ایسے مخلص ہیں کہ اس میں بھی کمال درجہ کا اخلاص رکھتے ہیں۔

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا

اور وہ لوگ (محض) خدا کی محبت سے غریب اور یتیم اور قیدی کو

وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ﴿۸﴾ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ

کھانا کھلاتے ہیں (اور کہتے ہیں) ہم تم کو محض خدا کی رضامندی

اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ﴿۹﴾

کے لئے کھانا کھلاتے ہیں نہ ہم تم سے (اس کا عملی) بدلہ چاہیں اور نہ (اس کا

اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا

قولی) شکریہ (چاہیں) ہم اپنے رب کی طرف سے ایک سخت اور تلخ دن کا

قَمْطَرِيْرًا ﴿۱۰﴾

اندیشہ رکھتے ہیں

تو امید رکھتے ہیں کہ ان اعمال کی بدولت جن میں خلوص ملا ہوا ہے اس دن کی سختی اور تلخی سے محفوظ رہیں اور اس سے معلوم ہوا کہ خوف آخرت سے کوئی کام کرنا اخلاص اور طلب رضا کے خلاف نہیں ہے۔

فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰهُمْ

سو اللہ تعالیٰ ان کو (اس اطاعت اور اخلاص کی برکت سے اس دن کی سختی سے محفوظ رکھے گا اور ان کو تازگی اور خوشی عطا فرماوے گا (یعنی چہروں پر تازگی اور

نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ﴿۱۱﴾ وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا

قلوب میں خوشی دے گا اور ان کی پختگی (یعنی استقامت فی الدارین) کے بدلہ میں ان کو جنت اور ریشمی لباس دے گا اس حالت میں کہ وہ وہاں (جنت

جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ﴿۱۲﴾ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ

میں) مسہریوں پر آرام وعزت سے تکیہ لگائے ہوں نہ وہاں تپش (اور گرمی)

لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ﴿۱۳﴾ وَدَانِيَةً

پاویں گے اور نہ جاڑا (بلکہ فرحت بخش اعتدال ہوگا) اور یہ حالت ہوگی کہ

عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ﴿١٤﴾

(وہاں کے یعنی جنت کے درختوں کے سائے ان پر جھکے ہوں گے

یعنی قریب ہوں گے اور سایہ بھی اسباب عیش میں سے ہے اور اس کا قریب ہونا زیادہ راحت وعیش کا سبب ہے اور سایہ سے وہاں آفتاب کا ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ دوسری روشن چیزوں سے بھی سایہ پیدا ہوسکتا ہے اور غالباً سایہ کا فائدہ وہاں یہ ہوگا کہ مختلف سامان عیش کے موجود رہیں کیونکہ ہر شے میں جدا لذت ہے ورنہ کچھ ضرورت سایہ کی وہاں نہ ہوگی۔

وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ

اور ان کے میوے ان کے اختیار میں ہوں گے (کہ ہر وقت ہر طرح بلامشقت لے سکیں

كَانَتْ قَوَارِيْرَا۠ ﴿١٥﴾ قَوَارِيْرَا۠ مِنْ فِضَّةٍ

گے اور ان کے پاس چاندی کے برتن لائے جائیں گے اور آبخورے جو شیشہ کے ہوں

قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ﴿١٦﴾

گے (اور) وہ شیشے چاندی کے ہوں گے جن کو بھرنے والوں نے مناسب انداز سے بھرا ہوگا

یعنی ان میں مشروب ایسے انداز سے بھرا ہوگا کہ اس وقت کی خواہش میں کمی رہے اور نہ اس سے بچے کہ دونوں میں بے لطفی ہوتی ہے اور چاندی کے شیشے کے یہ معنی ہیں کہ سفیدی تو چاندی کی سی ہوگی اور شفافی شیشے کی سی ہوگی اور دنیا کی چاندی مین آر پار نظر نہیں آتا اور شیشے میں یہاں ایسی سفیدی نہیں ہوتی پس یہ ایک عجیب چیز ہوگی۔

وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ﴿١٧﴾ ج

اور وہاں ان کو (علاوہ جام شراب مذکور کے) ایسا جام شراب پلایا جاوے گا جس میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی

کہ طبعی حرارت کے بڑھانے اور منہ کا مزہ بدلنے کے لئے شراب میں اس کو ملاتے ہیں۔

عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ﴿١٨﴾

یعنی ایسے چشمہ سے (ان کو پلایا جاوے گا) جو وہاں ہوگا جس کا نام (وہاں) سلسبیل (مشہور) ہوگا

اوپر کے مقام اور اس مقام کے ملانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے چشمہ کی شراب کے ساتھ کافور ملایا جاوے گا اور اس چشمہ کی شراب میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی۔

وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ج

اور ان کے پاس (یہ چیزیں لے کر) ایسے لڑکے آمدورفت کریں گے جو

اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ﴿١٩﴾

ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے اور اس قدر حسین ہیں اے مخاطب اگر تو ان کو چلتے پھرتے دیکھے تو یوں سمجھے کہ موتی ہیں جو بکھر گئے ہیں

موتی سے تشبیہ صفائی اور اشراق میں اور بکھرے ہوئے کا وصف ان کے چلنے پھرنے کے لحاظ سے جیسے بکھرے ہوئے موتی منتشر ہو کہ کوئی ادھر جارہا ہے کوئی ادھر جارہا ہے اور یہ اعلیٰ درجہ کی تشبیہ ہے۔

وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا

اور اے مخاطب اگر تو اس جگہ کو دیکھے تو تجھ کو بڑی نعمت اور بڑی سلطنت دکھائی

كَبِيْرًا ﴿٢٠﴾ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ

دے اور ان جنتیوں پر باریک ریشم کے کپڑے ہوں گے اور دبیز ریشم کے

خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ ز وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ

کپڑے بھی (کیونکہ ہر لباس میں جدا لطف ہے) اور ان کو چاندی کے کنگن

فِضَّةٍ ج

پہنائے جائیں گے

اس سورت میں تین جگہ چاندی کے سامان کا ذکر آیا ہے اور دوسری آیات میں سونے کا مگر دونوں میں تعارض نہیں کیونکہ دونوں طرح کا سامان ہوگا اور حکمت اس کی وہی تفنن طبائع وتنعمات کا ہے اور یہ شبہ کہ مردوں کو زیور معیوب ہے اس لئے مندفع ہے کہ ہر مقام کا مقتضا جدا ہے یہاں عیب ہونا وہاں عیب ہونے کو مستلزم نہیں

وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ﴿٢١﴾

اور ان کا رب ان کو پاکیزہ شراب پینے کو دے گا (جس میں نہ نجاست ہوگی نہ کدورت

اور تین جگہ جو اس سورت میں شراب کا ذکر آیا ہے ہر جگہ غرض جدا ہے چنانچہ اول میں فرمایا یشربون کہ وہ خود پئیں گے دوسری جگہ فرمایا یسقون کہ پلائے جائیں گے جو زیادہ تعظیم واکرام پر دلالت کرتا ہے تیسری جگہ فرمایا سقاھم ربھم کہ حق تعالیٰ ان کو شراب دے گا جس میں نہایت درجہ تشریف وتکریم ہے پس تکرار کا شائبہ بھی نہ رہا۔

إِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ

(اور ان سے کہا جاوے گا کہ) یہ تمہارا صلہ ہے اور تمہاری کوشش (جو دنیا میں

مَّشْكُوْرًا ﴿٢٢﴾ ع

کرتے تھے) مقبول ہوئی

اس سے ان کی روحانی مسرت اور بڑھ جائے گی آگے فریقین کی جزا کا ذکر کرنے کے بعد آپ کی تسلی ہے یعنی ان مخالفین کی سزا آپ نے سن لی پس آپ ان کی مخالفت سے غم نہ کیجئے اور اپنی طاعات میں لگے رہئے کہ علاوہ طاعت ہونے کے ان سے دل کو بھی تقویت حاصل ہوتی ہے

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ﴿٢٣﴾ ج

ہم نے آپ پر قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے

تا کہ تھوڑا تھوڑا لوگوں کو پہنچاتے رہیں اور ان کو ابتداء میں آسانی ہو

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا

سو آپ اپنے پروردگار کے حکم پر (کہ اس میں تبلیغ بھی داخل ہے) مستقل

اَوْ كَفُوْرًا ﴿٢٤﴾ ج

رہیے اور ان میں سے کسی فاسق یا کافر کے کہنے میں نہ آیئے

یعنی یہ جو تبلیغ سے منع کرتے ہیں اس کو موافقت نہ کیجئے مقصود اس سے تبلیغ کا مہتم بالشان ہونا ظاہر کرنا ہے اگر چہ آپ کی ان سے موافقت کا یقیناً احتمال نہیں یہ تو وہ عبادت ہے جس کا اثر دوسروں تک پہنچتا ہے

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿٢٥﴾ صلے ج وَمِنَ

اور آگے عبادت لازمہ کا امر ہے یعنی) اپنے پروردگار (کا صبح وشام نام لیا کیجئے اور کسی

الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ﴿٢٦﴾

قدر رات کے حصہ میں بھی اس کو سجدہ کیا کیجئے (یعنی نماز فرض پڑھا کیجئے) اور رات کے بڑے حصہ میں اس کی تسبیح کیا کیجئے (مراد اس سے تہجد) ہے علاوہ فرائض کے

اور آگے تقویت تسلیہ کے لئے ایک اور مضمون ہے جس میں کفار کی مذمت بھی ہے یعنی ان لوگوں کی مخالفت کی اصل وجہ آپ کے ساتھ یہ ہے۔

إِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ

یہ لوگ دنیا سے محبت رکھتے ہیں اور اپنے آگے (آنے والے)

وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ﴿٢٧﴾

ایک بھاری دن کو چھوڑ بیٹھے ہیں

پس حب دنیا نے اندھا کر رکھا ہے اس لئے حق کہنے والے سے بغض رکھتے ہیں اور یوم ثقیل کا ذکر سن کر چونکہ احتمال ان کے انکار تھا اس لئے آگے اس یوم ثقیل کے استبعاد کو دفع فرماتے ہیں۔

نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ج وَاِذَا

ہم ہی نے ان کو پیدا کیا ہے اور ہم ہی نے ان کو جوڑ بند مضبوط کیے (اور

شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ﴿٢٨﴾

(نیز) جب (ہم چاہیں ان ہی جیسے لوگ ان کی جگہ بدل دیں

اور امر اول تو مشاہد ہے اور دوسرا ادنیٰ تنبیہ ہے معلوم ہو سکتا ہے پس دونوں امروں سے قدرت الٰہی ظاہر ہے پھر بعث ہی میں کون بات زیادہ دشوار ہے کہ اس پر قدرت نہ ہو۔

إِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ج فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ

یہ سب جو کچھ مذکور ہوا (کافی) نصیحت ہے سو جو شخص چاہے اپنے رب کی

اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿٢٩﴾

طرف سے رستہ اختیار کرے

قرآن کے تذکرہ ہونے میں اس سے شبہ نہ کیا جائے کہ بعض کو اس سے تذکرہ نہیں ہوتا بات یہ ہے کہ قرآن فی نفسہ تذکرہ کافی ہے لیکن (آگے ترجمہ)

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ط اِنَّ اللّٰهَ

بدوں خدا کے چاہے تم لوگ کوئی بات چاہ نہیں سکتے (اور بعض لوگوں کے لئے خدا

كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿٣٠﴾ صلے ق يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ

کے نہ چاہنے میں بعض حکمتیں ہوتی ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ بڑا علم والا بڑا حکمت والا

فِيْ رَحْمَتِهٖ ط وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ

ہے وہ جس کو چاہے اپنی رحمت میں داخل کر دیتا ہے اور (جس کو چاہے کفر اور ظلم

عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿٣١﴾ ع

میں مبتلا رکھتا ہے پھر) ظالموں کے لئے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے

سورۃ المرسلٰت مکیۃ و ایٰتھا خمسون کذافی البیضاوی

ربط: سورہ سابقہ میں قیامت کا وقوع اور اس کے اسباب کی تفصیل اور جزا و سزا کی کیفیت مذکور تھی اس سورت میں یہی مضمون ہے اتنا فرق ہے کہ وہاں ترغیب کا مضمون زیادہ تھا یہاں ڈرانے کا مضمون ہے اور اسی لئے اس میں دس جگہ ویل یومئذ للمکذبین مکرر آئی ہے اور چونکہ مختلف تکذیبوں پر یہ آیت لائی گئی ہے اس لئے معنیٰ یہ تکرار نہیں اور ظاہری تکرار بھی تاکید کو مفید ہے جیسا کہ سورۂ رحمان کی تمہید میں مفصلاً مذکور ہوا ہے بسم اللہ الرحمن الرحیم. والمرسلٰت عرفاً تا یؤمنون

(۷۷) سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰتِ مَكِّيَّةٌ (۳۳)

سورۂ مرسلٰت مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں پچاس آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۝۱ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۝۲

قسم ہے ان ہواؤں کی جو نفع پہنچانے کے لئے بھیجی جاتی ہیں پھر ان ہواؤں کی جو تندی سے چلتی ہے (جس سے خطرات کا احتمال ہوتا ہے اور ان ہواؤں

وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۝۳

کی جو بادلوں کو اٹھا کر) پھیلاتی ہیں

جس کے بعد بارش ہونے لگتی ہے۔

فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۝۴ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۝۵

پھر ان ہواؤں کی جو بادلوں کو متفرق کر دیتی ہیں (جیسا بارش کے بعد ہوتا ہے)

عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۝۶

پھر ان ہواؤں کی جو دل میں) اللہ کی یاد یعنی توبہ کا یا ڈرانے کا القا کرتی ہیں

یعنی یہ ہوائیں مذکورہ بوجہ دال علی القدرۃ ہونے کے صانع کی طرف متوجہ ہونے کا سبب ہو جاتی ہیں اور وہ توجہ دو طرح سے ہوتی ہے ایک خوف سے جب کہ ہواؤں سے آثار خوف کے نمایاں ہوں اور دوسرا توبہ و معذرت سے اور یہ دونوں صورتوں میں ہو سکتا ہے اگر ہوائیں نفع بخش ہوں تب تو خدا کی نعمتوں کو یاد کر کے اس کا شکریہ اور اپنی تقصیروں سے عذر کرتے ہیں اور اگر وہ ہوائیں خوفناک ہوں تو خدا کی قمست سے ڈر کر اپنے معاصی سے توبہ کرتے ہیں آگے جواب قسم ہے۔

اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ۝۷

کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور ہونے والی ہے (مراد قیامت ہے

اور یہ سب قسمیں قیامت کے نہایت مناسب ہیں کیونکہ پہلی بار صور پھونکنے کے بعد جو فنا ہوگا وہ سخت ہوا کے مشابہ ہے اور دوسری بار صور پھونکنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا واقعہ ہوائے نافع کے مشابہ ہے آگے قیامت کے واقعہ ہونے پر جو نتائج مرتب ہوں گے۔ ان کا بیان ہے۔

فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ۝۸ وَاِذَا السَّمَآءُ

سو جب ستارے بے نور ہو جائیں گے اور جب آسمان پھٹ جاوے گا اور جب

فُرِجَتْ ۝۹ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۝۱۰

پہاڑ اڑتے پھریں گے اور جب سب پیغمبر وقت معین پر جمع کیے جاویں گے

اس وقت سب کا فیصلہ ہوگا آگے اس دن کے ہول اور ہیبت کا بیان ہے۔

وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ۝۱۱ لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ ۝۱۲

(کچھ معلوم ہے کہ) کس دن کے لئے پیغمبروں کا معاملہ ملتوی (کیا گیا

لِيَوْمِ الْفَصْلِ ۝۱۳

ہے) آگے جواب ہے کہ) فیصلہ کے (دن کے لئے (ملتوی رکھا گیا ہے

مطلب اس سوال و جواب کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ کفار جو رسولوں کی تکذیب کرتے آئے ہیں اور اب بھی اس امت کے کفار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کر رہے ہیں اور جب اس تکذیب پر عذاب آخرت سے ڈرائے جاتے ہیں تو آخرت کی بھی تکذیب کرتے ہیں اس وقت یہ تکذیب فی نفسہ مقتضی اس کو ہے کہ رسولوں کا جو قصہ کفار سے پیش آ رہا ہے اس کا فیصلہ ابھی ہو جائے اور اس تاخیر سے کفار تقاضے کے طور پر انکار کرتے ہیں اور مسلمانوں کو بھی طبعی تقاضا ہوتا ہے اس آیت میں اس تقاضے کا جواب ہے کہ حق تعالیٰ نے بعض حکمتوں سے اس کو موخر کر رکھا ہے لیکن واقع ضرور ہوگا۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۝۱۴ وَيْلٌ

اور آگے اس فیصلہ کے دن کی تہویل ہے کہ آپ کو معلوم ہے کہ وہ فیصلہ کا دن کیسا کچھ ہے (یعنی بہت سخت ہے) اس روز حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی (آگے

يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝۱۵ اَلَمْ نُهْلِكِ

عذاب کی تذکیر ہے یعنی) کیا ہم اگلے کافر لوگوں کو عذاب سے) ہلاک نہیں کر چکے پھر

الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۷﴾

پچھلوں کو بھی (عذاب) میں ان (پہلوں) ہی کے ساتھ ساتھ کر دیں گے

یعنی آپ کی امت کے کفار پر بھی وبال ہولناک نازل کریں گے جیسا بدر وغیرہ غزوات میں ہوا۔

كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَيْلٌ

ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں (یعنی ان کے کفر پر سزا دیتے ہیں) اس

يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ

روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی (آگے قدرت علی البعث کی

مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿۲۰﴾ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ

تقریر ہے یعنی) کیا ہم نے تم کو ایک بے قدر پانی (یعنی نطفہ سے) نہیں بنایا پھر ہم

مَّكِيْنٍ ﴿۲۱﴾ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۲﴾

نے اس کو ایک وقت مقرر تک ایک محفوظ جگہ (یعنی عورت کے رحم) میں رکھا غرض ہم

فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿۲۳﴾

نے (ان تصرفات کا) ایک اندازہ ٹھہرایا سو ہم کیسے اچھے اندازہ ٹھہرانے والے ہیں

اور اس سے دوبارہ زندہ کرنے پر قدرت ثابت ہوگئی پھر بھی جو لوگ اس کو جھٹلاتے ہیں وہ اپنا انجام سوچ رکھیں

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَمْ نَجْعَلِ

اس روز حق کے جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی (آگے اپنی بعض نعمتیں

الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿۲۵﴾

بیان فرماتے ہیں) کیا ہم نے زمین کو زندہ اور مردوں کی سمیٹنے والی نہیں بنایا

کہ زندگی اسی پر بسر ہوتی ہے اور مر کر بعد دفن کے یا غرق ہونے کے بعد یا جل جانے کے بعد زمین کے اجزاء بنکر اس میں کھپ جاتے ہیں اور موت کے بعد کی حالت اس لئے نعمت ہے کہ اگر مردے خاک نہ ہو جایا کرتے تو زندے پریشان ہو کر مردوں سے بدتر ہو جاتے۔

اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ﴿۲۶﴾ وَّجَعَلْنَا فِيْهَا

اور ہم نے اس (زمین) میں اونچے اونچے پہاڑ بنائے

رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً

(جن سے بہت سے منافع متعلق ہیں) اور ہم نے تم کو

فُرَاتًا ﴿۲۷﴾

میٹھا پانی پلایا

اس نعمت کو خواہ مستقل کہا جائے یا زمین ہی کے متعلق کہا جائے کیونکہ مستقر پانی کا یہی زمین ہی ہے اور ان نعمتوں کا مقتضاء وجوب توحید ہے پس جو لوگ اس امر حق یعنی وجوب توحید کو جھٹلا رہے ہیں سمجھ رکھیں۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنْطَلِقُوْٓا

اس روز (حق) کے جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی اس روز کفار سے کہا

اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنْطَلِقُوْٓا

جائے گا تم اس عذاب کی طرف چلو جس کو جھٹلایا کرتے تھے ایک

اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿۳۰﴾ لَّا ظَلِيْلٍ

سائبان کی طرف چلو جس کی تین شاخیں ہیں جس میں نہ (ٹھنڈا)

وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿۳۱﴾ اِنَّهَا تَرْمِيْ

سایہ ہے اور نہ وہ گرمی سے بچاتا ہے وہ انگارے برساوے گا جیسے بڑے

بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿۳۲﴾

بڑے محل بلکہ جیسے کالے کالے اونٹ

مراد اس سائبان سے ایک دھواں ہے جو جہنم سے نکلے گا اور چونکہ کثرت سے ہوگا اس لئے بلند ہو کر پھٹ کر کئی ٹکڑے ہو جاوے گا حساب سے فارغ ہونے تک کفار اسی دھویں کے احاطہ میں رہیں گے جس طرح مقبولین ظل عرش میں ہوں گے کذا فی الخازن آگے اس دھویں کا اور حال مذکور ہے۔

قاعدہ ہے کہ جب چنگاری آگ سے جھڑتی ہے تو بڑی ہوتی ہے پھر بہت سے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہو کر زمین پر گرتی ہے پس پہلی تشبیہ ابتدائی حالت کے اعتبار سے ہے اور دوسری تشبیہ انتہائی حالت کے اعتبار سے کذا فی الروح۔

كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿۳۳﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

اس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی یہ وہ

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۴﴾ هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۳۵﴾

دن ہو گا جس میں وہ لوگ نہ بول سکیں گے اور نہ ان کو اجازت

وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿۳۶﴾

(عذر کی) ہو گی سو عذر ہی نہ کر سکیں گے

کیونکہ واقع میں کوئی عذر نہ ہوگا اور جولوگ اس واقعہ حقہ کو بھی جھٹلا رہے ہیں سمجھ رکھیں (آگے ترجمہ)

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۷﴾ هٰذَا يَوْمُ

اس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی (ان لوگوں سے کہا جاوے گا

الْفَصْلِ ۚ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾

کہ) یہ ہے فیصلہ کا دن (جس کی تم تکذیب کیا کرتے تھے) ہم نے آج تم کو اور

فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ﴿۳۹﴾

اگلوں کو (فیصلہ کے لئے) جمع کرلیا سو اگر تمہارے پاس (آج کے فیصلہ سے بچنے کی)

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۰﴾

کوئی تدبیر ہوتو تدبیر چلاؤ اس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی

آگے کفار کے مقابلہ میں اہل ایمان کی مثوبت کا بیان ہے یعنی (آگے ترجمہ)

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۱﴾

پرہیزگار لوگ سایوں میں اور چشموں میں اور مرغوب میووں میں ہوں گے

وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۴۲﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا

(اور ان سے کہا جاوے گا کہ) اپنے اعمال کے (نیک) صلہ میں خوب مزے

هَنِيْٓـئًۢا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ

سے کھاؤ پیو ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں (اور یہ کفار نعماء جنت

نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

کی بھی تکذیب کرتے تھے سو سمجھ رکھیں کہ) اس روز (حق کے) جھٹلانے

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا

والوں کی بڑی خرابی ہوگی (اے کافرو) تم (دنیا میں) تھوڑے دنوں اور کھالو

اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۴۶﴾

برت لو (عنقریب کمبختی آنے والی ہے کیونکہ) تم بے شک مجرم ہو

اور مجرم کا یہی حال ہونے والا ہے اور جولوگ سزائے جرم کو جھٹلاتے ہیں سمجھ رکھیں کہ (آگے ترجمہ)

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِذَا

اس روز (حق کے) جھٹلانے والے کی بڑی خرابی ہوگی اور (ان کافروں کی سرکشی

قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا

اور جرم کی یہ حالت ہے کہ) جب ان سے کہا جاتا ہے کہ (خدا کی طرف) جھکو

یعنی ایمان اور عبدیت اختیار کرو

لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿۴۸﴾

تو نہیں جھکتے

اور اس سے زیادہ کیا جرم ہوگا اور یہ لوگ اس کے جرم ہونے کو بھی جھٹلاتے ہیں سو سمجھ رکھیں کہ (آگے ترجمہ)

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَبِاَيِّ

اس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی تو پھر اس (قرآن

حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۰﴾

بلیغ الالفاظ والانذار) کے بعد اور پھر کونسی بات پر ایمان لاویں گے

یعنی قرآن کو ان دھمکیوں کا مقتضا یہ تھا کہ سنتے ہی ڈر کر ایمان لے آتے مگر جب اس پر بھی ان کو اثر نہیں ہوتا تو کوئی نصیحت ان کو کارنہیں ہو سکتی اس میں کفار پر ڈانٹ ہے اور ان کے ایمان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مایوس کرنا ہے۔

الحمد للہ انتیسویں پارہ کی تفسیر ختم ہوئی

سورۃ النباء مکیۃ وایٰتھا اربعون کذافی البیضاوی

ربط: اس میں بھی پہلی سورت کی طرح قیامت کا ممکن ہونا اور واقع ہونا اور جزاوسزا کے واقعات مذکور ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم عم یتساء لون تا کنت ترابا

(۷۸) سُوْرَۃُ النَّبَاِ مَکِّیَّۃٌ (۸۰)

سورۂ نبا مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں چالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ ۚ (۱) عَنِ النَّبَاِ

یہ (قیامت کا انکار کرنے والے) لوگ کس چیز کا حال دریافت کرتے ہیں اس بڑے واقعہ

الْعَظِیْمِ ۙ (۲) الَّذِیْ ھُمْ فِیْہِ مُخْتَلِفُوْنَ ؕ (۳)

کا حال دریافت کرتے ہیں جس میں یہ لوگ (اہل حق کے ساتھ) اختلاف کر رہے ہیں

مراد قیامت ہے اور دریافت کرنے سے مراد یہ ہے کہ انکار کے طور پر دریافت کرتے ہیں اور اس سوال و جواب سے اذہان کا ادھر متوجہ کرنا مقصود ہے اور اجمال کے بعد تفصیل کر کے اس کا مہتم بالشان ہونا جتلاتے ہیں آگے ان کے اختلاف کی کمزوری ظاہر کر کے اس کو باطل کرتے ہیں کہ جیسا یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ قیامت نہ آوے گی یہ غلط ہے

کَلَّا سَیَعْلَمُوْنَ ۙ (۴)

ہرگز ایسا نہیں (بلکہ قیامت آوے گی اور) ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے

یعنی جب بعد فراق دنیا کے ان پر عذاب واقع ہوگا تب ان پر حقیقت قیامت کی منکشف ہو جائے گی اور ہم (آگے ترجمہ)

ثُمَّ کَلَّا سَیَعْلَمُوْنَ (۵)

پھر (مکرر کہتے ہیں کہ جیسا یہ لوگ جو سمجھتے ہیں) ہرگز ایسا نہیں (بلکہ آوے گی) ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے

اور چونکہ وہ لوگ قیامت کو محال یا دشوار سمجھتے تھے آگے اس کا ممکن ہونا ثابت کرتے ہیں کہ اس کو محال سمجھنے سے ہماری قدرت کا انکار لازم آتا ہے اور ہماری قدرت کا انکار نہایت عجیب ہے۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِھٰدًا ۙ (۶) وَّالْجِبَالَ

کیا ہم نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو زمین کی

اَوْتَادًا ۖ (۷)

میخیں نہیں بنایا

یعنی مثل میخوں کے بنایا کہ جیسا کسی چیز میں میخیں لگا دینے سے وہ چیزیں اپنی جگہ سے نہیں ہلتی اسی طرح زمین کو پہاڑوں سے مستقر کر دیا

وَّخَلَقْنٰکُمْ اَزْوَاجًا ۙ (۸) وَّجَعَلْنَا نَوْمَکُمْ

(اور اس کے علاوہ ہم نے اور بھی قدرت اپنی ظاہر فرمائی چنانچہ) ہم ہی نے تم کو

سُبَاتًا ۙ (۹) وَّجَعَلْنَا الَّیْلَ لِبَاسًا ۙ (۱۰) وَّجَعَلْنَا

جوڑا جوڑا (یعنی مرد و عورت) بنایا اور ہم ہی نے تمہارے سونے کو راحت کی چیز

النَّھَارَ مَعَاشًا ۠ (۱۱) وَّبَنَیْنَا فَوْقَکُمْ سَبْعًا

بنایا اور ہم ہی نے رات کو پردہ کی چیز بنایا اور ہم ہی نے دن کو معاش کا وقت بنایا

شِدَادًا ۙ (۱۲) وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّھَّاجًا ۖ (۱۳)

اور ہم ہی نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے اور ہم ہی نے (آسمان

وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۙ (۱۴)

میں) ایک روشن چراغ بنایا (مراد آفتاب ہے) اور ہم ہی نے پانی بھرے بادلوں

لِّنُخْرِجَ بِہٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ۙ (۱۵) وَّجَنّٰتٍ

سے کثرت سے پانی برسایا تاکہ ہم اس پانی کے ذریعہ سے غلہ اور سبزی اور گنجان

اَلْفَافًا ؕ (۱۶)

باغ پیدا کریں

اور ان سب سے ہمارا کمال قدرت ظاہر ہے پھر قیامت پر ہمارے قادر ہونے کا کیوں انکار کیا جاتا ہے یہ بیان تھا امکان کا آگے وقوع کا ذکر ہے۔

اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ کَانَ مِیْقَاتًا ۙ (۱۷) یَّوْمَ

بیشک فیصلہ کا دن ایک معین وقت ہے یعنی جس دن صور پھونکا جاوے

یُّنْفَخُ فِی الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ۙ (۱۸)

گا پھر تم لوگ گروہ گروہ ہو کر آؤ گے

یعنی ہر امت جدا جدا ہوگی پھر مومن جدا کافر جدا پھر ابرار جدا اشرار جدا

سب ایک دوسرے سے ممتاز ہوکر میدان قیامت میں حاضر ہوں گے۔

وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴿۱۹﴾

اور آسمان کھل جاوے گا پھر اس میں دروازے ہی دروازے ہوجائیں گے

یعنی اس قدر بہت سا کھل جاوے گا جیسے بہت سے دروازے ملا کر بہت سی جگہ کھلی ہوتی ہے پس کلام مبنی ہے تشبیہ پر اب یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ دروازے تو آسمان میں اب بھی ہیں پھر اس دن دروازے ہونے کا کیا معنی اور یہ کھلنا نزول ملائکہ کے لئے ہوگا۔

وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿۲۰﴾

اور پہاڑ (اپنی جگہ سے) ہٹا دیے جائیں گے سو وہ ریت کی طرح ہوجاویں گے

اور یہ واقعات نفخۂ ثانیہ دوسری بار صور پھونکنے کے وقت ہوں گے البتہ پہاڑوں کا ہٹانا یہاں بھی اور جہاں کہیں بھی واقع ہوا ہے اس میں دونوں احتمال ہیں کہ یا تو نفخۂ ثانیہ کے بعد ہو کہ اس سے سارا عالم اپنی ہیئت پر لوٹ آوے گا اور جب حساب کا وقت آئے گا پہاڑوں کو زمین کے برابر کردیا جائے گا تاکہ زمین پر کوئی آڑ پہاڑ کی نہ رہے سب آدمی ایک ہی میدان میں نظر آویں کہ اس کو ہیبت میں زیادہ دخل ہے اور یا نفخۂ اولیٰ (یعنی پہلی بار صور پھونکنے) کے وقت ہوگا جس سے خود فنا کردینا ہی مقصود ہوگا پھر اس تقدیر پر قیامت کے دن میں ان سب واقعات کو بتلانا اس بناء پر ہوگا کہ نفخۂ اولیٰ سے نفخۂ ثانیہ تک کا مجموعہ ایک دن قرار دے لیا گیا واللہ اعلم آگے اس دن کے فیصلہ کا بیان ہے۔

اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿۲۱﴾

(آگے اس یوم الفصل میں جو فیصلہ ہوگا اس کا بیان ہے یعنی)
بیشک دوزخ ایک گھات کی جگہ ہے

یعنی عذاب کے فرشتے انتظار اور تاک میں ہیں کہ کافر آویں تو ان کو پکڑتے ہی عذاب کرنے لگیں۔

لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا ﴿۲۲﴾ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ

سرکشوں کا ٹھکانا (ہے) جس میں وہ بے انتہا زمانوں تک (پڑے) رہیں

اَحْقَابًا ﴿۲۳﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا

گے (اور) اس میں نہ تو وہ کسی ٹھنڈک (یعنی راحت) کا مزہ چکھیں گے

اس سے زمہریر یعنی سخت سردی کے عذاب کی نفی نہیں ہوئی لیکن اس سے بھی کچھ راحت نہ ملے گی۔

بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ﴿۲۴﴾ اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ﴿۲۵﴾

اور نہ پینے کی چیز کا (جو کہ مسکن عطش ہو) بجز گرم پانی اور پیپ کے یہ (ان کو) پورا پورا

جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿۲۶﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا

بدلہ ملے گا (اور وہ اعمال جن کا یہ بدلہ ہے یہ ہیں کہ) وہ لوگ حساب (قیامت) کا

يَرْجُوْنَ حِسَابًا ﴿۲۷﴾ وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا

اندیشہ نہ رکھتے تھے اور ہماری آیتوں کو خوب جھٹلاتے تھے اور ہم نے (ان کے اعمال

كِذَّابًا ﴿۲۸﴾ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ﴿۲۹﴾

میں سے) ہر چیز کو (ان کے نامۂ اعمال میں) لکھ کر ضبط کر رکھا ہے سو (ان سے کہا

فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ﴿۳۰﴾

جائے گا کہ اب ان اعمال کا مزہ چکھو کہ ہم تم کو سزا ہی بڑھاتے جاویں گے

یہ تو کافروں کا فیصلہ ہوا آگے اہل ایمان کا فیصلہ مذکور ہے۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾ حَدَآئِقَ

خدا سے ڈرنے والوں کے لئے بیشک کامیابی ہے یعنی (کھانے اور سیر کو) باغ (جن میں طرح طرح کے میوے ہوں گے) اور انگور اور (دل بہلانے کو) نو

وَاَعْنَابًا ﴿۳۲﴾ وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿۳۳﴾ وَّكَاْسًا

خواستہ ہم عمر عورتیں اور (پینے کو) لبالب بھرے ہوئے جام شراب (اور) وہاں

دِهَاقًا ﴿۳۴﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا

نہ کوئی بیہودہ بات سنیں گے اور نہ جھوٹ (کیونکہ یہ باتیں وہاں محض معدوم ہیں) یہ (ان کو ان کی نیکیوں کا) بدلہ ملے گا جو کہ کافی انعام ہوگا ان کے رب کی

كِذّٰبًا ﴿۳۵﴾ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿۳۶﴾

طرف سے جو مالک ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور ان چیزوں کا جو دونوں کے

رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا

درمیان میں ہیں (اور جو) رحمٰن ہے (اور) کسی کو اس کی طرف سے

الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿۳۷﴾

(مستقل) اختیار نہ ہوگا (کہ اس کے سامنے) عرض معروض کر سکے

یہاں کئی صفتیں ارشاد ہوئی ہیں۔ ا۔ آسمان وزمین وغیرہ کا مالک ہونا اس سے قیامت کے دن کے واقعات اور تصرفات پر قادر اور مالک ہونا معلوم ہوا ۲۔ رحمٰن یہ صفت مومنین کی جزا کے مناسب ہے کہ ان پر رحمت کی جائے گی ۳۔ کسی کو مستقل اختیار نہ ہونا یعنی کفار کو خوف دلانے کے لئے مناسب ہے اور مستقل کی قید کے لئے آگے دلیل آتی ہے کہ جن کو اجازت بولنے کی بھی ہوگی اور وہ محدود ہوگی۔

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙ ق

جس روز ذی ارواح اور فرشتے (خدا کے روبرو) صف بستہ (خشوع وخضوع

لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ

کے ساتھ) کھڑے ہوں گے (اس روز) کوئی نہ بول سکے گا بجز اس کے جس

وَقَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾

کو رحمٰن (بولنے کی) اجازت دے دے اور وہ شخص بات بھی ٹھیک کہے

ٹھیک بات سے مراد وہ بات ہے جس کی اجازت دی گئی ہے یعنی بولنا بھی محدود ومقید ہوگا یہ نہیں کہ جو چاہے بولنے لگے اور مستقل اختیار سے اوپر یہی مراد ہے آگے اوپر کے تمام مضامین کا خلاصہ ہے

ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ

یہ (جس کا اوپر ذکر ہوا) یقینی دن ہے سو جس کا جی چاہے (اس کے حالات

اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾

سن کر) اپنے رب کے پاس (اپنا) ٹھکانا بنا رکھے

یعنی نیک عمل کرے تاکہ وہاں اچھا ٹھکانا ملے آگے حجت پوری کرنے کے لئے سب لوگوں کو خطاب ہے

اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚ يَّوْمَ

ہم نے تم کو ایک نزدیک آنے والے عذاب سے ڈرا دیا ہے (جو کہ ایسے دن

يَّنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ

میں واقع ہونے والا ہے) جس دن ہر شخص ان اعمال کو (اپنے سامنے حاضر) دیکھ لے گا جو اس نے اپنے ہاتھوں سے کئے ہوں گے اور کافر

الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾ ع

(حسرت سے) کہے گا کاش میں مٹی ہو جاتا (تاکہ عذاب سے بچتا)

اور یہ اس وقت کہے گا جب جانور مٹی کر دئے جائیں گے درمنثور میں ابوہریرہؓ سے یہی روایت ہے۔

سورة النزعت مكية و اٰيها خمس اوست و اربعون كذافي البيضاوي

ربط: اس میں بھی سورت سابقہ کی طرح قیامت کے واقعات اور اس کا ممکن ہونا اور هل اتٰک میں جھٹلانے والوں کو دھمکی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم. والنزعت تا اوضحها

(۷۹) سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ مَكِّيَّةٌ (۸۱)

سورۂ نازعٰت مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں چھیالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ﴿۱﴾ وَّالنّٰشِطٰتِ

قسم ہے ان فرشتوں کی جو (کافروں کی) جان سختی سے نکالتے ہیں اور جو

نَشْطًا ﴿۲﴾ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ﴿۳﴾

(مسلمانوں کی) آسانی سے نکالتے ہیں گویا (ان کا) بند کھول دیتے ہیں اور جو تیرتے ہوئے چلتے ہیں

یعنی روحوں کو لے کر زمین سے آسمان کی طرف اس طرح تیزی اور آسانی سے چلتے ہیں جیسے تیر رہے ہوں

فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ﴿۴﴾

پھر تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں

یعنی جب روحوں کو لے کر پہنچتے ہیں تو ان کے بارہ میں جو خدا کا حکم ہوتا ہے اس کی بجاآوری کے لئے جلدی کرتے ہیں۔

فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ﴿۵﴾

پھر ہر امر کی تدبیر کرتے ہیں

یعنی ان روحوں کے متعلق ثواب کا حکم ہو یا عذاب کا اس کو انجام دیتے ہیں۔

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ﴿۶﴾ تَتْبَعُهَا

(ان سب کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ (قیامت ضرور آوے گی جس روز ہلا دینے والی چیز ہلا ڈالے گی (مراد نفخہ اولیٰ ہے) جس کے بعد ایک پیچھے

الرَّادِفَةُ ۝۷ قُلُوْبٌ يَّوْمَىِٕذٍ وَّاجِفَةٌ ۝۸

آنے والی چیز آوے گی (مراد نفخہ ثانیہ ہے) بہت سے دل اس روز دھڑک

اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۝۹

رہے ہوں گے ان کی آنکھیں (مارے ندامت کے) جھک رہی ہوں گی

مگر یہ لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں

يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ ۝۱۰

کہتے ہیں کہ کیا ہم پہلی حالت میں پھر واپس ہوں گے (پہلی حالت سے مراد

ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۝۱۱

حیات قبل از موت ہے) کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں
ہوجاویں گے پھر (حیات کی طرف) واپس ہوں گے

پہلی حالت سے مراد موت سے پہلے کی زندگی ہے یعنی موت کے بعد پھر دوبارہ زندگی ہوگی مقصود تعجب اور استبعاد ہے

قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۝۱۲

(اگر ایسا ہوا تو) اس صورت میں یہ واپسی (ہمارے لئے) بڑے خسارہ کی ہوگی

کیونکہ ہم نے تو اس کے لئے کچھ سامان کیا نہیں مقصود اہل حق کے اس عقیدہ کے ساتھ تمسخر تھا یعنی ان کے عقیدہ پر ہم بڑے خسارہ میں ہوں گے جیسے کوئی شخص کسی کو خیر خواہی سے ڈرائے کہ اس راستہ کو مت جانا شیر ملے گا اور مخاطب اس کو جھٹلانے کیلئے کسی سے کہے کہ بھائی ادھر مت جانا شیر کھا جائے گا مطلب یہ کہ وہاں شیر ویر کچھ بھی نہیں ہے آگے اس تعجب کا رد ہے کہ یہ لوگ جو قیامت کو دشوار سمجھتے ہیں یہ سمجھ رکھیں کہ ہم کو کچھ مشکل نہیں

فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝۱۳ فَاِذَا هُمْ

(تو یہ سمجھ رکھیں کہ ہم کو کچھ مشکل نہیں بلکہ) بس وہ ایک سخت آواز ہوگی جس

بِالسَّاهِرَةِ ۝۱۴

سے لوگ فوراً ہی میدان میں آموجود ہوں گے

آگے مکذبین کی تخویف اور تکذیب پر آپ کے تسلیہ کے لئے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ فرعون کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝۱۵ اِذْ نَادٰىهُ

کیا آپ کو موسیٰ (علیہ السلام) کا قصہ پہنچا ہے جب کہ ان کو ان کے پروردگار نے ایک

رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝۱۶ اِذْهَبْ

پاک میدان یعنی طویٰ میں (یہ اس کا نام ہے) پکارا کہ تم فرعون کے پاس جاؤ اس نے

اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝۱۷ فَقُلْ هَلْ

بڑی شرارت اختیار کی ہے سو اس سے (جا کر) کہو کہ تجھ کو اس بات کی خواہش ہے کہ تو

لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ۝۱۸ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى

درست ہوجائے اور (تیری درستی کی غرض سے) میں تجھ کو تیرے رب کی طرف (ذات

رَبِّكَ فَتَخْشٰى ۝۱۹

وصفات کی) رہنمائی کروں تو (تو یہ سن کر) (اس سے) ڈرنے لگے پھر

اور اس ڈر سے درستی ہو جاوے غرض یہ حکم سن کر موسیٰ علیہ السلام اس کے پاس گئے اور پیغام ادا کیا۔

فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ۝۲۰

(جب اس نے دلیل نبوت طلب کی تو) اس کو بڑی نشانی (نبوت کی) دکھلائی

مراد عصا کا معجزہ ہے یا مطلق معجزہ مراد ہو تو عصا اور ید کا مجموعہ مراد ہے۔

فَكَذَّبَ وَعَصٰى ۝۲۱ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ۝۲۲

تو اس (فرعون) نے (ان کو) جھٹلایا اور (ان کا) کہنا نہ مانا پھر (موسیٰ سے)

فَحَشَرَ فَنَادٰى ۝۲۳ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ

جدا ہو کر (ان کے خلاف) کوشش کرنے لگا اور (لوگوں کو) جمع کیا پھر ان

الْاَعْلٰى ۝۲۴

کے سامنے با آواز بلند تقریر کی اور) کہا کہ میں تمہارا رب اعلیٰ ہوں

اس قید سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اپنے سوا کسی اور کو بھی چھوٹا معبود سمجھتا ہو بلکہ اس کا مقصود یہ تھا کہ میں ہی تمہارا رب ہوں اور اعلیٰ کی قید محض اپنی مدح کے لئے بڑھادی پس یہ قید واقعی تھی احترازی نہ تھی۔

فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ۝۲۵

سو اللہ تعالیٰ نے اس کو آخرت کے اور دنیا کے عذاب میں پکڑا

دنیوی عذاب تو غرق ہے اوراخروی عذاب حرق ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ یَّخْشٰى ۝۲۶

بیشک اس (واقعہ) میں ایسے شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جو اللہ تعالیٰ سے) ڈرے

اس قصہ کی ابتداء هل اتک سے تسلی مقصود ہے اور اخیر میں کفار کو دھمکی ہے اور اوپر جو کفار کا قیامت کو دشوار اور مستبعد سمجھنا مذکور تھا اس کا نقلی جواب بیان کر کے آگے عقلی جواب دیتے ہیں۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ط

بھلا تمہارا (دوسری بار) پیدا کرنا (فی نفسہ) زیادہ سخت ہے یا آسمان کا

اور ظاہر ہے کہ آسمان ہی کا پیدا کرنا زیادہ سخت ہے پھر جب اس کو پیدا کر دیا تو تمہارا پیدا کرنا کیا مشکل ہے اور فی نفسہ کی قید اس لئے بڑھا دی کہ قدرت کے اعتبار سے تو سب برابر ہیں آگے آسمانوں کے پیدا کرنے کی کیفیت بیان فرماتے ہیں۔

بَنٰىهَا ۝۲۷ وقفة رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ۝۲۸

اللہ نے اس کو بنایا (اس طرح سے کہ) اس کی سقف کو بلند کیا اور اس کو درست بنایا (کہیں

وَاَغْطَشَ لَیْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ۝۲۹

اس میں فطور وشقوق نہیں) اور اس کی رات کو تاریک بنایا اور اس کے دن کو ظاہر کیا

رات اور دن کو آسمان کی طرف اس لئے منسوب کیا کہ رات اور دن آفتاب کے طلوع اور غروب سے ہوتے ہیں اور آفتاب آسمان میں ہے۔

وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ۝۳۰ اَخْرَجَ

اور اس کے بعد زمین کو بچھایا (اور بچھا کر) اس سے اس کا

مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ۝۳۱ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ۝۳۲

پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑوں کو (اس پر) قائم کر دیا تمہارے

مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ۝۳۳

اور تمہارے مویشیوں کے فائدہ پہنچانے کے لئے

ترتیب خلق سمٰوات وارض کی سورۂ بقرہ کے رکوع سوم آیت هوالذی خلقکم الخ کے ذیل میں گزر چکی ہے اور گو نفس استدلال خلق سماء سے تھا مگر زمین کا ذکر شاید اس لئے کر دیا کہ اس کے احوال ہر وقت پیش نظر ہیں اور گو سماء کے برابر نہ سہی لیکن فی نفسہ انسان کے خلق سے اس کی خلقت بھی اشد ہے پس حاصل استدلال کا یہ ہوا کہ جب ایسی ایسی چیزیں ہم نے بنا دیں تو تمہارا بعث کیا مشکل ہے آگے بعث کے جو واقعات مجازاۃ کے متعلق ہوں گے ان کی تفصیل ہے۔

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ۝۳۴ زصلے یَوْمَ

سو جب وہ بڑا ہنگامہ آوے گا یعنی جس دن انسان اپنے کئے کو یاد کرے

یَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ۝۳۵ وَبُرِّزَتِ

گا اور دیکھنے والوں کے سامنے دوزخ ظاہر کی جاوے گی تو (اس روز یہ

الْجَحِیْمُ لِمَنْ یَّرٰى ۝۳۶ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۝۳۷

حالت ہوگی کہ) جس شخص نے (حق سے) سرکشی کی ہوگی اور (آخرت کا

وَاٰثَرَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ۝۳۸ فَاِنَّ الْجَحِیْمَ

منکر ہو کر) دنیوی زندگی کو ترجیح دی ہو گی سو دوزخ

هِیَ الْمَاْوٰى ۝۳۹ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ

اس کا ٹھکانا ہوگا اور جو شخص (دنیا میں) اپنے رب کے سامنے کھڑا

رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝۴۰

ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس کو (حرام) خواہش سے روکا ہوگا

یعنی اعتقاد کے ساتھ عمل بھی صالح ہوگا

فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰى ۝۴۱ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ

سو جنت اس کا ٹھکانہ ہو گا یہ لوگ آپ سے قیامت کے

السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰىهَا ۝۴۲ فِیْمَ اَنْتَ

متعلق پوچھتے ہیں اس کا وقوع کب ہو گا (سو اس کے بیان کرنے

مِنْ ذِكْرٰىهَا ۝۴۳

سے آپ کا کیا تعلق

اورعمل پر جنت میں جانا موقوف نہیں یہ صرف ایک وسیلہ اور ذریعہ ہے اور چونکہ کفار انکار کے طریقہ پر قیامت کا وقت پوچھا کرتے تھے آگے اس کا جواب ہے۔

کیونکہ بیان کرنا علم پر موقوف ہے اور آپ کو اس کے وقت کا علم ہے نہیں سو آپ کیونکر بیان کر سکتے ہیں۔

إِلَىٰ رَبِّكَ مُنْتَهَاهَا ﴿٤٤﴾ إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ

اس (کے علم کی تعیین) کا مدار صرف آپ کے رب کی طرف ہے (اور) آپ تو صرف (اخبار اجمالی سے) ایسے شخص کو ڈرانے والے ہیں جو اس سے ڈرتا

يَخْشَاهَا ﴿٤٥﴾ كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوا

ہو جس روز یہ اس کو دیکھیں گے تو (ان کو) ایسا معلوم ہوگا کہ گویا (دنیا میں)

إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحَاهَا ﴿٤٦﴾

صرف ایک دن کے آخری حصہ میں یا اس کے اول حصہ میں رہے ہیں

یعنی اس وقت دنیا کی مدت دراز بہت کم معلوم ہوگی اور یوں سمجھیں گے کہ عذاب بہت جلدی آ گیا جس کی یہ درخواست کرتے ہیں تو حاصل یہ ہے کہ جلدی کیوں مچاتے ہو جب عذاب آئے گا اس وقت تم اس کو جلدی ہی سمجھو گے اور جس دیر کو اب دیر سمجھ رہے ہو یہ دیر معلوم نہ ہوگی اور والنزعت اور والنشطت میں جو کفار کی جان کا سختی سے اور مسلمانوں کی آسانی سے نکلنا معلوم ہوا ہے اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ بعض اوقات کفار کا نزع آسان اور مومنین کا سخت دیکھا جاتا ہے تو اصل یہ ہے کہ یہ سختی اور سہولت جسمانی اور ظاہری ہوتی ہے اور آیت میں سختی اور آسانی روحانی مراد ہے۔

ربط: چونکہ اس سورت کے اخیر میں اور اس سے پہلے قیامت ہی کا مضمون زیادہ ہے اس قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں زیادہ مقصود اخیر کا مضمون ہے اور چونکہ اس میں کافر کی سخت سزا کا ذکر ہے اس کے ثابت کرنے کیلئے درمیان میں قتل الانسان ما اکفرہ میں یہ بتلا کر کہ شکر کے اسباب موجود ہیں ام اس سے مانع کوئی چیز نہیں ہے اس کفر کا سخت ہونا ظاہر کر دیا اور ایسے سخت کافروں کی ہدایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کاوش اور اہتمام کرنے سے جو کوفت ہوتی تھی حتیٰ کہ ایک بار ایک نابینا صحابی کا ایسا موقع پا کر بولنا اسی وجہ سے موجب کلفت ہوا تھا کہ آپ اس وقت کافروں کی ہدایت کا اہتمام فرما رہے تھے اس لئے شروع سورت میں ایک محبوبانہ انداز کے ساتھ جس کو لوگ عتاب کہتے ہیں کسی قدر اہتمام سے ممانعت اور سچے طالبوں کے حال پر توجہ کرنے کا حکم فرماتے ہیں شان نزول ان آیات کا یہ ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض رؤسا مشرکین کو سمجھا رہے تھے کہ اتنے میں عبداللہ بن ام مکتوم نابینا صحابی حاضر ہوئے اور کچھ پوچھا یہ قطع کلام آپ کو ناگوار ہوا اور آپ نے ان کی طرف التفات نہیں کیا اور بعض روایات میں بعضوں کے نام بھی آئے ہیں ابوجہل بن ہشام وعتبہ بن ربیعہ وابی بن خلف وامیہ بن خلف وشیبہ اور ناگواری کی وجہ سے آپ چیں بجبیں ہوئے جب اس مجلس سے اٹھ کر آپ گھر جانے لگے تو آثار وحی نمودار ہوئے اور یہ آیات عبس وتولی الخ نازل ہوئیں اس کے بعد جب وہ آپ کے پاس آتے آپ بڑی خاطر کرتے۔

(۸۰) سُوْرَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ (۲۴)

سورۂ عبس مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں بیالیس آیتیں ہیں اور ایک رکوع ہے اور آخر تک سورتوں میں ایک ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

عَبَسَ وَتَوَلّٰى ﴿١﴾ أَنْ جَاءَهُ الْأَعْمٰى ﴿٢﴾

(پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) چیں بجبیں ہو گئے اور متوجہ نہ ہوئے اس بات سے کہ ان کے پاس اندھا آیا۔

یہاں تو غائبانہ کلام فرمایا جس سے متکلم کی غایت حیاء اور کرم اور مخاطب کی غایت عزت و کرامت معلوم ہوتی ہے کہ رو در رو اس امر کی نسبت نہیں فرمائی آگے خطاب فرمایا تاکہ اعراض کا شبہ نہ ہو

وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰى ﴿٣﴾ أَوْ يَذَّكَّرُ

اور آپ کو کیا خبر تھی کہ یہ نابینا (آپ کی تعلیم سے پورے طور پر) سنور جاتا یا (کسی

فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ﴿٤﴾

خاص امر میں) نصیحت قبول کرتا سو اس کو نصیحت کرنا (کچھ نہ کچھ) فائدہ پہنچاتا

مطلب یہ کہ اس کی پوری اصلاح ہوتی یا کچھ اصلاح ہوتی بہر حال نفع ہی ہوتا اور شاید کا لفظ مبالغہ کے لئے ہے کہ اگر اس صحابی کی حالت کے سنورنے یا نصیحت قبول کرنے کا گمان یا احتمال بھی ہوتا تب بھی اس سے بے توجہی نہ چاہیے تھی چہ جائیکہ نفع یقینی ہو اور (نابینا) سے تعبیر کرنا اس طرف اشارہ ہے کہ وہ اندھا ہونے کی وجہ سے قابل توجہ اور لائق رحم تھا

أَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ﴿٥﴾ فَأَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ﴿٦﴾

تو جس شخص (دین سے) بے پروائی کرتا ہے آپ اس کی تو فکر میں پڑتے

وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۝٧ وَاَمَّا مَنْ

ہیں حالانکہ آپ پر کوئی الزام نہیں کہ وہ نہ سنورے اور جو شخص آپ کے پاس

جَآءَكَ يَسْعٰى ۝٨ وَهُوَ يَخْشٰى ۝٩ فَاَنْتَ

دین کے شوق میں) دوڑتا ہوا آتا ہے اور وہ (خدا سے) ڈرتا ہے آپ اس

عَنْهُ تَلَهّٰى ۝١٠

سے بے اعتنائی کرتے ہیں

ان آیات میں آپ کی اجتہادی لغزش پر آپ کو مطلع کیا گیا ہے منشا اس اجتہاد کا یہ تھا کہ یہ بات یقینی طور پر ثابت ہے کہ مہتم بالشان کام مقدم ہوتا ہے آپ نے کفر کے علاج کو زیادہ مہتم بالشان سمجھا کیونکہ کفر سخت مرض ہے جیسے دو بیماروں میں ایک کو ہیضہ ہو اور دوسرے کو زکام تو ہیضہ والے کا علاج مقدم ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ سخت مرض کا علاج اس وقت مقدم ہے جبکہ مریض علاج کا مخالف نہ ہو ورنہ جو مریض طالب علاج ہو اگرچہ اس کو خفیف مرض ہو وہ اس مریض سے مقدم ہوگا جو علاج ہی نہ چاہتا ہو بلکہ الٹا علاج کا مخالف ہو گو وہ سخت مرض میں مبتلا ہو

كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝١١ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝١٢

آپ (آئندہ) ہرگز ایسا نہ کیجئے قرآن (محض ایک) نصیحت کی چیز ہے جس کا جی چاہے اس کو قبول کرلے

اور جو قبول نہ کرے وہ خود جانے آپ کا کوئی ضرر نہیں آپ کے ذمہ صرف پہنچانا ہے پھر آپ اس قدر اہتمام کیوں فرماتے ہیں آگے قرآن کے اوصاف مذکور ہیں۔

فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝١٣

وہ (قرآن لوح محفوظ کے) ایسے صحیفوں میں (ثبت) ہے جو (عند اللہ) مکرم ہیں

یعنی پسندیدہ اور مقبول ہیں

مَّرْفُوْعَةٍ

رفیع المکان ہیں

یعنی بلند جگہ میں ہیں کیونکہ لوح محفوظ عرش کے نیچے ہے کذا فی الدر المنثور۔

مُّطَهَّرَةٍ ۝١٤

مقدس ہیں

شیاطین خبیثہ کی وہاں تک رسائی نہیں۔

بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۝١٥ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۝١٦

جو ایسے لکھنے والوں (یعنی فرشتوں) کے ہاتھوں میں (رہتے) ہیں کہ وہ مکرم (اور) نیک ہیں

یہ سب صفات اس کے منجانب اللہ ہونے پر دلالت کرتے ہیں اور ان فرشتوں کو کاتب اس لئے کہا کہ وہ لوح محفوظ سے بحکم الٰہی نقل کرنے والے ہیں حاصل یہ ہوا کہ قرآن منجانب اللہ نصیحت کے لئے ہے آپ نصیحت کر کے اپنے فرض سے ادا ہو جاویں گے خواہ کوئی ایمان لائے یا نہ لائے پس اس قسم کے اہتمام کی ضرورت نہیں یہاں تک نصیحت کرنے کے آداب مذکور ہوئے آگے نصیحت قبول نہ کرنے پر کفار کی مذمت ہے۔

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ۝١٧

آدمی پر (جو ایسے تذکرہ سے تذکرہ حاصل نہ کرے) مار وہ ناشکر ہے

جیسے ابوجہل وغیرہ جن کو آپ سمجھاتے تھے اور وہ نہیں سمجھے۔

مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ۝١٨ مِنْ نُّطْفَةٍ

(وہ دیکھتا نہیں کہ) اللہ تعالیٰ نے اس کو کیسی (حقیر) چیز سے پیدا کیا (آگے جواب

خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ۝١٩ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ۝٢٠

یہ ہے کہ) نطفہ سے (پیدا کیا آگے اس کی کیفیت مذکور ہے) اس کی صورت بنائی پھر اس (کے اعضاء) کو انداز سے بنایا پھر اس کو (نکلنے کا) راستہ آسان کر دیا

چنانچہ ظاہر ہے کہ ایسے تنگ موقع سے اچھے خاصے تنومند بچہ کا نکلنا صاف دلیل ہے اللہ تعالیٰ کے قادر اور عبد کے مقدور ہونے کی۔

ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ۝٢١

پھر (بعد عمر ختم ہونے کے) اس کو موت دی پھر اس کو قبر میں لے گیا

خواہ اول ہی سے خاک میں رکھ دیا جائے یا کچھ دنوں کے بعد خاک میں مل جائے۔

ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ۝٢٢

پھر جب اللہ چاہے گا اس کو دوبارہ زندہ کر دے گا

مطلب یہ کہ یہ سب تصرفات دلیل ہیں انسان کے داخل قدرت الٰہیہ ہونے کی اور بہت سی نعمتیں دی ہیں بعضی حسی اور بعضی معنوی جس کا مقتضی تھا وجوب اطاعت وایمان۔

كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ۝٢٣ فَلْيَنْظُرِ

ہرگز (شکر) نہیں ادا کیا (اور) اس کو جو حکم کیا تھا اس کو بجا نہیں

الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ﴿۲۴﴾ اَنَّا صَبَبْنَا

لایا سو انسان کو چاہیے کہ اپنے کھانے کی طرف نظر کرے

الْمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾

کہ ہم نے عجیب طور پر پانی برسایا پھر عجیب طور پر زمین کو پھاڑا

فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ﴿۲۸﴾

پھر ہم نے اس میں غلہ اور انگور اور ترکاری اور زیتون

وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ﴿۲۹﴾ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ﴿۳۰﴾

اور کھجور اور گنجان باغ اور میوے اور چارا پیدا کیا (یعنی بعضی چیزیں

وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ﴿۳۱﴾ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۲﴾

تمہارے اور (بعضی چیزیں) تمہارے مواشی کے فائدے کے لئے

اور یہ سب بھی نعمت اور دلیل قدرت ہیں اور اس مجموعہ میں ہر ہر جزو ایمان اور شکر کے واجب ہونے کو مقتضی ہے یہاں تک نصیحت قبول کرنے پر مذمت تھی آگے اُس کی سزا اور نصیحت قبول کرنے کا ثواب مذکور ہے۔

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿۳۳﴾

(اب تو یہ ناشکری اور کفر کرتے ہیں) پھر جس وقت کانوں کا بہرہ کردینے والا شور برپا ہوگا

اس وقت ساری ناشکری کا مزہ معلوم ہوجائے گا آگے اس دن کا بیان ہے۔

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ﴿۳۴﴾ وَاُمِّهٖ

جس روز ایسا آدمی (جس کا اوپر بیان ہوا) اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے

وَاَبِيْهِ ﴿۳۵﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ﴿۳۶﴾ لِكُلِّ

باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے بھاگے گا (یعنی کوئی کسی کی ہمدردی نہ

امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ﴿۳۷﴾

کرے گا) اس دن ہر شخص کو (اپنا ہی) ایسا مشغلہ ہوگا جو اس کو اور طرف متوجہ نہ

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾ ضَاحِكَةٌ

ہونے دے گا (یہ تو کفار کا حال ہوا آگے مجموعہ مومنین و کفار کی تفصیل ہے کہ)

مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا

بہت سے چہرے اس روز ایمان کی وجہ سے روشن (اور مسرت سے) خنداں شاداں

غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ

ہوں گے اور بہت سے چہروں پر اس روز (کفر کی وجہ سے) ظلمت ہوگی (اور اس

الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾

ظلمت کے ساتھ) ان پر (غم کی) کدورت چھائی ہوگی یہی لوگ کافر فاجر ہیں

کافر سے فساد عقائد کی طرف اشارہ ہے اور فاجر سے فساد اعمال کی طرف۔

سورة التكوير مكية و ايها تسع و عشرون كذافي البيضاوى

ربط: اس میں بھی گذشتہ اور آئندہ سورتوں کی طرح واقعات قیامت کا بیان کرنا مقصود ہے اور اس کی تقویت کے لئے آخر میں قرآن کی حقانیت مذکور ہے کہ قیامت کے لئے اس پر عمل کر کے مستعد ہو جائیں۔ بسم الله الرحمن الرحيم الشمس تا رب العلمين

(۸۱) سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ (۷)

سورۂ تکویر مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں انتیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴿۱﴾ وَاِذَا النُّجُوْمُ

جب آفتاب بے نور ہو جائے گا اور جب ستارے ٹوٹ ٹوٹ

انْكَدَرَتْ ﴿۲﴾ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ﴿۳﴾

کر گر پڑیں گے اور جب پہاڑ چلائے جاویں گے اور جب

وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ﴿۴﴾

دس مہینے کی گابھن اونٹنیاں چھٹی پھریں گی

بیانے کے قریب اونٹنی بہت عزیز ہوتی ہے بچے کی توقع سے اور دودھ کی وجہ سے۔

وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ﴿۵﴾ وَاِذَا الْبِحَارُ

اور جب وحشی جانور (مارے گھبراہٹ کے) سب جمع ہوجاویں گے اور جب

سُجِّرَتْ ۝۶ صلے

دریا بھڑکائے جاویں گے

یہ چھ واقعات تو نفخہ اولیٰ کے وقت ہوں گے جب کہ دنیا آباد ہو گی اور اس نفخہ سے یہ تغیرات و تبدلات ہوں گے اور اس وقت اونٹنیاں وغیرہ بھی اپنی اپنی حالت پر ہوں گی جن میں بعضی وضع حمل کے قریب ہوں گی جو کہ عرب کے نزدیک اعز اموال ہیں مگر اس وقت ہل چل میں کسی کو کہیں کا ہوش نہ رہے گا اور وحوش بھی مارے گھبراہٹ کے سب گڈمڈ ہو جائیں گے اور دریاؤں میں اول طغیانی پیا ہو گی اور زمین میں شقوق واقع ہو جائیں گے جس سے سب شیریں اور شور دریا ایک ہو جاویں گے جس کا ذکر آئندہ سورت میں واذا البحار فجرت میں فرمایا ہے پھر شدت حرارت سے سب کا پانی تو مستحیل بآتش ہو جاوے گا شاید اول ہوا ہو جاوے پھر ہوا آگ بن جاوے اس کے بعد عالم فنا ہو جاوے گا۔

وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝۷ صلے

اور جب ایک ایک قسم کے لوگ اکٹھے کئے جاویں گے

کافر الگ مسلمان الگ پھر ان میں ایک ایک طریقہ کے الگ الگ ہو جاویں گے اور یہ واقعات نفخہ ثانی کے بعد ہوں گے یہ بھی چھ واقعات ہیں

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝۸ صلے بِاَیِّ ذَنْۢبٍ

اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ

قُتِلَتْ ۝۹ ج

پر قتل کی گئی تھی

مقصود اس پوچھنے سے زندہ در گور کرنے والے ظالموں کا اظہار جرم ہے

وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝۱۰ صلے وَاِذَا السَّمَآءُ

اور جب نامہ اعمال کھولے جاویں گے (تاکہ سب اپنے اپنے عمل دیکھ لیں) اور جب آسمان کھل جاوے گا (اور اس کے کھلنے سے آسمان کی اوپر کی چیزیں

كُشِطَتْ ۝۱۱ صلے وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ۝۱۲ صلے

نظر آنے لگیں گے) اور جب دوزخ (اور زیادہ) دہکائی جاوے گی اور جب جنت نزدیک کر دی جائیگی تو (اس وقت) ہر شخص ان اعمال کو جان لے گا جو

وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ۝۱۳ صلے عَلِمَتْ نَفْسٌ

لے کر آیا ہے (اور جب ایسا واقعہ ہائلہ ہونے والا ہے) تو میں قسم کھاتا ہوں

مَّآ اَحْضَرَتْ ۝۱۴ ط فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۝۱۵ لا

ان ستاروں کی جو (سیدھے چلتے چلتے) پیچھے کو ہٹنے لگتے ہیں (اور پھر پیچھے ہی

الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ۝۱۶ لا

کو) چلتے رہتے ہیں (اور اپنے مطالع میں) جا چھپتے ہیں

ایسا امر پانچ سیاروں کو پیش آتا ہے کہ کبھی سیدھے چلتے ہیں کبھی پیچھے کو چلتے ہیں اور ان کو خمسہ متحیرہ کہتے ہیں (۱) زحل (۲) مشتری (۳) عطارد (۴) مریخ (۵) زہرہ

وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ۝۱۷ لا وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ۝۱۸ لا

اور قسم ہے رات کی جب وہ جانے لگے اور قسم ہے صبح کی جب وہ آنے لگے

اور یہ قسمیں مقصود مقام کے نہایت مناسب ہیں چنانچہ ستاروں کا سیدھا چلنا اور لوٹنا اور چھپ جانا مشابہ ہے وحی لانے والے فرشتہ کے آنے اور واپس جانے اور عالم ملکوت میں جا چھپنے کے اور رات کا گزرنا اور صبح کا آنا مشابہ ہے قرآن کے سبب سے ظلمت کفر رفع ہو جانے اور نور ہدایت ظاہر ہونے کے۔ خلاصہ یہ کہ میں قیامت کی حقیقت بتلاتا ہوں اور ماننے والوں کو اس پر آمادہ کرتا ہوں اور یہ دونوں باتیں قرآن کی تصدیق اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہیں کہ اس میں قیامت کا اثبات اور نجات کا طریقہ مذکور ہے۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝۱۹ لا ذِيْ قُوَّةٍ

(آگے جواب قسم ہے) کہ یہ قرآن (اللہ کا) کلام ہے ایک معزز فرشتہ (یعنی جبرئیل علیہ السلام) کا لایا ہوا) جو قوت والا ہے (اور) مالک عرش کے نزدیک

عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۝۲۰ لا مُّطَاعٍ ثَمَّ

ذی رتبہ ہے (اور) وہاں (یعنی آسمانوں میں) اس کا کہنا مانا جاتا ہے

یعنی فرشتے اس کا کہنا مانتے ہیں جیسا کہ حدیث معراج سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے کہنے سے فرشتوں نے بھی آسمان کے دروازے کھول دئے

اَمِيْنٍ ۝۲۱ ط وَمَا صَاحِبُكُمْ

امانتدار ہیں (کہ وحی کو صحیح صحیح پہنچا دیتے ہیں) اور یہ تمہارے ساتھ رہنے والے (محمد صلعم)

جن کا حال تم کو بخوبی معلوم ہے

بِمَجْنُوْنٍ ﴿٢٢﴾

مجنون نہیں ہیں

جیسا کہ منکرین نبوت کہتے تھے

وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ ﴿٢٣﴾

انہوں نے اس فرشتے کو (اصلی صورت میں آسمان کے) صاف کنارہ پر دیکھا بھی ہے

صاف کنارہ سے مراد بلند کنارہ ہے کہ صاف نظر آتا ہے

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ ﴿٢٤﴾

اور یہ پیغمبر مخفی (بتلائی ہوئی وحی کی) باتوں پر بخل کرنے والے بھی نہیں

جیسا کاہنوں کی عادت تھی کہ رقم لے کر کوئی بات بتلاتے تھے اس سے نفی کہانت اور نفی اجر کی بھی ہوگئی

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ ﴿٢٥﴾

اور یہ قرآن کسی شیطان مردود کی کہی ہوئی بات نہیں ہے

اس سے نفی کہانت کی اور تاکید ہوگئی حاصل یہ کہ نہ آپ مجنون ہیں نہ کاہن نہ صاحب غرض اور وحی لانے والے کو پہچانتے بھی ہیں اور وحی لانے والا ایسا ایسا ہے پس لامحالہ یہ اللہ کا کلام اور آپ اللہ کے رسول ہیں اور یہ قسمیں مطلوب مقام کے نہایت مناسب ہیں چنانچہ ستاروں کا سیدھا چلنا اور لوٹنا اور چھپ جانا مشابہ ہے فرشتہ کے آنے اور واپس جانے اور عالم ملکوت میں جا چھپنے اور رات کا گزرنا اور صبح کا آنا مشابہ ہے قرآن کے سبب ظلمت کفر کے رفع ہوجانے اور نور ہدایت کے ظاہر ہوجانے کے۔

فَاَیْنَ تَذْهَبُوْنَ ﴿٢٦﴾

(جب یہ بات ثابت ہے) تو تم لوگ (اس بارے میں) کدھر کو چلے جارہے ہو

کہ نبوت کے منکر ہو رہے ہو۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿٢٧﴾ لِمَنْ شَآءَ

بس یہ تو (بالعموم دنیا جہان والوں کے لئے ایک بڑا نصیحت نامہ ہے

مِنْكُمْ اَنْ یَّسْتَقِیْمَ ﴿٢٨﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ

(اور بالخصوص) ایسے شخص کے لئے جو تم میں سے سیدھا چلنا چاہے

اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿٢٩﴾

اور تم بدون خدائے رب العالمین کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے

یعنی بعض کے لئے نصیحت مند نہ ہونے سے اس کے نصیحت نامہ ہونے میں شبہ نہ کیا جائے کیونکہ قرآن فی نفسہ تو نصیحت ہے لیکن اس کی تاثیر مشیت پر موقوف ہے جو بعض لوگوں کے لئے متعلق ہوتی ہے اور بعض کے لئے کسی حکمت سے متعلق نہیں ہوتی۔

سورة الانفطار مكية و ايها تسعة عشر كذافى البيضاوى

ربط اس سورت میں بھی پہلی اور پچھلی سورتوں کی طرح قیامت اور جزا وسزا کا بیان ہے اور درمیان میں غفلت پر دھمکی ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم. اذاالسماء انفطرت تا يومئذ لله

(٨٢) سُوْرَةُ الْاِنْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ (٨٢)

سورۂ انفطار مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں انیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ﴿١﴾ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ

جب آسمان پھٹ جاوے گا اور جب ستارے (ٹوٹ کر) جھڑ پڑیں گے اور

انْتَثَرَتْ ﴿٢﴾ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ﴿٣﴾

جب سب دریا (شور اور شیریں) بہہ پڑیں گے

اور بہہ کر ایک ہو جاویں گے جیسا اوپر کی سورت میں سجرت کی تفسیر میں بیان ہوا ہے یہ تینوں واقعات تو نفخہ اولی کے ہیں آگے نفخہ ثانیہ کے بعد کا واقعہ ہے۔

وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ﴿٤﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ

اور جب قبریں اکھاڑ دی جاویں گی (یعنی ان میں کے مردے نکل کھڑے ہوں

وَاَخَّرَتْ ﴿٥﴾ یٰٓاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ

گے اس وقت) ہر شخص اپنے اگلے اور پچھلے اعمال کو جان لے گا اے انسان تجھ کو کس

الْكَرِیْمِ ﴿٦﴾ الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ

چیز نے تیرے ایسے رب کریم کے ساتھ بھول میں ڈال رکھا ہے جس نے تجھ کو

فَعَدَلَكَ ﴿٧﴾

(انسان) بنایا پھر تیرے اعضاء کو درست کیا پھر تجھ کو (مناسب) اعتدال پر بنایا

اوران واقعات کا مقتضا یہ تھا کہ انسان خواب غفلت سے بیدار ہوتا اس لئے آگے خواب غفلت پر تفریع ہے۔

یعنی اعضاء میں تناسب رکھا

فِیۡۤ اَیِّ صُوۡرَۃٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ ؕ﴿۸﴾

(اور) جس صورت میں چاہا تجھ کو ترکیب دیدیا

یعنی پیدا کرنا اور انسان بنانا اور اعضاء میں اعتدال رکھنا تو سب انسانوں میں مشترک ہے اس کے بعد پھر ہر ایک کی صورت الگ الگ طور پر بنائی اور ماغرک سے پہلے انجام کا ذکر ہے اور اس کے بعد ابتداء کا ذکر ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ غفلت سے روکنے والی دو حالتیں موجود ہیں پھر بھی غفلت سے باز نہیں آتا اور کریم کی صفت اس لئے بڑھائی کہ اس کا کریم ہونا اس کو مقتضی ہے کہ اس کی طرف زیادہ توجہ کی جائے۔

کَلَّا بَلۡ تُکَذِّبُوۡنَ بِالدِّیۡنِ ۙ﴿۹﴾ وَ اِنَّ

(اور ان امور کا مقتضا یہ ہے کہ تم کو) ہرگز (مغرور) نہیں (ہونا چاہئے مگر تم باز نہیں آتے) بلکہ تم (اس وجہ سے دھوکہ میں پڑ گئے ہو کہ

عَلَیۡکُمۡ لَحٰفِظِیۡنَ ﴿ۙ۱۰﴾

تم) جزاوسزا (ہی) کو جھٹلاتے ہو

حالانکہ جزاوسزا کا یاد کرنا غفلت سے مانع تھا مگر تمہارا یہ جھٹلانا خالی نہ جاویگا۔

کِرَامًا کَاتِبِیۡنَ ﴿ۙ۱۱﴾ یَعۡلَمُوۡنَ مَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿۱۲﴾

اور تم پر (تمہارے سب اعمال) یاد رکھنے والے معزز لکھنے والے مقرر ہیں جو تمہارے سب افعال کو جانتے ہیں

اور لکھتے ہیں پس قیامت میں یہ سب اعمال پیش ہوں گے جس میں تمہارا جھٹلانا بھی داخل ہے اور سب پر مناسب سزا ملے گی اور اس آیۃ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے دل کی باتوں کو بھی جانتے ہیں کیونکہ بظاہر ماتفعلون اس کو بھی عام ہے مگر ایک حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض نیک کام جو دل سے ہوتے ہیں کراما کاتبین سے بھی مخفی رہتے ہیں حق تعالیٰ ہی کو اس کا علم ہے چنانچہ حصن حصین کے حواشی میں مرقاۃ کے حوالے سے حضرت عائشہؓ کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ وہ ذکر خفی جس کو اعمال لکھنے والے فرشتے بھی نہیں سنتے ستر درجہ فضیلت میں زیادہ ہے مگر اس سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ فرشتوں کو دل کے افعال کی مطلقاً خبر نہیں ہوتی کیونکہ احادیث میں تصریح ہے کہ نیک کام کے ارادہ پر ثواب لکھا جاتا ہے اب یہ تفصیل باقی رہی کہ کس قسم کے کاموں کی ان کو اطلاع ہوتی ہے اور کس قسم کے کاموں کی نہیں ہوتی سو یہ بات میری نظر سے نہیں گزری اور یہ سب تقریر اس حدیث کے صحیح ہونے کی صورت پر ہے ورنہ استثناء کی ضرورت نہیں ہے۔

اِنَّ الۡاَبۡرَارَ لَفِیۡ نَعِیۡمٍ ﴿ۚ۱۳﴾ وَ اِنَّ الۡفُجَّارَ

نیک لوگ بیشک آسائش میں ہوں گے اور بدکار (یعنی کافر) لوگ بیشک

لَفِیۡ جَحِیۡمٍ ﴿ۚۖ۱۴﴾ یَّصۡلَوۡنَہَا یَوۡمَ الدِّیۡنِ ﴿۱۵﴾

دوزخ میں ہوں گے روز جزا (وسزا) کو اس میں داخل ہوں گے اور (پھر

وَ مَا ہُمۡ عَنۡہَا بِغَآئِبِیۡنَ ﴿ؕ۱۶﴾ وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ

داخل ہو کر) اس سے باہر نہ ہوں گے (بلکہ اس میں خلود ہوگا) اور آپ کو کیا

مَا یَوۡمُ الدِّیۡنِ ﴿ۙ۱۷﴾ ثُمَّ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا

کچھ خبر ہے کہ وہ روز جزا کیسا ہے (اور ہم) پھر (مکرر کہتے ہیں کہ) آپ کو

یَوۡمُ الدِّیۡنِ ﴿ؕ۱۸﴾

کچھ خبر ہے کہ وہ روز جزا کیسا ہے

بار بار سوال کرنے سے مقصود اس دن کی ہیبت اور ہول کو ظاہر کرنا ہے۔

یَوۡمَ لَا تَمۡلِکُ نَفۡسٌ لِّنَفۡسٍ شَیۡـًٔا ؕ

وہ ایسا دن ہے جس میں کسی شخص کا کسی شخص کے نفع کے لئے کچھ بس نہ چلے گا

وَ الۡاَمۡرُ یَوۡمَئِذٍ لِّلّٰہِ ﴿٪۱۹﴾

اور تمام تر حکومت اس روز اللہ ہی کی ہوگی

سورۃ التطفیف مختلف فیہا وآیہا ست و ثلثون کذافی البیضاوی والاقرب کون بعضہا مکیۃ و بعضہا مدنیۃ

ربط: اس میں بھی اگلی پچھلی سورتوں کی طرح اعمال کی جزاوسزا کا بیان ہے اور چونکہ یہ مقام عدل کے بیان کا ہے اس مناسبت سے بعض ان اعمال پر جو کہ حقوق العباد سے تعلق رکھتے ہیں اور عدل کے خلاف ہیں جیسے ناپ تول میں کمی کرنا اس پر خصوصیت کے ساتھ وعید مذکور ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم ويل للمطففين تا ما كانوا يفعلون

(۸۳) سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ مَكِّيَّةٌ (۸۶)

سورۂ مطففین مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں چھتیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والے ہیں

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ﴿١﴾ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى

بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی کہ

النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ﴿٢﴾ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ

جب لوگوں سے (اپنا حق) ناپ کر لیں تو پورا لیں

وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ﴿٣﴾

اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا کر دیں

لوگوں سے اپنا حق پورا لینا اگرچہ برا نہیں مگر یہاں اس کے بیان کرنے سے خود اس کی مذمت کرنا مقصود نہیں بلکہ کم دینے کی مذمت تاکید کے ساتھ بیان کرنا مقصود ہے مطلب یہ ہے کہ کم دینا اگرچہ فی نفسہ برا ہے لیکن اس کے ساتھ اگر دسروں کو ذرا بھی رعایت نہ کی جائے تو یہ بہت زیادہ مذموم ہے بخلاف اس شخص کے جو دوسروں کے ساتھ رعایت بھی کرتا ہے کہ اس میں اگر ایک عیب ہے تو ایک ہنر بھی ہے اس لئے پہلے شخص کا عیب بہت سخت ہے آگے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کو دھمکی دیتے ہیں

اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ﴿٤﴾ لِيَوْمٍ

(آگے مطففین کو تہدید ہے کہ) کیا ان لوگوں کو اس کا یقین نہیں ہے کہ وہ

عَظِيْمٍ ﴿٥﴾ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ

ایک بڑے سخت دن میں زندہ کر کے اٹھائے جاویں گے جس دن تمام رب

الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦﴾

العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے

یعنی اس روز سے ڈرنا چاہئے اور کم دینے سے توبہ کرنا چاہئے اس بعث وجزا کو سن کر جو مومن تھے وہ ڈر گئے اور جو کافر تھے وہ انکار کرنے لگے اس لئے آگے انکار پر رد فرما کر فریقین کی جزا کی تفصیل بیان فرماتے ہیں پس ارشاد ہے کہ جیسا کفار لوگ جزا وسزا کے منکر ہیں (آگے ترجمہ)

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ﴿٧﴾

ہرگز (ایسا) نہیں ہوگا بدکار (یعنی کافر) لوگوں کا نامہ عمل سجین میں رہے گا

بلکہ جزا وسزا ضرور ہوگی اور جن اعمال پر جزا وسزا ہوگی وہ بھی سب منضبط اور محفوظ ہیں آگے اس مجموعہ کا بیان ہے۔ وہ ایک مقام ہے ساتویں زمین میں جہاں کفار کی روحیں رہتی ہیں اور کفار کے نامہ اعمال کا اس مقام پر رہنا بھی مجاہد وعبداللہ بن عمرؓ سے درمنثور میں نقل کیا ہے۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ﴿٨﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿٩﴾

اور آگے تہویل کے لئے سوال ہے کہ) آپ کو کچھ معلوم ہے کہ سجین میں رکھا ہوا نامہ اعمال کیا چیز ہے وہ ایک نشان کیا ہوا دفتر ہے

نشان سے مراد مہر ہے جیسا کہ درمنثور میں کعب احبار سے مروی ہے پس مقصود یہ ہوگا کہ اس میں تغیر وتبدل کا کچھ احتمال نہیں حاصل یہ کہ سب اعمال محفوظ ومنضبط ہیں جس سے جزا وسزا کا انصاف کے ساتھ ہونا ثابت ہوا آگے ان اعمال کی جزا کا بیان ہے۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١٠﴾ الَّذِيْنَ

اس روز (یعنی قیامت کے روز) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی جو روز

يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿١١﴾ وَمَا

جزا کو جھٹلاتے ہیں اور اس (روز جزا) کو تو وہی شخص جھٹلاتا ہے جو حد

يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿١٢﴾

(عبودیت) سے گزرنے والا ہو (اور) مجرم ہو (اور) جب

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ

اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاویں تو یوں کہہ دیتا ہو کہ بے سند باتیں

الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٣﴾

ہیں اگلوں سے منقول چلی آتی ہیں

مقصود یہ بتلانا ہے کہ جو شخص قیامت کا منکر ہے وہ بندگی سے گزرنے والا اور مجرم اور قرآن کو جھٹلانے والا ہے آگے قیامت کی تکذیب پر دھمکی ہے۔

كَلَّا بَلْ سكتة رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا

ہرگز ایسا نہیں بلکہ (اصلی وجہ ان کی تکذیب کی یہ ہے کہ) ان کے دلوں پر ان کے

يَكْسِبُونَ ﴿١٤﴾ كَلَّآ إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ

اعمال (بد) کا زنگ بیٹھ گیا ہے ہرگز ایسا نہیں یہ لوگ اس روز (ایک تو) اپنے

لَّمَحْجُوبُونَ ﴿١٥﴾ ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُوا

رب (کا دیدار دیکھنے) سے روک دئے جاویں گے پھر (صرف اسی پر اکتفا نہ ہو

الْجَحِيمِ ﴿١٦﴾ ثُمَّ يُقَالُ هَٰذَا الَّذِي كُنتُم

گا) یہ دوزخ میں داخل ہونگے پھر (ان سے) کہا جاوے گا کہ یہی ہے جس کو تم

بِهِ تُكَذِّبُونَ ﴿١٧﴾ كَلَّآ

جھٹلایا کرتے تھے (یہ جو مومنین کے اجر وثواب کے منکر ہیں) ہرگز ایسا نہیں

جیسا کہ یہ لوگ قیامت کو غلط سمجھ رہے ہیں بلکہ وہ ضرور واقع ہوگی اور کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ یہ لوگ جو قیامت کے منکر ہیں تو شاید ان کے پاس کوئی دلیل ہوگی جس سے یہ استدلال کرتے ہوں گے ہرگز نہیں۔

جس سے حق بات قبول کرنے کی استعداد خراب ہوگئی پس محض عناد کی وجہ سے انکار کرنے لگے آگے پھر اس انکار پر دھمکی ہے۔

بلکہ ان کا اجر وثواب ضرور ہونے والا ہے جس کا بیان یہ ہے کہ (آگے ترجمہ دیکھو)۔

إِنَّ كِتَابَ الْأَبْرَارِ لَفِي عِلِّيِّينَ ﴿١٨﴾

نیک لوگوں کا نامہ عمل علیین میں رہے گا

یہ ایک مقام ساتویں آسمان میں ارواح مومنین کا مستقر ہے کذا فی تفسیر ابن کثیر عن کعب۔

وَمَآ أَدْرَاكَ مَا عِلِّيُّونَ ﴿١٩﴾ كِتَابٌ مَّرْقُومٌ ﴿٢٠﴾

اور (آگے تفخیم کے لئے سوال ہے کہ) آپ کو کچھ معلوم ہے کہ علیین میں رکھا ہوا

يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُونَ ﴿٢١﴾

نامہ عمل کیا چیز ہے وہ ایک نشان کیا ہوا دفتر ہے جس کو مقرب فرشتے (شوق سے) دیکھتے ہیں

اور یہ مومن کے لئے بڑی عزت کی بات ہے روح المعانی میں حضرت کعب سے روایت ہے کہ جب ملائکہ مومن کی روح کو قبض کر کے لے جاتے ہیں تو ہر آسمان کے مقرب فرشتے اس کے ساتھ ہوتے جاتے ہیں یہاں تک کہ ساتویں آسمان پر پہنچ کر اس روح کو رکھ دیتے ہیں پھر فرشتے عرض کرتے ہیں کہ ہم اس کا نامہ اعمال دیکھنا چاہتے ہیں جو ان کو کھول کر

دکھلایا جاتا ہے اور آگے ان کی جزاء آخرت کا بیان ہے۔

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ﴿٢٢﴾ عَلَى

(آگے ان کی جزائے آخرت کا بیان ہے کہ) نیک لوگ بڑی

الْأَرَائِكِ يَنظُرُونَ ﴿٢٣﴾ تَعْرِفُ فِي

آسائش میں ہوں گے مسہریوں پر (بیٹھے بہشت کے عجائبات)

وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ ﴿٢٤﴾ يُسْقَوْنَ

دیکھتے ہوں گے اے مخاطب تو ان کے چہروں میں آسائش کی بشاشت

مِن رَّحِيقٍ مَّخْتُومٍ ﴿٢٥﴾ خِتَامُهُ مِسْكٌ

پہچانے گا (اور) ان کے پینے کے لئے شراب خالص سر بمہر جس پر مشک کی

وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ﴿٢٦﴾

مہر ہوگی ملے گی اور حرص کرنے والوں کو ایسی چیز کی حرص کرنا چاہئے

کہ حرص کے لائق یہ ہے خواہ صرف شراب مراد لی جائے خواہ کل نعماء جنت یعنی لائق تحصیل یہ نعمتیں ہیں نہ کہ نعماء دنیا اور ان کی تحصیل کا طریقہ نیک اعمال ہیں پس اس میں کوشش کرنا چاہئے۔

وَمِزَاجُهُ مِن تَسْنِيمٍ ﴿٢٧﴾

اور اس (شراب) کی آمیزش تسنیم (کے پانی) کی ہوگی

قاعدہ ہے کہ شراب میں پانی ملا کر پیتے ہیں تو اس شراب کی آمیزش کے لئے تسنیم کا پانی ہوگا آگے تسنیم کی شرح ہے

عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ ﴿٢٨﴾

یعنی ایک ایسا چشمہ جس سے مقرب بندے پئیں گے

یعنی مقربین کو تو خالص پینے کے لئے اس کا پانی ملے گا اور اصحاب الیمین کو اس کا پانی دوسری شراب میں ملا کر ملے گا (کذا فی الدر) اور یہ مہر لگنا اکرام وتعظیم کی علامت ہے ورنہ وہاں حفاظت کی کوئی ضرورت نہیں اور مشک کی مہر کا یہ مطلب ہے کہ جس طرح قاعدہ ہے کہ لاکھ وغیرہ لگا کر اس پر مہر کیا کرتے ہیں وہاں شراب کے برتن کے منہ پر مشک لگا کر اس پر مہر کر دی جاوے گی یہاں تک فریقین کی جزاء آخرت کا الگ الگ بیان تھا آگے دونوں کا مجموعی حال دنیا وآخرت کا مذکور ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ

(آگے مجموعہ فریقین کا مجموعہ حال دنیا وآخرت مذکور ہے یعنی) جو لوگ مجرم تھے (یعنی کافر) وہ ایمان والوں سے (دنیا میں تحقیراً) ہنسا کرتے تھے اور یہ

آمَنُوا يَضْحَكُونَ ﴿٢٩﴾ وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ

(ایمان والے) جب ان (کافروں) کے سامنے سے ہو کر گزرتے تھے تو

يَتَغَامَزُونَ ﴿٣٠﴾

آپس میں آنکھوں سے اشارہ کرتے تھے

مطلب یہ کہ ان کے ساتھ استہزاء وتحقیر سے پیش آتے تھے۔

وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمُ انْقَلَبُوا

اور جب اپنے گھروں کو جاتے تو (وہاں بھی ان کا تذکرہ کر کے)

فَكِهِينَ ﴿٣١﴾

دل لگیاں کرتے

مطلب یہ کہ غیبت وحضور ہر حالت میں ان کی تحقیر واستہزاء کا مشغلہ رہتا البتہ حضور میں اشارے چلا کرتے اور غیبت میں صراحۃً تذکرہ کرتے۔

وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَٰؤُلَاءِ

اور جب ان کو دیکھتے تو یوں کہا کرتے کہ یہ لوگ یقیناً غلطی میں ہیں (کیونکہ

لَضَالُّونَ ﴿٣٢﴾ وَمَا أُرْسِلُوا عَلَيْهِمْ حَافِظِينَ ﴿٣٣﴾

کفار اسلام کو غلطی سمجھتے تھے) حالانکہ یہ (کافر) ان (مسلمانوں) پر نگرانی کرنے والے کر کے نہیں بھیجے گئے

یعنی ان کو اپنا فکر کرنا چاہئے تھا ان کے پیچھے کیوں پڑ گئے پس ان سے دو غلطیاں ہوئیں اول اہل حق کے ساتھ استہزاء پھر اپنی اصلاح سے بے فکری۔

فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ

سو آج (قیامت کے دن) ایمان والے کافروں پر

يَضْحَكُونَ ﴿٣٤﴾ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنظُرُونَ ﴿٣٥﴾

ہنستے ہوں گے۔ مسہریوں پر (بیٹھے ان کا حال)

هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾

دیکھ رہے ہوں گے واقعی کافروں کو ان کے کئے کا خوب بدلہ ملے گا

سورۃ الانشقاق مکیۃ وایھا خمس و عشرون

ربط: اس میں بھی سورت سابقہ کی طرح جزا وسزا کی تفصیل ہے

اذاالسماء انشقت تا غیر ممنون

(٨٤) سُورَةُ الْإِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ (٨٣)

سورۂ انشقاق مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں پچیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ ﴿١﴾

جب (نفخہ ثانیہ کے وقت) آسمان پھٹ جاوے گا

تاکہ اس میں سے ایک بادل کا اور فرشتوں کا نزول ہو جس کا ذکر انیسویں پارہ آیۃ یوم تشقق السمآء بالغمام میں آیا ہے۔

وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا

تاکہ اس میں سے غمام اور ملائکہ کا نزول ہو) اور اپنے رب کا حکم سن لے گا

یہاں حکم سے تکوینی حکم مراد ہے یعنی اس کو جو پھٹنے کا حکم ہوگا تو وہ اس کو مان لے گا سننے سے مراد حکم ماننا ہے

وَحُقَّتْ ﴿٢﴾

اور وہ (آسمان) اسی لائق ہے

کہ جس امر کی مشیت اس کے متعلق ہو اس کا وقوع ضرور ہو جائے

وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ ﴿٣﴾

اور جب زمین کھینچ کر بڑھا دی جائے گی

جس طرح چمڑا یا ربڑ کھینچا جاتا ہے پس اس وقت کی مقدار سے اس وقت مقدار زیادہ ہو جاوے گی تاکہ سب اولین وآخرین اس میں سما جاویں جیسا درمنثور میں بسند جید حاکم کی روایت سے مرفوعاً وارد ہے۔

وَأَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ ﴿٤﴾ وَأَذِنَتْ

اور وہ زمین اپنے اندر کی چیزوں کو (یعنی مردوں کو باہر) اگل دے گی اور خالی

لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝۵

ہو جاوے گی اور اپنے رب کا حکم سن لے گی اور وہ اسی لائق ہے

پس اس وقت انسان اپنے اعمال کو دیکھے گا جیسا آگے ارشاد ہے کہ (آگے ترجمہ)

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ

اے انسان تو اپنے رب کے پاس پہنچنے تک (یعنی مرنے کے وقت تک) کام میں کوشش کر رہا ہے

کہ کوئی نیک کام میں لگا ہوا ہے کوئی برے کام میں۔

كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۝۶ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ

پھر (قیامت میں) اس (کام کی جزا) سے جا ملے گا تو (اس روز)

كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۝۷ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ

جس شخص کا نامہ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں ملے گا سو اس سے

حِسَابًا يَّسِيْرًا ۝۸ وَّيَنْقَلِبُ اِلٰٓى اَهْلِهٖ

آسان حساب لیا جاوے گا اور وہ (اس سے فارغ ہو کر) اپنے متعلقین کے

مَسْرُوْرًا ۝۹

پاس خوش خوش آئے گا

آسان حساب کے مراتب مختلف ہیں ایک یہ کہ اصلا اس پر عذاب مرتب نہ ہو بعض کے لئے تو یہ ہوگا دوسرا یہ کہ اس پر عذاب ہمیشہ کا نہ ہو پہلی صورت میں غیر معذبین کے لئے ہوگی اور یہ دوسری عام مومنین کے لئے اور مطلق عذاب اس کے منافی نہیں۔

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۝۱۰

اور جس شخص کا نامہ اعمال (اس کے بائیں ہاتھ میں) اس کی پیٹھ کے پیچھے سے ملے گا

مراد اس سے کفار ہیں اور پشت کی طرف سے ملنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اس کی مشکیں کسی ہوئی ہوں گی تو بایاں ہاتھ بھی پشت کی طرف ہو گا دوسری صورت مجاہد کا قول ہے کہ اس کا ہاتھ پشت کی طرف نکال دیا جاوے گا کذا فی الدر منثور۔

فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۝۱۱

سو وہ موت کو پکارے گا

جیسا کہ مصیبت کے وقت موت کو پکارنے کی عام عادت ہے۔

وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ۝۱۲ اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ

اور جہنم میں داخل ہوگا یہ شخص (دنیا میں) اپنے متعلقین میں خوش

مَسْرُوْرًا ۝۱۳

خوش رہا کرتا تھا

یہاں تک کہ فرط خوشی میں آخرت کی تکذیب کرنے لگا تھا جیسا کہ آگے ارشاد ہے۔

اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ۝۱۴ بَلٰٓى ۚ اِنَّ

(یہاں تک کہ فرط خوشی میں آخرت کی تکذیب کرتا تھا) اس نے خیال کر رکھا تھا کہ اسے خدا کی طرف سے لوٹنا نہیں ہے (آگے رد ہے اس خیال کا کہ

رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ۝۱۵

لوٹنا) کیوں نہ ہوتا اس کا رب اس کو خوب دیکھتا تھا

اور اسکے اعمال پر جزا دینے کا ارادہ کر چکا تھا پس جزا و سزا کا ہونا ضروری تھا۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ۝۱۶ وَالَّيْلِ وَمَا

سو (اس بنا پر) میں قسم کھا کر کہتا ہوں شفق کی اور رات کی اور ان چیزوں کی

وَسَقَ ۝۱۷

جن کو رات سمیٹ (کر جمع کر) لیتی ہے

مراد وہ سب جاندار ہیں جو رات کو آرام کرنے کیلئے اپنے ٹھکانے آجاتے ہیں۔

وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ۝۱۸ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ

اور چاند کی جب وہ پورا ہو جاوے کہ تم لوگوں کو ضرور ایک حالت کے بعد

طَبَقٍ ۝۱۹

دوسری حالت پر پہنچنا ہے

یہ تفصیل ہے اس مضمون کی جس کو اوپر اس عنوان سے بیان فرمایا تھا کہ اے انسان تو اپنے رب کے پاس پہنچنے تک کام میں لگا ہوا ہے پھر قیامت میں اس کی جزا سے جا ملے گا وہاں جزاء عمل سے ملنے کو اجمالاً بیان فرمایا تھا یہاں اس کی تفصیل ہے اور وہ حالتیں چند ہیں ایک تو موت ہے اس کے بعد برزخ کے احوال پھر قیامت کے احوال پھر ان میں بھی ہر حالت کے ساتھ متعدد حالتیں

ہوں گی اوران قسموں کواس مقام سے یہ مناسبت ہے کہ رات کومختلف حالتیں ہوتی ہیں کہ اول شفق نمودار ہوتی ہے پھر زیادہ رات آ جاتی ہے پھر لوگ سورہتے ہیں یہ سب مشابہ ہے بعد موت کے احوال مختلفہ کے کیونکہ موت سے عالم آخرت شروع ہوتا ہے جیسے شفق سے رات شروع ہوتی ہے پھر برزخ (یعنی قبر میں رہنا مشابہ ہے لوگوں کے سورہنے کے اور چاند کا کمی کے بعد پورا ہونا مشابہ ہے فناء عالم کے بعد قیامت میں دوبارہ حیات ہونے کے۔

فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٢٠﴾

سو (باوجود ان مقتضیات خوف اور ایمان کے اجتماع کے) ان لوگوں کو کیا ہوا کہ ایمان نہیں لاتے

اور خود تو ایمان کیا لاتے حق کی تلاش کیا کرتے ان کی عناد کی تو یہ حالت ہے کہ دوسروں کے کہنے کو بھی نہیں مانتے۔

وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ ﴿٢١﴾ السجدۃ

اور (ان کے عناد کی یہ حالت ہے کہ) جب ان کے روبرو قرآن پڑھا جاتا ہے تو (اس وقت بھی خدا کی طرف) نہیں جھکتے بلکہ یہ کافر (اور الٹی) تکذیب

بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ﴿٢٢﴾ وَاللّٰهُ

کرتے ہیں اور اللہ کو سب خبر ہے جو کچھ یہ لوگ (اعمال بد کا ذخیرہ) جمع کر

أَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ﴿٢٣﴾ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ

رہے ہیں سو (ان اعمال کفریہ کے سبب) آپ ان لوگوں کو ایک اور دردناک

أَلِيْمٍ ﴿٢٤﴾ إِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

عذاب کی خبر دیدیجئے لیکن جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کئے

الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿٢٥﴾

ان کے لئے (آخرت میں) ایسا اجر ہے جو کبھی موقوف ہونے والا نہیں

عمل صالح کی قید شرط کے طور پر نہیں ہے کیونکہ مومن اگر گنہگار بھی ہو اس کو بھی ایسا ہی اجر ملے گا جو کبھی منقطع نہ ہو یعنی جنت بلکہ سبب کے طور پر ہے کہ نیک کاموں کی بدولت یہ ثواب جلدی مل جاوے گا ورنہ تھوڑا سا عذاب بھگتنا پڑے گا ہاں خدا تعالیٰ معاف کردیں تو اور بات ہے۔

سورة البروج مكية و ايها اثنتان و عشرون

ربط: اوپر کی سورتوں میں کفار ومومنین کی جزاوسزا کا بیان تھا اس سورت میں کفار کے مخالفانہ معاملات میں مسلمانوں کو تسلی اور اس کے بعد کفار کو عذاب کی دھمکی ہے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ والسماء تا لوح محفوظ

(۸۵) سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ مَكِّيَّةٌ (۲۷)

سورۂ بروج مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں بائیس (۲۲) آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ﴿١﴾ وَالْيَوْمِ

قسم ہے برجوں والے آسمان کی (مراد برجوں سے بڑے بڑے ستارے

الْمَوْعُوْدِ ﴿٢﴾

ہیں) اور (قسم ہے) وعدے کئے ہوئے دن کی

اس سورت میں ایک قصہ کا اجمالاً ذکر ہے جو صحیح مسلم میں مذکور ہے۔
خلاصہ اس کا یہ ہے کہ کوئی بادشاہ کافر تھا اس کے پاس ایک کاہن تھا اس نے بادشاہ سے کہا کہ مجھ کو کوئی ہوشیار لڑکا دیا جائے تو اس کو اپنا علم سکھادوں چنانچہ ایک لڑکا تجویز کیا گیا اس کے راستے میں ایک راہب رہتا تھا کہ دین حق اس وقت عیسوی تھا وہ لڑکا اس کے پاس بھی آنے جانے لگا اور خفیہ مسلمان ہوگیا ایک بار لڑکے نے دیکھا کہ شیر نے راستہ روک رکھا ہے اور خلقت پریشان ہے اس نے ایک پتھر ہاتھ میں لے کر دعا کی کہ اے اللہ اگر راہب کا دین سچا ہے تو یہ جانور میرے پتھر سے مارا جائے اور یہ کہہ کر وہ پتھر مارا تو شیر کے لگا اور وہ ہلاک ہوگیا لوگوں میں شور ہوگیا کہ اس لڑکے کو کوئی عجیب علم آتا ہے کسی اندھے نے سنا آکر درخواست کی کہ میری آنکھیں اچھی ہوجائیں لڑکے نے کہا کہ بشرطیکہ تو مسلمان ہوجاوے چنانچہ اس نے قبول کیا لڑکے نے دعا کی وہ اچھا ہوگیا اور مسلمان ہوگیا بادشاہ کو یہ خبریں پہنچیں تو اس راہب کو اور لڑکے کو اور اس اندھے کو گرفتار کر کے بلایا راہب اور اندھے کو تو قتل کردیا اور لڑکے کے لئے حکم دیا کہ پہاڑ پر سے گرادیا جائے جب یہ پہاڑ پر لے جایا گیا تو جو لوگ اس کو لے گئے وہ خود ہلاک ہوگئے اور لڑکا صحیح وسالم چلا آیا پھر بادشاہ نے سمندر میں غرق کرنے کا حکم کیا اور اس سے بھی بچ گیا اور جو لوگ اس کو لے گئے تھے وہ سب ڈوب گئے پھر خود لڑکے نے بادشاہ سے کہا کہ بسم اللہ کہہ کر میرے تیر مارو تو مرجاؤں گا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور لڑکا مرگیا پس اس واقعہ عجیبہ کو دیکھ کر یک لخت عام لوگوں کی زبان سے نعرہ بلند ہوا کہ ہم سب اللہ پر ایمان لاتے ہیں بادشاہ بڑا پریشان ہوا اور ارکان سلطنت کے مشورہ سے بڑی بڑی خندقیں آگ سے بھر کر اشتہار دیا کہ جو شخص اسلام سے نہ پھرے گا اس کو آگ میں جلادیں گے چنانچہ بہت آدمی جلائے گئے پس اس سورت میں اس کے مغضوب ہونے

کو قسم سے بیان فرماتے ہیں کہ (آگے ترجمہ)۔ مراد قیامت کا دن ہے۔

وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ﴿٣﴾

اور حاضر ہونے والے کی اور (قسم ہے) اس (دن) کی جس میں (لوگوں کی) حاضری ہوتی ہے

حدیث ترمذی میں مرفوعاً ہے کہ یوم موعود قیامت کا دن ہے اور شاہد جمعہ کا دن ہے اور مشہود عرفہ کا دن ہے اور ایک دن کو شاہد اور دوسرے دن کو مشہود شاید اس لئے فرمایا کہ جمعہ کے دن تو سب اپنی اپنی جگہ رہتے ہیں تو گویا وہ دن خود آتا ہے اور عرفہ کے دن حجاج اپنے اپنے مقامات سے سفر کر کے عرفہ میں اس روز کے قصد سے جمع ہوتے ہیں تو گویا وہ دن مقصود اور دوسرے لوگ حاضری کا قصد کرنے والے ہیں آگے جواب قسم ہے

قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ﴿٤﴾ النَّارِ

کہ خندق والے یعنی بہت سے ایندھن کی آگ والے

ذَاتِ الْوَقُوْدِ ﴿٥﴾ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ﴿٦﴾

ملعون ہوئے جس وقت وہ لوگ اس (آگ) کے

وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ

آس پاس بیٹھے ہوئے تھے اور وہ جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ (ظلم وستم) کر

شُهُوْدٌ ﴿٧﴾

رہے تھے اس کو دیکھ رہے تھے

ان کے ملعون ہونے کی خبر دینے سے مومنین کی تسلی ظاہر ہے کہ اسی طرح جو کافر مسلمانوں پر ظلم کر رہے ہیں وہ بھی گرفتار لعنت ہوں گے۔

وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ

اور ان کافروں نے مسلمانوں میں کوئی عیب نہیں پایا بجز اس کے کہ

الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴿٨﴾ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ

وہ خدا پر ایمان لے آئے تھے جو زبردست اور سزاوار حمد ہے۔ ایسا کہ اس کی

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی

یعنی ایمان لے آنے پر یہ معاملہ کیا اور ایمان لانا کوئی خطا نہیں پس بے خطا ان پر ظلم کیا اس لئے وہ لوگ ملعون ہوئے۔

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿٩﴾

اور آگے ظالموں کے لئے عام وعید ہے اور مظلوموں کے لئے عام وعدہ ہے) اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے

مظلوم کی مظلومیت سے بھی پس اس کی مدد کرے گا اور ظالم کی ظالمیت سے بھی پس اس کو سزا دے گا خواہ یہاں خواہ وہاں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ

جنہوں نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو تکلیف پہنچائی

ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ

پھر توبہ نہیں کی تو ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے اور

وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ﴿١٠﴾

(جہنم میں بالخصوص) ان کے لئے جلنے کا عذاب ہے

عذاب میں ہر طرح کی تکلیف داخل ہے سانپ بچھو طوق زنجیریں گرم پانی لہو پیپ پینا وغیرہ اور ان سب میں جلنے کا عذاب سخت ہے اس لئے اس کو خصوصیت سے بیان فرمایا یہ تو ظالم کے حق میں وعید تھی آگے مومنین کے لئے جس میں مظلوم بھی آگئے وعدہ ارشاد ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ

(آگے مومنین کے حق میں جن میں مظلومین بھی آگئے ارشاد ہے کہ) بیشک

جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۬ ذٰلِكَ

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ان کے لئے (بہشت

الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ﴿١١﴾

کے) باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی (اور) یہ بڑی کامیابی ہے

اوپر دو مضمون تھے کفار کے لئے جہنم ہونا اور مومنین کے لئے جنت ہونا آگے ان کے مناسب اپنے بعض احوال و صفات ان دونوں مضمونوں کی تقریر کے لئے ارشاد فرماتے ہیں کہ (آگے ترجمہ)

اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ﴿١٢﴾ اِنَّهٗ هُوَ

آپ کے رب کی دار و گیر بڑی سخت ہے (پس کفار پر سزائے شدید واقع ہونا مستبعد نہیں اور نیز) وہی پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ (قیامت

يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ ﴿١٣﴾ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ﴿١٤﴾

میں بھی پیدا) کرے گا اور وہی بڑا بخشنے والا ہے اور بڑی محبت کرنے والا

ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ﴿١٥﴾

(اور) عرش کا مالک (اور) عظمت والا ہے

پس ایمان والوں کے گناہ معاف کردے گا اور ان کو اپنا محبوب بنالے گا۔

فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿١٦﴾

وہ جو چاہے سب کچھ کرگزرتا ہے

آگے مومنین کی تسلی اور کفار کی مزید سرزنش کے لئے بعض خاص مغضوبین کا حال بیان فرماتے ہیں۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ﴿١٧﴾ فِرْعَوْنَ

کیا آپ کو ان لشکروں کا قصہ پہنچا ہے یعنی فرعون

وَثَمُوْدَ ﴿١٨﴾

اور ثمود کا

کہ کس طرح کفر کیا اور کیونکہ گرفتار عذاب ہوئے اس سے مومنین کو تسلی حاصل کرنا چاہئے اور کفار کو ڈرنا چاہئے مگر کفار عذاب سے بالکل نہیں ڈرتے۔

بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ﴿١٩﴾ وَّاللّٰهُ

بلکہ یہ کافر (خود قرآن کی) تکذیب میں (لگے) ہیں اور (انجام کار اس کی

مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ ﴿٢٠﴾

سزا بھگتیں گے کیونکہ) اللہ ان کو ادھر ادھر سے گھیرے ہوئے ہے

اس کے قبضہ قدرت اور عذاب سے بچ نہیں سکتے اور ان کا قرآن کو جھٹلانا محض حماقت ہے ف اور ان قسموں کو اس مقام سے یہ مناسبت ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ کا تمام مکان وزمان کا مالک ہونا ظاہر ہے اور ایسے مالک الملک کی مخالفت کرنے والا یقیناً لعنت کا مستحق ہے۔

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿٢١﴾ فِيْ لَوْحٍ

(قرآن ایسی چیز نہیں جو جھٹلانے کے قابل ہو) بلکہ وہ ایک باعظمت قرآن

مَّحْفُوْظٍ ﴿٢٢﴾

ہے جو لوح محفوظ میں (لکھا ہوا) ہے

جس میں کوئی تغیر وتبدل کا احتمال نہیں وہاں سے نہایت حفاظت کے ساتھ صاحب وحی کے پاس پہنچایا جاتا ہے پس ایسی حالت میں تکذیب قرآن کی بلاشک جہالت وموجب عقوبت ہے۔

سورة الطارق مكية وآيها سبع عشرة

ربط اوپر مومنین کی تسلی کے ساتھ کفار کو وعید بھی تھی اس سورت میں وعید کو ثابت کرنے کے لئے بندوں کے اعمال کا محفوظ رہنا اور بعث کا ممکن ہونا اور واقع ہونا اور قیامت کی دلیل یعنی قرآن کا حق ہونا مذکور ہے اور پچھلی سورت کے اخیر میں بھی حقانیت قرآن کا مضمون تھا۔

بسم الله الرحمٰن الرحيم. والسماء والطارق تا رويدا

(٨٦) سُوْرَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ (٣٦)

سورہ طارق مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں سترہ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ﴿١﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ

قسم ہے آسمان کی اور اس چیز کی جو رات کو نمودار ہونے والی ہے اور آپ کو

مَا الطَّارِقُ ﴿٢﴾ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ﴿٣﴾

کچھ معلوم ہے کہ رات کو نمودار ہونے والی چیز کیا ہے وہ روشن ستارہ ہے

کوئی ستارہ ہو آگے جواب قسم ہے۔

اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ﴿٤﴾

کوئی شخص ایسا نہیں جس پر (اعمال کا) کوئی یاد رکھنے والا (فرشتہ) مقرر نہ ہو

مطلب یہ کہ ان اعمال پر محاسبہ ہونے والا ہے اور فرشتے ان کو لکھتے رہتے ہیں اور اس قسم کو مقصود سے یہ مناسبت ہے کہ جیسے آسمان پر ستارے ہر وقت محفوظ رہتے ہیں مگر ان کا ظہور خاص رات کے وقت ہوا کرتا ہے اسی طرح سب کام نامہ اعمال میں اس وقت بھی محفوظ ہیں مگر ان کا ظہور خاص قیامت کا دن ہوگا۔

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ﴿٥﴾ خُلِقَ

(جب یہ بات ہے) تو انسان کو (قیامت کی فکر چاہئے اور) دیکھنا چاہئے کہ

مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ﴿٦﴾ يَّخْرُجُ مِنْ بَيْنِ

وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے وہ ایک اچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو

الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ﴿٧﴾

پشت اور سینہ (یعنی تمام بدن) کے درمیان سے نکلتا ہے

مراد اس سے پانی سے منی ہے خواہ صرف مرد کی یا مرد و عورت دونوں کی اور عورت کی منی میں گو اچھلنے کی صفت مرد کی برابر نہیں ہوتی لیکن کچھ اندفاق ضرور ہوتا ہے اور سینہ و پشت چونکہ بدن کی دو طرفیں ہیں اس لئے یہ ہوسکتا ہے کہ ان دونوں کو بیان کر کے تمام بدن مراد لیا گیا ہو اور یہ اس لئے کہا گیا کہ منی تمام بدن میں پیدا ہو کر پھر جدا ہوتی ہے اور اس میں پشت اور سینہ کی تخصیص اس لئے ہوسکتی ہے کہ مادہ منویہ کے پیدا ہونے میں اعضاء رئیسہ کو خاص دخل ہے حاصل یہ کہ نطفہ سے انسان بنا دینا زیادہ عجیب ہے بہ نسبت دوبارہ پیدا کرنے کے۔

إِنَّهُ عَلَىٰ رَجْعِهِ لَقَادِرٌ ﴿٨﴾ يَوْمَ

تو اس سے ثابت ہوا کہ) (وہ اس کے دوبارہ پیدا کرنے پر ضرور قادر ہے

تُبْلَى السَّرَآئِرُ ﴿٩﴾

(اور یہ دوبارہ پیدا کرنا اس روز ہوگا) جس روز سب کی قلعی کھل جاوے گی

یعنی سب مخفی باتیں از قبیل عقائد باطلہ دنیات فاسدہ ظاہر ہو جائیں گی اور دنیا میں جس طرح موقعہ پر جرم سے مکر جاتے ہیں اور اس کو چھپا لیتے ہیں یہ بات وہاں ممکن نہ ہوگی۔

فَمَا لَهُ مِن قُوَّةٍ وَلَا نَاصِرٍ ﴿١٠﴾ وَالسَّمَآءِ

پھر اس انسان کو نہ تو خود (مدافعت کی) قوت ہوگی اور نہ اس کا کوئی حمایتی ہوگا

ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿١١﴾ وَالْأَرْضِ ذَاتِ

قسم ہے آسمان کی جس سے بارش ہوتی ہے اور زمین کی جو (بیج نکلتے وقت) پھٹ جاتی ہے (آگے جواب قسم ہے) کہ یہ قرآن (حق و باطل میں ایک

الصَّدْعِ ﴿١٢﴾ إِنَّهُ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿١٣﴾

فیصلہ کر دینے والا کلام ہے کوئی لغو چیز نہیں ہے

اور جس طرح وہ اپنی دلالت سے واقعی اور غیر واقعی باتوں میں فیصلہ کرنے والا ہے اسی طرح اپنی صفت اعجاز سے یہ فیصلہ کرتا ہے کہ وہ منجانب اللہ ہے جب قرآن کی حقانیت ثابت ہوگئی اور اس میں قیامت کے واقع ہونے کا ذکر ہے تو اس سے اس کی واقعیت بھی ثابت ہوگئی

وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿١٤﴾ إِنَّهُمْ يَكِيدُونَ

(ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ) یہ لوگ (نفی حق کے لئے) طرح طرح کی تدبیریں کر رہے ہیں اور میں بھی (ان کی ناکامی اور عقوبت کے لئے) طرح

كَيْدًا ﴿١٥﴾

طرح کی تدبیریں کر رہا ہوں

اور ظاہر ہے کہ میری تدبیر غالب آوے گی اور جب میرا تدبیر کرنا سن لیا (آگے ترجمہ)

وَأَكِيدُ كَيْدًا ﴿١٦﴾ فَمَهِّلِ الْكَافِرِينَ

تو آپ ان کافروں (کی مخالفت) کو یونہی رہنے دیجئے (اور زیادہ نہیں بلکہ)

أَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿١٧﴾

تھوڑے ہی دنوں رہنے دیجئے

پھر میں ان پر عقوبت نازل کروں گا خواہ قبل الموت یا بعد الموت

سورة الاعلیٰ مکية و ایها تسع عشرة

ربط: سورہ گذشتہ میں جزاء و آخرت کا ذکر تھا اس سورت میں بھی اصل مقصود فلاح آخرت کا مقصود ہونا اور اس کا طریقہ بتلانا ہے جو کہ تسبیح اور نماز اور تزکیہ اور ذات و صفات الٰہی کی معرفت ہے اور اس مقصود کو ثابت کرنے کے لئے دنیا کا فانی اور مضمحل ہونا اور طریق فلاح بتلانے کے لئے حضور کو قرآن کے ذریعہ سے لوگوں کی نصیحت کا حکم ہونا مذکور ہے اور قریب قریب اسی غرض سے پہلی سورت میں بھی قرآن کی حقانیت بیان کی گئی تھی۔ بسم الله الرحمن الرحيم سبح اسم ربک الاعلیٰ تا صحف ابراهيم و موسیٰ

(۸۷) سُوْرَةُ الْأَعْلٰى مَكِّيَّةٌ (۸)

سورۂ اعلیٰ مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں انیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ﴿١﴾ الَّذِي خَلَقَ

(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) آپ (اور جو مومن آپ کے ساتھ ہیں) اپنے پروردگار

فَسَوَّىٰ ﴿٢﴾

عالیشان کے نام کی تسبیح کیجئے جس نے (ہر شے کو) بنایا پھر اس کو ٹھیک بنایا

یعنی ہر شے کو مناسب طور پر بنایا

وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی ﴿۳﴾

اور جس نے تجویز کیا پھر راہ بتلائی

یعنی جانداروں کے لئے مناسب چیزیں تجویز کیں پھر جانداروں کو ان چیزوں کی طرف راہ بتلائی یعنی ان کی طبیعتوں میں ان چیزوں کا تقاضا پیدا کیا۔

وَالَّذِیْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی ﴿۴﴾

اور جس نے (زمین سے) چارا نکالا پھر اس کو سیاہ کوڑا کر دیا

اول عام تصرفات مذکور ہیں پھر حیوانات کے متعلق پھر نباتات کے متعلق اور مطلب یہ ہے کہ طاعات سے آخرت کا تہیہ چاہئے جہاں جزا و سزا ہونے والی ہے اور اسی طاعت کا طریقہ بتلانے کے لئے قرآن نازل ہوا ہے اور آپ کو اس کی تبلیغ کا امر کیا گیا ہے۔

فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰی ﴿۵﴾ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓی ﴿۶﴾

(اس قرآن کی نسبت ہم وعدہ کرتے ہیں کہ) ہم (جتنا) قرآن (نازل کرتے جاویں) آپ کو پڑھا دیا کریں گے (یعنی یاد کرا دیا کریں گے) پھر

اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا یَخْفٰی ﴿۷﴾

آپ (اس میں سے کوئی جز) نہیں بھولیں گے مگر جس قدر (بھلانا) اللہ کو منظور ہو کہ نسخ کا ایک طریقہ یہ بھی ہے وہ ظاہر اور مخفی کو جانتا ہے

پس اس سے کسی چیز کی مصلحت پوشیدہ نہیں جب محفوظ رکھنا مصلحت ہوتا ہے محفوظ رکھتے ہیں جب بھلا دینے میں مصلحت ہوتی ہے بھلا دیتے ہیں۔

وَنُیَسِّرُكَ لِلْیُسْرٰی ﴿۸﴾ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰی ﴿۹﴾

اور (اسی طرح) ہم اس آسان شریعت کے لئے آپ کو سہولت دیں گے (یعنی سمجھنا بھی آسان ہوگا اور عمل بھی آسان ہوگا) تو آپ نصیحت کیا کیجئے اگر نصیحت کرنا مفید ہوتا ہو

مگر ظاہر اور معلوم ہے کہ نصیحت فی نفسہ مفید ہی ہوتی ہے پس حاصل یہ ہوا کہ چونکہ نصیحت نفع کی چیز ہے اس لئے آپ نصیحت کیا کیجئے مگر باوجود فی نفسہ نافع ہونے کے یہ نہ سمجھئے کہ سب کو مفید ہوتی ہے اور سب ہی مان لیں گے۔

سَیَذَّكَّرُ مَنْ یَّخْشٰی ﴿۱۰﴾ وَیَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَی ﴿۱۱﴾

وہی شخص نصیحت مانتا ہے جو (خدا سے) ڈرتا ہے اور جو شخص بد نصیب ہو وہ اس

الَّذِیْ یَصْلَی النَّارَ الْكُبْرٰی ﴿۱۲﴾ ثُمَّ لَا یَمُوْتُ

سے گریز کرتا ہے جو (آخرکار) بڑی آگ میں (یعنی آتش دوزخ میں)

فِیْهَا وَلَا یَحْیٰی ﴿۱۳﴾

داخل ہوگا پھر نہ اس میں مر ہی جاوے گا اور نہ (آرام کی زندگی) جئے گا

حاصل یہ کہ نصیحت فی نفسہ نافع چیز ہے اور وجوب کے لئے یہی کافی ہے گو بعض جگہ کسی شرط کے نہ پائے جانے سے اس کا اثر ظاہر نہ ہو پس اول سورت سے یہاں تک کا خلاصہ یہ ہوا کہ آپ اپنی بھی تکمیل کیجئے اور دوسروں کو بھی اس کی تبلیغ کیجئے آگے نصیحت ماننے والوں کی حالت قدرے تفصیل سے مذکور ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰی ﴿۱۴﴾ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ

بامراد ہوا جو شخص (قرآن سن کر خبائث عقائد و اخلاق سے) سے پاک ہو گیا اور اپنے رب کا نام لیتا اور نماز پڑھتا رہا (مگر اے منکرو تم آخرت کا سامان نہیں کرتے) بلکہ تم

فَصَلّٰی ﴿۱۵﴾ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ﴿۱۶﴾

دنیوی زندگی کو مقدم رکھتے ہو حالانکہ آخرت (دنیا سے) بدرجہا بہتر اور پائیدار ہے

وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی ﴿۱۷﴾ اِنَّ هٰذَا لَفِی

(اور یہ مضمون صرف قرآن کا ہی دعویٰ نہیں بلکہ) یہ مضمون اگلے صحیفوں میں بھی ہے

الصُّحُفِ الْاُوْلٰی ﴿۱۸﴾ صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی ﴿۱۹﴾

یعنی ابراہیم اور موسیٰ (علیہما السلام) کے صحیفوں میں (پس زیادہ تر مؤکد ہوا)

روح المعانی میں حدیث مرفوع مذکور ہے کہ ابراہیم علیہ السلام پر دس صحیفے نازل ہوئے اور موسیٰ علیہ السلام پر بھی تورات سے پہلے دس نازل ہوئے۔

سورة الغاشية مكية و ايها ست و عشرون

ربط: اوپر کی سورۃ میں آخرت کی تیاری کرنے والے اور نہ کرنے والے کی جزا و سزا کا مقصوداً ذکر ہے اور قیامت کے ثابت کرنے کے لئے قدرت کا بیان ہے اور کفار اس کا انکار کرتے تھے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوتا تھا اس پر آپ کو تسلی دی گئی ہے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم هل اتک تا ایابهم

(۸۸) سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ (۶۸)

سورۂ غاشیہ مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں چھبیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ (۱)

آپ کو اس محیط عام واقعہ کی کچھ خبر پہنچی ہے (مراد اس واقعہ سے قیامت ہے)

کہ تمام عالم کو اس کا اثر محیط ہوگا اور استفہام سے مقصود شوق دلانا ہے آگے جواب کی صورت میں اس خبر کی تفصیل ہے۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ (۲) عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ (۳)

بہت سے چہرے اس روز ذلیل (اور) مصیبت جھیلتے اور (مصیبت جھیلنے سے)

تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً (۴) تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ

خستہ ہونگے (اور) آتش سوزاں میں داخل ہوں گے (اور) کھولتے ہوئے چشمے سے

اٰنِيَةٍ (۵) لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ (۶)

پانی پلائے جائیں گے (اور) ان کو بجز ایک خاردار جھاڑ کے کوئی کھانا نصیب نہ ہوگا جو

لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ (۷)

نہ تو (کھانے والوں کو) فربہ کرے گا اور نہ (ان کی) بھوک کو دفع کرے گا

یعنی اس میں نہ غذائیت ہے نہ بھوک کا دفعیہ اور مصیبت جھیلنے سے مراد حشر میں پریشان پھرنا اور دوزخ میں سلاسل واغلال کا لادنا دوزخ کے پہاڑوں پر چڑھنا ہے اس کے اثر سے خستگی ظاہر ہے یہ تو دوزخیوں کا حال ہوا آگے اہل جنت کا حال ہے۔ (آگے ترجمہ)

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ (۸) لِّسَعْيِهَا

بہت سے چہرے اس روز بارونق (اور) اپنے (نیک) کاموں

رَاضِيَةٌ (۹) فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ (۱۰) لَّا تَسْمَعُ

کی بدولت خوش ہوں گے (اور) بہشت بریں میں ہونگے

فِيْهَا لَاغِيَةً (۱۱) فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ (۱۲)

جس میں کوئی لغو بات نہ سنیں گے اس بہشت میں بہتے ہوئے چشمے ہونگے

فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ (۱۳) وَّاَكْوَابٌ

اس (بہشت) میں اونچے اونچے تخت (بچھے) ہیں اور رکھے ہوئے آبخورے

مَّوْضُوْعَةٌ (۱۴)

(موجود) ہیں

یعنی یہ سامان ان کے سامنے ہی موجود ہوگا تاکہ جب پینے کو جی چاہے دیر نہ لگے۔

وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ (۱۵) وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ (۱۶)

اور برابر لگے ہوئے گدے (تکیے) ہیں اور سب طرف قالین (ہی قالین) پھیلے پڑے ہیں

کہ جہاں چاہیں آرام کرلیں ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا بھی نہ پڑے یہ تفصیل ہوگئی جزا کی اور ان مضامین کو سن کر بعضے لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں جس میں یہ سب واقعات ہوں گے (آگے ترجمہ)

اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ

تو (ان کی غلطی ہے کیونکہ) کیا وہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح

خُلِقَتْ (۱۷) وقفة

(عجیب طور پر) پیدا کیا گیا ہے

کہ ہیئت اور خاصیت دونوں اور جانوروں کی نسبت اس میں عجیب ہیں

وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ (۱۸) وقفة وَاِلَى الْجِبَالِ

اور آسمان کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح بلند کیا گیا ہے اور پہاڑوں کو (نہیں

كَيْفَ نُصِبَتْ (۱۹) وقفة وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ

دیکھتے) کہ کس طرح کھڑے کئے گئے ہیں اور زمین کو (نہیں دیکھتے) کہ کس

سُطِحَتْ (۲۰) وقفة

طرح بچھائی گئی ہے

یعنی ان چیزوں کو دیکھ کر قدرت الٰہیہ پر استدلال نہیں کرتے تاکہ اس کا بعث پر قادر ہونا سمجھ لیتے اور تخصیص ان چار چیزوں کی اس لئے ہے کہ عرب کے لوگ اکثر جنگلوں میں چلتے پھرتے رہتے تھے اس وقت ان کے سامنے اونٹ ہوتے تھے اور اوپر آسمان اور نیچے زمین اور اطراف میں پہاڑ اس لئے ان علامات میں غور کرنے کے لئے ارشاد فرمایا گیا اور جب

یہ لوگ باوجود قیام دلائل کے غور نہیں کرتے (آگے ترجمہ دیکھو)

فَذَكِّرْ ۗ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ ﴿٢١﴾ لَّسْتَ

تو آپ (بھی ان کی فکر میں نہ پڑیے بلکہ صرف) نصیحت کر دیا کیجئے کیونکہ

عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ ﴿٢٢﴾ إِلَّا مَن تَوَلَّىٰ

آپ تو صرف نصیحت کرنے والے ہیں (اور) آپ ان پر مسلط نہیں ہیں

وَكَفَرَ ﴿٢٣﴾ فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ

(جو زیادہ فکر میں پڑیں) مگر ہاں جو روگردانی اور کفر کرے گا تو خدا اس کو

الْأَكْبَرَ ﴿٢٤﴾ إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ إِنَّ

(آخرت میں) بڑی سزا دے گا (کیونکہ) ہمارے ہی پاس ان کا آنا ہوگا

عَلَيْنَا حِسَابَهُم ﴿٢٦﴾

پھر ہمارا ہی کام ان سے حساب لینا ہے (آپ زیادہ غم میں نہ پڑیے)

سورة الفجر مكية وايها تسع و عشرون

ربط سورۃ سابقہ میں جزا و سزا کا بیان تھا اس سورۃ میں بڑا مقصود مومنین کے ان اعمال کو بیان کرنا ہے جو ثواب کے باعث ہیں اور شروع میں بعض ہلاک شدہ امتوں کا ذکر ہے جن کے اعمال موجب سزا تھے۔

بسم الله الرحمن الرحيم. والفجر وليال عشر تا جنتي

(٨٩) سُورَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ (١٠)

سورۂ فجر مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں تیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

وَالْفَجْرِ ﴿١﴾ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ﴿٢﴾

قسم ہے فجر (کے وقت) کی اور (ذی الحجہ کی) دس راتوں کی

یعنی دس تاریخوں کی کہ وہ نہایت فضیلت والی ہیں

وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ﴿٣﴾

اور جفت کی اور طاق کی

جفت سے مراد دسویں تاریخ ذی الحجہ کی اور طاق سے نویں تاریخ ہے کذا فی الحدیث اور ایک حدیث میں ہے کہ اس سے نماز مراد ہے کہ کسی طاق رکعتیں ہیں کسی کی جفت اور پہلی حدیث کو روایۃ بھی اصح کہا ہے کذا فی الروح۔

وَاللَّيْلِ إِذَا يَسْرِ ﴿٤﴾ هَلْ فِي ذَٰلِكَ قَسَمٌ

اور (قسم ہے) رات کی جب وہ چلنے لگے (یعنی گذرنے لگے) کیوں اس

لِّذِي حِجْرٍ ﴿٥﴾

(قسم مذکور) میں عقلمند کے واسطے کافی قسم بھی ہے

یہ استفہام تاکید کے لئے ہے یعنی ان قسموں میں سے ہر ہر قسم تاکید کلام کے لئے کافی ہے اور گو سب قسمیں ایسی ہی ہیں مگر اہتمام کے لئے ان کا کافی ہونا صراحۃً بھی بیان فرما دیا اور جواب قسم مقدر ہے کہ منکروں کو ضرور سزا ہوگی جس پر اگلا کلام قرینہ ہے جس میں پہلے زمانہ کے کافروں کی سزا کا ذکر ہے۔

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ﴿٦﴾ إِرَمَ

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے پروردگار نے قوم عاد (یعنی قوم ارم) سے

ذَاتِ الْعِمَادِ ﴿٧﴾ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا

کیا معاملہ کیا جن کے قد و قامت ستونوں جیسے (دراز) تھے (اور) جن کے

فِي الْبِلَادِ ﴿٨﴾

برابر زور و قوت میں (دنیا بھر کے) شہروں میں کوئی شخص نہیں پیدا کیا گیا

اس قوم کے دو لقب ہیں عاد اور ارم کیونکہ عاد بیٹا ہے عاص کا اور وہ ارم کا اور وہ سام بن نوح علیہ السلام کا پس کبھی ان کو عاد کہتے ہیں باپ کے نام پر اور کبھی ارم دادا کے نام پر اور اس ارم کا ایک بیٹا عابر ہے اور عابر کا بیٹا ثمود جس کے نام سے ایک قوم مشہور ہے پس عاد اور ثمود دونوں ارم میں جا ملتے ہیں عاد بواسطہ عاص کے اور ثمود بواسطہ عابر کے اور یہاں لفظ ارم اس لئے بڑھا دیا کہ اس قوم عاد میں دو طبقے ہیں متقدمین جن کو عاد اولیٰ کہتے ہیں اور متاخرین جن کو عاد ثانی کہتے ہیں اور ذات ارم بڑھا دینے سے اشارہ ہوگیا کہ عاد اولیٰ مراد ہے کذا فی الروح۔

وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ﴿٩﴾

اور (آپ کو معلوم ہے کہ) قوم ثمود کے ساتھ (کیا معاملہ کیا گیا) جو وادی قریٰ میں (پہاڑ کے) پتھروں کو تراشا کرتے تھے (اور مکانات بنایا کرتے تھے)

وادی القریٰ ان کے شہروں کا نام ہے جیسا کہ ایک نام حجر ہے اور یہ

سب حجاز وشام کے درمیان میں ہیں اور سب میں ثمود رہتے تھے۔

وَفِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَادِ ﴿۱۰﴾

اور میخوں والے فرعون کے ساتھ

درمنثور میں ابن مسعود وحسن وغیرہ سے اس کی تفسیر میں یہ منقول ہے کہ وہ جس کو سزا دیتا تھا اس کے چاروں ہاتھوں پیروں کو چار میخوں سے باندھ کر سزا دیا کرتا تھا آگے سب کافروں کی مشترک حالت مذکور ہے۔

الَّذِیْنَ طَغَوْا فِی الْبِلَادِ ﴿۱۱﴾ فَاَكْثَرُوْا

جنہوں نے شہروں میں سر اٹھا رکھا تھا اور ان میں بہت

فِیْهَا الْفَسَادَ ﴿۱۲﴾ فَصَبَّ عَلَیْهِمْ

فساد مچا رکھا تھا سو آپ کے رب نے

رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ﴿۱۳﴾

ان پر عذاب کا کوڑا برسایا

یعنی عذاب نازل کیا پس عذاب کو کوڑے سے اور اس کے نازل کرنے کو برسانے سے تعبیر فرمایا آگے اس عذاب کی علت اور موجودین کی عبرت کے لئے ارشاد ہے کہ (آگے ترجمہ)

اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿۱۴﴾

بیشک آپ کا رب (نافرمانوں کی) گھات میں ہے

جن میں سے مذکورین کو تو ہلاک کر دیا اور موجودین کو عذاب کرنیوالا ہے۔

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ

سو آدمی کو جب اس کا پروردگار آزماتا ہے یعنی اس کو (ظاہراً)

فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ

انعام واکرام دیتا ہے

اس کا مقتضا یہ تھا کہ کفار موجودین عبرت پکڑتے اور ان اعمال سے جو موجب عذاب ہیں بچتے لیکن (آگے ترجمہ)۔ مثل مال وجاہ وغیرہ جس سے مقصود اس کی شکرگزاری کا دیکھنا ہوتا ہے اور اسی وجہ سے اس کو آزمانے سے تعبیر فرمایا۔

فَیَقُوْلُ رَبِّیْۤ اَكْرَمَنِ ﴿۱۵﴾ وَاَمَّاۤ اِذَا مَا

تو وہ (بطور فخریہ) کہتا ہے کہ میرے رب نے میری قدر بڑھا دی اور جب

ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَیْهِ رِزْقَهٗ

اس کو (دوسری طرح) آزماتا ہے یعنی اس کی روزی اس پر تنگ کر دیتا ہے

یعنی میں اس کا مقبول ہوں کہ مجھ کو ایسی ایسی نعمتیں دیں۔

جس سے مقصود اس کے صبر ورضا کا دیکھنا ہوتا ہے اور اسی وجہ سے اس کو آزمانے سے تعبیر فرمایا۔

فَیَقُوْلُ رَبِّیْۤ اَهَانَنِ ﴿۱۶﴾

تو وہ (شکایۃً) کہتا ہے کہ میرے رب نے میری قدر گھٹا دی

یعنی مجھ کو باوجود استحقاق اکرام کے اپنی نظر سے آج کل گرا رکھا ہے، کہ دنیوی نعمتیں کم ہو گئیں مطلب یہ کہ کافر دنیا ہی کو مقصود بالذات سمجھتا ہے کہ اس کی فراخی کو دلیل مقبولیت اور اپنے کو اس کا مستحق اور تنگی کو دلیل عدم مقبولیت اور اپنے کو اس کا غیر مستحق سمجھتا ہے آگے اس پر سرزنش ہے۔

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْیَتِیْمَ ﴿۱۷﴾

ہرگز ایسا نہیں بلکہ تم (میں اور اعمال بھی موجب عذاب ہیں چنانچہ تم) لوگ یتیموں کی (کچھ) قدر (وخاطر) نہیں کرتے ہو

یعنی نہ تو دنیا مقصود بالذات ہے اور نہ اس کا ہونا نہ ہونا دلیل مقبولیت وعدم مقبولیت ہے اور نہ کوئی کسی اکرام کا مستحق ہے اور نہ کوئی صبر وشکر کے وجوب سے مستثنیٰ ہے آگے بطور التفات کے فرماتے ہیں کہ تم لوگوں میں صرف یہی اعمال موجب عذاب نہیں ہیں (آگے ترجمہ)۔

مطلب یہ کہ یتیم کی اہانت اور اس پر ظلم کرتے ہو کہ اس کا مال کھا جاتے ہو۔

وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِیْنِ ﴿۱۸﴾

اور دوسروں کو بھی مسکین کو کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیتے اور (تم) میراث کا

وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ﴿۱۹﴾

مال (سارا) سمیٹ کر کھا جاتے ہو (یعنی دوسروں کا حق کھا جاتے ہو

میراث بہ تفصیل موجود گو مکہ میں مشروع نہ تھی مگر نفس میراث شرع ابراہیمی واسماعیلی سے متوارث چلی آتی تھی چنانچہ جاہلیت میں بچوں اور لڑکیوں کو میراث کا مستحق نہ جاننا اس کی دلیل ہے کہ میراث کا حکم پہلے سے بھی تھا۔

وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿۲۰﴾ كَلَّاۤ

اور مال سے (تم لوگ) بہت ہی محبت رکھتے ہو (آگے ان افعال کے موجب العذاب نہ سمجھنے پر سرزنش ہے کہ) ہرگز ایسا نہیں (جیسا تم سمجھتے ہو) جس

إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿٢١﴾ وَّجَآءَ

وقت زمین کو توڑ توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا جاوے گا اور آپ کا پروردگار اور جوق

رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿٢٢﴾

در جوق فرشتے (میدان حشر میں) آویں گے

کہ ان اعمال پر عذاب نہ ہوگا ضرور ہوگا آگے مجازاۃ کا وقت بتلاتے ہیں جس میں ان کو عذاب اور اہل طاعت کو اجر و ثواب ہوگا۔

یہ حساب کے وقت ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا آنا متشابہات میں سے ہے۔

وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۢ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ

اور اس روز جہنم کو لایا جائے گا (اور) اس روز انسان کو

يَتَذَكَّرُ الْإِنسَانُ وَأَنَّىٰ لَهُ الذِّكْرَىٰ ﴿٢٣﴾

سمجھ آوے گی اور اب سمجھ آنے کا موقع کہاں رہا

یعنی اب کیا فائدہ ہوسکتا ہے کیونکہ وہ دارالجزا ہے اور دارالعمل نہیں آگے سمجھ آنے کے بعد جو اس کا قول ہوگا اس کا بیان ہے کہ (آگے ترجمہ)

يَقُولُ يَا لَيْتَنِي قَدَّمْتُ لِحَيَاتِي ﴿٢٤﴾

کہے گا کاش میں اس زندگی (اخروی) کے لئے کوئی عمل (نیک) آگے بھیج

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهُ أَحَدٌ ﴿٢٥﴾

لیتا پس اس روز نہ تو خدا کے عذاب کے برابر کوئی عذاب دینے والا نکلے گا اور

وَلَا يُوثِقُ وَثَاقَهُ أَحَدٌ ﴿٢٦﴾

نہ اس کے جکڑنے کے برابر کوئی جکڑنے والا نکلے گا

یعنی ایسی سخت سزا اور قید کرے گا کہ دنیا میں کبھی کسی نے کسی کو نہ اتنی سخت سزا دی ہوگی نہ ایسی سخت قید کی ہوگی یہ سزا تو بداعمالی اور نافرمانی کرنے والوں کو ہوگی اور جو اللہ کے فرمانبردار تھے ان کو ارشاد ہوگا کہ (آگے ترجمہ)

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾

(اور جو اللہ کے فرمانبردار تھے ان کو ارشاد ہوگا) کہ اے اطمینان والی روح

یعنی جس کو امر حق میں کامل یقین تھا اور کسی طرح کا شک و انکار نہ تھا اور تعبیر روح سے باعتبار جزو اشرف کے ہے۔

ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾

تو اپنے پروردگار (کے جوار رحمت) کی طرف چل اس طرح سے کہ تو اس

فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ﴿٢٩﴾ وَادْخُلِي

سے خوش اور وہ تجھ سے خوش پھر (ادھر چل کر) تو میرے خاص بندوں میں

جَنَّتِي ﴿٣٠﴾

شامل ہوجا (کہ یہ بھی نعمت روحانی ہے) اور میری جنت میں داخل ہوجا

سورة البلد مكية و ايها عشرون

ربط: سورت سابقہ میں جزا و سزا والے کاموں کا بیان تھا اس سورت میں بھی ایسے ہی اعمال کا بیان ہے مگر وہاں اعمال شر کا زیادہ ذکر تھا یہاں اعمال خیر کا زیادہ ذکر ہے۔ بسم الله الرحمن الرحيم لااقسم تا نارمؤصدہ

(۹۰) سُورَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ (۳۵)

سورہ بلد مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں بیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

لَا أُقْسِمُ بِهَٰذَا الْبَلَدِ ﴿١﴾ وَأَنتَ حِلٌّ بِهَٰذَا

میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی اور (بطور جملہ معترضہ تسلی کے لئے پیشینگوئی

الْبَلَدِ ﴿٢﴾

فرماتے ہیں کہ) آپ کو اس شہر میں لڑائی حلال ہونے والی ہے

چنانچہ فتح مکہ کے روز آپ کے لئے احکام حرم باقی نہیں رہے تھے۔

وَوَالِدٍ وَمَا وَلَدَ ﴿٣﴾

اور قسم ہے باپ کی اور اولاد کی

ساری اولاد کے باپ آدم علیہ السلام ہیں پس آدم اور بنی آدم سب کی قسم ہوئی آگے جواب قسم ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي كَبَدٍ ﴿٤﴾

کہ ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے

چنانچہ عمر بھر کہیں مرض میں کہیں رنج میں کہیں فکر میں اکثر اوقات مبتلا ہی رہتا ہے اور اس کا مقتضا یہ تھا کہ اس میں عجز و درماندگی پیدا ہوتی لیکن

انسان کافر کی یہ حالت ہے کہ وہ بھول میں پڑا ہے تو (آگے ترجمہ)

أَيَحْسَبُ أَنْ لَنْ يَقْدِرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ ﴿٥﴾

کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کسی کا بس نہ چلے گا

یعنی کیا اپنے کو اللہ کی قدرت سے خارج سمجھتا ہے جو اس قدر بھول میں پڑا ہے

يَقُولُ أَهْلَكْتُ مَالًا لُبَدًا ﴿٦﴾ أَيَحْسَبُ أَنْ

(اور) کہتا ہے کہ میں نے اتنا وافر مال خرچ کر ڈالا کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ

لَمْ يَرَهُ أَحَدٌ ﴿٧﴾

اس کو کسی نے دیکھا نہیں

یعنی ایک تو شیخی بھگارتا ہے پھر عداوت رسول و مخالفت اسلام و معاصی میں خرچ کرنے کو ہنر سمجھتا ہے پھر جھوٹ بھی بولتا ہے کہ اس کو مال کثیر بتلاتا ہے

یعنی اللہ تعالیٰ نے تو دیکھا ہے اور وہ جانتا ہے کہ گناہ میں خرچ کیا ہے پس اس پر سزا دے گا نیز اس نے مقدار بھی دیکھی ہے جو اس قدر نہیں ہے جس قدر وہ لوگوں کو یقین دلانا چاہتا ہے یہ حال مطلق کافر کا ہے کہ یہ شخص نہ مصائب سے متاثر ہوتا ہے اور نہ نعمتوں سے جن کا آگے بیان ہے۔

أَلَمْ نَجْعَلْ لَهُ عَيْنَيْنِ ﴿٨﴾ وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ ﴿٩﴾

کیا ہم نے اس کو دو آنکھیں اور زبان اور دو ہونٹ نہیں دیے اور (پھر) ہم نے اس کو دونوں رستے (خیر و شر) کے بتلا دیئے (وہ یہ کہ طریق مضر سے بچے اور

وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ﴿١٠﴾ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿١١﴾

نافع پر چلے) سو وہ شخص (دین کی) گھاٹی میں سے ہو کر نہ نکلا

دین کے کاموں کو اس لئے گھاٹی کہا کہ نفس پر شاق ہیں۔

وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿١٢﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿١٣﴾ أَوْ

اور آپ کو معلوم ہے کہ گھاٹی (سے) کیا (مراد ہے) وہ کسی (کی) گردن کا غلامی سے

إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ﴿١٤﴾ يَتِيمًا

چھڑا دینا ہے یا کھانا کھلانا فاقہ کے دن میں کسی رشتہ دار یتیم کو یا کسی خاک نشین محتاج

ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿١٥﴾ أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿١٦﴾ ثُمَّ

کو (یعنی ان احکام الٰہیہ کو بجالانا چاہیئے تھا) پھر (سب سے بڑھ کر یہ کہ) ان لوگوں

كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ

میں سے نہ ہوا جو ایمان لائے اور ایک دوسرے کو (ایمان کی) پابندی کی فہمائش کی

ایمان تو سب سے مقدم ہے پھر ایمان پر جمنے کا حکم کرنا اور کاموں سے افضل ہے پھر ظلم اور ضرر رسانی کا چھوڑنا باقی کاموں سے اہم ہے پھر ان اعمال کا رتبہ ہے جو ان سے پہلے بیان ہوئے ہیں پس یہ لفظ ثم رتبہ کے لئے ہے مطلب یہ کہ تمام اصول اور فروع میں اطاعت کرنا چاہئے تھی آگے اہل ایمان کی جزا کا بیان ہے۔

وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿١٧﴾ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ

اور ایک دوسرے کو ترحم (علی الخلق) کی (یعنی ترک ظلم کی) فہمائش کی یہی

الْمَيْمَنَةِ ﴿١٨﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا هُمْ أَصْحَابُ

لوگ داہنے والے ہیں اور جو لوگ ہماری آیتوں کے منکر ہیں وہ لوگ بائیں

الْمَشْأَمَةِ ﴿١٩﴾ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُؤْصَدَةٌ ﴿٢٠﴾

والے ہیں ان پر آگ محیط ہوگی جس کو بند کر دیا جائے گا

یعنی دوزخیوں کو دوزخ میں بھر کر آگے سے دروازے بند کر دیں گے کیونکہ خلود کی وجہ سے نکلنا تو ملے ہی گا نہیں اور قسم و جواب قسم میں مناسبت یہ ہے کہ مکہ میں اس وقت بہترین مخلوق سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشقت میں تھے جس کے زائل ہونے کی بشارت اس جملہ میں دی گئی ہے، کہ آپ کو اس شہر میں لڑائی حلال ہوگی پس دوسروں کی مشقت بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگئی اور باپ اور اولاد تو خود ہی مشقت کا محل ہیں ان کا حال مشاہدہ کر لینا مقصود کی کافی دلیل ہے۔

سورة الشمس مكية و ايها خمس عشرة

ربط: سورت سابقہ میں اعمال ایمانیہ و کفریہ کی جزائے اخروی کا ذکر تھا اس سورت میں اصل مقصود یہ بتلانا ہے کہ اعمال کفریہ پر سزا دنیا کا بھی احتمال ہے جیسا کہ ثمود پر عذاب نازل ہوا اور اس کے ضمن میں اعمال کی تقسیم کفر و ایمان کی طرف اور دونوں کی سزا و جزا کا اجمالی ذکر ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم. والشمس تا ولايخاف عقبها.

(۹۱) سُوْرَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ (۲۶)

سورۂ شمس مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں پندرہ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا (۱) وَالْقَمَرِ اِذَا

قسم ہے سورج کی اور اس کی روشنی کی اور چاند کی جب سورج (کے غروب)

تَلٰهَا (۲)

سے پیچھے آوے

مراد اس سے وسط ماہ کی بعض راتوں کا چاند ہے کہ وہ سورج چھپنے کے بعد طلوع ہو جاتا ہے اور یہ قید شاید اس لئے بڑھائی ہو کہ وہ وقت کمال نور کا ہوتا ہے یا اس وقت قدرت کی دونشانیاں آگے پیچھے متصل طور پر ظاہر ہوتی ہیں ایک آفتاب کا غروب دوسرے چاند کا طلوع۔

وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا (۳)

اور (قسم ہے) دن کی جب وہ اس (سورج) کو خوب روشن کرے

دراصل آفتاب دن کو روشن کرتا ہے مگر مجازاً دن کی طرف اسناد کردی گئی۔

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا (۴)

اور (قسم ہے) رات کی جب وہ سورج کو چھپائے

یعنی خوب رات ہو جاوے کہ دن کی روشنی کا کچھ اثر نہ رہے اور یہ بھی اسناد مجازی ہے اور چاروں قسموں میں جو قیدیں بڑھائی گئی ہیں یہ ان کی حالت کمال کے اعتبار سے ہیں۔

وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا (۵)

(یعنی خوب رات ہو جائے اور یہ بھی اسناد مجازی ہے) اور (قسم ہے) آسمان کی اور اس (ذات) کی جس نے اس کو بنایا

مراد اللہ تعالیٰ ہے اسی طرح **ماطحٰها** اور **ماسوّٰها** میں بھی خدا کی ذات مراد ہے اور مخلوق کی قسم کو خالق کی قسم پر مقدم کرنا اس لئے ہے کہ اس میں مخلوق سے خالق کی طرف ذہن کا منتقل کرنا مقصود ہے کیونکہ مصنوعات صانع پر دلیل ہوتی ہیں اور دلیل سے مدلول کی طرف انتقال ہوا کرتا ہے پس اس میں توحید پر استدلال کرنے کا طریقہ بتلایا گیا ہے۔

وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا (۶) وَنَفْسٍ وَّمَا

اور زمین کی اور اس (ذات) کی جس نے اس کو بچھایا اور (قسم ہے) انسان

سَوّٰهَا (۷) فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا (۸)

کی جان کی اور اس (ذات) کی جس نے اس کو درست بنایا پھر اس کی بدکاری اور پرہیزگاری (دونوں باتوں کا) اس کو القا کیا

مطلب یہ ہے کہ دل میں جو نیکی کا رجحان ہوتا ہے یا بدی کی طرف میلان دونوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے گو پہلے کا القاء فرشتہ کے واسطہ سے ہوتا ہے اور دوسرا شیطان کے واسطہ سے پھر وہ رجحان اور میلان کبھی عزم کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے جو کہ قصد اور اختیار سے صادر ہو جاتا ہے اور کبھی عزم تک نہیں پہنچتا آگے اہل فجور و اہل تقویٰ کا انجام بتلاتے ہیں۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (۹)

یقیناً وہ مراد کو پہنچا جس نے اس (جان) کو پاک کرلیا

یعنی نفس کو فجور سے روک کر اس پر تقویٰ کو صدور میں ترجیح دی

وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا (۱۰)

اور نامراد ہوا جس نے اس کو (فجور میں) دبادیا

اور فجور سے مغلوب کردیا اس کے بعد جواب قسم مقدر ہے یعنی اے کفار مکہ کہ اہل فجور رہو تم ضرور مبتلائے غضب و ہلاک ہوگے جیسا قوم ثمود اس فجور کی وجہ سے مبتلائے غضب و ہلاک ہوئے جن کا قصہ یہ ہے کہ (آگے ترجمہ)۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰهَآ (۱۱) اِذِ انْۢبَعَثَ

قوم ثمود نے اپنی شرارت کے سبب (صالح علیہ السلام کی) تکذیب کی (اور یہ اس زمانہ کا قصہ ہے) جبکہ اس قوم میں جو سب سے زیادہ بدبخت تھا وہ

اَشْقٰهَا (۱۲) فَقَالَ لَهُمْ

اونٹنی کے قتل کرنے کیلئے) اٹھ کھڑا ہوا

یعنی آمادہ ہوگیا اور اس کے ساتھ اور لوگ بھی شریک تھے۔

جب کہ ان کو اس ملزم کی اطلاع ہوئی کذا فی الخازن۔

رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا (۱۳)

تو ان لوگوں سے اللہ کے پیغمبر (صالحؑ) نے فرمایا کہ اللہ کی اس اونٹنی اور اس کے پانی پینے سے خبردار رہنا

یعنی اس کو قتل مت کرنا چونکہ ارادہ قتل کا اصل سبب یہی پانی کی باری تھی اس لئے اس کی تصریح فرمائی اور اللہ کی اونٹنی اس لئے کہا کہ خدا تعالیٰ نے اس کو دلیل نبوت بنا دیا تھا اور اس کے احترام کو واجب فرمایا۔

فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوهَا ۖ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُم

سو انہوں نے پیغمبر کو جھٹلایا پھر اس اونٹنی کو مار ڈالا تو ان کے پروردگار نے ان کے گناہ کے سبب ان پر ہلاکت نازل فرمائی پھر اس (ہلاکت) کو تمام قوم

بِذَنبِهِمْ فَسَوَّاهَا ﴿١٤﴾ وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا ﴿١٥﴾

کے لئے عام فرمایا اور اللہ تعالیٰ کو اس ہلاکت کے اخیر میں کسی خرابی (کے نکلنے) کا (کسی سے) اندیشہ نہیں ہوا

جیسے شاہان دنیا کو بعض اوقات کسی قوم کو سزا دینے کے بعد احتمال ہوتا ہے کہ اس پر کوئی شورش و خلل ملکی مرتب نہ ہو۔

سورة الليل مكية و ايها احدىٰ و عشرون

ربط: سورت سابقہ میں اعمال اور جزا کا مختلف ہونا مذکور تھا اس سورت میں بھی یہی مضمون ہے۔

(۹۲) سُورَةُ اللَّيْلِ مَكِّيَّةٌ (۹)

سورۃ لیل مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں اکیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ ﴿١﴾ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّىٰ ﴿٢﴾

قسم ہے رات کی جب وہ (آفتاب کو اور دن کو) چھپا لے اور (قسم ہے) دن کی

وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ﴿٣﴾

جبکہ روشن ہو جائے اور (قسم ہے) اس (ذات) کی جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا

مراد اللہ تعالیٰ ہے آگے جواب قسم ہے۔

إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّىٰ ﴿٤﴾

کہ بیشک تمہاری کوشش (یعنی اعمال) مختلف ہیں

اور اسی طرح ان کے ثمرات بھی مختلف ہیں۔

فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ ﴿٥﴾ وَصَدَّقَ

سو جس نے اللہ کی راہ میں (مال) دیا اور اللہ سے ڈرا اور اچھی بات (یعنی

بِالْحُسْنَىٰ ﴿٦﴾

ملت اسلام) کو سچا سمجھا

یعنی اسلام کو اختیار کیا۔

فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ ﴿٧﴾

تو ہم اس کو راحت کی چیز کے لئے سامان دے دیں گے

راحت کی چیز سے نیک عمل اور بواسطہ نیک عمل کے جنت مراد ہے کہ یسر کا سبب و محل ہے اسی لئے یسریٰ کہہ دیا گیا ورنہ یسری کے معنی ہیں آسان چیز۔

وَأَمَّا مَن بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ ﴿٨﴾

اور جس نے (حقوق واجبہ سے) بخل کیا اور (بجائے خدا سے ڈرنے کے خدا

وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ ﴿٩﴾

سے) بے پروائی اختیار کی اور اچھی بات (یعنی اسلام) کو جھٹلایا

یعنی اسلام قبول نہ کیا۔

فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ ﴿١٠﴾

تو ہم اس کو تکلیف کی چیز کے لئے سامان دیدیں گے

تکلیف کی چیز بدعمل اور بواسطہ بدعمل کے دوزخ مراد ہے کہ عسر کا سبب اور محل ہے اس لئے اس کو عسریٰ کہہ دیا گیا اور سامان دینے سے مراد دونوں جگہ یہ ہے کہ اچھے یا برے کام اس سے بے تکلف سرزد ہوں گے اور ایسے ہی اسباب جمع ہو جائیں گے اور پھر نیک اعمال کا سامان جنت ہونا اور بداعمال کا سامان دوزخ ہونا ظاہر ہی ہے۔

وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّىٰ ﴿١١﴾

اور اس کا مال اس کے کچھ کام نہ آوے گا جب وہ برباد ہونے لگے گا (بربادی

إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ ﴿١٢﴾

سے مراد جہنم میں جانا ہے) واقعی ہمارے ذمہ راہ کا بتلا دینا ہے

جس کا بتلانا محض فضل و احسان سے اپنے ذمہ رکھ لیا ہے سو وہ ہم نے پورے طور سے بتلا دیا ہے پھر کسی نے ایمان و اطاعت کا راستہ اختیار کیا اور کسی نے کفر و معصیت کا راستہ اختیار کر لیا اور جیسا راستہ کوئی اختیار کرے گا ویسا ہی ثمرہ اس کو دیں گے۔

وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ﴿۱۳﴾ فَاَنْذَرْتُكُمْ

اور (جیسی کوئی شخص راہ اختیار کرے گا ویسا ہی ثمرہ اس کو دینگے کیونکہ) ہمارے قبضہ میں ہے آخرت اور دنیا (آگے بطور توضیح کے ارشاد ہے کہ) تو میں تم کو

نَارًا تَلَظّٰى ﴿۱۴﴾ لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ﴿۱۵﴾

ایک بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرا چکا ہوں اس میں (ہمیشہ کے لئے) وہی بدبخت داخل ہوگا جس نے (دین حق کو) جھٹلایا اور (اس سے) روگردانی کی

الَّذِىْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۶﴾ وَسَيُجَنَّبُهَا

اور (اس سے) ایسا شخص دور رکھا جائے گا جو بڑا پرہیزگار ہے اور جو اپنا مال

الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾ الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ﴿۱۸﴾

(محض) اس غرض سے دیتا ہے کہ (گناہوں سے) پاک ہو جائے

یعنی دونوں میں ہماری ہی حکومت ہے اس لئے دنیا میں ہم نے احکام مقرر کئے اور آخرت میں ان کی مخالفت وموافقت پر سزا و جزا دیں گے۔

یعنی محض رضائے حق اس کا مطلوب ہے۔

وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ﴿۱۹﴾

اور بجز اپنے عالیشان پروردگار کی رضا جوئی کے کہ (یہی اس کا مقصود ہے) اس

اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿۲۰﴾

کے ذمہ کسی کا احسان نہ تھا کہ (اس دینے سے) اس کا بدلہ اتارنا (مقصود) ہو

اس میں نہایت ہی مبالغہ کے ساتھ اخلاص کا بیان ہے کیونکہ کسی کے احسان کا بدلہ اتارنا بھی فی نفسہ ثواب اور مطلوب ہے مگر فضیلت میں اس احسان کی برابر نہیں جو کہ ابتداء ہو پس جب اس شخص کا خرچ کرنا اس سے بھی پاک ہے تو ریا وغیرہ کی آمیزش سے تو بدرجہ اولیٰ پاک ہوگا اور یہ کمال اخلاص ہے اوپر ایسے شخص کیلئے صرف جہنم سے بچنا مذکور ہوا تھا آگے نعماء آخرت کا حاصل ہونا بھی بتلاتے ہیں۔

وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿۲۱﴾

اور یہ شخص عنقریب خوش ہو جاوے گا (یعنی آخرت میں ایسی ایسی نعمتیں ملیں گی)

ہر چند کہ الفاظ آیت کے عام ہیں مگر اس کے نزول کا سبب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے کہ انہوں نے حضرت بلالؓ وغیرہ کو کافروں سے خرید کر لوجہ اللہ آزاد کر دیا تھا کذا فی الدر المنثور

سورۃ والضحیٰ مکیۃ وایھا احدی عشرۃ

ربط: اوپر سورۂ واللیل کی آیت **فاما من اعطیٰ** سے **للعسریٰ** تک میں تمام ضروری اصول وفروع کا اجمالی بیان اور ان کی تصدیق و بجا آوری یا تکذیب وخلل اندازی پر وعدہ اور وعید مذکور ہے جو کہ ماقبل کی سورتوں بلکہ تمام قرآن مجید کے لئے بمنزلہ خلاصہ کے ہے اب سورہ والضحیٰ سے سورہ ناس تک ان ضروری اصول کی بعض جزئیات اور ان کے مناسب مضامین مذکور ہیں تو گویا یہ تمام سورتیں سورہ واللیل مذکور کی کسی قدر تفصیل ہیں چنانچہ ان مضامین مہمہ میں سے ایک مسئلہ رسالت کا بھی ہے جس کا بیان مع دوسرے مضامین کے اس سورت میں ہوا ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بعض انعامات کا فائض فرمانا اور ان کے شکریہ میں آپ کو احکام کا مخاطب فرمانا وغیرہ وغیرہ اس تقریر سے آئندہ تمام سورتوں کا باہمی ربط اور ماقبل کے ساتھ تعلق واضح ہوگیا اب جدا جدا ہر سورت کے لئے ربط بیان کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اسی تقریر کی طرف اشارہ کر دینا کافی ہوگا۔ گو باہم سب سورتوں میں مستقل ربط بھی ادنیٰ تامل سے معلوم ہو سکتا ہے سورۃ والضحیٰ کا شان نزول یہ ہے کہ آپ ایک بار کسی بیماری کی وجہ سے دو تین رات تہجد میں نہ اٹھے ایک کافر عورت نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے شیطان نے تم کو چھوڑ دیا اور اتفاق سے وحی آنے میں بھی دیر ہوگئی تھی جس پر دوسرے مشرکین نے بھی کہا کہ ان کے خدا نے ان کو چھوڑ دیا اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ **بسم اللہ الرحمن الرحیم والضحی تا فحدث۔**

(۹۳) سُوْرَةُ الضُّحٰى مَكِّيَّةٌ (۱۱)

سورۂ ضحیٰ مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں گیارہ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

وَالضُّحٰى ﴿۱﴾ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ﴿۲﴾

قسم ہے دن کی روشنی کی اور رات کی جبکہ وہ قرار پکڑے

قرار پکڑنے کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک حقیقی کہ اس کی تاریکی کامل ہو جاوے دوسرے مجازی کہ جاندار لوگ اس میں سو جائیں اور چلنے پھرنے اور بولنے چالنے کی آوازیں ساکن ہو جائیں۔

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ﴿۳﴾

(آگے جواب قسم ہے) کہ آپ کے پروردگار نے نہ آپ کو چھوڑا اور نہ آپ سے) دشمنی کی

کیونکہ اول تو آپ سے کوئی ایسی بات ہوئی نہیں دوسرے حضرات انبیاء علیہم السلام کے واسطے یہ امر عادۃ اللہ میں محال ہے پس آپ کفار کی لغویات سے غمگین نہ ہوں آپ برابر وحی کی نعمت سے مشرف رہیں گے اور یہ شرف تو آپ کے لئے دنیا میں ہے۔

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ﴿۴﴾

اور آخرت آپ کے لئے دنیا سے بدرجہا بہتر ہے (پس وہاں آپ کو اس سے زیادہ نعمتیں ملیں گی) اور عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ﴿۵﴾

(آخرت میں بکثرت نعمتیں) دے گا سو آپ خوش ہوجاویں گے

اور ان قسموں کو اس مقام سے مناسبت ہے کہ وحی کا آنا اور بند ہوجانا رات اور دن کے بدلنے سے مشابہ ہے اور دونوں میں حکمتیں ہیں

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ﴿۶﴾

کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یتیم نہیں پایا پھر (آپ کو) ٹھکانا دیا

چنانچہ آپ شکم مادر میں تھے کہ آپ کے والد کی وفات ہوگئی اللہ تعالیٰ نے دادا سے پرورش کرایا پھر جب آٹھ برس کے ہوئے تو دادا کی بھی وفات ہوگئی۔

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴿۷﴾

اور اللہ تعالیٰ نے آپکو (شریعت سے) بے خبر پایا سو (آپکو شریعت کا رستہ) بتلادیا

اور وحی سے پہلے نبی کو شریعت کی تفصیل معلوم نہ ہونا کوئی نقص نہیں۔

وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ﴿۸﴾

اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نادار پایا سو مالدار بنادیا

کہ حضرت خدیجہ کے مال میں آپ مضارب ہوئے اور آپ کو حصہ ملا

فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ﴿۹﴾ وَاَمَّا السَّآئِلَ

تو آپ (اس کے شکریہ میں) یتیم پر سختی نہ کیجئے اور سائل کو مت جھڑکیے (یہ تو

فَلَا تَنْهَرْ ﴿۱۰﴾ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ

شکر فعلی ہے) اور اپنے رب کے انعامات (مذکورہ) کا تذکرہ کرتے رہا کیجئے

فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾

(یعنی زبان سے قولی شکر بھی کیجئے

یعنی زبان سے قولی شکر بھی کیا کیجئے۔

(۹۴) سُوْرَةُ الْاِنْشِرَاحِ مَكِّيَّةٌ (۱۲)

سورۂ الم نشرح مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں آٹھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴿۱﴾

کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ (علم و حلم سے) کشادہ نہیں کردیا

یعنی وسیع علم اور تحمل عطا فرمایا۔

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ﴿۲﴾ الَّذِيْٓ

اور ہم نے آپ پر سے آپ کا وہ بوجھ اتار دیا جس نے

اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ﴿۳﴾

آپ کی کمر توڑ رکھی تھی

وزر سے مراد امور مباح ہی جو احیاناً کسی حکمت کی وجہ سے آپ سے صادر ہوتے تھے اور بعد میں ان کا خلاف اولیٰ ہونا ثابت ہوتا تھا تو علو مرتبہ کی وجہ سے آپ کو نہایت صدمہ ہوتا تھا اس میں بشارت ہے مواخذہ نہ فرمانے کی۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴿۴﴾

اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا آوازہ بلند کیا

یعنی اکثر جگہ شریعت میں خدا کے نام کے ساتھ آپ کا نام ملایا گیا جیسے خطبہ تشہد اذان اقامت وغیرہ میں۔

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿۵﴾

سو بےشک موجودہ مشکلات کے ساتھ آسانی (ہونے والی ہے

چونکہ ان مشکلات کی اقسام اور شمار بہت تھی اس لئے اس وعدہ کو مکرر فرمایا۔

اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿۶﴾

بیشک موجودہ مشکلات کے ساتھ آسانی (ہونے والی) ہے

چنانچہ وہ مشکلات ایک ایک کر کے سب دور ہوگئیں جیسا کہ روایات احادیث و سیر و تواریخ متواترہ اس پر متفق ہیں اور اس تفسیر پر یہ شبہ اس آیت پر نہیں ہوسکتا کہ بعض مشکلات کے بعد تو آسانی نہیں ہوتی کیونکہ آیت میں وہ خاص مشکلات مراد ہیں جو حضور کو درپیش تھیں۔

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝۷

تو آپ جب (تبلیغ احکام سے) فارغ ہو جایا کریں تو (دوسری عبادت) متعلقہ بذات خاص میں) محنت کیا کیجئے

مراد کثرت عبادت ہے کہ آپ کی شان کے یہی مناسب ہے۔

وَاِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝۸

اور (جو کچھ مانگنا ہو اس میں) (اپنے رب ہی کی طرف توجہ رکھیے

یعنی اس میں اسی سے مانگئے اور اس میں بھی ایک طرح پر دشواری دور ہونے کی بشارت ہے کیونکہ سوال کا حکم فرمانا قبولیت کا وعدہ ہے۔

سورة التين مكية و ايها ثمان و هوالراجح من القولين كذافي البيضاوى

ربط: منجملہ ضروریات دین کے انسان کا مبداء و معاد ہے اس سورت میں اسی کا بیان ہے۔ والتین تا احکم الحاکمین

(۹۵) سُوْرَةُ التِّيْنِ مَكِّيَّةٌ (۲۸)

سورۂ تین مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں آٹھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝۱ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝۲ وَهٰذَا

قسم ہے انجیر (کے درخت) کی اور زیتون (کے درخت) کی اور طور سینین کی اور اس امن والے شہر (یعنی مکہ معظمہ کی) کہ ہم نے انسان کو بہت

الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝۳ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ

خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے پھر (ان میں جو بوڑھا ہو جاتا ہے) ہم اس

اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝۴ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝۵

کو پستی کی حالت والوں سے بھی پست تر کر دیتے ہیں

یعنی وہ خوبصورتی اور قوت مبدل بہ قبح ہو جاتی ہے اور بڑے سے بڑا ہو جاتا ہے مقصود اس سے بیان کرنا کمال قبح کا ہے جس سے قدرت علی الاعادۃ پر کافی استدلال ہوتا ہے اور غور کرنے کے بعد اس سورت سے قیامت پر استدلال کرنا مقصود معلوم ہوتا ہے چنانچہ فما یکذبک کو اس پر متفرع فرمایا اس کا قرینہ ہے مگر چونکہ رددناہ اسفل سافلین کے ظاہری الفاظ مطلق ہونے سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ بوڑھے اور کمزور لوگ ہر حیثیت سے ردی ہیں جس سے آخرت میں بھی ردی ہونے کا وہم ہوسکتا ہے اس لئے اس وہم کو آگے دفع فرماتے ہیں۔

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ

لیکن جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے تو

اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝۶ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ

ان کے لئے اس قدر ثواب ہے جو کبھی منقطع نہ ہوگا پھر کون چیز تجھ کو قیامت

بِالدِّيْنِ ۝۷

کے بارے میں منکر بنا رہی ہے

یعنی وہ کونسی دلیل ہے جس کی بناء پر تو ان دلائل کے ہوتے ہوئے قیامت کا منکر ہو رہا ہے

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۝۸

کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں ہے

دنیوی تصرفات میں بھی جن میں سے انسان کا پیدا کرنا اور پھر پستی کی طرف لوٹا دینا بھی ہے اور اخروی تصرفات میں بھی جن میں سے قیامت میں دوبارہ زندہ کرنا اور جزا و سزا دینا بھی ہے ف شروع سورت میں چار چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے دو درخت جو کثیر النفع ہیں (یعنی بہت نفع دینے والے) اور دو زمینیں بہت برکت والی ہیں کہ ایک مقام ہے موسیٰ سے خدا کے ہم کلام ہونے کا اور دوسرا آپ کا مسکن اور ولادت گاہ اور وحی نازل ہونے کی جگہ ہے سو درختوں کی قسم کو مقصود سے مناسبت ظاہر ہے کہ درخت کو بھی اسی طرح (یعنی انسان کے مانند) نشو و نما ہوتا ہے پھر سوکھ کر کٹنے کے قابل ہو جاتا ہے اور چونکہ یہاں اشرف المخلوقات (انسان) کا ذکر تھا اس لئے قسم بھی اشرف الاشجار کی مناسب ہوئی اور کوہ طور اور مکہ معظمہ دونوں وحی کی جگہ ہیں تو آخرت کی جزا سے ان کو زیادہ مناسبت ہوئی کیونکہ وحی سے آخرت کی جزا کا علم ہوتا ہے اور اسی طور سینین کو قرآن میں دوسری جگہ طور سیناء کہا گیا ہے۔

سورة العلق مكية و ايها تسع عشرة

ربط منجملہ مہمات شریعت کے ایک عطائی نبوت اور وحی کی تعلیم ہے جو بعد توحید کے تمام مہمات کا مبنی ہے اور اس کے مناسب یہ مضمون بھی ہے کہ صاحب وحی کے مخالف کی مذمت بیان کی جاوے اور اس کو دھمکایا جائے اس سورت میں اس مضمون کا بیان ہے۔

(۹۶) سُوْرَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ (۱)

سورۂ علق مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں انیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ﴿۱﴾

(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر جو قرآن نازل ہوا کرے گا) اپنے رب کا نام لے کر پڑھا کیجئے

یعنی جب پڑھئے بسم اللہ الرحمن الرحیم کہہ کر پڑھئے

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ﴿۲﴾

(یعنی جب پڑھے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر پڑھا کیجئے) جس نے مخلوقات کو پیدا کیا

اور یہ سب نعمتوں میں پہلی نعمت ہے

اِقْرَاْ وَرَبُّكَ

جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا آپ قرآن پڑھا کیجئے

اور جماد محض سے کس درجہ تک ترقی دی پس انسان کو زیادہ شکر اور ذکر کرنا چاہئے۔ یہ مکرر اس لئے فرمایا تا کہ پہلے حکم سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ قراءت قرآن خود مقصود نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ جب کبھی اس کو پڑھو تو خدا کے نام سے شروع کرو۔

الْاَكْرَمُ ﴿۳﴾ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ﴿۴﴾ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ

اور آپ کا رب بڑا کریم ہے (جو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے) جس نے (لکھے پڑھوں کو) قلم سے تعلیم دی اور عموماً) انسان کو (دوسرے ذرائع سے ان

مَا لَمْ يَعْلَمْ ﴿۵﴾

چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہ جانتا تھا

ان آیتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک عذر کا جواب ہے وہ یہ کہ جب جبرئیلؑ اول مرتبہ آپ کے پاس وحی لے کر آئے اور وہ یہی آیتیں ہیں اقراء سے لے کر مالم یعلم تک تو جبرائیلؑ نے آپ سے کہا یہ پڑھئے آپ نے فرمایا میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں جواب کا حاصل یہ ہے کہ اول تو تعلیم کچھ لکھنے پڑھنے ہی میں منحصر نہیں دوسرے اسباب سے بھی تعلیم ہو سکتی ہے پھر اسباب خود موثر حقیقی نہیں ہیں بلکہ درحقیقت علوم عطا کرنے والے ہم ہیں پس گو آپ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے مگر جب ہم نے آپ کو پڑھنے کا حکم کیا ہے تو ہم دوسرے ذریعہ سے آپ کو پڑھنے پر اور علوم وحی کے محفوظ رکھنے پر قدرت دے دیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا ف ابتداء نزول وحی کا قصہ حدیث شیخین میں اس طرح ہے کہ نبوت کے قریب زمانہ میں آپ کو از خود خلوت پسند ہوگئی تھی آپ غار حراء میں جا کر کئی کئی رات رہتے تھے ایک روز دفعۃً جبرائیلؑ تشریف لائے اور آپ سے کہا اقراء یعنی پڑھئے آپ نے فرمایا ما انا بقاریٍ یعنی میں کچھ پڑھا ہوا نہیں ہوں انہوں نے آپ کو خوب زور سے دبایا پھر چھوڑ دیا اور پھر کہا پڑھئے آپ نے پھر وہی جواب دیا اسی طرح تین بار ہوا پھر آخر میں دبانے کے بعد چھوڑ کر کہا اقرأ باسم ربک الذی خلق تا مالم یعلم تک اور جبرائیلؑ کے کئی بار اقرء کہنے سے یہ مقصود نہ تھا کہ جو پہلے سے یاد ہو وہ پڑھئے بلکہ مطلب یہ تھا کہ جو آئندہ کو بتلایا جائے گا اس کو پڑھئے جیسا کہ معلم متعلم سے الف با شروع کرانے کے وقت کہتا ہے کہ ہاں پڑھو اور آپ کا عذر فرمانا یا تو اس وجہ سے تھا کہ آپ کو اس بات کے معنی متعین نہ ہوئے ہوں اور یہ امر کوئی خلاف شان نہیں ہے یا یہ کہ پڑھنے کا استعمال اکثر لکھی ہوئی چیز کے پڑھنے میں آیا کرتا ہے تو آپ نے بوجہ حروف نہ پہچاننے کے عذر فرمایا (بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وحی جبرائیل علیہ السلام جنت کے ایک ریشمی کپڑے میں لکھی ہوئی لائے تھے اور اس کو آپ کے سامنے کر کے کہا کہ پڑھئے ۱۲ ملخص) اور جبرئیل علیہ السلام کا دبانا ظن غالب یہ ہے کہ وحی کے تحمل کی استعداد پہنچانے کے لئے تھا واللہ اعلم بحقیقۃ الحال اور اس وقت آپ کو علم ضروری بدیہی سے معلوم ہو گیا کہ یہ قرآن اور وحی ہے اور حدیثوں میں جو آپ کا ڈر جانا اور ورقہ سے بیان کرنا آیا ہے وہ شبہ کی وجہ سے نہ تھا بلکہ خوف تو وحی کی عظمت و ہیبت سے اضطراری طور پر تھا اور ورقہ سے بیان کرنا مزید اطمینان کے لئے تھا اور چونکہ صاحب نبوت کی مخالفت غایت درجہ قبیح سے اس لئے آئندہ آیتوں میں جن کا نزول پہلی آیت سے ایک مدت بعد ہوا ہے آپ کے ایک خاص مخالف یعنی ابوجہل کی مذمت عام الفاظ کے ساتھ مذکور ہے تا کہ یہ وعید ہر مخالف کو شامل ہو جاوے۔

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ﴿۶﴾ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ﴿۷﴾

سچ مچ بیشک (کافر) آدمی حد (آدمیت) سے نکل جاتا ہے اس وجہ سے کہ اپنے آپ کو (ابناء جنس سے) مستغنی دیکھتا ہے

یعنی مالدار ہونے کی وجہ سے اتراتا ہے

اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ﴿۸﴾

اے مخاطب (عام) تیرے رب ہی کی طرف سب کو لوٹنا ہوگا

اور اس وقت بھی مثل حالت حیات کے اس کی قدرت کے احاطہ میں گھرا ہوگا

أَرَءَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ ﴿٩﴾ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ ﴿١٠﴾

اے مخاطب (عام) بھلا اس شخص کا حال تو بتلا جو (ہمارے) ایک (خاص) بندہ کو منع کرتا ہے جب وہ (بندہ) نماز پڑھتا ہے

آگے ابوجہل کے نماز سے روکنے پر مذمت آمیز استفہام ہے

أَرَءَيْتَ إِن كَانَ عَلَى الْهُدَىٰ ﴿١١﴾ أَوْ أَمَرَ

(اور اے مخاطب) بھلا یہ تو بتلا کہ اگر وہ بندہ ہدایت پر ہو (جو کہ کمال لازمی

بِالتَّقْوَىٰ ﴿١٢﴾

ہے) یا وہ (دوسروں کو بھی) تقویٰ کی تعلیم دیتا ہو

شاید کلمہ تردید لانے سے اس طرف اشارہ ہو کہ اگر ان میں سے ایک صفت بھی ہوتی تب بھی روکنے والے کی مذمت کے لئے کافی تھی چہ جائے کہ دونوں جمع ہوں اور یہ تردید بطور منع خلو کے ہے۔

أَرَءَيْتَ إِن كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴿١٣﴾

اے مخاطب بھلا یہ تو بتلا کہ اگر وہ شخص (ناحق دین کو) جھٹلاتا ہو اور (حق سے) روگردانی کرتا ہو

یعنی نہ عقیدہ رکھتا ہو اور نہ عمل۔

أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ ﴿١٤﴾

کیا اس شخص کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ (اس کے طغیان وغیرہ کو) دیکھ رہا ہے

اور اس پر سزا دے گا۔

كَلَّا لَئِن لَّمْ يَنتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ﴿١٥﴾

ہرگز ایسا نہیں کرنا چاہئے اور) اگر یہ شخص باز نہ آوے گا تو ہم اس کو پٹھے پکڑ

نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿١٦﴾

کر جو کہ دروغ اور خطا میں آلودہ پٹھے ہیں (جہنم کی طرف) گھسیٹیں گے

اور اس کو جو اپنے مجمع پر گھمنڈ ہے اور ہمارے پیغمبر کو دھمکاتا ہے۔

فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ﴿١٧﴾ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿١٨﴾

سو یہ اپنے ہم جلسہ لوگوں کو بلالے (اگر اس نے ایسا کیا تو) ہم بھی دوزخ کے پیادوں کو بلالیں گے

یہ بلانا اس کے بلانے پر مشروط تھا۔

كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ

(آگے پھر سرزنش ہے کہ اسکو) ہرگز (ایسا) نہیں (کرنا چاہئے مگر) آپ اسکا کہنا ماننا

جیسا کہ اب تک بھی نہیں مانا۔

وَاقْتَرِب ﴿١٩﴾ السجدۃ ع

اور بدستور نماز پڑھتے رہیے اور خدا کا قرب حاصل کرتے رہیے

اس میں ایک لطیف وعدہ ہے کہ حق تعالیٰ آپکو ان کے ضرر سے محفوظ رکھے گا۔

(۹۷) سُورَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ (۲۵)

سورۂ قدر مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں پانچ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴿١﴾

بیشک ہم نے قرآن کو شب قدر میں اتارا ہے

پس وہ حق بھی ہے کہ ہمارا اہوا ہے اور خارجی اسباب سے بھی اس میں عظمت ہے کہ محترم زمانہ میں اتارا ہے۔

وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ﴿٢﴾ لَيْلَةُ

اور (شوق بڑھانے کے لئے فرماتے ہیں کہ) آپ کو کچھ معلوم ہے کہ شب

الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ﴿٣﴾

قدر کیسی چیز ہے (آگے جواب ہے) کہ شب قدر ہزار مہینے سے بہتر ہے

یعنی ہزار مہینے کی عبادت کے ثواب سے شب قدر کی عبادت کا ثواب بڑھا ہوا ہے۔

تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم

(اور وہ شب قدر ایسی ہے کہ) اس رات میں فرشتے اور روح القدس (یعنی جبرئیل علیہ السلام) اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امر خیر کو لے کر (زمین کی

مِّن كُلِّ أَمْرٍ ﴿٤﴾ سَلَامٌ

طرف) اترتے ہیں (اور وہ شب) سراپا سلام ہے

جیسا حدیث بیہقی میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ شب قدر میں جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کے ایک گروہ میں آتے ہیں اور جس شخص کو قیام وقعود اور ذکر میں مشغول دیکھتے ہیں اس کے لئے دعاء رحمت کرتے ہیں اور

خازن نے ابن الجوزی سے اسی روایت میں **یسلمون** بڑھایا ہے یعنی سلامتی کی دعاء کرتے ہیں اسی کو قرآن میں سلام فرمایا ہے اور امر خیر سے مراد یہی ہے نیز بعض روایات سے اس میں توبہ کا قبول ہونا آسمانوں کے دروازے کھلنا اور ہر مومن پر فرشتوں کا سلام کرنا آیا ہے کذا فی الدر اور ان کاموں کا فرشتوں کے ذریعہ سے ہونا اور سلامتی کا سبب ہونا ظاہر ہے۔

هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۵

وہ شب (اسی صفت و برکت کے ساتھ) طلوع فجر تک رہتی ہے

یہ نہیں کہ اس کے کسی خاص حصہ میں برکت ہو اور کسی میں نہ ہو قدر کے معنی تعظیم کے ہیں چونکہ اس رات میں عظمت اور شرف ہے اس لئے اس کو شب قدر کہتے ہیں اور ہزار مہینوں کی تخصیص کی یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے بعض عابدوں کا ذکر کیا تھا جنہوں نے ہزار مہینے یا ایک روایت میں اسی برس عبادت کی تھی صحابہ کو تعجب ہوا اس پر یہ سورت نازل ہوئی کذا فی الدر اور اسی برس کسر کو حذف کر کے تقریباً ہزار مہینے ہی ہوتے ہیں اور یہ اشکال نہ کیا جائے کہ اختلاف مطالع کے وجہ سے شب قدر کا ہر جگہ جدا ہونا لازم آتا ہے جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی اشکال نہیں کہ یہ برکتیں کسی کو کسی وقت میں ملیں اور کسی کو دوسرے وقت میں اسی طرح ملائکہ کا نزول ہر جگہ مختلف وقت میں ہو کیونکہ خدا کے خزانہ میں رحمت اور برکت کی کیا کمی ہے۔

سورة البينة مختلف فيها و ايها ثمان

ربط: منجملہ مہمات شرعیہ کے رسالت کا مسئلہ اور اس کے ماننے والوں اور جھٹلانے والوں کی جزا و سزا کا بتلانا ہے اس سورت میں اس کا بیان ہے۔ **لم یکن الذین کفروا تا خشی ربہ**

(۹۸) سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۰)

سورۂ بینہ مدینہ میں نازل ہوئی اور اس میں آٹھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ

جو لوگ اہل کتاب اور مشرکوں میں سے (قبل بعثت نبویہ) کافر تھے وہ

وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۱

(اپنے کفر سے ہرگز) باز آنے والے نہ تھے جب تک کہ ان کے پاس واضح

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۲

دلیل نہ آتی (یعنی) ایک اللہ کا رسول جو (ان کو) پاک صحیفے پڑھ کر سناوے

فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۳

جن میں درست مضامین لکھے ہوئے ہوں

مراد قرآن ہے مطلب یہ ہے کہ ان کفار کا کفر ایسا شدید تھا اور ایسے جہل میں مبتلا تھے کہ بدوں رسول عظیم اور وحی عظیم کے ان کے راہ پر آنے کی کوئی توقع نہ تھی اس لئے اللہ پاک نے آپ کو قرآن دے کر مبعوث فرمایا

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْ

اور جو لوگ اہل کتاب تھے (اور غیر اہل کتاب تو بدرجہ اولیٰ) وہ اس واضح

بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۴

دلیل کے آنے ہی کے بعد (دین میں) مختلف ہو گئے

یعنی دین حق سے بھی اختلاف کیا جو باہمی اختلافات پہلے سے تھے ان کو بھی دین حق کا اتباع کر کے دور نہ کیا اور مشرکین کو بدرجہ اولیٰ اس لئے کہا کہ ان کے پاس تو پہلے سے بھی کوئی دین سماوی نہ تھا۔

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ

حالانکہ ان لوگوں کو (کتب سابقہ میں) یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی اس طرح عبادت کریں کہ عبادت اسی کے لئے

لَهُ الدِّيْنَ ۥ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

خالص رکھیں (ادیان باطلہ شرکیہ سے) یکسو ہو کر اور نماز کی پابندی رکھیں

وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۵

اور زکوٰۃ دیا کریں اور یہی طریقہ ہے ان درست مضامین (مذکورہ) کا (بتلایا ہوا)

حاصل تقریر کا یہ ہوا کہ ان اہل کتاب کو پہلی کتابوں میں یہ حکم ہوا تھا کہ عبادت خدا کے لئے خالص کریں اور شرک و کفر سے علیحدہ رہیں جس میں قرآن پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا بھی داخل ہے چنانچہ دوسری آیت میں اس کی تصریح ہے۔ **لقد اخذ الله ميثاق بنی اسرائيل انی معكم لئن اقمتم الصلوٰة واٰتيتم الزكوٰة و اٰمنتم** اور یہی تعلیم ہے قرآن کی جس کو آیت میں **کتب قیمہ** (درست مضامین) سے تعبیر کیا گیا ہے پس قرآن کے نہ ماننے سے خود اپنی کتابوں کی بھی مخالفت لازم آتی ہے یہ الزام تو اہل کتاب کو ہوا اور مشرکین گو پہلی کتابوں کو نہ مانتے تھے مگر ابراہیم کا شرک وغیرہ سے پاک ہونا اور ان کے طریقہ کا صحیح ہونا ان کے نزدیک مسلم تھا اور قرآن کا اس طریقہ کے موافق

ہونا ظاہر ہے اس لئے ان پر بھی یہ حجت قائم ہے اور ان اختلاف کرنے والوں سے مراد بعض وہ کفار ہیں جو ایمان نہ لائے تھے اور اس سے بطور مقابلہ کے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جن لوگوں نے اختلاف نہیں کیا وہ اہل ایمان ہیں آگے تصریحاً کفار و مشرکین اور مومنین کی جزا و سزا کا بیان ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ

بیشک جو لوگ اہل کتاب اور مشرکین میں سے کافر ہوئے

وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِينَ فِيهَا ط

وہ آتش دوزخ میں جاویں گے جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے

أُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ط (۶) إِنَّ الَّذِينَ اٰمَنُوا

(اور) یہ لوگ بدترین خلائق ہیں بیشک جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لا أُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ط (۷)

اور انہوں نے اچھے کام کئے وہ لوگ بہترین خلائق ہیں

بہترین خلائق اور بدترین خلائق کی تفسیر میں سہل بات یہ ہے کہ اکثر مخلوق سے بہتر اور بدتر ہونا مراد ہے اور اصل مقصود یہ ہے کہ مومنین بہتری میں کامل ہیں اور کفار بدتر ہونے میں کامل ہیں پس اس تقریر کے بعد ان کفار کا ابلیس سے بدتر ہونا یا تمام مسلمانوں کا فرشتوں سے افضل ہونا لازم نہیں آتا

جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ

ان کا صلہ ان کے پروردگار کے نزدیک ہمیشہ رہنے کی بہشتیں ہیں جن کے

تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا ط رَضِيَ اللّٰهُ

نیچے نہریں جاری ہوں گی جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور) اللہ تعالیٰ ان

عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ط

سے خوش رہے گا اور وہ اللہ سے خوش رہیں گے

یعنی نہ ان سے کوئی معصیت ہوگی اور نہ ان کو کوئی امر مکروہ پیش آئے گا جس سے احتمال عدم رضا کا جانبین سے ہو۔

ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ع (۸)

یہ (جنت اور رضا) اس شخص کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے

جس کے اوپر ایمان و عمل صالح مرتب ہوتا ہے جو کہ مدار ہے جنت میں داخل ہونے اور رضائے الٰہی حاصل ہونے کا۔

سورۃ الزلزلۃ مختلف فیها وآیها تسع کذافی البیضاوی

ربط: منجملہ مہمات شرعیہ کے قیامت اور جزا و سزا واقع ہونے کا اعتقاد بھی ہے اس سورت میں اس کا بیان ہے۔ اذازلزلت تا شرایرہ

(۹۹) سُوْرَةُ الزِّلْزَالِ مَدَنِيَّةٌ (۹۳)

سورۂ زلزال مدینہ میں نازل ہوئی اور اس میں آٹھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا لا (۱) وَأَخْرَجَتِ

جب زمین اپنی سخت جنبش سے ہلا دی جائے گی اور زمین

الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا لا (۲)

اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے گی

مراد بوجھ سے دفینے اور مردے ہیں اور گو بعض روایات سے قبل قیامت بھی دفینوں کا زمین سے باہر آ جانا معلوم ہوتا ہے لیکن ممکن ہے کہ قیامت سے پہلے دفینے بھی باہر نکل آئے تھے پھر مرور زمان سے ان پر مٹی آ گئی ہو اور وہ قیامت میں پھر نکلیں اور یہاں زلزلہ سے نفخہ ثانیہ کے وقت کا زلزلہ مراد ہے اس زلزلہ سے پہاڑ وغیرہ سب گر کر زمین کے برابر ہو جاویں گے تا کہ میدان محشر بالکل ہموار و صاف ہو جاوے اور دفائن کے باہر نکل آنے میں شاید یہ حکمت ہو کہ ان کی محبت رکھنے والے ان کا بیکار ہونا دیکھ لیں۔

وَقَالَ الْإِنْسَانُ مَا لَهَا ج (۳)

اور (اس حالت کو دیکھ کر کافر) آدمی کہے گا کہ اس کو کیا ہوا

یہ خلاف عادت و خلاف گمان زمین کے دفینے کیسے نکلنے لگے وجہ اس کہنے کی یہ ہے کہ قیامت کا اور اس کے واقعات کا پہلے سے منکر تھا اب ان واقعات کو دیکھ کر حیرت کرنے لگا۔

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا لا (۴) بِأَنَّ رَبَّكَ

اس روز زمین اپنی سب (اچھی بری) خبریں بیان کرنے لگے گی اس سبب

أَوْحٰى لَهَا ط (۵)

سے کہ آپ کے رب کا اس کو یہی حکم ہوگا

ترمذی وغیرہ میں اس کی تفسیر میں حدیث مرفوع آئی ہے کہ جس شخص نے روی زمین پر جیسا عمل کیا ہوگا بھلا یا برا زمین سب کہہ دے گی بطور شہادت عند اللہ کے۔

يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ۬

اس روز لوگ مختلف جماعتیں ہو کر (موقف حساب سے) واپس ہوں گے

یعنی وہاں کے حساب سے فارغ ہو کر جو لوٹیں گے تو کچھ جماعتیں جنتی اور کچھ دوزخی قرار پا کر جنت دوزخ کی طرف چلے جاویں گے (آگے ترجمہ)

لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ﴿۶﴾ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ

تا کہ اپنے اعمال (کے ثمرات) کو دیکھ لیں سو جو شخص (دنیا میں ذرہ برابر نیکی

ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ﴿۷﴾

کرے گا وہ (وہاں) اس کو دیکھ لے گا

بشرطیکہ اس وقت وہ خیر اور شر باقی رہی ہو ورنہ اگر کفر سے وہ چیز فنا ہو چکی یا توبہ ایمان سے وہ شر زائل ہو چکا ہو تو وہ اس میں داخل ہی نہیں کیونکہ وہ خیر خیر نہ رہی اور وہ شر شر نہ رہا جب مدار حکم نہ رہا تو حکم بھی ثابت نہ ہوگا۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴿۸﴾

اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا

سورة العٰدیٰت مختلف فیها و ایها احدیٰ عشرة کذافی البیضاوی

ربط منجملہ مہمات شرعیہ کے برے اعمال سے بچنا بھی ہے اس سورت میں ان کی مذمت اور ان پر سزا ہونے کا بیان ہے۔ والعٰدیٰت تا لخبیر

(۱۰۰) سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ مَكِّيَّةٌ (۱۴)

سورۂ عٰدیٰت مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں گیارہ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ﴿۱﴾ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ﴿۲﴾

قسم ہے ان گھوڑوں کی جو ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں پھر (پتھر پر) ٹاپ مار کر

فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ﴿۳﴾ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ﴿۴﴾

آگ جھاڑتے ہیں پھر صبح کے وقت تاخت و تاراج کرتے ہیں پھر اس وقت

فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ﴿۵﴾

غبار اڑاتے ہیں پھر اس وقت (دشمنوں کی) جماعت میں جا گھستے ہیں

مراد اس سے لڑائی کے گھوڑے ہیں جہاد ہو یا غیر جہاد اور عرب چونکہ اہل رزم تھے لہٰذا ان کو ان قسموں سے نہایت مناسبت ہے ہانپنا دوڑنے کے وقت ظاہر ہے اور نعل آہنی پتھریلی زمین پر لگنے سے آگ کا جھڑنا بھی ظاہر ہے اور عرب میں اکثر عادت دشمنوں پر صبح کے ساتھ تاخت کرنے کی تھی تا کہ رات کے وقت جانے میں دشمن کو خبر نہ ہو صبح کو دفعۃً جا پڑیں اور رات کے وقت حملہ نہ کرنے میں اظہار شجاعت سمجھتے تھے اور غبار کا اڑنا ہر چند کہ ہر وقت ہوتا ہے مگر اسکو مقید کرنا صبح کے ساتھ اشارہ ہے شدت دوڑ کی طرف کہ ٹھنڈے وقت گرد و غبار دبا ہوا ہوتا ہے انکے دوڑنے سے اس وقت بھی غبار اڑتا ہے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ﴿۶﴾ وَاِنَّهٗ عَلٰى

بیشک (کافر) آدمی اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے اور اس کو خود بھی اس کی خبر

ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ﴿۷﴾ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ﴿۸﴾

ہے (کبھی اول وہلہ میں کبھی بعد تامل) اور وہ مال کی محبت میں بڑا مضبوط ہے

مال کی محبت گویا اس ناشکری کی علت ہے اور ان قسموں کو مقصود سے یہ مناسبت ہے کہ جنگ و جدال کا سبب ایک فریق کی ناشکری ہوتی ہے خواہ عمداً ہو یا خطاءً آگے اس ناشکری اور محبت مال پر وعید ہے۔

اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ﴿۹﴾ وَحُصِّلَ

کیا اس کو وقت معلوم نہیں کہ جب زندہ کئے جاویں گے جتنے مردے قبروں

مَا فِي الصُّدُوْرِ ﴿۱۰﴾ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ

میں ہیں اور آشکارا ہو جاوے گا جو کچھ دلوں میں ہے بیشک ان کا پروردگار ان

لَّخَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾

کے حال سے اس روز پورا آگاہ ہے

اور مناسب جزا دے گا حاصل یہ کہ اگر اس وقت کی پوری خبر ہوتی جب کہ ناشکری اور محبت مال پر جزا ملے گی تو اپنے قبائح سے باز آ جاتا۔

سورة القارعة مكية و ايها عشرة كذافی البيضاوی

ربط: مہمات شرعیہ میں سے جزا و سزا کا اعتقاد بھی ہے اس سورت میں اسی کا بیان ہے القارعة تانا ر حامية

(۱۰۱) سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ (۳۰)

سورۂ قارعہ مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں گیارہ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

اَلْقَارِعَةُ ﴿۱﴾ مَا الْقَارِعَةُ ﴿۲﴾

وہ کھڑکھڑانے والی چیز کیسی کچھ ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز

مراد قیامت ہے کہ قلوب کو گھبراہٹ سے اور کانوں کو سخت آواز سے کھڑکھڑاوے گی اور اس کا کھڑکھڑانا اس روز ہوگا (آگے ترجمہ)

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ﴿۳﴾ يَوْمَ يَكُوْنُ

اور آپ کو معلوم ہے کیسی کچھ ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز جس روز آدمی

النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ﴿۴﴾

پریشان پروانوں کی طرح ہو جائیں گے

کمزوری اور کثرت سے بے تابی میں یہ تشبیہ دی گئی ہے اور بیتابی اگرچہ بعض کو نہ ہوگی مگر ضعف اور کثرت سب کے لئے عام ہے۔

وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ﴿۵﴾

اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے (وجہ تشبیہ متفرق ہو کر اڑ

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ﴿۶﴾

جانا ہے) پھر (وزن اعمال کے بعد) جس شخص کا پلہ (ایمان کا) بھاری ہوگا

یعنی وہ مومن ہوگا اور پلہ بھاری اور ہلکا ہونیکی تحقیق سورۂ اعراف میں گزر چکی ہے۔

فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنْ

تو وہ خاطر خواہ آرام میں ہوگا (یعنی ناجی ہوگا) اور جس شخص کا پلہ (ایمان کا)

خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ﴿۸﴾ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ﴿۹﴾

ہلکا ہوگا (یعنی وہ کافر ہوگا) تو اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا اور آپ کو کچھ معلوم ہے

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ﴿۱۰﴾ نَارٌ حَامِيَةٌ ﴿۱۱﴾

کہ وہ (ہاویہ) کیا چیز ہے (وہ) ایک دہکتی ہوئی آگ ہے

سورة التكاثر مختلف فيها وآيها ثمان كذافي البيضاوی

ربط: مہمات شرعیہ میں آخرت سے غفلت نہ کرنا بھی ہے اس سورت میں اسی کا بیان ہے۔ الھٰکم التکاثر تا عن النعیم

(۱۰۲) سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ مَكِّيَّةٌ (۱۶)

سورۂ تکاثر مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں آٹھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ﴿۱﴾ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ﴿۲﴾

(دنیاوی ساز و سامان پر) فخر کرنا (جو کہ علامت ہے محبت وطلب کی) تم کو (آخرت سے) غافل کئے رکھتا ہے یہاں تک کہ تم قبرستانوں میں پہنچ جاتے ہو ہرگز نہیں

یعنی مر جاتے ہو کذافی تفسیر ابن کثیر مرفوعاً۔ یعنی یہ چیزیں قابل فخر و توجہ کے نہیں اور آخرت قابل غفلت و انکار کے نہیں۔

كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳﴾ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ

تم کو بہت جلد (قبر میں جاتے ہی یعنی مرتے ہی) معلوم ہو جاوے گا پھر (دوبارہ تم کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ) ہرگز (تمہاری یہ حالت ٹھیک) نہیں بہت

تَعْلَمُوْنَ ﴿۴﴾ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ

جلد معلوم ہو جاوے گا ہرگز نہیں (اور) اگر تم یقینی طور پر (دلائل صحیحہ سے اس

الْيَقِيْنِ ﴿۵﴾

بات کو) جان لیتے

جیسا کہ یہی یقین تم کو بعد مرگ اور بعد حشر حاصل ہوگا تو کبھی اس فخر و غفلت میں نہ پڑتے آگے اس وعید کی تاکید اور تہدید کی تشدید ہے کہ (آگے ترجمہ)

لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ﴿۶﴾ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ

واللہ تم لوگ ضرور دوزخ کو دیکھو گے پھر (مکرر تاکید کے لئے کہا جاتا ہے کہ)

الْيَقِيْنِ ﴿۷﴾

واللہ تم لوگ اس کو ایسا دیکھنا دیکھو گے جو کہ خود یقین ہے

یعنی وہ دیکھنا مشاہدہ سے ہوگا جس پر یقین فوراً مرتب ہو جاتا ہے استدلالی نہ ہوگا جس پر یقین کبھی دیر میں مرتب ہوتا ہے نیز مشاہدہ میں بہ نسبت استدلال اور بداہت عقل کے انکشاف بھی زیادہ ہوتا ہے اس لئے خود دیکھنے ہی کو یقین فرما دیا باوجودیکہ وہ یقین کا سبب ہے۔

ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ﴿۸﴾

پھر (اور بات سنو کہ) اس روز تم سب سے نعمتوں کی پوچھ ہوگی

کہ نعمتوں کا حق ایمان وطاعت بجالائے یا نہیں اور پہلے خطابات

خاص کفار کے ساتھ ہیں اور لتسئلن میں خطاب عام ہے۔

سورة العصر مكية او مدنية و ايها ثلث

ربط: والضحیٰ کی تمہید میں جن مہمات کا ذکر ہوا ہے منجملہ ان کے اپنی عمر کی تضیع سے بچانا اور اس کو اعمال وطاعات میں صرف کرنا ہے اس سورت میں اسی کا بیان ہے۔ والعصر تا بالصبر

(۱۰۳) سُوْرَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ (۱۳)

سورۂ عصر مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی تین آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

وَالْعَصْرِ ﴿۱﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ﴿۲﴾

قسم ہے زمانہ کی (جس میں نفع ونقصان واقع ہوتا ہے) کہ انسان (بوجہ تضیع عمر کے) بڑے خسارہ میں ہے مگر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

(کہ یہ کمال ہے) اور ایک دوسرے کو (اعتقاداً) حق (پر قائم رہنے) کی فہمائش

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿۳﴾

کرتے رہے اور ایک دوسرے کو (اعمال کی) پابندی کی فہمائش کرتے رہے

کہ یہ تکمیل ہے پس یہ لوگ البتہ نفع میں ہیں قسم اور جواب میں مناسبت خود صفت عصر سے ظاہر ہے۔

سورة الهمزة مكية وايها تسع كذافي البيضاوى

ربط: مہمات شرعیہ میں سے اپنے کو عذاب کی خصلتوں سے بچانا بھی ہے اس سورت میں اس کا بیان ہے۔ ويل لكل همزة تا عمد ممده

(۱۰۴) سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ (۳۲)

سورۂ ہمزہ مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی نو آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ﴿۱﴾ الَّذِيْ جَمَعَ

بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کے لئے جو پس پشت عیب نکالنے والا ہو (اور) طعنہ

مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ﴿۲﴾ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ

دینے والا ہو جو (غایت حرص سے) مال جمع کرتا ہو اور (غایت حب وفرح سے)

اَخْلَدَهٗ ﴿۳﴾

اس کو بار بار گنتا ہو وہ خیال کر رہا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس سدا رہے گا

یعنی مال میں اس درجہ منہمک اور مشغول ومستغرق رہتا ہے جیسے وہ شخص رہا کرتا ہے جس کو ہمیشہ زندہ رہنے کا اعتقاد ہو اور ان صفات وافعال پر یہ خاص وعید اس صورت میں ہے کہ ان کا منشا کفر ہو اگرچہ کسی قدر عذاب ہونا مسلمانوں کے لئے بھی صفات مذکورہ پر احادیث وغیرہ میں وارد ہے آگے ہمیشہ رہنے کے گمان پر دھمکی ہے۔

كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ﴿۴﴾ وَمَآ اَدْرٰكَ

ہرگز نہیں رہے گا (پھر آگے اس ویل کی تفسیر ہے کہ) واللہ وہ شخص ایسی آگ میں ڈالا جائے گا جس میں جو کچھ پڑے وہ اس کو توڑ پھوڑ دے اور آپ کو کچھ

مَا الْحُطَمَةُ ﴿۵﴾ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ﴿۶﴾ الَّتِيْ

معلوم ہے کہ وہ توڑ پھوڑنے والی آگ کیسی ہے (وہ) اللہ کی آگ ہے جو

تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ﴿۷﴾

(اللہ کے حکم سے) سلگائی گئی ہے جو (کہ بدن کو لگتے ہی) دلوں تک جا پہنچے گی

چونکہ وہ آگ بدن میں بہت جلد سرایت اور نفوذ کرنے والی ہے اور کافر کو جہنم میں موت آوے گی نہیں اس لئے یہ حالت ہوگی کہ بدن کے ساتھ ہی دل کو جلاوے گی اور اگر دیر میں بھی سرایت کرے تب بھی یہ بات ہے کہ دل تک اس کو پہنچنے کی تکلیف جہنمی کو محسوس ہوگی کیونکہ وہاں موت نہیں ہے بخلاف دنیا کی آگ کے کہ بدن سے دل تک پہنچتے پہنچتے بہت دیر لگتی ہے حتیٰ کہ اس سے پہلے ہی روح نکل جاتی ہے اور دل تک پہنچنے کی تکلیف محسوس ہونے کی نوبت نہیں آتی۔

اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ﴿۸﴾ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴿۹﴾

(اور) وہ (آگ) ان پر بند کر دی جاوے گی (اس طرح کہ وہ لوگ آگ کے) بڑے لمبے لمبے ستونوں میں (گھرے ہوں گے)

یعنی آگ کے اتنے بڑے بڑے شعلے ہوں گے جیسے ستون اور وہ لوگ اس آگ میں مقید ہوں گے۔

سورة الفيل مكية و ايها خمس كذافى البيضاوى

ربط: منجملہ مہمات شرعیہ کے یہ بھی ہے کہ احکام الٰہی کی بے حرمتی کرنے پر عذاب الٰہی سے ڈرتا رہے اس سورت میں بیت اللہ کے ترک احترام کے وبال سے اس پر استدلال کیا گیا ہے۔ قصہ اس واقعہ کا ذکر ابن کثیر وروح میں ملخصاً یہ ہے کہ بادشاہ حبشہ کی طرف سے یمن میں ایک حاکم تھا ابرہہ اس نے ایک کنیسہ بنا رکھا تھا کیونکہ یہ لوگ نصرانی تھے اور اس نے یہ چاہا کہ کعبہ کا حج کرنے والے یہاں آیا کریں اور اس کا اعلان کر دیا عرب کو خصوصاً قریش کو یہ امر بہت ناگوار ہوا اور کسی شخص نے رات کو اس میں جا کر پاخانہ پھر دیا اور مقاتل نے کہا کہ بعض عرب نے وہاں آگ جلائی تھی ہوا سے اس میں آگ جا لگی اور وہ سب جل گیا ابرہہ کو غصہ آیا اور لشکر عظیم لے کر جس میں ہاتھی بھی تھے خانہ کعبہ کو منہدم کرنے چلا جب مُخَمَّس میں پہنچا جو کہ طائف کے راستہ میں ہے تو عبدالمطلب رئیس مکہ کے پاس آدمی بھیجا کہ میں لڑنے نہیں آیا ہوں صرف کعبہ کو منہدم کرنے آیا ہوں اگر کوئی اس کی حمایت کرے گا اس سے البتہ لڑوں گا عبدالمطلب نے جواب دیا کہ یہ گھر میرا نہیں ہے جس کا یہ گھر ہے وہ آپ حفاظت کر لے گا پھر عبدالمطلب اس کے بلائے ہوئے خود بھی اس کے پاس گئے اور یہی گفتگو زبانی ہوئی وہاں سے واپس آ کر وہ سب قریش کو لے کر پہاڑوں میں جا چھپے تا کہ لشکر کے شر سے محفوظ رہیں اور دعا میں مشغول ہوئے ابرہہ وہاں سے مکہ کی طرف چلا جب وادی مُحَسِّر میں جو کہ مزدلفہ کے قریب ہے پہنچا تو سمندر کی طرف سے کچھ سبز اور زرد رنگ کے پرندے کبوتر سے کچھ چھوٹے آئے اور ان کے پنجوں اور چونچوں میں مسور اور چنے کے برابر کنکریاں تھیں جو لشکر پر چھوڑنا شروع کیں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ گولی کی طرح لگتی اور ہلاک کر دیتی تھی بعض تو اس عذاب سے ہلاک ہوئے اور بعضے بھاگ گئے وہ دوسری بڑی بڑی تکلیفیں اٹھا کر مر گئے اور ابرہہ کے بدن کا گوشت اور دل پھٹ گیا وہ راستہ ہی میں مر گیا۔ یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ سے پچاس روز قبل ہوا آپ ربیع الاول میں پیدا ہوئے اور یہ واقعہ محرم کے آخر میں ہوا

الم تر كيف فعل ربك تا كعصف ماكول

(۱۰۵) سُوْرَةُ الْفِيْلِ مَكِّيَّةٌ (۱۹)
سورۂ فیل مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں پانچ آیتیں ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں
اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ
کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ
الْفِيْلِ ۝۱
کیا معاملہ کیا

مقصود استفہام سے اس واقعہ کی عظمت ظاہر کرنا ہے کیونکہ وہ قدرت الٰہیہ پر دلالت کرتا ہے آگے اس معاملہ کا بیان ہے۔

اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝۲
کیا ان کی تدبیر کو (جو کہ ویرانی کعبہ کے بارے میں تھی) سرتاپا
وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝۳ تَرْمِيْهِمْ
غلط نہیں کر دیا اور ان پر غول کے غول پرندے بھیجے جو ان لوگوں پر
بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝۴ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ
کنکر کی پتھریاں پھینکتے تھے سو اللہ تعالیٰ نے ان کو کھائے ہوئے بھوسے کی
مَّاْكُوْلٍ ۝۵
طرح (پامال) کر دیا

حاصل یہ کہ احکام الٰہیہ کی بے حرمتی کرنے والوں کو ایسے عقاب سے دنیا میں ہو یا آخرت میں ہو ڈرنا چاہئے اور اگر بعضے بھاگ جانے والوں پر کنکریوں کا نہ پڑنا ثابت ہو تو یہ مضمون اکثر کے اعتبار سے ہوگا۔

سورة القريش مكية و ايها كذافى البيضاوى ربط: منجملہ مہمات شرعیہ کے نعمت الٰہیہ کے شکریہ میں عبادت بجا لانا ہے اس سورت میں اس کا بیان ہے۔ **بسم الله الرحمن الرحيم لايلف قريش تا من خوف**

(۱۰۶) سُوْرَةُ قُرَيْشٍ مَّكِّيَّةٌ (۲۹)
سورۂ قریش مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں چار آیتیں ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں
لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۝۱ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ
چونکہ قریش خوگر ہو گئے ہیں یعنی جاڑے اور گرمی کے سفر کے
وَالصَّيْفِ ۝۲ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝۳
خوگر ہو گئے ہیں تو (اس نعمت کے شکریہ میں) ان کو چاہئے
الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ
کہ اس خانہ کعبہ کے مالک کی عبادت کریں جس نے ان کو بھوک میں کھانے

خَوْفٍ ﴿۴﴾

کو دیا اور خوف سے ان کو امن دیا

حاصل یہ کہ مکہ میں غلہ وغیرہ پیدا نہیں ہوتا اس لئے قریش کی عادت تھی کہ سال بھر میں تجارت کے لئے دو سفر کرتے جاڑوں میں یمن کی طرف کہ وہ ملک گرم ہے اور گرمی میں شام کی طرف کہ وہ ملک سرد ہے اور لوگ ان کو اہل حرم اور خادم بیت اللہ سمجھ کر ان کی عزت کرتے اور ان کے مال و جان سے کوئی تعرض نہ کرتا اور خاطر خواہ ان کو نفع ہوتا کہ گھر بیٹھ کر کھاتے اور کھلاتے اس سورت میں اس واقعہ کا ذکر ہے۔

سورة الماعون مختلف فیھا وایھا سبع کذافی البیضاوی

ربط: منجملہ مہمات شرعیہ کے کفر ونفاق سے بچنا ہے اس سورت میں اس کا بیان ہے۔ **ارأیت الذی تا الماعون**

(۱۰۷) سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ مَكِّيَّةٌ (۱۷)

سورۂ ماعون مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں سات آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ﴿۱﴾ فَذٰلِكَ

کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا ہے جو روز جزا کو جھٹلاتا ہے سو (اگر آپ

الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ﴿۲﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ

اس شخص کا حال سننا چاہیں تو سنیے کہ) وہ وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے

الْمِسْكِيْنِ ﴿۳﴾

اور محتاج کو کھانا دینے کی (دوسروں کو بھی) ترغیب نہیں دیتا

یعنی وہ ایسا سنگدل ہے کہ نہ خود احسان کرے اور نہ دوسرے کو احسان پر آمادہ کرے جب بندہ کا حق ضائع کرنا ایسا برا ہے تو خالق کے حق کو ضائع کرنا اور زیادہ برا ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ﴿۴﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ

سو (اس سے ثابت ہوا کہ) ایسے نمازیوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو اپنی

سَاهُوْنَ ﴿۵﴾ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ﴿۶﴾ وَيَمْنَعُوْنَ

نماز کو بھلا بیٹھتے ہیں (یعنی ترک کر دیتے ہیں) جو ایسے ہیں کہ (جب نماز

الْمَاعُوْنَ ﴿۷﴾

پڑھتے ہیں تو) ریا کاری کرتے ہیں اور زکوٰۃ بالکل نہیں دیتے

کیونکہ اس میں ظاہر کرنے کا حکم نہیں اس لئے اس کو بالکل ہی ترک کر دیتے ہیں بخلاف نماز کے کہ اس میں ظاہر کرنے کا حکم ہے اس لئے گاہ گاہ ظاہر کرنے کے لئے پڑھ بھی لیتے ہیں اور جب نگاہ بچی چھوڑ دیتے ہیں ف یہاں ان افعال کی مذمت ہے جن کا منشا دین کی تکذیب ہو خواہ کفر سے خواہ انفاق سے اور اگر بلا تکذیب ہو تو اگرچہ اس وقت بھی ان افعال کا ارتکاب مذموم ہے مگر اس سے دوسرے درجہ میں ہے اور یہاں حقوق اللہ سے حقوق العباد کو اس لئے مقدم کیا کہ وہ زیادہ لازم ہیں کیونکہ بندہ محتاج ہے وہ اپنے حق کو نہ چھوڑے گا ورنہ ظاہر ہے کہ حقوق اللہ کا مرتبہ بڑا ہے اور حقوق العباد بھی اللہ ہی کے حقوق ہیں کہ اسی کے حکم سے مقرر ہوئے ہیں۔

سورة الکوثر مکیة و ایھا ثلث کذافی البیضاوی

ربط: مہمات شرعیہ میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقیدت و محبت اور آپ کے مخالف کے ساتھ بغض وعداوت رکھنا بھی ہے اس سورت کے اول و آخر کی آیتوں میں اس کے اسباب کا بیان ہے اور درمیان کی آیت میں حضورؐ کو نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا حکم ہوا ہے سبب نزول اس سورت کا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سب سے بڑے بیٹے حضرت قاسم تھے ان کا مکہ میں انتقال ہو گیا تو عاص بن وائل سہمی نے اور اس کے ساتھ دوسرے مشرکین نے یہ کہا کہ آپ کی نسل منقطع ہو گئی پس آپ نعوذ باللہ بے نام ونشان ہیں مطلب یہ تھا کہ ان کے دین کا چرچا چند روزہ ہے پھر یہ سب قصہ پاک ہو جاوے گا اس پر آپ کی تسلی کے لئے یہ سورۃ نازل ہوئی کذافی الدر **انااعطینک الکوثر تا الابتر**

(۱۰۸) سُوْرَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ (۱۵)

سورۂ کوثر مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں تین آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ﴿۱﴾

بیشک ہم نے آپ کو کوثر (ایک حوض کا نام ہے اور ہر خیر کثیر بھی اس میں داخل ہے) عطا فرمائی ہے

یہ ایک حوض کا نام بھی ہے اور ہر خیر کثیر بھی اس میں داخل ہے صحاح میں یہ دونوں تفسیریں اور ایک تفسیر کا دوسری تفسیر میں داخل ہونا آیا ہے اور بعض حدیثوں سے اس نہر کا جنت میں ہونا اور بعض سے میدان حشر میں ہونا معلوم

ہوتا ہے دونوں میں یہ تطبیق ہوسکتی ہے کہ اصل نہر جنت میں ہے اور اس کی ایک شاخ میدان حشر میں باذن الٰہی آ جاوے گی دونوں کو کوثر کہہ دیا گیا حاصل یہ کہ ہم نے آپ کو دنیا کی خیر بھی دی ہے کہ آپ کا دین باقی رہے گا اسلام کو ترقی ہوگی اور آخرت کی خیر بھی دی ہے کہ بلند مراتب اور درجات عالیہ ملیں گے پھر اگر ایک بیٹا فوت ہوگیا اور اس پر مخالفین خوشیاں مناتے ہیں اس سے غم نہ کیجئے۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝٢ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۝٣

سو (ان نعمتوں کے شکریہ میں) آپ اپنے پروردگار کی نماز پڑھیے اور قربانی کیجئے بالیقین آپ کا دشمن ہی بے نام ونشان ہے

نماز عبادات بدنیہ میں سب سے زیادہ عبادت ہے اور قربانی عبادت مالیہ ہے جیسا کہ جابجا قرآن میں نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر ہوا ہے کہ وہ بھی عبادت مالیہ ہے نیز ان عبادات میں مشرکین کی مخالفت بھی ہے کہ وہ غیر خدا کو سجدہ کرتے اور بتوں کے نام کی قربانی کرتے تھے

خواہ ظاہری نسل اس دشمن کی چلے یا نہ چلے لیکن دنیا میں اس کا ذکر خیر باقی نہیں رہے گا بخلاف آپ کے کہ قیامت تک آپ کی امت آپ کا دین اور آپ کی یاد نیک نامی اور محبت واعتقاد کے ساتھ باقی رہے گی پس اگر پسری اولاد کی نسل نہ ہو نہ سہی نسل سے جو مقصود ہے وہ آپ کو حاصل ہے حتیٰ کہ دنیا سے گزر کر آخرت میں بھی نیک نامی ہوگی اور دشمن اس سے محروم ہے۔

سورة الكفرون مكية و ايهاثلث كذافى البيضاوى

ربط: منجملہ مہمات شرعیہ کے مسئلہ توحید اور شرک سے بیزاری ظاہر کرنا بھی ہے اس سورت میں اس کا بیان ہے سبب نزول اس سورت کا یہ ہے کہ ایک بار چند رؤساء کفار نے آپ سے عرض کیا کہ آئیے ہمارے معبودوں کی آپ عبادت کیا کیجئے اور آپ کے معبود کی ہم عبادت کیا کریں جس میں ہم اور آپ طریق دین میں شریک رہیں جونسا طریقہ ٹھیک ہوگا اس سے سب کو کچھ کچھ حصہ مل جاوے گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی کذافی الدر

(۱۰۹) سُورَةُ الْكٰفِرُونَ مَكِّيَّةٌ (۱۸)

سورہ کافرون مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں چھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝١ لَاۤ اَعْبُدُ

آپ (ان کافروں سے کہہ دیجئے کہ اے کافرو (میرا اور تمہارا طریقہ متحد نہیں ہو

مَا تَعْبُدُوْنَ ۝٢ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ

سکتا اور) نہ (تو فی الحال) میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا ہوں اور نہ تم

مَاۤ اَعْبُدُ ۝٣ وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝٤

میرے معبود کی پرستش کرتے ہو اور نہ (آئندہ استقبال میں) میں تمہارے

وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۝٥

معبودوں کی پرستش کروں گا اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرو گے

مطلب احقر کے نزدیک یہ ہے کہ میں موحد ہو کر شرک نہیں کرسکتا نہ اب آئندہ اور تم مشرک رہ کر موحد نہیں قرار دیئے جاسکتے نہ اب نہ آئندہ یعنی توحید وشرک جمع نہیں ہوسکتے آگے توحید وشرک کا انجام ارشاد ہے (آگے ترجمہ)

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝٦

تم کو تمہارا بدلہ ملے گا اور مجھ کو میرا بدلہ ملے گا

اس میں ان کے شرک پر وعید بھی سنادی پس سورت مشتمل ہے اظہار خلاف اور وعید پر۔

سورة النصر مدنية و ايها ثلث كذافى البيضاوى

ربط: مہمات شرعیہ میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نعمتوں کا شکر کیا جائے بالخصوص فیض کامل ہو جانے کی نعمت کا اس سورت میں اس کا بیان ہے۔ جس کا خطاب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا ہے اور اس کے ضمن میں آپ کی نبوت کو بھی ثابت کیا گیا ہے۔ اذاجاء تا توابا

(۱۱۰) سُوْرَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ (۱۱۴)

سورہ نصر مدینہ میں نازل ہوئی اور اس میں تین آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝١

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جب خدا کی مدد (اور مکہ کی) فتح (مع اپنے آثار کے) آپہنچے

اور ان پر جو آثار متفرع ہونیوالے ہیں وہ ظاہر ہو جائیں جن کا آگے بیان ہے۔

وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ

(یعنی واقع ہوجائے) اور آثار جو اس پر متفرع ہونے والے ہیں یہ ہیں کہ)

اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝٢

آپ لوگوں کو اللہ کے دین (یعنی اسلام) میں جوق جوق داخل ہوتا دیکھ لیں تو

اس وقت سمجھ لیجئے کہ مقصود دنیا میں رہنے کا اور بعثت کا کہ تکمیل دین ہے ختم ہوا

اوراس وجہ سے سفرآخرت کاقریب ہے پس اس کے لئے تیاری کیجئے اور (آگے ترجمہ)

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ

اپنے رب کی تسبیح وتحمید کیجئے اوراس سے استغفار کی درخواست کیجئے

یعنی ایسے امور سے جوخلاف اولیٰ واقع ہوگئے ہیں جن کی تحقیق سورۂ محمد میں گزر چکی ہے۔

اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۧ ۳

وہ بڑاتوبہ قبول کرنے والا ہے

احادیث کثیرہ میں اس سورت کی تفسیر آئی ہے کہ اس میں قرب وفات کی خبر ہے اورلوگوں کو جوق درجوق اسلام میں داخل ہونے کو فتح مکہ کے آثار میں سے اس لئے کہا گیا کہ عام اہل عرب فتح مکہ کے منتظر تھے اوراب تک ایک ایک دودو مسلمان ہوتے تھے فتح مکہ کے بعد قبائل کے قبائل اسلام میں داخل ہونے لگے اور روح میں سند کے ساتھ قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ اس سورت کے نزول کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف دوسال بعد واقع ہوئی اور صحاح میں مذکور ہے کہ آپ آخر عمر میں تسبیح وتحمید واستغفار کے کلمات کی کثرت فرماتے تھے۔

(۱۱۱) سُوْرَةُ اللَّهَبِ مَكِّيَّةٌ (۶)

سورۂ لہب مکہ میں نازل ہوئی اوراس میں پانچ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ؕ ۱

ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اوروہ برباد ہوجائے

چنانچہ واقعہ بدر کے سات روز بعد اس کے طاعون کا دانہ جس کو عدسہ کہتے ہیں نکلا اورمرض لگ جانے کے خوف سے گھر والوں نے اس کو الگ ڈال دیا مرگیا اورتین روز تک لاش پڑی رہی جب سڑنے لگی تو مزدوروں سے اٹھوا کرایک گڑھے میں دھکیل دیا گیا اوپر سے پتھر بھردیئے گئے۔

مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ؕ ۲

نہ اس کا مال اسکے کام آیا اور نہ اس کی کمائی

مال سے مراد سرمایہ ہے اورکمائی سے مراداس سرمایہ کانفع۔

سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۚ ۳ وَّامْرَاَتُهٗ ؕ

(مال سے مرادسرمایہ اورکسب سے مراداس کانفع اورآخرت میں) وہ عنقریب (مرنے کے متصل) ایک شعلہ زن آگ میں داخل ہوگا وہ بھی

حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۚ ۴

اوراس کی بیوی بھی جولکڑیاں لادکرلاتی ہے

مرادخاردارلکڑیاں ہیں جوحضور کے راستہ میں بچھایا کرتی تھی۔

فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۧ ۵

(مرادخاردارلکڑیاں ہیں جن کاشان نزول میں ذکر ہےاوردوزخ میں پہنچ کر) اس کے گلے میں ایک رسی ہوگی خوب بٹی ہوئی

مراددوزخ کی زنجیراورطوق ہیں۔

(۱۱۲) سُوْرَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ (۲۲)

سورۂ اخلاص مکہ میں نازل ہوئی اوراس میں چارآیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ ۱

آپ (ان لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ وہ یعنی اللہ (اپنے کمال ذات وصفات میں) ایک ہے

یعنی ذات وصفات کے کمال میں مکمل ہے۔

اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ ۲ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ ۳

اللہ (ایسا) بے نیاز ہے (کہ وہ کسی کا محتاج نہیں اوراس کے سب محتاج ہیں)

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۧ ۴

اس کے اولاد نہیں اورنہ وہ کسی کی اولاد ہےاورنہ کوئی اس کے برابر کا ہے

اللہ احد میں ہرقسم کے منکرین توحید کاابطال ہےاورشرک فی الاستمداد کا اللہ الصمد سے رد کردیا گیااورخدا کے اولاد ہونے کو لم یلد سے اوربعض انسان اورجنات کی نسبت دعویٰ خدائی کو لم یولد ہےاورخدا کی ہمسری کو (جیسا کہ مجوس شیطان کو خالق شر مانتے ہیں) لم یکن لہ کفوا احد سے باطل کیا گیا۔

(۱۱۳) سُوْرَةُ الْفَلَقِ مَكِّيَّةٌ (۲۰)

سورۂ فلق مدینہ میں نازل ہوئی اوراس میں پانچ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ① مِنْ شَرِّ

آپ (اپنے استعاذہ کے لئے) کہیے کہ میں صبح کے مالک کی پناہ لیتا ہوں تمام مخلوقات

مَا خَلَقَ ② وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ③

کے شر سے اور (بالخصوص) اندھیری رات کے شر سے جب وہ رات آ جاوے

اور شب میں شرور کا احتمال ظاہر ہے اور شاید اس کی تخصیص کی یہ بھی وجہ ہو کہ سحر کی ترکیب و ترتیب اکثر رات کو کی جاتی ہے اور شان نزول ان دونوں سورتوں کا یہ ہے کہ حضورؐ پر لبید یہودی اور اس کی بیٹی نے سحر کیا تھا جس سے آپ کو مرض کی سی حالت عارض ہو گئی آپ نے دعا کی تو یہ سورتیں نازل ہوئیں اور سحر باطل ہو گیا۔

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ④

(اور شب میں شرور کا احتمال ظاہر ہے) اور (بالخصوص) گنڈے کی گرہوں پر پڑھ پڑھ کر پھونکنے والیوں کے شر سے

گنڈہ پر دم کرنے والی عورتوں کی مناسبت اس جگہ ظاہر ہے کیونکہ یہ سحر اسی طرح ہوا تھا خواہ مرد نے کیا ہو یا عورت نے۔

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ⑤

اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے

حسد اس سحر کا اصل منشا تھا پس سحر کے متعلق سب چیزوں سے پناہ مانگی گئی اور بقیہ شرور کی تکمیل کے لئے من شر ما خلق فرما دیا اور شاید صبح کی تخصیص رات کے مقابلہ میں کی گئی ہو اور اس طرف اشارہ ہو کہ جس طرح حق تعالیٰ رات کو صبح کے ذریعہ سے زائل کر دیتے ہیں اسی طرح رات کے اثر یعنی سحر کو بھی زائل کر سکتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ سورة الناس و فيها مامر في الفلق قل اعوذ برب الناس تا من الجنة والناس

(۱۱۴) سُوْرَةُ النَّاسِ مَكِّيَّةٌ (۲۱)

سورۂ ناس مدینہ میں نازل ہوئی اور اس میں چھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ① مَلِكِ

آپ کہیے (جس طرح کہ فلق میں گزرا) کہ میں آدمیوں کے

النَّاسِ ② اِلٰهِ النَّاسِ ③ مِنْ شَرِّ

مالک آدمیوں کے بادشاہ آدمیوں کے معبود کی پناہ لیتا ہوں وسوسہ ڈالنے

الْوَسْوَاسِ ۵ الْخَنَّاسِ ④

پیچھے ہٹ جانے والے (شیطان) کے شر سے

پیچھے ہٹنے کا مطلب یہ کہ حدیث میں ہے کہ اللہ کا نام لینے سے وہ ہٹ جاتا ہے اور یہ امر شیطان جن میں تو ظاہر ہے اور شیطان الانس میں حسب تقریر کبیر اس طرح سے ہے کہ موسوس اپنے کو ناصح مشفق کی صورت میں ظاہر کرتا ہے لیکن اگر اس کو زجر کر دیا جائے تو پھر وسوسہ سے باز آ جاتا ہے اور اگر قبول کر لیا جائے تو اور مبالغہ کرتا ہے آگے وسواس کی تقریر کے لئے صفت ہے یعنی (آگے ترجمہ دیکھو)

الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ⑤

جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے خواہ

مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ⑥

وہ (وسوسہ ڈالنے والا) جن ہو یا آدمی ہو

یعنی شیاطین الانس سے بھی پناہ مانگتا ہوں اور شیاطین الجن سے بھی اور وسوسہ سے مراد وہ وسوسہ ہے جو گناہ کی طرف مفضی ہو جاوے۔ اور اس کا دینی مضرت ہونا ظاہر ہے اور ایک عجیب لطیفہ اس سورت میں جس سے قرآن کا حسن آغاز و انجام بھی ظاہر ہوتا ہے یہ ہے کہ اس کے مضامین اور سورہ فاتحہ کے مضامین بہت ہی قریب قریب ہیں کہ دونوں گویا ایک ہی ہیں چنانچہ رب الناس کے مناسب وہاں رب العلمين ہے اور ملک الناس کے مناسب مالک يوم الدين ہے اور اله الناس کی مناسب اياک اللہ کی طرف ضمیر منصوب ہے اور پناہ مانگنے کے مناسب اياک نستعين ہے اور الوسواس الخناس کے مناسب اهدنا الصراط الخ ہے ۱۲

الحمد للہ تیسویں پارہ کی تفسیر ختم ہوئی

فاللهم بحرمة فاتحة القران و خاتمته اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين واعذنا من جميع الشرور والفتن ماظهر منها ومابطن واجعل فاتحتنا و خاتمتنا مقرونة بكل خير و مصونة عن كل ضير وقدتمت والحمد لله خلاصة تفسير بيان القران قبيل العشاء ليلة الجمعة ليلة الثاني و العشرين من ذى القعدة الحرام سنه ۱۳۳۹ھ اللهم ما اصبح بنا من نعمة او باحد من خلقك فمنك وحدك لا شريك لك فلك الحمد ولك الشكر فاقول شاكراً النعمته راجيا لرحمته عائذامن نقمته.